پہلی مرتبہ
تشکیلِ جدید اور اضافۂ عنوانات کے ساتھ

تفسیرِ عثمانی

جلد اوّل

ترجمہ: شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن رحمۃ اللہ علیہ
تفسیر: شیخ الاسلام حضرت مولانا شبّیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ

اضافۂ عنوانات وتشکیلِ جدید } جناب محمدؐ ولی رازی صاحب
ولد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ

دار الاشاعت
اردو بازار کراچی ۱، فون ۲۶۳۱۸۶۱

طبع ۲۰۰۰ء
باہتمام: خلیل اشرف عثمانی
طباعت: شکیل پرنٹنگ پریس
ناشر: دارالاشاعت کراچی ۱
ضخامت: ۱۷۲۰ صفحات

ملنے کے پتے:
بیت القرآن اردو بازار کراچی ۱
ادارۃ القرآن گارڈن ایسٹ بسیلہ کراچی ۵
ادارۃ المعارف کورنگی کراچی ۱۴
مکتبہ دارالعلوم دارالعلوم کورنگی کراچی ۱۴
ادارۂ اسلامیات ۱۹۰۔ انارکلی۔ لاہور

عرض ناشر

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

اللہ تعالیٰ کا جتنا بھی شکر کیا جائے وہ کم ہے کہ اس نے دارالاشاعت کو یہ سعادت عطا فرمائی کہ وہ مشہور زمانہ تفسیر عثمانی کو ان جدید سہولتوں کے ساتھ آپکی خدمت میں پیش کر سکے جو اس اشاعت کی خصوصیت ہیں۔ یعنی جدید ترتیب اور تفسیری عنوانات کے اضافے کے ساتھ۔

تفسیر کے قارئین کو علم ہے کہ اس سے پہلے تفسیر عثمانی کے مطالعہ میں قارئین کو کئی طرح کی دشواریاں پیش آتی تھیں مثلاً۔

(۱) ابتک یہ تفسیر قرآن کریم کے حاشیے پر شائع ہوتی رہی ہے۔ حاشیوں کی تحریر سے عام استفادہ کتنا مشکل ہوتا ہے۔ یہ قارئین خوب جانتے ہیں۔ اس وجہ سے اس تفسیر کی افادیت صرف اساتذہ اور طلبا تک محدود ہو کر رہ گئی تھی۔

(۲)۔ حاشیہ پر ناکافی جگہ ہونے کی وجہ سے آیات کی تفسیر اکثر اگلے صفحات پر ہوتی تھی۔ اس لیے ایک آیت کی تفسیر پڑھنے کے لیے اگلے صفحات کو پلٹنا الجھن کا باعث ہوتا تھا۔

(۳)۔ کسی خاص حکم کی تلاش میں سخت دشواری پیش آتی تھی۔ کیونکہ ہر صفحہ کے فوائد کے نمبر الگ الگ تھے۔ اب اگر آیت قرآن کے ایک صفحہ پر ہے تو اس کی تفسیر اگلے کسی صفحہ پر تلاش کرنی پڑتی تھی۔ اس لیے علماء اور مصنّفین اگر کسی آیت یا تفسیر کا حوالہ دیتے تو اس کی طرف مراجعت کرنا دشوار ہوتا تھا۔

اسی قبیل کی اور بہت سی الجھنوں کے باعث عام قارئین کے لیے اس کا مطالعہ دشوار ہوتا تھا اور وہ اس مختصر مگر عظیم تفسیر سے پورا استفادہ نہیں کر پاتے تھے۔ اس کی ضرورت محسوس کی جا رہی تھی کہ اس تفسیر کو زمانے کے تقاضوں کے مطابق جدید اور سہل ترتیب کے ساتھ شائع کیا جائے۔

تقریباً دس بارہ سال پہلے میرے والد ماجد جناب محمد رضی عثمانی صاحبؒ نے یہ خواہش ظاہر کی کہ اگر کوئی اہل علم یہ کام کر دے کہ تمام تفسیری فوائد پر عنوانات قائم کر کے ان پر نمبر ڈال دے تو وقت کی بڑی ضرورت پوری ہو جائے گی۔ ان کا خیال تھا کہ اسے حاشیے پر چھاپنے کی بجائے متن کے نیچے صفحات پر عام تفسیروں کے انداز میں شائع کیا جائے۔ اس وقت وہ اپنی مصروفیات کے سبب اس کام کو پورا نہ کرا سکے۔ اور وقت گزرتا گیا۔

تقریباً ۴ سال قبل شعبان ۱۴۰۹ھ میں احقر کے عمِ مکرم جناب مولانا محمد ولی رازیؔ[۱] صاحب کسی کام سے

---

[۱] جناب محمد ولی رازی صاحب مدظلہم کتاب ہادیٔ عالم صلی اللہ علیہ وسلم پہلی غیر منقوط سیرت طیبہ کے مصنف اور مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحؒ کے تیسرے صاحبزادے ہیں۔ آپ کا نام پاکستان کے علمی حلقوں میں ایک متعارف نام ہے۔ گزشتہ ۳۶ برس سے درس و تدریس سے ہی وابستہ ہیں۔ اس کے علاوہ علمی کاموں میں آپ آج کل تفسیر معارف القرآن کا انگریزی ترجمہ کر رہے ہیں اور تردید عیسائیت میں مشہور کتاب اظہار الحق ۳ جلد کا بھی انگریزی میں ترجمہ کر چکے ہیں۔ اس کے علاوہ بھی آپ کی کئی مستقل تصانیف ہیں۔

دارالاشاعت تشریف لائے تو دورانِ گفتگو احقر نے والد صاحب رح کی اس خواہش کا ذکر کیا اور درخواست کی کہ اگر آنجناب اس کام کو کرنے کی کوشش فرمائیں تو یہ بڑی خدمت ہوگی۔ میں ممنون ہوں کہ انہوں نے احقر کی درخواست پر اس علمی ضرورت اور والد صاحب رح کی خواہش پر غور فرمایا۔ اور اپنے چھوٹے بھائی اور میرے عمِّ محترم جناب مولانا جسٹس محمد تقی عثمانی مدظلہم سے مشورے کے بعد الحمدللہ اس کام کا ارادہ فرمایا۔ اور رمضان المبارک کے پہلے ہفتے میں اس کام کا آغاز فرمایا۔

اس تفسیر کی برکت اور عمِّ محترم کی ہمّت سے یہ دیکھنے میں آیا کہ بلا مبالغہ دن اور رات صرف سونے اور نمازوں کے اوقات کے علاوہ پورے رمضان المبارک اور پھر شوال کے آخر تک انہوں نے اس خدمت کو انجام دیا۔

اس طرح یہ اہم خدمت انجام دینے کی توفیق الحمدللہ دارالاشاعت کے حصّہ میں آئی اس پر ہم جتنا بھی شکر ادا کریں کم ہے۔ جدید ترتیب میں جو اضافی کام کیے گئے وہ درج ذیل ہیں۔

۱۔ تفسیری فوائد پر تقریباً چار ہزار عنوانات قائم کیے گئے جن کی زبان آسان اور عام فہم رکھی گئی ہے۔

۲۔ اب اس کی ترتیب نہایت آسان یعنی اس طرح ہوگئی کہ قرآن کریم کا متن اور اس کے نیچے ترجمہ آگیا اور پھر اس متن کی تفسیر آگئی۔ اس ترتیب کی وجہ سے اس کا مطالعہ آسان ہوگیا۔

۳۔ ہر سورت کے تفسیری فوائد پر عنوانات کے نمبر سلسلہ وار ڈال دیئے گئے تاکہ حوالہ دینا اور تلاش کرنا آسان ہوسکے۔

۴۔ عنوانات کی بڑی مفصّل فہرست بنائی گئی جس سے ایک نظر میں اپنے مطلوبہ موضوع سے متعلق قرآنی آیت کی تفسیر کی تلاش آسان ہوگئی۔

۵۔ جدید کتابت میں قلم جلی اور الفاظ کھلے کھلے رکھنے کا اہتمام کیا اور چار ہزار عنوانات کا اضافہ بھی جس کی وجہ سے اس کے صفحات بہت بڑھ گئے اور اب اس کی دو جلدیں ہوگئیں۔ ہر جلد کے صفحات تقریباً ۸۵۰ ہیں۔

۶۔ ان تمام مرحلوں سے گزرنے کے بعد سب سے اہم مسئلہ تصحیح کا تھا۔ جس کا ہم نے اپنی جانب سے بہت محنت اور بڑی رقم خرچ کرکے تصحیح کا اہتمام کیا اور تین مرتبہ کی تصحیح کے بعد اسے شائع کرنے کی ہمّت کی لیکن انسانی کام میں کوئی غلطی رہ جانا بعید بھی نہیں ہے اس لیے درخواست ہے کہ کوئی غلطی علم میں آئے تو ادارہ کو مطلع فرمادیں تاکہ نئی اشاعت میں اسے دور کرلیا جائے۔

امید ہے کہ اہلِ علم حضرات ہماری اس کوشش کی پذیرائی کریں گے۔ دورانِ مطالعہ یا جب یاد آئے درخواست ہے کہ دعاؤں میں یاد فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ ہماری اس کوشش کو اپنی بارگاہ میں قبولیت عطا فرمائیں۔ نیز والد صاحب مرحوم اور احقر کے علاوہ جن جن حضرات کا اس میں حصّہ ہے ان کے لیے صدقۂ جاریہ بنائیں۔ آمین

ناکارہ
خلیل اشرف
مدیر دارالاشاعت کراچی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ
اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیۡنَ اصۡطَفٰی

پیش لفظ

مفتی جسٹس محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

قرآن پاک کی اُردو تفاسیر میں "تفسیرِ عثمانی" کو جو امتیاز حاصل ہے۔ وہ اہلِ نظر اور اہلِ دانش سے مخفی نہیں ہے۔ نہ اس کو کسی مفصّل تعارف کی ضرورت ہے اس تفسیر کا ابتدائی حصّہ ( ) شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن صاحب قدس سرہٗ کی تالیف ہے۔ اور باقی حصّہ ان کے شاگرد رشید شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی قدس سرہٗ نے تحریر فرمایا ہے۔ یہ تفسیر ہندوستان اور پاکستان میں بارہا شائع ہو کر افادۂ خاص و عام کا باعث بنی ہے۔ لیکن اب تک یہ کتاب ہمیشہ قرآن کریم کے حواشی کے طور پر شائع ہوتی رہی ہے۔

میرے برادرِ بزرگ جناب محمد رضی صاحب عثمانی (رحمۃ اللہ تعالیٰ) مالک دارالاشاعت کراچی کی عرصے سے خواہش یہ تھی کہ یہ تفسیر حواشی کے انداز کے بجائے ایک مستقل کتابِ تفسیر کے طور پر شائع ہو۔ چنانچہ انہوں نے اپنی حیات ہی میں اس ارادے کی تکمیل کے لیے میرے بڑے بھائی جناب محمد ولی رازی صاحب سے فرمائش کی کہ وہ اس پر عنوانات کا اضافہ فرمائیں تاکہ اس سے استفادہ آسان ہو، چنانچہ برادر موصوف مدظلہم نے پوری تفسیر پر تقریباً چار ہزار عنوانات قائم کیے۔ تفسیر کی مفصّل فہرست بنائی اور اسے حسنِ ترتیب کے ساتھ مرتّب فرمایا۔

افسوس ہے کہ برادرِ مرحوم جناب محمد رضی صاحب عثمانی (رحمۃ اللہ تعالیٰ) اپنی حیات میں اس کتاب کو مطبوعہ شکل میں نہ دیکھ سکے، اور اس کی کتابت کی تکمیل سے پہلے ہی وہ اپنے مالک حقیقی سے جاملے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔
لیکن مرحوم کے صاحبزادے عزیزم محمد خلیل اشرف صاحب سلمہٗ نے اس کام کو مرحوم کی خواہش اور مزاج کے مطابق جاری رکھا۔ اور اب یہ تفسیر ہدیۂ ناظرین کی جارہی ہے۔

امید ہے کہ نئے عنوانات، ترتیب و ترقیم اور نئے اندازِ طباعت کے ساتھ یہ عظیم تفسیر انشاءاللہ قرآنی علوم کے طلبہ اور عام قارئین کے لیے ایک بہترین تحفہ ثابت ہوگی۔ اللہ تعالیٰ اس کام کے محرّک، مرتّب اور ناشر کو جزائے خیر عطا فرمائیں۔ اس خدمت کو اپنی بارگاہ میں شرفِ قبولیت عطا فرمائیں اور اس کا نفع عام اور تام فرمائیں۔ آمین۔ والسلام

احقر
محمد تقی عثمانی
دارالعلوم کراچی ۱۴

۲۱ ربیع الاوّل ۱۴۱۱ھ

تفسیر عثمانی کے ترکیبی عناصر

از: محمد ولی رازی

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی

تفسیر عثمانی پچھلے ساٹھ برسوں سے برِ صغیر کی اردو تفاسیر میں ایک نہایت مقبول اور انتہائی معتبر نام رہا ہے۔ اس غیر معمولی مقبولیت کی وجہ اس تفسیر کی وہ بعض خصوصیات تو ہیں ہی جو دوسری تفاسیر میں مفقود ہیں اور جن کا مختصر ذکر ان سطور میں ان شاء اللہ آگے آئے گا لیکن میرے خیال میں اس کی اصل وجہ ان تین اکابر کا علم و فضل، اخلاص و للّٰہیت اور کمال احتیاط و ادب کے ساتھ قرآن کریم کی خدمت کی دُھن ہے جو اصل میں تفسیر عثمانی کے اجزائے ترکیبی ہیں۔ یہ تین بڑے نام حضرت شاہ عبدالقادر دہلوی۔ حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب اور شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہم کے ہیں۔ تفسیر عثمانی کی افادیت، خصوصیات اور اہمیت کا اندازہ کرنے کے لیے اس کا تاریخی پس منظر جاننا ضروری ہے۔ اس پس منظر میں قارئین کے لیے اس تفسیر کے اصل مقام کو متعین کرنے میں سہولت ہوگی۔

موضح القرآن

:- حضرت شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ کا اُردو ترجمہ "موضح القرآن" اپنی غیر معمولی خصوصیات کی وجہ سے برِ صغیر کے مسلمانوں میں "الہامی ترجمہ" کے نام سے مشہور رہا ہے۔ اور حقیقت میں یہ قرآن کریم کا واحد ترجمہ ہے جو اردو میں بلا با محاورہ ترجمہ ہونے کے ساتھ ساتھ قرآنی الفاظ کی ترتیب اور اس کے معانی و مفہوم سے حیرت انگیز طور پر قریب ہے۔ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس ترجمہ کی تکمیل میں تقریباً چالیس سال جو محنتِ شاقّہ اٹھائی ہے وہ اہل علم سے پوشیدہ نہیں ہے۔ قرآنِ کریم کا یہ ترجمہ اردو زبان کا ایک قیمتی سرمایہ ہے جس کی حفاظت ہندو پاک کے مسلمانوں کے لیے ایک دینی فریضہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے اس ترجمہ کی متعدد خوبیوں کا تذکرہ کرنے کے بعد تحریر فرمایا ہے۔

> "حضرت ممدوح علیہ الرحمۃ کا ترجمہ جیسے استعمالِ محاورات میں بے نظیر سمجھا جاتا ہے
> ویسے ہی باوجود پابندیٔ محاورہ، قلّتِ تغیرّ اور خفّتِ تبدّل میں بھی بے مثل ہے۔"
> (مقدمہ ترجمہ شیخ الہند۔ دارالتصنیف۔ کراچی)

چودھویں صدی کے آغاز تک اُردو میں قرآن کریم کے متعدد ترجمے شائع ہو چکے تھے۔ ان میں بعض ترجمے بامحاورہ اور مروج زبان میں اہل علم و اہلِ ذہانت حضرات کے تھے۔ اور اس کے مقابلے میں بعض تراجم ایسے بھی آئے جو آزاد خیال حضرات نے کیے تھے اور جن میں گوناگوں اغلاط و مفاسد پائے جاتے تھے۔ اور ان میں قرآن کریم کے مفاہیم پر زبان کے تقاضوں کو ترجیح دی گئی تھی آسان اور بامحاورہ زبان کی وجہ سے یہ ترجمے عوام میں مقبول ہونے لگے۔

دوسری طرف حضرت شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ کے ترجمے سے استفادۂ عام میں کچھ دشواریاں پیش آنے لگیں اوّل تو یہ کہ اس ترجمے کے بعض الفاظ اور محاورات وقت گزرنے کے ساتھ یا تو متروک ہوگئے یا ان کا استعمال بہت کم ہوگیا۔

دوسری دشواری ترجمہ کی وجہ سے نہیں بلکہ طبیعتوں کی سہل پسندی کی وجہ سے پیدا ہوئی یعنی اس ترجمہ کی جو سب سے نمایاں اور ممتاز خوبی تھی کہ کم سے کم الفاظ میں قرآن کریم کے مفہوم و منشاء کی تعبیر۔ یہی خوبی ان طبیعتوں پر گراں گزرنے لگی جو غور و فکر کی عادی نہیں رہیں۔ اس وجہ سے بھی ان کا میلان ان جدید ترجموں کی طرف زیادہ ہونے لگا۔

ان ترجموں کی غلطیوں اور مفاسد سے لوگوں کو بچانے کے لیے اس وقت کے علمائے کرام کو اس بات کی شدید ضرورت محسوس ہوئی کہ ایک نیا ترجمہ سہل اور آسان اردو میں ایسا کیا جائے جو ایک طرف ان مفاسد سے بھی پاک ہو اور دوسری طرف مروجہ محاورے کے مطابق سہل اور آسان ہو۔

ترجمہ شیخ الہند :-

اس وقت کے اہلِ علم نے حضرت شیخ الہند رحمتہ اللہ علیہ سے ایسا ترجمہ کرنے کی درخواست کی۔ حضرت رحمتہ اللہ علیہ نے غور و فکر کے بعد فرمایا کہ پہلی ضرورت یعنی زبان و محاورے کی سہولت تو بعض نئے ترجموں سے پوری ہوگئی جو اہلِ علم و فہم حضرات نے کئے ہیں۔ البتہ یہ ترجمے ان خوبیوں سے محروم ہیں جو موضح القرآن میں موجود ہیں۔ اب اگر کوئی نیا ترجمہ کیا جائے گا تو وہ آسان اور با محاورہ تو ہوگا مگر حضرت شاہ صاحبؒ کے ترجمے کی خوبیاں کہاں سے آئیں گی؟ فرمایا کہ اب یہ اندیشہ پیدا ہوگیا ہے کہ نئے ترجموں کی موجودگی میں حضرت شاہ صاحب کی یہ بے مثال قرآنی خدمت کہیں رفتہ رفتہ معدوم ہی نہ ہو جائے۔ چنانچہ حضرت شیخ الہند رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

"اس چھان بین اور دیکھ بھال میں تقدیرِ الٰہی سے یہ بات دل میں جم گئی کہ حضرت شاہ صاحبؒ کا افضل مقبول و مفید ترجمہ رفتہ رفتہ تقویم پارینہ نہ ہو جائے۔ یہ کس قدر نادانی بلکہ کفرانِ نعمت ہے۔ اور وہ بھی سرسری عذر کی وجہ سے اور عذر بھی وہ جس میں ترجمہ کا کوئی قصور نہیں اگر قصور ہے تو لوگوں کی طلب کا قصور ہے۔"

اس لیے حضرت شیخ الہند رحمتہ اللہ علیہ نے جدید ترجمہ کا ارادہ تو اس لیے نہیں فرمایا کہ حضرت شاہ عبدالقادرؒ کے ترجمہ کی حفاظت ضروری تھی۔ البتہ اس ترجمے سے استفادہ کرنے میں جو مذکورہ بالا دشواریاں تھیں ان کو دُور کرنے کا ارادہ فرما لیا۔ چنانچہ اس ارادے کے بارے میں آپ فرماتے ہیں۔

"اس لیے ننگِ خلایق کو یہ خیال ہوا کہ حضرت شاہ صاحب ممدوح کے مبارک مفید ترجمہ میں لوگوں کو جو کل دو خلجان ہیں یعنی ایک بعض الفاظ و محاورات کا متروک ہو جانا دوسرے بعض بعض مواقع میں ترجمہ کے الفاظ کا مختصر ہونا۔ جو اصل میں تو ترجمہ کی خوبی تھی مگر بنائے زمانہ کی سہولت پسندی اور مذاقِ طبیعت کی بدولت اب یہاں تک نوبت آگئی کہ جس سے ایسے مفید اور قابل ترجمہ کے متروک ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ سو اگر غور و احتیاط کے ساتھ اُن الفاظِ متروکہ کی جگہ الفاظِ مستعملہ لے لیے جائیں اور اختصار و اجمال کے موقعوں کو تدبّر کے ساتھ کوئی لفظ مختصر زائد کر کے کچھ کھول دیا جائے تو پھر انشاء اللہ حضرت شاہ صاحب کا یہ صدقۂ فاضلہ بھی جاری رہ سکتا ہے۔" (مقدمہ ترجمہ شیخ الہند)

اس للّٰہیت واخلاص۔ اور احتیاط وتدبّر کے ساتھ حضرت شیخ الہندؒ نے مذکورہ بالا دو مقاصد سامنے رکھ کر حضرت شاہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے ترجمے موضح القرآن میں نظرثانی اور ترمیم کا کام شروع فرمادیا۔ اور آخر ۱۳۳۶ھ میں اس عظیم خدمت کو مکمّل فرمایا۔ اور اس میں بھی جس احتیاط وادب سے کام لیا ہے وہ حقیقت میں انہی حضرات کا حصّہ ہے۔ ملاحظہ فرمائیے اپنے ترجمے کے مقدمہ میں ارشاد فرماتے ہیں۔

"جس موقع پر ہم کو لفظ بدلنے کی نوبت آئی ہے وہاں ہم نے یہ نہیں کیا کہ اپنی طرف سے جو مناسب سمجھا بڑھا دیا۔ نہیں بلکہ حضرات اکابر کے تراجم میں سے لینے کی کوشش کی ہے۔ خود موضح القرآن میں دوسری جگہ کوئی لفظ مل گیا۔ یا حضرت مولانا رفیع الدّین کے ترجمے میں یا فتح الرّحمٰن میں۔ حتی الوسع ان میں سے لینے کی کوشش کی ہے۔ ایسا تغیّر جس کی نظیر مقدّس حضرات کے تراجم میں نہ ہو۔ ہم نے کل ترجمہ میں جائز نہیں رکھا۔"

اللّٰہ اکبر! ان حضرات کی بے نفسی، خوفِ خدا اور اپنے بزرگوں کے احترام وادب کا یہ نمونہ کتنا مفید اور سبق آموز ہے؟ تمام تراجم میں تلاش وجستجو کی یہ محنت شاقّہ اس لیے اٹھائی کہ اپنی جانب سے ایک آدھ لفظ کا اضافہ بھی گوارا نہ تھا۔ اسی اخلاص وللّٰہیت ہی کا ثمرہ ہے کہ ترجمہ شیخ الہند کو جو مقام آج حاصل ہے وہ کسی دوسرے ترجمے کو حاصل نہیں۔ اس ترجمے کو موضح القرآن سے ممتاز رکھنے کے لیے آپ نے اس کا نام 'موضح فرقان' تجویز فرمایا تھا۔ مگر یہ ترجمہ شیخ الہند ہی کے نام سے مشہور ومعروف ہوا۔

حضرت شیخ الہند رحمتہ اللہ علیہ نے چھ اشعار پر مشتمل ایک قطعہ میں اس ترجمہ کی تاریخ بیان فرمائی ہے۔ اس قطعہ کا آخری شعر جس سے تاریخ نکلتی ہے۔ یہ ہے۔

سالِ اُو موضحِ فرقانِ حمید   بے شش و پنج بگفتہ محمودؔ

اس شعر سے تاریخ اس طرح نکلتی ہے کہ بے شش و پنج (یعنی چھ اور پانچ۔ کل گیارہ اعداد) کم کردیں تو 'موضح فرقانِ حمید' کے اعداد سے سال ۱۳۳۶ھ نکل آئے گا۔

فوائد عثمانی :۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ حضرت شاہ عبدالقادر رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے ترجمہ کے ساتھ کچھ مختصر حواشی بھی تحریر فرمائے تھے جن میں اختصار کے ساتھ انتہائی مفید تفسیری توضیحات شامل تھیں۔ حضرت شیخ الہند رحمتہ اللہ علیہ نے ترجمہ کی تکمیل کے بعد ایک اہم کام یہ بھی شروع فرمایا کہ ان حواشی کو دوبارہ اپنی زبان میں اس طرح تحریر کرنا شروع کیا کہ جہاں جہاں ضرورت سمجھی وہاں اجمال کی تفصیل فرمادی اور مفید تفسیری وضاحتوں کا اضافہ بھی فرمایا۔ لیکن حضرت شیخ الہند رحمتہ اللہ علیہ کی حیات میں یہ کام صرف سورۂ آلِ عمران تک ہوسکا۔ اور اس طرح تفسیری فوائد کا کام ادھورا رہ گیا۔

اس کام کی تکمیل کے لیے اللہ تعالیٰ نے شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمتہ اللہ علیہ کو منتخب فرمایا اور انھوں نے اپنے مشفق اُستاد رحمتہ اللہ علیہ کے اس ادھورے کام کی تکمیل کا ارادہ فرمایا۔ اور انہی مقاصد کو سامنے رکھ کر

نہایت ادب و احترام کے ساتھ جانفشانی سے اس کام کی طرف متوجہ ہوئے۔ حضرت علامہ عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ تعالیٰ نے جس علم و فضل، بصیرت و حکمت اور عصرِ حاضر کی مزاج شناسی عطا فرمائی تھی۔ اُن کے تحریر کردہ تفسیری فوائد میں جگہ جگہ ان کا اظہار ہوا۔ اور اس طرح فوائدِ عثمانی نے ایک ایسی مختصر مگر جامع اور عصرِ حاضر کی ضروریات پوری کرنے والی تفسیر نے لے لی۔ جس کی مثال اُردو میں موجود نہ تھی۔ حضرت علامہ عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے خاص یوم عرفہ کو وقوفِ عرفات کے وقت ۱۳۵۰ھ کو دیوبند میں اس کام کی تکمیل فرمائی۔

حضرت علامہ عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کے تبحّرِ علمی اور تقریر و تحریر کی سحر انگیزی کا اندازہ اہل علم ہی کر سکتے ہیں۔ تحریکِ پاکستان میں علمائے کرام کی جماعت کے سرخیل حضرت علامہ عثمانی رحمۃ اللہ علیہ ہی تھے۔ احقر کے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت عثمانیؒ کے دستِ راست اور سب سے زیادہ معتمد علیہ تھے۔

احقر کو اپنی نوجوانی میں والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ حضرت عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضری کی سعادت کثرت سے حاصل رہی۔ اگرچہ اس بے فکری کے زمانے میں نہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے علمی مقام کا کوئی شعور تھا اور نہ اس باکمال شخصیت کے کمالات کا کوئی اندازہ۔ البتہ کراچی کے پرہجوم جلسوں میں حضرت عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کی سحر انگیز تقاریر کی اہمیت کا اثر آج بھی قلب میں محسوس ہوتا ہے۔

تفسیرِ عثمانی کی بعض خصوصیات:- تفسیرِ عثمانی کی اصل علمی خصوصیات کا اندازہ کرنا تو اہل علم کا کام ہے۔ لیکن اس کی خصوصیات جو مجھ جیسے ایک عام آدمی کو بھی بسہولت نظر آجاتی ہیں۔ مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ مختصر ہونے کے باوجود قرآن کریم کے منشاء و مفہوم کی تعبیر میں اتنی جامع ہے کہ اکثر مقامات پر قرآن کریم کے طالبِ علم کو بڑی تفاسیر سے مستغنی کر دیتی ہے۔

۲۔ قرآنِ کریم کی آیات کا باہمی ربط اتنا واضح ہے کہ مسلسل ترجمہ پڑھنے والے کو کہیں ربط کی کمی کا احساس نہیں ہوتا۔

۳۔ قرآن کریم کی مختلف آیات میں جہاں جہاں ظاہری تعارض معلوم ہوتا ہے ان آیات کی طرف مراجعت کر کے رفعِ تعارض کی سہل تقریر کی گئی ہے۔

۴۔ عصرِ حاضر میں پیدا ہونے والے اشکالات کا شافی جواب دیا گیا ہے۔ اور اکثر مقامات پر اپنے دلنشین انداز میں عقلی دلائل بھی مہیا کیے گئے ہیں۔

۵۔ جن مقامات پر ایک سے زائد تفسیری آراء پائی جاتی ہیں وہاں راجح تفسیر کو ترجیحی وجوہات کے ساتھ اختیار فرمایا ہے۔

۶۔ اہل علم کے لیے اکثر مقامات پر ایسے لطیف علمی اشارات کر دیئے گئے ہیں جن سے ان مقامات پر متوقع دشواریوں کے حل کی طرف رہنمائی ملتی ہے۔

۷۔ زبان کی سہولت اور جدید محاورات کی مطابقت کا اتنا غیر معمولی اہتمام فرمایا کہ ساٹھ سال گزر جانے پر بھی اس تفسیر

کی زبان آج کی زبان معلوم ہوتی ہے۔

تفسیری عنوانات کا اضافہ :- زمانے کے ساتھ ساتھ ضرورتیں بھی بدلتی رہتی ہیں۔ اب تک تفسیر عثمانی قرآن کریم کے حاشیے ہی پر طبع ہوتی رہی ہے اس زمانے میں طبیعتوں کی سہل پسندی اور بڑھ گئی۔ اور حاشیوں کا رواج رفتہ رفتہ ختم ہونے لگا۔ اب تک جس انداز میں تفسیر عثمانی چھپتی رہی ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ بین السطور ترجمے میں جہاں تفسیری فائدہ دینا ہے۔ اس کا نمبر دے دیا جاتا ہے اور پھر وہی نمبر حاشیہ پر دے کر اس کے تحت تفسیر لکھ دی جاتی ہے اور پھر صفحہ کے فوائد کا نمبر ایک سے شروع ہوتا ہے اس صورت میں قباحت یہ ہے کہ ہر صفحہ کے تفسیری فوائد کو اسی صفحہ تک محدود رکھنا اکثر ممکن نہیں ہوتا۔ اس طرح ایک آیت کا تفسیری فائدہ اگر دیکھنا ہے تو ضروری نہیں کہ وہ مضمون اسی صفحہ پر مل جائے۔ وہ کسی اگلے صفحہ پر دیکھنا ہوتا ہے اور اس طرح استفادہ میں دشواری پیش آتی ہے۔ دوسری قباحت یہ ہے کہ حاشیہ میں جگہ کی کمی کی وجہ سے قلم باریک ہوتا ہے اور پڑھنے والے کو ایک الجھن سی محسوس ہوتی ہے۔ اور چونکہ اس زمانے میں اشاعت و طباعت کی سہولتوں کی وجہ سے جدید کتابیں بہت صاف اور سہل ہوتی ہیں۔ اس لیے اس قدیم طرز کے حاشیوں کو دیکھ کر ہی ایک عام پڑھنے والا گھبراہٹ محسوس کرتا ہے چنانچہ خود مجھے بھی جب کبھی استفادہ کی ضرورت پیش آئی تو معارف القرآن کی آٹھ جلدوں پر مشتمل تفسیر سے استفادہ نسبتاً زیادہ آسان معلوم ہوا۔ ان وجوہات کی وجہ سے تفسیر عثمانی کی افادیت بھی متاثر ہونے لگی۔ اب پھر یہ ضرورت پیش آئی کہ جدید تقاضوں کے مطابق اس کی نئی کتابت و طباعت ہو اور حاشیہ کی بجائے یہ تفسیری فوائد باقاعدہ تفسیر کے متن کے طور پر شائع کئے جائیں۔

جس وقت احقر نے یہ مضمون تحریر کیا تھا برادر محترم ہمارے درمیان موجود تھے اور اس کام کی تکمیل پر بے اندازہ خوشی کا اظہار فرمایا۔ اور مجھے انعام سے بھی سرفراز فرمایا۔ تقریباً دس ماہ کی تکلیف دہ علالت کے بعد اللہ کا حکم پورا ہوا اور وہ ۱۱ر اگست سنہ ۱۹۹۰ئ کو اپنے مالک حقیقی سے جا ملے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون اللہ تعالیٰ انہیں وہاں اپنی رضا اور مغفرت کے انعامات سے نوازے۔ آمین

میرے برادر محترم مولانا محمد رضی عثمانی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ (مالک دارالاشاعت کراچی) کی ایک طویل عرصہ سے یہ خواہش تھی کہ وہ اس کے تفسیری فوائد پر عنوانات کا اضافہ کروا کے اس کو جدید طرز کے مطابق از سر نو شائع کریں۔ میرے بھتیجے اور برادر محترم کے صاحبزادے عزیزم خلیل اشرف سلمہٗ نے شعبان سنہ ۱۴۰۳ھ کے آخر میں مجھ سے اس خواہش کا اظہار بھی کیا اور درخواست بھی کی کہ تفسیری عنوانات کا کام میں کر دوں۔ اس کام کی اہمیت اور افادیت میں تو کوئی شبہ نہیں تھا لیکن اس کا کبھی وہم بھی نہیں گزرا تھا کہ مجھ جیسے بے علم و عمل آدمی کے بارے میں بھی یہ سوچا جا سکتا ہے کہ تفسیر عثمانی کی اس علمی خدمت کی کوئی اہلیت اس میں موجود ہے۔ پھر یونیورسٹی میں اپنی تدریسی مصروفیات کے علاوہ پچھلے تقریباً ڈھائی سال سے بائبل سے قرآن تک (اردو ترجمہ اظہار الحق) جو تین جلدوں پر مشتمل ہے اس کے انگریزی ترجمے کے کام میں مصروف تھا اور اس وقت تیسری جلد کا آغاز ہی کیا تھا۔ اس کے علاوہ بھی کچھ دوسرے تحریری کاموں میں مشغول ہونے کی وجہ سے اس نئے کام کو شروع کرنے

کا کوئی تصوّر بھی میں نہیں کرسکتا تھا۔ لیکن ساتھ ہی یہ لالچ بھی قوّت کے ساتھ دل میں پیدا ہوا کہ اگر حق تعالیٰ شانہٗ، مدد فرمائیں اور اس احقر سے قرآنِ کریم کی یہ خدمت ہوسکے تو یہ ایک ایسی نعمت اور سعادت ہوگی کہ جس کا تصوّر بھی احقر نہیں کرسکتا۔ برادرِ عزیز جسٹس مولانا تقی عثمانی سلمہٗ اللہ تعالیٰ سے اس کا ذکر آیا تو انہوں نے بھی اصرار سے اس کام کی تائید کی اور اس طرح اس خدمت کے لیے کچھ ہمت پیدا ہونے لگی۔ رمضان المبارک شروع ہوگئے۔ اور آخر یہ ہمت ارادے کی شکل اختیار کرگئی چنانچہ ۹ رمضان المبارک ۱۴۰۹ھ ۱۲ / اپریل ۱۹۸۹ء کی شب میں اللہ تعالیٰ کی مدد کے بھروسے احقر نے اس کام کی ابتداء کردی۔ اور دوسرے تحریری کاموں کو فی الحال ملتوی کردیا۔ اس کام کی ابتداء میں ایک طرف تو یہ خیال انتہائی مسرور کُن تھا کہ اس تفسیر میں جن اکابر کے نام شامل ہیں ان کے نام کے ساتھ اس سراپا خطا کار و سیاہ کار کا نام بھی شامل ہوگیا تو کیا بعید ہے ان حضرات کی برکت سے حق تعالیٰ شانہٗ اس احقر کے ساتھ بھی آخرت میں رحمت کا معاملہ فرمادیں اور جس طرح گندم کے ساتھ خس و خاشاک بھی اُسی قیمت پر تُل کر چلے جاتے ہیں اسی طرح شانہٗ حق تعالیٰ شانہٗ ان بڑے ناموں کے ساتھ احقر کو بھی خس و خاشاک کی طرح قبول فرمالیں۔ دوسری طرف اپنی بے بضاعتی، بے علمی اور بے عملی کے پیشِ نظر یہ خوف بھی طاری رہا کہ اپنی نااہلی کے باوجود اس کام کی جرأت پر کہیں مواخذہ نہ ہوجائے۔

الحمدللہ ۹ / رمضان المبارک ۱۴۰۹ھ ۱۱ / اپریل ۱۹۸۹ء کو شروع کرکے ۹ / صفر المظفر ۱۴۱۰ھ ستمبر ۱۹۸۹ء کو پورے پانچ ماہ میں اس کی تکمیل ہوگئی۔ اگر یہ کوئی مفید کام ہوا ہے تو حق تعالیٰ شانہٗ کی دی ہوئی اس توفیق اور سعادت کے شکر کے لیے میرے پاس الفاظ نہیں، ورنہ میرے لیے یہ بھی بڑی کامیابی ہوگی کہ آخرت میں حق تعالیٰ شانہٗ کا یہ مواخذہ نہ ہو کہ تو نے یہ جرأت کیوں کی؟ رب اغفر و ارحم و انت خیر الراحمین۔

تفسیر عثمانی میں اس وقت احقر نے جو کام کیے وہ دو ہیں۔ ایک تو یہ کہ ہر سورت کے فوائد کے نمبر مسلسل لگائے گئے ہیں اور وہی نمبر بین السطور ترجمے میں دیئے گئے ہیں۔ مثلاً سورۂ بقرہ میں جتنے فوائد ہیں، جو تین سو سے زائد ہیں ان کے نمبر ایک سے شروع کرکے آخر تک مسلسل لگائے گئے ہیں۔ اس سے قرآنی آیت یا الفاظ کے متعلقہ فائدے کو دیکھنا پہلے کے مقابلے میں بہت سہل ہوجائے گا۔ دوسرا اصل کام تفسیری عنوانات قائم کرنے کا ہے۔ اس کام کی مشکلات اور دشواریوں کا اندازہ احقر کو کام شروع کرنے کے بعد ہی ہوا۔ مثلاً ایک عام دشواری تو یہ ہی تھی کہ قرآنِ کریم کی ایک آیت میں متعدد مضامین ہوتے ہیں ان میں سے کس مضمون کو عنوان بنایا جائے اس کا یہ فیصلہ اکثر مقامات پر سخت دشوار ہوا۔ اس کے علاوہ بھی اس کام میں کیا نزاکتیں اور عملی دشواریاں ہیں اس کا اندازہ اہلِ علم کرسکتے ہیں۔ ان کا تذکرہ غیر ضروری طوالت کا سبب ہوگا۔

تفسیری عنوانات کے قائم کرنے کے وقت جو امور احقر کے پیشِ نظر رہے یا جو فوائد اور سہولتیں اس اضافے سے متوقع ہیں۔ وہ مندرجہ ذیل ہیں۔

- کل تفسیری عنوانات کی تعداد لگ بھگ پانچ ہزار ہے۔
- ان تفسیری عنوانات کی فہرست درحقیقت تفسیر عثمانی کا ایک تفصیلی انڈکس ہے جو خود مستقل افادہ کی چیز ہے۔

- ہر سورت کے تفسیری عنوانات پر نظر ڈالنے سے اس سورت کے مضامین سے اجمالی واقفیت چند لمحوں میں حاصل ہو جاتی ہے۔
- احقر نے عنوانات قائم کرنے کے وقت حضرت علامہ عثمانی رحمتہ اللہ علیہ کے فوائد ہی کو بنیاد بنایا ہے اور اس پر سختی سے عمل کیا ہے مثلاً قرآن کے ظاہری الفاظ سے ایک عنوان بظاہر متعیّن معلوم ہوتا ہے مگر تفسیر میں اس طرف التفات نہیں کیا گیا تو تفسیر ہی کے مطابق عنوان اختیار کیا گیا ہے۔
- ایک تفسیری فائدے میں اگر ایک سے زائد مضامین بیان ہوتے ہیں تو اس موقع کے مناسب اگر تفسیر میں واضح طور پر کسی ایک مضمون پر زور ہے تو وہاں اُسی مضمون کو عنوان بنایا گیا ہے۔
- بعض تفسیری فوائد میں حضرت علامہؒ نے طویل کلام کیا ہے۔ اس میں اگر کوئی اہم علمی نکتہ، یا کوئی مفید مضمون آیت کی تفسیر کے ذیل میں آگیا ہے تو اس جگہ کوئی نیا نمبر لگائے بغیر ایک نیا عنوان قائم کر دیا گیا ہے۔ اس لیے یہ ضروری نہیں کہ ایک فائدہ کا صرف ایک ہی عنوان ہو۔
- قصص اور واقعات کی تکرار میں اکثر مقامات پر قرآن کریم نے کہیں کہیں معمولی فرق کیا ہے۔ مثلاً حضرت موسیٰؑ، حضرت نوحؑ اور دوسرے انبیاء علیہم السّلام کے واقعات مختلف جگہوں پر بار بار آئے ہیں۔ ان میں جہاں کوئی نئی تفصیل یا نئی اطلاع موجود ہے اُسے اس کے عنوان میں شامل کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس طرح واقعات کی مختلف تفصیلات فہرست مضامین سے آسانی سے معلوم کی جا سکتی ہیں۔
- یہ اہتمام نہیں کیا گیا کہ صرف اُن تفسیری فوائد پر عنوان لگایا جائے جن کی عبارت کچھ طویل ہو، بلکہ اگر کسی جگہ صرف ایک سطر کا فائدہ ہے اور اس کا مضمون عنوان کا متقاضی ہے تو وہاں بھی عنوان قائم کر دیا گیا ہے۔
- حتّی الوسع احتیاط کے باوجود اس کام میں بہت جگہوں پر احقر سے سہو و خطا کا صدور یقیناً ہوا ہوگا۔ اس کے لیے درخواست ہے کہ احقر کو یا ناشر کو ان مقامات کی نشاندہی فرما دیں تو اُن کو آئندہ طباعت میں درست کر لیا جائے۔ آخر میں بارگاہ ربّ العلمین میں دست بدعا ہوں کہ وہ اس حقیر کوشش کو قبول فرما کر اس کو پڑھنے والوں کے لیے مفید اور احقر کے لیے دین و دُنیا کا سرمایہ بنا دے آمین۔

محمد ولی رازی

۳۴۷ - بی اشرف منزل۔ گارڈن ایسٹ کراچی نمبر ۵
مورخہ یکم ربیع الاوّل ۱۴۱۰ھ
۳ ، اکتوبر ۱۹۸۹ء

نَحْمَدُہٗ اللہَ الْعَلِیَّ الْعَظِیْمَ　　بسم اللہ الرحمن الرحیم　　وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

شیخ العالم المعروف بہ شیخ الہند حضرت محمود حسنؒ کی مختصر سوانح حیات

قرآن کریم کا پیشِ نظر اُردو ترجمہ شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن اسیر مالٹا کا ہے۔ حضرت شیخ الہندؒ نے شاہ عبدالقادرؒ کے اُردو ترجمہ کو بامحاورہ اپنے دور کی روزمرہ کی زبان میں ڈھال کر مرتب کیا ہے۔ لہٰذا اس ترجمہ کلام پاک کے سلسلہ میں شیخ الہندؒ کی مختصر سوانح عمری پیش کی جاتی ہے۔

۱۔ **پیدائش**:- شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسنؒ ۱۲۶۸ ہجری میں بریلی میں پیدا ہوئے۔ ان ایام میں یہاں پر آپ کے والد ماجد جناب مولانا ذوالفقار علیؒ صاحب بحیثیت ڈپٹی انسپکٹر مدارس مقیم تھے۔ آپ کا اصل وطن دیوبند ضلع سہارنپور ہے۔

۲۔ **تعلیم اور اساتذہ**:- آپ نے قرآن پاک میاں جی منگلوری سے پڑھا۔ فارسی کی ابتدائی کتابیں مولانا عبداللطیف صاحبؒ سے پڑھیں۔ کتب فارسی کی تکمیل اور عربی کی ابتدائی کتابیں اپنے چچا مولانا مہتاب علی صاحبؒ سے پڑھیں۔ ۱۵ محرم ۱۲۸۳ھ میں دارالعلوم دیوبند کا افتتاح ہوا تو آپ اس کے سب سے پہلے طالب علم ہوئے اور سب سے پہلے اُستاد ملّا محمودؒ مقرر ہوئے۔ ۱۲۸۶ھ میں صحاح ستہ کی کتابیں بانی دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ سے پڑھیں، حدیث میں آپ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب مدرس اوّل دارالعلوم دیوبند کے بھی شاگرد رہے۔ ۱۹ ذیقعدہ ۱۲۹۰ھ کو سند فراغ حاصل کی۔

۳۔ **تدریسی خدمات**:- آپ نے ۱۲۸۸ھ سے دارالعلوم دیوبند میں مدرس چہارم کی حیثیت سے تدریسی خدمات کا آغاز فرمایا اور ۱۳۰۵ھ میں صدر مدرس یعنی شیخ الحدیث کے درجہ پر فائز ہوئے۔ آپ ۱۲۸۹ھ تا ۱۳۰۵ھ یعنی ۱۶ سال تک بحیثیت مدرس خدمات انجام دیتے رہے ۱۳۰۵ھ سے ۱۳۳۳ھ تک شیخ الحدیث کی حیثیت سے بحسن وخوبی طلباء دارالعلوم کو فیضیاب فرماتے رہے۔ ۴۴ سال کی اس مدت میں ہزاروں تشنگانِ علم نے آپ کے فیوض سے سیراب ہو کر دنیا کے کونہ کونہ میں علم کی شمعیں روشن کیں۔

۴۔ **سیاسی زندگی**:- ایک طرف آپ کی زندگی کا مقصد اشاعت دین تھا تو دوسری طرف آپ آزادئ ہند کے دل وجان سے خواہاں تھے۔ یعنی آپ چاہتے تھے کہ ہندوستان سے انگریز کا تسلّط ختم کیا جائے۔ جنگ بلقان ۱۳۲۹ھ۔۱۳۳۰ھ میں آپ نے بڑھ چڑھ کر ترکوں کی مدد کی اور کافی رقم چندہ کی شکل میں اکٹھی کرکے ان کو بھیجی۔ یہاں تک کہ دارالعلوم کے طلباً اور اساتذہ کو بھی اس کام میں مصروف کرکے کچھ دنوں کے لیے مدرسہ بند کر دیا۔

آپ کی ذات علم وسیاست کی محور تھی، ۱۳۲۷ھ میں آپ نے جمعیتہ الانصار کی بنیاد ڈالی جس کے امیر

آپ اور مولانا عبیداللہ صاحبؒ سندھی سیکریٹری مقرر ہوئے۔ اس کے اجلاس اپریل ۱۳۲۹ھ میں بمقام مراد آباد ۱۳۳۰ھ میں بمقام میرٹھ اور ۱۳۳۱ھ میں بمقام شملہ منعقد ہوئے۔ ان اجلاسوں کی ہندوستان میں دھوم مچ گئی۔ اور حکومت برطانیہ بھی چونک پڑی، آپ نے سلاطین اسلام کو متحد کر کے ہندوستان پر حملہ کرنے کی اسکیم بھی تیار کی اور مولانا عبیداللہ سندھیؒ کو کابل روانہ کیا تاکہ اس کو عملی جامہ پہنایا جائے اور خود حجاز مقدس تشریف لے گئے۔ وہاں پر غالب پاشا، انور پاشا اور ترکی کے دیگر وزرأ کو اسکیم سے آگاہ کیا۔

۵۔ **اسیریٔ مالٹا اور تکمیلِ ترجمۂ قرآن کریم** :۔ آپ اپنی اسکیم سے آگاہ کرنے کے لیے خود ترکی جانے کا عزم رکھتے تھے مگر طائف میں آپ کو گرفتار کرا دیا گیا ۱۸ ربیع الاوّل ۱۳۳۵ھ بروز جمعہ کسی انسپکٹر کی نگرانی میں روانہ کر کے ۲۷ ربیع الاول ۱۳۳۵ھ کو مالٹا پہنچائے گئے۔ آپ پر بغاوت کے الزام میں مقدمہ چلایا گیا۔ اور ۱۳۳۵ھ میں مالٹا ہی میں قید کر دیا گیا۔ آپ ۲۹ ربیع الثانی ۱۳۳۵ھ کو مالٹا پہنچے اور شوال ۱۳۳۵ھ سے ترجمہ کلام پاک کا سلسلہ پھر شروع کیا۔ اس طرح دو شوال ۱۳۳۶ھ کو ایک سال کی قلیل مدت میں اس کی تکمیل ہوئی۔ سورہ نساء تک تفسیری حواشی بھی انہی ایام میں لکھے گئے۔ چند سال بعد رہائی ہوئی اور ۱۳۳۸ھ کو دیوبند پہنچ کر تحریک خلافت میں زور و شور سے حصّہ لیا۔

۶۔ **وفات** :۔ ہندوستان میں تحریک خلافت اور حریّت کے شعلے بھڑک رہے تھے اسی دوران آپ جامعہ ملیہ کا سنگِ بنیاد رکھنے کے لیے علی گڑھ تشریف لے گئے۔ واپسی میں سخت بیمار ہوگئے اور دہلی پہنچے۔ جہاں پر ڈاکٹر مختار احمد انصاری نے علاج کیا، آرام ہوا تو ملیریا کے عارضہ میں مبتلا ہو گئے اور ۱۸ ربیع الاول ۱۳۳۹ھ کو دہلی میں داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡنَ ط

۷۔ **شاگرد** :۔ ویسے تو آپ سے ہزاروں طلبأ کو شرفِ تلمذ حاصل ہوا لیکن ان میں استاد الاساتذہ حکیم الاُمت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ، حضرت مولانا سیّد محمد انور شاہ صاحبؒ کشمیری، حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند، حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنیؒ، حضرت مولانا عبیداللہ صاحبؒ سندھی، مفتی اعظم ہند، حضرت مولانا محمد کفایت اللہ صاحبؒ شاہجہانپوری ثم دہلوی، شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد صاحبؒ عثمانی، حضرت مولانا مرتضیٰ حسن صاحب چاندپوریؒ، حضرت مولانا ثناءُ اللہ صاحبؒ امرتسری، اور حضرت مولانا عزیز گل صاحب کاکاخیلی وہ قابل ذکر ہستیاں ہیں جن کے فیوض آج بھی عالم اسلام میں جاری و ساری ہیں۔

نَحْمَدُ اللّٰہَ الْعَلِیَّ الْعَظِیْمَ　　بسم اللہ الرحمٰن الرحیم　　وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کی مختصر سوانح حیات

شیخ الہند نور اللہ مرقدہٗ کے اردو ترجمہ پر علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے تفسیری حواشی تحریر فرمائے ہیں جن کو تفسیر عثمانی کے نام سے بھی موسوم کیا جا سکتا ہے۔ اس کی مقبولیت کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ قرآن کریم کے یہ نسخے ہزاروں کی تعداد میں ہندوپاک میں شائع ہو چکے ہیں۔ اور انشاء اللہ یہ صدقہ جاریہ قیامت تک قائم و دائم رہے گا۔ آپ کی مختصر سوانح عمری پیش کی جاتی ہے۔

۱۔ **پیدائش**:۔ آپ ۱۰ محرم ۱۳۰۵ ہجری میں بمقام بجنور پیدا ہوئے۔ جہاں پر آپ کے والد جناب مولانا فضل الرحمٰن صاحبؒ ڈپٹی انسپکٹر مدارس تھے۔

۲۔ **نام اور سلسلہ نسب**:۔ آپ کا نام ان کے والد صاحب نے فضل اللہ رکھا اور بعد میں گھر والے شبیر احمد کہنے لگے جو غالباً عشرۂ محرم میں پیدائش کی نسبت سے ہوگا۔ آپ اسی نام سے مشہور و معروف ہوئے۔ آپ کا شجرۂ نسب حضرت عثمان غنیؓ سے تینتالیس دیں پشت میں ملتا ہے مفتی اعظم ہند حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحبؒ اور حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحبؒ مہتمم دارالعلوم دیوبند آپ کے علاتی بھائی تھے۔

۳۔ **تعلیم اور اساتذہ**:۔ آپ کی تعلیم کا آغاز ۱۳۱۲ھ میں جناب حافظ محمد عظیم صاحبؒ سے ہوا۔ آپ نے ان سے اردو کی ابتدائی کتابیں پڑھیں فارسی کی تعلیم ۱۳۱۴ھ میں منشی منظور احمد صاحبؒ اور مولانا محمد یٰسین صاحبؒ صدر مدرس شعبہ فارسی دارالعلوم دیوبند والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہٗ مفتی اعظم پاکستان سے حاصل کی۔ عربی تعلیم ۱۳۱۹ھ میں دارالعلوم دیوبند ہی میں شروع کی جہاں پر آپ کے اساتذہ میں مولانا غلام رسول صاحبؒ مولانا حکیم محمد حسن صاحبؒ اور بالخصوص حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ صاحب تھے۔ ۱۳۲۵ھ میں دورۂ حدیث درجہ اوّل میں پاس کر کے سند فراغت حاصل کی۔

۴۔ **تدریسی خدمات**:۔ ویسے تو آپ دوران تعلیم ہی میں طلباء کو پڑھایا کرتے تھے مگر باقاعدہ پڑھانے کی ابتدا ۱۳۲۵ھ میں دارالعلوم دیوبند میں ہوئی۔ ۱۳۲۶ھ میں مدرسہ عالیہ فتح پوری دہلی میں صدر مدرس کی حیثیت سے دہلی تشریف لے گئے ۱۳۲۸ھ میں مجلس شوریٰ دارالعلوم دیوبند کے اصرار پر آپ دوبارہ دیوبند تشریف لے آئے۔ ۱۳۴۸ھ میں آپ جامعہ اسلامیہ ڈابھیل ضلع سورت تشریف لے گئے اور وہاں تفسیر و حدیث کا درس دیتے رہے۔ ۱۳۵۲ھ میں حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحبؒ کشمیری کی وفات کے بعد آپ شیخ الحدیث کے عہدہ پر فائز ہوئے۔ ۱۳۵۴ھ میں اراکین دارالعلوم دیوبند کے اصرار پر صدر مہتمم کی حیثیت سے اعزازی خدمات انجام

دیتے رہے۔ ۱۳۶۲ھ میں دارالعلوم سے علیحدگی اختیار فرمائی اور ڈابھیل والوں کی درخواست پر دوبارہ ڈابھیل تشریف لے آئے۔

۵۔ **سیاسی زندگی :۔** شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحؒ متبحر عالم، فقیہ، محدث و مفسر ہونے کے ساتھ ساتھ اعلیٰ درجہ کے سیاسی رہنما بھی تھے۔ درس و تدریس ہی کے ساتھ آپ نے اپنی سیاسی سرگرمیاں بھی جاری رکھیں۔ آپ کو تحریر و تقریر کا خداداد ملکہ حاصل تھا۔ آپ نے ۱۳۲۹ھ سے ۱۳۳۱ھ تک جمعیۃ الانصار کے جلسوں میں تقریریں کیں اور مقالے پڑھے۔ تحریک خلافت کے دوران جمعیۃ العلمأ ہند کے اکثر جلسوں میں تقریریں کیں۔ اور ملکی و مذہبی خدمات انجام دیں۔ ۱۳۳۹ھ میں اپنا مقالہ "ترک موالات" جمعیۃ العلماء ہند کے اجلاس میں پڑھا جو آپ کا علمی شاہکار تھا۔ آپ ۱۳۳۸ھ سے ۱۳۶۶ھ تک جمعیۃ العلماء ہند میں شریک رہے۔ ۱۳۶۶ھ میں مسلم لیگ میں شریک ہو کر تحریک پاکستان کو زبردست تقویت پہنچائی۔ آپ نے اپنی تحریروں، تقریروں اور خطبوں کے ذریعہ مسلم لیگ میں جان ڈال دی۔ قیام پاکستان میں مولانا عثمانی رحؒ کا بڑا ہاتھ ہے۔ ۱۳۶۶ھ میں سرحد ریفرنڈم کے سلسلہ میں آپ نے اپنے شاگرد علماء کے ذریعہ اہل سرحد کو پاکستان کے حق میں ہموار کیا جس کے نتیجہ میں اہل سرحد نے پاکستان میں شمولیت کا فیصلہ کیا۔ قائد اعظم کے بعد آپ ہی کی کوششوں کے نتیجہ میں ۱۴؍ رجب ۱۳۶۶ ہجری کو قیام پاکستان کا اعلان ہوا۔ اور ۲۷؍ رمضان المبارک ۱۳۶۶ھ شب قدر میں پاکستان معرض وجود میں آیا۔

آپ ۱۳۶۹ھ کو تقریبات پاکستان میں شریک ہونے کے لیے دیوبند سے کراچی پہنچ گئے تھے۔ قائد اعظم نے رسم پرچم کشائی آپ ہی کے دست مبارک سے کرائی اور پاکستان کی دستور ساز اسمبلی کا افتتاح بھی آپ ہی نے فرمایا۔ آپ ہی کی کوششوں سے دستور ساز اسمبلی میں قرارداد مقاصد پاس ہوئی۔

۶۔ **انتقال :۔** آپ ۱۳۶۹ھ کو وزیر اعظم بھاولپور کی درخواست پر جامعہ اسلامیہ بھاولپور کے افتتاح کے لیے تشریف لے گئے۔ ۲۱؍ صفر کی شب کو بخار ہوا اور صبح تک طبیعت ٹھیک ہو گئی۔ لیکن ۹ بجے صبح سینہ میں تکلیف ہو گئی اور ۲۱؍ صفر ۱۳۶۹ھ بروز منگل ۱۱ بج کر ۴۰ منٹ پر ۶۴؍ سال ۱ ماہ ۱۲؍ یوم کی عمر میں آپ نے داعی اجل کو لبیک کہا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْن ؕ

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

مقدمہ

خدا در انتظارِ حمد مانیست — محمد چشم برراہِ ثنا نیست
خدا مدح آفرین مصطفےٰ بس — محمد حامد حمدِ خدا بس
مناجاتے اگر باید بیاں کرد — بہ بیتے ہم قناعت میتواں کرد
محمد از تو میخواہم خدا را — خدایا از تو عشقِ مصطفےٰ را
دگر لب وا مکن مظہر فضولیست — سخن از حاجت افزوں تر فضولیست

امّا بعد بندۂ آثم و عاجز محمود ابن مولوی ذوالفقار علی دیوبند ضلع سہارنپور کا رہنے والا غفر اللّٰہ تعالیٰ لہٗ ولوالدیہ عرض کرتا ہے کہ بعض احباب اور مکرمین نے بندہ سے درخواست کی کہ قرآن شریف کا ترجمہ سلیس مطلب خیز اُردو زبان میں مناسب حال اہل زمانہ کیا جائے جس سے دیکھنے والوں کو فائدہ پہنچے اور وہ نقصان اور خلل اور لفظی و معنوی اغلاط جو بعض آزادی پسند صاحبوں کے ترجمہ سے لوگوں میں پھیل رہی ہیں ان سے بچاؤ کی صورت نکل آئے اس عاجز نے اس درخواست کے جواب میں اپنی بے بضاعتی کے علاوہ یہ عرض کیا کہ اوّل تو متقدمین اکابر کے فارسی اُردو کے متعدد تراجم موجود ہیں اس کے علاوہ علمائے متدینین زمانۂ حال کے متعدّد تراجم یکے بعد دیگرے بحمد اللّٰہ شائع ہو چکے ہیں جو لوگوں کو مذکورہ بالا خرابیوں سے بچانے کے لیے کافی دوافی وشافی ہیں۔ چنانچہ بندہ کے احباب میں بھی اوّل مولوی عاشق الٰہی صاحب سلمہ ساکن میرٹھ نے ترجمہ کیا اس کے بعد مولانا اشرف علی صاحب سلمہ اللّٰہ نے ترجمہ کیا احقر نے دونوں ترجموں کو تفصیل سے دیکھا ہے جو ان خرابیوں سے پاک صاف ہیں اور عمدہ ترجمے ہیں۔ پھر اب کسی جدید اُردو ترجمہ کی کیا حاجت ہے بجز اس کے کہ اسمائے مترجمین میں ایک نام اور زیادہ ہو جائے اور کوئی نفع نہیں معلوم ہوتا مگر مکرمین احباب نے اس پر بھی بس نہ کی اور اُسی اصرار پر قائم رہے تو مجبور ہو کر مجھ کو یہ عرض کرنا پڑا کہ اس وقت تک میرے خیال میں کوئی ایسا نفع نہیں آیا کہ جس کی وجہ سے جدید ترجمہ کی جرأت اور ہمت کروں اب آپ کے اصرار پر احقر تراجم قدیمہ اور جدیدہ کو بنامِ خدا غور سے دیکھتا ہے۔ اس کے بعد اگر کوئی نفع سمجھ میں آیا تو اس کے موافق آپ صاحبوں کے فرمانے کی تعمیل کا ارادہ کروں گا ورنہ معذور رہوں۔ اس کے بعد حضرت مولانا شاہ ولی اللّٰہ اور مولانا شاہ رفیع الدین اور مولانا شاہ عبد القادر قدس اللّٰہ تعالیٰ اسرارہم کے تراجم کو جو غور سے دیکھا تو یہ امر تو بے تامّل معلوم ہو گیا کہ اگر یہ مقدسین اکابر قرآن شریف کی اس ضروری خدمت کو انجام نہ دے جاتے تو اس شدّت ضرورت کے وقت میں ترجمہ کرنا بہت دشوار ہوتا علماء کو صحیح اور معتبر ترجمہ کرنے کے لیے متعدّد تفاسیر کا مطالعہ کرنا پڑتا اور بہت ہی فکر کرنا ہوتا اور ان دقتوں کے بعد بھی شاید ایسا ترجمہ نہ کر سکتے جیسا اب کر سکتے ہیں۔ پھر بھی کوئی اللّٰہ کا بندہ ایسا ہوتا تو ہوتا کہ کمال علم و تدین کے ساتھ اس مشقّت کو گوارا کر کے اس خدمت کو کما ینبغی انجام دینے کے لیے موفق ہوتا۔ حضرت شاہ ولی اللّٰہ رحمۃ اللّٰہ علیہ کو دیکھیے کہ اس بے نظیر علمی و عملی کمالات پر جو انہوں نے اپنے اُوپر حق سبحانہ تعالیٰ کے انعامات متعدّد رسالوں میں بیان فرمائے ہیں اُن انعامات عظیمہ میں یہ ترجمہ مسمّٰی بہ فتح الرحمٰن بھی داخل ہے

اور عاجز نے اپنے بعض مرحوم بزرگواروں سے سُنا ہے کہ مولانا شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ جب موضح قرآن لکھ چکے تو فارسی کا ایک شعر تھوڑا سا تصرف کر کے اس طرح پڑھتے تھے۔ شعر۔ روز قیامت ہر کسے باخویش دارد نامۂ ٭ من نیز حاضر میشوم تفسیر قرآں در بغل۔ اس سے اُن حضرات مرحومین کا کمال علم و تدین تو معلوم ہوتا ہی ہے اسی کے ساتھ قرآن شریف کے صحیح تراجم کی عظمت اور ضرورت بھی ظاہر ہوتی ہے۔

بالجملہ اگر اکابر مرحومین ہماری ضرورت اور منفعت کو احساس فرما کر پہلے ہی سے اس کا انتظام نہ کر جاتے تو آج اس کثرت اور سہولت کے ساتھ ہم کو تراجم کلام الٰہی اچھے سے اچھے ہرگز میسّر نہ ہوتے اور کچھ عجب نہ تھا کہ جیسے خود ہندوستان میں بہت سی زبانیں اور دیگر ممالک میں مسلمانوں کی بڑی بڑی قومیں اس نعمت اور عزّت سے خالی یا مثل خالی کے ہیں ہم بھی اسی نکبت میں مبتلا ہوتے۔ فجزاہم اللہ عنا وعن جمیع المسلمین احسن الجزاء وافضل الجزاء والحمد للہ۔ اسی کے ساتھ یہ بات بھی دلنشین ہوگئی کہ ہر چند ترجمہ تحت لفظی میں بعض خاص فائدے ہیں، مگر ترجمہ سے جو اصلی فائدہ اور بڑی غرض یہ ہے کہ ہندوستانیوں کو قرآن شریف کا سمجھنا آسان ہو جائے یہ غرض جس قدر بامحاورہ ترجمہ سے حاصل ہو سکتی ہے تحت لفظی ترجمہ سے کسی طرح ممکن نہیں چنانچہ شاہ عبدالقادر رحمہ اللہ جو بامحاورہ ترجمہ کے بانی اور امام ہیں انہوں نے بامحاورہ ترجمہ کو اختیار فرمانے کی یہی وجہ بیان کی ہے۔ اور یہی وجہ ہے جو اسلاف ممدوحین کے بعد اس زمانہ میں جس نے اس میدان میں قدم رکھا اس نے جناب شاہ صاحب ممدوح کا اتباع کیا اور بامحاورہ ترجمہ کرنے کو اختیار کیا جس پر کسی کا شعر یاد آتا ہے۔ شعر۔ ہر مرغ کہ پر زد بہ تمنائے اسیری ٭ اوّل بشگوں کرد طواف قفس ما۔ اور یہ امر بھی خوب معلوم ہوگیا کہ جیسے حضرت شاہ رفیع الدین رحمہ اللہ کا یہ کمال ہے کہ تحت لفظی ترجمہ کا التزام کر کے ایک ... ضروری حد تک سہولت اور مطلب خیزی کو بھی ہاتھ سے نہیں جانے دیا۔ ایسے ہی حضرت مولانا عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ کا یہ کمال ہے کہ بامحاورہ ترجمہ کا پورا پابند ہو کر پھر نظم و ترتیب کلمات قرآنی اور معانی لُغویہ کو اس حد تک نباہا ہے کہ زیادہ کہتے ہوئے تو ڈرتا ہوں مگر اتنا ضرور کہتا ہوں کہ ہم جیسوں کا ہرگز کام نہیں۔ اگر ہم ان کے کلام کی خوبیوں کو اور اُن اغراض اور اشارات کو جو اُن کے سیدھے سیدھے مختصر الفاظ میں ہیں سمجھ جائیں تو ہم جیسوں کے فخر کے لیے یہ امر بھی کافی ہے۔

اس کے بعد اب ہم کو ضرور ہوا کہ خاص طور پر حضرت شاہ مولانا عبدالقادر رحمۃ اللہ کے ترجمہ بامحاورہ مسمّٰی بہ موضح قرآن کو دیکھ کر اوّل یہ سمجھیں کہ جناب شاہ صاحب ممدوح کا ترجمہ جس کا اپنی نوعیت میں اوّل و افضل ہونا جملہ اہل علم و فہم اور ارباب انصاف و دیانت کو مسلّم ہے اس میں ایسے امور کیا ہیں جن کی وجہ سے ہم کو دوسرے کسی ترجمہ کی ضرورت ہو پھر یہ دیکھیں کہ جو تراجم جدیدہ اِس زمانہ میں شائع ہو چکے ہیں ان سے ہماری وہ ضرورت پوری ہوگئی یا اب تک کچھ باقی ہے کہ جس کے پورا کرنے کے لیے اور ترجمہ کی ابھی تک حاجت چلی جاتی ہے۔ امر اوّل کی بابت جہاں تک ہم نے ملاحظہ کیا اور دیگر حضرات نے بھی اس کی تصدیق فرمائی کل دو باتیں ایسی پائیں جس کی وجہ سے عام طور پر لوگ ترجمہ موصوف سے نفع اٹھانے میں قاصر ہیں۔ اوّل بعض کلمات و محاورات کا اس زمانہ میں متروک یا قریب بمتروک ہو جانا۔ دوسرے چونکہ حضرت شاہ صاحب مرحوم کلمات قرآنی کی موافقت اور مطابقت کا خیال زیادہ فرماتے ہیں اور شرائط ترجمہ کی پابندی بہت کرتے ہیں۔ اس لیے بعض مواقع میں بوجہ اختصار عبارت آج کل کی سہولت پسند طبائع کو مطلب سمجھنے میں بہت دقت معلوم ہوتی ہے۔ باقی رہا امر ثانی، تو یہ بات تو سب جانتے ہیں کہ اس

زمانہ میں اردو بامحاورہ طرز پر بکثرت تراجم یکے بعد دیگرے شائع ہو چکے ہیں۔ سو اُن میں بالیقین بعض ایسے تراجم بھی ہیں جو علمائے معتبر اہل علم و دیانت کی لوجہ اللہ سعی کا نتیجہ ہے، اور بعض بعض کو ہم نے بھی تفصیلی نظر سے دیکھا ہے۔ ہمارے نزدیک وہ تراجم بیشک ہماری اس حاجت کے پورا کرنے کے لیے کافی ہیں۔ جو اس زمانہ میں حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کے بے نظیر ترجمہ میں اہل زمانہ کو پیش آ رہی تھی۔ جزاہم اللہ سبحانہٗ عنا وعن جمیع مسلمی الہند خیرا۔ اور ان اغلاط و مفاسد سے بچانے کے لیے بھی مفید ہیں جو بعض آزاد خیال صاحبوں کے تراجم میں موجود ہیں۔ اس لیے امر ثانی کی بابت اس عاجز کی یہ رائے ہے کہ وہ نزاکت و لطافت اور وہ ہر امر کی رعایت جو حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ کے ترجمہ کے امتیازات اور خصوصیات میں شمار ہوتی ہیں ان کا تو ذکر نہیں، باقی وہ امر جو ترجمہ سے مقصود اصلی اور غرض ضروری ہے یعنی کلام الٰہی جل جلالہٗ کا صحیح مطلب سلف صالحین کے ارشادات کے موافق سہولت کے ساتھ مسلمانانِ ہند کی سمجھ میں آسکے اس امر کے لیے تراجم جدیدہ جو اہل علم و دیانت کی توجہ سے شائع ہو چکے ہیں وہ بالکل کافی اور وافی ہیں۔ ہم کو کسی جدید ترجمہ کی اس وقت حاجت نہیں رہی شکر اللہ تعالیٰ مساعیہم۔ ہم فخر و مسرت کے ساتھ حق سبحانہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں، جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ ہمارے معتبر علماء کی حسنِ سعی سے تراجم مفیدہ قدیمہ و جدیدہ اتنے شائع ہو چکے ہیں کہ ایسے اور اتنے تراجم ہم کو کسی عجمی زبان میں نظر نہیں آتے۔ ذلک من فضل اللہ علینا۔

اب اس کے بعد یہ بات تو بحمد اللہ ہم کو خوب محقق اور منقح ہو گئی کہ تراجم موجودہ صحیحہ معتبرہ کے ہوتے ہمارا جدید ترجمہ کرنا لہو لگا کر شہیدوں میں شامل ہونا ہے۔ جس سے نہ مسلمانوں کو کوئی نفع معتبر پہنچ سکتا ہے نہ ہم کو بلکہ جب ہم یہ خیال کرتے ہیں کہ ہمارا جدید ترجمہ کرنا گویا زبانِ حال سے یہ کہنا ہے کہ تراجم موجودہ میں کوئی خلل ہے جس کا تدارک کیا جاتا ہے یا ہمارے ترجمہ میں کوئی خوبی اور منفعت زائد ہے۔ جس کی وجہ سے جدید ترجمہ کی حاجت ہوئی تو ہم کو جدید ترجمہ کرنا فضول سے بڑھ کر نہایت مذموم اور مکروہ نک نظر آتا ہے۔ نعوذ باللہ من شرور انفسنا۔

خیر یہ بات تو خوب دلنشین ہو گئی اور ظاہر ہے کہ اس کا مقتضے یہ تھا کہ ترجمہ کلام الٰہی کے متعلق اب ہم کچھ ارادہ نہ کرتے مگر اس چھان بین اور دیکھ بھال میں تقدیر الٰہی سے یہ بات دل میں جم گئی کہ حضرت شاہ صاحب رح کا افضل و مقبول و مفید ترجمہ رفتہ رفتہ تقویم پارینہ نہ ہو جائے۔ یہ کس قدر نا قدر دانی اور بد قسمتی بلکہ کفرانِ نعمت ہے اور وہ بھی سرسری عذر کی وجہ سے اور عذر بھی وہ جس میں ترجمہ کا کوئی قصور نہیں۔ اگر قصور ہے تو لوگوں کی طلب کا قصور ہے۔ اگر دیکھنے والے غور سے دیکھیں اور جو غور کے بعد بھی سمجھ میں نہ آئے اس کو جاننے والوں سے دریافت کریں تو پھر سب کام سہل ہو جائے چنانچہ حضرت ممدوح نے خود شروع میں لکھ دیا ہے کہ قرآن شریف کے معنی بغیر سند کے معتبر نہیں اور بغیر استاد کے معلوم نہیں ہوتے۔ علاوہ ازیں عوام کو یہ دشواری تو سب ترجموں میں پیش آتی ہے۔ حضرت شاہ صاحب کے ترجمہ میں کچھ زیادہ سہی۔

اس لیے اس ننگ خلائق کو یہ خیال ہوا کہ حضرت شاہ صاحب ممدوح کے مبارک مفید ترجمہ میں لوگوں کو جو کل دو خلجان ہیں یعنی ایک بعض الفاظ و محاورات کا متروک ہو جانا۔ دوسرے بعض بعض مواقع میں ترجمہ کے الفاظ کا مختصر ہونا۔ جو اصل میں تو ترجمہ کی خوبی تھی مگر ابنائے زمانہ کی سہولت پسندی اور مذاقِ طبیعت کی بدولت اب یہاں تک نوبت آگئی

کہ جس سے ایسے مفید و قابل قدر ترجمہ کے متروک ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ سو اگر غور و احتیاط کے ساتھ ان الفاظ متروکہ کی جگہ الفاظ مستعملہ لیے جائیں اور اختصار و اجمال کے موقعوں کو تدبّر کے ساتھ کوئی لفظ مختصر زائد کر کے کچھ کھول دیا جائے، تو پھر انشاءاللہ حضرت شاہ صاحبؒ کا یہ صدقہ فاضلہ بھی جاری رہ سکتا ہے اور مسلمانانِ ہند بھی اُس کے فوائد مخصوصہ سے خالی نہ رہ جائیں گے۔ اس مضمون کو سوچ سمجھ کر جو اپنے مکرمین مخلصین کی خدمت میں پیش کیا تو اُن حضرات نے بھی اس عاجز کی رائے سے اتفاق ظاہر فرمایا۔ اور یہی بات دلنشین ہوگئی کہ مستقل ترجمہ سے یہ امر زیادہ مناسب اور مفید ہے کہ موضح قرآن میں جو شکایت پیدا ہوگئی ہے اُس کے رفع کرنے میں کوشش کی جائے۔ جب یہاں تک نوبت پہنچ چکی تو یہ عاجز بنامِ خدا اس خدمت کے انجام دینے کے لیے تیار ہو بیٹھا گویا دو شالہ میں کمبل سے جگہ جگہ رفو کرنے کا ارادہ کر دیا۔ جب ایک ثلث قرآن کا ترجمہ کر چکا تو بوجہ بعض عوارض ایسا طول طویل حرج پیش آیا کہ ترجمہ کی تکمیل کی توقع بھی دشوار ہوگئی۔ مگر بتوفیق الٰہی عین ایّام حرج میں اتنا اطمینان نصیب ہوگیا کہ ترجمہ موصوف بہ اطمینان ۱۳۳۶ھ میں پورا کر لیا۔ انّ ربی لطیفٌ لما یشاء والحمد للہ۔

اب حق تعالیٰ کو منظور ہے تو انہی احباب مکرمین کی خدمت میں اس ترجمہ کو پیش کر کے تفصیلی نظر کی درخواست کریں گے۔ اگر ہماری یہ پیوند کاری ان حضرات کے نزدیک مفید و مناسب سمجھی گئی تو انشاءاللہ شائع بھی ہو جائے گا۔ ورنہ مجبوراً جہاں ہے وہیں رہے گا۔ شعر۔ گو نالہ نارسا ہو نہ ہو آہ میں اثر ؛ میں نے تو درگزر نہ کی جو مجھ سے ہو سکا۔

اب اس کے بعد مناسب ہے کہ حضرت شاہ صاحبؒ کے اصل ترجمہ کی بابت اور نیز اپنی ترمیم کے متعلق چند ضروری مفید باتیں عرض کر دی جائیں جن سے دیکھنے والوں کو بالاجمال دونوں ترجموں کی حالت اور کیفیت بھی معلوم ہو جائے اور بعض شبہات جن کے پیش آنے کا کھٹکا ہوتا ہے وہ بھی دفع ہو جائیں۔ سو حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ نے شروع میں اپنے ترجمہ کی نسبت اتنا مضمون تو خود فرما دیا ہے کہ ہندی اور عربی زبان کا محاورہ ہرگز موافق نہیں۔ اس لیے اگر قرآن شریف کی ترتیب کے موافق ہر ہر لفظ کا جُدا جُدا ترجمہ کیا جائے یعنی تحت لفظی، تو ہندیوں کی سمجھ میں آنا دشوار ہو۔ اس لیے ہم نے مجموعۂ آیت کی پابندی کی ہے، ہر ہر لفظ کی پابندی نہیں کی۔ یعنی ہندی محاورہ کے موافق ترجمہ کیا ہے، تحت لفظی نہیں کیا۔ یہ حضرت ممدوح کے ارشاد کا خلاصہ ہے۔ مگر اس میں اجمال بہت ہے۔ اس ارشاد سے یہ تو معلوم ہوگیا کہ حضرت ممدوح اپنے ترجمہ میں ہر ہر لفظ کی پابندی نہ کریں گے ہاں آیت کی پابندی ضروری ہے مگر یہ معلوم نہیں ہوا کہ اس عدم پابندی کی کیا حد ہے اور کہاں تک اس عدم پابندی کو حضرت ممدوح نے اپنے ترجمہ میں اختیار اور استعمال فرمایا ہے اور کتنی تقدیم و تاخیر کو جائز رکھا ہے۔ یعنی بقدر ضرورت و حاجت کسی لفظ کو آگے پیچھے کر لیا ہے یا صرف آیت کے احاطہ میں رہ کر پھر کسی تقدیم و تاخیر کی پروا نہیں کی تھوڑی ہو یا زیادہ ضروری ہو یا غیر ضروری ایک تغیّر ہو یا متعدّد۔ اس کے سوا حضرت شاہ صاحبؒ نے یہ امر اجمالاً بھی نہیں بیان کیا کہ ہم نے اپنے ترجمہ میں کس کس امر کا خیال رکھا ہے اور اس میں کیا کیا خوبیاں اور فوائد ہیں۔ سو احقر ان دونوں باتوں کو مفید سمجھ کر انکی نسبت کچھ کچھ عرض کرنا چاہتا ہے۔

سو یہ بات تو سب پہ ظاہر ہے کہ احقر اس کے متعلق جو کچھ بھی عرض کرے گا وہ موضح قرآن ہی کی عبارت سے

مستنبط ہوگا۔ اس کے سوا ہمارے لیے اور کیا امر ذریعہ علم ہوسکتا ہے۔ بعینہ جیسا کہ حضرات علمائے کرام نے امیر المومنین فی الحدیث امام بخاری رحمہ اللہ کی خود کتاب صحیح بخاری سے استنباط کر کے ان کی شروط و قیود و اغراض کو بیان فرما دیا ہے۔

سوا امر اوّل کی نسبت یہ عرض ہے کہ حضرت شاہ صاحب ترتیب قرآنی کا بہت خیال رکھتے ہیں اور اصل اور ترجمہ کی مطابقت میں بہت زیادہ سعی فرماتے ہیں، مگر چونکہ ترجمہ با محاورہ کا التزام کیا ہے اس لیے بضرورت توضیح و تسہیل بعض مواقع میں تقدیم و تاخیر لازم ہے۔ مگر جیسا کہ آٹے میں نمک یہ نہیں کہ آخر کا ترجمہ اوّل اور اوّل کا آخر ہو جائے۔ الغرض فصلِ بعید سے احتراز رکھتے ہیں۔ الاّ ماشاء اللہ کسی خاص ضرورت کے وقت میں دو تین کلموں کا فصل ہو جائے اور وہ بھی النادر کالمعدوم۔ دیکھیے عربی زبان میں مضاف کو مقدم ذکر کرتے ہیں۔ اور اردو کا محاورہ یہ ہے کہ مضاف الیہ کو مقدم کرتے ہیں۔ وہ ''غلامُ زیدٍ'' کہتے ہیں، تو ان کے محاورہ میں ''زید کا غلام'' کہیں گے۔ سو ترتیب تو بدل گئی مگر دونوں کلمے متصل ہی رہے فاصلہ اور فرق کچھ نہیں ہوا۔ اس لیے حاجت کے وقت یہ تغیر کچھ تغیر نہیں سمجھا جاتا۔ اس قسم کی مثالیں شاہ صاحب کے ترجمہ میں کثرت سے ملیں گی۔ مثلاً ''علیٰ قلوبھم وعلیٰ سمعھم وعلی ابصارھم'' کا ترجمہ با محاورہ کریں گے تو ''اُن کے دل پر اور ان کے کان پر اور ان کی آنکھوں پر'' کیا جائے گا۔ اور ترجمہ تحت لفظی میں ''اُوپر دلوں اُن کے کے اور اُوپر کانوں اُن کے کے اور اُوپر آنکھوں ان کی کے'' کہنا پڑے گا مگر سب جانتے ہیں کہ ایسے اختلاف جتنے بھی ہوں ان میں کوئی حرج نہیں، بلکہ ضروری ہیں۔ با محاورہ ترجمہ کرنے والے کو اس سے مفر نہیں لیکن حضرت شاہ صاحب کی احتیاط قابل تحسین اور لائق قدر ہے کہ اس پر بھی ہر جگہ مضاف الیہ کو مقدم نہیں کرتے، بلکہ جہاں ترجمہ میں ذرا گنجائش مل جاتی ہے وہاں اتنے قلیل تغیر کو بھی پسند نہیں کرتے۔ ترتیب قرآنی ہی کو اختیار فرماتے ہیں۔ دیکھو ''الحمد للّٰہ رب العٰلمین'' میں چونکہ ''رب العٰلمین'' مضاف مضاف الیہ مل کر صفت واقع ہوئے ہیں۔ اس کے ترجمہ میں یہ گنجائش نکل آئی کہ ترجمہ محاورہ کے خلاف بھی نہ ہو اور کلامِ الٰہی کی ترتیب بھی باقی رہے۔ اس لیے ''رب العٰلمین'' کا ترجمہ اصلی ترتیب پر رکھا اور ''مالک یوم الدین''، بھی صفت واقع ہوا ہے مگر اس میں دو اضافتیں مجتمع ہیں اوّل اضافت میں اصلی ترتیب باقی رکھنے کی گنجائش ہے۔ دوسری اضافت میں نہیں۔ اس لیے ترجمہ میں ''مالک'' کا ترجمہ اصل کے موافق مقدم رکھا۔ اور ''یوم'' کے ترجمہ کو محاورہ اُردو کے موافق ''دین'' سے موخر کر دیا۔ چنانچہ سب پر ظاہر ہے اس میں کسی کو تردد نہیں صرف توضیح اور تسہیل کی غرض سے ہم نے عرض کر دیا۔ لیکن بعض مقامات ایسے بھی ہیں کہ وہاں محاورۂ اُردو کے ساتھ ترتیب قرآنی کا لحاظ رکھنا دشوار ہے۔ حضرت شاہ صاحب ان مقامات میں بھی اپنی غائر اور باریک بین نظر سے ایسا اسلوب اختیار فرماتے ہیں کہ محاورہ کی پابندی کے ساتھ ترتیب بھی باقی رہے، یا فرق آئے تو خفیف و لطیف۔

بعینہ یہی حال ہے فعل اور فاعل اور مفعول اور جمیع متعلقات فعل کا۔ اور صفت موصوف، حال تمیز وغیرہ کہ اکثر مواقع میں ترتیب کی موافقت فرماتے ہیں اور بہت سے مواقع میں اُسی تغیر لطیف مذکورۂ بالا سے کام لیتے ہیں۔

اور سُنیے حروف روابط جن کو حروف جر بھی کہتے ہیں۔ جیسے ل، ب، علیٰ، الیٰ، من، عن، فی بہت کثرت

سے مستعمل ہیں۔ مگر کلامِ عرب میں یہ حروف ہمیشہ اپنے معمول پر مقدم ہوتے ہیں۔ اور ہمارے محاورہ میں علی العموم مؤخر بولے جاتے ہیں، مگر شاذونادر۔ لیکن ان میں بعض تو ایسے ہیں کہ ان کا مؤخر ہونا ضروری ہے۔ ہماری زبان میں ان کو مقدم لانے کی کوئی صورت ہی نہیں جیسے مِن اور عن۔ سب کو معلوم ہے کہ مِمّا رزقنھم کے ترجمہ میں اُردو زبان کے اندر ممکن نہیں کہ مِن کا ترجمہ مقدم ہوسکے اور ترتیب قرآنی کی موافقت کی جاسکے۔ ایسے ہی لاتجزی نفس عن نفس کے ترجمہ میں کوئی صورت نہیں کہ عن کا ترجمہ نفس کے ترجمہ سے مقدم ہوسکے اسی وجہ سے تحت لفظی ترجمہ میں بھی یہ تغیر گوارا کرنا ہوتا ہے اور اس میں کسی کو تأمل نہیں ہوسکتا اور بعض ایسے ہیں کہ اُن کو مقدم کرنا تو درست ہے مگر محاورہ کے خلاف ہے۔ سو تحت لفظی ترجمہ میں ان کو نظمِ قرآنی کے موافق مقدم لاسکتے ہیں مگر بامحاورہ ترجمہ کے لیے ان کو بھی مؤخر کرنا ضرور ہوگا۔ جیسے علیٰ، الیٰ وغیرہ حروف مذکورہ۔ دیکھیے! "ختم اللّٰہ علیٰ قلوبھم" کے تحت لفظی ترجمہ میں "مہر کردی اللّٰہ نے اُوپر دلوں اُن کے کے" کہنا مناسب ہوگا اور بامحاورہ ترجمہ میں "مہر کردی اللّٰہ نے ان کے دلوں پر" کہنا ٹھیک سمجھا جائے گا۔ پہلی صورت میں لفظ علیٰ اپنی اصلی ترتیب پر رہا۔ دوسری صورت میں تھوڑا سا بقدرِ ضرورت اپنی جگہ سے ہٹ گیا۔ اسی پر دیگر حروف کو قیاس فرمالیجیے سو اوّل تو یہ حروف فی نفسہٖ غیر مستقل اور دوسروں کے تابع ہیں ان کا تقدم تاخر چنداں قابلِ اعتبار نہیں۔ دوسرے یہ وجہ نہیں بلکہ ضرورت اور حاجت اور نفع کی وجہ سے کرنا ہوا۔ تیسرے اتنا لطیف وخفیف کہ ترجمہ تحت لفظی میں بھی بعض مواقع میں قابلِ قبول اور ضروری سمجھا جاتا ہے۔ ان سب کے بعد پھر وہی بات ہے جو پہلے عرض کرچکا ہوں۔ یعنی جہاں کچھ گنجائش نکل آتی ہے وہاں حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمہ اس خفیف قابلِ قبول تغیر کو بھی چھوڑ کر اصلی ترتیب کو قائم رکھتے ہیں۔ اور ایسا ترجمہ کرتے ہیں جو ترتیب قرآنی کی پابندی کے ساتھ محاورہ کے بھی مخالف نہ ہونے پائے اس کی مثالیں حروفِ مذکورہ کے متعلق جگہ جگہ موجود ہیں مثلاً "الا علی الخاشعین" کا ترجمہ یہ فرمایا ہے "مگر انہی پر جن کے دل پگھلے ہیں" یعنی اللّٰہ سے ڈرتے ہیں۔ اور عاجزی کرتے ہیں۔ دیکھ لیجیے لفظ علیٰ کے ترجمہ کو مقدم رکھا خاشعین پر اور محاورہ کے مخالف بھی نہیں ہوا۔

الحاصل حضرت شاہ صاحب جگہ جگہ ترتیب میں تصرف کرتے ہیں مگر جچا تُلا بقدرِ ضرورت اور عند الحاجت نہایت غور اور احتیاط کے ساتھ جس کی وجہ سے حضرت ممدوح علیہ الرحمتہ کا ترجمہ جیسے استعمال محاورات میں بے نظیر سمجھا جاتا ہے ویسا ہی باوجود پابندی محاورہ قلّتِ تغیّر اور خفت تبدل میں بھی بے مثل ہے۔ فللّٰہ درہ ثم للّٰہ درہ۔ اس کے سوا بعض بعض تصرفات خفیفہ مفیدہ اور بھی کر جاتے ہیں۔ مثلاً ترجمہ میں کوئی لفظ مختصر بڑھا دیتے ہیں جس سے مطلب واضح ہوجائے یا مرادِ خداوندی معیّن ہوجائے سو یہ امر ایسا ہے کہ ترجمہ تحت لفظی میں بھی اس کی نظائر موجود ہیں ایسا ہی ترجمہ میں بعض الفاظ کو چھوڑ بھی جاتے ہیں۔ مثلاً بعض مواقع میں اِنَّ کا ترجمہ نہیں کرتے یا اَبَتِ کے ترجمہ میں "اے میرے باپ" نہیں کہتے صرف "اے باپ" پر قناعت کرجاتے ہیں یا بُنَیَّ کا ترجمہ "اے میرے چھوٹے بیٹے" کی جگہ فقط "اے بیٹے" فرمایا ہے۔ ایسا ہی یَارَبِّ کا ترجمہ "اے رب" متعدد مواقع میں اختیار

فرمایا ہے۔ سو اس قسم کے تصرفات میں کچھ حرج نہیں ترجمہ لفظی تک میں ان کی گنجائش ہے۔

اب باقی رہی دوسری بات کہ حضرت شاہ صاحب نے اپنے ترجمہ میں کن کن امور کا خیال رکھا ہے اور اس میں کیا کیا فائدے ہیں سو یہ بات تو ظاہر نظر آتی ہے کہ حضرت ممدوح عامۃً چند باتوں کا بہت لحاظ رکھتے ہیں۔ ترجمہ میں اختصار و سہولت اور الفاظ قرآنی کی لفظی اور معنوی موافقت اور صرف لغوی معنی پر بس نہیں بلکہ معنیٰ مرادی اور غرض اصلی کا ہر موقع میں بہت لحاظ رکھتے ہیں اور ترجمہ میں کبھی ایسا لفظ لاتے ہیں جس کی وجہ سے اگر کسی قسم کا اجمال اور اشکال ہو تو زائل ہو جاتا ہے۔ بسا اوقات ایک لفظ کا ترجمہ ایک جگہ کچھ فرماتے ہیں دوسری جگہ کچھ۔ اور حالانکہ معنی لغوی اس لفظ کے ایک ہی ہیں مگر ہر مقام کے مناسب جُدے جُدے عنوان سے بیان فرماتے ہیں جس سے قرآن کی غرض اور مراد سمجھنے میں بڑی مدد ملتی ہے۔ اسی سہولت اور وضاحت کی رعایت سے کبھی مضمونِ ایجابی کو عنوان سلبی میں ادا کرتے ہیں اور اکثر مواقع میں نفی اور استثنا کا جدا جدا ترجمہ نہیں کرتے بلکہ حصر جو اُس سے مقصود ہے اس کو مختصر ہلکے لفظوں میں محاورہ کے موافق بیان کر جاتے ہیں۔ حال تمیز بدل وغیرہ حتیٰ کہ مفعول مطلق کے عنوانات کی رعایت رکھتے ہیں اور خوبی یہ ہے کہ اُردو کے محاورہ کے موافق بالجملہ الفاظ اور معانی دونوں کے متعلق بوجوہ متعددہ بہت غور اور رعایت سے کام لیا گیا ہے اور مطالب و مقاصد کی تسہیل اور توضیح میں پورے خوض اور احتیاط کو ملحوظ رکھا ہے ہم نے بغرض تنبیہ چند باتیں مختصر طور سے عرض کر دی ہیں۔ اہل فہم توجہ فرمائیں گے تو انشاءاللہ ان کو ہماری عرض کی صداقت جگہ جگہ برابر ملے گی ہم کو کسی طول کی حاجت نہیں اور حاشا و کلّا ہمارا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ فوائد مذکورہ کا اور کسی نے خیال نہیں فرمایا۔ فضلائے معتبرین مشہورین وغیرہ علماً کے تراجم میں ہر ایک نے اس قسم کے فوائد کا اپنی اپنی فہم اور رائے اور مصلحت اور گنجائش کے موافق ضرور خیال فرمایا ہے مگر دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت شاہ صاحب ممدوح نے چونکہ ہر موقع پر ان چھوٹے بڑے فوائد متعددہ کی طرف پوری توجہ فرمائی ہے۔ اور ترجمہ میں ہر موقع پر ان کا اہتمام رکھا ہے۔ اس لیے کماً اور کیفاً دونوں طرح یہ امور موضح قرآن میں زائد ہیں جن کی وجہ سے ترجمہ موصوف جملہ تراجم میں ممتاز اور مفید تر نظر آتا ہے اور بنظر فہم و انصاف اس کا مستحق ہے کہ سہل ممتنع کے ساتھ ملقب ہو یہ حضرت ممدوح کا کمال ہے کہ ہر موقع پر جُملہ امور پیش نظر رہتے ہیں اور ترجمہ میں حسب حاجت اُن کی رعایت کرتے ہیں اور اُسی کے مطابق الفاظ بھی ان کو بسہولت مل جاتے ہیں۔ گویا محاورات و لغات اُردو بھی سب سامنے رہتے ہیں جس کو مناسب سمجھا بے تکلّف لے لیا۔ اور اس پر ترجمہ اپنے محدود احاطہ سے ایک قدم آگے نہیں بڑھ سکتا۔ فبارک اللّٰہ فی حسناتہ و افاض علینا من برکاتہ۔ یہ بات کس قدر قابل قدر اور مفید ہے کہ حضرات مفسرین اور شرّاح حدیث کے مبسوط ارشادات کا خلاصہ بسہولت ہر درجہ کے مسلمانوں کو ایک لفظ سے سمجھ میں آسکے بلکہ بعض مواقع میں تو حضرت شاہ صاحب کا ایک دو لفظ وہ کام دیتا ہے کہ مبسوط ارشادات سے احق بالقبول معلوم ہوتا ہے۔ انّ فی ذٰلک لاٰیاتٍ للعٰلمین اس موقع پر ارشاد خداوندی "ففهمنٰها سلیمٰن وکلاًّ اٰتینا حکماً وّعلماً" کا نقشہ اور نمونہ ناخواستہ سامنے آگیا۔ دیکھیے حضرت سلیمان علیہ السلام لڑکے تھے مگر حق سبحانہ نے اپنی رحمت سے ان کو وہ

بات سمجھادی کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے بھی تسلیم فرمالیا اور اپنے حکم کو واپس کر لیا۔ اور اس سے کسی کے علم و فہم میں کوئی نقصان اور اعتراض بھی نہ ہوا۔ شعر۔ ایں سعادت بزور بازو نیست ؎ تا نہ بخشد خدائے بخشندہ۔ حق تعالیٰ کے غیر متناہی خزانے ہیں جس کو جس میں سے چاہتے ہیں حصۂ معیّن عنایت فرما دیتے ہیں "وان من شئی الا عندنا خزائنه وما ننزله الا بقدر معلوم"۔ اب مناسب معلوم ہوتا ہے کہ جیسے یہ چند فوائد عرض کیے ہیں ایسے ہی چند مثالیں بھی کسی موقع سے عرض کر دی جائیں۔ جن سے ہمارے معروضات کی تصدیق ہو جائے اور ناظرین کے لیے تسکین اور اطمینان کا باعث ہو۔ سو اوّل ہی سے لیجئے۔ دیکھیے "بسم اللہ"، کا ترجمہ محاورہ کے موافق کیا۔ جس میں توضیح اور اختصار دونوں کی بقدر مناسب رعایت ہے۔ اس سے بہتر اور خوبصورت ترجمہ اُردو میں سمجھ میں نہیں آتا۔ اور رحمٰن اور رحیم جو مبالغہ کے صیغے ہیں ان کے مبالغہ کو بھی ظاہر فرما دیا اور لطیف اشارہ دونوں کے فرق مراتب کی طرف بھی کر گئے۔ جتنے تراجم سابقہ ہیں ان میں مبالغہ سے تعرض نہیں فرمایا۔ اس کے بعد سورۂ فاتحہ میں بھی رحمٰن اور رحیم کا ترجمہ ایسا ہی کیا گیا۔ یوم الدین"، کا ترجمہ جملہ حضرات نے "روز جزا" یا "دن جزا کا" فرمایا ہے۔ مگر حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ نے صاف لکھ دیا ہے کہ میں نے عوام کی زبان میں ترجمہ کیا ہے اور عوام کے کلام میں جزا کا لفظ شائع اور مستعمل نہیں۔ دوسرے اہل لغت اور حضرات مفسرین نے دین کے معنی جزا اور حساب دونوں فرمائے ہیں۔ ان وجوہ سے غالباً حضرت ممدوح نے جزا کے بدلے 'انصاف'، کا لفظ اختیار فرمایا کہ عوام میں بھی شائع ہے اور اس ایک لفظ میں جزا اور حساب دونوں آ گئے۔

"اھدنا الصراط المستقیم"، جملہ حضرات 'ہدایت'، کا ترجمہ کبھی تو لفظ 'ہدایت'، ہی سے کر جاتے ہیں۔ اس لیے کہ لفظ 'ہدایت'، فارسی اردو میں برابر مستعمل ہے۔ اور کبھی اپنی زبان میں ترجمہ کرتے ہیں تو 'ہدایت'، کا ترجمہ 'رستہ دکھانے' اور 'راہنمائی'، کے ساتھ کرتے ہیں۔ مگر حضرت ممدوح علی العموم 'ہدایت'، کا ترجمہ اپنی ہی زبان میں فرماتے ہیں۔ الاماشاء اللہ۔ لیکن ہر موقع پر اس کا بھی لحاظ رکھتے ہیں کہ 'ہدایت'، کے کون سے معنیٰ اس موقع کے مناسب ہیں کیونکہ 'ہدایت'، کے لغت عرب میں دو معنیٰ ہیں۔ ایک صرف 'راستہ دکھلا دینا'، دوسرے 'مقصود تک پہنچا دینا'، اوّل کو 'ارائت'، دوسرے کو 'ایصال'، کہتے ہیں۔ اس لیے اوروں نے 'اھدنا'، کا ترجمہ 'دکھا ہم کو'، فرمایا ہے۔ اور شاہ صاحب 'چلا ہم کو'، فرماتے ہیں جس سے 'ایصال'، کی طرف اشارہ کرنا مفہوم ہوتا ہے۔ اسی طرح پر 'ھدی للمتقین'، میں اور حضرات نے 'ھدی'، کے ترجمہ میں 'رہنما'، یا 'راہ دکھاتی ہے'، فرمایا ہے۔ اور حضرت ممدوح نے 'راہ بتلاتی ہے'، فرمایا ہے۔ چونکہ اھدنا میں 'ہدایت'، حق تعالیٰ کی صفت ہے تو وہاں 'چلانے'، کا لفظ لائے ہیں۔ اور اس موقع میں 'ہدایت'، قرآن کی صفت ہے تو اس لیے 'راہ بتانے'، کا لفظ بیان فرمایا ورنہ دونوں جگہ مقصود ایصال کی طرف اشارہ کرنا معلوم ہوتا ہے۔ فرحمہ اللہ ما ادق نظرہ وارق الفاظہ۔ متقین میں تقویٰ کا ترجمہ سب حضرات مرحومین نے 'پرہیزگاری'، فرمایا ہے جو تفاسیر کثیرہ کے موافق ہے پھر حضرات مفسرین نے اس پر شبہ کیا کہ ہدایت کے محتاج گمراہ ہیں نہ متقی۔ اس لیے ھدی للضالین فرمانا چاہیئے تھا۔ بعض حضرات نے متقین کے معنی صائرین الی التقویٰ کے لے کر جواب دیا بعض نے دیگر جوابات دے کر شبہ کا قلع قمع کیا حضرت شاہ صاحب کی طبع لطیف اور باریک بین نظر اس طرف گئی کہ تقویٰ

کا ترجمہ 'ڈر' اور 'خوف' کے ساتھ کرنا پسند کیا۔ جو 'تقویٰ' کے اصلی اور لغوی معنیٰ ہیں اور 'متقین' سے وہ لوگ مُراد لیے جن کے دل میں اللہ تعالیٰ کا ڈر ہے۔ اس لیے ھدی للمتقین کا ظاہر اور معروف ترجمہ یعنی 'راہ دکھاتی ہے پرہیزگاروں کو' اس کو چھوڑ کر 'راہ بتلاتی ہے ڈر والوں کو' اختیار فرمایا جس سے شُبہ مذکورہ کے خطور کا موقع ہی نہ رہا جو کسی جواب کی حاجت ہو اور اگر 'ہدایت' سے ایصال مُراد لیں جیسا کہ ترجمہ میں اس کی طرف اشارہ مفہوم ہوتا ہے۔ تو پھر تو شبہ کیا کسی وہمی کے توہم کی بھی گنجائش نہیں۔ آگے دیکھئے 'یومنون بالغیب' کے ترجمہ میں اگر 'ایمان لاتے ہیں ساتھ غیب کے' یا 'غیب پر' کہا جائے تو بہت صحیح اور ظاہر کے موافق ترجمہ ہے اور لفظ 'ایمان' اور 'غیب' دونوں ایسے مشہور ہیں کہ دوسرے لفظوں سے ان کے ترجمے کرنے کی ضرورت نہیں لیکن لفظ ایمان اصطلاح شرع میں دو معنی میں مستعمل ہوتا ہے۔ ایک نفس تصدیق اور یقین قلبی جو ضروریات دین کے ساتھ متعلق ہو جس کو حقیقت ایمانی سے بھی تعبیر کرتے ہیں۔ اور معنی لغوی کے بالکل مطابق ہے۔ دوسرے تصدیق اور اعمال ایمانی کا مجموعہ جس کو ایمان کامل بھی کہتے ہیں۔ سو اوّل تو حضرت شاہ صاحب کی عام عادت ہے کہ حتی الوسع ترجمہ میں اُردو کے لفظ کو اختیار فرماتے ہیں۔ دوسرے لفظ ایمان جب دو معنوں میں مستعمل ہے تو حضرت ممدوح کے اصول کے موافق ضرور ہوا کہ ترجمہ میں ایسا لفظ لائیں کہ ایمان کے جو معنی اس جگہ مُراد ہیں اُن کی تعیین ہو جائے اور دوسرا احتمال نہ رہے۔ علیٰ ہذا لفظ 'غیب' میں اجمال ہے۔ معلوم نہیں کس چیز سے غائب ہونا مراد ہے ان وجوہ سے وہ صحیح اور ظاہر ترجمہ جس کا پہلے ذکر ہو چکا اُس کو چھوڑ کر یہ ترجمہ اختیار فرمایا 'یقین کرتے ہیں بن دیکھے' جس سے یہ معلوم ہو گیا کہ آیت میں ایمان کے اوّل معنیٰ مراد ہیں نہ دوسرے۔ اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ غیب کے یہ معنی ہیں کہ جن چیزوں کو انہوں نے نہیں دیکھا اور ان کے علم و ادراک سے غائب ہیں۔ جیسے دوزخ، بہشت، پل صراط، وزن اعمال، عذاب قبر، فرشتے، جنّات، سو وہ لوگ ان سب چیزوں کا اللہ اور رسول کے فرمانے سے یقین کرتے ہیں معہذا حضرات مفسرین رحمہم اللہ نے جو 'بالغیب' میں چند احتمال ذکر فرمائے ہیں ان میں سے ایک معنی جو ظاہر اور راجح ہیں اس ترجمہ سے وہ بھی متعین ہو گئے جیسا کہ کتب تفسیر میں مذکور ہے۔

تنبیہ ۔ ایمان کا ذکر قرآن شریف میں ماضی، مضارع، امر، اسم فاعل مختلف صیغوں کے ضمن میں بہت کثرت سے موجود ہے۔ سو حضرات مترجمین تو اکثر مواقع میں اس کا حسب ظاہر ترجمہ 'ایمان' یا 'اسلام' سے فرما جاتے ہیں اور حضرت ممدوح "ایمان، اسلام، یقین، ماننا" جو لفظ جس موقع کے مناسب اور مفید سمجھتے ہیں اس کو اختیار کرتے ہیں۔ اور اس کی وجہ سے ترجمہ کے متعلق کارآمد باتیں معلوم ہوتی ہیں جیسا کہ یؤمنون بالغیب کے ترجمہ میں ابھی عرض کر چکا ہوں۔ اور انہی چھوٹے چھوٹے فرقوں اور ہلکی ہلکی رعایتوں کی وجہ سے بعض مواقع میں بڑے بڑے شبہے بسہولت دفع ہو جاتے ہیں۔ اور تحقیقی باتیں معلوم ہو جاتی ہیں۔ دیکھیے احادیث میں وارد ہے کہ جب آیۂ کریمہ الذین اٰمنوا ولم یلبسوا ایمانھم بظلم اولٰئک الخ نازل ہوئی تو حضرات صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو بہت ہی شاق گزرا۔ آخر آپ کی خدمت میں عرض کیا 'اینا لم یظلم نفسہ' یعنی یا رسول اللہ ہم میں ایسا کون ہے جس نے اپنے نفس پر ظلم یعنی گناہ نہ کیا ہو۔ تو پھر اب تو سب عذاب الٰہی سے غیر مامون اور ہدایت سے محروم ہو گئے۔

آپ نے فرمایا" لیس ذٰلک انما ھو الشرک الم تسمعوا قول لقمان لابنہ ۔ یابنی لاتشرک باللہ ان الشرک لظلم عظیم" یعنی لم یلبسوا ایمانھم بظلم میں ظلم سے مراد شرک ہے۔ مطلق گناہ نہیں۔ جو یہ دشواری پیش آئے۔ حضرات مفسرین اور شراح حدیث کے اقوال اس جواب کی تقریر میں مختلف ہوگئے۔ جیسا کہ اہل علم کو معلوم ہے۔ سو ایک خلجان تو لم یلبسوا ایمانھم بظلم میں تھا جو حضرات صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم کو پیش آیا تھا۔ دوسرا اختلاف خلجان مذکور کے جواب میں مفسرین وغیرہ علمائے کرام کو پیش آگیا کہ جواب کا مقصد اور اس کا ماخذ کیا ہے۔ سو خلجان معروضہ اصحاب کرام تو آپ کے ارشاد سے جاتا رہا مگر آپ کے ارشاد کے مقصد و ماخذ میں علما کو جو اختلاف پیش آگیا وہ موجود ہے اس پر حضرات مترجمین نے تو ان لمبی لمبی بحثوں کو دیکھا کہ ترجمہ اُن کو متحمل نہیں ہوسکتا اور نہ اس کے مناسب اس لیے ترجمہ میں اُس سے قطع نظر کر کے ظاہر کے موافق صحیح ترجمہ فرمادیا اور لمبی بحثوں کے لیے دوسرا موقع ہے اور حضرت شاہ صاحب کی دقیق نظر نے دیکھا کہ جب ہم کو ترجمہ میں کوئی زیادتی اور طول کرنا نہیں پڑتا صرف ایک لفظ کی جگہ دوسرا ویسا ہی لفظ بول دینے سے سب امور طے ہوئے جاتے ہیں تو پھر اس میں کیوں کوتاہی کی جائے اور کام کی بات سے کیوں محروم رکھا جائے تو انہوں نے اپنی عادت کے موافق یہ کیا کہ الذین اٰمنوا ولم یلبسوا ایمانھم بظلم کے ترجمہ میں یہ الفاظ فرمائے "جو لوگ یقین لائے اور ملائی نہیں اپنے یقین میں کچھ تقصیر" جس سے معلوم ہوگیا کہ ایمان سے حقیقت ایمانی یعنی تصدیق قلبی مُراد ہے۔ حسب معروضہ سابق۔ جس کو 'ایمان بالمعنی الاوّل' کہتے ہیں۔ اہل فہم و انصاف کو تو بس یہی کافی ہے مگر اس پر اتنا اور کیا کہ 'ظلم' کے ترجمہ میں لفظ 'تقصیر' بیان فرمایا۔ جس سے اور بھی وضاحت اور تکمیل ہوگئی اب اس میں غور کرنے سے نہ آیت میں کوئی خلجان ہوتا ہے نہ آپ کے ارشاد میں اختلاف باقی رہتا ہے دو لفظوں میں ایسی تحقیق فرمادی کہ لمبی لمبی بحثوں کی ضرورت نہ رہی اور طرفہ یہ کہ یہ تحقیق دو لفظی سب سے احق بالقبول معلوم ہوتی ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہوگیا کہ حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے خلجان کا منشأ کیا تھا اور ارشاد نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا منشاء کیا ہے۔ اور ترجمہ میں جو لفظ کچھ داخل فرمایا ہے جو اور ترجموں میں نہیں۔ وہ یہ صاف بتلاتا ہے کہ حضرت شاہ صاحب اقوالِ علماء کو پیش نظر رکھ کر جو بات محقق اور راجح ہے اس کو بیان فرمانا چاہتے ہیں۔ یہاں تمثیلات کے ذیل میں یہ ذکر استطراداً آگیا اس سے زائد بسط کا موقع نہیں اور حضرات اہل علم خود بھی جانتے ہیں۔ البتہ سورۂ انعام میں اس آیت کے متعلق حاشیہ پر کچھ بسط سے عرض کردیا جائے گا۔ انشأ اللہ۔

اس کے بعد مما رزقنھم کے ترجمہ میں من تبعیضیہ کا ترجمہ لفظ کچھ سے بیان فرما کر ممانعت اسراف کی طرف اشارہ کردیا جیسا کہ تفسیر بیضاوی وغیرہ میں مذکور ہے یخادعون اللہ کے ترجمہ میں فرماتے ہیں 'دغابازی کرتے ہیں اللہ سے' جو نہایت صاف اور مناسب ترجمہ ہے اور کوئی خلجان اور وہم اس میں نہیں ہوسکتا عذاب الیم کے ترجمہ میں 'دکھ کی مار' فرما کر اشارہ کردیا کہ فعیل بمعنی مفعول ہے جو استعمال مفرد اور راجح ہے اور محاورہ کے موافق۔ بما کانوا یکذبون میں یکذبون کا ترجمہ ظاہر کے خلاف 'جھوٹ کہتے تھے' فرماتے ہیں 'جھوٹ بولتے تھے' نہیں فرمایا۔ جو سہل اور ظاہر کے موافق تھا۔ سو اس کی وجہ انشأ اللہ یہی ہے کہ جھوٹ بولتے تھے۔ بظاہر اس سے یہ سمجھ

میں آتا ہے کہ ان لوگوں کا کاذب ہونا بیان کرنا مقصود ہے۔ اور اس کی وجہ سے ان پہ عذاب الیم ہوگا۔ حالانکہ یہ بات نہیں بلکہ مقصود یہ ہے کہ وہ لوگ اٰمنا باللّٰہ وبالیوم الاٰخر جھوٹ کہا کرتے تھے۔ یعنی منافق تھے۔ اور عذاب الیم اس نفاق کے بدلے میں ہوگا۔ فللّٰہ درّہ ما الطف طبعہ واسلم ذوقہ واحد نظرہ۔ اور سنیئے مایشعرون اور لایشعرون جو ان آیات میں مذکور ہیں دونوں جگہ یشعرون ایک لفظ ہے کوئی فرق نہیں۔ اس لیے حضرات مترجمین دونوں کے ترجمہ میں کچھ فرق نہیں فرماتے مگر حضرت شاہ صاحب رحمہ اللّٰہ اوّل کا ترجمہ 'نہیں بوجھتے' اور دوسرے کا 'نہیں سمجھتے' فرماتے ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ جہاں تامّل اور فکر کی حاجت ہوتی ہے اس کے سمجھنے کو 'بوجھنا' کہتے ہیں۔ حضرت ممدوح کے اس فرق فرمانے سے ادھر اشارہ ہوگیا کہ امر اوّل یعنی منافقوں کا اپنے نفسوں کو دھوکا دینا اس کے سمجھنے میں کچھ تامل کی حاجت ہے۔ اور امر ثانی یعنی منافقوں کا مفسد ہونا بالکل ایک امر ظاہر ہے۔ ادنیٰ تامل کی بھی حاجت نہیں۔ قاضی بیضاوی رحمہ اللّٰہ نے اس موقع میں لایشعرون اور لایعلمون کا فرق بیان کیا ہے۔ شاہ صاحب نے یہ کیا کہ ایک لفظ یشعرون کو دو موقعوں میں لانے سے بوجہ اختلافِ محل جو باریک فرق نکلتا تھا اس کی طرف اشارہ فرمائے۔

اس کے بعد یہ عرض ہے کہ ہم نے یہ چند نظائر چھوٹی بڑی جو شروع قرآن مجید کے صفحہ ڈیڑھ صفحہ کے متعلق ہیں موضح القرآن سے بطور نمونہ اور تنبیہ عرض کر دیے ہیں اُس کو دیکھ کر ترجمہ موصوف کی خوبی اور کیفیت بالاجمال معلوم ہو سکتی ہے۔ اور ہمارے معروضات سابقہ کی تصدیق کے لیے ان شاءاللّٰہ کافی ہیں۔ اور ترجمہ مذکورہ کا اوّل سے آخر تک یہی رنگ ہے۔ چنانچہ اہل علم پر واضح ہے مگر ہم اس امر سے معذور ہیں کہ جیسا ہم نے بطور نمونہ اس مقام کے متعلق چند نظائر عرض کی ہیں اسی طرح پر تمام ترجمہ کے نظائر اور فوائد کو بیان کریں اور نہ اس کی حاجت۔ البتہ جو بات قابل تنبیہ ہوگی اس کو اپنے اپنے موقع پر بالاجمال یا بالتفصیل حاشیہ پر فوائد کے ذیل میں ان شاءاللّٰہ عرض کر دیں گے۔ اور اہل فہم کو ایک دو جُز غور سے سمجھ لینے کے بعد ان امور کے سمجھنے میں خود سہولت ہو جائے گی۔

یہ امر بھی عرض کر دینے کے قابل ہے کہ حضرت حجۃ اللّٰہ علی العالمین شاہ ولی اللّٰہ قدس سرّہ نے جب اوّل قرآن شریف کا ترجمہ فرمایا تو حاشیہ پر ضروری فوائد بھی کچھ تحریر فرمائے۔ مگر نہایت مختصر اور مجمل اور بہت کم موقعوں پر جو عام مسلمانوں کو کسی مرتبہ میں بھی کافی نہیں ہو سکتے۔ اس کے بعد جب حضرت شاہ عبدالقادر رحمہ اللّٰہ نے ترجمہ فرمایا تو حضرت ممدوح نے فوائد کو بھی ایک مقدار کافی ضروری تک بڑھا دیا۔ جو نہایت مفید اور کارآمد ہیں۔ مگر مختصر عبارت اور سادہ الفاظ میں کہ بعض مواقع میں ہر کوئی سہولت سے نہیں سمجھ سکتا۔

اب اصل ترجمہ کی کیفیت بیان کرنے کے بعد اپنی ترمیم کے متعلق عرض ہے کہ یہ تو پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ ترمیم صرف دو امر کے متعلق ہے۔ لفظ متروک کو بدل دینا اور کہیں کہیں حسبِ ضرورت اجمال کو کھول دینا۔ اس کے بعد اتنا اور عرض ہے کہ جس موقع پر ہم کو لفظ بدلنے کی نوبت آئی ہے وہاں ہم نے یہ نہیں کیا کہ اپنی طرف سے جو مناسب سمجھا بڑھا دیا نہیں بلکہ حضرات اکابر کے تراجم میں سے لینے کی کوشش کی ہے۔ خود موضح القرآن میں دوسری جگہ کوئی لفظ مل گیا یا حضرت شاہ عبدالقادر صاحب کی اُردو تفسیر میں یا حضرت مولانا رفیع الدین کے ترجمہ میں یا فتح الرحمٰن

ہیں۔ حتی الوسع ان میں سے لینے کو پسند کیا ہے۔ البتہ کچھ مواقع ایسے بھی نکلیں گے جہاں کسی وجہ سے ہم نے اپنے خیال کے موافق کوئی لفظ داخل کر دیا ہے۔ اور جہاں ہم نے کوئی لفظ بدلا ہے وہاں دونوں باتوں کا خیال رکھا۔ یعنی لفظ ہلکا، سہل، محاورہ کے موافق بھی اور مطابق غرض اور موافق مقام بھی پورا ہو اور جس جگہ ایسا لفظ ہم کو نہیں ملا وہاں جانب معنی کو ترجیح دی ہے۔ یعنی لفظ موافق مراد اور مناسب مقام کو اختیار کیا ہے۔ گو اُس میں کسی قدر طول ہو یا لفظ بہت مشہور نہ ہو۔ اور ہم نے جس جگہ کسی مصلحت سے ترتیب کو بدلا ہے یا اور کوئی تغیر کیا ہے تو یہ ضرور لحاظ رکھا ہے کہ اس کی نظیر حضرات اکابر کے تراجم میں موجود ہوتی چاہیئے۔ ایسا تغیر جس کی نظیر مقدس حضرات کے تراجم میں نہ ہو ہم نے کل ترجمہ میں جائز نہیں رکھا۔ اتفاق سے اگر کوئی موقع اس عرض کے خلاف ہو تو وہ یقیناً ہمارا سہو ہے یا خطا۔ بالقصد جان بوجھ کر ہم نے ایسا کہیں نہیں کیا۔

حضرات علماء میں بعض کلمات قرآنی کے ترجمہ میں باہم کچھ خلاف ہوا ہے۔ اور بعض آیات کے مطلب میں بھی کچھ نزاع ہے۔ سو ایسے مواقع میں ہم نے حضرت شاہ عبدالقادر رحمہ اللہ ہی کا اتباع کیا ہے۔ الا ماشاء اللہ کہ کسی موقع پر حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہ کی متابعت اختیار کی ہے۔

فوائد کے متعلق یہ عرض ہے کہ موضح القرآن کے جملہ فوائد کے لینے کا التزام کیا گیا ہے۔ مگر شاذ و نادر کہ کسی وجہ سے اس کے بیان کرنے کی حاجت نہیں سمجھی اور فوائد میں چونکہ ہر طرح سے گنجائش اور وسعت ہے ترجمہ کی طرح قید اور تنگی نہیں تو اس لیے ہم نے اکثر یہ کیا ہے کہ حضرت ممدوح کے فوائد کو اپنی عبارت میں بیان کیا ہے اور تقدیم و تاخیر تغیر و تبدل، اجمال و تفصیل وغیرہ امور سے احتراز نہیں کیا۔ اور بہت سے فوائد بالاستقلال مفید اور نافع سمجھ کر مختلف موقعوں سے لے کر اپنی رائے سے بڑھا دیے ہیں اور حضرت شاہ صاحب کی تقلید کی وجہ سے ترجمہ میں اگر کسی جگہ قدرے تنگی رہ گئی تو اس کے بدلے میں مکافات سے بھی زائد فوائد میں اس کو واضح کر دیا گیا ہے۔ اور بغرض تشریح و تسہیل و تکمیل فوائد کی تکثیر کو ہم نے اختیار کیا۔ فوائد میں طول ہو جانے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ جو کوئی مترجم فوائد لکھتا ہے وہ صرف کلام مجید کے متعلق لکھتا ہے اور احقر کو اس کے علاوہ حضرت شاہ صاحب کے ترجمہ کے متعلق بھی بعض مواقع میں کچھ کچھ عرض کرنے کی نوبت آتی ہے۔ کیونکہ ہماری تمام سعی کا لب لباب دراصل ترجمہ موصوف کی خدمت گزاری ہے وبس۔ چونکہ بعض بعض مقامات پر کچھ کچھ ترمیم کرنے سے حقیقت میں یہ دوسرا ترجمہ نہیں ہو گیا۔ اس لیے اس کا کوئی نام مستقل مقرر کرنا بھی ٹھیک نہیں تھا مگر صرف دفع التباس اور رفع اشتباہ کی مصلحت سے مناسب معلوم ہوا کہ اگر اصل ترجمہ کے نام کے علاوہ اس کا بھی کچھ نام رکھ دیا جائے تو التباس و اشتباہ سے پورا بچاؤ رہے گا۔ اُس کا نام 'موضح قرآن' ہے اس کا نام 'موضح فرقان' بہت مناسب معلوم ہوتا ہے۔ ایک کے ہیں ایک، اور ہیں دو کے دو۔ کہنے کو دو اور حقیقت میں ہیں ایک۔ مگر موضح قرآن میں یہ خوبی ہے کہ تاریخی بھی سنائی ہے۔ موضح فرقان تاریخی نہیں، ہاں گھٹا بڑھا کر کچھ تکلف کے بعد تاریخی بھی ہو سکتا ہے۔ قطعہ

یادگار رشہ عبدالقادرؒ ترجمہ موضح قرآن مجید
وہ کہ آں معدنِ صد خوبی را کرد ترمیم اقل العبید
بے شش و پنج بگفتہ محمود سال او موضح فرقان حمید
۱۳۳۶ھ

اس کے بعد یہ عرض ہے کہ سب مسلمانوں پر فرض ہے کہ اپنے رب کو پہچانیں اور اس کی صفات اور اس کے احکام کو معلوم کریں اور تحقیق کریں کہ حق تعالیٰ کون سی باتوں سے خوش ہوتا ہے اور کون سی باتوں سے غصہ ہوتا ہے اور اُس کی خوشی کے کاموں کو کرنا اور اس کی ناخوشی کے کاموں سے بچنا، اسی کا نام بندگی ہے۔ اور جو بندگی نہ کرے وہ بندہ نہیں۔ اور سب کو معلوم ہے کہ آدمی جب پیدا ہوتا ہے سب چیزوں سے ناواقف اور محض انجان ہوتا ہے پھر سکھلانے سے سب کچھ سیکھ لیتا ہے اور بتلانے سے ہر چیز جان لیتا ہے اسی طرح حق کا پہچاننا اور اُس کی صفات اور احکام کا جاننا بھی بتلانے اور سکھلانے سے آتا ہے۔ لیکن جیسا حق تعالیٰ نے ان باتوں کو قرآن شریف میں خود بتلایا ہے ویسا کوئی نہیں بتلا سکتا اور جو اثر اور برکت اور ہدایت خدائے تعالیٰ کے کلام پاک میں ہے وہ کسی کے کلام میں نہیں۔ اس لیے عام خاص جملہ اہل اسلام کو لازم ہے کہ اپنے اپنے درجہ کے موافق کلام اللہ کے سمجھنے میں غفلت اور کوتاہی نہ کریں۔ سو قرآن شریف کے اُوپر کے درجہ کے مطالب اور خوبیاں تو عالموں کے سمجھنے کی بات ہے مگر جو لوگ کہ علم عربی سے ناواقف ہیں اُن کو بھی کم سے کم اتنا ضرور کرنا چاہیئے کہ علمائے دین نے جو سلیس ترجمے ان کی زبان میں عوام کی واقفیت اور ہدایت کے لیے کر دیئے ہیں اُن کے ذریعہ سے اپنے معبود حقیقی کے کلام کے سمجھنے میں ہرگز کاہلی نہ کریں اور اس نعمت لازوال سے بالکل محروم نہ رہیں کہ بہت بڑی بدبختی اور کم قسمتی ہے مگر اس میں اتنا اندیشہ ضرور ہے کہ صرف فارسی خواں یا اُردو داں جو محاورات عرب سے ناواقف ہے۔ محض سلیس ترجمہ کو دیکھ کر کچھ کا کچھ سمجھ جائے گا کیونکہ پچھلی بات کا پہلی بات سے ملنا یا جُدا ہو جانا اکثر مواقع میں بدوں بتلائے ناواقف کی سمجھ میں نہیں آتا۔ اور کسی مضمون مجمل اور مبہم میں کچھ کا کچھ سمجھ جانا عوام سے کچھ بعید نہیں۔ یہاں تک کہ بعض آیتوں میں ضمیر کے مرجع میں غلطی کھا کر خرابی میں پڑنے کا اندیشہ ہے۔ نیز یہ امر بھی ضروری ہے کہ کلام الٰہی کے معنیٰ بلا سند معتبر نہیں اور سلف صالحین کے مخالف کسی آیت کے معنیٰ لینے جہل اور گمراہی ہے بالخصوص موضح القرآن کے اُن فوائد کو سمجھنا جو کہ جگہ جگہ حضرت شاہ صاحب نے اشارۃً ارشاد فرمائے ہیں بدوں بتلائے عالم واقف کے نا ممکن جیسا کہ ابھی معروض کر آیا ہوں۔ سو اِن وجوہ سے لازم ہے کہ استاد سے سیکھنے میں مسلمان کاہلی اور کوتاہی نہ کریں اور محض اپنی رائے پر اعتماد کر کے ثواب کے بدلے اللہ کا غصہ نہ کمائیں واللہ الموفق وھو یھدی السبیل۔

یہ مضمون حضرت شاہ صاحب کا ہے جو تھوڑی سی تفصیل اور تغیر کے ساتھ ہم نے مفید سمجھ کر عرض کر دیا ہے۔ اگر کاش مسلمانانِ ہند اس مفید قابل اہتمام مضمون کی پابندی کرتے تو آج ترجمہ موضح القرآن کے سمجھ میں نہ آنے کی شکایت نہ کرتے اور جو حضرات ترجمہ موصوف کے سمجھنے میں آج سُست اور کاہل نظر آتے ہیں وہ دوسروں کے سمجھانے میں چست اور مستعد نظر آتے۔ حضرات علمأ عام اہل اسلام کی بہبودی اور نفع رسانی کی غرض سے سہل سے سہل نئے نئے ترجمے شائع کرتے رہتے ہیں مگر انصاف سے اس وقت تک نفع مذکور باوجود کثرتِ تراجم عام اور شائع طور پر اہل اسلام میں نہیں پھیلا۔ جب تک خود اہل اسلام ترجمۂ قرآن شریف کو ضروری اور مفید سمجھ کر اپنے شوق اور توجہ سے سیکھنا اور سمجھنا نہ چاہیں گے۔ اس وقت تک تکثیر تراجم سے عوام کو کیا نفع پہنچ سکتا ہے۔ شیخ علیہ الرحمۃ نے کیا خوب

فرمایا ہے۔ قطعہ۔ فہم سخن تا نکند مستمع ؛ قوت طبع از متکلم مجوئے ؛ فسحت میدانِ ارادت بیار ؛ تا بزند مرد سخنگوئی گوئے۔ حضرات علماء نے عوام کی بہبودی کی غرض سے جیسے سہل اور آسان متعدّد ترجمے شائع فرمادیے ہیں ایسے ہی اس کی بھی حاجت ہے کہ علی العموم مسلمانوں کو اُن ترجموں کے سیکھنے اور ان کے سمجھنے کی طرف رغبت بھی دلائی جائے علمائے کرام اہل اسلام کو خاص طور سے ترجموں کے سمجھنے اور پڑھنے کی ضرورت اور اسکی منفعت دل نشین کرنے میں کوتاہی نہ فرمائیں۔ بلکہ ترجمہ کی تعلیم کے لیے ایسے سلسلے بھی قائم فرمادیں کہ جو چاہے بسہولت اپنی حالت کے مناسب اور فرصت کے موافق حاصل کرسکے۔ واللہ الموفق والمعین۔

التماسِ اخیر

حضرت شاہ صاحب کے اصل ترجمہ کا احسن التراجم اور انفع التراجم ہونا تو انشاءاللہ ایسا نہیں کہ اہل علم و دیانت میں کوئی اُس کا منکر ہو ہاں احقر نے جو اس کی خدمت اور ترمیم کی ہے اس کی نسبت ضرور ہم کو خلجان ہے۔ اس لیے اہل علم و انصاف کی خدمت میں التماس ہے کہ اگر یہ ترجمہ شائع ہو کر کسی وقت آپ حضرات تک پہنچے تو اس کی حاجت ہے کہ ایک نظر اس کو ملاحظہ فرما کر جو امور قابل اصلاح معلوم ہوں اُن سے ہم کو مطلع فرمانے میں تامل نہ فرمائیں۔ اور اگر کوئی صاحب بالاستقلال ترمیم فرمانا زیادہ پسند کریں تو وہ بالاستقلال اس خدمت کو انجام دینے میں سعی فرمائیں ہماری غرض صرف یہ ہے کہ یہ عمدہ اور مفید ترجمہ جو اہل علم اور عوام دونوں کو مفید ہے ایک تھوڑے سے بہانہ سے نظروں سے نہ گر جائے۔ اور ہم اس کے فیض سے محروم نہ رہ جائیں۔ اور ایک صدقۂ جاریہ میں خلل اور نقصان نہ آجائے جس طرح ہو اور جو کوئی اس کی تلافی اور تدارک بہتر سے بہتر کرسکے وہ اس میں کوتاہی نہ کرے۔ صلائے عام ہے یارانِ نکتہ داں کے لیے۔

یادداشت بعض امور کی جو ترجمہ یا فوائد میں خیال کیے گئے

از: حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن رح

(حضرت شیخ الہند کی یہ مختصر یادداشت مسودات ترجمہ میں موجود تھی جس سے فوائد پر ایک روشنی پڑتی ہے اس کو شائع کیا جاتا ہے)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔ لغت میں یہ بات مسلم ہے کہ الرحمٰن میں بہ نسبت الرحیم مبالغہ زیادہ ہے۔ لیکن اس کے فرق کی طرف سوائے شاہ صاحب رح کسی نے اشارہ نہیں کیا بعض مترجموں نے تو بالکل الٹا کر دیا۔ شاہ صاحب کا فرق ایسا دقیق تھا کہ اس کو کسی نے خیال نہیں کیا۔ شاہ صاحب رح نے تحریر فرمایا ہے "جو بڑا مہربان نہایت رحم والا" ہمارے ترجمہ میں اس کو خوب کھول دیا گیا اور یہ ترجمہ کیا گیا "بے حد مہربان نہایت رحم کرنیوالا" 'رحمٰن' اور 'رحیم' دونوں کے مبالغہ کو ظاہر کر دیا اور بے حد اور نہایت نے باہمی فرق بھی بتلا دیا۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ۔ الحمد کا ترجمہ مولوی نذیر احمد صاحب نے ہر ہر طرح کی تعریف کیا ہے۔ لیکن اس ترجمہ میں نہایت باریک نقص تھا۔ کیونکہ اس سے مفہوم ہوتا ہے کہ ہر قسم کی تعریفیں اللہ کے واسطے ہیں۔ اس سے استغراق انواع ثابت ہوا نہ کہ استغراق افراد اور استغراق افرادی بڑھا ہوا ہوتا ہے اور وہی مراد بھی ہے اس ترجمہ کو چھوڑ کر یہ ترجمہ کیا گیا 'سب تعریفیں اللہ کے لیے' اس ترجمہ اور شاہ صاحب کے ترجمے میں صرف الفاظ کے کم و بیش کا فرق ہے۔ امر مذکور کے فائدہ میں مضمون کھول دیا ہے۔

مالک یوم الدین۔ مولوی نذیر احمد صاحب نے اس کا ترجمہ بادشاہ کا کیا ہے۔ اگرچہ یہ ترجمہ اس قرأت کے موافق درست ہو جس میں ملک یوم الدین ہے مگر اس قرأۃ کے موافق درست نہیں۔ اس کا خیال رکھنا چاہیئے تھا۔

غیر المغضوب علیھم۔ اس آیت شریفہ کا ترجمہ نہایت غور طلب امر ہے۔ تمام تفاسیر میں لکھا ہے غیر الذین کی صفت ہے۔ یا بدل ہے۔ لیکن تمام مترجموں نے اس کا خیال نہیں کیا۔ بلکہ خلاف ترکیب نفظی یہ ترجمہ کیا ہے 'نہ اس کی راہ' البتہ شاہ صاحب رح کے ترجمہ میں دونوں احتمال تھے۔ اس لیے تمام تراجم کے خلاف اس آیت کے ترجمہ کو تفاسیر کے موافق کر دیا۔ اور فائدہ میں اصل مدعا کو کھول دیا ہے۔

الٓمٓ۔ حروف مقطعات کے معانی میں مولوی نذیر احمد صاحب نے علماء کے اوپر شخصی رائے کا الزام لگایا تھا۔ جس کے جواب کی طرف فائدہ میں اشارہ کیا ہے۔

لاریب فیہ۔ اس آیت کے فائدے میں بہت سے شبہات اور اعتراضات کا جواب دیا گیا ہے۔

دو جگہ لفظ یشعرون وارد ہوا ہے۔ تمام مترجموں نے دونوں جگہ ایک ہی ترجمہ کیا ہے۔ یعنی نہیں سمجھتے۔ البتہ شاہ صاحب رح نے فرق کیا ہے جو نہایت باریک ہے وہ یہ کہ اوّل میں بوجھتے اور دوسرے میں سمجھتے۔ لیکن یہ فرق بہت مخفی

تھا۔ اس کو ہمارے ترجمہ میں کھول دیا گیا ہے۔

ولھم عذاب الیم الخ یکذبون کا ترجمہ مولوی نذیر احمد صاحب وغیرہ نے 'جھوٹ بولتے تھے' کیا ہے۔ اور شاہ صاحبؒ نے جھوٹ کہتے تھے۔ لیکن صحیح ترجمہ یہی ہے جو شاہ صاحبؒ نے کیا ہے۔ کیونکہ یہ سزا مطلقاً جھوٹ بولنے کی عادت کی نہ تھی۔ بلکہ خاص اس جھوٹ کہنے کی کہ 'اٰمنا باللہ' یعنی نفاق کے بولنے اور کہنے میں باریک فرق ہے اور فائدہ میں اس کو واضح کر دیا ہے۔

یمدھم فی طغیانھم۔ اس آیت کے ترجمہ میں نذیر احمد صاحب وغیرہ مترجموں تے سب نے غلطی کی ہے۔ کہ فی طغیانھم کو یعمھون کے متعلق کیا ہے حالانکہ اس سے معتزلہ کے مذہب کی تائید ہوتی ہے۔ صحیح ترجمہ یہ ہے کہ اسکو یَمُدُّ کے متعلق کیا جاوے۔ اور جو مذہب اہل سنت کا ہے اس کو ظاہر کر دیا جاوے۔ شاہ صاحبؒ کا ترجمہ اسی طرح پر ہے۔ اور ہمارے ترجمہ میں اس کو واضح کر دیا ہے دوسری بات یہ ہے کہ مولوی نذیر احمد صاحبؒ نے عمی اور عمہ کے فرق کو بالکل اڑا کر بے موقع ترجمہ کیا ہے دیکھنے سے یہ فرق معلوم ہوگا فما ربحت تجارتھم الخ اس کا ترجمہ غلط کیا ہے۔

ذھب اللہ بنورھم۔ مولوی نذیر احمد صاحب نے آنکھوں کا نور مراد لیا ہے۔ حالانکہ یہ درست نہیں ہے ؛ فلمّا اضاءت ما حولہ۔ اس آیت میں فعل لازم کا ترجمہ کیا ہے۔ حالانکہ قرآن مجید میں ہماری قرأت فعل متعدی کی ہے ؛ من الصّواعق حذر الموت۔ اس کے ترجمہ میں بلا داعی تقدیم و تاخیر ایسی کی کہ مطلب اُلٹا ہو گیا۔

واتوا بہ متشابھا۔ مولوی نذیر احمد صاحب نے اپنے ترجمہ میں جنت کے تمام پھلوں کو ہم شکل بتایا ہے۔ یہ احتمال مرجوح ہے۔ اس آیت پر فائدہ میں خوب تشریح کر دی گئی ہے۔ فیعلمون انہ الحق من ربھم۔ اس کے ترجمہ میں من ربھم کو معطوف بنا دیا اور محض خبط کیا۔

کیف تکفرون باللہ اس کا ترجمہ سب کے خلاف اور غلط معلوم ہوتا ہے۔

وزوجک الجنۃ۔ ترجمہ زوجہ کا بی بی کیا ہے۔ آگے جا کر محصنۃ کا یہی ترجمہ ہے ؛ انہ ھو التواب الرحیم۔ غائب کا ترجمہ مخاطب کیا ہے ؛ مصدقا لما معکم اس کا ترجمہ عطف کے ساتھ کیا ہے۔ بکم کا ترجمہ بچھیا کیا ہے ؛ الا امانی کے معنی مخدوش اور مرجوح لیے۔ فلن یخلف اللہ عھدہ میں فاء کا ترجمہ 'اور' کیا ہے ؛ قالوا سمعنا کا ترجمہ 'ان لوگوں نے گویا زبان حال سے یہ کہا۔۔۔ الخ' کیا ہے ؛ فانہ نزلہ علی قلبک باذن اللہ مصدقا۔۔۔ الخ حال کا ترجمہ غلط کیا ہے ؛ یابنی ان اللہ اصطفٰی۔۔۔۔ الخ بنی کا ترجمہ مفرد کیا ہے۔

لئلا یکون للناس۔۔۔۔ الخ کو ترجمہ نذیریہ میں یہ بار بار حکم دینے کو استقبال کعبہ

پارہ سیقول :-

کی علت بتایا ہے۔ جو غلط ہے ؛ فمن کان منکم مریضا۔۔۔ الخ فاء کا ترجمہ غلط کیا ہے ؛ وعلی الذین یطیقونہ۔۔۔۔ الخ اس سے مسئلہ غلط بیان کیا ہے۔ شھر رمضان الذی انزل فیہ القرآن اس کا ترجمہ بہت بے موقع کیا ہے۔ مگر تفسیر کبیر کا حوالہ دیا ہے ؛ اجیب دعوۃ الداع۔۔۔۔ الخ

کا ترجمہ غلط کیا ہے ∴ ثم افیضوا من حیث افاض الناس کا ترجمہ خراب کیا ∴ والذین اٰمنوا معہ کا ترجمہ الٹا کیا ∴ فلما جاوزہ ھو والذین اٰمنوا معہ ۔ معہ کو اٰمنوا کے متعلق کیا جاوز کے نہیں کیا ∴ فلما تبین لہ قال اعلم ... الخ اس کے ترجمہ اور فائدہ میں اظہار خباثت معلوم ہوتا ہے ∴ للذین یولون من نسائھم۔ اس کے ترجمہ اور فائدہ میں تعارض ہے اور مذہب کے بھی خلاف ہے۔

او کالذی مر علی قریۃ ... الخ کا ترجمہ بے ڈھنگا خلاف محاورہ کیا ہے ∴

تلک الرسل :- فخذ اربعۃ اس کا ترجمہ بے موقع ہوا ہے ∴ فترکہٗ صلدا اصلدا کا ترجمہ "سپاٹ" نادرست معلوم ہوتا ہے۔ وما تنفقون الا ابتغاء وجہ اللہ اس کا ترجمہ خبط سے خالی نہیں۔

ولو اننا :- قل ھی للذین اٰمنوا فی الحیٰوۃ الدنیا۔ فی الحیٰوۃ کو غلطی سے اٰمنوا کے متعلق کر دیا ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ضروری انتباہ!!

ہر خاص وعام کو اطلاع دی جاتی ہے کہ e-iqra.info کا بنیادی مقصد صرف اور صرف اشاعت دین کو عام کرنا ہے جس کے لئے ہم آپ تک علمی مواد SCAN کر کے فراہم کرتے ہیں، جسے آپ اپنے گھر یا دفتر میں پرنٹ کر کے یا کمپیوٹر، موبائل پر خود مطالعہ کر سکتے ہیں اور اپنے دوست واحباب کو مفت تقسیم کر سکتے ہیں مگر اس مواد کو آپ چھاپ نہیں سکتے یا کاروباری مقاصد کے لئے استعمال نہیں کر سکتے۔

منجانب: ایڈمن

علم سب کے لئے

www.e-iqra.info

فہرست عنوانات تفسیر عثمانی بہ شکل جدید

(جلد اول)

سورہ آل عمران (۳)

سورۂ انعام (۶)

سورۂ اعراف (۷)

سورۃ الحجر (۱۵)

سورہ بنی اسرائیل (۱۷)

سُوْرَةُ الْفَاتِحَةِ

اٰیاتُھا ۷ (۱) سُوْرَةُ الْفَاتِحَةِ مَكِّيَّةٌ (۵) رکوعُھا ۱

سورہ فاتحہ مکہ میں نازل ہوئی | بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ | اس میں سات آیتیں اور ایک رکوع ہے

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے ف۱

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝۱ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝۲ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۝۳ اِيَّاكَ

سب تعریفیں اللہ کیلئے ہیں ف۲ جو پالنے والا سارے جہان کا ف۳ بے حد مہربان نہایت رحم والا مالک روزِ جزا کا ف۴ تیری ہی

نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ۝۴ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝۵ صِرَاطَ الَّذِيْنَ

ہم بندگی کرتے ہیں اور تجھی سے مدد چاہتے ہیں ف۵ بتلا ہم کو راہ سیدھی راہ اُن لوگوں کی جن پر

اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۙ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ۝۷ ع

تو نے فضل فرمایا ف۶ جن پر نہ تیرا غصہ ہوا اور نہ وہ گمراہ ہوئے ف۷

(۱) رحمٰن اور رحیم دونوں مبالغہ کے صیغے ہیں اور رحمٰن میں رحیم سے زیادہ مبالغہ ہے ترجمہ میں ان سب باتوں کا لحاظ ہے۔

(۲) **ہر تعریف اللہ کی ہے** یعنی سب تعریفیں عمدہ سے عمدہ اول سے آخر تک جو ہوئی ہیں اور جو ہوں گی خدا ہی کو لائق ہیں۔ کیونکہ ہر نعمت اور ہر چیز کا پیدا کرنے والا اور عطا کرنے والا وہی ہے خواہ بلاواسطہ عطا فرمائے یا بواسطہ جیسے دھوپ کی وجہ سے اگر کسی کو حرارت یا نور پہنچے تو حقیقت میں آفتاب کا فیض ہے۔ شعر حمد را با تو نسبتے ست درست ۞ بر درِ ہر کہ رفت بر درِ تست۔ تو اب اس کا ترجمہ کرنا کہ ہر طرح کی تعریف خدا ہی کو سزاوار ہے) بڑی کوتاہی کی بات ہے جسکو اہل فہم خوب سمجھتے ہیں۔

(۳) **عالمین کے معنی** مجموعہ مخلوقات کو عالم کہتے ہیں اور اسی لئے اس کی جمع نہیں لاتے۔ مگر آیت میں عالم سے مراد ہر ہر جنس (مثلاً عالم جن، عالم ملائکہ، عالم انس وغیرہ وغیرہ) ہیں۔ اس لئے جمع لائے تاکہ جملہ افراد عالم کا مخلوق جناب باری ہونا خوب ظاہر ہو جائے۔

(۴) اس کے خاص کرنے کی اول وجہ تو یہی ہے کہ اس دن بڑے بڑے امور پیش آئیں گے ایسا خوفناک روز نہ پہلے ہوا نہ آگے کو ہو دوسرے

اُس روز بجز ذات پاک حق تعالےٰ کے کسی کو ملک و حکومت ظاہری بھی تو نصیب نہ ہوگی لمن الملك اليوم لله الواحد القهار۔

(۵) **صرف اللہ سے استعانت** اس آیت شریفہ سے معلوم ہوا کہ اُس کی ذات پاک کے سوا کسی سے حقیقت میں مدد مانگنی بالکل ناجائز ہے ہاں اگر کسی مقبول بندہ کو محض واسطہ رحمت الٰہی اور غیر مستقل سمجھ کر استعانت ظاہری اُس سے کرے تو یہ جائز ہے کہ یہ استعانت درحقیقت حق تعالیٰ ہی سے استعانت ہے۔

(۶) **اہل انعام اور اہل غضب** جن پر انعام کیا گیا وہ چار فرقے ہیں نبیین و صدیقین و شہداء و صالحین کلام اللہ میں دوسرے موقع پر اس کی تصریح ہے اور المغضوب علیهم سے یہود اور ضالین سے نصاریٰ مراد ہیں۔ دیگر آیات و روایات اس پر شاہد ہیں اور صراط مستقیم سے محرومی کل دو طرح پر ہوتی ہے۔ عدم علم یا جان بوجھ کر کوئی فرقہ گمراہ اگلا پچھلا ان دو سے خارج نہیں ہو سکتا سو نصاریٰ تو وجہ اوّل میں اور یہود دوسری میں ممتاز ہیں۔

(۷) **قرآن میں سورہ فاتحہ کی حیثیت** یہ سورت خدا تعالیٰ نے بندوں کی زبان سے فرمائی کہ جب ہمارے دربار میں حاضر ہو تو ہم سے یُوں سوال کیا کرو اس لئے اس سورت کا ایک نام تعلیم مسئلہ بھی ہے۔ اس سورت کے ختم پر لفظ آمین کہنا مسنون ہے۔ اور یہ لفظ قرآن شریف سے خارج ہے معنی اس لفظ کے یہ ہیں کہ "الٰہی ایسا ہی ہو" یعنی مقبول بندوں کی پیروی اور نافرمانوں سے علیحدگی میسّر ہو اس سورت کے اوّل نصف میں اللہ تعالیٰ کی ثناء و صفت اور دوسرے حصّہ میں بندہ کے لئے دعا ہے فائدہ غیر المغضوب الخ الذین کا بدل ہے یا اُس کی صفت ہے اس لئے اُس کے مناسب ترجمہ کیا گیا۔ بعض تراجم دہلویہ میں جو اس کا ترجمہ کیا ہے خلاف ترکیب و خلاف مقصود ہے۔

سُوْرَةُ الْبَقَرَةِ

(۲) سُوْرَةُ الْبَقَرَةِ مَدَنِيَّةٌ (۸۷) — اٰيَاتُهَا ۲۸۶ — رُكُوْعَاتُهَا ۴۰

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سورہ بقرہ مدینہ میں نازل ہوئی اور اس میں | شروع اللہ کے نام سے جو بیحد مہربان نہایت رحم والا ہے | دو سو چھیاسی آیتیں اور چالیس رکوع ہیں

الٓمّٓ ﴿۱﴾ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ ۛ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۲﴾ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ

ف۱ اس کتاب میں کچھ شک نہیں ف۲ راہ بتلاتی ہے ف۳ ڈرنیوالوں کو ف۴ جو کہ یقین کرتے ہیں بے دیکھی چیزوں کا ف۵

وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴿۳﴾ وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَا

اور قائم رکھتے ہیں نماز کو ف۶ اور جو ہم نے روزی دی ہے اُن کو اُس میں سے خرچ کرتے ہیں ف۷ اور وہ لوگ جو ایمان لائے اس پر کہ جو کچھ

اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ﴿۴﴾ اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ

نازل ہوا تیری طرف اور اُس پر کہ جو کچھ نازل ہوا تجھ سے پہلے اور آخرت کو وہ یقینی جانتے ہیں ف۸ وہی لوگ ہیں ہدایت پر اپنے پروردگار

رَّبِّهِمْ ۙ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۵﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا

کی طرف سے اور وہی ہیں مراد کو پہنچنے والے ف۹ بیشک جو لوگ کافر ہو چکے برابر ہے اُن کو تو ڈرائے یا نہ ڈرائے وہ

يُؤْمِنُوْنَ ﴿۶﴾ خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ ۭ وَعَلٰٓى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ ۡ وَّلَهُمْ

ایمان نہ لائیں گے ف۱۰ مہر کر دی اللہ نے اُن کے دلوں پر اور اُنکے کانوں پر اور اُن کی آنکھوں پر پردہ ہے ف۱۱ اور اُن کے

عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۷﴾ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ

لئے بڑا عذاب ہے اور لوگوں میں کچھ ایسے بھی ہیں جو کہتے ہیں ہم ایمان لائے اللہ پر اور دن قیامت پر اور وہ ہرگز مومن نہیں ف۱۲

يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ وَمَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۹﴾

دغابازی کرتے ہیں اللہ سے اور ایمان والوں سے اور در اصل کسی کو دغا نہیں دیتے مگر اپنے آپ کو اور نہیں سوچتے ف۱۳

فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ ۙ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۢ بِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ﴿۱۰﴾

اُن کے دلوں میں بیماری ہے پھر بڑھادی اللہ نے اُنکی بیماری ف۱۴ اور اُنکے لئے عذاب دردناک ہے اس بات پر کہ جھوٹ کہتے تھے ف۱۵

(۱) **حروف مقطعات** | ان حروف کو مقطعات کہتے ہیں ان کے اصلی معنی تک اوروں کی رسائی نہیں۔ بلکہ یہ بھید ہے اللہ اور رسول کے درمیان جو بوجہ مصلحت و حکمت ظاہر نہیں فرمایا۔ اور بعض اکابر سے جو ان کے معنی منقول ہیں اُس سے صرف تمثیل و تنبیہ و تسہیل مقصود ہے یہ نہیں کہ مراد حق تعالیٰ یہ ہے تو اب اس کو رائے شخصی کہہ کر تغلیط کرنا محض شخصی رائے ہے جو تحقیق علماء کے بالکل خلاف ہے۔

(۲) **قرآن میں شک نہ ہونے کا مطلب** | یعنی اس کے کلام الٰہی ہونے اور اس کے جملہ مضامین کے واقعی ہونے میں کچھ شبہ نہیں جاننا

چاہیئے کہ کسی کلام میں اشتباہ ہونے کی دو صورتیں ہیں یا تو خود اُس کلام میں کوئی غلطی اور خرابی ہو یا سننے والے کے فہم میں خلل ہو۔ اوّل صورت میں محل ریب یہ کلام ہے اور دوسری صورت میں محل ریب حقیقت میں سمجھنے والے کا فہم ہے۔ کلام بالکل حق ہے گو اُس کو اپنی نافہمی سے وہ کلام محل ریب معلوم ہو۔ سو اس آیت میں ریب کی صورت اوّل کی نفی فرمائی ہے تو اب یہ شبہ کہ کلام اللہ کے کلام الٰہی اور حق ہونے میں تو سب کفار کو ریب وانکار تھا پھر اس نفی کے کیا معنی۔ بالکل جاتا رہا باقی رہی صورت ثانی اُس کو آگے چل کر فرمادیا گیا وان کنتم فی ریب الخ

(۳) یہاں سے اخیر قرآن تک جواب ہے اھدنا الصراط المستقیم کا جو سوال بندوں کی طرف سے ہوا تھا۔

(۴) **مومنین کی صفات** یعنی جو بندے اپنے خدا سے ڈرتے ہیں اُن کو یہ کتاب راستہ بتلاتی ہے کیونکہ جو اپنے خدا سے خائف ہوگا اُس کو امور مرضیہ اور غیر مرضیہ یعنی طاعت و معصیت کی ضرور تلاش ہوگی اور جس نافرمان کے دل میں خوف ہی نہیں اُس کو طاعت کی کیا فکر اور معصیت سے کیا اندیشہ۔

(۵) یعنی جو چیزیں اُن کے عقل و حواس کے مخفی ہیں (جیسے دوزخ۔ جنت۔ ملائکہ وغیرہ) ان سب کو اللہ اور رسول کے ارشاد کی وجہ سے حق اور یقینی سمجھتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ ان امور غائبہ کا منکر ہدایت سے محروم ہے۔

(۶) اقامت صلوٰۃ کا یہ مطلب ہے کہ ہمیشہ رعایت حقوق کے ساتھ وقت پر ادا کرتے ہیں۔

(۷) سب طاعتوں کی اصل تین ہیں۔ اوّل جو باتیں دل سے تعلق رکھتی ہیں، دوسری بدن سے، تیسری مال سے سو اس آیت میں ہر سہ اصول کو ترتیب وار لے لیا۔

(۸) اس سے پہلی آیت میں ان لوگوں کا بیان تھا جن مشرکین نے ایمان قبول کیا (یعنی اہل مکہ) اور اس آیت میں ان کا بیان ہے جو اہل کتاب (یعنی یہود و نصاریٰ) مشرف باسلام ہوئے۔

(۹) یعنی اہل ایمان کے دونوں گروہ مذکورہ بالا دنیا میں اُن کو ہدایت نصیب ہوئی اور آخرت میں ان کو ہر طرح کی مراد ملے گی جس سے معلوم ہو گیا کہ جو نعمت ایمان اور اعمال حسنہ سے محروم رہے اُن کی دنیا و آخرت دونوں برباد ہیں اب اُن دونوں فریق مومنین سے فارغ ہو کر اس کے آگے کفار کی حالت بیان کی جاتی ہے۔

(۱۰) **کفّار کی حالت** ان کفار سے خاص وہ لوگ مراد ہیں جن کے لئے کفر مقرر ہو چکا اور دولت ایمان سے ہمیشہ کے لئے محروم کر دیئے گئے (جیسے ابوجہل ابولہب وغیرہ) ورنہ ظاہر ہے کہ بہت سے لوگ جو کافر تھے مشرف باسلام ہوئے اور ہوتے رہتے ہیں۔

(۱۱) **منافقین کی صفات** ان کے دلوں پر مہر کر دی (یعنی حق بات کو نہیں سمجھتے) اور کانوں پر مہر کر دی (یعنی سچی بات کو متوجہ ہو کر نہیں سنتے) اور آنکھوں پر پردہ ہے (یعنی راہ حق کو نہیں دیکھتے) کفار کا بیان ختم ہو گیا اب منافقوں کا حال اس کے بعد تیرہ آیتوں میں ذکر کیا جاتا ہے۔

(۱۲) یعنی دل سے ایمان نہیں لائے جو حقیقت میں ایمان ہے صرف زبان سے فریب دینے کے لئے اظہار ایمان کرتے ہیں۔

(۱۳) یعنی اُن کی فریب بازی نہ خدا تعالیٰ کے اوپر چل سکتی ہے کہ وہ عالم الغیب ہے اور نہ مومنین پر کہ حق تعالیٰ مومنین کو بواسطہ پیغمبرؐ اور دیگر دلائل و قرائن کے منافقین کے فریب سے آگاہ فرما دیتا ہے بلکہ اُن کی فریب بازی کا وبال اور اس کی خرابی حقیقت میں اُن ہی کو پہنچتی ہے مگر وہ اس کو اپنی غفلت اور جہالت اور شرارت سے نہیں سوچتے اور نہیں سمجھتے اگر غور کریں تو سمجھ لیں کہ اس فریب بازی سے مسلمانوں کو نقصان نہیں پہنچتا بلکہ اس کا نتیجہ خراب ہم کو پہنچ رہا ہے۔ حضرت شاہ صاحب قدس سرہٗ (شاہ عبدالقادرؒ صاحبؒ) کے فہم کی نزاکت ہے کہ یہاں یشعرون کا ظاہر ترجمہ چھوڑ کر اس کا ترجمہ بوجھنا یعنی سوچنا فرمایا۔

(۱۴) یعنی ان کے دلوں میں نفاق اور دین اسلام سے اور مسلمانوں سے حسد اور عناد یہ مرض پہلے سے موجود تھے اب نزول قرآن اور

ظہور شوکت اسلام اور ترقی و نصرت اہل اسلام کو دیکھ دیکھ کر اُن کی وہ بیماری اور بڑھ گئی ۔

(۱۵) ایمان کا جھوٹا دعوٰی | اس جھوٹ کہنے سے اسلام کا جھوٹا دعوٰی اٰمنا باللّٰہ و بالیوم الاٰخر مراد ہے جو اُوپر گذر چکا ۔ یعنی عذاب الیم حقیقت میں اُن کے نفاق کی سزا ہے نہ مطلق جھوٹ بولنے کی ۔ حضرت شاہ صاحبؒ کو اسی باریک فرق پر متنبہ فرمانا منظور ہے جو یکذبون کا ترجمہ جھوٹ بولنے کی جگہ "جھوٹ کہتا" فرماتے ہیں فجزاہ اللّٰہ ما ادق نظرہ ۔

وَاِذَا قِیْلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ ۙ قَالُوْٓا اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ ۝۱۱ اَلَآ

اور جب کہا جاتا ہے اُن کو فساد نہ ڈالو ملک میں تو کہتے ہیں ہم تو اصلاح کرنے والے ہیں ف۱۶ جان لو وہی ہیں

اِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُوْنَ وَلٰكِنْ لَّا یَشْعُرُوْنَ ۝۱۲ وَاِذَا قِیْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ

خرابی کرنے والے لیکن نہیں سمجھتے ف۱۷ اور جب کہا جاتا ہے اُن کو ایمان لاؤ جس طرح ایمان لائے سب لوگ تو کہتے ہیں

قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ كَمَآ اٰمَنَ السُّفَهَآءُ ؕ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَآءُ وَلٰكِنْ لَّا یَعْلَمُوْنَ ۝۱۳ وَاِذَا لَقُوا

کیا ہم ایمان لائیں جس طرح ایمان لائے بیوقوف جان لو وہی ہیں بیوقوف ف۱۹ لیکن نہیں جانتے ف۲۰ اور جب ملاقات کرتے

الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚۖ وَاِذَا خَلَوْا اِلٰی شَیٰطِیْنِهِمْ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ ۙ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ ۝۱۴

ہیں مسلمانوں سے تو کہتے ہیں ہم ایمان لے آئے ہیں اور جب تنہا ہوتے ہیں اپنے شیطانوں کے پاس ف۲۱ تو کہتے ہیں کہ بیشک ہم تمہارے ساتھ ہیں ف۲۲ ہم تو ہنسی کرتے ہیں ف۲۳

اَللّٰهُ یَسْتَهْزِئُ بِهِمْ وَیَمُدُّهُمْ فِیْ طُغْیَانِهِمْ یَعْمَهُوْنَ ۝۱۵ اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ

(یعنی مسلمانوں سے) اللہ ہنسی کرتا ہے اُن سے ف۲۴ اور ترقی دیتا ہے اُنکو اُن کی سرکشی میں (اور) حالت یہ ہے کہ وہ عقل کے اندھے ہیں ف۲۵ یہ وہی ہیں جنہوں نے مول لی گمراہی ہدایت

بِالْهُدٰی ۪ فَمَا رَبِحَتْ تِّجَارَتُهُمْ وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِیْنَ ۝۱۶ مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِی اسْتَوْقَدَ نَارًا ۚ

کے بدلے سو نافع نہ ہوئی اُن کی سوداگری ف۲۶ اور نہ ہوئے راہ پانے والے ف۲۷ اُن کی مثال اُس شخص کی سی ہے جس نے آگ جلائی

فَلَمَّآ اَضَآءَتْ مَا حَوْلَهٗ ذَهَبَ اللّٰهُ بِنُوْرِهِمْ وَتَرَكَهُمْ فِیْ ظُلُمٰتٍ لَّا یُبْصِرُوْنَ ۝۱۷

پھر جب روشن کر دیا آگ نے اُس کے آس پاس کو تو زائل کر دی اللہ نے اُن کی روشنی اور چھوڑا اُن کو اندھیروں میں کہ کچھ نہیں دیکھتے ف۲۸

(۱۶) فساد فی الارض | خلاصہ یہ ہے کہ منافقین چند وجوہ فساد پھیلاتے تھے ۔ اول تو خواہشات نفسانیہ میں منہمک تھے اور انقیاد احکام شرعیہ سے کاہل اور متنفر تھے دوسرے مسلمانوں اور کافروں دونوں کے پاس آتے جاتے تھے اور اپنی قدر و منزلت بڑھانے کو ہر ایک کی باتیں دوسروں تک پہنچاتے رہتے تھے ۔ تیسرے کفار سے نہایت مدارات و مخالطت سے پیش آتے تھے اور امور دین کی مخالفت پر کفار پر اصلا مزاحمت نہ کرتے تھے اور کفار کے اعتراضات و شبہات کو جو دین کی باتوں پر ہوتے تھے مسلمانوں کو روبرو نقل کرتے تھے تاکہ ضعیف الاعتقاد اور ضعیف الفہم احکام شرعیہ میں متردد ہو جائیں اور جب کوئی ان فسادات سے اُن کو منع کرتا تو جواب دیتے تھے کہ ہم تو اصلاح کرنے والے ہیں اور چاہتے ہیں کہ تمام قوم اور ملک مثل زمانہ سابق شیر و شکر ہو کر رہیں اور دین جدید کی وجہ سے جو مخالفت بڑھ گئی ہے بالکل جاتی رہے چنانچہ ہر زمانہ میں دنیا طلب ہوا پرست ایسا ہی کہا کرتے ہیں ۔

(۱۷) یعنی اصلاح تو حقیقت میں یہ ہے کہ دین حق جملہ ادیان پر غالب ہو اور جملہ اغراض و منافع دنیوی سے احکام شرعیہ کی رعایت زیادہ کیجائے

اور دربارۂ دین کسی کی موافقت و مخالفت کی پرواہ نہ ہو ع "خاک بر دلداری اغیار باش" منافقین بجملہ مصالحت و مصلحت اندیشی جو کچھ کرتے ہیں وہ حقیقت میں فساد محض ہے مگر اُن کو اُس کا شعور نہیں۔

(۱۸) یعنی اپنے دلوں میں یہ کہتے ہیں یا آپس میں یا اُن ضعفائے مسلمین سے جو کسی وجہ سے اُن کے رازدار بن رہے تھے۔

(۱۹) سفہاء کہا سچے مسلمانوں کو کہ احکام خداوندی پر دل سے ایسے فدا تھے کہ لوگوں کی مخالفت اور اس کے نتائج بد سے اور انقلاب زمانہ کی مضرات گوناگوں سے اپنا بچاؤ نہ کرتے تھے بخلاف منافقین کے کہ مسلمان و کفار سب سے ظاہر بنا رکھا تھا اور اغراض نفسانی کے سبب آخرت کا کچھ فکر نہ تھا مصلحت بینی اس درجہ غالب تھی کہ ایمان و پابندی احکام شرع کی ضرورت نہ سمجھتے تھے فقط دعویٰ زبانی اور ضروری اعمال بمجبوری ادا کر لینے پر قناعت تھی۔

(۲۰) منافقین ہی بے وقوف ہیں | یعنی بیوقوف حقیقت میں منافقین ہی ہیں کہ مصالح و اغراض دنیوی پادر ہوا کی وجہ سے آخرت کا خیال نہ کیا فانی کو لینا اور باقی کو چھوڑنا کس قدر حماقت ہے اور مخلوقات سے ڈرنا کہ جن سے ہزار طرح اپنا بچاؤ کر سکتے ہیں اور علام الغیوب سے نہ ڈرنا کہ جہاں کسی طرح کوئی امر پیش ہی نہ جا سکے کتنی جہالت ہے اور صلح کل کیسے کہ جس میں احکم الحاکمین اور اُس کے مقبول بندوں سے مخالفت کی جاتی ہے۔ مگر منافقین اس درجہ بیوقوف ہیں کہ ایسی موٹی بات بھی نہیں سمجھتے۔

(۲۱) شیاطین (یعنی شریر لوگ) مراد ان سے یا تو وہ کفار ہیں جو اپنے کفر کو سب پر ظاہر کرتے تھے یا وہ منافقین مراد ہیں جو اُن میں رئیس سمجھے جاتے تھے

(۲۲) یعنی کفر و اعتقاد دین کے معاملہ میں ہم بالکل تمہارے ساتھ ہیں تم سے کسی حالت میں جدا نہیں ہو سکتے۔

(۲۳) مومنین سے استہزاء | یعنی ظاہری موافقت جو ہم مسلمانوں سے کرتے ہیں اُس سے یہ نہ سمجھنا کہ ہم واقع میں اُن کے موافق ہیں ہم تو اُن کے تمسخر کرتے ہیں اور اُن کی بیوقوفی سب پر ظاہر کرتے ہیں کہ باوجودیکہ ہمارے افعال ہمارے اقوال کے مخالف ہیں مگر وہ اپنی بیوقوفی سے صرف ہماری زبانی باتوں پر ہم کو مسلمان سمجھ کر ہمارے مال اور اولاد پر ہاتھ نہیں ڈالتے اور مال غنیمت میں ہم کو شریک کر لیتے ہیں اور اپنی اولاد سے ہمارا نکاح کر دیتے ہیں اور ہم اُن کے راز کی باتیں اڑالاتے ہیں اور وہ اس پر بھی ہمارے فریب کو نہیں سمجھتے۔

(۲۴) چونکہ اللہ تعالیٰ نے مومنین کو فرما دیا کہ منافقین کے ساتھ مسلمانوں کا سا معاملہ کرو اُن کے جان و مال سے ہرگز تعرض نہ کرو اس سے منافقین اپنی حماقت سے سمجھ جائیں گے کہ ایمان لانے سے جو فائدہ مسلمانوں کو ہوا وہ سب فوائد ہم کو بھی صرف زبانی اظہار اسلام سے حاصل ہو گئے اس وجہ سے بالکل مطمئن ہو گئے حالانکہ انجام کار یہ امر منافقین کو سخت بلا میں پھنسانے والا ہے اُس کا انجام نہایت خراب ہے۔ تو اب انصاف کیجئے کہ حقیقت تمسخر مسلمانوں کا ہوا یا منافقین کا اور تمسخر کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس تمسخر کا بدلہ اور سزا اُن کو دے گا۔

(۲۵) یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُن کو ڈھیل دی گئی حتیٰ کہ انہوں نے سرکشی میں خوب ترقی کی اور ایسے بہکے کہ اس کا انجام کچھ نہ سوچا اور خوش ہوئے کہ ہم مسلمانوں سے ہنسی کرتے ہیں حالانکہ معاملہ بالعکس تھا جاننا چاہیئے کہ آیت میں فی طغیانہم فعل یمدہم کے متعلق ہے۔ مگر تراجم دہلویہ جدیدہ میں اس کو یعمہون کے متعلق کر دیا جس سے معنی بگڑ کر معتزلہ کے موافق اور اہل سنت کے خلاف اور استعمال اہل عرب کے مخالف ہو گئے، جو غلط ہے اور جاننے والے اس کو خوب جانتے ہیں۔

(۲۶) گھاٹے کی تجارت | تجارت سے مراد وہی گمراہی کا ہدایت کے بدلے مول لینا ہے جو اس سے پہلے مذکور ہے۔

(۲۷) یعنی منافقین نے بظاہر ایمان قبول کیا اور دل میں کفر کو رکھا جس کی وجہ سے آخرت میں خراب اور دنیا میں خوار ہوئے کہ حق تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں اُن کے احوال پر سب کو مطلع فرما دیا۔ ایمان لاتے تو دارین میں سرخرو ہوتے۔ تو اب اُن کی تجارت نے کوئی نفع اُن کو نہ پہنچایا۔

دُنیا کا اور نہ آخرت کا۔ اور وہ کچھ نہ سمجھے کہ مجرد ایمان زبانی کو کافی اور نافع سمجھ کر اس خرابی اور رسوائی میں گرفتار ہوئے۔ اب ان منافقین کے مناسب حال
منافقین کی پہلی مثال یعنی منافقوں کی مثال ایسی ہے کہ کوئی شخص اندھیری گھنگھور رات میں آگ روشن کرے جنگل میں راستہ دیکھنے کو اور (۲۸)
جب آگ روشن ہوگئی اور راستہ نظر آنے کو ہوا تو خدا تعالیٰ نے اس کو بجھا دیا اور اندھیری رات میں جنگل میں کھڑا رہ گیا کہ کچھ نظر نہیں آتا۔ ایسے
ہی منافقین نے مسلمانوں کے خوف سے کلمہ شہادت کی روشنی سے کام لینا چاہا مگر سردست کچھ فائدہ حقیر (مثل حفظ جان و مال) اٹھانے پائے
تھے کہ نور کلمہ شہادت اور منافع سب نیست و نابود ہوگئے اور مرتے ہی عذاب الیم میں مبتلا ہوگئے۔

صُمٌّۢ بُكۡمٌ عُمۡىٌ فَهُمۡ لَا يَرۡجِعُوۡنَۙ ﴿۱۸﴾ اَوۡ كَصَيِّبٍ مِّنَ السَّمَآءِ فِيۡهِ ظُلُمٰتٌ وَّرَعۡدٌ وَّبَرۡقٌ ۚ

بہرے ہیں گونگے ہیں اندھے ہیں سو وہ نہیں لوٹیں گے ف۲۹ یا اُن کی مثال ایسی ہے جیسے زور سے مینہ پڑ رہا ہو آسمان سے اس میں اندھیرے ہیں اور گرج اور بجلی

يَجۡعَلُوۡنَ اَصَابِعَهُمۡ فِىۡٓ اٰذَانِهِمۡ مِّنَ الصَّوَاعِقِ حَذَرَ الۡمَوۡتِ ‌ؕ وَاللّٰهُ مُحِيۡطٌ ۢ بِالۡكٰفِرِيۡنَ ﴿۱۹﴾ يَكَادُ

دیتے ہیں انگلیاں اپنے کانوں میں مارے کڑک کے موت کے ڈر سے اور اللہ احاطہ کرنیوالا ہے کافروں کا ف۳۰ قریب ہے

الۡبَرۡقُ يَخۡطَفُ اَبۡصَارَهُمۡ‌ؕ كُلَّمَآ اَضَآءَ لَهُمۡ مَّشَوۡا فِيۡهِ ۙ وَاِذَآ اَظۡلَمَ عَلَيۡهِمۡ قَامُوۡا ‌ؕ وَلَوۡ شَآءَ اللّٰهُ

کہ بجلی اُچک لے اُن کی آنکھیں جب چمکتی ہے اُن پر تو چلنے لگتے ہیں اُس کی روشنی میں اور جب اندھیرا ہوتا ہے تو کھڑے رہ جاتے ہیں اور اگر چاہے اللہ

لَذَهَبَ بِسَمۡعِهِمۡ وَاَبۡصَارِهِمۡ ‌ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ قَدِيۡرٌ ﴿۲۰﴾ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اعۡبُدُوۡا رَبَّكُمُ

تو لیجائے ان کے کان اور آنکھیں بیشک اللہ ہر چیز پر قادر ہے ف۳۱ اے لوگو بندگی کرو اپنے رب کی

الَّذِىۡ خَلَقَكُمۡ وَالَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِكُمۡ لَعَلَّكُمۡ تَتَّقُوۡنَۙ ﴿۲۱﴾ الَّذِىۡ جَعَلَ لَكُمُ الۡاَرۡضَ فِرَاشًا وَّالسَّمَآءَ

جس نے پیدا کیا تم کو اور اُن کو جو تم سے پہلے تھے تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ جس نے بنایا واسطے تمہارے زمین کو بچھونا اور آسمان کو

بِنَآءً وَّاَنۡزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخۡرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزۡقًا لَّكُمۡ‌ۚ فَلَا تَجۡعَلُوۡا لِلّٰهِ اَنۡدَادًا وَّ

چھت اور اُتارا آسمان سے پانی پھر نکالے اُس سے میوے تمہارے کھانے کے واسطے سو نہ ٹھہراؤ کسی کو اللہ کے مقابل اور

اَنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۲۲﴾ وَاِنۡ كُنۡتُمۡ فِىۡ رَيۡبٍ مِّمَّا نَزَّلۡنَا عَلٰى عَبۡدِنَا فَاۡتُوۡا بِسُوۡرَةٍ مِّنۡ مِّثۡلِهٖ وَادۡعُوۡا

تم تو جانتے ہو ف۳۲ اور اگر تم شک میں ہو اس کلام سے جو اُتارا ہم نے اپنے بندہ پر تو لے آؤ ایک سورت اس جیسی ف۳۳ اور بلاؤ اُس کو

شُهَدَآءَكُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ ﴿۲۳﴾ فَاِنۡ لَّمۡ تَفۡعَلُوۡا وَلَنۡ تَفۡعَلُوۡا

جو تمہارا مددگار ہو اللہ کے سوا اگر تم سچے ہو ف۳۴ پھر اگر ایسا نہ کر سکو اور ہرگز نہ کر سکو گے

فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِىۡ وَقُوۡدُهَا النَّاسُ وَالۡحِجَارَةُ ۖۚ اُعِدَّتۡ لِلۡكٰفِرِيۡنَ ﴿۲۴﴾

تو پھر بچو اُس آگ سے جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں تیار کی ہوئی ہے کافروں کے واسطے ف۳۵

(۲۹) یعنی بہرے ہیں جو سچی بات نہیں سنتے گونگے ہیں جو سچی بات نہیں کہتے۔ اندھے ہیں جو اپنے نفع نقصان کو نہیں دیکھتے سو جو شخص
بہرا بھی ہو اور گونگا بھی ہو وہ کس طرح راہ پر آئے صرف اندھا ہو تو کسی کو پکارے یا کسی کی بات سنے تو اب اُن سے ہرگز توقع نہیں کہ
گمراہی سے حق کی طرف لوٹیں۔

(۳۰) **دوسری مثال** ان منافقین کی اُن لوگوں کی سی ہے کہ اُن پر آسمان سے مینہ شدّت کے ساتھ پڑ رہا ہو اور کئی طرح کی تاریکی اُس میں ہو۔ مثلاً بادل بھی تو بر تو بہت غلیظ و کثیف ہے اور قطرات ابر کی بھی بہت کثرت اور ہجوم ہے لہٰذا اندھیری ہے اور تاریکی شدید کے ساتھ بجلی کی کڑک اور چمک بھی ایسی ہولناک ہے کہ وہ لوگ موت کے خوف سے کانوں میں انگلیاں دیتے ہیں کہ آواز کی شدّت سے دم نہ نکل جائے۔ اسی طرح پر منافقین تکالیف و تہدیدات شرعیہ کو سُن کر اور اپنی خواری و رسوائی کو دیکھ کر اور اغراض و مصالح دنیوی کو خیال کر کر عجب کشمکش اور خوف و پریشانی میں مبتلا ہیں اور اپنی بیہودہ تدبیروں سے اپنا بچاؤ کرنا چاہتے ہیں۔ مگر حق تعالیٰ کی قدرت سب طرف سے کفار کا احاطہ کیے ہوئے ہے اُس کی گرفت و عذاب سے وہ کسی طرح بچ نہیں سکتے۔

(۳۱) حاصل یہ ہے کہ منافقین اپنی ضلالت اور ظلماتی خیال میں مبتلا ہیں لیکن جب غلبہ نور اسلام اور ظہور معجزات کو یہ دیکھتے ہیں اور تاکید و تہدید شرعی سنتے ہیں تو متنبہ ہو کر ظاہر میں صراط مستقیم کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں اور جب کوئی اذیت و مشقت دنیوی نظر آئی پھر تو کفر پر اڑ جاتے ہیں جیسے شدت باراں اور تاریکی میں بجلی چمکی تو قدم رکھ لیا پھر کھڑے ہو گئے مگر چونکہ اس کو سب کا علم ہے اور اس کی قدرت سے کوئی چیز باہر نہیں تو ایسے حیلوں اور تدبیروں سے کیا کام نکل سکتا ہے فائدہ سورت کے اول سے یہاں تک تین طرح کے لوگوں کا ذکر فرمایا اوّل مومنوں کا پھر کافروں کا جن کے دلوں پر مہر ہے کہ ہرگز ایمان نہ لائیں گے، تیسرے منافقوں کا جو دیکھنے میں مسلمان ہیں مگر دل اُن کا ایک طرف نہیں۔

(۳۲) **تمام انسانوں کو توحید کا پیغام** اب سب بندوں کو مومن ہوں یا کافر یا منافق خطاب فرما کر توحید جناب باری سمجھائی جاتی ہے جو ایمان کے لئے اصل الاصول ہے۔ خلاصہ معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو اور تم سے پہلوں کو سب کو پیدا کیا اور تمہاری ضروریات اور کل منافع کو بنایا۔ پھر اُس کو چھوڑ کر کسی دوسرے کو معبود بنانا جو تم کو نہ نفع پہنچا سکے نہ مضرت (جیسے بت) کس قدر حماقت اور جہالت ہے حالانکہ تم یہ بھی جانتے ہو کہ اس جیسا کوئی نہیں۔

(۳۳) **کفار کو چیلنج** یہ بات گذر چکی ہے کہ اس کلام پاک میں شبہ کی وجہ یا یہ ہو سکتی تھی کہ اس کلام میں کوئی بات کھٹکے کی ہو سو اس کے دفعیہ کے لئے لاریب فیہ فرما چکے ہیں اور یا یہ صورت ہو سکتی ہے کہ کسی کے دل میں اپنی کوتاہی فہم یا زیادت عناد سے شبہ پیدا ہو تو یہ صورت چونکہ ممکن بلکہ موجود تھی تو اس کے رفع کرنے کی عمدہ اور سہل صورت بیان فرما دی کہ اگر تم کو اس کلام کے کلام بشری ہونے کا خیال ہے تو تم بھی تو ایک سورت ایسی فصیح و بلیغ تین آیت کی مقدار بنا دیکھو اور جب تم باوجود کمال فصاحت و بلاغت چھوٹی سی سورت کے مقابلہ کر بھی عاجز ہو جاؤ تو پھر سمجھ لو کہ یہ اللہ کا کلام ہے کسی بندہ کا نہیں اس آیت میں آپ کی نبوّت کو مدلل فرما دیا۔

(۳۴) **قرآن معجزہ ہے** یعنی اگر تم اپنے اس دعوے میں سچے ہو کہ یہ بندہ کا کلام ہے تو جس قدر قابل اور شاعر اور فصحاء و بلغاء موجود ہیں خدائے تعالیٰ کے سوا سب کو مدد کے لئے بلا کر ایک چھوٹی سی سورت ایسی بنا لاؤ یا یہ مطلب ہے کہ خداوند کریم کے سوا تمہارے جتنے معبود ہیں سب سے تضرع اور گریہ و زاری کے ساتھ دعا مانگو کہ اس مشکل بات میں تمہاری کچھ مدد کریں۔

(۳۵) پھر اس پر بھی اگر تم ایسی ایک سورت نہ بنا سکو اور یہ بات یقینی ہے کہ ہرگز نہ بنا سکو گے تو پھر ڈرو اور بچو نار دوزخ سے جو سب آگوں سے تیز ہے اُس کا ایندھن کافر اور پتھر ہیں جن کی تم پرستش کرتے ہو اور بچنے کی صورت یہی ہے کہ کلام الٰہی پر ایمان لاؤ اور وہ آگ کافروں کے واسطے تیار کی ہوئی ہے جو کہ قرآن شریف اور نبی کریم کو جھوٹا بتلاتے ہیں۔

وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ كُلَّمَا رُزِقُوْا

اور خوشخبری دے ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور اچھے کام کیے کہ اُن کے واسطے باغ ہیں کہ بہتی ہیں ان کے نیچے نہریں جب ملیگا اُن کو

مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِّزْقًا ۙ قَالُوْا هٰذَا الَّذِیْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ ۙ وَ اُتُوْا بِهٖ مُتَشَابِهًا ؕ وَ لَهُمْ

وہاں کا کوئی پھل کھانے کو تو کہیں گے یہ تو وہی ہے جو ملا تھا ہم کو اس سے پہلے اور دیئے جائیں گے اُنکو پھل ایک صورت کے ف۲۶ اور اُنکے

فِیْهَاۤ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ۙۗ وَّ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ۝۲۵ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَسْتَحْیٖۤ اَنْ یَّضْرِبَ مَثَلًا مَّا

لئے وہاں عورتیں ہوں گی پاکیزہ اور وہ وہیں ہمیشہ رہیں گے ف۲۷ بیشک اللہ شرماتا نہیں اس بات سے کہ بیان کرے کوئی مثال

بَعُوْضَةً فَمَا فَوْقَهَا ؕ فَاَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فَیَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ وَ اَمَّا الَّذِیْنَ

مچھر کی یا اُس چیز کی جو اُس سے بڑھکر ہے ف۲۸ سو جو لوگ مومن ہیں وہ یقیناً جانتے ہیں کہ یہ مثال ٹھیک ہے جو نازل ہوئی انکے رب کی طرف سے اور جو کافر

كَفَرُوْا فَیَقُوْلُوْنَ مَا ذَاۤ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا ۘ یُضِلُّ بِهٖ كَثِیْرًا ۙ وَّ یَهْدِیْ بِهٖ كَثِیْرًا ؕ وَ مَا

ہیں سو کہتے ہیں کیا مطلب تھا اللہ کا اس مثال سے گمراہ کرتا ہے خدائے تعالیٰ اس مثال سے بہتیروں کو اور ہدایت کرتا ہے اس سے بہتیروں کو ف۲۹ اور

یُضِلُّ بِهٖۤ اِلَّا الْفٰسِقِیْنَ ۝۲۶ الَّذِیْنَ یَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِیْثَاقِهٖ ۪ وَ یَقْطَعُوْنَ

گمراہ نہیں کرتا اس مثال سے مگر بدکاروں کو جو توڑتے ہیں خدا کے معاہدہ کو مضبوط کرنے کے بعد اور قطع کرتے ہیں اُس

مَاۤ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖۤ اَنْ یُّوْصَلَ وَ یُفْسِدُوْنَ فِی الْاَرْضِ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝۲۷ كَیْفَ تَكْفُرُوْنَ

چیز کو جس کو اللہ نے فرمایا ملانے کو ف۳۰ اور فساد کرتے ہیں ملک میں ف۳۱ وہی ہیں ٹوٹے والے ف۳۲ کس طرح کافر ہوتے ہو

بِاللّٰهِ وَ كُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْیَاكُمْ ۚ ثُمَّ یُمِیْتُكُمْ ثُمَّ یُحْیِیْكُمْ ثُمَّ اِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝۲۸ هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَكُمْ

خدا تعالیٰ سے حالانکہ تم بیجان تھے ف۳۳ پھر جلایا تم کو ف۳۴ پھر مارے گا تم کو ف۳۵ پھر جلائے گا تم کو ف۳۶ پھر اُسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے ف۳۷ وہی ہے جس نے پیدا کیا تمہارے

مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا ۗ ثُمَّ اسْتَوٰۤی اِلَی السَّمَآءِ فَسَوّٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ ؕ وَ هُوَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ۝۲۹

واسطے جو کچھ زمین میں ہے سب پھر قصد کیا آسمان کی طرف سو ٹھیک کر دیا اُنکو سات آسمان اور خدائے تعالیٰ ہر چیز سے خبردار ہے ف۴۸

(۲۶) **جنّت کے پھل** | جنّت کے میوے دنیا کے میووں سے شکل و صورت میں ملتے جلتے ہونگے مگر لذت میں زمین و آسمان کا فرق ہوگا یا جنّت کے میوے باہم ایک شکل و صورت کے ہوں گے اور مزا جُدا جُدا تو جب کسی میوے کو دیکھیں گے تو کہیں گے وہی قسم ہے جو پہلے دنیا میں یا جنّت میں کھا چکے ہیں اور چکھیں گے تو مزہ اور ہی پائیں گے۔

(۲۷) **جنّت کی عورتیں** | جنّت کی عورتیں نجاسات ظاہرہ و باطنہ (اخلاق رذیلہ) سے سب سے پاک و صاف ہونگی فائدہ یہاں تک تین چیزیں ہیں جن کا جاننا ضروری تھا بیان فرمائیں اوّل مبدا (یعنی ہم کہاں سے آئے اور کیا تھے) دوسرے معاش (کہ کیا کھائیں اور کہاں رہیں) تیسرے معاد (کہ ہمارا انجام کیا ہے)

(۲۸) **کفار کے ایک اعتراض کا جواب** | اس آیت میں اُس معارضہ کا جواب دیا گیا ہے جو کفار کی طرف سے پہلی آیت پر ہوا۔ خلاصہ اس کا یہ ہے کہ جب چھوٹی سی سورت بھی اس کلام جیسی ان سے نہ ہو سکی جس سے اس کا کلام الٰہی ہونا ثابت ہو چکا تو کفار نے کہا ہر چند ہم اس کلام کے مقابلہ سے عاجز ہیں مگر ہم دوسری دلیل سے اس کا کلام الٰہی نہ ہونا اور کلام بشری ہونا ثابت کرتے ہیں۔ وہ یہ کہ بڑے بڑے بزرگ عظیم الشان اپنے کلام میں ذلیل و حقیر چیزوں کے ذکر سے اجتناب کیا کرتے ہیں حق تعالیٰ جو سب بزرگوں سے برتر اور اعظم ہے اُس نے کیسے اپنے کلام میں مکھی اور مکڑی کا ذکر فرمایا۔ اس معارضہ کا جواب دیا گیا اس میں کوئی شرم اور عار کی بات نہیں کہ حق تعالیٰ مچھر یا اس سے بڑی چیز مثل مکھی اور مکڑی کی مثال بیان فرمائے کیونکہ مثال سے تو توضیح و تفصیل ممثل لہ کی مطلوب ہوتی ہے حقارت اور عظمت سے کیا بحث اور یہ مطلوب جیسی حاصل ہو گی کہ مثال اور

ممثل لہ میں پوری مطابقت ہو ممثل لہ حقیر ہوگا تو اس کی مثال بھی حقیر ہونی چاہیئے ورنہ تمثیل ہی بیہودہ سمجھی جائیگی ہاں اگر تمثیل میں یہ ہوتا کہ مثال اور مثال دینے والے میں موافقت ضروری ہوتی تو بیوقوفوں کا یہ اعتراض چل سکتا۔ مگر اس کا تو کوئی بیوقوف بھی قائل نہ ہوگا اور توراۃ و انجیل و کلام حکماء و سلاطین میں ایسی مثالیں بکثرت موجود ہیں اس کے خلاف کہنا کفار کی حماقت اور عناد کی بات ہے اور ما فوقہا کے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ مچھر سے حقارت اور چھوٹائی میں زیادہ ہو جیسے مچھر کے بازو کہ بعض احادیث میں اس کو دنیا کی تمثیل میں ذکر فرمایا ہے

(۳۹) یعنی ایمان والے تو ان مثالوں کو حق اور مفید سمجھتے ہیں اور کفار بطور تحقیر کہتے ہیں کہ ایسی حقیر مثالوں سے خدا کی مراد اور غرض کیا ہوگی جواب دیا گیا کہ اس کلام سراپا ہدایت سے بہتیروں کو گمراہی میں ڈالنا اور بہتیروں کو راہ راست دکھلانا منظور ہے (یعنی اہل حق اور اہل باطل میں تمیز تام منظور ہے جو نہایت مفید اور ضروری ہے۔

(۴۰) جیسے قطع رحم کرنا، انبیاء اور علماء اور واعظین اور مومنین اور نماز اور دیگر جملہ امور خیر سے اعراض کرنا۔

(۴۱) **فساد فی الارض کے معنی** فساد سے مراد یہ ہے کہ لوگوں کو ایمان سے نفرت دلاتے تھے اور مخالفان اسلام کو ورغلا کر مسلمانوں سے مقاتلہ کراتے تھے اور حضرات صحابہ اور صلحائے امت کے عیوب نکال کر تشہیر کرتے تھے تاکہ آپ کی اور دین اسلام کی بے وقعتی لوگوں کے ذہن نشین ہو جائے اور مسلمانوں کا راز مخالفوں تک پہنچاتے تھے اور طرح طرح کی رسوم و بدعات خلاف طریقہ اسلام پھیلانے میں سعی کرتے تھے۔

(۴۲) مطلب یہ ہے کہ ان حرکات ناشائستہ سے اپنا ہی کچھ کھوتے ہیں، توہین اسلام اور تحقیر صلحائے امت کچھ بھی نہ ہو سکے گی۔

(۴۳) **کفر کرنا عقل کے خلاف ہے** یعنی اجسام بیجان کہ حس و حرکت کچھ نہ تھی اول عناصر تھے اس کے بعد والدین کی غذا بنے، پھر نطفہ پھر خون بستہ پھر گوشت۔

(۴۴) یعنی حالات سابقہ کے بعد نفخ روح کیا گیا جس سے رحم مادر اور اس کے بعد دنیا میں زندہ رہے۔

(۴۵) یعنی جب دنیا میں وقت مرنے کا آئیگا۔

(۴۶) یعنی قیامت کو زندہ کئے جاؤ گے حساب لینے کے واسطے۔

(۴۷) یعنی قبروں سے نکل کر اللہ تعالیٰ کے روبرو حساب و کتاب کیواسطے کھڑے کئے جاؤ گے، سو اب انصاف کرو کہ جب تم اول سے آخر تک اللہ تعالیٰ کے احسانات کے مرہون ہو اور ہر حالت اور حاجت میں اُس کے محتاج اور اُس کے متوقع ہو۔ پھر اس پر بھی کفر کرنا اور اس کی نافرمانی کرنا کس قدر تعجب خیز امر ہے۔

(۴۸) اس آیت میں دوسری نعمت بیان فرمائی یعنی اللہ نے تم کو پیدا کیا اور تمہاری بقا اور انتفاع کے لئے زمین میں ہر طرح کی چیزیں بکثرت پیدا فرمائیں (مطعومات اور مشروبات اور ملبوسات اور ہر چیز کے لئے آلات و سامان) اس کے بعد متعدد آسمان بنائے گئے جس میں تمہارے لئے طرح طرح کے منافع ہیں۔

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّىْ جَاعِلٌ فِى الْاَرْضِ خَلِيْفَةً ؕ قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَ

اور جب کہا تیرے رب نے فرشتوں کو کہ میں بنانیوالا ہوں زمین میں ایک نائب ف۴۹ کہا فرشتوں نے کیا قائم کرتا ہے تو زمین میں اُسکو جو فساد کرے اُسمیں اور

يَسْفِكُ الدِّمَآءَ ۚ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ؕ قَالَ اِنِّىْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۰﴾

خون بہائے اور ہم پڑھتے رہتے ہیں تیری خوبیاں اور یاد کرتے ہیں تیری پاک ذات کو ف۵۰ فرمایا بیشک مجھ کو معلوم ہے جو تم نہیں جانتے۔ ف۵۱

(۴۹) **خلیفۃ اللہ حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش** | اب ایک بڑی نعمت کا ذکر کیا جاتا ہے جو جملہ بنی آدم پر کی گئی اور وہ حضرت آدم علیہ السلام کی آفرینش کا قصّہ ہے جو تفصیل سے بیان کیا گیا اور اُن کو خلیفۃ اللہ بنایا گیا۔ پہلی آیۃ میں جو خلق لکم ما فی الارض جمیعا فرمایا تھا اس میں کی کو انکار پیش آئے تو قصّہ حضرت آدم سے اُس کا جواب بھی بخوبی ہو گیا۔

(۵۰) **ملائکہ کا سوال اور اُس کا جواب** | ملائکہ کو جب یہ خلجان ہوا کہ ایسی مخلوق کہ جس میں مفسد اور خونریز تک ہونگے ہم ایسے مطیع اور فرمانبردار کے ہوتے اُن کو خلیفہ بنانا اس کی وجہ کیا ہو گی؟ تو بطریق استفادہ یہ سوال کیا۔ اعتراض ہرگز نہ تھا۔ رہا یہ امر کہ ملائکہ کو بنی آدم کا حال کیونکر معلوم ہوا اس میں بہت سے احتمال ہیں۔ جنات پر قیاس کیا یا حق تعالیٰ نے پہلے بتا دیا تھا یا لوح محفوظ پر لکھا دیکھا۔ یا سمجھ گئے کہ حاکم و خلیفہ کی ضرورت جب ہی ہو گی جب ظلم و فساد ہو گا یا حضرت آدم کے قالب کو دیکھ کر بطور قیافہ سمجھ گئے ہوں (جیسا ابلیس نے حضرت آدم کو دیکھ کر کہا تھا کہ بہکول ہونگے) اور ایسا ہی ہوا۔

(۵۱) فرشتوں کو سردست بالاجمال یہ جواب دیا گیا کہ ہم خوب جانتے ہیں اُس کے پیدا کرنے میں جو حکمتیں ہیں۔ تم کو ابھی تک وہ حکمتیں معلوم نہیں ورنہ اس کی خلافت اور افضلیت میں شبہ نہ کرتے۔

وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ فَقَالَ اَنْۢبِـُٔوْنِيْ بِاَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ اِنْ كُنْتُمْ

اور سکھلا دیے اللہ نے آدم کو نام سب چیزوں کے پھر سامنے کیا ان سب چیزوں کو فرشتوں کے پھر فرمایا بتاؤ مجھ کو نام ان کے اگر تم

صٰدِقِيْنَ ﴿۳۱﴾ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ﴿۳۲﴾ قَالَ يٰٓاٰدَمُ

سچے ہو بولے پاک ہے تو ہم کو معلوم نہیں مگر جتنا تو نے ہم کو سکھایا بیشک تو ہی ہے اصل جاننے والا حکمت والا ف۵۲ فرمایا اے آدم

اَنْۢبِئْهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ ۚ فَلَمَّآ اَنْۢبَاَهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ ۙ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّيْٓ اَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۙ

بتا دے فرشتوں کو ان چیزوں کے نام پھر جب بتا دیے اُس نے اُن کے نام فرمایا کیا نہ کہا تھا میں نے تم کو کہ میں خوب جانتا ہوں چھپی ہوئی چیزیں آسمانوں کی اور زمین کی

وَاَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ

اور جانتا ہوں جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو چھپاتے ہو ف۵۳ اور جب ہم نے حکم دیا فرشتوں کو کہ سجدہ کرو آدم کو تو سب سجدہ میں گر پڑے مگر شیطان ف۵۴

اَبٰى وَاسْتَكْبَرَ ۫ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۳۴﴾ وَقُلْنَا يٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا

اُس نے نہ مانا اور تکبر کیا اور تھا وہ کافروں میں کا ف۵۵ اور ہم نے کہا اے آدم رہا کر تو اور تیری عورت جنت میں اور کھاؤ اس میں

رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا ۠ وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۳۵﴾

جو چاہو جہاں کہیں سے چاہو اور پاس مت جانا اس درخت کے پھر تم ہو جاؤ گے ظالم ف۵۶

(۵۲) **حضرت آدم کی فضیلتِ علم** | خلاصہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے حضرت آدم کو ہر ایک چیز کا نام مع اس کی حقیقت اور خاصیت کے اور نفع اور نقصان کے تعلیم فرما دیا اور یہ علم اُن کے دل میں بلاواسطہ کلام القا کر دیا کیونکہ بدون اس کلام علمی کے خلافت اور دنیا پر حکومت کیونکر ممکن ہے اُس کے بعد ملائکہ کو اس حکمت پر مطلع کرنے کی وجہ سے ملائکہ سے امور مذکورہ کا سوال کیا گیا کہ اگر تم اپنی اس بات میں کہ تم کارِ خلافت انجام دے سکتے ہو، سچے ہو تو ان چیزوں کے نام و احوال بتاؤ لیکن انہوں نے اپنے عجز و قصور کا اقرار کیا اور خوب سمجھ گئے کہ بدون اس علم عام کے کوئی کارِ خلافت

زمین میں نہیں کر سکتا اور اس علم عام سے قدر قلیل ہم کو اگر حاصل ہوا بھی تو اتنی بات سے ہم قابل خلافت نہیں ہو سکتے۔ یہ سمجھ کر کہہ اٹھے کہ تیرے علم و حکمت کو کوئی نہیں پہنچ سکتا۔

(۵۳) **عبادت پر علم کی فضیلت** اس کے بعد حضرت آدم سے جو تمام اشیائے عالم کی نسبت سوال ہوا تو فر فر سب امور ملائکہ کو بتا دیئے کہ وہ بھی سب دنگ رہ گئے اور حضرت آدم کے احاطہ علمی پر عش عش کر گئے تو اللہ تعالیٰ نے ملائکہ سے فرمایا کہ کہو ہم نہ کہتے تھے کہ ہم جملہ مخفی امور آسمان و زمین کے جاننے والے ہیں اور تمہارے دل میں جو باتیں مکنون ہیں وہ بھی سب ہم کو معلوم ہیں فائدہ اس سے علم کی فضیلت عبادت پر ثابت ہوئی۔ دیکھئے عبادت میں ملائکہ اس قدر بڑھے ہوئے ہیں کہ معصوم، مگر علم میں چونکہ انسان سے کم ہیں اس لئے مرتبہ خلافت انسان ہی کو عطا ہوا اور ملائکہ نے بھی اس کو تسلیم کر لیا اور ہونا بھی یوں ہی چاہیئے کیونکہ عبادت تو خاصہ مخلوقات ہے خدا کی صفت نہیں، البتہ علم خدائے تعالیٰ کی صفت اعلیٰ ہے اس لئے قابل خلافت یہی ہوئے۔ کیونکہ ہر خلیفہ میں اپنے مستخلف عنہ کا کمال ہونا ضروری ہے۔

(۵۴) **سجدے کا حکم اور ابلیس کی نافرمانی** جب حضرت آدم کا خلیفہ ہونا مسلّم ہو چکا تو فرشتوں کو اور ان کے ساتھ جنات کو حکم ہوا کہ حضرت آدم کی طرف سجدہ کریں اور ان کو قبلہ سجود بنائیں جیسا سلاطین اپنا اوّل ولیعہد مقرر کرتے ہیں پھر ارکان دولت کو نذریں پیش کرنے کا حکم کرتے ہیں تاکہ کسی کو سرتابی کی گنجائش نہ رہے۔ چنانچہ سب نے سجدہ مذکور ادا کیا سوائے ابلیس کے کہ اصل سے جنات میں تھا اور ملائکہ کے ساتھ کمال اختلاط رکھتا تھا اور سبب اس سرکشی کا یہ ہوا کہ جنات چند ہزار سال سے زمین میں متصرف تھے اور آسمان پر بھی جاتے تھے جب ان کا فساد اور خونریزی بڑھی تو ملائکہ نے بحکم الٰہی بعض کو قتل کیا اور بعض کو جنگل پہاڑ اور جزائر میں منتشر کر دیا۔ ابلیس ان میں بڑا عالم و عابد تھا اس نے جنات کے فساد سے اپنی بے لوثی ظاہر کی، فرشتوں کی سفارش سے یہ بچ گیا اور ان ہی میں رہنے لگا اور اس طمع میں کہ تمام جنات کی جگہ اب صرف میں زمین میں متصرف بنایا جاؤں عبادت میں بہت کوشش کرتا رہا اور خلافت ارض کا خیال پکا تا رہا جب حکم الٰہی حضرت آدم کی نسبت خلافت کا ظاہر ہوا تو ابلیس مایوس ہوا اور عبادت ربانی کے رائگاں جانے پر جوش حسد میں سب کچھ کیا اور ملعون ہوا۔

(۵۵) یعنی علم الٰہی میں پہلے ہی کافر تھا اوروں کو گو اب ظاہر ہوا یا یوں کہو کہ اب کافر ہو گیا۔ اس وجہ سے کہ حکم الٰہی کا بوجہ تکبر انکار کیا اور حکم الٰہی کو خلاف حکمت و مصلحت اور موجب عار سمجھا یہ نہیں کہ فقط سجدہ ہی نہیں کیا۔

(۵۶) **شجر ممنوعہ** مشہور ہے کہ وہ درخت گیہوں کا تھا یا بقول بعض انگور یا انجیر یا ترنج وغیرہ کا واللہ اعلم۔

فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ عَنْهَا فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيْهِ ۠ وَقُلْنَا اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ وَلَكُمْ فِى الْاَرْضِ

پھر ہلا دیا انکو شیطان نے اس جگہ سے پھر نکالا انکو اس عزت و راحت سے کہ جس میں تھے ف۵۷ اور ہم نے کہا تم سب اترو تم ایک دوسرے کے دشمن ہوگے ف۵۸ اور تمہارے واسطے زمین میں

مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ﴿۳۶﴾ فَتَلَقّٰٓى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۳۷﴾

ٹھکانا ہے اور نفع اٹھانا ہے ایک وقت تک ف۵۹ پھر سیکھ لیں آدم نے اپنے رب سے چند باتیں پھر متوجہ ہو گیا اللہ اس پر بیشک وہی ہے توبہ قبول کرنے والا مہربان ف۶۰

قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا ۚ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّىْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَاىَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۳۸﴾

ہم نے حکم دیا نیچے جاؤ یہاں سے تم سب ف۶۱ پھر اگر تم کو پہنچے میری طرف سے کوئی ہدایت تو جو چلا میری ہدایت پر نہ خوف ہوگا ان پر اور نہ وہ غمگین ہوں گے ف۶۲

(۵۷) کہتے ہیں کہ حضرت آدم اور حوا بہشت میں رہنے لگے اور شیطان کو اس کی عزت کی جگہ سے نکال دیا شیطان کو اور حسد بڑھا بالآخر مور اور سانپ سے مل کر بہشت میں گیا اور بی بی حوا کو طرح طرح سے ایسا پھسلایا اور بہکایا کہ انہوں نے وہ درخت کھا لیا اور حضرت آدم کو بھی کھلایا اور ان کو یقین دلا دیا تھا کہ اس کے کھانے سے اللہ کے ہمیشہ کو مقرب ہو جاؤ گے اور حق تعالیٰ نے جو ممانعت فرمائی تھی اسکی توجیہ گھڑ دی۔ آئندہ یہ قصہ مفصل آئیگا

(۵۸) **ہبوط آدمؑ** اس خطا کی سزا میں حضرت آدمؑ اور حواؑ اور جو اولاد پیدا ہونے والی تھی سب کی نسبت یہ حکم ہوا کہ بہشت سے زمین پر جا کر رہو باہم ایک دوسرے کے دشمن ہو گے جس کی وجہ سے تکلیفیں پیش آئیں گی۔ بہشت دار العصیان اور دار العداوۃ نہیں ان امور کے مناسب دار دنیا ہے جو تمہارے امتحان کے لئے بنایا گیا ہے۔

(۵۹) یعنی دنیا میں ہمیشہ نہ رہو گے بلکہ ایک وقت معین تک وہاں رہو گے اور وہاں کی چیزوں سے بہرہ مند ہو گے اور پھر ہمارے ہی روبرو آؤ گے اور وہ وقت معین ہر ہر شخص کی نسبت تو اس کی موت کا وقت ہے اور تمام عالم کے حق میں قیامت کا۔

(۶۰) جب حضرت آدمؑ نے حق تعالیٰ کا حکم عتاب آمیز سنا اور جنت سے باہر آگئے تو بحالت ندامت و انفعال گریہ وزاری میں مصروف تھے۔ اُس حالت میں حق تعالیٰ نے اپنی رحمت سے چند کلمات ان کو القا اور الہام کے طور پر بتلائے جن سے اُن کی توبہ قبول ہوئی۔ وہ کلمات یہ ہیں۔ ربنا ظلمنا انفسنا آخر آیت تک۔

(۶۱) مطلب یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کی توبہ تو قبول فرمائی مگر فی الفور جنت میں جانے کا حکم نہ فرمایا بلکہ دنیا میں رہنے کا جو حکم ہوا تھا اُسی کو قائم رکھا کیونکہ مقتضائے حکمت و مصلحت یہی تھا ظاہر ہے کہ زمین کے لئے خلیفہ بنائے گئے تھے نہ کہ جنت کے لئے۔ اور اللہ تعالیٰ نے یہ فرما دیا کہ جو ہمارے مطیع ہوں گے اُن کو دنیا میں رہنا مضر نہ ہو گا بلکہ مفید، ہاں جو نافرمان ہیں اُن کے لئے جہنم ہے اور اس تفریق و امتحان کے لئے بھی دنیا ہی مناسب ہے۔

(۶۲) **خوف اور حُزن کے معنیٰ** جو صدمہ اور اندیشہ کسی مصیبت پر اُس کے ہونے سے پہلے ہوتا ہے اُس کو "خوف" کہتے ہیں اور اُس کے واقع ہو چکنے کے بعد جو غم ہوتا ہے اس کو "حزن" کہتے ہیں۔ مثلاً کسی مریض کے مرجانے کے خیال پر جو صدمہ ہے وہ خوف ہے اور مرجانے کے بعد جو صدمہ ہے وہ حُزن ہے۔ اس آیت میں جو خوف و حُزن کی نفی فرمائی اس سے اگر خوف و حزن دنیوی مراد لیا جائے تو یہ معنی ہوں گے کہ جو لوگ ہماری ہدایت کے موافق چلیں گے۔ اس میں اس اندیشہ کی گنجائش نہیں کہ شاید یہ ہدایت حقہ نہ ہو شیطان کی طرف سے دھوکہ اور مغالطہ ہو اور نہ وہ اس وجہ سے کہ ان کے باپ سے بالفعل بہشت چھوٹ گئی محزون ہوں گے کیونکہ ہدایت والوں کو عنقریب جنت ملنے والی ہے اور اگر خوف و حزن آخرت مراد ہو تو یہ مطلب ہو گا کہ قیامت کو اہل ہدایت کو نہ خوف ہو گا نہ حزن مگر حزن کا نہ ہونا تو بیشک مسلم لیکن خوف کی نفی فرمانے پر ضرور یہ خلجان ہوتا ہے کہ اس روز خوف تو حضرات انبیاء علیہم السلام تک کو ہو گا کوئی بھی خوف سے خالی نہ ہو گا۔ تو بات یہ ہے کہ خوف دو طرح ہوتا ہے کبھی تو خوف کا باعث اور مرجع خائف (یعنی ڈرنے والے) میں پایا جاتا ہے جیسے مجرم بادشاہی جو بادشاہ سے ڈرتا ہے تو موجب خوف جرم ہے جو مجرم کی طرف رجوع ہوتا ہے اور کبھی مرجع خوف مخوف منہ یعنی جس سے ڈرتے ہیں اس میں کوئی امر ہوتا ہے مثلاً اگر کوئی شخص کسی بادشاہ صاحب جاہ وجلال کے روبرو یا شیر کے روبرو ہو تو اس کے خائف ہونے کی یہ وجہ نہیں کہ اُس نے بادشاہ یا شیر کا جرم کیا ہے بلکہ قہر وجلال سلطانی اور ہیبت اور غضب و درندگی شیر موجب خوف ہے جس کا مرجع ذات سلطانی اور خود شیر ہے آیت سے پہلی قسم کی نفی ہوئی نہ دوسری قسم کی شبہ تو جب ہو سکتا تھا کہ لاخوف علیہم کی جگہ لاخوف فیہم یا لا یخافون فرماتے۔

وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَاۤ اُولٰٓىٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۳۹﴾ یٰبَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِیَ ع

اور جو لوگ منکر ہوئے اور جھٹلایا ہماری نشانیوں کو وہ ہیں دوزخ میں جانیوالے وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے اے بنی اسرائیل ف۶۳ یاد کرو میرے وہ احسان

الَّتِیْۤ اَنْعَمْتُ عَلَیْكُمْ وَاَوْفُوْا بِعَهْدِیْۤ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ ۚ وَاِیَّایَ فَارْهَبُوْنِ ﴿۴۰﴾

جو میں نے تم پر کئے ف۶۴ اور تم پورا کرو میرا اقرار تو میں پورا کروں تمہارا اقرار ف۶۵ اور مجھ ہی سے ڈرو ف۶۶

(۶۳) **بنی اسرائیل سے خطاب** اوّل یا ایہا الناس اعبدوا سے خطاب عام تھا اور ان نعمتوں کا ذکر فرمایا تھا جو تمام بنی آدم پر عام تھیں مثلاً زمین
وآسمان وجملہ اشیاء کا پیدا کرنا۔ پھر حضرت آدمؑ کو پیدا کر کے اُن کو خلیفہ بنانا اور بہشت میں داخل کرنا وغیرہ۔ اب ان میں سے خاص بنی اسرائیل کو
خطاب کیا گیا اور خاص نعمتیں جو وقتاً فوقتاً پشت در پشت اُن پر ہوتی چلی آئیں اور انہوں نے جو کفرانِ نعمت کیا ان سب باتوں کو مفصل
ذکر کیا جاتا ہے۔ کیونکہ بنی اسرائیل تمام فرقوں بنی آدم میں ممتاز اور اہل علم وکتاب ونبوت اور انبیاء کو پہچاننے والے سمجھے جاتے تھے۔ کیونکہ
حضرت یعقوب علیہ السّلام سے حضرت عیسٰی علیہ السلام تک چار ہزار نبی ان میں آچکے تھے تمام عرب کی نظریں اُنکی طرف تھیں کہ حضرت
محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کرتے ہیں یا نہیں۔ اس لئے ان انعامات اور خرابیوں کو بسط کے ساتھ ذکر فرمایا کہ شرما کر ایمان لائیں
ورنہ اور لوگ اُنکی حرکات سے واقف ہو کر اُنکی بات کا اعتبار نہ کریں اور اسرائیل نام ہے۔ حضرت یعقوبؑ کا اس کے معنی ہیں۔ عبداللہ۔

(۶۴) **بنی اسرائیل کی نعمتیں** ہزاروں انبیاء ان میں بھیجے گئے۔ توریت وغیرہ کتابیں نازل فرمائیں فرعون سے نجات دیکر ملک شام میں
تسلط دیا، من وسلویٰ نازل ہوا ایک پتھر سے بارہ چشمے جاری کئے جو نعمتیں اور خوارق عادات کسی فرقہ کو نصیب نہیں ہوئیں۔

(۶۵) **توریت کا عہد پورا کرو** توریت میں یہ قرار کیا کہ تم توریت کے حکم پر قائم ہو گے اور جس پیغمبر کو بھیجوں اُس پر ایمان لا کر اُس کے رفیق رہو گے تو ملک شام
تمہارے قبضہ میں رہیگا (بنی اسرائیل نے اس کو قبول کر لیا تھا) مگر پھر قرار پر قائم نہ رہے بدنیتی کی رشوت لے کر مسئلے غلط بتائے حق کو
چھپایا، اپنی ریاست جمائی پیغمبر کی اطاعت نہ کی بلکہ بعض پیغمبروں کو قتل کیا، توریت میں جہاں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی
صفت تھی اس کو بدل ڈالا اس لئے گمراہ ہوئے۔

(۶۶) یعنی منافع دنیوی کے فوت ہونے سے مت ڈرو۔

وَ اٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ وَ لَا تَكُوْنُوْٓا اَوَّلَ كَافِرٍۢ بِهٖ ۪ وَ لَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِیْ ثَمَنًا قَلِیْلًا ۫ وَّ
اور مان لو اُس کتاب کو جو میں نے اتاری ہے سچ بتانیوالی ہے اُس کتاب کو جو تمہارے پاس ہے ف ۶۷ اور مت ہو سب میں اوّل منکر اُسکے ف ۶۸ اور نہ لو میری آیتوں پر مول تھوڑا اور
اِیَّایَ فَاتَّقُوْنِ ۝۴۱ وَ لَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَ تَكْتُمُوا الْحَقَّ وَ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝۴۲ وَ اَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ
مجھ ہی سے بچتے رہو اور مت ملاؤ صحیح میں غلط اور مت چھپاؤ سچ کو جان بوجھ کر اور قائم رکھو نماز
وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ وَ ارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِیْنَ ۝۴۳ اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَ تَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَ اَنْتُمْ تَتْلُوْنَ
اور دیا کرو زکوٰۃ اور جھکو نماز میں جھکنے والوں کے ساتھ ف ۶۹ کیا حکم کرتے ہو لوگوں کو نیک کام کا اور بھولتے ہو اپنے آپ کو اور تم تو پڑھتے ہو
الْكِتٰبَ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝۴۴ وَ اسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَ الصَّلٰوةِ ؕ وَ اِنَّهَا لَكَبِیْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِیْنَ ۝۴۵ الَّذِیْنَ
کتاب پھر کیوں نہیں سوچتے ہو ف اور مدد چاہو صبر سے اور نماز سے ف اور البتہ وہ بھاری ہے مگر اُنہی عاجزوں پر جن کو
یَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَ اَنَّهُمْ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ ۝۴۶ ع ۵
خیال ہے کہ وہ روبرو ہونیوالے ہیں اپنے رب کے اور یہ کہ اُنکو اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے ف

(۶۷) **توریت کے مطابق قرآن پر ایمان لاؤ** توریت میں بتا دیا گیا تھا کہ جو نبی آئے اگر توریت کی تصدیق کرے تو اس کو جانو سچا ہے نہیں تو
جھوٹا ہے جاننا چاہیئے کہ احکام قرآنی در بارہ اعتقادات اور اخبار انبیاء واحوال آخرت واوامر ونواہی توریت وغیرہ کتب سابقہ کے موافق ہیں۔
ہاں بعض اوامر ونواہی میں نسخ بھی کیا گیا ہے مگر وہ تصدیق کے مخالف نہیں تصدیق کے مخالف تکذیب ہے اور تکذیب کسی کتاب الٰہی کی ہو بالکل کفر ہے منسوخ تو بعض

آیات قرآنی بھی ہیں مگر اس کو نعوذ باللہ کون تکذیب کہہ سکتا ہے۔

(۶۸) یعنی قرآن کی دیدہ و دانستہ تکذیب کرنے والوں میں اوّل مت ہو کہ قیامت تک کے منکرین کا وبال تمہاری گردن پر ہو اور مشرکین مکہ نے جو انکار کیا ہے وہ جہل اور بیخبری کے سبب کیا ہے دیدہ و دانستہ ہرگز نہ تھا اس میں تو اوّل تم ہی ہو گے اور یہ کفر پہلے کفر سے سخت تر ہے۔

(۶۹) **نماز باجماعت کا حکم** یعنی باجماعت نماز پڑھا کرو پہلے کسی دین میں باجماعت نماز نہیں تھی اور یہود کی نماز میں رکوع نہ تھا خلاصہ آیت کا یہ ہوا کہ صرف امور مذکورہ بالا نجات کے لئے تم کو کافی نہیں بلکہ تمام اصول میں نبی آخر الزماں کی پیروی کرو۔ نماز بھی ان کے طور پر پڑھو جس میں جماعت بھی ہو اور رکوع بھی۔

(۷۰) **صرف تبلیغ کافی نہیں عمل بھی ضروری ہے** بعض علمائے یہود یہ کمال کرتے تھے اپنے لوگوں سے کہتے تھے کہ یہ دین اسلام اچھا ہے اور خود مسلمان نہ ہوتے تھے۔ اور نیز علمائے یہود بلکہ اکثر ظاہر بینوں کو اس موقع پر یہ شبہ پڑ جاتا ہے کہ جب ہم تعلیم احکام شریعت میں قصور نہیں کرتے اور حق پوشی بھی نہیں کرتے تو اس کی ضرورت نہیں کہ ہم خود بھی احکام پر عمل کریں جب ہماری ہدایت کے موافق بہت سے آدمی اعمال شریعت بجالاتے ہیں تو بحکم قاعدہ اَلدَّالُّ عَلَى الْخَيْرِ كَفَاعِلِهٖ وہ ہمارے ہی اعمال ہیں تو اس آیت میں دونوں کا بطلان فرمادیا گیا اور آیت سے مقصود یہ ہے کہ واعظ کو اپنے وعظ پر ضرور عمل کرنا چاہیئے یہ غرض نہیں کہ فاسق کسی کو نصیحت نہ کرے۔

(۷۱) علمائے اہل کتاب جو بعد وضوح حق بھی آپ پر ایمان نہ لاتے تھے اُس کی بڑی وجہ حب جاہ اور حب مال تھی اللہ تعالیٰ نے دونوں کا علاج بتادیا صبر سے مال کی طلب اور محبّت جائیگی اور نماز سے عبودیت و تذلل آئیگا۔ اور حُبِّ جاہ کم ہوگی۔

(۷۲) **عاجزی کرنے والوں پر نماز بھاری نہیں** یعنی صبر اور نماز حضور دل سے بہت بھاری ہے مگر اُن پر آسان ہے جو عاجزی کرتے ہیں اور ڈرتے ہیں جن کا خیال اور دھیان یہ ہے کہ ہم کو خدا کے روبرو ہونا اور اُس کی طرف پھر جانا ہے (یعنی نماز میں خدا کا قرب اور گویا اس سے ملاقات ہے) یا قیامت میں حساب و کتاب کے لئے روبرو جانا ہے۔

يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَ اَنِّيْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۷﴾ وَ اتَّقُوْا

اے بنی اسرائیل یاد کرو میرے احسان جو میں نے تم پر کئے اور اُسکو کہ میں نے تم کو بڑائی دی تمام عالم پر ف۷۳ اور ڈرو اس

يَوْمًا لَّا تَجْزِيْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْـًٔا وَّ لَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَّ لَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ

دن سے کہ کام نہ آئے کوئی شخص کسی کے کچھ بھی اور قبول نہ ہو اُسکی طرف سے سفارش اور نہ لیا جائے اس کی طرف سے بدلا

وَّ لَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَ اِذْ نَجَّيْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ يُذَبِّحُوْنَ

اور نہ اُن کو مدد پہنچے ف۷۴ اور یاد کرو اُسوقت کو جبکہ رہائی دی ہمنے تم کو فرعون کے لوگوں سے جو کرتے تھے تم پر بڑا عذاب ذبح کرتے تھے

اَبْنَآءَكُمْ وَ يَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ ؕ وَ فِيْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ﴿۴۹﴾ وَ اِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ

تمہارے بیٹوں کو اور زندہ چھوڑتے تھے تمہاری عورتوں کو ف۷۵ اور اس میں آزمائش تھی تمہارے رب کی طرف سے بڑی ف۷۶ اور جب پھاڑ دیا ہمنے تمہاری

الْبَحْرَ فَاَنْجَيْنٰكُمْ وَ اَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ وَ اَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴿۵۰﴾ وَ اِذْ وٰعَدْنَا مُوْسٰٓى

وجہ سے دریا کو پھر بچادیا ہم نے تم کو اور ڈبا دیا فرعون کے لوگوں کو اور تم دیکھ رہے تھے ف۷۷ اور جب ہم نے وعدہ کیا موسیٰ سے

اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَ اَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۵۱﴾

چالیس رات کا پھر تم نے بنالیا بچھڑا موسیٰ کے بعد اور تم ظالم تھے ف۷۸

(۷۳) **بنی اسرائیل کی فضیلت کا مطلب** چونکہ تقویٰ اور کمال ایمان کا حاصل کرنا، بغیر حضور و استغراق عبادات کے ذریعہ سے دشوار تھا، اس لئے اس کا سہل طریقہ تعلیم فرماتے ہیں اور وہ شکر ہے اس وجہ سے حق تعالیٰ اپنے احسانات و انعامات جو ان پر وقتاً فوقتاً ہوئے تھے۔ ان کو یاد دلاتا ہے اور ان کی بدکرداریاں بھی ظاہر فرماتا ہے۔ انسان بلکہ حیوانات تک میں یہ مضمون موجود ہے کہ اپنے منعم کی محبت اور اس کی اطاعت دل نشین ہو جاتی ہے اور چند رکوع میں اس مضمون کو شرح و بسط کے ساتھ بیان فرمایا گیا ہے۔ **فائدہ** اہل عالم پر فضیلت کا یہ مطلب ہے کہ جس وقت سے بنی اسرائیل کا وجود ہوا تھا اس وقت سے لے کر اس خطاب کے نزول تک تمام فرقوں سے افضل رہے کوئی ان کا ہم پلہ نہ تھا جب انہوں نے نبی آخر الزماں اور قرآن کا مقابلہ کیا تو وہ فضیلت بالکل جاتی رہی اور مغضوب علیہم اور ضلال کا لقب عنایت ہوا اور حضور کے متبعین کو کنتم خیر امۃ کا خطاب ملا۔

(۷۴) **آخرت میں باپ دادا کی سفارش نہیں ہوگی** جب کوئی کسی بلا میں مبتلا ہو جاتا ہے تو اس کے رفیق اکثر یہی کیا کرتے ہیں کہ اول تو اس کے ادائے حق لازم میں کوشش کرتے ہیں یہ نہیں ہو سکتا تو سعی سفارش سے بچانے کی تدبیر کرتے ہیں یہ بھی نہ ہو سکے تو پھر تاوان و فدیہ دے کر چھڑاتے ہیں اگر یہ بھی نہیں ہو سکتا تو بالآخر اپنے مددگاروں کو جمع کر کے بزور پرخاش اس کی نجات کی فکر کرتے ہیں حق تعالیٰ نے اسی ترتیب کے موافق ارشاد فرمایا کہ کوئی شخص گو کیسا ہی مقرب خداوندی ہو مگر کسی نافرمان عدو اللہ کافر کو منجملہ چاروں صورتوں کے کسی صورت سے نفع نہیں پہنچا سکتا۔ بنی اسرائیل کہتے تھے کہ ہم کیسے ہی گناہ کریں ہم پر عذاب نہ ہوگا۔ ہمارے باپ دادا جو پیغمبر ہیں ہمیں بخشوالیں گے سو خدائے تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ خیال تمہارا غلط ہے اس سے اس شفاعت کا انکار نہیں نکلتا جس کے اہل سنت قائل ہیں اور جو دیگر آیات میں مذکور ہے۔

(۷۵) **بنی اسرائیل پر فرعون کے مظالم** فرعون نے خواب دیکھا تھا۔ نجومیوں نے اس کی تعبیر دی کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص پیدا ہوگا۔ جو تیرے دین اور سلطنت کو غارت کر دے گا۔ فرعون نے حکم دیا کہ بنی اسرائیل میں جو بیٹا پیدا ہو اس کو مار ڈالو اور جو بیٹی ہو اس کو خدمت کے لئے زندہ رہنے دو خدائے تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو پیدا کیا اور زندہ رکھا۔

(۷۶) بلاء کے چند معنی آتے ہیں اگر ذٰلکم کا اشارہ ذبح کی طرف لیا جائے تو اس کے معنی مصیبت کے ہوں گے اور اگر نجات کی طرف اشارہ ہے تو بلاء کے معنی نعمت کے ہوں گے اور مجموعہ کی طرف ہو تو امتحان کے معنی لئے جائیں گے۔

(۷۷) **دریا کا دو حصوں میں بٹ جانا** یعنی یاد کرو اے بنی اسرائیل اس نعمت عظیم کو کہ جب تمہارے باپ دادا فرعون کے ڈر سے بھاگے اور آگے دریا اور پیچھے فرعون کا لشکر تھا اور ہم نے تم کو بچا لیا اور فرعون اور اس کے لشکر کو غرق کر دیا۔ یہ قصہ آئندہ مفصل آئیگا۔

(۷۸) **بچھڑے کی پرستش** اور یہ قصہ اور احسان بھی یاد کرنے کے قابل ہے کہ ہم نے توریت عطا فرمانے کا وعدہ موسیٰ سے چالیس دن رات کا کیا اور ان کے طور پر تشریف لے جانے کے بعد بنی اسرائیل نے بچھڑے کی پرستش شروع کر دی اور تم بڑے بے انصاف ہو کہ بچھڑے کو خدا بنا لیا۔ مفصل یہ قصہ آئندہ آئیگا۔

ثُمَّ عَفَوْنَا عَنْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۵۲﴾ وَاِذْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَالْفُرْقَانَ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۵۳﴾

پھر معاف کیا ہم نے تم کو اس پر بھی تاکہ تم احسان مانو ۷۹ اور جب ہم نے دی موسیٰ کو کتاب اور حق کو ناحق سے جدا کرنیوالے احکام تاکہ تم سیدھی راہ پاؤ ۸۰

(۷۹) مطلب یہ ہے کہ باوجود اس شرک جلی کے ہم نے تم سے درگذر فرمائی اور تمہاری توبہ منظور کی اور تم کو فی الفور ہلاک نہ کیا (جیسے آل فرعون کو اس سے کم قصور پر ہلاک کر دیا تھا) کہ تم ہمارا شکر ادا کرو اور احسان مانو۔

(۸۰) **فرقان کیا چیز ہے؟** کتاب تو توریت ہے اور فرقان فرمایا الاحکام شرعیہ کو جن سے جائز ناجائز معلوم ہو یا فرقان کہا حضرت موسیٰ کے معجزوں کو جن سے جھوٹے سچے اور کافر و مومن کی تمیز ہو یا توریت ہی کو کہا کہ وہ کتاب بھی ہے اور اس سے حق اور ناحق بھی جدا ہوتا ہے۔

وَ اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ فَتُوْبُوْۤا اِلٰى بَارِئِكُمْ

اور جب کہا موسیٰ نے اپنی قوم سے ف۸۱ اے قوم تم نے نقصان کیا اپنا یہ بچھڑا بنا کر سو اب توبہ کرو اپنے پیدا کرنیوالے کی طرف

فَاقْتُلُوْۤا اَنْفُسَكُمْ ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ عِنْدَ بَارِئِكُمْ ؕ فَتَابَ عَلَيْكُمْ ؕ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۵۴﴾

اور مار ڈالو اپنی اپنی جان ف۸۲ یہ بہتر ہے تمہارے لئے تمہارے خالق کے نزدیک پھر متوجہ ہوا تم پر ف۸۳ بیشک وہی ہے معاف کرنیوالا نہایت مہربان

وَ اِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْكُمُ الصّٰعِقَةُ وَ اَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴿۵۵﴾

اور جب تم نے کہا اے موسیٰ ہم ہرگز یقین نہ کرینگے تیرا جب تک کہ نہ دیکھ لیں اللہ کو سامنے پھر آلیا تم کو بجلی نے اور تم دیکھ رہے تھے

ثُمَّ بَعَثْنٰكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۵۶﴾ وَ ظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ وَ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ

پھر اٹھا کھڑا کیا ہم نے تم کو مر گئے پیچھے تاکہ تم احسان مانو ف۸۴ اور سایہ کیا ہم نے تم پر ابر کا اور اتارا تم پر من

وَ السَّلْوٰى ؕ كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ؕ وَ مَا ظَلَمُوْنَا وَ لٰكِنْ كَانُوْۤا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۵۷﴾

اور سلویٰ ف۸۵ کھاؤ پاکیزہ چیزیں جو ہم نے تم کو دیں ف۸۶ اور انہوں نے ہمارا کچھ نقصان نہ کیا بلکہ اپنا ہی نقصان کرتے رہے ف۸۷

وَ اِذْ قُلْنَا ادْخُلُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ فَكُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ رَغَدًا وَّ ادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّ قُوْلُوْا حِطَّةٌ

اور جب ہم نے کہا داخل ہو اس شہر میں ف۸۸ اور کھاتے پھرو اس میں جہاں چاہو فراغت سے اور داخل ہو دروازے میں سجدہ کرتے ہوئے ف۸۹ اور کہتے جاؤ بخشدے

نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطٰيٰكُمْ ؕ وَ سَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۵۸﴾ فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا قَوْلًا غَيْرَ الَّذِيْ قِيْلَ لَهُمْ فَاَنْزَلْنَا

تو معاف کر دینگے ہم تمہارے قصور اور زیادہ بھی دینگے نیکی والوں کو ف۹۰ پھر بدل ڈالا ظالموں نے بات کو خلاف اسکے جو کہہ دی گئی تھی ان سے پھر اتارا ہم نے

ع ۶ عَلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿۵۹﴾

ظالموں پر عذاب آسمان سے ان کی عدول حکمی پر ف۹۱

(۸۱) قوم سے مراد خاص وہ لوگ ہیں جنہوں نے بچھڑے کو سجدہ کیا۔

(۸۲) **ایک دوسرے کو قتل کرنے کا حکم** یعنی جنہوں نے بچھڑے کو سجدہ نہ کیا تھا وہ سجدہ کرنیوالوں کو قتل کریں اور بعض کا قول ہے کہ بنی اسرائیل میں تین گروہ تھے ایک وہ جنہوں نے گوسالہ پرستی نہ کی اور دوسروں کا بھی روکا۔ دوسرے وہ جنہوں نے گوسالہ کو سجدہ کیا تیسرے وہ جنہوں نے خود تو سجدہ نہ کیا مگر دوسروں کو منع بھی نہ کیا۔ فریق دوئم کو حکم ہوا کہ مقتول ہو جاؤ۔ تیسرے فریق کو حکم ہوا کہ ان کو قتل کرو تاکہ ان کے سکوت کرنے کی توبہ ہو جائے۔ اور فریق اوّل اس توبہ میں شریک نہیں ہوئے۔ کیونکہ ان کو توبہ کی حاجت نہ تھی۔

(۸۳) علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ مقتول ہو جانا ہی توبہ تھی یا توبہ کا تتمہ تھا جیسا کہ ہماری شریعت میں قاتل عمد کی توبہ کے مقبول ہونے

کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ اپنے آپ کو وارثان مقتول کے حوالہ کر دے اُن کو اختیار ہے بدلہ لیں یا معاف کریں۔

(۸۴) **توریت کو ماننے سے انکار اور اُس کی سزا** اُس وقت کو بھی ضرور یاد کرو کہ باوجود اس قدر احسانات کے جب تم نے کہا تھا کہ اے موسیٰ ہم ہرگز تمہارا یقین نہ کریں گے کہ یہ اللہ کا کلام ہے جب تک آنکھوں سے صریحًا خدائے تعالیٰ کو نہ دیکھ لیں۔ اس پر بجلی نے تم کو ہلاک کیا اس کے بعد موسیٰ کی دعا سے ہم نے تم کو زندہ کیا اور یہ اس وقت کا حال ہے کہ حضرت موسیٰ ستّر آدمیوں کو منتخب فرما کر کوہِ طور پہ کلامِ الٰہی سُننے کی غرض سے لے گئے تھے۔ پھر جب انہوں نے کلام الٰہی کو سُنا تو انہی ستّر نے کہا اے موسیٰ پردے میں سُننے کا ہم اعتبار نہیں کرتے آنکھوں سے خُدا کو دکھاؤ۔ اس پر اُن ستّر آدمیوں کو بجلی نے ہلاک کر دیا تھا۔

(۸۵) **منّ وسلویٰ** جب فرعون غرق ہو چکا اور بنی اسرائیل بحکم الٰہی مصر سے شام کو چلے جنگل میں اُن کے خیمے پھٹ گئے اور گرمی آفتاب کی ہوئی تو تمام دن ابر رہتا اور اناج نہ رہا تو منّ وسلویٰ کھانے کے لئے اُترتا منّ ایک چیز تھی شیریں دھنیئے کے سے دانے ترنجبین کے مشابہ رات کو اوس میں برستے لشکر کے گرد ڈھیر لگ جاتے صبح کو ہر ایک اپنی حاجت کے موافق اٹھا لیتا اور سلویٰ ایک پرندہ ہے جس کو بٹیر کہتے ہیں۔ شام کو لشکر کے گرد ہزاروں جمع ہو جاتے۔ اندھیرا ہوئے بعد پکڑ لاتے کباب کر کے کھاتے مدتوں تک یہی کھایا کئے۔

(۸۶) یعنی اس لطیف و لذیذ غذا کو کھاؤ اور اس پر اکتفا کرو نہ آگے کے لئے ذخیرہ جمع کر کے رکھو اور نہ دوسری غذا سے مبادلہ کی خواہش کرو۔

(۸۷) اوّل ظلم یہ کیا کہ ذخیرہ کر کے رکھا تو گوشت سڑنا شروع ہو گیا اور دوسرے مبادلہ چاہا کہ مسور گیہوں، ککڑی، پیاز وغیرہ ملے۔ جس سے طرح طرح کی تکلیف و مشقت میں مبتلا ہوئے۔

(۸۸) **بستی میں داخل ہونے کا حکم** جب جنگل مذکورہ بالا میں پھرتے پھرتے تنگ آ گئے اور منّ و سلویٰ کھاتے کھاتے اُکتا گئے تو بنی اسرائیل کو ایک شہر میں داخل ہونے کا حکم ہوا اس کا نام ریحا تھا اس میں قوم عمالقہ جو قوم عاد سے بچی تھی مقیم تھی اور بعض نے بیت المقدس فرمایا ہے۔

(۸۹) اس شہر کے دروازہ میں سے سجدہ شکر کرتے ہوئے جاؤ (اور یہ شکر بدنی ہوا) اور بعض فرماتے ہیں کہ براہ تواضع کمر کو جھکا کر جاؤ۔

(۹۰) اور زبان سے اپنے گناہوں کی معافی مانگتے ہوئے جاؤ (یہ شکر زبانی ہوا) جو یہ دونوں باتیں کرے گا اس کی خطائیں ہم معاف کر دینگے اور نیک بندوں کے لئے ثواب بڑھا دیں گے۔

(۹۱) **حکم الٰہی سے تمسخر** تبدیلی یہ کی کہ بجائے حِطَّۃٌ براہ تمسخر حِنطَۃٌ کہنے لگے (یعنی گیہوں) اور سجدہ کی جگہ اپنے سرینوں پر پھسلنا شروع کیا جب شہر میں پہنچے تو اُن پر طاعون پڑا، دو پہر میں ستّر ہزار یہود مر گئے۔

وَاِذِ اسْتَسْقٰى مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ فَقُلْنَا اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ؕ فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا ؕ

اور جب پانی مانگا موسیٰ نے اپنی قوم کے واسطے تو ہم نے کہا مار اپنے عصا کو پتھر پر سو بہہ نکلے اُس سے بارہ چشمے ۹۲

قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ؕ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا مِنْ رِّزْقِ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِى الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ۝۶۰

پہچان لیا ہر قوم نے اپنا گھاٹ کھاؤ اور پیو اللہ کی روزی اور نہ پھرو ملک میں فساد مچاتے ۹۳

وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰى طَعَامٍ وَّاحِدٍ فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ

اور جب کہا تم نے اے موسیٰ ہم ہرگز صبر نہ کریں گے ایک ہی طرح کے کھانے پر سو دعا مانگ ہمارے واسطے اپنے پروردگار سے کہ نکالدے ہمارے واسطے جو اُگتا ہے زمین سے

مِنْۢ بَقْلِهَا وَقِثَّآئِهَا وَفُوْمِهَا وَعَدَسِهَا وَبَصَلِهَا ؕ قَالَ اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِىْ هُوَ اَدْنٰى بِالَّذِىْ

ترکاری اور ککڑی اور گیہوں اور مسور اور پیاز ۹۴ کہا موسیٰ نے کیا لینا چاہتے ہو وہ چیز جو ادنیٰ ہے اُس کے بدلہ میں جو

هُوَ خَيْرٌ ۭ اِهْبِطُوْا مِصْرًا فَاِنَّ لَكُمْ مَّا سَاَلْتُمْ ۭ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ ۤ وَبَاۗءُوْ

بہتر ہے ۹۵ اترو کسی شہر میں تو تم کو ملے جو مانگتے ہو ۹۶ اور ڈالی گئی اُن پر ذلت اور محتاجی اور پھرے

بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۭ ذٰلِكَ

اللہ کا غصہ لے کر ۹۷ یہ اس لئے ہوا کہ نہیں مانتے تھے احکام خداوندی کو اور خون کرتے تھے پیغمبروں کا ناحق یہ

رکوع ۷

بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ؀ ۶۱

اس لئے کہ نافرمان تھے اور حد پر نہ رہتے تھے ۹۸

(۹۲) **پانی بارہ چشموں کا ظہور** یہ قصہ بھی اُسی جنگل کا ہے پانی نہ ملا تو ایک پتھر پر عصا مارنے سے بارہ چشمے نکلے اور بنی اسرائیل کے قبیلے بھی بارہ ہی تھے کسی قوم میں آدمی زیادہ کسی میں کم ہر قوم کے موافق ایک چشمہ تھا اور وجہ شناخت بھی یہی موافقت تھی۔ یا یہ مقرر کر رکھا تھا کہ پتھر کی فلاں جہت فلاں جانب سے جو چشمہ نکلیگا وہ فلاں قوم کا ہوگا اور جو کوتاہ نظران معجزات کا انکار کرتے ہیں ؏ نیستند آدم غلاف آدم اند دیکھو مقناطیس تو لوہے کو اپنی طرف کھینچ لیتا ہے۔ اُس پتھر نے پانی کھینچ لیا تو انکار کی کیا وجہ۔

(۹۳) یعنی پھر فرمایا حق تعالیٰ نے کھاؤ من و سلویٰ اور پیو ان چشموں کا پانی اور عالم میں فساد مت پھیلاؤ۔

(۹۴) **من و سلویٰ کی جگہ سبزیوں کا مطالبہ** یہ قصہ بھی اُسی جنگل کا ہے بنی اسرائیل طعام آسمانی من و سلویٰ کھاتے کھاتے اُکتا گئے تو کہنے لگے ہم سے ایک طرح کے کھانے پر صبر نہیں ہوسکتا۔ ہم کو تو زمین کا اناج، ترکاری، ساگ، سبزی چاہیئے۔

(۹۵) یعنی من و سلویٰ جو ہر طرح بہتر ہے۔ لہسن اور پیاز وغیرہ سے بدلتے ہو۔

(۹۶) اگر یہی جی چاہتا ہے تو کسی شہر میں جاؤ تمہاری مطلوب چیزیں تم کو سب ملیں گی۔ پھر ایسا ہی ہوا۔

(۹۷) **بنی اسرائیل کی دائمی ذلّت** ذلت یہ کہ ہمیشہ مسلمان اور نصاریٰ کے محکوم اور رعیت رہتے ہیں کسی کے پاس مال ہوا تو کیا۔ حکومت سے بالکل محروم ہوگئے جو موجب عزت تھی اور محتاجی یہ کہ اوّل تو یہود میں مال کی قلت اور جن کے پاس مال ہو بھی تو حکام وغیرہ کے خوف سے اپنے آپ کو مفلس اور حاجتمند ہی ظاہر کرتے ہیں شدّت حرص اور بخل کے باعث محتاجوں سے بدتر نظر آتے ہیں اور یہ بھی درست کہ "تونگری بدل است نہ بمال" اس لئے مالدار ہو کر بھی محتاج ہی رہے اور عظمت اور عزت جو اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی تھی اس سے رجوع کر کے اُسکے غضب و قہر میں آگئے

(۹۸) یعنی اس ذلت اور مسکنت و غضب الٰہی کا باعث ان کا کفر اور انبیاء علیہم السلام کا قتل کرنا تھا اور اس کفر و قتل کا باعث احکام کی نافرمانی اور حدود شرع سے خروج تھا۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ ھَادُوْا وَالنَّصٰرٰى وَالصّٰبِـــِٕيْنَ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ

بیشک جو لوگ مسلمان ہوئے اور جو لوگ یہودی ہوئے اور نصاریٰ اور صابئین جو ایمان لایا (اُن میں سے) اللہ پر اور روز قیامت پر

وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَھُمْ اَجْرُھُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ښ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا ھُمْ يَحْزَنُوْنَ ؀ ۶۲ وَاِذْ اَخَذْنَا

اور کام کئے نیک تو انکے لئے ہے انکا ثواب انکے رب کے پاس اور نہیں اُن پر کچھ خوف اور نہ وہ غمگین ہونگے ۹۹ اور جب لیا ہم نے

مِيْثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ ۭ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاذْكُرُوْا مَا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ؀ ۶۳

تم سے قرار اور بلند کیا تمہارے اوپر کوہ طور کو کہ پکڑو جو کتاب ہم نے تم کو دی زور سے اور یاد رکھو جو کچھ اس میں ہے تاکہ تم ڈرو ف ۱۰۰

(۹۹) **صابئین کون ہیں** یعنی کسی فرقہ خاص پر موقوف نہیں یقین لانا شرط ہے اور عمل نیک سو جس کو یہ نصیب ہوا ثواب پایا۔ یہ اس واسطے فرمایا کہ بنی اسرائیل اس بات پر مغرور تھے کہ "ہم پیغمبروں کی اولاد ہیں ہم ہر طرح اللہ کے نزدیک بہتر ہیں" فائدہ یہود کہتے ہیں حضرت موسیٰؑ کی امت کو اور نصاریٰ حضرت عیسیٰؑ کی امت کو۔ صابئین ایک فرقہ ہے جس نے ہر ایک دین میں سے اچھا سمجھ کر کچھ اختیار کر لیا ہے اور حضرت ابراہیم کو مانتے ہیں اور فرشتوں کی بھی پرستش کرتے ہیں اور زبور پڑھتے ہیں اور کعبہ کی طرف نماز پڑھتے ہیں۔

(۱۰۰) **کوہِ طور کو معلق کرنے کی وجہ** کہتے ہیں کہ توریت نازل ہوئی تو بنی اسرائیل شرارت سے کہنے لگے کہ "توریت کے حکم تو مشکل اور بھاری ہیں ہم سے نہیں ہو سکتے" تب خدائے تعالیٰ نے ایک پہاڑ کو حکم کیا جو ان سب کے سروں پر آن کر اترنے لگا اور سامنے آگ پیدا ہوئی سو گنجائش سرتابی اصلا نہ رہی مجبوراً احکام توریت کو قبول کیا۔ باقی یہ شبہ کہ "وہ پہاڑ سروں پر معلق کر کے تسلیم کرانا توریت کا یہ تو صریح اجبار و اکراہ ہے جو آیۃ لا اکراہ فی الدین اور نیز قاعدۂ تکلیف کے بالکل خلاف ہے کیونکہ بنائے تکلیف تو اختیار پر ہے اور اکراہ مناقض اختیار ہے" تو اس کا جواب یہ ہے کہ اکراہ در بارۂ قبول دین ہرگز نہیں "دین تو بنی اسرائیل پہلے سے قبول کئے ہوئے تھے" اور بار بار حضرت موسیٰ علیہ السلام سے تقاضا کرتے تھے کہ "وہ کوئی کتاب متضمن احکام ہم کو لا کر دو کہ اس پر عمل کریں" اور اس پر معاہدہ کر چکے تھے۔ جب توریت انکو دی گئی تو عہد شکنی پر کمربستہ ہوئے تو اب پہاڑ کا معلق کرنا نقض عہد سے روکنے کے لئے تھا نہ کہ قبول دین کے لئے۔

ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ مِّنْ بَعْدِ ذٰلِكَ فَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ لَكُنْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۶۴﴾ وَ

پھر تم پھر گئے اس کے بعد سو اگر نہ ہوتا اللہ کا فضل تم پر اور اسکی مہربانی تو ضرور تم تباہ ہوتے ف۱۰۱ اور

لَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِيْنَ اعْتَدَوْا مِنْكُمْ فِي السَّبْتِ فَقُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِئِيْنَ ﴿۶۵﴾ فَجَعَلْنٰهَا

تم خوب جان چکے ہو جنہوں نے کہ تم میں سے زیادتی کی تھی ہفتہ کے دن میں تو ہم نے کہا ان سے ہو جاؤ بندر ذلیل ف۱۰۲ پھر کیا ہم نے

نَكَالًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهَا وَمَا خَلْفَهَا وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۶۶﴾ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖٓ اِنَّ

اس واقعہ کو عبرت ان لوگوں کے لئے جو وہاں تھے اور جو پیچھے آنیوالے تھے اور نصیحت ڈرنیوالوں کے واسطے ف۱۰۳ اور جب کہا موسیٰ نے اپنی قوم سے اللہ تعالیٰ

اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً ۭ قَالُوْٓا اَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا ۭ قَالَ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ﴿۶۷﴾

فرماتا ہے تم کو ذبح کرو ایک گائے ف۱۰۴ وہ بولے کیا تو ہم سے ہنسی کرتا ہے ف۱۰۵ کہا پناہ خدا کی کہ ہوں میں جاہلوں میں ف۱۰۶

(۱۰۱) یعنی عہد و میثاق کر کے پھر گئے۔ سو اگر اللہ تعالیٰ کا فضل نہ ہوتا تو بالکل تباہ ہو جاتے۔ یعنی اسی وقت ہلاک کر دیے جاتے یا یہ کہ توبہ و استغفار بھی کرتے اور نبی آخر الزمان کی متابعت بھی کرتے تو بھی تمہاری تقصیرات معاف نہ کی جاتیں۔

(۱۰۲) **بنی اسرائیل کو مسخ صورت کا عذاب** بنی اسرائیل کو توریت میں حکم ہوا تھا کہ "شنبہ کا دن خالص عبادت کے لئے مقرر ہے اس دن مچھلی کا شکار مت کرو" وہ لوگ فریب اور حیلہ سے ہفتہ کے دن شکار کرنے لگے تو اللہ نے ان کو مسخ کر کے ان کی صورت بندر کی سی کر دی۔ فہم و شعور انسانی موجود تھا۔ ایک دوسرے کو دیکھتا تھا اور روتا تھا۔ مگر کلام نہیں کر سکتا تھا۔ تین دن کے بعد سب مر گئے اور یہ واقعہ حضرت داؤدؑ کے عہد میں ہوا۔ مفصل سورۂ اعراف میں آئیگا۔

(۱۰۳) یعنی اس واقعہ اور اس عقوبت کو ہم نے باعث خوف و عبرت بنا دیا اگلے اور پچھلے لوگوں کے واسطے "یعنی جنہوں نے اس عذاب کا مشاہدہ کیا اور جو آئندہ پیدا ہونگے" یا جو بستیاں شہر کے آگے اور اس کے پیچھے آباد تھیں۔

(۱۰۴) **بنی اسرائیل کو گائے ذبح کرنے کا حکم** یعنی یاد کرو اُس وقت کو کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص عامیل نامی مارا گیا تھا۔ اور اس کا قاتل معلوم نہ ہوتا تھا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا "اللہ کا یہ حکم ہے کہ ایک گائے ذبح کر کے اُس کا ایک ٹکڑا مردے پر مارو تو وہ جی اُٹھے اور آپ اپنے قاتل کو بتادے" اللہ تعالیٰ نے اس طرح اس مُردے کو جلایا اور اُس نے قاتل کو بتادیا اُس کے وارثوں نے ہی بطمع مال قتل کیا تھا۔

(۱۰۵) کیونکہ یہ تو دیکھا نہ سُنا کہ گائے کے ٹکڑا مارنے سے مردہ زندہ ہوجائے۔

(۱۰۶) یعنی ٹھٹھا کرنا احمق جاہل کا کام ہے اور وہ بھی احکام شرعیہ میں پیغمبر سے یہ ہرگز ممکن نہیں۔

قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِيَ ۚ قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا فَارِضٌ وَلَا بِكْرٌ عَوَانٌ

بولے کہ دعا کر ہمارے واسطے اپنے رب سے کہ بتادے ہم کو کہ وہ گائے کیسی ہے ف۱۰۷ کہا وہ فرماتا کہ وہ ایک گائے ہے نہ بوڑھی اور نہ بن بیاہی درمیان میں ہے

بَيْنَ ذَٰلِكَ ۖ فَافْعَلُوا مَا تُؤْمَرُونَ ﴿٦٨﴾ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّن لَّنَا مَا لَوْنُهَا ۚ قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ

بڑھاپے اور جوانی کے اب کر ڈالو جو تم کو حکم ملا ہے ف۱۰۸ بولے کہ دعا کر ہمارے واسطے اپنے رب سے کہ بتادے ہم کو کیسا ہے اُس کا رنگ کہا وہ فرماتا ہے کہ

إِنَّهَا بَقَرَةٌ صَفْرَاءُ فَاقِعٌ لَّوْنُهَا تَسُرُّ النَّاظِرِينَ ﴿٦٩﴾ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّن لَّنَا مَا هِيَ إِنَّ

وہ ایک گائے ہے زرد خوب گہری ہے اُسکی زردی خوش آتی ہے دیکھنے والوں کو بولے دعا کر ہمارے واسطے اپنے رب سے کہ بتادے ہم کو کس قسم میں ہے وہ ف۱۰۹ کیونکہ

الْبَقَرَ تَشَابَهَ عَلَيْنَا وَإِنَّا إِن شَاءَ اللَّهُ لَمُهْتَدُونَ ﴿٧٠﴾ قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا ذَلُولٌ

اُس گائے میں شبہہ پڑا ہے ہم کو اور ہم اگر اللہ نے چاہا تو ضرور راہ پالیں گے کہا وہ فرماتا ہے کہ وہ ایک گائے ہے محنت کرنیوالی نہیں

تُثِيرُ الْأَرْضَ وَلَا تَسْقِي الْحَرْثَ مُسَلَّمَةٌ لَّا شِيَةَ فِيهَا ۚ قَالُوا الْآنَ جِئْتَ بِالْحَقِّ ۚ

کہ جوتتی ہو زمین کو یا پانی دیتی ہو کھیتی کو بے عیب ہے کوئی داغ اُسمیں نہیں ف۱۱۰ بولے اب لایا تو ٹھیک بات

ع ۸ فَذَبَحُوهَا وَمَا كَادُوا يَفْعَلُونَ ﴿٧١﴾ وَإِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادَّارَأْتُمْ فِيهَا ۖ وَاللَّهُ مُخْرِجٌ مَّا

پھر اُسکو ذبح کیا اور وہ لگتے نہ تھے کہ ایسا کرلیں گے ف۱۱۱ اور جب مار ڈالا تھا تم نے ایک شخص کو پھر لگے ایک دوسرے پر دھرنے اور اللہ کو ظاہر کرنا تھا جو

كُنتُمْ تَكْتُمُونَ ﴿٧٢﴾ فَقُلْنَا اضْرِبُوهُ بِبَعْضِهَا ۚ كَذَٰلِكَ يُحْيِي اللَّهُ الْمَوْتَىٰ وَيُرِيكُمْ آيَاتِهِ

تم چھپاتے تھے ف۱۱۲ پھر ہم نے کہا مارو اس مردہ پر اس گائے کا ایک ٹکڑا ف۱۱۳ اسیطرح زندہ کریگا اللہ مُردوں کو اور دکھاتا ہے تمکو اپنی قدرت کے

لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ﴿٧٣﴾

نمونے تاکہ تم غور کرو ف۱۱۴

(۱۰۷) **بنی اسرائیل کی کج بحثی** یعنی اُس کی عمر کتنی ہے اور اُس کے حالات کیا ہیں نوعمر ہے یا بوڑھی۔

(۱۰۸) یعنی اُس گائے کو ذبح کر ڈالو۔

(۱۰۹) یعنی واضح کر کے بتادے کہ وہ گائے کس قسم اور کس کام کی ہے۔

(۱۱۰) یعنی اس کے اعضاء میں کوئی نقصان نہیں اور اس کے رنگ میں دوسرے رنگ کا داغ و نشان نہیں بلکہ ساری زرد ہے۔

(۱۱۱) وہ گائے ایک شخص کی تھی جو اپنی ماں کی خدمت بہت کرتا تھا اور نیک بخت تھا۔ اس شخص سے وہ گائے مول لی اتنے مال کو جتنا اُس گائے کی کھال میں سونا بھر سکیں پھر اس کو ذبح کیا اور ایسے لگتے نہ تھے کہ اتنی بڑی قیمت کو لے کر ذبح کریں گے۔

(۱۱۲) یعنی تمہارے اگلے بزرگوں نے عامیل کو مار ڈالا تھا پھر ایک دوسرے پر دھرنے لگا اور تم جس چیز کو چھپاتے تھے (یعنی اپنے ضعف ایمانی یا قاتل کے حال کو) اللہ تعالیٰ اس کو ظاہر فرمانا چاہتا ہے۔

(۱۱۳) یعنی جب ایک ٹکڑا اس گائے کا اس کے مارا تو وہ بحکم الٰہی زندہ ہو گیا اور لہو زخم سے بہنے لگا اور اپنے قاتل کا نام بتا دیا جو اسی مقتول کے بھتیجے تھے۔ بطمع مال چچا کو جنگل میں لے جا کر مار ڈالا تھا پھر وہ اُن کا نام بتا کر گر پڑا اور مر گیا۔

(۱۱۴) **حیات بعد الممات پر استدلال** یعنی اسی طرح زندہ کریگا۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن مردوں کو اپنی قدرت کاملہ سے اور اپنی قدرت کی نشانیاں تم کو دکھلاتا ہے کہ شاید تم غور کرو اور سمجھ لو کہ خدائے تعالیٰ مُردوں کو زندہ کر سکتا ہے۔

ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ مِّنْ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً ۭ وَاِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ

پھر تمہارے دل سخت ہو گئے اس سب کے بعد سو وہ ہو گئے جیسے پتھر ف ۱۱۵ یا اُن سے بھی سخت اور پتھروں میں تو ایسے بھی ہیں

لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ ۭ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَاۗءُ ۭ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ

جن سے جاری ہوتی ہیں نہریں اور اُن میں ایسے بھی ہیں جو پھٹ جاتے ہیں اور نکلتا ہے اُن سے پانی اور اُن میں ایسے بھی ہیں جو گر پڑتے ہیں

مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ۭ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝۷۴ اَفَتَطْمَعُوْنَ اَنْ يُّؤْمِنُوْا لَكُمْ وَقَدْ

اللہ کے ڈر سے اور اللہ بیخبر نہیں تمہارے کاموں سے ف ۱۱۶ اب کیا تم اے مسلمانو توقع رکھتے ہو کہ وہ مانیں تمہاری بات اور اُن

كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَسْمَعُوْنَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ يُحَرِّفُوْنَهٗ مِنْۢ بَعْدِ مَا عَقَلُوْهُ وَھُمْ يَعْلَمُوْنَ ۝۷۵

میں ایک فرقہ تھا کہ سنتا تھا اللہ کا کلام پھر بدل ڈالتے تھے اُس کو جان بوجھ کر اور وہ جانتے تھے ف ۱۱۷

وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا ښ وَاِذَا خَلَا بَعْضُھُمْ اِلٰى بَعْضٍ قَالُوْٓا اَتُحَدِّثُوْنَھُمْ بِمَا فَتَحَ

اور جب ملتے ہیں مسلمانوں سے کہتے ہیں ہم مسلمان ہوئے اور جب تنہا ہوتے ہیں ایک دوسرے کے پاس تو کہتے ہیں تم کیوں کہہ دیتے ہو اُن سے جو ظاہر کیا

اللّٰهُ عَلَيْكُمْ لِيُحَاۗجُّوْكُمْ بِهٖ عِنْدَ رَبِّكُمْ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝۷۶

ہے اللہ نے تم پر تاکہ جھٹلائیں تم کو اس سے تمہارے رب کے آگے کیا تم نہیں سمجھتے ف ۱۱۸

(۱۱۵) یعنی "عامیل کے جی اٹھنے کے بعد" مطلب یہ کہ ایسی نشانی قدرت دیکھ کر بھی تمہارے دل نرم نہ ہوئے۔

(۱۱۶) **یہودیوں کے دل پتھر سے زیادہ سخت ہیں** یعنی بعض پتھروں سے بڑا نفع پہنچتا ہے کہ انہار اور پانی بکثرت اُن سے جاری ہوتا ہے۔ اور بعض پتھروں سے پانی کم نکلتا ہے اور اول قسم کی نسبت نفع کم ہوتا ہے اور بعض پتھروں سے گو کسی کو نفع نہ پہنچے مگر خود اُن میں ایک اثر اور تاثر تو موجود ہے مگر اُن کے قلوب ان تینوں قسموں کے پتھر سے سخت تر ہیں نہ اُن سے کسی کو نفع اور نہ ان میں کوئی مضمون خیر موجود۔ اور اللہ اے یہودیو تمہارے اعمال سے بیخبر ہرگز نہیں۔

(۱۱۷) **توریت میں تحریف** فریق سے مراد وہ لوگ ہیں "جو کوہ طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کلام الٰہی سننے کے لئے گئے تھے"۔

انہوں نے وہاں سے آکر یہ تحریف کی کہ بنی اسرائیل سے کہہ دیا کہ تمام کلام کے آخر میں ہم نے یہ بھی سنا کہ اگر سکو تو ان احکام کو کر لینا ورنہ ان کے ترک کا بھی تم کو اختیار ہے) اور بعض نے فرمایا کہ کلام الٰہی سے مراد توریت ہے اور تحریف سے مراد یہ ہے کہ (اس کی آیات میں تحریف لفظی و معنوی کرتے تھے کبھی آپ کی نعت کو بدلا کبھی آیت رجم کو اڑا دیا وغیرہ۔

(۱۱۸) **توریت میں آنحضرت ﷺ کا ذکر** یہود میں جو لوگ منافق تھے وہ بطور خوشامد اپنی کتاب میں سے پیغمبر آخر الزماں کی باتیں مسلمانوں سے بیان کرتے اور دوسرے لوگ اُن میں سے اُن کو اس بات پر ملامت کرتے کہ اپنی کتاب کی سند اُن کے ہاتھ میں کیوں دیتے ہو کیا تم نہیں جانتے کہ مسلمان تمہارے پروردگار کے آگے تمہاری خبر دی ہوئی باتوں سے تم پر الزام قائم کریں گے کہ پیغمبر آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کو سچ جان کر بھی ایمان نہ لائے اور تم کو لاجواب ہونا پڑے گا۔

أَوَلَا يَعْلَمُونَ أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّونَ وَمَا يُعْلِنُونَ ﴿٧٧﴾ وَمِنْهُمْ أُمِّيُّونَ لَا يَعْلَمُونَ الْكِتَابَ

کیا اتنا بھی نہیں جانتے کہ اللہ کو معلوم ہے جو کچھ چھپاتے ہیں اور جو کچھ ظاہر کرتے ہیں ف۱۱۹ اور بعض اُن میں بے پڑھے ہیں کہ خبر نہیں رکھتے کتاب کی

إِلَّا أَمَانِيَّ وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَظُنُّونَ ﴿٧٨﴾ فَوَيْلٌ لِّلَّذِينَ يَكْتُبُونَ الْكِتَابَ بِأَيْدِيهِمْ ثُمَّ يَقُولُونَ النصف

سوائے جھوٹی آرزوؤں کے اور انکے پاس کچھ نہیں مگر خیالات ف۱۲۰ سو خرابی ہے اُن کو جو لکھتے ہیں کتاب اپنے ہاتھ سے پھر کہہ دیتے ہیں

هَٰذَا مِنْ عِندِ اللَّهِ لِيَشْتَرُوا بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا ۖ فَوَيْلٌ لَّهُم مِّمَّا كَتَبَتْ أَيْدِيهِمْ وَوَيْلٌ

یہ خدا کی طرف سے ہے تاکہ لیویں اُس پر تھوڑا سا مول سو خرابی ہے اُن کو اپنے ہاتھوں کے لکھے سے اور خرابی ہے

لَّهُم مِّمَّا يَكْسِبُونَ ﴿٧٩﴾ وَقَالُوا لَن تَمَسَّنَا النَّارُ إِلَّا أَيَّامًا مَّعْدُودَةً ۚ قُلْ أَتَّخَذْتُمْ عِندَ

اُن کو اپنی اس کمائی سے ف۱۲۱ اور کہتے ہیں ہم کو ہرگز آگ نہ لگے گی مگر چند روز گنے چنے ف۱۲۲ کہدو کیا تم لے چکے ہو اللہ کے

اللَّهِ عَهْدًا فَلَن يُخْلِفَ اللَّهُ عَهْدَهُ ۖ أَمْ تَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿٨٠﴾ بَلَىٰ مَن كَسَبَ

یہاں سے قرار کہ اب ہرگز خلاف نہ کریگا اللہ اپنے قرار کے یا جوڑتے ہو اللہ پر جو تم نہیں جانتے کیوں نہیں ف۱۲۳ جس نے کمایا

سَيِّئَةً وَأَحَاطَتْ بِهِ خَطِيئَتُهُ فَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿٨١﴾

گناہ اور گھیر لیا اُس کو اُسکے گناہ نے ف۱۲۴ سو وہی ہیں دوزخ کے رہنے والے وہ اسی میں ہمیشہ رہیں گے۔

(۱۱۹) یعنی اللہ کو تو ان کے سب امور ظاہر ہوں یا مخفی بالکل معلوم ہیں اُن کی کتاب کی سب حجتوں کی خبر مسلمانوں کو دے سکتا ہے اور جا بجا مطلع فرما بھی دیا۔ آیت رجم کو انہوں نے چھپایا مگر اللہ نے ظاہر فرما کر اُن کو فضیحت کیا یہ تو ان کے علماء کا حال ہوا جو عقلمندی اور کتاب دانی کے مدعی تھے۔

(۱۲۰) اور جو جاہل ہیں ان کو تو کچھ بھی خبر نہیں کہ توریت میں کیا لکھا ہے مگر چند آرزوئیں جو اپنے عالموں سے جھوٹی باتیں سن رکھی ہیں (مثلاً بہشت میں یہودیوں کے سوا کوئی نہ جائے گا اور ہمارے باپ دادا ہم کو ضرور بخشوا لیں گے) اور یہ اُن کے خیالات بے اصل ہیں جن کی کوئی دلیل اُنکے پاس نہیں

(۱۲۱) **مال کے عوض توریت میں تحریف** یہ وہ لوگ ہیں جو اُن عوام جاہلوں کے موافق باتیں اپنی طرف سے بنا کر لکھ دیتے تھے اور خدا کی طرف ان باتوں کو منسوب کرتے۔ مثلاً توریت میں لکھا تھا کہ "پیغمبر آخر الزماں خوبصورت پیچواں بال، سیاہ آنکھیں، میانہ قد گندم رنگ پیدا ہونگے" انہوں نے پھیر کر یوں لکھا "لنبا قد، نیلی آنکھیں سیدھے بال" تاکہ عوام آپ کی تصدیق نہ کر لیں اور ہمارے منافع دنیوی میں خلل نہ آجائے۔

(۱۲۲) **بنی اسرائیل کی خوش فہمی** بعض نے کہا سات دن اور بعض نے چالیس دن (جتنے روز بچھڑے کی پوجا کی تھی) اور بعض نے چالیس

سال (جتنی مدت تیہ میں سرگرداں رہے تھے) اور بعض نے کہا ہر ایک جتنی مدت دنیا میں زندہ رہا۔

(۱۲۳) یعنی یہ بات غلط ہے کہ یہودی ہمیشہ کے لئے دوزخ میں نہ رہیں گے۔ کیونکہ خلود فی النار اور خلود فی الجنۃ کا جو قاعدہ کلیہ آگے بیان فرمایا ہے اسی کے مطابق سب سے معاملہ ہوگا۔ یہودی اُس سے نکل نہیں سکتے۔

(۱۲۴) گناہ کسی کا احاطہ کر لیں۔ اُس کا یہ مطلب ہے کہ گناہ اُس پر ایسا غلبہ کر لیں کہ کوئی جانب ایسی نہ ہو کہ گناہ کا غلبہ نہ ہو۔ حتیٰ کہ دل میں ایمان و تصدیق باقی ہوگی تو بھی احاطہ مذکور محقق نہ ہوگا۔ تو اب کافر ہی پر یہ صورت صادق آ سکتی ہے۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۸۲﴾ وَاِذْ اَخَذْنَا

اور جو ایمان لائے اور عمل کئے نیک وہی ہیں جنت کے رہنے والے وہ اُسی میں ہمیشہ رہیں گے اور جب ہم نے لیا

مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ ۣ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى

قرار بنی اسرائیل سے کہ عبادت نہ کرنا مگر اللہ کی اور ماں باپ سے سلوک نیک کرنا اور کنبہ والوں سے اور یتیموں

وَالْمَسٰكِيْنِ وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا وَّاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ۭ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْكُمْ وَاَنْتُمْ

اور محتاجوں سے اور کہیو سب لوگوں سے نیک بات اور قائم رکھیو نماز اور دیتے رکھیو زکوٰۃ پھر تم پھر گئے مگر تھوڑے سے تم میں اور تم ہو ہی

مُّعْرِضُوْنَ ﴿۸۳﴾ وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ لَا تَسْفِكُوْنَ دِمَآءَكُمْ وَلَا تُخْرِجُوْنَ اَنْفُسَكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ ثُمَّ اَقْرَرْتُمْ

پھرنے والے ف۱۲۵ اور جب لیا ہم نے وعدہ تمہارا کہ نہ کرو گے خون آپس میں اور نہ نکال دو گے اپنوں کو اپنے وطن سے پھر تم نے اقرار کر لیا

وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ﴿۸۴﴾ ثُمَّ اَنْتُمْ هٰٓؤُلَاۗءِ تَقْتُلُوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَتُخْرِجُوْنَ فَرِيْقًا مِّنْكُمْ مِّنْ دِيَارِهِمْ ۡ

اور تم مانتے ہو ف۱۲۶ پھر تم وہ لوگ ہو کر ویسے ہی خون کرتے ہو آپس میں اور نکال دیتے ہو اپنے ایک فرقہ کو اُن کے وطن سے

تَظٰھَرُوْنَ عَلَيْهِمْ بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۭ وَاِنْ يَّاْتُوْكُمْ اُسٰرٰى تُفٰدُوْھُمْ وَھُوَ مُحَرَّمٌ عَلَيْكُمْ اِخْرَاجُهُمْ ۭ

چڑھائی کرتے ہو ان پر گناہ اور ظلم سے ف۱۲۷ اور اگر وہی آویں تمہارے پاس کسی کی قید میں ہو کر تو اُن کا بدلا دے کر چھڑاتے ہو حالانکہ حرام ہے تم پر اُن کا نکال دینا بھی

اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ۚ فَمَا جَزَاۗءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيٰوةِ

تو کیا مانتے ہو بعض کتاب کو اور نہیں مانتے بعض کو ف۱۲۸ سو کوئی سزا نہیں اُس کی جو تم میں یہ کام کرتا ہے مگر رسوائی دنیا کی

الدُّنْيَا ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ ۭ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۸۵﴾

زندگی میں اور قیامت کے دن پہنچائے جاویں سخت سے سخت عذاب میں اور اللہ بے خبر نہیں تمہارے کاموں سے ف۱۲۹

(۱۲۵) یعنی احکام الٰہی سے اعراض کرنا تو تمہاری عادت بلکہ طبیعت ہو گئی ہے۔

(۱۲۶) یعنی نہ اپنی قوم کو قتل کرو اور نہ اُن کو جلاوطن کرو۔

(۱۲۷) **بنی اسرائیل کی بدعملیاں** مدینہ میں دو فریق یہودیوں کے تھے ایک بنی قریظہ دوسرے بنی نضیر یہ دونوں آپس میں لڑا کرتے تھے اور مشرکوں کے بھی مدینہ میں دو فرقے تھے ایک "اوس" دوسرے "خزرج" یہ دونوں بھی آپس میں دشمن تھے بنی قریظہ تو اوس کے موافق ہوئے اور بنی نضیر نے خزرج سے دوستی کی تھی۔ لڑائی میں ہر کوئی اپنے موافقوں اور دوستوں کی حمایت کرتا۔ جب ایک کو دوسرے پر غلبہ ہوتا تو کمزوروں کو جلاوطن کرتے، اُن کے

گھڑھاتے اور اگر کوئی قید ہو کر پکڑا آتا تو سب رل مل کر مال جمع کر کے اس کا بدلہ دے کر قید سے اُس کو چھڑاتے جیسا کہ آئندہ آیت میں آتا ہے۔

(۱۲۸) یعنی اپنی قوم غیر کے ہاتھ میں پھنستی تو چھڑانے کو مستعد اور خود اُن کے ستانے اور گلا کاٹنے تک کو موجود۔ اگر خدا کے حکم پر چلتے ہو تو دونوں جگہ چلو

(۱۲۹) شریعت کے سب احکام پر عمل ضروری ہے | ایسا کرے" یعنی بعض احکام کو مانے اور بعض کا انکار کرے" اس لئے کہ ایمان کا تجزیہ تو ممکن نہیں تو اب بعض احکام کا انکار کرنیوالا بھی کافر مطلق ہوگا۔ صرف بعض احکام پر ایمان لانے سے کچھ بھی ایمان نصیب نہ ہوگا۔ اس آیت سے صاف معلوم ہو گیا کہ اگر کوئی شخص بعض احکام شرعیہ کی تو متابعت کرے اور جو حکم کہ اس کی طبیعت یا عادت یا غرض کے خلاف ہو اُس کے قبول میں قصور کرے تو بعض احکام کی متابعت اس کو کچھ نفع نہیں دے سکتی۔

ع ۱۰ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الْحَيَاةَ الدُّنْيَا بِالْآخِرَةِ ۖ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْصَرُونَ ﴿۸۶﴾

یہ وہی ہیں جنہوں نے مول لی دنیا کی زندگی آخرت کے بدلے سو نہ ہلکا ہوگا اُن پر عذاب اور نہ اُن کو مدد پہنچے گی ف ۱۳۰

وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ وَقَفَّيْنَا مِنْ بَعْدِهِ بِالرُّسُلِ ۖ وَآتَيْنَا عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنَاتِ وَأَيَّدْنَاهُ

اور بیشک دی ہم نے موسیٰ کو کتاب اور پے در پے بھیجے اسکے پیچھے رسول اور دیئے ہم نے عیسیٰ مریم کے بیٹے کو معجزے صریح اور قوت دی اس

بِرُوحِ الْقُدُسِ ۗ أَفَكُلَّمَا جَاءَكُمْ رَسُولٌ بِمَا لَا تَهْوَىٰ أَنْفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ فَفَرِيقًا كَذَّبْتُمْ وَفَرِيقًا

کو روح پاک سے ف ۱۳۱ پھر بھلا کیا جب پاس لایا کوئی رسول وہ حکم جو نہ بھایا تمہارے جی کو تو تم تکبر کرنے لگے پھر ایک جماعت کو جھٹلایا ف ۱۳۲ اور ایک جماعت

تَقْتُلُونَ ﴿۸۷﴾ وَقَالُوا قُلُوبُنَا غُلْفٌ ۚ بَلْ لَعَنَهُمُ اللَّهُ بِكُفْرِهِمْ فَقَلِيلًا مَا يُؤْمِنُونَ ﴿۸۸﴾ وَلَمَّا جَاءَهُمْ

کو تم نے قتل کر دیا ف ۱۳۳ اور کہتے ہیں ہمارے دلوں پر غلاف ہے بلکہ لعنت کی ہے اللہ نے اُنکے کفر کے سبب سو بہت کم ایمان لاتے ہیں ف ۱۳۴ اور جب پہنچی اُنکے پاس

كِتَابٌ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ مُصَدِّقٌ لِمَا مَعَهُمْ وَكَانُوا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُونَ عَلَى الَّذِينَ

کتاب اللہ کی طرف سے جو سچا بتاتی ہے اس کتاب کو جو اُنکے پاس ہے اور پہلے سے فتح مانگتے تھے کافروں پر

كَفَرُوا فَلَمَّا جَاءَهُمْ مَا عَرَفُوا كَفَرُوا بِهِ ۚ فَلَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الْكَافِرِينَ ﴿۸۹﴾ بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهِ أَنْفُسَهُمْ أَنْ

پھر جب پہنچا اُن کو جسکو پہچان رکھا تھا تو اس سے منکر ہو گئے سو لعنت ہے اللہ کی منکروں پر ف ۱۳۵ بُری چیز ہے وہ جسکے بدلے بیچا انہوں نے اپنے آپکو کہ

يَكْفُرُوا بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ بَغْيًا أَنْ يُنَزِّلَ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ عَلَىٰ مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ ۖ فَبَاءُوا

منکر ہوئے اُس چیز کے جو اُتاری اللہ نے اس ضد پر کہ اُتارے اللہ اپنے فضل سے جس پر چاہے اپنے بندوں میں سے ف ۱۳۶ سو کما لائے

بِغَضَبٍ عَلَىٰ غَضَبٍ ۚ وَلِلْكَافِرِينَ عَذَابٌ مُهِينٌ ﴿۹۰﴾

غصہ پر غصہ ف ۱۳۷ اور کافروں کے واسطے عذاب ہے ذلت کا ف ۱۳۸

(۱۳۰) یعنی مفاد دنیوی کو آخرت کے مقابلہ میں قبول کیا اس لئے کہ جن لوگوں سے عہد کیا تھا اس کو دنیا کے خیال سے بنھایا اور اللہ کے جو احکام تھے ان کی پرواہ نہ کی تو پھر اللہ کے ہاں ایسوں کی کون سفارش یا حمایت کر سکتا ہے۔

(۱۳۱) حضرت عیسیٰؑ کے معجزے | مردوں کا زندہ کرنا۔ اکمہ وابرص وغیرہ مریضوں کا صحت یاب ہونا۔ غیب کی خبریں بتانا یہ حضرت عیسیٰ کے کھلے معجزے ہیں اور روح القدس کہتے ہیں حضرت جبرئیل کو جو ہر وقت ان کے ساتھ رہتے تھے یا اسم اعظم کہ جس کی برکت سے مردوں کو زندہ کرتے تھے۔

(۱۳۲) **انبیاء کی تکذیب اور قتل** جیسا کہ حضرت عیسیٰ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو جھوٹا کہا۔

(۱۳۳) جیسا کہ حضرت زکریا اور یحییٰ علیہما السلام کو قتل کیا۔

(۱۳۴) **بنی اسرائیل پر اللہ کی لعنت** یہود اپنی تعریف میں کہتے تھے کہ "ہمارے دل غلاف کے اندر محفوظ ہیں بجز اپنے دین کے کسی کی بات ہم کو اثر نہیں کرتی۔ ہم کسی کی چاپلوسی، سحر بیانی یا کرشمے اور دھوکے کی وجہ سے ہرگز اُس کی متابعت نہیں کر سکتے۔" حق تعالیٰ نے فرمایا وہ بالکل جھوٹے ہیں بلکہ اُن کے کفر کے باعث اللہ نے اُن کو ملعون اور اپنی رحمت سے دور کر دیا ہے۔ اس لئے کسی طرح دین حق کو نہیں مانتے اور بہت کم دولت ایمان سے مشرف ہوتے ہیں۔"

(۱۳۵) **بنی اسرائیل آنحضرت کے وسیلے سے دعا مانگتے تھے** اُن کے پاس جو کتاب آئی وہ قرآن ہے اور جو کتاب اُن کے پاس پہلے سے تھی وہ توریت ہوئی۔ قرآن کے اُترنے سے پہلے جب یہودی کافروں سے مغلوب ہوتے تو خدا سے دعا مانگتے کہ "ہم کو نبی آخر الزماں اور جو کتاب ان پر نازل ہو گی اُن کے طفیل سے کافروں پر غلبہ عطا فرما۔" جب حضور پیدا ہوئے اور سب نشانیاں بھی دیکھ چکے تو منکر ہو گئے اور ملعون ہوئے۔

(۱۳۶) یعنی جس چیز کے بدلے انہوں نے اپنے آپ کو بیچا وہ کفر اور انکار ہے قرآن کا اور انکار بھی محض ضد اور حسد کے سبب۔

(۱۳۷) ایک غضب تو یہ کہ قرآن بلکہ اُس کے ساتھ اپنی کتاب کے بھی منکر ہو کر کافر ہوئے دوسرے محض حسد اور ضد سے پیغمبر وقت سے انحراف اور خلاف کیا۔

(۱۳۸) **کافروں اور مسلمانوں کے عذاب میں فرق** اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر عذاب ذلت کے لئے نہیں ہوتا بلکہ مسلمانوں کو جو ان کے معاصی پر عذاب ہو گا گناہوں سے پاک کرنے کے لئے ہو گا نہ بغرض تذلیل البتہ کافروں کو بغرض تذلیل عذاب دیا جائیگا۔

وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا نُؤْمِنُ بِمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَ يَكْفُرُوْنَ بِمَا وَرَآءَهٗ ۗ

اور جب کہا جاتا ہے ان سے مانو اس کو جو اللہ نے بھیجا ہے تو کہتے ہیں ہم مانتے ہیں جو اُترا ہے ہم پر اور نہیں مانتے اس کو جو سوا اس کے ہے

وَ هُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَهُمْ ؕ قُلْ فَلِمَ تَقْتُلُوْنَ اَنْۢبِيَآءَ اللّٰهِ مِنْ قَبْلُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۹۱﴾

حالانکہ وہ کتاب سچی ہے تصدیق کرتی ہے اُس کتاب کی جو اُنکے پاس ہے ف ۱۳۹ کہدو پھر کیوں قتل کرتے رہے ہو اللہ کے پیغمبروں کو پہلے سے اگر تم ایمان رکھتے تھے ف ۱۴۰

وَ لَقَدْ جَآءَكُمْ مُّوْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَ اَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۹۲﴾ وَ اِذْ اَخَذْنَا

اور آچکا تمہارے پاس موسیٰ صریح معجزے لیکر پھر بنا لیا تم نے بچھڑا اس کے گئے پیچھے اور تم ظالم ہو ف ۱۴۱ اور جب ہم نے لیا

مِيْثَاقَكُمْ وَ رَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ ؕ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّ اسْمَعُوْا ؕ قَالُوْا سَمِعْنَا وَ عَصَيْنَا ۗ

قرار تمہارا اور بلند کیا تمہارے اُوپر کوہ طور کو پکڑو جو ہم نے تم کو دیا زور سے اور سنو بولے سنا ہم نے اور نہ مانا

وَ اُشْرِبُوْا فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْعِجْلَ بِكُفْرِهِمْ ؕ قُلْ بِئْسَمَا يَاْمُرُكُمْ بِهٖۤ اِيْمَانُكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۹۳﴾

اور پلائی گئی اُنکے دلوں میں محبت اُسی بچھڑے کی بسبب اُنکے کفر کے ف ۱۴۲ کہدو کہ بُری باتیں سکھاتا ہے تم کو ایمان تمہارا اگر تم ایمان والے ہو

(۱۳۹) جو اللہ نے بھیجا یعنی انجیل و قرآن اور جو اُترا ہم پر یعنی توریت مطلب یہ ہوا کہ "بجز توریت اور کتابوں کا صاف انکار کرتے ہیں اور انجیل و قرآن کو نہیں مانتے۔" حالانکہ وہ کتابیں بھی سچی اور توریت کی تصدیق کرنیوالی ہیں۔

(۱۴۰) **انبیاء کا قتل توریت پر ایمان کے منافی ہے** اُن سے کہہ دو کہ "اگر تم توریت پر ایمان رکھتے ہو تو پھر تم نے انبیاء کو کیوں قتل کیا" کیونکہ توریت

میں یہ حکم ہے کہ "جو نبی توریت کو سچا کہنے والا آئے اس کی نصرت کرنا۔ اور اس پر ضرور ایمان لانا" اور قتل بھی اُن انبیاء کو کیا جو پہلے گذر چکے ہیں (جیسے حضرت زکریا اور حضرت یحییٰ) جو احکام توریت پر عمل کرتے تھے اور اسی کی ترویج کے لئے مبعوث ہوئے تھے اُن کے مصدق توریت ہونے میں تو یہود کو بھی تامل نہیں ہو سکتا (یہ بات لفظ قبلُ سے مفہوم ہوئی)۔

(١٤١) بنی اسرائیل ظالم ہیں | یعنی حضرت موسیٰ کہ جن کی شریعت پر قائم ہو اور ان کی شریعت کی وجہ سے اور شرائع حقہ کا انکار کرتے ہو۔ خود انہوں نے کھلے کھلے معجزے تم کو دکھائے (جیسے عصا ید بیضاء اور دریا کا پھاڑنا وغیرہ) مگر جب چند دن کے لئے کوہ طور پر گئے تو اتنے ہی میں بچھڑے کو تم نے خدا بنالیا۔ حالانکہ موسیٰ علیہ السلام اپنے درجہ نبوت پر قائم زندہ موجود تھے تو اس وقت تمہارا حضرت موسیٰؑ اور ان کی شریعت پر ایمان کہاں جاتا رہا تھا اور رسول آخر الزمان کے بغض و حسد میں آج شریعت موسوی کو ایسا پکڑ رکھا ہے کہ خدا کا حکم بھی نہیں سنتے۔ بیشک تم ظالم، تمہارے باپ دادا ظالم، یہ حال تو بنی اسرائیل کا حضرت موسیٰؑ کے ساتھ تھا۔ آگے توریت کی نسبت جو اُن کے ایمان کی حالت تھی اس کو بتاتے ہیں۔

(١٤٢) یعنی احکام توریت کی جو تکلیف دی گئی اُس کو پوری ہمت و استقلال سے مضبوط پکڑو چونکہ پہاڑ سر پر معلق تھا جان کے اندیشہ سے زبان سے (یا اُس وقت) تو کہہ لیا سمعنا یعنی احکام توریت ہم نے سُن لئے اور دل سے (یا بعد میں) کہا عصینا یعنی ہم نے قبول نہیں کیا احکام کو اور وجہ اس کی یہ تھی کہ صورت پرستی اُن کے دل میں راسخ ہو چکی تھی اُن کے کفر کے باعث وہ زنگ بالکل اُن کے دل سے زائل نہیں ہوا بلکہ رفتہ رفتہ بڑھتا گیا۔

قُلْ إِنْ كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ الْآخِرَةُ عِنْدَ اللّٰهِ خَالِصَةً مِّنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ

کہدے کہ اگر ہے تمہارے واسطے آخرت کا گھر اللہ کے ہاں تنہا سوا اور لوگوں کے تو تم مرنے کی آرزو کرو

إِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿٩٤﴾ وَلَنْ يَّتَمَنَّوْهُ أَبَدًا بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيْهِمْ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿٩٥﴾

اگر تم سچ کہتے ہو ١٤٣ اور ہرگز آرزو نہ کرینگے موت کی کبھی بسبب ان گناہوں کے کہ بھیج چکے ہیں انکے ہاتھ اور اللہ خوب جانتا ہے گنہگاروں کو

وَلَتَجِدَنَّهُمْ أَحْرَصَ النَّاسِ عَلٰى حَيٰوةٍ ۚ وَمِنَ الَّذِيْنَ أَشْرَكُوْا ۚ يَوَدُّ أَحَدُهُمْ لَوْ يُعَمَّرُ أَلْفَ

اور تو دیکھیگا اُن کو سب لوگوں سے زیادہ حریص زندگی پر اور زیادہ حریص مشرکوں سے بھی چاہتا ہے ایک ایک ان میں کا کہ عمر پاوے ہزار

سَنَةٍ ۚ وَمَا هُوَ بِمُزَحْزِحِهٖ مِنَ الْعَذَابِ أَنْ يُّعَمَّرَ ۗ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ﴿٩٦﴾ قُلْ مَنْ

برس اور نہیں اُس کو بچانے والا عذاب سے اس قدر جینا اور اللہ دیکھتا ہے جو کچھ وہ کرتے ہیں ١٤٤ تو کہدے جو کوئی

كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ فَإِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِإِذْنِ اللّٰهِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَهُدًى

ہووے دشمن جبریل کا سو اُس نے تو اُتارا ہے یہ کلام تیرے دل پر اللہ کے حکم سے کہ سچا بتانیوالا ہے اُس کلام کو جو اُسکے پہلے ہے اور راہ دکھاتا ہے

وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٩٧﴾

اور خوشخبری سناتا ہے ایمان والوں کو۔

(١٤٣) بنی اسرائیل کے ایک دعوے کی تردید | یہود کہتے تھے کہ "جنت میں ہمارے سوا کوئی نہ جائیگا اور ہم کو عذاب نہ ہوگا" اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ "اگر یقیناً بہشتی ہو تو مرنے سے کیوں ڈرتے ہو"

(۱۴۴) یعنی یہودیوں نے ایسے بُرے کام کئے ہیں کہ موت سے نہایت بچتے ہیں اور ڈرتے ہیں کہ مرتے ہی خیر نظر نہیں آتی حتیٰ کہ مشرکین سے بھی زیادہ جینے پر حریص ہیں۔ اس سے ان کے دعووں کی تغلیط خوب ہوگئی۔

مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَرُسُلِهٖ وَجِبْرِيْلَ وَمِيْكٰلَ فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴿۹۸﴾ وَ
جو کوئی ہووے دشمن اللہ کا اور اُسکے فرشتوں کا اور اُسکے پیغمبروں کا اور جبریل اور میکائیل کا تو اللہ دشمن ہے ان کافروں کا ف۱۴۵ اور
لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ ۚ وَمَا يَكْفُرُ بِهَآ اِلَّا الْفٰسِقُوْنَ ﴿۹۹﴾ اَوَكُلَّمَا عٰهَدُوْا عَهْدًا نَّبَذَهٗ
ہم نے اتاریں تیری طرف آیتیں روشن اور انکار نہ کرینگے اُن کا مگر وہی جو نافرمان ہیں کیا جب کبھی باندھیں گے کوئی قرار تو پھینک دیگی
فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ ۭ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ وَلَمَّا جَاۗءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ
اسکو ایک جماعت انمیں سے بلکہ اُن میں اکثر یقین نہیں کرتے ف۱۴۶ اور جب پہنچا اُنکے پاس رسول اللہ کی طرف سے تصدیق کرنیوالا اس
لِّمَا مَعَهُمْ نَبَذَ فَرِيْقٌ مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ ۙ كِتٰبَ اللّٰهِ وَرَاۗءَ ظُهُوْرِهِمْ كَاَنَّهُمْ لَا
کتاب کی جو اُنکے پاس ہے تو پھینک دیا ایک جماعت نے اہل کتاب سے کتاب اللہ کو اپنی پیٹھ کے پیچھے گویا کہ وہ
يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۱﴾ وَاتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ عَلٰي مُلْكِ سُلَيْمٰنَ ۚ وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ وَلٰكِنَّ
جانتے ہی نہیں ف۱۴۷ اور پیچھے ہولئے اس علم کے جو پڑھتے تھے شیطان سلیمان کی بادشاہت کے وقت ف۱۴۸ اور کفر نہیں کیا سلیمان نے لیکن
الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ ۤ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَي الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَارُوْتَ وَمَارُوْتَ ۭ
شیطانوں نے کفر کیا کہ سکھلاتے تھے لوگوں کو جادو اور اُس علم کے پیچھے ہولئے جو اترا دو فرشتوں پر شہر بابل میں جن کا نام ہاروت اور ماروت ہے
وَمَا يُعَلِّمٰنِ مِنْ اَحَدٍ حَتّٰى يَقُوْلَآ اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ ۭ فَيَتَعَلَّمُوْنَ مِنْهُمَا مَا
اور نہیں سکھاتے تھے وہ دونوں فرشتے کسی کو جب تک یہ نہ کہدیتے کہ ہم تو آزمائش کے لئے ہیں سو تو کافر مت ہو پھر اُن سے سیکھتے وہ جادو جس سے جدائی
يُفَرِّقُوْنَ بِهٖ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهٖ ۭ وَمَا هُمْ بِضَاۗرِّيْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَيَتَعَلَّمُوْنَ
ڈالتے ہیں مرد میں اور اُسکی عورت میں اور وہ اس سے نقصان نہیں کر سکتے کسی کا بغیر حکم اللہ کے اور سیکھتے ہیں
مَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ ۭ وَلَقَدْ عَلِمُوْا لَمَنِ اشْتَرٰىهُ مَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ڜ وَ
وہ چیز جو نقصان کرے اُنکا اور فائدہ نہ کرے اور وہ خوب جان چکے ہیں کہ جس نے اختیار کیا جادو کو نہیں اُسکے لئے آخرت میں کچھ حصہ اور
لَبِئْسَ مَا شَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ ۭ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۲﴾
بہت ہی بُری چیز ہے جسکے بدلے بیچا انہوں نے اپنے آپکو اگر اُن کو سمجھ ہوتی

(۱۴۵) **حضرت جبریلؑ سے یہودیوں کی دشمنی** | یہود کہتے تھے کہ "جبریل فرشتہ اس نبی کے پاس وحی لاتا ہے اور وہ ہمارا دشمن ہے۔ ہمارے اگلے بزرگوں کو اس سے بہت تکلیفیں پہنچیں۔ اگر جبریل کے بدلے اور فرشتہ وحی لائے تو ہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائیں" اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ فرشتے جو کچھ ہیں اللہ کے حکم سے کرتے ہیں اپنی طرف سے کچھ نہیں کرتے جو ان کا دشمن ہے اللہ بیشک اُن کا دشمن ہے۔

(۱۴۶) یعنی اُن کی عادتِ قدیم ہے کہ جب اللہ یا رسول یا کسی شخص سے کوئی عہد مقرر کرتے ہیں تو انہی میں کی ایک جماعت اُس عہد کو پس پشت ڈال دیتی ہے بلکہ بہت یہودی ایسے ہیں جو توریت پر ایمان ہی نہیں رکھتے ایسوں کو عہد شکنی میں کیا باک ہو سکتا ہے۔

(۱۴۷) **آنحضرتؐ کی وجہ سے توریت سے انحراف** رسول سے مراد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ما معہم سے توریت اور کتاب اللہ سے بھی توریت مراد ہے۔ یعنی جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ حالانکہ وہ توریت وغیرہ کتب کے مصدق تھے تو یہود کی ایک جماعت نے خود توریت کو پس پشت ایسا ڈال دیا کہ گویا جانتی ہی نہیں کہ یہ کیا کتاب ہے اور اس میں کیا کیا حکم ہیں۔ سو اُن کو جب اپنی ہی کتاب پر ایمان نہیں تو اُن سے آگے کو کیا اُمید کی جائے۔

(۱۴۸) **شیطانوں سے جادو کی تعلیم** یعنی اُن احمقوں نے کتاب الٰہی تو پس پشت ڈالی اور شیطانوں سے جادو سیکھا اور اُسکی متابعت کرنے لگے

ع ۱۲ / ۱۲

وَلَوْ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَمَثُوْبَةٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ خَيْرٌ ؕ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۳﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ

اور اگر وہ ایمان لاتے اور تقویٰ کرتے تو بدلا پاتے اللہ کے ہاں سے بہتر اگر اُن کو سمجھ ہوتی ف۱۴۹ اے ایمان

اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوا انْظُرْنَا وَاسْمَعُوْا ؕ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۰۴﴾ مَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

والو تم نہ کہو راعنا اور کہو انظرنا اور سنتے رہو اور کافروں کو عذاب ہے دردناک ف۱۵۰ دل نہیں چاہتا اُن لوگوں کا جو کافر

مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَلَا الْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يُّنَزَّلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ خَيْرٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ

ہیں اہل کتاب میں اور نہ مشرکوں میں اس بات کو کہ اُترے تم پر کوئی نیک بات تمہارے رب کی طرف سے اور اللہ خاص کر لیتا ہے

بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿۱۰۵﴾ مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ

اپنی رحمت کے ساتھ جسکو چاہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے ف۱۵۱ جو منسوخ کرتے ہیں ہم کوئی آیت یا بھلا دیتے ہیں تو بھیج دیتے ہیں اُس سے

مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا ؕ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۰۶﴾ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ

بہتر یا اُسکے برابر کیا تجھ کو معلوم نہیں کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے ف۱۵۲ کیا تجھ کو معلوم نہیں کہ اللہ ہی کے لئے ہے سلطنت

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿۱۰۷﴾ اَمْ تُرِيْدُوْنَ

آسمان اور زمین کی اور نہیں تمہارے واسطے اللہ کے سوا کوئی حمایتی اور نہ مددگار ف۱۵۳ کیا تم مسلمان بھی چاہتے ہو

اَنْ تَسْئَلُوْا رَسُوْلَكُمْ كَمَا سُئِلَ مُوْسٰى مِنْ قَبْلُ ؕ وَمَنْ يَّتَبَدَّلِ الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ

کہ سوال کرو اپنے رسول سے جیسے سوال ہو چکے ہیں موسیٰ سے اس سے پہلے اور جو کوئی کفر لیوے بدلے ایمان کے تو وہ

ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ﴿۱۰۸﴾

بہکا سیدھی راہ سے ف۱۵۴

(۱۴۹) **ہاروت ماروت اور علم سحر** خلاصہ یہ کہ یہود اپنے دین اور کتاب کا علم چھوڑ کر علم سحر کے تابع ہو گئے اور سحر لوگوں میں دو طرف سے پھیلا۔ ایک حضرت سلیمان کے عہد میں۔ چونکہ جنات اور آدمی ملے جلے رہتے تھے تو آدمیوں نے شیطانوں سے سحر سیکھا (اور نسبت کر دیا حضرت سلیمان کی طرف) کہ "ہم کو انہی سے پہنچا ہے اور اُن کو حکم جن اور انس پر اسی کے زور سے تھا" سو اللہ تعالیٰ نے فرما دیا کہ "یہ کام کفر کا ہے سلیمان کا نہیں" دوسرے پھیلا

ہاروت ماروت کی طرف سے وہ دو فرشتے تھے شہر بابل میں بصورت آدمی رہتے تھے اُن کو علم سحر معلوم تھا۔ جو کوئی طالب اس کا جاتا اوّل اس کو روک دیتے کہ اس میں ایمان جاتا رہے گا اس پر بھی باز نہ آتا تو اس کو سکھا دیتے۔ اللہ تعالیٰ کو اُن کے ذریعہ سے بندوں کی آزمائش منظور تھی سو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ایسے علموں سے آخرت کا کچھ نفع نہیں بلکہ سراسر نقصان ہے اور دنیا میں بھی ضرر ہے اور بغیر حکم خدا کے کچھ نہیں کر سکتے اور علم دین اور علم کتاب سیکھتے تو اللہ کے ہاں ثواب پاتے۔

(۱۵۰) **صحابہ کو راعنا کہنے کی ممانعت** | یہودی اکر آپ کی مجلس میں بیٹھتے اور حضرت کی باتیں سُنتے۔ بعضی بات جو اچھی طرح نہ سنتے اس کو مکرر تحقیق کرنا چاہتے تو کہتے راعنا (یعنی ہماری طرف متوجہ ہو اور ہماری رعایت کرو) یہ کلمہ اُن سے سُن کر کبھی مسلمان بھی کہہ دیتے۔ اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا کہ یہ لفظ نہ کہو اگر کہنا ہو تو اُنظرنا کہو (اس کے معنی بھی یہی ہیں) اور ابتدا ہی سے متوجہ ہو کر سنتے رہو تو مکرر پوچھنا ہی نہ پڑے۔ یہود اس لفظ کو بدنیتی اور فریب سے کہتے تھے اس لفظ کو زبان دبا کر کہتے تو راعینا ہو جاتا (یعنی ہمارا چرواہا) اور یہود کی زبان میں راعنا احمق کو بھی کہتے ہیں۔

(۱۵۱) یعنی کفار (یہودی ہوں یا مشرکین مکہ) قرآن کے نزول کو تم پر ہرگز پسند نہیں کرتے بلکہ یہود تمنا کرتے ہیں کہ نبی آخرالزماں بنی اسرائیل میں پیدا ہو اور مشرکین مکہ چاہتے ہیں کہ ہماری قوم میں سے ہو مگر یہ تو اللہ کے فضل کی بات ہے کہ اُمی لوگوں میں نبی آخرالزماں کو پیدا فرمایا۔

(۱۵۲) **نسخ پر اعتراض کا جواب** | یہ بھی یہود کا طعن تھا کہ "تمہاری کتاب میں بعض آیات منسوخ ہوتی ہیں اگر یہ کتاب اللہ کی طرف سے ہوتی تو جس عیب کی وجہ سے اب منسوخ ہوئی اُس عیب کی خبر کیا خدا کو پہلے سے نہ تھی" اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ "عیب نہ پہلی بات میں نہ تھا نہ پچھلی میں لیکن حاکم مناسب وقت دیکھ کر جو چاہے حکم کرے اس وقت وہی مناسب تھا اور اب دوسرا حکم مناسب ہے۔"

(۱۵۳) یعنی ادھر تو اللہ کی قدرت و ملکیت سب پر شامل اُدھر اُس کی اپنے بندوں پر اعلیٰ درجہ کی عنایت۔ تو اب مصالح اور منافع بندوں کی اطلاع اور اُن پر قدرت کس کو ہو سکتی ہے اور اُس کے برابر بندوں کی خیر خواہی کون کر سکتا ہے۔

(۱۵۴) **ایمان والو! یہودیوں کی طرح سوال نہ کرو** | یعنی یہودیوں کی باتوں پر ہرگز اعتماد نہ کرنا جس کسی کو یہودیوں کے شبہ ڈالنے سے شبہہ پڑ گیا وہ کافر ہوا اس کی احتیاط رکھو۔ اور یہود کے کہنے سے تم اپنے نبی کے پاس شبہے نہ لاؤ جیسے وہ اپنے نبی کے پاس لاتے تھے۔

وَدَّ كَثِيْرٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يَرُدُّوْنَكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِكُمْ كُفَّارًا ۚۖ حَسَدًا مِّنْ عِنْدِ

دل چاہتا ہے بہت سے اہل کتاب کا کہ کسی طرح تم کو پھیر کر مسلمان ہوئے پیچھے کافر بنا دیں بسبب اپنے دلی

اَنْفُسِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ ۚ فَاعْفُوْا وَاصْفَحُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ

حسد کے بعد اس کے کہ ظاہر ہو چکا اُن پر حق ف ۱۵۵ سو تم درگذر کرو اور خیال میں نہ لاؤ جب تک بھیجے اللہ اپنا حکم ف ۱۵۶ بیشک اللہ

عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۰۹﴾ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ؕ وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ

ہر چیز پر قادر ہے ف ۱۵۷ اور قائم رکھو نماز اور دیتے رہو زکوٰۃ اور جو کچھ آگے بھیج دوگے اپنے واسطے بھلائی

تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۱۱۰﴾ وَقَالُوْا لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ

پاؤ گے اُس کو اللہ کے پاس بیشک اللہ جو کچھ تم کرتے ہو سب دیکھتا ہے ف ۱۵۸ اور کہتے ہیں کہ ہرگز نہ جاویں گے جنت میں مگر جو ہوں گے

هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ؕ تِلْكَ اَمَانِيُّهُمْ ؕ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۱۱﴾

یہودی یا نصرانی ف ۱۵۹ یہ آرزوئیں باندھ لی ہیں انہوں نے کہہ دے لے آؤ سند اپنی اگر تم سچے ہو

(۱۵۵) یعنی بہت سے یہودیوں کو آرزو ہے کہ کسی طرح کو اے مسلمانوں پھیر کر پھر کافر بنا دیں حالانکہ اُن کو واضح ہو چکا ہے کہ مسلمانوں کا دین اُن کی کتاب اُن کا نبی سب سچے ہیں۔

(۱۵۶) یعنی جب تک ہمارا حکم کوئی نہ آئے اُس وقت تک یہود کی باتوں پر صبر کرو۔ سو آخر کو حکم آگیا کہ یہود کو مدینہ کے گرد سے نکال دو۔

(۱۵۷) یعنی اپنے ضعف سے تردد مت کرو۔ اللہ تعالیٰ اپنی قدرت سے تم کو عزیز اور یہود کو ذلیل کرے گا یا یہ کہ تاخیر عجز کی وجہ سے نہیں کی جاتی۔

(۱۵۸) **نماز قائم کرو اور زکوۃ دو** یعنی اُن کی ایذا پر صبر کرو اور عبادات میں مشغول رہو۔ اور اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں سے غافل ہرگز نہیں تمہاری کوئی نیک بات ضائع نہیں ہو سکتی۔

(۱۵۹) یعنی یہودی تو کہتے ہیں کہ بجز ہمارے کوئی جنت میں نہ جائیگا اور نصاریٰ کہتے تھے کہ بجز ہمارے کوئی بہشت میں نہ جائیگا۔

بَلٰى مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗٓ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ۠ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ

کیوں نہیں جس نے تابع کر دیا منہ اپنا اللہ کے اور وہ نیک کام کرنیوالا ہے تو اُسی کیلئے ہے ثواب اُسکا اپنے رب کے پاس اور نہ ڈر ہے اُن پر اور نہ وہ

يَحْزَنُوْنَ ﴿۱۱۲﴾ وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ لَيْسَتِ النَّصٰرٰى عَلٰى شَيْءٍ ۠ وَّقَالَتِ النَّصٰرٰى لَيْسَتِ الْيَهُوْدُ عَلٰى

غمگین ہونگے ف۱۶۰ اور یہود تو کہتے ہیں کہ نصاریٰ نہیں کسی راہ پر اور نصاریٰ کہتے ہیں کہ یہود نہیں کسی

شَيْءٍ ۙ وَّهُمْ يَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ۭ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ مِثْلَ قَوْلِهِمْ ۚ فَاللّٰهُ يَحْكُمُ

راہ پر باوجودیکہ وہ سب پڑھتے ہیں کتاب ف۱۶۱ اسی طرح کہا اُن لوگوں نے جو جاہل ہیں ان ہی کی سی بات اب اللہ حکم کریگا

بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۱۳﴾ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ

اُن میں قیامت کے دن جس بات میں جھگڑتے تھے ف۱۶۲ اور اُس سے بڑا ظالم کون جس نے منع کیا اللہ کی مسجدوں میں کہ لیا

يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِيْ خَرَابِهَا ۭ اُولٰۗىِٕكَ مَا كَانَ لَهُمْ اَنْ يَّدْخُلُوْهَآ اِلَّا خَاۗىِٕفِيْنَ ڛ

جاوے وہاں نام اُس کا اور کوشش کی اُنکے اُجاڑنے میں ف۱۶۳ ایسوں کو لائق نہیں کہ داخل ہوں اُن میں مگر ڈرتے ہوئے ف۱۶۴

لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَّلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۱۴﴾ وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۤ

اُنکے لئے دنیا میں ذلت ہے ف۱۶۵ اور اُنکے لئے آخرت میں بڑا عذاب ہے اور اللہ ہی کا ہے مشرق اور مغرب

فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۱۵﴾ وَقَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ۙ

سو جس طرف تم منہ کرو وہاں ہی متوجہ ہے اللہ ف۱۶۶ بیشک اللہ بے انتہا بخشش کرنیوالا سب کچھ جاننے والا ہے ف۱۶۷ اور کہتے ہیں کہ اللہ رکھتا ہے اولاد وہ تو سب

سُبْحٰنَهٗ ۭ بَلْ لَّهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ ﴿۱۱۶﴾

باتوں سے پاک ہے بلکہ اُسی کا ہے جو کچھ ہے آسمان اور زمین میں سب اُسی کے تابعدار ہیں

(۱۶۰) یعنی جس نے خدا کے احکام کو مانا اور اُس کا اتباع کیا وہ احکام خواہ کسی نبی کے ذریعہ سے معلوم ہوں اور اپنی قومیت اور آئین پر تعصب نہ کیا جیسا کہ یہود کرتے ہیں تو اُن کے لئے اجر نیک ہے اور نہ کوئی امر اُن میں ایسا ہے جس کی وجہ سے خوف ہو اور نہ وہ غمگین ہونگے۔

(۱۶۱) یہودیوں نے توریت پڑھ کر سمجھ لیا کہ جب نصرانیوں نے حضرت عیسٰی کو خدا کا بیٹا کہا تو بیشک وہ کافر ہوگئے اور نصرانیوں نے انجیل میں

صاف دیکھ لیا کہ یہودی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کا انکار کرکے کافر ہو گئے۔

(۱۶۲) **کفار و مشرکین کے بے دلیل دعوے** ان جاہلوں سے مشرکین عرب اور بت پرست مراد ہیں یعنی جیسے یہود و نصاریٰ ایک دوسرے کو گمراہ جانتے ہیں اسی طرح بت پرست بھی اپنے سوا سب فرقوں کو گمراہ اور بے دین بتلاتے ہیں۔ سو دنیا میں کہے جائیں قیامت کو فیصلہ ہو جائیگا **فائدہ** یہاں یہ شبہ ہوتا ہے کہ جب کذلک فرما دیا تو پھر مثل قولہم فرمانے کی کیا حاجت۔ بعض مفسرین نے جواب دیا کہ مثل قولہم توضیح اور تاکید ہے کذلک کے لئے اور بعض کہتے ہیں کہ یہاں دو تشبیہ جدا جدا ہیں اس لئے دو لفظ لائے ایک تشبیہ سے تو یہ غرض ہے کہ ان کا اور اُن کا مقولہ باہم مشابہ ہیں (یعنی جیسے وہ دوسروں کو گمراہ کہتے ہیں ایسا ہی یہ بھی) اور ایک تشبیہ سے یہ غرض ہے کہ جیسا اہل کتاب یہ دعویٰ بے دلیل اپنی ہوائے نفس اور عداوت سے کرتے تھے ایسے ہی بت پرست بھی بے دلیل محض خواہش نفسانی سے ایسا دعوے کرتے ہیں

(۱۶۳) **مساجد کا احترام** اس کے شان نزول نصاریٰ ہیں کہ انہوں نے یہود سے مقاتلہ کرکے توریت کو جلایا اور بیت المقدس کو خراب کیا یا مشرکین مکہ کہ انہوں نے مسلمانوں کو محض تعصب و عناد سے حدیبیہ میں مسجد حرام (بیت اللہ) میں جانے سے روکا۔ باقی جو شخص کسی مسجد کو ویران یا خراب کرے وہ اسی حکم میں داخل ہے۔

(۱۶۴) یعنی اُن کفار کو لائق یہی تھا کہ مساجد اللہ میں خوف و تواضع اور ادب و تعظیم کے ساتھ داخل ہوتے کفار نے جو وہاں کی بے حرمتی کی یہ صریح ظلم ہے یا یہ مطلب ہے کہ اس ملک میں حکومت اور عزت کے ساتھ رہنے کے لائق نہیں۔ چنانچہ یہی ہوا کہ ملک شام اور مکہ اللہ نے مسلمانوں کو دلوا دیا۔

(۱۶۵) یعنی دنیا میں مغلوب ہوئے، قید میں پڑے اور مسلمانوں کے باجگذار ہوئے۔

(۱۶۶) **اللہ جنت سے منزہ ہے** یہ بھی یہود و نصاریٰ کا جھگڑا تھا کہ ہر کوئی اپنے قبلہ کو بہتر بتاتا تھا اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ "اللہ مخصوص کسی طرف نہیں بلکہ تمام مکان اور جہت سے منزہ۔ البتہ اس کے حکم سے جس طرف منہ کرو گے وہ متوجہ ہے تمہاری عبادت قبول کرے گا" بعض نے کہا سفر میں سواری پر نوافل پڑھنے کی بابت یہ آیت اُتری، یا سفر میں قبلہ مشتبہ ہو گیا تھا جب اُتری۔

(۱۶۷) یعنی اُس کی رحمت سب جگہ عام ہے ایک مکان کے ساتھ مخصوص نہیں اور بندوں کے مصالح اور اُن کی نیتوں کو اور اُن کے اعمال کو سب کو خوب جانتا ہے کہ بندوں کے حق میں کون سی شے مفید ہے اور کون سی مضر اُسی کے موافق حکم دیتا ہے اور جو اُس کی موافقت کریگا اُس کو جزا اور مخالف کو سزا دے گا۔

بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاِذَا قَضٰۤى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۱۱۷﴾ وَقَالَ

نیا پیدا کرنیوالا ہے آسمان اور زمین کا اور جب حکم کرتا ہے کسی کام کو تو یہی فرماتا ہے اُس کو کہ ہو جا وہ ہو جاتا ہے ف ۱۶۸ اور کہتے ہیں

الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ لَوْلَا يُكَلِّمُنَا اللّٰهُ اَوْ تَاْتِيْنَاۤ اٰيَةٌ ؕ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ مِنْ

وہ لوگ جو کچھ نہیں جانتے کیوں نہیں بات کرتا ہم سے اللہ یا کیوں نہیں آتی ہمارے پاس کوئی آیت ف ۱۶۹ اسی طرح کہہ چکے ہیں وہ لوگ جو اُن سے

قَبْلِهِمْ مِّثْلَ قَوْلِهِمْ ؕ تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ ؕ قَدْ بَيَّنَّا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ﴿۱۱۸﴾ اِنَّاۤ

پہلے تھے انہی کی سی بات ایک سے ہیں دل ان کے بیشک ہم نے بیان کر دیں نشانیاں ان لوگوں کے واسطے جو یقین لاتے ہیں ف ۱۷۰ بیشک

اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ۙ وَّلَا تُسْئَلُ عَنْ اَصْحٰبِ الْجَحِيْمِ ﴿۱۱۹﴾

ہم نے تجھ کو بھیجا ہے سچا دین دیکر خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا اور تجھ سے پوچھ نہیں دوزخ میں رہنے والوں کی ف ۱۷۱

(۱۶۸) یہود حضرت عزیر کو اور نصاریٰ حضرت عیسیٰ کو خدا کا بیٹا کہتے تھے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس کی ذات سب باتوں سے پاک ہے بلکہ سب کے سب اس کے مملوک اور مطیع اور مخلوق ہیں۔

(۱۶۹) **اللہ اولاد سے پاک ہے** یعنی اہل کتاب اور بت پرستوں میں جو جاہل ہیں وہ سب کہتے ہیں کہ "اللہ ہم سے بلا واسطہ بات کیوں نہیں کرتا یا کوئی نشانی کیوں نہیں بھیجتا کہ رسالت کی تصدیق کر لیں"

(۱۷۰) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ "پہلے لوگوں نے بھی ایسی ہی جہالت کی بات کہی تھی یہ نئی بات نہیں اور جو یقین لانے والے ہیں اُن کے لئے ہم نبی کے برحق ہونے کی نشانیاں بیان کر دی ہیں اور جو ضد اور عداوت پر اڑ رہے ہیں وہ انکار کریں تو یہ محض عناد ہے اُن کا"

(۱۷۱) یعنی تجھ پر الزام نہیں کہ اُن کو مسلمان کیوں نہیں کیا۔

وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ ۭ قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ

اور ہرگز راضی نہ ہونگے تجھ سے یہود اور نہ نصاریٰ جب تک تو تابع نہ ہو اُن کے دین کا ف۱۷۲ تو کہہ دے جو راہ اللہ بتلاوے وہی راہ

الْهُدٰى ۭ وَلَىِٕنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَاۗءَهُمْ بَعْدَ الَّذِيْ جَاۗءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ

سیدھی ہے ف۱۷۳ اور اگر بالفرض تو تابعداری کرے اُنکی خواہشوں کی بعد اُس علم کے جو تجھ کو پہنچا تو تیرا کوئی نہیں اللہ کے ہاتھ سے حمایت کرنے والا

وقف غفران

وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿۱۲۰﴾ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰھُمُ الْكِتٰبَ يَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ ۭ اُولٰۗىِٕكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ۭ وَمَنْ يَّكْفُرْ

اور نہ مددگار ف۱۷۴ وہ لوگ جن کو دی ہم نے کتاب وہ اُسکو پڑھتے ہیں جو حق ہے اُسکے پڑھنے کا وہی اُس پر یقین لاتے ہیں اور جو کوئی منکر ہوگا

ع ۱۴

بِهٖ فَاُولٰۗىِٕكَ ھُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۲۱﴾ يٰبَنِىْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِىَ الَّتِىْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَنِّىْ

اس سے تو وہی لوگ نقصان پانیوالے ہیں ف۱۷۵ اے بنی اسرائیل یاد کرو احسان ہمارے جو ہم نے تم پر کئے اور اس کو کہ میں

فَضَّلْتُكُمْ عَلَي الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۲۲﴾ وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِىْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْـــًٔـا وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا

نے تم کو بڑائی دی اہل عالم پر اور ڈرو اُس دن سے کہ نہ کام آوے کوئی شخص کسی کی طرف سے ذرا بھی اور نہ قبول کیا جاوے گا اس کی

عَدْلٌ وَّلَا تَنْفَعُهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا ھُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۱۲۳﴾ وَاِذِ ابْتَلٰٓى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ

طرف سے بدلہ اور نہ کام آوے اُسکو سفارش اور نہ اُن کو مدد پہنچے ف۱۷۶ اور جب آزمایا ابراہیم کو اُسکے رب نے کئی باتوں میں ف۱۷۷

فَاَتَمَّهُنَّ ۭ قَالَ اِنِّىْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ۭ قَالَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِىْ ۭ قَالَ لَا يَنَالُ

پھر اُسنے وہ پوری کیں تب فرمایا میں تجھ کو کرونگا سب لوگوں کا پیشوا ف۱۷۸ بولا اور میری اولاد میں سے بھی فرمایا نہیں پہنچیگا

عَهْدِي الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۲۴﴾

میرا قرار ظالموں کو ف۱۷۹

(۱۷۲) یعنی یہود اور نصاریٰ کو امر حق سے سروکار نہیں۔ اپنی ضد پر اڑ رہے ہیں وہ کبھی تمہارا دین قبول نہ کریں گے۔ بالفرض اگر تم ہی اُن کے تابع ہو جاؤ تو خوش ہو جاوینگے اور یہ ممکن نہیں تو اب اُن سے موافقت کی اُمید نہ رکھنی چاہیئے۔

(۱۷۳) یعنی ہر زمانہ میں معتبر وہی ہدایت ہے جو اُس زمانہ کا نبی لائے سو اب وہ طریقہ اسلام ہے نہ طریقہ یہود و نصاریٰ۔

(۱۷۴) یہ بات بطریق فرض ہے۔ یعنی بالفرض اگر آپ ایسا کریں تو قہر الٰہی سے کوئی نہیں بچا سکتا۔ یا منظور تنبیہ ہے اُمت کو کہ اگر کوئی مسلمان ہو کر قرآن کو سمجھ کر دین سے پھریگا تو اُس کو عذاب سے کوئی نہ چھڑا سکیگا۔

(۱۷۵) **مخلص اہل یہود** یہود میں تھوڑے آدمی منصف بھی تھے کہ اپنی کتاب کو پڑھتے تھے سمجھ کر وہ قرآن پر ایمان لائے (جیسے حضرت عبداللہ ابن سلام اور اُن کے ساتھی) یہ آیت انہی لوگوں کے بارہ میں ہے۔ یعنی انہوں نے توریت کو غور سے پڑھا انہی کو ایمان نصیب ہوا اور جس نے انکار کیا کتاب کا یعنی اُس میں تحریف کی وہ خائب و خاسر ہوئے۔

(۱۷۶) بنی اسرائیل کو جو باتیں شروع میں یاد دلائی گئیں تھیں اب اُن کے سب حالات ذکر کرنے کے بعد پھر وہی امور بغرض تاکید و تنبیہ یاد دلائے گئے کہ خوب دل نشین ہو جائیں اور ہدایت قبول کرلیں اور معلوم ہو جائے کہ اصل مقصود اس قصہ سے یہ ہے۔

(۱۷۷) **حضرت ابراہیم کی آزمائش اور امامت** جیسے حج کے افعال اور ختنہ اور حجامت اور مسواک وغیرہ سو حضرت ابراہیم علیہ السّلام ان احکام کو اللہ کے ارشاد کے موافق اخلاص کے ساتھ بجالائے اور سب کو پوری طرح سے ادا کیا جس پر لوگوں کے پیشوا بنائے گئے۔

(۱۷۸) یعنی تمام انبیاء تیری متابعت پر چلیں گے۔

(۱۷۹) **وعدۂ نبوت ظالموں کیلئے نہیں تھا** بنی اسرائیل اس پر بہت مغرور تھے کہ ہم اولاد ابراہیم میں ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ سے وعدہ کیا ہے کہ نبوت و بزرگی تیری اولاد میں رہے گی۔ اور ہم حضرت ابراہیم کے دین پر ہیں۔ اور ان کے دین کو سب مانتے ہیں۔ اب اللہ تعالیٰ انکو سمجھاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا جو وعدہ تھا وہ اُن سے تھا جو نیک راہ پر چلیں اور حضرت ابراہیم کے دو بیٹے تھے ایک مدت تک حضرت اسحٰقؑ کی اولاد میں پیغمبری اور بزرگی رہی اب حضرت اسمٰعیل کی اولاد میں پہنچی (اور انہوں نے دونوں بیٹوں کے حق میں دعا کی تھی) اور فرماتا ہے کہ دین اسلام ہمیشہ ایک ہے سب پیغمبر اور سب اُمتیں اس پر گذری ہیں (وہ یہ کہ جو حکم اللہ بھیجے پیغمبر کے ہاتھ اس کو قبول کرنا) اب یہ طریقہ مسلمانوں کا ہے اور تم اس سے پھرے ہوئے ہو۔ پہلی آیات میں اپنے انعامات بتلائے تھے اب اُن کے اس شبہ کو دفع کیا کہ بنی اسرائیل اپنے آپ کو سارے عالم کا امام اور متبوع اور سب سے افضل سمجھ کر کسی کا اتباع نہ کرتے تھے **فائدہ** بنی اسرائیل کے واقعات میں حضرت ابراہیم علیہ السّلام کا ذکر اور اُن کی منقبت مذکور ہوئی۔ اب اُن کے ذکر کے ذیل میں خانہ کعبہ کی حالت اور فضیلت ان آیات میں ذکر فرمائی اور اُن کے ضمن میں یہود و نصاریٰ پر الزامات بھی ہیں جیسا کہ مفسرین نے ذکر کیا

وَ اِذْ جَعَلْنَا الْبَیْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَ اَمْنًا ؕ وَ اتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّی ؕ وَ

اور جب مقرر کیا ہم نے خانہ کعبہ کو اجتماع کی جگہ لوگوں کیواسطے اور جگہ امن کی ف۱۸۰ اور بناؤ ابراہیم کے کھڑے ہونے کی جگہ کو نماز کی جگہ ف۱۸۱ اور

عَهِدْنَاۤ اِلٰۤی اِبْرٰهٖمَ وَ اِسْمٰعِیْلَ اَنْ طَهِّرَا بَیْتِیَ لِلطَّآئِفِیْنَ وَ الْعٰكِفِیْنَ وَ الرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ﴿۱۲۵﴾

حکم کیا ہم نے ابراہیم اور اسمٰعیل کو کہ پاک کر رکھو میرے گھر کو ف۱۸۲ واسطے طواف کرنیوالوں کے اور اعتکاف کرنیوالوں کے اور رکوع اور سجدہ کرنیوالوں کے

وَ اِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا وَّ ارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ مَنْ اٰمَنَ

اور جب کہا ابراہیم نے اے میرے رب بنا اس کو شہر امن کا ف۱۸۳ اور روزی دے اُسکے رہنے والوں کو میوے جو کوئی ان میں سے

مِنْهُمْ بِاللّٰهِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ قَالَ وَ مَنْ كَفَرَ فَاُمَتِّعُهٗ قَلِیْلًا ثُمَّ اَضْطَرُّهٗۤ اِلٰی عَذَابِ النَّارِ ؕ

ایمان لاوے اللہ پر اور قیامت کے دن پر ف۱۸۴ فرمایا اور جو کفر کریں اُس کو بھی نفع پہنچاؤنگا تھوڑے دنوں پھر اُسکو جبراً بلاؤنگا دوزخ کے عذاب میں

وَ بِئْسَ الْمَصِیْرُ ﴿۱۲۶﴾

اور وہ بُری جگہ ہے رہنے کی ف۱۸۵

(۱۸۰) **بیت اللہ امن کا مقام ہے** یعنی ہر سال بغرض حج وہاں لوگ مجتمع ہوتے ہیں اور جو وہاں جا کر ارکان حج بجالاتے ہیں وہ عذاب دوزخ سے مامون ہو جاتے ہیں یا وہاں کوئی کسی پر زیادتی نہیں کرتا۔

(۱۸۱) **مقام ابراہیمؑ** مقام ابراہیم وہ پتھر ہے جس پر کھڑے ہو کر خانہ کعبہ کو تعمیر کیا تھا۔ اُس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قدموں کا نشان ہے اور اُسی پتھر پر کھڑے ہو کر حج کی دعوت دی تھی اور وہ جنت سے لایا گیا تھا جیسے حجر اسود۔ اب اُس پتھر کے پاس نماز پڑھنے کا حکم ہے اور یہ حکم استحبابی ہے۔

(۱۸۲) یعنی وہاں بُرا کام نہ کرے اور ناپاک اُس کا طواف نہ کرے اور تمام آلودگیوں سے صاف رکھا جاوے۔

(۱۸۳) **حضرت ابراہیم کی دُعا** حضرت ابراہیم نے بوقت بنائے کعبہ یہ دعا کی کہ یہ میدان ایک شہر آباد اور با امن ہو سو ایسا ہی ہوا۔

(۱۸۴) یعنی اُس کے رہنے والے جو اہل ایمان ہوں اُن کو روزی دے میووں کی اور کفار کے لئے دعا نہ کی تاکہ وہ مقام لوث کفر سے پاک رہے۔

(۱۸۵) **کفار کو بھی رزق کا وعدہ** حق تعالیٰ نے فرمایا کہ دنیا میں کفار کو بھی رزق دیا جائیگا اور رزق کا حال امامت جیسا نہیں کہ اہل ایمان کے سوا کسی کو مل ہی نہ سکے۔

وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَاِسْمٰعِيْلُ ؕ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ

اور یاد کر جب اٹھاتے تھے ابراہیم بنیادیں خانہ کعبہ کی اور اسمٰعیل اور دعا کرتے تھے اے پروردگار ہمارے قبول کر ہم سے بیشک تو ہی ہے سننے والا

الْعَلِيْمُ ﴿١٢٧﴾ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ ۪ وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا

جاننے والا ف۱۸۶ اے پروردگار ہمارے اور کر ہم کو حکم بردار اپنا اور ہماری اولاد میں بھی کر ایک جماعت فرمانبردار اپنی اور بتلا ہم کو قاعدے حج کرنے کے

وَتُبْ عَلَيْنَا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿١٢٨﴾ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ

اور ہم کو معاف کر بیشک تو ہی ہے توبہ قبول کرنے والا مہربان اے پروردگار ہمارے اور بھیج ان میں ایک رسول انہی میں کا کہ پڑھے اُن پر

اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿١٢٩﴾ وَمَنْ يَّرْغَبُ

تیری آیتیں اور سکھلاوے اُنکو کتاب اور تہ کی باتیں اور پاک کرے اُن کو بیشک تو ہی ہے بہت زبردست بڑی حکمت والا ف۱۸۷ اور کون ہے جو پھرے

عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ ؕ وَلَقَدِ اصْطَفَيْنٰهُ فِى الدُّنْيَا ۚ وَاِنَّهٗ فِى الْاٰخِرَةِ

ابراہیم کے مذہب سے مگر وہی کہ جس نے احمق بنایا اپنے آپ کو اور بیشک ہم نے اُس کو منتخب کیا دنیا میں اور وہ آخرت میں

لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿١٣٠﴾ اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗٓ اَسْلِمْ ۙ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿١٣١﴾

نیکوں میں ہیں یاد کرو جب اُس کو کہا اُسکے رب نے کہ حکمبرداری کر تو بولا کہ میں حکمبردار ہوں تمام عالم کے پروردگار کا

(۱۸۶) قبول کر ہم سے اس کام کو (کہ تعمیر خانہ کعبہ ہے) تو سب کی دُعا سنتا ہے اور نیّت کو جانتا ہے۔

(۱۸۷) **آنحضرت کی نبوّت کی دلیل** یہ دعا حضرت ابراہیم علیہ السلام اور اُن کے بیٹے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام دونوں نے مانگی کہ ہماری جماعت میں ایک جماعت فرمانبردار اپنی پیدا کر اور ایک رسول اُن میں بھیج جو اُن کو کتاب و حکمت کی تعلیم دے اور ایسا نبی جو ان دونوں کی اولاد میں ہو بجز سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کوئی نہیں آیا اس کی وجہ سے یہود کے گذشتہ خیال کا پورا رد ہو گیا۔ علم کتاب سے مراد معانی و مطالب ضرور یہ ہیں جو عبارت سے

واضح ہوتے ہیں اور حکمت سے مراد اسرار مخفیہ اور رموز لطیفہ ہیں ۔

وَوَصّٰى بِهَآ اِبْرٰهٖمُ بَنِيْهِ وَيَعْقُوْبُ ۭ يٰبَنِىَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّيْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ

اور یہی وصیت کر گیا ابراہیم اپنے بیٹوں کو اور یعقوب بھی کہ اے بیٹو بیشک اللہ نے چن کر دیا ہے تم کو دین سو تم ہرگز نہ مرنا مگر

مُّسْلِمُوْنَ ۝۱۳۲ۭ اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَاۗءَ اِذْ حَضَرَ يَعْقُوْبَ الْمَوْتُ ۙ اِذْ قَالَ لِبَنِيْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْۢ

مسلمان ف ۱۸۸ کیا تم موجود تھے جس وقت قریب آئی یعقوب کے موت جب کہا اپنے بیٹوں کو تم کس کی عبادت کرو گے میرے

بَعْدِىْ ۭ قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَاۗىِٕكَ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ اِلٰــهًا وَّاحِدًا ښ وَّ

بعد بولے ہم بندگی کرینگے تیرے رب کی اور تیرے باپ دادوں کے رب کی جو کہ ابراہیم اور اسمٰعیل اور اسحٰق ہیں وہی ایک معبود ہے اور

نَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ۝۱۳۳ تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ ۚ وَلَا تُسْــَٔـلُوْنَ عَمَّا

ہم سب اُسی کے فرمانبردار ہیں ف ۱۸۹ وہ ایک جماعت تھی جو گذر چکی اُنکے واسطے ہے جو انہوں نے کیا اور تمہارے واسطے ہے جو تم نے کیا اور تم سے پوچھ نہیں اُن

كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝۱۳۴ وَقَالُوْا كُوْنُوْا ھُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى تَهْتَدُوْا ۭ قُلْ بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰهٖمَ حَنِيْفًا ۭ وَمَا كَانَ

کے کاموں کی ف ۱۹۰ اور کہتے ہیں کہ ہو جاؤ یہودی یا نصرانی تو تم پالو گے راہ راست ف ۱۹۱ کہہ دے کہ ہرگز نہیں بلکہ ہم نے اختیار کی راہ ابراہیم کی جو ایک ہی طرف کا تھا اور نہ تھا

مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝۱۳۵ قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَ

شرک کرنے والوں میں ف ۱۹۲ تم کہہ دو کہ ہم ایمان لائے اللہ پر اور جو اُترا ہم پر اور جو اُترا ابراہیم اور اسمٰعیل اور اسحٰق اور

يَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَمَآ اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ

یعقوب اور اُس کی اولاد پر اور جو ملا موسیٰ کو اور عیسیٰ کو اور جو ملا دوسرے پیغمبروں کو اُنکے رب کی طرف سے ہم فرق نہیں کرتے اُن سب

اَحَدٍ مِّنْهُمْ ۡ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ۝۱۳۶

میں سے ایک میں بھی اور ہم اُسی پروردگار کے فرمانبردار ہیں ف ۱۹۳

(۱۸۸) **حضرت ابراہیمؑ کی اپنے بیٹوں کو وصیت** جس ملت و مذہب کا شرف مذکور ہو چکا اُسی ملت کی وصیت حضرت ابراہیمؑ و حضرت یعقوبؑ نے اپنی اولاد کو فرمائی تو جو اُس کو نہ مانے گا وہ اُن کا بھی مخالف ہوا۔ اور یہود کہتے تھے کہ حضرت یعقوبؑ اپنی اولاد کو یہودیت کی وصیت فرمائی سو وہ جھوٹے ہیں جیسا اگلی آیت میں آتا ہے ۔

(۱۸۹) **حضرت یعقوبؑ کی اپنے بیٹوں کو وصیت** یعنی تم حضرت یعقوبؑ کی وصیت کے وقت تو موجود بھی نہ تھے ۔ انہوں نے تو ملت انبیائے موصوفین کا ارشاد فرمایا تھا تم نے یہ کیا کہ یہود اپنے سوا سب کو اور نصاریٰ اپنے سوا سب کو بے دین بتلانے لگے (اور مذہب حق (یعنی اسلام کے) دونوں مخالف ہو گئے) یہ تمہارا افترا ہے ۔

(۱۹۰) **ہر شخص اپنے عمل کا ذمہ دار ہے** یہودیوں کو اور نصرانیوں کو یقین تھا کہ ماں باپ کے گناہوں میں اولاد گرفتار ہو گی اور اُن کے ثواب میں بھی اولاد شریک ہو گی ۔ سو یہ غلط ہے اپنا کیا اپنے آگے آئیگا بھلا یا بُرا ۔

(۱۹۱) مطلب یہ ہے کہ یہودی مسلمانوں کو کہتے ہیں کہ یہودی ہو جاؤ اور نصرانی کہتے ہیں کہ نصرانی ہو جاؤ تو تم کو ہدایت نصیب ہو ۔

(۱۹۲) **صرف مسلمان ملّت ابراہیمی پر ہیں** یعنی کہہ دو اے محمدؐ کہ تمہارا کہنا ہرگز منظور نہیں بلکہ ہم موافق ہیں ملّت ابراہیم علیہ السلام کے جو سب بُرے مذہبوں سے علیحدہ ہے۔ نہیں تھا وہ شرک کرنے والوں میں اشارہ ہے کہ تم دونوں فریق شرک میں مبتلا ہو۔ بلکہ مشرکین عرب بھی مذہب ابراہیمی کے مدعی تھے مگر وہ بھی مشرک تھے تو اس میں اُن پر بھی رد ہو گیا۔ اب اُن فرقوں میں بروئے انصاف کوئی بھی ملّت ابراہیمی پر نہ رہا صرف اہل اسلام ملّت ابراہیمی میں رہے۔ **فائدہ** ہر شریعت میں تین باتیں ہوتی ہیں، اول عقائد (جیسے توحید و نبوت وغیرہ) سو اس میں تو سب دین والے شریک اور موافق ہیں اختلاف ممکن ہی نہیں دوسرے قواعد کلیہ شریعت کہ جن سے جزئیات و فروع مسائل حاصل ہوتے ہیں اور تمام جزئیات میں وہ کلیات ملحوظ رہتے ہیں اور ملّت فی الحقیقت انہی اصول اور کلیات کا نام ہے اور ملت محمدی اور ملّت ابراہیمی کا توافق و اتحاد انہی کلیات میں ہے۔ تیسرے مجموعہ کلیات و جزئیات و جمیع اصول و فروع (جس کو شریعت کہتے ہیں) جس کا خلاصہ یہ ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ملّت ایک ہے اور شریعت جُدا جُدا۔

(۱۹۳) **پچھلی کتابوں اور انبیاء پر مسلمانوں کا ایمان** یعنی ہم سب رسولوں اور سب کتابوں پر ایمان لاتے ہیں اور سب کو حق سمجھتے ہیں اور اپنے اپنے زمانہ میں سب واجب الاتباع ہیں اور ہم خدا کے فرمانبردار ہیں جس وقت جو نبی ہو گا اس کے ذریعہ سے جو احکام خداوندی پہنچیں گے اس کا اتباع ضروری ہے بخلاف اہل کتاب کے کہ اپنے دین کے سوا سب کی تکذیب کرتے ہیں چاہے اُن کا دین منسوخ ہی ہو چکا ہو اور انبیاء کے احکام کو جھٹلاتے ہیں جو خدا کے احکام ہیں۔

فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا هُمْ فِيْ شِقَاقٍ ۚ

سو اگر وہ بھی ایمان لاویں جس طرح پر تم ایمان لائے ہدایت پائی انہوں نے بھی اور اگر پھر جاویں تو پھر وہی ہیں ضد پر

فَسَيَكْفِيْكَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۱۳۷﴾ صِبْغَةَ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً ۫

سو اب کافی ہے تیری طرف سے ان کو اللہ اور وہی ہے سننے والا جاننے والا ف۱۹۴ ہم نے قبول کر لیا رنگ اللہ کا اور کس کا رنگ بہتر ہے اللہ کے رنگ سے

وَّنَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ ﴿۱۳۸﴾ قُلْ اَتُحَآجُّوْنَنَا فِي اللّٰهِ وَهُوَ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ۚ وَلَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ۚ وَ

اور ہم اسی کی بندگی کرتے ہیں ف۱۹۵ کہدے کیا تم جھگڑا کرتے ہو ہم سے اللہ کی نسبت حالانکہ وہی ہے رب ہمارا اور رب تمہارا اور ہمارے لئے ہیں عمل ہمارے اور تمہارے لئے ہیں عمل تمہارے اور

نَحْنُ لَهٗ مُخْلِصُوْنَ ﴿۱۳۹﴾ اَمْ تَقُوْلُوْنَ اِنَّ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطَ

ہم تو خالص اُسی کے ہیں ف۱۹۶ کیا تم کہتے ہو کہ ابراہیم اور اسمٰعیل اور اسحٰق اور یعقوب اور اُس کی اولاد

كَانُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ۭ قُلْ ءَاَنْتُمْ اَعْلَمُ اَمِ اللّٰهُ ۭ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ شَهَادَةً عِنْدَهٗ مِنَ

تو یہودی تھے یا نصرانی کہدے کہ تم کو زیادہ خبر ہے یا اللہ کو اور اس سے بڑا ظالم کون جس نے چھپائی وہ گواہی جو ثابت ہو چکی اُس کو

اللّٰهِ ۭ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۰﴾

اللہ کی طرف سے اور اللہ بے خبر نہیں تمہارے کاموں سے ف۱۹۷

(۱۹۴) یعنی اُن کی دشمنی اور ضد سے خوف مت کرو۔ اللہ اُن کے شر اور مضرت سے تمہارا حافظ ہے۔ وہ تمہارا کچھ نہ بگاڑ سکیں گے۔ خدا سب کی باتوں کو سُنتا اور سب کے حال اور نیت کو جانتا ہے۔

(۱۹۵) **اللہ کا رنگ سب رنگوں سے بہتر ہے** یہودی ان آیتوں سے پھر گئے اور اسلام قبول نہ کیا۔ اور نصرانیوں نے بھی انکار کر دیا اور شیخی میں آکر کہنے لگے کہ ہمارے یہاں ایک رنگ ہے جو مسلمانوں کے پاس نہیں ہے۔ نصرانیوں نے ایک زرد رنگ بنا رکھا تھا اور یہ دستور تھا کہ جب اُن کے بچہ پیدا ہوتا یا کوئی اُن کے دین میں آتا تو اُس کو اُس رنگ میں غوطہ دے کر کہتے کہ خاصہ پاکیزہ نصرانی ہو گیا۔ سو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے مسلمانو کہو ہم نے خدا کا رنگ یعنی دین حق قبول کیا کہ اُس دین میں آکر سب طرح کی ناپاکی سے پاک ہوتا ہے۔

(۱۹۶) یعنی اللہ تعالیٰ کی نسبت تمہارا نزاع کرنا اور تمہارا یہ سمجھنا کہ اُس کی عنایت و رحمت کا ہمارے سوا کوئی مستحق نہیں لغویات ہے۔ وہ جیسا تمہارا رب ہے ہمارا بھی رب ہے اور ہم جو کچھ اعمال کرتے ہیں خالص اُسی کے لئے کرتے ہیں تمہاری طرح زعم آباو اجداد اور تعصب و نفسانیت سے نہیں کرتے۔ پھر کیا وجہ کہ ہمارے اعمال وہ مقبول نہ فرمائے اور تمہارے اعمال مقبول ہوں۔

(۱۹۷) **یہود و نصاریٰ کے دعوے کا رد** حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل اور دیگر انبیاء علیہم السلام کی بابت یہود اور نصاریٰ کا یہ دعویٰ کہ وہ یہودی یا نصرانی تھے دروغ صریح ہے علاوہ ازیں حق تعالیٰ تو فرماتا ہے "مَا كَانَ إِبْرَاهِيمُ يَهُودِيًّا وَّلَا نَصْرَانِيًّا"، تو اب بتلاؤ تم کو علم زیادہ ہے یا اللہ تعالیٰ کو۔

تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُم مَّا كَسَبْتُمْ وَلَا تُسْأَلُونَ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿١٤١﴾

وہ ایک جماعت تھی جو گذر چکی اُن کے واسطے ہے جو اُنہوں نے کیا اور تمہارے واسطے ہے جو تم نے کیا اور تم سے کچھ پوچھ نہیں اُن کے کاموں کی ف ۱۹۸

(۱۹۸) **آخرت میں باپ دادا کام نہیں آئینگے** یہی آیت عنقریب گذر چکی ہے مگر چونکہ اہل کتاب کے دل میں اپنی بزرگ زادگی کی وجہ سے خوب جم رہا تھا کہ ہمارے اعمال کیسے ہی بُرے ہوں بالآخر ہمارے باپ دادا ہم کو ضرور بخشوائیں گے۔ اس لئے اس بیہودہ خیال کے روکنے کے لئے تاکیداً اس آیت کو مکرر بیان فرمایا یا یوں کہو کہ پہلی آیت میں اہل کتاب کو خطاب تھا اور اس آیت میں آپ کی اُمت کو ہے کہ اس بیہودہ خیال میں اُن کا اتباع نہ کریں کیونکہ ایسی توقع اپنے بزرگوں سے ہر کسی کے دل میں آ ہی جاتی ہے جو سراسر بیوقوفی ہے اس کے بعد یہود وغیرہ کی دوسری بیوقوفی کی اطلاع دی جاتی ہے جو بہ نسبت تحویل قبلہ عنقریب ظاہر ہونے والی ہے۔

سَيَقُولُ السُّفَهَاءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلَّاهُمْ عَن قِبْلَتِهِمُ الَّتِي كَانُوا عَلَيْهَا ۚ قُل لِّلَّهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۚ يَهْدِي مَن يَشَاءُ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ﴿١٤٢﴾

اب کہیں گے بیوقوف لوگ کہ کس چیز نے پھیر دیا مسلمانوں کو اُنکے قبلہ سے جس پر وہ تھے ف ۱۹۹ تو کہہ اللہ ہی کا ہے مشرق اور مغرب چلائے جس کو چاہے سیدھی راہ ف ۲۰۰

(۱۹۹) **تحویل قبلہ پر اعتراضات کا جواب** حضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ سے مدینہ میں تشریف لائے تو سولہ سترہ مہینے بیت المقدس ہی کی طرف نماز پڑھتے رہے۔ اُس کے بعد کعبہ کی طرف منہ کرنے کا حکم آگیا تو یہود اور مشرکین اور منافقین اور بعضے کچے مسلمان اُن کے بہکانے سے شبہے ڈالنے لگے کہ یہ تو بیت المقدس کی طرف نماز پڑھا کرتے تھے جو قبلہ تھا پہلے انبیاء کا اب انہیں کیا ہوا جو اُس کو چھوڑ کر کعبہ کو منہ کرنے لگے کسی نے کہا کہ یہود

الجزو الثانی ۲

کی عداوت وحسد سے ایسا کیا کسی نے کہا کہ یہ اپنے دین میں متردد اور متحیر ہیں جن سے ان کا نبی اللہ ہونا ظاہر نہیں ہوتا۔ مخالفوں کے اس اعتراض اور اُس کے جواب کی جو آگے ہے اللہ نے اطلاع فرمادی کہ کسی کو اُس وقت کوئی تردد نہ ہو اور جواب میں تامل نہ ہو۔

(۲۰۰) یعنی اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کہہ دو کہ نہ ہم نے یہود کے حسد سے اور نہ کسی نفسانی تعصب اور اپنی رائے کے اتباع سے قبلہ کو بدلا بلکہ محض اتباع فرمانِ خداوندی سے جو کہ ہمارا اصل دین ہے ہم نے ایسا کیا پہلے بیت المقدس کو منہ کرنے کا حکم تھا اُس کو ہم نے تسلیم کیا اب کعبہ کی طرف منہ کرنے کا حکم آیا اس کو دل سے قبول کیا ہم سے اس کی وجہ پوچھنا اور ہم پر اعتراض کرنا سخت حماقت ہے۔ غلام تابعدار پر یہ اعتراض کرنا کہ تو پہلے وہ کام کرتا تھا اب یہ کام کیوں کرنے لگا عاقل کا کام نہیں اور اگر ان احکام مختلفہ کے اسرار دریافت کرتے ہو تو اُس کے تمام اسرار کون سمجھے اور تم بیوقوفوں کو کون سمجھائے البتہ اتنی بات ہر کوئی سمجھ سکتا ہے اور ہر ایک کو سمجھا سکتا ہے کہ قبلہ کا معین فرمانا تو طریقہ عبادت کو بتلانے کی غرض سے ہے اصل عبادت ہرگز نہیں اور اس بارہ میں حق تعالیٰ کا معاملہ جُدا جُدا ہے کسی کو اپنی حکمت و رحمت کے مطابق ایک خاص رستہ بتلایا جاتا ہے کسی کو دوسرا تمام مواقع اور جملہ جہات کا وہ مالک ہے۔ جس کو جس وقت چاہتا ہے اُس کو ایسا رستہ بتلا دیتا ہے جو نہایت سیدھا اور سب رستوں سے مختصر اور قریب تر ہو چنانچہ ہم کو اس وقت اُس قبلہ کی ہدایت فرمائی جو سب قبلوں میں افضل اور بہتر ہے۔

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ؕ

اور اسی طرح کیا ہم نے تم کو اُمت معتدل تاکہ ہو تم گواہ لوگوں پر اور ہو رسول تم پر گواہی دینے والا ف ۲۰۱

وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِىْ كُنْتَ عَلَيْهَآ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ مِمَّنْ يَّنْقَلِبُ عَلٰى عَقِبَيْهِ ؕ

اور نہیں مقرر کیا تھا ہم نے وہ قبلہ کہ جس پر تو پہلے تھا مگر اس واسطے کہ معلوم کریں کون تابع رہیگا رسول کا اور کون پھر جائے گا اُلٹے پاؤں ف ۲۰۲

وَاِنْ كَانَتْ لَكَبِيْرَةً اِلَّا عَلَى الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ ؕ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ

اور بیشک یہ بات بھاری ہوئی مگر اُن پر جن کو راہ دکھائی اللہ نے ف ۲۰۳ اور اللہ ایسا نہیں کہ ضائع کرے تمہارا ایمان بیشک اللہ لوگوں پر

لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۴۳﴾ قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِى السَّمَآءِ ۚ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰٮهَا ۖ فَوَلِّ

بہت شفیق نہایت مہربان ہے ف ۲۰۴ بیشک ہم دیکھتے ہیں بار بار اُٹھنا تیرے منہ کا آسمان کی طرف سو البتہ پھیر ینگے ہم تجھ کو جس قبلہ کی طرف تو راضی ہے ف ۲۰۵ اب پھیر

وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَـرَامِ ؕ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ ؕ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا

مُنہ اپنا طرف مسجد الحرام کے ف ۲۰۶ اور جس جگہ تم ہوا کرو پھیرو منہ اسی کی طرف ف ۲۰۷ اور جن کو ملی ہے

الْكِتٰبَ لَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَـقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۴﴾

کتاب البتہ جانتے ہیں کہ یہی ٹھیک ہے اُنکے رب کی طرف سے اور اللہ بے خبر نہیں اُن کاموں سے جو وہ کرتے ہیں ف ۲۰۸

(۲۰۱) **اُمتِ محمدیہ کے فضائل** یعنی جیسا تمہارا قبلہ کعبہ ہے جو حضرت ابراہیم کا قبلہ اور تمام قبلوں سے افضل ہے ایسا ہی ہم نے تم کو سب اُمتوں سے افضل اور تمہارے پیغمبر کو سب پیغمبروں سے کامل اور برگزیدہ کیا تاکہ اس فضیلت اور کمال کی وجہ سے تم تمام اُمتوں کے مقابلہ میں گواہ مقبول الشہادۃ قرار دیئے جاؤ اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمہاری عدالت و صداقت کی گواہی دیں جیسا کہ احادیث میں وارد ہے کہ جب پہلی اُمتوں کے کافر اپنے پیغمبروں کے دعوے کی تکذیب کریں گے اور کہیں گے کہ ہم کو تو کسی نے بھی دنیا میں ہدایت نہیں کی اُس وقت آپ کی اُمت انبیاء کے دعوے کی صداقت پر گواہی دیگی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو اپنے اُمتیوں کے حالات سے پورے واقف ہیں اُنکی صداقت و

عدالت پر گواہ ہونگے اُس وقت وہ اُمتیں کہیں گی کہ انہوں نے تو نہ ہمارا زمانہ پایا نہ ہم کو دیکھا پھر گواہی کیسے مقبول ہو سکتی ہے اُس وقت آپ کی اُمت جواب دے گی کہ ہم کو خدا کی کتاب اور اُس کے رسول کے بتلانے سے اس امر کا علم یقینی ہوا اُس کی وجہ سے ہم گواہی دیتے ہیں **فائدہ** وسط یعنی معتدل کا یہ مطلب ہے کہ یہ اُمت ٹھیک سیدھی راہ پر ہے جس میں کچھ بھی کجی کا شائبہ نہیں اور افراط و تفریط سے بالکل بری ہے۔

(۲۰۲) **تحویل قبلہ کی حکمت اور اللہ کے علم کی تحقیق** یعنی اصلی قبلہ تمہارا تو کعبہ ہی تھا جو حضرت ابراہیمؑ کے وقت سے چلا آتا ہے اور چند روز کے لئے جو بیت المقدس مقرر کر دیا تھا وہ تو صرف امتحان کے لئے تھا کہ کون تابعداری پر قائم رہتا ہے اور کون دین سے پھر جاتا ہے سو اس میں جو لوگ ایمان پر قائم رہے اُن کا بڑا درجہ ہے۔ **فائدہ** اس آیۃ میں لنعلم جو صیغہ استقبال ہے اور دیگر آیات میں جو حتی نعلم اور فلیعلمن اور لما یعلم اللہ اور لنبلونکم اور الا لنعلم وغیرہ کلمات موجود ہیں ان سب سے بظاہر یوں سمجھ میں آتا ہے کہ حق تعالیٰ کو نعوذ باللہ ان اشیاء کا علم بعد کو ہوا ان چیزوں کے وجود سے پہلے علم نہ تھا۔ حالانکہ اُس کا علم ہر چیز کے ساتھ قدیم ہے کان اللہ بکل شیئ علیمًا علماء نے کئی طرح سے اس کا جواب دیا ہے بعض نے علم سے متمیز اور جُدا جُدا کر دینا مراد لیا ہے بعض نے امتحان کے معنی لئے کسی نے علم کو بمعنی رویۃ لیا کسی نے مستقبل کو بمعنی ماضی فرمایا بعض نے حدوث علم کو نبی اور مومنین کی طرف رجوع کیا یا مخاطبین کی طرف لوٹایا بعض اکابر محققین نے علم حالی جو بعد وجود معلوم متحقق ہوتا ہے جس پر جزا و سزا مدح و ذم مترتب ہوتی ہے مراد لیا اور اُسی کو پسند فرمایا بعض راسخین مدققین نے اُس کے متعلق دو باتیں نہایت دقیق و انیق بیان فرمائیں۔ اوّل کا خلاصہ یہ ہے کہ حسب ارشاد ان اللہ قد احاط بکل شیئ علمًا تمام چیزیں اوّل سے آخر تک حقیر و عظیم قلیل و کثیر خدا کے سامنے ہیں اور سب کا علم اُس کو ایک ساتھ ہے اس کے علم میں تقدم و تاخر ہرگز نہیں مگر آپس میں ایک دوسرے کی نسبت بیشک مقدم اور موخر گنی جاتی ہیں سو علم خداوندی کے حساب سے تو سب کی سب بمنزلہ شے واحد موجود ہیں اس لئے وہاں ماضی حال استقبال نکالنا بالکل غلط ہوگا البتہ تقدم و تاخر باہمی کی وجہ سے یہ تینوں زمانے بالبداہت جُدا جُدا نکلیں گے سو جناب باری کبھی تو حسب موقع و حکمت اپنے معلوم ہونے کے لحاظ سے کلام فرماتا ہے اور کبھی اُن وقائع کے تقدم و تاخر کا لحاظ ہوتا ہے پہلی صورت میں تو ہمیشہ بلحاظ ایک فرق دقیق کے ہمیشہ ماضی کا صیغہ یا حال کا صیغہ مستعمل ہوتا ہے استقبال کا صیغہ مستعمل نہیں ہو سکتا اور دوسری صورت میں ماضی کے موقع میں ماضی اور حال کے موقع میں حال اور استقبال کی جگہ استقبال لایا جاتا ہے سو جہاں کہیں وقائع آئندہ کو ماضی کے الفاظ سے بیان فرمایا ہے جیسا ونادیٰ اصحاب الجنۃ وغیرہ تو وہاں اس کا لحاظ ہے کہ حق تعالیٰ کو سب مستحضر اور پیش نظر ہے اور جہاں امور گذشتہ کو صیغہ استقبال سے بیان فرمایا ہے جیسا اسی آیۃ میں الا لنعلم ہے یا اور اس کے سوا تو وہاں یہ مدنظر ہے کہ بہ نسبت اپنے ماقبل کے مستقبل ہے علم الٰہی کے لحاظ سے استقبال نہیں جو اُس کے علم میں حدوث کا وہم ہو۔ دوسری تحقیق کا خلاصہ یہ ہے کہ ہم کو علم اشیاء دو طریق سے حاصل ہوتا ہے ایک تو بلا واسطہ دوسرا بواسطہ مثلاً آگ کو کبھی تو آنکھ سے مشاہدہ کرتے ہیں اور کبھی آگ تو ہم سے کسی آڑ میں ہوتی ہے مگر دھوئیں کو دیکھ کر آگ کا یقین ہو جاتا ہے اور بسا اوقات یہ دونوں علم ایک جگہ ایک ساتھ موجود ہوتے ہیں مثلاً آگ کو پاس سے دیکھیئے تو دھواں بھی اُس کے ساتھ نظر آئیگا۔ سو اس صورت میں آگ کا علم دونوں طرح حاصل ہوگا ایک تو بلا واسطہ کیونکہ آنکھ سے آگ کو دیکھ رہے ہیں دوسرا بواسطہ یعنی آگ کا علم دھوئیں کے واسطہ سے اور یہ دونوں علم ہرچند ایک ساتھ ہیں آگے پیچھے پیدا نہیں ہوئے مگر علم بواسطہ علم بلا واسطہ میں ایسا محو ہوتا ہے کہ اُس کا دھیان بھی نہیں گذرتا۔ علیٰ ہذا القیاس کبھی دو چیزوں کا علم بلا واسطہ بھی ایک ساتھ حاصل ہوتا ہے مثلاً آگ اور دھوئیں کو ایک ساتھ دیکھئے اسی طرح کبھی ایک شے کا علم بلا واسطہ اور دوسری شے کا علم پہلی شے کے واسطہ سے ایک ساتھ حاصل ہوتے ہیں مثلاً دھوئیں کا علم بلا واسطہ اور آگ کا علم دھوئیں کے واسطہ سے یا آگ کا علم بلا واسطہ اور دھوئیں کا علم آگ کے واسطہ سے دونوں ساتھ ہی پیدا ہوتے ہیں مگر جیسا قلم کو ہاتھ میں لے کر لکھیں تو ہرچند ہاتھ اور قلم ساتھ ہی ہلتے ہیں لیکن پھر یوں کہتے ہیں کہ ہاتھ پہلے ہلا تو قلم ہلا اسی طرح پر عقل سلیم باوجود ایک ساتھ ہونے کے ایک شے کے علم بلا واسطہ

کو دوسری شے کے علم بالواسطہ سے جو بواسطہ پہلی شے کے حاصل ہوا ہے ایک طرح پر ضرور مقدم سمجھتی ہے جب یہ باتیں معلوم ہو چکیں تو اب سنیئے کہ خداوند علیم کو بھی تمام اشیاء کا علم دونوں طرح پر ہے بلاواسطہ اور بواسطہ یکدگر یعنی لوازم کا ملزومات سے اور ملزومات کا لوازم سے اور دونوں علم ازل سے برابر ساتھ ہیں گو علم بواسطہ کسی چیز کا اُس کے علم بلاواسطہ میں محو اور مضمحل ہو اور ایسا ہی ایک چیز کا علم بلاواسطہ اور دوسری چیز کا علم بالواسطہ برابر ساتھ ہے اور دونوں قدیم ہیں گو علم بلاواسطہ کو بطریق مذکور مقدم اور علم بالواسطہ کو مؤخر کہیں سو جہاں کہیں علم خداوندی کے ذکر میں صیغہ استقبال کا یا معنی استقبال کے پائے جاتے ہیں وہ علم بالواسطہ کے لحاظ سے ہے زمانہ کے اعتبار سے کچھ تفاوت نہیں اور جہاں کہیں ماضی یا حال مستعمل ہے وہاں علم بلاواسطہ مراد ہے اور علم بالواسطہ کے اعتبار سے کلام فرمانے میں یہ حکمت ہے کہ کلام الٰہی کے مخاطب آدمی ہیں اور اُن کو اکثر اشیاء کا علم بالواسطہ ہوتا ہے اور جہاں کہیں جناب باری نے اپنے علم میں صیغہ استقبال استعمال فرمایا ہے وہ وہی امور ہیں جو بنی آدم کو بلاواسطہ معلوم نہیں ہو سکتے اگر ایسے مواقع میں بنی آدم سے باعتبار علم بلاواسطہ کلام کیا جاتا تو اُن پر پورا الزام نہ ہوتا اور جہاں یہ مصلحت نہیں وہاں باعتبار علم بلاواسطہ صیغہ ماضی یا حال کا استعمال کیا جاتا ہے مگر بنی آدم کو چونکہ اُن اشیاء کا علم بلاواسطہ ہو ہی نہیں سکتا اور اُن واسطوں کا علم قبل اُن کے وجود کے بنی آدم کو ممکن نہیں اور اس وجہ سے اُن کے تمام علوم برابر حاصل نہیں ہوتے تو وہ خدا کو اپنے اُوپر قیاس کر کے صیغہ استقبال سے حدوث سمجھ جاتے ہیں اور حیران ہوتے ہیں کہ علم الٰہی میں تو حدوث ثابت ہو گیا مگر فہمیدہ اشخاص جو نکتہ مذکورہ

(۲۰۳) **استقبال بیت المقدس کی حکمت** اوّل سے آپ کے لئے خانہ کعبہ قبلہ مقرر ہوا تھا بیچ میں چند عرصہ کے لئے امتحاناً بیت المقدس کو قبلہ مقرر فرمایا اور سب جانتے ہیں کہ امتحان اُسی چیز میں ہوتا ہے جو نفس پر دشوار ہو سو حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ بیشک بجائے کعبہ بیت المقدس کو قبلہ بنانا لوگوں کو بھاری معلوم ہوا عوام مسلمین کو تو اس وجہ سے کہ وہ عموماً عرب اور قریش تھے اور کعبہ کی افضلیت کے معتقد تھے اُن کو اپنے خیال اور رسم و عادت کے خلاف کرنا پڑا اور خواص کے گھبرانے کی یہ وجہ تھی کہ ملّتِ ابراہیمی کے خلاف تھا جس کی موافقت کے مامور تھے اور اخص الخواص جن کو ذوق سلیم اور تمیز مراتب کی لیاقت عطا ہوئی تھی وہ کعبہ کے بعد بیت المقدس کی طرف متوجہ ہونے کو ترقی معکوس خیال کرتے تھے مگر جن حضرات کو حکمت و اسرار تک رسائی تھی اور حقیقت کعبہ اور حقیقت بیت المقدس کو بنور فراست جُدا جُدا مع فرق مراتب سمجھتے تھے وہ جانتے تھے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء کے کمالات کے جامع اور آپ کی رسالت جملہ عالم اور تمام اُمتوں کے لئے شامل ہے اس لئے ضرور ہے کہ استقبال بیت المقدس کی بھی نوبت آئے یہی وجہ ہے کہ شب معراج میں تمام انبیاء سابقین سے ملاقات بھی ہوئی اور اس کے بعد استقبال بیت المقدس کا بھی حکم ہوا واللہ اعلم۔

(۲۰۴) یہود نے کہا کہ کعبہ قبلہ اصلی ہے تو اتنی مدّت کی نماز جو بیت المقدس کی طرف پڑھی تھی ضائع ہوئی بعض مسلمانوں کو شبہ ہوا کہ بیت المقدس جب قبلہ اصلی نہ تھا تو جو مسلمان اُسی حالت پر مر گئے اُن کے ثواب میں نقصان رہا باقی زندہ رہنے والے تو آئندہ کو مکافات اور اُس کا تدارک کر لیں گے اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ جب تم نے بیت المقدس کی طرف نماز محض مقتضائے ایمانی اور اطاعت حکم خداوندی کے سبب پڑھی تو تمہارے اجر و ثواب میں کسی طرح کا نقصان نہ ڈالا جائے گا۔

(۲۰۵) **استقبال کعبہ کا حکم** چونکہ آپ کا اصلی قبلہ اور آپ کے کمالات کے مناسب خانہ کعبہ تھا اور سب قبلوں سے افضل اور حضرت ابراہیمؑ کا بھی قبلہ وہی تھا ادھر یہود طعن کرتے تھے کہ یہ نبی شریعت میں ہمارے مخالف اور ملّت ابراہیمی کے موافق ہو کر ہمارا قبلہ کیوں اختیار کرتے ہیں ان وجوہ سے جس زمانہ میں آپ بیت المقدس کی طرف نماز پڑھتے تھے تو دل یہی چاہتا تھا کہ کعبہ کی طرف منہ کرنے کا حکم آ جائے اور اس شوق میں آسمان کی طرف منہ اُٹھا کر ہر طرف کو دیکھتے تھے کہ شاید فرشتہ حکم لاتا ہو اس پر یہ آیت اُتری اور استقبال کعبہ کا حکم آ گیا۔

(۲۰۶) یعنی کعبہ کی طرف مسجد الحرام اس لئے کہتے ہیں کہ وہاں مقاتلہ کرنا اور شکار کرنا جانوروں کا اور درخت اور گھاس کا کاٹنا وغیرہ امور حرام ہیں اور کسی مسجد کی اتنی حرمت و عزت نہیں جس قدر مسجد الحرام کی حرمت ہے جب تحویل قبلہ کا یہ حکم نازل ہوا تو آپ باجماعت مسجد بنی سلمہ میں ظہر کی نماز پڑھ رہے تھے دو رکعت بیت المقدس کی طرف پڑھ چکے تھے نماز ہی میں آپ نے اور سب مقتدیوں نے کعبہ کی طرف منہ پھیر لیا اور باقی دو رکعتیں پوری کیں اس مسجد کا نام مسجد القبلتین اور ذو قبلتین ہو گیا یعنی دو قبلہ والی۔

(۲۰۷) یعنی حضر میں یا سفر میں مدینہ میں یا دوسرے شہر میں جنگل میں یا دریا میں یا خود بیت المقدس میں جہاں کہیں ہو کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھو۔

(۲۰۸) **توریت میں دو قبلوں کا ذکر تھا** یعنی اہل کتاب جو تحویل قبلہ کی نسبت اعتراض کریں اس کی ہرگز پرواہ نہ کرنا کیونکہ ان کو اپنی کتاب سے معلوم ہے کہ پیغمبر آخر الزمان بیت المقدس کی طرف کچھ دنوں نماز پڑھیں گے اور آخر کو کعبہ کی طرف پڑھیں گے اور یہ بھی ان کو معلوم ہے کہ اصلی اور دائمی قبلہ ان کا ملت ابراہیمی کے موافق ہو گا اس لئے اس تحویل قبلہ کو وہ بھی حق سمجھتے ہیں محض حسد سے جو چاہیں سے کہیں سو حق تعالیٰ ان کی باتوں کو خوب جانتا ہے جس کا نتیجہ ان کو ایک دن معلوم ہو جائیگا۔

وَلَئِنْ اَتَيْتَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ بِكُلِّ اٰيَةٍ مَّا تَبِعُوْا قِبْلَتَكَ ۚ وَمَآ اَنْتَ بِتَابِعٍ قِبْلَتَهُمْ ۚ وَمَا

اور اگر تو لائے اہل کتاب کے پاس ساری نشانیاں تو بھی نہ مانیں گے تیرے قبلہ کو اور نہ تو مانے اُن کا قبلہ اور نہ

بَعْضُهُمْ بِتَابِعٍ قِبْلَةَ بَعْضٍ ۭ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَاۗءَهُمْ مِّنْ بَعْدِ مَا جَاۗءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ اِنَّكَ اِذًا

اُن میں ایک مانتا ہے دوسرے کا قبلہ ف۲۰۹ اور اگر تو چلا اُن کی خواہشوں پر بعد اس علم کے جو تجھ کو پہنچا تو بیشک تو بھی

لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۱۴۵ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَاۗءَهُمْ ۭ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنْهُمْ

ہوا بے انصافوں میں ف۲۱۰ جن کو ہم نے دی ہے کتاب پہچانتے ہیں اُس کو جیسے پہچانتے ہیں اپنے بیٹوں کو اور بیشک ایک فرقہ اُن میں سے

لَيَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَھُمْ يَعْلَمُوْنَ ۱۴۶ اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ۱۴۷ وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ ھُوَ

البتہ چھپاتے ہیں حق کو جان کر حق وہی ہے جو تیرا رب کہے پھر تو نہ ہو شک لانے والا ف۲۱۱ اور ہر کسی کو واسطے ایک جانب ہے یعنی قبلہ کہ

مُوَلِّيْهَا فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ڛ اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يَاْتِ بِكُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۱۴۸

وہ منہ کرتا ہے اُس طرف سو تم سبقت کرو نیکیوں میں جہاں کہیں تم ہو گے کر لائیگا تم کو اللہ اکٹھا بیشک اللہ ہر چیز کر سکتا ہے ف۲۱۲

وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۭ وَاِنَّهٗ لَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ ۭ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ

اور جس جگہ سے تو نکلے سو منہ کر اپنا مسجد الحرام کی طرف اور بیشک یہی حق ہے تیرے رب کی طرف سے اور اللہ بیخبر نہیں

عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۱۴۹ وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۭ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا

تمہارے کاموں سے اور جہاں سے تو نکلے منہ کر اپنا مسجد الحرام کی طرف اور جس جگہ تم ہوا کرو منہ

وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ ۙ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ حُجَّةٌ ڎ اِلَّا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ ۤ فَلَا تَخْشَوْھُمْ

کرو اسی کی طرف ف۲۱۳ تاکہ نہ رہے لوگوں کو تم سے جھگڑنے کا موقع مگر جو اُن میں بے انصاف ہیں سو اُن سے (یعنی اُن کے اعتراضوں سے) مت ڈرو

وَاخْشَوْنِيْ ۗ وَلِاُتِمَّ نِعْمَتِيْ عَلَيْكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۵۰﴾ كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا

اور مجھ سے ڈرتے رہو ۲۱۴ اور اس واسطے کہ کامل کروں تم پر فضل اپنا اور تاکہ تم پاؤ راہ سیدھی ف ۲۱۵ جیسا کہ بھیجا ہم نے تم میں رسول تم ہی میں کا پڑھتا ہے

عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۵۱﴾ؕ

تمہارے آگے آیتیں ہماری اور پاک کرتا ہے تم کو اور سکھلاتا ہے تم کو کتاب اور اس کے اسرار اور سکھلاتا ہے تم کو جو تم نہ جانتے تھے ف ۲۱۶

فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْا لِيْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ ﴿۱۵۲﴾ع

سو تم یاد رکھو مجھ کو میں یاد رکھوں تم کو اور احسان مانو میرا اور ناشکری مت کرو ف ۲۱۷

(۲۰۹) **استقبال کعبہ کا حکم دائمی ہے** یعنی جب یہ بات ہے کہ اہل کتاب استقبال قبلہ کو حق جان کر بوجہ حسد و عناد حق پوشی کرتے ہیں تو ان سے اپنے قبلہ کی موافقت کی ہرگز توقع مت رکھو وہ تو ایسے متعصب ہیں کہ اگر ان کو تمام نشانیاں جو ممکن الوقوع ہیں دکھلا دو گے جب بھی تمہارے قبلہ کو نہ مانینگے وہ تو اس ہوس میں ہیں کہ کسی طرح تم کو اپنا تابع بنالیویں اسی وجہ سے کہا کرتے تھے کہ ہمارے قبلہ پر قائم رہتے تو ہم سمجھتے کہ تم نبی موعود ہو کہ شاید پھر ہمارے قبلہ کی طرف رجوع کرلیں سو یہ ان کا خیال باطل اور طمع خام ہے تم کسی وقت میں بھی ان کے قبلہ کا اتباع نہیں کر سکتے اب استقبال کعبہ کا حکم قیامت تک منسوخ نہیں ہو سکتا اور دوسروں کے تابع بنانے کا ارادہ تو بعد میں کریں پہلے اہل کتاب تو آپس میں در بارۂ امر قبلہ موافق ہو جائیں یہود کا قبلہ صخرۂ بیت المقدس ہے اور نصاریٰ کا قبلہ بیت المقدس کی شرقی جانب ہے جہاں حضرت عیسٰی علیہ السلام کا نفخ روح ہوا تھا جب وہ ہی باہم موافق نہیں ہو سکتے تو پھر مسلمانوں سے اس متابعت نقیضین کی توقع کرنی محض حماقت ہے۔

(۲۱۰) یعنی ان دلائل سے قطع نظر کر کے تھوڑی دیر کے لئے اگر مان بھی لیا جائے کہ آپ نعوذ باللہ اہل کتاب کے قبلہ کی متابعت نزول وحی اور علم یقینی کے خلاف کر بھی لیویں تو اس تقدیر محال پر بیشک آپ بھی بے انصافوں میں شمار ہوں اور نبی سے یہ امر شنیع کسی طرح ممکن نہیں تو معلوم ہو گیا کہ قبلہ اہل کتاب کی متابعت آپ سے ہرگز ممکن نہیں کہ سراسر علم کے خلاف یعنی جہل اور گمراہی ہے۔

(۲۱۱) **اہل کتاب کو حضورؐ کے نبی ہونے کا یقین تھا** یعنی اگر تم کو یہ خیال ہو کہ کاش کعبہ کا مسلمانوں کے لئے قبلہ ہونا اہل کتاب بھی کسی طرح تسلیم کر لیں اور دوسرے لوگوں کو شبہ میں ڈالتے نہ پھریں تو میرے نبی موعود ہونے میں خلجان باقی نہ رہے تو جان لو کہ اہل کتاب کو تمہارا بہت پورا علم ہے آپ کے نسب و قبیلہ و مولد و مسکن و صورت و شکل و اوصاف و احوال سب کو جانتے ہیں جس کی وجہ سے ان کو آپ کا علم اور آپ کے نبی موعود ہونے کا ایسا یقین ہے جیسا بہت سے لڑکوں میں اپنے بیٹوں کو بلا تامل و تردد پہچانتے ہیں مگر اس امر کو بعض تو ظاہر کرتے ہیں اور بعض دیدہ و دانستہ امر حق کو چھپاتے ہیں لیکن ان کے چھپانے سے کیا ہوتا ہے حق بات تو وہی ہے جو اللہ کی طرف سے ہو اہل کتاب مانیں یا نہ مانیں ان کی مخالفت سے کسی قسم کا تردد مت کرو۔

(۲۱۲) **ہر اُمت کا ایک قبلہ ہے** یعنی اللہ نے ہر امت کے لئے ایک ایک قبلہ کا حکم فرمایا جس کی طرف بوقت عبادت اپنا منہ کیا کریں یا ہر ایک قوم مسلمان کعبہ سے جدا جدا سمت میں واقع ہے کوئی مشرق میں کوئی مغرب میں سو اس میں جھگڑنا فضول اور اپنے قبلہ یا اپنی سمت پر ضد کرنا عبث ہے جو نیکیاں مقصود و مطلوب ہیں ان کی طرف البتہ پیش قدمی کرو اور اس بحث کو چھوڑو جس جگہ اور جس قبلہ اور جس سمت کعبہ کی طرف تم ہو گے لائیگا تم سب کو اللہ میدان حشر میں اور تمہاری نمازیں ایسی سمجھی جائیں گی گویا ایک ہی جہت کی طرف ہوئی ہیں پھر ایسی بات میں کیوں جھگڑتے ہو۔

(۲۱۳) **تحویل قبلہ کے حکم میں تکرار کی وجہ** | تحویل قبلہ کا حکم مکرر سہ کرر یا تو اس واسطے بیان فرمایا کہ اُس کی علل متعدد تھیں تو ہر علت کو بتلانے کے لئے اس حکم کا اعادہ فرمایا قد نریٰ تقلب وجھک الخ سے معلوم ہوا کہ اپنے رسول کی رضاجوئی اور اظہار تکریم کے لئے اللہ تعالیٰ نے ایسا کیا اور لکل وجھۃ ھو مولیھا سے معلوم ہوا کہ عادت اللہ یہی ہے کہ ہر ملت اور ہر ایک رسول صاحب شریعت مستقل کے لئے اُس کے مناسب ایک قبلہ مقرر ہونا چاہئے اور لئلا یکون للناس علیکم حجۃ سے معلوم ہوا کہ حکم مذکور کی علت یہ ہے کہ مخالف کا الزام عائد نہ ہو سکے یا اس تکرار کی یہ وجہ ہے کہ اول تو قبلہ قابل اہتمام دوسرے احکام الٰہیہ میں نسخ ہونا بیوقوفوں کی سمجھ سے باہر پھر تحویل قبلہ اوّل نسخ ہے جو شریعت محمدی میں ظاہر ہوا اس لئے اس کی تاکید در تاکید عین حکمت و بلاغت ہے یا یہ وجہ ہے کہ اوّل آیۃ میں تعمیم احوال اور دوسری آیۃ میں تعمیم امکنہ اور تیسری میں تعمیم ازمنہ مراد ہے۔

(۲۱۴) **تحویل قبلہ حکم ضروری تھا** | یعنی کعبہ کو منہ کرنے کا حکم اس واسطے ہوا کہ توریت میں مذکور ہے کہ حضرت ابراہیم کا قبلہ خانہ کعبہ ہے اور نبی آخر الزماں کو بھی اُسی کی طرف منہ پھیرنے کا حکم ہو جائیگا تو آپ کو تحویل الی الکعبہ کا حکم نہ ہوتا تو یہود ضرور الزام لگاتے ادھر مشرکین مکہ یہ کہتے کہ حضرت ابراہیم کا قبلہ تو کعبہ تھا یہ نبی ملت ابراہیمی کا دعویٰ کر کے پھر قبلہ میں خلاف کیوں کرتے ہیں تو اب دونوں کو حجۃ کرنے کا حق نہ رہا۔ مگر بے انصاف اب بھی کچھ نہ کچھ الزام لگائے ہی جائیں گے مثلاً قریش کہیں گے کہ اُن کو ہمارے قبلہ کا حق ہونا اب معلوم ہوا تو اُس کو اختیار کیا اسی طرح پر ہمارے اور احکام بھی رفتہ رفتہ منظور کر لیں گے اور یہود کہیں گے کہ ہمارے قبلہ کی حقانیت ظاہر ہونے اور تسلیم کر لینے کے بعد محض حسد اور نفسانیت کے باعث اپنی رائے سے اُس کو چھوڑ دیا تو ایسے بے انصافوں کے اعتراض کی کچھ پروا مت کرو اور ہمارے حکم کے تابع رہو۔

(۲۱۵) یعنی یہ قبلہ ہم نے تمہارے لئے اُس واسطے مقرر فرمایا کہ دشمنوں کے طعن سے بچو اور اُس کے سبب سے ہمارے انعام واکرام و برکات وانوار اور ہدایت کے پورے مستحق ہو۔

(۲۱۶) **حضورؐ کی بعثت کے مقاصد** | یعنی یہ اتمام نعمت اور تکمیل ہدایت تم پر ایسی ہوئی جیسی ابتداء میں تم پر یہ اتمام نعمت و ہدایت ہو چکی ہے کہ تم میں ہی سے ایک رسول ایسا بھیجا جو تم کو احکام خداوندی سمجھا دے اور تم کو بُری باتوں سے پاک کرے یعنی علماً اور عملاً تم کو کامل بنا دے۔

(۲۱۷) جب ہماری طرف سے تم پر اتمام نعمت مکرر ہو چکا تو اب تم کو لازم ہے کہ ہم کو زبان سے دل سے ذکر سے فکر سے ہر طرح سے یاد کرو اور طاعت کرو ہم تم کو یاد کریں گے یعنی نئی نئی رحمتیں اور عنایتیں تم پر ہونگی اور ہماری نعمتوں کا شکر خوب ادا کرتے رہو اور ہماری ناشکری اور معصیت سے بچتے رہو۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۵۳﴾ وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ

اے مسلمانوں مدد لو صبر اور نماز سے بیشک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے ف۲۱۸ اور نہ کہو اُن کو جو

يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ۭ بَلْ اَحْيَاۗءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ﴿۱۵۴﴾ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ

مارے گئے خدا کی راہ میں کہ مُردے ہیں بلکہ وہ زندے ہیں لیکن تم کو خبر نہیں ف۲۱۹ اور البتہ ہم آزمائینگے تم کو تھوڑے سے

الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ۭ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۵۵﴾

ڈر سے اور بھوک سے اور نقصان سے مالوں کے اور جانوں کے اور میووں کے ف۲۲۰ اور خوشخبری دے اُن صبر کرنیوالوں کو

(۲۱۸) چونکہ ذکر اور شکر اور ترک کفران جو پہلے مذکور ہوئے اور تمام طاعات اور منہیات شرعیہ کو محیط ہیں جن کا انجام دینا دشوار امر ہے اُس کی سہولت کے لئے یہ طریقہ بتلایا گیا کہ صبر اور صلوٰۃ سے مدد لو کہ اُن کی مداومت سے تمام امور تم پر سہل کر دیے جائیں گے اور اس آیہ میں یہ اشارہ بھی ہے کہ جہاد میں محنت اُٹھاؤ جس کا ذکر آگے آتا ہے کہ اُس میں صبر اعلیٰ درجہ کا ہے۔

(۲۱۹) **حیات شہداء** یعنی جس نے اللہ کے لئے جان دی وہ اُس جہاں میں جیتے ہیں مگر تم کو اُن کی زندگی کی خبر اور اُس کی کیفیت معلوم نہیں اور یہ سب صبر کا نتیجہ ہے۔

(۲۲۰) **صبر کی اہمیت اور فضائل** پہلے تو اُنکا ذکر تھا جنھوں نے صبر کا اعلیٰ مرتبہ حاصل کیا یعنی شہداء اب فرماتے ہیں کہ تمہارا علی العموم تھوڑی تھوڑی تکلیف اور مصیبت میں وقتاً فوقتاً امتحان لیا جائیگا اور تمہارے صبر کو دیکھا جائیگا صابرین میں داخل ہونا کچھ سہل نہیں اسی واسطے پہلے سے متنبہ فرما دیا۔

الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ۝١٥٦ۭ اُولٰۗىِٕكَ عَلَيْهِمْ

کہ جب پہنچے اُن کو کچھ مصیبت تو کہیں ہم تو اللہ ہی کا مال ہیں اور ہم اُسی کی طرف لوٹ کر جانیوالے ہیں ایسے ہی لوگوں پر

صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ۣ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ ۝١٥٧ اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَاۗىِٕرِ

عنایتیں ہیں اپنے رب کی اور مہربانی اور وہی ہیں سیدھی راہ پر ف ۲۲۱ بیشک صفا اور مروہ نشانیوں میں سے ہیں اللہ

اللّٰهِ ۚ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا ۭ وَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا ۙ

کی ف ۲۲۲ سو جو کوئی حج کرے بیت اللہ کا یا عمرہ تو کچھ گناہ نہیں اس کو کہ طواف کرے ان دونوں میں اور جو کوئی اپنی خوشی سے کرے کچھ نیکی

فَاِنَّ اللّٰهَ شَاكِرٌ عَلِيْمٌ ۝١٥٨ اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالْهُدٰى مِنْۢ بَعْدِ

تو اللہ قدردان ہے سب کچھ جاننے والا ف ۲۲۳ بیشک جو لوگ چھپاتے ہیں جو کچھ ہم نے اُتارے صاف حکم اور ہدایت کی باتیں بعد اس کے کہ

مَا بَيَّنّٰهُ لِلنَّاسِ فِي الْكِتٰبِ ۙ اُولٰۗىِٕكَ يَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُوْنَ ۝١٥٩ۙ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا وَ

ہم اُنکو کھول چکے لوگوں کیواسطے کتاب میں ف ۲۲۴ اُن پر لعنت کرتا ہے اللہ اور لعنت کرتے ہیں اُن پر لعنت کرنیوالے ف ۲۲۵ مگر جنھوں نے توبہ کی اور

اَصْلَحُوْا وَبَيَّنُوْا فَاُولٰۗىِٕكَ اَتُوْبُ عَلَيْهِمْ ۚ وَاَنَا التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۝١٦٠

درست کیا اپنے کام کو اور بیان کر دیا حق بات کو تو اُنکو معاف کرتا ہوں ف ۲۲۶ اور میں ہوں بڑا معاف کرنیوالا نہایت مہربان

(۲۲۱) یعنی جن لوگوں نے ان مصائب پر صبر کیا اور کفران نعمت نہ کیا بلکہ ان مصائب کو وسیلہ ذکر و شکر بنایا تو اُن کو اے پیغمبر ہماری طرف سے بشارت سُنا دو۔

(۲۲۲) **صفا و مروہ شعائر ہیں** پہلے ذکر تھا تحویل الی الکعبہ کا اور کعبہ کے سب قبلوں سے افضل ہونے کا اب اس کے محل ادائے حج و عمرہ ہونے کو بیان فرماتے ہیں تاکہ وَلِاُتِمَّ نِعْمَتِيْ عَلَيْكُمْ کی تصدیق اور تکمیل خوب ہو جائے یا یوں کہئے کہ اس سے پہلے صبر کی فضیلت مذکور تھی اب یہ فرمایا گیا کہ دیکھو صفا و مروہ جو شعائر اللہ میں داخل ہوئیں اور اُن میں سعی کرنا حج و عمرہ میں ضروری ہوا اُس کی وجہ یہی تو ہے کہ یہ فعل صابرین یعنی حضرت ہاجرہ اور اُن کے صاحبزادہ حضرت اسمٰعیلؑ کے آثار میں سے ہے حدیث و تفسیر و تاریخ میں یہ قصہ مصرح مذکور و مشہور ہے جس کے دیکھنے

سے اِنَّ اللہَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ کی تصدیق ہوتی ہے۔

(۲۲۳) صفا اور مروہ دو پہاڑیاں ہیں مکہ میں اہل عرب حضرت ابراہیمؑ کے وقت سے ہمیشہ حج کرتے رہے اور حج کرتے تو ان دو پہاڑیوں کا بھی طواف کرتے کفر کے زمانہ میں ان دو پہاڑیوں پر کفار نے دو بت رکھے تھے ان کی تعظیم کرتے تھے اور سمجھتے تھے کہ یہ طواف ان دو بتوں کی تعظیم کے لئے ہے جب لوگ مسلمان ہوئے اور بت پرستی سے تائب ہوئے تو خیال ہوا کہ صفا اور مروہ کا طواف تو ان بتوں کی تعظیم کے لئے تھا جب بتوں کی تعظیم حرام ہوئی تو صفا اور مروہ کا طواف بھی ممنوع ہونا چاہیئے یہ اُن کو معلوم نہ تھا کہ صفا اور مروہ کا طواف تو اصل میں حج کے لئے تھا کفار نے اپنی جہالت سے بت رکھ چھوڑے تھے وہ دور ہو گئے اور انصار مدینہ چونکہ کفر کے زمانہ میں بھی صفا اور مروہ کے طواف کو بُرا جانتے تھے تو اسلام کے بعد بھی اُن کو اس طواف میں خلجان ہوا اور آپ سے عرض کیا کہ ہم پہلے سے اس کو مذموم جانتے ہیں اس پر یہ آیۃ نازل ہوئی اور فریق اوّل اور ثانی دونوں کو بتلا دیا گیا کہ صفا اور مروہ کے طواف میں کوئی گناہ اور خرابی نہیں یہ تو اصل سے اللہ کی نشانیاں ہیں اُن کا طواف کرنا چاہیئے۔

(۲۲۴) یہود پر لعنت کی جاتی ہے | اس سے مراد ہیں یہود کہ توریت میں جو آپ کی تصدیق تھی اُس کو اور تحویل قبلہ وغیرہ امور کو چھپاتے تھے اور جس نے غرض دنیا کے واسطے اللہ کے حکم کو چھپایا وہ سب اس میں داخل ہیں۔

(۲۲۵) لعنت کرنے والے یعنی جن و انس و ملائکہ بلکہ اور سب حیوانات کیونکہ اُن کی حق پوشی کے وبال میں جب عالم کے اندر قحط و باطرح طرح کی بلائیں پھیلتی ہیں تو حیوانات بلکہ جمادات تک کو تکلیف ہوتی ہے اور سب اُن پر لعنت کرتے ہیں۔

(۲۲۶) یعنی اگرچہ اُن کی حق پوشی کے باعث بعض آدمی گمراہی میں پڑ گئے لیکن جب اُنہوں نے حق پوشی سے توبہ کر کے اظہارِ حق پوری طرح کر دیا تو اب بجائے لعنت ہم اُن پر رحمت نازل فرماتے ہیں کیونکہ ہم توّاب و رحیم ہیں۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ

بیشک جو لوگ کافر ہوئے اور مر گئے کافر ہی انہی پر لعنت ہے اللہ کی اور فرشتوں کی اور لوگوں کی

اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۶۱﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿۱۶۲﴾ وَاِلٰـهُكُمْ اِلٰهٌ

سب کی ف ۲۲۷ ہمیشہ رہیں گے اُسی لعنت میں نہ ہلکا ہوگا اُن پر سے عذاب اور نہ اُنکو مہلت ملے گی ف ۲۲۸ اور معبود تم سب کا ایک

وَّاحِدٌ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۶۳﴾ اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ

ہی معبود ہے کوئی معبود نہیں اُسکے سوا بڑا مہربان ہے نہایت رحم والا ف ۲۲۹ بیشک آسمان اور زمین کے پیدا کرنے میں اور رات اور دن کے بدلتے

وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِيْ تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ

رہنے میں اور کشتیوں میں جو کہ لیکر چلتی ہیں دریا میں لوگوں کے کام کی چیزیں اور پانی میں جس کو کہ اُتارا اللہ نے آسمان

مَّآءٍ فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ ۪ وَّتَصْرِيْفِ الرِّيٰحِ وَالسَّحَابِ

سے پھر جلایا اُس سے زمین کو اُس کے مر گئے پیچھے اور پھیلائے اُس میں سب قسم کے جانور اور ہواؤں کے بدلنے میں اور بادل میں جو کہ

الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿۱۶۴﴾

تابعدار ہے اُسکے حکم کا درمیان آسمان و زمین کے بیشک ان سب چیزوں میں نشانیاں ہیں عقلمند لوگوں کیلئے ف ۲۳۰

(۲۲۷) یعنی جس نے خود حق پوشی کی یا کسی دوسرے کی حق پوشی کے باعث گمراہ ہوا اور اخیر تک کافر ہی رہا اور توبہ نصیب نہ ہوئی تو وہ ہمیشہ کو ملعون اور جہنمی ہوا مرنے کے بعد توبہ مقبول نہیں، بخلاف اوّل فریق مذکور سابق کے کہ توبہ نے ان کی لعنت کو منقطع کر دیا کہ زندگی ہی میں تائب ہو گئے۔

(۲۲۸) یعنی اُن پر عذاب یکساں اور متصل رہے گا یہ نہ ہوگا کہ عذاب میں کسی قسم کی کمی ہو جائے یا کسی وقت اُن کو عذاب سے مہلت مل جائے۔

(۲۲۹) **توحید اور اُس کے دلائل** یعنی معبود حقیقی تم سب کا ایک ہی ہے اس میں تعدد کا احتمال بھی نہیں سو اب جس نے اُس کی نافرمانی کی بالکل مردود اور غارت ہوا دوسرا معبود ہوتا تو ممکن تھا کہ اُس سے نفع کی توقع باندھی جاتی یہ ہمہ آقائی اور بادشاہی یا اُستادی اور پیری نہیں کہ ایک جگہ موافقت نہ آئی تو دوسری جگہ چلے گئے یہ تو معبودی اور خدائی ہے نہ اُس کے سوا کسی کو معبود بنا سکتے ہو اور نہ کسی سے اس کے علاوہ خیر کی توقع کر سکتے ہو۔ جب آیہ والٰھکم الٰہٌ واحد نازل ہوئی تو کفار مکہ نے تعجب کیا کہ تمام عالم کا معبود اور سب کا کام بنانے والا ایک کیسے ہو سکتا ہے اور اس کی دلیل کیا ہے اس پر آیہ اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ الخ نازل ہوئی اور اُس میں اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کی نشانیاں بیان فرمائیں۔

(۲۳۰) **مخلوقات میں اللہ کی نشانیاں** یعنی آسمان کے اس قدر وسیع اور اُونچا اور بے ستون پیدا کرنے میں اور زمین کے اتنی وسیع اور مضبوط پیدا کرنے اور اُس کے پانی پر پھیلانے میں اور رات اور دن کے بدلتے رہنے اور اُن کے گھٹانے اور بڑھانے میں اور کشتیوں کے دریا میں چلنے میں اور آسمان سے پانی برسانے اور اُس سے زمین کو سرسبز و تازہ کرنے میں اور جملہ حیوانات میں اُس سے توالد و تناسل نشوونما ہونے میں اور جہات مختلفہ سے ہواؤں کے چلانے میں اور بادلوں کو آسمان اور زمین میں معلق کرنے میں دلائل عظیمہ اور کثیرہ ہیں حق تعالیٰ کی وحدانیت اور اُس کی قدرت اور حکمت اور رحمت پر اُن کے لئے جو صاحب عقل اور فکر ہیں۔ **فائدہ** لا الٰہ الا ھو میں توحید ذات کا اور الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ میں توحید صفات کا ثبوت تھا اور انّ فی خلق الخ میں توحید افعال کا ثبوت ہوا جس سے مشرکین کے شبہات بالکلیہ مندفع ہو گئے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ

اور بعضے لوگ وہ ہیں جو بناتے ہیں اللہ کے برابر اوروں کو ف۲۳۱ اُنکی محبت ایسی رکھتے ہیں جیسی محبت اللہ کی ف۲۳۲ اور ایمان والوں کو اُس سے زیادہ تر

حُبًّا لِّلّٰهِ ؕ وَلَوْ يَرَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اِذْ يَرَوْنَ الْعَذَابَ ۙ اَنَّ الْقُوَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ۙ وَّ اَنَّ اللّٰهَ

ہے محبت اللہ کی ف۲۳۳ اور اگر دیکھ لیں یہ ظالم اس وقت کو جبکہ دیکھیں گے عذاب کہ قوۃ ساری اللہ ہی کے لئے ہے اور یہ کہ اللہ کا

شَدِيْدُ الْعَذَابِ ﴿۱۶۵﴾ اِذْ تَبَرَّاَ الَّذِيْنَ اتُّبِعُوْا مِنَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا وَرَاَوُا الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ

عذاب سخت ہے ف۲۳۴ جبکہ بیزار ہو جاویں گے وہ کہ جن کی پیروی کی تھی اُنسے کہ جو اُنکے پیرو ہوئے تھے اور دیکھینگے عذاب اور منقطع ہو جائیں

بِهِمُ الْاَسْبَابُ ﴿۱۶۶﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا لَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّاَ مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّءُوْا مِنَّا ؕ

گے اُن کے سب علاقے ف۲۳۵ اور کہیں گے پیرو کیا اچھا ہوتا جو ہم کو دنیا کی طرف لوٹ جانا ملجاتا تو پھر ہم بھی بیزار ہو جاؤ اُنسے جیسے یہ ہم سے بیزار ہو گئے ف۲۳۶

كَذٰلِكَ يُرِيْهِمُ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ حَسَرٰتٍ عَلَيْهِمْ ؕ وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنَ النَّارِ ﴿۱۶۷﴾

اسی طرح پر دکھلائیگا اللہ اُن کو اُن کے کام حسرت دلانے کو اور وہ ہرگز نکلنے والے نہیں مار سے ف۲۳۷

(۲۳۱) یعنی آدمیوں میں جو کہ شعور و عقل میں جمیع مخلوقات سے افضل ہیں بعضے ایسے بھی ہیں کہ باوجود دلائل ظاہرہ سابقہ کے پھر غیر اللہ کو حق تعالیٰ کا شریک اور اُس کے برابر بناتے ہیں۔

(۲۳۲) **باطل معبودوں کی محبّت** یعنی صرف اقوال و اعمال جزئیہ ہی میں ان کو اللہ تعالیٰ کے برابر نہیں مانتے بلکہ محبت قلبی جو کہ صدور اعمال کی اصل ہے اُس تک شرک اور مساوات کی نوبت پہنچا رکھی ہے جو شرک کا اعلیٰ درجہ ہے اور شرک فی الاعمال اُس کا خادم اور تابع ہے۔

(۲۳۳) **مومنین کو اللہ سے زیادہ محبّت ہے** یعنی مشرکین کو جو اپنے معبودوں سے محبت ہے مومنین کو اپنے اللہ سے اُس سے بھی بہت زیادہ اور مستحکم محبت ہے کیونکہ مصائب دنیا میں مشرکین کی محبت بسا اوقات زائل ہو جاتی ہے اور عذاب آخرت دیکھ کر تو بالکل تبری اور بیزاری ظاہر کریں گے جیسا اگلی آیہ میں آتا ہے بخلاف مومنین کے کہ اُن کی محبت اپنے اللہ کے ساتھ ہر ایک رنج و راحت مرض و صحت دنیا و آخرت میں برابر باقی اور پائدار رہنے والی ہے اور نیز اہل ایمان کو جو اللہ سے محبت ہے وہ اُس محبت سے بھی بہت زیادہ ہے جو محبت کہ اہل ایمان ماسوی اللہ یعنی انبیاء و اولیاء و ملائکہ و عبّاد و علماء، یا اپنے آبا و اجداد اور اولاد و مال وغیرہ سے رکھتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ سے تو اس کی عظمت شان کے موافق بالاصالہ اور بالاستقلال محبت رکھتے ہیں اور اوروں سے بالواسطہ اور حق تعالیٰ کے حکم کے موافق ہر ایک کے اندازہ کے مطابق محبّت رکھتے ہیں "گر فرق مراتب نہ کنی زندیقی" خدا اور غیر خدا کو محبت میں برابر کر دینا خواہ وہ کوئی ہو یہ مشرکین کا کام ہے۔

(۲۳۴) یعنی جن ظالموں نے خدا کے لئے شریک بنائے اگر وہ اُس آنے والے وقت کو دیکھ لیں کہ جس وقت اُن کو عذاب الٰہی کا مشاہدہ ہوگا کہ زور سارا اللہ ہی کے لئے ہے عذاب خداوندی سے کوئی نہیں بچا سکتا اور اللہ کا عذاب سخت ہے تو ہرگز اللہ کی عبادت کو چھوڑ کر دوسروں کی طرف متوجہ نہ ہوں اور نہ اُن سے اُمید منفعت رکھیں۔

(۲۳۵) **مشرکین کی اپنے معبودوں سے بیزاری** یعنی وہ وقت ایسا ہوگا کہ بیزار ہو جائیں گے متبوع اپنے تابعداروں سے اور بت پرست اور بتوں میں کوئی علاقہ باقی نہ رہے گا ایک دوسرے کا دشمن ہو جائیگا عذاب الٰہی دیکھ کر۔

(۲۳۶) اور مشرکین اُس وقت کہیں گے کہ اگر کسی طرح ہم پھر دنیا میں لوٹ جانا نصیب ہو تو ہم بھی ان سے اپنا انتقام لیں اور جیسا یہ آج ہم سے جدا ہو گئے ہم بھی اُن کو جواب دے کر جُدا ہو جائیں لیکن اس آرزو محال سے بجز افسوس کچھ نفع نہ ہو گا۔

(۲۳۷) **مشرکوں کے اعمال حسرت بن جائینگے** یعنی جیسے مشرکین کو عذاب الٰہی اور اپنے معبودوں کی بیزاری دیکھ کر سخت حسرت ہوگی اسی طرح پر اُن کے جملہ اعمال کو حق تعالیٰ اُن کے لئے موجب حسرت بنا دے گا کیونکہ حج و عمرہ اور صدقات و خیرات جو اچھی باتیں کی ہوں گی وہ سب تو بسبب شرک مردود ہو جائیں گی اور شرک و گناہ جس قدر کئے ہوں گے ان کا بدلہ عذاب ملیگا تو اب ان کے بھلے اور بُرے اعمال سب کے سب موجب حسرت ہونگے کسی عمل سے کچھ نفع نہ ہوگا اور ہمیشہ دوزخ میں رہینگے، بخلاف موحدین اور اہل ایمان کے کہ اگر بسبب معاصی دوزخ میں جائیں گے تو انجام کار نجات پائینگے

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِي الْاَرْضِ حَلٰلًا طَيِّبًا ۖ وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ۭ اِنَّهٗ لَكُمْ

اے لوگو کھاؤ زمین کی چیزوں میں سے حلال پاکیزہ اور پیروی نہ کرو شیطان کی ف ۲۳۸ بیشک وہ تمہارا

عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۱۶۸﴾ اِنَّمَا يَاْمُرُكُمْ بِالسُّوْۗءِ وَالْفَحْشَاۗءِ وَاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَي اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۶۹﴾

دشمن ہے صریح وہ تو یہی حکم کریگا تم کو کہ بُرے کام اور بےحیائی کرو اور جھوٹ لگاؤ اللہ پر وہ باتیں جنکو تم نہیں جانتے ف ۲۳۹

(۲۳۸) اہل عرب بت پرستی کرتے تھے اور بتوں کے نام پر سانڈ بھی چھوڑتے تھے اور اُن جانوروں سے نفع اُٹھانا حرام سمجھتے تھے اور یہ بھی ایک طرح کا شرک ہے کیونکہ تحلیل و تحریم کا منصب اللہ کے سوا کسی کو نہیں اس بارہ میں کسی کی بات ماننی گویا اُس کو اللہ کا شریک بنانا ہے اس لئے پہلی آیات میں شرک کی خرابی بیان فرما کر اب تحریم حلال سے ممانعت کی جاتی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جو کچھ زمین میں پیدا ہوتا ہے اُس میں سے کھاؤ بشرطیکہ وہ شرعًا حلال و طیب ہو نہ تو فی نفسہ حرام ہو جیسے مردار اور خنزیر اور ما اھل بہ لغیر اللہ (جن جانوروں پر اللہ کے سوا کسی کا نام پکارا جائے اور اس کی قربت مقصود اُن جانوروں کے ذبح سے ہو) اور نہ کسی امر عارضی سے اُس میں حرمت آگئی ہو جیسے غصب چوری رشوت سود کا مال کہ ان سب سے اجتناب ضروری ہے اور شیطان کی پیروی ہرگز نہ کرو کہ جس کو چاہا حرام کر لیا جیسے بتوں کے نام کے سانڈ وغیرہ اور جس کو چاہا حلال کر لیا جیسے ما اھل بہ لغیر اللہ وغیرہ۔

(۲۳۹) یعنی مسئلے اور احکام شرعیہ اپنی طرف سے بنالو جیسا کہ بہت سے مواقع میں دیکھا جاتا ہے کہ مسائل جزئیہ سے گذر کر امور اعتقادیہ تک نصوص شرعیہ کو چھوڑ کر اپنی طرف سے احکام تراشے جاتے ہیں اور نصوص قطعیہ اور اقوال سلف کی تحریف اور تغلیط کرتے ہیں۔

وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اتَّبِعُوا مَا أَنزَلَ اللَّهُ قَالُوا بَلْ نَتَّبِعُ مَا أَلْفَيْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا ۗ أَوَلَوْ كَانَ

اور جب کوئی ان سے کہے کہ تابعداری کرو اُس حکم کی جو کہ نازل فرمایا اللہ نے تو کہتے ہیں ہرگز نہیں ہم تو تابعداری کریں گے اس کی جس پر دیکھا ہم نے اپنے باپ دادوں کو بھلا اگرچہ اُن کے

آبَاؤُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ شَيْئًا وَلَا يَهْتَدُونَ ﴿١٧٠﴾ وَمَثَلُ الَّذِينَ كَفَرُوا كَمَثَلِ الَّذِي يَنْعِقُ بِمَا لَا

باپ دادے نہ سمجھتے ہوں کچھ بھی اور نہ جانتے ہوں سیدھی راہ ف۲۴۰ اور مثال اُن کافروں کی ایسی ہے جیسے پکارے کوئی شخص ایک چیز کو جو کچھ

يَسْمَعُ إِلَّا دُعَاءً وَنِدَاءً ۚ صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَعْقِلُونَ ﴿١٧١﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُلُوا

نہ سنے سوا پکارنے اور چلانے کے ف۲۴۰ بہرے گونگے اندھے ہیں سو وہ کچھ نہیں سمجھتے ف۲۴۱ اے ایمان والو کھاؤ

مِن طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ وَاشْكُرُوا لِلَّهِ إِن كُنتُمْ إِيَّاهُ تَعْبُدُونَ ﴿١٧٢﴾ إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ

پاکیزہ چیزیں جو روزی دی ہم نے تم کو اور شکر کرو اللہ کا اگر تم اُسی کے بندے ہو ف۲۴۲ اُس نے تو تم پر یہی حرام کیا ہے

الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنزِيرِ وَمَا أُهِلَّ بِهِ لِغَيْرِ اللَّهِ ۖ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ

مُردہ جانور ف۲۴۳ اور لہو ف۲۴۴ اور گوشت سور کا ف۲۴۵ اور جس جانور پر نام پکارا جائے اللہ کے سوا کسی اور کا ف۲۴۶ پھر جو کوئی بے اختیار ہو جائے نہ تو نافرمانی کرے اور نہ زیادتی

فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿١٧٣﴾ إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنزَلَ اللَّهُ مِنَ الْكِتَابِ

تو اُس پر کچھ گناہ نہیں ف۲۴۷ بیشک اللہ ہی بڑا بخشنے والا نہایت مہربان ہے ف۲۴۸ بیشک جو لوگ چھپاتے ہیں جو کچھ نازل اللہ نے کتاب ف۲۴۹

وَيَشْتَرُونَ بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا ۙ أُولَٰئِكَ مَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ إِلَّا النَّارَ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللَّهُ

اور لیتے ہیں اُس پر تھوڑا سا مول ف۲۵۰ وہ نہیں بھرتے اپنے پیٹ میں مگر آگ ف۲۵۱ اور نہ بات کریگا اُن سے اللہ

يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا يُزَكِّيهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿١٧٤﴾

قیامت کے دن ف۲۵۲ اور نہ پاک کریگا اُن کو ف۲۵۳ اور اُنکے لئے ہے عذاب دردناک ف۲۵۴

(ف ۲۴۰) باپ دادوں کا اتباع | یعنی حق تعالیٰ کے احکام کے مقابلہ میں اپنے باپ دادا کا اتباع کرتے ہیں اور یہ بھی شرک ہے چنانچہ

بعض جہاں مسلمان بھی ترک نکاح بیوگان وغیرہ رسوم باطلہ میں ایسی بات کہہ گذرتے ہیں اور بعض زبان سے گو نہ کہیں مگر عمل درآمد سے اُن کے ایسا ہی مترشح ہوتا ہے سو یہ بات اسلام کے خلاف ہے[۲۴۰/۲]۔

(۲۴۰/۲) یعنی ان کافروں کو راہ ہدایت کی طرف بُلانا ایسا ہے جیسا کوئی جنگل کے جانوروں کو بلائے کہ وہ سوائے آواز کے کچھ نہیں سمجھتے یہی حال اُن لوگوں کا ہے جو خود علم نہ رکھیں اور نہ علم والوں کی سے بات قبول کریں۔

(۲۴۱) **کفار کی مثال** یعنی یہ کفار گویا بہرے ہیں جو حق بات بالکل نہیں سُنتے گونگے ہیں حق بات نہیں کہتے اندھے ہیں جو راہ مستقیم نہیں دیکھتے سو وہ کچھ نہیں سمجھتے کیونکہ جب اُن کے ہر سہ قویٰ مذکورہ فاسد ہو گئے تو تحصیل علم و فہم کی اب کیا صورت ہو سکتی ہے۔

(۲۴۲) **مُسلمانوں کو اکل حلال کا حُکم** اکل طیبات کا حکم اُوپر گذر چکا تھا لیکن مشرکین چونکہ شیطان کی پیروی سے باز نہیں آتے اور احکام اپنی طرف سے بنا کر اللہ کے اُوپر لگاتے ہیں اور اپنے رسوم باطلہ آبائی کو نہیں چھوڑتے اور حق بات سمجھنے کی اُن میں گنجایش ہی نہیں تو اب اُن سے اعراض فرما کر خاص مسلمانوں کو اکل طیبات کا حکم فرمایا گیا اور اپنا انعام ظاہر کر کے ادائے شکر کا امر کیا گیا اس میں اہل ایمان کے مقبول اور مطیع ہونے کی جانب اور مشرکین کے مردود و معتوب و نافرمان ہونے کی طرف اشارہ ہو گیا۔

(۲۴۳) **حرام چیزوں کی تفصیل** مردار وہ ہے کہ خود بخود مر جائے اور ذبح کی نوبت نہ آئے یا خلاف طریقہ شرعیہ اُس کو ذبح یا شکار کیا جائے مثلاً گلا گھونٹا جائے یا زندہ جانور کا کوئی عضو کاٹ لیا جائے یا لکڑی اور پتھر اور غلیل و بندوق سے مارا جائے یا اُوپر سے گر کر یا کسی جانور کے سینگ مارنے سے مر جائے یا درندہ پھاڑ ڈالے یا ذبح کے وقت قصداً تکبیر کو ترک کیا جائے کہ یہ سب مردار اور حرام ہیں البتہ دو جانور مردار بحکم حدیث شریف اس حرمت سے مستثنیٰ اور ہم کو حلال ہیں مچھلی اور ٹڈی[۲۴۴] اور خون سے مراد وہ خون ہے جو رگوں سے بہتا ہے اور ذبح کے وقت نکلتا ہے اور جو خون کہ گوشت پر لگا رہتا ہے وہ حلال اور پاک ہے اگر گوشت کو بغیر دھوئے ہوئے پکا لیا جائے تو اُس کا کھانا درست ہے البتہ نظافت کے خلاف ہے اور کلیجی اور تلی کہ خون منجمد ہیں بحکم حدیث شریف حلال ہیں۔ (۲۴۴)

(۲۴۵) اور خنزیر زندہ ہو یا مردہ باقاعدہ شریعت کے موافق ذبح کر لیا جائے ہر حال میں حرام ہے اور اُس کے تمام اجزاء گوشت پوست چربی ناخن بال ہڈی پٹھا ناپاک اور اُن سے نفع اٹھانا اور کسی کام میں حرام[۱/۱] ہے اس موقع پر چونکہ کھانے کی چیزوں کا ذکر ہے اس لئے فقط گوشت کا حکم بتلایا گیا مگر اس پر سب کا اجماع ہے کہ خنزیر جو کہ بے غیرتی اور بے حیائی اور حرص اور رغبت الی النجاسات میں سب جانوروں میں بڑھا ہوا ہے اور اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اُس کی نسبت فَاِنَّهٗ رِجْسٌ فرمایا بلاشک نجس العین ہے نہ اس کا کوئی جزو پاک اور نہ کسی قسم کا انتفاع اُس سے جائز جو لوگ کثرت سے اُس کو کھاتے ہیں اور اس کے اجزاء سے نفع اٹھاتے ہیں اُن تک میں اوصاف مذکورہ واضح طور پر مشاہدہ ہوتے ہیں۔

(۲۴۶) **حرام ذبیحہ کی تفصیل** مَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ کا یہ مطلب ہے کہ اُن جانوروں پر اللہ کے سوا بت وغیرہ کا نام پکارا جائے یعنی اللہ کے سوا کسی بُت یا جن یا کسی روح خبیث یا پیر یا پیغمبر کے نامزد کر کے اور اس جانور کی جان اُن کی نذر کر کے اُن کے تقرب یا رضا جوئی کی نیت سے ذبح کیا جائے اور محض اُن کی خوشنودی کی غرض سے اُس کی جان نکالنی مقصود ہو کہ ان سب جانوروں کا کھانا حرام ہے گو بوقت ذبح تکبیر پڑھی ہو اور اللہ کا نام لیا ہو کیونکہ جان کو جان آفریں کے سوا کسی دوسرے کے لئے نذر و نیاز کرنا ہرگز درست نہیں اس لئے جس جانور کی جان غیر اللہ کی نذر کی جائے تو اُس کی خباثت مردار کی خباثت سے بھی بڑھ جاتی ہے کیونکہ مردار میں تو یہی خرابی تھی کہ اُس کی جان اللہ کے نام پر نہیں نکلی اور اُس کی جان تو غیر اللہ کے نامزد کر دی گئی جو عین شرک ہے سو جیسے خنزیر اور کتے پر

بوقت ذبح تکبیر کہنے سے حلت نہیں آسکتی اور مردار پر اللہ کے نام لینے سے کوئی نفع نہیں ہوسکتا ایسے ہی جس جانور کی جان غیر اللہ کی نذر اور اُن کے نامزد کردی ہو اُس پر ذبح کے وقت نام الٰہی لینے سے ہرگز ہرگز کوئی نفع اور حلت اُس میں نہیں آسکتی البتہ اگر غیر اللہ کے نامزد کرنے کے بعد اپنی نیت سے ہی توبہ اور رجوع کر کے ذبح کریگا تو اُس کے حلال ہونے میں کوئی شبہ نہیں علماء نے تصریح فرمادی ہے کہ اگر کسی بادشاہ کے آنے پر اُس کی تعظیم کی نیت سے جانور ذبح کیا جائے یا کسی جن کی اذیت سے بچنے کے لئے اُس کے نام کا جانور ذبح کیا جائے یا توپ کے چلنے اور اینٹوں کے پزاوہ کے پکنے کے لئے بطور بھینٹ جانور ذبح کیا جائے تو وہ جانور بالکل مردار اور حرام اور کرنے والا مشرک ہے اگرچہ ذبح کے وقت خدا کا نام لیا جائے۔ حدیث شریف میں آیا ہے لعن اللّٰہ من ذبح لغیر اللّٰہ یعنی جو غیر اللہ کے تقرب اور تعظیم کی نیت سے جانور کو ذبح کرے اُس پر اللہ کی لعنت ہے ذبح کے وقت اللہ کا نام پاک لے یا نہ لے البتہ اس میں کوئی حرج نہیں کہ جانور کو اللہ کے نام پر ذبح کر کے فقرا کو کھلائے اور اس کا ثواب کسی قریب یا پیر اور بزرگ کو پہنچا دے یا کسی مردہ کی طرف سے قربانی کر کے اس کا ثواب اس کو دینا چاہیئے کیونکہ یہ ذبح غیر اللہ کے لئے ہرگز نہیں بعضے اپنی کجروی سے یہ حیلہ ایسے مواقع میں بیان کرتے ہیں کہ پیروں کی نیاز وغیرہ میں ہم کو تو یہی مقصود ہوتا ہے کہ کھانا پکا کر مُردہ کے نام سے صدقہ کردیا جائے تو اول تو خوب سمجھ لیں کہ اللہ کے سامنے جھوٹے حیلوں سے بجز مضرت کوئی نفع حاصل نہیں ہوسکتا دوسرے اُن سے پوچھا جائے کہ جس جانور کی تم نے غیر خدا کے لئے نذر مانی ہے اگر اُسی قدر گوشت اُس جانور کے عوض خرید کر اور پکا کر فقیروں کو کھلا دو تو تمہارے نزدیک بے کھٹکے وہ نذر ادا ہوجاتی ہے یا نہیں اگر بلا تامل تم اس کو کرسکتے ہو اور اپنی نذر میں کسی قسم کا خلل تمہارے دل میں نہیں رہتا تو تم سچے ورنہ تم جھوٹے اور تمہارا یہ فعل شرک اور وہ جانور مردار اور حرام فائدہ یہاں یہ شبہ ہوتا ہے کہ آیت میں حکم حرمت کو اشیاء مذکورہ میں منحصر کر کے بیان فرمایا ہے جس کا مطلب یہ سمجھا جاتا ہے کہ اشیائے مذکورہ کے سوا کوئی جانور حرام نہیں حالانکہ جملہ درندے اور گدھا اور کتا وغیرہ سب کا کھانا حرام ہے۔ اس کا جواب ایک تو یہ ہے کہ اس حصر سے حکم حرمت کو اشیائے مذکورہ میں منحصر کرنا ہرگز مراد نہیں کہ کسی کو اعتراض کی گنجائش ہو بلکہ حکم حرمت کو صحت و صداقت کے ساتھ مخصوص فرما کر اس حکم کی جانب مخالف کا بطلان منظور ہے یعنی بس بات یہی ہے کہ یہ چیزیں اللہ پاک نے تم پر حرام فرمادیں اس میں دوسرا احتمال ہی نہیں یعنی ان کا حلال سمجھنا بالکل باطل اور غلط ہے دوسرا جواب یہ ہے کہ حکم حرمت کو اشیائے مذکورہ ہی میں منحصر مانا جائے مگر اس حصر کو اضافی یعنی خاص اُنہی چیزوں کے لحاظ سے تسلیم کیا جائے جن کو مشرکین نے اپنی طرف سے حرام کر لیا تھا جیسے بحیرہ اور سائبہ وغیرہ جن کا ذکر آئندہ آئیگا۔ مطلب یہ ہوا کہ ہم نے تو تم پر فقط میتہ اور خنزیر وغیرہ کو حرام کیا تھا تم جو سانڈ وغیرہ کی تحریم اور تعظیم کے قائل ہو یہ محض تمہارا افترا ہے باقی رہے درندے اور خبیث جانور اُن کے حرام ہونے میں مشرکین بھی نزاع نہ کرتے تھے۔ سو یہ حصر اُنہی جانوروں کے لحاظ سے ہے جن کو مشرکین نے خلاف حکم الٰہی اپنی طرف سے حرام ٹھہرا لیا تھا تمام جہان کے جانوروں سے اس کو کیا تعلق جو اعتراض مذکور کی نوبت آئے۔

(۲۴۷) **مضطر کا حکم** یعنی اشیائے مذکورہ حرام ہیں لیکن جب کوئی بھوک سے مرنے لگے تو اُس کو لاچاری کی حالت میں کھانے کی اجازت ہے بشرطیکہ نافرمانی اور زیادتی نہ کرے نافرمانی یہ کہ مثلاً نوبت اضطرار کی نہ پہنچے اور کھانے لگے اور زیادتی یہ کہ قدر ضرورت سے زاید خوب پیٹ بھر کر کھالے بس اتنا ہی کھائے جس سے مرے نہیں۔

(۲۴۸) یعنی اللہ پاک تو بڑا بخشنے والا ہے بندوں کے ہر قسم کے گناہوں کو بخش دیتا ہے پھر ایسے لاچار اور مضطر کی بخشش کیسے نہ فرمائیگا اور اپنے بندوں پر بڑا ہی مہربان ہے کہ مجبوری کی حالت میں صاف اجازت دیدی کہ جس طرح بن پڑے اپنی جان بچا لو اصلی حکم ممانعت کا لاچاری کی حالت میں تم پر سے اُٹھا لیا گیا ورنہ اُس مالک الملک کا حق تھا کہ فرمادیتا تمہاری جان جائے یا رہے مگر ہمارے حکم کے خلاف ہرگز

نہ کرنا۔ ایک خلجان یہاں یہ بھی ہوتا تھا کہ بھوک سے مرتے ہوئے مضطر بدحواس کو یہ اندازہ کرنا کہ اتنے لقموں سے سدرمق ہو جائیگا اور اُس سے زائد ایک لقمہ نہ کھائے محال نہیں تو دشوار تو بہت ہے اس لئے واللہ غفور رحیم فرما کر اُس میں سہولت کردی۔

(۲۴۹) **حلال و حرام میں یہودیوں کی تعریف** | یعنی اللہ نے جو کتاب آسمانی میں حلال و حرام کا حکم بھیجا یہود نے اُس کو چھپایا اور اپنی طرف سے بڑھایا گھٹایا جیسا کہ پہلی آیۃ میں مذکور ہو چکا ایسے ہی حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات جو اُس میں لکھی تھیں اُن کو بھی چھپاتے اور بدلتے تھے اور یہ دونوں سخت گناہ ہیں کیونکہ ان کا مطلب اور نتیجہ یہ ہے کہ ہدایت اور طریقہ حق کسی کو نصیب نہ ہو سب گمراہ رہیں حالانکہ حق تعالیٰ نے تو کتاب اور رسول کو ہدایت خلق کے لئے بھیجا تھا سو اُنہوں نے خدا کے بھی خلاف کیا اور خلق اللہ کو بھی جاہل اور گمراہ بنانا چاہا۔

(۲۵۰) یعنی اللہ کی نافرمانی اور خلق اللہ کی گمراہی پر بس نہیں کی بلکہ اُس حق پوشی کے عوض میں جن کو گمراہ کرتے تھے اُن سے اُلٹا رشوت میں مال بھی لیتے تھے جس کا نام ہدیہ اور نذرانہ اور شکرانہ رکھ چھوڑا تھا حالانکہ یہ حرام خوری مردار اور خنزیر کے کھانے سے بھی بدتر ہے۔ اب ظاہر ہے کہ ایسی حرکات شنیعہ کی سزا بھی سخت ہوگی جس کو آگے بتلایا جاتا ہے۔

(۲۵۱) یعنی گو ظاہر نظر میں اُن کو وہ مال لذیذ اور نفیس معلوم ہو رہا ہے مگر حقیقت میں وہ آگ ہے جس کو خوش ہو کر اپنے پیٹ میں بھر رہے ہیں جیسا طعام لذیذ میں زہر قاتل ملا ہوا ہو کر کھاتے وقت لذت معلوم ہوتی ہے اور پیٹ میں جا کر آگ لگا دے۔

(۲۵۲) **کفار سے اللہ کے کلام نہ کرنے کا مطلب** | اس میں یہ شبہ کسی کو ہو سکتا ہے کہ دیگر آیات سے تو معلوم ہوتا ہے کہ جناب باری قیامت کو اُنسے خطاب فرمائیگا سو کلام نہ کرنے کا یہ مطلب ہے کہ لطف و رحمت کے ساتھ اُن سے کلام نہ کیا جائیگا اور بطور تخویف و تذلیل و تہدید و وعید جناب باری اُن سے کلام کریگا جس سے اُن کو سخت صدمہ اور غم ہوگا یا یوں کہیے کہ بلا واسطہ اُن سے کلام نہ کیا جائیگا اور کلام کرنے کا جو ذکر ہے وہ ملائکہ عذاب کی وساطت سے ہوگا **فائدہ** لا یکلمہم اللہ کی دھمکی سے یہ امر صاف معلوم ہوتا ہے کہ ہر کسی کے دل میں محبت الٰہی خوب راسخ ہے اگر سر دست محسوس نہ ہو تو اُس کو بجھا اخگر بزیر خاکستر سمجھنا چاہیے قیامت کو جب کل موانع دور ہونگے تو اُس کا ظہور کامل ہوگا کیونکہ اگر یہ نہ ہوتا تو پھر کفار کو یہ دھمکی ایسی ہوگی کہ کوئی اپنے دشمن کو ناخوشی اور اعراض سے ڈرانے لگے جو بالکل بے سود ہے محبان جاں نثار اعراض محبوب کو دور رجانگداز سمجھتے ہیں نہ اعدا بس معلوم ہوا کہ قیامت کو ہر سینہ اللہ کی محبت سے ایسا لبریز ہوگا کہ یہ بے التفاتی عذاب دوزخ سے بھی بدرجہا زیادہ اُن کو جانکاہ معلوم ہوگی۔

(۲۵۳) **مومن اور کافر کی سزا کا فرق** | یعنی اہل ایمان گو کتنے ہی گنہگار ہوں مگر دوزخ میں زمانہ معین تک رہ کر اور گناہوں سے پاک ہو کر جنت میں داخل کر دیے جائیں گے بخلاف کفار کے کہ وہ ہمیشہ نار میں رہیں گے اور کبھی پاک ہو کر جنت میں جانے کے قابل نہ ہوں گے امور شرکیہ نے اُن کو بمنزلہ نجس العین کے بنا دیا ہے کہ نجاست اُن کی کسی طرح دور نہیں ہو سکتی اور مسلمان عاصی کا حال ایسا سمجھئے کہ پاک چیز پر نجاست واقع ہوگئی نجاست زائل ہو کر پھر پاک ہوگیا۔

(۲۵۴) واقعی اس سے زیادہ اور کیا عذاب الیم ہوگا کہ ظاہر بدن سے بڑھ کر اُن کے باطن میں بھی آگ ہوگی اور محبوب حقیقی اُنسے ناخوش ہوگا پھر اس مصیبت جانکاہ سے کبھی نجات نہ ملیگی نعوذ باللہ۔

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الضَّلَالَةَ بِالْهُدَىٰ وَالْعَذَابَ بِالْمَغْفِرَةِ ۚ فَمَا أَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ ﴿١٧٥﴾

یہی ہیں جنہوں نے خریدا گمراہی کو بدلے ہدایت کے اور عذاب بدلے بخشش کے ۲۵۵ سو کسقدر صبر کرنیوالے ہیں وہ دوزخ پر ۲۵۶

(۲۵۳) یعنی وہ لوگ بیشک اسی قابل ہیں کیونکہ انہوں نے خود سرمایہ نجات کو غارت کیا اور گمراہی کو ہدایت کے مقابلہ میں پسند اور اختیار کیا اور اسباب مغفرت کو چھوڑ کر اسباب عذاب کو منظور کیا۔

(۲۵۴) یعنی اپنی خوشی سے موجبات دخول نار کو اختیار کرتے ہیں گویا آگ اُن کو نہایت مرغوب اور محبوب ہے کہ اپنی جان و مال کے بدلے اُس کو خرید رہے ہیں ورنہ سب جانتے ہیں کہ عذاب نار پر صبر کرنا کیسا ہے۔

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ نَزَّلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ ۗ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِى الْكِتٰبِ لَفِىْ شِقَاقٍۢ بَعِيْدٍ ۱۷۶

یہ اس واسطے کہ اللہ نے نازل فرمائی کتاب سچی اور جنہوں نے اختلاف ڈالا کتاب میں وہ بیشک ضد میں دور جا پڑے ف ۲۵۵

لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ

نیکی کچھ یہی نہیں کہ کرو اپنا منہ مشرق کی طرف یا مغرب کی ف ۲۵۶ لیکن بڑی نیکی تو یہ ہے جو کوئی ایمان لائے اللہ پر اور قیامت

الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ ۚ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِى الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ

کے دن پر اور فرشتوں پر اور سب کتابوں پر اور پیغمبروں پر اور دے مال اُس کی محبت پر رشتہ داروں کو اور یتیموں کو اور محتاجوں کو

وَابْنَ السَّبِيْلِ ۙ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِى الرِّقَابِ ۚ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ ۚ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ

اور مسافروں کو اور مانگنے والوں کو اور گردنیں چھڑانے میں اور قائم رکھے نماز اور دیا کرے زکوٰۃ اور پورا کرنیوالے اپنے اقرار کو

اِذَا عٰهَدُوْا ۚ وَالصّٰبِرِيْنَ فِى الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ ۗ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ۗ

جب عہد کریں اور صبر کرنیوالے سختی میں اور تکلیف میں اور لڑائی کے وقت ف ۲۵۷ یہی لوگ ہیں سچے

وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ۱۷۷

اور یہی ہیں پرہیزگار ف ۲۵۸

(۲۵۵) یہ یعنی ضلالت کو ہدایت کے بدلے اور عذاب کو مغفرت کے بدلے خریدنے کی دلیل یا اُن پر عذابات مذکورہ سابقہ کے ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اللہ نے جو کتاب سچی نازل فرمائی انہوں نے اُس کے خلاف کیا اور طرح طرح کے اختلاف اس میں ڈالے اور خلاف اور دشمنی میں دور جا پڑے یعنی بڑا خلاف کیا یا طریقہ حق سے دور ہو گئے ایک صورت یہ بھی ہے کہ اُن کا صابر علی النار ہونا چونکہ بدیہی البطلان نظر آتا تھا۔ اس لئے لفظ ذٰلك سے اخیر تک اُس کے جواب کی طرف اشارہ فرما دیا فافہم۔

(۲۵۶) جب آیات سابقہ اپنی برائی میں سُنیں تو یہود و نصاریٰ کہنے لگے کہ ہم میں تو بہت سے اسباب و آثار ہدایت مغفرت موجود ہیں ایک کھلی بات یہی ہے کہ ہم جس قبلہ کی طرف منہ کرنے کے مامور ہیں اُس کی طرف متوجہ ہو کر نماز جو افضل عبادات ہے اُس کو اللہ کے حکم کے موافق ادا کرتے ہیں پھر ان خرابیوں اور عذاب کے ہم کیسے مستحق ہو سکتے ہیں اس خیال کی تردید میں فرمایا جاتا ہے کہ بڑی نیکی جو مغفرت و ہدایت کے لئے کافی ہو یہ نہیں کہ تم صرف اپنا منہ نماز میں مشرق یا مغرب کی طرف کر لیا کرو اور عقائد و اعمال ضروریہ کی پروا بھی نہ کرو۔

(۲۵۷) **نیکی اور بر کے جواب** | یعنی نیکی اور بھلائی جو اثر ہدایت اور سبب مغفرت ہو یہ ہے کہ اللہ اور روز قیامت اور جملہ ملائکہ اور کتب آسمانی اور انبیاء پر دل سے ایمان لائے اور اُن پر یقین کرے اور باوجود محبت اور رغبت کے اپنے مال کو علاوہ زکوٰۃ کے قریبوں اور یتیموں اور غریبوں اور مسافروں اور سائلوں کو جو کہ محتاج ہوں دے اور گردنیں چھڑانے میں یعنی مسلمان جس کو کفار نے ظلماً قید کر لیا

ہو اُس کی رہائی میں یا مقروض کو قرض خواہ سے چھڑانے میں یا غلام کو آزاد کرانے میں یا غلام مکاتب کو خلاصی دلانے میں مال دیوے اور نماز کو خوب درستی کے ساتھ پڑھے اور چاندی اور سونے اور جملہ اموال تجارت میں سے زکوٰۃ دے اور اپنے عہد و قرار کو پورا کرے اور فقر و فاقہ اور بیماری اور تکلیف اور خوف کی حالت میں صبر و استقلال سے رہے اور یہود و نصاریٰ چونکہ ان عقائد اور اعمال و اخلاق میں قاصر اور ناقص تھے اور طرح طرح سے اُن میں خلل اندازی کرتے تھے جیسا کہ آیات قرآنی میں اُس کا ذکر ہے تو اب یہود یا نصاریٰ کا صرف اپنے استقبال قبلہ پر ناز کرنا اور اپنے آپ کو طریق ہدایت پر مستقیم سمجھنا اور مستحق مغفرت کہنا بیہودہ خیال ہے تاوقتیکہ اُن اعتقادات اور اخلاق و اعمال پر قائم نہ ہونگے جو اس آیہ کریمہ میں بالتفصیل مذکور ہیں صرف استقبال قبلہ سے نہ ہدایت نصیب ہو سکتی ہے نہ عذاب الٰہی سے نجات مل سکتی ہے۔

(۲۵۸) یعنی جو لوگ اعتقادات و اخلاق و اعمال مذکورہ کے ساتھ متصف ہیں وہی لوگ سچے ہیں اعتقادات اور ایمان اور دین میں یا اپنے قول و قرار میں اور وہی لوگ پرہیز گار اور متقی ہیں اپنے اخلاق اور اعمال میں یا بچنے والے ہیں گناہ اور بُری باتوں سے یا عذاب الٰہی سے اہل کتاب کہ جن کو ان خوبیوں میں سے ایک بھی میسر نہیں اُن کا اپنی نسبت ایسا خیال کرنا کیسے درست ہو سکتا ہے۔

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ كُتِبَ عَلَيْكُمُ ٱلْقِصَاصُ فِى ٱلْقَتْلَى ۖ ٱلْحُرُّ بِٱلْحُرِّ وَٱلْعَبْدُ بِٱلْعَبْدِ وَ

اے　ایمان والو　فرض ہوا　تم پر (قصاص) برابری کرنا مقتولوں میں ف ۲۵۹　آزاد کے بدلے آزاد ف ۲۶۰　اور غلام کے بدلے غلام ف ۲۶۱　اور

ٱلْأُنثَىٰ بِٱلْأُنثَىٰ ۚ فَمَنْ عُفِىَ لَهُۥ مِنْ أَخِيهِ شَىْءٌ فَٱتِّبَاعٌۢ بِٱلْمَعْرُوفِ وَأَدَآءٌ إِلَيْهِ

عورت کے بدلے عورت ف ۲۶۲　پھر جس کو　معاف کیا جائے اُس کے بھائی کی طرف سے کچھ بھی تو تابعداری کرنی چاہیئے موافق دستور کے　اور ادا کرنا چاہیئے　اُس کو

بِإِحْسَٰنٍ ۗ ذَٰلِكَ تَخْفِيفٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ ۗ فَمَنِ ٱعْتَدَىٰ بَعْدَ ذَٰلِكَ فَلَهُۥ عَذَابٌ

خوبی کے ساتھ ف ۲۶۳　یہ　آسانی ہوئی　تمہارے رب کی طرف سے اور مہربانی ف ۲۶۴　پھر جو　زیادتی کرے　اس فیصلہ کے بعد تو اُس کے لئے ہے عذاب

أَلِيمٌ ﴿۱۷۸﴾ وَلَكُمْ فِى ٱلْقِصَاصِ حَيَوٰةٌ يَٰٓأُو۟لِى ٱلْأَلْبَٰبِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴿۱۷۹﴾

دردناک ف ۲۶۵　اور تمہارے واسطے　قصاص میں　بڑی زندگی ہے اے　عقلمندو ف ۲۶۶　تاکہ تم　بچتے رہو ف ۲۶۷

(۲۵۹) **قصاص میں برابری کا حکم** زمانہ جاہلیت میں یہود اور اہل عرب نے یہ دستور کر رکھا تھا کہ شریف النسب لوگوں کے غلام کے بدلے رذیل لوگوں کے آزاد کو اور عورت کے بدلے مرد کو اور ایک آزاد کے بدلے دو کو قصاص میں قتل کرتے تھے حق تعالیٰ نے اس آیہ میں حکم دیا کہ اے ایمان والو ہم نے تم پر مقتولین میں برابری اور مساوات کو فرض کر دیا قصاص کے معنی لغت میں برابری اور مساوات کے ہیں تم نے یہ ۱۴ یہ لغو ہے جانیں سب کی برابر ہیں غریب ہو یا امیر شریف ہو یا رذیل عالم و فاضل ہو یا جاہل جوان ہو یا بوڑھا اور بچہ تندرست ہو یا بیمار [illegible] صحیح الاعضا ہو یا اندھا لنگڑا **فائدہ** پہلی آیہ میں نیکی اور بِرّ کے اُصول مذکور تھے جن پر مدار ہدایت و مغفرت تھا اور اس طرف بھی اشارہ تھا کہ اہل کتاب ان خوبیوں سے بے بہرہ ہیں اور بالتصریح فرما دیا تھا کہ دین میں سچا اور متقی بدون ان خوبیوں کے کوئی نہیں ہو سکتا تو اب اہل اسلام کے سوا نہ اہل کتاب اس کے مصداق بن سکتے ہیں نہ جہال عرب، اس لئے اب سب سے اعراض فرما کر خاص اہل ایمان کو مخاطب بنایا جاتا ہے اور نیکی اور بِرّ کے مختلف فروع عبادات جانی و مالی اور معاملات مختلفہ اُن کو بتلاتے ہیں کہ ان فروع کو وہی کر سکتا ہے جو اُصول مذکورہ سابقہ پر پختہ ہو گویا اور لوگ اس خطاب کے قابل بھی نہ سمجھے گئے جو اُن کو سخت عار کا باعث ہونا چاہیئے اب جو احکام فروعی بالتفصیل

۱۴ دستور نکالا ہے کہ شریف اور رذیل میں امتیاز کرتے ہو۔

بیان کئے جاتے ہیں۔ در حقیقت تو اُن سے اہل ایمان کی ہدایت اور تعلیم مقصود ہے مگر ضمناً کہیں صاف کہیں تعریضاً دوسروں کی خرابی پر بھی متنبہ کیا جائے گا مثلاً کُتب علیکم القصاص فی القتلیٰ میں الحر کی طرف اشارہ ہے کہ یہود وغیرہ نے جو قصاص میں دستور کر لیا ہے یہ اُن کا ایجاد بے بنیاد خلاف حکم الٰہی ہے جس سے ظاہر ہو گیا کہ اصول فرمودہ سابقہ میں سے نہ اُن کو ایمان بالکتاب صحیح طور سے حاصل ہے نہ ایمان بالانبیاء نہ عہد خداوندی کو اُنہوں نے وفا کیا اور نہ سختی اور مصیبت کی حالت میں اُنہوں نے صبر سے کام لیا ورنہ اپنے کسی عزیز و قریب کے مقتول ہو جانے پر اس قدر بے صبری اور نفسانیت نہ کرتے کہ فرمانِ خداوندی اور ارشاد انبیاء اور حکم کتاب سب کو چھوڑ کر بے گناہوں کو قتل کرنے کا حکم دیتے۔

(۲۶۰) **قصاص کے احکام** | یہ توضیح ہے اس برابری کی جس کا حکم ہوا مطلب یہ ہے کہ ہر مرد آزاد کے قصاص میں صرف وہی ایک آزاد مرد قتل کیا جا سکتا ہے جو اُس کا قاتل ہے یہ نہیں کہ ایک کے عوض قاتل کے قبیلہ سے کیف ما اتفق دو کو یا زیادہ کو قتل کرنے لگو۔

(۲۶۱) یعنی ہر غلام کے بدلے میں وہی غلام قتل کیا جائے گا جو قاتل ہے یہ نہ ہو گا کہ کسی شریف کے غلام کے قصاص میں قاتل کو جو کہ غلام ہے اُس کو چھوڑ کر اُن رذیل لوگوں میں سے کہ جن کے غلام نے قتل کیا ہے کسی آزاد کو قتل کیا جائے۔

(۲۶۲) یعنی ہر ایک عورت کے قصاص میں صرف وہی عورت قتل کی جا سکتی ہے جس نے اُس کو قتل کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ شریف النسب عورت کے قصاص میں رذیل عورت کو چھوڑ کر جو کہ قاتلہ ہے کسی مرد کو اُن میں سے قتل کرنے لگیں۔ خلاصہ یہ ہوا کہ ہر آزاد دوسرے آزاد کے اور ہر غلام دوسرے غلام کے برابر ہے سو حکم قصاص میں مساوات چاہیئے اور تعدی جو اہل کتاب اور جہال عرب کرتے تھے ممنوع ہے **فائدہ** اب باقی رہا یہ امر کہ آزاد کسی غلام کو یا مرد کسی عورت کو قتل کر دے تو قصاص لیا جائیگا یا نہیں سو یہ آیہ کریمہ اُس سے ساکت ہے اور ائمہ کا اس میں اختلاف ہے امام ابوحنیفہ آیہ ان النفس بالنفس اور حدیث المسلمون تتکافؤ دماءھم سے اس کے قائل ہیں کہ ہر دو صورت مذکورہ میں قصاص ہو گا اور جیسے قوی اور ضعیف صحیح اور مریض معذور اور غیر معذور وغیرہ حکم قصاص میں برابر ہیں ایسے ہی آزاد اور غلام مرد اور عورت کو امام ابوحنیفہ قصاص میں برابر فرماتے ہیں بشرطیکہ غلام مقتول قاتل کا غلام نہ ہو کہ وہ حکم قصاص سے اُن کے نزدیک مستثنیٰ ہے اور اگر کوئی مسلمان کافر ذمی کو قتل کر ڈالے تو اُس پر بھی قصاص ہو گا۔ امام ابوحنیفہ کے نزدیک البتہ مسلمان اور کافر حربی میں کوئی قصاص کا قائل نہیں۔

(۲۶۳) یعنی مقتول کے وارثوں میں سے اگر بعض بھی خون کو معاف کر دیں تو اب قاتل کو قصاص میں قتل تو نہیں کر سکتے بلکہ دیکھیں گے کہ اُن وارثوں نے معاف کس طرح پر کیا ہے بلا معاوضہ مالی محض ثواب کی غرض سے معاف کیا ہے یا دیت شرعی اور بطور مصالحت کسی مقدار مال پر راضی ہو کر صرف قصاص سے دست برداری کی ہے اول صورت میں قاتل اُن وارثوں کے مطالبہ سے بالکل سبکدوش ہو جائیگا اور دوسری صورت میں قاتل کو چاہیئے کہ وہ معاوضہ اچھی طرح ممنونیت اور خوشدلی کے ساتھ ادا کرے۔

(۲۶۴) یہ اجازت کہ قتل عمد میں چاہو قصاص لو چاہو دیت لو چاہو معاف کر دو اللہ کی طرف سے سہولت اور مہربانی ہے قاتل اور وارثان مقتول دونوں پر جو پہلے لوگوں پر نہ ہوئی تھی کہ یہود پر خاص قصاص اور نصاریٰ پر دیت یا عفو مقرر تھا۔

(۲۶۵) یعنی اس تخفیف اور رحمت کے بعد بھی اگر کوئی خلاف ورزی کرے گا اور دستور جاہلیت پر چلیگا یا معافی اور دیت قبول کر لینے کے بعد قاتل کو قتل کریگا تو اُس کے لئے سخت عذاب ہے آخرت میں یا ابھی اُس کو قتل کیا جائیگا۔

(۲۶۶) **قصاص میں زندگی ہے** | یعنی حکم قصاص بظاہر نظر اگرچہ بھاری معلوم ہو لیکن عقلمند سمجھ سکتے ہیں کہ یہ حکم بڑی زندگانی کا سبب ہے کیونکہ قصاص کے خوف سے ہر کوئی کسی کو قتل کرنے سے رُکیگا تو دونوں کی جان محفوظ رہیگی اور قصاص کے سبب قاتل اور مقتول دونوں

کی جماعتیں بھی قتل سے محفوظ اور مطمئن رہیں گی عرب میں ایسا ہوتا تھا کہ قاتل اور غیر قاتل کا لحاظ نہیں کرتے تھے جو ہاتھ آجاتا مقتول کے وارث اُس کو قتل کر ڈالتے تھے اور فریقین میں اس کے باعث ایک خون کی وجہ سے ہزاروں جانیں ضائع ہونے کی نوبت آتی تھی جب خاص قاتل ہی سے قصاص لیا گیا تو یہ تمام جانیں بچ گئیں اور یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ قصاص قاتل کے حق میں باعث حیات اُخروی ہے۔

(۲۶۷) یعنی بچتے رہو قصاص کے خوف سے کسی کو قتل کرنے سے یا بچو قصاص کے سبب عذابِ آخرت سے یا اس لئے کہ تم کو حکم قصاص کی حکمت معلوم ہو گئی ہے تو اُس کی مخالفت یعنی ترک قصاص سے بچتے رہو۔

كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِنْ تَرَكَ خَيْرًا ۚ الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ

فرض کر دیا گیا تم پر جب حاضر ہو کسی کو تم میں موت بشرطیکہ چھوڑے کچھ مال وصیت کرنا ماں باپ کے واسطے

وَالْأَقْرَبِينَ بِالْمَعْرُوفِ ۖ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ ﴿١٨٠﴾ فَمَنْ بَدَّلَهُ بَعْدَ مَا سَمِعَهُ فَإِنَّمَا إِثْمُهُ

اور رشتہ داروں کے لئے انصاف کے ساتھ یہ حکم لازم ہے پرہیزگاروں پر ف ۲۶۸ پھر جو کوئی بدل ڈالے وصیت کو بعد اسکے جو سن چکا تو اُس کا گناہ

عَلَى الَّذِينَ يُبَدِّلُونَهُ ۚ إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿١٨١﴾ فَمَنْ خَافَ مِنْ مُوصٍ جَنَفًا أَوْ إِثْمًا فَأَصْلَحَ

انہی پر ہے جنہوں نے اُس کو بدلا بیشک اللہ سننے والا جاننے والا ہے ف ۲۶۹ پھر جو کوئی خوف کرے وصیت کرنیوالے سے طرفداری کا یا گناہ کا پھر اُن میں باہم

بَيْنَهُمْ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿١٨٢﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ ع ۲۲

صلح کرا دے تو اُس پر کچھ گناہ نہیں ف ۲۷۰ بیشک اللہ بڑا بخشنے والا نہایت مہربان ہے ف ۲۷۱ اے ایمان والو فرض کیا گیا تم پر روزہ

كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴿١٨٣﴾

جیسے فرض کیا گیا تھا تم سے اگلوں پر ف ۲۷۲ تاکہ تم پرہیزگار ہو جاؤ ف ۲۷۳

(۲۶۸) **وصیّت کی فرضیّت کا بیان** پہلا حکم قصاص یعنی مردہ کی جان کے متعلق تھا یہ دوسرا حکم اس کے مال کے متعلق ہے اور کلیات مذکورہ سابقہ میں جو واٰتی المال علیٰ حبّہٖ ذوی القربیٰ ارشاد ہوا تھا اُس کی تشریح ہے لوگوں میں دستور تھا کہ مردہ کا تمام مال اُسکی بیوی اور اولاد بلکہ خاص بیٹوں کو ملتا تھا ماں باپ اور سب اقارب محروم رہتے تھے اس آیۃ میں ارشاد ہوا کہ ماں باپ اور جملہ اقارب کو انصاف کے ساتھ دینا چاہیئے مرنے والے پر اسی کے موافق وصیت فرض ہوئی اور یہ وصیت اُس وقت فرض تھی جس وقت تک آیۂ میراث نہیں اُتری تھی جب سورہ نساء میں احکام میراث نازل ہوئے سب کا حصّہ خدا تعالیٰ نے آپ معین فرما دیا اب ترکہ میّت میں وصیت فرض نہ رہی اس کی حاجت ہی جاتی رہی البتہ مستحب ہے مگر وارث کے لئے وصیّت جائز نہیں اور تہائی ترکہ سے زائد نہ ہو ہاں اگر کسی شخص کے متعلق دیون اور ودائع وغیرہ داد و ستد کا جھگڑا ہو اس پر وصیت اب بھی فرض ہے۔

(۲۶۹) **وصیّت کے احکام** یعنی مردہ تو وصیت انصاف کے ساتھ مرا تھا مگر دینے والوں نے اُس کی تعمیل نہ کی تو مردہ پر کوئی گناہ نہیں وہ اپنے فرض سے سبکدوش ہوا وہی لوگ گنہگار ہونگے بیشک حق تعالیٰ سب کی باتیں سُنتا ہے اور سب کی نیتوں کو جانتا ہے۔

(۲۷۰) یعنی اگر کسی کو مردہ کی طرف سے یہ اندیشہ یا علم ہوا کہ اُس نے کسی وجہ سے غلطی کھائی اور کسی کی بیجا رعایت کی یا دیدہ و دانستہ خلاف حکم الٰہی دے گیا۔ پس اُس شخص نے اہل وصیّت اور وارثوں میں حکم شریعت کے موافق صُلح کرا دی تو اُس کو کچھ گناہ نہ ہو گا وصیّت میں یہ تغیر اور تبدل جائز اور بہتر ہے۔

(۲۷۱) یعنی حق تعالیٰ تو گنہگاروں کی بھی مغفرت فرماتا ہے تو جس نے اصلاح کی غرض سے ایک بُرائی سے سب کو ہٹایا اُس کی مغفرت تو ضرور فرمائیگا یا یوں کہو کہ بخشنے والا ہے وصیت کرنے والے کو جس نے وصیت ناجائز کی تھی مگر پھر سمجھ کر اُس وصیت سے اپنی زندگی ہی میں پھر گیا۔

(۲۷۲) **روزہ کی فرضیت اور حکمت** یہ حکم روزہ کے متعلق ہے جو ارکانِ اسلام میں داخل ہے اور نفس کے بندوں ہوا پرستوں کو نہایت ہی شاق ہوتا ہے اس لئے تاکید اور اہتمام کے الفاظ سے بیان کیا گیا اور یہ حکم حضرت آدم کے زمانہ سے اب تک برابر جاری رہا ہے گو تعیین ایام میں اختلاف ہوا اور اصول مذکورہ سابقہ میں جو صبر کا حکم تھا روزہ اُس کا ایک بڑا رکن ہے حدیث میں روزہ کو نصف صبر فرمایا ہے۔

(۲۷۳) یعنی روزہ سے نفس کو اس کی مرغوبات سے روکنے کی عادت پڑے گی تو پھر اُس کو اُن مرغوبات سے جو شرعًا حرام ہیں روک سکو گے اور روزہ سے نفس کی قوت و شہوت میں ضعف بھی آئیگا تو اب تم متقی ہو جاؤ گے بڑی حکمت روزہ میں یہی ہے کہ نفس سرکش کی اصلاح ہو اور شریعت کے احکام جو نفس کو بھاری معلوم ہوتے ہیں اُن کا کرنا سہل ہو جائے اور متقی بن جاؤ، جاننا چاہئے کہ یہود و نصاریٰ پر بھی رمضان کے روزے فرض ہوئے تھے مگر انہوں نے اپنی خواہشات کے موافق اُن میں اپنی رائے سے تغیر و تبدل کیا تو لعلکم تتقون میں اُن پر تعریض ہے معنی یہ ہونگے کہ اے مسلمانوں تم نافرمانی سے بچو یعنی مثل یہود اور نصاریٰ کے اس حکم میں خلل نہ ڈالو۔

أَيَّامًا مَّعْدُودَاتٍ ۚ فَمَن كَانَ مِنكُم مَّرِيضًا أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ ۚ وَعَلَى

چند روز ہیں گنتی کے ف ۲۷۴ پھر جو کوئی تم میں سے بیمار ہو یا مسافر تو اُس پر اُن کی گنتی ہے اور دنوں سے ف ۲۷۵ اور جن

الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِينٍ ۖ فَمَن تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَّهُ ۚ وَأَن

کو طاقت ہے روزہ کی اُنکے ذمہ بدلا ہے ایک فقیر کا کھانا ف ۲۷۶ پھر جو کوئی خوشی سے کرے نیکی تو اچھا ہے اُسکے واسطے ف ۲۷۷ اور

تَصُومُوا خَيْرٌ لَّكُمْ ۖ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿١٨٤﴾ شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ

روزہ رکھو تو بہتر ہے تمہارے لئے اگر تم سمجھ رکھتے ہو ف ۲۷۸ مہینہ رمضان کا ہے جس میں نازل ہوا قرآن

هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنَاتٍ مِّنَ الْهُدَىٰ وَالْفُرْقَانِ ۚ فَمَن شَهِدَ مِنكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ۖ

ہدایت ہے واسطے لوگوں کے اور دلیلیں روشن راہ پانے کی اور حق کو باطل سے جدا کرنے کی ف ۲۷۹ سو جو کوئی پائے تم میں سے اس مہینہ کو تو ضرور روزے رکھے اسکو ف ۲۸۰

وَمَن كَانَ مَرِيضًا أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ ۗ يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا

اور جو کوئی ہو بیمار یا مسافر تو اُس کو گنتی پوری کرنی چاہیئے اور دنوں سے ف ۲۸۱ اللہ چاہتا ہے تم پر آسانی اور نہیں

يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللَّهَ عَلَىٰ مَا هَدَاكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿١٨٥﴾

چاہتا تم پر دشواری اور اس واسطے کہ تم پوری کرو گنتی اور تاکہ بڑائی کرو اللہ کی اس بات پر کہ تم کو ہدایت کی اور تاکہ تم احسان مانو ف ۲۸۲

(۲۷۴) **روزے کے احکام** یعنی چند روز گنتی کے جو زیادہ نہیں روزہ رکھو اور اس سے رمضان کا مہینہ مراد ہے جیسا اگلی آیت میں آتا ہے

(۲۷۵) پھر اس مدت قلیل میں بھی اتنی سہولت اور فرمادی گئی کہ جو بیمار ایسا ہو کہ روزہ رکھنا دشوار ہو یا مسافر ہو تو اُس کو اختیار ہے کہ روزے نہ رکھے اور جتنے روزے کھائے اُتنے ہی رمضان کے سوا اور دنوں میں روزے رکھ لے خواہ ایک ساتھ یا متفرق کر کے۔

(۲۷۶) مطلب یہ ہے کہ جو لوگ روزہ رکھنے کی تو طاقت رکھتے ہیں مگر ابتدا میں چونکہ روزہ کی بالکل عادت نہ تھی اس لئے ایک ماہ کامل

پے درپے روزے رکھنا اُن کو نہایت شاق تھا تو اُن کے لئے یہ سہولت فرمادی گئی تھی کہ اگرچہ تم کو کوئی عذر مثل مرض یا سفر کے پیش نہ ہو مگر صرف عادت نہ ہونے کے سبب روزہ تم کو دشوار ہو تو اب تم کو اختیار ہے چاہو روزہ رکھو چاہو روزہ کا بدلا دو ایک روزہ کے بدلے ایک مسکین کو دو وقت پیٹ بھر کر کھانا کھلاؤ کیونکہ جب اُس نے ایک دن کا کھانا دوسرے کو دیدیا تو گویا اپنے نفس کو ایک روز کے کھانے سے روک لیا اور فی الجملہ روزہ کی مشابہت ہو گئی پھر جب وہ لوگ روزہ کے عادی ہو گئے تو یہ اجازت باقی نہ رہی جس کا بیان اس سے اگلی آیۃ میں آتا ہے اور بعض اکابر نے طعام مسکین سے صدقۃ الفطر بھی مراد لیا ہے معنی یہ ہونگے کہ جو لوگ فدیہ دینے کی طاقت رکھتے ہیں وہ ایک مسکین کے کھانے کی مقدار اس کو دیدیں جس کی مقدار شرع میں گیہوں کا آدھا صاع اور جو کا پورا صاع ہے تو اب یہ آیت منسوخ نہ ہوگی اور جو لوگ اب بھی یہ کہتے ہیں کہ جس کا جی چاہے روزہ رمضان میں رکھ لے اور جس کا جی چاہے فدیہ پر قناعت کرے خاص روزہ ہی ضرور رکھے یہ حکم نہیں وہ یا جاہل ہیں یا بے دین۔

(۲۷۷) یعنی اگر ایک دن کے کھانے سے زیادہ ایک مسکین کو دے یا کئی مسکینوں کا پیٹ بھر دے تو سبحان اللہ بہت ہی بہتر ہے۔

(۲۷۸) یعنی اگر تم کو روزہ کی فضیلت اور حکمت اور منافع معلوم ہوں تو جان لو کہ روزہ رکھنا فدیہ مذکورہ کے دینے سے بہتر ہے اور روزہ رکھنے میں کوتاہی نہ کرو۔

(۲۷۹) **رمضان نزولِ قرآن کا مہینہ ہے** حدیث میں آیا ہے کہ صحف ابراہیمی اور توریت اور انجیل سب کا نزول رمضان ہی میں ہوا ہے اور قرآن شریف بھی رمضان کی چوبیسویں رات میں لوح محفوظ سے اوّل آسمان پر سب ایک ساتھ بھیجا گیا پھر تھوڑا تھوڑا کر کے مناسب احوال آپ پر نازل ہوتا رہا اور ہر رمضان میں حضرت جبرئیل علیہ السلام قرآن نازل شدہ آپ کو مکرر سُنا جاتے تھے ان سب حالات سے مہینے رمضان کی فضیلت اور قرآن مجید کے ساتھ اُس کی مناسبت اور خصوصیت خوب ظاہر ہوگئی اس لئے اس مہینے میں تراویح مقرر ہوئی پس قرآن کی خدمت اسی مہینے میں خوب اہتمام سے کرنی چاہئے کہ اسی واسطے مقرر اور معیّن ہوا ہے۔

(۲۸۰) **روزے کے مسائل** یعنی جب اس ماہ مبارک کے فضائل مخصوصہ عظیمہ تم کو معلوم ہو چکے تو اب جس کسی کو یہ مہینہ ملے اُس کو روزہ ضرور رکھنا چاہئے اور بغرض سہولت ابتدا میں جو فدیہ کی اجازت برائے چندے دیگئی تھی وہ موقوف ہوگئی۔

(۲۸۱) اس حکم عام سے یہ سمجھ میں آتا تھا کہ شاید مریض اور مسافر کو بھی افطار و قضا کی اجازت باقی نہیں رہی اور جیسے روزہ کی طاقت رکھنے والوں کو اب افطار کی ممانعت کردی گئی ایسے ہی مسافر اور مریض کو بھی ممانعت ہوگئی ہو اس لئے مریض و مسافر کی نسبت پھر صاف فرما دیا کہ اُن کو رمضان میں افطار کرنے اور اور دنوں میں اُس کے قضا کر دینے کی اجازت اُسی طرح باقی ہے جیسے تھی۔

(۲۸۲) مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو اوّل رمضان میں روزہ کا حکم فرمایا اور بوجہ عُذر پھر مریض اور مسافر کو افطار کرنے کی اجازت دی اور دیگر اوقات میں اُن دنوں کی شمار کی برابر روزوں کا قضا کرنا تم پر پھر واجب فرمایا ایک ساتھ ہونے یا متفرق ہونے کی ضرورت نہیں تو اس میں اس کا لحاظ ہے کہ تم پر سہولت رہے دشواری نہ ہو اور یہ بھی منظور ہے کہ تم اپنے روزوں کی شمار پوری کر لیا کرو ثواب میں کمی نہ آجائے اور یہ بھی مدنظر ہے کہ تم اس طریقہ سراسر خیر کی ہدایت پر اپنے اللہ کی بڑائی بیان کرو اور اُس کو بزرگی سے یاد کرو اور یہ بھی مطلوب ہے کہ ان نعمتوں پر تم شکر کرو اور شکر کرنے والوں کی جماعت میں داخل ہو جاؤ سبحان اللہ روزہ جیسی مفید عبادت ہم پر واجب فرمائی اور مشقت اور تکلیف کی حالت میں سہولت بھی فرمادی اور فراغت کے وقت میں اُس کے نقصان کے جبر کا طریقہ بھی بتلادیا۔

وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ ؕ اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ ۙ فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ وَ

اور جب تجھ سے پوچھیں میرے بندے مجھ کو سو میں تو قریب ہوں قبول کرتا ہوں دعا مانگنے والے کی دعا کو جب مجھ سے دعا مانگے تو چاہئے کہ وہ حکم مانیں میرا اور

لِيُؤْمِنُوا بِي لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ ﴿۱۸۶﴾ أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلَىٰ نِسَائِكُمْ ۚ هُنَّ لِبَاسٌ

یقین لائیں مجھ پر تاکہ نیک راہ پر آئیں ف۲۸۳ حلال ہوا تم کو روزہ کی رات میں بے حجاب ہونا اپنی عورتوں سے ف۲۸۴ وہ پوشاک ہیں

لَّكُمْ وَأَنتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ ۗ عَلِمَ اللَّهُ أَنَّكُمْ كُنتُمْ تَخْتَانُونَ أَنفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنكُمْ ۖ

تمہاری اور تم پوشاک ہو اُن کی ف۲۸۵ اللہ کو معلوم ہے کہ تم خیانت کرتے تھے اپنی جانوں سے ف۲۸۶ سو معاف کیا تم کو اور درگذر کی تم سے

فَالْآنَ بَاشِرُوهُنَّ وَابْتَغُوا مَا كَتَبَ اللَّهُ لَكُمْ ۚ وَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ

پھر ملو اپنی عورتوں سے اور طلب کرو اُسکو جو لکھ دیا ہے اللہ نے تمہارے لئے ف۲۸۷ اور کھاؤ اور پیو جب تک کہ صاف نظر آئے تم کو دھاری سفید

الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ۖ ثُمَّ أَتِمُّوا الصِّيَامَ إِلَى اللَّيْلِ ۚ وَلَا تُبَاشِرُوهُنَّ

صبح کی جُدا دھاری سیاہ سے ف۲۸۸ پھر پورا کرو روزہ کو رات تک ف۲۸۹ اور نہ ملو عورتوں سے

وَأَنتُمْ عَاكِفُونَ فِي الْمَسَاجِدِ ۗ تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ فَلَا تَقْرَبُوهَا ۗ كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ آيَاتِهِ

جب تک کہ تم اعتکاف کرو مسجدوں میں ف۲۹۰ یہ حدیں باندھی ہوئی ہیں اللہ کی سو اُنکے نزدیک نہ جاؤ اسی طرح بیان فرماتا ہے اللہ اپنی آیتیں

لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ ﴿۱۸۷﴾ وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُم بَيْنَكُم بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوا بِهَا إِلَى الْحُكَّامِ

لوگوں کیواسطے تاکہ وہ بچتے رہیں ف۲۹۱ اور نہ کھاؤ مال ایک دوسرے کا آپس میں ناحق ف۲۹۲ اور نہ پہنچاؤ اُنکو حاکموں تک ۲۲ ع ۷

لِتَأْكُلُوا فَرِيقًا مِّنْ أَمْوَالِ النَّاسِ بِالْإِثْمِ وَأَنتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۱۸۸﴾ ع

کہ کھا جاؤ کوئی حصہ لوگوں کے مال میں سے ظلم کر کے (ناحق) اور تم کو معلوم ہے ف۲۹۳

(۲۸۳) **اللہ تعالیٰ بندوں سے قریب ہے** شروع میں یہ حکم تھا کہ رمضان میں اوّل شب میں کھانے پینے اور عورتوں کے پاس جانے کی اجازت تھی مگر سو رہنے کے بعد ان چیزوں کی ممانعت تھی بعض لوگوں نے اس کے خلاف کیا اور سونے کے بعد عورتوں سے قربت کی پھر آپؐ سے آکر عرض کیا اور اپنے قصور کا اقرار اور ندامت کا اظہار کیا اور توبہ کی نسبت آپ سے سوال کیا تو اس پر یہ آیت اُتری کہ تمہاری توبہ قبول کی گئی اور احکام خداوندی کی اطاعت کی تاکید فرمادی گئی اور حکم سابق منسوخ فرما کر آئندہ کو اجازت دیدی گئی کہ تمام شب رمضان میں صبح صادق سے پہلے کھانا وغیرہ تم کو حلال ہے جس کا ذکر اس کے بعد کی آیت میں آتا ہے اور آیت سابقہ میں جو بندوں پر سہولت اور عنایت کا ذکر تھا اس قرب و اجابت و اباحت سے اُس کی بھی خوب تاکید ہوگئی۔ اور ایک تعلق کی وجہ یہ بھی ہے کہ پہلی آیت میں تکبیر اور اللہ کی بڑائی بیان کرنے کا حکم تھا آپؐ سے بعض نے پوچھا کہ ہمارا رب دور ہے تو ہم اُس کو پکاریں یا نزدیک ہے تو آہستہ بات کریں۔ اس پر یہ آیت اُتری یعنی وہ قریب ہے ہر ایک بات سنتا ہے آہستہ ہو یا پکار کر اور جن موقعوں میں پکار کر تکبیر کہنے کا حکم ہے وہ دوسری وجہ سے ہے یہ نہیں کہ وہ آہستہ بات کو نہیں سُنتا۔

(۲۸۴) **رمضان کی راتوں میں مباشرت کی اجازت** رمضان کی رات میں جو نیند کے بعد کھانا پینا عورت کے پاس جانا حرام تھا اُس میں بھی سہولت کردی گئی اب تمام رات میں جب چاہو عورتوں کے ساتھ اختلاط کرو۔

(۲۸۵) لباس اور پوشاک سے غرض غایت اتصال و اختلاط ہے یعنی جس طرح بدن سے کپڑے لگے اور ملے ہوتے ہیں اسی طرح مرد اور عورت آپس میں ملتے ہیں۔

(۲۸۶) اپنے نفس کے ساتھ خیانت کرنے کا مطلب یہ ہے کہ سونے کے بعد عورتوں کے پاس جا کر بوجہ مخالفت حکم الٰہی تم اپنے آپ کو گنہگار بناتے ہو جس سے تمہارے نفس مستحق عقاب ہوتے ہیں اور اُن کے ثواب میں نقصان پڑتا ہے سو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے تم کو معاف فرمایا اور آیندہ کو اجازت فرمادی۔

(۲۸۷) **مجامعت کی غرض وغایت** یعنی لوح محفوظ میں جو اولاد تمہارے لئے اللہ نے مقدر فرمادی ہے عورتوں کی مباشرت سے وہ مطلوب ہونی چاہئے محض شہوت رانی مقصود نہ ہو اور اس میں عزل کی کراہت اور لواطت کی ممانعت کی طرف بھی اشارہ ہے۔

(۲۸۸) **روزے اور اعتکاف کے مسائل** یعنی جیسے رات بھر مجامعت کی اجازت دی گئی اُسی طرح رمضان کی رات میں تم کو کھانے اور پینے کی بھی اجازت ہے صبح صادق تک۔

(۲۸۹) یعنی طلوع صبح صادق سے رات تک روزہ کو پورا کرو اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کئی روزے متصل رکھنے اس طرح پر کہ رات کو بھی افطار کی نوبت نہ آئے مکروہ ہے۔

(۲۹۰) یعنی روزہ میں تو رات کو مباشرت کی اجازت ہے مگر اعتکاف میں رات دن کسی وقت عورت کے پاس نہ جائے۔

(۲۹۱) روزہ اور اعتکاف کے متعلق جو حکم در بارۂ حلت و حرمت مذکور ہوئے یہ قاعدے اللہ کے مقرر فرمائے ہوئے ہیں اُن سے ہرگز باہر نہ ہونا بلکہ اُن کے قریب بھی نہ جانا یا یہ مطلب ہے کہ اپنی رائے یا کسی حجت سے ان میں سرمو تفاوت نہ کرنا۔

(۲۹۲) **مالِ ناحق کی ممانعت** روزہ سے طہارت نفس مقصود تھی اب تطہیر اموال کا ارشاد ہے اور معلوم ہو گیا کہ مال حلال تو صرف روزہ میں اس کا کھانا منع ہے اور مال حرام سے روزہ مدت العمر کے لئے ہے اس کے لئے کوئی حد نہیں جیسے چوری یا خیانت یا دغا بازی یا رشوت یا زبردستی یا قمار یا بیوع ناجائزہ یا سود وغیرہ ان ذریعوں سے مال کمانا بالکل حرام اور ناجائز ہے۔

(۲۹۳) **رشوت کی ممانعت** نہ پہنچاؤ حاکموں تک یعنی کسی کے مال کی خبر نہ دو۔ ظالم حاکموں کو یا اپنا مال بطریق رشوت حاکم تک نہ پہنچاؤ کہ حاکم کو موافق بنا کر کسی کا مال کھالو یا جھوٹی گواہی دے کر یا جھوٹی قسم کھا کر یا جھوٹا دعویٰ کر کے کسی کا مال نہ کھاؤ اور تم کو .... اپنے ناحق پر ہونے کا علم بھی ہو۔

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ ۭ قُلْ هِىَ مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ ۭ وَلَيْسَ الْبِرُّ بِاَنْ تَاْتُوا الْبُيُوْتَ

تجھ سے پوچھتے ہیں حال نئے چاند کا ف۲۹۴ کہہ دے کہ یہ اوقات مقررہ ہیں لوگوں کے واسطے اور حج کے واسطے ف۲۹۵ اور نیکی یہ نہیں کہ گھروں میں آؤ

مِنْ ظُهُوْرِهَا وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقٰى ۚ وَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ اَبْوَابِهَا ۠ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ

اُنکی پشت کی طرف سے اور لیکن نیکی یہ ہے کہ جو کوئی ڈرے اللہ سے اور گھروں میں آؤ دروازوں سے اور اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تم اپنی

تُفْلِحُوْنَ ﴿۱۸۹﴾ وَقَاتِلُوْا فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ

مراد کو پہنچو ف۲۹۶ اور لڑو اللہ کی راہ میں اُن لوگوں سے جو لڑتے ہیں تم سے ف۲۹۷ اور کسی پر زیادتی مت کرو ف۲۹۸ بیشک اللہ تعالیٰ ناپسند کرتا ہے

الْمُعْتَدِيْنَ ﴿۱۹۰﴾ وَاقْتُلُوْھُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْھُمْ وَاَخْرِجُوْھُمْ مِّنْ حَيْثُ اَخْرَجُوْكُمْ وَالْفِتْنَةُ

زیادتی کرنیوالوں کو اور مار ڈالو اُن کو جس جگہ پاؤ اور نکال دو اُن کو جہاں سے اُنہوں نے تم کو نکالا ف۲۹۹ اور دین سے بچلانا

اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ ۚ وَلَا تُقٰتِلُوْھُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتّٰى يُقٰتِلُوْكُمْ فِيْهِ ۚ فَاِنْ قٰتَلُوْكُمْ

مار ڈالنے سے بھی زیادہ سخت ہے ف۳۰۰ اور نہ لڑو اُن سے مسجد الحرام کے پاس جب تک کہ وہ نہ لڑیں تم سے اُس جگہ پھر اگر وہ خود ہی لڑیں

فَاقْتُلُوْهُمْ ۭ كَذٰلِكَ جَزَاۗءُ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۹۱﴾ فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۹۲﴾ وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا

تم سے تو اُن کو مارو یہی ہے سزا کافروں کی ف ۳۰۱ پھر اگر وہ باز آئیں تو بیشک اللہ بہت بخشنے والا نہایت مہربان ہے ف ۳۰۲ اور لڑو اُن سے یہاں تک کہ نہ

تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ ۭ فَاِنِ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَي الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۹۳﴾ اَلشَّهْرُ

باقی رہے فساد اور حکم رہے خدا تعالیٰ ہی کا پھر اگر وہ باز آئیں تو کسی پر زیادتی نہیں مگر ظالموں پر ف ۳۰۳ حرمت والا

الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ وَالْحُرُمٰتُ قِصَاصٌ ۭ فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا

مہینہ بدلا (مقابل) ہے حرمت والے مہینے کا اور ادب رکھنے میں بدلا ہے پھر جس نے تم پر زیادتی کی تم اُس پر زیادتی کرو جیسی اُس

اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ ۠ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۹۴﴾ وَاَنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا

نے زیادتی کی تم پر اور ڈرتے رہو اللہ سے اور جان لو کہ اللہ ساتھ ہے پرہیزگاروں کے ف ۳۰۴ اور خرچ کرو اللہ کی راہ میں اور نہ

تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ ڔ وَاَحْسِنُوْا ڔ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۹۵﴾

ڈالو اپنی جان کو ہلاکت میں ف ۳۰۵ اور نیکی کرو بیشک اللہ دوست رکھتا ہے نیکی کرنیوالوں کو

مع — عند المتقدمین ۱۲

(۲۹۴) **رویت ہلال کی اہمیت** آفتاب ہمیشہ ایک صورت ایک حالت پر رہتا ہے اور چاند کی صورت بدلتی اور اُس کی مقدار بڑھتی گھٹتی رہتی ہے اس لئے لوگوں نے چاند کے کم زیادہ ہونے کی وجہ آپ سے پوچھی اُس پر یہ آیت نازل ہوئی پہلی آیات میں شہر رمضان اور روزہ کا ذکر تھا اس آیت میں ہلال کا ذکر ہے اور روزہ اور رویت ہلال میں تعلق ظاہر ہے کہ ایک دوسرے پر موقوف ہے اور آگے چل کر حج اور اُس کے احکام کا ذکر ہے ذکر ہلال اس کے بھی مناسب ہے۔

(۲۹۵) **ایام حج** یعنی اُن سے کہہ دو کہ چاند کا اس طرح پر نکلنا اس سے لوگوں کے معاملات اور عبادات مثل قرض اجارہ عدت مدت حمل رضاعت روزہ زکوٰۃ وغیرہ کے اوقات ہر ایک کو بے تکلف معلوم ہو جاتے ہیں بالخصوص حج کہ روزہ وغیرہ کی قضا تو اُن کے غیر ایام میں ہوتی ہے حج کی تو قضا بھی ایام مقررہ حج کے سوا دوسرے ایام میں نہیں کر سکتے اور حج کے خاص بیان فرمانے کی یہ بھی وجہ ہے کہ ذیقعدہ ذی الحجہ محرم رجب یہ چار مہینے اشہر حرام تھے ان میں لڑائی کرنا کسی کو قتل کرنا حرام تھا اہل عرب کو اگر ان مہینوں میں لڑائی پیش آتی تو مہینوں کو مقدم مؤخر کر کے لڑائی کرتے مثلاً ذی الحجہ یا محرم میں لڑائی پیش آتی تو اس کو تو صفر بنا لیتے اور جب صفر آتا تو اُس کو ذی الحجہ یا محرم ٹھہرا لیتے انکے اس خیال کے ابطال کی غرض سے یہاں حج کی تصریح فرمائی کہ جو ایام حج کے لئے اللہ نے مقرر فرمائے اُن میں تقدم تاخر ہرگز جائز نہیں اب یہاں سے حج کے متعلقات اور اُس کے احکام دور تک ذکر ہونگے۔

(۲۹۶) **گھروں میں داخل ہونے کا حکم** زمانہ جاہلیت کا ایک دستور یہ بھی تھا کہ جب گھر سے نکل کر حج کا احرام باندھتے پھر کوئی ضرورت گھر میں جانے کی پیش آتی تو دروازہ سے نہ جاتے چھت پر چڑھ کر گھر کے اندر اُترتے یا گھر کی پشت کی جانب نقب دے کر گھستے اور اس کو نیکی کی بات سمجھتے اللہ نے اُس کو غلط فرما دیا فائدہ پہلے جملہ میں حج کا ذکر تھا اور یہ حکم بھی حج کے متعلق تھا اس مناسبت سے اس حکم کو یہاں بیان فرمایا اور بعض حضرات فرماتے ہیں کہ ظاہر یہ ہے کہ آیت میں اھلّہ سے مراد اشہر حج یعنی شوال اور ذیقعد اور دس راتیں ذی الحجہ کی ہیں کہ احرام حج ان میں ہونا چاہیئے لوگوں نے آپؐ سے پوچھا کہ حج کے یہی ایام ہیں یا اور ایام میں بھی حج ہو سکتا ہے اللہ نے جواب دیا کہ حج کے لئے اشہر حج مقرر اور معین ہیں اور اسی کی مناسبت سے احرام کے اندر گھر میں جانے کی کیفیت ذکر فرما دی اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اپنی طرف سے کسی جائز اور مباح امر کو نیکی بنا لینا اور دین میں داخل کر لینا مذموم اور ممنوع ہے جس سے بہت سی باتوں کا

بدعت اور مذموم ہونا معلوم ہو گیا۔

(۲۹۷) **حرم میں قتال کا حکم** حضرت ابراہیم علیہ السّلام کے وقت سے مکہ دارالامن تھا، کوئی اپنے دشمن کو بھی مکہ میں پاتا تو کچھ نہ کہتا اور اشہر حرام یعنی ذی القعدہ اور ذی الحجہ اور محرم اور رجب یہ چاروں مہینے بھی امن کے تھے ان میں تمام ملک عرب میں لڑائی موقوف ہو جاتی اور کوئی کسی کو کچھ نہ کہتا ذی القعدہ ۶ھ ہجری میں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم جماعت صحابہ کے ہمراہ عمرہ کے قصد سے مکہ کی زیارت کو تشریف لائے جب آپ مکہ کے نزدیک پہنچے تو مشرکین جمع ہو کر لڑنے کو تیار ہو گئے اور مسلمانوں کو روک دیا آخر کو اس پر صلح ہوئی کہ اب تو بدون زیارت واپس ہو جائیں اور اگلے برس آن کر عمرہ کریں اور تین روز اطمینان سے مکہ میں رہیں جب دوسرے برس ذی القعدہ ۷ھ ہجری میں آپ نے مکہ کا قصد فرمایا تو آپ کے اصحاب کو یہ اندیشہ تھا کہ اہل مکہ اگر اب بھی وعدہ خلافی کر کے لڑنے بھڑنے کو تیار ہو گئے تو پھر ہم کیا کریں گے لڑیں تو شہر حرام اور حرم مکہ میں کیونکر لڑیں اور نہ لڑیں تو عمرہ کیسے کریں اس پر حکم الٰہی آیا کہ اگر وہ اس مہینہ حرام میں خلاف عہد تم سے لڑیں تو تم بھی بے تامل اُن سے لڑو ہاں تمہاری طرف سے ابتداء اور زیادتی نہ ہونی چاہئے۔ حج کے ذیل میں عمرہ حدیبیہ کی مناسبت سے قتال کفار کا ذکر آیا اس لئے جہاد کے بعض احکام وآداب مناسب مقام مذکور فرمائے جاتے ہیں اس کے بعد پھر حج کے احکام بیان ہوں گے۔

(۲۹۸) زیادتی مت کرو اس کے معنی یہ کہ لڑائی میں لڑکے اور عورتیں اور بوڑھے قصداً نہ مارے جائیں اور حرم کے اندر اپنی طرف سے لڑائی شروع نہ کی جائے۔

(۲۹۹) جس جگہ پاؤ یعنی حرم میں ہوں خواہ غیر حرم میں جہاں سے تم کو نکالا یعنی مکہ سے۔

(۳۰۰) **فتنہ پھیلانا قتل سے بڑا گناہ ہے** یعنی دین سے پھر جانا یا دوسرے کو پھرانا مہینہ حرام کے اندر مار ڈالنے سے بہت بڑا گناہ ہے مطلب یہ کہ حرم مکہ میں کفار کا شرک کرنا اور کرانا زیادہ قبیح ہے حرم میں مقاتلہ کرنے سے تو اب اے مسلمانوں تم کچھ اندیشہ نہ کرو اور جواب ترکی بہ ترکی دو۔

(۳۰۱) یعنی مکہ ضرور جائے امن ہے لیکن جب اُنہوں نے ابتداء کی اور تم پر ظلم کیا اور ایمان لانے پر دشمنی کرنے لگے کہ یہ بات مار ڈالنے سے بھی سخت ہے تو اب اُن کو امان نہ رہی جہاں پاؤ مارو آخر جب مکہ فتح ہوا تو آپ نے یہی فرما دیا کہ جو ہتھیار سامنے کرے اُسی کو مارو اور باقی سب کو امن دیا۔

(۳۰۲) یعنی باوجود ان سب باتوں کے اگر اب بھی مسلمان ہوں اور شرک سے باز آئیں تو توبہ قبول ہے۔

(۳۰۳) یعنی کافروں سے لڑائی اسی واسطے ہے کہ ظلم موقوف ہو اور کسی کو دین سے گمراہ نہ کر سکیں اور خاص اللہ ہی کا حکم جاری رہے سو وہ جب شرک سے باز آجائیں تو زیادتی سوائے ظالموں کے اور کسی پر نہیں یعنی جو بدی سے باز آگئے وہ اب ظالم نہ رہے تو اب اُن پر زیادتی بھی مت کرو ہاں جو فتنہ سے باز نہ رہیں اُن کو شوق سے قتل کرو۔

(۳۰۴) حرمت کا مہینہ یعنی ذیقعدہ کہ جس میں عمرہ کی قضا کرنے جا رہے ہو بدلا ہے اُس حرمت کے مہینہ یعنی ذیقعدہ کا کہ سال گذشتہ میں اُسی مہینہ کے اندر کفار مکہ نے تم کو عمرہ سے روک دیا تھا اور مکہ میں جانے نہ دیا تھا یعنی اب تم شوق سے اُن سے بدلا لو کیونکہ ادب اور حرمت رکھنے میں تو برابری ہے یعنی اگر کوئی کافر ماہ حرام کی حرمت کرے اور اس مہینہ میں تم سے نہ لڑے تو تم بھی ایسا ہی کرو مکہ والے جو سال گذشتہ میں تم پر ظلم کر چکے اور نہ ماہ حرام کی حرمت کی نہ حرم مکہ کی نہ تمہارے احرام کا لحاظ کیا اور تم نے اس پر بھی صبر کیا اگر اس دفعہ بھی سب حرمتوں سے قطع نظر کر کے آمادۂ جنگ ہوں تو تم بھی کسی حرمت کا خیال مت کرو بلکہ اگلی پچھلی سب کسر مٹالو مگر جو کرو خدا سے ڈر کر کرو

اُس کی خلافِ اجازت ہرگز نہ ہو اور اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں کا بیشک ناصر و مددگار ہے۔

(۳۰۵) مطلب یہ ہے کہ اللہ کی اطاعت میں یعنی جہاد وغیرہ میں اپنے مال کو صرف کرو اور اپنی جان کو ہلاکت میں ڈالو یعنی جہاد کو چھوڑ بیٹھو یا اپنے مال کو جہاد میں صرف نہ کرو کہ اس سے تم ضعیف اور دشمن قوی ہوگا۔

وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ ؕ فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۚ وَلَا تَحْلِقُوْا رُءُوْسَكُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ

اور پورا کرو حج اور عمرہ اللہ کے واسطے ف۳۰۶ پھر اگر تم روک دیے جاؤ تو تم پر ہے جو کچھ کہ میسر ہو قربانی سے اور حجامت نہ کرو اپنے سروں کی جب تک پہنچ نہ چکے

الْهَدْيُ مَحِلَّهٗ ؕ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ بِهٖۤ اَذًى مِّنْ رَّاْسِهٖ فَفِدْيَةٌ مِّنْ صِيَامٍ اَوْ صَدَقَةٍ اَوْ

قربانی اپنے ٹھکانے پر ف۳۰۷ پھر جو کوئی تم میں سے بیمار ہو یا اُس کو تکلیف ہو سر کی تو بدلا دیوے روزے یا خیرات یا

نُسُكٍ ۚ فَاِذَآ اَمِنْتُمْ ۫ فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ اِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۚ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ

قربانی ف۳۰۸ پھر جب تمہاری خاطر جمع ہو تو جو کوئی فائدہ اٹھائے عمرہ کو ملا کر حج کے ساتھ تو اس پر ہے جو کچھ میسر ہو قربانی سے ف۳۰۹ پھر جس کو قربانی نہ ملے

فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ فِى الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ اِذَا رَجَعْتُمْ ؕ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ ؕ ذٰلِكَ لِمَنْ لَّمْ يَكُنْ

تو روزے رکھے تین حج کے دنوں میں اور سات روزے جب لوٹو یہ دس روزے ہوئے پورے ف۳۱۰ یہ حکم اُس کے لئے ہے جس کے گھر والے نہ

اَهْلُهٗ حَاضِرِى الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۱۹۶﴾ اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ

رہتے ہوں مسجد الحرام کے پاس ف۳۱۱ اور ڈرتے رہو اللہ سے اور جان لو کہ بیشک اللہ کا عذاب سخت ہے حج کے چند مہینے ہیں

مَّعْلُوْمٰتٌ ۚ فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ وَلَا جِدَالَ فِى الْحَجِّ ؕ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ

معلوم ف۳۱۲ پھر جس نے لازم کرلیا اُن میں حج تو بے حجاب ہونا جائز نہیں عورت سے اور نہ گناہ کرنا اور نہ جھگڑا کرنا حج کے زمانہ میں اور جو کچھ تم کرتے ہو نیکی

خَيْرٍ يَّعْلَمْهُ اللّٰهُ ؕ وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى ۚ وَاتَّقُوْنِ يٰٓاُولِى الْاَلْبَابِ ﴿۱۹۷﴾

اللہ اُس کو جانتا ہے ف۳۱۳ اور زادِ راہ لے لیا کرو کہ بیشک بہتر فائدہ زادِ راہ کا بچنا ہے سوال سے اور مجھ سے ڈرتے رہو اے عقلمندو ف۳۱۴

(۳۰۶) حج کے ضمن میں جہاد کا ذکر جو مناسب تھا اُس کو بیان فرما کر اب احکام حج و عمرہ بتلائے جاتے ہیں۔

(۳۰۷) **حج اور عمرے کے احکام** مطلب یہ ہے کہ جب کسی نے حج یا عمرہ شروع کیا یعنی اس کا احرام باندھا تو اُس کا پورا کرنا لازم ہو گیا نکل جائے یہ نہیں ہو سکتا لیکن اگر کوئی دشمن یا مرض کی وجہ سے بیچ ہی میں رک گیا اور حج و عمرہ نہیں کر سکتا تو اس کے ذمہ پر ہے قربانی جو اُس کو میسر آئے جس کا ادنیٰ مرتبہ ایک بکری ہے اس قربانی کو کسی کے ہاتھ مکہ کو بھیجے اور یہ مقرر کر دے کہ فلاں روز اس کو حرم مکہ میں پہنچ کر ذبح کر دینا اور جب اطمینان ہو جائے کہ اب اپنے ٹھکانے یعنی حرم میں پہنچ کر اس کی قربانی ہو چکی ہوگی اس وقت سر کی حجامت کرا دے اس سے پہلے ہرگز نہ کرائے اس کو دم احصار کہتے ہیں کہ حج یا عمرہ سے رُکنے کی وجہ سے لازم ہوتا ہے۔

(۳۰۸) **احرام کے مسائل** یعنی اگر حالت احرام میں کوئی بیمار ہو یا اس کے سر میں درد یا زخم ہو تو اُس کو بضرورت حالت احرام میں حجامت کرنا سر کا جائز ہے مگر بدلا دینا پڑے گا تین روزے یا چھ محتاجوں کو کھانا کھلانا یا ایک دنبہ یا بکرے کی قربانی کرنا۔ یہ دم جنایت ہے کہ حالت احرام میں بضرورت مرض لاچار ہو کر امور مخالف احرام کرنے پڑے۔

وقف النبی صلی اللہ علیہ وسلم

(۳۰۹) یعنی جو محرم کہ دشمن کی طرف سے اور مرض سے مطمئن ہو خواہ اُس کو کسی قسم کا اندیشہ پیش ہی نہ آیا یا دشمن کا خوف یا بیماری کا کھٹکا پیش تو آیا مگر جلد زائل ہو گیا احرام حج وعمرہ میں اُس سے خلل نہ آنے پایا تو اس کو دیکھنا چاہیئے کہ اُس نے حج اور عمرہ دونوں ادا کئے یعنی قِران یا تمتع کیا افراد نہیں کیا تو اُن پر قربانی ایک بکرا یا ساتواں حصہ اُونٹ یا گائے کا لازم ہے اس کو دم قران اور دم تمتع کہتے ہیں امام ابو حنیفہ اس کو دم شکر کہتے ہیں اور اُس کو اس میں سے کھانے کی اجازت دیتے ہیں اور امام شافعی اس کو دم جبر کہتے ہیں اور قربانی کرنے والے کو اُس میں سے کھانے کی اجازت بھی نہیں دیتے۔

(۳۱۰) یعنی جس نے قران یا تمتع کیا اور اُس کو قربانی میسر نہ ہوئی تو اُس کو چاہیئے کہ تین روزے رکھے حج کے دنوں میں جو کہ یوم عرفہ یعنی نویں ذی الحجہ پر ختم ہوتے ہیں اور سات روزے رکھے جب کہ حج سے بالکل فارغ ہو جائے دونوں کا مجموعہ دس روزے ہو گیا۔

(۳۱۱) یعنی قران و تمتّع اسی کے لئے ہے جو مسجد حرام یعنی حرم مکہ کے اندر یا اس کے قریب نہ رہتا ہو بلکہ حِل یعنی خارج از میقات کا رہنے والا ہو اور جو حرم مکہ کے رہنے والے ہیں وہ صرف اِفراد کریں۔

(۳۱۲) **اشہُر حج** شوال کے غُرّہ سے لے کر بقر عید کی صبح یعنی ذی الحجہ کی دسویں رات تک ان کا نام اَشہُرِ حج ہے اس لئے کہ احرام حج ان کے اندر ہوتا ہے۔ اگر اس سے پہلے کوئی احرام حج کا باندھے گا تو وہ ناجائز یا مکروہ ہو گا۔ یعنی حج کے لئے چند مہینے مقرر ہیں اور سب کو معلوم ہیں مشرکین عرب جو اپنی ضرورت میں اُن میں تغیر تبدل کرتے تھے جس کو دوسری آیت میں انما النسئ زیادۃ فی الکفر فرمایا گیا ہے یہ بالکل بے اصل اور باطل ہے۔

(۳۱۳) **زاد راہ لینا بہتر ہے** حج لازم کیا یعنی احرام حج کا باندھا اس طرح پر کہ دل سے نیت کی اور زبان سے تلبیہ پڑھا۔

(۳۱۴) ایک غلط دستور کفر میں یہ بھی تھا کہ بغیر زاد راہ خالی ہاتھ حج کو جانا ثواب سمجھتے اور اس کو توکل کہتے اور وہاں جا کر ہر ایک سے مانگتے پھرتے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جن کو مقدور ہو وہ خرچ ہمراہ لے کر جائیں تاکہ خود تو سوال سے بچیں اور لوگوں کو حیران نہ کریں۔

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ ۭ فَاِذَآ اَفَضْتُمْ مِّنْ عَرَفٰتٍ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ عِنْدَ
کچھ گناہ نہیں تم پر کہ تلاش کرو فضل اپنے رب کا ف۳۱۵ پھر جب طواف کے لئے لوٹو عرفات سے تو یاد کرو اللہ کو نزدیک
الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ ۠ وَاذْكُرُوْهُ كَمَا هَدٰىكُمْ ۚ وَاِنْ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الضَّاۗلِّيْنَ (۱۹۸) ثُمَّ اَفِيْضُوْا مِنْ
مشعر الحرام کے ف۳۱۶ اور اس کو یاد کرو جس طرح تم کو سکھلایا اور بیشک تم تھے اس سے پہلے ناواقف ف۳۱۷ پھر طواف کے لئے پھرو
حَيْثُ اَفَاضَ النَّاسُ وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (۱۹۹) فَاِذَا قَضَيْتُمْ مَّنَاسِكَكُمْ
جہاں سے سب لوگ پھریں اور مغفرت چاہو اللہ سے بیشک اللہ تعالیٰ بخشنے والا ہے مہربان ف۳۱۸ پھر جب پورے کر چکو اپنے حج کے کام کو
فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَاۗءَكُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا ۭ فَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا وَمَا لَهٗ
تو یاد کرو اللہ کو جیسے تم یاد کرتے تھے اپنے باپ دادوں کو بلکہ اُس سے بھی زیادہ یاد کرو ف۳۱۹ پھر کوئی آدمی تو کہتا ہے اے رب ہمارے دے ہم کو دنیا میں اور اُس کے
فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ (۲۰۰) وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَـنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَـنَةً
لئے آخرت میں کچھ حصہ نہیں اور کوئی اُن میں کہتا ہے اے رب ہمارے دے ہم کو دنیا میں خوبی اور آخرت میں خوبی
وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ (۲۰۱) النصف اُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّمَّا كَسَبُوْا ۭ وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ (۲۰۲)
اور بچا ہم کو دوزخ کے عذاب سے انہی لوگوں کے واسطے حصہ ہے اپنی کمائی سے ف۳۲۰ اور اللہ جلد حساب لینے والا ہے ف۳۲۱

(۳۱۵) **حج میں تجارت کی اجازت** حج کے سفر میں اگر سوداگری بھی کرو تو گناہ نہیں بلکہ مباح ہے لوگوں کو اس میں شبہ ہوا تھا کہ شاید تجارت کرنے سے حج میں نقصان آئے اب جس کو مقصود اصلی حج ہو اور اس کے ذیل میں تجارت بھی کرلے تو اس کے ثواب میں سے نقصان نہ آئے گا۔

(۳۱۶) **مزدلفہ میں قیام کا حکم** مشعر الحرام ایک پہاڑ کا نام ہے جو مزدلفہ میں واقع ہے جس پر امام وقوف کرتا ہے اُس پہاڑ پر قیام کرنا افضل ہے اور تمام مزدلفہ میں جہاں قیام کرے جائز ہے سوا وادی محسر کے۔

(۳۱۷) یعنی کفار بھی اللہ کا ذکر تو کرتے تھے مگر شرک کے ساتھ وہ ذکر نہ چاہیئے بلکہ توحید کے ساتھ جس کی تم کو ہدایت فرمائی۔

(۳۱۸) **عرفات میں واپس آنے کا حکم** زمانہ کفر کی ایک غلطی یہ بھی تھی کہ مکہ کے لوگ عرفات تک نہ جاتے کہ عرفات حرم سے باہر ہے بلکہ حرم کی حد یعنی مزدلفہ میں ٹھہر جاتے اور قریش مکہ کے سوا اور سب عرفات تک پہنچتے اور پھر وہاں سے طواف کے لئے مکہ کو واپس آتے سو اس لئے فرما دیا کہ جہاں سے سب لوگ طواف کو آئیں تم بھی وہیں سے جا کر لوٹو یعنی عرفات سے اور اگلی تقصیر پر نادم ہو۔

(۳۱۹) **منیٰ میں ذکر اللہ کا اہتمام** یعنی دسویں ذی الحجہ کو جب افعال حج رمی جمرہ اور ذبح قربانی اور سر منڈانے اور طواف کعبہ اور سعی صفا مروہ سے فراغت پاچکو تو زمانہ قیام منیٰ میں اللہ کا ذکر کرو جیسے کفر کے زمانہ میں اپنے باپ دادوں کا ذکر کیا کرتے تھے بلکہ اس سے بھی زیادہ ذکر کرنا چاہیئے۔ اُن کا قدیم دستور تھا کہ حج سے فارغ ہو کر منیٰ میں تین روز قیام کرتے اور بازار لگاتے اور اپنے باپ دادا کی بڑائی اور فضائل بیان کیا کرتے سو اللہ تعالیٰ نے اس سے روکا اور فرمایا کہ ان دنوں میں خدا تعالیٰ کی بڑائی بیان کرو۔

(۳۲۰) **دعاء مانگنے کے آداب** پہلے یہ فرمایا تھا کہ اللہ کا ذکر کرو اوروں کا مت کرو اب یہ بتلایا جاتا ہے کہ اللہ کا ذکر کرنے والے اور اُس سے دعا مانگنے والے بھی دو قسم کے ہیں ایک وہ کہ جن کا مطلوب صرف دنیا ہے اُن کی دعا یہی ہے کہ ہم کو جو کچھ دولت عزت وغیرہ دی جائے دنیا ہی میں دیدی جائے سو یہ لوگ تو آخرت کی نعمتوں سے بے بہرہ ہیں دوسرے وہ کہ طالب آخرت ہیں جو دنیا کی خوبی یعنی توفیق بندگی وغیرہ اور آخرت کی خوبی یعنی ثواب اور رحمت وجنت دونوں کو طلب کرتے ہیں سو ایسوں کو آخرت میں اُن کے حج اور دعا جملہ حسنات سے پورا حصہ ملیگا۔

(۳۲۱) یعنی قیامت کو سب سے ایک دم میں حساب لیگا یا یوں کہو کہ قیامت کو دور نہ سمجھو بلکہ جلد آنے والی ہے اُس سے کسی طرح بچاؤ ممکن نہیں اُس کی فکر سے غافل مت ہو۔

وَاذْكُرُوا اللّٰهَ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ ۭ فَمَنْ تَعَجَّلَ فِيْ يَوْمَيْنِ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۚ وَمَنْ تَاَخَّرَ فَلَآ

اور یاد کرو اللہ کو گنتی کے چند دنوں میں ف۳۲۲ پھر جو کوئی جلد چلا گیا دو ہی دن میں تو اس پر گناہ نہیں اور جو کوئی رہ گیا تو اس پر

اِثْمَ عَلَيْهِ ۙ لِمَنِ اتَّقٰى ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ۝ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ

بھی گناہ نہیں جو کہ ڈرتا ہے ف۳۲۳ اور ڈرتے رہو اللہ سے اور جان لو بیشک تم سب اُسی کے پاس جمع ہو گے ف۳۲۴ اور بعضا آدمی وہ ہے کہ پسند آتی ہے تجھ کو

قَوْلُهٗ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيُشْهِدُ اللّٰهَ عَلٰي مَا فِيْ قَلْبِهٖ ۙ وَهُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ ۝ وَاِذَا تَوَلّٰى سَعٰى

اُس کی بات دنیا کی زندگانی کے کاموں میں اور گواہ کرتا ہے اللہ کو اپنے دل کی بات پر اور وہ سخت جھگڑالو ہے اور جب پھرے تیرے پاس سے تو

فِي الْاَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيْهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ ۭ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ ۝

دوڑتا پھرے ملک میں تاکہ اُس میں خرابی ڈالے اور تباہ کرے کھیتیاں اور جانیں اور اللہ ناپسند کرتا ہے فساد کو۔

(۳۲۲) ایام معدودات سے مراد ذی الحجہ کی گیارہویں بارہویں تیرہویں تاریخیں ہیں جن میں حج سے فارغ ہو کر منیٰ میں قیام کا حکم ہے ان دنوں میں رمی جمار یعنی کنکریوں کے مارنے کے وقت اور ہر نماز کے بعد تکبیر کہنے کا حکم ہے اور دیگر اوقات میں بھی ان دنوں میں چاہئے کہ تکبیر اور ذکر الٰہی کثرت سے کرے۔

(۳۲۳) **منیٰ میں قیام کی مدت** یعنی گناہ تو یہ ہے کہ ممنوعات شرعیہ سے پرہیز نہ کرے اور جو کوئی اللہ سے ڈرے اور زمانہ حج میں پرہیزگاری کرے تو پھر اس بات میں کچھ گناہ نہیں کہ منیٰ میں دو دن قیام کیا یا تین دن کہ اللہ نے دونوں باتیں جائز رکھیں گو افضل یہی ہے کہ تین روز قیام کرے۔

(۳۲۴) یعنی حج کی خصوصیت نہیں بلکہ خدا تعالیٰ سے ہر کام میں اور ہر وقت ڈرتے رہو کہ تم سب کو قبروں سے اٹھ کر اُس کے پاس جمع ہونا ہے حساب دینے کو اب حج کا ذکر تو تمام ہو چکا مگر حج کے ذیل میں جو لوگوں کی دو قسموں کا ذکر آگیا تھا فمن الناس من یقول اور ومنھم من یقول یعنی کافر اور مومن کا تو اب اُس کی مناسبت سے تیسری قسم یعنی منافق کا حال بھی بیان کیا جاتا ہے۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ فَحَسْبُهٗ جَهَنَّمُ ؕ وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۲۰۶﴾ وَمِنَ

اور جب اُس سے کہا جائے کہ اللہ سے ڈر تو آمادہ کرے اُس کو غرور گناہ پر سو کافی ہے اُس کو دوزخ اور وہ بیشک بُرا ٹھکانا ہے ف۳۲۵ اور لوگوں

النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿۲۰۷﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ

میں ایک شخص وہ ہے کہ بیچتا ہے اپنی جان کو اللہ کی رضا جوئی میں ف۳۲۶ اور اللہ نہایت مہربان ہے اپنے بندوں پر ف۳۲۷ اے ایمان

اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً ۪ وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۲۰۸﴾

والو داخل ہو جاؤ اسلام میں پورے ف۳۲۸ اور مت چلو قدموں پر شیطان کے بیشک وہ تمہارا صریح دشمن ہے ف۳۲۹

فَاِنْ زَلَلْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْكُمُ الْبَيِّنٰتُ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۰۹﴾ هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ

پھر اگر تم بچلنے لگو بعد اس کے کہ پہنچ چکے تم کو صاف حکم تو جان رکھو کہ بیشک اللہ زبردست ہے حکمت والا ف۳۳۰ کیا وہ اسی کی راہ دیکھتے ہیں

اَنْ يَّاْتِيَهُمُ اللّٰهُ فِيْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَقُضِيَ الْاَمْرُ ؕ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ

کہ آوے اُن پر اللہ ابر کے سائبانوں میں اور فرشتے اور طے ہو جاوے قصہ اور اللہ ہی کی طرف لوٹیں گے

الْاُمُوْرُ ﴿۲۱۰﴾ ع سَلْ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ كَمْ اٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ اٰيَةٍۢ بَيِّنَةٍ ؕ وَمَنْ يُّبَدِّلْ نِعْمَةَ اللّٰهِ مِنْۢ ۲۵ ع ۹

سب کام ف۳۳۱ پوچھ بنی اسرائیل سے کس قدر عنایت کیں ہم نے انکو نشانیاں کھلی ہوئیں ف۳۳۲ اور جو کوئی بدل ڈالے اللہ کی نعمت بعد

بَعْدِ مَا جَآءَتْهُ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۲۱۱﴾

اس کے کہ پہنچ چکی ہو وہ نعمت اسکو تو اللہ کا عذاب سخت ہے ف۳۳۳

(۳۲۵) یہ حال ہے منافق کا کہ ظاہر میں خوشامد کرے اور اللہ کو گواہ کرے کہ میں سچا ہوں اور میرے دل میں اسلام کی محبت ہے اور جھگڑے کے وقت کمی نہ کرے اور قابو پاوے تو لوٹ مار مچا دے اور منع کرنے سے اس کو زیادہ ضد چڑھے اور گناہ میں ترقی کرے کہتے ہیں ایک شخص اخنس ابن شریق تھا منافق فصیح و بلیغ جب آپ کی خدمت میں آتا تو غایت اخلاص اور محبت اسلام ظاہر کرتا اور جب چلا جاتا تو کسی کی کھیتی

جلا دیتا کسی کے جانوروں کے پیر کاٹ ڈالتا اس پر منافقین کی برائی میں یہ آیت نازل ہوئی۔

(۳۲۶) پہلی آیت میں اُس منافق کا ذکر تھا جو دین کے بدلے دنیا لیتا تھا اُس کے مقابلہ میں اب اس آیت میں اُس مخلص کامل الایمان کا ذکر ہے جو دنیا اور جان و مال کو طلب دین میں صرف کرتا ہے۔ کہتے ہیں حضرت صہیب رومی بارادہ ہجرت آپ کی خدمت میں آتے تھے۔ رستہ میں مشرکین نے اُن کو گھیر لیا صہیب نے کہا کہ میں اپنا گھر اور تمام مال تم کو اس شرط پر دیتا ہوں کہ مجھ کو مدینہ جانے دو اور ہجرت سے نہ روکو اس پر وہ راضی ہو گئے اور صہیب آپ کی خدمت میں چلے گئے اس پر یہ آیت مخلصین کی تعریف میں نازل ہوئی۔

(۳۲۷) اُس کی کتنی بڑی رحمت ہے کہ اپنے بندوں کو توفیق دی جو اُس کی خوشی میں اپنی جان اور مال حاضر کر دیتے ہیں اور نیز ہر ایک کی جان و مال تو اللہ کی ملک ہے پھر جنت کے بدلے اس کو خریدنا یہ محض اُس کا احسان ہے۔

(۳۲۸) **اسلام پر پورا پورا عمل کرو اور بدعت سے بچو** پہلی آیت میں مومن مخلص کی مدح فرمائی تھی جس سے نفاق کا ابطال منظور تھا اب فرماتے ہیں کہ اسلام کو پورا پورا قبول کرو یعنی ظاہر اور باطن اور عقیدہ اور عمل میں صرف احکام اسلام کا اتباع کرو یہ نہ ہو کہ اپنی عقل یا کسی دوسرے کے کہنے سے کوئی حکم تسلیم کر لو یا کوئی عمل کرنے لگو سو اس سے بدعت کا قلع قمع مقصود ہے کیونکہ بدعت کی حقیقت یہی ہے کہ کسی عقیدہ یا کسی عمل کو کسی وجہ سے مستحسن سمجھ کر اپنی طرف سے دین میں شمار کر لیا جائے مثلاً نماز اور روزہ جو کہ افضل عبادات ہیں اگر بدون حکم شریعت کوئی اپنی طرف سے مقرر کرنے لگے جیسے عید کے دن عید گاہ میں نوافل کا پڑھنا یا ہزار روزہ رکھنا یہ بدعت ہو گا خلاصہ ان آیات کا یہ ہوا کہ اخلاص کے ساتھ ایمان لاؤ اور بدعات سے بچتے رہو چند حضرات یہود سے مشرف باسلام ہوئے مگر احکام اسلام کے ساتھ احکام تورات کی بھی رعایت کرنی چاہتے تھے مثلاً ہفتہ کے دن کو معظم سمجھنا اور اونٹ کے گوشت اور دودھ کو حرام ماننا اور تورات کی تلاوت کرنا اُس پر یہ آیت نازل ہوئی جس سے بدعت کا انسداد کامل فرمایا گیا۔

(۳۲۹) کہ اپنے وسوسہ سے بے اصل چیزوں کو تمہارے دلنشین کر دیتا ہے اور دین میں بدعات کو شامل کرا کر تمہارے دین کو خراب کرتا ہے اور تم اس کو پسند کرتے ہو۔

(۳۳۰) **شریعت سے انحراف موجب عذاب ہے** یعنی شریعت محمدی کے صاف صاف احکام معلوم ہونے کے بعد بھی اگر کوئی اُس پر قائم نہ ہو بلکہ دوسری طرف بھی نظر رکھے تو خوب سمجھ لو کہ اللہ سب پر غالب ہے جس کو چاہے سزا دے کوئی اُس کے عذاب کو روک نہیں سکتا بڑا حکمت والا ہے جو کرتا ہے حق اور مصلحت کے موافق کرتا ہے خواہ عذاب دے یا کچھ ڈھیل دے یعنی نہ جلد باز ہے نہ بھولنے والا نہ خلاف انصاف اور غیر مناسب امر کو کرنے والا۔

(۳۳۱) یعنی جو لوگ حق تعالیٰ کے صاف صاف احکام کے بعد بھی اپنی کجروی سے باز نہیں آتے تو اُن کو رسول اور قرآن پر تو یقین اور اعتماد نہ ہوا اب صرف اس کی کسر ہے کہ خدائے پاک خود اور اُس کے فرشتے اُن پر آئیں اور جزا اور سزا کا قصہ جو قیامت کو ہونے والا ہے۔ آج ہی فیصل کیا جائے سو آخر کار سب امور حساب اور عذاب وغیرہ کا مرجع اللہ ہی کی طرف ہے تمام حکم اسی کے حضور سے صادر ہونگے اُس میں کوئی تردد کی بات نہیں گھبراتے کیوں ہو۔

(۳۳۲) **بنی اسرائیل کے حال سے استدلال** اس سے پہلے فرمایا تھا کہ حق تعالیٰ کے صاف حکم کے بعد اس کی مخالفت کرنا موجب عذاب ہے اب اُسی کی تائید میں فرماتے ہیں کہ خود بنی اسرائیل ہی سے پوچھو کہ ہم نے اُن پر کتنی آیات واضحات اور صریح احکام بھیجے جب اُن سے انحراف کیا تو مبتلائے عذاب ہوئے یہ نہیں کہ ہم نے اوّل ہی اُن کو عذاب دیا ہو۔

(۳۳۳) یعنی یہ قاعدہ البتہ محقق ہے کہ جو کوئی اللہ کے احکام سراپا ہدایت کو بدلے اور اس کے انعامات اور احسانات کا کفران کرے تو

پھر اُس کا عذاب سخت ہے آیات کے بدلنے والے پر کہ دنیا میں مارا جائے اور لوٹا جائے یا جزیہ دے اور ذلیل ہو اور قیامت کو دوزخ میں جائے ہمیشہ کے لئے فائدہ نعمت کے پہنچ چکنے کا یہ مطلب کہ اُس کا علم حاصل ہو جائے یا بے تکلف حاصل ہو سکے۔

زُيِّنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَيَسْخَرُوْنَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۘ وَالَّذِيْنَ اتَّقَوْا فَوْقَهُمْ

فریفتہ کیا ہے کافروں کو دنیا کی زندگی پر اور ہنستے ہیں ایمان والوں کو ف۳۳۴ اور جو پرہیزگار ہیں وہ ان کافروں سے بالاتر ہونگے

يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۲۱۲﴾ كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۫ قف

قیامت کے دن اور اللہ روزی دیتا ہے جس کو چاہے بے شمار ف۳۳۵ تھے سب لوگ ایک دین پر

فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ۪ وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ

پھر بھیجے اللہ نے پیغمبر خوشخبری سُنانیوالے اور ڈرانے والے اور اُتاری اُنکے ساتھ کتاب سچی کہ فیصلہ کرے لوگوں

النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ؕ وَمَا اخْتَلَفَ فِيْهِ اِلَّا الَّذِيْنَ اُوْتُوْهُ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ

میں جس بات میں وہ جھگڑا کریں اور نہیں جھگڑا ڈالا کتاب میں مگر اُنہی لوگوں نے جن کو کتاب ملی تھی اُسکے بعد کہ اُن کو پہنچ چکے صاف حکم

بَغْيًاۢ بَيْنَهُمْ ۚ فَهَدَى اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِهٖ ؕ وَاللّٰهُ

آپس کی ضد سے پھر اب ہدایت کی اللہ نے ایمان والوں کو اُس سچی بات کی جس میں وہ جھگڑ رہے تھے اپنے حکم سے اور اللہ

يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۲۱۳﴾ اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَاْتِكُمْ

بتلاتا ہے جس کو چاہے سیدھا راستہ ف۳۳۶ کیا تم کو یہ خیال ہے کہ جنت میں چلے جاؤ گے حالانکہ تم پر نہیں گذرے

مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ ؕ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَآءُ وَالضَّرَّآءُ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ

حالات اُن لوگوں جیسے جو ہو چکے تم سے پہلے کہ پہنچی اُن کو سختی اور تکلیف اور جھڑ جھڑائے گئے یہاں تک کہ کہنے لگا رسول

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ ؕ اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ ﴿۲۱۴﴾

اور جو اُس کے ساتھ ایمان لائے کب آوے گی اللہ کی مدد سن رکھو اللہ کی مدد قریب ہے ف۳۳۷

(۳۳۴) **دنیا کفّار کی جنّت ہے** یعنی کافر جو اللہ کے صاف احکام اور اُس کے پیغمبروں کی مخالفت کرتے ہیں جو اوپر مذکور ہو چکا۔ اُس کی وجہ یہ ہے کہ اُن کی نظروں میں دنیا کی خوبی اور اُس کی محبّت ایسی سما گئی ہے کہ اُس کے مقابلہ میں آخرت کے رنج اور راحت کو خیال ہی میں نہیں لاتے بلکہ مسلمان جو فکر آخرت میں مصروف اور اللہ کے احکام کی تعمیل میں مشغول ہیں اُلٹا اُن کو ہنستے ہیں اور ذلیل سمجھتے ہیں سو ایسے احمق نفس کے بندوں سے تعمیل احکام الٰہی ہو تو کیونکر ہو۔ رؤسائے مشرکین حضرت بلال اور عمار اور صہیب اور فقرائے مہاجرین کو دیکھ کر تمسخر کرتے کہ ان نادانوں نے آخرت کے خیال پر دنیا کی تکالیف اور مصائب کو اپنے سر لیا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو تو دیکھو کہ ان فقیروں محتاجوں کی امداد سے عرب کے سرداروں پر غالب آنا اور دنیا بھر کی اصلاح کرنا چاہتے ہیں۔

(۳۳۵) **اللہ کے نزدیک مومنین کا مقام** اللہ تعالیٰ اُن کے جواب میں ارشاد فرماتا ہے کہ یہ اُن کی جہالت اور خام خیالی ہے کہ دنیا پر ایسے غش ہیں وہ نہیں جانتے کہ یہی غربا اور فقراء قیامت کو اُن سے اعلیٰ اور برتر ہونگے اور اللہ دنیا و آخرت میں جس کو چاہے بے شمار

روزی عطا فرمائے چنانچہ اُنہی غریبوں کو جن پر کافر ہنستے تھے اموال بنی قریظہ اور نضیر اور سلطنت فارس اور روم وغیرہ پر اللہ نے مسلط کر دیا

(۳۳۶) **پیغمبروں اور کتابوں کے بھیجنے کی حکمت** حضرت آدم کے وقت سے ایک ہی سچا دین رہا ایک مدت تک اُس کے بعد دین میں لوگوں نے اختلاف ڈالا تو خدا تعالیٰ نے انبیاء کو بھیجا جو اہل ایمان و طاعت کو ثواب کی بشارت دیتے تھے اور اہل کفر و معصیت کو عذاب سے ڈراتے تھے اور اُن کے ساتھ سچی کتاب بھی بھیجی تاکہ لوگوں کا اختلاف اور نزاع دور ہو اور دین حق اُن کے اختلافات سے محفوظ اور قائم رہے اور احکام الٰہی میں اُنہی لوگوں نے اختلاف ڈالا جن کو وہ کتاب ملی تھی جیسے یہود و نصاریٰ توریت و انجیل میں اختلاف و تحریف کرتے تھے اور یہ نزاع بے سمجھی سے نہیں کرتے تھے بلکہ خوب سمجھ کر محض حب دنیا اور ضد اور حسد سے ایسا کرتے تھے سو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے اہل ایمان کو طریقہ حق کی ہدایت فرمائی اور گمراہوں کے اختلافات سے بچا لیا جیسے آپ کی اُمّت کو ہر عقیدہ اور ہر عمل میں امر حق کی تعلیم فرمائی اور یہود و نصاریٰ کے اختلاف اور افراط و تفریط سے اُن کو محفوظ رکھا **فائدہ** اس آیت سے دو باتیں معلوم ہوئیں ایک تو یہ کہ اللہ نے جو کتابیں اور نبی متعدد بھیجے تو اس واسطے نہیں کہ ہر فرقہ کو جُدا طریقہ بتلایا ہو بلکہ سب کے لئے اللہ نے اصل میں ایک ہی رستہ مقرر کیا جس وقت اُس راہ سے بچلے تو اللہ نے نبی کو بھیجا اور کتاب اُتاری کہ اس کے موافق چلیں اُس کے بعد پھر بہکے تو دوسرا نبی اور کتاب اللہ پاک نے اُسی ایک راہ کے قائم کرنے کو بھیجا اُس کی مثال ایسی ہے جیسے کہ تندرستی ایک ہے اور بیماریاں بے شمار جب ایک مرض پیدا ہوا تو اس کے موافق دوا اور پرہیز فرمایا جب دوسرا مرض پیدا ہوا تو دوسری دوا اور پرہیز اُس کے موافق فرمایا اب آخر میں ایسا طریقہ اور قاعدہ فرما دیا جو سب بیماریوں سے بچائے اور سب کے بدلے کفایت کرے اور وہ طریقہ اسلام ہے جس کے لئے پیغمبر آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن شریف بھیجے گئے۔ دوسری بات یہ معلوم ہو گئی کہ سنّت اللہ یہی جاری ہے کہ بُرے لوگ ہر نبی مبعوث کے خلاف اور ہر کتاب الٰہی میں اختلاف کو پسند کرتے رہے اور اس میں ساعی رہے تو اب اہل ایمان کو کفّار کی بدسلوکی اور فساد سے تنگدل ہونا نہ چاہیئے۔

(۳۳۷) **تکالیف میں صبر کی حکیمانہ تاکید** پہلے مذکور ہوا کہ دشمنوں کے ہاتھ سے انبیاء اور اُن کی اُمّتوں کو ہمیشہ ایذائیں ہوئیں تو اب اہل اسلام کو ارشاد ہے کہ کیا تم کو اس بات کی طمع ہے کہ جنت میں داخل ہو جاؤ حالانکہ اگلی اُمّتوں کو جو ایذائیں پیش آئیں وہ تم کو پیش نہیں آئیں کہ اُن کو فقر و فاقہ اور مرض اور خوف کفار اس درجہ کو پیش آئے کہ مجبور اور عاجز ہو کر نبی اور اُن کی اُمّت بول اُٹھی کہ دیکھیے اللہ نے جس مدد اور اعانت کا وعدہ فرمایا تھا وہ کب آئیگی یعنی بمقتضائے بشریت پریشانی کی حالت میں مایوسانہ کلمات سرزد ہونے لگے۔ انبیاء اور مومنین کا یہ کہنا کچھ شک کی وجہ سے نہ تھا حضرت مولانا اسی کی بابت مثنوی میں فرماتے ہیں ؎ در گماں اُفتاد جان انبیاء زاتفاق منکری اشقیاء۔ بلکہ بحالتِ اضطرار بمقتضائے بشریت اس کی نوبت آئی جس میں کوئی اُن پر الزام نہیں جب نوبت یہاں تک پہنچی تو رحمت الٰہی متوجہ ہوئی اور ارشاد ہوا کہ ہوشیار ہو جاؤ اللہ کی مدد آ گئی گھبراؤ نہیں سو اے مسلمانو تکالیف دنیوی سے اور دشمنوں کے غلبہ سے گھبراؤ نہیں تحمل کرو اور ثابت قدم رہو۔

یَسْـَٔلُوْنَکَ مَاذَا یُنْفِقُوْنَ ۵ قُلْ مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَیْرٍ فَلِلْوَالِدَیْنِ وَالْاَقْرَبِیْنَ وَالْیَتٰمٰی

تجھ سے پوچھتے ہیں کہ کیا چیز خرچ کریں ف ۳۳۸ کہہ دو کہ جو کچھ تم خرچ کرو مال سو ماں باپ کے لئے اور قرابت والوں کے اور یتیموں کے

وَالْمَسٰکِیْنِ وَابْنِ السَّبِیْلِ ؕ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَیْرٍ فَاِنَّ اللّٰہَ بِہٖ عَلِیْمٌ ﴿۲۱۵﴾

اور محتاجوں کے اور مسافروں کے اور جو کچھ کرو گے تم بھلائی سو وہ بیشک اللہ کو خوب معلوم ہے ف ۳۳۹

(۳۳۸) آیات سابقہ میں کلیۃً یہ مضمون بہت تاکید سے بیان ہوا کہ کفر و نفاق کو چھوڑ و اور اسلام میں پوری طرح داخل ہو حکم الٰہی کے مقابل کسی کی مت سنو اللہ کی خوشی میں جان و مال خرچ کرو اور ہر طرح کی شدت اور تکلیف پر تحمل کرو اب یہاں سے اُسی کلیہ کے متعلق جزئیات کی تفصیل بیان ہوتی ہے جو کہ مال اور جان اور دیگر معاملات مثل نکاح و طلاق وغیرہ کے متعلق ہیں تاکہ اُس کلیہ کی تحقیق و تاکید خوب ذہن نشین ہو جائے۔

(۳۳۹) **انفاقِ مال کے مصارف** بعض اصحاب جو مالدار تھے انہوں نے آپ سے دریافت کیا تھا کہ مال میں سے کیا خرچ کریں اور کس پر پر یہ حکم ہوا کہ قلیل خواہ کثیر جو کچھ خدا کے لئے خرچ کرو وہ والدین اور اقارب اور یتیم اور محتاج اور مسافروں کے لئے ہے یعنی حصول ثواب کے لئے خرچ کرنا چاہو تو جتنا چاہو کرو اُس کی کوئی تعیین و تحدید نہیں البتہ یہ ضرور ہے کہ جو مواقع ہم نے بتلائے اُن میں صرف کرو۔

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسَىٰ أَن تَكْرَهُوا شَيْئًا وَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۖ وَعَسَىٰ

فرض ہوئی تم پر لڑائی ف ۳۴۰ اور وہ بری لگتی ہے تم کو ف ۳۴۱ اور شاید کہ تم کو بری لگے ایک چیز اور وہ بہتر ہو تمہارے حق میں اور شاید

أَن تُحِبُّوا شَيْئًا وَهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ۗ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿٢١٦﴾ يَسْأَلُونَكَ عَنِ الشَّهْرِ

تم کو بھلی لگے ایک چیز اور وہ بری ہو تمہارے حق میں اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے ف ۳۴۲ تجھ سے پوچھتے ہیں مہینہ حرام

الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيهِ ۖ قُلْ قِتَالٌ فِيهِ كَبِيرٌ ۖ وَصَدٌّ عَن سَبِيلِ اللَّهِ وَكُفْرٌ بِهِ وَالْمَسْجِدِ

کو کہ اُس میں لڑنا کیسا ف ۳۴۳ کہہ دے لڑائی اُس میں بڑا گناہ ہے ف ۳۴۴ اور روکنا اللہ کی راہ سے اور اُس کو نہ ماننا اور مسجد الحرام

الْحَرَامِ وَإِخْرَاجُ أَهْلِهِ مِنْهُ أَكْبَرُ عِندَ اللَّهِ ۚ وَالْفِتْنَةُ أَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ ۗ وَلَا يَزَالُونَ

سے روکنا اور نکال دینا اُسکے لوگوں کو وہاں سے اُس سے بھی زیادہ گناہ ہے اللہ کے نزدیک ف ۳۴۵ اور لوگوں کو دین سے بچلانا قتل سے بھی بڑھ کر ہے ف ۳۴۶ اور کفار تو ہمیشہ

يُقَاتِلُونَكُمْ حَتَّىٰ يَرُدُّوكُمْ عَن دِينِكُمْ إِنِ اسْتَطَاعُوا ۚ وَمَن يَرْتَدِدْ مِنكُمْ عَن دِينِهِ فَيَمُتْ

تم سے لڑتے ہی رہینگے یہاں تک کہ تم کو پھیر دیں تمہارے دین سے اگر قابو پاویں ف ۳۴۷ اور جو کوئی پھرے تم میں سے اپنے دین سے پھر مر جاوے

وَهُوَ كَافِرٌ فَأُولَٰئِكَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ۖ وَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ ۖ هُمْ فِيهَا

حالت کفر ہی میں تو ایسوں کے ضائع ہوئے عمل دُنیا اور آخرت میں اور وہ لوگ رہنے والے ہیں دوزخ میں وہ اُس میں ہمیشہ

خَالِدُونَ ﴿٢١٧﴾ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أُولَٰئِكَ يَرْجُونَ

رہیں گے ف ۳۴۸ بیشک جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے ہجرت کی اور لڑے اللہ کی راہ میں وہ اُمیدوار ہیں

رَحْمَتَ اللَّهِ ۚ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٢١٨﴾

اللہ کی رحمت کے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے ف ۳۴۹

(۳۴۰) **جہاد کی فرضیت** یعنی دین کے دشمنوں سے لڑنا فرض ہوا فائدہ جب تک آپ مکہ میں رہے آپ کو مقاتلہ کی اجازت نہ ہوئی۔ جب مدینہ کو ہجرت فرمائی تو مقاتلہ کی اجازت ہوئی مگر صرف اُن کفار سے کہ جو خود اہل اسلام سے مقاتلہ کریں اس کے بعد علی العموم کفار سے مقاتلہ کی اجازت ہو گئی اور جہاد فرض ہوا اگر دشمنان دین مسلمانوں پر چڑھائی کریں تو مسلمانوں پر جہاد فرض عین ہے ورنہ فرض کفایہ بشرطیکہ

جملہ شرائط جہاد جو کتب فقہ میں مذکور ہیں پائی جائیں البتہ جن لوگوں سے مسلمان مصالحت اور معاہدہ کر لیں یا اُن کی امن اور حفاظت میں آجائیں تو اُن سے لڑائی کرنا یا اُن کے مقابلہ میں اُن کے کسی مخالف کو مدد دینا ہرگز مسلمانوں کو جائز نہیں۔

(۳۴۱) **جہاد کے فضائل** بُرے لگنے کا مطلب یہ ہے کہ نفس کو دشوار اور گراں معلوم ہوتا ہے یہ نہیں کہ قابل رد و انکار نظر آئے اور مخالف حکمت و مصلحت سمجھا جائے اور موجب ناخوشی اور تنفر ہو سو اتنی بات میں کوئی الزام نہیں جب انسان کو بالطبع زندگی سی زیادہ کوئی چیز مرغوب نہیں تو ضرور مقاتلہ سے زیادہ دشوار کوئی شے نہ ہونی چاہیئے۔

(۳۴۲) یعنی یہ بات ضروری نہیں کہ جس چیز کو تم اپنے حق میں نافع یا مضر سمجھو وہ واقع میں بھی تمہارے حق میں ویسی ہی ہوا کرے بلکہ ہو سکتا ہے کہ تم ایک چیز کو اپنے لئے مضر سمجھو اور وہ مفید ہو اور کسی چیز کو مفید خیال کر لو اور وہ مضر ہو تم نے تو سمجھ لیا کہ جہاد میں جان و مال سب کا نقصان ہے اور ترک جہاد میں دونوں کی حفاظت اور یہ نہ جانا کہ جہاد میں دنیا اور آخرت کے کیا کیا منافع ہیں اور اس کے ترک میں کیا کیا نقصان ہیں تمہارے نفع نقصان کو خدا ہی خوب جانتا ہے تم اُسے نہیں جانتے اس لئے وہ جو حکم دے اس کو حق سمجھو اور اپنے اس خیال کو چھوڑ دو

(۳۴۳) **شہر حرام میں قتال کی ممانعت** حضرت فخر عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ایک جماعت کافروں کے مقابلہ کو بھیجی اُنہوں نے کافروں کو مارا اور مال لوٹ لائے مسلمان تو جانتے تھے کہ وہ اخیر دن جمادی الثانی کا ہے اور وہ رجب کا غرہ تھا جو کہ اشہر حرم میں داخل ہے کافروں نے اس پر بہت طعن کیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے حرام مہینہ کو بھی حلال کر دیا اور اپنے لوگوں کو حرام مہینہ میں لوٹ مار کی اجازت دے دی مسلمانوں نے حاضر ہو کر آپؐ سے پوچھا کہ ہم سے شبہ میں یہ کام ہوا اس کا کیا حکم ہے تب یہ آیت اُتری۔

(۳۴۴) یعنی شہر حرام میں قتال کرنا بیشک گناہ کی بات ہے لیکن حضرات صحابہ نے تو اپنے علم کے موافق جمادی الثانی میں جہاد کیا تھا شہر حرام یعنی رجب میں نہیں کیا اس لئے مستحق عفو ہیں اُن پر الزام لگانا بے انصافی ہے۔

(۳۴۵) یعنی لوگوں کو اسلام لانے سے روکنا اور خود دین اسلام کو تسلیم نہ کرنا اور زیارت بیت اللہ سے لوگوں کو روکنا اور مکہ کے رہنے والوں کو وہاں سے نکالنا یہ باتیں شہر حرام میں مقاتلہ کرنے سے بھی زیادہ گناہ ہیں اور کفار برابر یہ حرکات کرتے تھے خلاصہ یہ کہ شہر حرام میں بلاوجہ اور ناحق لڑنا بیشک اشد گناہ ہے مگر جو لوگ کہ حرم میں بھی کفر پھیلائیں اور بڑے بڑے فساد کریں اور اشہر حرم میں بھی مسلمانوں کے ستانے میں قصور نہ کریں اُن سے لڑنا منع نہیں علاوہ ازیں جب مشرکین ایسے امور شنیعہ میں سرگرم ہیں تو ایک تھوڑے قصور پر مسلمانوں کی نسبت طعن کرنا جو اُن سے بوجہ لاعلمی صادر ہوا بڑی شرم کی بات ہے۔

(۳۴۶) **فتنہ انگیزی قتل سے بڑا جرم ہے** یعنی دین میں فتنہ اور فساد ڈالنا تاکہ لوگ دین حق کو قبول نہ کریں اُس قتل سے بدرجہا مذموم ہے جو مسلمانوں سے شہر حرام میں واقع ہوا مشرکین کی عادت تھی کہ دین اسلام کی باتوں میں طرح طرح سے خدشات کیا کرتے تھے تاکہ لوگ شبہ میں پڑ جائیں اور اسلام کو قبول نہ کریں چنانچہ اسی قصہ میں کہ مسلمانوں سے شہر حرام میں بوجہ لاعلمی قتل واقع ہوا اس پر مشرکین نے جو زبان درازی کی تو اس سے مقصود یہی تھا کہ لوگ قبول اسلام سے متنفر ہو جائیں تو خلاصہ یہ ہوا کہ مسلمانوں سے جو قتل صادر ہوا اُس پر مشرکین کا طعن کرنا اس وجہ سے کہ لوگ دین حق سے بچل جائیں قتل مذکور سے بدرجہا مذموم و شنیع ہے۔

(۳۴۷) یعنی جب تک تم دین حق پر قائم رہو گے یہ مشرکین کسی حالت اور کسی موقع پر بھی تمہارے مقاتلہ اور مخالفت میں کمی نہیں کریں گے حرم مکہ اور شہر حرام ہی کیوں نہ ہو جیسا کہ عمرہ حدیبیہ میں پیش آیا نہ حرم مکہ کی حرمت کی اور نہ شہر حرام کی بلاوجہ محض عناد سے مارنے مرنے کو مستعد ہو گئے اور مسلمانوں کے مکہ میں جانے اور عمرہ کرنے کے روادار نہ ہوئے پھر ایسے معاندین کے طعن تشنیع کی کیا پروا کی جائے اور اُن سے مقاتلہ کرنے میں شہر حرام کی وجہ سے کیوں رُکا جائے۔

(۳۴۸) یعنی دین اسلام سے پھر جانا اور اسی حالت پر اخیر تک قائم رہنا ایسی سخت بلا ہے کہ عمر بھر کے نیک کام اُن کے ضائع ہو جاتے ہیں کہ کسی بھلائی کے مستحق نہیں رہتے دنیا میں نہ اُن کی جان و مال محفوظ رہے نہ نکاح قائم رہے نہ اُن کو میراث ملے نہ آخرت میں ثواب ملے اور نہ کبھی جہنم سے نجات نصیب ہو ہاں اگر پھر اسلام قبول کر لے تو صرف اس اسلام کے بعد کے اعمال حسنہ کی جزا پوری ملے گی۔

(۳۴۹) **مخلصین کی غلطیوں کا حکم** آیۃ سابقہ سے جماعت اصحاب مذکورہ بالا کو یہ تو معلوم ہو گیا کہ ہمارے اوپر اس بارہ میں کوئی مواخذہ نہیں مگر یہ تردد اُن کو تھا کہ دیکھئے اس جہاد کا ثواب بھی ملتا ہے یا نہیں اُس پر یہ آیت اُتری کہ جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور اللہ کے واسطے اُس کے دشمنوں سے لڑے اپنی کوئی غرض اُس لڑائی میں نہ تھی وہ بیشک اللہ کی رحمت کے اُمیدوار اور اس کے مستحق ہیں اور اللہ اپنے بندوں کی خطائیں بخشنے والا اور اُن پر انعام فرمانے والا ہے وہ ایسے تابعداروں کو محروم نہ کریگا۔

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ ؕ قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ ۫ وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ

تجھ سے پوچھتے ہیں حکم شراب کا اور جوئے کا ف۳۵۰ کہدے ان دونوں میں بڑا گناہ ہے اور فائدے بھی ہیں لوگوں کو اور اُن کا گناہ بہت بڑا ہے اُن

مِنْ نَّفْعِهِمَا ؕ وَيَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ۬ ؕ قُلِ الْعَفْوَ ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ

کے فائدے سے ف۳۵۱ اور تجھ سے پوچھتے ہیں کہ کیا خرچ کریں کہدے جو بچے اپنے خرچ سے ف۳۵۲ اسی طرح بیان کرتا ہے اللہ تمہارے واسطے حکم تاکہ تم

تَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۱۹﴾ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ؕ وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْيَتٰمٰى ؕ قُلْ اِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ ؕ وَاِنْ

فکر کرو دنیا و آخرت کی باتوں میں ف۳۵۳ اور تجھ سے پوچھتے ہیں یتیموں کا حکم ف۳۵۴ کہدے سنوارنا اُن کے کام کا بہتر ہے اور اگر

تُخَالِطُوْهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَعْنَتَكُمْ ؕ

اُن کا خرچ ملا لو تو وہ تمہارے بھائی ہیں اور اللہ جانتا ہے خرابی کرنیوالے اور سنوارنیوالے کو ف۳۵۵ اور اگر اللہ چاہتا تو تم پر مشقت ڈالتا ف۳۵۶

اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۲۰﴾ وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ ؕ وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ

بیشک اللہ زبردست ہے تدبیر والا ف۳۵۷ اور نکاح مت کرو مشرک عورتوں سے جب تک ایمان نہ لے آئیں اور البتہ لونڈی مسلمان بہتر ہے

مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَّلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ ۚ وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا ؕ وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ

مشرک بی بی سے اگرچہ وہ تم کو بھلی لگے اور نکاح نہ کر دو مشرکین سے جب تک وہ ایمان نہ لاویں اور البتہ غلام مسلمان

خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكُمْ ؕ اُولٰٓئِكَ يَدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ۚ ۖ وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلَى الْجَنَّةِ

بہتر ہے مشرک سے اگرچہ وہ تم کو بھلا لگے ف۳۵۸ وہ بلاتے ہیں دوزخ کی طرف ف۳۵۹ اور اللہ بُلاتا ہے جنت کی

وَالْمَغْفِرَةِ بِاِذْنِهٖ ۚ وَيُبَيِّنُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۲۱﴾ ع ۲۷

اور بخشش کی طرف اپنے حکم سے اور بتلاتا ہے اپنے حکم لوگوں کو تاکہ وہ نصیحت قبول کریں

(۳۵۰) **شراب اور جوئے کا بیان** شراب اور جوئے کے حق میں کئی آیتیں اُتریں ہر ایک میں اُن کی بُرائی ظاہر کی گئی آخر سورۂ مائدہ کی آیۃ میں صاف ممانعت کر دی گئی اب جو چیزیں نشہ لاویں وہ سب حرام ہیں اور جو شرط بدی جائے کسی چیز پر جس میں ہار اور جیت ہو وہ محض حرام ہے اور ایک طرف کی شرط حرام نہیں۔

(۳۵۱) شراب پینے سے عقل جاتی رہتی ہے جو تمام امور شنیعہ سے بچاتی ہے اور لڑائی اور قتل وغیرہ طرح طرح کی خرابیوں کی نوبت آتی ہے اور مختلف قسم کے امراض روحانی اور جسمانی پیدا ہوتے ہیں جو بسا اوقات باعث ہلاکت ہوتے ہیں اور جوا کھیلنے میں حرام مال کا کھانا اور سرقہ اور تضییع مال اور عیال باہم دشمنی وغیرہ طرح طرح کے مفاسد ظاہری و باطنی پیش آتے ہیں ہاں ان میں سرسری نفع بھی ہے مثلاً شراب پی کر لذت و سرور ہو گیا اور جوا کھیل کر بلا مشقت مال ہاتھ آگیا۔

(۳۵۲) **مال خرچ کرنے کے آداب** لوگوں نے پوچھا تھا کہ مال اللہ کے واسطے کس قدر خرچ کریں حکم ہوا کہ جو اپنے اخراجات ضروری سے افزود (زائد) ہو کیونکہ جیسا آخرت کا فکر ضرور ہے دنیا کا فکر بھی ضرور ہے اگر سارا مال اٹھا ڈالو تو اپنی ضروریات کیونکر پوری کرو اور جو حقوق تم پر لازم ہیں اُن کو کیونکر ادا کرو معلوم نہیں کس کس خرابی دینی اور دنیوی میں پھنسو۔

(۳۵۳) یعنی دنیا فانی مگر محل حوائج ہے اور آخرت باقی اور دار ثواب ہے اس لئے سوچ سمجھ کر ہر ایک امر میں اُس کے مناسب حال خرچ کرنا چاہئے اور مصلحت دنیا اور آخرت دونوں کو پیش نظر رکھنا مناسب ہے اور احکام کو واضح طور پر بیان فرمانے سے یہی مطلوب ہے کہ تم کو فکر کرنے کا موقع ملے۔

(۳۵۴) **یتیموں کے مال کا حکم** بعض لوگ یتیم کے مال میں احتیاط نہ کرتے تھے تو اس پر حکم ہوا تھا ولا تقربوا مال الیتیم الا بالتی ھی احسن اور ان الذین یاکلون اموال الیتٰمی ظلماً الخ اس پر جو لوگ یتیموں کی پرورش کرتے تھے وہ ڈر گئے اور یتیموں کے کھانے اور خرچ کو بالکل جدا کر دیا کیونکہ شرکت کی حالت میں یتیم کا مال کھانا پڑتا تھا اس میں یہ دشواری ہوئی کہ ایک چیز یتیم کے واسطے طیار کی اب جو کچھ بچتی وہ خراب جاتی اور پھینکنی پڑتی اس احتیاط میں یتیموں کا نقصان ہونے لگا تو آپ سے عرض کیا تو اس پر اب یہ آیت نازل ہوئی۔

(۳۵۵) یعنی مقصود تو صرف یہ بات ہے کہ یتیم کے مال کی درستی اور اصلاح ہو سو جس موقع میں علیحدگی میں یتیم کا نفع ہو تو اُس کو اختیار کرنا چاہئے اور جہاں شرکت میں بہتری نظر آئے تو اُن کا خرچ شامل کر لو تو کچھ مضائقہ نہیں کہ ایک وقت اُن کی چیز کھائی تو دوسرے وقت اپنی چیز اُن کو کھلا دی کیونکہ وہ یتیم بچے تمہارے دینی یا نسبی بھائی ہیں اور بھائیوں میں شرکت اور کھانا اور کھلانا بیجا نہیں ہاں یہ ضرور ہے کہ یتیموں کی اصلاح کی رعایت پوری رہے اور اللہ خوب جانتا ہے کہ اس شرکت سے کس کو خیانت اور افساد مال یتیم مقصود ہے اور کس کو یتیموں کی اصلاح اور اُن کی نفع رسانی منظور ہے۔

(۳۵۶) مشقت ڈالتا یعنی کھانے پینے میں یتیموں کی شرکت علیٰ وجہ الاصلاح بھی مباح نہ فرماتا یا یہ کہ بلا علم و بلا قصد مجبوراً بھی اگر کچھ کمی یا بیشی ہو جاتی تو اُس پر بھی مواخذہ کرتا۔

(۳۵۷) یعنی بھاری سے بھاری حکم دے سکتا ہے اس لئے کہ وہ زبردست ہے لیکن ایسا نہ کیا بلکہ سہولت کا حکم دیا اس لئے کہ وہ حکمت اور مصلحت کے موافق کرنے والا ہے۔

(۳۵۸) **مشرک عورتوں سے نکاح کا حکم** پہلے مسلمان مرد اور کافر عورت اور اُس کے برعکس دونوں صورتوں میں نکاح کی اجازت تھی اس آیت سے اُس کو منسوخ کر دیا گیا اگر مرد یا عورت مشرک ہو تو اُس کا نکاح مسلمان سے درست نہیں یا نکاح کے بعد ایک مشرک ہو گیا تو نکاح سابق ٹوٹ جائیگا اور شرک یہ کہ علم یا قدرت یا کسی اور صفت خداوندی میں کسی کو خدا کا مماثل سمجھے یا خدا کے مثل کسی کی تعظیم کرنے لگے مثلاً کسی کو سجدہ کرے یا کسی کو مختار سمجھ کر اُس سے اپنی حاجت مانگے۔ باقی اتنی بات دیگر آیات سے معلوم ہوئی کہ یہود اور نصاریٰ کی عورتوں سے مسلمان مرد کا نکاح درست ہے وہ ان مشرکین میں داخل نہیں بشرطیکہ وہ اپنے دین پر قائم ہوں دہریہ اور

ان کے ساتھ کھانا پینا رہنا سہنا سب درست ہیں یہود کا افراط اور نصاریٰ کی تفریط دونوں مردود ہو گئیں۔

(۳۶۱) پاک ہونے میں یہ تفصیل ہے کہ اگر حیض اپنی پوری مدت یعنی دس دن پر موقوف ہوا تو اُسی وقت سے مجامعت درست ہے اور اگر دس دن سے پہلے ختم ہو گیا مثلاً چھ روز کے بعد اور عورت کی عادت بھی چھ روز کی تھی تو مجامعت خون کے موقوف ہوتے ہی درست نہیں بلکہ جب عورت غسل کر لے یا نماز کا وقت ختم ہو جائے اُس کے بعد مجامعت درست ہو گی اور اگر عورت کی عادت سات یا آٹھ دن کی تھی تو اُن دنوں کے پورا کرنے کے بعد مجامعت درست ہو گی۔

(۳۶۲) **مجامعت کے احکام** جس موقع سے مجامعت کی اجازت دی ہے یعنی آگے کی راہ سے کہ جہاں سے بچہ پیدا ہوتا ہے۔ دوسرا موقع یعنی لواطت حرام ہے۔

(۳۶۳) یعنی جو توبہ کرتے ہیں گناہ سے جو اُن سے اتفاقیہ صادر ہوا مثلاً حالت حیض میں وطی کا مرتکب ہوا اور ناپاکی یعنی گناہوں اور وطی حالت حیض اور وطی موقع نجس سے احتراز کرتے ہیں۔

(۳۶۴) یہود عورت کی پشت کی طرف ہو کر وطی کرنے کو ممنوع کہتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ اس سے بچہ احول پیدا ہوتا ہے آپ سے پوچھا گیا تو اُس پر یہ آیت اُتری یعنی تمہاری عورتیں تمہارے لئے بمنزلہ کھیتی کے ہیں جس میں نطفہ بجائے تخم اور اولاد بمنزلہ پیداوار کے ہے یعنی اس سے مقصود اصلی صرف نسل کا باقی رہنا اور اولاد کا پیدا ہونا ہے سو تم کو اختیار ہے آگے سے یا کروٹ سے یا پس پشت سے پڑ کر یا بیٹھ کر جس طرح چاہو مجامعت کرو مگر یہ ضرور ہے کہ تخم ریزی اُسی خاص موقع میں ہو جہاں پیداواری کی اُمید ہو۔ یعنی مجامعت خاص فرج ہی میں ہو لواطت ہرگز ہرگز نہ ہو یہود کا خیال غلط ہے کہ اُس سے بچہ احول پیدا ہوتا ہے۔

(۳۶۵) یعنی اعمال صالحہ اپنے لئے کرتے رہو یا یہ کہ وطی سے اولاد صالحہ مطلوب ہونی چاہئے محض حظ نفس مقصود نہ ہو۔

(۳۶۶) **لغو قسم کھانے کا بیان** یعنی کسی اچھے کام نہ کرنے پر خدا کی قسم کھا بیٹھے مثلاً ماں باپ سے نہ بولونگا یا فقیر کو کچھ نہ دوں گا یا باہم کسی میں مصالحت نہ کراؤنگا ایسی قسموں میں خدا کے نام کو بُرے کاموں کے لئے ذریعہ بنانا ہوا سو ایسا ہرگز مت کرو اور اگر کسی نے ایسی قسم کھائی تو اُس کا توڑنا اور کفارہ دینا واجب ہے۔

(۳۶۷) یعنی اگر کوئی قسم کھاتا ہے تو اللہ اُس کو سُنتا ہے اور اگر کوئی عظمت و جلال خداوندی کی وجہ سے قسم کھانے سے رُکتا ہے تو اللہ اُس کی نیت کو خوب جانتا ہے تمہاری کوئی بات ظاہری اور باطنی اُس سے مخفی نہیں اس لئے نیت قلبی اور قول لسانی دونوں میں سے احتیاط لازم ہے۔

(۳۶۸) لغو اور بیہودہ قسم وہ ہے کہ منہ سے عادت اور عرف کے موافق بیساختہ اور ناخواستہ نکل جائے اور دل کو خبر تک نہ ہو ایسی قسم کا نہ کفارہ ہے نہ اُس میں گناہ ہے البتہ اگر کوئی بالقصد الفاظ قسم مثل واللہ اور باللہ کہے اور اس سے محض تاکید مقصود ہو قسم کا قصد نہ ہو تو اُس پر ضرور کفارہ لازم ہو گا اور کفارہ کا بیان آگے آجائیگا۔

(۳۶۹) یعنی جو قسم جان بوجھ کر کھائے کہ جس میں دل بھی زبان کے موافق ہو اُس قسم کے توڑنے پر کفارہ لازم ہو گا۔

(۳۷۰) غفور ہے کہ لغو اور بیہودہ قسموں پر مواخذہ نہ فرمایا حلیم ہے کہ مواخذہ میں جلدی نہیں فرماتا شاید بندہ توبہ کر لے۔

وَاِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَاِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۲۷﴾

اور اگر　ٹھہرا لیا　چھوڑ دینے کو　تو بیشک اللہ سُننے والا جاننے والا ہے ف ۳۷۱

(۳۷۱) **ایلاء کے احکام** یعنی اگر کوئی قسم کھائے کہ میں اپنی عورت کے پاس نہ جاؤں گا تو اگر چار مہینے کے اندر عورت کے پاس گیا تو قسم کا کفارہ دے گا اور عورت اُس کے نکاح میں رہے گی اور اگر چار مہینے گذر گئے اور اُس کے پاس نہ گیا تو عورت پر طلاق بائن ہو جائے گی **فائدہ** ایلاء شرع میں اس کو کہتے ہیں کہ عورت کے پاس جانے سے چار مہینے یا زائد کے لئے یا بلا قید مدت قسم کھالے اور چار مہینے سے کم ایلاء نہ ہوگا۔ ایلاء کی تینوں صورتوں میں چار مہینے کے اندر عورت کے پاس جائیگا تو کفارہ قسم کا دینا پڑیگا ورنہ چار ماہ کے ختم پر بلا طلاق دیے عورت مطلقہ بائنہ ہو جائے گی اور اگر چار مہینے سے کم پر قسم کھائے مثلاً قسم کھائی کہ تین مہینے عورت کے پاس نہ جاؤنگا تو یہ ایلاء شرعی نہیں اُس کا یہ حکم ہے کہ اگر قسم کو توڑا مثلاً صورت مذکورہ میں تین مہینے کے اندر عورت کے پاس گیا تو قسم کا کفارہ لازم ہوگا اور اگر قسم کو پورا کیا یعنی تین مہینے تک مثلاً اُس کے پاس نہ گیا تو نہ عورت پر طلاق پڑے گی نہ کفارہ لازم ہوگا۔

وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ ۭ وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ اَنْ يَّكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ

اور طلاق والی عورتیں انتظار میں رکھیں اپنے آپ کو تین حیض تک اور اُن کو حلال نہیں کہ چھپا رکھیں جو پیدا کیا اللہ نے

فِيْٓ اَرْحَامِهِنَّ اِنْ كُنَّ يُؤْمِنَّ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ وَبُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِيْ ذٰلِكَ

اُن کے پیٹ میں اگر وہ ایمان رکھتی ہیں اللہ پر اور پچھلے دن پر ف۳۷۲ اور اُن کے خاوند حق رکھتے ہیں اُنکے لوٹا لینے کا اس مدت میں

اِنْ اَرَادُوْٓا اِصْلَاحًا ۭ وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِيْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۠ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ ۭ

اگر چاہیں سلوک سے رہنا ف۳۷۳ اور عورتوں کا بھی حق ہے جیسا کہ مردوں کا اُن پر حق ہے دستور کے موافق اور مردوں کو عورتوں پر فضیلت ہے ف۳۷۴

وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۲۲۸ اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ ۠ فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ ۭ وَلَا يَحِلُّ ع ۲۸ ۱۲

اور اللہ زبردست ہے تدبیر والا طلاق رجعی ہے دو بار تک اُسکے بعد رکھ لینا موافق دستور کے یا چھوڑ دینا بھلی طرح سے ف۳۷۵ اور تم کو روا

لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ شَـيْـــًٔا اِلَّآ اَنْ يَّخَافَآ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ۭ فَاِنْ خِفْتُمْ

نہیں کہ لے لو کچھ اپنا دیا ہوا عورتوں سے مگر جبکہ خاوند عورت دونوں ڈریں اس بات سے کہ قائم نہ رکھ سکیں گے حکم اللہ کا ف۳۷۶ پھر اگر تم لوگ ڈرو

اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ۙ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِـيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ ۭ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْھَا ۚ

اس بات سے کہ وہ دونوں قائم نہ رکھ سکینگے اللہ کا حکم تو کچھ گناہ نہیں دونوں پر اس میں کہ عورت بدلہ دیکر چھوٹ جاوے ف۳۷۷ یہ اللہ کی باندھی ہوئی حدیں ہیں سو اُن سے آگے مت بڑھو

وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰۗىِٕكَ ھُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۲۲۹

اور جو کوئی بڑھ چلے اللہ کی باندھی ہوئی حدوں سے سو وہی لوگ ہیں ظالم ف۳۷۸

(۳۷۲) **طلاق اور عدت کے احکام** جب مرد نے عورت کو طلاق دی تو ابھی اس عورت کو کسی دوسرے سے نکاح روا نہیں جب تک تین حیض پورے نہ ہو جائیں تاکہ حمل ہو تو معلوم ہو جائے اور کسی کی اولاد کسی کو نہ مل جائے اس لئے عورت پر فرض ہے کہ جو اُن کے پیٹ میں ہو اُس کو ظاہر کر دیں خواہ حمل ہو یا حیض آتا ہو اور اس مدت کو عدت کہتے ہیں **فائدہ** معلوم کرنا چاہئے کہ یہاں مطلقات سے خاص وہ عورتیں مراد ہیں کہ اُن سے نکاح کے بعد صحبت یا خلوت شرعیہ کی نوبت خاوند کو آچکی ہو اور اُن عورتوں کو حیض بھی آتا ہو اور آزاد بھی ہوں کسی کی لونڈی نہ ہوں کیونکہ جس عورت سے صحبت یا خلوت کی نوبت نہ آئے اُس کے اُوپر طلاق کے بعد عدت بالکل

نہیں اور جس عورت کو حیض نہ آئے مثلاً صغیر سن ہے یا بہت بوڑھی ہوگئی یا اُس کو حمل ہے تو پہلی دونوں صورتوں میں اُس کی عدت تین مہینے ہیں اور حاملہ کی عدت وضع حمل ہے اور جو عورت آزاد نہ ہو بلکہ کسی کی شرعی قاعدہ کے موافق لونڈی ہو اگر اُس کو حیض آتا ہو تو اُس کی عدت دو حیض اور حیض نہ آئے تو اگر وہ صغیرہ یا بڑھیا ہے تو اُس کی عدت ڈیڑھ مہینہ ہے اور حاملہ ہے تو وہی وضع حمل ہے۔ دوسری آیتوں اور حدیثوں سے یہ تفصیل ثابت ہے۔

(۲۷۳) **طلاق سے رجوع کرنے کا حکم** یعنی عدت کے اندر مرد چاہے تو عورت کو پھر رکھ لے اگرچہ عورت کی خوشی نہ ہو مگر اس لوٹانے سے مقصود سلوک اور اصلاح ہو عورت کو ستانا یا اس دباؤ میں اُس سے مہر کا معاف کرانا منظور نہ ہو یہ ظلم ہے اگر ایسا کریگا گنہگار ہوگا گو رجعت بھی صحیح ہو جائیگی۔

(۲۷۴) **مردوں کی عورتوں پر فضیلت** یعنی یہ امر تو حق ہے کہ جیسے مردوں کے حقوق عورتوں پر ہیں ایسے ہی عورتوں کے حقوق مردوں پر ہیں جن کا قاعدہ کے موافق ادا کرنا ہر ایک پر ضروری ہے اب مرد کو عورت کے ساتھ بدسلوکی اور اُس کی ہر قسم کی حق تلفی ممنوع ہوگی مگر یہ بھی ہے کہ مردوں کو عورتوں پر فضیلت اور فوقیت ہے تو اس لئے رجعت میں اختیار مرد کو ہی دیا گیا۔

(۲۷۵) **صرف دو۲ طلاقیں** اسلام سے پہلے دستور تھا کہ دس بیس جتنی بار چاہتے زوجہ کو طلاق دیتے مگر عدت کے ختم ہونے سے پہلے رجعت کر لیتے پھر جب چاہتے طلاق دیتے اور رجعت کر لیتے اور اس صورت سے بعض شخص عورتوں کو اسی طرح بہت ستاتے اس واسطے یہ آیت اُتری کہ طلاق جس میں رجعت ہو سکے کل دو بار ہے ایک یا دو۲ طلاق تک تو اختیار دیا گیا کہ عدت کے اندر مرد چاہے تو عورت کو پھر دستور کے موافق رکھ لے یا بھلی طرح سے چھوڑ دے پھر بعد عدت کے رجعت باقی نہیں رہتی ہاں اگر دونوں راضی ہوں تو دوبارہ نکاح کر سکتے ہیں اور اگر تیسری بار طلاق دے گا تو پھر اُن میں نکاح بھی درست نہیں ہوگا جب تک دوسرا خاوند اُس سے نکاح کر کے صحبت نہ کر لیوے **فائدہ** امساک بمعروف اور تسریح باحسان سے غرض یہ ہے کہ رجعت کرے تو موافقت اور حسن معاشرت کے ساتھ رہے عورت کو قید میں رکھنا اور ستانا مقصود نہ ہو جیسا کہ اُن میں دستور تھا ورنہ سہولت اور عمدگی کے ساتھ اُس کو رخصت کرے۔

(۲۷۶) یعنی مردوں کو یہ روا نہیں کہ عورتوں کو جو مہر دیا ہے اُس کو طلاق کے بدلہ میں واپس لینے لگیں البتہ یہ جب روا ہے کہ ناچاری ہو اور کسی طرح دونوں میں موافقت نہ آئے اور اُن کو اس بات کا اندیشہ ہو کہ بوجہ شدت مخالفت ہم احکام خداوندی کی پابندی معاشرت باہمی میں نہ کر سکیں گے اور مرد کی طرف سے ادائے حقوق زوجہ میں قصور بھی نہ ہو ورنہ مال لینا زوج کو حرام ہے۔

(۲۷۷) **خُلع کا بیان** یعنی اے مسلمانوں اگر تم کو یہ ڈر ہو کہ خاوند اور بیوی میں ایسی بیزاری ہے کہ اُن کی گذران موافقت سے نہ ہو گی تو پھر اُن دونوں پر کچھ گناہ نہیں کہ عورت مال دے کر اپنے آپ کو نکاح سے چھڑا لے اور مرد وہ مال لے لے۔ اس کو خُلع کہتے ہیں اور جب اس ضرورت کی حالت میں زوجین کو خلع کرنا درست ہوا تو سب مسلمانوں کو اس میں سعی کرنی ضرور درست ہوگی **فائدہ** ایک عورت آپ کی خدمت میں آئی اور عرض کیا کہ میں اپنے خاوند سے ناخوش ہوں اُس کے یہاں رہنا نہیں چاہتی آپ نے تحقیق کیا تو عورت نے کہا کہ وہ میرے حقوق میں کوتاہی نہیں کرتا اور نہ اُس کے اخلاق و تدین پر مجھ کو اعتراض ہے لیکن مجھ کو اُس سے منافرت طبعی ہے آپ نے عورت سے مہر واپس کرا دیا اور زوج سے طلاق دلوا دی اس پر یہ آیت اُتری۔

(۲۷۸) یہ سب احکام مذکورہ یعنی طلاق اور رجعت اور خلع حدود اور قواعد مقرر فرمودہ حق تعالیٰ ہیں اُن کی پوری پابندی لازم ہے کسی قسم کا خلاف اور تغیر اور کوتاہی ان میں نہ کرنی چاہیئے۔

فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ ؕ فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ

پھر اگر اُس عورت کو طلاق دی یعنی تیسری بار تو اب حلال نہیں اُس کو وہ عورت اسکے بعد جبتک نکاح نہ کرے کسی خاوند سے اسکے سوا پھر اگر طلاق دیدے دوسرا خاوند تو کچھ گناہ نہیں ان دونوں پر

اَنْ يَّتَرَاجَعَآ اِنْ ظَنَّآ اَنْ يُّقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ؕ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿۲۳۰﴾

کہ پھر باہم ملجاویں اگر خیال کریں کہ قائم رکھیں گے اللہ کا حکم اور یہ حدیں باندھی ہوئی ہیں اللہ کی بیان فرماتا ہے انکو واسطے جاننے والوں کے ف۳۷۹

وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ سَرِّحُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ ۠ وَّ

اور جب طلاق دی تم نے عورتوں کو پھر پہنچیں اپنی عدت تک ف۳۸۰ تو رکھ لو اُن کو موافق دستور کے یا چھوڑ دو اُن کو بھلی طرف سے اور

لَا تُمْسِكُوْهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوْا ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ ؕ وَلَا تَتَّخِذُوْٓا اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا

نہ روکے رکھو اُن کو ستانے کیلئے تاکہ اُن پر زیادتی کرو ف۳۸۱ اور جو ایسا کرے گا وہ بیشک اپنا ہی نقصان کریگا اور مت ٹھہراؤ اللہ کے احکام کو ہنسی

وَّاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمَآ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ وَالْحِكْمَةِ يَعِظُكُمْ بِهٖ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ

اور یاد کرو اللہ کا احسان جو تم پر ہے اور اُس کو کہ جو اُتاری تم پر کتاب اور علم کی باتیں کہ تم کو نصیحت کرتا ہے اسکے ساتھ اور ڈرتے رہو اللہ سے

اعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۲۳۱﴾ ع ۲۹/۱۳ وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ

جان رکھو کہ اللہ سب کچھ جانتا ہے ف۳۸۲ اور جب طلاق دی تم نے عورتوں کو پھر پورا کر چکیں اپنی عدت کو تو آپ نہ روکو انکو اس سے

اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ اِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ ذٰلِكَ يُوْعَظُ بِهٖ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ

کہ نکاح کر لیں اپنے انہی خاوندوں سے جبکہ راضی ہو جاویں آپس میں موافق دستور کے ف۳۸۳ یہ نصیحت اُس کو کی جاتی ہے جو کہ تم میں سے ایمان

يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ ذٰلِكُمْ اَزْكٰى لَكُمْ وَاَطْهَرُ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۳۲﴾

رکھتا ہے اللہ پر اور قیامت کے دن پر ف۳۸۴ اس میں تمہارے واسطے بڑی ستھرائی ہے اور بہت پاکیزگی اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے ف۳۸۵

(۳۷۹) **تیسری طلاق کا حکم** یعنی اگر زوج اپنی عورت کو تیسری بار طلاق دے گا تو پھر وہ عورت اُس کے لئے حلال نہ ہو گی تاوقتیکہ وہ عورت دوسرے شخص سے نکاح نہ کر لے اور دوسرا خاوند اُس سے صحبت کر کے اپنی خوشی سے طلاق نہ دیوے اُس کی عدت پوری کر کے پھر زوج اوّل سے نکاح جدید ہو سکتا ہے اس کو حلالہ کہتے ہیں اور حلالہ کے بعد زوج اول کے ساتھ نکاح ہونا جب ہی ہے کہ اُن کو حکم خداوندی کے قائم رکھنے یعنی ایک دوسرے کے حقوق ادا کرنے کا خیال اور اُس پر اعتماد ہو ورنہ ضرور نزاع باہمی اور اتلاف حقوق کی نوبت آئے گی اور گناہ میں مبتلا ہونگے۔

(۳۸۰) یعنی عدت ختم ہونے کو آئی۔

(۳۸۱) **رجعت کے آداب** یعنی عدت کے ختم ہونے تک خاوند کو اختیار ہے کہ اُس عورت کو موافقت اور اتحاد کے ساتھ پھر ملا لے یا خوبی اور رضامندی کے ساتھ بالکل چھوڑ دے یہ ہرگز جائز نہیں کہ قید میں رکھ کر اُس کو ستانے کے قصد سے رجعت کرے جیسا کہ بعض اشخاص کیا کرتے تھے فائدہ آیۃ سابقہ یعنی الطلاق مرتان الخ میں یہ بتلایا تھا کہ دو طلاق تک زوج کو اختیار ہے کہ عورت کو عمدگی سے پھر ملا لے یا بالکل چھوڑ دے اب اس آیت میں یہ ارشاد ہے کہ یہ اختیار صرف عدت تک ہے عدت کے بعد زوج کو اختیار مذکور حاصل نہ ہو گا اس لئے کوئی تکرار کا شبہ نہ کرے۔

(۳۸۲) نکاح طلاق ایلاء خلع رجعت حلالہ وغیرہ میں بڑی حکمتیں اور مصلحتیں ہیں اُن میں حیلے کرنے اور بیہودہ اغراض کو دخل دینا مثلاً کوئی رجعت کرلے اور اُس سے مقصود عورت کو تنگ کرنا ہے تو گویا اللہ کے احکام کے ساتھ ٹھٹھے بازی ٹھہری نعوذ باللہ من ذلک اللہ کو سب کچھ روشن ہے ایسے حیلوں سے بجز مضرت اور کیا حاصل ہوسکتا ہے۔

(۳۸۳) **معروف طریقے کے معنی** ایک عورت کو اُس کے خاوند نے ایک یا دو طلاق دی اور پھر عدت میں رجعت بھی نہ کی جب عدت ختم ہوچکی تو دوسرے لوگوں کے ساتھ زوج اوّل نے بھی نکاح کا پیام دیا عورت بھی اس پر راضی تھی مگر عورت کے بھائی کو غصہ آیا اور نکاح کو روک دیا اس پر یہ حکم اُترا کہ عورت کی خوشنودی اور بہبودی کو ملحوظ رکھو اُسی کے موافق نکاح ہونا چاہئے اپنے کسی خیال اور ناخوشی کو دخل مت دو اور یہ خطاب عام ہے نکاح سے روکنے والوں کو سب کو خواہ زوج اوّل جس نے کہ طلاق دی ہے وہ دوسری جگہ عورت کو نکاح کرنے سے روکے یا عورت کے ولی اور وارث عورت کو پہلے خاوند سے یا کسی دوسری جگہ نکاح کرنے سے مانع ہوں سب کو روکنے سے ممانعت آگئی ہاں اگر خلاف قاعدہ کوئی بات ہو مثلاً غیر کفو میں عورت نکاح کرنے لگے یا پہلے خاوند کی عدت کے اندر کسی دوسرے سے نکاح کرنا چاہے تو بیشک ایسے نکاح سے روکنے کا حق ہے بالمعروف فرمانے کا یہی مطلب ہے۔

(۳۸۴) **یہ سب احکام حکمت سے پُر ہیں** یعنی حکم جو مذکور ہوئے اُن سے اہل ایمان کو نصیحت دی جاتی ہے کیونکہ اس نصیحت سے وہی منتفع ہوتے ہیں اور یوں تو نصیحت سبھی کے لئے ہے کسی کی خصوصیت نہیں اور مومنین کے خاص کرنے سے دوسروں پر تہدید اور اُن کی تحقیر بھی مفہوم ہوتی ہے یعنی جو لوگ ان حکموں پر عمل نہیں کرتے گویا اُن کو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان ہی نہیں۔

(۳۸۵) یعنی عورت کو نکاح سے نہ روکنے اور اُس کے نکاح ہوجانے میں وہ پاکیزگی ہے جو نکاح سے روکنے میں ہرگز نہیں اور عورت جب کہ پہلے خاوند کی طرف راغب ہو تو اُسی کے ساتھ نکاح ہوجانے میں وہ پاکیزگی ہے کہ دوسرے کے ساتھ نکاح کرنے میں ہرگز نہیں اللہ تعالیٰ اُن کے دلوں کی باتوں کو اور نفع نقصان آئندہ کو خوب جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ ۭ وَعَلَى

اور بچے والی عورتیں دودھ پلاویں اپنے بچوں کو دو برس پورے جو کوئی چاہے کہ پوری کرے دودھ کی مدت ف ۳۸۶ اور لڑکے

الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۭ لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ اِلَّا وُسْعَهَا ۚ لَا تُضَاۗرَّ وَالِدَةٌۢ

والے یعنی باپ پر ہے کھانا اور کپڑا اُن عورتوں کا موافق دستور کے تکلیف نہیں دی جاتی کسی کو مگر اُس کی گنجائش کے موافق نہ نقصان دیا جاوے ماں کو

بِوَلَدِهَا وَلَا مَوْلُوْدٌ لَّهٗ بِوَلَدِهٖ ۤ وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذٰلِكَ ۚ فَاِنْ اَرَادَا فِصَالًا عَنْ تَرَاضٍ

اُس کے بچہ کی وجہ سے اور نہ اُس کو کہ جس کا وہ بچہ ہے یعنی باپ کو اُس کے بچہ کی وجہ سے ف ۳۸۷ اور وارثوں پر بھی یہی لازم ہے ف ۳۸۸ پھر اگر ماں باپ چاہیں کہ دودھ چھڑالیں یعنی دو برس کے

مِّنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا ۭ وَاِنْ اَرَدْتُّمْ اَنْ تَسْتَرْضِعُوْٓا اَوْلَادَكُمْ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ

اندر ہی اپنی رضا اور مشورہ سے تو اُن پر کچھ گناہ نہیں ف ۳۸۹ اور اگر تم لوگ چاہو کہ دودھ پلواؤ کسی دایہ سے اپنی اولاد کو تو بھی تم پر کچھ گناہ نہیں

اِذَا سَلَّمْتُمْ مَّآ اٰتَيْتُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝ ۲۳۳

جبکہ حوالہ کردو جو تم نے دینا ٹھہرایا تھا موافق دستور کے ف ۳۹۰ اور ڈرو اللہ سے اور جان رکھو کہ اللہ تمہارے سب کاموں کو خوب دیکھتا ہے

(۳۸۶) **رضاعت کے احکام** یعنی ماں کو حکم ہے کہ اپنے بچہ کو دو برس تک دودھ پلائے اور یہ مدت اُس کے لئے ہے جو ماں باپ بچہ کے

دودھ پینے کی مدت کو پورا کرنا چاہیں ورنہ اس میں کمی بھی جائز ہے جیسا آیت کے اخیر میں آتا ہے اور اس حکم میں وہ مائیں بھی داخل ہیں جن کا نکاح باقی ہے اور وہ بھی جن کو طلاق مل چکی ہو یا اُن کی عدت بھی گذر چکی ہو ہاں اتنا فرق ہوگا کہ کھانا کپڑا منکوحہ اور معتدہ کو تو دینا زوج کو ہر حال میں لازم ہے دودھ پلائے یا نہ پلائے اور عدت ختم ہو چکے گی تو پھر صرف دودھ پلانے کی وجہ سے دینا ہوگا اور اس آیت سے یہ معلوم ہوا کہ دودھ کی مدت کو جس ماں سے پورا کرانا چاہیں یا جس صورت میں باپ سے دودھ پلانے کی اُجرت ماں کو دلوانا چاہیں تو اُس کی انتہا دُو برس کامل ہیں یہ معلوم نہیں ہوا کہ علی العموم دودھ پلانے کی مدت دُو برس سے زیادہ نہیں۔

(۳۸۷) یعنی باپ کو بچہ کی ماں کو کھانا کپڑا ہر حال میں دینا پڑے گا۔ اول صورت میں تو اس لئے کہ وہ اس کے نکاح میں ہے دوسری صورت میں عدت میں ہے اور تیسری صورت میں دودھ پلانے کی اجرت دینی ہوگی اور بچہؔ کے ماں باپ بچہ کی وجہ سے ایک دوسرے کو تکلیف نہ دیں مثلاً ماں بلاوجہ دودھ پلانے سے انکار کرے یا باپ بلا سبب ماں سے بچہؔ کو جُدا کر کے کسی اور سے دودھ پلوائے یا کھانے کپڑے میں تنگی کرے۔

(۳۸۸) یعنی اگر باپ مرجاوے تو بچہ کے وارثوں پر بھی یہی لازم ہے کہ دودھ پلانے کی مدت میں اُس کی ماں کے کھانے کپڑے کا خرچ اُٹھائیں اور تکلیف نہ پہنچائیں اور وارث سے مراد وہ وارث ہے جو محرم بھی ہو۔

(۳۸۹) یعنی اگر ماں باپ کسی مصلحت کی وجہ سے دو سال کے اندر ہی بچہ کی مصلحت کا لحاظ کر کے باہمی مشورہ اور رضامندی سے دودھ چھڑانا چاہیں تو اُس میں گناہ نہیں مثلاً ماں کا دودھ اچھا نہ ہو۔

(۳۹۰) یعنی اے مردو اگر تم کسی ضرورت و مصلحت سے ماں کے سوا کسی دوسری عورت سے دودھ پلوانا چاہو تو اُس میں بھی گناہ نہیں مگر اُس کی وجہ سے ماں کا کچھ حق نہ کاٹ رکھے بلکہ دستور کے موافق جو ماں کو دینا ٹھہرایا تھا وہ دیدے اور یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ دودھ پلانے والی کا حق نہ کاٹے۔

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا ۚ

اور جو لوگ مرجاویں تم میں سے اور چھوڑ جاویں اپنی عورتیں تو چاہئے کہ وہ عورتیں انتظار میں رکھیں اپنے آپ کو چار مہینے اور دس دن ف ۳۹۱

فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۗ وَاللّٰهُ بِمَا

پھر جب پورا کر چکیں اپنی عدت کو تو تم پر کچھ گناہ نہیں اس بات میں کہ کریں وہ اپنے حق میں قاعدہ کے موافق ف ۳۹۲ اور اللہ کو تمہارے

تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۲۳۴﴾ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا عَرَّضْتُمْ بِهٖ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَآءِ اَوْ اَكْنَنْتُمْ فِيْٓ

تمام کاموں کی خبر ہے اور کچھ گناہ نہیں تم پر اس میں کہ اشارہ میں کہو پیغام نکاح ان عورتوں کا یا پوشیدہ رکھو اپنے

اَنْفُسِكُمْ ۗ عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ سَتَذْكُرُوْنَهُنَّ وَلٰكِنْ لَّا تُوَاعِدُوْهُنَّ سِرًّا اِلَّآ اَنْ تَقُوْلُوْا

دل میں اللہ کو معلوم ہی کہ تم البتہ اُن عورتوں کا ذکر کرو گے لیکن اُن سے نکاح کا وعدہ نہ کر رکھو چھپ کر مگر یہی کہ کہدو کوئی

قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۥ وَلَا تَعْزِمُوْا عُقْدَةَ النِّكَاحِ حَتّٰى يَبْلُغَ الْكِتٰبُ اَجَلَهٗ ۗ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ

بات رواج شریعت کے موافق اور نہ ارادہ کرو نکاح کا یہاں تک کہ پہنچ جاوے عدت مقررہ اپنی انتہا کو ف ۳۹۳ اور جان رکھو کہ اللہ کو

يَعْلَمُ مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ فَاحْذَرُوْهُ ۚ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿۲۳۵﴾

معلوم ہے جو کچھ تمہارے دل میں ہے سو اُس سے ڈرتے رہو اور جان رکھو کہ اللہ بخشنے والا اور تحمل کرنے والا ہے ف ۳۹۴

(۳۹۱) **موت کی عدت** | پہلے گذر چکا ہے کہ طلاق کی عدت میں تین حیض انتظار کرے اب فرمایا کہ موت کی عدت میں چار مہینے دس دن انتظار کرے سو اس مدت میں اگر معلوم ہو گیا کہ عورت کو حمل نہیں تو عورت کو نکاح کی اجازت ہو گی ورنہ وضع حمل کے بعد اجازت ہو گی اُس کی تشریح سورۂ طلاق میں آئیگی حقیقت میں تین حیض یا چار مہینے دس دن حمل کے انتظار اور اس کے دریافت کرنے کے لئے مقرر فرمائے۔

(۳۹۲) **بیوہ کا نکاح** | جب بیوہ عورتیں اپنی عدت پوری کر لیں یعنی غیر حاملہ چار ماہ دس روز اور حاملہ مدت حمل تو اُن کو دستور شریعت کے موافق نکاح کر لینے میں کچھ گناہ نہیں اور زینت اور خوشبو سب حلال ہیں۔

(۳۹۳) خلاصہ آیت کا یہ ہوا کہ عورت خاوند کے نکاح سے جدا ہوئی تو جب تک عدت میں ہے تو کسی دوسرے کو جائز نہیں کہ اُس سے نکاح کر لے یا صاف وعدہ کرا لے یا صاف پیام بھیجے لیکن اگر دل میں نیت رکھے کہ بعد عدت اس سے نکاح کرونگا یا اشارۃً اپنے مطلب کو اُسے سُنا دے تاکہ کوئی دوسرا اس سے پہلے پیام نہ دے بیٹھے مثلاً عورت کو سُنا دے کہ تجھ کو ہر کوئی عزیز رکھے گا یا کہے کہ میرا ارادہ کہیں نکاح کرنے کا ہے تو کچھ گناہ نہیں مگر صاف پیام ہرگز نہ دے۔

(۳۹۴) یعنی حق تعالیٰ تمہارے جی کی باتیں جانتا ہے سو ناجائز ارادہ سے بچتے رہو اور ناجائز ارادہ ہو گیا تو اس سے توبہ کرو اللہ بخشنے والا ہے اور گنہگار پر عذاب نہ ہوا تو اس سے مطمئن نہ ہو جائے کیونکہ وہ حلیم ہے عقوبت میں جلدی نہیں فرماتا۔

لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ مَا لَمْ تَمَسُّوهُنَّ أَوْ تَفْرِضُوا لَهُنَّ فَرِيضَةً ۚ وَ

کچھ گناہ نہیں تم پر اگر طلاق دو تم عورتوں کو اس وقت کہ اُن کو ہاتھ بھی نہ لگایا ہو اور نہ مقرر کیا ہو اُن کے لئے کچھ مہر اور

مَتِّعُوهُنَّ عَلَى الْمُوسِعِ قَدَرُهُ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهُ مَتَاعًا بِالْمَعْرُوفِ ۖ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِينَ ﴿٢٣٦﴾ وَ

اُنکو کچھ خرچ دو مقدور والے پر اُسکے موافق ہے اور تنگی والے پر اُس کے موافق جو خرچ کہ قاعدہ کے موافق ہے لازم ہے نیکی کرنے والوں پر ف ۳۹۵ اور

إِنْ طَلَّقْتُمُوهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَمَسُّوهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ

اگر طلاق دو اُن کو ہاتھ لگانے سے پہلے اور ٹھہرا چکے تھے تم اُن کے لئے مہر تو لازم ہوا آدھا اُسکا کہ تم مقرر کر چکے تھے

إِلَّا أَنْ يَعْفُونَ أَوْ يَعْفُوَ الَّذِي بِيَدِهِ عُقْدَةُ النِّكَاحِ ۚ وَأَنْ تَعْفُوا أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ ۚ وَلَا تَنْسَوُا

مگر یہ کہ درگذر کریں عورتیں یا درگذر کرے وہ شخص کہ اُسکے اختیار میں ہے گرہ نکاح کی یعنی خاوند اور تم مرد درگذر کرو تو قریب ہے پرہیزگاری سے اور نہ بھلا دو

الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿٢٣٧﴾ حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلَاةِ

احسان کرنا آپس میں بیشک اللہ جو کچھ تم کرتے ہو خوب دیکھتا ہے ف ۳۹۶ خبردار رہو سب نمازوں سے اور بیچ والی

الْوُسْطَىٰ وَقُومُوا لِلَّهِ قَانِتِينَ ﴿٢٣٨﴾ فَإِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا أَوْ رُكْبَانًا ۖ فَإِذَا أَمِنْتُمْ فَاذْكُرُوا اللَّهَ

نماز سے اور کھڑے رہو اللہ کے آگے ادب سے ف ۳۹۷ پھر اگر تم کو ڈر ہو کسی کا تو پیادہ پڑھ لو یا سوار پھر جس وقت تم امن پاؤ تو یاد کرو اللہ کو

كَمَا عَلَّمَكُمْ مَا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ ﴿٢٣٩﴾

جس طرح کہ تم کو سکھایا ہے جس کو تم نہ جانتے تھے ف ۳۹۸

(۳۹۵) **مہر کا بیان** | اگر نکاح کے وقت مہر کا ذکر نہ آیا اور بلا مہر ہی نکاح کر لیا تو بھی نکاح درست ہے مہر بعد میں مقرر ہو رہیگا لیکن اس صورت میں اگر ہاتھ لگانے سے پہلے یعنی مجامعت اور خلوت صحیحہ سے پہلے ہی طلاق دیدی تو مہر کچھ لازم نہ ہو گا لیکن زوج کو لازم ہے کہ اپنے پاس

سے عورت کو کچھ دے دے کم سے کم یہی کہ تین کپڑے کرتہ، سربند، چادر اپنی حالت کے موافق اور خوشی سے دیدے۔

(۳۹۶) **مہر کے احکام** اگر نکاح کے وقت مہر مقرر ہو چکا تھا اور ہاتھ لگانے سے پہلے طلاق دیدی تو آدھا مہر دینا لازم ہے مگر عورت یا مرد کہ جس کے اختیار میں ہے نکاح کا قائم رکھنا اور توڑنا اپنے حق سے درگذر کریں تو بہتر ہے عورت کی تو درگذر یہ کہ آدھا بھی معاف کر دے اور مرد کی درگذر یہ کہ جو مہر مقرر ہوا تھا پورا حوالہ کر دے یا تمام مہر ادا کر چکا تھا تو آدھا نہ لوٹا وے بلکہ سب مہر چھوڑ دے پھر فرمایا کہ مرد درگذر کرے تو تقویٰ کے زیادہ مناسب ہے۔ کیونکہ اللہ نے اُس کو بڑائی دی اور مختار کیا نکاح باقی رکھنے کا اور طلاق دینے کا اور نفس نکاح سے تمام مہر لازم ہو جاتا ہے اب بدون ہاتھ لگائے طلاق دے کر زوج نصف مہر کو اپنے ذمہ سے ٹلاتا ہے یہ تقویٰ کے مناسب نہیں اور زوجہ کی طرف سے کسی قسم کی کوتاہی نہیں ہوئی جو کچھ کیا زوج نے کیا ان وجوہ سے زوج کو زیادہ مناسب ہے کہ درگذر کرے فائدہ طلاق کی مہر اور وطی کے لحاظ سے چار صورتیں ہو سکتی ہیں ایک تو یہ کہ نہ مہر ہو نہ وطی۔ دوسری یہ کہ مہر تو مقرر ہو مگر وطی کی نوبت نہ آئے ان دونوں صورتوں کا حکم دونوں آیتوں میں معلوم ہو چکا۔ تیسری یہ کہ مہر مقرر ہو اور وطی کی نوبت آوے اس میں جو مہر مقرر کیا ہے پورا دینا ہوگا۔ یہ صورت کلام اللہ میں دوسری موقع پر مذکور ہے۔ چوتھی یہ کہ مہر نہ ٹھہرایا تھا اور ہاتھ لگانے کے بعد طلاق دی اس میں مہر مثل پورا دینا پڑیگا یعنی جو اُس عورت کی قوم میں رواج ہے اور یہی چاروں صورتیں موت زوج میں نکلیں گی مگر موت کا حکم طلاق کے حکم سے جدا ہے اگر مہر مقرر نہ کیا تھا اور ہاتھ بھی نہیں لگایا تھا کہ زوج مر گیا یا ہاتھ لگانے کے بعد مرا ان دونوں صورتوں میں مہر مثل پورا لازم ہوگا اور اگر مہر مقرر کیا اور ہاتھ لگایا یا ہاتھ نہ لگایا تو ان دونوں صورتوں میں جو مہر مقرر ہوا تھا وہ پورا دینا ہوگا۔

(۳۹۷) **عصر کی نماز کی اہمیت** بیچ والی نماز سے مراد عصر کی نماز ہے کہ دن اور رات کے بیچ میں ہے اس کی تاکید زیادہ فرمائی کہ اُس وقت دنیا کا مشغلہ زیادہ ہوتا ہے اور فرمایا کھڑے رہو ادب سے یعنی نماز میں ایسی حرکت نہ کرو کہ جس سے معلوم ہو جائے کہ نماز نہیں پڑھتے ایسی باتوں سے نماز ٹوٹ جاتی ہے جیسے کھانا یا پینا یا کسی سے بات کرنا یا ہنسنا فائدہ طلاق کے حکموں میں نماز کے حکم کو بیان فرمانے کی یا یہ وجہ ہے کہ دنیا کے معاملات اور باہمی نزاعات میں پڑ کر کہیں خدا کی عبادت کو نہ بھلا دو اور یا یہ وجہ ہے کہ ہوا و ہوس کے بندوں کو بوجہ غلبہ حرص و بخل عدل کو پورا کرنا اور انصاف سے کام لینا اور وہ بھی رنج اور طلاق کی حالت میں بہت دشوار ہے پھر وان تعفوا اور لا تنسوا الفضل پر اور اس حالت میں اُن سے عمل کرنے کی توقع بیشک مستبعد نظر آتی تھی سو اُس کا علاج فرما دیا گیا کہ نماز کی محافظت اور اُس کی پابندی اور اُس کے حقوق کی رعایت عمدہ علاج ہے کہ نماز کو ازالہ رذائل اور تحصیل فواضل میں بڑا اثر ہے۔

(۳۹۸) **خوف کی نماز کا بیان** یعنی لڑائی اور دشمن سے خوف کا وقت ہو تو ناچاری کو سواری پر اور پیادہ بھی اشارہ سے نماز درست ہے گو قبلہ کی طرف بھی منہ نہ ہو۔

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا ۖۚ وَّصِيَّةً لِّاَزْوَاجِهِمْ مَّتَاعًا اِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ اِخْرَاجٍ ۚ

اور جو لوگ تم میں سے مر جاویں اور چھوڑ جاویں اپنی عورتیں تو وہ وصیت کر دیں اپنی عورتوں کے واسطے خرچ دینا ایک برس تک بغیر نکالنے کے گھر سے ف۳۹۹

فَاِنْ خَرَجْنَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْ مَا فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ مِنْ مَّعْرُوْفٍ ۭ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝۲۴۰

پھر اگر وہ عورتیں آپ نکل جاویں تو کچھ گناہ نہیں تم پر اس میں کہ کریں وہ عورتیں اپنے حق میں بھلی بات اور اللہ زبردست ہے حکمت والا ف۴۰۰

وَلِلْمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ ۭ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ ۝۲۴۱

اور طلاق دی ہوئی عورتوں کے واسطے خرچ دینا ہے قاعدہ کے موافق لازم ہے پرہیزگاروں پر ف۴۰۱

(۳۹۹) یہ حکم اول تھا اس کے بعد جب آیت میراث نازل ہوئی اور عورتوں کا حصہ بھی مقرر ہو چکا ادھر عورت کی عدت چار مہینے دس دن کی ٹھہرا دی گئی تب سے اس آیت کا حکم موقوف ہوا۔

(۴۰۰) یعنی اگر وہ عورتیں اپنی خوشی سے سال کے ختم ہونے سے پہلے گھر سے نکلیں تو کچھ گناہ نہیں تم پر اے وارثو اس کام میں کہ کریں وہ عورتیں اپنے حق میں شریعت کے موافق یعنی چاہیں خاوند کریں یا اچھی پوشاک اور خوشبو کا استعمال کریں کچھ حرج نہیں۔

(۴۰۱) **طلاق والی عورتوں کو جوڑا دینا** پہلے خرچ یعنی جوڑا دینے کا حکم اس طلاق پر آچکا ہے کہ نہ مہر ٹھہرا ہو نہ زوج نے ہاتھ لگایا ہو اب اس آیت میں وہ حکم سب کے لئے آگیا مگر اتنا فرق ہے کہ سب طلاق والیوں کو جوڑا دینا مستحب ہے ضروری نہیں اور پہلی صورت میں ضروری ہے

ع ۳۱ ۱۵ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۲۴۲﴾ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَهُمْ

اسی طرح بیان فرماتا ہے اللہ تمہارے واسطے اپنے حکم تاکہ تم سمجھ لو ف ۴۰۲ کیا نہ دیکھا تو نے ان لوگوں کو جو کہ نکلے اپنے گھروں سے اور وہ

اُلُوْفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ ۪ فَقَالَ لَهُمُ اللّٰهُ مُوْتُوْا ۣ ثُمَّ اَحْيَاهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ

ہزاروں تھے موت کے ڈر سے پھر فرمایا ان کو اللہ نے کہ مر جاؤ پھر ان کو زندہ کر دیا بیشک اللہ فضل کرنے والا ہے لوگوں پر لیکن

اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿۲۴۳﴾ وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۴۴﴾ مَنْ

اکثر لوگ شکر نہیں کرتے ف ۴۰۳ اور لڑو اللہ کی راہ میں اور جان لو کہ اللہ بیشک خوب سنتا جانتا ہے کون شخص

ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗٓ اَضْعَافًا كَثِيْرَةً ۭ وَاللّٰهُ يَقْبِضُ وَيَبْصُۜطُ

ہے ایسا جو کہ قرض دے اللہ کو اچھا قرض پھر دوگنا کر دے اللہ اس کو کئی گنا اور اللہ ہی تنگی کر دیتا ہے اور وہی کشایش کرتا ہے

وقف لازم

وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۲۴۵﴾ اَلَمْ تَرَ اِلَى الْمَلَاِ مِنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى ۘ اِذْ قَالُوْا لِنَبِيٍّ لَّهُمُ

اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے ف ۴۰۴ کیا نہ دیکھا تو نے ایک جماعت بنی اسرائیل کو موسیٰ کے بعد ف ۴۰۵ جب انہوں نے کہا اپنے نبی سے

ابْعَثْ لَنَا مَلِكًا نُّقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ قَالَ هَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ اَلَّا

مقرر کر دو ہمارے لئے ایک بادشاہ تاکہ ہم لڑیں اللہ کی راہ میں پیغمبر نے کہا کیا تم سے یہ بھی توقع ہے کہ اگر حکم ہو تم کو لڑائی کا تو تم اس

تُقَاتِلُوْا ۭ قَالُوْا وَمَا لَنَآ اَلَّا نُقَاتِلَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَقَدْ اُخْرِجْنَا مِنْ دِيَارِنَا وَاَبْنَاۗىِٕنَا ۭ فَلَمَّا

وقت نہ لڑو وہ بولے ہم کو کیا ہوا کہ ہم نہ لڑیں اللہ کی راہ میں اور ہم تو نکال دیے گئے اپنے گھروں سے اور بیٹوں سے پھر جب

كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ تَوَلَّوْا اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۴۶﴾

حکم ہوا ان کو لڑائی کا تو وہ سب پھر گئے مگر تھوڑے سے ان میں کے اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے گنہگاروں کو ف ۴۰۶

(۴۰۲) یعنی جس طرح اللہ تعالیٰ نے یہاں نکاح طلاق عدت کے احکام بیان فرمائے ایسے ہی اپنے احکام و آیات کو واضح فرماتا ہے کہ تم سمجھ لو اور عمل کر سکو۔ یہاں نکاح و طلاق کے احکام ختم ہو چکے۔

(۴۰۳) **پچھلے لوگوں کا ایک قصہ** یہ پہلی امت کا قصہ ہے کہ کئی ہزار شخص گھر بار کو ساتھ لے کر وطن سے بھاگے ان کو ڈر ہوا تھا غنیم کا

اور لڑنے سے جی چھپایا یا ڈر ہوا تھا وبا کا اور تقدیر پر توکل اور یقین نہ کیا پھر ایک منزل پر پہنچ کر بحکم الٰہی سب مر گئے پھر سات دن کے بعد پیغمبر کی دعا سے زندہ ہوئے کہ آگے کو توبہ کریں اس حال کو یہاں اس واسطے ذکر فرمایا کہ کافروں سے لڑنے یا فی سبیل اللہ مال خرچ کرنے میں جان اور مال کی محبت کے باعث دریغ نہ کریں اور جان لیویں کہ اللہ موت بھیجے تو چھٹکارے کی کوئی صورت نہیں اور زندگی چاہے تو مردہ کو دم کے دم میں زندہ کر دے زندہ کو موت سے بچا لینا تو کوئی چیز ہی نہیں پھر اُس کی تعمیل حکم میں موت سے ڈر کر جہاد سے بچنا یا افلاس سے بچ کر صدقہ اور دوسروں پر احسان یا عفو اور فضل سے رُکنا بد دینی کے ساتھ حماقت بھی پوری ہے۔

(۴۴۴) **انفاق مال کے فضائل** یعنی جب معلوم ہو چکا کہ اللہ کے حکم میں تمہاری جان اور مال ہے تو اب تم کو چاہیئے کہ لڑو کافروں سے اللہ کے واسطے دین کے لئے اور جان لو کہ خدا تعالیٰ سنتا ہے بہانہ کرنے والوں کی باتیں اور جانتا ہے اُن کے منصوبوں کو اور چاہیئے کہ خرچ کرو اللہ کے رستہ میں مال اور تنگی سے مت ڈرو کہ کشائش اور تنگی سب اُس کے اختیار میں ہے اور اُسی کی طرف لوٹ کر سب کو جانا ہے قرض حسنہ اُسے کہتے ہیں جو قرض دے کر تقاضا نہ کرے اور اپنا احسان نہ رکھے اور بدلہ نہ چاہے اور اُسے حقیر نہ سمجھے اور خدا کو دینے سے جہاد میں خرچ کرنا مراد ہے یا محتاجوں کو دینا۔

(۴۵۰) اس قصہ سے حق تعالیٰ کا بسط و قبض جو ابھی مذکور ہوا خوب ثابت ہوتا ہے یعنی فقیر کو بادشاہ بنانا اور بادشاہ سے بادشاہت چھین لینا اور ضعیف کو قوی اور قوی کو ضعیف کر دینا۔

(۴۶۰) **طالوت بادشاہ کا واقعہ** حضرت موسیٰ کے بعد کچھ عرصہ تک بنی اسرائیل کا کام درست رہا پھر جب اُن کی نیت بگڑی تب اُن پر ایک غنیم کافر بادشاہ جالوت نام مسلط ہوا اُن کو شہر سے نکال دیا اور لُوٹا اور اُن کو پکڑ کر بندہ بنایا بنی اسرائیل بھاگ کر بیت المقدس میں جمع ہوئے اُس وقت حضرت اشموئیل علیہ السلام پیغمبر تھے اُن سے درخواست کی کہ کوئی بادشاہ ہم پر مقرر کر دو کہ اُس کے ساتھ ہو کر ہم جہاد کریں فی سبیل اللہ

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ اللَّهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوتَ مَلِكًا ۚ قَالُوا أَنَّىٰ يَكُونُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَا وَ

اور فرمایا اُن سے اُن کے نبی نے بیشک اللہ نے مقرر فرما دیا تمہارے لئے طالوت کو بادشاہ کہنے لگے کیونکر ہو سکتی ہے اُس کو حکومت ہم پر اور

نَحْنُ أَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِّنَ الْمَالِ ۚ قَالَ إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَاهُ عَلَيْكُمْ وَزَادَهُ بَسْطَةً

ہم زیادہ مستحق ہیں سلطنت کے اُس سے اور اُس کو نہیں ملی کشائش مال میں پیغمبر نے کہا بیشک اللہ نے پسند فرمایا اُس کو تم پر اور زیادہ فراخی دی اُسکو

فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ ۖ وَاللَّهُ يُؤْتِي مُلْكَهُ مَن يَشَاءُ ۚ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ﴿٢٤٧﴾ وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ آيَةَ

علم اور جسم میں اور اللہ دیتا ہے ملک اپنا جس کو چاہے اور اللہ ہے فضل کرنیوالا سب کچھ جاننے والا ۴۴۹ اور کہا بنی اسرائیل سے اُنکے نبی نے کہ طالوت کی سلطنت

مُلْكِهِ أَن يَأْتِيَكُمُ التَّابُوتُ فِيهِ سَكِينَةٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ آلُ مُوسَىٰ وَآلُ هَارُونَ

کی نشانی یہ ہے کہ آوے تمہارے پاس ایک صندوق کہ جس میں تسلی خاطر ہے تمہارے رب کی طرف سے اور کچھ بچی ہوئی چیزیں ہیں اُن میں سے جو چھوڑ گئی تھی موسیٰ اور ہارون کی اولاد

تَحْمِلُهُ الْمَلَائِكَةُ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لَّكُمْ إِن كُنتُمْ مُّؤْمِنِينَ ﴿٢٤٨﴾ ع ۳۲

اُٹھا لاویں گے اُس صندوق کو فرشتے بیشک اُس میں پوری نشانی ہے تمہارے واسطے اگر تم یقین رکھتے ہو ۴۵۰

(۴۷۰) طالوت کی قوم میں آگے سے سلطنت نہ تھی غریب محنتی آدمی تھے اُن کی (بنی اسرائیل) نظر میں سلطنت کے قابل نظر نہ آئے اور بوجہ مال و دولت اپنے آپ کو سلطنت کے لائق خیال کیا نبی نے فرمایا کہ سلطنت کسی کا حق نہیں اور سلطنت کی بڑی لیاقت ہے عقل اور

بدن میں زیادتی اور وسعت ہوئی جس میں طالوت تم سے افضل ہے فائدہ بنی اسرائیل نے جب یہ سنا تو پھر کہا پیغمبر سے کہ اس کے سوا
کوئی اور دلیل بھی اُن کی بادشاہت پر دکھلادو تاکہ ہمارے دل میں کوئی اشتباہ نہ رہے نبی نے دعا کی جناب الٰہی میں اور طالوت کی سے
سلطنت کی دوسری نشانی بیان فرمادی گئی۔

(٤٠٨) **بنی اسرائیل کا تابوت** | بنی اسرائیل میں ایک صندوق چلا آتا تھا اُس میں تبرکات تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام وغیرہ انبیاء کے
بنی اسرائیل اُس صندوق کو لڑائی میں آگے رکھتے اللہ اس کی برکت سے فتح دیتا جب جالوت غالب آیا اُن پر تو یہ صندوق بھی وہ لے گیا تھا
جب اللہ تعالیٰ کو صندوق کا پہنچانا منظور ہوا تو یہ کیا کہ وہ کافر جہاں صندوق کو رکھتے وہیں وبا اور بلا آتی پانچ شہر ویران ہو گئے ناچار ہو کر دو
بیلوں پر اُس کو لاد کر ہانک دیا فرشتے بیلوں کو ہانک کر طالوت کے دروازے پر پہنچا گئے بنی اسرائیل اس نشانی کو دیکھ کر طالوت کی بادشاہت
پر یقین لائے اور طالوت نے جالوت پر فوج کشی کی اور موسم نہایت گرم تھا۔

فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوتُ بِالْجُنُودِ قَالَ إِنَّ اللّٰهَ مُبْتَلِيكُمْ بِنَهَرٍ فَمَنْ شَرِبَ مِنْهُ فَلَيْسَ مِنِّيْ وَمَنْ

پھر جب باہر نکلا طالوت فوجیں لے کر کہا بیشک اللہ تمہاری آزمائش کرتا ہے ایک نہر سے سو جس نے پانی پیا اُس نہر کا تو وہ میرا نہیں اور جس

لَّمْ يَطْعَمْهُ فَإِنَّهُ مِنِّيْ إِلَّا مَنِ اغْتَرَفَ غُرْفَةً بِيَدِهِ فَشَرِبُوا مِنْهُ إِلَّا قَلِيلًا مِّنْهُمْ فَلَمَّا جَاوَزَهُ

نے اُس کو نہ چکھا تو وہ بیشک میرا ہے مگر جو کوئی بھرے ایک چلو اپنے ہاتھ سے پھر پی لیا سب نے اُسکا پانی مگر تھوڑوں نے اُن میں سے پھر جب پار ہوا طالوت

هُوَ وَالَّذِينَ اٰمَنُوا مَعَهُ قَالُوا لَا طَاقَةَ لَنَا الْيَوْمَ بِجَالُوتَ وَجُنُودِهِ قَالَ الَّذِينَ يَظُنُّونَ أَنَّهُمْ

اور ایمان والے ساتھ اُس کے تو کہنے لگے طاقت نہیں ہم کو آج جالوت اور اُس کے لشکروں سے لڑنے کی کہنے لگے وہ لوگ جن کو خیال تھا کہ اُن کو

مُّلٰقُوا اللّٰهِ كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيرَةً بِإِذْنِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِينَ ﴿٢٤٩﴾ وَلَمَّا

اللہ سے ملنا ہے بارہا تھوڑی جماعت غالب ہوئی ہے بڑی جماعت پر اللہ کے حکم سے اور اللہ صبر کرنیوالوں کے ساتھ ہے ف ٤٠٩ اور جب

بَرَزُوا لِجَالُوتَ وَجُنُودِهِ قَالُوا رَبَّنَا أَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّثَبِّتْ أَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ

سامنے ہوئے جالوت کے اور اُسکی فوجوں کے تو بولے اے رب ہمارے ڈال دے ہمارے دلوں میں صبر اور جمائے رکھ ہمارے پاؤں اور مدد کر ہماری اس کافر

الْكٰفِرِينَ ﴿٢٥٠﴾ فَهَزَمُوهُمْ بِإِذْنِ اللّٰهِ وَقَتَلَ دَاوٗدُ جَالُوتَ وَاٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ وَالْحِكْمَةَ وَ

قوم پر پھر شکست دی مومنوں نے جالوت کے لشکر کو اللہ کے حکم سے اور مار ڈالا داؤد نے جالوت کو اور دی داؤد کو اللہ نے سلطنت اور حکمت اور

عَلَّمَهُ مِمَّا يَشَاءُ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الْأَرْضُ وَ

سکھایا اُن کو جو چاہا اور اگر نہ ہوتا دفع کرا دینا اللہ کا ایک کو دوسرے سے تو خراب ہو جاتا ملک

لٰكِنَّ اللّٰهَ ذُو فَضْلٍ عَلَى الْعٰلَمِينَ ﴿٢٥١﴾ تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ وَإِنَّكَ

لیکن اللہ بہت مہربان ہے جہان کے لوگوں پر ف ٤١٠ یہ آیتیں اللہ کی ہیں ہم تجھ کو سناتے ہیں ٹھیک ٹھیک اور تو بیشک

لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ ﴿٢٥٢﴾

ہمارے رسولوں میں ہے ف ٤١١

(۴۰۹) **جالوت کے خلاف طالوت کا جہاد** | ہوس سے طالوت کے ساتھ چلنے کو سب تیار ہوگئے طالوت نے کہہ دیا کہ جو کوئی جوان زور آور اور بے فکر ہو وہ چلے ایسے بھی اسی ہزار نکلے پھر طالوت نے اُن کو آزمانا چاہا ایک منزل میں پانی نہ ملا دوسری منزل میں ایک نہر ملی طالوت نے حکم کردیا کہ جو ایک چلو سے زیادہ پانی پیوے وہ میرے ساتھ نہ چلے صرف تین سو تیرہ اُن کے ساتھ رہ گئے اور سب جُدا ہوگئے۔ جنہوں نے ایک چلو سے زیادہ نہ پیا اُن کی پیاس بجھی اور جنہوں نے زیادہ پیا اُن کو اور پیاس لگی اور آگے نہ چل سکے۔

(۴۱۰) **جالوت کی شکست** | جب سامنے ہوئے جالوت کے یعنی وہی تین سو تیرہ آدمی اور اُنہی تین سو تیرہ میں حضرت داؤد کے والد اور اُن کے چھ بھائی اور خود حضرت داؤد بھی تھے حضرت داؤد کو راہ میں تین پتھر ملے اور بولے کہ اٹھا لے ہم کو ہم جالوت کو قتل کریں گے جب مقابلہ ہوا جالوت خود باہر نکلا اور کہا میں اکیلا تم سب کو کافی ہوں میرے سامنے آتے جاؤ حضرت اشمویئل نے حضرت داؤد کے باپ کو بلایا کہ اپنے بیٹے مجھ کو دکھلا اُس نے چھ بیٹے دکھائے جو قد آور تھے حضرت داؤد کو نہیں دکھایا اُن کا قد چھوٹا تھا اور بکریاں چراتے تھے پیغمبر نے اُن کو بلوایا اور پوچھا کہ تو جالوت کو مارے گا انہوں نے کہا ماروں گا پھر جالوت کے سامنے گئے اور اُنہی تینوں پتھروں کو فلاخن میں رکھ کر مارا جالوت کا صرف ماتھا کھلا تھا اور تمام بدن لوہے میں غرق تھا تینوں پتھر اُس کے ماتھے پر لگے اور پیچھے کو نکل گئے۔ جالوت کا لشکر بھاگا اور مسلمانوں کو فتح ہوئی پھر طالوت نے حضرت داؤد سے اپنی بیٹی کا نکاح کردیا اور طالوت کے بعد یہ بادشاہ ہوئے۔ اس سے معلوم ہوگیا کہ حکم جہاد ہمیشہ سے چلا آرہا ہے اور اس میں اللہ کی بڑی رحمت اور احسان ہے نادان کہتے ہیں کہ لڑائی نبیوں کا کام نہیں۔

(۴۱۱) **اس واقعہ میں آنحضرت کی نبوت کا ثبوت** | یہ قصہ جو بنی اسرائیل کا گذرا یعنی ہزاروں کا نکلنا اور اُن کا دفعۃً مرنا اور جینا اور طالوت کا بادشاہ ہونا یہ سب اللہ کی آیتیں ہیں جو تجھ کو سنائی جاتی ہیں اور تم بیشک اللہ کے رسولوں میں ہو یعنی جیسے پہلے پیغمبر ہو چکے ہیں۔ ویسے ہی تم بھی یقیناً رسول ہو کہ ان قصص قرون ماضیہ کو ٹھیک ٹھیک بیان کرتے ہو حالانکہ نہ کسی کتاب میں آپ نے دیکھا اور نہ کسی آدمی سے سُنا۔

الجزء الثالث (۳)

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۘ مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ

یہ سب رسول فضیلت دی ہم نے ان میں بعض کو بعض سے کوئی تو وہ ہے کہ کلام فرمایا اُس سے اللہ نے اور بلند کئے بعضوں کے

دَرَجٰتٍ ؕ وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ؕ وَلَوْ شَآءَ

درجے اور دیے ہم نے عیسیٰ مریم کے بیٹے کو معجزے صریح اور قوت دی اُسکو روح القدس یعنی جبریل سے ف ۴۱۲ اور اگر اللہ چاہتا

اللّٰهُ مَا اقْتَتَلَ الَّذِيْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ وَلٰكِنِ اخْتَلَفُوْا

تو نہ لڑتے وہ لوگ جو ہوئے اُن پیغمبروں کے پیچھے بعد اُس کے کہ پہنچ چکے اُن کے پاس صاف حکم لیکن اُن میں اختلاف پڑ گیا

فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ وَمِنْهُمْ مَّنْ كَفَرَ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلُوْا ۟ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ

پھر کوئی تو اُن میں ایمان لایا اور کوئی کافر ہوا اور اگر چاہتا اللہ تو وہ باہم نہ لڑتے لیکن اللہ کرتا ہے

مَا يُرِيْدُ ﴿۲۵۳﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ ع ۳۳ ۱

جو چاہے ف ۴۱۳ اے ایمان والو خرچ کرو اُس میں سے جو ہم نے تم کو روزی دی پہلے اُس دن کے آنے سے کہ جس میں

لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خُلَّةٌ وَّلَا شَفَاعَةٌ ؕ وَالْكٰفِرُوْنَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۵۴﴾

نہ خرید و فروخت ہے اور نہ آشنائی اور نہ سفارش ف ۴۱۴ اور جو کافر ہیں وہی ہیں ظالم ف ۴۱۵

(۴۱۲) **ابنیاء کی ایک دوسرے پر فضیلات** یہ پیغمبر جن کا ذکر ہوا اُن میں فضیلت دی ہم نے بعض کو بعض پر بعضے اُن میں ایسے ہیں کہ اُن سے بات کی خدا تعالیٰ نے جیسے آدم اور موسیٰ علیہما السلام اور بلند کیا بعضوں کا درجہ جیسے کوئی ایک قوم کا نبی کوئی ایک گاؤں کا کوئی ایک شہر کا کوئی تمام جہان کا جیسے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور عنایت ہوئے حضرت عیسیٰ کو کھلے معجزے جیسے احیائے موتی اور ابراء اکمہ اور ابرص وغیرہ اور قوت دی اُن کو رُوح پاک یعنی حضرت جبرئیل کو اُن کی مدد کو بھیج کر۔

(۴۱۳) **امتوں کا اختلاف** جو لوگ ان ابنیاء پر ایمان لے آئے اور صاف حکم اور روشن نشانیاں ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی ہونے کی دیکھ سُن چکے اگر خدا چاہتا تو یہ باہم نہ لڑتے اور مخالفت نہ کرتے اور کوئی ان میں مومن اور کوئی کافر نہ ہوتا لیکن حق تعالیٰ مختار ہے جو چاہتا ہے کرتا ہے کوئی فعل اس کا حکمت سے خالی نہیں۔

(۴۱۴) **انفاق مال کا حکم** اس سورت میں عبادات و معاملات کے متعلق احکام کثیرہ بیان فرمائے جن سب کی تعمیل نفس کو ناگوار اور بھاری ہے اور تمام اعمال میں زیادہ دشوار انسان کو جان اور مال کا خرچ کرنا ہوتا ہے اور احکام الٰہی اکثر جو دیکھے جاتے ہیں یا جان کے متعلق ہیں یا مال کے اور گناہ میں بندہ کو جان یا مال کی محبت اور رعایت ہی اکثر مبتلا کرتی ہے گویا اُن دونوں کی محبت گناہوں کی جڑ اور اُس سے نجات جملہ طاعات کی سہولت کا منشاء ہے اس لئے ان احکامات کو بیان فرما کر قتال اور انفاق کو بیان فرمانا مناسب ہوا وقاتلوا فی سبیل اللہ الخ اول کا بیان تھا تو من ذا الذی یقرض اللہ دوسرے کا ذکر ہے اُس کے بعد قصہ طالوت سے اوّل کی تاکید ہوئی تو اب انفقوا مما رزقنٰکم الخ سے دوسرے کی تاکید منظور ہے اور چونکہ انفاق مال پر بہت سے امور عبادات و معاملات کے موقوف ہیں تو اُس کے بیان میں زیادہ تفصیل اور تاکید سے کام لیا چنانچہ اب جو رکوع آتے ہیں اُن میں اکثروں میں امر ثانی یعنی انفاق مال کا ذکر ہے۔ خلاصہ معنی یہ ہوا کہ عمل کا وقت ابھی ہے آخرت میں تو نہ عمل بکتے ہیں نہ کوئی آشنائی سے دیتا ہے نہ کوئی سفارش سے چھڑا سکتا ہے جب تک پکڑنے والا نہ چھوڑے۔

(۴۱۵) یعنی کفار نے آپ اپنے اُوپر ظلم کیا جس کی شامت سے ایسے ہو گئے کہ آخرت میں نہ کسی کی دوستی سے اُن کو نفع ہو سکے اور نہ سفارش سے۔

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ۚ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ ؕ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ

اللہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں زندہ ہے سب کا تھامنے والا[۴۱۶] نہیں پکڑ سکتی اُس کو اُونگھ اور نہ نیند اُسی کا ہے جو کچھ آسمانوں

وَمَا فِی الْاَرْضِ ؕ مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَهٗۤ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ؕ یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَ

اور زمین میں ہے ایسا کون ہے جو سفارش کرے اُس کے پاس مگر اجازت سے جانتا ہے جو کچھ خلقت کے روبرو ہے اور

مَا خَلْفَهُمْ ۚ وَلَا یُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖۤ اِلَّا بِمَا شَآءَ ۚ وَسِعَ كُرْسِیُّهُ السَّمٰوٰتِ وَ

جو کچھ اُنکے پیچھے ہے اور وہ سب احاطہ نہیں کر سکتے کسی چیز کا اُس کی معلومات میں سے مگر جتنا کہ وہی چاہے گنجائش ہے اُس کی کرسی میں تمام آسمانوں اور

الْاَرْضَ ۚ وَلَا یَئُوْدُهٗ حِفْظُهُمَا ۚ وَهُوَ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ ﴿۲۵۵﴾

زمین کو اور گراں نہیں اُس کو تھامنا اُن کا اور وہی ہے سب سے برتر عظمت والا[۴۱۷]

(۴۱۶) **آیۃ الکرسی کی فضیلت اور عظمت** پہلی آیت سے حق سبحانہٗ کی عظمت شان بھی مفہوم ہوتی ہے اب اُس کے بعد اس آیت کو جس میں توحید ذات اور اُس کا تقدس و جلال غایت عظمت و وضاحت کے ساتھ مذکور ہے نازل فرمایا اور اُسی کا لقب آیۃ الکرسی ہے

اسی کو حدیث میں اعظم آیات کتاب اللہ فرمایا ہے اور بہت فضیلت اور ثواب منقول ہے اور اصل بات یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے اپنے کلامِ پاک میں رلا ملا کر تین قسم کے مضمون کو جگہ جگہ بیان فرمایا ہے علم توحید و صفات، علم احکام، علم قصص و حکایات سے بھی توحید و صفات کی تقریر و تائید مقصود ہوتی ہے یا علم احکام کی تاکید و ضرورت اور علم توحید و صفات اور علم احکام بھی باہم ایسے مربوط ہیں کہ ایک دوسرے کے لئے علت اور علامت ہے صفات حق تعالیٰ احکام شرعیہ کے حق میں منشاء اور اصل ہیں تو احکام شرعیہ صفات کے لئے بمنزلہ ثمرات اور فروع ہیں تو اب ظاہر ہے کہ علم قصص اور علم احکام سے علم توحید کو ضرور اعانت اور تقویت پہنچے گی اور علم قصص اور علم توحید و صفات سے ضرور علم احکام کی تاکید اور اُس کی ضرورت بلکہ حقیقت اور اصلیت ثابت ہوگی اور یہ طریقہ جو تین طریقوں سے مرکب ہے بغایت احسن اور اسہل اور قابل قبول ہے اول تو اس وجہ سے کہ ایک طریقہ کی پابندی موجب ملال ہوتی ہے اور ایک علم سے دوسرے کی طرف منتقل ہو جانا ایسا ہو جاتا ہے جیسا ایک باغ کی سیر کر کے دوسرے باغ کی سیر کرنے لگے دوسرے تینوں طریقوں سے مل کر حقیقت منشاء ثمرہ نتیجہ سب ہی معلوم ہو جائے گا اور اس میں تعمیل احکام نہایت شوق و مستعدی اور رغبت و بصیرت کے ساتھ ہوگی۔ اس لئے طریقہ مذکورہ بغایت عمدہ اور مفید اور قرآن مجید میں کثیر الاستعمال ہے اس جگہ دیکھ لیجئے کہ اول احکام کو کس کثرت و تفصیل سے بیان فرمایا اُس کے بعد بقدر مصلحت قصص کو بیان کر کے تمام احکامات مذکورہ کے فوائد و نتائج گویا ہم کو آنکھوں سے دکھلا دیے ان سب کے بعد آیۃ الکرسی جو کہ در بارہ توحید و صفات ممتاز آیت ہے اُس کو بیان فرما کر جملہ احکامات کی جڑ کو دلوں میں ایسا مستحکم فرما دیا کہ اُکھاڑے نہ اُکھڑے۔

(۴۱۷) **توحید و صفات باری تعالیٰ** اس آیت میں توحید ذات اور عظمت صفاتِ حق تعالیٰ کو بیان فرمایا کہ حق تعالیٰ موجود ہے ہمیشہ سے اور کوئی اُس کا شریک نہیں تمام مخلوقات کا موجد وہی ہے تمام نقصان اور ہر طرح کے تبدل اور فتور سے منزہ ہے سب چیزوں کا مالک ہی تمام چیزوں کا کامل علم اور سب پر پوری قدرت اور اعلیٰ درجہ کی عظمت اُس کو حاصل ہے کسی کو نہ اتنا استحقاق نہ اتنی مجال کہ بغیر اُس کے حکم کے کسی کی سفارش بھی اس سے کر سکے کوئی امر ایسا نہیں جس کے کرنے میں اُس کو دشواری اور گرانی ہو سکے۔ تمام چیزوں اور سب کی عقلوں سے برتر ہے اس کے مقابلہ میں سب حقیر ہیں۔ اس سے دو مضمون اور خوب ذہن نشین ہو گئے ایک تو حق تعالیٰ کی ربوبیت اور حکومت اور اپنی محکومیت اور عبدیت جس سے حق تعالیٰ کے تمام احکامات مذکورہ اور غیر مذکورہ کا بلا چون و چرا واجب التصدیق اور واجب التعمیل ہونا اور اس کے احکام میں کسی قسم کے شک و شبہ کا معتبر ہونا معلوم ہو گیا دوسرے عبادات و معاملات کثیرہ مذکورہ سابقہ کو اور اُن کے ساتھ تنعیم و تعذیب کو دیکھ کر کسی کو خلجان ہو سکتا تھا کہ ہر ہر فرد کے اس قدر معاملات و عبادات کثیرہ ہیں کہ جن کا مجموعہ اتنا ہوا جاتا ہے کہ اُن کا ضبط اور حساب کتاب محال معلوم ہوتا ہے پھر اس کے مقابلہ میں ثواب و عقاب یہ بھی عقل سے باہر غیر ممکن معلوم ہوتا ہے سو اس آیت میں حق سبحانہ نے چند صفات مقدسہ اپنی ایسی ذکر فرمائیں کہ وہ تمام خیالات بسہولت دور ہو گئے یعنی اس کا علم و قدرت ایسا کامل ہے کہ ایک چیز بھی ایسی نہیں جو اس سے باہر ہو جس کا علم اور قدرت ایسا غیر متناہی اور ہمیشہ یکساں رہنے والا ہو اس کو تمام جزئیات عالم کے ضبط رکھنے اور اُن کا عوض عطا فرمانے میں کیا دقت ہو سکتی ہے۔

لَآ اِكْرَاهَ فِى الدِّيْنِ ۖ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ ۚ فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْۢ

زبردستی نہیں دین کے معاملہ میں بیشک جدا ہو چکی ہے ہدایت گمراہی سے ف۴۱۸ اب جو کوئی نہ مانے گمراہ کرنے والوں کو اور یقین لاوے

بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ۚ لَا انْفِصَامَ لَهَا ۗ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۵۶﴾

اللہ پر تو اُس نے پکڑ لیا حلقہ مضبوط جو ٹوٹنے والا نہیں اور اللہ سب کچھ سنتا جانتا ہے ف۴۱۹

(۴۱۸) **دین میں جبر نہیں ہے** جب دلائل توحید بخوبی بیان فرمادی گئیں جس سے کافر کا کوئی عذر باقی نہ رہا تو اب زور سے کسی کو مسلمان کرنے کی کیا حاجت ہو سکتی ہے عقل والوں کو خود سمجھ لینا چاہیئے اور نہ شریعت کا یہ حکم ہے کہ زبردستی کسی کو مسلمان بناؤ افانت تکرہ الناس حتیٰ یکونوا مومنین خود نص موجود ہے اور جو جزیہ کو قبول کرے گا اُس کا جان و مال محفوظ ہو جائیگا۔

(۴۱۹) یعنی جب ہدایت و گمراہی میں تمیز ہو گئی تو اب جو کوئی گمراہی کو چھوڑ کر ہدایت کو منظور کرے گا تو اُس نے ایسی مضبوط چیز کو پکڑ لیا جس میں ٹوٹنے چھوٹنے کا ڈر نہیں اور حق تعالیٰ اقوال ظاہرہ کو خوب سُنتا ہے اور نیت و حالت قلبی کو خوب جانتا ہے اُس سے کسی کی خیانت اور فساد نیت چھپا نہیں رہ سکتا۔

اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ؕ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْلِيٰٓـُٔهُمُ

اللہ مددگار ہے ایمان والوں کا نکالتا ہے اُن کو اندھیروں سے روشنی کی طرف اور جو لوگ کافر ہوئے اُن کے رفیق ہیں

الطَّاغُوْتُ يُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ ؕ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۵۷﴾

شیطان نکالتے ہیں اُن کو روشنی سے اندھیروں کی طرف یہی لوگ ہیں دوزخ میں رہنے والے وہ اُسی میں ہمیشہ رہیں گے

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْ حَآجَّ اِبْرٰهٖمَ فِيْ رَبِّهٖٓ اَنْ اٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ ۘ اِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّيَ

کیا نہ دیکھا تو نے اُس شخص کو جس نے جھگڑا کیا ابراہیم سے اُس کے رب کی بابت اسی وجہ سے کہ دی تھی اللہ نے اُس کو سلطنت جب کہا ابراہیم نے میرا رب وہ ہے

الَّذِيْ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۙ قَالَ اَنَا اُحْيٖ وَاُمِيْتُ ؕ قَالَ اِبْرٰهٖمُ فَاِنَّ اللّٰهَ يَاْتِيْ بِالشَّمْسِ

جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے وہ بولا میں بھی جلاتا اور مارتا ہوں کہا ابراہیم نے کہ بیشک اللہ تو لاتا ہے سورج کو

مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِيْ كَفَرَ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ

مشرق سے اب تو لے آ اُس کو مغرب کی طرف سے تب حیران رہ گیا وہ کافر اور اللہ سیدھی راہ نہیں دکھاتا

الظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۵۸﴾ اَوْ كَالَّذِيْ مَرَّ عَلٰى قَرْيَةٍ وَّهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا ۚ قَالَ اَنّٰى يُحْيٖ هٰذِهِ

بے انصافوں کو ف۴۲۰ یا نہ دیکھا تو نے اُس شخص کو کہ گذرا وہ ایک شہر پر اور وہ گرا پڑا تھا اپنی چھتوں پر بولا کیونکر زندہ کریگا اُس کو

اللّٰهُ بَعْدَ مَوْتِهَا ۚ فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهٗ ؕ قَالَ كَمْ لَبِثْتَ ؕ قَالَ لَبِثْتُ يَوْمًا اَوْ

اللہ مر گئے پیچھے پھر مردہ رکھا اُس شخص کو اللہ نے سو برس پھر اُٹھایا اُس کو ف۴۲۱ کہا تو کتنی دیر یہاں رہا بولا میں رہا ایک دن یا ایک

بَعْضَ يَوْمٍ ؕ قَالَ بَلْ لَّبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ فَانْظُرْ اِلٰى طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ لَمْ يَتَسَنَّهْ ۚ وَ

دن سے کچھ کم ف۴۲۲ کہا نہیں بلکہ تو رہا سو برس اب دیکھ اپنا کھانا اور پینا سڑ نہیں گیا اور

انْظُرْ اِلٰى حِمَارِكَ وَلِنَجْعَلَكَ اٰيَةً لِّلنَّاسِ وَانْظُرْ اِلَى الْعِظَامِ كَيْفَ نُنْشِزُهَا ثُمَّ نَكْسُوْهَا

دیکھ اپنے گدھے کو اور ہم نے تجھ کو نمونہ بنانا چاہا لوگوں کے واسطے اور دیکھ ہڈیوں کی طرف کہ ہم اُن کو کس طرح اُبھار کر جوڑ دیتے ہیں پھر اُن پر پہناتے

لَحْمًا ؕ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗ ۙ قَالَ اَعْلَمُ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲۵۹﴾

ہیں گوشت ف۴۲۳ پھر جب اُس پر ظاہر ہوا یہ حال تو کہہ اُٹھا کہ مجھ کو معلوم ہے کہ بیشک اللہ ہر چیز پر قادر ہے ف۴۲۴

(۴۲۰) **حضرت ابراہیم اور نمرود کا مکالمہ** پہلی آیت میں اہل ایمان واہلِ کفر اور اُن کے نور ہدایت اور ظلمت کفر کا ذکر تھا اب اُس کی تائید میں چند نظائر بیان فرماتے ہیں۔ نظیر اول میں نمرود بادشاہ کا ذکر ہے وہ اپنے آپ کو سلطنت کے غرور سے سجدہ کرواتا تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اُس کے سامنے آئے تو سجدہ نہ کیا نمرود نے دریافت کیا تو فرمایا کہ میں اپنے رب کے سوا کسی کو سجدہ نہیں کرتا اُس نے کہا رب تو میں ہوں، انہوں نے جواب دیا کہ میں حاکم کو رب نہیں کہتا رب وہ ہے جو جلاتا ہے اور مارتا ہے نمرود نے دو قیدی منگا کر بے قصور کو مار ڈالا اور قصور وار کو چھوڑ دیا اور کہا کہ دیکھا میں جس کو چاہوں مارتا ہوں جسے چاہوں نہیں مارتا اس پر حضرت ابراہیم نے آفتاب کی دلیل پیش فرما کر اُس مغرور احمق کو لاجواب کیا اور اُس کو ہدایت نہ ہوئی یعنی لاجواب ہو کر بھی ارشاد ابراہیم علیہ السلام پر ایمان نہ لایا۔ یا یوں کہو کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دوسری بات کا کچھ جواب نہ دے سکا۔ حالانکہ جیسا جواب پہلے ارشاد کا دیا تھا ویسا جواب دینے کی یہاں بھی گنجائش تھی

(۴۲۱) **حضرت عزیرؑ کا عجیب واقعہ** وہ شخص حضرت عزیرؑ پیغمبر تھے اور تمام توریت اُن کو یاد تھی۔ بخت نصر کافر بادشاہ تھا اُس نے بیت المقدس کو ویران کیا اور بنی اسرائیل سے بہت لوگوں کو قید کر کے لے گیا اُن میں حضرت عزیر بھی تھے جب قید سے چھوٹ آئے تب حضرت عزیر نے راہ میں ایک شہر دیکھا ویران اُس کی عمارت گری ہوئی دیکھ کر اپنے جی میں کہا کہ یہاں کے ساکن سب مر گئے کیونکر حق تعالیٰ اُن کو جلاوے اور یہ شہر پھر آباد ہو۔ اُسی جگہ اُن کی رُوح قبض ہوئی اور اُن کی سواری کا گدھا بھی مر گیا۔ سو برس تک اسی حال میں رہے اور کسی نے نہ اُن کو وہاں آ کر دیکھا نہ اُن کی خبر ہوئی اس مدت میں بخت نصر بھی مر گیا اور کسی بادشاہ نے اُس مدت میں بیت المقدس کو آباد کیا اور اُس شہر کو بھی خوب آباد کیا پھر سو برس کے بعد حضرت عزیرؑ زندہ کئے گئے اُن کا کھانا اور پینا اُسی طرح پاس دھرا ہوا تھا اُن کا گدھا جو مر چکا تھا اور اُس کی بوسیدہ ہڈیاں اپنی حالت پر دھری تھیں وہ اُن کے روبرو زندہ کیا گیا اور اس سو برس میں بنی اسرائیل قید سے خلاص ہو کر شہر میں آباد بھی ہو چکے تھے حضرت عزیرؑ نے زندہ ہو کر آبادی دیکھا۔

(۴۲۲) جب حضرت عزیرؑ مرے تھے اُس وقت کچھ دن چڑھا تھا اور جب زندہ ہوئے تو ابھی شام نہ ہوئی تھی تو یہ سمجھے کہ اگر میں یہاں کل آیا تھا تو ایک دن ہوا اور اگر آج ہی آیا تھا تو دن سے بھی کم رہا۔

(۴۲۳) حضرت عزیر علیہ السلام کے سامنے وہ سب ہڈیاں موافق ترکیب بدن کے جمع کی گئیں پھر اُن پر گوشت پھیلایا گیا اور چمڑا درست ہوا پھر خدا کی قدرت سے ایکبارگی اُس میں جان آئی اور اُٹھ کھڑا ہوا اور اپنی بولی بولا۔

(۴۲۴) حضرت عزیرؑ نے اُس تمام کیفیت کو ملاحظہ کرنے کے بعد فرمایا کہ مجھ کو خوب یقین ہوا کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے یعنی میں جانتا تھا کہ مردہ کو جلانا خدا تعالیٰ کو آسان ہے سو اب اپنی آنکھ سے دیکھ لیا یہ مطلب نہیں کہ پہلے یقین میں کچھ کمی تھی ہاں مشاہدہ نہ ہوا تھا پھر حضرت عزیرؑ یہاں سے اُٹھ کر بیت المقدس میں پہنچے کسی نے اُن کو نہ پہچانا کیونکہ یہ تو جوان رہے اور اُن کے آگے کے بچے بوڑھے ہو گئے جب اُنہوں نے توریت حفظ سُنائی تب لوگوں کو اُن کا یقین آیا بخت نصر بنی اسرائیل کی تمام کتابیں جلا گیا تھا جن میں توریت بھی تھی۔

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اَرِنِيْ كَيْفَ تُحْيِ الْمَوْتٰى ۭ قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ ۭ قَالَ بَلٰي وَلٰكِنْ لِّيَطْمَىِٕنَّ

اور یاد کر جب کہا ابراہیم نے اے پروردگار میرے دکھلا دے مجھ کو کہ کیونکر زندہ کریگا تو مردے فرمایا کیا تو نے یقین نہیں کیا کہا کیوں نہیں لیکن اسواسطے چاہتا ہوں کہ تسکین

قَلْبِيْ ۭ قَالَ فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّيْرِ فَصُرْهُنَّ اِلَيْكَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰي كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ

ہو جاوے میرے دل کو ف۴۲۵ فرمایا تو پکڑ لے چار جانور اڑنے والے پھر اُنکو ہلا لے اپنے ساتھ پھر رکھ دے ہر پہاڑ پر اُن کے بدن کا ایک ایک

جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ يَاْتِيْنَكَ سَعْيًا ۭ وَاعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝ ۲۶۰ ع

ٹکڑا پھر اُن کو بلا چلے آویں گے تیری پاس دوڑ کر ف۴۲۶ اور جان لے کر بیشک اللہ زبردست ہے حکمت والا ف۴۲۷

۳۵ ع ۲

(۴۲۵) خلاصہ یہ ہوا کہ یقین پورا تھا صرف عین الیقین کے خواستگار تھے جو مشاہدہ پر موقوف ہے۔

(۴۲۶) **حضرت ابراہیم کیلئے مردہ پرندوں کا زندہ ہونا** حضرت ابراہیم حسب ارشاد الٰہی چار جانور لائے ایک مور ایک مرغ ایک کوّا ایک کبوتر اور چاروں کو اپنے ساتھ ہلایا تاکہ پہچان رہے اور بُلانے سے آنے لگیں پھر چاروں کو ذبح کیا پھر ایک پہاڑ پر چاروں کے سر رکھے ایک پر پَر رکھے ایک پر سب کے دھڑ رکھے ایک پر پاؤں رکھے پہلے بیچ میں کھڑے ہو کر ایک کو پکارا اُس کا سر اٹھ کر ہوا میں کھڑا ہوا پھر دھڑ ملا پھر پر لگے پھر پاؤں وہ دوڑتا چلا آیا پھر اسی طرح چاروں آگئے۔

(۴۲۷) **اس واقعہ پر اشکال کا جواب** یہاں دو خلجان گذرنے کا قوی احتمال ہے اول تو جسم بے جان متفرق الاجزاء کا زندہ ہونا قابل انکار دوسرے ان خصوصیات کو کہ وہ پرندے ہوں اور چار بھی ہوں اور چار بھی فلاں فلاں ہوں اور اس طرح اُن کے اجزاء کو متفرق کر کے بلایا جائے تو زندہ ہو کر دوڑتے ہوئے چلے آئیں گے اُس کا کوئی دخل اور ان قیود کا کوئی نفع معلوم نہیں ہوتا اس لئے اول خلجان کے جواب میں عزیز اور دوسرے کے جواب میں حکیم فرما کر دونوں شبہوں کا قلع قمع فرما دیا یعنی اس کو خوب سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ زبردست قدرت والا ہے جو چاہے کر سکتا ہے اور اُس کے ہر حکم میں اس قدر حکمتیں ہوتی ہیں کہ جن کا ادراک اور احاطہ اگر ہم کو نہ ہو تو یہ ہمارے نقصان علم کی بات ہے اُس کی حکمت کا انکار ایسے امور سے ہرگز ممکن نہیں واللہ اعلم آیۃ الکرسی میں علم و قدرت وغیرہ صفات الٰہی کو ذکر فرمایا اُس کے بعد یہ تین قصے بیان فرمائے کہ اللہ تعالیٰ جس کو چاہے ہدایت کر سکتا ہے اور جس کو چاہے گمراہ کر سکتا ہے اور مارنا جلانا سب اُس کے اختیار میں ہے اب جہاد اور اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے کی فضیلت اور اُس کے متعلق قیود و شرائط بیان فرماتے ہیں جس کا ذکر کسی قدر گذر بھی چکا ہے کیونکہ جہاد و انفاق مال میں جو موانع نظر آتے ہیں حق تعالیٰ کے علم و قدرت کے یقین کر لینے کے بعد اور اُس کی عجائب قدرت کے حالات معلوم ہونے کے بعد اُن کا ازالہ ہوگا ورنہ نقصان تو اُن میں ضرور آنا چاہیئے۔

مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ

مثال ان لوگوں کی جو خرچ کرتے ہیں اپنے مال اللہ کی راہ میں ایسی ہے کہ جیسے ایک دانہ اُس سے اُگیں سات بالیں ہر بال

سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ؕ وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۶۱﴾ اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ

میں سو سو دانے اور اللہ بڑھاتا ہے جس کے واسطے چاہے اور اللہ بے نہایت بخشش کرنیوالا ہے سب کچھ جانتا ہے ف ۴۲۸ جو لوگ خرچ کرتے ہیں

اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ لَا يُتْبِعُوْنَ مَآ اَنْفَقُوْا مَنًّا وَّلَآ اَذًى ۙ لَّهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ

اپنے مال اللہ کی راہ میں پھر خرچ کرنے کے بعد نہ احسان رکھتے ہیں اور نہ ستاتے ہیں اُنہی کیلئے ہے ثواب اُن کا اپنے رب کے یہاں

وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۲۶۲﴾ قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ وَّمَغْفِرَةٌ خَيْرٌ مِّنْ صَدَقَةٍ يَّتْبَعُهَآ

اور نہ ڈر ہے اُن پر اور نہ غمگین ہونگے ف ۴۲۹ جواب دینا نرم اور درگذر کرنا بہتر ہے اُس خیرات سے جس کے پیچھے ہو

اَذًى ؕ وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَلِيْمٌ ﴿۲۶۳﴾

ستانا اور اللہ بے پرواہ ہے نہایت تحمل والا ف ۴۳۰

(۴۲۸) **انفاقِ مال کے فضائل** یعنی اللہ کی راہ میں تھوڑے مال کا بھی ثواب بہت ہے جیسا ایک دانہ سے سات سو دانے پیدا ہوں اور اللہ تعالیٰ بڑھائے جس کے واسطے چاہے اور سات سو سے سات ہزار اور اس سے بھی زیادہ کر دے اور اللہ بہت

بخشش کرنے والا اور ہر ایک خرچ کرنے والے کی نیت اور اُس کے خرچ کی مقدار اور مال کی کیفیت کو خوب جانتا ہے یعنی ہر ایک سے اُس کے مناسب معاملہ فرماتا ہے۔

(۴۲۹) **احسان جتانے کی ممانعت** جو لوگ اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اور خرچ کیے پر نہ زبان سے احسان رکھتے ہیں اور نہ ستاتے ہیں طعن سے اور نہ خدمت لینے سے اور نہ تحقیر کرنے سے انہی کے لئے ہے ثواب کامل اور نہ ڈر ہے اُن کو ثواب کم ہونے کا اور نہ غمگین ہونگے ثواب کے نقصان سے۔

(۴۳۰) **سائل کے جواب دینے کا طریقہ** یعنی مانگنے والے کو نرمی سے جواب دینا اور اُس کے اصرار اور بدخوئی پر درگذر کرنا بہتر ہے اُس خیرات سے کہ بار بار اُس کو شرمائے یا احسان رکھے یا طعنہ دے اور اللہ غنی ہے کسی کے مال کی اُس کو حاجت نہیں جو صدقہ اُس کی راہ میں کرتا ہے اپنے واسطے کرتا ہے اور حلیم ہے کہ ستانے پر عذاب بھیجنے میں جلدی نہیں فرماتا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى ۙ كَالَّذِيْ يُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَاۗءَ النَّاسِ

اے ایمان والو مت ضائع کرو اپنی خیرات احسان رکھ کر اور ایذا دے کر اُس شخص کی طرح جو خرچ کرتا ہے اپنا مال لوگوں کے دکھانے کو

وَلَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ فَاَصَابَهٗ وَابِلٌ

اور یقین نہیں رکھتا ہے اللہ پر اور قیامت کے دن پر ف۴۳۱ سو اُسکی مثال ایسی ہے جیسے صاف پتھر کہ اُس پر پڑی ہے کچھ مٹی پھر برسا اُس پر زور کا مینہ تو کر

فَتَرَكَهٗ صَلْدًا ۭ لَا يَقْدِرُوْنَ عَلٰي شَيْءٍ مِّمَّا كَسَبُوْا ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ۞ وَ

چھوڑا اُسکو بالکل صاف کچھ ہاتھ نہیں لگتا ایسے لوگوں کے ثواب اُس چیز کا جو اُنہوں نے کمایا اور اللہ نہیں دکھاتا سیدھی راہ کافروں کو ف۴۳۲ اور

مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمُ ابْتِغَاۗءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَتَثْبِيْتًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ كَمَثَلِ

مثال اُن کی جو خرچ کرتے ہیں اپنے مال اللہ کی خوشی حاصل کرنے کو اور اپنے دلوں کو ثابت کر کر ایسی ہے جیسے

جَنَّةٍۢ بِرَبْوَةٍ اَصَابَهَا وَابِلٌ فَاٰتَتْ اُكُلَهَا ضِعْفَيْنِ ۚ فَاِنْ لَّمْ يُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ ۭ وَاللّٰهُ

ایک باغ ہے بلند زمین پر اُس پر پڑا زور کا مینہ تو لایا وہ باغ اپنا پھل دوچند اور اگر نہ پڑا اُس پر مینہ تو پھوار ہی کافی ہے اور اللہ

بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۞

تمہارے کاموں کو خوب دیکھتا ہے ف۴۳۳

(۴۳۱) **ریاکاری صدقہ کو باطل کر دیتی ہے** یعنی صدقہ دے کر محتاج کو ستانے اور اُس پر احسان رکھنے سے صدقہ کا ثواب جاتا رہتا ہے یا اوروں کو دکھا کر اس لئے صدقہ دیتا ہے کہ لوگ سخی جانیں اس طرح کی بھی خیرات کا ثواب کچھ نہیں ہوتا باقی یہ فرمانا کہ وہ یقین نہیں رکھتا ہے اللہ پر اور قیامت کے دن پر یہ ابطال صدقہ کے لئے قید و شرط نہیں ہیں کیونکہ صدقہ تو صرف ریا سے ہی باطل ہو سکتا ہے اگرچہ خرچ کرنے والا مومن ہی کیوں نہ ہو مگر اس قید کو صرف اس نفع کی غرض سے بڑھایا کہ یہ معلوم ہو جائے کہ ریاکاری مومن کی شان سے بعید ہے بلکہ یہ امر منافقین کے مناسب حال ہے۔

(۴۳۲) **دکھاوے کی مثال** اُوپر مثال بیان فرمائی تھی خیرات کی کہ ایسی ہے جیسے ایک دانہ بویا اور اُس سے سات سو دانے پیدا ہو گئے

اب فرماتے ہیں کہ نیت شرط ہے اگر کسی نے ریا اور دکھاوے کی نیت سے صدقہ کیا تو اُس کی مثال ایسی سمجھو کہ کسی نے دانہ بویا ایسے پتھر پر کہ جس پر تھوڑی سی مٹی نظر آتی تھی جب مینہ برسا تو بالکل صاف رہ گیا اب اُس پر دانہ کیا اُگیگا ایسے ہی صدقات میں ریاکاروں کو کیا ثواب ملے گا۔

(۴۳۳) **اخلاص سے مال خرچ کرنے کی مثال** زور کے مینہ سے مراد بہت مال خرچ کرنا اور پھوار سے مُراد تھوڑا مال خرچ کرنا اور دلوں کو ثابت کرنے سے مراد یہ ہے کہ ثابت کریں دلوں کو ثواب پانے میں یعنی اُن کو یقین ہے کہ خیرات کا ثواب ضرور ملے گا سو اگر نیت درست ہے تو بہت خرچ کرنے میں بہت ثواب ملے گا اور تھوڑی خیرات میں بھی فائدہ ہو گا جیسے خالص زمین پر باغ ہے تو جتنا مینہ برسیگا اتنا ہی باغ کو فائدہ پہنچے گا اور نیت درست نہیں تو جس قدر زیادہ خرچ کرے اتنا ہی مال ضائع ہو گا اور نقصان پہنچے گا کیونکہ زیادہ مال سے دینے میں ریا اور دکھاوا بھی زیادہ ہو گا۔ جیسا پتھر پر دانہ اُگیگا تو جتنا زور کا مینہ برسے گا اتنا ہی ضرر زیادہ ہو گا۔

اَيَوَدُّ اَحَدُكُمْ اَنْ تَكُوْنَ لَهٗ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّاَعْنَابٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۙ لَهٗ

کیا پسند آتا ہے تم میں سے کسی کو یہ کہ ہو وے اُس کا ایک باغ کھجور اور انگور کا بہتی ہوں نیچے اُس کے نہریں اُس کو

فِيْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ۙ وَاَصَابَهُ الْكِبَرُ وَلَهٗ ذُرِّيَّةٌ ضُعَفَآءُ ۚ ۖ فَاَصَابَهَآ اِعْصَارٌ فِيْهِ نَارٌ

اُس باغ میں اور بھی سب طرح کا میوہ حاصل ہو اور آ گیا اُس پر بڑھاپا اور اُسکی اولادیں ضعیف تب آ پڑا اُس باغ پر ایک بگولا جس میں آگ تھی

فَاحْتَرَقَتْ ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۶۶﴾ ع يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا ع ۳۶/۴

جس سے وہ باغ جل گیا۔ یوں سمجھاتا ہے تم کو اللہ آیتیں تاکہ تم غور کرو ف ۴۳۴ اے ایمان والو

اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ ۠ وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ

خرچ کرو ستھری چیزیں اپنی کمائی میں سے اور اُس چیز میں سے کہ جو ہم نے پیدا کیا تمہارے واسطے زمین سے اور قصد نہ کرو گندی چیز کا اُس میں سے کہ اُسکو خرچ کرو

وَلَسْتُمْ بِاٰخِذِيْهِ اِلَّآ اَنْ تُغْمِضُوْا فِيْهِ ؕ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ﴿۲۶۷﴾ اَلشَّيْطٰنُ

حالانکہ تم اُس کو کبھی نہ لوگے مگر یہ کہ چشم پوشی کر جاؤ اور جان رکھو کہ اللہ بے پرواہ ہے خوبیوں والا ف ۴۳۵ شیطان

يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَآءِ ۚ وَاللّٰهُ يَعِدُكُمْ مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَفَضْلًا ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ

وعدہ دیتا ہے تم کو تنگدستی کا اور حکم کرتا ہے بےحیائی کا اور اللہ وعدہ دیتا ہے تم کو اپنی بخشش اور فضل کا اور اللہ بہت کشائش والا

عَلِيْمٌ ﴿۲۶۸﴾ ۖ يُّؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا ؕ وَمَا يَذَّكَّرُ

ہے سب کچھ جانتا ہے ف ۴۳۶ عنایت کرتا ہے سمجھ جس کسی کو چاہے اور جس کو سمجھ ملی اُس کو بڑی خوبی ملی اور نصیحت وہی قبول

اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿۲۶۹﴾

کرتے ہیں جو عقل والے ہیں ف ۴۳۷

(۴۳۴) **ایذا اور دکھاوے کی ایک اور مثال** یہ مثال اُن کی ہے جو لوگوں کو دکھانے کو صدقہ خیرات کرتے ہیں یا خیرات کر کے احسان رکھتے ہیں اور ایذاء پہنچاتے ہیں یعنی جیسے کسی شخص نے جوانی اور قوت کے وقت باغ تیار کیا تاکہ ضعیفی اور بڑھاپے میں اُس سے میوہ

کھائے اور ضرورت کے وقت کام آئے۔ پھر جب بڑھاپا آیا اور میوے کی پوری حاجت ہوئی تب وہ باغ عین حالت احتیاج میں جل گیا یعنی صدقہ مثل باغ میوہ دار کے ہے کہ اُس کا میوہ آخرت میں کام آئے۔ جب کسی کی نیت بُری ہے تو وہ باغ جل گیا پھر اُس کا میوہ جو ثواب ہے کیونکر نصیب ہو حق سبحانہ اسی طرح کھول کر سمجھاتا ہے تم کو آیتیں تاکہ غور کرو اور سمجھو۔

(۴۳۵) **اللہ کی راہ میں عمدہ اور پاک مال خرچ کرو** یعنی عند اللہ صدقہ کے مقبول ہونے کی یہ بھی شرط ہے کہ مال حلال کمائی کا ہو۔ حرام کا مال اور شبہ کا مال نہ ہو اور اچھی سے اچھی چیز اللہ کی راہ میں دے بُری چیز خیرات میں نہ لگائے کہ اگر کوئی ایسی ویسی چیز دیے تو جی نہ چاہے لینے کو مگر شرما شرمائی۔ پر خوشی سے ہرگز نہ لے اور جان لو کہ اللہ بے پرواہ ہے تمہارا احتاج نہیں اور خوبیوں والا ہے اگر بہتر سے بہتر چیز دل کے شوق اور محبت سے دے تو پسند فرماتا ہے۔

(۴۳۶) **شیطان تنگدستی سے ڈراتا ہے** جب کسی کے دل میں خیال آئے کہ اگر خیرات کرونگا تو مفلس رہ جاؤں گا اور حق تعالیٰ کی تاکید سن کر بھی یہی ہمت ہو اور دل چاہے کہ اپنا مال خرچ نہ کرے اور وعدہ الٰہی سے اعراض کر کے وعدہ شیطانی پر طبیعت کو میلان اور اعتماد ہو تو اُس کو یقین کر لینا چاہئے کہ یہ مضمون شیطان کی طرف سے ہے یہ نہ کہے کہ "شیطان کی تو ہم نے کبھی صورت بھی نہیں دیکھی حکم کرنا تو در کنار رہا" اور اگر یہ خیال آوے کہ صدقہ خیرات سے گناہ بخشے جائیں گے اور مال میں بھی ترقی اور برکت ہوگی تو جان لیوے کہ یہ مضمون اللہ کی طرف سے آیا ہے اور خدا کا شکر کرے اور اللہ کے خزانہ میں کمی نہیں سب کے ظاہر و باطن نیت، عمل کو خوب جانتا ہے۔

(۴۳۷) **سمجھ بڑی نعمت ہے** یعنی جس کو چاہتا ہے دین کی باتوں میں دانائی اور خیرات کرنے میں سمجھ عنایت کرتا ہے کہ کس نیت سے اور کس مال سے اور کس کو اور کس طرح محتاج کو دینا چاہیئے اور جس کو سمجھ عنایت ہوئی اُس کو بڑی نعمت اور بڑی خوبی ملی۔

وَمَآ اَنۡفَقۡتُمۡ مِّنۡ نَّفَقَةٍ اَوۡ نَذَرۡتُمۡ مِّنۡ نَّذۡرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ يَعۡلَمُهٗ ؕ وَمَا لِلظّٰلِمِيۡنَ مِنۡ اَنۡصَارٍ ﴿۲۷۰﴾

اور جو خرچ کرو گے تم خیرات یا قبول کرو گے کوئی منت تو بیشک اللہ کو سب معلوم ہے اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں ف ۴۳۸

اِنۡ تُبۡدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا هِىَ ۚ وَاِنۡ تُخۡفُوۡهَا وَتُؤۡتُوۡهَا الۡفُقَرَآءَ فَهُوَ خَيۡرٌ لَّكُمۡ ؕ وَيُكَفِّرُ عَنۡكُمۡ

اگر ظاہر کر کے دو خیرات تو کیا اچھی بات ہے اور اگر اُس کو چھپاؤ اور فقیروں کو پہنچاؤ تو وہ بہتر ہے تمہارے حق میں اور دور کرے گا

مِّنۡ سَيِّاٰتِكُمۡ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ خَبِيۡرٌ ﴿۲۷۱﴾ لَيۡسَ عَلَيۡكَ هُدٰٮهُمۡ وَلٰـكِنَّ اللّٰهَ يَهۡدِىۡ مَنۡ يَّشَآءُ ؕ

کچھ گناہ تمہارے اور اللہ تمہارے کاموں سے خوب خبردار ہے ف ۴۳۹ تیرا ذمہ نہیں اُن کو راہ پر لانا اور لیکن اللہ راہ پر لاوے جس کو چاہے

وَمَا تُنۡفِقُوۡا مِنۡ خَيۡرٍ فَلِاَنۡفُسِكُمۡ ؕ وَمَا تُنۡفِقُوۡنَ اِلَّا ابۡتِغَآءَ وَجۡهِ اللّٰهِ ؕ وَمَا تُنۡفِقُوۡا مِنۡ خَيۡرٍ

اور جو کچھ خرچ کرو گے تم مال سو اپنے ہی واسطے جب تک کہ خرچ کرو گے اللہ ہی کی رضا جوئی میں اور جو کچھ خرچ کرو گے خیرات

يُّوَفَّ اِلَيۡكُمۡ وَاَنۡتُمۡ لَا تُظۡلَمُوۡنَ ﴿۲۷۲﴾

سو پوری ملیگی تم کو اور تمہارا حق نہ رہے گا ف ۴۴۰

(۴۳۸) **منت اور نذر کا بیان** یعنی جو کچھ خیرات کی جائے تھوڑی یا بہت بھلی نیت سے یا بری نیت سے چھپا کر یا لوگوں کو دکھا کر یا منت مانی جائے کسی طرح کی تو بیشک خدا تعالیٰ کو پورا علم ہے سب کا اور جو لوگ انفاق مال اور نذر میں حکم الٰہی کے خلاف کرتے ہیں اُن کا

کوئی مددگار نہیں اللہ جو چاہے اُن پر عذاب کرے منت قبول کرنے سے واجب ہو جاتی ہے اب اگر ادا نہ کی تو گنہگار ہوگا اور نذر اللہ کے سوا کسی کی جائز نہیں مگر یہ کہے کہ اللہ کے واسطے فلانے شخص کو دوں گا یا اس نذر کا ثواب فلاں کو پہنچے تو کچھ مضائقہ نہیں۔

(۴۳۹) اگر لوگوں کے دکھانے کی نیت نہ ہو تو خیرات کرنا لوگوں کے روبرو بھی بہتر ہے تاکہ اوروں کو بھی شوق اور رغبت ہو اور چھپا کر خیرات کرنا بھی بہتر ہے تاکہ لینے والا نہ شرمائے خلاصہ یہ کہ اظہار و اخفا دونوں بہتر ہیں مگر ہر موقع اور مصلحت کا لحاظ ضروری بات ہے۔

(۴۴۰) **صدقہ دینے میں مسلمان کی تخصیص نہیں** جب آپ نے صحابہ کو مسلمانوں کے سوا اوروں پر صدقہ کرنے سے روکا اور اس میں یہ مصلحت تھی کہ مال ہی کی غرض سے دین حق کی طرف راغب ہوں آگے یہ فرمادیا کہ یہ ثواب جب ہی تک ملیگا کہ اللہ کی خوشی مطلوب ہوگی تو یہ آیت نازل ہوئی اور اس میں عام حکم آگیا کہ اللہ کی راہ میں جس کو مال دو گے تم کو اس کا ثواب دیا جائے گا مسلم غیر مسلم کسی کی تخصیص نہیں یعنی جس پر صدقہ کرو اس میں مسلم کی تخصیص نہیں البتہ صدقہ میں یہ ضرور ہے کہ محض لوجہ اللہ ہو۔

لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِي الْاَرْضِ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ

خیرات اُن فقیروں کے لئے ہے جو رُکے ہوئے ہیں اللہ کی راہ میں چل پھر نہیں سکتے ملک میں سمجھے اُن کو ناواقف

اَغْنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ ۚ تَعْرِفُهُمْ بِسِيْمٰهُمْ ۚ لَا يَسْـَٔلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ

مالدار اُن کے سوال نہ کرنے سے تو پہچانتا ہے اُن کو اُنکے چہرہ سے نہیں سوال کرتے لوگوں سے لپٹ کر ف۴۴۱ اور جو کچھ خرچ کرو گے کام کی چیز

فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ﴿۲۷۳﴾ اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ

وہ بیشک اللہ کو معلوم ہے ف۴۴۲ جو لوگ خرچ کرتے ہیں اپنے مال اللہ کی راہ میں رات کو اور دن کو چھپا کر اور ظاہر میں تو اُنکے لئے ہے ثواب اُنکا

عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۲۷۴﴾ اَلَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا يَقُوْمُوْنَ

اپنے رب کے پاس اور نہ ڈر ہے اُن پر اور نہ وہ غمگین ہونگے ف۴۴۳ جو لوگ کھاتے ہیں سود نہیں اُٹھیں گے قیامت کو

اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِيْ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا ۘ

مگر جس طرح اُٹھتا ہے وہ شخص کہ جس کے حواس کھو دیے ہوں جن نے لپٹ کر یہ حالت اُنکی اس واسطے ہوگی کہ انہوں نے کہا کہ سوداگری بھی تو ایسی ہی ہے جیسے سود لینا

وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ؕ فَمَنْ جَآءَهٗ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ فَانْتَهٰى فَلَهٗ مَا

حالانکہ اللہ نے حلال کیا ہے سوداگری کو اور حرام کیا ہے سود کو ف۴۴۴ پھر جس کو پہنچی نصیحت اپنے رب کی طرف سے اور وہ باز آگیا تو اُس کے واسطے

سَلَفَ ؕ وَاَمْرُهٗٓ اِلَى اللّٰهِ ؕ وَمَنْ عَادَ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۷۵﴾

ہے جو پہلے ہو چکا اور معاملہ اُس کا اللہ کے حوالہ ہے اور جو کوئی پھر سود لیوے تو وہی لوگ ہیں دوزخ والے وہ اُس میں ہمیشہ رہیں گے ف۴۴۵

(۴۴۱) **اللہ والے اہل حاجت کی مدد** یعنی ایسوں کا دینا بڑا ثواب ہے جو اللہ کی راہ اور اُس کے دین کے کام میں مقید ہو کر چلنے پھرنے کھانے کمانے سے رُک رہے ہیں اور کسی پر اپنی حاجت ظاہر نہیں کرتے جیسے حضرت کے اصحاب تھے اہل صفہ نے گھر بار چھوڑ کر حضرت کی صحبت اختیار کی تھی علم دین سیکھنے کو اور مفسدین فتنہ پردازوں پر جہاد کرنے کو اسی طرح اب بھی جو کوئی قرآن کو حفظ کرے یا علم دین میں مشغول ہو تو لوگوں پر لازم ہے کہ اُن کی مدد کریں اور چہرہ سے اُن کو پہچاننا اس کا مطلب یہ ہے کہ اُن کے چہرے زرد اور بدن دُبلے ہوتے

رہے ہیں اور آثار جد و جہد اُن کی صورت سے نمودار ہیں۔

(۴۴۲) علی العموم اور خاص کر ایسے لوگوں پر جن کا ذکر ہوا۔

(۴۴۳) **خیرات وصدقات کے فائدے** یہاں تک خیرات کا بیان اور اسکی فضیلت اور اسکی قیود و شرائط کا مذکور تھا اور چونکہ خیرات کرنے سے ادھر تو معاملات میں سہولت و تسہیل کی عادت ہوتی ہے اور بے مروتی و سخت گیری کی بُرائی دلنشین ہوتی ہے اور اُدھر یہ ہوتا ہے کہ معاملات و اعمال میں جو گناہ ہو جاتا ہے خیرات سے اُس کا کفارہ کر دیا جاتا ہے اور نیز خیرات کرنے سے اخلاق و مروت و خیر اندیشی و نفع رسانی خلق اللہ میں ترقی ہوتی ہے تو ان وجوہ سے ان آیات متعددہ ہیں اُس کا ذکر فرمایا گیا تھا اب سود لینا چونکہ خیرات کی ضد ہے وہاں مروت و نفع رسانی تھی تو سود میں محض بے مروتی اور ضرر رسانی اور ظلم ہے۔ اس لئے خیرات کی فضیلت کے بعد سود کی مذمت اور اُس کی ممانعت کا ذکر بہت مناسب ہے اور جس قدر خیرات میں بھلائی ہے اُتنی ہی سود میں بُرائی ہونی ضروری بات ہے۔

(۴۴۴) **مذمت اور حقیقت** یعنی ربٰو کھانے والے قیامت کو قبروں سے ایسے اُٹھیں گے جیسے آسیب زدہ اور مجنون اور یہ حالت اس واسطے ہوگی کہ اُنہوں نے حلال و حرام کو یکساں کر دیا اور صرف اس وجہ سے کہ دونوں میں نفع مقصود ہوتا ہے دونوں کو حلال کہا حالانکہ بیع اور ربٰوا میں بڑا فرق ہے کہ بیع کو حق تعالیٰ نے حلال کیا ہے اور سود کو حرام فائدہ بیع میں جو نفع ہوتا ہے وہ مال کے مقابلہ میں ہوتا ہے جیسا کسی نے ایک درہم کی قیمت کا کپڑا دو درہم کو فروخت کیا اور سود وہ ہوتا ہر جس میں نفع بلا عوض ہو جیسے ایک درہم کو دو درہم خرید لیے چیزیں ہیں اور نفع اور غرض ہر ایک کی دوسرے سے علیحدہ ہے اس لئے اُن میں فی نفسہ موازنہ اور مساوات غیر ممکن ہے۔ بضرورت خرید و فروخت موازنہ کرنے کی کوئی صورت اپنی اپنی ضرورت اور حاجت کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتی اور ضرورت اور رغبت ہر ایک کی از حد مختلف ہوتی ہے کسی کو ایک درہم کی اتنی حاجت ہوتی ہے کہ دس روپیہ کی قیمت کے کپڑے کی بھی اُس قدر نہیں ہوتی اور کسی کو ایک کپڑے کی جو کہ بازار میں ایک درہم کا شمار ہوتا ہے اتنی حاجت ہو سکتی ہے کہ دس درہم کی بھی اُتنی احتیاج اور رغبت نہیں ہوتی تو اب ایک کپڑے کو درہم میں کوئی خریدیگا تو اُس میں سود یعنی نفع خالی عن العوض نہیں اور اگر بالفرض اُسی کپڑے کو ایک ہزار درہم کو خریدے گا تو سود نہیں ہو سکتا کیونکہ فی حد ذاتہ تو اُن میں موازنہ اور مساوات ہو ہی نہیں سکتی اُس کے لئے اگر پیمانہ ہے تو اپنی اپنی رغبت اور ضرورت اور اُس میں اتنا تفاوت ہے کہ خدا کی پناہ، تو سود متعین ہو تو کیونکر ہو اور ایک درہم کو دو درہم کے عوض فروخت کرے گا تو یہاں فی نفسہ مساوات ہو سکتی ہے جس کے باعث ایک درہم کے مقابلہ میں معین ہو گا اور دوسرا درہم خالی عن العوض ہو کر سود ہو گا اور شرعاً یہ معاملہ حرام ہوگا۔

(۴۴۵) یعنی سود کی حرمت سے پہلے جو تم نے سود لیا دنیا میں اُس کو مالک کی طرف واپس کرنے کا حکم نہیں دیا جاتا یعنی تم کو اُس سے مطالبہ کا حق نہیں اور آخرت میں حق تعالیٰ کو اختیار ہے چاہے اپنی رحمت سے اُس کو بخشدے لیکن حرمت کے بعد بھی اگر کوئی باز نہ آیا بلکہ برابر سود لئے گیا تو وہ دوزخی ہے اور خدا تعالیٰ کے حکم کے سامنے اپنی عقلی دلیلوں کو پیش کرنے کی سزا وہی سزا ہے جو فرمائی۔

يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ ۗ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ اَثِيْمٍ ﴿٢٧٦﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

مٹاتا ہے اللہ سود کو اور بڑھاتا ہے خیرات کو ف ۴۴۶ اور اللہ خوش نہیں کسی ناشکر گنہگار سے ف ۴۴۷ جو لوگ ایمان لائے

وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ

اور عمل نیک کئے اور قائم رکھا نماز کو اور دیتے رہے زکوٰۃ اُنکے لئے ہی ثواب اُن کا اپنے رب کے پاس اور نہ اُن پر خوف

عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿٢٧٧﴾

ہے اور نہ وہ غمگین ہونگے ف ۴۴۸

عَلَيْهِ الْحَقُّ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ وَلَا يَبْخَسْ مِنْهُ شَيْـًٔا ۭ فَاِنْ كَانَ الَّذِيْ عَلَيْهِ الْحَقُّ

جس پر قرض ہے اور ڈرے اللہ سے جو اُسکا رب ہے اور کم نہ کرے اُس میں سے کچھ ف ۵۳ پھر اگر وہ شخص کہ جس پر قرض ہے

سَفِيْهًا اَوْ ضَعِيْفًا اَوْ لَا يَسْتَطِيْعُ اَنْ يُّمِلَّ ھُوَ فَلْيُمْلِلْ وَلِيُّهٗ بِالْعَدْلِ ۭ وَاسْتَشْهِدُوْا

بے عقل ہے یا ضعیف ہے یا آپ نہیں بتلا سکتا تو بتلاوے کارگذار اُس کا انصاف سے ف ۵۴ اور گواہ کرو

شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ ۚ فَاِنْ لَّمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَّامْرَاَتٰنِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ

دو شاہد اپنے مردوں میں سے پھر اگر نہ ہوں دو مرد تو ایک مرد اور دو عورتیں اُن لوگوں میں سے کہ جن کو تم پسند کرتے ہو

الشُّهَدَاۗءِ اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰىهُمَا فَتُذَكِّرَ اِحْدٰىهُمَا الْاُخْرٰى ۭ وَلَا يَاْبَ الشُّهَدَاۗءُ اِذَا

گواہوں میں تاکہ اگر بھول جائے ایک اُن میں سے تو یاد دلاوے اُس کو وہ دوسری ف ۵۵ اور انکار نہ کریں گواہ جس وقت

مَا دُعُوْا ۭ وَلَا تَسْـَٔـمُوْٓا اَنْ تَكْتُبُوْهُ صَغِيْرًا اَوْ كَبِيْرًا اِلٰٓى اَجَلِهٖ ۭ ذٰلِكُمْ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ وَ

بلائے جاویں اور کاہلی نہ کرو اُس کے لکھنے سے چھوٹا ہو معاملہ یا بڑا اُس کی میعاد تک اُس میں پورا انصاف ہے اللہ کے نزدیک اور

اَقْوَمُ لِلشَّهَادَةِ وَاَدْنٰٓى اَلَّا تَرْتَابُوْٓا اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً حَاضِرَةً تُدِيْرُوْنَهَا بَيْنَكُمْ فَلَيْسَ

بہت درست رکھنے والا ہے گواہی کو اور نزدیک ہے کہ شبہ میں نہ پڑو ف ۵۶ مگر یہ کہ سودا ہو ہاتھوں ہاتھ لیتے دیتے ہو اُس کو آپس میں تو تم پر

عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَلَّا تَكْتُبُوْھَا ۭ وَاَشْهِدُوْٓا اِذَا تَبَايَعْتُمْ ۠ وَلَا يُضَاۗرَّ كَاتِبٌ وَّلَا شَهِيْدٌ ڛ وَاِنْ

کچھ گناہ نہیں اگر اُس کو نہ لکھو اور گواہ کر لیا کرو جب تم سودا کرو اور نقصان نہ کرے لکھنے والا اور نہ گواہ ف ۵۷ اور اگر

تَفْعَلُوْا فَاِنَّهٗ فُسُوْقٌۢ بِكُمْ ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ وَيُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ ۭ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿٢٨٢﴾

ایسا کرو تو یہ گناہ کی بات ہے تمہارے اندر اور ڈرتے رہو اللہ سے اور اللہ تم کو سکھلاتا ہے اور اللہ ہر ایک چیز کو جانتا ہے ۔

(۵۳ ہ) **قرض کا لین دین اور اس کے احکام** پہلے صدقہ خیرات کی فضیلت اور اُس کے احکام بیان فرمائے اُس کے بعد ربوا اور اُس کی حرمت اور بُرائی مذکور ہوئی اب اس معاملہ کا ذکر ہے جس میں قرض ہو اور آئندہ کسی مدت کا وعدہ ہو اس کی نسبت یہ معلوم ہوا کہ ایسا معاملہ جائز ہے مگر چونکہ معاملہ آئندہ مدت کے لئے ہوا ہے بھول چوک خلاف نزاع کا احتمال ہے اس لئے یہ ضرور ہے کہ اُس کا تعین اور اہتمام ایسا کیا جائے کہ آئندہ کوئی قضیہ اور خلاف نہ ہو اُس کی صورت یہی ہے کہ ایک کاغذ لکھو جس میں مدت کا تقرر ہو اور دونوں معاملہ والوں کا نام اور معاملہ کی تفصیل سب باتیں صاف صاف کھول کر لکھی جاویں کاتب کو چاہیئے بلا انکار جس طرح شرع کا حکم ہے اُس کے موافق انصاف میں کوتاہی نہ کرے اور چاہیئے کہ مدیون اپنے ہاتھ سے لکھے یا کاتب کو اپنی زبان سے بتلائے اور دوسرے کے حق میں ذرا نقصان نہ ڈالے۔

(۵۴ ہ) یعنی جو دیندار اور مدیون ہے وہ اگر بے عقل بھولا یا سُست اور ضعیف ہے مثلاً بچہ ہے یا بہت بوڑھا ہے کہ معاملہ کے سمجھنے کی سمجھ ہی نہیں ہے یا معاملہ کو کاتب کو بتلا نہیں سکتا تو ایسی صورتوں میں مدیون کے مختار اور وارث اور کارگذار کو چاہیئے کہ معاملہ کو انصاف سے بلا کم و کاست لکھوا دے ۔

(۵۵ ہ) **ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی** اور تم کو چاہیئے کہ اُس معاملہ پر کم سے کم دو گواہ مردوں میں سے یا ایک مرد اور دو عورتیں گواہ بنائی جائیں اور گواہ قابل پسند یعنی لائق اعتبار اور اعتماد ہوں۔

(۴۵۶) یعنی گواہ کو جس وقت گواہ بنانے کے لئے یا ادائے شہادت کے لئے بلائیں تو اُس کو کنارہ یا انکار نہ چاہیئے اور کاہلی اور سُستی نہ کرو اُس کے لکھنے لکھانے میں معاملہ چھوٹا ہو یا بڑا کہ انصاف پورا اُس میں ہے اور گواہی پر بھی کامل اعتماد اسی لکھ لینے میں ہے اور بھول چوک اور کسی کے حق ضائع ہونے سے اطمینان بھی اس میں ہے۔

(۴۵۷) **تحریری معاہدے کا بیان** | یعنی اگر سوداگری کا معاملہ دست بدست ہو جنس کے بدلے جنس یا نقد کی طرح معاملہ ہو مگر اُدھار کا قصہ نہ ہو تو اب نہ لکھنے میں گناہ نہیں مگر گواہ بنا لینا اُس وقت بھی چاہیئے کہ اُس معاملہ کے متعلق کوئی نزاع آئندہ پیش آئے تو کام آئے اور لکھنے والا اور گواہ نقصان نہ کرے یعنی مدعی اور مدعا علیہ میں سے کسی کا بھی نقصان نہ کرے بلکہ جو حق واجبی ہو وہ ہی ادا کریں۔

وَاِنْ كُنْتُمْ عَلٰى سَفَرٍ وَّلَمْ تَجِدُوْا كَاتِبًا فَرِهٰنٌ مَّقْبُوْضَةٌ ؕ فَاِنْ اَمِنَ بَعْضُكُمْ بَعْضًا فَلْيُؤَدِّ

اور اگر تم سفر میں ہو اور نہ پاؤ کوئی لکھنے والا تو گرو ہاتھ میں رکھنی چاہیئے پھر اگر اعتبار کرے ایک دوسرے کا تو چاہیئے کہ پورا ادا

الَّذِى اؤْتُمِنَ اَمَانَتَهٗ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ ؕ وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ ؕ وَمَنْ يَّكْتُمْهَا فَاِنَّهٗۤ اٰثِمٌ قَلْبُهٗ ؕ

کرے وہ شخص کہ جس پر اعتبار کیا اپنی امانت کو اور ڈرتا رہے اللہ سے جو رب ہے اُسکا اور مت چھپاؤ گواہی کو اور جو شخص اُسکو چھپاوے تو بیشک گنہگار ہے دل اُس کا

وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ۝۲۸۳ لِلّٰهِ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ ؕ وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِىۤ

اور اللہ تمہارے کاموں کو خوب جانتا ہے ف۴۵۸ اللہ ہی کا ہے جو کچھ کہ آسمانوں اور زمین میں ہے اور اگر ظاہر کروگے اپنے جی

اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ ؕ فَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى

کی بات یا چھپاؤگے اُس کو حساب لیگا اُسکا تم سے اللہ پھر بخشیگا جس کو چاہے اور عذاب کریگا جس کو چاہے اور اللہ ہر

كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ۝۲۸۴ اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ؕ كُلٌّ اٰمَنَ

چیز پر قادر ہے ف۴۵۹ مان لیا رسول نے جو کچھ اُترا اُس پر اُس کے رب کی طرف سے اور مسلمانوں نے بھی سب نے مانا

بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ ۚ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ ۚ وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَ

اللہ کو اور اُس کے فرشتوں کو اور اُسکی کتابوں کو اور اُسکے رسولوں کو کہتے ہیں کہ ہم جدا نہیں کرتے کسی کو اُس کے پیغمبروں میں سے اور کہہ اُٹھے کہ ہم نے سُنا اور

اَطَعْنَا ۗ غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ۝۲۸۵

قبول کیا تیری بخشش چاہتے ہیں اے ہمارے رب اور تیری ہی طرف لوٹ کر جانا ہے ف۴۶۰

(۴۵۸) یعنی اگر سفر میں قرض اور اُدھار کا معاملہ کرو اور دستاویز کے لئے کوئی کاتب نہ ملے تو قرض کے عوض کوئی چیز مدیون کو رہن رکھ دینی چاہیئے **فائدہ** سفر میں رہن کی حاجت بہ نسبت حضر زیادہ ہوگی کیونکہ حضر میں کتابت و شہادت سے بھی بسہولت صاحبِ دین کا اطمینان ممکن ہے اس لئے سفر میں رہن کا حکم ہوا ورنہ حضر میں اور کاتب کی موجودگی میں بھی رہن درست ہے جیسا کہ حدیث میں موجود ہے اور اگر صاحبِ دین کو مدیون پر اعتماد اور اُس کا اعتبار ہو اور اس لئے رہن کا طالب نہ ہو تو مدیون کو لازم ہے کہ صاحبِ دین کا حق تمام و کامل ادا کر دے اور خدا سے ڈرتا رہے صاحبِ حق کے حق میں امانت سے معاملہ کرے۔

(۴۵۹) **ایک اہم تنبیہ** | اس سورت میں اُصول و فروع عبادات و معاملات جانی و مالی ہر قسم کے احکامات بہت کثرت سے مذکور فرمائے

اور شاید اس سورت کے سنام القرآن فرمانے کی یہی وجہ ہو اس لیئے مناسب ہے کہ بندوں کو پوری تاکید و تہدید بھی ہر طرح سے فرمادی جائے تاکہ تعمیل احکام مذکورہ میں کوتاہی سے اجتناب کریں سو اسی غرض کے لیئے آخر سورت میں احکام کو بیان فرماکر اس آیت کو بطور تہدید و تنبیہ ارشاد فرماکر تمام احکام مذکورہ سابقہ کی پابندی پر سب کو مجبور کر دیا اور طلاق و نکاح قصاص و زکوٰۃ بیع و ربوا وغیرہ میں جو اکثر صاحب حیلوں اور اپنی ایجاد کردہ تدبیروں سے کام لیتے ہیں اور ناجائز امور کو جائز بنانے میں خودرائی اور سینہ زوری سے کام لیتے ہیں اُن کو بھی اس میں پوری تنبیہ ہو گئی دیکھیئے جس کو ہم پر استحقاق عبادت حاصل ہو گا اُس کا مالک ہونا چاہیئے اور جو ہماری ظاہری اور مخفی تمام اشیا کا محاسبہ کر سکے اُس کو تمام امور کا علم ہونا ضروری ہے اور جو ہماری تمام چیزوں کا حساب لے سکے اور ہر ایک کے مقابلہ میں جزا و سزا دے سکے اُس کو تمام چیزوں پر قدرت ہونی ضروری ہے سو انہی تین کمالات یعنی ملک اور علم اور قدرت کو یہاں بیان فرمایا اور اُنہی کا آیۃ الکرسی میں ارشاد ہو چکا ہے مطلب یہی ہے کہ ذات پاک سبحانہ تمام چیزوں کی مالک اور خالق اُس کا علم سب کو محیط اُس کی قدرت سب پر شامل ہے تو پھر اُس کی نافرمانی کسی امر ظاہر یا مخفی میں کر کے بندہ کیونکر نجات پاسکتا ہے۔

(۴۶۰) **ارکان ایمان اور مسلمانوں کی تسلّی** پہلی آیت سے جب یہ معلوم ہوا کہ دل کے خیالات پر بھی حساب اور گرفت ہے تو اس پر حضرات صحابہ گھبرائے اور ڈرے اور اُن کو اتنا صدمہ ہوا کہ کسی آیۃ پر نہ ہوا تھا آپ سے شکایت کی تو آپ نے فرمایا قولوا سمعنا واطعنا یعنی اشکال نظر آئے یا دقت مگر حق تعالیٰ کے ارشاد کی تسلیم میں ادنیٰ توقف بھی مت کرو اور سینہ ٹھوک کر سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا عرض کر دو آپ کے ارشاد کی تعمیل کی تو انشراح کے ساتھ یہ کلمات زبان پر بیساختہ جاری ہو گئے مطلب اُن کا یہ ہے کہ ہم ایمان لائے اور اللہ کے حکم کی اطاعت کی یعنی اپنی دقت اور خلجان سب کو چھوڑ کر ارشاد کی تعمیل میں مستعدی اور آمادگی ظاہر کی حق تعالیٰ کو یہ بات پسند ہوئی تب یہ دونوں آیتیں اُتریں اوّل یعنی اٰمن الرسول الخ اس میں رسول کریم اور اُن کے بعد صحابہ کہ جن کو اشکال مذکور پیش آیا تھا اُن کی ایمان کی حق سبحانہ نے تفصیل کے ساتھ مدح فرمائی جس سے اُن کے دلوں میں اطمینان ترقی پاوے اور خلجان سابق زائل ہو اس کے بعد دوسری آیۃ لا یکلف اللہ نفسا الخ میں فرمادیا کہ مقدور سے باہر کسی کو تکلیف نہیں دی جاتی اب اگر کوئی دل میں گناہ کا خیال اور خطرہ پائے اور اس پر عمل نہ کرے تو کچھ گناہ نہیں اور بھول چوک بھی معاف ہے غرض صاف فرمادیا کہ جن باتوں سے بچنا طاقت سے باہر ہے جیسے بُرے کام کا خیال و خطرہ یا بھول چوک اُن پر مواخذہ نہیں ہاں جو باتیں بندہ کے ارادے اور اختیار میں ہیں اُن پر مواخذہ ہو گا اب آیت سابقہ کو سُن کر جو صدمہ ہوا تھا اُس کے معنی بھی اسی پچھلے قاعدہ کے موافق لینے چاہئیں چنانچہ ایسا ہی ہوا اور خلجان مذکور کا اب ایسا قلع قمع ہو گیا کہ سبحان اللہ۔ فائدہ جُدا نہیں کرتے کسی کو اُس کے پیغمبروں میں سے یعنی یہود اور نصاریٰ کی طرح نہیں کہ کسی پیغمبر کو مانا اور کسی پیغمبر کو نہ مانا۔

لَا یُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ؕ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَیْهَا مَا اكْتَسَبَتْ ؕ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَاۤ اِنْ

اللہ تکلیف نہیں دیتا کسی کو مگر جسقدر اُسکی گنجائش ہے اُسی کو ملتا ہے جو اُس نے کمایا اور اُسی پر پڑتا ہے جو اُس نے کیا اے رب ہمارے نہ پکڑ ہم کو اگر

نَّسِیْنَاۤ اَوْ اَخْطَاْنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَیْنَاۤ اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِنَا ۚ

ہم بھولیں یا چوکیں اے رب ہمارے اور نہ رکھ ہم پر بوجھ بھاری جیسا رکھا تھا ہم سے اگلے لوگوں پر

رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ ۚ وَاعْفُ عَنَّا ٙ وَاغْفِرْ لَنَا ٙ وَارْحَمْنَا ٙ اَنْتَ مَوْلٰىنَا

اے رب ہمارے اور نہ اٹھوا ہم سے وہ بوجھ کہ جس کی ہم کو طاقت نہیں اور درگذر کر ہم سے اور بخش ہم کو اور رحم کر ہم پر تو ہی ہمارا رب ہے

فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۸۶﴾

مدد کر ہماری کافروں پر ۴۶۱

(۴۶۱) **ایک جامع اور موثر دعاء** اوّل آیۃ پر حضرات صحابہ کو بڑی پریشانی ہوئی تھی اُن کی تسلی کے لئے یہ دو آیتیں اٰمن الرسول الخ اور لا یکلف اللّٰہ نفسا الخ نازل ہوئیں اب اس کے بعد ربنا لا تؤاخذنا آخر سورت تک نازل فرما کر ایسا اطمینان دیا گیا کہ کسی صعوبت اور دشواری کا اندیشہ بھی باقی نہ چھوڑا کیونکہ جن دعاؤں کا ہم کو حکم ہوا ہے ان کا مقصود یہ ہے کہ بیشک ہر طرح کا حق حکومت اور استحقاق عبادت تجھ کو ہم پر ثابت ہے مگر اے ہمارے رب اپنی رحمت و کرم سے ہمارے لئے ایسے حکم بھیجے جائیں جن کے بجالانے میں ہم پر صعوبت اور بھاری مشقت نہ ہو نہ بھول چوک میں ہم پکڑے جائیں نہ مثل پہلی اُمتوں کے ہم پر شدید حکم اتارے جائیں نہ ہماری طاقت سے باہر کوئی حکم ہم پر مقرر ہو اس سہولت پر بھی ہم سے جو قصور ہو جائے اُس سے درگذر اور معافی اور ہم پر رحم فرمایا جائے حدیث میں ہے کہ یہ سب دعائیں مقبول ہوئیں۔ اور جب اُس دشواری کے بعد جو حضرات صحابہ کو پیش آچکی تھی اللہ کی رحمت سے اب ہر ایک دشواری سے ہم کو امن مل گیا تو اب اتنا بھی ہونا چاہئے کہ کفار پر ہم کو غلبہ عنایت ہو ورنہ اُن کی طرف سے مختلف دقتیں دینی اور دنیوی ہر طرح کی مزاحمتیں پیش آکر جس صعوبت سے اللہ اللہ کر کے اللہ کے فضل سے جان بچی تھی کفار کے غلبہ کی حالت میں پھر وہی کھٹکا موجب بے اطمینانی ہوگا۔

سُوْرَةُ اٰلِ عِمْرٰنَ

سُوْرَةُ اٰلِ عِمْرٰنَ ۳ مَدَنِيَّةٌ ۸۹	بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○	اٰيَاتُهَا ۲۰۰ رُكُوْعَاتُهَا ۲۰
سورۂ آل عمران مدینہ میں نازل ہوئی اور	شروع اللہ کے نام سے جو بیحد مہربان نہایت رحم والا ہے	اس کی دو سو آیتیں ہیں اور بیس رکوع

الٓمّٓ ۝۱ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ۝۲ نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ

اللہ اُس کے سوا کوئی معبود نہیں زندہ ہے سب کا تھامنے والا ف۱ اُتاری تجھ پر کتاب سچی ف۲ تصدیق کرتی ہے اگلی کتابوں

يَدَيْهِ وَاَنْزَلَ التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ۝۳ مِنْ قَبْلُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَاَنْزَلَ الْفُرْقَانَ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ

کی اور اُتارا توریت اور انجیل کو اس کتاب سے پہلے لوگوں کی ہدایت کے لئے ف۳ اور اُتارے فیصلے ف۴ بیشک جو

كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ۝۴ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَخْفٰى عَلَيْهِ

منکر ہوئے اللہ کی آیتوں سے انکے واسطے سخت عذاب ہے اور اللہ زبردست ہے بدلا لینے والا ف۵ اللہ پر چھپی نہیں

شَيْءٌ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ ۝۵

کوئی چیز زمین میں اور نہ آسمان میں ف۶

(۱) **الوہیت مسیح کا رد** نجران کے ساٹھ عیسائیوں کا ایک مؤقر و معزز وفد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس میں تین شخص عبدالمسیح عاقب بحیثیت امارت و سیادت کے، ایہم السید بلحاظ رائے و تدبیر کے، اور ابو حارثہ بن علقمہ باعتبار سب سے بڑے مذہبی عالم اور لاٹ پادری ہونے کے عام شہرت اور امتیاز رکھتے تھے۔ یہ تیسرا شخص اصل میں عرب کے مشہور قبیلہ "بنی بکر بن وائل" سے تعلق رکھتا تھا۔ پھر پکا نصرانی بن گیا۔ سلاطین روم نے اس کی مذہبی صلابت اور مجد و شرف کو دیکھتے ہوئے بڑی تعظیم و تکریم کی۔ علاوہ بیش قرار مالی امداد کے اس کے لئے گرجے تعمیر کئے اور امور مذہبی کے اعلیٰ منصب پر مامور کیا۔ یہ وفد بارگاہ رسالت میں بڑی آن بان سے حاضر ہوا اور متنازع فیہ مسائل میں حضورؐ سے گفتگو کی جس کی پوری تفصیل محمد بن اسحٰق کی سیرۃ میں منقول ہے۔ سورۂ "آل عمران" کا ابتدائی حصہ تقریباً اسی نوے آیات تک اسی واقعہ میں نازل ہوا۔ عیسائیوں کا پہلا اور بنیادی عقیدہ یہ تھا کہ حضرت مسیح علیہ السلام بعینہٖ خدا یا خدا کے بیٹے یا تین خداؤں میں کے ایک ہیں۔ سورۂ ہٰذا کی پہلی آیت میں توحید خالص کا دعوےٰ کرتے ہوئے خدا تعالیٰ کی جو صفات "حیّ قیوم" بیان کی گئیں وہ عیسائیوں کے اس دعوے کو صاف طور پر باطل ٹھہراتی ہیں۔ چنانچہ حضورؐ نے دوران مناظرہ میں اُن سے فرمایا کیا تم نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ حیّ (زندہ) ہے جس پر کبھی موت طاری نہیں ہو سکتی۔ اُسی نے تمام مخلوقات کو وجود عطاء کیا اور سامان بقاء پیدا کر کے اُن کو اپنی قدرت کاملہ سے تھام رکھا ہے۔ برخلاف اس کے عیسیٰ علیہ السلام پر یقیناً موت و فنا آ کر رہے گی۔ اور ظاہر ہے جو شخص خود اپنی ہستی کو برقرار نہ رکھ سکے دوسری مخلوقات کی ہستی کیا برقرار رکھ سکتا ہے۔ "نصاریٰ" نے سن کر اقرار کیا (کہ بیشک صحیح ہے) شاید اُنہوں نے غنیمت سمجھا ہو گا کہ آپ اپنے اعتقاد کے موافق "عیسیٰ یاتی علیہ الفناء" کا سوال کر رہے ہیں یعنی عیسیٰ پر فنا ضرور آئے گی، اگر جواب نفی میں دیا تو آپ ہمارے عقیدہ کے

موافق کہ حضرت عیسیٰ کو عرصہ ہوا موت آچکی ہے۔ ہم کو اور زیادہ صریح طور پر ملزم اور مفحم کر سکیں گے۔ اس لئے لفظی مناقشہ میں پڑنا مصلحت نہ سمجھا۔ اور ممکن ہے یہ لوگ اُن فرقوں میں سے ہوں جو عقیدہ اسلام کے موافق مسیح علیہ السلام کے قتل و صلب کا قطعًا انکار کرتے تھے اور رفع جسمانی کے قائل تھے جیسا کہ حافظ ابن تیمیہ نے "الجواب الصحیح" میں اور "الفارق بین المخلوق والخالق" کے مصنف نے تصریح کی ہے کہ شام و مصر کے نصاریٰ عمومًا اسی عقیدہ پر تھے۔ مدت کے بعد پولوس نے عقیدہ صلب کی اشاعت کی۔ پھر یہ خیال یورپ سے مصر و شام وغیرہ پہنچا بہرحال نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ان عیسیٰ اتی علیہ الفناء کے بجائے یاتی علیہ الفناء فرمانا ، درآں حالیکہ پہلے الفاظ تردید الوہیۃ مسیح کی موقع پر زیادہ صاف اور مسکت ہوتے۔ ظاہر کرتا ہے کہ موقع الزام میں بھی مسیح علیہ السلام پر موت سے پہلے لفظ موت کا اطلاق آپ نے پسند نہیں کیا۔

(۲) یعنی قرآن کریم جو عین حکمت کے موافق نہایت بروقت سچائی اور انصاف کو اپنی آغوش میں لے کر اترا۔

(۳) **قرآن پچھلی کتابوں کی تصدیق کرتا ہے** یعنی قرآن اگلی کتابوں کی تصدیق کرتا ہے اور اگلی کتابیں (تورات و انجیل وغیرہ) پہلے سے قرآن اور اُس کے لانے والے کی طرف لوگوں کی رہنمائی کر رہی تھیں اور اپنے اپنے وقت میں مناسب احکام و ہدایات دیتی تھیں۔ گویا بتلا دیا کہ "الوہیت" یا "ابنیت مسیح" کا عقیدہ کسی آسمانی کتاب میں موجود نہ تھا۔ کیونکہ اصول دین کے اعتبار سے تمام کتب سماویہ متفق و متحد ہیں۔ مشرکانہ عقائد کی تعلیم کبھی نہیں دی گئی۔

(۴) یعنی ہر زمانہ کے مناسب ایسی چیزیں اُتاریں جو حق و باطل ، حلال و حرام اور جھوٹ سچ کے درمیان فیصلہ کرنے والی ہوں۔ اس میں قرآن کریم ، کتب سماویہ ، معجزات انبیاء ، سب داخل ہو گئے اور ادھر بھی اشارہ ہو گیا کہ جن مسائل میں یہود و نصاریٰ جھگڑتے چلے آرہے ہیں اُن اختلافات کا فیصلہ بھی قرآن کے ذریعہ سے کر دیا گیا۔

(۵) **اللہ ہی قادر مطلق ہے** یعنی ایسے مجرموں کو نہ سزا دیے بغیر چھوڑے گا نہ وہ اُس کے زبردست اقتدار سے چھوٹ کر بھاگ سکیں گے۔ اس میں بھی الوہیت مسیح کے ابطال کی طرف لطیف اشارہ ہو گیا۔ کیونکہ جو اختیار و اقتدار کلی خدا کے لئے ثابت کیا گیا ظاہر ہے وہ مسیح میں نہیں پایا جاتا۔ بلکہ نصاریٰ کے نزدیک حضرت مسیح کسی کو سزا تو کیا دے سکتے خود اپنے کو باوجود سخت تضرع والحاح کے ظالموں کے پنجہ سے نہ چھڑا سکے۔ پھر خدا یا خدا کا بیٹا کیسے بن سکتے ہیں ؟ بیٹا وہ ہی کہلاتا ہے جو باپ کی نوع سے ہو۔ لہٰذا خدا کا بیٹا خدا ہی ہونا چاہئے۔ ایک عاجز مخلوق کو حقیقتًا قادر مطلق کا بیٹا کہنا ، باپ اور بیٹے دونوں پر سخت عیب لگانا ہے۔ العیاذ باللہ۔

(۶) **اللہ کا علم محیط ہے** یعنی جس طرح اُس کا اقتدار و اختیار کامل ہے علم بھی محیط ہے۔ عالم کی کوئی چھوٹی بڑی چیز ایک سکنڈ کے لئے اُس سے غائب نہیں۔ سب مجرم و بری۔ اور تمام جرموں کی نوعیت و مقدار اُس کے علم میں ہے۔ مجرم بھاگ کر روپوش ہونا چاہے تو کہاں ہو سکتا ہے؟ یہیں سے تنبیہ کر دی گئی کہ مسیح علیہ السلام خدا نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ ایسا علم محیط اُن کو حاصل نہ تھا۔ وہ اُسی قدر جانتے تھے جتنا حق تعالیٰ اُن کو بتلا دیتا تھا۔ جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جواب میں خود نصاریٰ نجران نے اقرار کیا اور آج بھی اناجیل مروجہ سے ثابت ہے۔

هُوَ الَّذِیْ یُصَوِّرُكُمْ فِی الْاَرْحَامِ كَیْفَ یَشَآءُ ؕ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ﴿۶﴾

وہی تمہارا نقشہ بناتا ہے ماں کے پیٹ میں جس طرح چاہے کسی کی بندگی نہیں اُسکے سوا زبردست ہے حکمت والا

(۷) **حضرت عیسیٰ سمیت سب کا خالق اللہ ہے** یعنی اپنے علم و حکمت کے مطابق کمال قدرت سے جیسا اور جس طرح چاہا ماں کے پیٹ میں تمہارا نقشہ بنایا مذکر ، مونث ، خوبصورت ، بدصورت ، جیسا پیدا کرنا تھا کر دیا۔ ایک پانی کے قطرہ کو کتنی پلٹیاں دے کر آدمی کی صورت

عطا فرمائی۔ جس کی قدرت وصنعت کا یہ حال ہے کیا اس کے علم میں کمی ہو سکتی ہے یا کوئی انسان جو خود بھی بطن مادر کی تاریکیوں میں رہ کر آیا ہو اور عام بچوں کی طرح کھانا، پینا، پیشاب پاخانہ کرتا ہو۔ اس خداوند قدوس کا بیٹا یا پوتا کہلایا جا سکتا ہے؟ کَبُرَتْ کَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ اِنْ یَّقُوْلُوْنَ اِلَّا کَذِبًا۔ عیسائیوں کا سوال تھا کہ جب مسیح کا ظاہری باپ کوئی نہیں تو بجز خدا کے کس کو باپ کہیں ھُوَ الَّذِیْ یُصَوِّرُکُمْ فِی الْاَرْحَامِ کَیْفَ یَشَآءُ میں اس کا جواب بھی ہو گیا۔ یعنی خدا کو قدرت ہے رحم میں جس طرح چاہے آدمی کا نقشہ تیار کر دے۔ خواہ ماں باپ دونوں کے ملنے سے یا صرف ماں کی قوت منفعلہ سے اسی لئے آگے فرمایا "ھُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ" یعنی زبردست ہے جس کی قدرت کو کوئی محدود نہیں کر سکتا۔ اور "حکیم" ہے جہاں جیسا مناسب جانتا ہے کرتا ہے۔ "حواء" کو بدون ماں کے، "مسیح" کو بدون باپ کے، "آدم" کو بدون ماں باپ دونوں کے پیدا کر دیا۔ اس کی حکمتوں کا احاطہ کون کر سکے۔

هُوَ الَّذِیْۤ اَنْزَلَ عَلَیْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰیٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَ اُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ

وہی ہے جس نے اتاری تجھ پر کتاب اس میں بعض آیتیں ہیں محکم یعنی انکے معنی واضح ہیں وہ اصل ہیں کتاب کی اور دوسری ہیں متشابہ یعنی جنکے معنی معلوم

فَاَمَّا الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ زَیْغٌ فَیَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَ ابْتِغَآءَ تَاْوِیْلِهٖ ۚ وَ مَا

یا معین نہیں سو جن کے دلوں میں کجی ہے وہ پیروی کرتے ہیں متشابہات کی گمراہی پھیلانے کی غرض سے اور مطلب معلوم کرنے کی وجہ سے اور ان

یَعْلَمُ تَاْوِیْلَهٗۤ اِلَّا اللّٰهُ ۘ وَ الرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ یَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ ۙ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ۚ وَ مَا یَذَّكَّرُ

کا مطلب کوئی نہیں جانتا سوا اللہ کے اور مضبوط علم والے کہتے ہیں ہم اس پر یقین لائے سب ہمارے رب کی طرف سے اتری ہیں اور سمجھانے سے

اِلَّاۤ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝۷ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَیْتَنَا وَ هَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً ۚ اِنَّكَ

وہی سمجھتے ہیں جن کو عقل ہے ف۸ اے رب نہ پھیر ہمارے دلوں کو جب تو ہم کو ہدایت کر چکا اور عنایت کر ہم کو اپنے پاس سے رحمت تو ہی ہے

اَنْتَ الْوَهَّابُ ۝۸ رَبَّنَاۤ اِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ لِیَوْمٍ لَّا رَیْبَ فِیْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُخْلِفُ الْمِیْعَادَ ۝۹

سب کچھ دینے والا ف۹ اے رب تو جمع کرنے والا ہے لوگوں کو ایک دن جس میں کچھ شبہ نہیں بیشک اللہ خلاف نہیں کرتا اپنا وعدہ ف۱۰

(۸) **آیات محکمات اور متشابہات کی تشریح** نصاریٰ نجران نے تمام دلائل سے عاجز ہو کر بطور معارضہ کہا تھا کہ آخر آپ حضرت مسیح کو "کلمۃ اللہ" اور "روح اللہ" مانتے ہیں۔ بس ہمارے اثبات مدعا کے لئے یہ الفاظ کافی ہیں۔ یہاں اس کا تحقیقی جواب ایک عام اصول اور ضابطہ کی صورت میں دیا۔ جس کے سمجھ لینے کے بعد ہزاروں نزاعات ومناقشات کا خاتمہ ہو سکتا ہے۔ اس کو یوں سمجھو کہ قرآن کریم بلکہ تمام کتب الٰہیہ میں دو قسم کی آیات پائی جاتی ہیں ایک وہ جن کی مراد معلوم ومتعین ہو، خواہ اس لئے کہ لغت وترکیب وغیرہ کے لحاظ سے الفاظ میں کوئی ابہام و اجمال نہیں نہ عبارت کئی معنی کا احتمال رکھتی ہے نہ جو مدلول سمجھا گیا وہ عام قواعد مسلمہ کے مخالف ہے۔ اور یا اس لئے کہ عبارت والفاظ میں گو لغۃً کئی معنی کا احتمال ہو سکتا تھا، لیکن شارع کی نصوص مستفیضہ یا اجماع معصوم یا مذہب کے عام اصول مسلمہ سے قطعاً متعین ہو چکا کہ متکلم کی مراد وہ معنی نہیں، یہ ہے۔ ایسی آیات کو محکمات کہتے ہیں اور فی الحقیقت کتاب کی ساری تعلیمات کی جڑ اور اصل اصول یہی آیات ہوتی ہیں۔ دوسری قسم آیات کی "متشابہات" کہلاتی ہے۔ یعنی جن کی مراد معلوم ومتعین کرنے میں کچھ اشتباہ والتباس واقع ہو جائے۔ صحیح طریقہ یہ ہے کہ اس دوسری قسم کی آیات کو پہلی قسم کی طرف راجع کر کے دیکھنا چاہیئے۔ جو معنی اس کے خلاف پڑیں ان کی قطعاً نفی کی جائے اور متکلم کی مراد وہ سمجھی جائے جو

"آیات محکمات" کے مخالف نہ ہو۔ اگر باوجود اجتہاد و سعی بلیغ کے متکلم کی مراد کی پوری پوری تعیین نہ کر سکیں تو دعوےٰ ہمہ دانی کر کے ہم کو حد سے گذرنا نہیں چاہئے۔ جہاں قلت علم اور قصور استعداد کی وجہ سے بہت سی حقائق پر ہم دسترس نہیں پا سکتے اُس کو بھی اُسی فہرست میں شامل کر لیں۔ مگر زنہار ایسی تاویلات اور ہیر پھیر نہ کریں جو مذہب کے اصول مسلمہ اور آیات محکمہ کے خلاف ہوں مثلاً قرآن حکیم نے مسیح علیہ السلام کی نسبت تصریح کر دی "اِنۡ هُوَ اِلَّا عَبۡدٌ اَنۡعَمۡنَا عَلَيۡهِ" یا "اِنَّ مَثَلَ عِيۡسٰى عِنۡدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ خَلَقَهٗ مِنۡ تُرَابٍ الخ" یا "ذٰلِكَ عِيۡسَى ابۡنُ مَرۡيَمَ قَوۡلَ الۡحَقِّ الَّذِىۡ فِيۡهِ يَمۡتَرُوۡنَ مَا كَانَ لِلّٰهِ اَنۡ يَّتَّخِذَ مِنۡ وَّلَدٍ سُبۡحٰنَهٗ" اور جا بجا اُن کی الوہیت و ابنیت کا رد کیا۔ اب ایک شخص ان سب محکمات سے آنکھیں بند کر کے كَلِمَتُهٗ اَلۡقٰهَاۤ اِلٰى مَرۡيَمَ وَرُوۡحٌ مِّنۡهُ وغیرہ متشابہات کو لے دوڑے اور اس کے وہ معنی چھوڑ کر جو محکمات کے موافق ہوں، ایسے سطحی معنی لینے لگے جو کتاب کی عام تصریحات اور متواتر بیانات کے منافی ہوں یہ کجروی اور ہٹ دھرمی نہیں تو اور کیا ہوگی۔ بعض قاسی القلب تو چاہتے ہیں کہ اس طرح مغالطہ دے کر لوگوں کو گمراہی میں پھنسا دیں اور بعض کمزور عقیدہ والے ڈھلمل یقین ایسے متشابہات سے اپنی رائے و ہوا کے مطابق کھینچ تان کر مطلب نکالنا چاہتے ہیں۔ حالانکہ اُن کا صحیح مطلب صرف اللہ ہی کو معلوم ہے وہ ہی اپنے کرم سے جس کو جس قدر حصہ پر آگاہ کرنا چاہے کر دیتا ہے۔ جو لوگ مضبوط علم رکھتے ہیں وہ محکمات و متشابہات سب کو حق جانتے ہیں اُنہیں یقین ہے کہ دونوں قسم کی آیات ایک ہی سرچشمہ سے آئی ہیں جن میں تناقض و تہافت کا امکان نہیں۔ اسی لئے وہ متشابہات کو محکمات کی طرف لوٹا کر مطلب سمجھتے ہیں۔ اور جو حصہ اُن کے دائرہ فہم سے باہر ہوتا ہے اُسے اللہ پر چھوڑتے ہیں کہ وہ ہی بہتر جانے ہم کو ایمان سے کام ہے (تنبیہ) بندہ کے نزدیک اس آیت کا مضمون "سورہ حج" کی آیت "وَمَاۤ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِكَ مِنۡ رَّسُوۡلٍ وَّلَا نَبِىٍّ اِلَّاۤ اِذَا تَمَنّٰٓى الى آخرہا" کے مضمون سے بیحد مشابہ ہے جسے انشاء اللہ اس کے موقع پر بیان کیا جائے گا۔

(۹) **اہل علم کی دعاء** یعنی راسخین فی العلم اپنے کمال علمی اور قوت ایمانی پر مغرور و مطمئن نہیں ہوتے بلکہ ہمیشہ حق تعالیٰ سے استقامت اور مزید فضل و عنایت کے طلبگار رہتے ہیں تا کمائی ہوئی پونجی ضائع نہ ہو جائے اور خدا نکردہ دل سیدھے ہونے کے بعد کج نہ کر دیے جائیں۔ حدیث میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم (اُمت کو سنانے کے لئے) اکثر یہ دعا کیا کرتے تھے "يَا مُقَلِّبَ الۡقُلُوۡبِ ثَبِّتۡ قَلۡبِىۡ عَلٰى دِيۡنِكَ"۔

(۱۰) **فیصلہ کا دن ضرور آئیگا** وہ دن ضرور آ کر رہے گا اور "زائغین" (کجرو) جن مسائل میں جھگڑتے تھے سب کا دو ٹوک فیصلہ ہو جائے گا پھر ہر ایک مجرم کو اپنی کجروی اور ہٹ دھرمی کی سزا بھگتنی پڑے گی۔ اسی خوف سے ہم اُن کے راستہ سے بیزار اور آپ کی رحمت و استقامت کے طالب ہوتے ہیں۔ ہمارا زائغین کے خلاف راستہ اختیار کرنا کسی بدنیتی اور نفسانیت کی بناء پر نہیں محض اُخروی فلاح مقصود ہے۔

اِنَّ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا لَنۡ تُغۡنِىَ عَنۡهُمۡ اَمۡوَالُهُمۡ وَلَاۤ اَوۡلَادُهُمۡ مِّنَ اللّٰهِ شَيۡـئًا ؕ وَاُولٰۤـئِكَ هُمۡ وَقُوۡدُ

بیشک جو لوگ کافر ہیں ہرگز کام نہ آویں گے اُن کو اُن کے مال اور نہ اُن کی اولاد اللہ کے سامنے کچھ اور وہی ہیں ایندھن دوزخ

النَّارِ ۙ ﴿۱۰﴾ كَدَاۡبِ اٰلِ فِرۡعَوۡنَ ۙ وَالَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ ؕ كَذَّبُوۡا بِاٰيٰتِنَا ۚ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوۡبِهِمۡ ؕ

کے ف۱ جیسے دستور فرعون والوں کا اور جو اُن سے پہلے تھے جھٹلایا انہوں نے ہماری آیتوں کو پھر پکڑا اُن کو اللہ نے اُن کے گناہوں پر

وَاللّٰهُ شَدِيۡدُ الۡعِقَابِ ﴿۱۱﴾ قُلۡ لِّلَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا سَتُغۡلَبُوۡنَ وَتُحۡشَرُوۡنَ اِلٰى جَهَنَّمَ ؕ وَبِئۡسَ

اور اللہ کا عذاب سخت ہے کہہ دے ف۱۲ کافروں کو کہ اب تم مغلوب ہو گے اور ہانکے جاؤ گے دوزخ کی طرف اور کیا بُرا

الۡمِهَادُ ﴿۱۲﴾ قَدۡ كَانَ لَـكُمۡ اٰيَةٌ فِىۡ فِئَتَيۡنِ الۡتَقَتَا ؕ فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ وَاُخۡرٰى كَافِرَةٌ

ٹھکانا ہے ف۱۳ ابھی گذر چکا ہے تمہارے سامنے ایک نمونہ دو فوجوں میں جن میں مقابلہ ہوا ایک فوج ہے کہ لڑتی ہے اللہ کی راہ میں اور دوسری فوج کافروں کی ہے

يَّرَوْنَهُمْ مِّثْلَيْهِمْ رَأْيَ الْعَيْنِ ۚ وَاللّٰهُ يُؤَيِّدُ بِنَصْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ۗ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِي الْاَبْصَارِ ﴿۱۳﴾

دیکھتے ہیں یہ اُن کو اپنے سے دوچند صریح آنکھوں سے اور اللہ زور دیتا ہے اپنی مدد کا جس کو چاہے اسی میں عبرت ہے دیکھنے والوں کو ف۱۴

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَ

فریفتہ کیا ہے لوگوں کو مرغوب چیزوں کی محبت نے جیسے عورتیں ف۱۵ اور بیٹے اور خزانے جمع کئے ہوئے سونے اور چاندی کے اور

الْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ۗ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ ﴿۱۴﴾

گھوڑے نشان لگائے ہوئے ف۱۶ اور مویشی اور کھیتی یہ فائدہ اٹھانا ہے دنیا کی زندگی میں اور اللہ ہی کے پاس ہے اچھا ٹھکانا ف۱۷

قُلْ اَؤُنَبِّئُكُمْ بِخَيْرٍ مِّنْ ذٰلِكُمْ ۚ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا

کہدے کیا بتاؤں میں تم کو اس سے بہتر پرہیزگاروں کے لئے اپنے رب کے ہاں باغ ہیں جن کے نیچے جاری ہیں نہریں ہمیشہ رہیں گے انہیں

وَاَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَّرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿۱۵﴾

اور عورتیں ہیں ستھری ف۱۸ اور رضامندی اللہ کی ف۱۹ اور اللہ کی نگاہ میں ہیں بندے ف۲۰

(۱۱) **کفار کا مال و دولت کام نہیں آئیگا** قیامت کے ذکر کے ساتھ کافروں کا انجام بھی بتلا دیا کہ اُن کو کوئی چیز دنیا و آخرت میں خدائی سزا سے نہیں بچا سکتی جیسا کہ میں ابتداء سورۃ میں لکھ چکا ہوں۔ ان آیات میں اصلی خطاب "وفد نجران" کو تھا جسے عیسائی مذہب و قوم کی سب سے بڑی نمایندہ جماعت کہنا چاہیئے۔ امام فخرالدین رازی نے محمد بن اسحٰق کی سیرت سے نقل کیا ہے کہ جس وقت یہ "وفد نجران" سے بقصد مدینہ روانہ ہوا تو ان کا بڑا پادری ابوحارثہ بن علقمہ خچر پر سوار تھا۔ خچر نے ٹھوکر کھائی تو اس کے بھائی کرز بن علقمہ کی زبان سے نکلا "تَعِسَ الْاَبْعَدُ" (ابعد سے مراد محمد صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ العیاذ باللہ) ابوحارثہ نے کہا "تَعِسَتْ اُمُّكَ" کرز نے حیران ہو کر اس کلمہ کا سبب پوچھا۔ ابوحارثہ نے کہا واللہ ہم خوب جانتے ہیں کہ یہ (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) وہ ہی نبی منتظر ہیں جن کی بشارت ہماری کتابوں میں دی گئی تھی۔ کرز نے کہا پھر مانتے کیوں نہیں؟ بولا "لِاَنَّ هٰؤُلَاءِ الْمُلُوْكَ اَعْطَوْنَا اَمْوَالًا كَثِيْرَةً وَّاَكْرَمُوْنَا فَلَوْ اٰمَنَّا بِمُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَاَخَذُوْا مِنَّا كُلَّ هٰذِهِ الْاَشْيَاءِ" (اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آئے تو یہ بادشاہ جو بے شمار دولت ہم کو دے رہے ہیں اور اعزاز و اکرام کر رہے ہیں سب واپس کر لیں گے) کرز نے اس کلمہ کو اپنے دل میں رکھا اور آخر کار یہی کلمہ اُن کے اسلام کا سبب ہوا رضی اللہ عنہ وارضاہ۔ میرے نزدیک ان آیات میں ابوحارثہ کے اُن ہی کلمات کا جواب ہے۔ گویا دلائل عقلیہ و نقلیہ سے اُن کے فاسد عقیدہ کا رد کر کے متنبہ فرما دیا کہ وضوح حق کے بعد جو لوگ محض دنیوی متاع (اموال و اولاد وغیرہ) کی خاطر ایمان نہیں لاتے وہ خوب سمجھ لیں کہ مال و دولت اور جتھے نہ اُن کو دنیا میں خدائی سزا سے بچا سکتے ہیں نہ آخرت میں عذاب عظیم سے۔ چنانچہ اس کی تازہ مثال ابھی "بدر" کے موقع پر مسلمان اور مشرکین کی لڑائی میں دیکھ چکے ہو۔ دنیا کی بہار محض چند روزہ ہے۔ مستقبل کی کامیابی اُن ہی کے لئے ہے جو خدا سے ڈرتے اور تقویٰ اختیار کرتے ہیں۔ دور تک یہ مضمون چلا گیا ہے اور عموم الفاظ کے اعتبار سے یہود و مشرکین وغیرہ دوسرے کفار کو بھی خطاب میں لپیٹ لیا گیا۔ گو اصلی مخاطب نصاریٰ نجران تھے۔ واللہ اعلم۔

(۱۲) یعنی کسی کے ٹالے ٹل نہیں سکتا اور جس طرح وہ پکڑے گئے تم بھی خدا کی پکڑ میں آنے والے ہو۔

(۱۳) **کفار و مشرکین کے مغلوب ہونے کی پیشنگوئی** یعنی وقت آگیا ہے کہ تم سب، کیا یہود، کیا نصاریٰ، اور کیا مشرکین عنقریب خدائی لشکر کے سامنے مغلوب ہو کر ہتھیار ڈالو گے، یہ تو دنیا کی ذلت ہوئی اور آخر میں جو گرم مکان تیار ہے وہ الگ رہا بعض روایات میں ہے کہ "بدر" سے فاتحانہ واپسی کے بعد حضورؐ نے یہود کو فرمایا کہ تم حق کو قبول کر لو، ورنہ جو حال قریش کا ہوا، تمہارا ہوگا۔ کہنے لگے۔ اے محمد! (صلی اللہ

علیہ وسلم) اس دھوکہ میں نہ رہیئے کہ تم نے قریش کے چند ناتجربہ کاروں پر فتح حاصل کر لی۔ ہم سے مقابلہ ہوا تو پتہ لگ جائے گا کہ ہم (جنگ آزمودہ سپاہی اور بہادر) آدمی ہیں اُس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں۔ بعض کہتے ہیں کہ "بدر" کی فتح دیکھ کر "یہود" کچھ تصدیق کی طرف مائل ہونے لگے تھے پھر کہا کہ جلدی مت کرو۔ دیکھو آئندہ کیا ہوتا ہے۔ دوسرے سال "احد" کی عارضی پسپائی دیکھ کر اُن کے دل سخت ہو گئے اور حوصلے بڑھ گئے حتیٰ کہ عہد شکنی کر کے مسلمانوں سے لڑائی کا سامان کیا۔ کعب بن اشرف ساٹھ سواروں کے ساتھ مکہ معظمہ جا کر ابو سفیان وغیرہ سرداران قریش سے ملا اور کہا ہم تم ایک ہیں متحدہ محاذ قائم کر کے محمد کا مقابلہ کرنا چاہیئے۔ اُس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔ واللہ اعلم۔ بہر حال تھوڑے ہی دنوں بعد خدا نے دکھلا دیا کہ جزیرۃ العرب میں مشرک کا نام نہ رہا۔ "قریظہ" کے بدعہد یہود تلوار کے گھاٹ اُتار دیئے گئے۔ "بنی نضیر" جلا وطن ہوئے۔ نجران کے عیسائیوں نے ذلیل ہو کر سالانہ جزیہ دینا قبول کیا۔ اور تقریباً ایک ہزار سال تک دنیا کی بڑی بڑی مغرور و متکبر قومیں مسلمانوں کی بلندی و برتری کا اعتراف کرتی رہیں۔ فالحمد للہ علیٰ ذٰلک۔

(۱۴) **غزوہ بدر میں مسلمانوں کی تائید و نصرت** جنگ بدر میں کفار تقریباً ایک ہزار تھے۔ جن کے پاس سات سو اونٹ اور ایک سو گھوڑے تھے۔ دوسری طرف مسلمان مجاہدین تین سو سے کچھ اُوپر تھے جن کے پاس کُل ستر اونٹ۔ دو گھوڑے، چھ زرہیں اور آٹھ تلواریں تھیں۔ اور تماشہ یہ تھا کہ ہر ایک فریق کو حریف مقابل اپنے سے دوگنا نظر آتا تھا جس کا نتیجہ یہ تھا کہ کفار کے دل مسلمانوں کی کثرت کا تصور کر کے مرعوب ہوتے تھے اور مسلمان اپنے سے دوگنی تعداد دیکھ کر اور زیادہ حق تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتے اور کامل توکل و استقلال سے خدا کے وعدہ "اِنْ یَّکُنْ مِّنْکُمْ مِّائَۃٌ صَابِرَۃٌ یَّغْلِبُوْا مِائَتَیْنِ" پر اعتماد کر کے فتح و نصرت کی اُمید رکھتے تھے۔ اگر اُن کی پوری تعداد جو تگنی تھی منکشف ہوتی تو ممکن تھا خوف طاری ہو جاتا۔ اور یہ فریقین کا دوگنی تعداد دیکھنا بعض احوال میں تھا۔ ورنہ بعض احوال وہ تھے جب ہر ایک کو دوسرے فریق کی جمعیت کم محسوس ہوئی۔ جیسا کہ سورۂ "انفال" میں آئے گا۔ بہر حال ایک قلیل اور بے سرو سامان جماعت کو ایسی مضبوط جمعیت کے مقابلہ میں ان پیشین گوئیوں کے موافق جو مکہ میں کی گئی تھیں، اس طرح مظفر و منصور کرنا، آنکھیں رکھنے والوں کے لئے بہت بڑا عبرتناک واقعہ ہے۔

(۱۵) **مرغوبات کی محبت آزمائش ہے** یعنی جب اُن میں پھنس کر آدمی خدا سے غافل ہو جائے۔ اسی لئے حدیث میں فرمایا۔ مَا تَرَکْتُ بَعْدِیْ فِتْنَۃً اَضَرَّ عَلَی الرِّجَالِ مِنَ النِّسَاءِ (میرے بعد مردوں کے لئے کوئی ضرر رساں فتنہ عورتوں سے بڑھ کر نہیں) ہاں اگر عورت سے مقصود اعفاف اور کثرت اولاد ہو۔ تو وہ مذموم نہیں بلکہ مطلوب و مندوب ہے۔ چنانچہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ دنیا کی بہترین متاع نیک بیوی ہے کہ اگر اُس کی طرف دیکھے تو خوش ہو، حکم دے تو فرمانبردار پائے، کہیں غائب ہو تو پیٹھ پیچھے شوہر کے مال اور اپنی عصمت کے معاملہ میں اس کی حفاظت کرے۔ اسی طرح جتنی چیزیں آگے متاع دنیا کے سلسلہ میں بیان ہوئیں سب کا محمود و مذموم ہونا نیت اور طریق کار کے تفاوت سے متفاوت ہوتا رہے گا۔ مگر چونکہ دنیا میں کثرت ایسے افراد کی ہے جو عیش و عشرت کے سامانوں میں پھنس کر خدا تعالیٰ کو اور اپنے انجام کو بھول جاتے ہیں اس لئے زُیِّنَ لِلنَّاسِ میں سطح کلام کی عام رکھی گئی ہے۔

(۱۶) یعنی جن پر نمبر یا نشان لگائے جائیں یا پنج کلیان گھوڑے جن کے ہاتھ پاؤں اور پیشانی پر قدرتی نشان ہوتے ہیں یا جو گھوڑے چراگاہ میں چرنے کے لئے چھوڑے گئے ہوں۔

(۱۷) یعنی ابدی فلاح ان چیزوں سے حاصل نہیں ہوتی محض دنیا میں چند روز فائدہ اُٹھایا جا سکتا ہے کامیاب مستقبل اور اچھا ٹھکانا چاہتے ہو تو خدا کے پاس ملیگا۔ اُس کی خوشنودی اور قرب حاصل کرنے کی فکر کرو۔ اگلی آیت میں بتلاتے ہیں کہ وہ اچھا ٹھکانا کیا ہے اور کن لوگوں کو ملتا ہے

(۱۸) یعنی ہر قسم کی صوری و معنوی گندگی سے پاک و صاف ہونگی۔

(۱۹) کہ اُس سے بڑھ کر کیا نعمت ہو سکتی ہے بلکہ جنت بھی فی الحقیقت اس لئے مطلوب ہے کہ وہ محل رضا ہے۔

(۲۰) **اللہ بندوں کی نگرانی کرتا ہے** بندوں کے تمام اعمال واحوال اُس کے سامنے ہیں جو جس جزاء و سزا کا مستحق ہوگا بلاکم وکاست دیجائیگی دنیا کی بہار پر مرنے والے اور اس کے فانی مزوں سے پرہیز کرنے والے سب اپنے اپنے ٹھکانے پہنچا دیے جائیں گے۔ یا یہ مطلب لیا جائے کہ پرہیزگار بندوں پر خدا کی نگاہ لطف وکرم ہے جو دنیا کی ابلہ فریب سحر کاریوں سے اُن کو محفوظ رکھتی ہے۔ چنانچہ حدیث میں آپ نے فرمایا کہ جب خدا کسی بندہ کو محبوب رکھتا ہے تو اُسی طرح دنیا سے اس کا پرہیز کرا دیتا ہے جیسے تم اپنے مریض کو پانی (وغیرہ) سے پرہیز کراتے ہو۔

ٱلَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَآ إِنَّنَآ ءَامَنَّا فَٱغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَقِنَا عَذَابَ ٱلنَّارِ (۱۶) ٱلصَّـٰبِرِينَ وَ

وہ جو کہتے ہیں اے رب ہمارے ہم ایمان لائے ہیں سو بخش دے ہم کو گناہ ہمارے اور بچا ہم کو دوزخ کے عذاب سے ف۲۱ وہ صبر کرنیوالے ہیں اور

ٱلصَّـٰدِقِينَ وَٱلْقَـٰنِتِينَ وَٱلْمُنفِقِينَ وَٱلْمُسْتَغْفِرِينَ بِٱلْأَسْحَارِ (۱۷) شَهِدَ ٱللَّهُ أَنَّهُۥ لَآ إِلَـٰهَ إِلَّا هُوَ

سچے اور حکم بجالانیوالے اور خرچ کرنیوالے اور گناہ بخشوانے والے پچھلی رات میں ف۲۲ اللہ نے گواہی دی کہ کسی کی بندگی نہیں اُسکے سوا ف۲۳

وَٱلْمَلَـٰٓئِكَةُ وَأُو۟لُوا۟ ٱلْعِلْمِ قَآئِمًۢا بِٱلْقِسْطِ ۚ لَآ إِلَـٰهَ إِلَّا هُوَ ٱلْعَزِيزُ ٱلْحَكِيمُ (۱۸) إِنَّ ٱلدِّينَ عِندَ ٱللَّهِ ٱلْإِسْلَـٰمُ ۗ النصف

اور فرشتوں نے ف۲۴ اور علم والوں نے بھی ف۲۵ وہی حاکم انصاف کا ہے کسی کی بندگی نہیں سوا اُسکے زبردست ہے حکمت والا ف۲۶ بیشک دین جو ہے اللہ کے ہاں سو یہی مسلمانی حکمبرداری ہے ف۲۷

وَمَا ٱخْتَلَفَ ٱلَّذِينَ أُوتُوا۟ ٱلْكِتَـٰبَ إِلَّا مِنۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ ٱلْعِلْمُ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ ۗ وَمَن يَكْفُرْ بِـَٔايَـٰتِ ٱللَّهِ

اور مخالف نہیں ہوئے کتاب والے مگر جب اُن کو معلوم ہو چکا آپس کی ضد اور حسد سے ف۲۸ اور جو کوئی انکار کرے اللہ کے حکموں کا

فَإِنَّ ٱللَّهَ سَرِيعُ ٱلْحِسَابِ (۱۹)

تو اللہ جلدی حساب لینے والا ہے ف۲۹

(۲۱) معلوم ہوا کہ گناہ معاف ہونے کے لئے ایمان لانا شرط ہے۔

(۲۲) **اچھے بندوں کے اوصاف** یعنی اللہ کے راستہ میں بڑی بڑی تکلیفیں اٹھا کر بھی اُس کی فرمانبرداری پر جمے رہتے اور معصیت سے رُکے رہتے ہیں۔ زبان کے، دل کے، نیت کے، معاملہ کے سچے ہیں۔ پوری تسلیم وانقیاد کے ساتھ خدا کے احکام بجالاتے ہیں۔ خدا کی دی ہوئی دولت کو اُس کے بتلائے ہوئے مواقع میں خرچ کرتے ہیں۔ اور پچھلی رات میں اُٹھ کر (جو طمانیت واجابت کا وقت ہوتا ہے لیکن اُٹھنا اُس وقت سہل نہیں ہوتا) اپنے رب سے گناہ اور تقصیرات معاف کراتے ہیں "كَانُوا قَلِيلًا مِّنَ اللَّيْلِ مَا يَهْجَعُونَ وَبِالْأَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُونَ" (ذاریات رکوع۱) یعنی اکثر رات عبادت میں گذارتے اور سحر کے وقت استغفار کرتے کہ خداوندا! عبادت میں جو تقصیر رہ گئی اپنے فضل سے معاف فرمانا۔

(۲۳) **توحید پر اللہ کی فرشتوں کی اور اہل علم کی گواہی** ابتداء میں نصاریٰ "نجران" سے خطاب تھا اور نہایت لطیف انداز سے الوہیت مسیح کے عقیدہ کا ابطال اور توحید خالص کا اعلان کر کے ایمان لانے کی ترغیب دی گئی تھی۔ درمیان میں اُن موانع کا ذکر فرمایا جو انسان کو وضوح حق کے باوجود شرف ایمان سے محروم رکھتے ہیں۔ یعنی مال واولاد اور سامان عیش وعشرت۔ ان آیات میں مومنین کی صفات بیان کرنے کے بعد پھر اصل مضمون توحید وغیرہ کی طرف عود کیا گیا ہے۔ یعنی توحید خالص کے ماننے میں کیا تردد ہو سکتا ہے جب کہ خود حق تعالیٰ اپنی تمام کتابوں میں برابر اس مضمون کی گواہی دیتا رہا ہے۔ اور اس کی فعلی کتاب (صحیفہ کائنات) کا ایک ایک ورق بلکہ ایک ایک نقطہ شہادت دیتا ہے کہ بندگی کے لائق رب العالمین کے سوا کوئی نہیں ہو سکتا۔ وفی کل شیءٍ له اٰية ۔ تدل علی انه واحدٌ

سنریہم ایاتنا فی الاٰفاق وفی انفسہم حتی یتبین لہم انہ الحق اولم یکفِ بربک انہ علیٰ کلِ شیٔ شہید (حٰم سجدہ رکوع ۶)۔

(۲۴) ظاہر ہے فرشتوں کی گواہی خدا کی گواہی کے خلاف کیسے ہوسکتی ہے۔ فرشتہ تو نام ہی اُس مخلوق کا ہے جو صدق و حق کے راستہ سے سرتابی نہ کر سکے۔ چنانچہ فرشتوں کی تسبیح و تحمید تمامتر توحید و تفرید باری پر مشتمل ہے۔

(۲۵) علم والے ہر زمانہ میں توحید کی شہادت دیتے رہے ہیں اور آج تو عام طور پر توحید کے خلاف ایک لفظ کہنا جہل محض کا مرادف سمجھا جاتا ہے مشرکین بھی دل میں مانتے ہیں کہ علمی اصول کبھی مشرکانہ عقائد کی تائید نہیں کر سکتے۔

(۲۶) انصاف کرنے کے لئے دو باتیں ضروری ہیں، زبردست ہو کہ اُس کے فیصلہ سے کوئی سرتابی نہ کر سکے اور حکیم ہو کہ حکمت و دانائی سے پوری طرح جانچ تول کر ٹھیک ٹھیک فیصلہ کرے کوئی حکم بے موقع نہ دے۔ چونکہ حق تعالیٰ عزیز و حکیم ہے لہٰذا اُس کے منصف علی الاطلاق ہونے میں کیا شبہ ہوسکتا ہے غالباً اس لفظ "قائماً بالقسط" میں عیسائیوں کے مسئلہ کفارہ کا بھی رد ہو گیا۔ بھلا یہ کہاں کا انصاف ہوگا کہ ساری دنیا کے جرائم ایک شخص پر لاد دیے جائیں اور وہ تنہا سزا پا کر سب مجرموں کو ہمیشہ کے لئے بری اور پاک کر دے۔ خدائے عادل و حکیم کی بارگاہ ایسی گستاخیوں سے کہیں بالا و برتر ہے۔

(۲۷) **دین اللہ کے نزدیک صرف اسلام ہے۔ (لفظ اسلام کی تشریح)** "اسلام" کے اصلی معنی سونپ دینے کے ہیں۔ "مذہب اسلام" کو بھی اسی لحاظ سے اسلام کہا جاتا ہے کہ ایک مسلم اپنے کو ہمہ تن خدائے واحد کے سپرد کر دینے اور اُس کے احکام کے سامنے گردن ڈال دینے کا اقرار کرتا ہے گویا "اسلام" انقیاد و تسلیم کا اور "مسلمانی" حکم برداری کا دوسرا نام ہوا۔ یوں تو شروع سے اخیر تک تمام پیغمبر یہی مذہب اسلام لے کر آئے اور اپنے اپنے زمانہ میں اپنی اپنی قوم کو مناسبِ وقت احکام پہنچا کر طاعت فرمانبرداری اور خالص خدائے واحد کی پرستش کی طرف بلاتے رہے ہیں۔ لیکن اس سلسلہ میں خاتم الانبیاء محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام دنیا کو جو اکمل، جامع ترین، عالمگیر اور ناقابل تنسیخ ہدایات دیں وہ تمام شرائع سابقہ حقہ پر مع شئے زائد مشتمل ہونے کی وجہ سے خصوصی رنگ میں اسلام کے نام سے موسوم و ملقب ہوئیں۔ بہرحال اس آیت میں نصاریٰ نجران کے سامنے خصوصاً اور تمام اقوام و ملل کے سامنے عموماً اعلان کیا گیا ہے کہ دین و مذہب صرف ایک ہی چیز کا نام ہوسکتا ہے وہ یہ کہ بندہ دل و جان سے اپنے کو خداوند قدوس کے سپرد کر دے اور جس وقت جو حکم اس کی طرف سے پائے بے چون و چرا گردن تسلیم جھکا دے۔ اب جو لوگ خدا کے لئے بیٹے پوتے تجویز کریں، مسیح و مریم کی تصویروں اور صلیب کی لکڑی کو پوجیں، خنزیر کھائیں آدمی کو خدا یا خدا کو آدمی بناویں۔ انبیاء و اولیاء کو قتل کر ڈالنا معمولی بات سمجھیں، دین حق کو مٹانے کی ناپاک کوششوں میں لگے رہیں، موسیٰ و مسیح کی بشارات کے موافق جو پیغمبر ان دونوں سے بڑھ کر شان و نشان دکھلاتا ہوا آیا، جان بوجھ کر اُس کی تکذیب اور اُس کے لائے ہوئے کلام و احکام سے ٹھٹھا کریں۔ یا جو بے وقوف پتھروں، درختوں، ستاروں اور چاند سورج کے آگے سجدہ کریں اور حلال و حرام کا معیار محض ہوائے نفس کو ٹھہرا لیں، کیا ان میں کوئی جماعت اس لائق ہے کہ اپنے کو مسلم اور ملت ابراہیمی کا پیرو کہہ سکے۔ العیاذ باللہ "وفی روایۃ محمد بن اسحاق فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسلموا۔ فقالوا قد اسلمنا۔ فقال صلی اللہ علیہ وسلم کذبتم کیف یصح اسلامکم وانتم تثبتون للہ ولداً وتعبدون الصلیب وتاکلون الخنزیر" (تفسیر کبیر)

(۲۸) **اہل کتاب کی مخالفت کی حقیقت** یعنی اسلام ایک واضح اور روشن چیز ہے جس قسم کے دلائل سے موسیٰ و مسیح کی رسالت تورات و انجیل کا کتاب سماوی ہونا ثابت کیا جا سکتا ہے، اس سے بہتر، مضبوط، اور زندہ دلائل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور قرآن کے کلام الٰہی ہونے کے موجود ہیں۔ بلکہ خود وہ کتابیں آپ کی حقانیت کی شہادت دے رہی ہیں۔ توحید خالص ایک صاف مضمون ہے جس کے خلاف باپ بیٹے کا نظریہ محض ایک بے معنی چیستاں ہو کر رہ جاتی ہے۔ جس کی کوئی علمی اصول تائید نہیں کرتا، اب جو اہل کتاب مخالف اسلام

ہوکر ان روشن حقائق کو جھٹلائیں اور حق تعالیٰ کی حکمبرداری سے سرتابی کریں بجز اس کے کیا کہا جا سکتا ہے کہ محض ضد، حسد، عناد اور جاہ و مال کی حرص میں ایسا کر رہے ہیں۔ جیسا کہ پہلے ان الذین کفروا لن تغنی عنھم اموالھم الخ کے فوائد میں خود ابو حارثہ بن علقمہ رئیس وفد نجران کا اقرار و اعتراف نقل کیا جا چکا ہے۔ اور یہ ان لوگوں کی قدیم عادت ہے یہود و نصاریٰ کے باہم جو اختلافات ہوئے یا ہر ایک مذہب میں جو بہت سے فرقے بنے۔ پھر مخالفت باہمی خوفناک محاربات اور خونریزیوں پر منتہی ہوئی۔ تاریخ بتلاتی ہے کہ اس کا منشاء عموماً غلط فہمی یا جہل نہ تھا۔ بلکہ اکثر حالات میں محض سیم و زر کی محبت اور جاہ پرستی سے یہ فرقہ وار اختلافات پیدا ہوئے۔

(۲۹) دنیا میں بھی ورنہ آخرت میں تو ضرور ہے۔

فَاِنْ حَآجُّوْكَ فَقُلْ اَسْلَمْتُ وَجْهِیَ لِلّٰهِ وَمَنِ اتَّبَعَنِ ؕ وَقُلْ لِّلَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَالْاُمِّیّٖنَ

پھر بھی اگر تجھ سے جھگڑیں تو کہہ دے میں نے تابع کیا اپنا منہ اللہ کے حکم پر اور اُنہوں نے بھی کہ جو میرے ساتھ ہیں ف۳۰ اور کہہ دے کتاب والوں کو اور اَن پڑھوں کو

ءَاَسْلَمْتُمْ ؕ فَاِنْ اَسْلَمُوْا فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَیْكَ الْبَلٰغُ ؕ وَاللّٰهُ بَصِیْرٌۢ بِالْعِبَادِ ۟۠ ع اِنَّ الَّذِیْنَ

کہ تم بھی تابع ہوتے ہو پھر اگر وہ تابع ہوئے تو انہوں نے راہ پائی سیدھی اور اگر منہ پھیریں تو تیرے ذمہ صرف پہنچا دینا ہے اور اللہ کی نگاہ میں ہیں بندے ف۳۱ جو لوگ انکار

یَكْفُرُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ وَیَقْتُلُوْنَ النَّبِیّٖنَ بِغَیْرِ حَقٍّ ۙ وَّیَقْتُلُوْنَ الَّذِیْنَ یَاْمُرُوْنَ بِالْقِسْطِ مِنَ النَّاسِ ۙ

کرتے ہیں اللہ کے حکموں کا اور قتل کرتے ہیں پیغمبروں کو ناحق اور قتل کرتے ہیں اُن کو جو حکم کرتے ہیں انصاف کرنے کا لوگوں میں سے

فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ ۟ اُولٰٓىِٕكَ الَّذِیْنَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ ؗ وَمَا لَهُمْ مِّنْ

سو خوشخبری سنادے اُنکو عذاب دردناک کی یہی ہیں جن کی محنت ضائع ہوئی دنیا میں اور آخرت میں اور کوئی نہیں اُن کا

نّٰصِرِیْنَ ۟ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْنَ اُوْتُوْا نَصِیْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ یُدْعَوْنَ اِلٰى كِتٰبِ اللّٰهِ لِیَحْكُمَ بَیْنَهُمْ ثُمَّ

مددگار ف۳۲ کیا نہ دیکھا تو نے اُن لوگوں کو جن کو ملا کچھ ایک حصہ کتاب کا ف۳۳ اُن کو بلاتے ہیں اللہ کی کتاب کی طرف تاکہ وہ کتاب اُنمیں حکم کرے پھر

یَتَوَلّٰى فَرِیْقٌ مِّنْهُمْ وَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ۟ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّاۤ اَیَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ۪ وَّغَرَّهُمْ

منہ پھیرتے ہیں بعضے اُن میں سے تغافل کرکے ف۳۴ یہ اس واسطے کہ کہتے ہیں وہ ہم کو ہرگز نہ لگے گی آگ دوزخ کی مگر چند دن گنتی کے اور بہکے ہیں

فِیْ دِیْنِهِمْ مَّا كَانُوْا یَفْتَرُوْنَ ۟

اپنے دین میں اپنی بنائی باتوں پر ف۳۵

(۳۰) **اسلام کا عملی نمونہ** جیسا کہ دو فوائد پہلے نقل کیا جا چکا۔ وہ جھگڑتے تھے کہ ہم بھی مسلمان ہیں۔ یہاں اُن کو بتلایا گیا کہ ایسا (فرضی) اسلام اسے کہتے ہیں جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور اُن کے جان نثار ساتھیوں کے پاس ہے۔ ابھی بیان ہو چکا کہ اسلام نام ہے تسلیم و انقیاد کا۔ یعنی ہمہ تن اپنے کو خدا کے ہاتھ میں دیدے سو محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور مہاجرین و انصار کو دیکھ لو کس طرح انہوں نے شرک، بت پرستی، بد اخلاقی، فسق و فجور اور ظلم و عدوان کا مقابلہ کرتے ہوئے اپنی جان، مال، وطن، کنبہ، بیوی بچے، غرض تمام مرغوب و محبوب چیزیں حق تعالیٰ کی خوشنودی پر نثار کر دیں اور کس طرح اُن کا چہرہ اور آنکھیں ہر وقت حکم الٰہی کی طرف لگی رہتی ہیں۔ کہ اُدھر سے حکم آئے اور ہم تعمیل کریں۔ اس کے بالمقابل تم اپنا حال دیکھو کہ خود اپنی خلوتوں میں اقرار کرتے ہو کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم حق پر ہیں، مگر اُن پر ایمان لائیں تو دنیا کا مال و جاہ چھنتا ہے۔ بہرحال اگر باوجود

وضوح حق کے اسلام کی طرف نہیں آتے، تم جانو، ہم تو اپنے کو ایک خدا کے سپرد کر چکے ہیں۔

(۳۱) یعنی سوچ لو، کیا تم بھی ہماری طرح خدا کے تابعدار بندے بنے ہو یا اب بنتے ہو، ایسا ہو تو سمجھو سیدھے رستہ پر لگ گئے اور ہمارے بھائی بن گئے ورنہ ہمارا کام سمجھا دینا اور نشیب و فراز بتلا دینا تھا، وہ کر چکے۔ آگے سب بندے اور اُن کے اعمال ظاہری و باطنی خدا کی نظر میں ہیں، وہ ہر ایک کا بھگتان کر دے گا۔ (تنبیہ) اَن پڑھ کہتے تھے عرب کے مشرکوں کو کہ اُن کے پاس کتب سماویہ کا علم نہ تھا۔

(۳۲) **بنی اسرائیل کے جرائم اور سزا** حدیث میں ہے کہ "بنی اسرائیل" نے ایک دن میں تینتالیس نبی اور ایک سو ستر یا ایک سو بارہ صالحین کو شہید کیا یہاں نصاریٰ نجران اور دوسرے کفار کو سُنایا جا رہا ہے کہ احکام الٰہی سے منکر ہو کر انبیاء اور انصاف پسند ناصحین سے مقابلہ کرنا اور پرلے درجہ کی شقاوت و سنگدلی سے اُن کے خون میں ہاتھ رنگنا معمولی چیز نہیں۔ ایسے لوگ سخت دردناک عذاب کے مستحق اور دونوں جہان کی کامیابی سے محروم ہیں۔ اُن کی محنت برباد اور اُن کی کوششیں اکارت ہونگی اور دنیا و آخرت میں جب سزا ملے گی تو کوئی بچانے والا اور مدد کرنے والا نہ ملے گا۔

(۳۳) یعنی تھوڑا بہت حصّہ تورات و انجیل وغیرہ کا جو اُن کی تحریفات لفظی و معنوی سے بچ بچا کر رہ گیا ہے یا جو تھوڑا بہت حصّہ فہم کتاب کا ملا۔

(۳۴) **یہودیوں کا کتاب اللہ سے اعراض** یعنی جب اُنہیں دعوت دی جاتی ہے کہ قرآن کریم کی طرف آؤ جو خود تمہاری تسلیم کردہ کتابوں کی بشارات کے موافق آیا اور تمہارے اختلافات کا ٹھیک ٹھیک فیصلہ کرنے والا ہے، تو اُن کے علماء کا ایک فریق تغافل برت کر منہ پھیر لیتا ہے حالانکہ قرآن کی طرف دعوت فی الحقیقت تورات و انجیل کی طرف دعوت دینا ہے۔ بلکہ کچھ بعید نہیں کہ اس جگہ کتاب اللہ سے مراد تورات و انجیل ہی ہو۔ یعنی لو ہم تمہارے نزاعات کا فیصلہ تمہاری ہی کتاب پر چھوڑتے ہیں مگر غضب تو یہ ہے کہ وہ اپنی خواہشات اور پست اغراض کے سامنے خود اپنی کتاب کی ہدایات سے بھی منہ پھیر لیتے ہیں۔ نہ اُس کی بشارات سنتے ہیں نہ احکام پر کان دھرتے ہیں۔ چنانچہ رجم زانی کے مسئلہ میں تورات کے حکم منصوص سے صریح روگردانی کی۔ جیسا کہ آگے سورۂ مائدہ میں آئیگا۔

(۳۵) **یہودیوں کے من گھڑت عقائد کی تردید** یعنی اُن کے تمرد و طغیان اور گناہوں پر جری ہونے کا سبب یہ ہے کہ سزا کی طرف سے بیخوف ہیں اُن کے بڑے جھوٹ بنا کر کہہ گئے کہ ہم میں اگر کوئی سخت گنہگار بھی ہو گا تو گنتی کے چند روز سے زیادہ عذاب نہ پائے گا۔ جیسا کہ سورۂ "بقرہ" میں گذر چکا۔ اور اسی طرح کی بہت سی باتیں گھڑ رکھی ہیں۔ مثلاً کہتے تھے کہ ہم تو اللہ کے چہیتے بیٹے ہیں۔ یا انبیاء کی اولاد ہیں اور اللہ تعالیٰ یعقوب علیہ السلام سے وعدہ کر چکا ہے کہ اُن کی اولاد کو سزا نہ دے گا مگر یوں ہی برائے نام قسم کھانے کو۔ اور نصاریٰ نے تو کفارہ کا مسئلہ نکال کر گناہ و معصیت کا سارا حساب ہی بیباق کر دیا۔ اللھم اعذنا من شرور انفسنا۔

فَكَيْفَ اِذَا جَمَعْنٰهُمْ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيْهِ ۣ وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَھُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۲۵﴾

پھر کیا ہوگا حال جب ہم اُنکو جمع کرینگے ایک دن کہ اُسکے آنے میں کچھ شبہ نہیں اور پورا پاویگا ہر کوئی اپنا کیا ف ۳۶ اور اُنکی حق تلفی نہ ہوگی ف ۳۷

قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَاۗءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَاۗءُ ۡ وَتُعِزُّ مَنْ

تو کہہ یا اللہ مالک سلطنت کے تو سلطنت دیوے جس کو چاہے اور سلطنت چھین لیوے جس سے چاہے اور عزت دیوے جس

تَشَاۗءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَاۗءُ ۭ بِيَدِكَ الْخَيْرُ ۭ اِنَّكَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲۶﴾

کو چاہے اور ذلیل کرے جس کو چاہے تیرے ہاتھ ہے سب خوبی بیشک تو ہر چیز پر قادر ہے ف ۳۸

(۳۶) یعنی اُس وقت پتہ چلے گا کہ کس اندھیرے میں پڑے ہوئے تھے، جب محشر میں تمام اولین و آخرین اور خود اپنے بزرگوں کے سامنے رسوا

ہوں گے اور ہر عمل کا پورا پورا بدلہ ملیگا۔ نہ کفارہ کا مسئلہ یاد آئے گا نہ نسبی تعلقات اور من گھڑت عقیدے کام دینگے۔

(۳۷) یعنی فرضی جرائم پر سزا نہ ہوگی۔ اُن کاموں پر ہوگی جن کا جرم ہونا خود تسلیم کریں گے اور جس قدر سزا کا استحقاق ہوگا، اُس سے زیادہ نہ دی جائے گی نہ کسی کی ادنیٰ سے ادنیٰ نیکی ضائع ہو سکے گی۔

(۳۸) **ملک و سلطنت اور عزت و ذلت اللہ کے ہاتھ میں ہے** جیسا کہ پہلے نقل کیا جا چکا ہے وفد نجران کے رئیس ابو حارثہ بن علقمہ نے کہا تھا کہ ہم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر ایمان لائیں تو روم کے بادشاہ جو ہماری عزت اور مالی خدمت کرتے ہیں سب بند کر لیں گے۔ شاید یہاں دعاء و مناجات کے رنگ میں اُس کا جواب دیا کہ جن بادشاہوں کی سلطنت اور اُن کی دی ہوئی عزتوں پر تم مفتون ہو رہے ہو، تو خوب سمجھ لو کہ کل سلطنت و عزت کا اصلی مالک خداوند قدوس ہے اُسی کے قبضہ قدرت میں ہے جس کو چاہے دے اور جس سے چاہے سلب کر لے کیا یہ امکان نہیں کہ روم و فارس کی سلطنتیں اور عزتیں چھین کر مسلمانوں کو دیدی جائیں، بلکہ وعدہ ہے کہ ضرور دی جائیں گی آج مسلمانوں کی موجودہ بے سرو سامانی اور دشمنوں کی طاقت کو دیکھتے ہوئے بیشک یہ چیز تمہاری سمجھ میں نہیں آسکتی۔ اسی لئے یہود و منافقین مذاق اُڑاتے تھے کہ قریش کے حملہ سے ڈر کر مدینہ کے گرد خندق کھودنے والے مسلمان قیصر و کسریٰ کے تاج و تخت پر قبضہ پانے کے خواب دیکھتے ہیں۔ مگر حق تعالیٰ نے چند ہی سال میں دکھلا دیا کہ روم و فارس کے جن خزانوں کی کنجیاں اُس نے اپنے پیغمبر کے ہاتھ میں دی تھیں۔ فاروق اعظمؓ کے زمانہ میں وہ کس طرح مجاہدین اسلام کے درمیان تقسیم ہوئے۔ اصل یہ ہے کہ یہ مادی سلطنت و عزت کیا چیز ہے جب خداوند قادر و حکیم نے روحانی سلطنت و عزت کا آخری مقام (یعنی منصب نبوت و رسالت) بنی اسرائیل سے منتقل کر کے بنی اسمٰعیل میں پہنچا دیا۔ تو روم و عجم کی ظاہری سلطنت کا عرب کے خانہ بدوشوں کی طرف منتقل کر دینا کیا مستبعد ہے۔ گویا یہ دعا ایک طرح کی پیشین گوئی تھی کہ عنقریب دنیا کی کایا پلٹ ہونے والی ہے۔ جو قوم دنیا سے الگ تھلگ پڑی تھی۔ عزتوں اور سلطنتوں کی مالک ہوگی۔ اور جو بادشاہت کر رہے تھے اُن کو اپنی بداعمالیوں کی بدولت پستی و ذلت کے غار میں گرا دیا جائیگا۔ (تنبیہ) بیدک الخیر بیشک خدا کے ہاتھ میں ہر قسم کی خیر و خوبی ہے اور "شر" کا پیدا کرنا بھی اُس کے اعتبار سے خیر ہی ہے۔ کیونکہ مجموعہ عالم کے اعتبار سے اُس میں ہزارہا حکمتیں پوشیدہ ہیں۔ فی الحدیث الصحیح الخیر کلہ فی یدیک والشر لیس الیک۔

تُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَتُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ ۡ وَتُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَتُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ

تو داخل کرتا ہے رات کو دن میں اور داخل کرے دن کو رات میں ف۳۹ اور تو نکالے زندہ مردہ سے اور نکالے مردہ زندہ

الْحَيِّ ۡ وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۲۷﴾ لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ

سے ف۴۰ اور تو رزق دے جس کو چاہے بے شمار ف۴۱ نہ بناویں مسلمان کافروں کو دوست مسلمانوں کو

الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ فِيْ شَيْءٍ اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً ؕ

چھوڑ کر اور جو کوئی یہ کام کرے تو نہیں اُس کو اللہ سے کوئی تعلق مگر اس حالت میں کہ کرنا چاہو تم اُن سے بچاؤ ف۴۲

وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ؕ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ﴿۲۸﴾ قُلْ اِنْ تُخْفُوْا مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ اَوْ تُبْدُوْهُ

اور اللہ تم کو ڈراتا ہے اپنے سے اور اللہ ہی کیطرف لوٹ جانا ہے ف۴۳ تو کہہ اگر تم چھپاؤ گے اپنے جی کی بات یا اُسے ظاہر کرو گے

يَعْلَمْهُ اللّٰهُ ؕ وَيَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲۹﴾

جانتا ہے اس کو اللہ ف۴۴ اور اسکو معلوم ہے جو کچھ کہ ہے آسمانوں میں اور جو کچھ ہے زمین میں اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے ف۴۵

(۳۹) **اللہ کی قدرت کی نشانیاں** یعنی کبھی رات کو گھٹا کر دن کو بڑھا دیتا ہے، کبھی اس کا عکس کرتا ہے۔ مثلاً ایک موسم میں ۱۴ گھنٹہ کی رات اور دس گھنٹہ کا دن ہے۔ چند ماہ بعد رات کے چار گھنٹہ کاٹ کر دن میں داخل کر دیے۔ اب رات دس گھنٹہ کی رہ گئی اور دن ۱۴ گھنٹہ کا ہو گیا۔ یہ سب اُلٹ پھیر تیرے ہاتھ میں ہیں۔ کیونکہ شمس و قمر وغیرہ تمام سیارات، بدون تیرے ارادہ کے ذرا حرکت نہیں کر سکتے۔ خلاصہ یہ ہوا کہ کبھی کے دن بڑے اور کبھی کی رات۔

(۴۰) یعنی بیضہ کو مرغی سے، مرغی کو بیضہ سے، آدمی کو نطفہ سے، نطفہ کو آدمی سے، جاہل کو عالم سے، عالم کو جاہل سے، کامل کو ناقص سے، ناقص کو کامل سے نکالنا تیری ہی قدرت کا کام ہے۔

(۴۱) حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "یہود جانتے تھے کہ پہلے جو بزرگی ہم میں تھی وہ ہی ہمیشہ رہے گی۔ اللہ کی قدرت سے غافل ہیں، جس کو چاہے عزیز کرے اور سلطنت دے اور جس سے چاہے چھین لے اور ذلیل کر دے۔ اور جاہلوں میں کامل پیدا کرے (جیسے عرب کے امیوں میں سے کئے) اور کاملوں میں سے جاہل (جیسے بنی اسرائیل میں ہوا) اور جس کو چاہے (حسی و معنوی) رزق بے حساب دیوے۔"

(۴۲) **کفار سے مسلمانوں کی دوستی کی مذمت** یعنی جب حکومت و سلطنت، جاہ و عزت، اور ہر قسم کے تقلبات و تصرفات کی زمام اکیلے خداوند قدوس کے ہاتھ میں ہوئی تو مسلمانوں کو جو صحیح معنی میں اس پر یقین رکھتے ہیں، شایاں نہیں کہ اپنے اسلامی بھائیوں کی اُخوۃ و دوستی پر اکتفا نہ کر کے خواہ مخواہ دشمنان خدا کی موالاۃ و مدارات کی طرف قدم بڑھائیں خدا و رسول کے دشمن اُن کے دوست کبھی نہیں بن سکتے۔ جو اس خبط میں پڑے گا سمجھ لو کہ خدا کی محبت و موالات سے اُسے کچھ سروکار نہیں۔ ایک مسلمان کی سب اُمیدیں اور خوف صرف خداوند رب العزت سے وابستہ ہونے چاہئیں۔ اور اس کے اعتماد و وثوق اور محبت و مناصرت کے مستحق وہ ہی لوگ ہیں جو حق تعالیٰ سے اسی قسم کا تعلق رکھتے ہوں۔ ہاں تدبیر و انتظام کے درجہ میں کفار کے ضرر عظیم سے اپنے ضروری بچاؤ کے پہلو اور حفاظت کی صورتیں معقول و مشروع طریقہ پر اختیار کرنا، ترک موالات کے حکم سے اُسی طرح مستثنیٰ ہیں جیسے سورۂ انفال میں ومن یولھم یومئذٍ دبرہٗ سے متحرفاً لقتالٍ او متحیزاً الی فئۃٍ کو مستثنیٰ کیا گیا ہے۔ جس طرح وہاں تحرف و تحیز کی حالت میں حقیقۃً فرار من الزحف نہیں ہوتا، محض صورۃً ہوتا ہے، یہاں بھی " اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْھُمْ تُقٰىۃً" کو حقیقت موالات نہیں، فقط صورتِ موالات سمجھنا چاہیئے۔ جس کو ہم مدارات کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ اس مسئلہ کی مزید تفصیل سورۂ مائدہ کی آیت یا ایھا الذین اٰمنوا لا تتخذوا الیھود والنصاریٰ اولیاء الخ کے فوائد میں ملاحظہ کر لیجائے۔ اور بندہ کا مستقل رسالہ بھی اس موضوع پر چھپا ہوا ہے جو حضرت الاستاذ (مترجم محقق) قدس اللہ روحہٗ کے ایماء پر لکھا گیا تھا۔ فلیراجع۔

(۴۳) یعنی مومن کے دل میں اصلی ڈر خدا کا ہونا چاہیئے۔ کوئی ایسی بات نہ کرے جو اُس کی ناراضی کا سبب ہو، مثلاً جماعت اسلام سے تجاوز کر کے بے ضرورت کفار کے ساتھ ظاہری یا باطنی موالات کرے یا ضرورت کے وقت صورت موالات اختیار کرنے میں حدود شرع سے گذر جائے۔ یا محض موہوم و حقیر خطرات کو یقینی اور اہم خطرات ثابت کرنے لگے اور اسی قسم کی مستثنیات یا شرعی رخصتوں کو ہوائے نفس کی پیروی کا حیلہ بنالے۔ اُسے یاد رکھنا چاہیئے کہ سب کو خداوند قدوس کی عدالت عالیہ میں حاضر ہونا ہے وہاں جھوٹے حیلے حوالے کچھ پیش نہ جائیں گے۔ مومن قوی کی شان تو یہ ہونی چاہیئے کہ رخصت سے گذر کر عزیمت پر عمل پیرا ہو۔ اور مخلوق سے زیادہ خالق سے خوف کھائے۔

(۴۴) یعنی ممکن ہے آدمی اپنی نیت اور دل کی بات آدمیوں سے چھپالے لیکن وہ اس طرح خدا کو فریب نہیں دے سکتا۔ وَاللّٰہُ یَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ۔

(۴۵) جب علم اس قدر محیط اور قدرت ایسی عام و تام ہے تو مجرم کے لئے اخفاء جرم یا سزا سے بچ کر بھاگ جانے کی کوئی صورت نہیں۔

يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ مُّحْضَرًا ۛ وَّمَا عَمِلَتْ مِنْ سُوْٓءٍ ۚ تَوَدُّ لَوْ اَنَّ

جس دن موجود پاویگا ہر شخص جو کچھ کی ہے اُس نے نیکی اپنے سامنے اور جو کچھ کی ہے اُس نے برائی آرزو کریگا کہ مجھ

بَيْنَهَا وَبَيْنَهٗٓ اَمَدًاۢ بَعِيْدًا ۭ وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ۭ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿٣٠﴾ قُلْ اِنْ

میں اور اُس میں فرق پڑجاوے دور کا ف۴۶ اور اللہ ڈراتا ہے تم کو اپنے سے اور اللہ بہت مہربان ہے بندوں پر ف۴۷ تو کہہ اگر

كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٣١﴾ قُلْ

تم محبت رکھتے ہو اللہ کی تو میری راہ چلو تاکہ محبت کرے تم سے اللہ اور بخشے گناہ تمہارے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے ف۴۸ تو کہہ

اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ ﴿٣٢﴾ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰٓي اٰدَمَ وَ

حکم مانو اللہ کا اور رسول کا پھر اگر اعراض کریں تو اللہ کو محبت نہیں ہے کافروں سے ف۴۹ بیشک اللہ نے پسند کیا آدم کو اور

نُوْحًا وَّاٰلَ اِبْرٰهِيْمَ وَاٰلَ عِمْرٰنَ عَلَي الْعٰلَمِيْنَ ﴿٣٣﴾ ذُرِّيَّةًۢ بَعْضُهَا مِنْۢ بَعْضٍ ۭ وَاللّٰهُ

نوح کو اور ابراہیم کے گھر کو اور عمران کے گھر کو ف۵۰ سارے جہان سے جو اولاد تھے ایک دوسرے کی ف۵۱ اور اللہ

سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿٣٤﴾ اِذْ قَالَتِ امْرَاَتُ عِمْرٰنَ رَبِّ اِنِّىْ نَذَرْتُ لَكَ مَا فِيْ بَطْنِيْ مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ

سننے والا جاننے والا ہے ف۵۲ جب کہا عمران کی عورت نے کہ اے رب میں نے نذر کیا تیرے جو کچھ میرے پیٹ میں ہے سب سے آزاد رکھ کر سو تو مجھ

مِنِّىْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿٣٥﴾

قبول کر بیشک تو ہی ہے اصل سننے والا جاننے والا ف۵۳

(۴۶) **آخرت میں نیک و بد اعمال کا حاضر ہونا** یعنی قیامت کے دن ہر نیکی بدی، آدمی کے سامنے حاضر ہوگی۔ عمر بھر کا اعمالنامہ ہاتھ میں پکڑا دیا جائے گا۔ اُس وقت مجرمین آرزو کریں گے کہ کاش یہ دن ہم سے دور ہی رہتا۔ یا ہم میں اور ان بُرے اعمال میں بڑی دور کا فاصلہ ہوتا کہ ان کے قریب بھی نہ جاتے۔

(۴۷) یہ بھی اس کی مہربانی ہے کہ تم کو اس خوفناک دن کے آنے سے پہلے ڈراتا اور آگاہ کرتا ہے۔ تاکہ بُرائی کے طریقے خصوصًا موالات کفار ترک کر کے اور بھلائی کے راستہ پر چل کر اپنے کو خداوند قہار کے غصہ سے بچا لینے کا قبل از وقت انتظام کر رکھو۔ قرآن کریم کا یہ خاص طرز ہے کہ عمومًا خوف کے ساتھ رجاء اور رجاء کے ساتھ خوف کا مضمون سناتا ہے۔ یہاں بھی مضامین ترہیب کو معتدل بنانے کے لئے اخیر میں واللہ رؤف بالعباد۔ فرما دیا۔ یعنی خدا سے ڈر کر اگر بُرائی چھوڑ دو گے تو اُس کی مہربانی پھر تمہارا استقبال کرنے کو تیار ہے ناامید ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔ آؤ! تم کو ایسا دروازہ بتائیں جس سے داخل ہو کر مغفرت و رحمت کے پورے مستحق بلکہ خدا تعالیٰ کے محبوب بن سکتے ہو۔ قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۔

(۴۸) **اللہ کی محبت کا معیار، رسول کی محبت** دشمنان خدا کی موالات و محبت سے منع کرنے کے بعد خدا سے محبت کرنے کا معیار بتلاتے ہیں۔ یعنی اگر دنیا میں آج کسی شخص کو اپنے مالک حقیقی کی محبت کا دعویٰ یا خیال ہو تو لازم ہے کہ اُس کو اتباع محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی کسوٹی پر کس کر دیکھ لے، سب کھرا کھوٹا معلوم ہو جائے گا۔ جو شخص جس قدر حبیب خدا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی راہ چلتا اور آپ کی لائی ہوئی روشنی کو مشعل راہ بناتا ہے، اُسی قدر سمجھنا چاہیئے کہ خدا کی محبت کے دعوے میں سچا اور کھرا ہے اور جتنا اس دعوے میں سچا ہوگا۔ اتنا ہی

حضورؐ کی پیروی میں مضبوط و مستعد پایا جائے گا۔ جس کا پھل یہ ملیگا کہ حق تعالیٰ اُس سے محبت کرنے لگے گا۔ اور اللہ کی محبت اور حضورؐ کے اتباع کی برکت سے پچھلے گناہ معاف ہو جائیں گے اور آئندہ طرح طرح کی ظاہری و باطنی مہربانیاں مبذول ہوں گی۔ گویا توحید وغیرہ کے بیان سے فارغ ہو کر یہاں سے نبوت کا بیان شروع کیا گیا اور پیغمبر آخر الزماں کی اطاعت کی دعوت دی گئی۔

(۴۹) یہود و نصاریٰ کہتے تھے۔ نحن ابناء اللہ واحباءہٗ (ہم خدا کے بیٹے اور محبوب ہیں)، یہاں بتلا دیا گیا کہ کافر کبھی خدا کا محبوب نہیں ہو سکتا۔ اگر واقعی محبوب بننا چاہتے ہو تو اُس کے احکام کی تعمیل کرو، پیغمبر کا کہا مانو۔ اور خدا کے سب سے بڑے محبوب کے نقشِ قدم پر چلے آؤ۔ وفد نجران نے یہ بھی کہا تھا کہ ہم مسیح کی تعظیم و عبادت اللہ کی محبت و تعظیم کے لئے کرتے ہیں، اُس کا بھی جواب ہو گیا۔ آگے خدا تعالیٰ کے چند محب و محبوب بندوں کا حال سُنایا گیا اور وفد نجران کی رعایت سے حضرت مسیح علیہ السلام کی سوانح زیادہ شرح و بسط کے ساتھ بیان کی گئی ہے جو تمہید ہے خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر مبارک کی۔ جیسا کہ آگے چل کر معلوم ہو گا۔

(۵۰) **آلِ عمران** "عمران" دو ہیں ایک حضرت موسیٰ علیہ السلام کے والد، دوسرے حضرت مریم کے والد، اکثر سلف و خلف نے یہاں عمران ثانی مراد لیا ہے کیونکہ آگے اذ قالت امرأۃ عمران الخ سے اسی دوسرے عمران کے گھرانے کا قصہ بیان ہوا ہے۔ اور غالباً سورۃ کا نام "آل عمران" اسی بنا پر ہوا کہ اس میں عمران ثانی کے گھرانے (یعنی حضرت مریم و مسیح علیہ السلام) کا واقعہ بہت بسط و تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے۔

(۵۱) **حضرت آدم و نوح اور آلِ ابراہیم کی خصوصیت** خدا کی مخلوقات میں زمین، آسمان، چاند، سورج ستارے، فرشتے، جن، شجر، حجر سب ہی شامل تھے مگر اُس نے اپنے علم محیط اور حکمت بالغہ سے ملکات روحانیہ اور کمالات جسمانیہ کا جو مجموعہ ابو البشر آدم علیہ السلام میں ودیعت کیا وہ مخلوقات میں سے کسی کو نہ دیا۔ بلکہ آدم کو مسجود ملائکہ بنا کر ظاہر فرما دیا کہ آدم کا اعزاز و اکرام اس کی بارگاہ میں ہر مخلوق سے زیادہ ہے۔ آدم کا یہ انتخابی اور اصطفائی فضل و شرف جسے ہم "نبوت" سے تعبیر کرتے ہیں کچھ اُن کی شخصیت پر محدود و مقصور نہ تھا، بلکہ منتقل ہو کر اُن کی اولاد میں نوح علیہ السلام کو ملا پھر منتقل ہوتا ہوا نوح کی اولاد حضرت ابراہیم تک پہنچا۔ یہاں سے ایک نئی صورت پیدا ہو گئی۔ آدم و نوحؑ کے بعد جتنے انسان دنیا میں آباد رہے تھے وہ سب ان دونوں کی نسل سے تھے۔ کوئی خاندان دونوں کی ذریت سے باہر نہ تھا۔ برخلاف اس کے ابراہیم علیہ السلام کے بعد ان کی نسل کے علاوہ دنیا میں دوسرے بہت خاندان موجود رہے۔ لیکن جس خدا نے اپنی بے شمار مخلوقات میں سے منصب نبوت کے لئے آدم کا انتخاب کیا تھا اُسی کے علم محیط اور اختیار کامل نے آئندہ کے لئے ہزاروں گھرانوں میں سے اس منصب جلیل کے واسطے ابراہیم کے گھرانے کو مخصوص فرما دیا۔ جس قدر انبیاء و رسل ابراہیم کے بعد آئے اُن ہی کے دو صاحبزادوں اسحاق و اسمٰعیل کی نسل سے آئے۔ چونکہ عموماً نسب کا سلسلہ باپ کی طرف سے چلتا ہے اور حضرت مسیح علیہ السلام بن باپ کے پیدا ہوئے تھے اس لحاظ سے وہم ہو سکتا تھا کہ اُن کو نسل ابراہیمی سے مستثنیٰ کرنا پڑے گا۔ اس لئے حق تعالیٰ نے "آل عمران" اور "ذُرِّیَّۃً بَعْضُہَا مِنْ بَعْضٍ" فرما کر متنبہ کر دیا کہ حضرت مسیح جب صرف ماں سے پیدا ہوئے تو اُن کا سلسلہ نسب بھی ماں ہی کی طرف سے لیا جائے گا۔ نہ کہ معاذ اللہ خدا کی طرف سے۔ اور ظاہر ہے کہ اُن کی والدہ مریم صدیقہ کے باپ عمران کا سلسلہ آخر حضرت ابراہیم پر منتہی ہوتا ہے تو آل عمران، آل ابراہیم کی ایک شاخ ہوئی اور کوئی پیغمبر خاندان ابراہیمی سے باہر نہ ہوا۔

(۵۲) سب کی دعاؤں اور باتوں کو سنتا اور سب کے ظاہری و باطنی احوال و استعداد کو جانتا ہے۔ لہٰذا یہ وہم نہ کرنا چاہئے کہ یوں ہی کیف ما اتفق انتخاب کر لیا ہو گا۔ وہاں کا ہر کام پورے علم و حکمت پر مبنی ہے۔

(۵۳) **حضرت مریم کی والدہ کی منت اور دعاء** عمران کی عورت کا نام ہے "حنہ بنت فاقوذا" اُس نے اپنے زمانہ کے رواج کے موافق منت مانی تھی کہ خداوندا! جو بچہ میرے پیٹ میں ہے میں اُسے "محرر" (تیرے نام پر آزاد) کرتی ہوں۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ تمام دنیوی

مشاغل اور قید نکاح وغیرہ سے آزاد رہ کر ہمیشہ خدا کی عبادت اور کلیسا کی خدمت میں لگا رہے گا۔ اے اللہ تو اپنی مہربانی سے میری نذر قبول فرما۔ تو میری عرض کو سنتا اور میری نیت واخلاص کو جانتا ہے۔ گویا لطیف طرز میں استدعا ہوئی کہ لڑکا پیدا ہو کیونکہ لڑکیاں اس خدمت کے لئے قبول نہیں کی جاتی تھیں۔

فَلَمَّا وَضَعَتْهَا قَالَتْ رَبِّ اِنِّیْ وَضَعْتُهَآ اُنْثٰى ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا وَضَعَتْ ؕ وَلَيْسَ الذَّكَرُ

پھر جب اُس کو جنا بولی اے رب میں نے تو اُس کو لڑکی جنی ف۵۴ اور اللہ کو خوب معلوم ہے جو کچھ اس نے جنا اور بیٹا نہ ہو

كَالْاُنْثٰى ۚ وَاِنِّیْ سَمَّيْتُهَا مَرْيَمَ وَاِنِّیْٓ اُعِيْذُهَا بِكَ وَذُرِّيَّتَهَا مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ﴿۳۶﴾

جیسی وہ بیٹی ف۵۵ اور میں نے اُسکا نام رکھا مریم اور میں تیری پناہ میں دیتی ہوں اُسکو اور اُس کی اولاد کو شیطان مردود سے ف۵۶

فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُوْلٍ حَسَنٍ وَّاَنْۢبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا ۙ وَّكَفَّلَهَا زَكَرِيَّا ؕ كُلَّمَا دَخَلَ

پھر قبول کیا اُس کو اُسکے رب نے اچھی طرح کا قبول اور بڑھایا اُسکو اچھی طرح بڑھانا اور سپرد کی زکریا کو ف۵۷ جس وقت آتے اُس کے

عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ ۙ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا ۚ قَالَ يٰمَرْيَمُ اَنّٰى لَكِ هٰذَا ؕ قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ

پاس زکریا حجرے میں پاتے اُس کے پاس کچھ کھانا ف۵۸ کہا اے مریم کہاں سے آیا تیرے پاس یہ کہنے لگی یہ اللہ کے پاس سے

اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۳۷﴾ هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهٗ ۚ قَالَ رَبِّ هَبْ لِیْ مِنْ

آتا ہے اللہ رزق دیتا ہے جس کو چاہے بے قیاس ف۵۹ وہیں دعا کی زکریا نے اپنے رب سے کہا اے رب میرے عطا کر مجھ کو اپنے

لَّدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ۚ اِنَّكَ سَمِيْعُ الدُّعَآءِ ﴿۳۸﴾

پاس سے اولاد پاکیزہ بیشک تو سننے والا ہے دعا کا ف۶۰

(۵۴) یہ حسرت و افسوس سے کہا، کیونکہ خلاف توقع پیش آیا۔ اور لڑکی قبول کرنے کا دستور نہ تھا۔

(۵۵) یہ درمیان میں بطور جملہ معترضہ حق تعالیٰ کا کلام ہے۔ یعنی اُسے معلوم نہیں کیا چیز جنی۔ اس لڑکی کی قدر و قیمت کو خدا ہی جانتا ہے جس طرح کے بیٹے کی اُسے خواہش تھی وہ اس بیٹی کو کہاں پہنچ سکتا تھا۔ یہ بیٹی بذات خود مبارک و مسعود ہے اور اس کے وجود میں ایک عظیم الشان مبارک و مسعود بیٹے کا وجود منطوی ہے۔

(۵۶) **دعا کی قبولیت اور مسّ شیطان کی حدیث** حق تعالیٰ نے یہ دعا قبول فرمائی۔ حدیث میں ہے کہ آدمی کے بچہ کو ولادت کے وقت جب ماں سے جُدا ہو کر زمین پر آرہتا ہے، شیطان مسّ کرتا ہے۔ مگر عیسیٰ اور مریم مستثنیٰ ہیں۔ اس کا مطلب دوسری احادیث کے ملانے سے یہ ہوا کہ بچہ اصل فطرت صحیحہ پر پیدا کیا جاتا ہے جس کا ظہور بڑے ہو کر عقل و تمیز آنے کے بعد ہوگا۔ لیکن گردوپیش کے حالات اور خارجی اثرات کے سامنے بسا اوقات اصل فطرۃ دب جاتی ہے جس کو حدیث میں فَاَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهٖ وَيُنَصِّرَانِهٖ سے تعبیر کیا ہے پھر جس طرح ایمان و طاعت کا بیج اُس کے جوہر فطرت میں غیر مرئی طور پر رکھ دیا گیا۔ حالانکہ اُس وقت اس کو ایمان تو کیا، موٹی موٹی محسوسات کا ادراک و شعور بھی نہیں تھا۔ اسی طرح خارجی اثر اندازی کی ابتداء بھی ولادت کے بعد ایک قسم کے مس شیطانی سے غیر محسوس طور پر ہو گئی۔ یہ ضروری نہیں کہ ہر شخص اس مس شیطانی کا اثر قبول کرے یا قبول کرے تو آئندہ چل کر وہ برابر باقی رہے تمام انبیاء علیہم السلام

کی عصمت کا تکفل چونکہ حق تعالیٰ نے کیا ہے اس لئے اگر فرض کرو ابتدائے ولادت میں یہ صورت اُن کو پیش آئی ہو اور مریم و عیسیٰ کی طرح اس ضابطہ سے مستثنیٰ نہ ہوں تو اس میں پھر بھی کوئی شبہ نہیں کہ اُن مقدس و معصوم بندوں پر شیطان کی اس حرکت کا کوئی مضر اثر قطعاً نہیں پڑ سکتا۔ فرق صرف اتنا ہوگا کہ مریم و عیسیٰ علیہ السلام کو کسی مصلحت سے یہ صورت سرے سے پیش ہی نہ آئی ہو۔ اوروں کو پیش آئی مگر کوئی اثر نہ ہوا۔ اس قسم کے جزئی امتیازات فضیلت کلی ثابت کرنے کا موجب نہیں ہو سکتے۔ حدیث میں ہے کہ دو بچیاں کچھ اشعار گا رہی تھیں، حضور نے اُدھر سے منہ پھیر لیا۔ ابوبکرؓ آئے مگر لڑکیاں بدستور مشغول رہیں اُس کے بعد حضرت عمرؓ آئے، لڑکیاں اُٹھ کر بھاگ گئیں، حضورؐ نے فرمایا کہ "عمر جس راستہ پر چلتا ہے شیطان وہ رستہ چھوڑ کر بھاگ جاتا ہے"۔ کیا اُس سے کوئی خوش فہم یہ مطلب لے سکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عمرؓ کو اپنے سے افضل ثابت کر رہے ہیں۔ ہاں ابوہریرہؓ کا مسِ شیطان کی حدیث کو آیت ہٰذا کی تفسیر بنانا بظاہر چسپاں نہیں ہوتا الا یہ کہ آیت "وَاِنِّیٓ اُعِیْذُھَا بِکَ" الخ میں واوٴ عطف کو ترتیب کیلئے نہ سمجھا جائے۔ یا حدیث میں استثناء سے صرف مسیح کے مریم سے پیدا ہونے کا واقعہ مراد ہو۔ مریم و مسیح الگ الگ مراد نہ ہوں۔ چنانچہ بخاری کی ایک روایت میں صرف حضرت عیسیٰ کے ذکر پر اکتفاء کیا ہو۔ واللہ اعلم

(۵۷) **حضرت مریم حضرت زکریا کی کفالت میں** یعنی گو لڑکی تھی مگر حق تعالیٰ نے لڑکے سے بڑھ کر اسے قبول فرمایا۔ بیت المقدس کے مجاورین کے دلوں میں ڈال دیا کہ عام دستور کے خلاف لڑکی کو قبول کر لیں۔ اور ویسے بھی مریم کو قبول صورت بنایا اور اپنے مقبول بندہ زکریا کی کفالت میں دیا اور اپنی بارگاہ میں حسنِ قبول سے سرفراز کیا۔ جسمانی روحانی، علمی، اخلاقی ہر حیثیت سے غیر معمولی طور پر بڑھایا۔ جب مجاورین میں اس کی پرورش کے متعلق اختلاف ہوا تو قرعہ انتخاب حضرت زکریا کے نام نکال دیا۔ تا لڑکی اپنی خالہ کی آغوش شفقت میں تربیت پائے اور زکریا کے علم و دیانت سے مستفید ہو۔ زکریا نے پوری مراعاۃ اور جدوجہد کی۔ جب مریم سیانی ہوئیں تو مسجد کے پاس اُن کے لئے ایک حجرہ مخصوص کر دیا۔ مریم دن بھر وہاں عبادت وغیرہ میں مشغول رہتی اور رات اپنی خالہ کے گھر گذارتی۔

(۵۸) **حضرت مریم کی برکات کا ظہور** اکثر سلف کے نزدیک "رزق" سے مراد ظاہری کھانا ہے۔ کہتے ہیں مریم کے پاس بے موسم میوے آتے گرمی کے پھل سردی میں، سردی کے گرمی میں، اور مجاہد سے ایک روایت ہے کہ "رزق" سے مراد علمی صحیفے ہیں جن کو روحانی غذا کہنا چاہیئے۔ بہرحال اب کھلم کھلا مریم کی برکات و کرامات اور غیر معمولی نشانات ظاہر ہونے شروع ہوئے، جن کا بار بار مشاہدہ ہونے پر زکریا سے نہ رہا گیا اور ازراہ تعجب پوچھنے لگے کہ مریم! یہ چیزیں تم کو کہاں سے پہنچتی ہیں۔

(۵۹) یعنی خدا کی قدرت اسی طرح مجھ کو یہ چیزیں پہنچاتی ہے جو قیاس و گمان سے باہر ہے۔

(۶۰) **اولاد کیلئے حضرت زکریا کی دعاء** حضرت زکریا بالکل بوڑھے ہو چکے تھے، اُن کی بیوی بانجھ تھی، اولاد کی کوئی ظاہری اُمید نہ تھی۔ مریم کی نیکی و برکت اور یہ غیر معمولی خوارق دیکھ کر دفعۃً قلب میں ایک جوش اُٹھا اور فوری تحریک ہوئی کہ میں بھی اولاد کی دعاء کروں۔ اُمید ہے مجھے بھی بے موسم میوہ مل جائے۔ یعنی بڑھاپے میں اولاد مرحمت ہو۔

فَنَادَتْهُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَهُوَ قَآئِمٌ يُّصَلِّيْ فِي الْمِحْرَابِ اَنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيٰى مُصَدِّقًۢا بِكَلِمَةٍ

پھر اُس کو آواز دی فرشتوں نے جب وہ کھڑے تھے نماز میں حجرے کے اندر کہ اللہ تجھ کو خوشخبری دیتا ہے یحییٰ کی ف۶۱ جو گواہی دیگا اللہ کے ایک

مِّنَ اللّٰهِ وَسَيِّدًا وَّحَصُوْرًا وَّنَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۳۹﴾ قَالَ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّقَدْ

حکم کی ف۶۲ اور سردار ہوگا اور عورت کے پاس نہ جائیگا ف۶۳ اور نبی ہوگا صالحین سے ف۶۴ کہا اے رب کہاں سے ہوگا میرے لڑکا اور پہنچ

بَلَغَنِيَ الْكِبَرُ وَامْرَاَتِيْ عَاقِرٌ ؕ قَالَ كَذٰلِكَ اللّٰهُ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ ﴿۴۰﴾

چکا مجھ کو بڑھاپا اور عورت میری بانجھ ہے فرمایا اسی طرح اللہ کرتا ہے جو چاہے ف۶۵

(۶۱) **حضرت یحییٰ کی بشارت** دعاء قبول ہوئی۔ بشارت ملی کہ لڑکا ہوگا جس کا نام یحییٰ رکھا گیا۔

(۶۲) ایک حکم سے یہاں حضرت مسیح علیہ السلام مراد ہیں جو خدا کے حکم سے بدون باپ کے پیدا ہوئے۔ حضرت یحییٰ لوگوں کو پہلے سے خبر دیتے تھے کہ مسیح پیدا ہونے والے ہیں۔

(۶۳) **حضرت یحییٰ کے اوصاف** یعنی لذات و شہوات سے بہت زیادہ رُکنے والا ہوگا، اللہ کی عبادت میں اس قدر مشغول رہے گا کہ عورت کی طرف التفات کرنے کی نوبت نہ آئے گی۔ یہ حضرت یحییٰ کا مخصوص حال تھا، جس سے اُمّت محمدیہ کے لئے کوئی ضابطہ نہیں بن سکتا۔ ہمارے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اعلیٰ امتیاز یہ ہے کہ کمال معاشرت کے ساتھ کمال عبادت کو جمع فرمایا۔

(۶۴) یعنی صلاح و رشد کے اعلیٰ مرتبہ پر فائز ہوگا جسے نبوت کہتے ہیں "یا صالح" کے معنی "شائستہ" کے لئے جائیں یعنی نہایت شائستہ ہوگا۔

(۶۵) **غیر معمولی واقعات کی توجیہہ** یعنی اُس کی قدرت و مشیت سلسلۂ اسباب کی پابند نہیں، گو اس عالم میں اس کی عادت یہ ہی ہے کہ اسباب عادیہ سے مسببات کو پیدا کرے لیکن کبھی کبھی اسباب عادیہ کے خلاف غیر معمولی طریقہ سے کسی چیز کا پیدا کر دینا بھی اُس کی خاص عادت ہے۔ اصل یہ ہے کہ مریم صدیقہ کے پاس خارق عادت طریقہ سے رزق کا پہنچنا اور بہت سے غیر معمولی واقعات کا ظہور پذیر ہونا یہ دیکھ کر مریم کے حجرہ میں بیساختہ حضرت زکریا کا دعا مانگنا، پھر اُن کو اور اُن کی بانجھ عورت کو بڑھاپے میں غیر معتاد طور پر اولاد ملنا، ان سب نشانات کو قدرت کی طرف سے اُس عظیم الشان آیت الٰہیہ کی تمہید سمجھنا چاہئے جو مریم کے وجود سے بدون قربان زوج مستقبل قریب میں ظاہر ہونے والی تھی۔ گویا حضرت یحییٰ کی غیر معتاد ولادت پر کذٰلک اللہ یفعل مایشاءُ فرمانا تمہید تھی کذٰلک اللہ یخلق مایشاء کی جو آگے حضرت مسیح کی غیر معتاد ولادت کے سلسلہ میں آیا چاہتا ہے۔

قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّيْٓ اٰيَةً ۭ قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ اِلَّا رَمْزًا ۭ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ

کہا اے رب مقرر کر میرے لئے کچھ نشانی ف۶۶ فرمایا نشانی تیری یہی ہے کہ نہ بات کریگا تو لوگوں سے تین دن مگر اشارہ سے ف۶۷ اور یاد کر اپنے رب کو

كَثِيْرًا وَّسَبِّحْ بِالْعَشِيِّ وَالْاِبْكَارِ ۝۴۱ وَاِذْ قَالَتِ الْمَلٰۗىِٕكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰىكِ وَطَهَّرَكِ وَ ع ۴/۱۲

بہت اور تسبیح کر شام اور صبح ف۶۸ اور جب فرشتے بولے اے مریم اللہ نے تجھ کو پسند کیا اور ستھرا بنایا اور

اصْطَفٰىكِ عَلٰي نِسَاۗءِ الْعٰلَمِيْنَ ۝۴۲ يٰمَرْيَمُ اقْنُتِىْ لِرَبِّكِ وَاسْجُدِيْ وَارْكَعِيْ مَعَ

پسند کیا تجھ کو سب جہان کی عورتوں پر ف۶۹ اے مریم بندگی کر اپنے رب کی اور سجدہ کر ف۷۰ اور رکوع کر ساتھ رکوع

الرّٰكِعِيْنَ ۝۴۳ ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَاۗءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ ۭ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يُلْقُوْنَ اَقْلَامَھُمْ

کرنیوالوں کے ف۷۱ یہ خبریں غیب کی ہیں جو ہم بھیجتے ہیں تجھ کو ف۷۲ اور تو نہ تھا اُن کے پاس جب ڈالنے لگے اپنے قلم

اَيُّھُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ ۠ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ ۝۴۴

کہ کون پرورش میں لے مریم کو اور تو نہ تھا اُن کے پاس جب وہ جھگڑتے تھے ف۷۳

(۶۶) **حضرت یحییٰ کے حمل کی نشانی** جس سے معلوم ہو جائے کہ اب حمل قرار پا گیا ہے تاکہ قرب ولادت کے آثار دیکھ کر مسرت تازہ حاصل ہو اور شکر نعمت میں بیش از بیش مشغول رہوں۔

(۶۷) یعنی جب تجھ کو یہ حالت پیش آئے کہ تین دن رات لوگوں سے بجز اشارہ کے کوئی کلام نہ کر سکے اور تیری زبان خالص ذکر الٰہی کے لئے

وقف ہوجائے تو سمجھ لینا کہ اب استقرار حمل ہوگیا۔ سبحان اللہ نشانی بھی ایسی مقرر کی کہ نشانی کی نشانی ہو اور اطلاع پانے سے جو غرض تھی (شکر نعمت) وہ علیٰ وجہ الکمال حاصل ہوجائے۔ گویا خدا کے ذکر و شکر کے سوا چاہیں بھی تو زبان سے دوسری بات نہ کرسکیں۔

(۶۸) **حضرت زکریا کو کثرت ذکر کا حکم** یعنی اس وقت خدا کو بہت کثرت سے یاد کرنا اور صبح و شام تسبیح و تہلیل میں لگے رہنا۔ معلوم ہوتا ہے کہ آدمیوں سے کلام نہ کرسکنا گو اضطراری تھا، تاکہ ان دنوں میں محض ذکر و شکر کے لئے فارغ کردیے جائیں لیکن خود ذکر و فکر میں مشغول رہنا اضطراری نہ تھا۔ اسی لئے اس کا امر فرمایا گیا۔

(۶۹) **حضرت مریمؑ کو فرشتوں کا خطاب** حضرت زکریا و یحییٰ علیہما السلام کا قصہ جو ضمنی مناسبات سے درمیان میں آگیا تھا اور جس میں اصطفاء علیہ السلام کے قصہ کی تمہید تھی، یہاں ختم کرکے پھر مریم و مسیح کے واقعات کی طرف کلام منتقل کیا گیا ہے۔ چنانچہ مسیح سے پہلے ان کی والدہ کا فضل ۴
و شرف ذکر فرماتے ہیں۔ یعنی فرشتوں نے مریم سے کہا کہ اللہ نے تجھے پہلے دن سے چھانٹ لیا کہ باوجود لڑکی ہونے کے اپنی نیاز میں قبول کیا۔ طرح طرح کے احوال رفیعہ اور کرامات سنیہ عنایت فرمائیں۔ ستھرے اخلاق، پاک طبیعت اور ظاہری و باطنی نزاہت عطا فرما کر اپنی مسجد کی خدمت کے لائق بنایا۔ اور جہان کی عورتوں پر تجھ کو بعض وجوہ سے فضیلت بخشی۔ مثلاً ایسی استعداد رکھی کہ بدون مس بشر تنہا اس کے وجود سے حضرت مسیح جیسے اولوالعزم پیغمبر پیدا ہوں۔ یہ امتیاز دنیا میں کسی عورت کو حاصل نہیں ہوا۔

(۷۰) یعنی خدا نے جب ایسی عزت اور بلند مرتبہ تجھ کو عطا فرمایا تو چاہیئے کہ ہمیشہ اخلاص و تذلّل کے ساتھ اپنے پروردگار کے آگے جھکی رہ اور وظائف عبودیت کے انجام دینے میں بیش از بیش سرگرمی دکھلائے تاحق تعالیٰ نے تجھے جس امر عظیم کے برروئے کار لانے کا ذریعہ تجویز کیا ہے وہ ظہور پذیر ہو۔

(۷۱) جیسے راکعین خدا کے آگے رکوع کرتے ہیں۔ تو بھی اسی طرح رکوع کرتی رہ۔ یا یہ مطلب ہے کہ جماعت کے ساتھ نماز ادا کر۔ اور چونکہ کم از کم رکوع میں امام کے ساتھ شریک ہونے والا اس رکعت کو پانے والا سمجھا جاتا ہے، شاید اس لئے نماز کو بعنوان رکوع تعبیر کیا گیا۔ کما یفہم من کلام ابن تیمیہ فی فتاواہ۔ واللہ اعلم۔ اس تقدیر پر اگر "اقنتی" میں "قنوت" سے قیام مُراد لیں تو قیام، رکوع، سجود تینوں ہیئات صلوٰۃ کا ذکر آیت میں ہوجائے گا۔ (تنبیہ) ممکن ہے اس وقت عورتوں کو عام طور پر جماعت میں شریک ہونا جائز ہو یا خاص فتنہ سے مامون ہونے کی صورت میں اجازت ہو یا مریم کی خصوصیت ہو یا مریم اپنے حجرہ میں رہ کر تنہا یا دوسری عورتوں کے ہمراہ امام کی اقتداء کرتی ہوں سب احتمالات ہیں۔ واللہ اعلم۔

(۷۲) **یہ واقعات آنحضرت کی نبوت کی دلیل ہیں** یعنی ظاہری حیثیت سے آپ کچھ پڑھے لکھے نہیں، پہلے سے اہل کتاب کی کوئی معتد بہ صحبت نہیں رہی جن سے واقعات ماضیہ کی ایسی تحقیقی معلومات ہوسکیں۔ اور صحبت رہتی بھی تو کیا تھا، وہ لوگ خود ہی اوہام و خرافات کی اندھیریوں میں پڑے بھٹک رہے تھے۔ کسی نے عداوت میں اور کسی نے حد سے زیادہ محبت میں آکر صحیح واقعات کو مسخ کر رکھا تھا پھر اندھے کی آنکھ سے روشنی حاصل ہونے کی کیا توقع ہوسکتی تھی۔ اندریں حالات "مدنی" اور "مکی" دونوں قسم کی سورتوں میں ان واقعات کو ایسی صحت اور بسط و تفصیل سے سُنانا جو بڑے بڑے مدعیانِ علم کتاب کی آنکھوں میں چکا چوند کردیں اور کسی کو مجال انکار باقی نہ رہے اس کی کھلی دلیل ہے کہ بذریعہ وحی آپ کو یہ علم دیا گیا تھا۔ کیونکہ آپ نے نہ بچشم خود ان حالات کا معائنہ کیا، اور نہ علم حاصل کرنے کا کوئی خارجی ذریعہ آپ کے پاس موجود تھا۔

(۷۳) **حضرت مریم کی پرورش کیلئے قرعہ اندازی** جب حضرت مریم نذر میں قبول کرلی گئیں، تو مسجد کے مجاورین میں جھگڑا ہوا کہ انہیں کس کی پرورش میں رکھا جائے آخر قرعہ اندازی کی نوبت آئی۔ سب نے اپنے اپنے قلم جن سے تورات لکھتے تھے چلتے پانی میں چھوڑ

دے کہ جس کا قلم پانی کے بہاؤ پر نہ بہے۔ بلکہ الٹا پھر جائے اُسی کو حقدار سمجھیں۔ اس میں بھی قرعہ حضرت زکریا کے نام نکلا اور حقدار کو پہنچ گیا۔

إِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ إِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ ۖ اسْمُهُ الْمَسِيحُ عِيسَى ابْنُ

جب کہا فرشتوں نے اے مریم اللہ تجھ کو بشارت دیتا ہے ایک اپنے حکم کی جس کا نام مسیح ہے عیسیٰ مریم

مَرْيَمَ وَجِيهًا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِينَ ﴿۴۵﴾ وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا وَّ

کا بیٹا مرتبہ والا دنیا میں اور آخرت میں اور اللہ کے مقربوں میں ف ۴۷ اور باتیں کریگا لوگوں سے جبکہ ماں کی گود میں ہوگا اور جبکہ پوری عمر کا ہوگا

مِنَ الصّٰلِحِينَ ﴿۴۶﴾ قَالَتْ رَبِّ أَنّٰى يَكُونُ لِي وَلَدٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِي بَشَرٌ ۖ قَالَ كَذٰلِكِ اللّٰهُ

اور نیک بختوں میں ہے ف ۲ بولی اے رب کہاں سے ہوگا میرے لڑکا اور مجھ کو ہاتھ نہیں لگایا کسی آدمی نے ف ۳ فرمایا اسی طرح اللہ

يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ۚ إِذَا قَضٰٓى أَمْرًا فَإِنَّمَا يَقُولُ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ﴿۴۷﴾ وَيُعَلِّمُهُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ

پیدا کرتا ہے جو چاہے جب ارادہ کرتا ہے کسی کام کا تو یہی کہتا ہے اُس کو کہ ہو جا سو وہ ہو جاتا ہے ف ۴ اور سکھا دیگا اُسکو کتاب اور تہ کی باتیں

وَالتَّوْرٰىةَ وَالْإِنْجِيلَ ﴿۴۸﴾

اور توریت اور انجیل ف ۵

(۴۷) **عیسیٰ ابن مریم کی بشارت کلمۃ اللہ کی تشریح** حضرت مسیح علیہ السلام کو یہاں اور قرآن و حدیث میں کئی جگہ "کلمۃ اللہ" فرمایا ہے انما المسیح عیسیٰ بن مریم رسول اللّٰہ وکلمتہ القاھا الیٰ مریم وروح منہ (نساء رکوع ۲۳) یوں تو اللہ کے کلمات بے شمار ہیں جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا قل لو کان البحر مدادًا لکلمات ربی لنفد البحر قبل ان تنفد کلمات ربی ولو جئنا بمثلہ مددًا (کہف رکوع ۱۲) لیکن بالتخصیص حضرت مسیح کو "کلمۃ اللہ" (اللہ کا حکم) کہنا اس حیثیت سے ہے کہ اُن کی پیدائش باپ کے توسط کے بدون عام سلسلۂ اسباب کے خلاف محض خدا کے حکم سے ہوئی۔ اور جو فعل عام اسباب عادیہ کے سلسلہ سے خارج ہو، عمومًا اس کی نسبت براہ راست حق تعالیٰ کی طرف کر دی جاتی ہے۔ جیسے فرمایا "ومارمیت اذ رمیت ولکن اللّٰہ رمٰی (انفال رکوع ۲) (تنبیہ) "مسیح" اصل عبرانی میں "مَاشِیح" یا "مشیحا" تھا۔ جس کے معنی مبارک کے ہیں۔ معرب ہو کر "مسیح" بن گیا باقی دجال کو جو مسیح کہا جاتا ہے وہ باہماع عربی لفظ ہے جس کی وجہ تسمیہ اپنے موقع پر کئی طرح بیان کی گئی ہے۔ "مسیح" کا دوسرا نام یا لقب "عیسیٰ" ہے۔ یہ اصل عبرانی میں "ایشوع" تھا۔ معرب ہو کر "عیسیٰ" بنا۔ جس کے معنی سید کے ہیں۔ یہ بات خاص طور پر قابل غور ہے کہ قرآن کریم نے یہاں "ابن مریم" کو حضرت مسیح کے لئے بطور جزء علم کے استعمال کیا ہے۔ کیونکہ خود مریم کو بشارت سناتے وقت یہ کہنا کہ تجھے "کلمۃ اللہ" کی خوشخبری دی جاتی ہے جس کا نام "مسیح عیسیٰ ابن مریم" ہوگا۔ عیسیٰ کا پتہ بتلانے کے لئے نہ تھا۔ بلکہ اس پر متنبہ کرنا تھا کہ باپ نہ ہونے کی وجہ سے اس کی نسبت صرف ماں ہی کی طرف ہوا کرے گی۔ حتیٰ کہ لوگوں کو خدا کی یہ آیت عجیبہ ہمیشہ یاد دلانے اور مریم کی بزرگی ظاہر کرنے کے لئے گویا نام کا جزء بنا دی گئی۔ ممکن تھا کہ حضرت مریم کو بمقتضائے بشریت یہ بشارت سُن کر تشویش ہو کہ دنیا کس طرح باور کرے گی کہ تنہا عورت سے لڑکا پیدا ہو جائے۔ ناچار مجھ پر تہمت رکھیں گے۔ اور بچہ کو ہمیشہ بُرے لقب سے مشہور کر کے ایذا پہنچائیں گے۔ میں کس طرح براءت کروں گی، اس لئے آگے وجیھًا فی الدنیا والاٰخرۃ کہہ کر اطمینان کر دیا کہ خدا اُس کو نہ صرف آخرت میں بلکہ دنیا میں بھی بڑی عزت و وجاہت عطا کرے گا۔ اور دشمنوں کے سارے الزام جھوٹے ثابت کر دے گا۔ "وجیہ" کا لفظ یہاں ایسا سمجھو جیسے موسیٰ علیہ السلام کے متعلق فرمایا ہے "ایھا

الطِّينِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ فَأَنْفُخُ فِيهِ فَيَكُونُ طَيْرًا بِإِذْنِ اللَّهِ ۖ وَأُبْرِئُ الْأَكْمَهَ وَالْأَبْرَصَ

سے پرندہ کی شکل پھر اس میں پھونک مارتا ہوں تو ہو جاتا ہے وہ اڑتا جانور اللہ کے حکم سے ف۸۰ اور اچھا کرتا ہوں مادر زاد اندھے کو اور کوڑھی کو

وَأُحْيِي الْمَوْتَىٰ بِإِذْنِ اللَّهِ ۖ وَأُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَأْكُلُونَ وَمَا تَدَّخِرُونَ فِي بُيُوتِكُمْ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ

اور جلاتا ہوں مردے اللہ کے حکم سے ف۸۱ اور بتا دیتا ہوں تمکو جو کھا کر آؤ اور جو رکھ آؤ اپنے گھر میں ف۸۲ اس میں نشانی پوری

لَآيَةً لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿٤٩﴾ وَمُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرَاةِ وَلِأُحِلَّ لَكُمْ

ہے تم کو اگر تم یقین رکھتے ہو اور سچا بتاتا ہوں اپنے سے پہلی کتاب کو جو توریت ہے اور اس واسطے کہ حلال کردوں

بَعْضَ الَّذِي حُرِّمَ عَلَيْكُمْ ۚ وَجِئْتُكُمْ بِآيَةٍ مِنْ رَبِّكُمْ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُونِ ﴿٥٠﴾ إِنَّ

تم کو بعضی وہ چیزیں جو حرام تھیں تم پر ف۸۳ اور آیا ہوں تمہارے پاس نشانی لیکر تمہارے رب کی سو ڈرو اللہ سے اور میرا کہا مانو ف۸۴ بیشک

اللَّهَ رَبِّي وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوهُ ۗ هَٰذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ ﴿٥١﴾ فَلَمَّا أَحَسَّ عِيسَىٰ مِنْهُمُ الْكُفْرَ

اللہ ہے رب میرا اور رب تمہارا سو اسکی بندگی کرو یہی راہ سیدھی ہے ف۸۵ پھر جب معلوم کیا عیسیٰ نے بنی اسرائیل کا کفر ف۸۶

قَالَ مَنْ أَنْصَارِي إِلَى اللَّهِ ۖ قَالَ الْحَوَارِيُّونَ نَحْنُ أَنْصَارُ اللَّهِ آمَنَّا بِاللَّهِ وَاشْهَدْ

بولا کون ہے کہ میری مدد کرے اللہ کی راہ میں ف۸۷ کہا حواریوں نے ہم ہیں مدد کرنیوالے اللہ کی ف۸۸ ہم یقین لائے اللہ پر اور تو گواہ رہ کہ

بِأَنَّا مُسْلِمُونَ ﴿٥٢﴾

ہم نے حکم قبول کیا ف۸۹

(۷۹) یعنی پیغمبر ہو کر اپنی قوم بنی اسرائیل سے یہ فرمائیں گے۔

(۸۰) **حضرت عیسیٰ کے عجیب و غریب معجزات** محض شکل و صورت بنانے کو "خلق" سے تعبیر کرنا صرف ظاہری حیثیت سے ہے۔ جیسے حدیث صحیح میں معمولی تصویر بنانے کو "خلق" سے تعبیر فرمایا "احیوا ما خلقتم" یا خدا کو "اَحْسَنُ الْخَالِقِیْن" فرما کر بتلا دیا کہ محض ظاہری صورت کے لحاظ سے غیر اللہ پر بھی یہ لفظ بولا جا سکتا ہے۔ اگرچہ حقیقت تخلیق کے لحاظ سے حق تعالیٰ کے سوا کوئی "خالق" نہیں کہلا سکتا۔ شاید اسی لئے یہاں یوں نہ فرمایا انی اخلق لکم من الطین طیرًا (میں مٹی سے پرندہ بنا دیتا ہوں) یوں کہا کہ میں مٹی سے پرندہ کی شکل بنا کر اس میں پھونک مارتا ہوں، پھر وہ پرندہ اللہ کے حکم سے بن جاتا ہے۔ بہرحال یہ معجزہ آپ نے دکھلایا اور کہتے ہیں بچپن میں ہی بطور "ارہاص" آپ سے یہ خرق عادت ظاہر ہوا۔ تاکہ تہمت لگانے والوں کو ایک چھوٹا سا نمونہ قدرت خداوندی کا دکھلا دیں کہ جب میرے نفخ (پھونکنے) پر خدا تعالیٰ مٹی کی بیجان صورت کو جاندار بنا دیتا ہے، اسی طرح اگر اس نے بدون مس بشر محض روح القدس کے نفخہ سے ایک برگزیدہ عورت کے باطن پر روح عیسوی فائض کر دی تو کیا تعجب ہے۔ بلکہ حضرت مسیح چونکہ نفخہ جبرئیلیہ سے پیدا ہوئے ہیں۔ اس مسیحائی نفخہ کو اسی نوعیت ولادت کا ایک اثر سمجھنا چاہئے۔ سورہ "مائدہ" کے آخر میں حضرت مسیح علیہ السلام کے ان معجزات و خوارق پر دوسرے رنگ میں کلام کیا جائے گا۔ وہاں ملاحظہ کیا جائے۔ خلاصہ یہ کہ حضرت مسیح پر کمالات ملکیہ و روحیہ کا غلبہ تھا۔ اسی کے مناسب آثار ظاہر ہوتے تھے۔ لیکن اگر بشر کو ملک پر فضیلت حاصل ہے اور اگر ابو البشر کو مسجود ملائکہ بنایا گیا ہے تو کوئی شبہ نہیں کہ جس میں تمام کمالات بشریہ (جو عبارت ہے مجموعہ کمالات روحانیہ و جسمانیہ سے) اعلیٰ درجہ پر ہونگے اُس کو حضرت مسیح

سے افضل ماننا پڑے گا۔ اور وہ ذات قدسی صفات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے۔

(۸۱) **منکرین معجزات کا ردّ** اس زمانہ میں اطباء و حکماء کا زور تھا، حضرت مسیح کو ایسے معجزات مرحمت ہوئے جو لوگوں پر اُن کے سب سے زیادہ مایہ ناز فن میں حضرت مسیح کا نمایاں تفوق ثابت کریں۔ بلاشبہ مردہ کو زندہ کرنا حق تعالیٰ کی صفت ہے جیسا کہ "باذن اللہ" کی قید صاف ظاہر ہے۔ مگر مسیح اُس کا ذریعہ ہونے کی وجہ سے توسعًا اپنی طرف نسبت کر رہے ہیں۔ یہ کہنا کہ حق تعالیٰ قرآن کریم میں یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم احادیث میں اعلان کر چکے ہیں کہ ازل سے ابد تک کسی مردہ کو دنیا میں دوبارہ زندہ نہیں کیا جائیگا۔ نرا دعویٰ ہے جس کا کوئی ثبوت نہیں۔ اگر اُس نے قرآن میں فَيُمْسِكُ الَّتِي قَضَىٰ عَلَيْهَا الْمَوْتَ فرما کر یہ بتلایا کہ مرنے والے کی روح خدا تعالیٰ روک لیتا ہے اور سونے والے کی اس طرح نہیں روکتا۔ تو یہ کب کہا ہے کہ اس روک لینے کے بعد دوبارہ اُسے چھوڑ دینے کا اختیار نہیں رہتا۔ یاد رکھو! معجزہ وہ ہی ہے جو حق تعالیٰ کی عام عادت کے خلاف مدعی نبوت کی تصدیق کے لئے ظاہر کیا جائے۔ پس ایسی نصوص کو لے کر جو کسی چیز کی نسبت خدا کی عام عادت بیان کرتی ہوں یہ استدلال کرنا کہ ان سے معجزات کی نفی ہوتی ہے سرے سے معجزہ کے وجود کا انکار اور اپنی حماقت و غباوت کا اظہار ہے۔ معجزہ اگر عام قانون عادت کے موافق آیا کرے تو اسے معجزہ کیوں کہیں گے حضرت مسیح علیہ السلام کا بن باپ پیدا ہونا یا ابراء اکمہ و ابرص اور احیاء موتٰی وغیرہ معجزات دکھلانا، اہل اسلام میں تمام سلف و خلف کے نزدیک مسلّم رہا ہے۔ صحابہؓ و تابعین میں ایک قول بھی اس کے انکار میں دکھلایا نہیں جا سکتا آج جو ملحد یہ دعویٰ کرے کہ ان خوارق کا ماننا محکمات قرآنی کے خلاف ہے۔ گویا وہ ایسی چیزوں کو "محکمات" بتلاتا ہے جن کا صحیح مطلب سمجھنے سے تمام اُمت عاجز رہی؟ یا سب کے سب محکمات کو چھوڑ کر اور "متشابہات" کے پیچھے پڑ کر فِي قُلُوبِهِمْ زَيْغٌ کے مصداق بن گئے؟ آج کل کے ملحدین کے سوا "متشابہات" کو "محکمات" کی طرف لوٹانے کی کسی کو توفیق نہ ہوئی؟ العیاذ باللہ۔ حق یہ ہے کہ وہ آیات جن کے ظاہری معنی کو ساری اُمت مانتی چلی آئی ہے۔ "محکمات" ہیں۔ اور اُن کو توڑ مروڑ کر محض استعارات و تمثیلات پر حمل کرنا اور معجزات کی نفی پر عموم عادت سے دلیل لانا یہ ہی "زائغین" کا کام ہے۔ جن سے حذر کرنے کی حضورؐ نے ہدایت فرمائی ہے۔

(۸۲) آئندہ کے لئے۔ یعنی بعض مغیبات ماضیہ و مستقبلہ پر تم کو مطلع کر دیتا ہوں۔ عملی معجزات کے بعد یہ ایک علمی معجزہ ذکر کر دیا۔

(۸۳) یعنی تورات کی تصدیق کرتا ہوں کہ خدا کی کتاب ہے اور اس کے عام اصول و احکام کو بحالہ قائم رکھتے ہوئے زمانہ کے مناسب حق تعالیٰ کے حکم سے چند جزئی و فرعی تغیرات کروں گا۔ مثلاً بعض احکام میں پہلے جو سختی تھی وہ اب اٹھا دی جائے گی۔ اس کا نام خواہ نسخ رکھ لو یا تکمیل اختیار ہے۔

(۸۴) یعنی میری صداقت کے نشان جب دیکھ چکے تو اب خدا سے ڈر کر میری باتیں ماننی چاہئیں۔

(۸۵) یعنی سب باتوں کی ایک بات اور ساری جڑوں کی اصل جڑ یہ ہے کہ حق تعالیٰ کو میرا اور اپنا دونوں کا یکساں رب سمجھو (باپ بیٹے کے رشتے قائم نہ کرو) اور اُسی کی بندگی کرو۔ سیدھا راستہ رضائے الٰہی تک پہنچنے کا یہ ہی توحید، تقویٰ اور اطاعت رسول ہے۔

(۸۶) یعنی یہ میرا دین قبول نہ کریں گے بلکہ دشمنی اور ایذا رسانی کے درپے رہیں گے۔

(۸۷) یعنی میرا ساتھ دے اور دین الٰہی کو رواج دینے میں میری مدد کرے۔

(۸۸) اللہ کی مدد کرنا یہ ہی ہے کہ اُس کے دین و آئین اور پیغمبروں کی مدد کی جائے۔ جس طرح انصار مدینہ نے اپنے پیغمبر علیہ السلام اور دین حق کی مدد کر کے دکھلائی۔

(۸۹) **حواری کون تھے؟** "حواری" کون لوگ تھے اور یہ لقب ان کا کس وجہ سے ہوا۔ اس میں علماء کے بہت اقوال ہیں مشہور یہ ہے

کہ پہلے دو شخص جو حضرت عیسٰی کے تابع ہوئے دھوبی تھے اور کپڑے صاف کرنے کی وجہ سے حواری کہلاتے تھے۔ حضرت عیسٰی نے
اُن کو کہا کہ کپڑے کیا دھوتے ہو آؤ میں تم کو دل دھونے سکھا دوں۔ وہ ساتھ ہو لئے۔ پھر ایسے سب ساتھیوں کا یہی لقب پڑ گیا۔

رَبَّنَآ اٰمَنَّا بِمَآ اَنْزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُوْلَ فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۵۳﴾ وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ

اے رب ہمنے یقین کیا اُس چیز کا جو تو نے اُتاری اور ہم تابع ہوئے رسول کے سو تو لکھ لے ہم کو ماننے والوں میں ف ۹۰ اور مکر کیا اُن کافروں نے اور مکر کیا اللہ نے

وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ﴿۵۴﴾ اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسٰٓى اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَىَّ وَمُطَهِّرُكَ ع ۵ ۱۳

اور اللہ کا داؤ سب سے بہتر ہے ف ۹۱ جس وقت کہا اللہ نے اے عیسٰی میں لے لونگا تجھ کو اور اُٹھا لونگا اپنی طرف اور پاک کرونگا تجھ کو

مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۚ ثُمَّ

کافروں سے اور رکھونگا اُن کو جو تیرے تابع ہیں غالب اُن سے جو انکار کرتے ہیں قیامت کے دن تک پھر

اِلَىَّ مَرْجِعُكُمْ فَاَحْكُمُ بَيْنَكُمْ فِيْمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۵۵﴾ فَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَاُعَذِّبُهُمْ

میری طرف ہے تم سب کو پھر آنا پھر فیصلہ کر دونگا تم میں جس بات میں تم جھگڑتے تھے سو وہ لوگ جو کافر ہوئے اُن کو عذاب کرونگا

عَذَابًا شَدِيْدًا فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۡ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۵۶﴾ وَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ

سخت عذاب دنیا میں اور آخرت میں اور کوئی نہیں اُن کا مددگار اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور

عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُوَفِّيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ ۗ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۷﴾

کام نیک کئے سو انکو پورا دیگا اُن کا حق اور اللہ کو خوش نہیں آتے بے انصاف ف ۹۲

(۹۰) پیغمبر کے سامنے اقرار کرنے کے بعد پروردگار کے سامنے یہ اقرار کیا کہ انجیل پر ایمان لا کر تیرے رسول کا اتباع کرتے ہیں۔ آپ اپنے فضل و توفیق سے ہمارا نام ماننے والوں کی فہرست میں ثبت فرما دیں۔ گویا ایمان کی رجسٹری ہو جائے کہ پھر لوٹنے کا احتمال نہ رہے۔

(۹۱) **مکر اور ماکر کے معنیٰ** "مکر" کہتے ہیں لطیف و خفیہ تدبیر کو۔ اگر وہ اچھے مقصد کے لئے ہو۔ اچھا ہے۔ اور بُرائی کے لئے ہو تو بُرا ہے اسی لئے وَلَا يَحِيْقُ الْمَكْرُ السَّيِّئُ میں مکر کے ساتھ "سیئ" کی قید لگائی۔ اور یہاں خدا کو "خیر الماکرین" کہا۔ مطلب یہ ہے کہ یہود نے حضرت عیسٰی علیہ السلام کے خلاف طرح طرح کی سازشیں اور خفیہ تدبیریں شروع کر دیں۔ حتیٰ کہ بادشاہ کے کان بھر دیئے کہ یہ شخص (معاذ اللہ) ملحد ہے۔ تورات کو بدلنا چاہتا ہے سب کو بددین بنا کر چھوڑے گا۔ اُس نے مسیح علیہ السلام کی گرفتاری کا حکم دے دیا۔ اُدھر یہ ہو رہا تھا اور ادھر حق تعالیٰ کی لطیف و خفیہ تدبیر اُن کے توڑ میں اپنا کام کر رہی تھی۔ جس کا ذکر آگے آتا ہے۔ بیشک خدا کی تدبیر سب سے بہتر اور مضبوط ہے جسے کوئی نہیں توڑ سکتا۔

(۹۲) **حضرت عیسٰی کا آسمان پر اٹھانا اور دوبارہ دنیا میں نزول** بادشاہ نے لوگوں کو مامور کیا کہ مسیح علیہ السلام کو پکڑیں صلیب (سولی) پر چڑھائیں اور ایسی عبرتناک سزائیں دیں جسے دیکھ کر دوسرے لوگ اُس کا اتباع کرنے سے رُک جائیں۔ فبعث فی طلبہ من یاخذہٗ ويصلبه وينكل به (ابن کثیر) خداوند قدوس نے اس کے جواب میں مسیح علیہ السلام کو مطمئن فرما دیا کہ میں ان اشقیاء کے ارادوں اور منصوبوں کو خاک میں ملا دونگا۔ یہ چاہتے ہیں کہ تجھے پکڑ کر قتل کر دیں اور پیدائش و بعثت سے جو مقصد ہے پورا نہ ہونے دیں اور اس طرح خدا کی نعمت عظیمہ کی بے قدری کریں۔ لیکن میں ان سے اپنی یہ نعمت لے لونگا تیری عمر مقدر اور جو مقصد عظیم اُس سے متعلق ہے پورا

کر کے رہوں گا۔ اور تجھ کو پورے کا پورا صحیح وسالم لیجاؤں گا کہ ذرا بھی تیرا بال بیکا نہ کر سکیں۔ بجائے اس کے کہ وہ لے جائیں، خدا تجھ کو اپنی پناہ میں لے جائے گا۔ وہ صلیب پر چڑھانا چاہتے ہیں خدا تجھ کو آسمان پر چڑھائے گا۔ اُن کا ارادہ ہے کہ رسوا کن اور عبرتناک سزائیں دیکر لوگوں کو تیرے اتباع سے روک دیں۔ لیکن خدا اُن کے ناپاک ہاتھ تیرے تک نہ پہنچنے دے گا بلکہ اس گندے اور نجس مجمع کے درمیان سے تجھ کو بالکل پاک وصاف اُٹھا لیگا۔ اور اس کے بجائے کہ تیری بے عزتی ہو اور لوگ ڈر کر تیرے اتباع سے رک جائیں، تیرا اتباع کرنیوالوں اور نام لینے والوں کو قرب قیامت تک منکروں پر غالب وقاہر رکھے گا۔ جب تک تیرا انکار کرنے والے یہود اور اقرار کرنے والے مسلمان یا نصاریٰ دنیا میں رہیں گے ہمیشہ اقرار کرنے والے منکرین پر فائق وغالب رہیں گے۔ بعدہٗ ایک وقت آئے گا جب تجھ کو اور تیرے موافق ومخالف سب لوگوں کو میرے حکم کی طرف لوٹنا ہے۔ اُس وقت میں تمہارے سب جھگڑوں کا دوٹوک فیصلہ کر دونگا اور سب اختلافات ختم کر دیے جائیں گے۔ یہ فیصلہ کب ہوگا؟ اُس کی جو تفصیل فَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَاُعَذِّبُھُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا فِي الدُّنْيَا الخ سے بیان کی گئی ہے وہ بتلاتی ہے کہ آخرت سے پیشتر دنیا ہی میں اس کا نمونہ شروع کر دیا جائے گا۔ یعنی اُس وقت تمام کافر عذاب شدید کے نیچے ہونگے کوئی طاقت اُن کی مدد اور فریاد کو نہ پہنچ سکے گی۔ اس کے بالمقابل جو ایمان والے رہیں گے اُن کو دنیا و آخرت میں پورا پورا اجر دیا جائیگا اور بے انصاف ظالموں کی جڑ کاٹ دی جائے گی۔ امت مرحومہ کا اجماعی عقیدہ ہے کہ جب یہود نے اپنی ناپاک تدبیریں پختہ کر لیں تو حق تعالیٰ نے حضرت مسیح علیہ السلام کو زندہ آسمان پر اُٹھا لیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی متواتر احادیث کے موافق قیامت کے قریب جب دنیا کفر وضلالت اور دجل وشیطنت سے بھر جائے گی۔ خدا تعالیٰ خاتم انبیاء بنی اسرائیل (حضرت مسیح علیہ السلام) کو خاتم الانبیاء علی الاطلاق حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک نہایت وفادار جرنل کی حیثیت میں نازل کر کے دنیا کو دکھلادے گا کہ انبیائے سابقین کو بارگاہ خاتم النبیین کے ساتھ کس قسم کا تعلق ہے۔ حضرت مسیح علیہ السلام دجال کو قتل کریں گے۔ اور اس کے اتباع یہود کو چن چن کر ماریں گے۔ کوئی یہودی جان نہ بچا سکیگا۔ شجر وحجر تک پکاریں گے کہ ہمارے پیچھے یہ یہودی کھڑا ہے قتل کرو! حضرت مسیح صلیب کو توڑیں گے۔ نصاریٰ کے باطل عقائد وخیالات کی اصلاح کر کے تمام دنیا کو ایمان کے راستہ پر ڈال دیں گے۔ اُس وقت تمام جھگڑوں کا فیصلہ ہو کر اور مذہبی اختلافات مٹ مٹا کر ایک خدا کا سچا دین (اسلام) رہ جائے گا۔ اسی وقت کی نسبت فرمایا۔ وَاِنْ مِّنْ اَھْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ (نساء رکوع ۲۲) جس کی پوری تقریر اور رفع مسیح کی کیفیت سورۂ "نساء" میں آئے گی۔

لفظ موت اور توفّی کی تحقیق بہرحال میرے نزدیک ثُمَّ اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ الخ صرف آخرت سے متعلق نہیں بلکہ دنیا وآخرت دونوں سے تعلق رکھتا ہے۔ جیسا کہ آگے تفصیل کے موقع پر فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ کا لفظ صاف شہادت دے رہا ہے۔ اور یہ اس کا قرینہ ہے کہ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ کے معنی قرب قیامت کے ہیں چنانچہ احادیث صحیحہ میں مصرح ہے کہ قیامت سے پہلے ایک مبارک وقت ضرور آنیوالا ہے جب سب اختلافات مٹ مٹا کر ایک دین باقی رہ جائے گا وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ اَوَّلًا وَّاٰخِرًا۔ چند امور اس آیت کے متعلق یاد رکھنے چاہئیں۔ لفظ "توفّی" کے متعلق کلیات ابوالبقاء میں ہے۔ "التوفی الاماتہ وقبض الروح وعلیہ استعمال العامۃ اوالاستیفاء واخذ الحق وعلیہ استعمال البلغاء" "توفّی" کا لفظ عوام کے یہاں موت دینے اور جان لینے کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ لیکن بلغاء کے نزدیک اس کے معنی ہیں پورا وصول کرنا اور ٹھیک لینا) گویا اُن کے نزدیک موت پر بھی "توفّی" کا اطلاق اسی حیثیت سے ہوا کہ موت میں کوئی عضو خاص نہیں بلکہ خدا کی طرف سے پوری جان وصول کر لی جاتی ہے۔ اب اگر فرض کرو خدا تعالیٰ نے کسی کی جان بدن سمیت لے لی تو اُسے بطریق اولیٰ "توفّی" کہا جائے گا۔ جن اہل لغت نے "توفّی" کے معنی قبض روح کے لکھے ہیں انہوں نے یہ نہیں کہا کہ قبض روح مع البدن کو "توفّی" نہیں کہتے۔ نہ کوئی ایسا ضابطہ بتلایا ہے کہ جب "توفّی" کا فاعل اللہ اور

مفعول ذی روح ہو تو بجز موت کے کوئی معنی نہ ہو سکیں۔ ہاں چونکہ عموماً قبض روح کا وقوع بدن سے جدا کر کے ہوتا ہے۔ اس لئے کثرت و عادت کے لحاظ سے اکثر موت کا لفظ اس کے ساتھ لکھ دیتے ہیں ورنہ لفظ کا لغوی مدلول قبض روح مع البدن کو شامل ہے۔ دیکھئے۔ اَللّٰہُ یَتَوَفَّی الْاَنْفُسَ حِیْنَ مَوْتِھَا وَالَّتِیْ لَمْ تَمُتْ فِیْ مَنَامِھَا۔ (زمر۔ رکوع ۵) میں "توفی نفس" (قبض روح) کی دو صورتیں بتلائیں۔ موت اور نیند، اس تقسیم سے نیز "توفی" کو "انفس" پر وارد کر کے اور "حین موتھا" کی قید لگا کر بتلا دیا کہ "توفی" اور "موت" دو الگ الگ چیزیں ہیں۔ اصل یہ ہے کہ قبض روح کے مختلف مدارج ہیں۔ ایک درجہ وہ ہے جو موت کی صورت میں پایا جائے۔ دوسرا وہ جو نیند کی صورت میں ہو۔ قرآن کریم نے بتلا دیا کہ وہ دونوں پر "توفی" کا لفظ اطلاق کرتا ہے۔ کچھ موت کی تخصیص نہیں۔ یَتَوَفّٰکُمْ بِالَّیْلِ وَیَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّھَارِ (انعام رکوع ۷) اب جس طرح اُس نے دو آیتوں میں نوم پر "توفی" کا اطلاق جائز رکھا حالانکہ نوم میں قبض روح بھی پورا نہیں ہوتا۔ اسی طرح اگر "آل عمران" اور "مائدہ" کی دو آیتوں میں "توفی" کا لفظ قبض روح مع البدن پر اطلاق کر دیا گیا تو کونسا استحالہ لازم آتا ہے۔ بالخصوص جب یہ دیکھا جائے کہ موت یا نوم میں لفظ "توفی" کا استعمال قرآن کریم ہی نے شروع کیا ہے۔ جاہلیت والے تو عموماً اس حقیقت سے ناآشنا تھے کہ موت یا نوم میں خدا تعالیٰ کوئی چیز آدمی سے وصول کر لیتا ہے۔ اسی لئے لفظ "توفی" کا استعمال موت اور نوم پر اُن کے یہاں شائع نہ تھا۔ قرآن کریم نے موت وغیرہ کی حقیقت پر روشنی ڈالنے کے لئے اول اس لفظ کا استعمال شروع کیا۔ تو اسی کو حق ہے کہ موت و نوم کی طرح اخذ روح مع البدن کے نادر مواقع میں بھی اسے استعمال کر لے۔ بہرحال آیت حاضرہ میں جمہور کے نزدیک "توفی" سے موت مراد نہیں۔ اور ابن عباس سے بھی صحیح ترین روایت یہی ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام زندہ آسمان پر اٹھائے گئے۔ کما فی روح المعانی وغیرہ۔ زندہ اٹھائے جانے یا دوبارہ نازل ہونے کا انکار سلف میں کسی سے منقول نہیں۔ بلکہ "تلخیص الحبیر" میں حافظ ابن حجر نے اس پر اجماع نقل کیا ہے اور ابن کثیر وغیرہ نے احادیث نزول کو متواتر کہا ہے اور "اکمال اکمال المعلم" میں امام مالکؒ سے اس کی تصریح نقل کی ہے۔ پھر جو معجزات حضرت مسیح علیہ السلام نے دکھلائے اُن میں علاوہ دوسری حکمتوں کے ایک خاص مناسبت آپ کے رفع الی السماء کے ساتھ پائی جاتی ہے۔ آپ نے شروع ہی سے متنبہ کر دیا کہ جب ایک مٹی کا پتلا میرے پھونک مارنے سے باذن اللہ پرند بن کر اوپر اڑا چلا جاتا ہے کیا وہ بشر جس پر خدا نے روح اللہ کا لفظ اطلاق کیا اور "روح القدس" کے نفخہ سے پیدا ہوا، یہ ممکن نہیں کہ خدا کے حکم سے اُڑ کر آسمان تک چلا جائے۔ جس کے ہاتھ لگانے یا دو لفظ کہنے پر حق تعالیٰ کے حکم سے اندھے اور کوڑھی اچھے اور مردے زندہ ہو جائیں، اگر وہ اس موطنِ کون و فساد سے الگ ہو کر ہزاروں برس فرشتوں کی طرح آسمان پر زندہ اور تندرست رہے تو کیا استبعاد ہے۔ قال قتادہ فطار مع الملائکۃ فھو معھم حول العرش وصار انسیا ملکیا سماویا ارضیا (بغوی) اس موضوع پر مستقل رسالے اور کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔ مگر میں اہل علم کو توجہ دلاتا ہوں کہ ہمارے مخدوم علامہ فقید النظیر حضرت مولانا سید محمد انور شاہ کشمیری اطال اللہ بقائہ نے رسالہ "عقیدۃ الاسلام" میں جو علمی لعل و جواہر ودیعت کئے ہیں اُن سے متمتع ہونے کی ہمت کریں میری نظر میں ایسی جامع کتاب اس موضع پر نہیں لکھی گئی۔

ذٰلِكَ نَتْلُوْهُ عَلَيْكَ مِنَ الْاٰيٰتِ وَالذِّكْرِ الْحَكِيْمِ ﴿۵۸﴾ اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ ؕ

یہ پڑھ سناتے ہیں ہم تجھ کو آیتیں اور بیان تحقیقی بیشک عیسیٰ کی مثال اللہ کے نزدیک جیسے مثال آدم کی

خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۵۹﴾

بنایا اس کو مٹی سے پھر کہا اس کو کہ ہو جا وہ ہو گیا ۹۳

(۹۳) **حضرت عیسٰیؑ حضرت آدم کی طرح بغیر باپ کے پیدا ہوئے** نصاریٰ اس بات پر حضرت سے بہت جھگڑے کہ عیسٰی بندہ نہیں، اللہ کا بیٹا ہے۔ آخر کہنے لگے کہ وہ اللہ کا بیٹا نہیں تو تم بتاؤ کس کا بیٹا ہے؟ اُس کے جواب میں یہ آیت اُتری کہ آدم کے تو نہ باپ تھا نہ ماں، عیسٰیؑ کے باپ نہ ہو تو کیا عجب ہے (موضح القرآن) اس حساب سے تو آدم کو خدا کا بیٹا ثابت کرنے پر زیادہ زور دینا چاہئے۔ حالانکہ کوئی بھی اس کا قائل نہیں۔

اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴿۶۰﴾ فَمَنْ حَآجَّكَ فِيْهِ مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَكَ

حق وہ ہے جو تیرا رب کہے پھر تو مت رہ شک لانے والوں سے ف۹۴ پھر جو کوئی جھگڑا کرے تجھ سے اس قصہ میں بعد اس کے کہ آ چکی تیرے پاس

مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَآءَكُمْ وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَكُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ ثُمَّ

خبر سچی تو تو کہہ دے آؤ بلا دیں ہم اپنے بیٹے اور تمہارے بیٹے اور اپنی عورتیں اور تمہاری عورتیں اور اپنی جان اور تمہاری جان پھر

نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ ﴿۶۱﴾ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْقَصَصُ الْحَقُّ وَمَا مِنْ

التجا کریں ہم سب اور لعنت کریں اللہ کی اُن پر کہ جو جھوٹے ہیں ف۹۵ بیشک یہی ہے بیان سچا اور کسی کی بندگی

اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۶۲﴾ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ بِالْمُفْسِدِيْنَ ﴿۶۳﴾ ع ۶/۱۴

نہیں ہے سوا اللہ کے ف۹۶ اور اللہ جو ہے وہی ہے زبردست حکمت والا ف۹۷ پھر اگر قبول نہ کریں تو اللہ کو معلوم ہے فساد کرنے والے ف۹۸

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۭ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْـًٔا

تو کہہ اے اہل کتاب آؤ ایک بات کی طرف جو برابر ہے ہم میں اور تم میں کہ بندگی نہ کریں ہم مگر اللہ کی اور شریک نہ ٹھہراویں اُس کا کسی کو

وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ﴿۶۴﴾

اور نہ بناوے کوئی کسی کو رب سوا اللہ کے ف۹۹ پھر اگر وہ قبول نہ کریں تو کہہ دو گواہ رہو کہ ہم تو حکم کے تابع ہیں ف۱۰۰

(۹۴) یعنی مسیح علیہ السلام کے متعلق جو کچھ حق تعالیٰ نے فرمایا وہ ہی حق ہے جس میں شک و شبہ کی قطعاً گنجائش نہیں۔ جو بات تھی بلا کم و کاست سمجھا دی گئی۔

(۹۵) **نجران کے عیسائیوں کو دعوتِ مباہلہ** اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا کہ نصاریٰ نجران اس قدر سمجھانے پر بھی اگر قائل نہ ہوں تو اُن کے ساتھ "مباہلہ" کرو۔ جس کی زیادہ موثر اور مکمل صورت یہ تجویز کی گئی کہ دونوں فریق اپنی جان سے اور اولاد سے حاضر ہوں اور خوب گڑگڑا کر دعا کریں کہ جو کوئی ہم میں جھوٹا ہے اُس پر خدا کی لعنت اور عذاب پڑے۔ یہ "مباہلہ" کی صورت پہلے ہی قدم پر اس بات کا اظہار کر دیگی کہ کون فریق کس حد تک خود اپنے دل میں اپنی صداقت و حقانیت پر وثوق و یقین رکھتا ہے چنانچہ دعوت "مباہلہ" سُن کر وفد نجران نے مہلت لی کہ ہم آپس میں مشورہ کر کے جواب دینگے۔ آخر مجلس مشاورت میں اُن کے ہوشمند تجربہ کار ذمہ داروں نے کہا کہ اے گروہ نصاریٰ! تم یقیناً دلوں میں سمجھ چکے ہو کہ محمد نبی مرسل ہیں اور حضرت مسیح کے متعلق انہوں نے صاف صاف فیصلہ کن باتیں کہی ہیں۔ تم کو معلوم ہے کہ اللہ نے بنی اسمٰعیل میں نبی بھیجنے کا وعدہ کیا تھا۔ کچھ بعید نہیں یہ وہی نبی ہوں پس ایک نبی سے مباہلہ و ملاعنہ کرنے کا نتیجہ کسی قوم کے حق میں یہ ہی نکل سکتا ہے کہ اُن کا کوئی چھوٹا بڑا ہلاکت یا عذاب الٰہی سے نہ بچے۔ اور پیغمبر کی لعنت کا اثر نسلوں تک پہنچ کر رہے۔ بہتر یہی ہے کہ ہم ان سے صلح کر کے اپنی بستیوں کی طرف روانہ ہو جائیں۔ کیونکہ سارے عرب سے لڑائی مول لینے کی طاقت ہم میں نہیں۔ یہ ہی تجویز پاس

کر کے حضورؐ کی خدمت میں پہنچے۔ آپ حضرت حسن، حسین، فاطمہ، علی رضی اللہ عنہم کو ساتھ لئے باہر تشریف لا رہے تھے۔ یہ نورانی صورتیں دیکھ کر اُن کے لاٹ پادری نے کہا کہ میں ایسے پاک چہرے دیکھ رہا ہوں جن کی دعا پہاڑوں کو اُن کی جگہ سے سرکا سکتی ہے ان سے مباہلہ کر کے ہلاک نہ ہو۔ ورنہ ایک نصرانی زمین پر باقی نہ رہے گا۔ آخر اُنھوں نے مقابلہ چھوڑ کر سالانہ جزیہ دینا قبول کیا اور صلح کر کے واپس چلے گئے۔ حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر مباہلہ کرتے تو وادی آگ بن کر اُن پر برستی۔ اور خدا تعالیٰ نجران کا بالکل استیصال کر دیتا۔ ایک سال کے اندر اندر تمام نصاریٰ ہلاک ہو جاتے۔ (تنبیہ) قرآن نے یہ نہیں بتلایا کہ مباہلہ کی صورت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی اختیار کی جا سکتی ہے اور یہ کہ مباہلہ کا اثر کیا ہمیشہ وہی ظاہر ہونا چاہئے۔ جو آپ کے مباہلہ میں ظاہر ہونے والا تھا۔ بعض سلف کے طریق عمل اور بعض فقہائے حنفیہ کی تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ مباہلہ کی مشروعیت اب بھی باقی ہے مگر اُن چیزوں میں جن کا ثبوت بالکل قطعی ہو یہ ضروری نہیں کہ مباہلہ میں بچوں عورتوں کو بھی شریک کیا جائے۔ نہ مباہلین پر اس قسم کا عذاب آنا ضروری ہے جو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے مباہلہ پر آتا۔ بلکہ ایک طرح کا اتمام حجت کر کے بحث وجدال سے الگ ہو جانا ہے۔ اور میرے خیال میں مباہلہ ہر ایک کاذب کے ساتھ نہیں۔ صرف کاذب معاند کے ساتھ ہونا چاہئے۔ ابن کثیرؒ کہتے ہیں ثم قال تعالیٰ امراً رسولہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یباھل من عاند الحق فی امر عیسٰی بعد ظھور البیان واللہ اعلم۔

(۹۶) دعوت مباہلہ کے ساتھ بتلا دیا کہ مباہلہ اس پر کیا جاتا تھا کہ جو کچھ حضرت مسیح کے متعلق قرآن میں بیان ہوا وہ ہی سچا بیان ہے اور خدا کی بارگاہ ہر قسم کے شرک اور باپ بیٹے وغیرہ کے تعلقات سے پاک ہے۔

(۹۷) اپنی زبردست قدرت وحکمت سے جھوٹے اور سچے کے ساتھ وہ ہی معاملہ کرے گا جو اس کے حسب حال ہو۔

(۹۸) اگر نہ دلائل سے مانیں نہ مباہلہ پر آمادہ ہوں تو سمجھ لو کہ احقاق حق مقصود نہیں نہ دل میں اپنے عقائد کی صداقت پر وثوق ہے محض فتنہ وفساد پھیلانا ہی پیش نظر ہے تو خوب سمجھ لیں کہ سب مفسدین اللہ کی نظر میں ہیں۔

(۹۹) **اہل کتاب کو مشترک کلمے توحید کی دعوت** پہلے نقل کیا جا چکا کہ حضورؐ نے جب وفد نجران کو کہا اَسْلِمُوْا (مسلم بن جاؤ) تو کہنے لگے۔ اَسْلَمْنَا (ہم مسلم ہیں) اس سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں کی طرح اُن کو بھی مسلم ہونے کا دعویٰ تھا اسی طرح جب یہود ونصاریٰ کے سامنے توحید پیش کی جاتی تو کہتے کہ ہم بھی خدا کو ایک کہتے ہیں۔ بلکہ ہر مذہب والا کسی نہ کسی رنگ میں اوپر جا کر اقرار کرتا ہے کہ بڑا خدا ایک ہی ہے۔ یہاں اسی طرف توجہ دلائی گئی کہ بنیادی عقیدہ (خدا کا ایک ہونا اور اپنے کو مسلم ماننا) جس پر ہم دونوں متفق ہیں۔ ایسی چیز ہے جو ہم سب کو ایک کر سکتا ہے۔ بشرطیکہ آگے چل کر اپنے تصرف اور تحریف سے اُس کی حقیقت بدل نہ ڈالیں۔ ضرورت اُس کی ہے کہ جس طرح زبان سے مسلم وموحد کہتے ہو۔ حقیقۃً وعملاً بھی اپنے کو تنہا خدائے وحدہٗ لاشریک لہٗ کے سپرد کر دو۔ نہ اُس کے سوا کسی کی بندگی کرو نہ اس کی صفات خاصہ میں کسی کو شریک ٹھہراؤ۔ نہ کسی اور عالم، فقیر، پیر، پیغمبر کے ساتھ وہ معاملہ کرو جو صرف رب قدیر کے ساتھ کیا جانا چاہئے۔ مثلاً کسی کو اس کا بیٹا پوتا بنانا، یا نصوص شریعت سے قطع نظر کر کے محض کسی کے حلال وحرام کر دینے پر اشیاء کی حلت وحرمت کا مدار رکھنا۔ جیسا کہ اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَھُمْ وَرُھْبَانَھُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ کی تفسیر سے ظاہر ہوتا ہے۔ یہ سب امور دعوئے اسلام وتوحید کے منافی ہیں۔

(۱۰۰) یعنی تم دعوئے اسلام وتوحید کر کے پھر گئے، ہم الحمد للہ اُس پر قائم ہیں کہ اپنے کو محض خدائے واحد کے سپرد کر دیا ہے اور اسی کے تابع فرمان ہیں

يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تُحَآجُّوْنَ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمَآ اُنْزِلَتِ التَّوْرٰىةُ وَالْاِنْجِيْلُ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِهٖ ؕ

اے اہل کتاب کیوں جھگڑتے ہو ابراہیم کی بابت اور توریت اور انجیل تو اُتریں اُس کے بعد

أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿٦٥﴾ هَٰٓأَنتُمْ هَٰٓؤُلَآءِ حَٰجَجْتُمْ فِيمَا لَكُم بِهِۦ عِلْمٌ فَلِمَ تُحَآجُّونَ فِيمَا لَيْسَ

کیا تم کو عقل نہیں　سنتے ہو تم لوگ　جھگڑ چکے　جس بات میں تم کو کچھ خبر تھی　اب کیوں جھگڑتے ہو جس بات میں تم کو

لَكُم بِهِۦ عِلْمٌ ۚ وَٱللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿٦٦﴾ مَا كَانَ إِبْرَٰهِيمُ يَهُودِيًّا وَلَا نَصْرَانِيًّا وَ

کچھ خبر نہیں　اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے ف۱۰۱　نہ تھا　ابراہیم　یہودی　اور نہ تھا　نصرانی

لَٰكِن كَانَ حَنِيفًا مُّسْلِمًا وَمَا كَانَ مِنَ ٱلْمُشْرِكِينَ ﴿٦٧﴾ إِنَّ أَوْلَى ٱلنَّاسِ بِإِبْرَٰهِيمَ لَلَّذِينَ

لیکن تھا حنیف یعنی سب جھوٹے مذہبوں سے بیزار اور حکم بردار اور نہ تھا　مشرک ف۱۰۲　لوگوں میں زیادہ مناسبت ابراہیم سے اُن کو تھی　جو ساتھ

ٱتَّبَعُوهُ وَهَٰذَا ٱلنَّبِىُّ وَٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ ۗ وَٱللَّهُ وَلِىُّ ٱلْمُؤْمِنِينَ ﴿٦٨﴾ وَدَّت طَّآئِفَةٌ مِّنْ أَهْلِ

اس کے تھے　اور اس نبی کو　اور جو ایمان لائے اس نبی پر ف۱۰۳ اور اللہ　والی ہے　مسلمانوں کا ف۱۰۴　آرزو ہے　بعضے　اہل　کتاب

ٱلْكِتَٰبِ لَوْ يُضِلُّونَكُمْ وَمَا يُضِلُّونَ إِلَّآ أَنفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُونَ ﴿٦٩﴾ يَٰٓأَهْلَ ٱلْكِتَٰبِ لِمَ

کو　کہ کسی طرح گمراہ کریں تم کو　اور گمراہ نہیں کرتے　مگر اپنے آپ کو　اور نہیں　سمجھتے ف۱۰۵　اے اہل　کتاب　کیوں

تَكْفُرُونَ بِـَٔايَٰتِ ٱللَّهِ وَأَنتُمْ تَشْهَدُونَ ﴿٧٠﴾ يَٰٓأَهْلَ ٱلْكِتَٰبِ لِمَ تَلْبِسُونَ ٱلْحَقَّ بِٱلْبَٰطِلِ

انکار کرتے ہو　اللہ کے کلام کا　اور تم　قائل ہو ف۱۰۶　اے اہل کتاب　کیوں ملاتے ہو　سچ　میں　جھوٹ

ع ۷ / ۱۵　وَتَكْتُمُونَ ٱلْحَقَّ وَأَنتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿٧١﴾

اور چھپاتے ہو　سچی بات　جان کر ف۱۰۷

(۱۰۱) **حضرت ابراہیم یہودی یا نصرانی نہیں ہو سکتے** جیسے دعوئے اسلام و توحید سب میں مشترک تھا اسی طرح حضرت ابراہیم خلیل اللہ کی تعظیم و تکریم میں بھی سب شریک تھے اور یہود و نصاریٰ میں سے ہر ایک فرقہ دعویٰ کرتا تھا کہ ابراہیم ہمارے دین پر تھے۔ یعنی معاذ اللہ یہودی تھے یا نصرانی اُس کا جواب دیا کہ تورات و انجیل جن کے پیرو یہودی یا نصرانی کہلائے ابراہیم سے سیکڑوں برس بعد اُتری۔ پھر ابراہیم کو نصرانی یا یہودی کیسے کہہ سکتے ہیں۔ بلکہ جس طرح کے تم یہودی یا نصرانی ہو اس معنی سے تو خود موسیٰ یا عیسیٰ علیہ السلام کو بھی یہودی یا نصرانی نہیں کہا جا سکتا۔ اور اگر یہ مطلب ہے کہ حضرت ابراہیم کی شریعت ہمارے مذہب سے زیادہ قریب تھی تو یہ بھی غلط ہے۔ اس کا علم تم کو کہاں سے ہوا؟ تمہاری کتابوں میں مذکور نہیں۔ نہ خدا نے خبر دی نہ تم کوئی ثبوت پیش کر سکتے ہو۔ پھر ایسی بات میں جھگڑنا جس کا کچھ علم آدمی کو نہ ہو، حماقت نہیں تو اور کیا ہے۔ جن چیزوں کی تمہیں کچھ تھوڑی بہت خبر تھی۔ گو محض ناتمام اور سرسری تھی، مثلاً مسیح علیہ السلام کے واقعات یا نبی آخر الزماں کی بشارات وغیرہ۔ اُن میں تم جھگڑ چکے، لیکن جس چیز سے تمہیں بالکل مس نہیں نہ اُس کی کبھی ہوا لگی، اُسے تو خدا کے سپرد کر دو۔ وہ ہی جانتا ہے کہ ابراہیم کیا تھے اور آج دنیا میں کونسی جماعت کا مسلک اس سے قریب تر ہے۔

(۱۰۲) **حضرت ابراہیم حنیف اور مسلم تھے** یعنی ابراہیم نے اپنے تئیں حنیف یا مسلم کہا ہے۔ حنیف کے معنی؟ "جو کوئی ایک راہ حق پکڑے اور سب باطل راہیں چھوڑ دے" اور مسلم کے معنی حکم بردار اب خود اندازہ کر لو کہ آج کس نے سب سے ٹوٹ کر خدا کی راہ پکڑی اور اپنے کو خالص اُسی کے سپرد کر دیا ہے۔ وہ ہی ابراہیم سے زیادہ اقرب و اشبہ ہوگا۔ (تنبیہ) یہاں مسلماً میں اسلام سے

خاص شریعت محمدیہ مراد لینے کی ضرورت نہیں۔ بلکہ تسلیم و تفویض اور فرمانبرداری کے معنی ہیں۔ جو تمام انبیاء کا دین رہا ہے اور ابراہیم علیہ السلام نے خصوصیت سے اس نام و لقب کو بہت زیادہ روشن کیا۔ اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗٓ اَسْلِمْ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (بقرہ رکوع ۱۶) حضرت ابراہیم کی سوانح حیات کا ایک ایک حرف بتلاتا ہے کہ وہ ہمہ تن اسلام اور تسلیم و رضا کے پیکر مجسم تھے۔ ذبح اسمٰعیل کے واقعہ میں فَلَمَّآ اَسْلَمَا وَتَلَّهٗ لِلْجَبِيْنِ کا لفظ اُن کی شان اسلام کو بہت وضاحت سے نمایاں کرتا ہے۔ صلی اللہ علیٰ نبینا وعلیہ و بارک وسلم۔

(۱۰۳) **حضورؐ کی اُمت حضرت ابراہیمؑ سے زیادہ قریب ہیں** | اللہ تعالیٰ نے بتلادیا کہ زیادہ مناسبت ابراہیم سے اُس وقت کی اُمت کو تھی یا پچھلی امتوں میں اس نبی کی اُمت کو ہے۔ تو یہ امت نام میں بھی اور راہ میں بھی ابراہیم سے مناسبت زیادہ رکھتی ہے۔ اور اس اُمت کا پیغمبر خَلقاً و خُلقاً صورۃً و سیرۃً حضرت ابراہیمؑ سے اشبہ ہے اور ان کی دعاء کے موافق آیا ہے جیسا کہ سورہ "بقرہ" میں گذرا رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ الخ اسی لئے حبشہ کا نصرانی بادشاہ (نجاشی) مسلمان مہاجرین کو "حزب ابراہیم" کہتا تھا۔ شاید اسی قسم کی مناسبات کی وجہ سے درود شریف میں كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ فرمایا۔ یعنی اُس نوعیت اور نمونہ کی صلوٰۃ نازل فرمائے جو ابراہیم و آل ابراہیم پر کی تھی۔ جامع ترمذی میں حدیث ہے اِنَّ لِكُلِّ نَبِيٍّ وُلَاةً مِّنَ النَّبِيِّيْنَ وَاِنَّ وَلِيِّيْ اَبِيْ وَخَلِيْلُ رَبِّيْ" اس مضمون کی تفصیل آئندہ کسی سورت میں آئے گی انشاء اللہ۔

(۱۰۴) یعنی اپنی راہ کے حق ہونے پر محض کسی کی موافقت و مشابہت سے دلیل جب پکڑے کہ اپنے اُوپر وحی نہ آتی ہو۔ سو اللہ والی ہے مسلمانوں کا کہ (یہ براہ راست) اُس کے حکم پر چلتے ہیں (موضح القرآن)۔

(۱۰۵) پہلے کہا تھا " وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِيْنَ " یہاں بتلایا کہ جب مومنین کا ولی اللہ ہے تو تمہارا داؤ اُن پر کیا چل سکتا ہے۔ بیشک بعض اہل کتاب چاہتے ہیں کہ جس طرح خود گمراہ ہیں مسلمانوں کو بھی راہ حق سے ہٹادیں۔ لیکن مسلمان تو اُن کے جال میں پھنسنے والے نہیں البتہ یہ لوگ اپنی گمراہی کے وبال میں مزید اضافہ کر رہے ہیں۔ اُن کی مغویانہ کوششوں کا ضرر خود اُن ہی کو پہنچیگا۔ جسے وہ فی الحال نہیں سمجھتے۔

(۱۰۶) **اہل کتاب کا انکار بے وجہ ہے** | یعنی تم تورات وغیرہ کے قائل ہو۔ جس میں پیغمبر عربی صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کریم کے متعلق بشارات موجود ہیں۔ جن کو تمہارے دل سمجھتے ہیں اور اپنی خلوتوں میں ان چیزوں کا اقرار بھی کرتے ہو۔ پھر کھلم کھلا قرآن پر ایمان لانے اور خاتم الانبیاء کی صداقت کا اقرار کرنے سے کیا چیز مانع ہے۔ خوب سمجھ لو قرآن کا انکار کرنا تمام پچھلی کتب سماویہ کا انکار کرنا ہے۔

(۱۰۷) تورات کے بعض احکام تو اغراض دنیوی کی خاطر سرے سے موقوف ہی کر ڈالے تھے بعض آیات میں تحریف لفظی کی تھی، بعض کی معنی بدل دئے تھے اور بعض چیزیں چھپا رکھی تھیں۔ ہر کسی کو خبر نہ کرتے تھے۔ جیسے بشارات پیغمبر آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کی۔

وَقَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اٰمِنُوْا بِالَّذِيْٓ اُنْزِلَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَجْهَ النَّهَارِ

اور کہا بعضے اہل کتاب نے مان لو جو کچھ اُترا مسلمانوں پر دن چڑھے

وَاكْفُرُوْٓا اٰخِرَهٗ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۷۲﴾

اور منکر ہو جاؤ آخر دن میں شاید وہ پھر جاویں ف ۱۰۸

(۱۰۸) **اہل کتاب کی سازشیں** | ان آیتوں میں اہل کتاب کی چالاکیاں اور خیانتیں ذکر کی جا رہی ہیں۔ اُن میں سے ایک یہ تھی کہ اپنے

کچھ آدمی صبح کے وقت بظاہر مسلمان بن جائیں اور مسلمانوں کے ساتھ نماز پڑھیں اور شام کو یہ کہہ کر کہ ہم کو اپنے بڑے بڑے علماء سے تحقیق کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ وہ نبی نہیں جن کی بشارت دی گئی تھی اور تجربہ سے ان کے حالات بھی اہل حق کی طرح کے ثابت نہ ہوئے اسلام سے پھر جایا کریں نتیجہ یہ ہوگا کہ بہت سے ضعیف الایمان ہماری یہ حرکت دیکھ کر اسلام سے پھر جائیں گے۔ اور سمجھ لیں گے کہ مذہب اسلام میں ضرور کوئی عیب و نقص دیکھا ہوگا جو یہ لوگ داخل ہونے کے بعد اُس سے نکلے۔ نیز عرب کے جاہلوں میں اہل کتاب کے علم و فضل کا چرچا تھا۔ اس بناء پر یہ خیال پیدا ہو جائیگا کہ یہ جدید مذہب اگر سچا ہوتا تو ایسے اہل علم اُسے رد نہ کرتے بلکہ سب سے آگے بڑھ کر قبول کرتے۔

وَلَا تُؤْمِنُوْٓا اِلَّا لِمَنْ تَبِعَ دِيْنَكُمْ ۭ قُلْ اِنَّ الْهُدٰى هُدَى اللّٰهِ ۙ اَنْ يُّؤْتٰٓى اَحَدٌ مِّثْلَ مَآ

اور نہ مانیو مگر اُسی کی جو چلے تمہارے دین پر ف۱۰۹ کہدے کہ بیشک ہدایت وہی ہے جو اللہ ہدایت کرے ف۱۱۰ اور یہ سب کچھ اس لئے ہے کہ اور کسی کو بھی کیوں مل گیا

اُوْتِيْتُمْ اَوْ يُحَاۗجُّوْكُمْ عِنْدَ رَبِّكُمْ ۭ قُلْ اِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ ۚ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ

جیسا کچھ تم کو ملا تھا یا وہ غالب کیوں نہ آگئے تم پر تمہارے رب کے آگے ف۱۱۱ تو کہہ بڑائی اللہ کے ہاتھ میں ہے دیتا ہے جس کو چاہے اور اللہ بہت

وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۚ يَّخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿۷۴﴾ وَمِنْ اَھْلِ

گنجائش والا ہے خبردار خاص کرتا ہے اپنی مہربانی جس پر چاہے اور اللہ کا فضل بڑا ہے ف۱۱۲ اور بعضے اہل کتاب

الْكِتٰبِ مَنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِقِنْطَارٍ يُّؤَدِّهٖٓ اِلَيْكَ ۚ وَمِنْھُمْ مَّنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِدِيْنَارٍ لَّا يُؤَدِّهٖٓ اِلَيْكَ

میں وہ ہیں کہ اگر تو اُن کے پاس امانت رکھے ڈھیر مال کا تو ادا کر دیں تجھ کو اور بعضے اُن میں وہ ہیں کہ اگر تو انکے پاس امانت رکھے ایک اشرفی تو ادا نہ کریں تجھ کو

اِلَّا مَا دُمْتَ عَلَيْهِ قَاۗىِٕمًا ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّھُمْ قَالُوْا لَيْسَ عَلَيْنَا فِي الْاُمِّيّٖنَ سَبِيْلٌ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ

مگر جب تک کہ تو رہے اُس کے سر پر کھڑا ف۱۱۳ یہ اس واسطے کہ انہوں نے کہہ رکھا ہے کہ نہیں ہے ہم پر اُمّی لوگوں کا حق لینے میں کچھ گناہ ف۱۱۴ اور جھوٹ بولتے

عَلَي اللّٰهِ الْكَذِبَ وَھُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۷۵﴾

ہیں اللہ پر اور وہ جانتے ہیں ف۱۱۵

(۱۰۹) یعنی جو یہود مسلمانوں کے سامنے جا کر نفاق سے اپنے کو مسلمان ظاہر کریں۔ اُنہیں یہ برابر ملحوظ رہے کہ وہ سچ مچ مسلمان نہیں بن گئے بلکہ بدستور یہودی ہیں۔ اور سچے دل سے اُنہی کی بات مان سکتے ہیں جو اُن کے دین پر چلتا ہو اور شریعت موسوی کے اتباع کا دعویٰ رکھتا ہو۔ بعض نے فَلَا تُؤْمِنُوْٓا اِلَّا لِمَنْ تَبِعَ دِيْنَكُمْ کے یہ معنی کئے ہیں کہ ظاہری طور پر جو ایمان لاؤ اور اپنے کو مسلمان بتاؤ، وہ محض ان لوگوں کی وجہ سے جو تمہارے دین پر چلنے والے ہیں۔ یعنی اس تدبیر سے اپنے ہم مذہبوں کی حفاظت مقصود ہونی چاہئے کہ وہ مسلمان نہ بن جائیں یا جو بن چکے ہیں اس تدبیر سے واپس آجائیں۔

(۱۱۰) یعنی ہدایت تو اللہ کے دیئے سے ملتی ہے جس کے دل میں خدا نے ہدایت کا نور ڈال دیا، تمہاری ان پُر فریب چالبازیوں سے وہ گمراہ ہونے والا نہیں۔

(۱۱۱) **اہلِ کتاب کی ان سازشوں کی وجہ** | یعنی یہ مکاریاں اور تدبیریں محض از راہ حسد اس جلن میں کی جاتی ہیں کہ دوسروں کو اس

عامہ اور امامت عظمیٰ کے آثار میں سے ہے۔ اللّٰھم صلّ علیٰ سیدنا محمد وعلیٰ آل سیدنا محمد وبارک وسلم۔

(۱۲۵) یہ الفاظ محض عہد کی تاکید واہتمام کے لئے فرمائے۔ کیونکہ جس عہد نامہ پر خدا تعالیٰ اور پیغمبروں کی گواہی ہو اس سے زیادہ پکّی دستاویز کہاں ہو سکتی ہے۔

(۱۲۶) جس چیز کا عہد خدا نے تمام انبیاء سے لیا اور انبیاء نے اپنی اپنی اُمتوں سے۔ اب اگر دنیا میں کوئی شخص اُس سے روگردانی کرے تو بلا شبہ پرلے درجہ کا بدعہد اور نافرمان ہوگا۔ بائبل، اعمال رسل، باب ۳ آیت ۲۱ میں ہے "ضرور ہے کہ آسمان اُسے لئے رہے اس وقت تک کہ سب چیزیں جن کا ذکر خدا نے اپنے سب پاک نبیوں کی زبانی شروع سے کیا، اپنی حالت پر آویں، کیونکہ موسیٰ نے باپ دادوں سے کہا کہ خداوند جو تمہارا خدا ہے تمہارے بھائیوں میں سے تمہارے لئے ایک نبی میری مانند اٹھائے گا۔ جو کچھ وہ تمہیں کہے اُسکی سب سنو"

(۱۲۷) **اسلام کے سوا کوئی دین نہیں** یعنی ہمیشہ سے خدا کا دین اسلام رہا ہے، جس کے معنی ہیں حکمبرداری مطلب یہ ہے کہ جس وقت حق تعالیٰ کا جو حکم کسی راستباز اور صادق القول پیغمبر کے توسط سے پہنچے اس کے سامنے گردن جھکا دو۔ بس آج جو احکام وہدایات سید المرسلین خاتم الانبیاء لے کر آئے وہ ہی خدا کا دین ہے۔ کیا اُسے چھوڑ کر نجات وفلاح کا کوئی اور راستہ ڈھونڈتے ہیں؟ خوب سمجھ لیں کہ خدا کا دین چھوڑ کر کہیں ابدی نجات اور حقیقی کامیابی نہیں مل سکتی۔ آدمی کو سزاوار نہیں کہ اپنی خوشی اور شوق ورغبت سے اس خدا کی حکمبرداری اختیار نہ کرے جس کے حکم تکوینی کے نیچے تمام آسمان وزمین کی چیزیں ہیں۔ خواہ وہ حکم تکوینی اُن کے ارادہ اور خوشی کے توسط سے ہو جیسے فرشتے اور فرمانبردار بندوں کی اطاعت میں، یا مجبوری اور لاچاری سے، جیسے عالم کا ذرہ ذرہ ان آثار وحوادث میں جن کا وقوع وظہور بدون مخلوق کی مشیت وارادہ کے ہوتا ہے۔ حق تعالیٰ کی مشیت وارادہ کا تابع ہے۔

(۱۲۸) سب کو آخر کار جب وہیں لوٹ کر جانا ہے تو عقلمند کو چاہئے کہ پہلے سے تیاری کر رکھے۔ یہاں نافرمانیاں کیں تو وہاں کیا منہ دکھلائیگا

(۱۲۹) **تمام انبیاء برحق تھے** یعنی جو کچھ جس زمانہ میں خدا کی طرف سے اُترا یا کسی پیغمبر کو دیا گیا، ہم بلا تفریق سب کو حق مانتے ہیں ایک مسلم فرمانبردار کا یہ وتیرہ نہیں کہ خدا کے بعض پیغمبروں کو مانے بعض کو نہ مانے، گویا اخیر میں وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ کہہ کر اسلام کی حقیقت بتلادی اور آگاہ کر دیا کہ اسلام کسی نبی برحق اور کسی آسمانی کتاب کی تکذیب کا روادار نہیں۔ اُس کے نزدیک جس طرح قرآن کریم اور پیغمبر عربی صلی اللہ علیہ وسلم کا نہ ماننا کفر ہے ایسے ہی کسی ایک نبی یا کتاب سماوی کا انکار کرنے سے بھی انسان کافر ہو جاتا ہے۔ بیشک پیغمبر آخر الزماں کی یہ ہی شان ہونی چاہئے کہ وہ تمام پہلی کتابوں اور نبوتوں کا مصدق ہو، اور اس طرح کی تمام اقوام کو جن کے پاس مقامی "نذیر" و"ہادی" آتے رہے تھے، جامعیت کبریٰ کے سب سے بڑے جھنڈے کے نیچے جمع ہونے کا راستہ بتلائے (تنبیہ) اسی قسم کی آیت پارہ الٓمٓ کے آخر میں آ چکی ہے اُس کے فوائد ملاحظہ کر لئے جائیں۔

وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۸۵﴾ كَيْفَ

اور جو کوئی چاہے سوا دین اسلام کے اور کوئی دین سو اُس سے ہرگز قبول نہ ہوگا ف ۱۳۰ اور وہ آخرت میں خراب ہے ف ۱۳۱ کیونکر

يَهْدِي اللّٰهُ قَوْمًا كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ وَشَهِدُوْٓا اَنَّ الرَّسُوْلَ حَقٌّ وَّجَآءَهُمُ

راہ دے گا اللہ ایسے لوگوں کو کہ کافر ہو گئے ایمان لا کر اور گواہی دے کر کہ بیشک رسول سچا ہے اور آئیں اُن کے پاس،

الْبَيِّنٰتُ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۸۶﴾

نشانیاں روشن اور اللہ راہ نہیں دیتا ظالم لوگوں کو ف ۱۳۲

(۱۱۶) **اللہ کے عہد پر معاوضہ لینے والے** | یعنی خیانت و بدعہدی میں گناہ کیوں نہیں۔ جب کہ خدا تعالیٰ کا عام قانون یہ ہے کہ جو کوئی خدا کے اور بندوں کے جائز عہد پورے کرے اور خدا سے ڈر کر تقویٰ کی راہ چلے یعنی فاسد خیالات مذموم اعمال اور پست اخلاق سے پرہیز کرے، اُسی سے خدا محبت کرتا ہے۔ اس میں امانت داری کی خصلت بھی آگئی۔

(۱۱۷) یعنی جو لوگ دنیا کی متاع قلیل لے کر خدا کے عہد اور آپس کی قسموں کو توڑ ڈالتے ہیں، نہ باہمی معاملات درست رکھتے ہیں۔ نہ خدا سے جو قول و قرار کیا تھا اُس پر قائم رہتے ہیں۔ بلکہ مال و جاہ کی حرص میں احکام شرعیہ کو بدلتے اور کتب سماویہ میں تحریف کرتے رہتے ہیں۔ اُن کا انجام آگے مذکور ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "یہ یہود میں صفت تھی کہ اللہ نے اُن سے اقرار لیا تھا اور قسمیں دی تھیں کہ ہر نبی کے مددگار رہیو۔ پھر غرض دنیا کے واسطے پھر گئے اور جو کوئی جھوٹی قسم کھائے دنیا لینے کے واسطے اُس کا یہی حال ہے۔"

(۱۱۸) اس قسم کی آیت "سورۂ بقرہ" کے اکیسویں رکوع میں گذر چکی، وہاں کے فوائد میں الفاظ کی تشریح دیکھ لی جائے۔

وَإِنَّ مِنْهُمْ لَفَرِيقًا يَلْوُنَ أَلْسِنَتَهُمْ بِالْكِتَابِ لِتَحْسَبُوهُ مِنَ الْكِتَابِ وَمَا هُوَ مِنَ

اور اُن میں ایک فریق ہے کہ زبان مروڑ کر پڑھتے ہیں کتاب تاکہ تم جانو کہ وہ کتاب میں ہے اور وہ نہیں کتاب

الْكِتَابِ وَيَقُولُونَ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ وَمَا هُوَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ وَيَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ

میں اور کہتے ہیں وہ اللہ کا کہا ہے اور وہ نہیں اللہ کا کہا ف۱۱۹ اور اللہ پر جھوٹ بولتے ہیں

وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿٧٨﴾ مَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُؤْتِيَهُ اللَّهُ الْكِتَابَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُولَ لِلنَّاسِ

جان کر کسی بشر کا کام نہیں کہ اللہ اُس کو دیوے کتاب اور حکمت اور پیغمبر کرے پھر وہ کہے لوگوں کو کہ

كُونُوا عِبَادًا لِي مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلَٰكِنْ كُونُوا رَبَّانِيِّينَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُونَ الْكِتَابَ وَبِمَا

تم میرے بندے ہو جاؤ اللہ کو چھوڑ کر ف۱۲۰ لیکن یوں کہے کہ تم اللہ والے ہو جاؤ جیسے کہ تم سکھلاتے تھے کتاب اور جیسے کہ

كُنْتُمْ تَدْرُسُونَ ﴿٧٩﴾ وَلَا يَأْمُرَكُمْ أَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلَائِكَةَ وَالنَّبِيِّينَ أَرْبَابًا ۗ أَيَأْمُرُكُمْ

تم آپ بھی پڑھتے تھے اُسے ف۱۲۱ اور نہ یہ کہے تم کو کہ ٹھہرا لو فرشتوں کو اور نبیوں کو رب ف۱۲۲ کیا تم کو کفر

بِالْكُفْرِ بَعْدَ إِذْ أَنْتُمْ مُسْلِمُونَ ﴿٨٠﴾ ع ۸ ۱۶

سکھائے گا بعد اس کے کہ تم مسلمان ہو چکے ہو ف۱۲۳

(۱۱۹) **کلام اللہ کی عبارت میں تحریف** | یہ اہل کتاب کی تحریف کا حال بیان فرمایا۔ یعنی آسمانی کتاب میں کچھ چیزیں اپنی طرف سے بڑھا گھٹا کر ایسے انداز اور لہجہ میں پڑھتے ہیں کہ ناواقف سننے والا دھوکہ میں آجائے۔ اور یہ سمجھے کہ یہ بھی آسمانی کتاب کی عبارت ہے یہ ہی نہیں بلکہ زبان سے دعویٰ بھی کرتے ہیں کہ یہ سب اللہ کے پاس سے آیا ہوا ہے۔ حالانکہ نہ وہ مضمون کتاب میں موجود ہے اور نہ خدا کے پاس سے آیا ہے بلکہ خود اس تحریف شدہ کتاب کو بھی بہیأت مجموعی خدا کی کتاب نہیں کہہ سکتے۔ کیونکہ اُس میں طرح طرح کی تصرفات اور جعلسازیاں کی گئی ہیں۔ آج بائبل کے جو نسخے دنیا میں موجود ہیں اُن میں باہم شدید اختلاف پایا جاتا ہے اور بعض ایسے مضامین درج ہیں۔ جو قطعاً خدا کی طرف سے نہیں ہو سکتے۔ اِس کی کچھ تفصیل "روح المعانی" میں موجود ہے اور اثبات تحریف پر ہمارے علماء نے مبسوط

بخشیں کی ہیں۔ جزاہم اللہ احسن الجزاء۔

(۱۲۰) **آنحضرت کی عصمت کا بیان** وفد نجران کی موجودگی میں بعض یہود و نصاریٰ نے کہا تھا کہ اے محمد! کیا تم یہ چاہتے ہو کہ ہم تمہاری اسی طرح پرستش کرنے لگیں؟ جیسے نصاریٰ عیسٰی بن مریم کو پوجتے ہیں۔ آپ نے فرمایا معاذ اللہ کہ ہم غیر اللہ کی بندگی کریں۔ یا دوسروں کو اس کی دعوت دیں؟ حق تعالیٰ نے ہم کو اس کام کے لئے نہیں بھیجا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ یعنی جس بشر کو حق تعالیٰ کتاب و حکمت اور قوت فیصلہ دیتا، اور پیغمبری کے منصب جلیل پر فائز کرتا ہے کہ وہ ٹھیک ٹھیک پیغام الٰہی پہنچا کر لوگوں کو اُس کی بندگی اور وفاداری کی طرف متوجہ کرے، اُس کا یہ کام کبھی نہیں ہو سکتا کہ اُن کو خالص ایک خدا کی بندگی سے ہٹا کر خود اپنا یا کسی دوسری مخلوق کا بندہ بنانے لگے اس کے تو یہ معنی ہونگے کہ خداوند قدوس نے جس کو جس منصب کا اہل جان کر بھیجا تھا، فی الواقع وہ اس کا اہل نہ تھا۔ دنیا کی کوئی گورنمنٹ بھی اگر کسی شخص کو ایک ذمہ داری کے عہدہ پر مامور کرتی ہے تو پہلے دو باتیں سوچ لیتی ہے۔ (۱) یہ شخص گورنمنٹ کی پالیسی کو سمجھنے اور اپنے فرائض کو انجام دینے کی لیاقت رکھتا ہے یا نہیں (۲) گورنمنٹ کے احکام کی تعمیل کرنے اور رعایا کو جادۂ وفاداری پر قائم رکھنے کی کہاں تک اُس سے توقع کی جا سکتی ہے؟ کوئی بادشاہ یا پارلیمنٹ ایسے آدمی کو نائب السلطنت یا سفیر مقرر نہیں کر سکتی جس کی نسبت حکومت کے خلاف بغاوت پھیلانے یا اُس کی پالیسی اور احکام سے انحراف کرنے کا ادنیٰ شبہ ہو بیشک یہ ممکن ہے کہ ایک شخص کی قابلیت یا جذبہ وفاداری کا اندازہ حکومت صحیح طور پر نہ کر سکی ہو۔ لیکن خداوند قدوس کے یہاں یہ بھی احتمال نہیں۔ اگر کسی فرد کی نسبت اس کو علم ہے کہ یہ میری وفاداری اور اطاعت شعاری سے بال برابر تجاوز نہ کرے گا تو محال ہے کہ وہ آگے چل کر اُس کے خلاف ثابت ہو سکے۔ ورنہ علم الٰہی کا غلط ہونا لازم آتا ہے۔ العیاذ باللہ یہیں سے عصمت انبیاء علیہم السلام کا مسئلہ سمجھ میں آجاتا ہے (کما نبہ علیہ ابوحیان فی البحر و فصلہ مولانا قاسم العلوم والخیرات فی تصانیفہ) پھر جب انبیاء علیہم السلام ادنیٰ عصیان سے پاک ہیں تو شرک اور خدا کے مقابلہ میں بغاوت کرنے کا امکان کہاں باقی رہ سکتا ہے۔ اس میں نصاریٰ کے اُس دعوے کا بھی رد ہو گیا جو کہتے تھے کہ ابنیت و الوہیت مسیح کا عقیدہ ہم کو خود مسیح علیہ السلام نے تعلیم فرمایا ہے۔ اور ان مسلمانوں کو بھی نصیحت کر دی گئی جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا تھا کہ ہم سلام کی بجائے آپ کو سجدہ کیا کریں تو کیا حرج ہے۔ اور اہل کتاب پر بھی تعریض ہو گئی جنہوں نے اپنے احبار و رہبان کو خدائی کا درجہ دے رکھا تھا (العیاذ باللہ) تنبیہ:۔ مَا كَانَ لِبَشَرٍ الخ میں ابوحیان کے نزدیک اسی طرح کی نفی ہے جیسے "مَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُنْۢبِتُوْا شَجَرَهَا" میں یا وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ میں۔ وہو اصوب عندی۔

(۱۲۱) موضح القرآن میں ہے "جس کو اللہ نبی بنائے اور وہ لوگوں کو کفر و شرک سے نکال کر مسلمانی میں لائے، پھر کیونکر اُن کو کفر سکھلائیگا۔ ہاں تم کو (اے اہل کتاب!) یہ کہتا ہے کہ تم میں جو آگے دینداری تھی۔ کتاب کا پڑھنا اور سکھانا وہ نہیں رہی۔ اب میری صحبت میں پھر وہی کمال حاصل کرو" اور عالم، حکیم، فقیہہ، عارف، مدبر، متقی اور پکے خدا پرست بن جاؤ۔ اور یہ بات اب قرآن کریم پڑھنے پڑھانے اور سیکھنے سکھانے سے حاصل ہو سکتی ہے۔

(۱۲۲) جیسے نصاریٰ نے مسیح و روح القدس کو بعض یہود نے عُزیر کو، اور بعض مشرکین نے فرشتوں کو ٹھہرالیا تھا۔ جب فرشتے اور پیغمبر خدائی میں شریک نہیں ہو سکتے تو پتھر کے بت اور صلیب کی لکڑی تو کس شمار میں ہے۔

(۱۲۳) یعنی پہلے تو "ربانی" (اللہ والا) اور مسلم موحد بنانے میں کوشش کی، جب لوگوں نے قبول کر لیا تو کیا پھر انہیں شرک و کفر کی طرف لے جا کر اپنی ساری محنت اور کمائی اپنے ہاتھ سے برباد کر دے گا؟ یہ بات سمجھ میں نہیں آسکتی۔

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ

اور جب لیا اللہ نے عہد نبیوں سے کہ جو کچھ میں نے تم کو دیا کتاب اور علم پھر آوے تمہارے پاس کوئی رسول کہ سچا بتاوے

لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ؕ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِيْ ؕ قَالُوْٓا

تمہارے پاس والی کتاب کو تو اس رسول پر ایمان لاؤ گے اور اُس کی مدد کرو گے فرمایا کہ کیا تم نے اقرار کیا اور اس شرط پر میرا عہد قبول کیا بولے

اَقْرَرْنَا ؕ قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۸۱﴾ فَمَنْ تَوَلّٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ

ہم نے اقرار کیا ف۱۲۴ فرمایا تو اب گواہ رہو اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہ ہوں ف۱۲۵ پھر جو کوئی پھر جاوے اس کے بعد تو وہی لوگ ہیں

الْفٰسِقُوْنَ ﴿۸۲﴾ اَفَغَيْرَ دِيْنِ اللّٰهِ يَبْغُوْنَ وَلَهٗٓ اَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّ

نافرمان ف۱۲۶ اب کوئی اور دین ڈھونڈتے ہیں سوا دین اللہ کے اور اُسی کے حکم میں ہے جو کوئی آسمان اور زمین میں ہے خوشی سے یا

كَرْهًا وَّاِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ ﴿۸۳﴾ قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ

لاچاری سے ف۱۲۷ اور اُسی کی طرف سب پھر جاویں گے ف۱۲۸ تو کہہ ہم ایمان لائے اللہ پر اور جو کچھ اُترا ہم پر اور جو کچھ اُترا ابراہیم پر

وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَالنَّبِيُّوْنَ مِنْ

اور اسمٰعیل پر اور اسحٰق پر اور یعقوب پر اور اُس کی اولاد پر اور جو ملا موسیٰ کو اور عیسیٰ کو اور جو ملا سب نبیوں کو اُن کے پروردگار

رَّبِّهِمْ ۪ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ۫ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۸۴﴾

کی طرف سے ہم جدا نہیں کرتے اُن میں کسی کو اور ہم اُسی کے فرمانبردار ہیں ف۱۲۹

(۱۲۴) **انبیاء سے اللہ تعالیٰ کا عہد** یعنی کوئی نبی اپنی بندگی کی تعلیم نہیں دے سکتا۔ بندگی صرف ایک خدا کی سکھائی جاتی ہے۔ البتہ انبیاء کا حق یہ ہے کہ لوگ اُن پر ایمان لائیں اُن کا کہا مانیں، اور ہر قسم کی مدد کریں۔ عام لوگوں کا تو کیا ذکر ہے، حق تعالیٰ نے خود پیغمبروں سے بھی یہ پختہ عہد لے چھوڑا ہے کہ جب تم میں سے کسی نبی کے بعد دوسرا نبی آئے (جو یقیناً پہلے انبیاء اور اُن کی کتابوں کی اجمالاً یا تفصیلاً تصدیق کرتا ہوا آئیگا) تو ضروری ہے کہ پہلا نبی پچھلے کی صداقت پر ایمان لائے اور اُس کی مدد کرے۔ اگر اُس کا زمانہ پائے تو بذات خود بھی اور نہ پائے تو اپنی امت کو پوری طرح ہدایت و تاکید کر جائے کہ بعد میں آنے والے پیغمبر پر ایمان لا کر اُس کی اعانت و نصرت کرنا، کہ یہ وصیت کر جانا بھی اُس کی مدد کرنے میں داخل ہے۔ اس عام قاعدہ سے روز روشن کی طرح ظاہر ہے کہ خاتم الانبیاء محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے اور اُن کی مدد کرنے کا عہد بلا استثناء تمام انبیائے سابقین سے لیا گیا ہوگا اور انہوں نے اپنی اپنی اُمتوں سے یہی قول و قرار لئے ہوں گے۔ کیونکہ ایک آپ ہی کی مخزن الکمالات ہستی تھی جو عالم غیب میں سب سے پہلے اور عالم شہادت میں سب انبیاء کے بعد جلوہ افروز ہونے والی تھی، اور جس کے بعد کوئی نبی آنیوالا نہ تھا، اور آپ ہی کا وجود باجود تمام انبیائے سابقین اور کتب سماویہ کی حقانیت پر مہر تصدیق ثبت کرنے والا تھا۔ چنانچہ حضرت علیؓ اور ابن عباسؓ وغیرہ سے منقول ہے کہ اس قسم کا عہد انبیاء سے لیا گیا۔ اور خود آپ نے ارشاد فرمایا کہ اگر آج موسیٰؑ زندہ ہوتے تو اُن کو میری اتباع کے بدون چارہ نہ ہوتا۔ اور فرمایا کہ عیسیٰؑ علیہ السلام جب نازل ہوں گے تو کتاب اللہ (قرآن کریم) اور تمہارے نبی کی سنت پر فیصلے کریں گے۔ محشر میں شفاعت کبریٰ کے لئے پیش قدمی کرنا اور تمام بنی آدم کا آپ کے جھنڈے تلے جمع ہونا اور شب معراج میں بیت المقدس کے اندر تمام انبیاء کی امامت کرانا حضورؐ کی اسی سیادت

(۱۳۰) **اسلام کے سوا کوئی دین قبول نہیں** یعنی جب خدا کا دین (اسلام) اپنی مکمل صورت میں آ پہنچا تو کوئی جھوٹا یا نامکمل دین قبول نہیں کیا جا سکتا۔ طلوع آفتاب کے بعد مٹی کے چراغ جلانا یا گیس بجلی اور ستاروں کی روشنی تلاش کرنا محض لغو اور کھلی حماقت ہے۔ مقامی نبوتوں اور ہدایتوں کا عہد گزر چکا۔ اب سب سے بڑی آخری اور عالمگیر نبوت و ہدایت سے ہی روشنی حاصل کرنی چاہئے کہ یہی تمام روشنیوں کا خزانہ ہے جس میں پہلی تمام روشنیاں مدغم ہو چکی ہیں ؎ فانک شمس والملوک کواکب ۔۔ اذا طلعت لم یبد منہن کوکب۔

(۱۳۱) یعنی ثواب و کامیابی سے قطعاً محروم ہے۔ اس سے بڑا خسارہ کیا ہوگا کہ راس المال ہی کھو بیٹھا۔ حق تعالیٰ نے جس صحیح فطرت پر پیدا کیا تھا اپنے سوء اختیار اور غلط کاری سے اُسے بھی تباہ کر ڈالا۔

(۱۳۲) **جھٹلانے والوں کا دردناک انجام** جن لوگوں نے وضوح حق کے بعد جان بوجھ کر کفر اختیار کیا۔ یعنی دل میں یقین رکھتے ہیں اور آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں بلکہ اپنی خاص مجلسوں میں اقرار کرتے ہیں کہ یہ رسول سچا ہے۔ اس کی حقانیت و صداقت کے روشن دلائل، کھلے نشانات اور صاف بشارات ان کو پہنچ چکی ہیں۔ اس پر بھی کبر و حسد اور حُب جاہ و مال، اسلام قبول کرنے اور کفر و عدوان کے چھوڑنے سے مانع ہے۔ جیسا کہ عموماً یہود و نصاریٰ کا حال تھا۔ ایسے ہٹ دھرم، ضدی معاندین کی نسبت کیونکر توقع کی جا سکتی ہے کہ باوجود اس کا رویہ قائم رکھنے کے خدا تعالیٰ ان کو نجات و فلاح اور اپنی خوشنودی کے راستہ پر لے جائے گا یا جنت تک پہنچنے کی راہ دے گا۔ اس کی عادت نہیں کہ ایسے بے انصاف متعصب ظالموں کو حقیقی کامیابی کی راہ دے۔ اسی پر اُن بدبختوں کو قیاس کر لو جو قلبی معرفت و یقین کے درجہ سے بڑھ کر ایک مرتبہ مسلمان بھی ہو چکے تھے۔ پھر دنیوی اغراض اور شیطانی اغواء سے مرتد ہو گئے۔ یہ اُن پہلوں سے بھی زیادہ کجرو اور بے حیاء واقع ہوئے ہیں۔ اس لئے اُن سے بڑھ کر لعنت و عقوبت کے مستحق ہوں گے۔

أُولَٰئِكَ جَزَاؤُهُمْ أَنَّ عَلَيْهِمْ لَعْنَةَ اللَّهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ ﴿٨٧﴾ خَالِدِينَ فِيهَا

ایسے لوگوں کی سزا یہ ہے کہ اُن پر لعنت ہے اللہ کی اور فرشتوں کی اور لوگوں کی سب کی ف ۱۳۳ ہمیشہ رہیں گے اس میں ف ۱۳۴

لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُونَ ﴿٨٨﴾ إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا مِنْ بَعْدِ ذَٰلِكَ وَ

نہ ہلکا ہوگا اُن سے عذاب اور نہ اُن کو فرصت ملے ف ۱۳۵ مگر جنہوں نے توبہ کی اس کے بعد اور

أَصْلَحُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿٨٩﴾ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بَعْدَ إِيمَانِهِمْ ثُمَّ ازْدَادُوا كُفْرًا

نیک کام کئے تو بیشک اللہ غفور رحیم ہے ف ۱۳۶ جو لوگ منکر ہوئے مان کر پھر بڑھتے رہے انکار میں

لَنْ تُقْبَلَ تَوْبَتُهُمْ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الضَّالُّونَ ﴿٩٠﴾ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَمَاتُوا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ

ہرگز قبول نہ ہوگی اُن کی توبہ اور وہی ہیں گمراہ ف ۱۳۷ جو لوگ کافر ہوئے اور مر گئے کافر ہی تو ہرگز

يُقْبَلَ مِنْ أَحَدِهِمْ مِلْءُ الْأَرْضِ ذَهَبًا وَلَوِ افْتَدَىٰ بِهِ ۗ أُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ وَ

قبول نہ ہوگا کسی ایسے سے زمین بھر کر سونا ف ۱۳۸ اور اگرچہ بدلا دیوے اس قدر سونا اُن کو عذاب دردناک ہے اور

۹ ع مَا لَهُمْ مِنْ نَاصِرِينَ ﴿٩١﴾

کوئی نہیں اُن کا مددگار ف ۱۳۹

(۱۳۳) یعنی خدا، فرشتے، اور مسلمان لوگ سب اُن پر لعنت بھیجتے ہیں، بلکہ ہر انسان حتیٰ کہ وہ خود بھی اپنے اوپر لعنت کرتے ہیں جب

کہتے ہیں کہ ظالموں اور جھوٹوں پر خدا کی لعنت۔ گو اُس وقت سمجھتے نہیں کہ یہ لعنت خود ان ہی پر واقع ہو رہی ہے۔

(۱۳۴) یعنی اس لعنت کا اثر ہمیشہ رہیگا۔ دنیا میں پھٹکار اور آخرت میں خدا کی مار۔

(۱۳۵) یعنی انہیں نہ کسی وقت عذاب کی شدّت میں کمی محسوس ہوگی اور نہ ذرا سی دیر کے لئے عذاب ملتوی کر کے آرام دیا جائیگا۔

(۱۳۶) ایسے سخت بیحیا مجرموں اور شدید ترین باغیوں کو کون بادشاہ معافی دے سکتا ہے؟ لیکن یہ اُس غفور رحیم ہی کی بارگاہ ہے کہ اس قدر شدید جرائم اور بغاوتوں کے بعد بھی اگر مجرم نادم ہو کر سچے دل سے توبہ اور نیک چال چلن اختیار کر لے تو سب گناہ ایک قلم معاف کر دیئے جاتے ہیں۔ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ ذُنُوْبِیْ فَاِنَّکَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ۔

(۱۳۷) **رسمی توبہ سے معافی نہیں ہوگی** یعنی جو لوگ حق کو مان کر اور سمجھ بوجھ کر منکر ہوئے پھر اخیر تک انکار میں ترقی کرتے رہے، نہ کبھی کفر سے ہٹنے کا نام لیا، نہ حق اور اہل حق کی عداوت ترک کی، بلکہ حق پرستوں کے ساتھ بحث و مناظرہ اور جنگ و جدل کرتے رہے۔ جب مرنے کا وقت آیا اور فرشتے جان نکالنے لگے تو توبہ کی سوجھی۔ یا کبھی کسی مصلحت سے ظاہر طور پر رسمی الفاظ توبہ کے کہہ لئے یا کفر پر برابر قائم رہتے ہوئے بعض دوسرے اعمال سے توبہ کر لی جنہیں اپنے زعم میں گناہ سمجھ رہے تھے۔ یہ توبہ کسی کام کی نہیں۔ بارگاہ رب العزت میں اُس کے قبول کی کوئی اُمید نہ رکھیں۔ ایسے لوگوں کو سچّی توبہ نصیب ہی نہ ہوگی جو قبول ہو۔ اُن کا کام ہمیشہ گمراہی کی وادیوں میں پڑے بھٹکتے رہنا ہے۔

(۱۳۸) **ایمان کے بغیر کوئی عمل قبول نہیں** یعنی دنیا کی حکومتوں کی طرح وہاں سونے چاندی کی رشوت نہ چلے گی، وہاں تو صرف دولت ایمان کام دے سکتی ہے۔ فرض کرو ایک کافر کے پاس اگر اتنا ڈھیر سونے کا ہو جس سے ساری زمین بھر جائے اور وہ سب کا سب پُن خیرات کر دے تو خدا کے یہاں اُس کی ذرّہ برابر وقعت نہیں نہ آخرت میں یہ عمل کچھ کام دیگا۔ کیونکہ عمل کی روح ایمان ہے جو عمل روح ایمان سے خالی ہو مُردہ عمل ہوگا۔ جو آخرت کی ابدی زندگی میں کام نہیں دے سکتا۔

(۱۳۹) یعنی اگر فرض کرو کافر کے پاس وہاں اتنا مال ہو اور خود اپنی طرف سے درخواست کر کے بطور فدیہ پیش کرے کہ یہ لے کر مجھے چھوڑ دو تب بھی قبول نہیں کیا جا سکتا۔ اور بدون پیش کئے تو پوچھتا ہی کون ہے۔ دوسری جگہ فرمایا: اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لَوْ اَنَّ لَھُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لِیَفْتَدُوْا بِهٖ مِنْ عَذَابِ یَوْمِ الْقِیٰمَةِ مَا تُقُبِّلَ مِنْھُمْ وَلَھُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ (مائدہ۔ رکوع ۶)

الجزء ۴

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰی تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ۬ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَیْءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ

ہرگز نہ حاصل کرسکو گے نیکی میں کمال جب تک نہ خرچ کرو اپنی پیاری چیز سے کچھ اور جو چیز خرچ کرو گے سو اللہ کو معلوم

عَلِیْمٌ ﴿۹۲﴾ كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ اِلَّا مَا حَرَّمَ اِسْرَآءِیْلُ عَلٰی نَفْسِهٖ

ہے ف۱۴۰ سب کھانے کی چیزیں حلال تھیں بنی اسرائیل کو مگر وہ جو حرام کرلی تھی اسرائیل نے اپنے اُوپر

مِنْ قَبْلِ اَنْ تُنَزَّلَ التَّوْرٰىةُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا بِالتَّوْرٰىةِ فَاتْلُوْهَاۤ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۹۳﴾

توریت نازل ہونے سے پہلے ف۱۴۱ تو کہہ لاؤ توریت اور پڑھو اگر سچے ہو ف۱۴۲

فَمَنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ الْكَذِبَ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۹۴﴾ قُلْ صَدَقَ

پھر جو کوئی جوڑے اللہ پر جھوٹ اس کے بعد تو وہی ہیں بڑے بے انصاف ف۱۴۳ تو کہہ سچ فرمایا اللہ

اللّٰهُ ۫ فَاتَّبِعُوْا مِلَّةَ اِبْرٰهِیْمَ حَنِیْفًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ﴿۹۵﴾

نے اب تابع ہو جاؤ دین ابراہیم کے جو ایک ہی کا ہو رہا تھا اور نہ تھا شرک کرنے والا ف۱۴۴

وقف جبرئیل علیہ السلام

(۱۴۰) **محبوب چیزیں خرچ کرنے کی فضیلت** یعنی اللہ کو معلوم ہے کہ کیسی چیز خرچ کی، کہاں خرچ کی اور کس کے لئے خرچ کی۔ جتنی محبوب اور پیاری چیز جس طرح کے مصرف میں جس قدر اخلاص و حسن نیت سے خرچ کرو گے اسی کے موافق خدا تعالیٰ کے یہاں سے بدلہ ملنے کی اُمید رکھو۔ اعلیٰ درجہ کی نیکی حاصل کرنا چاہو تو اپنی محبوب و عزیز ترین چیزوں میں سے کچھ خدا کے راستہ میں نکالو۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "یعنی جس چیز سے دل بہت لگا ہو اُس کے خرچ کرنے کا بڑا درجہ ہے، یوں ثواب ہر چیز میں ہے۔ شاید یہود (و نصاریٰ) کے ذکر میں یہ آیت اس واسطے نازل فرمائی کہ اُن کو اپنی ریاست بہت عزیز تھی جس کے تھامنے کو نبی کے تابع نہ ہوتے تھے۔ تو جب تک وہ ہی اللہ کے راستہ میں نہ چھوڑیں درجہ ایمان نہ پائیں گے" پہلی آیت سے یہ مناسبت ہوئی کہ وہاں کافر کا مال خرچ کرنا بیکار بتلایا تھا، اب اس کے بالمقابل بتلا دیا کہ مومن جو خرچ کرے اُس سے نیکی میں کمال حاصل ہوتا ہے۔

(۱۴۱) **تحریم حلال کی نذر کا مسئلہ** یہود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں سے کہتے تھے کہ تم اپنے کو دین ابراہیمؑ پر کیسے بتلاتے ہو جبکہ وہ چیزیں کھاتے ہو جو اللہ تعالیٰ نے ابراہیمؑ کے گھرانے پر حرام کی تھیں جیسے اونٹ کا گوشت اور دودھ۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جتنی چیزیں اب لوگ کھاتے ہیں سب ابراہیم کے وقت میں حلال تھیں۔ جب تک تورات نازل ہوئی، بیشک تورات میں خاص بنی اسرائیل پر بعض چیزیں حرام ہوئی ہیں۔ مگر ایک اُونٹ تورات سے پہلے حضرت اسرائیل (یعقوب) علیہ السلام نے اُس کے کھانے سے قسم کھائی تھی، اُنکی پیروی میں اُن کی اولاد نے بھی چھوڑ دیا تھا۔ اور اس قسم کا سبب یہ تھا کہ یعقوب علیہ السلام کو "عرق النساء" کا درد تھا، اُس وقت نذر کی کہ اگر صحت پاؤں تو جو چیز میری رغبت کی ہے اُسے چھوڑ دونگا۔ اُن کو یہی (اونٹ کا گوشت اور دودھ) بہت مرغوب تھا، سو نذر کے سبب چھوڑ دیا۔ اس قسم کی نذر جو تحریم حلال پر مشتمل ہو ہماری شریعت میں روا نہیں کما قال تعالیٰ یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَاۤ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ (تحریم۔ رکوع ۱) اگر کرلی تو توڑ دے اور کفارہ ادا کرے۔ (تنبیہ) پہلی آیت میں محبوب چیز کے خرچ کرنے کا ذکر تھا۔ اس آیت میں یعقوب کا ایک محبوب چیز کو چھوڑ دینا مذکور ہے۔ اس طرح دونوں آیتوں میں لطیف مناسبت ہو گئی۔ نیز ان آیات میں متنبہ کیا گیا ہے کہ پہلی شرائع میں نسخ واقع ہوا ہے جو چیز ایک زمانہ میں حلال تھی بعد میں حرام ہو گئی۔ اگر اسی طرح اب شریعت محمدیہ اور شرائع سابقہ میں حلال و حرام کے اعتبار سے تفاوت ہو تو انکار و استبعاد کی کوئی وجہ نہیں۔

(۱۴۲) **یہودیوں کو آنحضرتؐ کا چیلنج** یعنی اگر تم سچے ہو کہ یہ چیزیں ابراہیمؑ کے زمانہ سے حرام تھیں تو لاؤ یہ مضمون خود اپنی مسلم کتاب تورات میں دکھلا دو۔ اگر اس میں بھی نہ نکلا تو تمہارے کاذب و مفتری ہونے میں کیا شبہ ہو سکتا ہے۔ روایات میں ہے کہ یہود نے یہ زبردست چیلنج منظور نہ کیا۔ اور اس طرح نبی اُمّی صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت پر ایک اور دلیل قائم ہو گئی۔

(۱۴۳) یعنی بڑی بے انصافی ہوگی اگر اس کے بعد بھی وہی مُرغے کی ایک ٹانگ گاتے رہو کہ نہیں، یہ چیزیں ابراہیم کے زمانہ سے حرام ہیں اور دین ابراہیمؑ کے اصلی پیرو ہم ہیں۔

(۱۴۴) یعنی خدا تعالیٰ نے حلال و حرام کے متعلق نیز اسلام اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے باب میں سچی سچی اور کھری کھری باتیں تم کو سُنا دیں جن کو کوئی جھٹلا نہیں سکتا۔ اب چاہئے کہ تم بھی مسلمانوں کی طرح اصلی دین ابراہیم کی پیروی اور اس کے اصول کا اتباع کرنے لگو۔ جن میں سب سے بڑی چیز توحید خالص تھی۔ چاہئے کہ تم بھی عزیر و مسیح اور احبار و رہبان کی پرستش چھوڑ کر پکے موحد مسلم بن جاؤ۔

اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَکَّةَ مُبٰرَکًا وَّ هُدًی لِّلْعٰلَمِیْنَ ﴿۹۶﴾ فِیْهِ اٰیٰتٌۢ

بیشک سب سے پہلا گھر جو مقرر ہوا لوگوں کے واسطے یہی ہے جو مکہ میں ہے ف۱۴۵ برکت والا اور ہدایت جہان کے لوگوں کو اُس میں نشانیاں

بَیِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰهِیْمَ ۚ۬ وَ مَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا ؕ وَ لِلّٰهِ عَلَی النَّاسِ حِجُّ الْبَیْتِ مَنِ

ہیں ظاہر جیسے مقام ابراہیمؑ اور جو اُس کے اندر آیا اُس کو امن ملا ف۱۴۶ اور اللہ کا حق ہے لوگوں پر حج کرنا اس گھر کا جو شخص

اسْتَطَاعَ اِلَیْهِ سَبِیْلًا ؕ وَ مَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِیٌّ عَنِ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۹۷﴾ قُلْ یٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ

قدرت رکھتا ہو اُسکی طرف راہ چلنے کی اور جو نہ مانے تو پھر اللہ پروا نہیں رکھتا جہان کے لوگوں کی ف۱۴۷ تو کہہ اے اہل کتاب

لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ ۖۗ وَ اللّٰهُ شَهِیْدٌ عَلٰی مَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۸﴾ قُلْ یٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَصُدُّوْنَ

کیوں منکر ہوتے ہو اللہ کے کلام سے اور اللہ کے روبرو ہے جو تم کرتے ہو ف۱۴۸ تو کہہ اے اہل کتاب کیوں روکتے ہو

عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ تَبْغُوْنَهَا عِوَجًا وَّ اَنْتُمْ شُهَدَآءُ ؕ وَ مَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۹﴾

اللہ کی راہ سے ایمان لانیوالوں کو کہ ڈھونڈھتے ہو اُس میں عیب اور تم خود جانتے ہو اور اللہ بے خبر نہیں تمہارے کام سے ف۱۴۹

(۱۴۵) **سب سے پہلا گھر کعبہ** مسلمانوں کے اس دعوے پر کہ ہم سب سے زیادہ ابراہیمؑ سے اشبہ و اقرب ہیں، یہود کو یہ بھی اعتراض تھا کہ ابراہیم علیہ السلام نے وطن اصلی (عراق) چھوڑ کر شام کو ہجرت کی، وہیں رہے وہیں وفات پائی، بعدہٗ اُن کی اولاد شام میں رہی، کتنے انبیاء اسی مقدس سرزمین میں مبعوث ہوئے سب کا قبلہ بیت المقدس رہا کیا، پھر تم حجاز کے رہنے والے جنہوں نے بیت المقدس کو چھوڑ کر کعبہ کو اپنا قبلہ بنا لیا ہے۔ اور سرزمین شام سے دور ایک طرف پڑے ہو کس منہ سے دعویٰ کر سکتے ہو کہ ابراہیم و ملت ابراہیم سے تم کو زیادہ قرب و مناسبت حاصل ہے۔ اس آیت میں معترضین کو بتلایا گیا کہ بیت المقدس وغیرہ مقامات مقدسہ تو بعد میں تعمیر ہوئے ہیں دنیا میں سب سے پہلا متبرک گھر جو لوگوں کی توجہ الی اللہ کے لئے مقرر کیا گیا اور بطور ایک عبادت گاہ اور نشان ہدایت کے بنایا گیا، وہ یہی کعبہ شریف ہے جو اس مبارک شہر مکہ معظمہ میں واقع ہوا ہے۔

(۱۴۶) **بیت اللہ کی برکات اور اہمیت** حق تعالیٰ نے شروع سے اس گھر کو ظاہری و باطنی حسّی و معنوی برکات سے معمور کیا اور ساری جہان کی ہدایت کا سرچشمہ ٹھہرایا ہے۔ روئے زمین پر جس کسی مکان میں برکت و ہدایت پائی جاتی ہے اسی بیت مقدس کا ایک عکس اور

پرتو سمجھنا چاہیئے۔ یہیں سے رسول الثقلین کو اٹھایا، مناسک حج ادا کرنے کے لیئے سارے جہان کو اسی کی طرف دعوت دی، عالمگیر مذہب اسلام کے پیروؤں کو مشرق و مغرب میں اسی کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا حکم ہوا۔ اس کے طواف کرنیوالوں پر عجیب و غریب برکات وانوار کا افاضہ فرمایا۔ انبیائے سابقین بھی حج ادا کرنے کے لیئے نہایت شوق و ذوق سے تلبیہ پکارتے ہوئے اسی شمع کے پروانے بنے اور طرح طرح کی ظاہر و باہر نشانیاں قدرت نے بیت اللہ کی برکت سے اس سرزمین میں رکھ دیں۔ اسی لیئے ہر زمانہ میں مختلف مذاہب والے اس کی غیر معمولی تعظیم واحترام کرتے رہے اور ہمیشہ وہاں داخل ہونے والے کو مامون سمجھا گیا اس کے پاس مقام ابراہیم کی موجودگی پتہ دے رہی ہے کہ یہاں ابراہیمؑ کے قدم آئے ہیں۔ اور اس کی تاریخ جو تمام عرب کے نزدیک بلا نکیر مسلّم چلی آرہی ہے بتلاتی ہے کہ یہ وہ پتھر ہے جس پر کھڑے ہو کر ابراہیم علیہ السلام نے کعبہ تعمیر کیا تھا اور خدا کی قدرت سے اس پتھر میں ابراہیم کے قدم کا نشان پڑ گیا تھا جو آج تک محفوظ چلا آتا ہے۔ گویا علاوہ تاریخی روایات کے اس مقدس پتھر کا وجود ایک ٹھوس دلیل اس کی ہے کہ یہ گھر طوفان نوح کی تباہی کے بعد حضرت ابراہیمؑ کے پاک ہاتھوں سے تعمیر ہوا جن کی مدد کے لئے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام شریک کار رہے جیسا کہ پارہ الٓمّٓ کے آخر میں گذر چکا۔

(۱۴۷) **بیت اللہ کے حج کا حکم** اس پاک گھر میں جمال خداوندی کی کوئی خاص تجلی ہے جس کی وجہ سے ادائے حج کے لئے اُسی کو مخصوص کیا گیا۔ کیونکہ حج ایک ایسی عبادت ہے جس کی ہر ادا اُس جمیل مطلق اور محبوب برحق کے عشق و محبت کے جذبہ کا اظہار کرتی ہے پس ضروری ہے کہ جسے اُس کی محبت کا دعویٰ ہو اور بدنی و مالی حیثیت سے بیت اللہ تک پہنچنے کی قدرت رکھتا ہو، کم از کم عمر میں ایک مرتبہ دیار محبوب میں حاضری دے اور دیوانہ وار وہاں کا چکر لگائے (اس مضمون کو حضرت مولانا محمد قاسم قدس اللہ سرہ نے "قبلہ نما" میں بڑے شرح و بسط سے لکھا ہے) جو مدعی محبت اتنی تکلیف اٹھانے سے بھی انکار کرے سمجھ لو کہ جھوٹا عاشق ہے۔ اختیار ہے جہاں چاہے دھکے کھاتا پھرے خود محروم و مہجور رہے گا۔ اس محبوب حقیقی کو کسی کی کیا پروا ہے کوئی یہودی ہو کر مرے یا نصرانی ہو کر، اُس کا کیا بگڑتا ہے۔ (احکام حج کی تفصیل کتب فقہ میں دیکھنی چاہیئے)

(۱۴۸) **اہل کتاب کو تنبیہ** پہلے سے خطاب یہود و نصاریٰ کو کیا جا رہا تھا، درمیان میں اُن کے بعض شبہات کا جواب دیا گیا۔ یہاں سے پھر اُن کو تنبیہ و توبیخ کی گئی۔ یعنی حق و صداقت کے واضح دلائل اور قرآن کریم کی ایسی سچی اور پکی باتیں سننے کے بعد بھی تمہیں کیا ہوا کہ باوجود اہل کتاب کہلانے کے برابر کلام اللہ اور اُس کے لانے والے کے انکار پر تلے ہوئے ہو۔ یاد رکھو تمہاری سب کارروائیاں خدا کے سامنے ہیں تمہاری نیتوں اور تدبیروں کو وہ خوب جانتا ہے، جس وقت پکڑے گا رتی رتی کا حساب لیکر چھوڑیگا۔

(۱۴۹) یعنی نہ صرف یہ کہ خود ایمانی سعادت حاصل کرنے سے محروم ہو، دوسروں کو بھی چاہتے ہو کہ اللہ کے راستہ سے روک دو اور جو سعید روحیں مشرف بایمان ہو چکی ہیں۔ اُن کو اسلام کے فرضی عیب بتلا کر دین اسلام سے واپس لے آؤ۔ پھر یہ حرکتیں محض جہل و بیخبری سے نہیں کر رہے بلکہ سمجھ بوجھ کر سیدھی باتوں کو ٹیڑھا ثابت کرنے کی فکر میں رہتے ہو، تمہارے اس ہیر پھیر سے خدا بے خبر نہیں۔ مناسب وقت پر اکھٹی سزا دیگا۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تُطِيْعُوْا فَرِيْقًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ يَرُدُّوْكُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ

اے ایمان والو اگر تم کہا مانوگے بعضے اہل کتاب کا تو پھر کر دینگے وہ تم کو ایمان لائے پیچھے

كٰفِرِيْنَ ﴿۱۰۰﴾ وَكَيْفَ تَكْفُرُوْنَ وَاَنْتُمْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ اٰيٰتُ اللّٰهِ وَفِيْكُمْ رَسُوْلُهٗ ؕ وَمَنْ يَّعْتَصِمْ

کافر ف۱۵۰ اور تم کس طرح کافر ہوتے ہو اور تم پر پڑھی جاتی ہیں آیتیں اللہ کی اور تم میں اس کا رسول ہے اور جو کوئی مضبوط پکڑے

بِاللّٰهِ فَقَدْ هُدِيَ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿١٠١﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا

اللہ کو تو اس کو ہدایت ہوئی سیدھے رستہ کی ف۱۵۱ اے ایمان والو ڈرتے رہو اللہ سے جیسا چاہیئے اس سے ڈرنا اور نہ

تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿١٠٢﴾ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ

مریو مگر مسلمان ف۱۵۲ اور مضبوط پکڑو رسی اللہ کی سب مل کر اور پھوٹ نہ ڈالو ف۱۵۳ اور یاد کرو احسان اللہ

اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَاۗءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا ۚ وَكُنْتُمْ عَلٰي

کا اپنے اوپر جب کہ تھے تم آپس میں دشمن پھر الفت دی تمہارے دلوں میں اب ہوگئے اس کے فضل سے بھائی ف۱۵۴ اور تم تھے کنارے

شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿١٠٣﴾

پر ایک آگ کے گڑھے کے پھر تم کو اس سے نجات دی ف۱۵۵ اسی طرح کھولتا ہے اللہ تم پر آیتیں تاکہ تم راہ پاؤ ف۱۵۶

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ

اور چاہیئے کہ رہے تم میں ایک جماعت ایسی جو بلاتی رہے نیک کام کی طرف اور حکم کرتی رہے اچھے کاموں کا اور منع کریں برائی

الْمُنْكَرِ ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿١٠٤﴾ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ تَفَرَّقُوْا وَاخْتَلَفُوْا مِنْۢ بَعْدِ

سے اور وہی پہنچے اپنی مراد کو ف۱۵۷ اور مت ہو ان کی طرح جو متفرق ہوگئے اور اختلاف کرنے لگے بعد اس کے

مَا جَاۗءَھُمُ الْبَيِّنٰتُ ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ لَھُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿١٠٥﴾

کہ پہنچ چکے ان کو حکم صاف اور ان کو بڑا عذاب ہے ف۱۵۸

(۱۵۰) **مومنین کو نصیحتیں** پہلے اہل کتاب کو ڈانٹا گیا تھا کہ جان بوجھ کر کیوں لوگوں کو گمراہ کرتے پھرتے ہو۔ یہاں مسلمانوں کو نصیحت کی گئی کہ تم ان مفسدین کے بھرّے میں نہ آنا، اگر ان کے اشاروں پر چلوگے تو اندیشہ ہے کہ آہستہ آہستہ نور ایمان سے نکل کر کفر کے تاریک گڑھے میں دوبارہ نہ جا گرو۔

(۱۵۱) یعنی بہت بعید ہے کہ وہ قوم ایمان لائے پیچھے کافر بن جائے یا کافروں جیسے کام کرنے لگے، جس کے درمیان خدا کا عظیم الشان پیغمبر جلوہ افروز ہو، جو شب و روز ان کو اللہ کا روح پرور کلام اور اس کی تازہ بتازہ آیتیں پڑھ کر سناتا رہتا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ جس نے ہر طرف سے قطع نظر کر کے ایک خدا کو مضبوط پکڑ لیا اور اسی پر دل سے اعتماد و توکل کیا اُسے کوئی طاقت کامیابی کے سیدھے رستہ سے ادھر اُدھر نہیں ہٹا سکتی۔ (تنبیہ) انصار مدینہ کے دو خاندانوں اوس و خزرج کے باہم اسلام سے قبل سخت عداوت اور دشمنی تھی، ذرا ذرا بات پر لڑائی اور خونریزی کا بازار گرم ہو جاتا تھا جو برسوں تک سرد نہ ہوتا تھا۔ چنانچہ "بُعاث" کی مشہور جنگ ایک سو بیس سال تک رہی آخر پیغمبر عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت پر ان کی قسمت کا ستارہ چمکا اور اسلام کی تعلیم اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض صحبت نے دونوں قبیلوں کو جو صدیوں سے ایک دوسرے کے خون کے پیاسے رہتے تھے ملا کر شیر و شکر کر دیا اور نہایت مضبوط برادرانہ تعلقات قائم کر دیے۔ یہود مدینہ کو ان دونوں حریف خاندانوں کا اس طرح مل بیٹھنا اور متفقہ طاقت سے اسلام کی خدمت و حمایت کرنا ایک آنکھ نہ بھاتا تھا۔ ایک اندھے یہودی شمّاس بن قیس نے کسی فتنہ پرداز شخص کو بھیجا کہ جس مجلس میں دونوں خاندان جمع ہوں وہاں کسی ترکیب سے بُعاث کی لڑائی کا ذکر چھیڑ دے۔ چنانچہ اُس نے مناسب موقع پا کر بُعاث کی یاد تازہ کرنے والے اشعار سنانے شروع کر دیے۔ اشعار کا سُننا تھا

کہ ایک مرتبہ بجھی ہوئی چنگاریاں پھر سُلگ اُٹھیں۔ زبانی جنگ سے گذر کر ہتھیاروں کی لڑائی شروع ہونے کو تھی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جماعت مہاجرین کو ہمراہ لئے ہوئے موقع پر پہنچ گئے۔ آپ نے فرمایا! اے گروہ مسلمین! اللہ سے ڈرو، میں تم میں موجود ہوں۔ پھر یہ جاہلیت کی پکار کیسی؟ خدا نے تم کو ہدایت دی۔ اسلام سے مشرف کیا۔ جاہلیت کی تاریکیوں کو محو فرمادیا۔ کیا اُن ہی کفریات کی طرف پھر اُلٹے پاؤں لوٹنا چاہتے ہو۔ جن سے نکل کر آئے تھے۔ اِس پیغمبرانہ آواز کا سننا تھا کہ شیطانی جال کے سب حلقے ایک ایک کر کے ٹوٹ گئے۔ اوس و خزرج نے ہتھیار پھینک دیئے اور ایک دوسرے سے گلے مل کر رونے لگا۔ سب نے سمجھ لیا کہ یہ سب ان کے دشمنوں کی فتنہ انگیزی تھی۔ جس سے آئندہ ہمیشہ ہوشیار رہنا چاہیئے۔ اسی واقعہ کے متعلق یہ کئی آیتیں نازل ہوئیں۔

(۱۵۲) **تقویٰ اختیار کرو** یعنی ہر مسلمان کے دل میں پورا ڈر خدا کا ہونا چاہیئے کہ اپنے مقدور بھر پرہیزگاری و تقویٰ کی راہ سے نہ ہٹے اور ہمیشہ اُس سے استقامت کا طالب رہے۔ شیاطین چاہتے ہیں کہ تمہارا قدم اسلام کے راستہ سے ڈگمگا دیں۔ تم کو چاہیئے کہ انہیں مایوس کردو۔ اور مرتے دم تک کوئی حرکت مسلمانی کے خلاف نہ کرو۔ تمہارا جینا اور مرنا خالص اسلام پر ہونا چاہیئے۔

(۱۵۳) **اللہ کی رسّی کو تھامے رہو** یعنی سب مل کر قرآن کو مضبوط تھامے رہو جو خدا کی مضبوط رسی ہے یہ رسّی ٹوٹ تو نہیں سکتی ہاں چھوٹ سکتی ہے۔ اگر سب مل کر اس کو پوری قوت سے پکڑے رہوگے، کوئی شیطان شرانگیزی میں کامیاب نہ ہوسکیگا۔ اور انفرادی زندگی کی طرح مسلم قوم کی اجتماعی قوت بھی غیر متزلزل اور ناقابل اختلال ہوجائیگی۔ قرآن کریم سے تمسک کرنا ہی وہ چیز ہے جس سے بکھری ہوئی قوتیں جمع ہوتی ہیں اور ایک مردہ قوم حیات تازہ حاصل کرتی ہے۔ لیکن تمسک بالقرآن کا یہ مطلب نہیں کہ قرآن کو اپنی آراء و ہواء کا تختہ مشق بنالیا جائے، بلکہ قرآن کریم کا مطلب وہ ہی معتبر ہوگا جو احادیث صحیحہ اور سلف صالحین کی متفقہ تصریحات کے خلاف نہ ہو۔

(۱۵۴) **اسلامی اخوّت و اتحاد** یعنی صدیوں کی عداوتیں اور کینے نکال کر خدا نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی برکات سے تم کو بھائی بھائی بنادیا۔ جس سے تمہارا دین اور دنیا دونوں درست ہوئے۔ اور ایسی ساکھ قائم ہوگئی جسے دیکھ کر تمہارے دشمن مرعوب ہوتے ہیں یہ برادرانہ اتحاد خدا کی اتنی بڑی نعمت ہے جو روئے زمین کا خزانہ خرچ کر کے بھی میسر نہ آسکتی تھی۔

(۱۵۵) یعنی کفر و عصیان کی بدولت دوزخ بالکل کنارے پر کھڑے تھے کہ موت آئی اور اس میں گرے۔ خدا نے تمہارا ہاتھ پکڑ کر اُس سے بچایا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے ایمان و ایقان کی روشنی سینوں میں ڈالی۔ حق تعالیٰ کے اِن عظیم الشان دینی و دنیوی احسانات کو یاد رکھوگے تو کبھی گمراہی کی طرف واپس نہ جاؤگے۔

(۱۵۶) یعنی یہ باتیں اس قدر کھول کھول کر سنانے سے مقصود یہ ہے کہ ہمیشہ ٹھیک راستہ پر چلتے رہو۔ ایسی مہلک و خطرناک غلطی کا پھر اعادہ نہ کرو اور کسی شیطان کے اغواء سے استقامت کی راہ نہ چھوڑو۔

(۱۵۷) **علماء کی جماعت کی ضرورت** یعنی تقویٰ، اعتصام بحبل اللہ، اتحاد و اتفاق قومی زندگی، اسلامی مواخات، یہ سب چیزیں اس وقت باقی رہ سکتی ہیں جبکہ مسلمانوں میں ایک جماعت خاص دعوت و ارشاد کے لئے قائم رہے۔ اس کا وظیفہ یہ ہی ہو کہ اپنے قول و عمل سے دنیا کو قرآن و سنت کی طرف بلائے اور جب لوگوں کو اچھے کاموں میں سُست یا برائیوں میں مبتلا دیکھے، اُس وقت بھلائی کی طرف متوجہ کرنے اور بُرائی سے روکنے میں اپنے مقدور کے موافق کوتاہی نہ کرے۔ ظاہر ہے کہ یہ کام وہ ہی حضرات کر سکتے ہیں جو معروف و منکر کا علم رکھنے اور قرآن و سنّت سے باخبر ہونے کے ساتھ ذی ہوش اور موقع شناس ہوں، ورنہ بہت ممکن ہے کہ ایک جاہل آدمی معروف کو منکر یا منکر کو معروف خیال کر کے بجائے اصلاح کے سارا نظام ہی مختل کردے یا ایک منکر کی اصلاح کا ایسا طریقہ اختیار کرے۔ جو اُس سے بھی زیادہ منکرات کے حدوث کا موجب ہو جائے۔ یا نرمی کی جگہ سختی اور سختی کے موقع میں نرمی برتنے لگے۔ شاید اسی لئے

مسلمانوں میں سے ایک مخصوص جماعت کو اس منصب پر مامور کیا گیا جو ہر طرح دعوت الی الخیر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی اہل ہو. حدیث میں ہے کہ جب لوگ منکرات میں پھنس جائیں اور کوئی روکنے والا نہ ہو تو عام عذاب آنے کا اندیشہ ہے. باقی یہ کہ کن احوال و اوقات میں امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے ترک میں آدمی معذور سمجھا جا سکتا ہے اور کن مواقع میں واجب یا مستحب ہے اُس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں. ابوبکر رازی نے "احکام القرآن" میں اس پر نہایت مبسوط کلام کیا ہے. فلیراجع.

(١٥٨) **یہود و نصاریٰ کی طرح اختلاف میں نہ پڑو.** یعنی یہود و نصاریٰ کی طرح مت بنو جو خدا تعالیٰ کے صاف احکام پہنچنے کے بعد محض اوہام و اہواء کی پیروی کر کے اصول شرع میں متفرق اور فروع میں مختلف ہو گئے. آخر فرقہ بندیوں نے اُن کے مذہب و قومیت کو تباہ کر ڈالا. اور سب کے سب عذاب الٰہی کے نیچے آ گئے (تنبیہ) اس آیت سے اُن اختلافات اور فرقہ بندیوں کا مذموم و مہلک ہونا معلوم ہوا جو شریعت کے صاف احکام پر مطلع ہونے کے بعد پیدا کیے جائیں. افسوس ہے کہ آج مسلمان کہلانے والوں میں بھی سینکڑوں فرق شریعت اسلامیہ کے صاف و صریح اور مسلّم و محکم اصول سے الگ ہو کر اور اُن میں اختلاف ڈال کر اس عذاب کے نیچے آئے ہوئے ہیں. تاہم اسی طوفان بے تمیزی میں اللہ و رسول کے وعدہ کے موافق ایک عظیم الشان جماعت بحمد اللہ خدا کی رسی کو مضبوط تھامے ہوئے مَآ اَنَا عَلَیْہِ وَاَصْحَابِیْ کے مسلک پر قائم ہے اور تا قیام قیامت قائم رہے گی. باقی فروعی اختلافات جو صحابہ رضی اللہ عنہم اور ائمہ مجتہدین میں ہوئے ہیں، اُن کو آیت حاضرہ سے کوئی تعلق نہیں. اس فروعی اختلاف کے اسباب پر حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہ نے اپنی تصانیف میں کافی و شافی بحث کی ہے.

يَّوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ وَّ تَسْوَدُّ وُجُوْهٌ ۚ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اسْوَدَّتْ وُجُوْهُهُمْ ۫ اَكَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ

جس دن کہ سفید ہونگے بعضے منہ اور سیاہ ہونگے بعضے منہ ف١٥٩ سو وہ لوگ کہ سیاہ ہوئے منہ اُن کے اُن سے کہا جائیگا کیا تم کافر ہو گئے ایمان لا کر ف١٦٠

فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿١٠٦﴾ وَاَمَّا الَّذِيْنَ ابْيَضَّتْ وُجُوْهُهُمْ فَفِيْ رَحْمَةِ اللّٰهِ ؕ

اب چکھو عذاب بدلا اُس کفر کرنے کا اور وہ لوگ کہ سفید ہوئے منہ اُن کے سو رحمت میں ہیں اللہ کی

هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿١٠٧﴾ تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ؕ وَمَا اللّٰهُ يُرِيْدُ ظُلْمًا لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿١٠٨﴾

وہ اُس میں ہمیشہ رہیں گے ف١٦١ یہ حکم ہیں اللہ کے ہم سناتے ہیں تجھ کو ٹھیک ٹھیک اور اللہ ظلم کرنا نہیں چاہتا خلقت پر ف١٦٢

وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿١٠٩﴾ ع كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ

اور اللہ ہی کا ہے جو کچھ کہ ہے آسمانوں میں اور جو کچھ کہ ہے زمین میں اور اللہ کی طرف رجوع ہے ہر کام کا ف١٦٣ تم ہو بہتر سب اُمتوں سے جو بھیجی گئی

لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ؕ وَلَوْ اٰمَنَ اَهْلُ

عالم میں ف١٦٤ حکم کرتے ہو اچھے کاموں کا اور منع کرتے ہو بُرے کاموں سے ف١٦٥ اور ایمان لاتے ہو اللہ پر ف١٦٦ اور اگر ایمان لاتے اہل

الْكِتٰبِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ؕ مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ وَاَكْثَرُهُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿١١٠﴾ لَنْ يَّضُرُّوْكُمْ اِلَّاۤ اَذًى ؕ

کتاب تو اُن کے لئے بہتر تھا کچھ تو اُن میں سے ہیں ایمان پر اور اکثر اُن میں نافرمان ہیں ف١٦٧ وہ کچھ نہ بگاڑ سکیں گے تمہارا مگر ستانا زبان سے

وَاِنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ يُوَلُّوْكُمُ الْاَدْبَارَ ۫ ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ ﴿١١١﴾

اور اگر تم سے لڑیں گے تو پیٹھ دیں گے پھر اُن کی مدد نہ ہوگی ف١٦٨

(۱۵۹) یعنی بعضوں کے چہرہ پر ایمان و تقویٰ کا نور چمکتا ہو گا اور عزت و وقار کے ساتھ شاداں و فرحاں نظر آئیں گے۔ ان کے برخلاف بعضوں کے منہ کفر و نفاق یا فسق و فجور کی سیاہی سے کالے ہونگے، صورت سے ذلت و رسوائی ٹپک رہی ہو گی۔ گویا ہر ایک کا ظاہر باطن کا آئینہ بن جائے گا۔

(۱۶۰) **اس آیت کے مخاطبین** یہ الفاظ مرتدین، منافقین عام کفار یا مبتدعین و فساق فجار سب کو کہے جا سکتے ہیں۔ "مرتد" تو اُسی کو کہتے ہیں جو ایمان لانے کے بعد کافر ہو جائے۔ "منافق" زبان سے اقرار کرنے کے بعد دل سے کافر رہتا ہے۔ "اہل کتاب" (اہل کتاب) اپنے نبیوں اور کتابوں پر ایمان لانے کے مدعی ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ اُن کی بشارتوں کو جو نبی کریمؐ کے متعلق دی گئی تھیں، تسلیم کریں اور اُن کی ہدایات کے موافق حضورؐ پر ایمان لائیں مگر وہ انکار میں سب سے آگے رہتے ہیں گویا اپنے نبی اور کتاب پر ایمان لانے کے بعد کافر بن رہے ہیں۔ مبتدعین کا دعویٰ زبان سے یہ ہوتا ہے کہ ہم قرآن و سنّت کے متبع ہیں اور نبی کریمؐ پر ایمان لاچکے ہیں مگر اس کے بعد بہت سی بے اصل اور باطل چیزیں دین میں شامل کر کے یا بعض ضروریات دین کا انکار کر کے اصلی دین سے نکل جاتے ہیں۔ اس طرح وہ بھی ایک درجہ میں اَكَفَرْتُمْ بَعْدَ إِيمَانِكُمْ کے مخاطب ہوئے۔ رہے فساق جن کا عقیدہ صحیح ہو اگر اُن سے یہ خطاب ہوا تو یہ مطلب ہو گا کہ ایمان لانے کے بعد کافروں جیسے عمل کیوں کئے۔ گویا کفر سے عملی کفر مراد ہو گا۔ اور اگر عام کفار کے حق میں یہ خطاب مانا جائے تو یہ حاصل ہے کہ خدا تعالیٰ نے سب کو دین فطرت پر پیدا کیا اُس فطرت ایمانی کو ضائع کر کے کافر کیوں بنے۔ باقی سیاق آیات سے ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہاں کفر سے کفر فعلی یعنی اختلاف و تفریق مذموم مراد ہو۔ واللہ اعلم۔

(۱۶۱) یعنی جنت میں۔ کیونکہ جنت محض عمل سے نہیں ملتی۔ عمل کے بعد خدا کی رحمت سے ملتی ہے اور وہ ہی جگہ ہے جہاں اللہ تعالیٰ نے ہر قسم کی رحمت کے سامان کئے ہیں۔ ع بہشت آنجا کہ آزارے نہ باشد۔

(۱۶۲) حقیقی معنی میں ظلم تو وہاں ممکن ہی نہیں لیکن ظاہری طور پر جسے تم ظلم کہہ سکتے ہو۔ اس کا صدور بھی خدا تعالیٰ سے نہیں ہوتا۔ مثلاً ایسے سخت احکام بندوں کو بھیجے جن سے غرض محض ستانا اور دق کرنا ہو۔ یا مستحق رحمت پر عذاب کرنے لگے یا تھوڑی سزا کی جگہ زائد سزا جاری کر دے، یا کسی کی ادنیٰ ترین نیکی کا صلہ نہ دے وغیرذلک۔ خوب سمجھ لو، اُس کا جو حکم ہے خالص بندوں کی تربیت کے لئے اور جو معاملہ کسی کے ساتھ ہے عین حکمت و مصلحت کے موافق ہے۔

(۱۶۳) جب ہر چیز اللہ کی مملوک و مخلوق اور ہر کام کا انجام اُسی کے ہاتھ میں ہے تو ظلم کیونکر اور کس لئے کیا جائیگا۔

(۱۶۴) **حضورؐ کی امّت سب سے بہتر امّت ہے** گذشتہ رکوع کے شروع میں فرمایا تھا۔ یَا أَیُّهَا الَّذِینَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تُقَاتِهِ الخ درمیان میں اُسی کے مناسب کچھ اوامر و نواہی اور وعد و وعید آگئی، یہاں سے اُسی اول مضمون کی تکمیل کی جاتی ہے یعنی اے مسلمانو! خدا تعالیٰ نے تم کو تمام اُمتوں میں بہترین امت قرار دیا ہے۔ اس کے علم ازلی میں پہلے سے یہ ہی مقدر ہو چکا تھا۔ جس کی خبر بعض انبیائے سابقین کو بھی دیدی گئی تھی کہ جس طرح نبی آخر الزماں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام نبیوں سے افضل ہونگے آپ کی امت بھی جملہ اُمم و اقوام پر گوئے سبقت لے جائے گی۔ کیونکہ اس کو سب سے اشرف و اکرم پیغمبر نصیب ہو گا۔ ادوم و اکمل شریعت ملے گی۔ علوم و معارف کے دروازے اس پر کھول دیئے جائیں گے۔ ایمان و عمل و تقویٰ کی تمام شاخیں اس کی محنت اور قربانیوں سے سرسبز و شاداب ہونگی وہ کسی خاص قوم و نسب یا مخصوص ملک و اقلیم میں محصور نہ ہو گی بلکہ اس کا دائرہ عمل سارے عالم کو اور انسانی زندگی کے تمام شعبوں کو محیط ہو گا گویا اس کا وجود ہی اس لئے ہو گا کہ دوسروں کی خیر خواہی کرے۔ اور جہاں تک ممکن ہو۔ انہیں جنت کے دروازوں پر لا کر کھڑا کر دے۔ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ میں اسی طرف اشارہ ہے۔ (تنبیہ) اس سورت کے نویں رکوع

میں وَاِذْ اَخَذَ اللّٰہُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ الخ سے نبی کریمؐ کی امامت و جامعیت کبریٰ کا بیان ہوا تھا۔ دسویں رکوع میں اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَکَّۃَ الخ سے امت کے قبلہ کی برتری دکھلائی گئی۔ گیارہویں رکوع میں وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیْعًا الخ سے اس امت کی کتاب و شریعت کی مضبوطی کا اظہار فرمایا۔ اب یہاں بارہویں رکوع کے آغاز سے خود امت مرحومہ کی فضیلت و عظمت کا اعلان کیا جا رہا ہے۔

(۱۶۵) "منکر" (برے کاموں) میں کفر، شرک، بدعات، رسوم قبیحہ، فسق و فجور اور ہر قسم کی بد اخلاقی اور نا معقول باتیں شامل ہیں۔ ان سے روکنا بھی کئی طرح ہوگا۔ کبھی زبان سے، کبھی ہاتھ سے کبھی قلم سے، کبھی تلوار سے، غرض ہر قسم کا جہاد اس میں داخل ہو گیا یہ صفت جس قدر عموم و اہتمام سے امتِ محمدیہ میں پائی گئی، پہلی امتوں میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔

(۱۶۶) **خیر الامہ کی ذمہ داریاں** اللہ پر ایمان لانے میں، اس کی توحید پر، اس کے رسولوں پر اور کتابوں پر ایمان لانا بھی داخل ہے اور سچ تو یہ ہے کہ توحید خالص و کامل کا اتنا شیوع و اہتمام کبھی کسی امت میں نہیں رہا جو بحمد اللہ اس امت میں رہا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا جو شخص تم میں سے چاہتا ہے کہ اس امت (خیر الامم) میں شامل ہو چاہیئے کہ اللہ کی شرط پوری کرے یعنی امر بالمعروف نہی عن المنکر اور ایمان باللہ، جس کا حاصل ہے خود درست ہو کر دوسروں کو درست کرنا۔ جو شان حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کی تھی۔

(۱۶۷) یعنی اہل کتاب اگر ایمان لے آتے تو وہ بھی اس خیر الامم میں شامل ہو سکتے تھے۔ جس سے دنیا میں عزت بڑھتی اور آخرت میں دوہرا اجر ملتا۔ مگر افسوس ہے ان میں سے چند افراد کے سوا (مثلاً عبد اللہ بن سلام یا نجاشی وغیرہ) کسی نے حق کو قبول نہ کیا۔ باوجود وضوح حق کے نافرمانی ہی پر اڑے رہے۔

(۱۶۸) **اہل کتاب پر مسلمانوں کے غلبہ کی پیشنگوئی** یعنی اگر اکثر نافرمان ہیں تو ہونے دو، تم کو ان کی اکثریت یا مادی ساز و سامان سے خوف کھانے کی کوئی وجہ نہیں (اے خیر الامم!) خدا کا وعدہ ہے کہ یہ شیطانی لشکر تمہارا کچھ نہ بگاڑ سکے گا۔ (بشرطیکہ تم اپنے کو خیر الامم ثابت کرو) بس یہ اتنا ہی کر سکتے ہیں کہ زبان سے گالی دیں اور نامردوں کی طرح تم کو برا بھلا کہتے پھریں۔ یا کوئی چھوٹی موٹی عارضی تکلیف پہنچائیں، باقی تم پر غالب و مسلط ہو جائیں، یا کوئی بڑا قومی نقصان پہنچا سکیں یہ کبھی نہ ہوگا۔ اگر لڑائی میں تمہارے مقابلہ پر آئے تو پیٹھ دے کر بھاگیں گے اور کسی طرف سے ان کو مدد نہ پہنچے گی جو ان کی ہزیمت کو روک سکے۔ یہ پیشین گوئی حرف بحرف پوری ہوئی۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کے عہد میں اہل کتاب کا یہی حشر ہوا۔ اسلام اور مسلمانوں کی تباہی کے لئے انہوں نے ایڑی چوٹی کا زور خرچ کر دیا مگر بال بیکا نہ کر سکے۔ جہاں مقابلہ ہوا حُمُرٌ مُّسْتَنْفِرَۃٌ کی طرح بھاگے۔ ہر موقع پر خدا کی نصرت و امداد خیر الامم کے شامل حال رہی اور دشمن بدحواسی اور بیکسی کی حالت میں مقہور و مخذول ہو کر بھاگے یا قید ہوئے یا رعیت بن کر رہے یا جہنم میں پہنچ گئے۔ فللہ الحمد والمنہ۔

ضُرِبَتْ عَلَیْهِمُ الذِّلَّةُ اَیْنَ مَا ثُقِفُوْۤا اِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ حَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ وَ بَآءُوْ

ماری گئی اُن پر ذلت جہاں دیکھے جائیں سوائے دست آویز اللہ کے اور دست آویز لوگوں کے ف۱۶۹ اور کمایا انہوں

بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ ضُرِبَتْ عَلَیْهِمُ الْمَسْكَنَةُ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا یَكْفُرُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ وَ

نے غصہ اللہ کا اور لازم کر دی گئی ان کے اُوپر حاجتمندی یہ اس واسطے کہ وہ انکار کرتے رہے ہیں اللہ کی آیتوں سے اور

یَقْتُلُوْنَ الْاَنْۢبِیَآءَ بِغَیْرِ حَقٍّ ؕ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّ كَانُوْا یَعْتَدُوْنَ ﴿۱۱۲﴾

قتل کرتے رہے ہیں پیغمبروں کو ناحق یہ اس واسطے کہ نافرمانی کی انہوں نے اور حد سے نکل گئے ف۱۷۰

(۱۶۹) یہ آیتیں اہل کتاب میں سے خاص یہود کے متعلق معلوم ہوتی ہیں جیسا کہ سیاق کلام اور قرآن کی دوسری آیات سے ظاہر ہے، یعنی یہود پر ہمیشہ کے لئے ذلت کی مہر کر دی گئی۔ یہ بدبخت جہاں کہیں پائے جائیں، ذلت کا نقش اُن سے محو نہیں ہو سکتا۔ بڑے بڑے کروڑپتی یہود بھی آزادی و خود مختاری سے اپنے جان و مال کی حفاظت نہیں کر سکتے۔ کیونکہ اُن کی آزاد حکومت کسی جگہ نہیں "سوائے دستاویز اللہ کے" یعنی بعض بچی کھچی رسمیں تورات کی عمل میں لاتے ہیں اس کے طفیل سے پڑے ہیں اور "سوائے دستاویز لوگوں کے" یعنی کسی کی رعیت ہیں اُس کی پناہ میں پڑے ہیں۔ (کذا فی الموضح) بعض مفسرین نے "وحبلٌ مِنَ اللہ" وحبلٌ مِنَ النّاسِ" سے اللہ کا ذمہ اور مسلمانوں کا عہد مُراد لیا ہے۔ یعنی بجز اس کے کہ مسلمانوں سے عہد کر کے خدا کے ذمہ میں آجائیں۔ بعض کہتے ہیں کہ "وحبل من اللہ" سے اسلام مراد ہے۔ یعنی اسلام لا کر اس ذلت سے نکل سکتے ہیں یا معاہد بن کر، کیونکہ معاہدہ بھی جان و مال کی طرف سے مامون کر دیتا ہے۔ واللہ اعلم۔

(۱۷۰) یعنی نافرمانی کرتے کرتے حد سے نکل گئے۔ جس کا انتہائی اثر یہ تھا کہ اللہ کی صریح آیتوں کے انکار اور معصوم پیغمبروں کے قتل پر آمادہ ہو گئے۔ اسی مضمون کی آیت بقرہ پارہ "الٓمّ" میں گذر چکی ہے۔ وہاں کے فوائد ملاحظہ کئے جائیں۔

لَيْسُوْا سَوَآءً ؕ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اُمَّةٌ قَآئِمَةٌ يَّتْلُوْنَ اٰيٰتِ اللّٰهِ اٰنَآءَ الَّيْلِ وَهُمْ يَسْجُدُوْنَ ﴿۱۱۳﴾

وہ سب برابر نہیں۔ اہل کتاب میں ایک فرقہ ہے سیدھی راہ پر پڑھتے ہیں آیتیں اللہ کی راتوں کے وقت اور وہ سجدے کرتے ہیں

يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُسَارِعُوْنَ فِي

ایمان لاتے ہیں اللہ پر اور قیامت کے دن پر اور حکم کرتے ہیں اچھی بات کا اور منع کرتے ہیں بُرے کاموں سے اور دوڑتے ہیں نیک

الْخَيْرٰتِ ؕ وَاُولٰٓئِكَ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۱۴﴾ وَمَا يَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ يُّكْفَرُوْهُ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ

کاموں پر اور وہی لوگ نیک بخت ہیں ف۱۷۱ اور جو کچھ کریں گے وہ لوگ نیک کام اُس کی ہرگز ناقدری نہ ہوگی ف۱۷۲ اور اللہ کو خبر ہے

بِالْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۱۵﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْئًا ؕ

پرہیزگاروں کی ف۱۷۳ وہ لوگ جو کافر ہیں ہرگز کام نہ آوینگے اُن کو اُن کے مال اور نہ اولاد اللہ کے آگے کچھ

وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۱۱۶﴾

اور وہی لوگ رہنے والے ہیں آگ میں دوزخ کی وہ اُس آگ میں ہمیشہ رہیں گے۔

(۱۷۱) **مومنین اہل کتاب** یعنی سب اہل کتاب کا حال یکساں نہیں۔ اتنے بُروں میں کچھ اچھے بھی ہیں۔ ان ہی ممسوخ اشقیاء کے درمیان چند سعید روحیں ہیں جن کو حق تعالیٰ نے قبولِ حق کی توفیق دی اور اسلام کی آغوش میں آگئے اور جادہ حق پر ایسے مستقیم ہو گئے کہ کوئی طاقت ہلا نہیں سکتی۔ وہ رات کی تاریکی میں میٹھی نیند اور نرم بستر چھوڑ کر خدا کے سامنے کھڑے ہوتے ہیں، اپنے مالک کے سامنے خضوع و تذلل اختیار کرتے ہیں۔ جبین نیاز زمین پر رکھتے ہیں، نماز میں اُس کا کلام پڑھتے ہیں۔ اللہ پر اور یوم آخر پر ٹھیک ٹھیک ایمان لاتے ہیں خالص توحید کے قائل ہیں، قیامت کے دن سے ڈرتے ہیں اور جب کسی نیک کام کی طرف پکارا جائے دوڑ کر دوسروں سے آگے نکلنا چاہتے ہیں، پھر نہ صرف یہ کہ خود راہ راست پر ہیں۔ دوسروں کو بھی سیدھے راستے پر لانا چاہتے ہیں۔ بلاشبہ اُن یہود میں سے یہ لوگ ہیں جن کو خدا نے نیک بختی اور صلاح و رُشد کا خاص حصّہ عطا فرمایا ہے یہ عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ اور اُنکے ساتھیوں کا ذکر ہوا

(۱۷۲) بلکہ دُگنا اجر ملیگا۔ جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہوا۔ اُولٰٓئِكَ يُؤْتَوْنَ اَجْرَهُمْ مَّرَّتَيْنِ بِمَا صَبَرُوْا (قصص رکوع ۶) اور حدیث

صحیح میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس کی تشریح فرمادی۔

(۱۷۳) اسی لئے جب یہود کی برائیوں کا ذکر آتا ہے حق تعالیٰ ان پرہیزگاروں کو مستثنیٰ کر دیتا ہے اور پرہیزگاری کے موافق دنیا و آخرت میں اُن کے ساتھ معاملہ بھی بالکل ممتاز کیا جائیگا۔

مَثَلُ مَا يُنْفِقُوْنَ فِيْ هٰذِهِ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَثَلِ رِيْحٍ فِيْهَا صِرٌّ اَصَابَتْ حَرْثَ قَوْمٍ

جو کچھ خرچ کرتے ہیں اس دنیا کی زندگی میں اُس کی مثال جیسے ایک ہوا کہ اُس میں ہو پالا جا لگی کھیتی کو اُس قوم کی کہ

ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَاَهْلَكَتْهُ ۭ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۱۷﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا

انہوں نے اپنے حق میں بُرا کیا تھا پھر اُسکو نابود کر گئی ف۱۷۴ اور اللہ نے اُنپر ظلم نہیں کیا لیکن وہ اپنے اوپر ظلم کرتے ہیں ف۱۷۵ اے ایمان والو نہ

تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ لَا يَاْلُوْنَكُمْ خَبَالًا ۭ وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ ۚ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَاۗءُ مِنْ

بناؤ بھیدی کسی کو اپنوں کے سوا وہ کمی نہیں کرتے تمہاری خرابی میں اُنکی خوشی ہے تم جسقدر تکلیف میں رہو نکلی پڑتی ہے دشمنی اُن کی

اَفْوَاهِهِمْ ښ وَمَا تُخْفِيْ صُدُوْرُھُمْ اَكْبَرُ ۭ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۱۸﴾ ھٰٓاَنْتُمْ

زبان سے اور جو کچھ مخفی ہے اُنکے جی میں وہ اس سے بہت زیادہ ہے ہم نے بتا دیے تم کو پتے اگر تم کو عقل ہے ف۱۷۶ سُن لو

اُولَاۗءِ تُحِبُّوْنَھُمْ وَلَا يُحِبُّوْنَكُمْ وَتُؤْمِنُوْنَ بِالْكِتٰبِ كُلِّهٖ ۚ وَاِذَا لَقُوْكُمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا ڰ وَاِذَا خَلَوْا

تم لوگ اُن کے دوست ہو اور وہ تمہارے دوست نہیں اور تم سب کتابوں کو مانتے ہو ف۱۷۷ اور جب تم سے ملتے ہیں کہتے ہیں ہم مسلمان ہیں ف۱۷۸ اور جب اکیلے ہوتے ہیں

عَضُّوْا عَلَيْكُمُ الْاَنَامِلَ مِنَ الْغَيْظِ ۭ قُلْ مُوْتُوْا بِغَيْظِكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ

تو کاٹ کاٹ کھاتے ہیں تم پر انگلیاں غصہ سے ف۱۷۹ تو کہہ مرو تم اپنے غصہ میں ف۱۸۰ اللہ کو خوب معلوم ہیں دلوں کی

الصُّدُوْرِ ﴿۱۱۹﴾ اِنْ تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْھُمْ ۡ وَاِنْ تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ يَّفْرَحُوْا بِھَا ۭ وَاِنْ تَصْبِرُوْا

باتیں ف۱۸۱ اگر تم کو ملے کچھ بھلائی تو بُری لگتی ہے اُنکو اور اگر تم پر پہنچے کوئی برائی تو خوش ہوں اُس سے ف۱۸۲ اور اگر تم صبر کرو

وَتَتَّقُوْا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُھُمْ شَيْـــًٔـا ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ﴿۱۲۰﴾ ع

اور بچتے رہو تو کچھ نہ بگڑیگا تمہارا اُن کے فریب سے بیشک جو کچھ وہ کرتے ہیں سب اللہ کے بس میں ہے ف۱۸۳

(۱۷۴) **کفار کا بغض و حسد** صالحین و متقین کے بالمقابل یہاں کافروں کا حال و انجام ذکر فرماتے ہیں پہلے فرمایا تھا وَمَا يَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ يُّكْفَرُوْهُ یعنی مومنین کی ادنیٰ ترین نیکی بھی کام آئے گی۔ اُن کے کسی بھلے کام کی بے قدری نہیں کی جائے گی۔ اس کے برخلاف کافر جو کچھ مال و قوت دنیا میں خرچ کرے، خواہ اپنے نزدیک بڑا ثواب اور خیرات کا کام سمجھ کر کرتا ہو، آخرت میں اس کی کوئی قدر و قیمت اور پرسش نہیں۔ کیونکہ ایمان و معرفت صحیحہ کی روح نہ ہونے سے اُس کا ہر ایک عمل بے جان اور مردہ ہے۔ اس کی جزاء بھی ایسی ہی فانی و زائل اس دار فانی میں مل رہیگی۔ عمل کی ابدی حفاظت کرنے والی چیز ایمان و ایقان ہے اس کے بدون عمل کی مثال ایسی سمجھو جیسے کسی شریر ظالم نے کھیتی یا باغ لگایا اور اُس کو برف پالے سے بچانے کا کوئی انتظام نہ کیا چند روز اُس کی سرسبزی و شادابی کو دیکھ کر خوش ہوتا اور بہت کچھ اُمیدیں باندھتا رہا۔ یکایک اس کی شرارت و بدبختی سے سرد ہوا چلی برف پالا اس قدر گرا کہ ایک دم میں ساری

لہلہاتی کھیتی جلا کر رکھدی آخر اپنی کلی تباہی و بربادی پر کفِ افسوس ملتا رہ گیا، نہ اُمیدیں پوری ہوئیں نہ احتیاج کے وقت اس کی پیداوار سے منتفع ہوا۔ اور چونکہ یہ تباہی ظلم و شرارت کی سزا تھی۔ اس لئے اس مصیبت پر کوئی اجر اُخروی بھی نہ ملا، جیسا کہ مومنین کو ملتا ہے۔ بعینہ یہ مثال اُن کفار کی ہے جو کفر و شرک پر قائم رہتے ہوئے اپنے خیال میں بہت پُن خیرات کرتے ہیں، باقی وہ بدبخت جن کا زور و قوت اور پیسہ حق اور اہلِ حق کی دشمنی یا فسق و فجور میں خرچ ہوتا ہو اُن کا تو پوچھنا ہی کیا ہے۔ وہ نہ صرف بے کار خرچ کر رہے ہیں، بلکہ روپیہ خرچ کر کے اپنے لئے اور زیادہ وبال خرید رہے ہیں ان سب کو یاد رکھنا چاہئے کہ مال ہو یا اولاد کوئی چیز عذابِ الٰہی سے نہ بچا سکے گی۔ اور نہ متقین کے مقابلہ پر وہ اپنی توقعات میں کامیاب ہونگے۔ (تنبیہ) "ریح" کا لفظ مفرد قرآن میں عموماً عذاب کے موقع پر استعمال ہوا ہے۔ "رِيحٌ فِيهَا عَذَابٌ أَلِيمٌ" الخ "وَلَئِنْ أَرْسَلْنَا رِيحًا" الخ "إِنَّا أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيحًا صَرْصَرًا" اور رحمت کے موقع پر جمع کا لفظ "ریاح" لائے ہیں۔ "يُرْسِلُ الرِّيَاحَ مُبَشِّرَاتٍ" "وَأَرْسَلْنَا الرِّيَاحَ لَوَاقِحَ" "يُرْسِلُ الرِّيَاحَ بُشْرًا" کذا ذکرہ ابو حیان

(۱۷۵) یہ نہ سمجھا جائے کہ کافر کی کوئی نیکی قبول نہیں کی جاتی تو اس پر معاذ اللہ خدا کی طرف سے ظلم ہوا، نہیں یہ ظلم تو انہوں نے اپنی جانوں پر خود اپنے ہاتھوں سے کیا ہے۔ نہ کفر اختیار کرتے نہ یہ روزِ بد دیکھنا پڑتا۔

(۱۷۶) **مسلمانوں سے کفار کا شدید حسد** یہ آیتیں بعض کہتے ہیں یہود کے متعلق نازل ہوئیں، کیونکہ بعض مسلمان جوار (ہمسائیگی)، حلف (دوستانہ معاہدہ) وغیرہ کی بناء پر جو تعلقات قبل از اسلام اُن سے رکھتے چلے آ رہے تھے، بعد از اسلام بھی بدستور ان پر قائم رہے اور دوستی پر اعتماد کر کے اُن سے مسلمانوں کے بعض رازدارانہ مشوروں کے اخفاء کا بھی اہتمام نہ کیا" اور بعض کے نزدیک یہ آیتیں منافقین کے حق میں نازل ہوئیں، کیونکہ عام طور پر لوگ ظاہر میں مسلمان سمجھ کر ان سے پوری احتیاط نہ کرتے تھے جس سے سخت نقصان پہنچنے کا اندیشہ تھا حق تعالیٰ نے یہاں صاف صاف آگاہ کر دیا کہ مسلمان اپنے اسلامی بھائیوں کے سوا کسی کو بھیدی اور رازدار نہ بنائیں۔ کیونکہ یہود ہوں یا نصاریٰ، منافقین ہوں یا مشرکین، ان میں کوئی جماعت تمہاری حقیقی خیر خواہ نہیں۔ بلکہ ہمیشہ یہ لوگ اس کوشش میں رہتے ہیں کہ تمہیں پاگل بنا کر نقصان پہنچائیں اور دینی و دنیوی خرابیوں میں مبتلا کریں۔ اُن کی خواہش اسی میں ہے کہ تم تکلیف میں رہو اور کسی نہ کسی تدبیر سے تم کو دینی یا دنیوی ضرر پہنچ جائے۔ جو دشمنی اور بغض ان کے دلوں میں ہے وہ تو بہت ہی زیادہ ہے۔ لیکن بسا اوقات عداوت و غیظ کے جذبات سے مغلوب ہو کر کھلم کھلا ایسی باتیں کر گذرتے ہیں جو اُن کی گہری دشمنی کا صاف پتہ دیتی ہیں۔ مارے دشمنی اور حسد کے اُن کی زبان قابو میں نہیں رہتی۔ پس عقلمند آدمی کا کام نہیں کہ ایسے خبیث باطن دشمنوں کو اپنا رازدار بنائے۔ خدا تعالیٰ نے دوست و دشمن کے پتے اور موالات وغیرہ کے احکام کھول کر بتلا دیئے ہیں جس میں عقل ہو گی اُن سے کام لے گا۔ (موالاتِ کفار کے متعلق کچھ تفصیل پہلے اسی سورت میں گذر چکی اور کچھ مائدۃ وغیرہ میں آئیگی)

(۱۷۷) **کفار مسلمانوں کے دوست نہیں ہو سکتے** یعنی یہ کیسی بے موقع بات ہے کہ تم اُن کی دوستی کا دم بھرتے ہو، اور وہ تمہارے دوست نہیں بلکہ جڑ کاٹنے والے دشمن ہیں اور طرفہ یہ ہے کہ تم تمام آسمانی کتابوں کو مانتے ہو۔ خواہ وہ کسی قوم کی ہوں اور کسی زمانہ میں کسی پیغمبر پر نازل ہوئی ہوں (جن کے خدا نے نام بتلا دیئے اُن پر علی التعیین اور جن کے نام نہیں بتلائے اُن پر بالاجمال ایمان رکھتے ہو) اس کے برخلاف یہ لوگ تمہاری کتاب اور پیغمبر کو نہیں مانتے، بلکہ خود اپنی کتابوں پر بھی ان کا ایمان صحیح نہیں، اس لحاظ سے چاہئے تھا کہ وہ تم سے قدرے محبت کرتے اور تم اُن سے سخت نفور و بیزار رہتے۔ مگر یہاں معاملہ برعکس ہو رہا ہے۔

(۱۷۸) منافقین تو کہتے ہی تھے، عام یہود و نصاریٰ بھی بحث و گفتگو میں "آمنا" (ہم مسلمان ہیں) کہہ کر یہ مطلب لے لیتے تھے کہ ہم اپنی کتابوں پر ایمان رکھتے ہیں اور اُن کو تسلیم کرتے ہیں۔

(۱۷۹) **اہل کتاب کا مسلمانوں پر غم و غصّہ** یعنی اسلام کا عروج اور مسلمانوں کی باہمی الفت و محبت دیکھ کر یہ لوگ جلے مرتے ہیں۔ اور چونکہ اس کے خلاف کچھ بس نہیں چلتا۔ اس لئے فرط غیظ و غضب سے دانت پیستے اور اپنی انگلیاں کاٹ کاٹ کھاتے ہیں

(۱۸۰) یعنی خدا تعالیٰ اسلام اور مسلمانوں کو اور زیادہ ترقیات و فتوحات عنایت فرمائے گا۔ تم غیظ کھا کھا کر مرتے رہو۔ اگر ایڑیاں رگڑ کر مر جاؤ گے تب بھی تمہاری آرزوئیں پوری نہ ہونگی، خدا اسلام کو غالب اور سربلند کر کے رہیگا۔

(۱۸۱) اسی لئے مسلمانوں کو ان شریروں کے باطنی حالات اور قلبی جذبات پر مطلع کر دیا اور سزا بھی ان کو ایسی دے گا جو اندرونی شرارتوں اور خفیہ عداوتوں کے مناسب ہو۔

(۱۸۲) اگر تمہاری ذرا سی بھلائی دیکھتے ہیں، مثلاً مسلمانوں کا اتحاد و یک جہتی یا دشمنوں پر غلبہ، تو حسد کی آگ میں بھننے لگتے ہیں۔ اور جہاں تم پر کوئی مصیبت نظر آئی، خوشی کے مارے پھولے نہیں سماتے۔ بھلا ایسی کمینہ قوم سے ہمدردی اور خیر خواہی کی کیا توقع ہو سکتی ہے، جو دوستی کا ہاتھ اُن کی طرف بڑھایا جائے۔

(۱۸۳) **کفّار کے شر سے مسلمانوں کی حفاظت** ممکن تھا کسی کو یہ خیال گذرے کہ جب ہم اُن سے دوستانہ تعلقات نہ رکھیں گے تو وہ زیادہ غیظ و غضب میں آکر ہمارے خلاف تدبیریں کریں گے اور بیش از بیش نقصان پہنچانا چاہیں گے۔ اس کا جواب دیا کہ تم صبر و استقلال اور تقویٰ و طہارت پر ٹھیک ٹھیک قائم رہو گے تو اُن کا کوئی داؤ فریب تم پر کارگر نہ ہوگا۔ جو کارروائیاں وہ کرتے ہیں سب خدا کے علم میں ہیں اور اس کو ہر وقت قدرت حاصل ہے کہ اُن کا تار پود بکھیر کر رکھ دے تم اپنا معاملہ خدا سے صاف رکھو، پھر تمہاری راستہ سے سب کانٹے صاف کر دیے جائیں گے۔ آگے غزوۂ اُحد کا واقعہ یاد دلاتے ہیں کہ اُس میں بعض مسلمان منافقین کی مغویانہ حرکات سے کچھ اثر پذیر ہو گئے تھے اور قریب تھا کہ مسلمانوں کے دو قبیلے صبر و تقویٰ کا دامن ہاتھ سے چھوڑ بیٹھیں جس سے منافقین کو خوش ہونے کا موقع ہاتھ آئے۔ مگر خدا نے دستگیری فرمائی اور اُن قبیلوں کو سخت مہلک ٹھوکر سے بچا لیا۔

وَاِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِيْنَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ ۭ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۲۱﴾ اِذْ

اور جب صبح کو نکلا تو | اپنے گھر سے | بٹھلانے لگا مسلمانوں کو | لڑائی کے ٹھکانوں پر | اور اللہ سب کچھ سنتا جانتا ہے | جب

هَمَّتْ طَّاۗىِٕفَتٰنِ مِنْكُمْ اَنْ تَفْشَلَا ۙ وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا ۭ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۲۲﴾ وَ

قصد کیا | دو فرقوں نے | تم میں سے | کہ نامردی کریں | اور اللہ مددگار تھا اُن کا | اور اللہ ہی پر چاہیئے بھروسہ کریں | مسلمان | اور

لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۲۳﴾ اِذْ تَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ

تمہاری مدد کر چکا ہے | اللہ بدر کی لڑائی میں اور تم | کمزور تھے | سو ڈرتے رہو اللہ سے تاکہ تم | احسان مانو ف۱۸۴ | جب تو کہنے لگا | مسلمانوں کو

اَلَنْ يَّكْفِيَكُمْ اَنْ يُّمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰۗىِٕكَةِ مُنْزَلِيْنَ ﴿۱۲۴﴾

کیا تم کو کافی نہیں | کہ تمہاری مدد کو بھیجے | رب تمہارا | تین | ہزار | فرشتے | آسمان سے اُترنے والے ف۱۸۵

(۱۸۴) **غزوۂ اُحد میں بنو سلمہ اور بنو حارثہ کا واقعہ** اس آیت میں جنگ اُحد کا واقعہ یاد دلایا ہے۔ صورت یہ ہوئی تھی کہ رمضان المبارک سنہ ۲ھ میں بدر کے مقام پر قریشی فوج اور مسلمان مجاہدین میں مڈبھیڑ ہو گئی جس میں کفار مکہ کے ستر نامور اشخاص مارے گئے اور اسی قدر گرفتار ہوئے۔ اس تباہ کن اور ذلت آمیز شکست سے قریش کا شعلۂ انتقام بھڑک اُٹھا۔ جو سردار مارے گئے تھے ان کے اقارب نے تمام عرب کو غیرت دلائی اور اہل مکہ سے اپیل کی کہ تجارتی قافلہ جو مال شام سے لایا ہے (کہ وہی باعث جنگ بدر کا ہوا تھا) سب اسی

مہم کی نذر کر دیں تاکہ ہم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور اُن کے ساتھیوں سے اپنے مقتولین کا بدلہ لے سکیں سب نے منظور کیا اور ۳ ہجری میں قریش کے ساتھ بہت سے دوسرے قبائل بھی مدینہ پر چڑھائی کرنے کی غرض سے نکل پڑے حتٰی کہ عورتیں بھی ساتھ آئیں تاکہ موقع پیش آنے پر مردوں کو غیرت دلا کر پسپائی سے روک سکیں۔ جس وقت یہ تین ہزار کا لشکر اسلحہ وغیرہ سے پوری طرح آراستہ ہو کر مدینہ سے تین چار میل جبل احد کے قریب خیمہ زن ہوا۔ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں سے مشورہ لیا آپ کی رائے مبارک یہ تھی کہ مدینہ کے اندر رہ کر دشمن کا مقابلہ بہت آسانی اور کامیابی کے ساتھ کیا جا سکتا ہے اسی کی تائید آپ کے ایک خواب سے ہوئی تھی۔ یہ پہلا موقع تھا کہ رئیس المنافقین عبداللہ بن اُبی سے بھی رائے لی گئی جو حضورؐ کی رائے سے موافق تھی۔ مگر بعض پرجوش مسلمان جنہیں بدر کی شرکت نصیب نہ ہوئی تھی۔ اور شوق شہادت بیچین کر رہا تھا مصر ہوئے کہ ہم کو باہر نکل کر مقابلہ کرنا چاہیئے تا دشمن ہماری نسبت بزدلی اور کمزوری کا گمان نہ کرے۔ کثرت رائے اسی طرف ہو گئی۔ اسی حیص وبیص میں آپ مکان کے اندر تشریف لے گئے اور زرہ پہن کر باہر آئے اس وقت بعض لوگوں کو خیال ہوا کہ ہم نے آپ کی رائے کے خلاف مدینہ سے باہر لڑائی کرنے پر مجبور کیا۔ انہوں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! اگر آپ کا منشاء نہ ہو تو یہیں تشریف رکھئے۔ فرمایا ایک پیغمبر کو سزاوار نہیں کہ جب وہ زرہ پہن لے اور ہتھیار لگا لے پھر بدون قتال کئے بدن سے اُتارے۔ جب آپ مدینہ سے باہر تشریف لے گئے تقریبًا ایک ہزار آدمی آپ کے ساتھ تھے۔ مگر عبداللہ بن ابی تقریبًا تین سو آدمیوں کو (جن میں بعض مسلمان بھی تھے) ساتھ لے کر راستہ سے یہ کہتا ہوا واپس ہو گیا کہ جب میرا مشورہ نہ مانا اور دوسروں کی رائے پر عمل کیا تو ہم کو لڑنے کی ضرورت نہیں، کیوں خواہ مخواہ اپنے کو ہلاکت میں ڈالیں بعض بزرگوں نے سمجھایا بھی مگر کچھ اثر نہیں ہوا۔ آخر آپ کل سات سو سپاہیوں کی جمعیت لیکر میدان جنگ میں پہنچ گئے آپ نے بنفس نفیس فوجی قاعدہ سے صفیں ترتیب دیں۔ ہر ایک دستہ کو اُس کے مناسب ٹھکانہ پر بٹھلایا۔ اور فرمایا جب تک میں حکم نہ دوں کوئی قتال نہ کرے۔ اسی اثنا میں عبداللہ بن ابی کی علیحدگی سے دو قبیلے بنو حارثہ اور بنو سلمہ کے دلوں میں کچھ کمزوری پیدا ہوئی۔ مسلمانوں کی قلیل جمعیت پر نظر کر کے دل چھوڑنے لگے اور خیال آیا کہ میدان سے سرک جائیں مگر حق تعالیٰ نے اُن کی مدد اور دستگیری فرمائی دلوں کو مضبوط کر دیا اور سمجھا دیا کہ مسلمانوں کا بھروسہ تنہا خدائے واحد کی اعانت ونصرت پر ہونا چاہیئے۔ تعداد اور سامان وغیرہ کوئی چیز نہیں۔ جب وہ مظفر ومنصور کرنا چاہے تو سب سامان رکھے رہ جاتے ہیں اور غیبی تائید سے فتح مبین حاصل ہو جاتی ہے جیسے معرکۂ بدر میں ہوا۔ پس مسلمانوں کو صرف اللہ سے ڈرنا چاہیئے۔ تاکہ اُس کی طرف سے مزید انعام واحسان ہو اور مزید شکر گذاری کا موقع ملے۔ (غزوہ بدر کی پوری تفصیل سورۂ انفال میں آئیگی۔ وہاں کے فوائد ملاحظہ کئے جائیں) تنبیہ دو فرقوں سے مراد وہی بنو سلمہ وبنو حارثہ ہیں۔ گو اس آیت میں اُن پر چشمک کی گئی، لیکن اُن میں کے بعض بزرگ فرمایا کرتے تھے کہ اس آیت کا نازل نہ ہونا ہم کو پسند نہ تھا کیونکہ "واللہ ولیھما" کی بشارت عتاب سے بڑھ کر ہے۔

(۱۸۵) **غزوۂ بدر میں ملائکہ کا نزول** یعنی جو آسمان سے خاص اسی کام کے لئے اُتارے گئے ہوں۔ اکثر علماء کے نزدیک راجح یہ ہے کہ یہ واقعہ غزوہ بدر کا ہے جب کفّار کی جمعیت اور تیاری دیکھ کر مسلمانوں کو تشویش ہوئی تو آپ نے تسلی کے لئے ایسا فرمایا۔ چنانچہ فرشتوں کی کمک آسمان سے پہنچی۔ سورۂ انفال میں اس کا مفصل بیان آئیگا۔ وہیں نزول ملائکہ کی حکمت اور عدد ملائکہ کے ظاہری تعارض پر کلام کیا جائیگا

بَلٰٓى ۙ اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا وَيَاْتُوْكُمْ مِّنْ فَوْرِهِمْ هٰذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ

البتہ اگر تم صبر کرو اور بچتے رہو اور وہ آئیں تم پر اسی دم تو مدد بھیجے تمہارا رب پانچ ہزار

مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِيْنَ ﴿۱۲۵﴾ وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى لَكُمْ وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُكُمْ بِهٖ ؕ وَ الربع

فرشتے نشان دار گھوڑوں پر ف۱۸۶ اور یہ تو اللہ نے تمہارے دل کی خوشی کی اور تاکہ تسکین ہو تمہارے دلوں کو اس سے اور

مَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ﴿۱۲۶﴾ لِيَقْطَعَ طَرَفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اَوْ

مدد ہے صرف اللہ ہی کی طرف سے جو کہ زبردست ہے حکمت والا ف۱۸۷ تاکہ ہلاک کرے بعضے کافروں کو یا انکو

يَكْبِتَهُمْ فَيَنْقَلِبُوْا خَآئِبِيْنَ ﴿۱۲۷﴾ لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ اَوْ يُعَذِّبَهُمْ

ذلیل کرے تو پھر جاویں محروم ہو کر ف۱۸۸ تیرا اختیار کچھ نہیں یا انکو توبہ دیوے خدائے تعالیٰ یا انکو عذاب کرے

فَاِنَّهُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۱۲۸﴾ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ

کہ وہ ناحق پر ہیں ف۱۸۹ اور اللہ ہی کا مال ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ کہ زمین میں ہے بخش دے جس کو چاہے اور عذاب کرے

مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲۹﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوٓا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً ۪ وَّاتَّقُوا ع ۱۳

جس کو چاہے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے ف۱۹۰ اے ایمان والو مت کھاؤ سود ف۱۹۱ دونے پر دونا ف۱۹۲ اور ڈرو

اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۱۳۰﴾ وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْۤ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۳۱﴾

اللہ سے تاکہ تمہارا بھلا ہو ف۱۹۳ اور بچو اس آگ سے جو تیار ہوئی کافروں کے واسطے ف۱۹۴

(۱۸۶) یعنی تین ہزار بیشک کافی ہیں۔ تاہم اگر تم نے صبر و استقلال کا ثبوت دیا اور تقویٰ اختیار کر کے نافرمانی سے بچتے رہے اور کفار کی فوج ایک دم تم پر ٹوٹ پڑی تو تین ہزار کے بجائے پانچ ہزار فرشتے بھیج دیے جائیں گے جن کی خاص علامتیں ہوں گی اور ان کے گھوڑوں پر بھی خاص نشان ہونگے۔ چونکہ بدر میں کفار کی تعداد ایک ہزار تھی اولاً اس کے مناسب ایک ہزار فرشتوں کا وعدہ فرمایا جیسا کہ سورۂ انفال میں آئیگا۔ پھر مسلمانوں کی گھبراہٹ دور فرمانے کے لئے تعداد تگنی کر دی گئی کیونکہ کفار کی تعداد مسلمانوں سے تگنی تھی۔ اس کے بعد شعبی کی روایت کے موافق جب مسلمانوں کو یہ خبر ملی کہ کرز بن جابر بڑی کمک لے کر مشرکین کی مدد کے لئے آ رہا ہے تو ایک جدید اضطراب پیدا ہو گیا، اس وقت مزید تسکین و تقویت کے لئے وعدہ فرمایا کہ اگر تم صبر و تقویٰ سے کام لو گے تو ہم پانچ ہزار فرشتے تمہاری مدد کو بھیج دیں گے۔ اگر مشرکین کی کمک بالکل ناگہانی طور پر آ پہنچے۔ تب بھی فکر مت کرو۔ خدا تعالیٰ بروقت تمہاری مدد کرے گا۔ شاید پانچ ہزار کا عدد اس لئے رکھا ہو کہ لشکر کے پانچ حصے ہوتے تھے۔ ہر ایک حصہ کو ایک ایک ہزار کی کمک پہنچا دی جائے گی۔ چونکہ کرز بن جابر کی مدد مشرکین کو نہ پہنچی اس لئے بعض کہتے ہیں کہ پانچ ہزار کا وعدہ پورا نہیں کیا گیا۔ کیونکہ وہ یَاْتُوْكُمْ مِّنْ فَوْرِهِمْ هٰذَا پر معلق تھا اور بعض کا قول ہے کہ پانچ ہزار فرشتے نازل ہوئے۔ واللہ اعلم۔ اس کا مزید بیان "انفال" میں دیکھو۔

(۱۸۷) **نزول ملائکہ کی وجہ** یعنی یہ سب غیبی سامان غیر معمولی طور پر ظاہری اسباب کی صورت میں محض اس لئے مہیا کئے گئے کہ تمہارے دلوں سے اضطراب دہراس دور ہو کر سکون و اطمینان نصیب ہو۔ ورنہ خدا کی مدد کچھ ان چیزوں پر محدود و مقصود نہیں نہ اسباب کی پابند ہے وہ چاہے تو محض اپنی زبردست قدرت سے بدون فرشتوں کے تمہارا کام بنا دے۔ یا بدون تمہارے توسط کے کفار کو خائب و خاسر کر دے۔ یا ایک فرشتہ سے وہ کام لے لے جو پانچ ہزار سے لیا جاتا ہے۔ فرشتے بھی جو امداد پہنچاتے ہیں وہ اسی خداوند قدیر کی قدرت و مشیت سے پہنچا سکتے ہیں مستقل طاقت و اختیار کسی میں نہیں۔ آگے یہ اس کی حکمت ہے کہ کس موقع پر کس قسم کے اسباب و وسائط سے کام

لینا مناسب ہے تکوینیات کے رازوں کا کوئی احاطہ نہیں کر سکتا ۔ حدیث از مطرب و مے گو و راز دہر کمتر جو ۔ کہ کس نکشود و نکشاید بحکمت این معما۔

(۱۸۸) یعنی فرشتے بھیجنے سے مقصود تمہاری مدد کرنا تھا کہ تمہارے دل مضبوط ہوں اور خدا کی طرف سے بشارت و طمانیت پاکر پوری دلجمعی اور پامردی کے ساتھ دشمن کا مقابلہ کرو۔ جس سے یہ غرض تھی کہ کافروں کا زور ٹوٹے ۔ اُن کا بازو کٹ جائے۔ پُرانے نامور مشرک کچھ مارے جائیں کچھ ذلیل و خوار ہوں اور بقیۃ السیف بہزار رسوائی و ناکامی واپس ہو جائیں چنانچہ ایسا ہی واقع ہوا۔ ستر سردار جن میں اُس اُمّت کا فرعون ابوجہل بھی تھا، مارے گئے ستر قید ہوئے۔ اور نہایت ذلیل و نامراد ہو کر مکّہ واپس جانا پڑا۔

(۱۸۹) **غزوہ اُحد کا تفصیلی بیان** "اُحد" میں ستّر صحابہ شہید ہوئے تھے جن میں حضورؐ کے چچا سید الشہداء حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ بھی تھے ، مشرکین نے نہایت وحشیانہ طور پر شہداء کا مُثلہ کیا (ناک کان وغیرہ کاٹے) پیٹ چاک کیے حتیٰ کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا جگر نکال کر ہندہ نے چبایا۔ مفصل واقعہ آگے آئے گا۔ خلاصہ یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اس لڑائی میں چشم زخم پہنچا۔ سامنے کے چار دانتوں میں سے نیچے کا دایاں دانت شہید ہوا خود کی کڑیاں ٹوٹ کر رخسار مبارک میں گھس گئیں پیشانی زخمی ہوئی اور بدن مبارک لہولہان تھا۔ اسی حالت میں آپ کا پاؤں لڑکھڑایا اور زمین پر گر کر بے ہوش ہو گئے ۔ کفار نے مشہور کر دیا "اِنَّ مُحَمَّدًا قَدْ قُتِلَ" (محمد صلی اللہ علیہ وسلم مارے گئے) اس سے مجمع بدحواس ہو گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد آپ کو ہوش آیا۔ اُس وقت زبانِ مبارک سے نکلا کہ "وہ قوم کیوں کر فلاح پائے گی جس نے اپنے نبی کا چہرہ زخمی کیا جو اُن کو خدا کی طرف بُلاتا تھا" مشرکین کے وحشیانہ شدائد و مظالم کو دیکھ کر آپ سے نہ رہا گیا اور اُن میں سے چند نامور اشخاص کے حق میں آپ نے بددعا کا ارادہ کیا یا شروع کر دی جس میں ظاہر ہے۔ آپ ہر طرح حق بجانب تھے مگر حق تعالیٰ کو منظور تھا کہ آپ اپنے منصب جلیل کے موافق اس سے بھی بلند مقام پر کھڑے ہوں۔ وہ ظلم کرتے جائیں، آپ خاموش رہیں۔ جتنی بات کا آپ کو حکم ہے (مثلاً دعوت و تبلیغ اور جہاد وغیرہ) اُسے انجام دیتے رہیں۔ باقی اُن کا انجام خدا کے حوالے کریں۔ اس کی جو حکمت ہوگی کریگا آپ کی بددعا سے وہ ہلاک کر دیے جائیں، کیا اس کی جگہ یہ بہتر نہیں کہ ان ہی دشمنوں کو اسلام کا محافظ اور آپ کا جاں نثار عاشق بنا دیا جائے ؟ چنانچہ جن لوگوں کے حق میں آپ بددعا کرتے تھے، چند روز کے بعد سب کو خدا تعالیٰ نے آپ کے قدموں پر لا ڈالا اور اسلام کا جانباز سپاہی بنا دیا غرض لَیْسَ لَکَ مِنَ الْاَمْرِ شَیْءٌ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو متنبہ فرمایا کہ بندہ کو اختیار نہیں نہ اس کا علم محیط ہے، اللہ تعالیٰ جو چاہے سو کرے۔ اگرچہ کافر تمہارے دشمن ہیں اور ظلم پر ہیں، لیکن چاہے وہ ان کو ہدایت دے چاہے عذاب کرے تم اپنی طرف سے بددعا نہ کرو۔ بعض روایات سے ان آیات کی شان نزول کچھ اور معلوم ہوتی ہے ۔ یہاں تفصیل کی گنجائش نہیں فتح الباری میں کئی جگہ اُس پر شافی کلام کیا ہے۔ فلیراجع۔

(۱۹۰) یعنی تمام زمین آسمان میں خدائے واحد کا اختیار چلتا ہے سب اُسی کی مملوک و مخلوق ہے۔ وہ جس کو مناسب جانے ایمان کی توفیق دے کر بخش دے اور جسے چاہے کفر کی سزا میں پکڑ لے۔ شاید اخیر میں "وَاللّٰہُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ" فرما کر ارشاد کر دیا کہ ان لوگوں کو جن کے حق میں آپ بددعا کرنا چاہتے تھے، ایمان دے کر مغفرت و رحمت کا مورد بنایا جائے گا۔

(۱۹۱) **سُود کی ممانعت** جنگ اُحد کے تذکرہ میں سود کی ممانعت کا ذکر بظاہر بے تعلق معلوم ہوتا ہے۔ مگر شاید یہ مناسبت ہو کہ اُوپر اِذْ ھَمَّتْ طَّآئِفَتٰنِ مِنْكُمْ اَنْ تَفْشَلَا میں "جہاد" کے موقع پر نامردی دکھلانے کا ذکر ہوا تھا۔ اور سود کھانے سے نامردی پیدا ہوتی ہے دو سبب سے۔ ایک یہ کہ مال حرام کھانے سے توفیق طاعت کم ہوتی ہے اور بڑی طاعت جہاد ہے، دوسرے یہ کہ سُود لینا انتہائی بخل پر دلالت کرتا ہے کیونکہ سُود خوار چاہتا ہے کہ اپنا مال جتنا دیا تھا لے لے اور بیچ میں کسی کا کام نکلا۔ یہ بھی مُفت نہ چھوڑے اس کا علیحدہ معاوضہ وصول کرے۔ تو جس کو مال میں اتنا بخل ہو کر خدا کے لئے کسی کی ذرہ بھر ہمدردی نہ کر سکے۔ وہ خدا کی راہ میں جان کب دے

سکیگا ابوحیان نے لکھا ہے کہ اس وقت یہود وغیرہ سے مسلمانوں کے سودی معاملات اکثر ہوتے رہتے تھے۔ اسی لئے اُن سے تعلقات قطع کرنا مشکل تھا۔ چونکہ پہلے لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَۃً کا حکم ہو چکا ہے اور اُحد کے قصہ میں بھی منافقین یہود کی حرکات کو بہت دخل تھا اس لئے متنبہ فرمایا کہ سودی لین دین ترک کرو۔ ورنہ اسکی وجہ سے خواہی نخواہی اُن ملعونوں کے ساتھ تعلقات قائم رہیں گے جو آئندہ نقصانات اٹھانے کا موجب ہونگے۔

(۱۹۲) اس کا مطلب یہ نہیں کہ تھوڑا سود لے لیا کرو دُونے پر دونا مت لو۔ بات یہ ہے کہ جاہلیت میں سود اُسی طرح لیا جاتا تھا جیسے ہمارے یہاں کے بنیے لیتے ہیں۔ سو روپیہ دیئے اور سُود در سود بڑھاتے چلے گئے۔ یہاں تک کہ سَو روپیہ میں ہزاروں روپیہ کی جائدادوں کے مالک بن بیٹھے۔ اسی صورت کو یہاں اَضْعَافًا مُّضٰعَفَۃً سے تعبیر فرمایا۔ یعنی اوّل تو سود مطلقاً حرام و قبیح، اور یہ صورت تو بہت ہی زیادہ شنیع و قبیح ہے جیسے کوئی کہے میاں مسجد میں گالیاں مت بکو، اس کا مطلب یہ نہیں کہ مسجد سے باہر بکنے کی اجازت ہے بلکہ مزید تقبیح و تشنیع کے موقع پر ایسے الفاظ بولتے ہیں۔

(۱۹۳) یعنی سُود کھانے میں بھلا نہیں۔ بلکہ تمہارا بھلا اس میں ہے کہ خدا سے ڈر کر سود کھانا چھوڑ دو۔

(۱۹۴) یعنی سود کھانے والا دوزخ میں جاتا ہے جو اصل میں کافروں کے واسطے بنائی گئی تھی۔

وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۱۳۲﴾ وَسَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا

اور حکم مانو اللہ کا اور رسول کا تاکہ تم پر رحم ہو ف ۱۹۵ اور دوڑو بخشش کی طرف اپنے رب کی اور جنت کی طرف ف ۱۹۶ جس کا عرض ہے

السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۳۳﴾ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِى السَّرَّاۗءِ وَالضَّرَّاۗءِ وَالْكٰظِمِيْنَ

آسمان اور زمین ف ۱۹۷ تیار ہوئی ہے واسطے پرہیزگاروں کے جو خرچ کیے جاتے ہیں خوشی میں اور تکلیف میں ف ۱۹۸ اور دبا لیتے ہیں

الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ ۭ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۳۴﴾ وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْٓا

غصہ اور معاف کرتے ہیں لوگوں کو اور اللہ چاہتا ہے نیکی کرنیوالوں کو ف ۱۹۹ اور وہ لوگ کہ جب کر بیٹھیں کچھ کھلا گناہ یا برا کام کریں

اَنْفُسَھُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ ۠ وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ ڟ وَلَمْ يُصِرُّوْا

اپنے حق میں ف ۲۰۰ تو یاد کریں اللہ کو اور بخشش مانگیں اپنے گناہوں کی اور کون ہے گناہ بخشنے والا سوا اللہ کے اور اڑتے نہیں

عَلٰي مَا فَعَلُوْا وَھُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳۵﴾ اُولٰۗىِٕكَ جَزَاۗؤُھُمْ مَّغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَجَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ

اپنے کیے پر اور وہ جانتے ہیں اُنہی کی جزاء ہے بخشش اُن کے رب کی اور باغ جن کے نیچے

تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ وَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ﴿۱۳۶﴾ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ

نہریں بہتی ہیں ہمیشہ رہیں گے وہ لوگ اُن باغوں میں اور کیا خوب مزدوری ہے کام کرنیوالوں کی ف ۲۰۱ ہو چکے ہیں تم سے پہلے واقعات

فَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۱۳۷﴾ ھٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ

سو پھرو زمین میں اور دیکھو کہ کیا ہوا انجام جھٹلانے والوں کا ف ۲۰۲ یہ بیان ہے لوگوں کے واسطے

وَهُدًى وَّمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۳۸﴾

اور ہدایت اور نصیحت ہے ڈرنے والوں کو ف ۲۰۳

(۱۹۵) **اطاعت رسول کا مطلب** رسول کا حکم ماننا بھی فی الحقیقت خدا ہی کا حکم ماننا ہے کیونکہ اُس نے حکم دیا ہے کہ ہم پیغمبر کا حکم مانیں اور ان کی پوری اطاعت کریں۔ جن احمقوں کو اطاعت اور عبادت میں فرق نظر نہ آیا وہ اطاعتِ رسول کو شرک کہنے لگے۔ چونکہ جنگِ اُحد میں رسول کے حکم کی خلاف ورزی ہوئی تھی (جیسا کہ آگے آتا ہے) اس لئے آئندہ کے لئے ہشیار کیا جاتا ہے کہ خدا کی رحمت اور فلاح و کامیابی کی اُمید اُسی وقت ہو سکتی ہے۔ جب اللہ و رسول کے کہنے پر چلو۔

(۱۹۶) یعنی ان اعمال و اخلاق کی طرف جھپٹو جو حسب وعدۂ خداوندی اُس کی بخشش اور جنت کا مستحق بناتے ہیں۔

(۱۹۷) **جنّت کا عرض** چونکہ آدمی کے دماغ میں آسمان و زمین کی وسعت سے زیادہ اور کوئی وسعت نہیں آسکتی تھی، اس لئے سمجھانے کے لئے جنت کے عرض کو اُسی سے تشبیہ دی گئی۔ گویا بتلا دیا کہ جنت کا عرض زیادہ سے زیادہ سمجھو پھر جب عرض اتنا ہے تو طول کا حال خدا جانے کیا کچھ ہوگا۔

(۱۹۸) **محسنین کی صفات** یعنی نہ عیش و خوشی میں خدا کو بھولتے ہیں نہ تنگی و تکلیف کے وقت خرچ کرنے سے جان چراتے ہیں۔ ہر موقع پر اور ہر حال میں حسب مقدرت خرچ کرنے کے لئے تیار رہتے ہیں سُود خواروں کی طرح بخیل اور روپیہ کے پجاری نہیں۔ گویا جانی جہاد کے ساتھ مالی جہاد بھی کرتے ہیں۔

(۱۹۹) غصّہ کو پی جانا ہی بڑا کمال ہے اس پر مزید یہ کہ لوگوں کی زیادتی یا غلطیوں کو بالکل معاف کر دیتے ہیں اور نہ صرف معاف کرتے ہیں بلکہ احسان اور نیکی سے پیش آتے ہیں۔ غالباً پہلے جن لوگوں کی نسبت بددعا کرنے سے روکا تھا۔ یہاں اُن کے متعلق غصّہ دبانے اور عفو و درگذر سے کام لینے کی ترغیب دی گئی ہے نیز بعض صحابہ نے جنگ اُحد میں عدول حکمی کی تھی، یا فرار اختیار کیا تھا، اُن کی تقصیر معاف کرنے اور شان عفو و احسان اختیار کرنے کی طرف متوجہ کیا گیا ہے۔

(۲۰۰) یعنی کُھلم کُھلا کوئی بے حیائی کا کام کر گذریں جس کا اثر دوسروں تک متعدی ہو یا کسی اور بری حرکت کے مرتکب ہو جائیں جس کا ضرر اُن ہی کی ذات تک محدود رہے۔

(۲۰۱) یعنی خدا کی عظمت و جلال، اُس کے عذاب و ثواب، اُس کے حقوق و احکام، اُس کی عدالت کی پیشی اور وعدہ و وعید کو دل سے یاد کر کے زبان سے بھی اس کی یاد شروع کر دی۔ خوف زدہ اور مضطرب ہو کر اُسے پکارا، اُس کے سامنے سر بسجود ہوئے (جیسا کہ "صلوٰۃ التوبہ" کی حدیث میں آیا ہے)، پھر جو شرعی طریقہ گناہوں کے معاف کرانے کا ہے اُس کے موافق معافی اور بخشش طلب کی، مثلاً اہل حقوق کے حقوق ادا کئے یا اُن سے معاف کرائے اور خدا کے سامنے توبہ و استغفار کیا (کیونکہ اصل بخشنے والا تو وہی ہے) جو گناہ بمقتضائے بشریت ہو گیا تھا۔ اس پر اڑے نہیں، بلکہ یہ جان کر کہ حق تعالیٰ بندوں کی سچی توبہ قبول کرتا ہے، ندامت و اقلاع کے ساتھ توبہ کرتے ہوئے اُس کے حضور میں حاضر ہو گئے۔ یہ لوگ بھی دوسرے درجہ کے متقین میں ہیں جن کے لئے جنت تیار کی گئی ہے۔ حق تعالیٰ ان تائبین کے گناہ معاف کر کے اپنی جنت میں جگہ دے گا۔ اور جو توبہ اور عمل نیک کئے ہونگے اُن کا بہترین معاوضہ ملیگا۔

(۲۰۲) **ماضی کے واقعات سے سبق لو** یعنی تم سے بہت قومیں اور ملتیں گذر چکیں۔ بڑے بڑے واقعات پیش آچکے، خدا تعالیٰ کی عادت بھی بار بار معلوم کرا دی گئی کہ اُن میں سے جنہوں نے انبیاء علیہم السلام کی عداوت اور حق کی تکذیب پر کمر باندھی اور خدا و رسول کی تصدیق سے و اطاعت سے منہ پھیر کر حرامخوری اور ظلم و عصیان پر اصرار کرتے رہے، اُن کا کیسا بُرا انجام ہوا۔ یقین نہ ہو تو زمین میں چل پھر کر اُن کی تباہی کے آثار دیکھ لو جو آج بھی تمہارے ملک کے قریب موجود ہیں۔ ان واقعات میں غور کرنے سے معرکہ "احد" کے دونوں حریفوں کو سبق لینا چاہیئے۔ یعنی مشرکین جو پیغمبر خدا کی عداوت میں حق کو کچلنے کے لئے نکلے، اپنی تھوڑی سی عارضی کامیابی پر مغرور نہ ہوں کہ اُن کا آخری انجام

بجز ہلاکت و بربادی کے کچھ نہیں۔ اور مسلمان کفار کی سختیوں اور وحشیانہ دراز دستیوں یا اپنی ہنگامی پسپائی سے ملول و مایوس نہ ہوں کہ آخر حق غالب و منصور ہو رہے گا۔ قدیم سے سنت اللہ یہی ہے جو ٹل نہیں سکتی۔

(۲۰۳) یعنی عام لوگوں کے کان کھولنے کے لئے قرآن میں یہ مضامین بیان کئے جارہے ہیں جن کو سن کر خدا سے ڈرنے والے ہدایت و نصیحت حاصل کرتے ہیں۔ باقی جس کے دل میں خدا کا خوف نہ ہو نا صحانہ تنبیہات سے کیا منتفع ہو سکتا ہے۔

وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَنتُمُ الْأَعْلَوْنَ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ﴿١٣٩﴾ إِن يَمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ

اور سست نہ ہو اور نہ غم کھاؤ اور تم ہی غالب رہو گے اگر تم ایمان رکھتے ہو ف ۲۰۴ اگر پہنچا تم کو زخم تو پہنچ چکا

مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهُ ۚ وَتِلْكَ الْأَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا

ہے اُن کو بھی زخم ایسا ہی اور یہ دن باری باری بدلتے رہتے ہیں ہم اُن کو لوگوں میں ف ۲۰۵ اور اس لئے کہ معلوم کرے اللہ جن کو ایمان ہے ف ۲۰۶

وَيَتَّخِذَ مِنكُمْ شُهَدَاءَ ۗ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الظَّالِمِينَ ﴿١٤٠﴾ وَلِيُمَحِّصَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَ

اور کرے تم میں سے شہید اور اللہ کو محبت نہیں ظلم کرنیوالوں سے ف ۲۰۷ اور اس واسطے کہ پاک صاف کرے اللہ ایمان والوں کو اور

يَمْحَقَ الْكَافِرِينَ ﴿١٤١﴾ أَمْ حَسِبْتُمْ أَن تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللَّهُ الَّذِينَ جَاهَدُوا

مٹا دیوے کافروں کو ف ۲۰۸ کیا تم کو خیال ہے کہ داخل ہو جاؤ گے جنت میں اور ابھی تک معلوم نہیں کیا اللہ نے جو لڑنیوالے ہیں

مِنكُمْ وَيَعْلَمَ الصَّابِرِينَ ﴿١٤٢﴾ وَلَقَدْ كُنتُمْ تَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ مِن قَبْلِ أَن تَلْقَوْهُ فَقَدْ

تم میں اور معلوم نہیں کیا ثابت رہنے والوں کو ف ۲۰۹ اور تم تو آرزو کرتے تھے مرنے کی اُس کی ملاقات سے پہلے سو اب دیکھ

رَأَيْتُمُوهُ وَأَنتُمْ تَنظُرُونَ ﴿١٤٣﴾ ۱۴ ع ۵

لیا تم نے اُس کو آنکھوں کے سامنے ف ۲۱۰

(۲۰۴) **غزوہ اُحد میں مسلمانوں کی تسلی** یہ آیات جنگ اُحد کے بارہ میں نازل ہوئیں جب مسلمان مجاہدین زخموں سے چور چور ہو رہے تھے ان کے بڑے بڑے بہادروں کی لاشیں آنکھوں کے سامنے مثلہ کی ہوئی پڑی تھیں۔ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھی اشقیاء نے مجروح کر دیا تھا اور بظاہر کامل ہزیمت کے سامان نظر آرہے تھے۔ اس ہجوم شدائد و یاس میں خداوند قدوس کی آواز سنائی دی۔ وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَنتُمُ الْأَعْلَوْنَ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ (دیکھنا! سختیوں سے گھبرا کر دشمنان خدا کے مقابلہ میں نامردی اور سستی پاس نہ آنے پائے، پیش آمدہ حوادث و مصائب پر غمگین ہو کر بیٹھ رہنا مومن کا شیوہ نہیں۔ یاد رکھو آج بھی تم ہی معزز و سربلند ہو کہ حق کی حمایت میں تکلیفیں اُٹھا رہے اور جانیں دے رہے ہو اور یقیناً آخری فتح بھی تمہاری ہے انجام کار تم ہی غالب ہو کر رہو گے۔ بشرطیکہ ایمان و ایقان کے راستہ پر مستقیم رہو اور حق تعالیٰ کے وعدوں پر کامل وثوق رکھتے ہوئے اطاعت رسول اور جہاد فی سبیل اللہ سے قدم پیچھے نہ ہٹاؤ) اس خدائی آواز نے ٹوٹے ہوئے دلوں کو جوڑ دیا اور پژمردہ جسموں میں حیات تازہ پھونک دی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ کفار جو بظاہر غالب آچکے تھے، زخم خوردہ مجاہدین کے جوابی حملہ کی تاب نہ لا سکے اور سر پر پاؤں رکھ کر میدان سے بھاگے۔

(۲۰۵) مسلمانوں کو جنگ میں جو شدید نقصان اٹھانا پڑا تھا اُس سے سخت شکستہ خاطر تھے۔ مزید براں منافقین اور دشمنوں کے طعنے سن کر اور زیادہ اذیت پہنچتی تھی۔ کیونکہ منافقین کہتے تھے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سچے پیغمبر ہوتے تو یہ نقصانات کیوں پہنچتے۔ یا تھوڑی دیر کے لئے بھی

عارضی ہزیمت کیوں پیش آئی۔ حق تعالیٰ نے ان آیات میں مسلمانوں کو تسلی دی کہ اگر اس لڑائی میں تم کو زخم پہنچایا تکلیف اٹھانی پڑی تو اس طرح کے حوادث فریق مقابل کو پیش آچکے ہیں اُحد میں تمہارے چھپتر آدمی شہید اور بہت سے زخمی ہوئے، تو ایک سال پہلے بدر میں اُن کے ستر جہنم رسید اور بہت سے زخمی ہو چکے ہیں۔ اور خود اس لڑائی میں بھی ابتداءً اُن کے بہت آدمی مقتول و مجروح ہوئے جیسا کہ وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗۤ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ کے الفاظ سے ظاہر ہے۔ پھر بدر میں اُن کے ستر آدمی ذلت کے ساتھ قید ہوئے۔ تمہارے ایک فرد نے بھی یہ ذلت قبول نہ کی۔ بہرحال اپنے نقصان کا اُن کے نقصان سے مقابلہ کرو تو غم و افسوس کا کوئی موقع نہیں۔ نہ اُن کے لئے کبر و غرور سے سر اُٹھانے کی جگہ ہے۔ باقی ہماری عادت ہمیشہ یہ رہی ہے کہ سختی نرمی دُکھ سُکھ تکلیف و راحت کے دنوں کو لوگوں میں ادل بدل کرتے رہتے ہیں جس میں بہت سی حکمتیں مضمر ہیں پھر جب وہ دُکھ اُٹھا کر باطل کی حمایت میں ہمت نہیں ہارے، تو تم حق کی حمایت میں کیونکر ہمت ہار سکتے ہو

(۲۰۶) یعنی سچے ایمان والوں کو منافقوں سے الگ کر دے۔ دونوں کا رنگ صاف صاف اور جُدا جُدا نظر آنے لگے۔

(۲۰۷) "ظالمین" سے مراد اگر مشرکین ہیں جو "اُحد" میں فریق مقابل تھے۔ تو یہ مطلب ہوگا کہ اُن کی عارضی کامیابی کا سبب یہ نہیں کہ خدا اُن سے محبت کرتا ہے۔ بلکہ دوسرے اسباب ہیں۔ اور منافقین مراد ہوں جو عین موقع پر مسلمانوں سے الگ ہو گئے تھے۔ تو یہ بتلادیا کہ خدا کی نزدیک مبغوض تھے، اس لئے ایمان و شہادت کے مقام سے اُنہیں دور پھینک دیا گیا۔

(۲۰۸) یعنی فتح اور شکست بدلتی چیز ہے اور مسلمانوں کو شہادت کا مقام بلند عطا فرمانا تھا۔ مومن و منافق کا پرکھنا مسلمانوں کو سدھانا، یا ذنوب سے پاک کرنا، اور کافروں کو آہستہ آہستہ مٹا دینا منظور تھا کہ جب وہ اپنے عارضی غلبہ اور وقتی کامیابی پر مسرور و مغرور ہو کر کفر و طغیان میں بیش از بیش غلو کریں گے۔ خدا کے قہر و غضب کے اور زیادہ مستحق ہونگے اس واسطے یہ عارضی ہزیمت مسلمانوں کو ہوئی۔ نہیں تو اللہ کافروں سے راضی نہیں ہے۔

(۲۰۹) **صبر اور مجاہدہ کے بغیر جنت نہیں ملتی** | یعنی جنت کے جن اعلیٰ مقامات اور بلند درجات پر خدا تم کو پہنچانا چاہتا ہے۔ کیا تم سمجھتے ہو کہ بس یونہی آرام سے وہاں جا پہنچیں گے اور خدا تمہارا امتحان لے کر یہ نہ دیکھیگا کہ تم میں کتنے خدا کی راہ میں لڑنے والے اور کتنے لڑائی کے وقت ثابت قدم رہنے والے ہیں۔ ایسا خیال نہ کرنا۔ مقامات عالیہ پر وہ ہی لوگ فائز کئے جاتے ہیں جو خدا کے راستہ میں ہر طرح کی سختیاں جھیلنے اور قربانیاں پیش کرنے کے لئے تیار ہوں ؎ یہ رتبہ بلند ملا جس کو مل گیا۔ ہر مدعی کے واسطے دار و رسن کہاں۔

(۲۱۰) جو صحابہ بدر کی شرکت سے محروم رہ گئے تھے، شہداء بدر کے فضائل سُن سُن کر تمنا کیا کرتے تھے کہ خدا پھر کوئی موقع لائے جو ہم بھی خدا کی راہ میں مارے جائیں اور شہادت کے مراتب حاصل کریں۔ انہی حضرات نے اُحد میں یہ مشورہ دیا تھا کہ مدینہ سے باہر نکل کر لڑنا چاہئے۔ اُن کو فرمایا کہ جس چیز کی پہلے تمنا رکھتے تھے وہ تمہاری آنکھوں کے سامنے آچکی اب آگے بڑھنے کے بجائے پیچھے ہٹنا کیسا؟ حدیث میں ہے کہ لقاءِ عدو کی تمنا مت کرو اور جب ایسا موقع پیش آجائے تو ثابت قدم رہو۔

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ؕ اَفَا۟ئِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰۤى

اور محمد تو ایک رسول ہے ہو چکے اُس سے پہلے بہت رسول پھر کیا اگر وہ مر گیا یا مارا گیا تو تم پھر جاؤ گے اُلٹے

اَعْقَابِكُمْ ؕ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْئًا ؕ وَسَيَجْزِى اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۴۴﴾

پاؤں اور جو کوئی پھر جائے گا اُلٹے پاؤں تو ہرگز نہ بگاڑیگا اللہ کا کچھ اور اللہ ثواب دے گا شکر گذاروں کو ف ۲۱۱

(۲۱۱) **آنحضرت صلعم کی خبر شہادت پر مسلمانوں سے خطاب** | واقعہ یہ ہے کہ اُحد میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنفس نفیس نقشہ جنگ قائم

کیا۔ تمام صفوف درست کرنے کے بعد پہاڑ کا ایک درّہ باقی رہ گیا۔ جہاں سے اندیشہ تھا کہ دشمن لشکر اسلام کے عقب پر حملہ آور ہو جائے اُس پر آپ نے پچاس تیر اندازوں کو جن کے سردار حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ تھے، مامور فرما کر تاکید کر دی کہ ہم خواہ کسی حالت میں ہوں تم یہاں سے مت ٹلنا۔ مسلمان غالب ہوں یا مغلوب، حتّٰی کہ اگر تم دیکھو کہ پرندے اُن کا گوشت نوچ کر کھا رہے ہیں تب بھی اپنی جگہ مت چھوڑنا۔ وانا لن نزال غالبین ما ثبتم مکانکم (بغوی) ہم برابر اُس وقت تک غالب رہیں گے جب تک تم اپنی جگہ قائم رہو گے الغرض فوج کو پوری ہدایت دینے کے بعد جنگ شروع کی گئی۔ میدانِ کارزار گرم تھا، غازیانِ اسلام بڑھ بڑھ کر جوہر شجاعت دکھا رہے تھے ابو دُجانہ، علی مرتضیٰ اور دوسرے مجاہدین کی بسالت و بے جگری کے سامنے مشرکین قریش کی کمریں ٹوٹ چکی تھیں۔ اُن کو راہ فرار کے سوا اب کوئی راستہ نظر نہ آتا تھا کہ حق تعالیٰ نے اپنا وعدہ پورا کر دکھایا۔ کفّار کو شکست فاش ہوئی۔ وہ بدحواس ہو کر بھاگے۔ اُن کی عورتیں جو غیرت دلانے کو آئی تھیں پائنچے چڑھا کر ادھر اُدھر بھاگتی نظر آئیں۔ مجاہدین نے مال غنیمت پر قبضہ کرنا شروع کر دیا۔ یہ منظر جب تیر اندازوں نے دیکھا تو سمجھے کہ اب فتح کامل ہو چکی دشمن بھاگ رہا ہے، یہاں بیکار ٹھہرنا کیا ضروری ہے چل کر دشمن کا تعاقب کریں اور غنیمت میں حصّہ لیں۔ عبداللہ بن جُبیر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد اُن کو یاد دلایا وہ سمجھے کہ آپ کے ارشاد کا اصلی منشا ہم پورا کر چکے ہیں۔ یہاں ٹھہرنے کی حاجت نہیں۔ یہ خیال کر کے سب غنیمت پر جا پڑے۔ صرف عبداللہ بن جبیر اور اُن کے گیارہ ساتھی درّہ کی حفاظت پر باقی رہ گئے۔ مشرکین نے کے سواروں کا رسالہ خالد بن الولید کے زیر کمان تھا جو اس وقت تک "حضرت" "خالد" رضی اللہ عنہ" نہیں بنے تھے) اُنہوں نے پلٹ کر درّہ کی طرف سے حملہ کر دیا۔ دس بارہ تیر انداز ڈھائی سو سواروں کی یلغار کو کہاں روک سکتے تھے، تاہم عبداللہ بن جبیر اور اُن کے رفقاء نے مدافعت میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا۔ اور اسی میں جان دیدی۔ مسلمان مجاہدین اپنے عقب سے مطمئن تھے کہ ناگہاں مشرکین کا رسالہ اُن کے سروں پر جا پہنچا اور سامنے سے مشرکین کی فوج جو بھاگی جا رہی تھی، پیچھے پلٹ پڑی، مسلمان دونوں طرف سے گھر گئے اور بہت زور کا رن پڑا۔ کتنے ہی مسلمان شہید اور زخمی ہوئے۔ اُسی افراتفری میں ابن قمیہ نے ایک بھاری پتھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر پھینکا۔ جس سے دندان مبارک شہید اور چہرۂ انور زخمی ہوا۔ ابن قمیئہ نے چاہا کہ آپ کو قتل کرے، مگر مصعب بن عمیر نے (جن کے ہاتھ میں اسلام کا جھنڈا تھا) مدافعت کی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم زخم کی شدۃ سے زمین پر گرے۔ کسی شیطان نے آواز لگا دی کہ آپ قتل کر دیے گئے، یہ سنتے ہی مسلمانوں کے ہوش خطا ہو گئے اور پاؤں اُکھڑ گئے بعض مسلمان ہاتھ پاؤں چھوڑ کر بیٹھ رہے۔ بعض ضعفا کو خیال ہوا کہ مشرکین کے سردار ابوسفیان سے امن حاصل کر لیں۔ بعض منافقین کہنے لگے کہ جب محمد قتل کر دیے گئے تو اسلام چھوڑ کر اپنے قدیم مذہب میں واپس چلا جانا چاہیئے اس وقت انس بن مالک کے چچا انس ابن النضر نے کہا کہ اگر محمد مقتول ہو گئے تو ربِّ محمد تو مقتول نہیں ہوا حضورؐ کے بعد تمہارا زندہ رہنا کس کام کا ہے۔ جس چیز پر آپ قتل ہوئے تم بھی اُسی پر کٹ مرو اور جس چیز پر آپ نے جان دی ہے۔ اسی پر تم بھی جان دے دو۔ یہ کہہ کر آگے بڑھے، حملہ کیا، لڑے اور مارے گئے رضی اللہ عنہ۔ اسی اثناء میں حضورؐ نے آواز دی اِلَیَّ عِبَادَ اللّٰہِ اَنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ (اللہ کے بندو ادھر آؤ! میں خدا کا پیغمبر ہوں) کعب بن مالک آپ کو پہچان کر چلائے "یا معشر المسلمین" مسلمانو! بشارت حاصل کرو!! رسول اللہ یہاں موجود ہیں"۔ آواز کا سُننا تھا کہ مسلمان اُدھر ہی سمٹنا شروع ہو گئے۔ تیس صحابہ نے آپ کے قریب ہو کر مدافعت کی اور مشرکین کی فوج کو منتشر کر دیا۔ اس موقع پر سعد بن ابی وقاص طلحہ، ابوطلحہ اور قتادہ بن النعمان وغیرہ نے بڑی جانبازیاں دکھلائیں آخر مشرکین میدان چھوڑ کر چلے جانے پر مجبور ہوئے اور یہ آیات نازل ہوئیں۔ وما محمد الا رسول الخ یعنی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بھی آخر خدا تو نہیں۔ ایک رسول ہیں ان سے پہلے کتنے رسول گزر چکے جن کے بعد اُن کے متبعین نے دین کو سنبھالا اور جان و مال فدا کر کے قائم رکھا۔ آپ کا اس دنیا سے گذرنا بھی کچھ اچنبھا نہیں۔ اس وقت نہ سہی۔ اگر کسی وقت آپ کی وفات ہو گئی یا شہید کر دیے گئے۔ تو کیا تم دین کی خدمت و حفاظت کے راستہ

سے اُلٹے پاؤں پھر جاؤ گے اور جہاد فی سبیل اللہ ترک کر دو گے (جیسے اس وقت محض خبر قتل سُن کر بہت سے لوگ حوصلہ چھوڑ کر بیٹھنے لگے تھے) یا منافقین کے مشورہ کے موافق العیاذ باللہ سرے سے دین کو خیر باد کہہ دو گے۔ تم سے ایسی اُمید ہرگز نہیں۔ اور کسی نے ایسا کیا تو اپنا ہی نقصان کرے گا۔ خدا کا کیا بگاڑ سکتا ہے۔ وہ تمہاری مدد کا محتاج نہیں بلکہ تم شکر کرو اگر اس نے اپنے دین کی خدمت میں لگا لیا ؎ منت منہ کہ خدمت سلطاں ہمی کنم ٭ منت شناس ازو کہ بخدمت گذاشتت اور شکر یہی ہے کہ ہم بیش از بیش خدمت دین میں مضبوط و ثابت قدم ہوں۔ اس میں اشارہ نکلتا ہے کہ حضرت کی وفات پر بعضے لوگ دین سے پھر جائیں گے اور جو قائم رہینگے انکو بڑا ثواب ملے گا اسی طرح ہوا بہت لوگ حضرت کے بعد مرتد ہوئے۔ صدیق اکبرؓ نے اُن کو پھر مسلمان کیا اور بعض مارے گئے۔

ایک علمی تحقیق قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِہِ الرُّسُلُ میں "خلت" "خلو" سے مشتق ہے جس کے معنی "ہو چکنے" "گذرنے اور چھوڑ کر چلے جانے" کے ہیں۔ اس کے لئے موت لازم نہیں جیسے فرمایا وَاِذَا لَقُوْكُمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَاِذَا خَلَوْا عَضُّوْا عَلَيْكُمُ الْاَنَامِلَ یعنی جب تمہیں چھوڑ کر علیحدہ ہوتے ہیں۔ نیز "الرسل" میں لام استغراق نہیں، لام جنس ہے۔ کیونکہ اثبات مدعا میں استغراق کو کوئی دخل نہیں بعینہ اسی قسم کا جملہ حضرت مسیح کی نسبت فرمایا: مَا الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ۔ کیا لام استغراق لیکر اس کے یہ معنی ہونگے کہ تمام پیغمبر مسیح سے پہلے گذر چکے۔ کوئی اُن کے بعد آنے والا نہ رہا۔ لا محالہ لام جنس لینا ہوگا۔ وہ ہی یہاں لیا جائے اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ عبداللہ بن مسعود کے مصحف اور ابن عباس کی قرات میں "الرسل" نہیں "رسلٌ" نکرہ ہے باقی "خلو" کی تفصیل میں صرف موت یا قتل کا ذکر اس لئے کیا کہ موت طبعی بہر حال آنے والی تھی اور قتل کی خبر اُس وقت مشہور کی گئی تھی۔ اور چونکہ صورت موت کا وقوع میں آنا مقدر تھا اس لئے اس کو قتل پر مقدم کیا گیا۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضورؐ کی وفات کے بعد جب صحابہ کے مجمع میں یہ پوری آیت "الشاکرین" تک بلکہ آیت اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ بھی پڑھی تو لوگ "قد خلت" اور "افائن مات" اور "انک میت" سے "خلو" اور "موت" کے جواز و عدم استبعاد پر متنبہ ہو گئے۔ جو صدیق اکبر کی غرض تھی۔ موت کے واقع ہو چکنے پر نہ صدیق اکبر نے اس سے استدلال کیا نہ کسی اور نے سمجھا۔ اگر یہ الفاظ موت واقع ہو چکنے کی خبر دیتے تو چاہئے تھا کہ نزول آیت کے وقت یعنی وفات کے سات برس پہلے ہی سمجھ لیا جاتا کہ آپ کی وفات ہو چکی ہے۔ اس تقریر سے بعض محرفین کی سب تحریفات ہَبَاءً مَّنْثُوْرًا ہو جاتی ہیں۔ بخوف تطویل ہم زیادہ بسط نہیں کر سکتے۔ اہل علم کے لئے اشارے کر دیے ہیں۔

وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ كِتٰبًا مُّؤَجَّلًا ؕ وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ

اور کوئی مر نہیں سکتا بغیر حکم اللہ کے لکھا ہوا ہے ایک وقت مقرر ۲۱۲ اور جو کوئی چاہیگا بدلہ دنیا کا دیوینگے ہم اُسکو

مِنْهَا ۚ وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الْاٰخِرَةِ نُؤْتِهٖ مِنْهَا ؕ وَسَنَجْزِی الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۴۵﴾ وَكَاَيِّنْ مِّنْ نَّبِيٍّ

دنیا ہی سے ۲۱۳ اور جو کوئی چاہیگا بدلہ آخرت کا اُس میں سے دیوینگے ہم اُسکو ۲۱۴ اور ہم ثواب دینگے احسان ماننے والوں کو ۲۱۵ اور بہت نبی ہیں جن کے ساتھ

قٰتَلَ ۙ مَعَهٗ رِبِّيُّوْنَ كَثِيْرٌ ۚ فَمَا وَهَنُوْا لِمَآ اَصَابَهُمْ فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَمَا ضَعُفُوْا وَمَا

ہو کر لڑے ہیں بہت خدا کے طالب پھر نہ ہارے ہیں کچھ تکلیف پہنچنے سے اللہ کی راہ میں اور نہ سُست ہوئے ہیں اور نہ

اسْتَكَانُوْا ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۴۶﴾

دب گئے ہیں اور اللہ محبت کرتا ہے ثابت قدم رہنے والوں سے ۲۱۶

(۲۱۲) **موت کا وقت معین ہے** | جب کوئی شخص بدون حکم الٰہی کے نہیں مر سکتا خواہ کتنے ہی اسباب موت کے جمع ہوں اور ہر ایک کی موت وقت مقدر پر آنی ضرور ہے خواہ بیماری سے ہو یا قتل سے یا کسی اور سبب سے تو خدا پر توکل کرنیوالوں کو اُس سے گھبرانا نہیں چاہئے اور نہ کسی بڑے یا چھوٹے کی موت کو سُن کر مایوس و بددل ہو کر بیٹھ رہنا چاہئے۔

(۲۱۳) یعنی اگر چاہیں۔ کَمَا قَالَ عَجَّلْنَا لَهٗ فِيْهَا مَا نَشَآءُ لِمَنْ نُّرِيْدُ ۝ (بنی اسرائیل رکوع ۲)۔

(۲۱۴) یعنی اُس کو آخرت میں یقیناً بدلہ ملیگا۔ اس آیت کے پہلے جملہ میں اُن لوگوں پر تعریض ہے جنہوں نے مالِ غنیمت کی طمع میں عدول حکمی کی۔ اور دوسرے میں اُن کا ذکر ہے جو برابر فرمانبرداری پر ثابت قدم رہے۔

(۲۱۵) **شدائد میں صبر کی تلقین** | یعنی جو لوگ اس دین پر ثابت قدم رہیں گے اُن کو دین بھی ملے گا اور دنیا بھی۔ لیکن جو کوئی اس نعمت کی قدر جانے (کذا فی الموضح)۔

(۲۱۶) یعنی تم سے پہلے بہت اللہ والوں نے نبیوں کے ساتھ ہو کر کفار سے جنگ کی ہے۔ جس میں بہت تکلیفیں اور سختیاں اٹھائیں سے لیکن اُن شدائد و مصائب سے نہ اُن کے ارادوں میں سستی ہوئی نہ ہمت ہارے نہ کمزوری دکھائی۔ نہ دشمن کے سامنے دبے۔ اللہ تعالیٰ ایسے ثابت قدم رہنے والوں سے خاص محبت کرتا ہے۔ یہ اُن مسلمانوں کو تنبیہ فرمائی اور غیرت دلائی جنہوں نے اُحد میں کمزوری دکھائی تھی حتیٰ کہ بعض نے یہ کہہ دیا تھا کہ کسی کو بیچ میں ڈال کر ابوسفیان سے امن حاصل کر لیا جائے۔ مطلب یہ ہے کہ جب پہلی اُمتوں کے حق پرستوں نے مصائب و شدائد میں اس قدر صبر و استقلال کا ثبوت دیا تو اس اُمت کو (جو خیر الامم ہے) اُن سے بڑھ کر صبر و استقامت کا ثبوت دینا چاہئے۔

وَمَا كَانَ قَوْلَهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوْا رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَاِسْرَافَنَا فِيْٓ اَمْرِنَا وَثَبِّتْ

اور کچھ نہیں بولے مگر یہی کہا کہ اے رب ہمارے بخش ہمارے گناہ اور جو ہم سے زیادتی ہوئی ہمارے کام میں اور ثابت رکھ

اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ۝۱۴۷ فَاٰتٰىهُمُ اللّٰهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا وَحُسْنَ ثَوَابِ

قدم ہمارے اور مدد دے ہم کو قوم کفار پر ف۲۱۷ پھر دیا اللہ نے اُن کو ثواب دنیا کا اور خوب ثواب

الْاٰخِرَةِ ۭ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ۝۱۴۸ ع يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تُطِيْعُوا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَرُدُّوْكُمْ ۱۵

آخرت کا اور اللہ محبت رکھتا ہے نیک کام کرنیوالوں سے ف۲۱۸ اے ایمان والو اگر تم کہا مانو گے کافروں کا تو وہ تم کو پھیر دیں گے

عَلٰٓي اَعْقَابِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ ۝۱۴۹ بَلِ اللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ ۚ وَهُوَ خَيْرُ النّٰصِرِيْنَ ۝۱۵۰ سَنُلْقِيْ فِيْ

اُلٹے پاؤں پھر جا پڑو گے تم نقصان میں ف۲۱۹ بلکہ اللہ تمہارا مددگار ہے اور اُس کی مدد سب سے بہتر ہے ف۲۲۰ اب ڈالیں گے ہم

قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ بِمَآ اَشْرَكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا ۚ وَمَاْوٰىهُمُ

کافروں کے دل میں ہیبت اس واسطے کہ انہوں نے شریک ٹھہرایا اللہ کا جس کی اُس نے کوئی سند نہیں اُتاری اور اُن کا ٹھکانا

النَّارُ ۭ وَبِئْسَ مَثْوَى الظّٰلِمِيْنَ ۝۱۵۱

دوزخ ہے اور وہ بُرا ٹھکانا ہے ظالموں کا ف۲۲۱

(۲۱۷) **صابرین کی دعاء** | یعنی مصائب و شدائد کے ہجوم میں نہ گھبراہٹ کی کوئی بات کہی نہ مقابلہ سے ہٹ جانے اور دشمن کی اطاعت قبول کرنے کا ایک لفظ زبان سے نکالا۔ بولے تو یہی بولے کہ خداوندا! تو ہم سب کی تقصیرات اور زیادتیوں کو معاف فرما دے۔ ہمارے دلوں

کو مضبوط و مستقل رکھ۔ تاہمارا قدم جادۂ حق سے نہ لڑکھڑائے اور ہم کو کافروں کے مقابلہ میں مدد پہنچا وہ سمجھے کہ بسا اوقات مصیبت کے آنے میں لوگوں کے گناہوں اور کوتاہیوں کو دخل ہوتا ہے۔ اور ہم میں کون دعویٰ کرسکتا ہے کہ اُس سے کبھی کوئی تقصیر نہ ہوئی مگر بہرحال بجائے اس کے کہ مصیبت سے گھبرا کر مخلوق کی طرف جھکتے اپنے خالق و مالک کی طرف جھکے۔

(۲۱۸) یعنی دنیا میں اُن کی فتح وظفر کا سکّہ بٹھادیا وجاہت وقبول عطا کیا اور آخرت کا جو بہترین ثواب ملا اُس کا تو پوچھنا ہی کیا ہے دیکھو جو لوگ خدا تعالیٰ سے اپنا معاملہ ٹھیک رکھیں اور نیک کام کریں اُن سے خدا ایسی محبّت کرتا ہے اور ایسا پھل دیتا ہے۔

(۲۱۹) **کفّار کے مشورہ پر عمل نہ کرو** یعنی جنگ اُحد میں مسلمانوں کے دل ٹوٹے تو کافروں اور منافقوں نے موقع پایا۔ بعض الزام اور طعنے دینے لگے۔ بعض خیر خواہی کے پردہ میں سمجھانے لگے تاآیندہ لڑائی پر دلیری نہ کریں حق تعالیٰ خبردار کرتا ہے کہ دشمن کا فریب مت کھاؤ۔ اگر خدا نہ کردہ ان کے حکموں میں آ گئے تو جس ظلمت سے خدا نے نکالا ہے پھر اُلٹے پاؤں اُسی میں جا گروگے اور رفتہ رفتہ دین حق کا دامن ہاتھ سے چھوٹ جائیگا۔ جس کا نتیجہ دنیا و آخرت کے خسارے کے سوا کچھ نہیں۔ پہلے اللہ والوں کی راہ پر چلنے کی ترغیب دی تھی۔ یہاں بد باطن شریروں کا کہا ماننے سے منع کیا تا مسلمان ہوشیار رہیں اور اپنا نفع نقصان سمجھ سکیں۔

(۲۲۰) لہٰذا اُسی کا کہنا ماننا چاہئے اور اُسی کی مدد پر بھروسہ رکھنا چاہئے جس کی مدد پر خدا ہو اُس کو کیا حاجت ہے کہ دشمنانِ خدا کی مدد کا منتظر رہے یا اُن کے سامنے گردن اطاعت خم کرے۔ حدیث میں ہے کہ اُحد سے واپسی کے وقت ابوسفیان نے "ہبل" کی جے پکاری اور کہا "لنا العزّیٰ ولا عزّیٰ لکم" آپ نے فرمایا جواب دو "اللہ مولانا ولا مولیٰ لکم"۔

(۲۲۱) **کفّار کے دلوں پر مُسلمانوں کا رُعب** یعنی یہ تو تمہارا امتحان تھا۔ اب ہم کافروں کے دلوں میں ایسی ہیبت اور رُعب ڈالدیں گے کہ وہ باوجود تمہارے زخمی اور کمزور ہونے اور نقصان اٹھانے کے تم پر پلٹ کر حملہ کرنے کی جرأت نہ کرسکیں۔ چنانچہ یہ ہی ہوا۔ ابوسفیان رضؓ اپنی فوج لے کر بے نیل ومرام میدان سے بھاگا۔ راستہ میں ایک مرتبہ خیال بھی آیا کہ ایک تھکی ماندی زخم خوردہ فوج کو ہم یوں ہی آزاد چھوڑ کر چلے آئے چلو پھر واپس ہو کر ان کا کام تمام کردیں۔ مگر ہیبت حق اور رعب اسلام کے اثر سے ہمت نہ ہوئی کہ اس خیال کو عمل میں لاسکے۔ برخلاف اس کے مسلمان مجاہدین نے "حمراء الاسد" تک اُن کا تعاقب کیا۔ اور اس کے بعد کبھی موقع نہ دیا کہ اُحد کے واقعات کا اعادہ ہوسکے۔ (تنبیہ) مشرک خواہ کتنا ہی زور دکھلائے اُس کا دل کمزور ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ کمزور مخلوق کی عبادت کرتا ہے۔ بس جیسا معبود ویسے عابد ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ (الحج رکوع ۱۰) اور ویسے بھی اصلی زور و قوت تو فی الحقیقت خدا کی تائید و امداد سے ہے جس سے کفّار مشرکین یقیناً محروم ہیں اسی لئے جب تک مسلمان مسلمان رہے ہمیشہ کفار اُن سے خائف و مرعوب رہے۔ بلکہ ہم آج تک مشاہدہ کرتے ہیں کہ باوجود مسلمانوں کے سخت انتشار و تشتّت اور ضعف و تنزل کے دنیا کی تمام کافر طاقتیں اس سوئے ہوئے زخمی شیر سے ڈرتی رہتی ہیں اور ہمیشہ فکر رکھتی ہیں کہ یہ قوم بیدار ہونے نہ پائے۔ علمی اور مذہبی مناظروں میں بھی اسلام کا یہی رُعب مشاہدہ کیا جاتا ہے۔ حدیث میں آپ نے فرمایا کہ میرا رُعب ایک مہینہ کی مسافت سے دشمنوں کے دل میں ڈال دیا جاتا ہے بیشک اُسی کا اثر ہے جو اُمّتِ مسلمہ کو ملا فللّٰہ الحمد علیٰ ذٰلک ولہُ المنّۃ۔

وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗٓ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ ۚ حَتّٰٓى اِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِى

اور اللہ تو سچا کرچکا تم سے اپنا وعدہ جب تم قتل کرنے لگے اُنکو اُسکے حکم سے ف۲۲۲ یہاں تک کہ جب تم نے نامردی کی اور کام میں جھگڑا

الْاَمْرِ وَعَصَيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَآ اَرٰىكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ ۭ مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ

ڈالا اور نافرمانی کی ف۲۲۳ بعد اس کے کہ تم کو دکھا چکا تمہاری خوشی کی چیز کوئی تم میں سے چاہتا تھا دنیا اور کوئی تم میں چاہتا تھا

الْاٰخِرَةَ ۚ ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ لِيَبْتَلِيَكُمْ ۚ وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ ۗ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿١٥٢﴾

آخرت ۲۲۴ف پھر تم کو اُلٹ دیا اُن پر سے تاکہ تم کو آزماوے ۲۲۵ف اور وہ تو تم کو معاف کر چکا ۲۲۶ف اور اللہ کا فضل ہے ایمان والوں پر ۲۲۷ف

اِذْ تُصْعِدُوْنَ وَلَا تَلْوٗنَ عَلٰٓى اَحَدٍ وَّالرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ فِيْٓ اُخْرٰىكُمْ فَاَثَابَكُمْ غَمًّۢا بِغَمٍّ لِّكَيْلَا

جب تم چڑھے چلے جاتے تھے اور پیچھے پھر کر نہ دیکھتے تھے کسی کو اور رسول پکارتا تھا تم کو تمہارے پیچھے سے ۲۲۸ف پھر پہنچا تم کو غم عوض میں غم کے تاکہ تم غم نہ

تَحْزَنُوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَلَا مَآ اَصَابَكُمْ ۗ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿١٥٣﴾ ثُمَّ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ

کیا کرو اُس پر جو ہاتھ سے نکل جاوے اور نہ اُس پر کہ جو کچھ پیش آجاوے ۲۲۹ف اور اللہ کو خبر ہے تمہارے کام کی ۲۳۰ف پھر تم پر اُتارا

مِّنْۢ بَعْدِ الْغَمِّ اَمَنَةً نُّعَاسًا يَّغْشٰى طَآئِفَةً مِّنْكُمْ ۙ وَطَآئِفَةٌ قَدْ اَهَمَّتْهُمْ اَنْفُسُهُمْ

تنگی کے بعد امن کو جو اُونگھ تھی کہ ڈھانک لیا اُس اُونگھ نے بعضوں کو تم میں سے ۲۳۱ف اور بعضوں کو فکر پڑ رہا تھا اپنی جان کا ۲۳۲ف

يَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ ۭ يَقُوْلُوْنَ هَلْ لَّنَا مِنَ الْاَمْرِ مِنْ شَيْءٍ ۭ قُلْ اِنَّ

خیال کرتے تھے اللہ پر جھوٹے خیال جاہلوں جیسے ۲۳۳ف کہتے تھے کچھ بھی کام ہے ہمارے ہاتھ میں ۲۳۴ف تو کہہ سب

الْاَمْرَ كُلَّهٗ لِلّٰهِ ۭ يُخْفُوْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ مَّا لَا يُبْدُوْنَ لَكَ ۭ يَقُوْلُوْنَ لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْاَمْرِ

کام ہے اللہ کے ہاتھ ۲۳۵ف وہ اپنے جی میں چھپاتے ہیں جو تجھ سے ظاہر نہیں کرتے کہتے ہیں اگر کچھ کام ہوتا ہمارے

شَيْءٌ مَّا قُتِلْنَا هٰهُنَا ۭ قُلْ لَّوْ كُنْتُمْ فِيْ بُيُوْتِكُمْ لَبَرَزَ الَّذِيْنَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ اِلٰى

ہاتھ تو ہم مارے نہ جاتے اس جگہ ۲۳۶ف تو کہہ اگر تم ہوتے اپنے گھروں میں البتہ باہر نکلتے جن پر لکھ دیا تھا مارا جانا اپنے

مَضَاجِعِهِمْ ۚ وَلِيَبْتَلِيَ اللّٰهُ مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ وَلِيُمَحِّصَ مَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ ۭ وَاللّٰهُ

پڑاؤ پر ۲۳۷ف اور اللہ کو آزمانا تھا جو کچھ تمہارے جی میں ہے اور صاف کرنا تھا اُس کا جو تمہارے دل میں ہے اور اللہ

عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿١٥٤﴾

جانتا ہے دلوں کے بھید ۲۳۸ف

(۲۲۲) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے ہی فرمادیا تھا کہ اگر صبر واستقلال سے کام لو گے، حق تعالیٰ تم کو غالب کرے گا۔ چنانچہ خدا نے اپنا وعدہ ابتدائے جنگ میں سچا کر دکھایا، انہوں نے خدا کے حکم سے کفار کو مار مار کر ڈھیر کر دیا۔ سات یا نو آدمی جن کے ہاتھ میں مشرکین کا جھنڈا یکے بعد دیگرے دیا گیا تھا، سب وہیں کھیت ہوئے آخر بدحواس ہو کر بھاگے مسلمان فتح وکامرانی کا چہرہ صاف دیکھ رہے تھے اور اموال غنیمت اُن کے سامنے پڑے تھے کہ تیر اندازوں کی غلطی سے خالد بن الولید نے فائدہ اٹھایا اور یک بیک لڑائی کا نقشہ بدل دیا۔ جیسا کہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں۔

(۲۲۳) **نافرمانی مسلمانوں کی کمزوری سے** یعنی پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو حکم تیر اندازوں کو دیا تھا اس کا خلاف کیا اور آپس میں جھگڑنے لگے کوئی کہتا تھا کہ ہم کو یہیں جمے رہنا چاہیئے۔ اکثر نے کہا اب یہاں ٹھہرنے کی ضرورت نہیں۔ چل کر غنیمت حاصل کرنی چاہیئے آخر اکثر تیر انداز اپنی جگہ چھوڑ کر چلے گئے۔ مشرکین نے اسی راستہ سے دفعتہً حملہ کر دیا۔ دوسری طرف حضورؐ کے قتل کی خبر مشہور ہو گئی۔ ان سے

چیزوں نے قلوب میں کمزوری پیدا کر دی جس کا نتیجہ فشل وجبن کی صورت میں ظاہر ہوا۔ گویا فشل کا سبب تنازع اور تنازع کا سبب عصیان تھا

(۲۲۴) یعنی بعضے لوگ دنیوی متاع (مالِ غنیمت) کی خوشی میں پھسل پڑے۔ جس کا خمیازہ سب کو بھگتنا پڑا۔ ابن مسعود فرماتے ہیں کہ اس آیت کے نزول سے پہلے میں نے کبھی محسوس نہ کیا تھا کہ ہم میں کوئی آدمی دنیا کا طالب بھی ہے۔

(۲۲۵) یعنی یا تو وہ تمہارے سامنے سے بھاگ رہے تھے، اب تم اُن کے آگے سے بھاگنے لگے۔ تمہاری غلطی اور کوتاہی سے معاملہ اُلٹا اور اُس میں بھی تمہاری آزمائش تھی۔ تاپکے اور کچے صاف ظاہر ہو جائیں۔

(۲۲۶) یعنی جو غلطی ہوئی تھی خدا تعالیٰ اُسے بالکل معاف کر چکا۔ اب کسی کو جائز نہیں کہ اُن پر اس حرکت کی وجہ سے طعن و تشنیع کرے۔

(۲۲۷) کہ اُن کی کوتاہیوں کو معاف کر دیتا ہے اور عتاب میں بھی لطف و شفقت کا پہلو ملحوظ رکھتا ہے۔

(۲۲۸) **غزوۂ اُحد میں عارضی شکست کے اسباب** یعنی تم بھاگ کر پہاڑوں اور جنگلوں کو چڑھے چلے جا رہے تھے اور گھبراہٹ میں پیچھے مڑ کر بھی کسی کو نہ دیکھتے تھے۔ اُس وقت خدا کا پیغمبر بدستور اپنی جگہ کھڑا ہوا تم کو اس قبیح حرکت سے روکتا تھا۔ اور اپنی طرف بُلا رہا تھا۔ مگر تم تشویش و اضطراب میں آواز کہاں سننے والے تھے، آخر جب کعب بن مالک چلائے تب لوگوں نے سُنا اور واپس آ کر اپنے نبی کے گرد جمع ہو گئے

(۲۲۹) یعنی تم نے رسول کا دل تنگ کیا اس کے بدلے تم پر تنگی آئی۔ غم کا بدلہ غم ملا۔ تا آگے کو یاد رکھو کہ ہر حالت میں رسول کے حکم پر چلنا چاہیئے۔ خواہ کوئی نفع کی چیز مثلاً غنیمت وغیرہ ہاتھ سے جائے، یا کچھ بلا سامنے آئے۔ (تنبیہ) اکثر مفسرین نے فَاَثَابَکُمْ غَمًّاۢ بِغَمٍّ کے معنی یوں کئے ہیں کہ خدا نے تم کو غم پر غم دیا۔ یعنی ایک غم تو ابتدائی فتح و کامیابی کے فوت ہونے کا تھا، دوسرا اپنے آدمیوں کے مارے جانے اور زخمی ہونے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر شہادت مشہور ہونے سے پہنچا، بعض نے یہ مطلب لیا ہے کہ فتح و کامرانی کے فوت ہونے، غنیمت کے ہاتھ سے نکل جانے، اور نقصان جانی و بدنی اُٹھانے کا جو غم تھا، اس کے عوض میں ایک ایسا بڑا غم دیدیا گیا۔ جس نے پہلے سب غموں کو بُھلا دیا۔ یعنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقتول ہونے کی افواہ، اسی غم کی شدت میں آگے پیچھے کا کچھ ہوش نہ رہا حتی کہ حضورؐ کی آواز بھی نہ سُنی جیسا کہ ایک طرف ہمہ تن ملتفت ہونے کے وقت دوسری طرف سے ذہول و غفلت پیش آ جاتی ہے۔

(۲۳۰) یعنی تمہارے احوال اور نیتوں کو جانتا ہے اور اسی کے موافق معاملہ کرتا ہے۔

(۲۳۱) **اُحد میں صحابہ پر اونگھ کا طاری ہونا** یعنی اُس جنگ میں جن کو شہید ہونا تھا ہو چکے، اور جن کو ہٹنا تھا ہٹ گئے اور جو میدان میں باقی رہے اُن میں سے مخلص مسلمانوں پر حق تعالیٰ نے ایک دم غنودگی طاری کر دی لوگ کھڑے کھڑے اُونگھنے لگے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے کئی مرتبہ تلوار چھوٹ کر زمین پر گری۔ یہ ایک حسّی اثر اس باطنی سکون و اطمینان کا تھا جو ایسے ہنگامہ رستخیز میں مومنین کے قلوب پر محض خدا کے فضل و رحمت سے وارد ہوا اُس کے بعد دشمن کا خوف و ہراس سب کافور ہو گیا۔ یہ کیفیت عین اُس وقت پیش آئی جب لشکر مجاہدین میں نظم و ضبط قائم نہ رہا تھا۔ بیسیوں لاشیں خاک و خون میں تڑپ رہی تھیں۔ سپاہی زخموں سے چور ہو رہے تھے، حضورؐ کے قتل کی افواہ نے رہے سہے ہوش و حواس کھو دیے تھے، گویا یہ سونا بیدار ہونے کا پیام تھا۔ غنودگی طاری کر کے اُن کی ساری تھکن دور کر دی گئی اور متنبہ فرما دیا کہ خوف و ہراس اور تشویش و اضطراب کا وقت جا چکا۔ اب مامون و مطمئن ہو کر اپنا فرض انجام دو۔ فوراً صحابہ نے حضورؐ کے گرد جمع ہو کر لڑائی کا محاذ قائم کر دیا۔ تھوڑی دیر بعد مطلع صاف تھا۔ دشمن سامنے سے بھاگتا نظر آیا۔ (تنبیہ) ابن مسعود فرماتے ہیں کہ عین لڑائی کے موقع پر نُعاس (اُونگھ) کا طاری ہونا اللہ کی طرف سے (فتح و ظفر کی علامت ہے) حضرت علیؓ کی فوج کو "صفین" میں ایسا ہی واقعہ پیش آیا

(۲۳۲) **منافقین پر اُونگھ کی بجائے جانوں کا خوف** یہ بُزدل اور ڈرپوک منافقین ہیں جن کو نہ اسلام کی فکر تھی، نہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی، محض اپنی جان بچانے کی فکر میں ڈوبے ہوئے تھے کہ کہیں ابوسفیان کی فوج نے دوبارہ حملہ کر دیا تو ہمارا کیا حشر ہو گا۔ اس خوف و فکر

میں اُونگھ یا نیند کہاں ؟

(۲۲۳) **منافقین کے طعنے** یعنی وہ اللہ کے وعدے کہاں گئے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کا قصہ ختم ہوا۔ اب پیغمبر اور مسلمان اپنے گھر واپس جانے والے نہیں۔ سب یہیں کام آئیں گے۔ جیسے دوسری جگہ فرمایا۔ بل ظننتم ان لن ینقلب الرسول والمؤمنون الی اھلیھم ابدًا (فتح رکوع ۲)

(۲۲۴) یعنی کچھ بھی ہمارا کام بنا رہے گا یا بالکل بگڑ چکا۔ یا یہ کہ ہم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ساتھ دینے والوں کے ہاتھ میں کچھ بھی فتح و ظفر آئی۔ یا یہ معنی کہ اللہ نے جو چاہا سو کیا۔ ہمارا یا کسی کا کیا اختیار ؟ یہ تو الفاظ کے ظاہری معنی تھے، لیکن جو دل میں نیت تھی وہ آگے آتی ہے

(۲۲۵) یعنی منافقین کا یہ قول ھَلْ لَنَا مِنَ الْاَمْرِ مِنْ شَیْءٍ کلمۃ حق ارید بھا الباطل ہے۔ بیشک یہ صحیح ہے کہ تمہارے ہاتھ میں کچھ نہیں، سب کام اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ جس کو چاہے بنائے یا بگاڑے، غالب کرے یا مغلوب، آفت بھیجے یا راحت، کامیاب کرے یا ناکام۔ ایک ہی واقعہ کو ایک قوم کے حق میں رحمت اور دوسری کے لئے نقمت بنا دے۔ سب اُس کے قبضہ میں ہے۔ مگر تم اس قول سے اپنے دل میں جو معنی لے رہے ہو خدا تمہارے دل کے چور سے واقف ہے جیسے آگے بیان کیا جائیگا۔

(۲۲۶) اصل چور دل کا یہ تھا ھَلْ لَنَا مِنَ الْاَمْرِ مِنْ شَیْءٍ کہہ کر دل میں یہ مطلب لیتے تھے اور پکّے مسلمانوں سے علیٰحدہ ہو کر آپس میں بھی کہتے ہونگے کہ میاں شروع میں ہماری رائے نہ مانی۔ چند جوشیلے ناتجربہ کاروں کے کہنے پر مدینہ سے باہر لڑنے چلے گئے۔ آخر منہ کی کھائی اگر کچھ کام ہمارے اختیار میں ہوتا اور ہمارے مشورہ پر عمل کیا جاتا تو اس قدر نقصان کیوں اُٹھانا پڑتا۔ ہماری برادری کے اتنے آدمی مارے گئے، یہ کیوں مارے جاتے (اکثر منافقین نسبًا انصار مدینہ کی برادری میں شامل تھے، اس لئے مَا قُتِلْنَا ھٰھُنَا میں اُن کے مارے جانے کو اپنا مارا جانا کہا) یا یہ مطلب ہے کہ اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے کہنے کے موافق فتح و ظفر اور غلبہ مسلمانوں کے لئے ہوتا تو یہ قتل و جرح کی مصیبت ہم پر کیوں ٹوٹتی۔ (تنبیہ) بظاہر یہ باتیں منافقین نے مدینہ میں کہیں۔ کیونکہ عبداللہ بن ابی جنگ شروع ہونے سے پیشتر اپنی جمعیت کو ساتھ لے کر واپس ہو گیا تھا۔ اس صورت میں "ہٰھنا" کا اشارہ قرب کی وجہ سے اُحد کی طرف ہوگا۔ لیکن بعض روایات سے ایک منافق معتب بن قشیر کا میدان جنگ میں یہ کلمات کہنا ثابت ہوتا ہے۔ تو شاید بعض منافقین عبداللہ بن ابیّ کے ہمراہ کسی مصلحت سے واپس نہ ہوئے ہونگے۔ واللہ اعلم۔

(۲۲۷) **طعنوں کا جواب** یعنی اس طعن و تشنیع یا حسرت و افسوس سے کچھ حاصل نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کی جو اجل، موت کی جگہ، سبب اور وقت لکھ دیا ہے کبھی ٹل نہیں سکتا۔ اگر تم گھروں میں گھسے بیٹھے رہتے اور فرض کرو تمہاری ہی رائے سنی جاتی تب بھی جن کی قسمت میں اُحد کے قریب جس جس پڑاؤ پر مارا جانا لکھا جا چکا تھا وہ کسی نہ کسی سبب سے ضرور اُدھر نکلتے اور وہیں مارے جاتے یہ خدا کا انعام ہے کہ جہاں مارا جانا مقدر تھا مارے گئے، مگر اللہ کے راستہ میں خوشی کے ساتھ بہادروں کی موت شہید ہوئے۔ پھر اُس پر پچھتانے اور افسوس کرنے کا کیا موقع ہے مردان خدا کو اپنے پر قیاس مت کرو۔

(۲۲۸) یعنی اللہ تعالیٰ تو دلوں کے پوشیدہ بھید جانتا ہے، اُس سے کسی کی کوئی حالت پوشیدہ نہیں۔ مقصود یہ تھا کہ تم سب کو ایک آزمائش میں ڈالا جائے۔ تا جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے وہ باہر نکل پڑے، امتحان کی بھٹی میں کھرا کھوٹا الگ ہو جائے۔ مخلصین نے کامیابی کا صلہ پائیں اور اُن کے قلوب آئندہ کے لئے وساوس اور کمزوریوں سے پاک و صاف ہوں۔ منافقین کا اندرونی نفاق کھل جائے اور لوگ صاف طور پر اُن کے خبث باطن کو سمجھنے لگیں۔

إِنَّ الَّذِينَ تَوَلَّوْا مِنكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعَانِ إِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطَانُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوا

جو لوگ تم میں سے ہٹ گئے جس دن لڑیں دو فوجیں سو اُنکو بہکا دیا شیطان نے اُن کے گناہ کی شامت سے

وَلَقَدْ عَفَا اللَّهُ عَنْهُمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ حَلِيمٌ ﴿١٥٥﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ

اور ان کو بخش چکا اللہ اللہ بخشنے والا ہے تحمل کرنے والا ف۲۳۹ اے ایمان والو تم نہ ہو اُن کی طرح جو کافر

كَفَرُوا وَقَالُوا لِإِخْوَانِهِمْ إِذَا ضَرَبُوا فِي الْأَرْضِ أَوْ كَانُوا غُزًّى لَّوْ كَانُوا عِندَنَا مَا مَاتُوا وَ

ہوئے ف۲۴۰ اور کہتے ہیں اپنے بھائیوں کو ف۲۴۱ جب وہ سفر کو نکلیں ملک میں یا ہوں جہاد میں اگر رہتے ہمارے پاس تو نہ مرتے اور

مَا قُتِلُوا لِيَجْعَلَ اللَّهُ ذَٰلِكَ حَسْرَةً فِي قُلُوبِهِمْ ۗ وَاللَّهُ يُحْيِي وَيُمِيتُ ۗ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ

نہ مارے جاتے تاکہ اللہ ڈالے اس گمان سے افسوس اُن کے دلوں میں ف۲۴۲ اور اللہ ہی جلاتا ہے اور مارتا ہے ف۲۴۳ اور اللہ تمہارے سب کام دیکھتا

بَصِيرٌ ﴿١٥٦﴾ وَلَئِن قُتِلْتُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَوْ مُتُّمْ لَمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللَّهِ وَرَحْمَةٌ خَيْرٌ مِّمَّا

ہے ف۲۴۴ اور اگر تم مارے گئے اللہ کی راہ میں یا مر گئے ف۲۴۵ تو بخشش اللہ کی اور مہربانی اُسکی بہتر ہی اس چیز سے جو وہ

يَجْمَعُونَ ﴿١٥٧﴾ وَلَئِن مُّتُّمْ أَوْ قُتِلْتُمْ لَإِلَى اللَّهِ تُحْشَرُونَ ﴿١٥٨﴾

جمع کرتے ہیں اور اگر تم مر گئے یا مارے گئے تو البتہ اللہ ہی کے آگے اکٹھے ہو گے تم سب ف۲۴۶

(۲۳۹) مخلصین سے بھی بعض اوقات کوئی چھوٹا بڑا گناہ سرزد ہو جاتا ہے اور جس طرح ایک طاعت سے دوسری طاعت کی توفیق بڑھتی ہے ایک گناہ کی نحوست سے شیطان کو موقع ملتا ہے کہ دوسری غلطیوں اور لغزشوں کی طرف آمادہ کرے۔ جنگ اُحد میں بھی جو مخلص مسلمان ہٹ گئے تھے، کسی پچھلے گناہ کی شامت سے شیطان نے بہکا کر اُن کا قدم ڈگمگا دیا۔ چنانچہ ایک گناہ تو یہ ہی تھا کہ تیراندازوں کی بڑی تعداد نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی پابندی نہ کی مگر خدا کا فضل دیکھو کہ اس کی سزا میں کوئی تباہ کن شکست نہیں دی، بلکہ ان حضرات پر اب کوئی گناہ بھی نہیں رہا۔ حق تعالیٰ کلیۃً اُن کی تقصیر معاف فرما چکا ہے، کسی کو طعن و ملامت کا حق نہیں۔

(۲۴۰) یعنی تم ان کافر منافقوں کی طرح ایسے لغو خیالات کو زنہار دل میں جگہ نہ دینا کہ گھر میں بیٹھے رہتے تو نہ موت آتی نہ مارے جاتے۔

(۲۴۱) چونکہ منافقین ظاہر میں مسلمان بنے ہوئے تھے اس لئے مسلمانوں کو اپنا بھائی کہا، یا اس لئے کہ نسبی طور پر وہ اور انصار مدینہ برادری کے بھائی بند تھے۔ اور چونکہ یہ بات خیر خواہی و ہمدردی کے پیرایہ میں کہتے تھے اس لئے لفظ اخوان سے تعبیر کیا گیا۔

(۲۴۲) **منافقین کی حسرت** یعنی خواہ مخواہ باہر نکل کر مرے، ہمارے پاس اپنے گھر پڑے رہتے تو کیوں مرتے یا کیوں مارے جاتے، یہ کہنا اس غرض سے تھا کہ سننے والے مسلمانوں کے دل میں حسرت و افسوس پیدا ہو کہ واقعی بے سوچے سمجھے نکل کھڑے ہونے اور لڑائی کی آگ میں کود پڑنے کا یہ نتیجہ ہوا۔ گھر رہتے تو یہ مصیبت کیوں دیکھنی پڑتی۔ مگر مسلمان ایسے کچے نہ تھے جو ان چکموں میں آ جاتے، ان باتوں سے اُلٹا منافقین کا بھرم کھل گیا۔ بعض مفسرین نے لِيَجْعَلَ اللَّهُ ذَٰلِكَ حَسْرَةً فِي قُلُوبِهِمْ میں "لام عاقبت" لے کر یوں معنی کئے ہیں کہ منافقین کے زبان و دل پر یہ باتیں اس لئے جاری کی گئیں کہ خدا اُن کو ہمیشہ اسی حسرت و افسوس کی آگ میں جلتا چھوڑ دے۔ اور دوسری حسرت اُن کو یہ رہے کہ مسلمان ہماری طرح نہ ہوئے اور ہماری باتوں پر کسی نے کان نہ دھرا، گویا اس طرح لیجعل کا تعلق لا تکونوا سے بھی ہو سکتا ہے۔

(۲۴۳) **صحابہ کرام کو اصولی نصیحت** | یعنی مارنا جلانا اللہ کا کام ہے۔ بہتیرے آدمی عمر بھر سفر کرتے اور لڑائیوں میں جاتے ہیں مگر موت گھر میں بستر پر آتی ہے اور کتنے ہی آدمی گھر کے کونے میں پڑے رہنے کے خوگر ہیں، لیکن اخیر میں خدا کوئی سبب کھڑا کر دیتا ہے کہ وہ باہر نکلیں اور وہیں مریں یا مارے جائیں۔ بندہ کی روک تھام سے یہ چیز ٹلنے اور بدلنے والی نہیں۔ حضرت خالد بن الولید رضی اللہ عنہ نے وفات کے وقت فرمایا کہ میرے بدن پر ایک بالشت جگہ تلوار یا نیزہ کے زخم سے خالی نہیں، مگر آج میں ایک اونٹ کی طرح (گھر میں) مر رہا ہوں فلا نامت اعین الجبناء (خدا کرے یہ دیکھ کر نامردوں کی آنکھیں کھلیں)

(۲۴۴) کہ منافقین و کفار کس راستہ پر جا رہے ہیں اور مسلمان کہاں تک ان کے تشبہ اور پیروی سے علیحدہ رہتے ہیں۔ ہر ایک کو اس کی حالت کے مناسب بدلہ دیگا۔

(۲۴۵) یعنی اُسی کی راہ میں۔

(۲۴۶) یعنی فرض کرو تم سفر یا جہاد میں نہ نکلے اور فی الحال موت سے بچ گئے مگر ضروری ہے کہ کبھی نہ کبھی مرو گے یا مارے جاؤ گے، پھر بہر حال خدا کے سامنے سب کو جمع ہونا ہے۔ اُس وقت پتہ چل جائیگا کہ جو خوش قسمت اللہ کی راہ میں نیک کام کرتے ہوئے مرے یا مارے گئے تھے ان کو خدا تعالیٰ کی بخشش و مہربانی سے کیسا وافر حصہ ملا، جس کے سامنے تمہاری دنیا کی کمائی اور جمع کی ہوئی دولت و ثروت سب ہیچ ہے الحاصل اگر منافقین ہی کا قول تسلیم کر لیا جائے کہ گھر سے نہ نکلتے تو نہ مارے جاتے، تب بھی سراسر خسارہ تھا۔ کیونکہ اس صورت میں اس موت سے محروم رہ جاتے جس پر ایسی ایسی لاکھوں زندگیاں قربان کی جا سکتی ہیں۔ بلکہ جو حقیقت میں موت نہیں حیات ابدی ہے ۔ فنا فی اللہ کی تہ میں بقاء کا راز مضمر ہے۔ جو جینا ہے تو مرنے کے لئے تیار ہو جاؤ۔

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ص

سو کچھ اللہ ہی کی رحمت ہے جو تو نرم دل مل گیا انکو اور اگر تو ہوتا تندخو سخت دل تو متفرق ہو جاتے تیرے پاس سے

فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ ۚ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ

سو تو ان کو معاف کر اور ان کے واسطے بخشش مانگ اور ان سے مشورہ لے کام میں پھر جب قصد کر چکا تو اُس کام کا تو پھر بھروسہ کر اللہ پر اللہ کو محبت

يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ ﴿۱۵۹﴾ اِنْ يَّنْصُرْكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ ۚ وَاِنْ يَّخْذُلْكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِيْ يَنْصُرُكُمْ

ہے توکل والوں سے ف ۲۴۷ اگر اللہ تمہاری مدد کریگا تو کوئی تم پر غالب نہ ہو سکیگا اور اگر مدد نہ کرے تمہاری تو پھر ایسا کون ہے جو مدد کر سکے تمہاری

مِّنْ بَعْدِهٖ ۭ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۶۰﴾ وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّغُلَّ ۭ وَمَنْ يَّغْلُلْ

اُس کے بعد اور اللہ ہی پر بھروسا چاہیئے مسلمانوں کو ف ۲۴۸ اور نبی کا کام نہیں کہ کچھ چھپا رکھے اور جو کوئی چھپاویگا

يَاْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۚ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۱۶۱﴾ اَفَمَنِ

وہ لائیگا اپنی چھپائی چیز دن قیامت کے پھر پورا پاویگا ہر کوئی جو اس نے کمایا اور ان پر ظلم نہ ہوگا ف ۲۴۹ کیا ایک شخص جو

اتَّبَعَ رِضْوَانَ اللّٰهِ كَمَنْۢ بَاۗءَ بِسَخَطٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۱۶۲﴾

تابع ہے اللہ کی مرضی کا برابر ہو سکتا ہے اس کے جس نے کمایا غصہ اللہ کا اور اس کا ٹھکانا دوزخ ہے اور کیا ہی بری جگہ پہنچا ف ۲۵۰

(۲۴۷) **تجھ جیسا نرم خو نبی انہیں اللہ کی رحمت سے ملا** | مسلمانوں کو ان کی کوتاہیوں پر متنبہ فرمانے اور معافی کا اعلان سنانے

کے بعد نصیحت کی تھی کہ آئندہ اس مار آستین جماعت کی باتوں سے فریب مت کھانا۔ اس آیت میں اُن کے عفو تقصیر کی تکمیل کی گئی ہے۔ چونکہ جنگ اُحد میں سخت خوفناک غلطی اور زبردست کوتاہی مسلمانوں سے ہوئی تھی، شاید آپ کا دل خفا ہوا ہوگا اور چاہا ہوگا کہ آئندہ ان سے مشورہ لے کر کام نہ کیا جائے، اس لئے حق تعالیٰ نے نہایت عجیب و غریب پیرایہ میں اُن کی سفارش کی اوّل اپنی طرف سے معافی کا اعلان کر دیا کیونکہ خدا کو معلوم تھا کہ آپ کا غصہ اور رنج خالص اپنے پروردگار کے لئے ہوتا ہے، پھر فرمایا فبما رحمۃٍ من اللہ لنت لھم یعنی اللہ کی کتنی بڑی رحمت آپ پر اور اُن پر ہے کہ آپ کو اس قدر خوش اخلاق اور نرم خو بنا دیا۔ کوئی اور ہوتا تو خدا جانے ایسے سخت معاملہ میں کیا رویہ اختیار کرتا، یہ کچھ اللہ ہی کی مہربانی ہے کہ تجھ جیسا شفیق و نرم دل پیغمبران کو مل گیا، فرض کیجئے اگر خدانہ کردہ آپ کا دل سخت ہوتا اور مزاج میں شدت ہوتی تو یہ قوم آپ کے گرد کہاں جمع رہ سکتی تھی، ان سے کوئی غلطی ہوتی اور آپ سخت پکڑتے تو شرم و دہشت کے مارے پاس بھی نہ آسکتے، اس طرح یہ لوگ بڑی خیر و سعادت سے محروم رہ جاتے اور جمعیۃ اسلامی کا شیرازہ بکھر جاتا۔ لیکن حق تعالیٰ نے آپ کو نرم دل اور نرم خو بنایا۔ آپ اصلاح کے ساتھ ان کی کوتاہیوں سے اغماض کرتے رہتے ہیں۔ سو کوتاہی بھی جہاں تک آپ کے حقوق کا تعلق ہے معاف کر دیجئے اور گو خدا اپنا حق معاف کر چکا ہے تاہم ان کی مزید دلجوئی اور تطییب خاطر کے لئے ہم سے بھی ان کے لئے معافی طلب کریں، تا یہ شکستہ دل آپکی خوشنودی اور انبساط محسوس کر کے بالکل مطمئن و منشرح ہو جائیں۔

صحابہ کرام سے مشاورت کا حکم اور صرف معاف کر دینا ہی نہیں، آئندہ بدستور ان سے معاملات میں مشورہ لیا کریں، مشاورت کے بعد جب ایک بات طے ہو جائے اور پختہ ارادہ کر لیا جائے، پھر خدا پر توکل کر کے اس کو بلا پس و پیش کر گذریئے۔ خدا تعالیٰ متوکلین کو پسند کرتا اور اُن کے کام بنا دیتا ہے (تنبیہ) حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا "عزم" کیا ہے؟ فرمایا "مشاورۃ" اہل الرائے ثم اتباعھم" (ابن کثیر) اور مجمع الزوائد میں حضرت علی کی حدیث ہے یا رسول اللہ جو بات ہم کتاب و سنت میں نہ پائیں اُس میں کیا طریقہ استعمال کریں؟ فرمایا فقہاء عابدین (سمجھ دار خدا پرستوں) سے مشورہ کرو و لا تمضوا فیہ رای خاصۃٍ (اور کسی اکیلے دوکیے کی رائے مت جاری کرو)

(۲۴۸) **اللہ پر بھروسہ نیت سے بڑی طاقت ہے** پہلے آپ کو فرمایا تھا "بھروسہ کر اللہ پر" یہاں بتلایا کہ بھروسہ کے لائق ایسی ہی ذات ہو سکتی ہے جو سب سے زبردست اور غالب ہو سب مسلمانوں کو اس کی امداد پر توکل کرنا چاہیئے۔ گویا مسلمانوں کی تقصیر خود معاف کرنے اور اپنے پیغمبر سے معاف کرا دینے کے بعد اُن کو نصیحت کی جاتی ہے کہ کسی کے کہنے سننے میں نہ آئیں، خالص خدا پر بھروسہ رکھیں اُس کی مدد ہوگی تو کوئی طاقت تم پر غالب نہیں آسکتی۔ جیسے "بدر" میں دیکھ چکے اور کسی مصلحت سے وہ مدد نہ کرے تو پھر کوئی مدد نہیں کر سکتا۔ جیسا کہ اُحد میں تجربہ ہو گیا۔

(۲۴۹) **نبی خیانت نہیں کر سکتا** اس سے غرض یا تو مسلمانوں کی پوری طرح خاطر جمع کرنا ہے تا یہ وسوسہ نہ لائیں کہ شائد حضرت نے ہم کو بظاہر معاف کر دیا اور دل میں خفا ہیں پھر کبھی خفگی نکالیں گے؟ یہ کام نبیوں کا نہیں کہ دل میں کچھ اور ظاہر میں کچھ یا مسلمانوں کو سمجھانا ہے کہ حضرت کی عظمت اور عصمت و امانت کو پوری طرح مستحضر رکھیں، آپ کی نسبت کبھی کوئی لغو اور بیہودہ خیال نہ لائیں مثلاً یہ گمان نہ کریں کہ غنیمت کا کچھ مال چھپا رکھیں گے؟ (العیاذ باللہ) شاید یہ اس واسطے فرمایا کہ وہ تیر انداز غنیمت کے لئے مورچہ چھوڑ کر دوڑے تھے، کیا حضرت اُن کو حصہ نہ دیتے؟ یا بعضی چیزیں چھپا رکھتے؟ اور بعض روایات میں ہے کہ بدر کی لڑائی میں ایک چیز (چادر یا تلوار) غنیمت میں سے گم ہو گئی تھی، کسی نے کہا شاید حضرت نے اپنے واسطے رکھی ہوگی۔ اُس پر یہ آیت نازل ہوئی، بہرحال مسلمانوں کو سمجھانا ہے کہ اگر حضورؐ اپنی نرم خوئی اور خوش خلقی سے تمہاری غلطیوں کو معاف کرتے ہیں تو تم کو حضورؐ کی عظمت شان اور عصمت و نزاہت

کا بہت زیادہ پاس رکھنا چاہئے، کسی قسم کا کمزور اور رکیک خیال مؤمنین کے پاس نہ آنے پائے، دوسری طرف چونکہ آپ کی شفقت
ونرم دلی یاد دلا کر جنگ اُحد کے متعلق مسلمانوں کی کوتاہی کو معاف کرایا جا رہا تھا، اسی ذیل میں ایک دوسری کوتاہی بھی یاد دلا دی جو بدر سے
متعلق تھی کہ آپ اپنی نرم خوئی سے اُس پر بھی کچھ دھیان نہ کریں۔ (تنبیہ) "غلول" کے اصل معنی غنیمت میں خیانت کرنے کے ہیں۔
لیکن کبھی مطلق خیانت کے معنی میں آتا ہے بلکہ بعض اوقات محض ایک چیز کے چھپا لینے پر اس کا اطلاق ہوتا ہے، جیسے ابن مسعودؓ نے فرمایا
غُلُّوْا مَصَاحِفَكُمْ۔

(۲۵۰) یعنی پیغمبر جو ہر حال میں خدا کی مرضی کا تابع بلکہ دوسروں کو بھی اُس کی مرضی کا تابع بنانا چاہتا ہے، کیا اُن لوگوں کے ایسے کام کر سکتا
ہے جو خدا کے غضب کے نیچے اور دوزخ کے مستحق ہیں؟ ممکن نہیں۔

هُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۶۳﴾ لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ

لوگوں کے مختلف درجے ہیں اللہ کے ہاں اور اللہ دیکھتا ہے جو کچھ کرتے ہیں ف۲۵۱ اللہ نے احسان کیا ایمان والوں پر

اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ

جو بھیجا اُن میں رسول اُنہی میں کا ف۲۵۲ پڑھتا ہے اُن پر آیتیں اُس کی اور پاک کرتا ہے اُنکو یعنی شرک وغیرہ سے اور سکھلاتا ہے اُنکو کتاب

وَالْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۱۶۴﴾ اَوَلَمَّآ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَدْ النصف

اور کام کی بات اور وہ تو پہلے سے صریح گمراہی میں تھے ف۲۵۳ کیا جس وقت پہنچی تم کو ایک تکلیف کہ تم پہنچا

اَصَبْتُمْ مِّثْلَيْهَا ۙ قُلْتُمْ اَنّٰى هٰذَا ؕ قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ

چکے ہو اُس سے دوچند تو کہتے ہو یہ کہاں سے آئی ف۲۵۴ تو کہہ دے یہ تکلیف تم کو پہنچی تمہاری ہی طرف سے ف۲۵۵ بیشک اللہ ہر چیز پر قادر ہے

قَدِيْرٌ ﴿۱۶۵﴾ وَمَآ اَصَابَكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِيَعْلَمَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۶۶﴾ وَلِيَعْلَمَ

اور جو کچھ تم کو پیش آیا اُس دن کہ ملیں دو فوجیں سو اللہ کے حکم سے اور اس واسطے کہ معلوم کرے ایمان والوں کو اور تاکہ معلوم کرے

الَّذِيْنَ نَافَقُوْا ۚۖ وَقِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا قَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوِ ادْفَعُوْا ؕ قَالُوْا لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا

اُن کو جو منافق تھے ف۲۵۶ اور کہا گیا اُن کو کہ آؤ لڑو اللہ کی راہ میں یا دفع کرو دشمن کو ف۲۵۷ بولے اگر ہم کو معلوم ہو لڑائی تو

لَّاتَّبَعْنٰكُمْ ؕ هُمْ لِلْكُفْرِ يَوْمَئِذٍ اَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْاِيْمَانِ ۚ يَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِهِمْ مَّا لَيْسَ فِيْ

البتہ تمہارے ساتھ رہیں ف۲۵۸ وہ لوگ اُس دن کفر کے قریب ہیں بہ نسبت ایمان کے ف۲۵۹ کہتے ہیں اپنے منہ سے جو نہیں اُن کے

قُلُوْبِهِمْ ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يَكْتُمُوْنَ ﴿۱۶۷﴾ ۚ

دل میں اور اللہ خوب جانتا ہے جو کچھ چھپاتے ہیں ف۲۶۰

(۲۵۱) یعنی نبی اور سب خلقت برابر نہیں، طمع وغیرہ کے پست اور ذلیل کام نبیوں سے نہیں ہو سکتے۔ حق تعالیٰ سب کو جانتا ہے کہ
کون کس درجہ کا ہے اور سب کے کام دیکھتا ہے کیا وہ ایسی پست طبیعت والوں کو منصب نبوت پر سرفراز فرمائیگا؟ العیاذ باللہ۔
(۲۵۲) رسول اللہ کی بعثت اللہ کا احسان ہے | یعنی اُنہی کی جنس اور قوم میں کا ایک آدمی رسول بنا کر بھیجا جس کے پاس بیٹھنا

بات چیت کرنا، زبان سمجھنا اور ہر قسم کے انوار و برکات کا استفادہ کرنا آسان ہے، اس کے احوال، اخلاق سوانح زندگی، امانت و دیانت خدا ترسی اور پاکبازی سے وہ خوب طرح واقف ہیں۔ اپنی ہی قوم اور کنبے کے آدمی سے جب معجزات ظاہر ہوتے دیکھتے ہیں تو یقین لانے میں زیادہ سہولت ہوتی ہے۔ فرض کرو کوئی جن یا فرشتہ رسول بنا کر بھیجا جاتا تو معجزات دیکھ کر یہ خیال کر لینا ممکن تھا کہ چونکہ جنس بشر سے جداگانہ مخلوق ہے شاید یہ خوارق اس کی خاص صورت نوعیہ اور طبیعت ملکیہ و جنیہ کا نتیجہ ہوں، ہمارا اس سے عاجز رہ جانا دلیل نبوّت نہیں بن سکتا بہرحال مومنین کو خدا کا احسان ماننا چاہیئے کہ اس نے ایسا رسول بھیجا جس سے بے تکلف فیض حاصل کر سکتے ہیں اور وہ باوجود معزز ترین اور بلند ترین منصب پر فائز ہونے کے اُن ہی کے مجمع میں نہایت نرم خوئی اور ملاطفت کے ساتھ گھلا ملا رہتا ہے صلی اللہ علیہ وسلم

(۲۵۳) **بعثت رسول کے بنیادی مقاصد** اس مضمون کی آیت سورۂ بقرہ میں دو جگہ گذر چکی ہے خلاصہ یہ ہے کہ حضورؐ کی چار شانیں بیان کی گئیں۔ (۱) "تلاوت آیات" (اللہ کی آیات پڑھ کر سنانا) جن کے ظاہری معنی وہ لوگ اہل زبان ہونے کی وجہ سے سمجھ لیتے تھے اور اس پر عمل کرتے تھے۔ (۲) "تزکیہ نفوس" (نفسانی آلائشوں اور تمام مراتب شرک و معصیت سے اُن کو پاک کرنا اور دلوں کو مانجھ کر صیقل بنانا) یہ چیز آیات اللہ کے عام مضامین پر عمل کرنے، حضور کی صحبت، اور قلبی توجہ و تصرف سے باذن اللہ حاصل ہوتی تھی۔ (۳) "تعلیم کتاب" (کتاب اللہ کی مُراد بتلانا) اس کی ضرورت خاص خاص مواقع میں پیش آتی تھی۔ مثلاً ایک لفظ کے کچھ معنی عام تبادر اور محاورہ کے لحاظ سے سمجھ کر صحابہ کو کوئی اشکال پیش آیا، اُس وقت آپ کتاب اللہ کی اصلی مراد جو قرائن مقام سے متعین ہوتی تھی، بیان فرما کر شبہات کا ازالہ فرما دیتے تھے، جیسے اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ یَلْبِسُوْٓا اِیْمَانَھُمْ بِظُلْمٍ الخ اور دوسرے مقامات میں ہوا (۴) "تعلیم حکمت" (حکمت کی گہری باتیں سکھلانا) اور قرآن کریم کے غامض اسرار و لطائف اور شریعت کی دقیق و عمیق علل پر مطلع کرنا، خواہ تصریحًا یا اشارۃً۔ آپ نے خدا کی توفیق و اعانت سے علم و عمل کے ان اعلیٰ مراتب پر اُس درماندہ قوم کو فائز کیا جو صدیوں سے انتہائی جہل و حیرت اور صریح گمراہی میں غرق تھی۔ آپ کی چند روزہ تعلیم و صحبت سے وہ ساری دنیا کے لئے ہادی و معلم بن گئی۔ لہٰذا انہیں چاہیئے کہ اس نعمت عظمٰی کی قدر پہچانیں۔ اور کبھی بھولے سے ایسی حرکت نہ کریں جس سے آپ کا دل متالم ہو۔

(۲۵۴) **اُحد کی تکلیف پر مسلمانوں کے شکوے کا جواب** پہلے سے اُحد کا قصہ چلا آتا تھا، درمیان میں جو کوتاہی ہوئی تھی اُس کے عفو کا ذکر ہوا اور اُسی کی مناسبت سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق و حقوق یاد دلائے گئے۔ اب پھر اُحد کے قصہ کی طرف عود کیا جاتا ہے یعنی جنگ اُحد میں جو تکلیف اور نقصان اُٹھانا پڑا کیا اُس پر تم تعجب سے کہتے ہو کہ یہ مصیبت کہاں آگئی، ہم تو مسلمان مجاہد تھے جو خدا کے راستہ میں اس کے دشمنوں سے لڑنے کے لئے نکلے تھے۔ خدا تعالیٰ پیغمبر کی زبانی نصرت و امداد کا وعدہ فرما چکا تھا۔ پھر یہ مصیبت ہم پر کیونکر اور کدھر سے نازل ہوئی۔ ایسا کہتے وقت سوچنا چاہیئے کہ جس قدر تکلیف تم کو پہنچی اُس سے دو چند تکلیف ان کو تم سے پہنچ چکی ہے۔ اُحد میں تمہارے تقریبًا ستّر آدمی شہید ہوئے بدر میں اُن کے ستّر مارے جا چکے اور ستّر تمہارے ہاتھ قید ہوئے جن پر تم کو پورا قابو حاصل تھا چاہتے تو قتل کر ڈالتے۔ پھر اُحد میں بھی ابتداءً اُن کے بیس سے زائد قتل ہو چکے ہیں۔ اگر تھوڑی دیر کے لئے تم کو ہزیمت ہوئی تو "بدر" میں اُن کو تباہ کن ہزیمت مل چکی اور اُحد میں بھی جب تم جم کر لڑے وہ منہزم ہوئے۔ پھر آخر میں میدان چھوڑ کر چلے گئے۔ ایسی صورت میں انصافًا تم کو اپنی تکلیف کا شکوہ کرنے اور زیادہ بددل ہونے کا موقع نہیں۔

(۲۵۵) اگر غور کرو تو تم خود ہی اس مصیبت کا سبب بنے ہو۔ تم نے جوش میں آ کر پیغمبر کی اور بہت سے تجربہ کاروں کی رائے قبول نہ کی اپنی پسند اور اختیار سے مدینہ کے باہر محاذ جنگ قائم کیا۔ پھر باوجود نہی شدید کے تیر اندازوں نے اہم مورچہ چھوڑ کر مرکز خالی کر دیا۔ اور ایک سال پہلے جب اُساریٰ بدر کے متعلق تم کو اختیار دیا گیا تھا کہ یا انہیں قتل کر دو یا فدیہ لے کر چھوڑ دو اس شرط پر کہ آئندہ اتنے ہی آدمی

تم سے لئے جائیں گے تو تم نے فدیہ کی صورت اختیار کی اور شرط کو قبول کر لیا، اب وہ ہی شرط پوری کرائی گئی تو تعجب و انکار کا کیا موقع ہے یہ چیز تو خود اپنی طرف سے تم قبول کر چکے تھے (اُساریٰ بدر کا پورا قصہ سورۂ انفال میں آئیگا)

(۲۵۶) **اُحد میں عارضی شکست کی حکمت** جس کو جب چاہے غالب اور جب چاہے مغلوب کر دے۔ مغلوب کرنا اس لئے نہیں کہ وہ اُس وقت غالب کرنے پر قادر نہ تھا، بلکہ اس لئے ہے کہ تمہارے کسب و اختیار سے صورت حال ایسی پیدا ہو گئی کہ کلی غلبہ عطا کرنے میں مصلحت نہ تھی بہرحال جو کچھ ہوا اُس کے حکم و مشیت سے ہوا جس کا سبب تم تھے اور حکمت یہ تھی کہ ایک طرف ہر مومن مخلص کے ایمان و اخلاص کا اور دوسری جانب ہر منافق کے نفاق کا درجہ ظاہر ہو جائے، کھرے کھوٹے اور کچے پکے میں کسی کو کچھ التباس نہ رہے۔

(۲۵۷) **اُحد میں منافقین کی علیحدگی کا بیان** جنگ شروع ہونے سے پہلے جب رئیس المنافقین عبداللہ بن اُبَی تین سو آدمیوں کو ساتھ لے کر واپس جانے لگا اس وقت کہا گیا تھا کہ عین موقع پر کہاں بھاگتے ہو، آؤ اگر دعویٔ اسلام میں سچے ہو تو اللہ کی راہ میں لڑو۔ ورنہ کم از کم دشمن کو دفع کرنے میں حصہ لو یعنی مجمع میں شریک رہو تا کثرت تعداد کا اثر دشمن پر پڑے، یا یہ کہ خدا کی راہ میں دین کی خاطر نہیں لڑتے تو حمیت وطنی و قومی یا اپنے اموال و اولاد کی حفاظت کے لئے دشمن کی مدافعت کرو۔ کیونکہ دشمن اگر کامیاب ہوا تو انتقام لینے میں مومنین و منافقین کی تمیز نہ کرے گا۔ عام مسلمانوں کی طرح تم بھی نقصان اٹھاؤ گے، غرض اُن پر ہر طرح اُن کے مذاق کے موافق اتمام حجت کیا گیا تا جو کچھ دلوں میں ہے علانیہ ظاہر ہو جائے۔

(۲۵۸) یعنی لڑائی ہوتی نظر نہیں آتی، خواہ مخواہ کا ڈھونگ ہے اگر ہمیں معلوم ہوتا کہ واقعی لڑائی ہونیوالی ہے تو ضرور تمہارے ساتھ چلتے جب لڑائی دیکھیں گے شامل ہو جائیں گے یا یہ مطلب تھا کہ کوئی ڈھنگ کا مقابلہ ہوتا تو ہم ساتھ رہتے۔ بھلا یہ کوئی مقابلہ ہے کہ ایک طرف تین ہزار کا لشکر اور دوسری طرف صرف ایک ہزار بے سروسامان آدمی یہ لڑائی کیا ہے محض اپنے کو ہلاکت میں ڈالنا ہے یا لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا سے یہ ظاہر کرتے تھے کہ صاحب! ہم فنون جنگ اور لڑائی کے قاعدوں سے واقف ہوتے تو آپ کے ساتھ رہتے۔ گویا دل میں طعن دیا کہ ہمارے مشورہ پر چلے نہیں اوروں کی رائے پر عمل کیا۔ تو ہم کو لڑائی کے قاعدوں سے ناواقف سمجھے اور آپ واقف بنے، پھر ہمیں ساتھ کیوں لیتے ہو۔ بہرحال جھوٹے حیلے حوالے کر کے چلے گئے۔

(۲۵۹) منافقین دل سے کافر اور زبان سے ایمان کا اظہار کرتے تھے اور اسی زبانی اسلام کی بناء پر مسلمانوں میں ملے جُلے رہتے تھے اس روز عین موقع پر پیغمبر علیہ السلام اور مسلمانوں کو چھوڑ کر چلے جانے اور جھوٹے حیلے تراشنے سے اچھی طرح نفاق کی قلعی کُھل گئی۔ اب ظاہر میں بھی بہ نسبت ایمان کے کفر سے زیادہ قریب ہو گئے اور اپنے فعل سے مسلمانوں کو نقصان اور کافروں کو تقویت پہنچائی۔

(۲۶۰) یعنی زبان سے لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَّاتَّبَعْنٰكُمْ کہتے ہیں اور جو دل میں ہے صاف نہیں کہتے۔ دل میں یہ تھا کہ اچھا ہے مسلمان مغلوب و ذلیل ہوں اور ہم خوشی سے بغلیں بجائیں۔

اَلَّذِيْنَ قَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ وَقَعَدُوْا لَوْ اَطَاعُوْنَا مَا قُتِلُوْا ؕ قُلْ فَادْرَءُوْا عَنْ اَنْفُسِكُمُ

وہ لوگ ہیں جو کہتے ہیں اپنے بھائیوں کو اور آپ بیٹھ رہے ہیں اگر وہ ہماری بات مانتے تو مارے نہ جاتے ف۲۶۱ تو کہہ دے اب ہٹا دیجو اپنے اوپر سے

الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۶۸﴾ وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ؕ بَلْ

موت کو اگر تم سچے ہو ف۲۶۲ اور تو نہ سمجھ اُن لوگوں کو جو مارے گئے اللہ کی راہ میں مُردے بلکہ وہ

اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ﴿۱۶۹﴾

زندہ ہیں اپنے رب کے پاس کھاتے پیتے

(۲۶۱) یعنی خود نامرد بن کر بیٹھ رہے اور اپنی برادری کے بھائیوں (انصار مدینہ) کو کہتے ہیں کہ ہماری بات مان کر گھر میں بیٹھے رہتے تو مارے نہ جاتے۔

(۲۶۲) یعنی اگر گھر میں بیٹھ رہنے سے جان بچ سکتی ہے تو دیکھیں موت کو گھر میں کس طرح نہ آنے دیں گے۔ اگر یہاں رہ کر بھی موت پیچھا نہیں چھوڑتی تو پھر بہادروں کی طرح میدان میں عزت کی موت کیوں نہ مریں۔

فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۙ وَ يَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ

خوشی کرتے ہیں اُس پر جو دیا اُن کو اللہ نے اپنے فضل سے اور خوش وقت ہوتے ہیں اُنکی طرف سے جو ابھی تک نہیں پہنچے اُن کے پاس اُن

خَلْفِهِمْ ۙ اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ (۱۷۰) يَسْتَبْشِرُوْنَ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ فَضْلٍ

کے پیچھے سے اس واسطے کہ نہ ڈر ہے اُن پر اور نہ اُنکو غم خوش وقت ہوتے ہیں اللہ کی نعمت اور فضل سے

وَّ اَنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ (۱۷۱) اَلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ مِنْۢ بَعْدِ مَآ

اور اس بات سے کہ اللہ ضائع نہیں کرتا مزدوری ایمان والوں کی ف۲۶۳ جن لوگوں نے حکم مانا اللہ کا اور رسول کا بعد اس کے کہ پہنچ چکے

اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ ۛؕ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا مِنْهُمْ وَ اتَّقَوْا اَجْرٌ عَظِيْمٌ (۱۷۲) اَلَّذِيْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ

تھے اُن کو زخم جو اُن میں نیک ہیں اور پرہیزگار اُن کو ثواب بڑا ہے جن کو کہا لوگوں نے کہ مکہ والے

النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِيْمَانًا ۖۗ وَّ قَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَ نِعْمَ

آدمیوں نے جمع کیا ہے سامان تمہارے مقابلہ کو سو تم اُن سے ڈرو تو اور زیادہ ہوا اُنکا ایمان اور بولے کافی ہے ہم کو اللہ اور کیا خوب

الْوَكِيْلُ (۱۷۳) فَانْقَلَبُوْا بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ فَضْلٍ لَّمْ يَمْسَسْهُمْ سُوْٓءٌ ۙ وَّ اتَّبَعُوْا رِضْوَانَ اللّٰهِ ؕ

کارساز ہے ف۲۶۴ پھر چلے آئے مسلمان اللہ کے احسان اور فضل کے ساتھ کچھ نہ پہنچی اُن کو بُرائی اور تابع ہوئے اللہ کی مرضی کے

وَ اللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَظِيْمٍ (۱۷۴)

اور اللہ کا فضل بڑا ہے ف۲۶۵

(۲۶۳) **شہید مُردہ نہیں زندہ ہیں** یعنی گھر میں بیٹھے رہنے سے موت تو رُک نہیں سکتی، ہاں آدمی اس موت سے محروم رہتا ہے جس کو موت کے بجائے حیاتِ جاودانی کہنا چاہیے۔ شہیدوں کو مرنے کے بعد ایک خاص طرح کی زندگی ملتی ہے جو اور مُردوں کو نہیں ملتی، اُنکو حق تعالیٰ کا ممتاز قرب حاصل ہوتا ہے۔ بڑے عالی درجات و مقامات پر فائز ہوتے ہیں، جنت کا رزق آزادی سے پہنچتا ہے۔ جس طرح ہم اعلیٰ درجہ کے ہوائی جہازوں میں بیٹھ کر ذرا سی دیر میں جہاں چاہیں اڑے چلے جاتے ہیں، شہداء کی ارواح "جو اصل طیور خضر" میں داخل ہو کر جنت کی سیر کرتی رہتی ہیں۔ اُن "طیور خضر" کی کیفیت و کلانی کو اللہ ہی جانے، وہاں کی چیزیں ہمارے احاطۂ خیال میں کہاں آسکتی ہیں۔ اُس وقت شہداء بیحد مسرور و مبتہج ہوتے ہیں کہ اللہ نے اپنے فضل سے دولت شہادت عنایت فرمائی۔ اپنی عظیم نعمتوں سے نوازا اور اپنے فضل سے ہر آن مزید انعامات کا سلسلہ قائم کر دیا، جو وعدے شہیدوں کے لئے پیغمبر علیہ السلام کی زبانی کئے گئے تھے اُنہیں آنکھوں سے مشاہدہ کر کے بے انتہا خوش ہوتے ہیں۔ اور دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کی محنت ضائع نہیں کرتا۔ بلکہ خیال و گمان سے بڑھ کر بدلہ دیتا ہے۔ پھر نہ صرف یہ کہ اپنی حالت پر شاداں و فرحاں ہوتے ہیں بلکہ اپنے اُن مسلمان بھائیوں کا تصور کر کے بھی انہیں ایک خاص خوشی

حاصل ہوتی ہے جن کو اپنے پیچھے جہاد فی سبیل اللہ اور دوسرے امور خیر میں مشغول چھوڑ آئے ہیں کہ وہ بھی اگر ہماری طرح اللہ کی راہ میں مارے گئے یا کم از کم ایمان پر مرے تو اپنی اپنی حیثیت کے موافق ایسی ہی پر لطف اور بے خوف زندگی کے مزے لوٹیں گے۔ نہ ان کو اپنے آگے کا ڈر ہو گا نہ پیچھے کا غم، مامون و مطمئن سیدھے خدا کی رحمت میں داخل ہو جائیں گے۔

شہدائے اُحد کی ایک تمنّا بعض روایات میں ہے کہ شہدائے اُحد یا شہدائے بیر معونہ نے خدا کے ہاں پہنچ کر تمنا کی تھی کہ کاش ہمارے اس عیش و تنعم کی خبر کوئی ہمارے بھائیوں کو پہنچا دے، تا وہ بھی اس زندگی کی طرف جھپٹیں اور جہاد سے جان نہ چرائیں، حق تعالیٰ نے فرمایا کہ میں پہنچاتا ہوں۔ اُس پر یہ آیات نازل کیں اور اُن کو مطلع کر دیا گیا کہ ہم نے تمہاری تمنا کے موافق خبر پہنچا دی، اس پر وہ اور زیادہ خوش ہوئے۔

(۲۶۴) **صحابہ کرام کا اللہ پر بے مثال بھروسہ** ابوسفیان جب اُحد سے مکہ کو واپس گیا تو راستہ میں خیال آیا کہ ہم نے بڑی غلطی کی، ہزیمت یافتہ اور زخم خوردہ مسلمانوں کو یونہی چھوڑ کر چلے آئے، مشورے ہونے لگے کہ پھر مدینہ واپس چل کر ان کا قصہ تمام کر دیں آپ کو خبر ہوئی تو اعلان فرما دیا کہ جو لوگ کل ہمارے ساتھ لڑائی میں حاضر تھے آج دشمن کا تعاقب کرنے کے لئے تیار ہو جائیں، مسلمان مجاہدین باوجودیکہ تازہ زخم کھائے ہوئے تھے اللہ اور رسول کی پکار پر نکل پڑے۔ آپ ان مجاہدین کی جمعیت لے کر مقام حمراء الاسد تک (جو مدینہ سے آٹھ میل ہے) پہنچے ابوسفیان کے دل میں یہ سن کر کہ مسلمان اُس کے تعاقب میں چلے آرہے ہیں سخت رُعب و دہشت طاری ہو گئی، دوبارہ حملہ کا ارادہ فسخ کر کے مکہ کی طرف بھاگا۔ عبدالقیس کا ایک تجارتی قافلہ مدینہ آرہا تھا۔ ابوسفیان نے اُن لوگوں کو کچھ دیکر آمادہ کیا کہ وہ مدینہ پہنچ کر ایسی خبریں شائع کریں جن کو سن کر مسلمان ہماری طرف سے مرعوب و خوف زدہ ہو جائیں انھوں نے مدینہ پہنچ کر کہنا شروع کیا کہ مکہ والوں نے بڑا بھاری لشکر اور سامان مسلمانوں کے استیصال کی غرض سے تیار کیا ہے۔ یہ سن کر مسلمانوں کے دلوں میں خوف کی جگہ جوش ایمان بڑھ گیا اور کفار کی جمعیۃ کا حال سُن کر کہنے لگے "حسبنا اللہ و نعم الوکیل" ساری دنیا کے مقابلہ میں اکیلا خدا ہم کو کافی ہے، اسی پر یہ آیات نازل ہوئیں، بعض کہتے ہیں کہ جنگ اُحد تمام ہونے پر ابوسفیان نے اعلان کیا تھا کہ اگلے سال بدر پر پھر لڑائی ہے۔ حضرت نے قبول کر لیا۔ جب اگلا سال آیا حضرت نے لوگوں کو حکم دیا کہ جہاد کے لئے چلو۔ اگر کوئی نہ جائیگا تب بھی اللہ کا رسول تنہا جائیگا۔ اُدھر سے ابوسفیان فوج لیکر مکہ سے نکلا۔ تھوڑی دور چل کر کمر ہمت ٹوٹ گئی رُعب چھا گیا۔ قحط سالی کا عذر کر کے چاہا کہ مکہ واپس جائے۔ مگر صورت ایسی ہو کہ الزام مسلمانوں پر رہے۔ ایک شخص مدینہ جاتا تھا اُس کو کچھ دینا کیا کہ وہاں پہنچ کر اس طرف کی ایسی خبریں مشہور کرنا جن کو سُن کر مسلمان خوف کھائیں اور جنگ کو نہ نکلیں وہ مدینہ پہنچ کر کہنے لگا کہ مکہ والوں نے بڑی بھاری جمعیت اکٹھی کی ہے، تم کو لڑنا بہتر نہیں مسلمانوں کو حق تعالیٰ نے استقلال دیا، انھوں نے یہی کہا کہ ہم کو اللہ کافی ہے۔ آخر مسلمان حسب وعدہ بدر پہنچے۔ وہاں بڑا بازار لگتا تھا۔ تین روز رہ کر تجارت کر کے خوب نفع کما کر مدینہ واپس آئے۔ اس غزوہ کو "بدر صغریٰ" کہتے ہیں اُس وقت جن لوگوں نے رفاقت کی اور تیار ہوئے اُن کو یہ بشارت ہے کہ اُحد میں زخم کھا کر اور نقصان اُٹھا کر پھر ایسی جرات کی۔ مسلمانوں کی اس جرأت و مستعدی کی خبر سُن کر مشرکین راستہ سے لوٹ گئے۔ چنانچہ مکہ والوں نے اس مہم کا نام "جیش السویق" رکھ دیا، یعنی وہ لشکر جو محض ستو پینے گیا تھا، پی کر واپس آگیا۔ (تنبیہ) یہ جو فرمایا لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا مِنْهُمْ وَاتَّقَوْا محض اُن کی مدح سرائی اور تنویہ شان کے لئے ہے ورنہ وہ سب کے سب ایسے ہی تھے۔

(۲۶۵) **مسلمانوں کو مالی منافع** یعنی اللہ کا فضل دیکھو، نہ کچھ لڑائی کرنی پڑی نہ کانٹا چُبھا، مُفت میں ثواب کمایا تجارت میں نفع حاصل کر کے اور دشمنوں پر دھاک بٹھلا کر خدا تعالیٰ کی خوشنودی لئے ہوئے صحیح سلامت گھر واپس آگئے۔ (تنبیہ) "بدر صغریٰ"

کی طرح "غزوہ حمراء الاسد" میں بھی ایک تجارتی قافلہ کے ساتھ سامان کی خرید و فروخت ہوئی تھی اور مسلمانوں نے بھاری نفع کمایا تھا غالباً "وفضل" سے یہی مالی نفع مراد ہے۔

إِنَّمَا ذَٰلِكُمُ الشَّيْطَٰنُ يُخَوِّفُ أَوْلِيَآءَهُۥ فَلَا تَخَافُوهُمْ وَخَافُونِ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ﴿١٧٥﴾

یہ جو ہے سو شیطان ہے کہ ڈراتا ہے اپنے دوستوں سے سو تم اُن سے مت ڈرو اور مجھ سے ڈرو اگر ایمان رکھتے ہو ف۲۶۶

وَلَا يَحْزُنكَ الَّذِينَ يُسَٰرِعُونَ فِى الْكُفْرِ ۚ إِنَّهُمْ لَن يَضُرُّوا اللَّهَ شَيْـًٔا ۗ يُرِيدُ اللَّهُ أَلَّا يَجْعَلَ

اور غم میں نہ ڈالیں تجھ کو وہ لوگ جو دوڑتے ہیں کفر کی طرف وہ نہ بگاڑیں گے اللہ کا کچھ اللہ چاہتا ہے کہ اُن کو فائدہ

لَهُمْ حَظًّا فِى الْءَاخِرَةِ ۖ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿١٧٦﴾ إِنَّ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الْكُفْرَ بِالْإِيمَٰنِ لَن يَضُرُّوا

نہ دے آخرت میں اور اُن کیلئے عذاب ہے بڑا ف۲۶۷ جنہوں نے مول لیا کفر کو ایمان کے بدلے وہ نہ بگاڑیں گے

اللَّهَ شَيْـًٔا ۖ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿١٧٧﴾ وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوٓا أَنَّمَا نُمْلِى لَهُمْ خَيْرٌ لِّأَنفُسِهِمْ ۚ

اللہ کا کچھ اور اُنکے لئے عذاب ہے دردناک ف۲۶۸ اور یہ نہ سمجھیں کافر کہ ہم جو مہلت دیتے ہیں اُن کو کچھ بھلا ہے اُن کے حق میں

إِنَّمَا نُمْلِى لَهُمْ لِيَزْدَادُوٓا إِثْمًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِينٌ ﴿١٧٨﴾ مَّا كَانَ اللَّهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِينَ

ہم تو مہلت دیتے ہیں اُن کو تاکہ ترقی کریں وہ گناہ میں اور اُن کے لئے عذاب ہے خوار کرنے والا ف۲۶۹ اللہ وہ نہیں کہ چھوڑ دے مسلمانوں کو

عَلَىٰ مَآ أَنتُمْ عَلَيْهِ حَتَّىٰ يَمِيزَ الْخَبِيثَ مِنَ الطَّيِّبِ ۗ وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى

اُس حالت پر جس پر تم ہو جب تک کہ جدا نہ کر دے ناپاک کو پاک سے اور اللہ نہیں ہے کہ تم کو خبر دے غیب

الْغَيْبِ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ يَجْتَبِى مِن رُّسُلِهِۦ مَن يَشَآءُ ۖ فَـَٔامِنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِۦ ۚ وَإِن تُؤْمِنُوا

کی لیکن اللہ چھانٹ لیتا ہے اپنے رسولوں میں جس کو چاہے ف۲۷۰ سو تم یقین لاؤ اللہ پر اور اُسکے رسولوں پر اور اگر تم یقین پر رہو

وَتَتَّقُوا فَلَكُمْ أَجْرٌ عَظِيمٌ ﴿١٧٩﴾

اور پرہیزگاری پر تو تم کو بڑا ثواب ہے ف۲۷۱

(۲۶۶) یعنی جو اُدھر سے آ کر مرعوب کن خبریں پھیلاتا ہے وہ شیطان ہے یا شیطان کے اغواء سے ایسا کر رہا ہے جس کی غرض یہ ہے کہ اپنے چیلے چانٹوں اور بھائی بندوں کا رُعب تم پر بٹھلا کر خوفزدہ کر دے، سو تم اگر ایمان رکھتے ہو (اور ضرور رکھتے ہو جس کا ثبوت عملاً دے چکے) تو ان شیطانوں سے اصلاً مت ڈرو صرف مجھ سے ڈرتے رہو کہ ؎ ہر کہ ترسید از حق و تقوی گزید ۔۔ ترسد از وے جن و انس و ہر کہ دید۔

(۲۶۷) یعنی شیطان کی دھمکیوں سے مومن نہیں ڈرتے، ہاں منافق اس کی باتیں سُن کر کفر کی طرف دوڑتے ہیں آپ ان ملعون منافقوں کی حرکات سے کچھ غمگین اور فکرمند نہ ہوں۔ یہ اللہ کے دین اور اس کے پیغمبر کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے اپنا ہی نقصان کرتے ہیں۔ ان کا حد سے زیادہ نفاق وشقاق پتہ دے رہا ہے کہ حق تعالیٰ انہیں انجام کار حقیقی کامیابی اور فوائد سے محروم رکھیگا اور بہت سخت سزا دے گا جو لوگ ایسے معاند اور شریر کجرو ہوں اللہ کی عادت اُن کے ساتھ یہ ہی ہے۔ ایسوں کے غم میں اپنے کو زیادہ گھلانے کی ضرورت نہیں۔

(۲۶۸) یعنی جنہوں نے ایمانی فطرت کو بدل کر کفر اختیار کیا خواہ یہود و نصاریٰ ہوں یا مشرکین، یا منافقین، یا کوئی اور، وہ سب مل کر بھی اللہ کا

کچھ نہیں بگاڑ سکتے، ہاں اپنے پاؤں پر خود اپنے ہاتھ سے کلہاڑی مار رہے ہیں۔ جس کا نتیجہ دردناک عذاب کی صورت میں بھگتنا پڑیگا۔

(۲۶۹) **دنیا کی دولت کفار کیلئے ڈھیل ہے** | یعنی ممکن ہے کافروں کو اپنی لمبی عمریں، خوشحالی اور دولت و ثروت وغیرہ کی فراوانی دیکھ کر خیال گزرے کہ ایسے مغضوب و مطرود ہوتے تو ہم کو اتنی فراخی اور مہلت کیوں دی جاتی اور ایسی بھلی حالت میں کیوں رکھے جاتے؟ سو واضح رہے کہ یہ مہلت دینا اُن کے حق میں کچھ بھلی بات نہیں، مہلت دینے کا نتیجہ تو یہی ہوگا کہ جن کو گناہ سمیٹ کر کفر پر مرنا ہے وہ اپنے اختیار اور آزادی سے خوب جی بھر کر ارمان نکال لیں اور گناہوں کا ذخیرہ فراہم کر لیں وہ سمجھتے رہیں کہ ہم بڑی عزت سے ہیں حالانکہ ذلیل و خوار کرنیوالا عذاب اُن کے لئے تیار ہے اب سوچ لیں کہ مہلت دینا اُن جیسوں کے حق میں بھلا ہوا یا بُرا۔ نعوذ باللہ من شرور انفسنا۔

(۲۷۰) یعنی جس طرح خوشحالی اور مہلت دینا کفار کے حق میں مقبولیت کی دلیل نہیں، اسی طرح اگر مخلص مسلمانوں کو مصائب اور ناخوشگوار حوادث پیش آئیں (جیسے جنگ اُحد میں آئے) یہ اس کی دلیل نہیں کہ وہ اللہ کے نزدیک مغضوب ہیں، بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اس گول مول حالت پر چھوڑنا نہیں چاہتا جس پر اب تک رہے ہیں۔ یعنی بہت سے کافر از راہ نفاق کلمہ پڑھ کر دھوکہ دینے کے لئے اُن میں ملے جلے رہتے تھے جن کے ظاہر حال پر منافق کا لفظ کہنا مشکل تھا۔ لہٰذا ضرور ہے کہ خدا تعالیٰ ایسے واقعات و حالات بر روئے کار لائے جو کھرے کو کھوٹے سے اور پاک کو ناپاک سے کھلے طور پر جُدا کر دیں۔ بیشک خدا کو آسان تھا کہ تمام مسلمانوں کو بدون امتحان میں ڈالے منافقوں کے ناموں اور کاموں سے مطلع کر دیتا۔ لیکن اُس کی حکمت و مصلحت مقتضی نہیں کہ سب لوگوں کو اس قسم کے غیوب سے آگاہ کر دیا کرے۔ ہاں وہ اپنے رسولوں کا انتخاب کر کے جس قدر غیوب کی یقینی اطلاع دینا چاہے دے دیتا ہے۔ خلاصہ یہ ہوا کہ عام لوگوں کو بلاواسطہ کسی غیب کی یقینی اطلاع نہیں دی جاتی انبیاء علیہم السلام کو دی جاتی ہے۔ مگر جس قدر خدا چاہے۔

(۲۷۱) یعنی خدا کا جو خاص معاملہ پیغمبروں سے ہے، اور پاک و ناپاک کو جُدا کرنے کی نسبت جو عام عادت حق تعالیٰ کی رہی ہے اُس میں زیادہ کاوش کی ضرورت نہیں، تمہارا کام یہ ہے کہ اللہ و رسول کی باتوں پر یقین رکھو اور تقویٰ و پرہیزگاری پر قائم رہو۔ یہ کر لیا تو سب کچھ کما لیا

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَبْخَلُونَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ ۭ بَلْ هُوَ شَرٌّ

اور نہ خیال کریں وہ لوگ جو بخل کرتے ہیں اُس چیز پر جو اللہ نے انکو دی ہو اپنے فضل سے کہ یہ بخل بہتر ہے انکے حق میں بلکہ یہ بہت بُرا ہے انکے

لَّهُمْ ۭ سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَاللّٰهُ

حق میں طوق بنا کر ڈالا جائیگا انکی گلوں میں وہ مال جسمیں بخل کیا تھا قیامت کے دن ف ۲۷۲ اور اللہ وارث ہے آسمان اور زمین کا ف ۲۷۳ اور اللہ

بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۱۸۰﴾ لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ وَّنَحْنُ اَغْنِيَاۗءُ

جو کرتے ہو سو جانتا ہے ف ۲۷۴ بیشک اللہ نے سُنی اُن کی بات جنہوں نے کہا کہ اللہ فقیر ہے اور ہم مالدار ف ۲۷۵

وقف لازم ع ۱۸

سَنَكْتُبُ مَا قَالُوْا وَقَتْلَهُمُ الْاَنْۢبِيَاۗءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۙ وَّنَقُوْلُ ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ﴿۱۸۱﴾ ذٰلِكَ

اب لکھ رکھیں گے ہم اُنکی بات اور جو خون کئے ہیں انہوں نے انبیاء کے ناحق اور کہیں گے چکھو عذاب جلتی آگ کا ف ۲۷۶ یہ بدلہ اُس

بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ﴿۱۸۲﴾ۚ

کا ہے جو تم نے اپنے ہاتھوں آگے بھیجا اور اللہ ظلم نہیں کرتا بندوں پر ف ۲۷۷

(۲۷۲) **بخیل کا مال قیامت میں اسکے گلے کا طوق ہوگا** | ابتدائے سورت کا بڑا حصہ اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) سے متعلق تھا۔

درمیان میں خاص مناسبات وجوہ کی بنا پر غزوہ اُحد کی تفصیلات آگئیں۔ اُنہیں بقدر کفایت تمام کر کے یہاں سے پھر اہل کتاب کی شنائع بیان کی جاتی ہیں، چونکہ ان میں سے یہود کا معاملہ بہت مضرت رساں اور تکلیف دہ تھا، منافقین بھی اکثر ان ہی میں کے تھے اور اُوپر کی آیت میں آگاہ کیا گیا تھا کہ خدا تعالیٰ اب خبیث کو طیب سے جُدا کر کے رہے گا سو یہ جدائی جس طرح جانی و بدنی جہاد کے وقت ظاہر ہوتی تھی اسی طرح مالی جہاد کے وقت بھی کھرا کھوٹا اور کچا پکا صاف طور پر الگ ہو جاتا تھا۔ اس لئے بتلا دیا کہ یہود منافقین جیسے جہاد کے موقع سے بھاگتے ہیں، مال خرچ کرنے سے بھی جی چُراتے ہیں لیکن جس طرح جہاد سے بچ کر دنیا میں چند روز کی مہلت حاصل کر لینا اُن کے حق میں کچھ بہتر نہیں، ایسے ہی بخل کر کے بہت مال اکٹھا کر لینا بھی کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتا۔ اگر دنیا میں فرض کرو کوئی مصیبت پیش نہ بھی آئی تو قیامت کے دن یقیناً یہ جمع کیا ہوا مال عذاب کی صورت میں اُن کے گلے کا ہار بن کر رہے گا۔ اس میں مسلمانوں کو بھی کھٹکھٹا دیا کہ زکوٰۃ دینے اور ضروری مصارف میں خرچ کرنے سے کبھی جی نہ چرائیں، ورنہ جو شخص بخل و حرص وغیرہ رذیل خصلتوں میں یہود منافقین کی روش اختیار کرے گا، اُسے بھی اپنے درجہ کے موافق اسی طرح کی سزا کا منتظر رہنا چاہئے۔ چنانچہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ مانعین زکوٰۃ کا مال سخت زہریلے اژدہے کی صورت میں متمثل کر کے اُن کے گلے میں ڈالا جائے گا۔ نعوذ باللہ منہ۔

(۲۷۳) یعنی آخر تم مر جاؤ گے اور سب مال اُسی کا ہو رہیگا جس کا حقیقت میں پہلے سے تھا انسان اپنے اختیار سے دے تو ثواب پائے۔

(۲۷۴) یعنی بخل یا سخاوت جو کچھ کرو گے اور جیسی نیت سے کرو گے خدا تعالیٰ سب کی خبر رکھتا ہے اُسی کے موافق بدلہ دیگا۔

(۲۷۵) **یہودیوں کا گستاخانہ قول اور اسکا جواب** یعنی محض اتنا ہی نہیں کہ یہود انتہائی بخل کی وجہ سے پیسہ خرچ کرنا نہیں جانتے بلکہ جب خدا کی راہ میں خرچ کرنے کا حکم سنتے ہیں تو مذاق اڑاتے ہیں اور حق تعالیٰ کی جناب میں گستاخانہ کلمات بکنے سے بھی نہیں شرماتے۔ چنانچہ جب آیت مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا نازل ہوئی کہنے لگے اللہ ہم سے قرض مانگتا ہے۔ تو اللہ فقیر محتاج ہے اور ہم غنی مالدار ہیں حالانکہ ایک غبی اور کوڑ مغز بھی سمجھ سکتا ہے کہ انفاق فی وجوہ الخیر کو قرض سے تعبیر فرمانے میں انتہائی رحمت و شفقت کا اظہار تھا۔ ظاہر ہے کہ خدا اپنا دیا ہوا مال ہم سے ہماری مصالح میں ہمارے ہی دنیوی و اُخروی فائدہ کے لئے خرچ کراتا ہے۔ اُس کو ہمارے خرچ سے کوئی نفع نہیں پہنچ سکتا اور بفرض محال پہنچے بھی تو مال اور ہر چیز اسی کی مملوک ہے۔ پھر حقیقی معنی میں اس کو قرض کیسے کہہ سکتے ہیں یہ اُس کا کمال کرم و احسان ہے کہ اس خرچ کا بہترین معاوضہ دینا بھی اپنے ذمہ لازم کر لیا اور اس کو لفظ قرض سے ادا کر کے اس لزوم کو بیحد موکد و مسجل کر دیا۔ مگر یہود اپنی کوردشتی اور خبث باطن سے احسان ماننے کے بجائے ان لفظوں کی ہنسی اُڑانے لگے اور اللہ تعالیٰ کی جناب رفیع میں مسخرا پن کرنے سے باز نہ رہے، اُس کو فرمایا کہ اللہ نے تمہاری یہ باتیں سُن لیں۔ اس پر جو کارروائی ہوگی اُس کے منتظر رہو۔

(۲۷۶) یعنی عام ضابطہ کے موافق یہ ملعون اور ناپاک اقوال تمہارے دفتر سیئات میں درج کرائے دیتے ہیں۔ جہاں تمہاری قوم کے دوسرے ملعون اور ناپاک افعال درج ہیں مثلاً معصوم نبیوں کا ناحق خون بہانا کیونکہ جس طرح یہ نالائق جملہ ایک نمونہ ہے تمہاری خدا شناسی کا، وہ نالائق کام نمونہ ہے تمہاری تعظیم انبیاء کا، جب یہ پوری مسل پیش ہوگی اُس وقت کہا جائیگا کہ لو اپنی شرارتوں کا مزہ چکھو اور جس طرح تم نے طعن و تمسخر سے اولیاء اللہ کے دل جلائے تھے، اب عذاب الٰہی کی بھٹی میں جلتے رہو۔

(۲۷۷) یعنی جو کمایا تھا سامنے آیا۔ خدا کے یہاں ذرہ برابر ظلم نہیں۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ (نساء رکوع ۶) اگر بفرض محال ظلم کرنا خدا کی صفت ہوتی تو اُس کی دوسری صفات کی طرح وہ بھی کامل ہی ہوتی۔ اس لئے اگر معاذ اللہ خدا کو ظالم فرض کیا جائے تو پھر "ظالم" کیا "ظلام" ہی کہنا پڑے گا۔ اُس کا ایک رتی ظلم بھی پہاڑوں سے کم نہیں ہو سکتا گویا "ظلام" کا صیغہ لا کر متنبہ کر دیا کہ اُس کی بارگاہ میں ادنیٰ سے ادنیٰ ظلم تجویز کرنا، انتہائی ظالم قرار دینے کا مرادف ہے (تعالیٰ اللہ عما یقول الظالمون علوًا کبیرًا)۔

اَلَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ عَهِدَ اِلَيْنَآ اَلَّا نُؤْمِنَ لِرَسُوْلٍ حَتّٰى يَاْتِيَنَا بِقُرْبَانٍ تَاْكُلُهُ النَّارُ ۭ قُلْ

وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ اللہ نے ہم کو کہہ رکھا ہے کہ یقین نہ کریں کسی رسول کا جب تک نہ لاوے ہمارے پاس قربانی کہ کھا جاوے اُسکو آگ ف ۲۷۸ تو کہہ

قَدْ جَاۗءَكُمْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِيْ بِالْبَيِّنٰتِ وَبِالَّذِيْ قُلْتُمْ فَلِمَ قَتَلْتُمُوْھُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝١٨٣

تم میں آ چکے کتنے رسول مجھ سے پہلے نشانیاں لے کر اور یہ بھی جو تم نے کہا پھر ان کو کیوں قتل کیا تم نے اگر تم سچے ہو ف ۲۷۹

فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقَدْ كُذِّبَ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ جَاۗءُوْ بِالْبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ وَالْكِتٰبِ الْمُنِيْرِ ۝١٨٤ كُلُّ

پھر اگر یہ تجھ کو جھٹلاویں تو پہلے تجھ سے جھٹلائے گئے بہت رسول جو لائے نشانیاں اور صحیفے اور کتاب روشن ف ۲۸۰ ہر

نَفْسٍ ذَاۗىِٕقَةُ الْمَوْتِ ۭ وَاِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ

جی کو چکھنی ہے موت اور تم کو پورے بدلے ملیں گے قیامت کے دن ف ۲۸۱ پھر جو کوئی دور کیا گیا دوزخ سے اور داخل کیا گیا

الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ ۭ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ۝١٨٥ لَتُبْلَوُنَّ فِيْٓ اَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ۣ

جنت میں اُس کا کام تو بن گیا اور نہیں زندگانی دنیا کی مگر پونجی دھوکے کی ف ۲۸۲ البتہ تمہاری آزمائش ہوگی مالوں میں اور جانوں میں

وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا اَذًى كَثِيْرًا ۭ

اور البتہ سنو گے تم اگلی کتاب والوں سے اور مشرکوں سے بدگوئی بہت

وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ۝١٨٦

اور اگر تم صبر کرو اور پرہیزگاری کرو تو یہ ہمت کے کام ہیں ف ۲۸۳

(۲۷۸) **آگ والی قربانی کا مطالبہ** بعضے رسولوں سے یہ معجزہ ظاہر ہوا تھا کہ قربانی یا کوئی چیز اللہ نام کی نیاز کی، تو آسمان سے آگ آکر اُس کو کھا گئی، یہ علامت تھی اُس کے قبول ہونے کی، چنانچہ موجودہ "بائبل" میں بھی حضرت سلیمان علیہ السلام کے متعلق ایسا واقعہ مذکور ہے۔ اب یہود بہانہ پکڑتے تھے کہ ہم کو یہ حکم ہے کہ جس سے یہ معجزہ نہ دیکھیں اُس پر یقین نہ لاویں اور یہ محض جھوٹے بہانے تھے اس قسم کا کوئی حکم اُن کی کتابوں میں موجود نہ تھا نہ آج موجود ہے اور نہ ہر ایک نبی کی نسبت یہ ثابت کیا جا سکتا ہے کہ اُس کو یہ معجزہ ملا تھا۔ ہر پیغمبر کو حق تعالیٰ نے اوقات و احوال کے مناسب معجزات دئے ہیں، لازم نہیں کہ ہر نبی ایک ہی معجزہ دکھلائے تو سچا ثابت ہو۔

(۲۷۹) یعنی اگر واقعی اپنے دعوے میں سچے ہو اور اسی خاص معجزہ کے دکھلانے پر تمہارا ایمان لانا موقوف ہے تو پہلے ایسے نبیوں کو تم نے کیوں قتل کیا جو اپنی صداقت کی کھلی نشانیوں کے ساتھ خاص یہ معجزہ بھی لے کر آئے تھے تمہارے اسلاف کا یہ فعل جس پر تم بھی آج تک راضی ہو، کیا اس کی دلیل نہیں کہ یہ سب تمہاری حیلہ سازی اور ہٹ دھرمی ہے کہ کوئی پیغمبر جب تک خاص یہی معجزہ نہ دکھلائیگا ہم نہ مانیں گے۔

(۲۸۰) **آنحضرت ﷺ کو تسلی** آپ کو تسلی دی جاتی ہے کہ ان ملعونوں کی کج بحثی اور ہٹ دھرمی سے ملول و دلگیر نہ ہوں اور نہ دوسرے مکذبین کی پروا کریں۔ آپ سے پہلے کتنے رسول جھٹلائے جا چکے ہیں جو صاف نشانیاں (معجزات) چھوٹے صحیفے اور بڑی روشن کتابیں لے کر آئے تھے۔ انبیائے صادقین کی تکذیب، معاندین کی قدیم عادت رہی ہے آپ کو کچھ انوکھی بات پیش نہیں آئی۔

(۲۸۱) یعنی موت کا مزہ سب کو چکھنا ہے، اُس کے بعد قیامت کے دن ہر جھوٹے سچے اور مصدق و مکذب کو اپنے اپنے کئے کا پورا بدلہ مل رہے گا۔ "پورے" کا یہ مطلب کہ کچھ تھوڑا سا ممکن ہے قیامت سے پہلے ہی مل جائے۔ مثلاً دنیا میں یا قبر میں۔

(۲۸۲) **دنیا کی ٹیپ ٹاپ دھوکا ہے** یعنی دنیا کی عارضی بہار اور ظاہری ٹیپ ٹاپ بہت دھوکہ میں ڈالنے والی چیز ہے جس پر مفتون ہو کر اکثر بے وقوف آخرت سے غافل ہو جاتے ہیں۔ حالانکہ انسان کی اصلی کامیابی یہ ہے کہ یہاں رہ کر انجام کو سوچے اور وہ کام کرے جو عذاب الٰہی سے بچانے والا اور جنت تک پہنچانیوالا ہو۔ (تنبیہ) آیت میں ان بعض متصوفین کا بھی رد ہو گیا جو دعوے کیا کرتے ہیں کہ ہمیں نہ جنت کی طلب، نہ دوزخ کا ڈر، معلوم ہوا کہ دوزخ سے دور رہنا اور جنت میں داخل ہو جانا ہی اصل کامیابی ہے۔ کوئی اعلیٰ ترین کامیابی جنت سے باہر رہ کر نصیب نہیں ہو سکتی۔ وفی الحدیث وَحَوْلَهَا نُدَنْدِنُ۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و رحمت سے ہم کو بھی یہ کامیابی عنایت فرمائے۔

(۲۸۳) **جان و مال سے مسلمانوں کی آزمائش** یہ خطاب مسلمانوں کو ہے کہ آئندہ بھی جان و مال میں تمہاری آزمائش ہوگی اور ہر قسم کی قربانیاں کرنی پڑیں گی قتل کیا جانا، زخمی ہونا، قید و بند کی تکلیف اُٹھانا، بیمار پڑنا، اموال کا تلف ہونا، اقارب کا چھوٹنا، اس طرح کی سختیاں پیش آئیں گی، نیز اہل کتاب اور مشرکین کی زبانوں سے بہت جگر خراش اور دل آزار باتیں سُننا پڑیں گی، اُن سب کا علاج صبر و تقویٰ ہے۔ اگر صبر و استقلال اور پرہیزگاری سے ان سختیوں کا مقابلہ کرو گے تو یہ بڑی ہمت اور اولوالعزمی کا کام ہو گا جس کی تاکید حق تعالیٰ نے فرمائی ہے۔ (تنبیہ) بخاری کی ایک حدیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ آیت بدر سے پہلے نازل ہوئی۔ قتال کا حکم اس کے بعد ہوا، تاہم صبر و تقویٰ کا حکم مشروعیت قتال کے باوجود بھی فی الجملہ باقی ہے۔ جس پر اخیر تک عمل ہوتا رہا ہے۔ ہاں صبر و عفو اور تغلیظ و تشدید کے مواقع کا پہچاننا ضروری ہے۔ جو نصوص شرعیہ سے معلوم ہو سکتے ہیں۔ اس آیت کو یہاں رکھنے سے شاید یہ غرض ہے کہ تم ان کفار و منافقین کی گستاخیوں اور شرارتوں پر حد سے زیادہ طیش مت کھاؤ۔ ابھی بہت کچھ سننا پڑے گا اور تکلیفیں اُٹھانی پڑیں گی۔ صبر و استقلال سے اُن کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار رہو۔ نیز دنیا کی زندگانی میں پڑ کر جو محض دھوکہ کی ٹٹی ہے، اس بات سے غافل نہ ہونا کہ خدا تعالیٰ جان اور مال دونوں میں تمہاری آزمائش کرنیوالا ہے۔

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَتُبَيِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُوْنَهٗ فَنَبَذُوْهُ

اور جب اللہ نے عہد لیا کتاب والوں سے کہ اُس کو بیان کرو گے لوگوں سے اور نہ چھپاؤ گے پھر پھینک دیا انہوں

وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ وَاشْتَرَوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ فَبِئْسَ مَا يَشْتَرُوْنَ ﴿۱۸۷﴾ لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ

نے وہ عہد اپنی پیٹھ کے پیچھے اور خرید کیا اُس کے بدلے تھوڑا سا مول سو کیا بُرا ہے جو خریدتے ہیں ف۲۸۴ تو نہ سمجھ کہ جو لوگ

يَفْرَحُوْنَ بِمَآ اَتَوْا وَّيُحِبُّوْنَ اَنْ يُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوْا فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ بِمَفَازَةٍ

خوش ہوتے ہیں اپنے کئے پر اور تعریف چاہتے ہیں بن کئے پر سو مت سمجھ اُن کو کہ چھوٹ گئے

مِّنَ الْعَذَابِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۸۸﴾ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ

عذاب سے اور اُن کے لئے عذاب ہے دردناک ف۲۸۵ اور اللہ ہی کے لئے ہے سلطنت آسمان اور زمین کی اور اللہ

ع ۱۹ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۸۹﴾ اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ

ہر چیز پر قادر ہے ف۲۸۶ بیشک آسمان اور زمین کا بنانا اور رات اور دن کا آنا جانا

لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ ﴿۱۹۰﴾

اس میں نشانیاں ہیں عقل والوں کو ف۲۸۷

(۲۸۴) **اہل کتاب نے اللہ کا عہد توڑا ہے** یعنی علمائے اہل کتاب سے عہد لیا گیا تھا کہ جو احکام و بشارت کتاب اللہ میں ہیں اُنہیں صاف صاف لوگوں کے سامنے بیان کریں گے اور کوئی بات نہیں چھپائیں گے نہ ہیر پھیر کر کے اُن کے معنی بدلیں گے، مگر انہوں نے ذرہ برابر پروا نہ کی اور دنیا کے تھوڑے سے نفع کی خاطر سب عہد و پیمان توڑ کر احکام شریعت بدل ڈالے، آیات اللہ میں لفظی و معنوی تحریفات کیں جس چیز کا ظاہر کرنا سب سے زیادہ ضروری تھا۔ یعنی پیغمبر آخر الزماں کی بشارت، اُسی کو سب سے زیادہ چھپایا۔ جس قدر مال خرچ کرنے میں بخل کرتے اُس سے بڑھ کر علم خرچ کرنے میں کنجوسی دکھائی۔ اور اس کنجوسی کا منشاء بھی مال و جاہ اور متاع دنیا کی محبت کے سوا کچھ نہ تھا۔ یہاں ضمناً مسلمان اہل علم کو متنبہ فرما دیا کہ تم دنیا کی محبت میں پھنسکر ایسا نہ کرنا۔

(۲۸۵) یہود مسئلے غلط بتاتے، رشوتیں کھاتے اور پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صفات و بشارات جان بوجھ کر چھپاتے تھے پھر خوش ہوتے کہ ہماری چالاکیوں کو کوئی پکڑ نہیں سکتا اور اُمید رکھتے کہ لوگ ہماری تعریف کریں کہ بڑے عالم اور دیندار حق پرست ہیں دوسری طرف منافقین کا حال بھی ان کے مشابہ تھا۔ جب جہاد کا موقع آتا گھر میں چھپ کر بیٹھ رہتے اور اپنی اس حرکت پر خوش ہوتے کہ دیکھو کیسی جان بچائی۔ جب حضور جہاد سے واپس تشریف لاتے تو غیر حاضری کے جھوٹے عذر پیش کر کے چاہتے کہ آپ سے اپنی تعریف کرائیں۔ ان سب کو بتلا دیا گیا کہ یہ باتیں دنیا و آخرت میں خدا کے عذاب سے چھڑا نہیں سکتیں۔ اوّل تو ایسے لوگ دنیا ہی میں فضیحت ہوتے ہیں اور کسی وجہ سے یہاں بچ گئے تو وہاں کسی تدبیر سے نہیں چھوٹ سکتے۔ (تنبیہ) آیت میں گو تذکرہ یہود یا منافقین کا ہے لیکن مسلمانوں کو بھی سُنانا ہے کہ بُرا کام کر کے خوش نہ ہوں، بھلا کر کے اترائیں نہیں اور جو اچھا کام کیا نہیں اس پر تعریف کے اُمیدوار نہ رہیں۔ بلکہ کرنے کے بعد بھی مدح سرائی کی ہوس نہ رکھیں۔

(۲۸۶) جب آسمان و زمین میں اُسی کی سلطنت ہے تو مجرم بھاگ کر پناہ کہاں لے سکتا ہے اور جو ہر چیز پر قادر ہے اُس کے نفوذ اختیار سے کون باہر ہو سکتا ہے۔

(۲۸۷) **اہل عقل کیلئے آسمان و زمین میں نشانیاں** یعنی عقلمند آدمی جب آسمان و زمین کی پیدائش اور اُن کے عجیب و غریب احوال و روابط اور دن رات کے مضبوط و محکم نظام میں غور کرتا ہے تو اُس کو یقین کرنا پڑتا ہے کہ یہ سارا مرتب و منظم سلسلہ ضرور کسی ایک مختار کل اور قادر مطلق فرمانروا کے ہاتھ میں ہے جس نے اپنی عظیم قدرت و اختیار سے ہر چھوٹی بڑی مخلوق کی حد بندی کر رکھی ہے۔ کسی چیز کی مجال نہیں کہ اپنے محدود وجود اور دائرہ عمل سے باہر قدم نکال سکے۔ اگر اس عظیم الشان مشین کا ایک پرزہ یا اس کارخانہ کا ایک مزدور بھی مالک علی الاطلاق کی قدرت و اختیار سے باہر ہوتا تو مجموعہ عالم کا یہ مکمل و محکم نظام ہرگز قائم نہ رہ سکتا۔

الَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

وہ جو یاد کرتے ہیں اللہ کو کھڑے اور بیٹھے اور کروٹ پر لیٹے ف ۲۸۸ اور فکر کرتے ہیں آسمان اور زمین کی پیدائش میں

رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ۚ سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۹۱﴾ رَبَّنَآ اِنَّكَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ

کہتے ہیں اے رب ہمارے تو نے یہ عبث نہیں بنایا تو پاک ہے سب عیبوں سے سو ہم کو بچا دوزخ کے عذاب سے ف ۲۸۹ اے رب ہمارے جس کو تو نے دوزخ میں ڈالا سو اس کو

اَخْزَيْتَهٗ ۭ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ﴿۱۹۲﴾

رسوا کر دیا ف ۲۹۰ اور نہیں کوئی گنہگاروں کا مدد گار ف ۲۹۱

(۲۸۸) یعنی کسی حال خدا سے غافل نہیں ہوتے۔ اُس کی یاد ہمہ وقت اُن کے دل میں اور زبان پر جاری رہتی ہے جیسے حدیث میں رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت عائشہ صدیقہؓ نے فرمایا کَانَ یَذْکُرُ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ اَحْیَانِہٖ نماز بھی خدا کی بہت بڑی یاد ہے۔ اسی لئے آپ نے فرمایا کہ جو کھڑا ہو کر نہ پڑھ سکے بیٹھ کر اور جو بیٹھ نہ سکے لیٹ کر پڑھ لے بعض روایات میں ہے کہ جس رات میں یہ آیات نازل ہوئیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے، بیٹھے، لیٹے، ہر حالت میں اللہ کو یاد کر کے روتے رہے۔

(٢٨٩) **مخلوقات میں غور فکر** یعنی ذکر و فکر کے بعد کہتے ہیں کہ خداوندا! یہ عظیم الشان کارخانہ آپ نے بیکار پیدا نہیں کیا جس کا کوئی مقصد نہ ہو، یقیناً ان عجیب و غریب حکیمانہ انتظامات کا سلسلہ کسی عظیم و جلیل نتیجہ پر منتہی ہونا چاہئے۔ گویا یہاں سے اُن کا ذہن تصور آخرت کی طرف منتقل ہو گیا جو فی الحقیقت دنیا کی موجودہ زندگی کا آخری نتیجہ ہے اسی لئے آگے دوزخ کے عذاب سے محفوظ رہنے کی دعاء کی، اور درمیان میں خدا تعالیٰ کی تسبیح و تنزیہہ بیان کر کے اشارہ کر دیا کہ جو احمق قدرت کے ایسے صاف و صریح نشان دیکھتے ہوئے تجھ کو نہ پہچانیں یا تیری شان کو گھٹائیں یا کارخانہ عالم کو محض عبث و لعب سمجھیں، تیری بارگاہ اُن سب کی ہزلیات و خرافات سے پاک ہے۔ اِس آیت سے معلوم ہوا کہ آسمان و زمین اور دیگر مصنوعات الٰہیہ میں غور و فکر کرنا وہی محمود ہو سکتا ہے جس کا نتیجہ خدا کی یاد اور آخرت کی طرف توجہ ہو، باقی جو مادہ پرست اِن مصنوعات کے تاروں میں اُلجھ کر رہ جائیں اور صانع کی صحیح معرفت تک نہ پہنچ سکیں، خواہ دنیا انہیں بڑا محقق اور سائنس داں کہا کرے، مگر قرآن کی زبان میں وہ اولوالالباب نہیں ہو سکتے۔ بلکہ پرلے درجہ کے جاہل و احمق ہیں۔

(٢٩٠) جو شخص جتنی دیر دوزخ میں رہے گا اسی قدر رسوائی سمجھو۔ اس قاعدہ سے دائمی رسوائی صرف کفار کیلئے ہے۔ جن آیات میں عامۂ مومنین سے خزی (رسوائی) کی نفی کی گئی ہے وہاں یہی معنی سمجھنے چاہئیں۔

(٢٩١) یعنی جس کو خدا دوزخ میں ڈالنا چاہے، کوئی حمایت کر کے بچا نہیں سکتا۔ ہاں جن کو ابتداء میں یا آخر میں چھوڑنا اور معاف کر دینا ہی منظور ہوگا (جیسے عصاۃ مومنین) ان کے لئے شفعاء کو اجازت دی جائیگی کہ سفارش کر کے بخشوائیں۔ وہ اس کے مخالف نہیں۔ بلکہ آیات و احادیث صحیحہ سے ثابت ہے۔

رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِيْ لِلْاِيْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا ۖ رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا

اے رب ہمارے ہم نے سُنا کہ ایک پکارنے والا پکارتا ہے ایمان لانے کو کہ ایمان لاؤ اپنے رب پر ف٢٩٢ سو ہم ایمان لائے ف٢٩٣ اے رب ہمارے اب بخش دے

ذُنُوْبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّاٰتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ ﴿۱۹۳﴾ رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰي رُسُلِكَ

گناہ ہمارے اور دور کر دے ہم سے برائیاں ہماری اور موت دے ہمکو نیک لوگوں کیساتھ ف٢٩٤ اے رب ہمارے اور دے ہمکو جو وعدہ کیا تو نے ہم سے اپنے رسولوں کے واسطے

وَلَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ﴿۱۹۴﴾ فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ اَنِّىْ لَآ اُضِيْعُ

اور رسوا نہ کر ہم کو قیامت کے دن ف٢٩٥ بیشک تو وعدہ کے خلاف نہیں کرتا ف٢٩٦ پھر قبول کی اُن کی دعاء اُنکے رب نے کہ میں ضائع نہیں کرتا

عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى ۚ بَعْضُكُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۚ فَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَاُخْرِجُوْا

محنت کسی محنت کرنیوالی کی تم میں سے مرد ہو یا عورت تم آپس میں ایک ہو ف٢٩٧ پھر وہ لوگ کہ ہجرت کی اُنہوں نے اور نکالے گئے

مِنْ دِيَارِھِمْ وَاُوْذُوْا فِيْ سَبِيْلِيْ وَقٰتَلُوْا وَقُتِلُوْا لَاُكَفِّرَنَّ عَنْھُمْ سَيِّاٰتِھِمْ وَلَاُدْخِلَنَّھُمْ

اپنے گھروں سے اور ستائے گئے میری راہ میں اور لڑے اور مارے گئے البتہ دور کرونگا میں اُن سے برائیاں اُن کی اور داخل کرونگا اُن کو

جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الثَّوَابِ ﴿۱۹۵﴾

باغوں میں جن کے نیچے بہتی ہیں نہریں ف٢٩٨ یہ بدلہ ہے اللہ کے ہاں سے اور اللہ کے ہاں ہے اچھا بدلہ ف٢٩٩

(۲۹۲) **مومنین کی ایک جامع دعاء** | یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جنہوں نے بڑی اونچی آواز سے دنیا کو پکارا۔ یا قرآن کریم جس کی آواز گھر گھر میں پہنچ گئی۔

(۲۹۳) پہلے ایمان عقلی کا ذکر تھا، یہ ایمان سمعی ہوا جس میں ایمان بالرسول اور ایمان بالقرآن بھی درج ہو گیا۔

(۲۹۴) یعنی ہمارے بڑے بڑے گناہ بخش دے اور چھوٹی موٹی برائیوں پر پردہ ڈال دے اور جب اٹھانا ہو نیک بندوں کے زمرہ میں شامل کر کے دنیا سے اُٹھالے۔

(۲۹۵) یعنی پیغمبروں کی زبانی، اُن کی تصدیق کرنے پر جو وعدے آپ نے کئے ہیں (مثلاً دنیا میں آخرکار اعداء اللہ پر غالب و منصور کرنا اور آخرت میں جنت و رضوان سے سرفراز فرمانا) اُن سے ہم کو اس طرح بہرہ اندوز کیجئے کہ قیامت کے دن ہماری کسی قسم کی ادنیٰ سے ادنیٰ رسوائی بھی نہ ہو۔

(۲۹۶) یعنی آپ کے ہاں تو وعدہ خلافی کا احتمال نہیں، ہم میں احتمال ہے کہ مبادا ایسی غلطی نہ کر بیٹھیں جو آپ کے وعدوں سے مستفید نہ ہو سکیں۔ اس لئے درخواست ہے کہ ہم کو اُن اعمال پر مستقیم رہنے کی توفیق دیجئے جن کی آپ کے وعدوں سے متمتع ہونے کیلئے ضرورت ہے

(۲۹۷) **کسی کا عمل ضائع نہیں ہوتا** | یعنی مرد ہو یا عورت ہمارے ہاں کسی کی محنت ضائع نہیں جاتی۔ جو کام کرے گا۔ اُس کا پھل پائیگا یہاں عمل شرط ہے۔ نیک عمل کر کے ایک عورت بھی اپنی استعداد کے موافق آخرت کے وہ درجات حاصل کر سکتی ہے جو مرد حاصل کر سکتے ہیں۔ جب تم مرد و عورت ایک نوع انسانی کے افراد ہو، ایک آدم سے پیدا ہوئے ہو۔ ایک رشتہ اسلامی میں منسلک ہو، ایک اجتماعی زندگی اور امور معاشرت میں شریک رہتے ہو تو اعمال اور ان کے ثمرات میں بھی اپنے کو ایک ہی سمجھو۔ روایات میں ہے کہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا تھا یا رسول اللہ! قرآن میں کہیں ہم عورتوں کی ہجرت وغیرہ اعمال حسنہ کا بالتخصیص ذکر نہیں آتا۔ اس کا جواب اس آیت میں دیا گیا۔

(۲۹۸) یعنی جب کسی عمل کرنیوالے کا چھوٹا موٹا عمل بھی ضائع نہیں ہوتا) پھر اُن مردان خدا کا تو پوچھنا ہی کیا ہے جنہوں نے کفر و عصیان چھوڑنے کے ساتھ دارالکفر بھی چھوڑ دیا، وطن، خویش و اقارب، اہل و عیال اور مال و منال سب کو خیرباد کہہ کر دارالاسلام کی طرف نکل کھڑے ہوئے۔ کفار نے اُن پر ظلم و ستم توڑے کہ گھروں میں ٹھہرنا محال ہو گیا۔ وطن چھوڑنے اور گھر بار ترک کرنے پر بھی دشمنوں نے چین نہ لینے دیا۔ طرح طرح کی ایذائیں پہنچاتے رہے اور یہ سب کچھ اس لئے ہوا کہ وہ میرا نام لیتے تھے۔ اور میرا کلمہ پڑھتے تھے يُخْرِجُونَ الرَّسُولَ وَإِيَّاكُمْ أَنْ تُؤْمِنُوا بِاللَّهِ رَبِّكُمْ (الممتحنہ رکوع ۱) وَمَا نَقَمُوا مِنْهُمْ إِلَّا أَنْ يُؤْمِنُوا بِاللَّهِ الْعَزِيزِ الْحَمِيدِ (بروج رکوع ۱) آخر وہ میرے راستہ میں لڑے اور لڑ کر جان دیدی۔ یہ بندے ہیں جن کی تمام تقصیرات معاف کر دی گئیں اور جنت اُن کا انتظار کر رہی ہے۔

(۲۹۹) یعنی اچھا بدلہ تو خدا ہی کے پاس ہے اور کہیں سے نہیں مل سکتا۔ یا یہ مطلب ہو کہ اس بدلہ سے بھی اچھا بدلہ خدا کے پاس ہے۔ یعنی اُس کا دیدار مبارک۔ رزقنا اللہ وسائر المومنین۔

لَا يَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي الْبِلَادِ ﴿١٩٦﴾ مَتَاعٌ قَلِيلٌ ثُمَّ مَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿١٩٧﴾

تجھ کو دھوکا نہ دے چلنا پھرنا کافروں کا شہروں میں یہ فائدہ ہے تھوڑا سا پھر اُن کا ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ بہت بُرا ٹھکانا ہے ۳

لَٰكِنِ الَّذِينَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا نُزُلًا مِنْ

لیکن جو لوگ ڈرتے رہے اپنے رب سے اُن کے لئے باغ ہیں جن کے نیچے بہتی ہیں نہریں ہمیشہ رہیں گے اُن میں مہمانی ہے اللہ

عِنۡدِ اللّٰہِ ؕ وَمَا عِنۡدَ اللّٰہِ خَیۡرٌ لِّلۡاَبۡرَارِ ﴿۱۹۸﴾ وَاِنَّ مِنۡ اَہۡلِ الۡکِتٰبِ لَمَنۡ یُّؤۡمِنُ بِاللّٰہِ وَمَاۤ

کے ہاں سے ف۳۰۲ اور جو اللہ کے ہاں ہے سو بہتر ہے نیکبختوں کے واسطے اور کتاب والوں میں بعضے وہ بھی ہیں جو ایمان لاتے ہیں اللہ پر اور جو

اُنۡزِلَ اِلَیۡکُمۡ وَمَاۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡہِمۡ خٰشِعِیۡنَ لِلّٰہِ ۙ لَا یَشۡتَرُوۡنَ بِاٰیٰتِ اللّٰہِ ثَمَنًا قَلِیۡلًا ؕ اُولٰٓئِکَ

اُترا تمہاری طرف اور جو اُترا اُن کی طرف عاجزی کرتے ہیں اللہ کے آگے نہیں خریدتے اللہ کی آیتوں پر مول تھوڑا یہی ہیں جن

لَہُمۡ اَجۡرُہُمۡ عِنۡدَ رَبِّہِمۡ ؕ اِنَّ اللّٰہَ سَرِیۡعُ الۡحِسَابِ ﴿۱۹۹﴾ یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا اصۡبِرُوۡا وَصَابِرُوۡا

کے لئے مزدوری ہے اُنکے رب کے ہاں ف۳۰۳ بیشک اللہ جلد لیتا ہے حساب ف۳۰۴ اے ایمان والو صبر کرو اور مقابلہ میں مضبوط رہو

وَرَابِطُوۡا ۟ وَاتَّقُوا اللّٰہَ لَعَلَّکُمۡ تُفۡلِحُوۡنَ ﴿۲۰۰﴾ ع

اور لگے رہو اور ڈرتے رہو اللہ سے تاکہ تم اپنی مراد کو پہنچو ف۳۰۵

(۳۰۰) **کفار کی موجودہ حالت سے دھوکا نہ کھاؤ** یعنی کفار جو اِدھر اُدھر تجارت وغیرہ کرکے دولت کماتے اور اکڑتے پھرتے ہیں، مسلمان کو چاہیئے کہ ان سے دھوکہ نہ کھائے۔ یہ محض چند روز کی بہار ہے۔ اگر ایک شخص کو چار دن پلاؤ قورمے کھلانے کے بعد پھانسی یا حبس دوام کی سزا دی جائے تو وہ کیا خوش عیش ہوا۔ خوش عیش وہ ہے جو تھوڑی سی محنت اور تکلیف اٹھا کر ہمیشہ کیلئے اعلیٰ درجہ کی راحت و آسائش کا سامان مہیا کر لے۔

(۳۰۱) اب اس عیش و کامیابی کا اُس چند روزہ بہار سے مقابلہ کرو کہ یہ بہتر ہے یا وہ؟

(۳۰۲) مہمان اس لئے کہا کہ مہمان کو اپنے کھانے پینے کی کچھ فکر کرنی نہیں پڑتی عزت اور آرام سے بیٹھے بٹھائے ہر چیز تیار ملتی ہے۔

(۳۰۳) **اہل کتاب کے متقین کا تذکرہ** اوپر عام متقین کا حال بیان ہوا تھا۔ اب اہل کتاب میں جو متقی ہوں اُن کا خصوصیت سے ذکر فرماتے ہیں۔ یعنی جو اہل کتاب اللہ پر ٹھیک ٹھیک ایمان لائے، قرآن کو مانا اور چونکہ خود قرآن تورات و انجیل کی تصدیق کرتا ہے اُن کو بھی مانا، مگر اُس طرح نہیں جیسے دنیا پرست احبار مانتے تھے کہ تھوڑے سے دنیوی فائدہ کی خاطر آیات اللہ کو چھپا لیا یا بدل ڈالا، بلکہ خدا کے آگے عاجزی اور اخلاص سے گرے اور جس طرح اُس نے کتابیں اُتاری تھیں ٹھیک ٹھیک اُسی اصلی رنگ میں اُن کو تسلیم کیا نہ بشارات کو چھپایا نہ احکام کو بدلا۔ ایسے پاکباز حق پرست اہل کتاب کے لئے اللہ کے ہاں مخصوص اجر ہے۔ چنانچہ قرآن و حدیث کی تصریحات سے ثابت ہے کہ ایسے اہل کتاب کو دوہرا اجر ملیگا۔

(۳۰۴) یعنی حساب کا دن کچھ دور نہیں، جلد آنیوالا ہے اور جب حساب شروع ہوگا تمام دنیا کا پائی پائی حساب بہت جلد بیباق کر دیا جائیگا۔

(۳۰۵) **مسلمانوں کو ایک جامع نصیحت** خاتمہ پر مسلمانوں کو ایک نہایت جامع و مانع نصیحت فرما دی جو گویا ساری سورت کا ماحصل ہے یعنی اگر کامیاب ہونا اور دنیا و آخرت میں مراد کو پہنچنا چاہتے ہو تو سختیاں اُٹھا کر بھی طاعت پر جمے رہو، معصیت سے رُکو، دشمن کے مقابلہ میں مضبوطی اور ثابت قدمی دکھلاؤ، اسلام اور حدود اسلام کی حفاظت میں لگے رہو جہاں سے دشمن کے حملہ آور ہونیکا خطرہ ہو وہاں آہنی دیوار کی طرح سینہ سپر ہو کر ڈٹ جاؤ۔ وَاَعِدُّوۡا لَہُمۡ مَّا اسۡتَطَعۡتُمۡ مِّنۡ قُوَّۃٍ وَّمِنۡ رِّبَاطِ الۡخَیۡلِ تُرۡہِبُوۡنَ بِہٖ عَدُوَّ اللّٰہِ وَعَدُوَّکُمۡ (انفال رکوع ۸) اور ہر وقت ہر کام میں خدا سے ڈرتے رہو۔ یہ کر لیا تو سمجھو مراد کو پہنچ گئے۔ اللّٰھم اجعلنا مفلحین وفائزین بفضلك ورحمتك فی الدنیا والاخرۃ آمین۔ حدیث میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تہجد کے لئے اُٹھتے تو آسمان کی طرف نظر اُٹھا کر یہ گیارہ آیتیں اِنَّ فِیۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ سے ختم سورۃ تک تلاوت کرتے تھے۔ تم سورۃ آل عمران بمنہ وحسن توفیقہ۔ فللّٰہ الحمد والمنۃ وعلیٰ رسولہ الف الف سلام وتحیۃ۔

سُوْرَةُ النِّسَآءِ

سُوْرَةُ النِّسَآءِ ۴ مَدَنِيَّةٌ	بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ	اٰيَاتُهَا ۱۷۶ رُكُوْعَاتُهَا ۲۴
سورۂ نساء مدینہ میں نازل ہوئی اور	شروع اللہ کے نام سے جو بیحد مہربان نہایت رحم والا ہے	اس کی ایک سو چھہتر آیتیں اور چوبیس رکوع ہیں

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا

اے لوگو ڈرتے رہو اپنے رب سے جس نے پیدا کیا تم کو ایک جان سے اور اُسی سے پیدا کیا اُس کا جوڑا

وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ

اور پھیلائے اُن دونوں سے بہت مرد اور عورتیں ف۱ اور ڈرتے رہو اللہ سے جس کے واسطہ سے سوال کرتے ہو آپس میں اور خبردار رہو قرابت والوں سے ف۲ بیشک اللہ

كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا ① وَاٰتُوا الْيَتٰمٰٓى اَمْوَالَهُمْ وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِيْثَ بِالطَّيِّبِ ۠ وَلَا

تم پر نگہبان ہے ف۳ اور دے ڈالو یتیموں کو اُن کا مال اور بدل نہ لو بُرے مال کو اچھے مال سے اور نہ

تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَهُمْ اِلٰٓى اَمْوَالِكُمْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ حُوْبًا كَبِيْرًا ②

کھاؤ اُن کے مال اپنے مالوں کے ساتھ یہ ہے بڑا وبال ف۴

(۱) **اے انسانو تم ایک جان سے پیدا کئے گئے ہو** یعنی حضرت آدم علیہ السلام سے اوّل تو حضرت حوّا کو اُن کی بائیں پسلی سے نکالا پھر ان دونوں سے تمام مرد اور عورتوں کو پیدا کیا اور دنیا میں پھیلایا تو حقیقت میں تمام آدمی ایک جان اور ایک شخص سے اللہ تعالیٰ نے پیدا کیے مطلب یہ ہے کہ جب تم سب کو عدم سے وجود میں لانے والا اور پھر تم کو باقی اور قائم رکھنے والا وہی ہے تو اُس سے ڈرنا اور اس کی فرمانبرداری ضروری بات ہے۔ اس سے اشارہ ہوگیا دو مضمونوں کی طرف، اول یہ کہ اللہ تعالیٰ تم سب کا خالق اور موجد ہے دوسرے یہ کہ تمام آدمیوں کے لئے سبب وجود کہ جس سے اللہ تعالیٰ نے سب کو پیدا فرمایا ایک ہی جان یعنی ابوالبشر آدم علیہ السلام ہے جس سے معلوم ہوگیا کہ ہمارا اصلی تعلق تو اللہ سے ہے کیونکہ علت تامہ اور اس کے معلول میں جس قدر تعلق اور قرب اور علاقۂ احتیاج ہوتا ہے وہ کسی میں ممکن نہیں، اُس کے بعد وہ تعلق اور قرب ہے جو افراد انسانی میں باہم پایا جاتا ہے کیونکہ ان کا سبب وجود اور مخلوق منہ بالکل شئے واحد ہے جس سے معلوم ہوگیا کہ اول تو ہمارے ذمہ پر خدا تعالیٰ کی اطاعت لازم ہونی چاہئے کہ وہ ہمارا خالق ہے اُس کے بعد تمام مخلوقات میں خاص اپنے بنی نوع کی رعایت اور اُن کے ساتھ حسن سلوک کرنا ہم پر ضروری ہونا چاہئے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہم سب کے لئے مخلوق منہ اور سبب وجود ایک چیز کو مقرر فرمایا تو جو قرب اور جو اتحاد افراد انسانی میں باہم موجود ہے وہ کسی دوسری چیز کے ساتھ حاصل نہیں اسی وجہ سے شرعاً اور عقلاً آدمیوں میں باہم حسن سلوک ایسا ضروری اور بدسلوکی اس قدر مذموم ہے جو اوروں کے ساتھ نہیں جس کی تفصیل نصوص اور احکام شرعیہ میں برابر موجود ہے شیخ علیہ الرحمہ نے اسی مضمون کو بیان کیا ہے۔ قطعہ: بنی آدم اعضائے یک دیگر اند ٭ چو بعضے ز بعضے اگر کمتر اند، چو عضوے بدرد آورد روزگار ٭ دگر عضوہا را نماند قرار۔ تو اس موقع میں حق تعالیٰ نے اپنی خالقیت ظاہر فرما کر اپنی اطاعت کا حکم دیا اور بنی آدم کے اتحاد اصلی کو جتلا کر اس طرف اشارہ فرمایا کہ باہم ایک ہو کر رہو چنانچہ آیت کے آئندہ حصہ میں اس اشارہ کو ظاہر کر دیا۔

(۲) **رشتہ داروں کے حقوق** خالق اور رب یعنی موجد اور مبقی ہونے کے علاوہ اللہ سے ڈرنے اور اُس کی اطاعت کے وجوب کی ایک

یہ بھی وجہ ہے کہ تم اُس کا واسطہ دے کر آپس میں ایک دوسرے سے اپنے حقوق اور فوائد طلب کرتے ہو اور آپس میں اُس کی قسمیں دیتے ہو اور اُن پر اطمینان حاصل کرتے کراتے ہو یعنی اپنے باہمی معاملات اور حاجات عارضہ میں بھی اُسی کا ذریعہ پکڑتے ہو مطلب یہ ہوا کہ وجود اور بقا ہی میں احتیاج منحصر نہیں بلکہ تمام حاجتوں اور کاموں میں بھی اُس کے محتاج ہو اس لئے اس کی اطاعت کا ضروری ہونا اور بھی محقق ہو گیا اس کے بعد تم کو یہ حکم ہے کہ قرابت سے بھی ڈرو یعنی اہل قرابت کے حقوق ادا کرتے رہو اور قطع رحم اور بدسلوکی سے بچو۔ بنی نوع یعنی تمام افراد انسانی کے ساتھ علی العموم سلوک کرنا تو آیت کے پہلے حصہ میں آچکا تھا اہل قرابت کے ساتھ چونکہ قرب و اتحاد مخصوص اور بڑھا ہوا ہے اس لئے ان کی بدسلوکی سے اب خاص طور پر ڈرایا گیا۔ کیونکہ اُن کے حقوق دیگر افراد انسانی سے بڑھے ہوئے ہیں چنانچہ حدیث قدسی قال اللہ تبارک وتعالیٰ انا اللہ وانا الرحمٰن خلقت الرحم وشققت لها من اسمی فمن وصلها وصلته ومن قطعها قطعته اور حدیث خلق اللہ الخلق فلما فرغ منه قامت الرحم فاخذت بحقوی الرحمٰن فقال مه قالت هذا مقام العائذ بك من القطيعة قال الا ترضين ان اصل من وصلك واقطع من قطعك قالت بلى يا رب قال فذاك اور حدیث الرحم شجنة من الرحمٰن فقال اللہ من وصلك وصلته ومن قطعك قطعته اور حدیث الرحم معلقة بالعرش تقول من وصلني وصله اللہ ومن قطعني قطعه اللہ اس پر شاہد ہیں اور رحم کے اختصاص مذکور اور تعلق کی طرف مشیر ہیں تو اب نتیجہ یہ نکلا کہ معدن وجود اور منشائے وجود کے اتحاد کے باعث تو تمام بنی آدم میں رعایت حقوق اور حسن سلوک ضروری ہے اُس کے بعد اگر کسی موقع میں کسی خصوصیت کی وجہ سے اتحاد میں زیادتی ہو جائے گی جیسے اقارب میں یا کسی موقع میں شدت احتیاج پائی جائیگی جیسے یتامیٰ اور مساکین وغیرہ تو وہاں رعایت حقوق میں بھی ترقی ہو جائیگی ان کے علاوہ جب حکم خداوندی بھی صاف آ گیا کہ ارحام کے حقوق کی رعایت اور حفاظت رکھو تو اب تو اُس کی تاکید انتہا کو پہنچ گئی۔ چنانچہ اس سورت میں اکثر احکام اسی تعلق عام اور دیگر تعلقات خاصہ کے متعلق مذکور ہیں گویا وہ احکام اس امر کلی کی جو کہ یہاں سے مذکور ہوا تفصیل ہیں۔

(۳) یعنی تمہارے تمام احوال و اعمال سے واقف ہے اُس کے حکم کی متابعت کرو گے تو ثواب پاؤ گے ورنہ مستحق عذاب ہو گے اور تمہاری تعلقات ارحام اور اُن کے مراتب اور ہر ایک کے مناسب اُس کے حقوق کو بھی خوب جانتا ہے۔ اس لئے اس کے متعلق جو تم کو حکم دے اس کو حق سمجھو اور اُس پر عمل کرو۔

(۴) **یتیموں کے مال کی حفاظت کے احکام** یعنی یتیم بچے جن کا کہ باپ مر گیا ہو اُن کے متعلق اُن کے ولی اور سرپرست کو یہ حکم ہے کہ جب وہ بالغ ہو جائیں تو اُن کا مال اُن کے سپرد کر دے اور زمانہ تولیت میں یتیموں کی کسی اچھی چیز کو لے کر اس کے معاوضہ میں بُری اور گھٹیا چیز اُن کے مال میں شامل نہ کر دے اور اُن کے مال کو اپنے مال کے ساتھ ملا کر نہ کھاوے مثلاً ولی کو اجازت ہے کہ اپنا اور یتیم کا کھانا مشترک اور شامل رکھے مگر یہ ضرور ہے کہ یتیم کا نقصان نہ ہونے پائے یہ نہ ہو کہ اس شرکت کے بہانے سے یتیم کا مال کھا جاوے اور اپنا نفع کرے کیونکہ یتیم کا مال کھانا سخت گناہ ہے۔ احکام متعلقہ ارحام میں یتیموں کے حکم کو شاید اس لئے مقدم بیان فرمایا کہ یتیم اپنی بے سروسامانی اور مجبوری اور بے چارگی اور بے کسی کے باعث رعایت و حفاظت اور شفقت کا نہایت محتاج ہے اور اسی اہتمام کی وجہ سے تبدیل اور شرکت کے نقصان کی بھی کھول کر ممانعت فرما دی اور آئندہ متعدد آیات میں بھی یتیموں کے متعلق چند احکام ارشاد ہوئے جن سے اہتمام مذکور ظاہر و باہر معلوم ہوتا ہے اور یہ تمام احکام اور تاکیدات جملہ یتیموں کے حق میں ہیں البتہ وہ یتیم جو قرابت دار ہیں اُن کے بارہ میں تاکید میں زیادہ شدت ہو گی اور وہی شان نزول اور سبب ربط بین الآیات ہیں اور عادت و عرف کے بھی موافق ہیں کیونکہ یتیم بچہ کا ولی اکثر

اُس کا کوئی قریب ہی ہوتا ہے ۔

وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِی الْیَتٰمٰی فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَ

اور اگر ڈرو کہ انصاف نہ کر سکو گے یتیم لڑکیوں کے حق میں تو نکاح کر لو جو اور عورتیں تم کو خوش آویں دو دو

ثُلٰثَ وَرُبٰعَ ۚ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً اَوْ مَا مَلَكَتْ اَیْمَانُكُمْ ؕ ذٰلِكَ اَدْنٰۤى

تین تین چار چار ف۵ پھر اگر ڈرو کہ اُن میں انصاف نہ کر سکو گے تو ایک ہی نکاح کرو یا لونڈی جو اپنا مال ہے ف۶ اس میں اُمید ہے کہ ایک

اَلَّا تَعُوْلُوْا ۳ ؕ وَ اٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً ؕ فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَیْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا

طرف نہ جھک پڑو گے ف۷ اور دے ڈالو عورتوں کو مہر اُن کے خوشی سے ف۸ پھر اگر وہ اس میں سے کچھ چھوڑ دیں تم کو اپنی خوشی سے

فَكُلُوْهُ هَنِیْٓـًٔا مَّرِیْٓـًٔا ۴ وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِیْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِیٰمًا

تو اُس کو کھاؤ رچتا پچتا ف۹ اور مت پکڑا دو بےعقلوں کو اپنے وہ مال جن کو بنایا ہے اللہ نے تمہارے گذران کا سبب

وَّارْزُقُوْهُمْ فِیْهَا وَاكْسُوْهُمْ وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۵

اور ان کو اُس میں سے کھلاتے اور پہناتے رہو اور کہو اُن سے بات معقول ف۱۰

(۵) احادیث صحیحہ میں منقول ہے کہ یتیم لڑکیاں جو اپنے ولی کی تربیت میں ہوتی تھیں اور وہ لڑکی اُس ولی کے مال اور باغ میں بوجہ قرابت باہمی شریک ہوتی تو اب دو صورتیں پیش آتیں کبھی تو یہ ہوتا کہ ولی کو اُس کا جمال اور مال دونوں مرغوب ہوتے تو وہ ولی اُس سے تھوڑے سے مہر پر نکاح کر لیتا کیونکہ دوسرا شخص اس کی لڑکی کا حق مانگنے والا تو کوئی ہے ہی نہیں اور کبھی یہ ہوتا کہ یتیم لڑکی کی صورت تو مرغوب نہ ہوتی مگر ولی یہ خیال کرتا کہ دوسرے سے نکاح کرونگا تو لڑکی کا مال میرے قبضہ سے نکل جائے گا اور میرے مال میں دوسرا شریک ہو جاویگا۔ اس مصلحت سے نکاح تو جوں توں کر لیتا مگر منکوحہ سے کچھ رغبت نہ رکھتا۔

چار شادیوں کی اجازت اُس پر یہ آیت اُتری اور اولیا کو ارشاد ہوا کہ اگر تم کو اس بات کا ڈر ہے کہ تم یتیم لڑکیوں کی بابت انصاف نہ کر سکو گے اور اُن کے مہر اور اُن کے ساتھ حسن معاشرت میں تم سے کوتاہی ہوگی تو تم اُن سے نکاح مت کرو بلکہ اور عورتیں جو تم کو مرغوب ہوں اُن سے ایک چھوڑ چار تک کی تم کو اجازت ہے قاعدہ شریعت کے موافق اُن سے نکاح کر لو تاکہ یتیم لڑکیوں کو بھی نقصان نہ پہنچے کیونکہ تم اُن کے حقوق کے حامی رہو گے اور تم بھی کسی خرابی اور گناہ میں نہ پڑو جاننا چاہئے کہ مسلمان آزاد کے لئے زیادہ سے زیادہ چار نکاح تک اور غلام کے لئے دو تک کی اجازت ہے اور حدیثوں میں بھی اسی کی تصریح ہے اور ائمہ دین کا بھی اسی پر اجماع ہے اور تمام اُمت کے لئے یہی حکم ہے صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت اور آپ کا امتیاز ہے کہ اس سے زائد کی اجازت ہے **فائدہ** یتیم لڑکیوں کے نکاح کی تیسری صورت یہ بھی حدیث میں ہے کہ جس یتیم لڑکی کی طرف صورت اور مال دونوں وجہ سے بے رغبتی ہوتی تھی اس کا نکاح ولی دوسری جگہ کر دیتا تھا مگر ظاہر ہے کہ اس آیت کو اُس صورت سے تعلق نہیں۔

(۶) **ایک سے زائد نکاح کیلئے انصاف کی شرط** یعنی اگر تم کو اس کا ڈر ہو کہ کئی عورتوں میں انصاف اور مساوات کے مطابق معاملہ نہ کر سکو گے تو پھر ایک ہی نکاح پر قناعت کرو یا صرف لونڈیوں پر ایک ہو یا زیادہ بس کرو یا چاہو تو ایک منکوحہ کے ساتھ ایک یا چند لونڈیوں کو جمع کر لو۔

(۷) یعنی صرف ایک عورت سے نکاح کرنے میں یا فقط اپنی لونڈی یا اپنی لونڈیوں پر قناعت کرنے میں یا ایک نکاح کے ساتھ ایک لونڈی یا چند لونڈیوں کو جمع کرنے میں اس بات کی توقع ہے کہ تم بے انصافی اور خلاف عدل سے محفوظ رہو کیونکہ زوجات کے جو حقوق ہیں وہ اپنی مملوکہ لونڈی کے نہیں کہ اُن میں عدل نہ ہونے سے تم پر مواخذہ ہو نہ اُن کے لئے مہر ہے نہ معاشرت کے لئے کوئی حد مقرر ہے **فائدہ** جس کے کئی عورتیں ہوں تو اُس پر واجب ہے کہ کھانے پینے اور لینے دینے میں اُن کو برابر رکھے اور رات کو اُن کے پاس رہنے میں باری برابر باندھے اگر برابری نہ کریگا تو قیامت کو وہ مفلوج ہو گا ایک کروٹ گھسٹتی چلیگی اور کسی کے نکاح میں ایک حرہ اور ایک لونڈی ہو تو حرہ سے نصف باری ملے گی اور جو لونڈی اپنی مِلک میں ہو اُس کا باری میں کوئی حق مقرر نہیں مالک کی خوشی پر ہے۔

(۸) **مہر کی ادائیگی کا حکم** یعنی جن عورتوں سے نکاح کرو اُن کے مہر خوشدلی اور رغبت کے ساتھ خود ادا کر دو اُنکا کوئی حامی اور تم سے تقاضا کر کے وصول کرنے والا ہو یا نہ ہو۔ ایسا کرو۔ تو پھر یتیم لڑکیوں سے نکاح کرنے میں کوئی حرج ہی نہیں حرج تو جب ہے کہ مہر دینے میں یا اُن کے کسی حق کے ادا کرنے میں گرانی ہو۔

(۹) یعنی اگر عورت اپنی خوشی سے مہر میں سے کوئی مقدار زوج کو معاف کر دے یا لے کر پھر زوج کو ہبہ کر دے تو اس میں کچھ حرج نہیں زوج اُس کو خوشی سے کھالے جو کھانا لذیذ ہو اور طبیعت اُس کو رغبت کے ساتھ قبول کرلے اس کو ہنی کہتے ہیں اور جو کھانا ہضم ہو کر بخوبی جزو بدن اور موجب صحت و قوت ہو وہ مری ہے۔

(۱۰) **یتیموں کی پرورش کے مسائل** یعنی بے سمجھ لڑکوں کے ہاتھ میں اُن کا وہ مال مت دیدو کہ جس کو اللہ تعالیٰ نے آدمیوں کے لئے سامان معیشت بنایا ہے بلکہ اُس کی پوری حفاظت رکھو اور اندیشہ ہلاکت سے بچاؤ اور جب تک اُن کو نفع نقصان کا ہوش نہ آئے اُس وقت تک اُن کو اُس میں سے کھلاؤ پہناؤ اور تسلی کرتے رہو کہ یہ سب مال تمہارا ہی ہے ہم تو تمہاری خیر خواہی کرتے ہیں جب سمجھ دار ہو جاؤ گے تم کو ہی دینگے

وَابْتَلُوا الْيَتٰمٰى حَتّٰٓى اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ ۚ فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوْٓا اِلَيْهِمْ

اور سدھاتے رہو یتیموں کو جب تک پہنچیں نکاح کی عمر کو پھر اگر دیکھو اُن میں ہوشیاری تو حوالہ کر دو اُن کے

اَمْوَالَهُمْ ۚ وَلَا تَاْكُلُوْهَآ اِسْرَافًا وَّبِدَارًا اَنْ يَّكْبَرُوْا ۭ وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ ۚ

مال اُن کو ف۱۱ اور کھا نہ جاؤ یتیموں کا مال ضرورت سے زیادہ اور حاجت سے پہلے کہ یہ بڑے نہ ہو جائیں ف۱۲ اور جس کو حاجت نہ ہو تو مال یتیم سے بچتا رہے

وَمَنْ كَانَ فَقِيْرًا فَلْيَاْكُلْ بِالْمَعْرُوْفِ ۭ فَاِذَا دَفَعْتُمْ اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ فَاَشْهِدُوْا

اور جو کوئی محتاج ہو تو کھاوے موافق دستور کے ف۱۳ پھر جب اُن کو حوالہ کرو اُن کے مال تو گواہ کر لو

عَلَيْهِمْ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا (۶) لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ ۠ وَلِلنِّسَاۗءِ

اُس پر اور اللہ کافی ہے حساب لینے کو ف۱۴ مردوں کا بھی حصہ ہے اس میں جو چھوڑ مریں ماں باپ اور قرابت والے اور عورتوں کا بھی

نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ اَوْ كَثُرَ ۭ نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا (۷) وَاِذَا

حصہ ہے اُس میں جو چھوڑ مریں ماں باپ اور قرابت والے تھوڑا ہو یا بہت ہو حصہ مقرر کیا ہوا ہے ف۱۵ اور جب

حَضَرَ الْقِسْمَةَ اُولُوا الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنُ فَارْزُقُوْھُمْ مِّنْهُ وَقُوْلُوْا لَھُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا (۸)

حاضر ہوں تقسیم کے وقت رشتہ دار اور یتیم اور محتاج تو اُن کو کچھ کھلا دو اُس میں سے اور کہہ دو اُن کو بات معقول ف۱۶

(۱۱) یعنی یتیموں کو سدھاتے اور آزماتے رہو بلوغ کے وقت تک پھر بلوغ کے بعد اگر اُن میں اپنے نفع نقصان کی سمجھ اور حفاظت وانتظام مال کا سلیقہ پاؤ تو اُن کا مال اُن کے حوالہ کر دو۔ یتیموں کے سدھانے اور آزمانے کی عمدہ صورت یہی ہے کہ کم قیمت معمولی چیزوں کی اُن سے خرید و فروخت کرائی جائے اور اُس کا طریقہ اُن کو بتایا جائے اس سے معلوم ہوا کہ نابالغ کی بیع وشراولی کی اجازت سے جو ہو گی وہ درست ہوگی امام ابو حنیفہ کا یہی مذہب ہے۔ اور اگر بالغ ہو کر بھی اُس میں ہوشیاری نہ آئے تو امام ابو حنیفہ کا یہ مذہب ہے کہ پچیس برس کی عمر تک انتظار کرو اس درمیان میں جب اُس کو سمجھ آجائے مال اُس کے حوالہ کر دو ورنہ پچیس سال پر بہر حال میں اُس کا مال اُس کو دے دو۔ پوری سمجھ آئے یا نہ آئے۔

(۱۲) یعنی یتیم کے مال کو ضرورت سے زیادہ صرف کرنا منع ہے مثلاً ایک پیسہ کی جگہ دو پیسے صرف کر دو اور یہ بھی منع ہے کہ اس بات سے گھبرا کر کہ یتیم بڑے ہو کر اپنا مال ہم سے لے لیں گے خرچ کرنے میں جلدی کرنے لگو خلاصہ یہ ہوا کہ یتیم کے مال کو بقدر ضرورت اور بروقت ضرورت صرف کرنا چاہیئے۔

(۱۳) یعنی یتیم کا مال ولی اپنے خرچ میں نہ لائے اور اگر یتیم کی پرورش کرنے والا محتاج ہو تو البتہ اپنی خدمت کرنے کے موافق یتیم کے مال میں سے دستور کے موافق لے لیوے۔ مگر غنی کو کچھ لینا ہرگز جائز نہیں۔

(۱۴) **یتیموں کا مال گواہوں کی موجودگی میں ادا کرو۔** جب کسی بچہ کا باپ مر جائے تو چاہیئے کہ چند مسلمانوں کے رُو برُو یتیم کا مال لکھ کر امانتدار کو سونپ دیں جب یتیم بالغ ہوشیار ہو جائے تو اُس تحریر کے موافق اس کا مال اُس کے حوالہ کریں اور جو کچھ خرچ ہوا ہو وہ اس کو سمجھا دیں اور جو کچھ یتیم کے حوالہ کیا جائے شاہدوں کو دکھلا کر حوالہ کریں۔ شاید کسی وقت اختلاف ہو تو بسہولت طے ہو سکے اور اللہ تعالیٰ ہر ہر چیز کی حفاظت کرنے والا اور حساب سمجھنے والا کافی ہے اُس کو کسی حساب یا شہادت کی حاجت نہیں یہ سب باتیں تمہاری سہولت اور صفائی کی وجہ سے مقرر فرمائیں۔ جاننا چاہیئے کہ یتیم کا مال لینے اور دینے کے وقت گواہ کرنا اور اُس کو لکھ لینا مستحب ہے۔

(۱۵) **ترکے اور میراث کے احکام** حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے پہلے یہ رسم تھی کہ بیٹیوں کو چھوٹی ہوں یا بڑی میراث نہیں دیتے تھے اور بیٹے جو نابالغ ہوتے تھے اُن کو بھی میراث نہیں ملتی تھی صرف مردوں کو جو بڑے اور دشمنوں سے مقاتلہ کے کام کے ہوتے تھے وہ وارث سمجھے جاتے تھے جس کی وجہ سے یتیم بچوں کو میراث سے کچھ بھی نہ ملتا تھا اُن کے بارہ میں یہ آیت اُتری جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ماں باپ اور دیگر قرابت والوں کے مال متروکہ میں سے مردوں یعنی بیٹوں کو خواہ وہ بچے ہوں یا جوان اُن کا حصہ ملیگا اور عورتوں یعنی بیٹیوں کو بھی بالغ ہوں یا نابالغ ماں باپ وغیرہ اقارب کے ترکہ میں سے اُن کا حصہ دیا جائے گا اور یہ حصے مقرر کئے ہوئے ہیں جن کا دینا ضروری ہے خواہ مال تھوڑا ہو یا بہت اس سے اہل جاہلیت کی رسم مذموم کا ابطال ہو گیا اور یتیموں وغیرہ کے حقوق کی حفاظت فرما کر اُن کی حق تلفی کو روک دیا۔ فائدہ اس آیت میں حق والوں کا حق اور اُس کا تقرر اور تعین بالاجمال بتلایا گیا آئندہ رکوع میں وارثوں کے حصہ کی تفصیل آتی ہے۔

(۱۶) **تقسیم میراث کے وقت غریب رشتہ داروں سے سلوک** یعنی تقسیم میراث کے وقت برادری اور کنبہ کے لوگ جمع ہوں تو جو رشتہ دار ایسے ہوں جن کو میراث میں حصہ نہیں پہنچتا یا جو یتیم اور محتاج ہوں اُن کو کچھ کھلا کر رُخصت کر دیا کوئی چیز ترکہ میں سے حسب موقع اُن کو بھی دے دو کہ یہ سلوک کرنا مستحب ہے اور اگر مال میراث میں سے کھلانے یا کچھ دینے کا موقع نہ ہو مثلاً وہ یتیموں کا مال ہے اور میت نے وصیت بھی نہیں کی تو اُن لوگوں سے معقول بات کہہ کر رخصت کر دو یعنی نرمی سے عذر کر دو کہ یہ مال یتیموں کا ہے اور میت نے وصیت بھی نہیں کی اس لئے ہم مجبور ہیں۔ ابتدائے سورت میں بیان ہو چکا ہے کہ تمام قرابت والے درجہ بدرجہ سلوک

اور مراعات کے مستحق ہیں اور یتامیٰ اور مساکین بھی اور جو قریب یتیم یا مسکین بھی ہو تو اُسکی رعایت اور بھی زیادہ ہونی چاہیئے اس تقسیم میراث کے وقت اُن کو حتی الوسع کچھ نہ کچھ دینا چاہیئے۔ اگر کسی وجہ سے وارث نہ ہو تو حسنِ سلوک سے محروم نہ رہیں۔

وَلْيَخْشَ الَّذِينَ لَوْ تَرَكُوا مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَّةً ضِعٰفًا خَافُوا عَلَيْهِمْ فَلْيَتَّقُوا اللّٰهَ وَلْيَقُولُوا

اور چاہیئے کہ ڈریں وہ لوگ کہ اگر چھوڑیں اپنے پیچھے اولاد ضعیف تو اُن پر اندیشہ کریں یعنی ہماری پیچھے ایسا ہی حال اُنکا ہوگا تو چاہیئے کہ ڈریں اللہ سے اور کہیں

قَوْلًا سَدِيدًا ﴿۹﴾ إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا إِنَّمَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ نَارًا

بات سیدھی ف۱۷ جو لوگ کہ کھاتے ہیں مال یتیموں کا ناحق وہ لوگ اپنے پیٹوں میں آگ ہی بھر رہے ہیں

ع ۱ / ۱۲ وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيرًا ﴿۱۰﴾ يُوصِيكُمُ اللّٰهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ فَإِنْ كُنَّ نِسَاءً

اور عنقریب داخل ہونگے آگ میں ف۱۸ حکم کرتا ہے تم کو اللہ تمہاری اولاد کے حق میں کہ ایک مرد کا حصہ ہے برابر دو عورتوں کے ف۱۹ پھر اگر صرف عورتیں ہی ہوں

فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ وَإِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ وَلِأَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ

دو سے زیادہ تو اُن کے لئے ہے دو تہائی اُس مال سے جو چھوڑ مرا اور اگر ایک ہی ہو تو اُس کے لئے آدھا ہے ف۲۰ اور میت کے ماں باپ کو ہر ایک کیلئے دونوں

مِنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ إِنْ كَانَ لَهُ وَلَدٌ فَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ وَلَدٌ وَوَرِثَهُ أَبَوَاهُ فَلِأُمِّهِ

میں سے چھٹا حصہ ہے اُس مال سے جو کہ چھوڑ مرا اگر میت کے اولاد ہے ف۲۱ اور اگر اُس کے اولاد نہیں اور وارث ہیں اُسکے ماں باپ تو اُسکی ماں کا ہے

الثُّلُثُ فَإِنْ كَانَ لَهُ إِخْوَةٌ فَلِأُمِّهِ السُّدُسُ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِي بِهَا أَوْ دَيْنٍ آبَاؤُكُمْ

تہائی ف۲۲ پھر اگر میت کے کئی بھائی ہیں تو اُس کی ماں کا ہے چھٹا حصہ ف۲۳ بعد وصیت کے جو کر مرا یا بعد ادائے قرض کے ف۲۴ تمہارے

وَأَبْنَاؤُكُمْ لَا تَدْرُونَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا فَرِيضَةً مِنَ اللّٰهِ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا ﴿۱۱﴾

باپ اور بیٹے تم کو معلوم نہیں کون نفع پہنچائے تم کو زیادہ حصہ مقرر کیا ہوا اللہ کا ہے بیشک اللہ خبردار ہے حکمت والا ف۲۵

(۱۷) یہ ارشاد اصل میں تو یتیم کے ولی اور وصی کے لئے ہے درجہ بدرجہ اوروں کو بھی اس کا خیال رہے مطلب یہ ہے کہ اپنے مرنے کے بعد جیسا ہر کوئی اس بات سے ڈرتا ہے کہ میری اولاد کے ساتھ سختی اور بُرائی سے معاملہ کیا جائے ایسا ہی تم کو بھی چاہیئے کہ یتیم کے ساتھ وہ معاملہ کرو جو اپنے بعد اپنی اولاد کے ساتھ پسند کرتے ہو اور اللہ سے ڈرو اور یتیموں سے سیدھی اور اچھی بات کہو یعنی جس سے اُن کا دل نہ ٹوٹے اور اُن کا نقصان نہ ہو بلکہ اُن کی اصلاح ہو۔

(۱۸) **یتیموں کے مال میں خیانت کی سزا** آیات متعددہ سابقہ میں یتیموں کے مال کے متعلق مختلف طرح سے احتیاط کرنے کا حکم تھا اور اُن کے مال میں خیانت کو بڑا گناہ بتایا گیا ہے اب اخیر میں مال یتیم میں خیانت کرنے پر وعید شدید بیان فرما کر اُس حکم کو خوب مؤکد کر دیا کہ جو کوئی یتیم کا مال بلا استحقاق کھاتا ہے وہ اپنے پیٹ میں جہنم کی آگ بھر رہا ہے یعنی اس کھانے کا انجام ہوگا۔ اور جملۂ اخیر میں اسکو ظاہر کر دیا گیا

(۱۹) **میراث میں اولاد کے حصے** اوپر اقارب میت کے وارث ہونے کا ذکر ہوا تھا اور اُن کے حصوں کے تقرر اور تعین کی طرف اجمالی اشارہ فرما دیا تھا اب اقارب اور اُن کے حصوں کی تفصیل بتلائی جاتی ہے اور اُس سے پہلے سے یتیموں کے حق میں تشدد اور تاکیدات کا ذکر چلا آرہا تھا جس سے یہ بات بھی معلوم ہو گئی کہ اقارب میت میں اگر کوئی یتیم ہو تو اُس کا حصہ دینے میں بہت ہی احتیاط اور اہتمام چاہیئے اہل عرب کی قدیم رسم کے موافق اُن کو میراث سے محروم کر دینا سخت ظلم اور بڑا گناہ ہے اب اقارب میں سب سے

پہلے اولاد کے حصّہ کو بیان فرمایا کہ اگر کسی میت کی اولاد بیٹا بیٹی دونوں ہوں تو اُن کی میراث دینے کا یہ قاعدہ ہے کہ ایک بیٹا دو بیٹیوں کے برابر حصّہ پائیگا مثلاً ایک بیٹا اور دو بیٹیاں ہوں تو نصف مال بیٹے کا اور نصف دونوں بیٹیوں کا ہوگا اور اگر ایک بیٹا اور ایک بیٹی ہوگی تو دو ثلث بیٹے کا اور ایک ثلث بیٹی کا ہوگا۔

(۲۰) **بیٹیوں کی وراثت کے احکام** یعنی اور اگر کسی میت نے اولاد میں صرف عورتیں یعنی بیٹیاں ہی چھوڑیں بیٹا نہیں چھوڑا تو وہ اگر دو سے زیادہ ہوں تب بھی اُن کو دو تہائی ملیگا اور اگر صرف ایک ہی بیٹی چھوڑی تو اُس کو میت کے ترکہ کا نصف ملیگا۔ جاننا چاہئے کہ لِلذَّکَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَیَیْنِ کے ذیل میں معلوم ہو چکا ہے کہ ایک بیٹی کو ایک بیٹے کے ساتھ ایک ثلث ملیگا تو اُس سے معلوم ہو گیا کہ ایک بیٹی کو دوسری بیٹی کے ساتھ بطریق اولیٰ ایک ثلث ملیگا کیونکہ بیٹے کا حصّہ بیٹی سے زائد ہے تو جب بیٹے کی وجہ سے اس کا حصّہ ایک ثلث سے کم نہیں ہوا تو دوسری بیٹی کی وجہ سے کیسے گھٹ سکتا ہے۔ سو دو بیٹیوں کا حکم چونکہ پہلی آیت سے معلوم ہو چکا تھا اس لئے اس آیت میں دو بیٹیوں سے زائد کا حکم بتلا دیا تاکہ کسی کو یہ شبہ نہ ہو کہ دو بیٹیوں کا حق جب ایک بیٹی سے زائد ہے تو شاید تین یا چار بیٹیوں کا حق دو بیٹیوں سے زائد ہوگا سو یہ بات ہرگز نہیں بلکہ بیٹیاں جب ایک سے زائد ہونگی دو ہوں یا دس اُن کو دو ثلث ملیگا۔ **فائدہ** اولاد کے وارث ہونے کی دو صورتیں آیت میں مذکور ہوئیں اول یہ کہ لڑکا اور لڑکی دونوں طرح کی اولاد ہو دوسری یہ کہ صرف دختری اولاد ہو اُس کی دو صورتیں ہیں ایک لڑکی ہو یا ایک سے زائد تو اب صرف ایک صورت باقی رہ گئی وہ یہ کہ صرف پسری اولاد ہو سو اُس کا حکم یہ ہے کہ تمام میراث اُس کو مل جائے گی خواہ ایک بیٹا ہو یا زائد۔

(۲۱) **ماں باپ کی میراث** اب ماں باپ کی میراث کی تین صورتیں بیان فرماتے ہیں صورت اول کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر میت کے اولاد ہو بیٹا یا بیٹی تو میت کے ماں باپ کو ترکہ میت میں سے ہر ایک کو چھٹا حصّہ ملیگا۔

(۲۲) دوسری صورت یہ ہے کہ اگر میت کی اولاد کچھ نہ ہو اور صرف ماں باپ ہی وارث ہوں تو اُس کی ماں کو ایک ثلث ملے گا یعنی باقی دو ثلث اُس کے باپ کو ملیں گے۔

(۲۳) تیسری صورت یہ ہے کہ اگر میت کے ایک سے زیادہ بھائی بہن ہوں خواہ حقیقی ہوں یا صرف باپ یا صرف ماں میں شریک ہوں اور اولاد کچھ بھی نہیں تو اب اُس کی ماں کو چھٹا حصّہ ملیگا یعنی باقی سب اُس کے باپ کو ملیگا بھائی بہن کو کچھ نہ ملیگا اور اگر صرف ایک بھائی یا ایک بہن ہوگی تو ماں کو ایک ثلث اور باپ کو دو ثلث ملیں گے جیسا کہ دوسری صورت مذکورہ بالا میں تھا۔

(۲۴) **میت کے قرض اور وصیت کا حکم** یعنی جس قدر وارثوں کے حصّے گذر چکے یہ سب میت کی وصیّت اور اس کے قرض کو جدا کر لینے کے بعد وارثوں کو دیے جائیں گے اور وارثوں کا مال وہی ہوگا جو مقدار وصیت و قرض کے نکال لینے کے بعد باقی رہیگا اور نصف اور ثلث وغیرہ اُسی کا مراد ہے نہ تمام مال کا۔ **فائدہ** میّت کا مال اوّل اُس کے کفن اور دفن کو لگایا جائے جو اُس سے بچے وہ اُس کے قرض میں دیا جائے پھر جو باقی رہے اُس کو میت کی وصیت میں ایک تہائی تک صرف کیا جائے اُس کے بعد جو رہے وارثوں پر تقسیم کیا جائے۔

(۲۵) اس آیت میں دو میراث بیان فرمائیں اولاد کی اور ماں باپ کی اب فرماتے ہیں کہ چونکہ یہ بات تم کو معلوم نہیں کہ کس سے تم کو نفع پہنچے گا اور کتنا نفع پہنچیگا اس لئے تم کو اس میں دخل نہ دینا چاہیئے جو کچھ کسی کا حصّہ حق تعالیٰ نے مقرر فرما دیا ہے اُس کی پابندی کرو کہ اُس کو تمام چیزوں کی خبر بھی ہے اور بڑا حکمت والا ہے۔

وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ أَزْوَاجُكُمْ إِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُنَّ وَلَدٌ ۚ فَإِنْ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ الرُّبُعُ مِمَّا

اور تمہارا ہے آدھا مال جو کہ چھوڑ مریں تمہاری عورتیں اگر نہ ہو اُن کے اولاد اور اگر اُن کے اولاد ہے تو تمہارے واسطے چوتھائی ہے اُس میں

تَرَكْنَ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِينَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ ۚ وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ إِنْ لَمْ يَكُنْ لَكُمْ

سے جو چھوڑ گئیں بعد وصیت کے جو کر گئیں یا بعد قرض کے ف۲۶ اور عورتوں کے لئے چوتھائی مال ہے اُس میں سے جو چھوڑ مرو تم اگر نہ ہو تمہارے

وَلَدٌ ۚ فَإِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ ۚ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوصُونَ بِهَا

اولاد اور اگر تمہارے اولاد ہے تو اُن کے لئے آٹھواں حصہ ہے اس میں سے کہ جو کچھ تم نے چھوڑا بعد وصیت کے جو تم کر مرو

أَوْ دَيْنٍ ۗ وَإِنْ كَانَ رَجُلٌ يُورَثُ كَلَالَةً أَوِ امْرَأَةٌ وَلَهُ أَخٌ أَوْ أُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا

یا قرض کے ف۲۷ اور اگر وہ مرد کہ جس کی میراث ہے باپ بیٹا کچھ نہیں رکھتا یا عورت ہو ایسی ہی اور اس میت کا ایک بھائی ہے یا بہن ہے تو دونوں میں سے ہر ایک کا

السُّدُسُ ۚ فَإِنْ كَانُوا أَكْثَرَ مِنْ ذَٰلِكَ فَهُمْ شُرَكَاءُ فِي الثُّلُثِ ۚ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصَىٰ بِهَا

چھٹا حصہ ہے ف۲۸ اور اگر زیادہ ہوں اس سے تو سب شریک ہیں ایک تہائی میں بعد وصیت کے جو ہو چکی ہے

أَوْ دَيْنٍ غَيْرَ مُضَارٍّ ۚ وَصِيَّةً مِنَ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَلِيمٌ ﴿١٢﴾

یا قرض کے جب اوروں کا نقصان نہ کیا ہو ف۲۹ یہ حکم ہے اللہ کا اور اللہ ہے سب کچھ جاننے والا تحمل کرنے والا ف۳۰

(۲۶) **زوجین کی میراث** اب زوجین کی میراث کو بیان فرمایا جاتا ہے کہ مرد کو اُس کی عورت کے مال میں سے آدھا مال ملیگا اگر عورت کے کچھ اولاد نہ ہو اور اگر عورت کے اولاد ہے خواہ ایک ہی بیٹا یا بیٹی ہو اور اُسی مرد سے ہو یا دوسرے مرد سے تو مرد کو عورت کے مال میں سے ایک چوتھائی مال ملیگا قرض اور وصیت کے بعد۔

(۲۷) اور اسی طرح عورت کو اُس کے خاوند کے مال میں سے چوتھائی حصہ ملیگا اگر مرد کی اولاد کچھ نہ ہو اور اگر مرد کی اولاد ہے خواہ اسی عورت سے ہو یا دوسری عورت سے تو عورت کو آٹھواں حصہ ملیگا خاوند کے اُس مال میں سے جو وصیت اور قرض ادا کرنے کے بعد بچیگا مال کی ہر قسم میں سے نقد ہو یا جنس سلاح ہو یا زیور حویلی ہو یا باغ، باقی رہا عورت کا مہر وہ میراث سے جُدا ہے وہ قرض میں داخل ہے۔ یہ کل دو صورتیں ہوئیں جیسا کہ مرد کی میراث میں یہی دو صورتیں تھیں۔

(۲۸) **اخیافی بھائی بہن کی میراث** یہاں سے اخیافی بھائی بہن کی میراث کا ذکر ہے جو کہ صرف ماں میں شریک ہوں سو جاننا چاہیئے کہ باپ اور بیٹے کے ہوتے تو بھائی اور بہن کو کچھ نہیں پہنچتا ہاں اگر باپ اور بیٹا نہ ہوگا تو بھائی اور بہن کو میراث ملیگی۔ بھائی اور بہن تین طرح کے ہیں۔ سگے جو ماں باپ دونوں میں شریک ہوں جن کو عینی کہتے ہیں یا وہ سوتیلے جو صرف باپ میں شریک ہوں جن کو علاتی کہتے ہیں یا وہ سوتیلے جو صرف ماں میں شریک ہوں جن کو اخیافی کہتے ہیں اس آیت میں قسم اخیر کا ذکر ہے چنانچہ متعدد صحابہ کی قرأۃ میں ولہ اخ او اخت کے بعد من الام کا کلمہ صریح موجود ہے اور اس پر سب کا اجماع ہے آیت کا مطلب یہ ہے کہ جس میت کے خواہ وہ مرد ہو یا عورت ماں باپ بیٹا بیٹی کچھ نہ ہو اور اُس کے ایک بھائی یا ایک بہن اخیافی ہو تو اُن دونوں میں سے ہر ایک کو چھٹا حصہ ملیگا اور مرد اور عورت یعنی اخیافی بھائی اور بہن کا برابر حصہ ہے کمی زیادتی نہیں باقی رہے دو قسم کے بھائی بہن یعنی عینی اور علاتی سو ان دونوں قسموں کا حکم مثل اولاد کے ہے بشرطیکہ میت کے باپ بیٹا کچھ نہ ہو۔ مقدم عینی ہے وہ نہ ہو تو پھر علاتی، اسی سورت کے اخیر میں ان دونوں

کی میراث کا ذکر آئیگا فائدہ جاننا چاہیئے کہ کلالہ کی تفسیر جو یہ کی گئی کہ اُس کے باپ بیٹا نہ ہو یہ سب کو مسلّم ہے مگر امام ابوحنیفہ دادی اور پوتی کی بھی نفی کرتے ہیں اور جو حکم باپ بیٹے کا ہے وہی دادی پوتی کا فرماتے ہیں اور حضرات صحابہ کے وقت سے یہ اختلاف علماء میں چلا آتا ہے۔

(۲۹) **تقسیم میراث سے پہلے قرض اور وصیت کا لحاظ** یعنی اگر اخیافی بھائی یا بہن ایک سے زیادہ ہوں تو ان سب کو ایک تہائی مال میراث میں ملیگا اور پہلی صورت میں سدس اور دوسری صورت میں ثلث جو دیا جائیگا تو وصیت اور دین کے بعد جو باقی رہیگا اُس کا سدس اور ثلث دیا جائیگا اور وصیت میراث پر مقدم جب ہوگی جب اوروں کو نقصان نہ پہنچایا ہو اور نقصان کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ تہائی مال سے زیادہ کی وصیت ہو دوسری یہ کہ جس وارث کو میراث میں سے حصہ ملیگا اس کے لئے کچھ وصیت بھی کر جائے یہ دونوں صورتیں درست نہیں البتہ اگر سب وارث اس کو قبول کرلیں تو خیر ورنہ یہ وصیتیں مردود ہیں فائدہ وارثوں سے چونکہ اندیشہ تھا کہ ترکہ میت میں سے میت کا دین اور وصیت ادا نہ کریں بلکہ تمام مال آپ ہی رکھ لیں اس لئے میراث کے ساتھ بار بار دین اور وصیت کا حکم تاکیداً بیان کیا گیا اور وصیت چونکہ تبرع اور احسان ہے اور بسا اوقات کوئی شخص معین اُس کا مستحق نہیں ہوتا اور اس وجہ سے اُس کے ضائع ہونے کا احتمال قوی تھا تو اس لئے بغرض اہتمام و احتیاط وصیت کو ہر جگہ دین سے پہلے ذکر فرمایا حالانکہ وصیّت کا درجہ دین کے بعد ہے جیسا پہلے گذرا نیز وصیت حق مورث ہے جیسے تجہیز و تکفین بخلاف وراثت اور دین کے کہ وہ دوسروں کا حق ہے تو اس حیثیت سے وصیت دین سے مقدم ہوگی گو دوسری وجہ سے دین وصیت پر مقدم ہے اور یہاں جو غیر مضار کی قید لگائی یہی قید مقامات سابقہ میں بھی معتبر ہوگی۔

(۳۰) **وارثوں کی تین قسمیں** شروع رکوع سے یہاں تک جو میراثیں بیان فرمائیں وہ پانچ ہیں بیٹا بیٹی اور ماں باپ اور زوج اور زوجہ اور اخیافی بھائی بہن ان پانچوں کو ذوی الفروض اور حصہ دار کہتے ہیں ان پانچوں میراث کو بیان فرما کر بطور تاکید فرمادیا کہ یہ حکم ہے اللہ کا اس کی تعمیل ضروری ہے اور اللہ تعالیٰ کو سب کچھ معلوم ہے کس نے اطاعت کی اور کس نے نافرمانی کی کس نے میراث و وصیت و دین میں حق اور انصاف کے موافق کیا کس نے بے انصافی کی اور ضرر پہنچایا باقی ظلم و بے انصافی کی سزا میں تاخیر ہونے سے کوئی دھوکا نہ کھائے کیونکہ حق تعالیٰ کا حلم بھی بہت کامل ہے۔ فائدہ جاننا چاہیئے کہ ذوی الفروض کے سوا کہ جن کا بیان اس رکوع میں گذرا ایک دوسری قسم کے وارث ہیں جن کو عصبہ کہتے ہیں اُن کے لئے کوئی حصہ مثل نصف ثلث وغیرہ کے مقرر نہیں بلکہ ذوی الفروض سے جو فاضل ہوگا وہ ان کو ملے گا مثلاً اگر کسی کے عصبہ ہو اور ذوی الفروض میں سے کوئی نہ ہو تو اُس کا مال تمام عصبہ کو ملیگا اور جو دونوں ہوں تو ذوی الفروض کو دے کر جو مال بچیگا وہ عصبہ کو دیا جائیگا اور اگر کچھ نہ بچا تو عصبہ کو کچھ نہ ملیگا اور عصبہ اصل میں تو وہ ہے جو مرد ہو عورت نہ ہو اور اس میں اور میت میں عورت کا واسطہ بھی نہ ہو اور اُس کے چار درجے ہیں اول درجہ میں بیٹا اور پوتا ہے دوسرے درجہ میں باپ اور دادا تیسرے درجہ میں بھائی اور بھتیجا چوتھے درجہ میں چچا اور چچا کا بیٹا یا اس کا پوتا اگر کئی شخص ہوں تو جو میت سے قریب ہے وہ مقدم ہوگا جیسے پوتے سے بیٹا بھتیجے سے بھائی مقدم ہے پھر سوتیلے سے سگا مقدم ہے اور ان چاروں کے سوا اولاد میں اور بھائیوں میں مرد کے ساتھ عورت بھی عصبہ ہوتی ہے یعنی بیٹے کے ساتھ بیٹی اور بھائی کے ساتھ بہن بھی عصبہ ہوگی یہ عصبہ اصلی نہیں ہے بلکہ غیر اصلی ہیں اور اولاد اور بھائیوں کے سوا عورت عصبہ نہ ہوگی مثلاً چچا کا بیٹا عصبہ ہے مگر اس کے ساتھ ہو کر چچازاد بہن عصبہ نہیں ہوسکتی **فائدہ** ان دونوں قسم مذکورہ بالا یعنی ذوی الفروض اور عصبہ کے سوا امام ابوحنیفہ کے نزدیک وارث کی تیسری قسم ذوی الارحام ہیں یعنی ایسے قرابت والے کہ اُن میں اور میت میں عورت کا واسطہ ہو اور ذوی الفروض میں نہ ہو اور عصبہ بھی نہ ہو جیسے نواسا اور نانا اور بھانجا اور ماموں اور خالہ اور پھوپی اور ان کی اولاد جب کسی میت کے ذوی الفروض اور عصبہ کوئی بھی نہ ہوگا

تو اس کی میراث ذوی الارحام کو ملیگی۔ تفصیل کتب فرائض میں مذکور ہے۔

تِلْكَ حُدُودُ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ

یہ حدیں باندھی ہوئی اللہ کی ہیں اور جو کوئی حکم پر چلے اللہ کے اور رسول کے اُسکو داخل کریگا جنتوں میں جن کے نیچے بہتی ہیں نہریں

خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۳﴾ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ

ہمیشہ رہیں گے اُن میں اور یہی ہے بڑی مراد ملنی اور جو کوئی نافرمانی کرے اللہ کی اور اُسکے رسول کی اور نکل جاوے اُس کی حدوں سے

ع ۲ / ۱۴ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيْهَا ۠ وَلَهٗ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۱۴﴾ وَالّٰتِيْ يَاْتِيْنَ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِّسَآئِكُمْ

ڈالیگا اُس کو آگ میں ہمیشہ رہیگا اُس میں اور اُسکے لئے ذلت کا عذاب ہے ف۲۱ اور جو کوئی بدکاری کرے تمہاری عورتوں میں سے

فَاسْتَشْهِدُوْا عَلَيْهِنَّ اَرْبَعَةً مِّنْكُمْ ۚ فَاِنْ شَهِدُوْا فَاَمْسِكُوْهُنَّ فِي الْبُيُوْتِ حَتّٰى يَتَوَفّٰىهُنَّ

تو گواہ لاؤ اُن پر چار مرد اپنوں میں سے پھر اگر وہ گواہی دیویں تو بند رکھو اُن عورتوں کو گھروں میں یہاں تک کہ اٹھالیوے اُن

الْمَوْتُ اَوْ يَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِيْلًا ﴿۱۵﴾ وَالَّذٰنِ يَاْتِيٰنِهَا مِنْكُمْ فَاٰذُوْهُمَا ۚ فَاِنْ تَابَا وَاَصْلَحَا

کو موت یا مقرر کردے اللہ اُن کے لئے کوئی راہ ف۲۲ اور جو دو مرد کریں تم میں سے وہی بدکاری تو اُن کو ایذا دو ف۲۳ پھر اگر وہ دونوں توبہ کریں اور اپنی اصلاح

فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمَا ۗ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ﴿۱۶﴾ اِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السُّوْٓءَ

کرلیں تو اُن کا خیال چھوڑ دو بیشک اللہ توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے ف۲۴ توبہ قبول کرنی اللہ کو ضرور تو اُنکی ہے جو کرتے ہیں بُرا کام

بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوْبُوْنَ مِنْ قَرِيْبٍ فَاُولٰٓئِكَ يَتُوْبُ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ۗ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۱۷﴾

جہالت سے پھر توبہ کرتے ہیں جلدی سے تو اُن کو اللہ معاف کردیتا ہے اور اللہ سب کچھ جاننے والا ہے حکمت والا ف۲۵

(۲۱) **ان احکام کی حکمت واہمیت** یعنی تمام احکام مذکورہ سابقہ متعلق حقوق یتامٰی اور وصیت اور میراث اللہ کے مقرر فرمودہ ضابطے اور قاعدے ہیں اور جو کوئی اطاعت کرے گا احکام الٰہی کی جن میں حکم وصیت و میراث بھی داخل ہے اُس کے لئے ہمیشہ کو جنت ہے اور جو کوئی نافرمانی کرے گا اور حدود خداوندی سے بالکل خارج ہو جائیگا وہ ہمیشہ کو ذلت کے ساتھ عذاب جہنم میں گرفتار رہیگا۔

(۲۲) **زنا ولواطت کے احکام** یتامٰی اور مواریث کو بیان فرما کر اب دیگر احکام متعلقہ اقارب کو بتلایا جاتا ہے پہلے عورتوں کے متعلق چند باتیں ارشاد ہوتی ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ عورتوں کی تادیب اور سیاست ضروری امر ہے اور اُن پر کسی قسم کی تعدی اور ظلم بھی نہ کیا جائے اہل جاہلیت کے یہاں عورتوں کی بابت دونوں باتوں میں بہت بے اعتدالیاں ہوتی تھیں اور اس آیت میں تادیب کے متعلق حکم ہے کہ اگر کسی کی زوجہ کا مرتکب زنا ہونا معلوم ہو تو اس کے لئے چار گواہ مسلمانوں میں سے عاقل بالغ آزاد قائم ہونے چاہئیں اگر چار آدمی گواہی دیں تو اس عورت کو گھر میں مقید رکھنا چاہئے گھر سے باہر جانا اور کسی سے ملنا انتظامًا بالکل روک دیا جائے یہاں تک کہ وہ عورت مرجائے یا اللہ تعالٰی اس کے لئے کوئی حکم اور سزا مقرر فرمائے اس وقت تک زانیہ کے لئے کوئی حد مقرر نہیں فرمائی بلکہ اس کا وعدہ کیا چنانچہ کچھ عرصہ کے بعد سورہ نور میں اُس کی حد نازل فرمادی کہ باکرہ کے لئے سو کوڑے اور ثیبہ کے واسطے سنگسار کرنا ہے۔

(۲۳) یعنی دو شخص خواہ ایک مرد اور ایک عورت ہو خواہ دونوں مرد ہوں اگر فعل بد کریں تو اُن کی سزا مجملًا ایذا دینا ارشاد فرمایا زبان سے ہاتھ

سے بقدر مناسب اُن کو تنبیہ و تادیب کرنے کا حکم ہوا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس وقت تک زنا اور لواطت دونوں کا یہی حکم تھا کہ حاکم اور قاضی کے نزدیک زجر و عبرت کے لئے جتنی سزا اور شتم و ضرب مناسب ہو اتنی سزا دی جائے اس کے بعد حسب وعدہ حد زنا جب نازل ہوئی تو لواطت کے لئے کوئی جدا حد بیان نہ فرمائی اُس میں علماء کا اختلاف رہا کہ لواطت کی بھی وہی حد ہے جو زنا کے لئے بیان ہوئی یا لواطت کی وہی سزا باقی رہی جو پہلے تھی یا اس کی سزا تلوار سے قتل کرنا یا کسی دوسرے طریقہ سے مار ڈالنا ہے۔ **فائدہ** اس آیت کو بہت سے علماء نے زنا پر حمل کیا ہے اور بعض نے لواطت پر اور بعض نے دونوں کو شامل رکھا ہے۔

(۳۴) یعنی اس کے بعد اگر وہ بدکاری سے توبہ کر لیں اور آئندہ کو اپنے اعمال کی درستی کر لیں تو اب اُن کے پیچھے مت پڑو اور زجر و ملامت سے ستانا چھوڑ دو اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی توبہ قبول کرنے والا اور اُن پر مہربانی فرمانیوالا ہے تم کو بھی ایسا ہی کرنا چاہئے۔

(۳۵) **وہ لوگ جنکی توبہ قبول نہیں ہوتی** یعنی توبہ تو بیشک ایسی چیز ہے کہ زنا اور لواطت جیسے سنگین جرم بھی اُس سے اللہ تعالیٰ معاف فرما دیتا ہے جیسا کہ آیت سابقہ سے مفہوم ہوا لیکن اس کا بھی ضرور لحاظ رکھو کہ اللہ تعالیٰ نے جو اپنے فضل سے قبول توبہ کا ذمہ لیا ہے وہ اصل میں اُن لوگوں کے ساتھ مخصوص ہے جو ناواقفیت اور نادانی سے کوئی صغیرہ یا کبیرہ گناہ کر لیتے ہیں مگر جب اپنی خرابی پر متنبہ اور مطلع ہوتے ہیں تو جبھی نادم ہوتے ہیں اور توبہ کرتے ہیں سو ایسوں کی خطائیں اللہ ضرور معاف فرما دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتا ہے اس کو معلوم ہے کس نے نادانی سے گناہ کیا اور کس نے اخلاص سے توبہ کی اور حکمت والا ہے جس توبہ کا قبول کرنا موافق حکمت ہوتا ہو اُسکو قبول فرماتا ہے۔ **فائدہ** قید جہالت، اور قید قریب سے معلوم ہو گیا کہ جو شخص گناہ تو کرے نادانی سے اور تنبیہ کے بعد توبہ کر لے جلدی سے تو بقاعدہ عدل و حکمت اُس کی توبہ مقبول ہونی ضرور ہے اور جس نے جان بوجھ کر دیدہ و دانستہ اللہ کی نافرمانی پر جرأت کی یا اطلاع کے بعد اُس نے توبہ میں تاخیر کی اور پہلی ہی حالت پر قائم رہا تو بقاعدہ عدل و انصاف اُس کی خطا اصل میں معافی کے قابل نہیں اُس کا قبول کر لینا اللہ تعالیٰ کا محض فضل ہے کہ اپنے فضل سے اللہ تعالیٰ ان دونوں توبہ کو بھی قبول کر لیتا ہے یہ اس کا احسان ہے۔ مگر ذمہ داری صرف اول صورت میں ہے باقی میں نہیں۔

وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ ۚ حَتّٰٓى اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّىْ تُبْتُ الْـٰٔنَ

اور ایسوں کی توبہ نہیں جو کئے جاتے ہیں بُرے کام یہاں تک کہ جب سامنے آجائے اُن میں سے کسی کے موت تو کہنے لگا میں توبہ کرتا ہوں اب

وَلَا الَّذِيْنَ يَمُوْتُوْنَ وَهُمْ كُفَّارٌ ۭ اُولٰۗىِٕكَ اَعْتَدْنَا لَھُمْ عَذَابًا اَلِـيْمًا ﴿۱۸﴾ يٰٓاَيُّھَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا

اور نہ ایسوں کی توبہ جو کہ مرتے ہیں حالت کفر میں اُن کے لئے تو ہم نے تیار کیا ہے عذاب دردناک ف ۳۶ اے ایمان والو

يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَاۗءَ كَرْهًا ۭ وَلَا تَعْضُلُوْھُنَّ لِتَذْهَبُوْا بِبَعْضِ مَآ اٰتَيْتُمُوْھُنَّ اِلَّآ

حلال نہیں تم کو کہ میراث میں لے لو عورتوں کو زبردستی اور نہ روکے رکھو اُن کو اس واسطے کہ لے لو اُن سے کچھ اپنا دیا ہوا مگر

اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ۚ وَعَاشِرُوْھُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ فَاِنْ كَرِھْتُمُوْھُنَّ فَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَـيْـــًٔـا

کہ وہ کریں بے حیائی صریح ف ۳۷ اور گذران کرو عورتوں کے ساتھ اچھی طرح پھر اگر وہ تم کو نہ بھاویں تو شاید تم کو پسند نہ آوے ایک چیز

وَّيَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْرًا كَثِيْرًا ﴿۱۹﴾

اور اللہ نے رکھی ہو اُس میں بہت خوبی ف ۳۸

(۳۶) یعنی اور ایسے لوگوں کی توبہ قبول نہیں ہوتی جو برابر گناہ کئے جاتے ہیں اور باز نہیں آتے یہاں تک کہ جب موت ہی نظر آ گئی تو اس وقت کہنے لگا کہ اب میں توبہ کرتا ہوں اور نہ اُن کی توبہ قبول ہوگی جو کفر پر مر گئے اور اس کے بعد عذاب اُخروی کو دیکھ کر توبہ کریں۔ ایسے لوگوں کے واسطے عذاب شدید تیار ہے۔ جاننا چاہئے کہ یہ دونوں آیتیں جو دربارۂ قبول توبہ اور عدم قبول توبہ یہاں مذکور ہیں ہم نے جو اُن کا مطلب بیان کیا یہ بعض اکابر محققین کی تحقیق کے موافق ہے اور اس میں یہ خوبی ہے کہ قید جہالت اور لفظ قریب دونوں اپنے ظاہری معنی پر قائم رہے اور علی اللہ کے معنی بھی سہولت سے بن گئے اور اس موقع پر قبول اور عدم قبول توبہ کے ذکر فرمانے سے جو مقصد ہے یعنی توبہ کیف ما اتفق مقبول نہیں اور توبہ کی چند صورتیں ہیں اور اُن کی مقبولیت میں باہم فرق ہے تاکہ کوئی توبہ کے اعتماد پر معاصی پر جری نہ ہو جائے یہ مقصد بھی اس صورت میں خوب حاصل ہو جاتا ہے مگر مفسرین حضرات نے علی العموم جو ان آیتوں کا مطلب ارشاد فرمایا ہے تو قید جہالت کو احترازی اور شرطی نہیں لیتے بلکہ قید واقعی فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ گناہ ہمیشہ جہل اور حماقت سے ہوتا ہے اور قریب کے معنی یہ لیتے ہیں کہ حضور موت سے پہلے جس قدر وقت ہے وہ قریب ہی ہے کیونکہ دنیا کی زندگی قلیل ہے اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ اللہ کا توبہ قبول فرمانے کا وعدہ اُن سے ہے کہ سفاہت اور عدم انجام بینی سے گناہ کر لیتے ہیں اور پھر موت کے آنے سے پہلے تائب ہو جاتے ہیں اور جو لوگ کہ موت کو مشاہدہ کر چکے اور نزع کی حالت کو پہنچ چکے یا جو لوگ کہ کفر پر مر چکے اُن کی توبہ ہرگز قبول نہ ہوگی اس تقریر کے موافق توبہ کرنے والوں کی وہ دو صورتیں بین بین جو تقریر اوّل میں مذکور ہوئیں شق اول یعنی قبول توبہ کے اندر شمار ہوں گی فائدہ جب موت کا یقین ہو چکے اور دوسرا عالم نظر آنے لگے تو اُس وقت کی توبہ قبول نہیں اور عالم آخرت کے دیکھنے سے پہلے کی توبہ البتہ قبول ہوتی ہے۔ اتنا فرق ہے کہ حسب تقریر اول صورت اول میں تو قبول توبہ قاعدہ عدل و انصاف کے موافق ہے اور دوسری صورتوں میں قبول توبہ اُس کا محض فضل ہے کما مّر۔

(۳۷) **عائلی زندگی کے احکام** حسب بیان سابق عورتوں کی بدافعالی کی بابت تادیب و سیاست کا حکم دے کر اب اہل جاہلیت کی اُس ظلم و تعدی کو روکا جاتا ہے جو تعدی عورتوں پر وہ طرح طرح سے کیا کرتے تھے سو منجملہ اُن صورتوں کے ایک صورت یہ ہوتی تھی کہ جب کوئی مر جاتا تو اس کی عورت کو میت کا سوتیلا بیٹا یا بھائی یا اور کوئی وارث لے لیتا پھر چاہتا تو اس سے نکاح کر لیتا یا بغیر نکاح ہی اپنے گھر میں رکھتا یا کسی دوسرے سے نکاح کر کے اُس کا مہر کل یا بعض لے لیتا یا ساری عمر اُس کو اپنی قید میں رکھتا اور اُس کے مال کا وارث ہوتا اس کی بابت یہ آیت نازل ہوئی جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جب کوئی مر جائے تو اُس کی عورت اپنے نکاح کی مختار ہے میت کے بھائی اور اُس کے کسی وارث کو یہ اختیار نہیں کہ زبردستی اپنے نکاح میں لے لے نہ وہ عورت کو نکاح سے روک سکتے ہیں کہ وہ مجبور ہو کر خاوند کے ورثہ سے جو اُس کو ملا تھا کچھ پھیر دے ہاں اگر صریح بدچلنی کریں تو اُن کو روکنا چاہئے۔

(۳۸) **عورتوں سے حُسن سلوک** یعنی عورتوں کے ساتھ گفتگو اور معاملات میں اخلاق اور سلوک سے معاملہ رکھو جاہلیت میں جیسا ذلت اور سختی کا برتاؤ عورتوں کے ساتھ کیا جاتا تھا اُس کو چھوڑ دو پھر اگر تم کو کسی عورت کی کوئی خو اور عادت خوش نہ آئے تو صبر کرو شاید اُس میں کوئی خوبی بھی ہو اور ممکن ہے کہ تم کو ناپسندیدہ ہو کوئی چیز اور اللہ تعالیٰ اُس میں تمہارے لئے کوئی بڑی منفعت دینی یا دنیوی رکھ دے سو تم کو تحمل کرنا چاہئے اور بدخو کے ساتھ بدخوئی نہ چاہئے۔

وَإِنْ أَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ ۙ وَآتَيْتُمْ إِحْدَاهُنَّ قِنطَارًا فَلَا تَأْخُذُوا مِنْهُ شَيْئًا ۚ

اور اگر | بدلنا چاہو | ایک عورت کی جگہ دوسری عورت کو اور دے چکے ہو ایک کو | بہت سا مال تو مت پھیر لو | اُس میں سے کچھ

أَتَأْخُذُونَهُ بُهْتَانًا وَإِثْمًا مُّبِينًا ﴿٢٠﴾ وَكَيْفَ تَأْخُذُونَهُ وَقَدْ أَفْضَىٰ بَعْضُكُمْ إِلَىٰ بَعْضٍ وَّ

کیا لیا چاہتے ہو اُسکو ناحق اور صریح گناہ سے ف۳۹ اور کیونکر اُس کو لے سکتے ہو اور پہنچ چکا ہے تم میں کا ایک دوسرے تک اور

أَخَذْنَ مِنكُم مِّيثَاقًا غَلِيظًا ﴿٢١﴾ وَلَا تَنكِحُوا مَا نَكَحَ آبَاؤُكُم مِّنَ النِّسَاءِ إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ۚ إِنَّهُ كَانَ

لے چکیں وہ عورتیں تم سے عہد پختہ ف۴۰ اور نکاح میں نہ لاؤ جن عورتوں کو نکاح میں لائے تمہارے باپ مگر جو پہلے ہو چکا یہ

فَاحِشَةً وَمَقْتًا وَسَاءَ سَبِيلًا ﴿٢٢﴾ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ وَبَنَاتُكُمْ وَأَخَوَاتُكُمْ وَعَمَّاتُكُمْ وَخَالَاتُكُمْ ۳ ع ۱۴

بیحیائی ہے اور کام ہے غضب کا اور برا چلن ہے ف۴۱ حرام ہوئی ہیں تم پر تمہاری مائیں اور بیٹیاں اور بہنیں اور پھوپیاں اور خالائیں

وَبَنَاتُ الْأَخِ وَبَنَاتُ الْأُخْتِ وَأُمَّهَاتُكُمُ اللَّاتِي أَرْضَعْنَكُمْ وَأَخَوَاتُكُم مِّنَ الرَّضَاعَةِ وَأُمَّهَاتُ نِسَائِكُمْ

اور بیٹیاں بھائی کی اور بہن کی ف۴۲ اور جن ماؤں نے تم کو دودھ پلایا اور دودھ کی بہنیں ف۴۳ اور تمہاری عورتوں کی مائیں

وَرَبَائِبُكُمُ اللَّاتِي فِي حُجُورِكُم مِّن نِّسَائِكُمُ اللَّاتِي دَخَلْتُم بِهِنَّ فَإِن لَّمْ تَكُونُوا دَخَلْتُم بِهِنَّ فَلَا

اور ان کی بیٹیاں جو تمہاری پرورش میں ہیں جنکو جنا ہے تمہاری اُن عورتوں نے جن سے تم نے صحبت کی اور اگر تم نے اُن سے صحبت نہیں کی تو تم پر کچھ گناہ

جُنَاحَ عَلَيْكُمْ وَحَلَائِلُ أَبْنَائِكُمُ الَّذِينَ مِنْ أَصْلَابِكُمْ وَأَن تَجْمَعُوا بَيْنَ الْأُخْتَيْنِ إِلَّا مَا

نہیں اس نکاح میں اور عورتیں تمہارے بیٹوں کی جو تمہاری پشت سے ہیں اور یہ کہ اکٹھا کرو دو بہنوں کو مگر جو

قَدْ سَلَفَ ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ غَفُورًا رَّحِيمًا ﴿٢٣﴾

پہلے ہو چکا بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے ف۴۴

(۳۹) **پہلی بیوی سے سلوک** اسلام سے پہلے یہ بھی ہوتا تھا کہ جب کوئی چاہتا کہ پہلی عورت کو چھوڑ کر دوسری عورت سے نکاح کرے تو عورت پر تہمت لگاتا اور مختلف طرح سے اُس پر زیادتی اور سختی کرتا کہ مجبور ہو کر مہر واپس کر دے اور نکاح جدید میں کام آئے یہ آیت اُس کی ممانعت میں نازل ہوئی کہ جب پہلی عورت کو چھوڑ کر دوسری کرو اور پہلی کو بہت سا مال دے چکے ہو تو اب اُس میں سے کچھ بھی واپس مت لو کیا تم بہتان باندھ کر اور صریح ظلم کر کے زوجہ اولیٰ سے وہ مال لینا چاہتے ہو یہ ہرگز جائز نہیں۔

(۴۰) **مہر کی ادائیگی کا حکم** یعنی جب مرد اور عورت نکاح کے بعد مل چکے اور صحبت کی نوبت آچکی تو اُس کے معاوضہ میں تمام مہر دینا مرد پر واجب ہو چکا تو اب کس وجہ سے مرد اس مہر کو واپس لے سکتا ہے اور درصورت مہر ادا نہ کرنے کے کیسے اُس کے مہر کو دبا سکتا ہے۔ اب تو بجز اس کے کہ عورت ہی اپنی خوشی سے معاف کر بیٹھے کوئی صورت رستگاری کی نہیں ہو سکتی اور وہ عورتیں تو بہت مضبوط اور گاڑھا اقرار تم سے لے چکیں جس کی وجہ سے وہ تمہارے قبضہ اور تصرف میں آچکیں اور تم اُن سے پورے منتفع ہو چکے نہیں تو تم کو اُن پر تصرف کا کیا اختیار تھا۔ اب اس قدر تکمیل اور قبضہ کامل اور تصرف تام کے بعد عورتوں کے مہر کو واپس لینا یا اُن کا مہر نہ دینا کیسے ہو سکتا ہے۔ فائدہ جاننا چاہئے کہ جیسا مجامعت کے بعد تمام مہر زوج کے ذمہ لازم ہو جاتا ہے ایسا ہی اگر مجامعت کی تو نوبت نہ آئے مگر خلوت صحیحہ ہو گئی تو بھی پورا مہر واجب الادا ہو گا ہاں اگر خلوت صحیحہ کی بھی نوبت نہ آئی اور زوج نے طلاق دیدی تو پھر نصف مہر ادا کرنا ہو گا۔

(۴۱) **باپ دادا کی منکوحہ سے نکاح کی ممانعت** جاہلیت والے اپنی سوتیلی ماں اور بعض دیگر محرمات سے بھی نکاح کر لیتے تھے۔

جس کا تذکرہ ابھی گذرا اُس کی ممانعت کی جاتی ہے کہ جن عورتوں سے تمہارے باپ نے نکاح کیا ہو اُن سے نکاح مت کرو یہ بیحیائی اور اللہ کے غضب اور نفرت کرنے کی بات ہے اور بہت بُرا طریقہ ہے زمانہ جاہلیت میں بھی سمجھ دار لوگ اس کو مذموم سمجھتے تھے اور اس نکاح کو نکاح مقت اور اس نکاح سے جو اولاد ہوتی اُس کو مقتی کہتے تھے سوایسے نکاح جو ہو چکے ہو چکے آیندہ کو ہرگز ایسا نہ ہو **فائدہ** باپ کی منکوحہ کا جو حکم ہے اُسی حکم میں دادے اور نانے کی منکوحہ بھی داخل ہے کتنا ہی اوپر کا دادا اور نانا کیوں نہ ہو۔

(۴۲) **دوسری محرمات کا بیان** سوتیلی ماں کی حرمت بیان فرماکر اب جن عورتوں سے نکاح جائز نہیں اُن سب کو بیان فرماتے ہیں وہ عورتیں چند قسم ہیں اوّل اُنکو بیان کیا جاتا ہے جو علاقہ نسب کی وجہ سے حرام ہیں اور وہ سات ہیں ماں بیٹی بہن، پھوپھی، خالہ، بھتیجی، بھانجی ان میں سے کسی کے ساتھ کسی کو نکاح کرنا جائز نہیں **فائدہ** ماں کے حکم میں دادی نانی اوپر تک کی سب داخل ہیں ایسے ہی بیٹی میں پوتی اور نواسی نیچے تک کی سب داخل ہیں اور بہن میں عینی اور علاتی اور اخیافی سب داخل ہیں اور پھوپھی میں باپ دادا اور اوپر تک کی پشتوں کی بہن سگی ہو یا سوتیلی سب آگئیں اور خالہ میں ماں اور نانی اور نانی کی نانی سب کی بہن تینوں قسم کی داخل ہیں اور بھتیجی میں تینوں قسم کے بھائیوں کی اولاد اور اولاد الاولاد سب داخل ہیں اور بھانجی میں تینوں قسم کی بہنوں کی اولاد اور اولاد الاولاد داخل ہیں۔

(۴۳) محرمات نسبی کے بعد اب محرمات رضاعی کو بیان کیا جاتا ہے اور وہ دو ہیں ماں اور بہن اور اس میں اشارہ ہے کہ ساتوں رشتے جو نسب میں بیان ہوئے رضاعت میں بھی حرام ہیں یعنی رضاعی بیٹی اور پھوپی اور خالہ اور بھتیجی اور بھانجی بھی حرام ہیں چنانچہ حدیثوں میں یہ حکم موجود ہے۔

(۴۴) **سسرالی محرمات** اب محرمات مصاہرۃ کا ذکر ہے یعنی علاقہ نکاح کی وجہ سے جن سے نکاح حرام ہوتا ہے اور اُس کی دو قسمیں ہیں اول وہ کہ اُن سے ہمیشہ کے لئے نکاح ناجائز ہے اور وہ زوجہ کی ماں اور اُس زوجہ کی بیٹی ہے جس زوجہ سے کہ تم نے صحبت کی ہو سے پہلے کسی عورت کو طلاق دے دو تو اُس کی بیٹی سے نکاح ہو سکتا ہے اور تمہارے بیٹوں کی عورتیں ہیں اور اُس میں نیچے تک کے پوتوں اور نواسوں کی عورتیں داخل ہیں کہ اُن سے کبھی تمہارا نکاح درست نہیں ہو سکتا۔ دوسری قسم وہ ہے کہ اُن سے ہمیشہ کے لئے نکاح کی ممانعت نہ ہو بلکہ جب تک کوئی عورت تمہارے نکاح میں رہے اس وقت تک اُس عورت کی اُن قرابت والی عورتوں سے نکاح کی ممانعت رہی جب اُس عورت کو طلاق دیدی یا وہ مرگئی تو اُن سے نکاح درست ہو جائیگا اور وہ زوجہ کی بہن ہے کہ زوجہ کی موجودگی میں تو اُس سے نکاح نہیں ہو سکتا اور بعد میں درست ہے اور یہی حکم ہے زوجہ کی پھوپی اور خالہ اور بھتیجی اور بھانجی کا **فائدہ** یہ جو فرمایا کہ عورتیں تمہارے بیٹوں کی جو کہ تمہاری پشت سے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ تمہارے بیٹے یا پوتے نسبی ہوں منہ بولے یعنی لے پالک نہ ہوں جس کو متبنّٰی کہتے ہیں رضاعی سے احتراز نہیں اور الا ما قد سلف کا یہ مطلب ہے کہ زمانہ جاہلیت میں اس حکم سے پہلے جو دو بہنوں کو جمع کر لیتے تھے وہ معاف ہے اور فی حجورکم فرمانے سے یہ مطلب ہے کہ جن کو تم اپنی گود میں پالتے ہو اور اُن کی پرورش کرتے ہو یعنی اولاد جیسا اُن سے معاملہ کرتے ہو اور گویا اولاد ہی سمجھتے ہو اس سے اُنکے نکاح کی حرمت اور ظاہر ہوگئی یہ مطلب نہیں کہ اُن کی حرمت کے لئے گود میں رکھنا ضروری ہے۔

وَّالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۚ كِتٰبَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ ۚ وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا

اور خاوند والی عورتیں مگر جن کے مالک ہو جائیں تمہارے ہاتھ حکم ہوا اللہ کا تم پر ف۴۵ اور حلال ہیں تم کو سب

وَرَآءَ ذٰلِكُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ مُّحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ ۭ فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ

عورتیں اُن کے سوا بشرطیکہ طلب کرو اُنکو اپنے مال کے بدلے قید میں لانے کو نہ مستی نکالنے کو ف۴۶ پھر جس کو کام میں لائے تم اُن عورتوں میں سے

فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ فَرِيْضَةً ۭ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا تَرٰضَيْتُمْ بِهٖ مِنْۢ بَعْدِ الْفَرِيْضَةِ ۭ اِنَّ

تو اُن کو دو اُن کے حق جو مقرر ہوئے ف۴۷ اور گناہ نہیں تم کو اس بات میں کہ ٹھہرا لو تم دونوں آپس کی رضا سے مقرر کیے پیچھے بیشک

اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۲۴﴾ وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا اَنْ يَّنْكِحَ الْمُحْصَنٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ

اللہ ہے خبردار حکمت والا ف۴۸ اور جو کوئی نہ رکھے تم میں مقدور اس کا کہ نکاح میں لائے بیبیاں مسلمان

فَمِنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ فَتَيٰتِكُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ۭ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِكُمْ ۭ بَعْضُكُمْ مِّنْ

تو نکاح کرے اُن سے جو تمہارے ہاتھ کا مال ہیں جو کہ تمہارے آپس کی لونڈیاں ہیں مسلمان ف۴۹ اور اللہ کو خوب معلوم ہے تمہاری مسلمانی تم آپس میں

بَعْضٍ ۚ فَانْكِحُوْهُنَّ بِاِذْنِ اَهْلِهِنَّ وَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ مُحْصَنٰتٍ غَيْرَ

ایک ہو ف۵۰ سو اُن سے نکاح کرو اُن کے مالکوں کی اجازت سے اور دو اُن کے مہر موافق دستور کے قید میں آنے والیاں ہوں نہ

مُسٰفِحٰتٍ وَّلَا مُتَّخِذٰتِ اَخْدَانٍ ۚ فَاِذَآ اُحْصِنَّ فَاِنْ اَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ

مستی نکالنے والیاں اور نہ چھپی یاری کرنے والیاں ف۵۱ پھر جب وہ قید نکاح میں آچکیں تو اگر کریں بےحیائی کا کام تو اُن پر آدھی سزا

مَا عَلَى الْمُحْصَنٰتِ مِنَ الْعَذَابِ ۭ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ الْعَنَتَ مِنْكُمْ ۭ وَاَنْ تَصْبِرُوْا خَيْرٌ

ہے بیبیوں کی سزا سے ف۵۲ یہ اُسکے واسطے ہے جو کوئی تم میں ڈرے تکلیف میں پڑنے سے اور صبر کرو تو بہتر ہے

لَّكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۵﴾

تمہارے حق میں اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے ف۵۳

(۴۵) **دوسرے کی منکوحہ سے نکاح کی ممانعت** | محرمات کو ذکر فرما کر اخیر میں اب اُن عورتوں کی حرمت بیان فرمائی جو کسی کے نکاح میں ہوں۔ یعنی جو عورت نکاح اور کسی سے نہیں ہوسکتا تاوقتیکہ وہ بذریعہ طلاق یا وفات زوج نکاح سے جدا نہ ہوجائے اور عدت طلاق یا عدت وفات پوری نہ کر لے اُس وقت تک کوئی اُس سے نکاح نہیں کرسکتا۔ لیکن اگر کوئی عورت خاوند والی تمہاری ملک میں آجائے تو وہ اس حکم حرمت سے مستثنیٰ ہے اور وہ تم پر حلال ہے گو اُس کا خاوند زندہ ہے اور اُس نے طلاق بھی اُس کو نہیں دی اور اُس کی صورت یہ ہے کہ کافر مرد اور کافر عورت میں باہم نکاح ہو اور مسلمان دارالحرب پر چڑھائی کر کے اس عورت کو قید کر کے دارالاسلام میں لے آئیں تو وہ عورت جس مسلمان کو ملیگی اس کو حلال ہے گو اُس کا زوج دارالحرب میں زندہ موجود ہے اور اُس نے طلاق بھی نہیں دی اب سب محرمات کو بیان فرما کر اخیر میں تاکید فرمادی کہ یہ اللہ کا حکم ہے اسکی پابندی تم پر لازم ہے **فائدہ** جو عورت کافرہ دارالحرب سے پکڑی ہوئی آئے اُسکے حلال ہونے کے لئے یہ ضروری ہے کہ ایک حیض گذر جائے اور وہ عورت مشرک بت پرست نہ ہو بلکہ اہل کتاب میں سے ہو۔

(۴۶) **دوسری عورتوں سے نکاح کی شرائط** یعنی جن عورتوں کی حرمت بیان ہو چکی اُن کے سوا سب حلال ہیں چار شرطوں کے ساتھ اول یہ کہ طلب کرو یعنی زبان سے ایجاب و قبول دونوں طرف سے ہو جائے۔ دوسری یہ کہ مال یعنی مہر دینا قبول کرو۔ تیسری یہ کہ اُن عورتوں کو قید میں لانا اور اپنے قبضہ میں رکھنا مقصود ہو صرف مستی نکالنا اور شہوت رانی مقصود نہ ہو جیسا کہ زنا میں ہوتا ہے یعنی ہمیشہ کے لئے وہ اُس کی زوجہ ہو جائے چھوڑے بغیر کبھی نہ چھوٹے مطلب یہ کہ کوئی مدت مقرر نہ ہو اس سے متعہ کا حرام ہونا معلوم ہو گیا جس پر اہل حق کا اجماع ہے چوتھی شرط جو دوسری آیتوں میں مذکور ہے یہ ہے کہ مخفی طور پر دوستی نہ ہو یعنی کم سے کم دو مرد یا ایک مرد اور دو عورت اس معاملہ کی گواہ ہوں اگر بدون دو گواہوں کے ایجاب و قبول ہو گا تو وہ نکاح درست نہ ہو گا زنا سمجھا جائیگا۔

(۴۷) **مہر کا وجوب** یعنی جس عورت سے نکاح کیا اور اس کے بعد زوج نے اُس سے کسی مدت معین قلیل یا طویل تک نفع بھی حاصل کر لیا کم سے کم یہ کہ ایک ہی دفعہ وطی یا خلوت صحیحہ کی نوبت آئی تو اب اس عورت کا پورا مہر دینا لازم ہے بدون عورت کے بخشے کسی طرح چھوٹ نہیں سکتا البتہ جب تک عورت بالکل کام میں نہ آوے اور زوج طلاق دیدے تو مہر مقررہ کا آدھا دینا ہو گا اور اگر عورت نے انتفاع سے پہلے کوئی ایسی بات کی کہ نکاح ٹوٹ گیا تو زوج کے ذمہ سے سب مہر اُتر جائیگا کچھ دینا نہ پڑیگا۔

(۴۸) یعنی اگر زوجین مہر مقرر کر لینے کے بعد کسی بات پر راضی ہو جائیں۔ مثلاً عورت اپنی خوشی سے مہر میں سے کچھ کم کر دے یا مرد اپنے رضا سے مہر مقرر پر کچھ زیادہ دے تو وہ مختار ہیں اس میں کچھ گناہ نہیں یہ نہیں کہ مہر مقرر سے زوج کچھ کم دے یا عورت اس سے کچھ زیادہ لے تو ناجائز ہے ہاں رضائے باہمی ضرور ہونی چاہئے، اخیر میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہاری مصلحتوں اور ہر طرح کے نفع و نقصان کو خوب جانتا ہے اور جو حکم فرماتا ہے وہ سراسر حکمت آمیز ہوتا ہے اُس کی متابعت میں تمہارے لئے دارین کی خوبی اور بہبودی ہے اور مخالفت میں سراسر نقصان اور خرابی ہے۔

(۴۹) **لونڈی سے نکاح کے احکام** یعنی جس کو اس بات کا مقدور نہ ہو کہ آزاد عورت سے نکاح کر سکے اور اُس کے مہر اور نفقہ کا تحمل کر سکے تو بہتر ہے کہ ایسا شخص آپس میں کسی کی مسلمان لونڈی سے نکاح کر لے کہ اُس کا مہر کم ہوتا ہے اور نفقہ میں بھی یہ سہولت ہے کہ اگر مالک نے اُس کو اپنے یہاں رکھا جیسا کہ اکثر ہوتا ہے تو زوج اُس کے نفقہ سے فارغ البال رہے گا اور اگر زوج کے حوالہ کر دیا تو بھی بہ نسبت نفقہ حرہ تخفیف ضرور رہے گی۔ **فائدہ** جس کو آزاد عورت سے نکاح کرنے کی مقدرت ہو اُس کو لونڈی سے نکاح کرنا امام شافعی وغیرہ کے نزدیک حرام ہے اور امام ابو حنیفہ کے مذہب میں مکروہ تنزیہی ہے ایسے ہی صحت نکاح کے لئے لونڈی کا مسلمان ہونا اکثر علماء کے نزدیک ضروری ہے اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک افضل ہے اگر لونڈی کتابیہ سے نکاح کر لے گا تو وہ بھی امام کے نزدیک جائز ہو گا ہاں اگر کسی کے نکاح میں آزاد عورت ہو تو اُس کو لونڈی سے نکاح کرنا سب کے نزدیک حرام ہے۔

(۵۰) یعنی اللہ تعالیٰ کو تم سب کے ایمان کی اصلی کیفیت معلوم ہے تم کو تو ظاہر پر اکتفا کرنا چاہیئے بعضی لونڈی کا ایمان اللہ کے نزدیک بعضی آزاد عورت کے ایمان سے بہتر اور افضل ہو سکتا ہے تو اب حیثیت ایمانی سے لونڈی کے ساتھ نکاح کر لینے میں قباحت اور انکار نہ ہونا چاہیئے اور آپس میں تم سب ایک ہو ایک اصل سے پیدا ہوئے ہو ایک دین میں شریک ہو پھر لونڈیوں سے نکاح کرنے کو کیوں معیوب اور ننگ و عار سمجھتے ہو اس کلام سے لونڈیوں کے نکاح کی طرف توجہ دلانا اور اُن سے نفرت کو دور کرنا مطلوب ہے۔

(۵۱) یعنی تو اب مناسب ہے کہ حسب بیان بالا اُن لونڈیوں سے نکاح کر لیا کرو اُن کے مالکوں سے اجازت لے کر اور قاعدہ اور دستور کے موافق اُن کا مہر دیدیا کرو جبکہ وہ خوشی سے قید نکاح میں آئیں مستی نکالنے والیاں اور چھپی اور مخفی یاری کرنے والیاں ہرگز نہ ہوں یعنی زنا نہ ہو کہ اُس میں مہر ہرگز لازم نہ ہو سکیگا۔ اس سے معلوم ہو گیا کہ زنا میں مہر لازم نہیں ہوتا اور نکاح کے لئے گواہوں کا ہونا ضروری ہے۔

(۵۲) **شادی شدہ لوگوں کیلئے زنا کی سزا** یعنی جو آزاد مرد یا عورت نکاح سے فائدہ اٹھا چکے یعنی مجامعت کی نوبت آ چکی ہو اور پھر وہ

زنا کرے تو وہ سنگسار کیا جائے گا اور اگر نکاح نہیں ہوا بلکہ نکاح سے پہلے ہی زنا کیا تو اُس کے لئے سو کوڑوں کا حکم ہے اور لونڈی اور غلام کے لئے قبل نکاح اور بعد نکاح ہر حالت میں صرف پچاس کوڑے ہیں زیادہ نہیں۔

(۵۳) **صبر لونڈیوں کے نکاح سے بہتر ہے** یعنی لونڈیوں سے نکاح کرنے کا ارشاد اور استحسان اسی کے حق میں ہے جو کوئی شخص تم میں ڈرتا ہو مشقت یعنی زنا میں مبتلا ہونے سے اور اگر تم صبر کرو اور باندیوں سے نکاح نہ کرو تو بہت اچھا ہے تمہارے حق میں کیونکہ اولاد آزاد ہوگی ہاں جس کو صبر و تحمل میں کھٹکا ہو تو اُس کو بہتر ہے کہ ایسی حالت میں کسی کی لونڈی سے نکاح کرے اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے صبر کرنے والوں پر۔

يُرِيدُ اللّٰهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ وَيَهْدِيَكُمْ سُنَنَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَيَتُوبَ عَلَيْكُمْ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيمٌ

اللہ چاہتا ہے کہ بیان کرے تمہارے واسطے اور چلاوے تم کو پہلوں کی راہ اور معاف کرے تم کو اور اللہ جاننے والا ہے

حَكِيمٌ ﴿۲۶﴾ وَاللّٰهُ يُرِيدُ أَنْ يَتُوبَ عَلَيْكُمْ ۠ وَيُرِيدُ الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الشَّهَوَاتِ أَنْ تَمِيلُوا

حکمت والا ف۵۴ اور اللہ چاہتا ہے کہ تم پر متوجہ ہووے اور چاہتے ہیں وہ لوگ جو لگے ہوئے ہیں اپنے مزوں کے پیچھے کہ تم پھر جاؤ

مَيْلًا عَظِيمًا ﴿۲۷﴾ يُرِيدُ اللّٰهُ أَنْ يُخَفِّفَ عَنْكُمْ ۚ وَخُلِقَ الْإِنْسَانُ ضَعِيفًا ﴿۲۸﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ

راہ سے بہت دور ف۵۵ اللہ چاہتا ہے کہ تم سے بوجھ ہلکا کرے اور انسان بنا ہے کمزور ف۵۶ اے ایمان

آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ

والو نہ کھاؤ مال ایک دوسرے کے آپس میں ناحق مگر یہ کہ تجارت ہو آپس کی خوشی

مِنْكُمْ ۠ وَلَا تَقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ ۗ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا ﴿۲۹﴾ وَمَنْ يَفْعَلْ ذٰلِكَ عُدْوَانًا وَظُلْمًا

سے ف۵۷ اور نہ خون کرو آپس میں بیشک اللہ تم پر مہربان ہے ف۵۸ اور جو کوئی یہ کام کرے تعدی سے اور ظلم سے

فَسَوْفَ نُصْلِيهِ نَارًا ۚ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيرًا ﴿۳۰﴾

تو ہم اُس کو ڈالیں گے آگ میں اور یہ اللہ پر آسان ہے ف۵۹

(۵۴) **ان احکام کی اہمیت و حکمت** یعنی اللہ تعالیٰ کو ان احکام کے ارشاد سے مطلوب یہی ہے کہ تم کو حلال اور حرام کا حال معلوم ہو جائے اور تم کو پہلے انبیاء کا رستہ نصیب ہو جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام وغیرہ اور مغفرت کرے تمہاری اور اللہ کو تمہارے مصالح اور تمام حالات کا پورا علم ہے اور اس کے ہر حکم اور ہر تدبیر میں حکمت ہے تو اب اگر اُس کے حکم کی اطاعت نہ کرو گے تو ہدایت سے محروم اور پہلوں کے بھی مخالف اور اللہ کی رحمت اور مغفرت سے محروم رہو گے۔ فائدہ پہلے سے زنا اور لواطت کی حرمت اور اُن سے توبہ کرنا اور عورتوں کے متعلق بعضے احکام اور جن عورتوں سے نکاح حرام ہے اُن کا ذکر اور نکاح کے متعلق مہر وغیرہ قیود و شرائط کا تذکرہ اور بدکاری سے ممانعت اور اُس پر سزا کا ذکر تھا اور بچند وجوہ لوگوں کو ان حکموں کی اطاعت دشوار تھی۔ اس لئے اس آیت میں اور آئندہ کی دو آیتوں میں اُن احکام کی پابندی کو خوب موکد اور مستحکم کر کے مخالفت سے روک دیا واللہ اعلم۔

(۵۵) یعنی یہ مختلف قیدیں جو پہلے گذریں اس سے مطلوب تم پر رحمت فرمانا ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان قیدوں کی نسبت حکم فرمایا

اور جو لوگ اپنی شہوتوں پر فریفتہ ہیں وہ البتہ یہی چاہتے ہیں کہ تم سیدھے راستہ سے دور جا پڑو یعنی انہی کی طرح تم بھی اپنی شہوات کا اتباع کرو اور گمراہ ہو جاؤ تو اب جو کچھ کرو سمجھ کر کرو۔

(۵۶) **شریعت کے احکام سہل ہیں** | یعنی انسان کو اللہ نے ضعیف بنایا ہے اس کو خوب معلوم ہے کہ یہ اپنی شہوات و مرغوبات سے کہاں تک صبر کر سکتا ہے تو اس لئے ہر حکم میں تخفیف کا بھی لحاظ فرمایا گیا ہے یہ نہیں ہوا کہ انسان کے حق میں جو مفید دیکھا وہ اُس کے ذمہ لگا دیا سہل ہو یا دشوار مثلاً عورتوں اور شہوت سے صبر کرنا آدمی کو بہت دشوار تھا اس لئے اُس کی خواہش پورا کر لینے کے لئے طریقے جائز اللہ نے بتلا دیے کہ اُس سے اپنا مطلب حاصل کر سکے یہ نہیں کہ قضائے شہوت سے بالکل روک دیا گیا ہو۔ حق تعالیٰ نے اپنی رحمت سے شریعت میں تنگی نہیں فرمائی کہ کوئی حلال کو چھوڑے اور حرام کی طرف دوڑے۔ خلاصہ ان آیتوں کا یہ نکلا کہ نفس کو شہوات سے بچانا اور اُن تمام قیدوں کا پابند ہونا جو عورتوں کے بارے میں مذکور ہوئیں ہرگز دشوار امر نہیں اور اُنکی پابندی نہایت ضروری اور سراسر مفید ہے۔

(۵۷) **اکل حلال کی تاکید** | مطلب یہ ہے کہ کسی کو کسی کا مال ناحق کھا لینا مثلاً جھوٹ بول کر یا دغا بازی سے یا چوری سے ہرگز درست نہیں ہاں اگر سوداگری یعنی بیع و شراء کرو تم باہمی رضامندی سے تو اس میں کچھ حرج نہیں اس مال کو کھالو جس کا خلاصہ یہی نکلا کہ جائز طریقہ سے لینے کی ممانعت نہیں جو مال کو ترک کرنا تم پر دشوار ہو۔

(۵۸) **قتل کی ممانعت** | یعنی آپس میں ایک دوسرے کو قتل بھی مت کرو۔ بیشک اللہ تعالیٰ تم پر مہربان ہے کہ بلاوجہ کسی کے مال یا جان میں تصرف کرنے کو منع فرما دیا اور تم پر ایسے احکام بھیجے جن میں سراسر تمہارے لئے بہبودی اور خیریت ہے۔

(۵۹) یعنی اور جو کوئی ظلم اور زیادتی سے باز نہ آئے بلکہ ناحق اوروں کا مال کھائے یا ظلماً کسی کو قتل کر ڈالے تو اس کا ٹھکانا دوزخ ہے اور ایسے ظالموں کو آگ میں ڈال دینا خدا تعالیٰ کو دشوار نہیں بالکل سہل اور آسان ہے تو اب کوئی یہ نہ سمجھ بیٹھے کہ ہم تو مسلمان ہیں دوزخ میں کیسے جا سکتے ہیں اللہ تعالیٰ مالک و مختار ہے اُس کو عدل و انصاف سے کون چیز روک سکتی ہے۔

اِنۡ تَجۡتَنِبُوۡا كَبٰٓٮِٕرَ مَا تُنۡهَوۡنَ عَنۡهُ نُكَفِّرۡ عَنۡكُمۡ سَيِّاٰتِكُمۡ وَنُدۡخِلۡكُمۡ مُّدۡخَلًا كَرِيۡمًا ﴿۳۱﴾ وَلَا

اگر تم بچتے رہو گے اُن چیزوں سے جو گناہوں میں بڑی ہیں تو ہم معاف کر دیں گے تم سے چھوٹے گناہ تمہارے اور داخل کریں گے تم کو عزت کے مقام میں ف ۶۰ اور ہوس

تَتَمَنَّوۡا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعۡضَكُمۡ عَلٰى بَعۡضٍ‌ؕ لِلرِّجَالِ نَصِيۡبٌ مِّمَّا اكۡتَسَبُوۡا‌ؕ وَلِلنِّسَآءِ

مت کرو جس چیز میں بڑائی دی اللہ نے ایک کو ایک پر ف ۶۱ مردوں کو حصہ ہے اپنی کمائی سے اور عورتوں کو

نَصِيۡبٌ مِّمَّا اكۡتَسَبۡنَ‌ؕ وَسۡـَٔلُوا اللّٰهَ مِنۡ فَضۡلِهٖ‌ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَىۡءٍ عَلِيۡمًا ﴿۳۲﴾ وَلِكُلٍّ

حصہ ہے اپنی کمائی سے اور مانگو اللہ سے اُس کا فضل بیشک اللہ کو ہر چیز معلوم ہے ف ۶۲ اور ہر کسی کے لئے

جَعَلۡنَا مَوَالِىَ مِمَّا تَرَكَ الۡوَالِدٰنِ وَالۡاَقۡرَبُوۡنَ‌ؕ وَالَّذِيۡنَ عَقَدَتۡ اَيۡمَانُكُمۡ فَاٰتُوۡهُمۡ

ہمنے مقرر کر دیے ہیں وارث اس مال کے کہ چھوڑ مریں ماں باپ اور قرابت والے اور جن سے معاہدہ ہوا تمہارا اُن کو دیدو

نَصِيۡبَهُمۡ‌ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ شَهِيۡدًا ﴿۳۳﴾

اُن کا حصہ بیشک اللہ کے روبرو ہے ہر چیز ف ۶۳

(۶۰) **ارتکاب کبائر و سیئات میں معتزلہ کا جواب** | پہلی آیت میں مذکور تھا کہ جو کوئی ظلماً کسی کے مال یا جان کو نقصان پہنچائیگا تو اُس کی

سزا جہنم ہے جس سے معلوم ہو گیا تھا کہ حق تعالیٰ کی نافرمانی بندہ کے لئے موجب عذاب ہے اب اس آیت میں گناہوں سے بچنے کی ترغیب اور گناہوں سے اجتناب کرنے پر وعدہ مغفرت اور جنت کی توقع اور طمع دلائی جاتی ہے تاکہ اُس کو معلوم کر کے ہر ایک آدمی گناہوں سے احتراز کرنے میں کوشش کرے اور معلوم ہو جائے کہ جو کبیرہ گناہ مثلاً کسی کا مال غصب یا سرقہ کرنے یا کسی کو ظلماً قتل کرنے سے بچ گیا جن کا ذکر ابھی گزرا تو اُس کے وہ تمام صغیرہ گناہ بخشے جائیں گے جن کا مرتکب بغرض تحصیل و تکمیل سرقہ اور قتل ہوا تھا۔ اس آیت میں چند باتیں بحث طلب ہیں مگر اصل سب کی یہی ہے کہ آیت کا اصلی اور عمدہ مطلب معلوم ہو جائے جس سے تمام امور کا جان لینا سہل ہو جائے۔ سو معتزلہ اور اُن کے موافقین نے سرسری طور پر اس آیت کا یہ مضمون سمجھ لیا کہ اگر کبیرہ گناہوں سے بچتے رہو گے یعنی کبیرہ گناہ ایک بھی نہ کرو گے تو پھر محض صغیرہ گو کتنے ہی ہوں ضرور معاف کر دیئے جائیں گے اور اگر صغائر کے ساتھ کبیرہ کیف ما اتفق ایک یا دو بھی شامل ہو گیا تو اب معافی سے ممکن نہیں بلکہ سب کی سزا ضروری ہو گئی اور اہل سنت فرماتے ہیں کہ ان دونوں صورتوں میں اللہ تعالیٰ کو معافی اور مواخذہ کا اختیار بدستور محقق ہے اول صورت میں معافی کا لازم ہونا اور دوسری صورت میں مواخذہ کو واجب سمجھنا معتزلہ کی بدفہمی اور کم فہمی ہے اور اس آیت کے ظاہری الفاظ اور سرسری مضمون سے جو معتزلہ کا مذہب راجح نظر آتا ہے اس کا جواب کسی نے تو یہ دیا کہ انتفاء شرط سے انتفاء مشروط کوئی ضروری امر ہرگز نہیں کسی نے یہ کہا کہ لفظ کبائر سے جو آیت میں مذکور ہے اکبر الکبائر یعنی خاص شرک مراد لے لیا اور لفظ کبائر کی جمع لانے کی وجہ تعدد انواع شرک کو قرار دیا اور اُسی کے ذیل میں چند اور باتیں بھی زیر بحث آ گئیں مگر ہم اُن سب امور کو نظر انداز کر کے صرف اس آیت کے محقق اور عمدہ معنی ایسے بیان کئے دیتے ہیں جو نصوص اور عقل کے مطابق اور قواعد اور ارشاد محققین کے موافق ہوں اور بشرط فہم و انصاف معنی مذکور کے بعد تمام ضمنی باتیں خود بخود حل ہو جائیں اور خلاف معتزلہ خود بخود مضمحل ہو کر معتزلہ کے عدم تدبر اور کم فہمی پر حجت قوی بن جائے اور اہل حق کو اُس کے ابطال و تردید کی طرف توجہ فرمانے کی حاجت ہی نہ رہے سو غور سے سُنیئے کہ یہ تو ظاہر ہے کہ ارشاد ان تجتنبوا کبائر ما تنھون عنہ نکفر عنکم سیاٰتکم جو کہ یہاں مذکور ہے اور ارشاد الذین یجتنبون کبائر الاثم والفواحش الا اللمم جو سورۂ نجم میں موجود ہے ان ہر دو ارشاد کا مدعیٰ ایک ہے صرف لفظوں میں تھوڑا سا فرق ہے تو اب جو مطلب ایک آیت کا ہو گا وہی دوسری آیت کا لیا جائیگا سو سورۂ نجم کی آیت کی نسبت حضرت عبداللہ بن عباس کا ارشاد بخاری و غیرہ کتب حدیث میں صاف موجود ہے عن ابن عباس قال ما رأیت شیئًا اشبہ باللمم مما قال ابو ھریرۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ کتب علی ابن اٰدم حظہ من الزنی ادرک ذٰلک لا محالۃ فزنی العین النظر و زنی اللسان المنطق والنفس تمنی وتشتھی والفرج یصدق ذٰلک ویکذبہ انتہیٰ۔ بشرط فہم اس حدیث سے ہر دو آیات سابقہ کے واقعی اور تحقیقی مطلب کا پورا سراغ لگ گیا اور حضرت ابن عباسؓ حبر الامۃ اور لسان القرآن کے فرمانے سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ لمم اور علیٰ ہٰذا القیاس سیات کے معنی اس سے بہتر نہیں ملے تو اب اس مطلب کے مقابلہ میں کوئی دوسری تقریر مضمون آیت کے متعلق کیونکر قابل ترجیح اور لائق پسند ہو سکتی ہے بالخصوص معتزلہ کی ہرزہ گوئی کیسے قابل التفات اور لائق جواب سمجھی جا سکتی ہے اور واقعی حدیث مذکور کا مطلب اور حضرت ابن عباس نے جو اُس سے بات نکالی ایسی عجیب اور قابل قبول تحقیق ہے کہ جس سے مضمون ہر دو آیت خوب محقق ہو گیا اور معتزلہ کے خرافات کی گنجائش اور اہل حق کو اُس کی تردید کی ضرورت بھی نہ رہی اور ذیلی اور ضمنی اقوال و اختلافات بھی بہت خوبی سے طے ہو گئے۔ چنانچہ اہل فہم ادنیٰ تامل سے سمجھ سکتے ہیں بغرض توضیح ہم بھی حدیث مذکور کا خلاصہ عرض کئے دیتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ آیت سورۂ نجم میں جو لفظ لمم فرمایا گیا ہے جس کی کہ معافی کا وعدہ کیا ہے اُس کی تعیین اور تحقیق کے متعلق حدیث ابی ہریرۃ سے بہتر ہم کو کوئی چیز معلوم نہیں ہوئی جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ابن آدم کے ذمہ پر جو زنا

کا حصّہ مقرر فرما دیا ہے وہ ضرور اُس کو مل کر رہے گا سو فعل زنا میں آنکھ کا حصّہ تو دیکھنا ہے اور زبان کا حصّہ یہ ہے کہ اُس سے وہ باتیں کی جائیں جو فعل زنا کے لئے مقدمات اور اسباب ہوں اور نفس کا حصہ یہ ہے کہ زنا کی تمنا اور اُس کی خواہش کرے لیکن فعل زنا کا تحقق اور اس کا بطلان دراصل فرج یعنی شرمگاہ پر موقوف ہے یعنی اگر فرج سے زنا کا صدور ہو گیا تو آنکھ زبان دل سب کا زانی ہونا محقق ہو گیا اور اگر باوجود تحصیل جملہ اسباب و ذرائع صرف فعل فرج کا تحقق نہ ہوا بلکہ زنا سے توبہ اور اجتناب نصیب ہو گیا تو اب تمام وسائل زنا جو کہ فی نفسہٖ مباح تھے فقط زنا کی تبعیت کے باعث گناہ قرار دیئے گئے تھے وہ سب کے سب لائق مغفرت ہو گئے یعنی اُن کا زنا ہونا باطل ہو گیا اور گویا اُن کا قلب ماہیت ہو کر بجائے زنا عبادت بن گئی کیونکہ فی نفسہٖ تو وہ افعال نہ معصیت تھے نہ عبادت بلکہ مباح تھے صرف اس وجہ سے کہ وہ زنا کے لئے وسیلہ بنتے تھے معصیت میں داخل ہو گئے تھے جب زنا کے لئے وسیلہ نہ رہے بلکہ زنا ہی بوجہ اجتناب معدوم ہو چکا تو اب اُن وسائل کا زنا کے ذیل میں شمار ہونا اور اُن کو معصیت قرار دینا انصاف کے صریح مخالف ہے مثلاً ایک شخص مسجد میں پہنچا چوری کے خیال سے مگر وہاں جا کر عین موقع پر تنبہ پیش آیا اور چوری سے توبہ کی اور رات بھر اللہ کے واسطے نماز پڑھتا رہا تو ظاہر ہے کہ جو رفتار سرقہ کا ذریعہ نظر آتا تھا وہ اب توبہ اور نماز کا ذریعہ ہو گیا تو اس حدیث ابوہریرہ کو سُن کر عبداللہ بن عباس سمجھ گئے کہ لَمَمْ وہ باتیں ہیں جو دراصل گناہ نہیں مگر گناہ کا سبب ہو کر گناہ بن جاتی ہیں تو آیت کا مطلب یہ ہو گا کہ وہ لوگ بڑے گناہ اور کھلے گناہ سے تو بچتے ہیں ہاں صدور لَمَمْ کی نوبت آجاتی ہے مگر بڑے اور اصلی گناہ کے صدور سے پہلے ہی وہ اپنے قصور سے تائب اور مجتنب ہو جاتے ہیں تو اب ابن عباس نے جیسے حدیث ابوہریرہ سے آیت سورۂ نجم کا مطلب سمجھ لیا ہم کو چاہیئے کہ وہی معنی حسب ارشاد ابن عباس ہم آیت سورۂ نساء کے بے تکلف سمجھ لیں جس کے بعد بحمداللہ نہ ہم کو اس کی ضرورت ہو گی کہ اس آیت کی توضیح میں گناہ صغیرہ اور کبیرہ کی مختلف تفسیریں نقل کریں اور نہ معتزلہ کے استدلال کے جواب کا فکر ہو گا اور تکفیر سیآت کی وجہ اور دخول جنت کا سبب بھی بسہولت مطابق قواعد معلوم ہو جائے گا اور اجتناب کے معنی بھی ظاہر ہو جائیں گے اور چھوٹی چھوٹی باتیں انشاء اللہ بشرط تدبر طے ہو جائیں گی خلاصہ ہر دو آیت مذکور کا حسب ارشادِ حدیث و بیان ابن عباس یہ ہوا کہ جو لوگ اُن گناہوں سے رُکیں گے اور اُن کے ارتکاب سے اپنے نفس کو ہٹاتے رہیں گے جو گناہ کہ گناہوں کے سلسلہ میں مقصود اور بڑے سمجھے جاتے ہیں تو اس اجتناب اور رُک جانے کی وجہ سے اُن کے وہ بُرے کام جو انہوں نے کسی بڑے گناہ کے حصول کی طمع میں کئے ہیں معاف کر دیئے جائیں گے اور حسب ارشاد وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى وہ لوگ جنت میں داخل ہونگے۔ یہ مطلب نہیں کہ سلسلہ زنا کے صغائر کسی دوسرے سلسلہ کے بڑے گناہ مثلاً شراب خواری نہ کرنے سے فروگذاشت ہو جائیں گے یا شراب خواری کی وجہ سے اُنکا مواخذہ لازم اور واجب ہو جائیگا واللہ اعلم۔

(۶۱) **ایک دوسرے کی فضیلت کی حرص نہ کرو** یعنی حق تعالیٰ جو کسی کو کسی پر کسی امر میں شرافت و فضیلت اور اختصاص و امتیاز عنایت فرمائے تو تم اُس کی ہوس اور حرص مت کرو کیونکہ یہ بھی گویا ایسا ہی ہے کہ کسی کے خاص مال اور جان میں بلاوجہ دست اندازی کی جائے جس کی حرمت ابھی گذر چکی اور نیز اس سے باہم تحاسد و تباغض پیدا ہوتا ہے اور حکمت الٰہی کی مخالفت بھی لازم آتی ہے۔ بعض عورتوں نے آپ کی خدمت میں عرض کیا کہ کیا سبب ہے کہ ہر جگہ حق تعالیٰ مردوں کو خطاب فرماتا ہے اور اُن کو حکم کرتا ہے عورتوں کا ذکر نہیں کیا جاتا اور میراث میں مرد کو دُوہرا حصّہ دیا جاتا ہے عورت سے اس آیت میں اُن سب کا جواب ہو گیا۔

(۶۲) یعنی مردوں اور عورتوں کے لئے حصہ مقرر ہے جیسا کچھ وہ کام کرتے ہیں۔ خلاصہ یہ ہوا کہ ہر ایک کو اُس کے عمل کا بدلا پورا ملتا ہے اس میں ہرگز کمی نہیں کی جاتی جو کسی کو شکایت کا موقع ملے ہاں یہ بات دوسری ہے کہ وہ اپنی حکمت اور رحمت کے مطابق کسی کو خاص بڑائی اور فضیلت عنایت کرے اس کی حرص اور شکایت کرنی بیجا ہوس ہے۔ البتہ اپنے عمل کے معاوضہ سے اور زیادہ ثواب و انعام مانگو تو بہتر اور

مناسب ہے اس میں کچھ خرابی نہیں تو اب جو فضل کا طالب ہو اُس کو لازم ہے کہ عمل کے ذریعہ سے طلب کرے حسد اور تمنی سے فضل کا طالب نہ ہو اور اللہ تعالیٰ کو ہر ایک چیز کا پورا علم ہے ہر ایک کے درجے اور اُس کے استحقاق کو خوب جانتا ہے اور ہر ایک کے مناسب شان اُس سے معاملہ کرتا ہے تو اب جس کو فضیلت عطا کرتا ہے سراسر علم اور حکمت کے مطابق ہے کوئی اپنی لاعلمی کی وجہ سے کیوں اُس میں خلجان کرے۔

(۶۳) **مرنے والے کے ورثاء کا حق ادا کرو** یعنی مرد ہو یا عورت ہر ایک کے لئے تم میں سے اے مسلمانوں ہم نے وارث مقرر کر دیے اُس مال کے جس کو چھوڑ مریں والدین اور قرابت والے کسی کو اس سے محروم نہیں رکھا اور جن لوگوں سے تمہارا معاہدہ ہوا ہے اُن کو اُن کا حصہ ضرور پہنچا دو اللہ تعالیٰ کو تمام امور کا علم ہے کہ وارثوں کا کیا حصہ ہونا چاہئے اور جن سے معاہدہ ہوا ہے اُن کو کیا ملنا چاہئے اور ہمارے ان احکام کو کون بجالاتا ہے اور کون نافرمانی کرتا ہے **فائدہ** اکثر لوگ حضرت کے ساتھ اکیلے اکیلے مسلمان ہو گئے تھے اور اُن کا سب کنبہ اور تمام اقربا کافر چلے آتے تھے تو اُس وقت حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دُو دُو مسلمانوں کو آپس میں بھائی کر دیا تھا وہی دونوں آپس میں ایک دوسرے کے وارث ہوتے جب ان کے اقربا بھی مسلمان ہو گئے تب یہ آیت اُتری کہ میراث تو اقربا اور رشتہ داروں ہی کا حق ہے اب رہ گئے وہ منہ بولے بھائی تو اُن کے لئے میراث نہیں ہاں زندگی میں اُن کے ساتھ سلوک ہے اور مرتے وقت کچھ وصیت کر دے تو مناسب ہے مگر میراث میں کوئی حصہ نہیں۔

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ ؕ

مرد حاکم ہیں عورتوں پر اس واسطے کہ بڑائی دی اللہ نے ایک کو ایک پر اور اس واسطے کہ خرچ کیے انہوں نے اپنے مال ف۶۴

فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ ؕ وَالّٰتِيْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ

پھر جو عورتیں نیک ہیں سو تابعدار ہیں نگہبانی کرتی ہیں پیٹھ پیچھے اللہ کی حفاظت سے ف۶۵ اور جن کی بدخوئی کا ڈر ہو تم کو تو

فَعِظُوْهُنَّ وَاهْجُرُوْهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهُنَّ ۚ فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَيْهِنَّ

اُن کو سمجھاؤ اور جدا کرو سونے میں اور مارو ف۶۶ پھر اگر کہا مانیں تمہارا تو مت تلاش کرو اُن پر راہ

سَبِيْلًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيًّا كَبِيْرًا ﴿۳۴﴾ وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ

الزام کی بیشک اللہ ہے سب سے اُوپر بڑا ف۶۷ اور اگر تم ڈرو کہ وہ دونوں آپس میں ضد رکھتے ہیں تو کھڑا کرو ایک منصف مرد والوں میں سے

وَحَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا ۚ اِنْ يُّرِيْدَآ اِصْلَاحًا يُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا خَبِيْرًا ﴿۳۵﴾

اور ایک منصف عورت والوں میں سے ف۶۸ اگر یہ دونوں چاہیں گے کہ صلح کرا دیں تو اللہ موافقت کر دیگا اُن دونوں میں بیشک اللہ سب کچھ جاننے والا خبردار ہے ف۶۹

(۶۴) **مردوں کی فضیلت اور اُس کی حکمت** پہلی آیتوں میں مذکور تھا کہ مرد اور عورتوں کے حقوق کی پوری رعایت فرمائی گئی اگر رعایت حقوق میں فرق ہوتا تو عورتوں کو شکایت کا موقع ہوتا۔ اب اس آیت میں مرد اور عورت کے درجہ کو بتلاتے ہیں کہ مرد کا درجہ بڑھا ہوا ہے عورت کے درجہ سے اس لئے فرق مدارج کے باعث جو احکام میں فرق ہوگا وہ سراسر حکمت اور قابل رعایت ہوگا۔ اُس میں عورت اور مرد بقاعدہ حکمت ہرگز برابر نہیں ہو سکتے عورتوں کو اُس کی خواہش کرنی بالکل بے جا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ مردوں کو عورتوں پر اللہ تعالیٰ نے حاکم اور نگراں حال بنایا دو وجہ سے اوّل بڑی اور وہبی وجہ تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اصل سے بعضوں کو بعضوں پر یعنی مردوں کو عورتوں

پر علم و عمل میں کہ جن دونوں پر تمام کمالات کا مدار ہے فضیلت اور بڑائی عطا فرمائی جس کی تشریح احادیث میں موجود ہے دوسری وجہ جو کسبی ہے یہ ہے کہ مرد عورتوں پر اپنا مال خرچ کرتے ہیں اور مہر اور خوراک اور پوشاک جملہ ضروریات کا تکفل کرتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ عورتوں کو مردوں کی حکم برداری چاہیئے **فائدہ** ایک صحابیہ نے اپنے خاوند کی نافرمانی بہت کی آخر کو مرد نے ایک طپانچہ مارا عورت نے اپنے باپ سے فریاد کی عورت کے باپ نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آکر احوال ظاہر کیا آپ نے فرمایا کہ خاوند سے بدلہ لیوے اتنے میں یہ آیت اُتری اس پر آپ نے فرمایا کہ ہم نے کچھ چاہا اور اللہ تعالیٰ نے کچھ اور چاہا اور جو کچھ اللہ نے چاہا وہی خیر ہے۔

(۶۵) یعنی جو عورتیں نیک ہیں وہ مردوں کی تابعداری کرتی ہیں اور اللہ کے حکم کے موافق خاوند کے پیٹھ پیچھے اُس کی رضا کے موافق اپنے نفس اور خاوند کے مال کی حفاظت کرتی ہیں اپنے نفس اور مال زوج میں کسی قسم کی خیانت نہیں کرتیں۔

(۶۶) **عورتوں کی تادیب کا طریقہ** یعنی اگر کوئی عورت خاوند سے بدخوئی کرے تو پہلا درجہ تو یہ ہے کہ مرد اُس کو زبانی فہمائش کرے اور سمجھادے اگر نہ مانے تو دوسرا درجہ یہ ہے کہ جُدا سووے لیکن اسی گھر میں اس پر بھی نہ مانے تو آخری درجہ یہ ہے کہ اُس کو مارے بھی پر نہ ایسا کہ جس کا نشان باقی رہے یا ہڈی ٹوٹے ہر تقصیر کا ایک درجہ ہے اُسی کے موافق تادیب اور تنبیہ کی اجازت ہے جس کے تین درجے ترتیب وار آیت میں مذکور ہیں اور مارنا پیٹنا آخر کا درجہ ہے سرسری قصور پر نہ مارے ہاں قصور زیادہ ہو پھر مارنے میں حرج نہیں جس قدر مناسب ہو مارے پیٹے مگر اس کا لحاظ رہے کہ ہڈی نہ ٹوٹے اور نہ ایسا زخم پہنچائے کہ جس کا نشان باقی رہ جائے۔

(۶۷) یعنی وہ عورتیں تمہاری نصیحت یا علیحدگی یا ضرب و تادیب کے بعد اگر بدخوئی اور نافرمانی سے باز آجائیں اور بظاہر مطیع ہو جائیں تو تم بھی بس کر جاؤ اور اُن کے قصوروں کی کھود کرید مت کرو اور خواہ مخواہ اُن کے ملزم بنانے میں خدا سے ڈرو بیشک اللہ تم سب سے غالب اور سب پر حاکم ہے نہ عورتوں کے معاملہ میں خواہ مخواہ کی بدگمانی سے کام لو اور نہ تھوڑے قصور پر اخیر کی سزا دینے لگو بلکہ ہر قصور کی ایک حد ہے اور مارنا اخیر کا درجہ ہے۔

(۶۸) **گھریلو جھگڑوں میں منصف بنانے کا حکم** یعنی اے مسلمانو اگر تم کو اندیشہ ہو کہ خاوند اور عورت میں مخالفت اور ضد ہے وہ اپنے باہمی نزاع کو خود نہ سلجھا سکیں گے تو تم کو چاہیئے کہ ایک منصف مرد کے اقارب میں سے اور ایک منصف عورت کے اقارب میں سے مقرر کر کے بغرض فیصلہ زوجین کے پاس بھیجو کیونکہ اقارب کو اُن کے حالات بھی زیادہ معلوم ہونگے اور اُن سے خیرخواہی کی بھی زیادہ اُمید ہے یہ دونوں منصف احوال کی تحقیق کریں گے اور جس کا جتنا قصور دیکھیں گے اُس کو سمجھا کر باہم موافقت کرا دینگے۔

(۶۹) یعنی اگر دونوں منصف اصلاح بین الزوجین کا قصد کرینگے تو اللہ تعالیٰ اُن کے حسن نیت اور حسن سعی سے زوجین میں موافقت کرا دے گا۔ بیشک اللہ تعالیٰ کو تمام چیزوں کا علم اور اطلاع ہے۔ رفع نزاع اور حصول اتفاق کے اسباب اور کیفیات اُس کو خوب معلوم ہیں اس لئے نزاع زوجین کے رفع ہونے میں کوئی دشواری نہ ہوگی انشاء اللہ۔

وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔـا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ

اور بندگی کرو اللہ کی اور شریک نہ کرو اُس کا کسی کو ف۷۰ اور ماں باپ کے ساتھ نیکی کرو اور قرابت والوں کے ساتھ اور یتیموں اور فقیروں

وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ وَمَا مَلَكَتْ

اور ہمسایہ قریب اور ہمسایہ اجنبی اور پاس بیٹھنے والے اور مسافر کے ساتھ اور اپنے ہاتھ کے مال یعنی

اَيْمَانُكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرَۨا ۝۳۶

غلام باندیوں کیساتھ بیشک اللہ کو پسند نہیں آتا اترانے والا بڑائی کرنے والا وا۷۱

(۷۰) یعنی عبادت اور نیک عمل خدا پر یقین کر کے اور ثواب آخرت کی توقع سے کرو فخر اور ریا سے مال دینا یہ بھی شرک ہے گو کم درجہ کا ہے۔

(۷۱) **حقوق العباد اور اُنکی ترتیب** | یتامیٰ اور نساء اور ورثہ اور زوجین کے حقوق اور اُن کے ساتھ حسن معاملہ کو بیان فرما کر اب یہ ارشاد ہے کہ ہر ایک کا حق درجہ بدرجہ تعلق کے موافق اور حاجتمندی کے مناسب ادا کرو سب سے مقدم اللہ تعالیٰ کا حق ہے پھر ماں باپ کا پھر درجہ بدرجہ سب واسطہ داروں اور حاجتمندوں کا اور ہمسایہ قریب اور غیر قریب سے مراد قرب و بُعد نسبی ہے یا قرب و بُعد مکانی صورت اولیٰ میں یہ مطلب ہوگا کہ ہمسایہ قرابتی کا حق ہمسایہ اجنبی سے زیادہ ہوگا اور صورت ثانیہ کا مدعا یہ ہوگا کہ پاس کا ہمسایہ بعید یعنی جو کہ فاصلہ سے رہتا ہے اُس سے زیادہ ہے اور پاس بیٹھنے والے میں رفیق سفر اور ہمپیشہ کے اور کام کے شریک اور ایک آقا کے دو نوکر اور ایک اُستاد کے دو شاگرد اور دوست اور شاگرد اور مرید وغیرہ سب داخل ہیں اور مسافر میں مہمان غیر مہمان دونوں آ گئے اور مال مملوک غلام اور لونڈی کے علاوہ دیگر حیوانات کو بھی شامل ہے آخر میں فرمایا کہ جس کے مزاج میں تکبر اور خود پسندی ہوتی ہے کہ کسی کو اپنی برابر نہ سمجھے اپنے مال پر مغرور اور عیش میں مشغول ہو وہ ان حقوق کو ادا نہیں کرتا سو اس سے احتراز رکھو اور جُدا رہو۔

الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ وَيَأْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَيَكْتُمُوْنَ مَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۭ وَاَعْتَدْنَا

جو کہ بخل کرتے ہیں اور سکھاتے ہیں لوگوں کو بخل اور چھپاتے ہیں جو اُن کو دیا اللہ نے اپنے فضل سے اور تیار کر رکھا ہے ہم نے

لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ۝۳۷ وَالَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ رِئَاۗءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ

کافروں کے لئے عذاب ذلت کا ف۷۲ اور وہ لوگ جو کہ خرچ کرتے ہیں اپنے مال لوگوں کے دکھانے کو اور ایمان نہیں لاتے اللہ پر

وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ وَمَنْ يَّكُنِ الشَّيْطٰنُ لَهٗ قَرِيْنًا فَسَاۗءَ قَرِيْنًا ۝۳۸ وَمَاذَا عَلَيْهِمْ لَوْ اٰمَنُوْا

اور نہ قیامت کے دن پر اور جس کا ساتھی ہوا شیطان تو وہ بہت بُرا ساتھی ہے ف۷۳ اور کیا نقصان تھا اُن کا اگر ایمان لاتے

بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ بِهِمْ عَلِيْمًا ۝۳۹ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ

اللہ پر اور قیامت کے دن پر اور خرچ کرتے اللہ کے دیے ہوئے میں سے اور اللہ کو اُن کی خوب خبر ہے ف۷۴ بیشک اللہ حق نہیں رکھتا

مِثْقَالَ ذَرَّةٍ ۚ وَاِنْ تَكُ حَسَنَةً يُّضٰعِفْهَا وَيُؤْتِ مِنْ لَّدُنْهُ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝۴۰ فَكَيْفَ اِذَا

کسی کا ایک ذرّہ برابر اور اگر نیکی ہو تو اُس کو دونا کر دیتا ہے اور دیتا ہے اپنے پاس سے بڑا ثواب ف۷۵ پھر کیا حال ہوگا جب

جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍۢ بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰي هٰٓؤُلَاۗءِ شَهِيْدًا ۝۴۱ ڼ

بلاویں گے ہم ہر اُمت میں سے احوال کہنے والا اور بلاویں گے تجھ کو ان لوگوں پر احوال بتانے والا ف۷۶

وقف النبی صلی اللہ علیہ وسلم

(۷۲) **بخل کی مذمت** | یعنی اللہ تعالیٰ دوست نہیں رکھتا خود پسند اور تکبر کرنیوالوں کو جو کہ بخل کرتے ہیں اور اپنے مال اور علم خداداد کو لوگوں سے چھپاتے ہیں کسی کو نفع نہیں پہنچاتے اور قولاً اور عملاً دوسروں کو بھی بخل کی ترغیب دلاتے ہیں اور ان کافروں کے لئے ہم نے ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے **فائدہ** یہ آیت یہودیوں کے بارہ میں نازل ہوئی جو فی سبیل اللہ خرچ کرنے میں خود بھی بخل کرتے تھے اور مسلمانوں کو بھی روکنا چاہتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف جو توریت میں مذکور تھے اور حقانیت اسلام کی آیات جو موجود تھیں اُن کو چھپاتے تھے۔ سو مسلمانوں کو اس سے احتراز لازم ہے۔

(۷۳) **دکھاوے کیلئے خرچ کرنے والے** | اور وہ خود پسند متکبر وہ لوگ ہیں کہ اپنا مال لوگوں کے دکھانے کو خرچ کرتے ہیں۔ یعنی

اللہ کے لئے خرچ کرنے میں تو خود بھی بخل کرتے ہیں اور دوسروں کو بھی بخل کی ترغیب دیتے ہیں لیکن لوگوں کے دکھانے کو اپنا مال خرچ کرتے رہتے ہیں اور اُن کو نہ اللہ پر ایمان ہے نہ قیامت کے دن پر کہ حصول رضائے حق تعالیٰ اور تحصیل ثواب اُخروی اُن کو مقصود ہو۔ اور اللہ کے یہاں مقبول اور پسندیدہ یہ ہے کہ اُن حقداروں کو دیا جائے جن کا اول ذکر ہو چکا اور دینے میں اللہ کی خوشنودی اور آخرت کے ثواب کی توقع ہو اس سے معلوم ہو گیا کہ اللہ کی راہ میں جیسا بخل کرنا بُرا ہے ویسا ہی لوگوں کے دکھانے کو خرچ کرنا بُرا ہے اور ایسا کام وہی کرتے ہیں جن کا رفیق شیطان ہے جو اُن کو ایسے کام پر آمادہ کرتا ہے ۔

(۷۴) یعنی ان کافروں کا کچھ نقصان نہ تھا اگر وہ بجائے کفر اللہ اور دن قیامت پر ایمان لاتے اور بجائے بخل وریا اللہ کی راہ میں مال کو خرچ کرتے بلکہ اُن کا سراسر نفع تھا ضرر تو اس میں ہے جس کو وہ اختیار کر رہے ہیں اور اللہ خوب جانتا ہے کہ وہ کیا اور کس نیت سے کر رہے ہیں اسی کا عوض اُن کو ملے گا۔ پہلی آیت میں ینفقون اموالھم فرمایا تھا مال کو اُن کی طرف منسوب کیا تھا۔ اب وانفقوا مما رزقھم اللہ فرمایا اس میں لطیف اشارہ ہے کہ وہ لوگ اپنا مال سمجھ کر جس طرح جی چاہتا ہے خرچ کرتے ہیں اُن کو چاہئے تھا کہ اللہ کا مال سمجھ کر اُس کے حکم کے موافق خرچ کرتے ۔

(۷۵) **سزا میں انصاف اور جزاء میں رحمت** یعنی اللہ تعالیٰ کسی کا حق ایک ذرّہ کی برابر بھی ضائع نہیں فرماتا سو ان کافروں پر جو عذاب ہوگا وہ عین انصاف اور اُن کی بداعمالی کا بدلہ ہے اور اگر ذرہ برابر بھی کسی کی نیکی ہوگی تو اضعاف مضاعف اُس کا اجر دیگا اور اپنی طرف سے ثواب عظیم بطور انعام اُس کو عنایت کریگا ۔

(۷۶) **آخرت میں آنحضرت ﷺ کی گواہی** یعنی ان کافروں کا کیا بُرا حال ہوگا۔ جس وقت کہ بلائیں گے ہم ہر امّت اور ہر قوم میں سے گواہ اُن کے حالات بیان کرنیوالا اور اُن کے واقعی معاملات ظاہر کرنیوالا اس سے مراد ہر امّت کا نبی اور ہر عہد کے صالح اور معتبر لوگ ہیں کہ وہ قیامت کو نافرمانوں کی نافرمانی اور فرمانبرداروں کی فرمانبرداری بیان کرینگے اور سب کے حالات کی گواہی دیں گے ۔ اور تم کو اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان پر یعنی تمہاری امت پر مثل دیگر انبیاء علیہم السلام کے احوال بتانے والا اور گواہ بنا کر لاوینگے اور یہ بھی احتمال ہے کہ ھٰٓؤُلَآءِ کا اشارہ انبیائے سابقین یا کفار مذکورہ بالا کی طرف ہو اول صورت میں انبیاء مراد ہوں تو مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انبیائے سابقین کی صداقت پر گواہی دیں گے جبکہ اُن کی اُمّتیں اُن کی تکذیب کریں گی اور دوسرے احتمال سے کفّار مراد ہوں تو مطلب یہ ہے کہ انبیائے سابقین جیسا اپنی اپنی امّت کے کفّار فساق کے کفر و فسق کی گواہی دیں گے تم بھی اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اُن سب کی بداعمالی پر گواہ ہو گے جس سے اُن کی خرابی اور بُرائی خوب محقق ہوگی ۔

يَوْمَئِذٍ يَّوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ عَصَوُا الرَّسُوْلَ لَوْ تُسَوّٰى بِهِمُ الْاَرْضُ ؕ وَ لَا

اُس دن آرزو کرینگے وہ لوگ جو کافر ہوئے تھے اور رسول کی نافرمانی کی تھی کہ برابر ہو جاویں زمین کے اور نہ

يَكْتُمُوْنَ اللّٰهَ حَدِيْثًا ﴿۴۲﴾ ع

چھپا سکیں گے اللہ سے کوئی بات کے

(۷۷) **آخرت میں نافرمانوں اور کفّار کا پچھتاوا** یعنی جس دن ہر اُمّت میں سے اُن کے حالات بیان کرنے والا بلایا جائیگا اُس دن کافر اور نافرمان لوگ اس بات کی تمنا کرینگے کہ کاش ہم زمین میں ملا دیے جاتے اور مٹی میں مل کر نیست و نابود ہو جاتے آج پیدا نہ ہوتے اور ہم سے حساب و کتاب نہ ہوتا اور وہ لوگ اللہ تعالیٰ سے کسی بات کا اخفا نہ کر سکیں گے اور ذرّہ ذرّہ کا حساب ہوگا۔ شروع سورت سے مسلمانوں کو

اقارب اور زوجین وغیرہ کے ادائے حقوق کی تاکید اور کسی کی حق تلفی کرنے اور جانی مالی نقصان پہنچانے کی ممانعت اور معاصی کی خرابی پر مطلع کر کے اُس کے بعد واعبدوا اللہ ولا تشرکوا بہ شیئاً فرما کر اقارب اور یتامیٰ اور مساکین اور ہمسایوں وغیرہ کے ساتھ احسان وسلوک کرنے کا ارشاد کر کے اُسی کے ذیل میں تکبر اور خود پسندی اور بخل وریا سے ڈرایا تھا جو ایسے عیب ہیں کہ دوسروں کے حق ادا کرنے اور کسی کے ساتھ سلوک کرنے سے روکتے بھی ہیں اور روپیہ پیسہ دینے والوں اور لوگوں کے ساتھ سلوک کرنے والوں کی طبیعت میں خواہ مخواہ آنے بھی لگتے ہیں۔

نماز کے شرائط وآداب اب ان تمام حکموں کے آخر میں پھر مسلمانوں کو صریح خطاب فرما کر خاص نماز کی بابت جو سب عبادتوں میں اعلیٰ اور افضل ہے اور شریعت میں جس قدر اُس کا اہتمام کیا ہے اور اُس کے ارکان وشرائط وآداب وغیرہ کو مفصل بتلایا ہے کسی عبادت کا اس قدر اہتمام نہیں کیا دو باتوں کی تاکید فرمائی جو امور متعلقہ صلوٰۃ میں سب سے اہم اور نفس پر شاق ہیں اور ارکان صلوٰۃ کی صحت اور خوبی کے لئے جسم اور جان ہیں۔ اول یہ کہ نشہ کی حالت میں نماز کے پاس نہ جاؤ تاوقتیکہ جو منہ سے نکلے اُس کو سمجھ بھی لو اور جنابت میں بھی نماز سے دور رہو یہاں تک کہ غسل کر کے تمام بدن کو خوب پاک کر لو کیونکہ نماز میں دو امر مہتم بالشان ہیں ایک حضور اور خشوع دوسرے طہارت اور نظافت اور جملہ امور متعلقہ صلوٰۃ میں یہی دو امر نفس پر شاق بھی ہیں اور نشہ خشوع اور حضور کے مخالف ہے تو جنابت طہارت اور نظافت کے منافی ہے بلکہ نشہ چونکہ مثل نوم اور غشی ناقض وضو ہے تو اس لئے طہارت کے بھی مخالف ہے تو مطلب یہ ہوا کہ نماز کو پورے اہتمام سے پڑھو اور جملہ امور ظاہری اور باطنی کا لحاظ رکھو گو نفس پر شاق ہو باقی اس خاص موقع پر اس تاکید اور تقیید کے ارشاد فرمانے سے دو نفعے معلوم ہوتے ہیں اوّل یہ کہ احکام کثیرہ مذکورہ بالا جن میں حقوق اور معاملات باہمی اور عبادات جانی ومالی کا ذکر تھا اُن سب کو بجا لانے کے ساتھ بخل اور ریا اور خود پسندی اور بڑائی سے بھی مجتنب رہنا چونکہ نفس پر شاق ہے اور سننے والوں کو خلجان کا موقع ہے تو اُس دشواری اور خلجان کا علاج بتانا منظور ہے یعنی نماز کو اُس کی شرائط وآداب ظاہری وباطنی کے ساتھ ادا کرو گے تو جملہ اوامر ونواہی مذکورہ بالا کی تعمیل تم پر سہل ہو جائیگی کیونکہ نماز کی وجہ سے جملہ اوامر وعبادات میں سہولت اور رغبت اور تمام منہیات اور معاصی سے نفرت پیدا ہو جاتی ہے جیسا کہ دیگر آیات واحادیث میں مذکور ہے اور علمائے محققین نے تصریح فرمائی ہے۔ دوسرے یہ کہ احکام کثیرہ سابقہ کو سُن کر بعید نہیں جو کاہل کم ہمت اپنے آپ کو مجبور خیال کر کے ہمت ہار دیں اور اُس کاہلی کا اثر نماز میں بھی ظاہر ہونے لگے جس کے شرائط وآداب بہت کچھ ہیں اور جو ہر وقت موجود ہے اس لئے نماز کا اہتمام مناسب ہوا۔ الحاصل جو کوئی اقامت صلوٰۃ کا اہتمام اور التزام رکھے گا اُس کو دیگر احکام جانی ومالی میں بھی آسانی اور سہولت ہوگی اور جو کوئی دیگر احکام میں کاہلی اور بے پروائی کرتا ہے اُس سے اقامت صلوٰۃ میں بھی کوتاہی کرنا بعید نہیں، واللہ اعلم۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ وَلَا

اے ایمان والو نزدیک نہ جاؤ نماز کے جس وقت کہ تم نشہ میں ہو یہاں تک کہ سمجھنے لگو جو کہتے ہو اور نہ

جُنُبًا اِلَّا عَابِرِيْ سَبِيْلٍ حَتّٰى تَغْتَسِلُوْا ؕ وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ

اس وقت کہ غسل کی حاجت ہو مگر راہ چلتے ہوئے یہاں تک کہ غسل کر لو ف۱ اور اگر تم مریض ہو یا سفر میں یا آیا ہے کوئی شخص

مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا

تم میں جائے ضرور سے یا پاس گئے ہو عورتوں کے پھر نہ ملا تم کو پانی تو ارادہ کرو زمین پاک کا پھر ملو

بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا غَفُوْرًا ﴿۴۳﴾ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ

اپنے منہ کو اور ہاتھوں کو ف۷۹ بیشک اللہ ہے معاف کرنیوالا بخشنے والا ف۸۰ کیا تو نے نہ دیکھا اُن کو جن کو ملا ہے کچھ حصہ کتاب

الْكِتٰبِ يَشْتَرُوْنَ الضَّلٰلَةَ وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ تَضِلُّوا السَّبِيْلَ ﴿۴۴﴾ ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاَعْدَآئِكُمْ ؕ

سے خریدکرتے ہیں گمراہی اور چاہتے ہیں کہ تم بھی بہک جاؤ راہ سے اور اللہ خوب جانتا ہے تمہارے دشمنوں کو

وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَلِيًّا ۙ وَّكَفٰى بِاللّٰهِ نَصِيْرًا ﴿۴۵﴾ مِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ

اور اللہ کافی ہے حمایتی اور اللہ کافی ہے مددگار ف۸۱ بعضے لوگ یہودی پھیرتے ہیں بات کو اُس کے ٹھکانے سے ف۸۲

وَيَقُوْلُوْنَ سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا وَاسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ وَّرَاعِنَا لَيًّا بِاَلْسِنَتِهِمْ وَطَعْنًا فِى

اور کہتے ہیں ہم نے سُنا اور نہ مانا ف۸۳ اور کہتے ہیں کہ سُن نہ سُنایا جائیو ف۸۴ اور کہتے ہیں راعنا ف۸۵ موڑکر اپنی زبان کو اور عیب لگانے کو

الدِّيْنِ ؕ وَلَوْ اَنَّهُمْ قَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا وَاسْمَعْ وَانْظُرْنَا لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَاَقْوَمَ ۙ وَلٰكِنْ

دین میں ف۸۶ اور اگر وہ کہتے ہم نے سُنا اور مانا اور سُن اور ہم پر نظر کر تو بہتر ہوتا اُن کے حق میں اور درست لیکن

لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۴۶﴾

لعنت کی اُن پر اللہ نے اُنکے کفر کے سبب سو وہ ایمان نہیں لاتے مگر بہت کم ف۸۷

(۷۸) **نشے اور جنابت میں نماز کی ممانعت** پہلی آیات میں مسلمانوں کو خطاب تھا واعبدوا اللہ ولا تشرکوا بہ شیئًا الخ۔ آخر الآیات ، اور اُسی کے ذیل میں کفار کی مذمت بیان فرمائی تھی جو کہ امور مذکورہ سابقہ کی مخالفت کرتے تھے اب اس کے بعد پھر مسلمانوں کو دربارہ صلوٰۃ بعض خاص ہدایتیں کی جاتی ہیں اور ان ہدایات کو ماقبل کے ساتھ یہ مناسبت ہے کہ اس سے پہلے کفار اور اہل کتاب کی دو خرابیوں کا خاص طور پر ذکر تھا ایک اللہ پر ایمان نہ لانا دوسرے اپنا مال اللہ کے لئے خرچ نہ کرنا بلکہ لوگوں کے دکھانے کو اور اپنی عزت بڑھانے کو مال خرچ کرنا اور ظاہر ہے کہ پہلی خرابی کا منشا تو علم کا نقصان اور جہل کا غلبہ ہے اور دوسری خرابی کی وجہ ہوائے نفس اور اپنی خواہش ہے جس سے معلوم ہو گیا کہ گمراہی کے بڑے سبب دو ہیں اوّل جہل جس میں حق و باطل کی تمیز ہی نہیں ہوتی دوسرے خواہش و شہوت جس سے باوجود تمیز حق و باطل حق کے موافق عمل نہیں کر سکتا۔ کیونکہ شہوات سے قوت ملکی ضعیف اور قوت بہیمیہ قوی ہو جاتی ہے جس کا نتیجہ ملائکہ سے بعد اور شیاطین سے قرب ہے جو بہت سی خرابیوں کی جڑ ہے تو اب اس مناسبت سے حق تعالیٰ شانہ نے مسلمانوں کو نشہ کی حالت میں نماز پڑھنے سے اول منع فرمایا کہ یہ جہل کی حالت ہے اُس کے بعد جنابت میں نماز پڑھنے سے روکا کہ یہ حالت ملائکہ سے بعد اور شیاطین سے قرب کی حالت ہے حدیث میں وارد ہے کہ جہاں جنبی ہوتا ہے وہاں ملائکہ نہیں آتے واللہ اعلم اب آیت کا مطلب یہ ہوا کہ اے ایمان والو جب تم کو کفر اور ریا کی خرابی معلوم ہو چکی اور اُن کے اضداد کی خوبی واضح ہو چکی تو اس سے نشہ اور جنابت کی حالت میں نماز پڑھنے کی خرابی کو بھی خوب سمجھ لو کہ اُن کا منشاء بھی وہی ہے جو کفر و ریا کا منشا تھا اس لئے نشہ میں نماز کے نزدیک نہ جانا چاہیئے تاوقتیکہ تم کو اس قدر ہوش نہ آجائے کہ جو منہ سے کہو اس کو سمجھ بھی سکو اور نہ حالت جنابت میں نماز کے نزدیک جانا چاہیئے تاوقتیکہ غسل نہ کر لو مگر حالت سفر میں اُس کا حکم آگے مذکور ہے **فائدہ**۔ یہ حکم اس وقت تھا کہ نشہ اُس وقت تک حرام نہ ہوا تھا۔ لیکن نشہ کی حالت میں نماز پڑھنے کی ممانعت کر دی گئی تھی روایات میں منقول ہے کہ ایک جماعت صحابہ کی دعوت میں جمع تھی چونکہ شراب

اُس وقت تک حرام نہ ہوئی تھی اس لئے اُنہوں نے شراب پی تھی مغرب کا وقت آگیا تو سب اُسی حالت میں نماز کو کھڑے ہو گئے امام نے سورۂ قل یا ایہا الکافرون میں لا اعبد ما تعبدون کی جگہ اعبد ما تعبدون بیہوشی میں پڑھ دیا جس سے معنی بالکل خلاف اور غلط ہو گئے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ اب اگر نیند کے غلبہ یا بیماری کی وجہ سے کسی کا ایسا حال ہو جائے کہ اُس کی خبر نہ رہے کہ میں نے کیا کہا تو ایسی حالت کی نماز بھی درست نہ ہوگی جب ہوش آئے تو اُس کی قضا ضرور کرلے۔

(۷۹) **تیمم کا حکم** یعنی حالت جنابت میں نماز کا نہ پڑھنا تاوقتیکہ غسل نہ کرلے یہ حکم جب ہے کہ کوئی عذر نہ ہو اور اگر کوئی ایسا عذر پیش آئے کہ پانی کے استعمال سے معذوری ہو اور طہارت کا حاصل کرنا ضروری ہو تو ایسے وقت میں زمین سے تیمم کرلینا کافی ہے۔ اب پانی کے استعمال سے معذوری کی تین صورتیں بتلائیں ایک بیماری کہ اُس میں پانی ضرر کرتا ہے۔ دوسری یہ کہ سفر در پیش ہے اور پانی اتنا موجود ہے کہ وضو کرلے تو پیاس سے ہلاک ہونے کا اندیشہ ہے دور تک پانی نہ ملیگا۔ تیسری یہ کہ پانی بالکل موجود ہی نہیں اس پانی موجود نہ ہونے کی صورت کے ساتھ دو صورتیں طہارت کے ضروری ہونے کی بیان فرمائیں ایک یہ کہ کوئی جائے ضرور سے فارغ ہو کر آیا اس کو وضو کی حاجت ہے دوسری یہ کہ عورت سے صحبت کی ہو تو اُس کو غسل کی ضرورت ہے **فائدہ** تیمم کی صورت یہ ہے کہ پاک زمین پر دونوں ہاتھ مارے پھر سارے منہ پر اچھی طرح مل لیوے پھر دونوں ہاتھ زمین پر مار کر دونوں ہاتھوں کو کہنیوں تک مل لے مٹی طاہر ہے اور بعض چیزوں کے لئے مثل پانی کے مطہر بھی ہے مثلاً خُف، تلوار، آئینہ وغیرہ اور جو نجاست زمین پر گر کر خاک ہو جاتی ہے وہ بھی پاک ہو جاتی ہے اور نیز ہاتھ اور چہرہ پر مٹی ملنے میں تذلل اور عجز بھی پورا ہے جو گناہوں سے معافی مانگنے کی اعلیٰ صورت ہے۔ سو جب مٹی ظاہری اور باطنی دونوں طرح کی نجاست کو زائل کرتی ہے تو اس لئے بوقت معذوری پانی کی قائم مقام کی گئی اس کے سوا مقتضائے آسانی وسہولت جس پر حکم تیمم مبنی ہے یہ ہے کہ پانی کی قائم مقام ایسی چیز کی جائے جو پانی سے زیادہ سہل الوصول ہو سو زمین کا ایسا ہونا ظاہر ہے کیونکہ وہ سب جگہ موجود ہے۔ معہٰذا خاک انسان کی اصل ہے اور اپنی اصل کی طرف رجوع کرنے میں گناہوں اور خرابیوں سے بچاؤ ہے۔ کافر بھی آرزو کرینگے کہ کسی طرح خاک میں مل جائیں جیسا پہلی آیت میں مذکور ہوا۔

(۸۰) یعنی اللہ تعالیٰ نے ضرورت کے وقت تیمم کی اجازت دیدی اور مٹی کو پانی کے قایم مقام کر دیا اس لئے کہ وہ سہولت اور معافی دینے والا ہے اور بندوں کی خطائیں بخشنے والا ہے اپنے بندوں کے نفع اور آسائش کو پسند فرماتا ہے جس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ نماز میں نشہ کی حالت میں جو کچھ کا کچھ پڑھا گیا تھا وہ بھی معاف کر دیا گیا جس سے یہ خلجان نہ رہا کہ آئندہ کو تو ایسی حالت میں نماز نہ پڑھیں گے مگر جو پہلے غلطی ہو گئی شاید اُس کی نسبت مواخذہ ہو۔

(۸۱) **یہودیوں کے تین گستاخانہ قول** ان آیات میں یہود کے بعض قبائح اور اُن کے مکر و فریب کا بیان ہے اور اُن کی ضلالت اور کفر پر خود اُن کو اور نیز دوسروں کو مطلع کرنا ہے تاکہ اُن سے علیحدہ رہیں چنانچہ ان اللہ لا یحب من کان مختالا فخورا سے لے کر یا ایہا الذین امنوا لا تقربوا الصلوٰۃ تک یہود کے قبائح مذکور ہو چکے ہیں بیچ میں ایک خاص مناسبت سے نشہ اور جنابت میں نماز سے ممانعت فرما کر پھر یہود کے قبائح کا بیان ہے۔ یہود کو کتاب سے کچھ حصہ ملا یعنی لفظ پڑھنے کو ملے اور عمل کرنا جو اصل مقصود تھا نہیں ملا اور گمراہی خرید کرتے ہیں یعنی پیغمبر آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات اور اوصاف کو دنیا کی عزت اور رشوت کے واسطے چھپاتے ہیں اور جان بوجھ کر انکار کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ مسلمان بھی دین سے پھر کر گمراہ ہو جائیں اور اللہ تعالیٰ اے مسلمانو تمہارے دشمنوں کو خوب جانتا ہے تم ایسا ہرگز نہیں جانتے سو اللہ کے فرمانے پر اطمینان کرو اور اُن سے بچو اور اللہ تعالیٰ تم کو نفع پہنچانے اور نقصان سے بچانے کے لئے کافی ہے اس لئے دشمنوں سے اس قسم کا اندیشہ مت کرو اور دین پر قائم رہو

(۸۲) یعنی یہود میں ایسے لوگ بھی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جو توریت میں نازل فرمایا اُس کو اپنے ٹھکانے سے پھیرتے اور بدلتے ہیں یعنی تحریف لفظی اور معنوی کرتے ہیں۔

(۸۳) یعنی جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُن کو کوئی حکم سُناتے تو یہود جواب میں کہتے ہم نے سُن لیا مطلب یہ ہوا کہ قبول کر لیا لیکن آہستہ سے کہتے تھے کہ نہ مانا یعنی ہم نے فقط کان سے سُنا دل سے نہیں مانا۔

(۸۴) یعنی اور جب یہود حضرت سے خطاب کرتے ہیں تو کہتے ہیں سُن نہ سُنایا جائیو تو یعنی ایسے کلام بولتے ہیں جس کے دو معنی ہوں ایک معنی کے اعتبار سے دعاء یا تعظیم ہو تو دوسرے معنی کی رُو سے بد دعاء اور تحقیر ہو سکے چنانچہ یہ کلام بظاہر دعائے خیر ہے مطلب یہ کہ تو ہمیشہ غالب اور معزز رہے کوئی تجھ کو بُری اور خلاف بات نہ سُنا سکے اور دل میں نیت یہ رکھے کہ تو بہرا ہو جائیو۔

(۸۵) یعنی حضرت کی خدمت میں آتے تو یہود راعنا کہتے اس کے بھی دو معنی ہیں ایک اچھے ایک بُرے جن کا بیان سورۂ بقر میں گذر چکا اچھے معنی تو یہ کہ ہماری رعایت کرو اور شفقت کی نظر کرو کہ تمہارا مطلب سمجھ لیں اور جو پوچھنا ہو پوچھ سکیں اور بُرے معنی یہ کہ یہود کی زبان میں یہ کلمہ تحقیر کا ہے یا زبان کو دبا کر راعینا کہتے یعنی تو ہمارا چرواہا ہے اور یہ اُن کی محض شرارت تھی کیونکہ وہ خوب جانتے تھے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور دیگر پیغمبروں نے بھی بکریاں چرائی ہیں۔

(۸۶) یعنی یہود ان کلمات کو اپنے کلام میں ملا ملا کر ایسے انداز سے کہتے کہ سُننے والے اچھے ہی معنوں پر حمل کرتے اور بُرے معنوں کی طرف دھیان بھی نہ جاتا اور دل میں بُرے معنی مراد لیتے اور پھر دین میں یہ عیب لگاتے کہ اگر یہ شخص نبی ہوتا تو ہمارا فریب ضرور معلوم کر لیتا سو اللہ تعالیٰ نے اُن کے فریب کو خوب کھول دیا۔

(۸۷) حق تعالیٰ یہود کے تین قول مذموم بیان فرما کر اب بطور ملامت وہدایت ارشاد کرتے ہیں کہ اگر یہود عصینا کی جگہ اطعنا کہتے اور بجائے اسمع غیر مسمع کے صرف اسمع کہتے اور راعنا کے عوض انظرنا کہتے تو اُن کے حق میں بہتر ہوتا اور یہ بات درست اور سیدھی ہوتی اور اُس بیہودگی اور شرارت کی گنجائش نہ ہوتی جو کلمات سابقہ سے یہود بُرے معنی اپنے دل میں مراد لیا کرتے تھے لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ نے اُن کو اُن کے کفر کے باعث اپنی رحمت اور ہدایت سے دُور کر دیا اس لئے وہ مفید اور سیدھی باتوں کو نہیں سمجھتے اور ایمان نہیں لاتے مگر تھوڑے سے آدمی کہ وہ اُن خیانتوں اور شرارتوں سے مجتنب رہے اور اس وجہ سے اللہ کی لعنت سے محفوظ رہے جیسے حضرت عبداللہ بن سلام اور اُن کے ساتھی۔

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ أُوتُوا۟ ٱلْكِتَٰبَ ءَامِنُوا۟ بِمَا نَزَّلْنَا مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُم مِّن قَبْلِ أَن نَّطْمِسَ وُجُوهًا

اے کتاب والو ایمان لاؤ اس پر جو ہم نے نازل کیا تصدیق کرتا ہے اس کتاب کی جو تمہارے پاس ہے پہلے اس سے کہ ہم مٹا ڈالیں بہت سے چہروں

فَنَرُدَّهَا عَلَىٰٓ أَدْبَارِهَآ أَوْ نَلْعَنَهُمْ كَمَا لَعَنَّآ أَصْحَٰبَ ٱلسَّبْتِ ۚ وَكَانَ أَمْرُ ٱللَّهِ مَفْعُولًا ﴿٤٧﴾ إِنَّ

کو پھر الٹ دیں انکو پیٹھ کی طرف یا لعنت کریں اُن پر جیسے ہم نے لعنت کی ہفتہ کے دن والوں پر اور اللہ کا حکم تو ہو کر ہی رہتا ہے ۸۸ بیشک

ٱللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَن يُشْرَكَ بِهِۦ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَٰلِكَ لِمَن يَشَآءُ ۚ وَمَن يُشْرِكْ بِٱللَّهِ

اللہ نہیں بخشتا اُس کو جو اُس کا شریک کرے اور بخشتا ہے اس سے نیچے کے گناہ جس کے چاہے اور جس نے شریک ٹھہرایا اللہ کا

فَقَدِ ٱفْتَرَىٰٓ إِثْمًا عَظِيمًا ﴿٤٨﴾

اُس نے بڑا طوفان باندھا ۸۹

(۸۸) **یہودیوں کو انذار** آیات سابقہ میں یہود کی ضلالت اور مختلف قبائح کا ذکر فرما کر اب اُن کو بطور خطاب ایمان اور تصدیق قرآن کا حکم کیا جاتا ہے اور اس کی مخالفت سے ڈرایا جاتا ہے مطلب یہ ہے کہ اے اہل کتاب ایمان لاؤ قرآن پر جس کے احکام مصدق اور موافق ہیں توریت کے ایمان لاؤ اس سے پہلے کہ مٹا ڈالیں ہم تمہارے چہروں کے نشانات یعنی آنکھ ناک وغیرہ مطلب یہ کہ تمہارے صورتیں بدل دی جائیں پھر اُلٹ دیں تمہارے چہروں کو پیٹھ کی طرف یعنی چہرہ کو مطموس اور ہموار کر کے پیچھے کی طرف اور گدی کو آگے کی طرف کر دیں یا ہفتہ کے دن والوں کی طرح تم کو مسخ کر کے جانور بنا دیں اصحاب سبت کا قصہ سورہ اعراف میں مذکور ہے۔

(۸۹) **مشرک کی بخشش نہیں** یعنی مشرک کبھی نہیں بخشا جاتا بلکہ اُس کی سزا دائمی ہے البتہ شرک سے نیچے جو گناہ ہیں صغیرہ ہوں یا کبیرہ وہ سب قابل مغفرت ہیں اللہ تعالیٰ جس کی مغفرت چاہے اُس کے صغیرہ کبیرہ گناہ بخش دیتا ہے کچھ عذاب دے کر یا بلا عذاب دیے اشارہ اس کی طرف ہے کہ یہود چونکہ کفر اور شرک میں مبتلا ہیں وہ مغفرت کی توقع نہ رکھیں۔

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ يُزَكُّونَ أَنفُسَهُم ۚ بَلِ اللَّهُ يُزَكِّي مَن يَشَاءُ وَلَا يُظْلَمُونَ فَتِيلًا ﴿٤٩﴾

کیا تونے نہ دیکھا اُن کو جو اپنے آپ کو پاکیزہ کہتے ہیں بلکہ اللہ ہی پاکیزہ کرتا ہے جس کو چاہے اور اُن پر ظلم نہ ہوگا تاگے برابر ف۹۰

انظُرْ كَيْفَ يَفْتَرُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ ۖ وَكَفَىٰ بِهِ إِثْمًا مُّبِينًا ﴿٥٠﴾ أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ أُوتُوا ع

دیکھ کیسا باندھتے ہیں اللہ پر جھوٹ اور کافی ہے یہی گناہ صریح ف۹۱ کیا تونے نہ دیکھا اُن کو جن کو ملا ہے

نَصِيبًا مِّنَ الْكِتَابِ يُؤْمِنُونَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوتِ وَيَقُولُونَ لِلَّذِينَ كَفَرُوا هَٰؤُلَاءِ أَهْدَىٰ

کچھ حصہ کتاب کا جو مانتے ہیں بتوں کو اور شیطان کو اور کہتے ہیں کافروں کو کہ یہ لوگ زیادہ راہ

مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا سَبِيلًا ﴿٥١﴾ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَعَنَهُمُ اللَّهُ ۖ وَمَن يَلْعَنِ اللَّهُ فَلَن تَجِدَ لَهُ

راست پر ہیں مسلمانوں سے ف۹۲ یہ وہی ہیں جن پر لعنت کی ہے اللہ نے اور جس پر لعنت کرے اللہ نہ پاویگا تو اُسکا کوئی

نَصِيرًا ﴿٥٢﴾ أَمْ لَهُمْ نَصِيبٌ مِّنَ الْمُلْكِ فَإِذًا لَّا يُؤْتُونَ النَّاسَ نَقِيرًا ﴿٥٣﴾ أَمْ يَحْسُدُونَ النَّاسَ الربع

مددگار ف۹۳ کیا اُن کا کچھ حصہ ہے سلطنت میں پھر تو یہ نہ دیں گے لوگوں کو ایک تل برابر ف۹۴ یا حسد کرتے ہیں لوگوں کا

عَلَىٰ مَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِن فَضْلِهِ ۖ فَقَدْ آتَيْنَا آلَ إِبْرَاهِيمَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَآتَيْنَاهُم مُّلْكًا

اُس پر جو دیا ہے اُنکو اللہ نے اپنے فضل سے سو ہم نے تو دی ہے ابراہیم کے خاندان میں کتاب اور علم اور اُنکو دی ہم نے بڑی

عَظِيمًا ﴿٥٤﴾ فَمِنْهُم مَّنْ آمَنَ بِهِ وَمِنْهُم مَّن صَدَّ عَنْهُ ۚ وَكَفَىٰ بِجَهَنَّمَ سَعِيرًا ﴿٥٥﴾

سلطنت ف۹۵ پھر اُن میں سے کسی نے اُس کو مانا اور کوئی اُس سے ہٹا رہا اور کافی ہے دوزخ کی بھڑکتی آگ ف۹۶

(۹۰) **یہودیوں کی شیخی** یعنی یہود باوجود اس قدر خرابیوں کے پھر اپنے آپ کو پاک صاف اور مقدس کہتے ہیں حتیٰ کہ اپنے آپ کو ابناء اللہ اور احباء اللہ بتلاتے ہیں جو بالکل لغو بات ہے بلکہ اللہ تعالیٰ جس کو چاہے اُس کو پاکیزہ اور مقدس کرتا ہے یہود کے کہنے سے کچھ نہیں ہو سکتا اور ان جھوٹی شیخی کرنے والوں پر ادنیٰ سا ظلم بھی نہ ہوگا یعنی یہ لوگ اپنے عذاب بے نہایت میں گرفتار ہونگے ان پر ناحق عذاب ہرگز نہ ہوگا فائدہ یہود جو گوسالہ کو پوجتے تھے اور حضرت عزیر علیہ السلام کو ابن اللہ کہتے تھے انہوں نے جب آیت سابقہ ان اللہ لا یغفر ان یشرک

بعد (ان) کو سنا تو کہنے لگے کہ ہم مشرک نہیں بلکہ ہم تو خاص بندے اور پیغمبر زادے ہیں اور پیغمبری ہماری میراث ہے خدا تعالیٰ کو اُن کی یہ شیخی پسند نہ آئی اس پر یہ آیت نازل فرمائی۔

(۹۱) یعنی کیسی تعجب کی بات ہے کہ اللہ پر کیسی جھوٹی تہمت لگاتے ہیں اور باوجود ارتکاب کفر اور شرک کے اپنے آپ کو اللہ کا دوست کہتے ہیں اور اللہ کے نزدیک مقبول ہونے کے مدعی ہیں اور ایسی سخت تہمت صریح گنہگار ہونے کے لئے بالکل کافی ہے۔

(۹۲) اس آیت میں بھی یہود کی شرارت اور خباثت کا اظہار ہے قصہ یہ ہے کہ یہودیوں کو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عداوت بڑھی تو مشرکین مکہ سے ملے اور اُن سے متفق ہوئے اور اُن کی خاطرداری کی ضرورت سے بتوں کی تعظیم کی اور کہا کہ تمہارا دین مسلمانوں کے دین سے بہتر ہے اور اس کی وجہ صرف حسد تھا اس پر کہ نبوت اور دین کی ریاست ہمارے سوا دوسروں کو کیوں مل گئی اس پر اللہ تعالیٰ اُن کو الزام دیتا ہے۔ ان آیات میں اسی کا مذکور ہے۔

(۹۳) **یہودیوں پر اللہ کی لعنت ہے** | یعنی یہ لوگ جنہوں نے اہل کتاب ہو کر اغراض نفسانی کی وجہ سے بتوں کی تعظیم کی اور طریقہ کفر کو طریقہ اسلام سے افضل بتلایا ان پر اللہ کی لعنت ہے اور جس پر لعنت کرے اللہ اُس کا دنیا اور آخرت میں کوئی حامی اور مددگار نہیں ہو سکتا۔ سو اب انہوں نے اپنی اعانت کی طمع میں جو مشرکین مکہ سے موافقت کی بالکل لغو ہے۔ چنانچہ دنیا میں یہود نے ازحد ذلتیں اُٹھائیں اور آخرت میں بھی عذاب میں مبتلا ہونگے۔

(۹۴) یہود اپنے خیال میں جانتے تھے کہ پیغمبری اور دین کی سرداری ہماری میراث ہے اور ہمیں کو لائق ہے اس لئے عرب کے پیغمبر کی متابعت سے عار کرتے تھے اور کہتے تھے کہ آخر کو حکومت اور بادشاہت ہمیں کو پہنچ رہے گی برائے چندے اوروں کو بھی ملجائے تو کچھ مضائقہ نہیں اُس پر یہ آیت نازل ہوئی مطلب آیت کا یہ ہے کہ کیا یہود کا کچھ حصہ ہے سلطنت میں یعنی ہرگز نہیں۔ اگر یہ حاکم ہو جائیں تو لوگوں کو تل برابر بھی نہ دیں یعنی ایسے بخیل ہیں کہ بادشاہت میں فقیر کو تل برابر بھی نہ دیں۔

(۹۵) **یہودیوں کا حسد بلاوجہ ہے** | یعنی کیا یہود حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اُن کے اصحاب پر اللہ کے فضل وانعام کو دیکھ کر حسد میں مرے جاتے ہیں سو یہ تو بالکل اُن کی بیہودگی ہے کیونکہ ہم نے حضرت ابراہیم کے گھرانے میں کتاب اور علم اور سلطنت عظیم عنایت کی ہے پھر یہود آپ کی نبوت اور عزت پر کیسے حسد اور انکار کرتے ہیں اب بھی تو ابراہیم ہی کے گھر میں ہے۔

(۹۶) یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے گھرانے میں خدائے تعالیٰ نے ہمیشہ سے بزرگی دی ہے اور اب بھی اُسی کے گھرانے میں ہے سو جو کوئی بلاوجہ محض حسد سے اُس کو نہ مانے اُس کے جلانے کے لئے دوزخ کی بھڑکتی آگ کافی ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِنَا سَوْفَ نُصْلِيهِمْ نَارًا كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُودُهُم بَدَّلْنَاهُمْ

بیشک جو منکر ہوئے ہماری آیتوں سے اُن کو ہم ڈالیں گے آگ میں ۹۷ جس وقت جل جائیگی کھال اُن کی تو ہم بدل دیویں گے اُن کو

جُلُودًا غَيْرَهَا لِيَذُوقُوا الْعَذَابَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَزِيزًا حَكِيمًا ﴿٥٦﴾ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا

اور کھال تاکہ چکھتے رہیں عذاب ۹۸ بیشک اللہ ہے زبردست حکمت والا ۹۹ اور جو لوگ ایمان لائے اور کام کئے

الصَّالِحَاتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا لَّهُمْ فِيهَا

نیک البتہ اُنکو ہم داخل کرینگے باغوں میں جن کے نیچے بہتی ہیں نہریں رہا کریں اُن میں ہمیشہ اُنکے لئے وہاں

أَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَنُدْخِلُهُمْ ظِلًّا ظَلِيلًا ﴿٥٧﴾

عورتیں ہیں ستھری اور اُنکو ہم داخل کرینگے گھنی چھاؤں میں ۱۰۰

(۹۷) پہلی آیت میں مومن و کافر کا ذکر تھا اب مطلق مومن اور کافر کی جزا و سزا بطور قاعدہ کلیہ کے ذکر فرماتے ہیں تاکہ ایمان کی طرف پوری سے ترغیب اور کفر سے پوری ترہیب ہو جائے۔

(۹۸) **عذاب کیلئے کفّار کی کھال بدل دی جائیگی** یعنی کافروں کے عذاب میں نقصان اور کمی نہ آنے کی غرض سے اُن کی کھال کے جل جانے کے وقت دوسری کھال بدل دی جائیگی مطلب یہ ہوا کہ کافر ہمیشہ عذاب میں یکساں مبتلا رہیں گے۔

(۹۹) یعنی اللہ تعالیٰ بے شک زبردست اور غالب ہے کافروں کو ایسی سزا دینے میں کوئی دقت اور دشواری نہیں اور حکمت والا ہے کافروں کو یہ سزا دینی عین حکمت کے موافق ہے۔

(۱۰۰) **جنت کی عورتیں اور باغات** یعنی مومن ہمیشہ جنت میں رہیں گے اور اُن کو عورتیں ایسی ملیں گی جو حیض اور دیگر آلائشوں سے پاک ہوں گی اور اُن کو گہری اور گنجان چھاؤں میں داخل کریں گے جو آفتاب کی دھوپ سے بالکل محفوظ ہو گی۔

إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمٰنٰتِ إِلٰٓى أَهْلِهَا ۙ وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوا

بیشک اللہ تم کو فرماتا ہے کہ پہنچا دو امانتیں امانت والوں کو اور جب فیصلہ کرنے لگو لوگوں میں تو فیصلہ کرو

بِالْعَدْلِ ۚ إِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهٖ ۗ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيعًا بَصِيرًا ﴿۵۸﴾ يٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوٓا أَطِيعُوا

انصاف سے ف۱۰۱ اللہ اچھی نصیحت کرتا ہے تم کو بیشک اللہ ہے سُننے والا دیکھنے والا ف۱۰۲ اے ایمان والو حکم مانو

اللّٰهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ ۖ فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللّٰهِ

اللہ کا اور حکم مانو رسول کا اور حاکموں کا جو تم میں سے ہوں ف۱۰۳ پھر اگر جھگڑ پڑو کسی چیز میں تو اُس کو رجوع کرو طرف اللہ کے

وَالرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۚ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّأَحْسَنُ تَأْوِيلًا ﴿۵۹﴾ ع أَلَمْ تَرَ إِلَى ع ٨ ٥

اور رسول کے اگر یقین رکھتے ہو اللہ پر اور قیامت کے دن پر ف۱۰۴ یہ بات اچھی ہے اور بہت بہتر ہے اُس کا انجام ف۱۰۵ کیا تو نے نہ دیکھا اُن

الَّذِينَ يَزْعُمُونَ أَنَّهُمْ اٰمَنُوا بِمَآ أُنْزِلَ إِلَيْكَ وَمَآ أُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ يُرِيدُونَ أَنْ

کو جو دعویٰ کرتے ہیں کہ ایمان لائے ہیں اُس پر جو اُترا تیری طرف اور جو اُترا تجھ سے پہلے چاہتے ہیں کہ

يَتَحَاكَمُوٓا إِلَى الطَّاغُوتِ وَقَدْ أُمِرُوٓا أَنْ يَكْفُرُوا بِهٖ ۗ وَيُرِيدُ الشَّيْطٰنُ أَنْ يُضِلَّهُمْ

قضیہ لے جائیں شیطان کی طرف اور حکم ہو چکا ہے اُنکو کہ اُس کو نہ مانیں اور چاہتا ہے شیطان کہ اُن کو بہکا کر

ضَلٰلًا بَعِيدًا ﴿۶۰﴾ وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا إِلٰى مَآ أَنْزَلَ اللّٰهُ وَإِلَى الرَّسُولِ رَأَيْتَ الْمُنٰفِقِينَ

دور جا ڈالے ف۱۰۶ اور جب اُن کو کہے کہ آؤ اللہ کے حکم کی طرف جو اُس نے اُتارا اور رسول کی طرف تو دیکھے تو منافقوں کو

يَصُدُّونَ عَنْكَ صُدُودًا ﴿۶۱﴾ فَكَيْفَ إِذَآ أَصَابَتْهُمْ مُّصِيبَةٌ ۢ بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيهِمْ ثُمَّ

کہ ہٹتے ہیں تجھ سے رُک کر ف۱۰۷ پھر کیا ہو کہ جب اُن کو پہنچے مصیبت اپنے ہاتھوں کے کئے ہوئے سے پھر

جَآءُوكَ يَحْلِفُونَ ۖ بِاللّٰهِ إِنْ أَرَدْنَآ إِلَّآ إِحْسَانًا وَّتَوْفِيقًا ﴿۶۲﴾

آویں تیرے پاس قسمیں کھاتے ہوئے اللہ کی کہ ہم کو غرض نہ تھی مگر بھلائی اور ملاپ ف۱۰۸

(۱۰۱) **امانتوں کی ادائیگی اور عدل کا حکم** یہود میں عادت تھی کہ امانت میں خیانت کرتے اور فیصل خصومات میں رشوت وغیرہ کی وجہ سے کسی کی خاطر اور رعایت کر کے خلاف حق حکم دیتے اس لئے مسلمانوں کو ان دونوں باتوں سے اس آیت میں روکا گیا۔ منقول ہے کہ فتح مکہ کے دن آپ نے خانہ کعبہ کے اندر داخل ہونا چاہا تو عثمان بن طلحہ کلید بردار خانہ کعبہ نے کنجی دینے سے انکار کیا تو حضرت علی نے اُس سے چھین کر دروازہ کھول دیا۔ آپ فارغ ہو کر جب باہر تشریف لائے تو حضرت عباس نے آپ سے درخواست کی کہ یہ کنجی مجھ کو ملجائے اُس پر آیت نازل ہوئی اور کنجی عثمان بن طلحہ ہی کے حوالہ کی گئی۔

(۱۰۲) یعنی اللہ تعالیٰ جو تم کو ادائے امانت اور عدل کے موافق حکم دینے کا حکم فرماتا ہے تمہارے لئے سراسر مفید ہے اور اللہ تعالیٰ تمہاری کھلی اور چھپی اور موجودہ اور آئندہ باتوں کو خوب جانتا ہے تو اب اگر تم کو کہیں ادائے امانت یا عدل مفید معلوم نہ ہو تو حکم الٰہی کے مقابلہ میں اُس کا اعتبار نہ ہوگا۔

(۱۰۳) **اولی الامر کی اطاعت کا حکم** پہلی آیت میں حکام کو عدل کا حکم فرما کر اب اوروں کو حکام کی متابعت کا حکم دیا جاتا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حکام کی اطاعت جبھی واجب ہوگی جب وہ حق کی اطاعت کریں گے **فائدہ** حاکم اسلام بادشاہ یا اس کا صوبہ دار یا قاضی یا سردار لشکر اور جو کوئی کسی کام پر مقرر ہو اُن کے حکم کا ماننا ضروری ہے جب تک کہ وہ خدا اور رسول کے خلاف حکم نہ دیں اگر خدا اور رسول کے حکم کے صریح خلاف کرے تو اُس حکم کو ہرگز نہ مانے۔

(۱۰۴) **اختلاف کی صورت میں شریعت سے رجوع کرو** یعنی اور اگر تم میں اور اولوالامر میں باہم اختلاف ہو جائے کہ حاکم کا یہ حکم اللہ اور رسول کے حکم کے موافق ہے یا مخالف تو اس کو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کی طرف رجوع کر کے طے کر لیا کرو کہ وہ حکم فی الحقیقت اللہ اور رسول کے حکم کے موافق ہے یا مخالف اور جو بات محقق ہو جائے اسی کو بالاتفاق مسلم اور معمول بہ سمجھنا چاہیئے اور اختلاف کو دور کر دینا چاہیئے اگر تم کو اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان ہے کیونکہ جس کو اللہ اور قیامت پر ایمان ہوگا وہ ضرور اختلاف کی صورت میں اللہ اور رسول کے حکم کی طرف رجوع کرے گا اور ان کے حکم کی مخالفت سے بے حد ڈرے گا جس سے معلوم ہو گیا کہ جو اللہ اور رسول کے حکم سے بھاگے گا وہ مسلمان نہیں اس لئے اگر دو مسلمان آپس میں جھگڑیں ایک نے کہا چلو شرع کی طرف رجوع کریں دوسرے نے کہا میں شرع کو نہیں سمجھتا یا مجھ کو شرع سے کام نہیں تو اس کو بیشک کافر کہیں گے۔

(۱۰۵) یعنی اپنے متنازعات اور اختلافات کو اللہ اور رسول کی طرف رجوع کرنا اور اللہ اور رسول کی فرمانبرداری کرنی مفید ہے آپس میں جھگڑنے یا اپنی رائے کے موافق فیصلہ کرنے سے اس رجوع کا انجام بہتر ہے۔

(۱۰۶) **ایک یہودی اور منافق کے واقعہ میں حضرت عمرؓ کا فیصلہ** یہود فیصل خصومات میں رعایت و رشوت کے عادی تھے اس لئے جو لوگ جھوٹے اور منافق اور خاین ہوتے وہ اپنا معاملہ یہودیوں کے عالموں کے پاس لے جانا پسند کرتے کہ وہ خاطر کریں گے اور آپ کے پاس ایسے لوگ اپنا معاملہ لانا پسند نہ کرتے کہ آپ حق کی رعایت کریں گے اور کسی کی اصلا رعایت نہ کرینگے سو مدینے میں ایک یہودی اور ایک منافق کہ ظاہر میں مسلمان تھا کسی امر میں دونوں جھگڑ پڑے یہودی جو سچا تھا اُس نے کہا کہ چل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اور منافق جو جھوٹا تھا اُس نے کہا کہ چل کعب بن اشرف کے پاس چلئے جو یہودیوں میں عالم اور سردار تھا۔ آخر وہ دونوں آپ کی خدمت میں جھگڑا لیکر آئے تو آپ نے یہودی کا حق ثابت فرمایا منافق جو باہر نکلا تو کہنے لگا کہ اچھا حضرت عمرؓ کے پاس چلو جو وہ فیصلہ کر دیں وہی منظور اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ پر راضی نہ ہوا غالباً یہ سمجھا ہوگا کہ میں مدعی اسلام ہوں اس لئے یہودی کے مقابلہ میں میری رعایت کرینگے اور حضرت عمرؓ آپ کے حکم سے مدینہ میں جھگڑے فیصل کیا کرتے تھے چنانچہ وہ دونوں حضرت عمر کے پاس آئے جب حضرت عمر نے یہ جھگڑا سُنا اور یہودی کے بیان

سے اُن کو یہ بھی معلوم ہوگیا کہ یہ قضیہ آپؐ کی خدمت میں جا چکا ہے اور آپ اس معاملہ میں یہودی کو سچا اور غالب کر چکے ہیں تو حضرت عمرؓ نے اُس منافق کو قتل کر دیا اور فرمایا کہ جو کوئی ایسے قاضی کے فیصلہ کو نہ مانے اُس کا فیصلہ یہی ہے اُس کے وارث حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور حضرت عمرؓ پر قتل کا دعویٰ کیا اور قسمیں کھانے لگے کہ حضرت عمرؓ کے پاس تو صرف اس وجہ سے گئے تھے کہ شاید وہ اس معاملہ میں باہم صلح کرا دیں یہ وجہ نہ تھی کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ سے انکار تھا۔ اُس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں۔ ان آیات میں اصل حقیقت ظاہر فرما دی گئی اور حضرت عمرؓ کا لقب فاروق فرمایا۔

(۱۰۷) **آنحضرتؐ کو منصف بنانے میں منافقین کی روگردانی** یعنی جب کسی جھگڑے میں منافقوں سے کہا جائے کہ اللہ نے جو حکم نازل فرمایا ہے اُس کی طرف آؤ اور اُس کے رسول کے روبرو اپنے جھگڑے کو لاؤ تو ظاہر میں چونکہ مدعی اسلام ہیں اس لئے صاف طور پر تو انکار کر نہیں سکتے مگر آپ کے پاس آنے سے اور حکم الٰہی پر چلنے سے بچتے ہیں اور رکتے ہیں کہ کسی ترکیب سے جان بچ جائے اور رسول کو چھوڑ کر جہاں ہمارا جی چاہے اپنا جھگڑا لے جائیں۔

(۱۰۸) **حضرت عمرؓ کے فیصلے کی توثیق** یعنی یہ تو سب کچھ ہوا مگر یہ منافق لوگ اُس وقت کیا کریں گے جس وقت پہنچنے لگے اُن کو عذاب اُن کے کرتوت کا یعنی فیصل خصومات میں آپ کے پاس آنے سے جو رُکتے اور بچتے ہیں جب اُس کا عذاب اُن پر آنے لگے تو پھر یہ منافق اُس وقت کیا کر سکتے ہیں اس کے سوا کہ آئیں رسول کی خدمت میں قسمیں کھاتے ہوئے کہ ہم تو حضرت عمرؓ کی خدمت میں صرف اس وجہ سے گئے تھے کہ شاید وہ باہم صلح اور ملاپ کرا دیں رسول کے ارشاد سے اعراض کرنا اور جان بچانا ہرگز ہم کو منظور نہ تھا۔

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ يَعْلَمُ اللَّهُ مَا فِي قُلُوبِهِمْ فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ وَعِظْهُمْ وَقُلْ لَهُمْ فِي

یہ وہ لوگ ہیں کہ اللہ جانتا ہے جو اُن کے دل میں ہے سو تو اُن سے تغافل کر اور اُن کو نصیحت کر اور اُن سے کہہ اُن کے

أَنْفُسِهِمْ قَوْلًا بَلِيغًا ﴿٦٣﴾ وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَسُولٍ إِلَّا لِيُطَاعَ بِإِذْنِ اللَّهِ ۚ وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ

حق میں بات کام کی ف۱۰۹ اور ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر اسی واسطے کہ اُس کا حکم مانیں اللہ کے فرمانے سے اور اگر وہ لوگ جس

ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللَّهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللَّهَ تَوَّابًا رَحِيمًا ﴿٦٤﴾

وقت انہوں نے اپنا بُرا کیا تھا آتے تیرے پاس پھر اللہ سے معافی چاہتے اور رسول بھی اُن کو بخشواتا تو البتہ اللہ کو پاتے معاف کرنیوالا مہربان ف۱۱۰

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا

سو قسم ہے تیرے رب کی وہ مومن نہ ہونگے یہاں تک کہ تجھ کو ہی منصف جانیں اُس جھگڑے میں جو اُن میں اٹھے پھر نہ پاویں اپنے جی میں تنگی

مِمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ﴿٦٥﴾ وَلَوْ أَنَّا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ أَنِ اقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ أَوِ اخْرُجُوا مِنْ

تیرے فیصلہ سے اور قبول کریں خوشی سے ف۱۱۱ اور اگر ہم اُن پر حکم کرتے کہ ہلاک کرو اپنی جان یا چھوڑ نکلو اپنے

دِيَارِكُمْ مَا فَعَلُوهُ إِلَّا قَلِيلٌ مِنْهُمْ ۖ وَلَوْ أَنَّهُمْ فَعَلُوا مَا يُوعَظُونَ بِهِ لَكَانَ خَيْرًا لَهُمْ

گھر تو ایسا نہ کرتے مگر تھوڑے اُن میں سے اور اگر یہ لوگ کریں وہ جو اُن کو نصیحت کیجاتی ہے تو البتہ اُنکے حق میں بہتر ہو

وَأَشَدَّ تَثْبِيتًا ﴿٦٦﴾ وَإِذًا لَآتَيْنَاهُمْ مِنْ لَدُنَّا أَجْرًا عَظِيمًا ﴿٦٧﴾

اور زیادہ ثابت رکھنے والا ہو دین میں اور اُس وقت البتہ دیں ہم اُن کو اپنے پاس سے بڑا ثواب

(۱۰۹) اس آیت میں حق تعالیٰ نے اُن کی قسم اور اُن کی معذرت سابقہ کی تکذیب فرمائی کہ منافقین جو کچھ زبانی باتیں بنائیں بنانے دو اللہ تعالیٰ کو اُن کے دل کی باتیں خوب معلوم ہیں یعنی اُن کے نفاق اور اُن کے جھوٹ کو خوب جانتا ہے سو آپ بھی علم خداوندی پر بس کر کے منافقوں کی بات سے تغافل کیجئے اور اُن کی بات کی پروا نہ کیجئے مگر اُن کو نصیحت کرنے اور کام کی باتیں بتانے میں ہرگز کوتاہی نہ فرمائیں اور اُن کی ہدایت سے مایوس نہ ہو جیے۔

(۱۱۰) **ہر رسول کا فیصلہ قطعی ہوتا ہے** یعنی اللہ تعالیٰ جس رسول کو اپنے بندوں کی طرف بھیجتا ہے سو اسی غرض کے لئے بھیجتا ہے کہ اللہ کے حکم کے موافق بندے اُن کے کہنے کو مانیں تو اب ضرور تھا کہ یہ لوگ رسول کے ارشاد کو بلا تامل پہلے ہی سے دل و جان سے تسلیم کرتے اور اگر گناہ اور بُرا کرنے کے بعد بھی متنبہ ہو جاتے اور اللہ سے معافی چاہتے اور رسول بھی اُن کی معافی کی دعا کرتا تو پھر بھی حق تعالیٰ اُن کی توبہ قبول فرما لیتا مگر انہوں نے تو یہ غضب کیا کہ اوّل تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے جو بعینہٖ اللہ تعالیٰ کا حکم تھا ہٹے اور بچے پھر جب اس کا وبال ان پر پڑا تو اب بھی متنبہ اور تائب نہ ہوئے بلکہ لگے جھوٹی قسمیں کھانے اور تاویلیں گھڑنے پھر ایسوں کی مغفرت ہو تو کیونکر ہو۔

(۱۱۱) **رسول اللہ کو حکم بنائے بغیر ایمان ممکن نہیں** یعنی منافق لوگ کس بیہودہ خیال میں ہیں اور کیسے بیہودہ حیلوں سے کام نکالنا چاہتے ہیں اُن کو خوب سمجھ لینا چاہئے ہم قسم کھا کر کہتے ہیں کہ جب تک یہ لوگ تم کو اے رسول اپنے تمام چھوٹے بڑے مالی جانی نزاعات میں منصف اور حاکم نہ جان لیں گے کہ تمہارے فیصلہ اور حکم سے اُن کے جی میں کچھ تنگی اور ناخوشی نہ آنے پائے اور تمہارے ہر ایک حکم کو خوشی کے ساتھ دل سے قبول نہ کر لیں گے اُس وقت تک ہرگز اُن کو ایمان نصیب نہیں ہو سکتا اب جو کرنا ہو سوچ سمجھ کر کریں۔

وَّلَهَدَيْنٰهُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ﴿۶۸﴾ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ

اور چلاویں اُن کو سیدھی راہ ف۱۱۲ اور جو کوئی حکم مانے اللہ کا اور اُس کے رسول کا سو وہ اُن کے ساتھ ہیں جن پر اللہ نے انعام

عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ﴿۶۹﴾ ط

کیا کہ وہ نبی اور صدیق اور شہید اور نیک بخت ہیں اور اچھی ہے اُن کی رفاقت ف۱۱۳

ع ۹

ذٰلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللّٰهِ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ عَلِيْمًا ﴿۷۰﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا خُذُوْا حِذْرَكُمْ فَانْفِرُوْا ثُبَاتٍ

یہ فضل ہے اللہ کی طرف سے اور اللہ کافی ہے جاننے والا ف۱۱۴ اے ایمان والو لے لو اپنے ہتھیار پھر نکلو جُدی جُدی فوج ہو کر

اَوِ انْفِرُوْا جَمِيْعًا ﴿۷۱﴾ وَاِنَّ مِنْكُمْ لَمَنْ لَّيُبَطِّئَنَّ ۚ فَاِنْ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالَ قَدْ اَنْعَمَ

یا سب اکٹھے ف۱۱۵ اور تم میں بعضا ایسا ہے کہ البتہ دیر لگا دیگا ف۱۱۶ پھر اگر تم کو کوئی مصیبت پہنچے تو کہے اللہ نے مجھ پر

اللّٰهُ عَلَيَّ اِذْ لَمْ اَكُنْ مَّعَهُمْ شَهِيْدًا ﴿۷۲﴾

فضل کیا کہ میں نہ ہوا اُن کے ساتھ ف۱۱۷

(۱۱۲) **منافقین کو نصیحت** یعنی سب کی جانوں کا مالک چونکہ خدا تعالیٰ ہے اس لئے اُس کے حکم میں تو کسی کو جان سے بھی دریغ نہ کرنا چاہئے سو اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کو کہیں اپنی جانوں کے ہلاک کر ڈالنے اور جلا وطن ہو جانے کا حکم فرما دیتا جیسے کہ بنی اسرائیل پر حکم کر دیا تھا تو بجا نہ لاتے اُس حکم کو مگر گنے چنے صرف سچے اور پکے ایمان والے یہ منافق ایسے حکم پر کیسے عمل کر سکتے تھے اب اُن کو

سمجھنا چاہیئے کہ اُن کو ہم نے جو حکم دے رکھے ہیں وہ محض اُن کی نصیحت اور خیر خواہی کے ہیں نہ جان کی ہلاکت کا حکم دیا گیا نہ جلاوطن ہونے کا اگر انہی آسان اور سہل حکموں پر چلیں تو نفاق بالکل جاتا رہے اور خالص مسلمان ہو جائیں مگر افسوس سمجھتے نہیں اور حالت موجودہ کو غنیمت نہیں سمجھتے کہ ذراسی بات میں دین و دنیا دونوں درست ہوئے جاتے ہیں۔

(۱۱۳) **انبیاء صدیقین، شہداء اور صالحین** | نبی وہ ہیں جن پر اللہ کی طرف سے وحی آئے یعنی فرشتہ ظاہر میں آکر پیغام کہہ جائے اور صدیق وہ کہ جو پیغام اور احکام خدا تعالیٰ کی طرف سے پیغمبروں کو آئے اُن کا جی آپ ہی اُس پر گواہی دے اور بلا دلیل اُسکی تصدیق کرے اور شہید وہ کہ پیغمبروں کے حکم پر جان دینے کو حاضر ہیں اور صالح اور نیک بخت وہ کہ جن کی طبیعت نیکی ہی پر پیدا ہوئی ہے۔ اور بُری باتوں سے اپنے نفس اور بدن کی اصلاح اور صفائی کر چکے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ یہ چار قسمیں مذکورہ جو امت کے باقی افراد سے افضل ہیں ان کے ماسوا جو مسلمان ہیں اور درجہ میں اُن کے برابر نہیں لیکن اللہ اور رسول کی فرمانبرداری میں مشغول ہیں وہ لوگ بھی ان ہی کی شمار اور ذیل میں لیے جائیں گے اور ان حضرات کی رفاقت بہت ہی خوبی اور فضیلت کی بات ہے اس کو کوئی حقیر نہ سمجھے **فائدہ** اس آیت میں اشارہ ہو گیا کہ منافقین جن کا ذکر پہلے سے ہو رہا ہے وہ اس رفاقت اور معیت سے محروم ہیں۔

(۱۱۴) یعنی اللہ اور رسول کے حکم ماننے والوں کو انبیاء اور صدیقین اور شہداء اور صالحین کی رفاقت میسر آنی اللہ کا بڑا انعام اور اُس کا محض فضل ہے اُن کی اطاعت کا معاوضہ نہیں جس سے منافقین بالکل محروم ہیں اور اللہ کافی ہے جاننے والا اور خبر رکھنے والا وہ ہر ایک مخلص اور منافق اور ہر مطیع کی طاعت اور اس کے استحقاق اصلی اور مقدار فضل کو بالتفصیل جانتا ہے تو اب کسی کو ان امور کی تفاصیل کی وجہ سے وعدہ الٰہی کے پورا ہونے میں خلجان پیدا نہ ہو۔

(۱۱۵) **جہاد کا بیان** | یہاں سے جہاد کا ذکر ہے اس سے پہلی آیت میں یہ ذکر تھا کہ جو اللہ اور رسول کی فرمانبرداری کرے گا اُس کو انبیاء اور صدیقین اور شہداء اور صالحین کی رفاقت انعام میں ملیگی اور احکام خداوندی میں حکم جہاد چونکہ شاق اور دشوار ہے خصوصًا منافقین پر جن کا ذکر اُوپر سے آرہا ہے اس لیئے جہاد کا حکم فرمایا کہ ہر کوئی حضرات انبیاء صدیقین وغیرہم کی رفاقت اور معیت کی اُمید نہ کرنے لگے منقول ہے کہ شروع اسلام میں بہت سے ضعیف الاسلام بھی دعوت اسلامی کو قبول کر چکے تھے پھر جب جہاد فرض ہو گیا تو بعضے متزلزل ہو گئے اور بعض کفار کے ہمزبان ہو کر آپ کی مخالفت کرنے لگے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ مطلب یہ ہے کہ اے مسلمانو منافقوں کی کیفیت تو تم کو پہلے سے معلوم ہو چکی اب خیر اسی میں ہے کہ تم اپنا ہر طرح سے بچاؤ اور اپنی خبرداری اور احتیاط کر لو ہتھیاروں سے ہو یا تدبیر سے عقل سے ہو یا سامان سے اور دشمنوں کے مقابلہ اور مقاتلہ کے لیئے گھر سے باہر نکلو متفرق طور پر یا سب اکھٹے ہو کر جیسا موقع ہو

(۱۱۶) **جہاد میں منافقین کا رویہ** | یعنی اے مسلمانو تمہاری جماعت میں بعضے ایسے بھی گھسے ہوئے ہیں کہ جہاد کو جانے میں دیر لگاتے ہیں اور رُکتے ہیں اور حکم خداوندی کی تعمیل نہیں کرتے بلکہ نفع دنیوی کو تکتے رہتے ہیں اور اس سے مراد منافق ہیں۔ جیسے عبداللہ بن ابی اور اُس کے ساتھی کہ یہ لوگ گو ظاہر میں اسلام قبول کر چکے تھے مگر اُن کو سب باتوں سے مقصود صرف دنیا کا نفع تھا حق تعالیٰ کی فرمانبرداری سے کوئی غرض اُن کو نہ تھی۔

(۱۱۷) پہلے گذر چکا کہ منافق لوگ نکلنے میں دیر لگاتے ہیں اور جہاد میں جانے والوں کی حالت کو تکتے رہتے ہیں کہ کیا گذری اب فرماتے ہیں کہ جانے کے بعد اگر مسلمانوں کو جہاد میں کوئی صدمہ پہنچ گیا مثلاً مقتول ہو گئے یا شکست پیش آگئی تو منافق بہت خوش ہوتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اللہ کا بڑا فضل ہوا کہ ہم لڑائی میں اُن کے ساتھ نہ تھے ورنہ ہماری بھی خیر نہ تھی الحمد للہ خوب بچے۔

وَلَئِنْ أَصَابَكُمْ فَضْلٌ مِّنَ اللَّهِ لَيَقُولَنَّ كَأَن لَّمْ تَكُن بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُ مَوَدَّةٌ يَا لَيْتَنِي كُنتُ

اور اگر تم کو پہنچا فضل اللہ کی طرف سے تو اس طرح کہنے لگیگا کہ گویا نہ تھی تم میں اور اُس میں کچھ دوستی اے کاشکہ میں ہوتا

مَعَهُمْ فَأَفُوزَ فَوْزًا عَظِيمًا ﴿٧٣﴾ فَلْيُقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ يَشْرُونَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا

اُنکے ساتھ تو پاتا بڑی مراد ف۱۱۸ سو چاہیئے لڑیں اللہ کی راہ میں وہ لوگ جو بیچتے ہیں دنیا کی زندگی

بِالْآخِرَةِ ۚ وَمَن يُقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَيُقْتَلْ أَوْ يَغْلِبْ فَسَوْفَ نُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا ﴿٧٤﴾

آخرت کے بدلے اور جو کوئی لڑے اللہ کی راہ میں پھر مارا جاوے یا غالب ہووے تو ہم دیںگے اُسکو بڑا ثواب ف۱۱۹

وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ

اور تم کو کیا ہوا کہ نہیں لڑتے اللہ کی راہ میں اور اُن کے واسطے جو مغلوب ہیں مرد اور عورتیں اور بچے

الَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْ هَٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ أَهْلُهَا وَاجْعَل لَّنَا مِن لَّدُنكَ وَلِيًّا

جو کہتے ہیں اے رب ہمارے نکال ہم کو اس بستی سے کہ ظالم ہیں یہاں کے لوگ اور کر دے ہمارے واسطے اپنے پاس سے کوئی حمایتی

وَاجْعَل لَّنَا مِن لَّدُنكَ نَصِيرًا ﴿٧٥﴾ الَّذِينَ آمَنُوا يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۖ وَالَّذِينَ كَفَرُوا

اور کر دے ہمارے واسطے اپنے پاس سے مددگار ف۱۲۰ جو لوگ ایمان والے ہیں سو لڑتے ہیں اللہ کی راہ میں اور جو کافر ہیں

ع ۱۰/۷ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ الطَّاغُوتِ فَقَاتِلُوا أَوْلِيَاءَ الشَّيْطَانِ ۖ إِنَّ كَيْدَ الشَّيْطَانِ كَانَ ضَعِيفًا ﴿٧٦﴾

سو لڑتے ہیں شیطان کی راہ میں سو لڑو تم شیطان کے حمایتیوں سے بیشک فریب شیطان کا سست ہے ف۱۲۱

(۱۱۸) یعنی اور اگر مسلمانوں پر اللہ کا فضل ہو گیا مثلاً فتح ہو گئی یا مال غنیمت بہت سا ہاتھ آگیا تو منافق سخت پچھتاتے ہیں اور دشمنوں کی طرح غلبہ حسد سے کہتے ہیں ہائے افسوس میں جہاد میں مسلمانوں کے ساتھ ہوتا تو مجھ کو بھی بڑی کامیابی نصیب ہوتی یعنی لوٹ کا مال ہاتھ آتا یعنی منافقوں کو فقط اپنی محرومی پر افسوس نہیں ہوتا بلکہ اپنی محرومی سے زیادہ مسلمانوں کی کامیابی پر حسد اور قلق ہوتا ہے۔

(۱۱۹) **مجاہدین کے فضائل** | یعنی اگر منافق لوگ جہاد سے رُکیں تو رُکیں اور اپنے نشیب و فراز دنیوی کو تکتے رہیں تو تکتے رہیں مگر جو لوگ کہ آخرت کے مقابلہ میں دنیا پر لات مار چکے ہیں اُن کو چاہیئے کہ اللہ کی راہ میں بے تامل لڑیں اور دنیا کی زندگی اور اُس کے مال و دولت پر نظر نہ رکھیں اور سمجھ لیں کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور حکم برداری میں ہر طرح نفع ہے غالب ہوں یا مغلوب، مال ملے یا نہ ملے۔

(۱۲۰) **جہاد کے دو مقاصد** | یعنی دو وجہ سے تم کو کافروں سے لڑنا ضروری ہے ایک تو اللہ کے دین کو بلند اور غالب کرنے کی غرض سے دوسرے جو لوگ مظلوم مسلمان کافروں کے ہاتھ میں بے بس پڑے ہیں اُن کو چھڑانے اور خلاصی دینے کی وجہ سے مکہ میں بہت لوگ تھے کہ حضرت کے ساتھ ہجرت نہ کر سکے اور اُن کے اقرباء اُن کو ستانے لگے کہ پھر کافر ہو جائیں سو خدا تعالیٰ نے مسلمانوں کو فرمایا کہ تم کو دو وجہ سے کافروں سے لڑنا ضرور ہے تاکہ اللہ کا دین بلند ہو اور مسلمان جو کہ مظلوم اور کمزور ہیں کفار مکہ کے ظلم سے نجات پائیں۔

(۱۲۱) **جہاد کی ترغیب** | یعنی جب یہ بات ظاہر ہے کہ مسلمان اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں اور کافر لوگ شیطان کی راہ میں سو پھر تو مسلمانوں کو شیطان کے دوستوں یعنی کافروں کے ساتھ لڑنا بلا تامل ضروری ہوا اللہ تعالیٰ اُن کا مددگار ہے۔ کسی قسم کا تردد نہ چاہیئے اور سمجھ لو کہ شیطان کا حیلہ اور فریب کمزور ہے مسلمانوں پر نہ چل سکیگا۔ اس سے مقصود مسلمانوں کو جہاد پر ترغیب دلانا اور ہمت بندھانا ہے جس کا ذکر آیات

آئندہ میں بالتصریح آتا ہے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ قِيْلَ لَهُمْ كُفُّوْٓا اَيْدِيَكُمْ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ۚ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ

کیا تو نے نہ دیکھا ان لوگوں کو جن کو حکم ہوا تھا کہ اپنے ہاتھ تھامے رکھو اور قائم رکھو نماز اور دیتے رہو زکوٰۃ ف۱۲۲ پھر جب حکم ہوا ان پر

الْقِتَالُ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَخْشَوْنَ النَّاسَ كَخَشْيَةِ اللّٰهِ اَوْ اَشَدَّ خَشْيَةً ۚ وَقَالُوْا رَبَّنَا لِمَ

لڑائی کا اُسی وقت اُن میں ایک جماعت ڈرنے لگی لوگوں سے جیسا ڈر ہو اللہ کا یا اس سے بھی زیادہ ڈر اور کہنے لگے اے رب ہمارے کیوں

كَتَبْتَ عَلَيْنَا الْقِتَالَ ۚ لَوْلَآ اَخَّرْتَنَآ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ؕ قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ ۚ وَ

فرض کی ہم پر لڑائی کیوں نہ چھوڑے رکھا ہم کو تھوڑی مدت تک ف۱۲۳ کہہ دے کہ فائدہ دنیا کا تھوڑا ہے اور

الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقٰى ۟ وَلَا تُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ۝۷۷ اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يُدْرِكْكُّمُ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنْتُمْ

آخرت بہتر ہے پرہیز گار کو اور تمہارا حق نہ رہیگا ایک تاگے برابر ف۱۲۴ جہاں کہیں تم ہو گے موت تم کو آ پکڑیگی اگرچہ تم ہو

فِيْ بُرُوْجٍ مُّشَيَّدَةٍ ؕ وَاِنْ تُصِبْهُمْ حَسَنَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۚ وَاِنْ تُصِبْهُمْ

مضبوط قلعوں میں ف۱۲۵ اور اگر پہنچے لوگوں کو کچھ بھلائی تو کہیں یہ اللہ کی طرف سے ہے اور اگر اُن کو پہنچے

سَيِّئَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِكَ ؕ قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ فَمَالِ هٰٓؤُلَآءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُوْنَ

کچھ بُرائی تو کہیں یہ تیری طرف سے ہے ف۱۲۶ کہہ دے کہ سب اللہ کی طرف سے ہے سو کیا حال ہے اُن لوگوں کا ہرگز نہیں لگتے کہ

يَفْقَهُوْنَ حَدِيْثًا ۝۷۸ مَآ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ۫ وَمَآ اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ

سمجھیں کوئی بات ف۱۲۷ جو پہنچے تجھ کو کوئی بھلائی سو اللہ کی طرف سے ہے اور جو تجھ کو بُرائی پہنچے سو تیرے

نَّفْسِكَ ؕ وَاَرْسَلْنٰكَ لِلنَّاسِ رَسُوْلًا ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ۝۷۹ مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ

نفس کی طرف سے ہے ف۱۲۸ اور ہم نے تجھ کو بھیجا پیغام پہنچانیوالا لوگوں کو اور اللہ کافی ہے سامنے دیکھنے والا ف۱۲۹ جس نے حکم مانا رسول کا اُس نے حکم مانا

اللّٰهَ ۚ وَمَنْ تَوَلّٰى فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ۝۸۰ ؕ

اللہ کا اور جو اُلٹا پھرا تو ہم نے تجھ کو نہیں بھیجا اُن پر نگہبان ف۱۳۰

(۱۲۲) **مکی زندگی میں جہاد کی ممانعت** مکہ میں ہجرت کرنے سے پہلے کافر مسلمانوں کو بہت ستاتے تھے اور ان پر ظلم کرتے تھے مسلمان آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر شکایت کرتے اور رخصت مانگتے کہ ہم کفار سے مقاتلہ کریں اور اُن سے ظلم کا بدلہ لیں آپ مسلمانوں کو اس سے روکتے کہ مجھ کو مقاتلہ کا حکم نہیں ہوا بلکہ صبر اور درگذر کرنے کا حکم ہے اور فرماتے کہ نماز اور زکوٰۃ کا جو حکم تم کو ہو چکا ہے اُس کو برابر کئے جاؤ کیونکہ جب تک آدمی اطاعت خداوندی میں اپنے نفس پر جہاد کرنے کا اور تکالیف جسمانی کا خوگر نہ ہو اور اپنے مال خرچ کرنے کا عادی نہ ہو تو اُس کو جہاد کرنا اور اپنی جان کا دینا بہت دشوار ہے اس بات کو مسلمانوں نے قبول کر لیا تھا۔

(۱۲۳) **جہاد فرض ہونے پر بعض لوگوں کا تردد** یعنی ہجرت کرنے کے بعد جب مسلمانوں کو کافروں سے لڑنے کا حکم ہوا تو اُن کو تو خوش ہونا چاہئے تھا کہ ہماری درخواست قبول ہوئی اور مراد ملی مگر بعضے کچے مسلمان کافروں کے مقاتلہ سے ایسے ڈرنے لگے جیسا کہ اللہ

کے عذاب سے ڈرنا چاہیئے یا اُس سے بھی زیادہ اور آرزو کرنے لگے کہ تھوڑی مدت اور بھی قتال کا حکم نہ آتا اور ہم زندہ رہتے تو خوب ہوتا۔

(۱۲۴) **جہاد کی ترغیب** | یعنی چونکہ حیات اور منافع دنیوی کی رغبت کے باعث اُن لوگوں کو حکم جہاد بھاری معلوم ہوا تو اس لئے حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ اُن سے کہہ دو کہ دنیا کے تمام منافع حقیر اور سریع الزوال ہیں اور ثواب آخرت کا بہتر ہے اُن کے لئے جو اللہ کی نافرمانی سے پرہیز کرتے ہیں سو تم کو چاہیئے کہ منافع دنیا کا لحاظ نہ کرو اور حق تعالیٰ کی فرمانبرداری میں کوتاہی نہ کرو اور جہاد کرنے سے نہ ڈرو اور اطمینان رکھو کہ تمہاری محنت اور جانفشانی کا ثواب ادنیٰ سا بھی ضائع نہ ہوگا سو تم کو ہمت اور شوق کے ساتھ جہاد میں مصروف ہونا چاہیئے۔

(۱۲۵) **موت یقینی ہے** | یعنی کیسے ہی مضبوط اور محفوظ اور مامون مکان میں رہو مگر موت تم کو کسی طرح نہ چھوڑیگی کیونکہ موت ہر ایک کے واسطے مقدر اور مقرر ہو چکی ہے اپنے وقت پر ضرور آئیگی کہیں ہو۔ سو اگر جہاد میں نہ جاؤ گے تو بھی موت سے ہرگز نہیں بچ سکتے تو اب جہاد سے گھبرانا اور موت سے ڈرنا اور کافروں کے مقابلہ سے خوف کرنا بالکل نادانی اور اسلام میں کچے ہونے کی بات ہے۔

(۱۲۶) **منافقین** | یعنی اُن منافقین کا اور عجیب حال سنو اگر تدبیر لڑائی کی درست آئی اور فتح ہوئی اور غنیمت کا مال ہاتھ آگیا تو کہتے ہیں یہ خدا کی طرف سے ہے یعنی اتفاقی بات ہو گئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تدبیر کے قائل نہ ہوتے اور اگر تدبیر بگڑ جاتی اور ہزیمت و نقصان پیش آجاتا تو الزام رکھتے آپ کی تدبیر پر۔

(۱۲۷) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان کو جواب دے دو کہ بھلائی اور برائی سب اللہ کی طرف سے ہے سب باتوں کا موجد اور خالق اللہ تعالیٰ ہے اس میں کسی دوسرے کو دخل نہیں اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی تدبیر بھی اللہ ہی کی طرف سے ہے اور اللہ ہی کا الہام ہے۔ تمہارا الزام رکھنا نبی پر غلط اور سراسر کم فہمی ہے اور بگڑی کو بگڑا نہ سمجھو یہ اللہ کی حکمت ہے وہ تم کو سدھاتا ہے اور آزماتا ہے تمہارے قصوروں پر یہ جواب اجمالی ہوا منافقین کے الزام کا اگلی آیت میں اس کی تفصیل آتی ہے۔

(۱۲۸) **ہر بھلائی برائی اللہ کی طرف سے ہے** | یعنی اصل بات یہ ہے کہ جملہ بھلائی اور برائی کا موجد ہر چند اللہ ہے مگر بندہ کو چاہیئے کہ نیکی اور بھلائی کو حق تعالیٰ کا فضل اور احسان سمجھے اور سختی اور برائی کو اپنے اعمال کی شامت جانے اُس کا الزام پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم پر نہ رکھے پیغمبر ان امور کے لئے نہ موجد ہے نہ سبب بلکہ موجد یعنی ان باتوں کا پیدا کرنے والا تو اللہ ہے اور سبب تمہارے عمل۔

(۱۲۹) **آنحضرت ﷺ پوری انسانیت کے نبی ہیں** | حق تعالیٰ رسول سے منافقوں کے الزام کو دور فرما کر ارشاد کرتا ہے کہ ہم نے تم کو تمام لوگوں کے لئے رسول کر کے بھیجا اور ہم کو سب کچھ معلوم ہے ہم سب کے اعمال کا بدلہ دے لیں گے تم کسی کے بیہودہ انکار و الزام کی پروا نہ کرو اپنا کار رسالت کئے جاؤ۔

(۱۳۰) آپ کی رسالت کو محقق فرما کر اب خدا تعالیٰ آپ کے متعلق یہ حکم سناتا ہے کہ جو ہمارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمانبرداری کریگا وہ بیشک ہمارا تابعدار ہے اور جو اس سے روگردانی کریگا تو ہم نے تجھ کو اے رسول اُن لوگوں پر نگہبان بنا کر نہیں بھیجا کہ اُن کو گناہ نہ کرنے دے ہم اُنکو دیکھ لیں گے۔ تیرا کام صرف پیغام پہنچانا ہے آگے ثواب یا عقاب یہ ہمارا کام ہے۔

وَيَقُولُونَ طَاعَةٌ ۡ فَإِذَا بَرَزُوا مِنْ عِنْدِكَ بَيَّتَ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ غَيْرَ الَّذِي تَقُولُ ۖ وَاللَّهُ

اور کہتے ہیں کہ قبول ہے پھر جب باہر گئے تیرے پاس سے تو مشورہ کرتے ہیں بعض بعضے اُن میں سے رات کو اُس کے خلاف جو تجھ سے کہہ چکے تھے اور اللہ

يَكْتُبُ مَا يُبَيِّتُونَ ۚ فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ ۚ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ وَكِيلًا ﴿٨١﴾

لکھتا ہے جو وہ مشورہ کرتے ہیں سو تو تغافل کر اُن سے اور بھروسہ کر اللہ پر اور اللہ کافی ہے کارساز ۱۳۱

(۱۳۱) **منافقین کی ایک اور مکاری** ان منافقین کی اور مکاری سُنو آپ کے روبرو آکر تو کہہ جاتے ہیں ہم نے قبول کیا حکم تیرا اور باہر جاکر مشورہ کرتے ہیں اُس کے خلاف یعنی تیری نافرمانی اور مخالفت کا مشورہ کرتے ہیں اور اللہ کے یہاں اُن کے سب مشورے لکھے جاتے ہیں اُن کو سزا دینے کے لئے سوائے نبی اُن سے منہ پھیرلے اور کسی بات کی پروا مت کر اور اپنے سب کام اللہ کے حوالے کر دے وہ تیرے لئے کافی ہے۔

أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ ۚ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللَّهِ لَوَجَدُوا فِيهِ اخْتِلَافًا كَثِيرًا ﴿٨٢﴾ وَإِذَا

کیا غور نہیں کرتے قرآن میں اور اگر یہ ہوتا کسی اور کا سوائے اللہ کے تو ضرور پاتے اس میں بہت تفاوت ف۱۳۲ اور جب

جَاءَهُمْ أَمْرٌ مِنَ الْأَمْنِ أَوِ الْخَوْفِ أَذَاعُوا بِهِ ۖ وَلَوْ رَدُّوهُ إِلَى الرَّسُولِ وَإِلَىٰ أُولِي الْأَمْرِ مِنْهُمْ

اُن کے پاس پہنچتی ہے کوئی خبر امن کی یا ڈر کی تو اُسکو مشہور کر دیتے ہیں ف۱۳۳ اور اگر اُسکو پہنچا دیتے رسول تک اور اپنے حکموں تک تو

لَعَلِمَهُ الَّذِينَ يَسْتَنْبِطُونَهُ مِنْهُمْ ۗ وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطَانَ

تحقیق کرتے اُسکو جو اُن میں تحقیق کرنیوالے ہیں اُسکی ف۱۳۴ اور اگر نہ ہوتا فضل اللہ کا تم پر اور اس کی مہربانی تو البتہ تم پیچھے ہو لیتے شیطان کے

إِلَّا قَلِيلًا ﴿٨٣﴾ فَقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ لَا تُكَلَّفُ إِلَّا نَفْسَكَ ۚ وَحَرِّضِ الْمُؤْمِنِينَ ۖ عَسَى اللَّهُ

مگر تھوڑے ف۱۳۵ سو تو لڑ اللہ کی راہ میں تو ذمہ دار نہیں مگر اپنی جان کا اور تاکید کر مسلمانوں کو قریب ہے کہ اللہ

أَنْ يَكُفَّ بَأْسَ الَّذِينَ كَفَرُوا ۚ وَاللَّهُ أَشَدُّ بَأْسًا وَأَشَدُّ تَنْكِيلًا ﴿٨٤﴾

بند کر دے لڑائی کافروں کی ف۱۳۶ اور اللہ بہت سخت ہے لڑائی میں اور بہت سخت ہے سزا دینے میں ف۱۳۷

(۱۳۲) **قرآن اللہ کا کلام ہے۔ تدبّر کی دعوت** پہلی آیات سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا رسول اللہ ہونا اور اُن کی اطاعت بعینہ خدا کی اطاعت ہونی اور اُن کے نافرمانوں پر حق تعالیٰ کا عذاب ہونا تو خوب ظاہر ہو گیا مگر منافق اور آپ کے مخالف یہ کہہ سکتے ہیں کہ خدا کی گواہی اور اُس کے ارشادات کی تسلیم و تصدیق میں تو ہم کو تامل ہرگز نہیں مگر یہ کیونکر معلوم ہو کہ یہ خدا کا کلام ہے بشر کا بنایا ہوا نہیں تو حق تعالیٰ اُس کا جواب دیتا ہے کہ یہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے جس سے صاف معلوم ہو جائے کہ قرآن اللہ کا کلام ہے دیکھو اگر قرآن اللہ کا کلام نہ ہوتا جیسا کہ تم گمان کرتے ہو تو ضرور قرآن میں بہت سے مواقع میں طرح طرح کے اختلافات ملتے دیکھو آدمی ہر حالت میں اسی حالت کے موافق کلام کرتا ہے جو حالت پیش ہوتی ہے دوسری حالت کا دھیان نہیں ہوتا غصہ میں مہربانی والوں کا دھیان نہیں رہتا اور مہربانی میں غصہ والوں کا، دنیا کے بیان میں آخرت کا لحاظ نہ رہے اور آخرت کے بیان میں دنیا کا۔ بے پروائی میں عنایت کا ذکر نہیں اور عنایت میں بے پروائی کا بالجملہ ایک حال کا کلام دوسرے حال کے کلام سے مختلف نظر آئیگا لیکن قرآن شریف چونکہ خالق کا کلام ہے یہاں ہر چیز کے بیان میں دوسری جانب بھی نظر رہتی ہے۔ غور فہم سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن میں ہر چیز کا بیان ہر مقام میں ایک انداز پر ہے دیکھئے یہاں منافقوں کا مذکور تھا جو سخت عتاب کے مستحق ہیں سو یہاں بھی اُن کی باتوں پر اُسی قدر الزام ہے جتنا چاہئے اور جو الزام اُن کی ایک خاص جماعت پر تھا وہ خاص اُنہی پر لگایا گیا اور فرما دیا کہ بعضے اُن میں سے ایسا کرتے ہیں یہ نہیں کہ غصہ وغیرہ کی حالت میں کلام اپنی حد سے نکل جائے اور دوسری حالت کے کلام سے مختلف نظر آئے اور نیز یہ مطلب بھی ہے کہ ہم برابر دیکھتے ہیں کہ جب آدمی کوئی کلام طویل کرتا ہے تو وہ یکساں نہیں ہوتا بلکہ کوئی جملہ فصیح کوئی غیر فصیح کوئی صحیح کوئی غلط کوئی سچا کوئی کاذب کوئی موافق کوئی باہم متناقض ضرور معلوم ہوتا ہے اور قرآن اتنی بڑی کتاب ان جملہ

اختلافات سے پاک ہے جو طاقت بشر سے باہر ہے فائدہ اس میں اُس کی طرف بھی اشارہ ہوگیا کہ جو تدبر اور فہم سے کام نہ لے وہ قرآن میں شبہات اور اختلافات کا وہم چلا سکتا ہے مگر فہیم ایسا نہیں کر سکتا دیکھو جو اسی مقام میں تدبر نہ کرے وہ کہہ سکتا ہے کہ اول تو فرمادیا قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ پھر فرمادیا وَمَاۤ اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ سو یہ تو تناقض اور اختلاف ہوگیا واللہ اعلم۔

(۱۳۳) **افواہ پھیلانے کی مذمت** | یعنی ان منافقوں اور کم سمجھ مسلمانوں کی ایک خرابی یہ ہے کہ جب کوئی بات امن کی پیش آتی ہے مثلاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کسی سے صلح کا قصد فرمانا یا لشکر اسلام کی فتح کی خبر سُننا یا کوئی خبر خوفناک سُن لیتے ہیں جیسے دشمنوں کا کہیں جمع ہونا یا مسلمانوں کی شکست کی خبر آنا تو اُن کو بلا تحقیق کئے مشہور کرنے لگتے ہیں اور اُس میں اکثر فساد و نقصان مسلمانوں کو پیش آجاتا ہے۔ منافق ضرر رسانی کی غرض سے اور کم سمجھ مسلمان کم فہمی کی وجہ سے ایسا کرتے تھے۔

(۱۳۴) یعنی کہیں سے کچھ خبر آئے تو چاہئے کہ اول پہنچائیں سردار تک اور اُس کے نائبوں تک جب وہ اُس خبر کو تحقیق اور تسلیم کر لیویں تو اُن کے کہنے کے موافق اس کو کہیں نقل کریں اور اُس پر عمل کریں **فائدہ** حضرت نے ایک شخص کو ایک قوم کے یہاں زکوٰۃ لینے کو بھیجا وہ قوم اس کے استقبال کو باہر نکلی اُس نے خیال کیا کہ میرے مارنے کو آئے ہیں لوٹ کر مدینہ میں آگیا اور مشہور کر دیا کہ فلاں قوم مرتد ہوگئی تمام شہر میں شہرت ہوگئی آخر کو غلط نکلی۔

(۱۳۵) یعنی اگر اللہ اپنے فضل سے تمہاری اصلاح اور تربیت کے لئے احکام نہ بھیجتا اور تم کو وقتاً فوقتاً حسب ضرورت ہدایت اور تنبیہ نہ فرماتا رہتا جیسا کہ اس موقع پر رسول اور سرداروں کی طرف رجوع کرنے کو فرمایا تو تم گمراہ ہو جاتے مگر چند خواص جو کامل العقل اور کامل الایمان ہیں ان تنبیہات کو اللہ تعالیٰ کا انعام سمجھو اور شکر کرو اور پوری تعمیل کرو۔

(۱۳۶) **آنحضرت ﷺ کو قتال کا خصوصی حکم** | یعنی اگر کافروں کی لڑائی سے یہ منافق اور کچے مسلمان جن کا ذکر اوپر گذرا ڈرتے ہیں تو اے رسول تو تنہا اپنی ذات سے جہاد کرنے میں توقف مت کر اللہ تعالیٰ تیرا مددگار ہے اور مسلمانوں کو جہاد کی تاکید کر دے جو ساتھ نہ دے اُسکی پروا مت کر۔ اُمید ہے کہ اللہ تعالیٰ کافروں کی لڑائی کو روک دیگا۔ **فائدہ** جب یہ آیت نازل ہوئی تو آپ نے فرمایا کہ میں ضرور جہاد کے لئے جاتا ہوں اگرچہ ایک بھی میرے ساتھ نہ ہو اور کل ستر ہمراہیوں کے ساتھ بدر صغریٰ کو بغرض جہاد تشریف لے گئے جس کا وعدہ ابوسفیان سے غزوہ احد کے بعد ہوا تھا جس کا ذکر پہلی سورت میں گذر چکا ہے حق تعالیٰ نے ابوسفیان اور کفار قریش کے دل میں رعب اور خوف ڈال دیا کوئی مقابلہ میں نہ آیا اور وعدے سے جھوٹے ہوئے اور حق سبحانہ نے اپنے ارشاد کے موافق کافروں کی لڑائی کو بند کر دیا اور آپ ہمراہیوں سمیت خیر اور سلامتی کے ساتھ واپس تشریف لے آئے۔

(۱۳۷) یعنی اللہ تعالیٰ کی لڑائی اور اُس کا عذاب کافروں کے ساتھ لڑنے سے بہت سخت ہے سو جو لوگ کافروں کے ساتھ لڑنے اور اُن کو [margin: اور ان کو مارنے] کے ہاتھ سے مارے جانے سے ڈرتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے غصہ اور اس کے عذاب کا کیونکر تحمل کر سکتے ہیں۔ ۴

مَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَّكُنْ لَّهٗ نَصِيْبٌ مِّنْهَا ۚ وَمَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً سَيِّئَةً يَّكُنْ لَّهٗ

جو کوئی سفارش کرے نیک بات میں اُس کو بھی ملیگا اس میں سے ایک حصہ اور جو کوئی سفارش کرے بُری بات میں اس پر بھی ہے ایک

كِفْلٌ مِّنْهَا ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّقِيْتًا ﴿۸۵﴾ وَاِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَاۤ اَوْ

بوجھ اُس میں سے ف۱۳۸ اور اللہ ہے ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ف۱۳۹ اور جب تم کو دعا دیوے کوئی تو تم بھی دعا دو اس سے بہتر یا

النصف

رُدُّوْهَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ حَسِيْبًا ﴿۸۶﴾

وہی کہو الٹ کر بیشک اللہ ہے ہر چیز کا حساب کرنیوالا ف۱۴۰

(۱۳۸) **سفارش کرنے کا بیان** یعنی اگر کوئی نیک کام میں سعی سفارش کرے جیسا نبی علیہ السلام کا مسلمانوں کو جہاد کی تاکید فرمانا یا کوئی بری بات میں ساعی ہو جیسا منافق اور سست مسلمانوں کا جہاد سے ڈر کر دوسروں کو بھی ڈرانا تو اول صورت میں ثواب کا اور دوسری صورت میں گناہ کا حصہ ملیگا ایسے ہی اگر کوئی محتاج کی سفارش کر کے دولت مند سے کچھ دلوا دے تو یہ بھی خیرات کے ثواب میں شریک ہوگا۔ اور جو کوئی کافر مفسد یا سارق کو سفارش کر کے چھڑا دے پھر وہ فساد اور چوری کرے تو یہ بھی شریک ہوگا فساد اور چوری میں۔

(۱۳۹) یعنی خدا تعالیٰ تمام چیزوں پر قادر اور ہر چیز کا حصہ بانٹنے والا ہے تو نیکی اور بدی کے حصہ دینے میں اس کو کوئی دشواری نہیں۔

(۱۴۰) **سلام کرنے کے آداب** یعنی کسی مسلمان کو سلام کرنا یا دعا دینا درحقیقت اللہ سے اس کی شفاعت کرنا ہے تو حق تعالیٰ شفاعت حسنہ کی ایک خاص صورت کو جو مسلمانوں میں شائع ذائع ہے صراحت کے ساتھ بیان فرماتا ہے کہ جب کوئی اے مسلمانو تم کو دعا دے یا سلام کرے تو تم بھی اس کا جواب دینا ضرور چاہیئے یا تو وہی کلمہ تم بھی اُس کو کہو یا اُس سے بہتر مثلاً اگر کسی نے کہا السلام علیکم تو واجب ہے تم پر کہ اُس کے جواب میں وعلیکم السلام کہو اور زیادہ ثواب چاہو تو ورحمۃ اللہ بھی بڑھا دو اور اگر اُس نے یہ لفظ بڑھایا ہو تو تم "وبرکاتہ" زیادہ کر دو۔ اللہ کے یہاں ہر ہر چیز کا حساب ہوگا اور اس کی جزا ملے گی سلام اور اس کا جواب بھی اس میں آگیا۔ فائدہ اس سے شفاعت حسنہ کی پوری ترغیب ہو گئی اور شفاعت سیئہ کی خرابی اور مضرت معلوم ہو گئی کیونکہ جو شفاعت حسنہ کرے گا اُس کو اللہ تعالیٰ ثواب دیگا اور جس کی شفاعت کی ہے اُس پر اُس کے ساتھ حسن سلوک اور مکافات کا حکم فرما دیا بخلاف شفاعت سیئہ کے کہ بجز معصیت اور محرومی کے کچھ نہ ملیگا۔

ع ۱۱ / ۸
اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ؕ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيْثًا ﴿۸۷﴾

اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہیں بیشک تم کو جمع کریگا قیامت کے دن اس میں کچھ شبہ نہیں اور اللہ سے سچی کس کی بات ۱۴۱

فَمَا لَكُمْ فِى الْمُنٰفِقِيْنَ فِئَتَيْنِ وَاللّٰهُ اَرْكَسَهُمْ بِمَا كَسَبُوْا ؕ اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَهْدُوْا مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ ؕ

پھر تم کو کیا ہوا کہ منافقوں کے معاملہ میں دو فریق ہو رہے ہو اور اللہ نے انکو الٹ دیا بسبب اُن کے اعمال کے کیا تم چاہتے ہو کہ راہ پر لاؤ جس کو گمراہ کیا اللہ نے

وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا ﴿۸۸﴾ وَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ كَمَا كَفَرُوْا فَتَكُوْنُوْنَ سَوَآءً فَلَا

اور جس کو گمراہ کرے اللہ ہرگز نہ پاویگا تو اُسکے لئے کوئی راہ ۱۴۲ چاہتے ہیں کہ تم بھی کافر ہو جاؤ جیسے وہ کافر ہوئے تو پھر تم سب برابر ہو جاؤ سو تم

تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ اَوْلِيَآءَ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَخُذُوْهُمْ وَاقْتُلُوْهُمْ

اُن میں سے کسی کو دوست مت بناؤ یہاں تک کہ وطن چھوڑ آویں اللہ کی راہ میں پھر اگر اُسکو قبول نہ کریں تو ان کو پکڑو اور مار ڈالو

حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ ۪ وَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿۸۹﴾

جہاں پاؤ اور نہ بناؤ اُن میں سے کسی کو دوست اور نہ مددگار ۱۴۳

(۱۴۱) یعنی قیامت کا آنا اور ثواب و عقاب کے سب وعدوں کا پورا ہونا سب سچ ہے اس میں تخلف نہیں ہوگا ان باتوں کو سرسری خیال نہ کرو۔

(۱۴۲) **منافقین کے متعلق مسلمانوں کو ہدایات** ان منافقوں میں وہ لوگ داخل ہیں جو ظاہر میں بھی ایمان نہ لائے تھے بلکہ ظاہر و باطن کفر پر قائم تھے لیکن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے ساتھ ظاہری میل جول اور محبت کا معاملہ رکھتے تھے اور غرض اُن کی یہ تھی کہ مسلمانوں کی فوج ہماری قوم پر چڑھائی کرے تو ہمارے جان و مال اس حیلہ سے محفوظ رہیں جب مسلمانوں کو معلوم ہو گیا کہ اُن کا آنا جانا اس غرض سے ہے

دل کی محبت سے نہیں تو بعض مسلمانوں نے کہا کہ ان شریروں سے ملنا ترک کر دینا چاہیئے۔ تاکہ ہم سے جُدا ہو جائیں اور بعضوں نے کہا اُن سے ملے جاتے شاید ایمان لے آئیں اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ ہدایت و گمراہی اللہ کے قبضہ میں ہے تم اُس کا ہرگز فکر مت کرو اور اُن لوگوں سے بالاتفاق وہ معاملہ کرنا چاہیئے جو آئندہ مذکور ہے دو فریق مت بنو۔

(۱۴۳) **منافقوں سے قتال کا حکم** یعنی یہ منافق لوگ تو کفر پر ایسے جمے ہوئے ہیں کہ خود تو اسلام کیا قبول کرینگے وہ تو یہ چاہتے ہیں کہ تم بھی اُنکی مثل کافر ہو کر ان کے برابر ہو جاؤ سو اب تم کو چاہیئے کہ وہ جب تک ایمان قبول کر کے اپنا وطن چھوڑ کر تمہارے پاس نہ چلے آئیں اس وقت تک اُن کو دوست نہ بناؤ نہ اپنے کسی کام میں ان کو دخل دو اور نہ ان کی حمایت اور اعانت کرو اور اگر وہ لوگ ایمان اور ہجرت کو قبول نہ کریں تو اُن کو قید کرو اور قتل کرو جہاں قابو پاؤ اور اجتناب کلی رکھو اور اُن سے کوئی تعلق نہ رکھو۔

إِلَّا الَّذِينَ يَصِلُونَ إِلَىٰ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيثَاقٌ أَوْ جَاءُوكُمْ حَصِرَتْ صُدُورُهُمْ أَن

مگر وہ لوگ جو ملاپ رکھتے ہیں ایک قوم سے کہ تم میں اور اُن میں عہد ہے یا آئے ہیں تمہارے پاس کہ تنگ ہو گئے ہیں دل اُن کے تمہاری

يُقَاتِلُوكُمْ أَوْ يُقَاتِلُوا قَوْمَهُمْ ۚ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَسَلَّطَهُمْ عَلَيْكُمْ فَلَقَاتَلُوكُمْ ۚ فَإِنِ اعْتَزَلُوكُمْ فَلَمْ

لڑائی سے اور اپنی قوم کی لڑائی سے بھی اور اگر اللہ چاہتا تو اُن کو تم پر زور دے دیتا تو ضرور لڑتے تم سے سو اگر یکسو رہیں وہ تم سے پھر تم

يُقَاتِلُوكُمْ وَأَلْقَوْا إِلَيْكُمُ السَّلَمَ فَمَا جَعَلَ اللَّهُ لَكُمْ عَلَيْهِمْ سَبِيلًا ﴿٩٠﴾ سَتَجِدُونَ آخَرِينَ

سے نہ لڑیں اور پیش کریں تم پر صلح تو اللہ نے نہیں دی تم کو اُن پر راہ ف ۱۴۴ اب تم دیکھو گے ایک اور قوم کو جو

يُرِيدُونَ أَن يَأْمَنُوكُمْ وَيَأْمَنُوا قَوْمَهُمْ كُلَّمَا رُدُّوا إِلَى الْفِتْنَةِ أُرْكِسُوا فِيهَا ۚ فَإِن لَّمْ يَعْتَزِلُوكُمْ وَ

چاہتے ہیں کہ امن میں رہیں تم سے بھی اور اپنی قوم سے بھی جب کبھی لوٹائے جاتے ہیں وہ فساد کی طرف تو اُسکی طرف لوٹ جاتے ہیں پھر اگر وہ تم سے یکسو نہ رہیں اور

يُلْقُوا إِلَيْكُمُ السَّلَمَ وَيَكُفُّوا أَيْدِيَهُمْ فَخُذُوهُمْ وَاقْتُلُوهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوهُمْ ۚ وَأُولَٰئِكُمْ جَعَلْنَا

نہ پیش کریں تم پر صلح اور اپنے ہاتھ نہ روکیں تو اُن کو پکڑو اور مار ڈالو جہاں پاؤ اور اُن پر ہم نے

١٢ ع ٩ لَكُمْ عَلَيْهِمْ سُلْطَانًا مُّبِينًا ﴿٩١﴾

تم کو دی ہے کھلی سند ف ۱۴۵

(۱۴۴) **معاہد قوموں سے قتال کی ممانعت** یعنی اس ظاہری ملنے جلنے سے اُن کو قید اور قتل سے مت بچاؤ مگر کل دو طرح سے ایک تو یہ کہ جن لوگوں سے تمہاری صلح ہے اُن سے اُن کا بھی معاہدہ اور مصالحت ہو تو وہ بھی صلح میں داخل ہو گئے دوسری طرح یہ کہ جو لوگ لڑائی سے عاجز ہو کر تم سے صلح کریں اور اس بات کا عہد کریں کہ نہ اپنی قوم کے طرفدار ہو کر تم سے لڑیں گے اور نہ تمہارے ساتھ ہو کر اپنی قوم سے لڑیں گے اور اس عہد پر قائم رہیں تو ایسے لوگوں سے بھی مت لڑو اور اُن کی مصالحت کو منظور کر لو اور اللہ تعالیٰ کا احسان سمجھو کہ تمہاری لڑائی سے باز آئے اللہ چاہتا تو اُن کو تم پر جری اور غالب تر کر دیتا۔

(۱۴۵) یعنی بعضے لوگ ایسے بھی ہیں کہ تم سے عہد کر جاتے ہیں کہ نہ تم سے لڑیں گے نہ اپنی قوم سے تاکہ تم سے اور اپنی قوم دونوں سے امن میں رہیں لیکن اس عہد پر قائم نہیں رہتے بلکہ جب اپنی قوم کا غلبہ دیکھتے ہیں تو اُن کے مددگار ہو جاتے ہیں تو ایسے لوگوں سے تم بھی درگذر مت کرو تمہارے ہاتھ تو صریح حجت آگئی کہ انہوں نے اپنا عہد خود توڑ ڈالا۔

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ أَنْ يَقْتُلَ مُؤْمِنًا إِلَّا خَطَأً ۚ وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَأً فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُؤْمِنَةٍ

اور مسلمان کا کام نہیں کہ قتل کرے مسلمان کو مگر غلطی سے ﴿۱۴۶﴾ اور جو قتل کرے مسلمان کو غلطی سے تو آزاد کرے گردن ایک مسلمان کی

وَدِيَةٌ مُسَلَّمَةٌ إِلَىٰ أَهْلِهِ إِلَّا أَنْ يَصَّدَّقُوا ۚ فَإِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَكُمْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ

اور خون بہا پہنچائے اُسکے گھر والوں کو مگر یہ کہ وہ معاف کر دیں پھر اگر مقتول تھا ایسی قوم میں سے کہ وہ تمہارے دشمن ہیں اور خود وہ مسلمان تھا تو

فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُؤْمِنَةٍ ۖ وَإِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِيثَاقٌ فَدِيَةٌ مُسَلَّمَةٌ إِلَىٰ أَهْلِهِ

آزاد کرے گردن ایک مسلمان کی اور اگر وہ تھا ایسی قوم میں سے کہ تم میں اور اُن میں عہد ہے تو خون بہا پہنچائے اُس کے گھر والوں کو

وَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُؤْمِنَةٍ ۖ فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ تَوْبَةً مِنَ اللَّهِ ۗ وَكَانَ اللَّهُ

اور آزاد کرے گردن ایک مسلمان کی پھر جس کو میسر نہ ہو تو روزے رکھے دو مہینے کے برابر گناہ بخشوانے کو اللہ سے اور اللہ جاننے والا

عَلِيمًا حَكِيمًا ﴿٩٢﴾ وَمَنْ يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُتَعَمِّدًا فَجَزَاؤُهُ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيهَا وَغَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِ

حکمت والا ہے ﴿۱۴۷﴾ اور جو کوئی قتل کرے مسلمان کو جان کر تو اُس کی سزا دوزخ ہے پڑا رہیگا اُسی میں اور اللہ کا اُس پر غضب ہوا

وَلَعَنَهُ وَأَعَدَّ لَهُ عَذَابًا عَظِيمًا ﴿٩٣﴾

اور اُس کو لعنت کی اور اُسکے واسطے تیار کیا بڑا عذاب ﴿۱۴۸﴾

(۱۴۶) **مومن کے قتلِ خطاء کا بیان** اس موقع پر قتل خطاء کے احکام بیان فرمائے جاتے ہیں اور یہ کہ کلمۂ اسلام کہنے والے کو قتل کرنا گناہ عظیم ہے۔ ہاں اگر غلطی سے مارا گیا تو مجبوری کی بات ہے اور اس کے احکام یہ ہیں اور اسی کے ذیل میں مجاہدین کی فضیلت اور دار کفر سے دارالاسلام کی طرف ہجرت کرنے کی ضرورت اور سفر اور خوف کی نماز کی کیفیت بیان فرمائی جاتی ہے۔ **فائدہ** قتل خطا یعنی مسلمان کو غلطی سے قتل کر دینے کی کئی صورتیں ہیں مثلاً غلطی سے مسلمان کو شکار سمجھ کر مار ڈالا یا تیر اور گولی شکار پر چلائی چوک کر کسی مسلمان کے جا لگے ایک صورت قتل خطا کی یہ بھی ہے کہ ایک مسلمان کافروں میں ہو اور اُس کو کوئی مسلمان کافر سمجھ کر بوجہ لاعلمی قتل کر ڈالے اور یہاں اسی صورت کا بیان فرمانا مقصود ہے مجاہدین کو یہ بات اکثر پیش آجاتی ہے اور آیات سابقہ کے یہی مناسب ہے گو قتل خطا کی اور صورتوں کا بھی حکم یہی ہے وہ صورتیں بھی اس میں آگئیں۔

(۱۴۷) **قتل خطاء کی سزا** اس آیت میں قتل خطا کے دو حکم بتلائے گئے ایک تو آزاد کرنا بردہ مسلمان کا اور اس کا مقدور نہ ہو تو دو مہینے متصل روزے رکھنا یہ کفارہ ہے خدا تعالیٰ کی جناب میں اپنی خطا کا دوسرے اُس مقتول کے وارثوں کو خوں بہا دینا یہ اُن کا حق ہے۔ اُن کے معاف کرنے سے معاف بھی ہو سکتا ہے اور کفارہ کسی کے معاف کرنے سے معاف نہیں ہو سکتا اس کے متعلق تین صورتیں ہو سکتی ہیں کیونکہ جس مسلمان کو غلطی سے قتل کیا اس کے وارث مسلمان ہونگے یا کافر اگر کافر ہیں تو اُن سے مصالحت ہے یا دشمنی اول دونوں صورتوں میں مقتول کے وارثوں کو خونبہا دینا پڑے گا۔ تیسری صورت میں خوں بہا لازم نہ ہوگا اور کفارہ سب صورتوں میں ادا کرنا ہوگا **فائدہ** خونبہا مذہب حنفی میں تخمیناً دو ہزار سات سو چالیس روپے ہوتے ہیں یہ روپیہ قاتل کی برادری کو تین برس میں متفرق طور پر دینا ہوگا مقتول کے وارثوں کو۔

(۱۴۸) **قتل عمد کی سزا** یعنی اگر ایک مسلمان دوسرے مسلمان کو غلطی سے نہیں بلکہ قصداً اور مسلمان معلوم کرنے کے بعد قتل کرے گا تو اُس کے لئے آخرت میں جہنم اور لعنت اور عذاب عظیم ہے کفارہ سے اُس کی رہائی نہیں ہوگی۔ باقی رہی دنیوی سزا وہ سورۂ بقر میں گذر چکی **فائدہ** جمہور علماء کے نزدیک خلود اُس کے لئے ہے جو مسلمان کے قتل کو حلال سمجھے کیونکہ اُس کے کفر میں شک نہیں یا خلود سے مراد یہ ہے کہ مدت دراز تک جہنم میں

رہیگا یا وہ شخص مستحق تو اسی سزا کا ہے آگے اللہ مالک ہے جو چاہے کرے واللہ اعلم۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا ضَرَبْتُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَتَبَيَّنُوْا وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰٓى اِلَيْكُمُ السَّلٰمَ

اے ایمان والو جب سفر کرو اللہ کی راہ میں تو تحقیق کر لیا کرو اور مت کہو اُس شخص کو جو تم سے سلام علیک کرے

لَسْتَ مُؤْمِنًا ۚ تَبْتَغُوْنَ عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۡ فَعِنْدَ اللّٰهِ مَغَانِمُ كَثِيْرَةٌ ۭ كَذٰلِكَ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلُ

کہ تو مسلمان نہیں تم چاہتے ہو اسباب دنیا کی زندگی کا سو اللہ کے ہاں بہت غنیمتیں ہیں ف۱۴۹ تم بھی تو ایسے ہی تھے اس سے پہلے

فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ فَتَبَيَّنُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ۝۹۴ لَا يَسْتَوِي الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ

پھر اللہ نے تم پر فضل کیا سو اب تحقیق کر لو ف۱۵۰ بیشک اللہ تمہارے کاموں سے خبردار ہے ف۱۵۱ برابر نہیں بیٹھ رہنے والے مسلمان

غَيْرُ اُولِي الضَّرَرِ وَالْمُجٰهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۭ فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ

جن کو کوئی عذر نہیں اور وہ مسلمان جو لڑنے والے ہیں اللہ کی راہ میں اپنے مال سے اور جان سے اللہ نے بڑھا دیا لڑنے والوں کا

بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ عَلَي الْقٰعِدِيْنَ دَرَجَةً ۭ وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰي ۭ وَفَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ

اپنے مال اور جان سے بیٹھ رہنے والوں پر درجہ اور ہر ایک سے وعدہ کیا اللہ نے بھلائی کا اور زیادہ کیا اللہ نے لڑنے والوں کو

عَلَي الْقٰعِدِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝۹۵ دَرَجٰتٍ مِّنْهُ وَمَغْفِرَةً وَّرَحْمَةً ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝۹۶

بیٹھ رہنے والوں سے اجر عظیم میں جو کہ درجے ہیں اللہ کی طرف سے اور بخشش ہے اور مہربانی ہے ف۱۵۲ اور اللہ ہے بخشنے والا مہربان ف۱۵۳

اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَفّٰىھُمُ الْمَلٰۗىِٕكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قَالُوْا فِيْمَ كُنْتُمْ ۭ قَالُوْا كُنَّا مُسْتَضْعَفِيْنَ فِي

وہ لوگ کہ جن کی جان نکالتے ہیں فرشتے اس حالت میں کہ وہ برا کر رہے ہیں اپنا کہتے ہیں اُن سے فرشتے تم کس حال میں تھے وہ کہتے ہیں ہم تھے بے بس اُس

الْاَرْضِ ۭ قَالُوْٓا اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُھَاجِرُوْا فِيْھَا ۭ فَاُولٰۗىِٕكَ مَاْوٰىھُمْ جَهَنَّمُ ۭ وَ

ملک میں کہتے ہیں فرشتے کیا نہ تھی زمین اللہ کی کشادہ جو چلے جاتے وطن چھوڑ کر وہاں سو ایسوں کا ٹھکانا ہے دوزخ اور

سَاۗءَتْ مَصِيْرًا ۝۹۷ اِلَّا الْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاۗءِ وَالْوِلْدَانِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ

وہ بہت بری جگہ پہنچے مگر جو ہیں بے بس مردوں اور عورتوں اور بچوں میں سے جو نہیں کر سکتے

حِيْلَةً وَّلَا يَهْتَدُوْنَ سَبِيْلًا ۝۹۸

کوئی تدبیر اور نہ جانتے ہیں کہیں کا راستہ

(۱۴۹) **بلا تحقیق کسی کو کافر نہ کہو** حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک فوج کو ایک قوم پر جہاد کے لئے بھیجا اُس قوم میں ایک شخص مسلمان تھا جو اپنا مال واسباب اور مواشی اُن میں سے نکال کر علیحدہ کھڑا ہو گیا تھا اُس نے مسلمانوں کو دیکھ کر السلام علیکم کہا مسلمانوں نے یہ سمجھا کہ یہ بھی کافر ہے اپنی جان اور مال بچانے کی غرض سے اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرتا ہے اس لئے اُس کو مار ڈالا اور اس کے مواشی اور اسباب سب لے لیا اُس پر یہ آیت نازل ہوئی اور مسلمانوں کو تنبیہ اور تاکید فرمائی گئی کہ جب تم جہاد کے لئے سفر کرو تو تحقیق سے کام لو بے سوچے سمجھے کام مت

کرو جو تمہارے سامنے اسلام ظاہر کرے اس کے مسلمان ہونے کا ہرگز انکار مت کرو اللہ کے پاس بہت کچھ غنیمتیں ہیں ایسے حقیر سامان پر نظر نہ کرنی چاہئے۔

(۱۵۰) تم ایسے ہی تھے اس سے پہلے یعنی اسلام سے پہلے دنیا کی غرض سے ناحق خون کیا کرتے تھے لیکن اب مسلمان ہو کر ہرگز ایسا نہ کرنا چاہئے بلکہ جس پر مسلمان ہونے کا احتمال بھی ہو تو اُس کے قتل سے بچو یا یہ مطلب ہے کہ اس سے پہلے شروع زمانہ اسلام میں تم بھی کافروں کے شہر میں رہتے تھے تمہاری مستقل حکومت اور مستقل بود و باش نہ تھی تو جیسا اُس حالت میں تمہارا اسلام معتبر سمجھا گیا اور تمہارے جان و مال کی حفاظت و رعایت کی گئی ایسا ہی اب تم کو بھی اس طرح کے مسلمانوں کی رعایت و حفاظت لازم ہے بلا تحقیق اُن کو قتل مت کرو احتیاط اور غور سے کام کرنا چاہئے۔

(۱۵۱) یعنی اللہ تعالیٰ تمہارے ظاہر اعمال اور دلی اغراض سب پر مطلع ہے تو اب جس کو قتل کرو محض اللہ کے حکم کے موافق قتل کرو اپنے کسی غرض کا اصلا دخل نہ ہو اور یہ بھی مقصد ہے کہ اگر کوئی کافر فقط اپنے جان و مال کے خوف سے تمہارے روبرو اسلام ظاہر کرے اور دھوکا دے کر اپنی جان بچالے تو اللہ تعالیٰ کو سب کچھ معلوم ہے اُس کے عذاب سے نہیں بچ سکتا مگر تم اُس کو کچھ مت کہو یہ تمہارے کرنے کی بات نہیں ہم دیکھ لیں گے۔

(۱۵۲) **مجاہدین کے درجات** اس سے پہلے مسلمان کو نادانستگی اور چوک سے قتل کر دینے پر عتاب اور تنبیہ فرمائی تھی اس لئے یہ احتمال تھا کہ کوئی جہاد کرنے سے رُک جائے کیونکہ مجاہدین کو ایسی صورت پیش آ ہی جاتی ہے اس لئے مجاہدین کی فضیلت بیان فرما کر جہاد کی رغبت دلائی گئی خلاصہ آیت کا یہ ہے کہ لنگڑے لُنجے اندھے بیمار معذور لوگوں کو تو جہاد کرنے کا حکم نہیں، باقی سب مسلمانوں میں جہاد کرنے والوں کے بڑے درجے ہیں جو جہاد نہ کرنے والوں کے نہیں اگرچہ جنتی وہ بھی ہیں جو جہاد نہیں کرتے۔

جہاد فرض کفایہ ہے۔ اس سے معلوم ہو گیا کہ جہاد فرض کفایہ ہے فرض عین نہیں یعنی اگر مسلمانوں کی کافی مقدار اور ضرورت کے موافق جماعت جہاد کرتی رہے تو جہاد نہ کرنے والوں پر کوئی گناہ نہیں ورنہ سب گنہگار ہوں گے۔

(۱۵۳) یعنی حق تعالیٰ غفور رحیم ہے جہاد کرنیوالوں کے بارہ میں اجر و مغفرت و رحمت کے جو وعدے فرمائے ہیں وہ ضرور پورے فرمائیگا یا یہ کہ مجاہد کے ہاتھ سے نادانستگی میں اگر کوئی مسلمان قتل ہو گیا تو حق تعالیٰ معاف فرما دے گا اس اندیشہ سے جہاد سے مت رکو۔

فَاُولٰٓئِكَ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّعْفُوَ عَنْهُمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَفُوًّا غَفُوْرًا ﴿۹۹﴾ وَمَنْ يُّهَاجِرْ فِىْ سَبِيْلِ

سو ایسوں کو اُمید ہے کہ اللہ معاف کرے اور اللہ ہے معاف کرنیوالا بخشنے والا ۱۵۴ اور جو کوئی وطن چھوڑے اللہ کی راہ

اللّٰهِ يَجِدْ فِى الْاَرْضِ مُرٰغَمًا كَثِيْرًا وَّسَعَةً ؕ وَمَنْ يَّخْرُجْ مِنْۢ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ

میں پاویگا اُس کے مقابلہ میں جگہ بہت اور کشائش اور جو کوئی نکلے اپنے گھر سے ہجرت کر کے اللہ اور رسول کی طرف

ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۱۰۰﴾ ع ۱۴

پھر آ پکڑے اُس کو موت تو مقرر ہو چکا اُس کا ثواب اللہ کے ہاں اور ہے اللہ بخشنے والا مہربان ۱۵۵

(۱۵۴) **دار الکفر سے ہجرت کی فرضیت** بعضے مسلمان ایسے بھی ہیں کہ دل سے تو سچے مسلمان ہیں مگر کافروں کی حکومت میں ہیں اور اُن سے مغلوب ہیں اور کافروں کے خوف سے اسلامی باتوں کو کھل کر نہیں کر سکتے نہ حکم جہاد کی تعمیل کر سکتے ہیں سو اُن پر فرض ہے کہ وہاں سے ہجرت کریں اس رکوع میں اسی کا ذکر ہے آیت کا خلاصہ یہ ہے کہ جو لوگ اپنے اوپر ظلم کرتے ہیں یعنی کافروں کے ساتھ مل رہے ہیں اور ہجرت

نہیں کرتے تو فرشتے اُن سے مرنے کے وقت پوچھتے ہیں کہ تم کس دین پر تھے وہ کہتے ہیں کہ ہم تو مسلمان تھے مگر بوجہ ضعف و کمزوری کے دین کی باتیں نہ کر سکتے تھے۔ فرشتے کہتے ہیں کہ اللہ کی زمین تو بہت وسیع تھی تم یہ تو کر سکتے تھے کہ وہاں سے ہجرت کر جاتے سوا ایسوں کا ٹھکانا جہنم ہے البتہ جو لوگ ضعیف ہیں اور عورتیں اور بچے کہ نہ وہ ہجرت کی تدبیر کر سکتے ہیں نہ اُن کو کوئی ہجرت کا رستہ معلوم ہے وہ قابل معافی ہیں **فائدہ** اس سے معلوم ہو گیا کہ مسلمان جس ملک میں کھُلا نہ رہ سکے وہاں سے ہجرت فرض ہے اور سوائے اُن لوگوں کے جو بالکل معذور اور بے بس ہوں اور کسی کو وہاں پڑے رہنے کی اجازت نہیں۔

(۱۵۵) **مہاجر کیلئے کشائش کا وعدہ اور دیگر فضائل** اس آیت میں ہجرت کی ترغیب ہے اور مہاجرین کو تسلی دی جاتی ہے یعنی جو شخص اللہ کے واسطے ہجرت کرے گا اور اپنا وطن چھوڑے گا تو اُس کو رہنے کے لئے بہت جگہ ملے گی اور اُس کی روزی اور معیشت میں فراخی ہو گی تو ہجرت کرنے میں اس سے مت ڈرو کہ کہاں رہیں گے اور کیا کھائیں گے اور یہ بھی خطرہ نہ کرو کہ شاید رستہ میں موت آجائے تو ادھر کے ہوں نہ اُدھر کے کیونکہ اس صورت میں بھی ہجرت کا پورا ثواب ملیگا اور موت تو اپنے وقت ہی پر آتی ہے وقت مقرر سے پہلے نہیں آسکتی۔

وَإِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْأَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَقْصُرُوا مِنَ الصَّلٰوةِ ۖ إِنْ خِفْتُمْ أَنْ

اور جب تم سفر کرو ملک میں تو تم پر گناہ نہیں کہ کچھ کم کرو نماز میں سے اگر تم کو ڈر ہو کہ

يَفْتِنَكُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا ۚ إِنَّ الْكٰفِرِينَ كَانُوا لَكُمْ عَدُوًّا مُّبِينًا ﴿١٠١﴾ وَإِذَا كُنْتَ فِيهِمْ فَأَقَمْتَ لَهُمُ

ستاویں گے تم کو کافر البتہ کافر تمہارے صریح دشمن ہیں ف ۱۵۶ اور جب تو اُن میں موجود ہو پھر نماز میں کھڑا

الصَّلٰوةَ فَلْتَقُمْ طَائِفَةٌ مِّنْهُمْ مَّعَكَ وَلْيَأْخُذُوا أَسْلِحَتَهُمْ ۚ فَإِذَا سَجَدُوا فَلْيَكُونُوا مِنْ وَّرَائِكُمْ ۠

کرے تو چاہئے ایک جماعت اُن کی کھڑی ہو تیرے ساتھ اور ساتھ لے لیویں اپنے ہتھیار پھر جب یہ سجدہ کریں تو ہٹ جاویں تیرے پاس سے

وَلْتَأْتِ طَائِفَةٌ أُخْرٰى لَمْ يُصَلُّوا فَلْيُصَلُّوا مَعَكَ وَلْيَأْخُذُوا حِذْرَهُمْ وَأَسْلِحَتَهُمْ ۚ

اور آوے دوسری جماعت جس نے نماز نہیں پڑھی وہ نماز پڑھیں تیرے ساتھ اور ساتھ لیویں اپنا بچاؤ اور ہتھیار

وَدَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْ تَغْفُلُونَ عَنْ أَسْلِحَتِكُمْ وَأَمْتِعَتِكُمْ فَيَمِيلُونَ عَلَيْكُمْ مَّيْلَةً وَّاحِدَةً ۭ

کافر چاہتے ہیں کسی طرح تم بے خبر ہو اپنے ہتھیاروں سے اور اسباب سے تاکہ تم پر حملہ کریں یکبارگی ف ۱۵۷

وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِنْ كَانَ بِكُمْ أَذًى مِّنْ مَّطَرٍ أَوْ كُنْتُمْ مَّرْضٰى أَنْ تَضَعُوا أَسْلِحَتَكُمْ ۚ وَخُذُوا

اور تم پر کچھ گناہ نہیں اگر تم کو تکلیف ہو مینہ سے یا تم بیمار ہو کہ اُتار رکھو اپنے ہتھیار اور ساتھ لے لو

حِذْرَكُمْ ۭ إِنَّ اللّٰهَ أَعَدَّ لِلْكٰفِرِينَ عَذَابًا مُّهِينًا ﴿١٠٢﴾

اپنا بچاؤ ف ۱۵۸ بیشک اللہ نے تیار کر رکھا ہے کافروں کیواسطے عذاب ذلت کا ف ۱۵۹

(۱۵۶) **قصر نماز کا حکم** یعنی جب تم جہاد وغیرہ کے لئے سفر کرو اور کافروں سے جو کہ تمہارے صریح دشمن ہیں اس کا خوف ہو کہ وہ موقع پا کر ستائیں گے تو نماز کو مختصر رکھو یعنی جو نماز حضر میں چار رکعت کی ہو اُس کی دو رکعت پڑھو **فائدہ** ہمارے یہاں سفر تین منزل کا ہونا ضروری ہے اس سے کم ہو گا تو قصر جائز نہ ہو گا اور کافروں کے ستانے کا ڈر اُس وقت موجود تھا جب یہ حکم نازل ہوا جب یہ ڈر جاتا رہا تو اُس کے بعد بھی آپ سفر میں دو

رکعت ہی پڑھتے رہے اور صحابہ کو بھی اسی کی تاکید فرمائی اب ہمیشہ سفر میں قصر کرنے کا حکم ہے خوف مذکور ہو یا نہ ہو اور یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے شکریہ کے ساتھ قبول کرنا لازم ہے جیسا کہ حدیث میں ارشاد ہے۔

(۱۵۷) **نمازِ خوف کا بیان** پہلے نماز سفر کا بیان تھا یہ نماز خوف کا بیان ہے یعنی کافروں کی فوج مقابلہ میں ہو تو مسلمانوں کی فوج دو حصے ہو جائے ایک حصہ امام کے ساتھ آدھی نماز پڑھ کر دشمن کے مقابلہ میں جا کر کھڑا ہو جائے دوسرا حصہ آ کر امام کے ساتھ نصف باقی پڑھ لے امام کے سلام کے بعد دونوں جماعتیں اپنی آدھی نماز رہی ہوئی جُدی جُدی پڑھ لیں اگر مغرب کی نماز ہو تو اوّل جماعت دو رکعت اور دوسری جماعت ایک رکعت امام کے ساتھ پڑھے اور اس حالت میں نماز کے اندر آمد و رفت معاف ہے اور تلوار زرہ سپر وغیرہ کے اپنے ساتھ رکھنے کا بھی ارشاد فرمایا تاکہ کفار موقع پا کر یکبارگی حملہ نہ کر دیں۔

(۱۵۸) یعنی اگر بارش یا بیماری اور ضعف کی وجہ سے ہتھیار کا اُٹھانا مشکل ہو تو ایسی حالت میں ہتھیار اُتار کر رکھ دینے کی اجازت ہے لیکن اپنا بچاؤ کر لینا چاہیئے مثلاً زرہ سپر خود ساتھ لے لو۔ **فائدہ** اگر دشمن کے خوف سے اتنی مہلت بھی نہ ملے کہ نماز خوف بصورت مذکورہ ادا کر سکیں تو جماعت موقوف کر کے تنہا تنہا نماز پڑھ لیں پیادہ ہو کر اور سواری سے اُترنے کا بھی موقع نہ ملے تو سواری پر اشارہ سے نماز پڑھ لیں۔ اگر اس کی بھی مہلت نہ ملے تو پھر نماز کو قضا کر دیں۔

(۱۵۹) یعنی اللہ تعالیٰ کے حکم کے موافق تدبیر اور احتیاط اور اہتمام کے ساتھ کام کرو اور اللہ کے فضل سے اُمید رکھو وہ کافروں کو تمہارے ہاتھ سے ذلیل و خوار کرا دے گا کافروں سے خوف مت کرو۔

فَإِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلَوٰةَ فَاذْكُرُوا اللَّهَ قِيَامًا وَقُعُودًا وَعَلَىٰ جُنُوبِكُمْ ۚ فَإِذَا اطْمَأْنَنتُمْ فَأَقِيمُوا

پھر جب تم نماز پڑھ چکو تو یاد کرو اللہ کو کھڑے اور بیٹھے اور لیٹے ف۱۶۰ پھر جب خوف جاتا رہے تو درست کرو

الصَّلَوٰةَ ۚ إِنَّ الصَّلَوٰةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ كِتَابًا مَّوْقُوتًا ﴿۱۰۳﴾ وَلَا تَهِنُوا فِي ابْتِغَاءِ الْقَوْمِ ۖ إِن

نماز کو بیشک نماز مسلمانوں پر فرض ہے اپنے مقرر وقتوں میں ف۱۶۱ اور ہمت نہ ہارو اُن کا پیچھا کرنے سے اگر

تَكُونُوا تَأْلَمُونَ فَإِنَّهُمْ يَأْلَمُونَ كَمَا تَأْلَمُونَ ۖ وَتَرْجُونَ مِنَ اللَّهِ مَا لَا يَرْجُونَ ۗ وَكَانَ اللَّهُ

تم بے آرام ہوتے ہو تو وہ بھی بے آرام ہوتے ہیں جسطرح تم ہوتے ہو اور تم کو اللہ سے اُمید ہے جو اُن کو نہیں اور اللہ سب کچھ

عَلِيمًا حَكِيمًا ﴿۱۰۴﴾ ع إِنَّا أَنزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَا أَرَاكَ اللَّهُ ۚ وَلَا تَكُن ۱۵ ع ۱۲

جاننے والا حکمت والا ہے ف۱۶۲ بیشک ہم نے اُتاری تیری طرف کتاب سچی کہ تو انصاف کرے لوگوں میں جو کچھ سمجھا وے تجھ کو اللہ اور تو مت ہو

لِّلْخَائِنِينَ خَصِيمًا ﴿۱۰۵﴾ وَاسْتَغْفِرِ اللَّهَ ۖ إِنَّ اللَّهَ كَانَ غَفُورًا رَّحِيمًا ﴿۱۰۶﴾ وَلَا تُجَادِلْ عَنِ الَّذِينَ

دغابازوں کی طرف سے جھگڑنے والا ف۱۶۳ اور بخشش مانگ اللہ سے بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے ف۱۶۴ اور مت جھگڑ اُن کی طرف سے جو

يَخْتَانُونَ أَنفُسَهُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ مَن كَانَ خَوَّانًا أَثِيمًا ﴿۱۰۷﴾ يَسْتَخْفُونَ مِنَ النَّاسِ وَلَا يَسْتَخْفُونَ

اپنے جی میں دغا رکھتے ہیں اللہ کو پسند نہیں جو کوئی ہو دغا باز گنہگار شرماتے ہیں لوگوں سے اور نہیں شرماتے

مِنَ اللَّهِ وَهُوَ مَعَهُمْ إِذْ يُبَيِّتُونَ مَا لَا يَرْضَىٰ مِنَ الْقَوْلِ ۚ وَكَانَ اللَّهُ بِمَا يَعْمَلُونَ مُحِيطًا ﴿۱۰۸﴾

اللہ سے اور وہ اُنکے ساتھ ہے جبکہ مشورہ کرتے ہیں رات کو اُس بات کا جس سے اللہ راضی نہیں اور جو کچھ وہ کرتے ہیں سب اللہ کے قابو میں ہے ف۱۶۵

(۱۶۰) **ہمہ وقت ذکر اللہ کا حکم** یعنی خوف کے وقت بوجہ تنگی اور بے اطمینانی اگر نماز میں کسی طرح کی کوتاہی ہو گئی تو نماز خوف سے فراغت کے بعد ہر وقت اور ہر حالت میں کھڑے ہو یا بیٹھے یا لیٹے اللہ کو یاد کرو حتیٰ کہ عین ہجوم اور مقاتلہ کے وقت بھی کیونکہ وقت کی تعیین اور دیگر قیود کی پابندی تو بحالت نماز تھی جن کی وجہ سے تنگی اور بے اطمینانی پیش آنے کا موقع ہے اس کے سوا ہر حالت میں بلا وقت اللہ کو یاد کر سکتے ہو کسی حالت میں اس کی یاد سے غافل نہ رہو عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس آیت کے ذیل میں فرمایا کہ صرف وہ شخص کہ جس کے عقل و حواس کسی وجہ سے مغلوب ہو جائیں البتہ معذور ہے ورنہ کوئی شخص اللہ کی یاد نہ کرنے میں معذور نہیں۔

(۱۶۱) **نمازوں کے اوقات مقرر ہیں** یعنی جب خوف مذکور جاتا رہے اور خاطر جمع ہو جائے تو پھر جو نماز پڑھو اطمینان اور تعدیل ارکان اور رعایت شروط اور محافظت آداب کے ساتھ پڑھو جیسا کہ امن کی حالت میں پڑھنی چاہئے اور جن حرکات زائدہ کی اجازت دی گئی وہ حالت خوف کے ساتھ مخصوص ہے بیشک نماز فرض ہے وقت معین میں سفر حضر اطمینان خوف ہر حالت میں اُسی وقت میں ادا کرنا ضرور ہے یہ نہیں کہ جب چاہو پڑھ لو یا یہ مطلب ہے کہ نماز کے متعلق حق تعالیٰ نے پورا ضبط اور تعین فرما دیا ہے کہ حضر میں کیا ہونا چاہئے اور سفر میں کیا اطمینان میں کیا کرنا چاہئے اور خوف میں کیا سو ہر حالت میں اُس کی پابندی چاہئے۔

(۱۶۲) **کفار کے تعاقب میں سستی نہ کرو** یعنی کفار کی جستجو اور اُن کے تعاقب میں ہمت سے کام لو اور کوتاہی نہ کرو اگر تم کو اُن کی لڑائی سے زخم اور درد پہنچا ہے تو اس تکلیف میں تو وہ بھی شریک ہیں اور آیندہ تم کو حق تعالیٰ سے وہ اُمیدیں ہیں جو اُن کو نہیں یعنی دنیا میں کفار پر غلبہ اور آخرت میں ثواب عظیم اور اللہ تعالیٰ تمہارے مصالح اور تمہارے اعمال کو خوب جانتا ہے اس کا جو حکم ہے اُس میں تمہارے لئے بڑی منافع اور حکمتیں ہیں دین اور دنیا دونوں کے لئے سو اُس کے امتثال کو غنیمت اور بڑی نعمت سمجھو۔

(۱۶۳) **ایک مسلمان چور اور یہودی کا قصہ** منافق اور ضعیف الاسلام لوگوں میں جب کوئی کسی گناہ اور خرابی کا مرتکب ہوتا تو سزا اور بدنامی سے بچنے کے لئے حیلہ گھڑتے اور آپ کی خدمت میں ایسے انداز سے اُس کا اظہار کرتے کہ آپ اُن کو بَری سمجھ جائیں بلکہ کسی بری الذمہ کے ذمہ تہمت لگا کر اُس کے مجرم بنانے میں سعی کرتے اور رل مل کر باہم مشورہ کرتے چنانچہ ایک دفعہ یہ ہوا کہ ایک ایسے ہی مسلمان نے دوسرے مسلمان کے گھر میں نقب دیا ایک تھیلا آٹے کا اور اُس کے ساتھ کچھ ہتھیار چُرا کر لے گیا۔ اُس تھیلے میں اتفاقاً سوراخ تھا چور کے گھر تک رستہ میں آٹا گرتا گیا چور نے یہ تدبیر کی کہ مال اپنے گھر میں نہ رکھا بلکہ رات ہی میں وہ مال لیجا کر ایک یہودی کے پاس امانت رکھ آیا جو اُس کا واقف تھا۔ صبح کو مالک نے آٹے کے سراغ پر چور کو جا پکڑا مگر تلاشی پر اُس کے گھر میں کچھ نہ نکلا ادھر چور نے قسم کھالی کہ مجھ کو کچھ خبر نہیں آٹے کا سراغ آگے کو چلتا نظر آیا تو مالک نے اسی سراغ پر یہودی کو جا پکڑا اُس نے مال کا اقرار کر لیا کہ میرے گھر میں موجود ہے مگر میرے پاس تو رات فلاں شخص امانت رکھ گیا ہے میں چور نہیں ہوں مالک نے یہ قضیہ حضرت فخر عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچایا چور کی قوم اور اس کی جماعت نے اتفاق کیا کہ جس طرح ہو سکے اس پر چوری ثابت نہ ہونے دو یہودی کو چور بناؤ چنانچہ یہودی سے جھگڑے اور آپ کی خدمت میں چور کی برأت پر قسمیں کھائیں گواہی دی قریب تھا کہ یہودی چور سمجھا جائے اور مجرم قرار دیا جائے اُس پر حق سبحانہ نے متعدد آیتیں نازل فرمائیں اور حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو اور سب کو متنبہ فرما دیا کہ چور یہی مسلمان ہے یہودی اس میں سچا اور بے قصور ہے۔ اور تہمت کے بیبے ایسے لوگوں کی قلعی کھول کر سب کو متنبہ کر دیا۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ اے رسول ہم نے اپنی سچی کتاب تجھ پر اس لئے اتاری کہ ہمارے سمجھانے اور بتلانے کے موافق تمام لوگوں میں نیک ہوں یا بد مومن ہوں یا کافر حکم اور انصاف کیا جائے اور جو دغاباز ہیں اُن کی بات کا اعتبار اور اُن کی طرفداری ہرگز مت کرو اور اُن کی قسم اور اُن کی گواہی پر کسی بے قصور کو مجرم مت بناؤ یعنی ان دغابازوں کی طرف ہو کر یہودی

(۱۶۴) یعنی قبل تحقیق صرف ظاہر حال کو دیکھ کر چور کو بَری اور یہودی مذکور کو چور خیال کر لینا تمہاری عصمت اور عظمت شان کے مناسب

نہیں اس سے استغفار چاہئے اس میں کامل تنبیہ ہوگئی اُن مخلصین صحابہ کو جو بوجہ تعلق اسلامی یا قومی وغیرہ چور پر حُسن ظن کر کے یہودی کو چور بنانے میں ساعی ہوئے۔

(۱۶۵) **گنہگاروں کی سفارش سے ممانعت** پہلی آیت میں جب اُن لوگوں کی دغا اور بُرائی صاف بتلادی گئی تو شاید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بوجہ غلبۂ شفقت جو آپ کو تمام خلق بالخصوص اپنی اُمّت پر تھا حق تعالیٰ سے اُن خطا واروں کی معافی چاہی اُس پر ارشاد ہوا کہ ان دغابازوں کی طرف ہو کر اللہ سے کیوں جھگڑتے ہو ایسے لوگ اللہ کو خوش نہیں آتے یہ تو لوگوں سے چھپ چھپ کر راتوں کو ناجائز مشورہ کرتے ہیں اور اللہ سے نہیں شرماتے جو ہر وقت اُنکے ساتھ ہے اور اُن کے تمام اُمور پر حاوی ہے اور اگر آپ نے اُن کی معافی نہ بھی مانگی ہو تو آپ کی معافی مانگنے کا احتمال تو بالیقین موجود تھا دیکھئے دوسری جگہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بابت یجادلنا فی قوم لوط ان ابراھیم لحلیم اواہ منیب ارشاد صریح موجود ہے سو اس کی پیش بندی کے لئے حق تعالیٰ نے یہ ارشاد فرما کر ان لوگوں کی سفارش سے آپکو روک دیا۔ واللہ اعلم

هٰۤاَنْتُمْ هٰۤؤُلَآءِ جٰدَلْتُمْ عَنْهُمْ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ۫ فَمَنْ یُّجَادِلُ اللّٰهَ عَنْهُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ

سُنتے ہو تم لوگ جھگڑا کرتے ہو اُن کی طرف سے دنیا کی زندگی میں پھر کون جھگڑا کریگا اُن کے بدلے اللہ سے قیامت کے دن

اَمْ مَّنْ یَّكُوْنُ عَلَیْهِمْ وَكِیْلًا ﴿۱۰۹﴾ وَ مَنْ یَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ یَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ یَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ یَجِدِ اللّٰهَ

یا کون ہوگا اُن کا کارساز ف ۱۶۶ اور جو کوئی کرے گناہ یا اپنا بُرا کرے پھر اللہ سے بخشوا دے تو پاوے اللہ کو

غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ﴿۱۱۰﴾ وَ مَنْ یَّكْسِبْ اِثْمًا فَاِنَّمَا یَكْسِبُهٗ عَلٰی نَفْسِهٖ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ عَلِیْمًا حَكِیْمًا ﴿۱۱۱﴾ وَ

بخشنے والا مہربان ف ۱۶۷ اور جو کوئی کرے گناہ سو کرتا ہے اپنے ہی حق میں اور اللہ سب کچھ جاننے والا حکمت والا ہے ف ۱۶۸ اور

مَنْ یَّكْسِبْ خَطِیْٓئَةً اَوْ اِثْمًا ثُمَّ یَرْمِ بِهٖ بَرِیْٓـًٔا فَقَدِ احْتَمَلَ بُهْتَانًا وَّ اِثْمًا مُّبِیْنًا ﴿۱۱۲﴾ وَ ع ۱۶

جو کوئی کرے خطا یا گناہ پھر تہمت لگاوے کسی بے گناہ پر تو اُس نے اپنے سر دھرا طوفان اور گناہ صریح ف ۱۶۹ اور

لَوْ لَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَیْكَ وَ رَحْمَتُهٗ لَهَمَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ اَنْ یُّضِلُّوْكَ ؕ وَ مَا یُضِلُّوْنَ اِلَّاۤ

اگر نہ ہوتا تجھ پر اللہ کا فضل اور اُس کی رحمت تو قصد کر ہی چکی تھی اُن میں ایک جماعت کہ تجھ کو بہکا دیں اور بہکا نہیں سکتے مگر

اَنْفُسَهُمْ وَ مَا یَضُرُّوْنَكَ مِنْ شَیْءٍ ؕ وَ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَیْكَ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ عَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ

اپنے آپ کو اور تیرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے اور اللہ نے اُتاری تجھ پر کتاب اور حکمت اور تجھ کو سکھائیں وہ باتیں جو تو نہ جانتا

تَعْلَمُ ؕ وَ كَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَیْكَ عَظِیْمًا ﴿۱۱۳﴾

تھا اور اللہ کا فضل تجھ پر بہت بڑا ہے ف ۱۷۰

(۱۶۶) اس میں خطاب ہے چور کی قوم اور اُن لوگوں کو جو چور کے طرفدار ہوئے تھے یعنی اللہ تعالیٰ کو سب کچھ معلوم ہے اس بیجا حمایت سے چور کو قیامت میں کوئی نفع نہیں ہو سکتا۔

(۱۶۷) **سوٓء اور ظلم کا فرق** سوء اور ظلم سے بڑے اور چھوٹے گناہ مراد ہیں یا سوء سے وہ گناہ مراد ہے جس سے دوسرے کو درد پہنچے جیسے کسی پر تہمت لگانی اور ظلم وہ ہے کہ اُس کی خرابی اپنے ہی نفس تک رہے یعنی گناہ کیسا ہی ہو اُس کا علاج استغفار اور توبہ ہے توبہ کے بعد

اللہ تعالیٰ البتہ معاف فرما دیتا ہے اگر آدمیوں نے جان بوجھ کر فریب سے کسی مجرم کی براءت ثابت کر دی یا غلطی سے مجرم کو بے قصور سمجھ گئے تو اس سے اُس کے جرم میں تخفیف بھی نہیں ہو سکتی البتہ توبہ سے بالکل معاف ہو سکتا ہے اس میں اُس چور کو اور اس کے سب طرفداروں کو جو دیدہ و دانستہ طرفدار بنے ہوں یا غلطی سے سبھی کو توبہ اور استغفار کا ارشاد ہو گیا اور اشارہ لطیف اس طرف بھی ہو گیا کہ اب بھی اگر کوئی اپنی بات پر جما رہیگا اور توبہ نہ کرے گا تو اللہ کی بخشش اور اس کی رحمت سے محروم ہو گا۔

(۱۶۸) یعنی جو اپنے قصد سے گناہ کرے گا اس کا وبال تو اُسی پر پڑیگا اور اس کی سزا خاص اُسی کو دی جائے گی کسی دوسرے کو سزا نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ ایسا تو وہ کر سکتا ہے جس کو واقعی بات کی خبر نہ ہو یا حکمت سے بے بہرہ ہو مگر حق سبحانہٗ تعالیٰ تو بلا مبالغہ بصیغہ مبالغہ علیم و حکیم ہے وہاں اس کی گنجائش کہاں تو اب خود چوری کر کے یہودی کے سر لگانے سے کیا نفع ہو سکتا ہے۔

(۱۶۹) **بہتان تراشی کی مذمت** یعنی جس نے چھوٹا یا بڑا گناہ کر کے کسی بے گناہ کے ذمہ لگایا تو اُس پر تو دو گناہ لازم ہو گئے ایک جھوٹی تہمت دوسرا وہ اصلی گناہ تو ظاہر ہو گیا کہ خود چوری کر کے یہودی پر تہمت دھرنے سے اور وبال بڑھ گیا نفع خاک بھی نہ ہوا اور معلوم ہو گیا کہ گناہ چھوٹا ہو یا بڑا توبہ خالص کے سوا اس کا کوئی علاج نہیں۔

(۱۷۰) **آنحضرت ﷺ پر اللہ کا خاص فضل** اس میں خطاب ہے رسول علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی طرف اور اظہار ہے اُن خائنوں کے فریب کا اور بیان ہے آپ کی عظمت شان اور عصمۃ کا اور اس کا کہ آپ کمال علمی میں جو کہ تمام کمالات سے افضل اور اول ہے سب سے فائق ہیں اور اللہ کا فضل آپ پر بے نہایت ہے جو ہمارے بیان اور ہماری سمجھ میں نہیں آسکتا اور اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ آپ کو جو چور کی براءت کا خیال ہوا تھا وہ ظاہر حال کو دیکھ کر اور اقوال و شہادات کو سُن کر اور اُس کو سچ سمجھ کر ہو گیا تھا۔ میلان عن الحق یا مداہنت فی الحق ہرگز ہرگز اُس کا باعث نہ تھا اور اتنی بات میں کچھ بُرائی نہ تھی بلکہ یہی ہونا ضروری تھا جب اللہ تعالیٰ کے فضل سے حقیقۃ الامر ظاہر ہو گئی کوئی خلجان باقی نہ رہا اور ان سب باتوں سے مقصود یہ ہے کہ آئندہ کو وہ فریب باز تو آپ کے بہکانے اور دھوکہ دینے سے رُک جائیں اور مایوس ہو جائیں اور آپ اپنی عظمت اور تقدس کے موافق غور اور احتیاط سے کام لیں واللہ اعلم۔

لَا خَيْرَ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنْ نَّجْوٰىهُمْ اِلَّا مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ اَوْ مَعْرُوْفٍ اَوْ اِصْلَاحٍۭ بَيْنَ النَّاسِ ؕ

کچھ اچھے نہیں اُن کے اکثر مشورے مگر جو کوئی کہ کہے صدقہ کرنے کو یا نیک کام کو یا صلح کرانے کو لوگوں میں

وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۱۱۴﴾ وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ

اور جو کوئی یہ کام کرے اللہ کی خوشی کے لئے تو ہم اُسکو دینگے بڑا ثواب ف۱۷۱ اور جو کوئی مخالفت کرے رسول کی

مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ؕ وَ

جبکہ کھل چکی اُس پر سیدھی راہ اور چلے سب مسلمانوں کے رستہ کے خلاف تو ہم حوالہ کرینگے اُسکو وہی طرف جو اُس نے اختیار کی اور ڈالینگے ہم اُسکو دوزخ

ع ۱۷ ۱۴

سَآءَتْ مَصِيْرًا ﴿۱۱۵﴾ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ؕ وَمَنْ

میں اور وہ بہت بُری جگہ پہنچا ف۱۷۲ بیشک اللہ نہیں بخشتا اُس کو جو اُس کا شریک کرے کسی کو اور بخشتا ہے اُس کے سوا جس کو چاہے ف۱۷۳ اور جس نے

يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًاۢ بَعِيْدًا ﴿۱۱۶﴾

شریک ٹھہرایا اللہ کا وہ بہک کر دور جا پڑا ف۱۷۴

(۱۷۱) **آنحضرتؐ سے سرگوشی کرنے کا بیان** منافق اور حیلہ گر آکر آپ سے کان میں باتیں کرتے تاکہ لوگوں میں اپنا اعتبار بڑھائیں اور مجلس میں بیٹھ کر آپس میں بیہودہ سرگوشی کیا کرتے کسی کی عیب جوئی کسی کی غیبت کسی کی شکایت کرتے اس پر ارشاد ہوا کہ جو لوگ باہم کانوں میں مشورت کرتے ہیں اکثر مشورے خیر سے خالی ہوتے ہیں صاف اور سچی بات کو چھپانے کی حاجت نہیں اُس میں کوئی فریب ہوتا ہے البتہ چھپاوے تو صدقہ اور خیرات کی بات کو چھپائے تاکہ لینے والا شرمندہ نہ ہو یا کسی ناواقف کو غلطی سے بچائے اور اُس کو اچھی بات اور صحیح مسئلہ بتائے تو چھپا کر بتائے تاکہ اُس کو ندامت نہ ہو یا دو میں لڑائی ہو اور غصہ والا جوش میں صلح نہیں کرتا تو اول کوئی تدبیر بنا کر پھر اُس کو سمجھائے حتیٰ کہ توریہ کی بھی اجازت ہے۔ آخر میں فرما دیا کہ جو کوئی امور مذکورہ کو اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے لئے کرے گا اُس کو بڑا عظیم الشان ثواب عنایت ہوگا یعنی ریاکاری یا کسی اور غرض دنیاوی کے لیے نہ ہونا چاہیئے۔

(۱۷۲) **رسول اور مومنین کی مخالفت کا عذاب** یعنی جب کسی کو حق بات واضح ہو چکے پھر اُس کے بعد بھی رسول کے حکم کی مخالفت کرے اور سب مسلمانوں کو چھوڑ کر اپنی جُدی راہ اختیار کرے تو اُس کا ٹھکانا جہنم ہے جیسا کہ اُس چور نے کیا جس کا ذکر ہو چکا بجائے اس کے کہ قصور کا اعتراف کر کے توبہ کرتا یہ کیا کہ ہاتھ کٹنے کے خوف سے مکہ بھاگ گیا اور مشرکین میں مل گیا **فائدہ** اکابر علماء نے اس آیت سے یہ مسئلہ بھی نکالا کہ اجماع اُمت کا مخالف اور منکر جہنمی ہے یعنی اجماع اُمت کو ماننا فرض ہے۔ حدیث میں وارد ہے کہ اللہ کا ہاتھ ہے مسلمانوں کی جماعت پر جس نے جُدی راہ اختیار کی وہ دوزخ میں جا پڑا۔

(۱۷۳) **شرک ناقابل معافی گناہ ہے** یعنی شرک سے نیچے کے گناہ جس کے چاہیگا اللہ بخشدے گا مگر شرک کو ہرگز نہیں بخشیگا مشرک کے لئے عذاب ہی مقرر فرما چکا تو چوری کرنا اور تہمت جھوٹی لگانا اگرچہ کبیرہ گناہ تھے مگر یہ بھی احتمال تھا کہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے اُس چور کو بخش دیتا لیکن جب وہ چور رسول کے حکم سے بھاگا اور مشرکوں میں جا ملا تو اب اُس کی مغفرت کا احتمال بھی نہ رہا **فائدہ** اس سے یہ معلوم ہوا کہ شرک یہی نہیں کہ اللہ کے سوا کسی کی پرستش کرے بلکہ اللہ کے حکم کے مقابلہ میں کسی کے حکم کو پسند کرنا یہ بھی شرک ہے۔

(۱۷۴) دور جا پڑا اس لئے کہ وہ شخص تو اللہ ہی سے صریح منحرف ہو گیا اور اللہ کے مقابلہ میں دوسرا معبود بنا کر شیطان کا پورا مطیع ہو چکا اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اُس کی رحمت سب سے مستغنی ہو بیٹھا اور جو اتنی دور جا پڑا تو اللہ کی رحمت اور اُس کی مغفرت کا کیسے مستحق ہو سکتا ہے بلکہ ایسے شخص کی مغفرت تو خلاف حکمت ہونی چاہیئے یہی وجہ ہے کہ ایسے لوگوں کو مغفرت سے صاف مایوس فرما دیا گیا اور مسلمان کتنا ہی سخت گنہگار ہو چونکہ اُس کی خرابی صرف اعمال تک ہے اس کا عقیدہ اور تعلق اور توقع سب جوں کی توں موجود ہیں اس کی مغفرت ضرور ہوگی جلدی یا دیر کے بعد اللہ جب چاہیگا بخش دیگا۔

إِن يَدْعُونَ مِن دُونِهِۦٓ إِلَّآ إِنَٰثًا وَإِن يَدْعُونَ إِلَّا شَيْطَٰنًا مَّرِيدًا ﴿١١٧﴾ لَّعَنَهُ ٱللَّهُ ۘ وَقَالَ

اللہ کے سوا نہیں پکارتے مگر عورتوں کو اور نہیں پکارتے مگر شیطان سرکش کو جس پر لعنت کی اللہ نے ۱۷۵ اور کہا

لَأَتَّخِذَنَّ مِنْ عِبَادِكَ نَصِيبًا مَّفْرُوضًا ﴿١١٨﴾

شیطان نے کہ میں البتہ لونگا تیرے بندوں سے حصہ مقررہ ۱۷۶

(وقف لازم)

(۱۷۵) **مشرکوں کی جہالت** یعنی ان مشرکوں نے اللہ کے سوا جو اپنا معبود بنایا تو اُن بتوں کو جن کو عورتوں کے نام سے نامزد کر رکھا ہے۔ جیسے عزیٰ اور مناۃ اور نائلہ وغیرہ اور حقیقۃ الامر دیکھئے تو یہ مشرکین شیطان سرکش ملعون الٰہی کی عبادت کرتے ہیں اُسی نے تو بہکا کر ایسا کرایا اور بت پرستی کرنے میں اس کی اطاعت اور اس کی عین خوشی ہے۔ اس سے مشرکین کی پرلے سرے کی ضلالت اور جہالت ظاہر فرمانی مقصود

ہے دیکھئے اوّل تو اللہ کے سوا کسی کو معبود بنانا اس سے بڑھ کر ضلالت کیا ہو سکتی ہے پھر بنایا تو کس کو پتھروں کو جن میں کسی قسم کی حس و حرکت بھی نہیں اور عورتوں کے نام سے موسوم ہیں اور کس کے بتلانے سے شیطان مردود ملعون خداوندی کے بہکانے سے کیا اس ضلالت اور جہالت کی نظیر مل سکتی ہے اور کوئی احمق سے احمق بھی اس کو قبول کر سکتا ہے۔

(۱۷۶) **شیطان کی انسان دشمنی اور اس کے عزائم** یعنی جب شیطان سجدہ نہ کرنے پر ملعون اور مردود کیا گیا تو اس نے تو اُسی وقت کہا تھا کہ میں تو غارت ہو ہی چکا مگر میں بھی تیرے بندوں اور اولاد آدم میں سے اپنے لئے ایک مقدار معلوم اور بڑا حصہ لونگا یعنی اُن کو گمراہ کر کے اپنے ساتھ جہنم میں لیجاؤنگا جیسا کہ سورہ حجر اور بنی اسرائیل وغیرہ میں مذکور ہے مطلب یہ ہوا کہ متمرد اور ملعون ہونے کے علاوہ شیطان تو جملہ بنی آدم کا اول روز سے سخت دشمن اور بدخواہ ہے اور اس دشمنی کو صاف ظاہر کر چکا ہے۔ تو اب یہ احتمال بھی نہ رہا کہ گو شیطان ہر طرح سے خبیث و گمراہ ہے مگر شاید کسی کو خیر خواہانہ کوئی نفع کی بات بتلادے بلکہ یہ معلوم ہو گیا کہ وہ دشمن ازلی تو بنی آدم کو جو کچھ بتلائے گا اُن کی گمراہی اور بربادی ہی کی بات بتلائے گا پھر ایسے گمراہ اور بدخواہ کی اطاعت کرنی کس قدر جہالت اور نادانی ہے۔ حصہ مقررہ لینے کے ایک معنی یہ بھی ہیں کہ تیرے بندے اپنے مال میں میرا حصہ ٹھہرائیں گے جیسا کہ لوگ بت یا جن وغیرہ غیر اللہ کی نذر اور نیاز کرتے ہیں۔

وَّلَاُضِلَّنَّهُمْ وَلَاُمَنِّيَنَّهُمْ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُبَتِّكُنَّ اٰذَانَ الْاَنْعَامِ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ

اور اُن کو بہکاؤنگا اور اُن کو اُمیدیں دلاؤنگا اور اُنکو سکھلاؤنگا کہ چیریں جانوروں کے کان اور اُنکو سکھلاؤنگا کہ بدلیں صورتیں

خَلْقَ اللّٰهِ ۭ وَمَنْ يَّتَّخِذِ الشَّيْطٰنَ وَلِيًّا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا مُّبِيْنًا ﴿۱۱۹﴾ يَعِدُهُمْ

بنائی ہوئی اللہ کی ف۱۷۷ اور جو کوئی بناوے شیطان کو دوست اللہ کو چھوڑ کر تو وہ پڑا صریح نقصان میں اُنکو وعدہ دیتا ہے

وَيُمَنِّيْهِمْ ۭ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا ﴿۱۲۰﴾ اُولٰۗىِٕكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۡ وَلَا يَجِدُوْنَ عَنْهَا

اور اُنکو اُمیدیں دلاتا ہے اور جو کچھ وعدہ دیتا ہے اُنکو شیطان سو سب فریب ہے ایسوں کا ٹھکانا ہے دوزخ اور نہ پاویںگے وہاں سے کہیں

مَحِيْصًا ﴿۱۲۱﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ

بھاگنے کو جگہ ف۱۷۸ اور جو لوگ ایمان لائے اور عمل کئے اچھے اُنکو ہم داخل کریں گے باغوں میں کہ جن کے نیچے بہتی ہیں نہریں

خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ۭ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا ﴿۱۲۲﴾ لَيْسَ بِاَمَانِيِّكُمْ وَلَآ اَمَانِيِّ

رہا کریں اُن میں ہی ہمیشہ وعدہ ہے اللہ کا سچا اور اللہ سے سچا کون ہے ف۱۷۹ نہ تمہاری اُمیدوں پر مدار ہے اور نہ اہل

اَهْلِ الْكِتٰبِ ۭ مَنْ يَّعْمَلْ سُوْۗءًا يُّجْزَ بِهٖ ۙ وَلَا يَجِدْ لَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿۱۲۳﴾

کتاب کی اُمیدوں پر جو کوئی بُرا کام کریگا اُس کی سزا پاویگا اور نہ پاویگا اللہ کے سوا اپنا کوئی حمایتی اور نہ کوئی مددگار

(۱۷۷) یعنی جو لوگ میرے حصہ میں آئیں گے اُن کو طریق حق سے گمراہ کرونگا اور اُن کو حیات دنیوی اور خواہشات دنیوی کے حصول کی قیامت اور حساب و کتاب امور اُخروی کے نہ ہونے کی آرزو دلاؤں گا اور اس بات کی تعلیم دونگا کہ جانوروں کے کان چیر کر بتوں کے نام پر اُن کو چھوڑیں گے اور اللہ کی پیدا کی ہوئی صورتوں کو اور اُس کی مقرر کی ہوئی باتوں کو بدل ڈالیں گے **فائدہ** کافروں کا دستور تھا کہ گائے بکری اُونٹ کا بچہ بت کے نام کا کر دیتے اور اُس کا کان چیر کر یا اُس کے کان میں نشانی ڈال کر چھوڑ دیتے اور صورت بدلنا جیسے خوجہ کرنا یا بدن کو سوئی سے گود کر تل بنانا یا نیلا داغ دینا یا بچوں کے سر پر چوٹیاں رکھنی کسی کے نام کی۔ مسلمانوں کو ان کاموں سے بچنا ضرور ہے داڑھی منڈوانا بھی اسی تغیر میں داخل ہے اور اللہ

کے جتنے احکام ہیں کسی میں تغیر کرنا بہت سخت بات ہے جو چیز اُس نے حلال کر دی اس کو حرام کرنا یا حرام کو حلال کرنا اسلام سے نکال دیتا ہے تو جو کوئی اُن باتوں میں مبتلا ہو اُس کو یقین کر لینا چاہیئے کہ میں شیطان کے مقررہ حصہ میں داخل ہوں جس کا ذکر گذرا۔

(۱۷۸) یعنی جب شیطان کی خباثت و شرارت اور اُس کی عداوت کی کیفیت خوب معلوم ہو چکی تو اب اُس میں کچھ شک نہ رہا کہ اپنے سچے معبود سے منحرف ہو کر جو کوئی اُس کی موافقت کرے گا سخت نقصان میں پڑے گا اُس کے تمام وعدے اور اُمیدیں محض فریب ہیں نتیجہ یہ ہوگا کہ ان سب کا ٹھکانا دوزخ ہے اس سے نکلنے کی کوئی صورت نہ ہوگی۔

(۱۷۹) یعنی اور وہ لوگ جو شیطان کی خرابی سے محفوظ ہیں اور ارشاد خداوندی کے موافق ایمان لائے اور اچھے عمل کئے وہ ہمیشہ کے لئے باغ و بہار میں رہیں گے اور یہ اللہ کا وعدہ ہے جس سے سچی کسی کی بات نہیں ہو سکتی پھر ایسے سچے وعدہ کو چھوڑ کر شیطان کی جھوٹی باتوں میں آنا کس قدر گمراہی اور کتنی بڑی مضرت کو سر پر لینا ہے۔

وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا

اور جو کوئی کام کرے اچھے مرد ہو یا عورت اور وہ ایمان رکھتا ہو سو وہ لوگ داخل ہونگے جنت میں اور اُن کا

يُظْلَمُوْنَ نَقِيْرًا ﴿۱۲۴﴾ وَمَنْ اَحْسَنُ دِيْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ وَّاتَّبَعَ مِلَّةَ

حق ضائع نہ ہوگا تل بھر ۱۸۰ اور اس سے بہتر کس کا دین ہوگا جس نے پیشانی رکھی اللہ کے حکم پر اور نیک کاموں میں لگا ہوا ہو اور چلا دین

اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ۗ وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًا ﴿۱۲۵﴾ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ

ابراہیم پر جو ایک ہی طرف کا تھا اور اللہ نے بنا لیا ابراہیم کو خالص دوست ۱۸۱ اور اللہ ہی کا ہے جو کچھ ہے آسمانوں میں اور زمین میں

ع ۱۸ / ۱۵ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطًا ﴿۱۲۶﴾ وَيَسْتَفْتُوْنَكَ فِي النِّسَاۗءِ ۭ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِيْهِنَّ ۙ وَمَا

اور سب چیزیں اللہ کے قابو میں ہیں ۱۸۲ اور تجھ سے رخصت مانگتے ہیں عورتوں کے نکاح کی کہہ دے اللہ تم کو اجازت دیتا ہے اُن کی اور وہ

يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ فِيْ يَتٰمَى النِّسَاۗءِ الّٰتِيْ لَا تُؤْتُوْنَهُنَّ مَا كُتِبَ لَهُنَّ وَ

جو تم کو سُنایا جاتا ہے قرآن میں سو حکم ہے اُن یتیم عورتوں کا جن کو تم نہیں دیتے جو اُن کے لئے مقرر کیا ہے اور

تَرْغَبُوْنَ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الْوِلْدَانِ ۙ وَاَنْ تَقُوْمُوْا لِلْيَتٰمٰى بِالْقِسْطِ ۭ

چاہتے ہو کہ اُن کو نکاح میں لاؤ اور حکم ہے ناتوان لڑکوں کا اور یہ کہ قائم رہو یتیموں کے حق میں انصاف پر ۱۸۳

وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِهٖ عَلِيْمًا ﴿۱۲۷﴾

اور جو کروگے بھلائی سو وہ اللہ کو معلوم ہے ۱۸۴

(۱۸۰) **جنت اُمیدوں سے نہیں عمل سے ملیگی** کتاب والوں یعنی یہودیوں اور نصرانیوں کو خیال تھا کہ ہم خاص بندے ہیں جن گناہوں پر خلقت پکڑی جائے گی ہم نہ پکڑے جائیں گے ہمارے پیغمبر حمایت کر کے ہم کو بچا لیں گے اور نادان اہل اسلام بھی اپنے حق میں یہی خیال کر لیا کرتے ہیں سو فرما دیا کہ نجات اور ثواب کسی کی اُمید اور خیال پر موقوف اور منحصر نہیں جو بُرا کرے گا پکڑا جائیگا کوئی ہو اللہ کے عذاب کے وقت کسی کی حمایت کام نہیں آ سکتی اللہ جس کو پکڑے وہی چھوڑے تو چھوٹے دنیا کی مصیبت اور بیماری کو دھیان کر لو اور جو کوئی عمل

نیک کرے گا بشرطیکہ ایمان بھی رکھتا ہو سو ایسے لوگ جنت میں جائیں گے اور اپنی نیکیوں کا پورا ثواب پائیں گے۔ خلاصہ یہ کہ ثواب وعقاب کا تعلق اعمال سے ہے کسی کی اُمید اور آرزو سے کچھ نہیں ہوتا سو ان اُمیدوں پر لات مارو اور نیک کاموں میں ہمت کرو۔

(۱۸۱) **ملت ابراہیمی کا اتباع سب سے اچھا دین ہے** پہلے معلوم ہو چکا کہ اللہ کے نزدیک اعمال کا اعتبار ہے بیہودہ آرزو کا کوئی نتیجہ نہیں۔ اہل کتاب وغیرہ سب کے لئے یہی قاعدہ مقرر ہے جس میں اشارہ تھا اہل اسلام یعنی حضرات صحابہ کی تعریف اور فضیلت کی طرف اور اہل کتاب کی مذمت اور برائی کی طرف اب کھول کر فرماتے ہیں کہ دینداری میں ایسے شخص کا مقابلہ کون کر سکتا ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے حکم پر سر رکھے ہوئے ہو اور نیک کاموں میں دل سے لگا ہوا ہو اور حضرت ابراہیم علیہ السّلام کے دین کی سچی پیروی کرتا ہو جو سب کو چھوڑ کر اللہ کا ہو گیا تھا اور اُس کو اللہ نے اپنا دوست بنا لیا ظاہر ہے کہ یہ تینوں خوبی حضرات صحابہ میں علی وجہ الکمال موجود تھیں نہ اہل کتاب میں اب اس سے اہل کتاب کی وہ آرزو جو پہلے گذری لغو محض اور باطل ہو گئی۔

(۱۸۲) **اللہ کی ملکیت اور قدرت** یعنی زمین اور آسمان میں جو کچھ ہے سب اُس کے بندے اور اُس کی مخلوق اور مملوک ہیں اور اُس کے قبضہ میں ہیں اپنی رحمت اور حکمت سے جس کے ساتھ جیسا چاہے معاملہ کرے اُس کو کسی کی حاجت نہیں خلیل بنانے سے کوئی دھوکا نہ کھائے اور اہل عالم کے جملہ اعمال خیر و شر کی جزا اور سزا میں تردد نہ کرے۔

(۱۸۳) **یتیم لڑکیوں کے نکاح کا بیان** اس سورت کے اوّل میں تاکید فرمائی تھی یتیموں کے حق ادا کرنے کی اور فرمایا تھا کہ یتیم لڑکی جس کا والی مثلاً چچا کا بیٹا ہو اگر جانے کہ میں اُس کا حق پورا ادا نہ کر سکونگا تو خود اُس لڑکی سے نکاح نہ کرے بلکہ کسی اور سے اُس کا نکاح کر دے اور آپ اس کا حمایتی بنا رہے اس پر مسلمانوں نے ایسی عورتوں سے نکاح کرنا موقوف کر دیا تھا مگر تجربہ سے معلوم ہوا کہ بعضی جگہ لڑکی کے حق میں یہی بہتر ہے کہ اُس کا والی ہی اپنے نکاح میں لائے جیسی رعایت وہ کرے گا غیر نہ کرے گا تب مسلمانوں نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح کی اجازت مانگی اُس پر یہ آیت نازل ہوئی اور رخصت مل گئی، اور فرمایا کہ وہ جو پہلی ممانعت سنائی گئی تھی وہ خاص اُس صورت میں تھی
حق ادا کرنے کی تاکید کی گئی تھی اور جو یتیموں کے ساتھ سلوک اور بھلائی کرنے کے ارادہ سے ایسا نکاح کیا جائے تو اجازت ہے **فائدہ** عرب ۴
والے عورتوں بچوں یتیموں کو بعض حقوق میں محروم رکھتے تھے میراث نہ دیتے تھے اور کہتے تھے کہ میراث اس کا حق ہے جو دشمنوں سے لڑائی کرے یتیم لڑکیوں سے اُن کے اولیاء نکاح کر کے نفقہ اور مہر میں کمی اور اُن کے مال میں بیجا تصرف کرتے تھے چنانچہ اس سورت کے اوّل میں ان باتوں کی تاکیدات گذر چکیں اب اس موقع پر چند رکوع پہلے سے جو ارشاد چلا آرہا ہے اُس کا خلاصہ یہ ہے کہ واجب الاتباع حکم الٰہی ہے کسی کی عقل کسی کا دستور کسی کا حکم کسی کی آرزو اور قیاس قابل اعتبار نہیں ہو سکتا اللہ تعالیٰ کے حکم کے سامنے کسی کی بات سُننے اور اللہ کے حکم کو چھوڑ کر اس پر عمل کرنا صریح کفر اور گمراہی ہے اور اس مضمون کو طرح طرح سے تاکیدات بلیغہ کے ساتھ ظاہر کر کے دکھلایا ہے اب اُس کے بعد آیات سابقہ کا حوالہ دے کر بعضے اور مسائل عورتوں اور یتیم لڑکیوں کے نکاح کے متعلق بتلائے جاتے ہیں تاکہ ان تاکیدات کے بعد کسی کو عورتوں کے حقوق دینے میں کوئی بات باقی نہ رہے روایت ہے کہ جب عورتوں کے متعلق حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم میراث ظاہر فرمایا تو بعض عرب کے سردار آپ کی خدمت میں آئے اور تعجب سے کہا کہ ہم نے سنا ہے کہ آپ بہن اور بیٹی کو میراث دلواتے ہیں حالانکہ میراث تو ان کا حق ہے جو دشمنوں سے لڑیں اور غنیمت کا مال لائیں۔ آپ نے فرمایا کہ بیشک حق تعالیٰ کا یہی حکم ہے کہ اُن کو میراث دی جائے۔ نیز اشارہ ہے اس طرف کہ ارشاد وَمَنْ اَحْسَنُ دِیْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ کے مصداق حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین ہیں کہ نکاح مہر نفقہ معاملات میں اپنے زیردستوں کی ادنیٰ حق تلفی روا نہیں رکھتے اور حکم خداوندی کے مقابلہ میں اپنے منافع اور اغراض ذاتی اور اپنی قوم کے رسم ورواج کی اصلا پرواہ نہیں کرتے یہی حکم الٰہی کی مخالفت کے احتمال سے بھی پرہیز کرتے ہیں جو کرتے ہیں صاف

اجازت لینے کے بعد کرتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

(۱۸۴) یعنی اللہ تعالیٰ کو تمہاری ذرّہ ذرّہ بھلائی معلوم ہے سو یتیموں اور عورتوں کے حق میں جو بھلائی کرو گے اُسکا ثواب ضرور پاؤ گے

وَاِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ مِنْ بَعْلِهَا نُشُوْزًا اَوْ اِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يُّصْلِحَا

اور اگر کوئی عورت ڈرے اپنے خاوند کے لڑنے سے یا جی پھر جانے سے تو کچھ گناہ نہیں دونوں پر کہ کرلیں آپس میں

بَيْنَهُمَا صُلْحًا ۭ وَالصُّلْحُ خَيْرٌ ۭ وَاُحْضِرَتِ الْاَنْفُسُ الشُّحَّ ۭ وَاِنْ تُحْسِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ

کسی طرح صلح اور صلح خوب چیز ہے ف۱۸۵ اور دلوں کے سامنے موجود ہے حرص ف۱۸۶ اور اگر تم نیکی کرو اور پرہیزگاری کرو تو

اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿۱۲۸﴾ وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْٓا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَاۗءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ

اللہ کو تمہارے سب کاموں کی خبر ہے ف۱۸۷ اور تم ہرگز برابر نہ رکھ سکو گے عورتوں کو اگرچہ اس کی حرص کرو

فَلَا تَمِيْلُوْا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوْهَا كَالْمُعَلَّقَةِ ۭ وَاِنْ تُصْلِحُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا

سو بالکل پھر بھی نہ جاؤ کہ ڈال رکھو ایک عورت کو جیسے ادھر میں لٹکتی ف۱۸۸ اور اگر اصلاح کرتے رہو اور پرہیزگاری کرتے رہو تو اللہ بخشنے والا

رَّحِيْمًا ﴿۱۲۹﴾ وَاِنْ يَّتَفَرَّقَا يُغْنِ اللّٰهُ كُلًّا مِّنْ سَعَتِهٖ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ وَاسِعًا حَكِيْمًا ﴿۱۳۰﴾ وَلِلّٰهِ مَا فِي

مہربان ہے ف۱۸۹ اور اگر دونوں جُدا ہو جاویں تو اللہ ہر ایک کو بے پروا کر دیگا اپنی کشائش سے اور اللہ کشائش والا تدبیر جاننے والا ہے ف۱۹۰ اور اللہ کا ہی جو کچھ ہے

السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَلَقَدْ وَصَّيْنَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَاِيَّاكُمْ اَنِ اتَّقُوا

آسمانوں میں اور جو کچھ ہے زمین میں اور ہم نے حکم دیا ہے پہلے کتاب والوں کو اور تم کو کہ ڈرتے رہو

اللّٰهَ ۭ وَاِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَنِيًّا حَمِيْدًا ﴿۱۳۱﴾

اللہ سے اور اگر نہ مانو گے تو اللہ کا ہے جو کچھ ہے آسمانوں میں اور جو کچھ کہ ہے زمین میں اور اللہ ہے بے پروا سب خوبیوں والا۔

(۱۸۵) **زوجین کے درمیان صلح کا بیان** یعنی اگر کوئی عورت خاوند کا دل اپنے سے پھرا دیکھے اور اس کو خوش اور متوجہ کرنے کو اپنے مہر یا نفقہ وغیرہ میں سے کچھ چھوڑ کر اُس کو راضی کرے تو اس مصالحت میں کسی کے ذمہ کچھ گناہ نہیں زوجین میں مصالحت اور موافقت بہت ہی اچھی بات ہے البتہ بے وجہ عورت کو تنگ کرنا اور بلا رضا اُس کے مال میں تصرف کرنا گناہ ہے۔

(۱۸۶) یعنی اپنے نفع اور مال کی حرص اور بخیلی ہر ایک کے جی میں گھسی ہوئی ہے سو نظر بر مصلحت اگر عورت مرد کو کچھ نفع پہنچائیگی تو مرد خوش ہو جائیگا

(۱۸۷) یعنی اگر عورتوں کے ساتھ سلوک نیک کرو گے اور بدسلوکی اور لڑائی سے پرہیز رکھو گے تو اللہ تعالیٰ تو تمہاری سب باتوں سے خبردار ہے اُس نیکی کا ثواب ضرور عنایت کریگا ظاہر ہے کہ اس صورت میں نہ اعراض اور ناخوشی کی نوبت آئیگی اور نہ راضی کرنے اور اپنے کسی حق چھوڑنے کی ضرورت ہو گی۔

(۱۸۸) **بیویوں کے درمیان مساوات** یعنی اگر کئی عورتیں نکاح میں ہوں تو یہ تو تم سے نہ ہو سکیگا کہ محبت قلبی اور ہر ہر امر میں بالکل مساوات اور برابری رکھو مگر ایسا ظلم بھی نہ کرو کہ ایک کی طرف تو بالکل جُھک جاؤ اور دوسری کو درمیان میں لٹکتی رکھو نہ خوبی آرام سے رکھو نہ بالکل علیحدہ ہی کرو جو دوسرے سے نکاح کر سکے۔

(۱۸۹) یعنی اگر اصلاح اور مصالحت کا معاملہ کرو گے اور تعدی اور حق تلفی سے تا بمقدور بچتے رہو گے تو اُسکے بعد اللہ تعالیٰ معاف فرمانے والا ہے

(۱۹۰) **زوجین میں جدائی** یعنی اگر زوجین جدائی ہی کو پسند کریں اور طلاق کی نوبت آئے تو کچھ حرج نہیں اللہ تعالیٰ ہر ایک کا کارساز ہے اور سب کی حاجات کا پورا کرنے والا ہے۔ اس میں اشارہ ہے اس طرف کہ زوجہ کو راحت سے رکھے اور ایذا نہ دے اور اس پر قادر نہ ہو تو پھر طلاق دے دینا مناسب ہے واللہ اعلم۔

وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ۝۱۳۲ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ اَيُّھَا النَّاسُ

اور اللہ کا ہے جو کچھ ہے آسمانوں میں اور جو کچھ ہے زمین میں اور اللہ کافی ہے کارساز ف۱۹۱ اگر چاہے تو تم کو دور کردے اے لوگو

وَيَاْتِ بِاٰخَرِيْنَ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰي ذٰلِكَ قَدِيْرًا ۝۱۳۳ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ ثَوَابَ الدُّنْيَا فَعِنْدَ اللّٰهِ

اور لے آئے اور لوگوں کو اور اللہ کو یہ قدرت ہے ف۱۹۲ جو کوئی چاہتا ہو ثواب دنیا کا سو اللہ کے یہاں ہے

ع ۱۹ / ۱۷ ثَوَابُ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًۢا بَصِيْرًا ۝۱۳۴ يٰٓاَيُّھَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ

ثواب دنیا کا اور آخرت کا ف۱۹۳ اور اللہ سب کچھ سنتا دیکھتا ہے ف۱۹۴ اے ایمان والو قائم رہو

بِالْقِسْطِ شُهَدَاۗءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰٓي اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ ۚ اِنْ يَّكُنْ غَنِيًّا اَوْ فَقِيْرًا

انصاف پر گواہی دو اللہ کی طرف کی اگرچہ نقصان ہو تمہارا یا ماں باپ کا یا قرابت والوں کا ف۱۹۵ اگر کوئی مالدار ہے یا محتاج ہے

فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا ۣ فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰٓى اَنْ تَعْدِلُوْا ۚ وَاِنْ تَلْوٗٓا اَوْ تُعْرِضُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا

تو اللہ اُنکا خیرخواہ تم سے زیادہ ہے سو تم پیروی نہ کرو دل کی خواہش کی انصاف کرنے میں ف۱۹۶ اور اگر تم زبان ملو گے یا بچا جاؤ گے تو اللہ تمہارے سب

تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ۝۱۳۵ يٰٓاَيُّھَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْ نَزَّلَ عَلٰي رَسُوْلِهٖ

کاموں سے واقف ہے ف۱۹۷ اے ایمان والو یقین لاؤ اللہ پر اور اُسکے رسول پر اور اُس کتاب پر جو نازل کی ہے اپنے رسول پر

وَالْكِتٰبِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ۭ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰۗىِٕكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ

اور اُس کتاب پر جو نازل کی تھی پہلے اور جو کوئی یقین نہ رکھے اللہ پر اور اُسکے فرشتوں پر اور کتابوں پر اور رسولوں پر اور قیامت کے دن پر

فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًۢا بَعِيْدًا ۝۱۳۶

وہ بہک کر دور جا پڑا ف۱۹۸

(۱۹۱) اوپر سے ترغیب و ترہیب کا ذکر چلا آتا تھا یعنی حکم خداوندی کی اطاعت کرنا اور اس کی مخالفت سے بچنا سب کو ضرور ہے اُس کے ہوتے ہوئے کسی کی بات کی طرف کان رکھنا ہرگز جائز نہیں بیچ میں چند حکم یتیموں اور عورتوں کے متعلق جن میں لوگ مبتلا تھے بیان فرما کر پھر اسی ترغیب و ترہیب کا بیان ہے ان دونوں آیتوں کا خلاصہ یہ ہے کہ تم کو اور تم سے پہلوں کو سب کو یہ حکم سُنا دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور اس کی نافرمانی نہ کرو تو اب اگر کوئی اس کے حکم کو نہ مانے تو وہ سب چیزوں کا مالک ہے اُس کو کسی کی پروا نہیں یعنی اپنا ہی کچھ بگاڑیگا اُس کا کچھ نقصان نہیں اور فرمانبرداری کرو گے تو سمجھ لو کہ وہ تمام چیزوں کا مالک ہے۔ تمہارے سب کام بنا سکتا ہے۔ تین دفعہ فرمایا کہ اللہ کا ہے جو کچھ آسمان اور زمین میں ہے۔ اول سے کشائش اور وسعت مقصود ہے کہ اس کے یہاں کسی چیز کی کمی نہیں دوسری سے بے نیازی اور بے پروائی کا بیان مقصود ہے کہ اُسکو کسی کی پروا نہیں اگر تم منکر ہو۔ تیسری دفعہ میں رحمت اور کارسازی کا اظہار ہے بشرطیکہ تقویٰ کرو۔

(۱۹۲) **اللہ چاہے تو تمہاری جگہ دوسرے لوگ پیدا کر دے** یعنی اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے کہ تم سب کو فنا کر دے اور دنیا سے اٹھا لے اور دوسرے لوگ مطیع و فرمانبردار پیدا کر دے اس سے بھی حق تعالیٰ کا استغنا اور بے نیازی خوب ظاہر ہو گئی اور نافرمانوں کو پوری تہدید اور تخویف بھی ہو گئی۔

(۱۹۳) یعنی اگر اُس کی تابعداری کرو تو تم کو دنیا بھی دے اور آخرت بھی پھر صرف دنیا کے پیچھے پڑنا اور اُس کی نافرمانی کر کے آخرت سے محروم رہنا بڑی نادانی ہے۔

(۱۹۴) یعنی اللہ تعالیٰ تمہارے سب کام دیکھتا ہے اور سب باتیں سنتا ہے۔ جس کے طالب ہو گے وہی ملے گا۔

(۱۹۵) **سچی گواہی کی تاکید** یعنی گواہی سچی اور اللہ کے حکم کے موافق دینی چاہیئے اگرچہ اُس میں تمہارا یا تمہارے کسی عزیز قریب کا نقصان ہوتا ہو جو حق ہو اُس کو صاف ظاہر کر دینا چاہیئے دنیوی نفع کے لئے آخرت کا نقصان نہ لو۔

(۱۹۶) یعنی سچی گواہی دینے میں اپنی کسی نفسانی خواہش کی پیروی نہ کرو کہ مالدار کی رعایت کر کے یا محتاج پر ترس کھا کر سچ کو چھوڑ بیٹھو جو حق ہو سو کہو اللہ تعالیٰ تم سے زیادہ اُن کا خیرخواہ اور اُن کے مصالح سے واقف ہے اور اُس کے یہاں کس چیز کی کمی ہے۔

(۱۹۷) زبان ملنا یہ کہ سچی بات تو کہی مگر زبان داب کر اور پیچ سے کہ سننے والے کو شبہ پڑ جائے یعنی صاف صاف سچ نہ بولا اور بچا جانا یہ کہ پوری بات نہ کہی بلکہ کچھ بات کام کی رکھ لی سو ان دونوں صورتوں میں گو جھوٹ تو نہیں بولا مگر بوجہ عدم اظہار حق گنہگار ہو گا۔ گواہی سچی اور صاف اور پوری دینی چاہیئے۔

(۱۹۸) **ارکانِ ایمان** یعنی جو اسلام قبول کرے اُس کو ضرور ہے کہ اللہ تعالیٰ کے تمام حکموں پر دل سے یقین لائے اُس کے ارشادات میں سے اگر کسی ایک ارشاد پر بھی یقین نہ لائیگا تو وہ مسلمان نہیں صرف ظاہری اور زبانی بات کا اعتبار نہیں ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا ثُمَّ كَفَرُوا ثُمَّ آمَنُوا ثُمَّ كَفَرُوا ثُمَّ ازْدَادُوا كُفْرًا لَّمْ يَكُنِ اللَّهُ لِيَغْفِرَ

جو لوگ مسلمان ہوئے پھر کافر ہو گئے پھر مسلمان ہوئے پھر کافر ہو گئے پھر بڑھتے رہے کفر میں تو اللہ اُن کو ہرگز بخشنے والا

لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ سَبِيلًا ﴿۱۳۷﴾ بَشِّرِ الْمُنَافِقِينَ بِأَنَّ لَهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ﴿۱۳۸﴾ الَّذِينَ

نہیں اور نہ دکھلاوے اُن کو راہ ف۱۹۹ خوشخبری سنا دے منافقوں کو کہ اُن کے واسطے ہے عذاب دردناک وہ جو

يَتَّخِذُونَ الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِن دُونِ الْمُؤْمِنِينَ ۚ أَيَبْتَغُونَ عِندَهُمُ الْعِزَّةَ فَإِنَّ الْعِزَّةَ لِلَّهِ

بناتے ہیں کافروں کو اپنا رفیق مسلمانوں کو چھوڑ کر کیا ڈھونڈتے ہیں اُن کے پاس عزت سو عزت تو اللہ ہی کیواسطے

جَمِيعًا ﴿۱۳۹﴾ وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتَابِ أَنْ إِذَا سَمِعْتُمْ آيَاتِ اللَّهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَأُ بِهَا

ہے ساری ف۲۰۰ اور حکم اُتار چکا تم پر قرآن میں کہ جب سُنو اللہ کی آیتوں پر انکار ہوتے اور ہنسی ہوتے

فَلَا تَقْعُدُوا مَعَهُمْ حَتَّىٰ يَخُوضُوا فِي حَدِيثٍ غَيْرِهِ ۚ إِنَّكُمْ إِذًا مِّثْلُهُمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ جَامِعُ

تو نہ بیٹھو اُن کے ساتھ یہاں تک کہ مشغول ہوں کسی دوسری بات میں نہیں تو تم بھی اُنہی جیسے ہو گئے اللہ اکٹھا کرے گا

الْمُنَافِقِينَ وَالْكَافِرِينَ فِي جَهَنَّمَ جَمِيعًا ﴿۱۴۰﴾

منافقوں کو اور کافروں کو دوزخ میں ایک جگہ ف۲۰۱

(۱۹۹) **منافقین و یہود کی گمراہی** یعنی ظاہر میں تو مسلمان ہوئے اور دل میں مذبذب رہے اور آخر کو بے یقین لائے ہی مر گئے اُن کو نجات کا رستہ نہیں ملیگا وہ کافر ہیں۔ ظاہر کی مسلمانی کچھ کام نہ آئے گی۔ اس سے مُراد منافقین ہیں اور بعض فرماتے ہیں کہ یہ آیت یہودیوں کی شان میں ہے کہ اوّل ایمان لائے پھر گوسالہ کی عبادت کر کے کافر ہو گئے پھر توبہ کر کے مومن ہوئے پھر عیسٰی علیہ السلام سے منکر ہو کر کافر ہوئے اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا انکار کر کے کفر میں ترقی کر گئے۔

(۲۰۰) یعنی منافق لوگ جو مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست بناتے ہیں اُن کے لئے سخت عذاب ہے اور اُن کا یہ خیال کہ کافروں کے پاس بیٹھ کر ہم کو دنیا میں عزت ملیگی بالکل غلط ہے سب عزت اللہ تعالیٰ کے واسطے ہے جو اُس کی اطاعت کریگا اُس کو عزت ملیگی خلاصہ یہ ہوا کہ ایسے لوگ دنیا اور آخرت دونوں میں ذلیل و خوار رہیں گے۔

(۲۰۱) **اسلام کا مذاق اڑانے والوں کی مجالس میں نہ بیٹھو** یعنی اے مسلمانوں خدا تعالیٰ پہلے قرآن شریف میں تم پر حکم بھیج چکا ہے کہ جس مجلس میں احکام خداوندی کا انکار اور تمسخر کیا جاتا ہو وہاں ہر گز نہ بیٹھو ورنہ تم بھی ویسے ہی سمجھے جاؤ گے البتہ جس وقت دوسری باتوں میں مشغول ہوں تو اُس وقت اُن کے ساتھ بیٹھنے کی ممانعت نہیں۔ منافقوں کی مجالس میں آیات و احکام الٰہی پر انکار و استہزاء ہوتا تھا اُس پر یہ آیت نازل ہوئی اور یہ جو فرمایا کہ حکم اُتار چکا تم پر یہ اشارہ ہے آیت وَاِذَا رَاَيْتَ الَّذِيْنَ يَخُوْضُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ الیٰ آخرہ کی طرف جو پہلے نازل ہو چکی تھی۔ فائدہ اس سے معلوم ہو گیا کہ جو شخص مجلس میں اپنے دین پر طعنہ اور عیب سنے اور پھر اُنہی میں بیٹھا سنا کرے اگرچہ آپ کچھ نہ کہے وہ منافق ہے۔

الَّذِيْنَ يَتَرَبَّصُوْنَ بِكُمْ ۚ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ فَتْحٌ مِّنَ اللّٰهِ قَالُوْٓا اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ ۖ وَاِنْ كَانَ

وہ منافق جو تمہاری تاک میں ہیں پھر اگر تم کو فتح ملے اللہ کی طرف سے تو کہیں کیا ہم نہ تھے تمہارے ساتھ اور اگر

لِلْكٰفِرِيْنَ نَصِيْبٌ ۙ قَالُوْٓا اَلَمْ نَسْتَحْوِذْ عَلَيْكُمْ وَنَمْنَعْكُمْ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۭ فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ

نصیب ہو کافروں کو تو کہیں کیا ہم نے گھیر نہ لیا تھا تم کو اور بچا دیا تم کو مسلمانوں سے ف ۲۰۲ سو اللہ فیصلہ کریگا تم میں

يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَي الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا ۝۱۴۱ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ

قیامت کے دن اور ہر گز نہ دیگا اللہ کافروں کو مسلمانوں پر غلبہ کی راہ ف ۲۰۳ البتہ منافق دغا بازی کرتے ہیں

اللّٰهَ وَھُوَ خَادِعُھُمْ ۚ وَاِذَا قَامُوْٓا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى ۙ يُرَاۗءُوْنَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُوْنَ

اللہ سے اور وہی اُن کو دغا دیگا ف ۲۰۴ اور جب کھڑے ہوں نماز کو تو کھڑے ہوں ہاری جی سے لوگوں کے دکھانے کو اور یاد نہ کریں

اللّٰهَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝۱۴۲ۡ مُّذَبْذَبِيْنَ بَيْنَ ذٰلِكَ ڰ لَآ اِلٰى ھٰٓؤُلَاۗءِ وَلَآ اِلٰى ھٰٓؤُلَاۗءِ ۭ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ

اللہ کو مگر تھوڑا سا ف ۲۰۵ ادھر میں لٹکتے ہیں دونوں کے بیچ نہ ان کی طرف اور نہ اُن کی طرف اور جس کو گمراہ کرے اللہ

فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا ۝۱۴۳ يٰٓاَيُّھَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَاۗءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۭ

تو ہر گز نہ پاویگا تو اسکے واسطے کہیں راہ ف ۲۰۶ اے ایمان والو نہ بناؤ کافروں کو اپنا رفیق مسلمانوں کو چھوڑ کر

اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ۝۱۴۴

کیا لیا چاہتے ہو اپنے اوپر اللہ کا الزام صریح

(۲۰۲) یعنی یہ منافق وہ ہیں جو برابر تمہاری تاک اور انتظار میں لگے رہتے ہیں پھر اگر تمہاری فتح ہو تو تم سے کہتے ہیں کہ کیا ہم تمہارے ساتھی نہیں مال غنیمت میں ہم کو بھی شریک کرو اور اگر کافروں کو لڑائی میں کچھ حصہ مل گیا یعنی وہ غالب ہوئے تو ان سے کہتے ہیں کہ کیا ہم نے تم کو گھیر نہ لیا تھا اور تمہاری حفاظت نہیں کی اور ہم نے کیا تم کو مسلمانوں کے ضرر سے نہیں بچایا۔ لوٹ میں ہم کو بھی حصہ دو۔ فائدہ اس سے معلوم ہوا کہ دین حق پر ہو کر گمراہوں سے بھی بنائے رکھنا یہ بھی نفاق کی بات ہے۔

(۲۰۳) یعنی اللہ تعالیٰ تم میں اور اُن میں حکم فیصل فرما دیگا کہ تم کو جنت دیگا اور اُن کو جہنم میں ڈالے گا دنیا میں جو کچھ اُن سے ہو سکے کر دیکھیں مگر اہل ایمان کی بیخ کنی ہرگز نہ کر سکیں گے جو اُنکی دلی تمنا ہے۔

(۲۰۴) **منافقین کی علامات** یعنی دل سے کافر ہیں اور ظاہر میں مسلمان تاکہ دونوں طرف کی مضرت اور ایذا سے محفوظ رہیں اور دونوں سے فائدہ اُٹھاتے رہیں حق تعالیٰ نے اُن کی اس دغابازی کی یہ سزا دی کہ اُن کی تمام شرارتوں اور مخفی خباثتوں کو اپنے نبی پر ظاہر فرما کر ایسا ذلیل کیا کہ کسی قابل نہ رہے اور سب دغابازی مسلمانوں پر کھل گئی اور آخرت میں جو اس کی سزا ملیگی وہ بھی ظاہر فرما دی چنانچہ آیات آئندہ میں ذکر آتا ہے خلاصہ یہ کہ اُن کی دھوکہ بازی سے تو کچھ نہ ہوا اور اللہ نے اُن کو ایسا دھوکہ میں ڈالا کہ دنیا و آخرت دونوں غارت ہوئیں۔

(۲۰۵) یعنی نماز جو نہایت ضروری اور خالص عبادت ہے اور اس کے ادا کرنے میں جانی مالی کسی مضرت کا بھی اندیشہ نہیں منافق لوگ اُس سے بھی جان چُراتے ہیں مجبوری لوگوں کے دکھانے کو اور دھوکہ دینے کو پڑھ لیتے ہیں کہ اُن کے کفر کی کسی کو اطلاع نہ ہو اور مسلمان سمجھے جاویں پھر ایسوں سے اور کسی بات کی کیا توقع ہو سکتی ہے اور وہ کیسے مسلمان ہو سکتے ہیں۔

(۲۰۶) یعنی منافقین تو بالکل تردد اور حیرت میں گرفتار ہیں نہ اُن کو اسلام پر اطمینان ہے نہ کفر پر سخت پریشانی میں مبتلا ہیں کبھی ایک طرف جُھکتے ہیں کبھی دوسری طرف اور اللہ جس کو بھٹکانا اور گمراہ کرنا چاہے اس کو نجات کا راستہ کہاں مل سکتا ہے۔

إِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ ۚ وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِيْرًا ﴿١٤٥﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا

بیشک منافق ہیں سب سے نیچے درجہ میں دوزخ کے اور ہرگز نہ پاویگا تو اُن کے واسطے کوئی مددگار ف ۲۰۷ مگر جنہوں نے توبہ کی

وَاَصْلَحُوْا وَاعْتَصَمُوْا بِاللّٰهِ وَاَخْلَصُوْا دِيْنَهُمْ لِلّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۖ وَسَوْفَ

اور اپنی اصلاح کی اور مضبوط پکڑا اللہ کو اور خالص حکم بردار ہوئے اللہ کے سو وہ ہیں ایمان والوں کے ساتھ اور جلد

يُؤْتِ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿١٤٦﴾ مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ ۚ

دے گا اللہ ایمان والوں کو بڑا ثواب ف ۲۰۸ کیا کرے گا اللہ تم کو عذاب کر کے اگر تم حق کو مانو اور یقین رکھو

وَكَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا عَلِيْمًا ﴿١٤٧﴾

اور اللہ قدردان ہے سب کچھ جاننے والا ف ۲۰۹

(۲۰۷) **کافروں سے دوستی کی ممانعت** یعنی مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں سے دوستی کرنا دلیل ہے نفاق کی جیسا کہ منافقین کرتے ہیں سو تم اے مسلمانوں ایسا ہرگز مت کرنا ورنہ خداوند تعالیٰ کا صریح الزام اور پوری حجت تم پر قائم ہو جائے گی کہ تم بھی منافق ہو اور منافقوں کے لئے دوزخ کا سب سے نیچا طبقہ مقرر ہے اور کوئی اُن کا مددگار بھی نہیں ہو سکتا۔ اُس طبقہ سے اُن کو نکالے یا عذاب میں کچھ تخفیف کرا دے مسلمانوں کو ایسی بات سے دور رہنا چاہئے۔

(۲۰۸) **نفاق سے توبہ کرنے والے** یعنی جو منافق اپنے نفاق سے توبہ کرے اور اپنے اعمال کی درستی کرے اور اللہ کے پسندیدہ دین کو خوب مضبوط پکڑے اور اللہ پر توکل کرے اور ریا وغیرہ خرابیوں سے دین کو پاک وصاف رکھے تو وہ خالص مسلمان ہے دین و دنیا میں ایمان والوں کے ساتھ ہوگا اور ایمان والوں کو بڑا ثواب ملنے والا ہے اُن کے ساتھ اُن کو بھی ملے گا جنہوں نے نفاق سے سچی توبہ کی۔

(۲۰۹) یعنی اللہ تعالیٰ نیک کاموں کا قدردان ہے اور بندوں کی سب باتوں کو خوب جانتا ہے سو جو شخص اُس کے حکم کو ممنونیت اور شکر گذاری کے ساتھ تسلیم کرتا ہے اور اس پر یقین رکھتا ہے تو اللہ عادل رحیم کو ایسے شخص پر عذاب کرنے سے کوئی تعلق نہیں یعنی ایسے شخص کو ہرگز عذاب نہ دے گا وہ تو سرکش اور نافرمانوں کو عذاب دیتا ہے

لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا عَلِيْمًا ﴿۱۴۸﴾ اِنْ

اللہ کو پسند نہیں کسی کی بُری بات کا ظاہر کرنا مگر جس پر ظلم ہوا ہو اور اللہ ہے سننے والا جاننے والا ف۲۱۰ اگر تم

تُبْدُوْا خَيْرًا اَوْ تُخْفُوْهُ اَوْ تَعْفُوْا عَنْ سُوْٓءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا قَدِيْرًا ﴿۱۴۹﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ

کھول کر کرو کوئی بھلائی یا اسکو چھپاؤ یا معاف کرو بُرائی کو تو اللہ بھی معاف کرنے والا بڑی قدرت والا ہے ف۲۱۱ جو لوگ

يَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّفَرِّقُوْا بَيْنَ اللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ

منکر ہیں اللہ سے اور اسکے رسولوں سے اور چاہتے ہیں کہ فرق نکالیں اللہ میں اور اسکے رسولوں میں اور کہتے ہیں ہم مانتے ہیں

بِبَعْضٍ وَّنَكْفُرُ بِبَعْضٍ ۙ وَّيُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَّخِذُوْا بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا ﴿۱۵۰﴾ اُولٰٓئِكَ هُمُ

بعضوں کو اور نہیں مانتے بعضوں کو اور چاہتے ہیں کہ نکالیں اس کے بیچ میں ایک راہ ایسے لوگ وہی ہیں

الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا ۚ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ﴿۱۵۱﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَلَمْ

اصل کافر اور ہم نے تیار کر رکھا ہے کافروں کے واسطے ذلت کا عذاب ف۲۱۲ اور جو لوگ ایمان لائے اللہ پر اور اسکے رسولوں پر اور جُدا

۲۱ ع ۱

يُفَرِّقُوْا بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ اُولٰٓئِكَ سَوْفَ يُؤْتِيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۱۵۲﴾

نہ کیا اُن میں سے کسی کو اُن کو جلد دیگا اُنکے ثواب اور اللہ ہے بخشنے والا مہربان ف۲۱۳

(۲۱۰) **کسی کی بُرائی مشہور نہ کرو** یعنی اگر کسی میں دین یا دنیا کا عیب معلوم ہو تو اس کو مشہور نہ کرنا چاہیئے خدا تعالیٰ سب کی بات سنتا ہے اور سب کے کام کو جانتا ہے ہر ایک کو اس کے موافق جزا دے گا اسی کو غیبت کہتے ہیں البتہ مظلوم کو رخصت ہے کہ ظالم کا ظلم لوگوں سے بیان کرے ایسے ہی بعضی اور صورتوں میں بھی غیبت روا ہے اور یہ حکم یہاں شاید اس لئے فرمایا کہ مسلمان کو چاہیئے کہ کسی منافق کا نام مشہور نہ کرے اور علی الاعلان اُس کو بدنام نہ کرے اس میں وہ بگڑ کر شاید بیباک ہو جائے بلکہ مبہم نصیحت کرے منافق آپ سمجھ لے گا یا تنہائی میں نصیحت کرے اس طرح شاید ہدایت قبول کرلے چنانچہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی ایسا ہی کرتے تھے کسی کا نام لے کر مشہور نہیں فرماتے تھے۔

(۲۱۱) **بُرائی کو معاف کرنا بہتر ہے** اس آیت میں مظلوم کو معافی کی رغبت دلانی منظور ہے کہ حق تعالیٰ زبردست اور قدرت والا ہو کر خطا والوں کی خطا بخشتا ہے بندۂ زیردست عاجز کو بطریق اولیٰ دوسروں کا قصور معاف کر دینا چاہیئے۔ خلاصہ یہ ہوا کہ مظلوم کو ظالم سے بدلا لینا جائز ہے مگر افضل یہ ہے کہ صبر کرے اور بخش دے۔ آیت میں اشارہ ہے اس طرف کہ منافقوں کی اصلاح چاہتے ہو تو اُن کی ایذا اور شرارت پر صبر کرو اور نرمی اور پردہ سے اُن کو سمجھاؤ ظاہر کی طعن اور لعن سے بچو اور کھلا مخالف مت بناؤ۔

(۲۱۲) **یہودی اصل کافر ہیں** یہاں سے ذکر ہے یہود کا۔ چونکہ یہود میں نفاق کا مضمون بہت تھا اور آپ کے زمانہ میں جو منافق تھے وہ یہود تھے یا یہودیوں سے ربط اور محبت رکھنے والے اور اُن کے مشورہ پر چلنے والے تھے اس لئے قرآن شریف میں اکثر ان دونوں فریق کا ذکر اکٹھا فرمایا ہے۔ آیت کا خلاصہ یہ ہے کہ جو لوگ اللہ سے اور اُس کے رسولوں سے منکر ہیں اور اللہ اور اُس کے رسولوں میں فرق کرنا چاہتے ہیں یعنی اللہ پر ایمان لاتے اور رسولوں پر ایمان نہیں لاتے یا بعض رسولوں کو تو مانتے ہیں اور بعض کو نہیں مانتے۔ اور مطلب یہ ہے کہ اسلام اور کفر کے بیچ میں ایک نیا مذہب اپنے لئے نکالیں ایسے ہی لوگ اصل اور ٹھیٹ کافر ہیں اُن کے لئے خواری اور ذلت کا عذاب تیار ہے۔ **فائدہ** اللہ کا ماننا جبھی معتبر ہے کہ اپنے زمانہ کے پیغمبر کی تصدیق کرے اور اُس کا حکم مانے بدون تصدیق نبی کے

اللہ کا ماننا غلط ہے اس کا اعتبار نہیں بلکہ ایک نبی کی تکذیب اللہ کی اور تمام رسولوں کی تکذیب سمجھی جاتی ہے یہود نے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کی تو حق تعالیٰ کی اور تمام انبیاء کی تکذیب کرنے والے قرار دیے گئے اور کٹر کافر سمجھے گئے۔

(۲۱۳) **جو تمام انبیاء کو مانتے ہیں انکا انعام** | یعنی اور جن لوگوں نے کسی نبی کو جدا نہیں کیا بلکہ ایمان لائے اللہ پر اور اس کے سب رسولوں پر اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے اُن کو بڑے ثواب عطا فرمائیگا اس سے مراد مسلمان ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور سب پر ایمان لائے۔

يَسْـَٔلُكَ أَهْلُ الْكِتٰبِ أَنْ تُنَزِّلَ عَلَيْهِمْ كِتٰبًا مِّنَ السَّمَآءِ فَقَدْ سَاَلُوْا مُوْسٰٓى أَكْبَرَ مِنْ ذٰلِكَ

تجھ سے درخواست کرتے ہیں اہل کتاب کہ تو اُن پر اُتار لاوے لکھی ہوئی کتاب آسمان سے سو مانگ چکے ہیں موسیٰ سے اس سے بھی بڑی چیز

فَقَالُوْٓا أَرِنَا اللّٰهَ جَهْرَةً فَأَخَذَتْهُمُ الصّٰعِقَةُ بِظُلْمِهِمْ ۚ ثُمَّ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا

اور کہا ہم کو دکھلا دے اللہ کو بالکل سامنے سو آ پڑی اُن پر بجلی اُنکے گناہ کے باعث پھر بنا لیا بچھڑے کو بہت کچھ

جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ فَعَفَوْنَا عَنْ ذٰلِكَ ۚ وَاٰتَيْنَا مُوْسٰى سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ﴿۱۵۳﴾ وَرَفَعْنَا فَوْقَهُمُ

نشانیاں پہنچ چکنے کے بعد پھر ہم نے وہ بھی معاف کیا ف۲۱۴ اور دیا ہم نے موسیٰ کو غلبہ صریح ف۲۱۵ اور ہم نے اُٹھایا اُن پر

الطُّوْرَ بِمِيْثَاقِهِمْ وَقُلْنَا لَهُمُ ادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّقُلْنَا لَهُمْ لَا تَعْدُوْا فِي السَّبْتِ وَأَخَذْنَا

پہاڑ قرار لینے کے واسطے ف۲۱۶ اور ہم نے کہا داخل ہو دروازہ میں سجدہ کرتے ہوئے ف۲۱۷ اور ہم نے کہا کہ زیادتی مت کرو ہفتہ کے دن میں اور ہم نے اُن

مِنْهُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ﴿۱۵۴﴾ فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ وَكُفْرِهِمْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَقَتْلِهِمُ الْأَنْۢبِيَآءَ

سے لیا قول مضبوط ف۲۱۸ اُن کو جو سزا ملی سو اُن کی عہد شکنی پر اور منکر ہونے پر اللہ کی آیتوں سے اور خون کرنے پر پیغمبروں کا

بِغَيْرِ حَقٍّ وَّقَوْلِهِمْ قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ۚ بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ إِلَّا قَلِيْلًا ﴿۱۵۵﴾

ناحق اور اس کہنے پر کہ ہمارے دل پر غلاف ہے سو یہ نہیں بلکہ اللہ نے مہر کر دی انکے دل پر کفر کے سبب سو ایمان نہیں لاتے مگر کم ف۲۱۹

وَّبِكُفْرِهِمْ وَقَوْلِهِمْ عَلٰى مَرْيَمَ بُهْتَانًا عَظِيْمًا ﴿۱۵۶﴾

اور اُن کے کفر پر اور مریم پر بڑا طوفان باندھنے پر

(۲۱۴) **یہودیوں کا گستاخانہ مطالبہ** | یہودیوں کے چند سردار آپ کی خدمت میں آئے اور کہا کہ اگر تم سچے پیغمبر ہو تو ایک کتاب لکھی لکھائی یکبارگی آسمان سے لادو جیسے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام توریت لائے تھے اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور اس تمام رکوع میں الزامات کو اُن کے جواب میں ذکر فرمایا ہے۔ اس کے بعد تحقیقی جواب دیا ہے۔ مطلب آیت کا یہ ہے کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم یہودی جو تم سے عناداً ایسی کتاب طلب کرتے ہیں اُن کی یہ بیباکی اور سرکشی تعجب کی بات نہیں اُن کے بزرگوں نے تو اس سے بھی بڑی اور سخت بات اپنے نبی موسیٰ علیہ السلام سے طلب کی تھی کہ خداوند تعالیٰ کو آشکارا ہم کو دکھا دو ورنہ ہم تمہارا یقین نہ کریں گے جیسا کہ سورہ بقرہ میں گذرا اُس پر یہ ہوا کہ اُن کہنے والوں پر بجلی آپڑی اور سب مر گئے پھر حق تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا سے اُن کو زندہ کر دیا۔ ایسی عظیم الشان نشانیاں دیکھ کر پھر یہ کیا کہ بچھڑے کو پوجنے لگے بالآخر حق تعالیٰ نے اُس سے بھی درگذر فرمائی سورہ بقرہ میں کسی قدر تفصیل سے مذکور ہو چکا ہے۔

(۲۱۵) غلبہ یہ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اُس بچھڑے کو تو ذبح کر کے آگ میں جلا دیا اور اس کی راکھ ہوا میں دریا پر اُڑا دی اور ستر ہزار آدمی بچھڑے کو سجدہ کرنے والے قتل کیے گئے۔

(۲۱۶) **رفع طور** یعنی جب یہود نے کہا تھا کہ توریت کے حکم سخت ہیں ہم نہیں مانتے تو اس وقت کوہ طور کو زمین سے اٹھا کر اُن کے سروں پر معلق قائم کر دیا تھا کہ ان حکموں کو قبول کرو اور مضبوطی سے پکڑو ورنہ پہاڑ ڈالا جاتا ہے۔

(۲۱۷) **یہود کی نافرمانیاں** یہود کو حکم ہوا تھا کہ شہر میں داخل ہو سجدہ کر کے اور سر جھکائے ہوئے انہوں نے سجدہ کے بدلے سُرین پر سرکنا اور پھسلنا شروع کیا۔ جب شہر میں پہنچے تو اُن پر طاعون پڑا دو پہر میں قریب ستر ہزار کے مر گئے۔

(۲۱۸) **حرمتِ سبت** یہودیوں کو حکم تھا کہ ہفتہ کے دن مچھلی کا شکار نہ کریں اور سب دنوں سے زیادہ ہفتہ ہی کے دن مچھلیاں دریا میں بکثرت نظر آتیں یہودیوں نے یہ حیلہ کیا کہ دریا کے پاس حوض بنائے ہفتہ کے دن جب مچھلیاں دریا سے حوضوں میں آتیں تو اُن کو بند کر رکھتے پھر دوسرے دن حوضوں میں سے شکار کرتے اس فریب اور عہد شکنی پر اللہ تعالیٰ نے اُن کو بندر کر دیا جو جانوروں میں بہت خسیس اور مکار ہے۔

(۲۱۹) **یہودیوں کے دلوں پر مُہر ہے** یعنی یہود نے اُس عہد کو توڑ دیا تو حق تعالیٰ نے اُن کی اس عہد شکنی پر اور آیات الٰہی سے منکر ہونے پر
۴ اور اُن کے اس کہنے پر کہ ہمارے دل تو غلاف میں ہیں اُن پر سخت سخت عذاب مسلط فرمائے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودیوں کو ہدایت کی تو کہنے لگے ہمارے دل پردہ میں ہیں تمہاری بات وہاں تک پہنچ نہیں سکتی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ بات نہیں بلکہ کفر کے سبب اُن کے دلوں پر اللہ نے مہر لگا دی ہے جس کے باعث اُن کو ایمان نصیب نہیں ہو سکتا مگر تھوڑے لوگ اس سے مستثنیٰ ہیں جیسے حضرت عبد اللہ بن سلامؓ اور اُن کے ساتھی۔

وَّقَوْلِهِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ۚ وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ

اور اُنکے اس کہنے پر کہ ہم نے قتل کیا مسیح عیسیٰ مریم کے بیٹے کو جو رسول تھا اللہ کا ف ۲۲۰ اور انہوں نے نہ اُسکو مارا اور نہ سولی پر چڑھایا و لیکن وہی

شُبِّهَ لَهُمْ ۭ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ ۭ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا

صورت بن گئی اُنکے آگے اور جو لوگ اس میں مختلف باتیں کرتے ہیں تو وہ لوگ اس جگہ شبہ میں پڑے ہوئے ہیں کچھ نہیں اُن کو اس کی خبر صرف

اتِّبَاعَ الظَّنِّ ۚ وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًۢا (۱۵۷) بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا (۱۵۸)

اٹکل پر چل رہے ہیں اور اُس کو قتل نہیں کیا بیشک بلکہ اُس کو اُٹھا لیا اللہ نے اپنی طرف اور اللہ ہے زبردست حکمت والا ف ۲۲۱

وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكُوْنُ عَلَيْهِمْ

اور جتنے فرقے ہیں اہل کتاب کے سو عیسیٰ پر یقین لاویں گے اُس کی موت سے پہلے اور قیامت کے دن ہوگا اُن پر

شَهِيْدًا (۱۵۹) فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبٰتٍ اُحِلَّتْ لَهُمْ وَبِصَدِّهِمْ

گواہ ف ۲۲۲ سو یہود کے گناہوں کی وجہ سے ہم نے حرام کیں اُن پر بہت سی پاک چیزیں جو اُن پر حلال تھیں اور اس وجہ سے کہ

عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَثِيْرًا (۱۶۰)

روکتے تھے اللہ کی راہ سے بہت

(۲۲۰) یعنی اور نیز اس وجہ سے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے منکر ہو کر دوسرا کفر کمایا اور حضرت مریم پر طوفان عظیم باندھا اور ان کے اس قول پر کہ فخر سے کہتے تھے، ہم نے مار ڈالا عیسیٰ مریم کے بیٹے کو جو رسول اللہ تھا ان تمام وجوہ سے یہود پر عذاب اور مصیبتیں نازل ہوئیں۔

(۲۲۱) **حضرت عیسیٰؑ کو پھانسی نہیں دی گئی** اللہ تعالیٰ اُن کے قول کی تکذیب فرماتا ہے کہ یہودیوں نے نہ عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کیا نہ سولی

پر چڑھا لیا یہود جو مختلف باتیں اس بارہ میں کہتے ہیں اپنی اپنی اٹکل سے کہتے ہیں اللہ نے اُن کو شبہ میں ڈال دیا۔ خبر کسی کو بھی نہیں۔

حضرت عیسیٰؑ آسمان پر اٹھائے گئے واقعی بات یہ ہے اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کو آسمان پر اُٹھا لیا۔ اور اللہ تعالیٰ سب چیز پر قادر ہے اور اُس کے ہر کام میں حکمت ہے قصّہ یہ ہوا کہ جب یہودیوں نے حضرت مسیحؑ کے قتل کا عزم کیا تو پہلے ایک آدمی اُن کے گھر میں داخل ہوا حق تعالیٰ نے اُن کو تو آسمان پر اُٹھا لیا اور اُس شخص کی صورت حضرت مسیح علیہ السلام کی صورت کے مشابہ کر دی جب باقی لوگ گھر میں گھُسے تو اس کو مسیح سمجھ کر قتل کر دیا پھر خیال آیا تو کہنے لگے کہ اس کا چہرہ تو مسیح کے چہرہ کے مشابہ ہے اور باقی بدن ہمارے ساتھی کا معلوم ہوتا ہے کسی نے کہا کہ یہ مقتول مسیح ہے تو ہمارا آدمی کہاں گیا اور ہمارا آدمی ہے تو مسیح کہاں ہے اب صرف اٹکل سے کسی نے کچھ کہا کسی نے کچھ کہا علم کسی کو بھی نہیں حق یہی ہے کہ حضرت عیسیٰؑ ہرگز مقتول نہیں ہوئے بلکہ آسمان پر اللہ نے اُٹھا لیا اور یہود کو شبہ میں ڈال دیا۔

(۲۲۲) **حضرت عیسیٰؑ زندہ ہیں** حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندہ موجود ہیں آسمان پر۔ جب دجّال پیدا ہو گا تب اس جہان میں تشریف لا کر اُسے قتل کریں گے اور یہود اور نصاریٰ اُن پر ایمان لائیں گے کہ بے شک عیسیٰؑ زندہ ہیں مرے نہ تھے اور قیامت کے دن حضرت عیسیٰ علیہ السلام اُن کے حالات اور اعمال کو ظاہر کریں گے کہ یہود نے میری تکذیب اور مخالفت کی اور نصاریٰ نے مجھ کو خدا کا بیٹا کہا۔

وَّاَخْذِهِمُ الرِّبٰوا وَقَدْ نُهُوْا عَنْهُ وَاَكْلِهِمْ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ ؕ وَاَعْتَدْنَا

اور اس وجہ سے کہ سود لیتے تھے اور اُن کو اس کی ممانعت ہو چکی تھی اور اس وجہ سے کہ لوگوں کا مال کھاتے تھے ناحق اور تیار کر رکھا ہے ہم نے

لِلْكٰفِرِيْنَ مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۱۶۱﴾ لٰكِنِ الرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ مِنْهُمْ وَالْمُؤْمِنُوْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ

کافروں کے واسطے جو اُن میں ہیں عذاب دردناک ف ۲۲۳ لیکن جو پختہ ہیں علم میں اُن میں اور ایمان والے سو مانتے ہیں اُس کو جو

اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَالْمُقِيْمِيْنَ الصَّلٰوةَ وَالْمُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالْمُؤْمِنُوْنَ

نازل ہوا تجھ پر اور جو نازل ہوا تجھ سے پہلے اور آفریں ہے نماز پر قائم رہنے والوں کو اور جو دینے والے ہیں زکوٰۃ کے اور یقین رکھنے والے ہیں

۲۲ ع ۴ ۲ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ اُولٰٓئِكَ سَنُؤْتِيْهِمْ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۱۶۲﴾ ع اِنَّآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ كَمَآ اَوْحَيْنَآ

اللہ پر اور قیامت کے دن پر سو ایسوں کو ہم دیں گے ثواب بڑا ف ۲۲۴ ہم نے وحی بھیجی تیری طرف ف ۲۲۵ جیسے وحی بھیجی

اِلٰى نُوْحٍ وَّالنَّبِيّٖنَ مِنْۢ بَعْدِهٖ ۚ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَ

نوح پر اور اُن نبیوں پر جو اُس کے بعد ہوئے ف ۲۲۶ اور وحی بھیجی ابراہیم پر اور اسمٰعیل پر اور اسحٰق پر اور یعقوب پر اور

الْاَسْبَاطِ وَعِيْسٰى وَاَيُّوْبَ وَيُوْنُسَ وَهٰرُوْنَ وَسُلَيْمٰنَ ۚ وَاٰتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا ﴿۱۶۳﴾

اُس کی اولاد پر اور عیسیٰ پر اور ایوب پر اور یونس پر اور ہارون پر اور سلیمان پر اور ہم نے دی داؤد کو زبور

(۲۲۳) **شریعت موسوی کی سختی کی وجہ** یہود کی اگلی پچھلی سخت سخت شرارتیں ذکر فرما کر جس سے اُن کی سرکشی اور اُن کا گناہوں پر دلیر ہونا ظاہر ہو گیا اب فرماتے ہیں کہ اسی واسطے ہم نے ان پر شریعت بھی سخت رکھی کہ اُن کی سرکشی ٹوٹے تو اب یہ شبہ نہ رہا کہ تحریم طیبات تو اُن پر توریت میں کی گئی تھی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے مخالفت کرنا اور حضرت مریم علیہا السلام پر تہمت لگانا نزول توریت کے بہت بعد میں ہوا تو سزا جرم سے مقدم کیسے ہو گئی۔ اس تمام رکوع کا خلاصہ یہ ہوا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ سے اہل کتاب برابر ایک سے ایک زائد شرارت اور نافرمانی اور عہد شکنی اور حضرات انبیاء کو ایذا رسانی کرتے چلے آئے ہیں اب اگر اے محمد رسول اللہ تم سے عناداً توریت جیسی

کتاب دفعتہً واحدۃً طلب کریں اور قرآن شریف جو سب کتابوں سے افضل ہے اُس پر کفایت نہ کریں تو ان متعصب نالائقوں سے کیا مستبعد ہے ان کی اس قسم کی ناشائستہ حرکات سے تعجب مت کرو اور متحیر نہ ہو ان کی تمام حرکات چھوٹی بڑی اگلی پچھلی ہم کو خوب معلوم ہیں ہم نے بھی شریعت سخت اُن کے لئے دنیا میں رکھی اور آخرت میں عذاب شدید ان کے واسطے تیار کر رکھا ہے۔

(۲۲۴) **یہود مومنین کا تذکرہ** یعنی بنی اسرائیل میں جن کا علم مضبوط ہے جیسے عبداللہ بن سلامؓ اور اُن کے ساتھی اور جو لوگ کہ صاحب ایمان ہیں وہ مانتے ہیں قرآن اور توریت و انجیل سب کو اور نماز کو قائم رکھنے والوں کا تو کیا کہنا ہے اور دینے والے زکوٰۃ کے اور ایمان رکھنے والے اللہ پر اور قیامت پر ایسے لوگوں کو ہم دیں گے بڑا ثواب بخلاف اول فریق کے کہ اُن کے لئے عذاب سخت موجود ہے۔

(۲۲۵) **وحی کی عظمت واہمیت** اہل کتاب اور مشرکین مکہ جملہ کفار قرآن مجید کی حقانیت اور صداقت میں طرح طرح سے بیہودہ شبہ پیدا کرتے دیکھئے اس موقع میں یہی کہہ دیا کہ جیسے توریت سب کی سب ایک دفعہ اُتری تھی ایسے ہی تم بھی ایک کتاب آسمان سے لادو تو ہم تم کو سچا جانیں بقول شخصے خوئے بدرا بہانہ بسیار سو حق تعالیٰ نے اس جگہ چند آیتیں نازل فرما کر اُس کی حقیقت واضح کردی اور وحی کی عظمت اور کفار کے سب خیالات اور شبہات بیہودہ کو رد کر دیا اور وحی الٰہی کی متابعت کو عامۃً اور قرآن مجید کی اطاعت کو تخصیص کے ساتھ بیان فرما کر بتلا دیا کہ حکم الٰہی کا ماننا سب پر فرض ہے۔ کسی کا کوئی عذر اس میں نہیں چل سکتا جو اُس کے تسلیم کرنے میں تردد یا تامل یا انکار کرے وہ گمراہ اور بے دین ہے اب یہاں سے تحقیقی جواب دیا جاتا ہے۔

(۲۲۶) **انبیائے سابقین اور انکا پیغام** اس سے معلوم ہوگیا کہ وحی خاص اللہ کا حکم اور اُس کا پیام ہے جو پیغمبروں پر بھیجا جاتا ہے اور انبیائے سابقین پر جیسے وحی الٰہی نازل ہوئی ویسے ہی حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ تعالیٰ نے اپنی وحی بھیجی تو جس نے اُس کو مانا اس کو بھی ضرور ماننا چاہئے اور جس نے اُس کا انکار کیا گویا اُن سب کا منکر ہوگیا اور حضرت نوحؑ اور اُن سے پچھلوں کے ساتھ مشابہت کی وجہ شاید یہ ہے کہ حضرت آدمؑ کے وقت سے جو وحی شروع ہوئی تو اس وقت بالکل ابتدائی حالت تھی۔ حضرت نوح علیہ السلام پر اُس کی تکمیل ہوگئی گویا اوّل حالت محض تعلیمی حالت تھی حضرت نوحؑ کے زمانہ میں وہ حالت پوری ہو کر اس قابل ہوگئی کہ اُن کا امتحان لیا جائے اور فرمانبرداروں کو انعام اور نافرمانوں کو سزا دیجائے چنانچہ انبیائے اولوالعزم کا سلسلہ بھی حضرت نوح علیہ السلام سے ہی شروع ہوا اور وحی الٰہی سے سرتابی کرنیوالوں پر بھی اول عذاب حضرت نوحؑ کے وقت سے شروع ہوا۔ خلاصہ یہ کہ پہلے حکم الٰہی اور انبیاء کی مخالفت پر عذاب نازل نہیں ہوتا تھا بلکہ اُن کو معذور سمجھ کر اُن کو ڈھیل دی جاتی تھی اور سمجھانے ہی میں کوشش کی جاتی تھی حضرت نوح علیہ السلام کے زمانہ میں جب مذہبی تعلیم خوب ظاہر ہو چکی اور لوگوں کو حکم خداوندی کی متابعت کرنے میں کوئی خفا باقی نہ رہا تو اب نافرمانوں پر عذاب نازل ہوا۔ اول حضرت نوح علیہ السلام کے زمانہ میں طوفان آیا اس کے بعد حضرت ہود حضرت صالح حضرت شعیب علیہم السلام وغیرہ کے زمانہ میں کا فروں پر قسم قسم کے عذاب آئے تو آپ کی وحی کو حضرت نوحؑ اور اُن سے پچھلوں کی وحی کے ساتھ تشبیہ دینے میں اہل کتاب اور مشرکین مکہ کو پوری تنبیہ کردی گئی کہ جو آپ کی وحی یعنی قرآن کو نہ مانے گا وہ عذاب عظیم کا مستحق ہوگا۔

وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنٰهُمْ عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ وَرُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ ؕ وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى

اور بھیجے ایسے رسول کہ جن کا احوال ہم نے سنایا تجھ کو اُس سے پہلے اور ایسے رسول جن کا احوال نہیں سُنایا تجھ کو اور باتیں کیں اللہ نے موسیٰ سے

تَكْلِيْمًا ﴿۱۶۴﴾ رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌ ۢ بَعْدَ الرُّسُلِ ؕ وَ

بول کر ۲۲۷ بھیجے پیغمبر خوشخبری اور ڈر سنانے والے تاکہ باقی نہ رہے لوگوں کو اللہ پر الزام کا موقع رسولوں کے بعد اور

كَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿۱۶۵﴾ لٰكِنِ اللّٰهُ يَشْهَدُ بِمَآ اَنْزَلَ اِلَيْكَ اَنْزَلَهٗ بِعِلْمِهٖ ۚ وَالْمَلٰٓئِكَةُ

اللہ زبردست ہے حکمت والا ف ۲۲۸ لیکن اللہ شاہد ہے اس پر جو تجھ پر نازل کیا کہ یہ نازل کیا ہے اپنے علم کے ساتھ اور فرشتے بھی

يَشْهَدُوْنَ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ﴿۱۶۶﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ قَدْ ضَلُّوْا

گواہ ہیں اور اللہ کافی ہے حق ظاہر کرنیوالا ف ۲۲۹ جو لوگ کافر ہوئے اور روکا اللہ کی راہ سے وہ بہک کر

ضَلٰلًۢا بَعِيْدًا ﴿۱۶۷﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَظَلَمُوْا لَمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ

دور جا پڑے جو لوگ کافر ہوئے اور حق دبا رکھا ہرگز اللہ بخشنے والا نہیں اُن کو اور نہ دکھلاوے گا اُن کو

طَرِيْقًا ﴿۱۶۸﴾ اِلَّا طَرِيْقَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ﴿۱۶۹﴾ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ

سیدھی راہ مگر راہ دوزخ کی رہا کریں اُس میں ہمیشہ اور یہ اللہ پر آسان ہے ف ۲۳۰ اے لوگو

قَدْ جَاۗءَكُمُ الرَّسُوْلُ بِالْحَقِّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَاٰمِنُوْا خَيْرًا لَّكُمْ ۭ وَاِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي

تمہارے پاس رسول آچکا ٹھیک بات لیکر تمہارے رب کی سو مان لو تاکہ بھلا ہو تمہارا اور اگر نہ مانوگے تو اللہ کا ہے جو کچھ ہے

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۱۷۰﴾

آسمانوں میں اور زمین میں اور ہے اللہ سب کچھ جاننے والا حکمت والا ف ۲۳۱

(۲۲۷) **وحی کی مختلف صورتیں** حضرت نوح علیہ السلام کے بعد جو انبیاء ہوئے اُن سب کو بالاجمال ذکر فرما کر جو اُن میں اولوالعزم ہیں اور جو مشہور اور جلیل القدر ہیں اُن کو تخصیص اور تفصیل کے ساتھ ذکر فرمادیا جس سے خوب معلوم ہوگیا کہ آپ کے اوپر جو وحی نازل ہوئی اُس کا حق ہونا اور اس کا ماننا ایسا ہی ضروری ہے جیسا تمام اولوالعزم اور مشاہیر انبیاء کی وحی کو اور یہ بھی معلوم ہوگیا کہ انبیاء پر جو وحی آتی ہے کبھی فرشتہ پیغام لے کر آتا ہے کبھی کتاب لکھی ہوئی مل جاتی ہے کبھی بغیر پیغام اور بدون واسطہ کے خود اللہ تعالیٰ اپنے رسول سے بات کرتا ہے مگر ان سب صورتوں میں چونکہ وہ اللہ کا ہی حکم ہے کسی دوسرے کا حکم نہیں تو بندوں پر اُس کی اطاعت یکساں فرض ہے بندوں تک پہنچنے کا طریقہ تحریر ہو خواہ تقریر ہو خواہ پیغام ہو تو اب یہود کا یہ کہنا کہ توریت کی طرح پوری کتاب ایک دفعہ میں آسمان سے لاؤ گے تو ہم تم کو سچا جانیںگے ورنہ نہیں کتنی بے ایمانی اور حماقت ہے جب وحی حکم الٰہی ہے اور اُس کے نازل ہونے کی صورتیں البتہ متعدد ہیں تو پھر کسی صورت میں آوے اُس کے ماننے میں تردد اور انکار کرنا یا یہ کہنا کہ فلاں خاص طریقہ سے آئیگی تو مانونگا ورنہ نہیں صریح کفر ہے اور کھلی حماقت۔

(۲۲۸) **تمام پیغمبر اللہ کی حجت ہیں** اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں کو برابر بھیجا کہ مومنین کو خوشخبری سنائیں اور کافروں کو ڈرائیں تاکہ لوگوں کو قیامت کے دن اس عذر کی جگہ نہ رہے کہ ہم کو تیری مرضی کے اور غیر مرضی معلوم نہ تھی معلوم ہوتی تو ضرور اُس پر چلتے سو جب اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں کو معجزے دے کر بھیجا اور پیغمبروں نے راہ حق بتلائی تو اب دین حق کے قبول نہ کرنے میں کسی کا کوئی عذر نہیں سنا جا سکتا۔ وحی الٰہی ایسی قطعی حجت ہے کہ اُس کے روبرو کوئی حجت نہیں چل سکتی بلکہ سب حجتیں قطع ہو جاتی ہیں اور یہ اللہ کی حکمت اور تدبیر ہے اور زبردستی کرے تو کون روک سکتا ہے مگر اُس کو پسند نہیں۔

(۲۲۹) **قرآن کریم کی عظمت** یعنی وحی ہر پیغمبر کو آتی رہی یہ کچھ نئی بات نہیں سب کو معلوم ہے لیکن اس قرآن میں اللہ نے اپنا خاص علم اُتارا اور اللہ اس حق کو ظاہر کر دیگا چنانچہ جاننے والے جانتے ہیں کہ جو علوم اور حقائق قرآن مجید میں سے حاصل ہوئے اور برابر حاصل ہوتے رہیں

گے وہ کسی کتاب سے نہیں ہوئے اور جس قدر ہدایت لوگوں کو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوئی اور کسی سے نہیں ہوئی۔

(۲۳۰) قرآن مجید اور حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق اور توثیق کے بعد فرماتے ہیں کہ جو لوگ آپ سے منکر ہوئے اور توریت میں جو آپ کے اوصاف اور حالات موجود تھے ان کو چھپالیا اور لوگوں پر کچھ کا کچھ ظاہر کر کے اُن کو بھی دین حق سے باز رکھا سو ایسوں کو نہ مغفرت نصیب ہو نہ ہدایت جس سے خوب واضح ہوگیا کہ ہدایت آپ کی متابعت میں منحصر ہے اور گمراہی آپ کی مخالفت کا نام ہے جس سے یہود کو پوری سے سرزنش ہوگئی اور اُن کے خیالات کی تغلیط واضح ہوگئی۔

(۲۳۱) **آنحضرت کل بنی نوع انسان کے نبی ہیں** آپ کی اور آپ کی کتاب کی تصدیق اور آپ کے مخالفین یعنی اہل کتاب کی تغلیط اور تضلیل بیان فرما کر اب عام سب لوگوں کو منادی کی جاتی ہے کہ اے لوگو ہمارا رسول سچی کتاب اور سچا دین لے کر تمہارے پاس پہنچ چکا اب تمہاری خیریت اسی میں ہے کہ اس کی بات مانو اور نہ مانو گے تو خوب سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ کا ہے جو کچھ آسمان اور زمین میں ہے اور تمہارے تمام احوال اور افعال سے خبردار ہے تمہارے اعمال کا پورا حساب و کتاب ہو کر اس کا بدلہ ملیگا۔ فائدہ اس ارشاد سے بھی صاف معلوم ہوگیا کہ وحی جو پیغمبر پر نازل ہو اُس کا ماننا فرض اور اُس کا انکار کفر ہے۔

يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ وَلَا تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ ۭ اِنَّمَا الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ

اے کتاب والو مت مبالغہ کرو اپنے دین کی بات میں اور مت کہو اللہ کی شان میں مگر پکی بات بیشک مسیح جو ہے عیسیٰ مریم

مَرْيَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَكَلِمَتُهٗ ۚ اَلْقٰىهَآ اِلٰى مَرْيَمَ وَرُوْحٌ مِّنْهُ ۡ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ڀ وَلَا

کا بیٹا وہ رسول ہے اللہ کا اور اُس کا کلام ہے جس کو ڈالا مریم کی طرف اور روح ہے اُسکے ہاں کی سو مانو اللہ کو اور اُسکے رسولوں کو اور نہ

تَقُوْلُوْا ثَلٰثَةٌ ۭ اِنْتَهُوْا خَيْرًا لَّكُمْ ۭ اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۭ سُبْحٰنَهٗٓ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ وَلَدٌ ۘ لَهٗ مَا فِي وقف لازم

کہو کہ خدا تین ہیں اس بات کو چھوڑو بہتر ہوگا تمہارے واسطے بیشک اللہ معبود ہے اکیلا اُسکے لائق نہیں ہے کہ اُس کے اولاد ہو ف۲۳۲ اُسی کا ہے جو کچھ

السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ١٧١؀ ع لَنْ يَّسْتَنْكِفَ الْمَسِيْحُ اَنْ يَّكُوْنَ عَبْدًا ع ۲۳

آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور کافی ہے اللہ کارساز ف۲۳۳ مسیح کو اس سے ہرگز عار نہیں کہ وہ بندہ ہو

لِّلّٰهِ وَلَا الْمَلٰۗىِٕكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ ۭ وَمَنْ يَّسْتَنْكِفْ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَيَسْتَكْبِرْ فَسَيَحْشُرُهُمْ اِلَيْهِ

اللہ کا اور نہ فرشتوں کو جو مقرب ہیں ف۲۳۴ اور جس کو عار آوے اللہ کی بندگی سے اور تکبر کرے سو وہ جمع کریگا ان سب کو اپنے

جَمِيْعًا ١٧٢؁ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُوَفِّيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ وَيَزِيْدُهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ۚ

پاس اکٹھا پھر جو لوگ ایمان لائے اور عمل کئے انہوں نے اچھے تو اُنکو پورا دیگا اُن کا ثواب اور زیادہ دے گا اپنے فضل سے

وَاَمَّا الَّذِيْنَ اسْتَنْكَفُوْا وَاسْتَكْبَرُوْا فَيُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ڏ وَّلَا يَجِدُوْنَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ

اور جنہوں نے عار کی اور تکبر کیا سو اُنکو عذاب دیگا عذاب دردناک اور نہ پاویں گے اپنے واسطے اللہ کے

اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ١٧٣؁

سوا کوئی حمایتی اور نہ مددگار ف۲۳۵

(۲۳۲) **اہل کتاب کا غلو فی الدین** اہل کتاب اپنے انبیاء کی تعریف میں غلو سے کام لیتے اور حد سے نکل جاتے خدا اور خدا کا بیٹا کہنے لگتے سو خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ دین کی بات میں مبالغہ مت کرو اور جس سے اعتقاد ہو۔ اُس کی تعریف میں حد سے نہ بڑھنا چاہیئے۔ جتنی بات تحقیق ہو اُس سے زیادہ نہ کہے اور حق تعالیٰ کی شان مقدس میں بھی وہی بات کہو جو سچی اور محقق ہو اپنی طرف سے کچھ مت کہو۔

تثلیث کا ردّ تم نے یہ کیا غضب کیا کہ حضرت عیسٰیؑ کو جو کہ رسول اللہ ہیں اور اللہ کے حکم سے پیدا ہوئے تھے اُن کو وحی کے خلاف خدا کا بیٹا کہنے لگے اور تین خدا کے معتقد ہو گئے ایک خدا دوسرے حضرت عیسٰی تیسرے حضرت مریم ان باتوں سے باز آؤ اللہ تعالیٰ واحد اور یکتا ہے کوئی اُس کا شریک نہیں اور نہ کوئی اُس کا بیٹا ہو سکے اُس کی ذات پاک اس سے منزہ اور مقدس ہے یہ تمام خرابی اس کی ہے کہ تم نے وحی کی اطاعت اور پابندی نہ کی وحی کی متابعت کرتے تو خدا کے لئے بیٹا نہ مانتے اور تین خدا کے قائل ہو کر صریح مشرک نہ ہوتے اور محمد رسول اللہ سید الرسل اور قرآن مجید افضل الکتب کی تکذیب کر کے آج ڈبل کافر نہ بنتے **فائدہ** اہل کتاب کے ایک فریق نے تو حضرت عیسٰی کو رسول بھی نہ مانا اور قتل کرنا پسند کیا جن کا ذکر پہلے گذرا دوسرے فریق نے اُن کو خدا کا بیٹا کہا دونوں کافر ہو گئے۔ دونوں فریق کی گمراہی کا سبب یہی ہوا کہ وحی کا خلاف کیا۔ اس سے ظاہر ہو گیا کہ نجات وحی کی متابعت میں منحصر ہے۔

(۲۳۳) یعنی آسمانوں اور زمین میں نیچے سے اوپر تک جو کچھ ہے سب اس کی مخلوق اور اُس کی مملوک اور اُس کے بندے ہیں۔ پھر کہیئے اس کا شریک یا اس کا بیٹا کون اور کیونکر ہو سکتا ہے اور اللہ تعالیٰ سب کام بنانے والا ہے اور سب کی کارسازی کے لئے وہی کافی اور بس ہے کسی دوسرے کی حاجت نہیں پھر بتلایئے اُس کو شریک یا بیٹے کی حاجت کیسے ہو سکتی ہے۔ خلاصہ یہ ہوا کہ نہ کسی مخلوق میں اُس کے شریک بننے کی قابلیت اور لیاقت اور نہ اُس کی ذات پاک میں اُس کی گنجائش اور نہ اُس کو اُس کی حاجت۔ جس سے معلوم ہو گیا کہ مخلوقات میں سے کسی کو خدا تعالیٰ کا شریک یا بیٹا کہنا اُس کا کام ہے جو ایمان اور عقل دونوں سے محروم ہو۔ **فائدہ** مضمون بالا سے یہ سمجھ میں آگیا کہ جو کوئی حق تعالیٰ کے لئے بیٹا یا کسی کو اُس کا شریک مانتا ہے وہ حقیقت میں جمیع موجودات کو مخلوق باری اور باری تعالیٰ کو خالق جملہ موجودات نہیں مانتا اور نیز اللہ تعالیٰ کو سب کی حاجت براری اور کارسازی کے لئے کافی نہیں جانتا گویا خدا کو خدائی سے نکال کر مخلوقات اور ممکنات میں داخل کر دیا تو اب ارشاد سبحانہ ان یکون لہ ولد میں جس ناپاکی کی طرف اشارہ خفی تھا اس کا پتہ چل گیا اور فرزند حقیقی اور فرزند مجازی اور ظاہری دونوں میں وہ ناپاکی چونکہ برابر موجود ہے تو خوب سمجھ میں آگیا کہ اُس کی ذات مقدس جیسے اس سے پاک ہے کہ اُس کے بیٹا پیدا ہو ایسا ہی اس سے بھی پاک اور برتر ہے کہ اپنی مخلوق میں سے کسی کو بیٹا بنائے۔

(۲۳۴) **حضرت عیسٰی کو بندہ ہونے میں عار نہیں** یعنی اللہ کا بندہ ہونا اور اُس کی عبادت کرنا اور اُس کے حکموں کو بجالانا تو اعلیٰ درجہ کی شرافت اور عزت ہے حضرت مسیح علیہ السلام اور ملائکہ مقربین سے اس نعمت کی قدر اور ضرورت پوچھیئے اُن کو اس سے کیسے ننگ اور عار آسکتا ہے البتہ ذلت اور غیرت تو اللہ کے سوا کسی دوسرے کی بندگی میں ہے جیسے نصاریٰ نے حضرت مسیح کو ابن اللہ اور معبود مان لیا اور مشرکین فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں مان کر اُن کی اور بتوں کی عبادت کرنے لگے سو ان کے لئے ہمیشہ کو عذاب اور ذلت ہے۔

(۲۳۵) **سرکشی اور غرور کی سزا** یعنی جو شخص اللہ تعالیٰ کی بندگی سے ناک چڑھا دے گا اور سرکشی کرے گا تو وہ یونہی نہ چھوڑ دیا جائیگا۔ بلکہ ایک روز سب کو اللہ کے سامنے جمع ہونا ہے اور حساب دینا ہے سو جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کئے یعنی اللہ کی بندگی پوری بجالائے اُن کو اُن کے کاموں کا پورا ثواب ملیگا بلکہ اللہ کے فضل سے بڑی بڑی نعمتیں اُن کے ثواب سے زیادہ بھی اُن کو عنایت ہونگی اور جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی بندگی سے ناک چڑھائی اور سرکشی کی وہ عذاب عظیم میں گرفتار ہوں گے اور کوئی اُن کا خیر خواہ اور مددگار نہ ہو گا جن کو اللہ کی بندگی میں شریک کر کے عذاب میں پڑے وہ بھی کام نہ آئیں گے سو اب نصاریٰ خوب سمجھ لیں کہ ان دونوں صورتوں میں سے اُن کو

مناسب حال کیا ہے اور حضرت مسیح علیہ السلام کے موافق شان کیا ہے ۔

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَاَنْزَلْنَاۤ اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا ﴿۱۷۴﴾ فَاَمَّا الَّذِيْنَ

اے لوگو تمہارے پاس پہنچ چکی تمہارے رب کی طرف سے سند اور اُتاری ہم نے تم پر روشنی واضح سو جو لوگ ایمان

اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَاعْتَصَمُوْا بِهٖ فَسَيُدْخِلُهُمْ فِىْ رَحْمَةٍ مِّنْهُ وَفَضْلٍ ۙ وَّيَهْدِيْهِمْ اِلَيْهِ

لائے اللہ پر اور اس کو مضبوط پکڑا تو اُن کو داخل کریگا اپنی رحمت میں اور فضل میں اور پہنچا دیگا اُن کو اپنی طرف

صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ﴿۱۷۵﴾ ؕ يَسْتَفْتُوْنَكَ ؕ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِى الْكَلٰلَةِ ؕ اِنِ امْرُؤٌا هَلَكَ لَيْسَ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَهٗۤ

سیدھے راستہ پر ف۲۳۶ حکم پوچھتے ہیں تجھ سے سو کہدے اللہ حکم بتاتا ہے تم کو کلالہ کا ف۲۳۷ اگر کوئی مرد مر گیا اور اس کے بیٹا نہیں اور اُسکے

اُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ ۚ وَهُوَ يَرِثُهَاۤ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهَا وَلَدٌ ؕ فَاِنْ كَانَتَا اثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا الثُّلُثٰنِ

ایک بہن ہے تو اُس کو پہنچے آدھا اُس کا جو چھوڑ مرا ف۲۳۸ اور وہ بھائی وارث ہے اُس بہن کا اگر نہ ہو اُس کے بیٹا ف۲۳۹ پھر اگر بہنیں دو ہوں تو اُنکو پہنچے دو تہائی

مِمَّا تَرَكَ ؕ وَاِنْ كَانُوْۤا اِخْوَةً رِّجَالًا وَّنِسَآءً فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ ؕ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اَنْ تَضِلُّوْا ؕ

اُس مال کا جو چھوڑ مرا ف۲۴۰ اور اگر کئی شخص ہوں اسی رشتہ کے کچھ مرد اور کچھ عورتیں تو ایک مرد کا حصہ ہے برابر دو عورتوں کے ف۲۴۱ بیان کرتا ہے اللہ تمہارے واسطے تاکہ تم گمراہ نہ ہو ف۲۴۲

وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَىْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۱۷۶﴾

اور اللہ ہر چیز سے واقف ہے ف۲۴۳

(۲۳۶) **قرآن کے اتباع کے بغیر نجات نہیں** پہلے سے وحی الٰہی اور بالخصوص قرآن مجید کی عظمت اور اُس کی حقانیت کا بیان اور اُسکی متابعت اور اتباع کی تاکیدات کا ذکر تھا اُسی کے ذیل میں حضرت مسیح علیہ السلام کی الوہیت اور اُن کے ابن اللہ ہونے کا ذکر کیا تھا جسکے قائل نصاریٰ تھے اُس کی تردید اور ابطال کے بعد اب اخیر میں پھر اُسی اصلی اور ضروری بات کی سب کو تاکید فرمائی جاتی ہے کہ اے لوگو تمہارے پاس رب العٰلمین کی طرف سے حجۃ کامل اور نور روشن پہنچ چکا جو ہدایت کے لئے کافی اور وافی ہے یعنی قرآن مجید، اب کسی تامل اور تردد کی گنجائش نہیں سو جو کوئی اللہ پر ایمان لائے گا اور اس مقدس کتاب کو مضبوط پکڑیگا وہ اللہ کی رحمت اور فضل میں داخل ہوگا اور براہِ راست اُس تک پہنچیگا اور جو اُس کے خلاف کریگا اُس کی گمراہی اور خرابی اسی سے سمجھ لیجئے۔

(۲۳۷) **میراث میں کلالہ کا حکم** شروع سورت میں آیت میراث میں کلالہ کی میراث کا ذکر گذر چکا ہے اُس کے بعد جو بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس کے متعلق زیادہ تفصیل پوچھنی چاہی تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ کلالہ کے معنی کمزور اور ضعیف۔ یہاں وہ شخص مراد ہے جس کے وارثوں میں باپ اور اولاد میں سے کوئی نہ ہو جیسا کہ پہلے بیان ہوا کیونکہ اصلی وارث والد اور ولد ہی ہیں جس کے یہ نہیں تو اُس کے حقیقی بھائی بہن کو بیٹا بیٹی کا حکم ہے اور اگر حقیقی نہ ہوں تو یہی حکم سوتیلوں کا ہے جو کہ باپ میں شریک ہوں ایک بہن ہو تو آدھا اور دو بہن ہوں تو دو تہائی اور اگر بھائی اور بہن دونوں ہیں تو مرد کو دوہرا حصہ اور عورت کو اکہرا ملیگا اور اگر فقط بھائی ہوں بہن کوئی نہ ہو تو وہ بہن کے مال کے وارث ہونگے یعنی اُن کا کوئی حصہ معین نہیں کیونکہ وہ عصبہ ہیں جیسا کہ آیت میں آگے یہ سب صورتیں مذکور ہیں اب باقی رہ گئے وہ بھائی بہن جو صرف ماں میں شریک ہوں جن کو اخیافی کہتے ہیں سو اُن کا حکم شروع سورت میں فرما دیا گیا اُن کا حصہ معین ہے ۔

(۲۳۸) **میراث کے مزید احکام** یعنی اگر کوئی مرد مر گیا اور اُس نے ایک بہن چھوڑی نہ بیٹا چھوڑا نہ باپ تو اُس کو میراث میں نصف مال ملیگا

(۲۳۹) یعنی اور اگر اس کے برعکس ہو یعنی کوئی عورت لاولد مرگئی اور اُس نے بھائی اعیانی یا علاتی چھوڑا تو وہ بہن کے مال کا وارث ہوگا کیونکہ وہ عصبہ ہے اور اگر اُس نے لڑکا چھوڑا تو بھائی کو کچھ نہ ملیگا اور لڑکی چھوڑی تو لڑکی سے جو بچیگا وہ اُس بھائی کو ملیگا اور بھائی یا بہن اخیافی چھوڑیگی تو اُس کے لئے چھٹا حصہ معین ہے جیسا کہ ابتداء سورت میں ارشاد ہوا۔

(۲۴۰) اور اگر دو سے زیادہ بہنیں چھوڑے تو اُن کو بھی دو تہائی دیا جائیگا۔

(۲۴۱) کچھ مرد اور کچھ عورتیں یعنی کچھ بھائی اور کچھ بہنیں چھوڑیں تو بھائی کا دوہرا اور بہن کا اکہرا حصہ ہے جیسا کہ اولاد کا حکم ہے۔

(۲۴۲) **یہ احکام گمراہی سے بچانے کے لئے ہیں** یعنی اللہ رحیم و کریم محض اپنے بندوں کی ہدایت کے لئے اور اُن کو گمراہی سے بچانے کی غرض سے اپنے احکام حقہ صادقہ بیان فرماتا ہے جیسا یہاں میراث کلالہ کو بیان فرما دیا۔ اُس کی اس میں کوئی غرض نہیں وہ سب سے غنی اور بے نیاز ہے تو اب جو اس مہربانی کی قدر نہ کرے بلکہ اُس کے حکم سے انحراف کرے اُس کی شقاوت کا کیا ٹھکانا اس سے معلوم ہوگیا کہ بندہ کو جملہ احکام کی تابعداری لازم ہے اگر ایک معمولی اور جزوی امر میں بھی خلاف کریگا تو گمراہی ہے پھر جو لوگ اُس کی ذات پاک اور اُس کی صفات کمال میں اُس کے حکم کا خلاف کرتے ہیں اور اپنی عقل اور اپنی خواہش کو اُس کے مقابلہ میں اپنا مقتدا بناتے ہیں اُن کی ضلالت اور خباثت کو اسی سے سمجھ لیجئے کہ کس درجہ کی ہوگی۔

(۲۴۳) **مسائل دینی پوچھنے کے فوائد** اس سے پہلے معلوم ہوا تھا کہ حق سبحانہ اپنے بندوں کی ہدایت کو پسند فرماتا ہے اب فرمایا کہ اُس کو سب چیزیں معلوم ہیں تو مطلب یہ نکلا کہ مسائل دینیہ میں جو ضرورت پیش آئے اُس کو پوچھ لو سو اس ارشاد میں صحابہ نے جو کلالہ کے مسئلہ میں استفسار فرمایا تھا اس کی تحسین کی طرف اور آئندہ کو ایسے سوالات کرنے کی ترغیب کی طرف اشارہ سمجھ میں آتا ہے اور یہ بھی سمجھ میں آتا ہے کہ اللہ سب کچھ جانتا ہے یعنی تم نہیں جانتے تم تو یہ بھی نہیں بتلا سکتے کہ کلالہ اور اس کے سوا دیگر صورتوں میں جو حصہ مقرر فرمایا گیا اس کی وجہ حقیقت میں کیا ہے پھر آدمی کی عقل اس قابل کب ہوسکتی ہے کہ اُس کے بھروسے حق سبحانہ تعالیٰ کی ذات صفات میں وحی کے خلاف پر جرأت کرے جو اپنے تعلقات اور اپنے اقارب کے فرق اور امتیاز سے عاجز ہو وہ ذات بیچون و بیچگون اور اُس کی صفات کو بدون اُس کے بتلائے کیا سمجھ سکتا ہے۔

کلالہ کے حکم سے ملنے والے فوائد اس جگہ کلالہ کے حکم اور اُس کے سبب نزول کو بیان فرمانے سے چند باتیں معلوم ہوئیں اول یہ کہ جیسا پہلے وان تکفروا فان للہ ما فی السموات وما فی الارض فرما کر اُس کے بعد بطریق تمثیل اہل کتاب کا حال ذکر فرمایا تھا ایسے ہی ارشاد فاما الذین اٰمنوا باللہ واعتصموا بہ الیٰ آخر الآیۃ کے بعد اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیہم اجمعین کو بطریق تمثیل ذکر فرمایا تاکہ وحی سے انحراف کرنے والوں کی گمراہی اور بُرائی اور وحی کا اتباع کرنے والوں کی حقانیت اور بھلائی خوب سمجھ میں آجائے اسی کے ذیل میں دوسری بات یہ بھی ظاہر ہوگئی کہ اہل کتاب نے تو یہ غضب کیا کہ ذات اقدس سبحانہ وتعالیٰ کے لئے شریک اور اولاد جیسے شنیع امر کو اپنا ایمان بنالیا اور وحی الٰہی کا خم ٹھونک کر خلاف کیا اور اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حالت ہے کہ اصول ایمان اور عبادات تو درکنار معاملات جزئیہ اور معمولی مسائل متعلقہ میراث نکاح وغیرہ میں بھی وحی کے متجسس اور منتظر رہتے ہیں اور ہر امر میں رسول علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے منہ کو تکتے ہیں اپنی عقل اور خواہش کو حاکم نہیں سمجھتے اگر ایک دفعہ میں تشفی نہ ہوئی تو مکرر حاضر خدمت ہو کر دریافت کرتے ہیں۔ مصرعہ: ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا۔ اور یہ بھی معلوم ہوگیا کہ حضرت سید المرسلین بھی بلا حکم وحی اپنی طرف سے حکم نہ فرماتے تھے اگر کسی امر میں حکم موجود نہ ہوتا تو حکم فرمانے میں نزول وحی کا انتظار فرماتے جب وحی آتی تب حکم فرماتے۔ اس سے صاف معلوم ہوگیا کہ ذات پاک وحدہٗ لاشریک لہ کے سوا کوئی حاکم نہیں چنانچہ آیات متعددہ میں ان الحکم الا للہ وغیرہ صاف مذکور ہے باقی جو ہیں وہ سب واسطہ ہیں اُن کے ذریعہ سے اوروں کو حکم الٰہی

پہنچایا جاتا ہے البتہ اتنا فرق ہے کہ کوئی واسطہ قریب ہے کوئی بعید جیسا حکم سلطانی پہنچانے کے لئے وزیر اعظم اور دیگر مقربین شاہی اور حکام اعلیٰ اور ادنیٰ درجہ بدرجہ سب واسطہ ہوتے ہیں پھر اس سے زیادہ گمراہی کیا ہو گی کہ کسی امر میں وحی الٰہی کے مقابلہ میں کوئی گمراہ کسی کی بات سُنے اور اُس پر عمل کرے شعر آنانکہ زروئے تو بجائے نگر آنند۔ کوتہ نظر آنند چہ کوتہ نظر آنند۔ نیز اشارہ ہے اس طرف کہ ایک دفعہ تمام کتاب کے نازل ہونے میں جیسا کہ اہل کتاب درخواست کرتے ہیں وہ خوبی نہیں جو حسب حاجت اور حسب موقع متفرق نازل ہونے میں ہے کیونکہ ہر کوئی اپنی ضرورت کے موافق اس صورت میں سوال کر سکتا ہے اور بذریعہ وحی متلو اس کو جواب مل سکتا ہے جیسا کہ اس موقع میں اور قرآن مجید کے بہت سے مواقع میں موجود ہے اور یہ صورت مفید تر ہونے کے علاوہ بوجہ شرافت ذکر خداوندی و عزت خطاب حق عزوجل ایسے فخر عظیم پر مشتمل ہے جو کسی اُمت کو نصیب نہیں ہوا۔ واللّٰہ ذوالفضل العظیم اس صحابی کی بھلائی میں یا اُس کے سوال کے جواب میں کوئی آیت نازل ہوئی وہ اُس کے مناقب میں شمار ہوتی ہے اور اختلاف کے موقع میں جس کی رائے یا جس کے قول کے موافق وحی متلو اُتری قیامت تک اُن کی خوبی اور نام نیک باقی رہے گا۔ سو کلالہ کے متعلق سوال و جواب کا ذکر فرما کر اس طرح کے بالعموم سوالات اور جوابات کی طرف اشارہ فرما دیا اور شاید اسی اشارہ کی غرض سے سوال کو مطلق رکھا مسئول عنہ کو سوال کے ساتھ ذکر نہ فرمایا بلکہ جواب میں اُس کی تصریح فرمائی جس کی دوسری نظیر قرآن شریف میں نہیں اور نیز جواب کو بالتصریح حق تعالیٰ کی طرف منسوب فرمایا واللّٰہ اعلم واللّٰہ الہادی الحاصل جملہ احکام کے لئے وحی الٰہی منشاء اور اصل ہے اور ہدایت اُسی کی متابعت پر موقوف ہے اور کفر و ضلالت اُسی کی مخالفت میں منحصر ہے اور چونکہ آپ کے زمانہ میں یہود و نصاریٰ اور جملہ مشرکین اور جملہ اہل ضلالت کی گمراہی کی جڑ یہی مخالفت تھی اس لئے حق تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں بہت جگہ وحی کی متابعۃ کی خوبی اور اُسکی مخالفت کی خرابی پر متنبہ فرمایا بالخصوص اس موقع میں تو دو رکوع اس مہتم بالشان مضمون کے لئے نازل فرمائے اور تفصیل اور تمثیل کے ساتھ بیان فرمایا شاید اسی وجہ سے امام بخاری رحمہ اللّٰہ نے اپنی کتاب میں باب "کیف کان بدء الوحی الیٰ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم" منعقد فرما کر آیت انا اوحینا الیك کما اوحینا الیٰ نوح والنبیین من بعدہٖ کو ترجمۃ الباب میں داخل کیا اور ان دونوں رکوع کی طرف اشارہ کر گئے گویا مطلب یہ ہے کہ قولہ تعالیٰ انا اوحینا الیك کما اوحینا الیٰ نوح والنبیین من بعدہٖ الیٰ اٰخر مضمون الوحی واللّٰہ اعلم۔

سُوْرَةُ الْمَآئِدَةِ

سُوْرَةُ الْمَآئِدَةِ ۵ مَدَنِيَّةٌ ۱۱۲ | بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ | اٰيَاتُهَا ۱۲۰ رُكُوْعَاتُهَا ۱۶

سورۂ مائدہ مدینہ میں نازل ہوئی اور اس کی ایک سو بیس ۱۲۰ آیتیں اور سولہ رکوع ہیں — شروع اللہ کے نام سے جو بیحد مہربان نہایت رحم والا ہے

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ ؕ اُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيْمَةُ الْاَنْعَامِ اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ غَيْرَ

اے ایمان والو پورا کرو عہدوں کو ف۱ حلال ہوئے تمہارے لئے چوپائے مویشی ف۲ سوائے انکے جو تم کو آگے سنائے جاوینگے ف۳ مگر حلال

مُحِلِّى الصَّيْدِ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ مَا يُرِيْدُ (١) يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحِلُّوْا شَعَآئِرَ

نہ جانو شکار کو احرام کی حالت میں ف۴ اللہ حکم کرتا ہے جو چاہے ف۵ اے ایمان والو حلال نہ سمجھو اللہ کی نشانیوں کو

اللّٰهِ وَلَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ وَلَا الْهَدْىَ وَلَا الْقَلَآئِدَ وَلَاۤ اٰمِّيْنَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنْ

ف۶ اور نہ ادب والے مہینہ کو ف۷ اور نہ اس جانور کو جو نیاز کعبہ کی ہو اور نہ جنکے گلے میں پٹا ڈالکر لیجاویں کعبہ کو ف۸ اور نہ آنیوالوں کو حرمت والے گھر کی طرف جو ڈھونڈھتے ہیں فضل اپنے

رَّبِّهِمْ وَرِضْوَانًا ؕ وَاِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا ؕ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ اَنْ صَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ

رب کا اور اسکی خوشی ف۹ اور جب احرام سے نکلو تو شکار کر لو ف۱۰ اور باعث نہ ہو تم کو اس قوم کی دشمنی جو کہ تم کو روکتی تھی حرمت والی

وقف لازم

الْحَرَامِ اَنْ تَعْتَدُوْا ۘ وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۪ وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۪ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ

مسجد سے اس پر کہ زیادتی کرنے لگو ف۱۱ اور آپس میں مدد کرو نیک کام پر اور پرہیزگاری پر اور مدد نہ کرو گناہ پر اور ظلم پر ف۱۲ اور ڈرتے رہو اللہ سے

الربع

اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ (٢)

بیشک اللہ کا عذاب سخت ہے ف۱۳

(۱) **ایفائے عہد عقود کی تشریح** ایمان شرعی دو چیزوں کا نام ہے صحیح معرفت اور تسلیم و انقیاد۔ یعنی خدا اور رسول کے جملہ ارشادات کو صحیح و صادق سمجھ کر تسلیم و قبول کے لئے اخلاص سے گردن جھکا دینا۔ اس تسلیمی جزء کے لحاظ سے ایمان فی الحقیقۃ تمام قوانین و احکام الٰہیہ کے ماننے اور جملہ حقوق ادا کرنے کا ایک مضبوط عہد و اقرار ہے گویا حق تعالیٰ کی ربوبیۃ کاملہ کا وہ اقرار جو عہد الست کے سلسلہ میں لیا گیا تھا جس کا نمایاں اثر انسان کی فطرت اور سرشت میں آج تک موجود ہے۔ اسی کی تجدید و تشریح ایمان شرعی سے ہوتی ہے پھر ایمان شرعی میں جو کچھ اجمالی عہد و پیمان تھا اسی کی تفصیل پورے قرآن و سنت میں دکھلائی گئی ہے اس صورت میں دعوی ایمان کا مطلب یہ ہوا کہ بندہ تمام احکام الٰہیہ میں خواہ اُن کا تعلق براہِ راست خدا سے ہو یا بندوں سے، جسمانی تربیت سے ہو یا روحانی اصلاح سے، دنیوی مفاد سے ہو یا اُخروی فلاح سے، شخصی زندگی سے ہو یا حیات اجتماعی سے، صلح سے ہو یا جنگ سے، اس کا عہد کرتا ہے کہ ہر نہج سے اپنے مالک کا وفادار رہے گا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جو عہد و پیمان اسلام، جہاد، سمع و طاعت، یا دوسرے عمدہ خصال اور امور خیر کے متعلق صحابہ سے بشکل بیعت لیتے تھے، وہ اسی عہد ایمانی کی ایک محسوس صورت تھی۔ اور چونکہ ایمان کے ضمن میں بندہ کو حق تعالیٰ کے جلال و جبروت کی صحیح معرفت اور اُس کی شان انصاف و انتقام اور وعدوں کی سچائی کا پورا پورا یقین بھی حاصل ہو چکا ہے، اس کا مقتضا یہ ہے کہ وہ بد عہدی اور غداری کے مہلک عواقب سے ڈر کر اپنے تمام عہدوں کو جو خدا سے یا بندوں سے یا خود اپنے نفس سے کئے ہوں، اس

طرح پورا کرے کہ مالک حقیقی کی وفاداری میں کوئی فرق نہ آنے پائے۔ اس تقریر کے موافق عقود (عہدوں) کی تفسیر میں جو مختلف چیزیں سلف سے منقول ہیں اُن سب میں تطبیق ہو جاتی ہے اور آیت میں "ایمان والو" کے لفظ سے خطاب فرمانے کا لطف مزید حاصل ہوتا ہے۔

(۲) **حلال جانوروں کی تفصیل** "سورہ نساء" میں گذر چکا کہ یہود کو ظلم و بدعہدی کی سزا میں بعض حلال و طیب چیزوں سے محروم کر دیا گیا تھا۔ فبظلم من الذین ھادوا حرمنا علیھم طیبٰت (نساء رکوع ۲۲) جن کی تفصیل "سورۂ انعام" میں ہے جس اُمۂ مرحومہ کو ایفائے عہد کی ہدایت کے ساتھ اُن چیزوں سے بھی منتفع ہونے کی اجازت دیدی گئی۔ یعنی اُونٹ، گائے، بھیڑ، بکری، اور اسی جنس کے تمام اہلی اور وحشی (پالتو اور جنگلی) چوپائے مثلاً ہرن، نیل گائے، وغیرہ تمہارے لئے ہر حالت میں حلال کئے گئے، بجز اُن حیوانات یا حالات کے جن کے متعلق حق تعالیٰ نے قرآن کریم میں یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی تمہارے جسمانی یا روحانی یا اخلاقی مصلحت کے لئے ممانعت فرمادی ہے۔

(۳) غالباً اس سے مراد وہ چیزیں ہیں جو اسی رکوع کی تیسری آیت میں بیان کی گئی ہیں یعنی "حُرِّمَتْ عَلَیْکُمُ الْمَیْتَۃُ" سے "ذٰلِکُمْ فِسْقٌ" تک۔

(۴) **احرام کی حالت میں شکار کی حُرمت** محرم کو صرف خشکی کے جانور کا شکار جائز نہیں۔ دریائی شکار کی اجازت ہے۔ اور جب حالت احرام کی رعایت اس قدر ہے کہ اُس میں شکار کرنا ممنوع ٹھہرا تو خود حرم شریف کی حرمت کا لحاظ اس سے کہیں زیادہ ہونا چاہئے۔ یعنی حرم کے جانور کا شکار محرم و غیر محرم سب کے لئے حرام ہوگا۔ جیسا کہ لَا تُحِلُّوْا شَعَآئِرَ اللّٰہِ کے عموم سے مترشح ہوتا ہے۔

(۵) جس خدا نے تمام مخلوقات کو پیدا کیا پھر کمال حکمت سے اُن میں باہم فرق مراتب رکھا ہر نوع میں اُس کی استعداد کے موافق جُدا جُدا فطری خواص و قویٰ ودیعت کئے۔ زندگی اور موت کی مختلف صورتیں تجویز کیں بلاشبہ اُسی خدا کو اپنی مخلوقات میں یہ حق حاصل ہے کہ اپنے اختیار کامل، علم محیط، اور حکمت بالغہ کے اقتضاء سے جس چیز کو جس کسی کے لئے جن حالات میں چاہے، حلال یا حرام کر دے لَا یُسْئَلُ عَمَّا یَفْعَلُ وَھُمْ یُسْئَلُوْنَ۔

(۶) **شعائر کا احترام** یعنی جو چیزیں حق تعالیٰ کی عظمت و معبودیت کے لئے علامات اور نشانات خاص قرار دی گئی ہیں اُن کی بے حرمتی مت کرو۔ ان میں حرم محترم، بیت اللہ شریف، جمرات، صفا مروہ، ہدی، احرام، مساجد کتب سماویہ وغیرہ تمامی حدود و فرائض اور احکام دینیہ شامل ہیں۔ آگے ان نشانیوں میں سے بعض مخصوص چیزوں کا جو مناسک سے متعلق ہیں۔ ذکر فرماتے ہیں جیسا کہ اس سے پہلی آیت میں بھی محرم کے بعض احکام ذکر کئے گئے تھے۔

(۷) **محترم مہینے** ادب والے مہینے چار ہیں مِنْھَآ اَرْبَعَۃٌ حُرُمٌ (توبہ رکوع ۵) ذُوالقعدہ، ذی الحجہ، محرم، رجب ان کی تعظیم و احترام یہ ہے کہ دوسرے مہینوں سے بڑھ کر ان میں نیکی اور تقویٰ کو لازم پکڑے اور شر و فساد سے بچنے کا اہتمام کیا جائے خصوصاً حجاج کو ستا کر اور دق کر کے حج بیت اللہ سے نہ روکا جائے۔ گو یہ امور سال کے بارہ مہینوں میں واجب العمل ہیں لیکن ان محترم مہینوں میں بالخصوص بہت زیادہ موکد قرار دیے گئے۔ باقی دشمنانِ اسلام کے مقابلہ میں جارحانہ اقدام، تو جمہور کا مذہب یہی ہے بلکہ ابن جریر نے اجماع نقل کیا ہے کہ اس کی ان مہینوں میں سے ممانعت نہیں رہی اس کا بیان سورہ توبہ میں آئیگا انشاء اللہ۔

(۸) **بعض دوسرے شعائر** قلائد۔ قلادہ کی جمع ہے۔ جس سے مُراد وہ ہار یا پٹا ہے جو ہدی کے جانور کے گلے میں نشان کے طور پر ڈالتے تھے تاکہ ہدی کا جانور سمجھ کر اُس سے تعرض نہ کیا جائے اور دیکھنے والوں کو اسی جیسا عمل کرنے کی ترغیب بھی ہو قرآن کریم نے ان چیزوں کی تعظیم و حرمت کو باقی رکھا۔ اور ہدی یا اُس کی علامات سے تعرض کرنے کو ممنوع قرار دیا۔

(۹) بظاہر یہ شان صرف مسلمانوں کی ہے۔ یعنی جو مخلص مسلمان حج عمرہ کے لئے جائیں اُن کی تعظیم و احترام کرو۔ اور اُن کی راہ میں روڑے مت اٹکاؤ۔ اور جو مشرکین حج بیت اللہ کے لئے آتے تھے، اگر وہ بھی اس آیت کے عموم میں داخل ہوں کیونکہ وہ بھی اپنے زعم اور عقیدہ کے موافق خدا کے فضل و قرب اور خوشنودی کے طالب ہوتے تھے، تو کہنا پڑے گا کہ یہ حکم اُس وقت سے پہلے کا ہے جبکہ "اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا" کی منادی کرائی گئی۔

(۱۰) یعنی حالت احرام میں شکار کی جو ممانعت کی گئی تھی، وہ احرام کھول دینے کے بعد باقی نہیں رہی۔

(۱۱) **دشمنی کے جوش میں زیادتی نہ کرو** پچھلی آیت میں جن شعائر کو حق تعالیٰ نے معظم و محترم قرار دیا تھا ۶ھ ہجری میں مشرکین مکہ نے اُن سب کی اہانت کی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور تقریباً ڈیڑھ ہزار صحابہ ماہ ذیقعدہ میں محض عمرہ ادا کرنے کے لئے مدینہ طیبہ سے روانہ ہوئے۔ حدیبیہ کے مقام پر پہنچ کر مشرکین نے مذہبی وظیفہ کی بجاآوری سے روک دیا۔ نہ حالت احرام کا خیال کیا، نہ کعبہ کی حرمت کا نہ محترم مہینہ کا، نہ ہدی و قلائد کا، مسلمان شعائر اللہ کی اس توہین اور مذہبی فرائض سے روک دیے جانے پر ایسی ظالم اور وحشی قوم کے مقابلہ میں جس قدر بھی غیظ و غضب اور بغض و عداوت کا اظہار کرتے وہ حق بجانب تھے اور جوش انتقام سے برافروختہ ہو کر جو کارروائی بھی کر بیٹھتے وہ ممکن تھی۔ لیکن اسلام کی محبت و عداوت دونوں تلی تلی ہیں۔ قرآن کریم نے ایسے جابر و ظالم دشمن کے مقابلہ پر بھی اپنے جذبات کو قابو میں رکھنے کا حکم دیا۔ عموماً آدمی زیادہ محبت یا زیادہ عداوت کے جوش میں حد سے گذر جاتا ہے۔ اس لئے فرمایا کہ سخت سے سخت دشمنی تمہارے لئے اس کا باعث نہ ہو کہ تم زیادتی کر بیٹھو اور عدل و انصاف کو ہاتھ سے چھوڑ دو۔

(۱۲) **تعاون علی البر** اگر کوئی شخص بالفرض جوش انتقام میں زیادتی کر بیٹھے تو اُس کے روکنے کی تدبیر یہ ہے کہ جماعت اسلام اُس کی ظلم و عدوان کی اعانت نہ کرے۔ بلکہ سب مل کر نیکی اور پرہیزگاری کا مظاہرہ کریں۔ اور اشخاص کی زیادتیوں اور بے اعتدالیوں کو روکیں۔

(۱۳) یعنی حق پرستی انصاف پسندی اور تمام عمدہ اخلاق کی جڑ خدا کا خوف ہے۔ اور اگر خدا سے ڈر کر نیکی سے تعاون اور بدی سے ترک تعاون نہ کیا گیا تو عام عذاب کا اندیشہ ہے۔

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوْذَةُ

حرام ہوا تم پر مُردہ جانور ف۱۴ اور لہو ف۱۵ اور گوشت سور کا اور جس جانور پر نام پکارا جائے اللہ کے سوا کسی اور کا اور جو مر گیا ہو گلا گھونٹنے سے یا چوٹ سے

وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيْحَةُ وَمَآ اَكَلَ السَّبُعُ اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ ۗ وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ وَاَنْ تَسْتَقْسِمُوْا

یا اونچے سے گر کر یا سینگ مارنے سے اور جس کو کھایا ہو درندہ نے مگر جس کو تم نے ذبح کر لیا اور حرام ہے جو ذبح ہوا کسی تھان پر ف۱۶ اور یہ کہ تقسیم کرو جوئے

بِالْاَزْلَامِ ۭ ذٰلِكُمْ فِسْقٌ ۭ اَلْيَوْمَ يَىِٕسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ دِيْنِكُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ

کے تیروں سے ف۱۷ یہ گناہ کا کام ہے آج ناامید ہو گئے کافر تمہارے دین سے سو اُن سے مت ڈرو اور

وَاخْشَوْنِ ۭ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ۭ

مجھ سے ڈرو ف۱۸ آج میں پورا کر چکا تمہارے لئے دین تمہارا ف۱۹ اور پورا کیا تم پر میں نے احسان اپنا ف۲۰ اور پسند کیا میں نے تمہارے واسطے اسلام کو دین ف۲۱

فَمَنِ اضْطُرَّ فِيْ مَخْمَصَةٍ غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِّاِثْمٍ ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ③

پھر جو کوئی لاچار ہو جاوے بھوک میں لیکن گناہ پر مائل نہ ہو تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے ف۲۲

(۱۴) **حرام جانور** اس آیت سے جن چیزوں کا کھانا حرام ہوا اُن میں اول مَیۡتَۃ (مردار جانور) ہے۔ جو واجب الذبح جانور ذبح کئے بدون خود اپنی موت سے مرجائے اُس کا خون اور حرارت غریزیہ گوشت ہی میں مختقن اور جذب ہو کر رہ جاتی ہے۔ جس کی سمیت اور گندگی سے کئی قسم کے بدنی اور دینی مضار لاحق ہوتے ہیں (ابن کثیر) شاید اسی تعلیل پر متنبہ فرمانے کے لئے میتۃ (مردہ جانور) کے بعد دَم (خون) کی حرمت مذکور ہوئی۔ اُس کے بعد حیوانات کی ایک خاص نوع (خنزیر) کی تحریم کا ذکر کیا۔ جس کی بے انتہا نجاست خوری اور بے حیائی مشہور عام ہے۔ شاید اسی لئے شریعت حقہ نے دَم (خون) کی طرح اس کو نجس العین قرار دیا۔ ان تین چیزوں کے ذکر کے بعد جن کی ذوات میں مادّی گندگی اور خباثت پائی جاتی تھی، محرمات کی ایک اور قسم کا ذکر فرمایا یعنی وہ جانور جو اپنی ذات کے اعتبار سے حلال وطیب ہے مگر مالک حقیقی کے سوا کسی اور کی نیاز کے طور پر نامزد کر دیا گیا ہو اُس کا کھانا بھی نیت کی خباثت اور عقیدہ کی گندگی کی بنا پر حرام ہے۔ کسی جاندار کی جان صرف اُسی مالک و خالق کے حکم اور نام پر لے جا سکتی ہے جس کے حکم اور ارادہ سے اُس پر موت و حیات طاری ہوتی ہے۔ باقی "منخنقہ" وغیرہ غیر مذبوح جانور سب مَیۡتَۃ کے حکم میں داخل ہیں جیسا کہ "مَا ذُبِحَ عَلَی النُّصُبِ"، "مَاۤ اُهِلَّ لِغَیۡرِ اللّٰهِ" کے ساتھ ملحق ہے۔ جاہلیت میں ان سب چیزوں کے کھانے کی عادت تھی اسی لئے اس قدر تفصیل سے ان کا بیان فرمایا۔

(۱۵) یعنی بہتا ہوا خون اَوۡ دَمًا مَّسۡفُوۡحًا (انعام رکوع ۱۸)

(۱۶) تھوڑا سا پہلے ہدی کے ادب و احترام کا ذکر فرمایا تھا۔ یعنی جو وہ جانور جو تقرب الی اللہ کی غرض سے خدائے واحد کی سب سے پہلی عبادت گاہ کی نیاز کے طور پر ذبح کیا جاتا ہے اس کے بالمقابل اُس جانور کا بیان فرمایا جسے خدا کے سوا کسی دوسرے کے نام پر یا خانہ خدا کے سوا کسی دوسرے مکان کی تعظیم کے لئے ذبح کیا جائے (موضح القرآن) اس دوسری صورت میں بھی فی الحقیقۃ نیت نذر غیر اللہ ہی کی ہوتی ہے گو ذبح کے وقت زبان سے "بسم اللہ اللہ اکبر" کہا جائے۔ اس تقریر کے موافق مَاۤ اُهِلَّ بِهٖ لِغَیۡرِ اللّٰهِ" اور "مَا ذُبِحَ عَلَی النُّصُبِ" کا فرق واضح ہو گیا (ابن کثیر)۔

(۱۷) **جوئے کے تیر** بعض مفسرین نے ازلام سے تقسیم کے تیر مراد لئے ہیں جو زمانہ جاہلیت میں لحم ذبیحہ وغیرہ کے بانٹنے میں استعمال ہوتے تھے اور وہ ایک صورت قمار (جوئے) کی تھی جیسے آج کل چٹھی ڈالنے کی رسم ہے لیکن حافظ عماد الدین ابن کثیر وغیرہ محققین کے نزدیک راجح یہ ہے کہ ازلام سے مراد وہ تیر ہیں جن سے مشرکین مکہ کسی اشکال اور تردد کے وقت اپنے ارادوں اور کاموں کا فیصلہ کرتے تھے یہ تیر خانہ کعبہ میں قریش کے سب سے بڑے بت "ہُبَل" کے پاس رکھے تھے۔ ان میں سے کسی پر امرنی ربی" لکھا تھا (میرے پروردگار نے حکم دیا) کسی پر نہانی ربی" تحریر تھا (میرے رب نے مجھ کو منع کر دیا) اسی طرح ہر تیر پر یوں ہی اٹکل پچو باتیں لکھ چھوڑی تھیں۔ جب کسی کام میں تذبذب ہوا تو تیر نکال کر دیکھ لئے۔ اگر "امرنی ربی" والا تیر نکل آیا تو کام شروع کر دیا اور اس کے خلاف نکلا تو رک گئے وعلیٰ ہذا القیاس۔ گویا بتوں سے یہ ایک قسم کا مشورہ اور استعانت تھی۔ چونکہ اس رسم کا مبنیٰ خالص جہل، شرک، اوہام پرستی اور افتراء علی اللہ پر تھا اس لئے قرآن کریم نے متعدد مواقع میں نہایت تغلیظ و تشدید کے ساتھ اس کی حرمت کو ظاہر فرمایا ہے اس تقریر کے موافق "ازلام" کا ذکر "نصب" کی مناسبت سے ہوا اور مردار، خون، خنزیر وغیرہ نہایت ہی خبیث اور گندی چیزوں کی تحریم کے سلسلہ میں منسلک کر کے بتلا دیا کہ اس کی معنوی اور اعتقادی نجاست و خباثت اُن چیزوں سے کم نہیں جیسا کہ ایک دوسری آیت میں "رجس" کے اطلاق سے ظاہر ہوتا ہے۔

(۱۸) **اسلام کے غلبہ سے کفار کو مایوسی** یہ آیت اُس وقت نازل ہوئی جبکہ زندگی کے ہر شعبہ اور علوم ہدایت کے ہر باب کے متعلق اصول و قواعد ایسی طرح ممہد ہو چکے تھے اور فروع و جزئیات کا بیان بھی اتنی کافی تفصیل اور جامعیت سے کیا جا چکا تھا کہ پیروان اسلام کے لئے قیامت تک قانون الٰہی کے سوا کوئی دوسرا قانون قابل التفات نہیں رہا تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت سے ہزاروں سے متجاوز خدا پرست

جانباز اور سرفروش ہادیوں اور معلموں کی ایسی عظیم الشان جماعت تیار ہو چکی تھی۔ جس کو قرآنی تعلیم کا مجسم نمونہ کہا جا سکتا تھا، مکہ معظمہ فتح ہو چکا تھا، صحابہ رضی اللہ عنہم کامل وفاداری کے ساتھ خدا سے عہد و پیمان پورے کر رہے تھے، نہایت گندی غذائیں اور مردار کھانے والی قوم مادّی اور روحانی طیبات کے ذائقہ سے لذت اندوز ہو رہی تھی، شعائر الٰہیہ کا ادب و احترام قلوب میں راسخ ہو چکا تھا، ظنون و اوہام اور انصاب و ازلام کا تار و پود بکھر چکا تھا، شیطان جزیرۃ العرب کی طرف سے ہمیشہ کے لئے مایوس کر دیا گیا تھا کہ دوبارہ وہاں اس کی پرستش ہو سکے، ان حالات میں ارشاد ہوا اليوم يئس الذين كفروا من دينكم فلا تخشوهم واخشون۔ یعنی آج کفار اس بات سے مایوس ہو گئے ہیں کہ تم کو تمہارے دین قیم سے ہٹا کر پھر "انصاب" و "ازلام" وغیرہ کی طرف لیجائیں یا دین اسلام کو مغلوب کر لینے کی توقعات باندھیں، یا احکام دینیہ میں کسی تحریف و تبدیل کی اُمید قائم کر سکیں آج تم کو کامل و مکمل مذہب مل چکا جس میں کسی ترمیم کا آئندہ امکان نہیں۔ خدا کا انعام تم پر پورا ہو چکا جس کے بعد تمہاری جانب سے اُس کے ضائع کر دینے کا کوئی اندیشہ نہیں۔ خدا نے ابدی طور پر اسی دین اسلام کو تمہارے لئے پسند کر لیا اس لئے اب کسی ناسخ کے آنے کا بھی احتمال نہیں ایسے حالات میں تم کو کفار سے خوف کھانے کی کوئی وجہ نہیں وہ تمہارا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتے۔ البتہ اُس محسن جلیل اور منعم حقیقی کی ناراضی سے ہمیشہ ڈرتے رہو جس کے ہاتھ میں تمہاری ساری نجاح و فلاح اور کل سود و زیاں ہے۔ گویا "فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ" میں اس پر متنبہ فرمایا کہ آئندہ مسلم قوم کو کفار سے اُس وقت تک کوئی اندیشہ نہیں جب تک اُن میں خشیۂ الٰہی اور تقویٰ کی شان موجود رہے۔

(۱۹) **دین اسلام کی تکمیل اور حقانیت** یعنی اُس کے اخبار و قصص میں پوری سچائی، بیان میں پوری تاثیر، اور قوانین و احکام میں پورا توسط و اعتدال موجود ہے۔ جو حقائق کتب سابقہ اور دوسرے ادیان سماویہ میں محدود و ناتمام تھیں اُن کی تکمیل و تعمیم اس دین قیم سے کر دی گئی قرآن و سُنت نے "حلت" و "حرمت" وغیرہ کے متعلق تنصیصًا یا تعلیلاً جو احکام دیے اُن کا اظہار و ایضاح تو ہمیشہ ہوتا رہے گا لیکن اضافہ یا ترمیم کی مطلق گنجائش نہیں چھوڑی۔

(۲۰) سب سے بڑا احسان تو یہی ہے کہ اسلام جیسا مکمل اور ابدی قانون اور خاتم الانبیاء جیسا نبی تم کو مرحمت فرمایا مزید براں اطاعت و استقامت کی توفیق بخشی۔ روحانی غذاؤں اور دنیوی نعمتوں کا دسترخوان تمہارے لئے بچھا دیا، حفاظت قرآن، غلبہ اسلام اور اصلاح عالم کے سامان مہیا فرما دیے۔

(۲۱) یعنی اس عالمگیر اور مکمل دین کے بعد اب کسی اور دین کا انتظار کرنا سفاہت ہے "اسلام" جو تفویض و تسلیم کا مرادف ہے۔ اُس کے سوا مقبولیت اور نجات کا کوئی دوسرا ذریعہ نہیں (تنبیہ) اس آیت "اليوم اكملت لكم دينكم" الخ کا نازل فرمانا بھی منجملہ نعمائے عظیمہ کے ایک نعمت ہے۔ اِسی لئے بعض یہود نے حضرت عمرؓ سے عرض کیا کہ امیر المومنین! اگر یہ آیت ہم پر نازل کی جاتی تو ہم اس کے یوم نزول کو عید منایا کرتے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ مجھے معلوم نہیں کہ جس روز یہ ہم پر نازل کی گئی مسلمانوں کی دو عیدیں جمع ہو گئی تھیں۔ یہ آیت سنہ ۱۰ ہجری میں "حجۃ الوداع" کے موقع پر "عرفہ" کے روز "جمعہ" کے دن "عصر" کے وقت نازل ہوئی جبکہ میدانِ عرفات میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی کے گرد چالیس ہزار سے زائد اتقیا و ابرار رضی اللہ عنہم کا مجمع کثیر تھا۔ اس کے بعد صرف اکیاسی روز حضور اس دنیا میں جلوہ افروز رہے۔

(۲۲) **مضطر کے احکام** یعنی حلال و حرام کا قانون تو مکمل ہو چکا، اُس میں اب کوئی تغیر و تبدل نہیں ہو سکتا۔ البتہ مضطر جو بھوک پیاس کی شدت سے بیتاب اور لاچار ہو وہ اگر حرام چیز کھا پی کر جان بچالے بشرطیکہ مقدار ضرورت سے تجاوز نہ کرے اور لذت مقصود نہ ہو (غیر باغٍ ولا عادٍ)، تو حق تعالیٰ اس تناول محرم کو اپنی بخشش اور مہربانی سے معاف فرما دیگا۔ گویا وہ چیز تو حرام ہی رہی مگر اُسے کھا پی کر جان بچانے والا

خدا کے نزدیک مجرم نہ رہا۔ یہ بھی اتمام نعمت کا ایک شعبہ ہے۔

يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَآ اُحِلَّ لَهُمْ ۭ قُلْ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ۙ وَمَا عَلَّمْتُمْ مِّنَ الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِيْنَ

تجھ سے پوچھتے ہیں کہ کیا چیز اُن کے لئے حلال ہے کہہ دے تم کو حلال ہیں ستھری چیزیں ف۲۳ اور جو سدھاؤ شکاری جانور شکار پر دوڑانے کو

تُعَلِّمُوْنَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللّٰهُ ۡ فَكُلُوْا مِمَّآ اَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ وَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ ۠ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ

کہ اُن کو سکھاتے ہو اُس میں سے جو اللہ نے تم کو سکھایا ہے سو کھاؤ اُس میں سے جو پکڑ رکھیں تمہارے واسطے اور اللہ کا نام لو اُس پر ف۲۴ اور ڈرتے رہو اللہ سے

اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ۝۴ اَلْيَوْمَ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ۭ وَطَعَامُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ

بیشک اللہ جلد لینے والا ہے حساب ف۲۵ آج حلال ہوئیں تم کو سب ستھری چیزیں ف۲۶ اور اہل کتاب کا کھانا تم کو حلال

لَّكُمْ ۠ وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ ۡ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا

ہے ف۲۷ اور تمہارا کھانا اُن کو حلال ہے ف۲۸ اور حلال ہیں تم کو پاکدامن عورتیں مسلمان ف۲۹ اور پاکدامن عورتیں اُن میں سے جن کو دی گئی

الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ اِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ وَلَا مُتَّخِذِيْٓ

کتاب ف۳۰ تم سے پہلے جب دو اُن کو مہر اُن کے قید میں لانے کو ف۳۱ نہ مستی نکالنے کو اور نہ چھپی آشنائی

اَخْدَانٍ ۭ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ ۡ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝۵ ع

کرنے کو ف۳۲ اور جو منکر ہوا ایمان سے تو ضائع ہوئی محنت اُس کی اور آخرت میں وہ ٹوٹے والوں میں ہے ف۳۳

(۲۳) **حلال چیزوں کا سوال اور اُسکا جواب** پچھلی آیات میں بہت سی حرام چیزوں کی فہرست دی گئی تو قدرتی طور پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ حلال چیزیں کیا کیا ہیں؟ اس کا جواب دے دیا کہ حلال کا دائرہ تو بہت وسیع ہے۔ چند چیزوں کو چھوڑ کر جن میں کوئی دینی یا بدنی نقصان تھا دنیا کی تمام ستھری اور پاکیزہ چیزیں حلال ہی ہیں۔ اور چونکہ شکاری جانور سے شکار کرنے کے متعلق بعض لوگوں نے خصوصیت سے سوال کیا تھا اس لئے آیت کے اگلے حصہ میں اُس کو تفصیلاً بتلا دیا گیا۔

(۲۴) **شکار کے احکام** شکاری کتے یا باز وغیرہ سے شکار کیا ہوا جانور ان شروط سے حلال ہے (۱) شکاری جانور سدھا ہوا ہو (۲) شکار پر چھوڑا جائے (۳) اُسے اُس طریقہ سے تعلیم دی گئی ہو جس کو شریعت نے معتبر رکھا ہے یعنی کتے کو سکھلایا جائے کہ شکار کو پکڑ کر کھائے نہیں اور باز کو یہ تعلیم دیجائے کہ جب اُس کو بلاؤ گو شکار کے پیچھے جا رہا ہو فوراً چلا آئے اگر کُتا شکار کو خود کھانے لگے یا باز بلانے سے نہ آئے تو سمجھا جائیگا کہ جب اُس کے کہنے میں نہیں تو شکار بھی اُس کے لئے نہیں پکڑا بلکہ اپنے لئے پکڑا ہے۔ اسی کو حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ "جب اُس نے آدمی کی خو سیکھی تو گویا آدمی نے ذبح کیا" (۴) چھوڑنے کے وقت اللہ کا نام لو یعنی بسم اللہ کہہ کر چھوڑو۔ ان چار شرطوں کی تصریح تو نص قرآنی میں ہوگئی۔ پانچویں شرط جو امام ابوحنیفہ کے نزدیک معتبر ہے کہ شکاری جانور شکار کو زخمی بھی کر دے کہ خون بہنے لگے، اُس کی طرف لفظ "جوارح" اپنے مادہ "جرح" کے اعتبار سے مشعر ہے۔ ان میں سے اگر ایک شرط بھی مفقود ہوئی تو شکاری جانور کا مارا ہوا شکار حرام ہے۔ ہاں اگر مرا نہ ہو اور ذبح کر لیا جائے تو وَمَآ اَكَلَ السَّبُعُ اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ کے قاعدہ سے حلال ہوگا۔

(۲۵) یعنی ہر حالت میں خدا سے ڈرتے رہو، کہیں "طیبات" کے استعمال اور شکار وغیرہ سے منتفع ہونے میں حدود و قیود شرعیہ سے تجاوز نہ ہو جائے۔ عموماً آدمی دنیوی لذتوں میں منہمک ہو کر اور شکار وغیرہ مشاغل میں پڑ کر خدا اور آخرت سے غافل ہو جاتا ہے، اس لئے تنبیہ کی ضرورت

تھی کہ خدا کو مت بھولو اور یاد رکھو کہ حساب کا دن کچھ دور نہیں۔ خدا کے انعامات اور تمہاری شکر گذاری کا موازنہ اور عمر عزیز کے ایک ایک لمحہ کا حساب ہونے والا ہے۔

(۲۶) یعنی جیسے آج دین کامل تم کو دیا گیا، دنیا کی تمام پاکیزہ نعمتیں بھی تمہارے لئے دائمی طور پر حلال کر دی گئیں جو کبھی منسوخ نہ ہونگی۔

(۲۷) **اہل کتاب کا کھانا حلال ہے** یہاں طعام (کھانے) سے مراد "ذبیحہ" ہے یعنی کوئی یہودی یا نصرانی (بشرطیکہ اسلام سے مرتد ہو کر یہودی یا نصرانی نہ بنا ہو) اگر حلال جانور ذبح کرتے وقت غیر اللہ کا نام نہ لے تو اُس کا کھانا مسلمان کو حلال ہے مرتد کے احکام جداگانہ ہیں

(۲۸) اس مقام پر اس کا ذکر بطور مجازات و مکافات کے استطراداً فرما دیا۔ یعنی بعض احادیث میں جو آیا ہے "لَا یَاکُلُ طَعَامَكَ اِلَّا تَقِیٌّ" (تیرا کھانا نہ کھائے مگر پرہیزگار) اُس کا مطلب یہ نہیں کہ غیر پرہیزگاروں کے لئے تمہارا کھانا حرام ہے۔ جب مسلمان کے لئے کافر کتابی کے ذبیحہ کی اجازت ہو گئی تو ایک مواحد مسلم کا ذبیحہ اور کھانا دوسروں کے لئے کیوں حرام ہو گا۔

(۲۹) "پاکدامن" کی قید شاید ترغیب کے لئے ہو۔ یعنی ایک مسلمان کو چاہئے کہ نکاح کرتے وقت پہلی نظر عورت کی عفت اور پاکدامنی پر ڈالے یہ مطلب نہیں کہ پاکدامن کے سوا کسی اور سے نکاح صحیح نہیں ہو گا۔

(۳۰) **اہل کتاب عورتوں سے نکاح کی حلّت** اہل کتاب کو ایک مخصوص حکم کے ساتھ دوسرا مخصوص حکم بھی بیان فرما دیا۔ یعنی یہ کہ کتابی عورت سے نکاح کرنا شریعت میں جائز ہے۔ مشرکہ سے اجازت نہیں۔ وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكَاتِ حَتّٰی یُؤْمِنَّ (بقرہ رکوع ۲۷) مگر یہ یاد رہے کہ ہمارے زمانہ کے "نصاریٰ" عموماً برائے نام نصاریٰ ہیں ان میں بکثرت وہ ہیں جو نہ کسی کتاب آسمانی کے قائل ہیں نہ مذہب کے نہ خدا کے، اُن پر اہل کتاب کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا اُن کے ذبیحہ اور نساء کا حکم اہل کتاب کا سا نہ ہو گا۔ نیز یہ ملحوظ رہے کہ کسی چیز کے حلال ہونے کے معنی یہ ہیں کہ اُس میں فی حد ذاتہ کوئی وجہ تحریم کی نہیں۔ لیکن اگر خارجی اثرات و حالات ایسے ہوں کہ اُس حلال سے منتفع ہونے میں بہت سے حرام کا ارتکاب کرنا پڑتا ہے بلکہ کفر میں مبتلا ہونے کا احتمال ہو تو ایسے حلال سے انتفاع کی اجازت نہیں دی جائے گی موجودہ زمانہ میں یہود و نصاریٰ کے ساتھ کھانا پینا، بے ضرورت اختلاط کرنا، اُن کی عورتوں کے جال میں پھنسنا، یہ چیزیں جو خطرناک نتائج پیدا کرتی ہیں وہ مخفی نہیں۔ لہٰذا بدی اور بد دینی کے اسباب و ذرائع سے اجتناب ہی کرنا چاہئے۔

(۳۱) یعنی قید نکاح میں لانے کو۔ گویا اس طرف اشارہ ہو گیا کہ نکاح بظاہر قید ہے لیکن یہ قید اُن آزادیوں اور ہوس رانیوں سے بہتر ہے جن کی طلب میں انسان نما بہائم سلسلہ ازدواج ہی کو معدوم کر دینا چاہتے ہیں۔

(۳۲) جس طرح پہلے عورت کی پاکدامنی کا ذکر کیا تھا، یہاں مرد کو پاکباز اور عفیف رہنے کی ہدایت فرما دی اَلطَّیِّبَاتُ لِلطَّیِّبِیْنَ وَالطَّیِّبُوْنَ لِلطَّیِّبَاتِ (نور رکوع ۳) اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حق تعالیٰ کی نظر میں نکاح کی غرض گوہر عصمت کو محفوظ اور مقصد تزوج کو پورا کرنا ہے۔ شہوت رانی اور ہوا پرستی مقصود نہیں۔

(۳۳) جن کتابی عورتوں سے نکاح کی اجازت ہوئی، اُس کا فائدہ یہ ہونا چاہیئے کہ مومن قانت کی حقانیت عورت کے دل میں گھر کر جائے نہ یہ کہ کتابیات پر مفتوں ہو کر اُلٹا اپنی متاع ایمانی ہی کو گنوا بیٹھے اور "خسر الدنیا والآخرۃ" کا مصداق ہو کر رہ جائے۔ چونکہ کافر عورت سے نکاح کرنے میں اس فتنہ کا قوی احتمال ہو سکتا ہے۔ اس لئے "ومن یکفر بالایمان فقد حبط عملہ" کی تہدید نہایت ہی برمحل ہے۔ یہ میرا خیال ہے۔ باقی حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ "اہل کتاب کو کفّار سے دو حکم میں مخصوص کیا یہ فقط دنیا میں ہے اور آخرت میں ہر کافر خراب ہے اگر عمل نیک بھی کرے تو قبول نہیں"

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ إِذَا قُمْتُمْ إِلَى ٱلصَّلَوٰةِ فَٱغْسِلُواْ وُجُوهَكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ إِلَى ٱلْمَرَافِقِ وَٱمْسَحُواْ

اے ایمان والو ۳۴ جب تم اٹھو ۳۵ نماز کو تو دھولو اپنے منہ اور ہاتھ کہنیوں تک اور مل لو

بِرُءُوسِكُمْ وَأَرْجُلَكُمْ إِلَى ٱلْكَعْبَيْنِ ۚ وَإِن كُنتُمْ جُنُبًا فَٱطَّهَّرُواْ ۚ وَإِن كُنتُم مَّرْضَىٰٓ أَوْ عَلَىٰ

اپنے سر کو ۳۶ اور پاؤں ٹخنوں تک ۳۷ اور اگر تم کو جنابت ہو تو خوب طرح پاک ہو ۳۸ اور اگر تم بیمار ہو یا سفر

سَفَرٍ أَوْ جَآءَ أَحَدٌ مِّنكُم مِّنَ ٱلْغَآئِطِ أَوْ لَٰمَسْتُمُ ٱلنِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُواْ مَآءً فَتَيَمَّمُواْ صَعِيدًا

میں یا کوئی تم میں آیا ہے جائے ضرور سے یا پاس گئے ہو عورتوں کے پھر نہ پاؤ تم پانی تو قصد کرو مٹی

طَيِّبًا فَٱمْسَحُواْ بِوُجُوهِكُمْ وَأَيْدِيكُم مِّنْهُ ۚ مَا يُرِيدُ ٱللَّهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُم مِّنْ حَرَجٍ وَلَٰكِن

پاک کا اور مل لو اپنے منہ اور ہاتھ اُس سے ۳۹ اللہ نہیں چاہتا کہ تم پر تنگی کرے ۴۰ لیکن

يُرِيدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهُۥ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ۝٦

چاہتا ہے کہ تم کو پاک کرے ۴۱ اور پورا کرے اپنا احسان تم پر تاکہ تم احسان مانو ۴۲

(۳۴) **نماز کے لئے وضو کا حکم** اُمّتِ محمدیہ پر جو عظیم الشان احسانات کئے گئے، ان کا بیان سن کر ایک شریف اور حق شناس مؤمن کا دل شکر گذاری اور اظہارِ وفاداری کے جذبات سے لبریز ہو جائیگا اور فطری طور پر اُس کی یہ خواہش ہوگی کہ اُس منعمِ حقیقی کی بارگاہِ رفیع میں دست بستہ حاضر ہو کر جبینِ نیاز خم کرے اور اپنی غلامانہ منّت پذیری اور انتہائی عبودیت کا عملی ثبوت دے۔ اس لئے ارشاد ہوا کہ جب ہمارے دربار میں حاضری کا ارادہ کرو یعنی نماز کے لئے اُٹھو تو پاک و صاف ہو کر آؤ۔ جن لذائذ دنیوی اور مرغوباتِ طبیعی سے متمتع ہونے کی آیتِ وضو سے پہلی آیت میں اجازت دی گئی (یعنی طیبات اور محصنات) وہ ایک حد تک انسان کو ملکوتی صفات سے دور اور بہیمیت سے نزدیک کرنے والی چیزیں اور کل احداث (موجباتِ وضوء و غسل) اُن ہی کے استعمال سے لازمی نتیجہ کے طور پر پیدا ہوتے ہیں۔ لہٰذا مرغوباتِ نفسانی سے یکسو ہو کر جب ہماری طرف آنے کا قصد کرو تو پہلے بہیمیت کے اثرات اور "اکل و شرب" وغیرہ کے پیدا کئے ہوئے تکدّرات سے پاک ہو جاؤ یہ پاکی "وضو" اور "غسل" سے حاصل ہوتی ہے۔ نہ صرف یہ کہ وضو کرنے سے مؤمن کا بدن پاک و صاف ہو جاتا ہے۔ بلکہ جب وضوء باقاعدہ کیا جائے تو پانی کے قطرات کے ساتھ گناہ بھی جھڑ جاتے ہیں۔

(۳۵) یعنی سو کر اُٹھو یا دنیا کے مشاغل چھوڑ کر نماز کے لئے اُٹھ کھڑے ہو، تو پہلے وضوء کر لو۔ لیکن وضو کرنا ضروری اس وقت ہے جبکہ پیشتر سے باوضوء نہ ہو۔ آیت کے آخر میں ان احکام کی جو غرض و غایت "وَلَٰكِن يُرِيدُ لِيُطَهِّرَكُمْ" سے بیان فرمائی ہے، اُس سے معلوم ہو گیا کہ ہاتھ، مُنہ وغیرہ دھونے کا وجوب اسی لئے ہے کہ حق تعالیٰ تم کو پاک کر کے اپنے دربار میں جگہ دے۔ اگر یہ پاکی پہلے سے حاصل ہے اور کوئی ناقضِ وضوء پیش نہیں آیا تو پاک کو پاک کرنے کی ضرورت نہیں۔ بلکہ اُس کو ضروری قرار دینے سے "اُمّت" حرج میں پڑتی ہے جس کی نفی "مَا يُرِيدُ ٱللَّهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُم مِّنْ حَرَجٍ" میں کی گئی۔ ہاں مزید نظافت، نورانیت اور نشاط حاصل کرنے کے لئے اگر تازہ وضوء کر لیا جائے تو مستحب ہوگا۔ شاید اسی لئے "إِذَا قُمْتُمْ إِلَى ٱلصَّلَوٰةِ فَٱغْسِلُواْ وُجُوهَكُمْ" الآیۃ میں سطحِ کلام کی ایسی رکھی ہے جس سے ہر مرتبہ نماز کی طرف جانے کے وقت تازہ وضوء کی ترغیب ہوتی ہے۔

(۳۶) یعنی تر ہاتھ سر پر پھیر لو۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مدۃ العمر میں مقدارِ ناصیہ سے کم کا مسح ثابت نہیں ہوتا۔ "مقدارِ ناصیہ" چوتھائی سر کے قریب ہے۔ حنفیہؒ اس قدر "مسح" کو فرض کہتے ہیں۔ باقی اختلافات اور دلائل کی تفصیل کا یہ موقع نہیں۔

(۳۷) مترجم محقق نے پاؤں کے بعد لفظ "کو" نہ لکھ کر نہایت لطیف اشارہ فرمادیا کہ "ارجلکم" کا عطف مغسولات پر ہے یعنی جس طرح منہ، ہاتھ دھونے کا حکم ہے، پاؤں بھی ٹخنوں تک دھونے چاہئیں سر کی طرح مسح کافی نہیں۔ چنانچہ اہل السنت والجماعت کا اس پر اجماع ہے اور احادیث کثیرہ سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ اگر پاؤں میں موزے نہ ہوں تو دھونا فرض ہے۔ ہاں "موزوں" پر اُن شرائط کے موافق جو کتب فقہ میں مذکور ہیں، مقیم ایک دن رات اور مسافر تین دن تک مسح کرسکتا ہے۔

(۳۸) **جنابت کیلئے غسل** یعنی جنابت سے پاک ہونے میں صرف اعضائے اربعہ کا دھونا اور مسح کرنا کافی نہیں۔ سطح بدن کے جس حصّہ تک پانی بدون تضرّر کے پہنچ سکتا ہو وہاں تک پہنچانا ضروری ہے۔ اسی لئے حنفیہ غُسل میں "مضمضہ" اور "استنشاق" (کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا) کو بھی ضروری کہتے ہیں۔ وضو میں ضروری نہیں، سنّت ہے۔

(۳۹) **بعض صورتوں میں تیمم کا حکم** یعنی مرض کی وجہ سے پانی کا استعمال مضر ہو یا سفر میں پانی بقدر کفایت نہ ملے یا مثلاً کوئی قضائے حاجت کرکے آیا اور وضو کی ضرورت ہے یا جنابت کی وجہ سے غسل ناگزیر ہے مگر پانی کے حاصل کرنے یا استعمال کرنے پر کسی وجہ سے قادر نہیں تو ان صورتوں میں وضو یا غسل کی جگہ تیمم کرلے۔ وضو اور غسل دونوں کے تیمم میں کوئی فرق نہیں۔ کیونکہ تیمم کی مشروعیت سے جو غرض ہے۔ وہ بہرصورت یکساں طور پر حاصل ہوتی ہے "تیمم" کے اسرار و مسائل اور اس آیت کے فوائد "سورۂ نساء" کے ساتویں رکوع میں مفصل گذر چکے۔ (تنبیہ) مترجم محقق قدس سرہ نے "لٰمستم النسآء" کا جو ترجمہ کیا ہے (پاس گئے ہو عورتوں کے) وہ محاورہ کے اعتبار سے حالت جنابۃ ہی پر دلالت کرتا ہے۔ یہ ترجمہ ابن عباس اور ابو موسیٰ اشعریؓ کی تفسیر کے موافق ہے جسے ابن مسعود نے بھی سکوتاً تسلیم کیا ہے (کمافی البخاری) نیز مترجم علام نے "فتیمموا" کے ترجمہ میں "قصد کرو" کہہ کر اشارہ فرمادیا کہ اصل لغت کے اعتبار سے "تیمم" کے معنی میں "قصد" معتبر ہے اور اس لُغوی معنی کی مناسبت کا خیال رکھتے ہوئے "تیمم شرعی" میں بھی قصد یعنی نیت کو علماء نے ضروری قرار دیا ہے۔

(۴۰) **احکام میں سہولتیں** اسی لئے جو احداث کثیر الوقوع تھے اُن میں سارے جسم کا دھونا ضروری نہ رکھا۔ صرف وہ اعضاء (منہ، ہاتھ، پاؤں، سر) جن کو اکثر بلاد متمدنہ کے رہنے والے عموماً کھلا رکھنے میں مضائقہ نہیں سمجھتے اُن کا دھونا اور مسح کرنا ضروری بتلایا تاکہ کوئی تنگی اور دقت نہ ہو۔ ہاں "حدث اکبر" یعنی "جنابت" جو احیاناً پیش آتی ہے اور اُس حالت میں نفس کو ملکوتی خصال کی طرف اُبھارنے کے لئے کسی غیر معمولی تنبیہ کی ضرورت ہے۔ اُس کے ازالہ کے لئے تمام بدن کا دھونا فرض کیا۔ پھر "مرض" اور "سفر" وغیرہ حالات میں کسی قدر آسانی فرمادی۔ اول تو پانی کی جگہ "مٹی" کو مطہّر بنادیا۔ پھر اعضائے وضو میں سے نصف کی تخفیف اس طرح کردی کہ جہاں پہلے ہی سے تخفیف تھی یعنی سر کا مسح اُسے بالکل اُڑا دیا اور پاؤں کو شاید اس لئے ساقط کردیا کہ وہ عموماً مٹی میں یا مٹی کے قریب رہتے ہیں اور تمام اعضائے بدن کی نسبت سے گرد و غبار میں ان کا تلوّث شدید تر ہے۔ لہٰذا اُن پر مٹی کا ہاتھ پھیرنا بیکار سا تھا۔ بس دو عضو رہ گئے "منہ" اور "ہاتھ" اُن ہی کو ملنے سے وضو اور غسل دونوں کا "تیمم" ہوجاتا ہے۔

(۴۱) کیونکہ وہ خود پاک ہے تو پاکی ہی پسند کرتا ہے۔

(۴۲) **آسانیوں پر اللہ کا شکر** پچھلے رکوع میں جو نعمائے عظیمہ بیان ہوئی تھیں اُن کو سُن کر بندہ کے دل میں جوش اُٹھا کہ اُس منعم حقیقی کی بندگی کے لئے فوراً کھڑا ہوجائے۔ اُسے بتلادیا کہ ہماری طرف آؤ تو کس طریقہ سے پاک ہوکر آؤ۔ یہ بتلانا خود ایک نعمت ہوئی اور بدن کی سطح ظاہر پر پانی ڈالنے یا مٹی لگانے سے اندرونی پاکی عطا فرمادینا۔ یہ دوسری نعمت ہوئی۔ بندہ ابھی پچھلی نعمتوں کا شکر ادا نہیں کرسکا تھا قصد ہی کررہا تھا کہ یہ جدید انعامات فائض ہوگئے۔ اس لئے ارشاد ہوا لعلکم تشکرون یعنی ان پہلی نعمتوں کو یاد کرنے سے پہلے ان جدید نعمتوں کا جو "احکام وضو" وغیرہ کے ضمن میں مبذول ہوئیں، شکر ادا کرنا چاہئے۔ شاید اسی لعلکم تشکرون سے حضرت بلالؓ نے تحیۃ الوضو کا سراغ

لگا یا ہو۔ اس درمیانی نعمت کے شکریہ پر متوجہ کرنے کے بعد اگلی آیت میں ان سابق نعمتوں اور احسانات عظیمہ کو پھر اجمالاً یاد دلاتے ہیں جن کی شکر گزاری کے لئے بندہ اپنے مولا کے حضور میں کھڑا ہونا چاہتا تھا، چنانچہ فرماتے ہیں واذکروا نعمۃ اللہ علیکم" الخ

وَاذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَمِيثَاقَهُ الَّذِي وَاثَقَكُم بِهِ إِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا ۖ وَاتَّقُوا

اور یاد کرو احسان اللہ کا اپنے اُوپر اور عہد اُس کا جو تم سے ٹھہرایا تھا جب تم نے کہا تھا کہ ہم نے سُنا اور مانا ف۴۳ اور ڈرتے رہو

اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ﴿٧﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ لِلَّهِ شُهَدَاءَ

اللہ سے اللہ خوب جانتا ہے دلوں کی بات ف۴۴ اے ایمان والو کھڑے ہو جایا کرو اللہ کے واسطے گواہی دینے کو

بِالْقِسْطِ ۖ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَىٰ أَلَّا تَعْدِلُوا ۚ اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ ۖ وَاتَّقُوا اللَّهَ

انصاف کی ف۴۵ اور کسی قوم کی دشمنی کے باعث انصاف کو ہرگز نہ چھوڑو ف۴۶ عدل کرو یہی بات زیادہ نزدیک ہے تقویٰ سے ف۴۷ اور ڈرتے رہو اللہ سے

إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿٨﴾ وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ ۙ لَهُم مَّغْفِرَةٌ وَ

اللہ کو خوب خبر ہے جو تم کرتے ہو ف۴۸ وعدہ کیا اللہ نے ایمان والوں سے اور جو نیک عمل کرتے ہیں کہ اُنکے واسطے بخشش اور

أَجْرٌ عَظِيمٌ ﴿٩﴾ وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ ﴿١٠﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ

بڑا ثواب ہے ف۴۹ اور جن لوگوں نے کفر کیا اور جھٹلائیں ہماری آیتیں وہ ہیں دوزخ والے ف۵۰ اے ایمان

آمَنُوا اذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ هَمَّ قَوْمٌ أَن يَبْسُطُوا إِلَيْكُمْ أَيْدِيَهُمْ فَكَفَّ

والو یاد رکھو احسان اللہ کا اپنے اوپر جب قصد کیا لوگوں نے کہ تم پر ہاتھ چلاویں پھر روک دیے

أَيْدِيَهُمْ عَنكُمْ ۖ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ﴿١١﴾ ع ۲

تم سے اُن کے ہاتھ اور ڈرتے رہو اللہ سے اور اللہ ہی پر چاہئے بھروسہ ایمان والوں کو ف۵۱

(۴۳) **مومنوں کے عہد کی تذکیر** غالباً یہ عہد وہ ہی ہے جو "بقرہ" کے آخر میں مومنین کی زبان سے نقل فرمایا تھا وقالوا سمعنا واطعنا غفرانک ربنا والیک المصیر (بقرہ رکوع ۴۰) جب صحابہ رضی اللہ عنہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر بیعت کرتے تھے، اُس وقت بھی یہ اقرار کرتے تھے کہ ہم اپنی استطاعت کے موافق آپ کی ہر بات کو سنیں گے اور مانیں گے خواہ ہمارے منشاء اور طبیعت کے موافق ہو یا خلاف۔ یہ تو عام عہد تھا اس کے بعد بعض ارکان اسلام یا مناسب حال اہم چیزوں کے متعلق خصوصیت سے بھی عہد لیا جاتا تھا۔ گویا اس صورت کے شروع میں جو "اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ" فرمایا تھا، درمیان میں بہت سے احسانات کا ذکر کر کے جن کو سُن کر ایفائے عہد کی مزید ترغیب ہوتی ہے پھر وہ ہی اصلی سبق یاد دلایا گیا۔

(۴۴) ایک شریف اور حیادار آدمی کی گردن اپنے محسن اعظم کے سامنے جُھک جانی چاہئے۔ مروت و شرافت اور آئندہ مزید احسانات کی توقع اسی کو مقتضی ہے کہ بندہ اُس منعم حقیقی کا بالکل تابع فرمان بن جائے۔ خصوصاً جبکہ زبان سے اطاعت و وفاداری کا پختہ عہد و اقرار بھی کر چکا ہے۔ ممکن ہے حق تعالیٰ کی بے انتہا مہربانیاں دیکھ کر بندہ مغرور ہو جائے، اُس کی نعمتوں کی قدر اور اپنے قول و قرار کی کوئی پروا نہ کرے اس لئے فرمایا "وَاتَّقُوا اللّٰہَ"۔ یعنی خدا سے ہمیشہ ڈرتے رہو۔ وہ ایک لمحہ میں تم سے سب نعمتیں چھین سکتا ہے اور ناشکری اور بدعہدی کی سزا میں بہت سخت پکڑ سکتا ہے۔ بہرحال مروت، شرافت، اُمید اور خوف ہر چیز کا تقاضا یہ ہے کہ ہم اُس کی مخلصانہ اطاعت اور وفاداری میں

پوری مستعدی دکھلائیں۔ آگے وہ "علیم بذات الصدور" ہے۔ ہم جو کچھ کریں گے وہ ہمارے اخلاص یا نفاق، ریاکاری یا قلبی نیازمندی کو خوب جانتا ہے۔ فقط زبان سے "سمعنا واطعنا" کہنے یا شکرگذاری کی رسمی اور ظاہری نمائش سے ہم اس کو دھوکہ نہیں دے سکتے

(۴۵) **انصاف کی گواہی کا حکم** اس سے پہلی آیت میں مومنین کو حق تعالیٰ کے احسانات اور اپنا عہد و پیمان یاد کرنے کا حکم دیا تھا، یہاں بتلادیا کہ صرف زبان سے یاد کرنا نہیں، بلکہ عملی رنگ میں اُن سے اس کا ثبوت مطلوب ہے۔ اس آیت میں اسی پر تنبیہ کی گئی ہے کہ اگر تم نے خدا کے بے شمار احسانات اور اپنے عہد و اقرار کو بُھلا نہیں دیا تو لازم ہے کہ اُس محسن حقیقی کے حقوق ادا کرتے اور اپنے عہد کو سچا کر دکھانے کے لئے ہر وقت کمربستہ رہو اور جب کوئی حکم اپنے آقائے ولی نعمت کی طرف سے ملے فوراً تعمیل حکم کے لئے کھڑے ہو جاؤ۔ اور خدا کے حقوق کے ساتھ مخلوق کے حقوق ادا کرنے میں بھی پوری جدّوجہد اور اہتمام کرو۔ چنانچہ "قَوّٰامِینَ لِلّٰہِ" میں "حقوق اللہ کی" اور "شہداء بالقسط" میں "حقوق العباد" کی طرف اشارہ ہے۔ اسی قسم کی ایک آیت "والمحصنات" کے آخر میں گذر چکی ہے صرف اس قدر فرق ہے کہ وہاں "بالقسط" کو "للّٰہ" پر مقدم کر دیا ہے۔ شاید اس لئے کہ وہاں دور سے "حقوق العباد" کا ذکر چلا آرہا تھا اور یہاں پہلے سے "حقوق اللہ" پر زیادہ زور دیا گیا ہے۔ اس لحاظ سے وہاں "بالقسط" کی اور یہاں "للّٰہ" کی تقدیم مناسب ہوئی۔ نیز یہاں لحاق میں مبغوض دشمن سے معاملہ کرنے کا ذکر ہے جس کے ساتھ "قسط" کو یاد دلانے کی ضرورت ہے اور "سورۂ نساء" کے لحاق میں محبوب چیزوں کا ذکر ہے اس لئے وہاں سب سے بڑی محبوب (اللہ) کو یاد دلایا گیا۔

(۴۶) **عدل و انصاف کی تاکید** "عدل" کا مطلب ہے کسی شخص کے ساتھ بدون افراط و تفریط کے وہ معاملہ کرنا جس کا وہ واقعی مستحق ہے عدل و انصاف کی ترازو ایسی صحیح اور برابر ہونی چاہئے کہ عمیق سے عمیق محبت اور شدید سے شدید عداوت بھی اُس کے دونوں پلّوں میں سے کسی پلّہ کو جھکا نہ سکے

(۴۷) **عدل و انصاف سے تقویٰ حاصل ہوتا ہے** جو چیزیں شرعاً مہلک یا کسی درجہ میں مضر ہیں اُن سے بچاؤ کرتے رہنے سے جو ایک خاص نورانی کیفیت آدمی کے دل میں راسخ ہو جاتی ہے اس کا نام "تقویٰ" ہے۔ تحصیل تقویٰ کے اسباب قریبہ و بعیدہ بہت سے ہیں۔ تمام اعمال حسنہ اور خصال خیر کو اُس کے اسباب و معدات میں شمار کیا جاسکتا ہے۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ "عدل و قسط" یعنی دوست و دشمن کے ساتھ یکساں انصاف کرنا اور حق کے معاملہ میں جذبات محبت و عداوت سے قطعاً مغلوب نہ ہونا، یہ خصلت حصول تقویٰ کے موثر ترین اور قریب ترین اسباب میں سے ہے۔ اسی لئے "ھو اقرب للتقویٰ" فرمایا (یعنی یہ عدل جس کا حکم دیا گیا تقویٰ سے نزدیک تر ہے) کہ اُس کی مزاولت کے بعد تقویٰ کی کیفیت بہت جلد حاصل ہو جاتی ہے۔

(۴۸) یعنی ایسا عدل و انصاف جسے کوئی دوستی یا دشمنی نہ روک سکے اور جس کے اختیار کرنے سے آدمی کو متقی بننا سہل ہو جاتا ہے۔ اس کے حصول کا واحد ذریعہ خدا کا ڈر اور اُس کی شان انتقام کا خوف ہے۔ اور یہ خوف "ان اللہ خبیر بما تعملون" کے مضمون کا بار بار مراقبہ کرنے سے پیدا ہوتا ہے۔ جب کسی مومن کے دل میں یہ یقین مستحضر ہوگا کہ ہماری کوئی چھپی یا کھلی حرکت حق تعالیٰ سے پوشیدہ نہیں۔ تو اُس کا قلب خشیۂ الٰہی سے لرزنے لگے گا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ تمام معاملات میں عدل و انصاف کا راستہ اختیار کریگا۔ اور احکام الٰہیہ کے امتثال کے لئے غلامانہ تیار رہیگا۔ پھر اس نتیجہ پر ثمرہ وہ ملیگا جسے اگلی آیت میں بیان فرمایا ہے۔ وعد اللہ الذین اٰمنوا الخ

(۴۹) یعنی نہ صرف یہ کہ اُن کوتاہیوں کو معاف کر دیں گے جو بمقتضائے بشریت رہ جاتی ہیں بلکہ عظیم الشان اجر و ثواب بھی عطا فرمائینگے

(۵۰) یہ پہلے فریق کے بالمقابل اُس جماعت کی سزا ذکر کی گئی جس نے قرآن کریم کی اُن صاف و صریح حقایق کو جھٹلایا یا اُن نشانات کی تکذیب کی جو سچائی کی طرف رہنمائی کرنے کے لئے خدا کی طرف سے دکھلائے جاتے ہیں۔

(۵۱) **مومنوں پر اللہ کا احسان** عمومی احسانات یاد دلانے کے بعد بعض خصوصی احسان یاد دلاتے ہیں یعنی قریش مکہ اور اُن کے پٹھوؤں

نے حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کو صدمہ پہنچانے اور اسلام کو مٹانے کے لئے کس قدر ہاتھ پاؤں مارے مگر حق تعالٰی کے فضل و رحمت نے اُن کا کوئی داؤ چلنے نہ دیا۔ اس احسان عظیم کا اثر یہ ہونا چاہئے کہ مسلمان غلبہ اور قابو حاصل کر لینے کے باوجود اپنے دشمنوں کو ہر قسم کے ظلم اور زیادتی سے محفوظ رکھیں اور جوش انتقام میں عدل و انصاف کا رشتہ ہاتھ سے نہ چھوڑیں جیسا کہ پچھلی آیات میں اُس کی تاکید کی گئی ہے۔ ممکن ہے کسی کو یہ شبہ گذرے کہ ایسے معاند دشمنوں کے حق میں اس قدر رواداری کی تعلیم کہیں اصول سیاست کے خلاف تو نہ ہوگی کیونکہ ایسا نرم برتاؤ دیکھ کر مسلمانوں کے خلاف شریروں اور بدباطنوں کی جرأت بڑھ جانے کا قوی احتمال ہے اس کا ازالہ "واتقوا اللہ وعلی اللہ فلیتوکل المؤمنون" سے فرمادیا یعنی مومن کی سب سے بڑی سیاست "تقویٰ" اور "توکل علی اللہ" (خدا سے ڈرنا اور اسی پر بھروسہ کرنا) ہے۔ خدا سے ڈرنے کا مطلب یہ ہے کہ ظاہر و باطن میں اُس سے اپنا معاملہ صاف رکھو اور جو عہد و اقرار کئے ہیں اُن میں پوری وفاداری دکھلاتے رہو۔ پھر بحمداللہ کسی سے کوئی خطرہ نہیں۔ اگلی آیت میں ہماری عبرت کے لئے ایک ایسی قوم کا ذکر فرمادیا۔ جس نے خدا سے نڈر ہو کر بدعہدی اور غداری کی تھی، وہ کس طرح ذلیل و خوار ہوئی۔

وَلَقَدْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۚ وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيْبًا ۭ وَقَالَ اللّٰهُ

اور لے چکا ہے اللہ عہد بنی اسرائیل سے ف۵۲ اور مقرر کئے ہم نے اُن میں بارہ سردار ف۵۳ اور کہا اللہ نے

اِنِّىْ مَعَكُمْ ۭ لَىِٕنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَاٰتَيْتُمُ الزَّكٰوةَ وَاٰمَنْتُمْ بِرُسُلِيْ وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ وَ

میں تمہارے ساتھ ہوں ف۵۴ اگر تم قائم رکھو گے نماز اور دیتے رہو گے زکوٰۃ اور یقین لاؤ گے میرے رسولوں پر اور مدد کرو گے اُن کی ف۵۵ اور

اَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا لَّاُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَلَاُدْخِلَنَّكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا

قرض دو گے اللہ کو ف۵۶ اچھی طرح کا قرض ف۵۷ تو البتہ دور کروں گا میں تم سے گناہ تمہارے اور داخل کروں گا تم کو باغوں میں کہ جن کے نیچے بہتی ہیں

الْاَنْهٰرُ ۚ فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاۗءَ السَّبِيْلِ ۱۲ فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ

نہریں ف۵۸ پھر جو کوئی کافر ہوا تم میں سے اس کے بعد تو وہ بیشک گمراہ ہوا سیدھے راستہ سے ف۵۹ سو اُن کے عہد توڑنے پر ہم نے

لَعَنّٰهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قٰسِيَةً ۚ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ ۙ وَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا

اُن پر لعنت کی ف۶۰ اور کر دیا ہم نے اُن کے دلوں کو سخت پھیرتے ہیں کلام کو اُسکے ٹھکانے سے ف۶۱ اور بھول گئے نفع اُٹھانا اُس نصیحت

ذُكِّرُوْا بِهٖ ۚ وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلٰي خَاۗىِٕنَةٍ مِّنْهُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَ

سے جو اُنکو کی گئی تھی ف۶۲ اور ہمیشہ تو مطلع ہوتا رہتا ہے اُن کی کسی دغا پر ف۶۳ مگر تھوڑے لوگ اُن میں سے ف۶۴ سو معاف کر اور درگذر کر اُن

اصْفَحْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ۱۳

سے اللہ دوست رکھتا ہے احسان کرنیوالوں کو ف۶۵

(۵۲) یعنی کچھ اُمتِ محمدیہ ہی کی خصوصیت نہیں پہلی اُمتوں سے بھی عہد لئے جا چکے ہیں۔

(۵۳) بنی اسرائیل کے بارہ سردار بنی اسرائیل کے بارہ قبائل میں سے بارہ سردار حضرت موسیٰ علیہ السلام نے چُن لئے تھے جن کے نام بھی مفسرین نے تورات سے نقل کئے ہیں، اُن کا فرض یہ تھا کہ وہ اپنی قوم پر عہد پورا کرنے کی تاکید اور اُن کے احوال کی نگرانی رکھیں۔ عجب اتفاق یہ ہے کہ

ہجرت سے پہلے جب "انصار" نے "لیلۃ العقبہ" میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی تو اُن میں سے بھی بارہ ہی "نقیب" نامزد ہوئے ان ہی بارہ آدمیوں نے اپنی قوم کی طرف سے حضور کے دست مبارک پر بیعت کی تھی۔ جابر بن سمرۃ کی ایک حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اُمّت کے متعلق جو بارہ خلفاء کی پیشین گوئی فرمائی اُن کا عدد بھی "نقبائے بنی اسرائیل" کے عدد کے موافق ہے اور مفسرین نے تورات سے نقل کیا ہے کہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام سے حق تعالیٰ نے فرمایا کہ "میں تیری ذریت میں سے بارہ سردار پیدا کرونگا" غالباً یہ وہی "بارہ" ہیں جن کا ذکر جابر بن سمرہ کی حدیث میں ہے۔

(۵۴) یا تو یہ خطاب بارہ سرداروں کو ہے یعنی تم اپنا فرض ادا کرو، میری حمایت اور امداد تمہارے ساتھ ہے۔ یا سب بنی اسرائیل کو، کہ میں تمہارے ساتھ ہوں۔ یعنی کسی وقت تم مجھے اپنے سے دور مت سمجھو جو کچھ معاملہ تم سرًا یا علانیۃً کرو گے وہ ہر جگہ اور ہر وقت میں دیکھ رہا اور سُن رہا ہوں۔ اس لئے جو کچھ کرو خبردار ہو کر کرو۔

(۵۵) **بنی اسرائیل سے اللہ کا عہد** یعنی جو رسول حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد آتے رہیں گے اُن سب کی تصدیق کرو نگے اور دل سے تعظیم سے پیش آوگے اور دشمنان حق کے مقابلہ پر اُن کا پورا ساتھ دوگے جان سے بھی اور مال سے بھی۔

(۵۶) خدا کو قرض دینے سے مراد اس کے دین اور اس کے پیغمبروں کی حمایت میں مال خرچ کرنا ہے جس طرح روپیہ قرض دینے والا اُس اُمید پر دیتا ہے کہ اس کا روپیہ ملجائیگا اور قرض لینے والا اس کے ادا کرنے کو اپنے ذمہ پر لازم کر لیتا ہے۔ اسی طرح خدا ہی کی دی ہوئی جو چیز یہاں اُسی کے راستہ میں خرچ کی جائے گی۔ وہ ہرگز گم یا کم نہیں ہوگی۔ حق تعالیٰ نے کسی مجبوری سے نہیں محض اپنے فضل و رحمت سے اپنے ذمہ لازم کر لیا ہے کہ وہ چیز تم کو عظیم الشان نفع کی صورت میں واپس کر دے۔

(۵۷) "اچھی طرح" سے مراد یہ ہے کہ اخلاص سے دو اور اپنے محبوب و مرغوب اور پاک و صاف مال میں سے دو۔

(۵۸) یعنی نیکیاں جب کثرت سے ہوں تو وہ برائیوں کو دبا لیتی ہیں۔ جب آدمی خدا کے عہد کو پورا کرنے کی کوشش میں لگا رہے تو حق تعالیٰ اُسکی کمزوریوں کو دور کر کے اپنی خوشنودی اور قرب کے مکان میں جگہ دیتا ہے۔

(۵۹) یعنی ایسے صاف اور پختہ عہد و پیمان کے بعد بھی جو شخص خدا کا وفادار ثابت نہ ہوا اور غدر و خیانت پر کمر بستہ ہو گیا تو سمجھ لو کہ اُس نے کامیابی اور نجات کا سیدھا راستہ گم کر دیا۔ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ ہلاکت کے کس گڑھے میں جا کر گرے گا۔ بنی اسرائیل سے جن باتوں کے عہد لینے کا یہاں ذکر ہے وہ یہ ہیں۔ نماز، زکوٰۃ، پیغمبروں پر ایمان لانا، اُن کی جان و مال سے مدد کرنا۔ ان میں سے پہلی عبادت بدنی ہے، دوسری مالی، تیسری قلبی مع لسانی۔ چوتھی فی الحقیقت تیسری کی اخلاقی تکمیل ہے۔ گویا ان چیزوں کو ذکر کر کے اشارہ فرما دیا کہ جان و مال اور قلب و قالب ہر چیز سے خدا کی اطاعت اور وفا شعاری کا اظہار کرو۔ لیکن بنی اسرائیل نے چُن چُن کر ایک ایک عہد کی خلاف ورزی کی۔ کسی قول و قرار پر قائم نہ رہے ان عہد شکنیوں کا جو نتیجہ ہوا اُسے اگلی آیت میں بیان فرماتے ہیں۔

(۶۰) **یہودیوں پر نقض عہد کی وجہ سے لعنت** "لعن" کے معنی طَردْ و اِبعَاد کے ہیں۔ یعنی عہد شکنی اور غداری کی وجہ سے ہم نے اپنی رحمت سے انہیں دُور پھینک دیا۔ اور اُن کے دلوں کو سخت کر دیا" فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ" کے لفظ سے ظاہر فرما دیا کہ اُن کے ملعون اور سنگدل ہونے کا سبب عہد شکنی اور بیوفائی ہے۔ جو خود اُنہی کا فعل ہے۔ اسباب پر مسبب کا مرتب کرنا چونکہ خدا ہی کا کام تھا اس لحاظ سے جعلنا قلوبھم قاسیۃ کی نسبت اُسی کی طرف کی گئی۔

(۶۱) **یہودیوں کی کلام اللہ میں تحریف** یعنی خدا کے کلام میں تحریف کرتے ہیں کبھی اُس کے الفاظ میں کبھی معنی میں، کبھی تلاوت میں۔ تحریف کی یہ سب اقسام قرآن کریم اور کتب حدیث میں بیان کی گئی ہیں۔ جس کا قدرے اعتراف آج کل بعض یورپین عیسائیوں کو بھی کرنا پڑا ہے

(۶۲) **یہودیوں کی محرومی** یعنی چاہئے تو یہ تھا کہ اُن قیمتی نصیحتوں سے فائدہ اُٹھاتے جو مثلاً نبی آخر الزماں کی امداد اور دوسرے مہمات دینیہ کے متعلق اُن کی کتابوں میں موجود تھیں۔ مگر اپنی غفلتوں اور شرارتوں میں پھنس کر یہ سب بھول گئے بلکہ نصیحتوں کا وہ ضروری حصّہ ہی گم کر دیا اور اب بھی جو نصیحتیں اور مفید باتیں خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے اُن کو یاد دلائی جاتی ہیں اُن کا کوئی اثر قبول نہیں کرتے۔ حافظ ابن رجب حنبلی نے لکھا ہے کہ "نقض عہد" کے سبب سے ان میں دو باتیں آئیں۔ "ملعونیت" اور "قسوۃ قلب" ان دونوں کا نتیجہ یہ دو چیزیں ہوئیں۔ "تحریف کلام اللہ" اور "عدم انتفاع بالذکر" یعنی لعنت کے اثر سے اُن کا دماغ مسوخ ہو گیا۔ حتیٰ کہ نہایت بیباکی اور بدعقلی سے کتب سماویہ کی تحریف پر آمادہ ہو گئے۔ دوسری طرف جب عہد شکنی کی نحوست سے دل سخت ہو گئے تو قبول حق اور نصیحت سے متاثر ہونے کا مادہ نہ رہا۔ اس طرح علمی اور عملی دونوں قسم کی قوتیں ضائع کر بیٹھے۔

(۶۳) یعنی اُن کی دغا بازی اور خیانت کا سلسلہ آج تک چل رہا ہے۔ اور آیندہ بھی چلتا رہیگا۔ اسی لئے ہمیشہ اُن کی کسی نہ کسی دغا بازی اور مکر و فریب پر آپ مطلع ہوتے رہتے ہیں۔

(۶۴) یعنی عبداللہ بن سلام وغیرہ جو اسلام میں داخل ہو چکے۔

(۶۵) **آنحضرتؐ کو عفو و درگذر کا حکم** یعنی جب اُن کی عادت قدیمہ ہی یہ ہے تو ایسے لوگوں سے ہر جزئی پر اُلجھنے اور اُنکی ہر خیانت کا پردہ فاش کرنے کی ضرورت نہیں۔ ان کو چھوڑیے اور درگذر کیجئے اور اُن کی بُرائی کا بدلہ عفو و احسان سے دیجئے۔ شاید اسی سے کچھ متاثر ہوں۔ قتادہ وغیرہ نے کہا ہے کہ یہ آیت منسوخ ہے۔ قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ الخ سے مگر اس کی کچھ حاجت نہیں۔ قتال کے حکم سے یہ لازم نہیں آتا کہ کسی وقت اور کسی موقع پر بھی ایسی قوم کے مقابلہ میں عفو و درگذر اور تالیف قلب سے کام نہ لیا جا سکے۔

وَمِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰٓى اَخَذْنَا مِيْثَاقَهُمْ فَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ ۠ فَاَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ

اور وہ جو کہتے ہیں اپنے کو نصاریٰ ف۶۶ اُنسے بھی لیا تھا ہمنے عہد اُن کا پھر بھول گئے نفع اُٹھانا اُس نصیحت سے جو اُنکو کی گئی تھی ف۶۷ پھر ہمنے لگا دی آپس میں

الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۭ وَسَوْفَ يُنَبِّئُهُمُ اللّٰهُ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ۝۱۴ يٰٓاَهْلَ

اُنکی دشمنی اور کینہ ف۶۸ قیامت کے دن تک ف۶۹ اور آخر جتا دیگا اُن کو اللہ جو کچھ کرتے تھے ف۷۰ اے کتاب

الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيْرًا مِّمَّا كُنْتُمْ تُخْفُوْنَ مِنَ الْكِتٰبِ وَيَعْفُوْا عَنْ

والو تحقیق آیا ہے تمہارے پاس رسول ہمارا ظاہر کرتا ہے تم پر بہت سی چیزیں جن کو تم چھپاتے تھے کتاب میں سے اور درگذر کرتا ہے بہت

كَثِيْرٍ ڛ قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ۝۱۵ۙ

چیزوں سے ف۷۱ بیشک تمہارے پاس آئی ہے اللہ کی طرف سے روشنی اور کتاب ظاہر کرنے والی

(۶۶) **لفظ نصاریٰ کی تشریح** "نصاریٰ" کا ماخذ یا تو "نصر" ہے جس کے معنی مدد کرنے کے ہیں اور یا "ناصرہ" کی طرف نسبت ہے۔ جو ملک شام میں اُس بستی کا نام ہے جہاں حضرت مسیح علیہ السلام رہے تھے۔ اسی لئے اُن کو "مسیح ناصری" کہتے ہیں۔ جو لوگ اپنے کو "نصاریٰ" کہتے تھے وہ گویا اس بات کے مدعی تھے کہ ہم خدا کے سچے دین اور پیغمبروں کے حامی و ناصر اور حضرت "مسیح ناصری" کے متبع ہیں اس زبانی دعوے اور لقبی تفاخر کے باوجود دین کے معاملہ میں جو رویہ تھا وہ آگے ذکر کیا گیا ہے۔

(۶۷) یعنی یہود کی طرح ان سے بھی عہد لیا گیا۔ لیکن یہ بھی عہد شکنی اور بیوفائی میں اپنے پیشروؤں سے کچھ کم نہیں رہے اُنہوں نے بھی اُن بیش بہا

نصائح سے جن پر نجات و فلاح ابدی کا مدار تھا، کوئی فائدہ نہ اٹھایا۔ بلکہ "بائبل" میں نصیحتوں کا وہ حصہ باقی ہی نہ چھوڑا جو حقیقۃً مذہب کا مغز تھا

(۶۸) **اہل کتاب کی آپس میں دائمی بغض و عداوت** | یعنی باہم "نصاریٰ" میں یا "یہود" اور "نصاریٰ" دونوں میں عداوتیں اور جھگڑے ہمیشہ کے لئے قائم ہو گئے۔ آسمانی سبق کو ضائع کرنے اور بھلا دینے کا جو نتیجہ ہونا چاہیئے تھا وہ ہوا یعنی جب وحی الٰہی کی اصلی روشنی اُن کے پاس نہ رہی تو اوہام و اہواء کی اندھیریوں میں ایک دوسرے سے اُلجھنے لگا۔ مذہب تو نہ رہا پر مذہب کے جھگڑے رہ گئے۔ بیسیوں فرقے پیدا ہو کر اندھیرے میں ایک دوسرے سے ٹکرانے لگے۔ یہی فرقہ دار تصادم آخر کار آپس کی شدید ترین عداوت و بغض پر منتہی ہوا۔ کوئی شبہ نہیں کہ آج مسلمانوں میں بھی بعید تفرق و تشتت اور مذہبی تصادم موجود ہے لیکن چونکہ ہمارے پاس وحی الٰہی اور قانون سماوی بحمد اللہ بلاکم و کاست محفوظ ہے اس لئے اختلافات کی موجودگی میں بھی مسلمانوں کی بہت بڑی جماعت برابر مرکز حق و صداقت پر قائم رہی ہے اور رہیگی۔ اس کے برخلاف یہود و "نصاریٰ" کے اختلافات یا مثلاً "پروٹسٹنٹ" اور "رومن کیتھولک" وغیرہ فرقوں کی باہمی مخالفت میں کوئی ایک فریق بھی نہ آج شاہراہ حق و صداقت پر قائم ہے اور نہ قیامت تک ہو سکتا ہے۔ کیونکہ وہ وحی الٰہی کی روشنی کو جس کے بدون کوئی انسان خدا تعالیٰ اور اُس کے قوانین کی صحیح معرفت حاصل نہیں کر سکتا۔ اپنی بے اعتدالیوں اور غلط کاریوں سے ضائع کر چکے ہیں۔ اب جب تک وہ اس محرف "بائبل" کے دامن سے وابستہ رہیں گے محال ہے کہ قیامت تک ان کو راہ اور محض بے اصول اختلافات اور فرقہ وار بغض و عناد کی ظلمت سے نکل کر حق کا راستہ دیکھ سکیں اور نجات ابدی کی شاہراہ پر چل سکیں۔ باقی جو لوگ آج نفس مذہب خصوصاً عیسائیت کا مذاق اڑاتے ہیں اور جنہوں نے لفظ "مسیحیت" یا موجودہ "بائبل" کو محض چند سیاسی ضرورتوں کے لئے رکھ چھوڑا ہے۔ اس آیت میں اُن "نصاریٰ" کا ذکر نہیں۔ اور اگر مان لیا جائے کہ وہ بھی آیت کے تحت میں داخل ہیں تو اُن کی باہمی عداوتیں اور ایک دوسرے کے خلاف خفیہ ریشہ دوانیاں اور علانیہ محاربات بھی باخبر اصحاب پر پوشیدہ نہیں ہیں۔

(۶۹) یعنی جب تک وہ رہیں گے یہ اختلاف اور بغض و عناد بھی ہمیشہ رہیگا۔ یہاں "قیامت تک" کا لفظ ایسا ہے۔ جیسے ہمارے محاورات میں کہہ دیتے ہیں کہ فلاں شخص تو قیامت تک بھی فلاں حرکت سے باز نہ آئیگا۔ اس کے یہ معنی نہیں ہوتے کہ وہ شخص قیامت تک زندہ رہے گا اور یہ حرکت کرتا رہے گا مراد یہ ہے کہ اگر قیامت تک بھی زندہ رہے تو اس بات کو نہ چھوڑے گا۔ اسی طرح آیت میں "الیٰ یوم القیامۃ" کا لفظ آنے سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ "یہود" و "نصاریٰ" کا وجود قیامت تک رہے جیسا کہ ہمارے زمانہ کے بعض مبطلین نے اپنی تفسیر میں لکھ دیا ہے۔

(۷۰) یعنی آخرت میں پوری طرح اور دنیا میں بھی بعض واقعات کے ذریعہ سے انکو اپنی کرتوت کا نتیجہ معلوم ہو جائیگا۔

(۷۱) **یہود و نصاریٰ کو اسلام کی دعوت** | یہ سب "یہود" و "نصاریٰ" کو خطاب ہے کہ وہ نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم جن کی آمد کی بشارات تمہاری کتابوں میں اس قدر تحریف ہونے پر بھی کسی نہ کسی عنوان سے موجود ہیں تشریف لے آئے، جن کے مُنہ میں خدا نے اپنا کلام ڈالا ہے اور جنہوں نے اُن حقائق کی تکمیل کی جو حضرت مسیح ناتمام چھوڑ گئے تھے۔ "توراۃ" و "انجیل" کی جن باتوں کو تم چھپاتے تھے اور بدل سدل کر بیان کرتے تھے اُن میں کی سب ضروری باتیں اس نبی آخر الزماں نے ظاہر فرما دیں اور جن باتوں کی اب چنداں ضرورت نہ تھی اُن سے درگزر کیا۔

يَّهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ وَيُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ

جس سے اللہ ہدایت کرتا ہے اُس کو جو تابع ہوا اُسکی رضا کا سلامتی کی راہیں اور اُن کو نکالتا ہے اندھیروں سے روشنی میں اپنے حکم سے

وَيَهْدِيْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۱۶﴾ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ

اور ان کو چلاتا ہے سیدھی راہ وکلے بیشک کافر ہوئے جنہوں نے کہا کہ اللہ تو وہی مسیح ہے مریم کا بیٹا وکلے

قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا اِنْ اَرَادَ اَنْ يُّهْلِكَ الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهٗ وَ مَنْ فِي

تو کہہ دے پھر کس کا بس چل سکتا ہے اللہ کے آگے اگر وہ چاہے کہ ہلاک کرے مسیح مریم کے بیٹے کو اور اُسکی ماں کو اور جتنے لوگ ہیں

الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۭ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۭ يَخْلُقُ مَا يَشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ

زمین میں سب کو ف۷۴ اور اللہ ہی کے واسطے ہے سلطنت آسمانوں اور زمین کی اور جو کچھ درمیان ان دونوں کے ہے پیدا کرتا ہے جو چاہے ف۷۵ اور اللہ

عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ وَالنَّصٰرٰى نَحْنُ اَبْنٰۗؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّاۗؤُهٗ ۭ قُلْ ۱۷

ہر چیز پر قادر ہے ف۷۶ اور کہتے ہیں یہود اور نصاریٰ ہم بیٹے ہیں اللہ کے اور اُسکے پیارے ف۷۷ تو کہہ پھر

فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوْبِكُمْ ۭ بَلْ اَنْتُمْ بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ ۭ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ

کیوں عذاب کرتا ہے تم کو تمہارے گناہوں پر ف۷۸ کوئی نہیں بلکہ تم بھی ایک آدمی ہو اُسکی مخلوق میں ف۷۹ بخشے جس کو چاہے اور عذاب کرے جس کو

يَّشَاۗءُ ۭ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۡ وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ۝ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ ۱۸

چاہے ف۸۰ اور اللہ ہی کیلئے ہے سلطنت آسمان اور زمین کی اور جو کچھ دونوں کے بیچ میں ہے اور اُسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے ف۸۱ اے کتاب والو آیا ہے

جَاۗءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ عَلٰي فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا جَاۗءَنَا مِنْۢ بَشِيْرٍ وَّلَا

تمہارے پاس رسول ہمارا کھولتا ہے تم پر ف۸۲ رسولوں کے انقطاع کے بعد کبھی تم کہنے لگو کہ ہمارے پاس نہ آیا کوئی خوشی یا ڈر

نَذِيْرٍ ۡ فَقَدْ جَاۗءَكُمْ بَشِيْرٌ وَّنَذِيْرٌ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ ۱۹ ع ۳

سنانے والا سو آچکا تمہارے پاس خوشی اور ڈر سنانیوالا ف۸۳ اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے ف۸۴

(۷۲) شاید "نور" سے خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور "کتاب مبین" سے قرآن کریم مراد ہے۔ یعنی یہود و نصاریٰ جو وحی الٰہی کی روشنی کو ضائع کر کے اہواء و آراء کی تاریکیوں اور باہمی خلاف و شقاق کے گڑھوں میں پڑے دھکے کھا رہے ہیں، جس سے نکلنے کا بحالت موجودہ قیامت تک امکان نہیں اُن سے کہدو کہ خدا کی سب سے بڑی روشنی آگئی۔ اگر نجات ابدی کے صحیح راستہ پر چلنا چاہتے ہو تو اس روشنی میں حق تعالیٰ کی رضا کے پیچھے چل پڑو۔ سلامتی کی راہیں کھلی پاؤ گے اور اندھیرے سے نکل کر اُجالے میں بے کھٹکے چل سکو گے اور جس کی رضا کے تابع ہو کر چل رہے ہو اُسی کی دستگیری سے صراط مستقیم کو بے تکلف طے کر لو گے۔

(۷۳) **حضرت عیسیٰؑ کی الوھیت کا ابطال** یعنی مسیح کے علاوہ خدا کوئی اور چیز نہیں۔ کہتے ہیں کہ یہ عقیدہ نصاریٰ میں سے "فرقہ یعقوبیہ" کا ہے جن کے نزدیک مسیح کے قالب میں خدا حلول کئے ہوئے ہے (معاذ اللہ) یا یوں کہا جائے کہ جب "نصاریٰ" حضرت مسیح کی نسبت "الوہیت" کے قائل ہیں اور ساتھ ہی توحید کا بھی زبان سے اقرار کرتے جاتے ہیں یعنی خدا ایک ہی ہے تو ان دونوں دعووں کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ ان کے نزدیک مسیح کے سوا کوئی خدا نہ ہو۔ بہرحال کوئی صورت لے جائے اس عقیدہ کے کفر صریح ہونے میں کیا شبہ ہو سکتا ہے۔

(۷۴) یعنی اگر فرض کرو خدائے قادر و قہار یہ چاہے کہ حضرت مسیح اور مریم اور اگلے پچھلے کل زمین پر بسنے والوں کو اکٹھا کر کے ایک دم میں ہلاک کر دے، تو تم ہی بتلاؤ کہ اُس کا ہاتھ کون پکڑ سکتا ہے یعنی ازل و ابد کے سارے انسان بھی اگر فرض کرو مجتمع کر دیے جائیں اور خدا ایک آن میں سب کو ہلاک کرنا چاہے تو سب کی اجتماعی قوت بھی خدا کے ارادہ کو تھوڑی دیر کے لئے ملتوی نہیں کر سکتی۔ کیونکہ مخلوقات کی قدرت جو عطائی اور محدود ہے۔ خدا کی ذاتی اور لا محدود قدرت کے مقابلہ میں عاجز محض ہے جس کا اعتراف خود وہ لوگ بھی کرتے ہیں جن کے رد میں یہ خطاب

کیا جا رہا ہے بلکہ خود مسیح بن مریم بھی جن کو یہ لوگ خدا بنا رہے ہیں، اس کے معترف ہیں۔ چنانچہ مرقس کی انجیل میں حضرت مسیح کا یہ مقولہ موجود ہے "اے باپ ہر چیز تیری قدرت کے تحت میں ہے تو مجھ سے یہ (موت) کا پیالہ ٹلا دے اس طرح نہیں جو میں چاہتا ہوں بلکہ اُس طرح جیسے تیرا ارادہ ہے"۔ پس جب حضرت مسیح علیہ السلام جن کو تم خُدا کہتے ہو اور اُن کی والدہ ماجدہ مریم صدیقہ جو تمہارے زعم میں خدا کی ماں ہوئیں وہ دونوں بھی تمام من فی الارض کے ساتھ مل کر خدا کی مشیت و ارادہ کے سامنے عاجز ٹھہرے تو خود سوچ لو کہ اُن کی یا اُن کی والدہ یا کسی اور مخلوق کی نسبت خدائی کا دعویٰ کرنا کس قدر گستاخی اور شوخ چشمی ہو گی۔ آیۃ کی اس تقریر میں ہم نے "ہلاک" کو "موت" کے معنی میں لیا ہے مگر "جمیعًا" کے لفظ کی تھوڑی سی وضاحت کر دی۔ جو مدلول لفظ "جمیعًا" کا ہم نے بیان کیا وہ ائمہ عربیۃ کی تصریحات کے عین موافق ہے۔ اس کے سوا یہ بھی ممکن ہے کہ آیۃ میں "ہلاک" کے معنی "موت" کے نہ لئے جائیں جیسا کہ راغب نے لکھا ہے کبھی "ہلاک" کے معنی ہوتے ہیں "کسی چیز کا مطلقًا فنا اور نیست و نابود ہو جانا"۔ مثلًا کل شیٔ ھالک الا وجھہ یعنی خدا کی ذات کے سوا ہر چیز نابود ہونے والی ہے۔ اس معنی پر آیت کا مطلب یہ ہو گا کہ اگر خدائے قدیر حضرت مسیح اور اُن کی والدہ اور تمام من فی الارض کو قطعًا نیست و نابود اور بالکلیہ فنا کر ڈالنے کا ارادہ کر لے تو کون ہے جو اس کے ارادہ کو روک دے گا۔ ؎ اوست سلطاں ہر چہ خواہد آں کند ۔۔ عالمے را در دمے ویراں کند۔ حضرت شاہ صاحبؒ تحریر فرماتے ہیں کہ "اللہ تعالیٰ کسی جگہ نبیوں کے حق میں ایسی بات فرماتے ہیں تا اُن کی اُمت بندگی کی حد سے زیادہ نہ چڑھا دے۔ والا نبی اس لائق کاہے کو ہیں" کہ اُن کے مرتبہ عالی اور وجاہت عند اللہ کا خیال کرتے ہوئے ایسا خطاب کیا جاتا۔

(۷۵) جو چاہے اور جس طرح چاہے۔ مثلًا حضرت "مسیح" کو بدون باپ کے حضرت "حوّا" کو بدون ماں کے اور حضرت آدم علیہ السلام کو بدون ماں اور باپ کے پیدا کر دیا۔

(۷۶) کسی کا زور اُس کے سامنے نہیں چل سکتا۔ سب اخیار و ابرار بھی وہاں مجبور ہیں۔

(۷۷) **یہود و نصاریٰ کا ابناء اللہ ہونے کا دعویٰ** شاید اپنے کو "بیٹے" یعنی اولاد کو اس کے لئے کہتے ہوں کہ اُن کی "بائیبل" میں خُدا نے اسرائیل (یعقوب علیہ السلام) کو اپنا پہلوٹا بیٹا اور اپنے کو اُس کا باپ کہا ہے۔ ادھر نصاریٰ حضرت مسیح علیہ السلام کو "ابن اللہ" مانتے ہیں تو اسرائیل کی اولاد اور حضرت مسیح کی اُمت ہونے کی وجہ سے غالبًا "ابناء اللہ" کا لفظ اپنی نسبت استعمال کیا ہو گا اور یہ بھی ممکن ہے کہ "بیٹا" کہنے سے مراد یہ ہو کہ ہم خدا کے خواص اور محبوب ہونے کی وجہ سے گویا اولاد ہی جیسے ہیں۔ اس صورت میں "ابناء" کا حاصل وہ ہی ہو جائیگا جو لفظ "احباء" کا ہے۔

(۷۸) چونکہ کسی مخلوق کا حقیقۃً "ابن اللہ" ہونا بالکل محال اور بدیہی البطلان ہے اور خدا کا محبوب بن جانا ممکن تھا یُحِبُّھُمْ وَیُحِبُّوْنَہٗ (مائدہ رکوع ۸) اس لئے اس جملہ میں اول "محبوبیت" (پیارے ہونے) کے دعوے کا رد کیا گیا یعنی جو قوم علانیہ بغاوتوں اور شدید ترین گناہوں کی بدولت یہاں بھی کتنی طرح کی رسوائیوں اور عذاب میں گرفتار ہو چکی اور آخرت میں بھی حبس دوام کی سزا کا عقلًا و نقلًا استحقاق رکھتی ہے۔ کیا ایسی باغی و عاصی قوم کی نسبت ایک لمحہ کے لئے بھی کوئی ذی شعور یہ خیال کر سکتا ہے کہ وہ خدا کی محبوب اور پیاری ہو گی؟ خدا سے کسی کا نسبی رشتہ نہیں۔ اُس کا پیار اور اُس کی محبت صرف اطاعت اور حُسن عمل سے حاصل ہو سکتی ہے ایسے کٹر مجرموں کو جو سخت سے سخت سزا کے مستحق اور مورد بن چکے ہوں شرمانا چاہئے کہ وہ "نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰہِ وَاَحِبَّآؤُہٗ" کا دعویٰ کریں۔ حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے کو باوجودیکہ اُن کا صُلبی بیٹا تھا خدا نے فرما دیا۔ اِنَّہٗ لَیْسَ مِنْ اَھْلِکَ اِنَّہٗ عَمَلٌ غَیْرُ صَالِحٍ (ہود، رکوع ۴)

(۷۹) "بشر" اصل لغت میں کھال کی اوپر والی سطح کو کہتے ہیں۔ تھوڑی سے مناسبت سے آدمی کو "بشر" کہنے لگے۔ شاید اس لفظ کے یہاں اختیار کرنے میں یہ نکتہ ہو کہ تم کو خدا کا بیٹا اور پیارا تو در کنار، شریف اور ممتاز انسان بھی نہیں کہا جا سکتا۔ صرف بشرہ اور شکل و صورت کے لحاظ سے

خدا کے پیدا کئے ہوئے ایک معمولی آدمی کہلائے جا سکتے ہو جن کی پیدائش بھی اُسی معتاد طریقہ سے ہوئی ہے جس طرح عام انسانوں کی ہوتی ہے۔ پھر بھلا "ابنیت" کا وہم کدھر سے راہ پا سکتا ہے۔

(۸۰) کیونکہ وہ ہی جانتا ہے کہ کون بخشنے کے لائق ہے اور کسے سزا دیجائے۔

(۸۱) تو جسے وہ اپنی رحمت اور حکمت سے معاف کرنا چاہے یا عدل و انصاف سے سزا دینا چاہے اُس میں کون مزاحم ہو سکتا ہے نہ کسی مجرم کے لئے یہ گنجائش ہے کہ اُس کے قلمرو آسمان و زمین سے باہر نکل جائے اور نہ یہ کہ مرنے کے بعد دوسری زندگی میں کہیں اور بھاگ جائے

(۸۲) **اہل کتاب کو رسول اللہ کی اطاعت کا حکم** یعنی ہمارے احکام و شرائع نہایت توضیح کے ساتھ کھول کھول کر بیان کرتے ہیں اس رکوع کے شروع سے "بنی اسرائیل" (یہود و نصاریٰ) کی مختلف قسم کی شرارتوں اور حماقتوں کو بیان فرما کر یہ بتلایا تھا کہ اب ہمارا رسول تمہارے پاس آچکا جو تمہاری غلط کاریوں کو واضح کرتا ہے اور تم کو ظلمت سے نکال کر نور کی طرف لے جانا چاہتا ہے۔ اُس کے بعد اس پر متنبہ فرمایا کہ اب نور ہدایت کی طرف جانا دو چیزوں پر موقوف ہے۔ ایک یہ کہ خدا تعالیٰ کی صحیح معرفت حاصل کرو اور مخلوق و خالق کے تعلق کے متعلق غلط عقیدے مت جماؤ۔ "لقد کفر الذین قالوا ان اللہ ھو المسیح بن مریم" سے یہاں تک اسی جزء کا بیان تھا۔ دوسری چیز یہ ہے کہ نبی الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاؤ جو تمام انبیائے سابقین کے کمالات کے جامع اور شرائع الٰہیہ کے سب سے بڑے اور آخری شارح ہیں اس جزو کا بیان اس آیت یا اھل الکتاب قد جاءکم رسولنا یبین لکم علی فترۃ الخ میں کیا گیا ہے۔

(۸۳) حضرت مسیح علیہ السلام کے بعد تقریباً چھ سو برس سے انبیاء کی آمد کا سلسلہ منقطع ہو چکا تھا۔ ساری دنیا الا ماشاء اللہ جہل، غفلت اور اوہام و اھواء کی تاریکیوں میں پڑی تھی۔ ہدایت کے چراغ گل ہو چکے تھے۔ ظلم و عدوان فساد و الحاد کی گھٹا تمام آفاق پر چھا رہی تھی اس وقت سارے جہان کی اصلاح کے لئے خدا نے سب سے بڑا "ہادی" اور "نذیر" و "بشیر" بھیجا، جو جاہلوں کو فلاح دارین کے راستے بتلائے غافلوں کو اپنے انذار و تخویف سے بیدار کرے اور پست ہمتوں کو بشارتیں سُنا کر اُبھارے۔ اسطرح ساری مخلوق پر خدا کی حجت تمام ہو گئی۔ کوئی مانے یا نہ مانے

(۸۴) یعنی تم اگر اس پیغمبر کی بات نہ مانو گے تو خدا کو قدرت ہے کہ کوئی دوسری قوم کھڑی کر دے جو اُس کے پیغام کو پوری طرح قبول کریگی اور پیغمبر کا ساتھ دے گی خدا کا کام کچھ تم پر موقوف نہیں۔

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَعَلَ فِيْكُمْ اَنْۢبِيَآءَ وَ جَعَلَكُمْ

اور جب کہا موسیٰ نے اپنی قوم کو اے قوم یاد کرو احسان اللہ کا اپنے اوپر ف۸۵ جب پیدا کئے تم میں نبی ف۸۶ اور کر دیا تم کو

مُّلُوْكًا ۖ وَّ اٰتٰىكُمْ مَّا لَمْ يُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۰﴾ يٰقَوْمِ ادْخُلُوا الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ

بادشاہ ف۸۷ اور دیا تم کو جو نہیں دیا تھا کسی کو جہان میں ف۸۸ اے قوم داخل ہو زمین پاک میں

الَّتِيْ كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَرْتَدُّوْا عَلٰٓى اَدْبَارِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ ﴿۲۱﴾ قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِنَّ فِيْهَا

جو مقرر کر دی ہے اللہ نے تمہارے واسطے ف۸۹ اور نہ لوٹو اپنی پیٹھ کی طرف پھر جا پڑو گے نقصان میں ف۹۰ بولے اے موسیٰ وہاں ایک قوم

قَوْمًا جَبَّارِيْنَ ۖ وَاِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَا حَتّٰى يَخْرُجُوْا مِنْهَا ۚ فَاِنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا فَاِنَّا دٰخِلُوْنَ ﴿۲۲﴾

ہے زبردست ف۹۱ اور ہم ہرگز وہاں نہ جاوینگے یہاں تک کہ وہ نکل جاویں اُس میں سے پھر اگر وہ نکلجاوینگے اُس میں سے تو ہم ضرور داخل ہونگے ف۹۲

(۸۵) موضح القرآن میں ہے کہ حضرت ابراہیم اپنے باپ کا وطن چھوڑ نکلے اللہ کی راہ میں اور ملک شام میں آکر ٹھہرے اور مدت تک اُنکے

اولاد نہ ہوئی تب اللہ تعالیٰ نے بشارت دی کہ تیری اولاد بہت پھیلاؤنگا اور زمین شام اُنکو دونگا اور نبوت، دین، کتاب اور سلطنت اُن میں رکھونگا۔ پھر حضرت موسیٰ کے وقت وہ وعدہ پورا کیا۔ بنی اسرائیل کو فرعون کی بیگار سے خلاص کیا۔ اور اُس کو غرق کیا اور اُن کو فرمایا کہ جہاد کرو عمالقہ سے ملک شام فتح کرلو۔ پھر ہمیشہ وہ ملک شام تمہارا ہے حضرت موسیٰ نے بارہ شخص بارہ قبائل بنی اسرائیل پر سردار کئے تھے اُن کو بھیجا کہ اس ملک کی خبر لاویں وہ خبر لائے تو ملک شام کی بہت خوبیاں بیان کیں اور وہاں جو عمالقہ مسلط تھے اُن کا زور و قوت بیان کیا حضرت موسیٰ نے اُن کو کہا کہ تم قوم کے سامنے ملک کی خوبی بیان کرو اور دشمن کی قوت کا ذکر مت کرو۔ اُن میں سے دو شخص اس حکم پر رہے اور دس نے خلاف کیا۔ قوم نے سُنا تو نامردی کرنے لگی اور چاہا کہ پھر اُلٹے مصر چلے جائیں۔ اس تقصیر کی وجہ سے چالیس برس فتح میں دیر لگی۔ اس قدر مدت جنگلوں میں بھٹکتے پھرتے رہے۔ جب اُس قرن کے لوگ مرچکے مگر وہ دو شخص کہ وہ ہی حضرت موسیٰ کے بعد خلیفہ ہوئے اُن کے ہاتھ سے فتح ہوئی۔

(۸۶) **بنی اسرائیل پر اللہ کی نعمتوں کا ذکر** یعنی تمہارے جدِ اعلیٰ حضرت ابراہیم سے لے کر آج تک کتنے نبی تم میں پیدا کئے۔ مثلاً حضرت اسمٰعیل، اسحٰق، یعقوب، یوسف اور خود موسیٰ و ہارون علیہم الصلوٰۃ والسلام پھر اُن کے بعد بھی یہ ہی سلسلہ مدت دراز تک اُن میں قائم رکھا۔

(۸۷) یعنی فرعونیوں کی ذلیل ترین غلامی سے آزادی دلاکر انکے اموال و املاک پر قابض کیا اور اس سے پہلے تم ہی میں سے حضرت یوسف علیہ السلام کو مصر کے خزائن اور سلطنت پر کیسا تسلط عطا فرمایا۔ پھر مستقبل میں بھی حضرت سلیمان وغیرہ نبی اور بادشاہ پیدا کئے۔ گویا دین اور دنیا دونوں کی اعلیٰ نعمتوں سے تم کو سرفراز کیا۔ کیونکہ دینی مناصب میں سب سے بڑا منصب نبوت اور دنیوی اقبال کی آخری حد آزادی اور بادشاہت ہے یہ دونوں چیزیں مرحمت کی گئیں۔

(۸۸) یعنی اس وقت جب موسیٰ علیہ السلام کو یہ خطاب فرمارہے تھے، بنی اسرائیل پر تمام دنیا کے لوگوں سے زیادہ خدا کی نوازشیں ہوئیں۔ اور اگر "احدًا من العالمین" کو عموم پر حمل کیا جائے تو یہ اس لئے صحیح نہ ہوگا کہ اُمتِ محمدیہ کی نسبت خود قرآن میں تصریح ہے۔ "کنتم خیر امۃ اخرجت للناس" (آل عمران رکوع ۱۲) اور "وکذالک جعلناکم امۃ وسطا لتکونوا شہداء علی الناس" (بقرہ رکوع ۱۷)۔

(۸۹) **یہودیوں کو ارض مقدس میں داخلے کا حکم اور اُنکی بزدلی** یعنی خدا نے پیشتر حضرت ابراہیمؑ سے وعدہ فرمایا تھا کہ تیری اولاد کو یہ ملک دونگا۔ وہ وعدہ ضرور پورا ہونا ہے۔ خوش قسمت ہونگے وہ لوگ جن کے ہاتھوں پر پورا ہو۔

(۹۰) یعنی جہاد فی سبیل اللہ میں بزدلی اور پست ہمتی دکھا کر غلامی کی زندگی کی طرف مت بھاگو

(۹۱) یعنی بہت قوی ہیکل، تنومند اور پُر رعب۔

(۹۲) یعنی مقابلہ کی ہمت ہم میں نہیں۔ ہاں بدون ہاتھ پاؤں ہلائے پکی پکائی کھالیں گے۔ آپ معجزہ کے زور سے اُنہیں نکال دیں۔

قَالَ رَجُلٰنِ مِنَ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمَا ادْخُلُوْا عَلَيْهِمُ الْبَابَ ۚ فَاِذَا دَخَلْتُمُوْهُ

کہا دو مردوں نے اللہ سے ڈرنے والوں میں سے کہ خدا کی نوازش تھی اُن دو پر ۹۳ گھس جاؤ اُن پر حملہ کرکے دروازہ میں پھر جب تم اُس میں گھس جاؤ گے

فَاِنَّكُمْ غٰلِبُوْنَ ۚ وَعَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۲۳﴾ قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَآ اَبَدًا مَّا

تو تم ہی غالب ہوگے ۹۴ اور اللہ پر بھروسہ کرو اگر یقین رکھتے ہو ۹۵ بولے اے موسیٰ ہم ہرگز نہ جاویں گے ساری عمر جب تک

دَامُوْا فِيْهَا فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ ﴿۲۴﴾

وہ رہینگے اُس میں سو تو جا اور تیرا رب اور تم دونوں لڑو ہم تو یہیں بیٹھے ہیں ۹۶

(۹۳) وہ دو شخص حضرت یوشع بن نون اور کالب ابن یوفنا تھے جو خدا سے ڈرتے تھے۔ اسی لئے عمالقہ وغیرہ کا کچھ ڈر اُن کو نہ رہا۔ سے

ہر کہ ترسید از حق و تقویٰ گزید .:. ترسد از وے جن و انس و ہر کہ دید۔

(۹۴) یعنی ہمت کر کے شہر کے پھاٹک تک تو چلو۔ پھر خدا تم کو غالب کریگا۔ خدا اُسی کی مدد کرتا ہے جو خود بھی اپنی مدد کرے۔

(۹۵) **توکل کا مفہوم** معلوم ہوا کہ اسباب مشروعہ کو ترک کرنا توکل نہیں "توکل" یہ ہے کہ کسی نیک مقصد کے لئے انتہائی کوشش اور جہاد کرے۔ پھر اُس کے مثمر و منتج ہونے کے لئے خدا پر بھروسہ رکھے۔ اپنی کوشش پر نازاں اور مغرور نہ ہو۔ باقی اسباب مشروعہ کو چھوڑ کر خالی اُمیدیں باندھتے رہنا توکل نہیں تعطل ہے۔

(۹۶) یہ اُس قوم کا مقولہ ہے جو "نحن ابناء اللہ واحباءہ" کا دعویٰ رکھتی تھی۔ مگر یہ گستاخانہ کلمات اُنکے مستمر تمرد و طغیان سے کچھ بھی مستبعد نہیں

قَالَ رَبِّ اِنِّیْ لَآ اَمْلِكُ اِلَّا نَفْسِیْ وَاَخِیْ فَافْرُقْ بَیْنَنَا وَبَیْنَ الْقَوْمِ الْفٰسِقِیْنَ ﴿۲۵﴾ قَالَ

بولا اے رب میرے میرے اختیار میں نہیں مگر میری جان اور میرا بھائی ف۹۷ سو جدائی کر دے تو ہم میں اور اس نافرمان قوم میں ف۹۸ فرمایا

فَاِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَیْهِمْ اَرْبَعِیْنَ سَنَةً ۚ یَتِیْهُوْنَ فِی الْاَرْضِ ؕ فَلَا تَاْسَ عَلَی الْقَوْمِ الْفٰسِقِیْنَ ﴿۲۶﴾

تحقیق وہ زمین حرام کی گئی ہے اُن پر چالیس برس سر مارتے پھرینگے ملک میں سو تو افسوس نہ کر نافرمان لوگوں پر

وَاتْلُ عَلَیْهِمْ نَبَاَ ابْنَیْ اٰدَمَ بِالْحَقِّ ۘ اِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ اَحَدِهِمَا وَلَمْ یُتَقَبَّلْ مِنَ

اور سُنا اُن کو حال واقعی آدم کے دو بیٹوں کا ف۹۹ جب نیاز کی دونوں نے کچھ نیاز اور مقبول ہوئی ایک کی اور نہ مقبول ہوئی دوسرے

الْاٰخَرِ ؕ قَالَ لَاَقْتُلَنَّكَ ؕ قَالَ اِنَّمَا یَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِیْنَ ﴿۲۷﴾ لَئِنْۢ بَسَطْتَّ اِلَیَّ یَدَكَ

کی ف۱۰۰ کہا میں تجھ کو مار ڈالونگا ف۱۰۱ وہ بولا اللہ قبول کرتا ہے تو پرہیزگاروں سے ف۱۰۲ اگر تو ہاتھ چلادے گا مجھ پر

لِتَقْتُلَنِیْ مَآ اَنَا بِبَاسِطٍ یَّدِیَ اِلَیْكَ لِاَقْتُلَكَ ۚ اِنِّیْۤ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۲۸﴾

مارنے کو میں نہ ہاتھ چلاؤں گا تجھ پر مارنے کو ف۱۰۳ میں ڈرتا ہوں اللہ سے جو پروردگار ہے سب جہان کا ف۱۰۴

(۹۷) **حضرت موسیٰؑ کی دُعا** حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سخت دلگیر ہو کر یہ دعا فرمائی۔ چونکہ تمام قوم کی عدول حکمی اور بزدلانہ عصیان کو مشاہدہ فرمارہے تھے۔ اس لئے دعاء میں بھی اپنے اور ہارون علیہ السلام کے سوا کہ وہ بھی نبی معصوم تھے اور کسی کا ذکر نہیں کیا۔ یوشع اور کالب بھی دونوں کے ساتھ تبعاً آگئے۔

(۹۸) **مسلمانوں اور یہود کا اس حکم میں موازنہ** یعنی جدائی کی دعاء حسی اور ظاہری طور پر تو قبول نہ ہوئی۔ ہاں معنی جدائی ہو گئی کہ وہ سب تو عذاب الٰہی میں گرفتار ہو کر حیران و سرگرداں پھرتے تھے اور حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام پیغمبرانہ اطمینان اور پورے قلبی سکون کے ساتھ اپنے منصب ارشاد و اصلاح پر قائم رہے۔ جیسے کسی بستی میں عام وبا پھیل پڑے اور ہزاروں بیماروں کے مجمع میں دو چار تندرست اور قوی القلب ہوں جو اُن کے معالجہ، چارہ سازی اور تفقد احوال میں مشغول رہیں۔ اگر "فافرق بیننا" کا ترجمہ "جدائی کر دے" کی جگہ "فیصلہ کر دے" کی جگہ "فیصلہ کر دے" ہوتا تو یہ مطلب زیادہ واضح ہو جاتا۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ یہ سب قصہ اہل کتاب کو سُنایا اس پر کہ تم پیغمبر آخر الزمان کی رفاقت نہ کرو گے جیسے تمہارے اجداد نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی رفاقت چھوڑ دی تھی اور جہاد سے جان چُرا بیٹھے تھے۔ تو یہ نعمت اوروں کو نصیب ہو گی۔ چنانچہ نصیب ہوئی۔ ایک لمحہ کے لئے اسی رکوع کو سامنے رکھ کر اُمّت محمدیہ کے احوال پر غور کیجئے اُن پر خدا کے انعامات ہوئے جو نہ پہلے کسی اُمّت پر ہوئے نہ آئندہ ہونگے۔ ان کے لئے خاتم الانبیاء سید الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کو ابدی شریعت دے کر بھیجا۔ اُن میں وہ علماء اور ائمہ

پیدا کئے جو باوجود غیر نبی ہونے کے انبیاء کے وظائف کو نہایت خوش اسلوبی سے انجام دیتے رہے۔ ایسے ایسے خلفاء نبی علیہ السلام کے بعد اُمت کے قائد بنے جنہوں نے سارے جہان کو اخلاق اور اصول سیاست وغیرہ کی ہدایت کی۔ اس اُمت کو بھی جہاد کا حکم ہوا۔ عمالقہ کے مقابلہ میں نہیں روئے زمین کے تمام جبارین کے مقابلہ میں۔ محض سرزمین "شام" فتح کرنے کے لئے نہیں بلکہ شرق و غرب میں "کلمۃ اللہ" بلند کرنے اور فتنہ کی جڑ کاٹنے کے لئے بنی اسرائیل سے خدا نے ارض مقدسہ کا وعدہ کیا تھا لیکن اس اُمت سے یہ فرمایا وعد اللہ الذین اٰمنوا منکم وعملوا الصالحات لیستخلفنھم فی الارض کما استخلف الذین من قبلھم ولیمکنن لھم دینھم الذی ارتضیٰ لھم ولیبدلنھم من بعد خوفھم امنا (نور۔ رکوع ۷) اگر بنی اسرائیل کو موسیٰ علیہ السلام نے جہاد میں پیٹھ پھیرنے سے منع کیا تھا تو اس امت کو بھی خدا نے اس طرح خطاب کیا۔ یٰایھا الذین اٰمنوا اذا لقیتم الذین کفروا زحفاً فلا تولوھم الادبار (انفال رکوع ۲) انجام یہ ہوا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے رفقاء تو عمالقہ سے ڈر کر یہاں تک کہہ گذرے کہ اذھب انت وربک فقاتلا انا ھٰھنا قاعدون۔ تم اور تمہارا پروردگار جا کر لڑ لو ہم یہاں بیٹھے ہیں۔ لیکن اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کہا کہ خدا کی قسم اگر آپ سمندر کی موجوں میں گھس جانے کا حکم دیں گے تو ہم اسی میں کود پڑیں گے اور ایک شخص بھی ہم میں سے علیحدہ نہیں رہیگا۔ اُمید کہ خدا آپ کو ہماری طرف سے وہ چیز دکھلائے گا جس سے آپ کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں گی۔ ہم اپنے پیغمبر کے ساتھ ہو کر اس کے داہنے اور بائیں۔ آگے اور پیچھے ہر طرف جہاد کریں گے۔ خدا کے فضل سے ہم وہ نہیں ہیں جنہوں نے موسیٰ علیہ السلام سے کہہ دیا تھا "اذھب انت وربک فقاتلا انا ھٰھنا قاعدون" اسی کا یہ نتیجہ ہے کہ جتنی مدت بنی اسرائیل فتوحات سے محروم ہو کر "وادی تیہ" میں بھٹکتے رہے اس سے کم مدت میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب نے مشرق و مغرب میں ہدایت و ارشاد کا جھنڈا گاڑ دیا۔ رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ ذٰلک لمن خشی ربہ۔

(۹۹) **قابیل اور ہابیل کا قصہ** یعنی آدم کے دو صلبی بیٹوں قابیل و ہابیل کا قصہ ان کو سُناؤ۔ کیونکہ اس قصہ میں ایک بھائی کے دوسرے بھائی کی مقبولیت اور تقویٰ پر حسد کرنے اور اسی غیظ میں اُس کو ناحق قتل کر ڈالنے کا ذکر ہے اور ناحق خون کرنے کے عواقب بیان کئے ہیں پچھلے رکوع میں یہ بتلایا تھا کہ بنی اسرائیل کو جب یہ حکم دیا گیا کہ ظالموں اور جابروں سے قتال کرو تو خوفزدہ ہو کر بھاگنے لگے۔ اب ہابیل و قابیل کا قصہ سنانا اس کی تمہید ہے کہ متقی اور مقبول بندوں کا قتل جو شدید ترین جرائم میں سے ہے اور جس سے ان لوگوں کو بے انتہا تہدید و تشدید کے ساتھ منع کیا گیا تھا، اس کے لئے یہ ملعون ہمیشہ کیسے مستعد اور تیار نظر آتے ہیں پہلے بھی کتنے نبیوں کو قتل کیا اور آج بھی خدا کے سب سے بڑے پیغمبر کے خلاف از راہ بغض و حسد کیسے کیسے منصوبے گانٹھتے رہتے ہیں۔ گویا ظالموں اور شریروں کے مقابلہ سے جان چُرانا اور بے گناہ معصوم بندوں کے خلاف قتل و اسر کی سازشیں کرنا یہ اس قوم کا شیوہ رہا ہے اور اس پر نحن ابنٰؤا اللہ واحبآؤہ کا دعویٰ بھی رکھتے ہیں۔ اس تقریر کے موافق قابیل و ہابیل کا قصہ، پھر اس پر من اجل ذٰلک کتبنا علیٰ بنی اسرائیل الآیۃ کی تفریع، یہ سب تمہید ہوگی اُس مضمون کی جو اس قصہ اور تفریع کے ختم پر فرمایا" ولقد جاءتھم رسلنا بالبینات ثم ان کثیرا منھم بعد ذٰلک فی الارض لمسرفون انما جزاؤا الذین یحاربون اللہ ورسولہ" الخ

(۱۰۰) یعنی آدم علیہ السلام دستور کے موافق جو لڑکی ہابیل کے نکاح میں دینا چاہتے تھے قابیل اُس کا طلبگار ہوا۔ آخر حضرت آدم کے اشارہ سے دونوں نے خدا کے لئے کچھ نیاز کی کہ جس کی نیاز مقبول ہو جائے لڑکی اسی کو دے دی جائے۔ آدم علیہ السلام کو غالباً یہ یقین تھا کہ ہابیل ہی کی نیاز مقبول ہوگی چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ آتش آسمانی ظاہر ہوئی اور ہابیل کی نیاز کو کھا گئی۔ یہ ہی علامت اُس وقت قبول عند اللہ کی تھی۔

(۱۰۱) قابیل یہ دیکھ کر آتش حسد میں جلنے لگا اور بجائے اس کے کہ مقبولیت کے وسائل اختیار کرتا غیظ و غضب میں اپنے حقیقی بھائی کو قتل کی دھمکیاں دینے لگا۔

(۱۰۲) یعنی ہابیل نے کہا کہ میرا اس میں کیا قصور ہے۔ خدا کے یہاں کسی کی زبردستی نہیں چلتی تقویٰ چلتا ہے گویا میری نیاز جو قبول کر لی گئی اس کا سبب

تقویٰ ہے۔ تو بھی اگر تقویٰ اختیار کرے تو خدا کو تجھ سے کوئی ضد نہیں۔

(۱۰۳) حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ "اگر کوئی ناحق کسی کو مارنے لگے اسکو رخصت ہے کہ ظالم کو مارے اور اگر صبر کرے تو شہادت کا درجہ ہے"۔ اور یہ حکم اپنے مسلمان بھائی کے مقابلہ میں ہے۔ ورنہ جہاں انتقام و مدافعت میں شرعی مصلحت و ضرورت ہو وہاں ہاتھ پاؤں توڑ کر بیٹھ رہنا جائز نہیں۔ مثلاً کافروں یا باغیوں سے قتال کرنا۔ والذین اذا اصابھم البغی ھم ینتصرون (شوریٰ رکوع ۴)

(۱۰۴) **ہابیل کا خوفِ خدا** یعنی میں تجھ سے ڈر کر نہیں بلکہ خدا سے ڈر کر یہ چاہتا ہوں کہ جہاں تک شرعاً گنجائش ہے۔ بھائی کے خون میں اپنے ہاتھ رنگین نہ کروں ایوب سختیانی فرماتے تھے کہ اُمتِ محمدیہ میں سے پہلا شخص جس نے اس آیۃ پر عمل کر کے دکھلایا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ ہے (ابن کثیر) جنہوں نے اپنا گلا کٹوا دیا لیکن اپنی رضا سے کسی مسلمان کی انگلی نہ کٹنے دی۔

إِنِّيٓ أُرِيدُ أَن تَبُوٓأَ بِإِثۡمِي وَإِثۡمِكَ فَتَكُونَ مِنۡ أَصۡحَٰبِ ٱلنَّارِۚ وَذَٰلِكَ جَزَٰٓؤُاْ ٱلظَّٰلِمِينَ ﴿٢٩﴾

میں چاہتا ہوں کہ تو حاصل کرے میرا گناہ اور اپنا گناہ ف۱۰۵ پھر ہو جاوے تو دوزخ والوں میں اور یہی ہے سزا ظالموں کی ف۱۰۶

فَطَوَّعَتۡ لَهُۥ نَفۡسُهُۥ قَتۡلَ أَخِيهِ فَقَتَلَهُۥ فَأَصۡبَحَ مِنَ ٱلۡخَٰسِرِينَ ﴿٣٠﴾ فَبَعَثَ ٱللَّهُ غُرَابٗا يَبۡحَثُ

پھر اُس کو راضی کیا اُسکے نفس نے خون پر اپنے بھائی کے ف۱۰۷ پھر اُسکو مار ڈالا سو ہو گیا نقصان اٹھانیوالوں میں ف۱۰۸ پھر بھیجا اللہ نے ایک کوا جو کریدتا تھا

فِي ٱلۡأَرۡضِ لِيُرِيَهُۥ كَيۡفَ يُوَٰرِي سَوۡءَةَ أَخِيهِۚ قَالَ يَٰوَيۡلَتَىٰٓ أَعَجَزۡتُ أَنۡ أَكُونَ مِثۡلَ هَٰذَا

زمین کو تاکہ اُسکو دکھلادے کس طرح چھپاتا ہے لاش اپنے بھائی کی بولا اے افسوس مجھ سے اتنا نہ ہو سکا کہ ہوں برابر اس

ٱلۡغُرَابِ فَأُوَٰرِيَ سَوۡءَةَ أَخِيۖ فَأَصۡبَحَ مِنَ ٱلنَّٰدِمِينَ ﴿٣١﴾ مِنۡ أَجۡلِ ذَٰلِكَ كَتَبۡنَا عَلَىٰ بَنِيٓ

کوے کی کہ میں چھپاؤں لاش اپنے بھائی کی ف۱۰۹ پھر لگا پچھتانے ف۱۱۰ اسی سبب سے لکھا ہم نے ف۱۱۱ بنی

إِسۡرَٰٓءِيلَ أَنَّهُۥ مَن قَتَلَ نَفۡسَۢا بِغَيۡرِ نَفۡسٍ أَوۡ فَسَادٖ فِي ٱلۡأَرۡضِ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ ٱلنَّاسَ جَمِيعٗا وَ

اسرائیل پر کہ جو کوئی قتل کرے ایک جان کو بلا عوض جان کے یا بغیر فساد کرنے کے ملک میں ف۱۱۲ تو گویا قتل کر ڈالا اُس نے سب لوگوں کو اور

مَنۡ أَحۡيَاهَا فَكَأَنَّمَآ أَحۡيَا ٱلنَّاسَ جَمِيعٗاۚ وَلَقَدۡ جَآءَتۡهُمۡ رُسُلُنَا بِٱلۡبَيِّنَٰتِ ثُمَّ إِنَّ كَثِيرٗا مِّنۡهُم بَعۡدَ

جس نے زندہ رکھا ایک جان کو تو گویا زندہ کر دیا سب لوگوں کو ف۱۱۳ اور لا چکے ہیں اُنکے پاس رسول ہمارے کھلے ہوئے حکم ف۱۱۴ پھر بہت لوگ اُن میں سے اس پر

ذَٰلِكَ فِي ٱلۡأَرۡضِ لَمُسۡرِفُونَ ﴿٣٢﴾

بھی ملک میں دست درازی کرتے ہیں ف۱۱۵

معانقہ وقف النبی صلی اللہ علیہ وسلم، عند المتاخرین ۱۲

(۱۰۵) یعنی میرے قتل کا گناہ بھی اپنے دوسرے گناہوں کے ساتھ حاصل کر لے۔ ابن جریر نے مفسرین کا اجماع نقل کیا ہے کہ "باثمی" کے معنی یہی ہیں۔ باقی جنہوں نے یہ لکھا ہے کہ قیامت میں مظلوم کے گناہ ظالم پر ڈالے جائیں گے وہ مضمون بھی ایک حیثیت سے صحیح ہے مگر محققین کے نزدیک وہ اس آیت کی تفسیر نہیں۔ اب ہابیل کے کلام کا حاصل یہ ہوا کہ اگر تو نے یہ ہی ٹھان لی ہے کہ میرے قتل کا وبال اپنے سر رکھے تو میں نے بھی ارادہ کر لیا ہے کہ کوئی مدافعت اپنی جانب سے نہ کروں حتیٰ کہ ترک عزیمت کا حرف بھی مجھ پر نہ آنے پائے۔

(۱۰۶) یعنی تیرے عمر بھر کے گناہ تجھ پر ثابت رہیں اور میرے خون کا گناہ چڑھے اور مظلومیت کی وجہ سے میرے گناہ اُتریں (موضح القرآن)۔

(۱۰۷) شاید ابتداء میں کچھ جھجک ہوگی۔ شدہ شدہ نفس امارہ نے خیال پختہ کر دیا اور یہی کیفیت عموماً معاصی کی ابتداء میں ہوتی ہے۔

(۱۰۸) **ظلم اور قطع رحم کی سزا دنیا میں** دنیوی خسران تو یہ کہ ایسا نیک بھائی جو قوت بازو بنتا ہاتھ سے کھویا اور خود پاگل ہو کر مرا۔ حدیث میں ہے کہ "ظلم" اور "قطع رحم" دو گناہ ایسے ہیں جن کی سزا آخرت سے پہلے یہاں بھی ملتی ہے۔ اور اُخروی خسران یہ کہ ظلم، قطع رحم، قتل عمد اور بدامنی کا دروازہ دنیا میں کھول دینے سے ان سب گناہوں کی سزا کا مستوجب ہوا اور آیندہ بھی جتنے اس نوعیت کے گناہ دنیا میں کئے جائیں گے سب میں بانی ہونے کی وجہ سے اُس کی شرکت رہی جیسا کہ حدیث میں مصرح ہے۔

(۱۰۹) **ہابیل کی لاش کی تدفین** چونکہ اس سے پہلے کوئی انسان مرا نہ تھا اس لئے قتل کے بعد اس کی سمجھ میں نہ آیا کہ لاش کو کیا کرے۔ آخر ایک کوّے کو دیکھا کہ زمین کرید رہا ہے یا دوسرے مردہ کوّے کو مٹی ہٹا کر زمین میں چھپا رہا ہے۔ اُسے دیکھ کر کچھ عقل آئی کہ میں بھی اپنے بھائی کی لاش کو دفن کر دوں اور افسوس بھی ہوا کہ میں عقل و فہم اور بھائی کی ہمدردی میں اس جانور سے بھی گیا گذرا ہوا شاید اسی لئے حق تعالیٰ نے ایک ادنیٰ جانور کے ذریعہ سے اسے تنبیہ فرمائی کہ وہ اپنی وحشت اور حماقت پر کچھ شرمائے۔ جانوروں میں کوّے کی یہ خصوصیت ہے کہ اپنے بھائی کی لاش کو کھلا چھوڑ دینے پر بہت شور مچاتا ہے۔

(۱۱۰) پچھتانا وہ نافع ہے جس کے ساتھ گناہ سے معذرت و انکسار اور فکر و تدارک بھی ہو۔ اس موقع پر اُس کا پچھتانا حق تعالیٰ کے عصیان پر نہیں بلکہ اپنی بدحالی پر تھا جو قتل کے بعد اُسے لاحق ہوئی۔

(۱۱۱) یعنی ناحق قتل میں جو دنیوی اور اُخروی خسران ہے اور جو بد نتائج اُس پر مرتب ہوتے ہیں حتیٰ کہ خود قاتل بھی اس حرکت کے بعد بسا اوقات پچھتاتا اور کف افسوس ملتا ہے۔ اسی سبب سے ہم نے بنی اسرائیل کو یہ ہدایت کی کہ الخ

(۱۱۲) **ایک بے گناہ قتل تمام انسانوں کا قتل ہے** ملک میں فساد کرنے کی بہت سی صورتیں ہیں۔ مثلاً اہل حق کو دین حق سے روکے یا پیغمبروں کی اہانت کرے یا "العیاذ باللہ" مرتد ہو کر اپنے وجود سے دوسروں کو مرتد ہونے کی ترغیب دے۔ وقس علیٰ ذٰلک۔

(۱۱۳) یعنی اول روئے زمین پر بڑا گناہ یہ ہی ہوا کہ قابیل نے ہابیل کو قتل کیا۔ اُس کے بعد رسم پڑ گئی اسی سبب سے تورات میں اس طرح فرمایا کہ "ایک کو مارا جیسے سب کو مارا" یعنی ایک کے ناحق خون کرنے سے دوسرے بھی اُس جرم پر دلیر ہوتے ہیں۔ تو اس حیثیت سے جو شخص ایک کو قتل کر کے بدامنی کی جڑ قائم کرتا ہے گویا وہ سب انسانوں کے قتل اور عام بدامنی کا دروازہ کھول رہا ہے اور جو کسی ایک کو زندہ کرتا یعنی کسی ظالم قاتل کے ہاتھ سے بچاتا ہے گویا وہ اپنے عمل سے سارے انسانوں کے بچانے اور مامون کرنے کی دعوت دے رہا ہے۔

(۱۱۴) مترجم رحمہ اللہ نے "بینات" سے کھلے ہوئے حکم مراد لئے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ بینات سے وہ کھلے کھلے نشان مراد لئے جائیں جن سے کسی پیغمبر کے من عند اللہ ہونے کی تصدیق ہوتی ہو۔

(۱۱۵) یعنی "بنی اسرائیل" کے بہت لوگ ایسے کھلے نشان دیکھ کر اور ایسے کھلے احکام سُن کر بھی اپنے ظلم و طغیان اور دست درازیوں سے باز نہ آئے انبیائے معصومین کو قتل اور آپس میں ناحق خون کرنا ان کا ہمیشہ سے وتیرہ رہا ہے اور آج بھی خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے (معاذ اللہ) قتل یا ایذاء رسانی اور مسلمانوں کی تذلیل کے لئے ہر قسم کی ناپاک سازشیں کرتے رہتے ہیں اور اتنا نہیں سمجھتے کہ جب حکم تورات کے موافق کیف ما اتفق کسی ایک آدمی کا ناحق مار ڈالنا اتنا بڑا جرم ہے کہ گویا اُس کا قاتل تمام دنیا کے انسانوں کا قاتل ہے تو دنیا کے سب سے زیادہ کامل و اکمل انسان اور سب سے زیادہ مقبول و مقدس جماعت کے قتل و ایذاء رسانی کے درپے ہونا اور اُن سے لڑائی اور مقابلہ کے لئے کمر باندھنا خدا کے نزدیک کتنا بھاری جُرم ہوگا۔ خدا کے سُفراء سے لڑائی تو در حقیقت خدا ہی سے لڑائی کرنا ہے۔

شاید اسی لئے اگلی آیت میں اُن لوگوں کی دنیوی اور اُخروی سزا کا ذکر کیا گیا ہے جو خدا اور پیغمبر سے لڑائی کرتے ہیں یا دنیا میں طرح طرح کے فساد پھیلا کر "مسرفون فی الارض" کے مصداق بنتے ہیں۔

إِنَّمَا جَزَٰٓؤُا۟ ٱلَّذِينَ يُحَارِبُونَ ٱللَّهَ وَرَسُولَهُۥ وَيَسْعَوْنَ فِى ٱلْأَرْضِ فَسَادًا أَن يُقَتَّلُوٓا۟ أَوْ يُصَلَّبُوٓا۟ أَوْ

یہی سزا ہے اُن کی جو لڑائی کرتے ہیں اللہ سے اور اُسکے رسول سے اور دوڑتے ہیں ملک میں فساد کرنے کو ف۱۱۶ کہ اُن کو قتل کیا جائے یا سولی چڑھائے جاویں

تُقَطَّعَ أَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُم مِّنْ خِلَٰفٍ أَوْ يُنفَوْا۟ مِنَ ٱلْأَرْضِ ۚ ذَٰلِكَ لَهُمْ خِزْىٌ فِى ٱلدُّنْيَا ۖ وَلَهُمْ

یا کاٹے جاویں اُن کے ہاتھ اور پاؤں مخالف جانب سے ف۱۱۷ یا دور کر دیئے جاویں اُس جگہ سے ف۱۱۸ یہ اُن کی رسوائی ہے دنیا میں اور اُن کے لئے

فِى ٱلْءَاخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿٣٣﴾ إِلَّا ٱلَّذِينَ تَابُوا۟ مِن قَبْلِ أَن تَقْدِرُوا۟ عَلَيْهِمْ ۖ فَٱعْلَمُوٓا۟ أَنَّ ٱللَّهَ

آخرت میں بڑا عذاب ہے ف۱۱۹ مگر جنہوں نے توبہ کی تمہارے قابو پانے سے پہلے تو جان لو کہ اللہ

غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٣٤﴾ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ ٱتَّقُوا۟ ٱللَّهَ وَٱبْتَغُوٓا۟ إِلَيْهِ ٱلْوَسِيلَةَ وَجَٰهِدُوا۟ فِى سَبِيلِهِۦ لَعَلَّكُمْ ع۵ ۹

بخشنے والا مہربان ہے ف۱۲۰ اے ایمان والو ڈرتے رہو اللہ سے اور ڈھونڈو اس تک وسیلہ ف۱۲۱ اور جہاد کرو اس کی راہ میں تاکہ تمہارا

تُفْلِحُونَ ﴿٣٥﴾ إِنَّ ٱلَّذِينَ كَفَرُوا۟ لَوْ أَنَّ لَهُم مَّا فِى ٱلْأَرْضِ جَمِيعًا وَمِثْلَهُۥ مَعَهُۥ

بھلا ہو ف۱۲۲ جو لوگ کافر ہیں اگر ان کے پاس ہو جو کچھ زمین میں ہے سارا اور اُسکے ساتھ اتنا ہی اور ہو

لِيَفْتَدُوا۟ بِهِۦ مِنْ عَذَابِ يَوْمِ ٱلْقِيَٰمَةِ مَا تُقُبِّلَ مِنْهُمْ ۖ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٣٦﴾

تاکہ بدلہ میں دیں اپنے قیامت کے عذاب سے تو اُن سے قبول نہ ہوگا اور ان کے واسطے عذاب دردناک ہے ف۱۲۳

(۱۱۶) **بدامنی پھیلانے والوں کی سزا** یعنی بدامنی کرنے کو اکثر مفسرین نے اس جگہ رہزنی اور ڈکیتی مراد لی ہے مگر الفاظ کو عموم پر رکھا جائے تو مضمون زیادہ وسیع ہو جاتا ہے۔ آیۃ کی جو شان نزول احادیث صحیحہ میں بیان ہوئی وہ بھی اسی کو مقتضی ہے کہ الفاظ کو اُن کے عموم پر رکھا جائے۔ "اللہ اور اُس کے رسول سے جنگ کرنا" یا "زمین میں فساد اور بدامنی پھیلانا" یہ دو لفظ ایسے ہیں جن میں کفار کے حملے، ارتداد کا فتنہ، رہزنی، ڈکیتی، ناحق قتل و نہب، مجرمانہ سازشیں اور مغویانہ پروپیگنڈا سب داخل ہو سکتے ہیں اور ان میں سے ہر جرم ایسا ہے جس کا ارتکاب کرنیوالا ان چار سزاؤں میں سے جو آگے مذکور ہیں کسی نہ کسی سزا کا ضرور مستحق ٹھہرتا ہے۔

(۱۱۷) یعنی داہنا ہاتھ اور بایاں پاؤں۔

(۱۱۸) کہیں اور لیجا کر اُنہیں قید کر دیں کما ہو مذہب الامام ابی حنیفہ رحمہ اللہ۔

(۱۱۹) ڈاکوؤں کے احوال چار ہو سکتے تھے۔ (۱) قتل کیا ہو مگر مال لینے کی نوبت نہ آئی (۲) قتل بھی کیا اور مال بھی لیا۔ (۳) مال چھین لیا مگر قتل نہیں کیا (۴) نہ مال چھین سکے نہ قتل کر سکے قصد اور تیاری کرنے کے بعد ہی گرفتار ہو گئے۔ چاروں حالتوں میں بالترتیب یہ ہی چار سزائیں ہیں جو بیان ہوئیں۔

(۱۲۰) **توبہ سے حقوق اللہ کی معافی** یعنی مذکورہ بالا سزائیں جو حدود اور حق اللہ کے طور پر تھیں وہ گرفتاری سے قبل توبہ کر لینے سے معاف ہو جاتی ہیں۔ حقوق العباد معاف نہیں ہونگے۔ مثلاً اگر کسی کا مال لیا تھا تو ضمان دینا ہوگا، قتل کیا تھا تو قصاص لیا جائیگا۔ ہاں ان چیزوں کے معاف کرنے کا حق صاحب مال اور ولی مقتول کو حاصل ہے (تنبیہ) اس حد کے سوا باقی حدود مثلاً حد زنا، حد شرب خمر، حد سرقہ، حد قذف

توبہ سے مطلقاً ساقط نہیں ہوتیں۔

(۱۲۱) **لفظ وسیلہ کی تفسیر** "وسیلہ" کی تفسیر ابن عباس، مجاہد، ابووائل، حسن وغیرہم اکابر سلف نے قربت سے کی ہے۔ تو وسیلہ ڈھونڈھنے کے معنی یہ ہونگے کہ اُس کا قرب و وصول تلاش کرو۔ قتادہ نے کہا "ای تقربوا الیہ بطاعتہ والعمل بما یرضیہ" خدا کی نزدیکی حاصل کرو اُس کی فرمانبرداری اور پسندیدہ عمل کے ذریعہ سے ایک شاعر کہتا ہے ؎ اذا غفل الواشون عدنا لوصلنا ۔ وعاد التصافی بیننا والوسائل۔ اس میں یہ ہی معنی قرب و اتصال کے مراد ہیں۔ اور وہ جو حدیث میں آیا ہے کہ "وسیلہ" جنت میں ایک نہایت ہی اعلیٰ منزل ہے جو دنیا میں سے کسی ایک بندہ کو ملیگی۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ تم اذان کے بعد میرے لئے خدا سے وہی مقام طلب کیا کرو۔ تو اس مقام کا نام بھی "وسیلہ" اسی لئے رکھا گیا کہ جنت کی تمام منزلوں میں وہ سب سے زیادہ عرش رحمٰن کے قریب ہے اور حق تعالیٰ کے مقامات قرب میں سب سے بلند واقع ہوا ہے۔ بہر حال پہلے فرمایا کہ ڈرتے رہو اللہ سے لیکن یہ ڈر ایسا نہیں جیسے آدمی سانپ بچھو یا شیر بھیڑیے سے ڈر کر دور بھاگتا ہے۔ بلکہ اس بات سے ڈرنا کہ کہیں اس کی خوشنودی اور رحمت سے دور نہ جا پڑو۔ اسی لئے "اتقوا اللہ" کے بعد "وابتغوا الیہ الوسیلۃ" فرمایا یعنی اس کی ناخوشی اور بعد و ہجر سے ڈر کر قرب و وصول حاصل کرنے کی کوشش کرو۔ اور ظاہر ہے کہ کسی چیز سے قریب ہم اسی وقت ہو سکتے ہیں جبکہ درمیانی راستہ قطع کرلیں جس پر چل کر اس کے پاس پہنچ سکتے ہوں۔ اُسی کو فرمایا۔ "وجاھدوا فی سبیلہ" جہاد کرو اس کی راہ میں۔ یعنی اس پر چلنے کی پوری پوری کوشش کرو۔ لعلکم تفلحون" تاکہ تم اس کی نزدیکی حاصل کرنے میں کامیاب ہو سکو۔

(۱۲۲) پچھلے رکوع کے آخر میں ان لوگوں کی دنیوی و اُخروی سزا بیان فرمائی تھی جو خدا اور رسول سے جنگ کرتے اور ملک میں بدامنی اور فساد پھیلاتے ہیں۔ اس رکوع میں مسلمانوں کو اُن سزاؤں سے ڈرا کر بتلایا گیا کہ جب شقی اور بدبخت لوگ خدا اور رسول سے جنگ کریں تو تم خدا اور رسول کی طرف ہو کر جہاد کرو۔ وہ اگر زمین پر فساد پھیلاتے ہیں تو تم اپنی کوشش اور حسن عمل سے امن و سکون قائم کرنے کی فکر کرو۔

(۱۲۳) **نجات مال سے حاصل نہیں ہوتی** پچھلی آیت میں بتلایا تھا کہ انسان خدا سے ڈرنے اُس کا قرب حاصل کرنے اور اس کی راہ میں جہاد کرنے ہی سے فلاح و کامیابی کی اُمید کر سکتا ہے۔ اس آیت میں متنبہ فرمادیا کہ جن لوگوں نے خدا سے روگردانی کی وہ آخرت میں اگر روئے زمین کے سارے خزانے بلکہ اس سے بھی زائد خرچ کر ڈالیں گے اور فدیہ دے کر عذاب الٰہی سے چھوٹنا چاہیں گے تو یہ ممکن نہ ہوگا۔ غرض وہاں کی کامیابی "تقویٰ" "ابتغائے وسیلہ" اور "جہاد فی سبیل اللہ" سے حاصل ہوتی ہے رشوت اور فدیہ سے نہیں ہو سکتی۔

يُرِيدُونَ أَنْ يَخْرُجُوا مِنَ النَّارِ وَمَا هُمْ بِخَارِجِينَ مِنْهَا ۖ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُقِيمٌ ﴿٣٧﴾ وَالسَّارِقُ

چاہیں گے کہ نکل جاویں آگ سے اور وہ اس سے نکلنے والے نہیں اور اُن کے لئے عذاب دائمی ہے ف۱۲۴ اور چوری کرنیوالا مرد

وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا جَزَاءً بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِنَ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿٣٨﴾ فَمَنْ

اور چوری کرنیوالی عورت کاٹ ڈالو اُنکے ہاتھ ف۱۲۵ سزا میں اُن کی کمائی کی تنبیہ ہے اللہ کی طرف سے ف۱۲۶ اور اللہ غالب ہے حکمت والا ف۱۲۷ پھر جس نے

تَابَ مِنْ بَعْدِ ظُلْمِهِ وَأَصْلَحَ فَإِنَّ اللَّهَ يَتُوبُ عَلَيْهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿٣٩﴾

توبہ کی اپنے ظلم کے پیچھے اور اصلاح کی تو اللہ قبول کرتا ہے اس کی توبہ بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے ف۱۲۸

(۱۲۴) احادیث کثیرہ سے ثابت ہے کہ بہت سے گنہگار مومنین ایک مدت تک "دوزخ" میں رہ کر پھر نکالے جائیں گے اور حق تعالیٰ اپنے فضل و رحمت سے جنت میں داخل کرے گا۔ یہ آیت اُن احادیث کے مخالف نہیں کیونکہ یہاں شروع آیت سے صرف کفار کا حال بیان کیا گیا ہے۔ مومنین کے متعلق اس آیت میں کوئی حرف نہیں۔

(۱۲۵) **چوری کی سزا** یعنی پہلے مرتبہ چوری کرے تو داہنا ہاتھ گٹے پر سے کاٹ دو۔ باقی تفاصیل کتب فقہ میں ملیں گی پچھلے رکوع میں ڈکیتی وغیرہ کی سزا ذکر کی گئی تھی۔ درمیان میں بعض مناسبات کی وجہ سے جن کو ہم بیان کر چکے ہیں، مومنین کو چند ضروری نصائح کی گئیں۔ اب پھر اُسی پچھلے مضمون کی تکمیل کی جاتی ہے۔ یعنی وہاں ڈکیتی کی سزا مذکور ہوئی تھی، اس آیت میں چوری کی سزا بتلا دی۔

(۱۲۶) **سخت سزاؤں کی حکمت** یعنی جو سزا چور کو دی جا رہی ہے وہ مال مسروق کا بدلہ نہیں، بلکہ اُس کے فعل "سرقہ" کی سزا ہے تاکہ اُسے اور دوسرے چوروں کو تنبیہ ہو جائے۔ بلاشبہ جہاں کہیں یہ حدود جاری ہوتی ہیں، دو چار ہی کی سزایابی کے بعد چوری کا دروازہ قطعاً بند ہو جاتا ہے۔ آج کل مدعیان "تہذیب" اس قسم کی حدود کو وحشیانہ سزا سے موسوم کرتے ہیں لیکن چوری کرنا اگر ان صاحبوں کے نزدیک کوئی مہذب فعل نہیں ہے تو یقیناً آپ کی مہذب سزا؟ اس غیر مہذب وستبرد کے استیصال میں کامیاب نہیں ہو سکتی۔ اگر تھوڑی سی وحشت کا تحمل کرنے سے بہت سے چور مہذب بنائے جا سکتے ہوں تو حاملین تہذیب کو خوش ہونا چاہئے کہ اُن کے "تہذیبی مشن" میں اس وحشت سے مدد مل رہی ہے۔ بعض نام نہاد مفسر بھی اس کوشش میں ہیں کہ "قطع ید" (ہاتھ کاٹنے) کی سزا کو چوری کی انتہائی سزا قرار دے کر اس سے ہلکی سزا دہی کا اختیار شریعت حقہ سے حاصل کر لیں مگر مشکل یہ ہے کہ نہ تو چوری کی اس سے ہلکی سزا قرآن کریم میں کہیں موجود ہے اور نہ عہد نبوت یا عہد صحابہ میں اُس کی کوئی نظیر پائی گئی۔ کیا کوئی شخص یہ دعویٰ کر سکتا ہے کہ اتنے طویل عرصہ میں جتنے چور پکڑے گئے اُن میں ایک بھی ابتدائی چور نہ تھا جس پر کم از کم بیان جواز ہی کے طور پر "قطع ید" سے ہلکی کوئی ابتدائی سزا جاری کی جاتی۔ کسی ملحد نے پرانے زمانہ میں اِس "حد سرقہ" پر یہ بھی شبہ کیا تھا کہ جب شریعت نے ایک ہاتھ کی دیت پانسو دینار رکھی ہے تو اتنا قیمتی ہاتھ جس کے کٹنے پر پانسو دینار واجب ہوں، دس پانچ روپیہ کی چوری میں کس طرح کاٹا جا سکتا ہے۔ ایک عالم نے اس کے جواب میں کیا خوب فرمایا "انہا لما کانت امینۃ کانت ثمینۃ فلما خانت ھانت" یعنی جو ہاتھ امین تھا وہ قیمتی تھا جب (چوری کر کے) خائن ہوا تو ذلیل ہوا۔

(۱۲۷) چونکہ غالب ہے اس لئے اُسے حق ہے کہ جو چاہے قانون نافذ کر دے کوئی چون و چرا نہیں کر سکتا۔ لیکن چونکہ حکمت والا بھی ہے اس لئے یہ احتمال نہیں کہ محض اپنے اختیار کامل سے کام لے کر کوئی قانون بے موقع نافذ کرے۔ نیز وہ اپنے ناتواں بندوں کے اموال کی حفاظت کا کوئی انتظام نہ کر سکے، یہ اس کی عزت اور غلبہ کے منافی ہے اور چوروں ڈاکوؤں کو یونہی آزاد چھوڑ دے یہ اس کی حکمت کے خلاف ہے۔

(۱۲۸) **چور کی توبہ قابل قبول ہے** یعنی توبہ اگر ٹھیک ہو جس کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ چوری کا مال مالک کو واپس کرے اور اگر تلف ہو گیا ہو تو ضمان دے اور ضمان نہ دے سکے تو معاف کرائے۔ اور اپنے فعل پر نادم ہو اور آئندہ کے لئے اُس سے مجتنب رہنے کا عزم رکھے۔ تو اس طرح کی توبہ سے اُمید ہے کہ حق تعالیٰ اُخروی عقوبت جس کے مقابلہ میں دنیوی سزا کی کچھ حقیقت نہیں، اس پر سے اٹھا لے۔

اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَاۗءُ وَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ ۭ

تجھ کو معلوم نہیں کہ اللہ ہی کے واسطے ہے سلطنت آسمان اور زمین کی عذاب کرے جس کو چاہے اور بخشے جس کو چاہے

وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۴۰﴾ يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ لَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ مِنَ

اور اللہ سب چیز پر قادر ہے ف۱۲۹ اے رسول غم نہ کر اُن کا جو دوڑ کر گرتے ہیں کفر میں ف۱۳۰ وہ

الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِاَفْوَاهِهِمْ وَلَمْ تُؤْمِنْ قُلُوْبُهُمْ ۛ وَمِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا ۛ سَمّٰعُوْنَ

لوگ جو کہتے ہیں ہم مسلمان ہیں اپنے منہ سے اور اُن کے دل مسلمان نہیں اور وہ جو یہودی ہیں ف۱۳۱ جاسوسی کرتے ہیں

لِلْكَذِبِ سَمّٰعُوْنَ لِقَوْمٍ اٰخَرِيْنَ ۙ لَمْ يَاْتُوْكَ ۭ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ مِنْۢ بَعْدِ مَوَاضِعِهٖ ۚ يَقُوْلُوْنَ

جھوٹ بولنے کے لئے وہ جاسوس ہیں دوسری جماعت کے جو تجھ تک نہیں آئے ف۱۳۲ بدل ڈالتے ہیں بات کو اُس کا ٹھکانا چھوڑ کر ف۱۳۳ کہتے ہیں

اِنْ اُوْتِيْتُمْ هٰذَا فَخُذُوْهُ وَاِنْ لَّمْ تُؤْتَوْهُ فَاحْذَرُوْا ۭ وَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ فِتْنَتَهٗ فَلَنْ تَمْلِكَ

اگر تم کو یہ حکم ملے تو قبول کر لینا اور اگر یہ حکم نہ ملے تو بچتے رہنا ف۱۳۴ اور جس کو اللہ نے گمراہ کرنا چاہا سو تو اُس کے لئے کچھ

لَهٗ مِنَ اللّٰهِ شَيْـــًٔا ۭ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ لَمْ يُرِدِ اللّٰهُ اَنْ يُّطَهِّرَ قُلُوْبَهُمْ ۭ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ ښ

نہیں کر سکتا اللہ کے ہاں ف۱۳۵ یہ وہی لوگ ہیں جن کو اللہ نے نہ چاہا کہ دل پاک کرے اُن کے ف۱۳۶ اُن کو دنیا میں ذلت ہے

وَّلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۴۱﴾

اور اُن کو آخرت میں بڑا عذاب ہے۔

(۱۲۹) جب حقیقی سلطنت و حکومت اُسی کی ہے تو بلاشبہ اسی کو یہ اختیار ہوگا کہ جسے مناسب جانے معاف کر دے اور جسے اپنے حکمت و عدل کے موافق سزا دینا چاہے سزا دے اور نہ صرف یہ کہ اُسے معاف کرنے اور سزا دینے کے کلی اختیارات حاصل ہیں بلکہ ان اختیارات کے استعمال سے کوئی روکنے والا بھی نہیں۔ کیونکہ ہر چیز پر وہ پوری قدرت رکھتا ہے۔

(۱۳۰) **حدود اللہ میں تحریف کا ایک واقعہ** پچھلی آیات میں ڈکیتی اور چوری وغیرہ کی حدود بیان کی گئی تھیں۔ اب بعض اُن اقوام کا حال سناتے ہیں جنہوں نے "حدود اللہ" میں تحریف کر کے اپنے کو عذاب عظیم کا مستحق ٹھہرایا۔ ان کا مفصل واقعہ بغوی نے یہ لکھا ہے کہ خیبر کے ایک یہودی مرد اور عورت نے جو کنوارے نہ تھے زنا کیا۔ باوجودیکہ تورات میں اس جرم کی سزا "رجم" (سنگسار کرنا) تھی، مگر اُن دونوں کی بڑائی مانع تھی کہ یہ سزا جاری کی جائے۔ آپس میں یہ مشورہ ہوا کہ یہ شخص جو "یثرب" میں ہے (یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم) ان کی کتاب میں "زانی" کے لئے "رجم" کا حکم نہیں، کوڑے مارنے کا ہے تو "بنی قریظہ" کے یہود میں سے کچھ آدمی اُن کے پاس بھیجو، کیونکہ وہ اُن کے ہمسایہ ہیں اور اُن سے صلح کا معاہدہ بھی کر چکے ہیں۔ وہ اُن کا خیال معلوم کر لیں گے۔ چنانچہ ایک جماعت اس کام کے لئے روانہ کی گئی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا عندیہ معلوم کرے کہ "زانی محصن" کی کیا سزا تجویز کرتے ہیں۔ اگر وہ کوڑے مارنے کا حکم دیں تو ان پر رکھ کر قبول کر لو۔ اور "رجم" کا حکم دیں تو مت مانو۔ ان کے دریافت کرنے پر حضورؐ نے فرمایا کہ تم میرے فیصلہ پر رضامند ہو گے انہوں نے اقرار کر لیا۔ خدا کی طرف سے جبرئیل "رجم" کا حکم لے آئے مگر وہ لوگ اپنے اقرار سے پھر گئے آخر حضور نے فرمایا کہ فدک کا رہنے والا ابن صوریا تم میں کیسا شخص ہے؟ سب نے کہا کہ آج روئے زمین پر "شرائع موسویہ" کا اس سے زیادہ جاننے والا کوئی نہیں۔ آپ نے اُس کو بلوایا اور نہایت ہی شدید حلف دے کر پوچھا کہ "تورات" میں اس گناہ کی سزا کیا ہے؟ باوجودیکہ دوسرے یہود اس حکم کو چھپانے کی ہر ممکن کوشش کر رہے تھے جس کا پردہ حضرت عبداللہ بن سلام کے ذریعہ سے فاش ہو چکا تھا۔ تاہم ابن صوریا نے جو اُن کا مسلّم

معتمد تھا کسی نہ کسی وجہ سے اس کا اقرار کر لیا کہ وہ بیشک تورات میں اس جرم کی سزا رجم ہی ہے۔ بعدہ اس نے سب حقیقت ظاہر کی کہ کس طرح یہود نے رجم کو اڑا کر زنا کی سزا یہ رکھ دی کہ زانی کو کوڑے لگائے جائیں اور کالا منہ کر کے اور گدھے پر اُلٹا سوار کرا کر گشت کرایا جائے۔ الحاصل حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں مرد و عورت پر رجم کی سزا جاری کی۔ اور فرمایا کہ اے اللہ آج میں پہلا شخص ہوں جس نے تیرے حکم کو دنیا میں زندہ کیا اس کے بعد کہ وہ اُسے مردہ کر چکے تھے۔ یہ واقعہ ہے۔

(۱۳۱) یعنی منافقین اور یہود بنی قریظہ۔

(۱۳۲) **سمّٰعُون کے معنیٰ** "سماعون" کے معنی ہیں بہت زیادہ سُننے والے اور کان دھرنے والے، پھر "بہت زیادہ سُننا" کبھی تو جاسوسی پر اطلاق کیا جاتا ہے اور کبھی اُس کے معنی ہوتے ہیں "بہت زیادہ قبول کرنے والا" جیسے "سمع اللہ لمن حمدہ" میں سننے کے معنی قبول کرنے کے ہیں۔ مترجم رحمہ اللہ نے یہاں پہلے معنی مراد لئے ہیں۔ لیکن ابن جریر وغیرہ محققین نے دوسرے معنی پر حمل کیا ہے "سمّٰعون للکذب" یعنی جھوٹ اور باطل کو بہت زیادہ ماننے اور قبول کرنے والے سمّٰعون لقوم اٰخرین" یعنی دوسری جماعت جس نے ان کو بھیجا اور خود تمہارے پاس نہیں آئی اُن کی بات بہت زیادہ ماننے والے۔

(۱۳۳) یعنی خدا کے احکام میں تحریف کرتے ہیں یا کہیں کی بات کہیں لگا دیتے ہیں۔

(۱۳۴) یعنی اگر کوڑے لگانے کا حکم ملے تو قبول کرو ورنہ نہیں۔ گویا خدا کی شریعت کو اپنی ہوا کے تابع رکھنا چاہتے تھے۔

(۱۳۵) **خیر اور شر کا خالق اللہ ہی ہے** ہدایت و ضلالت، خیر و شر کوئی چیز بھی بدون ارادۂ خداوندی کے عالم وجود میں نہیں آسکتی یہ ایک ایسا اصول ہے کہ جس کا انکار کرنا اُس کے تسلیم کرنے سے زیادہ مشکل ہے۔ فرض کرو کہ ایک شخص چوری کرنے کا ارادہ کرتا ہے لیکن خدا کا ارادہ یہ ہے کہ چوری نہ کرے اب وہ شخص اگر اپنے ارادہ میں کامیاب رہا تو لازم آتا ہے کہ خدا اُس کے مقابلہ میں معاذ اللہ عاجز ہو۔ اور اگر خدا ہی کا ارادہ بندہ کے ارادہ پر غالب رہتا ہے تو لازم آتا ہے کہ دنیا میں کہیں چوری وغیرہ کسی شر کا وجود نہ رہے اور اگر خدا تعالیٰ خیر و شر میں سے کسی کا بھی ارادہ نہیں کرتا تو اس سے معاذ اللہ اس کا تعطل یا غفلت و سفاہت لازم آتی ہے۔ تعالیٰ اللہ عن کل الشرور و تقدس۔ ان تمام شقوق پر غور کرنے کے بعد ناچار وہ ہی ماننا پڑیگا کہ کوئی چیز بھی اس کے ارادہ تخلیق کے بدون موجود نہیں ہو سکتی۔ یہ مسئلہ نہایت مہم اور طویل الذیل ہے۔ ہمارا قصد ہے کہ اس قسم کے مسائل کے متعلق مستقل مضمون لکھ کر فوائد کے ساتھ ملحق کر دیا جائے۔ واللہ الموفق۔

(۱۳۶) **یہود کی دائمی گمراہی و ذلّت** اوّل منافقین اور یہود کا طرز عمل بیان فرمایا جس میں یہ چند اعمال بالخصوص ذکر کئے گئے۔ ہمیشہ جھوٹ اور باطل کی طرف جھکنا۔ اہل حق کے خلاف جاسوسی کرنا بدباطن اور شریر جماعتوں کو مدد پہنچانا۔ ہدایت کی باتوں کو تحریف کر کے بدل ڈالنا۔ اپنی خواہش اور مرضی کے خلاف کسی حق بات کو قبول نہ کرنا۔ جس قوم میں یہ خصال پائی جائیں اُس کی مثال ایسے مریض کی سمجھو، جو نہ دوا استعمال کرے نہ مہلک اور مضر چیزوں سے پرہیز قائم رکھ سکے، اطباء اور ڈاکٹروں کا مذاق اڑائے، فہمائش کرنیوالوں کو گالیاں دے، نسخہ پھاڑ کر پھینک دے، یا اپنی رائے سے اُس کے اجزاء بدل ڈالے اور یہ عہد بھی کر لے کہ جو دوا میری خواہش اور مذاق کے خلاف ہو گی کبھی استعمال نہ کرونگا۔ ان حالات کی موجودگی میں کوئی ڈاکٹر یا طبیب خواہ اس کا باپ ہی کیوں نہ ہو اگر معالجہ سے دست بردار ہو کر یہی ارادہ کر لے کہ ایسے مریض کو اب اس کی بے اعتدالیوں، غلط کاریوں، ضد اور ہٹ کا خمیازہ بھگتنے دو تو کیا یہ طبیب کی بے رحمی یا بے اعتنائی کا ثبوت ہوگا یا خود مریض کی خودکشی سمجھی جائے گی۔ اب اگر مریض اس بیماری سے ہلاک ہو گیا تو طبیب کو مورد الزام نہیں ٹھہرا سکتے کہ اُس نے علاج نہ کیا اور تندرست کرنا نہ چاہا۔ بلکہ بیمار خود ملزم ہے کہ اُس نے

اپنے ہاتھوں سے اپنے کو تباہ کیا اور طبیب کو موقع نہ دیا کہ وہ اس کی صحت واپس لانے کی کوشش کرتا۔ ٹھیک اسی طرح یہاں یہود کی شرارت، ہواپرستی، ضد اور ہٹ دھرمی کو بیان فرما کر جو یہ لفظ فرمائے ومن یرد اللہ فتنتہ الخ (جس کو اللہ نے گمراہ کرنا چاہا) اور اولٰئک الذین لم یرد اللہ ان یطہر قلوبہم (یہی وہ لوگ ہیں جن کو اللہ نے چاہا کہ ان کے دلوں کو پاک کرے) اس کا یہی مطلب ہے کہ خدا نے اُن کی سوءِ استعداد اور بدکاریوں کی وجہ سے اپنی نظرِ لطف و عنایت اُن پر سے اٹھالی۔ جس کے بعد ان کے راہ پر آنے اور پاکی قبول کرنے کی کوئی توقع نہیں رہی۔ آپ اُن کے غم میں اپنے کو نہ گھلائیں لقولہ تعالیٰ لا یحزنک الذین الخ باقی یہ شبہ کہ خدا تو اس پر بھی قادر تھا کہ ان کی سب شرارتوں اور غلط کاریوں کو جبرًا روک دیتا اور مجبور کر دیتا کہ وہ کوئی ضد اور ہٹ کر ہی نہ سکیں۔ تو بیشک میں تسلیم کرتا ہوں کہ خدا کی قدرت کے سامنے یہ چیز کچھ مشکل نہ تھی ولو شاء ربک لاٰمن من فی الارض کلہم جمیعًا (یونس رکوع ۱۰) لیکن اس دنیا کا سارا نظام ہی ایسا رکھا گیا ہے کہ بندوں کو خیر و شر کے اکتساب میں مجبور محض نہ بنایا جائے۔ اگر صرف خیر کے اختیار پر سب کو مجبور کر دیا جاتا تو تخلیق عالم کی حکمت و مصلحت پوری نہ ہوتی اور حق تعالیٰ کی بہت سی صفات ایسی رہ جاتیں کہ ان کے ظہور کے لئے کوئی محل نہ ملتا۔ مثلاً عفوٌ، غفور، حلیم، منتقم، ذوالبطش الشدید، قائم بالقسط، مالک یوم الدین وغیرہ۔ حالانکہ عالم کے پیدا کرنے سے غرض ہی یہ ہے کہ اس کی تمامی صفات کمالیہ کا مظاہرہ ہو۔ کوئی مذہب یا کوئی انسان جو خدا کو فاعل مختار مانتا ہے انجام کار اس کے سوا کوئی دوسری غرض نہیں بتلا سکا۔ لیبلوکم ایکم احسن عملاً (سورہ ملک رکوع ۱) اس سے زائد تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں بلکہ اس قدر بھی ہمارے موضوع سے زائد ہی ہے۔

سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ ؕ فَاِنْ جَآءُوْكَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ اَوْ اَعْرِضْ عَنْهُمْ ۚ وَاِنْ

جاسوسی کرنیوالے جھوٹ بولنے کے لئے اور بڑے حرام کھانے والے سو اگر آویں وہ تیرے پاس تو فیصلہ کر دے ان میں یا منہ پھیر لے ان سے ف۱۳۷ اور اگر

تُعْرِضْ عَنْهُمْ فَلَنْ يَّضُرُّوْكَ شَيْـًٔا ؕ وَاِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ

تو منہ پھیر لے گا اُن سے تو وہ تیرا کچھ نہ بگاڑ سکیں گے اور اگر تو فیصلہ کرے تو فیصلہ کر اُن میں انصاف سے بیشک اللہ دوست رکھتا

الْمُقْسِطِيْنَ ﴿۴۲﴾ وَكَيْفَ يُحَكِّمُوْنَكَ وَعِنْدَهُمُ التَّوْرٰىةُ فِيْهَا حُكْمُ اللّٰهِ ثُمَّ يَتَوَلَّوْنَ مِنْۢ بَعْدِ

ہے انصاف کرنیوالوں کو ف۱۳۸ اور وہ تجھ کو کس طرح منصف بنائینگے اور اُن کے پاس تو توریت ہے جس میں حکم ہے اللہ کا پھر اُس کے پیچھے پھرے جاتے

۶ ع ۱۰ ذٰلِكَ ؕ وَمَاۤ اُولٰٓئِكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۴۳﴾ اِنَّاۤ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِيْهَا هُدًى وَّنُوْرٌ ۚ يَحْكُمُ

ہیں اور وہ ہرگز ماننے والے نہیں ہیں ف۱۳۹ ہم نے نازل کی توریت کہ اس میں ہدایت اور روشنی ہے ف۱۴۰ اس پر حکم کرتے

بِهَا النَّبِيُّوْنَ الَّذِيْنَ اَسْلَمُوْا لِلَّذِيْنَ هَادُوْا وَالرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ بِمَا اسْتُحْفِظُوْا

تھے پیغمبر جو کہ حکم بردار تھے اللہ کے یہود کو اور حکم کرتے تھے درویش اور عالم ف۱۴۱ اس واسطے کہ وہ نگہبان ٹھہرائے

مِنْ كِتٰبِ اللّٰهِ وَكَانُوْا عَلَيْهِ شُهَدَآءَ ۚ فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ وَاخْشَوْنِ وَلَا تَشْتَرُوْا

گئے تھے اللہ کی کتاب پر اور اس کی خبرگیری پر مقرر تھے ف۱۴۲ سو تم نہ ڈرو لوگوں سے اور مجھ سے ڈرو اور مت خریدو

بِاٰيٰتِىْ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۴۴﴾

میری آیتوں پر مول تھوڑا ف۱۴۳ اور جو کوئی حکم نہ کرے اُس کے موافق جو کہ اللہ نے اتارا سو وہی لوگ ہیں کافر ف۱۴۴

(۱۳۷) **فیصلہ میں انصاف کا حکم** ابن عباس، مجاہد اور عکرمہ وغیرہ اکابر سلف سے منقول ہے کہ حضور کو یہ اختیار ابتداء میں تھا، آخر میں جب اسلام کا تسلط اور نفوذ کامل ہو گیا تو ارشاد ہوا وان احکم بینھم بما انزل اللہ یعنی ان کے نزاعات کا فیصلہ قانون شریعت کے موافق کر دیا کرو۔ مطلب یہ کہ اعراض اور کنارہ کشی کی ضرورت نہیں۔

(۱۳۸) قرآن کریم نے بار بار اس پر زور دیا ہے کہ کوئی شخص کتنا ہی شریر ظالم اور بدمعاش کیوں نہ ہو مگر اُس کے حق میں بھی تمہارا دامن عدالت ناانصافی کے چھینٹوں سے داغدار نہ ہونے پائے۔ یہ ہی وہ خصلت ہے جس کے سہارے زمین و آسمان کا نظام قائم رہ سکتا ہے۔

(۱۳۹) **یہود تورات پر بھی یقین نہیں رکھتے** یعنی تعجب کی بات ہے کہ آپ کو حکم ٹھہراتے ہیں اور جس تورات کو کتاب آسمانی مانتے ہیں اُس کے فیصلہ پر بھی راضی نہیں۔ تو حقیقت میں ان کا ایمان کسی پر بھی نہیں۔ نہ قرآن پر نہ تورات پر۔ اگلے رکوع میں تورات وانجیل کی مدح فرما کر متنبہ کیا ہے کہ کیسی عمدہ کتاب اور کیسے علوم ہدایت تھے جن کی نالائقوں نے بے قدری کی اور انہیں ایسا ضائع کیا کہ آج اصل چیز کا پتہ لگانا بھی مشکل ہو گیا۔ آخر حق تعالیٰ نے اپنی رحمت کاملہ سے بالکل آخر میں وہ کتاب بھیجی جو اُن سب پہلی کتابوں کے مطالب اصلیہ کی محافظ اور مصدق ہے۔ اور جس کی ابدی حفاظت کا انتظام نازل کرنے والے نے خود اپنے ذمہ لیا ہے۔ فللہ الحمد والمنۃ

(۱۴۰) یعنی وصول الی اللہ کے طالبین کے لئے ہدایت کا اور شبہات و مشکلات کی ظلمت میں پھنس جانے والوں کیلئے روشنی کا کام دیتی تھی

(۱۴۱) **تورات نور و ہدایت تھی** یعنی تورات میں ایسا عظیم الشان دستور العمل اور آئین ہدایت تھا کہ کثیر التعداد پیغمبر اور اہل اللہ اور علماء برابر اُسی کے موافق حکم دیتے اور نزاعات کے فیصلے کرتے رہے۔

(۱۴۲) یعنی تورات کی حفاظت کا ان کو ذمہ دار بنایا گیا تھا۔ قرآن کریم کی طرح "انا لہ لحافظون" کا وعدہ نہیں ہوا۔ تو جب تک علماء و احبار نے اپنی ذمہ داری کا احساس کیا "تورات" محفوظ و معمول رہی آخر دنیا پرست علمائے سوء کے ہاتھوں سے تحریف ہو کر ضائع ہو گئی۔

(۱۴۳) **اللہ کے کلام میں تحریف نہ کرو** یعنی لوگوں کے خوف یا دنیوی طمع کی وجہ سے آسمانی کتاب میں تبدیل و تحریف مت کرو۔ اس کے احکام و اخبار کو مت چھپاؤ اور خدا کی تعذیب و انتقام سے ڈرتے رہو۔ تورات کی عظمت شان اور مقبولیت جتلانے کے بعد یہ خطاب یا تو اُن رؤسا و علماء یہود کو کیا گیا ہے جو نزول قرآن کے وقت موجود تھے کیونکہ انہوں نے حکم "رجم" سے انکار کر دیا تھا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق پیشین گوئیوں کو چھپاتے اور اُن کے معنی میں عجیب طرح کے ہیر پھیر کرتے تھے۔ اور یا درمیان میں امت مسلمہ کو نصیحت ہے کہ تم دوسری قوموں کی طرح کسی سے ڈر کر یا حُب مال و جاہ میں پھنس کر اپنی آسمانی کتاب کو ضائع مت کرنا چنانچہ اس امت نے بحمد اللہ ایک حرف بھی اپنی کتاب کا کم نہیں کیا اور آج تک اس کو مبطلین کی تغییر و تحریف سے محفوظ رکھنے میں کامیاب رہے اور ہمیشہ رہیں گے۔

(۱۴۴) "ما انزل اللہ" کے موافق حکم نہ کرنے سے غالباً یہ مراد ہے کہ منصوص حکم کے وجود ہی سے انکار کر دے اور اس کی جگہ دوسرے احکام اپنی رائے اور خواہش سے تصنیف کر لے۔ جیسا کہ یہود نے حکم "رجم" کے متعلق کیا تھا۔ تو ایسے لوگوں کے کافر ہونے میں کیا شبہ ہو سکتا ہے۔ اور اگر مراد یہ ہو کہ "ما انزل اللہ" کو عقیدۃً ثابت مان کر پھر فیصلہ عملاً اس کے خلاف کرے تو کافر سے مراد عملی کافر ہو گا۔ یعنی اُس کی عملی حالت کافروں جیسی ہے۔

وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيهَا أَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْأَنْفَ بِالْأَنْفِ وَالْأُذُنَ
اور لکھ دیا ہم نے اُن پر اس کتاب میں کہ جی کے بدلے جی اور آنکھ کے بدلے آنکھ اور ناک کے بدلے ناک اور کان کے
بِالْأُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ وَالْجُرُوحَ قِصَاصٌ فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهِ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَهُ وَمَنْ
بدلے کان اور دانت کے بدلے دانت اور زخموں کا بدلا اُنکے برابر ف۱۴۵ پھر جس نے معاف کر دیا تو وہ گناہ سے پاک ہو گیا ف۱۴۶ اور جو کوئی
لَمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ﴿۴۵﴾ وَقَفَّيْنَا عَلَىٰ آثَارِهِمْ بِعِيسَى ابْنِ
حکم نہ کرے اُس کے موافق جو کہ اللہ نے اُتارا سو وہی لوگ ہیں ظالم ف۱۴۷ اور پیچھے بھیجا ہم نے اُنہی کے قدموں پر عیسیٰ مریم کے
مَرْيَمَ مُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرَاةِ وَآتَيْنَاهُ الْإِنْجِيلَ فِيهِ هُدًى وَنُورٌ وَ
بیٹے کو ف۱۴۸ تصدیق کرنیوالا توریت کی جو آگے سے تھی اور اس کو دی ہم نے انجیل جس میں ہدایت اور روشنی تھی اور
مُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرَاةِ وَهُدًى وَمَوْعِظَةً لِلْمُتَّقِينَ ﴿۴۶﴾ وَلْيَحْكُمْ أَهْلُ
تصدیق کرتی تھی اپنے سے اگلی کتاب توریت کی اور راہ بتلانیوالی اور نصیحت تھی ڈرنے والوں کو ف۱۴۹ اور چاہیے کہ حکم کریں انجیل
الْإِنْجِيلِ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ فِيهِ وَمَنْ لَمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ ﴿۴۷﴾
والے موافق اُسکے جو کہ اُتارا اللہ نے اُس میں اور جو کوئی حکم نہ کرے موافق اُسکے جو کہ اُتارا اللہ نے سو وہی لوگ ہیں نافرمان ف۱۵۰

(۱۴۵) **تورات میں قصاص کا حکم** قصاص کا یہ حکم شریعت موسوی میں تھا۔ اور بہت سے علمائے اصول نے تصریح کی ہے کہ جو پچھلی شرائع قرآن کریم یا ہمارے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نقل فرمائیں بشرطیکہ ان کی نسبت کسی جگہ حضورؐ نے کوئی انکار یا ترمیم نہ فرمائی ہو تو وہ اس امت کے حق میں بھی تسلیم کی جائیں گی۔ گویا بدون رد و انکار کے اُن کو سنانا تلقی بالقبول کی دلیل ہے۔

(۱۴۶) یعنی جروح کے قصاص کو معاف کر دینا مجروح کے گناہوں کا کفارہ بن جاتا ہے۔ جیسا کہ بعض احادیث میں اس کی تصریح آئی ہے۔ اور بعض مفسرین نے اس آیت کو جارح کے حق میں رکھا ہے یعنی اگر مجروح نے جارح کو معافی دے دی تو اسکا گناہ معاف ہو جائے گا والراجح ہو الاوّل۔

(۱۴۷) **حکم قصاص میں یہود کی بے اعتدالی** یہود نے حکم قصاص کے خلاف بھی تعامل قائم کر لیا تھا۔ اُن میں "بنی نضیر" جو زیادہ معزز اور قوی سمجھے جاتے تھے، "بنو قریظہ" سے پوری دیت وصول کرتے اور جب اُن کو دینے کی نوبت آتی تو نصف دیت ادا کرتے "بنی قریظہ" نے اپنی کمزوری کی وجہ سے اس طرح کا معاہدہ کر رکھا تھا اتفاقاً بنی قریظہ کے ہاتھ سے "بنی نضیر" کا آدمی مارا گیا۔ اُنہوں نے دستور سابق کے موافق ان سے پوری دیت طلب کی۔ بنی قریظہ نے جواب دیا کہ جاؤ وہ زمانہ گیا جب ہم نے تمہاری قوت سے مجبور ہو کر یہ ظلم منظور کر لیا تھا۔ اب محمد صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں آ چکے ہیں اُن کا دور دورہ ہے۔ یہ ممکن نہیں کہ ہم جو دیت تم سے لیتے ہیں اس سے دُگنی ادا کریں۔ اس سے غرض یہ تھی کہ جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں محال ہے کہ کوئی قوی سے ضعیف کو کچل سکے یا دبا سکے۔ کیونکہ سب کو یقین تھا کہ آپ ہر ضعیف و قوی کے ساتھ یکساں انصاف کرتے ہیں اور اقویاء کے مظالم کے مقابلہ میں ضعفاء کی دستگیری فرماتے ہیں۔ انجام کار یہ معاملہ حضورؐ کی عدالت میں پیش ہوا اور بنی قریظہ نے جو خیال اُس پیکر عدل و انصاف کی نسبت ظاہر کیا تھا بلا کم و کاست صحیح نکلا۔ حکم قصاص کے بعد ومن لم یحکم بما انزل اللہ الخ فرمانے سے اسی

واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔ اور چونکہ "رجم" کی طرح قصاص کے حکم شرعی ہونے سے صریحًا انکار نہیں کیا تھا۔ بلکہ آپس کی مفاہمت سے خلاف حکم شرعی ایک دستور قائم کر لیا تھا۔ تو قانون عدل کی یہ اعتقادی نہیں صرف عملی مخالفت ہوئی۔ اسی لئے یہاں کافرون کی جگہ... ظالمون فرمایا۔ یعنی یہ ظلم صریح ہے کہ قوی سے کم اور ضعیف سے زیادہ دیت لیجائے۔

(۱۴۸) یعنی ان کے نقش قدم پر یہ بھی چلتے تھے۔

(۱۴۹) **انجیل اور حضرت عیسٰی تورات کی تصدیق کرتے تھے** یعنی حضرت عیسٰی علیہ السلام خود اپنی زبان سے تورات کی تصدیق فرماتے تھے اور جو کتاب (انجیل) اُن کو دی گئی تھی وہ بھی تورات کی تصدیق کرتی تھی اور انجیل کی نوعیت بھی نور و ہدایت ہونے میں تورات کی طرح تھی۔ احکام و شرائع کے اعتبار سے دونوں میں بہت ہی قلیل فرق تھا جیسا کہ ولاحل لکم بعض الذی حرم علیکم میں اشارہ کیا گیا ہے۔ اور یہ فرق تورات کی تصدیق کے منافی نہیں جیسے آج ہم قرآن کو ماننے اور صرف اسی کے احکام کو تسلیم کرنے کے باوجود بحمداللہ تمام کتب سماویہ کے من عنداللہ ہونے کی تصدیق کرتے ہیں۔

(۱۵۰) **اہل انجیل سے خطاب** یا تو عیسائی جو نزول انجیل کے وقت موجود تھے اُن کو یہ حکم دیا گیا تھا اُسی کو یہاں نقل فرما رہے ہیں اور ہو سکتا ہے کہ نزول قرآن کے وقت جو عیسائی مخاطب تھے اُن سے کہا گیا ہو کہ جو کچھ انجیل میں اللہ تعالیٰ نے اُتارا ہے اس کے موافق ٹھیک ٹھیک حکم کریں۔ یعنی ان پیشین گوئیوں کو چھپانے یا لغو اور مہمل تاویلات سے بدلنے کی کوشش نہ کریں جو انجیل میں پیغمبر آخرالزماں اور مقدس "فارقلیط" کی نسبت حضرت مسیح کی زبانی کی گئی ہیں۔ یہ خدا تعالیٰ کی سخت نافرمانی ہوگی کہ جس ہادی جلیل اور مصلح عظیم کے متعلق حضرت مسیح علیہ السلام یہ فرمائیں کہ "جب وہ روح حق آئیگی تو تمہیں سچائی کی ساری راہیں بتائے گی۔ اُسی کی تکذیب پر کمر بستہ ہو کر اپنے لئے ابدی خسران قبول کرو۔ کیا مقدس مسیح اور اُس کے پروردگار کی فرمانبرداری کے یہی معنی ہیں۔

وَ اَنۡزَلۡنَاۤ اِلَیۡکَ الۡکِتٰبَ بِالۡحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیۡنَ یَدَیۡہِ مِنَ الۡکِتٰبِ وَ مُہَیۡمِنًا عَلَیۡہِ

اور تجھ پر اُتاری ہم نے کتاب سچی تصدیق کرنے والی سابقہ کتابوں کی اور اُن کے مضامین پر نگہبان ف ۱۵۱

فَاحۡکُمۡ بَیۡنَہُمۡ بِمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰہُ وَ لَا تَتَّبِعۡ اَہۡوَآءَہُمۡ عَمَّا جَآءَکَ مِنَ الۡحَقِّ ؕ لِکُلٍّ جَعَلۡنَا

سو تو حکم کر اُن میں موافق اُسکے جو کہ اُتارا اللہ نے ف ۱۵۲ اور اُنکی خوشی پر مت چل چھوڑ کر سیدھا راستہ جو تیرے پاس آیا ف ۱۵۳ ہر ایک کو تم میں سے دیا ہم

مِنۡکُمۡ شِرۡعَۃً وَّ مِنۡہَاجًا ؕ وَ لَوۡ شَآءَ اللّٰہُ لَجَعَلَکُمۡ اُمَّۃً وَّاحِدَۃً وَّ لٰکِنۡ لِّیَبۡلُوَکُمۡ فِیۡ مَاۤ

نے ایک دستور اور راہ ف ۱۵۴ اور اللہ چاہتا تو تم کو ایک دین پر کر دیتا لیکن تم کو آزمانا چاہتا ہے اپنے دیے ہوئے

اٰتٰىکُمۡ فَاسۡتَبِقُوا الۡخَیۡرٰتِ ؕ اِلَی اللّٰہِ مَرۡجِعُکُمۡ جَمِیۡعًا فَیُنَبِّئُکُمۡ بِمَا کُنۡتُمۡ فِیۡہِ تَخۡتَلِفُوۡنَ ﴿۴۸﴾

حکموں میں ف ۱۵۵ سو تم دوڑ کر لو خوبیاں اللہ کے پاس تم سب کو پہنچنا ہے ف ۱۵۶ پھر جتا دے گا جس بات میں تم کو اختلاف تھا ف ۱۵۷

(۱۵۱) **قرآن مہیمن ہے مہیمن کی تشریح** "مہیمن" کے کئی معنی بیان کئے گئے ہیں۔ امین، غالب، حاکم، محافظ و نگہبان، اور ہر معنی کے اعتبار سے قرآن کریم کا کتب سابقہ کے لئے "مہیمن" ہونا صحیح ہے۔ خدا کی جو امانت تورات و انجیل وغیرہ کتب سماویہ میں ودیعت کی گئی تھی وہ مع شئے زاید قرآن میں محفوظ ہے۔ جس میں کوئی خیانت نہیں ہوئی۔ اور جو بعض فروعی چیزیں اُن کتابوں میں اُس زمانہ یا ان مخصوص مخاطبین کے حسب حال تھیں ان کو قرآن نے منسوخ کر دیا اور جو حقائق ناتمام تھیں۔ ان کی پوری تکمیل فرما دی ہے اور جو حصّہ

اس وقت کے اعتبار سے غیر مہم تھا اُسے بالکل نظر انداز کر دیا ہے۔

(۱۵۲) **یہودیوں کے نزاعات میں رسول اللہ کا فیصلہ** | یہود میں باہم کچھ نزاع ہو گئی تھی۔ ایک فریق جس میں اُن کے بڑے بڑے مشہور علماء اور مقتدا شامل تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور فصل نزاع کی درخواست کی اور یہ بھی کہا کہ آپ کو معلوم ہے کہ عموماً قوم یہود ہمارے اختیار و اقتدار میں ہے۔ اگر آپ فیصلہ ہمارے موافق کر دیں گے تو ہم مسلمان ہو جائیں گے اور ہمارے اسلام لانے سے جمہور یہود اسلام قبول کر لیں گے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس رشوتی اسلام کو منظور نہ کیا اور اُن کی خواہشات کی پیروی سے صاف انکار فرما دیا۔ اس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔ (ابن کثیر)

(۱۵۳) **آنحضرتؐ کی شان عصمت اور عصمت انبیاء** | گذشتہ فائدہ میں ان آیات کی جو شان نزول ہم لکھ چکے ہیں اُس سے صاف عیاں ہے کہ آیت کا نزول بعد اس کے ہوا کہ آپ اُن کی خوشی اور خواہش پر چلنے سے انکار فرما چکے تھے۔ تو یہ آیات آپ کے استقامت کی تصویب اور آئندہ بھی ایسی ہی شان عصمت پر ثابت قدم رہنے کی تاکید کے لئے نازل ہوئیں۔ جو لوگ اس قسم کی آیات کو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شان عصمۃ کے خلاف تصور کرتے ہیں وہ نہایت ہی قاصر الفہم ہیں۔ اوّل تو کسی چیز سے منع کرنا اس کی دلیل نہیں کہ جس کو منع کیا جا رہا ہے وہ اس ممنوع چیز کا ارتکاب کرنا چاہتا تھا۔ دوسرے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی "معصومیت" کا مطلب یہ ہے کہ خدا کی معصیت اُن سے صادر نہیں ہو سکتی۔ یعنی کسی کام کو یہ سمجھتے ہوئے کہ خدا کو ناپسند ہے ہرگز اختیار نہیں کر سکتے۔ اور اگر اتفاقاً کسی وقت بھول چوک یا رائے و اجتہاد کی غلطی سے راجح و افضل کی جگہ مرجوح و مفضول کو اختیار کر لیں یا غیر مرضی سمجھ کر عمل کر گذریں جس کو اصطلاح میں "زلّۃ" کہتے ہیں۔ تو اس طرح کے واقعات مسئلہ عصمت کے منافی نہیں۔ جیسا کہ حضرت آدم اور بعض دیگر انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے واقعات شاہد ہیں۔ اس حقیقت کو سمجھ لینے کے بعد "ولا تتبع اھواءھم عما جاءك من الحق" اور "واحذرھم ان یفتنوك عن بعض ما انزل اللہ الیك" اور اسی طرح کی دوسری آیات کا مطلب سمجھنے میں کوئی خلجان نہیں رہتا۔ کیونکہ ان میں صرف اس بات پر متنبہ کیا گیا ہے کہ آپ ان ملعونوں کی تلبیع اور سخن سازی سے قطعاً متاثر نہ ہوں اور کوئی ایسی رائے قائم نہ فرمالیں جس میں بلا قصد اُن کی خواہشات کے اتباع کی صورت پیدا ہو جائے۔ مثلاً اسی قصہ میں جو ان آیات کی شان نزول ہے۔ یہود نے کیسی عیارانہ اور پُر فریب صورت حضور کے سامنے پیش کی تھی کہ اگر آپ اُن کے حسب منشاء فیصلہ کر دیں تو سب یہود مسلمان ہو جائیں گے۔ وہ جانتے تھے کہ اسلام سے بڑھ کر دنیا میں کوئی چیز آپ کے نزدیک محبوب اور عزیز نہیں۔ ایسے موقع پر امکان تھا کہ بڑے سے بڑا مستقیم انسان بھی یہ رائے قائم کر لے کہ اُن کی ایک چھوٹی سی خواہش کے قبول کر لینے میں جب کہ اتنی عظیم الشان دینی منفعت کی توقع ہو، کیا مضائقہ ہے۔ اس طرح کے خطرناک اور مزلۃ الاقدام موقع پر قرآن کریم پیغمبر علیہ السلام کو متنبہ کرتا ہے کہ دیکھو بھول کر بھی کوئی ایسی رائے قائم نہ کر لیجیے جو آپ کی شان رفیع کے مناسب نہ ہو۔ حضور کا کمال تقویٰ اور انتہائی فہم و تدبر تو نزول آیت سے پہلے ہی اُن ملاعین کے مکر و فریب کو رد کر چکا تھا لیکن فرض کیجئے اگر ایسا نہ ہو چکا ہوتا تب بھی آیت کا مضمون جیسا کہ ہم تقریر کر چکے ہیں حضور کی شان عصمت کے اصلاً مخالف نہیں۔

(۱۵۴) **شریعتوں کے اختلاف کی حقیقت** | یعنی خدا نے ہر امت کا آئین اور طریق کار اس کے احوال و استعداد کے مناسب جدا گانہ رکھا ہے اور باوجودیکہ تمام انبیاء اور ملل سماویہ اصول دین اور مقاصد کلیہ میں جن پر نجات ابدی کا مدار ہے، باہم متحد اور ایک دوسرے کے مصدق رہے ہیں۔ پھر بھی جزئیات و فروع کے لحاظ سے ہر اُمت کو ان کے ماحول اور مخصوص استعداد کے موافق خاص خاص احکام و ہدایات دی گئیں۔ اس آیت میں اِسی فرعی اختلاف کی طرف اشارہ ہے۔ صحیح بخاری کی ایک حدیث میں جو سب

ابنیاء علیہم السلام کو آپس میں علاتی بھائی فرمایا ہے جن کا باپ ایک ہو اور مائیں مختلف ہوں، اُس کا مطلب بھی یہی ہے کہ اصول سب کے ایک ہیں اور فروع میں اختلاف ہے۔ اور چونکہ بچہ کی تولید میں باپ فاعل و مفیض اور ماں قابل اور محل افاضہ بنتی ہے اس سے نہایت لطیف اشارہ اس طرف بھی ہو گیا کہ شرائع سماویہ کا اختلاف مخاطبین کی قابلیت و استعداد پر مبنی ہے، ورنہ مبدأ فیاض میں کوئی اختلاف و تعدد نہیں۔ سب شرائع و ادیان سماویہ کا سرچشمہ ایک ہی ذات اور اُس کا علم ازلی ہے۔

(۱۵۵) یعنی کون تم میں سے خدا کی مالکیت مطلقہ، علم محیط اور حکمت بالغہ پر یقین کر کے ہر نئے حکم کو حق و صواب سمجھ کر بطوع و رغبت قبول کرتا ہے اور ایک وفادار غلام کی طرح ہر جدید حکم کے سامنے گردن جھکا دینے کے لئے تیار رہتا ہے۔

(۱۵۶) یعنی شرائع کے اختلاف کو دیکھ کر خواہ مخواہ کی قیل و قال اور کج بحثیوں میں پڑ کر وقت نہ گنواؤ۔ وصول الی اللہ کا ارادہ کرنیوالوں کو عملی زندگی میں اپنی دوڑ دھوپ رکھنی چاہیئے اور جو عقائد، اخلاق اور اعمال کی خوبیاں شریعت سماویہ پیش کر رہی ہے ان کے لینے میں چستی دکھلانی چاہیئے۔

(۱۵۷) تو انجام کا خیال کر کے حسنات و خیرات کی تحصیل میں مستعدی دکھلاؤ۔ اختلافات کی سب حقیقت وہاں جا کر کھل جائیگی

وَاَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ وَاحْذَرْهُمْ اَنْ يَّفْتِنُوْكَ عَنْۢ بَعْضِ

اور یہ فرمایا کہ حکم کر اُن میں موافق اُس کے جو کہ اُتارا اللہ نے اور مت چل اُن کی خوشی پر اور بچتا رہ اُن سے کہ تجھ کو بہکا نہ دیں کسی ایسے حکم سے

مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكَ ؕ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمْ اَنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّصِيْبَهُمْ بِبَعْضِ ذُنُوْبِهِمْ ؕ وَاِنَّ

جو اللہ نے اُتارا تجھ پر ف۱۵۸ پھر اگر نہ مانیں تو جان لے کہ اللہ نے یہی چاہا ہے کہ پہنچاوے اُنکو کچھ سزا اُنکے گناہوں کی ف۱۵۹ اور لوگوں

كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ لَفٰسِقُوْنَ ۝۴۹ اَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُوْنَ ؕ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكْمًا

میں بہت ہیں نافرمان ف۱۶۰ اب کیا حکم چاہتے ہیں کفر کے وقت کا اور اللہ سے بہتر کون ہے حکم کرنے والا

لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ۝۵۰ ع يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰٓى اَوْلِيَآءَ ۘ بَعْضُهُمْ

یقین کرنیوالوں کے واسطے ف۱۶۱ اے ایمان والو مت بناؤ یہود اور نصاریٰ کو دوست ف۱۶۲ وہ آپس میں دوست

اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ؕ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝۵۱

ہیں ایک دوسرے کے ف۱۶۳ اور جو کوئی تم میں سے دوستی کرے اُن سے تو وہ اُنہی میں ہے ف۱۶۴ اللہ ہدایت نہیں کرتا ظالم لوگوں کو ف۱۶۵

ع ۷ النصف ۱۱ عند [illegible] وقف منزل وقف غفران [illegible]

(۱۵۸) یعنی آپس کے اختلافات میں خواہ دنیا کیسی ہی دست و گریباں رہے آپ کو یہی حکم ہے کہ ما انزل اللہ کے موافق حکم دیتے رہیں۔ اور کسی کے کہنے سننے کی کوئی پرواہ نہ کریں۔

(۱۵۹) گناہوں کی کچھ سزا دنیا میں بھی ملتی ہے پوری سزا تو قیامت میں ملیگی۔ لیکن کچھ تھوڑی سی سزا دے کر یہاں بھی مجرم کو یا دوسرے دیکھنے والوں کو ایک گونہ تنبیہ کر دی جاتی ہے۔

(۱۶۰) یعنی آپ ان لوگوں کے اعراض و انحراف سے زیادہ ملول نہ ہوں۔ دنیا میں فرمانبردار بندے ہمیشہ تھوڑے ہی ہوتے ہیں وما اکثر الناس ولو حرصت بمومنین (یوسف ع۱۱)

(۱۶۱) یعنی جو لوگ خدا کی شہنشاہیت، رحمت کاملہ اور علم محیط پر یقین کامل رکھتے ہیں، اُن کے نزدیک دُنیا میں کسی کا حکم خدا کے

حکم کے سامنے لائق التفات نہیں ہوسکتا۔ پھر کیا یہ لوگ احکام الٰہیہ کی روشنی آجانے کے بعد ظنون و اہواء اور کفر و جاہلیت کے اندھیرے ہی کی طرف جانا پسند کرتے ہیں۔

(۱۶۲) **اہل کتاب سے موالات کی ممانعت** "اولیاء" ولی کی جمع ہے۔ "ولی" دوست کو بھی کہتے ہیں، قریب کو بھی، ناصر اور مددگار کو بھی، غرض یہ ہے کہ "یہود و نصاریٰ" بلکہ تمام کفار سے، جیسا کہ سورۂ "نساء" میں تصریح کی گئی ہے۔ مسلمان دوستانہ تعلقات قائم نہ کریں۔ اس موقع پر یہ ملحوظ رکھنا چاہئے کہ موالات، مروت و حسن سلوک، مصالحت، رواداری اور عدل و انصاف یہ سب چیزیں الگ الگ ہیں۔ اہل اسلام اگر مصلحت سمجھیں تو ہر کافر سے صلح اور عہد و پیمان مشروع طریقہ پر کر سکتے ہیں۔ وان جنحوا للسلم فاجنح لها وتوكل على الله (انفال رکوع ۸) عدل و انصاف کا حکم جیسا کہ گذشتہ آیات سے معلوم ہو چکا مسلم و کافر ہر فرد بشر کے حق میں ہے۔ "مروۃ" اور "حسن سلوک" یا "رواداری" کا برتاؤ اُن کفار کے ساتھ ہوسکتا ہے جو جماعت اسلام کے مقابلہ میں دشمنی اور عناد کا مظاہرہ نہ کریں۔ جیسا کہ سورہ "ممتحنہ" میں تصریح ہے۔ باقی "موالاۃ" یعنی دوستانہ اعتماد اور برادرانہ مناصرۃ و معاونت، تو کسی مسلمان کو حق نہیں کہ یہ تعلق کسی غیر مسلم سے قائم کرے۔ البتہ صوری موالات جو "الا ان تتقوا منهم تقاة" کے تحت میں داخل ہو، اور عام تعاون جس کا اسلام اور مسلمانوں کی پوزیشن پر کوئی بُرا اثر نہ پڑے اُسکی اجازت ہے۔ بعض خلفائے راشدین سے اس بارہ میں، جو غیر معمولی تشدید و تضییق منقول ہے اُس کو محض سد ذرائع اور مزید احتیاط پر مبنی سمجھنا چاہئے۔

(۱۶۳) **کفار تمام ایک دوسرے کے دوست ہیں** یعنی مذہبی فرقہ بندی اور اندرونی بغض و عداوت کے باوجود وہ باہم ایک دوسرے سے دوستانہ تعلقات رکھتے ہیں یہودی یہودی کا، نصرانی نصرانی کا دوست بن سکتا ہے اور جماعت اسلام کے مقابلہ میں سب کفار ایک دوسرے کے دوست اور معاون بن جاتے ہیں۔ الكفر ملة واحدة۔

(۱۶۴) **عبداللہ بن اُبی اور اسکے ساتھیوں کا کفر** یعنی اُن ہی کے زمرہ میں شامل ہے یہ آیتیں رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی کے باب میں نازل ہوئی تھیں۔ یہود سے اس کا بہت دوستانہ تھا اس کا گمان نہ تھا کہ اگر مسلمانوں پر کوئی افتاد پڑی اور پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جماعت مغلوب ہوگئی تو یہود سے ہماری یہ دوستی کام آئیگی۔ اسی واقعہ کی طرف اگلی آیت میں اشارہ کیا گیا ہے۔ تو فی الحقیقت یہود کے ساتھ منافقین کی موالات کا اصلی منشاء یہ تھا کہ یہود جماعت اسلام کے مدمقابل اور مذہب اسلام کے بدترین دشمن تھے۔ ظاہر ہے کہ جو شخص یہود و نصاریٰ یا کسی جماعت کفار کے ساتھ اس نیت اور حیثیت سے موالات کرے کہ وہ دشمن اسلام ہے۔ اس کے کفر میں کیا شبہ ہوسکتا ہے۔ منافقین میں کچھ لوگ اور بھی تھے جنہوں نے جنگ اُحد میں لڑائی کا پانسہ بدلا ہوا دیکھ کر کہنا شروع کیا تھا کہ ہم تو اب فلاں یہودی یا فلاں نصرانی سے دوستانہ گانٹھیں گے اور ضرورت پیش آنے پر اُن ہی کا مذہب اختیار کر لیں گے، اس قماش کے لوگوں کی نسبت بھی "ومن يتولهم منكم فانه منهم" کا ظاہری مدلول علانیہ صادق ہے۔ رہے وہ مسلمان جو اس قسم کی نیت اور منشاء سے خالی ہو کر یہود و نصاریٰ کے ساتھ دوستانہ تعلقات قائم کریں، چونکہ اُن کی نسبت بھی قوی خطرہ رہتا ہے کہ وہ کفار کی حد سے زیادہ ہم نشینی اور اختلاط سے متاثر ہو کر رفتہ رفتہ اُن ہی کا مذہب اختیار کر لیں۔ یا کم از کم شعائر کفر اور رسوم شرکیہ سے کارہ اور نفور نہ رہیں۔ اس اعتبار سے فانه منهم کا اطلاق اُن کے حق میں بھی ہوسکتا ہے جیسا کہ حدیث اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ نے اس مضمون کی طرف توجہ دلائی ہے۔

(۱۶۵) یعنی جو لوگ کہ دشمنان اسلام سے موالات کر کے خود اپنی جان پر اور مسلمانوں پر ظلم کرتے ہیں اور جماعت اسلام کے مغلوب

مقہور ہونے کا انتظار کر رہے ہیں، ایسی بدبخت، معاند اور دغاباز قوم کی نسبت یہ اُمید نہیں کی جاسکتی کہ وہ کبھی راہ ہدایت پر آئے گی

فَتَرَى الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ يُسَارِعُونَ فِيهِمْ يَقُولُونَ نَخْشَىٰ أَنْ تُصِيبَنَا دَائِرَةٌ

اب تو دیکھے گا اُن کو جن کے دل میں بیماری ہے دوڑ کر ملتے ہیں اُن میں کہتے ہیں کہ ہم کو ڈر ہے کہ نہ آجائے ہم پر گردش زمانہ کی ۱۶۶

فَعَسَى اللَّهُ أَنْ يَأْتِيَ بِالْفَتْحِ أَوْ أَمْرٍ مِنْ عِنْدِهِ فَيُصْبِحُوا عَلَىٰ مَا أَسَرُّوا فِي أَنْفُسِهِمْ

سو قریب ہے کہ اللہ جلد ظاہر فرماوے فتح یا کوئی حکم اپنے پاس سے تو لگیں اپنے جی کی چھپی بات پر

نَادِمِينَ ۝٥٢ وَيَقُولُ الَّذِينَ آمَنُوا أَهَٰؤُلَاءِ الَّذِينَ أَقْسَمُوا بِاللَّهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ

پچھتانے ۱۶۷ اور کہتے ہیں مسلمان کیا یہ وہی لوگ ہیں جو قسمیں کھاتے تھے اللہ کی تاکید سے

إِنَّهُمْ لَمَعَكُمْ ۚ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فَأَصْبَحُوا خَاسِرِينَ ۝٥٣ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَنْ يَرْتَدَّ

کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں برباد گئے اُن کے عمل پھر رہ گئے نقصان میں اے ایمان والو جو کوئی تم میں

مِنْكُمْ عَنْ دِينِهِ فَسَوْفَ يَأْتِي اللَّهُ بِقَوْمٍ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ أَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ

پھریگا اپنے دین سے تو اللہ عنقریب لاویگا ایسی قوم کو کہ اللہ انکو چاہتا ہے اور وہ اس کو چاہتے ہیں نرم دل ہیں مسلمانوں پر

أَعِزَّةٍ عَلَى الْكَافِرِينَ يُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا يَخَافُونَ لَوْمَةَ لَائِمٍ ۚ ذَٰلِكَ فَضْلُ

زبردست ہیں کافروں پر لڑتے ہیں اللہ کی راہ میں اور ڈرتے نہیں کسی کے الزام سے ۱۶۸ یہ فضل ہے

اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ ۚ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ۝٥٤

اللہ کا دیگا جس کو چاہے اور اللہ کشائش والا ہے خبردار ۱۶۹

(۱۶۶) **منافقین اور یہود کے تعلقات** یہ وہی لوگ ہیں جن کے دلوں میں شک اور نفاق کی بیماری ہے جن کو خدا کے وعدوں پر اعتماد اور مسلمانوں کی حقانیت پر یقین نہیں، اسی لئے دوڑ دوڑ کر کافروں کی آغوش میں پناہ لینا چاہتے ہیں۔ تاکہ ان کے موہوم غلبہ کے وقت ثمرات فتح سے متمتع ہو سکیں۔ اور اُن کے زعم میں جو گردشیں اور آفات جماعت اسلام پر آنے والی تھیں۔ ان سے محفوظ رہیں۔ نَخْشٰٓى اَنْ تُصِيْبَنَا دَآئِرَةٌ کے یہی معنی اُن کے دلوں میں مکنون تھے۔ لیکن یہی الفاظ (نخشٰی ان تصیبنا دائرۃ) جب پیغمبر علیہ السلام اور مخلص مسلمانوں کے سامنے یہود سے دوستانہ رکھنے کی معذرت میں کہتے تھے تو گردش زمانہ کا یہ مطلب ظاہر کرتے کہ یہود ہمارے ساہوکار ہیں ہم ان سے قرض ودام لے لیتے ہیں۔ اگر کوئی مصیبت: قحط وغیرہ کی پڑی تو وہ ہمارے دوستانہ تعلقات کی وجہ سے آڑے وقت میں کام آجائیں گے۔ ان ہی خیالات کا جواب آگے دیا گیا ہے۔

(۱۶۷) **آنحضرت ؐ کے غلبہ کی پیشگوئی** یعنی وہ وقت نزدیک ہے کہ حق تعالیٰ اپنے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو فیصلہ کُن فتوحات اور غلبہ عطا فرمائے اور مکہ معظمہ میں بھی جو تمام عرب کا مسلّمہ مرکز تھا حضور کو فاتحانہ داخل کرے یا اس کے ماسوا اپنی قدرت اور حکم سے کچھ اور امور بروئے کار لائے جنہیں دیکھ کر ان منافقین کی ساری باطل توقعات کا خاتمہ ہو اور انہیں منکشف ہو جائے کہ دشمنان اسلام کی موالات کا نتیجہ دنیوی ذلت اور رسوائی اور اُخروی عذاب الیم کے سوا کچھ نہیں۔ جب فضیحت وخسران کے یہ

نتائج سامنے آجائیں گے اس وقت بجز پچھتانے اور کف افسوس ملنے کے کچھ حاصل نہ ہوگا۔ الاٰن قد ندمت وما ینفع الندم چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اسلام کے عام غلبہ اور فتح مکہ وغیرہ کو دیکھ کر تمام اعدائے اسلام کے حوصلے پست ہو گئے۔ بہت سے یہود مارے گئے۔ بہت سے جلاوطن ہوئے۔ منافقین کی ساری امیدوں پر پانی پھر گیا مسلمانوں کے سامنے صریح طور پر جھوٹے ثابت ہوئے، موالات یہود میں جو کوششیں کی تھیں وہ اکارت گئیں اور خسران دنیوی اور ہلاکت ابدی کا طوق گلے میں پڑا۔ اگلی آیت میں اسی مضمون کو بیان فرمایا ہے۔

(۱٦۸) **اسلام کی بقا اور حفاظت کی پیشگوئی** اس آیت میں اسلام کی ابدی بقا اور حفاظت کے متعلق عظیم الشان پیشگوئی کی گئی ہے۔ پچھلی آیات میں کفار کی موالات سے منع کیا گیا تھا۔ ممکن تھا کہ کوئی شخص یا قوم موالات کفار کی بدولت صریحًا اسلام سے پھر جائے، جیسا کہ ومن یتولھم منکم فانہ منھم میں تنبیہ کی گئی ہے۔ قرآن کریم نے نہایت قوت اور صفائی سے آگاہ کر دیا کہ ایسے لوگ اسلام سے پھر کر کچھ اپنا ہی نقصان کرینگے، اسلام کو کوئی ضرر نہیں پہنچا سکتے، حق تعالےٰ مرتدین کے بدلے میں یا اُن کے مقابلہ پر ایسی قوم لے آئیگا جن کو خدا کا عشق ہو اور خدا ان سے محبت کرے، وہ مسلمانوں پر شفیق و مہربان اور دشمنانِ اسلام کے مقابلہ میں غالب اور زبردست ہونگے۔ یہ پیشین گوئی بحول اللہ وقوتہ ہر قرن میں پوری ہوتی رہی۔ ارتداد کا سب سے بڑا فتنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد صدیق اکبرؓ کے عہد میں پھیلا۔ کئی طرح کے مرتدین اسلام کے مقابلہ میں کھڑے ہو گئے۔ مگر صدیق اکبر کی ایمانی جرأت اور اعلیٰ تدبر اور مخلص مسلمانوں کی سرفروشانہ اور عاشقانہ خدمات اسلام نے اس آگ کو بجھایا اور سارے عرب کو متحد کر کے ازسرِنو اخلاص و ایمان کے راستہ پر گامزن کر دیا۔ آج بھی ہم مشاہدہ کرتے رہتے ہیں کہ جب کبھی چند جاہل اور طامع افراد اسلام کے حلقہ سے نکلنے لگتے ہیں تو اُن سے زیادہ اور ان سے بہتر تعلیم یافتہ اور محقق غیر مسلموں کو اسلام فطری کشش سے اپنی طرف جذب کر لیتا ہے اور مرتدین کی سرکوبی کے لئے خدا ایسے وفادار اور جان نثار مسلمانوں کو کھڑا کر دیتا ہے جنہیں خدا کے راستہ میں کسی کی ملامت اور طعن و تشنیع کی پروا نہیں ہوتی۔

(۱٦۹) انسان بڑی سعادت اور اس پر خدا کا بڑا فضل یہ ہے کہ وہ فتنہ کے وقت خود جادۂ حق پر ثابت قدم رہ کر دوسروں کو ہلاکت سے بچانے کی فکر کرے۔ خدا جن بندوں کو چاہے اس سعادت کبریٰ اور فضل عظیم سے حصّہ وافر عطا فرماتا ہے۔ اُس کا فضل غیر محدود ہے اور وہ ہی خوب جانتا ہے کہ کونسا بندہ اس کا اہل اور مستحق ہے۔

إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَهُمْ

تمہارا رفیق تو وہی اللہ ہے اور اس کا رسول اور جو ایمان والے ہیں جو کہ قائم ہیں نماز پر اور دیتے ہیں زکوٰۃ اور وہ عاجزی

رکوع ۸/۱۲ رَاكِعُونَ ﴿۵۵﴾ وَمَن يَتَوَلَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا فَإِنَّ حِزْبَ اللَّهِ هُمُ الْغَالِبُونَ ﴿۵٦﴾

کرنیوالے ہیں ف۱٦۸ اور جو کوئی دوست رکھے اللہ کو اور اس کے رسول کو اور ایمان والوں کو تو اللہ کی جماعت وہی سب پر غالب ہے ف۱٦۹

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِينَ اتَّخَذُوا دِينَكُمْ هُزُوًا وَلَعِبًا مِّنَ الَّذِينَ أُوتُوا

اے ایمان والو مت بناؤ ان لوگوں کو جو ٹھہراتے ہیں تمہارے دین کو ہنسی اور کھیل وہ لوگ جو کتاب

الْكِتَابَ مِن قَبْلِكُمْ وَالْكُفَّارَ أَوْلِيَاءَ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ﴿۵۷﴾

دیے گئے تم سے پہلے اور نہ کافروں کو ف۱۷۰ اپنا دوست اور ڈرو اللہ سے اگر ہو تم ایمان والے ف۱۷۱

(۱۷۰) **مسلمانوں کے اصلی دوست** | پچھلی آیتوں میں یہود و نصاریٰ کی موالات اور رفاقت سے مسلمانوں کو منع کیا گیا تھا، جس کو سننے کے بعد طبعی طور پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر مسلمانوں کے تعلقات محبت و وداد اور معاملات رفاقت کن سے ہونے چاہئیں۔ اس آیت میں بتلا دیا گیا کہ اُن کا رفیق اصلی خدا اور پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام اور مخلص مسلمانوں کے سوا کوئی نہیں ہو سکتا۔

(۱۷۱) کفار کی کثرت اور مسلمانوں کی قلت عدد کو دیکھتے ہوئے ممکن تھا کہ کوئی ضعیف القلب اور ظاہر بین مسلمان اس تردد میں پڑ جاتا کہ تمام دنیا سے موالات منقطع کرنے اور چند مسلمانوں کی رفاقت پر اکتفاء کر لینے کے بعد غالب ہونا تو درکنار، کفار کے حملوں سے اپنی زندگی اور بقاء کی حفاظت بھی دشوار ہے۔ ایسے لوگوں کی تسلی کے لئے فرمادیا کہ مسلمانوں کی قلت اور ظاہری بے سروسامانی پر نظر مت کرو۔ جس طرف خدا اور اُس کا رسول اور سچے وفادار مسلمان ہونگے۔ وہ ہی پلہ بھاری رہے گا۔ یہ آیتیں خصوصیت سے حضرت عبادہ ابن صامت رضی اللہ عنہ کی منقبت میں نازل ہوئی ہیں۔ یہود بنی قینقاع سے اُن کے بہت زیادہ دوستانہ تعلقات تھے۔ مگر خدا اور رسول کی موالات اور مومنین کی رفاقت کے سامنے انہوں نے اپنے سب تعلقات منقطع کر دیے۔

(۱۷۲) کفار سے مراد یہاں مشرکین ہیں۔ جیسا کہ عطف سے ظاہر ہے۔

(۱۷۳) **کفار سے ترک موالات کی وجہ** | گذشتہ آیات میں مسلمانوں کو موالاتِ کفّار سے منع فرمایا تھا۔ اس آیت میں ایک خاص موثر عنوان سے اسی ممانعت کی تاکید کی گئی اور موالات سے نفرت دلائی گئی ہے۔ ایک مسلمان کی نظر میں کوئی چیز اپنے مذہب سے زیادہ معظم و محترم نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا اُسے بتایا گیا کہ یہود و نصاریٰ اور مشرکین تمہارے مذہب پر طعن و استہزاء کرتے ہیں اور شعائر اللہ (اذان وغیرہ) کا مذاق اڑاتے ہیں اور جو اُن میں خاموش ہیں وہ بھی ان افعال شنیعہ کو دیکھ کر اظہار نفرت نہیں کرتے۔ بلکہ خوش ہوتے ہیں۔ کفار کی ان احمقانہ اور کمینہ حرکات پر مطلع ہو کر کوئی فردِ مسلم جس کے دل میں خشیۃِ الٰہی اور غیرت ایمانی کا ذرا سا شائبہ ہو، کیا ایسی قوم سے موالات اور دوستانہ راہ و رسم پیدا کرنے یا قائم رکھنے کو ایک منٹ کے لئے گوارا کرے گا۔ اگر اُن کے کفر و عناد اور عداوتِ اسلام سے بھی قطع نظر کر لیجائے تو دین قیم کے ساتھ اُن کا یہ تمسخر و استہزاء ہی علاوہ دوسرے اسباب کے ایک مستقل سبب ترک موالات کا ہے

وَاِذَا نَادَيْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ اتَّخَذُوْهَا هُزُوًا وَّلَعِبًا ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ ﴿۵۸﴾ قُلْ

اور جب تم پکارتے ہو نماز کے لئے تو وہ ٹھہراتے ہیں اُسکو ہنسی اور کھیل یہ اس واسطے کہ وہ لوگ بے عقل ہیں ف۱۷۴ تو کہہ

يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ هَلْ تَنْقِمُوْنَ مِنَّاۤ اِلَّاۤ اَنْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَاۤ اُنْزِلَ مِنْ

اے کتاب والو کیا ضد ہے تم کو ہم سے مگر یہی کہ ہم ایمان لائے اللہ پر اور جو نازل ہوا ہم پر اور جو نازل ہو چکا

قَبْلُ ۙ وَاَنَّ اَكْثَرَكُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۵۹﴾ قُلْ هَلْ اُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكَ مَثُوْبَةً عِنْدَ اللّٰهِ ؕ مَنْ لَّعَنَهُ

پہلے اور یہی کہ تم میں اکثر نافرمان ہیں ف۱۷۵ تو کہہ میں تم کو بتلاؤں ان میں کس کی بُری جزا ہے اللہ کے ہاں وہی جس پر

اللّٰهُ وَغَضِبَ عَلَيْهِ وَجَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيْرَ وَعَبَدَ الطَّاغُوْتَ ؕ اُولٰٓئِكَ شَرٌّ

اللہ نے لعنت کی اور اُس پر غضب نازل کیا اور اُن میں سے بعضوں کو بندر کر دیا اور بعضوں کو سور اور جنہوں نے بندگی کی شیطان کی وہی لوگ بدتر ہیں

مَّكَانًا وَّاَضَلُّ عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ ﴿۶۰﴾

درجہ میں اور بہت بہکے ہوئے ہیں سیدھی راہ سے ف۱۷۶

(۱۷۴) **اذان کے ساتھ استہزاء** یعنی جب اذان کہتے ہو تو اُس سے جلتے ہیں اور ٹھٹھا کرتے ہیں، جو ان کی کمال حماقت اور بے عقلی کی دلیل ہے۔ کلمات اذان میں خداوند قدوس کی عظمت و کبریاء کا اظہار، توحید کا اعلان، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جو تمام انبیاء سابقین اور کتب سماویہ کے مُصَدِّق ہیں، اُن کی رسالت کا اقرار، نماز جو تمام اوضاع عبودیت کو جامع اور غایت درجہ کی بندگی پر دال ہے، اس کی طرف دعوت، فلاح دارین اور اعلیٰ سے اعلیٰ کامیابی حاصل کرنے کے لئے بلاوا، ان چیزوں کے سوا اور کیا ہوتا ہے پھر ان میں کونسی چیز ہے جو ہنسی اڑانے کے قابل ہو۔ ایسی نیکی اور حق و صداقت کی آواز پر مسخرا پن کرنا صرف اُسی شخص کا کام ہو سکتا ہے جس کا دماغ عقل سے یکسر خالی ہو اور جسے نیک و بد کی قطعاً تمیز باقی نہ رہے۔ بعض روایات میں ہے کہ مدینہ میں ایک نصرانی جب اذان میں اشہد انّ محمداً رسول اللہ سنتا تو کہتا "قد حرق الکاذب" (جھوٹا جل گیا یا جل جائے) اس کی نیت تو ان الفاظ سے جو کچھ ہو، مگر یہ بات بالکل اس کے حسب حال تھی۔ کیونکہ وہ خبیث جھوٹا تھا اور اسلام کا عروج و شیوع دیکھ کر آتش حسد میں جلا جاتا تھا اتفاقاً ایک شب میں کوئی چھوکری آگ لے کر اُس کے گھر میں آئی۔ وہ اور اس کے اہل و عیال سو رہے تھے ذرا سی چنگاری نادانستہ اُس کے ہاتھ سے گر گئی۔ جس سے سارا گھر مع سونے والوں کے جل گیا۔ اور اس طرح خدا نے دکھلا دیا کہ جھوٹے لوگ دوزخ کی آگ سے پہلے ہی دنیا کی آگ میں کس طرح جل جاتے ہیں۔ اذان کے ساتھ استہزاء کرنے کا ایک اور واقعہ صحیح روایات میں منقول ہے وہ یہ کہ فتح مکہ کے بعد آپ حنین سے واپس ہو رہے تھے۔ راستہ میں حضرت بلال رضؓ نے اذان کہی، چند نوعمر لڑکے جن میں ابو محذورہ بھی تھے۔ اذان کی ہنسی اور نقل کرنے لگے، آپ نے سب کو پکڑ بلوایا۔ آخر نتیجہ یہ ہوا کہ ابو محذورہ کے دل میں خدا نے اسلام ڈال دیا۔ اور حضور نے اُن کو مکہ کا مؤذن مقرر فرما دیا۔ اس طرح خدا کی قدرت نقل سے اصل بن گئی۔

(۱۷۵) **اہل کتاب کی مسلمانوں سے ضد کی وجہ** کسی کام پر طعن کرنا یا ہنسی اڑانا دو وجہ سے ہو سکتا ہے یا تو وہ کام ہی قابل استہزاء ہو۔ یا کام کرنے والے کی حالت تمسخر کے لائق ہو۔ پچھلی آیت میں بتلا دیا گیا کہ اذان کوئی ایسی چیز نہیں جس پر بجز پرلے درجہ کے احمق اور خفیف العقل کے کوئی شخص طعن یا استہزاء کر سکے۔ اس آیت میں اذان دینے والوں کے مقدس حالات پر بعنوان سوال متنبہ کیا گیا ہے۔ یعنی استہزاء کرنے والے جو خیر سے اہل کتاب اور عالم شرائع ہونے کا بھی دعویٰ رکھتے ہیں وہ ذرا سوچ کر انصاف سے بتائیں کہ مسلمانوں سے ان کو اتنی ضد کیوں ہے اور کیا ایسی بُرائی وہ ہماری طرف دیکھتے ہیں جو اُن کے زعم میں لائق استہزاء ہو۔ بجز اس کے کہ ہم اُس خدائے وحدہ لاشریک لہ، پر اور اس کی اُتاری ہوئی تمام کتابوں اور اُس کے بھیجے ہوئے تمام پیغمبروں پر صدق دل سے ایمان رکھتے ہیں۔ اور اس کے بالمقابل استہزاء کرنے والوں کا حال یہ ہے کہ نہ خدا کی سچی اور صحیح توحید پر قائم ہیں اور نہ تمام انبیاء و رسل کی تصدیق و تکریم کرتے ہیں۔ اب تم ہی انصاف سے کہو کہ انتہا درجہ کے نافرمان کو خدا کے فرمانبردار بندوں پر آوازہ کسنے اور طعن و تشنیع کرنے کا کہاں تک حق حاصل ہے۔

(۱۷۶) **یہودی مغضوب اور ملعون ہیں** یعنی اگر "ایمان باللہ" پر مستقیم ہونا اور ہر اس چیز کی جو خدا کی طرف سے کسی زمانہ میں نازل ہو سچے دل سے تصدیق کرنا ہی تمہارے زعم میں مسلمانوں کا سب سے بڑا جرم اور سب سے بڑی بُرائی ہے اور اسی وجہ سے تم اُن کو مورد طعن و ملام بناتے ہو۔ تو آؤ کہ میں تم کو ایک ایسی قوم کا پتہ بتلاؤں جو اپنی شرارت اور گندگی کی وجہ سے بدترین خلائق ہے۔ جن پر خدا کی لعنت اور غضب کا اثر آج بھی نمایاں طور پر آشکارا ہے۔ جس کے بہت سے افراد اپنی مکاری اور بے حیائی اور حرص دنیا کی سزا میں بندر اور سور بنائے جا چکے ہیں اور جس نے خدا کی بندگی سے نکل کر شیطان کی غلامی اختیار کر لی۔ اگر انصاف سے دیکھا جائے تو یہ بدترین خلائق اور گم کردہ راہ قوم ہی اصلی معنی میں تمہارے طعن و استہزاء کی مستحق ہو سکتی ہے اور وہ خود تم ہی ہو۔

وَإِذَا جَآءُوكُمْ قَالُوٓا ءَامَنَّا وَقَد دَّخَلُوا بِالْكُفْرِ وَهُمْ قَدْ خَرَجُوا بِهِۦ ۚ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا كَانُوا

اور جب تمہارے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں ہم ایمان لائے اور حالت یہ ہے کہ کافر ہی آئے تھے اور کافر ہی چلے گئے اور اللہ خوب جانتا ہے جو کچھ چھپائے

يَكْتُمُونَ ﴿٦١﴾ وَتَرَىٰ كَثِيرًا مِّنْهُمْ يُسَٰرِعُونَ فِى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَٰنِ وَأَكْلِهِمُ السُّحْتَ ۚ

ہوئے تھے ف۱۷۷ اور تو دیکھیگا بہتوں کو ان میں سے کہ دوڑتے ہیں گناہ پر اور ظلم پر اور حرام کھانے پر

لَبِئْسَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿٦٢﴾ لَوْلَا يَنْهَىٰهُمُ الرَّبَّٰنِيُّونَ وَالْأَحْبَارُ عَن قَوْلِهِمُ الْإِثْمَ وَ

بہت بُرے کام ہیں جو کر رہے ہیں ف۱۷۸ کیوں نہیں منع کرتے اُنکے درویش اور علماء گناہ کی بات کہنے سے اور

أَكْلِهِمُ السُّحْتَ ۚ لَبِئْسَ مَا كَانُوا يَصْنَعُونَ ﴿٦٣﴾ وَقَالَتِ الْيَهُودُ يَدُ اللَّهِ مَغْلُولَةٌ ۚ غُلَّتْ

حرام کھانے سے بہت ہی بُرے عمل ہیں جو کر رہے ہیں ف۱۷۹ اور یہود کہتے ہیں اللہ کا ہاتھ بند ہو گیا ف۱۸۰ اُنہی کے ہاتھ

أَيْدِيهِمْ وَلُعِنُوا بِمَا قَالُوا ۘ بَلْ يَدَاهُ مَبْسُوطَتَانِ يُنفِقُ كَيْفَ يَشَآءُ ۚ وَلَيَزِيدَنَّ كَثِيرًا

وقف لازم

بند ہو جاویں ف۱۸۱ اور لعنت ہے اُنکو اس کہنے پر بلکہ اس کے تو دونوں ہاتھ کھلے ہوئے ہیں ف۱۸۲ خرچ کرتا ہے جس طرح چاہے ف۱۸۳ اور اُن میں بہتوں کو بڑھے

مِّنْهُم مَّآ أُنزِلَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ طُغْيَٰنًا وَكُفْرًا ۚ وَأَلْقَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَٰوَةَ وَالْبَغْضَآءَ

گی اس کلام سے جو تجھ پر اُترا تیرے رب کی طرف سے شرارت اور انکار ف۱۸۴ اور ہم نے ڈال رکھی ہے اُن میں دشمنی اور بیر

إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَٰمَةِ ۚ كُلَّمَآ أَوْقَدُوا نَارًا لِّلْحَرْبِ أَطْفَأَهَا اللَّهُ ۚ وَيَسْعَوْنَ فِى الْأَرْضِ

قیامت کے دن تک ف۱۸۵ جب کبھی آگ سُلگاتے ہیں لڑائی کے لئے اللہ اس کو بجھا دیتا ہے اور دوڑتے ہیں ملک میں فساد

فَسَادًا ۚ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِينَ ﴿٦٤﴾

کرتے ہوئے اور اللہ پسند نہیں کرتا فساد کرنے والوں کو ف۱۸۶

(۱۷۷) **یہود و نصاریٰ کی سیاہ کاریاں** یہاں اُن ہی استہزاء کرنیوالوں کے بعض مخصوص افراد کا بیان ہے جو غائبانہ تو مذہب اسلام پر طعن و تشنیع کرتے اور مسلمانوں کا مذاق اُڑاتے تھے، لیکن جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یا مخلص مسلمانوں سے ملتے تو ازراہ نفاق اپنے کو مسلمان ظاہر کرتے۔ حالانکہ شروع سے آخر تک ایک منٹ کے لئے بھی انہیں اسلام سے تعلق نہیں ہوا۔ نہ پیغمبر علیہ السلام کے ربانی وعظ و تذکیر کا کوئی اثر انہوں نے قبول کیا۔ کیا محض لفظ ایمان و اسلام زبان سے بول کر وہ خدا کو معاذ اللہ دھوکہ دے سکتے ہیں۔ اگر اُس "عالم الغیب والشہادۃ" کی نسبت جو ہر قسم کے ضمائر و سرائر پر مطلع ہے اُن کا گمان یہ ہو کہ محض لفظی ایمان سے اُسے خوش کر لیں گے تو اس سے بڑھ کر کونسی حرکت قابل استہزاء و تمسخر ہو سکتی ہے۔ گویا اس آیت سے یہود و نصاریٰ کے ان مضحکہ انگیز افعال و حرکات کا بیان شروع ہوا۔ جن پر متنبہ کئے جانے کے بعد مسلمانوں کا استہزاء کرنے کے بجائے اُنہیں خود اپنا استہزاء کرنا چاہئے۔ اگلی آیات میں بھی اسی مضمون کی تتمیم و تکمیل ہے۔

(۱۷۸) غالباً "اثم" سے لازمی اور "عدوان" سے متعدی گناہ مُراد ہیں۔ یعنی ان لوگوں کا حال یہ ہے کہ بہت شوق اور رغبت سے ہر قسم کے گناہوں کی طرف جھپٹتے ہیں۔ خواہ ان کا اثر اپنی ذات تک محدود ہو یا دوسروں تک پہنچے۔ جن کی اخلاقی حالت ایسی زبوں ہو اور حرام خوری اُن کا شیوہ ٹھہر گیا ہو، اُن کی بُرائی میں کسے شبہ ہو سکتا ہے۔ یہ تو اُن کے عوام کا حال تھا۔ آگے خواص کا بیان کیا گیا ہے۔

(۱۷۹) **یہودی علماء کو سرزنش** | جب خدا کسی قوم کو تباہ کرتا ہے تو اس کے عوام گناہوں اور نافرمانیوں میں غرق ہو جاتے ہیں اور اس کے خواص یعنی درویش اور علماء گونگے شیطان بن جاتے ہیں۔ بنی اسرائیل کا حال یہی ہوا کہ لوگ عموماً دنیوی لذات و شہوات میں منہمک ہو کر خدا تعالیٰ کی عظمت و جلال اور اس کے قوانین و احکام کو بھلا بیٹھے۔ اور جو مشائخ اور علماء کہلاتے تھے انہوں نے "امرِ بالمعروف و نہی عن المنکر" کا فریضہ ترک کر دیا۔ کیونکہ دنیا کی حرص اور اتباع شہوات میں وہ اپنے عوام سے بھی آگے تھے۔ مخلوق کا خوف یا دنیا کا لالچ حق کی آواز بلند کرنے سے مانع ہوتا تھا۔ اسی سکوت اور مداہنت سے پہلی قومیں تباہ ہوئیں۔ اسی لئے امتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیم کو قرآن و حدیث کی بے شمار نصوص میں بہت ہی سخت تاکید و تہدید کی گئی ہے کہ کسی وقت اور کسی شخص کے مقابلہ میں اس "فرض امر بالمعروف" کے ادا کرنے سے تغافل نہ برتیں۔

(۱۸۰) **حق تعالیٰ کی شان میں یہودیوں کی گستاخیاں** | نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت اہل کتاب کے قلوب اُنکی شرارت، کفر و طغیان، بدکاری، حرامخوری وغیرہ کی ممارست سے اس قدر مسخ ہو گئے تھے کہ بارگاہ ربوبیت میں گستاخی کرنے سے بھی اُن کو کچھ باک نہ ہوتا تھا، خداوند قدوس کا رتبہ اُنکے یہاں ایک معمولی انسان کی حیثیت سے زیادہ نہ رہا تھا۔ حق تعالیٰ کی جناب میں بے تکلف ایسے واہی تباہی کلمات بک دیتے تھے جنہیں سُن کر انسان کے رونگٹے کھڑے ہو جائیں، کبھی کہتے اِنَّ اللہَ فَقِیْرٌ وَّنَحْنُ اَغْنِیَاءُ کبھی یہ الفاظ منہ سے نکالتے یَدُ اللہِ مَغْلُوْلَۃٌ (خدا کا ہاتھ بند ہو گیا) اس سے مراد یا تو وہ ہی ہو گی جو اِنَّ اللہَ فَقِیْرٌ سے تھی کہ خدا معاذ اللہ تنگدست ہو گیا۔ اس کے خزانہ میں کچھ رہا نہیں اور یا "غل ید" کنایہ بخل و امساک کرنے سے ہو یعنی
۲ باللہ، بہرحال کوئی معنی لو، اس کلمۂ کفر کا منشاء یہ تھا کہ جب تمرد و طغیان کی پاداش میں حق تعالیٰ نے ان ملاعین پر ذلت و نکبت، ضیق عیش، بدحالی، اور تنگ میدانی مسلط فرما دی تو بجائے اس کے کہ اپنی سیہ کاریوں اور شرارتوں پر متنبہ اور نادم ہوتے، اُلٹے حق تعالیٰ کی جناب میں گستاخیاں کرنے لگے۔ شاید یہ خیال ہوا ہو گا کہ ہم تو پیغمبروں کی اولاد بلکہ خدا کے بیٹے اور اس کے پیارے تھے۔ پھر یہ کیا معاملہ ہونے لگا کہ آج بنی اسمٰعیل تو دنیا میں پھیلتے جا رہے ہیں۔ زمینی فتوحات اور آسمانی برکات اُن پر کشادہ کر دی گئی ہیں اور ہم بنی اسرائیل کہ خدا صرف ہمارا اور ہم اس کے تھے۔ اس طرح ذلیل و مغلوب اور تنگ حال ہو کر در بدر بھٹکتے پھرتے ہیں۔ ہم تو وہ ہی اسرائیل کی اولاد اور "ابناء اللہ واحباءہ" آج بھی ہیں جو پہلے تھے۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ جس خدا کے ہم اولاد اور محبوب تھے (معاذ اللہ) اس کے خزانہ میں کمی آگئی یا آج کل بخل و امساک نے اس کا ہاتھ بند کر دیا ہے۔ احمق اتنا نہ سمجھے کہ حق تعالیٰ کے خزائن تو لامحدود اور اُس کے کمالات غیر متبدل اور غیر متناہی ہیں۔ اگر معاذ اللہ اس کے خزانہ میں کچھ نہ رہتا یا مخلوق کی تربیت و اعانت سے وہ ہاتھ کھینچ لیتا تو دنیا کا نظام کس طرح قائم رہ سکتا تھا اور جو روز افزوں عروج و فروغ پیغمبر علیہ السلام اور اُن کے رفقا کا تم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہو۔ یہ کس کے خزانہ اور دستِ کرم کا رہین منت ہوتا۔ لہٰذا تم کو سمجھ لینا چاہئے کہ اُس کا ہاتھ بند نہیں ہوا۔ البتہ گستاخیوں اور شرارتوں کی نحوست سے خدا کی جو لعنت اور پھٹکار تم پر پڑی ہے اُس نے تمہارے حق میں خدا کی زمین باوجود وسعت کے تنگ کر دی ہے اور آئندہ اور زیادہ تنگ ہونیوالی ہے۔ اپنی تنگ حالی کو خدا کی تنگدستی سے منسوب کرنا تمہاری انتہائی سفاہت ہے۔

(۱۸۱) یہ دعا کے رنگ میں پیشین گوئی یا ان کی حالت واقعی کی خبر دی گئی ہے۔ چنانچہ واقع میں بخل و جبن نے اُن کے ہاتھ بالکل بند کر دیئے تھے۔

(۱۸۲) **حق تعالیٰ کے لئے اعضائے جسمانی کی نسبت** | حق تعالیٰ کے لئے جہاں ہاتھ پاؤں، آنکھ وغیرہ نعوت ذکر کی گئی ہیں

ان سے بھول کر بھی یہ وہم نہ ہونا چاہئے کہ وہ معاذ اللہ مخلوق کی طرح جسم اور اعضائے جسمانی رکھتا ہے۔ بس جس طرح خدا کی ذات اور وجود، حیات، علم، وغیرہ تمامی صفات کی کوئی نظیر اور مثال اور کیفیت اس کے سوا بیان نہیں ہو سکتی سے اے برتر از خیال وقیاس وگمان ووہم ۔۔ وز ہرچہ گفتہ اند شنیدیم وخواندہ ایم، منزل تمام گشت وبپایاں رسید عمر۔۔ ما ہمچناں دراول وصف تو ماندہ ایم اسی طرح ان نعوت وصفات کو خیال کرو۔ خلاصہ یہ کہ جیسے خدا کی ذات بے چون وبیچگون ہے۔ اس کے سمع، بصر، ید وغیرہ نعوت و صفات کے معانی بھی اُس کی ذات اور شان اقدس کے لائق اور ہمارے کیف وکم اور تعبیر وبیان کے احاطہ سے بالکل وراء الوراء ہیں لیس کمثلہ شیٔ وہُوالسمیع البصیر (شوریٰ۔ رکوع ۲) حضرت شاہ عبدالقادرؒ نے ان آیات پر جو فائدہ لکھا ہے اُس میں دو ہاتھوں سے مراد "مہر" کا اور "قہر" کا ہاتھ لیا ہے۔ یعنی آج کل خدا کی مہر کا ہاتھ "اُمتہ محمدیہ" پر اور قہر کا بنی اسرائیل پر کھُلا ہوا ہے۔ جیسا کہ اگلی آیتوں میں اشارہ فرمایا۔

(۱۸۳) یعنی اس کو وہ ہی خوب جانتا ہے کہ کس وقت، کس پر، کس قدر خرچ کیا جائے۔ کبھی ایک وفادار کو امتحان یا اصلاح حال کی غرض سے تنگی اور عسرت میں مبتلا کر دیتا ہے اور کبھی اس کی وفاداری کے صلہ میں نعمائے آخرت سے پہلے دنیوی برکات کے دروازے بھی کھول دیتا ہے۔ اس کے بالمقابل ایک مجرم متمرد پر کبھی آخرت کی سزا سے پہلے تنگ حالی، ضیق عیش اور مصائب وآفات دنیوی کی سزا بھیجتا ہے۔ اور کسی وقت دنیوی ساز وسامان کو فراخ کر کے مزید مہلت دیتا ہے کہ یا خدا کے احسانات سے متاثر ہو کر اپنے فسق وفجور پر کچھ شرمائے اور یا اپنی شقاوت کا پیمانہ پوری طرح لبریز کر کے انتہائی سزا کا مستحق ہو ان مختلف احوال واغراض اور متنوع حکمتوں کی موجودگی میں کسی شخص کے مقبول ومردود ہونے کا فیصلہ خدا کی اطلاع یا قرائن واحوال خارجیہ کی بناء پر کیا جا سکتا ہے۔ جس طرح ایک چور کا ہاتھ کاٹا جائے، یا ڈاکٹر کسی مریض کا ہاتھ کاٹے، دونوں کی نسبت ہم احوال خارجہ اور قرائن سے سمجھ لیتے ہیں کہ ایک بطور سزا اور دوسرا از راہ شفقت وعلاج کاٹا گیا ہے۔

(۱۸۴) اُن کی گستاخی کا جواب دیا جا چکا ہے، لیکن قرآن کے ایسے حکیمانہ جوابات سے ان معاندین اور سفہاء کو تسکین نہیں ہوگی بلکہ کلام الٰہی سُن کر شرارت اور انکار میں اور زیادہ ترقی کریں گے۔ اگر غذائے صالح ایک بیمار کے معدہ میں پہنچ کر اُس کے مرض کو زیادہ کر دیتی ہے تو اس میں غذا کا قصور نہیں۔ مریض کے مزاج کی خرابی ہے۔

(۱۸۵) اگرچہ قریب میں خاص یہود کا مقولہ نقل کیا تھا۔ لیکن "القینا بینھم" سے مراد غالباً وہ اور اُن کے بھائی بند سب ہیں یعنی یہود ونصاریٰ سب اہل کتاب کا حال بیان فرمایا ہے جیسا کہ پہلے اسی سورۃ میں گذر چکا اور اگلی آیت میں بھی سب اہل کتاب کو خطاب فرمایا ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ جوں جوں اُن کی شرارت اور انکار کو ترقی ہوگی اُسی قدر اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سازشیں اور منصوبے گانٹھیں گے اور لڑائی کی آگ سُلگانے کے لئے تیار ہونگے۔ لیکن اُن کے آپس میں پھوٹ پڑ چکی ہے جو مٹ نہیں سکتی۔ اس سبب سے اسلامی برادری کے خلاف اُن کی جنگی تیاریاں کامیاب نہیں ہوئیں۔

(۱۸۶) **اہل کتاب کی فتنہ پروری** اس سے معلوم ہوا کہ اہل اسلام میں جب تک باہمی محبت اور اُخوت مستحکم رہے گی اور رُشد وصلاح کے طریق پر گامزن ہو کر فتنہ اور فساد سے مجتنب رہنے کا اہتمام رہے گا جیسا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم میں تھا، اس وقت تک اہل کتاب کی سب کوششیں اُنکے مقابلہ میں بیکار ثابت ہونگی۔

وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْكِتٰبِ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَكَفَّرْنَا عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاَدْخَلْنٰهُمْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ۶۵

اور اگر | اہل | کتاب | ایمان لاتے | اور ڈرتے | تو ہم دور کر دیتے اُن سے | اُن کی بُرائیاں | اور اُن کو داخل کرتے | نعمت کے باغوں میں ۱۸۷

وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ مِّنْ رَّبِّهِمْ لَاَكَلُوْا مِنْ

اور اگر وہ قائم رکھتے توریت اور انجیل کو اور اس کو جو کہ نازل ہوا اُن پر اُنکے رب کی طرف سے ف۱۸۸ تو کھاتے اپنے

فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ ؕ مِنْهُمْ اُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ ؕ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ سَآءَ مَا يَعْمَلُوْنَ ﴿۶۶﴾

اُوپر سے اور اپنے پاؤں کے نیچے سے ف۱۸۹ کچھ لوگ اُن میں ہیں سیدھی راہ پر ف۱۹۰ اور بہت سے اُن میں بُرے کام کر رہے ہیں

يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ؕ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ؕ وَ

اے رسول پہنچا دے جو تجھ پر اُترا تیرے رب کی طرف سے اور اگر ایسا نہ کیا تو تو نے کچھ نہ پہنچایا اس کا پیغام اور

اللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۶۷﴾ قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ

اللہ تجھ کو بچالے گا لوگوں سے بیشک اللہ راستہ نہیں دکھلاتا قوم کفار کو ف۱۹۱ کہہ دے اے کتاب والو

لَسْتُمْ عَلٰى شَىْءٍ حَتّٰى تُقِيْمُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ وَ

تم کسی راہ پر نہیں جب تک نہ قائم کرو توریت اور انجیل کو اور جو تم پر اُترا تمہارے رب کی طرف سے ف۱۹۲ اور

لَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ مَّآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ۚ فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ

اُن میں بہتوں کو بڑھیگی اُس کلام سے جو تجھ پر اُترا تیرے رب کی طرف سے شرارت اور کفر سو تو افسوس نہ کر اس قوم

الْكٰفِرِيْنَ ﴿۶۸﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالصّٰبِئُوْنَ وَالنَّصٰرٰى مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ

کفار پر ف۱۹۳ بیشک جو مسلمان ہیں اور جو یہودی ہیں اور فرقہ صابی اور نصاریٰ جو کوئی ایمان لاوے اللہ پر

وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۶۹﴾

اور روز قیامت پر اور عمل کرے نیک نہ اُن پر ڈر ہے نہ وہ غمگین ہونگے ف۱۹۴

(۱۸۷) یعنی باوجود ایسے شدید جرائم اور سخت شرارتوں کے اگر اب بھی اہل کتاب اپنے رویہ سے تائب ہو کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن پر ایمان لے آتے اور تقویٰ اختیار کر لیتے تو دروازہ توبہ کا بند نہیں ہوا۔ حق تعالیٰ کمال فضل و رحمت سے اُن کو اُخروی و دنیوی نعمتوں سے سرفراز فرما دیتا۔ اس کی رحمت بڑے سے بڑے مجرم کو بھی جب وہ شرمسار اور معترف ہو کر آئے مایوس نہیں کرتی۔

(۱۸۸) **قرآن پر عمل تورات و انجیل پر عمل ہے** یعنی قرآن کریم جو توراۃ و انجیل کے بعد اُن کی تنبیہ اور ہدایت کے لئے نازل ہوا۔ اس کو قائم کرتے۔ کیونکہ اس کی تسلیم کے بدون تورات و انجیل کی بھی صحیح معنی میں اقامۃ نہیں ہو سکتی بلکہ تورات و انجیل اور جملہ کتب سماویہ کی اقامت کا مطلب ہی اب یہ ہو سکتا ہے کہ قرآن کریم اور پیغمبر آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم جو کتب سابقہ کی پیشین گوئیوں کے مطابق بھیجے گئے ہیں۔ اُن کو قبول کیا جائے گویا اقامت تورات و انجیل کا حوالہ دے کر آگاہ فرما دیا کہ اگر قرآن کو انہوں نے قبول نہ کیا تو اس کے معنی یہ ہی ہیں کہ اپنی کتابوں کے قبول کرنے سے بھی منکر ہو گئے۔

(۱۸۹) یعنی تمام ارضی و سماوی برکات سے اُن کو متمتع کیا جاتا۔ اور ذلت بدحالی اور ضیق عیش کی جو سزا اُن کے عصیان و تمرد پر دی گئی تھی وہ اٹھالی جاتی۔

(۱۹۰) یہ وہ معدود افراد ہیں جنہوں نے فطری سعادت سے توسط و اعتدال کی راہ اختیار کی اور حق کی آواز پر لبیک کہا۔ مثلاً عبداللہ

بن سلام اور ملک حبشہ نجاشی وغیرہ رضی اللہ عنہم۔

(۱۹۱) **آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تبلیغ کا حکم اور وعدہ حفاظت** پچھلی آیات میں اہل کتاب کی شرارت، کفر اور سیہ کاریوں کا ذکر کر کے تورات انجیل، قرآن اور کل کتب سماویہ کی اقامت کی ترغیب دی گئی تھی۔ آئندہ قل یا اھل الکتاب لستم علی شیء سے اہل کتاب کے مجمع میں اعلان کرنا چاہتے ہیں کہ اس "اقامت" کے بدون تمہاری مذہبی زندگی بالکل صفر اور لاشے محض ہے۔ "یا ایھا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک" الخ میں اسی دو ٹوک اعلان کے لئے حضور کو تیار کیا گیا ہے۔ یعنی آپ پر جو کچھ پروردگار کی طرف سے اُتارا جائے خصوصاً اس طرح کے فیصلہ کُن اعلانات، آپ بے خوف وخطر اور بلا تامل پہنچاتے رہیے۔ اگر بفرض محال کسی ایک چیز کی تبلیغ میں بھی آپ سے کوتاہی ہوئی تو بحیثیت رسول (خدائی پیغامبر) ہونے کے رسالت و پیغام رسانی کا جو منصب جلیل آپ کو تفویض ہوا ہے، سمجھا جائیگا کہ آپ نے اُس کا حق کچھ بھی ادا نہ کیا۔ بلاشبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں فریضہ تبلیغ کی انجام دہی پر بیش از بیش ثابت قدم رکھنے کے لئے اس سے بڑھ کر کوئی موثر عنوان نہ ہو سکتا تھا۔ آپ نے بیس بائیس سال تک جس بے نظیر اولوالعزمی، جانفشانی، مسلسل جدوکد اور صبر واستقلال سے فرض رسالت وتبلیغ کو ادا کیا، وہ اس کی واضح دلیل تھی کہ آپ کو دنیا میں ہر چیز سے بڑھ کر اپنے فرض منصبی (رسالت وبلاغ) کی اہمیت کا احساس ہے۔ حضور کے اس احساس قوی اور تبلیغی جہاد کو ملحوظ رکھتے ہوئے وظیفہ تبلیغ میں مزید استحکام وتثبت کی تاکید کے موقع پر موثر ترین عنوان یہی ہو سکتا تھا کہ حضور کو یا ایھا الرسول سے خطاب کر کے صرف اتنا کہہ دیا جائے کہ اگر بفرض محال تبلیغ میں ادنیٰ سی کوتاہی ہوئی تو سمجھو کہ آپ اپنے فرض منصبی کے ادا کرنے میں کامیاب نہ ہوئے۔ اور ظاہر ہے کہ آپ کی تمام تر کوششوں اور قربانیوں کا مقصد وحید یہی یہ تھا کہ آپ خدا کے سامنے فرض رسالت کی انجام دہی میں اعلیٰ سے اعلیٰ کامیابی حاصل فرمائیں لہذا یہ کسی طرح ممکن ہی نہیں کہ کسی ایک پیغام کے پہنچانے میں بھی ذرا سی کوتاہی کریں۔ عموماً یہ تجربہ ہوا ہے کہ فریضہ تبلیغ ادا کرنے میں انسان چند وجوہ سے مقصر رہتا ہے۔ یا تو اُسے اپنے فرض کی اہمیت کا کافی احساس اور شغف نہ ہو۔ یا لوگوں کی عام مخالفت سے نقصان شدید پہنچنے یا کم از کم بعض فوائد کے فوت ہونے کا خوف ہو اور یا مخاطبین کے عام تمرد وطغیان کو دیکھتے ہوئے جیسا کہ پچھلی اور اگلی آیات میں اہل کتاب کی نسبت بتلایا گیا ہے تبلیغ کے مثمر اور منتج ہونے سے مایوسی ہو، پہلی وجہ کا جواب یا ایھا الرسول سے فما بلغت رسالتہ تک، دوسری کا واللہ یعصمک من الناس میں، اور تیسری کا ان اللہ لا یھدی القوم الکفرین میں دے دیا گیا۔ یعنی تم اپنا فرض ادا کئے جاؤ خدا تعالیٰ آپ کی جان اور عزت وآبرو کی حفاظت فرمانے والا ہے وہ تمام روئے زمین کے دشمنوں کو بھی آپ کے مقابلہ پر کامیابی کی راہ نہ دکھلائیگا، باقی ہدایت وضلالت خدا کے ہاتھ میں ہے۔ ایسی قوم جس نے کفر وانکار ہی پر کمر باندھ لی ہے اگر راہ راست پر نہ آئی تو تم غم نہ کرو اور نہ مایوس ہو کر اپنے فرض کو چھوڑو۔ نبی کریم ؐ نے اس ہدایت ربانی اور آئین آسمانی کے موافق اُمت کو ہر چھوٹی بڑی چیز کی تبلیغ کی۔ نوع انسانی کے عوام وخواص میں سے جو بات، جس طبقہ کے لائق اور جس کی استعداد کے مطابق تھی، آپ نے بلا کم وکاست اور بے خوف وخطر پہنچا کر خدا کی حجت بندوں پر تمام کر دی، اور وفات سے دو ڈھائی مہینے پہلے حجۃ الوداع کے موقع پر، جہاں چالیس ہزار سے زائد خادمانِ اسلام اور عاشقان تبلیغ کا اجتماع تھا، آپ نے علیٰ رؤس الاشہاد اعلان فرما دیا کہ "اے خدا تو گواہ رہ میں (تیری امانت) پہنچا چکا"۔

(۱۹۲) یعنی کل کتب سماویہ جن کا خاتم اور مہیمن قرآن کریم ہے۔ پچھلے رکوع میں اس آیت کی تفسیر گذر چکی۔

(۱۹۳) یعنی اس غم اور افسوس میں پڑ کر تنگدل نہ ہوں اپنا فرض امن واطمینان سے ادا فرماتے رہیں۔

(۱۹۴) **فلاح و کامیابی کا دائمی معیار** یعنی جو قوم مسلمان کہلاتی ہے۔ یا یہود یا نصاریٰ یا صابی (یا اور کچھ تمثیلاً چند مشہور مذاہب کا ذکر کیا گیا) کوئی شخص اِن ناموں کی بدولت یا نسل، رنگ، پیشہ، وطن وغیرہ احوال و خصائص کے لحاظ سے حقیقی فلاح اور دائمی کامیابی حاصل نہیں کر سکتا۔ کامیاب اور مامون و مصئون ہونے کا ایک اور صرف ایک معیار ہے، یعنی ایمان و عمل صالح، جس قوم کو اپنے مقرب الٰہی یا کامیاب ہونے کا دعویٰ ہو وہ اسی کسوٹی پر اپنے کو کس کر دیکھ لے۔ اگر اس میں کھری اُترے تو بے خوف و خطر مفلح اور کامیاب ہے۔ ورنہ ہر وقت اپنے کو خدا کے غضب و قہر کے نیچے سمجھے۔ پچھلی آیات میں خاص اہل کتاب کو تبلیغ تھی اس آیت میں تمام اقوام و ملل کے سامنے بلا رعایت ایسا عجیب و غریب، معقول اور منصفانہ قانون پیش کیا گیا ہے جس کے بعد کسی سلیم الفطرت انسان کو اسلام کی صداقت اور ہمہ گیری میں شبہ نہیں رہ سکتا۔ ایک شخص جب تک خدا (یعنی اس کے وجود، وحدانیت، صفات کمالیہ، نشانہائے قدرت، تمام احکام و قوانین، کل نائبین و سفراء) پر اور روز جزاء پر ایمان نہ لائے اور نیکی اختیار نہ کرے، کیا عقل سلیم قبول کر سکتی ہے کہ وہ نعیم دائم رضائے حق اور سرور ابدی سے ہمکنار ہو سکیگا؟ "ایمان باللہ" کے تحت میں یہ سب چیزیں داخل ہیں۔ فرض کرو ایک شخص روشن دلائل نبوت کی موجودگی میں کسی پیغمبر کی توہین کرتا ہے (اور اُس کو دعوئے نبوت میں جھوٹا کہنا یہی اُس کی توہین ہے) تو کیا کسی حکومت کے سفیر کی توہین اور اس کے صاف و صریح اسناد سفارت کی تکذیب اُس حکومت کی توہین و تکذیب نہیں؟ اسی طرح سمجھ لو کہ جو شخص کسی ایک سچے پیغمبر کی تکذیب کرتا ہے اور اُس کو قبول نہیں کرتا وہ فی الحقیقت خدا کے اُن صاف و صریح نشانات و دلائل کو جھٹلا رہا ہے جو اُس نے تصدیق نبوت کے لئے اُتارے تھے۔ فانهم لا یکذبونك ولکن الظالمین بآیات اللہ یجحدون (انعام رکوع ۴) کیا اللہ کی آیات اور صریح و علانیہ نشانات کو جھٹلانے کے بعد بھی کوئی "ایمان باللہ" کا دعویٰ رہ سکیگا۔ قرآن کریم نے جن تفصیلات کی طرف "ایمان باللہ و عمل صالح" کے اجمالی عنوان سے یہاں اشارہ فرمایا ہے۔ دوسرے مواضع میں وہ شرح و بسط سے مذکور ہیں۔

صائبین کون تھے میرے نزدیک زیادہ صحیح اور قوی قول یہ ہے کہ صائبین عراق میں ایک فرقہ تھا جن کے مذہبی اصول عموماً حکمائے اشراقیین اور فلاسفہ طبیعیین کے اصول سے ماخوذ تھے۔ یہ لوگ روحانیت کے متعلق نہایت غلو رکھتے بلکہ اُن کی پرستش کرتے تھے۔ اُن کا خیال یہ تھا کہ ارواح مجردہ اور مدبرات فلکیہ وغیرہ کی استعانت و استمداد سے ہی ہم رب الارباب (یعنی بڑے معبود) تک پہنچ سکتے ہیں۔ لہٰذا ریاضات شاقہ اور کسر شہوات سے روح میں تجرد اور صفائی پیدا کر کے "عالم روحانیات" کے ساتھ ہم کو اپنا رشتہ پیدا کرنا چاہئے۔ پھر اُن کی خوشنودی اور دستگیری سے خدا تک پہنچ سکتے ہیں۔ اتباع انبیاء کی ضرورت نہیں۔ کواکب کے ارواح مدبرہ اور اسی طرح دوسری روحانیات کو اپنے سے خوش رکھنے کے لئے ہیاکل بناتے تھے اور انہی ارواح کے لئے نماز، روزہ اور قربانی وغیرہ کرتے تھے۔ خلاصہ یہ کہ حنفاء کے مقابلہ میں صائبین کی جماعت تھی۔ جن کا سب سے بڑا حملہ نبوت اور اُس کے لوازم و خواص پر ہوتا تھا۔ حضرت ابراہیم حنیف علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت کے وقت نمرود کی قوم صابی العقیدہ تھی جس کے رد و ابطال میں خدا کے خلیل عؑ نے جانبازی دکھلائی۔

لَقَدْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ وَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمْ رُسُلًا ؕ كُلَّمَا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌۢ

ہم نے لیا تھا پختہ قول بنی اسرائیل سے ف۱۹۵ اور بھیجے اُن کی طرف رسول جب لایا اُن کے پاس کوئی رسول

بِمَا لَا تَهْوٰٓى اَنْفُسُهُمْ ۙ فَرِيْقًا كَذَّبُوْا وَفَرِيْقًا يَّقْتُلُوْنَ ۝ وَحَسِبُوْٓا اَلَّا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ فَعَمُوْا

وہ حکم جو خوش نہ آیا اُن کے جی کو تو بہتوں کو جھٹلایا اور بہتوں کو قتل کر ڈالتے تھے ف۱۹۶ اور خیال کیا کہ کچھ خرابی نہ ہوگی سو اندھے ہوگئے

وَصَمُّوا ثُمَّ تَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ثُمَّ عَمُوا وَصَمُّوا كَثِيرٌ مِّنْهُمْ ۚ وَاللّٰهُ بَصِيرٌ بِمَا يَعْمَلُونَ ﴿٧١﴾

اور بہرے پھر توبہ قبول کی اللہ نے اُن کی پھر اندھے اور بہرے ہوئے اُن میں سے بہت ف۱۹۷ اور اللہ دیکھتا ہے جو کچھ وہ کرتے ہیں ف۱۹۸

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ ۖ وَقَالَ الْمَسِيحُ يَا بَنِي

بیشک کافر ہوئے جنہوں نے کہا اللہ وہی مسیح ہے مریم کا بیٹا اور مسیح نے کہا ہے کہ اے بنی

إِسْرَائِيلَ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّي وَرَبَّكُمْ ۖ إِنَّهُ مَن يُشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ

اسرائیل بندگی کرو اللہ کی رب ہے میرا اور تمہارا بیشک جس نے شریک ٹھہرایا اللہ کا سو حرام کی اللہ نے اُس پر

الْجَنَّةَ وَمَأْوَاهُ النَّارُ ۖ وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ أَنصَارٍ ﴿٧٢﴾ لَّقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ

جنت اور اُس کا ٹھکانا دوزخ ہے اور کوئی نہیں گنہگاروں کی مدد کرنے والا ف۱۹۹ بیشک کافر ہوئے جنہوں نے کہا اللہ ہے تین میں کا

ثَلَاثَةٍ ۘ وَمَا مِنْ إِلٰهٍ إِلَّا إِلٰهٌ وَاحِدٌ ۚ وَإِن لَّمْ يَنتَهُوا عَمَّا يَقُولُونَ لَيَمَسَّنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا

ایک ف۲۰۰ حالانکہ کوئی معبود نہیں بجز ایک معبود کے اور اگر نہ باز آویں گے اس بات سے کہ کہتے ہیں تو بیشک پہنچیگا اُن میں سے کفر پر قائم

مِنْهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٧٣﴾ أَفَلَا يَتُوبُونَ إِلَى اللّٰهِ وَيَسْتَغْفِرُونَهُ ۚ وَاللّٰهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٧٤﴾

رہنے والوں کو عذاب دردناک کیوں نہیں توبہ کرتے اللہ کے آگے اور گناہ بخشواتے اس سے اور اللہ ہے بخشنے والا مہربان ف۲۰۱

(۱۹۵) گذشتہ آیت میں جو معیار قبول عنداللہ کا بیان ہوا تھا یعنی ایمان اور عمل صالح۔ یہاں یہ دکھلانا ہے کہ یہود اس معیار پر کہاں تک پورے اُترتے ہیں۔

(۱۹۶) غلام کی وفاداری کا امتحان اس میں ہے کہ جس بات کو دل نہ چاہے آقا کے حکم سے کر گذرے اور اپنی رائے یا خواہش کو آقا کی مرضی کے تابع بنادے۔ ورنہ صرف اُن چیزوں کا مان لینا جو مرضی اور خواہش کے موافق ہوں، یہ کونسا کمال ہے۔

(۱۹۷) **یہودیوں کی اللہ سے غداری** | یعنی پختہ عہد و پیمان توڑ کر خدا سے غداری کی، اس کے سفراء میں سے کسی کو جھٹلایا، کسی کو قتل کیا۔ یہ تو اُن کے "ایمان باللہ اور عمل صالح" کا حال تھا۔ "ایمان بالیوم الآخر" کا اندازہ اس سے کر لو کہ اس قدر شدید مظالم اور باغیانہ جرائم کا ارتکاب کر کے بالکل بے فکر ہو بیٹھے۔ گویا ان حرکات کا کوئی خمیازہ بھگتنا نہیں پڑے گا۔ اور ظلم و بغاوت کے خراب نتائج کبھی سامنے نہ آئیں گے۔ یہ خیال کر کے خدائی نشانات اور خدائی کلام کی طرف سے بالکل ہی اندھے اور بہرے ہو گئے اور جو نا کردنی کام تھے وہ کئے حتیٰ کہ بعض انبیاء کو قتل اور بعض کو قید کیا۔ آخر خدا تعالیٰ نے اُن پر بخت نصر کو مسلط فرمایا۔ پھر ایک مدت دراز کے بعد بعض ملوک فارس نے بخت نصر کی قید ذلت و رسوائی سے چھڑا کر بابل سے بیت المقدس کو واپس کیا۔ اس وقت ان لوگوں نے توبہ کی اور اصلاح حال کی طرف متوجہ ہوئے۔ خدا نے توبہ قبول کی۔ لیکن کچھ زمانہ کے بعد پھر وہی شرارتیں سوجھیں اور بالکل اندھے بہرے ہو کر حضرت زکریا اور حضرت یحییٰ علیہما السلام کے قتل کی جرات کی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قتل پر تیار ہو گئے۔

(۱۹۸) یعنی وہ اگر چہ خدا کے غضب و قہر کی طرف سے اندھے ہو گئے ہیں لیکن خدا اُن کی تمام حرکات کو برابر دیکھتا رہا ہے۔ چنانچہ اُن حرکات کی سزا اب امت محمدیہ کے ہاتھوں سے دلوا رہا ہے۔

(۱۹۹) **نصاریٰ کا کفر و شرک** | یہاں سے نصاریٰ کے ایمان باللہ کی کیفیت دکھلائی گئی ہے کہ وہ کہاں تک حقانیت کے اس

معیار پر پورے اُترے۔ اُن کے ایمان باللہ کا حال یہ ہے کہ عقل کے خلاف فطرت سلیمہ کے خلاف اور خود حضرت مسیح کی تصریحات کے خلاف مسیح ابن مریم کو خدا بنادیا" ایک تین اور تین ایک" کی بھول بھلیاں تو محض برائے نام ہے۔ حقیقۃً سارا زور و قوت صرف حضرت مسیح کی الوہیت ثابت کرنے پر صرف کیا جاتا ہے۔ حالانکہ خود حضرت مسیح علیہ السلام خدا کے رب ہونے اور دوسرے آدمیوں کی طرح اپنے مربُوب ہونے کا علانیہ اعتراف فرما رہے ہیں۔ اور جس شرک میں اُن کی اُمت مبتلا ہونے والی تھی اس کی بُرائی کس زور و شور سے بیان کر رہے ہیں۔ پھر بھی ان اندھوں کو عبرت نہیں ہوتی۔

(۲۰۰) یعنی حضرت مسیح، روح القدس اور اللہ، یا مسیح، مریم اور اللہ تینوں خدا ہیں (العیاذ باللہ) اُن میں کا ایک حصہ دار اللہ ہوا۔ پھر وہ تینوں ایک اور وہ ایک تین ہیں۔ عیسائیوں کا عام عقیدہ یہی ہے اور اس خلاف عقل و بداہت عقیدہ کو عجیب گول مول اور پیچدار عبارتوں سے ادا کرتے ہیں اور جب کسی کی سمجھ میں نہیں آتا تو اُس کو ایک ماوراء العقل حقیقت قرار دیتے ہیں۔ سچ ہے لن یصلح العطار ما افسد الدھر۔

(۲۰۱) یہ اُسی غفور رحیم کی شان ہے کہ ایسے ایسے باغی اور گستاخ مجرم بھی جب شرمندہ ہو کر اور اصلاح کا عزم کر کے حاضر ہوں تو ایک منٹ میں عمر بھر کے جرائم معاف فرما دیتا ہے۔

مَا الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ وَأُمُّهُ صِدِّيقَةٌ كَانَا يَأْكُلَانِ

نہیں ہے مسیح مریم کا بیٹا مگر رسول گذر چکے اُس سے پہلے بہت رسول ف۲۰۲ اور اُسکی ماں ولی ہے ف۲۰۳ دونوں کھاتے تھے

الطَّعَامَ انْظُرْ كَيْفَ نُبَيِّنُ لَهُمُ الْآيَاتِ ثُمَّ انْظُرْ أَنَّى يُؤْفَكُونَ ۝٧٥ قُلْ أَتَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ

کھانا دیکھ ہم کیسے بتلاتے ہیں اُن کو دلیلیں پھر دیکھ وہ کہاں اُلٹے جا رہے ہیں ف۲۰۴ تو کہہ دے کیا تم ایسی چیز کی بندگی کرتے ہو اللہ کو چھوڑ

اللَّهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَلَا نَفْعًا وَاللَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۝٧٦ قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَا تَغْلُوا

کر جو مالک نہیں تمہارے بُرے کی اور نہ بھلے کی اور اللہ وہی ہے سُننے والا جاننے والا ف۲۰۵ تو کہہ اے اہل کتاب مت مبالغہ کرو

فِي دِينِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعُوا أَهْوَاءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوا مِنْ قَبْلُ وَأَضَلُّوا كَثِيرًا وَضَلُّوا

اپنے دین کی بات میں ناحق کا ف۲۰۶ اور مت چلو خیالات پر اُن لوگوں کے جو گمراہ ہو چکے پہلے اور گمراہ کر گئے بہتوں کو اور بہک گئے

عَنْ سَوَاءِ السَّبِيلِ ۝٧٧ لُعِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ عَلَى لِسَانِ دَاوُودَ وَعِيسَى ابْنِ

سیدھی راہ سے ف۲۰۷ ملعون ہوئے کافر بنی اسرائیل میں کے داؤد کی زبان پر اور عیسیٰ بیٹے

مَرْيَمَ ذَلِكَ بِمَا عَصَوْا وَكَانُوا يَعْتَدُونَ ۝٧٨

مریم کے یہ اس لئے کہ وہ نافرمان تھے اور حد سے گذر گئے تھے ف۲۰۸

(۲۰۲) یعنی اسی مقدس و معصوم جماعت کے یہ بھی ایک فرد ہیں، اُنہیں خدا بنا لینا تمہاری سفاہت ہے۔

(۲۰۳) حضرت مریم نبی نہیں تھیں جمہور اُمّت کی تحقیق یہی ہے کہ خواتین میں نبوت نہیں آئی۔ یہ منصب رجال ہی کے لئے مخصوص رہا ہے۔ وما ارسلنا من قبلک الا رجالا نوحی الیھم من اھل القریٰ (یوسف۔ رکوع ۱۲) حضرت مریم بتول بھی ایک ولی بی بی تھیں۔ نبی نہیں۔

(۲۰۴) **الوہیت مسیح و مریم کا ابطال** غور کرنے سے معلوم ہوسکتا ہے کہ جو شخص کھانے پینے کا محتاج ہے وہ تقریباً دنیا کی ہر چیز کا محتاج ہے۔ زمین، ہوا، پانی، سورج، حیوانات حتیٰ کہ میلے اور کھاد سے بھی اُسے استغنا نہیں ہوسکتا۔ غلّہ کے پیٹ میں پہنچنے اور ہضم ہونے تک خیال کرو بالواسطہ یا بلاواسطہ کتنی چیزوں کی ضرورت ہے۔ پھر کھانے سے جو اثرات و نتائج پیدا ہونگے ان کا سلسلہ کہاں تک جاتا ہے۔ احتیاج و افتقار کے اس طویل الذیل سلسلہ کو ملحوظ رکھتے ہوئے ہم الوہیت مسیح و مریم کے ابطال کو بشکل استدلال یوں بیان کر سکتے ہیں کہ مسیح و مریم اکل و شرب کی ضروریات سے مستغنی نہ تھے جو مشاہدہ اور تواتر سے ثابت ہے اور جو اکل و شرب سے مستغنی نہ ہو وہ دنیا کی کسی چیز سے مستغنی نہیں ہوسکتا۔ پھر تم ہی کہو کہ جو ذات تمام انسانوں کی طرح اپنی بقاء میں عالم اسباب سے مستغنی نہ ہو وہ خدا کیونکر بن سکتی ہے۔ یہ ایسی قوی اور واضح دلیل ہے جسے عالم و جاہل یکساں طور پر سمجھ سکتے ہیں یعنی کھانا پینا الوہیت کے منافی ہے۔ اگرچہ نہ کھانا اُلوہیت کی دلیل نہیں ورنہ سارے فرشتے خُدا بن جائیں، معاذ اللہ۔

(۲۰۵) یعنی جب مسیح کو خدا کہا تو لازم ہے کہ معبود بھی کہو۔ مگر معبود بننا صرف اُسی ذات کے ساتھ مختص ہے جو ہر قسم کے نفع و ضرر کا مالک اور پورا با اختیار ہو۔ کیونکہ عبادت انتہائی تذلل کا نام ہے اور انتہائی تذلل اسی کے سامنے اختیار کر سکتے ہیں جو انتہائی عزّت اور غلبہ رکھنے والا، ہر آن سب کی سننے والا اور سب کے احوال کا پوری طرح جاننے والا ہو۔ اس میں تثلیث کے عقیدہ شرکیہ کے ساتھ تمام مشرکین کا رد ہوگیا۔

(۲۰۶) **نصاریٰ کا غلو فی الدین** عقیدہ کا مبالغہ یہ ہے کہ ایک مولود بشری کو خدا بنا دیا اور عمل میں غلو وہ ہے جسے رہبانیت کہتے ہیں۔ ورھبانیۃ ن ابتدعوھا ماکتبنٰھا علیھم (الحدید۔ رکوع ۴) یہود کی جو قبائح بیان کی جاچکیں اُن سے ظاہر ہوتا ہے کہ دنیا پرستی میں غرق ہونے کی وجہ سے دین اور دینداروں کی اُن کے یہاں کوئی عظمت و وقعت نہ تھی۔ حتیٰ کہ انبیاء علیہم السلام کی اہانت و قتل وغیرہ اُن کا خاص شعار تھا۔ برخلاف اُس کے نصاریٰ نے تعظیم انبیاء میں اسقدر غلو کیا کہ ان میں سے بعض کو خدا یا خدا کا بیٹا کہنے لگے۔ اور ترک دنیا کر کے رہبانیت اختیار کر لی۔

(۲۰۷) یعنی اصل انجیل وغیرہ ~~سماویہ~~ کتب سماویہ میں اس عقیدہ شرکیہ کا کہیں پتہ نہ تھا۔ بعد میں یونانی بت پرستوں کی ~~پولوس~~ تقلید میں پولوس نے ایجاد کیا اسی پر سب چل پڑے اور اسی پر جمے رہے۔ ایسی اندھی تقلید سے نجات کی توقع رکھنا کسی عاقل کو زیبا نہیں۔

(۲۰۸) **یہودیوں پر حضرت داؤدؑ اور حضرت عیسیٰؑ کی لعنت** یوں تو تمام کتب سماویہ میں کافروں پر لعنت کی گئی ہے۔ لیکن بنی اسرائیل کے کافروں پر جب وہ عصیان و تمرد میں حد سے گذر گئے کہ نہ مجرم کسی طرح ارتکاب جرائم سے باز آتا تھا اور نہ غیر مجرم مجرم کو روکتا تھا بلکہ سب شیر و شکر ہو کر بے تکلف ایک دوسرے کے ہم پیالہ و ہم نوالہ بنے ہوئے تھے۔ منکرات و فواحش کا ارتکاب کرنے والوں پر کسی طرح کے انقباض، تکدر اور ترشروئی کا اظہار بھی نہ ہوتا تھا۔ تب خدا نے حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت مسیح علیہ السلام کی زبان سے ان پر لعنت کی۔ جیسے گناہوں پر اُن کی جسارت حد سے گذر چکی تھی۔ یہ لعنت کی جو ایسے جلیل القدر انبیاء کے توسط سے کی گئی۔ غیر معمولی طور پر تباہ کن ثابت ہوئی۔ غالباً اسی لعنت کے نتیجہ میں اُن میں کے بہت سے افراد ظاہراً و باطناً بندر اور خنزیر کی شکل میں مسخ کر دیئے گئے اور باطنی مسخ کا دائرہ تو اس قدر وسیع ہوا کہ ان کے بہت سے لوگ آج بھی اُنہے مسلمانوں کو چھوڑ کر جو خدا کی تمام کتب سماویہ تمام انبیاء کی تصدیق و تعظیم کرتے ہیں مشرکین مکہ سے جو خالص بت پرست اور نبوات وغیرہ سے جاہل محض ہیں، مسلمانوں کے خلاف دوستی گانٹھتے ہیں۔ اگر ان اہل کتاب کو خدا پر، نبی پر اور وحی الٰہی پر واقعی اعتقاد ہوتا

تو کیا یہ ممکن تھا کہ اس قوم کی ضد میں جو ان تمام چیزوں کو مکمل طور پر مانتے ہیں بت پرستوں سے ساز باز کرتے۔ یہ بے حسی، بدمذاقی اور خدا پرستوں سے بھاگ کر بت پرستوں سے دوستی کرنا، اسی لعنت اور پھٹکار کا اثر ہے جس نے انہیں خدا کی رحمت عظیمہ سے کوسوں دور پھینک دیا ہے۔ پچھلی آیات میں اُن کی گذشتہ کفریات اور جرائم کو بیان کر کے غلو فی الدین اور گمراہوں کی کورانہ تقلید سے منع فرمایا تھا تاکہ اب بھی اپنی ملعون حرکات سے تائب ہو کر حق و صداقت کے راستہ پر چلنے کی کوشش کریں۔ اس رکوع میں اُن کی موجودہ حالت پر متنبہ کرتے ہوئے بتلایا کہ جو لعنت داؤد اور مسیح علیہما السلام کی زبانی ہوئی تھی اُس کے آثار آج تک موجود ہیں۔ اہل اللہ اور عارفین سے نفرت و عداوت اور جاہل مشرکوں سے محبت، یہ کھلی دلیل اس کی ہے۔ کہ اُن کے قلوب خدائی لعنت کے اثر سے بالکل ممسوخ ہو چکے ہیں۔ اگر اب بھی انہوں نے اپنی حالت کو نہ سنبھالا اور حق کی طرف رجوع نہ کیا تو ایسی شدید لعنت کے مورد بنیں گے جو خدا تعالیٰ سید الانبیاء خاتم الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے اُن پر بھیجیگا۔

كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ ؕ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ۝۷۹ تَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يَتَوَلَّوْنَ

آپس میں منع نہ کرتے بُرے کام سے جو وہ کر رہے تھے ف۲۰۹ کیا ہی بُرا کام ہے جو کرتے تھے تو دیکھتا ہے ان میں کہ بہت سے لوگ دوستی کرتے

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ لَبِئْسَ مَا قَدَّمَتْ لَهُمْ اَنْفُسُهُمْ اَنْ سَخِطَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَفِي الْعَذَابِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ۝۸۰ وَ

ہیں کافروں سے ف۲۱۰ کیا ہی بُرا سامان بھیجا انہوں نے اپنے واسطے وہ یہ کہ اللہ کا غضب ہوا اُن پر اور وہ ہمیشہ عذاب میں رہنے والے ہیں ف۲۱۱ اور

لَوْ كَانُوْا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالنَّبِيِّ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَا اتَّخَذُوْهُمْ اَوْلِيَآءَ وَلٰكِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ

اگر وہ یقین رکھتے اللہ پر اور نبی پر اور جو نبی پر اُترا تو کافروں کو دوست نہ بناتے ف۲۱۲ لیکن اُن میں بہت سے لوگ

فٰسِقُوْنَ ۝۸۱ لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۚ وَلَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ

نافرمان ہیں ف۲۱۳ تو پاویگا سب لوگوں سے زیادہ دشمن مسلمانوں کا یہودیوں کو اور مشرکوں کو اور تو پاویگا سب سے نزدیک

مَّوَدَّةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰى ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيْسِيْنَ وَرُهْبَانًا وَّ

محبت میں مسلمانوں کے اُن لوگوں کو جو کہتے ہیں کہ ہم نصاریٰ ہیں یہ اس واسطے کہ نصاریٰ میں عالم ہیں اور درویش ہیں اور

اَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ۝۸۲

اس واسطے کہ وہ تکبر نہیں کرتے۔

(۲۰۹) **بُرائی سے نہ روکنا بڑا جرم ہے** لا یتناھون کے دو معنی ہو سکتے ہیں (۱) "نہیں رُکتے تھے" کما فی روح المعانی (۲) "نہیں روکتے تھے ایک دوسرے کو" کما ھو المشہور۔ جب بدی کسی قوم میں پھیلے اور کوئی روکنے ٹوکنے والا بھی نہ ہو تو عذاب عام کا اندیشہ ہے۔

(۲۱۰) کافروں سے مراد مشرکین ہیں اور ان آیات کا مصداق یہود مدینہ تھے۔ جنہوں نے مشرکین مکہ کے ساتھ سازش کر کے مسلمانوں سے لڑائی کی ٹھانی تھی۔

(۲۱۱) یعنی جو ذخیرہ اعمال کا مرنے سے پہلے آخرت کے لئے بھیج رہے ہیں وہ ایسا ہے جو اُن کو غضب الٰہی اور عذاب ابدی کا

مستحق بناتا ہے۔

(۲۱۲) "والنبی" سے بعض مفسرین نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اور بعض نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مراد لیا ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ اگر ان یہود کو واقعی یقین حضرت موسیٰ علیہ السلام کی صداقت اور تعلیمات پر ہوتا تو نبی آخر الزماں کے مقابلہ میں جن کی بشارت خود موسیٰ علیہ السلام دے چکے ہیں، مشرکین سے دوستی نہ کرتے یا یہ کہ اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر مخلصانہ ایمان لے آتے تو ایسی حرکت ان سے سرزد نہ ہوتی کہ دشمنان اسلام سے ساز باز کریں۔ اس دوسری تقدیر پر آیت منافقین یہود کے حق میں ہوگی۔

(۲۱۳) خدا کی اور خود اپنے تسلیم کردہ پیغمبر کی نافرمانی کرتے کرتے یہ حالت ہوگئی کہ اب موحدین پر مشرکین کو ترجیح دیتے ہیں افسوس کہ آج ہم بہت سے نام نہاد مسلمانوں کی حالت بھی یہی پاتے ہیں کہ مسلمان اور کفار کے مقابلہ کے وقت کافروں کو دوست بناتے اور انہی کی حمایت و وکالت کرتے ہیں۔

اللّٰھم احفظنا من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا۔

وَإِذَا سَمِعُوا مَا أُنزِلَ إِلَى الرَّسُولِ تَرَىٰ أَعْيُنَهُمْ تَفِيضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوا مِنَ

اور جب سنتے ہیں اُس کو جو اُترا رسول پر تو دیکھے تو اُن کی آنکھوں کو کہ اُبلتی ہیں آنسوؤں سے اس وجہ سے کہ انہوں نے پہچان لیا

الْحَقِّ ۖ يَقُولُونَ رَبَّنَا آمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشَّاهِدِينَ ﴿٨٣﴾ وَمَا لَنَا لَا نُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَمَا جَاءَنَا

حق بات کو کہتے ہیں اے رب ہمارے ہم ایمان لائے سو تو لکھ ہم کو ماننے والوں کے ساتھ اور ہم کو کیا ہوا کہ یقین نہ لاویں اللہ پر اور اس چیز پر جو پہنچی ہم کو

مِنَ الْحَقِّ وَنَطْمَعُ أَن يُدْخِلَنَا رَبُّنَا مَعَ الْقَوْمِ الصَّالِحِينَ ﴿٨٤﴾ فَأَثَابَهُمُ اللَّهُ بِمَا قَالُوا

حق سے اور توقع رکھیں اِسکی کہ داخل کرے ہم کو رب ہمارا ساتھ نیک بختوں کے پھر اُنکو بدلے میں دیے اللہ نے اس کہنے پر

جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا ۚ وَذَٰلِكَ جَزَاءُ الْمُحْسِنِينَ ﴿٨٥﴾ وَالَّذِينَ

ایسے باغ کہ جن کے نیچے بہتی ہیں نہریں رہا کریں اُن میں ہی اور یہ ہے بدلا نیکی کرنے والوں کا اور جو لوگ

كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ ﴿٨٦﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُحَرِّمُوا

منکر ہوئے اور جھٹلانے لگے ہماری آیتوں کو وہ ہیں دوزخ کے رہنے والے ف۲۱۴ اے ایمان والو مت حرام ٹھہراؤ

طَيِّبَاتِ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا ۚ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ ﴿٨٧﴾ وَكُلُوا مِمَّا

وہ لذیذ چیزیں جو اللہ نے تمہارے لئے حلال کر دیں اور حد سے نہ بڑھو بیشک اللہ پسند نہیں کرتا حد سے بڑھنے والوں کو اور کھاؤ اللہ کے

رَزَقَكُمُ اللَّهُ حَلَالًا طَيِّبًا ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي أَنتُم بِهِ مُؤْمِنُونَ ﴿٨٨﴾

دیے ہوئے میں سے جو چیز حلال پاکیزہ ہو اور ڈرتے رہو اللہ سے جس پر تم ایمان رکھتے ہو ف۲۱۵

(۲۱۴) **نصاریٰ یہود اور مشرکین سے بہتر ہیں** ان آیات میں بتلایا گیا کہ یہود کا مشرکین سے دوستی کرنا محض اسلام اور مسلمانوں کی عداوت و بغض کی وجہ سے ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جن اقوام سے زیادہ سابقہ پڑتا تھا اُن میں یہ دونوں قومیں یہود اور مشرکین علی الترتیب اسلام و مسلمین کی شدید ترین دشمن تھیں۔ مشرکین مکہ کی ایذا رسانیاں تو اظہر من الشمس ہیں۔ لیکن ملعون یہود نے بھی کوئی کمینہ سے کمینہ حرکت اُٹھا کر نہیں رکھی۔ حضور کو بے خبری میں پتھر کی چٹان گرا کر شہید کرنا چاہا، کھانے میں زہر دینے کی کوشش کی، سحر اور ٹوٹکے کرائے، غرض غضب اور لعنت پر لعنت حاصل کرتے رہے۔ اس کے بالمقابل نصاریٰ باوجودیکہ وہ بھی کفر میں مبتلا تھے، اسلام سے جلتے تھے، مسلمانوں کا عروج اُن کو ایک نظر نہ بھاتا تھا، تاہم اُن میں قبول حق کی استعداد ان دونوں گروہوں سے زیادہ تھی، اُن کے دل اسلام اور مسلمانوں سے محبت کرنے کی طرف نسبۃً جلد مائل ہو جاتے تھے اس کا سبب یہ تھا کہ اُس وقت تک "عیسائیوں" میں علم دین کا چرچا دوسری قوموں سے زائد تھا، اپنے طریقہ کے موافق ترک دُنیا اور زاہدانہ زندگی اختیار کرنے والے اُن میں بکثرت پائے جاتے تھے۔ نرم دلی اور تواضع اُن کی خاص صفت تھی۔ جس قوم میں یہ خصال کثرت سے پائی جائیں اُس کا لازمی نتیجہ یہ ہونا چاہیے کہ اُس میں قبول حق اور سلامت روی کا مادہ دوسری اقوام سے زیادہ ہو کیونکہ قبول حق سے عموماً تین چیزیں مانع ہوتی ہیں جہل، حُبِّ دنیا، یا حسد و تکبر وغیرہ۔ نصاریٰ میں قسیسین کا وجود جہل کو، رہبان کی کثرت حُبِّ دنیا کو، نرمی دل اور تواضع کی صفت کبر و نخوت وغیرہ کو کم کرتی تھی۔ چنانچہ قیصر روم، مقوقس مصر اور نجاشی ملک حبشہ نے جو کچھ برتاؤ، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام رسالت کے ساتھ کیا وہ اس کا شاہد ہے کہ اُس وقت نصاریٰ میں قبول حق اور مودۃ مسلمین کی

صلاحیت نسبتاً دوسری قوموں سے زائد تھی۔ مشرکین مکہ کے ظلم و ستم سے تنگ آکر جب ایک جماعت صحابہ رضی اللہ عنہم نے "حبشہ" کو ہجرت کی اور مشرکین نے وہاں بھی ملک حبشہ کے دربار تک اپنا پروپیگنڈا نہ چھوڑا تو بادشاہ نے ایک روز مسلمانوں کو بلا کر کچھ سوالات کئے اور حضرت مسیح علیہ السلام کی نسبت بھی اُن کا عقیدہ دریافت کیا، حضرت جعفر نے سورہ مریم کی آیات پڑھیں اور اپنا عقیدہ صاف صاف بیان فرمایا۔ بادشاہ بے انتہا متاثر ہوا اور اقرار کیا کہ جو کچھ قرآن نے حضرت عیسٰی کی نسبت عقیدہ ظاہر کیا ہے، وہ بلا کم و کاست صحیح ہے۔ اُس نے کتب سابقہ کی بشارات کے موافق حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی آخر الزماں تسلیم کیا۔ قصہ طویل ہے۔

عیسائیوں کے وفد پر قرآن کی اثر انگیزی انجام کار ہجرت کے کئی سال بعد ایک وفد جو ستر نومسلم عیسائیوں پر مشتمل تھا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں روانہ کیا یہ لوگ جب مدینہ پہنچے اور قرآن کریم کے سماع سے لذت اندوز ہوئے تو کلام الٰہی سُن کر وقف گریہ و بکا ہو گئے۔ آنکھوں سے آنسو اور زبان پر "ربنا آمنا" الخ یہ کلمات جاری تھے۔ ان آیات میں اُسی جماعت کا حال بیان فرمایا ہے۔ قیامت تک کے لئے کوئی خبر نہیں دی گئی کہ ہمیشہ عیسائیوں اور یہود و مشرکین وغیرہ کے تعلقات کی نوعیت اسلام و مسلمین کے ساتھ یہی رہے گی۔ آج جو لوگ عیسائی کہلاتے ہیں اُن میں کتنے قسیسین و رہبان اور متواضع و منکسر المزاج ہیں اور کتنے ہیں جن کی آنکھوں سے کلام الٰہی سُن کر آنسو ٹپک پڑتے ہیں جب اقربهم مودۃ کی علت ہی جو ذٰلك بان منهم قسيسين سے بیان کی گئی، موجود نہیں تو معلول یعنی "قرب مودت" کیوں موجود ہوگا۔ بہرحال جو اوصاف عہد نبوی کے عیسائیوں اور یہود و مشرکین کے بیان ہوئے، وہ جب کبھی اور جہاں کہیں جس مقدار میں موجود ہوں گے، اُسی نسبت سے اسلام و مسلمین کی محبت و عداوت کو خیال کر لیا جائے۔

(۲۱۵) **اسلام کا بے نظیر اعتدال** آغاز سورت میں "ایفائے عہود" کی تاکید کے بعد حلال و حرام کا بیان شروع ہوا تھا۔ اُسی ضمن میں خاص خاص مناسبات سے جن کا ذکر موقع بہ موقع ہم کر چکے ہیں، دوسرے مفید مضامین کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ "الشیء بالشیء یذکر" بات میں سے بات نکلتی رہی۔ تمام استطرادی مضامین کو تمام کر کے اس پارہ کے پہلے رکوع سے پھر اصل موضوع بحث کی طرف عود کیا گیا ہے۔ اور لطف یہ ہے کہ اس رکوع سے متصل پہلے رکوع میں جو مضمون گذرا اُس سے بھی رکوع حاضر کا مضمون پوری طرح مربوط ہے۔ کیونکہ پچھلے رکوع میں یہود و نصاریٰ کی جو فضائح بیان کی گئیں سمجھنے والوں کے نزدیک اُن کا خلاصہ دو چیزیں تھیں۔ یعنی یہود کا لذات و شہوات دنیا اور حرام خوری میں انہماک جو "تفریط فی الدین" کا سبب ہوا اور نصاریٰ کا دین میں غلو اور افراط جو آخر کار رہبانیت وغیرہ پر منتہی ہوا۔ بلاشبہ رہبانیت جسے دینداری یا روحانیت کا ہیضہ کہنا چاہئے، نیت اور منشائے اصلی کے اعتبار سے فی الجملہ محمود ہو سکتی تھی اسی لئے ذٰلك بان منهم قسيسين ورهبانا کو من وجہ معرض مدح میں پیش کیا گیا۔ لیکن چونکہ اس طرح کا تجرد و ترک دنیا، اُس مقصد عظیم اور قانون قدرت کے راستہ میں حائل تھا جو فاطر عالم نے عالم کی تخلیق میں مرعی رکھا ہے۔ اس لئے وہ عالمگیر مذہب جو ابدی طور پر تمام بنی نوع انسان کی فلاح دارین اور اصلاح معاش و معاد کا متکفل ہو کر آیا ہے، ضروری تھا کہ اس طرح کے مبتدعانہ طریق عبادت پر سختی سے نکتہ چینی کرے۔ کوئی آسمانی کتاب آج تک ایسی جامع، معتدل، فطری تعلیم انسانی ترقیات کے ہر شعبہ کے متعلق پیش نہیں کر سکتی، جو قرآن کریم نے ان دو آیتوں میں پیش کی ہے

حلال کو حرام نہ کرو ان آیتوں میں حق تعالیٰ نے مسلمانوں کو صاف طور پر اس سے روک دیا کہ کسی لذیذ حلال و طیب چیز کو اپنے اُوپر عقیدۃً یا عملاً حرام ٹھہرا لیں۔ نہ صرف یہی بلکہ اُن کو خدا کی پیدا کی ہوئی حلال و طیب نعمتوں سے متمتع ہونے کی ترغیب دی ہے مگر سلبی اور ایجابی دو شرطوں کے ساتھ (۱) اعتداء نہ کریں (حد سے نہ بڑھیں) (۲) اور تقویٰ اختیار کریں (خدا سے ڈرتے رہیں)

اعتداء کے دو مطلب ہو سکتے ہیں۔ حلال چیزوں کے ساتھ حرام کا سا معاملہ کرنے لگیں اور نصاریٰ کی طرح رہبانیت میں مبتلا ہو جائیں۔ یا لذائذ و طیبات سے تمتع کرنے میں حد اعتدال سے گذر جائیں۔ حتیٰ کہ لذات و شہوات میں منہمک ہو کر یہود کی طرح حیات دنیا ہی کو اپنا مطمح نظر بنا لیں۔ الغرض غلو و جفا اور افراط و تفریط کے درمیان متوسط و معتدل راستہ اختیار کرنا چاہئے۔ نہ تو لذائذ دنیوی میں غرق ہونے کی اجازت ہے اور نہ ازراہ رہبانیت مباحات و طیبات کو چھوڑنے کی۔ "ازراہ رہبانیت" کی قید ہم نے اس لئے لگائی کہ بعض اوقات بدنی یا نفسی علاج کی غرض سے کسی مباح سے عارضی طور پر پرہیز کرنا، ممانعت میں داخل نہیں۔ نیز مسلمان تقویٰ کے مامور ہیں جس کے معنی ہیں خدا سے ڈر کر ممنوعات سے اجتناب کرنا۔ اور تجربہ سے معلوم ہے کہ بعض مباحات کا استعمال بعض اوقات کسی حرام یا ممنوع کے ارتکاب کی طرف مفضی ہو جاتا ہے۔ ایسے مباحات کو عہد و قسم یا تقرب کے طور پر نہیں بلکہ بطریق احتیاط اگر کوئی شخص کسی وقت باوجود اعتقاد اباحت ترک کر دے تو یہ رہبانیت نہیں بلکہ ورع و تقویٰ میں شامل ہے۔ حدیث میں ہے۔ لا یبلغ العبد ان یکون من المتقین حتی یدع ما لا بأس به حذرا مما به بأس (ترمذی) الحاصل ترک اعتداء اور اختیار تقویٰ کی قید کو ملحوظ رکھ کر ہر قسم کی طیبات سے مومن مستفید ہو سکتا ہے اور زندگی کے ہر شعبہ میں ترقیات کے دروازے کھلے ہوئے ہیں۔

لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ ۚ فَكَفَّارَتُهٗٓ

نہیں پکڑتا تم کو اللہ تمہاری بیہودہ قسموں پر ف۲۱۶ لیکن پکڑتا ہے اُس پر جس قسم کو تم نے مضبوط باندھا سو اُس کا کفارہ

اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ اَوْ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ ۭ

کھانا دینا ہے دس محتاجوں کو اوسط درجہ کا کھانا جو دیتے ہو اپنے گھر والوں کو ف۲۱۷ یا کپڑا پہنا دینا دس محتاجوں کو ف۲۱۸ یا ایک گردن آزاد کرنی ف۲۱۹

فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ ۭ ذٰلِكَ كَفَّارَةُ اَيْمَانِكُمْ اِذَا حَلَفْتُمْ ۭ وَاحْفَظُوْٓا اَيْمَانَكُمْ ۭ

پھر جس کو میسر نہ ہو تو روزے رکھنے ہیں تین دن کے ف۲۲۰ یہ کفارہ ہے تمہاری قسموں کا جب قسم کھا بیٹھو اور حفاظت رکھو اپنی قسموں کی ف۲۲۱

كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۸۹﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَ

اسی طرح بیان کرتا ہے اللہ تمہارے لئے اپنے حکم تاکہ تم احسان مانو ف۲۲۲ اے ایمان والو یہ جو ہے شراب اور جوا اور

الْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۹۰﴾

بت اور پانسے ف۲۲۳ سب گندے کام ہیں شیطان کے سو ان سے بچتے رہو تاکہ تم نجات پاؤ ف۲۲۴

(۲۱۶) **بیہودہ قسموں کا بیان** یعنی اُن پر دنیا میں کفارہ نہیں۔ جیسا کہ "یمین منعقدہ" میں واجب ہے "لغو" و بیہودہ قسم کی تفسیر پارہ سیقول کے اواخر میں گذر چکی چونکہ اوپر تحریم طیبات کا ذکر تھا اور تحریم کی ایک قسم "یمین" بھی ہے اس لئے "یمین" کے احکام بیان کئے جاتے ہیں۔

(۲۱۷) **کفارۂ یمین** یعنی قسم توڑنے کے بعد یہ کفارہ دیا جائیگا۔ کھانا دینے میں اختیار ہے خواہ دس مساکین کو گھر بٹھلا کر کھانا کھلا دے یا صدقہ فطر کی برابر ہر مسکین کو غلہ یا اُس کی قیمت ادا کر دے۔

(۲۱۸) اس قدر جس سے بدن کا اکثر حصہ ڈھک جائے۔ مثلاً کرتہ اور پاجامہ یا لنگی اور چادر۔

(۲۱۹) یعنی ایک بردہ آزاد کرنا۔ اس میں مومن ہونا شرط نہیں۔

(۲۲۰) یعنی متواتر روزے تین دن کے رکھے اور میسر نہ ہونے سے مراد یہ ہے کہ صاحب نصاب نہ ہو کما فی روح المعانی۔

(۲۲۱) قسموں کی حفاظت یہ ہے کہ بے ضرورت بات بات پر قسمیں نہ کھائیے۔ یہ عادت بھلی نہیں۔ اور اگر قسم کھائی تو تا مقدور پوری کرے۔ اور اگر کسی وجہ سے توڑے تو کفارہ ادا کرے۔ یہ سب چیزیں حفاظت یمین میں داخل ہیں۔

(۲۲۲) کتنا بڑا احسان ہے کہ ہم نے طیبات سے گریز کیا تو اس گریز سے منع فرمایا۔ اور اگر کسی نے غلطی سے طیبات کو اپنے اوپر حرام ہی کر لیا تو اس کو حفاظت یمین کے ساتھ اس سے حلال ہونے کا طریقہ بھی بتلا دیا۔

(۲۲۳) "انصاب" و "ازلام" کی تفسیر اسی سورت کی ابتداء میں "وماذبح علی النصب وان تستقسموا بالازلام" کے تحت میں گذر چکی۔

(۲۲۴) **شراب کی حرمت** اس آیت سے پہلے بھی بعض آیات خمر (شراب) کے بارہ میں نازل ہو چکی تھیں۔ اول یہ آیت نازل ہوئی۔ یسئلونک عن الخمر والمیسر قل فیہما اثم کبیر ومنافع للناس واثمہما اکبر من نفعہما (بقرہ رکوع ۲۷) گو اس سے نہایت واضح اشارہ تحریم خمر کی طرف کیا جا رہا تھا مگر چونکہ صاف طور پر اس کے چھوڑنے کا حکم نہ تھا اس لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سن کر کہا اَللّٰھُمَّ بَیِّنْ لَنَا بَیَانًا شَافِیًا اس کے بعد دوسری آیت آئی یا ایہا الذین امنوا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوۃَ وَاَنْتُمْ سُکَارٰی الی آخر الآیۃ (نساء رکوع ۶) اس میں بھی تحریم خمر کی تصریح نہ تھی۔ گو نشہ کی حالت میں نماز کی ممانعت ہوئی اور یہ قرینہ اسی کا تھا کہ غالباً یہ چیز عنقریب کلیۃً حرام ہونے والی ہے۔ مگر چونکہ عرب میں شراب کا رواج انتہا کو پہنچ چکا تھا اور اس کا دفعۃً چھڑا دینا مخاطبین کے لحاظ سے سہل نہ تھا اس لئے نہایت حکیمانہ تدریج سے اولاً قلوب میں اس کی نفرت بٹھلائی گئی اور آہستہ آہستہ حکم تحریم سے مانوس کیا گیا۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے اس دوسری آیت کو سن کر پھر وہی لفظ کہے "اَللّٰھُمَّ بَیِّنْ لَنَا بَیَانًا شَافِیًا" آخر کار "مائدہ" کی یہ آیتیں جو اس وقت ہمارے سامنے ہیں "یا ایہا الذین امنوا" سے "فھل انتم منتھون" تک نازل کی گئیں۔ جس میں صاف صاف بت پرستی کی طرح اس گندی چیز سے بھی اجتناب کرنے کی ہدایت تھی۔ چنانچہ حضرت عمرؓ "فھل انتم منتھون" سنتے ہی چلا اٹھے "اِنْتَھَیْنَا اِنْتَھَیْنَا" لوگوں نے شراب کے مٹکے توڑ ڈالے، خم خانے برباد کر دیے۔ مدینہ کی گلی کوچوں میں شراب پانی کی طرح بہتی پھرتی تھی۔ سارا عرب اس گندی شراب کو چھوڑ کر معرفت ربانی اور محبت و اطاعت نبوی کی شراب طہور سے مخمور ہو گیا اور ام الخبائث کے مقابلہ پر حضور کا یہ جہاد ایسا کامیاب ہوا جس کی نظیر تاریخ میں نہیں مل سکتی۔ خدا کی قدرت دیکھو کہ جس چیز کو قرآن کریم نے اتنا پہلے اتنی شدت سے روکا تھا، آج سب سے بڑے شراب خوار ملک امریکہ وغیرہ اس کی خرابیوں اور نقصانات کو محسوس کر کے اس کے مٹا دینے پر تلے ہوئے ہیں فللہ الحمد والمنۃ۔

اِنَّمَا يُرِيدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ

شیطان تو یہی چاہتا ہے کہ ڈالے تم میں دشمنی اور بیر بذریعہ شراب اور جوئے کے اور روکے تم کو اللہ کی یاد سے

وَعَنِ الصَّلٰوةِ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ ﴿۹۱﴾ وَاَطِيعُوا اللّٰهَ وَاَطِيعُوا الرَّسُوْلَ وَاحْذَرُوْا فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ

اور نماز سے سو اب بھی تم باز آؤ گے ف۲۲۵ اور حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول کا اور بچتے رہو پھر اگر تم پھر جاؤ گے

فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿۹۲﴾

تو جان لو کہ ہمارے رسول کا ذمہ صرف پہنچا دینا ہے کھول کر ف۲۲۶

(۲۲۵) **شیطانی کام** شراب پی کر جب عقل جاتی رہتی ہے تو بعض اوقات شرابی پاگل ہو کر آپس میں لڑ پڑتے ہیں حتیٰ کہ نشہ اُترنے کے بعد بھی بعض دفعہ لڑائی کا اثر باقی رہتا ہے اور باہمی عداوتیں قائم ہو جاتی ہیں۔ یہ ہی حال بلکہ کچھ بڑھ کر جوئے کا ہے اُس میں ہار جیت پر سخت جھگڑے اور فساد برپا ہوتے ہیں۔ جس سے شیطان کو اودھم مچانے کا خوب موقع ملتا ہے۔ یہ تو ظاہری خرابی ہوئی اور باطنی نقصان یہ ہے کہ ان چیزوں میں مشغول ہو کر انسان خدا کی یاد اور عبادت الٰہی سے بالکل غافل ہو جاتا ہے اس کی دلیل مشاہدہ اور تجربہ ہے۔ شطرنج کھیلنے والوں ہی کو دیکھ لو۔ نماز تو کیا، کھانے پینے اور گھر بار کی بھی خبر نہیں رہتی۔ جب یہ چیز اس قدر ظاہری و باطنی نقصانات پر مشتمل ہے تو کیا ایک مسلمان اتنا سُن کر بھی باز نہ آئیگا۔

(۲۲۶) اگر کسی چیز کے منافع و مضار کا احاطہ نہ کر سکو تب بھی خدا اور رسول کے احکام کا امتثال کرو اور قانون کی خلاف ورزی سے بچتے رہو۔ اگر نہ بچو گے تو ہمارے پیغمبر تم کو قانون و احکام الٰہی کھول کر پہنچا چکے۔ نتیجہ خلاف ورزی کا خود سوچ لو کیا ہوگا۔

لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيْمَا طَعِمُوْٓا اِذَا مَا اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا وَعَمِلُوا

جو لوگ ایمان لائے اور کام نیک کئے اُن پر گناہ نہیں اُس میں جو کچھ پہلے کھا چکے جب کہ آئندہ کو ڈر گئے اور ایمان لائے اور عمل

ع ۱۲/۲ الصّٰلِحٰتِ ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاَحْسَنُوْا ۭ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۹۳﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

نیک کئے پھر ڈرتے رہے اور یقین کیا پھر ڈرتے رہے اور نیکی کی اور اللہ دوست رکھتا ہے نیکی کرنیوالوں کو ف۲۲۷ اے ایمان والو

لَيَبْلُوَنَّكُمُ اللّٰهُ بِشَيْءٍ مِّنَ الصَّيْدِ تَنَالُهٗٓ اَيْدِيْكُمْ وَرِمَاحُكُمْ لِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّخَافُهٗ بِالْغَيْبِ

البتہ تم کو آزماویگا اللہ ایک بات سے اُس شکار میں کہ جس پر پہنچتے ہیں ہاتھ تمہارے اور نیزے تمہارے ف۲۲۸ تاکہ معلوم کرے اللہ کون اُس سے ڈرتا ہے بن دیکھے ف۲۲۹

فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۹۴﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَاَنْتُمْ

پھر جس نے زیادتی کی اس کے بعد تو اُس کے لئے عذاب دردناک ہے اے ایمان والو نہ مارو شکار جس وقت تم ہو

حُرُمٌ ۭ وَمَنْ قَتَلَهٗ مِنْكُمْ مُّتَعَمِّدًا فَجَزَاۗءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ يَحْكُمُ بِهٖ ذَوَا عَدْلٍ

احرام میں ف۲۳۰ اور جو کوئی تم میں اُس کو مارے جان کر ف۲۳۱ تو اُس پر بدلا ہے اُس مارے ہوئے کے برابر مویشی میں سے جو تجویز کریں دو آدمی معتبر تم میں سے

مِّنْكُمْ هَدْيًۢا بٰلِغَ الْكَعْبَةِ اَوْ كَفَّارَةٌ طَعَامُ مَسٰكِيْنَ اَوْ عَدْلُ ذٰلِكَ صِيَامًا لِّيَذُوْقَ وَبَالَ اَمْرِهٖ ۭ

اس طرح سے کہ وہ جانور بدلے کا بطور نیاز پہنچایا جاوے کعبہ تک یا اُس پر کفارہ ہے چند محتاجوں کو کھلانا یا اُس کے برابر روزے تاکہ چکھے سزا اپنے کام کی ف۲۳۲

عَفَا اللّٰهُ عَمَّا سَلَفَ ۭ وَمَنْ عَادَ فَيَنْتَقِمُ اللّٰهُ مِنْهُ ۭ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ﴿۹۵﴾

اللہ نے معاف کیا جو کچھ ہو چکا ف۲۳۳ اور جو کوئی پھر کریگا اُس سے بدلا لے گا اللہ اور اللہ زبردست ہے بدلا لینے والا ف۲۳۴

(۲۲۷) **شراب کے بارے میں ایک سوال کا جواب** نہایت صحیح اور قوی احادیث میں ہے کہ جب تحریم خمر کی آیات نازل ہوئیں تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے سوال کیا کہ یا رسول اللہ اُن مسلمانوں کا کیا حال ہوگا جنہوں نے حکم تحریم آنے سے پہلے شراب پی اور اُسی حالت میں انتقال کر گئے۔ مثلاً بعض صحابہ جو جنگ اُحد میں شراب پی کر شریک ہوئے اور اسی حالت میں شہید ہو گئے کہ پیٹ میں شراب موجود تھی۔ اس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔ عموم الفاظ اور دوسری روایات کو دیکھتے ہوئے ان آیات کا مطلب یہ ہے کہ زندہ ہوں یا مُردہ

جو لوگ ایمان اور عمل صالح رکھتے ہیں اُن کے لئے کسی مباح چیز کے بوقت اباحت کھالینے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ خصوصاً جب کہ وہ لوگ عام احوال میں تقویٰ اور ایمان کی خصال سے متصف ہوں۔ پھر ان خصال میں برابر ترقی کرتے رہے ہوں حتیٰ کہ مدارج تقویٰ و ایمان میں ترقی کرتے کرتے مرتبہ احسان تک جا پہنچے ہوں جو ایک مومن کے لئے روحانی ترقیات کا انتہائی مقام ہوسکتا ہے جہاں پہنچ کر حق تعالیٰ اپنے بندے کے ساتھ خصوصی محبت کرتا ہے (وفی حدیث جبریل الاحسان ان تعبد اللہ کانک تراہ) پس جو پاکباز صحابہ ایمان و تقویٰ میں عمر گذار کر اور نسبت احسان حاصل کر کے خدا کی راہ میں شہید ہو چکے اُن کی نسبت اس طرح کے خلجان اور توہمات پیدا کرنے کی قطعاً گنجائش نہیں کہ وہ ایک ایسی چیز کا استعمال کرتے ہوئے دنیا سے رخصت ہوئے ہیں جو اُس وقت حرام نہیں تھی مگر بعد کو حرام ہوئی۔

صحابہ کے فضائل محققین نے لکھا ہے کہ تقویٰ (یعنی مضار دینی سے مجتنب ہونے کے) کئی درجے ہیں اور ایمان و یقین کے مراتب بھی بلحاظ قوت و ضعف متفاوت ہیں تجربہ اور نصوص شرعیہ سے ثابت ہے کہ جس قدر آدمی ذکر و فکر، عمل صالح اور جہاد فی سبیل اللہ میں ترقی کرتا ہے اسی قدر خدا کے خوف اور اس کی عظمت و جلال کے تصور سے قلب معمور اور ایمان و یقین مضبوط و مستحکم ہوتا رہتا ہے مراتب سیر الی اللہ کی اسی ترقی و عروج کی طرف اس آیت میں تقویٰ اور ایمان کی تکرار سے اشارہ فرمایا اور سلوک کے آخری مقام "احسان" اور اس کے ثمرہ پر بھی تنبیہ فرما دی۔ اور جن حضرات صحابہ کے متعلق سوال کیا گیا تھا اس کا جواب ایک عام و تام ضابطہ بیان فرما کر ایسے عنوان سے دے دیا گیا جس میں اُن مرحومین کی فضیلت و منقبت کی طرف بھی لطیف اشارہ ہوگیا۔ ذخیرۂ احادیث صحیحہ میں دو موقع ایسے ہیں جہاں صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس قسم کا سوال کیا ہے۔ ایک موقع تو یہی "تحریم خمر" کے متعلق ہے اور دوسرا تحویل قبلہ کے وقت سوال کیا گیا تھا کہ یا رسول اللہ جو لوگ حکم تحویل سے پہلے وفات پا گئے اور ایک نماز بھی کعبہ کی طرف نہیں پڑھی اُن کی نمازوں کا کیا حال ہوگا۔ اس پر آیت وما کان اللہ لیضیع ایمانکم ان اللہ بالناس لرءوف رحیم نازل ہوئی۔ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہی دو مسئلے ایسے تھے جن میں صاف صاف دو ٹوک حکم نازل ہونے سے پہلے نہایت ہی واضح آثار و قرائن ایسے موجود تھے جن کو دیکھ کر صحابہ رضی اللہ عنہم ہر آن نزول حکم صریح کا انتظار کر رہے تھے۔ خمر کے متعلق تو ابھی چند فوائد پہلے ہم ایسی روایات نقل کر چکے ہیں جن سے ہمارے اس دعوے کا کافی سے زائد ثبوت ملتا ہے۔ اور "تحویل قبلہ" کے باب میں قرآن کریم کی آیات قد نریٰ تقلب وجھک فی السماء فلنولینک قبلۃ ترضٰھا جو سیقول کے شروع میں گذریں خبر دے رہی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہر وقت منتظر تھے کہ کب تحویل قبلہ کا حکم نازل ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ ایسے واضح حالات صحابہ پر مخفی نہیں رہ سکتے تھے۔ اسی لئے تحویل قبلہ کا حکم جب ایک آدمی نے کسی محلہ کی مسجد میں جا کر سُنایا تو سارے نمازی محض خبر واحد کو سُن کر بیت المقدس سے کعبہ کی طرف پھر گئے۔ حالانکہ بیت المقدس کا استقبال قطعی طور پر انہیں معلوم تھا اور خبر واحد ظنی قطعی کے لئے ناسخ نہ ہوسکتی تھی اس لئے علمائے اصول نے تصریح کی ہے کہ یہ خبر واحد محفوف بالقرائن ہونے کی وجہ سے قطعی سمجھی گئی پس جو قرائن و آثار حتمی طور پر خبر دے رہے تھے کہ "تحریم خمر" یا "تحویل قبلہ" کا حکم امروز فردا میں پہنچنے والا ہے۔ گویا وہ ایک طرح سے صحابہ کو نزول حکم سے پہلے مرضی الٰہی پر فی الجملہ مطلع کر رہے تھے اسی لئے ان دو مسئلوں میں نزول حکم سے قبل کی حالت کے متعلق سوال کرنا محل استبعاد نہیں ہوسکتا۔ خصوصاً خمر کی نسبت جس کی ممانعت کے نہایت واضح اشارات واثمہما اکبر من نفعہما وغیرہ میں موجود تھے۔ واللہ سبحانہ، وتعالیٰ اعلم۔

(۲۲۸) **احرام کی حالت میں شکار کی ممانعت** پچھلے رکوع میں "تحریم طیبات" اور اعتداء سے منع فرما کر بعض چیزوں سے اجتناب کا حکم دیا تھا جو دائمی طور پر حرام ہیں، اس رکوع میں بعض ایسی اشیاء کے ارتکاب سے منع کیا گیا ہے، جن کی حرمت

دائمی نہیں۔ بلکہ بعض احوال واوضاع سے مخصوص ہے، یعنی بحالت احرام شکار کرنا، مطلب یہ ہے کہ خدا کی طرف سے مطیع وفرمانبردار بندوں کا یہ امتحان ہے کہ وہ حالت احرام میں جب کہ شکار اُن کے سامنے ہو اور بسہولت اس کے مارنے یا پکڑنے پر بھی قادر ہوں کون ہے جو بن دیکھے خدا سے ڈر کر اُس کے حکم کا امتثال کرتا اور اعتداء (احکام خداوندی سے تجاوز کرنے) کی خدائی سزا سے خوف کھاتا ہے "اصحاب سبت" کا قصہ سورۂ بقر میں گذر چکا، کہ اُن کو حق تعالیٰ نے خاص شنبہ کے دن مچھلی کے شکار کی ممانعت فرمائی تھی۔ مگر انہوں نے مکاری اور حیلہ بازی سے اُس حکم کی مخالفت کی اور حد سے تجاوز کر گئے۔ خدا نے اُن پر نہایت رسوا کن عذاب نازل فرمایا اسی طرح حق تعالیٰ نے اُمتِ محمدیہ کا تھوڑا سا امتحان اس مسئلہ میں لیا کہ حالت احرام میں شکار نہ کریں۔ حدیبیہ کے موقع پر جب یہ حکم بھیجا گیا تو شکار اس قدر کثیر اور قریب تھا کہ ہاتھوں اور نیزوں سے مار سکتے تھے۔ مگر اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ثابت کر دکھایا کہ خدا کے امتحان میں اُن کے برابر دنیا کی کوئی قوم کامیاب نہیں ہو سکی۔

(۲۲۹) لیعلم اللہ کے لفظ سے جو حدوث علم باری کا وہم گذرتا ہے اُس کے ازالہ کے لئے پارہ سیقول کے شروع میں الا لنعلم من یتبع الرسل کا فائدہ ملاحظہ کرو۔

(۲۳۰) اس کے متعلق بعض احکام سورۂ مائدہ کے شروع میں گذر چکے۔

(۲۳۱) **احرام میں شکار کرنے کی سزا** جان کر مارنے کا یہ مطلب ہے کہ اپنا محرم ہونا یاد ہو اور یہ بھی مستحضر ہو کہ حالت احرام میں شکار جائز نہیں۔ یہاں صرف "متعمد" کا حکم بیان فرمایا کہ اُس کے فعل کی جزاء یہ ہے اور خدا جو انتقام لیگا وہ الگ رہا۔ جیسا کہ ومن عاد فینتقم اللہ منہ سے تنبیہ فرمائی۔ اور اگر بھول کر شکار کیا تو جزاء تو یہی رہے گی یعنی "ہدی" یا "طعام" یا "صیام" البتہ خدا اس سے انتقامی سزا اٹھالیگا۔

(۲۳۲) حنفیہ کے یہاں مسئلہ یہ ہے کہ اگر احرام میں شکار پکڑا تو فرض ہے کہ چھوڑ دے۔ اگر مار دیا تو دو صاحب بصیرت اور تجربہ کار معتبر آدمیوں سے اس جانور کی قیمت لگوائے۔ اسی قدر قیمت کا مواشی میں سے ایک جانور لے کر (مثلاً بکری، گائے، اونٹ وغیرہ) کعبہ کے نزدیک یعنی حدود حرم میں پہنچا کر ذبح کرے، اور خود اُس میں سے نہ کھائے۔ یا اسی قیمت کا غلّہ لے کر محتاجوں کو فی محتاج صدقۃ الفطر کی مقدار تقسیم کر دے یا جس قدر محتاجوں کو پہنچتا، اُتنے ہی دنوں کے روزے رکھ لے۔

(۲۳۳) یعنی نزول حکم سے پہلے یا اسلام سے پہلے زمانہ جاہلیت میں کسی نے یہ حرکت کی تھی تو اس سے اب خدا تعرض نہیں کرتا۔ حالانکہ اسلام سے پہلے بھی عرب حالت احرام میں شکار کو نہایت بُرا جانتے تھے اس لئے پر مواخذہ ہونا بیجا نہ تھا کہ جو چیز تمہارے زعم کے موافق جرائم میں داخل تھی اس کا ارتکاب کیوں کیا گیا۔

(۲۳۴) یعنی کوئی مجرم اُس کے قبضہ قدرت سے نکل کر بھاگ سکتا ہے۔ اور نہ مقتضائے عدل وحکمت جو جرائم سزا دینے کے قابل ہیں نہ خدا اُن سے درگذر کرنے والا ہے۔

أُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهُ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِلسَّيَّارَةِ ۚ وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ

حلال ہوا تمہارے لئے دریا کا شکار اور دریا کا کھانا تمہارے فائدہ کے واسطے اور سب مسافروں کے اور حرام ہوا تم پر جنگل کا شکار جب تک تم احرام میں

حُرُمًا ۗ وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ﴿٩٦﴾ جَعَلَ اللَّهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيَامًا لِّلنَّاسِ

رہو اور ڈرتے رہو اللہ سے جس کے پاس تم جمع ہو گے ف ۲۳۵ اللہ نے کر دیا کعبہ کو جو کہ گھر ہے بزرگی والا قیام کا باعث لوگوں کے لئے

وَالشَّهْرَ الْحَرَامَ وَالْهَدْيَ وَالْقَلَآئِدَ ۚ ذٰلِكَ لِتَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي

اور بزرگی والے مہینوں کو اور قربانی کو جو نیاز کعبہ کی ہو اور جن کے گلے میں پٹہ ڈال کر لیجاویں کعبہ کو ف۲۳۶ یہ اس لئے کہ تم جان لو کہ بیشک اللہ کو معلوم ہے جو کچھ کہ ہے آسمان اور

الْاَرْضِ وَاَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿٩٧﴾ اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ وَاَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٩٨﴾

زمین میں اور اللہ ہر چیز سے خوب واقف ہے ف۲۳۷ جان لو کہ بیشک اللہ کا عذاب سخت ہے اور بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے ف۲۳۸

مَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ ۗ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا تَكْتُمُوْنَ ﴿٩٩﴾ قُلْ لَّا يَسْتَوِي الْخَبِيْثُ وَالطَّيِّبُ وَلَوْ

رسول کے ذمہ نہیں مگر پہنچا دینا اور اللہ کو معلوم ہے جو تم ظاہر میں کرتے ہو اور جو چھپا کر کرتے ہو ف۲۳۹ تو کہدے کہ برابر نہیں ناپاک اور پاک اگرچہ تجھ

ع
اَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيْثِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿١٠٠﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا

کو بھلی لگے ناپاک کی کثرت سو ڈرتے رہو اللہ سے اے عقلمندو تاکہ تمہاری نجات ہو ف۲۴۰ اے ایمان والو مت

تَسْـَٔلُوْا عَنْ اَشْيَآءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ ۚ وَاِنْ تَسْـَٔلُوْا عَنْهَا حِيْنَ يُنَزَّلُ الْقُرْاٰنُ تُبْدَ لَكُمْ ۭ عَفَا اللّٰهُ

پوچھو ایسی باتیں کہ اگر تم پر کھولی جاویں تو تم کو بُری لگیں اور اگر پوچھو گے یہ باتیں ایسے وقت میں کہ قرآن نازل ہو رہا ہے تو تم پر ظاہر کر دی جاویں گی ف۲۴۱ اللہ نے ان سے

عَنْهَا ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿١٠١﴾ قَدْ سَاَلَهَا قَوْمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ ثُمَّ اَصْبَحُوْا بِهَا كٰفِرِيْنَ ﴿١٠٢﴾

درگذر کی ہے ف۲۴۲ اور اللہ بخشنے والا تحمل والا ہے ایسی باتیں پوچھ چکی ہے ایک جماعت تم سے پہلے پھر ہو گئے اُن باتوں سے منکر ف۲۴۳

(۲۳۵) **احرام میں دریا کے شکار کی اجازت** حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں " احرام میں دریا کا شکار یعنی مچھلی حلال ہے اور دریا کا کھانا یعنی جو مچھلی پانی سے جُدا ہو کر مر گئی اس نے نہیں پکڑی وہ بھی حلال ہے۔ فرمایا یہ تمہارے فائدہ کو رخصت دی پھر کوئی نہ سمجھے کہ حج کے طفیل سے حلال ہے فرمایا کہ اور سب مسافروں کے فائدہ کو مچھلی اگرچہ تالاب میں ہو وہ بھی شکار دریا ہے۔ یہ حکم شکار کا معلوم ہوا احرام کے اندر، اور احرام میں قصد ہے مکہ کا اس شہر مکہ اور گرد و پیش میں ہمیشہ شکار مارنا حرام ہے بلکہ شکار کو ڈرانا اور بھگانا بھی۔

(۲۳۶) **کعبہ کے قیاماً للناس ہونے کا مطلب** کعبہ شریف دینی اور دنیوی دونوں حیثیت سے لوگوں کے قیام کا باعث ہے۔ حج وعمرہ تو وہ عبادات ہیں جن کا ادا کرنا براہ راست کعبہ ہی سے متعلق ہے۔ لیکن نماز کے لئے بھی استقبال قبلہ شرط ہے، اس طرح کعبہ لوگوں کی دینی عبادات کے قیام کا سبب ہو گیا۔ پھر حج وغیرہ کے موقع پر تمام بلاد اسلامیہ سے لاکھوں مسلمان جب وہاں جمع ہوتے ہیں تو بے شمار تجارتی سیاسی، اخلاقی ، مذہبی اور روحانی فوائد حاصل کر سکتے ہیں۔ خدا نے اُس جگہ کو " حرم آمن " بنایا۔ اس لئے انسانوں بلکہ بہت جانوروں تک کو وہاں رہ کر امن نصیب ہوتا ہے۔ عہد جاہلیت میں جبکہ ظلم و خونریزی اور فتنہ و فساد محض معمولی بات تھی ایک آدمی اپنے باپ کے قاتل سے بھی حرم شریف میں تعرض نہ کر سکتا تھا مادی حیثیت سے انسان یہ دیکھ کر حیرت زدہ رہجاتا ہے کہ اس " وادی غیر ذی زرع " میں اتنی فراط سے سامان خورونوش اور نفیس قسم کے پھل اور میوے کہاں سے کھنچے چلے آتے ہیں یہ سب حیثیات " قیاما للناس " میں معتبر ہو سکتی ہے اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ علم الٰہی میں پہلے ہی مقدر ہو چکا تھا کہ نوع انسان کے لئے اسی جگہ سے عالمگیر اور ابدی ہدایت کا چشمہ پھوٹیگا اور مصلح اعظم سید کائنات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مولد و مسکن مبارک بننے کا شرف بھی سارے جہان میں سے اسی خاک پاک کو حاصل ہو گا۔ ان سب وجوہ سے کعبہ کو " قیاماً للناس " کہہ سکتے ہیں۔ کیونکہ کعبہ تمام روئے زمین کے انسانوں کے حق میں اصلاح اخلاق، تکمیل روحانیت ، اور علوم ہدایت کا مرکزی نقطہ ہے

اور کسی چیز کا قیام اپنے مرکز کے بدون نہیں ہو سکتا۔ اس کے علاوہ محققین کے نزدیک "قیامًا للناس" کا مطلب یہ ہے کہ کعبہ شریف کا مبارک وجود کل عالم کے قیام اور بقاء کا باعث ہے۔ دنیا کی آبادی اُسی وقت تک ہے۔ جب تک خانہ کعبہ اور اس کا احترام کرنے والی مخلوق موجود ہے۔ جس وقت خدا کا ارادہ یہ ہوگا کہ کارخانہ عالم کو ختم کیا جائے تو سب کاموں سے پہلے اسی مبارک مکان کو جسے "بیت اللہ شریف" کہتے ہیں اٹھا لیا جائیگا، جیسا کہ بنانے کے وقت بھی زمین پر سب سے پہلا مکان یہی بنایا گیا تھا۔ اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَکَّۃَ ا ۔ بخاری کی حدیث میں ہے کہ ایک سیاہ فام حبشی (جسے ذوالسویقتین کے لقب سے ذکر فرمایا ہے) عمارت کعبہ کا ایک ایک پتھر اکھیڑ کر ڈال دے گا۔ جب تک خدا کو اس دنیا کا نظام قائم رکھنا منظور ہے کوئی طاقتور سے طاقتور قوم جس کا مقصد کعبہ کو منہدم کرنا ہو اپنے اس ناپاک ارادہ میں کامیاب نہیں ہو سکتی۔ اصحاب فیل کا قصہ
۴ تو ہر شخص نے سُنا ہے۔ لیکن اُن کے بعد بھی ہر زمانہ میں کتنی قوموں اور شخصوں نے ایسے منصوبے باندھے ہیں اور باندھتے رہتے ہیں۔ یہ محض خدائی حفاظت اور اسلام کی صداقت کا عظیم الشان نشان ہے کہ باوجود سامان و اسباب ظاہرہ کے فقدان کے آج تک کوئی شخص اس ابلیسانہ مقصد میں کامیاب نہ ہو سکا اور نہ ہو سکیگا اور جب عمارت کعبہ کے گرا دینے میں قدرت کی طرف سے مزاحمت نہ رہے گی تو سمجھ لو کہ عالم کی ویرانی کا حکم آن پہنچا۔ دنیا کی حکومتیں اپنے دار السلطنت اور قصر شاہی کی حفاظت کے لئے لاکھوں سپاہی کٹوا دیتی ہیں۔ لیکن اگر کبھی خود ہی قصر شاہی کو کسی مصلحت سے تبدیل یا ترمیم کرنا چاہیں تو معمولی مزدوروں سے اُس کے گرا دینے کا کام لے لیا جاتا ہے۔ شاید اسی لئے امام بخاریؒ نے "باب جعل اللہ الکعبۃ البیت الحرام قیاما للناس الاٰیۃ" میں "ذوالسویقتین" کی حدیث درج کر کے "قیاما للناس" کے اسی مطلب کی طرف اشارہ کیا ہے جو ہم نقل کر چکے ہیں۔ (نبہ علیہ شیخنا المترجم قدس اللہ روحہ، فی دروس البخاری) بہرحال آیت زیر بحث میں احکام "محرم" بیان فرمانے کے بعد کعبہ شریف کی عظمت و حرمت بیان کرنا مقصود ہے پھر "کعبہ" اور "احرام" کی مناسبت سے "شہر حرام" اور "ہدی" و "قلائد" کا بھی ذکر فرما دیا۔ جیسا کہ اسی سورت کے شروع میں غیر محلی الصید وانتم حرم کے ساتھ "لا تحلوا شعائر اللہ ولا الشہر الحرام ولا الھدی ولا القلائد" الخ کو ملحق فرمایا تھا۔ واللہ اعلم۔

(۲۳۷) یعنی کعبہ وغیرہ کے قیاما للناس بنانے میں جن مصالح دینی و دنیوی کی رعایت فرمائی اور بظاہر بالکل خلاف قیاس جو عظیم الشان پیشین گوئی کی گئی وہ اس کی دلیل ہے کہ آسمان و زمین کی کوئی چیز حق تعالیٰ کے غیر محدود علم کے احاطہ سے باہر نہیں ہو سکتی۔

(۲۳۸) یعنی جو احکام حالت احرام یا احترام کعبہ وغیرہ کے متعلق دیے گئے اگر اُن کی عمدًا خلاف ورزی کرو گے تو سمجھ لو کہ خدا کا عذاب بہت سخت ہے۔ اور بھول چوک سے کچھ تقصیر ہو جائے پھر کفارہ وغیرہ سے اُس کی تلافی کر لو تو بیشک وہ بڑا بخشنے والا اور مہربان بھی ہے۔

(۲۳۹) پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خدا کا قانون اور پیغام پہنچا کر اپنا فرض ادا کر دیا۔ اور خدا کی حجت بندوں پر تمام ہو چکی اب ظاہر و باطن میں جیسا عمل کرو گے وہ سب خدا کے سامنے ہے۔ حساب و جزا کے وقت ذرہ ذرہ تمہارے سامنے رکھ دیا جائیگا۔

(۲۴۰) اس رکوع سے پہلے رکوع میں فرمایا تھا کہ طیبات کو حرام مت ٹھہراؤ بلکہ اُن سے اعتدال کے ساتھ تمتع کرو۔ اس مضمون کی تکمیل کے بعد خمر وغیرہ چند ناپاک اور خبیث چیزوں کی حرمت بیان فرمائی۔ اُسی سلسلے میں محرم کے شکار کو حرام کیا یعنی جس طرح خمر، میتہ وغیرہ خبیث چیزیں ہیں اسی طرح محرم کے شکار کو سمجھو۔ محرم کی مناسبت سے چند ضمنی چیزوں کا بیان فرمانے کے بعد اب متنبہ فرماتے ہیں کہ طیب اور خبیث یکساں نہیں ہو سکتے۔ تھوڑی چیز اگر طیب و حلال ہو وہ بہت سی خبیث و حرام

چیز سے بہتر ہے عقلمند کو چاہئے کہ ہمیشہ طیب و حلال کو اختیار کرے گندی اور خراب چیزوں کی طرف خواہ وہ دیکھنے میں کتنی ہی زیادہ ہوں اور بھلی لگیں نظر نہ اُٹھائے۔

(۲۴۱) **بے ضرورت سوالات کی ممانعت** پچھلے دو رکوع کا حاصل احکام دینیہ میں غلو اور تساہل سے روکنا تھا یعنی جو طیبات خدا نے حلال کی ہیں اُنکو اپنے اُوپر حرام مت ٹھہراؤ۔ اور جو چیزیں خبیث و حرام ہیں خواہ دائمی طور پر یا خاص احوال و اوقات میں اُن سے پوری طرح اجتناب کرو۔ ان آیات میں تنبیہ فرمادی کہ جو چیزیں شارع نے تصریحاً بیان نہیں فرمائیں اُن کے متعلق فضول اور دور از کار سوالات مت کیا کرو۔ جس طرح تحلیل و تحریم کے سلسلہ میں شارع کا بیان موجب ہدایت و بصیرت ہے۔ اس کا سکوت بھی ذریعہ رحمت و سہولت ہے۔ خدا نے جس چیز کو کمال حکمت و عدل سے حلال یا حرام کر دیا وہ حلال یا حرام ہو گئی اور جس سے سکوت کیا اس میں گنجائش اور توسیع رہی مجتہدین کو اجتہاد کا موقع ملا عمل کرنے والے اس کے فعل و ترک میں آزاد رہے۔ اب اگر ایسی چیزوں کی نسبت خواہ مخواہ کھود کرید اور بحث و سوال کا دروازہ کھولا جائیگا۔ بحالیکہ قرآن شریف نازل ہو رہا ہے اور تشریع کا باب مفتوح ہے۔ تو بہت ممکن ہے کہ سوالات کے جواب میں بعض ایسے احکام نازل ہو جائیں جن کے بعد تمہاری آزادی اور گنجائش اجتہاد باقی نہ رہے۔ پھر یہ سخت شرم کی بات ہوگی کہ جو چیز خود مانگ کر لی ہے اس کو نبھا نہ سکیں۔ سنۃ اللہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ جب کسی معاملہ میں بکثرت سوال اور کھود کرید کیجائے اور خواہ مخواہ شقوق و احتمالات نکالے جائیں تو اُدھر سے تشدید (سختی) بڑھتی جاتی ہے۔ کیونکہ اس طرح کے سوالات ظاہر کرتے ہیں کہ گویا سائلین کو اپنے نفس پر بھروسہ ہے اور جو حکم ملے گا اُس کے اٹھانے کیلئے وہ بہمہ وجوہ تیار ہیں۔ اس قسم کا دعویٰ جو بندہ کے ضعف و افتقار کے مناسب نہیں، مستحق بنا دیتا ہے کہ اُدھر سے حکم میں کچھ سختی ہو اور جتنا یہ اپنے کو قابل ظاہر کرتا ہے اُسی کے موافق امتحان بھی سخت ہو چنانچہ بنی اسرائیل کے "ذبح بقرہ" والے قصہ میں ایسا ہی ہوا حدیث میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اے لوگو خدا نے تم پر حج فرض کیا ہے ایک شخص بول اٹھا کیا ہر سال یا رسول اللہ فرمایا اگر میں (ہاں) کہدیتا تو ہر سال واجب ہو جاتا پھر تم ادا نہ کر سکتے۔ جس چیز میں میں تم کو "آزاد" چھوڑوں تم بھی مجھ کو چھوڑ دو ایک حدیث میں ہے مسلمانوں میں وہ شخص بڑا مجرم ہے جس کے سوالات کی بدولت ایسی چیز حرام کی گئی جو حرام نہ تھی۔ بہرحال یہ آیت احکام شرعیہ کے باب میں اس طرح کے دور از کار اور بے ضرورت سوالات کا دروازہ بند کرتی ہے۔ باقی بعض احادیث میں جو یہ مذکور ہے کہ کچھ لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جزئی واقعات کے متعلق لغو سوال کرتے تھے اُن کو روکا گیا" وہ ہماری تقریر کے مخالف نہیں۔ ہم "لا تسئلوا عن اشیاء" میں "اشیاء" کو عام رکھتے ہیں جو واقعات و احکام دونوں کو شامل ہے اور "تسؤکم" میں بھی جو بُرا لگنے کے معنی پر مشتمل ہے تعمیم رکھی جائے۔ حاصل یہ ہوگا کہ نہ احکام کے باب میں فضول سوالات کیا کرو اور نہ واقعات کے سلسلہ میں کیونکہ ممکن ہے جو جواب آئے وہ تم کو ناگوار ہو مثلاً کوئی سخت حکم آیا، یا کوئی قید بڑھ گئی، یا ایسے واقعہ کا اظہار ہوا جس سے تمہاری فضیحت ہو، یا بیہودہ سوالات پر ڈانٹ بتلائی گئی، یہ سب احتمالات تسؤکم کے تحت میں داخل ہیں۔ باقی ضروری بات پوچھنے یا شبہ ناشی عن دلیل کے رفع کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

(۲۴۲) یا تو مراد یہ ہے کہ اُن اشیاء سے درگذر کی، یعنی جب خدا نے اُنکے متعلق کوئی حکم نہ دیا تو انسان اُن کے بارہ میں آزاد ہے خدا ایسی چیزوں پر گرفت نہ کرے گا۔ چنانچہ اسی سے بعض علمائے اصول نے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ اصل اشیاء میں اباحت ہے۔ اور یا یہ کہ اُن فضول سوالات سے جو پہلے کر چکے ہو اللہ نے درگذر کی آیندہ احتیاط رکھو۔

(۲۴۳) حدیث صحیح میں ہے کہ پہلی قومیں کثرت سوال اور انبیاء سے اختلاف کرنے کی بدولت ہلاک ہوئیں۔

مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنۢ بَحِيْرَةٍ وَّلَا سَآئِبَةٍ وَّلَا وَصِيْلَةٍ وَّلَا حَامٍ ۙ وَّلٰكِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ

نہیں مقرر کیا اللہ نے بحیرہ اور نہ سائبہ اور نہ وصیلہ اور نہ حامی ولیکن کافر باندھتے ہیں اللہ پر

الْكَذِبَ ؕ وَاَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۱۰۳﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ قَالُوْا

بہتان اور اُن میں اکثروں کو عقل نہیں ف۲۴۴ اور جب کہا جاتا ہے اُن کو آؤ اُسکی طرف جو کہ اللہ نے نازل کیا اور رسول کی طرف تو کہتے ہیں

حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ؕ اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ شَيْـًٔا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ ﴿۱۰۴﴾ يٰۤاَيُّهَا

ہم کو کافی ہے وہ جس پر پایا ہم نے اپنے باپ دادوں کو بھلا اگر اُنکے باپ دادے نہ کچھ علم رکھتے ہوں اور نہ راہ جانتے ہوں تو بھی ایسا ہی کریں گے ف۲۴۵ اے

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ ۚ لَا يَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ ؕ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا

ایمان والو تم پر لازم ہے فکر اپنی جان کا تمہارا کچھ نہیں بگاڑتا جو کوئی گمراہ ہوا جبکہ تم ہوئے راہ پر ف۲۴۶ اللہ کے پاس لوٹ کر جانا ہے تم سب کو

فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۰۵﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ

پھر وہ جتلا دیگا تمکو جو کچھ تم کرتے تھے ف۲۴۷ اے ایمان والو گواہ درمیان تمہارے جبکہ پہنچے کسی کو تم میں موت

حِيْنَ الْوَصِيَّةِ اثْنٰنِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ اَوْ اٰخَرٰنِ مِنْ غَيْرِكُمْ اِنْ اَنْتُمْ ضَرَبْتُمْ فِى الْاَرْضِ

وصیت کے وقت دو شخص معتبر ہونے چاہئیں ف۲۴۸ تم میں سے ف۲۴۹ یا دو شاہد اور ہوں تمہارے سوا ف۲۵۰ اگر تم نے سفر کیا ہو ملک میں

فَاَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةُ الْمَوْتِ ؕ تَحْبِسُوْنَهُمَا مِنْۢ بَعْدِ الصَّلٰوةِ فَيُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ اِنِ ارْتَبْتُمْ لَا نَشْتَرِىْ

پھر پہنچے تم کو مصیبت موت کی تو کھڑا کرو اُن دونوں کو بعد نماز کے ف۲۵۱ وہ دونوں قسم کھاویں اللہ کی اگر تم کو شبہ پڑے کہیں کہ ہم نہیں لیتے قسم

بِهٖ ثَمَنًا وَّلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ۙ وَلَا نَكْتُمُ شَهَادَةَ ۙ اللّٰهِ اِنَّاۤ اِذًا لَّمِنَ الْاٰثِمِيْنَ ﴿۱۰۶﴾

کے بدلے مال اگرچہ کسی کو ہم سے قرابت بھی ہو اور ہم نہیں چھپاتے اللہ کی گواہی نہیں تو ہم بیشک گنہگار ہیں ف۲۵۲

(۲۴۴) **جاہلیت کے بعض رسوم و شعائر کا رد** بحیرہ، سائبہ، وصیلہ، حامی یہ سب زمانہ جاہلیت کے رسوم و شعائر سے متعلق ہیں۔ مفسرین نے اُن کی تفسیر میں بہت اختلاف کیا ہے۔ ممکن ہے ان میں سے ہر ایک لفظ کا اطلاق مختلف صورتوں پر ہوتا ہو، ہم صرف سعید بن المسیب کی تفسیر صحیح بخاری سے نقل کرتے ہیں۔ "بحیرہ" جس جانور کا دودھ بتوں کے نام کر دیتے تھے کوئی اپنے کام میں نہ لاتا تھا۔ "سائبہ" جو جانور بتوں کے نام پر ہمارے زمانہ کے سانڈھ کی طرح چھوڑ دیا جاتا تھا۔ "وصیلہ" جو اونٹنی مسلسل مادہ بچہ جنے درمیان میں نر بچہ پیدا نہ ہو اُسے بھی بتوں کے نام پر چھوڑ دیتے تھے۔ "حامی" نر اونٹ جو ایک خاص عدد سے جفتی کر چکا ہو اُسے بھی بتوں کے نام پر چھوڑتے تھے۔ علاوہ اس کے کہ یہ چیزیں شعائر شرک میں سے تھیں، جس جانور کے گوشت یا دودھ یا سواری وغیرہ سے منتفع ہونے کو حق تعالیٰ نے جائز رکھا اُس کی حلت و حرمت پر اپنی طرف سے قیود لگانا، گویا اپنے لئے منصب تشریع تجویز کرنا تھا اور بڑی ستم ظریفی یہ تھی کہ اپنی ان مشرکانہ رسوم کو حق تعالیٰ کی خوشنودی اور قربت کا ذریعہ تصور کرتے تھے اس کا جواب دیا گیا کہ اللہ نے ہرگز یہ رسوم مقرر نہیں کیں۔ ان کے بڑوں نے خدا پر یہ بہتان باندھا اور اکثر بے عقل عوام نے اُسے قبول کر لیا۔ الغرض یہاں تنبیہ کی گئی کہ جس طرح فضول و بیکار سوالات کر کے احکام شرعیہ میں تنگی اور سختی کرانا جرم ہے اس سے کہیں بڑھ کر یہ جرم ہے کہ بدون حکم شارع کے محض اپنی آراء و اہواء سے حلال و حرام تجویز کر لئے جائیں۔

(۲۴۵) **آباء کی اندھی تقلید** جاہلوں کی سب سے بڑی حجت یہی ہوتی ہے کہ جو کام باپ، دادا سے ہوتا آیا ہے اُس کا خلاف کیسے کریں۔ اُن کو بتلایا گیا کہ اگر تمہارے اسلاف بے عقلی یا بے راہی سے قعر ہلاکت میں جا گرے ہوں، تو کیا پھر بھی تم اُن ہی کی راہ چلو گے؟ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "باپ کا حال معلوم ہو کہ حق کا تابع اور صاحب علم تھا تو اس کی راہ پکڑے نہیں تو عبث ہے۔" یعنی کیف ما اتفق ہر کسی کی کورانہ تقلید جائز نہیں۔

(۲۴۶) **مسلمانوں کو ایک نصیحت** یعنی اگر کفار رسوم شرکیہ اور آباء واجداد کی اندھی تقلید سے باوجود اس قدر نصیحت وفہمائش کے باز نہیں آتے تو تم زیادہ اس غم میں مت پڑو۔ کسی کی گمراہی سے تمہارا کوئی نقصان نہیں بشرطیکہ تم سیدھی راہ پر چل رہے ہو۔ سیدھی راہ یہی ہے کہ آدمی ایمان وتقویٰ اختیار کرے، خود بُرائی سے رُکے اور دوسروں کو روکنے کی امکانی کوشش کرے۔ پھر بھی اگر لوگ بُرائی سے نہ رُکیں تو اُس کا کوئی نقصان نہیں۔ اس آیت سے یہ سمجھ لینا کہ جب ایک شخص اپنا نماز روزہ ٹھیک کر لے تو "امر بالمعروف" چھوڑ دینے سے اُسے کوئی مضرت نہیں ہوتی، سخت غلطی ہے لفظ "اہتداء" امر بالمعروف وغیرہ تمام وظائف ہدایت کو شامل ہے۔ اس آیت میں گو روئے سخن بظاہر مسلمانوں کی طرف ہے۔ لیکن اُن کفار کو بھی متنبہ کرنا ہے جو باپ دادا کی کورانہ تقلید پر اڑے ہوئے تھے۔ یعنی اگر تمہارے باپ دادا راہ حق سے بھٹک گئے تو اُن کی تقلید میں اپنے کو جان بوجھ کر کیوں ہلاک کرتے ہو۔ اُنہیں چھوڑ کر تم اپنے عاقبت کی فکر کرو۔ اور نفع ونقصان کو سمجھو۔ باپ دادا اگر گمراہ ہوں اور اولاد اُن کے خلاف راہ حق پر چلنے لگے تو آباؤ اجداد کی یہ مخالفت اولاد کو قطعاً مضر نہیں۔ یہ خیالات محض جہالت کے ہیں کہ کسی حال بھی آدمی باپ دادا کے طریقہ سے قدم باہر نہ رکھے۔ رکھیگا تو ناک کٹ جائے گی۔ عقلمند کو چاہیئے کہ انجام کا خیال کرے۔ سب اگلے پچھلے جب خدا کے سامنے اکھٹے پیش ہونگے تب ہر ایک کو اپنا عمل اور انجام نظر آجائیگا۔

(۲۴۷) یعنی جو گمراہ رہا اور جس نے راہ پائی سب کے نیک وبد اعمال اور اُن کے نتائج سامنے کر دیے جائیں گے۔

(۲۴۸) **وصیت کے احکام** یعنی بہتر یہ ہے۔ باقی اگر دو نہ ہوں یا معتبر نہ ہوں تب بھی "وصی" بنا سکتا ہے اور گواہ سے مراد یہاں وصی ہے اس کے اقرار واظہار کو گواہی سے تعبیر فرما دیا۔

(۲۴۹) یعنی مسلمانوں میں سے۔

(۲۵۰) یعنی غیر مسلم۔

(۲۵۱) یعنی نماز عصر کے بعد کہ وہ وقت اجتماع اور قبول کا ہے شاید ڈر کر جھوٹی قسم نہ کھائیں۔ یا کسی نماز کے بعد یا وصی جس مذہب کے ہوں اُن کی نماز کے بعد۔

(۲۵۲) یعنی جب خدا کے پاس سب کو جانا ہے تو جانے سے پہلے سب کام ٹھیک کر لو۔ اسی میں سے ایک اہم کام ضروری اُمور کی وصیت اور اُس کے متعلقات ہیں۔ ان آیات میں وصیت کا بہترین طریقہ تلقین فرمایا ہے۔ یعنی مسلمان اگر مرتے وقت کسی کو اپنا مال وغیرہ حوالہ کرے تو بہتر ہے کہ دو معتبر مسلمانوں کو گواہ کرے۔ مسلمان اگر نہ ملیں جیسے سفر وغیرہ میں اتفاق ہو جاتا ہے، تو دو کافروں کو وصی بنائے۔ پھر اگر وارثوں کو شبہ پڑ جائے کہ ان شخصوں نے کچھ مال چھپا لیا اور وارث دعویٰ کر دیں اور دعوے کے ساتھ شاہد موجود نہ ہوں تو وہ دونوں شخص قسم کھائیں کہ ہم نے نہیں چھپایا اور ہم کسی طمع یا قرابت کی وجہ سے جھوٹ نہیں کہہ سکتے اگر کہیں تو گنہگار ہیں۔

فَاِنْ عُثِرَ عَلٰۤى اَنَّهُمَا اسْتَحَقَّاۤ اِثْمًا فَاٰخَرٰنِ يَقُوْمٰنِ مَقَامَهُمَا مِنَ الَّذِيْنَ اسْتَحَقَّ عَلَيْهِمُ الْاَوْلَيٰنِ

پھر اگر خبر ہو جاوے کہ وہ دونوں حق بات دبا گئے تو دو گواہ اور کھڑے ہوں اُن کی جگہ ۲۵۳ اُن میں سے کہ جن کا حق دبا ہے جو سب سے زیادہ قریب ہوں میت کے

فَيُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ لَشَهَادَتُنَآ اَحَقُّ مِنْ شَهَادَتِهِمَا وَمَا اعْتَدَيْنَآ ۖ اِنَّآ اِذًا لَّمِنَ

پھر قسم کھاویں اللہ کی کہ ہماری گواہی تحقیقی ہے پہلوں کی گواہی سے اور ہم نے زیادتی نہیں کی نہیں تو ہم بیشک

الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۰۷﴾ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِالشَّهَادَةِ عَلٰى وَجْهِهَآ اَوْ يَخَافُوْٓا اَنْ تُرَدَّ اَيْمَانٌۢ بَعْدَ

ظالم ہیں ف۲۵۴ اس میں اُمید ہے کہ ادا کریں شہادت کو ٹھیک طرح پر اور ڈریں کہ اُلٹی پڑیگی قسم ہماری اُن کی قسم

ع ۱۴ اَيْمَانِهِمْ ۗ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاسْمَعُوْا ۗ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۱۰۸﴾ يَوْمَ يَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ

کے بعد ف۲۵۵ اور ڈرتے رہو اللہ سے اور سُن رکھو اور اللہ نہیں چلاتا سیدھی راہ پر نافرمانوں کو ف۲۵۶ جس دن اللہ جمع کریگا سب پیغمبروں کو

فَيَقُوْلُ مَاذَآ اُجِبْتُمْ ۖ قَالُوْا لَا عِلْمَ لَنَا ۖ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ﴿۱۰۹﴾ اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى

پھر کہیگا تم کو کیا جواب ملا تھا ف۲۵۷ وہ کہیں گے ہم کو خبر نہیں ف۲۵۸ تو ہی ہے چھپی باتوں کو جاننے والا جب کہیگا اللہ ف۲۵۹ اے عیسٰی

وقف لازم ابْنَ مَرْيَمَ اذْكُرْ نِعْمَتِيْ عَلَيْكَ وَعَلٰى وَالِدَتِكَ ۘ اِذْ اَيَّدْتُّكَ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ۫ تُكَلِّمُ النَّاسَ فِي

مریم کے بیٹے یاد کر میرا احسان جو ہوا ہے تجھ پر اور تیری ماں پر ف۲۶۰ جب مدد کی میں نے تیری روح پاک سے تو کلام کرتا تھا لوگوں سے گود

الْمَهْدِ وَكَهْلًا ۚ وَاِذْ عَلَّمْتُكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ۚ وَاِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّيْنِ

میں اور بڑی عمر میں اور جب سکھائی میں نے تجھکو کتاب اور تہہ کی باتیں اور توریت اور انجیل اور جب تو بناتا تھا گارے سے

كَهَيْـَٔةِ الطَّيْرِ بِاِذْنِيْ فَتَنْفُخُ فِيْهَا فَتَكُوْنُ طَيْرًاۢ بِاِذْنِيْ وَتُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ بِاِذْنِيْ ۚ

جانور کی صورت میرے حکم سے پھر پھونک مارتا تھا اُسمیں تو ہو جاتا اُڑنے والا میرے حکم سے اور اچھا کرتا تھا مادر زاد اندھے کو اور کوڑھی کو میرے حکم سے

وَاِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتٰى بِاِذْنِيْ ۚ وَاِذْ كَفَفْتُ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَنْكَ اِذْ جِئْتَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَقَالَ الَّذِيْنَ

اور جب نکال کھڑا کرتا تھا مُردوں کو میرے حکم سے ف۲۶۱ اور جب روکا میں نے بنی اسرائیل کو تجھ سے جب تو لیکر آیا اُنکے پاس نشانیاں تو کہنے لگے جو

كَفَرُوْا مِنْهُمْ اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۱۰﴾

کافر تھے اُن میں اور کچھ نہیں یہ تو جادو ہے صریح ف۲۶۲

(۲۵۳) ایک ہو تب بھی مضائقہ نہیں۔

(۲۵۴) **آیات وصیت کی شانِ نزول** یعنی اگر قرائن و آثار سے اوصیاء کی قسم کا جھوٹ ہونا معلوم ہو اور وہ بذریعہ شہادت شرعی اپنی سچائی ثابت نہ کر سکیں تو میت کے وارثوں کو قسم دی جائے گی کہ اُن کو اوصیاء کے دعوے کی واقعیت کا کوئی علم نہیں اور یہ کہ اُن کی گواہی اوصیاء کی گواہی سے زیادہ احق بالقبول ہے۔ ان آیات کی شان نزول یہ ہے کہ ایک شخص "بدیل" نامی جو مسلمان تھا۔ دو شخصوں "تمیم و عدی" کے ساتھ جو اُس وقت نصرانی تھے۔ بغرض تجارت ملک شام کی طرف گیا شام پہنچ کر بدیل بیمار پڑ گیا۔ اُس نے اپنے مال کی فہرست لکھ کر اسباب میں رکھ دی اور اپنے دونوں رفیقوں کو اطلاع نہ کی۔ مرض جب زیادہ بڑھا تو اُس نے دونوں نصرانی رفقا کو وصیت کی کہ کل سامان میرے وارثوں کو پہنچا دینا۔ انہوں نے سب سامان لاکر وارثوں کے حوالہ کر دیا، مگر چاندی کا ایک پیالہ جس پر سونے کا ملمع یا نقش و نگار تھے اُس میں سے نکال لیا۔ وارثوں کو فہرست اسباب میں سے دستیاب ہوئے

انہوں نے اوصیاء سے پوچھا کہ میت نے کچھ مال فروخت کیا تھا یا کچھ زیادہ بیمار رہا کہ معالجہ وغیرہ میں کچھ خرچ ہوا ہو۔ اُن دونوں نے اس کا جواب نفی میں دیا۔ آخر معاملہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عدالت میں پیش ہوا۔ چونکہ وارثوں کے پاس گواہ نہ تھے تو اُن دونوں نصرانیوں سے قسم لی گئی کہ ہم نے میت کے مال میں کسی طرح کی خیانت نہیں کی نہ کوئی چیز اُس کی چھپائی۔ آخر قسم پر فیصلہ اُن کے حق میں کر دیا گیا۔ کچھ مدت کے بعد ظاہر ہوا کہ وہ پیالہ ان دونوں نے مکہ میں کسی سنار کے ہاتھ فروخت کیا ہے۔ جب سوال ہوا تو کہنے لگے کہ ہم نے میت سے خرید لیا تھا۔ چونکہ خریداری کے گواہ موجود نہ تھے اس لئے ہم نے پہلے اس کا ذکر نہیں کیا۔ مبادا ہماری تکذیب کر دی جائے۔ میت کے وارثوں نے پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مرافعہ کیا اب پہلی صورت کے برعکس اوصیاء خریداری کے مدعی اور وارث منکر تھے شہادت موجود نہ ہونے کی وجہ سے وارثوں میں سے دو شخصوں نے جو میت سے قریب تر تھے، قسم کھائی کہ پیالہ میت کی ملک تھا اور یہ دونوں نصرانی اپنی قسم میں جھوٹے ہیں، چنانچہ جس قیمت پر انہوں نے فروخت کیا تھا۔ (ایک ہزار درہم) وہ وارثوں کو دلائی گئی۔

(۲۵۵) یعنی وارثوں کو شبہ پڑے تو قسم دینے کا حکم رکھا۔ اس لئے کہ قسم سے ڈر کر اوّل ہی جھوٹ نہ ظاہر کریں پھر اگر اُن کی بات جھوٹ نکلے تو وارث قسم کھائیں۔ یہ بھی اسی واسطے کہ وہ قسم میں دغا نہ کریں۔ جانیں کہ آخر ہماری قسم اُلٹی پڑیگی۔ کذافی موضح القرآن۔

(۲۵۶) خدا کی نافرمانی کرنیوالا انجام کار رسوا اور ذلیل ہی ہوتا ہے حقیقی کامیابی کا چہرہ نہیں دیکھتا۔

(۲۵۷) یہ سوال محشر میں اُمتوں کے رو برو پیغمبروں سے کیا جائیگا کہ دنیا میں جب تم ان کے پاس پیغام حق لے کر گئے تو انہوں نے کیا جواب دیا اور کہاں تک دعوت الٰہی کی اجابت کی؟ گذشتہ رکوع میں بتلایا تھا کہ خدا کے یہاں جانے سے پہلے بذریعہ وصیت وغیرہ یہاں کا انتظام ٹھیک کر لو۔ اب متنبہ فرماتے ہیں کہ وہاں کی جوابدہی کے لئے تیار رہو۔

(۲۵۸) **حشر میں انبیاء سے اللہ کا سوال** محشر کے ہولناک دن میں جب خدائے قہار کی شان جلالی کا انتہائی ظہور ہوگا، اکابر اعاظم کے بھی ہوش بجا نہ رہیں گے، اولوالعزم انبیاء کی زبان پر نفسی نفسی ہوگا۔ اُس وقت انتہائی خوف و خشیت سے حق تعالیٰ کے سوال کا جواب "لا علم لنا" (ہمیں کچھ خبر نہیں) کے سوا نہ دے سکیں گے۔ پھر جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل میں سب کی طرف خدا کی نظر لطف و رحمت ہوگی تب کچھ عرض کرنے کی جرأت کرینگے۔ حسن و مجاہد وغیرہ سے ایسا ہی منقول ہے۔ لیکن ابن عباس کے نزدیک "لا علم لنا" کا مطلب یہ ہے کہ خداوندا! تیرے علم کامل و محیط کے سامنے ہمارا علم کچھ بھی نہیں۔ گویا یہ الفاظ "تادب مع اللہ" کے طور پر کہے۔ ابن جریج کے نزدیک لا علم لنا سے یہ مراد ہے کہ ہم کو معلوم نہیں کہ ہمارے پیچھے انہوں نے کیا کچھ کیا۔ ہم صرف اُن ہی افعال و احوال پر مطلع ہو سکتے ہیں جو ہمارے سامنے ظاہری طور پر پیش آئے تھے۔ بواطن و سرائر کا علم علام الغیوب ہی کو ہے۔ آئندہ رکوع میں حضرت مسیح علیہ السلام کی زبانی جو جواب نقل فرمایا ہے "وکنت علیھم شھیدًا" الخ اس سے آخری معنی کی تائید ہوتی ہے۔ اور صحیح حدیث میں ہے کہ جب حوض پر بعض لوگوں کی نسبت حضور فرمائیں گے ھٰؤلاء اصحابی تو جواب ملیگا لا تدری ما احدثوا بعدک یعنی آپ کو خبر نہیں کہ آپ کے پیچھے انہوں نے کیا حرکات کیں۔

(۲۵۹) غالباً یہ پورا رکوع آنے والے رکوع کی تمہید ہے۔ احسانات یاد دلا کر وہ سوال ہوگا جو آئندہ رکوع میں مذکور ہے۔

(۲۶۰) **حضرت عیسیٰؑ سے حق تعالیٰ کا خطاب** اوّل تو اولاد پر احسان کرنا من وجہ ماں پر احسان ہے۔ دوسرے ظالم لوگ جو تہمت مریم صدیقہ پر لگاتے تھے حق تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اُن کی براءت و نزاہت کے لئے برہان مبین

بنادیا اور تولد مسیح سے پہلے اور بعد عجیب و غریب نشانات حضرت مریم کو دکھلائے جو اُن کی تقویت و تسکین کا باعث ہوئے۔ یہ احسانات بلاواسطہ اُن پر تھے۔

(۲۶۱) **رُوح القدس کی تائید** گود میں جو کلام کیا اُس کا ذکر "سورۂ مریم" میں آئیگا۔ "انی عبد اللّٰہ اٰتانی الکتاب الی آخرہ" تعجب ہے کہ عیسائیوں نے حضرت مسیح کے "تکلم فی المھد" کا کچھ ذکر نہیں کیا البتہ یہ لکھا ہے کہ بارہ برس کی عمر میں یہود کے سامنے انہوں نے ایسی حکیمانہ دلائل و براہین بیان فرمائیں کہ تمام علماء عاجز و مبہوت رہ گئے اور سامعین عش عش کرنے لگے۔ یوں تو "روح القدس" سے حسب مراتب سب انبیاء علیہم السلام بلکہ بعض مؤمنین کی بھی تائید ہوتی ہے۔ لیکن حضرت عیسٰی علیہ السلام کو جن کا وجود ہی "نفخہ جبریلیہ" سے ہوا، کوئی خاص قسم کی فطری مناسبت اور تائید حاصل ہے جیسے تفضیل انبیاء کے صدد میں بیان فرمایا گیا۔ تلك الرسل فضلنا بعضھم علٰی بعض منھم من کلم اللّٰہ ورفع بعضھم درجات واٰتینا عیسی بن مریم البینات وایدناہ بروح القدس (بقرہ رکوع ۳۳) "روح القدس" کی مثال "عالم ارواح" میں ایسی سمجھو جیسے عالم مادیات میں قوت کہربائیہ (بجلی) کا خزانہ، جس وقت اس خزانہ کا مُدبر معین اصول کے موافق کرنٹ چھوڑتا اور جن اشیاء میں بجلی کا اثر پہنچاتا ہے۔ اُن کا کنکشن درست کر دیتا ہے تو فوراً خاموش اور ساکن مشینیں بڑے زور سے گھومنے لگتی ہیں اگر کسی مریض پر بجلی کا عمل کیا گیا تو مشلول اعضاء اور بےحس ہو جانے والے اعصاب میں بجلی کے پہنچنے سے حس و حرکت پیدا ہو جاتی ہے بعض اوقات ایسے بیمار کے حلقوم میں جس کی زبان بالکل بند ہو گئی ہو قوت کہربائیہ کے پہنچانے سے قوت گویائی واپس کی گئی ہے۔ حتّٰی کہ بعض غالی ڈاکٹروں نے تو یہ دعوٰی کر دیا کہ ہر قسم کی بیماری کا علاج قوت کہربائیہ سے کیا جا سکتا ہے (دائرۃ المعارف فرید وجدی) جب اس معمولی مادی کہربائیہ کا حال یہ ہے تو اندازہ کر لو کہ "عالم ارواح" کی کہربائیہ میں جس کا خزانہ روح القدس ہے کیا کچھ طاقت ہوگی، حق تعالٰی نے حضرت عیسٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات گرامی کا تعلق روح القدس سے کسی ایسی خاص نوعیت اور اصول کے ماتحت رکھا ہے جس کا اثر کھلے ہوئے غلبۂ روحیت، تجرد اور مخصوص آثار حیات کی شکل میں ظاہر ہوا۔ آنکا "روح اللّٰہ" سے ملقب ہونا، بچپن، جوانی اور کہولت میں یکساں کلام کرنا، خدا کے حکم سے افاضۂ حیات کے قابل کالبد خاکی تیار کر لینا، اُس میں باذن اللّٰہ روح حیات پھونکنا مایوس العلاج مریضوں کی حیات کو باذن اللّٰہ بدون توسط اسباب عادیہ کے کارآمد اور بےعیب بنا دینا، حتّٰی کہ مردہ لاشہ میں باذن اللّٰہ دوبارہ روح حیات کو واپس لے آنا، بنی اسرائیل کے ناپاک منصوبوں کو خاک میں ملا کر آپ کا آسمان پر اُٹھا لیا جانا، اور آپ کی حیات طیبہ پر اس قدر طول عمر کا کوئی اثر نہ ہونا، وغیرہ وغیرہ یہ سب آثار اُسی تعلق خصوصی سے پیدا ہوئے ہیں جو رب العزّت نے کسی مخصوص نوعیت و اصول سے آپ کے اور روح القدس کے مابین قائم فرمایا ہے ہر پیغمبر کے ساتھ کچھ امتیازی معاملات خدا تعالٰی کے ہوتے ہیں، اُن کے علل و اسرار کا احاطہ اُسی علام الغیوب کو ہے ان ہی امتیازات کو علماء کی اصطلاح میں "فضائل جزئیہ" کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ ایسی چیزوں سے کلی فضیلت ثابت نہیں ہوتی۔ چہ جائیکہ "الوہیت" ثابت ہو۔ "واذ تخلق من الطین" میں خلق کا لفظ محض صوری اور حسّی لحاظ سے استعمال کیا گیا ہے ورنہ خالق حقیقی "احسن الخالقین" کے سوا کوئی نہیں۔ اِسی لئے "باذنی" کا بار بار اعادہ کیا گیا اور "آل عمران" میں حضرت مسیحؑ کی زبان سے باذن اللّٰہ کی تکرار کرائی گئی۔ بہرحال جو خوارق ان آیات میں اور ان سے پہلے "آل عمران" میں حضرت مسیح علیہ السلام کی طرف منسوب ہوئے ہیں، اُن کا انکار یا تحریف صرف اُسی ملحد کا کام ہو سکتا ہے جو "آیات اللّٰہ" کو اپنی عقل شخصی کے تابع کرنا چاہے۔ باقی جو لوگ قانون قدرت کا نام لے کر "معجزات و خوارق" کا انکار کرنا چاہتے ہیں، اُن کا جواب ہم نے ایک مستقل مضمون میں دیا ہے اُس کے مطالعہ سے

انشاء اللہ تمام شکوک و شبہات کا ازالہ ہو سکیگا۔

(۲۶۲) معجزات اور فوق العادت تصرفات کو جادو کہنے لگے اور انجام کار حضرت مسیحؑ کے قتل کے درپے ہوئے۔ حق تعالیٰ نے اپنے لطف و کرم سے حضرت مسیحؑ کو آسمان پر اُٹھالیا۔ اس طرح یہود کو اُن کے ناپاک مقصد میں کامیاب ہونے سے روک دیا گیا۔

وَاِذْ اَوْحَيْتُ اِلَى الْحَوَارِيّٖنَ اَنْ اٰمِنُوْا بِيْ وَبِرَسُوْلِيْ ۚ قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَاشْهَدْ بِاَنَّنَا

اور جب میں نے دل میں ڈال دیا حواریوں کے کہ ایمان لاؤ مجھ پر اور میرے رسول پر تو کہنے لگے ہم ایمان لائے اور تو گواہ رہ کہ ہم

الربع مُسْلِمُوْنَ ﴿۱۱۱﴾ اِذْ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ هَلْ يَسْتَطِيْعُ رَبُّكَ اَنْ يُّنَزِّلَ

فرمانبردار ہیں جب کہا حواریوں نے اے عیسٰی مریم کے بیٹے تیرا رب کر سکتا ہے ف۲۶۳ کہ اُتارے

عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ ۭ قَالَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۱۲﴾ قَالُوْا نُرِيْدُ اَنْ نَّاْكُلَ

ہم پر خوان بھرا ہوا آسمان سے ف۲۶۴ بولا ڈرو اللہ سے اگر ہو تم ایمان والے ف۲۶۵ بولے کہ ہم چاہتے ہیں کہ کھاویں اُس

مِنْهَا وَتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُنَا وَنَعْلَمَ اَنْ قَدْ صَدَقْتَنَا وَنَكُوْنَ عَلَيْهَا مِنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۱۱۳﴾ قَالَ

میں سے اور مطمئن ہو جاویں ہمارے دل اور ہم جان لیں کہ تو نے ہم سے سچ کہا اور رہیں ہم اُس پر گواہ ف۲۶۶ کہا

عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَآ اَنْزِلْ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ تَكُوْنُ لَنَا عِيْدًا لِّاَوَّلِنَا وَاٰخِرِنَا

عیسٰی مریم کے بیٹے نے اے اللہ رب ہمارے اُتار ہم پر خوان بھرا ہوا آسمان سے کہ وہ دن عید رہے ہماری پہلوں اور پچھلوں کی واسطے ف۲۶۷

وَاٰيَةً مِّنْكَ ۚ وَارْزُقْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴿۱۱۴﴾ قَالَ اللّٰهُ اِنِّىْ مُنَزِّلُهَا عَلَيْكُمْ ۚ فَمَنْ يَّكْفُرْ بَعْدُ

اور نشانی ہو تیری طرف سے ف۲۶۸ اور روزی دے ہم کو اور تو ہی ہے سب سے بہتر روزی دینے والا ف۲۶۹ کہا اللہ نے میں بیشک اُتاروں گا وہ خوان تم پر پھر جو کوئی تم میں ناشکری کریگا

مِنْكُمْ فَاِنِّىْٓ اُعَذِّبُهٗ عَذَابًا لَّآ اُعَذِّبُهٗٓ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۱۵﴾ ع۵

اس کے بعد تو میں اُس کو وہ عذاب دونگا جو کسی کو نہ دونگا جہان میں ف۲۷۰

(۲۶۳) "کر سکتا ہے" اس لئے کہا کہ آپ کی رعایت اور دُعا سے ہمارے لئے بطور "خرق عادت" نہ معلوم ایسا کرے یا نہ کرے۔

(۲۶۴) یعنی آسمان کی طرف سے بے محنت روزی پہنچ جایا کرے۔ یہ ضرور نہیں کہ وہ خوان جنت ہی کا ہو۔

(۲۶۵) یعنی ایماندار بندہ کو لائق نہیں کہ ایسی غیر معمولی فرمائشیں کر کے خدا کو آزمائے خواہ اُس کی طرف سے کتنی ہی مہربانی کا اظہار ہو، روزی اُن ہی ذرائع سے طلب کرنا چاہئے جو قدرت نے اُس کی تحصیل کے لئے مقرر فرما دیے ہیں۔ بندہ جب خدا سے ڈر کر تقویٰ اختیار کرے اور اسی پر ایمان و اعتماد رکھے تو حق تعالیٰ ایسی جگہ سے اُس کو رزق پہنچائیگا جہاں سے وہم و گمان بھی نہ ہوگا۔ ومن یتق اللہ یجعل لہ مخرجا و یرزقہ من حیث لا یحتسب الخ (طلاق۔ رکوع ۱)

(۲۶۶) **حضرت عیسٰی سے مائدہ کا مطالبہ** یعنی آزمانے کو نہیں مانگتے، بلکہ برکت کی اُمید پر مانگتے ہیں کہ غیب سے بے محنت روزی ملتی رہے تا اطمینان قلب اور دلجمعی سے عبادت میں لگے رہیں۔ اور آپ نے جو غیبی خبریں نعمائے جنت وغیرہ کے متعلق دی ہیں، ایک چھوٹا سا نمونہ دیکھ کر اُن کا بھی یقین کامل ہو جائے۔ اور ایک عینی شاہد کے طور پر ہم اُس کی گواہی دیں جس سے

یہ معجزہ ہمیشہ مشہور رہے۔ بعض مفسرین نے نقل کیا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے وعدہ فرمایا تھا کہ تم خدا کے لئے تیس دن کے روزے رکھ کر جو کچھ طلب کرو گے وہ دیا جائے گا۔ حواریین نے روزے رکھ لئے اور مائدہ طلب کیا، ونعلم ان قد صدقتنا سے یہی مراد ہے واللہ اعلم۔

(۲۶۷) **نزول مائدہ کی دعاء** یعنی وہ دن جس میں مائدہ آسمانی نازل ہو، ہمارے اگلے پچھلے لوگوں کے حق میں عید ہو جائے کہ ہمیشہ ہماری قوم اس دن کو بطور یادگار تہوار منایا کرے۔ اس تقریر کے موافق تکون لنا عیدًا کا اطلاق ایسا ہوا جیسا کہ آیۂ الیوم اکملت لکم دینکم کے متعلق بخاری میں یہود کا یہ مقولہ نقل کیا ہے انکم تقرؤن اٰیۃ لو نزلت فینا لاتخذناھا عیدًا جس طرح آیۃ کو عید بنانے کا مطلب اُس کے یوم نزول کو عید بنانا ہے (کما ھو مصرح فی الروایات الاخر) اسی پر مائدہ کے عید ہونے کو بھی قیاس کر لو کہتے ہیں کہ وہ خوان اُترا اتوار کو جو نصاریٰ کے یہاں ہفتہ کی عید ہے جیسے مسلمانوں کے یہاں جمعہ

(۲۶۸) یعنی تیری قدرت کی اور میری نبوت و صداقت کی نشانی ہو۔

(۲۶۹) یعنی بدون تعب و کسب کے روزی عطا فرمائیے۔ آپ کے یہاں کیا کمی ہے اور کیا مشکل ہے۔

(۲۷۰) **ناشکروں کے لئے عذاب کی دھمکی** جب نعمت غیر معمولی اور نرالی ہو گی تو اس کی شکر گذاری کی تاکید بھی معمول سے بہت بڑھکر ہونی چاہئے۔ اور ناشکری پر عذاب بھی غیر معمولی اور نرالا آئیگا۔ موضح القرآن میں ہے "بعضے کہتے ہیں وہ خوان اُترا چالیس روز تک پھر بعضوں نے ناشکری کی۔ یعنی حکم ہوا تھا کہ فقیر اور مریض کھاویں۔ محظوظ اور چنگے بھی لگے کھانے۔ پھر قریب اسّی آدمی کے سور اور بندر ہو گئے۔ یہ عذاب پہلے یہود میں ہوا تھا۔ پیچھے کسی کو نہیں ہوا۔ اور بعضے کہتے ہیں کہ نہیں اُترا۔ یہ تہدید سُن کر مانگنے والے ڈر گئے، نہ مانگا، لیکن پیغمبر کی دعاء عبث نہیں اور اس کلام میں نقل کرنا بے حکمت نہیں۔ شاید اس دعاء کا اثر یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ کی اُمت میں آسودگی مال ہمیشہ رہی جو کوئی ان میں ناشکری کرے۔ یعنی دل کے اطمینان سے عبادت میں نہ لگے بلکہ گناہ میں خرچ کرے تو شاید آخرت میں سب سے زیادہ عذاب پاوے۔ اس میں مسلمان کو عبرت ہے کہ اپنا مدعا "خرق عادت" کی راہ سے نہ چاہے کہ پھر اس کی شکر گذاری بہت مشکل ہے۔ اسباب ظاہری پر قناعت کرے تو بہتر ہے۔ اس قصہ میں بھی ثابت ہوا کہ حق تعالیٰ کے آگے حمایت پیش نہیں جاتی۔

وَاِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَاُمِّيَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قَالَ

اور جب کہیگا اللہ اے عیسیٰ مریم کے بیٹے تو نے کہا لوگوں کو کہ ٹھہرا لو مجھ کو اور میری ماں کو دو معبود سوا اللہ کے ف ۲۷۱ کہا

سُبْحٰنَكَ مَا يَكُوْنُ لِيْۤ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَيْسَ لِيْ ۗ بِحَقٍّ ؕ اِنْ كُنْتُ قُلْتُهٗ فَقَدْ عَلِمْتَهٗ ؕ تَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِيْ

تو پاک ہے مجھ کو لائق نہیں کہ کہوں ایسی بات جس کا مجھ کو حق نہیں اگر میں نے یہ کہا ہوگا تو تجھ کو ضرور معلوم ہوگا تو جانتا ہے جو میرے جی میں ہے

وَلَاۤ اَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِكَ ؕ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ﴿۱۱۶﴾ مَا قُلْتُ لَهُمْ اِلَّا مَاۤ اَمَرْتَنِيْ بِهٖۤ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ

اور میں نہیں جانتا جو تیرے جی میں ہے بیشک تو ہی ہے جاننے والا چھپی باتوں کا ف ۲۷۲ میں نے کچھ نہیں کہا انکو مگر جو تو نے حکم کیا کہ بندگی کرو اللہ کی

رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ ۚ وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ ۚ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ ؕ

جو رب ہے میرا اور تمہارا ف ۲۷۳ اور میں اُن سے خبردار تھا جب تک اُن میں رہا پھر جب تو نے مجھ کو اُٹھا لیا تو تو ہی تھا خبر رکھنے والا اُن کی

وَاَنْتَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ شَہِیْدٌ ﴿۱۱۷﴾ اِنْ تُعَذِّبْہُمْ فَاِنَّہُمْ عِبَادُکَ ۚ وَاِنْ تَغْفِرْ لَہُمْ فَاِنَّکَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ ﴿۱۱۸﴾

اور تو ہر چیز سے خبردار ہے ف ۲۷۱ اگر تو انکو عذاب دے تو وہ بندے ہیں تیرے اور اگر تو اُن کو معاف کردے تو تو ہی ہے زبردست حکمت والا ف ۲۷۵

قَالَ اللّٰہُ ھٰذَا یَوْمُ یَنْفَعُ الصّٰدِقِیْنَ صِدْقُہُمْ ؕ لَہُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِہَا الْاَنْہٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْہَآ

فرمایا اللہ نے یہ دن ہے کہ کام آویگا سچوں کے اُن کا سچ ف ۲۷۶ اُنکے لئے ہیں باغ جن کے نیچے بہتی ہیں نہریں رہا کریں گے اُنہی میں

اَبَدًا ؕ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ ؕ ذٰلِکَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ﴿۱۱۹﴾ لِلّٰہِ مُلْکُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا فِیْہِنَّ ؕ

ہمیشہ اللہ راضی ہوا اُن سے اور وہ راضی ہوئے اُس سے یہی ہے بڑی کامیابی ف ۲۷۷ اللہ ہی کے لئے سلطنت ہے آسمانوں کی اور زمین کی اور جو کچھ اُنکے بیچ میں ہے

وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۱۲۰﴾

اور وہ ہر چیز پر قادر ہے ف ۲۷۸

(۲۷۱) **حق تعالیٰ کا حضرت عیسیٰؑ سے سوال** پچھلا رکوع حقیقۃً میں اس رکوع کی تمہید تھی، پچھلے رکوع کی ابتدا میں یوم یجمع اللہ الرسل الخ فرما کر آگاہ کیا تھا کہ قیامت کے دن تمام مرسلین سے اُن کی اُمتوں کے مواجہ میں علیٰ رؤس الاشہاد سوال و جواب ہونگے۔ پھر ان میں سے خاص حضرت مسیح علیہ السلام کا ذکر فرمایا جن کو کروڑوں آدمیوں نے خدائی کا درجہ دے رکھا ہے کہ اُن سے بالخصوص اس عقیدہ باطلہ کی نسبت دریافت کیا جائیگا لیکن اول وہ عظیم الشان احسانات اور ممتاز انعامات یاد دلائیں گے جو اُن پر اور اُن کی والدہ ماجدہ پر فائض ہوئے۔ بعدہٗ ارشاد ہوگا، ءانت قلت للناس اتخذونی الخ (کیا تو نے لوگوں سے کہہ دیا تھا کہ مجھ کو اور میری ماں کو بھی خدا کے سوا معبود مانو) حضرت مسیح علیہ السلام اس سوال پر کانپ اُٹھیں گے اور وہ عرض کریں گے جو آگے آتا ہے۔ آخر میں ارشاد ہوگا ھٰذا یَوْمُ یَنْفَعُ الصّٰدِقِیْنَ صِدْقُہُمْ "ہٰذا" کا اشارہ اُسی یوم کی طرف ہے جو یوم یجمع اللہ الرسل میں مذکور تھا۔ بہرحال یہ سب واقعہ روز قیامت کا ہے۔ جسے متیقن الوقوع ہونے کی وجہ سے قرآن وحدیث میں بصیغہ ماضی (قال) تعبیر فرمایا ہے۔

(۲۷۲) **حضرت عیسیٰ کا جواب** یعنی میں ایسی گندی بات کیسے کہہ سکتا تھا۔ آپ کی ذات اس سے پاک ہے کہ الوہیت وغیرہ میں کسی کو اُس کا شریک کیا جائے۔ اور جس کو آپ پیغمبری کا منصب جلیل عطا فرمائیں، اُس کی یہ شان نہیں کہ کوئی ناحق بات مُنہ سے نکالے۔ پس آپ کی سبُوحیت اور میری عصمت دونوں کا اقتضاء یہ ہے کہ میں ایسی ناپاک بات کبھی نہیں کہہ سکتا۔ اور سب دلائل کو چھوڑ کر آخری بات یہ ہے کہ آپ کے "علم محیط" سے کوئی چیز باہر نہیں ہو سکتی۔ اگر فی الواقع میں ایسا کہتا تو آپ کے علم میں ضرور موجود ہوتا۔ آپ خود جانتے ہیں کہ میں نے خفیہ یا علانیہ کوئی ایسا حرف منہ سے نہیں نکالا۔ بلکہ میرے دل میں اس طرح کے گندے خیال کا خطور بھی نہیں ہوا۔ آپ سے میرے یا کسی کے دل کے چھپے ہوئے ہواجس و خواطر بھی پوشیدہ نہیں۔

(۲۷۳) میں نے آپ کے حکم سے سرمو تجاوز نہیں کیا۔ اپنی الوہیت کی تعلیم تو کیسے دے سکتا تھا۔ اُس کے بالمقابل میں نے اُن کو صرف تیری بندگی کی طرف بلایا اور کھول کھول کر بتلا دیا کہ میرا اور تمہارا سب کا رب (پروردگار) وہ ہی ایک خدا ہے جو تنہا عبادت کے لائق ہے۔ چنانچہ آج بھی بائیبل میں صریح نصوص اس مضمون کی بکثرت موجود ہیں۔

(۲۷۴) نہ صرف یہ کہ میں نے مخلوق کو تیری توحید اور عبودیت کی طرف دعوت دی، بلکہ جب تک اُن کے اندر قیام پذیر رہا، برابر اُن کے احوال کی نگرانی اور خبرگیری کرتا رہا کہ کوئی غلط عقیدہ یا بے موقع خیال قائم نہ کر لیں البتہ ان میں قیام کرنے کی جو مدت آپ کے

علم میں مقدر تھی، جب وہ پوری کر کے آپ نے مجھ کو اُن میں سے اٹھا لیا (کما یظہر من مادۃ التوفی ومقابلۃ مادمت فیہم) تو پھر صرف آپ ہی اُن کے احوال کے نگران اور خبردار ہو سکتے تھے، میں اس کے متعلق کچھ عرض نہیں کر سکتا (تنبیہ) حضرت مسیح علیہ السلام کی موت یا رفع الی السماء وغیرہ کی بحث "آل عمران" میں زیر فائدہ "انی متوفیک ورافعک الیّ" ملاحظہ کیجئے۔ مترجم محقق قدس سرہٗ نے یہاں "فلما توفیتنی" کا جو ترجمہ "تو نے مجھ کو اٹھا لیا" سے کیا یہ باعتبار محاورات "موت" اور "رفع الی السماء" دونوں پر صادق آسکتا ہے۔ گویا متنبہ کر دیا کہ نہ لفظ "توفی" کے لئے موت لازم ہے اور نہ خاص توفی بصورت موت کو مضمون زیر بحث میں کسی قسم کا مدخل ہے حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بعض لوگوں کی نسبت میں قیامت کے دن اُسی طرح کہوں گا جس طرح بندہ صالح (عیسٰی علیہ السلام) نے کہا وکنت علیہم شہیدًا مادمت فیہم فلما توفیتنی کنت انت الرقیب علیہم اس قسم کی تشبیہات سے یہ نکالنا کہ حضور کی اور حضرت مسیح کی "توفی" بھی بہمہ وجوہ یکساں اور ہمرنگ ہونی چاہیئے، عربیت سے ناواقفیت کی دلیل ہے مشرکین مکہ ایک درخت (ذات انماط) پر ہتھیار لٹکایا کرتے تھے۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہمارے لئے بھی "ذات انماط" مقرر کر دیجئے جیسے ان کے یہاں ہے۔ آپ نے فرمایا "ھذا کما قال قوم موسٰی اجعل لنا الٰھًا کما لھم اٰلھۃ (یہ تو ایسا ہوا جیسے موسٰی کی قوم نے درخواست کی تھی کہ ہمارے لئے بھی ایسا معبود تجویز کر دو جیسا ان بت پرستوں کا ہے) کیا کوئی مسلمان اس تشبیہ کو سُن کر یہ گمان کر سکتا ہے کہ صحابہ نے معاذ اللہ بت پرستی کی درخواست کی تھی؟ اس طرح کی تشبیہات سے نصوص محکمہ اور اجماع اُمت کے مخالف عقائد پر تمسک کرنا صرف اُسی جماعت کا حصّہ ہو سکتا ہے جن کی نسبت یہ ارشاد ہوا فاما الذین فی قلوبہم زیغ فیتبعون ما تشابہ منہ ابتغاء الفتنۃ وابتغاء تاویلہ۔

(۲۷۵) **ایک مفید نکتہ** یعنی آپ اپنے بندوں پر ظلم اور بیجا سختی نہیں کر سکتے اس لئے اگر اُن کو سزا دیں گے تو عین عدل و حکمت پر مبنی ہوگی اور فرض کیجئے معاف کر دیں تو یہ معافی بھی ازراہ عجز وسفہ نہ ہوگی۔ چونکہ آپ "عزیز" (زبردست اور غالب) ہیں، اس لئے کوئی مجرم آپکے قبضہ قدرت سے نکل کر بھاگ نہیں سکتا کہ آپ اُس پر قابو نہ پا سکیں۔ اور چونکہ "حکیم" (حکمت والے) ہیں اس لئے یہ بھی ممکن نہیں کہ کسی مجرم کو یوں ہی بے موقع چھوڑ دیں۔ بہرحال جو فیصلہ آپ ان مجرمین کے حق میں کرینگے وہ بالکل حکیمانہ اور قادرانہ ہوگا۔ حضرت مسیح علیہ السلام کا یہ کلام چونکہ محشر میں ہوگا جہاں کفار کے حق میں کوئی شفاعت اور استدعاء رحم وغیرہ نہیں ہو سکتی، اسی لئے حضرت مسیح نے عزیز حکیم کی جگہ غفورٌ رحیم وغیرہ صفات کو اختیار نہیں فرمایا۔ برخلاف اس کے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دنیا میں اپنے پروردگار سے عرض کیا تھا۔ رب انہن اضللن کثیرًا من الناس فمن تبعنی فانہ منی ومن عصانی فانک غفورٌ رحیم (اے پروردگار ان بتوں نے بہت سے آدمیوں کو گمراہ کر دیا تو جو ان میں سے میرے تابع ہوا وہ میرا آدمی ہے اور جس نے میری نافرمانی کی تو پھر تو غفور رحیم ہے) یعنی ابھی موقع ہے کہ تو اپنی رحمت سے آیندہ اُنکو توبہ اور رجوع الی الحق کی توفیق دے کر پچھلے گناہوں کو معاف فرما دے۔

(۲۷۶) جو لوگ اعتقادًا اور قولاً وعملاً سچے رہے ہیں (جیسے حضرت مسیح علیہ السّلام) اُن کی سچائی کا پھل آج ملیگا۔

(۲۷۷) بڑی کامیابی حق تعالٰی کی رضاء ہے اور جنت بھی اِسی لئے مطلوب ہے کہ وہ محل رضائے الٰہی ہے۔

(۲۷۸) یعنی ہر وفادار اور مجرم کے ساتھ وہ ہی معاملہ ہوگا۔ جو ایک شہنشاہ مطلق کی عظمۃ وجلال کے مناسب ہے۔

سُوْرَةُ الْاَنْعَامِ

سُوْرَةُ الْاَنْعَامِ ۶ مَكِّيَّةٌ ۵۵ | بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ | اٰيَاتُهَا ۱۶۵ رُكُوْعَاتُهَا ۲۰

سورۂ انعام مکہ میں نازل ہوئی اور اس کی ایک سو پینسٹھ یا چھیاسٹھ آیتیں اور بیس رکوع ہیں ف ۱ شروع اللہ کے نام سے جو بیحد مہربان اور نہایت رحم والا ہے

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ ۥ ثُمَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ

سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جس نے پیدا کئے آسمان اور زمین اور بنایا اندھیرا اور اُجالا پھر بھی یہ کافر اپنے رب کے ساتھ اوروں

يَعْدِلُوْنَ ۝۱ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ طِيْنٍ ثُمَّ قَضٰٓى اَجَلًا ۭ وَاَجَلٌ مُّسَمًّى عِنْدَهٗ ثُمَّ اَنْتُمْ

کو برابر کئے دیتے ہیں ف ۲ وہی ہے جس نے پیدا کیا تم کو مٹی سے پھر مقرر کر دیا ایک وقت اور ایک مدت مقرر ہے اللہ کے نزدیک پھر بھی تم

تَمْتَرُوْنَ ۝۲ وَهُوَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ وَفِي الْاَرْضِ ۭ يَعْلَمُ سِرَّكُمْ وَجَهْرَكُمْ وَيَعْلَمُ مَا تَكْسِبُوْنَ ۝۳ وَمَا

شک کرتے ہو ف ۳ اور وہی ہے اللہ آسمانوں میں اور زمین میں ف ۴ جانتا ہے تمہارا چھپا اور کھلا اور جانتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو ف ۵ اور نہیں

تَاْتِيْهِمْ مِّنْ اٰيَةٍ مِّنْ اٰيٰتِ رَبِّهِمْ اِلَّا كَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ ۝۴ فَقَدْ كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ لَمَّا

آتی ان کے پاس کوئی نشانی اُن کے رب کی نشانیوں میں سے مگر کرتے ہیں اُس سے تغافل ف ۶ سو بیشک جھٹلایا انہوں نے حق کو جب

جَاۗءَهُمْ ۭ فَسَوْفَ يَاْتِيْهِمْ اَنْۢبٰۗؤُا مَا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝۵

ان تک پہنچا سو اب آئی جاتی ہے اُنکے آگے حقیقت اُس بات کی جس پر ہنستے تھے ف ۷

(۱) **سورہ انعام کا نزول** یہ سورت مکی ہے۔ صرف چند آیات کو بعض علماء نے مستثنیٰ کیا ہے۔ روایات میں ہے کہ پوری سورت بیک وقت بے شمار فرشتوں کے جلو میں نازل ہوئی۔ مگر ابن صلاح نے اپنے فتاویٰ میں ان روایات کی صحت سے انکار کیا ہے جو پوری سورت کے دفعۃً نزول پر دال ہیں۔ واللہ اعلم۔ ابو اسحٰق اسفرائنی کہتے ہیں کہ توحید کے تمام اصول و قواعد پر یہ سورت مشتمل ہے۔

(۲) **توحید کے دلائل تخلیق کائنات** "مجوس" دنیا کے لئے دو خالق مانتے ہیں "یزداں" جو خالق خیر ہے اور "اہرمن" جو خالق شر ہے۔ اور دونوں کو نور ظلمت سے ملقب کرتے ہیں۔ ہندوستان کے مشرک تینتیس ۳۳ کروڑ دیوتاؤں کے قائل ہیں۔ آریہ سماج باوجود ادعائے توحید "مادہ" اور "روح" کو خدا کی طرح غیر مخلوق اور انادی کہتے اور خدا کو اپنی صفت تکوین و تخلیق وغیرہ میں ان دونوں کا محتاج بتلاتے ہیں۔ عیسائیوں کو باپ بیٹے کا توازن و تناسب قائم رکھنے کے لئے آخر تین ایک اور ایک تین کا مشہور عقیدہ اختیار کرنا پڑا ہے۔ یہودیوں نے خدا تعالیٰ کے لئے وہ صفات تجویز کیں کہ ایک معمولی انسان بھی نہ صرف اس کا ہمسر بلکہ اُس سے برتر ہو سکتا ہے عرب کے مشرکین نے تو خدائی کی تقسیم میں یہاں تک سخاوت دکھلائی کہ شاید اُن کے نزدیک پہاڑ کا ہر پتھر، نوع انسانی کا معبود بننے کی صلاحیت رکھتا تھا۔ غرض آگ، پانی، سورج، ستارے، درخت، پتھر، حیوان کوئی چیز لوگوں نے نہ چھوڑی جسے خدائی کا کچھ حصہ نہ دیا اور عبادت و استعانت وغیرہ کے وقت اُسے خدا کی برابر نہ بٹھایا ہو

حالانکہ وہ ذات پاک جو تمام صفات کمال کی جامع اور ہر قسم کی خوبیوں کا منبع ہونے کی وجہ سے سب تعریفوں اور ہر طرح کی حمد و ثناء کی بلا شرکت غیرے مستحق ہے جس نے آسمان و زمین یعنی کل علویات و سفلیات کو پیدا کیا اور رات دن، اندھیرا، اُجالا علم و جہل، ہدایت و ضلالت، موت و حیات، غرض متقابل کیفیات اور متضاد احوال ظاہر فرمائے اُسے اپنے افعال میں نہ کسی حصہ دار یا مددگار کی ضرورت ہو سکتی ہے نہ بیوی اور اولاد کی، نہ اُس کی معبودیت اور الوہیت میں کوئی شریک ہو سکتا ہے نہ ربوبیت میں نہ اس کے ارادہ پر کوئی غالب آسکتا ہے اور نہ اُس پر کسی کا دباؤ اور زور چل سکتا ہے۔ پھر تعجب ہے کہ ان حقائق کو سمجھنے کے بعد بھی کس طرح لوگ کسی چیز کو خدائی کا مرتبہ دے دیتے ہیں۔

(۳) **تخلیق انسانی** اُوپر "عالم کبیر" کی پیدائش کا ذکر تھا یہاں "عالم صغیر" (انسان) کی خلقت کو بیان فرماتے ہیں کہ دیکھو شروع میں بے جان مٹی سے آدم علیہ السلام کا پتلا تیار کر کے کس طرح حیات اور کمالات انسانی فائض کئے اور آج بھی مٹی سے غذائیں نکلتی ہیں، غذاؤں سے نطفہ اور نطفہ سے انسان بنتے رہتے ہیں۔ غرض اس طرح تم کو عدم سے وجود میں لائے پھر ہر شخص کی موت کا ایک وقت مقرر کر دیا جبکہ آدمی دوبارہ اُسی مٹی میں جا ملتا ہے جس سے پیدا کیا گیا تھا۔ اسی پر قیاس کر سکتے ہو کہ "عالم کبیر" کی فنا کا بھی ایک وقت مقرر ہے جسے "قیامت کبریٰ" کہتے ہیں۔ "قیامت صغریٰ" یعنی شخصی موتیں چونکہ ہمیں پیش آتی رہتی ہیں۔ اُن کا علم بھی لوگوں کو ہوتا رہتا ہے لیکن "قیامت کبریٰ" کی ٹھیک مدت کا علم صرف اللہ ہی کے پاس ہے تعجب ہے کہ "عالم صغیر" یعنی انسانوں میں زندگی اور فنا کا سلسلہ دیکھتے ہوئے بھی "عالم کبیر" کی فنا میں کوئی آدمی تردد کرتا ہے۔

(۴) **اللہ کی قدرت اور علم کا بیان** یعنی تمام آسمانوں اور زمینوں میں تنہا وہ ہی معبود، مالک بادشاہ، متصرف اور مدبر ہے اور یہ نام مبارک (اللہ) بھی صرف اُسی کی ذات متعالی الصفات کے لئے مخصوص رہا ہے۔ پھر اوروں کے لئے استحقاق معبودیت کہاں سے آیا۔

(۵) جب تمام زمین و آسمان میں اُسی کی حکومت ہے اور وہ بلاواسطہ ہر کھلی چھپی چیز اور انسان کے ظاہر و باطن اور چھوٹے بڑے عمل پر مطلع ہے تو عابد کو اپنی عبادت و استعانت وغیرہ میں کسی غیر اللہ کو شریک ٹھہرانے کی ضرورت نہیں رہتی مشرکین جو "مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى" کہا کرتے تھے۔ یہ اُن کا اور اُن کے ہمنواؤں کا جواب ہوا۔ اور پہلے وَاَجَلٌ مُّسَمًّى عِنْدَهٗ سے جو قیامت کی طرف اشارہ کیا تھا۔ یہاں سلسلہ مجازات پر متنبہ فرما دیا کہ زمین و آسمان میں حکومت ہماری ہے اور تمہارے سب کھلے چھپے نیک و بد اعمال بھی ہمارے علم میں موجود ہیں۔ پھر کوئی وجہ نہیں کہ تم یوں ہی مہمل چھوڑ دیے جاؤ۔

(۶) "آیات" میں احتمال ہے کہ تکوینی آیات مراد ہوں یا تنزیلی۔

(۷) **مکذبین اور اُن کا انجام** حق سے مراد غالباً قرآن کریم ہے۔ جو نشانہائے قدرت سے تغافل برتنے والوں کی بدانجامی اور دنیوی و اُخروی سزا کو بیان کرتا ہے۔ اسے سُن کر منکرین تکذیب و استہزاء کرتے تھے۔ اُنہیں جتلا دیا کہ جس بات پر تم ہنستے اور آوازے کستے ہو وہ حقیقت ثابتہ بن کر عنقریب تمہارے سامنے آجائیگی۔ آگے اُن اقوام کا حوالہ دیا ہے جو آیات اللہ کی تکذیب و استہزاء اور بداعمالیوں کی بدولت ہلاک کی گئیں۔

اَلَمْ یَرَوْا کَمْ اَھْلَکْنَا مِنْ قَبْلِھِمْ مِّنْ قَرْنٍ مَّکَّنّٰھُمْ فِی الْاَرْضِ مَا لَمْ نُمَکِّنْ لَّکُمْ وَاَرْسَلْنَا

کیا دیکھتے نہیں کہ کتنی ہلاک کر دیں ہم نے اُن سے پہلے اُمتیں جن کو جما دیا تھا ہم نے ملک میں اتنا کہ جتنا تم کو نہیں جمایا اور چھوڑ دیا ہم نے

السَّمَآءَ عَلَیْھِمْ مِّدْرَارًا ۪ وَّجَعَلْنَا الْاَنْھٰرَ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِھِمْ فَاَھْلَکْنٰھُمْ بِذُنُوْبِھِمْ وَاَنْشَاْنَا

اُن پر آسمان کو لگاتار برستا ہوا اور بنا دیں ہم نے نہریں بہتی ہوئی اُن کے نیچے پھر ہلاک کیا ہم نے اُنکو اُنکے گناہوں پر اور پیدا کیا ہم نے

مِنْۢ بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِيْنَ ﴿۶﴾ وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ كِتٰبًا فِيْ قِرْطَاسٍ فَلَمَسُوْهُ بِاَيْدِيْهِمْ لَقَالَ

اُن کے بعد اور اُمتوں کو ف۸ اور اگر اتاریں ہم تجھ پر لکھا ہوا کاغذ میں پھر چھو لیویں وہ اُس کو اپنے ہاتھوں سے البتہ کہیں

الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۷﴾ وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ مَلَكٌ ۭ وَلَوْ اَنْزَلْنَا مَلَكًا

گے کافر یہ نہیں ہے مگر صریح جادو ف۹ اور کہتے ہیں کیوں نہیں اُترا اُس پر کوئی فرشتہ ف۱۰ اور اگر ہم اُتاریں فرشتہ

لَّقُضِيَ الْاَمْرُ ثُمَّ لَا يُنْظَرُوْنَ ﴿۸﴾ وَلَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا وَّلَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ مَّا

تو طے ہو جاوے قصہ پھر اُن کو مہلت بھی نہ ملے ف۱۱ اور اگر ہم رسول بنا کر بھیجتے کسی فرشتہ کو تو وہ بھی آدمی ہی کی صورت میں ہوتا اور اُن کو اُسی شبہ میں ڈالتے جس میں

يَلْبِسُوْنَ ﴿۹﴾ وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِيْنَ سَخِرُوْا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ

اب پڑ رہے ہیں ف۱۲ اور بلاشبہ ہنسی کرتے رہے ہیں رسولوں سے تجھ سے پہلے پھر گھیر لیا اُن سے ہنسی کرنے والوں کو اُس چیز نے کہ جس پر

يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۱۰﴾ قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ ثُمَّ انْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۱۱﴾ قُلْ لِّمَنْ ع ۱ ۷

ہنسا کرتے تھے ف۱۳ تو کہہ دے کہ سیر کرو ملک میں پھر دیکھو کیا انجام ہوا جھٹلانے والوں کا ف۱۴ پوچھ کہ کس کا ہے

مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ قُلْ لِّلّٰهِ ۭ كَتَبَ عَلٰي نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ۭ لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰي يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا

جو کچھ کہ ہے آسمانوں اور زمین میں کہہ دے اللہ کا ہے اُس نے لکھی ہے اپنے ذمہ مہربانی البتہ تم کو اکٹھا کر دیگا قیامت کے دن تک کہ

رَيْبَ فِيْهِ ۭ اَلَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۲﴾

اُس میں کچھ شک نہیں جو لوگ نقصان میں ڈال چکے اپنی جانوں کو وہی ایمان نہیں لاتے ف۱۵

(۸) **عاد و ثمود کی ہلاکت** یعنی عاد و ثمود وغیرہ جن کو تم سے بڑھ کر طاقت اور سامان دیا گیا تھا۔ بارشوں اور نہروں کی وجہ سے اُن کے باغ اور کھیت شاداب تھے، عیش و خوشحالی کا دور دورہ تھا۔ جب اُنہوں نے بغاوت و تکذیب پر کمر باندھی اور نشانہائے قدرت کی ہنسی اڑانے لگے، تو ہم نے اُن کے جرموں کی پاداش میں ایسا پکڑا کہ نام و نشان بھی باقی نہ چھوڑا پھر اُن کے بعد دوسری اُمتیں پیدا کیں اور منکرین و مکذبین کے ساتھ یہ ہی سلسلہ جاری رہا کیا۔ مجرمین تباہ ہوتے رہے اور دنیا کی آبادی میں کچھ خلل نہیں پڑا۔

(۹) **مشرکین مکہ کے قرآن پر شبہات** بعض مشرکین مکہ نے کہا تھا کہ اگر آپ آسمان سے ایک لکھی لکھائی کتاب لے آئیں اور اُس کے ساتھ چار فرشتے بھی ہوں جو ہمارے سامنے ہو کر گواہی دیں کہ بیشک یہ کتاب خدا کی بھیجی ہوئی ہے۔ تو ہم ایمان لے آئیں گے اُس کا جواب دیا کہ جو لوگ بحالت موجودہ قرآن کو جادو اور اس کے لانے والے کو جادوگر بتلاتے ہیں اگر واقعی ہم ان پر کاغذ میں لکھی ہوئی کتاب بھی آسمان سے اُتار دیں جسے یہ ہاتھوں سے چھو کر معلوم کر لیں کہ کوئی تخییل یا نظر بندی نہیں ہے۔ تب بھی یہ ہی کہیں گے کہ یہ تو صریح جادو ہے جس بدبخت کے حصہ میں ہدایت نہیں ہوتی اُس کا شبہ کبھی نہیں مٹتا۔

(۱۰) **فرشتہ نہ بھیجنے کا مطالبہ** یعنی جو ہمارے روبرو ہو کر ان کے صدق کی گواہی دیتا۔

(۱۱) **مشرکین کے مطالبوں کو پورا نہ کرنے کی حکمت** اگر فرشتہ اپنی اصلی صورت میں آئے تو یہ لوگ ایک منٹ کے

لئے بھی اس کا تحمل نہ کر سکیں اُس کے رُعب و ہیبت سے دم نکل جائے۔ یہ صرف انبیاء علیہم السلام ہی کا ظرف ہوتا ہے جو اصلی صورت میں فرشتہ کی رویت کا تحمل کر سکتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عمر بھر میں دو مرتبہ حضرت جبرئیلؑ کو اپنی اصلی صورت میں دیکھا ہے۔ اور کسی نبی کی نسبت ایک مرتبہ بھی ثابت نہیں۔ دوسرے اگر ان لوگوں کی ایسی عظیم الشان خارق عادت فرمائش پوری کر دی جائے اور اُس پر بھی نہ مانے جیسا کہ اُن کے معاندانہ احوال و اطوار سے ظاہر ہے تو سنتہ اللہ کے موافق پھر قطعاً مہلت نہ دی جائے گی اور ایسا عذاب آئیگا جو فرمائش کرنے والوں کو بالکل نیست و نابود کر دیگا۔ اس لحاظ سے اس طرح کی فرمائشوں کا پورا نہ کرنا بھی عین رحمت سمجھنا چاہیئے۔

(۱۲) چونکہ فرشتہ کو اصلی صورت میں بھیجنے کی نفی تو پہلی آیت میں ہو چکی اب دوسرے احتمال کا جواب دیتے ہیں وہ یہ کہ فرشتہ آدمی کی صورت میں بھیجا جائے، کیونکہ اسی صورت میں مجانست صُوری کی بناء پر لوگ اُس کے نمونہ اور تعلیم سے منتفع ہو سکتے ہیں لیکن اس تقدیر پر منکرین کے شبہات کا ازالہ نہیں ہو سکتا۔ جو شکوک و شبہات رسول کے بشر ہونے پر کرتے تھے وہ ملک کے بصورت بشر آنے پر بھی بدستور کرتے رہیں گے۔

(۱۳) **آنحضرت ﷺ کو تسلی** معاندین کی فرمائشوں کا جواب دینے کے بعد حضور کی تسلی کی جاتی ہے کہ آپ اُن کے استہزاء اور تمسخر سے دلگیر نہ ہوں یہ کوئی نئی بات نہیں۔ انبیائے سابقین کو بھی ان ہی حالات سے دوچار ہونا پڑا ہے۔ پھر جو اُن کے مکذبین اور دشمنوں کا حشر ہوا سب کے سامنے ہے۔ ان کو بھی خدا اُسی طرح سزا دے سکتا ہے جو اگلے مجرموں کو دی گئی۔

(۱۴) **سیاحت کا مقصد** یعنی ملک کی سیر و سیاحت اور تباہ شدہ اقوام کے آثار کا ملاحظہ کرنے کے بعد کے اگر نظر عبرت سے واقعات ماضیہ کو دیکھو گے تو انبیاء کی تکذیب کرنے والی قوموں کا جو انجام دنیا میں ہوا وہ صاف نظر آ جائیگا اُسی سے قیاس کر لو کہ جب تکذیب کرنیوالوں کا یہ حشر ہوا تو استہزاء کرنیوالوں کا کیا حشر ہوگا۔

(۱۵) **قیامت برحق ہے** جب تمام آسمان و زمین میں اُسی خدا کی حکومت ہے جیسا کہ مشرکین کو بھی اقرار تھا تو مکذبین و مستہزئین کو فوری سزا سے کہاں پناہ مل سکتی ہے؟ یہ صرف اُس کی رحمت عامہ ہے کہ جرائم کو دیکھ کر فوراً سزا جاری نہیں کرتا اور قیامت کے دن بھی، جو بلاشبہ آنے والا ہے محض اُن ہی بدبختوں کو بے ایمانی کی سزا دیگا جو باختیار خود جان بوجھ کر اپنے کو نقصان و ہلاکت کے گڑھے میں ڈال چکے ہیں۔

وَلَهٗ مَا سَكَنَ فِي الَّيْلِ وَالنَّهَارِ ۭ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۱۳﴾ قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَتَّخِذُ وَلِيًّا فَاطِرِ

اور اللہ ہی کا ہے جو کچھ کہ آرام پکڑتا ہے رات میں اور دن میں اور وہی ہے سب کچھ سننے والا جاننے والا تو کہہ دے کیا اور کسی کو بناؤں اپنا مددگار اللہ کے سوا جو بنانیوالا

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ يُطْعِمُ وَلَا يُطْعَمُ ۭ قُلْ اِنِّىْٓ اُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَسْلَمَ وَلَا تَكُوْنَنَّ

ہے آسمانوں اور زمین کا ف۱۶ اور وہ سب کو کھلاتا ہے اور اسکو کوئی نہیں کھلاتا ف۱۷ کہہ دے مجھ کو حکم ہوا ہے کہ سب سے پہلے حکم مانوں ف۱۸ اور تو ہرگز نہ ہو

مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۴﴾ قُلْ اِنِّىْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۵﴾ مَنْ يُّصْرَفْ

شرک والا تو کہہ میں ڈرتا ہوں اگر نافرمانی کروں اپنے رب کی ایک بڑے دن کے عذاب سے ف۱۹ جس پر سے ٹل گیا وہ

عَنْهُ يَوْمَىِٕذٍ فَقَدْ رَحِمَهٗ ۭ وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْمُبِيْنُ ﴿۱۶﴾

عذاب اُس دن تو اُس پر رحم کر دیا اللہ نے اور یہی ہے بڑی کامیابی ف۲۰

(۱۶) **اللہ کے سوا کوئی مددگار نہیں** قل لمن مافی السمٰوٰت والارض میں مکان کی تعمیم تھی لہ ماسکن فی اللیل والنہار میں زمانہ کے اعتبار سے تعمیم ہے یعنی ہر جگہ اور ہر وقت اسی کی حکومت اور قبضہ و اقتدار ہے۔ ہر وہ چیز جو رات میں یا دن میں آرام سے زندگی بسر کرتی اور کتنے معلوم و نامعلوم دشمنوں سے مامون و محفوظ رہتی ہے۔ یہ اُسی کی رحمت کاملہ کے آثار میں سے ہے قل من یکلؤکم باللیل والنہار من الرحمٰن (انبیاء) وہ ہی ہے جو دن کے شور و غل اور رات کے اندھیرے اور سناٹے میں ہر ایک کی پکار سُنتا اور سب کی حوائج و ضروریات کو بخوبی جانتا ہے۔ پھر تم ہی بتاؤ کہ ایسے پروردگار کو چھوڑ کر کسی اور سے مدد طلب کرنا کہاں تک موزوں ہوگا۔

(۱۷) کھلانا اشارہ ہے سامان بقاء کی طرف۔ یعنی ایجاد و ابقاء دونوں میں اُسی کے سب محتاج ہیں اُس کو کسی ادنیٰ سے ادنیٰ چیز میں بھی ہماری احتیاج نہیں پھر اُس سے علیحدہ ہو کر کسی کو مددگار بنانا انتہائی حماقت نہیں تو اور کیا ہے۔

(۱۸) **آنحضرتؐ کو اطاعت کا حکم** ایسے پروردگار کے احکام کے سامنے جس کی صفات اوپر مذکور ہوئیں ضروری ہے کہ سب بندے بلا شرکت غیرے گردن ڈال دیں اور سب سے پہلے اُس اکمل ترین بندہ کو انتہائی انقیاد و تسلیم کا حکم ہے جو تمام دنیا کے لئے نمونہ طاعت و عبودیت بنا کر بھیجا گیا تھا صلی اللہ علیہ وسلم۔

(۱۹) یہ آپ پر رکھ کر اوروں کو سنایا گیا ہے یعنی بفرض محال اگر خدا کے معصوم و برگزیدہ ترین بندے سے بھی کسی طرح کا عصیان سرزد ہو تو عذاب الٰہی کا اندیشہ ہوتا ہے پھر کسی دوسرے کو کب لائق ہے کہ باوجود شرک و کفر اور تکذیب انبیاء وغیرہ ہزاروں طرح کے جرائم میں مبتلا ہونے کے عذاب الٰہی سے بے فکر اور مامون ہو کر بیٹھ رہیں۔

(۲۰) **اللہ کے عذاب سے مامون ہونا ہی اصل کامیابی ہے** جنت اور رضائے الٰہی کے اعلیٰ مدارج کا حاصل کرنا تو بہت اونچا مقام ہے۔ اگر آدمی سے قیامت کے دن کا عذاب ٹل جائے تو یہ ہی بہت بڑی کامیابی سمجھو۔ کما قال عمر رضی اللہ عنہ کفافاً لا لی ولا علیّ۔

وَاِنْ یَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗۤ اِلَّا هُوَ ؕ وَاِنْ یَّمْسَسْكَ بِخَیْرٍ فَهُوَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ

اور اگر پہنچاوے تجھ کو اللہ سختی تو کوئی اُسکو دور کرنیوالا نہیں سوا اُسکے اور اگر تجھ کو پہنچاوے بھلائی تو وہ ہر چیز پر قادر

قَدِیْرٌ ﴿۱۷﴾ وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ ؕ وَهُوَ الْحَكِیْمُ الْخَبِیْرُ ﴿۱۸﴾ قُلْ اَیُّ شَیْءٍ اَكْبَرُ شَهَادَةً ؕ قُلِ

ہے اور اسی کا زور ہے اپنے بندوں پر اور وہی ہے بڑی حکمت والا سب کی خبر رکھنے والا ف۲۱ تو پوچھ سب سے بڑا گواہ کون ہے کہہ

اللّٰهُ ۙ۫ شَهِیْدٌۢ بَیْنِیْ وَ بَیْنَكُمْ ۫ وَاُوْحِیَ اِلَیَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَ مَنْۢ بَلَغَ ؕ اَىِٕنَّكُمْ

دے اللہ گواہ ہے میرے اور تمہارے درمیان ف۲۲ اور اترا ہے مجھ پر یہ قرآن تاکہ تم کو اُس سے خبردار کردوں اور جس کو یہ پہنچے کیا تم

لَتَشْهَدُوْنَ اَنَّ مَعَ اللّٰهِ اٰلِهَةً اُخْرٰی ؕ قُلْ لَّاۤ اَشْهَدُ ۚ قُلْ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّاِنَّنِیْ

گواہی دیتے ہو کہ اللہ کے ساتھ معبود اور بھی ہیں تو کہہ دے میں تو گواہی نہ دونگا کہہ دے وہی ہے معبود ایک اور میں

بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ﴿۱۹﴾

بیزار ہوں تمہارے شرک سے ف۲۳

(۲۱) **نفع ونقصان اللہ کے ہاتھ میں ہے** دنیا یا آخرت میں جو تکلیف یا راحت خدا کسی کو پہنچانا چاہے، نہ کوئی مقابلہ کر کے روک سکتا ہے اور نہ اُس کے غلبہ و اقتدار کے نیچے سے نکل کر بھاگ سکتا ہے۔ وہ ہی پوری طرح خبردار ہے کہ کس بندے کے کیا حالات ہیں اور ان حالات کے مناسب کس قسم کی کارروائی قرین حکمت ہوگی۔

(۲۲) جب یہ فرمایا کہ خدا ہی سب نفع و ضرر کا مالک، تمام بندوں پر غالب و قاہر اور رتی رتی سے خبردار ہے تو اس کی شہادت سے زبردست اور بے لوث شہادت کس کی ہوسکتی ہے۔ پس میں بھی اپنے تمہارے درمیان اُسی کو گواہ ٹھہراتا ہوں۔ کیونکہ میں نے دعویٰ رسالت کر کے جو کچھ اُس کے پیغامات تم کو پہنچائے اور جو کچھ تم نے اُس کے جواب میں میرے ساتھ اور خود پیغام ربانی کے ساتھ برتاؤ کیا وہ سب اُس کی آنکھ کے سامنے ہے وہ خود اپنے علم محیط کے موافق میرا اور تمہارا فیصلہ کر دے گا۔

(۲۳) **انحضرتؐ کا شرک سے براءت کا اعلان** یعنی اگر سمجھو تو میرے صدق پر خدا کی یقینی اور کھلی ہوئی شہادت یہ قرآن موجود ہے جو اپنے کلام الٰہی ہونے پر خود ہی اپنی دلیل ہے ع آفتاب آمد دلیل آفتاب۔ میرا کام یہ ہے کہ تم کو اور ہر اُس شخص کو جسے یہ کلام پہنچے خدائی پیغام سے خبردار کر دوں جس میں توحید و معاد وغیرہ تمام اصول دین کی ہدایت کی گئی ہے کیا اس قدر اتمام حجت ہو چکنے اور ایسا قطعی اور صریح پیغام توحید سُننے کے بعد بھی تم یہ ہی کہتے رہو گے کہ خدا کے سوا اور بھی معبود ہیں۔ تم کو اختیار ہے جو چاہو کہو۔ میں تو کبھی ایسا حرف زبان پر نہیں لاسکتا بلکہ صاف صاف اعلان کرتا ہوں کہ لائق عبادت صرف وہ ہی ایک خدا ہے۔ باقی جو کچھ تم شرک کرتے ہو میں اُس سے قطعاً بیزاری اور نفرت کا اظہار کرتا ہوں۔ (تنبیہ) "ومن بلغ" نے بتلا دیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت تمام جن و انس اور مشرق و مغرب کے لئے ہے۔

وقف لازم

اَلَّذِیۡنَ اٰتَیۡنٰہُمُ الۡکِتٰبَ یَعۡرِفُوۡنَہٗ کَمَا یَعۡرِفُوۡنَ اَبۡنَآءَہُمۡ ۘ اَلَّذِیۡنَ خَسِرُوۡۤا اَنۡفُسَہُمۡ فَہُمۡ لَا

جن کو ہم نے دی ہے کتاب وہ پہچانتے ہیں اُسکو جیسے پہچانتے ہیں اپنے بیٹوں کو جو لوگ نقصان میں ڈال چکے اپنی جانوں کو وہی ایمان

یُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۲۰﴾ وَ مَنۡ اَظۡلَمُ مِمَّنِ افۡتَرٰی عَلَی اللّٰہِ کَذِبًا اَوۡ کَذَّبَ بِاٰیٰتِہٖ ؕ اِنَّہٗ لَا یُفۡلِحُ

نہیں لاتے ف۲۴ اور اس سے زیادہ ظالم کون جو بہتان باندھے اللہ پر یا جھٹلا دے اُسکی آیتوں کو بلاشک بھلائی نصیب نہیں ہوتی

ع ۲ ۸

الظّٰلِمُوۡنَ ﴿۲۱﴾ وَ یَوۡمَ نَحۡشُرُہُمۡ جَمِیۡعًا ثُمَّ نَقُوۡلُ لِلَّذِیۡنَ اَشۡرَکُوۡۤا اَیۡنَ شُرَکَآؤُکُمُ الَّذِیۡنَ

ظالموں کو ف۲۵ اور جس دن ہم جمع کرینگے اُن سب کو پھر کہیں گے اُن لوگوں کو جنہوں نے شرک کیا تھا کہاں ہیں شریک تمہارے جن کا

کُنۡتُمۡ تَزۡعُمُوۡنَ ﴿۲۲﴾ ثُمَّ لَمۡ تَکُنۡ فِتۡنَتُہُمۡ اِلَّاۤ اَنۡ قَالُوۡا وَ اللّٰہِ رَبِّنَا مَا کُنَّا مُشۡرِکِیۡنَ ﴿۲۳﴾ اُنۡظُرۡ

تم کو دعویٰ تھا ف۲۶ پھر نہ رہیگا اُنکے پاس کوئی فریب مگر یہی کہ کہیں گے قسم ہے اللہ کی جو ہمارا رب ہے ہم نہ تھے شرک کرنیوالے ف۲۷ دیکھو تو

کَیۡفَ کَذَبُوۡا عَلٰۤی اَنۡفُسِہِمۡ وَ ضَلَّ عَنۡہُمۡ مَّا کَانُوۡا یَفۡتَرُوۡنَ ﴿۲۴﴾

کیسا جھوٹ بولے اپنے اوپر اور کھوئی گئیں اُن سے وہ باتیں جو بنایا کرتے تھے ف۲۸

(۲۴) **اہل کتاب کو آنحضرتؐ کی نبوت کا یقین** یعنی اس کے علاوہ کہ میری صداقت کا خدا گواہ ہے اور قرآن کریم اُس کی ناطق اور ناقابل تردید شہادت دے رہا ہے وہ اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) بھی جن کی طرف کتب سماویہ کا عالم سمجھ کر تم میرے معاملہ میں رجوع کرتے ہو، اپنے دلوں میں پورا یقین رکھتے ہیں کہ بلاشبہ میں وہ ہی "نبی آخر الزماں" ہوں جس کی بشارت انبیائے

سابقین دیتے چلے آئے ہیں۔ اُن کو جس طرح بہت سے بچوں میں سے اپنی اولاد کے شناخت کرنے میں کوئی دقت نہیں ہوتی ایسے ہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کریم کی صداقت کے معلوم کرنے میں بھی کوئی شبہ اور دھوکہ نہیں ہے۔ البتہ حسد، کبر، تقلید آباء اور حُبِ جاہ و مال وغیرہ اجازت نہیں دیتے کہ مشرف بایمان ہو کر اپنی جانوں کو نقصان دائمی اور ہلاکت ابدی سے بچائیں

(۲۵) **آخرت میں مشرکین کی حالت** یعنی نبی نہ ہو اور خدا پر افتراء کر کے دعویٰ نبوت کر بیٹھے یا سچے نبی سے جس کی صداقت کے دلائل واضحہ موجود ہوں، خدائی پیام سُن کر تکذیب پر کمر بستہ ہو جائے، ان دونوں سے بڑھ کر ظالم کوئی نہیں ہو سکتا۔ اور سنتہ اللہ یہ ہے کہ ظالم کو انجام کار کامیابی اور بھلائی نصیب نہیں ہوتی۔ پس اگر فرض کرو۔ معاذ اللہ میں مفتری ہوں تو ہرگز کامیاب نہ ہونگا اور تم مکذب ہو جیسا کہ دلائل سے ظاہر ہے تو تمہاری خیریت نہیں۔ لہٰذا حالات میں غور کر کے اور انجام سوچ کر عاقبت کی فکر کرو۔ اور اس دن سے ڈرو جس کا ذکر آگے آتا ہے۔ ابن کثیرؒ نے آیت کے یہ ہی معنی لئے ہیں اور بعض مفسرین نے "افتراء علی اللہ" سے مشرکین کا شرک مراد لیا جیسا کہ آگے "وضل عنھم ما کانوا یفترون" میں اشارہ ہے۔ واللہ اعلم۔

(۲۶) یعنی جن کی نسبت تم کو دعویٰ تھا کہ وہ خدائی کے حصہ دار اور شدائد میں تمہارے شفیع و مددگار ہیں، آج ایسی سختی اور مصیبت کے وقت کہاں چلے گئے کہ تمہارے کچھ بھی کام نہیں آتے۔

(۲۷) یعنی بجز انکار واقعات کے کچھ کرتے دھرتے نہ بن پڑیگی۔ باطل معبودین کی جس عقیدت و محبت میں مفتوں ہو رہے تھے۔ اُس کی حقیقت صرف اتنی رہ جائے گی کہ ساری عمر کے عقیدے اور تعلق سے بھی انکار کر بیٹھیں گے۔

(۲۸) یعنی اس صریح جھوٹ سے مشرکین کی انتہائی بدحواسی اور شرکاء کی غایت بے چارگی اور درماندگی کا اظہار ہو گا۔ کاش مشرکین اس رسوا کن انجام کو دنیا ہی میں سمجھ لیں۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ وَجَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا وَاِنْ

اور بعضے اُن میں کان لگائے رہتے ہیں تیری طرف اور ہم نے اُن کے دلوں پر ڈال رکھے ہیں پردے تاکہ اس کو نہ سمجھیں اور رکھ دیا اُنکے کانوں میں بوجھ اور اگر

يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا حَتّٰٓى اِذَا جَآءُوْكَ يُجَادِلُوْنَكَ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ

دیکھ لیں تمام نشانیاں تو بھی ایمان نہ لاویں اُن پر ف۲۹ یہاں تک کہ جب آتے ہیں تیرے پاس تجھ سے جھگڑنے کو تو کہتے ہیں وہ کافر نہیں ہے یہ

اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۲۵﴾ وَهُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ وَيَنْــَٔوْنَ عَنْهُ ۚ وَاِنْ يُّهْلِكُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا

مگر کہانیاں پہلے لوگوں کی اور یہ لوگ روکتے ہیں اس سے اور بھاگتے ہیں اس سے اور نہیں ہلاک کرتے مگر اپنے آپ کو اور نہیں

يَشْعُرُوْنَ ﴿۲۶﴾ وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ وُقِفُوْا عَلَى النَّارِ فَقَالُوْا يٰلَيْتَنَا نُرَدُّ وَلَا نُكَذِّبَ بِاٰيٰتِ رَبِّنَا وَ

سمجھتے ف۳۰ اور اگر تو دیکھے جس وقت کہ کھڑے کئے جاوینگے وہ دوزخ پر پس کہیں گے اے کاش ہم پھر بھیجدئے جاویں اور ہم نہ جھٹلائیں اپنے رب کی آیتوں کو اور

نَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۲۷﴾ بَلْ بَدَا لَهُمْ مَّا كَانُوْا يُخْفُوْنَ مِنْ قَبْلُ ۖ وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ

ہو جاویں ہم ایمان والوں میں ف۳۱ کوئی نہیں بلکہ ظاہر ہو گیا جو چھپاتے تھے پہلے ف۳۲ اور اگر پھر بھیجے جاویں تو پھر بھی وہی کام کریں جس سے منع کئے

وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۲۸﴾

گئے تھے اور وہ بیشک جھوٹے ہیں ف۳۳

(۲۹) **معترفین کی ہدایت سے محرومی** یہ اُن لوگوں کا ذکر ہے جو بغرض اعتراض و عیب جوئی قرآن کریم اور حضور کی باتوں کی طرف کان لگاتے تھے۔ ہدایت سے منتفع ہونا اور حق کو قبول کرنا مقصود نہ تھا۔ نصیحت و ہدایت سے ممتد اعراض اور کانشنس کی مسلسل تعطیل کا قدرتی نتیجہ یہ ہوا کہ قبول حق کے وسائل و قویٰ انجام کار ماؤف ہو کر رہ گئے۔ حق کے سمجھنے سے اُن کے دل محروم کر دیے گئے۔ پیغامِ ہدایت کا سُننا کانوں کو بھاری معلوم ہوتے لگا آنکھیں نظرِ عبرت سے ایسی خالی ہو گئیں کہ ہر قسم کے نشانات دیکھ کر بھی ایمان لانے کی توفیق نہیں ہوتی۔ اور لطف یہ ہے کہ اس حالت موت پر قانع و مسرور بھی ہیں۔ بلکہ فخر کے لہجہ میں اس کا اعلان کرتے ہیں۔ سورۂ حٰمٓ السجدہ میں ہے "فَاَعْرَضَ اَکْثَرُھُمْ فَھُمْ لَا یَسْمَعُوْنَ وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا فِیْٓ اَکِنَّۃٍ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَیْہِ وَفِیْٓ اٰذَانِنَا وَقْرٌ وَّمِنْۢ بَیْنِنَا وَبَیْنِکَ حِجَابٌ فَاعْمَلْ اِنَّنَا عٰمِلُوْنَ" اس آیت سے معلوم ہوا کہ سماع آیات سے منتفع نہ ہونا اور دلوں پر پردہ پڑ جانا خود اُن کے اعراض کا نتیجہ تھا اور یہ اعراض ہی اس کیفیت کے حدوث کا سبب ہوا ہے۔ وَاِذَا تُتْلٰی عَلَیْہِ اٰیٰتُنَا وَلّٰی مُسْتَکْبِرًا کَاَنْ لَّمْ یَسْمَعْھَا کَاَنَّ فِیْٓ اُذُنَیْہِ وَقْرًا (لقمان) اسباب پر مسببات کا مرتب کرنا چونکہ خالق جلّ علا کے سوا کسی کا کام نہیں ہو سکتا اسی لئے آیت حاضرہ "وَجَعَلْنَا عَلٰی قُلُوْبِھِمْ اَکِنَّۃً" میں پردے وغیرہ ڈالنے کی نسبت حق تعالیٰ کی طرف کر دی گئی۔

(۳۰) **مشرکین ناسمجھ ہیں** یعنی ان میں نہ فہم رہا ہے نہ انصاف۔ ایمان لانا اور ہدایت ربانی سے منتفع ہونا تو کجا، ان کی غرض تو حضور کی خدمت میں آنے سے صرف مجادلہ (جھگڑنا) اور پھبتیاں اڑانا ہے۔ چنانچہ قرآنی حقایق و بیانات کو معاذ اللہ اساطیر الاولین کہتے ہیں۔ پھر اس تکذیب اور جدل و تمسخر پر اکتفاء نہیں کوشش یہ ہے کہ دوسروں کی طرف بھی اپنی بیماری کا تعدیہ کریں چنانچہ لوگوں کو حق سے روکتے ہیں اور خود بھی اُس سے دور بھاگتے ہیں تاکہ انہیں دیکھ کر دوسرے قبول حق سے نفور و بیزار ہو جائیں مگر ان تمام ناپاک کوششوں سے نہ بحمد اللہ دین حق کو کوئی نقصان پہنچ سکتا ہے وہ تو غالب ہو کر رہے گا اور نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو، کہ اُن کی عصمت و رفعت کا تکفل حق تعالیٰ فرما چکا ہے۔ ہاں یہ احمق خود اپنے لئے ہلاکت ابدی کا سامان فراہم کر رہے ہیں۔ اور سمجھتے بھی نہیں کہ ہم اپنے ہاتھ سے خود اپنے پاؤں پر کلہاڑی مار رہے ہیں۔

(۳۱) **آخرت میں مشرکین کا افسوس و ندامت** یعنی آیات اللہ کی تکذیب و استہزاء وغیرہ ساری فوں فاں اُس وقت تک ہے جب تک خدائی سزا کا ہولناک و ہوشربا منظر سامنے نہیں۔ جس وقت دوزخ کی ذراسی ہوا بھی لگ جائے گی تو ساری شیخی کرکری ہو جائیگی اور ہزار تمنا یہ درخواست کرینگے کہ ہم کو دنیا میں دوبارہ بھیج دیا جائے۔ تاکہ آئندہ کبھی اپنے رب کی آیتوں کو نہ جھٹلائیں اور پکے ایماندار بن کر رہیں۔ "اَلْاٰنَ وَقَدْ نَدِمْتَ وَمَا یَنْفَعُ النَّدَمُ"۔

(۳۲) یعنی اب بھی دنیا میں واپس جانے کی تمنا عزم صحیح اور ایمانی رغبت و شوق سے نہیں بلکہ جب مجازاۃ و مکافات عمل کا وہ منظر سامنے آگیا جسے باوجود وضوح ادلّہ انکار کے پردہ میں چھپایا کرتے تھے، عذاب الٰہی کو آنکھوں سے دیکھ لیا، تمام اعمال شنیعہ کا جو چھپ چھپ کر کئے جاتے تھے راز فاش ہو گیا، ابھی ابھی جو "وَاللّٰہِ رَبِّنَا مَا کُنَّا مُشْرِکِیْنَ" کہہ چکے تھے اس جھوٹ کی بھی قلعی کھل گئی، غرضیکہ بدی کے جو اثرات مخفی اور غیر مرئی طور پر اندر ہی اندر ان نالائقوں کے دلوں میں پرورش پا رہے تھے وہ دردناک عذاب کی صورت میں ممثل ہو کر سامنے آگئے، تو محض جان بچانے کے لئے دوبارہ دنیا میں واپس کئے جانے کی تمنا کرنے لگے۔

(۳۳) **مشرکین جھوٹے ہیں** یعنی اب بھی جھوٹ کہتے ہیں کہ ہم دنیا میں واپس ہو کر پکے ایماندار بن جائیں گے اور ہرگز آیات

اللہ کی تکذیب نہ کریں گے یہ اشقیاء اگر دنیا میں واپس کر دیے جائیں تو بدی اور شرارت کی جو قوتیں ان میں رکھی ہیں پھر انہی کو کام میں لائیں گے اور جس مصیبت سے گھبرا کر واپس جانے کی تمنا کر رہے ہیں اسی خواب و خیال کی طرح فراموش کر دیں گے۔ جیسا کہ بسا اوقات دنیوی مصائب و مہالک میں پھنس کر آدمی انابت و توبہ اختیار کر لیتا ہے پھر جہاں چند روز گذرے کچھ بھی یاد نہیں رکھتا کہ اس وقت کیا عہد و پیمان کئے تھے۔ کان لم یدعنا الی ضر مسہ۔

وَقَالُوْٓا اِنْ هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ ﴿۲۹﴾ وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ وُقِفُوْا عَلٰى

اور کہتے ہیں ہمارے لئے زندگی نہیں مگر یہی دنیا کی اور ہم کو پھر نہیں زندہ ہونا ف ۳۴ اور کاش کہ تو دیکھے جس وقت وہ کھڑے کئے جاویں گے اپنے

رَبِّهِمْ ؕ قَالَ اَلَيْسَ هٰذَا بِالْحَقِّ ؕ قَالُوْا بَلٰى وَرَبِّنَا ؕ قَالَ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿۳۰﴾

رب کے سامنے فرمائیگا کیا یہ سچ نہیں کہیں گے کیوں نہیں قسم ہے اپنے رب کی فرمائیگا تو چکھو عذاب بدلے میں اپنے کفر کے ف ۳۵

قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَآءِ اللّٰهِ ؕ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَتْهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً قَالُوْا يٰحَسْرَتَنَا عَلٰى مَا

تباہ ہوئے وہ لوگ جنہوں نے جھوٹ جانا ملنا اللہ کا یہاں تک کہ جب آ پہنچے گی ان پر قیامت اچانک تو کہیں گے اے افسوس کیسی کوتاہی

فَرَّطْنَا فِيْهَا ۙ وَهُمْ يَحْمِلُوْنَ اَوْزَارَهُمْ عَلٰى ظُهُوْرِهِمْ ؕ اَلَا سَآءَ مَا يَزِرُوْنَ ﴿۳۱﴾ وَمَا الْحَيٰوةُ

ہم نے اس میں کی اور وہ اٹھاویں گے اپنے بوجھ اپنی پیٹھوں پر خبردار ہو جاؤ کہ برا بوجھ ہے جسکو وہ اٹھاویں گے ف ۳۶ اور نہیں ہے زندگانی

الدُّنْيَآ اِلَّا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ ؕ وَلَلدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۳۲﴾ قَدْ نَعْلَمُ

دنیا کی مگر کھیل اور جی بہلانا اور آخرت کا گھر بہتر ہے پرہیزگاروں کے لئے کیا تم نہیں سمجھتے ف ۳۷ ہم کو معلوم ہے

اِنَّهٗ لَيَحْزُنُكَ الَّذِيْ يَقُوْلُوْنَ فَاِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُوْنَكَ وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ﴿۳۳﴾

کہ تجھ کو غم میں ڈالتی ہیں ان کی باتیں سو وہ تجھ کو نہیں جھٹلاتے لیکن یہ ظالم تو اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں

(۳۴) یعنی خوب مزے اڑا لو۔ دنیوی عیش کو خواہ مخواہ فکر آخرت سے منغص[ع] مت کرو۔ یہ ہی حال آج کل یورپ کے مادہ پرستوں کا ہے۔

(۳۵) یعنی جب حقیقت آنکھوں کے سامنے آجائے گی اور "بعث بعد الموت" وغیرہ کے اقرار سے چارہ نہ رہیگا، تب کہا جائیگا کہ انکار حقیقت اور "کفر بالمعاد" کا مزہ چکھو۔

(۳۶) انسان کی بڑی شقاوت اور بدبختی یہ ہے کہ "لقاء اللہ" سے انکار کرے اور زندگی کے اس بلند ترین مقصد کو جھوٹ سمجھے۔ یہاں تک کہ جب موت یا قیامت سر پر آ کھڑی ہو تب بے فائدہ کف افسوس ملتا رہ جائے کہ ہائے میں نے اپنی دنیوی زندگی میں یا یوم قیامت کے لئے تیاری کرنے میں کیسی ناقابل تلافی کوتاہی کی اس وقت اس افسوس و حسرت سے کچھ نہ ہو گا۔ جرموں اور شرارتوں کے بار گراں کو جس سے اس کی پشت خمیدہ ہو گی، یہ ناوقت کا تاسف و تحسر ذرا بھی ہلکا نہ کر سکیگا۔

(۳۷) کفار تو یہ کہتے تھے کہ دنیوی زندگی کے سوا کوئی زندگی ہی نہیں، لیکن واقعہ یہ ہے کہ یہ فانی اور مکدر زندگانی حیات اخروی کے مقابلہ میں محض ہیچ اور بے حقیقت ہے۔ یہاں کی زندگی کے صرف ان ہی لمحات کو زندگی کہا جا سکتا ہے جو آخرت کی درستی

ع مکدر۔ رنجیدہ ۱۲۔

میں خرچ کئے جائیں بقیہ تمام اوقات جو آخرت کی فکر و تیاری سے خالی ہوں ایک عاقبت اندیش کے نزدیک لہو و لعب سے زائد وقعت نہیں رکھتے۔ پرہیزگار اور سمجھدار لوگ جانتے ہیں کہ ان کا اصلی گھر آخرت کا گھر اور ان کی حقیقی زندگی آخرت کی زندگی ہے۔

وَلَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ فَصَبَرُوا عَلٰى مَا كُذِّبُوا وَأُوذُوا حَتّٰى أَتٰهُمْ نَصْرُنَا ۚ وَلَا

اور جھٹلائے گئے ہیں بہت سے رسول تجھ سے پہلے پس صبر کرتے رہے جھٹلانے پر اور ایذا پر یہاں تک کہ پہنچی اُن کو مدد ہماری اور کوئی

النصف

مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ۚ وَلَقَدْ جَآءَكَ مِنْ نَّبَإِ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۳۴﴾ وَإِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكَ إِعْرَاضُهُمْ فَإِنِ

نہیں بدل سکتا اللہ کی باتیں اور تجھ کو پہنچ چکے ہیں کچھ حالات رسولوں کے ف ۳۸ اور اگر تجھ پر گراں ہے ان کا منہ پھیرنا تو اگر

اسْتَطَعْتَ أَنْ تَبْتَغِيَ نَفَقًا فِي الْأَرْضِ أَوْ سُلَّمًا فِي السَّمَآءِ فَتَأْتِيَهُمْ بِاٰيَةٍ ۚ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَى

تجھ سے ہو سکے کہ ڈھونڈھ نکالے کوئی سرنگ زمین میں یا کوئی سیڑھی آسمان میں پھر لاوے اُنکے پاس ایک معجزہ اور اگر اللہ چاہتا تو جمع کر دیتا سب کو سیدھی

الْهُدٰى فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ﴿۳۵﴾ إِنَّمَا يَسْتَجِيْبُ الَّذِيْنَ يَسْمَعُوْنَ ؔ وَالْمَوْتٰى يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ ثُمَّ

راہ پر سو تو مت ہو نادانوں میں ف ۳۹ مانتے وہی ہیں جو سنتے ہیں اور مردوں کو زندہ کریگا اللہ پھر

وقف غفران
وقف منزل

إِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ ﴿۳۶﴾ وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ۚ قُلْ إِنَّ اللّٰهَ قَادِرٌ عَلٰى أَنْ يُّنَزِّلَ اٰيَةً وَّ

اُسکی طرف لائے جاوینگے ف ۴۰ اور کہتے ہیں کیوں نہیں اُتری اُس پر کوئی نشانی اسکے رب کی طرف سے ف ۴۱ کہدے کہ اللہ کو قدرت ہے اس بات پر کہ اُتارے نشانی لیکن

لٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۷﴾ وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا طٰٓئِرٍ يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ إِلَّآ أُمَمٌ أَمْثَالُكُمْ ۚ مَا

اُن میں اکثر نہیں جانتے ف ۴۲ اور نہیں ہے کوئی چلنے والا زمین میں اور نہ کوئی پرندہ کہ اڑتا ہے اپنے دو بازوؤں سے مگر ہر ایک امت ہے تمہاری طرح ہم

فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ ثُمَّ إِلٰى رَبِّهِمْ يُحْشَرُوْنَ ﴿۳۸﴾ ف ۴۳

نے نہیں چھوڑی لکھنے میں کوئی چیز پھر سب اپنے رب کے سامنے جمع ہونگے

(۳۸) **خلائق پر آنحضرت کی شفقت** خلائق کے حال پر شفقت و ہمدردی سارے جہان سے زیادہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں ڈالی گئی تھی۔ آپ ان بدبختوں کی تکذیب و اعراض، مستقبل کی تباہی اور مشرکانہ و ملحدانہ کلمات سے سخت رنج اور ہم محسوس فرماتے تھے۔ ان آیات میں آپ کو تسلی اور اُن اشقیاء کو دھمکی دی گئی ہے کہ آپ ان کے اعراض و تکذیب سے اس قدر دلگیر اور بے چین نہ ہوں، یہ لوگ جو تکذیب کر رہے ہیں فی الحقیقت آپ کو نہیں جھٹلاتے کیونکہ آپ کو تو پہلے سے بالاتفاق صادق و امین سمجھتے تھے، بلکہ خدا کی آیات و نشانات کا جو پیغمبر علیہ السلام کی تصدیق و تبلیغ کے لئے بھیجی گئی ہیں، جان بوجھ کر از راہ ظلم عناد انکار کر رہے ہیں۔ تو آپ بھی ان ظالموں کا معاملہ خدا کے سپرد کر کے مطمئن ہو جائیے۔ وہ خود ان کے ظلم اور آپ کے صبر کا پھل دینے والا ہے۔ انبیائے سابقین کے ساتھ بھی جن کے کچھ حالات آپ کو سنائے جا چکے ہیں ان کی قوموں نے تکذیب و ایذاء رسانی کا برتاؤ کیا، جس پر خدا کے معصوم پیغمبر نہایت اولوالعزمی سے صبر کرتے رہے۔ حتیٰ کہ حسب وعدہ خدا کی مدد پہنچی اور بڑے زبردست متکبرین کے مقابلہ میں ان کو مظفر و منصور کیا گیا۔ آپ سے جو نصر و ظفر کے وعدے کئے گئے ہیں ایک ایک کر کے پورے ہونگے پہاڑ اپنی جگہ سے ٹل جائیں مگر خدا کا وعدہ نہیں ٹل سکتا۔ کس کی طاقت ہے جو خدا کی باتوں کو بدل ڈالے یعنی جو اُس نے کہا ہے اسے واقع نہ ہونے دے۔ مکذبین کو یاد رکھنا چاہئے کہ ان کی جنگ حقیقۃً محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے نہیں بلکہ رب محمدؐ سے ہے

جس نے اُن کو اپنا سفیر اعظم اور معتمد بنا کر کھلے نشانات کے ساتھ بھیجا ہے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب اُن خدائی نشانات کی تکذیب ہے۔

(۳۹) **کفار کا مطالبہ معجزات** کفار کا مطالبہ یہ تھا کہ یہ نبی ہیں تو ان کے ساتھ ہمیشہ ایسا نشان رہنا چاہئے جسے ہر کوئی دیکھ کر یقین کرنے اور ایمان لانے پر مجبور ہو جایا کرے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ تمام دنیا کی ہدایت پر حریص تھے شاید آپ کے دل نے چاہا ہو گا کہ ان کا یہ مطالبہ پورا کر دیا جائے، اس لئے حق تعالیٰ نے یہ تربیت فرمائی کہ تکوینیات میں مشیت الٰہی کے تابع رہو۔ تکوینی مصالح اس کو مقتضی نہیں کہ ساری دنیا کو ایمان لانے پر مجبور کر دیا جائے ورنہ خدا تو اس پر بھی قادر تھا کہ بدون توسط پیغمبروں اور نشانوں کے شروع ہی سے سب کو سیدھی راہ پر جمع کر دیتا۔ جب خدا کی حکمت ایسے مجبور کن معجزات اور فرمائشی نشانات دکھلانے کو مقتضی نہیں تو مشیت الٰہی کے خلاف کسی کو طاقت کہاں ہے کہ وہ زمین یا آسمان میں سرنگ یا سیڑھی لگا کر ایسا فرمائشی اور مجبور کن معجزہ نکال کر دکھلا دے۔ خدا کے قوانین حکمت و تدبیر کے خلاف کسی چیز کے وقوع کی اُمید رکھنا نادانوں کا کام ہے۔

(۴۰) یعنی سب سے توقع نہ رکھو کہ مانیں گے جن کے دل کان بہرے ہو گئے وہ سنتے ہی نہیں۔ پھر مانیں کس طرح؟ ہاں یہ کافر جو قلبی و روحانی حیثیت سے مُردوں کی طرح ہیں قیامت میں دیکھ کر یقین کریں گے اور اُن چیزوں کو مانیں گے۔ جن کا انکار کرتے تھے۔

(۴۱) یعنی اُن نشانیوں میں سے کوئی نشانی کیوں نہ اُتری، جن کی وہ فرمائش کرتے تھے۔ کما فی قولہ تعالیٰ وقالوا لن نومن لك حتى تفجر لنا من الارض ينبوعا او تكون لك جنة من نخيل وعنب فتفجر الانهار خلالها تفجيرا او تسقط السماء كما زعمت علينا كسفا او تاتي بالله والملئكة قبيلا او يكون لك بيت من زخرف او ترقى في السماء ولن نومن لرقيك حتى تنزل علينا كتابا نقرؤه قل سبحان ربي هل كنت الا بشرا رسولا (بنی اسرائیل رکوع ۱۰) ورنہ ویسے تو آپ پر بے شمار علمی و عملی معجزات و نشانات بارش کی طرح اُترتے رہتے تھے۔

(۴۲) یعنی خدا فرمائشی معجزات دکھلانے سے عاجز نہیں۔ لیکن جن قوانین حکمت و رحمت پر نظام تکوین کی بنیاد ہے، تم میں کے اکثر اُن کے سمجھنے سے قاصر ہیں۔ اُن قوانین کا اقتضاء یہی ہے کہ تمام فرمائشی معجزات نہ دکھلائے جائیں۔

(۴۳) **فرمائشی معجزات نہ دکھلانے کی حکمت** ان آیات میں بعض حکمتوں پر متنبہ کیا گیا ہے جو فرمائشی نشانات نہ دکھلائے جانے میں مرعی ہیں۔ یعنی تمام حیوانات خواہ زمین پر رینگتے ہوں یا ہوا میں اُڑتے ہوں، وہ بھی انسانوں کی طرح ایک اُمت ہیں اُن میں سے ہر نوع کو حق تعالیٰ نے ایک خاص وضع اور فطرت پر پیدا کیا جو اُن کے معین خواص و افعال کے دائرہ میں کام کرتی ہے۔ کوئی جانور اپنے افعال و حرکات کے محدود حلقہ سے جو قدرت نے باعتبار اُس کی فطرت و استعداد کے مشخص کر دیے ہیں، ایک قدم باہر نہیں نکال سکتا۔ چنانچہ ابتدائے آفرینش سے آج تک کسی حیوان نے اپنی نوع کے محدود دائرہ عمل میں کسی طرح ہر چیز کی استعداد و فطرت کو خیال کر لیجئے حق تعالیٰ کے علم قدیم اور لوح محفوظ میں تمام انواع و اجناس کی تدبیر و تربیت کے اصول و فروع منضبط ہیں۔ کوئی چیز نہ اس زندگی میں اور نہ مرنے کے بعد اس مکمل انضباط و انتظام سے باہر جا سکتی ہے انسان جنس حیوان میں "با اختیار اور ترقی کن" حیوان ہے اسی کسب و اختیار اور ترقی کن عقل و تمیز کی موجودگی نے اُس کے "نظام تکوینی اور قانون حیات" کو دوسرے تمام حیوانات سے ایسا اعلیٰ اور ممتاز بنا دیا ہے کہ اب اُسے حیوان کہتے بھی شرم آتی ہے۔ وہ

تنزل نہیں کیا۔ (حاشیہ)

برخلاف باقی حیوانات کے دیکھنے سننے اور پوچھنے سے نئی نئی معلومات حاصل کرتا اور قوۃ فکریہ سے ان کو ترتیب دے کر "حیات جدید" کی طرف ترقی کرتا رہتا ہے وہ نیک و بد میں تمیز کرنے، نافع و ضار کے پہچاننے، آغاز و انجام سمجھنے پر قادر، اور کسی عمل کے کرنے یا چھوڑنے میں فی الجملہ آزاد ہے۔ اسی لئے اس کو خدا کی جانب سے ایسے نشانات دکھلائے جاتے ہیں جن میں غور و فکر کرنے کا موقع مل سکے اور فکر و کسب کی فطری آزادی کو سلب کرنے والے نہ ہوں۔ اور اگر وہ خدا کے دیئے ہوئے قوائے عقلیہ سے ٹھیک طور پر اُن میں غور کرے تو اُسے حق و باطل اور نیک و بد کی تمیز کرنے میں کچھ دقت نہ ہو۔ پس ایسے فرمائشی نشانات و معجزات کی درخواست کرنا جو بہمہ وجوہ ایمان لانے پر مجبور کر دیں، انسان کی فطری آزادی اور اُس کے نظام ترکیبی کو تباہ کرنے بلکہ انسان کو عام حیوانات کی صف میں اُتار لانے کا مرادف ہے۔ اور اگر فرمائشی نشان بہمہ وجوہ مجبور کُن نہ ہوں تو اُن کا دکھلانا بیکار ہے۔ کیونکہ اُن میں بھی وہی غیر ناشی عن دلیل شکوک و شبہات پیدا کر لئے جائیں گے جو ہزاروں غیر فرمائشی نشانات میں کئے جا چکے۔

وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا صُمٌّ وَّبُكْمٌ فِي الظُّلُمٰتِ ۭ مَنْ يَّشَاِ اللّٰهُ يُضْلِلْهُ ۭ وَمَنْ يَّشَاْ يَجْعَلْهُ عَلٰي صِرَاطٍ

اور جو جھٹلاتے ہیں ہماری آیتوں کو وہ بہرے اور گونگے ہیں اندھیروں میں ف۴۴ جسکو چاہے اللہ گمراہ کرے ف۴۵ اور جس کو چاہے ڈال دے سیدھی راہ

مُّسْتَقِيْمٍ ۝۳۹ قُلْ اَرَءَيْتَكُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ اَوْ اَتَتْكُمُ السَّاعَةُ اَغَيْرَ اللّٰهِ تَدْعُوْنَ ۚ اِنْ

پر تو کہہ دیکھو تو اگر آوے تم پر عذاب اللہ کا یا آوے تم پر قیامت کیا اللہ کے سوا کسی اور کو پکارو گے بتاؤ اگر

كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝۴۰ بَلْ اِيَّاهُ تَدْعُوْنَ فَيَكْشِفُ مَا تَدْعُوْنَ اِلَيْهِ اِنْ شَاۗءَ وَتَنْسَوْنَ مَا

تم سچے ہو بلکہ اُسی کو پکارتے ہو پھر دور کر دیتا ہے اُس مصیبت کو جسکے لئے اُسکو پکارتے ہو اگر چاہتا ہے اور تم بھول جاتے ہو جنکو

ع ۱۰/۱۱ تُشْرِكُوْنَ ۝۴۱ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰٓى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَاَخَذْنٰهُمْ بِالْبَاْسَاۗءِ وَالضَّرَّاۗءِ لَعَلَّهُمْ يَتَضَرَّعُوْنَ ۝۴۲

شریک کرتے تھے ف۴۶ اور ہم نے رسول بھیجے تھے بہت سی اُمتوں پر تجھ سے پہلے پھر اُن کو پکڑا ہم نے سختی میں اور تکلیف میں تاکہ وہ گڑگڑاویں

فَلَوْلَآ اِذْ جَاۗءَهُمْ بَاْسُنَا تَضَرَّعُوْا وَلٰكِنْ قَسَتْ قُلُوْبُهُمْ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ مَا كَانُوْا

پھر کیوں نہ گڑگڑائے جب آیا اُن پر عذاب ہمارا لیکن سخت ہو گئے دل اُنکے اور بھلے کر دکھلائے اُن کو شیطان نے جو کام وہ کر

يَعْمَلُوْنَ ۝۴۳ فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ ۭ حَتّٰٓي اِذَا فَرِحُوْا بِمَآ اُوْتُوْٓا

رہے تھے پھر جب وہ بھول گئے اُس نصیحت کو جو اُنکو کی گئی تھی کھول دیئے ہم نے اُن پر دروازے ہر چیز کے یہاں تک کہ جب وہ خوش ہوئے اُن چیزوں پر جو

اَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً فَاِذَا هُمْ مُّبْلِسُوْنَ ۝۴۴

اُنکو دی گئیں پکڑ لیا ہم نے اُنکو اچانک پس اُس وقت وہ رہ گئے نا اُمید ف۴۷

(۴۴) نہ کہنے والے کی سنتے ہیں نہ خود دوسرے سے پوچھتے ہیں اور نہ اندھیرے میں کچھ دیکھ سکتے ہیں۔ جب سب قویٰ اپنے بے اعتدالیوں سے بیکار کر لئے تو حق کی تصدیق و قبول کا کیا ذریعہ ہو؟

(۴۵) گمراہ کرنا اسی کو چاہتا ہے جو خود ذرائع ہدایت کو اپنے اوپر مسدود کر لیتے ہیں ولو شئنا لرفعناہ بہا ولکنہ اخلد الی

الارض واتبع ھواہ (اعراف رکوع ۲۲)۔

(۴۶) **مشرکین مصیبت میں اللہ ہی کو پکارتے ہیں** جب اندھے بہرے گونگے ہو کر آیات اللہ کو جھٹلایا اور گمراہی کے عمیق غار میں جا پڑے۔ اس پر اگر دنیا میں یا قیامت میں خدا کا سخت عذاب نازل ہو تو سچ سچ بتلاؤ کہ خدا کے سوا اُس وقت کسے پکارو گے۔ دنیا کی چھوٹی چھوٹی مصیبتوں میں بھی جب گھر جاتے ہو تو مجبور ہو کر اُسی خدائے واحد کو پکارتے ہو اور سب شرکاء کو بھول جاتے ہو فاذا رکبوا فی الفلک دعوا اللہ مخلصین لہ الدین۔ جس پر اگر خدا چاہتا ہے تو اس مصیبت کو دور بھی کر دیتا ہے۔ اسی سے اندازہ کر لو کہ نزول عذاب یا ہول قیامت سے بچانے والا بجز خدا کے اور کون ہو سکتا ہے پھر یہ کس قدر حماقت اور اندھا پن ہے کہ اُس خدا کی عظمت و جلال کو فراموش کر کے اُس کی نازل کی ہوئی آیات کی تکذیب اور فرمائشی آیات کا مطالبہ کرتے ہو۔

(۴۷) **پچھلی اُمتوں کا انجام** گذشتہ آیت میں عذاب آنے کا احتمال بیان ہوا تھا اب واقعات کا حوالہ دیتے ہیں کہ پہلے زمانہ میں اس طرح کے عذاب آ چکے ہیں۔ نیز متنبہ فرما دیا کہ جب مجرم کو ابتداءً ہلکی تنبیہ کی جائے تو اُس کو معًا خدا کی طرف رجوع ہونا چاہیئے سخت دلی اور اغوائے شیطانی سے اُسے ہلکا نہ سمجھے موضح القرآن میں ہے کہ گنہگار کو اللہ تعالیٰ تھوڑا سا پکڑتا ہے، اگر وہ گڑگڑایا اور توبہ کی تو بچ گیا اور اگر اتنی پکڑ نہ مانی تو پھر بھلاوا دیا اور وسعت عیش کے دروازے کھولے۔ جب نعمتوں کی شکر گذاری اور انعام و احسان سے متاثر ہونے کے بجائے خوب گناہ میں غرق ہوا تو دفعتًہ بے خبر پکڑا گیا یہ ارشاد ہے کہ آدمی کو گناہ پر تنبیہ پہنچے تو شتاب توبہ کرے۔ یہ راہ نہ دیکھے کہ اس سے زیادہ پہنچے تو یقین کروں۔

فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۭ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝۴۵ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَخَذَ اللّٰهُ سَمْعَكُمْ

پھر کٹ گئی جڑ اُن ظالموں کی اور سب تعریفیں اللہ ہی کیلئے ہیں جو پالنے والا ہے سارے جہان کا ف۴۸ تو کہہ دیکھو تو اگر چھین لے اللہ تمہارے کان

وَاَبْصَارَكُمْ وَخَتَمَ عَلٰي قُلُوْبِكُمْ مَّنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِهٖ ۭ اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ

اور آنکھیں اور مہر کر دے تمہارے دلوں پر ف۴۹ تو کون ایسا رب ہے اللہ کے سوا جو تم کو یہ چیزیں لا دیوے ف۵۰ دیکھ ہم کیونکر طرح طرح سے بیان

الْاٰيٰتِ ثُمَّ هُمْ يَصْدِفُوْنَ ۝۴۶ قُلْ اَرَءَيْتَكُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ بَغْتَةً اَوْ جَهْرَةً هَلْ يُهْلَكُ

کرتے ہیں باتیں پھر بھی وہ کنارہ کرتے ہیں تو کہہ دیکھو تو اگر آوے تم پر عذاب اللہ کا اچانک ف۵۱ یا ظاہر ہو کر تو کون ہلاک ہوگا

اِلَّا الْقَوْمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝۴۷ وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ۚ فَمَنْ اٰمَنَ وَ

ظالم لوگوں کے سوا ف۵۲ اور ہم رسول نہیں بھیجتے مگر خوشی اور ڈر سنانے کو پھر جو کوئی ایمان لایا اور

اَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝۴۸

سنور گیا تو نہ ڈر ہے اُن پر اور نہ وہ غمگین ہوں۔

(۴۸) ظالموں کا استیصال بھی اُس کی ربوبیت عامہ کا اثر اور مجموعہ عالم کے لئے رحمت عظیم ہے اسی لئے یہاں حمد و شکر کا اظہار فرمایا

(۴۹) کہ نہ تم سُن سکو نہ دیکھ سکو نہ دل سے سمجھ سکو۔

(۵۰) حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں "یعنی توبہ میں دیر نہ کرے۔ جو کان اور آنکھ اور دل اس وقت ہے شاید پھر نہ ملے" اور اس لئے

توبہ واستغفار کی توفیق نہ ہوسکے۔

(۵۱) "اچانک" یعنی وہ عذاب جس کی کچھ علامات پہلے سے ظاہر نہ ہوں۔ ولہٰذا "جَهْرَةً" سے مراد وہ عذاب ہوگا جس کے آنے سے قبل علامات ظاہر ہونے لگیں۔

(۵۲) یعنی توبہ میں دیر نہ کرنا چاہئے۔ شاید اس دیر میں عذاب پہنچ جائے جس کا خمیازہ صرف ظالموں کو برداشت کرنا پڑتا ہے۔ اگر پہلے ہی ظلم وعدوان سے توبہ کر چکا ہوگا تو اس عذاب سے بچ رہے گا۔

وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا يَمَسُّهُمُ الْعَذَابُ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿۴۹﴾ قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ

اور جنہوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو ان کو پہنچیگا عذاب اس لئے کہ وہ نافرمانی کرتے تھے ف۵۳ تو کہہ میں نہیں کہتا تم سے کہ میرے پاس ہیں

خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّيْ مَلَكٌ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ قُلْ هَلْ

خزانے اللہ کے اور نہ میں جانوں غیب کی بات اور نہ میں کہوں تم سے کہ میں فرشتہ ہوں ف۵۴ میں تو اسی پر چلتا ہوں جو میرے پاس اللہ کا حکم آتا ہے تو کہہ دے کب برابر

ع ۵ يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ اَفَلَا تَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۵۰﴾ وَاَنْذِرْ بِهِ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْ يُّحْشَرُوْٓا اِلٰى رَبِّهِمْ

ہوسکتا ہے اندھا اور دیکھنے والا سو کیا تم غور نہیں کرتے ف۵۵ اور خبردار کردے اس قرآن سے اُن لوگوں کو جنکو ڈر ہے اسکا کہ وہ جمع ہونگے اپنے رب کے سامنے

لَيْسَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ وَلِيٌّ وَّلَا شَفِيْعٌ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿۵۱﴾ وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ

اس طرح پر کہ اللہ کے سوا نہ کوئی انکا حمایتی ہوگا اور نہ سفارش کرنیوالا ف۵۶ تاکہ وہ بچتے رہیں ف۵۷ اور مت دور کر اُن لوگوں کو جو پکارتے ہیں اپنے رب کو

بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ مَا عَلَيْكَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ وَّمَا مِنْ حِسَابِكَ

صبح اور شام چاہتے ہیں اُسی کی رضا ف۵۸ تجھ پر نہیں ہے اُن کے حساب میں سے کچھ اور نہ تیرے حساب میں سے

عَلَيْهِمْ مِّنْ شَيْءٍ فَتَطْرُدَهُمْ فَتَكُوْنَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۲﴾ وَكَذٰلِكَ فَتَنَّا بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لِّيَقُوْلُوْٓا

اُن پر ہے کچھ کہ تو اُن کو دور کرنے لگے پس ہوجاویگا تو بے انصافوں میں ف۵۹ اور اسی طرح ہم نے آزمایا ہے بعضے لوگوں کو بعضوں سے تاکہ کہیں

اَهٰٓؤُلَآءِ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنْ بَيْنِنَا اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِالشّٰكِرِيْنَ ﴿۵۳﴾

کیا یہی لوگ ہیں جن پر اللہ نے فضل کیا ہم سب میں کیا نہیں ہے اللہ خوب جاننے والا شکر کرنیوالوں کو ف۶۰

(۵۳) **بعثت انبیاء کا مقصد** یعنی تم جو عذاب الٰہی سے نڈر اور بے فکر ہو کر بیہودہ فرمائشیں اور دور از کار سوالات کر کے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دق کرتے اور اُن کی تصدیق کے لئے خود ساختہ معیار تراشتے ہو، خوب سمجھ لو کہ پیغمبر دنیا میں اس لئے نہیں بھیجے گئے کہ تمہاری ایسی واہی تباہی فرمائشیں پوری کرتے رہا کریں۔ اُن کی بعثت کی غرض صرف "تبشیر وانذار" اور "تبلیغ وارشاد" ہے۔ وہ خدا کی طرف سے اس لئے بھیجے جاتے ہیں کہ فرمانبرداروں کو بشارات سنائیں اور نافرمانوں کو اُن کے انجام بد پر متنبہ کر دیں آگے ہر شخص کی کمائی اُس کے ساتھ ہے جس نے انبیاء علیہم السلام کی باتوں پر یقین کیا اور اعتقاداً وعملاً اپنی حالت درست کر لی، حقیقی امن اور چین اس کو نصیب ہوا اور جس نے خدا کی آیات کو جھٹلا کر ہدایت الٰہی سے روگردانی کی وہ نافرمانی اور بغاوت کی وجہ سے سخت تباہی اور عذاب عظیم کے نیچے آگیا۔ العیاذ باللہ۔

(۵۴) **منصب رسالت کی حقیقت** اس آیت میں منصب رسالت کی حقیقت پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ یعنی کوئی شخص جو مدعی نبوت ہو، اس کا دعویٰ یہ نہیں ہوتا کہ تمام مقدورات الٰہیہ کے خزانے اس کے قبضہ میں ہیں کہ جب اس سے کسی امر کی فرمائش کی جائے وہ ضرور ہی کر دکھلائے یا تمام معلومات غیبیہ وشہادیہ پر خواہ اُن کا تعلق فرائض رسالت سے ہو یا نہ ہو اس کو مطلع کر دیا گیا ہے کہ جو کچھ تم پوچھو، وہ فوراً بتلا دیا کرے۔ یا نوع بشر کے علاوہ وہ کوئی اور نوع ہے جو لوازم وخواص بشریہ سے اپنی برأت ونزاہت کا ثبوت پیش کرے۔ جب ان باتوں میں سے وہ کسی چیز کا مدعی نہیں تو فرمائشی معجزات اس سے طلب کرنا یا ازراہ تعنّت وعناد اس قسم کا سوال کرنا کہ "قیامت کب آئے گی" یا یہ کہنا کہ "یہ رسول کیسے ہیں جو کھانا کھاتے اور بازاروں میں خرید وفروخت کے لیے جاتے ہیں" اور ان ہی امور کو معیار تصدیق وتکذیب ٹھہرانا کہاں تک صحیح ہو سکتا ہے۔

(۵۵) **نبی اور غیر نبی کا فرق** یعنی اگرچہ پیغمبر نوع بشر سے علیحدہ کوئی دوسری نوع نہیں۔ لیکن اُس کے اور باقی انسانوں کے درمیان زمین وآسمان کا فرق ہے۔ انسانی قوتیں دو قسم کی ہیں علمی وعملی۔ قوت علمیہ کے اعتبار سے نبی اور غیر نبی میں اعمیٰ وبصیر (اندھے اور سوانکھے) کا تفاوت سمجھنا چاہیئے۔ نبی کے دل کی آنکھیں ہر وقت مرضیات الٰہی اور تجلیات ربانی کے دیکھنے کے لیے کھلی رہتی ہیں، جس کے بلاواسطہ مشاہدہ سے دوسرے انسان محروم ہیں۔ اور قوت عملیہ کا حال یہ ہوتا ہے کہ پیغمبر اپنے قول وفعل اور ہر ایک حرکت وسکون میں رضائے الٰہی اور حکم خداوندی کے تابع ومنقاد ہوتے ہیں وحی سماوی اور احکام الٰہیہ کے خلاف نہ کبھی اُن کا قدم اٹھ سکتا ہے نہ زبان حرکت کر سکتی ہے۔ اُن کی مقدس ہستی اخلاق واعمال اور کل واقعات زندگی میں تعلیمات ربانی اور مرضیات الٰہی کی روشن تصویر ہوتی ہے جسے دیکھ کر غور وفکر کرنے والوں کو اُن کی صداقت اور مامور من اللہ ہونے میں ذرا بھی شبہ نہیں رہ سکتا۔

(۵۶) یعنی جو لوگ فرمائشی معجزات دکھلائے جانے پر اپنے ایمان کو موقوف رکھتے اور ازراہ تعنّت وعناد آیات اللہ کی تکذیب پر تلے ہوئے ہیں، اُن سے قطع نظر کیجئے۔ کیونکہ تبلیغ کا فرض ادا ہو چکا اور اُن کے راہ راست پر آنے کی توقع نہیں اب وحی الٰہی (قرآن) کے ذریعہ سے اُن لوگوں کو متنبہ کرنے کا مزید اہتمام فرمائیے جن کے دلوں میں حشر کا خوف اور عاقبت کی فکر ہے۔ کیونکہ ایسے ہی لوگوں سے اُمید ہو سکتی ہے کہ نصیحت سے متاثر اور ہدایت قرآنی سے منتفع ہوں۔

(۵۷) یعنی یہ سُن کر گناہ سے بچتے رہیں۔

(۵۸) یعنی رات اور دن اُس کی عبادت میں حُسن نیت اور اخلاص کے ساتھ مشغول رہتے ہیں۔

(۵۹) یعنی جب اُن کا ظاہر حال یہ بتلا رہا ہے کہ شب وروز خدا کی عبادت اور رضا جوئی میں مشغول رہتے ہیں تو اسی کے مناسب اُن سے معاملہ کیجئے۔ اُن کا باطنی حال کیا ہے، یا آخری انجام کیا ہوگا، اس کی تفتیش ومحاسبہ پر معاملات موقوف نہیں ہو سکتے۔ یہ حساب نہ آپ کا اُن کے ذمہ ہے نہ اُن کا آپ کے۔ لہٰذا اگر بالفرض آپ دولتمندوں کی ہدایت کی طمع میں اِن غریب مخلصین کو اپنے پاس سے ہٹانے لگیں تو یہ بات بے انصافی کی ہوگی۔ "موضح القرآن" میں ہے "کافروں میں بعض سرداروں نے حضرت سے کہا کہ تمہاری بات سننے کو ہمارا دل چاہتا ہے لیکن تمہارے پاس بیٹھتے ہیں رذیل لوگ۔ ہم اُن کے برابر نہیں بیٹھ سکتے اس پر یہ آیت اُتری۔ یعنی خدا کے طالب اگرچہ غریب ہیں۔ اُن ہی کی خاطر مقدم ہے۔"

(۶۰) یعنی دولتمندوں کو غریبوں سے آزمایا ہے کہ اُن کو ذلیل دیکھتے ہیں اور تعجب کرتے ہیں کہ یہ کیا لائق ہیں اللہ کے فضل کے اور اللہ ان کے دل دیکھتا ہے کہ اللہ کا حق مانتے ہیں۔"

وَاِذَا جَآءَكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِنَا فَقُلْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ اَنَّهٗ

اور جب آویں تیرے پاس ہماری آیتوں کے ماننے والے تو کہہ دے تو سلام ہے تم پر لکھ لیا ہے تمہارے رب نے اپنے اوپر رحمت کو کہ جو

مَنْ عَمِلَ مِنْكُمْ سُوْٓءًۢا بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَصْلَحَ فَاَنَّهٗ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۵۴﴾ وَكَذٰلِكَ

کوئی کرے تم میں سے برائی ناواقفیت سے پھر اس کے بعد توبہ کر لے اور نیک ہو جاوے تو بات یہ ہے کہ وہ ہے بخشنے والا مہربان اور اسی طرح ہم تفصیل

ع ۶/۱۲ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ وَلِتَسْتَبِيْنَ سَبِيْلُ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۵۵﴾ قُلْ اِنِّيْ نُهِيْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ

سے بیان کرتے ہیں آیتوں کو اور تاکہ کھل جاوے طریقہ گنہگاروں کا ف۶۱ تو کہہ دے مجھ کو روکا گیا ہے اس سے کہ بندگی کروں انکی جن کو تم پکارتے ہو

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ قُلْ لَّآ اَتَّبِعُ اَهْوَآءَكُمْ ۙ قَدْ ضَلَلْتُ اِذًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ ﴿۵۶﴾ قُلْ

اللہ کے سوا تو کہہ میں نہیں چلتا تمہاری خوشی پر بیشک اب تو میں بہک جاؤنگا اور نہ رہونگا ہدایت پانے والوں میں ف۶۲ تو کہہ دے

اِنِّيْ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَكَذَّبْتُمْ بِهٖ ۭ مَا عِنْدِيْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ ۭ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ۭ يَقُصُّ الْحَقَّ

کہ مجھ کو شہادت پہنچی میرے رب کی اور تم نے اسکو جھٹلایا ف۶۳ میرے پاس نہیں جس چیز کی تم جلدی کر رہے ہو ف۶۴ حکم کسی کا نہیں سوا اللہ کے بیان کرتا ہے حق بات

وَهُوَ خَيْرُ الْفٰصِلِيْنَ ﴿۵۷﴾ قُلْ لَّوْ اَنَّ عِنْدِيْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ لَقُضِيَ الْاَمْرُ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ

اور وہ سب سے اچھا فیصلہ کرنیوالا ہے تو کہہ اگر ہوتی میرے پاس وہ چیز جس کی تم جلدی کر رہے ہو تو طے ہو چکا ہوتا جھگڑا درمیان میرے اور درمیان تمہارے ف۶۵ اور اللہ خوب جانتا ہے

بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۸﴾ وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ ۭ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ۭ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ

ظالموں کو اور اسی کے پاس کنجیاں ہیں غیب کی کہ انکو کوئی نہیں جانتا اسکے سوا اور وہ جانتا ہے جو کچھ جنگل اور دریا میں ہے اور نہیں جھڑتا کوئی

وَّرَقَةٍ اِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِيْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ﴿۵۹﴾

پتا مگر وہ جانتا ہے اسکو اور نہیں گرتا کوئی دانہ زمین کے اندھیروں میں اور نہ کوئی ہری چیز اور نہ کوئی سوکھی چیز مگر وہ سب کتاب مبین میں ہے ف۶۶

(۶۱) **مومنین کو خوشخبری** پہلے فرمایا تھا کہ پیغمبر تبشیر و انذار کے لئے آتے ہیں، چنانچہ اس رکوع کے شروع میں "وانذر به الذین یخافون الخ" سے شان انذار کا استعمال تھا۔ اب مومنین کے حق میں شان تبشیر کا اظہار ہے یعنی مومنین کو کامل سلامتی اور رحمت و مغفرت کی بشارت سنا دیجئے تاکہ ان غریبوں کا دل بڑھے اور دولتمند متکبرین کے طعن و تشنیع اور تحقیر آمیز برتاؤ سے شکستہ خاطر نہ رہیں۔ اسی لئے ہم احکام و آیات تفصیل سے بیان کرتے ہیں۔ نیز اس لئے کہ مومنین کے مقابلہ میں مجرمین کا طریقہ بھی واضح ہو جائے (تنبیہ) یہ جو فرمایا کہ "جو کوئی کرے تم میں سے برائی ناواقفیت سے" اس سے شاید یہ غرض ہو کہ مومن جو برائی اور معصیت کرتا ہے خواہ نادانستہ ہو یا جان بوجھ کر، وہ فی الحقیقت اس برائی اور گناہ کے انجام بد سے ایک حد تک ناواقف اور بے خبر ہی ہو کر کرتا ہے۔ اگر گناہ کے تباہ کن نتائج کا پوری طرح اندازہ اور استحضار ہو تو کون شخص ہے جو اس پر اقدام کی جرأت کرے گا۔

(۶۲) **مشرکین کو انذار** گذشتہ آیت میں وہ چیزیں بیان ہوئیں جو مومنین سے کہنے کے لائق ہیں۔ اس رکوع میں ان امور کا تذکرہ ہے جو مجرمین اور مکذبین کے حق میں قابل خطاب ہیں۔ یعنی آپ فرما دیجئے کہ میرا ضمیر، میری فطرت، میری عقل، میرا نور شہود اور وحی الٰہی جو مجھ پر اترتی ہے، یہ سب مجھ کو اس سے روکتے ہیں کہ میں توحید کامل کے جادہ سے ذرا بھی قدم ہٹاؤں۔ خواہ تم کتنے ہی حیلے اور

تدبیریں کروں میں کبھی تمہاری خوشی اور خواہش کی پیروی نہیں کر سکتا۔ بفرضِ محال اگر پیغمبر کسی معاملہ میں وحی الٰہی کو چھوڑ کر عوام کی خواہشات کا اتباع کرنے لگیں تو خدا نے جنہیں ہادی بنا کر بھیجا تھا معاذ اللہ وہ ہی خود بہک گئے، پھر ہدایت کا بیج دنیا میں کہاں رہ سکتا ہے۔

(۶۳) یعنی میرے پاس خدا کی صاف و صریح شہادت اور واضح دلائل پہنچ چکیں، جن کے قبول سے سرمو انحراف نہیں کر سکتا۔ تم اُس کو جھٹلاتے ہو تو اس کا انجام سوچ لو۔

(۶۴) یعنی عذاب الٰہی۔ چنانچہ کفّار کہتے تھے، "اللّٰھم ان کان ھٰذا ھو الحق من عندک فامطر علینا حجارۃ من السماء او ائتنا بعذاب الیم" (اگر یہ حق ہے جس کی ہم تکذیب کر رہے ہیں تو آپ آسمان سے ہم پر پتھروں کی بارش کر دیجئے یا ہم پر اور کوئی سخت عذاب بھیج دیجئے)۔

(۶۵) **عذاب دینا اور فیصلہ کرنا رسول کا کام نہیں** یعنی جس پر چاہے، جب چاہے اور جس قسم کا چاہے عذاب بھیجے یا نہ بھیجے ویسے ہی توبہ کی توفیق مرحمت فرما دے یہ سب اللہ کے قبضہ میں ہے۔ کسی کا حکم اور زور اُس کے سوا نہیں چلتا وہ دلائل و براہین کے ساتھ حق کو بیان کر دیتا ہے۔ پھر جو نہ مانیں اُن کے متعلق بہترین فیصلہ کرنے والا بھی وہ ہی ہے۔ اگر اُن کا فیصلہ کرنا یا سزا دینا میرے قبضہ اختیار میں ہوتا۔ اور یہ نزول عذاب میں جلدی چاہنے والے مجھ سے عذاب کا مطالبہ کرتے تو اب تک کبھی کا جھگڑا ختم ہو چکا ہوتا۔ یہ تو خدا ہی کے علم محیط، حلم عظیم، حکمت بالغہ اور قدرت کاملہ کا پرتو ہے کہ بے شمار مصالح و حکم کی رعایت کرتے ہوئے باوجود پوری طرح جاننے اور قدرت رکھنے کے ظالموں پر فوراً عذاب نازل نہیں کرتا۔ آئندہ آیات میں اُس کے علم محیط اور قدرت کاملہ کا ذکر ہے تاکہ ثابت ہو کہ تاخیرِ عذاب جہل یا عجز کی بناء پر نہیں۔

(۶۶) **اللہ کا علم ازلی اور لوحِ محفوظ** یعنی لوح محفوظ میں ہے۔ اور لوح محفوظ میں جو چیز ہو گی وہ علم الٰہی میں پہلے ہو گی، اس اعتبار سے مضمون آیت کا حاصل یہ ہوا کہ عالم غیب و شہادت کی کوئی خشک و تر اور چھوٹی بڑی چیز حق تعالیٰ کے علم ازلی محیط سے خارج نہیں ہو سکتی۔ بناءً علیہ ان ظالموں کے ظاہری و باطنی احوال اور اُن کی سزا دہی کے مناسب وقت و محل کا پورا پورا علم اسی کو ہے (تنبیہ) "مفاتیح" کو جن علماء نے مفتح بفتح المیم کی جمع قرار دیا ہے انہوں نے "مفاتیح الغیب" کا ترجمہ "غیب کے خزانوں" سے کیا اور جن کے نزدیک مفتح بکسر المیم کی جمع ہے وہ "مفاتیح الغیب" کا ترجمہ مترجم رحمہ اللہ کے موافق کرتے ہیں، یعنی "غیب کی کنجیاں" مطلب یہ ہے کہ غیب کے خزانے اور اُن کی کنجیاں صرف خدا کے ہاتھ میں ہیں۔ وہ ہی اُن میں سے جس خزانہ کو جس وقت اور جس قدر چاہے کسی پر کھول سکتا ہے کسی کو یہ قدرت نہیں کہ اپنے حواس و عقل وغیرہ آلات ادراک کے ذریعہ سے علوم غیبیہ تک رسائی پا سکے یا جتنے غیوب اُس پر منکشف کر دیے گئے ہیں اُن میں از خود اضافہ کر لے کیونکہ علوم غیبیہ کی کنجیاں اُس کے ہاتھ میں نہیں دی گئیں۔ خواہ لاکھوں کروڑوں جزئیات و واقعات غیبیہ پر کسی بندے کو مطلع کر دیا گیا ہو تاہم غیب کے اصول و کلیات کا علم جن کو "مفاتیح غیب" کہنا چاہیئے، حق تعالیٰ نے اپنے ہی لئے مخصوص رکھا ہے۔

وَهُوَ الَّذِي يَتَوَفَّاكُم بِاللَّيْلِ وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُم بِالنَّهَارِ ثُمَّ يَبْعَثُكُمْ فِيهِ لِيُقْضَىٰ أَجَلٌ مُّسَمًّى ثُمَّ إِلَيْهِ

اور وہ ہی ہے کہ قبضہ میں لے لیتا ہے تم کو رات میں ف۶۷ اور جانتا ہے جو کچھ کہ تم کر چکے ہو دن میں ف۶۸ پھر تم کو اٹھا دیتا ہے اس میں تاکہ پورا ہو وہ وعدہ جو مقرر ہو چکا ف۶۹ پھر اسی کی طرف

مَرْجِعُكُمْ ثُمَّ يُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٦٠﴾ وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهِ وَيُرْسِلُ عَلَيْكُم

تم لوٹائے جاؤ گے پھر خبر دے گا تم کو اسکی جو کچھ تم کرتے ہو ف۷۰ اور وہی غالب ہے اپنے بندوں پر اور بھیجتا ہے تم پر

ع ۱۳

حَفَظَةً ؕ حَتّٰۤى اِذَا جَآءَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا وَهُمْ لَا يُفَرِّطُوْنَ ﴿٦١﴾ ثُمَّ رُدُّوْۤا اِلَى

نگہبان ف۷۱ یہاں تک کہ جب آ پہنچے تم میں سے کسی کو موت تو قبضہ میں لے لیتے ہیں اسکو ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے ف۷۲ اور وہ کوتاہی نہیں کرتے ف۷۳ پھر پہنچائے جاویں گے اللہ کی

اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ ؕ اَلَا لَهُ الْحُكْمُ ۫ وَهُوَ اَسْرَعُ الْحٰسِبِيْنَ ﴿٦٢﴾ قُلْ مَنْ يُّنَجِّيْكُمْ مِّنْ ظُلُمٰتِ

طرف جو مالک انکا ہے سچا سن رکھو حکم اسی کا ہے اور وہ بہت جلد حساب لینے والا ہے ف۷۴ تو کہہ کون تم کو بچا لاتا ہے جنگل کے اندھیروں

الْبَرِّ وَالْبَحْرِ تَدْعُوْنَهٗ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً ۚ لَئِنْ اَنْجٰىنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿٦٣﴾ قُلِ

سے اور دریا کے اندھیروں سے اس وقت میں کہ پکارتے ہو تم اسکو گڑگڑا کر اور چپکے سے کہ اگر ہم کو بچا لیوے اس بلا سے تو البتہ ہم ضرور احسان مانیں گے تو کہہ دے

اللّٰهُ يُنَجِّيْكُمْ مِّنْهَا وَمِنْ كُلِّ كَرْبٍ ثُمَّ اَنْتُمْ تُشْرِكُوْنَ ﴿٦٤﴾ قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلٰۤى اَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ

اللہ تم کو بچاتا ہے اس سے اور ہر سختی سے پھر بھی تم شرک کرتے ہو ف۷۵ تو کہہ اسی کو قدرت ہے اس پر کہ بھیجے تم پر

عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ اَوْ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ اَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا وَّيُذِيْقَ بَعْضَكُمْ بَاْسَ بَعْضٍ ؕ اُنْظُرْ

عذاب ف۷۶ اوپر سے یا تمہارے پاؤں کے نیچے سے یا بھڑا دے تم کو مختلف فرقے کر کر اور چکھا دے ایک کو لڑائی ایک کی ف۷۷ دیکھ کس کس

كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَفْقَهُوْنَ ﴿٦٥﴾ وَكَذَّبَ بِهٖ قَوْمُكَ وَهُوَ الْحَقُّ ؕ قُلْ لَّسْتُ عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ ﴿٦٦﴾

طرح سے ہم بیان کرتے ہیں آیتوں کو تاکہ وہ سمجھ جاویں ف۷۸ اور اسکو جھوٹ بتلایا تیری قوم نے حالانکہ وہ حق ہے تو کہہ دے کہ میں نہیں تم پر داروغہ

لِكُلِّ نَبَاٍ مُّسْتَقَرٌّ ۫ وَّسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿٦٧﴾

ہر ایک خبر کا ایک وقت مقرر ہے اور قریب ہے کہ اس کو جان لو گے ف۷۹

(۶۷) **معاد کا بیان** یعنی شب میں سوتے وقت ظاہری احساس و شعور باقی نہیں رہتا۔ اور آدمی اپنے گرد و پیش بلکہ اپنے جسم کے احوال تک سے بھی بے خبر ہو جاتا ہے۔ گویا اس وقت یہ قوتیں اس سے لے لی گئیں۔

(۶۸) یعنی دن میں جو کچھ چلنا پھرنا، نقل و حرکت اور کسب و اکتساب واقع ہوتا ہے وہ سب کامل تفصیل کے ساتھ خدا کے علم میں موجود ہے۔

(۶۹) یعنی اگر وہ چاہتا تو تم سوتے کے سوتے رہ جاتے لیکن موت کا وعدہ پورا ہونے تک ہر نیند کے بعد تم کو بیدار کرتا رہتا ہے

(۷۰) **اعمال کی نگرانی** دن میں کاروبار کر کے رات کو سونا، پھر سو کر اٹھنا یہ روزمرہ کا سلسلہ ایک چھوٹا سا نمونہ ہے دنیا کی زندگی، پھر موت پھر دوبارہ زندہ کئے جانے کا۔ اسی لئے نیند اور بیداری کے تذکرہ کے ساتھ "مسئلہ معاد" پر متنبہ کر دیا گیا۔

(۷۱) یعنی وہ فرشتے جو تمہاری اور تمہارے اعمال کی نگہداشت کرتے ہیں۔

(۷۲) یعنی جو فرشتے روح قبض کرنے کے لئے بھیجے جاتے ہیں۔

(۷۳) یعنی جس وقت اور جس طرح جان نکالنے کا حکم ہوتا ہے اس میں وہ کسی طرح کی رعایت یا کوتاہی نہیں کرتے۔

(۷۴) یعنی ایک لحظہ میں آدمی کی عمر بھر کی بھلائی برائی واضح کر دے۔

(۷۵) **مشرکین کی ناشکری** یعنی حق تعالیٰ باوجود علم محیط اور قدرت کاملہ کے جس کا بیان اوپر ہوا، تمہاری بداعمالیوں اور شرارتوں کی سزا فوراً نہیں دیتا۔ بلکہ جب مصائب و شدائد کی اندھیریوں میں پھنس کر تم اس کو عاجزی سے پکارتے ہو اور پختہ وعدے

کرتے ہو کہ اس مصیبت سے نکلنے کے بعد کبھی شرارت نہ کریں گے اور ہمیشہ احسان کو یاد رکھیں گے، تو بسا اوقات وہ تمہاری دستگیری کر کے ان مہالک اور ہر قسم کی سختیوں سے نجات دے دیتا ہے لیکن تم پھر بھی اپنے وعدہ پر قائم نہیں رہتے اور مصیبت سے آزاد ہوتے ہی بغاوت شروع کر دیتے ہو۔

(۷۶) یعنی خدا کے امہال و درگذر کو دیکھ کر مامون اور بے فکر نہ ہونا چاہئے۔ جس طرح وہ شدائد و مصائب سے نجات دے سکتا ہے اُسے یہ بھی قدرت ہے کہ کسی قسم کا عذاب تم پر مسلط کر دے۔

(۷۷) **پچھلی امتوں اور اس اُمت کے عذاب میں فرق** اس میں عذاب کی تین قسمیں بیان فرمائیں (۱) جو اوپر سے آئے جیسے پتھر برسنا یا طوفانی ہوا اور بارش (۲) جو پاؤں کے نیچے سے آئے، جیسے زلزلہ یا سیلاب وغیرہ۔ یہ دونوں خارجی اور بیرونی عذاب ہیں جو اگلی قوموں پر مسلط کئے گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاء سے اس اُمت کو اس قسم کے عام عذاب سے محفوظ کر دیا گیا ہے، یعنی اس قسم کا عام عذاب جو گذشتہ اقوام کی طرح اُس اُمۃ کا استیصال کر دے، نازل نہ ہوگا۔ جزئی اور خصوصی واقعات اگر پیش آئیں تو اس کی نفی نہیں، ہاں تیسری قسم عذاب کی جسے اندرونی اور داخلی عذاب کہنا چاہئیے۔ اس اُمت کے حق میں باقی رہی ہے اور وہ پارٹی بندی، باہمی جنگ وجدل اور آپس کی خونریزی کا عذاب ہے۔ موضح القرآن میں ہے کہ قرآن شریف میں اکثر کافروں کو عذاب کا وعدہ دیا۔ یہاں کھول دیا کہ عذاب وہ بھی ہے جو اگلی اُمتوں پر آیا، آسمان سے یا زمین سے اور یہ بھی ہے کہ آدمیوں کو آپس میں لڑا دے اور اُن کو قتل یا قید یا ذلیل کرے۔ حضرت نے سمجھ لیا کہ اس اُمت پر یہ ہی ہوگا، اکثر "عذاب الیم" اور "عذاب مہین" اور "عذاب شدید" اور "عذاب عظیم" ان ہی باتوں کو فرمایا ہے۔ اور آخرت کا عذاب بھی ہے اُن پر جو کافر ہی مرے

(۷۸) یعنی قرآن کو یا عذاب کے آنے کو۔ کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ یہ سب جھوٹی دھمکیاں ہیں، عذاب وغیرہ کچھ نہیں آتا۔

(۷۹) یعنی میرا یہ منصب نہیں کہ تمہاری تکذیب پر خود عذاب نازل کر دوں یا اُس کے وقت اور نوعیت وغیرہ کی تفصیل بتلاؤں میرا کام صرف باخبر اور متنبہ کر دینا ہے۔ آگے ہر چیز کے وقوع کا علم الٰہی میں ایک وقت مقرر ہے۔ جب وقت آجائیگا تم خود جان لوگے کہ میں جس چیز سے ڈراتا تھا وہ کہاں تک سچ ہے۔

وَاِذَا رَاَيْتَ الَّذِيْنَ يَخُوْضُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖ ۭ وَاِمَّا

اور جب تو دیکھے اُن لوگوں کو کہ جھگڑتے ہیں ہماری آیتوں میں تو اُن سے کنارہ کر یہاں تک کہ مشغول ہو جاویں کسی اور بات میں اور اگر

يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۶۸﴾ وَمَا عَلَى الَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ مِنْ

بھلا دے تجھ کو شیطان تو مت بیٹھ یاد آجانے کے بعد ظالموں کے ساتھ ف۸۰ اور پرہیزگاروں پر نہیں ہے جھگڑنے

حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ وَّلٰكِنْ ذِكْرٰى لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿۶۹﴾ وَذَرِ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَعِبًا وَّلَهْوًا وَّ

والوں کے حساب میں سے کوئی چیز لیکن اُنکے ذمہ نصیحت کرنی ہے تاکہ وہ ڈریں ف۸۱ اور چھوڑ دے اُنکو جنہوں نے بنا رکھا ہے اپنے دین کو کھیل اور تماشا ف۸۲ اور

غَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَذَكِّرْ بِهٖٓ اَنْ تُبْسَلَ نَفْسٌۢ بِمَا كَسَبَتْ ڰ لَيْسَ لَهَا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيٌّ

دھوکا دیا اُن کو دنیا کی زندگی نے ف۸۳ اور نصیحت کر اُنکو قرآن سے تاکہ گرفتار نہ ہو جاوے کوئی اپنے کئے میں کہ نہ ہو اُس کے لئے اللہ کے سوا کوئی حمایتی

وَّلَا شَفِيْعٌ ۚ وَاِنْ تَعْدِلْ كُلَّ عَدْلٍ لَّا يُؤْخَذْ مِنْهَا ۭ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ اُبْسِلُوْا بِمَا كَسَبُوْا ۚ لَهُمْ

اور نہ سفارش کرنیوالا اور اگر بدلے میں دے سارے بدلے تو قبول نہ ہوں اُس سے ف۸۴ وہی لوگ ہیں جو گرفتار ہوئے اپنے کئے میں اُن کو

شَرَابٌ مِّنْ حَمِيْمٍ وَّعَذَابٌ اَلِيْمٌۢ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ﴿۷۰﴾ قُلْ اَنَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا ع ۸ / ۱۴

پینا ہے گرم پانی اور عذاب ہے دردناک بدلے میں کفر کے ف۸۵ تو کہہ دے کیا ہم پکاریں اللہ کے سوا اُن کو جو نہ نفع

يَنْفَعُنَا وَلَا يَضُرُّنَا وَنُرَدُّ عَلٰٓى اَعْقَابِنَا بَعْدَ اِذْ هَدٰىنَا اللّٰهُ كَالَّذِي اسْتَهْوَتْهُ الشَّيٰطِيْنُ فِي

پہنچا سکیں ہم کو اور نہ نقصان اور کیا پھر جاویں ہم اُلٹے پاؤں اُسکے بعد کہ اللہ سیدھی راہ دکھا چکا ہم کو مثل اُس شخص کے کہ رستہ بھلا دیا ہو اُسکو جنوں نے جنگل

الْاَرْضِ حَيْرَانَ ۠ لَهٗٓ اَصْحٰبٌ يَّدْعُوْنَهٗٓ اِلَى الْهُدَى ائْتِنَا ۭ قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰي ۭ وَاُمِرْنَا

میں جبکہ وہ حیران ہے اُس کے رفیق بلاتے ہیں اُس کو رستہ کی طرف کہ چلا آ ہمارے پاس ف۸۶ تو کہہ دے کہ اللہ نے جو راہ بتلائی وہی سیدھی راہ ہے ف۸۷ اور ہم کو

لِنُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۷۱﴾ وَاَنْ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّقُوْهُ ۭ وَهُوَ الَّذِيْٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۷۲﴾ وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ

حکم ہوا ہے کہ تابع رہیں پروردگار عالم کے اور یہ کہ قائم رکھو نماز کو اور ڈرتے رہو اللہ سے اور وہی ہے جس کے سامنے تم سب اکٹھے ہو گے اور وہی ہے جس نے پیدا کیا

النصف السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ۭ وَيَوْمَ يَقُوْلُ كُنْ فَيَكُوْنُ ڛ قَوْلُهُ الْحَقُّ ۭ وَلَهُ الْمُلْكُ يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ ۭ

آسمانوں اور زمین کو ٹھیک طور پر اور جس دن کہے گا کہ ہو جا ف۸۸ تو وہ ہو جائیگا اُسی کی بات سچی ہے اور اُسی کی سلطنت ہے جس دن پھونکا جائیگا صور ف۸۹

عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ۭ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ ﴿۷۳﴾ وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ اٰزَرَ اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا اٰلِهَةً ۚ

جاننے والا چھپی اور کھلی باتوں کا اور وہی ہے حکمت والا جاننے والا ف۹۰ اور یاد کر جب کہا ابراہیم نے ف۹۱ اپنے باپ آزر کو ف۹۲ تو کیا مانتا ہے بتوں کو خدا

اِنِّىْٓ اَرٰىكَ وَقَوْمَكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۷۴﴾

میں دیکھتا ہوں کہ تو اور تیری قوم صریح گمراہ ہیں ف۹۳

(۸۰) **استہزاء کرنے والوں کے ساتھ مت بیٹھو** یعنی جو لوگ آیات اللہ پر طعن و استہزاء اور ناحق کی نکتہ چینی میں مشغول ہو کر اپنے کو مستحق عذاب بنا رہے ہیں تم اُن سے خلط ملط نہ رکھو کہیں تم بھی اُن کے زمرہ میں داخل ہو کر مورد عذاب نہ بن جاؤ جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا ہے "انکم اذًا مثلھم" ایک مومن کی غیرت کا تقاضا یہ ہونا چاہیئے کہ ایسی مجلس سے بیزار ہو کر کنارہ کرے اور کبھی بھول کر شریک ہو گیا تو یاد آنے کے بعد فوراً وہاں سے اُٹھ جائے۔ اسی میں اپنی عاقبت کی درستی، دین کی سلامتی اور طعن و استہزاء کرنے والوں کے لئے عملی نصیحت اور تنبیہ ہے۔

(۸۱) اس کے دو معنی ہو سکتے ہیں۔ یعنی اگر پرہیزگار لوگ جھگڑنے اور طعن کرنیوالوں کی مجلس سے اُٹھ کر چلے آئے تو طاعنین کے گمراہی میں پڑے رہنے کا کوئی مواخذہ اور ضرران متقین پر عائد نہیں ہو سکتا۔ ہاں ان کے ذمہ بقدر استطاعت اور حسب موقع نصیحت کرتے رہنا ہے۔ شاید وہ بدبخت نصیحت سن کر اپنے انجام سے ڈر جائیں، یا یہ مطلب ہے کہ پرہیزگار اور محتاط لوگوں کو اگر کسی واقعی معتدبہ دینی یا دنیوی ضرورت سے ایسی مجلس میں جانے کا اتفاق ہو جائے تو اُن کے حق میں طاعنین کے گناہ اور بازپرس کا کوئی اثر نہیں پہنچتا۔ ہاں ان کے ذمہ بشرط قدرت نصیحت کر دینا ہے ممکن ہے کسی وقت اُن پر بھی نصیحت کا اثر پڑ جائے۔

(۸۲) یعنی اپنے اُس دین کو جس کا قبول کرنا اُن کے ذمہ فرض تھا، اور وہ مذہب اسلام ہے۔

(۸۳) دنیا کی لذتوں میں مست ہو کر عاقبت کو بھلا بیٹھے۔

(۸۴) یعنی ایسے لوگوں کو جو تکذیب و استہزاء کی کرتوت میں پکڑے گئے ہوں نہ کوئی حمایتی ملیگا جو مدد کر کے زبردستی عذاب الٰہی سے چھڑا لے اور نہ کوئی سفارش کرنے والا ہو گا جو سعی و سفارش سے کام نکال دے۔ اور نہ کسی قسم کا فدیہ اور معاوضہ قبول کیا جائیگا اگر بالفرض ایک مجرم دنیا بھر کے معاوضے دے کر چھوٹنا چاہے تو نہ چھوٹ سکیگا۔

(۸۵) گذشتہ آیت میں خاص اُس مجلس سے کنارہ کشی کا حکم تھا جہاں آیات اللہ کے متعلق طعن و استہزاء اور ناحق کے جھگڑے کئے جا رہے ہوں۔ اس آیت میں ایسے لوگوں کی عام مجالست و صحبت ترک کر دینے کا ارشاد ہے۔ مگر ساتھ ہی حکم ہے کہ ان نصیحت کر دیا کرو۔ تاکہ وہ اپنے کئے کے انجام سے آگاہ ہو جائیں۔

(۸۶) **مسلمان کی شان** یعنی مسلمان کی شان یہ ہے کہ گمراہوں کو نصیحت کر کے سیدھی راہ پر لائے اور جو خدا سے بھاگ کر غیر اللہ کی چوکھٹ پر سر رکھے ہوئے ہیں اُن کو خدائے واحد کے سامنے سر بسجود کرنے کی فکر کرے۔ اُس سے یہ توقع رکھنا فضول ہے کہ وہ خدا کے سوا کسی ایسی ہستی کے آگے سر جھکائیگا جس کے قبضہ میں نہ نفع ہے نہ نقصان۔ یا اہل باطل کی صحبت میں رہ کر توحید و ایمان کی صاف سڑک چھوڑ دے گا اور شرک کی بھول بھلیاں کی طرف اُلٹے پاؤں پھرے گا۔ اگر معاذ اللہ ایسا ہو تو اس کی مثال اُس مسافر کی سی ہوگی جو اپنے راہ جاننے والے رفقاء کے ساتھ جنگل میں سفر کر رہا تھا کہ ناگاہ غول بیابانی (خبیث جنات) نے اُسے بہکا کر راستہ سے الگ کر دیا۔ وہ چاروں طرف بھٹکتا پھرتا ہے اور اس کے رفقاء از راہ خیر خواہی اُسے آوازیں دے رہے ہیں کہ ادھر آؤ راستہ اس طرف ہے۔ مگر وہ حیران و مخبوط الحواس ہو کر نہ کچھ سمجھتا ہے نہ اُدھر آتا ہے۔ اسی طرح سمجھ لو کہ مسافر آخرت کے لئے سیدھی راہ اسلام و توحید کی ہے اور جن کی رفاقت و معیت میں یہ سفر طے ہوتا ہے وہ پیغمبر اور اُس کے متبعین ہیں۔ جب یہ بدبخت شیاطین و مضلین کے پنجہ میں پھنس کر صحرائے ضلالت میں بھٹکتا پھرتا ہے اس کے ہادی اور رفقاء از راہ ہمدردی جادۂ حق کی طرف بلا رہے ہیں مگر یہ نہ کچھ سنتا ہے نہ سمجھتا ہے۔ تو اے گروہ اشرار کیا تمہاری یہ غرض ہے کہ ہم اپنی ایسی مثال بنا لیں یہ آیت اُن مشرکین کے جواب میں اُتری ہے جنہوں نے مسلمانوں سے ترک اسلام کی درخواست کی تھی۔

(۸۷) ہم سے یہ اُمید مت رکھو کہ اُسے چھوڑ کر ہم شیطان کی بتلائی ہوئی راہوں پر چلیں گے۔

(۸۸) یعنی حشر ہو جا۔

(۸۹) یعنی اُس روز ظاہری اور مجازی طور پر بھی خدا کے سوا کسی کی سلطنت نہ رہے گی۔ لمن الملک الیوم للہ الواحد القہار

(۹۰) جو خدا یہ صفات رکھتا ہے جن کا ذکر ان دو تین آیات میں ہوا، وہ ہی اس لائق ہے کہ ہم اُس کے تابع فرمان ہوں، اس کے سامنے انتہائی عبودیت اختیار کریں اور ہر آن اُس سے ڈرتے رہیں۔ اسی کا ہم کو حکم ہوا ہے۔ جس سے ہم کسی حال منہ نہیں موڑ سکتے۔

(۹۱) **حضرت ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ** گذشتہ آیات میں جو توحید کا اثبات، شرک کی نفی اور مسلمانوں کے ارتداد سے مایوس کیا گیا تھا۔ یہاں موحد اعظم حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے واقعہ سے اسی کی تاکید مقصود ہے اور ضمناً مسلمانوں کو یہ بھی سمجھنا ہے کہ مکذبین و معاندین کو کس طرح نصیحت و فہمائش کی جائے، کس طرح اُن سے علیحدگی اور بیزاری کا اظہار ہونا چاہئے اور کس طرح ایک مومن قانت کو خدا پر اور صرف اکیلے خدا پر بھروسہ رکھنا، اسی سے ڈرنا اور اسی کا تابع فرمان ہونا چاہئے

(۹۲) **حضرت ابراہیمؑ کے باپ کا نام** علمائے انساب نے حضرت ابراہیم کے باپ کا نام "تارخ" لکھا ہے ممکن ہے

"تارخ" نام اور "آزر" لقب ہو۔ ابن کثیر نے مجاہد وغیرہ سے نقل کیا ہے کہ "آزر" بُت کا نام تھا، شاید اس بُت کی خدمت میں زیادہ رہنے سے خود اُن کا لقب آزر پڑ گیا ہو۔ واللہ اعلم۔

(۹۳) اس سے زیادہ صریح و صاف گمراہی کیا ہوگی کہ اکرم المخلوقات "انسان" اپنے ہاتھ سے تراشے پتھروں کو خدائی کا درجہ دے کر اُن کے سامنے سر بسجود ہو جائے اور اُنہی سے مرادیں مانگنے لگے۔

وَكَذٰلِكَ نُرِيٓ إِبْرٰهِيمَ مَلَكُوتَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَلِيَكُونَ مِنَ الْمُوقِنِينَ ﴿۷۵﴾ فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ

اور اسی طرح ہم دکھلانے لگے ابراہیم کو عجائبات آسمانوں اور زمینوں کے اور تاکہ اُس کو یقین آجاوے ف۹۴ پھر جب اندھیرا کر لیا اُس پر

الَّيْلُ رَاٰ كَوْكَبًا ۚ قَالَ هٰذَا رَبِّي ۚ فَلَمَّآ أَفَلَ قَالَ لَآ أُحِبُّ الْاٰفِلِينَ ﴿۷۶﴾ فَلَمَّا رَاَ الْقَمَرَ بَازِغًا قَالَ هٰذَا

رات نے دیکھا اُس نے ایک ستارہ بولا یہ ہے رب میرا پھر جب وہ غائب ہو گیا تو بولا میں پسند نہیں کرتا غائب ہو جانیوالوں کو ف۹۵ پھر جب دیکھا چاند چمکتا ہوا بولا یہ ہے

رَبِّي ۚ فَلَمَّآ أَفَلَ قَالَ لَئِنْ لَّمْ يَهْدِنِي رَبِّي لَأَكُونَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّآلِّينَ ﴿۷۷﴾ فَلَمَّا رَاَ الشَّمْسَ

رب میرا پھر جب وہ غائب ہو گیا بولا اگر نہ ہدایت کریگا مجھ کو رب میرا تو بیشک میں رہونگا گمراہ لوگوں میں ف۹۶ پھر جب دیکھا سورج

بَازِغَةً قَالَ هٰذَا رَبِّي هٰذَآ أَكْبَرُ ۚ فَلَمَّآ أَفَلَتْ قَالَ يٰقَوْمِ إِنِّي بَرِيٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُونَ ﴿۷۸﴾ إِنِّي وَجَّهْتُ

جھلکتا ہوا بولا یہ ہے رب میرا یہ سب سے بڑا ہے ف۹۷ پھر جب وہ غائب ہو گیا بولا اے میری قوم میں بیزار ہوں اُن سے جنکو تم شریک کرتے ہو ف۹۸ میں نے متوجہ کر لیا

وَجْهِيَ لِلَّذِي فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ حَنِيفًا وَّمَآ أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿۷۹﴾

اپنے منہ کو اُسی کی طرف جس نے بنائے آسمان اور زمین سب سے یکسو ہو کر اور میں نہیں ہوں شرک کرنے والا ف۹۹

(۹۴) **حضرت ابراہیمؑ کو کائنات کے عجائبات کا علم** | یعنی جس طرح بت پرستی کی شناعت و قبح ہم نے ابراہیمؑ پر ظاہر کر کے اُس کی قوم کو قائل کیا اسی طرح علویات و سفلیات کے نہایت محکم اور عجیب و غریب نظام ترکیبی کی گہرائیوں پر بھی اس کو مطلع کر دیا تاکہ اُسے دیکھ کر خدا تعالیٰ کے وجود و وحدانیت وغیرہ پر، اور تمام مخلوقات سماوی و ارضی کے محکومانہ عجز و بیچارگی پر استدلال، اور اپنی قوم کے عقیدہ کواکب پرستی و ہیاکل سازی کو علیٰ وجہ البصیرت رد کر سکے۔ اور خود بھی حق الیقین کے اعلیٰ مرتبہ پر فائز ہو۔ بلاشبہ عالم کا یہ اکمل و احکم اور بہترین نظم و نسق ہی ایسی چیز ہے جسے دیکھ کر بالبداہت اقرار کرنا پڑتا ہے کہ اس عظیم الشان مشین کا بنانے اور چلانے والا۔ اس کے پرزوں کو نہایت مضبوط ترتیب و سلیقہ سے جوڑنے والا اور ہزاروں لاکھوں برس سے ایک ہی انداز پر اس کی حفاظت کرنیوالا، بڑا زبردست حکیم و قدیر صانع ہے۔ جس کے حکیمانہ تصرف اور نفوذ و اقتدار سے مشین کا کوئی چھوٹا بڑا پرزہ باہر نہیں جا سکتا۔ یہ کام یوں ہی بخت و اتفاق یا بے شعور طبیعت یا اندھے بہرے مادہ سے نہیں ہو سکتا یورپ کا مشہور و معروف حکیم نیوٹن کہتا ہے کہ "کواکب کی حرکات حالیہ ممکن نہیں کہ محض عام قوت جاذبہ کے فعل کا نتیجہ ہوں۔ یہ قوت جاذبہ تو کواکب کو شمس کی طرف ڈھکیلتی ہے، اس لئے کواکب کو سورج کے گرد حرکت دینے والا ضرور کوئی خدائی ہاتھ ہے، جو باوجود قوت جاذبہ کی عام کشش کے ان کو اپنے مدارات پر قائم رکھ سکے۔ کوئی سبب طبیعی ایسا نہیں بتلایا جا سکتا جس نے تمام کواکب کو کھلی فضاء میں جکڑ بند کر دیا ہے کہ وہ سب سورج کے گرد چکر لگاتے وقت ہمیشہ معین مدارات پر اور ایک خاص جہت ہی میں حرکت کریں جس میں کبھی تخلف نہ ہو۔ پھر کواکب کی حرکات اور درجات سرعت میں اُن کی اور سورج کی درمیانی مسافت کو ملحوظ رکھتے ہوئے جو

دقیق تناسب اور عمیق توازن قائم رکھا گیا ہے۔ کوئی سبب طبیعی نہیں جس سے ہم اُن منظم و محفوظ نوامیس کو وابستہ کر سکیں ناچار اقرار کرنا پڑتا ہے کہ یہ سارا نظام کسی ایسے زبردست حکیم و علیم کے ماتحت ہے جو ان تمام اجرام سماویہ کے مواد اور اُن کی کمیات سے پورا پورا واقف ہے۔ وہ جانتا ہے کہ کس مادہ کی کس قدر مقدار سے کتنی قوت جاذبہ صادر ہوگی۔ اُسی نے اپنے زبردست انداز سے کواکب اور شمس کے درمیان مختلف مسافتیں اور حرکت کے مختلف مدارج مقرر کئے ہیں کہ ایک کا دوسرے سے تصادم و تزاحم نہ ہو، اور عالم ٹکرا کر تباہ نہ ہو جائے۔ ہر چھوٹا بڑا سیارہ نہایت مضبوط نظام کے ماتحت معین وقت پر طلوع و غروب ہوتا ہے۔ جب کوئی ستارہ غروب ہو کر دنیا کو اپنے اس فیض و تاثیر سے محروم کر دے جو طلوع کے وقت حاصل تھا۔ تو نہ اُس ستارہ کی اور نہ کسی مخلوق کی قدرت میں ہے کہ ایک منٹ کے لئے اُسے واپس لے آئے یا غروب سے روک دے۔ یہ رب العالمین ہی کی شان ہے کہ کسی وقت بھی کسی قسم کے افاضہ سے عاجز نہیں۔ والشمس تجری لمستقر لھا ذٰلک تقدیر العزیز العلیم والقمر قدرناہ منازل حتّٰی عاد کالعرجون القدیم لا الشمس ینبغی لھا ان تدرک القمر ولا اللیل سابق النھار وکل فی فلک یسبحون (یٰس رکوع ۳) یہ علویات کا حال ہے تو سفلیات کا اِسی سے اندازہ کر لو۔ یہ ہی تکوینی عجائب اور ملکوت السمٰوات والارض ہیں جن کے دیکھنے سے ابراہیم علیہ السلام کی زبان پر "لا احب الآفلین" "انی وجھت وجھی للذی فطرا لخ" بے ساختہ جاری ہو گیا جو اگلی آیات میں مذکور ہے (کما تدل علیہ الفاء فی قولہ تعالٰی فلما جن الخ)۔

(۹۵) **حضرت ابراہیمؑ کا نجوم سے توحید پر استدلال** کہ انہیں اپنا رب بنا لوں۔ کیا ایک مجبور قیدی اور بیگاری کو شہنشاہی کے تخت پر بٹھلانا کوئی پسند کر سکتا ہے۔ باقی ابراہیم علیہ السلام کا ھٰذا ربی کہنا یا تو استفہام انکاری کے لہجہ میں ہے یعنی کیا یہ ہے رب میرا؟ اور یا بطریق تہکم و تبکیت ہے۔ یعنی یہ ہے رب میرا تمہارے عقیدہ اور گمان کے موافق جیسے موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا" وانظر الی الٰھک الذی ظلت علیہ عاکفا" ای فی زعمک۔ اس کے سوا مفسرین کے اور اقوال بھی ہیں مگر ہمارے خیال میں یہ ہی راجح ہے۔ واللہ اعلم۔

(۹۶) چاند چونکہ بہت حسین اور چمکدار سیارہ ہے۔ اگر خدا دستگیری نہ فرمائے تو بیشک انسان اسی کی چمک دمک پر مفتون ہو کر رہ جائے

(۹۷) یعنی نظام فلکی میں سب سے بڑا اور سب سے زیادہ فیض رساں سیارہ ہے۔ شاید عالم مادی کی کوئی چیز اس کے بلاواسطہ یا بالواسطہ فیض تاثر سے مستغنی ہو؟

(۹۸) یہ تو سب خدا کے مزدور ہیں جو وقت معین پر آتے اور چلے جاتے ہیں۔ ایک منٹ کی تقدیم و تاخیر پر قادر نہیں پھر ان کو خدائی کے حقوق میں شریک کرنا کس قدر گستاخی اور قابل نفرت فعل ہے۔

(۹۹) یعنی ساری مخلوق سے یکسو ہو کر صرف خالق جل وعلا کا دروازہ پکڑ لیا ہے جس کے قبضہ اقتدار میں سب علویات و سفلیات ہیں

وَحَآجَّهٗ قَوْمُهٗ ؕ قَالَ اَتُحَآجُّوْٓنِّیْ فِی اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰىنِ ؕ وَلَآ اَخَافُ مَا تُشْرِكُوْنَ بِهٖۤ اِلَّاۤ اَنْ یَّشَآءَ رَبِّیْ

اور اُس سے جھگڑا کیا اسکی قوم نے بولا کیا تم مجھ سے جھگڑا کرتے ہو اللہ کی ایک ہونے میں اور وہ مجھ کو سمجھا چکا ف ۱۰۰ اور میں ڈرتا نہیں ہوں اُنسے جنکو تم شریک کرتے ہو اُسکا مگر یہ کہ میرا رب ہی کوئی تکلیف

شَیْـًٔا ؕ وَسِعَ رَبِّیْ كُلَّ شَیْءٍ عِلْمًا ؕ اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ ۝۸۰ وَكَیْفَ اَخَافُ مَاۤ اَشْرَكْتُمْ وَلَا تَخَافُوْنَ

پہنچانی چاہے احاطہ کر لیا ہے میرے رب کے علم نے سب چیزوں کا کیا تم نہیں سوچتے ف ۱۰۱ اور میں کیوں کر ڈروں تمہارے شریکوں سے اور تم نہیں ڈرتے

اَنَّكُمْ اَشْرَكْتُمْ بِاللّٰهِ مَا لَمْ یُنَزِّلْ بِهٖ عَلَیْكُمْ سُلْطٰنًا ؕ فَاَیُّ الْفَرِیْقَیْنِ اَحَقُّ بِالْاَمْنِ ۚ اِنْ كُنْتُمْ

اس بات سے کہ شریک کرتے ہو اللہ کا انکو جسکی نہیں اتاری اس نے تم پر کوئی دلیل ف ۱۰۲ اب دونوں فرقوں میں کون مستحق ہے دل جمعی کا بولو اگر تم سمجھ

وقف لازم ع ۱۵

تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۱﴾ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ یَلْبِسُوْٓا اِیْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿۸۲﴾

رکھتے ہو جو لوگ یقین لے آئے اور نہیں ملا دیا انہوں نے اپنے یقین میں کوئی نقصان انہی کے واسطے ہے دل جمعی اور وہی ہیں سیدھی راہ پر ف ۱۰۳

وَتِلْكَ حُجَّتُنَآ اٰتَیْنٰهَآ اِبْرٰهِیْمَ عَلٰی قَوْمِهٖ ؕ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ ؕ اِنَّ رَبَّكَ حَكِیْمٌ عَلِیْمٌ ﴿۸۳﴾ وَوَهَبْنَا

اور یہ ہماری دلیل ہے کہ ہمنے دی تھی ابراہیم کو اس کی قوم کے مقابلہ میں درجے بلند کرتے ہیں ہم جس کے چاہیں تیرا رب حکمت والا ہے جاننے والا ف ۱۰۴ اور بخشا ہم نے

لَهٗٓ اِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ ؕ كُلًّا هَدَیْنَا ۚ وَنُوْحًا هَدَیْنَا مِنْ قَبْلُ وَمِنْ ذُرِّیَّتِهٖ دَاوٗدَ وَسُلَیْمٰنَ وَاَیُّوْبَ

ابراہیم کو اسحٰق اور یعقوب سب کو ہمنے ہدایت دی ف ۱۰۵ اور نوح کو ہدایت کی ہمنے ان سب سے پہلے ف ۱۰۶ اور اسکی اولاد میں سے داؤد اور سلیمان کو اور ایوب

وَیُوْسُفَ وَمُوْسٰی وَهٰرُوْنَ ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۸۴﴾ وَزَكَرِیَّا وَیَحْیٰی وَعِیْسٰی وَاِلْیَاسَ ؕ كُلٌّ مِّنَ

اور یوسف کو اور موسٰی اور ہارون کو ف ۱۰۷ اور ہم اسی طرح بدلا دیا کرتے ہیں نیک کام والوں کو اور زکریا اور یحیٰی اور عیسٰی اور الیاس کو سب ہیں نیک

الصّٰلِحِیْنَ ﴿۸۵﴾ وَاِسْمٰعِیْلَ وَالْیَسَعَ وَیُوْنُسَ وَلُوْطًا ؕ وَكُلًّا فَضَّلْنَا عَلَی الْعٰلَمِیْنَ ﴿۸۶﴾

بختوں میں اور اسمٰعیل اور الیسع کو اور یونس کو اور لوط کو اور سب کو ہمنے بزرگی دی سارے جہان والوں پر ف ۱۰۸

(۱۰۰) یعنی جس کو خدا سمجھا چکا اور ملکوت السمٰوٰت والارض کی علیٰ وجہ البصیرت سیر کرا چکا کیا اس سے یہ اُمید رکھتے ہو کہ وہ تمہارے جھگڑنے اور بیہودہ جدول و بحث کرنے سے بہک جائیگا۔ کبھی نہیں۔

(۱۰۱) حضرت ابراہیم کی قوم کہتی تھی کہ تم جو ہمارے معبودوں کی توہین کرتے ہو۔ ڈرتے رہو کہیں اس کے وبال میں تم معاذ اللہ مجنون اور پاگل نہ بن جاؤ۔ یا اور کسی مصیبت میں گرفتار ہو جاؤ۔ اس کا جواب دیا کہ میں ان سے کیا ڈرونگا جن کے ہاتھ میں نفع و نقصان اور تکلیف و راحت کچھ بھی نہیں۔ ہاں میرا پروردگار مجھے کوئی تکلیف پہنچانا چاہے تو اس سے دنیا میں کون مستثنٰی ہے۔ وہ ہی اپنے علم محیط سے جانتا ہے کہ کس شخص کو کن حالات میں رکھنا مناسب ہوگا۔

(۱۰۲) یعنی میں تمہارے معبودوں سے کیوں ڈروں حالانکہ نہ اُن کے قبضہ میں نفع و ضرر ہے اور نہ توحید کو اختیار کرنا کوئی جرم ہے۔ جس سے اندیشہ ہو۔ ہاں تم خدا کے باغی اور مجرم بھی ہو اور خدا مالک نفع و ضرر بھی ہے لہٰذا تم کو اپنے جرائم کی سزا سے ڈرنا چاہیئے۔

(۱۰۳) **ظلم اور شرک** احادیث صحیحہ میں منقول ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں ظلم کی تفسیر شرک سے فرمائی جیسا کہ سورۂ لقمان میں ہے اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ گویا ظلم کی تنوین تعظیم کے لئے ہوئی۔ تو حاصل مضمون یہ ہوگا کہ مامون و مہتدی صرف وہی لوگ ہو سکتے ہیں جو یقین لائے اس طرح کہ اس میں شرک کی ملاوٹ بالکل نہ ہو۔ اگر خدا پر یقین رکھنے کے باوجود شرک کو نہ چھوڑا تو وہ نہ ایمان شرعی ہے نہ اُس کے ذریعہ سے امن و ہدایت نصیب ہو سکتی ہے۔ وہو کما قال "وَمَا یُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُوْنَ" (یوسف رکوع ۱۲) چونکہ ایمان و شرک کا جمع ہونا بظاہر مستبعد تھا اس لئے مترجم محقق قدس سرہٗ نے بغرض تسہیل و تفہیم ایمان کا ترجمہ یقین سے اور ظلم کا نقصان سے کیا جو لغت عرب کے عین مطابق ہے۔ کما فی قولہ تعالیٰ "وَلَمْ تَظْلِمْ مِّنْهُ شَیْـًٔا" اور اس نقصان سے مراد شرک ہی لیا جائیگا۔ جیسا کہ احادیث میں تصریح ہو چکی اور خود نظم کلام میں لفظ لَبْس اُس کا قرینہ ہے۔ اس کی مفصل تحقیق خود مترجم رحمہ اللہ مقدمہ میں فرما چکے ہیں وہاں دیکھ لیا جائے۔

(۱۰۴) یعنی ابراہیم علیہ السلام کو ایسی دلائل قاہرہ دے کر اُن کی قوم پر غالب فرمانا اور دنیا و آخرت میں سربلند کرنا اُسی علیم و حکیم کا کام

ہو سکتا ہے جو ہر شخص کی استعداد و قابلیت کو جانتا ہے اور اپنی حکمت سے ہر چیز کو اُس کے مناسب موقع و مقام پر رکھتا ہے۔

(۱۰۵) **انبیاء علیہم السلام کا تذکرہ** یعنی نہ صرف یہ کہ ہم نے ابراہیم کو ذاتی علم و فضل سے سرفراز کیا بلکہ بڑھاپے میں اسحٰق جیسا بیٹا اور یعقوب جیسا پوتا عطا فرمایا۔ یعقوب وہ ہی اسرائیل ہیں جن کی طرف دنیا کی ایک عظیم الشان قوم "بنی اسرائیل" منسوب ہیں جن میں سے ہزاروں نبی اٹھائے گئے بلکہ جیسا کہ قرآن میں دوسری جگہ مذکور ہے، ابراہیمؑ کے بعد حق تعالیٰ نے ہمیشہ کے لئے اُن ہی کی نسل میں نبوت اور پیغمبری رکھ دی۔

(۱۰۶) پہلے ابراہیم علیہ السلام کے بعض فروع کا ذکر تھا اب بعض اصول کو ذکر فرمایا۔ کیونکہ نوح علیہ السلام حضرت ابراہیمؑ کے اجداد میں سے ہیں اور جس طرح ابراہیمؑ کے بعد نبوت و کتاب کا انحصار صرف اُن کی ذریت میں کر دیا گیا تھا اسی طرح نوح کے بعد نوع انسانی کا انحصار نوح کی نسل میں ہو گیا۔ گویا طوفان کے بعد وہ دنیا کے لئے آدم ثانی ہوئے۔ وجعلنا ذریتہ ھم الباقین۔

(۱۰۷) ظاہری ملک و سلطنت کے اعتبار سے انبیاء علیہم السلام میں داؤد و سلیمانؑ ہم رنگ ہیں اور مصائب و شدائد پر صبر کرنے کے لحاظ سے ایوبؑ و یوسفؑ میں خاص مشابہت ہے۔ باقی موسیٰؑ اور ہارونؑ کے قریبی تعلقات کی نسبت تو کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔ خود حضرت موسیٰؑ نے ہارونؑ کو بطور اپنے وزیر کے حق تعالیٰ سے طلب کیا تھا۔ مترجم محقق قدس اللہ روحہ نے ان میں سے ہر دو ناموں کے بعد لفظ "کو" لا کر شاید اسی قسم کے لطائف پر متنبہ فرمایا ہے۔ واللہ اعلم۔

(۱۰۸) یعنی اپنے اپنے زمانہ کے جہان والوں پر۔

وَمِنْ اٰبَآئِہِمْ وَذُرِّیّٰتِہِمْ وَاِخْوَانِہِمْ ۚ وَاجْتَبَیْنٰہُمْ وَہَدَیْنٰہُمْ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ﴿۸۷﴾ ذٰلِکَ ہُدَی

اور ہدایت کی ہم نے بعضوں کو انکے باپ دادوں میں سے اور انکی اولاد میں سے اور بھائیوں میں سے اور انکو ہم نے پسند کیا اور سیدھی راہ چلایا یہ اللہ کی ہدایت

اللّٰہِ یَہْدِیْ بِہٖ مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِہٖ ۭ وَلَوْ اَشْرَکُوْا لَحَبِطَ عَنْہُمْ مَّا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۸۸﴾ اُولٰٓئِکَ

ہے اس پر چلاتا ہے جس کو چاہے اپنے بندوں میں سے ف۱۰۹ اور اگر یہ لوگ شرک کرتے تو البتہ ضائع ہو جاتا جو کچھ انہوں نے کیا تھا ف۱۱۰ یہی لوگ تھے

الَّذِیْنَ اٰتَیْنٰہُمُ الْکِتٰبَ وَالْحُکْمَ وَالنُّبُوَّۃَ ۚ فَاِنْ یَّکْفُرْ بِہَا ہٰٓؤُلَآءِ فَقَدْ وَکَّلْنَا بِہَا قَوْمًا

جن کو دی ہم نے کتاب اور شریعت اور نبوت پھر اگر ان باتوں کو نہ مانیں مکہ والے تو ہم نے اُن باتوں کے لئے مقرر کر دیے ہیں

لَّیْسُوْا بِہَا بِکٰفِرِیْنَ ﴿۸۹﴾ اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ ہَدَی اللّٰہُ فَبِہُدٰىہُمُ اقْتَدِہْ ۭ قُلْ لَّآ اَسْئَلُکُمْ عَلَیْہِ

ایسے لوگ جو اُن سے منکر نہیں ف۱۱۱ یہ وہ لوگ تھے جن کو ہدایت کی اللہ نے سو تو چل اُن کے طریقہ پر ف۱۱۲ تو کہہ دے کہ میں نہیں مانگتا تم سے اس پر کچھ

اَجْرًا ۭ اِنْ ہُوَ اِلَّا ذِکْرٰی لِلْعٰلَمِیْنَ ﴿۹۰﴾ ع۱۰ / ۱۶

مزدوری یہ تو محض نصیحت ہے جہان کے لوگوں کو ف۱۱۳

(۱۰۹) یعنی خالص توحید اور معرفت و اطاعت خداوندی کا راستہ یہی وہ ہے جس پر حق تعالیٰ اپنے فضل و توفیق سے مقبول بندوں کو چلاتا ہے۔ پھر اس کے صلہ میں حسب استعداد درجات بلند کرتا ہے۔

(۱۱۰) یہ ہم کو سنایا گیا کہ شرک انسان کے تمام اعمال کو حبط کر دیتا ہے۔ اور کسی کی تو حقیقت کیا ہے اگر بفرض محال انبیاء و مقربین سے معاذ اللہ ایسی حرکت سرزد ہو تو سارا کیا دھرا اکارت ہو جائے۔

(۱۱۱) اگر مکہ کے کافر یا دوسرے منکرین ان باتوں (کتاب، شریعت اور نبوت) سے انکار کریں تو خدا کا دین اُن پر موقوف نہیں، ہم نے دوسری قوم یعنی مہاجرین و انصار اور اُن کے اتباع کو ان چیزوں کی تسلیم و قبول اور حفاظت و ترویج کے لئے مسلط فرما دیا ہی جو ہماری کسی بات سے بھی منہ موڑنے والے نہیں۔

(۱۱۲) **تمام انبیاء کا طریقہ ایک ہی ہے** تمام انبیاء علیہم السلام عقائد، اصول دین، اور مقاصد کلیہ میں متحد ہیں، سب کا دستور اساسی ایک ہے ہر نبی کو اسی پر چلنے کا حکم ہے۔ آپ بھی اسی طریق مستقیم پر چلتے رہنے کے مامور ہیں۔ گویا اس آیت میں متنبہ کر دیا کہ اصولی طور پر آپ کا راستہ انبیائے سابقین کے راستہ سے جدا نہیں۔ رہا فروع کا اختلاف وہ ہر زمانہ کی مناسبت و استعداد کے اعتبار سے پہلے بھی واقع ہوتا رہا ہے اور اب بھی واقع ہو تو مضائقہ نہیں۔ (فائدہ) علمائے اصول نے اس آیت کے عموم سے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کسی معاملہ میں شرائع سابقہ کا ذکر فرمائیں تو وہ اس اُمت کے حق میں بھی سند ہے بشرطیکہ شارع نے اس پر کلی یا جزئی طور پر انکار نہ فرمایا ہو۔

(۱۱۳) یعنی اگر تم نہیں مانتے تو میرا کوئی نفع فوت نہیں ہوتا کیونکہ میں تم سے کسی طرح کے اجر کا طالب نہیں۔ میرا اجر تو خدا کے یہاں ثابت ہے۔ ہاں تم نصیحت سے انحراف کر کے خود اپنا نقصان کرو گے۔ سارے جہان میں سے ایک نہیں تو دوسرا نصیحت کو قبول کرے گا۔ جو انکار کریگا اُسے اپنی محرومی اور بدبختی کا ماتم کرنا چاہئے۔

وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖٓ اِذْ قَالُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ مِّنْ شَيْءٍ ؕ قُلْ مَنْ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ

اور نہیں پہچانا انہوں نے اللہ کو پورا پہچاننا جب کہنے لگے کہ نہیں اُتاری اللہ نے کسی انسان پر کوئی چیز ف۱۱۴ پوچھ تو کس نے اُتاری وہ کتاب

الَّذِيْ جَآءَ بِهٖ مُوْسٰى نُوْرًا وَّهُدًى لِّلنَّاسِ تَجْعَلُوْنَهٗ قَرَاطِيْسَ تُبْدُوْنَهَا وَتُخْفُوْنَ كَثِيْرًا ۚ وَ

جو موسٰی لے کر آیا تھا روشن تھی اور ہدایت تھی لوگوں کیواسطے جس کو تم نے ورق ورق کر کے لوگوں کو دکھلایا اور بہت سی باتوں کو تم نے چھپا رکھا اور

عُلِّمْتُمْ مَّا لَمْ تَعْلَمُوْٓا اَنْتُمْ وَلَآ اٰبَآؤُكُمْ ؕ قُلِ اللّٰهُ ۙ ثُمَّ ذَرْهُمْ فِيْ خَوْضِهِمْ يَلْعَبُوْنَ ﴿۹۱﴾ وَهٰذَا كِتٰبٌ

تم کو سکھلا دیں جن کو نہ جانتے تھے تم اور نہ تمہارے باپ دادے ف۱۱۵ تو کہہ دے کہ اللہ نے اُتاری پھر چھوڑ دے اُن کو اپنی خرافات میں کھیلتے رہیں ف۱۱۶ اور یہ قرآن و کتاب ہے

اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ مُّصَدِّقُ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَلِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا ؕ وَالَّذِيْنَ

جو کہ ہم نے اُتاری برکت والی تصدیق کرنیوالی اُن کی جو اس سے پہلی ہیں ف۱۱۷ اور تاکہ تو ڈرا دے مکہ والوں کو اور اُس کے آس پاس والوں کو ف۱۱۸ اور جن کو

يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَهُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ﴿۹۲﴾

یقین ہے آخرت کا وہ اُس پر ایمان لاتے ہیں اور وہ ہیں اپنی نماز سے خبردار ف۱۱۹

(۱۱۴) **کفار کا نزول وحی سے انکار** پچھلے رکوع میں منصب نبوت اور بہت سے انبیاء علیہم السلام کا نام بنام تذکرہ تھا اور یہ کہ نبی عربی صلی اللہ علیہ وسلم بھی توحید و معرفت کی اُسی صراطِ مستقیم پر چلتے رہنے کے مامور ہیں جس پر انبیائے سابقین کو چلایا گیا تھا۔ پیغمبروں کا ہدایت خلق اللہ کے لئے بھیجنا حق تعالیٰ کی قدیم عادت رہی ہے۔ آیات حاضرہ میں اُن جاہلوں اور معاندوں کا رد کیا گیا ہے جو بدفہمی، جہل و غباوت یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عداوت کے جوش اور غصہ میں بے قابو ہو کر حق تعالیٰ کی اس صفت ہی کا انکار کرنے لگے کہ وہ کسی انسان کو اپنی وحی و مکالمہ خاص سے مشرف فرمائے۔ گویا انزالِ کتب و ارسال رُسل کے سلسلہ ہی کی

سرے سے نفی کر دی گئی۔

(۱۱۵) **تورات کے وجود سے استدلال** یعنی اگر واقعی خدا نے کسی انسان پر کوئی چیز نہیں اُتاری، تو "تورات مقدس" جیسی عظیم الشان کتاب جو احکام و مرضیات الٰہیہ پر بندوں کو مطلع کرتی اور رشد و ہدایت کی عجیب و غریب روشنی اپنے اندر رکھتی اور ان چیزوں کا علم تم کو عطا کرتی تھی جنہیں تم اور تمہارے باپ دادا بلکہ کل بنی آدم بھی بدون اعلام الٰہی محض اپنی عقل و حواس سے دریافت نہیں کر سکتے تھے، وہ کہاں سے آگئی اور کس نے موسیٰ علیہ السلام پر اُتاری۔ مانا کہ آج تم اُسے ورق ورق اور ٹکڑے ٹکڑے کر کے لوگوں کو اپنی خواہش کے موافق دکھلاتے اور اس کے بہت سے اخبار و احکام کو چھپائے بیٹھے ہو۔ اور اس طرح اُس کی اصل روشنی تم نے باقی نہیں چھوڑی۔ تاہم جو حصہ آج باقی رہ گیا ہے وہ ہی پتہ دے رہا ہے کہ جس محل کے کھنڈرات یہ ہیں وہ اپنے زمانۂ عروج میں کیسا عظیم الشان ہو گا۔

(۱۱۶) یعنی ایسا نور و ہدایت، بجز خدا کے اور کس خزانہ سے آسکتا ہے؟ اگر ایسی صاف اور بدیہی چیز کو بھی یہ لوگ نہیں مانتے تو آپ تبلیغ و تنبیہ کر کے سبکدوش ہو جائیے۔ اور ان کو چھوڑ دیجئے کہ یہ اپنی خرافات اور لہو و لعب میں مشغول رہیں جب وقت آئے گا خدا خود اُن کو بتلا دے گا۔

(۱۱۷) یعنی اگر خدا نے کوئی چیز نہیں اُتاری تو یہ مبارک کتاب کہاں سے آئی جس کا نام قرآن ہے اور جو تمام پچھلی کتابوں کے مضامین کی تصدیق کرنے والی ہے۔ اگر یہ آسمانی کتاب نہیں تو بتلاؤ کس کی تصنیف ہے جس کا مثل لانے پر جن و انس قادر نہ ہوں کیا اُسے ایک اُمّی کی تصنیف کہہ سکتے ہیں۔

(۱۱۸) **اُمّ القریٰ** "اُمّ القریٰ" بستیوں کی اصل اور جڑ کو کہتے ہیں۔ مکہ معظمہ تمام عرب کا دینی و دنیوی مرجع تھا اور جغرافیائی حیثیت سے بھی قدیم دنیا کے وسط میں مرکز کی طرح واقع ہے اور جدید دنیا (امریکہ) اُس کے نیچے ہے اور روایات حدیثیہ کے موافق پانی سے زمین بنائی گئی تو اوّل یہ ہی جگہ کھلی تھی۔ ان وجوہ سے مکہ کو "اُمّ القریٰ" فرمایا۔ اور اُس پاس سے مراد یا عرب ہے کیونکہ دنیا میں قرآن کے اوّل مخاطب وہ ہی تھے اُن کے ذریعہ سے باقی دنیا کو خطاب ہوا اور یا سارا جہان مراد ہو جیسے فرمایا لیکون للعالمین نذیرًا۔

(۱۱۹) جسے آخرت کی زندگی پر یقین اور بعد الموت کا خیال ہو گا، اُسی کو ہدایت اور طریق نجات کی تلاش ہو گی وہ ہی پیغام الٰہی کو قبول اور نماز وغیرہ عبادات کی حفاظت کرے گا۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ قَالَ اُوْحِيَ اِلَيَّ وَلَمْ يُوْحَ اِلَيْهِ شَيْءٌ وَّمَنْ قَالَ

اور اُس سے زیادہ ظالم کون جو باندھے اللہ پر بہتان یا کہے مجھ پر وحی اُتری اور اُس پر وحی نہیں اُتری کچھ بھی اور جو کہے

سَاُنْزِلُ مِثْلَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ ۭ وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِيْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ وَالْمَلٰۗىِٕكَةُ بَاسِطُوْٓا

کہ میں بھی اُتارتا ہوں مثل اُسکی جو اللہ نے اُتارا ف ۱۲۰ اور اگر تو دیکھے جس وقت کہ ظالم ہوں موت کی سختیوں میں ف ۱۲۱ اور فرشتے اپنے ہاتھ بڑھا

اَيْدِيْهِمْ ۚ اَخْرِجُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۭ اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ

رہے ہیں کہ نکالو اپنی جانیں ف ۱۲۲ آج تم کو بدلے میں ملیگا ذلت کا عذاب ف ۱۲۳ اس سبب سے کہ تم کہتے تھے اللہ پر جھوٹی باتیں

وَكُنْتُمْ عَنْ اٰيٰتِهٖ تَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۹۳﴾

اور اُس کی آیتوں سے تکبر کرتے تھے ف ۱۲۴

(۱۲۰) **ظالموں پر موت کی سختی** خدا پر بہتان باندھنے سے شاید یہ مراد ہے کہ خدا کی طرف اُن باتوں کی نسبت کرے جو اُس کی شان رفیع کے لائق نہیں۔ مثلاً کسی کو اُس کا شریک ٹھہرائے یا بیوی بچے تجویز کرے یا یوں کہے ما انزل اللہ علی بشر من شیء یعنی اُس نے بندوں کی ہدایت کا کوئی سامان نہیں کیا۔ ایسا کہنے والا سخت ظالم ہے اسی طرح جو شخص نبوت و پیغمبری کا جھوٹا دعوٰی کرے، یا یہ ڈینگ مارے کہ خدا کے جیسا کلام تو میں لا سکتا ہوں۔ جیسے بعض مشرکین کہتے تھے لو نشاء لقلنا مثل ھذا یہ سب باتیں انتہائی ظلم اور دیدہ دلیری کی ہیں جس کی سزا کا تھوڑا سا حال آگے مذکور ہے۔

(۱۲۱) یعنی موت کی باطنی اور روحانی سختیوں میں۔

(۱۲۲) **آخرت میں کفار کا حال** یعنی روح قبض کرنے اور سزا دینے کو ہاتھ بڑھا رہے ہیں اور مزید تشدید اور اظہار غیظ کے لئے کہتے جاتے ہیں کہ نکالو اپنی جانیں (جنہیں بہت دنوں سے بانواع حیل بچاتے پھرتے تھے)

(۱۲۳) یعنی سخت تکلیف کے ساتھ ذلت و رسوائی بھی ہوگی۔

(۱۲۴) یعنی ازراہ تکبر آیات اللہ کو جھٹلاتے تھے۔

وَلَقَدْ جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰى كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّتَرَكْتُمْ مَّا خَوَّلْنٰكُمْ وَرَآءَ ظُهُوْرِكُمْ ۚ وَمَا نَرٰى

اور البتہ تم ہمارے پاس آگئے ایک ایک ہو کر جیسے ہم نے پیدا کیا تھا تمکو پہلی بار اور چھوڑ آئے تم جو کچھ اسباب ہم نے تم کو دیا تھا اپنی پیٹھ کے پیچھے ف ۱۲۵ اور ہم نہیں دیکھتے

مَعَكُمْ شُفَعَآءَكُمُ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ اَنَّهُمْ فِيْكُمْ شُرَكٰٓؤُا ۚ لَقَدْ تَّقَطَّعَ بَيْنَكُمْ وَضَلَّ عَنْكُمْ مَّا

تمہارے ساتھ سفارش والوں کو جن کو تم بتلایا کرتے تھے کہ اُن کا تم میں ساجھا ہے البتہ منقطع ہو گیا تمہارا علاقہ اور جاتے رہے جو دعوے کہ

ع ۱۱ / ۱۷ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ﴿۹۴﴾ اِنَّ اللّٰهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوٰى ۭ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَمُخْرِجُ الْمَيِّتِ مِنَ الْحَيِّ ۭ

تم کیا کرتے تھے ف ۱۲۶ اللہ ہے کہ پھوڑ نکالتا ہے دانہ اور گٹھلی نکالتا ہے مُردہ سے زندہ اور نکالنے والا ہے زندہ سے مُردہ

ذٰلِكُمُ اللّٰهُ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ﴿۹۵﴾ فَالِقُ الْاِصْبَاحِ ۚ وَجَعَلَ الَّيْلَ سَكَنًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ حُسْبَانًا ۭ ذٰلِكَ

یہ ہے اللہ پھر تم کدھر بہکے جاتے ہو ف ۱۲۷ پھوڑ نکالنے والا صبح کی روشنی کا ف ۱۲۸ اور اُس نے رات بنائی آرام کو اور سورج اور چاند حساب کے لئے یہ اندازہ

تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ﴿۹۶﴾ وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ النُّجُوْمَ لِتَهْتَدُوْا بِهَا فِيْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ۭ

رکھا ہوا ہے زور آور خبردار کا ف ۱۲۹ اور اُسی نے بنا دیے تمہارے واسطے ستارے کہ اُنکے وسیلہ سے راستے معلوم کرو اندھیروں میں جنگل اور دریا کے ف ۱۳۰

قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿۹۷﴾ وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ فَمُسْتَقَرٌّ وَّ

البتہ ہم نے کھول کر بیان کر دیے پتے ان لوگوں کے لئے جو جانتے ہیں اور وہی ہے جس نے تم سب کو پیدا کیا ایک شخص سے ف ۱۳۱ پھر ایک تو تمہارا ٹھکانا ہے اور

مُسْتَوْدَعٌ ۭ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّفْقَهُوْنَ ﴿۹۸﴾

ایک امانت رکھی جانے کی جگہ ف ۱۳۲ البتہ ہم نے کھول کر سنا دیے پتے اس قوم کو جو سوچتے ہیں

(۱۲۵) یعنی نہ سر پہ ٹوپی نہ پاؤں میں جوتی تہیدست چلے آرہے ہو اور جس ساز و سامان پر فخر و ناز تھا اُسے ہمراہ نہیں لائے کہیں پیچھے چھوڑ آئے ہو۔

(۱۲۶) یعنی جن کو تم سمجھتے تھے کہ آڑے وقت میں ہمارا ہاتھ بٹائیں گے اور مصیبت میں ساتھ ہوں گے، وہ کہاں چلے گئے آج ہم ان کو تمہاری سفارش اور حمایت پر نہیں دیکھتے۔ حمایت و نصرت کے وہ علاقے آج ٹوٹ گئے اور جو لمبے چوڑے دعوے تم کیا کرتے تھے، سب رفو چکر ہوئے۔

(۱۲۷) **توحید کے دلائل** یعنی زمین میں دبائے جانے کے بعد گٹھلی اور دانہ کو پھاڑ کر سبز پودہ اگانا۔ یا جاندار کو بیجان سے اور بیجان کو جاندار سے نکالنا (مثلاً آدمی کو نطفہ سے، نطفہ کو آدمی سے پیدا کرنا) اُسی خدا کا کام ہے۔ پھر اُسے چھوڑ کر تم کدھر بہکے جا رہے ہو؟ کیا اور کوئی ہستی تمہیں ایسی مل سکتی ہے جو ان کاموں کو انجام دے سکے۔

(۱۲۸) یعنی رات کی تاریکی میں سے جو پہلی پھٹ کر صبح صادق نمودار ہوتی ہے، اُس کا نکالنے والا بھی وہ ہی ہے۔

(۱۲۹) **نجوم سے راستوں کا علم** رات دن اور چاند سورج کا جو حکیمانہ نظام اور اُن کی رفتار کا جو حساب مقرر فرما دیا اس میں ذرا بھی تخلف یا کم و بیش نہیں ہوتا۔

(۱۳۰) یعنی بلا واسطہ اُن سے رستہ معلوم کر دیا یا بواسطہ۔ مثلاً قطب نما کے ذریعہ سے۔

(۱۳۱) یعنی حضرت آدم علیہ السلام سے۔

(۱۳۲) **انسانوں کے ٹھکانے** "مستقر" ٹھہرنے کی جگہ جسے ٹھکانا کہا۔ اور "مستودع" سپرد کئے جانے اور امانت رکھے جانے کی جگہ کو کہتے ہیں۔ یہ تو لغوی معنی ہوئے۔ آگے دونوں کے مصداق کی تعیین میں مفسرین کا اختلاف ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے موضح القرآن میں جو کچھ لکھا ہے وہ ہم کو پسند ہے یعنی "اوّل سپرد ہوتا ہے ماں کے پیٹ میں کہ آہستہ آہستہ دنیا کے اثر پیدا کرے پھر آکر ٹھہرتا ہے دنیا میں۔ پھر سپرد ہو گا قبر میں کہ آہستہ آہستہ اثر آخرت کے پیدا کرے پھر جا ٹھہرے گا جنت میں یا دوزخ میں"۔

وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَاۗءِ مَاۗءً ۚ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ نَبَاتَ كُلِّ شَيْءٍ فَاَخْرَجْنَا مِنْهُ خَضِرًا

اور اسی نے اتارا آسمان سے پانی پھر نکالی ہم نے اس سے اگنے والی ہر چیز ف۱۳۳ پھر نکالی اس میں سے سبز کھیتی جس

نُّخْرِجُ مِنْهُ حَبًّا مُّتَرَاكِبًا ۚ وَمِنَ النَّخْلِ مِنْ طَلْعِهَا قِنْوَانٌ دَانِيَةٌ وَّجَنّٰتٍ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّ

سے ہم نکالتے ہیں دانے ایک پر ایک چڑھا ہوا اور کھجور کے گابھے میں سے پھل کے گچھے جھکے ہوئے ف۱۳۴ اور باغ انگور کے اور

الزَّيْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُشْتَبِهًا وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ ۭ اُنْظُرُوْٓا اِلٰى ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَيَنْعِهٖ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكُمْ

زیتون کے اور انار کے آپس میں ملتے جلتے اور جدا جدا بھی ف۱۳۵ دیکھو ہر ایک درخت کے پھل کو جب وہ پھل لاتا ہے اور اس کے پکنے کو ف۱۳۶ ان چیزوں میں

لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۹۹﴾ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَاۗءَ الْجِنَّ وَخَلَقَهُمْ وَخَرَقُوْا لَهٗ بَنِيْنَ وَبَنٰتٍۢ بِغَيْرِ

نشانیاں ہیں واسطے ایمان والوں کے ف۱۳۷ اور ٹھہراتے ہیں اللہ کے شریک جنوں کو حالانکہ اسی نے ان کو پیدا کیا ہے ف۱۳۸ اور تراشتے ہیں اس کے واسطے بیٹے اور بیٹیاں جہالت ۱۲ ع ۱۸

عِلْمٍ ۭ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿۱۰۰﴾

سے ف۱۳۹ وہ پاک ہے اور بہت دور ہے ان باتوں سے جو یہ لوگ بیان کرتے ہیں ف۱۴۰

(۱۳۳) **نباتات سے توحید کے دلائل** یعنی آسمان کی طرف سے بادل برسایا جو سبب ہے نباتات کے اگانے کا۔

(۱۳۴) یعنی بسبب بوجھل ہونے کے نیچے کو جھکے ہوئے۔

(۱۳۵) یعنی صورت شکل، مقدار، رنگ، بو، اور مزہ کے اعتبار سے بعضے پھل ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں، بعضے نہیں۔

(۱۳۶) یعنی ابتداءً جب پھل آتا ہے تو کچا، بدمزہ اور ناقابل انتفاع ہوتا ہے۔ پھر پکنے کے بعد کیسا لذیذ، خوش ذائقہ اور کار آمد بن جاتا ہے۔ یہ سب خدا کی قدرت کا ظہور ہے۔

(۱۳۷) **انسان کی جسمانی اور روحانی کفالت** اس رکوع میں حق تعالیٰ کے جن افعال وصفات اور مظاہر قدرت کا بیان ہوا، اُن سے خدا کے وجود، وحدانیت اور کامل الصفات ہونے پر استدلال تو واضح ہے۔ لیکن غور کیا جائے تو وحی و نبوت کا مسئلہ بھی بڑی حد تک حل ہو جاتا ہے۔ کیونکہ جب حق تعالیٰ نے اپنے فضل و رحمت سے ہماری دنیوی زندگی اور مادی حوائج کے انتظام و انصرام کے لئے اس قدر اسباب ارضی و سماوی مہیا فرمائے ہیں، تو یہ کہنا کس قدر لغو اور غلط ہو گا کہ ہماری حیات اُخروی اور روحانی ضروریات کے انجام پانے کا اس نے کوئی سامان نہیں کیا۔ یقیناً جس رب کریم نے ہماری جسمانی غذاؤں کے نشو و نما کے لئے آسمان سے پانی اتارا ہے۔ ہمارے روحانی تغذیہ کے لئے بھی اُسی نے سحاب ہائے نبوت سے وحی والہام کی بارش نازل فرمائی۔ جب وہ بر و بحر کی اندھیریوں میں ستاروں کے ذریعہ سے ظاہری رہنمائی کرتا ہے تو کیسے ممکن ہے کہ باطنی رہنمائی کے لئے اُس نے ایک ستارہ بھی آسمان روحانیت پر روشن نہ کیا ہو۔ رات کی تاریکی کے بعد اُس نے صبح صادق کا اُجالا کیا اور مخلوق کو موقع دیا کہ وہ اپنے دنیوی کاروبار میں چاند اور سورج کی روشنی سے ایک معین حساب کے ماتحت منتفع و مستفید ہوتی رہے۔ پھر کیسے کہا جا سکتا ہے کہ کفر و شرک، ظلم و عدوان اور فسق و فجور کی شب دیجور میں اس کی طرف سے کوئی چاند نہ چمکا، نہ صبح صادق کا نور پھیلا، نہ رات ختم ہو کر کوئی آفتاب طلوع ہوا؟ خدا کی ساری مخلوق ابد الآباد کے لئے جہل و ضلالت کی گھٹا ٹوپ اندھیری میں پڑی چھوڑ دی گئی۔ کیا گیہوں کے دانہ اور کھجور کی گٹھلی کو پھاڑ کر خدائے کریم سر سبز درخت اگاتا ہے۔ پر انسان کے قلب میں معرفت ربانی کی استعداد کا جو بیج فطرۃً بکھیرا گیا تھا وہ یوں ہی بیکار ضائع کر دیا گیا کہ نہ اُبھرا نہ پھلا نہ پکا نہ تیار ہوا۔ جب جسمانی حیثیت سے دنیا میں حیّ و میّت کا سلسلہ قائم ہے خدا زندہ سے مُردہ کو اور مُردہ سے زندہ کو نکالتا رہتا ہے تو روحانی نظام میں خدا کی اس عادت کا کیوں انکار کیا جائے بیشک روحانی طور پر بھی وہ بہت دفعہ ایک زندہ قوم سے مُردہ اور مُردہ قوم سے زندہ افراد پیدا کرتا ہے۔ اور جس طرح اس نے ہماری دنیوی زندگی کے مستقر و مستودع کا حکیمانہ بندوبست کیا ہے حیات اُخروی کے مستقر و مستودع کے سامان اُس سے کہیں بڑھ کر مہیا فرمائے۔ فللّٰہ الحمد والمنۃ وبہ الثقۃ والعصمۃ۔ یہیں سے یہ بھی سمجھ میں آتا ہے کہ جس طرح ہم خدا تعالیٰ کو اُس کے کاموں سے پہچانتے ہیں یعنی جو کام وہ اپنی قدرت کاملہ سے کرتا ہے کسی مخلوق کی طاقت نہیں کہ ویسا کام کر سکے۔ ٹھیک اسی طرح اس کے کلام کو بھی ہم اسی معیار پر جانچ سکتے ہیں کہ خدا کا کلام وہ ہی ہو سکتا ہے کہ اُس جیسا کلام ساری مخلوق مل کر بھی نہ بنا سکے۔ پھر "سانزل مثل ما انزل اللّٰہ" کا دعویٰ کہاں تک صحیح ہو سکتا ہے۔ گویا اس رکوع میں حق تعالیٰ کی صفات و افعال بیان کر کے ان تمام مسائل کی حقیقت پر متنبہ کر دیا گیا جن کی تغلیط گذشتہ رکوع میں کی گئی تھی۔

(۱۳۸) **جنوں کو شریک ٹھہرانے کا مطلب** یا تو "جن" سے مراد یہاں "شیاطین" ہیں چونکہ کفر و شرک کا ارتکاب شیطان کے اغواء سے ہوتا ہے اس لئے اس کے اغواء و اضلال سے غیر اللہ کی عبادت کرنا گویا اُسی کی عبادت ہوئی۔ ابراہیم علیہ السلام نے بت پرستی کا رد کرتے ہوئے فرمایا "یا ابت لا تعبد الشیطان" دوسری جگہ ارشاد ہے "الم اعھد الیکم یا بنی آدم ان لا تعبدوا الشیطان" ملائکہ قیامت میں فرمائیں گے۔ "سبحانک انت ولینا من دونھم بل کانوا یعبدون

الجن اکثرھم بھم مومنون" اور یا "جن" سے مراد قوم جن لی جائے جن کے بعض سرداروں سے اہل جاہلیت استعانت وتعوذ کیا کرتے تھے۔ وانہ کان رجال من الانس یعوذون برجال من الجن فزادوھم رھقا (جن رکوع ۱) بہر حال وہ خود ہماری طرح خدا کی عاجز مخلوق ہے۔ پھر مخلوق ہو کر خالق کا شریک کیسے ہو سکتا ہے۔

(۱۳۹) نصاریٰ حضرت مسیحؑ کو بعض یہود حضرت عزیرؑ کو خدا کا بیٹا اور مشرکین ملائکۃ اللہ کو خدا کی بیٹیاں کہتے تھے۔

(۱۴۰) یعنی پاک ہے شرکت سے اور اُس کی شان بہت بلند ہے ترکیب وتحلیل سے پھر باپ بیٹے کا تصور وہاں کیسے ہو سکتا ہے۔

بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ اَنّٰى يَكُوْنُ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَمْ تَكُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌ ؕ وَخَلَقَ كُلَّ شَیْءٍ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ

نئی طرح پر بنانیوالا آسمان اور زمین کا ف۱۴۱ کیونکر ہو سکتا ہے اُسکے بیٹا حالانکہ اُس کی کوئی عورت نہیں اور اُس نے بنائی ہر چیز اور وہ ہر چیز سے

شَیْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۱۰۱﴾ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ ۚ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ خَالِقُ كُلِّ شَیْءٍ فَاعْبُدُوْهُ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ

واقف ہے ف۱۴۲ یہی اللہ تمہارا رب ہے نہیں ہے کوئی معبود سوا اُسکے پیدا کرنیوالا ہر چیز کا سو تم اُسی کی عبادت کرو اور وہ ہر چیز

شَیْءٍ وَّكِيْلٌ ﴿۱۰۲﴾ لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ ۫ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ ۚ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ ﴿۱۰۳﴾ قَدْ

پر کارساز ہے ف۱۴۳ نہیں پا سکتیں اس کو آنکھیں اور وہ پا سکتا ہے آنکھوں کو اور وہ نہایت لطیف اور خبردار ہے ف۱۴۴ تمہاری

جَآءَكُمْ بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنْ اَبْصَرَ فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ عَمِیَ فَعَلَيْهَا ؕ وَمَاۤ اَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيْظٍ ﴿۱۰۴﴾ وَ

پاس آ چکیں نشانیاں تمہارے رب کی طرف سے پھر جس نے دیکھ لیا سو اپنے واسطے اور جو اندھا رہا سو اپنے نقصان کو اور میں نہیں تم پر نگہبان ف۱۴۵ اور

كَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ وَلِيَقُوْلُوْا دَرَسْتَ وَلِنُبَيِّنَهٗ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۵﴾ اِتَّبِعْ مَاۤ اُوْحِیَ اِلَيْكَ مِنْ

یوں طرح طرح سے سمجھاتے ہیں ہم آیتیں اور تاکہ وہ کہیں کہ تو نے کسی سے پڑھا ہے اور تاکہ واضح کر دیں ہم اسکو واسطے سمجھ والوں کے ف۱۴۶ تو چل اُس پر جو حکم تجھ کو آوے تیرے

رَّبِّكَ ۚ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۰۶﴾ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَاۤ اَشْرَكُوْا ؕ وَمَا جَعَلْنٰكَ

رب کا کوئی معبود نہیں سوا اُسکے اور منہ پھیر لے مشرکوں سے ف۱۴۷ اور اگر اللہ چاہتا تو وہ لوگ شرک نہ کرتے ف۱۴۸ اور ہم نے نہیں کیا تجھ کو

عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ۚ وَمَاۤ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ ﴿۱۰۷﴾

اُن پر نگہبان اور نہیں ہے تو اُن پر داروغہ ف۱۴۹

(۱۴۱) **اللہ شرکت سے پاک ہے** جس نے تنہا تمام آسمان و زمین بدون کسی نمونہ اور توسط آلات وغیرہ کے ایسے انوکھے طرز پر پیدا کر دیئے آج اُس کو شرکاء کی امداد اور بیٹے پوتے کا سہارا ڈھونڈھنے کی کیا ضرورت ہے۔

(۱۴۲) تعجب ہے کہ جب کسی مخلوق کو تم حقیقۃً خدا کی اولاد قرار دیتے ہو تو ان بچوں کی ماں کسے تجویز کرو گے اور اُس ماں کا تعلق خدا کے ساتھ کس قسم کا مانو گے۔ عیسائی حضرت مسیحؑ کو خدا کا بیٹا کہتے ہیں۔ لیکن یہ جسارت وہ بھی نہیں کر سکے کہ مریم صدیقہ کو (العیاذ باللہ) خدا کی بیوی قرار دے کر تعلقات زناشوی کے قائل ہو جائیں۔ جب ایسا نہیں تو مریمؑ کے بطن سے پیدا ہونے والا بچہ خدا کا بیٹا کیونکر بن گیا۔ دنیا کے دوسرے بچوں کو بھی خدا تعالیٰ اُن کی ماؤں کے پیٹ سے پیدا کرتا ہے اور وہ معاذ اللہ خدا کی نسلی اولاد نہیں کہلاتے۔ یہ فرق کہ کوئی بچہ محض نفخۂ جبریلیہ سے بدون توسط اسباب عادیہ کے پیدا کر دیا جائے اور دوسروں کو عام

اسباب کے سلسلہ میں پیدا فرمائیں، ابوت و نبوت کے مسئلہ پر کچھ اثر انداز نہیں ہو سکتا۔ اسباب و مسببات ہوں یا خوارق عادات، سب کو خدا ہی نے پیدا کیا ہے اور وہ ہی جانتا ہے کہ کس چیز کو کس وقت کس طرح پیدا کرنا مصلحت و حکمت ہے۔

(۱۴۳) اس کی عبادت اس لئے کرنی چاہئے کہ مذکورہ بالا صفات کی وجہ سے وہ ذاتی طور پر استحقاق معبود بننے کا رکھتا ہے اور اس لئے بھی کہ تمام مخلوق کی کارسازی اُسی کے ہاتھ میں ہے

(۱۴۴) **رُویتِ باری تعالیٰ** حضرت شاہ صاحبؒ نے اس کا مطلب یہ لیا ہے کہ آنکھ میں یہ قوت نہیں کہ اُس کو دیکھ لے ہاں وہ خود از راہ لطف و کرم اپنے کو دکھانا چاہے تو آنکھوں میں ویسی قوت بھی پیدا فرما دے گا۔ مثلاً آخرت میں مومنین کو حسبِ مراتب رویت ہوگی جیسا کہ نصوص کتاب و سُنّت سے ثابت یا بعض روایات کے موافق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو "لیلۃ الاسراء" میں رویت ہوئی علیٰ اختلاف الاقوال۔ باقی مواضع میں چونکہ کوئی نص موجود نہیں لہٰذا عام قاعدہ کی بناء پر نفی رویت ہی کا اعتقاد رکھا جائیگا۔ مفسرین سلف میں سے بعض نے ادراک کو احاطہ کے معنی میں لیا ہے یعنی نگاہیں کبھی اس کا احاطہ نہیں کر سکتیں آخرت میں بھی رویت ہوگی احاطہ نہ ہوگا۔ ہاں اس کی شان یہ ہے کہ وہ تمام ابصار و مبصرات کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔ اس وقت "لطیف" کا تعلق "لاتدرکہ" سے اور "خبیر" کا "وھو یدرک" سے ہوگا۔

(۱۴۵) یعنی اگرچہ خدا ہمیں دکھائی نہیں دیتا مگر اُس کے بصیرت افروز نشانات و دلائل ہمارے سامنے ہیں۔ جو آنکھ کھول کر دیکھے گا خدا کو پالیگا اور جو اندھا بن گیا اُس نے اپنا نقصان کیا میرے ذمہ یہ نہیں کہ کسی کو دیکھنے پر مجبور کر دوں۔

(۱۴۶) یعنی اپنی آیتوں کو مختلف پہلوؤں اور عجیب و غریب انداز سے اس لئے سمجھاتے ہیں کہ آپ سب لوگوں کو پہنچا دیں اور اُن میں استعداد و احوال کے اختلاف سے دو فریق ہو جائیں۔ ضدی اور بدفہم تو یہ کہیں کہ ایسے علوم و معارف اور مؤثر مضامین ایک امی سے کیسے بن پڑتے ضرور مختلف اوقات میں کسی سے سیکھتے رہے ہونگے۔ پھر پڑھ پڑھا کر ہمارے سامنے پیش کر دیے لیکن سمجھ دار اور انصاف پسند لوگوں پر حق واضح ہو جائیگا اور شیطانی شکوک و شبہات زائل ہو جائیں گے۔

(۱۴۷) آپ خدائے واحد پر بھروسہ کر کے اُس کے حکم پر چلتے رہیں اور مشرکین کے جہل و عناد کی طرف خیال نہ فرمائیں کہ ایسے روشن دلائل و بیانات سننے کے بعد بھی راہ راست پر نہ آئے۔

(۱۴۸) یعنی حق تعالیٰ کی تکوینی حکمت اس کو مقتضی نہیں ہوئی کہ وہ ساری دنیا کو زبردستی مومن بنا دے۔ بیشک وہ چاہتا تو روئے زمین پر ایک مشرک کو باقی نہ چھوڑتا۔ لیکن شروع سے انسانی فطرت کا نظام ہی اس نے ایسا رکھا ہے کہ آدمی کوشش کرے تو یقیناً ہدایت قبول کر سکے۔ تاہم قبول کرنے میں بالکل مجبور و مضطر نہ ہو۔ پہلے اس مسئلہ کی تقریر گذر چکی۔

(۱۴۹) آپ کا فرض تبلیغ اور احکام الٰہی کا اتباع ہے۔ ان کے اعمال کے ذمہ دار اور جوابدہ آپ نہیں ہیں۔

وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًاۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۭ كَذٰلِكَ زَيَّنَّا لِكُلِّ

اور تم لوگ بُرا نہ کہو اُن کو جنکی یہ پرستش کرتے ہیں اللہ کے سوا پس وہ بُرا کہنے لگینگے اللہ کو بے ادبی سے بدون سمجھے ف ۱۵۰ اسی طرح ہم نے مزین کر دیا ہر ایک

اُمَّةٍ عَمَلَهُمْ ۠ ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ مَّرْجِعُهُمْ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝۱۰۸ وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ

فرقہ کی نظر میں انکے اعمال کو پھر اُن سب کو اپنے رب کے پاس پہنچنا ہے تب وہ جتلا دیگا انکو جو کچھ وہ کرتے تھے ف ۱۵۱ اور وہ قسمیں کھاتے ہیں اللہ کی تاکید

اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ جَاۗءَتْهُمْ اٰيَةٌ لَّيُؤْمِنُنَّ بِهَا ۭ قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ وَمَا يُشْعِرُكُمْ ۙ اَنَّهَآ

سے کہ اگر آوے انکے پاس کوئی نشانی تو ضرور اس پر ایمان لاوینگے ف ۱۵۲ تو کہہ دے کہ نشانیاں تو اللہ کے پاس ہیں اور تم کو اے مسلمانو کیا خبر ہے کہ وہ

إِذَا جَآءَتۡ لَا يُؤۡمِنُونَ ﴿١٠٩﴾ وَنُقَلِّبُ أَفۡـِٔدَتَهُمۡ وَأَبۡصَٰرَهُمۡ كَمَا لَمۡ يُؤۡمِنُواْ بِهِۦٓ أَوَّلَ

نشانیاں آوینگی تو یہ لوگ ایمان لے ہی آوینگے ف۱۵۳ اور ہم الٹ دینگے اُن کے دل اور اُن کی آنکھیں جیسے کہ ایمان نہیں لائے نشانیوں پر پہلی

مَرَّةٖ وَنَذَرُهُمۡ فِي طُغۡيَٰنِهِمۡ يَعۡمَهُونَ ﴿١١٠﴾ ع ۱۳ ۱۹

بار اور ہم چھوڑے رکھیں گے اُنکو اُنکی سرکشی میں بہکتے ہوئے ف۱۵۴

(۱۵۰) **دوسروں کے معبودوں کو بُرا نہ کہو** یعنی تم تبلیغ و نصیحت کر کے اپنے فرض سے سبکدوش ہو چکے۔ اب جو کفر و شرک یہ لوگ کریں اس کے خود ذمہ دار ہیں، تم پر اس کی کچھ ذمہ داری نہیں۔ ہاں یہ ضروری ہے کہ تم اپنی جانب سے بلاضرورت اُن کے مزید کفر و تعنّت کا سبب نہ بنو۔ مثلاً فرض کیجئے اُن کے مذہب کی تردید یا بحث و مناظرہ کے سلسلہ میں تم غصہ ہو کر اُن کے معبودوں اور مقتداؤں کو سبّ و شتم کرنے لگو، جس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ وہ جواب میں تمہارے معبودِ برحق اور محترم بزرگوں کی بے ادبی کریں گے اور جہالت سے اُنہیں گالیاں دینگے۔ اس صورت میں اپنے واجب التعظیم معبود اور قابل احترام بزرگوں کی اہانت کا سبب تم بنے لہٰذا اس سے ہمیشہ احتراز کرنا چاہئے۔ کسی مذہب کے اصول و فروع کی معقول طریقہ سے غلطیاں ظاہر کرنا یا اُس کی کمزوری اور رکاکت پر تحقیقی و الزامی طریقوں سے متنبہ کرنا جُداگانہ چیز ہے۔ لیکن کسی قوم کے پیشواؤں اور معبودوں کی نسبت بغرض تحقیر و توہین دلخراش الفاظ نکالنا قرآن نے کسی وقت بھی جائز نہیں رکھا۔

(۱۵۱) یعنی دنیا چونکہ دار امتحان ہے۔ اس کا نظام ہم نے ایسا رکھا ہے اور ایسے اسباب جمع کر دیے ہیں کہ یہاں ہر قوم اپنے اعمال اور طور و طریق پر نازاں رہتی ہے، انسانی دماغ کی ساخت ایسی نہیں بنائی کہ وہ صرف سچائی کے قبول اور پسند کرنے پر مجبور ہو غلطی کی طرف جانے کی گنجائش ہی نہ رکھے۔ ہاں خدا کے یہاں جا کر جب تمام حقایق سامنے ہوں گے، پتہ چل جائے گا کہ جو کام دنیا میں کرتے تھے وہ کیسے تھے۔

(۱۵۲) یعنی بعض فرمائشی نشانیاں مثلاً کوہ صفا خالص سونے کا بن جائے۔

(۱۵۳) **فرمائشی معجزات کا مطالبہ اور اُسکا جواب** بعض مسلمانوں کو یہ خیال ہوا کہ اچھا ہو اگر ان کی یہ حجت بھی پوری کر دی جائے۔ اس پر فرمایا کہ تمہیں کیا خبر ہے کہ یہ سرکش ضدی لوگ فرمائشی نشان دیکھ کر بھی ایمان نہیں لائیں گے۔ پھر سنۃ اللہ کے موافق اس کے مستحق ہونگے کہ فوراً تباہ کر دیے جائیں۔ جیسا کہ اسی سورت کے شروع میں ہم مفصل لکھ چکے ہیں۔

(۱۵۴) یعنی جب کفر و سرکشی میں تمادی ہو گی تو نتیجہ یہ ہو گا کہ ہم اُن کے دل اور آنکھیں اُلٹ دیں گے پھر حق کے سمجھنے اور دیکھنے کی توفیق نہ ملیگی۔ موضح القرآن میں ہے کہ "اللہ جن کو ہدایت دیتا ہے اول ہی حق سُن کر انصاف سے قبول کرتے ہیں اور جس نے پہلی ہی ضد کی اگر نشانیاں بھی دیکھے تو کچھ حیلہ بنالے۔

وَلَوْ أَنَّنَا نَزَّلْنَا إِلَيْهِمُ الْمَلَائِكَةَ وَكَلَّمَهُمُ الْمَوْتَىٰ وَحَشَرْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ شَيْءٍ قُبُلًا مَّا كَانُوا

اور اگر ہم اُتاریں اُن پر فرشتے اور باتیں کریں اُن سے مُردے اور زندہ کردیں ہم ہر چیز کو اُن کے سامنے تو بھی یہ لوگ ہرگز

لِيُؤْمِنُوا إِلَّا أَن يَشَاءَ اللَّهُ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ يَجْهَلُونَ ﴿۱۱۱﴾ وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ

ایمان لانیوالے نہیں مگر یہ کہ چاہے اللہ لیکن اُن میں اکثر جاہل ہیں ف۱۵۵ اور اسی طرح کردیا ہم نے ف۱۵۶ ہر نبی کے لئے

عَدُوًّا شَيَاطِينَ الْإِنسِ وَالْجِنِّ يُوحِي بَعْضُهُمْ إِلَىٰ بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُورًا ۚ وَلَوْ شَاءَ

دشمن شریر آدمیوں کو اور جنوں کو جو کہ سکھلاتے ہیں ایک دوسرے کو ملمع کی ہوئی باتیں فریب دینے کے لئے اور اگر تیرا رب

رَبُّكَ مَا فَعَلُوهُ ۖ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُونَ ﴿۱۱۲﴾ وَلِتَصْغَىٰ إِلَيْهِ أَفْئِدَةُ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ

چاہتا تو وہ لوگ یہ کام نہ کرتے سو تو چھوڑ دے وہ جانیں اور اُنکا جھوٹ ف۱۵۷ اور اسلئے کہ مائل ہوں اُن ملمع کی باتوں کی طرف اُن لوگوں کے دل جن کو یقین نہیں

بِالْآخِرَةِ وَلِيَرْضَوْهُ وَلِيَقْتَرِفُوا مَا هُم مُّقْتَرِفُونَ ﴿۱۱۳﴾ أَفَغَيْرَ اللَّهِ أَبْتَغِي حَكَمًا وَهُوَ الَّذِي

آخرت کا اور وہ اُسکو پسند بھی کرلیں اور کئے جاویں جو کچھ بُرے کام کر رہے ہیں ف۱۵۸ سو کیا اب اللہ کے سوا کسی اور کو منصف بناؤں حالانکہ اُسی نے

أَنزَلَ إِلَيْكُمُ الْكِتَابَ مُفَصَّلًا ۚ وَالَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ يَعْلَمُونَ أَنَّهُ مُنَزَّلٌ مِّن رَّبِّكَ

اُتاری تم پر کتاب واضح اور جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ جانتے ہیں کہ یہ نازل ہوئی ہے تیرے رب کی طرف سے

بِالْحَقِّ ۖ فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِينَ ﴿۱۱۴﴾

ٹھیک سو تو مت ہو شک کرنے والوں میں سے

(۱۵۵) یعنی اگر ان کی فرمائش کے موافق بلکہ اُس سے بھی بڑھ کر فرض کیجئے آسمان سے فرشتے اُتر کر آپ کی تصدیق کریں اور مُردے قبروں سے اُٹھ کر ان سے باتیں کرنے لگیں اور تمام اُمتیں جو گذر چکی ہیں دوبارہ زندہ کر کے ان کے سامنے لاکھڑی کی جائیں تب بھی سوء استعداد اور تعنت وعناد کی وجہ سے یہ لوگ حق کو ماننے والے نہیں۔ بیشک اگر خدا چاہے تو زبردستی منوا سکتا ہے۔ لیکن ایسا چاہنا اُس کی حکمت اور تکوینی نظام کے خلاف ہے جس کو ان میں کے اکثر لوگ اپنے جہل کی وجہ سے نہیں سمجھتے۔ اس کی تشریح پچھلے فوائد میں گذر چکی۔

(۱۵۶) یعنی پیدا کر دیا ہم نے۔

(۱۵۷) **خیر وشر کے وجود میں حکمت ہے** چونکہ خدا کی حکمت بالغہ تکوینًا اسی کو مقتضی ہے کہ نظام عالم کو جب تک قائم رکھنا منظور ہے خیر وشر کی قوتوں میں سے کوئی قوت بھی بالکل مجبور اور نیست ونابود نہ ہو۔ اس لئے نیکی بدی اور ہدایت وضلالت کی حریفانہ جنگ ہمیشہ سے قائم رہی ہے۔ جس طرح آج یہ مشرکین ومعاندین آپ کو بیہودہ فرمائشوں سے دق کرتے اور بانواع حیل لوگوں کو جادۂ حق سے ڈگمگانا چاہتے ہیں اسی طرح ہر پیغمبر کے مقابل شیطانی قوتیں کام کرتی رہی ہیں کہ پیغمبروں کو اُن کے پاک مقصد (ہدایت خلق اللہ) میں کامیاب نہ ہونے دیں۔ اسی غرض فاسد کے لئے شیاطین الجن اور شیاطین الانس باہم تعاون کرتے اور ایک دوسرے کو فریب دہی اور ملمع سازی کی چکنی چپڑی باتیں سکھاتے ہیں اور ان کی یہ عارضی آزادی اُسی عام حکمت اور نظام تکوینی کے ماتحت ہے جو تخلیق عالم میں حق تعالیٰ نے مرعی رکھی ہے اس لئے آپ اعداء اللہ کی فتنہ پردازی اور مغویانہ فریب دہی سے زیادہ فکر وغم میں

نہ پڑیں ۔ اِن سے اور اُن کے کذب و افتراء سے قطع نظر کر کے معاملہ خدا کے سپرد کیجئے ۔

(۱۵۸) **شیاطین کی پُر فریب باتیں** یعنی شیاطین ایک دوسرے کو ملمع کی ہوئی فریب کی باتیں اس لئے سکھلاتے ہیں کہ انہیں سُن کر جو لوگ دنیا کی زندگی میں غرق ہیں اور دوسری زندگی کا یقین نہیں رکھتے ان ابلہ فریب باتوں کی طرف مائل ہو جائیں ۔ اور ان کو دل سے پسند کرنے لگیں اور پھر کبھی بُرے کاموں اور کفر و فسق کی دلدل سے نکلنے نہ پائیں ۔

وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا ۚ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۱۱۵﴾

اور تیرے رب کی بات پوری سچی ہے اور انصاف کی کوئی بدلنے والا نہیں اُس کی بات کو اور وہی ہے سننے والا جاننے والا ف ۱۵۹

وَاِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِى الْاَرْضِ يُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ

اور اگر تو کہنا مانیگا اکثر اُن لوگوں کا جو دنیا میں ہیں تو تجھ کو بہکادیں گے اللہ کی راہ سے وہ سب تو چلتے ہیں اپنے خیال پر اور سب

هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ ﴿۱۱۶﴾ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ مَنْ يَّضِلُّ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۚ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ﴿۱۱۷﴾

اٹکل ہی دوڑاتے ہیں ف ۱۶۰ تیرا رب خوب جاننے والا ہے اُس کو جو بہکتا ہے اُس کی راہ سے اور وہی خوب جانتا ہے اُن کو جو اُسکی راہ پر ہیں

فَكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ بِاٰيٰتِهٖ مُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۱۸﴾ وَمَا لَكُمْ اَلَّا تَاْكُلُوْا مِمَّا

سو تم کھاؤ اُس جانور میں سے جس پر نام لیا گیا ہے اللہ کا اگر تم کو اس کے حکموں پر ایمان ہے ف ۱۶۱ اور کیا سبب کہ تم نہیں کھاتے اُس جانور میں

ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَّا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ اِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ اِلَيْهِ ؕ وَاِنَّ

سے کہ جس پر نام لیا گیا ہے اللہ کا اور وہ واضح کر چکا ہے جو کچھ کہ اُس نے تم پر حرام کیا ہے مگر جب کہ مجبور ہو جاؤ اُسکے کھانے پر ف ۱۶۲ اور بہت

كَثِيْرًا لَّيُضِلُّوْنَ بِاَهْوَآئِهِمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِالْمُعْتَدِيْنَ ﴿۱۱۹﴾

لوگ بہکاتے پھرتے ہیں اپنے خیالات پر بغیر تحقیق تیرا رب ہی خوب جانتا ہے حد سے بڑھنے والوں کو ف ۱۶۳

(۱۵۹) **مؤمن شیاطین کی باتوں میں نہیں آتے** یعنی "شیاطین الانس والجن" کی تلبیس و تلمیع پر بد عقیدہ اور جاہل ہی کان دھر سکتے ہیں ۔ ایک پیغمبر یا اس کے متبعین جو ہر مسئلہ اور ہر معاملہ میں خدائے واحد ہی کو اپنا منصف اور حکم مان چکے ہیں کیا اُن سے یہ ممکن ہے کہ وہ خدا کو چھوڑ کر کسی دوسرے کی چکنی چپڑی باتوں کی طرف کان لگائیں ۔ یا معاذ اللہ غیر اللہ کے فیصلہ کے آگے گردن جھکا دیں ، حالانکہ اُن کے پاس خدا کی طرف سے ایسی معجز اور کامل کتاب آچکی جس میں تمام اصولی چیزوں کی ضروری توضیح و تفصیل موجود ہے جس کی نسبت علمائے اہل کتاب بھی کتب سابقہ کی بشارات کی بناء پر خوب جانتے ہیں کہ یقیناً یہ آسمانی کتاب ہے جس کی تمام خبریں سچی اور تمام احکام معتدل اور منصفانہ ہیں جن میں کسی کی طاقت نہیں کہ تبدیل و تحریف کر سکے ایسی کتاب اور محفوظ و مکمل قانون کی موجودگی میں کیسے کوئی مسلمان وساوس و اوہام یا محض عقلی قیاسات اور مغویانہ مغالطات کا شکار ہو سکتا ہے جبکہ وہ جانتا ہے کہ خدا تعالیٰ جس کو ہم نے اپنا حکم اور جس کی کتاب مبین کو دستور العمل تسلیم کیا ہے وہ ہماری ہر بات کو سننے والا اور ہر قسم کے مواقع و احوال اور اُن کے مناسب احکام و نتائج کی موزونیت کو پوری طرح جاننے والا ہے ۔

(۱۶۰) **حق کے معاملے میں اکثریت کا اعتبار نہیں** مشاہدہ اور تاریخ بتلاتے ہیں کہ دنیا میں ہمیشہ فہیم، محقق اور با اصول آدمی تھوڑے رہے ہیں ۔ اکثریت اُن ہی لوگوں کی ہوتی ہے جو محض خیالی ، بے اصول اور اٹکل پچو باتوں کی پیروی کرنے والے ہوں ۔

اگر تم اسی اکثریت کا کہنا ماننے لگو اور بے اصول باتوں پر چلنا شروع کر دو تو خدا کی بتلائی ہوئی سیدھی راہ سے یقیناً بہک جاؤ گے۔ یہ آپ پر رکھ کر دوسروں کو سُنایا۔

اللہ کے نام کا ذبیحہ جاہل عوام کی ان ہی بے اصول اور اٹکل پچو باتوں میں سے ایک وہ تھی جو انہوں نے ذبیحہ کے مسئلہ پر نکتہ چینی کرتے ہوئے کہا تھا کہ جو جانور طبعی موت سے مر جائے (یعنی میتہ) اُسے مسلمان حرام کہتے ہیں حالانکہ وہ خدا کا مارا ہوا ہے اور جو خود ان کے ہاتھ کا مارا ہوا ہو اُسے حلال سمجھتے ہیں۔ یہ عجیب بات ہے، اس کا جواب اگلی آیتوں میں فکلوا مما ذکر اسم اللہ" سے دیا گیا۔ حضرت شاہ صاحبؒ موضح القرآن میں فرماتے ہیں کہ "یہ کئی آیتیں اس پر اُتریں کہ کافر کہنے لگے مسلمان اپنا مارا کھاتے ہیں اور اللہ کا مارا نہیں کھاتے، فرمایا کہ ایسی طمع فریب کی باتیں انسانوں کو شبہ میں ڈالنے کے لئے شیطان سکھاتے ہیں۔ خوب سمجھ لو حلال و حرام وغیرہ میں حکم اللہ کا چلتا ہے۔ محض عقلی ڈھکوسلوں کا اعتبار نہیں۔ آگے کھول کر سمجھا دیا کہ مارنے والا سب کا اللہ ہے لیکن اُس کے نام کو برکت ہے جو اس کے نام پر ذبح ہوا سو حلال ہے جو بغیر اس کے مر گیا سو مردار" تبغیر یسیر۔

(۱۶۱) جب دلائل صحیحہ کی بناء پر تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور قرآن کریم کی حقانیت کو تسلیم کر لیا اور کلی طور پر اس کے احکام پر ایمان لا چکے تو اب فروع و جزئیات کی صحت کو تسلیم کرنا ناگزیر ہے۔ اگر ہر اصل و فرع اور کلی جزئی کا قبول کرنا ہمارے عقلی قیاسات پر موقوف ہو تو وحی و نبوت کی ضرورت ہی نہ رہے۔

(۱۶۲) یعنی اضطرار اور مجبوری کی حالت کو مستثنیٰ کر کے جو چیزیں حرام ہیں اُن کی تفصیل کی جا چکی۔ اُن میں وہ حلال جانور داخل نہیں جو اللہ کے نام پر ذبح کیا جائے۔ پھر اس کے نہ کھانے کی کیا وجہ؟

(۱۶۳) **ذبیحہ اور مردار کا فرق** مسلمان کا عقیدہ یہ ہے کہ ہر چیز کو بالواسطہ یا بلاواسطہ خدا ہی پیدا کرتا اور خدا ہی مارتا ہے۔ پھر جس طرح اُس کی پیدا کی ہوئی چیزوں میں بعض کا کھانا ہم کو مرغوب اور مفید ہے جیسے سیب انگور وغیرہ اور بعض چیزوں سے ہم نفرت کرتے ہیں یا مضر سمجھتے ہیں جیسے ناپاک گندی چیزیں اور سنکھیا وغیرہ۔ اسی طرح اُس کی ماری ہوئی چیزیں بھی دو قسم کی ہیں)۔ ایک وہ جن سے فطرت سلیمہ نفرت کرے یا اُن کا کھانا ہماری بدنی یا روحی صحت کے لئے خدا کے نزدیک مضر ہو۔ مثلاً وہ حیوان دموی جو اپنی طبعی موت سے مرے اور اُس کا خون وغیرہ گوشت میں جذب ہو کر رہ جائے۔ دوسرے وہ حلال و طیب جانور جو باقاعدہ خدا کے نام پر ذبح ہو یہ بھی خدا ہی کا مارا ہوا ہے، جس پر مسلمان کی چھری کے توسط سے اُس نے موت طاری کی۔ مگر عمل ذبح اور خدا کے نام کی برکت سے اُس کا گوشت پاک و صاف ہو گیا۔ پس جو شخص دونوں قسموں کو ایک کرنا چاہے وہ معتدی (حد سے بڑھنے والا) ہو گا

وَذَرُوْا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَبَاطِنَهٗ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْسِبُوْنَ الْاِثْمَ سَيُجْزَوْنَ بِمَا كَانُوْا

اور چھوڑ دو کھلا ہوا گناہ اور چھپا ہوا جو لوگ گناہ کرتے ہیں عنقریب سزا پاوینگے اپنے کئے

يَقْتَرِفُوْنَ ﴿۱۲۰﴾ وَلَا تَاْكُلُوْا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَاِنَّهٗ لَفِسْقٌ ؕ وَاِنَّ الشَّيٰطِيْنَ

کی ف ۱۶۴ اور اس میں سے نہ کھاؤ جس پر نام نہیں لیا گیا اللہ کا ف ۱۶۵ اور یہ کھانا گناہ ہے اور شیطان

لَيُوْحُوْنَ اِلٰٓى اَوْلِيٰٓـئِهِمْ لِيُجَادِلُوْكُمْ ۚ وَاِنْ اَطَعْتُمُوْهُمْ اِنَّكُمْ لَمُشْرِكُوْنَ ﴿۱۲۱﴾ع اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا ۱۴ ع ۱

دل میں ڈالتے ہیں اپنے رفیقوں کے تاکہ وہ تم سے جھگڑا کریں اور اگر تم نے انکا کہا مانا تو تم بھی مشرک ہوئے ف ۱۶۶ بھلا ایک شخص جو کہ مردہ تھا پھر

فَاَحۡيَيۡنٰهُ وَجَعَلۡنَا لَهٗ نُوۡرًا يَّمۡشِىۡ بِهٖ فِى النَّاسِ كَمَنۡ مَّثَلُهٗ فِى الظُّلُمٰتِ لَيۡسَ بِخَارِجٍ

جسنے اس کو زندہ کردیا اور ہمنے اس کو دی روشنی کہ لئے پھرتا ہے اُس کو لوگوں میں برابر ہو سکتا ہے اُسکے جس کا حال یہ ہو کہ پڑا ہو اندھیروں میں وہاں سے نکل

مِّنۡهَا ؕ كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِلۡكٰفِرِيۡنَ مَا كَانُوۡا يَعۡمَلُوۡنَ ﴿۱۲۲﴾ وَكَذٰلِكَ جَعَلۡنَا فِىۡ كُلِّ قَرۡيَةٍ اَكٰبِرَ

نہیں سکتا اسی طرح مزین کر دیئے کافروں کی نگاہ میں اُن کے کام ف۱۶۴ اور اسی طرح کئے ہیں ہمنے ہر بستی میں گنہگاروں کے

مُجۡرِمِيۡهَا لِيَمۡكُرُوۡا فِيۡهَا ؕ وَمَا يَمۡكُرُوۡنَ اِلَّا بِاَنۡفُسِهِمۡ وَمَا يَشۡعُرُوۡنَ ﴿۱۲۳﴾ وَاِذَا جَآءَتۡهُمۡ اٰيَةٌ

سردار کہ حیلے کیا کریں وہاں اور جو حیلہ کرتے ہیں سو اپنی ہی جان پر اور نہیں سوچتے ف۱۶۵ اور جب آتی ہو اُنکے پاس کوئی آیت

قَالُوۡا لَنۡ نُّـؤۡمِنَ حَتّٰى نُؤۡتٰى مِثۡلَ مَاۤ اُوۡتِىَ رُسُلُ اللّٰهِ ؕۘ اَللّٰهُ اَعۡلَمُ حَيۡثُ يَجۡعَلُ رِسَالَتَهٗ ؕ

وقف لازم / وقف منزل

تو کہتے ہیں کہ ہم ہرگز نہ مانیں گے جب تک کہ نہ دیا جاوے ہم کو جیسا کچھ کہ دیا گیا ہے اللہ کے رسولوں کو اللہ خوب جانتا ہے اُس موقع کو کہ جہاں بھیجے اپنے پیغام

سَيُصِيۡبُ الَّذِيۡنَ اَجۡرَمُوۡا صَغَارٌ عِنۡدَ اللّٰهِ وَعَذَابٌ شَدِيۡدٌۢ بِمَا كَانُوۡا يَمۡكُرُوۡنَ ﴿۱۲۴﴾ فَمَنۡ يُّرِدِ

عنقریب پہنچے گی گنہگاروں کو ذلت اللہ کے ہاں اور عذاب سخت اس وجہ سے کہ وہ مکر کرتے تھے ف۱۶۹ سو جس کو اللہ چاہتا

اللّٰهُ اَنۡ يَّهۡدِيَهٗ يَشۡرَحۡ صَدۡرَهٗ لِلۡاِسۡلَامِ ۚ وَمَنۡ يُّرِدۡ اَنۡ يُّضِلَّهٗ يَجۡعَلۡ صَدۡرَهٗ ضَيِّقًا

ہے کہ ہدایت کرے تو کھول دیتا ہو اُسکے سینہ کو واسطے قبول کرنے اسلام کے اور جس کو چاہتاہے کہ گمراہ کرے کر دیتا ہے اس کے سینہ کو تنگ بے

حَرَجًا كَاَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِى السَّمَآءِ ؕ كَذٰلِكَ يَجۡعَلُ اللّٰهُ الرِّجۡسَ عَلَى الَّذِيۡنَ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۱۲۵﴾

نہایت تنگ گویا وہ زور سے چڑھتا ہے آسمان پر ف۱۷۰ اسی طرح ڈالے گا اللہ عذاب کو ایمان نہ لانے والوں پر

(۱۶۴) یعنی کافروں کے بہکانے پر نہ ظاہر میں عمل کرو نہ دل میں شبہ رکھو۔ کذا فی موضح القرآن۔

(۱۶۵) یعنی نہ حقیقۃً نہ حکماً۔ حنفیہؒ متروک التسمیہ عمداً کے مسئلہ میں ذکر حکمی کا دعویٰ کرتے ہیں۔

(۱۶۶) **احکام کا شرک** یعنی شرک فقط یہی نہیں کہ کسی کو سوائے خدا کے پوجے۔ بلکہ شرک حکم میں بھی ہے کسی چیز کی تحلیل و تحریم میں مستند شرعی کو چھوڑ کر محض آراء و اہواء کا تابع ہو جائے۔ جیسا کہ "اتخذوا احبارھم ورھبانھم اربابا من دون اللہ" کی تفسیر میں مرفوعاً منقول ہے کہ اہل کتاب نے وحی الٰہی کو چھوڑ کر صرف احبار و رہبان ہی پر تحلیل و تحریم کا مدار رکھ چھوڑا تھا۔

(۱۶۷) **مومن اور کافر کا فرق** پہلے فرمایا کہ شیاطین اپنے رفقاء کے دل میں ڈالتے ہیں کہ وہ مسلمان سے جھگڑا کریں یعنی بحث و جدل، تلبیس و تلمیع اور وسوسہ اندازی کر کے ان کو طریق حق سے ہٹا دیں۔ لیکن اُن کو یہ ہوس خام اپنے دلوں سے نکال دینا چاہیئے وہ گروہ یا وہ شخص جو جہل و ضلال کی موت سے مر چکا تھا۔ پھر اس کو حق تعالیٰ نے ایمان و عرفان کی روح سے زندہ کیا اور قرآن کی روشنی عطا فرمائی جسے لیکر وہ لوگوں کے ہجوم میں بے تکلف راہ راست پر چل رہا ہے کیا اس کا حال اغواء شیطانی کے قبول کرنے میں اُن "اولیاء الشیطان" جیسا ہو سکتا ہے جو جہل و ضلالت کی اندھیریوں میں پڑے ٹھوکریں کھا رہے ہیں جس سے نکلنے کی کوئی راہ نہیں پاتے۔ کیونکہ اسی ظلمت کو نور اور برائی کو بھلائی سمجھتے ہیں۔ ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔

(۱۶۸) **کفار کی تدبیر خود اُن کے خلاف ہوتی ہیں** یعنی کچھ آج روسائے مکہ ہی نہیں ہمیشہ کافروں کے سردار حیلے نکالتے رہے ہیں تاکہ عوام الناس پیغمبروں کے مطیع نہ ہو جائیں۔ جیسے فرعون نے معجزہ دیکھا تو حیلہ نکالا کہ سحر کے زور سے سلطنت لیا چاہتا

ہے۔ لیکن ان کے یہ حیلے اور داؤ پیچ بحمد اللہ پکے ایمانداروں پر نہیں چلتے حیلہ کرنے والے انجام کار عاقبت خراب کر کے خود اپنا ہی نقصان کرتے ہیں جس کا احساس اُنہیں اس وقت نہیں ہوتا۔

(۱۶۹) **کفار کا گستاخانہ مطالبہ** اُن کی مکاری اور متکبرانہ حیلہ جوئی کی ایک مثال یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے صدق کا جب کوئی نشان دیکھتے تو کہتے کہ ہم ان دلائل ونشانات کو نہیں جانتے۔ ہم تو اس وقت یقین کر سکتے ہیں جب ہمارے اُوپر فرشتے نازل ہوں اور پیغمبروں کی طرح ہم بھی خدا کا پیغام سُنائیں یا خود حق تعالیٰ ہی ہمارے سامنے آجائیں "وقال الذین لا یرجون لقاءنا لولا انزل علینا الملٰئکۃ او نری ربنا لقد استکبروا فی انفسھم وعتوعتوًا کبیرا (فرقان رکوع ۳) خیر یہ تو خدا ہی جانتا ہے کہ کون شخص اس کا اہل ہے کہ منصب پیغامبری پر سرفراز کیا جائے اور اس عظیم الشان امانت الٰہیہ کا حامل بن سکے۔ یہ نہ کوئی کسبی چیز ہے کہ دعا، ریاضت یا دنیوی جاہ و دولت وغیرہ سے حاصل ہو سکے اور نہ ہر کس و ناکس کو ایسی جلیل القدر اور نازک ذمہ داری پر فائز کیا جا سکتا ہے۔ ہاں ایسے گستاخ، متکبر، حیلہ جو مکاروں کو آگاہ رہنا چاہیئے کہ عنقریب اس معزز منصب کی طلب کا جواب اُن کو سخت ذلت اور عذاب شدید کی صورت میں دیا جائیگا۔

(۱۷۰) یعنی زور سے آسمان پر چڑھنا چاہتا ہے مگر چڑھ نہیں سکتا اس لئے سخت تنگ دل ہوتا ہے۔

وَهٰذَا صِرَاطُ رَبِّكَ مُسْتَقِيْمًا ۭ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّذَّكَّرُوْنَ ﴿۱۲۶﴾ لَهُمْ دَارُ السَّلٰمِ عِنْدَ

اور یہ ہے رستہ تیرے رب کا سیدھا ہمنے واضح کر دیا نشانیوں کو غور کرنے والوں کے واسطے ف ۱۷۱ اُنہی کیلئے ہے سلامتی کا گھر اپنے رب کے

رَبِّهِمْ وَهُوَ وَلِيُّهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۷﴾ وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ۚ يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ قَدِ اسْتَكْثَرْتُمْ

ہاں اور وہ اُنکا مددگار ہے بسبب اُن کے اعمال کے ف ۱۷۲ اور جس دن جمع کریگا اُن سب کو فرمائیگا اے جماعت جنات کی تم نے بہت کچھ تابع کر لئے اپنے

مِّنَ الْاِنْسِ ۚ وَقَالَ اَوْلِيٰۗؤُهُمْ مِّنَ الْاِنْسِ رَبَّنَا اسْتَمْتَعَ بَعْضُنَا بِبَعْضٍ وَّبَلَغْنَآ اَجَلَنَا الَّذِيْٓ

آدمیوں میں سے ف ۱۷۳ اور کہیں گے اُن کے دوستدار آدمیوں میں سے اے رب ہمارے کام نکالا ہم میں ایک نے دوسرے سے اور ہم پہنچے اپنے اُس وعدہ کو جو تو نے ہمارے

اَجَّلْتَ لَنَا ۭ قَالَ النَّارُ مَثْوٰىكُمْ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اِلَّا مَا شَاۗءَ اللّٰهُ ۭ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۲۸﴾ وَكَذٰلِكَ

لئے مقرر کیا تھا ف ۱۷۴ فرمادیگا آگ ہے گھر تمہارا رہا کرو گے اُسی میں مگر جب چاہے اللہ ف ۱۷۵ البتہ تیرا رب حکمت والا خبردار ہے ف ۱۷۶ اور اسی طرح ہم

۱۵ ع ۲ نُوَلِّيْ بَعْضَ الظّٰلِمِيْنَ بَعْضًۢا بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۱۲۹﴾ يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ

ساتھ ملا دینگے گنہگاروں کو ایک کو دوسرے سے اُن کے اعمال کے سبب ف ۱۷۷ اے جماعت جنوں کی اور انسانوں کی کیا نہیں پہنچے تھے تمہارے پاس رسول

مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ وَيُنْذِرُوْنَكُمْ لِقَاۗءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ۭ قَالُوْا شَهِدْنَا عَلٰٓي

تمہی میں کے کہ سناتے تھے تم کو میرے حکم اور ڈراتے تھے تم کو اس دن کے پیش آنے سے ف ۱۷۸ کہیں گے کہ ہمنے اقرار کر لیا اپنے

اَنْفُسِنَا وَغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَشَهِدُوْا عَلٰٓي اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰفِرِيْنَ ﴿۱۳۰﴾ ذٰلِكَ اَنْ لَّمْ يَكُنْ

گناہ کا اور اُن کو دھوکا دیا دُنیا کی زندگی نے ف ۱۷۹ اور قائل ہو گئے اپنے اوپر اس بات کے کہ وہ کافر تھے ف ۱۸۰ یہ اس واسطے کہ تیرا رب

رَّبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰي بِظُلْمٍ وَّاَهْلُهَا غٰفِلُوْنَ ﴿۱۳۱﴾

ہلاک کرنے والا نہیں بستیوں کو اُنکے ظلم پر اور وہاں کے لوگ بے خبر ہوں

(۱۷۱) **ہدایت و اضلال اللہ کے ہاتھ میں ہے** | جو لوگ ایمان لانے کا ارادہ نہیں رکھتے اُن پر اسی طرح عذاب اور تباہی ڈالی جاتی ہے کہ رفتہ رفتہ اُن کا سینہ اس قدر تنگ کر دیا جاتا ہے کہ اُس میں حق کے گھسنے کی قطعاً گنجائش نہیں رہتی۔ پھر یہ ہی ضیق صدر عذاب ہے جو قیامت میں بشکل محسوس سامنے آجائیگا۔ مترجم محقق قدس اللہ روحہ نے "رجس" کا ترجمہ جو عذاب سے کیا ہے اُس کے موافق یہ تقریر ہے عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم نے "رجس" کے معنی عذاب ہی کے لئے ہیں۔ مگر ابن عباس نے یہاں "رجس" سے مراد شیطان لیا ہے۔ شاید اس لئے کہ "رجس" ناپاک کو کہتے ہیں اور شیطان سے بڑھ کر کون ناپاک ہوگا۔ بہرحال اس تفسیر پر آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ جس طرح خدا تعالیٰ ایمان سے گھبرانے والوں کا سینہ تنگ کر دیتا ہے اسی طرح اُن پر بے ایمانیوں کی وجہ سے شیطان مسلط کر دیا جاتا ہے کہ کبھی رجوع الی الحق کی توفیق نہیں ہوتی حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ "اول فرمایا تھا کہ کافر قسمیں کھاتے ہیں کہ آیت دیکھیں تو البتہ یقین لاویں اور اب فرمایا کہ ہم نہ دینگے ایمان تو کیونکر لاویں گے۔ بیچ میں مردہ حلال کرنے کے حیلے نقل کئے، اب اُس بات کا جواب فرمایا کہ جس کی عقل اس طرف چلے کہ اپنی بات نہ چھوڑے جو دلیل دیکھے کچھ حیلہ بنالے، وہ نشان ہے گمراہی کا اور جس کی عقل چلے انصاف پر اور حکم برداری پر، وہ نشان ہدایت ہے۔ ان لوگوں میں نشان ہیں گمراہی کے ان پر کوئی آیت اثر نہ کرے گی۔" باقی اللہ تعالیٰ کی طرف ارادۂ ہدایت و اضلال کی نسبت کرنا، اس کے متعلق متعدد مواضع میں ہم کلام کر چکے ہیں اور آئندہ بھی حسب موقع لکھا جائیگا۔ مگر یہ مسئلہ طویل الذیل اور معرکۃ الآراء ہے اس لئے ہمارا ارادہ ہے کہ اس پر ایک مستقل مضمون لکھ کر فوائد کے ساتھ ملحق کر دیا جائے وباللہ التوفیق۔

(۱۷۲) یعنی جو اسلام و فرمانبرداری کے سیدھے راستہ پر چلیگا وہ ہی سلامتی کے گھر پہنچیگا۔ اور خدا اُس کا ولی و مددگار ہوگا۔ یہ حال تو اُن کا ہوا جن کا ولی خدا ہے (یعنی اولیاء الرحمٰن) آگے اولیاء الشیطان کا حال بیان کیا جاتا ہے۔

(۱۷۳) **شیاطین جن سے خطاب** | یعنی اے شیاطین الجن تم نے بہت سے بدبخت انسانوں کو اپنی طرف متوجہ کر لیا اور اپنی راہ پر لگا لیا

(۱۷۴) **اطاعتِ شیاطین کا انجام** | دنیا میں جو انسان بُت وغیرہ پوجتے ہیں وہ فی الحقیقت خبیث جن (شیاطین) کی پوجا ہے۔ اس خیال پر کہ وہ ہمارے کام نکالیں گے اُن کو نیازیں چڑھاتے ہیں۔ اور ویسے بھی بہت سے اہل جاہلیت تشویش و اضطراب کے وقت جنوں سے استعانت کرتے تھے۔ جیسا کہ "سورۂ جن" میں اشارہ کیا گیا ہے اور ابن کثیر وغیرہ نے روایات نقل کی ہے جب آخرت میں وہ شیاطین الجن اور انسان برابر پکڑے جائیں گے اور حقائق کا انکشاف ہوگا تب مشرک لوگ یوں عذر کریں گے کہ اے ہمارے پروردگار ہم نے پوجا نہیں کی۔ لیکن آپس میں وقتی کار روائی کر لی تھی اور موت کا وعدہ آنے سے پہلے پہلے دنیوی کاروبار میں ہم ایک دوسرے سے کام نکالنے کی کچھ ترکیب کر لیا کرتے تھے اُن کی عبادت مقصود نہ تھی۔

(۱۷۵) **اِلّا ماشاء اللہ کا مطلب** | یہ جو فرمایا "مگر جب چاہے اللہ" اس واسطے کہ دوزخ کا عذاب دائم ہے تو اُسی کے چاہنے سے ہے وہ جب چاہے موقوف کرنے پر قادر ہے۔ لیکن ایک چیز چاہ چکا اور اس کی خبر پیغمبروں کی زبانی دے چکا وہ اب ٹل نہیں سکتی۔

(۱۷۶) یعنی مجرموں کے جرائم سے پوری طرح خبردار ہے اور حکمت بالغہ سے ہر جرم کی برمحل اور مناسب سزا دیتا ہے۔

(۱۷۷) **دوزخ میں ظالموں کے طبقات** | جیسے تم نے "شیاطین الجن" اور اُن کے اولیاء انسی کا حال سُنا۔ اسی طرح تمام ظالموں اور گنہگاروں کو اُن کے ظلم اور سیہ کاریوں کے تناسب سے دوزخ میں ہم ایک دوسرے کے قریب کر دینگے۔ اور جو جس درجہ کا ظالم و گنہگار ہوگا اُس کو اسی کے طبقۂ عصاۃ میں ملاویں گے۔

(۱۷۸) **ایک اشکال اور اُسکا جواب** | اُوپر جن و انس کی شرارت اور سزا کا بیان تھا اور "اولیاء الجن" کی زبانی فی الجملہ معذرت بھی

نقل کی گئی تھی۔ اب بتلایا جاتا ہے کہ اُن کا کوئی عذر معقول اور قابل سماعت نہیں۔ دنیا میں خدا کی حجت تمام ہو چکی تھی جس کا خود انہیں بھی اقرار کرنا پڑیگا۔ یہ خطاب "یا معشر الجن والانس" کا قیامت کے دن ہوگا اور مخاطب جن وانس کا یعنی کل مکلفین کا مجموعہ ہے ہر جماعت الگ الگ مخاطب نہیں جو یہ اعتراض ہو کہ رسول تو ہمیشہ انسانوں میں سے آئے قوم جن میں سے کوئی پیغمبر نہیں بھیجا گیا۔ پھر "رسل منکم" (رسول تم ہی میں کے) کہنا کیسے صحیح ہوگا۔ اصل یہ ہے کہ مجموعہ مخاطبین میں سے اگر کسی نوع میں بھی ایتان رسل متحقق ہو جائے جس کی غرض تمام مخاطبین کو بلا تخصیص فائدہ پہنچانا ہو تو مجموعہ کو خطاب کرنے میں کوئی اشکال نہیں رہتا۔ مثلاً کوئی یہ کہے "اے عرب و عجم کے باشندو اور پورب پچھم کے رہنے والو کیا تم ہی میں سے خدا نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم جیسے کامل انسان کو پیدا نہیں کیا" اس عبارت کا مطلب کسی کے نزدیک یہ نہیں ہو سکتا کہ ایک محمد صلی اللہ علیہ وسلم تو عرب میں پیدا کیے گئے اور دوسرے عجم میں ہونے چاہئیں اسی طرح پورب کے علیحدہ اور پچھم کے علیحدہ محمد ہوں، تب یہ عبارت صحیح ہوگی، علیٰ ہٰذا القیاس یہاں سمجھ لیجئے کہ "یا معشر الجن والانس الم یأتکم الخ" کا مدلول صرف اس قدر ہے کہ جن وانس کے مجموعہ میں سے پیغمبر بھیجے گئے۔ باقی یہ تحقیق کہ ہر نوع میں سے الگ الگ آئے یا ہر ایک پیغمبر کل افراد جن وانس کی طرف مبعوث ہوا، یہ آیت اس کے بیان سے ساکت ہے۔ دوسری نصوص سے جمہور علماء نے یہ ہی قرار دیا ہے کہ نہ ہر ایک پیغمبر کی بعثت عام ہے اور نہ کسی جن کو اللہ نے مستقل رسول بنا کر بھیجا۔

جنات انسان کے تابع بنائے گئے ہیں اکثر معاشی و معادی معاملات میں اُن کو حق تعالیٰ نے انسانوں کے تابع بنا رکھا ہے جیسا کہ "سورۂ جن کی آیات اور نصوص حدیثیہ وغیرہ اس پر دلالت کرتی ہیں۔ یہ کوئی ضابطہ نہیں کہ مخلوق کی ہر نوع کے لیے اُسی نوع کا کوئی شخص رسول ہوا کرے باقی انسانوں کی طرف فرشتہ کو رسول بنا کر بھیجنے سے جو قرآن کے متعدد مواضع میں انکار کیا گیا ہے، اُس کا اصلی منشاء یہ ہے کہ عام انسان بہیئت الاصلیہ اُس کی رُویت کا تحمل نہیں کر سکتے اور بے اندازہ خوف وہیبت کی وجہ سے مستفید نہیں ہو سکتے اور بصورت انسان آئیں تو بے ضرورت التباس رہتا ہے۔ اسی پر قیاس کر لو کہ اگر قوم جن میں منصب نبوّت کی اہلیت ہوتی تو وہ بھی انسانوں کے لیے مبعوث نہیں کیے جا سکتے تھے۔ کیونکہ وہاں بھی یہ ہی اشکال تھا۔ ہاں رسول انسی کا جن کی طرف مبعوث ہونا اس لیے مشکل نہیں کہ جنوں کے حق میں انسان کی رُویت نہ تو ناقابل تحمل ہے اور نہ انسان کا صوری خوف و رعب استفادہ سے مانع ہو سکتا ہے۔ اِدھر پیغمبر کو حق تعالیٰ وہ قوت قلبی عطا فرما دیتا ہے کہ اُس پر جن جیسی ہیبتناک مخلوق کا کوئی رعب نہیں پڑتا۔

(۱۷۹) یعنی دنیا کی لذات و شہوات نے انہیں آخرت سے غافل بنا دیا۔ کبھی خیال بھی نہ آیا کہ اُس احکم الحاکمین کے سامنے جانا ہے جو ذرہ ذرہ کا حساب لیگا۔

(۱۸۰) **کفار کا آخرت میں اقرار کفر** اس سورت میں اُوپر مذکور ہوا کہ اول کافر اپنے کفر کا انکار کرینگے۔ پھر حق تعالیٰ تدبیر سے اُنکو قائل کریگا

وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا ۭ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۳۲﴾ وَرَبُّكَ الْغَنِيُّ ذُو الرَّحْمَةِ ۭ

اور ہر ایک کے لیے درجے ہیں اُن کے عمل کے اور تیرا رب بیخبر نہیں اُن کے کام سے ۱۸۱ اور تیرا رب بے پروا ہے رحمت والا

اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَسْتَخْلِفْ مِنْۢ بَعْدِكُمْ مَّا يَشَاۗءُ كَمَآ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ ذُرِّيَّةِ قَوْمٍ اٰخَرِيْنَ ﴿۱۳۳﴾ ۭ

اگر چاہے تو تم کو لے جاوے اور تمہارے پیچھے قائم کر دے جس کو چاہے جیسا تم کو پیدا کیا اوروں کی اولاد سے

إِنَّ مَا تُوعَدُونَ لَآتٍ ۖ وَمَا أَنتُم بِمُعْجِزِينَ ﴿١٣٤﴾ قُلْ يَا قَوْمِ اعْمَلُوا عَلَىٰ مَكَانَتِكُمْ إِنِّي عَامِلٌ ۖ

جس چیز کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے وہ ضرور آنیوالا ہے اور تم عاجز نہیں کر سکتے ف۱۸۲ تو کہہ دے اے لوگو تم کام کرتے رہو اپنی جگہ پر میں بھی کام کرتا ہوں

فَسَوْفَ تَعْلَمُونَ مَن تَكُونُ لَهُ عَاقِبَةُ الدَّارِ ۗ إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الظَّالِمُونَ ﴿١٣٥﴾ وَجَعَلُوا لِلَّهِ

سو عنقریب جان لوگے تم کہ کس کو ملتا ہے عاقبت کا گھر بالیقین بھلا نہ ہوگا ظالموں کا ف۱۸۳ اور ٹھہراتے ہیں اللہ کا

مِمَّا ذَرَأَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْأَنْعَامِ نَصِيبًا فَقَالُوا هَٰذَا لِلَّهِ بِزَعْمِهِمْ وَهَٰذَا لِشُرَكَائِنَا ۖ فَمَا

اُس کی پیدا کی ہوئی کھیتی اور مواشی میں ایک حصہ پھر کہتے ہیں یہ حصہ اللہ کا ہے اپنے خیال میں اور یہ ہمارے شریکوں کا ہے سو جو حصہ

كَانَ لِشُرَكَائِهِمْ فَلَا يَصِلُ إِلَى اللَّهِ ۖ وَمَا كَانَ لِلَّهِ فَهُوَ يَصِلُ إِلَىٰ شُرَكَائِهِمْ ۗ

اُن کے شریکوں کا ہے وہ تو نہیں پہنچتا اللہ کی طرف اور جو اللہ کا ہے وہ پہنچ جاتا ہے اُن کے شریکوں کی طرف

سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ ﴿١٣٦﴾ وَكَذَٰلِكَ زَيَّنَ لِكَثِيرٍ مِّنَ الْمُشْرِكِينَ قَتْلَ أَوْلَادِهِمْ شُرَكَاؤُهُمْ

کیا ہی بُرا انصاف کرتے ہیں ف۱۸۴ اور اسی طرح مزین کر دیا بہت سے مشرکوں کی نگاہ میں ان کی اولاد کے قتل کو اُنکے شریکوں نے

لِيُرْدُوهُمْ وَلِيَلْبِسُوا عَلَيْهِمْ دِينَهُمْ ۖ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا فَعَلُوهُ ۖ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُونَ ﴿١٣٧﴾

تاکہ اُن کو ہلاک کریں اور رلا ملا دیں اُن پر اُنکے دین کو ف۱۸۵ اور اللہ چاہتا تو وہ یہ کام نہ کرتے سو چھوڑ دے وہ جانیں اور اُنکا جھوٹ ف۱۸۶

وَقَالُوا هَٰذِهِ أَنْعَامٌ وَحَرْثٌ حِجْرٌ لَّا يَطْعَمُهَا إِلَّا مَن نَّشَاءُ بِزَعْمِهِمْ وَأَنْعَامٌ حُرِّمَتْ

اور کہتے ہیں کہ یہ مواشی اور کھیتی ممنوع ہے اُس کو کوئی نہ کھاوے مگر جس کو ہم چاہیں اُنکے خیال کے موافق اور بعضے مواشی کی پیٹھ پر

ظُهُورُهَا وَأَنْعَامٌ لَّا يَذْكُرُونَ اسْمَ اللَّهِ عَلَيْهَا افْتِرَاءً عَلَيْهِ ۚ سَيَجْزِيهِم بِمَا كَانُوا يَفْتَرُونَ ﴿١٣٨﴾

چڑھنا حرام کیا اور بعض مواشی کے ذبح کے وقت نام نہیں لیتے اللہ کا اللہ پر بہتان باندھ کر عنقریب وہ سزا دیگا اُنکو اس جھوٹ کی ف۱۸۷

(۱۸۱) یعنی خدا کی یہ عادت نہیں کہ بدون آگاہ اور خبردار کئے کسی کو اُس کے ظلم و عصیان پر دنیا یا آخرت میں پکڑ کر ہلاک کر دے اسی لئے رسول اور نذیر بھیجے کہ وہ خوب کھول کر تمام جن و انس کو اُن کے بھلے بُرے اور آغاز و انجام سے خبردار کر دیں۔ پھر جس درجہ کا کسی کا عمل ہوگا حق تعالیٰ اُس کے ساتھ ویسا ہی معاملہ کرے گا۔

(۱۸۲) **بندوں کے کفر و ایمان سے اللہ بے پرواہ ہے** خدا نے رسول بھیج کر اپنی حجت تمام کر دی۔ اب اگر تم نہ مانو اور سیدھے راستہ پر نہ چلو گے تو وہ غنی ہے اُسے تمہاری کچھ پروا نہیں۔ وہ چاہے تو تم کو ایک دم میں لیجائے اور اپنی رحمت سے دوسری قوم کو تمہاری جگہ کھڑا کر دے جو خدا کی مطیع و وفادار ہو اور تم کو لے جا کر دوسری قوم کا لے آنا خدا کے لئے کیا مشکل ہے۔ آج تم اپنے جن آباء و اجداد کے جانشین بنے بیٹھے ہو۔ آخر اُن کو اُٹھا کر تم کو دنیا میں اسی خدا نے جگہ دی ہے۔ بہرحال خدا کا کام رُک نہیں سکتا۔ تم نہ کرو گے دوسرے کھڑے کئے جائیں گے۔ ہاں یہ سوچ رکھو کہ یہ ہی بغاوت و شرارت رہی تو خدا کا عذاب اٹل ہے تم اگر سمجھو کہ بھاگ کر یا کسی کی پناہ لے کر سزا سے بچ جاؤ گے تو یہ محض حماقت ہے۔ خدا کو ساری مخلوق مل کر بھی اُس کی مشیت کے نفاذ سے عاجز نہیں کر سکتی۔

(۱۸۳) یعنی ہم سب نیک و بد اور نفع و ضرر سے آگاہ کر چکے۔ اس پر بھی اگر تم اپنی جانوں پر ظلم کرنے سے باز نہیں آئے تو تم جانو۔ تم اپنا کام کئے جاؤ میں اپنا فرض ادا کرتا ہوں۔ عنقریب کھل جائیگا کہ اس دنیا کا آخری انجام کس کے ہاتھ رہتا ہے بلاشبہ ظالموں کا انجام بھلا نہیں ہو

سکتا۔ آگے اُن کے چند اعتقادی اور عملی ظلم بیان کئے جاتے ہیں جو اُن میں رائج تھے اور سب سے بڑا ظلم وہ ہی ہے جسے فرمایا۔ ان الشرك لظلم عظیم۔

(۱۸۴) **مشرکین کے جاہلانہ عقائد** حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ "کافر اپنی کھیتی میں سے اور مواشی کے بچوں میں سے اللہ کی نیاز نکالتے اور بتوں کی بھی نیاز نکالتے۔ پھر بعضا جانور اللہ کے نام کا بہتر دیکھا تو بتوں کی طرف بدل دیا۔ مگر بتوں کی طرف کا اللہ کی طرف نہ کرتے، اُس سے زیادہ ڈرتے" اسی طرح غلہ وغیرہ میں سے اگر بتوں کے نام کا اتفاقاً اللہ کے حصہ میں مل گیا تو پھر جُدا کر کے بتوں کی طرف لوٹا دیتے اور اللہ نام کا بتوں کے حصہ میں جا پڑا تو اُسے نہ لوٹاتے۔ بہانہ یہ کرتے تھے کہ اللہ تو غنی ہے اس کا کم ہو جائے تو کیا پروا ہے بخلاف بتوں کے کہ وہ ایسے نہیں تماشہ یہ ہے کہ یہ کہہ کر بھی شرماتے نہ تھے کہ جو ایسے محتاج ہوں اُن کو معبود و مستعان ٹھیرانا کہاں کی عقلمندی ہے۔ بہرحال ان آیات میں ساء ما یحکمون سے مشرکین کی اس تقسیم کا رد کیا گیا ہے۔ یعنی خدا کی پیدا کی ہوئی کھیتی اور مواشی وغیرہ میں سے اول تو اس کے مقابل غیر اللہ کا حصہ لگانا، پھر بُری اور ناقص چیز خدا کی طرف رکھنا کس قدر ظلم اور بے انصافی ہے۔

(۱۸۵) **قتلِ اولاد** یہاں "شرکاء" کی تفسیر مجاہد نے "شیاطین" سے کی ہے۔ مشرکین کی انتہائی جہالت اور سنگدلی کا ایک نمونہ یہ تھا کہ بعض اپنی بیٹیوں کو سُسر بننے کے خوف سے اور بعض اس اندیشہ پر کہ کہاں سے کھلائیں گے حقیقی اولاد کو قتل کر دیتے تھے اور بعض اوقات منت مانتے تھے کہ اگر اتنے بیٹے ہو جائیں گے یا فلاں مُراد پوری ہو گی تو ایک بیٹا فلاں بُت کے نام پر ذبح کریں گے۔ پھر اس ظلم و بے رحمی کو بڑی عبادت اور قربت سمجھتے تھے۔ شاید یہ رسم شیطان نے سنت خلیل اللّٰہی کے جواب میں سُجھائی ہو گی۔ یہود میں بھی مدت تک قتل اولاد کی رسم بطور ایک عبادت و قربت کے جاری رہی ہے جس کا انبیائے بنی اسرائیل نے بڑی شدومد سے رد کیا۔ بہرحال اس آیت میں قتل اولاد کی ان تمام صورتوں کی شناعت بیان فرمائی ہے جو جاہلیت میں رائج تھیں۔ یعنی شیاطین قتلِ اولاد کی تلقین و تزئین اس لئے کرتے ہیں کہ اس طرح لوگوں کو دنیا و آخرت دونوں جگہ تباہ و برباد کر کے چھوڑیں اور اُن کے دین میں گڑبڑی ڈال دیں کہ جو کام ملت ابراہیمی و اسماعیلی کے بالکل مضاد و منافی ہے، اُسے ایک دینی کام اور قربت و عبادت باور کرائیں والعیاذ باللہ کجا سنت ابراہیمی اور کجا یہ حماقت وجہالت؟

(۱۸۶) اسی طرح کی آیت "ولو اننا" کے شروع میں گذر چکی۔ وہاں جو کچھ ہم نے لکھا ہے نیز اسی مضمون کی دوسری آیات کے تحت میں لکھا گیا۔ اُسے ملاحظہ کر لیا جائے۔

(۱۸۷) **مزید جاہلانہ عقائد** مثلاً مرد کھائیں عورتیں نہ کھائیں یا صرف ہہنت کھا سکیں جو بتخانوں کے مجاور تھے۔ یہ قیود اپنے خیال میں بعض مواشی اور کھیتوں کے متعلق عائد کر رکھی تھیں جو بتوں کے نام پر وقف کئے جاتے تھے اسی طرح بعض جانوروں کی پیٹھ پر سواری اور بار برداری کو حرام سمجھتے تھے بعض جانوروں کی نسبت یہ قرار دیا تھا کہ ذبح کرنے یا سواری لینے یا دودھ نکالنے کے وقت اُن پر خدا کا نام نہ لیا جائے کہیں بتوں کی چیز میں خدا کی شرکت نہ ہو جائے۔ پھر غضب یہ تھا کہ ان خرافات اور جہالتوں کو خدا کی طرف نسبت کرتے تھے گویا اُس نے معاذ اللہ یہ احکام دیے ہیں اور ان ہی طریقوں سے اُس کی خوشنودی حاصل کی جا سکتی ہے۔ ایسی بدعنوانیوں کے ساتھ یہ افترا و بہتان۔ عنقریب ان گستاخیوں کی سزا سے اُن کو دوچار ہونا پڑے گا۔

وَقَالُوا مَا فِي بُطُونِ هَٰذِهِ الْأَنْعَامِ خَالِصَةٌ لِّذُكُورِنَا وَمُحَرَّمٌ عَلَىٰ أَزْوَاجِنَا ۖ وَإِن يَكُن

اور کہتے ہیں جو بچہ ان مویشی کے پیٹ میں ہے اُس کو تو خاص ہمارے مرد ہی کھاویں اور وہ حرام ہے ہماری عورتوں پر اور جو بچہ مُردہ

مَّيْتَةً فَهُمْ فِيهِ شُرَكَاءُ ۚ سَيَجْزِيهِمْ وَصْفَهُمْ ۚ إِنَّهُ حَكِيمٌ عَلِيمٌ ﴿١٣٩﴾ قَدْ خَسِرَ الَّذِينَ قَتَلُوا

ہو تو اُس کے کھانے میں سب برابر ہیں وہ سزا دیگا اُن کو ان تقریروں کی وہ حکمت والا جاننے والا ہے ف ۱۸۸ بیشک خراب ہوئے جنہوں نے قتل کیا

أَوْلَادَهُمْ سَفَهًا بِغَيْرِ عِلْمٍ وَحَرَّمُوا مَا رَزَقَهُمُ اللَّهُ افْتِرَاءً عَلَى اللَّهِ ۚ قَدْ ضَلُّوا وَمَا كَانُوا

اپنی اولاد کو نادانی سے بغیر سمجھے اور حرام ٹھہرالیا اُس رزق کو جو اللہ نے اُنکو دیا بہتان باندھ کر اللہ پر بیشک وہ گمراہ ہوئے اور نہ آئے سیدھی

مُهْتَدِينَ ﴿١٤٠﴾ ع وَهُوَ الَّذِي أَنْشَأَ جَنَّاتٍ مَّعْرُوشَاتٍ وَغَيْرَ مَعْرُوشَاتٍ وَالنَّخْلَ وَالزَّرْعَ مُخْتَلِفًا ع ۱۶

راہ پر ف ۱۸۹ اور اُسی نے پیدا کئے باغ جو ٹٹیوں پر چڑھائے جاتے ہیں اور جو ٹٹیوں پر نہیں چڑھائے جاتے ف ۱۹۰ اور کھجور کے درخت اور کھیتی کہ مختلف ہیں

أُكُلُهُ وَالزَّيْتُونَ وَالرُّمَّانَ مُتَشَابِهًا وَغَيْرَ مُتَشَابِهٍ ۚ كُلُوا مِنْ ثَمَرِهِ إِذَا أَثْمَرَ وَآتُوا حَقَّهُ

اُنکے پھل اور پیدا کیا زیتون کو اور انار کو ایک دوسرے کے مشابہ اور جُدا جُدا بھی ف ۱۹۱ کھاؤ اُنکے پھل میں سے جس وقت پھل لاویں اور ادا کرو اُنکا حق

يَوْمَ حَصَادِهِ ۖ وَلَا تُسْرِفُوا ۚ إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ ﴿١٤١﴾ وَمِنَ الْأَنْعَامِ حَمُولَةً وَفَرْشًا ۚ كُلُوا

جس دن اُن کو کاٹو اور بیجا خرچ نہ کرو اُس کو خوش نہیں آتے بیجا خرچ کرنیوالے ف ۱۹۲ اور پیدا کئے مواشی میں بوجھ اُٹھانیوالے اور زمین سے لگے ہوئے ف ۱۹۳ کھاؤ

مِمَّا رَزَقَكُمُ اللَّهُ وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ ۚ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ ﴿١٤٢﴾

اللہ کے رزق میں سے اور مت چلو شیطان کے قدموں پر وہ تمہارا دشمن ہے صریح ف ۱۹۴

(۱۸۸) ایک مسئلہ یہ بنا رکھا تھا کہ بحیرہ اور سائبہ کو اگر ذبح کیا اور اُس کے پیٹ میں سے زندہ بچہ نکلا تو اُسے مرد کھائیں عورتیں نہ کھائیں اور مُردہ نکلے تو سب کھا سکتے ہیں۔ اِس طرح کے بے سند مسئلے گھڑنے والوں کے جرائم سے خدا بے خبر نہیں۔ ہاں وہ اپنی حکمت کے موافق مناسب وقت میں اُن کو مناسب سزا دے گا۔

(۱۸۹) اس سے بڑی خرابی، گمراہی اور نقصان و خسران کیا ہو گا کہ بیٹھے بٹھائے بلا وجہ دنیا میں اپنی اولاد و اموال سے محروم اور سنگدلی بداخلاقی و جہل میں مشہور ہوئے اور آخرت کا دردناک عذاب سر پر رکھا۔ نہ عقل سے کام لیا نہ شرع کو پہچانا، پھر سیدھی راہ پر آتے تو کیسے آتے۔

(۱۹۰) جو ٹٹیوں پر چڑھائے جاتے ہیں۔ مثلاً انگور وغیرہ اور جو ایسے نہیں مثلاً کھجور، آم وغیرہ تنہ دار درخت یا خربوزہ تربوز وغیرہ جن کی بیل بدون کسی سہارے کے زمین پر پھیلتی ہے۔

(۱۹۱) یعنی صورت شکل میں ملتے جلتے، مزہ میں جُدا جُدا۔

(۱۹۲) **پھلوں اور غلوں کے احکام** یعنی جو غلے اور پھل حق تعالیٰ نے پیدا فرمائے ہیں اُن کے کھانے سے بدون سند کے مت رکو ہاں دو باتوں کا خیال رکھو، ایک یہ کہ کاٹنے اور اُتارنے کے ساتھ ہی جو اللہ کا حق اُس میں ہے وہ ادا کر دو۔ دوسرے فضول اور بے موقع خرچ مت کرو۔ اللہ کے حق سے یہاں کیا مراد ہے، اس میں علماء کے مختلف اقوال ہیں۔ ابن کثیر کی رائے یہ معلوم ہوتی ہے کہ ابتداً مکہ معظمہ میں کھیتی اور باغ کی پیداوار میں سے کچھ حصہ نکالنا واجب تھا جو مساکین و فقراء پر صرف کیا جائے مدینہ طیبہ پہنچ کر ۲ سنہ ہجری میں اُس کی مقدار وغیرہ کی تعیین و تفصیل کر دی گئی۔ یعنی بارانی زمین کی پیداوار میں (بشرطیکہ خراجی نہ ہو) دسواں حصہ اور جس میں پانی دیا جائے بیسواں حصہ واجب ہے۔

(۱۹۳) بوجھ اٹھانیوالے جیسے اُونٹ وغیرہ اور زمین سے لگے ہوئے چھوٹے قد و قامت کے جانور جیسے بھیڑ بکری۔

(۱۹۴) اللہ کی دی ہوئی نعمتوں سے منتفع ہونا چاہیئے۔ شیطان کے قدموں پر چلنا یہ ہے کہ اُن کو خواہی نخواہی بدون حجت شرعی کے حرام کر لیا جائے یا شرک و بت پرستی کا ذریعہ بنا لیا جائے۔ شیطان کی اس سے زیادہ کھلی ہوئی دشمنی کیا ہوگی کہ اُن نعمتوں سے تم کو دنیا میں محروم رکھا اور آخرت کا عذاب رہا سو الگ۔

ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ ۚ مِنَ الضَّاْنِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْمَعْزِ اثْنَيْنِ ۭ قُلْ ءٰۗالذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ

پیدا کئے آٹھ نر اور مادہ بھیڑ میں سے دو اور بکری میں سے دو ف۱۹۵ پوچھ تو کہ دونوں نر اللہ نے حرام کئے ہیں

الْاُنْثَيَيْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ ۭ نَبِّــــُٔـوْنِيْ بِعِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۴۳﴾ وَ

یا دونوں مادہ یا وہ بچہ کہ اُس پر مشتمل ہیں بچہ دان دونوں مادہ کے بتلاؤ مجھ کو سند اگر تم سچے ہو ف۱۹۶ اور

مِنَ الْاِبِلِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْبَقَرِ اثْنَيْنِ ۭ قُلْ ءٰۗالذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ

پیدا کئے اُونٹ میں سے دو اور گائے میں سے دو پوچھ تو دونوں نر حرام کئے ہیں یا دونوں مادہ یا وہ بچہ کہ اُس پر مشتمل

عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ ۭ اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَاۗءَ اِذْ وَصّٰىكُمُ اللّٰهُ بِهٰذَا ۚ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَي

ہیں بچہ دان دونوں مادہ کے کیا تم حاضر تھے جس وقت تم کو اللہ نے یہ حکم دیا تھا پھر اُس سے زیادہ ظالم کون جو بہتان باندھے اللہ پر

اللّٰهِ كَذِبًا لِّيُضِلَّ النَّاسَ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۴۴﴾ قُلْ لَّآ اَجِدُ فِيْ

جھوٹا تاکہ لوگوں کو گمراہ کرے بلا تحقیق بیشک اللہ ہدایت نہیں کرتا ظالم لوگوں کو ف۱۹۷ تو کہہ دے کہ میں نہیں پاتا اُس

مَآ اُوْحِيَ اِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلٰي طَاعِمٍ يَّطْعَمُهٗٓ اِلَّآ اَنْ يَّكُوْنَ مَيْتَةً اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا اَوْ لَحْمَ

وحی میں کہ مجھ کو پہنچی ہے کسی چیز کو حرام کھانیوالے پر جو اُس کو کھاوے مگر یہ کہ وہ چیز مردار ہو یا بہتا ہوا خون یا گوشت

خِنْزِيْرٍ فَاِنَّهٗ رِجْسٌ اَوْ فِسْقًا اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ رَبَّكَ

سور کا کہ وہ ناپاک ہے یا ناجائز ذبیحہ جس پر نام پکارا جاوے اللہ کے سوا کسی اور کا پھر جو کوئی بھوک سے بے اختیار ہو جاوے نہ نافرمانی کرتا اور نہ زیادتی تو تیرا رب

غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۴۵﴾ وَعَلَي الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِيْ ظُفُرٍ ۚ وَمِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ

بڑا معاف کرنیوالا ہے نہایت مہربان ف۱۹۸ اور یہود پر ہم نے حرام کیا تھا ہر ایک ناخن والا جانور اور گائے اور بکری میں سے حرام کی تھی

شُحُوْمَهُمَآ اِلَّا مَا حَمَلَتْ ظُهُوْرُهُمَآ اَوِ الْحَوَايَآ اَوْ مَا اخْتَلَطَ بِعَظْمٍ ۭ ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِبَغْيِهِمْ ڮ وَاِنَّا

اُن کی چربی مگر جو لگی ہو پشت پر یا انتڑیوں پر یا جو چربی کہ ملی ہو ہڈی کے ساتھ یہ ہم نے اُنکو سزا دی تھی اُنکی شرارت پر اور ہم

لَصٰدِقُوْنَ ﴿۱۴۶﴾ فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ رَّبُّكُمْ ذُوْ رَحْمَةٍ وَّاسِعَةٍ ۚ وَلَا يُرَدُّ بَاْسُهٗ عَنِ

سچ کہتے ہیں ف۱۹۹ پھر اگر تجھ کو جھٹلاویں تو کہہ دے کہ تمہارے رب کی رحمت میں بڑی وسعت ہے اور نہیں ٹلیگا اُس کا عذاب

الْقَوْمِ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۱۴۷﴾

گنہگار لوگوں سے ف۲۰۰

(۱۹۵) یعنی ایک نر ایک مادہ اس طرح ہر نوع میں دو دو زوج ہوئے اور مجموعہ آٹھ ہو گیا۔

(۱۹۶) **اشیاء کی تحلیل و تحریم اللہ کا کام ہے** یعنی کسی چیز کو حلال و حرام کہنا صرف اللہ کے حکم سے ہو سکتا ہے۔ پھر ان میں سے نر کو یا مادہ کو یا بچہ کو جو مادہ کے پیٹ میں ہے اگر تم سب آدمیوں کے یا بعض کے حق میں حرام کہتے ہو جیسا کہ پچھلی آیات میں گذرا، اس کی سند تمہارے پاس کیا ہے۔ جب خدائی حکم ہونے کی کوئی سند نہیں رکھتے تو محض آراء و اہوا سے خدا کی پیدا کی ہوئی چیزوں کو حلال یا حرام کہنا اس کا مرادف ہے کہ خدائی کا منصب معاذ اللہ تم اپنے لئے تجویز کرتے ہو یا خدا پر جان بوجھ کر افتراء کر رہے ہو۔ دونوں صورتیں تباہ کن اور مہلک ہیں۔

(۱۹۷) اشیاء کی تحلیل و تحریم محض خدا کے حکم سے ہو سکتی ہے، اور خدا کا حکم یا بواسطۂ انبیاء پہنچے گا یا بلا واسطہ حق تعالیٰ کسی کو مخاطب فرمائے تو اُسے معلوم ہو۔ یہاں دونوں صورتیں منفی ہیں۔ پہلی شق کے انتفاء پر نبئونی بعلم الخ میں اور دوسری کی نفی پر ام کنتم شہداء اذ وصاکم الخ میں متنبہ فرمایا ہے۔ پھر مشرکین کے دعاوی میں افتراء و اضلال کے سواء اور کیا چیز باقی رہ گئی۔ بلاشبہ اُس سے زیادہ ظالم کوئی نہیں ہو سکتا جو خدا پر بہتان باندھے اور علم و تحقیق سے تہیدست ہونے کے باوجود لوگوں کو باطل اور غلط مسائل بیان کر کے گمراہ کرتا پھرے۔ جس شخص نے اس قدر ڈھٹائی اختیار کر لی اور ایسے ظلم عظیم پر کمر باندھ لی، اُس کے ہدایت پانے کی توقع رکھنا فضول ہے۔

(۱۹۸) **حرام جانوروں کی تفصیل** حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں "یعنی جن جانوروں کا کھانا دستور ہے اُن میں سے یہ ہی حرام ہے" اس آیت میں کفار کو یہ بتلانا ہے کہ جو چیزیں اوپر مذکور ہوئیں حلال تھیں جن کو تم نے حرام بنا لیا اب وہ چیزیں بتلائی جاتی ہیں جو واقعی حرام ہیں اور تم اُن کو حلال سمجھتے ہو۔ باقی مضمون آیت کی تفسیر و توضیح "سورہ مائدہ کے شروع میں حرمت علیکم المیتۃ والدم ولحم الخنزیر الخ کے نیچے گذر چکی ہے وہاں ملاحظہ کر لی جائے۔

(۱۹۹) **یہودیوں پر احکام میں سختی کی سزا** یعنی اصلی حرمت تو اُن چیزوں میں ہے جو اُوپر مذکور ہوئیں، البتہ وقتی مصلحت سے بعض چیزیں عارضی طور پر بعض اقوام پر پہلے حرام کی جا چکی ہیں۔ مثلاً یہود پر اُن کی شرارتوں کی سزا میں ہر ناخن (کھر) والا جانور جس کی انگلیاں پھٹی نہ ہوں جیسے اُونٹ، شتر مُرغ، بطخ وغیرہ حرام کیا گیا تھا۔ نیز گائے بکری کی جو چربی پشت یا انتڑیوں پر نہ لگی ہو یا ہڈی کے ساتھ نہ ملی ہو، اُن پر حرام کر دی گئی تھی۔ جیسے گُردہ کی چربی۔ بنی اسرائیل کا دعویٰ غلط ہے کہ یہ چیزیں ابراہیم و نوح علیہما السلام کے زمانہ ہی سے مستمر طور پر حرام چلی آتی ہیں۔ سچی بات یہ ہے کہ ان میں سے کوئی چیز ملتِ ابراہیمی میں حرام نہ تھی۔ یہود کی نافرمانیوں اور شرارتوں کی وجہ سے یہ سب چیزیں حرام ہوئیں۔ جو کوئی اُس کے خلاف دعویٰ کرے جھوٹا ہے۔ جیسے پارہ "لن تنالوا" کے شروع میں قل فاتوا بالتوراۃ فاتلوھا ان کنتم صادقین سے ان دعویٰ کرنیوالوں کو چیلنج دیا گیا ہے۔

(۲۰۰) یعنی رحمت کی سمائی سے تم اب تک بچے ہو، نہ جانو کہ عذاب ٹل گیا کذا فی موضح القرآن۔

سَيَقُولُ الَّذِينَ أَشْرَكُوا لَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا أَشْرَكْنَا وَلَا آبَاؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ شَيْءٍ ۚ كَذَٰلِكَ كَذَّبَ

اب کہیں گے مشرک اگر اللہ چاہتا تو شرک نہ کرتے ہم اور نہ ہمارے باپ دادے اور نہ ہم حرام کر لیتے کوئی چیز اسی طرح جھٹلایا کئے

الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ حَتَّىٰ ذَاقُوا بَأْسَنَا ۗ قُلْ هَلْ عِنْدَكُمْ مِنْ عِلْمٍ فَتُخْرِجُوهُ لَنَا ۖ إِنْ تَتَّبِعُونَ

اُن سے اگلے یہاں تک کہ انہوں نے چکھا ہمارا عذاب تو کہہ کچھ علم بھی ہے تمہارے پاس کہ اُس کو ہمارے آگے ظاہر کرو تم تو نری اٹکل

إِلَّا الظَّنَّ وَإِنْ أَنتُمْ إِلَّا تَخْرُصُونَ ﴿۱۴۸﴾ قُلْ فَلِلَّهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ ۖ فَلَوْ شَاءَ لَهَدَاكُمْ أَجْمَعِينَ ﴿۱۴۹﴾ قُلْ

پر چلتے ہو اور صرف تخمینے ہی کرتے ہو تو کہہ دے بس اللہ کا الزام پورا ہے سو اگر وہ چاہتا تو ہدایت کر دیتا تم سب کو ف ۲۰۱ تو کہہ کہ

هَلُمَّ شُهَدَاءَكُمُ الَّذِينَ يَشْهَدُونَ أَنَّ اللَّهَ حَرَّمَ هَٰذَا ۖ فَإِن شَهِدُوا فَلَا تَشْهَدْ مَعَهُمْ ۚ وَلَا

لاؤ اپنے گواہ جو گواہی دیں اس بات کی کہ اللہ نے حرام کیا ہے ان چیزوں کو پھر اگر وہ ایسی گواہی دیں بھی تو تو نہ اعتبار کر اُن کا اور نہ

ع ۱۸ / ۵

تَتَّبِعْ أَهْوَاءَ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَالَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ وَهُم بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُونَ ﴿۱۵۰﴾ قُلْ

چل اُن کی خوشی پر جنہوں نے جھٹلایا ہمارے حکموں کو اور جو یقین نہیں کرتے آخرت کا اور وہ اپنے رب کے برابر کرتے ہیں اوروں کو ف ۲۰۲ تو کہہ

تَعَالَوْا أَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ ۖ أَلَّا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا ۖ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا ۖ وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُم

تم آؤ میں سنا دوں جو حرام کیا ہے تم پر تمہارے رب نے کہ شریک نہ کرو اُس کے ساتھ کسی چیز کو اور ماں باپ کے ساتھ نیکی کرو اور مار نہ ڈالو اپنی اولاد کو

مِّنْ إِمْلَاقٍ ۖ نَّحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَإِيَّاهُمْ ۖ وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ ۖ وَلَا

مفلسی سے ہم رزق دیتے ہیں تم کو اور اُن کو ف ۲۰۳ اور پاس نہ جاؤ بے حیائی کے کام کے جو ظاہر ہو اُس میں سے اور جو پوشیدہ ہو ف ۲۰۴ اور مار

تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ ۚ ذَٰلِكُمْ وَصَّاكُم بِهِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ﴿۱۵۱﴾

نہ ڈالو اُس جان کو جس کو حرام کیا ہے اللہ نے مگر حق پر ف ۲۰۵ تم کو یہ حکم کیا ہے تاکہ تم سمجھو ف ۲۰۶

(۲۰۱) **مشرکین کا استدلال** گذشتہ رکوع میں مشرکین سے مطالبہ کیا گیا تھا کہ جن حلال و طیب چیزوں کو تم نے حرام ٹھہرا لیا ہے اور اس تحریم کو خدا کی طرف نسبت کرتے ہو، اس کی سند اور دلیل لاؤ۔ یہاں اُن کی دلیل بیان کی گئی ہے جو وہ پیش کرنے والے تھے۔ یعنی اگر اللہ چاہتا تو اس کو قدرت تھی کہ ہم کو اور ہمارے اسلاف کو اس تحریم سے بلکہ تمام مشرکانہ افعال و اقوال سے روک دیتا۔ جب نہ روکا اور یوں ہی ہوتا چلا آیا تو ثابت ہوا کہ اُس کے نزدیک ہماری یہ کارروائیاں پسندیدہ ہیں ناپسند ہوتیں تو ان کے کرنے میں ہم کو اب تک کیوں آزاد چھوڑتا سمجھنے کی بات یہ ہے کہ ایک نیک نام اور مدبر گورنمنٹ کسی باغیانہ تحریک میں حصہ لینے والے کو باوجود یقینی اطلاع اور کافی قدرت کے پہلے ہی دن پکڑ کر پھانسی نہیں دیدیتی۔ وہ اس کی حرکات کی نگرانی رکھتی ہے کبھی رویہ درست رکھنے کی ہدایت کرتی ہے اور موقع دیتی ہے کہ آدمی ایسی حرکات کا انجام سوچ کر خود سنبھل جائے۔ کبھی اصلاح سے مایوس ہو کر ڈھیل چھوڑتی ہے کہ اس کی بغاوت کا ایسا باضابطہ اور مکمل مواد فراہم ہو جائے جس کے بعد اُس کی انتہائی مجرمانہ غداری قانونی حیثیت سے علی رؤس الاشہاد ثابت کی جا سکے۔ ان تمام صورتوں میں مجرم کی باگ ڈھیلی چھوڑ دینے اور فوراً سزا نہ دینے سے کیا یہ ثابت ہوگا کہ گورنمنٹ کی نظر میں وہ کارروائی جرم و بغاوت نہیں ہے۔ گورنمنٹ کی نگاہ میں ان افعال کا جرم ہونا اوّل تو اس کے شائع کئے ہوئے قانون سے ظاہر ہے۔ دوسرے جب یہ مجرم مہلت پوری ہونے پر عدالت کے کٹہرے میں لایا جائیگا۔ اور باضابطہ اثبات و اظہار جرم کے بعد پھانسی یا حبس دوام کی سزا بھگتے گا۔ تب برأی العین مشاہدہ ہو جائیگا کہ گورنمنٹ کی نظر میں یہ کتنا بڑا جرم تھا۔

مشرکین کو مہلت دینے کی حکمت بہرحال گورنمنٹ کا کسی جرم پر باوجود علم و قدرت رکھنے کے کسی مصلحت سے فوری سزا جاری نہ کرنا اس کی دلیل نہیں کہ وہ جرم کو جرم نہیں سمجھتی۔ اسی پر قیاس کر لیجئے کہ وہ احکم الحاکمین ابتدائے آفرینش سے آج تک بتوسط اپنے صادق القول اور پاکباز نائبین کے ہر قسم کے قوانین و احکام سے بندوں کو مطلع فرماتا رہا اور کھول کھول کر بتلا دیا کہ کونسی بات اُس کے

یہاں پسندیدہ اور کونسی ناپسند ہے کبھی پے بہ پے اور کبھی تھوڑے تھوڑے وقفہ کے بعد ان احکام و ہدایات کی یاددہانی بھی ہوتی رہی ۔ اس دوران میں خلاف ورزی کرنے والوں سے مسامحت کی حد تک مسامحت کی گئی ۔ معمولی تنبیہات کی ضرورت ہوئی تو وقتاً فوقتاً انہیں بھی کام میں لایا گیا ۔ اور جن کی شقاوت کا پیمانہ لبریز ہونے والا تھا انہیں ڈھیل دی گئی کہ وہ صاف اور علانیہ طور پر اپنے کو خدا کی انتہائی سزا کا مستحق ٹھہرا کر کیفر کردار کو پہنچیں ۔ چنانچہ بہت سی قومیں اپنے جرائم کی پاداش کا دنیا میں تھوڑا تھوڑا مزہ چکھ چکی ہیں ۔ پھر ان حالات کے موجودگی میں کسی قوم کے چند روز جرائم میں مبتلا رہنے اور فوراً نہ پکڑے جانے سے کیسے استدلال کیا جا سکتا ہے کہ وہ جرائم (معاذ اللہ) خدا کے نزدیک پسندیدہ ہیں ۔ ورنہ خدا انہیں ایک گھنٹہ کی بھی مہلت نہ دیتا ۔

مشرکین کا دوسرا استدلال اور جواب رہا یہ سوال کہ خدا نے انسان کی ساخت ہی ابتداء سے ایسی کیوں نہ بنادی کہ وہ برائی کی طرف قطعاً نہ جا سکتا اور اس طرح فطرۃً اُسے مجبور کر دیا جاتا کہ نیکی اور بھلائی کے سوا کوئی چیز اختیار نہ کر سکے ۔ اگر غور کیا جائے تو اس سوال کا مطلب یہ ہے کہ انسان کو ایسا کیوں نہ پیدا کر دیا گیا کہ وہ انسان ہی نہ رہتا ۔ یا تو اینٹ پتھر بن جاتا جو ادراک و شعور اور کسب و اختیار سے یکسر خالی ہو ۔ یا گدھے گھوڑے وغیرہ جانوروں کی طرح جزئی احساس و ارادہ رکھنے والا حیوان ہوتا جو ازل سے ابد تک اپنے مخصوص و متشابہ افعال واحوال کے محدود دائرہ میں چکر لگاتا رہے ، اور یا بہت عزت دی جاتی تو فرشتوں کی صفوں میں بٹھلا دیا جاتا جو محض طاعت و عبادت کے اختیار کرنے پر مجبور و مفطور ہیں ۔ الحاصل یہ کلی ادراکات اور عظیم الشان کسبی تصرفات رکھنے والی ترقی کُن نوع ہی صفحۂ ہستی پر نہ لائی جاتی ۔ میں سمجھتا ہوں کہ کوئی انسان اپنے شرف و کرامت کا بلند بانگ دعویٰ رکھتے ہوئے ایسی جرأت نہ کرے گا کہ سرے سے اپنی نوع کے وجود ہی کا مخالف ہو جائے ۔ پھر اگر نوع انسانی کا مع اس کی عقلی و عملی قوتوں اور کسب و اختیار کی موجودہ آزادی کے پیدا کرنا نظام عالم کی تکمیل کے لئے ضروری تھا تو اس نظام تکوینی کے آثار و نتائج کا قبول کرنا بھی ضروری ہے ۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ مادی اور معاشی زندگی کے شعبوں میں تو انسانوں کی عقلی و کسبی آزادی کی بدولت بے شمار انواع و اقسام کے مختلف مظاہر سامنے آئیں ۔ لیکن معادی و روحانی میدانوں میں وہ ہی دل و دماغ اور کسب و اختیار کی قوتیں رکھنے والے انسان سب کے سب ایک ہی پگڈنڈی پر چلنے کے لئے مجبور ہو جائیں اور کوئی ایک قدم اِدھر اُدھر ہٹانے کی قدرت نہ رکھے ۔ پس اگر نوع انسان کا بحقیقتہ الموجودہ مجموعۂ عالم میں پایا جانا ضروری ہے تو نیک و بد کا اختلاف بھی لابدی ہو گا اور یہ ہی اختلاف کا وجود بڑی دلیل اس کی ہے کہ ہر وہ فعل جو وقوع میں آئے ضروری نہیں کہ خدا کے نزدیک پسندیدہ ہو ، ورنہ مختلف و متضاد افعال کی موجودگی میں ماننا پڑیگا کہ مثلاً خوش اخلاقی بھی خدا کو پسند ہو اور بد اخلاقی بھی ۔ ایمان لانا بھی پسند ہو اور نہ لانا بھی ، جو صریحاً باطل ہے ۔ بیشک خدا اگر چاہتا تو انسان کی ساخت ایسی بنا سکتا تھا کہ سب ایک ہی راستہ پر چلنے کے لئے مجبور ہو جاتے ، لیکن جب ایسا واقع نہیں ہوا تو یہ ہی حجۃ بالغہ اور پورا الزام اُن لوگوں پر ہے جو لوشاء اللہ ما اشرکنا کہہ کر مشیت و رضائے الٰہی میں تلازم ثابت کرنا چاہتے ہیں ۔ کیونکہ اس قدر شدید اختلافات کی موجودگی میں ان کے اصول کے موافق کہنا پڑیگا کہ مثلاً توحید خالص بھی اللہ کے نزدیک صحیح اور مرضی ہو اور اُس کی نقیض شرک جلی بھی ، وقس علیٰ ہذا ان دلائل سے ثابت ہوا کہ مشرکین کا یہ استدلال لوشاء اللہ ما اشرکنا الخ محض لغو اور بادِ ہوا ہے ۔ کوئی علمی اصول اُن کے پاس نہیں جسے عقل مندوں کے سامنے پیش کر سکیں ۔ محض اٹکل کے تیر اور تخمینی باتیں ہیں جن کو خدا کی حجۃ بالغہ بکلی رد کرتی ہے جس کی طرف فلو شاء اللہ لھدٰکم اجمعین میں اشارہ فرمایا ہے ۔ یعنی انسان کی فطرت ایسی نہیں بنائی گئی کہ سب کے سب راہ ہدایت پر چل پڑیں ۔ اُس کو کسب و اختیار کی وہ آزادی حق جل و علا نے عطا فرمائی ہے جس کا عطا کیا جانا کسی مخلوق کے لئے ممکن تھا ۔ اس لئے لازم ہے کہ اس آزادی کے استعمال کے وقت راہیں مختلف ہو جائیں ، کوئی نیکی کو اختیار کرے کوئی بدی کو کوئی حق تعالیٰ کی رضاء و رحمت کا مظہر بن جائے کوئی غضب کا ۔ اس

طرح وہ آخری مقصد جو خالق کائنات نے آفرینش عالم سے ارادہ کیا ہے یعنی اپنی صفات جمال وجلال کا اظہار علی الوجہ الاتم پورا ہو..... لیبلوکم ایکم احسن عملا ورنہ اگر تمام عالم ایک ہی حال پر فرض کر لیا جائے تو بعض صفات الٰہیہ کا ظہور ممکن ہوگا، اور دوسری بعض کے ظہور کے لئے کوئی محل نہ ملیگا۔

یہاں تک جو کچھ ہم نے کہا وہ اس تقدیر پر تھا کہ مشرکین کے قول لو شاء اللہ ما اشرکنا سے یہ غرض ہو کہ وہ اپنے خرافات وکفریات کا استحسان ثابت کرنا چاہتے تھے جیسا کہ ان کے احوال سے ظاہر ہے اور اگر کلام مذکور سے اُن کی غرض صرف معذرت ہو کہ جو کچھ خدا چاہتا ہے وہ ہم سے کراتا ہے، اچھا ہو یا برا، بہرحال اُس کی مشیت سے ہے۔ پھر مشیت الٰہی کے مقابلہ میں انبیاء ورسل ہم سے کیوں مزاحمت کرتے ہیں اور عذاب الٰہی کا ڈراوا کیوں سناتے ہیں۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ جس خدا کی مشیت سے تم ان افعال شنیعہ کا کسب کرتے ہو، اُسی کی مشیت سے انبیاء ورسل تمہاری مزاحمت کرتے ہیں اور وہ ہی مشیت تمہارے کسب پر مناسب عذاب بھیجتی ہے۔ جس طرح قدرت نے سانپ کو پیدا کیا اور وہ ہی مارگزیدہ کے حق میں ہلاکت کا اثر مرتب کرتی ہے خواہ سانپ کے کاٹنے میں مارگزیدہ کے فعل واختیار کو کچھ دخل ہو یا نہ ہو اسی طرح تمہارے شرک وکفر میں ہلاکت دائمی کی، اور ایمان وعمل صالح میں نجات ابدی کی تاثیر رکھ دینا بھی اُسی قدرت ومشیت ایزدی کا کام ہے جس سے تمام سلسلہ اسباب ومسببات کی تخلیق ہوئی ہے۔ پس اگر تم اپنے مشرکانہ اطوار سے باز نہ آنے میں مشیت کے عموم سے احتجاج کر سکتے ہو تو ارسال رُسل اور انزال عذاب وغیرہ امور کو بھی اُسی مشیت کی کارفرمائی کا نتیجہ سمجھ کر خدا کی حجۃ بالغہ کو تمام سمجھو۔ بے شک خدا چاہتا تو تم سب کو راہ راست پر لگا دیتا۔ لیکن اُس نے تمہاری سوء استعداد کی وجہ سے ایسا نہیں چاہا۔ آخر تمہارے سوء اختیار سے جو افعال صادر ہوئے اُن کا طبعی اثر عذاب کی صورت میں مرتب ہو کر رہا۔ والعیاذ باللہ۔

(۲۰۲) یعنی دلیل عقلی کا حال تو اوپر معلوم ہو چکا اب اگر اس من گھڑت تحریم پر کوئی نقلی دلیل رکھتے ہو تو وہ لاؤ کیا تمہارے پاس ایسے گواہ موجود ہیں جو یہ بیان کریں کہ ہاں ان کے روبرو اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں کو حرام ٹھہرایا تھا؟ ظاہر ہے کہ ایسے واقعی گواہ کہاں دستیاب ہو سکتے ہیں۔ اگر دو چار گستاخ جھوٹے بے حیا یہ ہی گواہی دینے کو کھڑے ہو جائیں تو ایسوں کی بات پر کان نہ دھرو اور نہ اُن کی خواہشات کی پروا کرو۔ یہاں تک اُن چیزوں کا بیان تھا۔ جنہیں مشرکین نے محض اپنی رائے وہوا سے حرام ٹھہرا رکھا تھا، پھر اُس تحریم کے لئے حیلے اور باطل عذر پیش کرتے تھے۔ آگے وہ چیزیں بیان کی جاتی ہیں۔ جنہیں خدا نے حرام کیا اور ہمیشہ سے حرام رہی ہیں لیکن یہ مشرکین اُن میں مبتلا ہیں۔

(۲۰۳) **مفلسی کے ڈر سے اولاد کا قتل** عرب مفلسی کی وجہ سے بعض اوقات اولاد کو قتل کر دیتے تھے کہ خود ہی کھانے کو نہیں اولاد کو کہاں سے کھلائیں۔ اسی لئے فرمایا کہ رزق دینے والا تو خدا ہے تم کو بھی اور تمہاری اولاد کو بھی۔ دوسری جگہ بجائے "من املاق" "خشیۃ املاق" فرمایا ہے یعنی مفلسی کے ڈر سے قتل کر ڈالتے تھے۔ یہ اُن کا ذکر ہوگا جو فی الحال مفلس نہیں مگر ڈرتے ہیں کہ جب عیال زیادہ ہوں گے تو کہاں سے کھلائیں گے۔ چونکہ پہلے طبقہ کو عیال سے پہلے اپنی روٹی کی فکر ستا رہی تھی اور دوسرے کو زیادہ عیال کی فکر نے پریشان کر رکھا تھا، شاید اسی لئے یہاں املاق کے ساتھ نَرْزُقُكُمْ وَإِيَّاهُمْ اور اُس آیہ میں خَشْيَةَ إِمْلَاقٍ کے ساتھ نَرْزُقُهُمْ وَإِيَّاكُمْ ارشاد فرمایا۔ واللہ اعلم۔

(۲۰۴) **بری نظر ڈالنے کی مذمت** "پاس نہ جاؤ" سے شاید یہ مراد ہو کہ ایسے کاموں کے مبادی ووسائل سے بھی بچنا چاہئے مثلاً زنا کی طرح نظر بد سے بھی اجتناب لازم ہے۔

(۲۰۵) الا بالحق کا استثناء ضروری تھا۔ جس میں قاتل عمد، زانی محصن اور مرتد عن الاسلام کا قتل داخل ہے جیسا کہ احادیث صحیحہ میں اس کی تصریح وارد ہو چکی اور ائمہ مجتہدین اس پر اجماع کر چکے ہیں۔

(۲۰۶) **حرام کاموں کی تفصیل** | اس آیت سے ان چیزوں کا حرام ہونا ثابت ہوا۔ ۱ شرک باللہ ۲ والدین کے ساتھ بدسلوکی ۳ قتل اولاد ۴ سب بے حیائی کے کام مثلاً زنا وغیرہ ۵ کسی شخص کو ناحق قتل کرنا۔

وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ ۚ وَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ

اور پاس نہ جاؤ یتیم کے مال کے مگر اُس طرح سے کہ بہتر ہو یہاں تک کہ پہنچ جاوے اپنی جوانی کو ف ۲۰۷ اور پورا کرو ماپ اور تول کو

بِالْقِسْطِ ۚ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ۚ وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ۚ وَبِعَهْدِ اللّٰهِ

انصاف سے ہم کسی کے ذمہ وہی چیز لازم کرتے ہیں جسکی اُسکو طاقت ہو ف ۲۰۸ اور جب بات کہو تو حق کی کہو اگرچہ وہ اپنا قریب ہی ہو ف ۲۰۹ اور اللہ کا عہد

اَوْفُوْا ۭ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿۱۵۲﴾ وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ ۚ وَ

پورا کرو ف ۲۱۰ تم کو یہ حکم کر دیا ہے تاکہ تم نصیحت پکڑو اور حکم کیا کہ یہ راہ ہے میری سیدھی سو اس پر چلو اور

لَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۭ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۵۳﴾ ثُمَّ

مت چلو اور رستوں پر کہ وہ تم کو جدا کر دیں گے اللہ کے راستہ سے ف ۲۱۱ یہ حکم کر دیا ہے تم کو تاکہ تم بچتے رہو پھر

اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ تَمَامًا عَلَى الَّذِيْٓ اَحْسَنَ وَتَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّ

دی ہم نے موسٰی کو کتاب واسطے پورا کرنے نعمت کے نیک کام والوں پر اور واسطے تفصیل ہر شے کے اور ہدایت اور

رَحْمَةً لَّعَلَّهُمْ بِلِقَاۗءِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۵۴﴾ ع ۱۹

رحمت کے لئے تاکہ وہ لوگ اپنے رب کے ملنے کا یقین کریں ف ۲۱۲

(۲۰۷) **مال یتیم کی حفاظت** | یتیم کے مال میں بیجا تصرف کرنا حرام ہے۔ ہاں بہتر و مشروع طریقہ سے احتیاط کے ساتھ اس میں ولی یتیم تصرف کر سکتا ہے۔ جب یتیم جوان ہو جائے اور اپنے فرائض کو سنبھال سکے تو اس کے حوالہ کر دیا جائے۔

(۲۰۸) یعنی اپنی طاقت کے موافق ان احکام کی بجاآوری میں کوشش کرو۔ اسی کے تم مکلف ہو۔ خدا کسی کو اس کی مقدرت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔

(۲۰۹) یعنی حق و انصاف کی بات کہنے میں کسی کی قرابت و محبت مانع نہ ہونی چاہئے۔

(۲۱۰) اس کے اوامر و نواہی پر پابندی سے عمل کرو۔ خدا کے لئے جو نذر مانو یا قسم کھاؤ بشرطیکہ غیر مشروع بات کی نہ ہو اُسے پورا کرنا چاہئے۔

(۲۱۱) **صراط مستقیم** | یعنی احکام مذکورہ بالا کی پابندی اور خدا کے عہد کو اعتقاداً و عملاً پورا کرنا یہی صراط مستقیم (سیدھی راہ) ہے جس کی طلب سورہ فاتحہ میں تلقین کی گئی تھی۔ یہ راہ تم کو دکھلا دی گئی اب چلنا تمہارا کام ہے۔ جو کوئی اس کے سوا دوسرے راستہ پر چلا وہ خدا کے راستہ سے بھٹکا۔

(۲۱۲) **پچھلی شریعتوں میں بھی یہی احکام** | معلوم ہوتا ہے کہ جو احکام اُوپر قل تعالوا اتل ما حرم ربکم علیکم سے پڑھ کر سنائے گئے یہ ہمیشہ سے جاری تھے۔ تمام انبیاء اور شرائع کا ان پر اتفاق رہا کیا۔ بعدہٗ حق تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تورات اُتاری جس میں احکام شرع کی مزید تفصیل درج تھی۔ تورات عطا فرما کر اُس زمانہ کے نیک کام کرنیوالوں پر خدا نے اپنی نعمت پوری کر دی۔ ہر ضروری چیز کو شرح و بسط سے بیان فرما دیا۔ اور ہدایت و رحمت کے ابواب مفتوح کر دیے۔ تاکہ اُسے سمجھ کر لوگ اپنے پروردگار سے ملنے کا کامل یقین حاصل کریں۔

وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ فَاتَّبِعُوْهُ وَاتَّقُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۱۵۵﴾ اَنْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اُنْزِلَ

اور ایک یہ کتاب ہے کہ ہم نے اُتاری برکت والی سو اس پر چلو اور ڈرتے رہو تاکہ تم پر رحمت ہو ف۲۱۳ اس واسطے کہ کبھی تم کہنے لگو کہ کتاب جو اُتری

الْكِتٰبُ عَلٰى طَآئِفَتَيْنِ مِنْ قَبْلِنَا ۪ وَاِنْ كُنَّا عَنْ دِرَاسَتِهِمْ لَغٰفِلِيْنَ ﴿۱۵۶﴾ اَوْ تَقُوْلُوْا لَوْ

تھی سو اُن ہی دو فرقوں پر جو ہم سے پہلے تھے اور ہم کو تو اُن کے پڑھنے پڑھانے کی خبر ہی نہ تھی ف۲۱۴ یا کہنے لگو کہ اگر ہم

اَنَّآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْكِتٰبُ لَكُنَّآ اَهْدٰى مِنْهُمْ ۚ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى

ہم پر اُترتی کتاب تو ہم تو راہ پر چلتے اُن سے بہتر سو آچکی تمہارے پاس حجت تمہارے رب کی طرف سے اور ہدایت

وَّرَحْمَةٌ ۚ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَصَدَفَ عَنْهَا ۭ سَنَجْزِي الَّذِيْنَ يَصْدِفُوْنَ

اور رحمت ف۲۱۵ اب اس سے زیادہ ظالم کون جو جھٹلاوے اللہ کی آیتوں کو اور اُن سے کتراوے ہم سزا دینگے اُن کو جو ہماری آیتوں سے

عَنْ اٰيٰتِنَا سُوْۗءَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا يَصْدِفُوْنَ ﴿۱۵۷﴾ هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمُ

کتراتے ہیں بُرا عذاب بدلے میں اس کترانے کے ف۲۱۶ کاہے کی راہ دیکھتے ہیں لوگ مگر یہی کہ اُن پر آئیں

الْمَلٰۗئِكَةُ اَوْ يَاْتِيَ رَبُّكَ اَوْ يَاْتِيَ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ ۭ يَوْمَ يَاْتِيْ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ لَا يَنْفَعُ

فرشتے یا آئے تیرا رب یا آئے کوئی نشانی تیرے رب کی جس دن آئیگی ایک نشانی تیرے رب کی کام نہ آئیگا

نَفْسًا اِيْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ اٰمَنَتْ مِنْ قَبْلُ اَوْ كَسَبَتْ فِيْٓ اِيْمَانِهَا خَيْرًا ۭ قُلِ

کسی کے اُس کا ایمان لانا جو کہ پہلے سے ایمان نہ لایا تھا یا اپنے ایمان میں کچھ نیکی نہ کی تھی تو کہہ دے

انْتَظِرُوْٓا اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ ﴿۱۵۸﴾

تم راہ دیکھو ہم بھی راہ دیکھتے ہیں ف۲۱۷

(۲۱۳) **قرآن کریم کا اتباع** یعنی تورات تو تھی ہی جیسی کچھ تھی، لیکن ایک یہ کتاب ہے (قرآن کریم) جو اپنے درخشان اور ظاہر و باہر حسن و جمال کے ساتھ تمہارے سامنے ہے۔ اس کی خوبصورتی اور کمال کا کیا کہنا۔ آفتاب آمد دلیل آفتاب۔ اس کی ظاہری و باطنی برکات اور صوری و معنوی کمالات کو دیکھ کر بے اختیار کہنا پڑتا ہے۔ ؎ بہار عالم حسنش دل و جاں تازہ میدارد ؛ برنگ اصحاب صورت را بہ بوار باب معنی را۔ اب دائیں بائیں دیکھنے کی ضرورت نہیں۔ اگر خدا کی رحمت سے حظ وافر لینا چاہتے ہو تو اس آخری اور مکمل کتاب پر چل پڑو اور خدا سے ڈرتے رہو کہ اس کتاب کے کسی حصہ کی خلاف ورزی ہونے نہ پائے۔

(۲۱۴) **قرآن پوری دنیا کے لئے حجت ہے** یعنی اس مبارک کتاب (قرآن کریم) کے نزول کے بعد عرب کے اُمیین کے لئے یہ کہنے کا بھی موقع نہیں چھوڑا گیا کہ پیشتر جو آسمانی کتابیں شرائع الٰہیہ کو لے کر اُتریں وہ تو ہمارے علم کے موافق اُنہی دو فرقوں (یہود و نصاریٰ) پر اُتریں بیشک وہ لوگ آپس میں اُسے پڑھتے پڑھاتے تھے اور بعضے اس کا ترجمہ بھی عربی میں کرتے تھے مثلاً ورقہ بن نوفل وغیرہ اور بہت سے مدت تک اس دھن میں لگے رہے کہ عرب کو یہودی یا نصرانی بنا لیں۔ لیکن ہمیں اُن کی تعلیم و تدریس سے کوئی سروکار نہیں رہا۔ اس سے بحث نہیں کہ یہود و نصاریٰ جو کچھ پڑھتے پڑھاتے تھے، وہ چیز کہاں تک اپنی اصلی سماوی صورت میں محفوظ تھی۔ مطلب صرف اس قدر ہے کہ اُن شرائع و کتب کی اصلی مخاطب فقط قوم بنی اسرائیل تھی۔ خواہ اس تعلیم کے بعض اجزاء مثلاً توحید اور اصول دینیہ

کی دعوت کو وسعت دے کر بنی اسرائیل کے سوا دوسری اقوام کے حق میں بھی عام کر دیا گیا ہو تاہم جو شریعت اور کتاب سماوی بہیأت مجموعی کسی خاص قوم پر اُسی کے مخصوص فائدہ کے لئے اُتری ہو اس کے درس و تدریس سے اگر دوسری اقوام خصوصًا عرب جیسی غیور و خوددار قوم کو دلچسپی اور لگاؤ نہ ہو تو کچھ مستبعد نہیں بنا بریں وہ کہہ سکتے تھے کہ کوئی آسمانی کتاب و شریعت ہماری طرف نہیں آئی اور جو کسی مخصوص قوم کے لئے آئی اُس سے ہم نے چنداں واسطہ نہیں رکھا پھر ہم ترک شرائع پر کیوں ماخوذ ہونگے۔ مگر آج اُن کے لئے اس طرح کے حیلے حوالوں کا موقع نہیں رہا۔ خدا کی حجت، اُس کی روشن کتاب اور ہدایت و رحمت عامہ کی بارش خاص اُن کے گھر میں اُتاری گئی۔ تاکہ وہ اولاً اس سے مستفید ہوں۔ پھر اس امانت الٰہیہ کو تمام احمر و اسود اور مشرق و مغرب کے باشندوں تک حفاظت و احتیاط کے ساتھ پہنچا دیں۔ کیونکہ یہ کتاب کسی خاص قوم و ملک کے لئے نہیں اُتاری گئی۔ اس کا مخاطب تو سارا جہان ہے۔ چنانچہ خدا کے فضل و توفیق سے عرب کے ذریعہ سے خدا کا یہ عام اور آخری پیغام آج دنیا کے گوشہ گوشہ میں پہنچ گیا۔ والحمد للہ علیٰ ذٰلک۔

(۲۱۵) یعنی پہلی اُمتوں کا حال سن کر شاید تم کو ہوس ہوتی اور دل میں ولولہ اُٹھتا کہ ہمارے پاس خدا کی کتاب آتی تو ہم دوسروں سے بڑھ کر عمل کر کے دکھلاتے۔ سو تم کو اُن سے بہتر کتاب دے دی گئی اب دیکھیں کون کیا کام کر کے دکھلاتا ہے۔

(۲۱۶) اب ایسی بے مثال روشن کتاب آنے کے بعد اگر اس کی آیتوں کو کوئی جھٹلائے اور اس کے احکام قبول کرنے سے کترائے یا دوسروں کو روکے، اُس سے بڑا ظالم کون ہوگا (تنبیہ) صدف عنہا کے دونوں معنی سلف سے منقول ہیں "روکنا" اور "اعراض کرنا" مترجم علام نے دوسرے معنی لے کر "کترائے" ترجمہ کیا ہے۔

(۲۱۷) **سورج کا مغرب سے طلوع ہونا** یعنی اللہ کی طرف سے ہدایت کی جو حد تھی وہ پوری ہو چکی، انبیاء تشریف لائے، شریعتیں اُتریں کتابیں آئیں حتیٰ کہ اللہ کی آخری کتاب بھی آ چکی، تب بھی نہیں مانتے تو شاید اب اس کے منتظر ہیں کہ اللہ آپ آئے یا فرشتے آئیں یا قدرت کا کوئی بڑا نشان (مثلاً قیامت کی کوئی بڑی علامت) ظاہر ہو، تو یاد رہے کہ قیامت کے نشانوں میں سے ایک نشان وہ بھی ہے جس کے ظاہر ہونے کے بعد نہ کافر کا ایمان لانا معتبر ہوگا نہ عاصی کی توبہ۔ صحیحین کی احادیث بتلاتی ہیں کہ یہ نشان آفتاب کا مغرب سے طلوع کرنا ہے۔ یعنی جب خدا کا ارادہ ہوگا کہ دنیا کو ختم کرے اور عالم کا موجودہ نظام درہم برہم کر دیا جائے تو موجودہ قوانین طبیعیہ کے خلاف بہت سے عظیم الشان خوارق وقوع میں آئیں گے اُن میں سے ایک یہ ہے کہ آفتاب مشرق کے بجائے مغرب سے طلوع ہوگا۔ غالبًا اس حرکت مقلوبی اور رجعت قہقری سے اس طرف اشارہ کرنا مقصود ہو کہ جو قوانین قدرت اور نوامیس طبیعیہ دنیا کے موجودہ نظم و نسق میں کار فرما تھے، اُن کی میعاد ختم ہونے اور نظام شمسی کے اُلٹ پلٹ ہو جانے کا وقت آ پہنچا ہے۔ گویا اُس وقت سے عالم کبیر کے نزع اور جانکنی کا وقت شروع ہوتا ہے۔ اور جس طرح عالم صغیر (انسان) کی جانکنی کے وقت کا ایمان اور توبہ مقبول نہیں کیونکہ وہ حقیقت میں اختیاری نہیں ہوتا، اسی طرح طلوع الشمس من المغرب کے بعد مجموعہ عالم کے حق میں یہ ہی حکم ہوگا کہ کسی کا ایمان و توبہ معتبر نہ ہو۔ بعض روایات میں طلوع الشمس من مغربہا کے ساتھ چند دوسرے نشانات بھی بیان ہوئے ہیں مثلاً خروج دجّال، خروج دابہ وغیرہ۔ اُن روایات کی مراد یہ معلوم ہوتی ہے کہ جب ان سب نشانات کا مجموعہ متحقق ہوگا اور وہ جب ہی ہو سکتا ہے کہ طلوع الشمس من المغرب بھی متحقق ہو، تو دروازہ توبہ کا بند کر دیا جائیگا الگ الگ ہر نشان پر یہ حکم متفرع نہیں۔ ہمارے زمانہ کے بعض ملحدین جو ہر غیر معمولی واقعہ کو استعارہ کا رنگ دینے کے خوگر ہیں وہ طلوع الشمس من المغرب کو بھی استعارہ بنانے کی فکر میں ہیں۔ غالبًا اُن کے نزدیک قیامت کا آنا بھی ایک طرح کا استعارہ ہی ہوگا۔ (تنبیہ) یہ جو کہا کہ "وہ آئیں فرشتے یا آئے تیرا رب" اس کی تفسیر "سیقول" کے نصف پر آیت هل ینظرون الا ان یاتیهم الله فی ظلل من الغمام کے تحت میں گذر چکی وہاں دیکھ لیا جائے اور جملہ اوکسبت

فی ایمانہا خیرًا کا عطف اٰمنت من قبل پر ہے۔ اور تقدیر عبارت کی ابن المنیر وغیرہ محققین کے نزدیک یوں ہے۔ لا ینفع نفسًا ایمانہا وکسبہا خیرًا لم تکن اٰمنت من قبل اولم تکن کسبت فی ایمانہا خیرًا یعنی جو پہلے سے ایمان نہیں لایا اس وقت اس کا ایمان نافع نہ ہوگا اور جس نے پہلے سے کسب خیر نہ کیا اس کا کسب خیر نافع نہ ہوگا۔ (یعنی توبہ قبول نہ ہوگی)۔

إِنَّ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِي شَيْءٍ ۚ إِنَّمَا أَمْرُهُمْ إِلَى اللَّهِ ثُمَّ

جنہوں نے راہیں نکالیں اپنے دین میں اور ہو گئے بہت سے فرقے تجھ کو اُن سے کچھ سروکار نہیں اُن کا کام اللہ ہی کے حوالے ہے پھر

يُنَبِّئُهُم بِمَا كَانُوا يَفْعَلُونَ ﴿١٥٩﴾ مَن جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرُ أَمْثَالِهَا ۖ وَمَن جَاءَ

وہی جتلائیگا اُن کو جو کچھ وہ کرتے تھے ف۲۱۸ جو کوئی لاتا ہے ایک نیکی تو اُسکے لئے اس کا دس گنا ہے اور جو کوئی لاتا ہے

بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزَىٰ إِلَّا مِثْلَهَا وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿١٦٠﴾ قُلْ إِنَّنِي هَدَانِي رَبِّي إِلَىٰ صِرَاطٍ

ایک بُرائی سو سزا پائیگا اُسی کے برابر اور اُن پر ظلم نہ ہوگا ف۲۱۹ تو کہہ دے مجھ کو سُجھائی میرے رب نے راہ

مُّسْتَقِيمٍ دِينًا قِيَمًا مِّلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا ۚ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿١٦١﴾ قُلْ إِنَّ

سیدھی دین صحیح ملت ابراہیم کی جو ایک ہی طرف کا تھا ف۲۲۰ اور نہ تھا شرک والوں میں ف۲۲۱ تو کہہ کہ

صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿١٦٢﴾ لَا شَرِيكَ لَهُ ۖ وَبِذَٰلِكَ

میری نماز اور میری قربانی اور میرا جینا اور مرنا اللہ ہی کے لئے ہے جو پالنے والا سارے جہان کا ہے کوئی نہیں اُس کا شریک ف۲۲۲ اور یہی

أُمِرْتُ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ ﴿١٦٣﴾

مجھ کو حکم ہوا اور میں سب سے پہلے فرمانبردار ہوں ف۲۲۳

(۲۱۸) **دین میں فرقہ بندی** پچھلے رکوع میں قل تعالوا اتل ما حرم ربکم علیکم الخ سے بہت سے احکام بیان فرما کر ارشاد ہوا تھا وان ھذا صراطی مستقیما فاتبعوہ ولا تتبعوا السبل فتفرق بکم عن سبیلہ یعنی صراط مستقیم (دین کی سیدھی راہ) ہمیشہ سے ایک رہی ہے اس سے ہٹ کر گمراہی کے راستے بہت ہیں۔ تمام انبیاء و مرسلین اصولی حیثیت سے اُسی ایک راہ پر چلے اور لوگوں کو بلاتے رہے۔ شرع لکم من الدین ما وصی بہ نوحًا والذی اوحینا الیک وما وصینا بہ ابراھیم وموسٰی وعیسٰی ان اقیموا الدین ولا تتفرقوا فیہ (شوریٰ۔ رکوع ۲) اصول دین میں اُن کے باہم کوئی تفریق نہیں۔ زمان و مکان اور خارجی احوال کے اختلاف سے فروع شرعیہ میں جو تفاوت ہوا وہ تفرق نہیں۔ بلکہ ہر وقت کے مناسب رنگ میں ایک ہی مشترک مقصد کے ذرائع حصول کا تنوع ہے۔ جو دین انبیائے سابقین لے کر آئے، موسٰی علیہ السلام کی کتاب بھی اس کی مخالفت کے لئے نہیں بلکہ اس کی تکمیل و تفصیل کی غرض سے اُتاری گئی۔ سب کے آخر میں قرآن آیا جو تمام کتب سابقہ کی تتمیم و تصدیق اور اُن کے علوم و معارف کی حفاظت کرنے والا ہے۔ درمیان میں ان کتب و شرائع سے اعراض کرنے والوں کا حال بیان کر کے ان الذین فرقوا دینھم سے پھر اصل مطلب کی طرف عود کیا گیا۔ یعنی دین الٰہی کا راستہ (صراط مستقیم) ایک ہے جو لوگ اصل دین میں پھوٹ ڈال کر جُدا جُدا راہیں نکالنے اور فرقہ بندی کی لعنت میں گرفتار ہوتے ہیں خواہ وہ یہود ہوں یا نصاریٰ یا وہ مدعیان اسلام جو مستقبل میں عقائد دینیہ کی چادر کو پھاڑ کر پارہ پارہ کرنے والے تھے، ان لوگوں سے آپ کو کچھ واسطہ اور سروکار نہیں۔ یہ سب فتفرق بکم عن سبیلہ میں داخل

ہیں۔ آپ ان سے بیزاری اور براءت کا اظہار کر کے خدا کے اسی ایک راستہ (صراط مستقیم) پر جمے رہئے اور ان کا انجام اللہ کے حوالہ کیجئے، وہ ان کو دنیا یا آخرت میں جتلا دے گا۔ جو کچھ دین میں گڑبڑی کرتے تھے۔ حضرت شاہ صاحبؒ فرقوا دینھم کی توضیح کرتے ہوئے فرماتے ہیں "جو باتیں یقین لانے کی ہیں۔ (اصول دین)، ان میں فرق نہ چاہئے اور جو کرنے کی ہیں (فروع دین)، اُن کے طریقے کئی ہوں تو بُرا نہیں"۔

(۲۱۹) **نیکی اور بُرائی کی جزاء** لنبئہم بما کانوا یفعلون میں ان کے افعال شنیعہ کی مجازات پر متنبہ کیا گیا تھا، ساتھ ہی ہر نیک و بد کی مجازات کا عام قانون بتلا دیا کہ بھلائی کا بدلہ کم از کم دس گنا ہے اور بُرائی کا زائد از زائد اس کی برابر یعنی جس نے ایک نیکی کمائی تو کم از کم ویسی دس نیکیوں کا ثواب ملیگا زائد کی حد نہیں واللہ یضاعف لمن یشاء اور جو ایک بدی کا مرتکب ہوا تو ویسی ایک بدی کی جس قدر سزا مقرر ہے۔ اس سے آگے نہ بڑھیں گے، تخفیف کر دیں یا بالکل معاف فرما دیں، یہ اختیار ہے۔ پھر جہاں وفور رحمت کی یہ کیفیت ہو وہاں ظلم کا کیا امکان ہے۔

(۲۲۰) یعنی ایک خدا ہی کا ہو رہا تھا۔

(۲۲۱) یعنی تم دین میں جتنی چاہو راہیں نکالو اور جس قدر معبود چاہو ٹھہرا لو۔ مجھ کو تو میرا پروردگار صراط مستقیم بتلا چکا اور وہ ہی خالص توحید اور کامل تفویض و توکل کا راستہ ہے جس پر موحد اعظم ابوالانبیاء ابراہیم خلیل اللہ بڑے زور شور سے چلے جن کا نام آج بھی تمام عرب اور کل ادیان سماویہ غایت عظمت و احترام سے لیتے ہیں۔

(۲۲۲) **آنحضرتؐ کا مقام توحید و تفویض** اس آیت میں توحید و تفویض کے سب سے اُونچے مقام کا پتہ دیا گیا ہے جس پر ہمارے سید و آقا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فائز ہوئے۔ نماز اور قربانی کا خصوصیت سے ذکر کرنے میں مشرکین پر جو بدنی عبادت اور قربانی غیر اللہ کے لئے کرتے تھے۔ تصریحاً رد ہو گیا۔

(۲۲۳) عموماً مفسرین "وانا اول المسلمین" کا مطلب یہ لیتے ہیں کہ اس اُمت محمدیہ کے اعتبار سے آپ اوّل المسلمین ہیں۔ لیکن جب جامع ترمذی کی حدیث کنت نبیا وآدم بین الروح والجسد کے موافق آپ اوّل الانبیاء ہیں تو اول المسلمین ہونے میں کیا شبہ ہو سکتا ہے۔ اس کے علاوہ ممکن ہے کہ یہاں اولیت زمانی مراد نہ ہو۔ بلکہ تقدم رتبی مراد ہو۔ یعنی میں سارے جہان کے فرمانبرداروں کی صف میں نمبر اوّل اور سب سے آگے ہوں۔ شاید مترجم محقق قدس سرہٗ نے ترجمہ میں "سب سے پہلا فرمانبردار ہوں" کی جگہ "سب سے پہلے فرمانبردار ہوں" کہہ کر اسی طرف اشارہ کیا ہو۔ کیونکہ محاورات کے اعتبار سے یہ تعبیر اولیت رتبی کے ادا کرنے میں زیادہ واضح ہے واللہ اعلم۔

قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْغِىْ رَبًّا وَّهُوَ رَبُّ كُلِّ شَىْءٍ ؕ وَلَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ اِلَّا عَلَيْهَا ۚ وَلَا

تو کہہ کیا اب میں اللہ کے سوا تلاش کروں کوئی رب اور وہی ہے رب ہر چیز کا ف ۲۲۴ اور جو کوئی گناہ کرتا ہے سو وہ اُس کے ذمہ پر ہے اور بوجھ

تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ۚ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ مَّرْجِعُكُمْ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۶۴﴾

نہ اُٹھائیگا ایک شخص دوسرے کا پھر تمہارے رب کے پاس ہی تم سب کو لوٹ کر جانا ہے سو وہ جتلائیگا جس بات میں تم جھگڑتے تھے ف ۲۲۵

وَهُوَ الَّذِىْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَبْلُوَكُمْ

اور اسی نے تم کو نائب کیا ہے زمین میں ف ۲۲۶ اور بلند کر دیئے تم میں درجے ایک کے ایک پر ف ۲۲۷ تاکہ آزمائے تم کو

فِىْ مَاۤ اٰتٰىكُمْ ۚ اِنَّ رَبَّكَ سَرِيْعُ الْعِقَابِ ۖ وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۶۵﴾ ع ۲۰

اپنے دیئے ہوئے حکموں میں تیرا رب جلد عذاب کرنے والا ہے اور وہی بخشنے والا مہربان ہے ف ۲۲۸

(۲۲۴) پہلے توحید فی الالوہیۃ کا ذکر تھا اب توحید فی الربوبیت کی تصریح فرمائی۔ یعنی جس طرح معبود اس کے سوا کوئی نہیں، مستعان بھی کوئی نہیں ہو سکتا کیونکہ استعانت ربوبیت عامہ پر متفرع ہے۔ ایاك نعبد وایاك نستعین۔

(۲۲۵) **ہر شخص اپنے عمل کا جواب وہ ہے** کفار مسلمانوں سے توحید وغیرہ میں جھگڑتے اور کہتے تھے کہ تم توحید کی راہ چھوڑ کر ہمارے راستہ پر آجاؤ۔ اگر اس میں کوئی گناہ ہو تو وہ ہمارے سر وقال الذین کفروا للذین اٰمنوا اتبعوا سبیلنا ولنحمل خطایاکم (العنکبوت رکوع ۱) یہاں اُس کا جواب دیدیا کہ ہر ایک کا گناہ اسی کے سر ہے کوئی شخص دوسرے کے گناہوں کا بار نہیں اُٹھا سکتا۔ باقی تمہارے جھگڑے اور اختلافات خدا کے یہاں جا کر سب طے ہو جائیں گے یہ دنیا فیصلہ کی جگہ نہیں، امتحان و آزمائش کا گھر ہے جیسا کہ اگلی آیت میں آگاہ فرمایا۔

(۲۲۶) **انسان اللہ کا نائب ہے** یعنی خدا نے زمین میں تم کو اپنا نائب بنایا کہ تم اُس کے دیئے ہوئے اختیارات سے کام لے کر کیسے کیسے حاکمانہ تصرفات کرتے ہو، یا تم کو باہم ایک دوسرے کا نائب بنایا کہ ایک قوم جاتی ہے تو دوسری قوم اُس کی جانشین ہوتی ہے۔

(۲۲۷) **انسانوں میں فرق مراتب** یعنی تمہارے آپس میں بیحد فرق مدارج رکھا۔ چنانچہ شکل وصورت، رنگت، لہجہ، اخلاق وملکات محاسن ومساوی، رزق، دولت، عزت وجاہ وغیرہ میں افراد انسانی کے بے شمار درجات ہیں۔

(۲۲۸) یعنی ظاہر ہو جائے کہ ان حالات میں کون شخص کہاں تک خدا کا حکم مانتا ہے۔ ابن کثیر نے فیما اٰتاکم سے وہ مختلف احوال و درجات مراد لئے ہیں جن میں حسب استعداد و لیاقت اُن کو رکھا گیا ہے۔ اس تقدیر پر آزمائش کا حاصل یہ ہوگا کہ مثلاً غنی حالت غناء میں رہ کر کہاں تک شکر کرتا ہے اور فقیر حالت فقر میں کس حد تک صبر کا ثبوت دیتا ہے وقس علیٰ ہذا۔ بہرحال اس آزمائش میں جو بالکل نالائق ثابت ہوا۔ حق تعالیٰ اُس کے حق میں سریع العقاب اور جس سے قدرے کوتاہی رہ گئی اس کے حق میں غفور اور جو پورا اُترا اس کے لئے رحیم ہے۔

(تمت سورۃ الانعام بعون اللہ الملک العلام)

سُوْرَةُ الْاَعْرَافِ

سُوْرَةُ الْاَعْرَافِ مَكِّيَّةٌ — بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ — اٰيَاتُهَا ۲۰۶ — رُكُوْعَاتُهَا ۲۴

سورۂ اعراف مکہ میں نازل ہوئی اور اس کی دو سو چھ آیتیں اور چوبیس رکوع ہیں — شروع اللہ کے نام سے جو بیحد مہربان نہایت رحم والا ہے۔

الٓمّٓصٓ ﴿۱﴾ كِتٰبٌ اُنْزِلَ اِلَيْكَ فَلَا يَكُنْ فِيْ صَدْرِكَ حَرَجٌ مِّنْهُ لِتُنْذِرَ بِهٖ وَذِكْرٰى

یہ کتاب اتری ہے تجھ پر سو چاہئے کہ تیرا جی تنگ نہ ہو اس کے پہنچانے سے ف۱ تاکہ تو ڈرائے اس سے اور نصیحت ہو

لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۲﴾ اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ

ایمان والوں کو ف۲ چلو اسی پر جو اترا تم پر تمہارے رب کی طرف سے اور نہ چلو اسکے سوا اور رفیقوں کے پیچھے

قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۳﴾ وَكَمْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا فَجَآءَهَا بَاْسُنَا بَيَاتًا اَوْ هُمْ قَآئِلُوْنَ ﴿۴﴾

تم بہت کم دھیان کرتے ہو ف۳ اور کتنی بستیاں ہم نے ہلاک کردیں کہ پہنچا اُن پر ہمارا عذاب راتوں رات یا دوپہر کو سوتے ہوئے

فَمَا كَانَ دَعْوٰىهُمْ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَآ اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿۵﴾ فَلَنَسْــَٔلَنَّ

پھر یہی تھی اُن کی پکار جس وقت کہ پہنچا اُن پر ہمارا عذاب کہ کہنے لگے بیشک ہمیں تھے گنہگار ف۴ سو ہم کو ضرور پوچھنا ہے

الَّذِيْنَ اُرْسِلَ اِلَيْهِمْ وَلَنَسْــَٔلَنَّ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۶﴾ فَلَنَقُصَّنَّ عَلَيْهِمْ بِعِلْمٍ وَّمَا كُنَّا غَآئِبِيْنَ ﴿۷﴾

ان سے جن کے پاس رسول بھیجے گئے تھے اور ہم کو ضرور پوچھنا ہے رسولوں سے ف۵ پھر ہم اُنکو احوال سنائیں گے اپنے علم سے اور ہم کہیں غائب نہ تھے ف۶

(۱) ابن عباس رضی اللہ عنہ نے "حرج" کی تفسیر شک سے کی ہے گویا فلا یکن فی صدرک حرج۔ فلا تکونن من الممترین کے ہم معنی ہوگا یعنی پیغمبر جس پر خدا نے اپنی کتاب نازل فرمائی اُس کی شان یہ نہیں کہ ذرا سا بھی کھٹکا یا شک و شبہ کتاب کے احکام و اخبار کے متعلق اُس کے دل میں راہ پائے۔ دوسرے مفسرین نے الفاظ کو اُن کے ظاہر پر رکھا۔ جیسا کہ مترجم محقق نے اختیار فرمایا ہے۔ یعنی تمام خلائق میں سے چن کر جس پر خدا نے اپنی کتاب اُتاری اُسے لائق نہیں کہ احمقوں اور معاندین کے طعن و تشنیع یا بیہودہ سوالات سے متاثر ہو کر اس کتاب کے کسی حصہ کی تبلیغ سے منقبض اور تنگ دل ہو فلعلک تارک بعض ما یوحیٰ الیک وضآئق بہ صدرک ان یقولوا لولا انزل الیہ کنز او جاء معہ ملک (ہود رکوع ۲) اگر بفرض محال خود پیغمبر کے دل میں کتاب اور اُس کے مستقبل کی طرف سے نہایت کامل وثوق و انشراح حاصل نہ ہو، تو وہ اپنے فرض انذار و تذکیر کو کس طرح قوت و جرأت کے ساتھ ادا کر سکیگا۔

(۲) **نزول قرآن کی غرض و غایت** یعنی کتاب کے اُتارنے سے غرض یہ ہے کہ تم ساری دنیا کو اُس کے مستقبل سے آگاہ کر دو۔ اور بدی کے انجام سے ڈراؤ اور ایمان لانے والوں کے حق میں خاص طور پر یہ ایک موثر پیغام نصیحت ثابت ہو۔

(۳) آدمی اگر حق تعالیٰ کی تربیت عظیم، اپنے آغاز و انجام اور طاعت و معصیت کے نتائج پر پوری طرح دھیان کرے تو اُس کو کبھی جرأت نہ ہو کہ اپنے ربِّ کریم کی اُتاری ہوئی ہدایات کو چھوڑ کر شیاطین الانس والجن کی رفاقت میں اُنہی کے پیچھے چلنا شروع کر دے۔ گذشتہ اقوام میں سے

سے جنہوں سے خدا کی کتابوں اور پیغمبروں کے مقابلہ پر ایسا رویہ اختیار کیا، اُن کو جو دنیوی سزا ملی، وہ آگے مذکور ہے۔

(۴) **گذشتہ اقوام پر عذاب کا حال** یعنی جب اُن کے ظلم و عدوان اور کفر و عصیان کی حد ہو چکی، تو دنیا کی لذات و شہوات میں منہمک اور عذاب الٰہی سے بالکل بے فکر ہو کر خواب استراحت کے مزے لینے لگے کہ یکایک ہمارے عذاب نے آدبوچا۔ پھر ہلاکت آفرینیوں کے اس دہشتناک منظر اور ہنگامہ دار و گیر میں ساری طمطراق بھول گئے چاروں طرف سے انا کنا ظالمین کی چیخ پکار کے سوا کچھ سنائی نہ دیتا تھا۔ گویا اس وقت اُنہیں واضح ہوا اور اقرار کرنا پڑا کہ خدا کسی پر ظلم نہیں کرتا، ہم خود ہی اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں۔ (تنبیہ) فجاءھا بأسنا کی "فاء" میں مفسرین کے کئی قول ہیں، غالباً مترجم محقق قدس سرہٗ نے اس کو اھلکنٰھا کی تفسیر و تفصیل قرار دیا ہے۔ جیسے کہا جائے "توضا فغسل وجھہٗ وذراعیہ" (فلاں شخص نے وضو کیا تو دھویا چہرہ اور ہاتھ وغیرہ) اس مثال میں منہ ہاتھ دھونا وضو کرنے ہی کی تفصیل و تفسیر ہے اسی طرح یہاں ہلاک کرنے کی تفسیر و تفصیل کیفیت عذاب کے بیان سے ہو گئی۔ واللہ اعلم۔

(۵) **آخرت میں تمام اُمتوں سے سوال ہو گا** جن اُمتوں کی طرف پیغمبر مبعوث ہوئے، اُن سے سوال ہو گا مَاذَآ اَجَبْتُمُ الْمُرْسَلِیْنَ (تم نے ہمارے پیغمبروں کی دعوت کو کہاں تک قبول کیا تھا؟) اور خود پیغمبروں سے پوچھیں گے ماذا اُجِبْتُمْ (تم کو اُمت کی طرف سے کیا جواب ملا تھا؟)۔

(۶) یعنی تمہارا کوئی جلیل و حقیر اور قلیل و کثیر عمل یا ظاہری و باطنی حال ہمارے علم سے غائب نہیں۔ ہم بلا توسط غیرے ذرہ ذرہ سے خبردار ہیں۔ اپنے اس علم ازلی محیط کے موافق سب اگلے پچھلے احوال تمہارے سارے سامنے کھول کر رکھ دیں گے۔ ملائکۃ اللہ کے لکھے ہوئے اعمالنامے بھی علم الٰہی کے سرمو خلاف نہیں ہو سکتے اُن کے ذریعہ سے اطلاع دینا محض ضابطہ کی مُراعات اور نظام حکومت کا مظاہرہ ہے، ورنہ خدا اپنے علم میں اِن ذرائع کا (معاذ اللہ) محتاج نہیں ہو سکتا۔

وَالْوَزْنُ يَوْمَئِذِنِ الْحَقُّ ۚ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِينُهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿٨﴾ وَمَنْ خَفَّتْ

اور تول اُس دن ٹھیک ہو گی پھر جس کی تولیں بھاری ہوئیں سو وہی ہیں نجات پانیوالے اور جس کی تولیں

مَوَازِينُهُ فَأُولَٰئِكَ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنْفُسَهُمْ بِمَا كَانُوا بِآيَاتِنَا يَظْلِمُونَ ﴿٩﴾ وَلَقَدْ

ہلکی ہوئیں سو وہی ہیں جنہوں نے اپنا نقصان کیا ف۷ اس واسطے کہ ہماری آیتوں کا انکار کرتے تھے ف۸ اور ہمنے تم

ع ۱ ۸ مَكَّنَّاكُمْ فِي الْأَرْضِ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيهَا مَعَايِشَ ۗ قَلِيلًا مَا تَشْكُرُونَ ﴿١٠﴾ وَلَقَدْ خَلَقْنَاكُمْ ثُمَّ

کو جگہ دی زمین میں اور مقرر کر دیں اُسمیں تمہارے لئے روزیاں تم بہت کم شکر کرتے ہو ف۹ اور ہمنے تم کو پیدا کیا پھر

صَوَّرْنَاكُمْ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلَائِكَةِ اسْجُدُوا لِآدَمَ فَسَجَدُوا إِلَّا إِبْلِيسَ لَمْ يَكُنْ مِنَ

صورتیں بنائیں تمہاری پھر حکم کیا فرشتوں کو کہ سجدہ کرو آدم کو پس سجدہ کیا سب نے مگر ابلیس نہ تھا سجدہ

السَّاجِدِينَ ﴿١١﴾ قَالَ مَا مَنَعَكَ أَلَّا تَسْجُدَ إِذْ أَمَرْتُكَ ۖ قَالَ أَنَا خَيْرٌ مِنْهُ خَلَقْتَنِي

والوں میں کہا تجھ کو کیا مانع تھا کہ تو نے سجدہ نہ کیا جب میں نے حکم دیا بولا میں اس سے بہتر ہوں مجھ کو تو نے بنایا

مِنْ نَارٍ وَخَلَقْتَهُ مِنْ طِينٍ ﴿١٢﴾

آگ سے اور اُس کو بنایا مٹی سے

(۷) **وزن اعمال اور میزان** قیامت کے دن سب لوگوں کے اعمال کا وزن دیکھا جائیگا۔ جن کے اعمال قلبیہ و اعمال جوارح وزنی ہوں گے وہ کامیاب ہیں اور جن کا وزن ہلکا رہا وہ خسارہ میں رہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ "ہر شخص کے عمل وزن کے موافق لکھے جاتے ہیں۔ ایک ہی کام ہے، اگر اخلاص و محبت سے حکم شرعی کے موافق کیا۔ اور بر محل کیا، تو اس کا وزن بڑھ گیا، اور دکھاوے کو یا ریس کو کیا یا موافق حکم نہ کیا یا ٹھکانے پر نہ کیا تو وزن گھٹ گیا۔ آخرت میں وہ کاغذ تلیں گے، جس کے نیک کام بھاری ہوئے تو برائیوں سے درگذر ہوا اور ہلکے ہوئے تو پکڑا گیا"۔ بعض علماء کا خیال ہے کہ اعمال جو اس وقت اعراض ہیں۔ وہاں اعیان کی صورت میں مجسد کر دیے جائیں گے اور خود ان ہی اعمال کو تولا جائیگا۔ کہا جاتا ہے کہ ہمارے اعمال تو غیر قائم بالذات اعراض ہیں جن کا ہر جزء وقوع میں آنے کے ساتھ ہی ساتھ معدوم ہوتا رہتا ہے۔ پھر اُن کا جمع ہونا اور تلنا کیا معنی رکھتا ہے؟ میں کہتا ہوں کہ گراموفون میں آج کل لمبی چوڑی تقریریں بند کی جاتی ہیں۔ کیا وہ تقریریں اعراض میں سے نہیں؟ جن کا ایک حرف ہماری زبان سے اُس وقت ادا ہو سکتا ہے جب اُس سے پہلا حرف نکل کر فنا ہو جائے۔ پھر یہ تقریر کا سارا مجموعہ گراموفون میں کس طرح جمع ہو گیا؟ اسی سے سمجھ لو کہ جو خدا گراموفون کے موجد کا بھی موجد ہے اُس کی قدرت سے کیا بعید ہے کہ ہمارے کل اعمال کے مکمل ریکارڈ تیار رکھے جس میں سے ایک شوشہ اور ذرہ بھی غائب نہ ہو۔ رہا اُن کا وزن کیا جانا تو نصوص سے ہم کو اس قدر معلوم ہو چکا ہے کہ وزن ایسی میزان (ترازو) کے ذریعہ سے ہوگا جس میں کفتین اور لسان وغیرہ موجود ہیں۔ لیکن وہ میزان اور اس کے دونوں پلے کس نوعیت و کیفیت کے ہونگے اور اُس سے وزن معلوم کرنے کا کیا طریقہ ہوگا؟ ان باتوں کا احاطہ کرنا ہماری عقول و افہام کی رسائی سے باہر ہے۔ اسی لئے اُن کے جاننے کی ہمیں تکلیف نہیں دی گئی۔ بلکہ ایک میزان کیا اُس عالم کی جتنی چیزیں ہیں، بجز اس کے کہ اُن کے نام ہم سن لیں اور اُن کا کچھ اجمالی سا مفہوم جو قرآن و سنت نے بیان کر دیا ہو عقیدہ میں رکھیں، اس سے زائد تفصیلات پر مطلع ہونا ہماری حد پرواز سے خارج ہے کیونکہ جن نوامیس و قوانین کے ماتحت اُس عالم کا وجود اور نظم و نسق ہوگا۔ اُن پر ہم اس عالم میں رہتے ہوئے کچھ دسترس نہیں پا سکتے اسی دنیا کی میزانوں کو دیکھ لو کتنی قسم کی ہیں۔ ایک میزان وہ ہے جس سے سونا چاندی یا موتی تلتے ہیں۔ ایک میزان سے غلہ اور سوختہ وزن کیا جاتا ہے۔ ایک میزان عام ریلوے اسٹیشنوں پہ ہوتی ہے جس سے مسافروں کا سامان تولتے ہیں۔ ان کے سوا "مقیاس الہوا" یا "مقیاس الحرارت" وغیرہ بھی ایک طرح کی میزانیں ہیں جن سے ہواء اور حرارت وغیرہ کے درجات معلوم ہوتے ہیں۔ تھرما میٹر ہمارے بدن کی اندرونی حرارت کو جو اعراض میں سے ہے تول کر بتلاتا ہے کہ اس وقت ہمارے جسم میں اتنے ڈگری حرارت پائی جاتی ہے۔ جب دنیا میں بیسیوں قسم کی جسمانی میزانیں ہم مشاہدہ کرتے ہیں جن سے اعیان و اعراض کے اوزان و درجات کا تفاوت معلوم ہوتا ہے تو اس قادر مطلق کے لئے کیا مشکل ہے کہ ایک ایسی حسّی میزان قائم کر دے جس سے ہمارے اعمال کے اوزان و درجات کا تفاوت صورۃً و حسًّا ظاہر ہوتا ہو۔

(۸) **اللہ نے روزیاں مقرر کیں** اور آیات کا انکار کرنا ہی اُن کی حق تلفی ہے جسے یظلمون سے ادا فرمایا ہے۔

(۹) یہاں سے بعض آیات آفاقیہ و انفسیہ کا بیان شروع کیا ہے جس سے ایک طرف حق تعالیٰ کے وجود پر کارخانہ عالم کے حکیمانہ نظم و نسق سے استدلال اور احسانات و انعامات الٰہیہ کا تذکرہ فرما کر اُس کی شکر گذاری کی طرف توجہ دلائی گئی ہے اور دوسری طرف نبوت کی ضرورت، انبیاء علیہم السلام کی آمد، اُن کی سیرت، اُنکے متبعین و مخالفین کا انجام جو اس سورت کا اصلی موضوع معلوم ہوتا ہے اُس کے بیان کے لئے یہ آیات بطور توطیہ و تمہید کے مقدم کی گئی ہیں۔

قَالَ فَاهْبِطْ مِنْهَا فَمَا يَكُوْنُ لَكَ اَنْ تَتَكَبَّرَ فِيْهَا فَاخْرُجْ اِنَّكَ مِنَ الصّٰغِرِيْنَ ﴿۱۳﴾ قَالَ

کہا تو اُتر یہاں سے ف۱۰ تو اس لائق نہیں کہ تکبر کرے یہاں پس باہر نکل تو ذلیل ہے ف۱۱ بولا کہ

اَنْظِرْنِيْٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ﴿۱۴﴾ قَالَ اِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ ﴿۱۵﴾ قَالَ فَبِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ لَاَقْعُدَنَّ

مجھے مہلت دے اس دن تک کہ لوگ قبروں سے اٹھائے جائیں فرمایا تجھ کو مہلت دی گئی ف۱۲ بولا تو جیسا تو نے مجھے گمراہ کیا ہے میں بھی ضرور بیٹھونگا

لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ ﴿۱۶﴾ ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ اَيْمَانِهِمْ وَعَنْ

انکی تاک میں تیری سیدھی راہ پر ف۱۳ پھر اُن پر آؤنگا اُن کے آگے سے اور پیچھے سے اور دائیں سے اور بائیں

شَمَآئِلِهِمْ ؕ وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ ﴿۱۷﴾ قَالَ اخْرُجْ مِنْهَا مَذْءُوْمًا مَّدْحُوْرًا ؕ لَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ

سے ف۱۴ اور نہ پائیگا تو اکثروں کو اُن میں شکرگذار ف۱۵ کہا نکل یہاں سے بُرے حال سے مردود ہو کر جو کوئی اُن میں سے تیری راہ پر چلیگا

لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۸﴾ وَيٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ فَكُلَا مِنْ حَيْثُ

تو میں ضرور بھر دونگا دوزخ کو تم سب سے ف۱۶ اور اے آدم رہ تو اور تیری عورت جنت میں پھر کھاؤ جہاں سے

شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۹﴾ فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطٰنُ لِيُبْدِيَ لَهُمَا

چاہو اور پاس نہ جاؤ اس درخت کے پھر تم ہو جاؤ گے گنہگار ف۱۷ پھر بہکایا اُن کو شیطان نے تاکہ کھولدے اُن پر

مَا وٗرِيَ عَنْهُمَا مِنْ سَوْاٰتِهِمَا وَقَالَ مَا نَهٰكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَا

وہ چیز کہ اُنکی نظر سے پوشیدہ تھی انکی شرمگاہوں سے اور وہ بولا کہ تم کو نہیں روکا تمہارے رب نے اس درخت سے مگر اسی لئے کہ کبھی تم ہو جاؤ

مَلَكَيْنِ اَوْ تَكُوْنَا مِنَ الْخٰلِدِيْنَ ﴿۲۰﴾ وَقَاسَمَهُمَآ اِنِّيْ لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِيْنَ ﴿۲۱﴾ ۙ

فرشتہ یا ہو جاؤ ہمیشہ رہنے والے اور اُنکے آگے قسم کھائی کہ میں البتہ تمہارا دوست ہوں

(۱۰) **حق تعالیٰ سے ابلیس کا مکالمہ** یعنی تمہاری تخلیق سے پہلے رہنے سہنے اور کھانے پینے کا سامان کیا۔ پھر تمہارا مادہ پیدا فرمایا۔ پھر اُس مادہ کو ایسا دلکش نقشہ اور حسین وجمیل صورت عطا کی جو کسی دوسری مخلوق کو عطا نہ کی گئی تھی۔ پھر اس تصویر خاکی کو وہ روح اور حقیقت مرحمت ہوئی جس کی بدولت تمہارے باپ آدم علیہ السلام جن کا وجود تمام افراد انسانی کے وجود پر اجمالاً مشتمل تھا "خلیفۃ اللّٰہ" و "مسجود ملائکہ" بنے۔ پھر جس نے اُس وقت سجود تعظیمی سے سرتابی کی وہ مردود ازلی ٹھہرا، کیونکہ وہ سجود خلافت الٰہیہ کے نشان کے طور پر تھا۔ "ملائکۃ اللّٰہ" جو بحث وتمحیص اور صریح امتحان کے بعد آدم کی علمی فضیلت اور روحانی کمالات پر مطلع ہو چکے تھے حکم الٰہی سنتے ہی سجدہ میں گر پڑے اور اس طرح خلیفۃ اللّٰہ کے روبرو اپنے پروردگار حقیقی کی کامل وفاشعاری اور اطاعت پذیری کا ثبوت دیا۔ اور ابلیس لعین جو ناری الاصل جنی مگر کثرت عبادت وغیرہ کی وجہ سے زمرۂ ملائکہ میں شامل ہو گیا تھا، آخرکار اپنی اصل کی طرف لوٹا۔ اس کی نظر آدمؑ کی مادی ساخت سے نفخت فیہ من روحی کے راز تک تجاوز نہ کر سکی۔ اِسی لئے صریح حکم الٰہی کے مقابلہ پر انا خیر منہ خلقتنی من نار وخلقتہ من طین کا دعویٰ کرنے لگا۔ آخر اسی اباء واستکبار اور نص صریح قاطع کو محض رائے وہویٰ سے رد کر دینے اور خدا سے بحث ومناظرہ ٹھان لینے کی پاداش میں ہمیشہ کے لئے مرتبہ قرب سے نیچے گرا دیا اور رحمت الٰہیہ سے بہت دور پھینک دیا گیا۔ فی الحقیقت جس چیز پر اُسے بڑا فخر تھا کہ وہ آگ سے پیدا ہوا ہے، وہ ہی اُس کی ہلاکت ابدی کا سبب ہوئی آگ کا خاصہ خفت وحدت

سرعت وطیش اور علو وافساد ہے بخلاف مٹی کے کہ اُس میں مستقل مزاجی، متانت اور متواضعانہ حلم وتثبت پایا جاتا ہے۔ ابلیس جو ناری الاصل تھا سجدہ کا حکم سُن کر آگ بگولا ہو گیا اور رائے قائم کرنے میں تیزی اور جلد بازی دکھلائی آخر تکبر وتعلی کی راہ سے آتش حسد میں گر کر دوزخ کی آگ میں جا پڑا۔ برخلاف اُس کے آدم علیہ السلام سے جب غلطی ہوئی تو عنصر خاکی نے خدا کے آگے فروتنی، خاکساری اور انقیاد واستکانت کی راہ دکھلائی۔ چنانچہ اُن کی استقامت وانابت نے ثم اجتباہ ربہ فتاب علیہ وھدیٰ کا نتیجہ پیدا کیا۔ اسی لئے کہا جا سکتا ہے کہ ابلیس لعین نے مادی وعنصری لحاظ سے بھی اپنی تفضیل کے دعوے میں ٹھوکر کھائی۔ چنانچہ حافظ شمس الدین ابن القیم نے بدائع الفوائد میں پندرہ وجوہ سے مٹی کا آگ سے افضل ہونا ثابت کیا ہے۔ من شاء فلیراجعہ۔

(۱۱) **جنت سے ابلیس کا خروج** یعنی جنت میں یا آسمانوں پر خدا کی وہ مخلوق رہ سکتی ہے جو خدا کی پوری مطیع وفرمانبردار ہو نافرمان متکبروں کے لئے وہاں گنجائش نہیں۔ بہرحال ابلیس لعین عزت کے اُس مقام سے جس پر کثرت عبادت وغیرہ کی وجہ سے اب تک فائز تھا، بڑا بول بولنے کی بدولت نیچے ڈھکیل دیا گیا (تنبیہ) ابلیس کے مدت دراز تک زمرۂ ملائکہ میں شامل رکھنے سے متنبہ کر دیا ہے کہ حق تعالیٰ نے مکلفین میں کسی کی فطرت حتیٰ کہ شیطان کی بھی ایسی نہیں بنائی کہ وہ صرف بدی کی طرف جانے کے لئے مجبور ومضطر ہو جائے بلکہ خبیث سے خبیث ہستی بھی اصل فطرت کے اعتبار سے اس کی صلاحیت رکھتی ہے کہ اپنے کسب واختیار سے نیکی اور پرہیزگاری میں انتہائی ترقی کر کے زمرۂ ملائکہ میں جا ملے۔

(۱۲) **ابلیس کو عمر دراز دینے کی حکمت** یعنی جب تو نے یہ درخواست کی تو سمجھ لے کہ یہ پہلے سے علم الٰہی میں طے شدہ ہے کہ تجھ کو مہلت دی جائے کیونکہ حکمت الٰہیہ مقتضی ہوئی کہ حق تعالیٰ اپنی صفات کمالیہ وشہنشاہانہ عظمت وجبروت کا مظاہرہ کرے تو اُس نے عالم کو پیدا فرمایا۔ اللہ الذی خلق سبع سموٰت ومن الارض مثلھن یتنزل الامر بینھن لتعلموا ان اللہ علیٰ کل شیءٍ قدیر وان اللہ قد احاط بکل شیءٍ علماً (الطلاق رکوع ۲) یعنی زمین وآسمان کی تخلیق اور اُن کے کل نظم ونسق سے مقصود یہ ہے کہ خدا کی قدرت کاملہ اور علم محیط وغیرہ صفات کی معرفت لوگوں کو حاصل ہو۔ اسی معرفت الٰہیہ کو آیت وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون میں بعض سلف کی تفسیر کے موافق عبادت سے تعبیر فرمایا ہے اور ظاہر ہے کہ تخلیق عالم سے یہ غرض بوجہ اتم جب ہی پوری ہو سکتی ہے کہ مخلوقات میں اُس کی ہر قسم کی صفات وکمالات کا اظہار ہو، اور یہ جب ہی ہو سکتا ہے کہ عالم میں مطیع ووفادار اور باغی ومجرم ہر قسم کی مخلوق موجود ہو۔ نیز اعداء اللہ کو پوری زور آزمائی اور اُن کے پیدائشی اختیار وقوت کے تمام وسائل استعمال کرنے کی آخری حد تک مہلت وآزادی دی جائے۔ پھر انجام کار حکومت الٰہیہ کا لشکر غالب ہو، دشمن اپنے کیفر کردار کو پہنچیں اور بعد امتحان آخری کامیابی دوستوں کے ہاتھ رہے۔ اس کے بدون کل صفات کمالیہ کے ظاہر ہونے کی کوئی صورت نہیں پس خیر وشر اور منبع خیر وشر کا پیدا کرنا، اسی حکمت سے ہے کہ جو غرض تخلیق عالم کی ہے یعنی "صفات کمالیہ کا مظاہرہ" وہ بغیر اس کے پوری نہ ہو سکتی تھی ولو شاء ربک لجعل الناس امۃ واحدۃ ولا یزالون مختلفین الا من رحم ربک ولذٰلک خلقھم (ہود رکوع ۱۰) اسی لئے ضروری ہوا کہ عدو اکبر ابلیس لعین کو جو منبع شر ہے پوری مہلت دی جائے کہ وہ تا قیام قیامت اپنے قویٰ ووسائل کو جی کھول کر استعمال کر لے۔ لیکن یہ چیز ظاہر ہے کہ براہ راست اس محیط کل اور قادر مطلق کے مقابلہ پر ممکن نہ تھی، اس لئے ضروری ہوا کہ خدا کی طرف سے بطور نیابت وخلافت ایک ایسی مخلوق مقابلہ پر لائی جائے جس سے ابلیس لعین کو آزادی کے ساتھ جنگ آزمائی کا موقع مل سکے۔ واجلب علیھم بخیلک ورجلک وشارکھم فی الاموال والاولاد وعدھم وما یعدھم الشیطان الا غروراً (بنی اسرائیل رکوع ۷) اور پھر جب تک وہ مخلوق حق نیابت اور وظیفہ خلافت ادا کرتی رہے، خاص شاہی فوج (ملائکہ)

سے اُس کو ملک پہنچائی جائے اور باوجود ضعف و قلت کے اپنے فضل و رحمت سے انجام کار دشمنوں کے مقابلہ میں مظفر و منصور کیا جائے پس خوب سمجھ لو کہ یہ زمین ابلیس اور آدمؑ کا میدان جنگ ہے اور چونکہ پوری طرح جان توڑ مقابلہ اُسی وقت ہو سکتا تھا کہ دونوں حریف ایک دوسرے سے خار کھائے ہوں اس لئے تکوینًا دو صورتیں ایسی پیش آگئیں جن سے ہر ایک کے دل میں دوسرے کی دشمنی جاگزیں ہو جائے۔ ابلیس آدمؑ کو سجدہ نہ کرنے کی بناء پر نیچے گرا دیا گیا اور آدم علیہ السلام کو ابلیس کی وسوسہ اندازی کی بدولت جنت سے علیحدہ ہونا پڑا۔ ان واقعات سے ہر ایک کے دل میں دوسرے کی عداوت کی جڑ قائم ہو کر معرکہ کارزار گرم ہو گیا۔ والحرب سجال وانما العبرۃ للخواتیم۔

(۱۳) **انسان سے ابلیس کی دشمنی** یعنی رہزنوں کی طرح ان کے ایمانوں پر ڈاکہ ماروں گا۔ جن کے سبب مجھے یہ روز بد دیکھنا پڑا۔

(۱۴) یعنی ہر طرف سے اُن پر حملہ آور ہونگا۔ جہات اربعہ کا ذکر تعمیم جہات کی طرف اشارہ کرنے کے لئے ہے۔

(۱۵) یہ ابلیس لعین کا تخمینہ تھا جو صحیح نکلا۔ ولقد صدق علیہم ابلیس ظنہ فاتبعوہ الا فریقا من المومنین (السباء رکوع ۲)

(۱۶) یعنی اکثر آدمی ناشکرے ہونگے، تو ہمارا کیا بگاڑیں گے۔ انجام کار اُن ہی تھوڑے وفاداروں کے لئے کامیابی اور فلاح ہو گی۔ اور ناشکروں کی کثرت دوزخ کی نذر ہو جائیگی۔ گویا اس طرح واضح کر دیا جائے گا کہ جنود الشیطان کی اس قدر کثرت بھی "خلیفۃ اللہ" کے قلیل التعداد لشکر کو مغلوب و مقہور نہیں کر سکی۔

(۱۷) **آدمؑ و حوا اور شجر ممنوعہ** آدمؑ و حواؑ کو اجازت تھی کہ بلا روک ٹوک جو چاہیں کھائیں پئیں۔ بجز ایک معین درخت کے جس کا کھانا اُن کی بہشتی زندگی اور استعداد کے مناسب نہ تھا، اُسے فرمادیا کہ اُس کے پاس نہ جاؤ ورنہ نقصان اُٹھاؤ گے۔ میرے نزدیک یہاں فتکونا من الظالمین کا ترجمہ اگر یوں کیا جاتا تو زیادہ موزوں ہوتا "پھر ہو جاؤ گے تم نقصان اٹھانے والوں میں سے"، ظلم کے معنی نقصان اور کمی و کوتاہی کے آتے ہیں جیسا کہ ولم تظلم منہ شیئا (کہف) میں۔

فَدَلّٰىهُمَا بِغُرُوْرٍ ۚ فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ بَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ

پھر مائل کر لیا انکو فریب سے ف۱۸ پھر جب چکھا اُن دونوں نے درخت کو تو کھل گئیں اُن پر شرمگاہیں انکی ف۱۹ اور لگے جوڑنے اپنے اُوپر بہشت کے

الْجَنَّةِ ۭ وَنَادٰىهُمَا رَبُّهُمَآ اَلَمْ اَنْهَكُمَا عَنْ تِلْكُمَا الشَّجَرَةِ وَاَقُلْ لَّكُمَآ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمَا

پتے ف۲۰ اور پکارا انکو انکے رب نے کیا میں نے منع نہ کیا تھا تم کو اس درخت سے اور نہ کہہ دیا تھا تم کو کہ شیطان تمہارا

عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۲۲﴾ قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا ۫ وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۲۳﴾

کھلا دشمن ہے۔ بولے وہ دونوں اے رب ہمارے ظلم کیا ہم نے اپنی جان پر اور اگر تو ہم کو نہ بخشے اور ہم پر رحم نہ کرے تو ہم ضرور ہو جائیں گے تباہ

قَالَ اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ﴿۲۴﴾ قَالَ

فرمایا تم اُترو تم ایک دوسرے کے دشمن ہو گے ف۲۱ اور تمہارے واسطے زمین میں ٹھکانا اور نفع اُٹھانا ہے ایک وقت تک فرمایا

ع ۲/۹ فِيْهَا تَحْيَوْنَ وَفِيْهَا تَمُوْتُوْنَ وَمِنْهَا تُخْرَجُوْنَ ﴿۲۵﴾ ع

اُسی میں تم زندہ رہو گے ف۲۲ اور اُسی میں تم مرو گے اور اُسی سے تم نکالے جاؤ گے

(۱۸) **آدمؑ و حوا کو اغوائے شیطانی** آدمؑ و حواؑ شیطان کی قسموں سے متاثر ہوئے کہ خدا کا نام لے کر کون جھوٹ بولنے کی جرأت کر سکتا ہے۔ شاید وہ سمجھے کہ وہ واقعی اس کے کھانے سے ہم فرشتے بن جائیں گے یا پھر کبھی فنا نہ ہونگے۔ اور حق تعالیٰ نے جو نہی فرمائی

تھی، اُس کی تعلیل یا تاویل کرلی ہوگی۔ لیکن غالباً فتکونا من الظالمین اور ان ھٰذا عدو لک ولزوجک فلا یخرجنکما من الجنة فتشقٰی وغیرہ سے نسیان ہوا، اور یہ بھی خیال نہ رہا کہ جب وہ مسجود ملائکہ بنائے جاچکے، پھر ملک بننے کی کیا ضرورت رہی۔ فنسی ولم نجد لہ عزما (طٰہٰ رکوع ۶) واضح ہو کہ امر و نہی کبھی تو تشریعًا ہوتے ہیں اور کبھی شفقۃً اس کو یوں سمجھو کہ مثلاً ایک تو ریل میں بدون ٹکٹ سفر کرنے کی ممانعت ہے، یہ تو قانونی حیثیت رکھتی ہے جس کا اثر کمپنی کے حقوق پر پڑتا ہے اور ایک جو گاڑیوں میں لکھا ہوتا ہے کہ "مت تھوکو کہ اس سے بیماری پھیلتی ہے" یہ نہی شفقۃً ہے جیسا کہ بیماری پھیلنے کی تعلیل سے ظاہر ہے۔ اسی طرح خدا کے اوامر و نواہی بعض تشریعی ہیں جن کی خلاف ورزی کرنیوالا قانونی مجرم سمجھا جاتا ہے اور جن کا ارتکاب کرنا اُن حقوق کے منافی ہے جن کی حفاظت کرنا تشریع کا منشاء تھا۔ دوسرے وہ اوامر و نواہی ہیں جن کا منشاء تشریع نہیں محض شفقت ہے جیسا کہ طب نبوی وغیرہ کی بہت سی احادیث میں علماء نے تصریح کی ہے۔ شاید آدم علیہ السلام نے اکل شجرۃ کی ممانعت کو نہی شفقت سمجھا، اسی لئے شیطان کی وسوسہ اندازی کے بعد اُس کی خلاف ورزی کرنے کو زیادہ بھاری خیال نہ کیا مگر چونکہ انبیاء علیہم السلام کی چھوٹی سی لغزش بھی اُن کے مرتبہ قرب کے لحاظ سے عظیم و ثقیل بن جاتی ہے اس لئے اپنی غلطی کا ظاہری نقصان اٹھانے کے علاوہ مدت دراز تک توبہ و استغفار میں مشغول گریہ و بکا رہے۔ آخر کار ثم اجتباہ ربہ فتاب علیہ وھدی کے نتیجہ پر پہنچ گئے ؎ بود آدم دیدہ نور قدیم موے در دیدہ بود کوہ عظیم

(۱۹) **جنّت کے لباس کا اُترنا** یعنی عدول حکمی کرا کر لباس بہشتی اُن پر سے اُتروا دیا۔ کیونکہ جنتی لباس حقیقت میں لباس تقویٰ کی ایک محسوس صورت ہوتی ہے کسی ممنوع کے ارتکاب سے جس قدر لباس تقویٰ میں رخنہ پڑے گا اسی قدر جنتی لباس سے محرومی ہوگی۔ غرض شیطان نے کوشش کی کہ عصیان کرا کر آدمؑ کے بدن سے بطریق مجازات جنت کا خلعت فاخرہ اُتروا دے۔ یہ میرا خیال ہے۔ لیکن حضرت شاہ صاحبؒ نے نزع لباس کو اکل شجرۃ کے ایک طبعی اثر کے طور پر لیا ہے وہ لکھتے ہیں کہ "حاجت استنجا اور حاجت شہوت جنت میں نہ تھی اُن کے بدن پر کپڑے تھے جو کبھی اُترتے نہ تھے کیونکہ حاجت اُتارنے کی نہ ہوتی تھی۔ آدمؑ و حوّا اپنے اعضاء سے واقف نہ تھے جب یہ گناہ ہوا تو لوازم بشری پیدا ہوئے اپنی حاجت سے خبردار ہوئے اور اپنے اعضاء دیکھے"۔ گویا اس درخت کے کھانے سے جو پردہ انسانی کمزوریوں پر پڑا تھا وہ اُٹھ گیا "سوأۃ" کے لغوی معنی میں بہت وسعت ہے قابیل ہابیل کے قصہ میں "سوءۃ اخیہ" فرمایا اور حدیث میں ہے "احدیٰ سوءتیک یا مقداد" اب تک آدم کی نظر میں صرف اپنی سادگی اور معصومیت تھی اور ابلیس کی نظر میں صرف اس کی خلقی کمزوریاں تھیں لیکن اکل شجرۃ کے بعد آدم کو اپنی کمزوریاں پیش نظر ہوگئیں اور جب اِس غلطی کے بعد انہوں نے توبہ و انابت اختیار کی تو ابلیس لعین کو اُن کے اعلیٰ کمال اور انتہائی نجابت و شرافت کا مشاہدہ ہوگیا۔ اُس نے سمجھ لیا کہ یہ مخلوق لغزش کھا کر بھی میری مار کھانے والی نہیں۔ اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَکَ عَلَیْھِمْ سُلْطٰنٌ شاید اسی لحاظ سے تورات میں ابن قتیبہ صاحب معارف کی نقل کے موافق اس درخت کو "شجرۃ علم الخیر والشر" سے موسوم کیا گیا ہے۔ واللہ اعلم۔

(۲۰) یعنی برہنہ ہو کر شرمائے اور پتوں سے بدن ڈھانپنے لگے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگرچہ آدمی پیدائش کے وقت ننگا ہوتا ہے مگر فطری حیا مانع ہے کہ ننگا رہے۔

(۲۱) **ہبوط آدم** مفسرین کے نزدیک یہ خطاب آدمؑ و حوّا اور ابلیس لعین سب کو ہے کیونکہ اصل عداوت آدم اور ابلیس کی ہے اور اس عداوت کا دنگل ہماری زمین بنائی گئی جس کی خلافت آدم کو سپرد ہوئی تھی۔

(۲۲) **ایک اشکال اور اسکا جواب** یعنی عموماً تمہارا مسکن اصلی و معتاد یہی زمین ہے۔ اگر خرق عادت کے طور پر کوئی شخص کسی وقت ایک معین مدت کے لئے اُس سے اوپر اُٹھا لیا جائے مثلاً حضرت مسیحؑ، تو وہ اس آیت کے منافی نہیں۔ کیا جو شخص چند روز یا چند گھنٹے

کے لئے زمین سے جدا ہو کر ہوائی جہاز میں مقیم ہو یا فرض کیجئے وہیں مرجائے وہ فیہا تحیون وفیہا تموتون کے خلاف ہوگا؟ کیونکہ وہ اس وقت زمین پر نہیں ہے۔ دوسری جگہ ارشاد ہے منہا خلقناکم وفیہا نعیدکم ومنہا نخرجکم جو اموات زمین میں مدفون نہ ہوں اُن کو فیہا نعیدکم الخ میں کیسے داخل کیا جائیگا۔ معلوم ہوا کہ اس قسم کے قضایا کلیہ کے رنگ میں استعمال نہیں ہوئے۔

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُّوَارِيْ سَوْاٰتِكُمْ وَرِيْشًا ؕ وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ۙ ذٰلِكَ خَيْرٌ ؕ ذٰلِكَ

اے اولاد آدم کی ہم نے اُتاری تم پر پوشاک جو ڈھانکے تمہاری شرمگاہیں اور اُتارے آرائش کے کپڑے ف۲۳ اور لباس پرہیزگاری کا وہ سب سے بہتر ہے ف۲۴ یہ نشانیاں

مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ﴿۲۶﴾ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ لَا يَفْتِنَنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ كَمَآ اَخْرَجَ اَبَوَيْكُمْ مِّنَ

ہیں اللہ کی قدرت کی تاکہ وہ لوگ غور کریں ف۲۵ اے اولاد آدم کی نہ بہکائے تم کو شیطان جیسا کہ اُس نے نکال دیا تمہارے ماں باپ کو بہشت

الْجَنَّةِ يَنْزِعُ عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا لِيُرِيَهُمَا سَوْاٰتِهِمَا ؕ اِنَّهٗ يَرٰىكُمْ هُوَ وَقَبِيْلُهٗ مِنْ حَيْثُ لَا

سے اُتروائے اُن سے اُن کے کپڑے ف۲۶ تاکہ دکھلائے انکو شرمگاہیں اُنکی وہ دیکھتا ہے تم کو اور اُسکی قوم جہاں سے تم اُنکو نہیں

تَرَوْنَهُمْ ؕ اِنَّا جَعَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَآءَ لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۲۷﴾ وَاِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً قَالُوْا وَجَدْنَا

دیکھتے ف۲۷ ہم نے کر دیا شیطانوں کو رفیق اُن لوگوں کا جو ایمان نہیں لاتے ف۲۸ اور جب کرتے ہیں کوئی بُرا کام تو کہتے ہیں کہ ہم نے دیکھا

عَلَيْهَآ اٰبَآءَنَا وَاللّٰهُ اَمَرَنَا بِهَا ؕ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ ؕ اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۸﴾

اسی طرح کرتے اپنے باپ دادوں کو اور اللہ نے بھی ہمکو یہی حکم کیا ہے تو کہہ دے کہ اللہ حکم نہیں کرتا بُرے کام کا کیوں لگاتے ہو اللہ کے ذمہ وہ باتیں جو تمکو معلوم نہیں ف۲۹

قُلْ اَمَرَ رَبِّيْ بِالْقِسْطِ ۣ وَاَقِيْمُوْا وُجُوْهَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ

تو کہہ دے کہ میرے رب نے حکم کر دیا ہے انصاف کا ف۳۰ اور سیدھے کرو اپنے منہ ہر نماز کے وقت اور پکارو اُس کو خالص اُسکے فرمانبردار

الدِّيْنَ ۬ؕ كَمَا بَدَاَكُمْ تَعُوْدُوْنَ ﴿۲۹﴾ ؕ

ہو کر ف۳۱ جیسا تمکو پہلے پیدا کیا دوسری بار بھی پیدا ہو گے ف۳۲

(۲۳) **لباس اور پوشاک کا نزول** اُتارنے سے مراد اُس کا مادہ وغیرہ پیدا کرنا اور اُس کے تیار کرنے کی تدبیر بتلانا ہے۔ گو اُتارنے کا لفظ اکثر اس موقع پر بولتے ہیں جہاں ایک چیز کو اوپر سے نیچے لایا جائے۔ مگر بہت دفعہ اس سے مکانی فوق وتحت مراد نہیں ہوتا۔ بلکہ جو مرتبہ کے اعتبار سے اونچا ہو، اُس کی طرف سے کوئی چیز نیچے والوں کو عطا کئے جانے پر بھی یہ لفظ اطلاق کیا جاتا ہے۔ جیسے فرمایا وانزل لکم من الانعام ثمانیۃ ازواج یا وانزلنا الحدید فیہ باس شدید۔

(۲۴) **روحانی لباس تقویٰ** یعنی اس ظاہری لباس کے علاوہ جس سے صرف بدن کا تستر یا تزین ہوتا ہے۔ ایک معنوی پوشاک بھی ہے جس سے انسان کی باطنی کمزوریاں جن کے ظاہر کرنے کی اُس میں استعداد پائی جاتی تھی پردہ خفا میں رہتی ہیں، منصۂ ظہور وفعلیت پر نہیں آنے پاتیں اور یہی معنوی پوشاک جسے قرآن نے لباس التقویٰ فرمایا، باطن کی زینت وآرائش کا ذریعہ بنتی ہے۔ بلکہ اگر غور کیا جائے تو ظاہری بدنی لباس بھی اسی باطنی لباس کو زیب تن کرنے کے لئے شرعاً مطلوب ہوا ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ تحریر فرماتے ہیں کہ دشمن نے جنت کے کپڑے تم سے اُتروائے پھر ہم نے تم کو دنیا میں تدبیر لباس کی سکھا دی اب وہ ہی لباس پہنو جس میں پرہیزگاری ہو۔ یعنی مرد لباس ریشمی نہ

پہنے اور دامن دراز نہ رکھے اور جو منع ہوا ہے سو نہ کرے اور عورت بہت باریک نہ پہنے کہ لوگوں کو بدن نظر آوے اور اپنی زینت نہ دکھاوے۔

(۲۵) یعنی ان نشانات میں غور کر کے حق تعالیٰ کے قادرانہ انعام و اکرام کے معترف اور شکر گذار ہوں۔

(۲۶) اخراج و نزاع کی اضافت اُن کے سبب کی طرف کی گئی۔ یعنی آدم و حوّاء کو جنت سے علیحدہ کرنے اور کپڑے اُتارے جانے کا سبب وہ ہوا، اب تم اُس کے فریب میں مت آؤ اور اُس کی مکاریوں سے ہشیار رہو۔

(۲۷) **شیطان سے حفاظت کا طریقہ** یعنی جو دشمن ہم کو اس طرح دیکھ رہا ہو کہ ہماری نظر اُس پر نہ پڑے اُس کا حملہ سخت خطرناک اور مدافعت سخت دشوار ہوتی ہے۔ اس لئے تم کو بہت مستعد و بیدار رہنا چاہیئے۔ ایسے دشمن کا علاج یہی ہے کہ ہم کسی ایسی ہستی کی پناہ میں آجائیں جو اُسے دیکھتی ہے پر وہ اُسے نہیں دیکھتا۔ لاتدرکہ الابصار وھو یدرک الابصار وھو اللطیف الخبیر۔ (تنبیہ) انہ یراکم ھو وقبیلہ من حیث لا ترونھم قضیہ مطلقہ ہے دائمہ نہیں۔ یعنی بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ وہ ہم کو دیکھتے ہیں اور ہم اُن کو نہیں دیکھتے۔ اس کہنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ کسی وقت بھی کوئی شخص کسی صورت میں اُن کو نہ دیکھ سکے۔ پس آیت سے رؤیت جنّ کی بالکلیہ نفی پر استدلال کرنا کوتاہ نظری ہے۔

(۲۸) یعنی جب انہوں نے اپنی بے ایمانی سے خود شیاطین کی رفاقت کو اپنے لئے پسند کر لیا۔ جیسا کہ چند آیات کے بعد آرہا ہے انھم اتخذوا الشیٰطین اولیاء من دون اللہ ویحسبون انھم مھتدون تو ہم نے بھی اس انتخاب میں مزاحمت نہیں کی۔ جس کو انہوں نے اپنا رفیق بنانا چاہا اُسی کو رفیق بنا دیا گیا۔

(۲۹) **فواحش کی مذمت** یعنی بُرے اور بے حیائی کے کام مثلاً مرد و عورت کا برہنہ طواف کرنا، جو ان آیات کی شان نزول ہے، جن سے عقل سلیم اور فطرت صحیحہ نفرت کرتی ہے۔ خدائے قدوس کی شان نہیں کہ اُن کی تعلیم دے۔ وہ تو پاکی اور حیا کا سرچشمہ ہے۔ گندے اور بے حیائی کے کاموں کا حکم کیسے دے سکتا ہے۔ اصل میں بیحیائی اور بُرائی کی تعلیم دینے والے وہ شیاطین ہیں جن کو اُنہوں نے اپنا رفیق بنا رکھا ہے۔ دیکھو تمہارے سب سے پہلے ماں باپ کو شیطان نے فریب دے کر برہنہ کرایا۔ مگر وہ شرم و حیا کے مارے درختوں کے پتے بدن پر لپیٹنے لگے معلوم ہوا کہ برہنگی شیطان کی جانب سے اور تستر کی کوشش تمہارے باپ کی طرف سے ہوئی۔ پھر برہنہ طواف کرنے پر باپ دادوں کی سند لانا کیسے صحیح ہو سکتا ہے۔ نیز بقول حضرت شاہ صاحبؒ سُن چکے کہ پہلے باپ نے شیطان کا فریب کھایا پھر باپ کی کیوں سند لاتے ہو یہ کس قدر بے حیائی کی بات ہے کہ جو کام شیطان کے حکم سے ہو رہا ہے اُسے کہا جائے کہ ہم کو خدا نے یہ حکم دیا ہے۔ العیاذ باللہ۔

(۳۰) روح المعانی میں ہے "القسط علی ما قال غیر واحد العدل وھو الوسط من کل شیٔ المتجافی عن طرفی الافراط والتفریط" آیت کا حاصل یہ ہوا کہ حق تعالیٰ نے ہر کام میں توسط و اعتدال پر رہنے اور افراط و تفریط سے بچنے کی ہدایت کی ہے پھر بھلا فواحش کا حکم کیسے دے سکتے ہیں

(۳۱) **اخلاص کا حکم** مترجم محقق نے "مسجد" کو غالباً مصدر میمی بمعنی سجود لے کر تجوزاً نماز کا ترجمہ کیا ہے اور "وجوہ" کو اپنے ظاہر پر رکھا ہے۔ یعنی نماز ادا کرنے کے وقت اپنا مُنہ سیدھا (کعبہ کی طرف) رکھو۔ مگر دوسرے بعض مفسرین اقیموا وجوھکم سے یہ مراد لیتے ہیں کہ خدا کی عبادت کی طرف ہمیشہ استقامت کے ساتھ دل سے متوجہ رہو۔ ابن کثیر کے نزدیک اس کا مطلب یہ ہے کہ اپنی عبادات میں سیدھے رہو۔ جو راستہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ہے اُس سے ٹیڑھے ترچھے نہ چلو۔ عبادت کی مقبولیت دو ہی چیزوں پر موقوف تھی۔ خالص خدا کے لئے ہو۔ جس کو آگے فرمادیا۔ وادعوہ مخلصین لہ الدین اور اُس مشروع طریق کے موافق

ہو جو انبیاء و مرسلین علیہم الصلوٰۃ والسلام نے تجویز فرمایا ہے۔ اس کو واقیموا وجوھکم میں ادا کیا گیا۔ بہر حال اس آیت میں اوامر شرعیہ کی تمام انواع کی طرف اشارہ کر دیا ہے جو بندوں کے معاملات سے متعلق ہیں وہ سب "قسط" میں آگئے اور جن کا تعلق خدا سے ہے اگر قالبی ہیں تو " واقیموا وجوھکم میں اور قلبی ہیں تو وادعوہ مخلصین لہ الدین میں مندرج ہو گئے۔

(۲۲) یعنی انسان کو اعتدال، استقامت اور اخلاص کی راہوں پر چلنے کی اس لئے ضرورت ہے کہ موت کے بعد دوسری زندگی ملنے والی ہے جس میں موجودہ زندگی کے نتائج سامنے آئیں گے اس کی فکر ابھی سے ہونی چاہئے۔ ولتنظر نفس مَاقَدَّمَتْ لِغَدٍ۔

فَرِيْقًا هَدٰى وَفَرِيْقًا حَقَّ عَلَيْهِمُ الضَّلٰلَةُ ۭ اِنَّهُمُ اتَّخَذُوا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَاۗءَ مِنْ دُوْنِ

ایک فرقہ کو ہدایت کی اور ایک فرقہ پر مقرر ہو چکی گمراہی انہوں نے بنایا شیطانوں کو رفیق اللہ کو چھوڑ

اللّٰهِ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ۝۳۰ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّكُلُوْا

کر اور سمجھتے ہیں کہ وہ ہدایت پر ہیں ف ۳۳ اے اولاد آدم کی لے لو اپنی آرائش ہر نماز کے وقت اور کھاؤ

وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا ۚ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ۝۳۱ قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ ع ۳/۱۰

اور پیو اور بیجا خرچ نہ کرو اُس کو خوش نہیں آتے بیجا خرچ کرنیوالے ف ۳۴ تو کہہ کس نے حرام کیا اللہ کی زینت کو جو اُس نے پیدا کی اپنے بندوں

لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ ۭ قُلْ هِىَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَّوْمَ

کے واسطے اور ستھری چیزیں کھانے کی تو کہہ یہ نعمتیں اصل میں ایمان والوں کے واسطے ہیں دنیا کی زندگی میں خالص اُنہی کے واسطے ہیں قیامت

الْقِيٰمَةِ ۭ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝۳۲ قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ

کے دن اسی طرح مفصل بیان کرتے ہیں ہم آیتیں انکے لئے جو سمجھتے ہیں ف ۳۵ تو کہہ دے میرے رب نے حرام کیا ہے صرف بے حیائی کی باتوں کو جو اُن میں کھلی

مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْاِثْمَ وَالْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَاَنْ تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا

ہوئی ہیں اور جو چھپی ہوئی ہیں اور گناہ کو ف ۳۶ اور ناحق کی زیادتی کو اور اس بات کو کہ شریک کرو اللہ کا ایسی چیز کو کہ جس کی اُس نے سند نہیں اُتاری

وَّاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَي اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝۳۳

اور اس بات کو کہ لگاؤ اللہ کے ذمہ وہ باتیں جو تم کو معلوم نہیں ف ۳۷

(۳۳) یعنی جن پر گمراہی مقرر ہو چکی، یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے خدا کو چھوڑ کر شیطانوں کو اپنا دوست اور رفیق ٹھہرا لیا ہے۔ اور تماشا یہ ہے کہ اس صریح گمراہی کے باوجود سمجھتے یہ ہیں کہ ہم خوب ٹھیک چل رہے ہیں اور مذہبی حیثیت سے جو روش اور طرز عمل ہم نے اختیار کر لیا ہے وہی درست ہے۔ جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا۔ الذین ضل سعیھم فی الحیوٰۃ الدنیا وھم یحسبون انھم یحسنون صنعا (کہف رکوع ۱۲) (تنبیہ) آیت کے عموم سے ظاہر ہوا کہ کافر معاند کی طرح کافر مخطی بھی جو واقعی اپنی غلط فہمی سے باطل کو حق سمجھ رہا ہو فریقا حق علیھم الضلالۃ میں داخل ہے، خواہ یہ غلط فہمی پوری طرح غور و فکر کرنے کی وجہ سے ہو، یا اس لئے کہ گو اس نے بظاہر پوری قوت غور و فکر میں صرف کر دی، لیکن ایسے صریح اور واضح حقائق تک نہ پہنچنا خود بتلاتا ہے کہ فی الحقیقت اس سے قوۃ فکر و استدلال کے استعمال میں کوتاہی ہوئی ہے۔ گویا جن چیزوں پر ایمان لانا مدار نجات ہے وہ اس قدر روشن اور واضح ہیں کہ ان کے انکار کی بجز عناد یا قصور فکر و تامل کے اور کوئی صورت نہیں۔ بہر حال کفر شرعی ایک ایسا سنکھیا (زہر) ہے جو جان بوجھ کر یا غلط فہمی سے کسی طرح بھی کھایا جائے

انسان کو ہلاک کرنے کے لئے کافی ہے۔" اہل السنت والجماعت" کا مذہب یہی ہے اور "روح المعانی" میں جو بعض کا اختلاف اس مسئلہ میں نقل کیا ہے، اس بعض سے مراد جاحظ و عنبری ہیں جو اہل السنت والجماعت میں داخل نہیں بلکہ باوجود "معتزلی" کہلائے جانے کے خود معتزلی کو بھی اُن کے اسلام میں کلام ہے۔ اسی لئے صاحب روح المعانی نے اُن کا مذہب نقل کرنے کے بعد لکھ دیا۔ "وللہ تعالیٰ الحجۃ البالغۃ والتزام ان کل کافر معاند بعد البعثت وظہور امر الحق کفار علی علم اھ"

(۳۴) **لباس کی ضرورت و اہمیت** یہ آیات اُن لوگوں کے رد میں نازل ہوئیں جو کعبہ کا طواف برہنہ ہو کر کرتے تھے اور اسے بڑی قربت اور پرہیزگاری سمجھتے تھے۔ اور بعض اہل جاہلیت ایام حج میں سد رمق سے زائد کھانا اور گھی یا چکنائی وغیرہ کا استعمال چھوڑ دیتے تھے۔ بعضوں نے بکری کے دودھ اور گوشت سے پرہیز کر رکھا تھا۔ ان سب کو بتلا دیا کہ یہ کوئی نیکی اور تقویٰ کی باتیں نہیں۔ خدا کی دی ہوئی پوشاک جس سے تمہارے بدن کا تستر اور آرائش ہے اس کی عبادت کے وقت دوسرے اوقات سے بڑھ کر قابل استعمال ہے تاکہ بندہ اپنے پروردگار کے دربار میں اس کی نعمتوں کا اثر لے کر حاضر ہو، خدا نے جو کچھ پہننے اور کھانے پینے کو دیا ہے اس سے تمتع کرو **اسراف اور فضول خرچی کی مذمت** بس شرط یہ ہے کہ اسراف نہ ہونے پائے۔ "اسراف" کے معنی ہیں "حد سے تجاوز کرنا" جس کی کئی صورتیں ہیں۔ مثلاً حلال کو حرام کر لے، یا حلال سے گذر کر حرام سے بھی متمتع ہونے لگے۔ یا اناپ شناپ بے تمیزی اور حرص سے کھانے پر گر پڑے، یا بدون اشتہاء کے کھانے لگے، یا ناوقت کھائے۔ یا اس قدر کم کھائے جو صحت جسمانی اور قوت عمل کے باقی رکھنے کے لئے کافی نہ ہو، یا مضر صحت چیزیں استعمال کرے وغیرہ ذٰلک۔ لفظ "اسراف" ان سب امور کو شامل ہو سکتا ہے۔ بیجا خرچ کرنا بھی اس کی ایک فرد ہے۔ اسی تعمیم کے لحاظ سے بعض سلف نے فرمایا کہ "جمع اللہ الطب کلہ فی نصف آیۃ" (خدا نے ساری طب آدھی آیت میں اکٹھی کر دی)۔

(۳۵) **دنیا کی نعمتیں مومنین کے لئے ہیں** عالم کی تمام چیزیں اسی لئے پیدا کی گئی ہیں کہ آدمی اُن سے مناسب طریقہ سے منتفع ہو کر خالق جل وعلا کی عبادت، وفاداری اور شکر گذاری میں مشغول ہو اس اعتبار سے دنیا کی تمام نعمتیں اصل میں مومنین و مطیعین ہی کے لئے پیدا ہوئی ہیں۔ البتہ کافروں کو بھی ان چیزوں سے روکا نہیں گیا وہ بھی اپنے اعمال و تدابیر سے دنیوی مفاد حاصل کر لیتے ہیں بلکہ جب اہل ایمان قوت ایمان و تقویٰ میں کمزور ہوں، تو یہ غاصبین اپنی عملی تگ و دو میں بظاہر زیادہ کامیاب معلوم ہوتے ہیں، جسے کچھ تو کفار کے اعمال فانیہ کا ثمرہ سمجھنا چاہئے اور کچھ مومنین کے حق میں تنبیہ و توبیخ من کان یرید الحیوۃ الدنیا وزینتھا نوف الیھم اعمالھم فیھا وھم فیھا لا یبخسون اولٰئک الذین لیس لھم فی الاٰخرۃ الا النار وحبط ما صنعوا فیھا وباطل ما کانوا یعملون (ہود رکوع ۲)، رہی آخرت کی نعماء وہ خالص اہل ایمان کا حصہ ہے۔ بعض علماء نے خالصۃ یوم القیامۃ کے معنی یہ لئے ہیں کہ دنیوی نعمتیں خالص نہیں کیونکہ اُن کے ساتھ بہت سے غم و فکر اور کلفتیں برداشت کرنا پڑتی ہیں۔ آخرت کی نعمتیں ہر قسم کی کدورات سے خالی ہوں گی۔ اور ابن عباس سے "در منثور" میں آیت کے معنی یہ نقل کئے ہیں کہ دنیوی نعمتیں اس شان سے کہ آخرت میں وبال نہ بنیں صرف مومنین کے لئے ہیں کفار کے حق میں یہاں کا تنعم اُن کے کفر و حق ناشناسی کی وجہ سے عذاب و وبال بن جائیگا۔

(۳۶) "اثم" سے عام گناہ مراد ہیں اور بعض مخصوص گناہوں کو مناسبت مقام یا اہمیت کی وجہ سے بیان فرما دیا اور بعض کے نزدیک "اثم" وہ گناہ ہے جس کا تعلق گناہ کرنے والے کے سوا دوسرے لوگوں سے نہ ہو۔ واللہ اعلم۔

(۳۷) جیسا کہ فحشاء کے متعلق کہتے تھے واللہ امرنا بہا۔

وَلِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ ۚ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿۳۴﴾ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اِمَّا

اور ہر فرقے کیواسطے ایک وعدہ ہے پھر جب آپہنچیگا اُن کا وعدہ نہ پیچھے سرک سکیں گے ایک گھڑی اور نہ آگے سرک سکیں گے ف۳۸ اے اولاد آدم کی اگر آئیں

يَاْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ ۙ فَمَنِ اتَّقٰى وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ

تمہارے پاس رسول تم میں کے کہ سنائیں تم کو آیتیں میری تو جو کوئی ڈرے اور نیکی پکڑے تو نہ خوف ہوگا اُن پر اور نہ وہ

يَحْزَنُوْنَ ﴿۳۵﴾ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۳۶﴾

غمگین ہونگے اور جنہوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو اور تکبر کیا اُن سے وہی ہیں دوزخ میں رہنے والے وہ اُسی میں ہمیشہ رہیں گے ف۳۹

فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ۭ اُولٰٓئِكَ يَنَالُهُمْ نَصِيْبُهُمْ مِّنَ

پھر اس سے زیادہ ظالم کون جو بہتان باندھے اللہ پر جھوٹا یا جھٹلائے اسکے حکموں کو ف۴۰ وہ لوگ ہیں کہ ملیگا اُن کو جو اُنکا حصہ لکھا ہوا ہے کتاب

الْكِتٰبِ ۭ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا يَتَوَفَّوْنَهُمْ ۙ قَالُوْٓا اَيْنَ مَا كُنْتُمْ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ قَالُوْا

میں ف۴۱ یہاں تک کہ جب پہنچیں اُن کے پاس ہمارے بھیجے ہوئے اُنکی جان لینے کو تو کہیں کیا ہوئے وہ جن کو تم پکارا کرتے تھے سوا اللہ کے بولیں گے

ضَلُّوْا عَنَّا وَشَهِدُوْا عَلٰٓي اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰفِرِيْنَ ﴿۳۷﴾

وہ ہم سے کھوئے گئے اور اقرار کریں گے اپنے اوپر کہ بیشک وہ کافر تھے ف۴۲

(۳۸) **ایک شبہ اور اس کا جواب** بظاہر شبہ ہوتا ہے کہ جب وعدہ کا وقت آپہنچا تو تاخیر کا امکان عقلی تھا اس لئے اس کی نفی ضروری ہوئی مگر تقدیم تو عقلاً ممکن ہی نہیں۔ اُس کی نفی سے کیا فائدہ ہے۔ اسی شبہ کی وجہ سے بعض مفسرین نے لا یستقدمون کا عطف شرطیہ اذا جاء اجلھم الخ پر مانا ہے اور بعض نے جاء اجلھم سے قرب (دنو) مراد لیا ہے میرے نزدیک ان تکلفات کی حاجت نہیں۔ محاورات میں کسی ایسی چیز کو جس کے مقابل دو طرفیں ہوں، زور اور تاکید سے ثابت کرنے کے لئے بسا اوقات ایک طرف کی جو محتمل الثبوت ہو، نفی مقصوداً کی جاتی ہے اور دوسری طرف کی جو پہلے سے غیر محتمل ہے، نفی کو محض مبالغہ تاکید اور تحسین کلام کے طور پر استطراداً ذکر کر دیتے ہیں۔ ایک خریدار دوکاندار سے کسی چیز کی قیمت معلوم کر کے کہتا ہے کہ "کچھ کم و بیش"... دوکاندار بھی کہہ دیتا ہے کہ "کم و بیش نہیں ہو سکتا" دونوں جگہ "کم" کا ذکر مقصود ہے اور "بیش" کا لفظ محض تعیین قیمت کی تاکید و مبالغہ کے لئے استطراداً ذکر کیا گیا ہے۔ یہاں بھی غرض اصلی کلام سے یہ ہے کہ خدا کا وعدہ جب آپہنچے تو پھر اٹل ہے ایک منٹ کی تقدیم و تاخیر نہیں ہو سکتی۔ مقصود تاخیر کی نفی کرنا ہے۔ تقدیم جو پہلے سے ظاہر الانتفاء تھی اُس کی نفی کرنا محض وعدہ کے اٹل ہونے پر زور ڈالنے کا ایک پیرایہ ہے۔ یعنی خدا پر افترا کرنے والے اور اس کی طرف نسبت کر کے حرام کو حلال بنانے والے خدا کی ڈھیل پر مغرور و بے فکر نہ ہوں۔ ہر اُمت اور ہر فرد کی خدا کے یہاں ایک معین مدت ہے، جب سزا کی گھڑی آجائیگی پھر ٹل نہ سکیگی۔

(۳۹) **دنیا میں پیغمبروں کی بعثت کا وعدہ** ابن جریر نے ابویسار سلمی سے نقل کیا ہے کہ یہ خطاب یابنی آدم اما یاتینکم الخ کل اولاد آدم کو عالم ارواح میں ہوا تھا۔ جیسا کہ سورۂ بقرہ کے سیاق سے ظاہر ہوتا ہے۔ قلنا اھبطوا منھا جمیعًا فاما یاتینکم منی ھُدًی الخ اور بعض محققین کے نزدیک جو خطاب ہر زمانہ میں ہر قوم کو ہوتا رہا، یہ اُس کی حکایت ہے میرے نزدیک دو رکوع پہلے سے جو مضمون چلا آرہا ہے اُس کی ترتیب و تنسیق خود ظاہر کرتی ہے کہ جب آدم و حوّا اپنے اصلی مسکن (جنت) سے جہاں اُن کو آزادی و

فراخی کے ساتھ بلا روک ٹوک زندگی بسر کرنے کا حکم دیا جا چکا تھا۔ عارضی طور پر محروم کر دیے گئے تو اُن کی مخلصانہ توبہ و انابت پر نظر کرتے ہوئے مناسب معلوم ہوا کہ اُس حرمان کی تلافی اور تمام اولادِ آدم کو اپنی آبائی میراث واپس دلانے کے لئے کچھ ہدایات کی جائیں۔ چنانچہ ہبوطِ آدم کا قصہ ختم کرنے کے بعد معًا یا بنی آدم قد انزلنا علیکم لباسًا الخ سے خطاب شروع فرما کر تین چار رکوع تک ان ہی ہدایات کا مسلسل بیان ہوا ہے۔ ان آیات میں کل اولادِ آدم کو گویا بیک وقت موجود تسلیم کر کے عام خطاب کیا گیا ہے کہ جنت سے نکلنے کے بعد ہم نے بہشتی لباس و طعام کی جگہ تمہارے لئے زمینی لباس و طعام کی تدبیر فرما دی گو جنت کی خوشحالی اور بے فکری یہاں میسر نہیں تاہم ہر قسم کی راحت و آسائش کے سامان سے منتفع ہونے کا تم کو موقع دیا تاکہ تم یہاں رہ کر اطمینان سے اپنا مسکن اصلی اور آبائی ترکہ واپس لینے کی تدبیر کر سکو۔ چاہئے کہ شیطان لعین کے مکر و فریب سے ہشیار رہو۔ کہیں ہمیشہ کے لئے تم کو اس میراث سے محروم نہ کر دے بیحیائی اور اثم و عدوان سے بچو۔ اخلاص و عبودیت کا راستہ اختیار کرو۔ خدا کی نعمتوں سے تمتع کرو مگر جو حدود و قیود مالکِ حقیقی نے عائد کر دی ہیں اُن سے تجاوز نہ کرو۔ پھر دیکھو ہر قوم اپنی اپنی مدت موعودہ پوری کر کے کس طرح اپنے ٹھکانہ پر پہنچ جاتی ہے اس اثناء میں اگر خدا کسی وقت تم ہی میں سے اپنے پیغمبر مبعوث فرمائے جو خدا کی آیات پڑھ کر سنائیں جن سے تم کو اپنے باپ کی اصلی میراث (جنت) حاصل کرنے کی ترغیب و تذکیر ہو اور مالکِ حقیقی کی خوشنودی کی راہیں معلوم ہوں، اُن کی پیروی اور مدد کرو۔ خدا سے ڈر کر بُرے کاموں کو چھوڑو اور اعمالِ صالحہ اختیار کرو۔ تو پھر تمہارا مستقبل بالکل بےخوف و خطر ہے۔ تم ایسے مقام پر پہنچ جاؤ گے جہاں سُکھ اور امن و اطمینان کے سوا کوئی دوسری چیز نہیں ہاں اگر ہماری آیتوں کو جھٹلایا اور تکبر کر کے اُن پر عمل کرنے سے کترائے تو مسکنِ اصلی اور آبائی میراث سے دائمی محرومی اور ابدی عذاب و ہلاکت کے سوا کچھ نہ ملیگا۔ بہر حال جو لوگ اس آیت سے ختمِ نبوت کی نصوص قطعیہ کے خلاف قیامت تک کے لئے انبیاء و رسل کی آمد کا دروازہ کھولنا چاہتے ہیں اُن کے لئے اس جگہ کوئی موقع اپنی مطلب براری کا نہیں۔

(۴۰) یعنی اُن سچے پیغمبروں کی تصدیق کرنا ضروری ہے جو واقعی خدا کی آیات سُناتے ہیں، باقی جو شخص پیغمبری کا جھوٹا دعوی کر کے اور جھوٹی آیات بنا کر خدا پر افتراء کرے یا کسی سچے پیغمبر کو اور اُس کی لائی ہوئی آیات کو جھٹلائے ان دونوں سے زیادہ ظالم کوئی نہیں۔

(۴۱) یعنی دنیا میں عمر و رزق وغیرہ جتنا مقدر ہے یا یہاں کی ذلت و رسوائی جو اُن کے لئے لکھی ہے وہ پہنچیگی۔ پھر مرتے وقت اور مرنے کے بعد جو گت بنیگی اس کا ذکر آگے آتا ہے اور اگر نصیبہم من الکتاب سے دنیا کا نہیں عذابِ اخروی کا حصہ مراد لیا جائے تو حتّٰی اذا جاءتھم سے اس پر تنبیہ ہوگی کہ اُس عذاب کے مبادی کا سلسلہ اسی دنیوی زندگی کے آخری لمحات میں شروع ہو جاتا ہے۔

(۴۲) یعنی جب فرشتے نہایت سختی سے ان کی رُوح قبض کر کے بُرے حال سے لے جاتے ہیں تو اُن سے کہتے ہیں کہ خدا کے سوا جن کو تم پکارا کرتے تھے وہ کہاں گئے جواب تمہارے کام نہیں آتے، اُنہیں بلاؤ تاکہ اس مصیبت سے تمہیں چھڑائیں۔ اس وقت کفار کو اقرار کرنا پڑتا ہے کہ ہم سخت غلطی میں پڑے تھے کہ ایسی چیزوں کو معبود و مستعان بنایا جو اس کے مستحق نہ تھے۔ آج ہماری اس مصیبت میں اُن کا کہیں پتہ نہیں۔ لیکن یہ ناوقت کا اقرار و ندامت کیا نفع دے سکتا ہے۔ حکم ہوگا ادخلوا فی امم الخ باقی بعض مواضع ہیں جو وارد ہوا ہے کہ وہ اپنے کفر و شرک سے انکار کریں گے، اس آیت کے منافی نہیں۔ کیونکہ قیامت میں مواقف اور احوال مختلف ہونگے اور جماعتیں بھی بیشمار ہونگی۔ کہیں ایک موقف یا ایک جماعت کا ذکر ہے کہیں دوسری کا۔

قَالَ ادۡخُلُوۡا فِیۡۤ اُمَمٍ قَدۡ خَلَتۡ مِنۡ قَبۡلِکُمۡ مِّنَ الۡجِنِّ وَ الۡاِنۡسِ فِی النَّارِ ؕ کُلَّمَا دَخَلَتۡ اُمَّۃٌ لَّعَنَتۡ

فرمائیگا داخل ہو جاؤ ہمراہ اور اُمتوں کے جو تم سے پہلے ہو چکی ہیں جن اور آدمیوں میں سے دوزخ کے اندر ۴۳ جب داخل ہوگی ایک اُمت تو لعنت کریگی

أُخْتَهَا ۖ حَتَّىٰ إِذَا ادَّارَكُوا فِيهَا جَمِيعًا قَالَتْ أُخْرَاهُمْ لِأُولَاهُمْ رَبَّنَا هَٰؤُلَاءِ أَضَلُّونَا فَآتِهِمْ

دوسری اُمت کو ف۴۳ یہاں تک کہ جب گر چکیں گے اُس میں سارے تو کہیں گے اُنکے پچھلے پہلوں کو اے رب ہمارے ہم کو انہی نے گمراہ کیا سو تو اُنکو دے

عَذَابًا ضِعْفًا مِّنَ النَّارِ ۖ قَالَ لِكُلٍّ ضِعْفٌ وَلَٰكِن لَّا تَعْلَمُونَ ﴿٣٨﴾ وَقَالَتْ أُولَاهُمْ لِأُخْرَاهُمْ

دونا عذاب آگ کا فرمائیگا کہ دونوں کو دوگنا ہے لیکن تم نہیں جانتے ف۴۵ اور کہیں گے اُن کے پہلے پچھلوں کو

فَمَا كَانَ لَكُمْ عَلَيْنَا مِن فَضْلٍ فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنتُمْ تَكْسِبُونَ ﴿٣٩﴾ ع إِنَّ الَّذِينَ ۸

پس کچھ نہ ہوئی تم کو ہم پر بڑائی اب چکھو عذاب بسبب اپنی کمائی کے ف۴۶ بیشک جنہوں نے

كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَاسْتَكْبَرُوا عَنْهَا لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ أَبْوَابُ السَّمَاءِ وَلَا يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ حَتَّىٰ يَلِجَ

جھٹلایا ہماری آیتوں کو اور اُن کے مقابلہ میں تکبر کیا نہ کھولے جائیں گے اُنکے لئے دروازے آسمان کے ف۴۷ اور نہ داخل ہونگے جنت میں یہاں تک کہ گھس جائے

الْجَمَلُ فِي سَمِّ الْخِيَاطِ ۚ وَكَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُجْرِمِينَ ﴿٤٠﴾ لَهُم مِّن جَهَنَّمَ مِهَادٌ وَمِن فَوْقِهِمْ

اُونٹ سوئی کے ناکے میں ف۴۸ اور ہم یوں بدلا دیتے ہیں گنہگاروں کو اُنکے واسطے دوزخ کا بچھونا ہے اور اُوپر سے

غَوَاشٍ ۚ وَكَذَٰلِكَ نَجْزِي الظَّالِمِينَ ﴿٤١﴾ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا

اوڑھنا ف۴۹ اور ہم یوں بدلا دیتے ہیں ظالموں کو اور جو ایمان لائے اور کیں نیکیاں ہم بوجھ نہیں رکھتے کسی پر مگر اُسکی طاقت کے موافق

أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿٤٢﴾

وہی ہیں جنت میں رہنے والے وہ اُسی میں ہمیشہ رہیں گے ف۵۰

(۴۳) یعنی آگے پیچھے سب کفار کو دوزخ ہی میں داخل ہونا ہے۔

(۴۴) **دوزخ میں اُمتوں کی ایک دوسرے پر لعنت** یعنی اُس مصیبت میں باہم ہمدردی تو کیا ہوتی، دوزخی ایک دوسرے پر لعن طعن کریں گے۔ شاید اتباع اپنے سرداروں سے کہیں کہ تم پر خدا کی لعنت ہو تم اپنے ساتھ ہمیں بھی لے ڈوبے اور سردار اتباع سے کہیں کہ ملعونو! اگر ہم گڑھے میں پڑے تھے تو تم کیوں اندھے بن گئے۔ وغیر ذلک۔

(۴۵) یعنی ایک حساب سے پہلوں کا گناہ دُگنا کہ خود گمراہ ہوئے اور دوسرے آنے والوں کے لئے راہ ڈالی۔ اور ایک طرح پچھلوں کا دُگنا کہ خود بہکے اور پہلوں کا حال دیکھ سُن کر عبرت حاصل نہ کی۔ یا چونکہ ہر دوزخی کا عذاب اپنے اپنے درجہ کے موافق وقتاً فوقتاً بڑھتا رہیگا اس لئے فرمایا کہ ہر ایک کا عذاب دُگنا ہوتا چلا جائیگا۔ ابھی آغاز تعذیب میں تمہیں انجام کی خبر نہیں یعنی پہلوں کا عذاب دُگنا کر دینے سے تم پچھلوں کو کوئی شفاء اور راحت نصیب نہیں ہوگی۔ یہ تقریر اُس صورت میں ہے کہ لِكُلٍّ ضِعْفٌ سے دونوں فریق مراد لئے جائیں۔ لیکن ابن کثیر کے نزدیک اس آیت میں پچھلوں کو مطلع کیا گیا ہے کہ بیشک ہم نے پہلوں میں سے ہر ایک کے لئے اس کے درجہ کے موافق دُگنا ہی عذاب رکھا ہے جیسا کہ دوسری جگہ خبر دی ہے الذين كفروا وصدوا عن سبيل الله زدناهم عذابا فوق العذاب (نحل۔ رکوع ۱۲) وليحملن اثقالهم واثقالا مع اثقالهم (عنكبوت رکوع ۱) ومن اوزار الذين يضلونهم بغير علم (نحل۔ رکوع ۳)۔

(۴۶) یعنی ہماری سزا میں اضافہ کی درخواست کر کے تمہیں کیا مل گیا؟ کیا تمہارے عذاب میں کچھ تخفیف ہو گئی؟ نہیں، تم کو بھی

اپنی کرتوت کا مزہ چکھنا ہے۔

(۴۷) **کفار کی ارواح** یعنی نہ زندگی میں اُن کے اعمال کے لئے آسمانی قبول و رفعت حاصل ہے۔ نہ موت کے بعد اُن کی ارواح کو آسمان پر چڑھنے کی اجازت ہے۔ حدیث صحیح میں ہے کہ "بعد موت کافر کی روح کو آسمان کی جانب سے سجین کی طرف دھکے دیے جاتے ہیں اور مومن کی روح ساتویں آسمان تک صعود کرتی ہے" مفصل احوال کتب احادیث میں ملاحظہ کرو۔

(۴۸) **کفار جنت میں داخل نہیں ہو سکتے** یہ تعلیق بالمحال کے طور پر فرمایا۔ ہر زبان کے محاورات میں ایسی امثال موجود ہیں جن میں کسی چیز کے محال ہونے کو دوسری محال چیز پر معلق کر کے ظاہر کرتے ہیں۔ یعنی جس طرح یہ ناممکن ہے کہ اُونٹ اپنی اسی ایسی کلانی اور جسامت پر رہے اور سوئی کا ناکہ ایسا ہی تنگ اور چھوٹا رہو۔ اس کے باوجود اُونٹ سوئی کے ناکے میں داخل ہو جائے۔ اسی طرح ان مکذبین و مستکبرین کا جنت میں داخل ہونا محال ہے کیونکہ حق تعالیٰ جہنم میں اُن کے "خلود" کی خبر دے چکا ہے اور علم الٰہی میں یہ ہی سزا اُن کے لئے ٹھہر چکی ہے۔ پھر خدا کے علم اور اخبار کے خلاف کیسے وقوع میں آسکتا ہے۔

(۴۹) یعنی ہر طرف سے آگ محیط ہو گی، کسی کروٹ چین نہ ملیگا۔

(۵۰) **آخرت میں مومنین کا حال** لا نکلف نفسًا الا وسعہا جملہ معترضہ ہے، جس سے درمیان میں متنبہ فرما دیا کہ ایمان و عمل صالح جس پر اتنا عظیم الشان صلہ مرحمت ہوتا ہے کوئی ایسی مشکل چیز نہیں جو انسان کی طاقت سے باہر ہو، یا یہ مطلب ہے کہ ہر آدمی سے عمل صالح اُسی قدر مطلوب ہے جتنا اُس کی مقدرت اور طاقت میں ہو، اس سے زائد کا مطالبہ نہیں کیا جا رہا۔

وَنَزَعْنَا مَا فِي صُدُورِهِمْ مِّنْ غِلٍّ تَجْرِي مِن تَحْتِهِمُ الْأَنْهَارُ ۖ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي

اور نکال لیں گے ہم جو کچھ اُن کے دلوں میں خفگی تھی ف۵۱ بہتی ہونگی اُن کے نیچے نہریں اور وہ کہیں گے شکر اللہ کا جس نے

هَدَانَا لِهَٰذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَا أَنْ هَدَانَا اللَّهُ ۖ لَقَدْ جَاءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ ۖ

ہم کو یہاں تک پہنچا دیا اور ہم نہ تھے راہ پانیوالے اگر نہ ہدایت کرتا ہم کو اللہ بیشک لائے تھے رسول ہمارے رب کے سچی بات ف۵۲

الربع

وَنُودُوا أَن تِلْكُمُ الْجَنَّةُ أُورِثْتُمُوهَا بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٤٣﴾ وَنَادَىٰ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ

اور آواز آئیگی کہ یہ جنت ہے وارث ہوئے تم اُس کے بدلے میں اپنے اعمال کے ف۵۳ اور پکاریں گے جنت والے

أَصْحَابَ النَّارِ أَن قَدْ وَجَدْنَا مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا حَقًّا فَهَلْ وَجَدتُّم مَّا وَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا ۖ قَالُوا

دوزخ والوں کو کہ ہمنے پایا جو ہم سے وعدہ کیا تھا ہمارے رب نے سچا سو تم نے بھی پایا اپنے رب کے وعدہ کو سچا وہ کہیں گے

نَعَمْ ۚ فَأَذَّنَ مُؤَذِّنٌ بَيْنَهُمْ أَن لَّعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الظَّالِمِينَ ﴿٤٤﴾ الَّذِينَ يَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ

کہ ہاں پھر پکاریگا ایک پکارنے والا اُنکے بیچ میں کہ لعنت ہے اللہ کی اُن ظالموں پر جو روکتے تھے اللہ کی راہ سے

وقف لازم / وقف غفران

اللَّهِ وَيَبْغُونَهَا عِوَجًا وَهُم بِالْآخِرَةِ كَافِرُونَ ﴿٤٥﴾

اور ڈھونڈتے تھے اس میں کجی اور وہ آخرت سے منکر تھے ف۵۴

(۵۱) نزعنا ما فی صدورہم من غلٍّ سے مراد یا تو یہ ہے کہ باہم جنتیوں میں نعمائے جنت کے متعلق کسی طرح کا رشک و حسد نہ ہو گا ہر ایک اپنے کو اور دوسرے بھائی کو جس مقام میں ہے دیکھ کر خوش ہو گا۔ بخلاف دوزخیوں کے کہ وہ مصیبت کے وقت ایک دوسری

کو لعن وطعن کریں گے جیسا کہ پہلے گذرا۔ اور یا یہ مراد ہے کہ صالحین کے درمیان جو دنیا میں کسی بات پر خفگی ہو جاتی ہے اور ایک دوسرے کی طرف سے انقباض پیش آتا ہے وہ سب جنت میں داخل ہونے سے پیشتر دلوں سے نکال دیا جائیگا۔ وہاں سب ایک دوسرے سے سلیم الصدور ہوں گے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ نے فرمایا "مجھے اُمید ہے کہ میں اور عثمان، طلحہ، زبیر رضی اللہ عنہم انہی لوگوں میں سے ہوں گے" مترجم محقق قدس اللہ روحہٗ نے اسی دوسرے معنی کے اعتبار سے ترجمہ کیا ہے۔

(۵۲) یعنی خدا کی توفیق و دستگیری اور رسولوں کی سچی رہنمائی سے اس اعلیٰ مقام پر پہنچنا نصیب ہوا ورنہ ہم کہاں اور یہ مرتبہ کہاں۔

(۵۳) **جنت کے وارث مومنین ہیں** یہ آواز دینے والا خدا کی طرف سے کوئی فرشتہ ہوگا۔ یعنی آج ساری عملی جدوجہد ٹھکانے لگ گئی اور تم نے کوشش کر کے خدا کے فضل سے اپنے باپ آدم کی میراث ہمیشہ کے لئے حاصل کر لی۔ حدیث میں ہے کہ "کسی شخص کا عمل ہرگز اس کو جنت میں داخل نہیں کرے گا" اُس کا مطلب یہ ہے کہ عمل دخول جنت کا حقیقی سبب نہیں، فقط ظاہری سبب ہے۔ دخول جنت کا حقیقی سبب خدا کی رحمت کاملہ ہے جیسا کہ اُسی حدیث میں الا ان یتغمدنی اللہ برحمۃ کے الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے ہاں بندہ پر رحمت الٰہیہ کا نزول اسی قدر ہوتا ہے جس قدر عمل کی رُوح اس میں موجود ہو۔ مترجم رحمہ اللہ زبانی فرمایا کرتے تھے کہ گاڑی تو رحمت الٰہیہ کے زور سے چلتی ہے۔ عمل وہ جھنڈی ہے جس کے اشارہ پر چلاتے اور روکتے ہیں۔

(۵۴) **اہل جنت اور اہل دوزخ کا مکالمہ** ان آیات میں اُن مخاطبات و مکالمات کا ذکر ہے جو جنتیوں اور دوزخیوں یا ان دونوں اور اصحاب اعراف میں ہونگے۔ پہلی اور آخری گفتگو جو "اصحاب الجنۃ" اور "اصحاب النار" میں اِدھر سے یا اُدھر سے ہوگی صاف ظاہر کرتی ہے کہ یہ مخاطبات جنت یا دوزخ میں داخل ہونے کے بعد کے ہیں۔ اس لئے نظم کلام کا مقتضیٰ یہ ہے کہ اصحاب اعراف کی درمیانی گفتگو کو بھی اس کے بعد ہی مانا جائے۔ بہر حال جنتی جنت میں پہنچ کر اپنے حال پر اظہار مسرت اور دوزخیوں کی تفریع و تبکیت کے لئے کہیں گے کہ جو کچھ وعدے حق تعالیٰ نے پیغمبروں کی زبانی ہم سے فرمائے تھے کہ ایمان لانیوالوں کو نعیم دائم ملے گی، ہم تو انہیں سچا پا رہے ہیں۔ اے اہل جہنم! تم بولو کہ تمہارے کفر و عصیان پر جو دھمکیاں دی گئی تھیں تم نے بھی اُن کو سچا پایا؟ ظاہر ہے جواب میں بجز "نعم" کے اور کیا کہہ سکتے ہیں۔ اس وقت خدا کا ایک منادی دونوں کے درمیان کھڑے ہو کر پکارے گا کہ یوں تو گنہگار بہت سے ہیں مگر خدا کی بڑی پھٹکار ان ظالموں پر ہے جو خود گمراہ ہوئے اور آخرت کے انجام سے بالکل بے فکر ہو کر دوسروں کو بھی راہ حق سے روکتے رہے اور اپنی کج بحثیوں سے رات دن اسی فکر میں تھے کہ صاف اور سیدھے راستہ کو ٹیڑھا ثابت کریں۔

وَبَيْنَهُمَا حِجَابٌ ۚ وَعَلَى الْأَعْرَافِ رِجَالٌ يَعْرِفُونَ كُلًّا بِسِيمَاهُمْ ۚ وَنَادَوْا أَصْحَابَ الْجَنَّةِ

اور دونوں کے بیچ میں ہوگی ایک دیوار ۵۵ اور اعراف کے اوپر مرد ہونگے کہ پہچان لیں گے ہر ایک کو اُسکی نشانی سے اور وہ پکاریں گے جنت والوں کو

أَنْ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ ۚ لَمْ يَدْخُلُوهَا وَهُمْ يَطْمَعُونَ ﴿٤٦﴾ وَإِذَا صُرِفَتْ أَبْصَارُهُمْ تِلْقَاءَ أَصْحَابِ النَّارِ

کہ سلامتی ہے تم پر وہ ابھی جنت میں داخل نہیں ہوئے اور وہ اُمیدوار ہیں ۵۶ اور جب پھریں گی اُن کی نگاہ دوزخ والوں کی طرف

قَالُوا رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا مَعَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ﴿٤٧﴾ وَنَادَىٰ أَصْحَابُ الْأَعْرَافِ رِجَالًا يَعْرِفُونَهُمْ بِسِيمَاهُمْ

تو کہیں گے اے رب ہمارے مت کر ہم کو گنہگار لوگوں کے ساتھ ۵۷ اور پکاریں گے اعراف والے اُن لوگوں کو کہ اُنکو پہچانتے ہیں اُنکی نشانی سے ۵۸

قَالُوا مَا أَغْنَىٰ عَنْكُمْ جَمْعُكُمْ وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُونَ ﴿٤٨﴾

کہیں گے نہ کام آئی تمہارے جماعت تمہاری اور جو تم تکبر کیا کرتے تھے ۵۹

(۵۵) حجاب کے معنی پردہ اور آڑ کے ہیں۔ یہاں پردہ کی دیوار مراد ہے۔ جس کی تصریح سورۂ حدید میں کی گئی ہے فَضُرِبَ بَیْنَھُمْ بِسُوْرٍ لَّہٗ بَابٌ یہ دیوار جنت کی لذتوں کو دوزخ تک اور دوزخ کی کلفتوں کو جنت تک پہنچنے سے مانع ہوگی اس کی تفصیلی کیفیت کا ہم کو علم نہیں۔

(۵۶) **اعراف اور اصحاب اعراف** اُسی درمیانی دیوار کی بلندی پر جو مقام ہوگا اس کو "اعراف" کہتے ہیں اصحاب اعراف کون لوگ ہیں؟ قرطبی نے اس میں بارہ قول نقل کئے ہیں۔ ہمارے نزدیک اُن میں راجح وہ ہی قول ہے جو حضرت حذیفہ، ابن عباس ابن مسعود رضی اللہ عنہم جیسے جلیل القدر صحابہ اور اکثر سلف و خلف سے منقول ہے۔ یعنی وزن اعمال کے بعد جن کے حسنات بھاری ہونگے وہ جنتی ہیں اور جن کے سیئات غالب ہوئے وہ دوزخی۔ اور جن کے حسنات و سیئات بالکل مساوی ہونگے وہ اصحاب اعراف ہیں۔ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ انجام کار اصحاب اعراف جنت میں چلے جائیں گے یہ ویسے بھی ظاہر ہے کہ جب عصاۃ مؤمنین جن کے سیئات غالب تھے، جہنم سے نکل کر آخر کار جنت میں داخل ہونگے۔ تو اصحاب اعراف جن کے حسنات اور سیئات برابر ہیں وہ اُن سے پہلے داخل ہونے چاہئیں۔ گویا اصحاب اعراف کو اصحاب الیمین کی ایک کمزور قسم سمجھنا چاہیئے جس طرح "سابقین مقربین" فی الحقیقت اصحاب یمین کی ایک ایسی قسم ہے جو اپنی اولوالعزمیوں کی بدولت عام "اصحاب یمین" سے آگے نکل گئے ہیں، اس کے بالمقابل "اصحاب اعراف" گری ہوئی قسم ہے جو اپنے اعمال کی کثافت کی وجہ سے عام اصحاب یمین سے کچھ پیچھے رہ گئے ہیں یہ لوگ "اہل جہنم" اور "اہل جنت" کے درمیان میں ہونے کی وجہ سے دونوں طبقے کے لوگوں کو ان کی مخصوص نشانیوں سے پہچانتے ہونگے۔ جنتیوں کو اُن کے سفید اور نورانی چہروں سے اور دوزخیوں کو اُن کی رُوسیاہی اور بدرونقی سے۔ بہرحال جنت والوں کو دیکھ کر سلام کریں گے جو بطور مبارکباد ہوگا اور چونکہ خود ابھی جنت میں داخل نہیں ہوسکے اس کی طمع اور آرزو کریں گے جو آخر کار پوری کر دیجائیگی۔

(۵۷) جنت و دوزخ کے درمیان میں ہونے کی وجہ سے ان لوگوں کی حالت خوف و رجاء کے بیچ میں ہوگی ادھر دیکھیں گے تو اُمید کرینگے اور ادھر نظر پڑے گی تو خدا سے ڈر کر پناہ مانگیں گے کہ ہم کو ان دوزخیوں کے زمرہ میں شامل نہ کیجئے۔

(۵۸) یعنی علاوہ دوزخ میں معذب ہونے کے اُن کے چہروں سے دوزخی ہونے کی علامات ہویدا ہونگی۔ یا یہ مطلب ہے کہ وہ ایسے لوگ ہونگے جن کو اصحاب اعراف نے دنیا میں دیکھا ہوگا۔ اس لئے وہاں صورت دیکھ کر پہچان لیں گے۔

(۵۹) یعنی اس مصیبت کے وقت تمہاری وہ جماعتیں اور جتھے کہاں گئے اور دنیا میں جو بڑھ بڑھ کر شیخیاں مارتے تھے، وہ اب کیا ہوئیں۔

اَهٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ اَقْسَمْتُمْ لَا يَنَالُهُمُ اللّٰهُ بِرَحْمَةٍ ۭ اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمْ وَلَآ اَنْتُمْ

اب یہ وہی ہیں کہ تم قسم کھایا کرتے تھے کہ نہ پہنچیگی اُن کو اللہ کی رحمت چلے جاؤ جنت میں نہ ڈر ہے تم پر اور نہ تم

تَحْزَنُوْنَ ۝۴۹ وَنَادٰٓي اَصْحٰبُ النَّارِ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ اَنْ اَفِيْضُوْا عَلَيْنَا مِنَ الْمَاۗءِ اَوْ مِمَّا رَزَقَكُمُ

غمگین ہوگے ف۶۰ اور پکارینگے دوزخ والے جنت والوں کو کہ بہاؤ ہم پر تھوڑا سا پانی یا کچھ اُس میں سے جو روزی تم کو

اللّٰهُ ۭ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَهُمَا عَلَي الْكٰفِرِيْنَ ۝۵۰ۙ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَهْوًا وَّلَعِبًا وَّغَرَّتْهُمُ

دی اللہ نے کہیں گے اللہ نے ان دونوں کو روک دیا ہے کافروں سے جنہوں نے ٹھہرایا اپنا دین تماشا اور کھیل اور دھوکے میں ڈالا

الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۚ فَالْيَوْمَ نَنْسٰىهُمْ كَمَا نَسُوْا لِقَاۗءَ يَوْمِهِمْ هٰذَا ۙ وَمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ ۝۵۱

ان کو دنیا کی زندگی نے سو آج ہم اُنکو بھلا دینگے جیسا اُنہوں نے بھلا دیا اس دن کے ملنے کو اور جیسا کہ وہ ہماری آیتوں سے منکر تھے ف۶۱

(۶۰) "یہ" اہل جنت" کی طرف اشارہ کرکے دوزخیوں سے کہیں گے کہ وہ ٹوٹے پھوٹے مساکین اور ضعیف الحال جن کو تم حقیر سمجھ کر کہا کرتے تھے کہ کیا خدا کی مہربانی سب کو چھوڑ کر ان جیسوں پر ہو سکتی ہے اَھٰٓؤُلَاۗءِ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنْۢ بَيْنِنَا۔ ان کو تو آج کہہ دیا گیا کہ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمْ الخ (چلے جاؤ جنت میں بے خوف و خطر) حالانکہ تم اس عذاب میں مبتلا ہو۔

(۶۱) **اہل دوزخ کی اہل جنت سے فریاد** دوزخی بدحواس اور مضطرب ہو کر اہل جنت کے سامنے دست سوال دراز کریں گے کہ ہم جلے جاتے ہیں، تھوڑا سا پانی ہم پر بہاؤ یا جو نعمتیں تم کو خدا نے دے رکھی ہیں کچھ اُن سے ہمیں بھی فائدہ پہنچاؤ جواب ملیگا کہ کافروں کے لئے ان چیزوں کی بندش ہے۔ یہ کافر وہ ہی تو ہیں جو دین کو کھیل تماشہ بناتے تھے اور دنیا کے تنعم پر پھولے ہوئے تھے۔ سو جیسا ان کو دنیا کے مزوں میں پڑ کر کبھی آخرت کا خیال نہیں آیا آج ہم بھی ان کا کچھ خیال نہ کریں گے اور جس طرح انہوں نے ہماری آیتوں کا انکار کیا تھا آج ہم بھی ان کی درخواست منظور کرنے سے انکار کرتے ہیں۔

وَلَقَدْ جِئْنٰهُمْ بِكِتٰبٍ فَصَّلْنٰهُ عَلٰى عِلْمٍ هُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۵۲﴾ هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا

اور ہم نے اُن لوگوں کے پاس پہنچا دی ہے کتاب جس کو مفصل بیان کیا ہے ہم نے خبرداری سے راہ دکھانے والی اور رحمت ہے ایمان والوں کے لئے ف ۶۲ کیا اب اسی کے منتظر ہیں کہ اُسکا مضمون

تَاْوِيْلَهٗ ۭ يَوْمَ يَاْتِيْ تَاْوِيْلُهٗ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ نَسُوْهُ مِنْ قَبْلُ قَدْ جَاۗءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ ۚ

ظاہر ہو جائے جس دن ظاہر ہو جائیگا اُسکا مضمون کہنے لگیں گے وہ لوگ جو اُس کو بھول رہے تھے پہلے سے بیشک لائے تھے ہمارے رب کے رسول سچی بات

فَهَلْ لَّنَا مِنْ شُفَعَاۗءَ فَيَشْفَعُوْا لَنَآ اَوْ نُرَدُّ فَنَعْمَلَ غَيْرَ الَّذِيْ كُنَّا نَعْمَلُ ۭ قَدْ خَسِرُوْٓا

سو اب کوئی ہماری سفارش والے ہیں تو ہماری سفارش کریں یا ہم لوٹا دیے جائیں تو ہم عمل کریں خلاف اس کے جو ہم کر رہے تھے بیشک تباہ کیا انہوں نے

ع ۶ ۱۳ اَنْفُسَهُمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۵۳﴾ۧ اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ

اپنے آپ کو اور گم ہو جائیگا اُن سے جو وہ افترا کیا کرتے تھے ف ۶۳ بیشک تمہارا رب اللہ ہے جس نے پیدا کئے آسمان اور زمین ف ۶۴ چھ

سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ۣ يُغْشِي الَّيْلَ النَّهَارَ يَطْلُبُهٗ حَثِيْثًا ۙ وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمَ

دن میں ف ۶۵ پھر قرار پکڑا عرش پر ف ۶۶ اُڑھاتا ہے رات پر دن کہ وہ اسکے پیچھے لگا آتا ہے دوڑتا ہوا اور پیدا کئے سورج اور چاند اور تارے ف ۶۷

مُسَخَّرٰتٍۢ بِاَمْرِهٖ ۭ اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ ۭ تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۵۴﴾

تابعدار اپنے حکم کے ف ۶۸ سن لو اُسی کا کام ہے پیدا کرنا اور حکم فرمانا بڑی برکت والا ہے اللہ جو رب ہے سارے جہان کا ف ۶۹

(۶۲) **آخرت میں کفار کا پچھتاوا** قرآن جیسی کتاب کی موجودگی میں، جس میں تمام ضروریات کی عالمانہ تفصیل موجود ہے اور ہر بات کو پوری آگاہی سے کھول کر بیان کر دیا گیا ہے چنانچہ ایمان والے اُس سے خوب منتفع ہو رہے ہیں، غضب ہے کہ ان متکبر معاندوں نے کچھ بھی اپنے انجام پر غور نہ کیا۔ پھر اب پچھتانے سے کیا حاصل۔

(۶۳) کتاب اللہ میں جو دھمکیاں عذاب کی دی گئی ہیں کیا یہ اس کے منتظر ہیں کہ جب اُن دھمکیوں کا مضمون (مصداق) سامنے آجائے تب حق کو قبول کریں۔ حالانکہ وہ مضمون جب سامنے آجائیگا یعنی عذاب الٰہی میں گرفتار ہونگے تو اُس وقت کا قبول کرنا کچھ کام نہ دے گا اس وقت تو سفارشیوں کی تلاش ہوگی جو خدا کی سزا سفارش کرکے معاف کرا دیں اور چونکہ ایسا سفارشی کافروں کو کوئی نہ ملے گا تو یہ تمنا کریں گے کہ ہم کو دوبارہ دنیا میں بھیج کر امتحان کر لیا جائے کہ اس مرتبہ اپنے جرائم کے خلاف ہم کیسی نیکی اور پرہیزگاری کے کام کرتے

ہیں۔ لیکن اب اس تمنا سے کیا حاصل جبکہ پہلے خود اپنے ہاتھوں اپنے کو برباد کر چکے اور جو جھوٹے خیالات پکار کھے تھے وہ سب رفو چکر ہو گئے۔

(۶۴) **زمین و آسمان کی تخلیق چھ دن میں** گذشتہ آیت میں معاد کا ذکر تھا، اس رکوع میں مبدا کی معرفت کرائی گئی ہے۔ وہاں قَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ سے بتلایا گیا تھا کہ جو لوگ دنیا میں انبیاء و رسل سے منحرف رہتے تھے اُن کو بھی قیامت کے دن پیغمبروں کی سچائی کی ناچار تصدیق کرنی پڑے گی۔ یہاں نہایت لطیف پیرایہ میں خدا کی حکومت یاد دلانے اور انبیاء و رسل کی ضرورت کی طرف اشارہ کرنے کے بعد بعض مشہور پیغمبروں کے احوال و واقعات کا تذکرہ کیا جا رہا ہے کہ اُنکی تصدیق یا تکذیب کرنے والوں کا آخرت سے پہلے دنیا ہی میں کیا انجام ہوا، گویا یہ رکوع آنیوالے کئی رکوعات کی تمہید ہے۔

(۶۵) یعنی اتنے وقت میں جو چھ دن کے برابر تھا پیدا کیا کیونکہ یہ متعارف دن اور رات تو آفتاب کے طلوع و غروب سے وابستہ ہیں، جب اس وقت آفتاب ہی پیدا نہ ہوا تھا تو دن رات کہاں سے ہوتا۔ یا یہ کہا جائے کہ عالم شہادت کے دن رات مراد نہیں، عالم غیب کے دن رات مراد ہیں۔ جیسے کسی عارف نے فرمایا ہے ؎ غیب را ابرے و آبے دیگر است ؎ آسمان و آفتابے دیگر است۔ پہلی صورت میں پھر علماء کا اختلاف ہے کہ یہاں چھ دن سے ہمارے چھ دن کی مقدار مراد ہے۔ یا ہزار برس کا ایک ایک دن جیسے فرمایا ہے وَاِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ میرے نزدیک یہ آخری قول راجح ہے۔ بہرحال مقصود یہ ہوا کہ آسمان و زمین دفعۃً بنا کر نہیں کھڑی کئے گئے۔ شاید اوّل ان کا مادہ پیدا فرمایا ہو۔ پھر اس کی استعداد کے موافق بتدریج مختلف اشکال و صور میں منتقل کرتے رہے ہوں۔ حتّٰی کہ چھ دن (چھ ہزار سال) میں وہ بجمیع متعلقاتہا موجودہ مرتب شکل میں موجود ہوئے۔ جیسا کہ آج بھی انسان اور کل حیوانات و نباتات وغیرہ کی تولید و تخلیق کا سلسلہ تدریجی طور پر جاری ہے۔

کُنْ فَیَکُوْن کے معنی اور یہ اُس کی شان "کن فیکون" کے منافی نہیں۔ کیونکہ "کن فیکون" کا مطلب تو صرف اس قدر ہے کہ خدا جس چیز کو وجود کے جس درجہ میں لانا چاہے اس کا ارادہ ہوتے ہی وہ اس درجہ میں آجاتی ہے۔ یہ مطلب نہیں کہ خدا کسی چیز کو وجود کے مختلف مدارج سے گذارنے کا ارادہ نہیں کرتا بلکہ ہر شے کو بدون توسط اسباب و علل کے دفعۃً موجود کرتا ہے۔

(۶۶) **استوٰی علی العرش کی تفسیر** خدا تعالیٰ کی صفات و افعال کے متعلق یہ بات ہمیشہ یاد رکھنی چاہئے کہ نصوص قرآن و حدیث میں جو الفاظ حق تعالیٰ کی صفات کے بیان کرنے کے لئے اختیار کئے جاتے ہیں۔ اُن میں اکثر وہ ہیں جن کا مخلوق کی صفات پر بھی استعمال ہوا ہے مثلاً خدا کو "حی"، "سمیع"، "بصیر"، "متکلم" کہا گیا اور انسان پر بھی یہ الفاظ اطلاق کئے گئے، تو اِن دونوں مواقع میں استعمال کی حیثیت بالکل جداگانہ ہے۔ کسی مخلوق کو سمیع و بصیر کہنے کا یہ مطلب ہے کہ اس کے پاس دیکھنے والی آنکھ اور سننے والے کان موجود ہیں۔ اب اس میں دو چیزیں ہوئیں۔ ایک وہ آلہ جسے "آنکھ" کہتے ہیں اور جو دیکھنے کا مبدا اور ذریعہ بنتا ہے۔ دوسرا اس کا نتیجہ اور غرض و غایت (دیکھنا) یعنی وہ خاص علم جو رویت بصری سے حاصل ہوا۔ مخلوق کو جب "بصیر" کہا تو یہ مبداء اور غایت دونوں چیزیں معتبر ہوئیں۔ اور دونوں کی کیفیات ہم نے معلوم کر لیں۔ لیکن یہی لفظ جب خدا کی نسبت استعمال کیا گیا تو یقیناً وہ مبادی اور کیفیات جسمانیہ مراد نہیں ہو سکتیں جو مخلوق کے خواص میں سے ہیں اور جن سے خداوند قدوس قطعاً منزہ ہے البتہ یہ اعتقاد رکھنا ہوگا کہ ابصار (دیکھنے) کا مبداء اس کی ذات اقدس میں موجود ہے اور اس کا نتیجہ یعنی وہ علم جو رویت بصری سے حاصل ہو سکتا ہے، اُس کو بدرجۂ کمال حاصل ہے۔ آگے یہ کہ وہ مبداء کیسا ہے اور دیکھنے کی کیا کیفیت ہے تو بجز اس بات کے کہ اس کا دیکھنا مخلوق کی طرح نہیں ہم اور کیا کہہ سکتے ہیں۔ لیس کمثلہ شئی وھو السمیع البصیر نہ صرف سمیع و بصیر بلکہ اُس کی تمام صفات کو اسی طرح سمجھنا چاہئے کہ صفت باعتبار اپنے اصل مبداء و غایت کے

ثابت ہے مگر اُس کی کوئی کیفیت بیان نہیں کی جاسکتی اور نہ شرائع سماویہ نے اُس کا مکلف بنایا ہے کہ آدمی اس طرح کی ماوراء عقل حقائق میں خوض کر کے پریشان ہو۔ اس کا کچھ حصہ خلاصہ ہم سورۂ مائدہ میں زیر فائدہ وقالت الیھود ید اللہ مغلولۃ بیان کر چکے ہیں۔ "استواء علی العرش" کو بھی اسی قاعدہ سے سمجھ لو۔ "عرش" کے معنی تخت اور بلند مقام کے ہیں۔ "استواء" کا ترجمہ اکثر محققین نے "استقرار و تمکن" سے کیا ہے (جیسے مترجم رحمہ اللہ نے قرار پکڑنے سے تعبیر فرمایا) گویا یہ لفظ تخت حکومت پر ایسی طرح قابض ہونے کو ظاہر کرتا ہے کہ اُس کا کوئی حصہ اور گوشہ حیطۂ نفوذ و اقتدار سے باہر نہ رہے اور نہ قبضہ و تسلط میں کسی قسم کی مزاحمت اور گڑبڑی پائی جائے۔ سب کام اور انتظام برابر ہو۔ اب دنیا میں بادشاہوں کی تخت نشینی کا ایک تو مبداء اور ظاہری صورت ہوتی ہے اور ایک حقیقت یا غرض و غایت یعنی مُلک پر پورا تسلط و اقتدار اور نفوذ و تصرف کی قدرت حاصل ہونا۔ حق تعالیٰ کے "استواء علی العرش" میں یہ حقیقت اور غرض و غایت بدرجۂ کمال موجود ہے یعنی آسمان و زمین (کل علویات و سفلیات) کو پیدا کرنے کے بعد اُن پر کامل قبضہ و اقتدار اور ہر قسم کے مالکانہ و شہنشاہانہ تصرفات کا حق بے روک ٹوک اسی کو حاصل ہے جیسا کہ دوسری جگہ ثم استویٰ علی العرش کے بعد یدبر الامر وغیرہ الفاظ اور یہاں یغشی اللیل النھار الخ سے اسی مضمون پر متنبہ فرمایا ہے۔ رہا "استواء علی العرش" کا مبداء اور ظاہری صورت، اس کے متعلق وہ ہی عقیدہ رکھنا چاہیے جو ہم "سمع و بصر" وغیرہ صفات کے متعلق لکھ چکے ہیں کہ اُس کی کوئی ایسی صورت نہیں ہوسکتی جس میں صفات مخلوقین اور سمات حدوث کا ذرا بھی شائبہ ہو۔ پھر کیسی ہے؟ اس کا جواب وہی ہے کہ ؎ اے برتر از خیال و قیاس و گمان و وہم ٭ وز ہر چہ گفتہ اند شنیدیم و خواندہ ایم۔ منزل تمام گشت و بپایاں رسید عمر ٭ ما ہمچناں در اوّل وصف تو ماندہ ایم۔ لیس کمثلہ شیءٌ وھو السمیع البصیر۔

(۶۷) **چاند سورج اور دن رات کی تخلیق** یعنی رات کے اندھیرے کو دن کے اُجالے سے یا دن کے اُجالے کو رات کے اندھیرے سے ڈھانپتا ہے اس طرح کہ ایک دوسرے کا تعاقب کرتا ہوا تیزی سے چلا آتا ہے۔ ادھر رات ختم ہوئی اُدھر دن آموجود ہوا، یا دن تمام ہوا تو فوراً رات آگئی۔ درمیان میں ایک منٹ کا وقفہ بھی نہیں ہوتا۔ شاید اس پر بھی تنبیہ فرمادی کہ اسی طرح کفر و ضلالت اور ظلم و عدوان کی شب دیجور جب عالم پر محیط ہوجاتی ہے اُس وقت خدا تعالیٰ ایمان و عرفان کے آفتاب سے ہر چہار طرف روشنی پھیلادیتا ہے۔ اور جب تک آفتاب عالمتاب کی روشنی نمودار نہ ہو تو نبوّت کے چاند تارے رات کی تاریکی میں اُجالا اور رہنمائی کرتے ہیں۔

(۶۸) کوئی سیارہ اس کے حکم کے بدون حرکت نہیں کرسکتا۔

(۶۹) پیدا کرنا "خلق" ہے اور پیدا کرنے کے بعد تکوینی یا تشریعی احکام دینا یہ "امر" ہے اور دونوں اُسی کے قبضہ و اختیار میں ہیں۔ اس طرح وہ ہی ساری خوبیوں اور برکتوں کا سرچشمہ ہوا۔

اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً ۭ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ۞ وَلَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ بَعْدَ

پکارو اپنے رب کو گڑگڑا کر اور چپکے چپکے ف۱ اُس کو خوش نہیں آتے حد سے بڑھنے والے اور مت خرابی ڈالو زمین میں اُس کی

اِصْلَاحِهَا وَادْعُوْهُ خَوْفًا وَّطَمَعًا ۭ اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ ۞ وَهُوَ الَّذِيْ يُرْسِلُ

اصلاح کے بعد اور پکارو اُس کو ڈر اور توقع سے ف۲ بیشک اللہ کی رحمت نزدیک ہے نیک کام کرنیوالوں سے اور وہی ہے کہ چلاتا ہے

الرِّيٰحَ بُشْرًۢا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ ۭ حَتّٰٓي اِذَآ اَقَلَّتْ سَحَابًا ثِقَالًا سُقْنٰهُ لِبَلَدٍ مَّيِّتٍ فَاَنْزَلْنَا

ہوائیں خوشخبری لانیوالی مینہ سے پہلے یہاں تک کہ جب وہ ہوائیں اٹھا لاتی ہیں بھاری بادلوں کو تو ہانک دیتے ہیں ہم اس بادل کو ایک شہر مردہ کی طرف پھر ہم

بِهِ الْمَاءَ فَأَخْرَجْنَا بِهِ مِنْ كُلِّ الثَّمَرَاتِ ۚ كَذَٰلِكَ نُخْرِجُ الْمَوْتَىٰ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ﴿٥٧﴾ وَالْبَلَدُ الطَّيِّبُ

اتارتے ہیں اس بادل سے پانی پھر اُس سے نکالتے ہیں سب طرح کے پھل اسی طرح ہم نکالیں گے مردوں کو تاکہ تم غور کرو اور جو شہر پاکیزہ ہے

يَخْرُجُ نَبَاتُهُ بِإِذْنِ رَبِّهِ ۖ وَالَّذِي خَبُثَ لَا يَخْرُجُ إِلَّا نَكِدًا ۚ كَذَٰلِكَ نُصَرِّفُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ

اُس کا سبزہ نکلتا ہے اُس کے رب کے حکم سے اور جو خراب ہے اُس میں نہیں نکلتا مگر ناقص یوں پھیر پھیر کر بتلاتے ہیں ہم آیتیں حق ماننے والے

يَشْكُرُونَ ﴿٥٨﴾ لَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ فَقَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُمْ مِنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ إِنِّي ع ۱۴

لوگوں کو ف۷۳ بیشک بھیجا ہم نے نوح کو اُس کی قوم کی طرف پس اُس نے کہا اے میری قوم بندگی کرو اللہ کی کوئی نہیں تمہارا معبود اُس کے سوا میں

أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ ﴿٥٩﴾ قَالَ الْمَلَأُ مِنْ قَوْمِهِ إِنَّا لَنَرَاكَ فِي ضَلَالٍ مُبِينٍ ﴿٦٠﴾ قَالَ

خوف کرتا ہوں تم پر ایک بڑے دن کے عذاب سے بولے سردار اُس کی قوم کے ہم دیکھتے ہیں تجھ کو صریح بہکا ہوا ف۷۴ بولا اے

يَا قَوْمِ لَيْسَ بِي ضَلَالَةٌ وَلَٰكِنِّي رَسُولٌ مِنْ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿٦١﴾ أُبَلِّغُكُمْ رِسَالَاتِ رَبِّي وَأَنْصَحُ

میری قوم میں ہرگز بہکا نہیں ولیکن میں بھیجا ہوا ہوں جہان کے پروردگار کا پہنچاتا ہوں تم کو پیغام اپنے رب کے اور نصیحت کرتا

لَكُمْ وَأَعْلَمُ مِنَ اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿٦٢﴾

ہوں تمکو اور جانتا ہوں اللہ کی طرف سے وہ باتیں جو تم نہیں جانتے ف۷۵

(۷۰) **اللہ کو پکارنے کا طریقہ** جب "عالم خلق وامر" کا مالک اور تمام برکات کا منبع وہ ہی ذات ہے تو اپنی دنیوی واُخروی حوائج میں اُسی کو پکارنا چاہئے۔ الحاح واخلاص اور خشوع کے ساتھ بدون ریاکاری کے آہستہ آہستہ اس سے معلوم ہوا کہ دعاء میں اصل اخفاء ہے اور یہی سلف کا معمول تھا۔ بعض مواضع میں جہر واعلان کسی عارض کی وجہ سے ہوگا۔ جس کی تفصیل روح المعانی وغیرہ میں ہے۔

(۷۱) یعنی دعاء میں حدّادب سے نہ بڑھے۔ مثلاً جو چیزیں عادتاً یا شرعاً محال ہیں وہ مانگنے لگے یا معاصی اور لغو چیزوں کی طلب کرے یا ایسا سوال کرے جو اس کی شان وحیثیت کے مناسب نہیں، یہ سب "اعتداء فی الدعاء" میں داخل ہے۔

(۷۲) پچھلی آیتوں میں ہر حاجت کے لئے خدا کو پکارنے کا طریقہ بتلایا تھا۔ اس آیت میں مخلوق اور خالق دونوں کے حقوق کی رعایت سکھلائی یعنی جب دُنیا میں معاملات کی سطح درست ہو تو تم اس میں گڑبڑی نہ ڈالو، اور خوف ورجاء کے ساتھ خدا کی عبادت میں مشغول رہو۔ نہ اس کی رحمت سے مایوس ہو اور نہ اس کے عذاب سے مامون اور بے فکر ہو کر گناہوں پر دلیر بنو۔ میرے نزدیک یہ ہی راجح ہے کہ یہاں وَادْعُوهُ الخ میں دعاء سے عبادت مراد لی جائے۔ جیسا کہ صلوٰۃ تہجد کے بارہ میں فرمایا۔ تَتَجَافَىٰ جُنُوبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَطَمَعًا۔

(۷۳) **کائنات میں حق تعالیٰ کے تصرفات** پچھلی آیات میں "استواء علی العرش" کے ساتھ فلکیات (چاند سورج وغیرہ) میں جو خدائی تصرفات ہیں اُن کا بیان تھا، درمیان میں بندوں کو کچھ مناسب ہدایات کی گئیں اب سفلیات اور "کائنات الجو" کے متعلق اپنے بعض تصرفات کا ذکر فرماتے ہیں تاکہ لوگ معلوم کرلیں کہ آسمان زمین اور ان دونوں کے درمیانی حصہ کی کل حکومت صرف اسی رب العالمین کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ ہوائیں چلانا، مینہ برسانا، قسم قسم کے پھول، پھل پیدا کرنا۔ ہر زمین کی استعداد کے موافق کھیتی اور سبزہ اُگانا یہ سب اُسی کی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ کے نشان ہیں۔ اسی ذیل میں مردوں کا موت کے بعد جی اُٹھنا اور قبروں سے نکلنا بھی سمجھا دیا.....

حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ "ایک تو مردوں کا نکلنا قیامت میں ہے اور ایک دنیا میں یعنی جاہل ادنیٰ لوگوں میں (جو جہالت و ذلت کی موت سے مر چکے تھے) عظیم الشان نبی بھیجا اور اُنہیں علم دیا اور دنیا کا سردار کیا، پھر ستھری استعداد والے کمال کو پہنچے اور جن کی استعداد خراب تھی اُن کو بھی فائدہ پہنچ رہا ناقص سا" گویا اس پورے رکوع میں بتلا دیا گیا کہ جب خدا اپنی رحمت و شفقت سے رات کی تاریکی میں ستارے، چاند، سورج سے روشنی کرتا ہے اور خشکی کے وقت زمین کو سرسبز و شاداب کرنے اور انسان و حیوانات کی زندگی کا سامان مہیا فرمانے کے لئے اُوپر سے بارش بھیجتا ہے، یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایسا مہربان خدا اپنی مخلوق کو جہل و ظلم کی اندھیریوں سے نکالنے کے لئے کوئی چاند اور سورج پیدا نہ کرے اور بنی آدم کی روحانی غذا تیار کرنے اور قلوب کی کھیتیوں کو سیراب کرنے کے لئے باران رحمت نازل نہ فرمائے۔ بلاشبہ اُس نے ہر زمانہ کی ضرورت اور اپنی حکمت کے موافق پیغمبروں کو بھیجا جن کے منور سینوں سے دنیا میں روحانی روشنی پھیلی اور وحی الٰہی کی لگاتار بارشیں ہوئیں۔ چنانچہ آئندہ کئی رکوع میں ان ہی پیغمبروں کے بھیجنے کا ذکر کیا گیا ہے اور جیسا کہ بارش اور زمین کی مثال میں اشارہ کیا گیا کہ مختلف زمینیں اپنی اپنی استعداد کے موافق بارش کا اثر قبول کرتی ہیں، اسی طرح سمجھ لو کہ انبیاء علیہم السلام جو خیر و برکت لے کر آتے ہیں، اُس سے منتفع ہونا بھی حُسن استعداد پر موقوف ہے۔ جو لوگ اُن سے انتفاع نہیں کرتے یا پورا انتفاع نہیں کرتے، اُنہیں اپنی سوءِ استعداد پر رونا چاہئے ؎ باراں کہ در لطافت طبعش خلاف نیست ۔ در باغ لالہ روید و در شورہ بوم خس۔

(۴۷) **بُت پرستی کی ابتداء** آدم علیہ السلام کا قصّہ ابتدائے سورت میں گذر چکا اُن کے بعد نوح علیہ السلام پہلے اولوا العزم اور مشہور رسول ہیں جو زمین والوں کی طرف مشرکین کے مقابلہ میں بھیجے گئے۔ گو باعتبار اپنی خاص شریعت کے اُن کی بعثت خاص اپنی قوم کی طرف مانی جائے۔ تاہم اُن اساسی اصول کے اعتبار سے جو تمام انبیاء علیہم السلام کی تعلیم میں مشترک ہیں کہا جا سکتا ہے کہ تمام انسان ہر نبی کے مخاطب ہوتے ہیں۔ مثلاً توحید اور اقرار معاد کی تعلیم پر سارے پیغمبر متفق اللسان ہیں، تو ایسی چیزوں کی تکذیب کرنا فی الحقیقت تمام انبیاء کی تکذیب کرنا ہے۔ بہرحال نوح علیہ السلام نے توحید وغیرہ کی عام دعوت دی کہتے ہیں کہ آدم علیہ السلام کے بعد دس قرن ایسے گذرے کہ ساری اولاد آدم کلمۂ توحید پر قائم تھی۔ بت پرستی کی ابتداء ابن عباس کے بیان کے موافق یوں ہوئی کہ بعض صالحین کا انتقال ہو گیا جن کے نام ودّ، سُواع، یغوث، یعوق، نسر تھے، جو سورۂ نوح میں مذکور ہیں۔ لوگوں نے اُن کی تصویریں بنالیں تاکہ اُن کے احوال و عبادات وغیرہ کی یاد تازہ رہے۔ کچھ مدت کے بعد اُن صورتوں کے موافق مجسمے تیار کر لئے۔ حتیٰ کہ کچھ دنوں کے بعد اُنکی عبادت ہونے لگی۔ اور یہ بُت اُنہی بزرگوں کے نام سے موسوم کئے گئے۔

حضرت نوح علیہ السّلام جب بُت پرستی کی وبا پھیل گئی تو حق تعالیٰ نے حضرت نوح کو بھیجا۔ انہوں نے طوفان سے پہلے اپنی قوم کو ساڑھے نو سو برس تک توحید و تقویٰ کی طرف بُلایا اور دنیا و آخرۃ کے عذاب سے ڈرایا۔ مگر لوگوں نے اُن کی تضلیل و تجہیل کی اور کوئی بات نہ سنی۔ آخر طوفان کے عذاب نے سب کو گھیر لیا۔ اور جیسا کہ نوح نے دعا کی تھی رب لا تذر علی الارض من الکافرین دیّارًا روئے زمین پر کوئی کافر عذاب الٰہی سے نہ بچا۔ بستانی نے "دائرۃ المعارف" میں یورپین محققین کے اقوال طوفان اور عموم طوفان کے متعلق نقل کئے ہیں۔

(۵۷) یعنی میں تو ذرا بھی نہیں بہکا۔ ہاں تم بہک رہے ہو کہ خدا کے پیغامبر کو نہیں پہچانتے جو نہایت فصاحت سے خدائی پیغام تم کو پہنچا رہا ہے اور تمہاری بھلائی چاہتا ہے تم کو عمدہ نصیحتیں کرتا ہے اور خدا کے پاس سے وہ علوم و ہدایت لے کر آیا ہے جن سے تم جاہل ہو۔

أَوَعَجِبْتُمْ أَن جَاءَكُمْ ذِكْرٌ مِّن رَّبِّكُمْ عَلَىٰ رَجُلٍ مِّنكُمْ لِيُنذِرَكُمْ وَلِتَتَّقُوا وَلَعَلَّكُمْ

کیا تم کو تعجب ہوا کہ آئی تمہارے پاس نصیحت تمہارے رب کی طرف سے ایک مرد کی زبانی جو تم ہی میں سے ہے تاکہ وہ تم کو ڈرائے اور تاکہ تم بچو اور تاکہ تم پر

تُرْحَمُونَ ﴿٦٣﴾ فَكَذَّبُوهُ فَأَنجَيْنَاهُ وَالَّذِينَ مَعَهُ فِي الْفُلْكِ وَأَغْرَقْنَا الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا ۚ إِنَّهُمْ

رحم ہو ف۷۶ پھر اُنہوں نے اس کو جھٹلایا پھر ہم نے بچا لیا اُس کو اور اُنکو کہ جو اُسکے ساتھ تھے کشتی میں اور غرق کر دیا اُنکو جو جھٹلاتے تھے ہماری آیتوں کو بیشک وہ

كَانُوا قَوْمًا عَمِينَ ﴿٦٤﴾ وَإِلَىٰ عَادٍ أَخَاهُمْ هُودًا ۗ قَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ ع

لوگ تھے اندھے ف۷۷ اور قوم عاد کی طرف بھیجا اُنکے بھائی ہود کو ف۷۸ بولا اے میری قوم بندگی کرو اللہ کی کوئی نہیں تمہارا معبود

غَيْرُهُ ۚ أَفَلَا تَتَّقُونَ ﴿٦٥﴾ قَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِن قَوْمِهِ إِنَّا لَنَرَاكَ فِي سَفَاهَةٍ وَإِنَّا لَنَظُنُّكَ

اُسکے سوا سو کیا تم ڈرتے نہیں ف۷۹ بولے سردار جو کافر تھے اس کی قوم میں ہم تو دیکھتے ہیں تجھ کو عقل نہیں اور ہم تو تجھ کو جھوٹا گمان

مِنَ الْكَاذِبِينَ ﴿٦٦﴾ قَالَ يَا قَوْمِ لَيْسَ بِي سَفَاهَةٌ وَلَٰكِنِّي رَسُولٌ مِّن رَّبِّ الْعَالَمِينَ ﴿٦٧﴾

کرتے ہیں ف۸۰ بولا اے میری قوم میں کچھ بے عقل نہیں لیکن میں بھیجا ہوا ہوں پروردگار عالم کا

أُبَلِّغُكُمْ رِسَالَاتِ رَبِّي وَأَنَا لَكُمْ نَاصِحٌ أَمِينٌ ﴿٦٨﴾ أَوَعَجِبْتُمْ أَن جَاءَكُمْ ذِكْرٌ مِّن رَّبِّكُمْ عَلَىٰ

پہنچاتا ہوں تم کو پیغام اپنے رب کے اور میں تمہارا خیر خواہ ہوں اطمینان کے لائق ف۸۱ کیا تم کو تعجب ہوا کہ آئی تمہارے پاس نصیحت تمہارے رب کی طرف سے

رَجُلٍ مِّنكُمْ لِيُنذِرَكُمْ ۚ وَاذْكُرُوا إِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَاءَ مِن بَعْدِ قَوْمِ نُوحٍ وَزَادَكُمْ فِي الْخَلْقِ

ایک مرد کی زبانی جو تم ہی میں سے ہے تاکہ تم کو ڈرائے اور یاد کرو جبکہ تم کو سردار کر دیا پیچھے قوم نوح کے ف۸۲ اور زیادہ کر دیا تمہارے بدن

بَسْطَةً ۖ فَاذْكُرُوا آلَاءَ اللَّهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿٦٩﴾

کا پھیلاؤ ف۸۳ سو یاد کرو اللہ کے احسان تاکہ تمہارا بھلا ہو ف۸۴

(۷۶) یعنی اس میں تعجب کی کیا بات ہے کہ تم ہی میں سے خدا کسی ایک فرد کو اپنی پیغام رسانی کے لئے چن لے۔ آخر اُس نے ساری مخلوق میں سے منصب خلافت کے لئے آدم علیہ السلام کو کسی مخصوص استعداد کی بناء پر چُن لیا۔ تو کیوں نہیں ہو سکتا کہ اولاد آدم میں سے بعض کامل الاستعداد لوگوں کو منصب نبوت و رسالت کے لئے انتخاب کر لیا جائے۔ تاکہ وہ لوگ براہ راست خدا سے فیض پا کر دوسروں کو اُن کے انجام سے آگاہ کریں اور یہ اس پر آگاہ ہو کر بدی سے بچ جائیں۔ اور اس طرح خدا کے رحم و کرم کے مورد بنیں۔

(۷۷) یعنی حق و باطل اور نفع نقصان کچھ نہ سوجھا۔ اندھے ہو کر برابر سرکشی اور تکذیب و بغاوت پر قائم رہے اور بت پرستی وغیرہ حرکات سے باز نہ آئے، تو ہم نے معدودے چند مومنین کو بچا کر جو نوح علیہ السلام کے ہمراہ کشتی پر سوار ہوئے تھے، باقی سب مکذبین کا بیڑہ غرق کر دیا۔ اب جس قدر انسان دنیا میں موجود ہیں وہ اِن ہی اہل سفینہ بلکہ صرف حضرت نوح علیہ السلام کی ذریت ہیں۔

(۷۸) **قوم عاد** "عاد" حضرت نوح علیہ السلام کے پوتے ارم کی اولاد میں ہیں۔ یہ قوم اُسی کی طرف منسوب ہے۔ اُن کی سکونت "احقاف" (یمن) میں تھی۔ حضرت ہود علیہ السلام اسی قوم سے ہیں۔ اس لحاظ سے وہ اُن کے قومی اور وطنی بھائی ہوئے۔

(۷۹) **حضرت ہود علیہ السلام** ان لوگوں میں بُت پرستی پھیل گئی تھی۔ روزی دینے، مینہ برسانے، تندرست کرنے، اور مختلف مطالب و حاجات کے لئے الگ الگ دیوتا بنا رکھے تھے جن کی پرستش ہوتی تھی۔ ہود علیہ السلام نے اس سے روکا اور اس جرم عظیم کی

سزا سے اُن کو ڈرایا۔

(۸۰) یعنی معاذ اللہ تم بے عقل ہو کہ باپ دادا کی روش چھوڑ کر ساری برادری سے الگ ہوتے ہو اور جھوٹے بھی ہو کہ اپنے اقوال کو خدا کی طرف منسوب کر کے خواہ مخواہ عذاب کا ڈراوا دیتے ہو۔

(۸۱) یعنی میری کوئی بات بے عقلی کی نہیں۔ ہاں جو منصب رسالت مجھ کو خدا کی طرف سے تفویض ہوا ہے اس کا حق ادا کرتا ہوں۔ یہ تمہاری بے عقلی ہے کہ اپنے حقیقی خیر خواہوں کو جن کی امانت و دیانت پہلے سے لائق اطمینان ہے، بے عقل کہہ کر خود اپنا نقصان کرتے ہو۔

(۸۲) یعنی قوم نوح کے بعد دنیا میں تمہاری حکومتیں قائم کیں اور اس کی جگہ تم کو آباد کیا، شاید یہ احسان یاد دلا کر اس پر بھی متنبہ کرنا ہے کہ بت پرستی اور تکذیب رسول کی بدولت جو حشر اُن کا ہوا وہ کہیں تمہارا نہ ہو۔

(۸۳) جسمانی قوت اور ڈیل ڈول کے اعتبار سے یہ قوم مشہور تھی۔

(۸۴) جو احسانات مذکور ہوئے وہ اور ان کے علاوہ خدا کے دوسرے بے شمار احسانات یاد کر کے اُس کے شکر گذار اور فرمانبردار بننا چاہئے، نہ یہ کہ منعم حقیقی سے بغاوت کرنے لگو۔

قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِنَعْبُدَ اللّٰهَ وَحْدَهٗ وَنَذَرَ مَا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا ۚ فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ

بولے کیا تو اس واسطے ہمارے پاس آیا کہ ہم بندگی کریں اللہ اکیلے کی اور چھوڑ دیں جن کو پوجتے رہے ہمارے باپ دادے پس تو لے آ ہمارے پاس جس چیز سے تو ہم کو ڈراتا ہے

مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿٧٠﴾ قَالَ قَدْ وَقَعَ عَلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ رِجْسٌ وَّغَضَبٌ ۗ اَتُجَادِلُوْنَنِيْ فِيْٓ اَسْمَآءٍ

اگر تو سچا ہے ۸۵ کہا تم پر واقع ہو چکا ہے تمہارے رب کی طرف سے عذاب اور غصہ ۸۶ کیوں جھگڑتے ہو مجھ سے اُن ناموں پر

سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّا نَزَّلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ۗ فَانْتَظِرُوْٓا اِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ

کہ رکھ لیے ہیں تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے نہیں اُتاری اللہ نے اُن کی کوئی سند سو منتظر رہو میں بھی تمہارے ساتھ

الْمُنْتَظِرِيْنَ ﴿٧١﴾ فَاَنْجَيْنٰهُ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَقَطَعْنَا دَابِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا

منتظر ہوں ۸۷ پھر ہم نے بچا لیا اُس کو اور جو اُس کے ساتھ تھے اپنی رحمت سے اور جڑ کاٹی اُن کی جو جھٹلاتے تھے

۹ ع ۱۲

بِاٰيٰتِنَا وَمَا كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿٧٢﴾ وَاِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا ۘ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ

ہماری آیتوں کو اور نہیں مانتے تھے ۸۸ اور ثمود کی طرف بھیجا اُنکے بھائی صالح کو بولا اے میری قوم بندگی کرو اللہ کی کوئی نہیں تمہارا

اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۭ قَدْ جَآءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۭ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِيْٓ

معبود اُسکے سوا تم کو پہنچ چکی ہے دلیل تمہارے رب کی طرف سے ۸۹ یہ اُونٹنی اللہ کی ہے تمہارے لئے نشانی سو اُس کو چھوڑ دو کہ کھائے اللہ

اَرْضِ اللّٰهِ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْۗءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿٧٣﴾

کی زمین میں اور اُس کو ہاتھ نہ لگاؤ بُری طرح پھر تم کو پکڑ یگا عذاب دردناک ۹۰

(۸۵) یعنی جس عذاب کی ہم کو دھمکی دیتے ہیں، اگر آپ سچے ہیں تو وہ لے آیئے۔

(۸۶) یعنی جب تمہاری سرکشی اور گستاخانہ بے حیائی اس حد تک پہنچ چکی تو سمجھ لو کہ خدا کا عذاب اور غضب تم پر نازل ہی ہو چکا اس کے آنے

میں اب کچھ دیر نہیں۔

(۸۷) **حضرت ہودؑ کا اپنی قوم کو وعظ** بتوں کو جو کہتے تھے کہ فلاں رزق دینے والا ہے اور فلاں مینہ برسانے والا اور فلاں بیٹا عطا کرنے والا و علیٰ ہذا القیاس، یہ محض نام ہی نام ہیں جن کے نیچے کوئی حقیقت اور واقعیت نہیں۔ خدائی صفات پتھروں میں کہاں سے آئیں۔ پھر ان نام کے معبودوں کے پیچھے جن کی معبودیت کی کوئی عقلی یا نقلی سند نہیں، بلکہ کل عقلی و نقلی دلائل جسے مردود ٹھہراتے ہیں، تم دعوئ توحید میں مجھ سے جھگڑے اور بحثیں کرتے ہو۔ جب تمہارے جہل اور شقاوت و عناد کا پیمانہ اس قدر لبریز ہو چکا ہے، تو انتظار کرو کہ خدا ہمارے تمہارے اِن جھگڑوں کا فیصلہ کر دے۔ میں بھی اُسی فیصلہ کا منتظر ہوں۔

(۸۸) **عاد کا انجام** یعنی اُن پر سات رات اور آٹھ دن تک مسلسل آندھی کا طوفان آیا جس سے تمام کفار ٹکرا ٹکرا کر اور ٹپک ٹپک کر ہلاک کر دیے گئے۔ یہ تو "عاد اولیٰ" کا انجام ہوا۔ اور اسی قوم کی دوسری شاخ (ثمود) جسے "عاد ثانیہ" کہتے ہیں اُسکا ذکر آگے آتا ہے۔

(۸۹) **قوم ثمود اور حضرت صالحؑ** یعنی جو دلیل تم مانگ رہے تھے وہ پہنچ گئی۔ صالح علیہ السلام کی قوم نے اُن سے عہد و اقرار کیا تھا کہ آپ پتھر کی ایک ٹھوس چٹان میں سے حاملہ اُونٹنی نکالدیں تو ہم آپ پر ایمان لے آئیں گے۔ خدا نے حضرت صالحؑ کی دعاء سے ویسا ہی کر دیا، اُن کو کہا جا رہا ہے کہ تمہارا فرمائشی معجزہ تو خدا نے دکھلا دیا، اب ایمان لانے میں کیا تامل ہے۔

(۹۰) یعنی یہ اونٹنی خدا کی قدرت اور میری صداقت کی نشانی ہے، جو میری دعاء پر غیر معتاد طریقہ سے خدا نے پیدا کی، اس کے حقوق کی رعایت کرو۔ مثلاً خدا کی زمین میں مباح گھاس کھانے اور اس کی باری میں پانی پینے سے نہ روکو۔ غرض خدا کے اُس نشان کے ساتھ جو تم نے خود مانگ کر حاصل کیا ہے۔ بُرائی سے پیش مت آؤ۔ ورنہ تمہاری بھی خیر نہیں۔

وَاذْكُرُوْٓا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ عَادٍ وَّبَوَّاَكُمْ فِی الْاَرْضِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْ سُهُوْلِهَا

اور یاد کرو جبکہ تم کو سردار کر دیا عاد کے پیچھے اور ٹھکانہ دیا تم کو زمین میں کہ بناتے ہو نرم زمین میں

قُصُوْرًا وَّتَنْحِتُوْنَ الْجِبَالَ بُيُوْتًا ۚ فَاذْكُرُوْٓا اٰلَآءَ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِی الْاَرْضِ

محل اور تراشتے ہو پہاڑوں کے گھر سو یاد کرو احسان اللہ کے اور مت مچاتے پھرو زمین میں

مُفْسِدِيْنَ ﴿٧٤﴾ قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لِلَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِمَنْ

فساد ۹۱ کہنے لگے سردار جو متکبر تھے اُس کی قوم میں غریب لوگوں کو کہ جو اُن میں

اٰمَنَ مِنْهُمْ اَتَعْلَمُوْنَ اَنَّ صٰلِحًا مُّرْسَلٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ۭ قَالُوْٓا اِنَّا بِمَآ اُرْسِلَ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ﴿٧٥﴾

ایمان لا چکے تھے کیا تم کو یقین ہے کہ صالح کو بھیجا ہے اُس کے رب نے بولے ہم کو تو جو وہ لے کر آیا اُس پر یقین ہے

قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا بِالَّذِيْٓ اٰمَنْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴿٧٦﴾ فَعَقَرُوا النَّاقَةَ وَعَتَوْا

کہنے لگے وہ لوگ جو متکبر تھے جس پر تم کو یقین ہے ہم اُس کو نہیں مانتے ۹۲ پھر انہوں نے کاٹ ڈالا اونٹنی کو اور پھر گئے

عَنْ اَمْرِ رَبِّهِمْ وَقَالُوْا يٰصٰلِحُ ائْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿٧٧﴾

اپنے رب کے حکم سے ۹۳ اور بولے اے صالح لے آ ہم پر جس سے تو ہم کو ڈراتا تھا اگر تو رسول ہے ۹۴

(۹۱) یعنی احسان فراموشی اور شرک و کفر کر کے زمین میں خرابی مت پھیلاؤ۔

(۹۲) قوم میں جو بڑے بڑے متکبر سردار اور معاندین تھے، وہ غریب اور کمزور مسلمانوں سے استہزاءً کہتے تھے کہ (کیا بڑے آدمی تو آج تک نہ سمجھے ؟ مگر) تمہیں معلوم ہو گیا کہ صالح خدا کا بھیجا ہوا ہے ؟ مسلمانوں نے جواب دیا کہ (معلوم ہونا کیا معنیٰ، معلوم تو تم کو بھی ہے) ہاں ہم دل سے قبول کر کے اُس پر ایمان بھی لا چکے ہیں۔ متکبرین اس حکیمانہ جواب سے کھسیانے ہو کر بولے کہ جس چیز کو تم نے مان لیا ہے ہم ابھی تک اُسے نہیں مانتے۔ پھر بھلا تمہارے جیسے چند خستہ حال آدمیوں کا ایمان لے آنا کونسی بڑی کامیابی ہے۔

(۹۳) **حضرت صالح کی اُونٹنی** کہتے ہیں کہ وہ اُونٹنی اس قدر عظیم الجثہ اور ڈیل ڈول کی تھی کہ جس جنگل میں چرتی دوسرے مواشی ڈر کر بھاگ جاتے اور اپنی باری کے دن جس کنوئیں سے پانی پیتی کنواں خالی کر دیتی۔ گویا جیسے اس کی پیدائش غیر معمولی طریقہ سے ہوئی، لوازم وآثارِ حیات بھی غیر معمولی تھے۔ آخر لوگوں نے غیظ میں آ کر اُس کے قتل پر اتفاق کر لیا۔ اور بدبخت "قدار" نے اُس کی کونچیں کاٹ ڈالیں۔ بعدہ خود حضرت صالح علیہ السلام کے قتل پر بھی تیار ہونے لگے اور اس طرح خدا کے احکام کو جو "صالح" اور "ناقہ" کے متعلق تھے پس پشت ڈال دیا۔

(۹۴) ایسے کلمات انسان کی زبان سے اُس وقت نکلتے ہیں جب خدا کے قہر و غضب سے بالکل بے خوف ہو جاتا ہے۔ "عاد اولی" کی طرح "ثمود" بھی اس مرتبہ پر پہنچ کر عذاب الٰہی کے مورد بنے جس کا ذکر آگے آتا ہے۔

فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴿۷۸﴾ فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ يٰقَوْمِ لَقَدْ

پس آپکڑا اُن کو زلزلہ نے پھر صبح کو رہ گئے اپنے گھر میں اندھے پڑے ف۹۵ پھر صالح اُلٹا پھرا اُن سے اور بولا اے میری قوم میں پہنچا

اَبْلَغْتُكُمْ رِسَالَةَ رَبِّيْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُحِبُّوْنَ النّٰصِحِيْنَ ﴿۷۹﴾ وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ

چکا تم کو پیغام اپنے رب کا اور خیر خواہی کی تمہاری لیکن تم کو محبت نہیں خیر خواہوں سے ف۹۶ اور بھیجا لوط کو جب کہا اُس نے اپنی قوم کو

اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۸۰﴾ اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً

کیا تم کرتے ہو ایسی بے حیائی کہ تم سے پہلے نہیں کیا اُس کو کسی نے جہان میں ف۹۷ تم تو دوڑتے ہو مردوں پر شہوت کے مارے

مِّنْ دُوْنِ النِّسَآءِ ۭ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ ﴿۸۱﴾ وَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَخْرِجُوْهُمْ

عورتوں کو چھوڑ کر بلکہ تم لوگ ہو حد سے گذر نیوالے ف۹۸ اور کچھ جواب نہ دیا اُس کی قوم نے مگر یہی کہا کہ نکالو ان کو

مِّنْ قَرْيَتِكُمْ ۚ اِنَّهُمْ اُنَاسٌ يَّتَطَهَّرُوْنَ ﴿۸۲﴾ فَاَنْجَيْنٰهُ وَاَهْلَهٗٓ اِلَّا امْرَاَتَهٗ ڮ كَانَتْ مِنَ

اپنے شہر سے یہ لوگ بہت ہی پاک رہنا چاہتے ہیں پھر بچا دیا ہمنے اُس کو اور اُسکے گھر والوں کو مگر اس کی عورت کہ رہ گئی وہاں کے رہنے

ع ۱۰ / ۱۷ الْغٰبِرِيْنَ ﴿۸۳﴾ وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا ۭ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۸۴﴾

والوں میں ف۹۹ اور برسایا ہمنے اُنکے اوپر مینہ یعنی پتھروں کا ف۱۰۰ پھر دیکھ کیا ہوا انجام گنہگاروں کا ف۱۰۱

(۹۵) **ثمود کی ہلاکت** دوسری آیت میں ان کا "صیحہ" (چیخ) سے ہلاک ہونا بیان فرمایا ہے۔ شاید نیچے سے زلزلہ اور اوپر سے ہولناک آواز آئی ہو گی۔

(۹۶) کہتے ہیں کہ حضرت صالحؑ قوم کی ہلاکت کے بعد مکہ معظمہ یا ملک شام کی طرف چلے گئے اور جاتے ہوئے اُن کی لاشوں کے انبار دیکھ کر یہ خطاب فرمایا، یا تو اُسی طرح جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مقتولین بدر کو فرمایا تھا اور یا محض بطور تحسر فرضی خطاب تھا۔ جیسے شعراء دیار و اطلال سے

(کھنڈرات) وغیرہ کو خطاب کرتے ہیں۔ اور بعض نے کہا کہ یہ خطاب ہلاکت سے پہلے تھا۔ اس صورت میں بیان میں ترتیب واقعات مرعی نہ ہوگی۔ بہرحال اس خطاب میں دوسروں کو سُنانا تھا کہ اپنے معتبر خیر خواہوں کی بات ماننی چاہیئے۔ جب کوئی شخص خیر خواہوں کی قدر نہیں کرتا تو ایسا نتیجہ دیکھنا پڑتا ہے۔

(۹۷) **حضرت لوط علیہ السّلام** لوط علیہ السلام حضرت ابراہیم خلیل اللہ کے بھتیجے ہیں جو اُن کے ساتھ عراق سے ہجرت کر کے ملک شام میں تشریف لائے اور خدا کی طرف سے سدوم اور اُس کے گردو نواح کی بستیوں کی طرف مبعوث ہوئے تاکہ اُن کی اصلاح فرمائیں اور اُنہ گندے، خلاف فطرت اور بے حیائی کے کاموں سے باز رکھیں جن میں وہاں کے لوگ مبتلا تھے۔ نہ صرف مبتلا بلکہ اس بے حیائی کے موجد تھے اُن سے پیشتر عالم میں اس بیماری سے کوئی واقف نہ تھا۔ اولاً یہ ملعون حرکت شیطان نے سدوم والوں کو سجھائی اور وہیں سے دوسرے مقامات میں پھیلی۔ حضرت لوط علیہ السلام نے اس ملعون وشنیع حرکت کے عواقب پر متنبہ کیا اور گندگی کو دنیا سے مٹانا چاہا۔ موجودہ بائبل کے جمع کرنیوالوں کی شرمناک جسارت پر ماتم کرنا پڑتا ہے کہ ایسے پاکباز اور معصوم پیغمبر کی نسبت جو دنیا کو بے حیائی اور گندگی سے پاک کرنے کے لئے آیا تھا ایسی سخت ناپاک حرکات منسوب کیں جن کے سُننے سے حیادار آدمی کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں کبرت کلمۃ تخرج من افواھھم ان یقولون الا کذبا۔

(۹۸) یعنی صرف یہ ہی نہیں کہ ایک گناہ کے تم مرتکب ہو رہے ہو بلکہ اس خلاف فطرت فعل کا ارتکاب اس کی دلیل ہے کہ تم انسانیت کی حدود سے بھی باہر نکل چکے ہو۔

(۹۹) **حضرت لوط کی بیوی** یعنی آخری بات انہوں نے یہ کہی کہ جب ہم سب کو یہ گندہ سمجھتے ہیں اور آپ پاک بننا چاہتے ہیں تو گندوں میں پاکوں کا کیا کام۔ لہٰذا انہیں اپنی بستی ہی سے نکال دینا چاہیئے کہ یہ روز روز کی رکاوٹ ختم ہو خیر وہ ملعون تو کیا نکالتے۔ ہاں حق تعالیٰ نے لوط علیہ السلام اور اُن کے متعلقین کو عزت و عافیت کے ساتھ صحیح و سالم اُن بستیوں سے نکال لیا اور اُن بستیوں پر عذاب مسلط کر دیا جس کا ذکر آگے آتا ہے۔ لوط علیہ السلام کے متعلقین میں سے صرف ان کی بیوی آپ سے علیحدہ رہی اور معذبین کے ساتھ ہلاک ہوئی کیونکہ اُس کا ساز باز اُن معذبین سے تھا۔ لوط علیہ السلام کے یہاں جو مہمان وغیرہ آتے اُن کی اطلاع یہ ہی کیا کرتی اور اُن کو بدکاری کی ترغیب دیتی تھی۔ یا جیسا کہ بعض نے لکھا ہے مردوں کی طرح عورتوں میں بھی "مساحقہ" کا رواج ہو گیا تھا، یہ عورت اس میں مبتلا تھی۔ بہرحال عذاب اُن سب پر آیا جو اُس مہلک مرض میں مبتلا تھے اور نہایت ڈھٹائی کے ساتھ نبی کا مقابلہ اور تکذیب کرتے تھے، یا جو کفر و فحش کے سسٹم میں ان کے معین و مددگار تھے۔

(۱۰۰) **قوم لوط کا عذاب** دوسری جگہ مذکور ہے کہ بستیاں اُلٹ دی گئیں اور پتھروں کا مینہ برسایا گیا۔ بعض ائمہ کے نزدیک آج بھی لوطی کی سزا یہ ہے کہ کسی پہاڑ وغیرہ بلند مقام سے اُسے گرایا جائے اور اُوپر سے پتھر مارے جائیں اور سخت بدبودار گندی جگہ میں مقید کیا جائے۔

(۱۰۱) یعنی گناہ کرتے وقت اس کا بد انجام سامنے نہیں آتا۔ عاجل شہوت ولذت کے غلبہ میں وہ بات کر گذرتا ہے جو عقل و انسانیت کے خلاف ہے لیکن عقلمند کو چاہیئے کہ دوسروں کے واقعات سن کر عبرت حاصل کرے اور بدی کے انجام کو ہمیشہ پیش نظر رکھے۔

وَاِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا ۗ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۗ قَدْ

اور مدین کی طرف بھیجا اُن کے بھائی شعیب کو ف ۱۰۲ بولا اے میری قوم بندگی کرو اللہ کی کوئی نہیں تمہارا معبود اُسکے سوا تمہارے

جَآءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ

پاس پہنچ چکی ہے دلیل تمہارے رب کی طرف سے ف ۱۰۳ سو پوری کرو ماپ اور تول اور مت گھٹا کر دو لوگوں کو اُن کی چیزیں

وَلَا تُفۡسِدُوۡا فِی الۡاَرۡضِ بَعۡدَ اِصۡلَاحِهَا ؕ ذٰلِكُمۡ خَيۡرٌ لَّكُمۡ اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ ﴿۸۵﴾ وَلَا

اور مت خرابی ڈالو زمین میں اُس کی اصلاح کے بعد یہ بہتر ہے تمہارے لئے اگر تم ایمان والے ہو ف۱۰۴ اور مت

تَقۡعُدُوۡا بِكُلِّ صِرَاطٍ تُوۡعِدُوۡنَ وَتَصُدُّوۡنَ عَنۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ مَنۡ اٰمَنَ بِهٖ وَتَبۡغُوۡنَهَا

بیٹھو راستوں پر کہ ڈراؤ اور روکو اللہ کے راستہ سے اُس کو جو کہ ایمان لائے اُس پر اور ڈھونڈو اُس میں

عِوَجًا ۚ وَاذۡكُرُوۡۤا اِذۡ كُنۡتُمۡ قَلِيۡلًا فَكَثَّرَكُمۡ ۪ وَانۡظُرُوۡا كَيۡفَ كَانَ عَاقِبَةُ الۡمُفۡسِدِيۡنَ ﴿۸۶﴾

عیب ف۱۰۵ اور یاد کرو جبکہ تھے تم بہت تھوڑے پھر تم کو بڑھا دیا اور دیکھو کیا ہوا انجام فساد کرنیوالوں کا ف۱۰۶

وَاِنۡ كَانَ طَآئِفَةٌ مِّنۡكُمۡ اٰمَنُوۡا بِالَّذِىۡۤ اُرۡسِلۡتُ بِهٖ وَطَآئِفَةٌ لَّمۡ يُؤۡمِنُوۡا فَاصۡبِرُوۡا

اور اگر تم میں سے ایک فرقہ ایمان لایا اُس پر جو میرے ہاتھ بھیجا گیا اور ایک فرقہ ایمان نہیں لایا تو صبر کرو

حَتّٰى يَحۡكُمَ اللّٰهُ بَيۡنَنَا ۚ وَهُوَ خَيۡرُ الۡحٰكِمِيۡنَ ﴿۸۷﴾

جب تک اللہ فیصلہ کرے درمیان ہمارے اور وہ سب سے بہتر فیصلہ کرنیوالا ہے ف۱۰۷

(۱۰۴) **حضرت شعیب علیہ السلام اور اُن کی قوم** قرآن میں دوسری جگہ حضرت شعیب علیہ السلام کا "اصحاب ایکہ" کی طرف مبعوث ہونا مذکور ہے اگر اہل مدین اور اصحاب ایکہ ایک ہی قوم ہے فبہا ونعمت۔ اور دو جُداگانہ قومیں ہیں تو دونوں کی طرف مبعوث ہوئے ہونگے اور دونوں میں کم تولنے ناپنے کا مرض مشترک ہوگا۔ بہرحال حضرت شعیب علیہ السلام نے علاوہ توحید وغیرہ کی عام دعوت کے خاص معاشرے معاملات کی اصلاح اور حقوق العباد کی حفاظت کی طرف بڑے زور سے توجہ دلائی جیسا کہ آئندہ آیات میں مذکور ہے۔ حضرت شعیبؑ کو کمال فصاحت کی وجہ سے "خطیب الانبیاء" کہا جاتا ہے۔

(۱۰۳) یعنی میری صداقت کی دلیل ظاہر ہو چکی۔ اب جو نصیحت کی بات تم سے کہوں اُسے قبول کرو اور جن خطرناک عواقب پر متنبہ کروں اُن سے ہشیار ہو جاؤ۔

(۱۰۴) **ناپ تول میں کمی** بندوں کے حقوق کی رعایت اور معاملات باہمی کی درستی جس کی طرف ہمارے زمانہ کے پرہیزگاروں کو بھی بہت کم توجہ ہوتی ہے۔ خُدا کے نزدیک اس قدر اہم چیز ہے کہ اُسے ایک جلیل القدر پیغمبر کا مخصوص وظیفہ قرار دیا گیا، جس کی مخالفت پر ایک قوم تباہ کی جا چکی۔ ان آیات میں حضرت شعیب کی زبانی آگاہ فرما دیا کہ لوگوں کو ادنیٰ ترین مالی نقصان پہنچانا اور ملک میں اصلاحی حالت قائم ہو چکنے کے بعد خرابی اور فساد پھیلانا خواہ کفر و شرک کر کے یا ناحق قتل و نہب وغیرہ سے۔ یہ کسی ایماندار کا کام نہیں ہو سکتا۔

(۱۰۵) راستوں پر بیٹھنا دو وجہ سے تھا۔ راہگیروں کو ڈرا دھمکا کر ظلماً مال وصول کریں اور مومنین کو شعیب علیہ السلام کے پاس جانے اور خدا کا دین اختیار کرنے سے روکیں اور خدائی مذہب کے متعلق نکتہ چینی اور عیب جوئی کی فکر میں رہیں۔

(۱۰۶) یعنی تعداد اور دولت دونوں میں کم تھے۔ خدا نے دونوں طرف تم کو بڑھایا مردم شماری بھی بڑھ گئی اور دولتمند بھی ہو گئے۔ خدا کے ان احسانات کا شکر ادا کرو۔ اور وہ جب ہی ادا ہو سکتا ہے کہ خدا کے اور بندوں کے حقوق پہچان کر عملی درستی اور اصلاح میں مشغول رہو اور ان نعمتوں پر مغرور نہ ہو بلکہ خرابی اور فساد مچانے والوں کا جو انجام پہلے ہو چکا ہے اُسے پیش نظر رکھ کر خدائی گرفت سے ڈرتے رہو۔

(۱۰۷) یعنی جو چیز میں لیکر آیا ہوں اگر تم متفقہ طور پر قبول نہیں کرتے بلکہ اختلاف ہی کی ٹھان رکھی ہے تو تھوڑا صبر کرو۔ یہاں تک کہ آسمان ہی سے میرے تمہارے اختلافات کا فیصلہ ہو جائے۔

قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَنُخْرِجَنَّكَ يٰشُعَيْبُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَكَ مِنْ

بولے سردار جو متکبر تھے اُس کی قوم میں ہم ضرور نکال دیں گے اے شعیب تجھ کو اور اُن کو جو کہ ایمان لائے تیرے ساتھ اپنے

قَرْيَتِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا ؕ قَالَ اَوَلَوْ كُنَّا كٰرِهِيْنَ ۝۸۸ قَدِ افْتَرَيْنَا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اِنْ عُدْنَا

شہر سے یا یہ کہ تم لوٹ آؤ ہمارے دین میں ف۱۰۸ بولا کیا ہم بیزار ہوں تو بھی ف۱۰۹ بیشک ہم نے بہتان باندھا اللہ پر جھوٹا اگر لوٹ آئیں

فِيْ مِلَّتِكُمْ بَعْدَ اِذْ نَجّٰىنَا اللّٰهُ مِنْهَا ؕ وَمَا يَكُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّعُوْدَ فِيْهَآ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ

تمہارے دین میں ف۱۱۰ بعد اس کی کہ نجات دے چکا ہم کو اللہ اُس سے ف۱۱۱ اور ہمارا کام نہیں کہ لوٹ آئیں اُس میں مگر یہ کہ چاہے اللہ

رَبُّنَا ؕ وَسِعَ رَبُّنَا كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ؕ عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا ؕ رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ

رب ہمارا گھیر لی ہے ہمارے پروردگار نے سب چیزوں کو اپنے علم میں اللہ ہی پر ہم نے بھروسہ کیا اے ہمارے رب فیصلہ کر ہم میں اور ہماری قوم میں انصاف کیساتھ

وَاَنْتَ خَيْرُ الْفٰتِحِيْنَ ۝۸۹ وَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَئِنِ اتَّبَعْتُمْ شُعَيْبًا اِنَّكُمْ

اور تو سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے ف۱۱۲ اور بولے سردار جو کافر تھے اس کی قوم میں اگر پیروی کرو گے تم شعیب کی تو تم بیشک

اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ۝۹۰ فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ۝۹۱ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا شُعَيْبًا كَاَنْ معانقہ ۱۲ عند المتقدمین

خراب ہو گے ف۱۱۳ پھر آ پکڑا اُن کو زلزلہ نے پس صبح کو رہ گئے اپنے گھروں کے اندر اوندھے پڑے ف۱۱۴ جنہوں نے جھٹلایا شعیب کو گویا

لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا ۛ اَلَّذِيْنَ كَذَّبُوْا شُعَيْبًا كَانُوْا هُمُ الْخٰسِرِيْنَ ۝۹۲ فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ يٰقَوْمِ

کبھی بسے ہی نہ تھے وہاں جنہوں نے جھٹلایا شعیب کو وہی ہوئے خراب ف۱۱۵ پھر اُلٹا پھرا اُن لوگوں سے اور بولا اے میری قوم

لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ ۚ فَكَيْفَ اٰسٰى عَلٰى قَوْمٍ كٰفِرِيْنَ ۝۹۳ ع ۱۱

میں پہنچا چکا تم کو پیغام اپنے رب کے اور خیر خواہی کر چکا تمہاری اب کیا افسوس کروں کافروں پر ف۱۱۶

(۱۰۸) **قوم شعیب کا حال** "عود" کے معنی کسی چیز سے نکل کر دوبارہ اس کی طرف جانے کے ہیں۔ حضرت شعیب کے ساتھیوں کی نسبت تو یہ لفظ حقیقۃً صادق ہو سکتا ہے۔ کیونکہ وہ لوگ کفر سے نکل کر اسلام میں داخل ہوئے تھے۔ باقی خود حضرت شعیب علیہ السلام کی نسبت یہ تصور نہیں ہو سکتا کہ وہ پہلے (معاذ اللہ) ملت کفار میں داخل تھے، پھر مسلمان ہوئے۔ لامحالہ یا تو اُن کے اعتبار سے یہ خطاب تغلیباً ہو گا۔ یعنی عام مومنین کے حق میں جو الفاظ استعمال ہوئے اکثریت غالبہ کو مرجح سمجھ کر حضرت شعیبؑ کے لئے علیحدہ الفاظ اختیار نہیں کئے۔ اور یا یہ لفظ اُن کے حق میں کفار کے زعم کے موافق کہا گیا۔ کیونکہ بعثت سے پہلے جب تک حضرت شعیبؑ نے دعوت و تبلیغ شروع نہ کی تھی اہل مدین کی کفریات کے متعلق اُن کی خاموشی دیکھ کر شاید وہ یہی گمان کرتے ہوں کہ یہ بھی ہمارے شامل حال اور ہمارے طور و طریق پر راضی ہیں اور یا عود کو مجازاً بمعنی مطلق صیرورت کے لیا جائے۔ کما قالہ بعض المفسرین۔

(۱۰۹) یعنی دلائل و براہین کی روشنی میں تمہاری ان مہلک کفریات سے خواہ ہم کتنے ہی بیزار اور کارہ ہوں کیا تم پھر بھی یہ زہر کا پیالہ ہمیں زبردستی پلانا چاہتے ہو۔

(۱۱۰) باطل اور جھوٹے مذہب کو سچا کہنا ہی خدا پر افتراء کرنا اور بہتان باندھنا ہے۔ پھر بھلا ایک جلیل القدر پیغمبر اور اس کے مخلص متبعین سے یہ کب ممکن ہے کہ وہ معاذ اللہ سچائی سے نکل کر جھوٹ کی طرف واپس جائیں اور جو سچے دعوے اپنی حقانیت یا مامور من اللہ ہونے کے کر رہے

تھے، اُن سب کا جھوٹ اور افتراء ہونا تسلیم کریں۔

(۱۱۱) کسی کو تو ابتداءً نجات دے چکا کہ اس میں داخل ہی نہ ہونے دیا جیسے حضرت شعیب علیہ السلام اور بعضوں کو داخل ہونے کے بعد اُس سے نکالا جیسے عامۂ مؤمنین۔

(۱۱۲) **حضرت شعیبؑ کی دُعا** یعنی اپنے اختیار یا تمہارے اکراہ و اجبار سے ممکن نہیں کہ ہم معاذ اللہ کفر کی طرف جائیں۔ ہاں اگر فرض کرو خدا ہی کی مشیت ہم میں سے کسی کی نسبت ایسی ہو جائے تو اُس کے ارادہ کو کون روک سکتا ہے۔ اگر اُس کی حکمت اسی کو مقتضی ہو تو وہاں کوئی نہیں بول سکتا۔ کیونکہ اُسی کا علم تمام مصالح اور حکمتوں پر محیط ہے۔ بہر حال تمہاری دھمکیوں سے ہم کو کوئی خوف نہیں کیونکہ ہمارا بالکلیہ اعتماد اور بھروسہ اپنے خدائے واحد پر ہے۔ کسی کے چاہنے سے کچھ نہیں ہوتا جو ہوگا اسی کی مشیت اور علم محیط کے تحت میں ہوگا۔ اسی لئے ہم اپنے اور تمہارے فیصلہ کے لئے بھی اُسی سے دعاء کرتے ہیں۔ کیونکہ ایسے قادر اور علیم و حکیم سے بہتر کسی کا فیصلہ نہیں ہو سکتا۔ حضرت شعیب کے ان الفاظ سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ انبیاء کے قلوب حق تعالیٰ کی عظمت و جبروت اور اپنی عبودیت و افتقار کے کس قدر عظیم و عمیق احساس سے معمور ہوتے ہیں اور کس طرح ہر آن اور ہر حال میں اُن کا توکل و اعتماد تمام وسائط سے منقطع ہو کر اُسی وحدہٗ لاشریک لہٗ پر پہاڑ سے زیادہ مضبوط اور غیر متزلزل ہوتا ہے۔

(۱۱۳) یعنی باپ دادا کا مذہب چھوٹا، یہ تو دین کی خرابی ہوئی اور تجارت میں ناپ تول ٹھیک رکھی، یہ دنیا کا نقصان ہوا۔

(۱۱۴) **قوم شعیبؑ پر تین طرح کے عذاب** متعدد آیات کے جمع کرنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان پر ظُلّہ، صَیحہ، رجفہ تین طرح کے عذاب آئے یعنی اوّل بادل نے سایہ کر لیا جس میں آگ کے شعلے اور چنگاریاں تھیں۔ پھر آسمان سے سخت ہولناک اور جگر پاش آواز ہوئی اور نیچے سے زلزلہ آیا۔ (ابن کثیر)۔

(۱۱۵) انہوں نے شعیب اور اُن کے ہمراہیوں کو بستی سے نکالنے کی دھمکی دی تھی، سو وہ ہی نہ رہے نہ اُن کی بستیاں رہیں۔ اور وہ جو کہتے تھے کہ شعیب علیہ السلام کے اتباع کرنے والے خراب ہوں گے سو خود ہی خراب اور خائب و خاسر ہو کر رہے۔

(۱۱۶) یعنی اب ہلاک ہوئے پیچھے ایسی قوم پر افسوس کرنے سے کیا حاصل، جس کو ہر طرح سمجھایا جا چکا۔ موثر نصیحتیں کی گئیں آنے والے عواقب و نتائج سے ڈرایا گیا۔ مگر انہوں نے کسی کی ایک نہ سُنی بلکہ مخلص خیر خواہوں سے دست و گریباں ہی رہے۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا فِیْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّبِیٍّ اِلَّآ اَخَذْنَآ اَهْلَهَا بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ يَضَّرَّعُوْنَ ﴿۹۴﴾ ثُمَّ

اور نہیں بھیجا ہم نے کسی بستی میں کوئی نبی کہ نہ پکڑا ہو ہم نے وہاں کے لوگوں کو سختی اور تکلیف میں تاکہ وہ گڑگڑائیں پھر

بَدَّلْنَا مَكَانَ السَّيِّئَةِ الْحَسَنَةَ حَتّٰى عَفَوْا وَّقَالُوْا قَدْ مَسَّ اٰبَآءَنَا الضَّرَّآءُ وَالسَّرَّآءُ فَاَخَذْنٰهُمْ

بدل دی ہم نے بُرائی کی جگہ بھلائی۔ یہاں تک کہ وہ بڑھ گئے اور کہنے لگے کہ پہنچتی رہی ہے ہمارے باپ دادوں کو بھی تکلیف اور خوشی پھر پکڑا ہم نے اُن کو

بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۹۵﴾ وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰٓى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ

ناگہاں اور اُن کو خبر نہ تھی ف ۱۱۷ اور اگر بستیوں والے ایمان لاتے اور پرہیزگاری کرتے تو ہم کھول دیتے اُن پر نعمتیں آسمان

السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ وَلٰكِنْ كَذَّبُوْا فَاَخَذْنٰهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۹۶﴾

اور زمین سے لیکن جھٹلایا انہوں نے پس پکڑا ہم نے اُن کو اُن کے اعمال کے بدلے ف ۱۱۸

(۱۱۷) **انبیاء کو جھٹلانے والوں کی آزمائش** پیغمبروں کی بعثت کے وقت جب عموماً لوگ تکذیب و مقابلہ سے پیش آتے ہیں، تو خدا کی طرف سے ابتدائی تنبیہ کے طور پر بیماری، قحط اور مختلف قسم کی سختیاں اور تکلیفیں مسلط کی جاتی ہیں تاکہ مکذبین تازیانے کھا کر شرارتوں سے باز آجائیں اور بارگاہ الٰہی کی طرف جھکیں۔ جب ان تنبیہات کا اثر قبول نہیں کرتے تو سختیوں اور مصیبتوں کو ہٹا کر اُن پر فراخی اور عیش و خوشحالی وغیرہ بھیجی جاتی ہے۔ کہ یا احسانات سے متاثر ہو کر کچھ شرمائیں اور حضرت ربوبیت کی طرف متوجہ ہوں یا عیش و ثروت کے نشہ میں چور ہو کر بالکل ہی غافل و بدمست بن جائیں۔ گویا جہاں تک صحت، اولاد اور دولت و حکومت بڑھتی جائے اُسی کے ساتھ اُن کی نخوت و غفلت میں بھی ترقی ہو حتٰی کہ پچھلی سختیوں کو یہ کہہ کر فراموش کر دیں کہ تکلیف و راحت کا سلسلہ تو پہلے ہی سے چلا آتا ہے۔ ہمارے کفر و تکذیب کو اس میں کچھ دخل نہیں۔ ورنہ اب خوشحالی کیوں حاصل ہوتی۔ یہ سب زمانہ کے اتفاقات ہیں جو ہمارے اسلاف کو بھی اسی طرح پیش آتے رہے ہیں۔ اس حد پر پہنچ کر ناگہاں خدا کا عذاب آدباتا ہے۔ جس کی اپنے عیش و آرام میں اُنہیں خبر بھی نہیں ہوتی۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے کیا خوب لکھا ہے کہ "بندہ کو دنیا میں گناہ کی سزا پہنچتی رہے تو اُمید ہے کہ توبہ کرے اور جب گناہ راست آگیا تو یہ اللہ کا بہلاوا ہے۔ پھر ڈر ہے ہلاکت کا جیسے کسی نے زہر کھایا اگل دے تو اُمید ہے اور اگر پچ گیا تو کام آخر ہوا۔

(۱۱۸) **انبیاء کی اطاعت خوشحالی لاتی ہے** یعنی ہم کو بندوں سے کوئی ضد نہیں جو لوگ عذاب الٰہی میں گرفتار ہوتے ہیں یہ ان ہی کے کرتوتوں کا نتیجہ ہے۔ اگر یہ لوگ ہمارے پیغمبروں کو مانتے اور حق کے سامنے گردن جھکاتے اور کفر و تکذیب وغیرہ سے بچ کر تقویٰ کی راہ اختیار کرتے تو ہم ان کو آسمانی و زمینی برکات سے مالا مال کر دیتے۔ امام رازی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ برکات کا لفظ دو معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ کبھی تو خیر باقی و دائم کو برکت سے تعبیر کرتے ہیں اور کبھی کثرت آثار فاضلہ پر یہ لفظ اطلاق کیا جاتا ہے۔ لہٰذا آیت کی مراد یہ ہوگی کہ ایمان و تقویٰ اختیار کرنے پر اُن کے (اسمانی) و زمینی نعمتوں کے دروازے کھول دیے جاتے جو دائمی اور غیر منقطع ہوں یا جن کے آثار فاضلہ بہت کثرت سے ہوں۔ ایسی خوشحالی نہیں جو مکذبین کو چند روز کے لئے بطور امہال و استدراج حاصل ہوتی ہے۔ اور انجام کار دنیا میں ورنہ آخرت میں تو ضرور ہی وبال جان بنتی ہے۔

أَفَأَمِنَ أَهْلُ الْقُرَىٰ أَن يَأْتِيَهُم بَأْسُنَا بَيَاتًا وَهُمْ نَائِمُونَ ﴿٩٧﴾ أَوَأَمِنَ أَهْلُ الْقُرَىٰ

اب کیا بے ڈر ہیں بستیوں والے اس سے کہ آ پہنچے اُن پر آفت ہماری راتوں رات جب سوتے ہوں یا بے ڈر ہیں بستیوں والے اس سے کہ

أَن يَأْتِيَهُم بَأْسُنَا ضُحًى وَهُمْ يَلْعَبُونَ ﴿٩٨﴾ أَفَأَمِنُوا مَكْرَ اللَّهِ ۚ فَلَا يَأْمَنُ مَكْرَ اللَّهِ إِلَّا الْقَوْمُ

آ پہنچے اُن پر عذاب ہمارا دن چڑھے جب کھیلتے ہوں ف۱۱۹ کیا بے ڈر ہو گئے اللہ کے داؤ سے سو بے ڈر نہیں ہوتے اللہ کے داؤ سے مگر خرابی میں

الْخَاسِرُونَ ﴿٩٩﴾ أَوَلَمْ يَهْدِ لِلَّذِينَ يَرِثُونَ الْأَرْضَ مِن بَعْدِ أَهْلِهَا أَن لَّوْ نَشَاءُ أَصَبْنَاهُم ع ۱۲

پڑنیوالے ف۱۲۰ کیا نہیں ظاہر ہوا اُن لوگوں پر جو وارث ہوئے زمین کے وہاں کے لوگوں کے ہلاک ہونیکے بعد کہ اگر ہم چاہیں تو اُن کو پکڑ لیں

بِذُنُوبِهِمْ ۚ وَنَطْبَعُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُونَ ﴿١٠٠﴾

اُن کے گناہوں پر ف۱۲۱ اور ہم نے مہر کر دی ہے اُنکے دلوں پر سو وہ نہیں سنتے

(۱۱۹) **جھٹلانے والوں کو وعید** یعنی جب عیش و آرام میں غافل پڑے سو رہے ہوں یا دنیا کے کاروبار اور لہو و لعب میں مشغول ہوں اس وقت خدا کا عذاب اِن کو دفعتہً آگھیرے۔ اس بات سے یہ لوگ کیوں نڈر اور بے فکر ہو رہے ہیں۔ حالانکہ جن اسباب کی بناء پر گذشتہ اقوام پر عذاب آئے ہیں، وہ ان میں بھی موجود ہیں۔ یعنی کفر و تکذیب اور سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مقابلہ و محاربہ۔

(۱۲۰) دنیوی خوشحالی اور عیش کے بعد جو خدا کی ناگہانی پکڑ ہے، اُسی کو "مکر اللہ" (خدا کا داؤ) فرمایا عیش و تنعم میں پڑ کر وہ ہی لوگ خدا کی ناگہانی گرفت سے بے فکر ہوتے ہیں جن کی شامت اعمال نے انہیں دھکا دے دیا ہو۔ مومن کی شان یہ ہے کہ وہ کسی حال میں خدا کو نہ بھولے سے ظفر اُس کو آدمی نہ جانئے گا، گو ہو کیسا ہی صاحبِ فہم و ذکاء ،، جسے عیش میں یادِ خدا نہ رہی، جسے طیش میں خوفِ خدا نہ رہا۔

(۱۲۱) جیسے پہلوں کو پکڑ لیا، تمہیں بھی پکڑ سکتے ہیں۔

تِلْكَ الْقُرٰى نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآئِهَا ۚ وَ لَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ۚ فَمَا

یہ بستیاں ہیں کہ سُناتے ہیں ہم تجھ کو اُن کے کچھ حالات اور بیشک اُن کے پاس پہنچ چکے اُن کے رسول نشانیاں لے کر پھر ہرگز نہ

كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا بِمَا كَذَّبُوْا مِنْ قَبْلُ ؕ كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۰۱﴾ وَ مَا وَجَدْنَا لِاَكْثَرِهِمْ

ہوا کہ ایمان لائیں اس بات پر جس کو پہلے جھٹلا چکے تھے یوں مہر کر دیتا ہے اللہ کافروں کے دل پر ف ۱۲۲ اور نہ پایا انکے اکثر لوگوں میں ہم نے

مِّنْ عَهْدٍ ۚ وَ اِنْ وَّجَدْنَاۤ اَكْثَرَهُمْ لَفٰسِقِيْنَ ﴿۱۰۲﴾ ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ مُّوْسٰى بِاٰيٰتِنَاۤ اِلٰى فِرْعَوْنَ

عہد کا نباہ اور اکثر اُن میں پائے نافرمان ف ۱۲۳ پھر بھیجا ہم نے اُن کے پیچھے ف ۱۲۴ موسیٰ کو اپنی نشانیاں دے کر فرعون

وَ مَلَا۟ئِهٖ فَظَلَمُوْا بِهَا ۚ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۱۰۳﴾ وَ قَالَ مُوْسٰى يٰفِرْعَوْنُ اِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ

اور اُسکے سرداروں کے پاس پس کفر کیا انہوں نے انکے مقابلہ میں سو دیکھ کیا انجام ہوا مفسدوں کا ف ۱۲۵ اور کہا موسیٰ نے اے فرعون میں رسول ہوں

رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۴﴾ حَقِيْقٌ عَلٰۤى اَنْ لَّاۤ اَقُوْلَ عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ ؕ قَدْ جِئْتُكُمْ بِبَيِّنَةٍ مِّنْ

پروردگار عالم کا قائم ہوں اس بات پر کہ نہ کہوں اللہ کی طرف سے مگر جو سچ ہے لایا ہوں تمہارے پاس نشانی تمہارے رب

رَّبِّكُمْ فَاَرْسِلْ مَعِيَ بَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ ﴿۱۰۵﴾ قَالَ اِنْ كُنْتَ جِئْتَ بِاٰيَةٍ فَاْتِ بِهَاۤ اِنْ كُنْتَ

کی سو بھیجدے میرے ساتھ بنی اسرائیل کو ف ۱۲۶ بولا اگر تو آیا ہے کوئی نشانی لیکر تو لا اُس کو اگر تو

مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۱۰۶﴾ فَاَلْقٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۰۷﴾

سچا ہے تب ڈال دیا اُس نے اپنا عصا تو اُسی وقت ہو گیا اژدہا صریح ف ۱۲۸

(۱۲۲) **گذشتہ واقعات سے عبرت** یعنی جس چیز کا ایک دفعہ انکار کر بیٹھے، پھر کتنے ہی نشان دیکھیں دُنیا اِدھر سے اُدھر ہو جائے، ممکن نہیں کہ اس کا اقرار کر لیں۔ جب حق تعالیٰ کے مقابلہ میں کسی قوم کی ضد اور ہٹ اس درجہ تک پہنچ جاتی ہے، تب عادتاً اصلاحِ حال و قبولِ حق کا امکان باقی نہیں رہتا۔ یہ ہی صورت دلوں پر مہر لگ جانے کی ہوتی ہے۔ یہاں واضح فرمادیا کہ اللہ کی طرف سے دلوں پر مُہر لگا دینے کا کیا مطلب ہے (تنبیہ) ولقد جاءتھم رسلھم بالبینات سے معلوم ہو گیا کہ جو انبیاء علیہم السلام قوم نوح، عاد، ثمود، قوم لوط، اہل مدین کی بستیوں کی طرف مبعوث ہوئے وہ سب بینات (واضح نشان) دے کر بھیجے گئے۔ پس ہود علیہ السلام کی قوم کا یہ کہنا یا ھود ماجئتنا ببینۃ الخ محض تعنت و عناد کی راہ سے تھا۔

(۱۲۳) "عہد" سے ممکن ہے عام عہود مراد ہوں یا خاص "عہد الست" کا ارادہ کیا گیا ہو، یا وہ عہد جو مصائب اور سختیوں کے وقت کرتے تھے کہ فلاں سختی اُٹھا لیجائے تو ہم ضرور ایمان لے آئیں گے۔ جیسے فرعونیوں نے کہا تھا لئن کشفت عنا الرجز لنؤمنن لک ولنرسلن

مَعَكَ بَنِيٓ اِسْرَآءِيْلَ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الرِّجْزَ اِلٰٓى اَجَلٍ هُمْ بٰلِغُوْهُ اِذَا هُمْ يَنْكُثُوْنَ ۔

(۱۲۴) **حضرت موسیٰ کا فرعون سے مناظرہ** یعنی جن انبیاء کا پہلے ذکر ہوا (نوح، ہود، صالح، لوط، شعیب علیہم السلام) موسیٰ علیہ السلام ان سب کے بعد تشریف لائے۔ اُن پیغمبروں کا ذکر فرمانے کے بعد درمیان میں "سُنّۃ اللہ" بیان فرمائی تھی جو مکذبین کے متعلق جاری رہی ہے جس کے ضمن میں موجودہ جماعت کفار کو متنبہ فرما دیا گیا۔ اس درمیانی مضمون سے فارغ ہو کر پھر سلسلہ بعثتِ رسل کی ایک عظیم الشان کڑی کا ذکر شروع کرتے ہیں۔

(۱۲۵) اُس سے زیادہ مفسد کون ہوگا جو خدا کے سفراء کو جھٹلائے، آیات اللہ کی تکذیب اور حق تلفی کرے، مخلوق خدا سے اپنی پرستش کرائے آگے ضروری واقعات ذکر فرما کر اس انجام کی تفصیل کی گئی ہے۔

(۱۲۶) اکثر مفسرین نے "حقیق" کے معنی جدیر (لائق) کے لئے ہیں۔ اسی لئے "علیٰ" کو بمعنی "باء" لینا پڑا ہے یعنی میری شان کے یہی لائق ہے کہ خدا کی طرف سے کوئی ناحق اور غلط بات نہ کہوں۔ بعض نے "حقیق" کو بمعنی "حریص" لیا ہے۔ لیکن مترجم محقق رحمہ اللہ نے "حقیق" کو "قائم و ثابت" کے معنی میں لیا۔ جس کا مطلب یہ ہوگا کہ میں بدون ادنیٰ تزلزل اور تذبذب کے پوری مضبوطی اور استقلال کے ساتھ اس پر قائم ہوں کہ سچ کے سوا کوئی چیز زبان سے نہ نکالوں خدا کا پیام بلا کم و کاست تم کو پہنچا دوں۔ اور تمہاری تکذیب و تخویف کی وجہ سے ذرا بھی نہ ڈگمگاؤں۔

(۱۲۷) **بنی اسرائیل کی رہائی کا مطالبہ** یوں تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کو کئی طرح کی نصیحتیں کیں جیسا کہ دوسری آیات میں مذکور ہیں فقل هَلْ لَّكَ اِلٰٓى اَنْ تَزَكّٰى وَاَهْدِيَكَ اِلٰى رَبِّكَ فَتَخْشٰى مگر ایک بڑی اہم چیز یہ تھی کہ بنی اسرائیل کو جو انبیائے کرام کی اولاد میں سے تھے اور جنہیں فرعونیوں نے ذلیل جانوروں کی طرح غلام بنا رکھا تھا، مظالم و شدائد سے نجات دلائیں اس موقع پر فرعون کو مخاطب کرتے ہوئے اسی چیز کی طرف توجہ دلائی ہے۔ یعنی بنی اسرائیل کو اپنی قید و بیگار سے نجات دے تاکہ وہ آزادی کے ساتھ اپنے پروردگار کی عبادت میں مشغول ہوں اور میرے ساتھ اپنے وطن مالوف (ملک شام) میں چلے جائیں کیونکہ ان کے جدِ اعلیٰ حضرت ابراہیم خلیل اللہ نے عراق سے ہجرت کر کے شام ہی میں قیام فرمایا تھا۔ بعدہٗ حضرت یوسف علیہ السلام کی وجہ سے بنی اسرائیل مصر میں آباد ہوگئے۔ اب چونکہ یہاں کی قوم قبطیوں نے اُن پر طرح طرح کے مظالم کر رکھے ہیں، ضرورت ہے کہ ان کو قبطیوں کی ذلیل غلامی سے آزادی دلا کر آبائی وطن کی طرف واپس کیا جائے۔

(۱۲۸) **عصائے موسیٰ کا اژدہا بننا** جس کے اژدہا ہونے میں کسی طرح کے شک و شبہ کی گنجائش نہ تھی۔ کہتے ہیں کہ وہ اژدہا منہ کھول کر فرعون کی طرف لپکا۔ آخر فرعون نے بدحواس ہو کر موسیٰ علیہ السلام سے اُس کے پکڑنے کی درخواست کی۔ موسیٰ علیہ السلام کا ہاتھ لگانا تھا کہ پھر عصا بن گیا۔

۱۳ ع ۹ وَّنَزَعَ يَدَهٗ فَاِذَا هِيَ بَيْضَآءُ لِلنّٰظِرِيْنَ ۝۱۰۸ قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ

اور نکالا اپنا ہاتھ تو اسی وقت وہ سفید نظر آنے لگا دیکھنے والوں کو ف۱۲۹ بولے سردار فرعون کی قوم کے یہ تو کوئی بڑا واقف جادوگر

عَلِيْمٌ ۝۱۰۹ يُّرِيْدُ اَنْ يُّخْرِجَكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ ۚ فَمَاذَا تَاْمُرُوْنَ ۝۱۱۰ قَالُوْٓا اَرْجِهْ وَاَخَاهُ وَاَرْسِلْ

ہے ف۱۳۰ نکالنا چاہتا ہے تم کو تمہارے ملک سے اب تمہاری کیا صلاح ہے ف۱۳۱ بولے ڈھیل دے اُس کو اور اُسکے بھائی کو اور بھیج

فِي الْمَدَاۗىِٕنِ حٰشِرِيْنَ ۝۱۱۱ يَاْتُوْكَ بِكُلِّ سٰحِرٍ عَلِيْمٍ ۝۱۱۲ وَجَاۗءَ السَّحَرَةُ فِرْعَوْنَ قَالُوْٓا اِنَّ لَنَا لَاَجْرًا

پرگنوں میں جمع کرنے والوں کو کہ جمع کر لائیں تیرے پاس جو ہو کامل جادوگر ف۱۳۲ اور آئے جادوگر فرعون کے پاس۔ بولے ہمارے لئے کچھ مزدوری ہے

اِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغٰلِبِيْنَ ۝۱۱۳ قَالَ نَعَمْ وَاِنَّكُمْ لَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ۝۱۱۴

اگر ہم غالب ہوئے ف۱۳۳ بولا ہاں اور بیشک تم مقرب ہو جاؤ گے ف۱۳۴

(۱۲۹) **ید بیضا کا معجزہ** یعنی ہاتھ گریبان میں ڈال کر اور بغل میں دبا کر نکالا تو لوگوں نے کھلی آنکھوں دیکھ لیا کہ غیر معمولی طور پر سفید اور چمکدار تھا۔ یہ روشنی اور چمک کسی مرض برص وغیرہ کی وجہ سے نہ تھی، بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قلب منور کی روشنی بطریق اعجاز ہاتھ میں سرایت کر جاتی تھی۔

(۱۳۰) **آلِ فرعون پر وصیّت** معلوم ہوتا ہے کہ فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کے معجزات سے ہیبت زدہ ہو کر پبلک کو جمع کیا اور پہلے اُس نے بذات خود (کمافی الشعراء) پھر اُس کی طرف سے بڑے بڑے لیڈروں نے اس رائے کا اظہار کیا کہ موسیٰ علیہ السلام (معاذ اللہ) کوئی بڑے ماہر جادوگر معلوم ہوتے ہیں۔ کیونکہ جو خوارق موسیٰ علیہ السلام سے ظاہر ہوئے اُن کی حسیات کے موافق جادو سے بہتر اُنکی کوئی توجیہ نہ ہو سکتی تھی

(۱۳۱) یعنی عجیب وغریب ساحرانہ کرشمے دکھلا کر مخلوق کو اپنی طرف مائل کر لے اور انجام کار ملک میں اثر و اقتدار پیدا کر کے اور بنی اسرائیل کی حمایت وآزادی کا نام لے کر قبطیوں کو جو یہاں کے اصلی باشندے ہیں، اُن کے ملک و وطن (مصر) سے بے دخل کر دے۔ ان حالات کو پیش نظر رکھ کر مشورہ دو کہ کیا ہونا چاہئے۔

(۱۳۲) **مقابلے کے لئے ساحرین کو دعوت** مشاورت باہمی کے بعد یہ پاس ہوا کہ فرعون سے درخواست کی جائے کہ وہ ان دونوں (موسیٰ وہارون) کے معاملہ میں جلدی نہ کرے۔ ان کا بہترین توڑ اور موثر جواب یوں ہو سکتا ہے کہ چپراسی بھیج کر تمام قلمرو میں سے فن سحر کے جاننے والے جو ان سے بھی بڑھ کر اس فن کے ماہر (سحّار) ہوں جمع کر لئے جائیں، اُن سے ان کا مقابلہ کرایا جائے۔ چنانچہ یوں ہی کیا گیا۔

(۱۳۳) **جادوگروں کا مطالبہ اُجرت** ساحرین فرعون نے اِنَّ لَنَا لَاَجْرًا کہہ کر پہلے ہی قدم پر جتلا دیا کہ انبیاء علیہم السلام جن کا پہلا لفظ مَا اَسْاَلُکُمْ عَلَیْہِ مِنْ اَجْرٍ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلَی اللّٰہِ ہوتا ہے، کوئی پیشہ ور لوگ نہیں ہوتے۔

(۱۳۴) یعنی مزدوری کیا چیز ہے وہ تو ملے گی، اُس سے بڑھ کر یہ ہے کہ تم ہمارے مقربین بارگاہ اور مصاحبین خاص میں داخل کر لئے جاؤ گے۔

قَالُوْا یٰمُوْسٰۤی اِمَّاۤ اَنْ تُلْقِیَ وَ اِمَّاۤ اَنْ نَّكُوْنَ نَحْنُ الْمُلْقِیْنَ ﴿۱۱۵﴾ قَالَ اَلْقُوْا ۚ فَلَمَّاۤ اَلْقَوْا سَحَرُوْۤا

بولے اے موسیٰ یا تو تو ڈال اور یا ہم ڈالتے ہیں ف۱۳۵ کہا ڈالو ف۱۳۶ پھر جب انہوں نے ڈالا باندھ

اَعْیُنَ النَّاسِ وَ اسْتَرْهَبُوْهُمْ وَ جَآءُوْ بِسِحْرٍ عَظِیْمٍ ﴿۱۱۶﴾ وَ اَوْحَیْنَاۤ اِلٰى مُوْسٰۤى اَنْ اَلْقِ عَصَاكَ ۚ فَاِذَا

دیا لوگوں کی آنکھوں کو اور اُن کو ڈرا دیا اور لائے بڑا جادو ف۱۳۷ اور ہم نے حکم بھیجا موسیٰ کو کہ ڈال دے اپنا عصا سو وہ

هِیَ تَلْقَفُ مَا یَاْفِكُوْنَ ﴿۱۱۷﴾ ۚ فَوَقَعَ الْحَقُّ وَ بَطَلَ مَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۱۱۸﴾ ۚ فَغُلِبُوْا هُنَالِكَ وَ انْقَلَبُوْا

جبھی لگا نگلنے جو سانگ انہوں نے بنایا تھا پس ظاہر ہو گیا حق اور غلط ہو گیا جو کچھ انہوں نے کیا تھا پس ہار گئے اُس جگہ اور لوٹ گئے

صٰغِرِیْنَ ﴿۱۱۹﴾ ۚ وَ اُلْقِیَ السَّحَرَةُ سٰجِدِیْنَ ﴿۱۲۰﴾ ۖ قَالُوْۤا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۲۱﴾ ۙ رَبِّ مُوْسٰى وَ هٰرُوْنَ ﴿۱۲۲﴾

ذلیل ہو کر اور گر پڑے جادوگر سجدہ میں ف۱۳۸ بولے ہم ایمان لائے پروردگار عالم پر جو رب ہے موسیٰ اور ہارون کا ف۱۳۹

قَالَ فِرْعَوْنُ اٰمَنْتُمْ بِهٖ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ۚ اِنَّ هٰذَا لَمَكْرٌ مَّكَرْتُمُوْهُ فِی الْمَدِیْنَةِ

بولا فرعون کیا تم ایمان لے آئے اُس پر میری اجازت سے پہلے یہ تو مکر ہے جو بنایا تم سب نے اس شہر میں

لِتُخْرِجُوْا مِنْهَاۤ اَهْلَهَا ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۲۳﴾

تاکہ نکال دو اس شہر سے اُسکے رہنے والوں کو سو اب تم کو معلوم ہو جائیگا ف۱۴۰

(۱۳۵) یہ شاید اس بناء پر کہا کہ پیشتر حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون کے روبرو عصا ڈالکر باذن اللہ اژدہا بنا چکے تھے۔

(۱۳۶) **مقابلے کا آغاز** یعنی جب تم کو یہ مقابلہ ہی منظور ہے اور اسی پر آخری فیصلہ کا انحصار کرتے ہو تو پہلے تم ہی ڈال کر پوری قوت آزمائی کر لو۔ کیونکہ باطل کی پوری نمائش اور زور آزمائی کے بعد جو حق کا غلبہ مشاہد ہوگا، وہ اُمید ہے کہ زیادہ مؤثر اور اوقع فی النفوس ہو۔ تو فی الحقیقت یہ موسیٰ علیہ السلام کی طرف سے سحر کے ساتھ معجزہ کا مقابلہ کرنے کی اجازت نہ تھی بلکہ دو صورتوں میں سے ایک ایسی صورت کا انتخاب تھا جو باطل کے خمود اور حق کے غلبہ و وضوح کی موثر ترین صورت ہو سکتی تھی۔

(۱۳۷) **ساحرین کی طرف سے جادو کا مظاہرہ** یعنی جادو کے زور سے نظر بندی کر کے مجمع پر چھا گئے اور لوگوں کو مرعوب کر لیا۔ دوسری آیت میں ہے کہ انہوں نے اپنی رسیاں اور لاٹھیاں زمین پر پھینک دیں جس سے زمین پر سانپ ہی سانپ دوڑتے معلوم ہونے لگے۔ (یُخَیَّلُ اِلَیْہِ مِنْ سِحْرِھِمْ اَنَّھَا تَسْعٰی) ان آیات سے ظاہر ہوا کہ ساحرین فرعون نے اس وقت جو شعبدہ دکھلایا تھا اس میں فی الواقع قلب ماہیت نہیں ہوا۔ بلکہ وہ محض تخییل اور نظر بندی تھی۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ تمام اقسام سحر اسی میں منحصر ہوں، شاید انہوں نے یہ گمان کیا ہو کہ ہم اتنی ہی کارروائی سے موسیٰ علیہ السلام کو دبالیں گے۔ اور کچھ گنجائش ملتی تو ممکن تھا کہ اس سحر عظیم سے بھی بڑا کوئی سحر اعظم دکھلاتے، مگر اعجاز موسوی نے سحر کو پہلے ہی مورچہ پر مایوس کُن شکست دے دی، آگے موقع ہی نہ رہا کہ مزید مقابلہ جاری رکھا جاتا۔

(۱۳۸) **عصائے موسیٰؑ کا معجزہ** یعنی عصائے موسیٰ سانپ بن کر اُن کی تمام لاٹھیوں اور رسیوں کو نگل گیا، اور سارا بنا بنایا کھیل ختم کر دیا۔ جس سے ساحرین کو تنبہ ہوا کہ یہ سحر سے بالاتر کوئی اور حقیقت ہے۔ آخر فرعون کے لوگ بھرے مجمع میں شکست کھا کر اور ذلیل ہو کر میدان مقابلہ سے لوٹے اور ساحرین خدائی نشان دیکھ کر بے اختیار سجدہ میں گر پڑے کہتے ہیں کہ حضرت موسیٰ و ہارون نے ظہور حق پر سجدہ شکر ادا کیا۔

ساحرین کا قبولِ ایمان اسی وقت ساحرین بھی سربسجود ہو گئے۔ (اُلْقِیَ السَّحَرَۃُ) کا لفظ بتلاتا ہے کہ کوئی ایسا قوی حال اُن پر طاری ہوا جس کے بعد بجز خضوع و استسلام کوئی چارہ نہیں رہا۔ رحمت الٰہیہ کا کیا کہنا کہ جو لوگ ابھی ابھی پیغمبر خدا سے نبرد آزمائی کر رہے تھے سجدہ سے سر اُٹھاتے ہی اولیاء اللہ اور عارف کامل بن گئے۔

(۱۳۹) چونکہ فرعون بھی اپنی نسبت (انا ربکم الاعلیٰ) کہتا تھا، شاید اس لئے ربّ العالمین کے ساتھ رب موسیٰ وھٰرون کہنے کی ضرورت ہوئی اس میں یہ بھی اشارہ ہو گیا کہ بیشک جہان کا پروردگار وہ ہی ہو سکتا ہے جس نے موسیٰ و ہارون کو اپنی خاص ربوبیت سے بدون توسط اسباب ظاہرہ دنیا کے متکبروں پر علیٰ رؤس الاشہاد اس طرح غالب کر کے دکھلا دیا۔

(۱۴۰) **فرعون کا غیظ و غضب** یعنی یہ تم سب جادوگروں کی ملی بھگت ہے، غالباً موسیٰ تمہارا بڑا اُستاد ہوگا۔ اس کو آگے بھیجدیا پھر سب نے اپنی مغلوبیت کا اظہار کر دیا۔ تاکہ عام لوگ متاثر ہو جائیں۔ اس گہری سازش سے تمہارا مقصود یہ ہے کہ اس ملک کے اصلی باشندوں کو نکال باہر کرو اور خود مصر کی سلطنت پر قبضہ کر لو۔ یہ تقریر فرعون نے اپنی کھلی شکست پر پردہ ڈالنے اور لوگوں کو اُلّو بنانے کی غرض سے کی تھی (فاستخف قومہٗ فاطاعوہ)، مگر جس چیز سے فرعون اور فرعونی ڈر رہے تھے، آخر تقدیر الٰہی سے وہ ہی پیش آئی (ونری فرعون وھامان وجنودھما منھم ما کانوا یحذرون) (القصص۔ رکوع ۱)

لَاُقَطِّعَنَّ اَیْدِیَکُمْ وَاَرْجُلَکُمْ مِّنْ خِلَافٍ ثُمَّ لَاُصَلِّبَنَّکُمْ اَجْمَعِیْنَ ﴿۱۲۴﴾ قَالُوْٓا اِنَّآ اِلٰی

میں ضرور کاٹونگا تمہارے ہاتھ اور دوسری طرف کے پاؤں پھر سولی پر چڑھاؤنگا تم سب کو وہ بولے ہم کو تو اپنے رب

رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ ﴿۱۲۵﴾ وَمَا تَنْقِمُ مِنَّآ اِلَّآ اَنْ اٰمَنَّا بِاٰيٰتِ رَبِّنَا لَمَّا جَآءَتْنَا ؕ رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا

اپنے رب کی طرف لوٹ کر جانا ہی ہے ف۱۴۱ اور تجھ کو ہم سے یہی دشمنی ہے کہ مان لیا ہم نے اپنے رب کی نشانیوں کو جب وہ ہم تک پہنچیں اے ہمارے رب دہانے کھول دے ہم پر صبر کے

۱۴ ع ۸ ۲ وَّتَوَفَّنَا مُسْلِمِيْنَ ﴿۱۲۶﴾ وَقَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اَتَذَرُ مُوْسٰى وَقَوْمَهٗ لِيُفْسِدُوْا فِى

اور ہم کو مار مسلمان ف۱۴۲ اور بولے سردار قوم فرعون کے کیوں چھوڑتا ہے تو موسیٰ کو اور اُسکی قوم کو کہ اُودھم مچائیں ملک

الْاَرْضِ وَيَذَرَكَ وَاٰلِهَتَكَ ؕ قَالَ سَنُقَتِّلُ اَبْنَآءَهُمْ وَنَسْتَحْىٖ نِسَآءَهُمْ ۚ وَاِنَّا فَوْقَهُمْ

میں اور موقوف کر دے تجھکو اور تیرے بتوں کو ف۱۴۳ بولا اب ہم مار ڈالیں گے اُنکے بیٹوں کو اور زندہ رکھیں گے اُنکی عورتوں کو اور ہم اُن پر

قٰهِرُوْنَ ﴿۱۲۷﴾ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اسْتَعِيْنُوْا بِاللّٰهِ وَاصْبِرُوْا ۚ اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ ۙ يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَآءُ

زور آور ہیں ف۱۴۴ موسیٰ نے کہا اپنی قوم سے مدد مانگو اللہ سے اور صبر کرو بیشک زمین ہے اللہ کی اُس کا وارث کر دے جسکو وہ چاہے

مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۲۸﴾ قَالُوْٓا اُوْذِيْنَا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَاْتِيَنَا وَمِنْۢ

اپنے بندوں میں اور آخر میں بھلائی ہے ڈر نیوالوں کے لئے ف۱۴۵ وہ بولے ہم پر تکلیفیں رہیں تیرے آنے سے پہلے اور تیرے

بَعْدِ مَا جِئْتَنَا ؕ قَالَ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّهْلِكَ عَدُوَّكُمْ وَيَسْتَخْلِفَكُمْ فِى الْاَرْضِ فَيَنْظُرَ

آنے کے بعد ف۱۴۶ کہا نزدیک ہے کہ رب تمہارا ہلاک کر دے تمہارے دشمن کو اور خلیفہ کر دے تم کو ملک میں پھر دیکھے

۱۵ ع ۵ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۹﴾ وَلَقَدْ اَخَذْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِيْنَ وَنَقْصٍ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ

تم کیسے کام کرتے ہو ف۱۴۷ اور ہم نے پکڑ لیا فرعون والوں کو قحطوں میں اور میووں کے نقصان میں تاکہ وہ

يَذَّكَّرُوْنَ ﴿۱۳۰﴾ فَاِذَا جَآءَتْهُمُ الْحَسَنَةُ قَالُوْا لَنَا هٰذِهٖ ۚ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّطَّيَّرُوْا

نصیحت مانیں پھر جب پہنچی اُن کو بھلائی کہنے لگے یہ ہے ہمارے لائق اور اگر پہنچی بُرائی تو نحوست بتلاتے

بِمُوْسٰى وَمَنْ مَّعَهٗ ؕ اَلَآ اِنَّمَا طٰٓئِرُهُمْ عِنْدَ اللّٰهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳۱﴾

موسیٰ کی اور اُسکے ساتھ والوں کی شُومی تو اللہ کے پاس ہے پر اکثر لوگ نہیں جانتے ف۱۴۸

(۱۴۱) **مومن ساحرین کا ایمان واستقامت** ساحرین توحید اور تمنائے لقاء اللہ کی شراب سے مخمور ہو چکے تھے، جنت و دوزخ گویا آنکھوں کے سامنے تھیں۔ بھلا وہ ان دھمکیوں کی کیا پروا کر سکتے تھے انہوں نے صاف کہہ دیا کہ کچھ مضائقہ نہیں، جو کرنا ہو کر گذر۔ پھر ہم کو اپنے خدا کے پاس جانا ہے۔ تیرے سر ہو کر سہی۔ وہاں کے عذاب سے یہاں کی تکلیف آسان ہے اور اُس کی رحمت و خوشنودی کے راستہ میں دنیا کی بڑی سے بڑی تکالیف و مصائب کا برداشت کر لینا بھی عاشقوں کے لئے سہل ہے ھنیئًا لارباب النعیم نعیمھم ÷ وللعاشق المسکین ما یتجرع۔

(۱۴۲) یعنی جس رب کی نشانیوں کو مان لینے سے ہم تیری نگاہ میں مجرم ٹھہرے ہیں، اسی رب سے ہماری دُعا ہے کہ وہ تیری زیادتیوں اور سختیوں پر ہم کو صبر جمیل کی توفیق بخشے اور مرتے دم تک اسلام پر مستقیم رکھے ایسا نہ ہو کہ گھبرا کر کوئی بات تسلیم و رضاء کے خلاف کر گذریں

(۱۴۳) جب حق کے نشان دیکھ کر ساحرین سجدہ میں گر پڑے اور بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام کا ساتھ دینا شروع کر دیا بلکہ بعض

قبطیوں کا میلان بھی اُن کی طرف ہونے لگا تو فرعونی لیڈر گھبرائے اور فرعون کو یہ کہہ کر تشدد پر آمادہ کرنے لگے کہ موسیٰ اور اُس کی قوم بنی اسرائیل کو یہ موقع نہ دینا چاہئے کہ وہ آزادرہ کر ملک میں اُودھم مچاتے پھریں اور عام لوگوں کو اپنی طرف مائل کر کے حکومت کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیں اور آیندہ تیری اور تیرے تجویز کئے ہوئے معبودوں کی پرستش ملک سے موقوف کرادیں۔

(۱۴۴) **فرعون کے تجویز کردہ خدا** فرعون اپنے کو "رب اعلیٰ" بڑا پروردگار کہتا تھا۔ غالباً اسی "اعلیٰ" کو نباہنے کے لئے کچھ ادنیٰ پروردگار بھی تجویز کئے ہونگے۔ اُن کو یہاں "آلہتک" کہا بعض نے کہا کہ وہ گائے وغیرہ کی مجسم تصویریں تھیں۔ بعض نے سورج اور ستاروں کا ارادہ کیا ہے بعض کے نزدیک خود فرعون نے اپنی تصویر کے مجسمے پرستش کے لئے تقسیم کر دیے تھے۔ کچھ ہی سہی بہر حال بڑا معبود اپنے ہی کو کہلواتا تھا اور ماعلمت لکم من الٰہٍ غیری کہہ کر خدا کے وجود کی نفی کرتا تھا۔ العیاذ باللہ۔

(۱۴۵) **بنی اسرائیل پر مظالم کا ارادہ** موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش سے پہلے بھی فرعون نے بنی اسرائیل پر ظلم کر رکھا تھا، کہ لڑکوں کو قتل کر دیتا۔ اس خوف سے کہ کہیں یہ وہ، ہی اسرائیلی نہ ہو جس کے ہاتھ پر اس کی سلطنت کے زوال کی خبر منجمین نے دی تھی اور لڑکیوں کو خدمت وغیرہ کے لئے زندہ رہنے دیتا۔ اب موسیٰ علیہ السلام کا اثر دیکھ کر اندیشہ ہوا کہ کہیں اس کی تربیت و اعانت سے بنی اسرائیل زور نہ پکڑ جائیں اس لئے انہیں خوف زدہ اور عاجز کرنے کے لئے اپنے زور و قوت کے نشہ میں پھر اُسی پرانی اسکیم پر عمل کرنے کی ٹھہرائی۔ بنی اسرائیل اس سفاکانہ تجویز کو سُن کر طبعی طور پر پریشان اور دہشت زدہ ہوئے ہونگے۔ اس کا علاج موسیٰ علیہ السلام نے آیندہ آیت میں بتلایا۔

(۱۴۶) **حضرت موسیٰؑ کا اپنی قوم کا وعظ** یعنی گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔ اللہ کے سامنے کسی کا زور نہیں چلتا، ملک اُسی کا ہے جس کو مناسب جانے عطا فرمائے۔ لہٰذا ظالم کے مقابلہ میں اسی سے مدد مانگو۔ اسی پر نظر رکھو، اسی سے ڈرو، صبر و تقویٰ کی راہ اختیار کرو۔ اور یقین رکھو کہ آخری کامیابی صرف متقین کے لئے ہے۔

(۱۴۷) یعنی ہم تو ہمیشہ مصیبت ہی میں رہے۔ تمہاری تشریف آوری سے قبل ہم سے ذلیل بیگار لیجاتی تھی اور ہمارے لڑکے قتل کئے جاتے تھے۔ تمہارے آنے کے بعد طرح طرح کی سختیاں کی جارہی ہیں۔ اور قتل ابناء کے مشورے ہو رہے ہیں۔ دیکھئے کب ہماری مصیبتوں کا خاتمہ ہو

(۱۴۸) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تسلی دی کہ زیادہ مت گھبراؤ۔ خدا کی مدد قریب آگئی ہے۔ تم دیکھ لوگے کہ تمہارا دشمن ہلاک کر دیا جائیگا اور تم کو اُن کے اموال و املاک کا مالک بنا دیا جائیگا۔ تاکہ جس طرح آج سختی و غلامی میں تمہارا امتحان ہو رہا ہے، اُس وقت خوشحالی اور آزادی دے کر آزمایا جائے کہ کہاں تک اُس کی نعمتوں کی قدر اور احسانات کی شکر گذاری کرتے ہو۔ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ یہ کلام مسلمانوں کے سنانے کو نقل فرمایا، یہ سورت مکی ہے، اُس وقت مسلمان بھی ایسے ہی مظلوم تھے۔ "گفتہ آید در حدیث دیگراں" کے رنگ میں یہ بشارت اُن کو پہنچائی۔

(۱۴۹) **آل فرعون کی پکڑ اور اُنکی ہٹ دھرمی** گذشتہ آیت میں فرمایا تھا کہ خدا (قریب ہے) تمہارے دشمن کو ہلاک کر دے" یہاں سے اسی اہلاک موعود کے بعض مبادی کی تفصیل شروع کی گئی ہے۔ یعنی اُس سُنۃ اللہ کے موافق جس کا بیان اسی پارہ کے شروع میں آیت وَمَآ اَرْسَلْنَا فِیْ قَرْیَۃٍ مِّنْ نَّبِیٍّ اِلَّآ اَخَذْنَآ اَھْلَھَا بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ الخ کے تحت میں گذر چکا، خدا تعالیٰ نے فرعونیوں کو ابتدائی تنبیہ کے طور پر قحط، خشک سالی وغیرہ معمولی تکالیف اور سختیوں میں مبتلا کیا، تاکہ وہ خواب غفلت سے چونکیں اور موسیٰ علیہ السلام کی پیغمبرانہ نصیحتوں کو قبول کریں۔ مگر وہ ایسے کاہے کو تھے، انہوں نے ان تنبیہات کی کچھ پروا نہ کی۔ بلکہ پہلے سے زیادہ ڈھیٹ اور گستاخ ہو گئے۔ چنانچہ ثُمَّ بَدَّلْنَا مَکَانَ السَّیِّئَۃِ الْحَسَنَۃَ کے قاعدہ سے جب قحط وغیرہ دور ہو کر ارزانی اور خوشحالی حاصل ہوتی تو کہنے لگتے کہ دیکھو ہماری خوش طالعی اور اقبالمندی کے لائق تو یہ حالات ہیں۔ پھر اگر درمیان میں کبھی کسی ناخوشگوار اور بُری حالت سے دوچار ہونا پڑ جاتا تو کہتے کہ یہ

سب (معاذ اللہ) موسیٰ اور اُس کے رفقاء کی شومی تقدیر اور نحوست ہے۔ حق تعالیٰ نے اسی کا جواب دیا اَلَآ اِنَّمَا طٰٓئِرُهُمْ عِنْدَ اللّٰهِ الخ یعنی اپنی بدبختی اور نحوست کو مقبول بندوں کی طرف کیوں نسبت کرتے ہو۔ تمہاری اس نحوست کا واقعی سبب تو خدا کے علم میں ہے اور وہ تمہارا ظلم وعدوان اور بغاوت وشرارت ہے۔ اسی سبب کی بناء پر خدا کے یہاں سے کچھ حصہ نحوست کا وقتی سزا اور تنبیہ کے طور پر تم کو پہنچ رہا ہے۔ باقی تمہارے ظلم وکفر کی اصلی شومی ونحوست یعنی پوری پوری سزا تو وہ ابھی اللہ کے پاس محفوظ ہے جو دنیا میں یا آخرت میں اپنے وقت پر تم کو پہنچ کر رہے گی۔ جس کی ابھی اکثر لوگوں کو خبر نہیں۔

وَقَالُوْا مَهْمَا تَاْتِنَا بِهٖ مِنْ اٰيَةٍ لِّتَسْحَرَنَا بِهَا ۙ فَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳۲﴾ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ

اور کہنے لگے جو کچھ تو لائیگا ہمارے پاس نشانی کہ ہم پر اُسکی وجہ سے جادو کرے سو ہم ہرگز تجھ پر ایمان نہ لائیں گے ف۱۵۰ پھر ہمنے بھیجا اُن پر

الطُّوْفَانَ وَالْجَرَادَ وَالْقُمَّلَ وَالضَّفَادِعَ وَالدَّمَ اٰيٰتٍ مُّفَصَّلٰتٍ ۫ فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا

طوفان ف۱۵۱ اور ٹڈی اور چچڑی ف۱۵۲ اور مینڈک اور خون بہت سی نشانیاں جدی جدی پھر بھی تکبر کرتے رہے اور تھے وہ

قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ﴿۱۳۳﴾ وَلَمَّا وَقَعَ عَلَيْهِمُ الرِّجْزُ قَالُوْا يٰمُوْسَى ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ ۚ

لوگ گنہگار ف۱۵۳ اور جب پڑتا اُن پر کوئی عذاب تو کہتے اے موسیٰ دعا کر ہمارے واسطے اپنے رب سے جیسا کہ اُس نے بتلا رکھا ہے تجھ کو ف۱۵۴

لَىِٕنْ كَشَفْتَ عَنَّا الرِّجْزَ لَنُؤْمِنَنَّ لَكَ وَلَنُرْسِلَنَّ مَعَكَ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ ﴿۱۳۴﴾ فَلَمَّا كَشَفْنَا

اگر تو نے دور کر دیا ہم سے یہ عذاب تو بیشک ہم ایمان لے آئینگے تجھ پر اور جانے دیں گے تیرے ساتھ بنی اسرائیل کو پھر جب ہمنے اٹھا لیا

عَنْهُمُ الرِّجْزَ اِلٰٓى اَجَلٍ هُمْ بٰلِغُوْهُ اِذَا هُمْ يَنْكُثُوْنَ ﴿۱۳۵﴾ فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَاَغْرَقْنٰهُمْ فِي الْيَمِّ

اُن سے عذاب ایک مدت تک کہ اُن کو اس مدت تک پہنچنا تھا اسی وقت عہد توڑ ڈالتے ف۱۵۵ پھر ہمنے بدلہ لیا اُن سے سو ڈبو دیا ہمنے اُنکو دریا میں

بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِيْنَ ﴿۱۳۶﴾

اس وجہ سے کہ انہوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو اور اُن سے تغافل کرتے تھے ف۱۵۶

(۱۵۰) یہ موسیٰ علیہ السلام کے معجزات ونشانات دیکھ کر کہتے تھے کہ خواہ کیسا ہی جادو آپ ہم پر چلائیں اور اپنے خیال کے موافق کتنے ہی نشان دکھلائیں، ہم کسی طرح تمہاری بات ماننے والے نہیں۔ جب انہوں نے یہ آخری فیصلہ سنا دیا اور قبول حق کے سب دروازے اپنے اوپر بند کر لئے، تب خدا نے اُن پر چند قسم کی عظیم الشان بلائیں یکے بعد دیگرے مسلط کر دیں جنکی تفصیل اگلی آیت میں آتی ہے۔

(۱۵۱) **آلِ فرعون پر طرح طرح کے عذاب** یعنی بارش اور سیلاب کا طوفان یا طاعون کی وجہ سے موت کا طوفان علیٰ اختلاف الاقوال۔

۱۵۲ "قمل" سے مراد چچڑیاں ہیں، جیسا کہ مترجم رحمہ اللہ نے اختیار کیا۔ یا جوئیں یا گیہوں وغیرہ غلہ میں جو کیڑا لگ جاتا ہے جس سے غلہ خراب ہو جاتا ہے۔ یعنی بدن اور کپڑوں میں چچڑیاں اور جوئیں پڑ گئیں۔ غلہ میں گھن لگ گیا۔

(۱۵۳) یعنی تھوڑے تھوڑے وقفہ کے ساتھ یہ سب آیات دکھلائی گئیں۔ مگر وہ کچھ ایسے متکبر، جرائم پیشہ اور پرانے گنہگار تھے کہ کسی طرح مان کر نہ دیا۔ سعید بن جبیر سے منقول ہے کہ جب فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کے مطالبہ (بنی اسرائیل کی آزادی) کو تسلیم نہ کیا تو حق تعالیٰ نے بارش کا طوفان بھیجا، جس سے کھیتیوں وغیرہ کی تباہی کا اندیشہ پیدا ہو گیا۔ آخر گھبرا کر حضرت موسیٰ سے درخواست کی کہ تم اپنے خدا سے کہہ کر یہ بلاء طوفان دور کرا دو تو ہم بنی اسرائیل کو آزادی دے کر تمہارے ساتھ روانہ کر دیں گے۔ موسیٰ علیہ السلام کی دعاء سے بارش بند ہو

گئی اور بجائے نقصان کے پیداوار بہت کثرت سے ہوئی۔ فرعونی عذاب سے بے فکر ہو کر اپنے عہد پر قائم نہ رہے۔ تب اللہ تعالیٰ نے تیار کھیتیوں پر ٹڈی دل بھیج دیا جسے دیکھ کر پھر گھبرائے کہ یہ نئی آفت کہاں سے آگئی۔ پھر موسیٰ علیہ السلام سے دعا کی درخواست کی اور پختہ وعدے کئے کہ اگر یہ عذاب ٹل گیا تو ہم ضرور بنی اسرائیل کو آزاد کر دیں گے۔ جب یہ عذاب بھی اٹھا لیا گیا تو پھر مطمئن ہو گئے اور سب وعدے فراموش کر دیے۔ آخر جس وقت غلہ اٹھا کر مکانوں میں بھر لیا تو خدا کے حکم سے غلہ میں گھن لگ گیا۔ پھر موسیٰ سے دعا کرائی اور بڑے پکے عہد و پیمان کئے، لیکن جہاں وہ حالت ختم ہوئی بدستور سابق سرکشی اور بدعہدی کرنے لگے تو خدا نے ان کا کھانا اور پینا بے لطف کر دیا مینڈک اس قدر کثرت سے پیدا کر دیے گئے کہ ہر کھانے اور برتن میں مینڈک نظر آتا تھا۔ جب بولنے یا کھانے کے لئے منہ کھولتے، مینڈک جست کر کے منہ میں پہنچتا تھا اور ویسے بھی اس جانور کی کثرت نے رہنا سہنا مشکل کر دیا۔ ادھر پینے کے لئے جو پانی لینا چاہتے تھے وہ ہی خدا کے حکم سے برتنوں میں یا منہ میں پہنچ کر خون بن جاتا۔ غرض کھانے پینے تک سے عاجز ہو رہے تھے۔ اس پر بھی شیخی اور اکڑفوں وہ ہی تھی

(۱۵۴) **حضرت موسیٰ سے دعا کی درخواست** یعنی اس نے دعاء کا جو موثر طریقہ تجھ کو بتلا رکھا ہے، اسی طرح دعا کر دیجئے۔ یا بما عھد عندك کا یہ مطلب ہے کہ "نبی اللہ" ہونے کی حیثیت سے دعا فرما دیجئے۔ گویا "عہد" کا اطلاق نبوت پر ہوا، کیونکہ خدا اور نبی کے درمیان ایک طرح کا معاہدہ ہوتا ہے کہ خدا نبی کو خلعت اکرام و اعانت سے سرفراز فرمائے گا اور نبی اس کی پیغام رسانی میں کوئی کوتاہی نہ کرے گا۔ اور ممکن ہے بما عھد عندك سے وہ عہد مراد ہو جو بتوسط انبیاء علیہم السلام، اقوام سے کیا جاتا ہے کہ اگر تم کفر و تکذیب سے باز آ جاؤ گے تو عذاب الٰہی اٹھا لیا جائیگا واللہ اعلم۔

(۱۵۵) اس مدت سے یا تو موت اور غرق ہونے تک کی مدت مراد ہے۔ یا ممکن ہے ایک بلا کے بعد دوسری بلا کے آنے تک کا وقت مراد ہو۔

(۱۵۶) **آل فرعون کا غرق ہونا** "رجز" سے بعض مفسرین کے نزدیک طاعون مراد ہے جیسا کہ بعض احادیث میں یہ لفظ طاعون پر اطلاق کیا گیا ہے۔ لیکن اکثر مفسرین ان آیات کو پچھلی آیات ہی کا بیان قرار دیتے ہیں موضح القرآن میں ہے کہ "یہ سب بلائیں ان پر آئیں ایک ایک ہفتہ کے فرق سے۔ اول حضرت موسیٰ فرعون کو کہہ آتے کہ اللہ تم پر یہ بلا بھیجے گا۔ وہ ہی بلا آتی۔ پھر مضطر ہوتے حضرت موسیٰ کی خوشامد کرتے، ان کی دعا سے دفع ہوتی، پھر منکر ہو جاتے، آخر کو وبا پڑی۔ نصف شب کو سارے شہر میں ہر شخص کا پہلا بیٹا مر گیا، وہ لگے مُردوں کے غم میں، حضرت موسیٰ اپنی قوم کو لے کر شہر سے نکل گئے۔ پھر کئی روز کے بعد فرعون پیچھے لگا۔ دریائے قلزم پر جا پکڑا۔ وہاں یہ قوم سلامت گذر گئی اور فرعون ساری فوج سمیت غرق ہوا۔

وَاَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِيْنَ كَانُوْا يُسْتَضْعَفُوْنَ مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَمَغَارِبَهَا الَّتِيْ بٰرَكْنَا

اور وارث کر دیا ہم نے اُن لوگوں کو جو کمزور سمجھے جاتے تھے ف۱۵۷ اس زمین کے مشرق اور مغرب کا کہ جس میں برکت رکھی

فِيْهَا ؕ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنٰى عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۙ بِمَا صَبَرُوْا ؕ وَدَمَّرْنَا مَا كَانَ يَصْنَعُ

ہی ہم نے ف۱۵۸ اور پورا ہو گیا نیکی کا وعدہ تیرے رب کا بنی اسرائیل پر بسبب اُنکے صبر کرنیکے اور خراب کر دیا ہم نے جو کچھ بنایا تھا

فِرْعَوْنُ وَقَوْمُهٗ وَمَا كَانُوْا يَعْرِشُوْنَ ۝۱۳۷ وَجٰوَزْنَا بِبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ الْبَحْرَ فَاَتَوْا عَلٰى

فرعون اور اسکی قوم نے اور جو اونچا کر کے چھایا تھا ف۱۵۹ اور پار اُتار دیا ہم نے بنی اسرائیل کو دریا سے تو پہنچے ایک

قَوْمٍ يَّعْكُفُوْنَ عَلٰٓى اَصْنَامٍ لَّهُمْ ۚ قَالُوْا يٰمُوْسَى اجْعَلْ لَّنَآ اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ ؕ قَالَ اِنَّكُمْ

قوم پر جو پوجنے میں لگ رہے تھے اپنے بتوں کے ف۱۶۰ کہنے لگے اے موسیٰ بنا دے ہماری عبادت کیلئے بھی ایک بت جیسے ان کے بت ہیں کہا تم لوگ

قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ ﴿۱۳۸﴾ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ مُتَبَّرٌ مَّا هُمْ فِيْهِ وَبٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۳۹﴾ قَالَ اَغَيْرَ اللّٰهِ

تو جہل کرتے ہو ف ۱۶۱ یہ لوگ تباہ ہونیوالی ہے وہ چیز جسمیں وہ لگے ہوئے ہیں اور غلط ہے جو وہ کر رہے ہیں ف ۱۶۲ کہا کیا اللہ کے سوا

اَبْغِيْكُمْ اِلٰهًا وَّهُوَ فَضَّلَكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۴۰﴾ وَاِذْ اَنْجَيْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ

ڈھونڈوں تمہارے واسطے کوئی اور معبود حالانکہ اُسنے تمکو بڑائی دی تمام جہان پر ف ۱۶۳ اور وہ وقت یاد کرو جب نجات دی ہمنے تم کو فرعون والوں سے کہ دیتے تھے تم کو

سُوْٓءَ الْعَذَابِ ۚ يُقَتِّلُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ ۭ وَفِيْ ذٰلِكُمْ بَلَاۗءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ﴿۱۴۱﴾

بُرا عذاب کہ مار ڈالتے تھے تمہارے بیٹوں کو اور جیتا رکھتے تھے تمہاری عورتوں کو اور اس میں احسان ہے تمہارے رب کا بڑا ف ۱۶۴

وَوٰعَدْنَا مُوْسٰى ثَلٰثِيْنَ لَيْلَةً وَّاَتْمَمْنٰهَا بِعَشْرٍ فَتَمَّ مِيْقَاتُ رَبِّهٖٓ اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً ۚ وَ

اور وعدہ کیا ہمنے موسیٰ سے تیس رات کا اور پورا کیا اُن کو اور دس سے پس پوری ہو گئی مدت تیرے رب کی چالیس راتیں ف ۱۶۵ اور

قَالَ مُوْسٰى لِاَخِيْهِ هٰرُوْنَ اخْلُفْنِيْ فِيْ قَوْمِيْ وَاَصْلِحْ وَلَا تَتَّبِعْ سَبِيْلَ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۱۴۲﴾

کہا موسیٰ نے اپنے بھائی ہارون سے کہ میرا خلیفہ رہ میری قوم میں اور اصلاح کرتے رہنا اور مت چلنا مفسدوں کی راہ ف ۱۶۶

(۱۵۷) یعنی بنی اسرائیل کو۔

(۱۵۸) **بنی اسرائیل کو مصر و شام کی وراثت** اکثر مفسرین کے نزدیک اس زمین سے مراد ملک شام ہے جس میں حق تعالیٰ نے بہت سی برکات ودیعت کی ہیں۔ ظاہری تو یہی کہ نہایت سرسبز و شاداب، سیر حاصل، خوش منظر اور زرخیز ملک ہے۔ اور باطنی اس لئے کہ بہت سے انبیاء علیہم السلام کا مسکن و مدفن بنایا گیا ہے۔ بنی اسرائیل مصر سے نکل کر ایک عرصہ تک صحرائے تیہ میں سرگرداں پھرتے رہے۔ جیسا کہ پہلے گذر چکا، بعدہٗ حضرت یوشع کے ساتھ ہو کر "عمالقہ" سے جہاد کیا اور اپنے آبائی وطن ملک شام کے وارث بنے۔ بعض مفسرین نے اس زمین سے مصر مراد لیا ہے۔ یعنی فرعونیوں کو غرق کر کے ہم نے بنی اسرائیل کو مصر کی دولت کا وارث بنا دیا کہ آزادی کے ساتھ اُس سے متمتع ہوں کما قال تعالیٰ کم ترکوا من جنّاتٍ وعیونٍ وزروعٍ ومقامٍ کریمٍ ونعمةٍ کانوا فیہا فاکہین کذلک واورثناہا قومًا اٰخرین (دخان رکوع ۱) ونُرید ان نمنّ علی الذین استضعفوا فی الارض ونجعلہم ائمةً ونجعلہم الوارثین ونمکّن لہم فی الارض ونُری فرعون وہامان وجنودہما منہم ما کانوا یحذرون (القصص رکوع ۱) اس تقدیر پر مصر کی ظاہری برکات تو ظاہر ہیں، باطنی اس حیثیت سے ہونگی کہ حضرت یوسف علیہ السلام وہیں مدفون ہوئے، حضرت یعقوب علیہ السلام وہاں تشریف لے گئے اور آخر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بچپن سے لے کر بڑی عمر تک طویل مدت اسی ملک میں گذاری۔ امام بغوی نے مفسرین کے دونوں قول جمع کر کے اس جگہ مصر و شام دونوں کا ارادہ کیا ہے۔ واللہ اعلم۔

(۱۵۹) یعنی بنی اسرائیل نے جب فرعونیوں کے سخت تباہ کن شدائد پر صبر کیا، موسیٰ علیہ السلام کی ہدایت کے موافق خدا سے استعانت کی اور پیغمبر خدا کا ساتھ دیا تو خدا نے جو نیک وعدہ اُن سے کیا تھا۔ (عسٰی ربکم ان یہلک عدوکم الخ اور نُرید ان نمنّ علی الذین استضعفوا الخ) وہ پورا کر دکھایا۔ فرعون اور اُس کی قوم نے اپنے اپنے کبر و نخوت کے اظہار کے لئے جو ڈھونگ بنا رکھا تھا وہ سب تباہ و برباد ہو گیا۔ اور اُن کی اونچی اونچی عمارتیں تہ و بالا کر دی گئیں سچ ہے "ان الملوک اذا دخلوا قریةً افسدوہا وجعلوا اعزة اہلہا اذلةً"

(۱۶۰) **بنی اسرائیل کا جاہلانہ مطالبہ** بعض نے کہا کہ یہ قبیلہ لخم کے لوگ تھے اور بعض نے کنعانی عمالقہ کو اس کا مصداق قرار دیا ہے

کہتے ہیں کہ اُن کے بُت گائے کی شکل پر تھے واللہ اعلم۔

(۱۶۱) یعنی حق تعالیٰ کی عظمت شان اور تنزیہ و تقدیس سے تم بالکل جاہل معلوم ہوتے ہو۔ واقعہ یہ ہے کہ مدت دراز تک مصری بُت پرستوں کے زیر سایہ رہنے کی وجہ سے بنی اسرائیل کا میلان بار بار اس طرح کے افعال و رسوم شرکیہ کی طرف ہوتا تھا۔ یہ بیہودہ جاہلانہ درخواست بھی مصر کی آب و ہوا اور وہاں کے بُت پرستوں کی صحبت کے تاثرات کو ظاہر کرتی ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ "جاہل آدمی نرے بے صورت معبود کی عبادت سے تسکین نہیں پاتا جب تک سامنے ایک صورت نہ ہو۔ وہ قوم دیکھی کہ گائے کی صورت پوجتی تھی۔ اُن کو بھی یہ ہوس آئی آخر سونے کا بچھڑا بنایا اور پوجا۔"

(۱۶۲) **قوم کو حضرت موسیٰؑ کی نصیحت** یعنی ان کا بُت پرستی کا مذہب میرے اور اہل حق کے ہاتھوں سے آیندہ تباہ ہونے والا ہے۔ اور جو کچھ سوانگ یہ اب تک بناتے رہے ہیں وہ محض باطل، غلط، بیکار اور بے حقیقت ہے۔

(۱۶۳) یعنی خدا کے انعامات عظیمہ کی شکر گذاری اور حق شناسی کیا یہی ہو سکتی ہے کہ غیر اللہ کی پرستش کر کے اللہ سے بغاوت کی جائے۔ پھر بڑی شرم کا مقام ہے کہ جس مخلوق کو خدا نے سارے جہان پر فضیلت دی وہ اپنے ہاتھ سے بنائی ہوئی مورتیوں کے سامنے سربسجود ہو جائے؟ کیا مفضول افضل کا معبود بن سکتا ہے؟

(۱۶۴) اس کی تفسیر پارہ الٓمٓ کے ربع کے بعد ملاحظہ کی جائے۔ یہ مضمون وہاں گذر چکا ہے۔ یعنی جس خدا نے ابھی ابھی تم پر ایسا عظیم الشان احسان فرمایا، کیا اُسے چھوڑ کر لکڑیوں اور پتھروں کے سامنے جھکتے ہو؟

(۱۶۵) **کوہ طور پر چالیس راتوں کا وعدہ** جب بنی اسرائیل کو طرح طرح کی پریشانیوں سے اطمینان نصیب ہوا تو انہوں نے موسیٰ علیہ السلام سے درخواست کی کہ اب ہمارے لئے کوئی آسمانی شریعت لائیے جس پر ہم دلجمعی کے ساتھ عمل کر کے دکھلائیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے اُن کا معروضہ بارگاہ الٰہی میں پیش کر دیا۔ خدا تعالیٰ نے اُن سے کم از کم تیس دن اور زائد از زائد چالیس دن کا وعدہ فرمایا کہ جب اتنی مدت تم پے بر پے روزے رکھو گے اور کوہ طور پر معتکف رہو گے، تو تم کو تورات شریف عنایت کی جائیگی۔ دو مدتیں (کم اور زیادہ) ٹھہرانے کا شاید یہ مطلب تھا کہ اگر اثنائے ریاضت میں وظائف عبودیت اور آداب تقرب ادا کرنے کے اعتبار سے کسی قسم کی کوتاہی اور تقصیر ظاہر نہ کی تو اقل مدت تیس دن کافی ہونگے ورنہ اکثر الاجلین چالیس روزے پورے کرنے پڑینگے۔ یا شروع سے تیس دن ضروری و لازمی میعاد کے طور پر ہوں اور چالیس دن پورے کرنا اختیاری و استحبابی حیثیت سے اصل میعاد کی تکمیل و تتمیم کے طور پر رکھے گئے ہوں۔ جیسے شعیب علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام کو اپنی بیٹی دیتے وقت فرمایا تھا علیٰ اَنْ تَاْجُرَنِیْ ثَمٰنِیَ حِجَجٍ فَاِنْ اَتْمَمْتَ عَشْرًا فَمِنْ عِنْدِکَ وَمَآ اُرِیْدُ اَنْ اَشُقَّ عَلَیْکَ (القصص رکوع ۳) اور ہمارے زمانہ کے بعض مصنفین نے یہ کہا ہے کہ اصلی میعاد چالیس ہی دن کی تھی جیسا کہ سورہ بقرہ میں مذکور ہے اور یہاں بھی فَتَمَّ مِیْقَاتُ رَبِّہٖٓ میں اشارہ کیا گیا ہے۔ یہ اُس چالیس دن کے بیان کا ایک پیرایہ ہے کہ ہم نے تیس دن کا وعدہ کیا تھا جن کا تتمہ دس دن اور تھے تاکہ اشارہ ہو جائے کہ ایک مہینہ سالم (ذیقعدہ) پورا کر کے دوسرے مہینہ (ذی الحجہ) میں سے دس دن اور بڑھائے گئے۔ اس طرح یکم ذی القعدہ سے شروع ہو کر ۱۰ ذی الحجہ کو چلّہ پورا ہوا جیسا کہ اکثر سلف سے منقول ہے واللہ اعلم موضح القرآن میں ہے کہ "حق تعالیٰ نے وعدہ دیا حضرت موسیٰ کو کہ پہاڑ پر تیس رات خلوت کرو کہ تمہاری قوم کو "تورات" دوں۔ اس مدت میں انہوں نے ایک دن مسواک کی۔ فرشتوں کو اُن کے منہ کی بُو سے خوشی تھی، وہ جاتی رہی، اس کے بدلے دس رات اور بڑھا کر مدت پوری کی۔"

(۱۶۶) **حضرت ہارون کو نیابت کی ذمہ داری** یعنی میری غیبت میں میرے حصّہ کا کام بھی تم ہی کرو۔ گویا حکومت و ریاست کے جو اختیارات

موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ مخصوص تھے، وہ ہارون علیہ السلام کو تفویض کر دیے گئے اور چونکہ بنی اسرائیل کی تلون مزاجی اور سست اعتقادی کا پورا تجربہ رکھتے تھے، اس لئے بڑی تصریح و تاکید سے ہارون علیہ السلام کو متنبہ کر دیا کہ اگر میرے پیچھے یہ لوگ کچھ گڑبڑ مچائیں تو تم اصلاح کرنا اور میرے طریق کار پر کاربند رہنا، مفسدہ پردازوں کی راہ پر مت چلنا۔ خدا کی مشیت کہ موسیٰ علیہ السلام یہ وصیت کر کے اُدھر گئے، اُدھر بنی اسرائیل نے گوسالہ پرستی شروع کر دی۔ مگر حضرت ہارونؑ نے موجودہ بائبل نویسوں کے علی الرغم یاقوم انما فتنتم بہ وان ربکم الرحمٰن فَاتَّبِعُوْنِیْ وَاَطِیْعُوْٓا اَمْرِیْ کہہ کر اُن کی گمراہی اور اپنی بیزاری کا صاف صاف اعلان کر دیا اور وصیت موسیٰ کے موافق اصلاح حال کی امکانی کوشش کی۔

وَلَمَّا جَآءَ مُوْسٰی لِمِیْقَاتِنَا وَكَلَّمَهٗ رَبُّهٗ ۙ قَالَ رَبِّ اَرِنِیْۤ اَنْظُرْ اِلَیْكَ ؕ قَالَ لَنْ تَرٰىنِیْ وَ

اور جب پہنچا موسیٰ ہمارے وعدہ پر اور کلام کیا اس سے اسکے رب نے بولا اے میرے رب تو مجھ کو دکھا کہ میں تجھ کو دیکھوں ف۱۶۷ فرمایا تو مجھ کو ہرگز نہ دیکھیگا ف۱۶۸

لٰكِنِ انْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهٗ فَسَوْفَ تَرٰىنِیْ ۚ فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ

لیکن تو دیکھتا رہ پہاڑ کی طرف اگر وہ اپنی جگہ ٹھہرا رہا تو تو مجھ کو دیکھ لیگا ف۱۶۹ پھر جب تجلی کی اسکے رب نے پہاڑ کی طرف

جَعَلَهٗ دَكًّا وَّخَرَّ مُوْسٰی صَعِقًا ۚ فَلَمَّاۤ اَفَاقَ قَالَ سُبْحٰنَكَ تُبْتُ اِلَیْكَ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۱۴۳﴾

کر دیا اس کو ڈھا کر برابر اور گر پڑا موسیٰ بیہوش ہو کر ف۱۷۰ پھر جب ہوش میں آیا بولا تیری ذات پاک ہے میں نے توبہ کی تیری طرف اور میں سب سے پہلے یقین لایا ف۱۷۱

قَالَ یٰمُوْسٰۤى اِنِّی اصْطَفَیْتُكَ عَلَى النَّاسِ بِرِسٰلٰتِیْ وَبِكَلَامِیْ ۖ فَخُذْ مَاۤ اٰتَیْتُكَ وَكُنْ مِّنَ

فرمایا اے موسیٰ میں نے تجھ کو امتیاز دیا لوگوں سے اپنے پیغام بھیجنے کا اور اپنے کلام کرنے کا سو لے جو میں نے تجھ کو دیا اور شاکر

الشّٰكِرِیْنَ ﴿۱۴۴﴾ وَكَتَبْنَا لَهٗ فِی الْاَلْوَاحِ مِنْ كُلِّ شَیْءٍ مَّوْعِظَةً وَّتَفْصِیْلًا لِّكُلِّ شَیْءٍ ۚ

رہ ف۱۷۲ اور لکھ دی ہم نے اُسکو تختیوں پر ہر قسم کی نصیحت اور تفصیل ہر چیز کی ف۱۷۳

فَخُذْهَا بِقُوَّةٍ وَّاْمُرْ قَوْمَكَ یَاْخُذُوْا بِاَحْسَنِهَا ؕ سَاُورِیْكُمْ دَارَ الْفٰسِقِیْنَ ﴿۱۴۵﴾

سو پکڑلے اُنکو زور سے اور حکم کر اپنی قوم کو کہ پکڑے رہیں اُس کی بہتر باتیں عنقریب میں تم کو دکھلاؤں گا گھر نافرمانوں کا ف۱۷۴

(۱۶۷) **حضرت موسیٰؑ کی دیدار حق تعالیٰ کی درخواست** چالیسؑ دن کی میعاد پوری ہو چکنے پر حق تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو کسی مخصوص و ممتاز رنگ میں شرف مکالمہ بخشا۔ اُس وقت حضرت موسیٰؑ کو بلا واسطہ کلام الٰہی سننے کی لذت بے پایاں حاصل ہوئی تو کمال اشتیاق سے متکلم کے دیدار کی آرزو کرنے لگے۔ اور بے ساختہ درخواست کر دی رب ارنی انظر الیک اے پروردگار! میرے اور اپنے درمیان سے حجاب اور موانع اُٹھا دیجئے اور روئے انور بے حجاب سامنے کر دیجئے کہ ایک نظر دیکھ سکوں۔

(۱۶۸) **کوہ طور پر حق تعالیٰ کی تجلی** یعنی دنیا میں کسی مخلوق کا یہ فانی وجود اور فانی قویٰ اُس ذوالجلال الاکرام لم یزل ولا یزال کے دیدار کا تحمل نہیں کر سکتے۔ اس سے ثابت ہوا کہ دنیا میں کسی کا موت سے پہلے دیدار خداوندی کا شرف حاصل ہونا شرعاً ممتنع ہے۔ گو عقلاً ممکن ہو، کیونکہ اگر امکان عقلی بھی نہ مانا جائے، تو موسیٰ علیہ السلام جیسے جلیل القدر پیغمبر کی نسبت یہ خیال نہیں کیا جا سکتا کہ وہ ایک محال عقلی کی درخواست کرتے۔ اہل السنت والجماعت کا یہی مذہب ہے کہ رویت باری دنیا میں عقلاً ممکن، شرعاً ممتنع الوقوع ہے

اور آخرت میں اُس کا وقوع نصوص قطعیہ سے ثابت ہے۔ رہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رویت شب معراج میں، وہ اختلافی مسئلہ ہے جس کا ذکر انشاء اللہ سورہ "نجم" میں آئیگا۔

(۱۶۹) یعنی تم پہاڑ کی طرف دیکھتے رہو، ہم اپنے جمال مبارک کی ایک ذراسی جھلک اُس پر ڈالتے ہیں۔ اگر پہاڑ جیسی سخت اور مضبوط چیز اس کو برداشت کر سکی تو ممکن ہے تم کو بھی اس کا تحمل کرا دیا جائے۔ ورنہ سمجھ لیجئے کہ جس چیز کا تحمل پہاڑ سے نہ ہو سکے، کسی انسان کی مادی ترکیب اور جسمانی آنکھیں اُسے کیسے برداشت کر سکتی ہیں۔ اگرچہ قلبی اور روحانی طاقت کے اعتبار سے زمین، آسمان، پہاڑ، سب چیزوں سے انسان فائق ہو۔ اور اسی لئے موسٰی علیہ السلام جس وحی الٰہی کے حامل تھے بلکہ دوسرے انسان بھی جس امانت عظیمہ کے حامل ہیں، پہاڑ وغیرہ اُس کے اُٹھانے پر قادر نہیں۔ فَاَبَیْنَ اَنْ یَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ (احزاب رکوع ۹) لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ (الحشر۔ رکوع ۳) تاہم جس چیز کا تعلق ظاہری آنکھوں یا بدن کی مادی قوت سے ہو، اس میں انسان دوسری عظیم الخلقت چیزوں سے بہت کمزور واقع ہوا ہے لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ (المومن رکوع ۶) وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا (نساء۔ رکوع ۵) اس جگہ موسٰی علیہ السلام کو انسانی وجود کی اسی کمزوری کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔

(۱۷۰) حق تعالیٰ کی تجلیات بہت طرح کی ہیں اور یہ خدا کا ارادی فعل ہے کہ جس چیز پر جس طرح چاہے تجلی فرمائے۔ پہاڑ پر جو تجلی ہوئی اس نے معًا پہاڑ کے خاص حصّہ کو ریزہ ریزہ کر ڈالا، اور موسٰی علیہ السّلام چونکہ محل تجلی سے قریب تھے، اُن پر اُس قرب محل اور پہاڑ کے ہیبتناک منظر دیکھنے کا یہ اثر ہوا کہ بیہوش ہو کر گر پڑے۔ بلاتشبیہ یوں سمجھ لیجئے کہ بجلی جس چیز پر گرتی ہے اُسے جلا کر ایک آن میں کس طرح خاک سیاہ کر دیتی ہے اور جو لوگ اس مقام کے قریب ہوتے ہیں، بسا اوقات اُنہیں بھی کم و بیش صدمہ پہنچ جاتا ہے۔

(۱۷۱) یعنی پاک ہے اس سے کہ کسی مخلوق کے مشابہ ہو اور یہ فانی آنکھیں اس کے دیدار کا تحمل کر سکیں۔ تیری پاکی اور برتری کا اقتضاء یہ ہے کہ کسی چیز کی طلب تیری اجازت کے بدون نہ کی جائے۔ میں توبہ کرتا ہوں کہ فرط اشتیاق میں بدون اجازت کے ایک نازیبا درخواست کر گذرا۔ میں اپنے زمانہ کے سب لوگوں سے پہلے تیری عظمت و جلال کا یقین رکھتا ہوں اور پہلا وہ شخص ہوں جسے ذوقی و عیانی طریق پر منکشف ہوا کہ خداوند قدوس کی رویت دنیا میں ان ظاہری آنکھوں سے واقع نہیں ہو سکتی۔

(۱۷۲) یعنی دیدار نہ ہو سکا نہ سہی، یہ شرف و امتیاز کیا تھوڑا ہے کہ ہم نے تجھ کو پیغمبر بنایا اور تورات عطا کی اور بلاواسطہ کلام فرمایا۔ سو جس قدر بخشش ہماری طرف سے ہوئی، اُسے پلے باندھو اور ان بندوں میں شامل رہو جنہیں خدا نے "شاکرین" کے امتیازی لقب سے ملقب فرمایا ہے۔

(۱۷۳) **حضرت موسٰی کو تختیوں کا عطیہ** بعض کہتے ہیں کہ تورات شریف ان تختیوں پر لکھی ہوئی تھی۔ اور بعض علماء کا خیال ہے کہ یہ تختیاں تورات کے علاوہ تھیں جو نزول تورات سے پہلے مرحمت ہوئیں۔ بہرحال دیدار نہ ہو سکنے سے جو شکستگی موسٰی علیہ السّلام کو ہوئی اس کی تلافی اور جبر مافات کے طور پر الواح عطا کی گئیں۔ جن میں ہر قسم کی نصیحتیں اور تمام ضروری احکام کی تفصیل تھی (ابن کثیر)

(۱۷۴) یعنی خود بھی ان الواح کو مضبوطی اور احتیاط سے پکڑے رہو کہیں ہاتھ سے چھوٹ نہ جائیں اور اپنی قوم کو سمجھاؤ کہ وہ ان الواح کی بہترین ہدایات پر پختگی سے عمل کرتے رہیں اور ایسی اچھی چیز کو ہاتھ سے نہ دیں۔ (تنبیہ) لفظ "اَحْسَنِهَا" سے یا تو اس پر متنبہ فرمانا ہے کہ اُن میں "احسن" کے سوا اور کچھ نہیں۔ یا یہ مطلب ہے کہ جو احکام دیئے گئے تھے یوں تو سب فی حد ذاتہ "حسن" ہیں۔ مگر بعض بعض سے احسن ہوتے ہیں۔ مثلاً ظالم سے بدلہ لینا جائز اور حسن ہے۔ لیکن صبر کرنا اور معاف کر دینا عزیمت اور احسن ہے۔ گویا بنی اسرائیل کو اس پر آمادہ کرنا تھا کہ عزائم و مندوبات کے اکتساب میں سعی کریں اور خدا کے کامل فرمانبردار بنیں۔

اگر نافرمانی کریں گے تو انہیں نافرمانوں کا گھر دکھلا دیا جائیگا۔ یعنی آخرت میں دوزخ اور دنیا میں تباہی و رسوائی۔ اعاذنا اللہ منہما (ابن کثیر و بغوی) اور بعض نے نافرمانوں کے گھر سے شام یا مصر مراد لیا ہے۔ جو نافرمان عمالقہ یا فرعونیوں کا ملک تھا۔ اس صورت میں یہ آیت بنی اسرائیل کے لیے بشارت ہو گی کہ اگر پوری طرح فرمانبرداری کرو گے تو نافرمانوں کے ملک تم کو دے دیے جائیں گے۔ والراجح ہو الاول کما رجحہ ابن کثیر۔

سَاَصْرِفُ عَنْ اٰيٰتِيَ الَّذِيْنَ يَتَكَبَّرُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۭ وَاِنْ يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا

میں پھیر دونگا اپنی آیتوں سے اُن کو جو تکبر کرتے ہیں زمین میں ناحق اور اگر دیکھ لیں ساری نشانیاں ایمان نہ لائیں اُن

بِهَا ۚ وَاِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ الرُّشْدِ لَا يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا ۚ وَاِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ الْغَيِّ يَتَّخِذُوْهُ

پر اور اگر دیکھیں رستہ ہدایت کا تو نہ ٹھہرائیں اُس کو راہ اور اگر دیکھیں رستہ گمراہی کا تو اُس کو ٹھہرا لیں

سَبِيْلًا ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِيْنَ (۱۴۶) وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا

راہ یہ اس لیے کہ انہوں نے جھوٹ جانا ہماری آیتوں کو اور رہے اُن سے بے خبر ف ۱۷۵ اور جنہوں نے جھوٹ جانا ہماری

ع ۱۷

بِاٰيٰتِنَا وَلِقَاۗءِ الْاٰخِرَةِ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ۭ هَلْ يُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (۱۴۷) وَاتَّخَذَ قَوْمُ

آیتوں کو اور آخرت کی ملاقات کو برباد ہوئیں اُن کی محنتیں وہی بدلا پائیں گے جو کچھ عمل کرتے تھے ف ۱۷۶ اور بنا لیا موسیٰ

مُوْسٰي مِنْۢ بَعْدِهٖ مِنْ حُلِيِّهِمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ ۭ اَلَمْ يَرَوْا اَنَّهٗ لَا يُكَلِّمُهُمْ وَلَا

کی قوم نے اُس کے پیچھے اپنے زیور سے بچھڑا ف ۱۷۷ ایک بدن کہ اُس میں گائے کی آواز تھی کیا انہوں نے یہ نہ دیکھا کہ وہ اُن سے بات بھی نہیں کرتا اور

وقف لازم

يَهْدِيْهِمْ سَبِيْلًا ۘ اِتَّخَذُوْهُ وَكَانُوْا ظٰلِمِيْنَ (۱۴۸) وَلَمَّا سُقِطَ فِيْٓ اَيْدِيْهِمْ وَرَاَوْا اَنَّهُمْ

نہیں بتلاتا رستہ معبود بنا لیا اُس کو اور وہ تھے ظالم ف ۱۷۸ اور جب پچھتائے اور سمجھے کہ ہم بیشک

قَدْ ضَلُّوْا ۙ قَالُوْا لَىِٕنْ لَّمْ يَرْحَمْنَا رَبُّنَا وَيَغْفِرْ لَنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ (۱۴۹)

گمراہ ہو گئے تو کہنے لگے اگر نہ رحم کرے ہم پر ہمارا رب اور نہ بخشے ہم کو تو بیشک ہم تباہ ہو گئے ف ۱۷۹

(۱۷۵) **تکبر کی سزا** جو لوگ خدا اور پیغمبروں کے مقابلہ میں ناحق کا تکبر کرتے ہیں اور نخوت و غرور اجازت نہیں دیتا کہ احکام الٰہی کو قبول کریں ہم بھی اُن کے دل اپنی آیات کی طرف سے پھیر دیں گے کہ آئندہ اُن سے منتفع ہونے کی توفیق نہ ہو گی۔ ایسے لوگوں کی کیفیت یہ ہوتی ہے کہ خواہ کتنے ہی نشان دیکھیں اور کتنی ہی آیتیں سُنیں ٹس سے مس نہ ہوں ہدایت کی سڑک کیسی ہی صاف اور کشادہ ہو، اُس پر نہ چلیں ہاں گمراہی کے راستہ پر نفسانی خواہشات کی پیروی میں دوڑے چلے جائیں۔ تکذیب کی عادت اور غفلت کی تمادی سے جب دل مسخ ہو جاتا ہے۔ اس وقت آدمی اُس حالت کو پہنچتا ہے۔

(۱۷۶) یعنی احکام الٰہیہ پر چلنے کی توفیق نہ ہو گی۔ اور جو کچھ کام اپنی عقل سے کریں گے وہ خدا کے یہاں قبول نہ ہو گا۔ جیسا کریں گے ویسا بھگتیں گے۔ باقی اُن کی بے جان اور مردہ نیکیوں کا جو بدلہ ملنا ہو گا دنیا میں مل رہے گا۔

(۱۷۷) **زیور اور بچھڑا** یہ زیور جسے گلا کر اور ڈھال کر بچھڑا بنایا اصل میں فرعون کی قوم قبطیوں کا تھا۔ اُن کے پاس سے بنی اسرائیل کے قبضہ میں آیا۔ جیسا کہ سورۂ "طٰہٰ" میں ہے حُمِّلْنَآ اَوْزَارًا مِّنْ زِيْنَةِ الْقَوْمِ۔

(۱۷۸) **بچھڑے کی بے معنی آواز** سورۂ "طٰہٰ" میں اس بچھڑے کا مفصل قصہ آئیگا، یہاں اُن کی حماقت و سفاہت پر متنبہ فرمایا ہے کہ ایک خود ساختہ ڈھانچہ میں سے گائے کی آواز سُن لینے پر مفتوں ہو گئے اور بچھڑے کو خدا سمجھ بیٹھے۔ حالانکہ اس کی بے معنی آواز میں نہ کوئی کلام و خطاب تھا نہ دینی یا دنیوی رہنمائی اُس سے ہوتی تھی۔ اس طرح کی صوتِ محض کو کسی چیز کو انسانیت کے درجہ تک بھی نہیں پہنچا سکتی، چہ جائیکہ خالق جل وعلا کے مرتبہ پر پہنچا دے۔ یہ کتنا بڑا ظلم اور بے موقع کام ہے کہ ایک معمولی جانور کی صورت کو خدا کہہ دیا جائے بات یہ ہے کہ اس قوم کو پہلے ہی سے ایسی بے موقع باتیں کرنے کی عادت تھی۔ چنانچہ پیشتر اِجْعَلْ لَّنَآ اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ کی درخواست موسیٰ علیہ السلام سے کر چکے تھے۔

(۱۷۹) **بنی اسرائیل کی ندامت** اپنی بدعقلی اور کجروی سے انہوں نے ایسا بے ڈھنگا اور بھونڈا کام کیا تھا کہ موسیٰ علیہ السلام کے تنبیہ کے بعد جب باطل کا جوش ٹھنڈا ہوا اور عقل و ہوش کچھ ٹھکانے ہوئے تو خود بھی اپنی حرکت پر بہت شرمائے گویا مارے ندامت کے ہاتھ کاٹنے لگے اور خوف و ہراس کی وجہ سے ہاتھوں کے طوطے اُڑ گئے۔ گھبرا کر کہنے لگے اب کیسے بنیگی اگر خدا نے ہم پر رحم فرما کر توبہ اور مغفرت کی کوئی صورت نہ نکالی، تو یقیناً ہم ابدی خسران اور دائمی ہلاکت میں جا پڑیں گے۔

وَلَمَّا رَجَعَ مُوْسٰٓى اِلٰى قَوْمِهٖ غَضْبَانَ اَسِفًا ۙ قَالَ بِئْسَمَا خَلَفْتُمُوْنِيْ مِنْۢ بَعْدِيْ ۚ

اور جب لوٹ آیا موسیٰ اپنی قوم میں غصہ میں بھرا ہوا افسوسناک ف ۱۸۰ بولا کیا بُری نیابت کی تم نے میری میرے بعد ف ۱۸۱

اَعَجِلْتُمْ اَمْرَ رَبِّكُمْ ۚ وَاَلْقَى الْاَلْوَاحَ وَاَخَذَ بِرَاْسِ اَخِيْهِ يَجُرُّهٗٓ اِلَيْهِ ۭ قَالَ ابْنَ اُمَّ اِنَّ

کیوں جلدی کی تم نے اپنے رب کے حکم سے ف ۱۸۲ اور ڈالدیں وہ تختیاں اور پکڑا سر اپنے بھائی کا لگا کھینچنے اُس کو اپنی طرف ف ۱۸۳ وہ بولا کہ اے میری ماں کے جنے

الْقَوْمَ اسْتَضْعَفُوْنِيْ وَكَادُوْا يَقْتُلُوْنَنِيْ ڮ فَلَا تُشْمِتْ بِيَ الْاَعْدَاۗءَ وَلَا تَجْعَلْنِيْ مَعَ الْقَوْمِ

لوگوں نے مجھ کو کمزور سمجھا اور قریب تھے کہ مجھ کو مار ڈالیں سو مت ہنسا مجھ پر دشمنوں کو اور نہ ملا مجھ کو گنہگار لوگوں

الظّٰلِمِيْنَ ۝۱۵۰ قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَلِاَخِيْ وَاَدْخِلْنَا فِيْ رَحْمَتِكَ ڮ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ۝۱۵۱ اِنَّ الَّذِيْنَ ع ۱۸ / ۸

میں ف ۱۸۴ بولا اے میرے رب معاف کر مجھ کو اور میرے بھائی کو اور داخل کر ہم کو اپنی رحمت میں اور تو سب سے زیادہ رحم کرنیوالا ہے ف ۱۸۵ البتہ جنہوں نے

اتَّخَذُوا الْعِجْلَ سَيَنَالُهُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَذِلَّةٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۭ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي

بچھڑے کو معبود بنالیا اُن کو پہنچیگا غصہ اُن کے رب کا اور ذلّت دنیا کی زندگی میں اور یہی سزا دیتے ہیں ہم بہتان باندھنے

الْمُفْتَرِيْنَ ۝۱۵۲ وَالَّذِيْنَ عَمِلُوا السَّيِّاٰتِ ثُمَّ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِهَا وَاٰمَنُوْٓا ۡ اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ

والوں کو ف ۱۸۶ اور جنہوں نے کئے بُرے کام پھر توبہ کی اُس کے بعد اور ایمان لائے تو بیشک تیرا رب توبہ کے پیچھے البتہ بخشنے والا

رَّحِيْمٌ ۝۱۵۳ وَلَمَّا سَكَتَ عَنْ مُّوْسَى الْغَضَبُ اَخَذَ الْاَلْوَاحَ ښ وَفِيْ نُسْخَتِهَا هُدًى وَّرَحْمَةٌ

مہربان ہے ف ۱۸۷ اور جب تھم گیا موسیٰ کا غصہ تو اُس نے اُٹھا لیا تختیوں کو اور جو اُن میں لکھا ہوا تھا اُسمیں ہدایت اور رحمت تھی اُن

لِّلَّذِيْنَ هُمْ لِرَبِّهِمْ يَرْهَبُوْنَ ۝۱۵۴

کے واسطے جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں

(۱۸۰) **حضرت موسیٰ کا غم و غصہ** کیونکہ حق تعالیٰ نے طور ہی پر اطلاع دیدی تھی کہ سامری نے تیری قوم کو گمراہ کر دیا ہے۔ یہ سن کر موسیٰ سخت

متاسف اور غضبناک تھے۔

(۱۸۱) یہ خطاب عُبّادِ عجل (گوسالہ پرستوں) کو تھا۔ یعنی میرے پیچھے تم نے خوب میری قائم مقامی کی۔ جس بات پر میں سب سے زیادہ زور دیتا تھا (خدا کی توحید و تفرید) اُس کی جگہ تم نے بچھڑے کی پوجا یہ کہہ کر کھڑی کر دی کہ هٰذَآ اِلٰهُكُمْ وَاِلٰهُ مُوسٰى (فی الحقیقت یہی تمہارا اور موسٰی کا معبود ہے) اور ممکن ہے خطاب ہارونؑ علیہ السلام کو بھی ہو کہ تم نے میری نیابت کا حق جو اُخْلُفْنِيْ فِيْ قَوْمِيْ کہہ کر سپرد کر گئے تھے۔ اچھی طرح ادا نہ کیا کہ اُن کو روکتے اور مضبوطی سے اس فتنہ کا مقابلہ کرتے، جیسا کہ سورہ "طٰہٰ" میں مفصل آئیگا۔

(۱۸۲) یعنی میں پروردگار سے تمہارے لئے احکام ہی لینے تو گیا تھا اور چالیس روز کی میعاد بھی خدا نے مقرر کر دی تھی تم نے خدا کی مقرر کی ہوئی مدت پوری ہونے اور اُس کے احکام لے آنے کا بھی انتظار نہ کیا۔ کچھ بہت زمانہ تو نہیں گذر گیا تھا جو تم نے گھبرا کر اس قدر جلد خدا کے قہر و غضب کو اپنی طرف آنے کی دعوت دی۔ اَفَطَالَ عَلَيْكُمُ الْعَهْدُ اَمْ اَرَدْتُّمْ اَنْ يَّحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَخْلَفْتُمْ مَّوْعِدِيْ (طٰہٰ رکوع ۴)

(۱۸۳) **حضرت موسٰی کی حضرت ہارون سے باز پرس** حضرت موسٰی علیہ السلام اس مشرکانہ ڈھونگ کو دیکھ کر اور ہارون علیہ السلام کی نرمی و تساہل کا گمان کر کے اس قدر افروختہ اور دینی حمیت و غیرت کے جوش سے اس قدر بے قابو ہو رہے تھے کہ ہارون علیہ السلام کی طرف لپکے اور حرارت ایمانی کے بے اندازہ جوش میں اُن کی ڈاڑھی اور سر کے بال پکڑ لئے۔ معاذ اللہ ہارون کی اہانت کی نیت سے نہیں کیونکہ ہارون خود مستقل نبی اور عمر میں موسٰی علیہ السلام سے تین سال بڑے تھے۔ پھر ایک اولوالعزم پیغمبر سے یہ کیسے ممکن تھا کہ دوسرے نبی کی جو اس کا بڑا بھائی بھی ہو ذرہ برابر توہین کا ارادہ کرے۔ نہیں موسٰی علیہ السلام کی طرف سے یہ معاملہ اس وقت ہوا جبکہ وہ قوم کی سخت بدعنوانی کی بناء پر بغض فی اللہ اور غصہ سے بے اختیار ہو رہے تھے۔ حضرت ہارون کی نسبت یہ خیال گذر رہا تھا کہ شاید انہوں نے اصلاح حال کی پوری کوشش نہیں کی۔ حالانکہ ان کو اصلاح کی بڑی تاکید کر گئے تھے۔ بیشک ہارون، نبی اور عمر میں بڑے تھے، مگر رتبہ میں موسٰی علیہ السلام اُن سے بڑے تھے اور سیاسی و انتظامی حیثیت سے ہارون کو اُن کا وزیر اور تابع بنایا گیا تھا اس موقع پر موسٰی علیہ السلام کی شان سیادت و حکومت کا ظہور ہوا۔ گویا اُن کی طرف سے یہ دار و گیر اور سخت باز پرس حضرت ہارون کی تقصیر مظنون پر ایک قسم کی فعلی ملامت تھی۔ جس سے قوم کو بھی پوری طرح متنبہ کر دیا گیا کہ پیغمبر کا قلب نشہ توحید سے کس قدر سرشار اور دسیسہ شرک و کفر سے کس قدر نفور و بیزار ہوتا ہے کہ اس معاملہ میں ادنٰی ترین تساہل یا خاموشی کو بھی برداشت نہیں کر سکتے حتٰی کہ ایک نبی کی نسبت اگر ایسا وہم ہو جائے کہ اُس نے شرک کے مقابلہ پر آواز بلند کرنے میں ذرا سی کوتاہی کی ہے تو اُس کی بزرگی اور وجاہت عند اللہ بھی ایسی سخت باز پرس سے اُن کو نہیں روک سکتی۔ بہرحال موسٰی علیہ السلام اس حالت میں شرعًا معذور تھے۔ اسی فرطِ غضب اور ہنگامہ دار و گیر میں الواح (وہ تختیاں جو خدا کی طرف سے مرحمت ہوئی تھیں) اُن کے ہاتھ سے چھوٹ گئیں۔ جسے عدم تحفظ کی وجہ سے تغلیظًا "القاء" سے تعبیر فرمایا، کیونکہ بظاہر خذھا بقوۃ کا امتثال نہ کر سکے۔ یا جیسا کہ بعض مفسرین کا خیال ہے ہارون کی طرف بڑھتے وقت ہاتھ خالی کرنے کے لئے بہت تیزی اور عجلت کے ساتھ تختیاں ایک طرف رکھ دیں۔ مگر چونکہ ان دونوں معاملات کی سطح جو ہارون یا الواح کے متعلق ظہور میں آئے صورۃً پسندیدہ نہ تھی، گو موسٰی علیہ السلام نیتۃً معذور تھے اس لئے آیندہ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ الخ کہہ کر حق تعالٰی سے عفو کی درخواست کی واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔

(۱۸۴) **حضرت ہارونؑ کا جواب اور معذرت** گو ہارون علیہ السلام حضرت موسٰیؑ کے عینی بھائی ہیں۔ مگر ماں کی طرف نسبت کرنے اُن کو نرمی اور شفقت پر آمادہ کرنا تھا اس آیت میں ہارون کی معذرت کا بیان ہے۔ حاصل یہ ہے کہ میں اپنے مقدور کے موافق اُن کو سمجھا چکا۔ لیکن انہوں نے میری کچھ حقیقت نہ سمجھی، اُلٹے مجھے قتل کرنے پر آمادہ ہونے لگے۔ اب آپ ایسا معاملہ کر کے اُن کو مجھ پر ہنسنے کا

موقع نہ دیجئے اور عتاب و غصہ کا اظہار کرتے وقت مجھ کو ظالموں کے ذیل میں شامل نہ کیجئے۔

(۱۸۵) **حضرت موسٰی کا استغفار** یعنی شدت غضب میں جو بے اعتدالی یا اجتہادی غلطی مجھ سے ہوئی خواہ میں اُس میں کتنا ہی نیک نیت ہوں، آپ معاف فرما دیجئے اور میرے بھائی ہارون سے اگر ان کے درجہ اور شان کو ملحوظ رکھتے ہوئے کسی طرح کی کوتاہی قوم کی اصلاح میں ہوئی، اس سے بھی درگذر فرمایئے۔

(۱۸۶) **گوسالہ پرستوں کی سزا اور قتل مُرتد** یہ غضب وہ ہی ہے جس کا ذکر سورۂ بقرہ میں رُبع پارہ الٓمٓ کے بعد گذر چکا۔ یعنی "گوسالہ پرستوں" کو وہ لوگ قتل کریں جنہوں نے یہ حرکت نہیں کی اور دوسروں کو روکنے میں حصہ بھی نہ لیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ مرتد کی سزا دنیا میں قتل ہے۔

(۱۸۷) یعنی بُرا کام حتّٰی کہ شرک و کفر کر کے پھر توبہ کر لے اور ایمان لے آئے تو "غفور رحیم" کے یہاں رحمت اور معافی کی کچھ کمی نہیں یہ معافی وغیرہ آخرت سے متعلق ہے۔ گویا اشارہ فرما دیا کہ گوسالہ پرستوں کو جو سزائے قتل دی گئی وہ اُن کے حق میں شرطِ قبول توبہ سمجھی گئی تھی توبوا الٰی بارئکم فاقتلوا انفسکم (بقرہ) اب اُن پر اُخروی مواخذہ باقی نہیں رہا۔ دنیوی سزا کے بعد اُخروی حالت کا بیان اس جگہ ایسا ہی ہے۔ جیسے دوسری جگہ السارق والسارقۃ فاقطعوا ایدیہما الخ کے بعد فمن تاب من بعد ظلمہ واصلح فان اللّٰہ یتوب علیہ ان اللّٰہ غفور رحیم فرما دیا گیا۔

وَاخْتَارَ مُوسٰی قَوْمَہٗ سَبْعِیْنَ رَجُلًا لِّمِیْقَاتِنَا ۚ فَلَمَّآ اَخَذَتْہُمُ الرَّجْفَۃُ قَالَ رَبِّ لَوْ شِئْتَ

اور چن لئے موسٰی نے اپنی قوم میں سے ستر مرد ہمارے وعدہ کے وقت پر لانے کو پھر جب اُن کو زلزلہ نے پکڑا تو بولا اے رب میرے اگر تو چاہتا تو

اَہْلَکْتَہُمْ مِّنْ قَبْلُ وَاِیَّایَ ؕ اَتُہْلِکُنَا بِمَا فَعَلَ السُّفَہَآءُ مِنَّا ۚ اِنْ ہِیَ اِلَّا فِتْنَتُکَ ؕ

پہلے ہی ہلاک کر دیتا اُن کو اور مجھ کو کیا ہم کو ہلاک کرتا ہے اس کام پر جو کیا ہماری قوم کے احمقوں نے یہ سب تیری آزمائش ہے

تُضِلُّ بِہَا مَنْ تَشَآءُ وَتَہْدِیْ مَنْ تَشَآءُ ؕ اَنْتَ وَلِیُّنَا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَیْرُ

بچلا دے اس میں جس کو تو چاہے اور سیدھا رکھے جس کو چاہے تو ہی ہے ہمارا تھامنے والا سو بخش دے ہم کو اور رحمت کر ہم پر اور تو سب سے بہتر

الْغٰفِرِیْنَ ﴿۱۵۵﴾ وَاکْتُبْ لَنَا فِیْ ہٰذِہِ الدُّنْیَا حَسَنَۃً وَّفِی الْاٰخِرَۃِ اِنَّا ہُدْنَآ اِلَیْکَ ؕ قَالَ عَذَابِیْٓ

بخشنے والا ہے ف ۱۸۸ اور لکھ دے ہمارے لئے اس دنیا میں بھلائی اور آخرت میں ہم نے رجوع کیا تیری طرف فرمایا میرا عذاب ڈالتا

اُصِیْبُ بِہٖ مَنْ اَشَآءُ ۚ وَرَحْمَتِیْ وَسِعَتْ کُلَّ شَیْءٍ ؕ فَسَاَکْتُبُہَا لِلَّذِیْنَ یَتَّقُوْنَ وَیُؤْتُوْنَ

ہوں میں اُس کو جس پر چاہوں اور میری رحمت شامل ہے ہر چیز کو سو اُس کو لکھ دوں گا اُن کے لئے جو ڈر رکھتے ہیں اور دیتے ہیں

الزَّکٰوۃَ وَالَّذِیْنَ ہُمْ بِاٰیٰتِنَا یُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۵۶﴾ ۚ

زکوٰۃ اور جو ہماری باتوں پر یقین رکھتے ہیں ف ۱۸۹

(۱۸۸) **ستر سرداروں کے ساتھ کوہِ طور پر حاضری** راجح یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ میقات اُس میقات کے علاوہ ہے جو موسٰی علیہ السلام کو "تورات" عطا فرمانے کے لئے مقرر ہوا تھا۔ نیز آیات حاضرہ کی ترتیب سے بظاہر مفہوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ گوسالہ پرستی اور سزایابی کے بعد پیش آیا۔ لیکن سورۂ نساء کی آیت فقالوا ارنا اللّٰہ جہرۃ فاخذتہم الصاعقۃ بظلمہم ثم اتخذوا العجل من بعد ما جاءتہم

البَیِّنَاتُ الخ" زیادہ صفائی سے بتلاتی ہے کہ گوسالہ پرستی اس واقعہ کے بعد ہوئی۔ واللہ اعلم بالصواب۔ اس واقعہ کا خلاصہ سورہ بقرہ میں ربع پارہ "الم" کے بعد گذر چکا ہے۔ بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا تھا کہ تمہاری باتیں اس وقت تسلیم کر سکتے ہیں جب خدا تعالیٰ سے خود سن لیں۔ حضرت موسیٰؑ اُن میں سے ستر آدمیوں کو جو سردار تھے منتخب کر کے طور پر لے گئے۔ آخر انہوں نے حق تعالیٰ کا کلام سن لیا کہنے لگے کہ جب تک ہم خدا کو اپنی آنکھوں سے بے حجاب دیکھ نہ لیں، ہم کو یقین نہیں آسکتا۔ اس گستاخی پر نیچے سے سخت بھونچال آیا اور اُوپر سے بجلی کی کڑک ہوئی، آخر کانپ کر مر گئے، یا مردوں کی سی حالت کو پہنچ گئے۔

حضرت موسیٰؑ کی مؤثر دُعا موسیٰ نے اپنے آپ کو اُن کے ساتھ نتھی کر کے نہایت مؤثر انداز میں دعا کی، جس کا حاصل یہ تھا کہ خداوندا! اگر تو ہلاک کرنا ہی چاہتا تو ان سب کو بلکہ اُن کے ساتھ مجھ کو بھی کہ میں ہی انہیں لے کر آیا، یہاں بلانے اور کلام سنانے سے پہلے ہی ہلاک کر دیتا کس کی مجال تھی کہ آپ کی مشیت کو روک سکتا؟ جب آپ نے ایسا نہیں چاہا، بلکہ مجھے لانے کی اور ان کو کلام الٰہی سننے کے لئے یہاں آنے کی اجازت دی، تو یہ کیسے گمان کیا جا سکتا ہے کہ اپنے یہاں بلا کر محض بعض بے وقوفوں کی حماقت کی سزا میں ہم سب کو ہلاک کر دینا چاہیں یقیناً یہ (رجفہ وصاعقہ کا) منظر سب آپ کی طرف سے ہماری آزمائش و امتحان ہے اور ایسے سخت امتحانات میں ثابت قدم رکھنا یا نہ رکھنا بھی آپ ہی کے قبضہ میں ہے۔ اس قسم کے خطرناک اور مزلۃ الاقدام مواقع میں آپ ہی ہمارے تھامنے اور دستگیری کرنے والے ہیں اور صرف آپ ہی کی ذات منبع الخیرات سے یہ اُمید ہو سکتی ہے کہ ہم سب کی گذشتہ تقصیرات اور بے اعتدالیوں سے درگذر فرمائیں۔ اور آئندہ اپنی رحمت سے ایسی خطاؤں اور غلطیوں کا شکار نہ ہونے دیں۔ حضرت موسیٰؑ کی اس دعا پر وہ لوگ بخشے گئے اور خدا نے اُن کو از سر نو زندگی مرحمت فرمائی کما قال ثُمَّ بَعَثْنَاكُم مِّن بَعْدِ مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ۔

(۱۸۹) **کوہ طور پر اُمت محمدیہ کے حق میں اللہ کا ایک وعدہ** حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ "شاید حضرت موسیٰؑ نے اپنی اُمت کے حق میں دنیا اور آخرت کی بھلائی جو مانگی مراد یہ تھی کہ سب اُمتوں پر مقدم اور فائق رہیں دنیا اور آخرت میں، جواباً خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ میرا عذاب اور رحمت کسی فرقہ پر مخصوص نہیں، سو عذاب تو اُسی پر ہے جس کو اللہ چاہے اور رحمت عامہ سب مخلوق کو شامل ہے، لیکن وہ رحمتِ خاص جو تم طلب کر رہے ہو، لکھی ہے اُن کے نصیب میں جو اللہ کا ڈر رکھتے ہیں اور اموال میں زکوٰۃ ادا کرتے یا نفس کا تزکیہ کرتے ہیں اور خدا کی ساری باتوں پر یقین کامل رکھتے ہیں۔ یعنی آخری اُمت کہ سب کتابوں پر ایمان لاوے گی، سو حضرت موسیٰ کی اُمت میں سے جو کوئی آخری کتاب پر یقین لائے وہ پہنچے اس نعمت کو اور حضرت موسیٰ کی دُعا اُن کو لگی۔"

الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ النَّبِيَّ الْأُمِّيَّ الَّذِي يَجِدُونَهُ مَكْتُوبًا عِندَهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَ

وہ لوگ جو پیروی کرتے ہیں اُس رسول کی جو نبی اُمّی ہے **ف۱۹۰** کہ جس کو پاتے ہیں لکھا ہوا اپنے پاس توریت اور

الْإِنجِيلِ يَأْمُرُهُم بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَاهُمْ عَنِ الْمُنكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ

انجیل میں **ف۱۹۱** وہ حکم کرتا ہے اُن کو نیک کام کا اور منع کرتا ہے بُرے کام سے اور حلال کرتا ہے اُن کیلئے سب پاک چیزیں اور حرام کرتا ہے اُن پر

الْخَبَائِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ ۚ فَالَّذِينَ آمَنُوا بِهِ وَعَزَّرُوهُ وَ

ناپاک چیزیں اور اُتارتا ہے اُن پر سے اُن کے بوجھ اور وہ قیدیں جو اُن پر تھیں **ف۱۹۲** سو جو لوگ اُس پر ایمان لائے اور اسکی رفاقت کی اور

۱۹ ع ۹ نَصَرُوهُ وَاتَّبَعُوا النُّورَ الَّذِي أُنزِلَ مَعَهُ ۙ أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿١٥٧﴾

اُس کی مدد کی اور تابع ہوئے اُس نور کے جو اُسکے ساتھ اترا ہے **ف۱۹۳** وہی لوگ پہنچے اپنی مراد کو

(۱۹۰) **لفظ اُمّی کی تشریح** "اُمّی" یا تو "اُم" (بمعنی والدہ) کی طرف منسوب ہے۔ جس طرح بچہ ماں کے پیٹ سے پیدا ہوتا ہے اور کسی کا شاگرد نہیں ہوتا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ساری عمر کسی مخلوق کے سامنے زانوئے تلمذ تہ نہیں کیا۔ اس پر کمال یہ ہے کہ جن علوم ومعارف اور حقائق واسرار کا آپ نے افاضہ فرمایا کسی مخلوق کا حوصلہ نہیں کہ اس کا عشر عشیر پیش کر سکے۔ پس "نبی امی" کا لقب اس حیثیت سے آپ کے لئے مایۂ صد افتخار ہے، اور یا "امی" کی نسبت "ام القریٰ" کی طرف ہو جو "مکہ معظمہ" کا لقب ہے جو آپکا مولد شریف تھا۔

(۱۹۱) **توراۃ وانجیل میں آنحضرتؐ کا تذکرہ** یعنی آپ کی تشریف آوری کی بشارات اور نعوت وصفات کتب سماویہ سابقہ میں مذکور ہیں۔ حتیٰ کہ اس وقت سے لے کر آج تک ساڑھے تیرہ سو برس کی کاٹ چھانٹ کے بعد بھی موجودہ بائبل میں بہت سے بشارات و اشارات پائے جاتے ہیں۔ جن کو ہر زمانہ کے علماء بحوالہ کتب دکھلاتے چلے آئے ہیں۔ وللہ الحمد علیٰ ذٰلک۔

(۱۹۲) **آنحضرتؐ کا دین آسان ہے** یعنی یہود پر جو سخت احکام تھے اور کھانے کی چیزوں میں ان کی شرارتوں کی وجہ سے تنگی تھی، فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبٰتٍ اُحِلَّتْ لَهُمْ (نساء۔ رکوع ۲۲) اس دین میں وہ سب چیزیں آسان ہوئیں اور جو ناپاک چیزیں مثلاً لحم خنزیر، یا گندی باتیں مثلاً سود خوری وغیرہ، انہوں نے حلال کر رکھی تھیں، اُن کی حرمت اس پیغمبر نے ظاہر فرمائیں۔ غرض اُن سے بہت سے بوجھ ہلکے کر دیے اور بہت سی قیدیں اٹھا دی گئیں۔ جیسا کہ حدیث میں فرمایا۔ "بعثت بالحنيفة السمحة"

(۱۹۳) "نور" سے مراد وحی ہے متلو ہو یا غیر متلو۔ یعنی قرآن وسنّت۔

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعَا ِۨ الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

تو کہہ اے لوگو میں رسول ہوں اللہ کا تم سب کی طرف جس کی حکومت ہے آسمانوں اور زمین میں

لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۠ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ الَّذِيْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمٰتِهٖ

کسی کی بندگی نہیں اسکے سوا وہی جلاتا ہے اور مارتا ہے سو ایمان لاؤ اللہ پر اور اسکے بھیجے ہوئے نبی اُمی پر جو کہ یقین رکھتا ہے اللہ پر اور اسکے سب کلاموں

وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۵۸﴾ وَمِنْ قَوْمِ مُوْسٰٓى اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ ﴿۱۵۹﴾ وَقَطَّعْنٰهُمُ

پر اور اُسکی پیروی کرو تاکہ تم راہ پاؤ ف۱۹۴ اور موسیٰ کی قوم میں ایک گروہ ہے جو راہ بتلاتے ہیں حق کی اور اسی کے موافق انصاف کرتے ہیں ف۱۹۵ اور جدا جدا کر دئے ہم نے

اثْنَتَيْ عَشْرَةَ اَسْبَاطًا اُمَمًا ؕ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اِذِ اسْتَسْقٰىهُ قَوْمُهٗٓ اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ

اُن کو بارہ دادوں کی اولاد بڑی بڑی جماعتیں ف۱۹۶ اور حکم بھیجا ہم نے موسیٰ کو جب پانی مانگا اُس سے اُس کی قوم نے کہ مار اپنی لاٹھی

الْحَجَرَ ۚ فَانْبَجَسَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا ؕ قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ؕ وَظَلَّلْنَا عَلَيْهِمُ

اس پتھر پر تو پھوٹ نکلے اس سے بارہ چشمے پہچان لیا ہر قبیلہ نے اپنا گھاٹ اور سایہ کیا ہم نے اُن پر

الْغَمَامَ وَاَنْزَلْنَا عَلَيْهِمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ؕ كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ؕ وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ

ابر کا اور اُتارا ہم نے اُن پر من اور سلویٰ کھاؤ ستھری چیزیں جو ہم نے روزی دی تم کو اور انہوں نے ہمارا کچھ نہ بگاڑا لیکن

كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۶۰﴾

اپنا ہی نقصان کرتے رہے

(۱۹۴) **آنحضرتؐ کی نبوّت عالمگیر ہے** یعنی آپ کی بعثت تمام دنیا کے لوگوں کو عام ہے۔ عرب کے اُمیین یا یہود ونصاریٰ تک محدود

نہیں۔ جس طرح خداوند تعالیٰ شہنشاہ مطلق ہے، آپ اُس کے رسول مطلق ہیں۔ اب ہدایت و کامیابی کی صورت بجز اس کے کچھ نہیں کہ اس جامع ترین عالمگیر صداقت کی پیروی کی جائے جو آپ لے کر آئے ہیں۔ یہ ہی پیغمبر ہیں جن پر ایمان لانا تمام انبیاء و مرسلین اور تمام کتب سماویہ پر ایمان لانے کا مرادف ہے۔

(۱۹۵) گو اکثر یہود سرکشی اور ناانصافی کی راہ اختیار کر رہے ہیں تاہم کچھ ایسی سعید روحیں بھی ہیں، جو دوسروں کو حق کی طرف دعوت دیتی ہیں اور بذاتِ خود حق و انصاف کے راستوں پر گامزن ہیں۔ مثلاً عبداللہ بن سلام وغیرہ۔

(۱۹۶) **بنی اسرائیل کے بارہ قبیلے** یعنی اصلاح و انتظام کے لئے اُن کی بارہ جماعتیں جو بارہ دادوں کی اولاد تھی۔ الگ الگ کر دی گئی تھیں۔ پھر ہر ایک جماعت کا ایک نقیب مقرر فرمادیا جو اُس کی نگرانی اور اصلاح کا خیال رکھے۔ وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيبًا۔

وَاِذْ قِيْلَ لَهُمُ اسْكُنُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ وَكُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ وَقُوْلُوْا حِطَّةٌ وَّادْخُلُوا الْبَابَ

اور جب حکم ہوا اُن کو کہ بسو اس شہر میں ف۱۹۷ اور کھاؤ اس میں جہاں سے چاہو اور کہو ہمکو بخشدے اور داخل ہو دروازہ میں سجدہ

سُجَّدًا نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطِيْٓـٰٔتِكُمْ ۭ سَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۶۱﴾ فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ قَوْلًا غَيْرَ

کرتے ہوئے تو بخشدینگے ہم تمہاری خطائیں البتہ زیادہ دینگے ہم نیکی کرنیوالوں کو ف۱۹۸ سو بدل ڈالا ظالموں نے اُن میں سے دوسرا لفظ اسکے سوا

الَّذِيْ قِيْلَ لَهُمْ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِجْزًا مِّنَ السَّمَاۗءِ بِمَا كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۶۲﴾ وَسْـَٔــلْهُمْ عَنِ

جو اُن سے کہہ دیا گیا تھا پھر بھیجا ہم نے اُن پر عذاب آسمان سے بسبب اُن کی شرارت کے ف۱۹۹ اور پوچھ اُن سے حال اُس

الْقَرْيَةِ الَّتِيْ كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ ۘ اِذْ يَعْدُوْنَ فِي السَّبْتِ اِذْ تَاْتِيْهِمْ حِيْتَانُهُمْ يَوْمَ سَبْتِهِمْ

بستی کا جو تھی دریا کے کنارے ف۲۰۰ جب حد سے بڑھنے لگے ہفتہ کے حکم میں جب آنے لگیں اُنکے پاس مچھلیاں ہفتہ کے دن پانی کے

شُرَّعًا وَّيَوْمَ لَا يَسْبِتُوْنَ ۙ لَا تَاْتِيْهِمْ ڔ كَذٰلِكَ ڔ نَبْلُوْهُمْ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿۱۶۳﴾ وَاِذْ قَالَتْ اُمَّةٌ

اوپر اور جس دن ہفتہ نہ ہو تو نہ آتی تھیں اس طرح ہمنے اُن کو آزمایا اس لئے کہ وہ نافرمان تھے ف۲۰۱ اور جب بولا اُن میں سے

مِّنْهُمْ لِمَ تَعِظُوْنَ قَوْمَۨا ۙ اللّٰهُ مُهْلِكُهُمْ اَوْ مُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا ۭ قَالُوْا مَعْذِرَةً اِلٰى رَبِّكُمْ

ایک فرقہ کیوں نصیحت کرتے ہو اُن لوگوں کو جنکو اللہ چاہتا ہے کہ ہلاک کرے یا اُن کو عذاب دے سخت ف۲۰۲ وہ بولے الزام اُتارنے کی غرض سے تمہارے

وَلَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿۱۶۴﴾ فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖٓ اَنْجَيْنَا الَّذِيْنَ يَنْهَوْنَ عَنِ السُّوْۗءِ وَاَخَذْنَا

رب کے آگے اور اس لئے کہ شاید وہ ڈریں ف۲۰۳ پھر جب وہ بھول گئے اُس کو جو اُنکو سمجھایا تھا تو نجات دی ہم نے اُن کو جو منع کرتے تھے برے کام سے اور پکڑا

الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا بِعَذَابٍۢ بَىِٕيْسٍۢ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿۱۶۵﴾

گنہگاروں کو بُرے عذاب میں بسبب اُن کی نافرمانی کے ف۲۰۴

النصف معانقة ۔ وقف لازم ۔ ۱۵ ۔ ۲۷

(۱۹۷) اِس شہر سے مراد اکثر نے "اریحا" لیا ہے۔

(۱۹۸) **وادی تیہ کے واقعات کا اعادہ** یعنی ابھی ایک شہر فتح ہوا۔ آگے سارا ملک ملے گا۔ کذا فی الموضح۔ یا یہ مطلب ہے کہ خطا معاف کر کے نیکوکاروں کے اجر و ثواب بڑھائیں گے کذا فی عامۃ الکتب۔

(۱۹۹) یہ واقعات "وادی تیہ" کے ہیں۔ جن کا بیان سورۂ "بقرہ" ربع پارۂ الم کے بعد گذر چکا وہاں کے فوائد میں تفصیل ملاحظہ کیجائے۔

(۲۰۰) یعنی اپنے زمانہ کے یہود سے بطور تنبیہ و توبیخ اُس بستی میں رہنے والے یہود کا قصہ دریافت کیجئے جو داؤد علیہ السّلام کے عہد میں پیش آیا۔ اکثر مفسرین کے نزدیک اس بستی سے شہر "ایلہ" مراد ہے جو بحر قُلزُم کے کنارے مدین اور طور کے درمیان واقع تھا۔ وہاں کے لوگ دریا کی قرب کی وجہ سے مچھلی کے شکار کی عادت رکھتے تھے۔

(۲۰۱) **سبت کے حکم سے یہود کی خلاف ورزی** حق تعالیٰ نے یہود پر ہفتہ کے دن شکار کرنا حرام کیا تھا۔ باشندگان ایلہ کو عدول حکمی اور نافرمانی کی عادت تھی۔ خدا کی طرف سے سخت آزمائش ہونے لگی کہ ہفتہ کے دن دریا میں مچھلیوں کی بے حد کثرت ہوتی۔ جو سطح دریا کے اُوپر تیرتی تھیں۔ باقی دنوں میں غائب رہتیں۔ ان لوگوں سے صبر نہ ہو سکا۔ صریح حکم الٰہی کے خلاف حیلے کرنے لگے۔ دریا کا پانی کاٹ لائے جب ہفتہ کے دن مچھلیاں ان کے بنائے ہوئے حوض میں آجاتیں تو نکلنے کا راستہ بند کر دیتے اور اگلے دن اتوار کو جا کر پکڑ لاتے۔ تاکہ ہفتہ کے دن شکار کرنا صادق نہ آئے۔ گویا اس حرکت سے معاذ اللہ خدا کو دھوکا دینا چاہتے تھے۔ آخر دنیا ہی میں اس کی سزا بھگتی کہ مسخ کر کے ذلیل بندر بنا دیے گئے اس سے ظاہر ہوا کہ حیلہ سازی اور مکاری خدا کے آگے پیش نہیں جاتی۔

(۲۰۲) **ناصحین کا امر بالمعروف** معلوم ہوتا ہے کہ جب انہوں نے حکم الٰہی کے خلاف حیلہ بازی شروع کی تو شہر کے باشندے کئی قسموں پر منقسم ہو گئے۔ جیسا کہ عموماً ایسے حالات میں ہوا کرتا ہے۔ ایک وہ لوگ جنہوں نے اس حیلہ کی آڑ لے کر صریح حکم الٰہی کی خلاف ورزی کی۔ دوسرے نصیحت کرنے والے جو اخیر تک فہمائش اور امر بالمعروف میں مشغول رہے۔ تیسرے جنہوں نے ایک آدھ مرتبہ نصیحت کی پھر مایوس ہو کر اور اُن کی سرکشی سے تھک کر چھوڑ دی۔ چوتھے وہ ہونگے جو نہ اس عمل شنیع میں شریک ہوئے اور نہ منع کرنے کے لئے زبان کھولی بالکل علیحدہ اور خاموش رہے۔ موخر الذکر دو جماعتوں نے انتھک نصیحت کرنے والوں سے کہا ہوگا کہ ان متمردین کے ساتھ کیوں مغز زنی کر کے دماغ کھپاتے ہو جن سے کوئی توقع قبول حق کی نہیں۔ ان کی نسبت تو معلوم ہوتا ہے کہ دو باتوں میں سے ایک بات ضرور پیش آنے والی ہے۔ یا خدا ان کو بالکل تباہ و ہلاک کر دے اور یا کسی سخت ترین عذاب میں مبتلا کرے۔ کیونکہ یہ لوگ اب کسی نصیحت پر کان دھرنے والے نہیں۔

(۲۰۳) یعنی شاید سمجھاتے رہنے سے کچھ ڈر جائیں اور اپنی حرکات شنیعہ سے باز آجائیں۔ ورنہ کم از کم ہم پروردگار کے سامنے عذر تو کر سکتے ہیں کہ خدایا ہم نے آخر دم تک نصیحت و فہمائش میں کوتاہی نہیں کی۔ یہ نہ مانے تو ہم پر اب کیا الزام ہے؟ گویا یہ ناصحین اوّل تو بالکلیہ مایوس نہ تھے دوسرے "عزیمت" پر عمل کر رہے تھے کہ مایوسی کے باوجود بھی اُن کا تعاقب نہیں چھوڑتے تھے

(۲۰۴) **ناصحین کی نجات اور نافرمانوں پر عذاب** یعنی جب اُن نالائقوں نے تمام نصیحتوں کو بالکل ایسا بھلا دیا گویا سُنا ہی نہیں، تو ہم نے ناصحین کو بچا کر ظالمین کو سخت عذاب میں گرفتار کر دیا۔ اَلَّذِیۡنَ یَنۡهَوۡنَ عَنِ السُّوۡٓءِ کا عموم الفاظ دلالت کرتا ہے کہ جو نصیحت سے تھک کر لِمَ تَعِظُوۡنَ قَوۡمًا ۙ الخ کہنے لگے اور جنہوں نے اخیر تک سلسلہ وعظ و نصیحت کا جاری رکھا اُن دونوں کو نجات ملی۔ صرف ظالم پکڑے گئے۔ یہ ہی عکرمہ سے منقول ہے۔ اور ابن عباس نے ان کے فہم کی داد دی ہے۔ باقی جو لوگ اوّل سے آخر تک بالکل ساکت رہے، خدا نے بھی اُن کے ذکر سے سکوت فرمایا۔ ابن کثیر نے خوب لکھا ہے "فنص علی نجاۃ الناھین وھلاک الظالمین وسکت عن الساکتین لان الجزاء من جنس العمل فھم لا یستحقون مدحا فیمدحوا ولا ارتکبوا فیذموا (ابن کثیر ص ۲۶۵) ورجح بعد ذلک قول عکرمۃ واللہ اعلم۔

فَلَمَّا عَتَوْا عَنْ مَّا نُهُوْا عَنْهُ قُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِـِٕيْنَ ﴿۱۶۶﴾ وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكَ لَيَبْعَثَنَّ

پھر جب بڑھنے لگے اُس کام میں جس سے وہ روکے گئے تھے تو ہم نے حکم کیا کہ ہو جاؤ بندر ذلیل ف ۲۰۵ اور اس وقت کو یاد کرو جب خبر کر دی تھی تیرے رب نے کہ

عَلَيْهِمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ يَّسُوْمُهُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ ؕ اِنَّ رَبَّكَ لَسَرِيْعُ الْعِقَابِ ۖۚ وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ

ضرور بھیجتا رہیگا یہود پر قیامت کے دن تک ایسے شخص کو کہ دیا کرے اُن کو بُرا عذاب ف ۲۰۶ بیشک تیرا رب جلد عذاب کرنے والا ہے اور وہ بخشنے والا

رَّحِيْمٌ ﴿۱۶۷﴾ وَقَطَّعْنٰهُمْ فِى الْاَرْضِ اُمَمًا ۚ مِنْهُمُ الصّٰلِحُوْنَ وَمِنْهُمْ دُوْنَ ذٰلِكَ ؗ وَبَلَوْنٰهُمْ

مہربان ہے ف ۲۰۷ اور متفرق کر دیا ہم نے اُن کو ملک میں فرقے فرقے ف ۲۰۸ بعضے اُن میں نیک اور بعضے اور طرح کے اور ہم نے اُنکی آزمائش

بِالْحَسَنٰتِ وَالسَّيِّاٰتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۱۶۸﴾ فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ وَّرِثُوا الْكِتٰبَ

کی خوبیوں میں اور برائیوں میں تاکہ وہ پھر آئیں ف ۲۰۹ پھر اُن کے پیچھے آئے ناخلف جو وارث بنے کتاب کے

يَاْخُذُوْنَ عَرَضَ هٰذَا الْاَدْنٰى وَيَقُوْلُوْنَ سَيُغْفَرُ لَنَا ۚ وَاِنْ يَّاْتِهِمْ عَرَضٌ مِّثْلُهٗ يَاْخُذُوْهُ ؕ اَلَمْ

لے لیتے ہیں اسباب اس ادنیٰ زندگانی کا اور کہتے ہیں کہ ہم کو معاف ہو جائیگا اور اگر ایسا ہی اسباب اُنکے سامنے پھر آئے تو اُسکو لیویں ف ۲۱۰ کیا

يُؤْخَذْ عَلَيْهِمْ مِّيْثَاقُ الْكِتٰبِ اَنْ لَّا يَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ وَدَرَسُوْا مَا فِيْهِ ؕ وَالدَّارُ

اُن سے کتاب میں عہد نہیں لیا گیا کہ نہ بولیں اللہ پر سوا سچ کے اور اُنہوں نے پڑھا ہی ہے جو کچھ اسمیں لکھا ہے اور آخرت

الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۶۹﴾ وَالَّذِيْنَ يُمَسِّكُوْنَ بِالْكِتٰبِ وَاَقَامُوا

کا گھر بہتر ہے ڈرنے والوں کے لئے کیا تم سمجھتے نہیں ف ۲۱۱ اور جو لوگ خوب پکڑ رہے ہیں کتاب کو اور قائم رکھتے ہیں

الصَّلٰوةَ ؕ اِنَّا لَا نُضِيْعُ اَجْرَ الْمُصْلِحِيْنَ ﴿۱۷۰﴾

نماز کو بیشک ہم ضائع نہ کریں گے ثواب نیکی والوں کا ف ۲۱۲

(۲۰۵) **نافرمانوں کا بندر بنا دیا جانا** شاید پہلے کچھ اور عذاب آیا ہوگا، جب بالکل حد سے گذر گئے تب ذلیل بندر بنائے گئے، یا فلما عتوا الخ کو گذشتہ آیت فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ الخ کی تفسیر قرار دیا جائے یعنی وہ "عذاب بئیس" یہی بندر بنا دینا تھا۔ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ "منع کرنیوالوں نے شکار والوں سے ملنا چھوڑ دیا اور بیچ میں دیوار اُٹھائی، ایک دن صبح کو اُٹھے تو دوسروں کی آواز نہ سُنی، دیوار پر سے دیکھا، ہر گھر میں بندر تھے۔ وہ آدمیوں کو پہچان کر اپنے قرابت والوں کے پاؤں پر سر رکھنے لگے اور رونے لگے۔ آخر بُرے حال سے تین دن میں مر گئے۔

۲۰۶ **یہود کی دائمی محکومی** یعنی خدا کی طرف سے پختہ اعلان کر دیا گیا تھا کہ یہود اگر احکام تورات پر عمل کرنا چھوڑ دیں گے تو حق تعالیٰ قرب قیامت تک وقتاً فوقتاً اُن پر ایسے لوگوں کو مسلط کرتا رہے گا جو اُن کو بُرے عذاب میں مبتلا رکھیں۔ بُرا عذاب یہاں محکومانہ زندگی کو فرمایا۔ چنانچہ قوم یہود کبھی یونانی اور کلدانی بادشاہوں کے زیر حکومت رہی۔ کبھی "بخت نصر" وغیرہ کے شدائد کا تختہ مشق بنی۔ آخر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک تک مجوسیوں کی باجگذار رہی۔ پھر مسلمان حکمرانوں کو ان پر مسلط فرما دیا۔ غرض اُس وقت سے آج تک اُن کو من حیث القوم عزت و آزادی کی زندگی نصیب نہیں ہوئی۔ بلکہ جہاں کہیں رہے اکثر ملوک و حکام کی طرف سے سخت ذلت اور خطرناک تکلیفیں اُٹھاتے رہے۔ اُن کا مال و دولت وغیرہ کوئی چیز اس غلامی و محکومیت کی لعنت سے نجات نہ

دے سکی اور نہ قیامت تک دے سکے گی۔ آخر میں جب یہ لوگ دجّال کے مددگار ہو کر نکلیں گے تو حضرت مسیح علیہ السلام کے مسلمان رفقاء کے ہاتھوں سے تہ تیغ کئے جائیں گے۔ کما ورد فی الحدیث۔

(۲۰۷) یعنی جو شرارت سے باز نہ آئے، بعض اوقات اس پر جلدی دنیا ہی میں عذاب بھیجنا شروع کر دیتا ہے اور کیسا ہی کٹر مجرم توبہ کرے اور نادم ہو کر خدا کی طرف رجوع ہو تو اس کی بخشش و رحمت بھی بے پایاں ہے معاف کرتے ہوئے بھی دیر نہیں لگتی۔

(۲۰۸) **یہود کی فرقہ بازی** یہود کی دولت برہم ہوئی تو آپس کی مخالفت سے ہر طرف نکل گئے، کوئی اجتماعی قوت و شوکت نہ رہی اور مذہب مختلف پیدا ہوئے۔ یہ احوال اس اُمّت کو عبرت کے لئے سُنائے جا رہے ہیں۔

(۲۰۹) یعنی کچھ افراد اُن میں نیک بھی تھے۔ مگر اکثریت کافروں اور فاسقوں کی تھی۔ ان اکثروں کے لئے بھی ہم رجوع و انابت الی اللہ کے مواقع بہم پہنچاتے رہے۔ کبھی اُن کو عیش و تنعم میں رکھا کبھی سختی اور تکلیف میں مبتلا کیا کہ ممکن ہے احسان مان کر یا سختیوں سے ڈر کر توبہ کریں اور خدا کی طرف رجوع ہوں۔

(۲۱۰) **یہود کی تحریف اور خوش فہمی** یعنی اگلوں میں تو کچھ صالحین بھی تھے۔ پچھلے ایسے ناخلف ہوئے کہ جس کتاب (تورات شریف) کے وارث و حامل بنے تھے، دنیا کا تھوڑا سا سامان لے کر اس کی آیات میں تحریف و کتمان کرنے لگے اور رشوتیں لے کر احکام تورات کے خلاف فیصلے دینے لگے۔ پھر اس پر ستم ظریفی دیکھئے کہ ایسی نالائق اور باجیانہ حرکات کا ارتکاب کرتے ہوئے یہ عقیدہ اور دعویٰ رکھتے ہیں کہ ان باتوں سے ہم کو مضرت کا کچھ اندیشہ نہیں، ہم تو خدا کی اولاد اور اُس کے محبوب ہیں۔ کچھ بھی کریں وہ ہماری بے اعتدالیوں سے ضرور درگذر کرے گا۔ اسی عقیدہ کی بناء پر تیار رہتے ہیں کہ آئندہ جب موقع ہو پھر رشوت لے کر اسی طرح کی بے ایمانی کا اعادہ کریں۔ گویا بجائے اس کے کہ گذشتہ حرکات پر نادم ہوتے اور آئندہ کے لئے عزم رکھتے کہ ایسی حرکات کا اعادہ نہ کریں گے مگر اللہ سے مامون ہو کر اُن ہی شرارتوں اور بے ایمانیوں کے اعادہ کا عزم رکھتے ہیں۔ اس سے زیادہ حماقت اور بے حیائی کیا ہوگی۔

(۲۱۱) **تورات کے بارے میں اللہ کا عہد** یعنی تورات میں جو عہد لیا گیا تھا کہ "خدا کی طرف سچ کے سوا کسی چیز کی نسبت نہ کریں" کیا وہ انہیں معلوم نہیں، جو اُس کی کتاب اور احکام میں قطع و برید کر کے اس پر افتراء کرنے لگے، حالانکہ "کتاب اللہ" (تورات) کو یہ لوگ پڑھتے پڑھاتے ہیں، پھر کیسے کہا جا سکتا ہے کہ اُس کا مضمون انہیں معلوم نہیں یا یاد نہیں رہا۔ حقیقت وہ ہی ہے کہ دنیا کی فانی متاع کے عوض انہوں نے دین و ایمان بیچ ڈالا اور آخرت کی تکالیف و راحت سے آنکھیں بند کر لیں۔ اتنا نہ سمجھے کہ جو لوگ خدا سے ڈرتے اور تقویٰ کی راہ اختیار کرتے ہیں اُن کے لئے آخرت کا گھر اور وہاں کا عیش و تنعم دنیا کی خوشحالی سے کہیں بہتر اور فائق ہے۔ کاش کہ اب بھی انہیں عقل آ جائے۔

(۲۱۲) یعنی توبہ اور اصلاح حال کا دروازہ اب بھی کھلا ہے جو لوگ شریروں کی راہ چھوڑ کر تورات کی اصلی ہدایات کو تھامے رہیں اور اسی کی ہدایت و پیشین گوئی کے موافق اس وقت قرآن کریم کا دامن مضبوط پکڑے رہیں اور خدا کی بندگی (نماز وغیرہ) کا حق ٹھیک ٹھیک ادا کریں۔ غرض اپنی اور دوسروں کی اصلاح پر متوجہ ہوں۔ خدا ان کی محنت ضائع نہ کرے گا وہ بلاشبہ اپنی محنت کا میٹھا پھل چکھیں گے۔

وَإِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ فَوْقَهُمْ كَأَنَّهُ ظُلَّةٌ وَظَنُّوا أَنَّهُ وَاقِعٌ بِهِمْ خُذُوا مَا آتَيْنَاكُمْ بِقُوَّةٍ

اور جس وقت اُٹھایا ہم نے پہاڑ اُن کے اُوپر مثل سائبان کے اور ڈرے کہ وہ اُن پر گرے گا ہم نے کہا پکڑو جو ہم نے تم کو دیا ہے زور سے

وَاذْكُرُوا مَا فِيهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴿۱۷۱﴾ وَإِذْ أَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِي آدَمَ مِنْ ظُهُورِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ ع ۲۱ / ۱۱

اور یاد رکھو جو اس میں ہے تاکہ تم بچتے رہو ۲۱۲ اور جب نکالا تیرے رب نے بنی آدم کی پیٹھوں سے ان کی اولاد کو

وَ اَشۡهَدَهُمۡ عَلٰۤی اَنۡفُسِهِمۡ ۚ اَلَسۡتُ بِرَبِّكُمۡ ؕ قَالُوۡا بَلٰی ۚۛ شَهِدۡنَا ۚۛ اَنۡ تَقُوۡلُوۡا یَوۡمَ الۡقِیٰمَةِ

اور اقرار کرایا اُن سے اُن کی جانوں پر کیا میں نہیں ہوں تمہارا رب بولے ہاں ہے ہم اقرار کرتے ہیں کبھی کہنے لگو قیامت کے دن

اِنَّا كُنَّا عَنۡ هٰذَا غٰفِلِیۡنَ ﴿۱۷۲﴾ اَوۡ تَقُوۡلُوۡۤا اِنَّمَاۤ اَشۡرَكَ اٰبَآؤُنَا مِنۡ قَبۡلُ وَ كُنَّا ذُرِّیَّةً مِّنۡۢ

ہم کو تو اس کی خبر نہ تھی یا کہنے لگو کہ شرک تو نکالا تھا ہمارے باپ دادوں نے ہم سے پہلے اور ہم ہوئے اُنکی اولاد اُن

بَعۡدِهِمۡ ۚ اَفَتُهۡلِكُنَا بِمَا فَعَلَ الۡمُبۡطِلُوۡنَ ﴿۱۷۳﴾ وَ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الۡاٰیٰتِ وَ لَعَلَّهُمۡ

کے پیچھے تو کیا تو ہم کو ہلاک کرتا ہے اُس کام پر جو کیا گمراہوں نے ف ۲۱۴ اور یوں ہم کھول کر بیان کرتے ہیں باتیں تاکہ وہ

یَرۡجِعُوۡنَ ﴿۱۷۴﴾ وَ اتۡلُ عَلَیۡهِمۡ نَبَاَ الَّذِیۡۤ اٰتَیۡنٰهُ اٰیٰتِنَا فَانۡسَلَخَ مِنۡهَا فَاَتۡبَعَهُ الشَّیۡطٰنُ فَكَانَ

پھر آئیں ف ۲۱۵ اور سُنا دے اُن کو حال اُس شخص کا جسکو ہم نے دی تھیں اپنی آیتیں پھر وہ اُنکو چھوڑ نکلا پھر اُس کے پیچھے لگا شیطان تو وہ ہو گیا

مِنَ الۡغٰوِیۡنَ ﴿۱۷۵﴾ وَ لَوۡ شِئۡنَا لَرَفَعۡنٰهُ بِهَا وَ لٰكِنَّهٗۤ اَخۡلَدَ اِلَی الۡاَرۡضِ وَ اتَّبَعَ هَوٰىهُ ۚ فَمَثَلُهٗ

گمراہوں میں اور ہم چاہتے تو بلند کرتے اُسکا رتبہ ان آیتوں کی بدولت لیکن وہ تو ہو رہا زمین کا اور پیچھے ہو لیا اپنی خواہش کے تو اس کا حال ایسا

كَمَثَلِ الۡكَلۡبِ ۚ اِنۡ تَحۡمِلۡ عَلَیۡهِ یَلۡهَثۡ اَوۡ تَتۡرُكۡهُ یَلۡهَثۡ ؕ ذٰلِكَ مَثَلُ الۡقَوۡمِ الَّذِیۡنَ

جیسے کتا اُس پر تو بوجھ لادے تو ہانپے اور چھوڑ دے تو ہانپے یہ مثال ہے اُن لوگوں کی جنہوں نے

كَذَّبُوۡا بِاٰیٰتِنَا ۚ فَاقۡصُصِ الۡقَصَصَ لَعَلَّهُمۡ یَتَفَكَّرُوۡنَ ﴿۱۷۶﴾

جھٹلایا ہماری آیتوں کو سو بیان کر یہ احوال تاکہ وہ دھیان کریں ف ۲۱۶

(۲۱۳) **رفع جبل کا واقعہ** یعنی جو "میثاق الکتاب" (عہد و اقرار) اُنہیں یاد دلایا جا رہا ہے، وہ ایسے اہتمام سے لیا گیا تھا کہ پہاڑ اُٹھا کر اُن کے سروں پر لٹکا دیا گیا اور کہا گیا کہ جو کچھ تم کو دیا جا رہا ہے (تورات وغیرہ) اُسے پوری مضبوطی اور عزم سے تھامو اور جو نصیحتیں کی گئیں اُنہیں ہمیشہ یاد رکھو۔ ورنہ بصورت انکار سمجھ لو کہ خدا تم پر یہ پہاڑ گرا کر ہلاک کر سکتا ہے۔ اس قدر اہتمام اور تخویف و تاکید سے جو قول و قرار لیا گیا تھا، افسوس ہے وہ بالکل فراموش کر دیا گیا۔ یہ "رفع جبل" کا قصہ سورۂ بقرہ میں ربع پارہ "الم" کے بعد گذر چکا ہے ملاحظہ فرما لیا جائے۔

(۲۱۴) **ربوبیت الٰہی کا عقیدہ انسان کی سرشت میں داخل ہے** "میثاق خاص" کے بعد یہاں سے "میثاق عام" کا ذکر کرتے ہیں تمام عقائد حقہ اور ادیان سماویہ کا بنیادی پتھر یہ ہے کہ انسان خدا کی ہستی اور ربوبیت عامہ پر اعتقاد رکھے۔ مذہب کی ساری عمارت اسی سنگ بنیاد پر کھڑی ہوتی ہے۔ جب تک یہ اعتقاد نہ ہو، مذہبی میدان میں عقل و فکر کی رہنمائی اور انبیاء و مرسلین کی ہدایات کچھ نفع نہیں پہنچا سکتیں۔ اگر پورے غور و تامل سے دیکھا جائے تو آسمانی مذہب کے تمام اصول و فروع بالآخر خدا کی "ربوبیت عامہ" کے اسی عقیدہ پر منتہی ہوتے بلکہ اسی کی تہ میں لپٹے ہوئے ہیں۔ عقل سلیم اور وحی و الہام اسی اجمال کی شرح کرتے ہیں۔ پس ضروری تھا کہ یہ تخم ہدایت جسے کل آسمانی تعلیمات کا مبداء و منتہیٰ اور تمام ہدایات ربانیہ کا وجود مجمل کہنا چاہیئے عام فیاضی کے ساتھ نوع انسانی کے تمام افراد میں بکھیر دیا جائے تاکہ ہر آدمی عقل و فہم اور وحی و الہام کی آبیاری سے اس تخم کو شجر ایمان و ایمان و توحید کے درجہ تک پہنچا سکے۔ اگر قدرت کی طرف سے قلوب بنی آدم میں ابتداءً یہ تخم ریزی نہ ہوتی اور اس سب سے زیادہ اساسی و جوہری عقدہ کا حل ناخن عقل و فکر کے سپرد کر دیا جاتا تو یقیناً یہ مسئلہ بھی منطقی استدلال کی بھول بھلیاں میں پھنس کر ایک نظری مسئلہ بن کر رہ جاتا، جس پر سب تو کیا اکثر آدمی

بھی متفق نہ ہوسکتے جیسا کہ تجربہ بتلاتا ہے کہ فکر واستدلال کی ہنگامہ آرائیاں اکثر اتفاق سے زیادہ اختلاف آراء پر منتج ہوتی ہیں۔ اس لئے قدرت نے جہاں غور وفکر کی قوت اور نور وحی والہام کے قبول کرنے کی استعداد بنی آدم میں ودیعت فرمائی وہیں اس اساسی عقیدہ کی تعلیم سے اُن کو فطرۃً بہرہ ور کیا، جس کے اجمال میں کل آسمانی ہدایات کی تفصیل منطوی و مندرج تھی۔ اور جس کے بدون مذہب کی عمارت کا کوئی ستون کھڑا نہیں رہ سکتا تھا۔ یہ اُسی ازلی اور خدائی تعلیم کا اثر ہے کہ آدم کی اولاد ہر قرن اور ہر گوشہ میں حق تعالیٰ کی ربوبیت عامہ کے عقیدہ پر کسی نہ کسی حد تک متفق رہی ہے۔ اور جن محدود افراد نے کسی عقلی وروحی بیماری کی وجہ سے اس عام فطری احساس کے خلاف آواز بلند کی ہے وہ انجام کار دنیا کے سامنے بلکہ خود اپنی نظر میں بھی اُسی طرح جھوٹے ثابت ہوئے جیسے ایک بخار وغیرہ کا مریض، لذیذ اور خوشگوار غذاؤں کو تلخ وبدمزہ بتلانے میں جھوٹا ثابت ہوتا ہے۔ بہرحال ابتدائے آفرینش سے آج تک ہر درجہ اور طبقہ کے انسانوں کا خدا کی ربوبیۃ کبریٰ پر عام اتفاق واجماع اس کی زبردست دلیل ہے کہ یہ عقیدہ عقول وافکار کی دوا دوش سے پہلے ہی فاطر حقیقی کی طرف سے اولاد آدم کو بلاواسطہ تلقین فرما دیا گیا ورنہ فکر واستدلال کے راستہ سے ایسا اتفاق پیدا ہوجانا تقریباً ناممکن تھا۔ قرآن کریم کی یہ امتیازی خصوصیت ہے کہ اُس نے آیات حاضرہ میں عقیدہ کی اس فطری یکسانیت کے اصلی راز پر روشنی ڈالی۔ بلاشبہ ہم کو یاد نہیں کہ اس بنیادی عقیدہ کی تعلیم کب اور کہاں اور کس ماحول میں دی گئی۔ تاہم جس طرح ایک لکچرار اور انشاء پرداز کو یقین ہے کہ ضرور اُس کو ابتدائے عمر میں کسی نے الفاظ بولنے سکھلائے، جس سے ترقی کر کے آج اس رتبہ کو پہنچا۔ گو پہلا لفظ سکھلانیوالا اور سکھلانے کا وقت، مکان اور دیگر خصوصیات مقامی بلکہ نفس سکھلانا بھی یاد نہیں۔ تاہم اس کے موجودہ آثار سے یقین ہے کہ ایسا واقع ضرور ہوا ہے۔ اسی طرح بنی نوع انسان کا علیٰ اختلاف الاقوام والاجیال "عقیدہ ربوبیت الٰہی" پر متفق ہونا اس کی کھلی شہادت ہے کہ یہ چیز بدء فطرت میں کسی معلم کے ذریعہ سے اُن تک پہنچی ہے۔ باقی تعلیمی خصوصیات واحوال کا محفوظ نہ رہ سکنا، اس کی تسلیم میں خلل انداز نہیں ہوسکتا۔ اسی ازلی و فطری تعلیم نے جس کا نمایاں اثر آج تک انسانی سرشت میں موجود چلا آتا ہے، ہر انسان کو خدا کی حجت کے سامنے ملزم کر دیا ہے۔ جو شخص اپنے الحاد و شرک کو حق بجانب قرار دینے کے لئے غفلت، بے خبری یا آباء واجداد کی کورانہ تقلید کا عذر کرتا ہے، اُس کے مقابلہ پر خدا کی یہی حجۃ قاطعہ جس میں اصل فطرت انسانی کی طرف توجہ دلائی گئی ہے، بطور فیصلہ کن جواب کے پیش کی جاسکتی ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ "اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کی پیشت سے اُن کی اولاد اور اُن سے اُن کی اولاد نکالی۔ سب سے اقرار کروایا اپنی خدائی کا۔ پھر پشت میں داخل کیا۔ اس سے مُدعا یہ ہے کہ خدا کے ربّ مطلق ماننے میں ہر کوئی آپ کفایت کرتا ہے۔ باپ کی تقلید نہ چاہئے۔ اگر باپ شرک کرے بیٹے کو چاہئے ایمان لاوے۔ اگر کسی کو شبہ ہو کہ وہ عہد تو یاد نہیں رہا پھر کیا حاصل؟ تو یوں سمجھے کہ اس کا نشان ہر کسی کے دل میں ہے اور ہر زبان پر مشہور ہو رہا ہے کہ سب کا خالق اللہ ہے سارا جہان قائل ہے اور جو کوئی منکر ہے یا شرک کرتا ہے سو اپنی عقل ناقص کے دخل سے پھر آپ ہی جھوٹا ہوتا ہے"۔

(۲۱۵) موضح القرآن میں ہے کہ "یہ قصہ یہود کو سُنایا کہ وہ بھی عہد سے پھرے ہیں جیسے مشرک پھرتے ہیں۔"

(۲۱۶) **بلعم بن باعوراء کا عبرتناک واقعہ** اکثر مفسرین کے نزدیک یہ آیات بلعم بن باعوراء کے حق میں نازل ہوئیں جو ایک عالم اور صاحب تصرف درویش تھا بعدہ اللہ کی آیات وہدایات کو چھوڑ کر عورت کے اغواء اور دولت کے لالچ سے حضرت موسیٰؑ کے مقابلہ میں اپنے تصرفات چلانے اور ناپاک تدبیریں بتلانے کے لئے تیار ہو گیا۔ آخر موسیٰ علیہ السلام کا تو کچھ نہ بگاڑ سکا خود مردود ابدی بنا آیات اللہ کا جو علم بلعم کو دیا گیا تھا، اگر خدا چاہتا تو اُس کے ذریعہ سے بہت بلند مراتب پر اُس کو فائز کر دیتا۔ اور یہ جب ہی ہوسکتا تھا کہ اُسے اپنے علم پر چلنے اور آیات اللہ کا اتباع کرنے کی توفیق ہوتی۔ لیکن ایسا نہ ہوا کیونکہ وہ خود آسمانی برکات وآیات سے منہ موڑ کر زمینی شہوات ولذات کی طرف جُھک پڑا اور نفسانی

خواہشات کے پیچھے چل رہا تھا اور شیطان اس کا پیچھا (تعاقب) کرتا جا رہا تھا۔ حتیٰ کہ پکے کجرووں اور گمراہوں کی قطار میں جا داخل ہوا۔ اس وقت اُس کا حال کتے کی طرح ہو گیا۔ جس کی زبان باہر نکلی ہو اور برابر ہانپ رہا ہو اگر فرض کرو اس پر بوجھ لادیں یا ڈانٹ بتلائیں یا کچھ نہ کہیں آزاد چھوڑ دیں، بہر صورت ہانپتا اور زبان لٹکائے رہتا ہے۔ کیونکہ طبعی طور پر دل کی کمزوری کی وجہ سے گرم ہوا کے باہر پھینکنے اور سرد و تازہ ہوا کے اندر کھینچنے پر بسہولت قادر نہیں ہے۔ اسی طرح سفلی خواہشات میں منہ مارنے والے کتے کا حال ہوا کہ اخلاقی کمزوری کی وجہ سے "آیات اللہ" کا دیا جانا اور نہ دیا جانا، یا تنبیہ کرنا اور نہ کرنا دونوں حالتیں اُس کے حق میں برابر ہو گئیں۔ سَوَآءٌ عَلَیۡہِمۡ ءَاَنۡذَرۡتَہُمۡ اَمۡ لَمۡ تُنۡذِرۡہُمۡ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ۔ حرص دنیا سے اس کی زبان باہر لٹک پڑی۔ اور ترک آیات کی نحوست سے بدحواسی اور پریشانی خاطر کا نقشہ "برابر ہانپتے رہنے" کی مثال میں ظاہر ہوا۔ ممکن ہے کہ "بلعم" کی باطنی و معنوی کیفیت ظاہر کرنے کے لئے صرف ایک مثال کے طور پر یہ مضمون (اِنۡ تَحۡمِلۡ عَلَیۡہِ یَلۡہَثۡ اَوۡ تَتۡرُکۡہُ یَلۡہَثۡ) ذکر کیا گیا ہو اور ہو سکتا ہے کہ دنیا یا آخرت میں اُس کے لئے یہ سزا تجویز کی گئی ہو کہ ظاہری و حسّی طور پر کتے کی طرح زبان باہر نکل پڑے اور ہمیشہ پریشان و بدحواس اور خوفزدہ آدمی کی طرح ہانپتا رہے العیاذ باللہ۔ آیات کی شان نزول کچھ ہو، بہر حال یہاں ایسے ہوا پرستوں کا انجام بتلایا گیا ہے جو حق کے قبول کرنے یا پوری طرح سمجھ لینے کے بعد محض دنیوی طمع اور سفلی خواہشات کی پیروی میں احکام الٰہیہ کو چھوڑ کر شیطان کے اشاروں پر چلنے لگیں اور خدا کے عہد و میثاق کی کچھ پروا نہ کریں۔ گویا یہود کو بھی متنبہ فرما دیا کہ صرف کتاب کا علم کچھ نافع نہیں ہو سکتا۔ جب تک صحیح معنی میں اس کا اتباع نہ ہو مَثَلُ الَّذِیۡنَ حُمِّلُوا التَّوۡرٰىۃَ ثُمَّ لَمۡ یَحۡمِلُوۡہَا کَمَثَلِ الۡحِمَارِ یَحۡمِلُ اَسۡفَارًا (الجمعہ رکوع ۱) علمائے سوء کے لئے ان آیات میں بڑا عبرتناک سبق ہے اگر دھیان کریں۔

سَآءَ مَثَلَاۨ الۡقَوۡمُ الَّذِیۡنَ کَذَّبُوۡا بِاٰیٰتِنَا وَ اَنۡفُسَہُمۡ کَانُوۡا یَظۡلِمُوۡنَ ﴿۱۷۷﴾ مَنۡ یَّہۡدِ اللّٰہُ فَہُوَ

بُری مثال ہے اُن لوگوں کی کہ جھٹلایا اُنہوں نے ہماری آیتوں کو اور وہ اپنا ہی نقصان کرتے رہے ف ۲۱۷ جس کو اللہ رستہ دے وہی

الۡمُہۡتَدِیۡ ۚ وَ مَنۡ یُّضۡلِلۡ فَاُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡخٰسِرُوۡنَ ﴿۱۷۸﴾ وَ لَقَدۡ ذَرَاۡنَا لِجَہَنَّمَ کَثِیۡرًا مِّنَ الۡجِنِّ

رستہ پاوے اور جس کو وہ بچلا دے سو وہی ہیں ٹوٹے میں ف ۲۱۸ اور ہم نے پیدا کئے دوزخ کے واسطے بہت سے جن

وَ الۡاِنۡسِ ۫ۖ لَہُمۡ قُلُوۡبٌ لَّا یَفۡقَہُوۡنَ بِہَا ۫ وَ لَہُمۡ اَعۡیُنٌ لَّا یُبۡصِرُوۡنَ بِہَا ۫ وَ لَہُمۡ اٰذَانٌ لَّا

اور آدمی ف ۲۱۹ اُنکے دل ہیں کہ اُن سے سمجھتے نہیں اور آنکھیں ہیں کہ ان سے دیکھتے نہیں اور کان ہیں کہ

یَسۡمَعُوۡنَ بِہَا ؕ اُولٰٓئِکَ کَالۡاَنۡعَامِ بَلۡ ہُمۡ اَضَلُّ ؕ اُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡغٰفِلُوۡنَ ﴿۱۷۹﴾ وَ لِلّٰہِ الۡاَسۡمَآءُ

اُن سے سنتے نہیں وہ ایسے ہیں جیسے چوپائے بلکہ اُن سے بھی زیادہ بیراہ وہی لوگ ہیں غافل ف ۲۲۰ اور اللہ کے لئے ہیں سب نام

الۡحُسۡنٰی فَادۡعُوۡہُ بِہَا ۪ وَ ذَرُوا الَّذِیۡنَ یُلۡحِدُوۡنَ فِیۡۤ اَسۡمَآئِہٖ ؕ سَیُجۡزَوۡنَ مَا کَانُوۡا یَعۡمَلُوۡنَ ﴿۱۸۰﴾

اچھے سو اُسکو پکارو وہی نام کہہ کر اور چھوڑ دو انکو جو کج راہ چلتے ہیں اُس کے ناموں میں وہ بدلہ پا رہیں گے اپنے کئے کا ف ۲۲۱

(۲۱۷) مشرکین وغیرہم کے رد میں جا بجا قرآن نے عنکبوت، ذباب (مکڑی، مکھی) وغیرہ کی مثالیں بیان فرمائی ہیں۔ مگر ان لوگوں کی مثال ایسی بُری ہے کہ کوئی غیرتمند آدمی حتی المقدور اُس کو اپنے پر چسپاں نہیں ہونے دے گا۔ اور جو بے حیا غدار اپنے احوال پر چسپاں ہونے دیتا ہے وہ صرف اپنا ہی نقصان کرتا ہے۔

(۲۱۸) **محض علم کسی کام کا نہیں** علم و فضل بھی انسان کو جب ہی کام دیتا ہے کہ خدا کی ہدایت و دستگیری سے علم صحیح کے موافق چلنے کی توفیق ہو۔ جیسے وہ سیدھے راستہ پر چلنے کے لئے موافق نہ کرے تو کتنی ہی بڑی علمی فضیلت و قابلیت رکھتا ہو، سمجھ لو کہ ٹوٹے اور خسارے کے سوا کچھ ہاتھ نہ آئے گا۔ اس لئے انسان اپنے علم و فضل پر مغرور نہ ہو، بلکہ دائماً خدا سے ہدایت و توفیق کا طلبگار رہے۔

(۲۱۹) **ایک اشکال کا جواب** یہ آیت بظاہر آیۂ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ کے معارض معلوم ہوتی ہے۔ اس لئے بعض مفسرین نے وہاں "لِيَعْبُدُوْنِ" میں "لام غایت" اور یہاں "لِجَهَنَّمَ" میں "لام عاقبت" مراد لیا ہے۔ یعنی سب کے پیدا کرنے سے مطلوب اصلی تو عبادت ہے۔ لیکن بہت سے جن و انس چونکہ اس مطلب کو پورا نہ کریں گے اور انجام کار دوزخ میں بھیجے جائیں گے۔ اس انجام کے لحاظ سے کہہ سکتے ہیں کہ گویا وہ دوزخ ہی کے لئے پیدا ہوئے۔ کما فی قولہ تعالیٰ فَالْتَقَطَهٗۤ اٰلُ فِرْعَوْنَ لِيَكُوْنَ لَهُمْ عَدُوًّا وَّحَزَنًا۔ باقی محققین کے نزدیک اس تکلف کی حاجت نہیں۔ وہ دونوں جگہ "لام غایت" ہی کا ارادہ کرتے ہیں، مگر "لِيَعْبُدُوْنِ" میں "غایت تشریعی" اور یہاں "لِجَهَنَّمَ" میں "غایت تکوینی" بیان کی گئی ہے۔

(۲۲۰) **جھٹلانے والے چوپائے کی طرح ہیں** یعنی دل، کان، آنکھ سب کچھ موجود ہیں۔ لیکن نہ دل سے "آیات اللہ" میں غور کرتے ہیں نہ قدرت کے نشانات کا بنظر تعمق و اعتبار مطالعہ کرتے ہیں اور نہ خدائی باتوں کو بسمع قبول سنتے ہیں۔ جس طرح چوپائے جانوروں کے تمام اوقات صرف کھانے پینے اور بہیمی جذبات کے دائرہ میں محدود ہوتے ہیں یہ ہی حال ان کا ہے کہ دل و دماغ، ہاتھ پاؤں، کان آنکھ غرض خدا کی دی ہوئی سب قوتیں محض دنیوی لذائذ اور مادی خواہشات کی تحصیل و تکمیل کے لئے وقف ہیں۔ انسانی کمالات اور ملکوتی خصال کے اکتساب سے کوئی سروکار نہیں بلکہ غور کیا جائے تو ان کا حال ایک طرح چوپائے جانوروں سے بھی بدتر ہے۔ جانور مالک کے بلانے پر چلا آتا ہے اس کے ڈانٹنے سے رک جاتا ہے، یہ کبھی مالک حقیقی کی آواز پر کان نہیں دھرتے، پھر جانور اپنے فطری قویٰ سے وہ ہی کام لیتے ہیں جو قدرت نے ان کے لئے مقرر کر دیا ہے۔ زیادہ کی ان میں استعداد ہی نہیں۔ لیکن ان لوگوں میں روحانی و عرفانی ترقیات کی جو فطری قوت و استعداد ودیعت کی گئی تھی، اسے مہلک غفلت اور بے راہ روی سے خود اپنے ہاتھوں ضائع اور معطل کر دیا گیا۔

(۲۲۱) **اسمائے حسنیٰ کے ساتھ دعا کا حکم** غافلین کا حال ذکر کر کے مومنین کو متنبہ فرمایا ہے کہ تم غفلت اختیار نہ کرنا۔ غفلت دور کرنے والی چیز خدا کی یاد ہے، سو تم ہمیشہ اس کو اچھے ناموں سے پکارو اور اچھی صفات سے یاد کرو، جو لوگ اس کے اسماء و صفات کے بارہ میں کج روش اختیار کرتے ہیں انہیں چھوڑ دو وہ جیسا کریں گے ویسا بھگتیں گے۔ خدا کے ناموں اور صفتوں کے متعلق کجروی یہ ہے کہ خدا پر ایسے نام یا صفت کا اطلاق کرے جس کی شریعت نے اجازت نہیں دی اور جو حق تعالیٰ کی تعظیم و اجلال کے لائق نہیں۔ یا اس کے مخصوص نام اور صفت کا اطلاق غیر اللہ پر کرے، یا ان کے معانی بیان کرنے میں بے اصول تاویل اور کھینچ تان کرے۔ یا ان کو معصیت (مثلاً سحر وغیرہ) کے مواقع میں استعمال کرنے لگے۔ یہ سب کجروی ہے۔

وَمِمَّنْ خَلَقْنَآ اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ ﴿۱۸۱﴾ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ع ۲۲ / ۱۲

اور ان لوگوں میں کہ جنکو ہم نے پیدا کیا ہے ایک جماعت ہے کہ راہ بتلاتے ہیں سچی اور اسی کے موافق انصاف کرتے ہیں ف ۲۲۲ اور جنہوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو

سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۲﴾ وَاُمْلِيْ لَهُمْ ؕ اِنَّ كَيْدِيْ مَتِيْنٌ ﴿۱۸۳﴾ اَوَلَمْ

ہم ان کو آہستہ آہستہ پکڑینگے ایسی جگہ سے جہاں سے ان کو خبر بھی نہ ہوگی اور میں انکو ڈھیل دونگا بیشک میرا داؤ پکا ہے ف ۲۲۳ کیا انہوں

يَتَفَكَّرُوْا ٚ مَا بِصَاحِبِهِمْ مِّنْ جِنَّةٍ ؕ اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۸۴﴾ اَوَلَمْ يَنْظُرُوْا فِيْ مَلَكُوْتِ

نے دھیان نہیں کیا کہ ان کے رفیق کو کچھ بھی جنون نہیں وہ تو ڈرانے والا ہے صاف کیا انہوں نے نظر نہیں کی سلطنت میں

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَیْءٍ ۙ وَّاَنْ عَسٰۤی اَنْ یَّكُوْنَ قَدِ اقْتَرَبَ

آسمان اور زمین کی اور جو کچھ پیدا کیا ہے اللہ نے ہر چیز سے اور اس میں کہ شاید قریب آ گیا ہو اُن

اَجَلُهُمْ ۚ فَبِاَیِّ حَدِیْثٍۭ بَعْدَهٗ یُؤْمِنُوْنَ ﴿١٨٥﴾ مَنْ یُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَا هَادِیَ لَهٗ ؕ وَیَذَرُهُمْ

کا وعدہ ف ٢٢٤ سو اس کے پیچھے کس بات پر ایمان لائیں گے ف ٢٢٥ جس کو اللہ بچلائے اُس کو کوئی نہیں راہ دکھلانیوالا اور اللہ چھوڑے رکھتا ہے

فِیْ طُغْیَانِهِمْ یَعْمَهُوْنَ ﴿١٨٦﴾ یَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَیَّانَ مُرْسٰىهَا ؕ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّیْ ۚ

اُنکو اُن کی شرارت میں سرگرداں ف ٢٢٦ تجھ سے پوچھتے ہیں قیامت کو کہ کب ہے اُسکو قائم ہونیکا وقت تو کہہ اُسکی خبر تو میرے رب ہی کے پاس ہے

لَا یُجَلِّیْهَا لِوَقْتِهَاۤ اِلَّا هُوَ ؔؕ ثَقُلَتْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ لَا تَاْتِیْكُمْ اِلَّا بَغْتَةً ؕ یَسْـَٔلُوْنَكَ كَاَنَّكَ

وہی کھول دکھائیگا اُس کو اُسکے وقت پر وہ بھاری بات ہے آسمانوں اور زمین میں جب تم پر آئیگی تو بیخبر آئیگی ف ٢٢٧ تجھ سے پوچھنے لگتے ہیں گویا تو

حَفِیٌّ عَنْهَا ؕ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿١٨٧﴾ قُلْ لَّاۤ اَمْلِكُ

اسکی تلاش میں لگا ہوا ہے تو کہہ دے اُس کی خبر ہے خاص اللہ کے پاس لیکن اکثر لوگ نہیں سمجھتے ف ٢٢٨ تو کہہ دے کہ میں مالک نہیں

لِنَفْسِیْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَیْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَیْرِ ۛۚ

اپنی جان کے بھلے کا اور نہ بُرے کا مگر جو اللہ چاہے اور اگر میں جان لیا کرتا غیب کی بات تو بہت کچھ بھلائیاں حاصل کر لیتا

وَمَا مَسَّنِیَ السُّوْٓءُ ۛۚ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِیْرٌ وَّبَشِیْرٌ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ﴿١٨٨﴾ ع

اور مجھ کو بُرائی کبھی نہ پہنچتی ف ٢٢٩ میں تو بس ڈر اور خوشخبری سنانیوالا ہوں ایماندار لوگوں کو

(٢٢٢) یہ جماعت امتِ محمدیہ مرحومہ ہے علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیم۔ جس نے ہر قسم کی افراط و تفریط اور کجروی سے علیحدہ ہو کر سچائی اور انصاف و اعتدال کا طریقہ اختیار کیا۔ اور اسی کی طرف دوسروں کو دعوت دیتی ہے۔ آگے اس اُمت کے مخالفین اور حق کی تکذیب کرنے والوں کا ذکر ہے۔

(٢٢٣) **مکذبین کے لئے استدراج اور ڈھیل** جھٹلانے والے مجرموں کو بسا اوقات فوراً سزا نہیں ملتی۔ بلکہ دنیوی عیش اور فراخی کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں۔ حتیٰ کہ خدائی سزا سے بے فکر ہو کر ارتکاب جرائم پر اور زیادہ دلیر بن جاتے ہیں۔ اس طرح جو انتہائی سزا ان پر جاری کرنی ہے رفتہ رفتہ اپنے کو علانیہ اور کامل طور پر اُس کا مستحق ثابت کر دیتے ہیں۔ یہی خدا کی ڈھیل اور استدراج ہے۔ وہ حماقت اور بے حیائی سے سمجھتے ہیں کہ ہم پر مہربانی ہو رہی ہے اور حقیقت میں انتہائی عذاب کے لئے تیار کیا جا رہا ہے۔ خدا کا "کید" (داؤ یا خفیہ تدبیر) اسی کو کہا کہ ایسی کارروائی کی جائے جس کا ظاہر رحمت اور باطن قہر و عذاب ہو۔ بیشک خدا کی تدبیر بڑی مضبوط اور پختہ ہے جس کی کسی حیلہ اور تدبیر سے مدافعت نہیں ہو سکتی۔

(٢٢٤) **آنحضرت کی ذات حقانیت کی دلیل ہے** یعنی آخر آیات اللہ کو جھٹلانے اور اس کے بد انجام سے غافل ہو جانے کا سبب کیا ہے اُن آیات کا لانے والا معاذ اللہ کوئی بے عقل و مجنون نہیں۔ وہ ساری عمر تمہارے پاس رہا، اُس کے چھوٹے بڑے حال سے تم واقف ہو اُس کی عقل و دانش اور امانت و دیانت پہلے سے مسلّم و معروف ہے جس کے پاس سے لایا وہ تمام جہان کا مالک، شہنشاہ مطلق اور ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے اس کے نہایت ہی محکم و مضبوط نظام سلطنت بلکہ ہر چھوٹی بڑی چیز میں جو

اُس نے پیدا کی ہے غور کرو تو یہ "آیات تکوینیہ" "آیات تنزیلیہ" کی تصدیق کریں گی۔ پھر آیات اللہ کی تسلیم میں کیا عذر باقی ہے۔ انہیں سمجھنا چاہیئے کہ شاید اُن کی موت وہلاکت کا وقت قریب آلگا ہو۔ لہذا بعد الموت کے لئے جو تیاری کرنی ہے جلد کرنا چاہیئے۔

(۲۲۵) یعنی اگر آیات قرآنیہ پر ایمان نہ لائے تو دنیا میں اور کونسی بات اور کونسا کلام ہے جس پر ایمان لانے کی اُمید کی جاسکتی ہے۔ سمجھ لو کہ ان بدبختوں کے لئے دولت ایمان مقدور ہی نہیں۔

(۲۲۶) ہدایت وضلالت، ہر چیز خدا کے قبضہ میں ہے۔ وہ نہ چاہے تو سارے سامان ہدایت کے رکھے رہ جائیں۔ آدمی کہیں سے بھی منتفع نہ ہو۔ ہاں عادۃً وہ جب ہی ہدایت کی توفیق دیتا ہے۔ جب بندہ خود اپنے کسب واختیار سے اس راستہ پر چلنا چاہے۔ باقی جو دیدہ ودانستہ بدی اور شرارت ہی کی ٹھان لے تو خدا بھی رستہ دکھلانے کے بعد اسی حال میں اُسے چھوڑ دیتا ہے۔

(۲۲۷) **قیامت کا علم صرف اللہ کو ہے** پہلے عَسٰی اَنْ یَّکُوْنَ قَدِ اقْتَرَبَ اَجَلُهُمْ میں خاص اس قوم کی اجل (موت) کا ذکر تھا کہ انہیں کچھ معلوم نہیں کب آجائے۔ یہاں تمام دنیا کی اجل (قیامت) کے متعلق متنبہ فرمادیا کہ جب کسی کو خاص اپنی موت کا علم نہیں کب آئے پھر کل دنیا کی موت کو کون بتلاسکتا ہے کہ فلاں تاریخ اور فلاں سنہ میں آئیگی۔ اس کی تعیین کا علم بجز خدائے علام الغیوب کسی کے پاس نہیں۔ وہ ہی وقت معین ومقدر پر اُسے واقع کر کے ظاہر کردے گا کہ خدا کے علم میں اُس کا یہ وقت تھا آسمان وزمین میں وہ بڑا بھاری واقعہ ہوگا اور اُس کا علم بھی بہت بھاری ہے جو خدا کے سوا کسی کو حاصل نہیں۔ گو اس واقعہ کی امارات (بہت سی نشانیاں) انبیاء علیہم السلام خصوصاً ہمارے پیغمبر آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی ہیں تاہم ان سب علامات کے ظہور کے بعد بھی جب قیامت کا وقوع ہوگا تو بالکل بے خبری میں اچانک اور دفعۃً ہوگا۔ جیسا کہ بخاری وغیرہ کی احادیث میں تفصیلاً مذکور ہے۔

(۲۲۸) ان لوگوں کے طرزِ سوال سے ظاہر ہوتا ہے کہ گویا وہ آپ کی نسبت یوں سمجھتے ہیں کہ آپ بھی اسی مسئلہ کی تحقیق وتفتیش اور کھوج لگانے میں مشغول رہے ہیں اور تلاش کے بعد اُس کے علم تک رسائی حاصل کرچکے ہیں حالانکہ یہ علم حق تعالیٰ شانہ کے ساتھ مخصوص ہے۔ انبیاء علیہم السلام اُس چیز کے پیچھے نہیں پڑا کرتے جس سے خدا نے اپنی مصلحت کی بناء پر روک دیا ہو۔ نہ اُن کے اختیار میں ہے کہ جو چاہیں کوشش کر کے ضرور ہی معلوم کرلیا کریں۔ اُن کا منصب یہ ہے کہ جن بے شمار علوم وکمالات کا خدا کی طرف سے افاضہ ہو، نہایت شکرگذاری اور قدر شناسی کے ساتھ قبول کرتے رہیں۔ مگر ان باتوں کو اکثر عوام کالانعام کیا سمجھیں۔

(۲۲۹) **آنحضرت کو علم غیب حاصل نہیں تھا** اس آیت میں بتلایا گیا ہے کہ کوئی بندہ خواہ کتنا ہی بڑا ہو، نہ اپنے اندر "اختیار مستقل" [illegible]

کے وقت تک نہیں پہچانا۔ جب وہ اُٹھ کر چلے گئے تب علم ہوا کہ جبرئیل تھے۔ یہ واقعہ بتصریح محدثین بالکل آخر عمر کا ہے۔ اس میں قیامت کے سوال پر "مَا الْمَسْئُوْلُ عَنْهَا بِاَعْلَمَ مِنَ السَّائِلِ" ارشاد فرمایا ہے۔ گویا بتلا دیا گیا کہ "علم محیط" خدا کے سوا کسی کو حاصل نہیں۔ اور "علم غیب" تو درکنار، محسوسات و مُبصرات کا پورا علم بھی خدا ہی کے عطا کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔ وہ کسی وقت نہ چاہے تو ہم محسوسات کا بھی ادراک نہیں کر سکتے۔ بہرحال اس آیت میں کھول کر بتلا دیا گیا کہ "اختیار مستقل" یا "علم محیط" نبوت کے لوازم میں سے نہیں۔ جیسا کہ بعض جہلاء سمجھتے تھے۔ ہاں شرعیات کا علم جو انبیاء علیہم السلام کے منصب سے متعلق ہے کامل ہونا چاہئے اور تکوینیات کا علم خدا تعالیٰ جس کو جسقدر مناسب جانے عطا فرماتا ہے۔ اس نوع میں ہمارے حضورؐ تمام اوّلین و آخرین سے فائق ہیں۔ آپ کو اتنے بیشمار علوم و معارف حق تعالیٰ نے مرحمت فرمائے ہیں جن کا احصاء کسی مخلوق کی طاقت میں نہیں:

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِیَسْكُنَ اِلَیْهَا ۚ فَلَمَّا

وہی ہے جس نے تم کو پیدا کیا ایک جان سے اور اُسی سے بنایا اُس کا جوڑا تاکہ اُسکے پاس آرام پکڑے پھر جب مرد

تَغَشّٰىهَا حَمَلَتْ حَمْلًا خَفِیْفًا فَمَرَّتْ بِهٖ ۚ فَلَمَّاۤ اَثْقَلَتْ دَّعَوَا اللّٰهَ رَبَّهُمَا لَىِٕنْ اٰتَیْتَنَا

نے عورت کو ڈھانکا حمل رہا ہلکا سا حمل تو چلتی پھرتی رہی اُسکے ساتھ پھر جب بوجھل ہو گئی تو دونوں نے پکارا اللہ اپنے رب کو کہ اگر تو ہم کو بخشے

صَالِحًا لَّنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِیْنَ ﴿۱۸۹﴾ فَلَمَّاۤ اٰتٰىهُمَا صَالِحًا جَعَلَا لَهٗ شُرَكَآءَ فِیْمَاۤ اٰتٰىهُمَا ۚ

چنگا بھلا تو ہم تیرا شکر کریں پھر جب اُن کو دیا چنگا بھلا تو بنانے لگے اُسکے لئے شریک اُسکی بخشی ہوئی چیز میں

فَتَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا یُشْرِكُوْنَ ﴿۱۹۰﴾ اَیُشْرِكُوْنَ مَا لَا یَخْلُقُ شَیْـًٔا وَّهُمْ یُخْلَقُوْنَ ﴿۱۹۱﴾ وَلَا یَسْتَطِیْعُوْنَ

سو اللہ برتر ہے اُنکے شریک بنانے سے ف۲۳ کیا شریک بناتے ہیں ایسوں کو جو پیدا نہ کریں ایک چیز بھی اور وہ پیدا ہوئے ہیں ف۲۳ اور نہیں کر سکتے ہیں

لَهُمْ نَصْرًا وَّلَاۤ اَنْفُسَهُمْ یَنْصُرُوْنَ ﴿۱۹۲﴾ وَاِنْ تَدْعُوْهُمْ اِلَى الْهُدٰى لَا یَتَّبِعُوْكُمْ ؕ سَوَآءٌ

اُن کی مدد اور نہ اپنی مدد کریں اور اگر تم اُن کو پکارو رستہ کی طرف تو نہ چلیں تمہاری پکار پر برابر ہے

عَلَیْكُمْ اَدَعَوْتُمُوْهُمْ اَمْ اَنْتُمْ صَامِتُوْنَ ﴿۱۹۳﴾ اِنَّ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ عِبَادٌ

تم پر کہ اُن کو پکارو یا چپکے رہو جن کو تم پکارتے ہو اللہ کے سوا وہ بندے ہیں

اَمْثَالُكُمْ فَادْعُوْهُمْ فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۱۹۴﴾

تم جیسے بھلا پکارو تو اُن کو پس چاہئے کہ وہ قبول کریں تمہارے پکارنے کو اگر تم سچے ہو

(۲۳۰) **حضرت آدم و حوّا۔ اور شرک** خدا نے سب انسانوں کو آدمؑ سے پیدا کیا۔ آدمؑ کے اُنس اور سکون و قرار حاصل کرنے کے لئے اُسی کے اندر سے اُس کا جوڑا (حوّاء) بنایا۔ پھر دونوں سے نسل چلی۔ جب مرد نے عورت سے فطری خواہش پوری کی تو عورت حاملہ ہوئی، حمل کی ابتدائی حالت میں کوئی گرانی نہ تھی۔ عورت حسب معمول چلتی پھرتی اور اُٹھتی بیٹھتی رہی۔ جب پیٹ بھر گیا اور یہ کون جان سکتا تھا کہ اُس کے اندر کیا چیز پوشیدہ ہے۔ تب مرد و عورت دونوں نے حق تعالیٰ کی جناب میں عرض کیا کہ اگر آپ اپنے فضل سے بھلا چنگا کار آمد بچہ عنایت فرمائیں گے تو ہم دونوں (بلکہ ہماری نسل بھی) تیرا شکر ادا کرتی رہے گی۔ خدا نے جب اُن کی یہ تمنا پوری کر دی تو ہماری دی ہوئی چیز میں اوروں کے حصے لگانے شروع کر دیے مثلاً کسی نے عقیدہ جما لیا کہ یہ اولاد فلاں زندہ یا مردہ مخلوق نے ہم کو دی

ہے، کسی نے اس عقیدہ سے نہیں تو عملاً اس کی نذر و نیاز شروع کر دی یا بچہ کی پیشانی اُس کے سامنے ٹیک دی یا بچہ کا نام ایسا رکھا جس سے شرک کا اظہار ہوتا ہے مثلاً عبدالعزیٰ یا عبدالشمس وغیرہ۔ غرض جو حق منعم حقیقی کا تھا وہ اعتقاداً یا فعلاً یا قولاً دوسروں کو دے دیا گیا۔ خوب سمجھ لو کہ حق تعالیٰ تمام انواع و مراتب شرک سے بالا و برتر ہے۔ ان آیات میں حسن بصری وغیرہ کی رائے کے موافق خاص آدم و حوّا کا نہیں بلکہ عام انسانوں کی حالت کا نقشہ کھینچا گیا ہے۔ بیشک ابتداء ﴿هُوَ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا﴾ میں بطور تمہید آدم و حوّاء کا ذکر تھا، مگر اُس کے بعد مطلق مرد و عورت کے ذکر کی طرف منتقل ہو گئے اور ایسا بہت جگہ ہوتا ہے کہ شخص کے ذکر سے جنس کے ذکر کی طرف منتقل ہو جاتے ہیں جیسے ﴿وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ وَجَعَلْنٰهَا رُجُوْمًا لِّلشَّيٰطِيْنِ﴾ میں جن سیّاروں کو "مصابیح" فرمایا ہے وہ ٹوٹنے والے ستارے نہیں جن سے "رجم شیاطین" ہوتا ہے۔ مگر شخص "مصابیح" سے جنس "مصابیح" کی طرف کلام کو منتقل کر دیا گیا۔ اس تفسیر کے موافق ﴿جَعَلَا لَهٗ شُرَكَآءَ﴾ میں کچھ اشکال نہیں مگر اکثر سلف سے یہی منقول ہے کہ ان آیات میں صرف آدم و حوّا کا قصّہ بیان فرمایا ہے۔ کہتے ہیں کہ ابلیس ایک نیک مخلوق کی صورت میں حوّا کے پاس آیا اور فریب دے کر اُن سے وعدہ لے لیا کہ اگر لڑکا پیدا ہو تو اس کا نام عبدالحارث رکھیں۔ حوّا نے آدمؑ کو بھی راضی کر لیا۔ اور جب بچہ پیدا ہوا تو دونوں نے عبدالحارث نام رکھا ("حارث" ابلیس کا نام تھا جس سے وہ گروہ ملائکہ میں پُکارا جاتا تھا) ظاہر ہے کہ اسمائے اعلام میں لغوی معنی معتبر نہیں ہوتے اور ہوں بھی تو "عبد" کی اضافت "حارث" کی طرف اس کو مستلزم نہیں کہ "حارث" کو معاذ اللہ معبود سمجھ لیا جائے۔ ایک مہمان نواز آدمی کو عرب "عبدالضیف" کہہ دیتے ہیں۔ (یعنی مہمان کا غلام) اُس کا مطلب ہرگز نہیں ہوتا کہ گویا میزبان مہمان کی پوجا کرتا ہے پس اگر "عبدالحارث" نام رکھنے کا یہ واقعہ صحیح ہے تو نہیں کہا جا سکتا کہ آدم علیہ السلام نے معاذ اللہ حقیقۃً شرک کا ارتکاب کیا جو انبیاء کی شان عصمت کے منافی ہے۔ ہاں بچہ کا ایسا غیر موزوں نام رکھنا جس سے بظاہر شرک کی بو آتی ہو نبی معصوم کی شان رفیع اور جذبۂ توحید کے مناسب نہ تھا۔ قرآن کریم کی عادت ہے کہ انبیائے مقربین کی چھوٹی سی لغزش اور ادنیٰ ترین زلّت کو "حسنات الابرار سیّئات المقربین" کے قاعدہ کے مطابق اکثر سخت عنوان سے تعبیر کرتا ہے۔ جیسے یونس علیہ السّلام کے قصّہ میں فرمایا ﴿فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ﴾ یا فرمایا ﴿حَتّٰٓى اِذَا اسْتَيْئَسَ الرُّسُلُ وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوْا﴾، علیٰ توجیہ بعض المفسرین۔ اسی طرح یہاں بھی آدم علیہ السلام کے رتبہ کے لحاظ سے اس موہم شرک تسمیہ کو تغلیظاً ان الفاظ میں ادا فرمایا ﴿جَعَلَا لَهٗ شُرَكَآءَ فِيْمَآ اٰتٰىهُمَا﴾ (خدا کی دی ہوئی چیز میں حصہ دار بنانے لگے) یعنی اُن کی شان کے لائق نہ تھا کہ ایسا نام رکھیں جس کی سطح سے شرک کا وہم ہوتا ہے۔ گو حقیقۃً شرک نہیں۔ شاید اسی لئے فقط شرکا وغیرہ مختصر عبارت چھوڑ کر یہ طویل عنوان ﴿جَعَلَا لَهٗ شُرَكَآءَ فِيْمَآ اٰتٰىهُمَا﴾ اختیار فرمایا۔ واللہ اعلم۔ (تنبیہ) حافظ عماد الدین ابن کثیر نے بتلایا ہے کہ عبدالحارث نام رکھنے کی حدیث مرفوع جو ترمذی میں ہے، وہ تین وجہ سے معلول ہے۔ رہے آثار، وہ غالباً اہل کتاب کی روایات سے ماخوذ ہیں واللہ اعلم۔

(۲۳۱) پہلے ایک طرح کے شرک کا ذکر تھا اُس کی مناسبت سے ان آیات میں بت پرستی کا رد فرماتے ہیں۔ یعنی جو کسی کو پیدا نہ کر سکے بلکہ خود تمہارا بنایا ہوا ہو وہ تمہارا خدا یا معبود کیسے بن سکتا ہے۔

اَلَهُمْ اَرْجُلٌ يَّمْشُوْنَ بِهَآ ۡ اَمْ لَهُمْ اَيْدٍ يَّبْطِشُوْنَ بِهَآ ۡ اَمْ لَهُمْ اَعْيُنٌ يُّبْصِرُوْنَ بِهَآ ۡ اَمْ

کیا اُنکے پاؤں ہیں جن سے چلتے ہیں یا اُن کے ہاتھ ہیں جن سے پکڑتے ہیں یا اُن کے آنکھیں ہیں جن سے دیکھتے ہیں یا

لَهُمْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا ۭ قُلِ ادْعُوْا شُرَكَآءَكُمْ ثُمَّ كِيْدُوْنِ فَلَا تُنْظِرُوْنِ ﴿۱۹۵﴾ اِنَّ وَلِۦّيَ اللّٰهُ

ان کے کان ہیں جن سے سنتے ہیں تو کہہ دے کہ پکارو اپنے شریکوں کو پھر بُرائی کرو میرے حق میں اور مجھ کو ڈھیل نہ دو ۲۳۲ میرا حمایتی تو اللہ ہے

الَّذِیۡ نَزَّلَ الۡکِتٰبَ ۖ وَ ہُوَ یَتَوَلَّی الصّٰلِحِیۡنَ ﴿۱۹۶﴾ وَ الَّذِیۡنَ تَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِہٖ لَا یَسۡتَطِیۡعُوۡنَ

جس نے اُتاری کتاب اور وہ حمایت کرتا ہے نیک بندوں کی ۲۳۳ اور جن کو تم پکارتے ہو اُس کے سوا وہ نہیں کر سکتے

نَصۡرَکُمۡ وَ لَاۤ اَنۡفُسَہُمۡ یَنۡصُرُوۡنَ ﴿۱۹۷﴾ وَ اِنۡ تَدۡعُوۡہُمۡ اِلَی الۡہُدٰی لَا یَسۡمَعُوۡا ؕ وَ تَرٰىہُمۡ

تمہاری مدد اور نہ اپنی جان بچا سکیں اور اگر تم اُن کو پکارو رستہ کی طرف تو کچھ نہ سنیں اور تو دیکھتا ہے

یَنۡظُرُوۡنَ اِلَیۡکَ وَ ہُمۡ لَا یُبۡصِرُوۡنَ ﴿۱۹۸﴾ خُذِ الۡعَفۡوَ وَ اۡمُرۡ بِالۡعُرۡفِ وَ اَعۡرِضۡ عَنِ الۡجٰہِلِیۡنَ ﴿۱۹۹﴾

اُنکو کہ تک رہے ہیں تیری طرف اور وہ کچھ نہیں دیکھتے ۲۳۴ عادت کر درگذر کی اور حکم کر نیک کام کرنے کا اور کنارہ کر جاہلوں سے

وَ اِمَّا یَنۡزَغَنَّکَ مِنَ الشَّیۡطٰنِ نَزۡغٌ فَاسۡتَعِذۡ بِاللّٰہِ ؕ اِنَّہٗ سَمِیۡعٌ عَلِیۡمٌ ﴿۲۰۰﴾ اِنَّ الَّذِیۡنَ اتَّقَوۡا

اور اگر اُبھارے تجھ کو شیطان کی چھیڑ تو پناہ مانگ اللہ سے وہی ہے سننے والا جاننے والا ۲۳۵ جن کے دل میں ڈر ہے

اِذَا مَسَّہُمۡ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّیۡطٰنِ تَذَکَّرُوۡا فَاِذَا ہُمۡ مُّبۡصِرُوۡنَ ﴿۲۰۱﴾ وَ اِخۡوَانُہُمۡ یَمُدُّوۡنَہُمۡ

جہاں پڑ گیا اُن پر شیطان کا گذر چونک گئے پھر اُسی وقت اُن کو سوجھ آجاتی ہے اور جو شیطانوں کے بھائی ہیں وہ اُنکو کھینچے چلے

فِی الۡغَیِّ ثُمَّ لَا یُقۡصِرُوۡنَ ﴿۲۰۲﴾ وَ اِذَا لَمۡ تَاۡتِہِمۡ بِاٰیَۃٍ قَالُوۡا لَوۡ لَا اجۡتَبَیۡتَہَا ؕ قُلۡ اِنَّمَاۤ اَتَّبِعُ

جاتے ہیں گمراہی میں پھر وہ کمی نہیں کرتے ۲۳۶ اور جب تو لیکر نہ جائے اُنکے پاس کوئی نشانی تو کہتے ہیں کیوں نہ چھانٹ لایا تو کچھ اپنی طرف سے تو کہہ دے میں تو چلتا ہوں اُس

مَا یُوۡحٰۤی اِلَیَّ مِنۡ رَّبِّیۡ ۚ ہٰذَا بَصَآئِرُ مِنۡ رَّبِّکُمۡ وَ ہُدًی وَّ رَحۡمَۃٌ لِّقَوۡمٍ یُّؤۡمِنُوۡنَ ﴿۲۰۳﴾

پر جو حکم آئے میری طرف میرے رب سے یہ سوجھ کی باتیں ہیں تمہارے رب کی طرف سے اور ہدایت اور رحمت ہے اُن لوگوں کو جو مومن ہیں ۲۳۷

(۲۳۲) **بتوں کی پوجا خلاف عقل ہے** جن بتوں کو تم نے معبود ٹھہرایا ہے اور خدائی کا حق دیا ہے، وہ تمہارے کام تو کیا آتے، خود اپنی حفاظت پر بھی قادر نہیں اور باوجود مخلوق ہونے کے اُن کمالات سے محروم ہیں جن سے کسی مخلوق کو دوسری پر تفوق و امتیاز حاصل ہوسکتا ہے۔ گو اُن کے ظاہری ہاتھ، پاؤں، آنکھ، کان سب کچھ تم بناتے ہو، لیکن ان اعضاء میں وہ قوتیں نہیں جن سے انہیں اعضاء کہا جاسکے۔ نہ تمہارے پکارنے سے مصنوعی پاؤں سے چل کر آسکتے ہیں، نہ ہاتھوں سے کوئی چیز پکڑ سکتے ہیں، نہ آنکھوں سے دیکھ سکتے ہیں، نہ کانوں سے کوئی بات سُنتے ہیں۔ اگر پکارتے پکارتے تمہارا گلا پھٹ جائے گا تب بھی وہ تمہاری آواز سننے والے اور اُس پر چلنے والے یا اُس کا جواب دینے والے نہیں۔ تم اُن کے سامنے چلاؤ یا خاموش رہو، دونوں حالتیں یکساں ہیں۔ نہ اس سے فائدہ نہ اُس سے نفع، تعجب ہے کہ جو چیزیں مملوک و مخلوق ہونے میں تم ہی جیسی عاجز و درماندہ بلکہ وجود و کمالات وجود میں تم سے بھی گئی گذری ہوں، انہیں خدا بنا لیا جائے اور جو اس کا رد کرے اُسے نقصان پہنچنے کی دھمکیاں دی جائیں۔

آنحضرت کو مشرکین مکہ کی دھمکیاں چنانچہ مشرکین مکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کہتے تھے کہ آپ ہمارے بتوں کی بے ادبی کرنا چھوڑ دیں ورنہ نہ معلوم وہ کیا آفت تم پر نازل کر دیں "وَ یُخَوِّفُوۡنَکَ بِالَّذِیۡنَ مِنۡ دُوۡنِہٖ" (زمر۔ رکوع ۴) اسی کا جواب قُلِ ادۡعُوۡا شُرَکَآءَکُمۡ الخ سے دیا۔ یعنی تم اپنے سب شرکاء کو پکارو اور میرے خلاف اپنے سب منصوبے اور تدبیریں پوری کر لو، پھر مجھ کو ایک منٹ کی مہلت بھی نہ دو۔ دیکھوں تم میرا کیا بگاڑ سکو گے۔

(۲۳۳) یعنی جس نے مجھ پر کتاب نازل کی اور منصب رسالت پر فائز کیا، وہ ہی ساری دنیا کے مقابلہ میں میری حمایت و حفاظت

کریگا۔ کیونکہ اپنے نیک بندوں کی حفاظت و اعانت وہ ہی کرتا ہے۔

(۲۳۴) یعنی بظاہر آنکھیں بنی ہوئی ہیں، پر اُن میں بینائی کہاں؟

(۲۳۵) **آنحضرت ﷺ کو عفو و درگذر کا حکم** خُذِ الْعَفْوَ کے کئی معنی کئے گئے ہیں۔ اکثر کا حاصل یہ ہے کہ سخت گیری اور تند خوئی سے پرہیز کیا جائے اسی کو مترجم محقق ؒ نے "درگذر کی عادت" سے تعبیر فرمایا ہے۔ گذشتہ آیات میں بت پرستوں کی جو تحمیق و تجہیل کی گئی تھی، بہت ممکن تھا کہ جاہل مشرکین اس پر برہم ہو کر کوئی ناشائستہ حرکت کرتے یا برا لفظ زبان سے نکالتے، اس لئے ہدایت فرمادی کہ عفو و درگذر کی عادت رکھو، نصیحت کرنے سے مت رکو معقول بات کہتے رہو اور جاہلوں سے کنارہ کرو۔ یعنی اُن کی جہالت آمیز حرکتوں پر روز روز اُلجھنے کی ضرورت نہیں۔ جب وقت آئے گا ذرا سی دیر میں ان کا سب حساب بے باق ہو جائیگا۔ اور اگر کسی وقت بمقتضائے بشریت اُن کے کسی نالائق حرکت پر غصہ آجائے اور شیطان لعین چاہے کہ دور سے چھیڑ چھاڑ کر کے آپ کو ایسے معاملہ پر آمادہ کر دے جو خلاف مصلحت ہو یا آپ کے "خلق عظیم" اور حلم و متانت کے شایاں نہ ہو، تو آپ فوراً اللہ سے پناہ طلب کیجئے آپ کی عصمت و وجاہت کے سامنے اس کا کوئی مکید نہیں چل سکیگا۔ کیونکہ خداوند قدیر جو ہر مستعیذ کی بات سننے والا اور ہر حالت کا جاننے والا ہے، اُسی نے آپ کی صیانت کا تکفل فرمایا ہے۔

(۲۳۶) **متقین کی ایک خاص صفت** پہلے تو تنہا حضور ﷺ کو خطاب تھا گو حکم استعاذہ میں سب شامل تھے، اب عام متقین (خدا ترس پرہیزگاروں) کا حال بیان فرماتے ہیں۔ یعنی عام متقین کے حق میں یہ مجال نہیں کہ شیطان کا گذر اُن کی طرف ہو اور کوئی چکر لگا جائے البتہ متقین کی شان یہ ہوتی ہے کہ شیطان کے اغواء سے ممتد غفلت میں نہیں پڑتے بلکہ ذرا غفلت ہوئی اور خدا کو یاد کر کے چونک پڑے، ٹھوکر لگی اور معاً سنبھل گئے سنبھلتے ہی آنکھیں کھل گئیں، غفلت کا پردہ اٹھ گیا۔ نیکی، بدی کا انجام سامنے نظر آنے لگا اور بہت جلد نازیبا کام سے رک گئے۔ باقی غیر متقین (جن کے دل میں خدا کا ڈر نہ ہو اور جنہیں شیطان کی برادری کہنا چاہئے) اُن کا حال یہ ہے کہ شیاطین ہمیشہ اُنہیں گمراہی میں کھینچتے چلے جاتے ہیں اور رگیدنے میں ذرا کمی نہیں کرتے۔ اِدھر یہ لوگ اُن کی اقتداء و پیروی میں کوتاہی نہیں کرتے۔ اور اس طرح اُن شیاطین کے غرور و سرکشی کو اور زیادہ بڑھاتے رہتے ہیں۔ بہرحال متقی کی شان یہ ہے کہ جب شیطان دق کرے، فوراً خدا سے پناہ مانگے دیر نہ کرے۔ ورنہ غفلت میں تمادی ہو کر رجوع الی اللہ کی توفیق بھی نہ رہے گی۔

(۲۳۷) **وحی کی تاخیر پر کفار کا تمسخر** جب کبھی وحی کے آنے میں تاخیر ہوتی، تو کفار از راہ تمسخر کہتے تھے کہ اب کوئی آیت کیوں گھڑ کر نہیں لے آتے۔ آخر سارا قرآن تم نے بنایا ہی ہے (العیاذ باللہ) اسی طرح کبھی دق کرنے کے لئے بعض ایسے نشان (معجزات) طلب کرتے جن کے دکھلانے کو خدا کی حکمت مقتضی نہ تھی۔ جب آپ دکھلانے سے انکار کرتے تو کہتے "لولا اجتبیتھا" یعنی اپنے خدا سے کہہ کر ہمارا مانگا ہوا نشان کیوں چھانٹ کر نہ لے آئے۔ دونوں باتوں کے جواب میں فرمایا "قُلْ اِنَّمَآ اَتَّبِعُ مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ مِنْ رَّبِّيْ" یعنی ان سے کہہ دو کہ (نبی کا یہ کام نہیں کہ اپنی طرف سے خدا پر افترا کرے، یا لوگوں کے کہنے سننے پر اقدام کر کے خدا سے وہ چیز مانگے جس کا دینا اُس کی حکمت کے منافی ہے یا جس کے طلب کرنے کی اجازت نہیں ہے) اُس کا وظیفہ صرف یہ ہے کہ جو کچھ خدا وحی بھیجے قبول کرے، اُس پر عمل پیرا ہو اور دوسروں کو عمل پیرا ہونے کی دعوت دے باقی آیات تنزیلیہ یا تکوینیہ جو مجھ سے طلب کرتے ہو، تو قرآن سے بڑھ کر کونسی آیات ہونگی۔ اور اس سے زیادہ عظیم الشان معجزہ کونسا ہوگا جو سارے جہان کے لئے بصیرت افروز حقائق و مواعظ کا خزانہ، اور ایمان لانے والوں کے لئے خاص قسم کی ہدایت و رحمت کا ذخیرہ اپنے اندر رکھتا ہے۔ اسی کو تم کب ماننے کے لئے تیار ہوئے ہو، جو فرمائشی آیات کو تسلیم کرو گے۔

وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۲۰۴﴾ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِیْ نَفْسِكَ

اور جب قرآن پڑھا جائے تو اُس کی طرف کان لگائے رہو اور چپ رہو تاکہ تم پر رحم ہو ف ۲۳۸ اور یاد کرتا رہ اپنے رب کو اپنے دل میں

تَضَرُّعًا وَّخِیْفَةً وَّدُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِیْنَ ﴿۲۰۵﴾

گڑگڑاتا ہوا اور ڈرتا ہوا اور ایسی آواز سے جو کہ پکار کر بولنے سے کم ہو ف ۲۳۹ صبح کے وقت اور شام کے وقت اور مت رہ بے خبر

اِنَّ الَّذِیْنَ عِنْدَ رَبِّكَ لَا یَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَیُسَبِّحُوْنَهٗ وَلَهٗ یَسْجُدُوْنَ ﴿۲۰۶﴾ السجدۃ

بیشک جو تیرے رب کے نزدیک ہیں وہ تکبر نہیں کرتے اُس کی بندگی سے اور یاد کرتے ہیں اُسکی پاک ذات کو اور اُسی کو سجدہ کرتے ہیں ف ۲۴۰

(۲۳۸) **قرآن سننے کے آداب** جب قرآن ایسی دولت بے بہا اور علم وہدایت کی کان ہے تو اس کی قراءت کا حق سامعین پر یہ ہے کہ پوری فکر و توجہ سے اُدھر کان لگائیں، اُس کی ہدایات کو سمع قبول سے سنیں اور ہر قسم کی بات چیت، شوروشغب اور ذکر و فکر چھوڑ کر ادب کے ساتھ خاموش رہیں تاکہ خدا کی رحمت اور مہربانی کے مستحق ہوں۔ اگر کافر اس طرح قرآن سُنے تو کیا بعید ہے کہ خدا کی رحمت سے مشرف بایمان ہو جائے۔ اور پہلے سے مسلمان ہے تو ولی بن جائے۔ یا کم از کم اس فعل کے اجر وثواب سے نوازا جائے۔ اس آیت سے بہت سے علماء نے یہ مسئلہ بھی نکالا ہے کہ نماز میں جب امام قراءت کرے تو مقتدی کو سننا اور خاموش رہنا چاہیئے جیسا کہ ابوموسیٰ اور ابوہریرہ کی حدیث میں حضورؐ نے فرمایا "وَاِذَا قَرَاَ فَاَنْصِتُوْا" (جب نماز میں امام قرأت کرے تو چپ رہو) یہاں اس مسئلہ کی تفصیل کا موقع نہیں۔ صحیح مسلم کی شرح میں ہم نے نہایت شرح وبسط سے اس کے مالہ وماعلیہ پر بحث کی ہے۔

(۲۳۹) **ذکر اللہ کے آداب** بڑا ذکر تو قرآن کریم ہے، اس کا ادب بیان ہو چکا۔ اب عام "ذکر اللہ" کے کچھ آداب بیان فرماتے ہیں یعنی "ذکر اللہ" کی اصلی روح یہ ہے کہ جو زبان سے کہو دل سے اس کی طرف دھیان رکھے تاکہ ذکر کا پورا نفع ظاہر ہو اور زبان و دل دونوں عضو خدا کی یاد میں مشغول ہوں۔ ذکر کے وقت دل میں رقت ہونی چاہئے۔ سچی رغبت و رہبت سے خدا کو پکارے۔ جیسے کوئی خوشامد کرنے والا ڈرا ہوا آدمی کسی کو پکارتا ہے۔ ذاکر کے لہجہ میں۔ آواز میں اور ہیئت میں تضرع وخوف کا رنگ محسوس ہونا چاہئے۔ ذکر و مذکور کی عظمت وجلال سے آواز کا پست ہونا قدرتی چیز ہے وَخَشَعَتِ الْاَصْوَاتُ لِلرَّحْمٰنِ فَلَا تَسْمَعُ اِلَّا هَمْسًا۔ اسی لئے زیادہ چلّانے کی ممانعت آئی ہے۔ دھیمی آواز سے سرًّا یا جہرًا خدا کا ذکر کرے تو خدا اُس کا ذکر کریگا۔ پھر اس سے زیادہ عاشق کی خوش بختی اور کیا ہو سکتی ہے۔

(۲۴۰) یعنی رات دن خصوصًا صبح وشام کے اوقات میں اُس کی یاد سے غافل مت رہ۔ جب مقرب فرشتوں کو اُس کی بندگی سے عار نہیں، بلکہ ہمہ وقت اسی کی یاد میں لگے رہتے ہیں، اسی کو سجدہ کرتے ہیں، تو انسان کو اور بھی زیادہ ضروری ہے کہ اس کے ذکر اور عبادت و سجود سے غافل نہ رہے۔ چنانچہ اس آیت پر بھی سجدہ کرنا چاہئے۔

سُوْرَةُ الْاَنْفَالِ

سُوْرَةُ الْاَنْفَالِ ۸ مَدَنِيَّةٌ | بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ | اٰيَاتُهَا ۷۵ | رُكُوْعَاتُهَا ۱۰

سورہ انفال مدینہ میں نازل ہوئی اور اس | شروع اللہ کے نام سے جو بیحد مہربان نہایت رحم والا ہے | کی پچھتر آیتیں اور دس رکوع ہیں

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ ؕ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَصْلِحُوْا ذَاتَ

تجھ سے پوچھتے ہیں حکم غنیمت کا تو کہہ دے کہ مال غنیمت اللہ کا ہے اور رسول کا سو ڈرو اللہ سے اور صلح کرو آپس

بَيْنِكُمْ ۪ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗۤ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝۱ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ

میں اور حکم مانو اللہ کا اور اسکے رسول کا اگر ایمان رکھتے ہو ایمان والے وہی ہیں کہ جب نام آئے

اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَاِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ۝۲

اللہ کا تو ڈر جائیں اُن کے دل اور جب پڑھا جائے اُن پر اُس کا کلام تو زیادہ ہو جاتا ہے اُن کا ایمان اور وہ اپنے رب پر بھروسا رکھتے ہیں

الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝۳ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ؕ لَهُمْ

وہ لوگ جو کہ قائم رکھتے ہیں نماز کو اور ہمنے جو انکو روزی دی ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں وہی ہیں سچے ایمان والے اُنکے لئے

دَرَجٰتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ۝۴

درجے ہیں اپنے رب کے پاس اور معافی اور روزی عزت کی ۱

(۱) **سورۂ انفال کا تعارف** یہ سورت مدنی ہے، جنگ بدر کے بعد نازل ہوئی۔ مکہ کی سیزدہ [۱۳] سالہ زندگی میں مشرکین نے جو دردناک اور ہوشربا مظالم مٹھی بھر مسلمانوں پر روا رکھے، اور مظلوم مسلمانوں نے جس صبر و استقلال اور معجز نما استقامت و للّٰہیت سے مسلسل تیرہ برس تک اُن ہولناک مصائب و نوائب کا تحمل کیا، وہ دنیا کی تاریخ کا بے مثال واقعہ ہے۔ قریش اور اُن کے حامیوں نے کوئی صورت ظلم و ستم کی اُٹھا کر نہ رکھی۔ تاہم مسلمانوں کو حق تعالیٰ نے اُن وحشی ظالموں کے مقابلہ میں ہاتھ اُٹھانے کی اجازت نہ دی۔ صبر و تحمل کے امتحان کی آخری حد یہ تھی کہ مسلمان مقدس وطن، عزیز و اقارب، اہل و عیال مال و دولت سب چیزوں کو خیرباد کہہ کر خالص خدا اور رسول کی خوشنودی کا راستہ طے کرنے کے لئے گھروں سے نکل پڑے۔ جب مشرکین کا ظلم و تکبر اور مسلمانوں کی مظلومیت و بیکسی حد سے گذر گئی۔ ادھر اہل ایمان کے قلوب وطن و قوم، زن و فرزند، مال و دولت، غرض ہر ایک "ماسوی اللہ" کے تعلق سے خالی اور پاک ہو کر محض خدا اور رسول کی محبت اور دولتِ توحید و اخلاص سے ایسے بھرپور ہو گئے کہ گویا غیر اللہ کی اُن میں گنجائش ہی نہ رہی۔

جہاد و قتال کی اجازت تب اُن مظلوموں کو جو تیرہ [۱۳] برس سے برابر کفار کے ہر قسم کے حملے سہ رہے تھے اور وطن چھوڑنے پر بھی امن حاصل نہ کر سکے تھے۔ ظالموں سے لڑنے اور بدلہ لینے کی اجازت دی گئی۔ اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ اِلَّاۤ اَنْ يَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ (الحج رکوع ۶) مکہ کا ادب مانع تھا کہ مسلمان ابتداءً وہاں چڑھ کر جائیں

اس لیئے ہجرت کے بعد تقریباً ڈیڑھ سال تک لائحۂ عمل یہ رہا کہ مشرکین "مکہ" کے تجارتی سلسلوں کو جو شام ویمن وغیرہ سے قائم تھے، شکست دیکر ظالموں کی اقتصادی حالت کمزور اور مسلمانوں کی مالی پوزیشن مضبوط کی جائے۔ ہجرت کے پہلے سال "ابواء" "بُواط"، "عشیرہ" وغیرہ چھوٹے چھوٹے غزوات وسرایا جن کی تفصیل کتب احادیث وسیر میں ہے، اسی سلسلہ میں وقوع پذیر ہوئے۔ ۲ سنہ ہجری میں آپ کو معلوم ہوا کہ ایک بھاری تجارتی مہم ابوسفیان کی سرکردگی میں شام کو روانہ ہوئی ہے۔

غزوۂ بدر کے اسباب ابوسفیان کا یہ تجارتی قافلہ جس کے ساتھ تقریباً ساٹھ قریشی، ایک ہزار اونٹ اور پچاس ہزار دینار کا مال تھا، جب شام سے مکہ کو واپس ہوا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر پہنچی۔ صحیح مسلم کی ایک روایت کے موافق آپ نے صحابہ سے مشورہ لیا کہ آیا اس جماعت سے تعرض کیا جائے؟ طبری کے بیان کے موافق بہت سے لوگوں نے اس مہم میں جانے سے پہلوتہی کی۔ کیونکہ انہیں کسی بڑی جنگ کا خطرہ نہ تھا جس کے لیئے بڑا اجتماع واہتمام کیا جائے۔ دوسرے "انصار" کی نسبت عموماً یہ بھی خیال کیا جاتا تھا کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نصرت وحمایت کا معاہدہ صرف اس صورت میں کیا ہے کہ کوئی قوم مدینہ پر چڑھائی کرے یا آپ پر حملہ آور ہو۔ ابتداءً اقدام کر کے جانا خواہ کسی صورت میں ہو، اُن کے معاہدہ میں شامل نہ تھا۔ مجمع کا یہ رنگ دیکھ کر ابوبکر وعمر اور رئیس انصار سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہم نے حوصلہ افزا تقریریں کیں آخر حضورؐ تین سو سے کچھ زائد آدمیوں کی جمعیت لے کر قافلہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ چونکہ کسی بڑے مسلح لشکر سے مڈبھیڑ ہونے کی توقع نہ تھی اس لیئے جمعیت اور سامان اسلحہ وغیرہ کا زیادہ اہتمام نہیں کیا گیا۔ فی الوقت جو لوگ اکھٹے ہو گئے سرسری سامان کے ساتھ روانہ ہوئے۔ اسی لیئے بخاری کی روایت میں حضرت کعب بن مالک فرماتے ہیں کہ "جو لوگ غزوہ بدر میں شریک نہیں ہوئے اُن پر کوئی عتاب نہیں ہوا، کیونکہ حضورؐ صرف تجارتی مہم کے ارادے سے نکلے تھے۔ اتفاقاً خدا نے باقاعدہ جنگ کی صورت پیدا فرمادی" ابوسفیان کو آپ کے ارادہ کا پتہ چل گیا۔ اُس نے فوراً مکہ آدمی بھیجا۔ وہاں سے تقریباً ایک ہزار کا لشکر جس میں قریش کے بڑے بڑے سردار تھے، پورے سازوسامان کے ساتھ مدینہ کی طرف روانہ ہو گیا۔ حضورؐ مقام صفراء میں تھے جب معلوم ہوا کہ ابوجہل وغیرہ بڑے بڑے ائمۃ الکفر کی کمانڈ میں مشرکین کا لشکر یلغار کرتا چلا آ رہا ہے۔ اس غیر متوقع صورت کے پیش آجانے پر آپؐ نے صحابہ کو اطلاع کی کہ اس وقت دو جماعتیں تمہارے سامنے ہیں۔ تجارتی قافلہ اور فوجی لشکر، خدا کا وعدہ ہے کہ دونوں میں سے کسی ایک پر تم کو مسلط کرے گا۔ تم بتلاؤ کہ کس جماعت کی طرف بڑھنا چاہتے ہو؟ چونکہ اس لشکر کے مقابلہ میں تیاری کر کے نہ آئے تھے اس لیئے اپنی تعداد اور سامان وغیرہ کی قلت کو دیکھتے ہوئے بعض لوگوں کی رائے یہ ہوئی کہ تجارتی قافلہ پر حملہ کرنا زیادہ مفید اور آسان ہے۔ مگر حضورؐ اس رائے سے خوش نہ تھے۔ حضرت ابوبکرؓ وعمر اور مقداد بن الاسود نے ولولہ انگیز جوابات دیئے اور اخیر میں حضرت سعد بن معاذ کی تقریر کے بعد یہی فیصلہ ہوا کہ فوجی مہم کے مقابلہ پر جوہر شجاعت دکھلائے جائیں۔ چنانچہ مقام بدر میں دونوں فوجیں بھڑ گئیں۔ حق تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح عظیم عنایت فرمائی۔ کافروں کے ستر بڑے بڑے سردار مارے گئے اور ستر قید ہوئے۔ اس طرح کفر کا زور ٹوٹا۔ اس سورۃ میں عموماً اسی واقعہ کے اجزاء ومتعلقات کا بیان ہوا ہے۔

جہاد میں اقدام ودفاع کا مسئلہ جن لوگوں کا یہ خیال ہے کہ اس سفر میں حضورؐ شروع ہی سے فوجی لشکر کے مقابلہ میں نکلے تھے جو "مدینہ" پر از خود اقدام کرتا ہوا چلا آ رہا تھا، تجارتی قافلہ پر حملہ کرنے کی نیت آپ نے اوّل سے آخر تک کسی وقت نہیں کی۔ وہ فی الحقیقت اپنے ایک خود ساختہ اصول پر تمام ذخیرہ حدیث وسیر اور اشارات قرآنیہ کو قربان کرنا چاہتے ہیں۔ یہ منطق ہماری سمجھ میں نہیں آتی کہ کفار محاربین جن کے دستبرد سے مسلمانوں کی جان ومال کوئی چیز نہ بچی اور نہ آئندہ بچنے کی توقع تھی، اُن کو جانی وبدنی نقصان پہنچانا تو جائز سمجھا جائے لیکن تجارتی اور مالی نقصان پہنچانا خلاف تہذیب وانسانیت ہو۔ یعنی اُن کی جانیں تو ظلم وشرارت اور کفر وطغیان کی بدولت محفوظ نہیں رہیں مگر اموال بدستور محفوظ ہیں۔ گویا زندگی کے حق سے محروم ہو جائیں تو ہو جائیں، پر سامان زندگی سے محروم نہ ہوں۔ اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ عُجَابٌ۔ باقی یہ دعویٰ کہ جو

لوگ حملہ آور نہ ہوئے ہوں، اُن پر مسلمانوں کو از خود حملہ کرنا جائز نہیں کیونکہ وَقَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَکُمْ کے خلاف ہوگا قطع نظر اس سے کہ یہ مسئلہ موجودہ واقعہ سے بے تعلق ہے، کیونکہ کفار مکہ پہلے ہر قسم کے مظالم اور حملے مسلمانوں پر کر چکے تھے اور آئندہ کے لئے باقاعدہ دھمکیاں دے رہے تھے۔ بلکہ اس بارہ میں اُن کی سازشیں اور مراسلتیں جاری تھیں۔ فی نفسہٖ بھی صحیح نہیں۔ کیونکہ یہ آیت ابتدائے ہجرت میں اُتری تھی جس کے بعد دوسری آیات جن میں مطلق قتال کا حکم ہے نازل ہوئیں۔ پھر یہ بھی قابل غور ہے کہ صرف اتنا کہنے سے کہ "حملہ آوروں کی مدافعت کرو" یہ لازم نہیں آتا کہ کسی حالت میں حملہ کرنے کی اجازت نہیں۔ اس مسئلہ کی تفصیل میرے عزیز مولوی یحییٰ سلمہ نے جو تحریر فوائد میں میرے معین ہیں۔ اپنے رسالہ "الجہاد الکبیر" میں لکھی ہے۔ اور احقر نے کچھ خلاصہ رسالہ "الشہاب" میں درج کیا ہے اور موقع بہ موقع فوائد میں بھی لکھا جائیگا۔ انشاء اللہ۔

(۲) **مالِ غنیمت کس کا حق ہے** "بدر" میں جو مال غنیمت ہاتھ آیا، اُس کے متعلق صحابہ میں نزاع تھی۔ نوجوان جو آگے بڑھ کر لڑے تھے، وہ کل مال غنیمت کو اپنا حق سمجھتے تھے۔ پُرانے لوگ جو نوجوانوں کی پشت پر تھے، اُن کا یہ کہنا تھا کہ ہمارے سہارا لگانے سے فتح ہوئی۔ لہٰذا غنیمت ہم کو ملنی چاہیئے۔ ایک جماعت جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کر رہی تھی، وہ اپنے کو اس مال کا مستحق سمجھتی تھی۔ ان آیات میں بتلا دیا کہ فتح صرف اللہ کی مدد سے ہے۔ کسی کا سہارا اور زور پیش نہیں جاتا۔ سو مال کا مالک خدا ہے۔ پیغمبر اس کے نائب ہیں جس طرح اللہ تعالیٰ اپنے رسول کی معرفت حکم دے، اسی کے موافق غنیمت تقسیم ہونی چاہیئے۔ (اس حکم کی تفصیل آگے آئیگی) پکے مسلمانوں کا کام یہ ہے کہ ہر معاملہ میں خدا سے ڈریں۔

سچے مومنوں کی صفات آپس میں صلح و آشتی سے رہیں۔ ذرا ذرا سی بات پر جھگڑے نہ ڈالیں، اپنی آراء و جذبات سے قطع نظر کر کے محض خدا و رسول کا حکم مانیں، جب خدا کا نام درمیان میں آجائے ہیبت و خوف سے کانپ اُٹھیں، آیات و احکام الٰہی سُن کر اُن کا ایمان و یقین زیادہ مضبوط ہوتا رہے۔ اس قدر مضبوط و قوی ہو جائے کہ ہر معاملہ میں اُن کا اصلی بھروسہ اور اعتماد بجز خدا کے کسی پر باقی نہ رہے۔ اسی کے سامنے سر عبودیت جُھکائیں اسی کے نام پر مال و دولت خرچ کریں۔ غرض عقیدہ، خلق، عمل اور مال ہر چیز سے خدا کی خوشنودی حاصل کرنے کی کوشش میں رہیں ایسے ہی لوگوں کو سچا اور پکا ایماندار کہا جا سکتا ہے، جو خدا کے یہاں اپنے اپنے درجہ کے موافق بڑے بڑے مقامات و مراتب قرب پر فائز ہونگے، جنہیں معمولی کوتاہیوں سے درگذر کر کے عزت کی روزی سے سرفراز کیا جائے گا۔ رزقنا اللہ منہ بفضلہ و منہ۔

كَمَآ اَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْۢ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ ۠ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَكٰرِهُوْنَ ۝ۙ يُجَادِلُوْنَكَ

جیسے نکالا تجھ کو تیرے رب نے تیرے گھر سے حق کام کے واسطے اور ایک جماعت اہل ایمان کی راضی نہ تھی وہ تجھ سے جھگڑتے تھے

فِي الْحَقِّ بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ كَاَنَّمَا يُسَاقُوْنَ اِلَى الْمَوْتِ وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ ۝ؕ وَاِذْ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحْدَى

حق بات میں اُسکے ظاہر ہو چکنے کے بعد گویا وہ ہانکے جاتے ہیں موت کی طرف آنکھوں دیکھتے ۳ اور جس وقت تم سے وعدہ کرتا تھا اللہ دو جماعتوں

الطَّآئِفَتَيْنِ اَنَّهَا لَكُمْ وَتَوَدُّوْنَ اَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُوْنُ لَكُمْ وَيُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّحِقَّ

میں سے ایک کا کہ وہ تمہارے ہاتھ لگیگی اور تم چاہتے تھے کہ جس میں کانٹا نہ لگے وہ تم کو ملے اور اللہ چاہتا تھا کہ سچا کر دے

الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِيْنَ ۝ۙ لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ۝ۚ

سچ کو اپنے کلاموں سے اور کاٹ ڈالے جڑ کافروں کی تاکہ سچا کرے سچ کو اور جھوٹا کر دے جھوٹ کو اور اگرچہ ناراض ہوں گنہگار ۴

(۳) **غزوہ بدر میں اختلاف آراء ایک علمی جائزہ** یعنی سوچو کہ اس جنگ (بدر) میں شروع سے آخر تک کس طرح حق تعالیٰ کی تحریک و تائید اور امداد و توفیق مسلمانوں کے حق میں کار فرما رہی۔ خدا ہی تھا جو نصرت دین اسلام کے حق (سچے) وعدے کر کے اپنے نبی کو ایک امر حق یعنی کفار کے ساتھ جہاد کرانے کے لئے مدینہ سے باہر بدر کے میدان میں اس وقت لے آیا جبکہ ایک جماعت مسلمانوں کی لشکر قریش سے نبرد آزمائی کرنے پر راضی نہ تھی۔ یہ لوگ ایسی سچی اور طے شدہ چیز میں پس و پیش کر رہے اور حجتیں نکال رہے تھے جس کی نسبت بذریعہ پیغمبر انہیں ظاہر ہو چکا تھا کہ وہ یقیناً خدا کی فرمائی ہوئی اٹل بات ہے (یعنی اسلام و پیروان اسلام کا بذریعہ جہاد غالب و منصور ہونا) ابو جہل کے لشکر سے مقابلہ کرنا اُن کو اس قدر شاق اور گراں تھا۔ جیسے کسی شخص کو آنکھوں دیکھتے موت کے مُنہ میں جانا مشکل ہے تاہم خدا اپنی توفیق سے اُن کو میدان جنگ میں لے گیا اور اپنی امداد سے مظفر و منصور واپس لایا۔ پس جیسے خدا ہی کی مدد سے از اوّل تا آخر یہ مہم سر ہوئی، مال غنیمت بھی اسی کا سمجھنا چاہئے وہ اپنے پیغمبر کے ذریعہ سے جہاں بتلائے وہاں خرچ کرو۔ (تنبیہ) کَمَآ اَخۡرَجَكَ الخ کے "کاف" کو میں نے اپنی تقریر میں صرف تشبیہ کے لئے نہیں لیا، بلکہ ابو حیان کی تحقیق کے موافق معنی تعلیل پر مشتمل رکھا ہے جیسے وَاذۡكُرُوۡهُ كَمَا هَدٰىكُمۡ میں علماء نے تصریح کی ہے۔ اور اَخۡرَجَكَ رَبُّكَ مِنۡۢ بَيۡتِكَ الی آخر الآیات کے مضمون کو میں نے اَلۡاَنۡفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوۡلِ کا ایک سبب قرار دیا ہے ابو حیان کی طرح "اَعَزَّكَ اللّٰهُ" وغیرہ مقدر نہیں مانا۔ نیز تقریر آیت میں صاحب "روح المعانی" کی تصریح کے موافق اشارہ کر دیا ہے کہ "اَخۡرَجَكَ رَبُّكَ مِنۡۢ بَيۡتِكَ" میں صرف آنِ خروج من البیت مراد نہیں۔ بلکہ خروج من البیت سے دخول فی الجہاد تک کا ممتد اور وسیع زمانہ مراد ہے جس میں "وَاِنَّ فَرِيۡقًا مِّنَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ لَكٰرِهُوۡنَ يُجَادِلُوۡنَكَ فِى الۡحَـقِّ" وغیرہ سب احوال کا وقوع ہوا۔ ایک فریق کی کراہیۃ تو عین خروج من المدینۃ ہی کے وقت ظاہر ہو گئی جسے ہم صحیح مسلم اور طبری کے حوالہ سے سورۃ الانفال کے پہلے فائدہ میں بیان کر چکے ہیں اور مجادلہ کی صورت غالباً آگے چل کر لشکر کی اطلاع ملنے پر مقام صفراء میں پیش آئی۔ اس کے سمجھ لینے سے بعض مبطلین کے مغالطات کا استیصال ہو جائیگا

(۴) **بدر میں لشکر کفار سے مقابلہ کی حکمت** مسلمان چاہتے تھے کہ "تجارتی قافلہ" پر حملہ ہو، کہ کانٹا نہ چبھے اور بہت سامان ہاتھ آجائے لیکن خدا کی مرضی یہ تھی کہ اس چھوٹی سی بے سرو سامان جماعت کو کثیر التعداد اور مرتب و پُر شوکت لشکر سے بھڑا کر اپنی باتوں سے سچ کو سچ کر دکھائے اور کفار مکہ کی جڑ کاٹ ڈالے۔ تاکہ اس طرح اُس کے وعدوں کی سچائی حیرت انگیز طریقہ پر ظاہر ہو کر سچ کا سچ اور جھوٹ کا جھوٹ ہونا کفار کے علی الرغم صاف صاف آشکارا ہو جائے۔ چنانچہ یہ ہی ہوا۔ بدر میں قریش کے ستر سردار مارے گئے۔ جن میں ابو جہل بھی تھا۔ اور ستر ہی قید ہوئے۔ اس طرح کفر کی کمر ٹوٹ گئی، اور مشرکین مکہ کی بنیادیں ہل گئیں۔ فللّٰہ الحمد والمنہ۔

اِذۡ تَسۡتَغِيۡثُوۡنَ رَبَّكُمۡ فَاسۡتَجَابَ لَـكُمۡ اَنِّىۡ مُمِدُّكُمۡ بِاَلۡفٍ مِّنَ الۡمَلٰۤـئِكَةِ مُرۡدِفِيۡنَ ۝۹ وَمَا جَعَلَهُ

جب تم لگے فریاد کرنے اپنے رب سے تو وہ پہنچا تمہاری فریاد کو کہ میں مدد کو بھیجونگا تمہاری ہزار فرشتے لگاتار آنے والے اور یہ تو دی اللہ نے

اللّٰهُ اِلَّا بُشۡرٰى وَلِتَطۡمَـئِنَّ بِهٖ قُلُوۡبُكُمۡ ۚ وَمَا النَّصۡرُ اِلَّا مِنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيۡزٌ

فقط خوشخبری اور تاکہ مطمئن ہو جائیں اس سے تمہارے دل اور مدد نہیں مگر اللہ کی طرف سے بیشک اللہ زور آور ہے

ع ۱۵ حَكِيۡمٌ ۝۱۰ اِذۡ يُغَشِّيۡكُمُ النُّعَاسَ اَمَنَةً مِّنۡهُ وَيُنَزِّلُ عَلَيۡكُمۡ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً لِّيُطَهِّرَكُمۡ بِهٖ

حکمت والا ؎۵ جس وقت کہ ڈالدی اُس نے تم پر اُونگھ اپنی طرف سے تسکین کے واسطے اور اُتارا تم پر آسمان سے پانی کہ اُس سے تم کو پاک کر دے

وَيُذۡهِبَ عَنۡكُمۡ رِجۡزَ الشَّيۡطٰنِ وَلِيَرۡبِطَ عَلٰى قُلُوۡبِكُمۡ وَيُثَبِّتَ بِهِ الۡاَقۡدَامَ ؕ‏ ۝۱۱

اور دور کر دے تم سے شیطان کی نجاست اور مضبوط کر دے تمہارے دلوں کو اور جما دے اُس سے تمہارے قدم ؎۶

(۵) **مسلمانوں کی مدد کے لئے ملائکہ کا نزول** اسی طرح کی آیت "آل عمران" پارہ "لن تنالوا" کے ربع پر گذر چکی۔ وہاں کے فوائد ملاحظہ کئے جائیں۔ البتہ اُس جگہ فرشتوں کی تعداد تین سے پانچ ہزار تک بیان کی گئی تھی اگر واقعہ ایک ہے تو کہا جائیگا کہ اوّل ایک ہزار کا دستہ آیا ہوگا۔ پھر اُس کے پیچھے دوسرے دستے آئے ہوں۔ جن کی تعداد تین سے پانچ ہزار تک پہنچی۔ شاید لفظ "مردفین" میں اسی طرف اشارہ ہو۔

(۶) **میدان بدر میں اللہ کی نعمتیں** "بدر" کا معرکہ فی الحقیقت مسلمانوں کے لئے بہت ہی سخت آزمائش اور عظیم الشان امتحان کا موقع تھا۔ وہ تعداد میں تھوڑے تھے، بے سروسامان تھے، فوجی مقابلہ کے لئے تیار ہو کر نکلے تھے، مقابلہ پر اُن سے تگنی تعداد کا لشکر تھا۔ جو پورے سازوسامان سے کبروغرور کے نشہ میں سرشار ہو کر نکلا تھا مسلمانوں اور کافروں کی یہ پہلی ہی قابل ذکر ٹکر تھی، پھر صورت ایسی پیش آئی کہ کفار نے پہلے سے اچھی جگہ اور پانی وغیرہ پر قبضہ کر لیا۔ مسلمان نشیب میں تھے، ریت بہت زیادہ تھی جس میں چلتے ہوئے پاؤں دھنستے تھے۔ گرد و غبار نے الگ پریشان کر رکھا تھا۔ پانی نہ ملنے سے ایک طرف غسل و وضوء کی تکلیف، دوسری طرف تشنگی ستا رہی تھی۔ یہ چیزیں دیکھ کر مسلمان ڈرے کہ بظاہر آثار شکست کے ہیں۔ شیطان نے دلوں میں وسوسہ ڈالا کہ اگر واقعی تم خدا کے مقبول بندے ہوتے تو ضرور تائید ایزدی تمہاری طرف ہوتی اور ایسی پریشان کن اور یاس انگیز صورت حال پیش نہ آتی۔ اُس وقت حق تعالیٰ نے ذات کامل سے زور کا مینہ برسایا جس سے میدان کی ریت جم گئی، غسل و وضوء کرنے اور پینے کے لئے پانی کی افراط ہو گئی، گرد و غبار سے نجات ملی۔ کفار کا لشکر جس جگہ تھا وہاں کیچڑ اور پھسلن سے چلنا پھرنا دشوار ہو گیا۔ جب یہ ظاہری پریشانیاں دور ہو گئیں تو حق تعالیٰ نے مسلمانوں پر ایک قسم کی غنودگی طاری کر دی۔ آنکھ کھلی تو دلوں سے سارا خوف و ہراس جاتا رہا۔ بعض روایات میں ہے کہ حضورؐ اور ابوبکر صدیقؓ رات بھر "عریش" میں مشغول دعا رہے اخیر میں حضورؐ پر خفیف سی غنودگی طاری ہوئی، جب اُس سے چونکے تو فرمایا خوش ہو جاؤ کہ جبریل تمہاری مدد کو آ رہے ہیں۔ عریش سے باہر تشریف لائے تو سَیُھْزَمُ الْجَمْعُ وَیُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ زبان مبارک پر جاری تھا۔ بہرحال اُس باران رحمت نے بدن کو احداث سے اور دلوں کو شیطان کے وساوس سے پاک کر دیا۔ ادھر ریت کے جم جانے سے ظاہری طور پر قدم جم گئے اور اندر سے ڈر نکل کر دل مضبوط ہو گئے۔

اِذْ یُوْحِیْ رَبُّكَ اِلَی الْمَلٰٓئِكَةِ اَنِّیْ مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ؕ سَاُلْقِیْ فِیْ قُلُوْبِ

جب حکم بھیجا تیرے رب نے فرشتوں کو کہ میں ساتھ ہوں تمہارے سو تم دل ثابت رکھو مسلمانوں کے میں ڈال دونگا دل میں

الَّذِیْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ وَاضْرِبُوْا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ ؕ ⑫ ذٰلِكَ

کافروں کے دہشت سو مارو گردنوں پر اور کاٹو اُن کی پور پور یہ اس واسطے

بِاَنَّهُمْ شَآقُّوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۚ وَمَنْ یُّشَاقِقِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ ⑬

ہے کہ وہ مخالف ہوئے اللہ کے اور اسکے رسول کے اور جو کوئی مخالف ہوا اللہ کا اور اُس کے رسول کا تو بیشک اللہ کا عذاب سخت ہے

ذٰلِكُمْ فَذُوْقُوْهُ وَاَنَّ لِلْكٰفِرِیْنَ عَذَابَ النَّارِ ⑭ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِیْتُمُ الَّذِیْنَ

یہ تو تم چکھ لو اور جان رکھو کہ کافروں کے لئے ہے عذاب دوزخ کا ف۷ اے ایمان والو جب بھڑو تم کافروں

كَفَرُوْا زَحْفًا فَلَا تُوَلُّوْهُمُ الْاَدْبَارَ ⑮ وَمَنْ یُّوَلِّهِمْ یَوْمَئِذٍ دُبُرَهٗٓ اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ اَوْ

سے میدان جنگ میں تو مت پھیرو اُن سے پیٹھ ف۸ اور جو کوئی اُن سے پھیرے پیٹھ اُس دن مگر یہ کہ ہنر کرتا ہو لڑائی کا یا

مُتَحَیِّزًا اِلٰی فِئَةٍ فَقَدْ بَآءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِیْرُ ⑯

جا ملتا ہو فوج میں سو وہ پھرا اللہ کا غضب لے کر اور اُس کا ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ کیا بُرا ٹھکانا ہے ف۹

(۷) **بدر میں شیاطین اور ملائکہ کے لشکر** جنگ بدر کی اہمیت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ اس معرکہ میں خود ابلیس لعین کنانہ کے سردار اعظم سراقہ بن مالک مدلجی کی صورت میں متشکل ہو کر ابوجہل کے پاس آیا اور مشرکین کے خوب دل بڑھائے کہ آج تم پر کوئی غالب نہیں آسکتا میں اور میرا سارا قبیلہ تمہارے ساتھ ہے ابلیس کے جھنڈے تلے بڑا بھاری لشکر شیاطین کا تھا۔ یہ واقعہ آگے آئیگا۔ اس کے جواب میں حق تعالیٰ نے مسلمانوں کی کمک پر شاہی فوج کے دستے جبریل و میکائیل کی کمانڈ میں یہ کہہ کر بھیجے کہ میں تمہارے ساتھ ہوں (اگر شیاطین آدمیوں کی صورت میں متشکل ہو کر کفار کے حوصلے بڑھا رہے ہیں اور اُن کی طرف سے لڑنے کو تیار ہیں اور مسلمانوں کے قلوب کو وسوسے ڈال کر خوفزدہ کر رہے ہیں تو) تم مظلوم و ضعیف مسلمانوں کے دلوں کو مضبوط کرو۔ اِدھر تم اُن کی ہمت بڑھاؤ گے اُدھر میں کفار کے دلوں میں دہشت اور رُعب ڈالدونگا تم مسلمانوں کے ساتھ ہو کر ان ظالموں کی گردنیں مارو اور پور پور کاٹ ڈالو۔ کیونکہ آج ان سب جنی و انسی کافروں نے مل کر خدا اور رسول سے مقابلہ کی ٹھہرائی ہے۔ سو انہیں معلوم ہو جائے کہ خدا کے مخالفوں کو کیسی سخت سزا ملتی ہے آخرت میں جو سزا ملیگی اصل تو وہ ہی ہے لیکن دنیا میں بھی اُس کا تھوڑا سا نمونہ دیکھ لیں اور عذاب الٰہی کا کچھ مزہ چکھ لیں۔ روایات میں ہے کہ بدر میں ملائکہ کو لوگ آنکھوں سے دیکھتے تھے اور اُن کے مارے ہوئے کفار کو آدمیوں کے قتل کئے ہوئے کفار سے الگ شناخت کرتے تھے۔ خدا تعالیٰ نے یہ ایک نمونہ دکھا دیا کہ اگر کبھی شیاطین الجن والانس ایسے غیر معمولی طور پر حق کے مقابل جمع ہو جائیں تو وہ اہل حق اور مقبول بندوں کو ایسے غیر معمولی طریقہ سے فرشتوں کی کمک پہنچا سکتا ہے۔ باقی ویسے تو فتح و غلبہ بلکہ ہر چھوٹا بڑا کام خدا ہی کی مشیت و قدرت سے انجام پاتا ہے۔ اُسے نہ فرشتوں کی احتیاج ہے نہ آدمیوں کی اور اگر فرشتوں ہی سے کوئی کام لے تو اُن کو وہ طاقت بخشی ہے کہ تنہا ایک فرشتہ بڑی بڑی بستیوں کو اُٹھا کر پٹک سکتا ہے یہاں تو عالم تکلیف و اسباب میں ذرا سی تنبیہ کے طور پر شیاطین کی غیر معمولی دوڑ دھوپ کا جواب دینا تھا اور بس۔

(۸) **جہاد میں پیٹھ دکھانے کا مسئلہ** "فرار من الزحف" (جہاد میں سے نکل کر بھاگنا اور لڑائی میں کفار کو پیٹھ دکھانا) بہت سخت گناہ اکبر الکبائر میں سے ہے۔ اگر کافر تعداد میں مسلمانوں سے دُگنے ہوں اُس وقت تک فقہاء نے پیٹھ پھیرنے کی اجازت نہیں دی۔

(۹) یعنی اگر پسپائی کسی جنگی مصلحت سے ہو، مثلاً پیچھے ہٹ کر حملہ کرنا زیادہ مؤثر ہے یا ایک جماعت سپاہیوں کی مرکزی فوج سے جُدا ہو گئی وہ اپنے بچاؤ کے لئے پسپا ہو کر مرکز سے ملنا چاہتی ہے، تو ایسی پسپائی جرم نہیں۔ گناہ اُس وقت ہے جبکہ پسپائی محض لڑائی سے جان بچا کر بھاگنے کی نیت سے ہو۔

فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ ۠ وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى ۚ وَلِيُبْلِيَ

سو تم نے اُن کو نہیں مارا لیکن اللہ نے اُن کو مارا اور تو نے نہیں پھینکی مٹھی خاک کی جس وقت کہ پھینکی تھی لیکن اللہ نے پھینکی اور تاکہ کرے

الْمُؤْمِنِيْنَ مِنْهُ بَلَاۗءً حَسَنًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۷﴾ ذٰلِكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ مُوْهِنُ كَيْدِ

ایمان والوں پر اپنی طرف سے خوب احسان بیشک اللہ ہے سننے والا جاننے والا ف۱۰ یہ تو ہو چکا اور جان رکھو کہ اللہ سست کر دیگا تدبیر

الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۸﴾ اِنْ تَسْتَفْتِحُوْا فَقَدْ جَاۗءَكُمُ الْفَتْحُ ۚ وَاِنْ تَنْتَهُوْا فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَاِنْ

کافروں کی ف۱۱ اگر تم چاہتے ہو فیصلہ تو پہنچ چکا تمہارے پاس فیصلہ اور اگر باز آؤ تو تمہارے لئے بہتر ہے اور اگر پھر یہی

٢ ع ٩ ١٦ تَعُوْدُوْا نَعُدْ ۚ وَلَنْ تُغْنِيَ عَنْكُمْ فِئَتُكُمْ شَـيْـــًٔـا وَّلَوْ كَثُرَتْ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۹﴾ ع

کرو گے تو ہم بھی پھر یہی کریں گے اور کچھ کام نہ آئیگا تمہارے تمہارا جتھا اگرچہ بہت ہوں اور جان لو کہ اللہ ایمان والوں کے ساتھ ہے ف۱۲

(۱۰) **آنحضرت کا کنکریاں پھینکنا** جب جنگ کی شدت ہوئی تو حضورؐ نے ایک مٹھی کنکریاں لشکر کفار کی طرف پھینکیں اور تین مرتبہ شَاھَتِ الْوُجُوْہ فرمایا۔ خدا کی قدرت سے کنکریوں کے ریزے ہر کافر کی آنکھ میں پہنچے، وہ سب آنکھیں ملنے لگے۔ ادھر سے مسلمانوں نے فوراً دھاوا بول دیا، آخر بہت سے کفار کھیت رہے۔ اُسی کو فرماتے ہیں کہ گو بظاہر کنکریاں تم نے اپنے ہاتھ سے پھینکی تھیں، لیکن کسی بشر کا یہ فعل عادۃً ایسا نہیں ہو سکتا کہ مٹھی بھر کنکریاں ہر سپاہی کی آنکھ میں پڑ کر ایک مسلح لشکر کی ہزیمت کا سبب بن جائیں، یہ صرف خدائی ہاتھ تھا جس نے مٹھی بھر سنگریزوں سے فوجوں کے منہ پھیر دیے۔ تم بے سروسامان قلیل التعداد مسلمانوں میں اتنی قدرت کہاں تھی کہ محض تمہارے زور بازو سے کافروں کے ایسے ایسے مُسٹنڈے مارے جاتے، یہ تو خدا ہی کی قدرت کا کرشمہ ہے کہ اُس نے ایسے متکبر سرکشوں کو فنا کے گھاٹ اُتارا، ہاں یہ ضرور ہے کہ بظاہر کام تمہارے ہاتھوں سے لیا گیا اور اُن میں وہ فوق العادۃ قوت پیدا کر دی جسے تم اپنے کسب و اختیار سے حاصل نہ کر سکتے تھے یہ اس لئے کیا گیا کہ خدا کی قدرت ظاہر ہو اور مسلمانوں پر پوری مہربانی اور خوب طرح احسان کیا جائے۔ بیشک خدا مومنین کی دعاء و فریاد کو سُنتا اور ان کے افعال و احوال کو بخوبی جانتا ہے اور یہ بھی جانتا ہے کہ مقبول بندوں پر کس وقت کس عنوان سے احسان کرنا مناسب ہے۔

(۱۱) یعنی اس وقت بھی خدا نے کفار مکہ کے سب منصوبے خاک میں ملا دیے اور آئندہ بھی اُن کی تدبیروں کو سُست کر دیا جائیگا۔

(۱۲) **کفار سے خطاب** یہ خطاب کفار مکہ کو ہے، وہ ہجرت سے پہلے حضورؐ سے کہا کرتے تھے مَتٰی ھٰذَا الْفَتْحُ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ۔ یعنی ہمارے تمہارے درمیان یہ فیصلہ کب ہوگا؟ سو پورا فیصلہ تو قیامت کے دن ہوگا۔ مگر ایک طرح کا فیصلہ آج میدان بدر میں بھی تم نے دیکھ لیا کہ کیسے خارق عادت طریق سے تم کو کمزور مسلمانوں کے ہاتھوں سے سزا ملی۔ اب اگر نبی علیہ السلام کی مخالفت اور کفر و شرک سے باز آجاؤ تو تمہارے لئے دنیا و آخرت کی بہتری ہے۔ ورنہ اگر پھر اسی طرح لڑائی کرو گے تو ہم بھی پھر اسی طرح مسلمانوں کی مدد کریں گے اور انجام کار تم ذلیل و خوار ہو گے۔ جب خدا کی تائید مسلمانوں کے ساتھ ہے تو تمہارے جتھے اور جماعتیں خواہ کتنی ہی تعداد میں ہوں کچھ کام نہ آئیں گے بعض روایات میں ہے کہ ابوجہل وغیرہ نے مکہ سے روانگی کے وقت کعبہ کے پردے پکڑ کر دعاء کی تھی کہ خداوندا! دونوں فریق میں جو اعلیٰ و اکرم ہو اُسے فتح دے اور فساد مچانے والے کو مغلوب کر۔ فَقَدْ جَاءَکُمُ الْفَتْحُ میں اُس کا بھی جواب ہو گیا کہ جو واقعی "اعلیٰ و افضل" تھے اُن کو فتح مل گئی اور مفسد ذلیل و رسوا ہوئے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ وَاَنْتُمْ تَسْمَعُوْنَ ﴿۲۰﴾ وَلَا

اے ایمان والو حکم مانو اللہ کا اور اُسکے رسول کا اور اس سے مت پھرو سُن کر ف۱۳ اور اُن

تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ قَالُوْا سَمِعْنَا وَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ﴿۲۱﴾ اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الصُّمُّ

جیسے مت ہو جنہوں نے کہا ہم نے سُن لیا اور وہ سُنتے نہیں ف۱۴ بیشک سب جانداروں میں بدتر اللہ کے نزدیک وہی بہرے

الْبُكْمُ الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۲۲﴾ وَلَوْ عَلِمَ اللّٰهُ فِيْهِمْ خَيْرًا لَّاَسْمَعَهُمْ ۭ وَلَوْ اَسْمَعَهُمْ لَتَوَلَّوْا وَّهُمْ

گونگے ہیں جو نہیں سمجھتے ف۱۵ اور اگر اللہ جانتا اُن میں کچھ بھلائی تو اُن کو سُنا دیتا اور اگر اُن کو اب سُنا دے تو ضرور بھاگیں مُنہ

مُّعْرِضُوْنَ ﴿۲۳﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ

پھیر کر ف۱۶ اے ایمان والو حکم مانو اللہ کا اور رسول کا جس وقت بلائے تم کو اس کام کی طرف جس میں تمہاری زندگی ہے ف۱۷

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَحُوْلُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهٖ وَاَنَّهٗٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۲۴﴾

اور جان لو کہ اللہ روک لیتا ہے آدمی سے اس کے دل کو اور یہ کہ اُسی کے پاس تم جمع ہو گے ف۱۸

(۱۳) **مسلمانوں کو اللہ اور رسول کی اطاعت کا حکم** پہلے فرمایا تھا کہ "اللہ ایمان والوں کے ساتھ ہے" اب ایمان والوں کو ہدایت فرماتے ہیں کہ اُن کا معاملہ خدا و رسول کے ساتھ کیسا ہونا چاہیئے؟ جس سے وہ خدا کی نصرت و حمایت کے مستحق ہوں۔ سو بتلا دیا کہ ایک مومن صادق کا کام یہ ہے کہ وہ ہمہ تن خدا اور رسول کا فرمانبردار ہو۔ احوال و حوادث خواہ کتنا ہی اُس کا منہ پھیرنا چاہیں مگر خدا کی باتوں کو جب وہ سُن کر سمجھ چکا اور تسلیم کر چکا، تو قولاً و فعلاً کسی حال اُن سے منہ نہ پھیرے۔

(۱۴) **کفّار کی حالت** یعنی زبان سے کہتے ہیں کہ ہم نے سُن لیا حالانکہ وہ سُننا ہی کیا جو آدمی سیدھی سی بات کو سُن کر سمجھے نہیں۔ یا سمجھ کر قبول نہ کرے۔ پہلے یہودیوں نے موسٰی علیہ السلام سے کہا تھا "سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا" ہم نے سُن لیا مگر مانا نہیں، مشرکین مکہ کا قول آگے آتا ہے۔ قَدْ سَمِعْنَا لَوْ نَشَاءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَآ "یعنی جو قرآن آپ سُناتے ہیں بس ہم نے سُن لیا۔ اگر ہم چاہیں تو اسی جیسا کلام بنا کر لے آئیں۔ مدینہ کے منافقین کا تو شیوہ یہ تھا کہ پیغمبر علیہ السلام اور مسلمانوں کے سامنے زبانی اقرار کر گئے اور دل سے اُسی طرح منکر رہے بہر حال مومن صادق کی شان ان یہود اور مشرکین و منافقین کی طرح نہ ہونی چاہیئے اُس کی شان یہ ہے کہ دل سے زبان سے عمل سے حاضر و غائب احکام الٰہیہ اور فرامین نبویہ پر نثار ہوتا رہے۔

(۱۵) **بدترین جانور** جنہیں خدا نے بولنے کو زبان سُننے کو کان اور سمجھنے کو دل و دماغ دیئے تھے۔ پھر انہوں نے یہ سب قوتیں معطل کر دیں نہ زبان سے حق بولنے اور حق کو دریافت کرنے کی توفیق ہوئی نہ کانوں سے حق کی آواز سنی نہ دل و دماغ سے حق کو سمجھنے کی کوشش کی۔ غرض خدا کی بخشی ہوئی قوتوں کو اُس اصلی کام میں صرف نہ کیا جس کے لئے فی الحقیقت عطا کی گئی تھیں۔ بلاشبہ ایسے لوگ جانوروں سے بھی بدتر ہیں

(۱۶) **ان کفّار میں قبول حق کی استعداد نہیں ہے** یعنی اصل یہ ہے کہ ان لوگوں میں بھلائی کی جڑ ہی نہیں۔ کیونکہ حقیقی بھلائی انسان کو اس وقت ملتی ہے جب اس کے دل میں طلب حق کی سچی تڑپ اور نور و ہدایت قبول کرنے کی لیاقت ہو جو قوم طلب حق کی روح سے یکسر خالی ہو چکی اور اس طرح خدا کی بخشی ہوئی قوتوں کو اپنے ہاتھوں برباد کر چکی ہو، رفتہ رفتہ اس میں قبول حق کی لیاقت و استعداد بھی نہیں رہتی اسی کو فرمایا ہے کہ اللہ نے ان کے دلوں میں قبول خیر و ہدایت کی لیاقت نہیں دیکھی، اگر اُن میں کچھ بھی لیاقت دیکھتا تو اپنی عادت کے موافق ضرور ان کو اپنی آیتیں سنا کر سمجھا دیتا۔ باقی بحالت موجودہ اگر انہیں آیات سُنا اور سمجھا دی جائیں تو یہ ضدی اور معاند لوگ سمجھ کر بھی تسلیم اور قبول کرنے والے نہیں۔

(۱۷) **جہاد میں زندگی ہے** یعنی خدا اور رسول تم کو جس کام کی طرف دعوت دیتے ہیں (مثلاً جہاد وغیرہ) اس میں از سرتاپا تمہاری بھلائی ہے ان کا دعوتی پیغام تمہارے لئے دنیا میں عزت و اطمینان کی زندگی اور آخرت میں حیات ابدی کا پیغام ہے۔ پس مومنین کی شان یہ ہے کہ خدا اور رسول کی پکار پر فوراً لبیک کہیں۔ جس وقت اور جدھر وہ بلائیں سب اشغال چھوڑ کر اُدھر ہی پہنچیں۔

(۱۸) **اطاعت میں دیر کرنے سے دل ہٹ جاتے ہیں** یعنی حکم بجا لانے میں دیر نہ کرو۔ شاید تھوڑی دیر بعد دل ایسا نہ رہے۔ اپنے دل پر آدمی کا قبضہ نہیں بلکہ دل خدا کے ہاتھ میں ہے جدھر چاہے پھیر دے۔ بیشک وہ اپنی رحمت سے کسی کا دل ابتداءً نہیں روکتا نہ اُس پر مُہر کرتا ہے۔ ہاں جب بندہ امتثال احکام میں سُستی اور کاہلی کرتا رہے تو اس کی جزا میں روک دیتا ہے۔ یا حق پرستی چھوڑ کر ضد و عناد کو شیوہ بنالے تو مُہر کر دیتا ہے۔ کذا فی الموضح۔ بعض نے "يَحُولُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهٖ" کو بیان قرب کے لئے لیا ہے۔ یعنی حق تعالیٰ بندہ سے اس قدر قریب ہے کہ اس کا دل بھی اتنا قریب نہیں۔ "نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ" (ق رکوع ۲) تو خدا کی حکم برداری سچے دل سے کرو۔ خدا تم سے بڑھ کر تمہارے دلوں کے احوال و سرائر پر مطلع ہے۔ خیانت اُس کے آگے نہیں چل سکیگی۔ اسی کے پاس سب کو جمع ہونا ہے وہاں سارے مکنونات و سرائر کھول کر رکھ دیئے جائیں گے۔

وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَآصَّةً ۚ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۲۵﴾

اور بچتے رہو اس فساد سے کہ نہیں پڑے گا تم میں سے خاص ظالموں ہی پر اور جان لو کہ اللہ کا عذاب سخت ہے ف ۱۹

وَاذْكُرُوْٓا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِي الْاَرْضِ تَخَافُوْنَ اَنْ يَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ

اور یاد کرو جس وقت تم تھوڑے تھے مغلوب پڑے ہوئے ملک میں ڈرتے تھے کہ اُچک لیں تم کو لوگ

فَاٰوٰىكُمْ وَاَيَّدَكُمْ بِنَصْرِهٖ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۲۶﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

پھر اس نے تم کو ٹھکانا دیا اور قوت دی تم کو اپنی مدد سے اور روزی دی تم کو ستھری چیزیں تاکہ تم شکر کرو ف ۲۰ اے ایمان والو

لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ وَتَخُوْنُوْٓا اَمٰنٰتِكُمْ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۷﴾ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ

خیانت نہ کرو اللہ سے اور رسول سے اور خیانت نہ کرو آپس کی امانتوں میں جان کر ف ۲۱ اور جان لو کہ بیشک تمہارے مال

وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۲۸﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ

اور اولاد خرابی میں ڈالنے والے ہیں اور یہ کہ اللہ کے پاس بڑا ثواب ہے ف ۲۲ اے ایمان والو اگر تم ڈرتے رہو گے اللہ سے

يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا وَّيُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿۲۹﴾

تو کر دے گا تم میں فیصلہ ف ۲۳ اور دور کر دیگا تم سے تمہارے گناہ اور تم کو بخش دے گا اور اللہ کا فضل بڑا ہے

(۱۹) **نصیحت کرنے کی اہمیت** | یعنی فرض کیجئے ایک قوم کے اکثر افراد نے ظلم و عصیان کا وتیرہ اختیار کر لیا، کچھ لوگ جو اس سے علیحدہ رہے انہوں نے مداہنت برتی، نہ نصیحت کی نہ اظہار نفرت کیا تو یہ فتنہ ہے جس کی لپیٹ میں وہ ظالم اور یہ خاموش مُداہن سب آجائیں گے۔ جب عذاب آئیگا تو حسب مراتب سب اس میں شامل ہونگے کوئی نہ بچیگا۔ اس تفسیر کے موافق آیت سے مقصود یہ ہوگا کہ خدا و رسول کی حکم برداری کے لئے خود تیار رہو اور نافرمانوں کو نصیحت و فہمائش کرو۔ نہ مانیں تو بیزاری کا اظہار کرو۔ باقی حضرت شاہ صاحبؒ نے آیت کا مطلب یہ لیا ہے کہ مسلمانوں کو ایسے فساد (گناہ) سے بالخصوص بچنا چاہیئے جس کا خراب اثر گناہ کرنے والے کی ذات سے متعدی ہو کر دوسروں تک پہنچتا ہے۔ پہلے فرمایا تھا کہ خدا و رسول کا حکم ماننے میں ادنیٰ تاخیر اور کاہلی نہ کرے۔ کہیں دیر کرنے کی وجہ سے دل نہ ہٹ جائے۔ اب تنبیہ فرماتے ہیں کہ اگر نیک لوگ کاہلی کریں گے تو عام لوگ بالکل چھوڑ دیں گے۔ تو رسم بد پھیلے گی۔ اُس کا وبال سب پر پڑے گا۔ جیسے جنگ میں دلیر سستی کریں تو نامرد بھاگ ہی جائیں۔ پھر شکست پڑے تو دلیر بھی نہ تھام سکیں۔

(۲۰) **نعمتوں پر شکر کرنے کا حکم** | یعنی اپنی قلت و ضعف کو خیال کر کے خدا کا حکم (جہاد) ماننے میں سستی مت دکھلاؤ۔ دیکھو ہجرت سے پہلے بلکہ اس کے بعد بھی تمہاری تعداد تھوڑی تھی، سامان بھی نہ تھا۔ تمہاری کمزوری کو دیکھ کر لوگوں کو طمع ہوتی تھی کہ تم کو ہضم کر جائیں۔ تمہیں ہر وقت یہ خدشہ رہتا تھا کہ دشمنان اسلام کہیں نوچ کھسوٹ کر نہ لے جائیں۔ مگر خدا نے تم کو مدینہ میں ٹھکانا دیا، انصار و مہاجرین میں عدیم النظیر رشتہ مواخات قائم کر دیا۔ پھر معرکہ بدر میں کیسی کھلی ہوئی غیبی امداد پہنچائی۔ کفار کی جڑ کاٹ دی، تم کو فتح الگ دی، مال غنیمت اور فدیہ اسارٰی الگ دیا۔ غرض حلال طیب ستھری چیزیں اور انواع و اقسام کی نعمتیں عطا فرمائیں۔ تاکہ تم اس کے شکر گزار بندے بنے رہو۔

(۲۱) **امانتوں میں خیانت کی ممانعت** | خدا اور رسول کی خیانت یہ ہے کہ اُن کے احکام کی خلاف ورزی کی جائے۔ زبان سے اپنے

کو مسلمان کہیں اور کام کفار کے کریں۔ یا جس کام پر خدا اور رسول نے مامور کیا ہو اُس میں وغل فصل کیا جائے۔ یا مالِ غنیمت میں چوری کی جائے۔ ونحوذٰلک۔ بہرحال اُن تمام امانتوں میں جو خدا اور رسول یا بندوں کی طرف سے تمہارے سپرد کی جائیں۔ خیانت سے بچو۔ اس میں ہر قسم کے حقوق اللہ وحقوق العباد آگئے۔

حضرت ابولبابہ اور بنی قریظہ روایات میں ہے کہ یہود "بنی قریظہ" نے جب حضورؐ سے صلح کی درخواست کی اور یہ کہ اُن کے ساتھ وہی معاملہ کیا جائے جو بنی النضیر کے ساتھ ہوا ہے۔ تو آپ نے ارشاد فرمایا، "نہیں، میں تم کو اتنا حق دیتا ہوں کہ سعد بن معاذ کو حکم بنالو، جو فیصلہ وہ تمہاری نسبت کر دیں وہ منظور ہونا چاہئے۔ انہوں نے حضرت ابولبابہ کو حضورؐ سے اجازت لے کر اپنے یہاں بلایا اور دریافت کیا کہ تمہاری اس معاملہ میں کیا رائے ہے؟ ہم سعد بن معاذ کی تحکیم منظور کریں یا نہ کریں۔ ابولبابہ کے اموال اور اہل و عیال بنی قریظہ کے یہاں تھے، اس لئے وہ اُن کی خیر خواہی کرتے تھے۔ انہوں نے اپنے حلقوم کی طرف ہاتھ سے اشارہ کیا، یعنی اگر سعد بن معاذ کی تحکیم قبول کی تو ذبح ہو جاؤ گے۔ ابولبابہ اشارہ تو کر گذرے مگر معًا متنبہ ہوا کہ میں نے خدا اور رسول کی خیانت کی۔ واپس آکر اپنے کو ایک ستون سے باندھ دیا اور عہد کیا کہ نہ کچھ کھاؤں گا نہ پیوں گا حتی کہ موت آجائے یا اللہ تعالیٰ میری توبہ قبول فرمالے۔ سات آٹھ دن یوں ہی بندھے رہے فاقہ سے غشی طاری ہو گئی۔ آخر بشارت پہنچی کہ حق تعالیٰ نے تمہاری توبہ قبول کی۔ کہا خدا کی قسم میں اپنے کو نہ کھولوں گا جب تک خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دست مبارک سے میری رسّی نہ کھولیں۔ آپ تشریف لائے اور اپنے ہاتھ سے اپنے قیدی کو آزاد کیا۔ الی آخر القصۃ (ابن عبدالبر کا دعویٰ ہے کہ یہ واقعہ غزوہ تبوک میں شرکت نہ کرنے کی بناء پر پیش آیا تھا۔ واللہ اعلم۔

(۲۲) **مال و اولاد فتنہ ہیں** آدمی اکثر مال و اولاد کی خاطر خدا کی اور بندوں کی چوری کرتا ہے۔ اس لئے متنبہ فرمایا کہ امانتداری کی جو قیمت خدا کے یہاں ہے، وہ یہاں کے مال و اولاد وغیرہ سب چیزوں سے بڑھ کر ہے۔

(۲۳) **تقویٰ کے برکات** یعنی اگر خدا سے ڈر کر راہ تقویٰ اختیار کرو گے تو خدا تم میں اور تمہارے مخالفوں میں فیصلہ کر دے گا۔ دنیا میں بھی کہ تم کو عزت دے گا اور اُن کو ذلیل یا ہلاک کرے گا جیسے بدر میں کیا اور آخرت میں بھی کہ تم نعیم دائم میں رہو گے اور اُن کا ٹھکانہ دوزخ ہوگا۔ وَامْتَازُوا الْيَوْمَ اَيُّهَا الْمُجْرِمُوْنَ (یٰس رکوع ۴) هٰذَا يَوْمُ الْفَصْلِ (المرسلات رکوع ۱) دوسری بات یہ ہے کہ تقویٰ کی برکت سے حق تعالیٰ تمہارے دل میں ایک نور ڈال دے گا جس سے تم ذوقًا و وجدانًا حق و باطل اور نیک و بد کا فیصلہ کر سکو گے، اس کے علاوہ ایک بات حضرت شاہ صاحبؒ نے لکھی ہے کہ "شاید فتح بدر میں مسلمانوں کے دل میں آیا ہو کہ یہ فتح اتفاقی ہے حضرت سے مخفی کافروں پر احسان کریں کہ ہمارے گھر بار اور اہل و عیال کو مکہ میں نہ ستاویں، سو پہلی آیت میں خیانت کو منع فرمایا اور دوسری آیت میں تسلی دی کہ آگے فیصلہ ہو جاویگا۔ تمہارے گھر بار کافروں میں گرفتار نہ رہیں گے۔

وَاِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِيُثْبِتُوْكَ اَوْ يَقْتُلُوْكَ اَوْ يُخْرِجُوْكَ ۭ وَيَمْكُرُوْنَ وَيَمْكُرُ

اور جب فریب کرتے تھے کافر کہ تجھ کو قید کر دیں یا مار ڈالیں یا نکال دیں اور وہ بھی داؤ کرتے تھے اور اللہ بھی داؤ

اللّٰهُ ۭ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ۝۳۰ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا قَالُوْا قَدْ سَمِعْنَا لَوْ نَشَاۗءُ لَقُلْنَا

کرتا تھا اور اللہ کا داؤ سب سے بہتر ہے ف۲۴ اور جب کوئی پڑھے اُن پر ہماری آیتیں تو کہیں ہم سُن چکے اگر ہم چاہیں تو ہم بھی کہہ لیں

مِثْلَ هٰذَآ ۙ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ۝۳۱ وَاِذْ قَالُوا اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ

ایسا یہ تو کچھ بھی نہیں مگر احوال ہیں اگلوں کے ف۲۵ اور جب وہ کہنے لگے کہ یا اللہ اگر یہی دین حق ہے

مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۳۲﴾ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ

تیری طرف سے تو ہم پر برسادے پتھر آسمان سے یا لا ہم پر کوئی عذاب دردناک ف۲۶ اور اللہ ہرگز نہ عذاب کرتا اُن پر

وَاَنْتَ فِيْهِمْ ؕ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَمَا لَهُمْ اَلَّا يُعَذِّبَهُمُ اللّٰهُ وَهُمْ

جب تک تو رہتا اُن میں ف۲۷ اور اللہ ہرگز نہ عذاب کریگا اُن پر جب تک وہ معافی مانگتے رہینگے ف۲۸ اور اُن میں کیا بات ہے کہ عذاب نہ کرے اُن پر اللہ اور وہ

يَصُدُّوْنَ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَمَا كَانُوْٓا اَوْلِيَآءَهٗ ؕ اِنْ اَوْلِيَآؤُهٗٓ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا

تو روکتے ہیں مسجد حرام سے اور وہ اُس کے اختیار والے نہیں اُس کے اختیار والے تو وہی ہیں جو پرہیزگار ہیں لیکن اُن میں اکثروں کو اس کی

يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۴﴾ وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ اِلَّا مُكَآءً وَّتَصْدِيَةً ؕ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ

خبر نہیں ف۲۹ اور اُن کی نماز نہیں تھی کعبہ کے پاس مگر سیٹیاں بجانی اور تالیاں سو چکھو عذاب بدلا اپنے

تَكْفُرُوْنَ ﴿۳۵﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ لِيَصُدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ فَسَيُنْفِقُوْنَهَا

کفر کا ف۳۰ بیشک جو لوگ کافر ہیں وہ خرچ کرتے ہیں اپنے مال تاکہ روکیں اللہ کی راہ سے ف۳۱ سو ابھی اور خرچ کرینگے

ثُمَّ تَكُوْنُ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً ثُمَّ يُغْلَبُوْنَ ؕ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى جَهَنَّمَ يُحْشَرُوْنَ ﴿۳۶﴾

پھر آخر ہوگا وہ اُن پر افسوس اور آخر مغلوب ہونگے اور جو کافر ہیں وہ دوزخ کی طرف ہانکے جائیں گے ف۳۲

(۲۴) آنحضرت ﷺ کے خلاف کفار مکہ کی تدابیر اور انکا انجام ہجرت سے پیشتر کفار مکہ نے دارالندوہ میں جمع ہو کر مشورہ کیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کیا کیا جائے۔ انہوں نے ساری قوم کو پریشان کر رکھا ہے اور باہر کے کچھ لوگ ان کے دام میں پھنستے جاتے ہیں کہیں رفتہ رفتہ بڑی طاقت اکٹھی نہ کرلیں جس کا مقابلہ دشوار ہو۔ اُس وقت رائیں مختلف تھیں، کوئی کہتا تھا قید کیا جائے اور خوب زخمی کئے جائیں، کسی کی رائے تھی کہ انہیں وطن سے نکال دیا جائے تاکہ ہمیں ہر وقت کے خرخشہ سے نجات ملے۔ اخیر میں ابوجہل کی رائے پر فیصلہ ہوا کہ تمام قبائل عرب میں سے ایک ایک جوان منتخب ہو اور وہ سب مل کر آن واحد میں ان پر تلوار کا ہاتھ چھوڑیں، تاکہ بنی ہاشم سارے عرب سے لڑائی نہ کرسکیں اور دیت دینی پڑے تو تمام قبائل پر تقسیم ہو جائے۔ یہاں تو وہ اشقیاء یہ تدبیریں گانٹھ رہے تھے ادھر اُن کے توڑ میں خدا کی بہترین اور لطیف تدبیر تھی۔ حضور ﷺ کو فرشتہ نے اطلاع کی۔ آپ اپنے بستر پر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو لٹا کر اُسی مجمع کی آنکھوں میں جو آپ کے قتل کے لئے جمع ہوا تھا خاک جھونکتے ہوئے باہر تشریف لے گئے۔ آپ کا اور حضرت علیؓ کا بال بیکا نہ ہوا اور دشمن خائب و خاسر رہے۔ پھر جنہوں نے آپ کے قتل کا مشورہ دیا تھا بدر میں وہ ہی قتل کئے گئے اس سے بتلا دیا کہ جب خدا ساتھی ہو تو کوئی کچھ نہیں کرسکتا اور جس طرح اس نے اپنے پیغمبر کو بچا لیا، تمہارے گھر بار اور اہل و عیال کی بھی جو مکہ میں ہیں حفاظت کرسکتا ہے۔ دشمن اگر قوی ست نگہبان قوی تر است۔

(۲۵) کفار مکہ کا جہل و شقاوت نضر بن الحارث کہا کرتا تھا کہ ہم چاہیں تو قرآن جیسا کلام بنا لائیں۔ اس میں قصے کہانیوں کے سوا کیا رکھا ہے۔ مگر قرآن تو سب جھگڑوں کا فیصلہ اسی بات پر رکھتا تھا۔ پھر چاہا کیوں نہیں؟ کسی نے کہا خوب کہا کہ میرا گھوڑا اگر چلے تو ایک دن میں لندن پہنچے، مگر چلتا نہیں۔ بہرحال پچھلی قوموں کے احوال سن کر کہا کرتے تھے کہ سب قصے کہانیاں ہیں۔ اب بدر میں دیکھ لیا کہ محض افسانے نہ تھے، وعدہ عذاب تم پر بھی آیا جیسے پہلوں پر آیا تھا۔

(۲۶) ابوجہل کی دعاء اس آیت میں مشرکین مکہ کے انتہائی جہل اور شقاوت و عناد کا اظہار ہے۔ یعنی وہ کہتے تھے کہ خداوندا اگر واقعی یہی دین حق ہے جس کی ہم اتنی دیر اور اس قدر شد و مد سے تکذیب کر رہے ہیں تو پھر دیر کیوں ہے؟ گزشتہ اقوام کی طرح ہم پر بھی پتھروں کا مینہ کیوں نہیں برسا دیا جاتا؟ یا اسی طرح کے کسی دوسرے عذاب میں مبتلا کر کے ہمارا استیصال کیوں نہیں کر دیا جاتا کہتے ہیں کہ یہ دعاء ابوجہل نے مکہ سے نکلتے وقت کعبہ کے سامنے کی۔ آخر جو کچھ مانگا تھا اس کا ایک نمونہ بدر میں دیکھ لیا۔ وہ خود مع ۶۹ سرداروں کے کمزور اور بے سروسامان مسلمانوں کے ہاتھوں سے مارا گیا۔ ستر سردار اسیری کی ذلت میں گرفتار ہوئے۔ اس طرح خدا نے اُن کی جڑ کاٹ دی۔ بیشک قوم لوط کی طرح اُن پر آسمان سے پتھر نہیں برسے۔ لیکن ایک مٹھی سنگریزے جو خدا تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ سے پھینکے تھے وہ آسمانی سنگباری کا چھوٹا سا نمونہ تھا۔ فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى۔

(۲۷) سنۃ اللہ یہ ہے کہ جب کسی قوم پر تکذیب انبیاء کی وجہ سے عذاب نازل کرتے ہیں تو اپنے پیغمبر کو ان سے علیحدہ کر لیتے ہیں۔ خدا نے جب حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ سے علیحدہ کر لیا تب مکہ والے بدر کے عذاب میں پکڑے گئے۔

(۲۸) مشرکین پر عذاب کیوں نہیں آیا؟ نزول عذاب سے دو چیزیں مانع ہیں ایک اُن کے درمیان پیغمبر کا موجود رہنا۔ دوسرے استغفار۔ یعنی مکہ میں حضرت کے قدم سے عذاب اٹک رہا تھا۔ اب اُن پر عذاب آیا۔ اسی طرح جب تک گنہگار نادم رہے اور توبہ کرتا رہے تو پکڑا نہیں جاتا اگرچہ بڑے سے بڑا گناہ ہو۔ حضرت نے فرمایا کہ گنہگاروں کی پناہ دو چیزیں ہیں۔ ایک میرا وجود، اور دوسرے استغفار کذا فی الموضح۔ (تنبیہ) وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ کے جو معنی مترجم محقق قدس اللہ روحہ نے کئے، بعض مفسرین کے موافق ہیں، لیکن اکثر کے نزدیک اس کا مطلب یہ ہے کہ مشرکین جس قسم کا خارق عادت عذاب طلب کر رہی تھی۔ جو قوم کا دفعۃً استیصال کر دے، اُن پر ایسا عذاب بھیجنے سے دو چیزیں مانع ہیں ایک حضور کا وجود باوجود کہ اس کی برکت سے اس اُمت پر خواہ "اُمۃ دعوۃ" ہی کیوں نہ ہو ایسا خارق عادت مستاصل عذاب نہیں آتا۔ یوں کسی وقت افراد و آحاد پر آجائے وہ اس کے منافی نہیں۔ دوسرے استغفار کرنے والوں کی موجودگی خواہ وہ مسلمان ہوں یا غیر مسلم جیسا کہ منقول ہے کہ مشرکین مکہ بھی تلبیہ و طواف وغیرہ میں "غفرانک، غفرانک" کہا کرتے تھے۔ باقی غیر خارق معمولی عذاب (مثلاً قحط یا وباء یا قتل کثیر وغیرہ) اس کا نزول پیغمبر یا بعض مستغفرین کی موجودگی میں بھی ممکن ہے آخر جب وہ لوگ شرارتیں کریں گے تو خدا کی طرف سے تنبیہ کیوں نہ کی جائے گی۔ آگے اسی کو بیان فرمایا ہے۔

(۲۹) کعبہ کے متولی کون ہیں؟ یعنی عذاب کا نہ آنا اُن دو سبب سے ہے جو اوپر مذکور ہوئے ورنہ تمہاری شرارتیں اور ظلم و شقاوت تو ایسی چیزیں ہیں کہ فوراً عذاب آجانا چاہیئے۔ اس سے زیادہ ظلم کیا ہو گا کہ موحدین کو حرم شریف میں آنے یا عبادت کرنے سے طرح طرح کے حیلے تراش کر روکا جائے۔ بلکہ اُن کے وطن (مکہ معظمہ) سے نکال کر ہمیشہ کے لئے کوشش کی جائے کہ یہ خدا کے پاکباز اور عبادت گذار بندے یہاں نہ آنے پائیں اور ستم ظریفی یہ ہے کہ اس ظلم کے جواز کے لئے یہ سند پیش کی جاتی ہے کہ ہم حرم شریف کے متولی با اختیار ہیں جس کو چاہیں آنے دیں، جسے چاہیں روک دیں۔ یہ ہمارا حق ہے حالانکہ اوّل تو یہ حق متولی کو بھی نہیں کہ مسجد میں لوگوں کو نماز و عبادت سے روکے۔ دوسرے حق تولیت ان کو پہنچتا بھی نہیں۔ حرم شریف کے متولی صرف متقی اور پرہیزگار بندے ہو سکتے ہیں۔ مشرک اور بدمعاش اس کے حقدار نہیں ہو سکتے۔ لیکن ان میں کے اکثر اپنی جہالت سے یوں سمجھ رہے ہیں کہ ہم اولاد ابراہیمؑ ہیں اور فلاں قبیلہ سے ہیں۔ تولیت کعبہ ہمارا موروثی حق ہے جس کے لئے کوئی خاص شرط و قید نہیں۔ سو بتلا دیا کہ اولاد ابراہیمؑ میں جو پرہیزگار ہو اسی کا حق ہے۔ ایسے بد انصافوں کا حق نہیں کہ جس سے وہ آپ ناخوش ہوئے نہ آنے دیا۔

(۳۰) **کفارِ مکہ کی نماز اور انفاقِ مال** | یعنی حقیقی نمازیوں کو مسجد سے روکتے ہیں اور خود اُن کی نماز کیا ہے؟ کعبہ کا برہنہ ہو کر طواف کرنا، اور ذکر اللہ کی جگہ سیٹیاں اور تالیاں بجانا، جیسے آج بھی بہت سی قومیں گھنٹیاں اور ناقوس بجانے کو بڑی عبادت سمجھتی ہیں بغرض نہ خود اللہ کی عبادت کرتے ہیں نہ دوسروں کو کرنے دیتے ہیں۔ ان بے معنی اور لغو باتوں کو عبادت قرار دے رکھا ہے بعض نے کہا کہ سیٹیاں اور تالیاں بجانا، مسلمانوں کی عبادت میں خلل ڈالنے کے لئے ہوتا تھا یا ازراہ استہزاء و تمسخر ایسا کرتے تھے، واللہ اعلم۔

(۳۱) بدر میں بارہ ۱۲ سرداروں نے ایک ایک دن اپنے ذمہ لیا تھا کہ ہر روز ایک شخص لشکر کو کھانا کھلائے گا۔ چنانچہ دس اُونٹ روزانہ کسی ایک کی طرف سے ذبح کئے جاتے تھے۔ پھر جب شکست ہو گئی تو ہزیمت خوردہ مجمع نے مکہ پہنچ کر ابوسفیان وغیرہ سے کہا کہ جو مال تجارتی قافلہ لایا ہے۔ وہ سب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے انتقام لینے میں صرف کیا جائے۔ چنانچہ سب اس پر راضی ہو گئے۔ اسی طرح کے خرچ کرنے کا یہاں ذکر ہے۔

(۳۲) جب دنیا میں مغلوب و مقہور اور آخرت میں معذب ہونگے تب افسوس و حسرت سے ہاتھ کاٹیں گے کہ مال بھی گیا اور کامیابی بھی نہ ہوئی۔ چنانچہ اول بدر میں پھر اُحد وغیرہ میں سب مالی اور جسمی طاقتیں خرچ کر دیکھیں، کچھ نہ کر سکے آخر ہلاک یا رسوا ہوئے یا نادم ہو کر کفر سے توبہ کی۔

لِيَمِيزَ اللَّهُ الْخَبِيثَ مِنَ الطَّيِّبِ وَيَجْعَلَ الْخَبِيثَ بَعْضَهُ عَلَىٰ بَعْضٍ فَيَرْكُمَهُ جَمِيعًا فَيَجْعَلَهُ

تاکہ جدا کر دے اللہ ناپاک کو پاک سے اور رکھے ناپاک کو ایک کو ایک پر پھر اُس کو ڈھیر کر دے اکٹھا پھر ڈال دے اُسکو

فِي جَهَنَّمَ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ ﴿٣٧﴾ قُل لِّلَّذِينَ كَفَرُوا إِن يَنتَهُوا يُغْفَرْ لَهُم مَّا قَدْ ع ۵ ۱۸

دوزخ میں ف۳۳ وہی لوگ ہیں نقصان میں ف۳۴ تو کہہ دے کافروں کو کہ اگر وہ باز آجائیں تو معاف ہو اُن کو جو کچھ

سَلَفَ وَإِن يَعُودُوا فَقَدْ مَضَتْ سُنَّتُ الْأَوَّلِينَ ﴿٣٨﴾ وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّىٰ لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَ

ہو چکا ف۳۵ اور اگر پھر بھی وہی کرینگے تو پڑ چکی ہے راہ اگلوں کی ف۳۶ اور لڑتے رہو اُن سے یہاں تک کہ نہ رہے فساد ف۳۷ اور

يَكُونَ الدِّينُ كُلُّهُ لِلَّهِ ۚ فَإِنِ انتَهَوْا فَإِنَّ اللَّهَ بِمَا يَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿٣٩﴾ وَإِن تَوَلَّوْا

ہو جائے حکم سب اللہ کا ف۳۸ پھر اگر وہ باز آجائیں تو اللہ اُن کے کام کو دیکھتا ہے ف۳۹ اور اگر وہ نہ مانیں

فَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ مَوْلَاكُمْ ۚ نِعْمَ الْمَوْلَىٰ وَنِعْمَ النَّصِيرُ ﴿٤٠﴾

تو جان لو کہ اللہ تمہارا حمایتی ہے کیا خوب حمایتی ہے اور کیا خوب مددگار ف۴۰

(۳۳) موضح القرآن میں ہے کہ آہستہ آہستہ اللہ تعالیٰ اسلام کو غالب کرے گا۔ اس درمیان میں کافر اپنا جان و مال کا زور خرچ کر لیں گے۔ تا نیک و بد جُدا ہو جاوے۔ یعنی جن کی قسمت میں اسلام لکھا ہے وہ سب مسلمان ہو چکیں اور جن کو کفر پر مرنا ہے وہی اکھٹے دوزخ میں جائیں۔

(۳۴) یعنی دنیوی و اُخروی دونوں قسم کا نقصان اور خسارہ اُٹھایا۔

(۳۵) یعنی اگر اب بھی کفر و طغیان اور عداوت اسلام سے باز آجائیں اور پیغمبر علیہ السلام کی حلقہ بگوشی اختیار کر لیں تو پہلے حالت کفر میں جو گناہ کر چکے، وہ سب معاف کر دیے جائیں گے اَلْاِسْلَامُ يَهْدِمُ مَا كَانَ قَبْلَهٗ (حقوق العباد معاف نہ ہونگے، اُن کا مسئلہ علیحدہ ہے)

(۳۶) یعنی جس طرح اگلے لوگ پیغمبروں کی تکذیب و عداوت سے تباہ ہوئے، اُن پر بھی تباہی آئے گی۔ یا یہ مطلب ہے کہ جیسے بدر میں ان کی بھائی

بندوں کو سزا دی گئی انہیں بھی سزا دی جائے گی۔

(۳۷) **جہاد کے مقاصد** یعنی کافروں کا زور نہ رہے کہ ایمان سے روک سکیں یا مذہب حق کو موت کی دھمکی دے سکیں جیسا کہ تاریخ شاہد ہے کہ جب کبھی کفار کو غلبہ ہوا مسلمانوں کا ایمان اور مذہب خطرہ میں پڑ گیا۔ اسپین کی مثال دنیا کے سامنے ہے کہ کس طرح قوت اور موقع ہاتھ آنے پر مسلمانوں کو تباہ کیا گیا یا مرتد بنایا گیا۔ بہرحال جہاد و قتال کا اولین مقصد یہ ہے کہ اہل اسلام مامون و مطمئن ہو کر خدا کی عبادت کر سکیں اور دولت ایمان و توحید کفار کے ہاتھوں سے محفوظ ہو (چنانچہ فتنہ کی یہ ہی تفسیر ابن عمر وغیرہ صحابہ رضی اللہ عنہم سے کتب حدیث میں منقول ہے)۔

(۳۸) یہ "جہاد" کا آخری مقصد ہے کہ کفر کی شوکت نہ رہے۔ حکم اکیلے خدا کا چلے۔ دین حق سب ادیان پر غالب آجائے (لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ) خواہ دوسرے باطل ادیان کی موجودگی میں جیسے خلفائے راشدین وغیرہم کے عہد میں ہوا، یا سب باطل مذہب کو ختم کر کے، جیسے نزول مسیح کے وقت ہوگا۔ بہرحال یہ آیت اس کی واضح دلیل ہے کہ جہاد و قتال خواہ ہجومی ہو یا دفاعی، مسلمانوں کے حق میں اس وقت تک برابر مشروع ہے جب تک یہ دونوں مقصد حاصل نہ ہو جائیں۔ اسی لئے حدیث میں آگیا۔ اَلْجِهَادُ مَاضٍ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ (جہاد کے احکام و شرائط وغیرہ کی تفصیل کتب فقہ میں ملاحظہ کی جائے)۔

(۳۹) یعنی جو ظاہر میں اپنی شرارت اور کفر سے باز آجائیں، ان سے قتال نہیں۔ ان کے دلوں کا حال اور مستقبل کی کیفیات کو خدا کے سپرد کیا جائیگا۔ جیسا کام وہ کریں گے خدا کی آنکھ سے غائب ہو کر نہیں کر سکتے مسلمان صرف ظاہر حال کے موافق عمل کرنے کے مکلف ہیں وفی الحدیث اُمِرْتُ اَنْ اُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰى يَقُوْلُوْا لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ فَاِذَا قَالُوْهَا عَصَمُوْا مِنِّيْ دِمَاءَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ اِلَّا بِحَقِّهَا وَحِسَابُهُمْ عَلَى اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ۔

(۴۰) یعنی مسلمانوں کو چاہیئے کہ خدا کی مدد اور حمایت پر بھروسہ کر کے جہاد کریں۔ کفار کی کثرت اور ساز و سامان سے مرعوب نہ ہوں۔ جیسے "جنگ بدر" میں دیکھ چکے کہ خدا نے مسلمانوں کی کیا خوب امداد و حمایت کی۔

الجزء العاشر ۱۰

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى

اور جان رکھو کہ جو کچھ تم کو غنیمت ملے کسی چیز سے سو اللہ کے واسطے ہے اُس میں سے پانچواں حصہ اور رسول کے واسطے اور اُسکے قرابت والوں کے واسطے اور یتیموں

وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا يَوْمَ الْفُرْقَانِ

اور محتاجوں اور مسافروں کے واسطے ف۴۱ اگر تم کو یقین ہے اللہ پر اور اُس چیز پر جو ہم نے اُتاری اپنے بندے پر فیصلہ کے دن ف۴۲

يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝۴۱ اِذْ اَنْتُمْ بِالْعُدْوَةِ الدُّنْيَا وَهُمْ بِالْعُدْوَةِ

جس دن بھڑ گئیں دونوں فوجیں اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے ف۴۳ جس وقت تم تھے ورلے کنارہ پر اور وہ پرلے

الْقُصْوٰى وَالرَّكْبُ اَسْفَلَ مِنْكُمْ ۭ وَلَوْ تَوَاعَدْتُّمْ لَاخْتَلَفْتُمْ فِي الْمِيْعٰدِ ۙ وَلٰكِنْ لِّيَقْضِيَ اللّٰهُ

کنارہ پر ف۴۴ اور قافلہ نیچے اُتر گیا تھا تم سے ف۴۵ اور اگر تم آپس میں وعدہ کرتے تو نہ پہنچتے وعدہ پر ایک ساتھ ف۴۶ لیکن اللہ کو کر ڈالنا تھا

اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا ڏ لِّيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْۢ بَيِّنَةٍ وَّيَحْيٰى مَنْ حَيَّ عَنْۢ بَيِّنَةٍ ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ

ایک کام کو جو مقرر ہو چکا تھا تاکہ مرے جس کو مرنا ہے قیام حجت کے بعد اور جیوے جس کو جینا ہے قیام حجت کے بعد ف۴۷ اور بیشک اللہ

لَسَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝۴۲ۙ اِذْ يُرِيْكَهُمُ اللّٰهُ فِيْ مَنَامِكَ قَلِيْلًا ۭ وَلَوْ اَرٰىكَهُمْ كَثِيْرًا لَّفَشِلْتُمْ وَ

سننے والا جاننے والا ہے ف۴۸ جب اللہ نے وہ کافر دکھلائے تجھ کو تیری خواب میں تھوڑے ف۴۹ اور اگر تجھ کو بہت دکھلا دیتا تو تم لوگ نامردی کرتے اور

لَتَنَازَعْتُمْ فِي الْاَمْرِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ سَلَّمَ ۭ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝۴۳

جھگڑا ڈالتے کام میں لیکن اللہ نے بچا لیا اُس کو خوب معلوم ہے جو بات ہے دلوں میں ف۵۰

(۴۱) **مال غنیمت کے احکام و مصارف** آغاز سورت میں فرمایا تھا قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ " یہاں اس کی قدرے تفصیل بیان فرمائی ہے کہ جو مال غنیمت کافروں سے لڑ کر ہاتھ آئے اُس میں کا پانچواں حصہ خدا کی نیاز ہے، جسے خدا کی نیابت کے طور پر پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام وصول کر کے پانچ جگہ خرچ کر سکتے ہیں۔ اپنی ذات پر، اپنے اُن قرابت داروں (بنی ہاشم و بنی المطلب) پر جنہوں نے قدیم سے خدا کے کام میں آپ کی نصرت و امداد کی اور اسلام کی خاطر یا محض قرابت کی وجہ سے آپ کا ساتھ دیا اور مد زکوٰۃ وغیرہ سے لینا اُن کے لئے حرام ہوا یتیموں پر۔ حاجتمند مسلمانوں پر۔ مسافروں پر۔ پھر غنیمت میں جو چار حصے باقی رہے، وہ لشکر پر تقسیم کئے جائیں۔ سوار کو دو حصے اور پیدل کو ایک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد خمس کے پانچ مصارف میں سے "حنفیہ" کے نزدیک صرف تین اخیر کے باقی رہ گئے۔ کیونکہ حضورؐ کی رحلت کے بعد حضورؐ کی ذات کا خرچ نہیں رہا اور نہ اہل قرابت کا وہ حصہ رہا جو اُن کو حضورؐ کی نصرت قدیمہ کی بناء پر ملتا تھا۔ البتہ مساکین اور حاجتمندوں کا جو حصہ ہے اُس میں حضورؐ کے قرابت دار، مساکین اور اہل حاجت کو مقدم رکھا جانا چاہئے۔ بعض علماء کے نزدیک حضورؐ کے بعد امیر المؤمنین کو اپنے مصارف کے لئے خمس الخمس ملنا چاہئے۔ واللہ اعلم۔ بعض روایات میں ہے کہ جب "غنیمت" میں سے خمس (اللہ کے نام کا پانچواں حصہ) نکالا جاتا تھا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اوّل اُس میں کا کچھ حصہ بیت اللہ (کعبہ) کے لئے نکال لیتے تھے۔ بعض فقہاء نے لکھا ہے کہ جہاں سے کعبہ بعید ہے، وہاں مساجد کے لئے نکالنا چاہئے۔

(۴۲) **یوم بدر فیصلہ کا دن** "فیصلہ کے دن" سے مراد "یوم بدر" ہے جس میں حق و باطل کی کشمکش کا کھلا ہوا فیصلہ ہو گیا۔ اُس دن حق تعالیٰ نے اپنے کامل ترین بندے پر فتح و نصرت اُتاری۔ فرشتوں کی امدادی کمک بھیجی۔ اور سکون و اطمینان کی کیفیت نازل فرمائی۔ تو جو لوگ خدا پر اور

اس کی تائید غیبی پر ایمان رکھتے ہیں اُن کو غنیمت میں سے خدا کے نام کا پانچواں حصہ نکالنا بھاری نہیں ہو سکتا۔

(۴۳) جیسے اُس دن تم کو مظفر و منصور کیا، وہ قادر ہے کہ آئندہ بھی تم کو غلبہ اور فتوحات عنایت فرمائے۔

(۴۴) **غزوہ بدر کی مزید تفصیلات** "ورے کنارے" سے مراد میدان جنگ کی وہ جانب ہے جو مدینہ طیبہ سے قریب تھی اسی طرح "پرلا کنارہ" وہ ہوگا جو مدینہ سے بعید تھا۔

(۴۵) یعنی ابوسفیان کا تجارتی قافلہ نیچے کی طرف ہٹ کر سمندر کے کنارے کنارے جا رہا تھا۔ قافلہ اور مسلمانوں کے درمیان قریش کی فوج حائل ہو چکی تھی۔

(۴۶) یعنی اگر فریقین پہلے سے لڑائی کا کوئی وقت ٹھہرا کر جانا چاہتے تو ممکن تھا اس میں اختلاف ہوتا، یا وعدہ کے وقت پہنچنے میں ایک فریق پس و پیش کرتا۔ کیونکہ ادھر مسلمان کفار کی تعداد اور ظاہری ساز و سامان سے خائف تھے۔ اُدھر کفار مسلمانوں کی حقانیت، خدا پرستی اور بے جگری سے مرعوب رہتے تھے دونوں کو جنگ کی ذمہ داری لینے یا شرکت کرنے میں تردد اور تقاعد ہو سکتا تھا۔

(۴۷) یعنی قریش اپنے قافلہ کی مدد کو آئے تھے اور تم قافلہ پر حملہ کرنے کو، قافلہ بچ گیا اور دو فوجیں ایک میدان کے دو کناروں پر آ پڑیں ایک کو دوسرے کی خبر نہیں۔ یہ تدبیر اللہ کی تھی۔ اگر تم قصداً جاتے تو ایسا بروقت نہ پہنچتے اور اس فتح کے بعد کافروں پر صدق پیغمبر کا کھل گیا، جو مرا وہ بھی یقین جان کر مرا اور جو جیتا رہا وہ بھی حق پہچان کر تا اللہ کا الزام پورا ہو۔ کذا فی الموضح۔ اور ممکن ہے مرنے اور جینے سے کفر و ایمان مراد ہوں یعنی اب جو ایمان لائے اور جو کفر پر جما رہے دونوں کا ایمان یا کفر وضوح حق کے بعد ہو۔

(۴۸) یعنی اللہ کمزور مظلوموں کی فریاد سننے والا ہے اور جانتا ہے کہ کس طریقہ سے اُن کی مدد کی جائے، دیکھو بدر میں مسلمانوں کی فریاد کیسی سُنی اور کیسی مدد فرمائی۔

(۴۹) یعنی مسلمانوں کو چاہئے کہ خدا کی مدد اور حمایت پر بھروسہ کر کے جہاد کریں کفار کی کثرت اور ساز و سامان سے مرعوب نہ ہوں جیسے جنگ بدر میں دیکھ چکے کہ خدا نے مسلمانوں کی کیا خوب امداد و حمایت کی۔

(۵۰) یعنی اُنہیں زیادہ سمجھ کر کوئی لڑنے کی ہمت کرتا کوئی نہ کرتا۔ اس طرح اختلاف ہو کر کام میں کھنڈت پڑ جاتی۔ لیکن خدا نے پیغمبر علیہ السلام کو خواب میں تھوڑی تعداد دکھلا کر اس بزدلی اور نزاع باہمی سے تم کو بچا لیا وہ خوب جانتا ہے کہ کس چیز سے دلوں میں ہمت و شجاعت پیدا ہوتی ہے اور کس بات سے جُبن و نامردی۔

وَاِذْ يُرِيْكُمُوْهُمْ اِذِ الْتَقَيْتُمْ فِيْۤ اَعْيُنِكُمْ قَلِيْلًا وَّيُقَلِّلُكُمْ فِيْۤ اَعْيُنِهِمْ لِيَقْضِيَ اللّٰهُ اَمْرًا

اور جب تم کو دکھلائی وہ فوج مقابلہ کے وقت تمہاری آنکھوں میں تھوڑی اور تم کو تھوڑا دکھلایا اُن کی آنکھوں میں تاکہ کر ڈالے اللہ ایک کام جو

ع ۵ كَانَ مَفْعُوْلًا ؕ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿۴۴﴾ ع يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا

مقرر ہو چکا تھا اور اللہ تک پہنچتا ہے ہر کام ف ۵۱ اے ایمان والو جب بھڑو کسی فوج سے تو ثابت قدم رہو

وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۴۵﴾ ج وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا

اور اللہ کو بہت یاد کرو ف ۵۲ تاکہ تم مراد پاؤ اور حکم مانو اللہ کا اور اُسکے رسول کا اور آپس میں نہ جھگڑو پس نامرد ہو جاؤ گے

وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ وَاصْبِرُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۴۶﴾ ج

اور جاتی رہیگی تمہاری ہوا ف ۵۳ اور صبر کرو بیشک اللہ ساتھ ہے صبر والوں کے ف ۵۴

(۵۱) **رسول اللہ کا خواب** پیغمبر کو خواب میں کافر تھوڑے نظر آئے اور مسلمانوں کو مقابلہ کے وقت، تا جرات سے لڑیں۔ پیغمبر کا خواب غلط نہیں، اُن میں کافر رہنے والے کم ہی تھے، اکثر وہ تھے جو پیچھے مسلمان ہوئے۔ اور خواب کی تعبیر یہ بھی ہو سکتی ہے کہ تھوڑی تعداد سے مقصود اُن کی مغلوبیت کا اظہار ہو۔ باقی کفار کی نظر میں جو مسلمان تھوڑے دکھلائی دئے تو وہ واقعی تھوڑے تھے یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب دونوں فوجیں اوّل آمنے سامنے ہوئیں۔ پھر جب مسلمانوں نے دلیرانہ حملے کئے اور فرشتوں کا لشکر مدد کو پہنچا اس وقت کفار کو مسلمان دُگنے نظر آنے لگے کمافی "آل عمران" وَاُخْرٰی کَافِرَۃٌ یَّرَوْنَهُمْ مِّثْلَيْهِمْ رَاْیَ الْعَیْنِ (آل عمران رکوع ۲)

(۵۲) **جہاد اور ذکر اللہ** اس میں نماز، دعاء، تکبیر اور ہر قسم کا ذکر اللہ شامل ہے۔ "ذکر اللہ" کی تاثیر یہ ہے کہ ذاکر کا دل مضبوط اور مطمئن ہوتا ہے، جس کی جہاد میں سب سے زیادہ ضرورت ہے صحابہ رضی اللہ عنہم کا سب سے بڑا ہتھیار یہ ہی تھا اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ (رعد رکوع ۴)

(۵۳) یعنی ہوا خیزی ہو کر اقبال و رعب کم ہو جائیگا۔ بد رعبی کے بعد فتح و ظفر کیسے حاصل کر سکو گے۔

(۵۴) **صبر و استقامت کامیابی کی کنجی ہیں** جو سختیاں اور شدائد جہاد کے وقت پیش آئیں ان کو صبر و استقامت سے برداشت کرو ہمت نہ ہارو، مثل ہے کہ ہمت کا حامی خدا ہے اس آیت میں مسلمانوں کو بتلا دیا گیا کہ کامیابی کی کنجی کیا ہے؟ معلوم ہوا کہ دولت، لشکر اور میگزین وغیرہ سے فتح و نصرت حاصل نہیں ہوتی۔ ثابت قدمی، صبر و استقلال، قوت و طمانیت قلب، یاد الٰہی، خدا اور رسول اور اُن کے قائم مقام سرداروں کی اطاعت فرمانبرداری اور باہمی اتفاق و اتحاد سے حاصل ہوتی ہے۔ اس موقع پر بیساختہ جی چاہتا ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے متعلق "ابن کثیر" کے چند الفاظ نقل کر دوں جو اخلاص و ایمان کی انتہائی گہرائی سے نکلے ہوئے ہیں۔ "وَقَدْ كَانَ لِلصَّحَابَةِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ فِيْ بَابِ الشَّجَاعَةِ وَالْاِئْتِمَارِ بِمَا اَمَرَهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ بِهٖ وَامْتِثَالِ مَا اَرْشَدَهُمْ اِلَيْهِ مَا لَمْ يَكُنْ لِاَحَدٍ مِّنَ الْاُمَمِ وَالْقُرُوْنِ قَبْلَهُمْ وَلَا يَكُوْنُ لِاَحَدٍ مِّمَّنْ بَعْدَهُمْ فَاِنَّهُمْ بِبَرَكَةِ الرَّسُوْلِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَطَاعَتِهٖ فِيْمَا اَمَرَهُمْ فَتَحُوا الْقُلُوْبَ وَالْاَقَالِيْمَ شَرْقًا وَّغَرْبًا فِي الْمُدَّةِ الْيَسِيْرَةِ مَعَ قِلَّةِ عَدَدِهِمْ بِالنِّسْبَةِ اِلٰى جُيُوْشِ سَائِرِ الْاَقَالِيْمِ مِنَ الرُّوْمِ وَالْفُرْسِ وَالتُّرْكِ وَالصَّقَالِبَةِ وَالْبَرْبَرِ وَالْحُبُوْشِ وَاَصْنَافِ السُّوْدَانِ وَالْقِبْطِ وَطَوَائِفِ بَنِيْ اٰدَمَ قَهَرُوا الْجَمِيْعَ حَتّٰى عَلَتْ كَلِمَةُ اللّٰهِ وَظَهَرَ دِيْنُهٗ عَلٰى سَائِرِ الْاَدْيَانِ وَامْتَدَّتِ الْمَمَالِكُ الْاِسْلَامِيَّةُ فِيْ مَشَارِقِ الْاَرْضِ وَمَغَارِبِهَا فِيْ اَقَلَّ مِنْ ثَلَاثِيْنَ سَنَةً فَرَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَاَرْضَاهُمْ اَجْمَعِيْنَ وَحَشَرَنَا فِيْ زُمْرَتِهِمْ اِنَّهٗ كَرِيْمٌ تَوَّابٌ۔"

وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بَطَرًا وَّرِئَآءَ النَّاسِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ

اور نہ ہو جاؤ اُن جیسے جو کہ نکلے اپنے گھروں سے اتراتے ہوئے اور لوگوں کے دکھانے کو اور روکتے تھے اللہ

سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ وَاللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ﴿۴۷﴾ وَاِذْ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ وَقَالَ

کی راہ سے اور اللہ کے قابو میں ہے جو کچھ وہ کرتے ہیں ۵۵ اور جس وقت خوشنما کر دیا شیطان نے اُنکی نظروں میں اُن کے عملوں کو اور بولا کہ

لَا غَالِبَ لَكُمُ الْيَوْمَ مِنَ النَّاسِ وَاِنِّيْ جَارٌ لَّكُمْ ۚ فَلَمَّا تَرَآءَتِ الْفِئَتٰنِ نَكَصَ عَلٰى عَقِبَيْهِ

کوئی بھی غالب نہ ہوگا تم پر آج کے دن لوگوں میں سے اور میں تمہارا حمایتی ہوں پھر جب سامنے ہوئیں دونوں فوجیں تو وہ اُلٹا پھرا اپنی ایڑیوں پر

وَقَالَ إِنِّي بَرِيءٌ مِّنكُمْ إِنِّي أَرَىٰ مَا لَا تَرَوْنَ إِنِّي أَخَافُ اللَّهَ ۚ وَاللَّهُ شَدِيدُ الْعِقَابِ ﴿٤٨﴾

اور بولا میں تمہارے ساتھ نہیں ہوں میں دیکھتا ہوں جو تم نہیں دیکھتے میں ڈرتا ہوں اللہ سے اور اللہ کا عذاب سخت ہے ف ۵۶

إِذْ يَقُولُ الْمُنَافِقُونَ وَالَّذِينَ فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ غَرَّ هَٰؤُلَاءِ دِينُهُمْ ۗ وَمَن يَتَوَكَّلْ

جب کہنے لگے منافق اور جن کے دلوں میں بیماری ہے یہ لوگ مغرور ہیں اپنے دین پر اور جو کوئی بھروسہ کرے

عَلَى اللَّهِ فَإِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿٤٩﴾ وَلَوْ تَرَىٰ إِذْ يَتَوَفَّى الَّذِينَ كَفَرُوا ۙ الْمَلَائِكَةُ

اللہ پر تو اللہ زبردست ہے حکمت والا ف ۵۷ اور اگر تو دیکھے جس وقت جان قبض کرتے ہیں کافروں کی فرشتے

يَضْرِبُونَ وُجُوهَهُمْ وَأَدْبَارَهُمْ وَذُوقُوا عَذَابَ الْحَرِيقِ ﴿٥٠﴾ ذَٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيكُمْ وَأَنَّ

مارتے ہیں اُن کے منہ پر اور ان کے پیچھے اور کہتے ہیں چکھو عذاب جلنے کا ف ۵۸ یہ بدلا ہے اُسی کا جو تم نے آگے بھیجا اپنے ہاتھوں اور اس واسطے

اللَّهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيدِ ﴿٥١﴾ كَدَأْبِ آلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ ۚ كَفَرُوا بِآيَاتِ اللَّهِ

کہ اللہ ظلم نہیں کرتا بندوں پر ف ۵۹ جیسے دستور فرعون والوں کا اور جو اُن سے پہلے تھے کہ منکر ہوئے اللہ کی باتوں سے

فَأَخَذَهُمُ اللَّهُ بِذُنُوبِهِمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ قَوِيٌّ شَدِيدُ الْعِقَابِ ﴿٥٢﴾

سو پکڑا اُن کو اللہ نے اُن کے گناہوں پر بیشک اللہ زور آور ہے سخت عذاب کرنے والا ف ۶۰

(۵۵) **کفار مکہ کا غرور و نمائش** ابو جہل لشکر لے کر بڑی دھوم دھام اور باجے گاجے کے ساتھ نکلا تھا تاکہ مسلمان مرعوب ہو جائیں۔ اور دوسرے قبائل عرب پر مشرکین کی دھاک بیٹھ جائے۔ راستہ میں اس کو ابو سفیان کا پیام پہنچا کہ قافلہ سخت خطرہ سے بچ نکلا ہے۔ اب تم مکہ کو لوٹ جاؤ۔ ابو جہل نے نہایت غرور سے کہا کہ ہم اس وقت واپس جا سکتے ہیں جبکہ بدر کے چشمہ پر پہنچ کر مجلس طرب و نشاط منعقد کر لیں۔ گانے والی عورتیں خوشی اور کامیابی کے گیت گائیں۔ شرابیں پئیں۔ مزے اڑائیں اور تین روز تک اونٹ ذبح کر کے قبائل عرب کی ضیافت کا انتظام کریں تاکہ یہ دن عرب میں ہمیشہ کے لئے ہماری یادگار رہے۔ اور آئندہ کے لئے ان مٹھی بھر مسلمانوں کے حوصلے پست ہو جائیں کہ پھر کبھی ہمارے مقابلہ کی جرأت نہ کریں۔ اُسے کیا خبر تھی کہ جو منصوبے باندھ رہے ہیں اور تجویزیں سوچ رہے ہیں وہ سب خدا کے قابو میں ہیں۔ چلنے دے یا نہ چلنے دے۔ بلکہ چاہے تو انہی پر اُلٹ دے۔ چنانچہ یہی ہوا۔ بدر کے پانی اور جام شراب کی جگہ انہیں موت کا پیالہ پینا پڑا۔ محفل سرود و نشاط تو منعقد نہ کر سکے ہاں نوحہ و ماتم کی صفیں "بدر" سے "مکہ" تک بچھ گئیں۔ جو مال تفاخر و نمائش میں خرچ کرنا چاہتے تھے وہ مسلمانوں کے لئے لقمہ غنیمت بنا۔ ایمان و توحید کے دائمی غلبہ کا بنیادی پتھر بدر کے میدان میں نصب ہو گیا۔ گویا ایک طرح اس چھوٹے سے قطعۂ زمین میں خدا تعالیٰ نے روئے زمین کی ملل و اقوام کی قسمتوں کا فیصلہ فرما دیا۔ بہرحال آیت میں مسلمانوں کو آگاہ فرمایا ہے کہ جہاد محض ہنگامۂ کشت و خون کا نام نہیں، بلکہ عظیم الشان عبادت ہے عبادت پر اتراوے یا دکھلانے کو کرے تو قبول نہیں۔ لہٰذا تم فخر و غرور اور نمود و نمائش میں کفار کی چال مت چلو۔

(۵۶) **کفار مکہ کو شیطان کا دھوکہ** قریش اپنی قوت و جمعیت پر مغرور تھے، لیکن بنی کنانہ سے اُن کی چھیڑ چھاڑ رہتی تھی۔ خطرہ یہ ہوا کہ کہیں بنی کنانہ کامیابی کے راستہ میں آڑے نہ آجائیں۔ فوراً شیطان اُن کی پیٹھ ٹھونکنے اور ہمت بڑھانے کے لئے کنانہ کے سردار اعظم سراقہ بن مالک کی صورت میں اپنی ذریت کی فوج لے کر نمودار ہوا اور ابو جہل وغیرہ کو اطمینان دلایا کہ "ہم سب تمہاری مدد و حمایت پر ہیں"۔ کنانہ کی طرف سے

بے فکر رہو۔ میں تمہارے ساتھ ہوں۔ جب بدر میں زور کا رن پڑا اور شیطان کو جبریل وغیرہ فرشتے نظر آئے تو ابوجہل کے ہاتھ میں سے ہاتھ چھڑا کر اُلٹے پاؤں بھاگا۔ ابوجہل نے کہا، سُراقہ! عین وقت پر دغا دے کر کہاں جاتے ہو، کہنے لگا میں تمہارے ساتھ نہیں رہ سکتا۔ مجھے وہ چیزیں دکھائی دے رہی ہیں جو تم کو نظر نہیں آتیں۔ (یعنی فرشتے) خدا کے (یعنی اس خدائی فوج کے) ڈر سے میرا دل بیٹھا جاتا ہے۔ اب ٹھہرنے کی ہمت نہیں۔ کہیں کسی سخت عذاب اور آفت میں نہ پکڑا جاؤں قتادہ کہتے ہیں کہ ملعون نے جھوٹ بولا، اُس کے دل میں خدا کا ڈر نہ تھا۔ ہاں وہ جانتا تھا کہ اب قریش کا لشکر ہلاکت میں گھر چکا ہے۔ کوئی قوت بچا نہیں سکتی۔ یہ اُس کی قدیم عادت ہے کہ اپنے متبعین کو دھوکہ دے کر اور ہلاکت میں پھنسا کر عین وقت پر کھسک جایا کرتا ہے۔ اُسی کے موافق یہاں بھی کیا یَعِدُھُمْ وَیُمَنِّیْھِمْ وَمَا یَعِدُھُمُ الشَّیْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا (نساء، رکوع ۱۸) كَمَثَلِ الشَّيْطٰنِ اِذْ قَالَ لِلْاِنْسَانِ اكْفُرْ فَلَمَّا كَفَرَ قَالَ اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّنْكَ اِنِّیْٓ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِیْنَ (الحشر رکوع ۲)، وَقَالَ الشَّيْطٰنُ لَمَّا قُضِیَ الْاَمْرُ اِنَّ اللّٰهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ وَوَعَدْتُّكُمْ فَاَخْلَفْتُكُمْ وَمَا كَانَ لِیَ عَلَیْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّآ اَنْ دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِیْ فَلَا تَلُوْمُوْنِیْ وَلُوْمُوْٓا اَنْفُسَكُمْ مَآ اَنَا بِمُصْرِخِكُمْ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُصْرِخِیَّ اِنِّیْ كَفَرْتُ بِمَآ اَشْرَكْتُمُوْنِ مِنْ قَبْلُ اِنَّ الظّٰلِمِیْنَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ (ابراہیم۔ رکوع ۴)۔

(۵۷) **مسلمانوں کی شجاعت اور منافقین** مسلمانوں کی تھوڑی جمعیت اور بے سروسامان اور اُس پر ایسی دلیری و شجاعت کو دیکھتے ہوئے منافقین اور ضعیف القلب کلمہ گو کہنے لگے تھے کہ یہ مسلمان اپنے دین اور حقانیت کے خیال پر مغرور ہیں جو اس طرح اپنے کو موت کے منہ میں ڈال دیتے ہیں۔ حق تعالیٰ نے اس کا جواب دیا کہ یہ غرور نہیں، توکل ہے۔ جس کو خدا کی زبردست قدرت پر اعتماد ہو اور یقین رکھے کہ جو کچھ اُدھر سے ہوگا عین حکمت و صواب ہوگا، وہ حق کے معاملہ میں ایسا ہی بے جگر اور دلیر ہو جاتا ہے۔

(۵۸) **کفار کی حالت موت کے وقت** یعنی مار کر کہتے ہیں کہ ابھی تو یہ لو۔ اور عذاب جہنم کا مزہ آئندہ چکھنا۔ بہت سے مفسرین نے اس کو بھی بدر کے واقعہ میں داخل کیا ہے یعنی اُس وقت جو کافر مارے جاتے تھے اُن کے ساتھ فرشتوں کا یہ معاملہ تھا۔ مگر الفاظ آیت کے سب کافروں کو عام ہیں اس لئے راجح یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ عالم برزخ کا ہو۔ اب بدر کے واقعات سے تعلق یہ ہوگا کہ دنیا میں اُن کافروں کی یہ گت بنی۔ برزخ میں یہ ہوگا اور آخرت کے عذاب کا تو کہنا ہی کیا ہے۔

(۵۹) یعنی یہ سب تمہاری کرتوت کی سزا ہے ورنہ خدا کے یہاں ظلم کی کوئی صورت ہی نہیں۔ اگر معاذ اللہ ادھر سے رتی برابر ظلم کا امکان ہو تو پھر وہ اپنی عظمت شان کے لحاظ سے ظالم نہیں ظلام ہی ٹھہرے کیونکہ کامل کی ہر صفت کامل ہی ہونی چاہئے۔

(۶۰) یعنی قدیم سے یہی دستور رہا ہے کہ جب لوگ آیات اللہ کی تکذیب و انکار یا انبیاء سے جنگ کرنے پر مصر ہوئے تو اللہ نے اُن کو کسی نہ کسی عذاب میں پکڑ لیا۔

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا نِّعْمَةً اَنْعَمَهَا عَلٰى قَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ۙ وَ

اس کا سبب یہ ہے کہ اللہ ہرگز بدلنے والا نہیں اس نعمت کو جو دی تھی اُس نے کسی قوم کو جب تک وہی نہ بدل ڈالیں اپنے جیوں کی بات اور

اَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۙ (۵۳) كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ

یہ کہ اللہ سننے والا جاننے والا ہے ۶۱ جیسے دستور فرعون والوں کا اور جو اُن سے پہلے تھے کہ انہوں نے جھٹلائیں باتیں اپنے رب

فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ ۚ وَكُلٌّ كَانُوْا ظٰلِمِيْنَ (۵۴) اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ

کی پھر ہلاک کر دیا ہم نے انکو انکے گناہوں پر اور ڈبو دیا ہم نے فرعون والوں کو اور سارے ظالم تھے ۶۲ بدتر سب جانداروں میں

عِنْدَ اللّٰهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۵﴾ اَلَّذِيْنَ عٰهَدْتَّ مِنْهُمْ ثُمَّ يَنْقُضُوْنَ

اللہ کے ہاں وہ ہیں جو منکر ہوئے پھر وہ نہیں ایمان لاتے جن سے تونے معاہدہ کیا ہے اُن میں سے پھر وہ توڑتے ہیں اپنا

عَهْدَهُمْ فِيْ كُلِّ مَرَّةٍ وَّهُمْ لَا يَتَّقُوْنَ ﴿۵۶﴾ فَاِمَّا تَثْقَفَنَّهُمْ فِي الْحَرْبِ فَشَرِّدْ بِهِمْ مَّنْ

عہد ہر بار اور وہ ڈر نہیں رکھتے ف۶۳ سو اگر کبھی تو پائے اُن کو لڑائی میں تو اُنکو ایسی سزا دے کہ دیکھ کر بھاگ

خَلْفَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَاِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً فَانْۢبِذْ اِلَيْهِمْ عَلٰى سَوَآءٍ ؕ

جائیں اُن کے پچھلے تاکہ اُن کو عبرت ہو اور اگر تجھ کو ڈر ہو کسی قوم سے دغا کا تو پھینک دے اُنکا عہد اُن کی طرف ایسی طرح پر کہ ہو جاؤ تم

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْخَآئِنِيْنَ ﴿۵۸﴾ وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَبَقُوْا ؕ اِنَّهُمْ لَا يُعْجِزُوْنَ ﴿۵۹﴾ ع ۷

اور وہ برابر بیشک اللہ کو خوش نہیں آتے دغا باز ف۶۴ اور یہ نہ سمجھیں کافر لوگ کہ وہ بھاگ نکلے وہ ہرگز تھکا نہ سکیں گے ہم کو ف۶۵

وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ وَ

اور تیار کرو اُنکی لڑائی کے واسطے جو کچھ جمع کر سکو قوت سے اور پلے ہوئے گھوڑوں سے ف۶۶ کہ اُس سے دھاک پڑے اللہ کے دشمنوں پر اور تمہارے دشمنوں پر اور

اٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ ۚ لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ ۚ اَللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

دوسروں پر اُن کے سوا جن کو تم نہیں جانتے اللہ اُن کو جانتا ہے ف۶۷ اور جو کچھ تم خرچ کرو گے اللہ کی راہ میں

يُوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ﴿۶۰﴾

وہ پورا ملیگا تم کو اور تمہارا حق نہ رہ جائے گا ف۶۸

(۶۱) قوموں کی ہلاکت اُنکی اپنی وجہ سے ہوتی ہے یعنی جب لوگ اپنی بے اعتدالی اور غلط کاری سے نیکی کے فطری قویٰ اور استعداد کو بدل ڈالتے ہیں اور خدا کی بخشی ہوئی داخلی یا خارجی نعمتوں کو اس کے بتلائے ہوئے کام میں ٹھیک موقع پر خرچ نہیں کرتے بلکہ اُلٹے اُس کی مخالفت میں صرف کرنے لگتے ہیں تو حق تعالےٰ اپنی نعمتیں اُن سے چھین لیتا ہے اور شان انعام کو انتقام سے بدل دیتا ہے وہ بندوں کی تمام باتوں کو سُنتا اور تمام احوال کو جانتا ہے کوئی چیز اُس سے پردہ میں نہیں۔ لہٰذا جس سے جو معاملہ کرے گا نہایت ٹھیک اور برمحل ہوگا۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ "جو نیت اور اعتقاد جب تک نہ بدلے تو اللہ کی بخشی ہوئی نعمت نہیں چھینی جاتی" گویا "مَا بِاَنْفُسِهِمْ" سے خاص نیت اور اعتقاد مراد لیا ہے۔ جیسا کہ ترجمہ سے ظاہر ہو رہا ہے۔ واللہ اعلم۔

(۶۲) فرعونیوں اور اُن سے پہلی قوموں کو اُن کے جرائم کی پاداش میں ہلاک کیا۔ اور خصوصیت کے ساتھ فرعونیوں کا بیڑہ غرق کر دیا یہ سب اُس وقت ہوا جب انھوں نے خدا سے بغاوت اور شرارت کر کے خود اپنی جانوں پر ظلم کئے۔ ورنہ خدا کو کسی مخلوق سے ذاتی عداوت نہیں

(۶۳) کفّار بدترین جانور ہیں جو لوگ ہمیشہ کے لئے کفر اور بے ایمانی پر تُل گئے اور انجام سے بالکل بے خوف ہو کر غداری اور بدعہدی کے خوگر ہو رہے ہیں۔ وہ خدا کے نزدیک بدترین جانور ہیں۔ فرعونیوں کا حال بدعہدی اور غداری میں یہی تھا۔ وَلَمَّا وَقَعَ عَلَيْهِمُ الرِّجْزُ قَالُوْا يٰمُوْسَى ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ لَئِنْ كَشَفْتَ عَنَّا الرِّجْزَ لَنُؤْمِنَنَّ لَكَ وَلَنُرْسِلَنَّ مَعَكَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الرِّجْزَ اِلٰٓى اَجَلٍ هُمْ بٰلِغُوْهُ اِذَا هُمْ يَنْكُثُوْنَ (اعراف رکوع ۱۶) اور حضورؐ کے زمانہ میں یہود بنی قریظہ وغیرہ (کی یہی خصلت تھی)۔ آپ سے عہد کر لیتے کہ ہم مشرکین مکہ کو مدد نہ دیں گے، پھر ان کی امداد کرتے اور کہہ دیتے کہ ہم کو عہد یاد نہ رہا تھا۔ باربار

ایسا ہی کرتے تھے۔ آگے بتلایا ہے کہ ایسے غداروں کے ساتھ کیا معاملہ ہونا چاہئے۔

(۶۴) **عہد شکنوں کے ساتھ معاہدے کے احکام** یعنی اگر یہ دغاباز غدار معاہدوں کو علانیہ پس پشت ڈال کر آپ کے مقابل میدان جنگ میں آجائیں تو ان کو ایسی سخت سزا دیجئے، جسے دیکھ کر ان کے پیچھے رہنے والے یا ان کے بعد آنے والی نسلیں بھی عبرت حاصل کریں اور عہد شکنی کی کبھی جرأت نہ کر سکیں اور اگر ایک قوم نے علانیہ دغابازی نہیں کی، ہاں آثار و قرائن بتا رہے ہیں کہ عہد شکنی پر آمادہ ہے تو آپ کو اجازت ہے کہ مصلحت سمجھیں تو اُن کا عہد واپس کر دیں اور معاہدہ سے دست برداری کی اطلاع کر کے مناسب کارروائی کریں تاکہ فریقین پچھلے معاہدات کی نسبت شک واشتباہ میں نہ رہیں۔ دونوں مساویانہ طور پر آگاہ و بیدار ہو کر اپنی تیاری اور حفاظت میں مشغول ہوں۔ آپ کی جانب سے کوئی چوری اور خیانت نہ ہو، سب معاملہ صاف صاف ہو۔ حق تعالیٰ خیانت کی کارروائی کو خواہ کفار کے ساتھ ہو پسند نہیں کرتا۔ سنن میں روایت ہے کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور روم میں میعادی معاہدہ تھا۔ میعاد کے اندر امیر معاویہؓ نے اپنی فوجیں کو روم کی سرحد کی طرف بڑھانا شروع کیا۔ مقصد یہ تھا کہ رومیوں کی سرحد سے اس قدر قریب اور پہلے سے تیار رہیں کہ میعاد معاہدہ گذرتے ہی فوراً دھاوا بول دیا جائے۔ جس وقت یہ کارروائی جاری تھی، ایک شیخ سواری پر یہ کہتے ہوئے آئے۔ "اللہ اکبر اللہ اکبر وفاءً لا غدرًا" یعنی عہد پورا کرو۔ عہد شکنی مت کرو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب کسی قوم سے معاہدہ ہو تو کوئی گرہ نہ کھولی جائے نہ باندھی جائے یہاں تک کہ معاہدہ کی مدت پوری ہو جائے۔ یا فریق ثانی کو مساویانہ حیثیت میں معاہدہ واپس کیا جائے۔ معاویہؓ کو جب یہ خبر پہنچی تو اُلٹے واپس آگئے۔ پھر جو دیکھا تو وہ شیخ حضرت عمرو بن عنبسہ رضی اللہ عنہ تھے۔

(۶۵) **مُسلمانوں کی تسلّی** نبذ عہد کا جو حکم اُوپر مذکور ہوا، ممکن تھا کہ اُس کو کفار مسلمانوں کی سادہ لوحی پر حمل کر کے خوش ہوتے کہ جب ان کے یہاں خیانت و غدر جائز نہیں تو ہم کو خبردار اور بیدار ہونے کے بعد پورا موقع اپنے بچاؤ اور مسلمانوں کے خلاف تیاری کرنے کا ملیگا۔ اُس کا جواب دیدیا کہ کتنی ہی تیاری اور انتظامات کر لو۔ جب مسلمانوں کے ہاتھوں خدا تم کو مغلوب و رسوا کرنا اور دنیا یا آخرت میں سزا دینا چاہیگا تو تم کسی تدبیر سے اُس کو عاجز نہ کر سکو گے۔ نہ اُس کے احاطہ قدرت و تسلط سے نکل کر بھاگ سکو گے۔ گویا مسلمانوں کی تسلی کر دی کہ وہ خدا پر بھروسہ کر کے اس کے احکام کا امتثال کریں تو سب پر غالب آئیں گے۔

(۶۶) **دائمے اسباب اور توکّل** یعنی خدا پر بھروسہ کرنے کے معنی یہ نہیں کہ اسباب ضروریہ مشروعہ کو ترک کر دیا جائے۔ نہیں، مسلمانوں پر فرض ہے کہ جہاں تک قدرت ہو سامانِ جہاد فراہم کریں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مُبارک میں گھوڑے کی سواری، شمشیر زنی اور تیر اندازی وغیرہ کی مشق کرنا، سامانِ جہاد تھا۔ آج بندوق، توپ، ہوائی جہاز، آبدوز کشتیاں، آہن پوش کروزر وغیرہ کا تیار کرنا اور استعمال میں لانا اور فنونِ حربیہ کا سیکھنا، بلکہ ورزش وغیرہ کرنا سب سامان جہاد ہے۔ اسی طرح آئندہ جو اسلحہ و آلات حرب و ضرب تیار ہوں، انشاء اللہ وہ سب آیت کے منشاء میں داخل ہیں باقی گھوڑے کی نسبت تو آپ خود ہی فرما چکے "اَلْخَيْلُ مَعْقُوْدٌ فِيْ نَوَاصِيْهَا الْخَيْرُ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ" کہ قیامت تک کے لئے خدا نے اس کی پیشانی میں خیر رکھ دی ہے اور احادیث میں ہے کہ "جو شخص گھوڑا جہاد کی نیت سے پالتا ہے، اُس کے کھانے، پینے بلکہ ہر قدم اُٹھانے میں اجر ملتا ہے اور اُس کی خوراک وغیرہ تک قیامت کے دن ترازو میں وزن کی جائے گی۔

(۶۷) یعنی یہ سب سامان اور تیاری دشمنوں پر رعب جمانے اور دھاک بٹھلانے کا ایک ظاہری سبب ہے۔ باقی فتح و ظفر کا اصلی سبب تو خدا کی مدد ہے جو پہلے بیان ہو چکا۔ اور وہ لوگ جن کو بالتعیین تم نہیں جانتے منافقین ہیں جو مسلمانی کے پردہ میں تھے یا یہود بنی قریظہ یا روم و فارس وغیرہ وہ سب قومیں جن سے آئندہ مقابلہ ہونے والا تھا۔

(۶۸) **مالی جہاد** یہ مالی جہاد کی طرف اشارہ ہے یعنی جہاد کی تیاری میں جس قدر مال خرچ کرو گے، اس کا پورا پورا بدلہ ملیگا۔ یعنی ایک درہم کے سات سو درہم واللہ یضاعف لمن یشاء اور بسا اوقات دنیا میں بھی اس سے کہیں زیادہ معاوضہ مل جاتا ہے۔

وَإِنْ جَنَحُوا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ ۚ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿٦١﴾ وَإِنْ يُرِيدُوا

اور اگر وہ جھکیں صلح کی طرف تو تو بھی جھک اُسی طرف اور بھروسہ کر اللہ پر بیشک وہی ہے سننے والا جاننے والا ف۶۹ اور اگر وہ چاہیں

أَنْ يَخْدَعُوكَ فَإِنَّ حَسْبَكَ اللَّهُ ۚ هُوَ الَّذِي أَيَّدَكَ بِنَصْرِهِ وَبِالْمُؤْمِنِينَ ﴿٦٢﴾ وَأَلَّفَ بَيْنَ

کہ تجھ کو دغا دیں تو تجھ کو کافی ہے اللہ اُسی نے تجھ کو زور دیا اپنی مدد کا اور مسلمانوں کا ف۷۰ اور اُلفت ڈالی اُنکے

قُلُوبِهِمْ ۚ لَوْ أَنْفَقْتَ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا مَا أَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ أَلَّفَ

دلوں میں اگر تو خرچ کر دیتا جو کچھ زمین میں ہے سارا نہ اُلفت ڈال سکتا اُن کے دلوں میں لیکن اللہ نے اُلفت ڈالی

ع ۸ بَيْنَهُمْ ۚ إِنَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿٦٣﴾ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللَّهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿٦٤﴾ ع

اُن میں بیشک وہ زور آور ہے حکمت والا ف۷۱ اے نبی کافی ہے تجھ کو اللہ اور جتنے تیرے ساتھ ہیں مسلمان ف۷۲

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِينَ عَلَى الْقِتَالِ ۚ إِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ عِشْرُونَ صَابِرُونَ يَغْلِبُوا

اے نبی شوق دِلا مسلمانوں کو لڑائی کا اگر ہوں تم میں بیس شخص ثابت قدم رہنے والے تو غالب ہوں

مِائَتَيْنِ ۚ وَإِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ مِائَةٌ يَغْلِبُوا أَلْفًا مِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا يَفْقَهُونَ ﴿٦٥﴾

دو سو پر اور اگر ہوں تم میں سو شخص تو غالب ہوں ہزار کافروں پر اس واسطے کہ وہ لوگ سمجھ نہیں رکھتے ف۷۳

(۶۹) **کفّار سے صلح کی اجازت** مسلمانوں کی تیاری اور مجاہدانہ قربانیوں کو دیکھ کر بہت ممکن ہے کہ کفار مرعوب ہو کر صلح و آشتی کے خواستگار ہوں تو آپ کو ارشاد ہے کہ حسب صوابدید آپ بھی صلح کا ہاتھ بڑھا دیں۔ کیونکہ جہاد سے خونریزی نہیں، اعلائے کلمۃ اللہ اور دفع فتنہ مقصود ہے اگر بدون خونریزی کے یہ مقصد حاصل ہو سکے تو خواہی نخواہی خون بہانے کی کیا حاجت ہے۔ اگر یہ احتمال ہو کہ شاید کفار صلح کے پردہ میں ہم کو دھوکہ دینا چاہتے ہیں تو کچھ پروا نہ کیجئے اللہ پر بھروسہ رکھئے وہ اُن کی نیتوں کو جانتا اور اُن کے اندرونی مشوروں کو سنتا ہے اُس کی حمایت کے سامنے ان کی بدنیتی نہ چل سکیگی آپ اپنی نیت صاف رکھئے۔

(۷۰) اگر صلح کر کے وہ لوگ دغابازی اور عہد شکنی کا ارادہ کریں تو فکر نہ کیجئے۔ خدا آپ کی مدد کے لئے کافی ہے اُن کے سب فریب و خداع بیکار کر دے گا۔ اُسی نے بدر میں آپ کی غیبی امداد فرمائی اور ظاہری طور پر جان نثار و سرفروش مسلمانوں سے آپ کی تائید کی۔

(۷۱) **عربوں میں اتحاد و اُلفت** اسلام سے پہلے عرب میں جدال و قتال اور نفاق و شقاق کا بازار گرم تھا۔ ادنیٰ ادنیٰ باتوں پر قبائل آپس میں ٹکراتے رہتے تھے دو جماعتوں میں جب لڑائی شروع ہو جاتی تو صدیوں تک اُس کی آگ ٹھنڈی نہ ہوتی تھی مدینہ کے دو زبردست قبیلوں "اوس" و "خزرج" کی حریفانہ نبرد آزمائی اور دیرینہ عداوت و بغض کا سلسلہ کسی طرح ختم نہ ہوتا تھا۔ ایک دوسرے کے خون کا پیاسا اور عزت و آبرو کا بھوکا تھا۔ ان حالات میں آقائے نامدار محمد رسول اللہ صلعم توحید و معرفت اور اتحاد و اخوت کا عالمگیر پیغام لے کر مبعوث ہوئے لوگوں نے انہیں بھی ایک فریق ٹھہرا لیا اور سب نے مل کر خلاف و شقاق کا رُخ ادھر پھیر دیا۔ پُرانے کینے اور عداوتیں چھوڑ کر ہر قسم کی دشمنی کے لئے حضورؐ کی ذات قدسی صفات کو مطمح نظر بنا لیا۔ وہ آپ کی پند و نصیحت سے گھبراتے تھے اور آپ کے سایہ سے بھاگتے تھے۔ دنیا

کی کوئی طاقت نہ تھی جو درندوں کی بھیڑ اور بہائم کے گلہ میں معرفت الٰہی اور حُبِ نبوی کی روح پھونک کر اور شراب توحید کا متوالا بنا کر سب کو ایک دم اُخوت واُلفت باہمی کی زنجیر میں جکڑ دیتی اور اُس مقدس ہستی کا درم ناخریدہ غلام اور عاشق جاں نثار بنا دیتی جس سے زیادہ چند روز پہلے اُن کے نزدیک کوئی مبغوض ہستی نہ تھی۔ بلاشبہ روئے زمین کے خزانے خرچ کر کے بھی یہ مقصد حاصل نہ کیا جا سکتا تھا جو اللہ کی رحمت واعانت سے ایسی سہولت کے ساتھ حاصل ہو گیا۔ خدا نے حقیقی بھائیوں سے زیادہ ایک کی اُلفت دوسرے کے دل میں ڈال دی۔ اور پھر سب کی اُلفتوں کا اجتماعی مرکز حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات منبع البرکات کو بنا دیا۔ قلوب کو دفعتًہ ایسا پلٹ دینا خدا کی زور قدرت کا کرشمہ ہے اور ایسی شدید ضرورت کے وقت سب کو محبت واُلفت کے ایک نقطہ پر جمع کر دینا اُس کے کمال حکمت کی دلیل ہے۔

(۷۲) **مسلمانوں کیلئے اللہ کافی ہے** اس کے دو معنی ہو سکتے ہیں۔ اکثر سلف کے نزدیک یہ مطلب ہے کہ اے پیغمبر! خدا تجھ کو اور تیرے ساتھیوں کو کافی ہے۔ یعنی قلت عدد اور بے سروسامانی وغیرہ سے گھبرانا نہیں چاہیئے۔ اور بعض علماء نے یہ معنی لئے ہیں کہ اے پیغمبر! تجھ کو فی الحقیقت اکیلا خدا کافی ہے اور ظاہر اسباب کے اعتبار سے مخلص مسلمانوں کی جماعت خواہ کتنی ہی تھوڑی ہو کافی ہے۔ پہلے جو فرمایا تھا اَیَّدَکَ بِنَصۡرِہٖ وَبِالۡمُؤۡمِنِیۡنَ گویا یہ اُسی کا خلاصہ ہوا۔

(۷۳) **دس گنا تعداد پر غلبہ کا وعدہ** یہ مسلمانوں کو جہاد کی ترغیب دی کہ تھوڑے بھی ہوں تو جی نہ چھوڑیں۔ خدا کی رحمت سے دس گنے دشمنوں پر غالب آئیں گے۔ سبب یہ ہے کہ مسلمان کی لڑائی محض خدا کے لئے ہے۔ وہ خدا کو اور اُس کی مرضی کو پہچان کر اور یہ سمجھ کر میدانِ جنگ میں قدم رکھتا ہے کہ خدا کے راستہ میں مرنا اصلی زندگی ہے اُس کو یقین ہے کہ میری تمام قربانیوں کا ثمرہ آخرت میں ضرور ملنے والا ہے، خواہ میں غالب ہوں یا مغلوب اور اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے جو تکلیف میں اُٹھاتا ہوں وہ فی الحقیقت مجھ کو دائمی خوشی اور ابدی مسرت سے ہمکنار کرنیوالی ہے۔ مسلمان جب یہ سمجھ کر جنگ کرتا ہے تو تائید ایزدی مددگار ہوتی ہے اور موت سے وحشت نہیں رہتی۔ اسی لئے پوری دلیری اور بے جگری سے لڑتا ہے۔ کافر چونکہ اس حقیقت کو نہیں سمجھ سکتا۔ اس لئے محض حقیر اور فانی اغراض کے لئے بہائم کی طرح لڑتا ہے اور قوت قلبی اور امداد غیبی سے محروم رہتا ہے۔ بناءً علیہ خبر اور بشارت کے رنگ میں حکم دیا گیا کہ مومنین کو اپنے سے دس گنے دشمنوں کے مقابلہ میں ثابت قدمی سے لڑنا چاہیئے۔ اگر مسلمان بیس ہوں تو دو سو کے مقابلہ سے نہ ہٹیں اور سو ہوں تو ہزار کو پیٹھ نہ دکھلائیں۔ (تنبیہ) بیس اور سو دو عدد شاید اس لئے بیان فرمائے کہ اُس وقت مسلمانوں کی تعداد کے لحاظ سے "سریہ" میں کم از کم بیس اور "جیش" میں ایک سو سپاہی ہوتے ہونگے۔ اگلی آیت مدت کے بعد اُتری اُس وقت مسلمانوں کی تعداد بڑھ گئی تھی۔ اس لئے سریہ کم از کم ایک سو کا اور جیش ایک ہزار کا ہو گا۔ دونوں آیتوں میں بیان نسبت کے وقت اعداد کا یہ تفاوت ظاہر کرتا ہے کہ اگلی آیت کے نزول کے وقت مسلمانوں کی مردم شماری بڑھ گئی تھی۔

اَلۡـٰٔنَ خَفَّفَ اللّٰہُ عَنۡکُمۡ وَ عَلِمَ اَنَّ فِیۡکُمۡ ضَعۡفًا ؕ فَاِنۡ یَّکُنۡ مِّنۡکُمۡ مِّائَۃٌ صَابِرَۃٌ یَّغۡلِبُوۡا

اب بوجھ ہلکا کر دیا اللہ نے تم پر سے اور جانا کہ تم میں سستی ہے سو اگر ہوں تم میں سو شخص ثابت قدم رہنے والے تو غالب

مِائَتَیۡنِ ۚ وَ اِنۡ یَّکُنۡ مِّنۡکُمۡ اَلۡفٌ یَّغۡلِبُوۡۤا اَلۡفَیۡنِ بِاِذۡنِ اللّٰہِ ؕ وَ اللّٰہُ مَعَ الصّٰبِرِیۡنَ ﴿۶۶﴾ مَا کَانَ

ہوں دو سو پر اور اگر ہوں تم میں ہزار تو غالب ہوں دو ہزار پر اللہ کے حکم سے اور اللہ ساتھ ہے ثابت قدم رہنے والوں کے نبی کو نہیں

لِنَبِیٍّ اَنۡ یَّکُوۡنَ لَہٗۤ اَسۡرٰی حَتّٰی یُثۡخِنَ فِی الۡاَرۡضِ ؕ تُرِیۡدُوۡنَ عَرَضَ الدُّنۡیَا ٭ۖ وَ اللّٰہُ یُرِیۡدُ

چاہیئے کہ اپنے ہاں رکھے قیدیوں کو جب تک خوب خونریزی نہ کرلے ملک میں تم چاہتے ہو اسباب دنیا کا اور اللہ کے ہاں چاہیئے

الْاٰخِرَةَ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۶۷﴾ لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْمَآ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ

آخرت اور اللہ زورآور ہے حکمت والا ف۵ اگر نہ ہوتی ایک بات جس کو لکھ چکا اللہ پہلے سے تو تم کو پہنچتا اس لینے میں بڑا

عَظِيْمٌ ﴿۶۸﴾ فَكُلُوْا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا طَيِّبًا ۖ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۶۹﴾ يٰۤاَيُّهَا ع ۹ / ۵

عذاب ف۶ سو کھاؤ جو تم کو غنیمت میں ملا حلال ستھرا اور ڈرتے رہو اللہ سے بیشک اللہ ہے بخشنے والا مہربان ف۷ اے

النَّبِيُّ قُلْ لِّمَنْ فِيْۤ اَيْدِيْكُمْ مِّنَ الْاَسْرٰۤى ۙ اِنْ يَّعْلَمِ اللّٰهُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ خَيْرًا يُّؤْتِكُمْ خَيْرًا

نبی کہہ دے اُن سے جو تمہارے ہاتھ میں ہیں قیدی اگر جانے گا اللہ تمہارے دلوں میں کچھ نیکی تو دیگا تم کو بہتر

مِّمَّاۤ اُخِذَ مِنْكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۷۰﴾ وَاِنْ يُّرِيْدُوْا خِيَانَتَكَ فَقَدْ

اس سے جو تم سے چھن گیا اور تم کو بخشے گا اور اللہ ہے بخشنے والا مہربان اور اگر چاہیں گے تجھ سے دغا کرنی سو وہ دغا

خَانُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ فَاَمْكَنَ مِنْهُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۷۱﴾

کر چکے ہیں اللہ سے اس سے پہلے پھر اُس نے اُنکو پکڑوا دیا اور اللہ سب کچھ جاننے والا حکمت والا ہے ف۸

(۶۴) **اس حکم میں تخفیف دوگنی تعداد پر غلبہ کا وعدہ** بخاری میں ابن عباس سے منقول ہے کہ گذشتہ آیت جس میں مسلمانوں کو دس گنا کافروں کے مقابلہ پر ثابت قدم رہنے کا حکم تھا، جب لوگوں کو بھاری معلوم ہوئی تو اُس کے بعد یہ آیت اُتری۔ اَلْئٰنَ خَفَّفَ اللّٰهُ الخ یعنی خدا نے تمہاری ایک قسم کی کمزوری اور سستی کو دیکھ کر پہلا حکم اُٹھا لیا۔ اب صرف اپنے سے دوگنی تعداد کے مقابلہ میں ثابت قدم رہنا ضروری اور بھاگنا حرام ہے یہ کمزوری یا سستی جس کی وجہ سے حکم میں تخفیف ہوئی، کئی وجوہ سے ہو سکتی ہے۔ ابتدائے ہجرت میں گنے چُنے مسلمان تھے جن کی قوت و جلادت معلوم تھی، کچھ مدت کے بعد اُن میں کے بہت سے افراد بوڑھے اور کمزور ہو گئے اور جو نئی پود آئی اُن میں پُرانے مہاجرین و انصار جیسی بصیرت، استقامت اور تسلیم و تفویض نہ تھی، اور تعداد بڑھ جانے سے کسی درجہ میں اپنی کثرت پر نظر اور "توکل علی اللہ" میں قدرے کمی ہوئی ہو گی۔ اور ویسے بھی طبیعت انسانی کا خاصہ ہے کہ جو سخت کام تھوڑے آدمیوں پر پڑ جائے تو کرنے والوں میں جوش عمل زیادہ ہوتا ہے۔ اور ہر شخص اپنی بساط سے بڑھ کر ہمت کرتا ہے۔ لیکن وہی کام جب بڑے مجمع پر ڈال دیا جائے تو ہر ایک دوسرے کا منتظر رہتا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ آخر کچھ میں ہی تنہا تو اس کا ذمہ دار نہیں۔ اُسی قدر جوش، حرارت اور ہمت میں کمی ہو جاتی ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ "اوّل کے مسلمان یقین میں کامل تھے، اُن پر حکم ہوا تھا کہ اپنے سے دس گنے کافروں پر جہاد کریں، پچھلے مسلمان ایک قدم کم تھے تب یہی حکم ہوا کہ دوگنوں پر جہاد کریں۔ یہی حکم اب بھی باقی ہے۔ لیکن اگر دو سے زیادہ پر حملہ کریں تو بڑا اجر ہے۔ حضرت کے وقت میں ہزار مسلمان اسّی ہزار سے لڑے ہیں۔ "غزوہ موتہ" میں تین ہزار مسلمان دو لاکھ کفار کے مقابلہ میں ڈٹے رہے۔ اس طرح کے واقعات سے اسلام کی تاریخ بحمد اللہ بھری پڑی ہے۔

(۶۵) **بدر کے قیدیوں کے مسئلہ پر مسلمانوں کی غلطی** بدر کی لڑائی سے ستّر کافر مسلمانوں کے ہاتھوں میں قید ہو کر آئے، حق تعالیٰ نے اُن کے متعلق دو صورتیں مسلمانوں کے سامنے پیش کیں۔ قتل کر ڈالنا، یا فدیہ لے کر چھوڑ دینا، اس شرط پر کہ آئندہ سال اسی تعداد میں تمہارے آدمی قتل کئے جائیں گے۔ حقیقت میں خدا کی طرف سے ان دو صورتوں کا انتخاب کے لئے پیش کرنا، امتحان و آزمائش کے طریقہ پر تھا کہ ظاہر ہو جائے کہ مسلمان اپنی رائے اور طبیعت سے کس طرف جھکتے ہیں۔ جیسے ازواج مطہرات کو دو صورتوں میں تخییر دی گئی تھی۔ (باقی)

كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا فَتَعَالَيْنَ الی آخر الآیۃ (الاحزاب رکوع ۴) یا معراج میں آپ کے سامنے خمر و لبن (دودھ اور شراب) کے دو برتن پیش کئے گئے تھے، آپ نے دودھ کو اختیار فرمایا۔ جبریلؑ نے کہا کہ اگر بالفرض آپ شراب کو اختیار فرماتے تو آپ کی اُمت بہک جاتی۔ بہرحال آپ نے صحابہ سے اس معاملہ میں رائے طلب کی۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یا رسول اللہ یہ سب قیدی اپنے خویش و اقارب اور بھائی بند ہیں بہتر ہے کہ فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے۔ اس نرم سلوک اور احسان کے بعد ممکن ہے کچھ لوگ مسلمان ہو کر وہ خود اور اُن کی اولاد و اتباع ہمارے دست و بازو بنیں اور جو مال بالفعل ہاتھ آئے اُس سے جہاد وغیرہ دینی کاموں میں سہارا لگے۔ باقی آئندہ سال ہمارے ستر آدمی شہید ہو جائیں تو مضائقہ نہیں درجہ شہادت ملیگا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا میلان بھی فطری رحمدلی اور شفقت و صلہ رحمی کی بناء پر اسی رائے کی طرف تھا۔ بلکہ صحابہ کی عام رائے اسی جانب تھی۔ بہت سے تو اُن ہی وجوہ کی بناء پر جو ابوبکرؓ نے بیان فرمائیں اور بعض محض مالی فائدہ کو دیکھتے ہوئے اس رائے سے متفق تھے۔ (کما یظہر من قولہ تعالیٰ تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا صرح بہ الحافظ ابن حجر و ابن القیم رحمہما اللہ) حضرت عمرؓ اور سعد ابن معاذؓ نے اس سے اختلاف کیا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ یا رسول اللہ! یہ قیدی کفر کے امام اور مشرکین کے سردار ہیں۔ (ان کو ختم کر دیا جائے تو کفر و شرک کا سر ٹوٹ جائیگا، تمام مشرکین پر ہیبت طاری ہو جائیگی آئندہ مسلمانوں کو ستانے اور خدا کے راستہ سے روکنے کا حوصلہ نہ رہے گا) اور خدا کے آگے مشرکین سے ہماری انتہائی نفرت و بغض اور کامل بیزاری کا اظہار ہو جائیگا کہ ہم نے خدا کے معاملہ میں اپنی قرابتوں اور مالی فوائد کی کچھ پروا نہیں کی اس لئے مناسب ہے کہ ان قیدیوں میں جو کوئی ہم میں سے کسی کا عزیز و قریب ہو، وہ اُسے اپنے ہاتھ سے قتل کرے۔ الغرض بحث و تمحیص کے بعد ابوبکرؓ کے مشورہ پر عمل ہوا کیونکہ کثرت رائے اُدھر تھی اور خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم طبعی رافت و رحمت کی بناء پر اُسی طرف مائل تھے اور ویسے بھی اخلاقی اور کلی حیثیت سے عام حالات میں وہ ہی رائے قرین صواب معلوم ہوتی ہے۔ لیکن اسلام اس وقت جن حالات میں سے گذر رہا تھا، اُن پر نظر کرتے ہوئے وقتی مصالح کا تقاضا یہ تھا کہ کفار کے مقابلہ میں سخت کمر شکن کارروائی کی جائے۔ تیرہ سال کے ستم کشوں کو طاغوت کے پرستاروں پر یہ ثابت کر دینے کا پہلا موقع ملا تھا کہ تمہارے تعلقات قرابت، اموال، جتھے اور طاقتیں، اب کوئی چیز تم کو خدا کی شمشیر انتقام سے پناہ نہیں دے سکتی۔ ابتداءً ایک مرتبہ ظالم مشرکین پر رعب و ہیبت بٹھلا دینے کے بعد نرم خوئی اور صلہ رحمی کے استعمال کے لئے آئندہ بہتیرے مواقع باقی رہتے تھے، ادھر ستر مسلمانوں کے آئندہ قتل پر راضی ہو جانا معمولی بات نہ تھی اسی لئے اس رائے کو اختیار فرمانا وقتی مصالح اور ہنگامی حیثیت سے حق تعالیٰ کے یہاں پسندیدہ نہ ہوا "مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗٓ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِي الْاَرْضِ" میں اسی ناپسندیدگی کی طرف اشارہ ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کی یہ ایک سخت خطرناک اجتہادی غلطی قرار دی گئی۔ اور جن بعض لوگوں نے زیادہ تر مالی فوائد پر نظر کر کے اس سے اتفاق کیا تھا، اُن کو صاف طور پر "تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا" سے خطاب کیا گیا۔ یعنی تم دنیا کے فانی اسباب پر نظر کر رہے ہو، حالانکہ مومن کی نظر انجام پر ہونی چاہئے۔ خدا کی حکمت مقتضی ہو تو وہ تمہارا کام اپنے زور قدرت سے ظاہری سامان کے بدون بھی کر سکتا ہے۔ بہرحال فدیہ لے کر چھوڑ دینا اس وقت کے حالات کے اعتبار سے بڑی بھاری غلطی قرار دی گئی۔ اتنا یاد رکھنا چاہئے کہ روایات سے حضورؐ کی نسبت صرف اس قدر ثابت ہوتا ہے کہ محض صلہ رحمی اور رحمدلی کی بناء پر آپ کا رجحان اس رائے کی طرف تھا۔ البتہ صحابہ میں بعض صرف مالی فوائد کو پیش نظر رکھ کر اور اکثر حضرات دوسری مصالح دینیہ اور اخلاقی داعیہ کے ساتھ مالی ضروریات کو بھی ملحوظ رکھتے ہوئے یہ رائے پیش کر رہے تھے گویا صحابہ کے مشورہ میں کلاً یا جزاً مالی حیثیت ضرور زیر نظر تھی۔ کسی درجہ میں مالی فوائد کے خیال سے "بغض فی اللہ" میں کوتاہی کرنا اور اصل مقصد "جہاد" سے غفلت برتنا اور ستر مسلمانوں کے قتل کئے جانے پر اپنے اختیار سے رضامند ہو جانا صحابہ جیسے مقربین کی شان عالی اور منصب جلیل کے منافی سمجھا گیا۔ اسی لئے ان آیات میں سخت عتاب آمیز لہجہ اختیار کیا گیا ہے۔ حدیث میں ہے کہ لڑائی میں ایک

شخص کے سر پر زخم آیا، اُسے غسل کی حاجت ہوئی۔ پانی سر پر استعمال کرنا سخت مہلک تھا۔ ساتھیوں سے مسئلہ پوچھا۔ انہوں نے کہا کہ پانی کی موجودگی میں ہم تیرے لئے کوئی گنجائش نہیں پاتے۔ اُس نے غسل کر لیا اور فوت ہو گیا۔ حضورؐ کو جب اس واقعہ کی اطلاع ہوئی فرمایا "قَتَلُوْہُ قَتَلَهُمُ اللّٰهُ" الحدیث۔ اس سے ظاہر ہوا کہ اجتہادی غلطی اگر زیادہ واضح اور خطرناک ہو تو اُس پر عتاب ہو سکتا ہے۔ گویا یہ سمجھا جاتا ہے کہ مجتہد نے پوری قوت اجتہاد صرف کرنے میں کوتاہی کی۔

(۶۷) **متوقع عذاب کا آنحضرتؐ کو نظارہ** یعنی یہ غلطی تو فی حد ذاتہ ایسی تھی کہ سخت سزا اُن لوگوں کو دیجاتی جنہوں نے دنیوی سامان کا خیال کر کے ایسا مشورہ دیا۔ مگر سزا دہی سے وہ چیز مانع ہے جو خداؐ پہلے سے لکھ چکا اور طے کر چکا ہے۔ اور وہ کئی باتیں ہو سکتی ہیں۔ (۱) مجتہد کو اس قسم کی اجتہادی خطاء پر عذاب نہیں ہو گا (۲) جب تک خدا امر او نہیاً کسی چیز کا صاف حکم بیان نہ فرمائے اُس وقت تک اُس کے مرتکب کو عذاب نہیں دیتا (۳) اہل بدر کی خطاؤں کو خدا معاف فرما چکا ہے (۴) غلطی سے جو رویہ قبل از وقت اختیار کر لیا گیا یعنی فدیہ لے کر قیدیوں کو چھوڑ دینا خدا کے علم میں طے شدہ تھا کہ آئندہ اس کی اجازت ہو جائے گی۔ "فَاِمَّا مَنًّۢا بَعْدُ وَاِمَّا فِدَآءً" (۵) یہ بھی طے شدہ ہے کہ جب تک پیغمبر علیہ السلام اُن میں موجود ہیں یا لوگ صدق دل سے استغفار کرتے ہیں، عذاب نہ آئیگا (۶) ان قیدیوں میں سے بہت کی قسمت میں اسلام لانا لکھا گیا تھا۔ الغرض اس قسم کے موانع اگر نہ ہوتے تو یہ غلطی اتنی عظیم و ثقیل تھی کہ سخت عذاب نازل ہو جانا چاہیئے تھا۔ ایک روایت میں ہے کہ اس قولی تنبیہ کے بعد وہ عذاب جو اس طرح کی خوفناک غلطی پر آسکتا تھا آپ کے سامنے نہایت قریب کر کے پیش کیا گیا۔ گویا یہ قولی تنبیہ کو زیادہ مؤثر بنانے کی ایک صورت تھی۔ آپ اُس منظر کو دیکھ کر وقف گریہ و بکا ہو گئے۔ حضرت عمرؓ نے سبب پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ میرے سامنے اُن کا عذاب پیش کیا گیا ہے۔ یعنی جس کا آنا اُن پر ممکن تھا اگر موانع مذکورہ بالا نہ ہوتے یاد رکھنا چاہیئے کہ آپ کے سامنے یہ پیش کرنا اُسی قسم کا تھا جیسے صلوٰۃ کسوف ادا کرتے وقت آپ کے سامنے جنت و دوزخ دیوار قبلہ میں متمثل کر دی گئی تھی۔ یعنی اُس متوقع عذاب کا نظارا کرانا تھا اور بس۔

(۶۹) **مالِ غنیمت حلال و طیب ہے** پچھلے عتاب و تہدید سے مسلمان ڈر گئے کہ مال غنیمت کو جس میں فدیہ اساریٰ بھی شامل ہے اب ہاتھ نہیں لگانا چاہیئے۔ اس آیت میں تسلی فرمادی کہ وہ اللہ کی عطاء ہے خوشی سے کھاؤ۔ ہاں جہاد کے سلسلہ میں مال غنیمت وغیرہ کو مطمع نظر بنانا یا اس قدر اہمیت دینا نہیں چاہیئے کہ مقاصد عالیہ اور مصالح کلیہ سے اغماض ہونے لگے بیشک وقتی حالات و مصالح کے اعتبار سے تم نے ایک غلط طریق کار اختیار کیا۔ مگر نفس مال میں کوئی خبث نہیں۔ خدا سے ڈرتے رہو گے تو وہ اپنی رحمت سے غلطیوں کو معاف فرما دے گا۔

(۷۰) **رسول اللہؐ کے ذریعے قیدیوں سے خطاب** بعض قیدیوں نے اپنے اسلام کا اظہار کیا تھا (مثلاً حضرت عباس رضی اللہ عنہ وغیرہ) اُن سے کہا گیا کہ اللہ دیکھے گا کہ واقعی تمہارے دل میں ایمان و تصدیق موجود ہے تو جو کچھ زر فدیہ اس وقت تم سے وصول کیا گیا ہے اُس سے کہیں زیادہ اور کہیں بہتر تم کو مرحمت فرمائے گا اور پچھلی خطاؤں سے درگذر کرے گا۔ اور اگر اظہار اسلام سے صرف پیغمبر کو فریب دینا مقصود ہے یا دغا بازی کرنے کا ارادہ ہے، تو بیشتر خدا سے جو دغا بازی کر چکے ہیں، یعنی فطری عہد الست کے خلاف کفر و شرک اختیار کیا یا بعض "بنی ہاشم" جو ابوطالب کی زندگی میں عہد کر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت پر متفق ہوئے تھے، اب کافروں کے ساتھ ہو کر آئے اُس کا انجام آنکھوں سے دیکھ لیا کہ آج کس طرح مسلمانوں کی قید اور قابو میں ہیں۔ آئندہ بھی دغا بازی کی ایسی ہی سزا مل سکتی ہے خدا تعالیٰ سے اپنے دلوں اور نیتوں کو چھپا نہیں سکتے اور نہ اُس کے حکیمانہ انتظامات کو روک سکتے ہیں۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "خدا کا وعدہ پورا ہوا، اُن میں جو مسلمان ہوئے حق تعالیٰ نے بے شمار دولت بخشی، جو نہ ہوئے وہ خراب ہو کر تباہ ہو گئے۔"

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالَّذِينَ

جو لوگ ایمان لائے اور گھر چھوڑا اور لڑے اپنے مال اور جان سے اللہ کی راہ میں اور جن لوگوں نے

آوَوا وَّنَصَرُوا أُولَٰئِكَ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ ۚ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يُهَاجِرُوا مَا لَكُم

جگہ دی اور مدد کی وہ ایک دوسرے کے رفیق ہیں اور جو ایمان لائے اور گھر نہیں چھوڑا تم کو اُن کی

مِّن وَلَايَتِهِم مِّن شَيْءٍ حَتَّىٰ يُهَاجِرُوا ۚ وَإِنِ اسْتَنصَرُوكُمْ فِي الدِّينِ فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ

رفاقت سے کچھ کام نہیں جب تک وہ گھر نہ چھوڑ آئیں اور اگر وہ تم سے مدد چاہیں دین میں تو تم کو لازم ہے اُنکی مدد کرنی

إِلَّا عَلَىٰ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُم مِّيثَاقٌ ۗ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿٧٢﴾ وَالَّذِينَ كَفَرُوا

مگر مقابلہ میں ان لوگوں کے کہ اُن میں اور تم میں عہد ہو اور اللہ جو تم کرتے ہو اُس کو دیکھتا ہے ف۷۹ اور جو لوگ کافر ہیں

بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ ۚ إِلَّا تَفْعَلُوهُ تَكُن فِتْنَةٌ فِي الْأَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِيرٌ ﴿٧٣﴾ وَالَّذِينَ

وہ ایک دوسرے کے رفیق ہیں اگر تم یوں نہ کرو گے تو فتنہ پھیلے گا ملک میں اور بڑی خرابی ہوگی ف۸۰ اور جو لوگ

آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالَّذِينَ آوَوا وَّنَصَرُوا أُولَٰئِكَ هُمُ

ایمان لائے اور اپنے گھر چھوڑے اور لڑے اللہ کی راہ میں اور جن لوگوں نے اُن کو جگہ دی اور اُنکی مدد کی وہی ہیں

الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا ۚ لَّهُم مَّغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ ﴿٧٤﴾ وَالَّذِينَ آمَنُوا مِن بَعْدُ وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا

سچے مسلمان اُنکے لئے بخشش ہے اور روزی عزت کی ف۸۱ اور جو ایمان لائے اس کے بعد اور گھر چھوڑ آئے اور لڑے

مَعَكُمْ فَأُولَٰئِكَ مِنكُمْ ۚ وَأُولُو الْأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلَىٰ بِبَعْضٍ فِي كِتَابِ اللَّهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ

تمہارے ساتھ ہو کر سو وہ لوگ بھی تمہی میں ہیں اور رشتہ دار آپس میں حقدار زیادہ ہیں ایک دوسرے کے اللہ کے حکم میں ف۸۲ تحقیق اللہ

بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿٧٥﴾ الربع

ہر چیز سے خبردار ہے ف۸۳

(۷۹) **دارالحرب کے مسلمانوں کے احکام** قیدیوں میں بعض ایسے تھے جو دل سے مسلمان تھے، مگر حضرت کے ساتھ مکہ سے ہجرت نہ کر سکے اور بادل ناخواستہ کفار کے ساتھ ہو کر بدر میں آ گئے۔ ان آیات میں یہ بتلانا ہے کہ ایسے مسلمانوں کا حکم کیا ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ حضرت کے اصحاب دو فرقے تھے "مہاجرین" اور "انصار"۔ مہاجرین کنبہ اور گھر چھوڑنے والے اور انصار جگہ دینے والے اور مدد کرنے والے۔ ان دونوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مواخاۃ (بھائی چارہ) قائم کر دیا تھا، آیت کا مضمون یہ ہوا کہ جتنے مسلمان حضرت کے ساتھ حاضر ہیں اُن سب کی صلح و جنگ ایک ہے ایک کا موافق سب کا موافق، ایک کا مخالف سب کا مخالف، بلکہ آغاز ہجرت میں رشتہ مواخاۃ کے لحاظ سے ایک دوسرے کے ترکہ کا وارث بھی ہوتا تھا۔ اور جو مسلمان اپنے ملک میں رہے جہاں کافروں کا زور اور تسلط ہو، یعنی دارالحرب سے ہجرت نہ کی اُن کی صلح و جنگ میں "دارالاسلام" کے رہنے والے مسلمان (مہاجرین و انصار) شریک نہیں۔ اگر دارالحرب کے مسلمانوں نے صلح و معاہدہ کسی جماعت کفار سے کر لیا ہے تو دارالاسلام کے آزاد مسلمان اُس معاہدہ کے پابند نہیں ہو سکتے، بلکہ اُن سے

حسب مصلحت جنگ کر سکتے ہیں، ہاں یہ ضرور ہے کہ دار الحرب کے مسلمان جس وقت دینی معاملہ میں آزاد مسلمانوں سے مدد طلب کریں تو ان کو اپنے مقدور کے موافق مدد کرنا چاہیئے۔ مگر جس جماعت سے ان آزاد مسلمانوں کا معاہدہ ہو چکا ہو اس کے مقابلہ میں تا بقائے عہد دار الحرب کے مسلمانوں کی امداد نہیں کی جا سکتی۔ نیز توریث باہمی کا سلسلہ جو مہاجرین و انصار میں قائم کیا گیا تھا، اس میں بھی دار الحرب کے مسلمان شامل نہیں تھے۔

(۸۰) **کفار ایک دوسرے کے دوست ہیں** یعنی کافر و مسلم میں نہ حقیقی رفاقت ہے نہ ایک دوسرے کا وارث بن سکتا ہے۔ ہاں کافر کافر کا رفیق و وارث ہے بلکہ سب کفار تم سے دشمنی کرنے کو آپس میں ایک ہیں، جہاں پائیں گے ضعیف مسلمانوں کو ستائیں گے اس کے بالمقابل اگر مسلمان ایک دوسرے کے رفیق اور مددگار نہ ہوں گے یا کمزور مسلمان اپنے کو آزاد مسلمانوں کی معیت و رفاقت میں لانے کی کوشش نہ کریں گے تو سخت خرابی اور فتنہ بپا ہو جائیگا۔ یعنی ضعیف مسلمان مامون نہ رہ سکیں گے ان کا ایمان تک خطرہ میں ہوگا۔

(۸۱) یعنی دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی سردار کے ساتھ والے مسلمان اعلیٰ ہیں گھر بیٹھنے والوں سے۔ آخرت میں ان کے لئے بڑی بھاری بخشش ہے اور دنیا میں عزت کی روزی یعنی غنیمت اور دوسرے فائق حقوق۔

(۸۲) **مہاجرین اور انصار کے فضائل** یعنی مہاجرین میں جتنے بعد کو شامل ہوتے جائیں وہ سب باعتبار احکام "مہاجرین اولین" کی برادری میں منسلک ہیں، ہجرت کے تقدم و تاخر کی وجہ سے صلح و جنگ یا توریث وغیرہ کے احکام پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ ہاں اگر قدیم مہاجرین کا کوئی رشتہ دار پیچھے مسلمان ہوا یا بعد میں ہجرت کر کے آیا تو وہ اس قدیم مہاجر کی میراث کا زیادہ حقدار ہے اگر چہ رفاقت قدیم اوروں سے ہے۔

(۸۳) وہی جانتا ہے کہ کس کا کس قدر حق ہونا چاہیئے۔ لہذا اس کے احکام سراسر علم و حکمت پر مبنی ہیں۔

سُوْرَةُ التَّوْبَةِ

سُوْرَةُ التَّوْبَةِ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ مِائَةٌ وَّتِسْعٌ وَّعِشْرُوْنَ اٰيَةً وَّسِتَّةَ عَشَرَ رُكُوْعًا

سورۂ توبہ مدینہ میں اُتری اور اس کی ایک سو اُنتیس آیتیں اور سولہ رکوع ہیں

بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝١ فَسِيْحُوْا فِي الْاَرْضِ

ف۱ صاف جواب ہے اللہ کی طرف سے اور اُسکے رسول کی اُن مشرکوں کو جن سے تمہارا عہد ہوا تھا سو پھر لو اس ملک میں

اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللّٰهِ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ مُخْزِي الْكٰفِرِيْنَ ۝٢ وَاَذَانٌ مِّنَ

چار مہینے اور جان لو کہ تم نہ تھکا سکو گے اللہ کو اور یہ کہ اللہ رسوا کرنیوالا ہے کافروں کو ف۲ اور سُنا دینا ہے اللہ کی طرف

اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ اَنَّ اللّٰهَ بَرِيْٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۙ وَرَسُوْلُهٗ ۭ

سے اور اس کے رسول کی لوگوں کو دن بڑے حج کے ف۳ کہ اللہ الگ ہے مشرکوں سے اور اس کا رسول

فَاِنْ تُبْتُمْ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللّٰهِ ۭ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ

سو اگر تم توبہ کرو تو تمہارے لئے بہتر ہے اور اگر نہ مانو تو جان لو کہ تم ہرگز نہ تھکا سکو گے اللہ کو اور خوشخبری سُنا دے کافروں

كَفَرُوْا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝٣ اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ثُمَّ لَمْ يَنْقُصُوْكُمْ شَيْـًٔا وَّ

کو عذاب دردناک کی ف۴ مگر جن مشرکوں سے تم نے عہد کیا تھا پھر اُنہوں نے کچھ قصور نہ کیا تمہارے ساتھ اور

لَمْ يُظَاهِرُوْا عَلَيْكُمْ اَحَدًا فَاَتِمُّوْٓا اِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ اِلٰى مُدَّتِهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ۝٤

مدد نہ کی تمہارے مقابلہ میں کسی کی سو اُن سے پورا کردو اُن کا عہد اُن کے وعدہ تک بیشک اللہ کو پسند ہیں احتیاط والے ف۵

(۱) **سورۂ توبہ اور سورۂ انفال کا تعلق** سورۂ انفال اوائل ہجرت میں اور یہ سورہ براءۃ اواخر ہجرت میں نازل ہوئی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت یہ تھی کہ جو آیات قرآنی نازل ہوتیں، فرما دیتے کہ اُن کو فلاں سورت میں فلاں موقع پر رکھو۔ ان آیات کے متعلق (جنہیں اب سورہ "توبہ" یا "براءۃ" کہا جاتا ہے) آپ نے کوئی تصریح نہیں فرمائی کہ کس سورت میں درج کی جائیں جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ مستقل سورت ہے کسی دوسری سورت کا جُزء نہیں۔ لیکن عام قاعدہ یہ تھا کہ جب نئی سورت نازل ہوتی تو پہلی سورت سے جُدا کرنے کے لئے "بسم اللہ" آتی تھی۔ سورۂ توبہ کے شروع میں "بسم اللہ" نہ آئی۔ جو مشعر ہے کہ یہ جُداگانہ سورت نہیں۔ ان وجوہ پر نظر کر کے مصاحف عثمانیہ میں اس کے شروع میں "بسم اللہ" نہیں لکھی گئی لیکن کتابت میں اس کے اور انفال کے درمیان فصل کر دیا گیا کہ نہ پوری طرح اس کا استقلال ظاہر ہوا اور نہ دوسری سورت کا جزء ہونا۔ باقی انفال کے بعد متصل رکھنے کی وجہ یہ ہے کہ انفال نزول میں مقدم ہے بالخاص وجہ کے مؤخر کیوں کی جاتی اور دونوں کے مضامین باہم اس قدر مرتبط و منتسق واقع ہوئے ہیں کہ گویا براءۃ کو "انفال" کا تتمہ اور تکملہ کہا جا سکتا ہے۔

أَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ النَّارِ وَمِنْ شَرِّ الْكُفَّارِ وَمِنْ غَضَبِ الْجَبَّارِ الْعِزَّةُ لِلّٰهِ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ ۝

سورۂ انفال تمام تر غزوہ بدر اور اُس کے متعلقات پر مشتمل ہے۔ یوم بدر کو قرآن نے "یوم الفرقان" کہا۔ کیونکہ اُس نے حق و باطل، اسلام و کفر اور موحدین و مشرکین کی پوزیشن کو بالکل جُدا جُدا کر کے دکھلا دیا۔ بدر کا معرکہ فی الحقیقت خالص اسلام کی عالمگیر اور طاقتور برادری کی تعمیر کا سنگ بنیاد اور حکومتِ الٰہی کی تاسیس کا دیباچہ تھا۔ وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا بَعْضُهُمْ اَوْلِیَاۗءُ بَعْضٍ کے مقابلہ میں جس خالص اسلامی برادری کے قیام کی طرف "انفال" کے خاتمہ پر اِلَّا تَفْعَلُوْهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْاَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِيْرٌ کہہ کر توجہ دلائی ہے اس کا صریح اقتضاء ہے کہ اس عالمگیر برادری کا کوئی طاقتور اور زبردست مرکز حسی طور پر بھی دنیا میں قائم ہو، جو ظاہر ہے کہ جزیرۃ العرب کے سوا نہیں ہو سکتا جس کا صدر مقام مکہ معظمہ ہے۔ "انفال" کے اخیر میں یہ بھی جتلا دیا گیا تھا کہ جو مسلمان مکہ وغیرہ سے ہجرت کر کے نہیں آئے اور کافروں کے زیر سایہ زندگی بسر کر رہے ہیں، دار الاسلام کے آزاد مسلمانوں پر اُن کی ولایت و رفاقت کی کوئی ذمہ داری نہیں۔ مَا لَكُمْ مِّنْ وَّلَايَتِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا ہاں حسب استطاعت ان کے لئے دینی مدد بہم پہنچانی چاہئے۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ مرکز اسلام میں موالاۃ و اخوۃ اسلامی کی کڑیوں کو پوری مضبوطی کے ساتھ جوڑنے کے لئے دو باتوں میں سے ایک ہونی چاہئے یا تمام عرب کے مسلمان ترک وطن کر کے مدینہ آ جائیں اور اسلامی برادری میں بے روک ٹوک شامل ہوں اور یا آزاد مسلمان مجاہدانہ قربانیوں سے کفر کی قوت کو توڑ کر جزیرہ العرب کی سطح ایسی ہموار کر دیں کہ کسی مسلمان کو ہجرت کی ضرورت ہی باقی نہ رہے۔ یعنی تقریباً سارا جزیرۃ العرب خالص اسلامی برادری کا ایسا ٹھوس مرکز اور غیر مخلوط مستقر بن جائے، جس کے دامن سے عالمگیر اسلامی برادری کا نہایت محکم اور شاندار مستقبل وابستہ ہو سکے۔ یہ دوسری صورت ہی ایسی تھی جس سے روز روز کے فتنہ و فساد کی بیخ کنی ہو سکتی تھی۔ اور مرکز اسلام کفار کے اندرونی فتنوں سے بالکل پاک و صاف اور آئے دن کی بدعہدیوں اور ستمرانیوں سے پورا مامون و مطمئن ہو کر تمام دنیا کو اپنی عالمگیر برادری میں داخل ہونے کی دعوت دے سکتا تھا۔ اسی اعلیٰ اور پاک مقصد کے لئے مسلمانوں نے ۲ ہجری میں پہلا قدم میدان بدر کی طرف اُٹھایا تھا۔ جو آخر کار ۸ھ میں مکہ معظمہ کی فتح عظیم پر منتہی ہوا۔ جو فتنے اشاعت یا حفاظت اسلام کی راہ میں مزاحم ہوتے رہتے تھے۔ فتح مکہ نے اُن کی جڑوں پر تیشہ لگایا۔ لیکن ضرورت تھی کہ وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ (انفال۔ رکوع ۵) کے امتثال میں اسلامی برادری کے مرکز اور حکومت الٰہیہ کے مستقر (جزیرۃ العرب) کو فتنہ کے جراثیم سے بالکلیہ صاف کر دیا جائے، تا کہ وہاں سے تمام دنیا کو اسلامی دیانت اور حقیقی تہذیب کی دعوت دیتے وقت تقریباً سارا جزیرۃ العرب یکجان و یکزبان ہو اور کوئی اندرونی کمزوری یا خلفشار بیرونی مزاحمتوں کے ساتھ مل کر اس مقدس مشن کو نقصان نہ پہنچا سکے۔ بس جزیرۃ العرب کو ہر قسم کی کمزوریوں اور فتنوں سے پاک کرنے اور عالمگیر دعوت اسلامی کے بلند ترین مقام پر کھڑا کرنے کے لئے لازم ہوا کہ دعوت اسلام کا مرکز خالص اسلامیت کے رنگ میں رنگین ہو۔ اس کے قلب و جگر سے صدائے حق کے سوا کوئی دوسری آواز نکل کر دنیا کے کانوں میں نہ پہنچے۔ پورا جزیرہ سارے جہان کا معلم اور ہادی بنے اور ایمان و کفر کی کشمکش کا ہمیشہ کے لئے یہاں سے خاتمہ ہو جائے۔ سورۂ براءت کے مضامین کا یہی حاصل ہے۔ چنانچہ چند روز میں خدا کی رحمت اور سچائی کی طاقت سے مرکز اسلام ہر طرح کے وساوس کفر و شرک سے پاک ہو گیا اور سارا عرب متحد ہو کر شخص واحد کی طرح تمام عالم میں نور ہدایت اور عالمگیر اسلامی اُخوت پھیلانے کا کفیل و ضامن بنا۔ فللہ الحمد علیٰ ذٰلک الغرض سورۂ انفال میں جس چیز کی ابتداء تھی، سورۂ توبہ (براءۃ) میں اُس کی انتہاء ہے۔ اسی لئے "اوّل بآخر نسبتے دارد" کے موافق "براءۃ" کو "انفال" کے ساتھ بطور تکملہ ملحق کر دیا گیا۔ اور بھی مناسبات ہیں جن کو علماء نے تفاسیر میں بیان کیا ہے۔

(۲) **کفار و مشرکین کو چار ماہ کی مہلت** ۶ ہجری میں بمقام "حدیبیہ" جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور قریش کے درمیان معاہدہ صلح ہو چکا، تو بنی خزاعہ مسلمانوں کے اور بنی بکر قریش کے حلیف بنے۔ بنی بکر نے معاہدہ کی پرواہ نہ کر کے خزاعہ پر حملہ کر دیا اور قریش نے اسلحہ وغیرہ سے ظالم حملہ آوروں کی مدد کی۔ اس طرح قریش اور اُن کے حلیف دونوں معاہدہ حدیبیہ پر قائم نہ رہے جس کے جواب میں ۸ ہجری میں

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اچانک حملہ کر کے مکہ معظمہ بڑی آسانی سے فتح کر لیا۔ ان قبائل کے سوا دوسرے قبائل عرب سے مسلمانوں کا میعادی یا غیر میعادی معاہدہ تھا۔ جن میں سے بعض اپنے معاہدہ پر قائم رہے۔ بہت سے قبائل وہ تھے جن سے کسی قسم کا معاہدہ نہیں ہوا تھا۔ اس سورۃ کی مختلف آیات مختلف قبائل کے متعلق نازل ہوئی ہیں۔ شروع کی آیات میں غالباً ان مشرکین کا ذکر ہے جن سے معاہدہ تھا مگر میعادی نہ تھا۔ ان کو اطلاع کر دی گئی کہ ہم آئندہ معاہدہ رکھنا نہیں چاہتے۔ چار ماہ کی مہلت تم کو دی جاتی ہے کہ اس مدت کے اندر اسلامی برادری میں شامل ہو جاؤ یا وطن چھوڑ کر مرکز ایمان و توحید کو اپنے وجود سے خالی کر دو اور یا جنگی مقابلہ کے لئے تیار ہو جاؤ۔ لیکن یہ خوب سمجھ لینا کہ تم خدا کی مشیت کو روک نہیں سکتے۔ اگر اسلام نہ لائے تو وہ تم کو دنیا و آخرت میں رسوا کرنے والا ہے۔ تم اپنی تدبیروں اور حیلہ بازیوں سے اُسے عاجز نہ کر سکو گے۔ باقی جن قبائل سے کوئی معاہدہ ہی نہ تھا، ممکن ہے انہیں بھی چار ماہ کی مہلت دی گئی ہو۔ یہ اور اس کے بعد کی آیتوں کا اعلان عام ۹ھ ہجری میں حج کے موقع پر تمام قبائل عرب کے سامنے حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے کیا۔

(۳) "حج" کو اکبر اس لئے کہا کہ "عمرہ" حج اصغر ہے اور یَوْمَ الْحَجِّ الْاَکْبَرِ سے دسویں تاریخ "عید الاضحیٰ" کا دن، یا نویں تاریخ "عرفہ" کا دن مراد ہے۔

(۴) **عہد شکن قبائل کیلئے کھلا اعلان** یہ اعلان غالباً اُن قبائل کے حق میں تھا۔ جنہوں نے میعادی معاہدہ کیا پھر خود ہی عہد شکنی کی (مثلاً بنی بکر یا قریش وغیرہم) یعنی ایسے لوگوں سے کوئی معاہدہ اب باقی نہیں رہا۔ اگر یہ سب لوگ شرک و کفر سے توبہ کر لیں تو ان کی دنیا و آخرت دونوں سنور جائیں گی۔ نہیں تو خدا کا جو کچھ ارادہ ہے (تطہیر جزیرۃ العرب کا) وہ پورا ہو کر رہیگا۔ کوئی طاقت اور تدبیر اُسے مغلوب نہیں کر سکتی اور کافروں کو کفر و بدعہدی کی سزا مل کر رہے گی (تنبیہ) ان قبائل کی عہد شکنی اگرچہ فتح مکہ ۸ھ ہجری سے پہلے ہو چکی تھی، بلکہ اسی کے جواب میں مکہ فتح کیا گیا۔ تاہم ۹ھ ہجری کے حج کے موقع پر اس کا بھی اعلان عام کرایا گیا تاکہ واضح ہو جائے کہ اس قسم کے جتنے لوگ ہیں اُن سے کسی قسم کا معاہدہ باقی نہیں رہا۔

(۵) یہ استثناء اُن قبائل کے لئے ہے جن کا معاہدہ میعادی تھا، پھر وہ اُس پر برابر قائم رہے کچھ کوتاہی ایفائے عہد میں نہیں کی، نہ بذات خود کوئی کارروائی خلاف عہد کی اور نہ دوسرے بدعہدوں کو مدد پہنچائی (مثلاً بنی ضمرہ و بنی مدلج) ان کے متعلق اعلان کر دیا گیا کہ میعاد معاہدہ منقضی ہونے تک مسلمان بھی برابر معاہدہ کا احترام کریں گے۔ میعاد ختم ہونے کے بعد کوئی جدید معاہدہ نہیں۔ اس وقت اُن کے لئے بھی وہ ہی راستہ ہے جو اوروں کے لئے تھا۔

فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ وَخُذُوْهُمْ وَاحْصُرُوْهُمْ

پھر جب گذر جائیں مہینے پناہ کے تو مارو مشرکوں کو جہاں پاؤ اور پکڑو اور گھیرو

وَاقْعُدُوْا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ ۚ فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ ط

اور بیٹھو ہر جگہ اُن کی تاک میں پھر اگر وہ توبہ کریں اور قائم رکھیں نماز اور دیا کریں زکوٰۃ تو چھوڑ دو اُن کا رستہ

اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝٥ وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلٰمَ

بیشک اللہ ہے بخشنے والا مہربان ف۱ اور اگر کوئی مشرک تجھ سے پناہ مانگے تو اُس کو پناہ دیدے یہاں تک کہ وہ سُن لے کلام

اللّٰهِ ثُمَّ اَبْلِغْهُ مَاْمَنَهٗ ط ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْلَمُوْنَ ع ۝٦

اللہ کا پھر پہنچا دے اُسکو اُسکی امن کی جگہ یہ اس واسطے کہ وہ لوگ علم نہیں رکھتے ف۲

(۶) **مہلت کے بعد کفار کے قتل کا حکم** استثناء سے فارغ ہو کر پھر مستثنیٰ منہ کا حکم بیان فرماتے ہیں۔ یعنی اِن عہد شکنی کرنیوالوں سے اگرچہ اب کوئی معاہدہ باقی نہ رہا اور اس لئے علی الفور جنگ کی جا سکتی ہے تاہم "اشہر حُرم" کی رعایت مانع ہے کہ فوراً اُن پر حملہ کیا جائے خواہ اس لئے کہ اس وقت تک اشہر حُرم میں ابتداءً قتال کرنا ممنوع ہو گا یا مصلحۃً کہ تھوڑی سی بات کے لئے عام لوگوں میں کیوں تشویش پیدا کی جائے کیونکہ ان مہینوں میں قتال کی حُرمت اُن کے یہاں معروف و مسلم چلی آتی تھی۔ بہرحال ماہ محرم کے ختم تک اُن کو مہلت دی گئی کہ جو چاہیں اپنا بندوبست کر لیں۔ اُس کے بعد تطہیر جزیرۃ العرب کی خاطر جنگ سے چارہ نہیں۔ جو کچھ برتاؤ جنگ میں ہوتا ہے (مارنا، پکڑنا، گھیرنا، داؤ لگانا، گھات میں رہنا) وہ سب ہو گا، البتہ اگر بظاہر کفر سے توبہ کر کے اسلامی برادری میں داخل ہو جائیں جس کی بڑی علامت نماز ادا کرنا اور زکوٰۃ دینا ہے تو پھر مسلمانوں کو اُن سے تعرض کرنے اور اُن کا راستہ روکنے کی اجازت نہیں۔ رہا باطن کا معاملہ وہ خدا کے سپرد ہے مسلمانوں کا معاملہ اُس کے ظاہر کو دیکھ کر ہو گا۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص کلمۂ اسلام پڑھ کر نماز ادا نہ کرے یا زکوٰۃ نہ دے تو مسلمان اُس کا راستہ روک سکتے ہیں۔ امام احمدؒ، امام شافعیؒ، امام مالکؒ کے نزدیک اسلامی حکومت کا فرض ہے کہ تارک صلوٰۃ اگر توبہ نہ کرے تو اُسے قتل کر دے۔ (امام احمدؒ کے نزدیک ردۃً اور مالکؒ و شافعیؒ کے نزدیک حدّاً و تعزیراً) امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اُسے خوب زدوکوب کرے اور قید میں رکھے حتیٰ یموت اویتوب (حتیٰ کہ مر جائے یا توبہ کرے) بہرحال تخلیہ سبیل کسی کے نزدیک نہیں۔ رہے مانعین زکوٰۃ اُن کے اموال میں سے حکومت جبراً زکوٰۃ وصول کرے اور اگر وہ لوگ مل کر حکومت سے آمادہ پیکار ہوں تو راہ راست پر لانے کے لئے جنگ کی جائے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مانعینِ زکوٰۃ پر جو جہاد کیا تھا اُس کا واقعہ کتب حدیث و تاریخ میں مشہور و معروف ہے۔

(۷) **کفار کو پناہ دینے کا حکم** پہلے فرمایا تھا کہ اگر اپنی کفریات سے توبہ کر کے اسلام میں داخل ہو جائیں تو مامون ہیں۔ ممکن تھا کہ کسی شخص کو اصول اسلام سے آگاہی نہ ہو، وہ تحقیق و رفع شکوک کی غرض سے مسلمانوں کے پاس آنا چاہے، اُس کی نسبت فرما دیا کہ اپنی پناہ اور حفاظت میں لے کر خدا کا کلام اور اسلام کے حقائق و دلائل سناؤ۔ اگر قبول نہ کرے تو اُس کو قتل مت کرو، بلکہ کہیں ٹھکانے پر امن کی جگہ پہنچا دو، جہاں پہنچ کر وہ مامون و مطمئن ہو جائے۔ اُس کے بعد وہ سب کافروں کے برابر ہے۔ یہ امن دینے کا حکم اس لئے ہے کہ اسلامی اصول و حقائق سے اِن لوگوں کو آگاہی نہیں ہے۔ لہٰذا اُن کے سامنے حق خوب طرح واضح کر دینا چاہئے۔ اگر اس کے بعد بھی عناد برتتے تو "تَبَیَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَیِّ" کے بعد دین میں کوئی اکراہ نہیں۔

كَيْفَ يَكُوْنُ لِلْمُشْرِكِيْنَ عَهْدٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَعِنْدَ رَسُوْلِهٖٓ اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ

کیونکر ہووے مشرکوں کے لئے عہد اللہ کے نزدیک اور اُسکے رسول کے نزدیک مگر جن لوگوں سے تم نے عہد کیا تھا مسجد حرام کے

الْحَرَامِ ۚ فَمَا اسْتَقَامُوْا لَكُمْ فَاسْتَقِيْمُوْا لَهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ۝۷ كَيْفَ وَاِنْ

پاس سو جب تک وہ تم سے سیدھے رہیں تم اُن سے سیدھے رہو بیشک اللہ کو پسند ہیں احتیاط والے کیونکر رہے صلح اور اگر

يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ لَا يَرْقُبُوْا فِيْكُمْ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً ۭ يُرْضُوْنَكُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ وَتَاْبٰى قُلُوْبُهُمْ ۚ

وہ تم پر قابو پائیں تو نہ لحاظ کریں تمہاری قرابت کا اور نہ عہد کا تم کو راضی کر دیتے ہیں اپنے منہ کی بات سے اور اُنکے دل نہیں مانتے

وَاَكْثَرُهُمْ فٰسِقُوْنَ ۝۸ۚ اِشْتَرَوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِهٖ ۭ اِنَّهُمْ سَاۗءَ

اور اکثر اُن میں بدعہد ہیں ف۸ بیچ ڈالے انہوں نے اللہ کے حکم تھوڑی قیمت پر پھر روکا اُس کے رستہ سے بُرے کام ہیں

مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝٩ لَا يَرْقُبُونَ فِي مُؤْمِنٍ إِلًّا وَلَا ذِمَّةً ۚ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُعْتَدُونَ ۝١٠

جو وہ لوگ کر رہے ہیں ف۹ نہیں لحاظ کرتے کسی مسلمان کے حق میں قرابت کا اور نہ عہد کا اور وہی ہیں زیادتی پر ف۱۰

فَإِنْ تَابُوا وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ فَإِخْوَانُكُمْ فِي الدِّينِ ۗ وَنُفَصِّلُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ

سو اگر توبہ کریں اور قائم رکھیں نماز اور دیتے رہیں زکوٰۃ تو تمہارے بھائی ہیں حکم شریعت میں ف۱۱ اور ہم کھول کر بیان کرتے ہیں حکموں کو جاننے والے

يَعْلَمُونَ ۝١١ وَإِنْ نَكَثُوا أَيْمَانَهُمْ مِنْ بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَطَعَنُوا فِي دِينِكُمْ فَقَاتِلُوا أَئِمَّةَ

لوگوں کے واسطے اور اگر وہ توڑ دیں اپنی قسمیں عہد کرنے کے بعد اور عیب لگائیں تمہارے دین میں تو لڑو کفر کے سرداروں

الْكُفْرِ ۙ إِنَّهُمْ لَا أَيْمَانَ لَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَنْتَهُونَ ۝١٢ أَلَا تُقَاتِلُونَ قَوْمًا نَكَثُوا أَيْمَانَهُمْ وَ

سے بیشک اُنکی قسمیں کچھ نہیں تاکہ وہ باز آئیں ف۱۲ کیا نہیں لڑتے ایسے لوگوں سے جو توڑیں اپنی قسمیں اور

هَمُّوا بِإِخْرَاجِ الرَّسُولِ وَهُمْ بَدَءُوكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ ۚ أَتَخْشَوْنَهُمْ ۚ فَاللَّهُ أَحَقُّ أَنْ تَخْشَوْهُ

فکر میں رہیں کہ رسول کو نکال دیں اور اُنہوں نے پہلے چھیڑ کی تم سے کیا اُن سے ڈرتے ہو سو اللہ کا ڈر چاہئے تم کو زیادہ

إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ۝١٣ قَاتِلُوهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللَّهُ بِأَيْدِيكُمْ وَيُخْزِهِمْ وَيَنْصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ

اگر تم ایمان رکھتے ہو ف۱۳ لڑو اُن سے تا عذاب دے اللہ اُن کو تمہارے ہاتھوں اور رسوا کرے اور تم کو اُن پر غالب کرے

وَيَشْفِ صُدُورَ قَوْمٍ مُؤْمِنِينَ ۝١٤

اور ٹھنڈے کرے دل مسلمان لوگوں کے

(۸) **بد عہدوں کا معاملہ** پچھلی آیات میں جو براءۃ کا اعلان کیا گیا تھا، یہاں اُس کی حکمت بیان فرماتے ہیں۔ یعنی ان مشرکین عرب سے کیا عہد قائم رہ سکتا ہے اور آئندہ کیا صلح ہو سکتی ہے جن کا حال تم مسلمانوں کے ساتھ یہ ہے کہ اگر کسی وقت ذرا قابو تم پر حاصل کر لیں تو ستانے اور نقصان پہنچانے میں نہ قرابت کا مطلق لحاظ کریں اور نہ قول و قرار کا۔ چونکہ اتفاق سے تم پر غلبہ اور قابو حاصل نہیں ہے اس لئے محض زبانی عہد و پیمان کر کے تم کو خوش رکھنا چاہتے ہیں، ورنہ ان کے دل ایک منٹ کے لئے بھی اس عہد پر راضی نہیں۔ ہر وقت عہد شکنی کا موقع تلاش کرتے رہتے ہیں۔ چونکہ ان میں اکثر لوگ غدار اور بد عہد ہیں اگر کوئی اِکا دُکا وفائے عہد کا خیال بھی کرتا ہے تو کثرت کے مقابلہ میں اُس کی کچھ پیش نہیں جاتی۔ بہر حال ایسی دغا باز بد عہد قوم سے خدا اور رسول کا کیا عہد ہو سکتا ہے۔ البتہ جن قبائل سے تم بالخصوص مسجد حرام کے پاس معاہدہ کر چکے ہو، سو تم ابتداء کر کے نہ توڑو۔ جب تک وہ وفاداری کے راستہ پر سیدھے چلیں تم بھی اُن سے سیدھے رہو اور بڑی احتیاط رکھو کہ کوئی حقیر سے حقیر بات ایسی نہ ہونے پائے جس سے تمہارا دامن عہد شکنی کی گندگی سے داغدار ہو۔ خدا کو وہ ہی لوگ محبوب ہیں جو پوری احتیاط کرتے ہیں۔ چنانچہ بنو کنانہ وغیرہ نے مسلمانوں سے بد عہدی نہ کی تھی۔ مسلمانوں نے نہایت دیانتداری اور احتیاط کے ساتھ اپنا عہد پورا کیا۔ اعلان براءۃ کے وقت اُن کے معاہدہ کی میعاد منقضی ہونے میں نو مہینے باقی تھے۔ اُن میں معاہدہ کی کامل پابندی کی گئی۔

(۹) یعنی یہ مشرکین وہ لوگ ہیں جنہوں نے دنیا کی تھوڑی سی طمع اور اپنی اغراض و اہواء کی خاطر خدا کے احکام و آیات کو رد کر دیا۔ اس طرح خود بھی خدا کے رستہ پر نہ چلے اور دوسروں کو بھی چلنے سے روکا۔ جو ایسے بد ترین اور نالائق کاموں میں پھنسے ہوں اور خدا سے نہ ڈریں وہ عہد شکنی کے وبال سے کیا ڈریں گے اور اپنے قول و قرار پر کیا قائم رہیں گے۔

(۱۰) یعنی کچھ تمہارے ہی ساتھ نہیں بلکہ مسلمان نام سے ان کو بیر ہے۔ کوئی مسلمان ہو، موقع پانے پر اُس کو نقصان پہنچانے کے لئے سب تعلقات قرابت اور قول و قرار اٹھا کر رکھ دیتے ہیں۔ اس بارہ میں اُن کی ظلم و زیادتی حد سے بڑھی ہوئی ہے۔

(۱۱) **کفّار اگر توبہ کر لیں تو تمہارے بھائی ہیں** یعنی اب بھی اگر کفر سے توبہ کر کے احکام دینیہ (نماز زکوٰۃ وغیرہ) پر عمل پیرا ہوں تو نہ صرف یہ کہ آئندہ کے لئے محفوظ و مامون ہو جائیں گے بلکہ اسلامی برادری میں شامل ہو کر اُن حقوق کے مستحق ہونگے جن کے دوسرے مسلمان مستحق ہیں۔ جو کچھ بدعہدیاں اور شرارتیں پہلے کر چکے ہیں سب معاف کر دیجائیں گی۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ "یہ جو فرمایا کہ بھائی ہیں حکم شریعت میں۔ اس سے سمجھ لیں کہ جو شخص قرائن سے معلوم ہو کہ ظاہر میں مسلمان ہے اور دل سے یقین نہیں رکھتا، اُس کو حکم ظاہری میں مسلمان گنیں، مگر معتمد اور دوست نہ بنائیں۔

(۱۲) **بدعہد کفّار سے قتال** یعنی اگر عہد و پیمان توڑ ڈالا (جیسے بنی بکر نے خلاف عہد خزاعہ پر حملہ کر دیا اور قریش نے حملہ آوروں کی مدد کی) اور کفر سے باز نہ آئے بلکہ دین حق کے متعلق طعنہ زنی اور گستاخانہ عیب جوئی کرتے رہے تو سمجھ لو کہ اس طرح کے لوگ "ائمۃ الکفر" (کفر کے سردار اور امام) ہیں۔ کیونکہ اُن کی حرکات دیکھ کر اور باتیں سُن کر بہت سے کجرو اور بیوقوف پیچھے ہو لیتے ہیں۔ ایسے سرغنوں سے پورا مقابلہ کرو۔ کیونکہ اُن کا کوئی قول و قسم اور عہد و پیمان باقی نہیں رہا۔ ممکن ہے تمہارے ہاتھوں سے کچھ سزا پا کر اپنی شرارت و سرکشی سے باز آجائیں۔

(۱۳) قریش نے قسمیں اور معاہدے توڑ دیے تھے، کیونکہ خلاف عہد خزاعہ کے مقابلہ میں بنو بکر کی مدد کی اور ہجرت سے پہلے پیغمبر علیہ السلام کو وطن مقدس (مکہ معظمہ) سے نکالنے کی تجاویز سوچیں۔ اور وہ ہی نکلنے کا سبب بنے اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ الآیۃ مکہ میں بے قصور مسلمانوں پر بیٹھے بٹھائے مظالم کی ابتداء کی۔ جب ابو سفیان کا تجارتی قافلہ بچ نکلا تو ازراہ نخوت و رعونت بدر کے میدان میں مسلمانوں سے جنگ کی چھیڑ کرنے کے لئے گئے اور "صلح حدیبیہ" کے بعد بھی اپنی جانب سے عہد شکنی کی ابتداء کی کہ مسلمانوں کے حلیف خزاعہ کے مقابلہ پر بنو بکر کی پیٹھ ٹھونکتے رہے اور اسلحہ وغیرہ سے اُن کی امداد کرتے رہے۔ آخر کار مسلمان اُن سے لڑے اور مکہ معظمہ کو مشرکین کے قبضہ سے پاک کیا اَلَا تُقَاتِلُوْنَ قَوْمًا الخ سے غرض یہ معلوم ہوتی ہے کہ جو کوئی قوم اس طرح کے احوال رکھتی ہو، اس سے جنگ کرنے میں مسلمانوں کو کسی وقت کچھ تامل نہیں ہونا چاہئے۔ اگر اُن کی طاقت و جمعیت اور ساز و سامان کا خوف ہو تو مومنین کو سب سے بڑھ کر خدا کا خوف ہونا چاہئے۔ خدا کا ڈر جب دل میں آجائے پھر سب ڈر نکل جاتے ہیں۔ ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ بندہ خدا کی نافرمانی سے ڈرے اور اُس کے قہر و غضب سے لرزاں و ترساں رہے۔ کیونکہ نفع و ضرر سب اُسی کے ہاتھ میں ہے کوئی مخلوق ادنیٰ سے ادنیٰ نفع و ضرر پہنچانے پر بدون اُس کی مشیت کے قادر نہیں۔

وَيُذْهِبْ غَيْظَ قُلُوْبِهِمْ ۭ وَيَتُوْبُ اللّٰهُ عَلٰي مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۱۵﴾ اَمْ

اور نکالے اُن کے دل کی جلن اور اللہ توبہ نصیب کریگا جس کو چاہے گا ف۱۴ اور اللہ سب کچھ جاننے والا حکمت والا ہے ف۱۵ کیا تم

حَسِبْتُمْ اَنْ تُتْرَكُوْا وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَلَمْ يَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ

یہ گمان کرتے ہو کہ چھوٹ جاؤ گے اور حالانکہ ابھی معلوم نہیں کیا اللہ نے تم میں سے اُن لوگوں کو جنہوں نے جہاد کیا ہے اور نہیں پکڑا اُنہوں نے سوا اللہ کے

۲
۲۰
۱
وَلَا رَسُوْلِهٖ وَلَا الْمُؤْمِنِيْنَ وَلِيْجَةً ۭ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۶﴾ ع مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ

اور اُسکے رسول کے اور مسلمانوں کے کسی کو بھیدی اور اللہ کو خبر ہے جو تم کر رہے ہو ف۱۶ مشرکوں کا کام نہیں

أَنْ يَّعْمُرُوْا مَسٰجِدَ اللّٰهِ شٰهِدِيْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ ؕ اُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ۚۖ وَفِى النَّارِ

کہ آباد کریں اللہ کی مسجدیں اور تسلیم کر رہے ہوں اپنے اُوپر کفر کو وہ لوگ خراب گئے اُن کے عمل اور آگ میں

هُمْ خٰلِدُوْنَ ﴿۱۷﴾ اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَ

رہیں گے وہ ہمیشہ وہی آباد کرتا ہے مسجدیں اللہ کی جو یقین لایا اللہ پر اور آخرت کے دن پر اور قائم کیا نماز کو اور

اٰتَى الزَّكٰوةَ وَلَمْ يَخْشَ اِلَّا اللّٰهَ فَعَسٰٓى اُولٰٓئِكَ اَنْ يَّكُوْنُوْا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ ﴿۱۸﴾ اَجَعَلْتُمْ

دیتا رہا زکوٰۃ اور نہ ڈرا سوائے اللہ کے کسی سے سو اُمیدوار ہیں وہ لوگ کہ ہو ویں ہدایت والوں میں ف۱۷ کیا تم نے کر دیا

سِقَايَةَ الْحَآجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَجٰهَدَ فِىْ

حاجیوں کا پانی پلانا اور مسجد الحرام کا بسانا برابر اُس کے جو یقین لایا اللہ پر اور آخرت کے دن پر اور لڑا اللہ

سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ لَا يَسْتَوٗنَ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۹﴾ اَلَّذِيْنَ

کی راہ میں یہ برابر نہیں ہیں اللہ کے نزدیک اور اللہ رستہ نہیں دیتا ظالم لوگوں کو ف۱۸ جو ایمان

اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۙ اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ

لائے اور گھر چھوڑ آئے اور لڑے اللہ کی راہ میں اپنے مال اور جان سے اُن کے لئے بڑا درجہ ہے اللہ کے

اللّٰهِ ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ﴿۲۰﴾

ہاں اور وہی مراد کو پہنچنے والے ہیں

(۱۴) **مشروعیت جہاد کی حکمت** اس آیہ میں مشروعیت "جہاد" کی اصلی حکمت پر متنبہ فرمایا ہے۔ قرآن کریم میں اقوام ماضیہ کے جو قصے بیان فرمائے ہیں اُن سے ظاہر ہوتا ہے کہ جب کوئی قوم کفر و شرارت اور انبیاء علیہم السلام کی تکذیب و عداوت میں حد سے بڑھ جاتی تھی تو قدرت کی طرف سے کوئی تباہ کن آسمانی عذاب اُن پر نازل کیا جاتا تھا جس سے اُن کے سارے مظالم اور کفریات کا دفعۃً خاتمہ ہو جاتا تھا۔ فَكُلًّا اَخَذْنَا بِذَنْۢبِهٖ فَمِنْهُمْ مَّنْ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِ حَاصِبًا ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ اَخَذَتْهُ الصَّيْحَةُ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ خَسَفْنَا بِهِ الْاَرْضَ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ اَغْرَقْنَا ۚ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ (عنکبوت رکوع ۴) کوئی شبہ نہیں کہ عذاب کی یہ اقسام بہت سخت مہلک اور آئندہ نسلوں کے لئے عبرتناک تھیں۔ لیکن ان صورتوں میں معذبین کو دنیا میں رہ کر اپنی ذلت و رسوائی کا نظارہ نہیں کرنا پڑتا تھا اور نہ آئندہ کے لئے توبہ و رجوع کا کوئی امکان باقی رہتا تھا۔ مشروعیت جہاد کی اصلی غرض و غایت یہ ہے کہ مکذبین و متعنتین کو حق تعالیٰ بجائے بلاواسطہ عذاب دینے کے اپنے مخلص وفادار بندوں کے ہاتھ سے سزا دلوائے سزا دہی کی اس صورت میں مجرمین کی رسوائی اور مخلصین کی قدر افزائی زیادہ ہے۔ وفادار بندوں کا نصرت و غلبہ علانیہ ظاہر ہوتا ہے۔ اُن کے دل یہ دیکھ کر ٹھنڈے ہوتے ہیں کہ جو لوگ کل تک انہیں حقیر و ناتواں سمجھ کر ظلم و ستم اور استہزاء و تمسخر کا تختہ مشق بنائے ہوئے تھے، آج خُدا کی تائید و رحمت سے اُنہی کے رحم و کرم یا عدل و انصاف پر چھوڑ دیے گئے ہیں۔ کفر و باطل کی شوکت و نمائش کو دیکھ کر جو اہل حق گھٹتے رہتے تھے یا جو ضعیف و مظلوم مسلمان کفار کے مظالم کا انتقام نہ لے سکنے کی وجہ سے دل ہی دل میں غیظ کھا کر چپ ہو رہتے تھے جہاد فی سبیل اللہ کے ذریعہ سے اُنکے قلوب تسکین پاتے تھے اور آخری بات یہ ہے کہ خود مجرمین کے حق میں بھی سزا دہی کا یہ طریقہ نسبتۃً زیادہ نافع ہے کیونکہ سزا پانے کے بعد

بھی رجوع و توبہ کا دروازہ کھلا ہوا ہے۔ بہت ممکن ہے کہ حالات سے عبرت حاصل کر کے بہت سے مجرموں کو توبہ نصیب ہو جائے چنانچہ حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایسا ہی ہوا کہ تھوڑے دنوں میں سارا عرب صدق دل سے دین الٰہی کا حلقہ بگوش بن گیا۔

(۱۵) یعنی ہر ایک کی حالت کو جان کر حکمت کا معاملہ کرتا ہے اور ہر زمانہ میں اُس کے مناسب احکام بھیجتا ہے۔

(۱۶) **جہاد کی ایک اور حکمت** مشروعیت جہاد کی یہاں ایک اور حکمت بیان فرمائی۔ یعنی ایمان اور بندگی کے زبانی دعوے کرنیوالے تو بہت ہیں لیکن امتحان کی کسوٹی پر جب تک کسا نہ جائے کھرا اور کھوٹا ظاہر نہیں ہوتا۔ جہاد کے ذریعہ سے خدا دیکھنا چاہتا ہے کہ کتنے مسلمان ہیں جو اس کی راہ میں جان و مال نثار کرنے کو تیار ہیں اور خدا اور رسول اور مسلمانوں کے سوا کسی کو اپنا رازدار یا خصوصی دوست بنانا نہیں چاہتے، خواہ وہ اُن کا کتنا ہی قریبی رشتہ دار کیوں نہ ہو۔ یہ معیار ہے جس پر مومنین کا ایمان پرکھا جاتا ہے۔ جب تک عملی جہاد نہ ہو صرف زبانی جمع خرچ سے کامیابی حاصل نہیں ہو سکتی۔ پھر عمل بھی جو کچھ کیا جائے اُس کی خبر خدا کو ہے کہ صدق و اخلاص سے کیا یا نمود و ریاء سے جیسا عمل ہو گا اُدھر سے اُسی کے موافق پھل ملیگا۔

(۱۷) **مساجد کی آبادی کا مفہوم** پہلے فرمایا تھا کہ مسلمان بدون امتحان کے یونہی نہیں چھوڑے جا سکتے، بلکہ بڑے بڑے عزائم اعمال (مثلاً جہاد وغیرہ) میں اُن کی ثابت قدمی دیکھی جائے گی اور یہ کہ تمام دنیا کے تعلقات پر کس طرح خدا اور رسول کی جانب کو ترجیح دیتے ہیں اس رکوع میں یہ بتلایا کہ خدا کی مساجد (عبادت گاہیں) حقیقۃً ایسے ہی اولوالعزم مسلمانوں کے دم سے آباد رہ سکتی ہیں۔ مساجد کی حقیقی آبادی یہ ہے کہ اُن میں خدائے واحد کی عبادت اُس کی شان کے لائق ہو، "ذکر اللہ" کرنے والے کثرت سے موجود ہوں جو بے روک ٹوک خدا کو یاد کریں۔ لغویات و خرافات سے اُن پاک مقامات کو محفوظ رکھا جائے۔ یہ مقصد کفار و مشرکین سے کب حاصل ہو سکتا ہے؟ دیکھئے مشرکین مکہ بڑے فخر سے اپنے کو "مسجد حرام" کا متولی اور خادم کہتے تھے۔ مگر اُن کی بڑی خدمت گذاری یہ تھی کہ پتھر کی سیکڑوں مورتیاں کعبہ میں رکھ چھوڑی تھیں اُن ہی کی نذر و نیاز کرتے اور منتیں مانتے تھے۔ بہت سے لوگ ننگے طواف کرتے تھے، ذکر اللہ کی جگہ سیٹیاں اور تالیاں بجاتے تھے اور خدائے واحد کے سچے پرستاروں کو وہاں تک پہنچنے کی اجازت نہ دیتے تھے لے دے کر اُن کی بڑی عبادت یہ تھی کہ حاجیوں کے لئے پانی کی سبیل لگا دی یا حرم شریف میں چراغ جلا دیا۔ یا کعبہ پر غلاف چڑھایا، یا کبھی ضرورت ہوئی تو شکست و ریخت کی مرمت کرا دی مگر یہ اعمال محض بے جان اور بے روح تھے۔ کیونکہ مشرک کو جب خدا کی صحیح معرفت حاصل نہیں تو کسی عمل میں اس کا قبلہ توجہ اور مرکز اخلاص خدائے وحدہٗ لاشریک لہٗ کی ذات منبع الکمالات نہیں ہو سکتی۔ اِسی لئے کافر کا کوئی عمل خدا کے نزدیک زندہ اور معتد بہ عمل نہیں ہے (اسی کو حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ سے تعبیر فرمایا) الغرض کفار و مشرکین جو اپنے حال و قال سے اپنے کفر و شرک پر ہر وقت شہادت دیتے رہتے ہیں، اس لائق نہیں کہ اُن سے مساجد اللہ خصوصاً مسجد حرام کی حقیقی تعمیر (آبادی) ہو سکے یہ کام صرف اُن لوگوں کا ہے جو دل سے خدائے واحد اور آخری دن پر ایمان لا چکے ہیں، جوارح سے نمازوں کی اقامت میں مشغول رہتے ہیں، اموال میں سے باقاعدہ زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور خدا کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے۔ اسی لئے مساجد کی صیانت و تطہیر کی خاطر جہاد کے لئے تیار رہتے ہیں۔ ایسے مومنین جو دل زبان ہاتھ پاؤں، مال و دولت، ہر چیز سے خدا کے مطیع و فرمانبردار ہیں۔ اُن کا فرض منصبی ہے کہ مساجد کو آباد رکھیں اور تعمیر مساجد کے جھوٹے دعوے رکھنے والے مشرکین کو خواہ اہل قرابت ہی کیوں نہ ہوں وہاں سے نکال باہر کریں کیونکہ اُن کے وجود سے مساجد اللہ کی آبادی نہیں بربادی ہے۔

(۱۸) **سب سے افضل عمل ایمان باللہ اور جہاد ہے** مشرکین مکہ کو اس پر بڑا فخر و ناز تھا کہ ہم حاجیوں کی خدمت کرتے، اُنہیں پانی پلاتے، کھانا کپڑا دیتے اور مسجد حرام کی مرمت یا کسوۃ کعبہ یا تیل بتی وغیرہ کا انتظام کرتے ہیں۔ اگر مسلمان اپنے جہاد و ہجرت وغیرہ پر

نازاں ہیں تو ہمارے پاس عبادات کا یہ ذخیرہ موجود ہے۔ ایک زمانہ میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے بھی حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے مقابلہ میں اسی طرح کی بحث کی تھی، بلکہ صحیح مسلم میں ہے کہ ایک دفعہ چند مسلمان آپس میں جھگڑ رہے تھے، کوئی کہتا تھا کہ میرے نزدیک اسلام لانے کے بعد حاجیوں کو پانی پلانے سے زیادہ کوئی عبادت نہیں۔ دوسرے نے کہا میرے خیال میں اسلام کے بعد بہترین عمل مسجد حرام کی خدمت ہے (مثلاً جھاڑو دینا یا روشنی وغیرہ کرنا) تیسرا بولا کہ جہاد فی سبیل اللہ تمام عبادات و اعمال سے افضل و اشرف ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کو ڈانٹا کہ تم "جمعہ" کے وقت منبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھ کر اس طرح بحثیں کر رہے ہو۔ ذرا صبر کرو۔ جب حضور جمعہ سے فارغ ہو جائیں گے آپ سے یہ چیز دریافت کر لی جائیگی۔ چنانچہ جمعہ کے بعد حضور سے سوال کیا تو یہ آیات نازل ہوئیں۔ اَجَعَلْتُمْ سِقَایَۃَ الْحَآجِّ وَعِمَارَۃَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ الخ یعنی حاجیوں کو پانی پلانا اور مسجد حرام کا ظاہری طور پر بسانا ایمان باللہ اور جہاد فی سبیل اللہ میں سے کسی ایک کی برابر بھی نہیں ہو سکتا (افضل ہونا تو کجا؟) یہاں جہاد کے ساتھ ایمان باللہ کا ذکر یا تو اس لیے کیا کہ مشرکین کے فخر و غرور کا جواب بھی ہو جائے کہ تمام عبادات کی روح ایمان باللہ ہے، اس روح کے بدون پانی پلانا یا مسجد حرام کی خدمت کرنا محض مردہ عمل ہے تو یہ بے جان اور مردہ عمل ایک زندہ جاوید عمل کی برابری کیسے کر سکتا ہے۔ وَمَا یَسْتَوِی الْاَحْیَآءُ وَلَا الْاَمْوَاتُ (فاطر رکوع ۳) اور اگر صرف مومنین کے اعمال کا باہمی موازنہ کرنا ہے تو ایمان باللہ کا ذکر جہاد فی سبیل اللہ کی تمہید کے طور پر ہوگا۔ اصل مقصود جہاد وغیرہ عزائم اعمال کی افضلیت کو بیان فرمانا ہے۔ ایمان کے ذکر سے تنبیہ فرما دی کہ جہاد فی سبیل اللہ ہو یا کوئی عمل ایمان کے بغیر ہیچ اور لاشے محض ہے۔ ان عزائم اعمال (جہاد و ہجرت وغیرہ) کا تقوم بھی ایمان باللہ سے ہوتا ہے اور اس نکتہ کو وہ ہی لوگ سمجھتے ہیں جو فہم سلیم رکھتے ہوں۔ ظالمین (بے موقع کام کرنے والوں) کی ان حقائق تک رسائی نہیں ہوتی۔

یُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَرِضْوَانٍ وَّجَنّٰتٍ لَّهُمْ فِيْهَا نَعِيْمٌ مُّقِيْمٌ ﴿۲۱﴾ خٰلِدِيْنَ

خوشخبری دیتا ہے انکو پروردگار انکا اپنی طرف سے مہربانی کی اور رضامندی کی اور باغوں کی کہ جن میں اُن کو آرام ہے ہمیشہ کا رہا کریں

فِيْهَآ اَبَدًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۲۲﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْٓا اٰبَآءَكُمْ وَ

ان میں مدام بیشک اللہ کے پاس بڑا ثواب ہے ف۱۹ اے ایمان والو مت پکڑو اپنے باپوں کو اور

اِخْوَانَكُمْ اَوْلِيَآءَ اِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَى الْاِيْمَانِ ؕ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ

بھائیوں کو رفیق اگر وہ عزیز رکھیں کفر کو ایمان سے اور جو تم میں اُن کی رفاقت کرے سو وہی لوگ ہیں

الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۳﴾ قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَ

گنہگار ف۲۰ تو کہہ دے اگر تمہارے باپ اور بیٹے اور بھائی اور عورتیں اور برادری اور

اَمْوَالُ ۨ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ

مال جو تم نے کمائے ہیں اور سوداگری جسکے بند ہونے سے تم ڈرتے ہو اور حویلیاں جن کو پسند کرتے ہو تم کو زیادہ پیاری ہیں اللہ سے

وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۲۴﴾ ع

اور اسکے رسول سے اور لڑنے سے اُس کی راہ میں تو انتظار کرو یہاں تک کہ بھیجے اللہ اپنا حکم اور اللہ رستہ نہیں دیتا نافرمان لوگوں کو ف۲۱

(۱۹) ایمان جہاد اور ہجرت کے انعامات | یعنی اُس کے یہاں ثواب اور درجات کی کیا کمی ہے جس کو جتنا چاہے مرحمت فرمائے

پہلی آیت میں تین چیزوں کا ذکر تھا۔ ایمان، جہاد، ہجرت، ان تین پر بشارت بھی تین چیزوں کی دی۔ رحمت، رضوان، خلود فی الجنۃ۔ ابو حیان نے لکھا ہے کہ "رحمت" ایمان پر مرتب ہے۔ ایمان نہ ہو تو آخرت میں خدا کی رحمت و مہربانی سے کوئی حصہ نہیں مل سکتا۔ اور "رضوان" (جو بہت ہی اعلیٰ مقام ہے) جہاد فی سبیل اللہ کا صلہ ہے۔ مجاہد فی سبیل اللہ تمام نفسانی حظوظ و تعلقات ترک کر کے خدا کی رستہ میں جان و مال نثار کرتا اور خدا کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے انتہائی قربانی پیش کرتا ہے۔ لہٰذا اس کا صلہ بھی انتہائی ہونا چاہئے اور وہ حق تعالیٰ شانہ کی رضاء کا مقام ہے۔ باقی "ہجرت" وہ خدا کے لئے وطن مالوف اور گھر بار چھوڑنے کا نام ہے۔ اس لئے مہاجر کو خوشخبری دی گئی کہ تیرے وطن سے بہتر وطن اور تیرے گھر سے بہتر گھر تجھ کو ملیگا۔ جس میں ہمیشہ اعلیٰ درجہ کی آسایش و راحت سے رہنا ہوگا جس سے ہجرت کرنے کی کبھی نوبت نہ آئے گی۔

(۲۰) پچھلی آیات میں بتلایا تھا کہ جہاد و ہجرت اعظم و افضل ترین اعمال ہیں۔ بسا اوقات ان دونوں اعمال میں خویش و اقارب، کنبہ اور برادری کے تعلقات خلل انداز ہوتے ہیں۔ اس لئے فرمایا کہ جن لوگوں کو ایمان سے زیادہ کفر عزیز ہے۔ ایک مومن انہیں کیسے عزیز رکھ سکتا ہے۔ مسلمان کی شان نہیں کہ اُن سے رفاقت اور دوستی کا دم بھرے حتیٰ کہ یہ تعلقات اس کو جہاد و ہجرت سے مانع ہو جائیں ایسا کرنے والے گنہگار بن کر اپنی جانوں پر ظلم کر رہے ہیں۔

(۲۱) **جہاد کی اہمیت اور ضرورت** یعنی اگر خدا اور رسول کے احکام کا امتثال اور ہجرت یا جہاد کرنے سے یہ خیال مانع ہو کہ کنبہ برادری چھوٹ جائیگی اموال تلف ہونگے، تجارت مندی پڑ جائے گی یا بند ہو جائے گی۔ آرام کے مکانوں سے نکل کر بے آرام ہونا پڑیگا تو پھر خدا کی طرف سے حکم سزا کا انتظار کرو۔ جو اس تن آسانی اور دنیا طلبی پر آنے والا ہے۔ جو لوگ مشرکین کی موالات یا دنیوی خواہشات میں پھنس کر احکام الٰہیہ کی تعمیل نہ کریں اُن کو حقیقی کامیابی کا راستہ نہیں مل سکتا۔ حدیث میں ہے جب تم بیلوں کی دم پکڑ کر کھیتی باڑی پر راضی ہو جاؤ گے اور "جہاد" چھوڑ بیٹھو گے تو خدا تم پر ایسی ذلت مسلط کر دے گا جس سے کبھی نکل نہ سکو گے یہاں تک کہ پھر اپنے دین (جہاد فی سبیل اللہ) کی طرف واپس آؤ۔

لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِيْ مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ ۙ وَّيَوْمَ حُنَيْنٍ ۙ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ

مدد کر چکا ہے اللہ تمہاری بہت میدانوں میں اور حنین کے دن جب خوش ہوئے تم اپنی کثرت پر پھر وہ کچھ کام نہ

عَنْكُمْ شَيْـًٔا وَّضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ ۚ ﴿۲۵﴾ ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ

آئی تمہارے اور تنگ ہو گئی تم پر زمین باوجود اپنی فراخی کے پھر ہٹ گئے تم پیٹھ دے کر پھر اُتاری اللہ نے

سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا وَعَذَّبَ الَّذِيْنَ

اپنی طرف سے تسکین اپنے رسول پر اور ایمان والوں پر اور اُتاریں فوجیں کہ جن کو تم نے نہیں دیکھا اور عذاب دیا کافروں

كَفَرُوْا ۭ وَذٰلِكَ جَزَاۗءُ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۶﴾ ثُمَّ يَتُوْبُ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ عَلٰى مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ

کو اور یہی سزا ہے منکروں کی ۲۲ پھر توبہ نصیب کرے گا اللہ اس کے بعد جس کو چاہے

وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۷﴾

اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے ۲۳

(۲۲) غزوہ حنین میں مسلمانوں کی مدد پچھلی آیت میں تنبیہ کی گئی تھی کہ جہاد فی سبیل اللہ کے وقت مومنین کو کنبہ، برادری، اموال واملاک وغیرہ کسی چیز پر نظر نہ ہونی چاہیئے، یہاں آگاہ فرمایا ہے کہ مجاہدین کو خود اپنی فوجی جمعیت وکثرت پر گھمنڈ نہ کرنا چاہیئے۔ نصرت و کامیابی اکیلے خدا کی مدد سے ہے۔ جس کا تجربہ پیشتر بھی بہت سے میدانوں میں تم کر چکے ہو۔ بدر، قریظہ ونضیر اور حدیبیہ وغیرہ میں جو کچھ نتائج رونما ہوئے، وہ محض امداد الٰہی وتائید غیبی کا کرشمہ تھا۔ اور اب اخیر میں غزوہ حنین کا واقعہ تو ایسا صریح اور عجیب وغریب نشان آسمانی نصرت وامداد کا ہے جس کا اقرار سخت معاند دشمنوں تک کو کرنا پڑا ہے۔ فتح مکہ کے بعد فوراً آپ کو اطلاع ملی کہ ہوازن وثقیف وغیرہ بہت سے قبائل عرب نے ایک لشکر جرار تیار کر کے بڑے سازوسامان سے مسلمانوں پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا ہے۔ یہ خبر پاتے ہی آپ نے دس ہزار مہاجرین وانصار کی فوج گراں لے کر جو مکہ فتح کرنے کے لئے مدینہ سے ہمراہ آئی تھی، طائف کی طرف کوچ کر دیا۔ دو ہزار طلقاء بھی جو فتح مکہ کے وقت مسلمان ہوئے تھے آپ کے ہمراہ تھے یہ پہلا موقع تھا کہ بارہ ہزار کی عظیم الشان جمعیت کیل کانٹے سے لیس ہو کر میدانِ جہاد میں نکلے۔ یہ منظر دیکھ کر بعض صحابہ سے نہ رہا گیا اور بے ساختہ بول اٹھے کہ (جب ہم بہت تھوڑے تھے اس وقت ہمیشہ غالب رہے تو) آج ہماری اتنی بڑی تعداد کسی سے مغلوب ہونے والی نہیں۔ یہ جملہ مردانِ توحید کی زبان سے نکلنا "بارگاہ احدیت" میں ناپسند ہوا۔ ابھی مکہ سے تھوڑی دور نکلے تھے کہ دونوں لشکر مقابل ہو گئے۔ فریق مخالف کی جمعیت چار ہزار تھی جو سر کو کفن باندھ کر اور سب عورتوں بچوں کو ساتھ لے کر ایک فیصلہ کن جنگ کے لئے پوری تیاری سے نکلے تھے۔ اونٹ، گھوڑے، مواشی اور گھروں کا کل اندوختہ کوڑی کوڑی کر کے اپنے ہمراہ لے آئے تھے۔ ہوازن کا قبیلہ تیر اندازی کے فن میں سارے عرب میں شہرت رکھتا تھا۔ اس کے بڑے ماہر تیر اندازوں کا دستہ وادی حنین کی پہاڑیوں میں گھات لگائے بیٹھا تھا۔ صحیحین میں براء بن عازب کی روایت ہے کہ پہلے معرکہ میں کفار کو ہزیمت ہوئی، وہ بہت سامال چھوڑ کر پسپا ہو گئے یہ دیکھ کر مسلمان سپاہی غنیمت کی طرف جھک پڑے۔ اس وقت ہوازن کے تیر اندازوں نے گھات سے نکل کر ایک دم دھاوا بول دیا۔ آن واحد میں چاروں طرف سے اس قدر تیر برسائے کہ مسلمانوں کو قدم جمانا مشکل ہو گیا۔ اوّل طلقاء میں بھاگڑ پڑی۔ آخر سب کے پاؤں اکھڑ گئے، زمین باوجود فراخی کے تنگ ہو گئی کہ کہیں پناہ کی جگہ نہ ملتی تھی حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم مع چند رفقاء کے دشمنوں کے نرغہ میں تھے۔ ابوبکر، عمر، عباس، علی، عبداللہ بن مسعود وغیرہ رضی اللہ عنہم تقریباً سو اسّی صحابہ بلکہ بعض اہل سیر کی تصریح کے موافق کل دس نفوس قدسیہ (عشرہ کاملہ) میدان جنگ میں باقی رہ گئے جو پہاڑ سے زیادہ مستقیم نظر آتے تھے۔ یہ خاص موقع تھا جبکہ دنیا نے پیغمبرانہ صداقت وتوکل اور معجزانہ شجاعت کا ایک محیر العقول نظارہ ان ظاہری آنکھوں سے دیکھا آپ سفید خچر پر سوار ہیں عباس ایک رکاب ابوسفیان بن الحارث دوسری رکاب تھامے ہوئے ہیں۔ چار ہزار کا مسلح لشکر پورے جوش انتقام میں ٹوٹا پڑتا ہے، ہر چہار طرف سے تیروں کا مینہ برس رہا ہے۔ ساتھی منتشر ہو چکے ہیں۔ مگر رفیق اعلیٰ آپ کے ساتھ ہے۔ ربانی تائید اور آسمانی سکینہ کی غیر مرئی بارش آپ پر اور آپ کے گنے چنے رفیقوں پر ہو رہی ہے۔ جس کا اثر آخر کار بھاگنے والوں تک پہنچتا ہے جدھر سے ہوازن وثقیف کا سیلاب بڑھ رہا ہے آپ کی سواری کا منہ اس وقت بھی اسی طرف ہے اور ادھر ہی آگے بڑھنے کے لئے خچر کو مہمیز کر رہے ہیں۔ دل سے خدا کی طرف لو لگی ہے اور زبان پر نہایت استغناء واطمینان کے ساتھ اَنَا النَّبِيُّ لَا كَذِبْ اَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبْ جاری ہے۔ یعنی بیشک میں سچا پیغمبر ہوں اور عبدالمطلب کی اولاد ہوں۔ اسی حالت میں آپ نے صحابہ کو آواز دی اِلَيَّ عِبَادَ اللّٰهِ اِلَيَّ اَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ۔ خدا کے بندو! ادھر آؤ۔ یہاں آؤ کہ میں خدا کا رسول ہوں۔ پھر آپ کی ہدایت کے موافق حضرت عباس نے (جو نہایت جہیر الصوت تھے) اصحاب سمرۃ کو پکارا جنہوں نے درخت کے نیچے حضور کے ہاتھ پر بیعت جہاد کی تھی۔ آواز کا کانوں میں پہنچنا تھا کہ بھاگنے والوں نے سواریوں کا رخ میدانِ جنگ کی طرف پھیر دیا۔ جس کے اونٹ نے رخ بدلنے میں دیر کی

وہ گلے میں زرہ ڈال کر اونٹ سے کود پڑا اور سواری چھوڑ کر حضور کی طرف لوٹا۔ اسی اثناء میں حضورؐ نے تھوڑی سی مٹی اور کنکریاں اٹھا کر لشکر کفار پر پھینکیں جو خدا کی قدرت سے ہر کافر کے چہرے اور آنکھوں پر پڑی۔ ادھر حق تعالیٰ نے آسمان سے فرشتوں کی فوجیں بھیج دیں جن کا نزول غیر مرئی طور پر مسلمانوں کی تقویت و ہمت افزائی اور کفار کی مرعوبیت کا سبب ہوا۔ پھر کیا تھا۔ کفار کنکریوں کے اثر سے آنکھیں ملتے رہے، جو مسلمان قریب تھے انہوں نے پلٹ کر حملہ کر دیا۔ آناً فاناً میں مطلع صاف ہو گیا بہت سے بھاگے ہوئے مسلمان لوٹ کر حضور کی خدمت میں پہنچے تو دیکھا لڑائی ختم ہو چکی۔ ہزاروں قیدی آپ کے سامنے بندھے کھڑے ہیں اور مال غنیمت کے ڈھیر لگے ہوئے ہیں فَسُبْحَانَ الَّذِیْ بِیَدِهٖ مَلَکُوْتُ کُلِّ شَیْءٍ۔ اس طرح کافروں کو دنیا میں سزا دی گئی۔

(۲۳) چنانچہ ہوازن وغیرہ کو اس کے بعد توبہ نصیب ہوئی اور اکثر مسلمان ہو گئے۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا یَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا ۚ

اے ایمان والو مشرک جو ہیں سو پلید ہیں سو نزدیک نہ آنے پائیں مسجد الحرام کے اس برس کے بعد ف۲۴

وَاِنْ خِفْتُمْ عَیْلَةً فَسَوْفَ یُغْنِیْكُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖۤ اِنْ شَآءَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌ حَكِیْمٌ ﴿۲۸﴾

اور اگر تم ڈرتے ہو فقر سے تو آئندہ غنی کر دیگا تم کو اللہ اپنے فضل سے اگر چاہے بیشک اللہ سب کچھ جاننے والا حکمت والا ہے ف۲۵

قَاتِلُوا الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا یُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ

لڑو ان لوگوں سے جو ایمان نہیں لاتے اللہ پر اور نہ آخرت کے دن پر اور نہ حرام جانتے ہیں اسکو جس کو حرام کیا اللہ نے اور اسکے رسول نے

وَلَا یَدِیْنُوْنَ دِیْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى یُعْطُوا الْجِزْیَةَ عَنْ یَّدٍ وَّهُمْ

اور نہ قبول کرتے ہیں دین سچا ان لوگوں میں سے جو کہ اہل کتاب ہیں یہاں تک کہ وہ جزیہ دیں اپنے ہاتھ سے

ع۵ صٰغِرُوْنَ ﴿۲۹﴾ وَقَالَتِ الْیَهُوْدُ عُزَیْرُ ابْنُ اللّٰهِ وَقَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِیْحُ ابْنُ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ

ذلیل ہو کر ف۲۶ اور یہود نے کہا کہ عزیر اللہ کا بیٹا ہے ف۲۷ اور نصاریٰ نے کہا کہ مسیح اللہ کا بیٹا ہے یہ باتیں کہتے ہیں

بِاَفْوَاهِهِمْ ۚ یُضَاهِـُٔوْنَ قَوْلَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ ؕ قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ ۚ اَنّٰى یُؤْفَكُوْنَ ﴿۳۰﴾

اپنے منہ سے ریس کرنے لگے اگلے کافروں کی بات کی ف۲۸ ہلاک کرے ان کو اللہ کہاں سے پھرے جاتے ہیں ف۲۹

اِتَّخَذُوْۤا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِیْحَ ابْنَ مَرْیَمَ ۚ وَمَاۤ اُمِرُوْۤا

ٹھہرا لیا اپنے عالموں اور درویشوں کو خدا اللہ کو چھوڑ کر ف۳۰ اور مسیح مریم کے بیٹے کو بھی اور انکو حکم یہی ہوا تھا

اِلَّا لِیَعْبُدُوْۤا اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ سُبْحٰنَهٗ عَمَّا یُشْرِكُوْنَ ﴿۳۱﴾

کہ بندگی کریں ایک معبود کی کسی کی بندگی نہیں اسکے سوا وہ پاک ہے ان کے شریک بتلانے سے

(۲۴) **حدود حرم میں مشرکین کے داخلے کی ممانعت** جب حق تعالیٰ نے شرک کی قوت کو توڑ کر جزیرۃ العرب کا صدر مقام (مکہ معظمہ) فتح کرا دیا اور تمام عرب جوق جوق دائرہ اسلام میں داخل ہونے لگے تب ۹ھ ہجری میں یہ اعلان کرایا گیا کہ آئندہ کوئی مشرک (یا کافر) مسجد حرام میں داخل نہ ہو بلکہ اس کے نزدیک یعنی حدود حرم میں بھی نہ آنے پائے۔ کیونکہ ان کے قلوب شرک و کفر کی نجاست سے اس قدر پلید اور گندے ہیں کہ اس سب سے بڑے مقدس مقام اور مرکز توحید ایمانیات میں داخل ہونے کے لائق نہیں۔ اس

کے بعد صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ حضورؐ نے جزیرۃ العرب سے مشرکین اور یہود و نصاریٰ سب کے نکال دینے کا حکم دیا۔ چنانچہ حضورؐ کی آخری وصیت کے موافق حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں یہ حکم عملاً نافذ ہوا۔ اب بطور استیلاء یا توطن کفار کے وہاں رہنے پر مسلمانوں کو رضامند ہونا جائز نہیں۔ بلکہ تطہیر جزیرۃ العرب بقدر استطاعت اُن کا فریضہ ہے۔ ہاں حنفیہ کے نزدیک کوئی کافر مسافرانہ عارضی طور پر امام کی اجازت سے وہاں جا سکتا ہے۔ بشرطیکہ امام اتنی اجازت دینا خلاف مصلحت نہ سمجھے۔ باقی حج و عمرہ کی غرض سے داخل ہونے کی کسی کافر کو اجازت نہیں۔ کما ورد فی الحدیث اَلَا لَا یَحُجَّنَّ بَعْدَ الْعَامِ مُشْرِكٌ۔

(۲۵) حرم میں مشرکین کی آمد و رفت بند کر دینے سے مسلمانوں کو اندیشہ ہوا کہ تجارت وغیرہ کو بڑا نقصان پہنچیگا۔ اور جو سامان تجارت یہ لوگ لاتے تھے، وہ نہیں آئیگا۔ اس لئے تسلی کر دی کہ اس سے مت گھبراؤ، تم کو غنا عطا فرمانا محض اس کی مشیت پر موقوف ہے۔ وہ چاہیگا تو دیر نہ لگے گی۔ چنانچہ یہ ہی ہوا۔ خدا نے سارا ملک مسلمان کر دیا۔ مختلف بلاد و امصار سے تجارتی سامان آنے لگا۔ بارشیں خوب ہوئیں جس سے پیداوار بڑھ گئی، فتوحات و غنائم کے دروازے کھول دیے۔ اہل کتاب وغیرہ سے جزیہ کی رقوم وصول ہونے لگیں، غرض مختلف طرح سے حق تعالیٰ نے اسباب غناء جمع کر دیے۔ بیشک خدا کا کوئی حکم حکمت سے خالی نہیں

(۲۶) **اہل کتاب پر جزیہ کا حکم** جب مشرکین کا قصہ پاک ہو گیا اور ملکی سطح ذرا ہموار ہوئی تو حکم ہوا کہ "اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) کی قوت و شوکت کو توڑو۔ مشرکین کے وجود سے تو بالکل عرب کو پاک کر دینا مقصود تھا لیکن یہود و نصاریٰ کے متعلق اس وقت صرف اسی قدر مطمح نظر تھا کہ وہ اسلام کے مقابلہ میں زور نہ پکڑیں اور اُس کی اشاعت و ترقی کے راستہ میں حائل نہ ہوں۔ اس لئے اجازت دی گئی کہ اگر یہ لوگ ماتحت رعیت بن کر جزیہ دینا منظور کریں تو کچھ مضائقہ نہیں، قبول کر لو، پھر حکومت اسلامیہ ان کے جان و مال کی محافظ ہوگی، ورنہ ان کا علاج بھی وہ ہی ہے جو مشرکین کا تھا (یعنی مجاہدانہ قتال) کیونکہ یہ بھی اللہ اور یوم آخرت پر جیسا چاہئے ایمان نہیں رکھتے نہ خدا اور رسول کے احکام کی کچھ پروا کرتے ہیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تو کجا، اپنے تسلیم کردہ نبی حضرت مسیح علیہ السلام کی بھی سچی پیروی نہیں کرتے، محض اہواء و آراء کا اتباع کرتے ہیں، جو سچا دین پہلے آیا یعنی حضرت مسیح وغیرہ کے زمانہ میں، اور جو اب نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آئے، کسی کے قائل نہیں۔ بلکہ جیسا کہ عنقریب آتا ہے، اس کوشش میں لگے رہتے ہیں کہ خدا کا روشن کیا ہوا چراغ اپنی پھونکوں سے گل کر دیں۔ ایسے بدباطن نالائقوں کو اگر یوں ہی چھوڑ دیا جائے تو ملک میں فتنہ و فساد اور کفر و تمرد کے شعلے برابر بھڑکتے رہیں گے۔

(۲۷) **حضرت عزیرؑ کی ابنیت کا دعویٰ** روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت بعض یہود کا یہ عقیدہ تھا کہ حضرت عزیر خدا کے بیٹے ہیں۔ لیکن یہ عقیدہ عام یہود کا نہ تھا۔ اور زمانہ مابعد میں تو بعض علماء نے لکھا ہے کہ اب کوئی یہودی اس عقیدہ کا باقی نہیں رہا۔ اگر عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں یہود کا کوئی فرقہ اس کا قائل نہ ہوتا تو ضرور تھا کہ اُس وقت یہود قرآن کی حکایت کی تغلیط کرتے جیسا کہ ﴿اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ کو سُن کر عدیؓ بن حاتم نے اعتراض کیا تھا کہ احبار و رہبان کو رب تو کوئی نہیں مانتا اُس کا جواب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا جو آگے آتا ہے۔ پس ابنیت عزیر کے عقیدہ کو اُن کی طرف نسبت کرنا، اور اُن کا اعتراض و انکار کہیں منقول نہ ہونا اس کی دلیل ہے کہ ضرور اُس وقت اس خیال کے لوگ موجود تھے۔ ہاں جیسے مرور دہور سے بہت سے مذاہب اور فرقے مٹ مٹا گئے، وہ بھی نابود ہو گیا ہو تو کچھ مستبعد نہیں۔ باقی ہم سے ایک نہایت ثقہ بزرگ (حاجی امیر شاہ خاں مرحوم) نے بیان کیا کہ سیاحت فلسطین وغیرہ کے دوران میں مجھے بعض یہود اس خیال کے ملے جن کو اسی عقیدہ کی نسبت سے عزیری کہا جاتا ہے۔ واللہ اعلم۔

(۲۸) یعنی "ابنیت" یا "الوہیت" مسیح وغیرہ کا عقیدہ پُرانے مشرکین کے عقیدہ کے مشابہ ہے۔ بلکہ اُن ہی کی تقلید میں یہ اختیار کیا ہے۔ جیسا کہ سورۂ مائدہ کے فوائد میں ہم نقل کر چکے ہیں۔

(۲۹) یعنی خدا ان کو غارت کرے توحید کی صاف اور تیز روشنی پہنچنے کے بعد کدھر اندھیرے میں چلے جا رہے ہیں۔

(۳۰) **اہل کتاب کے علماء و مشائخ کا حال** اُن کے علماء مشائخ جو کچھ اپنی طرف سے مسئلہ بنا دیتے خواہ حلال کو حرام یا حرام کو حلال کہہ دیتے اسی کو سند سمجھتے کہ بس خدا کے ہاں ہم کو چھٹکارا ہو گیا۔ کتب سماویہ سے کچھ سروکار نہ رکھا تھا محض احبار و رہبان کے احکام پر چلتے تھے۔ اور ان کا یہ حال تھا کہ تھوڑا سا مال یا جاہ فائدہ دیکھا اور حکم شریعت کو بدل ڈالا۔ جیسا کہ دو تین آیتوں کے بعد مذکور ہے۔ پس جو منصب خدا کا تھا (یعنی حلال و حرام کی تشریح) وہ علماء و مشائخ کو دیدیا گیا تھا۔ اس لحاظ سے فرمایا کہ انہوں نے عالموں اور درویشوں کو خدا ٹھہرا لیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عدی بن حاتم کے اعتراض کا جواب دیتے ہوئے اسی طرح کی تشریح فرمائی ہے اور حضرت حذیفہ سے بھی ایسا ہی منقول ہے حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں "عالم کا قول عوام کو سند ہے جب تک وہ شرع سے سمجھ کر کہے۔ جب معلوم ہو کہ خود اپنی طرف سے کہا، یا طمع وغیرہ سے کہا، پھر سند نہیں"۔

يُرِيدُونَ أَنْ يُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَيَأْبَى اللَّهُ إِلَّا أَنْ يُتِمَّ نُورَهُ وَلَوْ كَرِهَ

چاہتے ہیں کہ بجھا دیں روشنی اللہ کی اپنے منہ سے اور اللہ نہ رہے گا بدون پورا کئے اپنی روشنی کے اور پڑے بُرا مانیں

الْكَافِرُونَ ﴿٣٢﴾ هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ

کافر ف۳۱ اُسی نے بھیجا اپنے رسول کو ہدایت اور سچا دین دے کر تاکہ اُس کو غلبہ دے ہر دین پر

كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ ﴿٣٣﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ كَثِيرًا مِنَ الْأَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَيَأْكُلُونَ

اور پڑے بُرا مانیں مشرک ف۳۲ اے ایمان والو بہت سے عالم اور درویش اہل کتاب کے کھاتے ہیں

أَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَيَصُدُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ ۗ وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ

مال لوگوں کے ناحق اور روکتے ہیں اللہ کی راہ سے ف۳۳ اور جو لوگ گاڑھ کر رکھتے ہیں سونا اور چاندی

وَلَا يُنْفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ﴿٣٤﴾

اور اس کو خرچ نہیں کرتے اللہ کی راہ میں سو اُنکو خوشخبری سنا دے عذاب دردناک کی ف۳۴

(۳۱) **اسلام کے غلبہ کا وعدہ** یعنی توحید خالص اور اسلام کا آفتاب جب چمک اٹھا پھر یہ دوغلی باتیں اور مشرکانہ دعاوی کہاں سے فروغ پا سکتے ہیں۔ یہ کوشش کہ بے حقیقت اور بے مغز باتیں بنا کر اور فضول بحث وجدل کر کے نور حق کو مدھم کر دیں، ایسی ہے کہ کوئی بے وقوف منہ سے پھونکیں مار کر چاند یا سورج کی روشنی کو بجھانا اور ماند کرنا چاہے یاد رکھو خواہ یہ کتنے ہی جلیں مگر خدا نور اسلام کو پوری طرح پھیلا کر رہے گا۔

(۳۲) اسلام کا غلبہ باقی ادیان پر معقولیت اور حجت و دلیل کے اعتبار سے، یہ تو ہر زمانہ میں بحمد اللہ نمایاں طور پر حاصل رہا ہے۔ باقی حکومت و سلطنت کے اعتبار سے وہ اس وقت حاصل ہوا ہے اور ہوگا جبکہ مسلمان اصول اسلام کے پوری طرح پابند اور ایمان و تقویٰ کی راہوں میں مضبوط اور جہاد فی سبیل اللہ میں ثابت قدم تھے یا آئندہ ہوں گے اور دین حق کا ایسا غلبہ کہ باطل ادیان کو

النصف

مغلوب کر کے بالکل صفحۂ ہستی سے محو کر دے، یہ نزول مسیح علیہ السلام کے بعد قریب قیامت کے ہونیوالا ہے۔

(۳۳) **اہل کتاب کے علماء کی بے دینی** یعنی روپیہ لے کر احکام شرعیہ اور اخبار الٰہیہ کو بدل ڈالتے ہیں۔ اُدھر عوام الناس نے انہیں جیسے پہلے گذرا خدائی کا مرتبہ دے رکھا ہے۔ جو کچھ غلط سلط کہہ دیں وہ ہی ان کے نزدیک حجت ہے۔ اس طرح یہ علماء و مشائخ نذرانے وصول کرنے، ٹکے بٹورنے اور اپنی سیادت و ریاست قائم رکھنے کے لئے عوام کو مکر و فریب کے جال میں پھنسا کر راہِ حق سے روکتے رہتے ہیں۔ کیونکہ عوام اگر اُن کے جال سے نکل جائیں اور دین حق اختیار کر لیں تو ساری آمدنی بند ہو جائے۔ یہ حال مسلمانوں کو سُنایا تاکہ متنبہ ہو جائیں کہ اُمتوں کی خرابی اور تباہی کا بڑا سبب تین جماعتوں کا خراب و بے راہ ہونا اور اپنے فرائض کو چھوڑ دینا ہے علماء مشائخ اور اغنیاء و رؤساء۔ ان میں سے دو کا ذکر تو ہو چکا۔ تیسری جماعت (رؤساء) کا آگے آتا ہے۔ ابن المبارکؒ نے خوب فرمایا وَهَلْ اَفْسَدَ الدِّيْنَ اِلَّا الْمُلُوْكُ وَاَحْبَارُ سُوْءٍ وَرُهْبَانُهَا۔

(۳۴) جو لوگ دولت اکٹھی کریں خواہ حلال طریقہ سے ہو مگر خدا کے راستہ میں خرچ نہ کریں (مثلاً زکوٰۃ نہ دیں اور حقوق واجبہ نہ نکالیں) ان کی یہ سزا ہے تو اسی سے اُن احبار و رُہبان کا انجام معلوم کر لو جو حق کو چھپا کر یا بدل کر روپیہ بٹورتے ہیں۔ اور ریاست قائم رکھنے کی حرص میں عوام کو خدا کے راستہ سے روکتے پھرتے ہیں۔ بہرحال دولت وہ اچھی ہے جو آخرت میں وبال نہ بنے۔

يَوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِىْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ ۚ هٰذَا مَا

جس دن کہ آگ دہکائینگے اس مال پر دوزخ کی پھر داغیں گے اُس سے اُن کے ماتھے اور کروٹیں اور پیٹھیں (کہا جائیگا) یہ ہے جو

كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ ﴿۳۵﴾ اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا

تم نے گاڑھ کر رکھا تھا اپنے واسطے اب چکھو مزا اپنے گاڑھنے کا ف ۳۵ مہینوں کی گنتی اللہ کے نزدیک بارہ مہینے ہیں

فِىْ كِتٰبِ اللّٰهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ مِنْهَآ اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ۚ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ۙ

اللہ کے حکم میں جس دن اُس نے پیدا کئے تھے آسمان اور زمین اُن میں چار مہینے ہیں ادب کے یہی ہے سیدھا دین ف ۳۶

فَلَا تَظْلِمُوْا فِيْهِنَّ اَنْفُسَكُمْ وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَآفَّةً كَمَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ كَآفَّةً ۚ

سو اُن میں ظلم مت کرو اپنے اُوپر اور لڑو سب مشرکوں سے ہر حال میں جیسے وہ لڑتے ہیں تم سب سے ہر حال میں

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۳۶﴾ اِنَّمَا النَّسِىْٓءُ زِيَادَةٌ فِى الْكُفْرِ يُضَلُّ بِهِ الَّذِيْنَ

اور جان لو کہ اللہ ساتھ ہے ڈرنیوالوں کے ف ۳۷ یہ جو مہینہ ہٹا دینا ہے سو بڑھائی ہوئی بات ہے کفر کے عہد میں گمراہی میں پڑتے ہیں اس سے

كَفَرُوْا يُحِلُّوْنَهٗ عَامًا وَّيُحَرِّمُوْنَهٗ عَامًا لِّيُوَاطِـُٔوْا عِدَّةَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ فَيُحِلُّوْا مَا حَرَّمَ اللّٰهُ ۚ

کافر حلال کر لیتے ہیں اُس مہینہ کو ایک برس اور حرام رکھتے ہیں دوسرے برس تاکہ پوری کر لیں گنتی اُن مہینوں کی جو اللہ نے ادب کیلئے رکھے ہیں پھر حلال کر لیتے ہیں جو مہینہ کہ اللہ نے حرام

زُيِّنَ لَهُمْ سُوْٓءُ اَعْمَالِهِمْ ۚ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۳۷﴾ ع ۸/۱۱

کیا بھلے کر دیئے گئے اُنکی نظر میں اُن کے بُرے کام اور اللہ راستہ نہیں دیتا کافر لوگوں کو ف ۳۸

(۳۵) **بخیل دولتمندوں کا انجام** بخیل دولتمند سے جب خدا کے راستہ میں خرچ کرنے کو کہا جائے تو اس کی پیشانی پر بل پڑ جاتے ہیں زیادہ کہو تو اعراض کر کے اُدھر سے پہلو بدل لیتا ہے۔ اگر اس پر بھی جان نہ بچی تو پیٹھ پھیر کر چل دیتا ہے۔ اس لئے سونا چاندی تپا

کران ہی تین موقعوں (پیشانی، پہلو، پیٹھ) پر داغ دیے جائیں گے تاکہ اس کے جمع کرنے اور گاڑنے کا مزہ چکھ لے۔

(۳۶) **اشہر حرم اور نسی کی رسم** میرے نزدیک اوپر سے سلسلۂ مضمون کا یوں ہے کہ گذشتہ رکوع میں مشرکین کے بعد اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) سے جہاد کرنے کا حکم دیا۔ پھر رکوع حاضر کے شروع میں بتلایا کہ ان کے عقائد اور طور و طریق بھی مشرکین سے ملتے جلتے ہیں۔ ان کا عزیر و مسیح کو خدا کا بیٹا کہنا ایسا ہی ہے جیسے مشرکین "ملائکۃ اللہ" کو خدا کی بیٹیاں کہتے تھے، بلکہ نصاریٰ میں "ابنیت مسیح" کا عقیدہ مشرکین کی تقلید سے آیا ہے۔ وہ بتوں کو خدائی کا درجہ دیتے ہیں، انہوں نے مسیح و روح القدس کو خدا ٹھہرالیا۔ باوجود دعوئے کتاب کے احبار و رہبان کے احکام کو شریعت الٰہیہ کا بدل تجویز کرلیا۔ یعنی احبار و رہبان رشوتیں لے کر اور حرام مال کھا کر جس چیز کو حلال یا حرام کر دیتے، احکام سماوی کی جگہ اُن ہی کو قبول کرلیا جاتا۔ ان کا یہ طریقہ ٹھیک مشرکین کے طریقہ سے مشابہ ہے۔ اُن کی سرکردہ بھی جس چیز کو چاہتے حلال و حرام ٹھہرا کر خدا کی طرف نسبت کر دیتے تھے جس کا ذکر "انعام" میں مفصل گذر چکا، اور یہاں بھی اُس کی ایک مثال بیان کی جاتی ہے۔ عرب میں قدیم سے معمول چلا آتا تھا کہ سال کے بارہ مہینوں میں سے چار مہینے "اشہر حرم" (خاص ادب و احترام کے مہینے) ہیں ذوالقعدہ، ذوالحجہ، محرم، رجب۔ ان میں خونریزی اور جدال و قتال قطعًا بند کر دیا جاتا تھا۔ حج و عمرہ اور تجارتی کاروبار کے لئے امن و امان کے ساتھ آزادی سے سفر کر سکتے تھے۔ کوئی شخص ان ایام میں اپنے باپ کے قاتل سے بھی تعرض نہ کرتا تھا۔ بلکہ بعض علماء نے لکھا ہے کہ اصل ملت ابراہیمی میں یہ چار ماہ "اشہر حُرُم" قرار دئے گئے تھے۔ اسلام سے ایک مدت پہلے جب عرب کی وحشت و جہالت حد سے بڑھ گئی اور باہمی جدال و قتال میں بعض بعض قبائل کی درندگی اور انتقام کا جذبہ کسی آسمانی یا زمینی قانون کا پابند نہ رہا، تو "نسی" کی رسم نکالی۔ یعنی جب کسی زور آور قبیلہ کا ارادہ ماہ محرم میں جنگ کرنے کا ہوا تو ایک سردار نے اعلان کر دیا کہ امسال ہم نے محرم کو اشہر حُرم سے نکال کر اس کی جگہ صفر کو حرام کر دیا۔ پھر اگلے سال کہہ دیا کہ اس مرتبہ حسب دستور قدیم محرم حرام اور صفر حلال رہے گا۔ اس طرح سال میں چار مہینوں کی گنتی تو پوری کر لیتے تھے، لیکن اُن کی تعیین میں حسب خواہش ردوبدل کرتے رہتے تھے۔ ابن کثیر کی تحقیق کے موافق "نسی" (مہینہ آگے پیچھے کرنے) کی رسم صرف محرم و صفر میں ہوتی تھی۔ اور اس کی وہ ہی صورت تھی جو اوپر مذکور ہوئی۔ امام مغازی محمد ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ پہلا شخص جس نے یہ رسم جاری کی "قلمس" کنانی تھا۔ پھر اس کی اولاد در اولاد یوں ہی ہوتا چلا آیا۔ آخر میں اُسی کی نسل سے "ابو ثمامہ جنادہ بن عوف کنانی" کا معمول تھا کہ ہر سال موسم حج میں اعلان کیا کرتا کہ امسال محرم اشہر حُرم میں داخل رہے گا یا صفر۔ اسی طرح محرم و صفر میں سے ہر مہینہ کبھی حلال اور کبھی حرام کیا جاتا تھا۔ اور عام طور پر لوگ اسی کو قبول کر لیتے تھے۔ گویا عہد جاہلیت میں کافروں کے کفر و گمراہی کو بڑھانے والی ایک چیز یہ بھی تھی کہ خدا کے حلال یا حرام کئے ہوئے مہینہ کو بدل ڈالنے کا حق کنانہ کے ایک سردار کو سونپ دیا گیا تھا۔ ٹھیک اسی طرح یہود و نصاریٰ کا حال تھا کہ انہوں نے تحلیل و تحریم کی باگ طامع اور غرض پرست احبار و رہبان کے ہاتھ میں دے دی تھی۔ دونوں جماعتوں کی مشابہت ظاہر کرنے کیلئے "نسی" کی رسم کا یہاں ذکر کیا گیا اور اِنَّ عِدَّۃَ الشُّھُوۡرِ عِنۡدَ اللّٰہِ الخ اُس کے رد کی تمہید ہے۔ یعنی آج سے نہیں، جب سے آسمان و زمین پیدا کئے خدا کے نزدیک بہت سے احکام شرعیہ جاری کرنے کے لئے سال کے بارہ مہینے رکھے گئے ہیں جن میں سے چار اشہر حرم (ادب کے مہینے) ہیں۔ جن میں گناہ و ظلم سے بچنے کا اور زیادہ اہتمام کرنا چاہئے۔ یہ ہی سید ھا دین (ابراہیم علیہ السلام) کا ہے۔

(۳۷) **اشہر حُرم میں جہاد کا مسئلہ** حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ اس آیت سے نکلتا ہے کہ کافروں سے لڑنا ہمیشہ روا ہے۔ (چنانچہ "غزوہ تبوک" جس کا آگے ذکر آتا ہے ماہ رجب میں ہوا) اور آپس میں ظلم کرنا ہمیشہ گناہ ہے۔ ان مہینوں میں زیادہ۔ اکثر علماء کے

رائے یہی ہے لیکن بہتر ہے کہ اگر کوئی کافر ان مہینوں کا ادب کرے تو ہم بھی اُس سے لڑائی کی ابتداء نہ کریں۔

(۳۸) یعنی بُرے کام کو اچھا سمجھ رہے ہیں۔ جب سمجھ اُلٹ جائے تو بھلائی کا رستہ کہاں ملے۔ اس آیت میں جو رسم نسی کا ذکر فرمایا ہے اُس کی تفصیل گذشتہ آیت کے فوائد زیر آیت ذٰلِکَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ گذر چکی (تنبیہ) بعض اقوام جو اپنے مہینوں کا حساب درست رکھنے کے لئے لوند کا مہینہ ہر تیسرے سال بڑھاتی ہیں وہ نسی میں داخل نہیں۔ اور بعض اکابر سلف سے جو نسی کے تحت میں یہ منقول ہے کہ عرب جاہلیت میں سال کے مہینوں کا عدد بدل ڈالتے تھے، مثلاً بارہ کے چودہ مہینے بنالئے یا حساب میں ایسی گڑبڑی کی کہ جو ذوالقعدہ تھا وہ ذوالحجہ بن گیا۔ حتیٰ کہ ۹ھ ہجری میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کا حج بھی اُن کے حساب سے ذیقعدہ میں ہوا۔ اور حدیث ان الزمان قد استدار کھیئتہ الخ کی تقریر بھی اسی اصول کے موافق کی گئی۔ ان سب چیزوں پر حافظ ابن کثیر نے تعقب کیا ہے من شاء فلیراجعہ۔ یہاں اس پر مفصل بحث کی گنجائش نہیں۔ اگر مستقل تفسیر قرآن لکھنے کی توفیق ہوئی جیسا کہ ارادہ ہے تو وہاں تفصیلی کلام کیا جائیگا۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَا لَكُمْ اِذَا قِیْلَ لَكُمُ انْفِرُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اثَّاقَلْتُمْ اِلَى الْاَرْضِ

اے ایمان والو تم کو کیا ہوا جب تم سے کہا جاتا ہے کہ کوچ کرو اللہ کی راہ میں تو گرے جاتے ہو زمین پر

اَرَضِیْتُمْ بِالْحَیٰوةِ الدُّنْیَا مِنَ الْاٰخِرَةِ ۚ فَمَا مَتَاعُ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا فِی الْاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِیْلٌ ﴿۳۸﴾

کیا خوش ہو گئے دنیا کی زندگی پر آخرت کو چھوڑ کر سو کچھ نہیں نفع اٹھانا دنیا کی زندگی کا آخرت کے مقابلہ میں مگر بہت تھوڑا ف۳۹

اِلَّا تَنْفِرُوْا یُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا ۙ وَّیَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَیْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّوْهُ شَیْـًٔا ؕ وَاللّٰهُ

اگر تم نہ نکلو گے تو دے گا تم کو عذاب دردناک اور بدلے میں لائیگا اور لوگ تمہارے سوا اور کچھ نہ بگاڑ سکو گے تم اس کا اور اللہ

عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۳۹﴾ اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا ثَانِیَ

سب چیز پر قادر ہے ف۴۰ اگر تم نہ مدد کرو گے رسول کی تو اُس کی مدد کی ہے اللہ نے جس وقت اس کو نکالا تھا کافروں نے کہ وہ دوسرا

اثْنَیْنِ اِذْ هُمَا فِی الْغَارِ اِذْ یَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ۚ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِیْنَتَهٗ

تھا دو میں کا جب وہ دونوں تھے غار میں جب وہ کہہ رہا تھا اپنے رفیق سے تو غم نہ کھا بیشک اللہ ہمارے ساتھ ہے پھر اللہ نے اُتاری اپنی طرف سے اس

عَلَیْهِ وَاَیَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِیْنَ كَفَرُوا السُّفْلٰى ؕ وَكَلِمَةُ اللّٰهِ هِیَ

پر تسکین اور اُسکی مدد کو وہ فوجیں بھیجیں کہ تم نے نہیں دیکھیں اور نیچے ڈالی بات کافروں کی اور اللہ کی بات ہمیشہ

الْعُلْیَا ؕ وَاللّٰهُ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ ﴿۴۰﴾

اُوپر ہے اور اللہ زبردست ہے حکمت والا ف۴۱

(۳۹) **غزوہ تبوک کے لئے جہاد کی تاکید** یہاں سے غزوہ تبوک کے لئے مومنین کو اُبھارا گیا ہے گذشتہ رکوع سے پہلے رکوع میں قَاتِلُوا الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْیَوْمِ الْاٰخِرِ الخ سے اہل کتاب کے مقابلہ میں جہاد کرنے کی ترغیب دی گئی تھی۔ درمیان میں جو ذیلی مضامین آئے اُن کا ربط موقع بہ موقع ظاہر ہوتا رہا ہے گویا وہ سب رکوع حاضر کی تمہید تھی۔ اور رکوع حاضر غزوہ تبوک کے بیان کی تمہید ہے۔ فتح مکہ و غزوہ حُنین کے بعد ۹ھ ہجری میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا کہ شام کا نصرانی بادشاہ (ملک غسان) قیصر روم

کی مدد سے مدینہ پر چڑھائی کرنیوالا ہے۔ حضور نے مناسب سمجھا کہ ہم خود حدود شام پر اقدام کر کے اُس کا جواب دیں۔ اس کے لئے آپ نے عام طور پر مسلمانوں کو حکم دیا کہ جہاد کے لئے تیار ہو جائیں۔ گرمی سخت تھی۔ قحط سالی کا زمانہ تھا۔ کھجور کی فصل پک رہی تھی، سایہ خوشگوار تھا۔ پھر اس قدر بعید مسافت طے کر کے جانا، اور نہ صرف ملک غسّان بلکہ قیصر روم کی باقاعدہ اور سروسامان سے آراستہ افواج سے نبرد آزما ہونا کوئی کھیل تماشا نہ تھا۔ ایسی مہم میں مومنین مخلصین کے سوا کس کا حوصلہ تھا کہ جان بازانہ قدم اُٹھا سکتا۔ چنانچہ منافقین جھوٹے حیلے بہانے تراش کر کھسکنے لگے۔ بعض مسلمان بھی ایسے سخت وقت میں اس طویل و صعب سفر سے کترا رہے تھے جن میں بہت تو آخر کار ساتھ ہو لئے اور گنے چنے آدمی رہ گئے جن کو کسل و تقاعد نے اس شرف عظیم کی شرکت سے محروم رکھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تقریباً تیس ہزار سرفروش مجاہدین کا لشکر جرار لے کر حدود شام کی طرف روانہ ہو گئے اور مقام تبوک میں ڈیرے ڈال دیئے۔ ادھر قیصر روم کے نام نامۂ مبارک لکھا جس میں اسلام کی طرف دعوت دی گئی تھی۔ حضور کی صداقت اس کے دل میں گھر کر گئی مگر قوم نے موافقت نہ کی اس لئے قبول اسلام سے محروم رہا۔ شام والوں کو جب حضور کے ارادے کی اطلاع ہوئی قیصر روم سے ظاہر کیا۔ اُس نے مدد نہ کی، ان لوگوں نے اطاعت کی مگر اسلام نہ لائے۔ تھوڑی مدّت کے بعد حضور کی وفات ہوئی اور فاروق اعظم کے عہد خلافت میں تمام ملک شام فتح ہوا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم تبوک سے غالب و منصور واپس تشریف لائے اور خدا نے بڑی بڑی سلطنتوں پر اسلام کی دھاک بٹھلا دی تو منافقین نے مدینہ بہت فضیحت ہوئے۔ نیز چند سچے مسلمان جو محض سستی اور کسل کی بناء پر رہ گئے تھے بیحد نادم و متحسر تھے۔ اس رکوع کے شروع سے بہت دور تک ان ہی واقعات کا ذکر ہے۔ مگر زیادہ منافقین کی حرکات بیان ہوئی ہیں۔ کہیں کہیں مسلمانوں کو خطاب اور ان کے احوال سے تعرض کیا گیا ہے۔ آیۂ حاضرہ میں مسلمانوں کو بڑی شدت سے جہاد کی طرف اُبھارا اور بتلایا ہے کہ تھوڑے سے عیش و آرام میں پھنس کر جہاد کو چھوڑنا گویا بلندی سے پستی کی طرف گر جانے کا مرادف ہے۔ مومن صادق کی نظر میں دنیا کے عیش و آرام کی آخرت کے مقابلہ میں کوئی وقعت نہ ہونی چاہئے۔ حدیث میں ہے کہ اگر خدا کے نزدیک دنیا کی وقعت پرِ پشہ کی برابر ہوتی تو کسی کافر کو ایک گھونٹ پانی کا نہ دیتا۔

(۴۰) یعنی خدا کا کام تم پر موقوف نہیں۔ تم اگر سُستی کرو گے وہ اپنی قدرت کاملہ سے کسی دوسری قوم کو دین حق کی خدمت کے لئے کھڑا کر دے گا۔ تم اس سعادت سے محروم رہو گے جو تمہارے ہی نقصان کا موجب ہے ؎ منّت منہ کہ خدمتِ سلطاں ہمی کنی ٭ منت ازو شناس کہ بخدمت گذاشتت۔

(۴۱) **غار ثور اور رسول اللہ ﷺ کے یار غار حضرت ابوبکرؓ کا واقعہ** یعنی بالفرض اگر تم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد نہ کرو گے نہ سہی۔ اُن کا منصور و کامیاب ہونا کچھ تم پر موقوف نہیں ایک وقت پہلے ایسا آچکا ہے جب ایک یار غار کے سوا کوئی آپ کے ساتھ نہ تھا معدودے چند مسلمان مکہ والوں کے مظالم سے تنگ آ کر ہجرت کر گئے تھے۔ آخر آپ کو بھی ہجرت کا حکم ہوا مشرکین کا آخری مشورہ یہ قرار پایا تھا
۴ منتخب ہوا اور وہ سب مل کر بیک وقت آپ پر تلواروں کی ضرب لگائیں تاکہ خونبہا دینا پڑے تو سب قبائل پر تقسیم ہو جائے اور بنی ہاشم کی یہ ہمت نہ ہو کہ خون کے انتقام میں سارے عرب سے لڑائی مول لیں۔ جس شب میں اس ناپاک کارروائی کو عملی جامہ پہنانے کی تجویز تھی حضور نے اپنے بستر پر حضرت علی کو لٹایا تاکہ لوگوں کی امانتیں احتیاط سے آپ کے بعد مالکوں کے حوالہ کر دیں اور حضرت علی کی تسلی فرمائی کہ تمہارا بال بیکا نہ ہو گا پھر خود بنفس نفیس ظالموں کے ہجوم میں سے "شَاهَتِ الْوُجُوهُ" فرماتے ہوئے اور اُن کی آنکھوں میں خاک جھونکتے ہوئے صاف نکل آئے۔ حضرت ابوبکر صدیق کو ساتھ لیا اور مکہ سے چند میل ہٹ کر غار ثور میں قیام فرمایا۔ یہ غار پہاڑ کی بلندی پر ایک بھاری مجوف چٹان ہے۔ جس میں داخل ہونے [illegible] ایسا تنگ کہ انسان کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر اس میں

گھس نہیں سکتا۔ صرف لیٹ کر داخل ہونا ممکن تھا۔ اوّل حضرت ابوبکرؓ نے اندر جا کر اُسے صاف کیا۔ سب سوراخ کپڑے سے بند کیے کہ کوئی کیڑا کانٹا گزند نہ پہنچا سکے۔ ایک سوراخ باقی تھا اُس میں اپنا پاؤں اڑا دیا۔ سب انتظام کر کے حضور سے اندر تشریف لانے کو کہا آپ صدیق کے زانو پر سر مبارک رکھ کر استراحت فرما رہے تھے، کہ سانپ نے ابوبکر کا پاؤں ڈس لیا۔ مگر صدیقؓ پاؤں کو حرکت نہ دیتے تھے، مبادا حضور کی استراحت میں خلل پڑے۔ جب آپ کی آنکھ کھلی اور قصّہ معلوم ہوا تو آپ نے لعاب مبارک صدیق کے پاؤں کو لگا دیا جس سے فوراً شفا ہو گئی۔ اُدھر کفار "قائف" کو ہمراہ لے کر جو نشانہائے قدم کی شناخت میں ماہر تھا۔ حضور کی تلاش میں نکلے۔ اُس نے غار ثور تک نشان قدم کی شناخت کی، مگر خدا کی قدرت کہ غار کے دروازہ پر مکڑی نے جالا تن لیا اور جنگلی کبوتر نے انڈے دے دیے۔ یہ دیکھ کر سب نے قائف کو جھٹلایا اور کہنے لگے کہ یہ مکڑی کا جالا تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ولادت سے بھی پہلے کا معلوم ہوتا ہے۔ اگر اندر کوئی داخل ہوتا تو یہ جالا اور انڈے کیسے صحیح وسالم رہ سکتے تھے۔ ابوبکر صدیق کو اندر سے کفار کے پاؤں نظر پڑتے تھے۔ انہیں فکر تھی کہ جان سے زیادہ محبوب جس کے لیے سب کچھ فدا کر چکے ہیں دشمنوں کو نظر نہ پڑجائیں۔ گھبرا کر کہنے لگے کہ یا رسول اللہ اگر ان لوگوں نے ذرا جھک کر اپنے قدموں کی طرف نظر کی تو ہم کو دیکھ پائیں گے۔ حضور نے فرمایا کہ ابوبکر تیرا کیا خیال ہے اُن دو کی نسبت جن کا تیسرا اللہ ہے۔ یعنی جب اللہ ہمارے ساتھ ہے تو پھر کس کا ڈر ہے۔ اس وقت حق تعالیٰ نے ایک خاص قسم کی کیفیت سکون واطمینان حضور کے قلب مبارک پر اور آپ کی برکت سے ابوبکر کے قلب مقدس پر نازل فرمائی اور فرشتوں کی فوج سے حفاظت وتائید کی۔ یہ اُسی تائید غیبی کا کرشمہ تھا کہ مکڑی کا جالا جسے "اوہن البیوت" بتلایا ہے، بڑے بڑے مضبوط ومستحکم قلعوں سے بڑھ کر ذریعہ تحفظ بن گیا۔ اس طرح خدا نے کافروں کی بات نیچی کی اور اُن کی تدابیر خاک میں ملا دیں۔ آپ تین روز غار میں قیام فرما کر بعافیت تمام مدینہ طیبہ پہنچ گئے۔ بیشک انجام کار خدا ہی کا بول بالا رہتا ہے۔ وہ ہر چیز پر غالب ہے اور اُس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں۔ (تنبیہ) بعض نے وَاَیَّدَهٗ بِجُنُوۡدٍ لَّمۡ تَرَوۡهَا سے بدر وحنین وغیرہ میں جو نزول ملائکہ ہوا وہ مراد لیا ہے مگر ظاہر سیاق سے وہ ہی ہے۔ جو ہم نے بیان کیا۔ واللہ اعلم۔

اِنۡفِرُوۡا خِفَافًا وَّثِقَالًا وَّجَاهِدُوۡا بِاَمۡوَالِكُمۡ وَاَنۡفُسِكُمۡ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ ؕ ذٰ لِكُمۡ خَيۡرٌ لَّـكُمۡ

نکلو ہلکے اور بوجھل ف ۴۲ اور لڑو اپنے مال سے اور جان سے اللہ کی راہ میں یہ بہتر ہے تمہارے حق میں

اِنۡ كُنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ ۝۴۱ لَوۡ كَانَ عَرَضًا قَرِيۡبًا وَّسَفَرًا قَاصِدًا لَّاتَّبَعُوۡكَ وَلٰـكِنۡۢ بَعُدَتۡ

اگر تم کو سمجھ ہے ف ۴۳ اگر مال ہوتا نزدیک اور سفر ہلکا تو وہ لوگ ضرور تیرے ساتھ ہو لیتے لیکن لمبی نظر آئی

عَلَيۡهِمُ الشُّقَّةُ ؕ وَسَيَحۡلِفُوۡنَ بِاللّٰهِ لَوِ اسۡتَطَعۡنَا لَخَـرَجۡنَا مَعَكُمۡ ۚ يُهۡلِكُوۡنَ اَنۡفُسَهُمۡ ۚ

اُن کو مسافت ف ۴۴ اور اب قسمیں کھائیں گے اللہ کی کہ اگر ہم سے ہو سکتا تو ہم ضرور چلتے تمہارے ساتھ وبال میں ڈالتے ہیں اپنی جانوں کو

وَاللّٰهُ يَعۡلَمُ اِنَّهُمۡ لَـكٰذِبُوۡنَ ۝۴۲ عَفَا اللّٰهُ عَنۡكَ ۚ لِمَ اَذِنۡتَ لَهُمۡ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكَ ع ۶ ۵ ۱۲

اور اللہ جانتا ہے کہ وہ جھوٹے ہیں ف ۴۵ اللہ بخشے تجھ کو کیوں رخصت دیدی تو نے اُن کو یہاں تک کہ ظاہر ہو جاتے تجھ پر

الَّذِيۡنَ صَدَقُوۡا وَتَعۡلَمَ الۡـكٰذِبِيۡنَ ۝۴۳

سچ کہنے والے اور جان لیتا تو جھوٹوں کو ف ۴۶

(۴۲) یعنی پیادہ اور سوار، فقیر اور غنی، جوان اور بوڑھے، جس حالت میں ہوں نکل کھڑے ہوں۔ نفیر عام کے وقت کوئی عذر پیش نہ لائیں۔

(۴۳) یعنی دنیوی اور اُخروی ہر حیثیت سے۔

(۴۴) **منافقین کے حیلے بہانے** یہ منافقین کو فرمایا کہ اگر سفر ہلکا ہوتا اور بے محنت مال غنیمت ہاتھ آنے کی توقع ہوتی تو جلدی ساتھ ہو لیتے۔ لیکن ایسی کٹھن منزلوں کا طے کرنا ان سے کہاں ممکن ہے؟

(۴۵) یا تو نکلنے سے پہلے قسمیں کھا کر طرح طرح کے حیلے حوالے کریں گے کہ آپ اُن کو مدینہ میں ٹھہرے رہنے کی اجازت دے دیں اور یا آپ کی واپسی کے بعد جھوٹی قسمیں کھا کر باتیں بنائیں گے تاکہ اپنے نفاق پر پردہ ڈالیں۔ حالانکہ خدا سے اُن کا جھوٹ اور نفاق پوشیدہ نہیں رہ سکتا یہ نفاق و فریب دہی اور جھوٹی قسمیں کھانا، انجام کار انہی کے حق میں وبال جان ہوگا۔

(۴۶) **منافقین کو آنحضرتؐ کی اجازت** منافقین جھوٹے عذر کر کے جب مدینہ میں ٹھہرے رہنے کی اجازت طلب کرتے تو آپ ان کے کید و نفاق سے اغماض کر کے اور یہ سمجھ کر کہ ان کے ساتھ چلنے میں فساد کے سوا کوئی بہتری نہیں، اجازت دیتے تھے اُس کو فرمایا کہ اگر آپ اجازت نہ دیتے تو زیادہ بہتر ہوتا۔ کیونکہ اُس وقت ظاہر ہو جاتا کہ انہوں نے اپنے نہ جانے کو کچھ آپ کی اجازت پر موقوف نہیں رکھا ہے۔ جانے کی توفیق تو انہیں کسی حال نہ ہوتی۔ البتہ آپ کے روبرو ان کا جھوٹ سچ کھل جاتا۔ پس اجازت دینا کوئی گناہ نہ تھا، البتہ نہ دینا مصالح حاضرہ کے اعتبار سے زیادہ موزوں ہوتا۔ اس اعلیٰ و اکمل صورت کے ترک کی وجہ سے خطاب کو "عفا اللہ عنک" سے شروع فرمایا۔ عفو کا لفظ ضروری نہیں کہ گناہ ہی کے مقابلہ میں ہو۔ بعض محققین نے "عفا اللہ عنک" اس جملہ کو صدر کلام میں محض دعاء و تعظیم کے طور پر لیا ہے جیسا کہ عرب کے محاورات میں شائع تھا مگر سلف سے وہ ہی منقول ہے جو ہم نے پہلے بیان کیا۔ اور لفظ "لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ" اس کی تائید کرتا ہے، واللہ اعلم۔

لَا يَسْتَاْذِنُكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ؕ

نہیں رخصت مانگتے تجھ سے وہ لوگ جو ایمان لائے اللہ پر اور آخرت کے دن پر اس سے کہ لڑیں اپنے مال اور جان سے

وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالْمُتَّقِيْنَ ۝۴۴ اِنَّمَا يَسْتَاْذِنُكَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَارْتَابَتْ

اور اللہ خوب جانتا ہے ڈر والوں کو رخصت وہی مانگتے ہیں تجھ سے جو نہیں ایمان لائے اللہ پر اور آخرت کے دن پر اور شک میں پڑے ہیں

قُلُوْبُهُمْ فَهُمْ فِيْ رَيْبِهِمْ يَتَرَدَّدُوْنَ ۝۴۵ وَلَوْ اَرَادُوا الْخُرُوْجَ لَاَعَدُّوْا لَهٗ عُدَّةً وَّلٰكِنْ

دل اُن کے سو وہ اپنے شک ہی میں بھٹک رہے ہیں ف۴۸ اور اگر وہ چاہتے نکلنا تو ضرور تیار کرتے کچھ سامان اُس کا لیکن

كَرِهَ اللّٰهُ انْۢبِعَاثَهُمْ فَثَبَّطَهُمْ وَقِيْلَ اقْعُدُوْا مَعَ الْقٰعِدِيْنَ ۝۴۶ لَوْ خَرَجُوْا فِيْكُمْ مَّا

پسند نہ کیا اللہ نے اُن کا اُٹھنا سو روک دیا اُن کو اور حکم ہوا کہ بیٹھے رہو ساتھ بیٹھنے والوں کے ف۴۸ اگر نکلتے تم میں تو کچھ نہ

زَادُوْكُمْ اِلَّا خَبَالًا وَّلَاۡاَوْضَعُوْا خِلٰلَكُمْ يَبْغُوْنَكُمُ الْفِتْنَةَ ۚ وَفِيْكُمْ سَمّٰعُوْنَ لَهُمْ ؕ

بڑھاتے تمہارے لئے مگر خرابی اور گھوڑے دوڑاتے تمہارے اندر بگاڑ کروانے کی تلاش میں ف۴۹ اور تم میں بعضے جاسوس ہیں اُن کے

وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ۝۴۷

اور اللہ خوب جانتا ہے ظالموں کو ف۵۰

(۴۷) **جہاد سے منہ پھیرنے والے مومن نہیں ہیں** یعنی جن کے دلوں میں ایمان و تقویٰ کا نور ہے، اُن کی یہ شان نہیں کہ جہاد سے

الگ رہنے کی اس طرح بڑھ بڑھ کر اجازت حاصل کریں۔ ان کا حال تو وہ ہے جو اس پارہ کے آخر میں بیان ہوا ہے "تَوَلَّوْا وَّاَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا اَلَّا يَجِدُوْا مَا يُنْفِقُوْنَ" یعنی بے سروسامانی وغیرہ کے عذر سے اگر "جہاد فی سبیل اللہ" کے شرف سے محروم رہجائیں تو اس فضل کے فوت ہوجانے پر اُن کی آنکھیں اشکبار ہوتی ہیں۔ بے حیا بن کر جہاد سے علیحدہ رہنے کی اجازت لینا اُنہی کا شیوہ ہے جن کو خدا کے وعدوں پر یقین نہیں نہ آخرت کی زندگی کو سمجھتے ہیں۔ حق تعالیٰ نے اسلام و مسلمین کے غالب منصور ہونے کی جو خبریں دی ہیں اُن کے متعلق ہمیشہ شک و شبہ میں گرفتار رہتے ہیں۔

(۴۸) **منافقین کی حالت** اُن کا ارادہ ہی گھر سے نکلنے کا نہیں۔ ورنہ اُس کا کچھ تو سامان کرتے، حکم جہاد سنتے ہی جھوٹے عذر نہ لے دوڑتے واقعہ یہ ہے کہ خدا نے ان کی شرکت کو پسند ہی نہیں کیا۔ یہ جاتے تو وہاں فتنے اٹھاتے۔ نہ جانے کی صورت میں اُنہیں سے پتہ لگ جائیگا کہ مومنین کو خدا کے فضل سے ایک تنکے کے برابر ان کی پروا نہیں۔ اسی لئے خدا نے صفوف مجاہدین میں شامل ہونے سے روک دیا اس طرح کہ رُکنے کا وبال انہی کے سر پر رہے۔ گویا اُنکو تکوینًا کہہ دیا گیا کہ جاؤ، عورتوں بچوں اور اپاہج آدمیوں کے ساتھ گھر میں گھس کر بیٹھے رہو۔ اور پیغمبر علیہ السّلام نے اُن کے اعذار کاذبہ کے جواب میں جو گھر بیٹھ رہنے کی اجازت دیدی، یہ بھی ایک طرح خدا ہی کا فرمادینا ہے۔ اس لئے تکوینًا کی قید بھی ضروری نہیں۔

(۴۹) یعنی اگر تمہارے ساتھ نکلتے تو اپنے جبن و نامردی کی وجہ سے دوسروں کی ہمتیں بھی سُست کر دیتے اور آپس میں لگا بجھا کر مسلمانوں میں تفریق ڈالنے کی کوشش کرتے اور جھوٹی افواہیں اڑا کر ان کو دشمنوں سے ہیبت زدہ کرنا چاہتے غرض اِن کے وجود سے بھلائی میں تو کوئی اضافہ نہ ہوتا ہاں برائی بڑھ جاتی اور فتنہ انگیزی کا زور ہوتا۔ ان ہی وجوہ سے خدا نے ان کو جانے کی توفیق نہ بخشی۔

(۵۰) یعنی اب بھی اُن کے جاسوس یا بعض ایسے سادہ لوح افراد تم میں موجود ہیں جو اُن کی بات سنتے اور تھوڑا بہت متاثر ہوتے ہیں (ابن کثیر) گو ویسا فتنہ و فساد برپا نہیں کر سکتے جو ان شریروں کے وجود سے ہو سکتا تھا۔ بلکہ ایک حیثیت سے ایسے جواسیس کا ہمراہ جانا مفید ہے کہ وہ بچشم خود مسلمانوں کی اولوالعزمی، بیجگری وغیرہ دیکھ کر ان سے نقل کریں گے تو ان کے دلوں پر بھی مسلمانوں کی ہیبت قائم ہوگی۔

لَقَدِ ابْتَغَوُا الْفِتْنَةَ مِنْ قَبْلُ وَقَلَّبُوْا لَكَ الْاُمُوْرَ حَتّٰى جَآءَ الْحَقُّ وَظَهَرَ اَمْرُ اللّٰهِ وَهُمْ

وہ تلاش کرتے رہے ہیں بگاڑ کی پہلے سے اور اُلٹتے رہے ہیں تیرے کام یہاں تک کہ آپہنچا سچا وعدہ اور غالب ہوا حکم اللہ کا اور وہ

كٰرِهُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ ائْذَنْ لِّيْ وَلَا تَفْتِنِّيْ ؕ اَلَا فِي الْفِتْنَةِ سَقَطُوْا ؕ وَاِنَّ

ناخوش ہی رہے ۵۱ اور بعضے اُن میں کہتے ہیں مجھ کو رخصت دے اور گمراہی میں نہ ڈال سنتا ہے وہ تو گمراہی میں پڑ چکے ہیں اور بیشک

جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌ ۢ بِالْكٰفِرِيْنَ ﴿۴۹﴾ اِنْ تُصِبْكَ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ ۚ وَاِنْ تُصِبْكَ مُصِيْبَةٌ

دوزخ گھیر رہی ہے کافروں کو ۵۲ اگر تجھ کو پہنچے کوئی خوبی تو وہ بُری لگتی ہے اُنکو اور اگر پہنچے کوئی سختی

يَّقُوْلُوْا قَدْ اَخَذْنَآ اَمْرَنَا مِنْ قَبْلُ وَيَتَوَلَّوْا وَّهُمْ فَرِحُوْنَ ﴿۵۰﴾ قُلْ لَّنْ يُّصِيْبَنَآ اِلَّا

تو کہتے ہیں ہم نے تو سنبھال لیا تھا اپنا کام پہلے ہی اور پھر کر جائیں خوشیاں کرتے ۵۳ تو کہہ دے ہم کو ہرگز نہ پہنچے گا مگر وہی

مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا ۚ هُوَ مَوْلٰىنَا ۚ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۱﴾

جو لکھ دیا اللہ نے ہمارے لئے وہی ہے کارساز ہمارا اور اللہ ہی پر چاہئے کہ بھروسہ کریں مسلمان

(۵۱) جس وقت حضور مدینہ تشریف لائے یہود اور منافقین مدینہ آپ کے خلاف طرح طرح کی فتنہ انگیزیاں کرتے رہے اور اسلام کی روز افزوں ترقیات کا تختہ اُلٹنے کے لئے بہت کچھ اُلٹ پھیر کی۔ مگر بدر میں جب کفر و شرک کے بڑے بڑے ستون گر گئے اور حیرت انگیز طریقہ پر اسلام کا غلبہ ظاہر ہوا تو عبداللہ بن اُبی اور اُس کے ساتھیوں نے کہا اِنَّ هٰذَا اَمْرٌ قَدْ تَوَجَّہَ کہ یہ چیز تو اب رُکنے والی معلوم نہیں ہوتی چنانچہ بہت سے لوگ خوف کھا کر محض زبان سے کلمہ اسلام پڑھنے لگے۔ مگر چونکہ دل میں کفر چھپا ہوا تھا، اس لئے جوں جوں اسلام و مسلمین کی کامیابی اور غلبہ دیکھتے، دل ہی دل میں جلتے اور غیظ کھاتے تھے۔ غرض ان کی فتنہ پردازی اور مکاری سے کوئی نئی چیز نہیں۔ شروع سے اُن کا یہی وتیرہ رہا ہے۔ جنگ اُحد میں یہ لوگ اپنی جماعت کو لے کر راستہ سے لوٹ آئے تھے۔ مگر آخر دیکھ لیا کہ حق کس طرح غالب ہو کر رہتا ہے اور باطل کیسے ذلیل و رسوا کیا جاتا ہے۔

(۵۲) ایک بڑے منافق جُدّ بن قیس نے کہا کہ حضرت مجھے تو یہیں رہنے دیجئے۔ رُوم کی عورتیں بہت حسین ہوتی ہیں میں اُنہیں دیکھ کر دل قابو میں نہ رکھ سکونگا۔ تو مجھے وہاں لے جا کر گمراہی میں نہ ڈالئے۔ فرمایا کہ یہ لفظ کہہ کر اور اپنے جبن و کفر پر جھوٹی پرہیزگاری کا پردہ ڈال کر وہ گمراہی کے گڑھے میں گر چکا۔ اور آگے چل کر کفر و نفاق کی بدولت دوزخ کے گڑھے میں گرنے والا ہے۔ بعض نے آیت کو عام منافقین کے حق میں رکھا ہے اور لَا تَفْتِنِّیْ کا مطلب یہ لیا ہے کہ ہم کو ساتھ لیجا کر اموال وغیرہ کے نقصان میں مبتلا نہ کیجئے۔ اس کا جواب اَلَا فِی الْفِتْنَةِ سَقَطُوْا سے دیا۔

(۵۳) منافقین کی عادت تھی، جب مسلمانوں کو غلبہ و کامیابی نصیب ہوتی تو جلتے اور کڑھتے تھے۔ اور اگر کبھی کوئی سختی کی بات پیش آگئی مثلاً کچھ مسلمان شہید یا مجروح ہو گئے۔ تو فخریہ کہتے کہ ہم نے از راہ دور اندیشی پہلے ہی اپنے بچاؤ کا انتظام کر لیا تھا ہم سمجھے تھے کہ یہی حشر ہونے والا ہے لہٰذا ان کے ساتھ گئے ہی نہیں۔ غرض ڈینگیں مارتے ہوئے اور خوشی سے بغلیں بجاتے ہوئے اپنی مجلسوں سے گھروں کو واپس جاتے ہیں۔

قُلْ هَلْ تَرَبَّصُوْنَ بِنَآ اِلَّآ اِحْدَى الْحُسْنَيَيْنِ ۭ وَنَحْنُ نَتَرَبَّصُ بِكُمْ اَنْ يُّصِيْبَكُمُ اللّٰهُ

تو کہہ دے تم کیا اُمید کرو گے ہمارے حق میں مگر دو خوبیوں میں سے ایک کی اور ہم اُمیدوار ہیں تمہارے حق میں کہ ڈالے تم پر اللہ

بِعَذَابٍ مِّنْ عِنْدِهٖٓ اَوْ بِاَيْدِيْنَا ڮ فَتَرَبَّصُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ مُّتَرَبِّصُوْنَ ۝۵۲ قُلْ اَنْفِقُوْا

کوئی عذاب اپنے پاس سے یا ہمارے ہاتھوں سو منتظر رہو ہم بھی تمہارے ساتھ منتظر ہیں ۵۴ کہہ دے کہ مال خرچ کرو

طَوْعًا اَوْ كَرْهًا لَّنْ يُّتَقَبَّلَ مِنْكُمْ ۭ اِنَّكُمْ كُنْتُمْ قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ۝۵۳ وَمَا مَنَعَهُمْ اَنْ تُقْبَلَ

خوشی سے یا ناخوشی سے ہرگز قبول نہ ہوگا تم سے بیشک تم نافرمان لوگ ہو ۵۵ اور موقوف نہیں ہوا قبول ہونا

مِنْهُمْ نَفَقٰتُهُمْ اِلَّآ اَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَبِرَسُوْلِهٖ وَلَا يَاْتُوْنَ الصَّلٰوةَ اِلَّا وَهُمْ كُسَالٰى

اُن کے خرچ کا مگر اسی بات پر کہ وہ منکر ہوئے اللہ سے اور اُسکے رسول سے اور نہیں آتے نماز کو مگر ہارے جی سے

وَلَا يُنْفِقُوْنَ اِلَّا وَهُمْ كٰرِهُوْنَ ۝۵۴

اور خرچ نہیں کرتے مگر بُرے دل سے ۵۶

(۵۴) **منافقین کو جواب** یعنی سختی یا نرمی جو جس وقت کے لئے مقدر ہے وہ تو ٹل نہیں سکتی، نہ دنیا میں اس سے چارہ ہے مگر ہم

چونکہ ظاہر و باطن سے خدا کو اپنا حقیقی مولا اور پروردگار سمجھتے ہیں، لہٰذا ہماری گردنیں اس کے فیصلے اور حکم کے سامنے پست ہیں کوئی سختی اُس کی فرماں برداری سے باز نہیں رکھتی۔ اور اُسی پر ہم کو بھروسہ ہے کہ وہ عارضی سختی کو آخرت میں بالیقین اور بسا اوقات دنیا میں بھی راحت و خوشی سے تبدیل کر دے گا۔ اندریں صورت تم ہماری نسبت دو بھلائیوں میں سے کسی ایک کی ضرور اُمید کر سکتے ہو اگر خدا کے راستہ میں مارے گئے تو شہادت و جنت اور واپس آئے تو اجر یا غنیمت ضرور مل کر رہے گی۔ جیسا کہ حدیث صحیح میں حق تعالیٰ نے مجاہد کی نسبت ان چیزوں کا تکفل فرمایا ہے برخلاف اس کے تمہاری نسبت ہم منتظر ہیں کہ دو برائیوں میں سے ایک بُرائی ضرور پہنچ کر رہے گی یا نفاق و شرارت کی بدولت بلاواسطہ قدرت کی طرف سے کوئی عذاب تم پر مسلط ہو گا یا ہمارے ہاتھوں سے خدا تم کو سخت سزا دلوائے گا، جو رسوا کر کے تمہارے نفاق کا پردہ فاش کر دیگی۔ بہرحال تم اور ہم دونوں کو ایک دوسرے کا انجام دیکھنے کے لئے منتظر رہنا چاہئے۔ آخر معلوم ہو جائیگا کہ دونوں میں زیادہ انجام بیں اور دور اندیش کون تھا۔

(٥٥) **منافقین کے نفقات قبول نہیں** | جد بن قیس نے رومی عورتوں کے فتنہ کا بہانہ کر کے یہ بھی کہا تھا کہ حضرت میں بذات خود نہیں جا سکتا۔ لیکن مالی اعانت کر سکتا ہوں۔ اُس کا جواب دیا کہ بے اعتقاد کا مال قبول نہیں خواہ خوشی سے خرچ کرے یا ناخوشی سے یعنی خوشی سے خدا کے راستہ میں خرچ کرنے کی اُن کو توفیق کہاں وَلَا يُنْفِقُونَ اِلَّا وَهُمْ كٰرِهُوْنَ تاہم اگر بالفرض خوشی سے بھی خرچ
۴ قبول نہ کرے گا۔ اس کا سبب اگلی آیت میں بتایا ہے۔

(٥٦) عدم قبول کا اصلی سبب تو ان کا کفر ہے۔ جیسا کہ ہم پہلے متعدد مواقع میں اشارہ کر چکے کہ کافر کا ہر عمل مردہ اور بے جان ہوتا ہے باقی نماز میں ہارے جی سے آنا، یا بُرے دل سے خرچ کرنا، یہ سب کفر کے ظاہری آثار ہیں۔

فَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ ۭ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ
سو تو تعجب نہ کر اُن کے مال اور اولاد سے یہی چاہتا ہے اللہ کہ اُن کو عذاب میں رکھے اُن چیزوں کی وجہ سے دنیا کی زندگی میں اور

تَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿٥٥﴾ وَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ اِنَّهُمْ لَمِنْكُمْ ۭ وَمَا هُمْ مِّنْكُمْ
نکلے اُن کی جان اور وہ اس وقت تک کافر ہی رہیں ف ٥٥ اور قسمیں کھاتے ہیں اللہ کی کہ وہ بیشک تم میں ہیں اور وہ تم میں نہیں

وَلٰكِنَّهُمْ قَوْمٌ يَّفْرَقُوْنَ ﴿٥٦﴾ لَوْ يَجِدُوْنَ مَلْجَاً اَوْ مَغٰرٰتٍ اَوْ مُدَّخَلًا لَّوَلَّوْا اِلَيْهِ وَ
ولیکن وہ لوگ ڈرتے ہیں تم سے اگر وہ پائیں کوئی پناہ کی جگہ یا غار یا سر گھسانے کو جگہ تو اُلٹے بھاگیں اُسی طرف

هُمْ يَجْمَحُوْنَ ﴿٥٧﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّلْمِزُكَ فِي الصَّدَقٰتِ ۚ فَاِنْ اُعْطُوْا مِنْهَا رَضُوْا وَاِنْ لَّمْ
رسیاں تڑاتے ف ٥٦ اور بعضے اُن میں وہ ہیں کہ تجھ کو طعن دیتے ہیں خیرات بانٹنے میں سو اگر اُن کو ملے اُس میں سے تو راضی ہوں اور اگر نہ

يُعْطَوْا مِنْهَآ اِذَا هُمْ يَسْخَطُوْنَ ﴿٥٨﴾ وَلَوْ اَنَّهُمْ رَضُوْا مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ ۙ وَقَالُوْا
ملے تو جبھی وہ ناخوش ہو جائیں ف ٥٩ اور کیا اچھا ہوتا اگر وہ راضی ہو جاتے اُسی پر جو دیا اُن کو اللہ نے اور اُسکے رسول نے اور کہتے

حَسْبُنَا اللّٰهُ سَيُؤْتِيْنَا اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَرَسُوْلُهٗٓ ۙ اِنَّآ اِلَى اللّٰهِ رٰغِبُوْنَ ﴿٥٩﴾ ع [۱۴]
کافی ہے ہم کو اللہ وہ دے گا ہم کو اپنے فضل سے اور اس کا رسول ہم کو تو اللہ ہی چاہیئے ف ٦٠

(٥٧) **کفار کی ظاہری خوشحالی کی وجہ** | شبہ گذر سکتا تھا کہ جب یہ ایسے مردود ہیں تو اُن کو مال و اولاد وغیرہ نعمتوں سے کیوں نوازا گیا

ہے۔ اس کا جواب دیا کہ یہ نعمتیں ان کے حق میں بڑا عذاب ہے۔ جس طرح ایک لذیذ اور خوشگوار غذا تندرست آدمی کی صحت وقوت کو بڑھاتی ہے اور فاسد الاخلاط مریض کو ہلاکت سے قریب تر کر دیتی ہے۔ یہ ہی حال ان دنیوی نعمتوں (مال واولاد وغیرہ) کا سمجھو، ایک کافر کے حق میں یہ چیزیں سوئے مزاج کی وجہ سے زہر ہلاہل ہیں۔ چونکہ کفار دنیا کی حرص ومحبت میں غریق ہوتے ہیں، اس لئے اوّل اس کے جمع کرنے میں بیحد کوفت اُٹھاتے ہیں۔ پھر ذرا نقصان یا صدمہ پہنچ گیا تو جس قدر محبت ان چیزوں سے ہے، اُسی قدر غم سوار ہوتا ہے اور کوئی وقت اس کے فکر واندیشہ اور اُدھیڑبن سے خالی نہیں جاتا پھر جب موت ان محبوب چیزوں سے جدا کرتی ہے اس وقت کے صدمے اور حسرت کا تو اندازہ کرنا مشکل ہے۔ غرض دنیا کے عاشق اور حریص کو کسی وقت حقیقی چین اور اطمینان میسر نہیں۔ چنانچہ یورپ وامریکہ وغیرہ کے بڑے بڑے سرمایہ داروں کے اقوال اس پر شاہد ہیں۔ باقی مومنین جو دولت اور اولاد کو معبود اور زندگی کا اصلی نصب العین نہیں سمجھتے، چونکہ ان کے دل میں حُبِّ دنیا کا مرض نہیں ہوتا اس لئے یہ ہی چیزیں اُن کے حق میں نعمت اور دین کے اعانت کا ذریعہ بنتی ہیں۔ اس کے علاوہ اکثر کفار کثرت مال واولاد پر مغرور ہو کر کفر وطغیان میں اور زیادہ شدید ہو جاتے ہیں جو اس کا سببِ بنتا ہے کہ اخیر دم تک کافر ہی رہیں۔ نیز منافقین مدینہ جن کے حق میں یہ آیات نازل ہوئیں، اُن کا حال یہ تھا کہ بادل ناخواستہ جہاد وغیرہ کے مواقع پر ریاء ونفاق سے مال خرچ کرتے تھے اور اُن کی اولاد میں بعض لوگ مخلص مسلمان ہو کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ جہاد میں شریک ہوتے تھے۔ یہ دونوں چیزیں منافقین کے منشائے قلبی کے بالکلیہ خلاف تھیں۔ اس طرح اموال و اولاد اُن کے لئے دنیا میں عذاب بن گئے تھے۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "یعنی یہ تعجب نہ کر کہ بے دین کو اللہ نے نعمت کیوں دی، بے دین کے حق میں اولاد اور مال وبال ہے کہ ان کے پیچھے دل پریشان رہے اور اُن کی فکر سے چھوٹنے نہ پائے مرتے دم تک، تا توبہ کرے یا نیکی اختیار کرے۔"

(۵۸) **منافقین کے نفاق کی وجہ** یعنی محض اس خوف سے کہ کفر ظاہر کریں تو کفار کا سا معاملہ اُن کے ساتھ بھی ہونے لگیگا قسمیں کھاتے ہیں کہ ہم تو تمہاری ہی جماعت (مسلمین) میں شامل ہیں۔ حالانکہ یہ بالکل غلط ہے۔ اگر آج ان کو کوئی پناہ کی جگہ ملجائے یا کسی غار میں چھپ کر زندگی بسر کر سکیں یا کم از کم ذرا سر گھسانے کی جگہ ہاتھ آجائے، غرض حکومت اسلامی کا خوف نہ رہے، تو سب دعوے چھوڑ کر بے تحاشا اُسی طرف بھاگنے لگیں، چونکہ نہ اسلامی حکومت کے مقابلہ کی طاقت ہے نہ کوئی پناہ کی جگہ ملتی ہے اس لئے قسمیں کھا کھا کر جھوٹی باتیں بناتے ہیں۔

(۵۹) **آنحضرت پر منافقین کا طعن** بعض منافقین اور بعض اعراب (بدو) صدقات وغنائم کی تقسیم کے وقت دنیوی حرص اور خود غرضی کی راہ سے حضور کی نسبت زبان طعن کھولتے تھے کہ تقسیم میں انصاف کا پہلو ملحوظ نہیں رکھا گیا۔ مگر یہ اعتراض اسی وقت تک تھا جب تک اُن کی خواہش کے موافق صدقات وغیرہ میں سے حصّہ نہ دیا جائے۔ اگر انہیں خوب جی بھر کر خواہش وحرص کے موافق دیدیا گیا تو خوش ہو جاتے اور کچھ اعتراض نہیں رہتا تھا۔ گویا ہر طرح مال ودولت کو قبلہ مقصود ٹھہرا رکھا تھا۔ آگے بتلاتے ہیں کہ ایک مدعی ایمان کا مطمح نظر یہ نہیں ہونا چاہئے۔

(۶۰) یعنی بہترین طریقہ یہ ہے کہ جو کچھ خدا پیغمبر کے ہاتھ سے دلوائے اُس پر آدمی راضی وقانع ہو اور صرف خدا پر توکل کرے اور سمجھے کہ وہ چاہے گا تو آئندہ اپنے فضل سے بہت کچھ مرحمت فرمائیگا۔ غرض دنیا کی متاع فانی کو نصب العین نہ بنائے۔ صرف خداوند رب العزت کے قرب ورضا کا طالب ہو اور جو ظاہری وباطنی دولت خدا اور رسول کی سرکار سے ملے اسی پر مسرور ومطمئن ہو۔

إِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَ

زکوٰۃ جو ہے سو وہ حق ہے مفلسوں کا اور محتاجوں کا اور زکوٰۃ کے کام پر جانیوالوں کا اور جن کا دل پرچانا منظور ہے اور گردنوں کے چھڑانے میں اور

الْغٰرِمِيْنَ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۭ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۶۰﴾ وَمِنْهُمُ

جو تاوان بھریں اور اللہ کے رستہ میں اور راہ کے مسافر کو ٹھہرایا ہوا ہے اللہ کا اور اللہ سب کچھ جاننے والا حکمت والا ہے ف۶۱ اور بعضے ان میں

الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ النَّبِيَّ وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ اُذُنٌ ۭ قُلْ اُذُنُ خَيْرٍ لَّكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَيُؤْمِنُ

بدگوئی کرتے ہیں نبی کی اور کہتے ہیں کہ یہ شخص تو کان ہے تو کہہ کان ہے تمہارے بھلے کے واسطے یقین رکھتا ہے اللہ پر اور یقین کرتا ہے

لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَرَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ۭ وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ

مسلمانوں کی بات کا اور رحمت ہے ایمان والوں کے حق میں تم میں سے اور جو لوگ بدگوئی کرتے ہیں اللہ کے رسول کی ان کے لئے عذاب ہے

اَلِيْمٌ ﴿۶۱﴾ يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ لِيُرْضُوْكُمْ ۚ وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ اِنْ كَانُوْا

دردناک ف۶۲ قسمیں کھاتے ہیں اللہ کی تمہارے آگے تاکہ تم کو راضی کریں اور اللہ کو اور اسکے رسول کو بہت ضرور ہے راضی کرنا اگر وہ ایمان

مُؤْمِنِيْنَ ﴿۶۲﴾ اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّهٗ مَنْ يُّحَادِدِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاَنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدًا

رکھتے ہیں ف۶۳ کیا وہ جان نہیں چکے کہ جو کوئی مقابلہ کرے اللہ سے اور اسکے رسول سے تو اسکے واسطے ہے دوزخ کی آگ سدا رہے

فِيْهَا ۭ ذٰلِكَ الْخِزْيُ الْعَظِيْمُ ﴿۶۳﴾

اس میں یہی ہے بڑی رسوائی ف۶۴

(۶۱) **زکوٰۃ کے مصارف** چونکہ تقسیم صدقات کے معاملہ میں پیغمبر پر طعن کیا گیا تھا، اس لئے متنبہ فرماتے ہیں کہ صدقات کی تقسیم کا طریقہ خدا کا مقرر کیا ہوا ہے۔ اُس نے صدقات وغیرہ کے مصارف متعین فرما کر فہرست نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں دے دی ہے۔ آپ اُسی کے موافق تقسیم کرتے ہیں اور کریں گے۔ کسی کی خواہش کے تابع نہیں ہو سکتے۔ حدیث میں آپ نے فرمایا کہ "خدا نے صدقات (زکوٰۃ) کی تقسیم کو نبی غیر نبی، کسی کی مرضی پر نہیں چھوڑا۔ بلکہ بذات خود اُس کے مصارف متعین کر دیے ہیں۔ جو آٹھ ہیں۔ "فقراء" (جن کو بقدر حاجت میسر نہ ہو) "عاملین" (جو اسلامی حکومت کی طرف سے تحصیل صدقات وغیرہ کے کاموں پر مامور ہوں) "مؤلفۃ القلوب" (جن کے اسلام لانے کی اُمید ہو یا اسلام میں کمزور ہوں وغیر ذالک من الانواع، اکثر علماء کے نزدیک حضور کی وفات کے بعد یہ مد نہیں رہی) "رقاب" (یعنی غلاموں کا بدل کتابت ادا کر کے آزادی دلائی جائے۔ یا خرید کر آزاد کئے جائیں۔ یا اسیروں کا فدیہ دے کر رہا کرائے جائیں) "غارمین" (جن پر کوئی حادثہ پڑا اور مقروض ہو گئے یا کسی کی ضمانت وغیرہ کے بار میں دب گئے) "سبیل اللہ" جہاد وغیرہ میں جانے والوں کی اعانت کی جائے) "ابن السبیل" (مسافر جو حالت سفر میں مالک نصاب نہ ہو، گو مکان پر دولت رکھتا ہو) "حنفیہ" کے یہاں تملیک ہر صورت میں ضروری ہے اور فقر شرط ہے۔ تفصیل فقہ میں ملاحظہ کی جائے۔

(۶۲) **آنحضرت کے لئے منافقین کی بدگوئی** منافقین آپس میں بیٹھ کر اسلام و پیغمبر اسلام کے متعلق بدگوئی کرتے۔ جب کوئی کہتا کہ ہماری یہ باتیں پیغمبر علیہ السلام تک پہنچ جائیں گی تو کہتے، کیا پرواہ ہے۔ اُن کے سامنے ہم جھوٹی تاویلیں کر کے اپنی براءت کا یقین دلا دیں گے۔ کیونکہ وہ تو کان ہی کان ہیں جو سنتے ہیں فوراً تسلیم کر لیتے ہیں۔ اُن کو باتوں میں لے آنا کچھ مشکل نہیں۔ بات یہ تھی کہ حضرت اپنے حیاء و وقار

اور کریم النفسی سے جھوٹے کا جھوٹ پہچانتے تب بھی نہ پکڑتے۔ خلق عظیم کی بناء پر مسامحت اور تغافل برتتے اور وہ بے وقوف جانتے کہ آپ نے سمجھا ہی نہیں۔ حق تعالیٰ نے اس کا جواب دیا کہ اگر وہ کان ہی ہیں تو تمہارے بھلے کے واسطے ہیں۔ نبی کی یہ خو تمہارے حق میں بہتر ہے نہیں تو اوّل تم پکڑے جاؤ گے اور یہ بھی ممکن ہے کہ حضور کی اس چشم پوشی اور خلق عظیم پر کسی وقت مطلع ہو کر تمہیں ہدایت ہو جائے۔ تمہاری جھوٹی باتوں پر نبی علیہ السلام کا سکوت اس لئے نہیں کہ انہیں واقعی تمہارا یقین آجاتا ہے۔ یقین تو اُن کو اللہ پر ہے اور ایمانداروں کی بات پر۔ ہاں تم میں سے جو دعوئے ایمان رکھتے ہیں، اُن کے حق میں آپ کی خاموشی و اغماض ایک طرح کی رحمت ہے کہ فی الحال منہ توڑ تکذیب کر کے اُن کو رسوا نہیں کیا جاتا۔ باقی منافقین کی حرکات شنیعہ خدا سے پوشیدہ نہیں۔ رسول کی پیٹھ پیچھے جو بدگوئی کرتے ہیں یا "هُوَ اُذُنٌ" کہہ کر آپ کو ایذا پہنچاتے ہیں، اُس پر سزائے سخت کے منتظر رہیں۔

(۶۳) حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ جو کسی وقت حضرت اُن کی دغا بازی پکڑتے تو مسلمانوں کے رُو برو قسمیں کھاتے کہ ہمارے دل میں بُری نیت نہ تھی۔ تاکہ اُن کو راضی کر کے اپنی طرف کر لیں۔ نہ سمجھے کہ یہ فریب بازی خدا اور رسول کے ساتھ کام نہیں آتی" اگر دعوئے ایمان میں واقعی سچے ہیں تو دوسروں کو چھوڑ کر خدا اور رسول کو راضی کرنے کی فکر کریں۔

(۶۴) یعنی جس رسوائی سے بچنے کے لئے نفاق اختیار کیا ہے اُس سے بڑی رسوائی یہ ہے۔

يَحْذَرُ الْمُنٰفِقُوْنَ اَنْ تُنَزَّلَ عَلَيْهِمْ سُوْرَةٌ تُنَبِّئُهُمْ بِمَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ ؕ قُلِ اسْتَهْزِءُوْا

ڈرا کرتے ہیں منافق اس بات سے کہ نازل ہو مسلمانوں پر ایسی سورت کہ جتادے اُن کو جو اُن کے دل میں ہے تو کہہ دے ٹھٹھے کرتے رہو

اِنَّ اللّٰهَ مُخْرِجٌ مَّا تَحْذَرُوْنَ ۝۶۴ وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّمَا كُنَّا نَخُوْضُ وَنَلْعَبُ ؕ

اللہ کھول کر رہیگا اس چیز کو جس کا تم کو ڈر ہے ف۶۵ اور اگر تو اُن سے پوچھے تو وہ کہیں گے ہم تو بات چیت کرتے تھے اور دل لگی ف۶۶

قُلْ اَبِاللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ وَرَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ ۝۶۵ لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ ؕ

تو کہہ کیا اللہ سے اور اُسکے حکموں سے اور اُسکے رسول سے تم ٹھٹھے کرتے تھے ف۶۷ بہانے مت بناؤ تم تو کافر ہو گئے اظہار ایمان کے پیچھے

اِنْ نَّعْفُ عَنْ طَآئِفَةٍ مِّنْكُمْ نُعَذِّبْ طَآئِفَةًۢ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا مُجْرِمِيْنَ ۝۶۶ ع اَلْمُنٰفِقُوْنَ وَ

ع ۱۷

اگر ہم معاف کر دینگے تم میں سے بعضوں کو تو البتہ عذاب بھی دینگے بعضوں کو اس سبب سے کہ وہ گنہگار تھے ف۶۸ منافق مرد اور

الْمُنٰفِقٰتُ بَعْضُهُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۘ يَاْمُرُوْنَ بِالْمُنْكَرِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوْفِ وَيَقْبِضُوْنَ

وقف لازم

منافق عورتیں سب کی ایک چال ہے سکھائیں بات بُری اور چھڑائیں بات بھلی اور بند رکھیں

اَيْدِيَهُمْ ؕ نَسُوا اللّٰهَ فَنَسِيَهُمْ ؕ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝۶۷ وَعَدَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ

اپنی مٹھی بھول گئے اللہ کو سو وہ بھول گیا اُنکو تحقیق منافق وہی ہیں نافرمان ف۶۹ وعدہ دیا ہے اللہ نے منافق مرد اور منافق عورتوں کو

وَالْكُفَّارَ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ هِيَ حَسْبُهُمْ ۚ وَلَعَنَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ۝۶۸ۙ

اور کافروں کو دوزخ کی آگ کا پڑے رہیں گے اُس میں وہی بس ہے اُن کو ف۷۰ اور اللہ نے انکو پھٹکار دیا اور اُنکے لئے عذاب ہے برقرار رہنے والا ف۷۱

(۶۵) **منافقین کا نفاق کھولا جائیگا** منافقین اپنی مجلسوں میں اسلام و پیغمبر اسلام کی بدگوئی کرتے، مومنین صادقین پر آوازے کستے

مہمات دین کا مذاق اُڑاتے، پھر جب خیال آتا کہ ممکن ہے یہ باتیں حضور تک پہنچ جائیں، تو کہتے کیا مضائقہ ہے وہ تو کان ہی کان ہیں ہم اُن کے رُو برو کو جو تاویل و تلمیع کر دیں گے، سُن کر اُسی کو قبول کر لیں گے۔ مگر چونکہ بسا اوقات وحی الٰہی کے ذریعہ سے اُن کے نفاق وبد باطنی کی قلعی کُھلتی رہتی تھی، اس لئے یہ ڈر بھی لگا رہتا تھا کہ کوئی سورت قرآن میں ایسی نازل نہ ہو جائے جو ہمارے مخاطبات سرّیہ ونیّاتِ خفیہ کا پردہ فاش کر دے۔ اصل یہ ہے کہ منافقین کا قلب جبن و کمزوری سے کسی ایک طرف قائم نہ ہوتا تھا۔ اُن کے دل ہر وقت دُبدا میں رہتے تھے۔ کبھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ اغماض وکریم النفسی کو دیکھ کر کچھ تسلّی حاصل کرتے مگر صاعقہ قرآنی کی گرج سے پھر دہلنے لگتے تھے اسی لئے فرمایا کہ بہتر ہے، تم ٹھٹھے کرتے رہو اور استہزاء و تمسخر کا عمل جاری رکھو اور پیغمبر کی نسبت "هُوَ اُذُنٌ" کہہ کر تسلّی کر لو۔ لیکن خدا اُس چیز کو ضرور کھول کر رہے گا جس کا تم کو ڈر لگا ہوا ہے وہ تمہارے مکر و خداع کا تار تار بکھیر کر رکھ دیگا۔

(۶۶) **آنحضرت کی منافقین سے باز پرس** "تبوک" میں جاتے ہوئے بعض منافقین نے ازراہ تمسخر کہا۔ اس شخص (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کو دیکھو کر شام کو محلات اور روم کے شہروں کو فتح کر لینے کا خواب دیکھتا ہے۔ انہوں نے رومیوں کی جنگ کو عربوں کی باہمی جنگ پر قیاس کر رکھا ہے۔ میں یقین کرتا ہوں کہ کل ہم سب رومیوں کے سامنے رسّیوں میں بندھے ہوئے کھڑے ہونگے۔ یہ ہمارے قُرّاء (صحابہ رضی اللہ عنہم) پیٹو، جھوٹے اور نامرد یے کیا روم کی باقاعدہ فوجوں سے جنگ کریں گے" وغیرہ ذٰلک من الھفوات۔ اس قسم کے مقولے جو مسلمانوں کو روم سے مرعوب ومہیبت زدہ کرنے اور شکستہ خاطر بنانے کے لئے کہہ رہے تھے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں نقل ہوئے۔ آپ نے بُلا کر باز پرس کی تو کہنے لگے کہ حضرت! کیا ہم کہیں سچ مچ ایسا اعتقاد تھوڑا ہی رکھتے ہیں؟ محض خوش وقتی و دل لگی کے طور پر کچھ کہہ رہے تھے کہ باتوں میں بآسانی سفر کٹ جائے۔

(۶۷) **اللہ کی آیات سے استہزاء** یعنی کیا دل لگی اور خوش وقتی کا موقع ومحل یہ ہے کہ اللہ و رسول اور ان کے احکام کے ساتھ ٹھٹھا کیا جائے؟ خدا و رسول کا استہزاء اور احکام الٰہیہ کا استخفاف تو وہ چیز ہے کہ اگر محض زبان سے دل لگی کے طور پر کیا جائے، وہ بھی کفر عظیم ہے چہ جائیکہ منافقین کی طرح ازراہ شرارت وبد باطنی ایسی حرکت سرزد ہو۔

(۶۸) یعنی جھوٹے عذر تراشنے اور حیلے حوالوں سے کچھ فائدہ نہیں۔ جن کو نفاق واستہزاء کی سزا ملنی ہے مل کر رہے گی۔ ہاں جو اب بھی صدق دل سے توبہ کر کے اپنے جرائم سے باز آ جائیں گے، انہیں خدا معاف کر دیگا، یا جو پہلے ہی سے باوجود کفر ونفاق کے اس طرح کی فتنہ انگیزی اور استہزاء سے علیحدہ رہے ہیں انہیں استہزاء وتمسخر کی سزا یہاں نہ ملے گی۔

(۶۹) **اللہ نے منافقین کو بھلا دیا** یعنی سب سے بڑے نافرمان یہی بد باطن منافق ہیں جن کے مرد وعورت، زبانی اقرار واظہار اسلام کے باوجود شب و روز اسی تگ و دو میں لگے رہتے ہیں کہ ہر قسم کے حیلے اور فریب کر کے لوگوں کو اچھی باتوں سے بیزار اور بُرے کاموں پر آمادہ کریں۔ خرچ کرنے کے اصلی موقعوں پر مٹھی بند رکھیں۔ غرض کلمہ پڑھتے رہیں لیکن نہ ان کی زبان سے کسی کو بھلائی پہنچے نہ مال سے۔ جب یہ خدا کو ایسا چھوڑ بیٹھے تو خدا نے بھی ان کو چھوڑ دیا۔ چھوڑ کر کہاں گرایا؟ اُس کا ذکر اگلی آیت میں ہے۔

(۷۰) یعنی یہ ایسی کافی سزا ہے جس کے بعد دوسری سزا کی ضرورت نہیں رہتی۔

(۷۱) شاید یہ مطلب ہو کہ دنیا میں بھی خدا کی پھٹکار (لعنت) کا اثر برابر پہنچتا رہیگا۔ یا پہلے جملہ کی تاکید ہے۔ واللہ اعلم۔

كَالَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ كَانُوٓا۟ أَشَدَّ مِنكُمْ قُوَّةً وَأَكْثَرَ أَمْوَٰلًا وَأَوْلَٰدًا فَٱسْتَمْتَعُوا۟ بِخَلَٰقِهِمْ

جس طرح تم سے اگلے لوگ زیادہ تھے تم سے زور میں اور زیادہ رکھتے تھے مال اور اولاد پھر فائدہ اٹھا گئے اپنے حصہ سے

فَاسْتَمْتَعْتُمْ بِخَلَاقِكُمْ كَمَا اسْتَمْتَعَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ بِخَلَاقِهِمْ وَخُضْتُمْ كَالَّذِيْ

پھر فائدہ اُٹھایا تم نے اپنے حصّہ سے جیسے فائدہ اُٹھا گئے تم سے اگلے اپنے حصّہ سے اور تم بھی چلتے ہو اُنہی کی سی

خَاضُوْا ؕ اُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۶۹﴾ اَلَمْ

چال ف۷۳ وہ لوگ مٹ گئے اُن کے عمل دنیا میں اور آخرت میں اور وہی لوگ پڑے نقصان میں ف۷۴ کیا پہنچی

يَاْتِهِمْ نَبَاُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ ۙ وَقَوْمِ اِبْرٰهِيْمَ وَاَصْحٰبِ

نہیں اُن کو خبر اُن لوگوں کی جو اُن سے پہلے تھے قوم نوح کی اور عاد کی اور ثمود کی اور قوم ابراہیم کی اور مدین والوں کی

مَدْيَنَ وَالْمُؤْتَفِكٰتِ ؕ اَتَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ۚ فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ

اور اُن بستیوں کی خبر جو اُلٹ دی گئی تھیں ف۷۵ پہنچے اُنکو پاس اُنکے رسول صاف حکم لے کر سو اللہ تو ایسا نہ تھا کہ اُن پر ظلم کرتا لیکن

كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۷۰﴾ وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۘ وقف لازم

وہ اپنے اوپر آپ ظلم کرتے تھے ف۷۶ اور ایمان والے مرد اور ایمان والی عورتیں ایک دوسرے کی مددگار ہیں

يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَ

سکھلاتے ہیں نیک بات اور منع کرتے ہیں بُری بات سے اور قائم رکھتے ہیں نماز اور دیتے ہیں زکوٰۃ اور

يُطِيْعُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ اُولٰٓئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۷۱﴾

حکم پر چلتے ہیں اللہ کے اور اُسکے رسول کے وہی لوگ ہیں جن پر رحم کرے گا اللہ بیشک اللہ زبردست ہے حکمت والا ف۷۷

(۷۲) یعنی دنیوی لذائذ کا جو حصّہ اُن کے لئے مقدر تھا، اُس سے فائدہ اُٹھا گئے اور آخری انجام کا خیال نہ کیا۔

(۷۳) یعنی تم بھی اُن کی طرح آخری انجام کے تصور سے غافل ہو کر دنیا کی متاع فانی سے جتنا مقدر ہے حصّہ پا رہے ہو اور ساری چال ڈھال اُنہی کی سی رکھتے ہو، تو سمجھ لو جو حشر اُن کا ہوا وہ ہی تمہارا بھی ہو سکتا ہے اُن کے پاس مال و اولاد اور جسمانی قوتیں تم سے زائد تھیں پھر انتقام الٰہی کی گرفت سے نہ بچ سکے تو تم کو کاہے پر بھروسہ ہے جو خدائی سزا سے اس قدر بے فکر ہو بیٹھے ہو۔

(۷۴) یعنی کوئی دنیوی و اُخروی برکت و کرامت انہیں نصیب نہ ہوئی۔ باقی دنیوی لذائذ کا جو حصّہ بظاہر ملا۔ وہ فی الحقیقت اُن کے حق میں استدراج اور عذاب تھا، جیسا کہ دُور کوع پہلے "فَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ" الخ کے فوائد میں گذر چکا اور اُس سی پیشتر بھی کئی مواقع میں لکھا جا چکا ہے۔

(۷۵) **پچھلے انبیاء کی تکذیب کا انجام** قوم نوح طوفان سے "عاد" آندھی سے "ثمود" صیحہ (چیخ) سے ہلاک ہوئے۔ ابراہیم علیہ السلام کی حق تعالٰی نے عجیب و غریب خارق عادت طریقہ سے تائید فرمائی۔ جنہیں دیکھ کر اُن کی قوم ذلیل و ناکام ہوئی، اُن کا بادشاہ نمرود نہایت بدحالی کی موت مارا گیا۔ اصحاب مدین صیحہ (چیخ) رجفہ (زلزلہ) وغیرہ سے تباہ ہوئے۔ قوم لوط کی بستیاں اُلٹ دی گئیں اور اُوپر سے پتھروں کی بارش ہوئی۔ ان سب اقوام کا قصّہ (بجز قوم ابراہیم کے) سورۂ اعراف میں گذر چکا۔

(۷۶) یعنی خدا کسی کو بلا وجہ اور بے موقع سزا نہیں دیتا۔ لوگ خود ایسے جرائم کا ارتکاب کرتے ہیں۔ جن کے بعد عذاب الٰہی کا آنا ناگزیر ہے

(۷۷) **مومنین کی صفات** ابتدائے رکوع میں منافقین کے اوصاف بیان ہوئے تھے۔ یہاں بطور مقابلہ مومنین کی صفات ذکر کے

گئیں۔ یعنی جبکہ منافقین لوگوں کو بھلائی سے روک کر برائی کی ترغیب دیتے ہیں۔ مومنین بدی کو چھڑا کر نیکی کی طرف آمادہ کرتے ہیں۔ منافقین کی مٹھی بند ہے۔ مومنین کا ہاتھ کھلا ہوا ہے۔ وہ بخل کی وجہ سے خرچ کرنا نہیں جانتے یہ اموال میں سے باقاعدہ حقوق (زکوٰۃ وغیرہ) ادا کرتے ہیں۔ انہوں نے خدا کو بالکل بھلا دیا، یہ پانچ وقت خدا کو یاد کرتے اور تمام معاملات میں خدا و رسول کے احکام پر چلتے ہیں۔ اسی لئے وہ مستحق لعنت ہوئے اور یہ رحمتِ خصوصی کے امیدوار ٹھہرے۔

وَعَدَ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا

وعدہ دیا ہے اللہ نے ایمان والے مردوں اور ایمان والی عورتوں کو باغوں کا کہ بہتی ہیں نیچے اُن کے نہریں رہا کریں انہی میں

وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ؕ وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۷۲﴾ ع ۹ ۱۵

اور ستھرے مکانوں کا رہنے کے باغوں میں اور رضامندی اللہ کی ان سب سے بڑی ہے یہی ہے بڑی کامیابی ف۷۸

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ ؕ وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ

اے نبی لڑائی کر کافروں سے اور منافقوں سے اور تندخوئی کر اُن پر اور اُن کا ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ بُرا

الْمَصِيْرُ ﴿۷۳﴾ يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ مَا قَالُوْا ؕ وَلَقَدْ قَالُوْا كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَكَفَرُوْا بَعْدَ اِسْلَامِهِمْ

ٹھکانا ہے ف۷۹ قسمیں کھاتے ہیں اللہ کی کہ ہم نے نہیں کہا اور بیشک کہا ہے اُنہوں نے لفظ کفر کا اور منکر ہو گئے مسلمان ہو کر ف۸۰

وَهَمُّوْا بِمَا لَمْ يَنَالُوْا ۚ وَمَا نَقَمُوْۤا اِلَّاۤ اَنْ اَغْنٰهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ فَاِنْ

اور قصد کیا تھا اس چیز کا جو اُن کو نہ ملی ف۸۱ اور یہ سب کچھ اسی کا بدلہ تھا کہ دولتمند کر دیا اُن کو اللہ نے اور اُسکے رسول نے اپنے فضل سے سو اگر

يَّتُوْبُوْا يَكُ خَيْرًا لَّهُمْ ۚ وَاِنْ يَّتَوَلَّوْا يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ

توبہ کر لیں تو بھلا ہے اُن کے حق میں اور اگر نہ مانیں گے تو عذاب دیگا اُنکو اللہ عذاب دردناک دنیا اور آخرت میں

وَمَا لَهُمْ فِي الْاَرْضِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿۷۴﴾

اور نہیں اُن کا روئے زمین پر کوئی حمایتی اور نہ مددگار ف۸۲

(۷۸) **اللہ کی رضا تمام نعمتوں سے بڑی ہے** یعنی تمام نعمائے دنیوی و اُخروی سے بڑھ کر حق تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی ہے۔ جنت بھی اسی لئے مطلوب ہے کہ وہ رضائے الٰہی کا مقام ہے۔ حق تعالیٰ مومنین کو جنت میں ہر قسم کی جسمانی و روحانی نعمتیں اور مسرتیں عطا فرمائے گا۔ مگر سب سے بڑی نعمت محبوب حقیقی کی دائمی رضا ہو گی۔ حدیث صحیح میں ہے کہ حق تعالیٰ اہل جنت کو پکارے گا جنتی "لبیک" کہیں گے۔ دریافت فرمائے گا "هَلْ رَضِيْتُمْ" یعنی اب تم خوش ہو گئے۔ جواب دیں گے کہ پروردگار! خوش نہ ہونے کی کیا وجہ؟ جبکہ آپ نے ہم پر انتہائی انعام فرمایا ہے۔ ارشاد ہو گا "هَلْ اُعْطِيْكُمْ اَفْضَلَ مِنْ ذٰلِكَ" یعنی جو کچھ اب تک دیا گیا ہے کیا اس سب سے بڑھ کر ایک چیز لینا چاہتے ہو؟ جنتی سوال کریں گے کہ اے پروردگار! اس سے افضل اور کیا چیز ہو گی؟ اس وقت فرمائیں گے "اُحِلُّ عَلَيْكُمْ رِضْوَانِيْ فَلَا اَسْخَطُ عَلَيْكُمْ بَعْدَهٗ اَبَدًا" اپنی دائمی رضا اور خوشنودی تم پر اُتارتا ہوں، جس کے بعد کبھی خفگی اور ناخوشی نہ ہو گی رزقنا اللہ وسائر المومنین هذہ الكرامة العظيمة الباهرة

(۷۹) **منافقین سے سختی کا حکم** "جہاد" کے معنی ہیں کسی ناپسندیدہ چیز کے دفع کرنے میں انتہائی کوشش کرنا۔ یہ کوشش کبھی ہتھیار سے ہوتی ہے، کبھی زبان سے، کبھی قلم سے، کبھی کسی اور طریق سے، منافقین (جو زبان سے اسلام کا اظہار کریں اور دل سے مسلمان نہ ہوں) اُن کے مقابلہ میں جہاد بالسیف جمہور اُمّت کے نزدیک مشروع نہیں، نہ عہد نبوت میں ایسا واقع ہوا۔ اِسی لئے جہاد کا لفظ اس آیت میں عام رکھا گیا ہے۔ یعنی تلوار سے، زبان سے، قلم سے، جس وقت جس کے مقابلہ میں جس طرح مصلحت ہو جہاد کیا جائے۔ بعض علماء کی یہ رائے ہے کہ اگر منافقین کا نفاق بالکل عیاں ہو جائے تو اُن پر بھی جہاد بالسیف کیا جا سکتا ہے۔ بہرحال غزوہ تبوک نے چونکہ منافقین کا نفاق بہت آشکارا کر دیا تھا۔ اس لئے اس آیت میں اُن کی نسبت ذرا سخت رویہ اختیار کرنے کی ہدایت کی گئی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فطری طور پر نہایت نرم خو واقع ہوئے تھے۔ "فَبِمَا رَحۡمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنۡتَ لَهُمۡ وَلَوۡ كُنۡتَ فَظًّا غَلِيۡظَ الۡقَلۡبِ لَانۡفَضُّوۡا مِنۡ حَوۡلِكَ" (آل عمران رکوع ۱۷) پھر حق تعالیٰ کی طرف سے حکم تھا "وَاخۡفِضۡ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ" (شعراء رکوع ۱۱) چونکہ منافقین بھی بظاہر مومنین کے زمرہ میں شامل رہتے تھے، اس لئے حضورؐ اُن کے ساتھ بھی درگذر، چشم پوشی اور نرم خوئی کا معاملہ فرماتے تھے۔ تبوک کے موقع پر جب منافقین نے کھلم کھلا بیباکی، عناد، اور دشمنی کا انداز اختیار کر لیا تو حکم ہوا کہ اب اِن کے معاملہ میں سختی اختیار کیجئے، یہ شریر خوش اخلاقی اور نرمی سے ماننے والے نہیں ہیں۔

(۸۰) **منافقین کے کفر کی تصدیق** منافقین پیچھے بیٹھ کر پیغمبر علیہ السّلام کی اور دین اسلام کی اہانت کرتے، جیسا کہ سورۂ منافقون میں آئیگا جب کوئی مسلمان حضور تک اُن کی باتیں پہنچا دیتا تو اُس کی تکذیب کرتے اور قسمیں کھا لیتے کہ ہم نے فلاں بات نہیں کی۔ حق تعالیٰ نے مسلمان راویوں کی تصدیق فرمائی کہ بیشک انہوں نے وہ باتیں زبان سے نکالی ہیں۔ اور دعوئے اسلام کے بعد مذہب اسلام اور پیغمبر اسلام کی نسبت وہ کلمات کہے ہیں جو صرف منکرین کی زبان سے نکل سکتے ہیں۔

(۸۱) **آنحضرتؐ کے قتل کی کوشش** غزوہ تبوک سے واپسی میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم لشکر سے علیحدہ ہو کر ایک پہاڑی راستہ کو تشریف لیجا رہے تھے۔ تقریباً بارہ ۱۲ منافقین نے چہرے چھپا کر رات کی تاریکی میں چاہا کہ آپ پر ہاتھ چلائیں اور معاذ اللہ پہاڑی سے گرا دیں۔ حضور کے ساتھ حُذیفہ اور عمّار تھے۔ عمّار کو انہوں نے گھیر لیا تھا، مگر حُذیفہ نے مار مار کر اُن کی اونٹنیوں کے منہ پھیر دیے۔ چونکہ چہرے چھپائے ہوئے تھے۔ حُذیفہ وغیرہ نے اُن کو نہیں پہچانا۔ بعدہٗ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حذیفہ وعمّار رضی اللہ عنہما کو نام بنام اُن کے پتے بتا دیے۔ مگر منع فرما دیا کہ کسی پر ظاہر نہ کریں۔ اِسی واقعہ کی طرف وَهَمُّوۡا بِمَا لَمۡ يَنَالُوۡا میں اشارہ ہے کہ جو ناپاک قصد انہوں نے کیا، خدا کے فضل سے پورا نہ ہوا۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ کسی موقع پر لشکر اسلام میں کچھ خانہ جنگی ہو گئی تھی منافقین نے اغواء کر کے مہاجرین وانصار میں پھوٹ ڈالنے کی کوشش کی مگر ناکام رہے۔ حضرت نے اصلاح فرما دی جیسا کہ سورۂ منافقون میں آئیگا

(۸۲) یعنی حضورؐ کی دعاء سے خدا نے انہیں دولتمند کر دیا قرضوں کے بار سے سبکدوش ہوئے، مسلمانوں کے ساتھ ملے جُلے رہنے کی وجہ سے غنائم میں حصّہ ملتا رہا، حضور کی برکت سے پیداوار اچھی ہوئی، ان احسانات کا بدلہ یہ دیا کہ خدا اور رسول کے ساتھ دغابازی کرنے لگے اور ہر طرح پیغمبر علیہ السّلام اور مسلمانوں کو ستانے پر کمر باندھ لی۔ اب بھی اگر توبہ کر کے شرارتوں اور احسان فراموشیوں سے باز آجائیں تو اُن کے حق میں بہتر ہے۔ ورنہ خدا دنیا وآخرۃ میں وہ سزا دے گا جس سے بچانے والا روئے زمین پر کوئی نہ ملے گا بعض روایات میں ہے کہ "جلاس" نامی ایک شخص یہ آیات سُن کر صدق دل سے تائب ہوا۔ اور آئندہ اپنی زندگی خدمتِ اسلام میں قربان کر دی۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ لَئِنْ اٰتٰىنَا مِنْ فَضْلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُوْنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۷۵﴾

اور بعضے اُن میں وہ ہیں کہ عہد کیا تھا اللہ سے اگر دیوے ہم کو اپنے فضل سے تو ہم ضرور خیرات کریں اور ہو رہیں ہم نیکی والوں میں

فَلَمَّآ اٰتٰىهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ بَخِلُوْا بِهٖ وَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۷۶﴾ فَاَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا

پھر جب دیا اُن کو اپنے فضل سے تو اس میں بخل کیا اور پھر گئے ٹلا کر ف۸۳ پھر اس کا اثر رکھ دیا نفاق

فِيْ قُلُوْبِهِمْ اِلٰى يَوْمِ يَلْقَوْنَهٗ بِمَآ اَخْلَفُوا اللّٰهَ مَا وَعَدُوْهُ وَبِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ﴿۷۷﴾ اَلَمْ

اُن کے دلوں میں جس دن تک کہ وہ اس سے ملیں گے اس وجہ سے کہ انہوں نے خلاف کیا اللہ سے جو وعدہ اس سے کیا تھا اور اس وجہ سے کہ بولتے تھے جھوٹ ف۸۴ کیا وہ

يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ سِرَّهُمْ وَنَجْوٰىهُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ﴿۷۸﴾ اَلَّذِيْنَ

جان نہیں چکے کہ اللہ جانتا ہے اُن کا بھید اور اُن کا مشورہ اور یہ کہ اللہ خوب جانتا ہے سب چھپی باتوں کو ف۸۵ وہ لوگ جو

يَلْمِزُوْنَ الْمُطَّوِّعِيْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ فِي الصَّدَقٰتِ وَالَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ اِلَّا جُهْدَهُمْ

طعن کرتے ہیں اُن مسلمانوں پر جو دل کھول کر خیرات کرتے ہیں اور اُن پر جو نہیں رکھتے مگر اپنی محنت کا

فَيَسْخَرُوْنَ مِنْهُمْ سَخِرَ اللّٰهُ مِنْهُمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۷۹﴾

پھر اُن پر ٹھٹھے کرتے ہیں اللہ نے اُن سے ٹھٹھا کیا ہے اور اُن کے لئے عذاب دردناک ہے ف۸۶

(۸۳) **ثعلبہ بن حاطب کا واقعہ** ایک شخص ثعلبہ بن حاطب انصاری نے حضرت سے عرض کیا کہ میرے حق میں دولتمند ہو جانے کی دعاء فرما دیجئے۔ آپ نے فرمایا کہ ثعلبہ! تھوڑی چیز جس پر تو خدا کا شکر ادا کرے، اُس بہت چیز سے اچھی ہے جس کے حقوق ادا نہ کر سکے۔ اس نے پھر وہی درخواست کی آپ نے فرمایا کہ اے ثعلبہ! کیا تجھے پسند نہیں کہ میرے نقش قدم پر چلے۔ آپ کے انکار پر اُس کا اصرار بڑھتا رہا اس نے وعدہ کیا کہ اگر خدا مجھ کو مال دے گا میں پوری طرح حقوق ادا کرونگا۔ آخر حضور نے دعاء فرمائی، اس کی بکریوں میں اس قدر برکت ہوئی کہ مدینہ سے باہر ایک گاؤں میں رہنے کی ضرورت پڑی اور اتنا پھیلاوا ہوا کہ ان میں مشغول ہو کر رفتہ رفتہ جمعہ و جماعات بھی ترک کرنے لگا۔ کچھ دنوں بعد حضور کی طرف سے زکوٰۃ وصول کرنے والے محصّل پہنچے تو کہنے لگا کہ زکوٰۃ تو جزیہ کی بہن معلوم ہوتی ہے۔ دو ایک دفعہ ٹلا کر آخر زکوٰۃ دینے سے صاف انکار کر دیا۔ حضور نے تین مرتبہ فرمایا "ویح ثعلبہ" اور یہ آیات نازل ہوئیں۔ جب اس کے بعض اقارب نے اس کی خبر پہنچائی تو با دل ناخواستہ زکوٰۃ لے کر حاضر ہوا۔ حضور نے فرمایا کہ خدا نے مجھ کو تیری زکوٰۃ قبول کرنے سے منع فرما دیا ہے۔ یہ سن کر اُس نے بہت ہائے واویلا کی کیونکہ حضور کا زکوٰۃ قبول نہ کرنا اس کے لئے بڑی عار کی بات تھی۔ بدنامی کے تصور سے سر پر خاک ڈالتا تھا۔ مگر دل میں نفاق چھپا ہوا تھا۔ پھر حضور کے بعد ابوبکر صدیق کی خدمت میں زکوٰۃ لے کر حاضر ہوا۔ انہوں نے بھی قبول کرنے سے انکار فرمایا۔ پھر حضرت عمرؓ اور اُن کے بعد حضرت عثمانؓ کی خدمت میں زکوٰۃ پیش کی، دونوں نے انکار فرمایا۔ ہر ایک یہ ہی کہتے تھے کہ جو چیز نبی کریمؐ نے رد کر دی، ہم اس کو قبول نہیں کر سکتے۔ آخر اسی حالت نفاق پر حضرت عثمان کے عہد میں اس کا خاتمہ ہوا۔

(۸۴) یعنی خدا سے صریح وعدہ خلافی کرنے اور جھوٹ بولتے رہنے کی سزا میں ان کے بخل و اعراض کا اثر یہ ہوا کہ ہمیشہ کے لئے نفاق کی جڑ ان کے دلوں میں قائم ہو گئی جو موت تک نکلنے والی نہیں۔ اور یہ ہی "سنۃ اللہ" ہے کہ جب کوئی شخص اچھی یا بُری خصلت خود اختیار کر لیتا ہے تو کثرت مزاولت و ممارست سے وہ دائمی بن جاتی ہے۔ بُری خصلت کے اسی دوام و استحکام کو کبھی کبھی ختم و طبع (مُہر لگانے)

سے تعبیر کر دیتے ہیں۔

(۸۵) یعنی خواہ کیسے ہی وعدے کریں، باتیں بنائیں، یا مجبور ہو کر مال پیش کریں۔ خدا ان کے ارادوں اور نیتوں کو خوب جانتا ہے اور اپنے ہم مشربوں کے ساتھ بیٹھ کر جو مشورے کرتے ہیں، اُن سے پوری طرح آگاہ ہے۔ وہ جانتا ہے کہ لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُوْنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ کا وعدہ اور گھبرا کر زکوٰۃ حاضر کرنا کس دل اور کیسی نیت سے تھا۔

(۸۶) **منافقین کا استہزاء اور طعن** ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو صدقہ کرنے کی ترغیب دی۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے چار ہزار (دینار یا درہم) حاضر کر دیے۔ عاصم بن عدی نے ایک سو وسق کھجوریں (جن کی قیمت چار ہزار درہم ہوتی تھی) پیش کیں منافقین کہنے لگے کہ ان دونوں نے دکھلاوے اور نام و نمود کو اتنا دیا ہے۔ ایک غریب صحابی ابو عقیل حبحاب نے جو محنت و مشقت سے تھوڑا سا کما کر لائے اس میں ایک صاع تمر صدقہ کیا تو مذاق اڑانے لگے کہ یہ خواہ مخواہ زور آوری سے لہو لگا کر شہیدوں میں داخل ہونا چاہتا ہے۔ بھلا اس کی ایک صاع کھجوریں کیا پکار کریں گی۔ غرض تھوڑا دینے والا اور بہت خرچ کرنے والا کوئی اُن کی زبان سے بچتا نہ تھا۔ کسی پر طعن، کسی سے ٹھٹھا کرتے تھے۔ حق تعالیٰ نے فرمایا سَخِرَ اللّٰهُ مِنْهُمْ (اللہ نے اُن سے ٹھٹھا کیا ہے) یعنی اُن کے طعن و تمسخر کا بدلہ دیا، بظاہر تو وہ چند روز کے لئے مسخراپن کرنے کے لئے آزاد چھوڑ دیے گئے ہیں، لیکن فی الحقیقت اندر ہی اندر سکھ کی جڑیں کٹتی چلی جا رہی ہیں۔ اور عذاب الیم اُن کے لئے تیار ہے۔

اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ؕ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ

تو اُنکے لئے بخشش مانگ یا نہ مانگ اگر اُن کے لئے ستر بار بخشش مانگے تو بھی ہرگز نہ بخشے گا اللہ اُن کو

ع ۱۶ لَهُمْ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿٨٠﴾ فَرِحَ

یہ اس واسطے کہ وہ منکر ہوئے اللہ سے اور اُسکے رسول سے اور اللہ رستہ نہیں دیتا نافرمان لوگوں کو ف ۸۷ خوش ہو گئے

الْمُخَلَّفُوْنَ بِمَقْعَدِهِمْ خِلٰفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَكَرِهُوْۤا اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ

پیچھے رہنے والے اپنے بیٹھ رہنے سے جدا ہو کر رسول اللہ سے اور گھبرائے اس سے کہ لڑیں اپنے مال سے اور جان سے

فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَقَالُوْا لَا تَنْفِرُوْا فِى الْحَرِّ ؕ قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا ؕ لَوْ

اللہ کی راہ میں ف ۸۸ اور بولے کہ مت کوچ کرو گرمی میں ف ۸۹ تو کہہ دوزخ کی آگ سخت گرم ہے اگر

كَانُوْا يَفْقَهُوْنَ ﴿٨١﴾ فَلْيَضْحَكُوْا قَلِيْلًا وَّلْيَبْكُوْا كَثِيْرًا ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿٨٢﴾

اُن کو سمجھ ہوتی ف ۹۰ سو وہ ہنس لیویں تھوڑا اور روویں بہت سا بدلا اُس کا جو وہ کماتے تھے ف ۹۱

(۸۷) **منافقین کے لئے استغفار عبداللہ بن اُبی کی نماز جنازہ** یعنی منافقین کے لئے آپ کتنی ہی مرتبہ استغفار کیجئے اُن کے حق میں بالکل بیکار اور بے فائدہ ہے۔ خدا ان بدبخت کافروں اور نافرمانوں کو کبھی معاف نہ کریگا۔ واقعہ یہ پیش آیا کہ مدینہ میں رئیس المنافقین عبداللہ بن اُبی کا انتقال ہوا۔ آپ نے قمیص مبارک کفن میں دیا، لعاب مبارک اُس کے منہ میں ڈالا۔ نماز جنازہ پڑھی اور دعائے مغفرت کی۔ حضرت عمرؓ اس معاملہ میں آڑے آتے تھے اور کہتے تھے کہ یا رسول اللہ! یہ وہ ہی خبیث تو ہے جس نے فلاں فلاں وقت ایسی ایسی نالائق حرکات کیں۔ ہمیشہ کفر و نفاق کا علمبردار رہا۔ کیا حق تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا "اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ اِنْ

إِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً

فَلَنۡ یَّغۡفِرَ اللّٰہُ لَہُمۡ" آپ نے ارشاد فرمایا کہ اے عمر! مجھ کو استغفار سے منع نہیں کیا گیا۔ بلکہ آزاد رکھا گیا ہے کہ استغفار کروں یا نہ کروں۔ یہ خدا کا فعل ہے کہ اُن کو معاف نہ کرے۔ یعنی اُن کے حق میں میرا استغفار نافع نہ ہو (سو اُن کے حق میں نہ سہی، ممکن ہے دوسروں کے حق میں میرا یہ طرزِ عمل نافع ہو جائے دوسرے لوگ سب سے بڑے موذی دشمن کے حق میں نبی کے اس وسعتِ اخلاق اور وفورِ رحمت وشفقت کو دیکھ کر اسلام و پیغمبر اسلام کے گرویدہ ہو جائیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا) صحیح بخاری کی ایک روایت میں آپ نے فرمایا کہ اگر میں جانتا کہ ستر مرتبہ سے زیادہ استغفار کرنے سے اس کی مغفرت ہو سکتی ہے تو میں ستر مرتبہ سے زائد استغفار کرتا" گویا اس جملہ میں حضورؐ نے متنبہ فرما دیا کہ حضرت عمرؓ کی طرح آپ بھی اس کے حق میں استغفار کو غیر مفید تصور فرما رہے تھے۔ فرق اس قدر ہے کہ حضرت عمرؓ کی نظر "بغض فی اللہ" کے جوش میں صرف اسی نقطہ پر مقصور تھی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میت کے فائدہ سے قطع نظر فرما کر عام پیغمبرانہ شفقت کا اظہار اور احیاء کے فائدہ کا خیال فرما رہے تھے۔ لیکن آخر کار وحی الٰہی "وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓی اَحَدٍ مِّنۡہُمۡ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمۡ عَلٰی قَبۡرِہٖ" نے صریح طور پر منافقین کا جنازہ پڑھنے یا ان کے اہتمام دفن وکفن وغیرہ میں حصہ لینے کی ممانعت کر دی۔ کیونکہ اس طرزِ عمل سے منافقین کی ہمت افزائی اور مومنین کی دل شکستگی کا احتمال تھا۔ اس وقت سے حضورؐ نے کسی منافق کے جنازہ کی نماز نہیں پڑھی۔

(۸۸) **منافقین کی سزا** یہ اُن منافقین کے متعلق ہے جو غزوہ تبوک کی شرکت سے علیحدہ رہے۔ یعنی منافقین کا حال یہ ہے کہ بُرائی اور عیب کا کام کر کے خوش ہوتے ہیں، نیکی سے گھبرا کر دور بھاگتے ہیں۔ اور جیسا کہ پہلے گذرا نیکی کرنے والوں پر طعن کرتے اور آوازے کستے ہیں۔ ایسی قوم کو نبی کے استغفار سے کیا فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ یہاں سے گنہگار اور بداعتقاد کا فرق نکلتا ہے۔ گناہ ایسا کون سا ہے جو پیغمبر کے بخشوانے سے نہ بخشا جائے" وَلَوۡ اَنَّہُمۡ اِذۡ ظَّلَمُوۡۤا اَنۡفُسَہُمۡ جَآءُوۡکَ فَاسۡتَغۡفَرُوا اللّٰہَ وَاسۡتَغۡفَرَ لَہُمُ الرَّسُوۡلُ لَوَجَدُوا اللّٰہَ تَوَّابًا رَّحِیۡمًا" (نساء رکوع ۹) لیکن بداعتقاد کو پیغمبر کا ستر مرتبہ استغفار فائدہ نہ دے۔

(۸۹) یا تو منافقین آپس میں ایک دوسرے کو کہتے تھے اور یا بعض مومنین سے کہتے ہوں گے کہ اُن کی ہمتیں سُست ہو جائیں۔

(۹۰) یعنی اگر سمجھ ہوتی تو خیال کرتے کہ یہاں کی گرمی سے بچ کر جس گرمی کی طرف جا رہے ہو وہ کہیں زیادہ سخت ہے یہ تو وہی مثال ہوئی کہ دھوپ سے بھاگ کر آگ کی پناہ لی جائے حدیث میں ہے کہ جہنم کی آگ دنیا کی آگ کی نسبت انہتر درجہ زیادہ تیز ہے۔ نعوذ باللہ منہا۔

(۹۱) یعنی چند روز اپنی حرکات پر خوش ہو لو اور ہنس لو۔ پھر ان کرتوتوں کی سزا میں ہمیشہ کو رونا ہے۔

فَاِنۡ رَّجَعَکَ اللّٰہُ اِلٰی طَآئِفَۃٍ مِّنۡہُمۡ فَاسۡتَاۡذَنُوۡکَ لِلۡخُرُوۡجِ فَقُلۡ لَّنۡ تَخۡرُجُوۡا مَعِیَ

سو اگر پھر لیجائے تجھ کو اللہ کسی فرقہ کی طرف اُن میں سے ف۹۲ پھر اجازت چاہیں تجھ سے نکلنے کی تو تو کہہ دینا کہ تم ہرگز نہ نکلو گے میرے ساتھ

اَبَدًا وَّلَنۡ تُقَاتِلُوۡا مَعِیَ عَدُوًّا ؕ اِنَّکُمۡ رَضِیۡتُمۡ بِالۡقُعُوۡدِ اَوَّلَ مَرَّۃٍ فَاقۡعُدُوۡا مَعَ الۡخٰلِفِیۡنَ ﴿۸۳﴾

کبھی اور نہ لڑو گے میرے ساتھ ہو کر کسی دشمن سے تم کو پسند آیا بیٹھ رہنا پہلی بار سو بیٹھے رہو پیچھے رہنے والوں کے ساتھ ف۹۳

وَلَا تُصَلِّ عَلٰۤی اَحَدٍ مِّنۡہُمۡ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمۡ عَلٰی قَبۡرِہٖ ؕ اِنَّہُمۡ کَفَرُوۡا بِاللّٰہِ وَ

اور نماز نہ پڑھ اُن میں سے کسی پر جو مر جائے کبھی اور نہ کھڑا ہو اُس کی قبر پر ف۹۴ وہ منکر ہوئے اللہ سے اور

رَسُوۡلِہٖ وَمَاتُوۡا وَہُمۡ فٰسِقُوۡنَ ﴿۸۴﴾

اُس کے رسول سے اور وہ مر گئے نافرمان ف۹۵

(۹۲) حضور تبوک میں تھے اور منافقین مدینہ میں۔ ممکن تھا کہ بعض منافقین آپ کی واپسی سے قبل مرجائیں، اس لئے اِلٰی طَآئِفَةٍ مِّنْهُمْ فرمایا۔

(۹۳) **منافقین کو جہاد میں شریک کرنے کی ممانعت** یعنی اب اگر یہ لوگ کسی دوسرے غزوہ میں ساتھ چلنے کی اجازت مانگیں تو فرما دیجئے کہ بس! تمہاری ہمت و شجاعت کا بھانڈا پھوٹ چکا اور تمہارے دلوں کا حال پہلی مرتبہ کھل چکا، نہ تم کبھی ہمارے ساتھ نکل سکتے ہو اور نہ دشمنانِ اسلام کے مقابلہ میں بہادری دکھا سکتے ہو، لہٰذا اب تم کو تکلیف کرنے کی ضرورت نہیں عورتوں بچوں، اپاہج اور ناتواں بڈھوں کے ساتھ گھر میں گھسے بیٹھے رہو اور جس چیز کو پہلی دفعہ تم نے اپنے لئے پسند کر لیا ہے مناسب ہے کہ اُسی حالت پر مرو تاکہ اچھی طرح عذاب الٰہی کا مزہ چکھو۔

(۹۴) یعنی دعاء و استغفار کے لئے یا اہتمام دفن کے لئے۔

(۹۵) **منافقین کی نماز جنازہ کی ممانعت** یہ آیت عبداللہ بن اُبی کے واقعہ کے بعد نازل ہوئی، جیسا کہ چند آیات پہلے ہم مفصل بیان کر چکے ہیں اس آیت کے نزول کے بعد منافقین کا جنازہ پڑھنا قطعاً ممنوع ہو گیا۔ امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ احتیاطاً ایسے شخص کا جنازہ نہ پڑھتے تھے جس کی نماز میں حضرت حذیفہ شریک نہ ہوں۔ کیونکہ اُن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سے منافقین کا نام بنام علم کرا دیا تھا۔ اِسی لئے اُن کا لقب "صاحب سرِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" ہوا۔

وَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَاَوْلَادُهُمْ ؕ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ

اور تعجب نہ کر اُن کے مال اور اولاد سے اللہ تو یہی چاہتا ہے کہ عذاب میں رکھے اُنکو اُن چیزوں کے باعث دنیا میں اور نکلے اُن

اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۸۵﴾ وَاِذَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ اَنْ اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَجَاهِدُوْا مَعَ رَسُوْلِهِ

کی جان اور وہ اس وقت تک کافر ہی رہیں ف۹۶ اور جب نازل ہوتی ہے کوئی سورت کہ ایمان لاؤ اللہ پر اور لڑائی کرو اُسکے رسول کے ساتھ ہو کر

اسْتَاْذَنَكَ اُولُوا الطَّوْلِ مِنْهُمْ وَقَالُوْا ذَرْنَا نَكُنْ مَّعَ الْقٰعِدِيْنَ ﴿۸۶﴾ رَضُوْا بِاَنْ يَّكُوْنُوْا مَعَ

تو رخصت مانگتے ہیں تجھ سے مقدور والے اُن کے اور کہتے ہیں ہم کو چھوڑ دے کہ رہ جائیں ساتھ بیٹھنے والوں کے خوش ہوئے کہ رہ جائیں پیچھے رہنے والی

الْخَوَالِفِ وَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ ﴿۸۷﴾ لٰكِنِ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ

عورتوں کے ساتھ ف۹۷ اور مہر کر دی گئی اُن کے دل پر سو وہ نہیں سمجھتے ف۹۸ لیکن رسول اور جو لوگ ایمان لائے ہیں ساتھ اُسکے

جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ؕ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْخَيْرٰتُ ۫ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۸۸﴾ اَعَدَّ

وہ لڑے ہیں اپنے مال اور جان سے اور اُنہی کے لئے ہیں خوبیاں اور وہی ہیں مُراد کو پہنچنے والے تیار کر رکھے

اللّٰهُ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۸۹﴾ ع ۱۱/۱۷

ہیں اللہ نے اُنکے واسطے باغ کہ بہتی ہیں نیچے اُن کے نہریں رہا کریں اُن میں یہی ہے بڑی کامیابی ف۹۹

(۹۶) چار رکوع پہلے اسی مضمون کی آیت گذر چکی، اس کا فائدہ ملاحظہ کر لیا جائے۔

(۹۷) **جہاد سے جان چُرانا** یعنی قرآن کی کسی سورت میں جب تنبیہ کی جاتی ہے کہ پوری طرح خلوص و پختگی سے ایمان لاؤ، جس کا بڑا اثر یہ ظاہر ہونا چاہئے کہ پیغمبر علیہ السلام کے ساتھ ہو کر خدا کے راستہ میں جہاد کریں۔ تو یہ منافقین جان چرانے لگتے ہیں اور ان میں کا استطاعت و مقدور والے بھی جھوٹے عذر تراش کر اجازت طلب کرنے آتے ہیں کہ حضرت! ہمیں تو یہیں مدینہ میں رہنے دیجئے۔ گویا کمال بے غیرتی اور

نامردی سے اس پر راضی ہیں کہ لڑائی یا خطرہ کا نام سنتے ہی خانہ نشین عورتوں کے ساتھ گھروں میں گھس کر بیٹھ رہیں۔ ہاں جس وقت جنگ وغیرہ کا خطرہ نہ رہے اور امن و اطمینان کا زمانہ ہو تو باتیں بنانے اور قینچی کی طرح زبان چلانے میں سب سے پیش پیش ہوتے ہیں فَاِذَا جَآءَ الْخَوْفُ رَاَیْتَهُمْ یَنْظُرُوْنَ اِلَیْكَ تَدُوْرُ اَعْیُنُهُمْ كَالَّذِیْ یُغْشٰی عَلَیْهِ مِنَ الْمَوْتِ فَاِذَا ذَهَبَ الْخَوْفُ سَلَقُوْكُمْ بِاَلْسِنَةٍ حِدَادٍ (الاحزاب رکوع ۲)۔

(۹۸) یعنی کذب و نفاق، نکول عن الجہاد، اور تخلف عن الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شامت سے ان کے دلوں پر مہر کر دی گئی کہ اب موٹے موٹے عیب بھی اُن کو عیب نظر نہیں آتے اور انتہائی بے غیرتی و بزدلی پر بجائے شرمانے کے نازاں و فرحاں ہوتے ہیں۔

(۹۹) **مومنین کے فضائل** | منافقین کے بالمقابل مومنین مخلصین کا بیان فرمایا کہ دیکھو! یہ ہیں خدا کے وفادار بندے۔ جو اس کے راستہ میں نہ جان سے ہٹتے ہیں نہ مال سے، کیسا ہی خطرہ کا موقع ہو، اسلام کی حمایت اور پیغمبر اسلام کی معیت میں ہر قربانی کیلئے تیار رہتے ہیں۔ پھر ایسوں کے لئے فلاح و کامیابی نہ ہوگی تو اور کس کے لئے ہوگی۔

وَجَآءَ الْمُعَذِّرُوْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ لِیُؤْذَنَ لَهُمْ وَقَعَدَ الَّذِیْنَ كَذَبُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ

اور آئے بہانے کرنے والے گنوار تاکہ اُن کو رخصت مل جائے اور بیٹھ رہے جنہوں نے جھوٹ بولا تھا اللہ سے اور اُسکے رسول سے

سَیُصِیْبُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴿۹۰﴾ لَیْسَ عَلَی الضُّعَفَآءِ وَلَا عَلَی

اب پہنچیگا اُن کو جو کافر ہیں اُن میں عذاب دردناک ف۱۰۰ نہیں ہے ضعیفوں پر اور نہ

الْمَرْضٰی وَلَا عَلَی الَّذِیْنَ لَا یَجِدُوْنَ مَا یُنْفِقُوْنَ حَرَجٌ اِذَا نَصَحُوْا لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ؕ مَا

مریضوں پر اور نہ اُن لوگوں پر جن کے پاس نہیں ہے خرچ کرنے کو کچھ گناہ جبکہ دل سے صاف ہوں اللہ اور اُسکے رسول کے ساتھ نہیں

عَلَی الْمُحْسِنِیْنَ مِنْ سَبِیْلٍ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۹۱﴾ وَّلَا عَلَی الَّذِیْنَ اِذَا مَاۤ اَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ

نیکی والوں پر الزام کی کوئی راہ ف۱۰۱ اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے ف۱۰۲ اور نہ اُن لوگوں پر کہ جب تیرے پاس آئے تاکہ تو اُن کو سواری

قُلْتَ لَاۤ اَجِدُ مَاۤ اَحْمِلُكُمْ عَلَیْهِ ۪ تَوَلَّوْا وَّاَعْیُنُهُمْ تَفِیْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا اَلَّا یَجِدُوْا مَا

دے تو نے کہا میرے پاس کوئی چیز نہیں کہ تم کو اُس پر سوار کر دوں تو اُلٹے پھرے اور اُن کی آنکھوں سے بہتے تھے آنسو اس غم میں کہ نہیں پاتے وہ چیز جو

یُنْفِقُوْنَ ﴿۹۲﴾ؕ اِنَّمَا السَّبِیْلُ عَلَی الَّذِیْنَ یَسْتَاْذِنُوْنَكَ وَهُمْ اَغْنِیَآءُ ۚ رَضُوْا بِاَنْ یَّكُوْنُوْا مَعَ

خرچ کریں ف۱۰۳ راہ الزام کی تو اُن پر ہے جو رخصت مانگتے ہیں تجھ سے اور وہ مالدار ہیں خوش ہوئے اس بات سے کہ رہ جائیں ساتھ پیچھے

الْخَوَالِفِ ۙ وَطَبَعَ اللّٰهُ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۹۳﴾

رہنے والیوں کے اور مہر کر دی اللہ نے اُنکے دلوں پر سو وہ نہیں جانتے ف۱۰۴

(۱۰۰) **معذرون اور قاعدون** | یعنی جس طرح مدینہ کے رہنے والوں میں منافقین بھی ہیں اور مخلصین بھی۔ اسی طرح دیہاتی گنواروں میں ہر قسم کے لوگ پائے جاتے ہیں۔ اُن میں سے یہاں دو قسموں کا ذکر فرمایا۔ مخلص دیہاتیوں کا ذکر اس رکوع کے خاتمہ پر وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ یُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ الخ میں آئیگا۔ یہاں دیہاتیوں کی جن دو جماعتوں کا ذکر ہے (معذرون اور قاعدون) اُن میں سے

پہلی جماعت (مُعَذِّرُون) کے مصداق میں مفسرین سلف کا اختلاف ہے کہ آیا اس سے مراد جھوٹے بہانے بنانے والے منافق ہیں۔ (جیساکہ ترجمہ سے ظاہر ہوتا ہے) یا سچے عذر کرنے والے مسلمان جو واقعی جہاد کی شرکت سے معذور تھے اگر پہلی شق اختیار کی جائے تو آیت میں منافقین کی دو قسموں کا بیان ہوگا "مُعَذِّرُون" تو وہ ہوئے جو باوجود نفاق کے محض رسم ظاہر داری نباہنے کے لئے جھوٹے حیلے بنا کر حضورؐ سے اجازت طلب کرتے تھے۔ اور "قاعدون" سے وہ منافقین مراد ہونگے جنہوں نے اول دعوئے ایمان میں جھوٹ بولا۔ پھر ظاہر داری کی بھی پروا نہیں کی۔ جہاد کا نام سُن کر گھروں میں بیٹھ رہے، بالکل بیباک و بے حیا ہو کر عذر کرنے بھی نہ آئے اس تقدیر پر "سَيُصِيبُ الَّذِينَ كَفَرُوا" دونوں جماعتوں کو شامل ہوگا۔ اور معنی یہ ہوں گے کہ جو لوگ دونوں جماعتوں میں سے اپنے کفر پر اخیر تک قائم رہیں گے ان کے لئے عذاب دردناک ہے۔ جن کو توبہ کی توفیق ہو جائیگی وہ اس وعید کے نیچے داخل نہیں۔ اور اگر مُعَذِّرُون سے مراد مومنین مخلصین لئے جائیں جو واقعی معذور تھے تو "قاعدون" سے مراد منافقین ہونگے۔ اور "سَيُصِيبُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ" کی وعید صرف اُن ہی کے حق میں ہوگی۔ پہلی جماعت کا ذکر گویا قبول عذر کے طور پر ہوگا۔

(۱۰۱) **مسلمان معذورین کا عذر** جھوٹے عذر کرنے والوں کے بعد سچے معذورین کا بیان فرماتے ہیں۔ حاصل یہ ہے کہ عذر کبھی تو شخصی طور پر لازم ذات ہوتا ہے مثلاً بڑھاپے کی کمزوری جو عادۃً کسی طرح آدمی سے جُدا نہیں ہو سکتی اور کبھی عارضی ہوتا ہے پھر "عارضی" یا بدنی ہے جیسے بیماری وغیرہ یا مالی، جیسے افلاس وفقدانِ اسباب سفر، چونکہ غزوہ تبوک میں مجاہدین کو بہت دور دراز مسافت طے کر کے پہنچنا تھا، اس لئے سواری نہ ہونے کا عذر بھی معتبر و مقبول سمجھا گیا۔ جیسے آگے آتا ہے۔

(۱۰۲) یعنی جو لوگ واقعی معذور ہیں، اگر اُن کے دل صاف ہوں اور خدا و رسول کے ساتھ ٹھیک ٹھیک معاملہ رکھیں (مثلاً خود نہ جا سکتے ہوں تو جانے والوں کی ہمتیں پست نہ کریں) بلکہ اپنے مقدور کے موافق نیکی کرنے اور اخلاص کا ثبوت دینے کے لئے مستعد رہیں، اُن پر جہاد کی عدم شرکت سے کچھ الزام نہیں۔ ایسے مخلصین سے اگر بمقتضائے بشریت کوئی کوتاہی ہو جائے تو حق تعالیٰ کی بخشش و مہربانی سے توقع ہے کہ وہ درگزر فرمائیگا۔

(۱۰۳) **معذور صحابہ کا بے مثال شوق جہاد** سبحان اللہ۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت نے صحابہ رضی اللہ عنہم کے دلوں میں عشقِ الٰہی کا وہ نشہ پیدا کیا تھا۔ جس کی مثال کسی قوم و ملت کی تاریخ میں موجود نہیں۔ مستطیع اور مقدور والے صحابہ کو دیکھو تو جان و مال سب کچھ خدا کے راستہ میں لٹانے کو تیار ہیں اور سخت سے سخت قربانی کے وقت بڑے ولولہ اور اشتیاق سے آگے بڑھتے ہیں۔ جن کو مقدور نہیں وہ اس غم میں رو رو کر جان کھوئے لیتے ہیں کہ ہم میں اتنی استطاعت کیوں نہ ہوئی کہ اس محبوب حقیقی کی راہ میں قربان ہونے کے لئے اپنے کو پیش کر سکتے۔ حدیث صحیح میں آپ نے مجاہدین کو خطاب کر کے فرمایا کہ تم مدینہ میں ایک ایسی قوم کو اپنے پیچھے چھوڑ آئے ہو جو ہر قدم پر تمہارے اجر میں شریک ہے تم جو قدم خدا کے راستہ میں اٹھاتے ہو یا کوئی جنگل قطع کرتے ہو یا کسی پگڈنڈی پر چلتے ہو، وہ قوم برابر ہر موقع پر تمہارے ساتھ ساتھ ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہیں واقعی مجبوریوں نے تمہارے ہمراہ چلنے سے روکا۔ حسنؒ کے "مرسل" میں ہے کہ یہ مضمون بیان فرما کر آپ نے یہی آیت "وَلَا عَلَى الَّذِينَ إِذَا مَا أَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَا أَجِدُ" الخ تلاوت فرمائی۔

(۱۰۴) یعنی باوجود قدرت و استطاعت جہاد سے پہلو تہی کرتے ہیں اور نہایت بے حمیتی سے یہ عار گوارا کرتے ہیں کہ عورتوں کی طرح گھر میں چوڑیاں پہن کر بیٹھ جائیں۔ گناہ کی ممارست (پریکٹس) سے آدمی کا قلب ایسا مسخ اور سیاہ ہو جاتا ہے کہ اُسے بھلے بُرے اور عیب و ہنر کی تمیز بھی باقی نہیں رہتی جب بے غیرتی کرتے کرتے کوئی شخص اس قدر پاگل ہو جائے کہ نادم و متاسف ہونے کی جگہ اُس پر اُلٹا نازاں اور خوش ہو تو سمجھ لو کہ اُس کے دل پر خدائی مُہر لگ چکی ہے۔ العیاذ باللہ۔

يَعْتَذِرُوْنَ اِلَيْكُمْ اِذَا رَجَعْتُمْ اِلَيْهِمْ ؕ قُلْ لَّا تَعْتَذِرُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكُمْ قَدْ نَبَّاَنَا

بہانے لائیں گے تمہارے پاس جب تم پھر کر جاؤ گے اُن کی طرف تو کہہ بہانے مت بناؤ ہم ہرگز نہ مانیں گے تمہاری بات ہم کو بتا چکا ہے

اللّٰهُ مِنْ اَخْبَارِكُمْ ؕ وَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَ

اللہ تمہارے احوال اور ابھی دیکھیگا اللہ تمہارے کام اور اُس کا رسول پھر تم لوٹائے جاؤ گے طرف اُس جاننے والے چھپے اور

الشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۴﴾ سَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ اِذَا انْقَلَبْتُمْ اِلَيْهِمْ

کھلے کی سو وہ بتائیگا تم کو جو تم کر رہے تھے ف۱۰۵ اب قسمیں کھائیں گے اللہ کی تمہارے سامنے جب تم پھر کر جاؤ گے اُن کی طرف

لِتُعْرِضُوْا عَنْهُمْ ؕ فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمْ ؕ اِنَّهُمْ رِجْسٌ ؗ وَّمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا

تاکہ تم اُن سے درگذر کرو سو تم درگذر کرو اُن سے بیشک وہ لوگ پلید ہیں اور اُن کا ٹھکانا دوزخ ہے بدلا اُن کے

يَكْسِبُوْنَ ﴿۹۵﴾ يَحْلِفُوْنَ لَكُمْ لِتَرْضَوْا عَنْهُمْ ۚ فَاِنْ تَرْضَوْا عَنْهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَرْضٰى عَنِ الْقَوْمِ

کاموں کا ف۱۰۶ وہ لوگ قسمیں کھائینگے تمہارے سامنے تاکہ تم اُن سے راضی ہو جاؤ سو اگر تم راضی ہو گئے اُن سے تو اللہ راضی نہیں ہوتا نافرمان

الْفٰسِقِيْنَ ﴿۹۶﴾ اَلْاَعْرَابُ اَشَدُّ كُفْرًا وَّنِفَاقًا وَّاَجْدَرُ اَلَّا يَعْلَمُوْا حُدُوْدَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى

لوگوں سے ف۱۰۷ گنوار بہت سخت ہیں کفر میں اور نفاق میں اور اسی لائق ہیں کہ نہ سیکھیں وہ قاعدے جو نازل کیے اللہ نے اپنے

رَسُوْلِهٖ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۹۷﴾

رسول پر ف۱۰۸ اور اللہ سب کچھ جاننے والا حکمت والا ہے ف۱۰۹

(۱۰۵) **منافقین کا عُذر قبول نہیں** یعنی جیسے تبوک کی طرف روانہ ہونے کے وقت منافقین نے طرح طرح کے حیلے بہانے بنائے جب تم مدینہ واپس آؤ گے، اُس وقت بھی یہ لوگ اعذار باطلہ پیش کر کے تم کو مطمئن بنانا چاہیں گے اور قسمیں کھائیں گے کہ حضرت ہمارا قصد مصمم تھا کہ آپ کے ساتھ چلیں، مگر فلاں فلاں موانع وعوائق پیش آجانے کی وجہ سے مجبور رہے۔ آپ کہہ دیجئے کہ جھوٹی باتیں بنانے سے کچھ فائدہ نہیں۔ تمہارے سب اعذار لغو اور بے کار ہیں۔ ہم کو حق تعالیٰ تمہارے کذب ونفاق پر مطلع کر چکا۔ پھر کس طرح ہم تمہاری لغویات کو باور کر سکتے ہیں۔ اب پچھلے قصہ کو چھوڑو آئندہ تمہارا طرز عمل دیکھا جائے گا کہ اپنے دعوے کو کہاں تک نباہتے ہو، سب جھوٹ سچ ظاہر ہو کر رہے گا اور بہرحال اُس "عالم الغیب والشہادۃ" سے تو کوئی راز اور عمل یا نیت پوشیدہ نہیں رہ سکتی۔ اُسی کے یہاں سب کو جانا ہے، وہ جزا دینے کے وقت تمہارا ہر چھوٹا بڑا، ظاہری وباطنی عمل کھول کر رکھ دیگا اور اُسی کے موافق بدلہ دیا جائیگا۔

(۱۰۶) تبوک سے واپسی کے بعد منافقین جھوٹی قسمیں کھا کر جو عذر پیش کرتے تھے، اس کی غرض یہ تھی کہ پیغمبر علیہ السلام اور مسلمانوں کو اپنی قسموں اور ملمع سازیوں سے راضی ومطمئن کر دیں تاکہ بارگاہِ رسالت سے اُن پر کوئی عتاب وملامت اور دارو گیر نہ ہو۔ سابق کی طرح یوں ہی معاملہ ابہام میں رہے مسلمان اُن سے کچھ تعرض نہ کریں۔ حق تعالیٰ نے فرما دیا کہ بہتر ہے تم اُن سے تعرض مت کرو۔ لیکن یہ اغماض وتغافل (تعرض نہ کرنا) راضی ومطمئن ہونے کی بناء پر نہیں، بلکہ اُن کے نہایت پلید اور شریر ہونے کی وجہ سے ہے، یہ لوگ اس قدر گندے واقع ہوئے ہیں کہ ان کے پاک وصاف ہونے کی کوئی توقع نہیں رہی۔ لہٰذا اس غلاظت کی پوٹ کو دور پھینک دینا اور اُس سے علیحدہ رہنا ہی بہتر ہے۔ خدا خود ان کو ٹھکانے لگا دیگا۔

(۱۰۷) **منافقین سے مسلمانوں کا معاملہ** بڑی کوشش یہ ہے کہ مکروفریب اور کذب و دروغ سے مسلمانوں کو خوش کرلیں فرض کیجئے اگر چکنی چپڑی باتوں سے مخلوق راضی ہو جائے تو کیا نفع پہنچ سکتا ہے جبکہ خدا ان سے راضی نہ ہو۔ خدا کے آگے تو کوئی چالاکی اور دغابازی نہیں چل سکتی۔ گویا متنبہ فرمادیا کہ جس قوم سے خدا راضی نہ ہو، کوئی مومن قانت کیسے راضی ہو سکتا ہے۔ لہٰذا جھوٹی باتوں سے پیغمبر اور اُن کے ساتھیوں کو خوش کرلینے کا خبط اُنہیں دماغوں سے نکال دینا چاہئے اگر اُن کے ساتھ تغافل و اعراض کا معاملہ کیا گیا ہے تو یہ اس کی دلیل نہیں کہ مسلمان اُن سے خوش اور مطمئن ہیں۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "جس شخص کا حال معلوم ہو کہ منافق ہے اس کی طرف سے تغافل روا ہے۔ لیکن دوستی اور محبت و یگانگت روا نہیں"۔

(۱۰۸) **اعراب منافقین کا حال** یہاں تک مدینہ کے منافقین اور مومنین مخلصین کے احوال بیان ہوئے تھے اب کچھ حال دیہاتی بدوؤں کا ذکر کرتے ہیں کہ اُن میں بھی کئی طرح کے آدمی ہیں۔ کفار، منافقین، اور مخلص مسلمان، چونکہ دیہاتی لوگ قدرتی طور پر عموماً تندخو اور سخت مزاج ہوتے ہیں (جیسا کہ حدیث میں ہے "مَنْ سَكَنَ الْبَادِيَةَ جَفَا") اور مجالس علم و حکمت سے دور رہنے کی وجہ سے تہذیب و شائستگی کا اثر اور علم و عرفان کی روشنی بہت کم قبول کرتے ہیں، اس لئے اُن کا کفر و نفاق شہری کفار و منافقین سے زیادہ سخت ہوتا ہے۔ ان کو ایسے مواقع دستیاب نہیں ہوتے کہ اہل علم و صلاح کی صحبت میں رہ کر دیانت و تہذیب کے وہ قانون اور قاعدے معلوم کریں جو خدا تعالیٰ نے پیغمبر علیہ السلام پر نازل کئے۔ علم و معرفت ہی وہ چیز ہے جو انسان کے دل کو نرم کرتی اور مہذب بناتی ہے۔ جو لوگ اس قدر جہالت میں غرق ہیں، ضرور ہے کہ اُن کے دل سخت ہوں، اور کفر و نفاق کے جس راستہ پر پڑ جائیں، بہائم اور درندوں کی طرح اندھا دھند بڑھے چلے جائیں۔ اعراب کی سنگدلی کا ذکر متعدد احادیث میں ہے ایک حدیث میں ہے کہ کوئی اعرابی آئے حضور سے عرض کیا کہ آپ لوگ اپنے بچوں کا پیار لیتے ہیں خدا کی قسم میں نے کبھی اپنی اولاد کا پیار نہیں لیا۔ حضور نے فرمایا کہ میں کیا کروں اگر خدا نے تیرے دل میں سے اپنی رحمت کو نکال لیا ہے۔

(۱۰۹) یعنی اس کا علم بنی آدم کے تمام طبقات پر محیط ہے، وہ اپنی حکمت سے ہر ایک طبقہ کے ساتھ اس کی استعداد و قابلیت کے موافق معاملہ کرتا ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ "اعراب کی طبیعت میں بے حکمی غرض پرستی، اور جہالت شدید ہوتی ہے سو اللہ حکمت والا ہے اُن سے وہ مشکل کام بھی نہیں چاہتا اور درجے بلند بھی نہیں دیتا۔"

وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ یَّتَّخِذُ مَا یُنْفِقُ مَغْرَمًا وَّیَتَرَبَّصُ بِکُمُ الدَّوَآئِرَ ؕ عَلَیْهِمْ دَآئِرَةُ السَّوْءِ ؕ

اور بعضے گنوار ایسے ہیں کہ شمار کرتے ہیں اپنے خرچ کرنے کو تاوان اور انتظار کرتے ہیں تم پر زمانہ کی گردشوں کا اُن ہی پر آئے گردش بُری

وَاللّٰهُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ﴿۹۸﴾ وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ یُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَیَتَّخِذُ مَا یُنْفِقُ

اور اللہ سُننے والا جاننے والا ہے ف۱۱۰ اور بعضے گنوار وہ ہیں کہ ایمان لاتے ہیں اللہ پر اور قیامت کے دن پر اور شمار کرتے ہیں اپنا خرچ کرنے کو

قُرُبٰتٍ عِنْدَ اللّٰهِ وَصَلَوٰتِ الرَّسُوْلِ ؕ اَلَاۤ اِنَّهَا قُرْبَةٌ لَّهُمْ ؕ سَیُدْخِلُهُمُ اللّٰهُ فِیْ رَحْمَتِهٖ ؕ

نزدیک ہونا اللہ سے اور دعا لینی رسول کی سُنتا ہو وہ اُن کے حق میں نزدیکی ہے داخل کریگا اُن کو اللہ اپنی رحمت میں

۱۲ ع ۱۰ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۹۹﴾

بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے ف۱۱۱

(۱۱۰) یعنی "اعراب منافقین" میں وہ لوگ بھی ہیں جنہیں اگر کسی وقت خدا کے راستہ میں کچھ خرچ کرنا پڑ جاتا ہے تو ایسی کراہیت سے خرچ کرتے ہیں جیسے کوئی جرمانہ اور تاوان ادا کرتا ہو۔ وہ ابھی تک اس کے منتظر ہیں کہ مسلمان حوادث دہر سے کسی گردش اور آفت میں پھنس جائیں تو ہم خوب شادیانے بجائیں۔ یہ خبر نہیں کہ انہیں کی قسمت گردش میں آرہی ہے۔ اسلام تو غالب و فائق ہو کر رہے گا اور یہ منافقین سخت ذلیل و رسوا ہونگے۔ خدا ہر ایک کی باتیں اور دعائیں سنتا ہے اور جانتا ہے کہ کون عزت و کامیابی کا اہل ہے اور کون لوگ ذلت و رسوائی کے مستحق ہیں۔

(۱۱۱) **اعراب مومنین کا بیان** یہاں قرآن کریم کی معجزانہ تاثیر اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کا حیرت انگیز کرشمہ دکھلایا ہے کہ ان ہی درشت مزاج، سنگدل، تندخو گنواروں میں جو کفر و نفاق اور جہل و طغیان کی وجہ سے اس لائق ہی نہ تھے کہ خدا کے بتلائے ہوئے ادب اور قاعدے سمجھ سکیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم اور قرآن کریم کی آواز نے ایسے عارف اور مخلص افراد پیدا کر دیے جو مبداء و معاد سب چیزوں پر ایمان رکھتے ہیں اور خدا کی راہ میں جو کچھ خرچ کرتے ہیں، خالص قرب الٰہی حاصل کرنے اور پیغمبر علیہ السلام کی دعا لینے کی غرض سے کرتے ہیں۔ حق تعالیٰ نے ان کو بشارت دی کہ بیشک وہ اپنی امیدوں میں حق بجانب ہیں۔ یقیناً ان کو وہ چیز مل کر رہے گی جس کی نیت کی ہے (یعنی قرب الٰہی) اور خدا ضرور ان کو اپنی رحمت میں جگہ دے گا۔ رہی پیغمبر علیہ السلام کی دعاء، اسے تو وہ اپنے کانوں سے سنتے اور آنکھوں سے دیکھتے ہیں کہ جب کوئی شخص صدقہ وغیرہ لے کر حاضر ہوتا ہے تو حضور اس کو دعائیں دیتے ہیں۔ حضور کی اس دعاء کا ثمرہ بھی وہ ہی رحمت و قرب الٰہی ہے۔ جس کا وعدہ پہلے ہو چکا۔

وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ

اور جو لوگ قدیم ہیں سب سے پہلے ہجرت کرنے والے اور مدد کرنیوالے اور جو انکے پیرو ہوئے نیکی کے ساتھ اللہ راضی ہوا

عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ

ان سے اور وہ راضی ہوئے اس سے اور تیار کر رکھے ہیں واسطے ان کے باغ کہ بہتی ہیں نیچے ان کے نہریں رہا کریں انہی میں ہمیشہ یہی ہے بڑی

الْعَظِيْمُ ۝۱۰۰ وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ مُنٰفِقُوْنَ ۭ وَمِنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ مَرَدُوْا عَلَى

کامیابی ف۱۱۲ اور بعضے تمہارے گرد کے گنوار منافق ہیں اور بعضے لوگ مدینہ والے اڑ رہے ہیں

النِّفَاقِ لَا تَعْلَمُهُمْ ۭ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ ۭ سَنُعَذِّبُهُمْ مَّرَّتَيْنِ ثُمَّ يُرَدُّوْنَ اِلٰى عَذَابٍ عَظِيْمٍ ۝۱۰۱

نفاق پر تو ان کو نہیں جانتا ہم کو وہ معلوم ہیں ف۱۱۳ انکو ہم عذاب دینگے دو بار پھر وہ لوٹائے جائینگے بڑے عذاب کی طرف ف۱۱۴

وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَيِّئًا ۭ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ ۭ

اور بعضے لوگ ہیں کہ اقرار کیا انہوں نے اپنے گناہوں کا ملایا انہوں نے ایک کام نیک اور دوسرا بد قریب ہے کہ اللہ معاف کرے ان کو

اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۱۰۲ خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ۭ

بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے ف۱۱۵ لے ان کے مال میں سے زکوٰۃ ف۱۱۶ کہ پاک کرے تو انکو اور بابرکت کرے تو انکو اس کی وجہ سے اور دعا دے ان کو

اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ ۭ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝۱۰۳

بیشک تیری دعا ان کے لئے تسکین ہے اور اللہ سب کچھ سنتا جانتا ہے ف۱۱۷

(۱۱۲) **سابقین اوّلین کے فضائل** "اعراب مومنین" کے بعد مناسب معلوم ہوا کہ زعماء و اعیانِ مومنین کا کچھ ذکر کیا جائے۔ یعنی جن مہاجرین نے ہجرت میں سبقت و اوّلیت کا شرف حاصل کیا، اور جن انصار نے نصرت و اعانت میں پہل کی، غرض جن لوگوں نے قبولِ حق اور خدمتِ اسلام میں جس قدر آگے بڑھ بڑھ کر حصے لیے، پھر جو لوگ نکوکاری اور حسنِ نیت سے اُن پیش روانِ اسلام کی پیروی کرتے رہے، ان سب کو درجہ بدرجہ خدا کی خوشنودی اور حقیقی کامیابی حاصل ہو چکی۔ جیسے انہوں نے پوری خوش دلی اور انشراحِ قلب کے ساتھ حق تعالیٰ کے احکام تشریعی اور قضاء تکوینی کے سامنے گردنیں جھکا دیں اسی طرح خدا نے اُن کو اپنی رضاء و خوشنودی کا پروانہ دے کر غیر محدود انعام و اکرام سے سرفراز فرمایا۔ (تنبیہ) مفسرین سلف کے اقوال "اَلسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ" کی تعیین میں مختلف ہیں بعض نے کہا ہے کہ وہ مہاجرین و انصار مراد ہیں جو ہجرت سے پہلے مشرف باسلام ہوئے۔ بعض کے نزدیک وہ مراد ہیں جنہوں نے دونوں قبلوں (کعبہ و بیت المقدس) کی طرف نماز پڑھی۔ بعض کہتے ہیں کہ جنگ بدر تک کے مسلمان "سابقین اوّلین" ہیں۔ بعض حدیبیہ تک اسلام لانے والوں کو اس کا مصداق قرار دیتے ہیں اور بعض مفسرین کی رائے ہے کہ تمام مہاجرین و انصار اطراف کے مسلمانوں اور پیچھے آنے والی نسلوں کے اعتبار سے "سابقین اولین" ہیں۔ ہمارے نزدیک ان اقوال میں چنداں تعارض نہیں "سبقت" و "اوّلیت" اضافی چیزیں ہیں۔ ایک ہی شخص یا جماعت کسی کے اعتبار سے سابق اور دوسرے کی نسبت سے لاحق بن سکتی ہے۔ جیسا کہ ہم نے "فائدہ" میں اشارہ کیا۔ جو شخص یا جماعت جس درجہ میں سابق و اوّل ہوگی اُسی قدر رضائے الٰہی اور حقیقی کامیابی سے حصہ پائے گی۔ کیونکہ سبقت و اولیت کی طرح رضاء و کامیابی کے بھی مدارج بہت سے ہو سکتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

(۱۱۳) **اہل مدینہ اور اعراب منافقین** پہلے سے دیہاتی عربوں کا ذکر چلا آ رہا تھا۔ درمیان میں اعراب مومنین کے تذکرہ سے مہاجرین و انصار کی طرف کلام منتقل ہو گیا۔ اب اس آیۃ میں خاص "مدینہ" اور اس کے آس پاس رہنے والوں کا بیان ہے یعنی بعض اہل مدینہ اور گرد و پیش کے رہنے والے نفاق کے خوگر ہو چکے اور اسی پر اڑے ہوئے ہیں۔ لیکن یہ نفاق اس قدر عریق و عمیق ہے کہ اُن کے قرب مکانی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کمال فطانت و فراست کے باوجود آپ بھی بالتعیین اور قطعی طور پر محض علامات و قرائن سے اُن کے نفاق پر مطلع نہیں ہو سکے اُن کا ٹھیک ٹھیک تعین صرف خدا کے علم میں ہے۔ جس طرح عام منافقین کا پتہ چہرہ، لب و لہجہ اور بات چیت سے لگ جاتا تھا۔ (وَلَوْ نَشَآءُ لَاَرَيْنٰكَهُمْ فَلَعَرَفْتَهُمْ بِسِيْمٰهُمْ ۭ وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِيْ لَحْنِ الْقَوْلِ) ان کا نفاق اتنا گہرا ہے کہ اس قسم کی ظاہری علامات اُن کا پردہ فاش نہیں کرتیں۔

(۱۱۴) **منافقین کے لئے بڑا عذاب** بڑا عذاب دوزخ کا ہے اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ (نساء رکوع ۲۱) اُس سے قبل کم از کم دو بار ضرور عذاب میں مبتلا کیے جائیں گے۔ ایک عذاب قبر دوسرا وہ عذاب جو اسی دنیوی زندگی میں پہنچ کر رہیگا مثلاً ابن عباس کی ایک روایت کے موافق حضورؐ نے جمعہ کے روز ممبر پر کھڑے ہو کر تقریباً چھتیس ۳۶ آدمیوں کو نام بنام پکار کر فرمایا "اُخْرُجْ فَاِنَّكَ مُنَافِقٌ" یعنی تو منافق ہے مسجد سے نکل جا۔ یہ رسوائی ایک قسم عذاب کی تھی۔ یا پہلے اسی سورت میں گذرا کہ اُن کے اموال و اولاد کو حق تعالیٰ نے اُن کے حق میں عذاب بنا دیا۔ (فَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ ۭ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا الخ) یا اُن میں کے بعض بھوک وغیرہ آفات ارضی و سماوی میں مبتلا ہو کر ذلت کی موت مرے یا اسلام کی ترقی و عروج کو دیکھ کر غیظ کھانا اور دانت پیسنا، یہ بھی اُن کے حق میں سوہان روح تھا۔ میرے نزدیک یہ سب قسم کے عذاب "مرتین" کے احاطہ میں داخل ہیں۔ اور دو کا عدد یا تو مطلق تعدد کے لئے ہے جیسے "ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ" میں۔ اور یا دو بار سے مراد نوعی اثنینیت ہے۔ یعنی "عذاب قبر" اور "عذاب قبل الموت"۔ واللہ اعلم۔

(۱۱۵) **تبوک میں رہجانے والے مسلمان** اہل مدینہ میں اگر ایک طرف یہ منافقین متمردین ہیں جو اپنی شرارتوں اور جرموں کو پردہ نفاق میں چھپاتے اور اُن پر سختی سے اڑے رہتے ہیں تو دوسری جانب بعض وہ مسلمان ہیں جن سے بمقتضائے بشریت کوئی خطا و قصور سرزد ہو جائے تو نادم ہو کر بے تامل اپنے گناہوں کا اقرار کرتے ہیں۔ اُن کی بھلائی اور بُرائی مخلوط (رلی ملی) ہے۔ بُرائی تو مثلاً یہی کہ نفیر عام کے باوجود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت پر "غزوہ تبوک" میں حاضر نہ ہوئے۔ بعدہٗ اس غیر حاضری پر دل سے پشیمان و متاسف ہونا اور ظاہراً و باطناً توبہ کرنا، اور دوسرے اعمال صالحہ (نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج یا دوسرے غزوات کی شرکت وغیرہ) بجالانا، یہ سب اُن کی بھلائیوں کی فہرست میں داخل ہیں۔ ایسے حضرات کو حق تعالیٰ نے معافی کی اُمید دلائی ہے۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ آیت حضرت ابو لبابہ اور اُن کے چند ہمرائیوں کے حق میں نازل ہوئی۔ جو محض کسل اور تن آسانی کی وجہ سے "تبوک" میں حاضر نہ ہوئے۔ لیکن جب تبوک سے حضرت کی واپسی معلوم ہوئی تو غایت ندامت سے ان سب نے اپنے کو مسجد کے ستونوں سے باندھ دیا اور قسم کھائی کہ جب تک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ان مجرموں اور قیدیوں کو معاف کر کے اپنے ہاتھ سے نہ کھولیں گے اسی طرح بندھے کھڑے رہیں گے۔ آپ نے یہ حال دیکھ کر فرمایا۔ واللہ جب تک خدا ان کے کھولنے کا حکم نہ دے میں ان کو نہیں کھول سکتا۔ آخر یہ آیات نازل ہوئیں۔ تب آپ نے کھولا اور قبول توبہ کی بشارت دی۔ کہتے ہیں کہ یہ لوگ کھلنے کے بعد تکمیل توبہ کے طور پر کچھ مال لے کر حاضر ہوئے کہ خدا کی راہ میں تصدق کریں اُس پر اگلی آیت نازل ہوئی۔

(۱۱۶) **صدقات کا بیان** "صدقہ" کا ترجمہ مترجم محقق رحمہ اللہ نے "زکوٰۃ" کیا ہے۔ لیکن اگر لفظ "صدقہ" کو عام رکھا جاتا جو زکوٰۃ و صدقات نافلہ سب کو شامل ہو تو بہتر تھا۔ کیونکہ اکثر روایات کے موافق یہ آیت اُن ہی لوگوں کے حق میں نازل ہوئی ہے جو بعد معافی تکمیل توبہ کے طور پر صدقہ لے کر حاضر ہوئے تھے۔ جیسا کہ ابھی پچھلے فائدہ میں نقل کیا جا چکا ہے۔ ہاں عموم الفاظ کو دیکھتے ہوئے حکم کو مورد نص پر مقصور رکھنے کی ضرورت نہیں۔ اسی لئے سلف رضی اللہ عنہم مسئلہ زکوٰۃ میں بھی اس آیت کو پیش کرتے رہے ہیں۔

(۱۱۷) توبہ سے گناہ معاف ہو جاتا ہے۔ یعنی اُس پر مواخذہ باقی نہیں رہتا۔ لیکن ایک قسم کی روحانی کدورت و ظلمت وغیرہ جو گناہ کا طبعی اثر ہے وہ ممکن ہے باقی رہ جاتی ہو جو بالخصوص صدقہ اور عموماً حسنات کی مباشرت سے زائل ہوتی ہے۔ بایں لحاظ کہہ سکتے ہیں کہ صدقہ گناہوں کے اثرات سے پاک و صاف کرتا اور اموال کی برکت بڑھاتا ہے۔ "زکوٰۃ" کے لغوی معنی نماء (یعنی بڑھنے کے ہیں) اور ایک بڑا فائدہ صدقہ کرنے میں یہ تھا کہ صدقہ کرنے والوں کو حضور دعائیں دیتے تھے جن سے دینے والے کا دل بڑھتا اور سکون حاصل کرتا تھا۔ بلکہ آپ کی دعا کی برکت دینے والے کی اولاد در اولاد تک پہنچتی تھی اب بھی ائمہ کے نزدیک مشروع ہے کہ جو شخص صدقہ لائے امام مسلمین بحیثیت وارث نبی ہونے کے اُس کے لئے دعا کرے۔ البتہ جمہور کے نزدیک لفظ... "صلوٰۃ" کا استعمال نہ کرے۔ جو حضور کا مخصوص حق تھا۔

أَلَمْ يَعْلَمُوٓا أَنَّ ٱللَّهَ هُوَ يَقْبَلُ ٱلتَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهِۦ وَيَأْخُذُ ٱلصَّدَقَٰتِ وَأَنَّ ٱللَّهَ هُوَ ٱلتَّوَّابُ

کیا وہ جان نہیں چکے کہ اللہ آپ قبول کرتا ہے توبہ اپنے بندوں سے اور لیتا ہے زکوٰتیں اور یہ کہ اللہ ہی توبہ قبول کرنے والا

ٱلرَّحِيمُ ﴿۱۰۴﴾ وَقُلِ ٱعْمَلُوا۟ فَسَيَرَى ٱللَّهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُولُهُۥ وَٱلْمُؤْمِنُونَ ۖ وَسَتُرَدُّونَ إِلَىٰ عَٰلِمِ

مہربان ہے ف ۱۱۸ اور کہہ کہ عمل کئے جاؤ پھر آگے دیکھ لے گا اللہ تمہارے کام کو اور اُس کا رسول اور مسلمان اور تم جلد لوٹائے جاؤ گے اُسکے پاس جو

ٱلْغَيْبِ وَٱلشَّهَٰدَةِ فَيُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿۱۰۵﴾ وَءَاخَرُونَ مُرْجَوْنَ لِأَمْرِ ٱللَّهِ إِمَّا يُعَذِّبُهُمْ وَ

تمام چھپی اور کھلی چیز وں سے واقف ہے پھر وہ جتا دیگا تم کو جو کچھ تم کرتے تھے ف ۱۱۹ اور بعضے اور لوگ ہیں کہ اُنکا کام ڈھیل میں ہے حکم پر اللہ کے یا وہ ان کو عذاب دے اور

إِمَّا يَتُوبُ عَلَيْهِمْ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿١٠٦﴾ وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَكُفْرًا وَتَفْرِيقًا

یا اُن کو معاف کرے اور اللہ سب کچھ جاننے والا حکمت والا ہے ف ۱۲۰ اور جنہوں نے بنائی ہے ایک مسجد ضد پر اور کفر پر اور پھوٹ ڈالنے

بَيْنَ الْمُؤْمِنِينَ وَإِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ مِن قَبْلُ ۚ وَلَيَحْلِفُنَّ إِنْ أَرَدْنَا إِلَّا

کو مسلمانوں میں اور گھات لگانے کو اُس شخص کی جو لڑ رہا ہے اللہ سے اور اُسکے رسول سے پہلے سے اور وہ قسمیں کھائینگے کہ ہم نے تو بھلائی ہی

الْحُسْنَىٰ ۖ وَاللَّهُ يَشْهَدُ إِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ ﴿١٠٧﴾ لَا تَقُمْ فِيهِ أَبَدًا ۚ لَّمَسْجِدٌ أُسِّسَ عَلَى التَّقْوَىٰ مِنْ

چاہی تھی اور اللہ گواہ ہے کہ وہ جھوٹے ہیں ف ۱۲۱ تو نہ کھڑا ہو اُس میں کبھی البتہ وہ مسجد جسکی بنیاد دھری گئی پرہیزگاری پر اول

أَوَّلِ يَوْمٍ أَحَقُّ أَن تَقُومَ فِيهِ ۚ فِيهِ رِجَالٌ يُحِبُّونَ أَن يَتَطَهَّرُوا ۚ وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِينَ ﴿١٠٨﴾

دن سے وہ لائق ہے کہ تو کھڑا ہو اُس میں اُس میں ایسے لوگ ہیں جو دوست رکھتے ہیں پاک رہنے کو اور اللہ دوست رکھتا ہے پاک رہنے والوں کو ف ۱۲۲

أَفَمَنْ أَسَّسَ بُنْيَانَهُ عَلَىٰ تَقْوَىٰ مِنَ اللَّهِ وَرِضْوَانٍ خَيْرٌ أَم مَّنْ أَسَّسَ بُنْيَانَهُ عَلَىٰ

بھلا جس نے بنیاد رکھی اپنی عمارت کی اللہ سے ڈرنے پر اور اس کی رضامندی پر وہ بہتر یا جس نے بنیاد رکھی اپنی عمارت کی کنارہ

شَفَا جُرُفٍ هَارٍ فَانْهَارَ بِهِ فِي نَارِ جَهَنَّمَ ۗ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ﴿١٠٩﴾ لَا يَزَالُ

پر ایک کھائی کے جو گرنے کو ہے پھر اسکو لیکر ڈھے پڑا دوزخ کی آگ میں ف ۱۲۳ اور اللہ راہ نہیں دیتا ظالم لوگوں کو ف ۱۲۴ ہمیشہ رہیگا

بُنْيَانُهُمُ الَّذِي بَنَوْا رِيبَةً فِي قُلُوبِهِمْ إِلَّا أَن تَقَطَّعَ قُلُوبُهُمْ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿١١٠﴾ ۱۳ ع ۱۱ ۲

اُس عمارت سے جو انہوں نے بنائی تھی شبہ اُنکے دلوں میں مگر جب ٹکڑے ہو جائیں اُن کے دل اور اللہ سب کچھ جاننے والا حکمت والا ہے ف ۱۲۵

(۱۱۸) **توبہ اور صدقات** یعنی توبہ اور صدقات کا قبول کرنا صرف خدا کے اختیار میں ہے کیونکہ وہی جانتا ہے کہ کس نے اخلاص قلب اور شرائط قبول کی رعایت کے ساتھ توبہ کی یا صدقہ دیا۔ چنانچہ پہلے بعضوں پر عتاب ہو چکا کہ ہمیشہ کے لئے اُن کی زکوٰۃ لینی موقوف ہوئی اور منافقین کے صدقات کو مردود ٹھہرایا گیا اور اُن کے حق میں دعاء و استغفار کو بھی بے سود بتلایا۔ بلکہ جنازہ پڑھنے کی ممانعت کر دی۔ جن لوگوں کا یہاں ذکر ہے اُن کی توبہ قبول کی اور صدقات قبول کرنے کا حکم دیا اور یہ بھی کہ حضور اُن کے حق میں دعا دیا کریں۔

(۱۱۹) یعنی توبہ وغیرہ سے گذشتہ تقصیرات معاف ہو گئیں۔ لیکن آگے دیکھا جائیگا کہ تم کہاں تک صدق و استقامت کا عملی ثبوت پیش کرتے ہو۔ اس جہاد میں قصور ہوا تو آئندہ اور جہاد ہوں گے۔ پیغمبر علیہ السلام کے یا خلفاء کے روبرو اُن میں امتحان ہوگا کہ کیسا عمل کرتے ہو پھر خدا کے یہاں جا کر ہر عمل کا پورا بدلہ مل جائیگا۔ کیونکہ وہ ہی تمام کھلی چھپی چیزوں اور ظاہری عمل اور باطنی نیتوں پر مطلع ہے ہر ایک کے ساتھ اُس کی واقعی حالت کے موافق معاملہ کرے گا (آیت کی یہ تقریر حضرت شاہ صاحبؒ کے مذاق پر کی گئی ہے کیونکہ اوفق بالسیاق ہے واللہ اعلم)۔

(۱۲۰) **بعض متخلفین تبوک کی معافی کا معاملہ** اہل مدینہ میں سے یہاں ایک اور چھوٹی سی جماعت کا ذکر فرمایا ہے اصل یہ ہے کہ متخلفین عن تبوک (یعنی تبوک میں نہ شریک ہونے والے) تین قسم کے تھے۔ ایک منافقین، جو از راہ شک و نفاق علیحدہ رہے۔ دوسرے بعض مومنین جو محض سستی اور تن آسانی کی بدولت شریک جہاد نہ ہوئے۔ پھر ان میں دو قسمیں تھیں۔ اکثر وہ تھے جنہوں نے واپسی کی اطلاع پا کر اپنے کو مسجد کے ستونوں سے باندھ دیا۔ اُن کا ذکر پچھلی آیات میں گذر چکا۔ صرف تین شخصوں کی جماعت وہ تھی جنہوں نے

نہ اپنے کو ستونوں سے بندھوایا نہ کوئی عذر تراشا۔ بس جو واقعہ تھا اور جو قصور ہوا تھا صاف صاف بلا کم و کاست آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے عرض کر دیا۔ اُن کے بارہ میں یہ آیت وَاٰخَرُوْنَ مُرْجَوْنَ لِاَمْرِ اللّٰہِ الخ نازل ہوئی۔ یعنی ان کا معاملہ ابھی ڈھیل میں ہے چند روز خدا کے حکم کا انتظار کرو۔ خواہ ان کو سزا دے یا معاف کرے۔ جو اس کے علم و حکمت کا اقتضاء ہوگا کیا جائیگا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تا نزول حکم الٰہی ادب دینے کے لئے مسلمانوں کے تعلقات ان تینوں سے منقطع کر دیئے۔ پچاس دن تک یہ ہی معاملہ رہا۔ پھر معافی ہوئی۔ ان واقعات کی اور تینوں کے ناموں کی تفصیل اگلے رکوع کے خاتمہ پر بیان ہوگی۔

(۱۲۱) **مسجد ضرار اور منافقین کی سازش** پہلے ان لوگوں کا ذکر تھا جن سے بظاہر ایک بُرا کام ہو گیا (تخلف عن الجہاد) مگر صحت اعتقاد اور اعتراف خطا کی بدولت معافی مل گئی۔ یہاں ایسی جماعت کا بیان ہے جنہوں نے بظاہر اچھا کام کیا (تعمیر مسجد) لیکن بد اعتقادی کی وجہ سے وبال بن گیا۔ واقعہ یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے ہجرت کرائے تو اوّل مدینہ سے باہر "بنی عمرو بن عوف" کے محلہ میں فروکش ہوئے۔ پھر چند روز بعد شہر (مدینہ) میں تشریف لے گئے۔ اور "مسجد نبوی" تعمیر کی۔ اس محلہ میں جہاں آپ بیشتر نماز پڑھتے تھے وہاں کے لوگوں نے مسجد تیار کر لی جو مسجد قُبا کے نام سے مشہور ہے۔ حضرت اکثر ہفتہ کے روز وہاں جا کر دو رکعت نماز پڑھتے اور بڑی فضیلت اُس کی بیان فرماتے تھے۔ بعض منافقین نے چاہا کہ پہلو کی ضد پر اُسی کے قریب ایک اور مکان مسجد کے نام سے تعمیر کریں اپنی جماعت جدا ٹھہرائیں اور بعض سادہ دل مسلمانوں کو مسجد قبا سے ہٹا کر ادھر لے آئیں۔ فی الحقیقت اس ناپاک تجویز کا محرک اصلی ایک شخص ابو عامر راہب خزرجی تھا۔ ہجرت سے پہلے اس شخص نے نصرانی بن کر راہبانہ زندگی اختیار کر لی تھی۔ مدینہ اور آس پاس کے لوگ خصوصاً قبیلہ خزرج اس کے زہد و درویشی کے معتقد تھے اور بڑی تعظیم کرتے تھے۔ حضور کے قدوم میمنت لزوم سے جب مدینہ میں ایمان و عرفان کا آفتاب چمکا تو اس طرح کے درویشوں کا بھرم کھلنے لگا۔ بھلا نور آفتاب کے سامنے چراغ مردہ کو کون پوچھتا۔ ابو عامر یہ دیکھ کر چراغ پا ہو گیا۔ حضور نے اس کو اسلام کی دعوت دی اور فرمایا کہ ٹھیٹ ملّت ابراہیمی لے کر آیا ہوں کہنے لگا کہ میں پہلے سے اسی پر قائم ہوں۔ لیکن تم نے اپنی طرف سے ملت ابراہیمی میں اس کے خلاف چیزیں داخل کر دی ہیں۔ حضور نے بہت زور سے اس کی تردید فرمائی۔ آخر اس کی زبان سے نکلا کہ جو ہم میں سے جھوٹا ہو خدا اُس کو وطن سے دور یکہ و تنہا غربت و بیکسی کی موت مارے۔ آپ نے فرمایا "آمین"، خدا ایسا ہی کرے۔ جنگ بدر کے بعد جب اسلام کی جڑیں مضبوط ہو گئیں اور مسلمانوں کا عروج و فروغ حاسدوں کی نگاہوں کو خیرہ کرنے لگا۔ ابو عامر کو تاب نہ رہی۔ بھاگ کر مکہ پہنچا۔ تا کفار مکہ کو حضور کے مقابلہ میں چڑھا کر لائے۔ چنانچہ معرکہ اُحد میں قریش کے ساتھ خود آیا۔ مُبارزہ شروع ہونے سے پہلے آگے بڑھ کر انصار مدینہ کو جو عہد جاہلیت میں اس کے بڑے معتقد تھے، خطاب کر کے اپنی طرف مائل کرنا چاہا۔ احمق یہ نہ سمجھا کہ پیغمبرانہ تصرف کے سامنے اب وہ پُرانا جادو کہاں چل سکتا ہے۔ آخر انصار نے جو اُسے پہلے راہب کہہ کر پکارتے تھے، جواب دیا کہ او فاسق دشمن خدا! تیری آنکھ خدا کبھی ٹھنڈی نہ کرے۔ کیا رسول خدا کے مقابل میں ہم تیرا ساتھ دیں گے؟ انصار کا مایوس کن جواب سُن کر کچھ حواس درست ہوئے اور غیظ میں آ کر کہنے لگا کہ اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) آئندہ جو قوم بھی تیرے مقابلہ کے لئے اُٹھے گی، میں برابر اُس کے ساتھ رہوں گا۔ چنانچہ جنگ حنین تک معرکہ میں کفار کے ساتھ ہو کر مسلمانوں سے لڑتا رہا۔ اُحد میں اسی کی شرارت سے حضور کو چشم زخم پہنچا۔ دونوں صفوں کے درمیان اُس نے پوشیدہ طور پر کچھ گڑھے کھدوا دیئے تھے۔ وہیں چہرہ مبارک کے زخمی ہونے اور دندان مبارک شہید ہونے کا واقعہ پیش آیا۔ حنین کے بعد جب ابو عامر نے محسوس کر لیا کہ اب عرب کی کوئی طاقت اسلام کو کچلنے میں کامیاب نہیں ہو سکتی تو بھاگ کر ملک شام پہنچا۔ اور منافقین مدینہ کو خط لکھا کہ میں قیصر روم سے مل کر ایک لشکر جرار محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے مقابلہ میں لانے والا ہوں، جو چشم زدن میں اُن کے

سارے منصوبے خاک میں ملادے گا اور مسلمانوں کو بالکل پامال کر کے چھوڑے گا (العیاذ باللہ) تم فی الحال ایک عمارت مسجد کے نام سے بنالو۔ جہاں نماز کے بہانے سے جمع ہو کر اسلام کے خلاف ہر قسم کے سازشی مشورے ہو سکیں۔ اور قاصد تم کو وہیں میرے خطوط وغیرہ پہنچادیا کرے اور میں بذات خود آؤں تو ایک موزوں جگہ ٹھہرنے اور ملنے کی ہو، یہ خبیث مقاصد تھے جن کے لئے مسجد ضرار تعمیر ہوئی اور حضور کے روبرو بہانہ یہ کیا کہ یا رسول اللہ! خدا کی قسم ہماری نیت بُری نہیں بلکہ بارش اور سردی وغیرہ میں بالخصوص بیماروں ناتوانوں اور ارباب حوائج کو مسجد قبا تک جانا دشوار ہوتا ہے۔ اس لئے یہ مسجد بنائی گئی ہے تا نمازیوں کو سہولت ہو اور مسجد قبا میں تنگی مکان کی شکایت نہ رہے۔ حضور ایک مرتبہ وہاں چل کر نماز پڑھ لیں تو ہمارے لئے موجب برکت و سعادت ہو۔ یہ اس لئے کہ حضور کا طرزِ عمل دیکھ کر بعض سادہ دل مسلمان حسنِ ظن کی بناء پر اُن کے جال میں پھنس جائیں۔ آپ اُس وقت تبوک جانے کے لئے پابرکاب تھے فرمایا کہ اللہ نے چاہا تو واپسی پر ایسا ہو سکیگا۔ جب حضور تبوک سے واپس ہو کر بالکل مدینہ کے نزدیک پہنچ گئے، تب جبرئیل یہ آیات لیکر آئے جن میں منافقین کی ناپاک اغراض پر مطلع کر کے مسجد ضرار کا پول کھول دیا گیا۔ آپ نے مالک بن دخشم اور معن بن عدی کو حکم دیا کہ اس مکان کو (جس کا نام ازراہ خداع دلفریب مسجد رکھا تھا) گرا کر پیوند زمین بنادو۔ انہوں نے فوراً حکم کی تعمیل کی اور جلا کر خاک سیاہ کر دیا اس طرح منافقین اور ابو عامر فاسق کے سب ارمان دل کے دل میں رہ گئے اور ابو عامر اپنی دعاء اور حضور کی آمین کے موافق قنسرین (ملک شام) میں تنہا سخت بے کسی کی موت مرا۔ ''فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ'' آیت میں ''مَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ'' سے یہ ہی ابو عامر فاسق مراد ہے۔

(۱۲۲) **مسجد قباء کی فضیلت** یعنی اس مسجد میں جس کی بنیاد محض ضد، کفر و نفاق، عداوت اسلام اور مخالفت خدا اور سول پر رکھی گئی۔ آپ کبھی نماز کے لئے کھڑے نہ ہوں۔ آپ کی نماز کے لائق وہ مسجد ہے جس کی بنیاد اوّل دن سے تقویٰ اور پرہیزگاری پر قائم ہوئی (خواہ مسجد نبوی ہو یا مسجد قبا) اس کے نمازی گناہوں اور شرارتوں اور ہر قسم کی نجاستوں سے اپنا ظاہر و باطن پاک و صاف رکھنے کا اہتمام کرتے ہیں۔ اسی لئے خدائے پاک اُن کو محبوب رکھتا ہے۔ حدیث میں ہے کہ حضور نے اہل قبا سے دریافت کیا کہ تم طہارت و پاکیزگی کا کیا خاص اہتمام کرتے ہو، جو حق تعالیٰ نے تمہاری تطہیر کی مدح فرمائی انہوں نے کہا کہ ڈھیلے کے بعد پانی سے استنجا کرتے ہیں یعنی عام طہارت ظاہری و باطنی کے علاوہ وہ لوگ اس چیز کا معتاد سے زائد اہتمام رکھتے ہیں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آیت میں مسجد قبا کا ذکر ہے۔ لیکن بعض روایات صریح ہیں کہ مَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى سے مسجد نبوی مراد ہے۔ علماء نے اس پر بہت کچھ کلام کیا ہے۔ ہم نے شرح صحیح مسلم میں اس کے متعلق اپنا ناقص خیال ظاہر کر کے روایات میں تطبیق دی ہے۔ یہاں اُس کے بیان کا موقع نہیں

(۱۲۳) یعنی جس کام کی بنیاد تقویٰ، یقین و اخلاص اور خدا کی رضا جوئی پر ہو، وہ نہایت مستحکم اور پائدار ہوتا ہے برخلاف اس کے جس کام کی بناء شک و نفاق اور مکر و خداع پر ہو، وہ اپنی ناپائداری، بودے پن اور انجام بد کے لحاظ سے ایسا ہے جیسے کوئی عمارت ایک کھائی کے کنارہ پر کھڑی کی جائے کہ ذرا زمین سرکی یا پانی کی تھپیڑ کنارہ کو لگی، ساری عمارت دھڑام سے نیچے آرہی اور آخر کار دوزخ کے گڑھے میں جا پہنچی۔

(۱۲۴) یعنی بظاہر کوئی نیک عمل بھی کریں (جیسے مسجد بنانا) ظلم و انصافی کی شامت سے بن نہیں پڑتا۔

(۱۲۵) **ریبہ کی تفسیر** ''ریبہ'' کا ترجمہ کیا ہے ''شبہ'' جس سے مراد نفاق ہے۔ یعنی اس عمل بد کا اثر یہ ہوا کہ ہمیشہ اُن کے دلوں میں (جب تک موت انہیں پارہ پارہ نہ کر ڈالے) نفاق قائم رہیگا۔ جیسے اسی سورۃ میں پہلے گذر چکا۔ ''فَاَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِيْ قُلُوْبِهِمْ اِلٰى يَوْمِ يَلْقَوْنَهٗ بِمَاۤ اَخْلَفُوا اللّٰهَ مَا وَعَدُوْهُ وَبِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ'' بعض مترجمین نے ''ریبہ'' کے معنی کئے ہیں کھٹکا

یعنی جو عمارت انہوں نے ناپاک مقاصد کے لئے بنائی تھی، مگر حق تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کو مطلع کر کے اُن کے تمام پلید مقاصد کا خاتمہ کر دیا، اس کا خیال ہمیشہ اُن کے دلوں میں کانٹا سا کھٹکتا رہے گا۔ والراجح عند السلف ہو الاول کما حکی ابن کثیرؒ۔

إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُم بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ۚ يُقَاتِلُونَ فِي

اللہ نے خرید لی مسلمانوں سے اُن کی جان اور اُن کا مال اس قیمت پر کہ اُن کے لئے جنت ہے لڑتے ہیں اللہ

سَبِيلِ اللَّهِ فَيَقْتُلُونَ وَيُقْتَلُونَ ۖ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنجِيلِ وَالْقُرْآنِ ۚ وَ

کی راہ میں پھر مارتے ہیں اور مرتے ہیں وعدہ ہو چکا اُسکے ذمہ پر سچا توریت اور انجیل اور قرآن میں اور

مَنْ أَوْفَىٰ بِعَهْدِهِ مِنَ اللَّهِ ۚ فَاسْتَبْشِرُوا بِبَيْعِكُمُ الَّذِي بَايَعْتُم بِهِ ۚ وَذَٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿١١١﴾

کون ہے قول کا پورا اللہ سے زیادہ سو خوشیاں کرو اُس معاملہ پر جو تم نے کیا ہے اُس سے اور یہ ہی ہے بڑی کامیابی ف ۱۲۶

التَّائِبُونَ الْعَابِدُونَ الْحَامِدُونَ السَّائِحُونَ الرَّاكِعُونَ السَّاجِدُونَ الْآمِرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَالنَّاهُونَ

وہ توبہ کرنیوالے ہیں بندگی کرنیوالے شکر کرنے والے بے تعلق رہنیوالے ف ۱۲۷ رکوع کرنیوالے سجدہ کرنیوالے حکم کرنیوالے نیک بات کا اور منع کرنیوالے

عَنِ الْمُنكَرِ وَالْحَافِظُونَ لِحُدُودِ اللَّهِ ۗ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ ﴿١١٢﴾ مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا

بری بات سے ف ۱۲۸ اور حفاظت کرنیوالے اُن حدود کی جو باندھی اللہ نے اور خوشخبری سنا دے ایمان والوں کو ف ۱۲۹ لائق نہیں نبی کو اور مسلمانوں کو

أَن يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا أُولِي قُرْبَىٰ مِن بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُمْ أَصْحَابُ

کہ بخشش چاہیں مشرکوں کی اور اگرچہ وہ ہوں قرابت والے جبکہ کھل چکا اُن پر کہ وہ ہیں دوزخ

الْجَحِيمِ ﴿١١٣﴾ وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ إِبْرَاهِيمَ لِأَبِيهِ إِلَّا عَن مَّوْعِدَةٍ وَعَدَهَا إِيَّاهُ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ أَنَّهُ

والے ف ۱۳۰ اور بخشش مانگنا ابراہیم کا اپنے باپ کے واسطے سو نہ تھا مگر وعدہ کے سبب کہ وعدہ کر چکا تھا اُس سے پھر جب کھل گیا ابراہیم پر کہ وہ

عَدُوٌّ لِّلَّهِ تَبَرَّأَ مِنْهُ ۚ إِنَّ إِبْرَاهِيمَ لَأَوَّاهٌ حَلِيمٌ ﴿١١٤﴾

دشمن ہے اللہ کا تو اُس سے بیزار ہو گیا بیشک ابراہیم بڑا نرم دل تھا تحمل کرنیوالا ف ۱۳۱

(۱۲۶) **مومنین کی نفع بخش تجارت** اس سے زیادہ سود مند تجارت اور عظیم الشان کامیابی کیا ہو گی کہ ہماری حقیر سی جانوں اور فانی اموال کا خداوند قدوس خریدار بنا۔ ہماری جان و مال کو جو فی الحقیقت اُسی کی مملوک و مخلوق ہے محض ادنیٰ ملابست سے ہماری طرف نسبت کر کے "مبیع" قرار دیا جو "عقد بیع" میں مقصود بالذات ہوتی ہے۔ اور جنت جیسے اعلیٰ ترین مقام کو اس کا "ثمن" بتلایا جو مبیع تک پہنچنے کا وسیلہ ہے۔ حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "جنت" میں وہ نعمتیں ہوں گی جن کو نہ آنکھوں نے دیکھا نہ کانوں نے سُنا اور نہ کسی بشر کے قلب پر اُن کی کیفیات کا خطور ہوا۔ اب خیال کرو کہ جان و مال جو برائے نام ہمارے کہلاتے ہیں، انہیں جنت کا ثمن نہیں بنایا نہ یہ کہا کہ حق تعالیٰ "بائع" اور ہم مشتری ہوتے تلطف و نوازش کی حد ہو گئی کہ اس ذرا سی چیز کے (حالانکہ وہ بھی فی الحقیقت اُسی کی ہے) معاوضہ میں جنت جیسی لازوال اور قیمتی چیز کو ہمارے لئے مخصوص کر دیا، جیسا کہ "بالجنۃ" کی جگہ "بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ" فرمانے سے ظاہر ہوتا ہے ؎ نیم جاں بستاند و صد جاں دہد۔ انچہ در وہمت نیاید آں دہد۔

پھر یہ نہیں کہ ہمارے جان و مال خرید لئے گئے، تو فوراً ہمارے قبضہ سے نکال لئے جائیں صرف اس قدر مطلوب ہے کہ جب موقع پیش آئے جان و مال خدا کے راستہ میں پیش کرنے کے لئے تیار رہیں۔ دینے سے بخل نہ کریں خواہ وہ لیں یا نہ لیں۔ اسی کے پاس چھوڑے رکھیں۔ اسی لئے فرمایا "یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَیَقْتُلُوْنَ وَیُقْتَلُوْنَ" یعنی مقصود خدا کی راہ میں جان و مال حاضر کر دینا ہے بعدہٗ ماریں یا مارے جائیں۔ دونوں صورتوں میں عقد بیع پورا ہو گیا اور یقینی طور پر ثمن کے مستحق ٹھہر گئے۔ ممکن ہے کسی کو وسوسہ گذرتا کہ معاملہ تو بیشک بہت سود مند اور فائدہ بخش ہے۔ لیکن ثمن نقد نہیں ملتا۔ اُس کا جواب دیا "وَعْدًا عَلَیْہِ حَقًّا فِی التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِیْلِ وَالْقُرْاٰنِ" یعنی زرِ ثمن کے مارے جانے کا کوئی خطرہ نہیں۔ خدا تعالیٰ نے بہت تاکید و اہتمام سے پختہ دستاویز لکھدی ہے جس کا خلاف ناممکن ہے۔ کیا خدا سے بڑھ کر صادق القول، راستباز اور وعدہ کا پکا کوئی دوسرا ہو سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ لہٰذا اُس کا ادھار بھی دوسروں کے نقد سے ہزاروں درجہ پختہ اور بہتر ہو گا۔ پھر مومنین کے لئے خوش ہونے اور اپنی قسمت پر نازاں ہونے کا اس سے بہتر کونسا موقع ہو گا، کہ خود رب العزت اُن کا خریدار بنے، اور اس شان سے بنے۔ سچ فرمایا عبد اللہ بن رواحہ نے کہ یہ وہ بیع ہے جس کے بعد اقالت کی کوئی صورت ہم باقی رکھنا نہیں چاہتے۔ حق تعالیٰ اپنے فضل سے ہم ناتوانوں کو ان مومنین کے زمرہ میں محشور فرمائے۔ آمین

(۱۲۷) **مومنین کی صفات۔ سائحون کا مفہوم** بعض نے "سائحون" سے مراد روزہ دار لئے ہیں۔ کیونکہ روزہ دار کھانے پینے وغیرہ لذائذ و مرغوبات سے بے تعلق ہو کر روحانی مدارج اور ملکوتی مقامات کی سیر کرتا ہے۔ بعض کے نزدیک اس لفظ کا مصداق مہاجرین ہیں جو گھر بار سے بے تعلق ہو کر "دار الاسلام" میں سکونت پذیر ہوتے ہیں۔ بعض نے "مجاہدین" کا ارادہ کیا ہے کہ مجاہد اپنی جان تک سے بے تعلق ہو کر خدا کے راستہ میں قربان ہونے کے لئے نکلتا ہے۔ بعض کی رائے میں یہ لفظ طلبۂ علوم کے لئے ہے، جو وطن، کنبہ، راحت و آسائش وغیرہ سب کو خیرباد کہہ کر طلب علم کے لئے نکل کھڑے ہوتے ہیں۔ بہرحال مترجم محقق رحمہ اللہ نے جو ترجمہ کیا، اُس میں ان سب اقوال کی گنجائش ہے مگر اکثر سلف کے نزدیک پہلی تفسیر مختار ہے۔ واللہ اعلم۔ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ شاید بے تعلق رہنے سے مراد یہ ہو کہ دنیا میں دل نہ لگائے

(۱۲۸) یعنی خود درست ہونے کے ساتھ دوسروں کو بھی درست کرتے ہیں۔ گویا اُن کا کام ہے عبادتِ حق، اور خیر خواہی خلق۔

(۱۲۹) یعنی نیکی بدی کی جو حدود حق تعالیٰ نے معین فرما دی ہیں، اُن سے تجاوز نہ کرے۔ خلاصہ یہ کہ بے حکم شرع کوئی قدم نہ اُٹھائے۔ یہ سب صفات، اُن مومنین کی ہوئیں۔ جو جان و مال سے خدا کے ہاتھ پر بک چکے ہیں۔

(۱۳۰) **مشرک آباء کیلئے استغفار کی ممانعت** مومنین جب جان و مال سے خدا کے ہاتھ بیع ہو چکے تو ضروری ہے کہ تنہا اُسی کے ہو کر رہیں۔ اعداء اللہ سے جن کا دشمنِ خدا اور جہنمی ہونا معلوم ہو چکا ہو۔ محبت و مہربانی کا واسطہ نہ رکھیں۔ خواہ یہ دشمنانِ خدا اُن کے ماں باپ، چچا، تایا اور خاص بھائی بند ہی کیوں نہ ہوں۔ جو خدا کا باغی اور دشمن ہے وہ اُن کا دوست کیسے ہو سکتا ہے۔ پس جس شخص کی بابت پتہ چل جائے کہ بالیقین دوزخی ہے۔ خواہ وحی الٰہی کے ذریعہ سے یا اس طرح کہ علانیہ کفر و شرک پر اس کو موت آ چکی ہو، اُس کے حق میں استغفار کرنا اور بخشش مانگنا ممنوع ہے۔ بعض روایات میں ہے کہ یہ آیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ حضرت آمنہ کے بارہ میں نازل ہوئی۔ بعض احادیث میں مذکور ہے کہ آپ کے چچا ابوطالب کے حق میں اُتری۔ اور بعض نے نقل کیا ہے کہ مسلمانوں نے چاہا کہ اپنے آباء مشرکین کے لئے جو مر چکے تھے استغفار کریں۔ اِس آیت میں اُن کو منع کیا گیا۔ بہرحال شانِ نزول کچھ ہو، حکم یہ ہے کہ کفار و مشرکین کے حق میں جن کا خاتمہ کفر و شرک پر معلوم ہو جائے، استغفار جائز نہیں (تنبیہ) حضور کے والدین کے بارہ میں علمائے اسلام کے اقوال بہت مختلف ہیں۔ بعض نے اُن کو مومن و ناجی ثابت کرنے کے لئے مستقل رسائل لکھے ہیں۔ اور شراح حدیث نے محدثانہ و متکلمانہ بحثیں کی ہیں۔ احتیاط و سلامت روی کا طریقہ اس مسئلہ میں یہ ہے کہ زبان بند رکھی جائے۔ اور ایسے نازک مباحث میں خوض کرنے

سے احتراز کیا جائے۔ حقیقت حال کو خدا ہی جانتا ہے اور وہ ہی تمام مسائل کا ٹھیک فیصلہ کرنے والا ہے۔

(۱۳۱) **حضرت ابراہیمؑ کا اپنے والد کے لئے استغفار** سورۂ مریم میں ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کے باپ نے قبولِ حق سے اعراض کیا اور ضد و عناد سے حضرت ابراہیم کو قتل کی دھمکیاں دینے لگا، تو آپ نے والدین کا ادب ملحوظ رکھتے ہوئے فرمایا "سَلٰمٌ عَلَيْكَ سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّيْ اِنَّهٗ كَانَ بِيْ حَفِيًّا" یعنی میں خدا سے تیرے لئے استغفار کرونگا اس وعدہ کے موافق آپ برابر استغفار کرتے رہے چنانچہ دوسری جگہ "وَاغْفِرْ لِاَبِيْ" فرمانے کی تصریح ہے اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ ابراہیم علیہ السلام ایک مشرک کی حالت شرک پر قائم رہتے ہوئے مغفرت چاہتے تھے۔ نہیں غرض یہ تھی کہ اس کو توفیق دے کہ حالت شرک سے نکل کر آغوش اسلام میں آجائے اور قبول اسلام اس کی خطاؤں کے معاف ہونے کا سبب بنے۔ "اِنَّ الْاِسْلَامَ يَهْدِمُ مَا كَانَ قَبْلَهٗ" ابراہیم علیہ السلام کے استغفار کو قرآن میں پڑھ کر بعض صحابہ کے دلوں میں خیال آیا کہ ہم بھی اپنے مشرک والدین کے حق میں استغفار کریں اس کا جواب حق تعالیٰ نے دیا کہ ابراہیمؑ نے وعدہ کی بناء پر صرف اس وقت تک اپنے باپ کے لئے استغفار کیا۔ جب تک یقینی طور سے یہ واضح نہیں ہوا تھا کہ اُسے کفر و شرک اور خدا کی دشمنی پر مرنا ہے۔ کیونکہ مرنے سے پہلے احتمال تھا کہ توبہ کر کے مسلمان ہو جائے اور بخشا جائے۔ پھر جب کفر و شرک پر خاتمہ ہونے سے صاف کھل گیا کہ وہ حق کی دشمنی سے باز آنے والا نہ تھا، تو ابراہیم علیہ السلام اس سے بالکلیہ بیزار ہو گئے اور دعاء و استغفار وغیرہ ترک کر دیا۔ پہلے نرم دلی اور شفقت سے دعا کرتے تھے۔ جب توبہ و رجوع کے احتمالات منقطع ہو گئے، تو آپ نے اس کی خیر خواہی سے ہاتھ اٹھا لیا۔ اور اس حادثہ کو پیغمبرانہ صبر و تحمل سے برداشت کیا۔ حدیث میں ہے کہ محشر میں ابراہیم علیہ السلام عرض کرینگے کہ خداوندا تیرا وعدہ ہے کہ مجھے رسوا نہ کرے گا۔ مگر اس سے زیادہ کیا رسوائی ہو گی کہ آج میرا باپ سب کے سامنے دوزخ میں پھینکا جائے۔ اسی وقت اُن کے باپ کی صورت مسخ ہو کر ضبع (کفتار) کی سی ہو جائے گی اور فرشتے گھسیٹ کر جہنم میں ڈال دیں گے شاید یہ اس لئے ہو کہ لوگ اسے پہچان نہ سکیں۔ کیونکہ رسوائی کا دارو مدار شناخت پر ہے۔ جب شناخت نہ رہے گی کہ کیا چیز دوزخ میں پھینکی گئی۔ پھر بیٹے کی رسوائی کا کچھ مطلب نہیں۔

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِلَّ قَوْمًا بَعْدَ اِذْ هَدٰىهُمْ حَتّٰى يُبَيِّنَ لَهُمْ مَّا يَتَّقُوْنَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ

اور اللہ ایسا نہیں کہ گمراہ کرے کسی قوم کو جبکہ اُن کو راہ پر لا چکا جب تک کھول نہ دے اُن پر جس سے اُن کو بچنا چاہئے بیشک اللہ ہر چیز سے

عَلِيْمٌ ﴿۱۱۵﴾ اِنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ؕ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ

واقف ہے ف ۱۳۲ اللہ ہی کی سلطنت ہے آسمانوں اور زمین میں جلاتا ہے اور مارتا ہے اور تمہارا کوئی نہیں اللہ کے سوا

وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿۱۱۶﴾ لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِيْ سَاعَةِ

حمایتی اور نہ مددگار ف ۱۳۳ اللہ مہربان ہوا نبی پر اور مہاجرین اور انصار پر جو ساتھ رہے نبی کے مشکل کی

الْعُسْرَةِ مِنْ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيْغُ قُلُوْبُ فَرِيْقٍ مِّنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّهٗ بِهِمْ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۱۷﴾

گھڑی میں ف ۱۳۴ بعد اُسکے کہ قریب تھا کہ دل پھر جائیں بعضوں کے اُن میں سے پھر مہربان ہوا اُن پر بیشک وہ اُن پر مہربان ہے رحم کرنیوالا ف ۱۳۵

(۱۳۲) **اللہ کی طرف سے اتمام حجت ضرور ہوتا ہے** یعنی اتمام حجت اور اظہار حق سے پہلے خدا کسی کو گمراہ نہیں کرتا۔ گمراہی یہ ہے کہ جب خدا اپنے احکام صاف کھول کر بیان کر چکا، پھر امتثال نہ کیا جائے۔ گویا اشارہ کر دیا کہ جو لوگ ممانعت سے قبل مشرکین کے لئے

استغفار کر چکے ہیں اُن پر مواخذہ نہیں۔ لیکن اب اطلاع پانے کے بعد ایسا کرنا گمراہی ہے۔

(۱۳۳) جب اُس کی سلطنت ہے تو اُسی کا حکم چلنا چاہئے۔ وہ علم محیط اور قدرت کاملہ سے جو احکام نافذ کرے۔ بندوں کا کام ہے کہ بے خوف و خطر تعمیل کریں۔ کسی کی رو رعایت کو دخل نہ دیں۔ کیونکہ خدا کے سوا کوئی کام آنے والا نہیں۔

(۱۳۴) **تبوک کے شرکاء کی فضیلت** مشکل کی گھڑی سے مراد "غزوہ تبوک" کا زمانہ ہے جس میں کئی طرح کی مشکلات جمع تھیں۔ سخت گرمی طویل مسافت کھجور کا موسم، اس زمانہ کی عظیم الشان سلطنت کے مقابلہ پر فوج کشی، پھر ظاہری بے سرو سامانی ایسی کہ ایک ایک کھجور روزانہ دو دو سپاہیوں پر تقسیم ہوتی تھی۔ اخیر میں یہ نوبت پہنچ گئی کہ بہت سے مجاہدین ایک ہی کھجور کو یکے بعد دیگرے چوس کر پانی پی لیتے تھے۔ پھر پانی کے فقدان سے اُونٹوں کی آلائش نچوڑ کر پینے کی نوبت آگئی۔ سواری کا اتنا قحط تھا کہ دس دس آدمی ایک ایک اُونٹ پر اُترتے چڑھتے چلے جارہے تھے۔ یہ ہی وہ جذبۂ ایثار و فداکاری تھا جس نے مٹھی بھر جماعت کو تمام دنیا کی قوموں پر غالب کر دیا۔ فللّٰہ الحمد والمنۃ۔

(۱۳۵) خدا کی مہربانیاں پیغمبر علیہ السّلام پر بے شمار ہیں۔ اور آپ کی برکت سے مہاجرین و انصار پر بھی حق تعالیٰ کی مخصوص توجہ اور مہربانی رہی ہے کہ اُن کو ایمان و عرفان سے مشرف فرمایا۔ اتباع نبوی، جہاد فی سبیل اللہ اور عزائم امور کے سرانجام دینے کی ہمت و توفیق بخشی۔ پھر ایسے مشکل وقت میں جبکہ بعض مومنین کے قلوب بھی مشکلات اور صعوبتوں کا ہجوم دیکھ کر ڈگمگانے لگے تھے اور قریب تھا کہ رفاقت نبوی سے پیچھے ہٹ جائیں۔ حق تعالیٰ نے دوبارہ مہربانی اور دستگیری فرمائی کہ اُن کو اس قسم کے خطرات و وساوس پر عمل کرنے سے محفوظ رکھا اور مومنین کی ہمتوں کو مضبوط اور ارادوں کو بلند کیا۔

وَّعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا ؕ حَتّٰٓى اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ

اور اُن تین شخصوں پر جن کو پیچھے رکھا تھا ف ۱۳۶ یہاں تک کہ جب تنگ ہو گئی اُن پر زمین باوجود کشادہ ہونے کے اور تنگ ہو گئیں اُن پر

اَنْفُسُهُمْ وَظَنُّوْٓا اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّآ اِلَيْهِ ؕ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوْبُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ

اُن کی جانیں اور سمجھ گئے کہ کہیں پناہ نہیں اللہ سے مگر اُسی کی طرف پھر مہربان ہوا اُن پر تاکہ وہ پھر آئیں بیشک اللہ ہی ہے مہربان

ع ۱۴ الرَّحِيْمُ ۝۱۱۸ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ ۝۱۱۹ مَا كَانَ لِاَهْلِ

رحم والا ف ۱۳۷ اے ایمان والو ڈرتے رہو اللہ سے اور رہو ساتھ سچوں کے ف ۱۳۸ نہ چاہئے مدینہ

الْمَدِيْنَةِ وَمَنْ حَوْلَهُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ اَنْ يَّتَخَلَّفُوْا عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ وَلَا يَرْغَبُوْا

والوں کو اور اُن کے گرد کے گنواروں کو کہ پیچھے رہ جائیں رسول اللہ کے ساتھ سے اور نہ یہ کہ اپنی

بِاَنْفُسِهِمْ عَنْ نَّفْسِهٖ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ لَا يُصِيْبُهُمْ ظَمَاٌ وَّلَا نَصَبٌ وَّلَا مَخْمَصَةٌ فِيْ سَبِيْلِ

جان کو چاہیں زیادہ رسول کی جان سے ف ۱۳۹ یہ اس واسطے کہ جہاد کرنیوالی نہیں پہنچتی اُن کو پیاس اور نہ محنت اور نہ بھوک اللہ کی راہ

اللّٰهِ وَلَا يَطَــُٔوْنَ مَوْطِئًا يَّغِيْظُ الْكُفَّارَ وَلَا يَنَالُوْنَ مِنْ عَدُوٍّ نَّيْلًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ بِهٖ عَمَلٌ

میں اور نہیں قدم رکھتے کہیں جس سے کہ خفا ہوں کافر اور نہ چھینتے ہیں دشمن سے کوئی چیز مگر لکھا جاتا ہے اُن کے واسطے اُسکے بدلے نیک

صَالِحٌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝۱۲۰

عمل بیشک اللہ نہیں ضائع کرتا حق نیکی کرنیوالوں کا ف ۱۴۰

(۱۴۶) **غزوہ تبوک میں رہجانے والے تین صحابی** یہ تین شخص کعب بن مالک، ہلال بن امیہؓ اور مرارہ بن الربیع ہیں۔ جو باوجود مومن مخلص ہونے کے محض تن آسانی اور سہل انگاری کی بناء پر بدون عذر شرعی کے تبوک کی شرکت سے محروم رہے۔ جب حضورؐ واپس تشریف لائے تو نہ انہوں نے منافقین کی طرح جھوٹے عذر پیش کئے اور نہ بعض صحابہ کی طرح اپنے کو ستونوں سے باندھا۔ جو واقعہ تھا صاف صاف عرض کر دیا اور اپنی کوتاہی اور تقصیر کا علانیہ اعتراف کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ منافقین کی طرف سے بظاہر اغماض کر کے ان کے بواطن کو خدا کے سپرد کیا گیا۔ "اصحاب سواری" کی (یعنی جو مسجد کے ستونوں سے بندھے ہوئے تھے) توبہ قبول کر لی گئی۔ اور ان تینوں کا فیصلہ تادیباً کچھ مدت کے لئے ملتوی رکھا گیا۔ پچاس دن گذرنے کے بعد اُن کی توبہ قبول ہوئی پیچھے رکھے جانے کا یہی مطلب ہے۔ جیسا کہ بخاری میں خود کعب بن مالک سے نقل کیا ہے۔

(۱۴۷) **حضرت کعبؓ بن مالک کا واقعہ** ان تین میں سے حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے اپنا واقعہ نہایت شرح و بسط سے عجیب موثر طرز میں بیان فرمایا ہے۔ صحیح بخاری وغیرہ میں ملاحظہ کیا جائے۔ یہاں اُس کے بعض اجزاء نقل کئے جاتے ہیں کعب بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ تبوک کی مہم چونکہ بہت سخت اور دشوار گذار تھی، حضورؐ نے صحابہ کو عام حکم تیاری کا دیا۔ لوگ مقدور و استطاعت کے موافق سامان سفر درست کرنے میں مشغول تھے۔ مگر میں بے فکر تھا کہ جب چاہونگا فوراً تیار ہو کر ساتھ چلا جاؤنگا۔ کیونکہ بفضل ایزدی اُس وقت ہر طرح کا سامان مجھ کو میّسر تھا۔ ایک چھوڑ دو سواریاں میرے پاس موجود تھیں۔ میں اسی غفلت کے نشہ میں رہا۔ اُدھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تیس ہزار مجاہدین اسلام کو کوچ کا حکم دیدیا۔ مجھے اب بھی یہ خیال تھا کہ حضور روانہ ہو گئے تو کیا ہے، اگلی منزل پر آپ سے جا ملونگا۔ آج چلوں کل چلوں، اسی امروز و فردا میں وقت نکل گیا۔ حضور نے تبوک پہنچ کر فرمایا "مَا فَعَلَ کَعْبُ بْنُ مَالِکٍ" (کعب بن مالک کو کیا ہوا) بنی سلمہ کا ایک شخص بولا کہ یا رسول اللہ! اُس کی عیش پسندی اور اعجاب و غرور نے نکلنے کی اجازت نہ دی۔ معاذ بن جبل نے کہا کہ تو نے بُری بات کہی۔ خدا کی قسم ہم نے اس میں بھلائی کے سوا کچھ نہیں دیکھا۔ حضور یہ گفتگو سن کر خاموش رہے۔ کعب کہتے ہیں کہ آپ کی تشریف بری کے بعد بہت زیادہ وحشت اس سے ہوتی تھی کہ سارے مدینہ میں پکے منافق یا معذور مسلمان کے سوا مجھے کوئی مرد نظر نہ پڑتا تھا۔ بہرحال اب دل میں طرح طرح کے جھوٹے منصوبے گانٹھنے شروع کئے کہ آپ کی واپسی پر فلاں عذر کر کے جان بچا لونگا۔ مگر جس وقت معلوم ہوا کہ حضور خیر و عافیت سے واپس تشریف لے آئے، دل سے سارے جھوٹ فریب محو ہو گئے اور طے کر لیا کہ سچ کے سوا کوئی چیز اُس بارگاہ میں نجات دلانے والی نہیں۔ حضورؐ مسجد میں رونق افروز تھے، اصحاب کا مجمع تھا۔ منافقین جھوٹے حیلے بہانے بنا کر ظاہری گرفت سے چھوٹ رہے تھے کہ میں حضور کے سامنے آیا۔ میرے سلام کرنے پر آپ نے غضب آمیز تبسم فرمایا اور غیر حاضری کی وجہ دریافت کی۔ میں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! اگر اس وقت میں دنیا والوں میں سے کسی دوسرے کے سامنے ہوتا تو آپ دیکھتے کہ کس طرح زبان زوری اور چرب لسانی سے جھوٹے حیلے حوالے کر کے اپنے کو صاف بچا لیتا۔ مگر یہاں تو معاملہ ایک ایسی ذات مقدس سے ہے جسے جھوٹ بول کر اگر میں راضی بھی کر لوں تو تھوڑی دیر کے بعد خدا اُس کو سچی بات پر مطلع کر کے مجھ سے ناراض کر دے گا۔ برخلاف اس کے سچ بولنے میں گو تھوڑی دیر کے لئے آپ کی خفگی برداشت کرنی پڑیگی۔ لیکن اُمید کرتا ہوں کہ خدا کی طرف سے اُس کا انجام بہتر ہوگا۔ اور آخر کار سچ بولنا ہی مجھے خدا اور رسول کے غصہ سے نجات دلائے گا۔ یا رسول اللہ واقعہ یہ ہے کہ میرے پاس غیر حاضری کا کوئی عُذر نہیں، جس وقت حضور کی ہمرکابی کے شرف سے محروم ہوا، اُس وقت سے زیادہ فراخی اور مقدرت کبھی مجھ کو حاصل نہ ہوئی تھی۔ میں مجرم ہوں، آپ کو اختیار ہے جو فیصلہ چاہیں میرے حق میں دیں۔ آپ نے فرمایا کہ یہ شخص ہے جس نے سچی بات کہی۔ اچھا جاؤ اور خدائی فیصلہ کا انتظار کرو۔

تینوں صحابیوں سے معاشرتی مطالبہ میں اٹھا اور تحقیق سے معلوم ہوا کہ (ہلال بن اُمیہؓ اور مرارہ بن الربیع) یہ دو شخص بھی میرے

ہی جیسے ہیں۔ ہم تینوں کے متعلق آپ نے حکم دیدیا کہ کوئی ہم سے بات نہ کرے۔ سب علیحدہ رہیں۔ چنانچہ کوئی مسلمان ہم سے بات نہ کرتا تھا نہ سلام کا جواب دیتا تھا۔ وہ دونوں تو خانہ نشین ہو گئے، شب و روز گھر میں وقف گریہ و بکا رہتے تھے۔ میں ذرا سخت اور قوی تھا مسجد میں نماز کے لئے حاضر ہوتا۔ حضور کو سلام کر کے دیکھتا تھا کہ جواب میں لب مبارک کو حرکت ہوئی یا نہیں۔ جب میں حضور کی طرف دیکھتا آپ میری طرف سے منہ پھیر لیتے تھے۔ مخصوص اقارب اور محبوب ترین اعزہ بھی مجھ سے بیگانہ ہو گئے تھے۔ اسی اثناء میں ایک روز ایک شخص نے بادشاہ "غسان" کا خط مجھے دیا۔ جس میں میری مصیبت پر اظہار ہمدردی کرنے کے بعد دعوت دی تھی کہ میں اُس کے ملک میں آجاؤں۔ وہاں میری بہت آؤ بھگت ہو گی۔ میں نے پڑھ کر کہا کہ یہ بھی ایک مستقل امتحان ہے۔ آخر وہ خط میں نے نذر آتش کر دیا۔ چالیس دن گذرنے کے بعد بارگاہ رسالت سے جدید حکم پہنچا کہ میں اپنی عورت سے بھی علیحدہ رہوں۔ چنانچہ اپنی بیوی کو کہہ دیا کہ اپنے میکے چلی جائے اور جب تک خدا کے یہاں سے میرا کوئی فیصلہ ہو وہیں ٹھہری رہے۔ سب سے بڑی فکر یہ تھی کہ اگر اسی حالت میں موت آگئی تو حضور میرا جنازہ نہ پڑھیں گے۔ اور فرض کیجئے اِن دنوں میں آپ کی وفات ہو گئی تو مسلمان ہمیشہ یہ ہی معاملہ مجھ سے رکھیں گے۔ میری میت کے قریب بھی کوئی نہ آئیگا۔ غرض پچاس دن اسی حالت میں گذرے کہ خدا کی زمین مجھ پر باوجود فراخی کے تنگ تھی بلکہ عرصہ حیات تنگ ہو گیا تھا زندگی موت سے زیادہ سخت معلوم ہوتی تھی۔ کہ یکایک جبل سلع سے آواز آئی "یا کعب بن مالک! ابشر" (اے کعب بن مالک خوش ہو جا) میں سنتے ہی سجدہ میں گر پڑا۔ معلوم ہوا کہ اخیر شب میں حق تعالیٰ کی طرف سے پیغمبر علیہ السلام کو خبر دی گئی کہ ہماری توبہ قبول ہو۔ آپ نے بعد نماز فجر صحابہ کو مطلع فرمایا۔ ایک سوار میری طرف دوڑا کہ بشارت سنائے۔ مگر دوسرے شخص نے پہاڑ پر زور سے للکارا۔ اُس کی آواز سوار سے پہلے پہنچی اور میں نے اپنے بدن کے کپڑے اُتار کر آواز لگانے والے کو دیئے۔ پھر حضور کی خدمت میں حاضر ہوا۔ لوگ جوق جوق آتے اور مجھے مبارکباد دیتے تھے۔ مہاجرین میں سے حضرت طلحہ نے کھڑے ہو کر مصافحہ کیا۔ حضور کا چہرہ خوشی سے چاند کی طرح چمک رہا تھا۔ آپ نے فرمایا، خدا نے تیری توبہ قبول فرمائی۔ میں نے عرض کیا کہ اس توبہ کا تتمہ یہ ہے کہ اپنا کل مال و جائداد خدا کی راہ میں صدقہ کرتا ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ سب نہیں، کچھ اپنے لئے روکنا چاہئے۔ چنانچہ میں نے خیبر کا حصہ الگ کر کے باقی مال صدقہ کر دیا۔ چونکہ محض سچ بولنے سے مجھ کو نجات ملی تھی، اس لئے عہد کیا کہ خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہو، آئندہ کبھی جھوٹ نہ بولوں گا۔ اس عہد کے بعد بڑے سخت امتحانات پیش آئے۔ مگر الحمد للہ میں سچ کہنے سے کبھی نہیں ہٹا۔ اور نہ انشاء اللہ تازیست ہٹونگا۔ یہ واقعہ ہے جس کی طرف ان آیات میں اشارہ کیا گیا ہے۔ گویا ان تینوں پر خدا کی پہلی مہربانی تو یہ ہی تھی کہ ایمان و اخلاص بخشا، نفاق سے بچایا۔ اب نئی مہربانی یہ ہوئی کہ توبہ نصوح کی توفیق دے کر پھر اپنی طرف کھینچ لیا۔ اور کوتاہیوں کو معاف فرما دیا۔

(۱۴۸) **سچوں کی صحبت** یعنی سچوں کی صحبت رکھو اور انہی جیسے کام کرو۔ دیکھ لو یہ تین شخص سچ کی بدولت بخشے گئے اور مقبول ٹھہرے منافقین نے جھوٹ بولا اور خدا کا ڈر دل سے نکال دیا تو "درک اسفل" کے مستحق بنے۔

(۱۴۹) **حضرت ابوخیثمہ کا واقعہ** یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو تکلیفیں اُٹھائیں اور ہم آرام سے بیٹھے رہیں، ایسا نہیں چاہئے حدیث میں ہے کہ ابو خیثمہ رضی اللہ عنہ بھی غزوہ تبوک میں پیچھے رہ گئے تھے۔ حضور کی روانگی کے بعد باغ میں گئے وہاں خوشگوار سایہ تھا، حسین و جمیل بیوی سامنے تھی، اُس نے پانی چھڑک کر زمین کو خوب ٹھنڈا کر دیا، چٹائی کا فرش کیا۔ تازہ کھجور کے خوشے سامنے رکھے، اور سرد و شیریں پانی حاضر کیا۔ یہ سامان عیش دیکھ کر دفعتاً ابو خیثمہ کے دل میں ایک بجلی سی دوڑ گئی۔ بولے تف ہے اس زندگی پر کہ میں تو خوشگوار سائے، ٹھنڈے پانی اور باغ و بہار کے مزے لوٹ رہا ہوں، اور خدا کا محبوب پیغمبر ایسی سخت لو اور گرمی و تشنگی کے عالم میں کوہ و بیابان طے کر رہا ہے۔ یہ خیال آتے ہی سواری منگائی، تلوار حمائل کی، نیزہ سنبھالا اور حضور کے نقش قدم پر چل نکلے۔ اُونٹنی

تیز ہوا کی طرح چل رہی تھی، آخر لشکر کو جا پکڑا۔ حضور نے دور سے دیکھ کر کہ کوئی اُونٹنی سوار ریت کے ٹیلے قطع کرتا چلا آرہا ہے، فرمایا کُنْ اَبَا خَیْثَمَہ (ہو جا ابو خیثمہ)، تھوڑی دیر میں سب نے دیکھ لیا کہ وہ ابو خیثمہ ہی تھے۔ رضی اللہ عنہ وعن سائر الصحابۃ ورضوا عنہ۔

(۱۴۰) یعنی باوجودیکہ ان میں سے اکثر چیزیں (مثلاً بھوک، پیاس لگنا، یا تکلیف پہنچنا) اختیاری کام نہیں ہیں، تاہم نیت جہاد کی برکت سے ان غیر اختیاری چیزوں کے مقابلہ میں اعمال صالحہ اُن کی فرد حسنات میں درج کر دیئے جائیں گے جن پر خدا اجر نیک مرحمت فرمائیگا۔

وَلَا يُنْفِقُوْنَ نَفَقَةً صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً وَّلَا يَقْطَعُوْنَ وَادِيًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ لِيَجْزِيَهُمُ

اور نہ خرچ کرتے ہیں کوئی خرچ چھوٹا اور نہ بڑا اور نہ طے کرتے ہیں کوئی میدان مگر لکھا جاتا ہے انکے واسطے ۱۴۱ تاکہ بدلا دے ان

اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۱﴾ وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَآفَّةً ۭ فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ

کو اللہ بہتر اُس کام کا جو کرتے تھے ۱۴۲ اور ایسے تو نہیں مسلمان کہ کوچ کریں سارے سو کیوں نہ نکلا ہر

كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآىِٕفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْٓا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ

فرقہ میں سے اُن کا ایک حصّہ تاکہ سمجھ پیدا کریں دین میں اور تاکہ خبر پہنچائیں اپنی قوم کو جب کہ لوٹ کر آئیں اُن کی طرف تاکہ وہ

يَحْذَرُوْنَ ﴿۱۲۲﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَاتِلُوا الَّذِيْنَ يَلُوْنَكُمْ مِّنَ الْكُفَّارِ وَلْيَجِدُوْا فِيْكُمْ غِلْظَةً ۭ وَ ع ۱۵

بچتے رہیں ۱۴۳ اے ایمان والو لڑتے جاؤ اپنے نزدیک کے کافروں سے ۱۴۴ اور چاہیئے کہ اُن پر معلوم ہو تمہارے اندر سختی ۱۴۵ اور

اعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۲۳﴾ وَاِذَا مَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ اَيُّكُمْ زَادَتْهُ

جانو کہ اللہ ساتھ ہے ڈر والوں کے ۱۴۶ اور جب نازل ہوتی ہے کوئی سورت تو بعضے اُن میں کہتے ہیں کس کا تم میں سے زیادہ کر دیا

هٰذِهٖٓ اِيْمَانًا ۚ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَزَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّهُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿۱۲۴﴾ وَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ

اس سورت نے ایمان سو جو لوگ ایمان رکھتے ہیں اُن کا زیادہ کر دیا اُس سورت نے ایمان اور وہ خوش وقت ہوتے ہیں اور جن کے دل

قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا اِلٰى رِجْسِهِمْ وَمَاتُوْا وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۱۲۵﴾

میں مرض ہے سو اُنکے لیئے بڑھا دی گندگی پر گندگی اور وہ مرنے تک کافر ہی رہے ۱۴۷

(۱۴۱) خرچ کرنا یا میدان طے کرنا، خود عمل صالح اور اختیاری افعال ہیں۔ اسی لیئے یہاں "اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ" فرمایا۔ گذشتہ آیت کی طرح "اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ بِهٖ عَمَلٌ صَالِحٌ" نہیں ارشاد ہوا۔ نبّہ علیہ ابن کثیر۔

(۱۴۲) یعنی بہترین عمل کی بہترین جزا دے گا۔

(۱۴۳) گذشتہ رکوعات میں "جہاد" میں نکلنے کی فضیلت اور نہ نکلنے پر ملامت تھی۔ ممکن تھا کوئی یہ سمجھ بیٹھے کہ ہمیشہ ہر جہاد میں تمام مسلمانوں پر نکلنا فرض عین ہے، اس آیت میں فرمادیا کہ نہ ہمیشہ یہ ضروری ہے، نہ مصلحت ہے کہ سب مسلمان ایکدم جہاد کے لیئے نکل کھڑے ہوں مناسب یہ ہے کہ ہر قبیلہ اور قوم میں سے ایک جماعت نکلے، باقی لوگ دوسری ضروریات میں مشغول ہوں۔ اب اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بنفس نفیس جہاد کے لیئے تشریف لے جارہے ہوں تو ہر قوم میں سے جو جماعت آپ کے ہمراہ نکلے گی وہ حضور کی صحبت میں رہ کر اور سیکڑوں حوادث وواقعات میں سے گذر کر دین اور احکام دینیہ کی سمجھ حاصل کرے گی اور واپس آکر اپنی باقی ماندہ قوم کو مزید علم و تجربہ کی بناء پر پچھلے

بُرے سے آگاہ کرے گی اور فرض کیجئے اگر حضور خود مدینہ میں رونق افروز رہے تو باقیماندہ لوگ جو جہاد میں نہیں گئے حضور کی خدمت سے مستفید ہو کر دین کی باتیں سیکھیں گے۔ اور مجاہدین کی غیبت میں جو وحی و معرفت کی باتیں سنیں گے اُن سے واپسی کے بعد مجاہدین کو خبردار کریں گے۔ آیت کے الفاظ میں عربی ترکیب کے اعتبار سے دونوں احتمال ہیں۔ کمافی "روح المعانی" وغیرہ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ "ہر قوم میں سے چاہیئے بعضے لوگ پیغمبر کی صحبت میں رہیں تا علم دین سیکھیں اور پچھلوں کو سکھائیں۔ اب پیغمبر اس دنیا میں موجود نہیں لیکن علم دین اور علماء موجود ہیں۔ طلب علم فرض کفایہ ہے اور جہاد بھی فرض کفایہ ہے۔ البتہ اگر کسی وقت امام کی طرف سے نفیر عام ہو جائے تو "فرض عین" ہو جاتا ہے۔ تبوک میں یہ ہی صورت تھی اس لئے پیچھے رہنے والوں سے باز پرس ہوئی"۔ واللہ اعلم۔ ابو حیان کے نزدیک یہ آیت جہاد کے لئے نہیں، طلب علم کے بارہ میں ہے۔ جہاد اور طلب علم کی آیات میں مناسبت یہ ہے کہ دونوں میں خروج فی سبیل اللہ ہے اور دونوں کی غرض احیاء و اعلائے دین ہے۔ ایک میں تلوار سے دوسرے میں زبان وغیرہ سے۔

(۱۴۴) **حصول علم کی ضرورت و اہمیت** جہاد فرض کفایہ ہے جو ترتیب طبعی کے موافق اوّل اُن کفّار سے ہونا چاہئے جو مسلمانوں سے قریب تر ہوں بعدہٗ اُن کے قریب رہنے والوں سے اسی طرح درجہ بدرجہ حلقہ جہاد کو وسیع کرنا چاہئے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کے جہاد اسی ترتیب سے ہوئے "دفاعی جہاد" میں بھی فقہاء نے یہ ہی ترتیب رکھی ہے کہ جس اسلامی ملک پر کفار حملہ آور ہوں، وہاں کے مسلمانوں پر دفاع واجب ہے اگر وہ کافی نہ ہوں یا سستی کریں تو اُن کے متصل رہنے والوں پر۔ وہ کافی نہ ہوں تو پھر جو اُن سے متصل ہیں۔ اسی طرح اگر ضرورت پڑے تو درجہ بدرجہ مشرق سے مغرب تک جہاد فرض ہوتا چلا جائیگا۔

(۱۴۵) **دشمن کے مقابلے میں سختی** مومن کی شان یہ ہے کہ اپنے بھائی کے حق میں نرم اور دشمنانِ خدا و رسول کے معاملہ میں سخت و شدید ہو۔ تاکہ اُس کی نرمی اور ڈھیلا پن دیکھ کر دشمن جری نہ ہو جائے۔ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ (مائدہ رکوع ۸) وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّاۗءُ عَلَي الْكُفَّارِ رُحَمَاۗءُ بَيْنَهُمْ (الفتح رکوع ۴) جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ (توبہ رکوع ۱۰) وفی الحدیث انہ صلی اللہ علیہ وسلم قال انا الضَّحُوكُ القَتَّال۔

(۱۴۶) **تقویٰ غلبہ کا سبب ہے** یعنی خدا سے ڈرنے والے کو کسی کافر قوم سے ڈرنے اور دبنے کی کوئی وجہ نہیں جب تک اور جس قدر مسلمان خدا سے ڈرتے رہے اُسی وقت تک اور اُسی قدر اُن کو کفار پر غلبہ حاصل ہوتا رہا۔ حق تعالیٰ ہمارے دلوں میں اپنا ڈر پیدا کر دے۔

(۱۴۷) **مسلمانوں سے منافقین کا استہزاء** جب کوئی سورۃ قرآنی نازل ہوتی تو منافقین آپس میں ایک دوسرے سے یا بعض سادہ دل مسلمانوں سے ازراہ استہزاء و تمسخر کہتے کہ کیوں صاحب تم میں سے کس کس کا ایمان اس سورت نے بڑھا دیا۔ مطلب یہ تھا کہ (معاذ اللہ) اس سورت میں رکھا ہی کیا ہے۔ کون سے حقائق و معارف ہیں جو ایمان و یقین کی ترقی کا موجب ہوں۔ حق تعالیٰ نے جواب دیا کہ بیشک کلام الٰہی سُن کر مومنین کے ایمان میں تازگی اور ترقی ہوتی ہے قلوب مسرور و منشرح ہوتے ہیں۔ ہاں جن کے دلوں میں کفر و نفاق کی بیماری اور گندگی ہے اُن کی بیماری و گندگی میں اضافہ ہو جانا چاہیے حتیٰ کہ یہ بیماری اُن کی جان ہی لے کر چھوڑتی ہے ؎ باراں کہ در لطافت طبعش خلاف نیست ۔۔ در باغ لالہ روید و در شورہ بوم خس۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے دوسری طرح آیت کی تقریر کی ہے یعنی کلام الٰہی جس مسلمان کے دل کے خطرہ سے موافق پڑتا وہ خوش ہو کر بول اُٹھتا کہ سبحان اللہ۔ اس آیت نے میرا ایمان و یقین اور زیادہ کر دیا اسی طرح جب کسی سورت میں منافقین کے پوشیدہ عیوب ظاہر کئے جاتے، تو وہ بھی شرمندگی سے کھسیانے ہو کر کہتے کہ بیشک اس کلام نے ہمارے یقین و ایمان کو بڑھا دیا۔ لیکن یہ کہنا چونکہ خوشی اور انشراح سے نہ تھا، محض رفع خجالت کے لئے کہہ دیتے تھے اس لئے یہ توفیق نہ ہوتی تھی کہ آئندہ توبہ کر کے سچے دل سے حق کی پیروی کریں۔ بلکہ پہلے سے زیادہ اپنے عیب چھپانے کی فکر و تدبیر کرتے تھے یہ ہی ہے

گندگی پر گندگی۔ عیب دار کو لازم ہے کہ نصیحت سن کر اپنی اصلاح کرے نہ یہ کہ اُلٹا ناصح سے چھپانے لگے۔

أَوَلَا يَرَوْنَ أَنَّهُمْ يُفْتَنُونَ فِي كُلِّ عَامٍ مَّرَّةً أَوْ مَرَّتَيْنِ ثُمَّ لَا يَتُوبُونَ وَلَا هُمْ

کیا نہیں دیکھتے کہ وہ آزمائے جاتے ہیں ہر برس میں ایک بار یا دو بار پھر بھی توبہ نہیں کرتے اور نہ وہ

يَذَّكَّرُونَ ﴿۱۲۶﴾ وَإِذَا مَا أُنزِلَتْ سُورَةٌ نَّظَرَ بَعْضُهُمْ إِلَىٰ بَعْضٍ هَلْ يَرَاكُم مِّنْ أَحَدٍ ثُمَّ

نصیحت پکڑتے ہیں ف۱۴۸ اور جب نازل ہوتی ہے کوئی سورت تو دیکھنے لگتا ہے اُن میں ایک دوسرے کی طرف کہ کیا دیکھتا ہے تم کو کوئی مسلمان پھر

انصَرَفُوا ۚ صَرَفَ اللَّهُ قُلُوبَهُم بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُونَ ﴿۱۲۷﴾ لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ

چل دیتے ہیں ف۱۴۹ پھیر دیے ہیں اللہ نے دل اُن کے اس واسطے کہ وہ لوگ ہیں کہ سمجھ نہیں رکھتے ف۱۵۰ آیا ہے تمہارے پاس رسول تم میں کا ف۱۵۱

عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُم بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ ﴿۱۲۸﴾ فَإِن تَوَلَّوْا فَقُلْ

بھاری ہے اُس پر جو تم کو تکلیف پہنچے ف۱۵۲ حریص ہے تمہاری بھلائی پر ف۱۵۳ ایمان والوں پر نہایت شفیق مہربان ہے ف۱۵۴ پھر بھی اگر منہ پھیریں تو کہہ دے کہ

حَسْبِيَ اللَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ ۖ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ ۖ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ ﴿۱۲۹﴾ ع ۱۶ / ۵

کافی ہے مجھ کو اللہ کسی کی بندگی نہیں اُس کے سوا اُسی پر میں نے بھروسہ کیا اور وہی مالک ہے عرش عظیم کا ف۱۵۵

(۱۴۸) **اللہ کی طرف سے منافقین کی آزمائش** یعنی ہر سال کم از کم ایک دو مرتبہ ان منافقین کو فتنہ اور آزمائش میں ڈالا جاتا ہے۔ مثلاً قحط، بیماری وغیرہ کسی آفت ارضی و سماوی میں مبتلا ہوتے ہیں یا پیغمبر علیہ السلام کی زبانی اُن کا نفاق علانیہ ظاہر کر کے رسوا کیا جاتا ہے یا جنگ و جہاد کے وقت اُن کی بزدلی اور تیرہ باطنی بے نقاب کر دی جاتی ہے مگر وہ ایسے بےحیا اور بد باطن واقع ہوئے ہیں کہ تازیانے کھا کر بھی ٹس سے مس نہیں ہوتے نہ پچھلی خطاؤں سے توبہ کرتے ہیں نہ آئندہ کو نصیحت پکڑتے ہیں۔

(۱۴۹) جس وقت وحی نازل ہوتی اور منافقین مجلس میں موجود ہوتے تو کلام الٰہی کا سننا اُن پر بہت شاق گذرتا تھا خصوصاً وہ آیات جن میں اُن کے عیوب کھولے جاتے تھے۔ اُس وقت ایک دوسرے کی طرف کن انکھیوں سے اشارے کرتے اور اِدھر اُدھر دیکھتے کہ مجلس میں کسی مسلمان نے ہم کو پرکھا نہ ہو، پھر نظر بچا کر شتاب مجلس سے کھسک جاتے تھے۔

(۱۵۰) یعنی مجلس نبوی سے کیا پھرے۔ خدا نے اُن کے دلوں کو پھیر دیا کہ وہ اپنی جہل و حماقت سے ایمان و عرفان کی باتوں کو سمجھنا اور قبول کرنا نہیں چاہتے۔

(۱۵۱) **آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعض صفات** جس کے حسب نسب، اخلاق و اطوار، اور دیانت و امانت سے تم خوب واقف ہو

(۱۵۲) جس چیز سے تم کو تکلیف یا سختی پہنچے وہ اُن پر بہت بھاری ہے۔ ہر ممکن طریقہ سے آپ یہی چاہتے ہیں کہ اُمت پر آسانی ہو اور دنیوی و اُخروی عذاب سے محفوظ رہے۔ اسی لئے جو دین آپ لائے وہ بھی سہل اور نرم ہے۔ اور عمال کو آپ یہی نصیحت فرماتے تھے "یَسِّرُوا وَلَا تُعَسِّرُوا (آسانی کرو سختی مت کرو)۔

(۱۵۳) یعنی تمہاری خیر خواہی اور نفع رسانی کی خاص تڑپ اُن کے دل میں ہے۔ لوگ دوزخ کی طرف بھاگتے ہیں، آپ اُن کی کمریں پکڑ پکڑ کر اُدھر سے ہٹاتے ہیں۔ آپ کی بڑی کوشش اور آرزو یہ ہے کہ خدا کے بندے اصلی بھلائی اور حقیقی کامیابی سے ہمکنار ہوں۔ جہاد وغیرہ کا مقصد بھی خونریزی نہیں بلکہ بحالت مجبوری سخت آپریشن کے ذریعہ سے بنی نوع انسان کے فاسد و مسموم اعضاء کو کاٹ کر اور خراب جراثیم کو تباہ

کر کے اُمت کے مزاج عمومی کو صحت و اعتدال پر رکھنا ہے۔

(۱۵۴) جب آپ تمام جہان کے اس قدر خیر خواہ ہیں تو خاص ایمانداروں کے حال پر ظاہر ہے کس قدر شفیق و مہربان ہونگے۔

(۱۵۵) **اس آیت کی فضیلت** اگر آپ کی عظیم الشان شفقت، خیر خواہی اور دل سوزی کی لوگ قدر نہ کریں، تو کچھ پروا نہیں۔ اگر فرض کیجئے۔ ساری دنیا آپ سے منہ پھیر لے تو تنہا خدا آپ کو کافی ہے جس کے سوا نہ کسی کی بندگی ہے نہ کسی پر بھروسہ ہو سکتا ہے۔ کیونکہ زمین و آسمان کی سلطنت اور "عرش عظیم" (تخت شہنشاہی کا) مالک وہ ہی ہے۔ سب نفع و ضرر، ہدایت و ضلالت اُسی کے ہاتھ میں ہے۔

فائدہ ابوداؤد میں ابوالدرداءؓ سے روایت ہے کہ جو شخص صبح و شام سات سات مرتبہ حَسْبِيَ اللّٰهُ لَآ إِلٰهَ إِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ پڑھا کرے، خدا اُس کے تمام ہموم و غموم کو کافی ہو جائیگا۔ باقی عرش کی عظمت کے متعلق اگر تفصیل دیکھنا ہو تو "روح المعانی" میں زیر آیت حاضرہ ملاحظہ کیجئے۔ تم سورۃ التوبہ بفضل اللہ و حسن توفیقہ۔ اللھم تب علی واجعل لی براۃ من النار انک انت التواب الرحیم۔

سُوْرَةُ يُوْنُسَ

سُوْرَةُ يُوْنُسَ ۱۰ مَكِّيَّةٌ	بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ	اٰيَاتُهَا ۱۰۹ رُكُوْعَاتُهَا ۱۱
سورہ یونس مکہ میں نازل ہوئی اور اس کی	شروع اللہ کے نام سے جو بیحد مہربان نہایت رحم والا ہے	ایک سو نو آیتیں اور گیارہ رکوع ہیں۔

الٓرٰ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ ۝۱ اَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا اَنْ اَوْحَيْنَآ اِلٰى رَجُلٍ مِّنْهُمْ اَنْ

یہ آیتیں ہیں پکی کتاب کی ف۱ کیا لوگوں کو تعجب ہوا کہ وحی بھیجی ہم نے ایک مرد پر اُن میں سے یہ کہ ڈر

اَنْذِرِ النَّاسَ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ قَالَ الْكٰفِرُوْنَ

سُنا دے لوگوں کو اور خوشخبری سنا دے ایمان لانے والوں کو کہ اُن کے لئے پایہ سچا ہے اپنے رب کے یہاں ف۲ کہنے لگے منکر

وقف النبی صلی اللہ علیہ وسلم

اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ مُّبِيْنٌ ۝۲ اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ

بیشک یہ تو جادوگر ہے صریح ف۳ تحقیق تمہارا رب اللہ ہے جس نے بنائے آسمان اور زمین چھ دن میں ف۴

ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ يُدَبِّرُ الْاَمْرَ ؕ مَا مِنْ شَفِيْعٍ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اِذْنِهٖ ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ

پھر قائم ہوا عرش پر ف۵ تدبیر کرتا ہے کام کی ف۶ کوئی سفارش نہیں کر سکتا مگر اُس کی اجازت کے بعد ف۷ وہ اللہ ہے رب تمہارا

فَاعْبُدُوْهُ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ۝۳ اِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا ؕ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ؕ اِنَّهٗ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ

سو اُسکی بندگی کرو کیا تم دھیان نہیں کرتے ف۸ اُسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے تم سب کو ف۹ وعدہ ہے اللہ کا سچا وہی پیدا کرتا ہے اوّل بار پھر

يُعِيْدُهٗ لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ بِالْقِسْطِ ؕ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِيْمٍ

دوبارہ کریگا اُس کو تاکہ بدلا دے اُن کو جو ایمان لائے تھے اور کئے تھے کام نیک انصاف کے ساتھ ف۱۰ اور جو کافر ہوئے اُن کو پینا ہے کھولتا پانی

وَّعَذَابٌ اَلِيْمٌۢ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ۝۴

اور عذاب ہے دردناک اس لئے کہ کفر کرتے تھے

(۱) **کتاب حکیم** | یہ آیتیں ایسی مضبوط و محکم کتاب کی ہیں جس کی ہر بات پکّی ہے۔ الفاظ اس لئے کہ ہمیشہ تبدیل و تحریف سے محفوظ رہینگے علوم اس لئے کہ تمام تر عقل و حکمت کے موافق ہیں۔ احکام اس وجہ سے کہ آئندہ کوئی دوسری ناسخ کتاب آنیوالی نہیں۔ اخبار و قصص اس طرح کہ ٹھیک ٹھیک واقع کے مطابق ہیں اور ایسا کیوں نہ ہو جب کہ خدائے علیم و حکیم نے اس کو اپنے علم کامل کے زور سے اُتارا ہے۔

(۲) **اللہ کے نزدیک مومنین کا مرتبہ** | یعنی اس میں تعجب کی کیا بات ہے کہ انسانوں کی اصلاح و ہدایت کے لئے حق تعالیٰ ایک انسان ہی کو مامور فرما دے اور اس کی طرف وہ پیغام بھیجے جس کی دوسروں کو بلا واسطہ خبر نہ ہو وہ تمام لوگوں کو خدا کی نافرمانی کے مہلک نتائج و عواقب سے آگاہ کرے۔ اور خدا کی بات ماننے والوں کو بشارت پہنچائے کہ رب العزت کے یہاں اعمال صالحہ کی بدولت اُن کا کتنا اونچا مرتبہ اور کیسا

بلند پایہ ہے۔ اور کیسی سعادت و فلاح ازل سے اُن کے لئے لکھی جا چکی ہے۔

(۳) یعنی وحی قرآنی کو فوق العادت مؤثر و بلیغ ہونے کی وجہ سے جادو، اور اس کے لانیوالے کو جادوگر کہتے ہیں۔

(۴) **چھ دن میں زمین و آسمان کی پیدائش** یعنی اتنے وقت میں جو چھ دن کی برابر تھا اور ایک دن ابن عباس کی تفسیر کے موافق ایک ہزار سال کا لیا جائیگا۔ گویا چھ ہزار سال میں زمین و آسمان وغیرہ تیار ہوئے۔ بلاشبہ حق تعالیٰ قادر تھا کہ آن واحد میں ساری مخلوق کو پیدا کر دیتا۔ لیکن حکمت اسی کو مقتضی ہوئی کہ تدریجاً پیدا کیا جائے۔ شاید بندوں کو سبق دینا ہو کہ قدرت کے باوجود ہر کام سوچ سمجھ کر تأنّی اور متانت سے کیا کریں۔ نیز تدریجی تخلیق میں بہ نسبت دفعۃً پیدا کرنے کے اس بات کا زیادہ اظہار ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ فاعل بالاضطرار نہیں۔ بلکہ ہر چیز کا وجود بالکلیہ اس کی مشیت و اختیار سے وابستہ ہے جب چاہے جس طرح چاہے پیدا کرے۔

(۵) سورۂ "اعراف" کے ساتویں رکوع کے شروع میں اسی طرح کی آیت گذر چکی۔ اُس کا فائدہ ملاحظہ کیا جائے۔

(۶) یعنی مخلوق کے تمام کاموں کی تدبیر و انتظام اُسی کے ہاتھ میں ہے۔

(۷) یعنی شریک اور حصہ دار تو اُس کی خدائی میں کیا ہوتا، سفارش کرنے کے لئے بھی اُس کی اجازت کے بدون لب نہیں ہلا سکتا۔

(۸) یعنی دھیان کرو کہ ایسے رب کے سوا جس کی صفات اُوپر بیان ہوئیں دوسرا کون ہے جس کی بندگی اور پرستش کی جا سکے۔ پھر تم کو کیسے جرأت ہوتی ہے کہ اُس خالق و مالک شہنشاہ مطلق اور حکیم برحق کے پیغاموں اور پیغامبروں کو محض اوہام و ظنون کی بناء پر جھٹلانے لگو۔

(۹) یعنی اُسی سے تم سب کا آغاز ہوا اور اُسی کی طرف انجام کار سب کو جانا ہے۔ پھر اُس کے احکام و سفراء سے سرتابی کرنا کیسے روا ہو سکتا ہے۔

(۱۰) یعنی چھوٹی سے چھوٹی نیکی بھی ضائع نہ ہو۔

هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِیَآءً وَّ الْقَمَرَ نُوْرًا وَّ قَدَّرَهٗ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِیْنَ وَ

وہی ہے جس نے بنایا سورج کو چمک اور چاند کو چاندنا ف۱۱ اور مقرر کیں اُسکے لئے منزلیں ف۱۲ تاکہ پہچانو گنتی برسوں کی اور

الْحِسَابَ ؕ مَا خَلَقَ اللّٰهُ ذٰلِكَ اِلَّا بِالْحَقِّ ۚ یُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ ۝۵ اِنَّ فِی اخْتِلَافِ

حساب ف۱۳ یوں ہی نہیں بنایا اللہ نے یہ سب کچھ مگر تدبیر سے ف۱۴ ظاہر کرتا ہے نشانیاں اُن لوگوں کے لئے جن کو سمجھ ہے ف۱۵ البتہ بدلنے میں

الَّیْلِ وَ النَّهَارِ وَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَّقُوْنَ ۝۶ اِنَّ الَّذِیْنَ

رات اور دن کے اور جو کچھ پیدا کیا ہے اللہ نے آسمانوں اور زمین میں نشانیاں ہیں اُن لوگوں کو جو ڈرتے ہیں ف۱۶ البتہ جو لوگ

لَا یَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا وَ رَضُوْا بِالْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَ اطْمَاَنُّوْا بِهَا وَ الَّذِیْنَ هُمْ عَنْ اٰیٰتِنَا غٰفِلُوْنَ ۝۷

اُمید نہیں رکھتے ہمارے ملنے کی اور خوش ہوئے دنیا کی زندگی پر اور اُسی پر مطمئن ہو گئے اور جو لوگ ہماری نشانیوں سے بے خبر ہیں ف۱۷

اُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمُ النَّارُ بِمَا كَانُوْا یَكْسِبُوْنَ ۝۸ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ یَهْدِیْهِمْ

ایسوں کا ٹھکانا ہے آگ بدلا اُس کا جو کماتے تھے ف۱۸ البتہ جو لوگ ایمان لائے اور کام کئے اچھے ہدایت کریگا اُن کو

رَبُّهُمْ بِاِیْمَانِهِمْ ۚ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ فِیْ جَنّٰتِ النَّعِیْمِ ۝۹

رب اُن کا اُن کے ایمان سے ف۱۹ بہتی ہیں اُن کے نیچے نہریں باغوں میں آرام کے

لہ چمکتا سہ قدرتوں۔

(۱۱) **نور اور ضیاء کا فرق** بعض کے نزدیک "نور" عام ہے "ضیاء" سے۔ "ضیاء" خاص اُس نور کو کہتے ہیں جو زیادہ تیز اور چمکدار ہو۔ بعض نے کہا کہ جس کی روشنی ذاتی ہو، وہ ضیاء اور جس کی دوسرے سے مستفاد ہو، وہ "نور" ہے۔ سورج کی روشنی عالم اسباب میں کسی دوسرے کُرہ سے حاصل نہیں ہوئی۔ چاند کی روشنی البتہ سورج سے مستفاد ہے۔ اور بعض محققین نے دونوں میں یہ فرق بتلایا ہے کہ "نور" مطلق روشنی کو کہتے ہیں۔ "ضیاء" اور "ضوء" اُس کے انتشار (پھیلاؤ) کا نام ہے۔ سورج کی روشنی کا پھیلاؤ چونکہ زیادہ ہے، اس لئے "ضیاء" سے تعبیر فرمایا۔ واللہ اعلم بمرادہ۔

(۱۲) یعنی روزانہ بتدریج گھٹتا بڑھتا ہے۔ "وَالْقَمَرَ قَدَّرْنَاهُ مَنَازِلَ حَتّٰى عَادَ كَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِيْمِ" (یٰس۔ رکوع ۳) علمائے ہیئت نے اُس کے دورے کی تقسیم کر کے اٹھائیس منزلیں مقرر کی ہیں۔ جو بارہ بروج پر منقسم ہیں۔ قرآن میں خاص اُن کی مصطلحات مراد نہیں مطلق سیر و مسافت کے مدارج مراد ہیں۔

(۱۳) **شمس و قمر کے بعض فوائد** یعنی برسوں کی گنتی اور مہینوں اور دنوں کے چھوٹے موٹے حساب سب چاند سورج کی رفتار سے وابستہ کر دیے ہیں۔ اگر چاند سورج نہ ہوں تو دن رات، قمری اور شمسی مہینے، اور سال وغیرہ کیسے متعین ہوں۔ حالانکہ علاوہ دنیوی زندگی اور معاشی کاروبار کے بہت سے احکام شرعیہ میں بھی تعیین اوقات کی ضرورت ہے۔

(۱۴) یعنی فلکیات کا سلسلہ یوں ہی کیفما اتفق نہیں۔ بلکہ بڑے عظیم الشان نظام و تدبیر کے ماتحت اور ہزارہا فوائد و حکم پر مشتمل ہے۔

(۱۵) یعنی سمجھدار لوگ مصنوعات کے اس نظام کو دیکھ کر خداوند قادر و حکیم کی ہستی کا سراغ پاتے ہیں۔ اور مادیات کے انتظام سے روحانیات کے متعلق بھی اندازہ کر لیتے ہیں کہ وہاں کی دنیا میں کیسے کیسے چاند سورج خدا نے پیدا کئے ہوں گے۔ اُنہی کو انبیاء و مرسلین کہہ لیجئے۔

(۱۶) **دن اور رات میں اللہ کی نشانیاں** بلاشبہ دنیا کی ہر چھوٹی بڑی چیز میں خدا کی ہستی اور وحدانیت کے دلائل موجود ہیں "وَفِيْ كُلِّ شَيْءٍ لَهٗ اٰيَةٌ، تَدُلُّ عَلٰى اَنَّهٗ وَاحِدٌ"۔ سورۂ "بقرہ" میں پارہ سیقول کے ربع کے قریب ایک آیت گذر چکی جس میں زیادہ بسط و تفصیل سے ان نشانہائے قدرت کا بیان ہوا ہے۔

(۱۷) **اللہ کی نشانیوں سے غفلت** یعنی دنیا میں ایسا دل لگایا کہ آخرت کی اور خدا کے پاس جانے کی کچھ خبر ہی نہ رہی۔ اسی چند روزہ حیات کو مقصود و معبود بنا لیا۔ اور قدرت کی جو نشانیاں اُوپر بیان ہوئیں، اُن میں کبھی غور و تامل نہ کیا۔ کہ ایسا مضبوط اور حکیمانہ نظام یوں ہی بیکار نہیں بنایا گیا۔ ضرور اس سارے کارخانہ کا کوئی خاص مقصد ہوگا۔ پھر جس نے پہلی مرتبہ ایسی عجیب و غریب مخلوقات پیدا کر دی، اُس کو دوبارہ پیدا کرنا کیا مشکل ہے۔

(۱۸) یعنی دل و دماغ سے، زبان سے، ہاتھ پاؤں سے، جو کچھ اُنہوں نے کمائی کی اُس کا بدلہ دوزخ کی آگ ہے۔

(۱۹) یعنی ایمان کی بدولت اور اُس کی روشنی میں حق تعالیٰ مومنین کو مقصد اصلی (جنّت) تک پہنچائے گا

دَعْوٰىهُمْ فِيْهَا سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ وَتَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا سَلٰمٌ ۚ وَاٰخِرُ دَعْوٰىهُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ

اُن کی دُعا اُس جگہ یہ کہ پاک ذات ہے تیری یا اللہ ف۲۰ اور ملاقات اُن کی سلام ف۲۱ اور خاتمہ اُن کی دعا کا اس پر کہ سب خوبی اللہ کو جو پروردگار

الْعٰلَمِيْنَ ۝۱۰ ع وَلَوْ يُعَجِّلُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ الشَّرَّ اسْتِعْجَالَهُمْ بِالْخَيْرِ لَقُضِيَ اِلَيْهِمْ اَجَلُهُمْ ۭ فَنَذَرُ

سارے جہان کا ف۲۲ اور اگر جلدی پہنچا دے اللہ لوگوں کو بُرائی جیسے کہ جلدی مانگتے ہیں وہ بھلائی تو ختم کر دی جائے اُن کی عمر سو ہم چھوڑے

الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ⑪ وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ الضُّرُّ دَعَانَا لِجَنْۢبِهٖٓ

رکھتے ہیں اُنکو جن کو اُمید نہیں ہماری ملاقات کی اُنکی شرارت میں سرگرداں ف ۲۳ اور جب پہنچے انسان کو تکلیف پکارے ہم کو پڑا ہوا

اَوْ قَاعِدًا اَوْ قَآئِمًا ۚ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُ ضُرَّهٗ مَرَّ كَاَنْ لَّمْ يَدْعُنَآ اِلٰى ضُرٍّ مَّسَّهٗ ؕ كَذٰلِكَ زُيِّنَ

یا بیٹھا یا کھڑا پھر جب ہم کھول دیں اُس سے وہ تکلیف چلا جائے گویا کبھی نہ پکارا تھا ہم کو کسی تکلیف پہنچنے پر اسی طرح پسند آیا ہے

لِلْمُسْرِفِيْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ⑫ وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَمَّا ظَلَمُوْا ۙ وَجَآءَتْهُمْ

بیباک لوگوں کو جو کچھ کر رہے ہیں ف ۲۴ اور البتہ ہم ہلاک کر چکے ہیں جماعتوں کو تم سے پہلے جب ظالم ہو گئے حالانکہ لائے تھے اُن کے

رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ وَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِي الْقَوْمَ الْمُجْرِمِيْنَ ⑬ ثُمَّ جَعَلْنٰكُمْ

پاس رسول اُن کے کھلی نشانیاں اور ہرگز نہ تھے ایمان لانیوالے یوں ہی سزا دیتے ہیں ہم قوم گنہگاروں کو ف ۲۵ پھر تم کو ہم نے

خَلٰٓئِفَ فِي الْاَرْضِ مِنْ بَعْدِهِمْ لِنَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ⑭ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيَاتُنَا بَيِّنٰتٍ ۙ قَالَ

نائب کیا زمین میں اُن کے بعد تاکہ دیکھیں تم کیا کرتے ہو ف ۲۶ اور جب پڑھی جاتی ہیں اُن کی سامنے آیتیں ہماری واضح کہتے ہیں

الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا ائْتِ بِقُرْاٰنٍ غَيْرِ هٰذَآ اَوْ بَدِّلْهُ ؕ قُلْ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ

وہ لوگ جن کو اُمید نہیں ہم سے ملاقات کی لے آ کوئی قرآن اس کے سوا یا اس کو بدل ڈال ف ۲۷ تو کہہ دے میرا کام نہیں کہ اس کو بدل ڈالوں

تِلْقَآئِ نَفْسِيْ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ ۚ اِنِّيْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ⑮

اپنی طرف سے میں تابعداری کرتا ہوں اُسی کی جو حکم آئے میری طرف میں ڈرتا ہوں اگر نافرمانی کروں اپنے رب کی بڑے دن کے عذاب سے ف ۲۸

(۲۰) **اہل بہشت کی دُعا** جنتی جنّت کی نعمتوں اور خدا کے فضل و احسان کو دیکھ کر "سبحان اللہ" پکاریں گے۔ اور جب خدا سے کچھ مانگنے کی خواہش ہوگی، مثلاً کوئی پرندہ یا پھل دیکھا اور اُدھر رغبت ہوئی تو سُبْحَانَکَ اللّٰهُمَّ کہیں گے۔ اتنا سُنتے ہی فرشتے وہ چیز فوراً حاضر کر دیں گے۔ گویا یہی ایک لفظ تمام دعاؤں کے قائم مقام ہوگا۔ دنیا میں بھی بڑے آدمیوں کے یہاں دستور ہے کہ مہمان اگر کسی چیز کو پسند کر کے صرف تعریف کر دے تو غیور میزبان کوشش کرتا ہے کہ وہ چیز مہمان کے لئے مہیّا کرے۔

(۲۱) **اہل جنّت کا سلام** جنتی ملاقات کے وقت ایک دوسرے کو سلام کریں گے جیسے دنیا میں مسلمانوں کا دستور ہے۔ نیز فرشتوں کا جنتیوں کو سلام کرنا، بلکہ خود خداوند رب العزّت کی طرف سے تحفہ سلام کا آنا قرآن میں منصوص ہے سَلٰمٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ (یٰس۔ رکوع ۴) وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ (الرعد۔ رکوع ۳)

(۲۲) **اہل جنّت کا شکر** جنت میں پہنچ کر جب دنیوی تفکرات و کدورات کا خاتمہ ہو جائے گا اور محض سُبْحَانَکَ اللّٰهُمَّ کہنے پر ہر چیز حسب خواہش ملتی رہیگی تو اُن کی ہر دعا کا خاتمہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ" پر ہوگا اور طبعاً ایسا ہی ہونا چاہئے۔

(۲۳) **بدکاروں کے لئے اللہ کی ڈھیل** دو آیت پہلے فرمایا تھا کہ جو لوگ غفلت میں پڑے ہیں اور ہمارے ملنے کی اُمید نہیں رکھتے اُن کا ٹھکانا دوزخ ہے۔ یہاں یہ بتلانا ہے کہ خدا ایسے مجرموں کو دنیا میں فوراً نہیں پکڑتا بلکہ مہلت دیتا ہے۔ حالانکہ لوگوں کا حال یہ ہے کہ کبھی بیباک و بے حیا بن کر خود اپنے اُوپر جلد عذاب آنے کا مطالبہ کرتے ہیں۔ مثلاً کہتے ہیں "اَللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ" (انفال رکوع ۴) کبھی دنیوی حوادث سے تنگ آ کر اپنے یا اپنی اولاد وغیرہ کے حق میں بددعائیں

کرنے لگتے ہیں۔ جیسا کہ تجربہ سے ظاہر ہے۔ اب اگر خدا تعالیٰ اُن کی درخواست و دعاء کے موافق فوراً ہاتھوں ہاتھ کوئی عذاب یا بُرائی اس قدر جلد اُن کو پہنچا دے جتنی جلد وہ بھلائی کے پہنچنے کی خواہش رکھتے ہیں، تو بدی کے وبال سے ایک منٹ بھی فرصت نہ پائیں اور رشتہ حیات اسی وقت منقطع ہو جائے۔ مگر خدا کے یہاں نیکی یا بدی دونوں میں حسب مصلحت تاخیر و تحمل ہوتا ہے، تا نیک لوگ تربیت پائیں اور بدکار غفلت میں پڑے رہ کر پیمانہ شرارت لبریز کر لیں۔

(۲۴) **انسان کی بیباکی اور غفلت** یعنی انسان اوّل بے باکی سے خود عذاب طلب کرتا اور بُرائی اپنی زبان سے مانگتا ہے۔ مگر کمزور اور بودا اتنا ہے کہ جہاں ذرا تکلیف پہنچی، گھبرا کر ہمیں پکارنا شروع کر دیا۔ جب تک مصیبت رہی کھڑے، بیٹھے، لیٹے ہر حالت میں خدا کو پکارتا رہا، پھر جہاں تکلیف ہٹائی گئی، سب کہا سُنا بھول گیا۔ گویا خدا سے کبھی کوئی واسطہ نہ تھا۔ وہ ہی غرور و غفلت کا نشہ، وہ ہی اکڑ فوں رہ گئی جس میں پہلے مبتلا تھا حدیث میں ہے کہ تو خدا کو اپنے عیش و آرام میں یاد رکھ، خدا تجھ کو تیری سختی اور مصیبت میں یاد رکھیگا۔ مومن کی شان یہ ہے کہ کسی وقت خدا کو نہ بھولے۔ سختی پر صبر اور فراخی پر خدا کا شکر ادا کرتا رہے۔ یہ ہی وہ چیز ہے جس کی توفیق مومن کے سوا کسی کو نہیں ملتی۔

(۲۵) یعنی اگر اُن کی درخواست کے موافق جلدی عذاب نہ آئے یا تکلیف و مصیبت آکر ٹل جائے تو بے فکر نہیں ہونا چاہئے۔ ظلم و شرارت اور بے ایمانی کی سزا جلد یا بدیر مل کر رہے گی۔ سنۃ اللہ قدیم سے یہ ہی ہے کہ جب لوگ انبیاء و مرسلین کے کھلے نشان دیکھنے کے بعد بھی ظلم و تکذیب پر کمربستہ رہے اور کسی طرح ایمان و تسلیم کی طرف نہ جھکے تو آسمانی عذاب نے اُن کو ہلاک کر ڈالا، ہمیشہ مجرموں کو کسی نہ کسی رنگ میں سزا ملتی رہی۔

(۲۶) یعنی پہلوں کی جگہ اب تم کو زمین پر بسایا۔ تاکہ دیکھا جائے کہ تم کہاں تک خالق و مخلوق کے حقوق پہچانتے ہو۔ اور خدا کے پیغمبروں کے ساتھ کیا معاملہ کرتے ہو۔ نیک و بد جیسے عمل کرو گے اُسی کے مناسب تم سے برتاؤ کیا جائے گا۔ آگے اُس معاملہ کا ذکر ہے جو قرآن کریم یا پیغمبر علیہ السلام یا خداوند قدوس کے ساتھ انہوں نے کیا۔

(۲۷) **دوسرے قرآن کا مطالبہ** قرآن کی عام پند و نصیحت تو بہت سے پسند کرتے۔ لیکن بُت پرستی یا اُن کے مخصوص عقائد و رسوم کا رد ہوتا تو وحشت کھاتے، ناک بھوں چڑھا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہتے کہ اپنے خدا سے کہہ کر یا تو دوسرا قرآن لے آئیے جس میں یہ مضامین نہ ہوں اور اگر یہ ہی قرآن رہے تو اتنے حصہ میں ترمیم کر دیجئے جو بت پرستی وغیرہ سے متعلق ہے۔ جن لوگوں نے پتھر کی مورتیوں پر خدائی اختیارات تقسیم کر رکھے تھے، اُن کی ذہنیت سے کچھ مستبعد نہیں کہ ایک پیغمبر کو اس طرح کے تصرفات و اختیارات کا مالک فرض کر لیں۔ یا یہ کہنا بھی محض الزام و استہزاء کے طور پر ہوگا۔ بہرحال اس کا تحقیقی جواب آگے مذکور ہے۔

(۲۸) **کفار کے مطالبے کا جواب** یعنی کسی فرشتے یا پیغمبر کا یہ کام نہیں کہ اپنی طرف سے کلام الٰہی میں ترمیم کر کے ایک شوشہ بھی تبدیل کر سکے۔ پیغمبر کا فرض یہ ہے کہ جو وحی خدا کی طرف سے آئے بلا کم و کاست اُس کے حکم کے موافق چلتا رہے۔ وہ خدا کی وحی کا تابع ہوتا ہے۔ خدا اُس کا تابع نہیں ہوتا کہ جیسا کلام تم چاہو، خدا کے یہاں سے لا کر پیش کر دے۔ وحی الٰہی میں ادنیٰ سے ادنیٰ تصرف اور قطع و بُرید کرنا بڑی بھاری معصیت ہے۔ پھر جو معصوم بندے سب سے زیادہ خدا کا ڈر رکھتے ہیں (انبیاء علیہم السّلام) وہ ایسی معصیت و نافرمانی کے قریب کہاں جا سکتے ہیں۔ ”اِنِّیۡۤ اَخَافُ اِنۡ عَصَیۡتُ رَبِّیۡ عَذَابَ یَوۡمٍ عَظِیۡمٍ“ میں گویا اُن بیہودہ فرمائش کرنے والوں پر تعریض ہو گئی کہ ایسی سخت نافرمانی کرتے ہوئے تم کو بڑے دن کے عذاب سے ڈرنا چاہئے۔

قُلۡ لَّوۡ شَآءَ اللّٰہُ مَا تَلَوۡتُہٗ عَلَیۡکُمۡ وَ لَاۤ اَدۡرٰىکُمۡ بِہٖ ۫ۖ فَقَدۡ لَبِثۡتُ فِیۡکُمۡ عُمُرًا مِّنۡ قَبۡلِہٖ ؕ اَفَلَا

کہہ دے اگر اللہ چاہتا تو میں نہ پڑھتا اُس کو تمہارے سامنے اور نہ وہ تم کو خبر کرتا اسکی کیونکہ میں رہ چکا ہوں تم میں ایک عمر اس سے پہلے کیا پھر تم

تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۶﴾ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ

نہیں سوچتے ف۲۹ پھر اُس سے بڑا ظالم کون جو باندھے اللہ پر بہتان یا جھٹلائے اُس کی آیتوں کو بیشک بھلا نہیں ہوتا

الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۱۷﴾ وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ هٰۤؤُلَاۤءِ شُفَعَآؤُنَا

گنہگاروں کا ف۳۰ اور پرستش کرتے ہیں اللہ کے سوا اُس چیز کی جو نہ نقصان پہنچا سکے اُن کو نہ نفع اور کہتے ہیں یہ تو ہمارے سفارشی ہیں

عِنْدَ اللّٰهِ ؕ قُلْ اَتُنَبِّئُوْنَ اللّٰهَ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِی السَّمٰوٰتِ وَلَا فِی الْاَرْضِ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰی عَمَّا

اللہ کے پاس ف۳۱ تو کہہ کیا تم اللہ کو بتلاتے ہو جو اُس کو معلوم نہیں آسمانوں میں اور نہ زمین میں وہ پاک ہے اور برتر ہے اُس سے جسکو

يُشْرِكُوْنَ ﴿۱۸﴾ وَمَا كَانَ النَّاسُ اِلَّاۤ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَاخْتَلَفُوْا ؕ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ

شریک کرتے ہیں ف۳۲ اور لوگ جو ہیں سو ایک ہی اُمت ہیں پیچھے جُدا جُدا ہو گئے اور اگر نہ ایک بات پہلے ہو چکتی تیرے رب کی

لَقُضِیَ بَيْنَهُمْ فِيْمَا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَيَقُوْلُوْنَ لَوْلَاۤ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ۚ فَقُلْ

تو فیصلہ ہو جاتا اُن میں جس بات میں کہ اختلاف کر رہے ہیں ف۳۳ اور کہتے ہیں کیوں نہ اُتری اُس پر ایک نشانی اُس کے رب سے سو تو کہہ دے

اِنَّمَا الْغَيْبُ لِلّٰهِ فَانْتَظِرُوْا ۚ اِنِّیْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ﴿۲۰﴾ وَاِذَاۤ اَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً مِّنْۢ بَعْدِ ضَرَّآءَ ع ۲/۷

کہ غیب کی بات اللہ ہی جانے سو منتظر رہو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرتا ہوں ف۳۴ اور جب چکھائیں ہم لوگوں کو مزا اپنی رحمت کا بعد ایک تکلیف کے

مَسَّتْهُمْ اِذَا لَهُمْ مَّكْرٌ فِیْۤ اٰيَاتِنَا ؕ قُلِ اللّٰهُ اَسْرَعُ مَكْرًا ؕ اِنَّ رُسُلَنَا يَكْتُبُوْنَ مَا تَمْكُرُوْنَ ﴿۲۱﴾

جو اُن کو پہنچی تھی اُسی وقت بنانے لگیں حیلے ہماری قدرتوں میں کہہ دے کہ اللہ سب سے جلد بنا سکتا ہے حیلے تحقیق ہمارے فرشتے لکھتے ہیں حیلہ بازی تمہاری ف۳۵

(۲۹) **آنحضرت ﷺ کی صداقت کی دلیل** یعنی جو خدا چاہتا ہے وہ ہی میں تمہارے سامنے پڑھتا ہوں اور جتنا وہ چاہتا ہے میرے ذریعہ سے تم کو خبردار کرتا ہے۔ اگر وہ اس کے خلاف چاہتا تو میری کیا طاقت تھی کہ خود اپنی طرف سے ایک کلام بنا کر اُس کی طرف منسوب کر دیتا۔ آخر میری عمر کے چالیس سال تمہاری آنکھوں کے سامنے گذرے۔ اس قدر طویل مدت میں تم کو میرے حالات کے متعلق ہر قسم کا تجربہ ہو چکا میرا صدق و عفاف، امانت و دیانت وغیرہ اخلاق حسنہ تم میں ضرب المثل رہے۔ میرا اُمّی ہونا اور کسی ظاہری معلم کے سامنے زانوئے تلمذ تہ نہ کرنا، ایک معروف و مسلم واقعہ ہے۔ پھر چالیس برس تک جس نے نہ کوئی قصیدہ لکھا ہو نہ مشاعروں میں شریک ہوا ہو، نہ کبھی کتاب کھولی ہو نہ قلم ہاتھ میں لیا ہو، نہ کسی درسگاہ میں بیٹھا ہو دفعۃً ایسا کلام بنا لائے جو اپنی فصاحت و بلاغت، شوکت و جزالت، جدت اسلوب اور سلاست و روانی سے جن و انس کو عاجز کر دے۔ اُس کے علوم و حقائق کے سامنے تمام دنیا کے معارف ماند پڑ جائیں۔ ایسا مکمل اور عالمگیر قانون ہدایت نوع انسان کے ہاتھوں میں پہنچائے، جس کے آگے سب پچھلے قانون ردی ہو جائیں۔ بڑی بڑی قوموں اور ملکوں کے مُردہ قالب میں رُوح تازہ پھونک کر ابدی حیات اور نئی زندگی کا سامان بہم پہنچائے۔ یہ بات کس کی سمجھ میں آ سکتی ہے۔ تم کو سوچنا چاہئے کہ جس پاک سرشت انسان نے چالیس برس تک کسی انسان پر جھوٹ نہ لگایا ہو، کیا وہ ایکدم ایسی جسارت کر سکتا ہے کہ معاذ اللہ خداوند قدوس پر جھوٹ باندھنے اور افترا کرنے لگے؟ ناچار ماننا پڑیگا کہ جو کلام الٰہی تم کو سُناتا ہوں، اُس کے بنانے یا پہنچانے میں مجھے اصلاً اختیار نہیں۔ خدا جو کچھ چاہتا ہے میری زبان سے تم کو سناتا ہے۔ ایک نقطہ یا زیر زبر تبدیل کرنے کا کسی مخلوق کو حق حاصل نہیں۔

(۳۰) یعنی گنہگاروں اور مجرموں کو حقیقی کامیابی اور بھلائی حاصل نہیں ہو سکتی۔ اب تم خود فیصلہ کر لو کہ ظالم و مجرم کون ہے۔ اگر بالفرض محال

میں جھوٹ بنا کر خدا کی طرف منسوب کرتا ہوں تو مجھ سا ظالم کوئی نہیں ہو سکتا لیکن گذشتہ آیت میں جو دلیل بیان کی گئی، اس سے ثابت ہو چکا کہ یہ احتمال بالکل باطل ہے۔ پس جب میرا سچا ہونا ثابت ہے اور تم جہل یا عناد سے خدا کے کلام کو جھٹلا رہے ہو تو اب زمین کے پردہ پر تم سے بڑا ظالم کوئی نہیں ہو سکتا۔

(۳۱) **بتوں کی سفارش کا عقیدہ** وہ معاملہ تو خدا اور پیغمبر کے ساتھ تھا۔ اب اُن کی خدا پرستی کا حال سُنئے کہ خدا کو چھوڑ کر ایسی چیزوں کی پرستش کرتے ہیں جن کے قبضۂ قدرت میں نفع و ضرر کچھ بھی نہیں۔ جب پوچھا جاتا ہے تو کہتے ہیں کہ بیشک بڑا خدا تو ایک ہے جس نے آسمان زمین پیدا کئے، مگر ان اصنام (بتوں) وغیرہ کو خوش رکھنا اس لئے ضروری ہے کہ یہ سفارش کر کے بڑے خدا سے دنیا میں ہمارے اہم کام درست کرا دیں گے اور اگر موت کے بعد دوسری زندگی کا سلسلہ ہوا تو وہاں بھی ہماری سفارش کریں گے باقی چھوٹے موٹے کام جو خود ان کے حدود اختیار میں ہیں اُن کا تعلق تو صرف ان ہی سے ہے۔ بناءً علیہ ہم کو ان کی عبادت کرنی چاہئے۔

(۳۲) یعنی بتوں کا شفیع ہونا اور شفیع کا مستحق عبادت ہونا دونوں دعوے غلط اور بے اصل ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ خدا کے علم میں وہ ہی چیز ہو گی جو واقعی ہو۔ لہٰذا تعلیم الٰہی کے خلاف ان غیر واقعی اور خود تراشیدہ اصول کو حق بجانب ثابت کرنا، گویا خدا تعالیٰ کو ایسی چیزوں کے واقعی ہونے کی خبر دینا ہے جن کا وقوع آسمان و زمین میں کہیں بھی اُسے معلوم نہیں۔ یعنی کہیں اُن کا وجود نہیں، ہوتا تو اُس کے علم میں ضرور ہوتا۔ پھر اُس سے منع کیوں کرتا۔

(۳۳) **حق کی نشانی کا مطالبہ** ممکن تھا مشرکین کہتے کہ خدا نے تمہارے دین میں منع کیا ہو گا ہمارے دین میں منع نہیں کیا۔ اس کا جواب دے دیا کہ اللہ کا دین ہمیشہ سے ایک ہے۔ اعتقادات حقہ میں کوئی فرق نہیں۔ درمیان میں جب لوگ بہک کر جُدا جُدا ہو گئے۔ خدا نے اُن کے سمجھانے اور دین حق پر لانے کو انبیاء بھیجے۔ کسی زمانہ اور کسی ملت میں خدا نے شرک کو جائز نہیں رکھا۔ باقی لوگوں کے باہمی اختلافات کو زبردستی اس لئے نہیں مٹایا گیا کہ پہلے سے خدا کے علم میں یہ بات طے شدہ تھی کہ دنیا دار عمل (موقع واردات) ہے قطعی اور آخری فیصلہ کی جگہ نہیں

…یہاں انسانوں کو کسب و اختیار دے کر قدرے آزاد چھوڑ دیا گیا ہر گروہ جو چاہے راہ عمل اختیار کریں۔ اگر یہ بات پیشتر طے نہ ہو چکی ہوتی تو سارے اختلافات کا فیصلہ ایک دم کر دیا جاتا۔

(۳۴) یعنی جن نشانیوں کی وہ فرمائش کرتے تھے، اُن میں سے کوئی نشانی کیوں نہ اُتری جواب کا حاصل یہ ہے کہ صداقت کے نشان پہلے بہتیرے دیکھ چکے ہو۔ فرمائشی نشان دکھلانا ضروری نہیں نہ چنداں مفید ہے۔ آئندہ جو خدا کی مصلحت ہو گی وہ نشان دکھلائے گا۔ اس کا علم خدا ہی کو ہے کہ مستقبل میں کس شان اور نوعیت کے نشان ظاہر کرے گا۔ سو تم منتظر رہو، ہم بھی انتظار کرتے ہیں۔ "موضح القرآن" میں ہے "یعنی اگر کہیں کہ ہم کاہے سے جانیں کہ تمہاری بات سچ ہے، فرمایا کہ آگے دیکھیو حق تعالیٰ اس دین کو روشن کرے گا اور مخالف ذلیل ہوں گے۔ برباد ہو جائیں گے سو ویسا ہی ہوا۔ سچ کی نشانی ایک بار کافی ہے اور ہر بار مخالف ذلیل ہوں تو فیصلہ ہو جائے۔ حالانکہ فیصلہ کا دن دنیا میں نہیں۔

(۳۵) **اہل مکہ کا حیلہ و فریب** اہل مکہ پر حق تعالیٰ نے سات سال کا قحط مسلط کیا۔ جب ہلاکت کے قریب پہنچ گئے تو گھبرا کر حضور سے دعا کی درخواست کی اور وعدہ کیا کہ یہ عذاب اُٹھ جائے تو ہم ایمان لے آئیں گے آپ کی دعا سے خدا نے سماں کر دیا قحط کی بلا دور ہوئی۔ تو پھر وہ ہی شرارتیں کرنے لگے، خدا کی آیتوں کو جھٹلاتے اور اُس کی قدرت و رحمت پر نظر نہ رکھتے۔ بلکہ انعامات الٰہیہ کو ظاہری اسباب و حیل اور محض بے اصل خیالات و اوہام کی طرف نسبت کرنے لگتے۔ اُس کا جواب دیا کہ اچھا تم خوب مکر و فریب اور حیلہ بازی کر لو۔ مگر یہ یاد رہے کہ تمہاری حیلہ بازیاں ایک ایک کر کے لکھی جا رہی ہیں۔ وہ سارا دفتر قیامت کے دن تمہارے سامنے رکھ دیا جائے گا۔ پھر جب تمہاری کوئی حیلہ بازی فرشتوں سے مخفی نہیں، خدا کے علم محیط سے کہاں باہر رہ سکتی ہے۔ تم اپنے مکر و حیلہ سازی پر مغرور ہو حالانکہ خدا کا جوابی مکر (تدبیر خفی) تمہارے مکر و تدبیر سے کہیں تیز اور سریع الاثر ہے۔ وہ مجرم کی باگ اتنی ڈھیلی چھوڑ دیتا ہے کہ مجرم کو نشۂ غفلت میں چور ہو کر سزا کا تصور بھی نہیں آتا جب پیمانۂ شقاوت لبریز ہو جاتا ہے تو دفعۃً پکڑ کر ٹینٹوا دبا دیتا ہے۔ لہٰذا عاقل کو چاہیئے کہ خدا کی نرمی، بردباری اور خوش کن حالات کو دیکھ

کہ مغرور نہ ہو، نہ معلوم نرمی کے بعد کیسی سختی آنے والی ہے۔ جیسے آگے بحری سفر کی مثال میں بیان فرمایا۔ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ "سختی کے وقت آدمی کی نظر اسباب سے اُٹھ کر صرف اللہ پر رہتی ہے جہاں سخت گھڑی گذری اور کام بن گیا پھر خدا کو بھول کر اسباب پر آ رہتا ہے۔ ڈرتا نہیں کہ خدا پھر ویسی ہی تکلیف اور سختی کا ایک سبب کھڑا کر دے۔ اُسی کے ہاتھ میں سب اسباب کی باگ ہے چنانچہ آگے دریائی سفر کی مثال میں اس کی ایک صورت بیان فرمائی۔

هُوَ الَّذِيْ يُسَيِّرُكُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ۭ حَتّٰٓي اِذَا كُنْتُمْ فِي الْفُلْكِ ۚ وَجَرَيْنَ بِهِمْ بِرِيْحٍ طَيِّبَةٍ وَّفَرِحُوْا بِهَا

وہی تم کو پھراتا ہے جنگل اور دریا میں یہاں تک کہ جب تم بیٹھے کشتیوں میں اور لیکر چلیں وہ لوگوں کو اچھی ہوا سے اور خوش ہوئے اُس سے

جَاۗءَتْهَا رِيْحٌ عَاصِفٌ وَّجَاۗءَھُمُ الْمَوْجُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّظَنُّوْٓا اَنَّھُمْ اُحِيْطَ بِهِمْ ۙ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ

آئی کشتیوں پر ہوا تند اور آئی اُن پر موج ہر جگہ سے اور جان لیا انہوں نے کہ وہ گھر گئے پکارنے لگے اللہ کو خالص ہو کر

لَهُ الدِّيْنَ ڬ لَىِٕنْ اَنْجَيْتَنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ۝۲۲ فَلَمَّآ اَنْجٰىھُمْ اِذَا ھُمْ يَبْغُوْنَ فِي

اُس کی بندگی میں اگر تو نے بچا لیا ہم کو اس سے تو بیشک ہم رہیں گے شکر گذار پھر جب بچا دیا اُن کو اللہ نے لگے شرارت کرنے اُسی وقت

الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۭ يٰٓاَيُّھَا النَّاسُ اِنَّمَا بَغْيُكُمْ عَلٰٓي اَنْفُسِكُمْ ۙ مَّتَاعَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۡ ثُمَّ اِلَيْنَا مَرْجِعُكُمْ

زمین میں ناحق کی ف۳۶ سنو لوگو تمہاری شرارت ہے تمہی پر نفع اٹھا لو دنیا کی زندگانی کا پھر ہمارے پاس ہے تم کو لوٹ کر آنا

فَنُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝۲۳ اِنَّمَا مَثَلُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَاۗءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَاۗءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ

پھر ہم بتلا دینگے جو کچھ کہ تم کرتے تھے ف۳۷ دنیا کی زندگانی کی وہی مثل ہے جیسے ہم نے پانی اُتارا آسمان سے پھر رلا ملا نکلا اس سے

نَبَاتُ الْاَرْضِ مِمَّا يَاْكُلُ النَّاسُ وَالْاَنْعَامُ ۭ حَتّٰٓي اِذَآ اَخَذَتِ الْاَرْضُ زُخْرُفَهَا وَازَّيَّنَتْ وَظَنَّ

سبزہ زمین کا جو کہ کھائیں آدمی اور جانور ف۳۸ یہاں تک کہ جب پکڑی زمین نے رونق اور مزین ہو گئی اور خیال کیا

اَهْلُهَآ اَنَّھُمْ قٰدِرُوْنَ عَلَيْهَآ ۙ اَتٰىھَآ اَمْرُنَا لَيْلًا اَوْ نَهَارًا فَجَعَلْنٰھَا حَصِيْدًا كَاَنْ لَّمْ تَغْنَ

زمین والوں نے کہ یہ ہمارے ہاتھ لگے گی ف۳۹ ناگاہ پہنچا اُس پر ہمارا حکم رات کو یا دن کو پھر کر ڈالا اس کو کاٹ کر ڈھیر گویا کل یہاں نہ

بِالْاَمْسِ ۭ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۝۲۴

تھی آبادی اسی طرح ہم کھول کر بیان کرتے ہیں نشانیوں کو اُن لوگوں کے سامنے جو غور کرتے ہیں ف۴۰

(۳۶) **بحری طوفان اور کفار** یعنی ابتداء میں ہوا خوشگوار اور موافق تھی۔ مسافر ہنستے کھیلتے آرام سے چلے جا رہے تھے کہ یکایک ایک زور کا طوفانی جھکڑ چلنے لگا اور چاروں طرف سے پانی کے پہاڑ اٹھ کر کشتی (یا جہاز) سے ٹکرانے لگے۔ جب سمجھ لیا کہ ہر طرف سے موت کے منہ میں گھرے ہوئے ہیں، بھاگنے اور نکلنے کی کوئی سبیل نہیں، تو سارے فرضی معبودوں کو چھوڑ کر خدائے واحد کو پکارنے لگے جو اصل فطرت انسانی کا تقاضا تھا ہر چیز سے مایوس ہو کر خالص خدا کی بندگی اختیار کی اور بڑے پکے عہد و پیمان باندھے کہ اگر اس مصیبت سے خدا نے نجات دی تو ہمیشہ اُس کے شکر گذار رہیں گے۔ کوئی بات کفران نعمت کی نہ کریں گے۔ لیکن جہاں ذرا امن نصیب ہوا ساحل پر قدم رکھتے ہی شرارتیں اور ملک میں اودھم مچانا شروع کر دیا، تھوڑی دیر بھی عہد پر قائم نہ رہے (تنبیہ) اس آیت میں اُن مدعیان اسلام کے لئے

بڑی عبرت ہے جو جہاز کے طوفان میں گھر جانے کے وقت بھی خدائے واحد کو چھوڑ کر غیر اللہ کو مدد کے لئے پکارتے ہیں۔

عکرمہ بن ابوجہل کا واقعہ فتح مکہ کے بعد ابوجہل کا بیٹا عکرمہ مسلمان نہ ہوا تھا مکہ سے بھاگ کر بحری سفر اختیار کیا۔ تھوڑی دور جا کر کشتی کو طوفانی ہواؤں نے گھیر لیا، ناخدا نے مسافروں سے کہا کہ ایک خدا کو پکارو۔ یہاں تمہارے معبود کچھ کام نہ دیں گے عکرمہ نے کہا کہ یہی تو وہ خدا ہے جس کی طرف محمد (صلی اللہ علیہ السلام) ہم کو بلاتے ہیں۔ اگر دریا میں ربِ محمد کے بدون نجات نہیں مل سکتی تو خشکی میں بھی اُس کی دستگیری اور اعانت کے بغیر نجات پانا محال ہے۔ اے خدا! اگر تو نے اس مصیبت سے نکال دیا تو میں واپس ہو کر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں ہاتھ دونگا۔ مجھے اُمید ہے کہ وہ اپنے اخلاق کریمہ سے میری تقصیرات کو معاف فرمائیں گے۔ چنانچہ حضور کی خدمت میں حاضر ہو کر مشرف باسلام ہوگئے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

(۳۷) یعنی تمہاری شرارت کا وبال تمہیں پر پڑے گا۔ اگر چند روز شرارتیں کر کے فرض کرو کچھ دنیا کا نفع حاصل کر ہی لیا تو انجام کار پھر خدا کی طرف لوٹنا ہے۔ وہاں تمہارا سب کیا دھرا آگے آئیگا۔ خداوند رب العزت سزا دے کر بتلا دے گا کہ تمہارے کرتوت کیسے تھے۔

(۳۸) **دنیا کی زندگی کی مثال** بعض نے فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ کے معنی کثرت پیداوار کے لئے ہیں۔ کیونکہ جب زمین کی پیداوار زیادہ قوی ہوتی ہے تو گنجان ہو کر ایک جزء دوسرے سے ملجاتا اور لپٹ جاتا ہے۔ بعض نے "بہ" کی "باء" کو مصاحبت کے لئے لیکر یہ معنی کئے ہیں کہ زمین کا سبزہ پانی کے ساتھ رل مل جاتا ہے۔ کیونکہ نباتات اجزائے مائیہ کو اپنے اندر جذب کرتے ہیں، جس طرح کھانا انسان کا جزو بدن بنتا ہے۔ ایسے ہی پانی، گویا نباتات کی غذا بنتی ہے۔ مترجم رحمہ اللہ کے صنیع سے مترشح ہوتا ہے کہ اختلاط سے یہ مراد لے رہے ہیں کہ زمین اور پانی کے ملنے سے جو سبزہ نکلتا ہے اُس میں آدمی کی اور جانوروں کی خوراک مخلوط (رلی ملی) ہوتی ہے مثلاً گیہوں کے درخت میں دانہ ہے جو انسان کی غذا بنتی ہے اور بھوسہ بھی ہے جو جانوروں کی خوراک ہے۔ اسی طرح درختوں میں پھل اور پتے لگتے ہیں جن میں سے ہر ایک کے کھانے والے علیحدہ ہیں۔

(۳۹) یعنی مختلف الوان واشکال کی نباتات نے زمین کو پُررونق اور مزین کر دیا اور کھیتی وغیرہ ایسی تیار ہوگئی کہ مالکوں کو کامل بھروسہ ہوگیا کہ اب اس سے پورا فائدہ اُٹھانے کا وقت آگیا ہے۔

(۴۰) یعنی ناگہاں خدا کے حکم سے دن میں یا رات میں کوئی آفت پہنچی (مثلاً بگولا آگیا، یا اولے پڑ گئے یا ٹڈی دل پہنچ گیا۔ وعلیٰ ہذا القیاس) اُس نے تمام زراعت کا ایسا صفایا کر ڈالا، گویا کبھی یہاں ایک تنکا بھی نہ اُگا تھا۔ ٹھیک اسی طرح حیات دنیا کی مثال سمجھ لو کہ خواہ کتنی ہی حسین اور تروتازہ نظر آئے، حتیٰ کہ بے وقوف لوگ اُس کی رونق و دلربائی پر مفتوں ہو کر اصل حقیقت کو فراموش کر دیں لیکن اُس کی یہ شادابی اور زینت و بہجت محض چند روزہ ہے جو بہت جلد زوال و فنا کے ہاتھوں نسیًا منسیًا ہو جائیگی۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے اس مثال کو نہایت لطیف طرز میں خاص انسانی حیات پر منطبق کیا ہے۔ یعنی پانی کی طرح روح آسمان (عالم بالا) سے آئی، کالبد خاکی میں مل کر قوت پکڑی، دونوں کے ملنے سے آدمی بنا، پھر کام کئے انسانی اور حیوانی دونوں طرح کے۔ جب ہر ہنر میں پورا ہوا اور اُس کے متعلقین کو اُس پر بھروسہ ہوگیا، ناگہاں موت آ پہنچی جس نے ایک دم میں سارا بنا بنایا کھیل ختم کر دیا۔ پھر ایسا بے نام و نشان ہوا گویا کبھی زمین پر آباد ہی نہ ہوا تھا (فائدہ) لَيْلًا اَوْ نَهَارًا (رات کو یا دن کو) شاید اس لئے فرمایا کہ رات کا وقت غفلت کا ہے اور دن میں لوگ عموماً بیدار ہوتے ہیں مطلب یہ ہے کہ جب خدا کا حکم آ پہنچے، پھر سوتا ہو یا جاگتا، غافل ہو یا بیدار، کوئی شخص کسی حالت میں اُس کو روک نہیں سکتا۔

وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلٰى دَارِ السَّلٰمِ ۭ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَاۗءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝۲۵ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى

اور اللہ بلاتا ہے سلامتی کے گھر کی طرف اور دکھلاتا ہے جس کو چاہے راستہ سیدھا ۝ جنہوں نے کی بھلائی انکے لئے ہے بھلائی

وَزِيَادَةٌ ۖ وَلَا يَرْهَقُ وُجُوهَهُمْ قَتَرٌ وَلَا ذِلَّةٌ ۚ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ (٢٦) وَالَّذِينَ

اور زیادتی ف۲۲ اور نہ چڑھیگی اُن کے منہ پر سیاہی اور نہ رسوائی وہ ہیں جنت والے وہ اُسی میں رہا کریں گے ف۲۳ اور جنہوں نے

كَسَبُوا السَّيِّئَاتِ جَزَاءُ سَيِّئَةٍ بِمِثْلِهَا وَتَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ۖ مَا لَهُمْ مِنَ اللَّهِ مِنْ عَاصِمٍ ۖ كَأَنَّمَا

کمائیں بُرائیاں بدلا ملے بُرائی کا اُس کے برابر ف۲۴ اور ڈھانک لیگی اُنکو رسوائی کوئی نہیں اُن کو اللہ سے بچانے والا گویا کہ

أُغْشِيَتْ وُجُوهُهُمْ قِطَعًا مِنَ اللَّيْلِ مُظْلِمًا ۚ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ (٢٧) وَيَوْمَ

ڈھانک دیئے گئے اُنکے چہرے اندھیری رات کے ٹکڑوں سے ف۲۵ وہ ہیں دوزخ والے وہ اُسی میں رہا کریں گے اور جس دن

نَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا ثُمَّ نَقُولُ لِلَّذِينَ أَشْرَكُوا مَكَانَكُمْ أَنْتُمْ وَشُرَكَاؤُكُمْ ۚ فَزَيَّلْنَا بَيْنَهُمْ ۖ وَقَالَ

جمع کرینگے ہم اُن سب کو پھر کہیں گے شرک کرنے والوں کو کھڑے ہو اپنی اپنی جگہ تم اور تمہارے شریک ف۲۶ پھر تڑادیںگے ہم آپس میں اُنکو اور کہیں گے

شُرَكَاؤُهُمْ مَا كُنْتُمْ إِيَّانَا تَعْبُدُونَ (٢٨) فَكَفَىٰ بِاللَّهِ شَهِيدًا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ إِنْ كُنَّا عَنْ

اُن کے شریک تم ہماری تو بندگی نہ کرتے تھے سو اللہ کافی ہے شاہد ہمارے اور تمہارے بیچ میں ہم کو تمہاری

عِبَادَتِكُمْ لَغَافِلِينَ (٢٩) هُنَالِكَ تَبْلُو كُلُّ نَفْسٍ مَا أَسْلَفَتْ ۚ وَرُدُّوا إِلَى اللَّهِ مَوْلَاهُمُ الْحَقِّ ۖ وَضَلَّ

بندگی کی خبر نہ تھی ف۲۷ وہاں جانچ لے گا ہر کوئی جو اُس نے پہلے کیا تھا اور رجوع کرینگے اللہ کی طرف جو سچا مالک ہے اُنکا اور جاتا رہیگا

النصف

عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَفْتَرُونَ (٣٠) ع

اُنکے پاس سے جو جھوٹ باندھا کرتے تھے ف۲۸

(۲۱) **دار السلام کی دعوت** یعنی دنیا کی زائل وفانی زندگی پر مت ریجھو۔ دار السلام (جنت) کی طرف آؤ۔ خدا تم کو سلامتی کے گھر کی طرف بلا رہا ہے اور وہاں تک پہنچنے کا راستہ بھی دکھلاتا رہا ہے۔ وہ ہی گھر ہے جہاں کے رہنے والے ہر قسم کے رنج وغم، پریشانی، تکلیف، نقصان، آفت اور فنا وزوال وغیرہ سے صحیح وسالم رہیں گے۔ فرشتے اُن کو سلام کرینگے خود ربُّ العزّت کی طرف سے تحفہ سلام پہنچے گا۔

(۲۲) **دیدار الٰہی کی نعمت** بھلے کام کرنے والوں کو وہاں بھلی جگہ ملے گی۔ (یعنی جنت) اور اس سے زیادہ بھی کچھ ملیگا۔ یعنی حق تعالیٰ کی رضاء اور اُس کا دیدار۔ "زیادہ" کی تفسیر "دیدار مبارک" سے کئی احادیث صحیحہ میں وارد ہوئی ہے اور بہت سے صحابہ وتابعین رضی اللہ عنہم سے منقول ہے۔ حضرت صُہیب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی اور فرمایا کہ جب جنتی جنت میں اور دوزخی دوزخ میں داخل ہو چکیں گے تو ایک پکارنے والا پکارے گا "اے اہل جنت! تمہارے لئے ایک وعدہ خدا کا باقی ہے جو اب پورا کرنا چاہتا ہے۔ جنتی کہیں گے کہ وہ کیا ہے؟ کیا خدا نے اپنے فضل سے ہماری حسنات کا پلہ بھاری نہیں کر دیا۔ کیا اُس نے ہمارے چہروں کو سفید اور نورانی نہیں بنایا؟ کیا اُس نے ہم کو دوزخ سے بچا کر جنت جیسے مقام میں نہیں پہنچایا؟ (یہ سب کچھ تو ہو چکا، آگے کونسی چیز باقی رہی) اس پر حجاب اُٹھا دیا جائیگا۔ اور جنتی حق تعالیٰ کی طرف نظر کریں گے۔ پس خدا کی قسم کوئی نعمت جو اُن کو عطا ہوئی ہے دولت دیدار سے زیادہ محبوب نہ ہو گی نہ اُس سے بڑھ کر کوئی چیز اُن کی آنکھیں ٹھنڈی کر سکے گی۔ رزقنا اللہ سبحانہ وتعالیٰ بمنہ وفضلہ۔

(۲۳) **آخرت میں کفار کے چہرے** یعنی عرصات محشر میں جس طرح کفار فجار کے چہروں پر سخت ذلت وظلمت چھائی ہو گی جنتیوں کے چہرے اس کے خلاف ہوں گے۔ سیاہی اور رسوائی کیسی وہاں تو نور ہی نور اور رونق ہی رونق ہو گی۔

(۴۴) یعنی بدی سے زائد نہ ہوگا۔ کم سزا دیں یا بعض برائیوں کو بالکل معاف کردیں اُن کو اختیار ہے۔

(۴۵) یعنی اُن کے چہرے اس قدر سیاہ و تاریک ہوں گے گویا اندھیری رات کی تہیں اُن پر جمادی گئی ہیں (اعاذنا اللہ منہا)

(۴۶) یعنی جن کو تم نے اپنے خیال میں خدا کا شریک ٹھہرا رکھا تھا، یا جن کو خدا کے بیٹے بیٹیاں کہتے تھے، مثلاً مسیح علیہ السلام جو نصاریٰ کے نزدیک "ابن اللہ" بلکہ "عین اللہ" تھے یا "ملائکۃ اللہ" یا "احبار" و "رہبان" کہ انہیں بھی ایک حیثیت سے خدائی کا منصب دے رکھا تھا، یا اصنام و اوثان جن پر مشرکین مکہ نے خدائی کے اختیارات تقسیم کر رکھے تھے، سب کو حسب مراتب اپنی اپنی جگہ کھڑے ہونے کا حکم ہوگا۔

(۴۷) **باطل معبودوں کی کفار سے بیزاری** یعنی اُس وقت عجیب افراتفری اور نفسی نفسی ہوگی۔ عابدین و معبودین میں جدائی پڑ جائے گی اور دنیا میں اپنے اوہام و خیالات کے موافق جو رشتے جوڑ رکھے تھے، سب توڑ دیئے جائیں گے۔ اُس ہولناک وقت میں جبکہ مشرکین کو اپنے فرضی معبودوں سے بہت کچھ توقعات تھیں، وہ صاف جواب دیدیں گے کہ تمہارا ہم سے کیا تعلق۔ تم جھوٹ بکتے ہو کہ ہماری بندگی کرتے تھے۔ (تم اپنے عقیدہ کے موافق جس چیز کو پوجتے تھے۔ اُس کے لئے وہ خدائی صفات تجویز کرتے تھے، جو فی الواقع اُس میں موجود نہیں تھیں۔ تو حقیقت میں وہ عبادت اور بندگی واقعی "مسیح" یا "ملائکہ" کی نہ ہوئی اور نہ حقیقت میں بے جان مورتیوں کی پوجا تھی۔ محض اپنے خیال اور وہم یا شیطان لعین کی پرستش کو فرشتے، یا نبی یا نیک انسان یا کسی تصویر وغیرہ کے نامزد کردیتے تھے) خدا گواہ ہے کہ ہماری رضاء یا اذن سے تم نے یہ حرکت نہیں کی۔ ہم کو کیا خبر تھی کہ انتہائی حماقت و سفاہت سے خدا کے مقابلہ میں ہمیں معبود بنا ڈالو گے۔ (تنبیہ) یہ گفتگو اگر حضرت "مسیح" وغیرہ ذوی العقول مخلوق کی طرف سے مانی جائے تو کوئی اشکال نہیں۔ اور "اصنام" (بتوں) کی جانب سے ہو تو کچھ بعید نہیں کہ حق تعالیٰ مشرکین کی انتہائی مایوسی اور حسرتناک درماندگی کے اظہار کے لئے اپنی قدرت کاملہ سے پتھر کی مورتوں کو گویا کردے "قَالُوْٓا اَنْطَقَنَا اللّٰہُ الَّذِیْٓ اَنْطَقَ کُلَّ شَیْءٍ" (حٰمٓ السجدہ ۳ رکوع ۳)

(۴۸) یعنی جھوٹے اور بے اصل توہمات سب رفو چکر ہو جائیں گے۔ ہر شخص برای العین مشاہدہ کرلے گا کہ اُس سچے مالک کے سوا رجوع کرنے کا کوئی ٹھکانا نہیں۔ اور ہر ایک انسان کو اپنے تمام برے بھلے اعمال کا اندازہ ہو جائیگا کہ کتنا وزن رکھتے ہیں۔

قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اَمَّنْ يَّمْلِكُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَمَنْ يُّخْرِجُ الْحَيَّ

تو پوچھ کون روزی دیتا ہے تم کو آسمان سے اور زمین سے ف۴۹ یا کون مالک ہے کان اور آنکھوں کا ف۵۰ اور کون نکالتا ہے زندہ کو

مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَمَنْ يُّدَبِّرُ الْاَمْرَ ۭ فَسَيَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ ۚ فَقُلْ اَفَلَا

مردہ سے اور نکالتا ہے مردہ کو زندہ سے ف۵۱ اور کون تدبیر کرتا ہے کاموں کی ف۵۲ سو بول اُٹھیں گے کہ اللہ تو تو کہہ پھر ڈرتے

تَتَّقُوْنَ ۝۳۱ فَذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمُ الْحَقُّ ۚ فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلٰلُ ښ فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ ۝۳۲ كَذٰلِكَ

نہیں ہو سو یہ اللہ ہے رب تمہارا سچا پھر کیا رہ گیا سچ کے پیچھے مگر بھٹکنا سو کہاں سے لوٹے جاتے ہو ف۵۳ اسی طرح

حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَي الَّذِيْنَ فَسَقُوْٓا اَنَّھُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝۳۳ قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَاۗىِٕكُمْ مَّنْ

ٹھیک آئی بات تیرے رب کی اُن نافرمانوں پر کہ یہ ایمان نہ لائیں گے ف۵۴ تو پوچھ کوئی ہے تمہارے شریکوں میں جو

يَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ۭ قُلِ اللّٰهُ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ۝۳۴

پیدا کرے خلق کو پھر دوبارہ زندہ کرے تو کہہ اللہ پہلے پیدا کرتا ہے پھر اُس کو دہرائیگا سو کہاں سے پلٹے جاتے ہو ف۵۵

(۴۹) آسمان کی طرف سے بارش اور حرارت شمس وغیرہ پہنچتی ہے اور زمینی مواد اُس کے ساتھ ملتے ہیں تب انسان کی روزی مہیا ہوتی ہے۔

(۵۰) یعنی ایسے عجیب وغریب محیر العقول طریقہ سے کس نے کان اور آنکھ پیدا کی۔ پھر اُن کی حفاظت کا سامان کیا۔ کون ہے جو ان تمام قویٰ انسانی کا حقیقی مالک ہے کہ جب چاہے عطا فرما دے اور جب چاہے چھین لے۔

(۵۱) مثلاً "نطفہ" یا "بیضہ" سے جاندار کو، پھر جاندار سے نطفہ اور بیضہ کو نکالتا ہے۔ یا روحانی اور معنوی طور پر جو شخص یا قوم مردہ ہو چکی اس میں سے زندہ دل افراد پیدا کرتا ہے اور زندہ قوموں کے اخلاف پر اُن کی بدبختی سے موت طاری کر دیتا ہے۔

(۵۲) یعنی دنیا کے تمام کاموں کی تدبیر و انتظام کون کرتا ہے۔

(۵۳) **اللہ خالق و مالک اور مدبر الامور ہے** مشرکین کو بھی اعتراف تھا کہ یہ امور کلیہ اور عظیم الشان کام اللہ کے سوا کوئی نہیں کر سکتا۔ اس لئے فرمایا کہ جب اصلی خالق و مالک اور تمام عالم کا مدبر اُسی کو مانتے ہو، پھر ڈرتے نہیں کہ اُس کے سوا اور دوسروں کو معبود بناؤ۔ معبود تو وہ ہی ہونا چاہئے جو خالق کل، مالک الملک، رب مطلق اور متصرف علی الاطلاق ہو۔ اُس کا اقرار کر کے کہاں اُلٹے پاؤں واپس جا رہے ہو۔ جب سچا وہ ہی ہے تو سچ کے بعد بجز جھوٹ کے کیا رہ گیا۔ سچ کو چھوڑ کر جھوٹے اوہام میں بھٹکنا عاقل کا کام نہیں ہو سکتا۔

(۵۴) یعنی اللہ نے ازل سے ان متمرد سرکشوں کی قسمت میں ایمان نہیں لکھا۔ جس کا سبب علم الٰہی میں اُن کی سرکشی اور نافرمانی ہے۔ اس طرح خدا کی لکھی ہوئی بات اُن پر فسق و نافرمانی کی وجہ سے راست آئی۔

(۵۵) **مبداء و معاد کا اثبات** یہاں تک "مبدأ" کا ثبوت تھا اب "معاد" کا ذکر ہے۔ یعنی جب اعتراف کر چکے کہ زمین، آسمان، سمع و بصر موت و حیات، سب کا پیدا کرنے والا اور تھامنے والا وہ ہی ہے تو ظاہر ہے کہ مخلوق کو مرنے کے بعد دوبارہ پیدا کرنا اور دہرا دینا بھی اُسی کا فعل ہو سکتا ہے۔ پھر انبیاء علیہم السلام کی زبانی جب وہ خود اُس دہرانے کی خبر دیتا ہے تو اُس کی تسلیم میں کیا عذر ہے۔ "مبداء" کا اقرار کر کے "معاد" کی طرف سے کہاں پلٹے جاتے ہو۔

قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ ؕ قُلِ اللّٰهُ يَهْدِيْ لِلْحَقِّ ؕ اَفَمَنْ يَّهْدِيْٓ

تو پوچھ کوئی ہے تمہارے شریکوں میں جو راہ بتلائے صحیح تو کہہ اللہ راہ بتلاتا ہے صحیح تو اب جو کوئی راہ بتائے

اِلَى الْحَقِّ اَحَقُّ اَنْ يُّتَّبَعَ اَمَّنْ لَّا يَهِدِّيْٓ اِلَّآ اَنْ يُّهْدٰى ۚ فَمَا لَكُمْ ۟ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ﴿۳۵﴾ وَمَا

صحیح اُسکی بات ماننی چاہیئے یا اُس کی جو آپ نہ پائے راہ مگر جب کوئی اور اُسکو راہ بتلائے سو کیا ہو گیا تم کو کیسا انصاف کرتے ہو ف۵۶ اور وہ

يَتَّبِعُ اَكْثَرُهُمْ اِلَّا ظَنًّا ؕ اِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ﴿۳۶﴾ وَمَا كَانَ

اکثر چلتے ہیں محض اٹکل پر سو اٹکل کام نہیں دیتی حق بات میں کچھ بھی ف۵۷ اللہ کو خوب معلوم ہے جو کچھ وہ کرتے ہیں اور وہ نہیں

هٰذَا الْقُرْاٰنُ اَنْ يُّفْتَرٰى مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ

یہ قرآن کہ کوئی بنالے اللہ کے سوا ف۵۸ اور لیکن تصدیق کرتا ہے اگلے کلام کی ف۵۹ اور بیان کرتا ہے اُن چیزوں کا

الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۳۷﴾ ۟ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّثْلِهٖ

جو تم پر لکھی گئیں جس میں کوئی شبہ نہیں پروردگار عالم کی طرف سے ف۶۰ کیا لوگ کہتے ہیں کہ یہ بنا لایا ہے تو کہہ دے تم لے آؤ ایک ہی سورت ایسی

وَادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۳۸﴾

اور بلا لو جس کو بلا سکو اللہ کے سوا اگر تم سچے ہو ف۶۱

(۵۶) **ہدایت صرف اللہ کی طرف سے ہے** "مبداء" و "معاد" کے بعد درمیانی وسائط کا ذکر کرتے ہیں۔ یعنی جس طرح اوّل پیدا کرنے والا اور دوبارہ جِلانے والا وہ ہی خدا ہے، ایسے ہی "معاد" کی صحیح راہ بتلانے والا بھی کوئی دوسرا نہیں۔ خدا ہی بندوں کی صحیح اور سچی رہنمائی کر سکتا ہے۔ مخلوق میں کوئی بڑا ہو یا چھوٹا، سب اُسی کی رہنمائی کے محتاج ہیں۔ اُسی کی ہدایت و رہنمائی پر سب کو چلنا چاہیئے بُت مسکین تو کس شمار میں ہیں جو کسی کی رہنمائی سے بھی چلنے کی قدرت نہیں رکھتے۔ بڑے بڑے مقربین (انبیاء و ملائکہ علیہم السلام) بھی برابر یہ اقرار کرتے آئے ہیں کہ خدا کی ہدایت و دستگیری کے بدون ہم ایک قدم نہیں اُٹھا سکتے۔ اُن کی رہنمائی بھی اسی لئے بندوں کے حق میں قابل قبول ہے کہ خدا بلا واسطہ اُن کی رہنمائی فرماتا ہے۔ پھر یہ کس قدر نا انصافی ہے کہ انسان اُس ہادی مطلق کو چھوڑ کر باطل اور کمزور سہارے ڈھونڈے۔ یا مثلاً احبار و رہبان برہمنوں اور مہنتوں کی رہنمائی پر اندھا دھند چلنے لگے۔

(۵۷) **توحید کے علاوہ ہر نظریہ ظن و تخمین ہے** جب معلوم ہو چکا کہ "مبدی" و "معید" اور ہادی" وہ ہی اللہ ہے تو اُس کے خلاف شرک کی راہ اختیار کرنے والوں کو سوچنا چاہیئے کہ اُن کے ہاتھ میں کونسی دلیل و بُرہان ہے جس کی بناء پر "توحید" کے مسلک قویم و قدیم کو چھوڑ کر ضلالت کے گڑھے میں گرے جا رہے ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ اُن کے پاس سوا ظنون و اوہام اور اٹکل پچو باتوں کے کوئی چیز نہیں۔ بھلا اٹکل کے تیر حق و صداقت کی بحث میں کیا کام دے سکتے ہیں۔

(۵۸) **قرآن اللہ کے سوا کوئی نہیں بنا سکتا** پچھلی آیات میں فرمایا تھا کہ مشرکین محض ظن و تخمین کی پیروی کرتے ہیں۔ حالانکہ پیروی کے قابل اُس کی بات ہے جو صحیح راستہ بتلائے۔ اسی مناسبت سے یہاں قرآن کریم کا ذکر شروع کیا کہ آج دُنیا میں وہ ہی ایک کتاب صحیح راستہ بتلانے والی اور ظنون و اوہام کے مقابلہ میں سچے حقائق پیش کرنے والی ہے۔ اُس کے علوم و معارف، احکام و قوانین، اور معجزانہ فصاحت و جزالت پر نظر کر کے کہنا پڑتا ہے کہ یہ قرآن وہ کتاب نہیں جو خُداوند قدوس کے سوا کوئی دوسرا شخص بنا کر پیش کر سکے۔ پورا قرآن تو بجائے خود رہا اُس کی ایک سورۃ کا مثل لانے سے بھی تمام جن و انس عاجز ہیں جیسا کہ آگے آتا ہے۔

(۵۹) قرآن کا کلام الٰہی ہونا اِس سے ظاہر ہے کہ وہ تمام کتب سماویہ سابقہ کی سچائی پر مہر تصدیق ثبت کرتا، اُن کے اصل مضامین کی حفاظت اور اُن کی پیشین گوئیوں کی صداقت کا علانیہ اظہار کرتا ہے۔

(۶۰) یعنی احکام الٰہیہ اور اُن حقائق و معارف کو جو پچھلی کتابوں میں نہایت اجمالی طور پر مذکور تھیں کافی تفصیل سے بیان کرتا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ اس کتاب میں عاقل کے لئے شک و شبہ کی قطعاً گنجائش نہیں۔ ایسا جامع، بلیغ، پُر حکمت اور نور و صداقت سے بھرا ہوا کلام ربّ العالمین ہی کا ہو سکتا ہے۔

(۶۱) **کفّار کو قرآن کریم کا چیلنج** یعنی اگر میں بنا لایا ہوں تو تم بھی میری طرح بشر ہو سب مل کر ایک سورت جیسی سورت بنا لاؤ۔ ساری مخلوق کو دعوت دو، جن و انس کو جمع کر لو، تمام جہان کے فصیح و بلیغ پڑھے لکھے اور ان پڑھ اکھٹے ہو کر ایک چھوٹا سا کلام قرآن کے مانند پیش کر دو تو سمجھ لیا جائیگا کہ قرآن بھی کسی بشر کا کلام ہے۔ جس کا مثل دوسرے لوگ لا سکتے ہیں۔ مگر محال ہے کہ ابدالآباد تک کوئی مخلوق ایسا حوصلہ کر سکے۔ قرآن کریم ہی وہ کتاب ہے جس میں تہذیب اخلاق، تمدن و معاشرت، حکومت و سیاست، معرفت و روحانیت تزکیہ نفوس، تنویر قلوب، غرضیکہ وصول الی اللہ اور تنظیم و رفاہیت خلائق کے وہ تمام قوانین و طرق موجود ہیں، جن سے آفرینش عالم کی غرض پوری ہوتی ہے۔ اور جن کی ترتیب و تدوین کی ایک اُمّی قوم کے اُمّی فرد سے کبھی اُمید نہیں ہو سکتی تھی۔ پھر ان تمام علوم و ہدایات کا تکفل کرنے کے ساتھ اس کتاب کی غلغلہ انداز فصاحت و بلاغت، جامع و موثر اور دلربا طرز بیان، دریا کا سا تموج، سہل ممتنع سلاست و روانی، اسالیب کلام کا تفنن اور اُس کی لذت و حلاوت اور شہنشاہانہ شان و شکوہ یہ سب چیزیں ایسی ہیں جنہوں نے بڑے

زور شور اور بلند آہنگی سے سارے جہان کو مقابلہ کا چیلنج دیدیا ہے۔ جس وقت سے قرآن کے جمال جہاں آرا نے غیب کی نقاب الٹی اور اولاد آدم کو اپنے سے روشناس کیا، اُس کا برابر یہی دعویٰ رہا کہ میں خدائے قدوس کا کلام ہوں۔ اور جس طرح خدا کی زمین جیسی زمین، خدا کے سورج جیسا سورج اور خدا کے آسمان جیسا آسمان پیدا کرنے سے دنیا عاجز ہے، اسی طرح خدا کے قرآن جیسا قرآن بنانے سے بھی دنیا عاجز رہے گی۔ قرآن کے مٹانے کی لوگ سازشیں کرینگے، مکر گانٹھیں گے، مقابلہ کے جوش میں کٹ مریں گے، اپنی مدد کے لئے دنیا کی بڑی بڑی طاقتوں کو دعوت دیں گے کوئی حیلہ، کوئی تدبیر، کوئی داؤ پیچ اٹھا نہ رکھیں گے۔ اپنے کو اور دوسروں کو مصیبت میں ڈالیں گے سارے مصائب و دواہی کا تحمل اُن کے لئے ممکن ہوگا مگر قرآن کی چھوٹی سی سورت کا مثل لانا ممکن نہ ہوگا۔" قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓی اَنْ یَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا یَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِیْرًا (بنی اسرائیل رکوع ۱۰) اس مسئلہ پر ہم نے "اعجاز القرآن" کے نام سے ایک مستقل رسالہ لکھا ہے، جسے شوق ہو ملاحظہ کرے۔

بَلْ كَذَّبُوْا بِمَا لَمْ یُحِیْطُوْا بِعِلْمِهٖ وَلَمَّا یَاْتِهِمْ تَاْوِیْلُهٗ ؕ كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ

بات یہ ہے کہ جھٹلانے لگے جس کے سمجھنے پر انہوں نے قابو نہ پایا ف ۶۲ اور ابھی آئی نہیں اُسکی حقیقت ف ۶۳ اسی طرح جھٹلاتے رہے اُن سے اگلے سو

فَانْظُرْ كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۳۹﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ یُّؤْمِنُ بِهٖ وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّا یُؤْمِنُ بِهٖ ؕ

دیکھ لے کیسا ہوا انجام گنہگاروں کا اور بعضے اُن میں یقین کرینگے قرآن کا اور بعضے یقین نہ کریں گے

ع ۹ وَرَبُّكَ اَعْلَمُ بِالْمُفْسِدِیْنَ ﴿۴۰﴾ وَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ لِّیْ عَمَلِیْ وَلَكُمْ عَمَلُكُمْ ۚ اَنْتُمْ بَرِیْٓـُٔوْنَ مِمَّآ اَعْمَلُ

اور تیرا رب خوب جانتا ہے شرارت والوں کو ف ۶۴ اور اگر تجھ کو جھٹلائیں تو کہہ میرے لئے میرا کام اور تمہارے لئے تمہارا کام تم پر ذمہ نہیں میرے کام کا

وَاَنَا بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۴۱﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ یَّسْتَمِعُوْنَ اِلَیْكَ ؕ اَفَاَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ وَلَوْ كَانُوْا لَا

اور مجھ پر ذمہ نہیں جو تم کرتے ہو ف ۶۵ اور بعضے اُن میں کان رکھتے ہیں تیری طرف کیا تو سُنائیگا بہروں کو اگرچہ اُن کو

یَعْقِلُوْنَ ﴿۴۲﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ یَّنْظُرُ اِلَیْكَ ؕ اَفَاَنْتَ تَهْدِی الْعُمْیَ وَلَوْ كَانُوْا لَا یُبْصِرُوْنَ ﴿۴۳﴾ اِنَّ اللّٰهَ لَا

سمجھ نہ ہو اور بعضے اُن میں نگاہ کرتے ہیں تیری طرف کیا تو راہ دکھائیگا اندھوں کو اگرچہ وہ سوجھ نہ رکھتے ہوں ف ۶۶ اللہ ظلم

یَظْلِمُ النَّاسَ شَیْـًٔا وَّلٰكِنَّ النَّاسَ اَنْفُسَهُمْ یَظْلِمُوْنَ ﴿۴۴﴾ وَیَوْمَ یَحْشُرُهُمْ كَاَنْ لَّمْ یَلْبَثُوْٓا اِلَّا

نہیں کرتا لوگوں پر کچھ بھی لیکن لوگ اپنے اوپر آپ ظلم کرتے ہیں ف ۶۷ اور جس دن انکو جمع کرے گا گویا وہ نہ رہے تھے مگر

سَاعَةً مِّنَ النَّهَارِ یَتَعَارَفُوْنَ بَیْنَهُمْ ؕ قَدْ خَسِرَ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَآءِ اللّٰهِ وَمَا كَانُوْا

ایک گھڑی دن ف ۶۸ ایک دوسرے کو پہچانیں گے ف ۶۹ بیشک خسارے میں پڑے جنہوں نے جھٹلایا اللہ سے ملنے کو اور نہ آئے وہ

مُهْتَدِیْنَ ﴿۴۵﴾ وَاِمَّا نُرِیَنَّكَ بَعْضَ الَّذِیْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّیَنَّكَ فَاِلَیْنَا مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ اللّٰهُ

راہ پر ف ۷۰ اور اگر ہم دکھائینگے تجھ کو کوئی چیز اُن وعدوں میں سے جو کئے ہیں ہم نے اُنسے یا وفات دیں تجھ کو سو ہماری ہی طرف ہے اُن کو لوٹنا پھر اللہ

شَهِیْدٌ عَلٰی مَا یَفْعَلُوْنَ ﴿۴۶﴾

شاہد ہے اُن کاموں پر جو کرتے ہیں ف ۷۱

(۶۲) **قرآن کی تکذیب محض نافہمی اور تعصب کی وجہ سے ہے** یعنی قرآن کو "مفتریٰ" کہنا سمجھ کر نہیں، محض جہل و سفاہت اور قلت تدبر سے ہے۔ تعصب و عناد انہیں اجازت نہیں دیتا کہ ٹھنڈے دل سے قرآن کے حقائق اور وجوہ اعجاز میں غور کریں۔ بدفہمی یا قوائے فکریہ کے ٹھیک استعمال نہ کرنے کی وجہ سے جب قرآن پاک کے دلائل و عجائب کو پوری طرح نہیں سمجھ سکے، تو جھٹلانا شروع کر دیا۔

(۶۳) بعض مفسرین نے "تاویل" کے معنی "تفسیر" کے لئے ہیں۔ یعنی مطالب قرآن اُن کے دماغ میں نہیں اُترے اور بعض نے قرآنی پیشگوئیاں مُراد لی ہیں۔ یعنی تکذیب کی ایک وجہ بعض سادہ لوحوں کے حق میں یہ بھی ہے کہ مستقبل کے متعلق قرآن نے جو خبریں دی ہیں، اُن کے وقوع کا ابھی وقت نہیں آیا۔ لہٰذا وہ منتظر ہیں کہ اُن کا ظہور کب ہوتا ہے۔ مگر سوچنا چاہئے کہ یہ وجہ تکذیب کی کیسے ہو سکتی ہے؟ زائد از زائد توقف کی وجہ ہو تو ہو۔

(۶۴) یعنی آگے چل کر ان میں کچھ لوگ مسلمان ہونے والے ہیں۔ انہیں چھوڑ کر جو باقی لوگ شرارت پر قائم رہیں گے، خدا سب کو خوب جانتا ہے موقع پر مناسب سزا دیگا۔

(۶۵) **آنحضرت کو کفار سے بیزاری کا حکم** یعنی اگر ایسے دلائل و براہین سننے کے بعد بھی یہ لوگ آپ کی تکذیب کریں تو کہہ دیجئے کہ ہم اپنا فرض ادا کر چکے، تم سمجھانے پر نہیں مانتے تو اب میرا تمہارا راستہ الگ الگ ہے۔ تم اپنے عمل کے ذمہ دار ہو میں اپنے عمل کا۔ ہر ایک کو اُس کے عمل کا ثمرہ مل کر رہے گا۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ (معاذ اللہ) "اگر اللہ کا حکم غلط پہنچاؤں تو میں گنہگار ہوں، اور میں سچ لاؤں تم نہ مانو تو گناہ تم پر ہے۔ بہرحال ماننے میں کسی طرح تمہارا نقصان نہیں"۔

(۶۶) **کفار اندھے اور بے عقل ہیں** بعض لوگ بظاہر قرآن شریف اور آپ کا کلام مبارک سُنتے ہیں اور آپ کے معجزات و کمالات دیکھتے ہیں مگر دیکھنا سُننا وہ نافع ہے جو دل کے کانوں اور دل کی آنکھوں سے ہو۔ یہ آپ کے اختیار میں نہیں کہ آپ دل کے بہروں کو اپنی بات سُنا دیں بحالیکہ وہ سخت بہرہ پن کی وجہ سے قطعاً کسی کلام کو نہ سمجھ سکتے ہوں یا دل کے اندھوں کو راہ حق دکھلا دیں جبکہ انہیں کچھ بھی نہ سوجھتا ہو۔ "موضح القرآن" میں ہے۔ "یعنی کان رکھتے ہیں یا نگاہ کرتے ہیں اس توقع پر کہ آپ ہمارے دل پر تصرف کر دیں جیسا بعضوں پر ہو گیا، سو یہ بات اللہ کے ہاتھ ہے"۔ بعض مفسرین نے "لَا يَعْقِلُونَ" سے مطلق عقل کی اور لَا يُبْصِرُونَ سے بصیرت کی نفی مراد لی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ایسے اندھے بہرے جو علاوہ نہ سننے اور نہ دیکھنے کے ہر قسم کی سمجھ بوجھ سے محروم ہیں۔ اُن کو آپ کس طرح سُنا اور دکھا کر منوا سکتے ہیں۔

(۶۷) یعنی جن کے دل میں اثر نہیں ہوتا، یہ اُن ہی کی تقصیر ہے۔ خود اپنی بے اعتدالیوں اور غلط کاریوں سے انہوں نے قوائے ادراکیہ کو تباہ کر لیا ہے۔ ورنہ اصل فطرت سے ہر آدمی کو خدا نے سمجھنے اور قبول کرنے کی استعداد بخشی ہے۔

(۶۸) **دنیوی زندگی کی حقیقت** یعنی محشر کے ہولناک احوال و حوادث کو دیکھ کر عمر بھر کا عیش و آرام اس قدر حقیر و قلیل نظر آئے گا گویا دنیا میں ایک گھڑی سے زیادہ ٹھہرے ہی نہ تھے۔ اور افسوس کریں گے کہ ساری عمر کیسی فضول اور بے کار گذری، جیسے آدمی گھنٹہ دو گھنٹہ یوں ہی گپ شپ میں بیکار گذار دیتا ہے۔ نیز وہاں کی زہرہ گداز مصائب کو دیکھ کر خیال کریں گے کہ گویا دنیا میں کچھ مدت قیام ہی نہ ہوا جو یہ وقت آ لیا۔ گھڑی دو گھڑی ٹھہرے اور یہاں آ پھنسے۔ کاش وہاں کی مدت قیام کچھ طویل ہوتی تو یہ دن اس قدر جلد نہ دیکھنا پڑتا۔ بعض مفسرین نے کہا کہ برزخ (قبر) میں ٹھہرنے کی مدت کو ایک گھڑی کے برابر سمجھیں گے۔ واللہ اعلم۔

(۶۹) مگر کچھ مدد نہ کر سکیں گے۔ نفسی نفسی پڑی ہو گی۔ بھائی بھائی کے اور بیٹا باپ کے کام نہ آئیگا۔ فَلَآ اَنْسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَّلَا يَتَسَآءَلُوْنَ (المومنون۔ رکوع ۶) يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِيْهِ وَاُمِّهٖ وَاَبِيْهِ وَصَاحِبَتِهٖ وَبَنِيْهِ (عبس رکوع ۱)

(۷۰) باقی جنہوں نے لقاءُ اللہ کی تصدیق کی اور سیدھی راہ پر چلے وہ سراسر فائدہ میں ہیں۔

(۷۱) **آنحضرت ﷺ سے کیئے گئے وعدوں کا ایفاء** یعنی ہم نے کفار کو عذاب دینے اور اسلام کو غالب و منصور کرنے کے جو وعدے کیئے ہیں، خواہ اُن میں سے بعض وعدے کسی حد تک آپ کی موجودگی میں پورے کر کے دکھلا دیے جائیں، جیسے "بدر" وغیرہ میں دکھلا دیا۔ یا آپ کی وفات ہو جائے۔ اس لیئے آپ کے سامنے اُن میں سے بعض کا ظہور نہ ہو۔ بہرصورت یہ یقینی ہے کہ وہ سب پورے ہو کر رہیں گے۔ اگر کسی مصلحت سے دنیا میں ان کفار کو سزا نہ دی گئی تو آخرت میں ملیگی۔ ہم سے بچ کر کہاں بھاگ سکتے ہیں۔ سب کو ہماری طرف لوٹ کر آنا ہے اور اُن کے تمام اعمال ہمارے سامنے ہیں۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ غلبۂ اسلام کچھ حضرت کے روبرو ہوا اور باقی آپ کی وفات کے بعد خلفاء کے ہاتھوں سے۔" گویا نَتَوَفَّيَنَّكَ میں اس طرف اشارہ ہوا ہے۔ واللہ اعلم۔

وَلِكُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولٌ ۖ فَإِذَا جَاءَ رَسُولُهُمْ قُضِيَ بَيْنَهُم بِالْقِسْطِ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿٤٧﴾ وَ

اور ہر فرقہ کا ایک رسول ہے پھر جب پہنچا اُن کے پاس رسول اُن کا فیصلہ ہوا اُن میں انصاف سے اور اُن پر ظلم نہیں ہوتا ف۲ اور

يَقُولُونَ مَتَىٰ هَٰذَا الْوَعْدُ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ﴿٤٨﴾ قُل لَّا أَمْلِكُ لِنَفْسِي ضَرًّا وَلَا نَفْعًا إِلَّا

کہتے ہیں کب ہے یہ وعدہ اگر تم سچے ہو ف۳ تو کہہ میں مالک نہیں اپنے واسطے بُرے کا نہ بھلے کا مگر

مَا شَاءَ اللَّهُ ۗ لِكُلِّ أُمَّةٍ أَجَلٌ ۚ إِذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ فَلَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً ۖ وَلَا يَسْتَقْدِمُونَ ﴿٤٩﴾

جو چاہے اللہ ہر فرقہ کا ایک وعدہ ہے جب آپہنچیگا اُن کا وعدہ پھر نہ پیچھے سرک سکیں گے ایک گھڑی اور نہ آگے سرک سکیں گے ف۴

قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِنْ أَتَاكُمْ عَذَابُهُ بَيَاتًا أَوْ نَهَارًا مَّاذَا يَسْتَعْجِلُ مِنْهُ الْمُجْرِمُونَ ﴿٥٠﴾ أَثُمَّ إِذَا مَا

تو کہہ بھلا دیکھو تو اگر آپہنچے تم پر عذاب اُس کا راتوں رات یا دن کو تو کیا کر لیں گے اُس سے پہلے گنہگار ف۵ کیا پھر جب عذاب

وَقَعَ آمَنتُم بِهِ ۚ آلْآنَ وَقَدْ كُنتُم بِهِ تَسْتَعْجِلُونَ ﴿٥١﴾ ثُمَّ قِيلَ لِلَّذِينَ ظَلَمُوا ذُوقُوا عَذَابَ الْخُلْدِ

واقع ہو چکیگا تب اُسپر یقین کروگے اب قائل ہوئے اور تم اُسی کا تقاضا کرتے تھے ف۶ پھر کہیں گے گنہگاروں کو چکھتے رہو عذاب ہمیشگی کا

هَلْ تُجْزَوْنَ إِلَّا بِمَا كُنتُمْ تَكْسِبُونَ ﴿٥٢﴾

وہی بدلا ملتا ہے جو کچھ کماتے تھے ف۷

(۷۲) **ہر اُمت کے لیئے رسول بھیجا گیا** پہلے اس اُمۃ اور اُس کے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر تھا۔ اب عام اقوام و اُمم کا ضابطہ بتلاتے ہیں کہ ہر جماعت اور ہر فرقہ کے پاس خدا کے احکام پہنچانے والے بھیجے گئے ہیں جن کو "رسول" کہیئے۔ تاکہ خدا کی حجت تمام ہو۔ اتمام حجت سے پہلے کسی کو عذاب نہیں دیا جاتا۔ لوگ عمل پہلے سے کرتے ہیں۔ مگر دنیا میں اُن کو سزا رسول پہنچنے اور حجت تمام کرنے کے بعد دی جاتی ہے خدا کے یہاں یہ ظلم اور اندھیر نہیں کہ بدون پیشتر سے آگاہ کرنے اور ملزم ثابت ہونے کے مجرموں کو فیصلہ سُنا دیا جائے۔ قیامت میں بھی باقاعدہ پیشی ہوگی، فردِ جرم لگائیں گے، گواہ پیش ہوں گے، ہر قوم کے ساتھ اُن کے پیغمبر موجود ہوں گے، اُن کے بیانات وغیرہ کے بعد نہایت انصاف سے فیصلہ ہوگا۔" وَأَشْرَقَتِ الْأَرْضُ بِنُورِ رَبِّهَا وَوُضِعَ الْكِتَابُ وَجِيءَ بِالنَّبِيِّينَ وَالشُّهَدَاءِ وَقُضِيَ بَيْنَهُم بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ" (الزمر۔ رکوع ۷) مجاہد وغیرہ نے آیت کو قیامت کے احوال پر حمل کیا ہے۔

(۷۳) یعنی عذاب آنے کی جو دھمکیاں دیتے ہو۔ محض جھوٹ اور بے اصل ہیں۔ اگر واقعی تم سچے ہو تو لے کیوں نہیں آتے۔ آخر یہ وعدہ کب پورا ہوگا

(۷۴) یعنی عذاب وغیرہ بھیجنا خدا کا کام ہے، میرے قبضہ اور اختیار میں نہیں۔ میں خود اپنے نفع نقصان کا صرف اُسی قدر مالک ہوں جتنا اللہ چاہے۔ پھر دوسروں پر کوئی بھلائی بُرائی وارد کرنے کا مستقل اختیار مجھے کہاں سے ہوتا۔ ہر قوم کی ایک مدت اور میعاد خدا کے علم میں مقرر ہے۔ جب میعاد پوری ہو کر اُس کا وقت پہنچ جائیگا۔ ایک سکنڈ کا تخلف نہ ہو سکیگا۔ غرض عذاب کے لئے جلدی مچانے سے کچھ فائدہ نہیں۔ خدا کے علم میں جو وقت طے شدہ ہے اُس سے ایک منٹ آگے پیچھے نہیں سرک سکتے۔ زمخشری کے نزدیک لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ اس سے کنایہ ہے کہ عذاب کا اپنے وقت معین پر آنا اٹل ہے۔ کنایہ میں حقیقتِ تقدم وتاخر کا نفیاً یا اثباتاً اعتبار نہیں۔ فتنبہ لہ۔

(۷۵) **کفّار کا مطالبۂ عذاب احمقانہ ہے** | یعنی رات کو سوتے ہوئے یا دن میں جب تم دنیا کے دھندوں میں مشغول ہو، اگر اچانک خدا کا عذاب آ دبائے تو مجرم جلدی کر کے کیا بچاؤ کر سکیں گے؟ جب بچاؤ نہیں کر سکتے پھر وقت پوچھنے سے کیا فائدہ؟ مترجم رحمہ اللہ نے مَا ذَا يَسْتَعْجِلُ مِنْهُ الْمُجْرِمُوْنَ کا یہ ترجمہ حضرت شاہ صاحبؒ کے مذاق کے موافق کیا ہے۔ عموماً مفسرین نے یہ مطلب لیا ہے کہ عذابِ الٰہی کے آنے میں کونسی ایسی خوشی اور مزے کی بات ہے جس کی وجہ سے مجرمین جلدی طلب کر رہے ہیں یا یہ کہ تعجب کا مقام ہے کہ مجرمین کیسی سخت خوفناک چیز کے لئے جلدی مچا رہے ہیں۔ حالانکہ ایک مجرم کے لائق تو یہ تھا کہ وہ آنے والی سزا کے تصور سے کانپ اُٹھتا اور ڈر کے مارے ہلاک ہو جاتا۔ (البحر المحیط)۔

(۷۶) **مطالبۂ عذاب کی وجہ** | یعنی عذاب کے لئے جلدی کرنا اس بناء پر ہے کہ انہیں اُس کے آنے کا یقین نہیں۔ اس وقت یقین ہوتا تو فائدہ ہو سکتا تھا کہ بچنے کی کوشش کرتے۔ عذاب آچکنے کے بعد یقین آیا تو کیا فائدہ ہوگا۔ اُس وقت خدا کی طرف سے کہہ دیا جائیگا کہ اچھا اب قائل ہوتے ہو، اور پہلے سے جھٹلاتے رہے۔ کیونکہ تقاضا کرنا بھی جھٹلانے اور مذاق اڑانے کی نیت سے تھا۔ اس وقت اقرار کرنے سے کچھ نفع نہیں۔ فَلَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ وَكَفَرْنَا بِمَا كُنَّا بِهٖ مُشْرِكِيْنَ فَلَمْ يَكُ يَنْفَعُهُمْ اِيْمَانُهُمْ لَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا سُنَّتَ اللّٰهِ الَّتِيْ قَدْ خَلَتْ فِيْ عِبَادِهٖ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْكٰفِرُوْنَ (المؤمن۔ رکوع ۹)

(۷۷) جو کفر و شرک اور تکذیب کرتے رہے تھے، اب ہمیشہ اُس کا مزہ چکھتے رہو۔ یہ قیامت میں کہا جائیگا۔

وَيَسْتَنْۢبِئُوْنَكَ اَحَقٌّ هُوَ ؕ قُلْ اِيْ وَرَبِّيْٓ اِنَّهٗ لَحَقٌّ ؔۚ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴿۵۳﴾ وَلَوْ اَنَّ لِكُلِّ

وقف النبی علیہ السلام ع ۵۱/۱۳ وقف النبی علیہ السلام

اور تجھ سے خبر پوچھتے ہیں کیا سچ ہے یہ بات تو کہہ البتہ قسم میرے رب کی یہ سچ ہے اور تم تھکا نہ سکو گے ف۷۹ اور اگر ہو ہر شخص

نَفْسٍ ظَلَمَتْ مَا فِي الْاَرْضِ لَافْتَدَتْ بِهٖ ؕ وَاَسَرُّوا النَّدَامَةَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ ۚ وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ

گنہگار کے پاس جتنا کچھ ہے زمین میں البتہ دے ڈالے اپنے بدلے میں ف۸۰ اور چھپے چھپے پچھتائیں گے جب دیکھیں گے عذاب اور اُن میں فیصلہ ہوگا

بِالْقِسْطِ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۵۴﴾ اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ اَلَآ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلٰكِنَّ

انصاف سے اور اُن پر ظلم نہ ہوگا ف۸۰ سُن رکھو اللہ کا ہے جو کچھ ہے آسمان اور زمین میں سُن رکھو وعدہ اللہ کا سچ ہے ف۸۱ پر

اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۵۵﴾ هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۵۶﴾

بہت لوگ نہیں جانتے ف۸۲ وہی جلاتا ہے اور مارتا ہے اور اُسی کی طرف پھر جاؤ گے ف۸۳

(۷۸) **حیات بعد الممات یقینی ہے** | یعنی غفلت کے نشہ میں چور ہو کر تعجب سے پوچھتے ہیں کہ کیا یہ سچ ہے کہ ہم موت کے بعد دوبارہ زندہ کئے جائیں گے اور دائمی عذاب کا مزہ چکھیں گے؟ کیا واقعی ریزہ ریزہ ہو کر اور خاک میں مل کر پھر از سرِ نو ہم کو موجود کیا جائیگا؟

آپ فرما دیجئے کہ تعجب کی کیا بات ہے، یہ چیز تو یقیناً ہونیوالی ہے۔ تمہارا مٹی میں مل جانا اور پارہ پارہ ہو جانا خدا کو اس سے عاجز نہیں کر سکتا کہ پہلے کی طرح تمہیں دوبارہ پیدا کر دے اور شرارتوں کا مزہ چکھائے۔ ممکن نہیں کہ اُس کے قبضہ سے نکل بھاگو اور فرار ہو کر (معاذ اللہ) اُسے عاجز کر سکو۔ (تنبیہ) اس آیت کے مشابہ دو آیتیں قرآن کریم میں ہیں ایک سورۂ "سبا" میں وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَاْتِيْنَا السَّاعَةُ قُلْ بَلٰى وَرَبِّيْ لَتَاْتِيَنَّكُمْ۔ دوسری "تغابن" میں زَعَمَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنْ لَّنْ يُّبْعَثُوْا قُلْ بَلٰى وَرَبِّيْ لَتُبْعَثُنَّ ثُمَّ لَتُنَبَّؤُنَّ بِمَا عَمِلْتُمْ وَذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ۔ یہ دونوں قیامت اور معاد کے متعلق ہیں۔ ان ہی کی مناسبت سے حافظ ابن کثیرؒ نے آیت حاضرہ کو معاد کے متعلق رکھا ہے۔

(۷۹) یعنی اگر روئے زمین کے خزانے فرض کرو اُس کے قبضہ میں ہوں تو کوشش کرے کہ یہ سب دے کر خدا کے عذاب سے اپنے کو بچا لے۔

(۸۰) **آخرت میں کفار کا پچھتاوا** دل میں اپنی حرکتوں پر پشیمان ہونگے اور چاہیں کہ لوگوں پر پشیمانی کا اظہار نہ ہو۔ مگر تابکے۔ کچھ دیر آثارِ ندامت ظاہر نہ ہونے دیں گے۔ آخر بے اختیار ظاہر ہو کر رہیں گے۔ اُس وقت کہیں گے۔ يٰحَسْرَتٰى عَلٰى مَا فَرَّطْتُّ فِيْ جَنْۢبِ اللّٰهِ اور يٰوَيْلَنَا قَدْ كُنَّا فِيْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا۔

(۸۱) یعنی سارے جہان میں حکومت صرف اللہ کی ہے۔ انصاف ہو کر رہیگا۔ کوئی مجرم نہ کہیں بھاگ سکتا ہے نہ رشوت دیکر چھوٹ سکتا ہے۔

(۸۲) یعنی سوءِ استعداد بد فہمی اور غفلت سے اکثر لوگ ان حقائق کو نہیں سمجھتے۔ اسی لئے جو زبان پر آئے بک دیتے ہیں۔ اور جو جی میں آئے کرتے ہیں۔

(۸۳) جلانا اور مارنا جب اُسی کا فعل ہے تو دوبارہ زندہ کرنا کیا مشکل ہے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ ۙ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ

اے لوگو تمہارے پاس آئی ہے نصیحت تمہارے رب سے اور شفا دلوں کے روگ کی اور ہدایت اور رحمت

لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۝۵۷ قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا ۭ هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ۝۵۸ قُلْ

مسلمانوں کے واسطے ف۸۴ کہہ اللہ کے فضل سے اور اُسکی مہربانی سے سو اسی پر انکو خوش ہونا چاہیئے ف۸۵ یہ بہتر ہے اُن چیزوں سے جو جمع کرتے ہیں ف۸۶ تو کہہ

اَرَءَيْتُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ لَكُمْ مِّنْ رِّزْقٍ فَجَعَلْتُمْ مِّنْهُ حَرَامًا وَّحَلٰلًا ۭ قُلْ آٰللّٰهُ اَذِنَ لَكُمْ

بھلا دیکھو تو اللہ نے جو اُتاری تمہارے واسطے روزی پھر تم نے ٹھہرائی اُس میں سے کوئی حرام اور کوئی حلال کہہ کیا اللہ نے حکم دیا تم کو

اَمْ عَلَى اللّٰهِ تَفْتَرُوْنَ ۝۵۹ وَمَا ظَنُّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ

یا اللہ پر افترا کرتے ہو ف۸۷ اور کیا خیال ہے جھوٹ باندھنے والوں کا اللہ پر قیامت کے دن ف۸۸ اللہ تو

ع ۶/۱۱ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَھُمْ لَا يَشْكُرُوْنَ ۝۶۰

فضل کرتا ہے لوگوں پر اور لیکن بہت لوگ حق نہیں مانتے ف۸۹

(۸۴) **قرآن کریم کی بعض اہم صفات** یہ سب صفات قرآن کریم کی ہیں۔ قرآن اوّل سے آخر تک نصیحت ہے، جو لوگوں کو مہلک اور مضر باتوں سے روکتا ہے۔ دلوں کی بیماریوں کے لئے نسخۂ شفاء ہے۔ وصول الی اللہ اور رضائے خداوندی کا راستہ بتاتا ہے، اور اپنے ماننے والوں کو دنیا و آخرۃ میں رحمت الٰہیہ کا مستحق ٹھہراتا ہے۔ بعض محققین کے نزدیک اس آیت میں نفس انسانی کے مراتب کمال کی طرف اشارہ ہے۔ یعنی جو شخص قرآن کریم

سے تمسک کرے اُن تمام مراتب پر فائز ہو سکتا ہے۔ (۱) اپنے ظاہر کو نالائق افعال سے پاک کرنا۔ لفظ "موعظۃ" میں اس کی طرف اشارہ ہے (۲) باطن کو عقائد فاسدہ اور ملکات ردیہ سے خالی کرنا جو "شِفَآءٌ لِّمَا فِی الصُّدُوْرِ" سے مفہوم ہوتا ہے۔ (۳) نفس کو عقائد حقہ اور اخلاق فاضلہ سے آراستہ کرنا، جس کے لئے لفظ "ہُدًی" زیادہ مناسب ہے (۴) ظاہر و باطن کی درستی کے بعد انوار رحمت الٰہیہ کا نفس پر فائض ہونا جو لفظ "رحمت" کا مدلول ہے۔ امام فخرالدین رازی رحمہ اللہ نے جو تقریر کی ہے اُس میں ان چار لفظوں سے شریعت، طریقت، حقیقت، اور نبوت وخلافت کی طرف علی الترتیب اشارہ کیا ہے۔ یہاں اُس کی تفصیل کا موقع نہیں۔ اور نہ اس قسم کے مضامین خالص تفسیر کی مد میں آسکتے ہیں۔

(۸۵) **اللہ تعالیٰ کی نعمت پر خوش ہونا** "فرح" (خوش ہونا) محمود بھی ہے اور مذموم بھی۔ کسی نعمت پر اس حیثیت سے خوش ہونا کہ اللہ کے فضل و رحمت سے ملی ہے، محمود ہے۔ جیسے یہاں فرمایا "فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا" اور محطام دنیا پر خوش ہونا اور اکڑنا خصوصًا یہ خیال کر کے کہ ہم کو اپنی لیاقت سے حاصل ہوئی ہے، سخت مذموم ہے۔ قارون اپنے مال و دولت کی نسبت کہتا تھا "اِنَّمَآ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰی عِلْمٍ عِنْدِیْ" اُس کو فرمایا "لَا تَفْرَحْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِيْنَ وَابْتَغِ فِيْمَآ اٰتٰىكَ اللّٰهُ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ وَلَا تَنْسَ نَصِيْبَكَ مِنَ الدُّنْيَا الخ"

(۸۶) یعنی اصلی چیز خدا کا فضل و رحمت ہے۔ انسان کو اسی کی تلاش کرنی چاہئے۔ مال و دولت، جاہ و حشم، سب اس کے مقابلہ میں ہیچ ہیں۔

(۸۷) **حلت و حرمت صرف اللہ کا کام ہے** یعنی قرآن جو نصیحت، شفاء اور ہدایت و رحمت بن کر آیا ہے وہ ہی استناد اور تمسک کرنے کے لائق ہے۔ احکام الٰہیہ کی معرفت اور حلال و حرام کی تمیز اُسی سے ہو سکتی ہے۔ یہ کیا واہیات ہے کہ خدا نے تو تمہارے انتفاع کے لئے ہر قسم کی روزی پیدا کی۔ پھر تم نے محض اپنی آراء و ہواء سے اُس میں سے کسی چیز کو حلال، کسی کو حرام ٹھہرا لیا۔ بھلا تحلیل و تحریم کا تم کو کیا حق ہے۔ کیا تم یہ کہنے کی جرأت کر سکتے ہو کہ خدا تعالیٰ نے ایسا حکم دیا، یا یوں ہی خدا پر افتراء کر رہے ہو۔ اگلی آیت میں صاف اشارہ کر دیا کہ بجز افتراء علی اللہ کے اور کچھ نہیں۔ (تنبیہ) جن چیزوں کو حلال و حرام کیا تھا، اُن کا مفصل تذکرہ سورۂ "مائدہ" اور "انعام" میں گذر چکا۔

(۸۸) یعنی یہ لوگ روز قیامت کے متعلق کیا خیال کر رہے ہیں کہ کیا معاملہ ان کے ساتھ ہوگا۔ سخت پکڑے جائیں گے، یا سستے چھوٹ جائیں گے۔ عذاب بھگتنا پڑے گا یا نہیں۔ کن خیالات میں پڑے ہیں۔ یاد رکھیں جو دردناک سزا ملنے والی ہے وہ ٹل نہیں سکتی۔

(۸۹) یعنی خدا اپنے فضل سے دنیا میں بہت کچھ مہلت دیتا ہے۔ بہت سی تقصیرات سے درگذر کرتا ہے۔ لیکن بہت لوگ نرمی اور اغماض کو دیکھ کر بجائے شکر گذار ہونے کے اور زیادہ دلیر اور بے خوف ہو جاتے ہیں۔ آخر سزا دینی پڑتی ہے ؎ حلم حق با تو مواسا ہا کند ٭ چونکہ از حد بگذری رسوا کند

وَمَا تَكُوْنُ فِیْ شَاْنٍ وَّمَا تَتْلُوْا مِنْهُ مِنْ قُرْاٰنٍ وَّلَا تَعْمَلُوْنَ مِنْ عَمَلٍ اِلَّا كُنَّا عَلَيْكُمْ شُهُوْدًا

اور نہیں ہوتا تو کسی حال میں اور نہ پڑھتا ہے اُس میں سے کچھ قرآن اور نہیں کرتے ہو تم لوگ کچھ کام کہ ہم نہیں ہوتے حاضر تمہارے پاس

اِذْ تُفِيْضُوْنَ فِيْهِ ؕ وَمَا يَعْزُبُ عَنْ رَّبِّكَ مِنْ مِّثْقَالِ ذَرَّةٍ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِی السَّمَآءِ وَلَآ

جب تم مصروف ہوتے ہو اُس میں اور غائب نہیں رہتا تیرے رب سے ایک ذرہ بھر زمین میں اور نہ آسمان میں اور نہ

اَصْغَرَ مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْبَرَ اِلَّا فِیْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ﴿۶۱﴾ اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۶۲﴾

چھوٹا اُس سے اور نہ بڑا جو نہیں ہے کھلی ہوئی کتاب میں ف۹۰ یاد رکھو جو لوگ اللہ کے دوست ہیں نہ ڈر ہے اُن پر اور نہ وہ غمگین ہونگے ف۹۱

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ﴿۶۳﴾ ؕ

جو لوگ کہ ایمان لائے اور ڈرتے رہے ف۹۲

(۹۰) **اللہ کو ہر ذرّہ کا علم ہے** پہلے قرآن کریم کے اوصاف بیان کئے تھے کہ وہ سراپا نور ہدایت، شفائے قلوب، نعمت عظمیٰ اور رحمت کبریٰ ہے۔ پھر اشارہ کیا کہ ہدایت و بصیرت کی ایسی صاف روشنی کو چھوڑ کر لوگ اپنے اوہام و خیالات کے اندھیرے میں بھٹکتے پھرتے ہیں اور خدا پر افترا کر کے اُس کے فضل و انعام کی ناقدری کرتے ہیں۔ اس آیت میں متنبہ کیا کہ لوگ کس حال میں ہیں۔ اور پیغمبر علیہ السلام کی کیا شان ہے۔ آپ شب و روز مالک حقیقی کی وفاداری، اور ہمدردی خلائق کی جن شئون عظیمہ کے مظہر بنتے ہیں، خصوصاً آپ کی جو امتیازی شان قرآن کریم پڑھنے پڑھانے کے وقت ظاہر ہوتی ہے یعنی قرآن کے ذریعہ سے جو جہاد آپ کر رہے ہیں وہ سب خدا کے حضور میں ہے اور لوگ جو کچھ اچھا یا برا معاملہ کرتے ہیں، وہ سب بھی خدا کی نظر کے سامنے ہے۔ جس وقت مخلوق کوئی کام شروع کرتی اور اُس میں مشغول و منہمک ہو جاتی ہے۔ خواہ اُسے خدا کا تصور نہ آئے، لیکن خدا اس کو برابر دیکھ رہا ہے۔ فَاِنْ لَّمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَاِنَّهٗ يَرَاكَ زمین و آسمان میں کہیں ایک ذرہ برابر یا اُس سے چھوٹی بڑی چیز نہیں، جو خدا تعالیٰ کے علم محیط سے غائب ہو۔ بلکہ علم الٰہی سے نیچے اُتر کر تمام "ماکان ومایکون" کا حال "کتاب مبین" (لوح محفوظ) میں مثبت ہے۔ جسے دفتر تدبیر یا صحیفۂ علم الٰہی کہنا چاہئے۔ جب حق تعالیٰ پر کوئی ادنیٰ سے ادنیٰ چیز پوشیدہ نہیں تو ان مکذبین و معاندین کے معاملات و احوال کیسے مخفی رہ سکتے ہیں، پھر روز جزا کی کارروائی کے متعلق یہ کیا خیال کر رہے ہیں۔ وہ خوب سمجھ لیں کہ اُن کی ہر چھوٹی بڑی حرکت خدا کے سامنے ہے وہاں کوئی خیانت اور چوری نہیں چل سکیگی ہر عمل کی سزا مل کر رہیگی اور جس طرح دشمنوں کے معاملات اُس کے سامنے ہیں، اُن کے بالمقابل دوستوں کا ذرّہ ذرّہ حال بھی اُس کے علم میں ہے اگلی آیات میں اُن کو بشارت سنائی گئی:

(۹۱) **اولیاء اللہ کی خوف و حزن سے حفاظت** ابن کثیر نے روایات حدیثیہ کی بناء پر اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ "اولیاء اللہ" (خدا کے دوستوں) کو آخرت میں اہوال محشر کا کوئی خوف نہیں ہوگا اور نہ دنیا کے چھوٹ جانے پر غمگین ہونگے۔ بعض مفسرین نے آیت کو کچھ عام رکھا ہے یعنی اُن پر اندیشہ ناک حوادث کا وقوع نہ دنیا میں ہوگا نہ آخرت میں۔ اور نہ کسی مطلوب کے فوت ہونے پر وہ مغموم ہوتے ہیں۔ گویا خوف حق یا غم سے غم آخرت کی نفی مراد نہیں، بلکہ دنیا میں دنیوی خوف و غم کی نفی مراد ہے جس کا احتمال مخالفت اعداء وغیرہ سے ہو سکتا ہے، وہ مؤمنین کاملین کو نہیں ستاتا۔ ہر وقت اُن کا اعتماد اللہ پر ہوتا ہے اور تمام واقعات تکوینیہ کے خالی از حکمت نہ ہونے کا اعتقاد رکھتے ہیں۔ اس اعتماد و اعتقاد کے استحضار سے انہیں خوف و غم نہیں ستاتا۔ میرے نزدیک "لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ" کا مطلب یہ لیا جائے کہ "اولیاء اللہ" پر کوئی خوفناک چیز (ہلاکت یا معتدبہ نقصان) دنیا و آخرت میں واقع ہونے والی نہیں۔ اگر فرض کیجئے دنیا میں صورۃً کوئی نقصان پیش بھی آئے تو چونکہ نتیجۃً وہ اُن کے حق میں نفع عظیم کا ذریعہ بنتا ہے اس لئے اُس کو معتدبہ نقصان نہیں کہا جا سکتا۔ رہا کسی سبب دنیوی یا اُخروی کی وجہ سے اُن کو کسی وقت خوف لاحق ہونا، وہ آیت کی اس تقریر کے منافی نہ ہوگا کیونکہ آیت نے صرف یہ خبر دی ہے کہ اُن پر کوئی خوفناک چیز نہ پڑیگی، یہ نہیں کہا کہ انہیں کسی وقت خوف لاحق نہ ہوگا۔ شاید لَا يَحْزَنُوْنَ کے مناسب لَا يَخَافُوْنَ نہ فرمانے اور لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ کی تعبیر اختیار کرنے میں یہی نکتہ ہو۔ باقی لَا يَحْزَنُوْنَ کا تعلق میرے خیال میں مستقبل سے ہے۔ یعنی موت کے وقت اور موت کے بعد غمگین نہ ہونگے۔ جیسا کہ فرمایا۔ تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا (حٰمٓ السجدہ ۷۔ رکوع ۴) اور فرمایا لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْاَكْبَرُ وَتَتَلَقّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ (الانبیاء۔ رکوع ۷) واللہ تعالیٰ اعلم بمرادہ۔

(۹۲) **اولیاء کی تعریف** یہ "اولیاء اللہ" کی تعریف فرمائی یعنی مومن متقی خدا کا ولی ہوتا ہے۔ پہلے کئی مواقع میں معلوم ہو چکا ہے کہ ایمان و تقویٰ کے بہت سے مدارج ہیں۔ پس جس درجہ کا ایمان و تقویٰ کسی میں موجود ہوگا اُسی درجہ میں ولایت کا ایک حصہ اُس کے لئے ثابت ہوگا۔ پھر جس طرح مثلاً دس بیس روپیہ بھی مال ہے اور پچاس سو، ہزار دو ہزار، لاکھ دو لاکھ روپیہ بھی۔ لیکن عرف عام میں دس بیس روپیہ کے مالک کو "مالدار" نہیں کہا جاتا، جب تک معتدبہ مقدار مال و دولت کی موجود نہ ہو۔ اسی طرح سمجھ لیجئے کہ ایمان و تقویٰ کسی مرتبہ میں ہو، وہ ولایت کا شعبہ ہے اور اس

حیثیت سے سب مومنین فی الجملہ "ولی" کہلائے جا سکتے ہیں۔ لیکن عرف میں "ولی" کہا جاتا ہے جس میں ایک خاص اور ممتاز درجہ ایمان و تقویٰ کا پایا جاتا ہو، احادیث میں کچھ علامات و آثار اس ولایت کے ذکر کئے گئے ہیں۔ مثلاً اُن کو دیکھنے سے خدا یاد آنے لگے یا مخلوق خدا سے اُن کو بے لوث محبت ہو، عارفین نے اپنے اپنے مذاق کے موافق "ولی" کی تعریفیں کی ہیں جن کی تفصیل کا یہاں موقع نہیں۔

لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ۭ لَا تَبْدِيْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ

ان کے لئے ہے خوشخبری دنیا کی زندگانی میں اور آخرت میں ف۹۳ بدلتی نہیں اللہ کی باتیں ف۹۴ یہی ہے بڑی

الْعَظِيْمُ ﴿٦٤﴾ وَلَا يَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ ۘ اِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ۭ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿٦٥﴾ اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ

کامیابی اور رنج مت کر اُن کی بات سے اصل میں سب زور اللہ کے لئے ہے وہی ہے سننے والا جاننے والا ف۹۵ سنتا ہے بیشک اللہ کا ہے

مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ ۭ وَمَا يَتَّبِعُ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ شُرَكَاۗءَ ۭ اِنْ

جو کوئی ہے آسمانوں میں اور جو کوئی ہے زمین میں اور یہ جو پیچھے پڑے ہیں اللہ کے سوا شریکوں کو پکارنے والے سو یہ کچھ

يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ ﴿٦٦﴾ هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ

نہیں مگر پیچھے پڑے ہیں اپنے خیال کے اور کچھ نہیں مگر اٹکلیں دوڑاتے ہیں ف۹۶ وہی ہے جس نے بنایا تمہارے واسطے رات کو کہ چین حاصل کرو اُس میں

وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ ﴿٦٧﴾ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ ۭ هُوَ

اور دن دیا دکھلانے والا بیشک اس میں نشانیاں ہیں اُن لوگوں کیلئے جو سنتے ہیں ف۹۷ کہتے ہیں ٹھہرا لیا اللہ نے بیٹا وہ پاک ہے وہ

الْغَنِيُّ ۭ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ اِنْ عِنْدَكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍۢ بِهٰذَا ۭ اَتَقُوْلُوْنَ عَلَي

بے نیاز ہے اُسی کا ہے جو کچھ ہے آسمانوں میں اور جو کچھ ہے زمین میں نہیں تمہارے پاس کوئی سند اُس کی کیوں جھوٹ کہتے ہو

اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿٦٨﴾ قُلْ اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَي اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ ﴿٦٩﴾ مَتَاعٌ فِي

اللہ پر جس بات کی تم کو خبر نہیں ف۹۸ کہہ جو لوگ باندھتے ہیں اللہ پر جھوٹ بھلائی نہیں پاتے تھوڑا سا نفع اٹھا

الدُّنْيَا ثُمَّ اِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ نُذِيْقُهُمُ الْعَذَابَ الشَّدِيْدَ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ﴿٧٠﴾

لینا دنیا میں پھر ہماری طرف ہے اُن کو لوٹنا پھر چکھائیں گے ہم اُن کو سخت عذاب بدلا اُن کے کفر کا ف۹۹

(۹۳) "اولیاء اللہ" کے لئے دنیا میں کئی طرح کی بشارتیں ہیں مثلاً حق تعالیٰ نے انبیاء کی زبانی جو لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وغیرہ کی بشارت دی ہے، یا فرشتے موت کے قریب اُن کو کہتے ہیں۔ اَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ (حٰم السجدہ، رکوع ۴) یا کثرت سے سچے اور مبارک خواب انہیں نظر آتے ہیں یا اُن کی نسبت دوسرے بندگان خدا کو دکھائی دیتے ہیں جو حدیث صحیح کے موافق نبوۃ کے چھیالیس اجزاء میں سے ایک جزء ہے۔ یا اُن کے معاملات میں خدا کی طرف سے خاص قسم کی تائید و امداد ہوتی ہے یا خواص میں اور کبھی خواص سے گذر کر عوام میں بھی اُن کو مقبولیت حاصل ہوتی ہے۔ اور لوگ اُن کی مدح و ثنا اور ذکر خیر کرتے ہیں۔ یہ سب چیزیں دنیوی بشارت کے تحت میں درجہ بدرجہ آسکتی ہیں۔ مگر اکثر روایات میں لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا کی تفسیر رویائے صالحہ سے کی گئی ہے۔ واللہ اعلم۔ رہی بشارت اُخروی وہ خود قرآن میں منصوص ہے۔ بُشْرٰىكُمُ الْيَوْمَ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ اور حدیث میں بھی یہی تفسیر منقول ہے

(۹۴) یعنی اللہ کی باتیں اور اُس کے وعدے سب پختہ اور اٹل ہیں۔ جو بشارتیں دی ہیں ضرور پہنچ کر رہیں گی۔

(۹۵) اُوپر سے اعدائے مکذبین کا ذکر چلا آتا تھا اُن کے بالمقابل دوستوں کا تذکرہ فرمایا اور اُن کو دارین میں محفوظ رہنے کی بشارت سنائی۔ اسی سلسلہ میں حضور کو تسلی دی جاتی ہے کہ آپ احمقوں اور شریروں کی باتوں سے رنجیدہ نہ ہوں، غلبہ اور زور سب خدا کے لئے ہے وہ اپنے زور تائید سے حق کو غالب و منصور اور مخالفین کو ذلیل و رسوا کر کے چھوڑیگا وہ اُن کی سب باتیں سنتا اور سب حالات جانتا ہے۔

(۹۶) یعنی کل زمین و آسمان میں خدائے واحد کی سلطنت ہے۔ سب جن و انس اور فرشتے اُسی کے مملوک و مخلوق ہیں۔ مشرکین کا غیر اللہ کو پکارنا اور انہیں خدائی کا حصہ دار بنانا، محض اٹکل کے تیر اور واہی تباہی خیالات ہیں۔ اُن کے ہاتھ میں نہ کوئی حقیقت ہے نہ حجت و برہان، خالی اوہام و ظنون کی اندھیریوں میں پڑے ٹھوکریں کھا رہے ہیں۔

(۹۷) **دن اور رات میں اللہ کی نشانیاں** دن رات اور اندھیرے اُجالے کا پیدا کرنے والا وہی ایک خدا ہے۔ اسی سے خیر و شر اور تمام متقابل اشیاء کی پیدائش کو سمجھ لو۔ اس میں "مجوس" کے شرک کا رد ہو گیا۔ اور ادھر بھی لطیف اشارہ کر دیا کہ جس طرح رات کی تاریکی کے بعد خدا روز روشن کو لاتا ہے اور دن کے اُجالے میں وہ چیزیں نظر آتی ہیں جو شب کی ظلمت میں دکھائی نہ دیتی تھیں۔ ایسے ہی مشرکین کے اوہام و ظنون کی اندھیریوں کا پردہ چاک کرنے کے لئے اُس نے قرآن کریم کا آفتاب چمکایا جو لوگوں کو وصول الی اللہ کا ٹھیک راستہ دکھانے والا ہے۔

(۹۸) **عیسائیوں کے شرک کا رد** اس میں عیسائیوں کے شرک کا رد ہے جو حضرت مسیح علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہتے تھے سمجھنے کی بات یہ ہے کہ اگر وہ واقعی طور پر "مسیح" کو خدا کا (معاذ اللہ) صلبی بیٹا سمجھتے ہیں تو اس سے بڑھ کر کیا گستاخی ہو گی۔ خداوند قدوس بالبداہت بیوی بچوں سے پاک ہے۔ اور اگر بیٹے سے مُراد متبنیٰ ہے تو خدا کو اس کی ضرورت کیا پیش آئی کہ ایک مخلوق کو متبنیٰ بنائے۔ کیا معاذ اللہ اُسے اولاد کی حسرت اور بیٹا نہ ہونے کا غم تھا؟ یا یہ فکر تھی کہ اُس کے بعد مال و دولت کا وارث اور اُس کا نام روشن کرنے والا کون ہو گا؟ یا یہ کہ بڑھاپے اور حرج مرج میں کس سے سہارا ملے گا؟ (العیاذ باللہ) وہ تو سب سے بے نیاز ہے اور سب ہر وقت اُس کے محتاج ہیں۔ اُسے بیٹے پوتے یا متبنیٰ وغیرہ کی احتیاج کہاں ہو سکتی ہے؟ سب چیزیں اُس کی مملوک و مخلوق ہیں۔ پھر مالک و مملوک اور خالق و مخلوق کے درمیان اِن نسبی رشتوں کی کہاں گنجائش ہے۔ یہ بڑی سخت بات ہے کہ خدا کی نسبت محض جہالت سے ایسی جھوٹی اور بے سند باتیں کہی جائیں۔

(۹۹) یعنی خدا پر جھوٹ باندھنے والے خواہ دنیا میں کیسی ہی طاقت رکھتے ہوں اور اپنے ساز و سامان پر مغرور ہوں لیکن اُنہیں حقیقی بھلائی اور کامیابی ہرگز نصیب نہیں ہو سکتی۔ تھوڑے دن دنیا کے مزے اُڑا لیں، انجام کار اُن کا معاملہ خدا کی طرف رجوع ہو گا۔ جہاں سے اپنے جرائم کی پاداش میں نہایت سخت عذاب کا مزہ چکھیں گے۔

وقف لازم

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ نُوْحٍ ۘ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكُمْ مَّقَامِيْ وَتَذْكِيْرِيْ بِاٰيٰتِ

اور سُنا اُن کو حال نوح کا ف۱ جب کہا اپنی قوم کو اے قوم اگر بھاری ہوا ہے تم پر میرا کھڑا ہونا اور نصیحت کرنا اللہ کی آیتوں

اللّٰهِ فَعَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ فَاَجْمِعُوْٓا اَمْرَكُمْ وَشُرَكَآءَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُنْ اَمْرُكُمْ عَلَيْكُمْ غُمَّةً ثُمَّ

سے تو میں نے اللہ پر بھروسہ کیا اب تم سب مل کر مقرر کرو اپنا کام اور جمع کرو اپنے شریکوں کو پھر نہ رہے تم کو اپنے کام میں شبہ پھر

اقْضُوْٓا اِلَيَّ وَلَا تُنْظِرُوْنِ ۝٧١ فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَمَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ ۭ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ

کر گذرو میرے ساتھ اور مجھ کو مہلت نہ دو ف۲ پھر اگر منہ پھیرو گے تو میں نے نہیں چاہی تم سے مزدوری میری مزدوری ہے اللہ پر

وَأُمِرْتُ أَنْ أَكُونَ مِنَ الْمُسْلِمِينَ ﴿٧٢﴾ فَكَذَّبُوهُ فَنَجَّيْنَاهُ وَمَن مَّعَهُ فِي الْفُلْكِ وَجَعَلْنَاهُمْ

اور مجھ کو حکم ہے کہ رہوں فرمانبردار ف ۱۰۱ پھر اُس کو جھٹلایا سو ہم نے بچالیا اُس کو اور جو اُس کے ساتھ تھے کشتی میں اور اُن کو قائم کر دیا

خَلَائِفَ وَأَغْرَقْنَا الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا ۖ فَانظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُنذَرِينَ ﴿٧٣﴾ ثُمَّ بَعَثْنَا

جگہ پر اور ڈبا دیا اُن کو جو جھٹلاتے تھے ہماری باتوں کو سو دیکھ لے کیسا ہوا انجام اُن کا جن کو ڈرایا تھا ف ۱۰۲ پھر بھیجے ہم نے

مِن بَعْدِهِ رُسُلًا إِلَىٰ قَوْمِهِمْ فَجَاءُوهُم بِالْبَيِّنَاتِ فَمَا كَانُوا لِيُؤْمِنُوا بِمَا كَذَّبُوا بِهِ مِن

نوح کے بعد کتنے پیغمبر اُن کی قوم کی طرف پھر لائے اُنکے پاس کھلی دلیلیں سو اُن سے یہ نہ ہوا کہ ایمان لے آئیں اُس بات پر جسکو جھٹلا چکے تھے پہلے

قَبْلُ ۚ كَذَٰلِكَ نَطْبَعُ عَلَىٰ قُلُوبِ الْمُعْتَدِينَ ﴿٧٤﴾ ثُمَّ بَعَثْنَا مِن بَعْدِهِم مُّوسَىٰ وَهَارُونَ

سے ف ۱۰۳ اسی طرح ہم مہر لگا دیتے ہیں دلوں پر حد سے نکل جانیوالوں کے ف ۱۰۴ پھر بھیجا ہم نے اُن کے پیچھے موسیٰ اور ہارون کو

إِلَىٰ فِرْعَوْنَ وَمَلَئِهِ بِآيَاتِنَا فَاسْتَكْبَرُوا وَكَانُوا قَوْمًا مُّجْرِمِينَ ﴿٧٥﴾ فَلَمَّا جَاءَهُمُ الْحَقُّ

فرعون اور اُس کے سرداروں کے پاس اپنی نشانیاں دیکر پھر تکبر کرنے لگے اور وہ تھے لوگ گنہ گار ف ۱۰۵ پھر جب پہنچی اُن کو سچی بات

مِنْ عِندِنَا قَالُوا إِنَّ هَٰذَا لَسِحْرٌ مُّبِينٌ ﴿٧٦﴾ قَالَ مُوسَىٰ أَتَقُولُونَ لِلْحَقِّ لَمَّا جَاءَكُمْ ۖ أَسِحْرٌ

ہمارے پاس سے کہنے لگے یہ تو جادو ہے کھلا ف ۱۰۶ کہا موسیٰ نے کیا تم یہ کہتے ہو حق بات کو جب وہ پہنچے تمہارے پاس کیا یہ

هَٰذَا وَلَا يُفْلِحُ السَّاحِرُونَ ﴿٧٧﴾

جادو ہے اور نجات نہیں پاتے جادو کرنے والے ف ۱۰۷

(۱۰۰) **واقعہ نوح سے عبرت** یعنی اہل مکہ کو نوح اور اُس کی قوم کا حال سُنا۔ تاکہ معلوم ہو کہ مکذبین و مفترین کو حقیقی کامیابی حاصل نہیں ہو سکتی۔ اُن کی اُچھل کود اور چمک دمک محض چند روزہ ہے جو انجام کار ہلاکت ابدی پر منتہی ہوتی ہے۔ اہل مکہ کو قوم نوح کا قصہ سُن کر عبرت حاصل کرنا چاہیئے کہ اگر وہ خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب و عداوت اور اپنی شرکیات سے باز نہ آئے تو اُن کا انجام بھی ویسا ہی ہو سکتا ہے جو نوح کی تکذیب کرنے والوں کا ہوا۔ نیز اس واقعہ کے بیان کرنے میں پیغمبر علیہ السلام کو تسلی دینا ہے کہ آپ ان لوگوں کی دشمنی اور شرارت سے زیادہ دلگیر نہ ہوں۔ ہر نبی کو اس قسم کے حالات کا مقابلہ کرنا پڑا ہے۔ پھر آخر میں حق ہی غالب ہو کر رہا اور حق و صداقت کے دشمن تباہ و برباد کر دیے گئے۔ عام سامعین کو ان واقعات کے ایسے مفصل بیان سے یہ سبق ملتا ہے کہ نبی عربی صلی اللہ علیہ وسلم باوجود اُمّی ہونے اور کسی مخلوق کے سامنے ایک منٹ کے لئے بھی زانوئے تلمذ تہ نہ کرنے کے پچھلی قوموں کے اس قدر صحیح اور پختہ احوال بیان فرماتے ہیں جو بظاہر بدون تعلیم اور طویل استفادہ کے ممکن نہیں، ناچار ماننا پڑیگا کہ آپ کا معلم کوئی انسان نہیں، بلکہ سب انسانوں کا پیدا کرنے والا ہے۔ یہ تو آپ کی سچائی کی ایک دلیل ہوگی۔

(۱۰۱) **حضرت نوح ؑ کا پیغمبرانہ یقین** یعنی تمہاری خوشی ناخوشی یا موافقت و مخالفت کی مجھے ذرہ برابر پروا نہیں۔ تمام پیغمبروں کی طرح میرا بھروسہ صرف خدائے واحد پر ہے۔ اگر تم میری نصیحت و فہمائش سے بُرا مانو تو مانا کرو۔ میں اپنے فرائض منصبی کے ادا کرنے میں قصور نہیں کر سکتا۔ تم بُرا مان کر مجھ سے دشمنی کرو اور نقصان پہنچانا چاہو تو یہ چیز میرے ارادوں پر قطعاً اثر ڈالنے والی نہیں۔ جو کچھ تمہارے امکان میں ہے شوق سے کر گذرو میرے خلاف مشورہ کر کے کوئی تجویز پختہ کر لو۔ اپنے رفقائے کار بلکہ فرضی معبودوں کو بھی جمع کر کے ایک غیر مشکوک اور غیر

مشتبہ رائے پر قائم ہو جاؤ۔ پھر متفقہ طاقت سے اُسے جاری کر ڈالو، ایک منٹ کی مہلت بھی مجھ کو نہ دو۔ پھر دیکھو کہ پیغمبرانہ استقامت و توکل کا پہاڑ تمام دنیا کی طاقتوں اور تدبیروں کو کچل کر کس طرح پاش پاش کر ڈالتا ہے۔

(۱۰۲) یعنی تمہارے مقابلہ میں نہ جانی و بدنی تکالیف سے گھبراتا ہوں اور نہ مالی نقصان کی کوئی فکر ہے کیونکہ میں نے خدمت تبلیغ ودعوت کا کچھ معاوضہ تم سے کبھی طلب نہیں کیا جو یہ اندیشہ ہو کہ تمہاری ناخوشی سے میری تنخواہ بند ہو جائے گی یا کم از کم تم کو یہ کہنے کا موقع ملے گا کہ میری ساری جدوجہد مال کی حرص اور روپیہ کے لالچ سے تھی میں جس کا کام کر رہا اور حکم بجالا رہا ہوں اسی کے ذمہ میری اجرت ہے جب میں اُس کا فرمانبردار ہوں اور خدمت مفوضہ بے خوف و خطر انجام دیتا ہوں تو کیسے ممکن ہے کہ وہ اپنے فضل و رحمت کے دروازے مجھ پر نہ کھولے رکھے۔

(۱۰۳) یعنی جس کے پاس چشم عبرت ہو وہ دیکھ لے کہ جھٹلانے والوں کا انجام کیا ہوا۔ اُن لوگوں کو سیکڑوں برس نوح علیہ السّلام نے نصیحت کی، نفع وضرر سے آگاہ کیا، جب کوئی بات مؤثر نہ ہوئی بلکہ اُلٹا عناد و فرار بڑھتا گیا۔ اُس وقت خدا نے سخت طوفان پانی بھیجا۔ سب مکذبین غرقاب کر دیے گئے۔ صرف نوح علیہ السلام اور چند نفوس جو اُن کے ساتھ کشتی پر سوار تھے، محفوظ رہے۔ انہی سے آگے نسل انسانی چلی۔ اور ڈوبنے والوں کی جگہ یہی آباد ہوئے۔ نوح علیہ السّلام کا کچھ قصہ سورۂ "اعراف" میں گذر چکا۔

(۱۰۴) **دُوسرے پیغمبروں کی تکذیب** یعنی نوح کے بعد ہود، صالح، لوط، ابراہیم، شعیب وغیرہ انبیاء کو اپنی اپنی قوم کی طرف کُھلے ہوئے نشانات دے کر بھیجا۔ لیکن جس جہالت اور کفر کی حالت میں وہ لوگ اپنے اپنے پیغمبر کی بعثت سے پہلے تھے اور جن چیزوں کو پیشتر سے جھٹلاتے چلے آرہے تھے، یہ توفیق نہ ہوئی کہ انبیاء کے تشریف لانے اور سمجھانے کے بعد اُن کو مان لیتے۔ بلکہ جن اصول صحیحہ کی تکذیب پہلے قوم نوح کر چکی تھی، ان سبھوں نے بھی اُن کے ماننے سے انکار کر دیا۔ اور جب پہلی مرتبہ مُنہ سے "نہ" نکل گئی، ممکن نہ تھا کہ پھر کبھی "ہاں" نکل سکے اُسی بے ایمانی اور تکذیب حق پر آخر تک اڑے رہے۔

(۱۰۵) **دلوں پر مہر لگنے کے اسباب** جو لوگ تکذیب و عداوت حق میں حد سے نکل جاتے ہیں اُن کے دلوں پر مہر لگنے کی یہی صورت ہوتی ہے کہ اوّل تکذیب کرتے ہیں، پھر اُس پر ضد اور اصرار کرتے کرتے محض دشمنی اور عناد کی روش اختیار کر لیتے ہیں۔ یہاں تک کہ دل کی کلیں بگڑ جاتی ہیں اور قبول حق کی استعداد باقی نہیں رہتی۔

(۱۰۶) یعنی جرائم پیشہ لوگ تھے، نافرمانی کی خو قبول حق کی اجازت کہاں دیتی۔ تکبر مانع ہوا کہ خدا کی نشانیوں کو دیکھ کر اُس کے سفراء کے سامنے گردن جھکائیں۔ "وَجَحَدُوا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَا أَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَعُلُوًّا" (النمل۔ رکوع ۱) یہی تکبر تھا جس نے فرعون سے یہ الفاظ کہلوائے أَلَمْ نُرَبِّكَ فِينَا وَلِيدًا وَلَبِثْتَ فِينَا مِنْ عُمُرِكَ سِنِينَ (شعراء رکوع ۲)

(۱۰۷) **حضرت موسیٰ علیہ السّلام کے واقعہ سے استدلال** یعنی "عصا" اور "ید بیضا" وغیرہ کے معجزات دیکھ کر اور موسیٰ علیہ السّلام کی نہایت پر تاثیر باتیں سُن کر کہنے لگے کہ یہ سب کھلا ہوا جادو ہے۔ کیونکہ اُن کے خیال میں تمام فوق العادت چیزوں کا آخری درجہ "جادو" ہی ہو سکتا تھا۔

(۱۰۸) یعنی حق کو جادو کہتے ہو، کیا جادو ایسا ہوتا ہے؟ اور کیا جادو کرنے والے نبوت کا دعویٰ کر کے حق و باطل کی کشمکش سے کامیاب نکل سکتے ہیں۔ سحر اور معجزہ میں تمیز نہ کر سکنا اُن کوتاہ فہموں کا کام ہے جو سونے اور پیتل میں تمیز نہ کر سکیں پیغمبر کے روشن چہرے، پاکیزہ اخلاق، نور تقویٰ، پر شوکت و عظمت احوال میں بدیہی شہادت اس کی موجود ہوتی ہے کہ جادوگری اور شعبدہ بازی سے انہیں کوئی دور کی نسبت بھی نہیں پھر پیغمبر کو "ساحر" کہنا کس درجہ بے حیائی یا دیوانگی ہے۔

قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِتَلْفِتَنَا عَمَّا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا وَتَكُوْنَ لَكُمَا الْكِبْرِيَآءُ فِى الْاَرْضِ ؕ وَمَا

بولے کیا تو آیا ہے کہ ہم کو پھیر دے اُس رستہ سے جس پر پایا ہم نے اپنے باپ دادوں کو اور تم دونوں کو سرداری مل جائے اِس ملک میں اور ہم

نَحْنُ لَكُمَا بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۷۸﴾ وَقَالَ فِرْعَوْنُ ائْتُوْنِىْ بِكُلِّ سٰحِرٍ عَلِيْمٍ ﴿۷۹﴾ فَلَمَّا جَآءَ السَّحَرَةُ

نہیں ہیں تم کو ماننے والے ف۱۰۹ اور بولا فرعون لاؤ میرے پاس جو جادوگر ہو پڑھا ہوا ف۱۱۰ پھر جب آئے جادوگر

قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰٓى اَلْقُوْا مَآ اَنْتُمْ مُّلْقُوْنَ ﴿۸۰﴾ فَلَمَّآ اَلْقَوْا قَالَ مُوْسٰى مَا جِئْتُمْ بِهِ ۙ السِّحْرُ ؕ اِنَّ

کہا اُن کو موسیٰ نے ڈالو جو تم ڈالتے ہو ف۱۱۱ پھر جب اُنہوں نے ڈالا موسیٰ بولا کہ جو تم لائے ہو سو جادو ہے ف۱۱۲ اب

اللّٰهَ سَيُبْطِلُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُصْلِحُ عَمَلَ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۸۱﴾ وَيُحِقُّ اللّٰهُ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَلَوْ كَرِهَ

اللہ اِس کو بگاڑتا ہے بیشک اللہ نہیں سنوارتا شریروں کے کام ف۱۱۳ اور اللہ سچا کرتا ہے حق بات کو اپنے حکم سے اور پڑے بُرا

الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۸۲﴾ ع فَمَآ اٰمَنَ لِمُوْسٰٓى اِلَّا ذُرِّيَّةٌ مِّنْ قَوْمِهٖ عَلٰى خَوْفٍ مِّنْ فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهِمْ ع ۸ ۱۳

مانیں گنہگار پھر کوئی ایمان نہ لایا موسیٰ پر مگر کچھ لڑکے اس کی قوم کے ف۱۱۴ ڈرتے ہوئے فرعون سے اور اُنکے سرداروں سے

اَنْ يَّفْتِنَهُمْ ؕ وَاِنَّ فِرْعَوْنَ لَعَالٍ فِى الْاَرْضِ ۚ وَاِنَّهٗ لَمِنَ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿۸۳﴾ وَقَالَ مُوْسٰى

کہ کہیں اُنکو بچلا نہ دے ف۱۱۵ اور فرعون چڑھ رہا ہے ملک میں اور اُس نے ہاتھ چھوڑ رکھا ہے ف۱۱۶ اور کہا موسیٰ نے

يٰقَوْمِ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ فَعَلَيْهِ تَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّسْلِمِيْنَ ﴿۸۴﴾

اے میری قوم اگر تم ایمان لائے ہو اللہ پر تو اُسی پر بھروسہ کرو اگر ہو تم فرماں بردار ف۱۱۷

(۱۰۹) یعنی معاذ اللہ تم دنیا کے حریص اور بدنیت ہو، ایک سیاسی تحریک کو مذہبی رنگ میں پیش کرتے ہو۔ تمہاری غرض یہ معلوم ہوتی ہے کہ مذہبی حیثیت سے ایک انقلاب عظیم برپا کر کے اس ملک میں اپنی حکومت اور سرداری جماؤ۔ اور یہاں کے قدیم سرداروں (قبطیوں) کو برطرف کردو۔ سو یاد رہے کہ یہ خواہش پوری ہونے والی نہیں۔ ہم لوگ ہرگز تمہاری بات نہ مانیں گے نہ تمہاری بزرگی کبھی تسلیم کریں گے۔

(۱۱۰) **جادو اور معجزہ کا فرق** یہ موسیٰ علیہ السلام کی تقریر کا جواب تھا۔ یعنی رہا سحر اور معجزہ کا جھگڑا، اُس کا ہم عملاً تصفیہ کیے دیتے ہیں کہ اس ملک کے بڑے بڑے ماہر جادوگر اکٹھے کیے جائیں، پھر اُن کے خوارق کے مقابل اپنے معجزات دکھلائیں۔ دنیا مشاہدہ کرے گی کہ تم پیغمبر ہو یا (معاذ اللہ) جادوگر ہو۔ اس کے لیے فرعون نے تمام ملک میں گشتی جاری کر دی اور آدمی بھیج دیئے کہ مشاق اور ماہر جادوگر جہاں کہیں ہوں فوراً حاضر کیے جائیں۔ اس کا مفصل واقعہ سورۂ "اعراف" میں گزر چکا۔ وہاں ملاحظہ کر لیا جائے۔

(۱۱۱) دوسری جگہ مذکور ہے کہ ساحرین نے موسیٰ علیہ السلام سے دریافت کیا تھا کہ اپنا کرتب دکھلانے میں تم پہل کرتے ہو یا ہم کریں اُن کے جواب میں موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ جو تم کو دکھلانا ہے دکھلاؤ کیونکہ باطل کی پوری زور آزمائی اور نمائش کے بعد حق کا آنا اور باطل کو نیچا دکھا کر ملیامیٹ کر دینا زیادہ مؤثر اور غلبہ حق کو زیادہ واضح کرنیوالا ہے۔

(۱۱۲) **ساحرین کا جادو** ساحرین نے اپنی لاٹھیاں اور رسیاں زمین پر پھینک دیں اور تخیل و نظر بندی سے دیکھنے والوں کو ایسا معلوم ہونے لگا گویا تمام میدان زندہ سانپوں سے بھرا ہوا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ "جادو" یہ ہے وہ جادو نہ تھا جسے فرعون اور اُس کے خوشامدیوں نے جادو کہا تھا۔

(۱۱۳) **حق ہمیشہ غالب ہوتا ہے** یعنی بس تم اپنی قوت صرف کر چکے، اب سنبھل جانا کہ خدا اپنی قدرت و رحمت سے یہ سب بنا بنایا کھیل بگاڑتا ہے جو میرے مقابلہ میں پھر کبھی نہیں سنور سکیگا۔ کیونکہ خدا کی عادت و حکمت کے خلاف ہے کہ مصلح و مفسد کے مقابلہ کے وقت جبکہ اُس سے مقصود خالص اتمام حجت ہو مفسدوں اور شریروں کی بات سنوار دے اور کلمۂ حق کو پست و مغلوب کر دے۔

(۱۱۴) **حضرت موسیٰؑ پر ایمان لانے والے** "بنی اسرائیل" فرعونیوں کے ہاتھوں سخت مصیبت اور ذلت اُٹھا رہے تھے اور پرانی پیشین گوئیوں کے مطابق منتظر تھے کہ فرعون کے مظالم کا خاتمہ کرنے اور اُس کی سلطنت کا تختہ اُلٹنے والا "اسرائیلی" پیغمبر مبعوث ہو۔ موسیٰ علیہ السلام ٹھیک اُسی شان سے تشریف لائے جس کا انہیں انتظار تھا۔ اِس لئے تمام "بنی اسرائیل" قدرتی طور پر موسیٰ علیہ السلام کی بعثت کو نعمتِ عظمیٰ سمجھتے تھے، وہ دل سے حضرت موسیٰ کو سچا جانتے اور اُن کی عزت کرتے تھے۔ مگر اکثر آدمی فرعون اور فرعونی سرداروں سے خوفزدہ تھے۔ اسی لئے ابتداء میں شرعی طور پر ایمان نہیں لائے وقت کے منتظر رہے کہ جس وقت حق کا غلبہ ہوگا مسلمان ہو جائیں گے۔ بنی اسرائیل کے تھوڑے سے نوجوانوں نے ہمت کر کے باوجود فرعونیوں سے خائف ہونے کے اپنے اسلام کا اظہار و اعلان کر دیا۔ چند گنے چنے قبطی بھی، جو فرعون کی قوم سے تھے، مشرف بایمان ہوئے۔ اخیر میں جب موسیٰ علیہ السلام کا اثر اور حق کا غلغلہ بڑھتا گیا تب پوری قوم بنی اسرائیل کی جو تقریباً چھ لاکھ بالغ مردوں پر مشتمل تھی مسلمان ہو گئی۔ یہاں ابتداء کا قصہ بیان ہوا ہے۔

(۱۱۵) اُن کے سرداروں سے مراد یا تو فرعون کے حکام و عمال ہیں یا بنی اسرائیل کے وہ سردار مُراد ہیں جو خوف یا طمع وغیرہ کی وجہ سے اپنے ہم قوموں کو فرعون کی مخالفت سے ڈراتے دھمکاتے تھے اور بچلا دینے کا مطلب یہ ہے کہ فرعون ایمان لانے کی خبر سُن کر سخت ایذائیں پہنچائے جن سے گھبرا کر ممکن ہے بعض ضعیف القلب راہ حق سے بچل جائیں۔

(۱۱۶) یعنی اُن کا خوف کھانا بھی کچھ بیجا نہ تھا، کیونکہ اُس وقت ملک میں فرعون کی مادی طاقت بہت بڑھ چڑھ کر تھی اور اُس کا ظلم و عدوان اور کفر و طغیان حد سے متجاوز ہو چکا تھا۔ کمزوروں کو ستانے کے لئے اُس نے بالکل ہاتھ چھوڑ رکھا تھا۔

(۱۱۷) یعنی گھبرانے اور خوف کھانے کی ضرورت نہیں۔ ایک فرماں بردار مومن کا کام اپنے مالک کی طاقت پر بھروسہ کرنا ہے جسے خدا کی لامحدود قدرت و رحمت پر یقین ہوگا، وہ یقیناً ہر معاملہ میں خدا پر اعتماد کرے گا اور اس اعتماد کا اظہار جب ہی ہو سکتا ہے کہ بندہ اپنے کو بالکلیہ خدا کے سپرد کر دے اُسی کے حکم پر چلے اور تمامی جد و جہد میں صرف اُسی پر نظر رکھے۔

فَقَالُوْا عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا ۚ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۸۵﴾ وَنَجِّنَا بِرَحْمَتِكَ

تب وہ بولے ہم نے اللہ پر بھروسہ کیا اے رب ہمارے نہ آزما ہم پر زور اس ظالم قوم کا ف ۱۱۸ اور چھڑا دے ہم کو مہربانی فرما کر

مِنَ الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۸۶﴾ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰى وَاَخِيْهِ اَنْ تَبَوَّاٰ لِقَوْمِكُمَا بِمِصْرَ بُيُوْتًا وَّاجْعَلُوْا

ان کافر لوگوں سے ف ۱۱۹ اور حکم بھیجا ہم نے موسیٰ کو اور اُس کے بھائی کو کہ مقرر کرو اپنی قوم کے واسطے مصر میں سے گھر ف ۱۲۰ اور بناؤ

بُيُوْتَكُمْ قِبْلَةً وَّاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ ۗ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۸۷﴾ وَقَالَ مُوْسٰى رَبَّنَآ اِنَّكَ اٰتَيْتَ فِرْعَوْنَ

اپنے گھر قبلہ رو اور قائم کرو نماز ف ۱۲۱ اور خوشخبری دے ایمان والوں کو ف ۱۲۲ اور کہا موسیٰ نے اے رب ہمارے تو نے دی ہے فرعون کو

وَمَلَاَهٗ زِيْنَةً وَّاَمْوَالًا فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ رَبَّنَا لِيُضِلُّوْا عَنْ سَبِيْلِكَ ۚ رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰٓى

اور اُس کے سرداروں کو رونق اور مال دنیا کی زندگی میں ف ۱۲۳ اے رب اس واسطے کہ بہکائیں تیری راہ سے ف ۱۲۴ اے رب مٹا دے اُن کے

اَمْوَالِهِمْ وَاشْدُدْ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْا حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ﴿۸۸﴾ قَالَ قَدْ اُجِيْبَتْ

مال اور سخت کردے اُن کے دل کہ نہ ایمان لائیں جب تک دیکھ لیں عذاب درد ناک ف۱۲۵ فرمایا قبول ہو چکی

دَّعْوَتُكُمَا فَاسْتَقِيْمَا وَلَا تَتَّبِعٰٓنِّ سَبِيْلَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۸۹﴾ وَجٰوَزْنَا بِبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ

دعا تمہاری ف۱۲۶ سو تم دونوں ثابت رہو اور مت چلو راہ اُن کی جو ناواقف ہیں ف۱۲۷ اور پار کر دیا ہم نے بنی اسرائیل کو

الْبَحْرَ فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ وَجُنُوْدُهٗ بَغْيًا وَّعَدْوًا ۭ حَتّٰٓى اِذَآ اَدْرَكَهُ الْغَرَقُ ۙ قَالَ اٰمَنْتُ اَنَّهٗ

دریا سے پھر پیچھا کیا اُن کا فرعون نے اور اُس کے لشکر نے شرارت سے اور تعدی سے یہاں تک کہ جب ڈوبنے لگا بولا یقین کر لیا میں نے کہ کوئی

لَآ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِيْٓ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْٓا اِسْرَآءِيْلَ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۹۰﴾ آٰلْئٰنَ وَقَدْ عَصَيْتَ

معبود نہیں مگر جس پر کہ ایمان لائے بنی اسرائیل اور میں ہوں فرمانبرداروں میں اب یہ کہتا ہے اور تو نافرمانی کرتا رہا

قَبْلُ وَكُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۹۱﴾ فَالْيَوْمَ نُنَجِّيْكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُوْنَ لِمَنْ خَلْفَكَ اٰيَةً ۭ وَ

اس سے پہلی اور رہا گمراہوں میں ف۱۲۸ سو آج بچائے دیتے ہیں ہم تیرے بدن کو تاکہ ہووے تو اپنے پچھلوں کے واسطے نشانی اور

اِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ عَنْ اٰيٰتِنَا لَغٰفِلُوْنَ ﴿۹۲﴾ ع ۹ / ۱۴

بیشک بہت لوگ ہماری قدرتوں پر توجہ نہیں کرتے ف۱۲۹

(۱۱۸) موسیٰ علیہ السلام کی نصیحت پر انہوں نے اخلاص کا اظہار کیا کہ بیشک ہمارا بھروسہ خالص خدا پر ہے اسی سے دعا کرتے ہیں کہ ہم کو ان ظالموں کا تختۂ مشق نہ بنائے اس طرح کہ یہ ہم پر اپنے زور و طاقت سے ظلم ڈھاتے رہیں۔ اور ہم ان کا کچھ نہ بگاڑ سکیں۔ ایسی صورت میں ہمارا دین بھی خطرہ میں ہے اور ان ظالموں یا دوسرے دیکھنے والوں کو یہ ڈینگ مارنے کا موقع ملیگا کہ اگر ہم حق پر نہ ہوتے تو تم پر ایسا تسلط و تفوق کیوں حاصل ہوتا اور تم اس قدر پست و ذلیل کیوں ہوتے۔ یہ خیال ان گمراہوں کو اور زیادہ گمراہ کر دے گا۔ گویا ایک حیثیت سے ہمارا وجود اُن کے لئے فتنہ بن جائیگا۔

(۱۱۹) یعنی ان کی غلامی اور محکومی سے ہم کو نجات دے اور دولت آزادی سے مالا مال فرما۔

(۱۲۰) حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "جب فرعون کی ہلاکت کا وقت قریب آیا تو حکم ہوا کہ اپنی قوم بنی اسرائیل کو ان میں شامل نہ رکھو۔ اپنا محلہ جدا بساؤ کہ آگے ان پر آفتیں آنے والی ہیں، اُس وقت تمہاری قوم ظاہری طور پر بھی آفتوں سے الگ تھلگ رہے" مفسرین نے تَبَوَّاٰ لِقَوْمِكُمَا بِمِصْرَ بُيُوْتًا سے مراد یہ لی ہے کہ اپنے مکانوں میں ٹھہرے رہو اور اُن میں سے بعض کو عبادت کے لئے مخصوص کر لو۔

(۱۲۱) **بنی اسرائیل کو نماز کا حکم** فرعون نے مسجدیں اور عبادتگاہیں خراب کر دی تھیں۔ کوئی باہر نکل کر خدا کی عبادت نہ کر سکتا تھا۔ بحالت مجبوری حکم ہوا کہ مکان میں کوئی جگہ نماز کے لئے رکھو جو قبلہ رو ہو۔ نماز ترک مت کرو کہ اُسی کی برکت سے خدا کی مدد آتی ہے وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ہجرت سے پہلے مکہ میں ایسا ہی حال مسلمانوں کا تھا۔

(۱۲۲) دنیا میں فتح و نصرت کی اور آخرت میں نجات و رضائے الٰہی کی۔

(۱۲۳) یعنی ہر قسم کا سامان رونق و آسائش کا دیا۔ مثلاً حسن صورت، سواری، عمدہ پوشاک، اثاث البیت وغیرہ اور مال و دولت کے خزانے، سونے چاندی وغیرہ کی کانیں عطا فرمائیں۔

(۱۲۴) **فرعون کے مال و حکومت کی حکمت** اگر لِیُضِلُّوْا میں لام تعلیل لیا جائے تو مطلب یہ ہے کہ تکوینی طور پر یہ سامان ان نابکاروں کو اس لئے دیا گیا کہ مغرور ہو کر خود گمراہ ہوں اور دوسروں کو گمراہ کرنے میں خرچ کریں۔ بڑی آزادی سے دل کھول کر زور لگا لیں آخر میں دیکھ لیں گے کہ وہ کچھ بھی کام نہ آیا۔ جب خالق خیر و شر کا اللہ ہے اور ظاہر ہے کہ اُس کا کوئی فعل خالی از حکمت نہیں ہوسکتا۔ لامحالہ "خلق شر" میں بھی مجموعہ عالم کے اعتبار سے کوئی حکمت ضرور ہوگی۔ وہ ہی حکمت شریروں کو اس قدر سامان دیئے جانے میں سمجھ لیجئے۔ كُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَاۤءِ وَهٰٓؤُلَاۤءِ مِنْ عَطَاۤءِ رَبِّكَ (بنی اسرائیل رکوع ۲) اِنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ لِيَزْدَادُوْٓا اِثْمًا۔ (آل عمران رکوع ۱۸) بعض مفسرین نے لِیُضِلُّوْا میں "لام عاقبۃ" لیا ہے جیسے فَالْتَقَطَهٗٓ اٰلُ فِرْعَوْنَ لِيَكُوْنَ لَهُمْ عَدُوًّا وَّحَزَنًا میں "لام عاقبۃ" اس وقت مطلب یہ ہوگا کہ یہ سامان دیا تو اس لئے تھا کہ امور خیر میں خرچ کریں اور نعمتوں کو لے کر منعم حقیقی کو پہچانیں۔ اُس کے شکر گذار بندے بنیں۔ مگر اس کے برخلاف انہوں نے اپنی بدبختی سے خدا کی نعمتوں کو لوگوں کے بہکانے اور گمراہ کرنے میں ایسا بیدریغ خرچ کیا گویا وہ اسی کام کے لئے اُن کو دی گئی تھیں، اس تفسیر پر کوئی اشکال وارد نہیں ہوتا۔

(۱۲۵) **حضرت موسیٰؑ کی بددعا** جب موسیٰ علیہ السلام مدت دراز تک ہر طرح ہدایت کرچکے اور عظیم الشان معجزات دکھلا چکے مگر معاندین کا جحود و عناد بڑھتا ہی رہا۔ حتیٰ کہ تجربہ اور طول صحبت یا وحی الٰہی سے پوری طرح ثابت ہوگیا کہ یہ لوگ کبھی ایمان لانے والے نہیں، تب اُن کی ہلاکت کی دعا فرمائی، تا اُن کی گندگی سے دنیا جلد پاک ہو اور دوسروں کے لئے اُن کی بدانجامی درس عبرت بنے۔ آپ نے بددعا کی کہ خداوندا! ان کے اموال کو تباہ اور ملیامیٹ کردے۔ اور ان کے دلوں پر سخت گرہ لگا دے جن میں کبھی ایمان و یقین نفوذ نہ کرے۔ بس اُسی وقت یقین حاصل ہو جب اپنی آنکھوں سے عذاب الیم کا مشاہدہ کرلیں یہ دُعا اُن کے حق میں ایسی سمجھو جیسے ابلیس کو "لعنۃ اللہ" یا کفار کو "خَذَلَهُمُ اللہ" کہا جاتا ہے۔ حالانکہ اُن کی ملعونیت و خذلان کا قطعی فیصلہ پیشتر سے کیا جاچکا ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے آیت کی تقریر دوسری طرز سے کی ہے، فرماتے ہیں "سچے ایمان کی اُن سے اُمید نہ تھی مگر جب کچھ آفت پڑتی تو جھوٹی زبان سے کہتے کہ اب ہم مانیں گے اس میں عذاب تھم جاتا کام فیصل نہ ہوتا۔ دعا اس واسطے مانگی کہ یہ جھوٹا ایمان نہ لائیں دل اُن کے سخت رہیں تا عذاب پڑ چکے اور کام فیصل ہو"۔

(۱۲۶) روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ دُعا کرتے تھے اور ہارون علیہ السلام "آمین" کہتے جاتے تھے۔ اس لحاظ سے "دَعْوَتُكُمَا" فرمایا۔

(۱۲۷) یعنی اپنا کام استقلال اور ثابت قدمی سے انجام دیتے رہو۔ اگر قبولِ دعاء کے آثار دیر سے ظاہر ہوں تو نادان لوگوں کی طرح شتابی مت کرو مقدر وقت پر یہ ہی ہو کر رہے گا۔ گھبرانے سے کچھ حاصل نہیں۔

(۱۲۸) **غرق کے وقت فرعون کا کلمۂ ایمان** موسیٰ علیہ السلام کئی لاکھ بنی اسرائیل کو لیکر مصر سے نکلے، فرعون کو خبر ہوئی تو ایک لشکر جرار لے کر تعاقب کیا۔ تا اُس کے پنجۂ ظلم سے چھوٹنے نہ پائیں۔ بنی اسرائیل جب بحر قلزم کے کنارے پہنچے، تو سخت پریشان ہوئے آگے سمندر اور پیچھے فرعون کا لشکر دباتا چلا آرہا تھا موسیٰ علیہ السلام نے تسلی دی اور حق تعالیٰ کے حکم سے لاٹھی دریا پر ماری۔ سمندر کا پانی اِدھر اُدھر کھڑا ہوگیا اور درمیان میں خدا نے بارہ راستے خشک بنا دیئے۔ یہ پار ہوئے، اُدھر فرعون لشکر سمیت سمندر کے کنارے پہنچ گیا۔ خشک راستے دیکھ کر سب نے اُسی میں گھوڑے ڈال دیئے۔ جب ایک ایک کرکے تمام فوج دریا کے وسط میں پہنچی، پانی کو حکم ہوا کہ مل جائے فوراً پانی کے طبقات مل گئے، سب لشکر اور سامان موجوں کی نذر ہوگیا۔ فرعون نے دیکھا کہ اب ڈوبتا ہوں اُس وقت گھبرا کر ایمان و اسلام کا لفظ زبان پر لایا کہ شاید بنی اسرائیل کا خدا "ایمان" کا لفظ سُن کر دریا کی موجوں سے باہر نکال دے۔ اُس پر خدا کی طرف سے ارشاد ہوا۔ آٰلْئٰنَ وَقَدْ عَصَيْتَ قَبْلُ الخ یعنی ساری عمر مخالف ہو کر گمراہی پھیلاتا اور شرارتیں کرتا رہا۔ اب عذاب دیکھ کر یقین لایا اس وقت کا یقین کیا معتبر ہے فَلَمْ يَكُ

يَنفَعُهُمْ إِيمَانُهُمْ لَمَّا رَأَوْا بَأْسَنَا سُنَّتَ اللَّهِ الَّتِي قَدْ خَلَتْ فِي عِبَادِهِ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْكَافِرُونَ (المؤمن رکوع ۹) (تنبیہ) قبض روح اور معائنہ عذاب کے وقت ایمان لانا "ایمان غرغرہ" یا "ایمان بأس" یا "ایمان یاس" کہلاتا ہے۔ جو "اہل السنۃ والجماعت" کے نزدیک نافع نہیں شیخ عبدالوہاب شعرانی نے "کتاب الیواقیت والجواہر" میں "فتوحات مکیہ" سے عبارت نقل کی ہے۔ جس میں ایمان فرعون کی بابت یہی تصریح ہے اور دیباچہ میں لکھا ہے کہ "فتوحات" کے نسخوں میں ملحدین وزنادقہ نے بہت سی عبارتیں موسوس کر دی ہیں میرے پاس جو نہایت مستند ومعتبر نسخہ "فتوحات" کا ہے اس میں ان عبارتوں کا پتہ نہیں واللہ اعلم۔ (فائدہ) اخیر وقت میں فرعون سے لفظ "اٰمَنْتُ" کہلا کر حضرت موسیٰ کی دعاء فَلَا يُؤْمِنُوا حَتَّىٰ يَرَوُا الْعَذَابَ الْأَلِيمَ کی مقبولیت کا خدا نے مشاہدہ کرادیا۔

(۱۲۹) فرعون کی لاش کو عبرت بنایا گیا "موضح القرآن" میں ہے کہ جیسا بے وقت ایمان لایا، بے فائدہ، ویسا ہی اللہ نے مرے پیچھے اس کا بدن دریا میں سے نکال کر ٹیلے پر ڈال دیا کہ "بنی اسرائیل" دیکھ کر شکر کریں اور پیچھے آنے والے اس کے حال سے عبرت پکڑیں۔ ورنہ اس کو بدن کے بچنے سے کیا فائدہ۔ جیسا بے فائدہ ایمان تھا ویسی ہی بے فائدہ نجات مل گئی۔ جدید تحقیقات سے ثابت ہوا ہے کہ فرعون کی لاش آج تک محفوظ چلی آتی ہے لیکن الفاظ قرآنی کی صحت اس کے ثبوت پر موقوف نہیں۔ (اتفاق) بنی اسرائیل کے نجات پانے اور فرعون کے غرق ہونے کا واقعہ "عاشوراء" کے دن ہوا۔ اور اتفاق سے آج بھی جب بندہ یہ سطریں لکھ رہا ہے "یوم عاشوراء" ۱۳۴۸ھ ہجری ہے خدا ہم کو دنیا وآخرت میں اپنے عذاب سے محفوظ رکھے اور دشمنان دین کا بیڑہ غرق کرے۔ آمین۔

وَلَقَدْ بَوَّأْنَا بَنِي إِسْرَائِيلَ مُبَوَّأَ صِدْقٍ وَرَزَقْنَاهُم مِّنَ الطَّيِّبَاتِ فَمَا اخْتَلَفُوا حَتَّىٰ

اور جگہ دی ہم نے بنی اسرائیل کو پسندیدہ جگہ اور کھانے کو دیں ستھری چیزیں ف ۱۳۰ سو ان میں پھوٹ نہیں پڑی یہاں تک

جَاءَهُمُ الْعِلْمُ ۚ إِنَّ رَبَّكَ يَقْضِي بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِيمَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ﴿٩٣﴾ فَإِن

کہ پہنچی ان کو خبر بیشک تیرا رب ان میں فیصلہ کرے گا قیامت کے دن جس بات میں کہ ان میں پھوٹ پڑی ف ۱۳۱ سو اگر

كُنتَ فِي شَكٍّ مِّمَّا أَنزَلْنَا إِلَيْكَ فَاسْأَلِ الَّذِينَ يَقْرَءُونَ الْكِتَابَ مِن قَبْلِكَ ۚ لَقَدْ جَاءَكَ

تو ہے شک میں اس چیز سے کہ اتاری ہم نے تیری طرف تو پوچھ ان سے جو پڑھتے ہیں کتاب تجھ سے پہلے بیشک آئی ہے تیرے

الْحَقُّ مِن رَّبِّكَ فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِينَ ﴿٩٤﴾ وَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِ

پاس حق بات تیرے رب سے سو تو ہرگز مت ہو شک کرنے والا اور مت ہو ان میں جنہوں نے جھٹلایا اللہ کی باتوں

اللَّهِ فَتَكُونَ مِنَ الْخَاسِرِينَ ﴿٩٥﴾ إِنَّ الَّذِينَ حَقَّتْ عَلَيْهِمْ كَلِمَتُ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿٩٦﴾

کو پھر تو بھی ہو جائے خرابی میں پڑنے والا جن پر ثابت ہو چکی بات تیرے رب کی وہ ایمان نہ لائیں گے

(۱۳۰) یعنی فرعونیوں کو ہلاک کر کے اول ملک مصر دیا۔ پھر کچھ عرصہ کے بعد عمالقہ کو نکال کر ملک شام دیا گیا۔ دونوں ملک سرسبز وشاداب ہیں جہاں ستھری اور لذیذ چیزوں کی افراط ہے۔ غرضیکہ بنی اسرائیل حلال وطیب نعمتوں سے مالا مال کر دیے گئے۔

(۱۳۱) بنی اسرائیل میں اختلاف اور فرقہ بندی یعنی مادی انعام واکرام کے ساتھ دینی وروحانی نعمت سے سرفراز فرمایا کہ تورات شریف کا علم دیا۔ جس میں دین کے اصول وفروع بیان ہوئے تھے۔ اور اگلے پچھلوں کے متعلق خبریں تھیں ان واضح حقائق سے خبردار ہونے کے بعد لائق نہ تھا کہ ایسی صاف چیزوں میں اختلاف کر کے آپس میں پھوٹ ڈالیں۔ اور فرقہ بندی کی نحوست میں گرفتار ہوں۔ مگر باوجود علم صحیح اور خبر

صادق پہنچ جانے کے طرح طرح کے اختلافات پیدا کئے اور پھوٹ ڈال کر رہے۔ بعض احکام میں اپنے پیغمبر (موسیٰ علیہ السلام) سے بھی کٹ حجتی کی جیسا کہ ذبح بقر کے واقعہ میں گذرا۔ بعد میں آنے والے پیغمبروں خصوصًا خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی بعض نے تصدیق اور اکثروں نے تکذیب کی حالانکہ اُن کے متعلق بہت سی پیشین گوئیوں پر مطلع ہو چکے تھے۔ بلکہ بعثت محمدی سے پہلے نبی آخر الزماں کی آمد کے منتظر تھے اور مشرکین سے کہتے تھے کہ ہم پیغمبر آخر الزماں کے ساتھ ہو کر تمہاری خبر لیں گے۔ نہ صرف اسی مسئلہ میں اختلاف ہوا بلکہ خود اپنے مذہب میں تحریف کر کے اصول و فروع بدل ڈالے اور رفتہ رفتہ بیسیوں فرقے پیدا ہو گئے۔ مسیح علیہ السلام سے تین سو برس بعد قسطنطین اعظم جو ایک فلسفی مزاج بادشاہ تھا، ازراہ نفاق دین نصرانیت میں داخل ہوا تو پادریوں نے اُس کی خاطر جدید قوانین وضع کئے اور نئی شریعت بنائی۔ اس نے اُن کے لئے بڑے بڑے گرجا اور معابد و مشاہد تعمیر کرائے اور اس نئے دین مسیحی کی جو اصلی مسیحیت کو بگاڑ کر تیار کیا گیا تھا خوب اشاعت ہوئی۔ بجز چند تارک الدنیا راہبوں کے جو بستیوں سے الگ جنگلوں اور پہاڑوں میں جا رہے تھے، کوئی شخص اصلی دین مسیحی پر قائم نہ رہا تھا۔ صلیب کی پرستش، مشرق کی طرف نماز پڑھنا، کلیساؤں میں مسیح و مریم وغیرہ کی تصاویر پوجنا، خنزیر وغیرہ کو حلال کرنا اور اسی طرح کی تحریفات نے حقیقی مسیحیت کو بالکل مسخ کر ڈالا۔ اور یہی مسخ شدہ مسیحیت ساری دنیا میں پھیل گئی۔ یہ زمانہ تھا۔ جب ملک شام بیت المقدس، جزیرہ اور بلاد روم پر "نصاریٰ" کا تسلط تھا۔ تاآنکہ فاروق اعظم کے عہد میں صحابہ رضی اللہ عنہم نے ان ممالک کو نصاریٰ کے قبضہ سے نکالا۔ وللہ الحمد والمنہ۔

وَلَوْ جَآءَتْهُمْ كُلُّ اٰيَةٍ حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ﴿۹۷﴾ فَلَوْلَا كَانَتْ قَرْيَةٌ اٰمَنَتْ

اگرچہ پہنچیں اُن کو ساری نشانیاں جب تک نہ دیکھ لیں عذاب درد ناک ف ۱۳۲ سو کیوں نہ ہوئی کوئی بستی کہ ایمان لاتی پھر

فَنَفَعَهَآ اِيْمَانُهَآ اِلَّا قَوْمَ يُوْنُسَ ؕ لَمَّآ اٰمَنُوْا كَشَفْنَا عَنْهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا

کام آتا اُن کو ایمان لانا مگر یونس کی قوم جب وہ ایمان لائی اُٹھا لیا ہم نے اُن پر سے ذلت کا عذاب دنیا کی زندگانی میں

وَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِيْنٍ ﴿۹۸﴾ وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِي الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيْعًا ؕ اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ

اور فائدہ پہنچایا ہم نے انکو ایک وقت تک ف ۱۳۳ اور اگر تیرا رب چاہتا بیشک ایمان لے آتے جتنے لوگ کہ زمین میں ہیں سارے تمام اب کیا تو زبردستی کریگا

النَّاسَ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿۹۹﴾ وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تُؤْمِنَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَ

لوگوں پر کہ ہو جائیں با ایمان ف ۱۳۴ اور کسی سے نہیں ہو سکتا کہ ایمان لائے مگر اللہ کے حکم سے اور

يَجْعَلُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ قُلِ انْظُرُوْا مَاذَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَ

وہ ڈالتا ہے گندگی اُن پر جو نہیں سوچتے ف ۱۳۵ تو کہہ دیکھو تو کیا کچھ ہے آسمانوں میں اور زمین میں اور

مَا تُغْنِي الْاٰيٰتُ وَالنُّذُرُ عَنْ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۰۱﴾

کچھ کام نہیں آتیں نشانیاں اور ڈرانیوالے اُن لوگوں کو جو نہیں مانتے ف ۱۳۶

(۱۳۲) **قرآن کی حقانیت** بظاہر یہ خطاب پیغمبر علیہ السلام کو ہے لیکن حقیقت میں آپ کو مخاطب بنا کر دوسروں کو سُنانا مقصود ہے۔ جو ایک اُمّی کی زبان سے ایسے عظیم الشان حقائق و واقعات سُن کر حیرت زدہ رہ جاتے تھے اور جہل و تعصب کی وجہ سے اُن کی واقفیت میں شک و تردد

کا اظہار کرنے لگتے تھے۔ ورنہ ظاہر ہے کہ آپ خود اپنی لائی ہوئی چیزوں میں کیسے شک وشبہ کر سکتے تھے اور جس کی طرف تمام دنیا کو دعوت دیتے اور پہاڑ سے زیادہ مضبوط یقین سننے والوں کے قلوب میں پیدا کر دیتے تھے، اُس کو خود اپنی زبان سے کیسے جھٹلاتے۔ چند آیات کے بعد صاف فرمادیا قُلْ یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اِنْ کُنْتُمْ فِیْ شَکٍّ مِّنْ دِیْنِیْ الخ یہ آیۃ صاف بتلا رہی کہ شک کرنے والے دوسرے لوگ تھے جن کے مقابلہ میں آپ اپنے غیر متزلزل اور اٹل عقیدہ کا اعلان کر رہے ہیں۔ بہرحال ان آیات میں پیغمبر کی زبان سے قرآن کے ہر ایک مخاطب کو متنبہ کیا کہ کفر وتکذیب کی بیماری شک سے شروع ہوتی ہے۔ اگر تم کو قرآن کے بیان کردہ واقعات میں شک وشبہ پیدا ہو تو اس کا فوراً علاج کرو۔ یعنی جو لوگ کتب سابقہ کا علم رکھتے ہیں، اُن سے تحقیق کر لو۔ آخر اُن میں کچھ آدمی سچے اور انصاف پسند بھی ہیں۔ وہ بتائیں گے کہ نبی اُمّی نے جو کچھ بیان فرمایا کہاں تک درست ہے۔ بلاشبہ جو کچھ آپ لائے وہ سچ کے سوا کچھ نہیں، وہ پروردگار کا اُتارا ہوا ہے جس میں شک وتردد کی قطعاً گنجائش نہیں۔ اگر بیہودہ شکوک کا علاج نہ کیا جائے تو چند روز میں شک ترقی کر کے امتراء (جدل) اور "امتراء" ترقی کر کے تکذیب کی حد تک جا پہنچیگا جس کا نتیجہ خسران وخرابی کے سوا کچھ نہیں۔ تکذیب کے بعد ایک اور درجہ ہے۔ جہاں پہنچ کر دل پر مہر لگ جاتی ہے تکذیب کرتے کرتے قبول حق کی استعداد بھی برباد ہو جاتی ہے۔ ایسا شخص اگر جہان کے سارے نشان دیکھ لے تب بھی ایمان نہ لائے۔ اُسے عذاب الیم دیکھ کر ہی یقین آئے گا۔ جبکہ اُس یقین سے کچھ فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔ (فائدہ) کلمۃ ربک (رب کی بات) سے مراد غالباً وہ ہے جو دوسری جگہ فرمایا۔ لَاَمْلَئَنَّ جَھَنَّمَ مِنَ الْجِنَّۃِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ" یعنی دوزخ کو جن وانس سے بھرونگا۔ جن لوگوں پر بدبختی، سوءِ استعداد اور شامت اعمال سے یہ بات علم الٰہی میں ثابت ہو چکی۔ یہاں اُن کا ذکر ہے۔

(۱۳۳) **حضرت یونس کی قوم کا ایمان لانا** یعنی جتنی بستیاں تکذیب انبیاء اور شرارتوں کی وجہ سے مستوجب عذاب ٹھہریں، اُن میں سے کسی کو ایسی طرح ایمان لانے کی نوبت نہ آئی جو عذاب الٰہی سے نجات دیتا۔ صرف یونس علیہ السلام کی قوم کی ایک مثال ہے جس نے ایمان لا کر اپنے کو آسمانی عذاب سے بال بال بچا لیا جو بالکل اُن کے سروں پر منڈلا رہا تھا۔ خدا نے ایمان کی بدولت دنیوی زندگی میں اُن پر سے آنے والی بلا ٹال دی اور جس وقت تک انہیں دنیا میں رہنا تھا یہاں کے فوائد و برکات سے متمتع کیا۔ مفسرین نے نقل کیا ہے کہ حضرت یونس علیہ السلام سرزمین "موصل" میں اہل نینویٰ کی طرف مبعوث ہوئے۔ وہاں کے لوگ بت پرست تھے۔ یونس علیہ السلام لگاتار سات سال تک پند و نصیحت کرتے رہے۔ انہوں نے ایک نہ سنی یوماً فیوماً انکار و تکذیب بڑھتا رہا۔ آخر حضرت یونس نے تنگ آ کر اُن کو آگاہ کیا کہ (باز نہ آئے تو) تین دن کے اندر عذاب آنے والا ہے۔ جب تیسری شب آئی یونس علیہ السلام آدھی رات گذرنے پر بستی سے نکل کھڑے ہوئے صبح ہوتے ہی آثار عذاب کے نظر آنے لگے۔ آسمان پر نہایت ہولناک اور سیاہ بادل چھا گیا جس سے سخت دھواں نکلتا تھا۔ وہ اُن کے مکانوں سے قریب ہوتا جاتا تھا حتیٰ کہ اُن کی چھتیں بالکل تاریک ہو گئیں۔ یہ آثار دیکھ کر جب اُنہیں ہلاکت کا یقین ہو گیا تو یونس کی تلاش ہوئی۔ وہ نہ ملے تو سب لوگ عورتوں بچوں سمیت بلکہ مواشی اور جانوروں کو بھی ساتھ لے کر جنگل میں نکل آئے اور سچے دل سے خدا کی طرف رجوع ہوئے خوف سے چیخیں مارتے تھے اور بڑے اخلاص و تضرع سے خدا کو پکار رہے تھے۔ چاروں طرف آہ و بکا کی آوازیں بلند ہو رہی تھیں اور کہتے جاتے تھے کہ "اٰمَنَّا بِمَا جَآءَ بِہٖ یونس" جو کچھ یونس علیہ السلام لائے ہم اُس پر ایمان لاتے ہیں۔ حق تعالیٰ نے اُن کے تضرع و بکا پر رحم فرمایا اور آثار عذاب جو ہویدا ہو چکے تھے اُٹھا لیے گئے۔ یہاں پہنچ کر علمائے سلف کے دو قول ہیں اکثر علماء کہتے ہیں کہ ابھی اصلی عذاب کا معائنہ اُن کو نہ ہوا تھا۔ صرف علامات و آثار نظر آئے تھے۔ ایسے وقت کا ایمان شرعاً معتبر اور نافع ہے۔ "ایمان باس" جو معتبر و مقبول نہیں اُس سے مراد یہ ہے کہ عین عذاب کو دیکھ کر اور اُس میں پھنس کر ایمان لائے جیسے فرعون نے سمندر کی موجوں میں پھنس کر اقرار کیا تھا۔ بعض علماء کے نزدیک قوم یونس کا ایمان بھی فرعون کی طرح "ایمان باس" تھا جو عام ضابطہ کے موافق نافع نہ ہونا چاہیئے تھا۔ لیکن حق تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے

خلاف قاعدہ بطور استثناء اُس قوم کا یہ ایمان معتبر رکھا۔ فرعون کے ایمان کی طرح رد نہیں فرمایا۔ پھر اختلاف ہوا ہے کہ آیا اُن کے ایمان کا معتبر ہونا صرف دنیوی زندگی تک محدود تھا کہ دنیا میں آنے والا عذاب ٹل گیا۔ یا آخرت میں بھی موجب نجات ہوگا۔ "ابن کثیر" نے دوسرے احتمال کو ترجیح دی ہے یعنی دنیا و آخرت دونوں جگہ مفید و معتبر ہوگا۔ واللہ اعلم۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے نہایت لطیف و دقیق طرز میں آیت کی تفسیر کی ہے۔ یعنی دنیا میں عذاب دیکھ کر یقین لانا کسی کو کام نہیں آیا۔ مگر قوم یونس کو اس واسطے کہ اُن پر حکم عذاب نہ پہنچا تھا۔ حضرت یونس کی شتابی سے محض صورت عذاب کی نمودار ہوئی تھی (تا اُن کی نظر میں حضرت یونس کی بات جھوٹی نہ ہو) وہ ایمان لائے پھر بچ گئے اور صورت عذاب ہٹالی گئی۔ اسی طرح مشرکین مکہ کر فتح مکہ میں فوج اسلام اُن پر آ پہنچی قتل و غارت کے لئے۔ لیکن اُن کا ایمان قبول ہو گیا اور امان ملی "حضرت یونس کے قصہ کا بقیہ سورۂ "صافات" وغیرہ میں آئے گا۔

(۱۳۴) یعنی آپ کو یہ قدرت نہیں کہ زبردستی کسی کے دل میں ایمان اُتار دیں۔ خدا چاہتا تو بیشک سب آدمیوں کے دلوں میں ایمان ڈال سکتا تھا۔ مگر جیسا کہ پہلے متعدد مواضع میں تقریر کی جا چکی ہے، ایسا کرنا اُس کی تکوینی حکمت و مصلحت کے خلاف تھا، اس لئے نہیں کیا۔

(۱۳۵) **اللہ کی توفیق کے بغیر ایمان نہیں ملتا** خدا کی مشیت و توفیق اور حکم تکوینی کے بدون کوئی ایمان نہیں لا سکتا۔ اور یہ حکم و توفیق اُن ہی کے حق میں ہوتی ہے جو خدا کے نشانات میں غور کریں۔ اور عقل و فہم سے کام لیں۔ جو لوگ سوچنے سمجھنے کی تکلیف گوارا نہیں کرتے اُنہیں خدا تعالیٰ کفر و شرک کی گندگی میں پڑا رہنے دیتا ہے۔

(۱۳۶) یعنی سوچنے اور غور کرنے والوں کے لئے آسمان و زمین میں خدا کی قدرت و حکمت اور توحید و تفرید کے کیا کچھ نشان موجود ہیں۔ بلکہ ذرّہ ذرّہ اور پتہ پتہ اُس کی توحید پر دلالت کرتا ہے۔ لیکن جو کسی بات کو ماننا اور تسلیم کرنا نہیں چاہتے اُن کے لئے یہ سب نشانات و دلائل بے کار ہیں۔ اور ڈرانے والے پیغمبروں کی تنبیہ و تخویف بھی غیر مؤثر ہے۔

فَهَلْ يَنْتَظِرُوْنَ اِلَّا مِثْلَ اَيَّامِ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ قُلْ فَانْتَظِرُوْٓا اِنِّیْ مَعَكُمْ

سو اب کچھ نہیں جس کا انتظار کریں مگر اُنہی کے سے دن جو گزر چکے ہیں ان سے پہلے تو کہہ اب راہ دیکھو میں بھی تمہارے ساتھ

ع ۱۰/۱۱ ۱۵ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ﴿۱۰۲﴾ ثُمَّ نُنَجِّیْ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كَذٰلِكَ ۚ حَقًّا عَلَيْنَا نُنْجِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۰۳﴾ ۧ قُلْ

راہ دیکھتا ہوں ۱۳۷ پھر ہم بچا لیتے ہیں اپنے رسولوں کو اور اُن کو جو ایمان لائے اسی طرح ذمہ ہے ہمارا بچا دینگے ایمان والوں کو ۱۳۸ کہہ دے

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِیْ شَكٍّ مِّنْ دِيْنِیْ فَلَآ اَعْبُدُ الَّذِيْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَ

اے لوگو اگر تم شک میں ہو میرے دین سے تو میں عبادت نہیں کرتا جن کی تم عبادت کرتے ہو اللہ کے سوا اور

لٰكِنْ اَعْبُدُ اللّٰهَ الَّذِیْ يَتَوَفّٰىكُمْ ۖۚ وَاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۰۴﴾ ۙ وَاَنْ اَقِمْ

لیکن میں عبادت کرتا ہوں اللہ کی جو کھینچ لیتا ہے تم کو اور مجھ کو حکم ہے کہ رہوں ایمان والوں میں اور یہ کہ سیدھا کر

وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا ۚ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۰۵﴾ وَلَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ

مُنہ اپنا دین پر حنیف ہو کر اور مت ہو شرک والوں میں اور مت پکار اللہ کے سوا ایسے کو کہ نہ بھلا کرے تیرا

وَلَا يَضُرُّكَ ۚ فَاِنْ فَعَلْتَ فَاِنَّكَ اِذًا مِّنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۰۶﴾

اور نہ بُرا پھر اگر تو ایسا کرے تو تو بھی اُس وقت ہو ظالموں میں ۱۳۹

(۱۳۷) ایسی ضدی اور معاند قوم کے لیے جو کسی دلیل اور نشان کو نہ مانے، اور کچھ باقی نہیں بجز اس کے کہ گذشتہ مکذبین پر جو آفات وحوادث نازل ہوئے ہیں، اُن کا یہ بھی انتظار کریں۔ سو بہتر ہے، تم اور ہم دونوں مل کر اُس وقت کا انتظار کرتے ہیں۔ تاکہ صادق و کاذب کا آخری فیصلہ سامنے آجائے۔

(۱۳۸) یعنی جیسے پہلی قوموں کے ساتھ ہماری عادت رہی ہے کہ مکذبین کو ہلاک کر کے پیغمبروں اور مومنین کو بچا لیا۔ اسی طرح موجودہ اور آئندہ مومنین کی نسبت ہمارا وعدہ ہے کہ اُن کو نجات دیں گے آخرت میں عذاب الیم سے اور دنیا میں کفار کے مظالم اور سختیوں سے ہاں شرط یہ ہے کہ مومنین مومنین ہوں۔ یعنی وہ صفات وخصال رکھتے ہوں جو قرآن وحدیث میں مومنین کی بیان ہوئی ہیں۔

(۱۳۹) **آنحضرت کی زبان سے توحید کی تعلیم وتاکید** یعنی اگر میرا طریقہ اور مسلک دینی تمہاری سمجھ میں نہیں آیا اس لیے اُس کی نسبت شکوک وشبہات میں پھنسے ہوئے ہو، تو میں تمہیں اپنے دین کا اصل اصول (جو توحید خالص ہے) سمجھائے دیتا ہوں۔ خلاصہ یہ ہے کہ میں تمہارے ان فرضی معبودوں کی عبادت سے سخت نفور اور بیزار ہوں جس کے اختیار کرنے کا امکان بھی کبھی میری طرف سے دل میں نہ لانا۔ میری عبادت خالص اُس خداوند قدوس کے لیے ہے جس کے قبضہ میں تمہاری سب کی جانیں ہیں، کہ جب تک چاہے اُنہیں جسموں میں چھوڑے رکھے اور جب چاہے ایک دم میں کھینچ لے گویا موت وحیات کا رشتہ جس کے ہاتھ میں ہے بندگی اُسی کی ہو سکتی ہے نہ صرف یہ کہ جوارح سے اُس کی بندگی کی جائے، ضروری ہے کہ دل میں اُس کی توحید وتفرید پر پورا یقین وایمان ہو اور ظاہر وباطن میں اسی دین حنیف پر جو ابراہیم خلیل اللہ کا دین ہے پوری ہمت اور توجہ سے مستقیم رہ کر شرک جلی وخفی کا تسمہ نہ لگا رہنے دیا جائے۔ جس طرح... عبادت صرف اُسی کی کریں۔ استعانت کے لیے بھی اُسی کو پکاریں، کیونکہ ہر قسم کا نفع نقصان اور بھلائی بُرائی تنہا اُسی کے قبضہ میں ہے مشرکین کی طرح ایسی چیزوں کو مدد کے لیے پکارنا جو کسی نفع نقصان کے مالک نہ ہوں سخت بے موقع بات بلکہ ظلم عظیم (یعنی شرک) کا ایک شعبہ ہے۔ اگر بفرض محال نبی سے ایسی حرکت صادر ہو تو اُن کی عظیم الشان شخصیت کو لحاظ کرتے ہوئے ظلم اعظم ہو گا۔

وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗٓ اِلَّا هُوَ ۚ وَاِنْ يُّرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ ۭ يُصِيْبُ بِهٖ

اور اگر پہنچا دیوے تجھ کو اللہ کچھ تکلیف تو کوئی نہیں اُس کو ہٹانیوالا اُس کے سوا اور اگر پہنچانا چاہے تجھ کو کچھ بھلائی تو کوئی پھیرنیوالا نہیں اُسکے فضل کو پہنچائے اپنا فضل

مَنْ يَّشَاۗءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۭ وَهُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝١٠٧ قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاۗءَكُمُ الْحَقُّ مِنْ

جس پر چاہے اپنے بندوں میں اور وہی ہے بخشنے والا مہربان ف۱۴۰ کہہ دے اے لوگو پہنچ چکا حق تم کو تمہارے

رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۭ وَ

رب سے اب جو کوئی راہ پر آئے سو وہ راہ پاتا ہے اپنے بھلے کو اور جو کوئی بہکا پھرے سو بہکا پھریگا اپنے بُرے کو اور

مَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ ۝١٠٨ وَاتَّبِعْ مَا يُوْحٰٓى اِلَيْكَ وَاصْبِرْ حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ ۚ وَهُوَ

میں تم پر نہیں ہوں مختار ف۱۴۱ اور تو چل اسی پر جو حکم پہنچے تیری طرف اور صبر کر جب تک فیصلہ کرے اللہ اور وہ ہے

ع ۱۱ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ۝١٠٩

سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ف۱۴۲

(۱۴۰) جب اُن چیزوں کے پکارنے سے منع کیا جن کے قبضہ میں تمہارا بھلا بُرا کچھ نہیں تو مناسب ہوا کہ اس کے بالمقابل مالک علی الاطلاق کا

ذکر کیا جائے جو تکلیف وراحت اور بھلائی بُرائی کے پورے سلسلہ پر کامل اختیار اور قبضہ رکھتا ہے جس کی بھیجی ہوئی تکلیف کو دنیا میں کوئی نہیں ہٹا سکتا۔ اور جس پر فضل ورحمت فرمانا چاہے، کسی کی طاقت نہیں کہ اُسے محروم کر سکے۔

(۱۴۱) یعنی حق واضح طور پر دلائل و براہین کے ساتھ پہنچ چکا، جس کے قبول نہ کرنے کا کوئی معقول عذر کسی کے پاس نہیں خدا کی آخری حجت بندوں پر تمام ہو گئی۔ اب ہر ایک اپنا نفع نقصان سوچ لے۔ جو خدا کی بتلائی ہوئی راہ پر چلے گا دنیا و آخرت میں کامیاب ہوگا۔ جو اُسے چھوڑ کر اِدھر اُدھر بھٹکتا پھرے گا خود پریشان اور ذلیل وخوار رہیگا۔ اپنے بھلے بُرے کو خوب سمجھ کر ہر شخص اپنے مستقبل کا انتظام کرلے اور جو راستہ پسند ہو اختیار کرے۔ پیغمبر کوئی مختار بنا کر نہیں بھیجے گئے جو تمہارے افعال کے ذمہ دار اور جواب دہ ہوں، اُن کا کام صرف آگاہ کر دینے کا ہے۔ اُس پر چلنا، چلنے والے کے اختیار میں ہے۔

(۱۴۲) **آنحضرت ﷺ کو تسلی** اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی گئی ہے کہ اگر یہ لوگ حق کو قبول نہ کریں تو اپنے کو ان کے غم میں نہ گھلائیں۔ آپ خدا تعالیٰ کے احکام کی پیروی کرتے رہئے اور تبلیغ وغیرہ کے کام میں لگے رہئے۔ اور جو شدائد اس راستہ میں پہنچیں اُن پر صبر کیجئے مخالفین کی ایذاء رسانیوں کا تحمل کرتے رہنا چاہئے۔ یہاں تک کہ خدا آپ کے اور اُن کے درمیان بہترین فیصلہ کر دے یعنی حسب وعدہ آپ کو منصور وغالب کرے یا جہاد کا حکم بھیجدے۔ تم سورۃ یونس علیہ السلام بمنہ تعالیٰ وفضلہ۔ فللہ الحمد علیٰ ذلک۔

سُوْرَةُ هُوْدٍ

اٰيَاتُهَا ۱۲۳ — رُكُوْعَاتُهَا ۱۰	بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ	سُوْرَةُ هُوْدٍ ۱۱ مَكِّيَّةٌ
ایک سو تیئیس آیتیں اور دس رکوع ہیں	شروع اللہ کے نام سے جو بیحد مہربان نہایت رحم والا ہے	سورہ ہود مکہ میں نازل ہوئی اور اس کی

الٓرٰ ۚ كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ خَبِيْرٍ ﴿۱﴾ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ؕ اِنَّنِيْ لَكُمْ

یہ کتاب ہے کہ جانچ لیا ہے اسکی باتوں کو پھر کھولی گئی ہیں ایک حکمت والے خبردار کے پاس سے ف۱ کہ عبادت نہ کرو مگر اللہ کی ف۲ میں تم کو

مِّنْهُ نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ ﴿۲﴾ وَّاَنِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ يُمَتِّعْكُمْ مَّتَاعًا حَسَنًا اِلٰٓى اَجَلٍ

اسی کی طرف سے ڈر اور خوشخبری سناتا ہوں ف۳ اور یہ کہ گناہ بخشواؤ اپنے رب سے پھر رجوع کرو اُس کی طرف کہ فائدہ پہنچائے تم کو اچھا فائدہ ایک وقت مقرر

مُّسَمًّى وَّيُؤْتِ كُلَّ ذِيْ فَضْلٍ فَضْلَهٗ ؕ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ كَبِيْرٍ ﴿۳﴾

تک ف۴ اور دیوے ہر زیادتی والے کو زیادتی اپنی ف۵ اور اگر تم پھر جاؤ گے تو میں ڈرتا ہوں تم پر ایک بڑے دن کے عذاب سے ف۶

اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۴﴾ اَلَآ اِنَّهُمْ يَثْنُوْنَ صُدُوْرَهُمْ لِيَسْتَخْفُوْا

اللہ کی طرف ہے تم کو لوٹ کر جانا اور وہ ہر چیز پر قادر ہے سنتا ہے وہ دوہرے کرتے ہیں اپنے سینے تاکہ چھپائیں

مِنْهُ ؕ اَلَا حِيْنَ يَسْتَغْشُوْنَ ثِيَابَهُمْ ۙ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ۚ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۵﴾

اُس سے سنتا ہے جس وقت اوڑھتے ہیں اپنے کپڑے جانتا ہے جو کچھ چھپاتے ہیں اور جو ظاہر کرتے ہیں وہ تو جاننے والا ہے دلوں کی بات ف۷

(۱) **قرآن کی عظمت و شرف** یعنی یہ قرآن کریم وہ عظیم الشان اور جلیل القدر کتاب ہے، جس کی آیتیں لفظی و معنوی ہر حیثیت سے نہایت جچی تلی باون تولہ پاؤ رتی ہیں۔ نہ اُن میں تناقض ہے نہ کوئی مضمون حکمت یا واقع کے خلاف ہے نہ باعتبار معجزانہ فصاحت و بلاغت کے ایک حرف پر نکتہ چینی ہو سکتی ہے۔ جس مضمون کو جس عبارت میں ادا کیا ہے محال ہے کہ اُس سے بہتر تعبیر ہو سکے۔ الفاظ کی قبا معانی کی قامت پر ذرا بھی نہ ڈھیلی ہے نہ تنگ۔ جن اصول و فروع، اخلاق و اعمال اور قیمتی پند و نصیحت پر یہ آیات مشتمل ہیں اور جو دلائل و براہین اثبات دعاوی کے لئے استعمال کی گئی ہیں۔ وہ سب علم و حکمت کے کانٹے میں تلی ہوئی ہیں۔ قرآنی حقائق و دلائل ایسی مضبوط و محکم ہیں کہ زمانہ کتنی ہی پلٹیاں کھائے اُن کے بدلنے یا غلط ہونے کا کوئی امکان نہیں۔ عالم کے مزاج کی پوری تشخیص کر کے اور قیامت تک پیش آنے والے تغیرات و حوادث کو من کل الوجوہ جانچ تول کر ایسی معتدل اور ابدی غذائے روح، مائدہ قرآنی کے ذریعہ سے پیش کی گئی ہے جو تناول کرنے والوں کے لئے ہر وقت اور ہر حالت میں مناسب و ملائم ہو۔ ان تمام حکیمانہ خوبیوں کے باوجود یہ نہیں کہ اجمال و ابہام کی وجہ سے کتاب معمہ اور چیستان بن کر رہ جاتی بلکہ معاش و معاد کی تمام مہمات کو خوب کھول کر سمجھایا ہے اور موقع بموقع دلائل توحید، احکام، مواعظ، قصص، ہر چیز بڑی خوبصورتی اور قرینہ سے الگ الگ رکھی ہے۔ اور تمام ضروریات کا کافی تفصیل سے بیان ہوا ہے۔ نزولی حیثیت میں بھی یہ حکمت مرعی رہی ہے کہ پورا قرآن ایک دم نہیں اُتارا۔ بلکہ وقتاً فوقتاً موقع و مصلحت کے لحاظ سے علیحدہ علیحدہ آیات کا نزول ہوتا رہا۔ قرآن میں ان تمام باریکیوں کو مجتمع دیکھ کر آدمی حیران ہو جاتا ہے مگر حیرت کی کوئی وجہ

نہیں۔ اگر حکیم مطلق اور خبیر برحق کے کلام میں سب حکمتیں اور خوبیاں جمع نہ ہونگی تو اور کس کلام میں توقع کی جا سکتی ہے۔

(۲) یعنی اس محکم و مفصل کتاب کے نازل کرنے کا بڑا مقصد یہ ہے کہ دنیا کو صرف خدائے واحد کی عبادت کی طرف دعوت دی جائے۔ اور اُس کے طریقے سکھائے جائیں۔ اسی عظیم و جلیل مقصد کے لئے پہلے انبیاء تشریف لائے تھے۔ "وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ" (الانبیاء رکوع ۲) "وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ" (النحل رکوع ۵)

(۳) یعنی جو کتاب کو مانے اور شرک چھوڑ کر خدائے واحد کی عبادت کرے اُسے فلاح دارین کی خوشخبری سُناتے ہیں۔ جو نہ مانے اور کفر و شرک اختیار کرے اس کو عذاب الٰہی سے ڈراتے ہیں۔

(۴) **رجوع الی اللہ کے فوائد** جو پچھلی تقصیرات معاف کرائے اور آئندہ کے لئے خدا کی طرف دل سے رجوع ہو، تو دنیا کی زندگی اچھی طرح گذرے کیونکہ مومن قانت خواہ کسی حال میں ہو۔ مگر خدا کے فضل و کرم کی بڑی بڑی اُمیدیں رکھتا ہے وہ حق تعالیٰ کی رضا جوئی اور مستقبل کی عظیم الشان خوشحالی کے تصور میں اس قدر مگن رہتا ہے کہ یہاں کی بڑی بڑی سختیوں کو خاطر میں نہیں لاتا وہ جب خیال کرتا ہے کہ میں اپنی زندگی کے فرائض صحیح طور پر انجام دے رہا ہوں جس کا صلہ مجھ کو ضرور ایک دن عرش والی سرکار سے ملنے والا ہے تو اپنی کامیابی اور حق تعالیٰ کے وعدوں پر اعتماد کر کے اس کا دل جوش مسرت سے اُچھلنے لگتا ہے۔ اُسے دنیا کی تھوڑی سے پونجی میں وہ سکون قلبی اور راحت باطنی نصیب ہوتی ہے جو بادشاہوں کو بیشمار سامانوں اور اموال و خزائن سے حاصل نہیں ہو سکتی بلکہ بعض اوقات یہاں کی چند روزہ تکلیفوں اور سختیوں میں وہ لذت پاتے ہیں جو اغنیاء و ملوک اپنے عیش و تنعم میں محسوس نہیں کرتے۔ ایک محب وطن سیاسی قیدی کو اگر فرض کیجئے یقین ہو جائے کہ میری اسیری سے ملک اجنبیوں کی غلامی سے آزاد ہو جائیگا اور مجھے قید سے نکلتے ہی ملک کی جمہوریہ کا صدر بنا دیا جائیگا۔ تو کیا اُسے جیل خانہ کی بند کوٹھری میں سرور و اطمینان کی کیفیت اُس بادشاہ سے زیادہ حاصل نہ ہوگی؟ جس کے لئے ہر قسم کے سامان عیش و طرب فراہم ہیں مگر اندیشہ لگا ہوا ہے کہ وہ ایک ہفتہ کے اندر نہایت ذلت کے ساتھ تخت شاہی سے اُتار اجانے والا ہے۔ اسی پر دنیا کے جیل خانہ میں ایک مومن قانت کی زندگی کو قیاس کر لو۔

(۵) جو جس قدر زیادہ بڑھ کر عمل کریگا اُسی قدر خدا کے فضل سے زیادہ حصہ پائیگا۔ آخرت میں اجر و ثواب اور دنیا میں مزید طمانیت حاصل ہوگی

(۶) یعنی میری بات نہ مانو گے تو قیامت کا عذاب یقینی ہے، باقی یہ فرمانا کہ "میں ڈرتا ہوں" اس سے مقصود حضور کی عام شفقت و ہمدردی سے خلائق کا اظہار کرنا ہے۔

(۷) سزا دینے کے لئے ضروری ہے کہ مجرم حاضر ہو، حاکم سزا دینے کی پوری قدرت اور کامل اختیار رکھتا ہو۔ مجرمین کی کل کارروائیاں اُس کے علم میں ہوں "اِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ" میں بتلا دیا کہ مجرم و غیر مجرم سب کو خدا کے یہاں حاضر ہونا ہے "وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ" میں قدرت و اختیار کا عموم بیان فرمایا اور "اَلَآ اِنَّهُمْ يَثْنُوْنَ صُدُوْرَهُمْ" سے "بِذَاتِ الصُّدُوْرِ" تک اُس کے علم محیط کی وسعت کو ظاہر کیا کہ خدا ہر کھلی چھپی چیز کو یکساں جانتا ہے حتیٰ کہ دلوں کی تہہ میں جو خیالات، ارادے اور نیتیں پوشیدہ ہوتی ہیں اُن پر بھی مطلع ہے پھر کوئی مجرم اپنے جرم کو کسطرح اس سے مخفی رکھکر نجات پا سکتا ہے

صحابہ کرام کا ایمان کامل اور حیاء (تنبیہ) ان آیات کی شان نزول میں مفسرین کا اختلاف ہے۔ صحیح ترین روایت ابن عباس کی بخاری میں ہے کہ بعض مسلمانوں پر حیا کا اس قدر حد سے زیادہ غلبہ ہوا کہ استنجا یا جماع وغیرہ ضروریات بشری کے وقت کسی حصہ بدن کو برہنہ کرنے سے شرماتے تھے کہ آسمان والا ہم کو دیکھتا ہے۔ برہنہ ہونا پڑتا تو غلبہ حیا سے جھکے جاتے اور شرمگاہ کو چھپانے کیلئے سینہ کو دوہرا کئے لیتے تھے۔ اس طرح کے آثار کبھی کبھی غایت تادب مع اللہ اور غلبہ حیا سے ناشی ہو سکتے ہیں۔ اور ایسے لوگ "صوفیہ" کی اصطلاح میں "مغلوب الحال" کہلاتے ہیں چونکہ صحابہؓ کا کسی مسئلہ میں ایسا غلو اور تعمق آئندہ اُمت کو ضیق میں مبتلا کر سکتا تھا اس لئے قرآن نے "اَلَا حِيْنَ يَسْتَغْشُوْنَ ثِيَابَهُمْ الخ" سے اُنکی اصلاح فرما دی۔ یعنی اگر بوقت ضرورت بدن کھولنے میں خدا سے حیا آتی ہے اس لئے جھکے جاتے ہو تو غور کرو کہ کپڑے پہننے کی حالت میں تمہارا ظاہر و باطن کیا خدا کے سامنے نہیں ہے جب انسان اُس سے کسی وقت نہیں چھپ سکتا پھر ضرورت بشریہ کے متعلق اسقدر غلو سے کام لینا ٹھیک نہیں۔ واضح ہو کہ ربط آیات کیلئے اس بات کی ضرورت ہے

کہ ایک آیت کا مضمون دوسری آیت کے مضمون سے مناسبت رکھتا ہو، سببِ نزول سے مناسبت رکھنا ضروری نہیں۔

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا ۭ كُلٌّ فِيْ

اور کوئی نہیں چلنے والا زمین پر مگر اللہ پر ہے اُس کی روزی ف۸ اور جانتا ہے جہاں وہ ٹھہرتا ہے اور جہاں سونپا جاتا ہے ف۹ سب کچھ موجود ہے

كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ۝ وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ وَّكَانَ عَرْشُهٗ عَلَي الْمَاۗءِ

کھلی کتاب میں ف۱۰ اور وہی ہے جس نے بنائے آسمان اور زمین چھ دن میں ف۱۱ اور تھا اُس کا تخت پانی پر ف۱۲

لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ۭ وَلَىِٕنْ قُلْتَ اِنَّكُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ مِنْۢ بَعْدِ الْمَوْتِ لَيَقُوْلَنَّ الَّذِيْنَ

تاکہ آزمائے تم کو کہ کون تم میں اچھا کرتا ہے کام ف۱۳ اور اگر تو کہے کہ تم اُٹھو گے مرنے کے بعد تو البتہ کافر کہنے

كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝ وَلَىِٕنْ اَخَّرْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ اِلٰٓى اُمَّةٍ مَّعْدُوْدَةٍ

لگیں یہ کچھ نہیں مگر جادو ہے کھلا ہوا ف۱۴ اور اگر ہم روکے رکھیں اُن سے عذاب کو ایک مدت معلوم تک

لَّيَقُوْلُنَّ مَا يَحْبِسُهٗ ۭ اَلَا يَوْمَ يَاْتِيْهِمْ لَيْسَ مَصْرُوْفًا عَنْهُمْ وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ

تو کہنے لگیں کس چیز نے روک دیا عذاب کو سنتا ہے جس دن آئیگا اُن پر نہ پھیرا جائیگا اُن سے اور گھیر لے گی اُن کو وہ چیز جس پر ٹھٹھے

يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝ وَلَىِٕنْ اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً ثُمَّ نَزَعْنٰهَا مِنْهُ ۚ اِنَّهٗ لَيَـــُٔوْسٌ كَفُوْرٌ ۝ وَلَىِٕنْ

کیا کرتے تھے ف۱۵ اور اگر ہم چکھا دیں آدمی کو اپنی طرف سے رحمت پھر وہ چھین لیں اُس سے تو وہ ناامید ناشکر ہوتا ہے ف۱۶ اور اگر ہم

اَذَقْنٰهُ نَعْمَاۗءَ بَعْدَ ضَرَّاۗءَ مَسَّتْهُ لَيَقُوْلَنَّ ذَهَبَ السَّيِّاٰتُ عَنِّيْ ۭ اِنَّهٗ لَفَرِحٌ فَخُوْرٌ ۝

چکھاویں اُسکو آرام بعد تکلیف کے جو پہنچی تھی اُسکو تو بول اُٹھے دور ہوئیں بُرائیاں مجھ سے وہ تو اترانے والا شیخی خور ہے ف۱۷

(۸) **اللہ تعالیٰ تمام جانداروں کو رزق پہنچاتا ہے** پہلے علم الٰہی کی وسعت بیان ہوئی تھی۔ یہ اُسی مضمون کا تکملہ ہے۔ یعنی زمین پر چلنے والا ہر جاندار جسے رزق کی احتیاج لاحق ہو، اُس کو روزی پہنچانا خدا نے محض اپنے فضل سے اپنے ذمہ لازم کر لیا ہے۔ جس قدر روزی جس کے لئے مقدر ہے یقیناً پہنچ کر رہے گی۔ جو وسائل و اسباب بندہ اختیار کرتا ہے، وہ روزی پہنچنے کے دروازے ہیں۔ اگر آدمی کی نظر اسباب و تدابیر اختیار کرتے وقت مسبب الاسباب پر رہو، تو یہ توکل کے منافی نہیں۔ البتہ خدا کی قدرت کو ان اسباب عادیہ میں محصور و مقید نہ سمجھا جائے۔ وہ گاہ بگاہ سلسلہ اسباب کو چھوڑ کر بھی روزی پہنچاتا یا اور کوئی کام کر دیتا ہے۔ بہر حال جب تمام جانداروں کی حسب استعداد غذا اور معاش مہیا کرنا حق تعالیٰ کا کام ہے تو ضروری ہے کہ اُس کا علم اُن سب پر محیط ہو۔ ورنہ ان کی روزی کی خبر گیری کیسے کر سکیگا۔

(۹) **مُستقر اور مستودع کے معانی** حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "مستقر (جہاں ٹھہرتا ہے) بہشت و دوزخ اور مستودع (جہاں سونپا جاتا ہے) اُس کی قبر ہے۔ پہلے "وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ" الخ میں دنیوی زندگی کا بیان تھا۔ یہاں برزخ اور آخرت کا بیان ہوا مطلب یہ ہوا کہ خدا ابتداء سے انتہاء تک تمہاری ہستی کے تمام درجات کا علم رکھتا ہے۔ "مستقر" و "مستودع" کی تعیین میں مفسرین کے بہت اقوال ہیں پہلے سورۂ "انعام" میں بھی ہم کچھ لکھ چکے ہیں۔ ابن کثیر نے کہا کہ زمین میں جہاں تک چلے پھرے اُس کے منتہائے سیر کو مستقر اور پھر پھرا کر جس ٹھکانے پر آئے اُسے "مستودع" کہتے ہیں۔ ابن عباس کے نزدیک اس زندگی میں جہاں رہے وہ "مستقر" اور موت کے بعد جہاں دفن کیا جائے وہ "مستودع" ہے۔ مجاہد نے "مستقر" سے رحم مادر اور "مستودع" سے صُلب پدر مراد لی ہے۔ عطاء نے اُس کے عکس کا دعویٰ کیا۔ بعض متفلسفین کا خیال ہے کہ زمین میں حیوانات کا جو مسکن بالفعل ہے اُسے "مستقر" اور وجود فعلی سے پہلے جن مواد و مقار میں رہ کر آئے انہیں

ومستودع" کہا گیا ہے۔ یعنی حق تعالیٰ اُن تمام مختلف مواد اور اطوار وادوار کا عالم ہے جن میں سے کوئی حیوان گذر کر اپنی موجودہ ہیئت کذائی تک پہنچا ہے۔ وہ ہی اپنے علم محیط سے ہر مرتبہ وجود میں اُس کی استعداد کے مناسب وجود وکمالات وجود فائض کرتا ہے۔

(۱۰) یعنی "لوحِ محفوظ" میں جو صحیفۂ علم الٰہی ہے پھر علم الٰہی میں ہر چیز کیسے موجود نہ ہوگی۔

(۱۱) یہ علم کے بعد قدرت کا بیان ہے۔ اس کی تفسیر سورۂ "اعراف" کے ساتویں رکوع میں گذر چکی۔

(۱۲) **زمین وآسمان سے پہلے پانی کی تخلیق** یعنی آسمان وزمین کی پیدائش سے پہلے پانی مخلوق ہوا جو آئندہ اشیاء کا مادہ حیات بننے والا تھا۔ "وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَیْءٍ حَیٍّ" (الانبیاء رکوع ۳) اس وقت عرش خداوندی اُسی کے اُوپر تھا جیسے اب سماوات کے اُوپر ہے گویا یہ ایک صورت تھی جو اس حقیقت کو ظاہر کر رہی تھی کہ کائنات کا مادہ اور ذریعہ حیات بالکلیہ رب العرش کے تسلط وتصرف اور قیومیت مطلقہ کے ماتحت ہے۔ واللہ اعلم۔

(۱۳) **تخلیق کی غرض وغایت** یعنی اس سارے نظام کی تخلیق وترتیب سے مقصود تمہارا یہاں بسانا اور امتحان کرنا ہے۔ کہ کہاں تک اس عجیب وغریب نظام اور سلسلہ مصنوعات میں غور کر کے خالق ومالک کی صحیح معرفت حاصل کرتے اور مخلوقات ارضی وسماوی سے منتفع ہو کر محسن شناسی اور سپاس گذاری کا فطری فرض بجالاتے ہو۔ یہ مقام تمہاری سخت آزمائش کا ہے۔ مالک حقیقی دیکھتا ہے کہ تم میں سے کونسا غلام صدق واخلاص اور سلیقہ مندی سے اچھا کام کرتا اور فرائض بندگی انجام دیتا ہے۔

(۱۴) جب یہ دنیا امتحان وآزمائش کی جگہ ہوئی تو ضرور ہے کہ اس کے بعد مجازات (انعام وانتقام) کا سلسلہ ہو تا شاکرین وکافرین کو اپنے کیئے کا پھل ملے۔ اسی لئے یہاں بعث بعد الموت کا ذکر کیا گیا۔ یعنی کفار مکہ کو یقین نہیں آتا کہ موت کے بعد دوبارہ اُٹھائے جائیں گے اور اپنے جرائم کی سزا بھگتیں گے۔ جب وہ قرآن میں یا حضور کی زبان سے بعث بعد الموت کا نہایت مؤثر بیان سُنتے ہیں تو کہتے ہیں کہ آپ کا یہ بیان کھلا ہوا جادو ہے جس نے بہت سے لوگوں کو مرعوب ومسحور کر لیا۔ مگر یاد رکھئے ہم پر یہ جادو چلنے والا نہیں۔ (ابن کثیر)۔

(۱۵) یعنی جب اُن کی شرارتوں پر عذاب الٰہی سے ڈرایا جاتا ہے، مگر خدا کی حکمت ایک مدت معین تک عذاب کو روکے رکھتی ہو تو تکذیب واستہزاء کے طور پر کہتے ہیں کہ وہ عذاب کہاں ہے، آخر آتا کیوں نہیں؟ کس چیز نے اُسے پکڑ رکھا ہے فرماتے ہیں کیا مذاق کرتے ہو، وقت معین پر جب عذاب آئیگا کسی کے ٹالے نہ ٹلیگا۔ اور ہر طرف سے گھیر کر تباہ وبرباد کر کے چھوڑیگا۔

(۱۶) **آدمی کی ناشکری اور شیخی** یعنی اب تو کہتے ہیں عذاب کہاں ہے، کیوں نہیں آتا، لیکن آدمی بودا اور تھڑدلا اتنا ہے کہ اگر خدا چند روز اپنی مہربانی سے عیش وآرام میں رکھنے کے بعد تکلیف میں مبتلا کر دے تو پچھلی مہربانیاں بھی بُھلا دیتا ہے اور نا اُمید ہو کر آئندہ کے لئے آس توڑ بیٹھتا ہے۔ گذشتہ پر ناشکری اور آئندہ سے مایوسی، یہ ہی اُس کی زندگی کا حاصل ہے۔

(۱۷) یعنی مصیبت کے بعد اگر خدا آرام وآسائش نصیب کرے تو سمجھتا ہے کہ گویا اب ہمیشہ کے لئے مصائب وتکالیف کا خاتمہ ہو چکا، پچھلی کیفیت کبھی لوٹ کر آنے والی نہیں۔ اُس وقت غافل ومغرور ہو کر شیخیاں مارتا اور اتراتا پھرتا ہے حالانکہ چاہئے تھا کہ پچھلی حالت یاد کر کے خدا کا شکر ادا کرتا اور اُس کے احسان کے سامنے جُھک جاتا۔

إِلَّا الَّذِينَ صَبَرُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أُولَٰئِكَ لَهُم مَّغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ كَبِيرٌ ﴿١١﴾ فَلَعَلَّكَ تَارِكٌ بَعْضَ

مگر جو لوگ صابر ہیں اور کرتے ہیں نیکیاں اُن کے واسطے بخشش ہے اور ثواب بڑا ۱۸ سو کہیں تو چھوڑ بیٹھیگا کچھ چیز اُن میں سے

مَا يُوحَىٰ إِلَيْكَ وَضَائِقٌ بِهِ صَدْرُكَ أَن يَقُولُوا لَوْلَا أُنزِلَ عَلَيْهِ كَنزٌ أَوْ جَاءَ مَعَهُ مَلَكٌ ۚ إِنَّمَا

جو وحی آئی تیری طرف اور تنگ ہوگا اُس سے تیرا جی اس بات پر کہ وہ کہتے ہیں کیوں نہ اترا اُس پر خزانہ یا کیوں نہ آیا اسکی ساتھ فرشتہ تو

أَنتَ نَذِيرٌ ۚ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ وَكِيلٌ ﴿١٢﴾ أَمْ يَقُولُونَ افْتَرَاهُ ۖ قُلْ فَأْتُوا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهِ

تو ڈرانے والا ہے اور اللہ ہی ہر چیز کا ذمہ دار ف ١٩ کیا کہتے ہیں کہ بنالایا ہے تو قرآن کو کہدو تم بھی لے آؤ ایک دس سورتیں ایسی

مُفْتَرَيَاتٍ وَادْعُوا مَنِ اسْتَطَعْتُم مِّن دُونِ اللَّهِ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ﴿١٣﴾ فَإِلَّمْ يَسْتَجِيبُوا لَكُمْ

بنا کر اور بلالو جس کو بلا سکو اللہ کے سوا اگر ہو تم سچے پھر اگر نہ پورا کریں تمہارا کہنا

فَاعْلَمُوا أَنَّمَا أُنزِلَ بِعِلْمِ اللَّهِ وَأَن لَّا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ ۖ فَهَلْ أَنتُم مُّسْلِمُونَ ﴿١٤﴾ مَن كَانَ يُرِيدُ

تو جان لو کہ قرآن تو اترا ہے اللہ کی وحی سے اور یہ کہ کوئی حاکم نہیں اُس کے سوا پھر اب تم حکم مانتے ہو ف ٢٠ جو کوئی چاہے

الْحَيَاةَ الدُّنْيَا وَزِينَتَهَا نُوَفِّ إِلَيْهِمْ أَعْمَالَهُمْ فِيهَا وَهُمْ فِيهَا لَا يُبْخَسُونَ ﴿١٥﴾ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ

دنیا کی زندگانی اور اُس کی زینت بھگتا دینگے ہم اُن کو اُن کے عمل دنیا میں اور اُن کو اُس میں کچھ نقصان نہیں ف ٢١ یہی ہیں جن کے

لَيْسَ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ إِلَّا النَّارُ ۖ وَحَبِطَ مَا صَنَعُوا فِيهَا وَبَاطِلٌ مَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿١٦﴾ أَفَمَن

واسطے کچھ نہیں آخرت میں آگ کے سوا ف ٢٢ اور برباد ہوا جو کچھ کیا تھا یہاں اور خراب گیا جو کمایا تھا ف ٢٣ بھلا ایک شخص

كَانَ عَلَىٰ بَيِّنَةٍ مِّن رَّبِّهِ وَيَتْلُوهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ وَمِن قَبْلِهِ كِتَابُ مُوسَىٰ إِمَامًا وَرَحْمَةً ۚ

جو ہے صاف رستہ پر اپنے رب کے اور اُس کے ساتھ ساتھ ہے ایک گواہ اللہ کی طرف سے اور اُس سے پہلے گواہ تھی موسیٰ کی کتاب رستہ بتلاتی اور بخشواتی (اور وں کی

أُولَٰئِكَ يُؤْمِنُونَ بِهِ ۚ وَمَن يَكْفُرْ بِهِ مِنَ الْأَحْزَابِ فَالنَّارُ مَوْعِدُهُ ۚ فَلَا تَكُ فِي مِرْيَةٍ مِّنْهُ ۚ

برابری) ف ٢٤ یہی لوگ مانتے ہیں قرآن کو اور جو کوئی منکر ہو اُس سے سب فرقوں میں سے سو دوزخ ہے ٹھکانا اُس کا ف ٢٥ سو تو مت رہ شبہ میں اُس سے

إِنَّهُ الْحَقُّ مِن رَّبِّكَ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿١٧﴾

بیشک وہ حق ہے تیرے رب کی طرف سے اور پر بہت سے لوگ یقین نہیں کرتے ف ٢٦

(١٨) یعنی جو حال اُوپر عام انسانوں کا بیان ہوا۔ اس سے اللہ کے وہ بندے مستثنیٰ ہیں جو تکلیف و مصیبت کا مقابلہ صبر و استقامت سے کرتے اور امن و راحت کے وقت شکر گذاری کے ساتھ عمل صالح میں مستعدی دکھاتے ہیں۔ ایسے اولوالعزم و فاداروں کی جماعت ہی عظیم الشان بخشش و انعام کی مستحق ہے۔

(١٩) **آنحضرت کی بے مثال عزیمت** مشرکین مکہ شرک و بت پرستی کی تردید سے بہت غیظ کھاتے تھے مشرکانہ خرافات پر جس قدر اُن کی تحمیق و تجہیل کی جاتی اسی قدر اُن کے غصہ کی آگ بھڑکتی تھی۔ کبھی کوشش کرتے تھے کہ آپ کو اس معاملہ میں ذرا ڈھیلا کر دیں اور اس سب سے بڑے اور بنیادی مسئلہ کی تبلیغ میں نرمی اور تساہل برتنے پر آمادہ کریں جب ادھر سے مایوس ہوتے تو محض دق کرنے کو عجیب بیہودہ فرمائشیں کرنے لگتے مثلاً یہ کہتے کہ آپ سچے ہیں اور منصب رسالت پر مامور ہو کر آئے ہیں تو آپ کے ساتھ خدا کے یہاں سے مال و دولت کا بڑا خزانہ آنا چاہئے تھا۔ یا آسمان سے ایک فرشتہ آتا جو آپ کے ہمراہ تصدیق کے لئے ہر طرف جایا کرتا۔ "لَوْلَا أُنزِلَ عَلَيْهِ كَنزٌ أَوْ جَاءَ مَعَهُ مَلَكٌ" (ہود رکوع ٢) گویا جب آپ کی بات منوانے کے لئے نہ مادی طاقت ساتھ ہے نہ روحانی، پھر ہم کس طرح تسلیم کر سکتے ہیں۔ آپ ان بیہودہ شبہات اور فرمائشوں سے سخت مغموم اور دلگیر ہوتے تھے۔ ممکن ہے کبھی ایسا خیال بھی دل میں گذرتا ہو کہ ان کے معبودوں کے معاملہ میں اگر خدا کی جانب سے اس قدر سختی اختیار کرنے کا حکم نہ رہے، تردید کی جائے مگر فی الحال قدرے نرمی اور رواداری کے ساتھ تو شاید زیادہ مؤثر اور مفید ہو، یا جو فرمائشیں

یہ لوگ کرتے ہیں، اُن کی یہ ضد بھی کسی حد تک پوری کر دی جائے تو کیا عجب ہے مسلمان ہو جائیں۔ بہر حال وہ ایسا نازک اور پر خطر وقت تھا کہ تمام دنیا باطل پرستی کے شور سے گونج رہی تھی صرف ایک مقدس ہستی تھی جس کے حلقوم سے حق کی آواز نکل کر باطل کے قلعوں میں زلزلہ ڈالتی تھی۔ آپ چاروں طرف سے موذی دشمنوں کے نرغہ میں گھر رہے تھے۔ کوئی جھٹلاتا کوئی طعن کرتا کوئی مذاق اڑاتا تھا۔ اس ماحول کا تصور کرو۔ اور اُس مبلغ اعظم کی قوت قلب اور ہمت مردانہ کا اندازہ لگاؤ، جس کا تمام تر اعتماد واتکال ظاہری اسباب سے ہٹ کر خداوند قدوس کے وعدوں پر تھا۔ آپ جب محزون و دلگیر ہوتے تو صرف اپنے پروردگار کی آواز سے ہی تسلی پاتے اور دنیا کے مقابلہ میں تازہ دم ہو کر کھڑے ہو جاتے تھے اسی سلسلہ میں یہ آیتیں نازل ہوئیں۔ جن کا حاصل یہ ہے کہ آپ ان لوگوں کی بیہودہ خرافات اور فرمائشوں کی وجہ سے اس قدر فکر مند اور غمگین نہ ہوں نہ اپنے دل میں ان لوگوں کی مُراعات کا خیال لائیں۔ کہیں ایسا ہو سکتا ہے کہ وحی الٰہی نے جو چیزیں آپ کو سکھلائی ہیں اور جس بے خوف و خطر تبلیغ کا حکم دیا ہے اُس کے بعض حصہ کو ان لوگوں کی خرافات سے تنگ دل ہو کر چھوڑ بیٹھیں۔ جب یہ نہیں ہو سکتا، کیونکہ پیغمبرانہ عصمت اور اولوالعزمی مانع ہے تو تنگدل ہونے سے کیا فائدہ۔ آپ کا کام صرف بھلے بُرے سے آگاہ کر دینا ہے اُن کی ہدایت کی ذمہ داری آپ پر نہیں۔ خدا تعالیٰ جس کے سپرد ہر چیز ہے، اُن کا معاملہ بھی اُسی کے سپرد کیجئے اور صبر و استقامت کے ساتھ فرائض تبلیغ کی انجام دہی میں ثابت قدم رہیئے۔

(۲۰) **قرآن جیسی دس سورتیں بنا لاؤ۔ کفّار کو چیلنج** یعنی فرمائشی معجزے طلب کرتے ہیں، جن کا دیا جانا مصلحت نہیں۔ اور جو سب سے بڑا معجزہ (قرآن) اُن کے سامنے ہے، اُسے مانتے نہیں، کہتے ہیں یہ تو (معاذ اللہ) تمہاری بنائی ہوئی گھڑنت ہے۔ اُس کا جواب دیا کہ تم بھی آخر عرب ہو، فصاحت و بلاغت کا دعویٰ رکھتے ہو، سب مل کر ایسی ہی دس سورتیں گھڑ کر پیش کر دو اور اس کام میں مدد دینے کے لئے تمام مخلوق کو بلکہ اپنے اُن معبودوں کو بھی بلا لاؤ جنہیں خدائی کا شریک سمجھتے ہو۔ اگر نہ کر سکو اور کبھی نہ کر سکو گے تو سمجھ لو کہ ایسا کلام خالق ہی کا ہو سکتا ہے۔ جس کا مثل لانے سے تمام مخلوق عاجز رہ جائے۔ تو یقیناً یہ وہ کلام ہے جو خدا نے اپنے علم کامل سے پیغمبر پر اُتارا ہے بیشک جس کے کلام کا مثل نہیں ہو سکتا اُس کی ذات و صفات میں کون شریک ہو سکتا ہے۔ ایسا بے مثال کلام اسی بے مثال خدا کا ہے جس کا کوئی شریک نہیں۔ کیا ایسے واضح دلائل کے بعد بھی مسلمان ہونے اور خدا کا حکم بردار بننے میں کسی چیز کا انتظار ہے (تنبیہ) اعجاز قرآن کی کچھ تفصیل سورۂ "یونس" میں گذر چکی۔ ابتداء میں پورے قرآن سے تحدی کی گئی تھی۔ پھر دس سورتوں سے ہوئی۔ پھر ایک سورت سے جیسا کہ "بقرہ" اور "یونس" میں گذرا۔ گویا اُن کا عجز بتدریج نمایاں کیا گیا۔

(۲۱) **کفار کی نیکیوں کی جزا دنیا میں** یعنی ایسے واضح ثبوت کے بعد جو شخص قرآن پر ایمان لاتا، یا اس کے بتلائے ہوئے راستہ پر نہیں چلتا بلکہ دنیا کی چند روزہ زندگی اور فانی ٹیپ ٹاپ ہی کو قبلہ مقصود ٹھہرا کر عملی جد و جہد کرتا ہے۔ اگر بظاہر کوئی نیک کام مثلاً خیرات وغیرہ کرتا ہے تو اس سے بھی آخرت کی بہتری اور خدا کی خوشنودی مقصود نہیں ہوتی محض دنیوی فوائد کا حاصل کر لینا پیش نظر ہوتا ہے۔ ایسے لوگوں کی بابت خواہ وہ یہود و نصاریٰ ہوں یا مشرکین یا منافقین یا دنیا پرست ریاکار مسلمان۔ بتلا دیا کہ دنیا ہی میں اُن کا بھگتان کر دیا جائیگا۔ جو اعمال اور کوششیں وہ حصول دنیا کے لئے کریں گے اُن کے کم و کیف کو ملحوظ رکھتے ہوئے خدا تعالیٰ اپنے علم و حکمت سے جس قدر مناسب جانیگا اور دینا چاہیگا یہیں عطا فرما دیگا۔ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ کافر جو خیرات وغیرہ کے کام کرے اُس کی یہ فانی اور صوری حسنات جو روح ایمان سے یکسر خالی ہیں، دنیا میں رائیگاں نہیں جاتیں اُن کے بدلہ میں خدا تعالیٰ تندرستی، مال، اولاد، عزت و حکومت وغیرہ دے کر سب کھاتہ بیباق کر دیتا ہے۔ مرنے کے بعد دوسری زندگی میں کوئی چیز اس کے کام آنے والی نہیں۔ جس کافر کے لئے جس درجہ کی سزا تجویز ہو چکی ہے وہ کبھی اُس سے ٹلنے یا کم ہونے والی نہیں۔ "مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهٗ فِيْهَا مَا نَشَاۗءُ لِمَنْ نُّرِيْدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهٗ جَهَنَّمَ يَصْلٰىهَا

مَنۡ مُّؤۡمِنًا مِّنۡ حُوۡرٍ ۝ (بنی اسرائیل رکوع ۲) ریاکار اور دنیا پرست عالم، متصدق اور مجاہد کے حق میں جو وعید آئی ہے، اُس کا حاصل بھی یہی ہے کہ اُن سے محشر میں کہا جائیگا کہ جس غرض کے لئے تو نے علم سکھلایا، یا صدقہ وجہاد کیا وہ دنیا میں حاصل ہو چکی، اب ہمارے پاس تیرے لئے کچھ نہیں۔ فرشتوں کو حکم ہو گا کہ اسے جہنم میں لیجاؤ (اعاذنا اللہ منہا)

(۲۲) یعنی اِن اعمال پر دوزخ کے سوا اور کسی چیز کے مستحق نہیں۔ کفار ابدی طور پر اور ریاکار مسلمان محدود مدت کے لئے۔ ہاں خدا تعالیٰ بعض مؤمنین کو محض اپنے فضل و کرم سے معاف فرما دے، وہ الگ بات ہے۔

(۲۳) یعنی دنیا میں جو کام دنیوی اغراض کے لئے کئے تھے، آخرت میں پہنچ کر ظاہر ہو گا کہ وہ سب برباد ہوئے اور ریاکاری یا دنیا پرستی کے سلسلہ میں بظاہر جو نیکیاں کمائی تھیں، سب یوں ہی خراب گئیں، یہاں کوئی کام نہ آئیں۔

(۲۴) **شاہد کی تفسیر** یعنی یہ شخص اور وہ ریاکار دنیا پرست جن کا ذکر پہلے ہوا، کیا برابر ہو سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں۔ "بَیِّنَۃٌ" (صاف رستہ) سے مراد وہ رستہ ہے جس پر انسان اپنی اصلی اور صحیح فطرت کے موافق چلنا چاہتا ہے۔ بشرطیکہ گردوپیش کے حالات و خیالات سے متاثر نہ ہو۔ اور وہ توحید، اسلام اور قرآن کا راستہ ہے۔ "فَاَقِمۡ وَجۡهَكَ لِلدِّيۡنِ حَنِيۡفًا فِطۡرَتَ اللّٰهِ الَّتِىۡ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيۡهَا لَا تَبۡدِيۡلَ لِخَلۡقِ اللّٰهِ ذٰلِكَ الدِّيۡنُ الۡقَيِّمُ" (روم - رکوع ۳) وفی الحدیث "کُلُّ مَوۡلُوۡدٍ یُّوۡلَدُ عَلَی الۡفِطۡرَۃِ فَاَبَوَاہُ یُھَوِّدَانِہٖ اَوۡ یُنَصِّرَانِہٖ اَوۡ یُمَجِّسَانِہٖ" الخ اور "شَاهِدٌ مِّنۡهُ" (گواہ اللہ کی طرف سے) قرآن عظیم ہے جو گواہی دیتا ہے کہ "دین فطرت" (توحید و اسلام) پر چلنے والا بیشک ٹھیک راستہ پر چل رہا ہے اور وہ قرآن اپنی حقانیت کا بھی خود گواہ ہے ؎ آفتاب آمد دلیل آفتاب۔ چونکہ قرآن کے لانے والے جبریل امین اور لینے والے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اس اعتبار سے اُن کو بھی شاہد کہہ سکتے ہیں۔ بلکہ حضور کی شان تو یہ ہے کہ آپ کے اخلاق و عادات، معجزات، زبانِ مبارک، چہرۂ نورانی، ہر چیز سے شہادت ملتی ہے کہ جس دین کے آپ حامل ہیں وہ بالکل سچا دین ہے۔ آگے "وَمِنۡ قَبۡلِهٖ كِتٰبُ مُوۡسٰٓى اِمَامًا وَّرَحۡمَةً" کا مطلب یہ ہے کہ قرآن سے پہلے جو وحی کسی نبی پر نازل کی گئی وہ بھی "دین فطرت" کی صداقت پر گواہ تھی۔ خصوصًا موسیٰ علیہ السلام پر جو عظیم الشان کتاب (تورات) اُتاری گئی قرآن سے پیشتر اُسے ایک بڑا بھاری شاہد اُن لوگوں کی حقانیت کا کہنا چاہئے جو دین فطرت کے صاف راستہ پر چلتے ہیں۔

(۲۵) **نجات کا واحد راستہ قرآن ہے** یعنی یہود، نصاریٰ، بت پرست، مجوس، عرب، عجم، یورپ ایشیا، کسی فرقہ جماعت اور ملک و ملت سے تعلق رکھتا ہو جب تک قرآن کو نہ مانے گا نجات نہیں ہو سکتی۔ جیسا کہ صحیح مسلم وغیرہ کی بعض احادیث میں آپ نے بہت تصریح و تعمیم کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔

(۲۶) یہ خطاب ہر شخص کو ہے جو قرآن سُنے یا حضورؐ کو مخاطب بنا کر دوسروں کو سُنانا مقصود ہے کہ قرآن کی صداقت اور "مِنَ اللّٰہ" ہونے میں قطعًا شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔ جو لوگ نہیں مانتے وہ احمق ہیں یا معاند۔

وَمَنۡ اَظۡلَمُ مِمَّنِ افۡتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ؕ اُولٰٓـئِكَ يُعۡرَضُوۡنَ عَلٰى رَبِّهِمۡ وَيَقُوۡلُ الۡاَشۡهَادُ هٰٓؤُلَۤاءِ

اور اُس سے بڑھ کر ظالم کون جو باندھے اللہ پر جھوٹ ف۲۷ وہ لوگ روبرو آئیں گے اپنے رب کے اور کہیں گے گواہی دینے والے یہی ہیں

الَّذِيۡنَ كَذَبُوۡا عَلٰى رَبِّهِمۡ‌ ۚ اَلَا لَـعۡنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيۡنَ ۝۱۸ الَّذِيۡنَ يَصُدُّوۡنَ عَنۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ

جنہوں نے جھوٹ کہا تھا اپنے رب پر ف۲۸ سن لو پھٹکار ہے اللہ کی نا انصاف لوگوں پر جو کہ روکتے ہیں اللہ کی راہ سے

وَيَبۡغُوۡنَهَا عِوَجًا ؕ وَهُمۡ بِالۡاٰخِرَةِ هُمۡ كٰفِرُوۡنَ ۝۱۹ اُولٰٓـئِكَ لَمۡ يَكُوۡنُوۡا مُعۡجِزِيۡنَ فِى الۡاَرۡضِ وَمَا

اور ڈھونڈتے ہیں اس میں کجی اور وہی ہیں آخرت سے منکر ف۲۹ وہ لوگ نہیں تھکانے والے زمین میں بھاگ کر اور

كَانَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَآءَ ۘ يُضٰعَفُ لَهُمُ الْعَذَابُ ؕ مَا كَانُوْا يَسْتَطِيْعُوْنَ السَّمْعَ وَمَا

نہیں اُنکو واسطے اللہ کے سوا کوئی حمایتی ف ۳۰ دونا ہے اُن کے لئے عذاب ف ۳۱ نہ طاقت رکھتے تھے سننے کی اور نہ

كَانُوْا يُبْصِرُوْنَ ۝۲۰ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ۝۲۱ لَا

دیکھتے تھے ف ۳۲ وہی ہیں جو کھو بیٹھے اپنی جان اور گم ہو گیا اُن سے جو جھوٹ باندھا تھا ف ۳۳ اس میں

جَرَمَ اَنَّهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ هُمُ الْاَخْسَرُوْنَ ۝۲۲ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاَخْبَتُوْٓا

شک نہیں کہ یہ لوگ آخرت میں یہی ہیں سب سے زیادہ نقصان میں البتہ جو لوگ ایمان لائے اور کام کئے نیک اور عاجزی کی اپنے

اِلٰى رَبِّهِمْ ۙ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝۲۳ مَثَلُ الْفَرِيْقَيْنِ كَالْاَعْمٰى وَالْاَصَمِّ

رب کے سامنے وہ ہیں جنت کے رہنے والے وہ اُسی میں رہا کریں گے ف ۳۴ مثال ان دونوں فرقوں کی جیسے ایک تو اندھا اور بہرا

ع ۲ وَالْبَصِيْرِ وَالسَّمِيْعِ ۭ هَلْ يَسْتَوِيٰنِ مَثَلًا ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ۝۲۴ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖٓ ۡ اِنِّيْ

اور دوسرا دیکھتا اور سنتا کیا برابر ہے دونوں کا حال پھر کیا تم غور نہیں کرتے ف ۳۵ اور ہم نے بھیجا نوح کو اُسکی قوم کی طرف کہ میں تم

لَكُمْ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۝۲۵ اَنْ لَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ؕ اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ اَلِيْمٍ ۝۲۶

کو ڈر کی بات سناتا ہوں کھول کر ف ۳۶ کہ نہ پرستش کرو اللہ کے سوا ف ۳۷ میں ڈرتا ہوں تم پر دردناک دن کے عذاب سے ف ۳۸

(۲۷) یعنی قرآن جھوٹ اور افترا نہیں۔ خدا کا سچا پیغام ہے جس کو قبول کرنا ضروری ہے خوب سمجھ لو کہ اُس شخص سے زیادہ ظالم کوئی نہیں ہو سکتا جو خدا پر جھوٹ باندھے۔ مثلاً اُس کا کلام نہ ہو اور کہہ دے کہ اُس کا کلام ہے یا واقعی اس کا ہو اور خدا بار بار فرمائے کہ میرا کلام ہے مگر باوجود روشن دلائل کے جھٹلاتا رہے اور کہتا رہے کہ اُس کا نہیں۔

(۲۸) یعنی محشر میں جب خدا کے سامنے علیٰ رؤس الاشہاد پیش ہوں گے اور ان کی شرارتوں کے دفتر کھولے جائیں گے اُس وقت گواہی دینے والے (ملائکہ، انبیاء، صالحین بلکہ خود ان کے ہاتھ پاؤں) کہیں گے کہ یہ ہی وہ بدبخت ظالم ہیں جنہوں نے اپنے پروردگار کی نسبت جھوٹ بکا تھا۔

(۲۹) یہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ یعنی جو لوگ ظلم اور ناانصافی سے خدا کے کلام کو جھوٹا بتلاتے ہیں اور سب سے بڑھ کر آخرت کے منکر ہیں دوسروں کو خدا کی راہ پر چلنے سے روکتے اور اس تلاش میں رہتے ہیں کہ سیدھے راستہ کو ٹیڑھا ثابت کریں۔ ایسے ظالموں پر خدا کی خصوصی لعنت ہے۔

(۳۰) یعنی اتنی وسیع زمین میں نہ کہیں بھاگ کر خدا سے چھپ سکتے ہیں اور نہ کوئی مددگار اور حمایتی مل سکتا ہے جو خدا کے عذاب سے بچا دے

(۳۱) کیونکہ خود گمراہ ہوئے اور دوسروں کو گمراہ کیا۔

(۳۲) یعنی دنیا میں ایسے اندھے بہرے بنے کہ نہ حق بات سننے کی تاب تھی نہ خدا کے نشانوں کو دیکھتے تھے جنہیں دیکھ کر ممکن تھا راہ ہدایت پا لیتے۔ حضرت شاہ صاحب رح نے اس کا مطلب یہ لیا ہے کہ اللہ پر جھوٹ بولا، بے اصل اور غلط باتیں اُس کی طرف منسوب کیں۔ کہاں سے لائے؟ غیب سے سن نہ آتے تھے، غیب کو دیکھتے نہ تھے پھر اُن کا ماخذ کیا ہے۔

(۳۳) جان کا کھو بیٹھنا، یہ ہی کہ ابدی عذاب میں گرفتار ہوئے اور سب جھوٹے دعوے وہاں پہنچ کر گم ہو گئے۔

(۳۴) منکرین کی بدانجامی کے بالمقابل مومنین کا انجام نیک بیان فرمایا۔ ان کی عاجزی خدا کو پسند آئی۔ اس لئے اپنی دائمی خوشنودی کا مقام عطا فرمایا۔

(۳۵) **کفار اور مومنین کا فرق** یعنی منکرین تو اندھے بہرے ہیں جیسا کہ دو تین آیت پہلے فرمایا تھا۔ "مَا كَانُوْا يَسْتَطِيْعُوْنَ السَّمْعَ وَمَا كَانُوْا يُبْصِرُوْنَ" پھر جسے نہ خود نظر آئے نہ دوسرے کی سن سکے، اس کا آغاز و انجام کیسے ان روشن ضمیر ایمانداروں کی برابر ہو سکتا ہے جو بصیرت کی آنکھوں سے حق و باطل اور بھلے برے میں تمیز کرتے اور اپنے ہادیوں کی باتیں بگوش ہوش سنتے ہیں۔ غور کرو کہ دونوں کا انجام یکساں کس طرح ہو سکتا ہے؟ آگے حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کا قصہ اسی مضمون کی تائید میں پیش کرتے ہیں۔

(۳۶) یعنی نہایت وضاحت کے ساتھ وہ چیزیں بتلاتا ہوں جن کے ارتکاب پر مہلک عذاب نازل ہونے کا اندیشہ ہے۔ یا جو اس عذاب سے محفوظ رہنے کے ذرائع ہیں۔

(۳۷) یعنی وَدّ، سُوَاع، یَغُوث، یَعُوق، نَسر کی جن کا ذکر سورۂ "نوح" میں آئیگا۔

(۳۸) یعنی غیر اللہ کی پرستش سے باز نہ آنے کی صورت میں سخت عذاب آنے کا ڈر ہے۔ "دردناک دن" سے وہ دن مراد ہے جس میں المناک اور دردانگیز حوادث کا وقوع ہو۔ مثلاً قیامت کا دن یا وہ دن جس میں قوم نوح غرقاب کی گئی۔

فَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا نَرٰىكَ اِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا وَمَا نَرٰىكَ اتَّبَعَكَ اِلَّا الَّذِيْنَ

پھر بولے سردار جو کافر تھے اس کی قوم کے ہم کو تو نظر نہیں آتا مگر ایک آدمی ہم جیسا اور دیکھتے نہیں کوئی تابع ہوا ہو تیرا مگر جو

هُمْ اَرَاذِلُنَا بَادِيَ الرَّاْيِ ۚ وَمَا نَرٰى لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍ بَلْ نَظُنُّكُمْ كٰذِبِيْنَ ﴿۲۷﴾ قَالَ

ہم میں نیچ قوم ہیں بلا تامل اور ہم نہیں دیکھتے تم کو اوپر اپنے کچھ بڑائی بلکہ ہم کو تو خیال ہے کہ تم سب جھوٹے ہو ف۳۹ بولا

يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَاٰتٰىنِيْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِهٖ فَعُمِّيَتْ

اے قوم دیکھو تو اگر میں ہوں صاف راستہ پر اپنے رب کے اور اس نے بھیجی مجھ پر رحمت اپنے پاس سے پھر اس کو تمہاری

عَلَيْكُمْ ۭ اَنُلْزِمُكُمُوْهَا وَاَنْتُمْ لَهَا كٰرِهُوْنَ ﴿۲۸﴾ وَيٰقَوْمِ لَآ اَسْــَٔـلُكُمْ عَلَيْهِ مَالًا ۭ اِنْ اَجْرِيَ

آنکھ سے مخفی رکھا تو کیا ہم تم کو مجبور کر سکتے ہیں اس پر اور تم اس سے بیزار ہو ف۴۰ اور اے میری قوم نہیں مانگتا میں تم سے اس پر کچھ مال میری مزدوری نہیں

اِلَّا عَلَى اللّٰهِ وَمَآ اَنَا بِطَارِدِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۭ اِنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَلٰكِنِّيْٓ اَرٰىكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ ﴿۲۹﴾

مگر اللہ پر اور میں نہیں ہانکنے والا ایمان والوں کو ان کو ملنا ہے اپنے رب سے ف۴۱ لیکن میں دیکھتا ہوں تم لوگ جاہل ہو ف۴۲

وَيٰقَوْمِ مَنْ يَّنْصُرُنِيْ مِنَ اللّٰهِ اِنْ طَرَدْتُّهُمْ ۭ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۳۰﴾ وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ

اور اے قوم کون چھڑائے مجھ کو اللہ سے اگر ان کو ہانک دوں کیا تم دھیان نہیں کرتے ف۴۳ اور میں نہیں کہتا تم کو کہ میرے پاس ہیں

خَزَاۗىِٕنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَآ اَقُوْلُ اِنِّىْ مَلَكٌ وَّلَآ اَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ تَزْدَرِيْٓ اَعْيُنُكُمْ لَنْ

خزانے اللہ کے اور نہ میں خبر رکھوں غیب کی اور نہ کہوں کہ میں فرشتہ ہوں اور نہ کہونگا کہ جو لوگ تمہاری آنکھ میں حقیر ہیں نہ

يُّؤْتِيَهُمُ اللّٰهُ خَيْرًا ۭ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ ښ اِنِّىْٓ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۳۱﴾

دیگا ان کو اللہ بھلائی اللہ خوب جانتا ہے جو کچھ ان کے جی میں ہے یہ کہوں تو میں بے انصاف ہوں ف۴۴

(۳۹) **حضرت نوحؑ اور اُن کی قوم کا مناظرہ** یعنی رسول کو تمام قوم کے مقابلہ میں کوئی نمایاں امتیاز ہونا چاہیئے۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ تم ہماری طرح جنس بشر سے ہو۔ آسمان کے فرشتے نہیں۔ جس کے سامنے خواہ مخواہ انسانوں کی گردنیں جُھک جائیں۔ پھر بشر بھی ایسے نہیں جسے کوئی خاص تفوق اور بڑائی ہم پر حاصل ہوتی مثلاً بڑے دولتمند یا جاہ و حکومت کے مالک ہوتے، جو لوگ تمہارے پیرو ہوئے وہ بھی ماشاء اللہ سب کے سب مفلس، رذیل، پست، اور ادنیٰ طبقہ کے لوگ ہیں جن کے ساتھ بیٹھنا بھی ہم جیسے شریفوں کے لئے ننگ و عار کا موجب ہے۔ تو کیا ساری خدائی میں سے تم ہی ملے تھے جنہیں خدا نے اپنے منصب سفارت پر مامور فرمایا۔ آخر ہم تم سے حسب نسب، مال و دولت، خَلق و خُلق کس بات میں کم تھے؟ جو ہمارا انتخاب اس عہدہ کے لئے نہ ہوگیا۔ کم از کم آپ کا اتباع کرنے والے ہی کوئی معزز اور بڑے آدمی ہوتے۔ بھلا ان موچیوں اور حجاموں کا تابع ہو جانا آپ کے لئے کیا موجب فضل و شرف ہو سکتا ہے؟ اور کس طرح صداقت کی دلیل بن سکتی ہے؟ ایسے سطحی لوگوں کا جن کی پستی اور رذالت بالکل عیاں ہے۔ بے سوچے سمجھے اور بدون غور و تامل کے ظاہری اور سرسری طور پر ایمان لے آنا آپ کا کونسا کمال ہے؟ بلکہ ہمارا خیال تو یہ ہے کہ تم اور تمہارے ساتھی سب جھوٹے ہو۔ تم نے ایک بات بنائی اور چند بے وقوفوں نے ہاں میں ہاں ملادی۔ تاکہ اس طرح ایک نئی تحریک اُٹھا کر کوئی امتیاز اور بزرگی حاصل کرلیں۔ یہ اُن ملعونوں کی تقریر کا ماحصل تھا۔ نوح علیہ السّلام نے جو جواب دیا آگے آتا ہے۔

(۴۰) **حضرت نوحؑ کی تقریر** یعنی یہ صحیح ہے کہ پیغمبر کو عام انسانوں سے بالکل ممتاز ہونا چاہیئے۔ لیکن وہ امتیاز مال و دولت ملک و حکومت اور دنیا کی ٹیپ ٹاپ میں نہیں، بلکہ اعلیٰ اخلاق، بہترین ملکات، تقویٰ، خدا ترسی، حق پرستی، دردمندی خلائق اور اُن صریح آیات و نشانات پیش کرنے سے اُن کو امتیاز حاصل ہوتا ہے جو حق تعالیٰ بطور اتمام حجت و اکمال نعمت ان کے اندر قائم کرتا یا اُن کے ذریعہ سے ظاہر فرماتا ہے وہ وحی الٰہی اور ربّانی دلائل و براہین کی روشنی میں صاف راستہ پر چلتے ہیں اور دن رات خدا کی خصوصی رحمتیں اُن پر بارش کی طرح برستی ہیں نوح علیہ السّلام نے فرمایا کہ اگر یہ سب چیزیں مجھ میں کھلے طور پر موجود ہوں اور یقیناً موجود ہیں۔ لیکن جس طرح اندھے کو سورج کی روشنی نظر نہیں آتی، تمہاری آنکھیں بھی اِس نور الٰہی کے دیکھنے سے قاصر رہیں، تو کیا ہم زبردستی مجبور کر کے تم سے اُس نور اور رحمت کا اقرار کرا سکتے ہیں جس سے تم اس قدر نفور و بیزار ہو کہ آنکھ کھول کر دیکھنا بھی گوارا نہیں کرتے۔ خلاصہ یہ ہوا کہ میری بزرگی و برتری جو تم کو نظر نہیں آتی، یہ اس لئے ہے کہ تمہارے دل کی آنکھیں اندھی ہیں یا بند ہیں۔

(۴۱) یعنی میں تبلیغ کے کام کی کوئی تنخواہ تم سے نہیں مانگتا، جو مالی خود غرضی کا شبہ ہو۔ میں اپنے پروردگار کا نوکر ہوں اُسی کے یہاں سے مزدوری ملیگی۔ بحمد اللہ نہ مجھے تمہارے مال کی طلب ہے نہ ضرورت۔ پھر غریبوں کو چھوڑ کر مالداروں کی طرف کیوں جُھکوں۔ اگر تم میرے اتباع کو محض اُن کے افلاس یا پیشہ کی وجہ سے حقیر و ذلیل سمجھتے ہو تو خوب سمجھ لو کہ میں وہ نہیں جو دولتِ ایمان کے سرمایہ داروں کو ظاہری خستہ حالی کی بناء پر جانوروں کی طرح دھکے دے کر نکال دوں اُنہیں ایک روز اپنے پروردگار سے ملنا ہے۔ وہ میری شکایت اُس کے دربار میں کریں گے کہ آپ کے پیغمبر نے متکبر دنیاداروں کی خاطر ہم غریب وفاداروں کو نکال دیا تھا۔ میں ظاہر حال کے خلاف یہ کیونکر سمجھ لوں کہ اُن کا ایمان محض ظاہری اور سرسری ہے۔ دلوں کو چیر کر دیکھنا میرا کام نہیں۔ یہ پروردگار کے یہاں پتہ چلیگا کہ اُن کے دلوں کی کیا حالت تھی۔

(۴۲) یعنی جہل و حماقت سے انجام پر نظر نہیں کرتے، صرف اُن کی ظاہری شکستگی دیکھ کر حقیر سمجھتے ہو۔ اور ایسی مہمل درخواست کرتے ہو کہ ان کو ہٹا دیا جائے تو ہم تمہارے پاس آئیں۔ کیا غربت اور کسب حلال کوئی عیب ہے؟ یہ ہی چیز تو ہے جو حق قبول کرنے میں مزاحم نہیں ہوتی عموماً دولت و جاہ کا نشہ انسان کو قبول حق سے محروم رکھتا ہے۔ اِسی لئے ہرقل کی حدیث میں آتا کہ انبیاءؑ کے متبعین ضعفاء ہوتے ہیں بہرحال تم نہیں جانتے کہ سب کو خدا کے پاس جمع ہونا ہے، وہاں پہنچ کر ظاہر ہوگا کہ اپنے کو اُن سے بہتر سمجھنا تمہارا جاہلانہ غرور تھا۔

(۴۳) یعنی میں تمہارے کبر و غرور اور جہالت سے متاثر ہو کر اپنا نقصان کیسے کروں۔ اگر تمہاری رعایت سے میں نے خدا کے مخلص بندوں کو

دھکے دیدیے تو اُس کی سزا اور گرفت سے مجھ کو کون بچا سکیگا۔

(۴۴) کفار نے نوح علیہ السّلام کو کہا تھا کہ تم ہمارے جیسے بشر ہو، جتھے اور دولت کے اعتبار سے بھی کچھ امتیاز نہیں رکھتے، اس کا جواب نہایت متانت و انصاف کے ساتھ دیتے ہیں کہ بیشک جیسا امتیاز تم دیکھنا چاہتے ہو اُس کا ہم دعوٰی نہیں رکھتے۔ بلاشبہ میں ایک بشر ہوں، فرشتہ نہیں نہ خدا نے اپنے سارے خزانے میرے تصرف و اختیار میں دیدیے ہیں، نہ تمام غیب کی باتوں پر مطلع کیا گیا ہوں، لیکن ان تمام باتوں کے اعتراف کے ساتھ تمہاری طرح یہ کبھی نہ کہوں گا کہ جو لوگ تمہاری نگاہ میں معیوب و حقیر ہیں (یعنی میں اور میرے رفقاء) اُن کو خدا ہرگز کوئی خیر (بھلائی) نہیں دے سکتا۔ مثلاً اُن میں سے کسی کو نبوت و حکمت عطا فرمادے اور باقیوں کو ایمان و عرفان کی دولت سے بہرہ ور کرے۔ خوب سمجھ لو حق تعالیٰ اُن کے دلوں کی استعدادات و کیفیات کو پوری طرح جانتا ہے۔ ہر ایک کی استعداد کے مناسب فیض پہنچاتا اور باطنی احوال و کیفیات کے موافق برتاؤ کرتا ہے۔ اُس نے جو خاص مہربانی مجھ پر یا میرے ساتھیوں پر کی ہے، وہ تمہاری آنکھ سے پوشیدہ ہے۔ اگر میں یہ کہنے لگوں کہ جو تمہیں بظاہر شکستہ حال اور حقیر دکھائی دیتے ہیں۔ خدا تعالیٰ نے بھی جو بواطن کا جاننے والا ہے انہیں کوئی عزت و شرف نہیں بخشا، تو نہایت بے اصول اور ناانصافی کی بات ہوگی۔ (تنبیہ) اس آیت کے ابتدائی تین جملے سورۂ "انعام" میں گزر چکے۔ وہاں کے فوائد دیکھ لیے جائیں

قَالُوا يٰنُوحُ قَدْ جٰدَلْتَنَا فَأَكْثَرْتَ جِدَالَنَا فَأْتِنَا بِمَا تَعِدُنَا إِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِينَ ﴿۳۲﴾

بولے اے نوح تو نے ہم سے جھگڑا کیا اور بہت جھگڑ چکا اب لے آ جو تو وعدہ کرتا ہے ہم سے اگر تو سچا ہے ف ۴۵

قَالَ إِنَّمَا يَأْتِيكُمْ بِهِ اللّٰهُ إِنْ شَاءَ وَمَا أَنْتُمْ بِمُعْجِزِينَ ﴿۳۳﴾ وَلَا يَنْفَعُكُمْ نُصْحِي إِنْ أَرَدْتُّ أَنْ

کہا کہ لائیگا تو اُس کو اللہ ہی اگر چاہیگا اور تم نہ تھکا سکو گے بھاگ کر ف ۴۶ اور نہ کارگر ہوگی تم کو میری نصیحت جو چاہوں کہ

أَنْصَحَ لَكُمْ إِنْ كَانَ اللّٰهُ يُرِيدُ أَنْ يُغْوِيَكُمْ هُوَ رَبُّكُمْ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿۳۴﴾ أَمْ يَقُولُونَ

تم کو نصیحت کروں اگر اللہ چاہتا ہوگا کہ تم کو گمراہ کرے وہی ہے رب تمہارا اور اُسی کی طرف لوٹ جاؤ گے ف ۴۷ کیا کہتے ہیں کہ بنا

افْتَرٰىهُ قُلْ إِنِ افْتَرَيْتُهُ فَعَلَيَّ إِجْرَامِي وَأَنَا بَرِيءٌ مِمَّا تُجْرِمُونَ ﴿۳۵﴾ وَأُوحِيَ إِلٰى نُوحٍ ع

لایا قرآن کو ف ۴۸ کہدے اگر میں بنا لایا ہوں تو مجھ پر ہے میرا گناہ اور میرا ذمہ نہیں جو تم گناہ کرتے ہو ف ۴۹ اور حکم ہوا طرف نوح کی

أَنَّهُ لَنْ يُؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ إِلَّا مَنْ قَدْ آمَنَ فَلَا تَبْتَئِسْ بِمَا كَانُوا يَفْعَلُونَ ﴿۳۶﴾ وَاصْنَعِ

کہ اب ایمان نہ لائیگا تیری قوم میں مگر جو ایمان لا چکا سو غمگین نہ رہ اُن کاموں پر جو کر رہے ہیں ف ۵۰ اور بنا

الْفُلْكَ بِأَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا وَلَا تُخَاطِبْنِي فِي الَّذِينَ ظَلَمُوا إِنَّهُمْ مُغْرَقُونَ ﴿۳۷﴾

کشتی روبرو ہمارے اور ہمارے حکم سے اور نہ بات کر مجھ سے ظالموں کے حق میں یہ بیشک غرق ہونگے ف ۵۱

(۴۵) **عذاب کا مطالبہ** حضرت نوح قبل از طوفان ساڑھے نو سو برس اُن میں رہے۔ شب و روز سرًّا و علانیۃً انہیں نصیحت کرتے ہر شبہ کا جواب دیتے، تبلیغ و تفہیم اور بحث و مناظرہ کا سلسلہ جاری رہتا۔ اسی جھگڑے میں صدیاں گذر گئیں۔ کفار نے اُن کی حقانی بحثوں اور شب و روز کی روک ٹوک سے عاجز ہو کر کہا کہ اب یہ سلسلہ بند کیجئے۔ بس اگر آپ سچے ہیں تو جس عذاب کی دھمکیاں دیتے رہے ہو، وہ فوراً لے آؤ۔ تاکہ یہ روز روز کا جھگڑا ختم ہو۔

(۴۶) **حضرت نوحؑ کا جواب** یعنی یہ چیز میرے قبضہ میں نہیں۔ خدا جس وقت اپنی حکمت کے موافق چاہیگا عذاب نازل کر دے گا ہمارا فرض صرف آگاہ کر دینا تھا۔ باقی عذاب تو ایسی ہولناک اور عظیم الشان چیز ہے جس کا لے آنا اور دفع کر دینا دونوں پہلو قوائے بشریہ کے دائرہ سے خارج ہیں۔ جب مشیت الٰہی ہوگی تو کہیں بھاگ کر پناہ نہ لے سکو گے۔ ایسا کون ہے جو خدا کو (معاذ اللہ) تھکا کر عاجز کر سکے۔

(۴۷) یعنی کفر پر اس قدر اصرار و ضد اور انتہائی شوخ چشمی سے نزول عذاب کی استدعاء پتہ دیتی ہے کہ خدا کا ارادہ یہ ہی ہے کہ تم کو گمراہی میں پڑا رہنے دے اور آخر کار ہلاک کر دے۔ پس اگر تمہاری بدکرداری کے سبب سے خدا نے یہ ہی چاہا تو میں کتنا ہی نصیحت و خیر خواہی کر کے تم کو نفع پہنچانا چاہوں، کچھ نافع اور موثر نہ ہوگا۔ تمہارا رب وہ ہی ہے جس کے ملک و تصرف میں ہر چیز ہے۔ جیسا جس کے ساتھ معاملہ کرے، کوئی روک نہیں سکتا۔ سب کو اُسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے وہ ہی سب کے اعمال کی جزاء و سزا دینے والا ہے (ربط) حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "یہاں تک جتنے سوالات و اعتراضات اُس قوم کے تھے، وہ ہی تھے حضرت کی قوم کے، گویا یہ سب جواب اُن کو ملے۔ ایک اُن کا نیا دعویٰ تھا، اُسے آگے قصہ کے درمیان میں بیان فرماتے ہیں۔

(۴۸) **واقعہ نوح پر کفار مکہ کا اعتراض** یہ گفتگو کفار مکہ کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھی کہ قرآن آپ خود بنا لائے ہیں۔ خدا کا کلام نہیں ہے۔ حضرت نوح کتاب نہ لائے تھے جو اُن کی قوم یہ بات کہتی۔ (کذا فی الموضح) لیکن بعض مفسرین نے اس آیت کو بھی نوح کے قصہ کا جزو بتلایا ہے۔ یعنی اُن کی قوم نے کہا کہ جن باتوں کو نوح خدا کی طرف منسوب کرتے ہیں وہ خود اِن کی گھڑنت ہیں۔ بعض نے کہا کہ گفتگو تو اہل مکہ کی حضور سے ہے مگر اس کا تعلق خاص نوح کے قصہ سے تھا۔ گویا وہ کہتے تھے کہ یہ داستان آپ نے جھوٹ بنائی ہے۔ واقع میں ان قصوں کی کوئی اصل نہیں۔

(۴۹) **آنحضرتؐ کا جواب** قرآن کو "مفتریٰ" کہنے کا تحقیقی جواب اسی سورت میں ایک رکوع پہلے گذر چکا۔ یہاں آخری بات فرمائی یعنی قرآن کا کلام الٰہی ہونا نہایت واضح و محکم دلائل سے بار بار ثابت کیا جا چکا ہے۔ ایسی روشن چیز کی تکذیب کر کے جو گناہ تم سمیٹ رہے ہو۔ اُس کا وبال تم ہی پر پڑے گا۔ اُس کی فکر کرو۔ میں کافی تبلیغ کر کے بری الذمہ ہو چکا ہوں۔ اب جو غلطیاں تم کرو اُس کا میں ذمہ دار نہیں۔ ہاں بفرض محال اگر میں نے افتراء کیا ہو تو اُس کا گناہ مجھ پر پڑ سکتا ہے۔ سو بحمد اللہ ایسا ہوا نہیں۔

(۵۰) **حضرت نوحؑ کی دعاء اور اُسکا جواب** جب قوم کی ایذائیں حد سے گذر گئیں، تو نوح علیہ السلام نے سیکڑوں برس ظالموں کی زہرہ گداز جفائیں جھیلنے کے بعد خدا کے آگے شکوہ کیا "اِنِّیْ مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ" کہ میں مغلوب و ضعیف ہوں۔ آپ اِن سے بدلہ لیجئے۔ ارشاد ہوا کہ جن گنے چُنے افراد کی قسمت میں ایمان لانا تھا، لا چکے۔ آئندہ ان میں کوئی ایمان لانے والا نہیں ہے لہٰذا اب آپ ان کی عداوت و تکذیب اور ایذا رسانی سے زیادہ غمگین نہ رہیں۔ عنقریب خدا کی شمشیر انتقام بے نیام ہونے والی ہے جو سب شرارتوں اور شریروں کا خاتمہ کر ڈالیگی۔

(۵۱) **کشتی بنانے کا حکم** حق تعالیٰ نے نوح علیہ السلام سے فرمایا کہ ایک کشتی ہمارے روبرو (یعنی ہماری حفاظت و نگرانی میں) ہمارے حکم اور تعلیم و الہام کے موافق تیار کرو۔ کیونکہ عنقریب پانی کا سخت خوفناک طوفان آنیوالا ہے جس میں یہ سب ظالمین و مکذبین یقیناً غرق کئے جائیں گے۔ ان کے حق میں اب یہ فیصلہ نافذ ہو کر رہے گا۔ آپ کسی ظالم کی سفارش وغیرہ کے لئے ہم سے کوئی بات نہ کریں۔ آنے والا عذاب بالکل اٹل ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب قوم لوط کے حق میں جھگڑنا شروع کیا تھا۔ اُن کو بھی اسی طرح کا ارشاد ہوا تھا۔ "یٰۤاِبْرٰهِیْمُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا ۚ اِنَّهٗ قَدْ جَآءَ اَمْرُ رَبِّكَ ۚ وَاِنَّهُمْ اٰتِیْهِمْ عَذَابٌ غَیْرُ مَرْدُوْدٍ" (ہود۔ رکوع ۷)

وَیَصْنَعُ الْفُلْكَ ۫ وَكُلَّمَا مَرَّ عَلَیْهِ مَلَاٌ مِّنْ قَوْمِهٖ سَخِرُوْا مِنْهُ ؕ قَالَ اِنْ تَسْخَرُوْا مِنَّا فَاِنَّا نَسْخَرُ

اور وہ کشتی بناتا تھا ۵۲ اور جب گذرتے اُس پر سردار اُس کی قوم کے ہنسی کرتے اُس سے ۵۳ بولا اگر تم ہنستے ہو ہم سے تو ہم ہنستے ہیں

مِنْكُمْ كَمَا تَسْخَرُوْنَ ﴿۳۸﴾ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ وَيَحِلُّ عَلَيْهِ

تم سے جیسے تم ہنستے ہو ف۵۴ اب جلد جان لوگے کہ کس پر آتا ہے عذاب کہ رسوا کرے اُسکو اور اُترتا ہے اُس پر

عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ﴿۳۹﴾ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَ اَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّوْرُ ۙ قُلْنَا احْمِلْ فِيْهَا مِنْ كُلٍّ زَوْجَيْنِ

عذاب دائمی ف۵۵ یہاں تک کہ جب پہنچا حکم ہمارا اور جوش مارا تنور نے ف۵۶ کہا ہم نے چڑھا لے کشتی میں ہر قسم سے جوڑا

اثْنَيْنِ وَاَهْلَكَ اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ وَمَنْ اٰمَنَ ؕ وَمَآ اٰمَنَ مَعَهٗٓ اِلَّا قَلِيْلٌ ﴿۴۰﴾

دو عدد ف۵۷ اور اپنے گھر کے لوگ مگر جس پر پہلے ہو چکا ہے حکم ف۵۸ اور سب ایمان والوں کو اور ایمان نہ لائے تھے اُس کے ساتھ مگر تھوڑے ف۵۹

وَقَالَ ارْكَبُوْا فِيْهَا بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖىهَا وَمُرْسٰىهَا ؕ اِنَّ رَبِّيْ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۴۱﴾ وَهِيَ تَجْرِيْ بِهِمْ فِيْ

اور بولا سوار ہو جاؤ اس میں اللہ کے نام سے ہے اُس کا چلنا اور ٹھہرنا تحقیق میرا رب ہے بخشنے والا مہربان ف۶۰ اور وہ لئے جا رہی تھی اُن کو

مَوْجٍ كَالْجِبَالِ ۟ وَنَادٰى نُوْحُ ۨ ابْنَهٗ وَكَانَ فِيْ مَعْزِلٍ يّٰبُنَيَّ ارْكَبْ مَّعَنَا وَلَا تَكُنْ مَّعَ

لہروں میں جیسے پہاڑ اور پکارا نوح نے اپنے بیٹے کو اور وہ ہو رہا تھا کنارے اے بیٹے سوار ہو جا ساتھ ہمارے اور مت رہ ساتھ

الْكٰفِرِيْنَ ﴿۴۲﴾ قَالَ سَاٰوِيْٓ اِلٰى جَبَلٍ يَّعْصِمُنِيْ مِنَ الْمَآءِ ؕ قَالَ لَا عَاصِمَ الْيَوْمَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ

کافروں کے ف۶۱ بولا جا لگوں گا کسی پہاڑ کو جو بچا لیگا مجھ کو پانی سے ف۶۲ کہا کوئی بچانے والا نہیں آج اللہ کے حکم سے

اِلَّا مَنْ رَّحِمَ ۚ وَحَالَ بَيْنَهُمَا الْمَوْجُ فَكَانَ مِنَ الْمُغْرَقِيْنَ ﴿۴۳﴾

مگر جس پر وہی رحم کرے اور حائل ہو گئی دونوں میں موج پھر ہو گیا ڈوبنے والوں میں ف۶۳

(۵۲) **حضرت نوح کی کشتی** کہتے ہیں کشتی سالہا سال میں تیار کی۔ کشتی کیا تھی بڑا جہاز تھا۔ جس میں الگ الگ درجے تھے۔ مفسرین نے اس کی تفاصیل میں بہت سی مبالغہ آمیز اور عجیب و غریب روایات بیان کی ہیں جن میں اکثر اسرائیلیات ہیں۔

(۵۳) **قوم کا استہزاء** کہ دیکھو اپیغمبر سے بڑھئی بن گئے کبھی ایک عجیب سی چیز دیکھ کر نوح علیہ السلام سے پوچھتے کہ یہ کیا بناتے ہو؟ آپ فرما دیتے کہ ایک گھر بناتا ہوں جو پانی پر چلے گا اور ڈوبنے سے بچائیگا۔ وہ سن کر ہنسی اُڑاتے کہ خشک زمین پر ڈوبنے کا بچاؤ کر رہے ہیں۔

(۵۴) حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں" وہ ہنستے تھے کہ خشک زمین پر غرق کا بچاؤ کرتا ہے۔ یہ ہنستے تھے اس پر کہ موت سر پر کھڑی ہے اور یہ ہنستے ہیں۔" اسی تفسیر کے موافق مترجم محققؒ نے " فَاِنَّا نَسْخَرُ مِنْكُمْ الخ" کا ترجمہ بصیغہ حال کیا ہے۔ ابن کثیر وغیرہ " نَسْخَرُ مِنْكُمْ" میں استقبال کے معنی مراد لیتے ہیں۔ یعنی آج تم ہمیں احمق بناتے اور ہنستے ہو۔ لیکن وہ زمانہ قریب ہے کہ اس کے جواب میں تمہاری حماقت و سفاہت پر ہم کو ہنسنے کا موقع ملیگا، جب تم اپنے جرائم کی پاداش میں سزایاب ہوگے۔

(۵۵) یعنی اب زیادہ تاخیر نہیں۔ جلد آشکارا ہو جائے گا کہ دنیا کا رسوا کن اور آخرت کا دائمی عذاب کس پر نازل ہوتا ہے؟

(۵۶) **تنور سے پانی کا اُبلنا** یعنی نوح علیہ السلام کشتی تیار کرتے رہے یہاں تک کہ وعدہ کے موافق خدا کا حکم پہنچ گیا۔" بادلوں" کو کہ برس پڑیں اور زمین کو کہ اُبل پڑے، اور فرشتوں کو کہ تعذیب وغیرہ کے متعلق اپنے فرائض منصبی کا سرانجام کریں۔ آخر اُوپر سے بارش آئی اور نیچے زمین کی سطح سے چشموں کی طرح جوش مار کر پانی اُبلنے لگا۔ حتیٰ کہ روٹی پکانے کے تنوروں میں بھی جہاں آگ بھری ہوتی ہے، پانی اُبل پڑا۔ تنبیہ" تنور" کے معنی میں اختلاف ہے۔ بعض مطلق روٹی پکانے کا تنور مراد لیتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ ایک تنور حضرت حوّا سے منتقل ہوتے ہوتے حضرت

نوح علیہ السّلام کے پاس پہنچا تھا، وہ اُن کے گھر میں طوفان کا نشان ٹھہرایا گیا تھا۔ کہ جب اُس سے پانی اُبلے کشتی میں سوار ہو جاؤ۔ بعض کے نزدیک تنور کوئی خاص چشمہ "کوفہ" یا "جزیرہ" میں تھا۔ بعض نے دعویٰ کیا ہے کہ "تنور" صبح کے اُجالے اور روشنی کو کہا ہے۔ یعنی صبح کی روشنی خوب چمکنے لگے۔ ابو حیّان کہتے ہیں کہ " فارَ التنور" ممکن ہے۔ "ظہور عذاب" اور "شدتِ ہول" سے کنایہ ہو جیسے "حمی الوطیس" شدت حرب سے کنایہ ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ "تنور" کے معنی وجہ ارض (سطح زمین) کے ہیں۔ ہم نے اوپر جو تفسیر کی مقدم اسی معنیٰ کو رکھا ہے، اشارہ بعض دوسرے معانی کی طرف بھی کر دیا۔ حافظ ابن کثیر یہی تفسیر لکھنے کے بعد فرماتے ہیں۔ وہذا قول جمہور السلف وعلماء الخلف رحمہم اللہ۔

(۵۷) **کشتی کے سوار** یعنی جن جانوروں کی ضرورت ہے اور نسل باقی رہنی مقدر ہے، اُن میں سے ایک ایک جوڑا (نر اور مادہ دونوں) لے کر کشتی پر سوار کر لو۔

(۵۸) یعنی مقدر ہو چکا ہے کہ وہ ظالموں کے زمرہ میں داخل ہونے کی وجہ سے غرق کئے جائیں گے "وَلَا تُخَاطِبْنِیْ فِی الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ" اس سے مراد ہے نوح کا بیٹا "یام" جس کا لقب کنعان تھا اور کنعان کی والدہ "واعلہ" گھر والوں میں سے یہ دونوں علیحدہ رہے اور غرق ہوئے۔

(۵۹) یعنی اسّی مرد یا کم و بیش۔

(۶۰) **سوار ہونے کی دُعا** نوح علیہ السّلام نے اپنے ساتھیوں کو فرمایا کہ بنام خدا کشتی پر سوار ہو جاؤ، کچھ فکر مت کرو اس کا چلنا اور ٹھہرنا سب خدا کے اذن و حکم اور اُس کے نام کی برکت سے ہے۔ غرقابی کا کوئی اندیشہ نہیں۔ میرا پروردگار مومنین کی تقصیروں کو معاف کرنے والا اور اُن پر بے حد مہربان ہے۔ وہ اپنے فضل سے ہم کو صحیح سلامت اُتاریگا۔ اس آیت سے نکلتا ہے کہ کشتی وغیرہ پر سوار ہوتے وقت "بسم اللہ" کہنا چاہئے۔

(۶۱) **حضرت نوحؑ کا اپنے بیٹے کو سمجھانا** یعنی کشتی پہاڑ جیسی موجوں کو چیرتی پھاڑتی بے خوف و خطر چلی جا رہی تھی۔ سوار ہونے کے بعد نوح علیہ السّلام نے اپنے بیٹے "یام" (کنعان) کو جو اپنے باپ بھائی وغیرہ سارے کنبہ سے کنارے ہو کر کافروں کی صحبت میں تھا، آواز دی کہ ان بدبخت کافروں کی معیت چھوڑ کر ہمارے ساتھ سوار ہو جا! تا اس مصیبت عظمیٰ سے نجات پا سکے۔ (تنبیہ) یا تو نوح علیہ السّلام اُس کو مومن خیال کرتے تھے، اِس لئے آواز دی خواہ واقع میں مومن نہ ہو۔ یا کافر جانتے ہوں مگر یہ توقع ہوگی کہ ان ہولناک نشانات کو دیکھ کر مسلمان ہو جائیگا، یا "وَاَهْلَكَ" کے عموم میں داخل سمجھ کر شفقت پدری کے جوش سے ایسا کیا ہو اور "اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَیْهِ الْقَوْلُ" کو مجمل ہونے کی وجہ سے اُس پر منطبق نہ سمجھتے ہوں۔ واللہ اعلم۔

(۶۲) وہ اپنے جہل و غباوت سے ابھی یہ خیال کر رہا تھا کہ جس طرح معمولی سیلابوں میں بعض اوقات کسی بلندی پر چڑھ کر آدمی جان بچا لیتا ہے، میں بھی کسی اونچے پہاڑ پر چڑھ کر جان بچا لونگا۔

(۶۳) یعنی کس خبط میں پڑا ہے۔ یہ معمولی سیلاب نہیں۔ عذاب الٰہی کا طوفان ہے۔ پہاڑ کی کیا حقیقت کوئی چیز آج عذاب سے نہیں بچا سکتی ہاں خدا ہی کسی پر رحم کرے تو بچ سکتا ہے مگر اس ہنگامہ دار و گیر اور مقام انتقام میں کہ مجرموں پر رحم کیسا؟ باپ بیٹے کی یہ گفتگو پوری نہ ہوئی تھی کہ پانی کی ایک موج نے درمیان میں حائل ہو کر ہمیشہ کے لئے دونوں کو جُدا کر دیا۔

وَقِیْلَ یٰۤاَرْضُ ابْلَعِیْ مَآءَكِ وَیٰسَمَآءُ اَقْلِعِیْ وَغِیْضَ الْمَآءُ وَقُضِیَ الْاَمْرُ وَاسْتَوَتْ عَلَی

اور حکم آیا اے زمین نگل جا اپنا پانی اور اے آسمان تھم جا اور سُکھا دیا گیا پانی اور ہو چکا کام اور کشتی ٹھہری جودی

الربع الْجُوْدِيِّ وَقِيْلَ بُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۴﴾ وَنَادٰى نُوْحٌ رَّبَّهٗ فَقَالَ رَبِّ اِنَّ ابْنِیْ مِنْ

پہاڑ پر اور حکم ہوا کہ دور ہو قوم ظالم ف۶۴ اور پکارا نوح نے اپنے رب کو کہا اے رب میرا بیٹا ہے میرے گھر

اَهْلِیْ وَاِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ وَاَنْتَ اَحْكَمُ الْحٰكِمِيْنَ ﴿۴۵﴾ قَالَ يٰنُوْحُ اِنَّهٗ لَيْسَ مِنْ اَهْلِكَ اِنَّهٗ

والوں میں اور بیشک تیرا وعدہ سچا ہے اور تو سب سے بڑا حاکم ہے فرمایا اے نوح وہ نہیں تیرے گھر والوں میں اس کے

عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ فَلَا تَسْـَٔلْنِ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ اِنِّیْٓ اَعِظُكَ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ﴿۴۶﴾ قَالَ رَبِّ

کام ہیں خراب سو مت پوچھ مجھ سے جو تجھ کو معلوم نہیں میں نصیحت کرتا ہوں تجھ کو کہ نہ ہو جاوے تو جاہلوں میں ف۶۵ بولا اے رب

اِنِّیْٓ اَعُوْذُ بِكَ اَنْ اَسْـَٔلَكَ مَا لَيْسَ لِیْ بِهٖ عِلْمٌ وَاِلَّا تَغْفِرْ لِیْ وَتَرْحَمْنِیْٓ اَكُنْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۴۷﴾ قِيْلَ

میں پناہ لیتا ہوں تیری اس سے کہ پوچھوں تجھ سے جو معلوم نہ ہو مجھ کو ف۶۶ اور اگر تو نہ بخشے مجھ کو اور رحم نہ کرے تو میں ہوں نقصان والوں میں ف۶۷ حکم ہوا

يٰنُوْحُ اهْبِطْ بِسَلٰمٍ مِّنَّا وَبَرَكٰتٍ عَلَيْكَ وَعَلٰٓى اُمَمٍ مِّمَّنْ مَّعَكَ وَاُمَمٌ سَنُمَتِّعُهُمْ ثُمَّ يَمَسُّهُمْ مِّنَّا

اے نوح اُتر سلامتی کے ساتھ ہماری طرف سے اور برکتوں کے ساتھ تجھ پر اور ان فرقوں پر جو تیرے ساتھ ہیں اور دوسرے فرقے ہیں کہ ہم فائدہ دیں گے ان کو پھر پہنچے گا ان کو ہماری

عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۴۸﴾ تِلْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهَآ اِلَيْكَ مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَآ اَنْتَ وَلَا قَوْمُكَ مِنْ قَبْلِ هٰذَا

طرف سے عذاب دردناک ف۶۸ یہ باتیں منجملہ غیب کی خبروں کے ہیں کہ ہم بھیجتے ہیں تیری طرف نہ تجھ کو ان کی خبر تھی اور نہ تیری قوم کو اس سے پہلے ف۶۹

ع فَاصْبِرْ اِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۴۹﴾ وَاِلٰى عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ

سو تو صبر کر البتہ انجام بھلا ہے ڈرنے والوں کا ف۷۰ اور عاد کی طرف بھیجا ان کے بھائی ہود کو بولا اے قوم بندگی کرو اللہ کی کوئی تمہارا حاکم نہیں

اِلٰهٍ غَيْرُهٗ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا مُفْتَرُوْنَ ﴿۵۰﴾

سوائے اس کے تم سب جھوٹ کہتے ہو ف۷۱

(۶۴) **طوفان اور اُس کا خاتمہ** ایک مدت تک اس قدر پانی برسا گویا آسمان کے دہانے کھل گئے۔ اور زمین کے پردے پھٹ پڑے۔ درخت اور پہاڑیاں تک پانی میں چھپ گئیں۔ اصحاب سفینہ کے سوا تمام لوگ جن کے حق میں نوح علیہ السلام نے دعاء کی تھی "رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا" (نوح رکوع ۲) غرق ہو گئے۔ اُس وقت خداوند قدوس نے زمین کو حکم دیا کہ اپنا پانی نگل جا! اور بادل کو فرمایا کہ تھم جا! پھر کیا مجال تھی کہ دونوں اُس کے امتثال حکم میں ایک لمحہ کی تاخیر کرتے۔ چنانچہ پانی خشک ہونا شروع ہو گیا۔ کشتی "جودی" پہاڑ پر جا لگی جو بعض کے نزدیک موصل میں تھا۔ اور جو کام خدا نے چاہا (یعنی مجرمین کو سزا دینا) وہ پورا ہو چکا ظالموں کے حق میں کہہ دیا گیا کہ خدا کی رحمت سے دور ہو کر ہمیشہ کے لئے مصیبت و ہلاکت کے غار میں پڑے رہو۔ (تنبیہ) اس میں اختلاف ہے کہ "طوفان نوح" تمام دنیا میں آیا یا خاص ملکوں میں۔ اس کے فیصلہ کا یہاں موقع نہیں۔ مگر یاد رہے کہ "دائرۃ المعارف" میں بعض محققین یورپ کے ایسے اقوال و دلائل نقل کئے ہیں جو عموم طوفان کی تائید کرتے ہیں۔ جو لوگ عام طوفان کے قائل ہیں اُن میں سے اکثر کے نزدیک موجودہ دنیا کے کل انسان نوح علیہ السلام کے تین بیٹوں "سام" "حام" "یافث" کی اولاد ہیں "وَجَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهٗ هُمُ الْبٰقِيْنَ" طوفان سے جو بچے اور حیوانات ہلاک ہوئے، اُن کا اہلاک بطور تعذیب نہ تھا بلکہ جیسے خدا دوسرے اسباب طبیعیہ کے ذریعہ سے اُن پر موت وارد کرتا ہے اور وہ ظلم نہیں ہوتا۔ اسی طرح یہاں اُن کی موت اس ذریعہ سے واقع ہوئی آخراب بھی جو سیلاب اور طوفان آتے ہیں اُن

میں کتنے جانور اور بچے ہلاک ہو جاتے ہیں۔

(۶۵) **اپنے بیٹے کے بارے میں حضرت نوحؑ کی دعا کے اسباب** نوح علیہ السلام نے یہ کس وقت عرض کیا، کنعان کے غرق ہونے سے پہلے یا غرق ہونے کے بعد، دونوں احتمال ہیں۔ نیز کنعان کو اُس کی منافقانہ اوضاع و اطوار دیکھ کر غلط فہمی سے مومن سمجھ رہے تھے یا کافر سمجھتے ہوئے بارگاہ رب العزت میں یہ گذارش کی۔ دونوں باتوں کا امکان ہے۔ اگر مومن سمجھ کر غرقابی سے پہلے عرض کیا تھا تو مقصود اپنی اضطرابی کیفیت کا اظہار اور خدا سے کہہ کر اُس کے بچاؤ کا انتظام کرنا تھا۔ اور اگر غرقابی کے بعد یہ گفتگو ہوئی تو محض معاملہ کی اصل حقیقت معلوم کرنے کی غرض سے اپنا خلجان یا اشکال پیش کیا۔ یعنی خداوندا! تو نے میرے گھر والوں کو بچانے کا وعدہ کیا تھا۔ اور کنعان مومن ہونے کی وجہ سے "اِلَّا مَنۡ سَبَقَ عَلَیۡہِ الۡقَوۡلُ" کے استثناء میں بظاہر داخل نہیں۔ پھر اُس کی غرقابی کا راز کیا ہے؟ بلاشبہ آپ کا وعدہ سچا ہے۔ کسی کو یہ خیال نہیں گذر سکتا کہ معاذ اللہ وعدہ خلافی کی ہو۔ آپ احکم الحاکمین اور شہنشاہ مطلق ہیں۔ سمجھ میں آئے یا نہ آئے، کسی کو حق نہیں کہ آپ کے فیصلہ کے سامنے دم مار سکے، یا آپ کو وعدہ خلافی پر مجبور کر دے، نہ کسی کا یہ منصب ہے کہ آپ کے حکم ناطق کے متعلق کسی قسم کی نکتہ چینی کر سکے فقط قلبی اطمینان کے لئے بطریق استعلام و استفسار اس واقعہ کا راز معلوم کرنا چاہتا ہوں۔ جواب ملا یہ اُن گھر والوں میں سے نہیں جن کے بچانے کا وعدہ تھا، بلکہ "اِلَّا مَنۡ سَبَقَ عَلَیۡہِ الۡقَوۡلُ" میں شامل ہے۔ کیونکہ اُس کے عمل خراب ہیں۔ تم کو اُس کے کفر و شرک کی خبر نہیں، مقام تعجب ہے کہ پیغمبرانہ فراست کی روشنی میں صریح آثار کفر کے باوجود ایک کافر کا حال مشتبہ رہے۔ جس شخص کا واقعی حال تمہیں معلوم نہیں اس کے بارہ میں ہم سے ایسی نامناسب رعایت یا اس طرح کی کیفیت مت طلب کرو۔ مقربین کو لائق نہیں کہ وہ بے سوچے سمجھے ادب ناشناس جاہلوں کی سی باتیں کرنے لگیں۔ آیت کی یہ تقریر اُس صورت میں ہے کہ نوح علیہ السلام کنعان کو مومن سمجھتے ہوں اور اگر کافر سمجھتے تھے تو شاید اس درخواست یا سوال کا منشاء یہ ہو کہ "انجاء" کے ذکر میں "اہل" کو چونکہ عام مومنین سے الگ کر کے بیان فرمایا تھا، اس سے نوح علیہ السلام نے یہ خیال کیا کہ میرے اہل کو اس دنیوی عذاب سے محفوظ رکھنے کے لئے ایمان شرط نہیں اور "اِلَّا مَنۡ سَبَقَ عَلَیۡہِ الۡقَوۡلُ" مجمل تھا۔ اس لئے اُس کے مصداق کی تعیین نہیں کر سکے۔ بناءً علیہ شفقت پدری کے جوش میں عرض کیا کہ الٰہ العالمین! میرا بیٹا یقیناً میرے اہل میں داخل ہے جس کے بچانے کا آپ وعدہ فرما چکے ہیں۔ پھر یہ کیوں غرق کیا جا رہا ہے یا غرق کر دیا گیا۔ جواب ملا کہ تمہارا پہلا ہی مقدمہ (ان ابنی من اہلی) غلط ہے۔ جس اہل کے بچانے کا وعدہ تھا اُس میں یہ داخل نہیں، کیونکہ اس کی کرتوت بہت خراب ہیں۔ نیز "اِلَّا مَنۡ سَبَقَ عَلَیۡہِ الۡقَوۡلُ" کے مصداق کا تم کو کچھ علم نہیں کہ وہ کون لوگ ہیں پھر جس چیز کا علم تم نہیں رکھتے اس کی نسبت ایسے محاجّہ کے رنگ میں سوال یا درخواست کرنا تمہارے لئے زیبا نہیں۔

(۶۶) حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ "آدمی وہ ہی پوچھتا ہے جو معلوم نہ ہو۔ لیکن مرضی معلوم ہونی چاہئے یہ کام جاہل کا ہے کہ بڑے کی مرضی پوچھنے کی نہ دیکھے، پھر پوچھے۔" مرضی کیوں نہ تھی؟ اسے ہم فائدہ گذشتہ میں بیان کر چکے ہیں۔

(۶۷) **حضرت نوح کی توبہ** حضرت نوح کانپ اُٹھے اور توبہ کی، لیکن یہ نہ کہا کہ پھر ایسا نہ کروں گا کہ اس میں دعویٰ نکلتا ہے۔ بندہ کو کیا مقدور ہے۔ چاہئے اُسی کی پناہ مانگے کہ مجھ سے پھر نہ ہو اور دل میں عزم نہ کرنے کا رکھے۔ حضرت آدم علیہ السلام اور یونس علیہ السلام وغیرہ کی توبہ کے جو الفاظ قرآن میں نقل ہوئے ہیں اُن میں یہ ہی ادب ملحوظ رہا ہے۔

(۶۸) **سلامتی اور برکت کا وعدہ** یعنی کشتی سے "جودی" پر، پھر "جودی" سے زمین پر اُتر لیے۔ برکتیں اور سلامتی آئندہ تم پر اور اُن اقوام پر رہے گی جو تمہارے ساتھیوں سے پیدا ہونے والی ہیں۔ فی الحال جو زمین طوفان سے بالکل اُجڑ گئی ہے خدا دوبارہ آباد کر دے گا اور اُس کی رونق و برکت پھر عود کر آئے گی۔ "سلامت" کے لفظ سے گویا حق تعالیٰ نے تسلی فرما دی کہ پھر ساری نوع انسانی پر قیامت سے پہلے ایسی

(۷۱) کہ پتھر کے بُت بھی باختیار حاکم بلکہ معبود ہیں۔ سورۂ "اعراف" میں قوم "ہود" کا قصہ گذر چکا۔

يٰقَوْمِ لَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا ؕ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى الَّذِيْ فَطَرَنِيْ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿٥١﴾ وَيٰقَوْمِ

اے قوم میں تم سے نہیں مانگتا اُس پر مزدوری میری مزدوری اُسی پر ہے جس نے مجھ کو پیدا کیا ف۷۲ پھر کیا تم نہیں سمجھتے ف۷۳ اور اے قوم

اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ يُرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا وَّيَزِدْكُمْ قُوَّةً اِلٰى قُوَّتِكُمْ

گناہ بخشواؤ اپنے رب سے پھر رجوع کرو اُسکی طرف ف۷۴ چھوڑیگا تم پر آسمان سے دھاریں ف۷۵ اور زیادہ دیگا تم کو زور پر زور

وَلَا تَتَوَلَّوْا مُجْرِمِيْنَ ﴿٥٢﴾ قَالُوْا يٰهُوْدُ مَا جِئْتَنَا بِبَيِّنَةٍ وَّمَا نَحْنُ بِتَارِكِيْٓ اٰلِهَتِنَا عَنْ قَوْلِكَ وَمَا

اور روگردانی نہ کرو گنہگار ہو کر ف۷۶ بولے اے ہود تو ہمارے پاس کوئی سند لیکر نہیں آیا اور ہم نہیں چھوڑنے والے اپنے ٹھاکروں (معبودوں) کو تیرے کہنے سے اور ہم

نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿٥٣﴾ اِنْ نَّقُوْلُ اِلَّا اعْتَرٰىكَ بَعْضُ اٰلِهَتِنَا بِسُوْٓءٍ ؕ قَالَ اِنِّيْٓ اُشْهِدُ اللّٰهَ

نہیں تجھ کو ماننے والے ف۷۷ ہم تو یہی کہتے ہیں کہ تجھ کو آسیب پہنچایا ہے کسی ہمارے ٹھاکروں (معبودوں) نے بُری طرح ف۷۸ بولا میں گواہ کرتا ہوں اللہ کو

وَاشْهَدُوْٓا اَنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ﴿٥٤﴾ مِنْ دُوْنِهٖ فَكِيْدُوْنِيْ جَمِيْعًا ثُمَّ لَا تُنْظِرُوْنِ ﴿٥٥﴾ اِنِّيْ

اور تم گواہ رہو کہ میں بیزار ہوں اُن سے جن کو تم شریک کرتے ہو اُس کے سوا سو بُرائی کرو میرے حق میں تم سب ملکر پھر مجھ کو مہلت نہ دو میں نے

تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ رَبِّيْ وَرَبِّكُمْ ؕ مَا مِنْ دَآبَّةٍ اِلَّا هُوَ اٰخِذٌۢ بِنَاصِيَتِهَا ؕ اِنَّ رَبِّيْ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿٥٦﴾

بھروسہ کیا اللہ پر جو رب ہے میرا اور تمہارا کوئی نہیں زمین پر پاؤں دھرنیوالا مگر اللہ کے ہاتھ میں ہے چوٹی اسکی بیشک میرا رب ہے سیدھی راہ پر ف۷۹

قوم عاد کو حضرت ہودؑ کی تبلیغ

(۷۲) یعنی تمہارے مال کی مجھے ضرورت نہیں۔ میرا پیدا کرنے والا ہی تمام دنیوی ضروریات اور اُخروی اجر و ثواب کا کفیل ہے۔ یہ بات ہر ایک پیغمبر نے اپنی قوم سے کہی تاکہ نصیحت بے لوث اور مؤثر ہو لوگ اُنکی محنت کو دنیوی طمع پر محمول نہ کریں۔

(۷۳) یعنی اس قدر غبی ہو، اتنی موٹی بات بھی نہیں سمجھتے کہ ایک شخص بے طمع بے غرض، محض دردمندی اور خیر خواہی سے تمہاری فلاح دارین کی بات کہتا ہے۔ تم اُسے دشمن اور بدخواہ سمجھ کر دست و گریباں ہوتے ہو۔

(۷۴) اسی سورت کے شروع میں اس جملہ کی تفسیر گذر چکی۔

(۷۵) یعنی موقع بہ موقع خوب بارشیں دیگا۔ وہ قوم چونکہ کھیتی، باغ لگانے سے بڑی دلچسپی رکھتی تھی اس لئے ایمان لانے کے ظاہری فوائد و برکات وہ بیان کئے جو ان کے حق میں خصوصی طور پر موجب ترغیب ہوں۔ لکھتے ہیں کہ وہ لوگ تین سال سے خشک سالی اور امساک باراں کی مصیبت میں گرفتار تھے۔ ہود علیہ السلام نے وعدہ کیا کہ ایمان لا کر خدا کی طرف رجوع ہو گئے تو یہ مصیبت دور ہو جائیگی۔

(۷۶) یعنی مالی اور بدنی قوت بڑھائیگا اولاد میں برکت دیگا۔ خوشحالی میں ترقی ہوگی، اور مادی قوت کے ساتھ روحانی و ایمانی قوت کا اضافہ کر دیا جائیگا۔ بشرطیکہ خدا تعالیٰ کی طرف رجوع ہو کر اُس کی اطاعت سے مجرموں کی طرح روگردانی نہ کرو۔

(۷۷) **قوم عاد کا ایمان لانے سے انکار** یہ اُن کی کھلی ہٹ دھرمی تھی جو کہتے تھے کہ آپ کوئی واضح سند اور دلیل اپنی صداقت کی نہیں لائے۔ خدا جسے پیغمبری کے عہدہ پر فائز کرے، ضرور ہے کہ اُس کو تقرر کی سند اور پروانہ عطا فرمائے۔ چنانچہ حدیث میں ہے کہ جو نبی مبعوث ہوا اُس کے ساتھ ایسے واضح نشان بھیجے گئے جس پر آدمی ایمان لانا چاہیں تو لا سکتے ہیں۔ اس لئے بالیقین کہا جا سکتا ہے کہ ہود علیہ السلام نے نشان پیش کئے ہونگے، مگر وہ لوگ ہٹ دھرمی اور بے حیائی سے یہ ہی کہتے رہے کہ آپ کوئی کُھلا ہوا نشان نہیں لائے (شاید یہ مراد ہو کہ ایسا نشان نہ لائے جو سب کی گردنیں پکڑ کر ایمان لانے پر مجبور کر دے) بہرحال ہم محض تیرے کہنے سے اپنے معبودوں کو نہیں چھوڑ سکتے۔ نہ کبھی تیری رسالت پر ایمان لا سکتے ہیں۔

(۷۸) **حضرت ہودؑ پر آسیب کا الزام** یعنی یہ جو تم بہکی بہکی باتیں کرتے ہو اور سارے جہان کو بیوقوف بتلا کر اپنا دشمن بنا رہے ہو۔ ہمارا خیال یہ ہے کہ ہمارے دیوتاؤں میں سے کسی نے آسیب پہنچا کر تمہیں مجنون اور پاگل کر دیا ہے (العیاذ باللہ) تم جو اُن کی عبادت سے روکتے اور بُرا بھلا کہتے تھے، انہوں نے اس گستاخی کی سزا دی کہ اب تم بالکل دیوانوں کی سی باتیں کرنے لگے۔

(۷۹) **حضرت ہودؑ کا جواب** یعنی وہ بیچاری پتھر کی مورتیں تو مجھے کیا گزند پہنچا سکتیں، تم سب، جو بڑے شہ زور، تنومند اور طاقتور نظر آتے ہو اپنے دیوتاؤں کی فوج میں بھرتی ہو کر اور مجھ جیسے یکہ و تنہا پر پوری قوت سے بیک وقت ناگہاں حملہ کر کے بھی میرا بال بیکا نہیں کر سکتے۔ سنو میں خدا کو گواہ بنا کر اعلان کرتا ہوں اور تم سب بھی اس پر گواہ رہو کہ میں تمہارے جھوٹے دیوتاؤں سے قطعاً بیزار ہوں۔ تم سب جمع ہو کر جو بُرائی مجھے پہنچا سکتے ہو پہنچاؤ۔ نہ ذرا کوتاہی کرو نہ ایک منٹ کی مجھے مہلت دو۔ اور خوب سمجھ لو کہ میرا بھروسہ خدائے وحدہٗ لاشریک لہٗ پر ہے۔ جو میرا رب ہے اور وہ ہی تمہارا بھی مالک و حاکم ہے۔ گو بدفہمی سے تم نہیں سمجھتے۔ نہ صرف میں اور تم بلکہ ہر چھوٹی بڑی چیز جو زمین پر چلتی ہے خالص اُس کے قبضہ اور تصرف میں ہے گویا اُن کے سر کے بال اُس کے ہاتھ میں ہیں جدھر چاہے پکڑ کر کھینچے اور پھیر دے۔ کسی کی مجال نہیں کہ اُس کے قبضۂ اختیار سے نکل کر بھاگ جائے۔ نہ ظالم اُس کی گرفت سے چھوٹ سکتے ہیں نہ سچے اُس کی پناہ میں رہ کر رسوا ہو سکتے ہیں۔ بلاشبہ میرا پروردگار عدل و انصاف کی سیدھی راہ پر ہے۔ اُس کے یہاں نہ ظلم ہے نہ بے موقع انعام، اپنے بندوں کو نیکی اور خیر کی جو سیدھی راہ اُس نے بتلائی، بیشک اُسی پر چلنے سے وہ ملتا ہے اور اُس پر چلنے والوں کی حفاظت کرنے کے لئے خود ہر وقت وہاں موجود ہے۔

فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقَدْ أَبْلَغْتُكُمْ مَّا أُرْسِلْتُ بِهِ إِلَيْكُمْ وَيَسْتَخْلِفُ رَبِّي قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّونَهُ

پھر اگر تم منہ پھیروگے تو میں پہنچا چکا تم کو جو میرے ہاتھ بھیجا تھا تمہاری طرف اور قائم مقام کریگا میرا رب کوئی اور لوگ اور نہ بگاڑ سکوگے اللہ

شَيْئًا ۚ إِنَّ رَبِّي عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ حَفِيظٌ ﴿٥٧﴾ وَلَمَّا جَاءَ أَمْرُنَا نَجَّيْنَا هُودًا وَالَّذِينَ آمَنُوا

کا کچھ تحقیق میرا رب ہی ہر چیز پر نگہبان ہے ف۸۰ اور جب پہنچا ہمارا حکم بچا دیا ہمنے ہود کو اور جو لوگ ایمان لائے تھے

مَعَهُ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَنَجَّيْنَاهُم مِّنْ عَذَابٍ غَلِيظٍ ﴿٥٨﴾ وَتِلْكَ عَادٌ ۖ جَحَدُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ وَعَصَوْا

اُس کے ساتھ اپنی رحمت سے اور بچا دیا اُن کو ایک بھاری عذاب سے ف۸۱ اور یہ تھے عاد کہ منکر ہوئے اپنے رب کی باتوں سے اور نہ مانا اُسکے

رُسُلَهُ وَاتَّبَعُوا أَمْرَ كُلِّ جَبَّارٍ عَنِيدٍ ﴿٥٩﴾ وَأُتْبِعُوا فِي هَٰذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ ۗ أَلَا

رسولوں کو اور مانا حکم اُنکا جو سرکش تھے مخالف ف۸۲ اور پیچھے سے آئی اُن کو اس دنیا میں پھٹکار اور قیامت کے دن بھی ف۸۳ سن لو

ع ۵ ۵/۱۱

إِنَّ عَادًا كَفَرُوا رَبَّهُمْ ۗ أَلَا بُعْدًا لِّعَادٍ قَوْمِ هُودٍ ﴿٦٠﴾

عاد منکر ہوئے اپنے رب سے سن لو پھٹکار ہے عاد کو جو قوم تھی ہود کی ف۸۴

(٨٠) یعنی ایسی صاف اور کھری کھری باتیں سُن کر بھی نہ مانو گے تو اب میرا کچھ نقصان نہیں۔ میں فرض تبلیغ پوری طرح ادا کر چکا۔ تم اپنی فکر کر لو ضرور ہے کہ اس قسم کی ہٹ دھرمی اور تعصب و عناد پر آسمان سے عذاب آئے جو تم کو ہلاک کر ڈالے۔ خدا کی زمین تمہاری تباہی سے ویران نہ ہو گی، وہ دوسرے لوگوں کو تمہارے اموال وغیرہ کا وارث بنا دے گا۔ تمہارا قصہ ختم کر دینے سے یاد رکھو خدا کا یا اُس کے پیغمبروں کا کچھ نہیں بگڑتا نہ اُس کا ملک خراب ہوتا ہے۔ جب وہ ہر چیز کا محافظ و نگہبان ہے تو ہر قابل حفاظت چیز کی حفاظت کے سامان اپنی قدرتِ کاملہ سے کر دیگا۔

(٨١) **قوم ہودؑ پر عذاب** یعنی سات رات اور آٹھ دن مسلسل آندھی کا طوفان آیا جیسا کہ سورۂ "اعراف" میں ہم ذکر کر چکے ہیں مکان گر گئے، چھتیں اُڑ گئیں، درخت جڑ سے اُکھڑ کر کہیں کے کہیں جا پڑے۔ ہوا ایسی مسموم تھی کہ آدمیوں کی ناک میں داخل ہو کر نیچے سے نکل جاتی اور جسم کو پارہ پارہ کر ڈالتی تھی۔ اُس ہولناک عذاب سے ہم نے ہود علیہ السلام اور اُن کے ساتھیوں کو جو آخر میں چار ہزار تک پہنچ گئے تھے۔ بالکل محفوظ رکھا اور ایمان و عمل صالح کی بدولت آخرت کے بھاری عذاب سے بھی اُن کو نجات دیدی۔

(٨٢) یعنی اُن کے کھنڈرات کو چشم عبرت سے دیکھو کہ یہ وہ قوم "عاد" تھی جن کے بڑوں نے بہت طمطراق سے اپنے پروردگار کی باتوں کا مقابلہ کیا اور اُس کے پیغمبروں کی نافرمانی کی۔ اور چھوٹوں نے بڑے شیطانوں کی پیروی کی۔ آخر دونوں تباہ و برباد ہوئے۔ (تنبیہ) "رُسُلَہٗ" شاید اس لئے فرمایا کہ ایک کی تکذیب سب پیغمبروں کی تکذیب ہے۔ کیونکہ توحید وغیرہ اصول دین میں سب متفق اور ایک دوسرے کے مصدق ہیں

(٨٣) یعنی خدا کی لعنت (پھٹکار) دنیا میں اُن کے پیچھے لگادی گئی کہ جہاں جائیں ساتھ جائے۔ اور قیامت تک جہاں اُن کا ذکر ہو لعنت کے ساتھ ہو، بلکہ قیامت کے بعد بھی وہ ان کا پیچھا نہ چھوڑیگی لعنت کا طوق ہمیشہ اُن کے گلے میں پڑا رہے گا۔

(٨٤) **عاد اور قوم ہود پر لعنت** بعض مفسرین نے کہا کہ قیامت کے دن یوں پکارا جائیگا۔ "اَلَآ اِنَّ عَادًا کَفَرُوْا" الخ (تنبیہ) "عاد" کے ساتھ "قوم ہود" کا لفظ یا تو اس لئے بڑھایا کہ دونوں کا تصور سننے والے کے دماغ میں ساتھ ساتھ آئے۔ یعنی "ہود" کا کیا حال تھا، اور یہ اُسی کی قوم تھی جس کا حشر یہ ہوا۔ اور ممکن ہے اس پر تنبیہ کرنا ہو کہ "عاد" دو ہیں "اولیٰ" اور "اُخریٰ" اِسی لئے ایک جگہ فرمایا "وَاَنَّہٗٓ اَھْلَکَ عَادَا ۨ الْاُوْلٰی" (النجم رکوع ٣) یہاں "عاد اولیٰ" مراد ہے جس کی طرف "ہود" مبعوث ہوئے تھے۔ واللہ اعلم۔

وَاِلٰی ثَمُوْدَ اَخَاھُمْ صٰلِحًا ۘ قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰہَ مَا لَکُمْ مِّنْ اِلٰہٍ غَیْرُہٗ ؕ ھُوَ اَنْشَاَکُمْ مِّنَ الْاَرْضِ

اور ثمود کی طرف بھیجا اُن کا بھائی صالح ف٨٥ بولا اے قوم بندگی کرو اللہ کی کوئی حاکم نہیں تمہارا اُس کے سوا اُسی نے بنایا تم کو زمین سے ف٨٦

وَاسْتَعْمَرَکُمْ فِیْھَا فَاسْتَغْفِرُوْہُ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَیْہِ ؕ اِنَّ رَبِّیْ قَرِیْبٌ مُّجِیْبٌ ﴿٦١﴾ قَالُوْا یٰصٰلِحُ قَدْ کُنْتَ

اور بسایا تم کو اُس میں سو گناہ بخشواؤ اُس سے اور رجوع کرو اُسکی طرف تحقیق میرا رب نزدیک ہے قبول کرنیوالا ف٨٧ بولے اے صالح تجھ سے تو

فِیْنَا مَرْجُوًّا قَبْلَ ھٰذَآ اَتَنْھٰنَآ اَنْ نَّعْبُدَ مَا یَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا وَاِنَّنَا لَفِیْ شَکٍّ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَیْہِ مُرِیْبٍ ﴿٦٢﴾

ہم کو اُمید تھی اُس سے پہلے کیا تو ہم کو منع کرتا ہے کہ پرستش کریں جنکی پرستش کرتے رہے ہمارے باپ دادے اور ہم کو تو شبہ ہے اُس میں جس کی طرف تو بلاتا ہے ایسا کہ دل نہیں مانتا ف٨٨

قَالَ یٰقَوْمِ اَرَءَیْتُمْ اِنْ کُنْتُ عَلٰی بَیِّنَۃٍ مِّنْ رَّبِّیْ وَاٰتٰنِیْ مِنْہُ رَحْمَۃً فَمَنْ یَّنْصُرُنِیْ مِنَ اللّٰہِ اِنْ

بولا اے قوم بھلا دیکھو تو اگر مجھ کو سمجھ مل گئی اپنے رب کی طرف سے اور اُس نے مجھ کو دی رحمت اپنی طرف سے پھر کون بچائے مجھ کو اُس سے اگر اُسکی

عَصَیْتُہٗ ۣ فَمَا تَزِیْدُوْنَنِیْ غَیْرَ تَخْسِیْرٍ ﴿٦٣﴾

نافرمانی کروں ف٨٩ سو تم کچھ نہیں بڑھاتے میرا سوائے نقصان کے ف٩٠

(۸۵) اِن کا قصہ "اعراف" میں گذر چکا۔

(۸۶) **حضرت صالح علیہ السلام کا اپنی قوم سے خطاب** یعنی اوّل آدم کو مٹی سے پیدا کیا۔ پھر زمین سے غذائیں پیدا کیں جن سے نطفہ وغیرہ بنتا ہے جو مادہ ہے آدمی کی پیدائش کا۔

(۸۷) یعنی پیدا کر کے باقی رکھا۔ بقاء کا سامان کیا۔ زمین کے آباد کرنے کی ترکیبیں بتلائیں تدابیر الہام فرمائیں، جب وہ ایسا منعم و محسن ہے تو چاہئے آدمی اُسی کی طرف ایمان و طاعت کے ساتھ رجوع کرے اور کفر و شرک وغیرہ جو گناہ کر چکا ہے اُن کی معافی چاہے، وہ ہم سے بالکل نزدیک ہے، ہر بات خود سُنتا ہے اور جو توبہ و استغفار صدق دل سے کیا جائے اُسے سُن کر قبول کرتا ہے۔

(۸۸) **قوم کا اعتراض اور شبہ** یعنی تجھ سے اُمید تھی کہ آگے چل کر بڑا فاضل اور نیک مرد ہوگا جس کو معزز بزرگوں کا جانشین سمجھ کر قوم سر پر بٹھائے گی۔ تیری پیشانی سے رُشد و صلاح کے آثار ہویدا تھے۔ سب کو توقع تھی کہ مستقبل قریب میں بڑا فائدہ تجھ سے پہنچے گا۔ رائے و تدبیر، صلاح و مشورہ سے اپنے قومی بھائیوں کی رہنمائی اور نہایت قوت قلب کے ساتھ آبائی مذہب کی حمایت و تائید کریگا یہ درست ہے کہ ابتداء سے تجھ کو بُت پرستی مبغوض تھی اور عام قومی مذہب سے الگ تھلگ رہتا تھا۔ تاہم تیری سمجھ اور فطری قابلیت پر اعتماد کر کے ہم کو اُمید رہی کہ آگے چلکر عقل و تجربہ کی پختگی کے بعد یہ روش نہ رہیگی۔ لیکن افسوس یک بیک تو ایسی باتیں کرنے لگا جس نے تمام اُمیدوں پر پانی پھیر دیا تو نے ہمارے آباؤ اجداد کے قدیم مذہب کے خلاف علانیہ جہاد شروع کر کے سب توقعات خاک میں ملا دیں کیا تو یہ چاہتا ہے کہ ہم ایک خدا کو لے کر سارے پُرانے دیوتاؤں کو چھوڑ بیٹھیں۔ ہمارے نزدیک بزرگوں کی روش کے خلاف ایسا مسلک اختیار کرنا سخت شبہ کی چیز ہے۔ جسے ہمارا دل کسی طرح نہیں مانتا۔ "موضح القرآن" میں ہے "یعنی ہونہار لگتا تھا کہ باپ دادے کی راہ روشن کرے گا۔ تو لگا مٹانے۔"

(۸۹) **حضرت صالح کا جواب** یعنی تمہارے شک و شبہ کی وجہ سے میں ایک صاف راستہ کیسے چھوڑ سکتا ہوں۔ خدا نے مجھ کو سمجھ دی اور اپنی رحمتِ عظیمہ سے منصب پیغمبری عطا کیا۔ اب اگر فرض کیجئے میں اُس کی نافرمانی کرنے لگوں اور جن چیزوں کے پہنچانے کا حکم ہے نہ پہنچاؤں تو مجھ کو اُس کی سزا سے کون بچالیگا۔

(۹۰) **اُونٹنی کا نشان** یعنی بجائے اس کے کہ اپنے سچے خیر خواہ اور محسن کی قدر کرتے مجھے فرائض دعوۃ و تبلیغ سے رُک جانے کا مشورہ دیکر ناقابل تلافی نقصان پہنچانا چاہتے ہو۔ بعض سلف نے اس جملہ کا مطلب یہ لیا ہے کہ تمہاری گفتگو سے مجھ میں کوئی چیز نہیں بڑھتی بجز اس یقین کے کہ تم اپنا سخت نقصان کر رہے ہو۔ مگر سیاق کے مناسب پہلے معنی ہیں۔

وَيٰقَوْمِ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِيْٓ اَرْضِ اللّٰهِ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ

اور اے قوم یہ اُونٹنی ہے اللہ کی تمہارے لئے نشانی سو چھوڑ دو اُسکو کھاتی پھرے اللہ کی زمین میں اور مت ہاتھ لگاؤ اُسکو بُری طرح پھر تو آ پکڑیگا تم کو

عَذَابٌ قَرِيْبٌ ﴿۶۴﴾ فَعَقَرُوْهَا فَقَالَ تَمَتَّعُوْا فِيْ دَارِكُمْ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ ذٰلِكَ وَعْدٌ غَيْرُ مَكْذُوْبٍ ﴿۶۵﴾

عذاب بہت جلد پھر اُسکو پاؤں کاٹے تب کہا فائدہ اُٹھالو اپنے گھروں میں تین دن یہ وعدہ ہے جو جھوٹا نہ ہوگا ف ۹۱

فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا صٰلِحًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَمِنْ خِزْيِ يَوْمِىِٕذٍ اِنَّ رَبَّكَ

پھر جب پہنچا حکم ہمارا بچا دیا ہمنے صالح کو اور جو ایمان لائے اُسکے ساتھ اپنی رحمت سے اور اُس دن کی رسوائی سے ف ۹۲ بیشک تیرا رب

هُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيْزُ ﴿۶۶﴾ وَاَخَذَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دِيَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴿۶۷﴾

وہی ہے زور والا زبردست ف ۹۳ اور پکڑ لیا اُن ظالموں کو ہولناک آواز نے پھر صبح کو رہ گئے اپنے گھروں میں اوندھے پڑے ہوئے۔

(۹۱) **قوم کی نافرمانی** حضرت صالح علیہ السّلام سے قوم نے معجزہ طلب کیا تھا۔ وہ انہیں دکھلا دیا۔ اس واقعہ کی پوری تفصیل اور الفاظ کی تشریح سورۂ "اعراف" میں آٹھویں پارہ کے ختم پر گذر چکی ہے۔ وہاں ملاحظہ کر لیجئے۔

(۹۲) یعنی جب حکم عذاب پہنچا تو ہم نے "صالح" اور اُن کے ساتھیوں کو بچا دیا۔ اور کاہے سے بچا دیا؟ اُس دن کی رسوائی سے "وَمِنْ خِزْيِ يَوْمِئِذٍ" "نَجَّيْنَا" کی شرح و تفصیل ہے۔

(۹۳) یعنی جسے چاہے ہلاک کردے اور جسے چاہے بچا دے۔

كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا ؕ اَلَاۤ اِنَّ ثَمُوْدَاۡ كَفَرُوْا رَبَّهُمْ ؕ اَلَا بُعْدًا لِّثَمُوْدَ ﴿۶۸﴾ ع وَلَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُنَاۤ

جیسے کبھی رہے ہی نہ تھے وہاں ف۹۴ سُن لو ثمود منکر ہوئے اپنے رب سے سن لو پھٹکار ہے ثمود کو ف۹۵ اور البتہ آچکے ہیں ہمارے بھیجے ہوئے

اِبْرٰهِيْمَ بِالْبُشْرٰى قَالُوْا سَلٰمًا ؕ قَالَ سَلٰمٌ فَمَا لَبِثَ اَنْ جَآءَ بِعِجْلٍ حَنِيْذٍ ﴿۶۹﴾ فَلَمَّا رَاٰۤ اَيْدِيَهُمْ

ابراہیم کے پاس خوشخبری لے کر بولے سلام وہ بولا سلام ہے پھر دیر نہ کی کہ لے آیا ایک بچھڑا تلا ہوا ف۹۶ پھر جب دیکھا اُن کے ہاتھ

لَا تَصِلُ اِلَيْهِ نَكِرَهُمْ وَاَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيْفَةً ؕ قَالُوْا لَا تَخَفْ اِنَّاۤ اُرْسِلْنَاۤ اِلٰى قَوْمِ لُوْطٍ ﴿۷۰﴾

نہیں آتے کھانے پر تو کھٹکا اور دل میں اُن سے ڈرا ف۹۷ وہ بولے مت ڈر ہم بھیجے ہوئے آئے ہیں طرف قوم لوط کی ف۹۸

وَامْرَاَتُهٗ قَآئِمَةٌ فَضَحِكَتْ فَبَشَّرْنٰهَا بِاِسْحٰقَ ۙ وَمِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ يَعْقُوْبَ ﴿۷۱﴾ قَالَتْ يٰوَيْلَتٰۤى

اور اُس کی عورت کھڑی تھی تب وہ ہنس پڑی پھر ہم نے خوشخبری دی اُسکو اسحٰق کے پیدا ہونیکی اور اسحٰق کے پیچھے یعقوب کی ف۹۹ بولی اے خرابی کیا

ءَاَلِدُ وَاَنَا عَجُوْزٌ وَّهٰذَا بَعْلِىْ شَيْخًا ؕ اِنَّ هٰذَا لَشَىْءٌ عَجِيْبٌ ﴿۷۲﴾ قَالُوْۤا اَتَعْجَبِيْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ

میں بچہ جنوں گی اور میں بڑھیا ہوں اور یہ خاوند میرا ہے بوڑھا ف۱۰۰ یہ تو ایک عجیب بات ہے ف۱۰۱ وہ بولے کیا تو تعجب کرتی ہے اللہ کے حکم سے

رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكٰتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ ؕ اِنَّهٗ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ ﴿۷۳﴾

اللہ کی رحمت ہے اور برکتیں تم پر اے گھر والو تحقیق اللہ ہے تعریف کیا گیا بڑائیوں والا ف۱۰۲

(۹۴) **قوم صالح پر عذاب** یعنی بے نام و نشان ہو گئے۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "ان پر عذاب آیا اس طرح کہ رات کو پڑے سوتے تھے۔ فرشتہ نے چنگھاڑ ماری۔ سب کے جگر پھٹ گئے" بعض آیات میں "رجفہ" کا لفظ آیا ہے۔ یعنی "زلزلہ" یا "کپکپی" سے ہلاک ہوئے سورۂ "اعراف" میں ہم اس کے متعلق تطبیق کی صورت لکھ چکے ہیں۔

(۹۵) یعنی جو اپنے پروردگار کی آیات و احکام سے منکر ہو اس کی یہ گت بنتی ہے اور ایسی پھٹکار پڑتی ہے۔ سُن کر عبرت حاصل کرو۔

(۹۶) **حضرت ابراہیم علیہ السّلام کے مہمان فرشتے** اس سورت کے قصص کی ترتیب "اعراف" کی ترتیب کے موافق ہے۔ صرف قوم لوط کے قصہ سے پہلے یہاں ابراہیم علیہ السّلام کا تھوڑا سا قصہ بیان فرمایا ہے۔ مگر تعبیر ایسی رکھی جو ظاہر کرتی ہے کہ مقصود اصلی لوط علیہ السلام کا قصہ بیان کرنا ہے۔ چونکہ اُس میں اور ابراہیم کے قصہ میں کئی طرح کی مناسبت اور تعلق پایا جاتا تھا اس لئے بطور تمہید و توطیہ ابراہیم کا قصہ مذکور ہوا۔ لوط علیہ السّلام حضرت ابراہیم کے خالہ زاد بھائی ہیں جو آپ کے ہمراہ عراق سے ہجرت کر کے آئے۔ ایک ہی جماعت فرشتوں کی دونوں کے پاس بھیجی گئی۔ حضرت ابراہیم نے قوم لوط کی ہلاکت کے مسئلہ میں فرشتوں سے بحث کی جو آگے آتی ہے۔ یہ فرشتے نہایت حسین و جمیل نوجوانوں کی شکل میں لوط علیہ السّلام کی طرف جاتے ہوئے حضرت ابراہیم کے پاس

خوشخبری لے کر آئے کہ حق تعالیٰ نے اُن کو اپنا خلیل بنایا ہے اور اس بڑھاپے میں حضرت "سارہ" کے بطن سے بیٹا عطا کرنے والا ہے۔ نیز یہ کہ قوم لوط کے بدمعاشوں اور ظالموں کے وجود سے عنقریب دنیا پاک کر دی جائے گی۔ جس میں حضرت ابراہیم و حضرت لوط کے متبعین کو کسی قسم کا ضرر نہ پہنچیگا۔ فرشتوں نے ابراہیم کو سلام کیا۔ آپ نے جواب دیا۔ مگر اوّل وہلہ میں پہچان نہ سکے۔ جیسے ابتداءً حضرت لوط نے بھی اُن کو نہیں پہچانا (بلکہ صحیحین کی حدیث میں ہے کہ ایک مرتبہ جبریل آدمی کی شکل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال و جواب کرتے رہے، جب اُٹھ کر چلے گئے تب آپ کو بتلایا گیا کہ یہ جبریل تھے) گویا متنبہ کر دیا کہ نبی کو بھی فرشتہ وغیرہ کا علم ضروری خدا کے دینے سے ہوتا ہے۔ وہ کسی وقت مخفی رکھنا چاہے تو کسی کی قدرت نہیں کہ معلوم کر سکے۔ بہرحال ابراہیم علیہ السلام اُنہیں آدمی سمجھ کر مہمان نوازی کے لئے اُٹھے۔ اور نہایت فربہ بچھڑا بھون تل کر سامنے حاضر کیا۔

(۹۷) **فرشتوں کا کھانے سے انکار** کہ آخر یہ کون ہیں، کس غرض سے آئے ہیں؟ ہم کھانا پیش کرتے ہیں، یہ اُسے ہاتھ نہیں لگاتے اُس وقت کے دستور کے موافق جو مہمان کھانے سے انکار کرتا، سمجھا جاتا تھا کہ یہ کسی اچھے خیال سے نہیں آیا۔ ابراہیم علیہ السلام گھبرائے کہ اگر آدمی ہیں تو کھانے سے انکار کرنا ضرور کچھ معنی رکھتا ہے اور فرشتے ہیں تو نہ معلوم کس مطلب کے لئے بھیجے گئے ہیں، آیا مجھ سے کوئی غلطی ہوئی یا میری قوم کے حق میں کوئی ناخوشگوار چیز لے کر آئے۔ اسی حیص و بیص میں زبان سے اظہار بھی کر دیا۔ "اِنَّا مِنۡكُمۡ وَجِلُوۡنَ" (حجر رکوع ۴) یعنی ہم کو تم سے اندیشہ ہے۔ عموماً مفسرین نے ابراہیم کے خوف کی یہی توجیہات کی ہیں، مگر حضرت شاہ صاحبؒ نے میرے نزدیک نہایت لطیف توجیہ کی "کہ فرشتوں کے ساتھ جو عذاب الٰہی تھا اور شان وغضب و انتقام کے مظہر بن کر قوم لوط کی طرف جا رہے تھے اس کا طبعی اثر یہ تھا کہ ابراہیم علیہ السلام کے قلب پر ایک طرح کے خوف و خشیت کی کیفیت طاری ہوئی۔ جس کا اظہار انہوں نے "اِنَّا مِنۡكُمۡ وَجِلُوۡنَ" کہہ کر کیا۔ یعنی ہم کو تم سے ڈر لگتا ہے۔ واللہ اعلم۔

(۹۸) یعنی ڈرنے کی کوئی بات نہیں ہم فرشتے ہیں جو "قوم لوط" کو تباہ کرنے کے لئے بھیجے گئے ہیں۔ آپ کچھ اندیشہ ضرر کا نہ کیجئے۔

(۹۹) **حضرت سائرہؑ اور حضرت ابراہیمؑ کو بشارت** یعنی حضرت سارہ جو مہمانوں کی خدمت گذاری یا اور کسی کام کے لئے وہاں کھڑی تھیں اُس ڈر کے رفع ہونے سے خوش ہو کر ہنس پڑیں۔ حق تعالیٰ نے خوشی پر اور خوشیاں سُنائیں کہ تجھ کو اس عمر میں بیٹا ملیگا۔ (اسحٰق علیہ السلام) اور اُس کی نسل سے ایک پوتا یعقوب عطا ہو گا۔ جس سے ایک بڑی بھاری قوم بنی اسرائیل اُٹھنے والی ہے یہ بشارت حضرت سارہ کو شاید اس لئے سُنائی گئی کہ حضرت ابراہیم کے ایک بیٹا (اسمٰعیل علیہ السلام) حضرت ہاجرہ کے بطن سے پہلے ہی موجود تھا۔ سارہ کو تمنا تھی کہ مجھے بھی بیٹا ملے۔ مگر بوڑھی ہو کر مایوس ہو چکی تھی۔ اُس وقت یہ بشارت ملی۔ بعض علماء نے حضرت سارہ کے ہنسنے کی اور بھی توجیہات کی ہیں مگر ظاہر وہی ہے جو ہم نے بیان کیا۔ علماء نے "وَمِنۡ وَّرَآءِ اِسۡحٰقَ يَعۡقُوۡبَ" سے استدلال کیا ہے کہ حضرت اسحٰق "ذبیح" نہ تھے اسمٰعیل علیہ السلام تھے (راجع ابن کثیر)

(۱۰۰) یہاں "يٰوَيۡلَتٰٓى" کا لفظ ایسا ہے جیسے ہمارے محاورات میں عورتیں کہہ دیتی ہیں کہ میں "نگوڑی" کیا اس بڑھاپے میں اولاد جنونگی حضرت سارہ کی عمر کہتے ہیں اس وقت ننانوے سال تھی اور حضرت ابراہیم سو سال یا اس سے بھی متجاوز تھے۔

(۱۰۱) **حضرت سارہ کا تعجب اور اُس کا جواب** یعنی ایسا ہو تو بالکل انوکھی اور عجیب و غریب بات ہوگی۔

(۱۰۲) یعنی جس گھرانے پر خدا کی اس قدر رحمتیں اور برکتیں نازل رہی ہیں اور جنہیں ہمیشہ معجزات و خوارق دیکھنے کا اتفاق ہوتا رہا، کیا اُن کے لئے یہ کوئی تعجب کا مقام ہے؟ اُن کا تعجب کرنا خود قابل تعجب ہے۔ اُنہیں لائق ہے کہ بشارت سُن کر تعجب کی جگہ خدا کی تحمید و تمجید کریں کہ سب بڑائیاں اور خوبیاں اُسی کی ذات میں جمع ہیں۔ (تنبیہ) بعض محققین نے لکھا ہے کہ نمازوں میں جو درود شریف پڑھتے ہیں اُس کے الفاظ میں اس آیت سے اقتباس کیا گیا ہے۔

فَلَمَّا ذَهَبَ عَنْ إِبْرَٰهِيمَ ٱلرَّوْعُ وَجَآءَتْهُ ٱلْبُشْرَىٰ يُجَٰدِلُنَا فِى قَوْمِ لُوطٍ ﴿٧٤﴾ إِنَّ

پھر جب جاتا رہا ابراہیم سے ڈر اور آئی اُس کو خوشخبری جھگڑنے لگا ہم سے قوم لوط کے حق میں البتہ

إِبْرَٰهِيمَ لَحَلِيمٌ أَوَّٰهٌ مُّنِيبٌ ﴿٧٥﴾ يَٰٓإِبْرَٰهِيمُ أَعْرِضْ عَنْ هَٰذَآ ۖ إِنَّهُۥ قَدْ جَآءَ أَمْرُ

ابراہیم تحمل والا نرم دل ہے رجوع رہنے والا اے ابراہیم چھوڑ یہ خیال وہ تو آچکا حکم تیرے

رَبِّكَ ۖ وَإِنَّهُمْ ءَاتِيهِمْ عَذَابٌ غَيْرُ مَرْدُودٍ ﴿٧٦﴾ وَلَمَّا جَآءَتْ رُسُلُنَا لُوطًا سِىٓءَ بِهِمْ وَ

رب کا اور اُن پر آتا ہے عذاب جو لوٹایا نہیں جاتا ف۱۰۳ اور جب پہنچے ہمارے بھیجے ہوئے لوط کے پاس غمگین ہوا انکے آنے سے اور

ضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا وَقَالَ هَٰذَا يَوْمٌ عَصِيبٌ ﴿٧٧﴾ وَجَآءَهُۥ قَوْمُهُۥ يُهْرَعُونَ إِلَيْهِ وَمِن قَبْلُ كَانُوا۟

تنگ ہوا دل میں اور بولا آج دن بڑا سخت ہے ف۱۰۴ اور آئی اُسکے پاس قوم اُسکی دوڑتی بے اختیار اور آگے سے کر

يَعْمَلُونَ ٱلسَّيِّـَٔاتِ ۚ قَالَ يَٰقَوْمِ هَٰٓؤُلَآءِ بَنَاتِى هُنَّ أَطْهَرُ لَكُمْ ۖ فَٱتَّقُوا۟ ٱللَّهَ وَلَا تُخْزُونِ فِى

رہے تھے بُرے کام ف۱۰۵ بولا اے قوم یہ میری بیٹیاں حاضر ہیں یہ پاک ہیں تم کو اُن سے سو ڈرو تم اللہ سے اور مت رسوا کرو مجھ کو میرے

ضَيْفِىٓ ۖ أَلَيْسَ مِنكُمْ رَجُلٌ رَّشِيدٌ ﴿٧٨﴾ قَالُوا۟ لَقَدْ عَلِمْتَ مَا لَنَا فِى بَنَاتِكَ مِنْ حَقٍّ وَ

مہمانوں میں کیا تم میں ایک مرد بھی نہیں نیک چلن ف۱۰۶ بولے تو تو جانتا ہے ہم کو تیری بیٹیوں سے کچھ غرض نہیں اور

إِنَّكَ لَتَعْلَمُ مَا نُرِيدُ ﴿٧٩﴾ قَالَ لَوْ أَنَّ لِى بِكُمْ قُوَّةً أَوْ ءَاوِىٓ إِلَىٰ رُكْنٍ شَدِيدٍ ﴿٨٠﴾

تجھ کو تو معلوم ہے جو ہم چاہتے ہیں ف۱۰۷ کہنے لگا کاش مجھ کو تمہارے مقابلہ میں زور ہوتا یا جا بیٹھتا کسی مستحکم پناہ میں ف۱۰۸

(۱۰۳) **فرشتوں سے حضرت ابراہیمؑ کا مکالمہ** یعنی اِدھر سے مطمئن ہوئے تو فوراً قوم لوط کے مسئلہ میں فرشتوں سے بحث شروع کر دی۔ جس کا خلاصہ سورۂ "عنکبوت" میں بیان فرمایا کہ فرشتوں نے ابراہیم کو مطلع کیا کہ ہم اِن بستیوں کو ہلاک کرنے آئے ہیں ابراہیم بولے کہ اُن میں تو خود لوط علیہ السلام موجود ہیں (پھر ایک پیغمبر کے اُن میں موجود ہوتے ہوئے کیسے ہلاک کئے جا سکتے ہیں؟) فرشتوں نے کہا ہم سب کو جانتے ہیں جو وہاں رہتے ہیں۔ لوط اور اُس کے متعلقین کو وہاں سے علیحدہ کر کے عذاب نازل کیا جائیگا۔ تفاسیر میں اس بحث کی جو تفاصیل بیان ہوئی ہیں اللہ جانے کہاں تک صحیح ہیں۔ بہرحال اسی بحث کو مبالغۃً لفظ "یُجَادِلُنَا" سے تعبیر فرمایا۔ جس سے صاف مترشح ہوتا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام اپنی فطری شفقت، نرم خوئی، اور رحم دلی سے اُس قوم پر ترس کھا کر حق تعالیٰ کی جناب میں کچھ سفارش کرنا چاہتے تھے اُسی کا جواب دیا کہ اس خیال کو چھوڑیے۔ ان ظالموں کا پیمانہ لبریز ہو چکا ہے اب خدا کا حکم واپس نہیں ہو سکتا۔ عذاب آکر رہے گا جو کسی سفارش یا دعاء وغیرہ سے نہیں ٹل سکتا۔

(۱۰۴) **فرشتوں کا حضرت لوط کے پاس آنا** فرشتے نہایت حسین وجمیل بے ریش وبروت نوجوانوں کی شکل میں تھے۔ ابتداءً حضرت لوط نے نہ پہچانا کہ فرشتے ہیں۔ معمولی مہمان سمجھے۔ اُدھر اُس قوم کی بیحیائی اور خوئے بد معلوم تھی۔ سخت فکر مند اور تنگ دل ہوئے کہ یہ بدمعاش ان مہمانوں کا پیچھا کریں گے۔ مہمانوں کو چھوڑنا بھی مشکل اور ان خبیثوں کے ہاتھوں سے چھڑانا بھی دشوار، گویا ساری قوم سے لڑائی مول لینا ہے۔

(۱۰۵) **قوم لوط کی بے حیائی** یعنی اس قوم کو نامعقول حرکتوں اور خلاف فطرت فواحش کی جو عادت پڑی ہوئی تھی کہاں چین سے بیٹھنے دیتی وہ ایسے خوب صورت لڑکوں کی خبر پاتے ہی نہایت بیحیائی کے ساتھ لوط علیہ السلام کے مکان پر اندھا دُھند چڑھ دوڑے اور پوری قوت

وشدت سے مطالبہ کیا کہ مہمان اُن کے حوالے کر دیئے جائیں کیونکہ ہم پہلے ہی منع کر چکے ہیں کہ تم کسی مرد کو اپنا مہمان نہ بنایا کرو۔ یہاں آنے والے مہمانوں کو ہم پر چھوڑ دو ہم جو چاہیں کریں۔

(۱۰۶) **قوم کو حضرت لوطؑ کی فہمائش** حضرت لوط نے مہمانوں کی آبرو بچانے کے لئے ہر قسم کی کوشش کی۔ آخری بات اُس شہوت پرست قوم سے یہ کہی کہ ظالمو! یہ میری بیٹیاں تمہارے لئے حاضر ہیں۔ نکاح ہو جانے پر ان سے بطریق حلال تمتع کر سکتے ہو جو نہایت پاکیزہ اور شائستہ طریقہ ہے۔ خدا سے ڈرنا چاہئے کہ پاک اور مشروع طریقہ کو چھوڑ کر ایسے خلاف فطرت گندے کاموں میں مبتلا ہوتے ہو۔ کم از کم میری ہی رعایت کرو کہ میں ان مقدس مہمانوں کے سامنے شرمندہ اور رسوا نہ ہوں۔ مہمان کی بے عزتی میزبان کی بے عزتی ہے۔ کیا تم میں ایک شخص بھی نہیں جو سیدھی سیدھی باتوں کو سمجھ کر نیکی اور تقویٰ کی راہ اختیار کرے (تنبیہ) "ھٰٓؤُلَآءِ بَنَاتِیْ" سے مراد عام طور پر اُس قوم کی لڑکیاں ہیں جن کو تجوزاً "بیٹیاں" کہا گیا۔ کیونکہ پیغمبر اُمت کے حق میں روحانی باپ ہوتا ہے، اور ویسے بھی محاورات میں قوم کے بڑے بوڑھے سب کی لڑکیوں کو اپنی "بیٹیاں" کہہ کر پکار سکتے ہیں۔ اور اگر خاص لوط علیہ السلام کی بیٹیاں مراد ہوں تو شاید اُن میں سے بعض ممتاز لوگوں کے نکاح کے لئے پیش کی ہوں گی اُس وقت کافر کا نکاح مسلمان عورت سے جائز تھا۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ لوط علیہ السلام کا مقصود اس قول سے نکاح وغیرہ کچھ نہ تھا۔ بلکہ اُن کی زیادتیوں سے عاجز ہو کر مہمانوں کی آبرو بچانے کی دھن میں انتہائی تواضع سے یہ لفظ کہے۔ تاکہ اُن میں غیرت و حیا کا کچھ شائبہ اور آدمیت کا کوئی ذرہ بھی موجود ہو تو یہ لفظ سُن کر جھینپ جائیں اور نرمی اختیار کر لیں۔ مگر وہ ایسے حیادار کاہے کو تھے؟ کان پر جوں بھی نہ رینگی۔ پہلے سے زیادہ بیباک ہو کر بے غیرتی کا مظاہرہ کرنے لگے۔

(۱۰۷) پھر اتنی حجت و تکرار کیوں کر رہا ہے۔ ہم اپنا ناپاک ارادہ پورا کئے بدون نہ ہٹینگے۔

(۱۰۸) **حضرت لوطؑ کی گھبراہٹ** لوط علیہ السلام کی زبان سے انتہائی گھبراہٹ اور پریشانی میں بے ساختہ یہ الفاظ نکلے کہ "کاش مجھ میں بذات خود تم سب سے لڑنے اور مقابلہ کرنے کی طاقت ہوتی یا کوئی طاقتور اور مضبوط پناہ دینے والا ہوتا۔ یعنی میرا کنبہ اور جتھا یہاں ہوتا۔ حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "یَرْحَمُ اللّٰہُ لُوْطًا لَقَدْ کَانَ یَاْوِیْ اِلٰی رُکْنٍ شَدِیْدٍ" خدا لوط پر رحم فرمائے، بیشک وہ مضبوط و مستحکم پناہ حاصل کر رہے تھے۔ یعنی خداوند قدوس کی۔ مگر اُس وقت سخت گھبراہٹ اور بیحد ضیق کی وجہ سے اُدھر خیال نہ گیا بے ساختہ ظاہری اسباب پر نظر گئی۔ لوط کے بعد جو انبیاء مبعوث ہوئے سب بڑے جتھے اور قبیلہ والے تھے۔

قَالُوْا یٰلُوْطُ اِنَّا رُسُلُ رَبِّکَ لَنْ یَّصِلُوْٓا اِلَیْکَ فَاَسْرِ بِاَھْلِکَ بِقِطْعٍ مِّنَ الَّیْلِ وَلَا یَلْتَفِتْ

مہمان بولے اے لوط ہم بھیجے ہوئے ہیں تیرے رب کے ہرگز نہ پہنچ سکینگے تجھ تک ف۱۰۹ سو لے نکل اپنے لوگوں کو کچھ رات سے اور مڑ کر نہ دیکھے

مِنْکُمْ اَحَدٌ اِلَّا امْرَاَتَکَ ؕ اِنَّهٗ مُصِیْبُھَا مَآ اَصَابَھُمْ ؕ اِنَّ مَوْعِدَھُمُ الصُّبْحُ ؕ اَلَیْسَ الصُّبْحُ بِقَرِیْبٍ (۸۱)

تم میں کوئی مگر عورت تیری کہ اُس کو پہنچ کر رہیگا جو اُن کو پہنچیگا ف۱۱۰ اُن کے وعدہ کا وقت ہے صبح کیا صبح نہیں ہے نزدیک ف۱۱۱

فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا جَعَلْنَا عَالِیَھَا سَافِلَھَا وَاَمْطَرْنَا عَلَیْھَا حِجَارَةً مِّنْ سِجِّیْلٍ ۵ مَّنْضُوْدٍ (۸۲)

پھر جب پہنچا حکم ہمارا کر ڈالی ہمنے وہ بستی اُوپر نیچے اور برسائے ہمنے اُس پر پتھر کنکر کے ف۱۱۲ تہہ بہ تہہ ف۱۱۳

النصف ع ۱۵ ۷ مُّسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّکَ ؕ وَمَا ھِیَ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ بِبَعِیْدٍ (۸۳)

نشان کئے ہوئے تیرے رب کے پاس ف۱۱۴ اور نہیں ہے وہ بستی ان ظالموں سے کچھ دور ف۱۱۵

(۱۰۹) **حضرت لوط کو فرشتوں کی تسلی** جب لوط علیہ السلام کے اضطراب و قلق کی حد ہو گئی، تب مہمانوں نے کہا کہ حضرت! آپ کس فکر میں ہیں مطلق پریشان نہ ہوں، ہم خدا کے بھیجے ہوئے فرشتے ہیں جوان کو تباہ و ہلاک کرنے کے لئے آئے ہیں۔ یہ خبیث ہمارا تو کیا بگاڑ سکتے آپ تک بھی نہیں پہنچ سکیں گے۔ تفاسیر میں ہے کہ وہ شریر لوگ دروازہ توڑ کر یا دیوار پھاند کر اندر گھسے جاتے تھے، تب جبریل علیہ السلام نے خدا سے اجازت لے کر لوط علیہ السلام کو علیحدہ بٹھا دیا اور ایک ذرا بازو اُن ملعونوں کی طرف ہلایا جو سب کے سب نپٹ اندھے ہو گئے اور کہنے لگے کہ بھاگو! لوط کے مہمان تو بڑے جادوگر معلوم ہوتے ہیں۔

(۱۱۰) **عذاب الٰہی کی خبر** یعنی صبح کو عذاب آنے والا ہے، تھوڑی رات رہے آپ اپنے متعلقین کو لے کر یہاں سے تشریف لے جائیے اور اپنے ہمراہیوں کو ہدایت کر دیجئے کہ جلدی کریں اور کوئی پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھے ہاں تیری عورت کہ وہ ساتھ نہ جائیگی یا پیچھے پھر کر دیکھے گی۔ اس طرح اُسی عذاب کی لپیٹ میں آجائیگی جو سب قوم کو پہنچنے والا ہے۔ کہتے ہیں اسی عورت نے قوم کو مہمانوں کی آمد سے مطلع کیا تھا۔

(۱۱۱) یعنی خوش ہو جائیے اب ان ظالموں کے ہلاک ہونے میں کچھ دیر نہیں ہے۔ صبح ہوتے ہی سب کا صفایا ہو جائیگا۔

(۱۱۲) **قوم لوط پر ذلت و ہلاکت کا عذاب** جبریل علیہ السلام نے اُن بستیوں کو اُٹھا کر آسمان کے قریب سے نیچے پٹک دیا۔ اس طرح سب بستیاں تہ و بالا ہو گئیں۔ پھر اُن کی نکایت اور ذلت و رسوائی کی پوری تکمیل کے لئے اُوپر سے جھانوے اور پتھر برسائے گئے۔ شہر کی آبادی سے الگ جو افراد اس قوم کے جس جگہ تھے وہیں پتھروں سے ہلاک کئے گئے (العیاذ باللہ) (تنبیہ) جو سزا اس قوم کو اوپر نیچے کرنے کی ملی وہ اُن کی شرمناک حرکت سے ظاہری مناسبت بھی رکھتی ہے۔

(۱۱۳) "منضود" کے معنی محقق مترجم نے "تہ بہ تہ" کئے ہیں۔ بعض نے یہ معنی لئے کہ پتھر مسلسل یکے بعد دیگرے برس رہے تھے۔

(۱۱۴) **نشان زدہ پتھر** یعنی کوئی خاص علامت اُن پر تھی جو عام پتھروں سے ممتاز کر کے ظاہر کرتی تھی کہ یہ عذاب الٰہی کے پتھر ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ ہر پتھر پر اس کا نام درج تھا جس کی ہلاکت کا وہ سبب بنا۔ واللہ اعلم۔

(۱۱۵) یعنی باعتبار زمانہ کے بھی قریب ہے کیونکہ "عاد" و "ثمود" اور قوم نوح وغیرہ کے بعد یہ واقعہ ہوا۔ اور باعتبار مکان کے بھی کیونکہ ان کی بستیاں مدینہ اور شام کے درمیان میں تھیں۔ گذرنیوالے قافلے وہاں کھنڈرات مشاہدہ کرتے تھے۔ یا اس جملہ "وَمَا هِيَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ بِبَعِيْدٍ" کا مطلب یہ ہے کہ اس طرح کا عذاب ایسے ظالموں سے اب بھی کچھ دور نہیں۔ ہمیشہ خدا کے غضب سے ڈرتے رہنا چاہئے (تنبیہ) اس قصہ کے بعض اجزاء "اعراف" میں گذر چکے ہیں وہاں ملاحظہ کئے جائیں۔

وَاِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا ۭ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۭ وَلَا تَنْقُصُوا

اور مدین کی طرف بھیجا اُن کے بھائی شعیب کو بولا اے میری قوم بندگی کرو اللہ کی کوئی نہیں تمہارا معبود اُس کے سوائے اور نہ گھٹاؤ

الْمِكْيَالَ وَالْمِيْزَانَ اِنِّىْٓ اَرٰىكُمْ بِخَيْرٍ وَّاِنِّىْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ مُّحِيْطٍ ۝۸۴ وَيٰقَوْمِ

ماپ اور تول کو ف۱۱۶ میں دیکھتا ہوں تم کو آسودہ حال اور ڈرتا ہوں تم پر عذاب سے ایک گھیر لینے والے دن کے ف۱۱۷ اور اے قوم

اَوْفُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَاۗءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ

پورا کرو ماپ اور تول کو انصاف سے ف۱۱۸ اور نہ گھٹا دو لوگوں کو اُن کی چیزیں ف۱۱۹ اور مت مچاؤ زمین میں

مُفْسِدِيْنَ ۝۸۵ بَقِيَّتُ اللّٰهِ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ڬ وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيْظٍ ۝۸۶

فساد ف۱۲۰ جو بچ رہے اللہ کا دیا وہ بہتر ہے تم کو اگر ہو تم ایمان والے ف۱۲۱ اور میں نہیں ہوں تم پر نگہبان ف۱۲۲

(۱۱۶) یہ قصہ بھی سورۂ اعراف میں گذر چکا۔

(۱۱۷) **حضرت شعیب علیہ السلام کی اپنی قوم کو تبلیغ** یعنی خدا نے فراغت اور آسودگی عنایت کی تو ڈرتے رہو کہیں نافرمانی سے چھن نہ جائے اور آسائش و خوشحالی سلب ہو کر دنیوی یا اُخروی عذاب مسلط نہ کر دیا جائے۔

(۱۱۸) یعنی اب تک جو ظلم و عدوان کا معیار و قانون تھا، اس کی اصلاح کرو۔

(۱۱۹) یعنی صرف ماپ تول میں نہیں بلکہ کسی چیز میں بھی لوگوں کے حقوق تلف مت کرو۔

(۱۲۰) یعنی شرک و کفر سے یا کم ناپنے تولنے سے یا دوسری طرح اتلاف حقوق اور ظلم و ستم کر کے زمین میں فساد مت مچاؤ۔ کہتے ہیں وہ لوگ ڈکیتی ڈالتے تھے اور امانت میں خیانت کرتے تھے۔

(۱۲۱) **حلال مال میں برکت** ایک ایماندار کے لئے اللہ کا دیا ہوا جو ٹھیک ٹھیک حقوق ادا کر کے بچ رہے گو قلیل ہو، اُس کثیر سے بہتر ہے جو حرام طریقہ سے حاصل کیا جائے یا جس میں لوگوں کے حقوق مارے جائیں۔ مال حلال میں جو ٹھیک ماپ تول کر لیا دیا جائے فی الحال برکت ہوتی ہے اور خدا کے یہاں اجر ملتا ہے۔

(۱۲۲) یعنی میں نے تم کو نصیحت کر دی۔ آگے اِس کا ذمہ دار نہیں کہ تم سے زبردستی عمل کرا کے چھوڑوں۔

قَالُوْا یٰشُعَیْبُ اَصَلٰوتُكَ تَاْمُرُكَ اَنْ نَّتْرُكَ مَا یَعْبُدُ اٰبَآؤُنَاۤ اَوْ اَنْ نَّفْعَلَ فِیْۤ اَمْوَالِنَا مَا نَشٰٓؤُا ؕ

بولے اے شعیب کیا تیرے نماز پڑھنے نے تجھ کو یہ سکھایا کہ ہم چھوڑ دیں جن کو پوجتے رہے ہمارے باپ دادے یا چھوڑ دیں کرنا جو کچھ کہ کرتے ہیں اپنے مالوں میں

اِنَّكَ لَاَنْتَ الْحَلِیْمُ الرَّشِیْدُ ﴿۸۷﴾ قَالَ یٰقَوْمِ اَرَءَیْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَیِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّیْ وَرَزَقَنِیْ

تو ہی بڑا با وقار ہے نیک چلن ف۱۲۳ بولا اے قوم دیکھو تو اگر مجھ کو سمجھ آگئی اپنے رب کی طرف سے اور اُس نے روزی

مِنْهُ رِزْقًا حَسَنًا ؕ وَمَاۤ اُرِیْدُ اَنْ اُخَالِفَكُمْ اِلٰى مَاۤ اَنْهٰىكُمْ عَنْهُ ؕ اِنْ اُرِیْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا

دی مجھ کو نیک روزی ف۱۲۴ اور میں یہ نہیں چاہتا کہ بعد کو خود کروں وہ کام جو تم سے چھڑاؤں ف۱۲۵ میں تو چاہتا ہوں سنوارنا جہاں تک

اسْتَطَعْتُ ؕ وَمَا تَوْفِیْقِیْۤ اِلَّا بِاللّٰهِ ؕ عَلَیْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَیْهِ اُنِیْبُ ﴿۸۸﴾ وَیٰقَوْمِ لَا یَجْرِمَنَّكُمْ شِقَاقِیْۤ

ہو سکے اور بن آنا ہے اللہ کی مدد سے اُسی پر میں نے بھروسہ کیا ہے اور اُسی کی طرف میرا رجوع ہے ف۱۲۶ اور اے قوم نہ کمائیو میری ضد کر کے

اَنْ یُّصِیْبَكُمْ مِّثْلُ مَاۤ اَصَابَ قَوْمَ نُوْحٍ اَوْ قَوْمَ هُوْدٍ اَوْ قَوْمَ صٰلِحٍ ؕ وَمَا قَوْمُ لُوْطٍ مِّنْكُمْ بِبَعِیْدٍ ﴿۸۹﴾

یہ کہ پڑے تم پر جیسا کچھ کہ پڑ چکا قوم نوح پر یا قوم ہود پر یا قوم صالح پر اور قوم لوط تو تم سے کچھ دور ہی نہیں ف۱۲۷

وَاسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْۤا اِلَیْهِ ؕ اِنَّ رَبِّیْ رَحِیْمٌ وَّدُوْدٌ ﴿۹۰﴾ قَالُوْا یٰشُعَیْبُ مَا نَفْقَهُ كَثِیْرًا مِّمَّا

اور گناہ بخشواؤ اپنے رب سے اور رجوع کرو اُسکی طرف البتہ میرا رب ہے مہربان محبت والا ف۱۲۸ بولے اے شعیب ہم نہیں سمجھتے بہت باتیں جو تو

تَقُوْلُ وَاِنَّا لَنَرٰىكَ فِیْنَا ضَعِیْفًا ۚ وَلَوْلَا رَهْطُكَ لَرَجَمْنٰكَ ؗ وَمَاۤ اَنْتَ عَلَیْنَا بِعَزِیْزٍ ﴿۹۱﴾ قَالَ یٰقَوْمِ

کہتا ہے ف۱۲۹ اور ہم تو دیکھتے ہیں کہ تو ہم میں کمزور ہے ف۱۳۰ اور اگر نہ ہوتے تیرے بھائی بند تو تجھ کو ہم سنگسار کر ڈالتے اور ہماری نگاہ میں تیری کچھ عزت نہیں ف۱۳۱ بولا اے قوم

اَرَهْطِیْۤ اَعَزُّ عَلَیْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاتَّخَذْتُمُوْهُ وَرَآءَكُمْ ظِهْرِیًّا ؕ اِنَّ رَبِّیْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ مُحِیْطٌ ﴿۹۲﴾

کیا میرے بھائی بندوں کا دباؤ تم پر زیادہ ہے اللہ سے اور اُس کو ڈال رکھا تم نے پیٹھ پیچھے بھلا کر تحقیق میرے رب کے قابو میں ہے جو کچھ کرتے ہو ف۱۳۲

(۱۲۳) **حضرت شعیبؑ سے قوم کا استہزاء** یہ بطور استہزاء و تمسخر کہہ رہے تھے، کہ بس زیادہ بزرگ نہ بنیئے، کیا ساری قوم میں ایک آپ ہی بڑے عقلمند، باوقار اور نیک چلن رہ گئے ہیں؟ باقی ہم اور ہمارے بزرگ سب جاہل اور احمق ہی رہے؟ حضرت شعیب علیہ السلام نماز بہت کثرت سے پڑھتے تھے، کہنے لگے کہ شاید آپ کی نماز یہ حکم دیتی ہے کہ ہم سے باپ دادوں کا پرانا دین چھڑوا دیں اور ہمارے اموال میں ہمارا مالکانہ اختیار نہ رہنے دیں۔ بس آپ اپنی نماز پڑھے جایئے، ہمارے مذہبی و دنیاوی معاملات اور ماپ تول کے قصّوں میں دخل دینے کی ضرورت نہیں۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں۔ "جاہلوں کا دستور ہے کہ نیکوں کے کام آپ نہ کر سکیں تو انہی کو چڑانے لگیں۔ یہ ہی خصلت ہے کفر کی"۔ بعض مفسرین نے "اِنَّكَ لَاَنْتَ الْحَلِيْمُ الرَّشِيْدُ" کو استہزاء پر نہیں۔ واقعیت پر حمل کیا ہے۔ یعنی تو ایک سمجھدار باوقار اور نیک چلن آدمی ہے۔ پھر ایسی بے موقع باتیں کیوں کرنے لگا۔ جیسے صالح علیہ السّلام کو کہا تھا۔ "قَدْ كُنْتَ فِيْنَا مَرْجُوًّا قَبْلَ هٰذَآ اَتَنْهٰنَآ اَنْ نَّعْبُدَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا الخ"

(۱۲۴) **حضرت شعیبؑ کا جواب** یا تو ظاہری روزی مراد ہے۔ یعنی ماپ تول میں کمی بیشی کئے بدون حلال و طیب طریق سے روزی مرحمت فرمائی یا باطنی روزی یعنی علم و حکمت اور نبوت عطاء کی، خلاصہ یہ ہے کہ اگر حق تعالیٰ نے مجھ کو فہم و بصیرت دے کر وہ صاف راستہ دکھلا دیا جو تم کو نظر نہیں آتا اور اس دولت سے مالا مال کیا جس سے تمہیں حصّہ نہیں ملا، تو کیا اس کا حق یہ ہے کہ میں "معاذ اللہ" تمہاری طرح اندھا بن جاؤں اور خدا کے احکام سے روگردانی کرنے لگوں، یا تمہارے استہزاء و تمسخر سے گھبرا کر نصیحت کرنا اور سمجھانا چھوڑ دوں؟ ہرگز نہیں۔

(۱۲۵) یعنی جن بُری باتوں سے تم کو روکتا ہوں میری یہ خواہش نہیں کہ تم سے علیحدہ ہو کر خود اُن کا ارتکاب کروں مثلاً تمہیں تارک الدنیا بناؤں اور خود دنیا سمیٹ کر گھر میں بھر لوں، نہیں جو نصیحت تم کو کرتا ہوں میں تم سے پہلے اس کا پابند ہوں، تم یہ الزام مجھ پر نہیں رکھ سکتے کہ میری نصیحت کسی خود غرضی اور ہوا پرستی پر محمول ہے۔

(۱۲۶) میری تمام تر کوشش یہ ہے کہ تمہاری دینی و دنیوی حالت درست ہو جائے۔ موجودہ ردی حالت سے نکل کر بام ایمان و عرفان پر چڑھنے کی کوشش کرو۔ اس مقصد اصلاح کے سوا دوسرا مقصد نہیں، جسے میں اپنے مقدور و استطاعت کے موافق کسی حال نہیں چھوڑ سکتا، باقی یہ کہ میری بات بن آئے اور اپنی کوشش میں کامیاب ہو جاؤں، یہ سب خداوند قدوس کے قبضہ میں ہے۔ اُسی کی امداد و توفیق سے سب کام انجام پا سکتے ہیں، میرا بھروسہ اُسی پر ہے اور ہر معاملہ میں اُسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔

(۱۲۷) یعنی میری ضد اور عداوت کے جوش میں ایسی حرکتیں مت کرنا جو تم کو گذشتہ اقوام کی طرح سخت تباہ کن عذاب کا مستحق بنا دیں، نوح، ہود اور صالح علیہم السّلام کی اُمتوں پر تکذیب و عداوت کی بدولت جو عذاب آئے وہ پوشیدہ نہیں۔ اور لوط علیہ السلام کی قوم کا قصّہ تو ان سب کے بعد ماضی قریب میں ہوا ہے اُس کی یاد تمہارے حافظہ میں تازہ ہو گی اِن نظائر کو فراموش مت کرو

(۱۲۸) کیسا ہی پُرانا اور کٹر مجرم ہو جب صدق دل سے اس کی بارگاہ میں رجوع ہو کر معافی چاہے وہ اپنی مہربانی سے معاف کر دیتا ہے بلکہ اس سے محبت کرنے لگتا ہے۔

(۱۲۹) **قوم شعیب کی ہٹ دھرمی** سمجھتے سب کچھ تھے لیکن عناد اور حق پوشی سے ایسا کہتے تھے کہ تیری بات کچھ نہیں سمجھتے، نہ معلوم کیا مجذوبوں کی بڑ ہانک رہا ہے (العیاذ باللہ) اور اگر واقعی وہ ایسی سیدھی اور صاف باتیں بے توجہی یا غباوت کی وجہ سے سمجھتے نہ تھے تو یہ کلام اپنے ظاہر پر محمول ہو گا۔

(۱۳۰) یعنی ایک کمزور اور بے حقیقت آدمی خواہ مخواہ سارے جہان کو اپنا دشمن بنا رہا ہے اُسے چاہیئے اپنے حال پر رحم کھائے، بیٹھے بٹھائے اپنے کو موت کے منہ میں ڈالنے سے کیا فائدہ ہے (تنبیہ) بعض سلف سے "ضعیف" کے معنی "ضریر البصر" (نابینا) کے منقول

ہیں۔ شاید کسی خاص وقت میں عارضی طور پر ظاہری بینائی جاتی رہی ہو۔ جیسے یوسف علیہ السّلام کے فراق میں حضرت یعقوب علیہ السّلام کا حال ہوا تھا مفسرین نے بعض روایات نقل کی ہیں کہ حضرت شعیب علیہ السلام روتے بہت تھے، حتیٰ کہ نگاہ جاتی رہی حق تعالیٰ نے فرمایا کہ شعیب! اس قدر کیوں روتا ہے؟ جنت کے شوق میں یا دوزخ کے ڈر سے؟ عرض کیا، پروردگار! تیری لقاء کا خیال کر کے روتا ہوں کہ جس وقت آپ کا دیدار ہوگا نہ معلوم میرے ساتھ کیا برتاؤ کریں گے؟ ارشاد ہوا تجھ کو ہماری لقاء (دیدار) مبارک ہو، اے شعیب! اسی لئے میں نے اپنے کلیم موسےٰ ابن عمران کو تیری خدمت کے لئے کھڑا کر دیا ہے، کہتے ہیں خدا نے اُنکی بینائی واپس کر دی۔ واللہ تعالیٰ اعلم بصحتہ

(۱۳۱) یعنی تیرے کنبہ کے لوگ جو ہمارے ساتھ ہیں اُن کا خیال آتا ہے ورنہ اب تک تجھے سنگسار کر ڈالتے۔

(۱۳۲) حضرت شعیبؑ کا جواب | یعنی افسوس اور تعجب ہے کہ خاندان کی وجہ سے میری رعایت کرتے ہو، اس وجہ سے نہیں کرتے کہ میں خدا کا بھیجا ہوا ہوں اور صاف و صریح نشانات اپنی سچائی کے دکھلا رہا ہوں۔ گویا تمہاری نگاہ میں میرے خاندان کی عزت اور اُس کا دباؤ خداوند قدوس سے زیادہ ہے۔ خدا کی عظمت و جلال کو ایسا بھلا دیا کہ کبھی تمہیں تصور بھی نہیں آتا۔ جو قوم خدا تعالےٰ کو بھلا کر (معاذ اللہ) پس پشت ڈالدے اُسے یاد رکھنا چاہئے کہ اُس کے تمامی افعال و اعمال خدا تعالیٰ کے علم و قدرت کے احاطہ میں ہیں تم کوئی کام کرو اور کسی حالت میں ہو، ایک آن کے لئے بھی اُس کے قابو سے باہر نہیں۔

وَيٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اِنِّيْ عَامِلٌ ؕ سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ وَمَنْ هُوَ

اور اے میری قوم کام کئے جاؤ اپنی جگہ میں بھی کام کرتا ہوں آگے معلوم کر لوگے کس پر آتا ہے عذاب رسوا کرنے والا اور کون ہے

كَاذِبٌ ؕ وَارْتَقِبُوْٓا اِنِّيْ مَعَكُمْ رَقِيْبٌ ﴿۹۳﴾ وَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا شُعَيْبًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ

جھوٹا اور تاکتے رہو میں بھی تمہارے ساتھ تاک رہا ہوں ف۱۳۳ اور جب پہنچا ہمارا حکم بچا دیا ہم نے شعیب کو اور جو ایمان لائے تھے اُسکے ساتھ اپنی مہربانی

مِّنَّا وَاَخَذَتِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دِيَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴿۹۴﴾ كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا ؕ

سے اور آپکڑا اُن ظالموں کو کڑک نے پھر صبح کو رہ گئے اپنے گھروں میں اوندھے پڑے ہوئے گویا کبھی وہاں بسے ہی نہ تھے ف۱۳۴

ع ۸ ۱۲ ۸ اَلَا بُعْدًا لِّمَدْيَنَ كَمَا بَعِدَتْ ثَمُوْدُ ﴿۹۵﴾ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿۹۶﴾ اِلٰى

سُن لو پھٹکار ہے مدین کو جیسے پھٹکار ہوئی تھی ثمود کو ف۱۳۵ اور البتہ بھیج چکے ہیں ہم موسیٰ کو اپنی نشانیاں اور واضح سند دے کر ف۱۳۶ فرعون

فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فَاتَّبَعُوْٓا اَمْرَ فِرْعَوْنَ ۚ وَمَآ اَمْرُ فِرْعَوْنَ بِرَشِيْدٍ ﴿۹۷﴾ يَقْدُمُ قَوْمَهٗ يَوْمَ

اور اس کے سرداروں کے پاس پھر وہ چلے حکم پر فرعون کے اور نہیں بات فرعون کی کچھ کام کی ف۱۳۷ آگے ہوگا اپنی قوم کے قیامت

الْقِيٰمَةِ فَاَوْرَدَهُمُ النَّارَ ؕ وَبِئْسَ الْوِرْدُ الْمَوْرُوْدُ ﴿۹۸﴾ وَاُتْبِعُوْا فِيْ هٰذِهٖ لَعْنَةً وَّيَوْمَ

کے دن پھر پہنچائیگا اُن کو آگ پر اور بُرا گھاٹ ہے جس پر پہنچے ف۱۳۸ اور پیچھے سے ملتی رہی اس جہان میں لعنت اور دن قیامت

الْقِيٰمَةِ ؕ بِئْسَ الرِّفْدُ الْمَرْفُوْدُ ﴿۹۹﴾

کے بھی بُرا انعام ہے جو اُن کو ملا ف۱۳۹

(۱۳۳) قوم کو عذاب کی خبر | یعنی اچھا، تم اپنی ضد اور ہٹ پر جمے رہو، میں خدا کی توفیق سے راہ ہدایت پر ثابت قدم ہوں عنقریب پتہ چل

جائیگا کہ ہم میں سے کس کو خدا کا عذاب فضیحت کرتا ہے اور کون جھوٹا ثابت ہوتا ہے۔ اب ہم اور تم دونوں آسمانی فیصلہ کا انتظار کرتے ہیں۔

(۱۳۴) **قوم شعیبؑ پر اللہ کا عذاب** یہاں قوم شعیب کا کڑک (فرشتہ کی چیخ) سے ہلاک ہونا مذکور ہے اور "اعراف" میں "رجفہ" کا لفظ آیا ہے۔ یعنی زلزلہ سے ہلاک ہوئے۔ اور سورۂ شعراء میں "عَذَابُ يَوْمِ الظُّلَّةِ" آیا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ عذاب کے بادل سائبان کی طرح اُن پر محیط ہو گئے۔ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ یہ تینوں قسم کے عذاب اس قوم کے حق میں جمع کر دیئے گئے تھے۔ پھر ہر سورت میں وہاں کے سیاق کے مناسب عذاب کا ذکر کیا گیا۔ "اعراف" میں تھا کہ اُن لوگوں نے شعیبؑ سے کہا کہ ہم تم کو اور تمہارے ساتھیوں کو اپنی سرزمین سے نکال دیں گے۔ وہاں بتلا دیا کہ جس زمین سے نکالنا چاہتے تھے، اُسی کے زلزلہ سے ہلاک ہوئے یہاں اُن کے سخت گستاخانہ مقالات کا ذکر تھا، اس لئے بالمقابل آسمانی "صیحہ" (کڑک) کا ذکر فرمایا۔ گویا عذاب الٰہی کی ایک کڑک میں اُن کی سب آوازیں گم ہو گئیں، سورۂ شعراء میں اُن کا یہ قول نقل کیا ہے "فَأَسْقِطْ عَلَيْنَا كِسَفًا مِّنَ السَّمَاءِ إِن كُنتَ مِنَ الصَّادِقِينَ"، یعنی اگر تو سچا ہے تو ہم پر آسمان کا ایک ٹکڑا گرا دے، اُس کے مقابلہ میں "عَذَابُ يَوْمِ الظُّلَّةِ" کا تذکرہ فرمایا۔

(۱۳۵) یعنی دونوں "صیحہ" سے ہلاک ہوئے۔

(۱۳۶) **حضرت موسیٰ کی نشانیاں اور معجزات** "نشانیوں سے غالباً معجزات اور وہ نو آیتیں مُراد ہیں، جن کا ذکر وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَىٰ تِسْعَ آيَاتٍ" میں ہوا ہے۔ اُن میں سے معجزہ عصا کو جو نہایت ظاہر و قاہر معجزہ تھا شاید "سُلْطَانٌ مُّبِينٌ" (واضح سند) فرمایا۔ یا "سُلْطَانٌ مُّبِينٌ" سے وہ روشن دلائل مراد ہوں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے سامنے خدا تعالیٰ کے وجود و توحید وغیرہ کے متعلق پیش کئے جن کا ذکر دوسرے مقامات میں آئے گا۔ اور ممکن ہے سُلْطَانٌ مُّبِينٌ سے اس کے لغوی معنی (یعنی کھلا ہوا غلبہ) مراد لئے گئے ہوں، کیونکہ فرعونیوں کے مقابلہ پر بار بار حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نمایاں غلبہ اور فتح مبین حاصل ہوتی رہی۔

(۱۳۷) **فرعون کی حالت** یعنی کُھلے کُھلے نشان دیکھ کر بھی فرعونیوں نے پیغمبر خدا کی بات نہ مانی، اُسی دشمن خدا کے حکم پر چلتے رہے۔ حالانکہ اُس کی کوئی بات ٹھکانے کی نہ تھی، جسے مان کر انسان بھلائی حاصل کر سکتا۔

(۱۳۸) جس طرح یہاں کفر و تکذیب میں اُن کا امام تھا، قیامت کے دن بھی امام رہے گا۔ جو لوگ دنیا میں اُس کی اندھی تقلید کر رہے تھے، وہ اس کے پیچھے پیچھے آخری منزل (جہنم) تک پہنچ جائیں گے، یہ ہی وہ گھاٹ ہے جہاں ٹھنڈے پانی کی جگہ بھسم کر دینے والی آگ ملے گی۔

(۱۳۹) یعنی رہتی دنیا تک لوگ فرعون اور فرعونیوں پر لعنت بھیجتے رہیں گے۔ پھر قیامت میں ملائکۃ اللہ اور اہل موقف کی طرف سے لعنت پڑے گی۔ غرض لعنت کا سلسلہ لگاتار اُن کے ساتھ ساتھ چلتا رہیگا۔ گویا یہ انعام ہے جو اُن کے کارناموں پر دیا گیا۔

ذٰلِكَ مِنْ أَنبَاءِ الْقُرَىٰ نَقُصُّهُ عَلَيْكَ ۖ مِنْهَا قَائِمٌ وَحَصِيدٌ ﴿١٠٠﴾ وَمَا ظَلَمْنَاهُمْ وَلَٰكِن ظَلَمُوا

یہ تھوڑے سے حالات ہیں بستیوں کے کہ ہم سُناتے ہیں تجھ کو بعض اُن میں سے اب تک قائم ہیں اور بعض کی جڑ کٹ گئی ف۱۴۰ اور ہم نے اُن پر ظلم نہیں کیا لیکن ظلم کر گئے وہی

أَنفُسَهُمْ ۖ فَمَا أَغْنَتْ عَنْهُمْ آلِهَتُهُمُ الَّتِي يَدْعُونَ مِن دُونِ اللَّهِ مِن شَيْءٍ لَّمَّا جَاءَ أَمْرُ رَبِّكَ ۖ

اپنی جان پر پھر کچھ کام نہ آئے اُن کے ٹھاکر (معبود) جن کو پکارتے تھے سوائے اللہ کے کسی چیز میں جس وقت پہنچا حکم تیرے رب کا ف۱۴۱

وَمَا زَادُوهُمْ غَيْرَ تَتْبِيبٍ ﴿١٠١﴾ وَكَذَٰلِكَ أَخْذُ رَبِّكَ إِذَا أَخَذَ الْقُرَىٰ وَهِيَ ظَالِمَةٌ ۚ إِنَّ أَخْذَهُ

اور نہیں بڑھایا اُن کے حق میں سوائے ہلاک کرنے کے ف۱۴۲ اور ایسی ہی ہے پکڑ تیرے رب کی جب پکڑتا ہے بستیوں کو اور وہ ظلم کرتے ہوتے ہیں بیشک اُس کی پکڑ

أَلِيمٌ شَدِيدٌ ﴿١٠٢﴾ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لِّمَنْ خَافَ عَذَابَ الْآخِرَةِ ۚ ذَٰلِكَ يَوْمٌ مَّجْمُوعٌ لَّهُ النَّاسُ وَ

دردناک پر شدت کی ف۱۴۳ اِس بات میں نشانی ہے اُس کو جو ڈرتا ہے آخرت کے عذاب سے ف۱۴۴ وہ ایک دن ہے جس میں جمع ہونگے سب لوگ اور

ذَٰلِكَ يَوْمٌ مَّشْهُودٌ ﴿١٠٣﴾ وَمَا نُؤَخِّرُهُ إِلَّا لِأَجَلٍ مَّعْدُودٍ ﴿١٠٤﴾ يَوْمَ يَأْتِ لَا تَكَلَّمُ نَفْسٌ إِلَّا

وہ دن ہے سب کے پیش ہونے کا ف۱۴۵ اور اُس کو ہم دیر جو کرتے ہیں سو ایک وعدہ کیلئے جو مقرر ہے ف۱۴۶ جس دن وہ آئیگا بات نہ کر سکیگا کوئی جاندار مگر

بِإِذْنِهِ ۚ فَمِنْهُمْ شَقِيٌّ وَسَعِيدٌ ﴿١٠٥﴾ فَأَمَّا الَّذِينَ شَقُوا فَفِي النَّارِ لَهُمْ فِيهَا زَفِيرٌ وَشَهِيقٌ ﴿١٠٦﴾

اُسکے حکم سے سو اُن میں بعضے بدبخت ہیں اور بعضے نیک بخت ف۱۴۷ سو جو لوگ بدبخت ہیں وہ تو آگ میں ہیں اُن کو وہاں چیخنا ہے اور دھاڑنا

خَالِدِينَ فِيهَا مَا دَامَتِ السَّمَاوَاتُ وَالْأَرْضُ إِلَّا مَا شَاءَ رَبُّكَ ۚ إِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيدُ ﴿١٠٧﴾

ہمیشہ رہیں اُس میں جب تک رہے آسمان اور زمین مگر جو چاہے تیرا رب بیشک تیرا رب کر ڈالتا ہے جو چاہے

وَأَمَّا الَّذِينَ سُعِدُوا فَفِي الْجَنَّةِ خَالِدِينَ فِيهَا مَا دَامَتِ السَّمَاوَاتُ وَالْأَرْضُ إِلَّا مَا شَاءَ رَبُّكَ ۖ

اور جو لوگ نیک بخت ہیں سو جنت میں ہیں ہمیشہ رہیں اُس میں جب تک رہے آسمان اور زمین مگر جو چاہے تیرا رب

عَطَاءً غَيْرَ مَجْذُوذٍ ﴿١٠٨﴾ فَلَا تَكُ فِي مِرْيَةٍ مِّمَّا يَعْبُدُ هَٰؤُلَاءِ ۚ مَا يَعْبُدُونَ إِلَّا كَمَا يَعْبُدُ آبَاؤُهُم

بخشش ہے بے انتہا ف۱۴۸ سو تو نہ رہ دھوکے میں اُن چیزوں سے جن کو پوجتے ہیں یہ لوگ کچھ نہیں پوجتے مگر ویسا ہی جیسا کہ پوجتے تھے اُنکے باپ دادے

مِّن قَبْلُ ۚ وَإِنَّا لَمُوَفُّوهُمْ نَصِيبَهُمْ غَيْرَ مَنقُوصٍ ﴿١٠٩﴾

اُس سے پہلے اور ہم دینے والے ہیں اُن کو اُنکا حصہ یعنی عذاب سے بلا نقصان ف۱۴۹

(۱۴۰) یعنی پچھلی قوموں کے قصے جو تم کو سنائے گئے کہ کس طرح انھوں نے پیغمبروں کی تکذیب اور گستاخیاں کیں، پھر کس طرح تباہ ہوئے۔ اُن میں سے بعض کی بستیاں ابھی آباد ہیں جیسے "مصر" جو فرعون کا مقام تھا اور بعض اُجڑ گئیں۔ مگر اُن کے کچھ کھنڈر باقی ہیں۔ جیسے قوم لوط کی بستیاں اور بعض کا نشان بھی صفحۂ ہستی پر باقی نہ رہا۔

(۱۴۱) **پچھلی قوموں کی ہلاکت کے اسباب** یعنی خدا نے کسی کو بے قصور نہیں پکڑا جو ظلم کا وہم ہو سکے، جب وہ جرائم کے ارتکاب میں حد سے نکل گئے اور اس طرح اپنے کو کھلم کھلا سزا کا مستحق ٹھہرا دیا تب خدا کا عذاب آیا۔ پھر دیکھ لو جن معبودوں (دیوتاؤں) کا انہیں بڑا سہارا تھا اور جن سے بڑی بڑی توقعات قائم کر رکھی تھیں وہ ایسی سخت مصیبت کے وقت کچھ بھی کام نہ آئے۔

(۱۴۲) باطل معبود کام کیا آتے؟ اُلٹے ہلاکت کا سبب بنے۔ جب اُنہیں نفع و ضرر کا مالک سمجھا، اُمیدیں قائم کیں، چڑھاوے چڑھائے، تعظیم اور ڈنڈوت کی، تو یہ روز بد دیکھنا پڑا۔ تکذیب انبیاء وغیرہ کا جو عذاب ہوتا، شرک و بت پرستی کا عذاب اُس پر مزید رہا۔

(۱۴۳) یعنی ظالموں کو بڑی حد تک مہلت دی جاتی ہے جب کسی طرح باز نہیں آتے تو پکڑ کر گلا دبا دیا جاتا ہے مجرم چاہے کہ تکلیف کم ہو، یا اُس کی پکڑ سے چھوٹ کر بھاگ نکلے، ایں خیال است و محال است و جنوں۔

(۱۴۴) **ان واقعات سے عبرت پکڑو** یعنی دنیا جو "دار عمل" ہے جب اُس میں شرک و کفر اور تکذیب انبیاء پر سزائیں ملتی ہیں اور اس قدر سخت ملتی ہیں تو یہ ایک نشان اِس بات کے معلوم کرنے کا ہے کہ آخرت میں جو خالص "دار جزاء" ہے کیا کچھ سزا ان جرائم پر ملے گی؟ اور کیا صورت رستگاری کی ہوگی۔ عقلمند آدمی کے لئے جو اپنے انجام کو سوچ کر ڈرتا رہتا ہے اِس چیز میں بڑی عبرت و نصیحت ہے۔

(۱۴۵) یعنی تمام دنیا کا بیک وقت فیصلہ اُسی دن ہوگا جب سارے اولین وآخرین اکھٹے کئے جائیں گے اور کوئی شخص غیر حاضر نہ رہ سکے گا۔ گویا خدائی عدالت کی سب سے بڑی پیشی کا دن وہ ہی ہوگا۔

(۱۴۶) یعنی اللہ کے علم میں جو میعاد مقرر ہے وہ پوری ہو جائے گی۔ تب وہ دن آئے گا، تاخیر سے یہ گمان مت کرو کہ یہ محض فرضی اور وہمی باتیں ہیں۔

(۱۴۷) یعنی کوئی شخص ایسی بات جو مقبول و نافع ہو بدون حکم الٰہی کے نہ کر سکیگا اور محشر کے بعض مواقف میں تو مطلقاً ایک حرف بھی اذن و اجازت کے بدون منہ سے نہ نکال سکیں گے۔

(۱۴۸) **ایک اشکال اور اس کا جواب** اِن آیات کے دو معنی ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ جس قدر مدت آسمان وزمین دنیا میں باقی رہے اتنی مدت تک اشقیاء دوزخ میں اور سُعداء جنت میں رہیں گے۔ مگر جو اور زیادہ چاہے تیرا رب وہ اُسی کو معلوم ہے۔ کیونکہ ہم جب طویل سے طویل زمانہ کا تصور کرتے ہیں تو ہمارے ماحول کے اعتبار سے بڑی مدت یہ ہی خیال میں آتی ہے۔ اسی لئے "مَادَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ" وغیرہ الفاظ محاورات عرب میں دوام کے مفہوم کو ادا کرنے کے لئے بولے جاتے ہیں۔ باقی دوام وابدیت کا اصلی مدلول جسے لامحدود زمانہ کہنا چاہئے وہ حق تعالیٰ ہی کے علم غیر متناہی کے ساتھ مختص ہے جس کو "مَاشَاءَ رَبُّكَ" سے ادا کیا۔ دوسرے معنی آیات کے یہ ہو سکتے ہیں کہ لفظ مَادَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ کو کنایہ دوام سے مانا جائے۔ یا آسمان وزمین سے آخرت کا زمین وآسمان مراد لیا جائے۔ جیسے فرمایا "یَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَیْرَ الْاَرْضِ وَالسَّمٰوٰتُ (ابراھیم۔ رکوع ۷) مطلب یہ ہوا کہ اشقیاء دوزخ اور سُعداء جنت میں اُس وقت تک رہیں گے جب تک آخرت کی زمین وآسمان باقی رہیں، یعنی ہمیشہ مگر جو چاہے تیرا رب تو موقوف کر دے وہاں ہمیشہ نہ رہنے دے۔ کیونکہ جنتیوں اور دوزخیوں کا خلود بھی
خارومشرکین کا عذاب اور اہل جنت کا ثواب کبھی موقوف نہ ہوگا۔ چنانچہ فرمادیا" وَمَاهُمْ بِخٰرِجِیْنَ مِنَ النَّارِ (بقرہ رکوع ۲۰) اور یُرِیْدُوْنَ ۴
اَنْ یَّخْرُجُوْا مِنَ النَّارِ وَمَا هُمْ بِخٰرِجِیْنَ مِنْهَا (مائدہ رکوع ۶) اور" لَا یُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ یُنْظَرُوْنَ" (بقرہ رکوع ۱۹) اور "اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَكَ بِهٖ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ یَّشَآءُ" (نساء رکوع ۱۸) اسی پر تمام اہل اسلام کا اجماع رہا ہے۔ اور ہمارے زمانہ کے بعض نام نہاد مفسرین نے جو کچھ اس کے خلاف چیزیں پیش کی ہیں وہ یا روایاتِ ضعیفہ وموضوعہ ہیں یا اقوال غریبہ ماؤلہ۔ یا بعض آیات واحادیث ہیں جن کا مطلب کوتاہ نظری یا بدفہمی سے غلط سمجھ لیا گیا ہے۔ اگر خدا کی توفیق سے مستقل تفسیر لکھنے کی نوبت آئی، اُس میں مفصل کلام کیا جائے گا۔ اختصار کی وجہ سے یہاں گنجائش نہیں، رہا عُصاۃ موحدین کا مسئلہ یعنی جو مسلمان گناہوں کی بدولت دوزخ میں ڈالے جائیں گے (العیاذ باللہ) اُن کے متعلق احادیث صحیحہ نے ہم کو خدا کی مشیت پر مطلع کر دیا ہے کہ ایک دن ضرور اُن کو نکال کر جنت میں پہنچائیں گے۔ جہاں سے کسی جنتی کو کبھی نکلنا نہیں۔ شاید اسی لحاظ سے جنتیوں کے ذکر میں "عَطَآءً غَیْرَ مَجْذُوْذٍ" اور اشقیاء کے ذکر میں اِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ" ارشاد ہوا۔ تا معلوم ہو جائے کہ بعض اشقیاء دوزخ سے نکالے جائیں گے مگر سعید کوئی جنت سے خارج نہ کیا جائے گا۔ (تنبیہ) "اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ" سے متنبہ فرمادیا کہ خدا کے ہمیشہ رہنے اور مخلوق کے ہمیشہ رہنے میں فرق ہے کسی مخلوق کا ہمیشہ رہنا بہمہ وجوہ خدا کی مشیت پر موقوف ہے۔ وہ جب چاہے فنا کر سکتا ہے۔ نیز یہ جتلا دیا کہ جزاء وسزاء دینا اس کے اختیار ومشیت کے تابع ہے۔ "آریہ سماج" وغیرہ کے عقیدہ کے موافق وہ اس پر مجبور نہیں۔

(۱۴۹) یعنی اتنی مخلوق کا شرک وبت پرستی کے راستہ پر پڑ لینا اور اب تک سزایاب نہ ہونا، کوئی ایسی چیز نہیں جس سے دھوکہ کھا کر آدمی شبہ میں پڑ جائے۔ یہ لوگ اپنے باپ دادوں کی کورانہ تقلید کر رہے ہیں وہ جھوٹے معبود اُن کے کیا کام آئے، جو ان کے کام آئیں گے؟ یقیناً ان

ے زور۔

سب کو آخرت میں عذاب کا پورا حصہ ملیگا۔ جس میں کوئی کمی نہ ہوگی یا کبھی کم نہ کیا جائیگا۔ گویا لفظ "غیر منقوص" "عطاءً غیر مجذوذ" کے مقابل ہوا۔ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ دنیا میں رزق وغیرہ کا جو حصہ مقدر ہے وہ پورا ملیگا۔ پھر شرک کی پوری سزا بھگتیں گے۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ فَاخْتُلِفَ فِيْهِ ؕ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ؕ وَ

اور البتہ ہمنے دی تھی موسیٰ کو کتاب پھر اس میں پھوٹ پڑ گئی اور اگر نہ ہوتا ایک لفظ کہ پہلے فرما چکا تھا تیرا رب تو فیصلہ ہو جاتا ان میں اور

اِنَّهُمْ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيْبٍ ﴿۱۱۰﴾ وَاِنَّ كُلًّا لَّمَّا لَيُوَفِّيَنَّهُمْ رَبُّكَ اَعْمَالَهُمْ ؕ اِنَّهٗ بِمَا يَعْمَلُوْنَ

ان کو اس میں شبہ ہے کہ مطمئن نہیں ہونے دیتا ف۱۵۰ اور جتنے لوگ ہیں جب وقت آیا پورا دیگا رب تیرا ان کو ان کے اعمال اس کو سب خبر ہے جو کچھ وہ کر رہے

خَبِيْرٌ ﴿۱۱۱﴾ فَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ وَمَنْ تَابَ مَعَكَ وَلَا تَطْغَوْا ؕ اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۱۱۲﴾ وَلَا

ہیں ف۱۵۱ سو تو سیدھا چلا جا جیسا تجھ کو حکم ہوا اور جس نے توبہ کی تیرے ساتھ اور حد سے نہ بڑھو بیشک وہ دیکھتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو ف۱۵۲ اور مت

تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ ۙ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَآءَ ثُمَّ لَا

جھکو ان کی طرف جو ظالم ہیں پھر تم کو لگے گی آگ اور کوئی نہیں تمہارا اللہ کے سوا مدد گار پھر کہیں

تُنْصَرُوْنَ ﴿۱۱۳﴾ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ ؕ اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ

مدد نہ پاؤگے ف۱۵۳ اور قائم کر نماز کو دونوں طرف دن کے اور کچھ ٹکڑوں میں رات کے ف۱۵۴ البتہ نیکیاں دور کرتی ہیں

السَّيِّاٰتِ ؕ ذٰلِكَ ذِكْرٰى لِلذّٰكِرِيْنَ ﴿۱۱۴﴾ وَاصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۱۵﴾

برائیوں کو یہ یادگاری ہے یاد رکھنے والوں کو ف۱۵۵ اور صبر کر البتہ اللہ ضائع نہیں کرتا ثواب نیکی کرنے والوں کا ف۱۵۶

فَلَوْلَا كَانَ مِنَ الْقُرُوْنِ مِنْ قَبْلِكُمْ اُولُوْا بَقِيَّةٍ يَّنْهَوْنَ عَنِ الْفَسَادِ فِي الْاَرْضِ اِلَّا

سو کیوں نہ ہوئے ان جماعتوں میں جو تم سے پہلے تھیں ایسے لوگ جن میں اثر خیر رہا ہو کہ منع کرتے رہتے بگاڑ کرنے سے ملک میں مگر

قَلِيْلًا مِّمَّنْ اَنْجَيْنَا مِنْهُمْ ۚ وَاتَّبَعَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَآ اُتْرِفُوْا فِيْهِ وَكَانُوْا مُجْرِمِيْنَ ﴿۱۱۶﴾

تھوڑے کہ جن کو ہم نے بچا لیا ان میں سے اور چلے وہ لوگ[۲] جو ظالم تھے وہی راہ جس میں عیش سے رہے تھے اور تھے گنہگار ف۱۵۷

(۱۵۰) **خیر و شر کے اختلاف کی حکمت** موسیٰ علیہ السلام کو تورات دے کر بھیجا تو آپس میں پھوٹ پڑ گئی، کسی نے قبول کیا کسی نے نہ کیا۔ جس طرح آج قرآن عظیم کے متعلق یہی اختلاف ہو رہا ہے۔ بیشک خدا کو قدرت تھی کہ یہ اختلاف و تفریق پیدا نہ ہونے دیتا یا پیدا ہو چکنے کے بعد تمام مکذبین کا فوراً استیصال کر کے سارے جھگڑے ایک دم میں چکا دیتا۔ مگر اس کی حکمت تکوینی اس کو مقتضی نہ ہوئی۔ ایک بات اس کے یہاں پہلے سے طے شدہ ہے کہ انسان کو ایک خاص حد تک کسب و اختیار کی آزادی دے کر آزمائے کہ وہ کس راستہ پر چلتا ہے آیا خالق و مخلوق کا ٹھیک ٹھیک حق پہچان کر خدا کی رحمت و کرامت کا مستحق بنتا ہے یا کجروی اور غلط کاری سے فطرت صحیحہ کی رہنمائی کو خیرباد کہہ کر اپنے کو غضب و سخط کا مظہر ٹھہراتا ہے۔ "لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا" اسی مقصد کو پیش نظر رکھتے ہوئے انسان کی ساخت

[۱] بھگتا دیگا۔

[۲] اور پیچھے پڑے رہے ظالم اسی چیز کے جس میں ان کو عیش ملا۔

ایسی بنائی کہ وہ نیکی یا بدی کے اختیار کرنے میں بالکل مجبور و مضطر نہ ہو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ دنیا میں خیر و شر اور نیک و بد کی باہمی آویزش جاری رہے بعدہٗ مرحوم و مغضوب علیحدہ کئے جائیں۔ تا اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّکَ" کے ساتھ "لَاَمْلَئَنَّ جَھَنَّمَ مِنَ الْجِنَّۃِ وَالنَّاسِ" والی بات بھی پوری ہو۔ غالباً یہ ہی وہ کلمہ (لفظ) ہے جو اگر نہ فرما چکا ہوتا تو سب اختلافات کا ایک دم خاتمہ کر دیا جاتا۔ عام لوگ ان حکمتوں کو نہ سمجھ سکنے کی وجہ سے شک میں پڑے ہوئے ہیں کہ آئندہ بھی ان اختلافات کا فیصلہ ہوگا یا نہیں۔

(۱۵۱) یعنی ابھی وقت نہیں آیا کہ ہر ایک کے عمل کا پورا بھگتان کیا جائے۔ لیکن جب وقت آئے گا تو یقیناً ذرہ ذرہ کا حساب کر دیا جائیگا تاخیر عذاب سے یہ نہ سمجھو کہ اُسے تمہارے اعمال کی خبر نہیں۔

(۱۵۲) **اوامر پر استقامت کا حکم** آپ ان مشرکین کی جھنجھٹ میں نہ پڑیے۔ آپ کو اور ان لوگوں کو جنہوں نے کفر وغیرہ سے توبہ کر کے آپ کی معیت اختیار کر لی اور حق تعالیٰ کی طرف رجوع کیا، احکام الٰہیہ پر نہایت بامردی اور استقلال کے ساتھ ہمیشہ جمے رہنا چاہیئے عقائد، اخلاق، عبادات، معاملات، دعوۃ و تبلیغ وغیرہ، ہر چیز میں افراط و تفریط سے علیحدہ ہو کر توسُّط و استقامت کی راہ پر سیدھے چلے جاؤ۔ کسی معاملہ میں افراط یا تفریط کی جانب اختیار کر کے حد سے نہ نکلو، اور یقین رکھو کہ حق تعالیٰ ہر آن تمہارے اعمال کو دیکھ رہا ہے۔

(۱۵۳) پہلے "لَا تَطْغَوْا" میں حد سے نکلنے کو منع کیا تھا۔ اب بتلاتے ہیں کہ جو لوگ ظالم (حد سے نکلنے والے) ہیں، اُن کی طرف تمہارا ذرا سا میلان اور جھکاؤ بھی نہ ہو۔ اُن کی موالات، مصاحبت، تعظیم و تکریم، مدح و ثنا، ظاہری تشبہ، اشتراک عمل، ہر بات سے حسب مقدور محترز رہو، مبادا آگ کی لپٹ تم کو نہ لگ جائے۔ پھر نہ خدا کے سوا تم کو کوئی مددگار ملیگا اور نہ خدا کی طرف سے کچھ مدد پہنچے گی۔

(۱۵۴) **نمازوں کے اوقات** ظالموں کی طرف مت جھکو۔ بلکہ خدائے وحدہٗ لاشریک لہٗ کی طرف جھکو۔ یعنی صبح و شام اور رات کی تاریکی میں خشوع و خضوع سے نمازیں ادا کرو کہ یہ ہی بڑا ذریعہ خدا کی مدد حاصل کرنے کا ہے۔ (تنبیہ) دن کے دونوں طرف یعنی طلوع و غروب سے پہلے فجر اور عصر کی نمازیں مراد ہیں۔ یا ایک طرف فجر اور دوسری طرف مغرب کو رکھا جائے۔ کہ وہ بھی بالکل غروب کے متصل ہوتی ہے۔ اور بعض سلف کے نزدیک اس میں فجر اور ظہر و عصر تینوں نمازیں داخل ہیں۔ گویا دن کے ۲ دو حصے کر کے پہلے حصہ میں فجر کو اور دوسرے حصہ میں جو نصف النہار سے شروع ہو کر غروب پر ختم ہوتا ہے، دونوں نمازوں (ظہر و عصر) کو شمار کر لیا۔ اور "زُلَفًا مِّنَ الَّیْلِ" سے فقط "عشاء" یا "مغرب و عشاء" دونوں مراد ہیں ابن کثیر نے یہ احتمال بھی لکھا ہے کہ "طَرَفَیِ النَّھَارِ" سے فجر و عصر اور "زُلَفًا مِّنَ الَّیْلِ" سے تہجد مراد ہو۔ کیونکہ ابتدائے اسلام میں یہ ہی تین نمازیں فرض ہوئی تھیں۔ بعدہٗ تہجد کی فرضیت منسوخ ہوئی اور باقی دو کے ساتھ تین کا اضافہ کیا گیا۔ واللہ اعلم)۔

(۱۵۵) **نماز کے فوائد** یعنی نمازوں کا قائم رکھنا، خدا کی یادگاری ہے۔ جیسے دوسری جگہ فرمایا "اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِیْ"۔ یا یہ مطلب ہے کہ "اِنَّ الْحَسَنٰتِ یُذْھِبْنَ السَّیِّاٰتِ" کا ضابطہ یاد رکھنے والوں کے لئے یاد رکھنے کی چیز ہے۔ جسے کبھی فراموش نہ کرنا چاہیئے، کیونکہ اس سے مومن کو نیکیوں کی طرف خاص ترغیب ہوتی ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ "نیکیاں دور کرتی ہیں بُرائیوں کو تین طرح، جو نیکیاں کرے اُس کی برائیاں معاف ہوں، اور جو نیکیاں اختیار کرے اُس سے خو بُرائیوں کی چھوٹے، اور جس ملک میں نیکیوں کا رواج ہو وہاں ہدایت آئے اور گمراہی مٹے، لیکن تینوں جگہ وزن غالب چاہیئے۔ جتنا میل اُتنا صابون"۔

(۱۵۶) **صبر اور صلوٰۃ کا تعلق** قرآن کریم میں غور کرنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ کی امداد و اعانت حاصل کرنے میں دو چیزوں کو خاص دخل ہے۔ صلوٰۃ اور صبر "وَاسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوۃِ" (بقرۃ) یہاں بھی "صلوٰۃ" کے بعد "صبر" کا حکم فرمایا۔ مطلب یہ ہے کہ مومن خدا کی عبادت و فرمانبرداری میں ثابت قدم رہے اور کسی دُکھ درد کی پرواہ نہ کرے، تب خدا کی مدد و نصرت حاصل ہوتی ہے اُس کے یہاں کسی نیکوکار

کا اجر ضائع نہیں ہوتا، بلکہ اندازہ سے زائد ملتا ہے۔

(۱۵۷) **مصلحین کی ضرورت اور اہمیت** | یہ پچھلوں کا حال سنا کر اُمّتِ محمدیہ کو اُبھارا گیا ہے کہ اُن میں "امر بالمعروف" اور "نہی عن المنکر" کرنے والے بکثرت موجود رہنے چاہئیں۔ گذشتہ قومیں اس لئے تباہ ہوئیں کہ عام طور پر لوگ عیش و عشرت کے نشہ میں چور ہو کر جرائم کا ارتکاب کرتے رہے اور بڑے بااثر آدمی جن میں کوئی اثر خیر کا باقی تھا، انہوں نے منع کرنا چھوڑ دیا، اس طرح کفر و عصیان اور ظلم و طغیان سے دنیا کی جو حالت بگڑ رہی تھی، اس کا سنوارنے والا کوئی نہ رہا۔ چند گنتی کے آدمیوں نے "امر بالمعروف" کی کچھ آواز بلند کی مگر نقار خانہ میں طوطی کی صدا کون سنتا تھا، نتیجہ یہ ہوا کہ وہ منع کرنے والے عذاب سے محفوظ رہے باقی سب قوم تباہ ہو گئی۔ شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "نیک لوگ غالب ہوتے تو قوم ہلاک نہ ہوتی۔ تھوڑے تھے سو آپ بچ گئے"۔ حدیث صحیح میں ہے کہ جب ظالم کا ہاتھ پکڑ کر ظلم سے نہ روکا جائے اور لوگ "امر بالمعروف" و "نہی عن المنکر" ترک کر بیٹھیں، تو قریب ہے کہ خدا تعالیٰ ایسا عام عذاب بھیجے جو کسی کو نہ چھوڑے (العیاذ باللہ)۔

وَمَا كَانَ رَبُّكَ لِيُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّاَهْلُهَا مُصْلِحُوْنَ ﴿۱۱۷﴾ وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ

اور تیرا رب ہرگز ایسا نہیں کہ ہلاک کرے بستیوں کو زبردستی سے اور لوگ وہاں کے نیک ہوں ف ۱۵۸ اور اگر چاہتا تیرا رب کر ڈالتا لوگوں کو

اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلَا يَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِيْنَ ﴿۱۱۸﴾ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ ۭ وَلِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ ۭ وَتَمَّتْ كَلِمَةُ

ایک راستہ پر اور ہمیشہ رہتے ہیں اختلاف میں مگر جن پر رحم کیا تیرے رب نے ف ۱۵۹ اور اسی واسطے انکو پیدا کیا ہے اور پوری ہوئی بات تیرے

رَبِّكَ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۱۹﴾ وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَاۗءِ الرُّسُلِ

رب کی کہ البتہ بھر دونگا دوزخ جنوں سے اور آدمیوں سے اکٹھے ف ۱۶۰ اور سب چیز بیان کرتے ہیں ہم تیرے پاس رسولوں کے احوال سے

مَا نُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَكَ ۚ وَجَاۗءَكَ فِيْ هٰذِهِ الْحَقُّ وَمَوْعِظَةٌ وَّذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۲۰﴾ وَقُلْ

جس سے تسلی دیں تیرے دل کو اور آئی تیرے پاس اس سورت میں تحقیق بات اور نصیحت اور یاد داشت ایمان والوں کو ف ۱۶۱ اور کہہ دے

لِّلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ اعْمَلُوْا عَلٰي مَكَانَتِكُمْ ۭ اِنَّا عٰمِلُوْنَ ﴿۱۲۱﴾ وَانْتَظِرُوْا ۚ اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ ﴿۱۲۲﴾ وَلِلّٰهِ

اُن کو جو ایمان نہیں لاتے کام کئے جاؤ اپنی جگہ پر ہم بھی کام کرتے ہیں اور انتظار کرو ہم بھی منتظر ہیں ف ۱۶۲ اور اللہ کے

غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاِلَيْهِ يُرْجَعُ الْاَمْرُ كُلُّهٗ فَاعْبُدْهُ وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ ۭ وَمَا

پاس ہے چھپی بات آسمانوں کی اور زمین کی اور اُسی کی طرف رجوع ہے سب کام کا سو اُسی کی بندگی کر اور اُسی پر بھروسہ رکھ اور

ع ۱۰ رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۳﴾

تیرا رب بے خبر نہیں جو کام تم کرتے ہو ف ۱۶۳

(۱۵۸) یعنی جس بستی کے لوگ اپنی حالت درست کرنے کی طرف متوجہ ہوں، نیکی کو رواج دیں، ظلم و فساد کو روکیں، تو خداوند قدوس کی یہ شان نہیں کہ خواہ مخواہ اُنہیں زبردستی پکڑ کر ہلاک کر دے۔ عذاب اُسی وقت آتا ہے جب لوگ کفر و عصیان یا ظلم و طغیان میں حد سے نکل جائیں۔

(۱۵۹) یعنی جیسا کہ بارہا پہلے لکھا جا چکا ہے خدا تعالیٰ کی حکمت تکوینی اس کو مقتضی نہیں ہوئی کہ ساری دنیا کو ایک ہی راستہ پر ڈال دیتا اسی لئے حق کے قبول کرنے نہ کرنے میں ہمیشہ اختلاف رہتا ہے اور رہے گا۔ مگر فی الحقیقت اختلاف اور پھوٹ ڈالنے والے وہ لوگ

ہیں جنہوں نے صاف و صریح فطرت کے خلاف حق کو جھٹلایا۔ اگر فطرت سلیمہ کے موافق سب چلتے تو کوئی اختلاف نہ ہوتا۔ اسی لئے "اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ" سے متنبہ فرمادیا کہ جن پر خدا نے اُن کی حق پرستی کی بدولت رحم کیا وہ اختلاف کرنے والوں سے مستثنیٰ ہیں۔

(۱۶۰) **تخلیق عالم کی غرض و غایت** یعنی دنیا کی آفرینش سے غرض یہی ہے کہ حق تعالیٰ کی ہر قسم کی "صفات جمالیہ" و "قہریہ" کا ظہور ہو اس لئے مظاہر کا مختلف ہونا ضروری ہے تاکہ ایک جماعت اپنے مالک کی وفاداری و اطاعت دکھا کر رحمت و کرم اور رضوان و غفران کا مظہر بنے۔ جو "اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ" کی مصداق ہے اور دوسری جماعت اپنی بغاوت و غداری سے اُس کی صفت عدل و انتقام کا مظہر بن کر حبس دوام کی سزا بھگتے۔ جس پر خدا کی یہ بات پوری ہو "لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ" بہرحال آفرینش عالم کا تشریعی مقصد عبادت ہے "وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ" (الذاریات رکوع ۳) اور تکوینی غرض یہ ہے کہ تشریعی مقصد کو اپنے کسب و اختیار سے پورا کرنے اور نہ کرنے والے دو گروہ ایسے موجود ہوں جو حق تعالیٰ کی صفات جلالیہ و جمالیہ یا بالفاظ دیگر لطف و قہر کے مورد و مظہر بن سکیں ؎ در کارخانۂ عشق از کفر ناگزیر است ÷ دوزخ کرا بسوزد گر بولہب نہ باشد۔ پھر لطف و کرم کے مظاہر بھی اپنے مدارج استعداد و عمل کے اعتبار سے مختلف ہونگے۔ ؎ گلہائے رنگ رنگ سے ہے رونقِ چمن ÷ اے ذوق اس جہاں کو ہے زیب اختلاف سے۔

(۱۶۱) **قصص قرآن کی حکمت اور فوائد** اوپر بہت سے انبیاء و رسل کے قصص مذکور ہوئے تھے، اب ختم سورت پر ذکر قصص کی بعض حکمتوں پر تنبیہ فرماتے ہیں۔ یعنی گذشتہ اقوام و رسل کے واقعات سن کر پیغمبر علیہ السلام کا قلب بیش از بیش ساکن و مطمئن ہوتا ہے۔ اور اُمت کو تحقیقی باتیں معلوم ہوتی ہیں۔ جن میں نصیحت و تذکیر کا بڑا سامان ہے۔ آدمی جب سنتا ہے کہ میرے ابنائے نوع پہلے فلاں فلاں جرائم کی پاداش میں ہلاک ہو چکے ہیں تو اُن سے بچنے کی کوشش کرتا ہے اور جب دیکھتا ہے کہ فلاں راستہ اختیار کرنے سے پچھلوں کو نجات ملی تو طبعاً اُس کی طرف دوڑتا ہے۔ فی الحقیقت قرآن کریم میں قصص کا حصہ اس قدر موثر و مذکر واقع ہوا ہے کہ کوئی شخص جس میں تھوڑا سا آدمیت کا جزء ہو اور خوف خدا کی ذرا سی ٹیس دل میں رکھتا ہو اُنہیں سن کر متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ باقی قصص یا بعض دوسرے مضامین کی تکرار، جو قرآن کریم میں پائی جاتی ہے اُس پر ہم نے رسالہ "القاسم" کے ابتدائی دور میں ایک مستقل مضمون لکھا ہے اُسے ملاحظہ کر لیا جائے۔

(۱۶۲) **آنحضرت ﷺ کو توکّل کا حکم** اس مضمون کی آیات پہلے اسی سورت میں گذر چکی ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اگر میری بات نہیں مانتے تو بہتر ہے تم اپنی ضد پر جمے رہو، میں اپنے مقام پر مستقیم ہوں۔ نیز تم میرے لئے حوادث دہر کا انتظار کرتے رہو، میں تمہارے انجام بد کا منتظر ہوں۔ چند روز میں پتہ چل جائیگا کہ ظالموں کا اونٹ کس کروٹ بیٹھتا ہے۔ "يَتَرَبَّصُ بِكُمُ الدَّوَائِرَ عَلَيْهِمْ دَائِرَةُ السَّوْءِ"

(۱۶۳) یعنی آپ ان کے کفر و شرارت سے دلگیر نہ ہوں اپنا کام کئے جائیں اور ان کا فیصلہ خدا کے حوالہ کریں، اُس سے آسمان و زمین کی کوئی بات چھپی نہیں، سب معاملات پھر کر اُسی کی طرف لوٹنے والے ہیں۔ وہاں ان کو پتہ لگ جائیگا کہ وہ کس خبط میں پڑے ہوئے تھے۔ آپ تو دل و جان سے اپنے پروردگار کی بندگی اور فرمانبرداری میں لگے رہئے۔ اور تنہا اُسی کی اعانت پر بھروسہ رکھئے۔ وہ تمہارے مخلصانہ اعمال سے بے خبر نہیں اُن کے موافق سب تم سے معاملہ کریگا۔ حدیث میں ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے سوال کیا یا رسول اللہ! آپ پر بڑھاپے کے آثار بہت جلد آگئے؟ فرمایا "شَيَّبَتْنِيْ هُوْدٌ وَاَخَوَاتُهَا" سورۂ "ہود" اور اُس کی بہنوں نے مجھے بوڑھا کر دیا۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ سورۂ ہود کی جس آیت نے آپ کو بوڑھا کر دیا یہ تھی "فَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ وَمَنْ تَابَ مَعَكَ وَلَا تَطْغَوْا اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ" رزقنا اللہ سبحانہ و تعالیٰ الاستقامۃ علیٰ دینہ و سنۃ نبیہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ تم سورۃ "ہود" بفضلہ و منّہ۔

سُوْرَةُ یُوْسُفَ

سُوْرَةُ یُوْسُفَ ۱۲ مَکِّیَّۃٌ	بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○	اٰیَاتُهَا ۱۱۱ رُکُوْعَاتُهَا ۱۲
سورہ یوسف مکہ میں نازل ہوئی اور اس کی	شروع اللہ کے نام سے جو بیحد مہربان نہایت رحم والا ہے	ایک سو گیارہ آیتیں اور بارہ رکوع ہیں۔

الٓرٰ تِلْكَ اٰیٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِیْنِ ﴿۱﴾ اِنَّاۤ اَنْزَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِیًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۲﴾ نَحْنُ نَقُصُّ

یہ آیتیں ہیں واضح کتاب کی ف۱ ہم نے اس کو اتارا ہے قرآن عربی زبان کا تاکہ تم سمجھ لو ف۲ ہم بیان کرتے ہیں

عَلَیْكَ اَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَاۤ اَوْحَیْنَاۤ اِلَیْكَ هٰذَا الْقُرْاٰنَ ۖۗ وَاِنْ كُنْتَ مِنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الْغٰفِلِیْنَ ﴿۳﴾

تیرے پاس بہت اچھا بیان اس واسطے کہ بھیجا ہم نے تیری طرف یہ قرآن اور تو تھا اس سے پہلے البتہ بیخبروں میں ف۳

اِذْ قَالَ یُوْسُفُ لِاَبِیْهِ یٰۤاَبَتِ اِنِّیْ رَاَیْتُ اَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ رَاَیْتُهُمْ لِیْ سٰجِدِیْنَ ﴿۴﴾

جس وقت کہا یوسف نے اپنے باپ سے اے باپ میں نے دیکھا خواب میں گیارہ ستاروں کو اور سورج کو اور چاند کو دیکھا میں نے انکو اپنے واسطے سجدہ کرتے ہوئے ف۴

قَالَ یٰبُنَیَّ لَا تَقْصُصْ رُءْیَاكَ عَلٰۤى اِخْوَتِكَ فَیَكِیْدُوْا لَكَ كَیْدًا ۗ اِنَّ الشَّیْطٰنَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ ﴿۵﴾

کہا اے بیٹے مت بیان کرنا خواب اپنا اپنے بھائیوں کے آگے پھر وہ بنائیں گے تیرے واسطے کچھ فریب البتہ شیطان ہے انسان کا صریح دشمن ف۵

وَكَذٰلِكَ یَجْتَبِیْكَ رَبُّكَ وَیُعَلِّمُكَ مِنْ تَاْوِیْلِ الْاَحَادِیْثِ وَیُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَیْكَ وَعَلٰۤى اٰلِ یَعْقُوْبَ

اور اسی طرح برگزیدہ کریگا تجھ کو تیرا رب ف۶ اور سکھلائیگا تجھ کو ٹھکانے پر لگانا باتوں کا ف۷ اور پورا کریگا اپنا انعام تجھ پر اور یعقوب کے گھر پر ف۸

ربع ۱
كَمَاۤ اَتَمَّهَا عَلٰۤى اَبَوَیْكَ مِنْ قَبْلُ اِبْرٰهِیْمَ وَاِسْحٰقَ ۗ اِنَّ رَبَّكَ عَلِیْمٌ حَكِیْمٌ ﴿۶﴾ ع

جیسا پورا کیا ہے تیرے دو باپ دادوں پر اس سے پہلے ابراہیم اور اسحٰق پر ف۹ البتہ تیرا رب خبردار ہے حکمت والا ف۱۰

(۱) جس کا من عند اللہ ہونا بالکل واضح ہے اور جن احکام و شرائع یا مواعظ و نصائح پر وہ مشتمل ہے نہایت روشن اور صاف ہیں۔

(۲) **عربی میں قرآن کے نزول کی حکمت** یعنی عربی زبان جو تمام زبانوں میں زیادہ فصیح و وسیع اور منضبط و پُرشوکت زبان ہے، نزول قرآن کے لئے منتخب کی گئی۔ جب خود پیغمبر عربی ہیں تو ظاہر ہے کہ دنیا میں اُس کے اولین مخاطب عرب ہونگے۔ پھر عرب کے ذریعہ سے چاروں طرف یہ روشنی پھیلے گی۔ اسی کی طرف "لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ" میں اشارہ فرمایا کہ تمہاری زبان میں اتارنے کی ایک وجہ یہ ہے کہ تم جو پیغمبر علیہ السلام کی قوم ہو اول اُس کے علوم و معارف کا مزہ چکھو پھر دوسروں کو چکھاؤ۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ ابن کثیر لکھتے ہیں "اُنْزِلَ اَشْرَفُ الْكُتُبِ بِاَشْرَفِ اللُّغَاتِ عَلٰى اَشْرَفِ الرُّسُلِ بِسِفَارَةِ اَشْرَفِ الْمَلٰئِكَةِ وَكَانَ ذٰلِكَ فِیْ اَشْرَفِ بِقَاعِ الْاَرْضِ وَابْتُدِئَ اِنْزَالُهٗ فِیْ اَشْرَفِ شُهُوْرِ السَّنَةِ وَهُوَ رَمَضَانُ۔ فَكَمَلَ مِنْ كُلِّ الْوُجُوْهِ"۔

(۳) **احسن القصص کی وجہ نزول** یعنی اُس وحی کے ذریعہ سے جو قرآن کی صورت میں تم پر نازل ہوتی ہے۔ ہم ایک نہایت اچھا بیان

نہایت حسین طرز میں تم کو سناتے ہیں جس سے اب تک اپنی قوم کی طرح تم بھی بے خبر تھے۔ گو یہ واقعہ کتب تاریخ اور بائیبل میں پہلے سے مذکور تھا مگر محض ایک افسانہ کی صورت میں تھا۔ قرآن کریم نے اس کے ضروری اور مفید اجزاء کو ایسی عجیب ترتیب اور بلیغ و موثر انداز میں بیان فرمایا جس نے نہ صرف پہلے تذکرہ نویسوں کی کوتاہیوں پر مطلع کیا بلکہ موقع بہ موقع نہایت ہی اعلیٰ نتائج کی طرف رہنمائی کی اور قصہ کے ضمن میں علوم و ہدایات کے ابواب مفتوح کر دیئے۔ یہ بات کہ خداوند قدوس کی تقدیر کو کوئی چیز نہیں روک سکتی، اور خدا جب کسی پر فضل کرنا چاہے تو سارا جہان مل کر بھی اپنی ساری امکانی تدابیر سے اسے محروم نہیں کر سکتا، صبر و استقامت دنیوی و اخروی کامیابی کی کلید ہے، حسد و عداوت کا انجام خذلان و نقصان کے سوا کچھ نہیں۔ عقل انسانی بڑا شریف جوہر ہے جس کی بدولت آدمی بہت سی مشکلات پر غالب آتا اور اپنی زندگی کو کامیاب بنا لیتا ہے، اخلاقی شرافت اور پاکدامنی انسان کو دشمنوں اور حاسدوں کی نظر میں بھی آخر کار معزز بنا دیتی ہے۔ یہ اور اس قسم کے بے شمار حقائق ہیں جن پر اس احسن القصص کے ضمن میں متنبہ فرمایا ہے۔ مفسرین نے اس سورت کی شان نزول میں کئی روایتیں نقل کی ہیں۔ سب کے ملانے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہود نے مشرکین مکہ کے ذریعہ سے امتحاناً یہ سوال کیا کہ حضرت ابراہیم اور ان کی اولاد تو شام میں رہتی تھی، پھر "بنی اسرائیل" مصر کیسے پہنچ گئے جو موسیٰ علیہ السلام کو فرعون سے مقابلہ کی نوبت آئی۔ شاید مسلمانوں کو بھی ایک مفصل تاریخی واقعہ جو بصائر و عبر سے مملو ہو سننے کا اشتیاق ہوا ہو گا۔ ادھر اس قصہ کے ضمن میں جن احوال و حوادث کا تذکرہ ہونے والا تھا، وہ کئی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی قوم کے حالات سے مشابہت رکھتے تھے۔ اور ان کا ذکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں موجب تسکین خاطر اور آپ کی قوم کے حق میں موجب عبرت تھا۔ ان وجوہ سے یہ پورا واقعہ کافی بسط و تفصیل سے قرآن کریم میں بیان فرمایا۔ تا پوچھنے والوں کو معلوم ہو جائے کہ اسرائیل (یعنی حضرت یعقوب علیہ السلام) اور ان کی اولاد کے شام سے مصر آنے کا سبب حضرت یوسف علیہ السلام کا واقعہ ہوا ہے۔ پھر وہیں ان کی نسل پھیلی اور بڑھتی رہی تا آنکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے آ کر فرعون اور قبطیوں کی غلامی سے انہیں نجات دلائی۔

(۴) **حضرت یوسفؑ کا خواب** یعنی گیارہ ستارے اور چاند سورج میرے آگے جھک رہے اور پست ہو رہے ہیں۔ یہ خواب لڑکپن میں دیکھا تھا۔ سچ ہے "ہونہار بروے کے چکنے چکنے پات"۔

(۵) یعنی شیطان ہر وقت انسان کی گھات میں لگا ہے۔ وسوسہ اندازی کر کے بھائیوں کو تیرے خلاف اکسا دیگا۔ کیونکہ خواب کی تعبیر بہت ظاہر تھی، اور یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کو جو بہرحال خاندان نبوت میں سے تھے، ایسے واضح خواب کا سمجھ لینا کچھ مشکل نہ تھا کہ گیارہ ستارے گیارہ بھائی ہیں اور چاند سورج ماں باپ ہیں گویا یہ سب کسی وقت یوسف علیہ السلام کی عظمت شان کے سامنے سر جھکائیں گے۔

برادران یوسفؑ چنانچہ آخر سورت میں "یٰاَبَتِ هٰذَا تَاْوِیْلُ رُءْیَایَ مِنْ قَبْلُ قَدْ جَعَلَهَا رَبِّیْ حَقًّا" کہہ کر اسی طرف اشارہ کیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام خواب سے پیشتر ہی یہ محسوس کرتے تھے کہ یوسفؑ کے ساتھ باپ کی خصوصی محبت کو دیکھ کر اس کے علاتی بھائی دل ہی دل میں کڑھتے ہیں۔ اب انہوں نے خیال کیا کہ اگر کہیں یہ خواب سن پائے تو شیطان حسد کی آگ ان کے دلوں میں بھڑکا دے گا اور جوش حسد میں آنکھیں بند کر کے ممکن ہے وہ کوئی ایسی حرکت کر گذریں جو یوسف کی اذیت اور خود ان کی رسوائی اور بد انجامی کا موجب ہو۔ اس لئے آپ نے یوسف علیہ السلام کو منع فرما دیا کہ اپنا خواب بھائیوں کے روبرو ظاہر نہ کریں۔ یوسفؑ کا ایک حقیقی بھائی "بنیامین" تھا، اس کے سامنے ذکر کرنے کی بھی اجازت نہیں دی، گو اس سے برائی کا کچھ اندیشہ نہ تھا، لیکن یہ ممکن تھا کہ وہ سن کر بے احتیاطی سے دوسروں کے سامنے تذکرہ کر دے۔ اور اس طرح یہ خبر لوگوں میں شائع ہو جائے (تنبیہ) حافظ ابن تیمیہؒ نے ایک مستقل رسالہ میں لکھا ہے کہ قرآن، لغت، اور عقلی اعتبارات میں سے کوئی چیز اس خیال کی تائید نہیں کرتی کہ برادران یوسف انبیاء تھے، نہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی

خبر دی نہ صحابہ رضی اللہ عنہم میں کوئی اس کا قائل تھا بھلا عقوق والدین، قطع رحم، مسلمان بھائی کے قتل پر اقدام کرنا، اُس کو غلام بنا کر بیچ ڈالنا اور بلاد کفر کی طرف بھیجدینا، پھر صریح جھوٹ اور حیلے بنانا، وغیرہ ایسی حرکات شنیعہ کیا کسی نبی کی طرف (خواہ قبل از بعثت ہی سہی) منسوب کی جاسکتی ہیں (العیاذ باللہ) جن لوگوں نے برادران یوسف کی نبوت کا خیال ظاہر کیا ہے، اُن کے پاس لفظ "اسباط" کے سوا کوئی دلیل نہیں۔ حالانکہ "اسباط" خاص صلبی اولاد کو نہیں بلکہ اقوام و امم کو کہتے ہیں۔ اور "بنی اسرائیل" کی اسباط پر تقسیم حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عہد میں ہوئی ہے۔

(۶) **حضرت یوسفؑ کی نبوت کی پیشگوئی** یعنی جس طرح ایسا اچھا خواب دکھلایا، اسی طرح محض جاذبۂ رحمت سے اپنی بارگاہ قرب میں تجھ کو خصوصی مقام عطاء فرمائیگا۔ چنانچہ نبوت عطاء فرمائی اور طرح طرح کی ظاہری و باطنی نوازشیں کیں۔

(۷) **حضرت یوسفؑ کو تعبیر خواب کا علم** مثلاً تعبیر رؤیا، یعنی خواب سن کر اُس کے اجزاء کو ذہانت و فراست سے ٹھکانے پر لگا دینا۔ یا ہر بات کے موقع و محل کو سمجھنا، اور معاملات کے عواقب و نتائج کو فوراً پرکھ لینا۔ یا خدا اور پیغمبروں کے ارشادات اقوام و امم کے قصص اور کتب منزلہ کے مضامین کی تہ تک پہنچ جانا۔ یہ سب چیزیں "تاویل الاحادیث" کے تحت میں مندرج ہو سکتی ہیں۔

(۸) یعنی اُخروی نعمتوں کے ساتھ دنیوی نعمتیں عطا فرمائیگا۔ نبوت کے ساتھ بادشاہت میں حصہ دیگا اور شدائد و محن سے نجات دیکر خوشحالی و فراغ بالی کی زندگی نصیب کریگا۔

(۹) یعقوبؑ کے گھرانے کو دنیوی مکروہات اور مادی تکلیفوں سے رہائی دیگا اور آئندہ اُن کی نسل سے بڑے بڑے پیغمبر اور بادشاہ پیدا کرے گا حضرت یعقوبؑ نے تواضعاً اپنا نام نہیں لیا۔ اپنے والد حضرت اسحاق اور اُن کے والد حضرت ابراہیمؑ کا ذکر فرمایا۔ حضرت ابراہیم کو خدا نے اپنا خلیل اور نبی بنایا، اُن کے دشمن نمرود کو ہلاک کیا، آگ کے شعلوں کو اُن کے لئے گلزار بنا دیا، حضرت اسحاق کو نبوت عطا کی، پھر ان کے صلب سے حضرت یعقوب جیسا نبی پیدا کیا۔ جس سے تمام انبیائے بنی اسرائیل کا سلسلہ چلا۔ حدیث صحیح میں ہے۔ الکریم ابن الکریم ابن الکریم ابن الکریم یوسف بن یعقوب بن اسحٰق بن ابراھیم (تنبیہ) حضرت یعقوبؑ نے جو پیشگوئی کی اس کا کچھ حصہ تو غالباً حضرت یوسفؑ کے خواب سے سمجھے اور اس سے کہ اتنی چھوٹی عمر میں ایسا موزوں و مبارک خواب دیکھا۔ اور کچھ حضرت یوسفؑ کے خصائل و شمائل سے یا وحی الٰہی کے ذریعہ سے مطلع ہوئے ہوں گے۔

(۱۰) یعنی وہ ہر ایک کی مناسبت و استعداد سے باخبر ہے اپنی حکمت سے اُسی کے مناسب فیض پہنچاتا ہے۔

لَقَدْ كَانَ فِيْ يُوْسُفَ وَاِخْوَتِهٖٓ اٰيٰتٌ لِّلسَّآئِلِيْنَ ۝ اِذْ قَالُوْا لَيُوْسُفُ وَاَخُوْهُ اَحَبُّ اِلٰٓى اَبِيْنَا مِنَّا وَ

البتہ ہیں یوسف کے قصہ میں اور اُس کے بھائیوں کے قصہ میں نشانیاں پوچھنے والوں کیلئے ف۱۱ جب کہنے لگے البتہ یوسف اور اُس کا بھائی زیادہ پیارا ہے ہمارے باپ کو ہم سے اور

نَحْنُ عُصْبَةٌ ؕ اِنَّ اَبَانَا لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنِ ۝ اقْتُلُوْا يُوْسُفَ اَوِ اطْرَحُوْهُ اَرْضًا يَّخْلُ لَكُمْ وَجْهُ

ہم اُنسو قوت والے لوگ ہیں البتہ ہمارا باپ صریح خطا پر ہے ف۱۲ مار ڈالو یوسف کو یا پھینک دو کسی ملک میں کہ خالص رہے تم پر توجہ

اَبِيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا مِنْۢ بَعْدِهٖ قَوْمًا صٰلِحِيْنَ ۝ قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ لَا تَقْتُلُوْا يُوْسُفَ وَاَلْقُوْهُ فِيْ غَيٰبَتِ

تمہارے باپ کی ف۱۳ اور ہو رہنا اس کے بعد نیک لوگ ف۱۴ بولا ایک بولنے والا اُن میں مت مار ڈالو یوسف کو اور ڈالدو اُس کو گمنام کنوئیں

الْجُبِّ يَلْتَقِطْهُ بَعْضُ السَّيَّارَةِ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ۝

میں کہ اٹھالیجائے اسکو کوئی مسافر اگر تم کو کرنا ہے ف۱۵

(۱۱) **قصۂ یوسفؑ میں نشانیاں ہیں** یعنی جو لوگ اس طرح کے واقعات دریافت کر کے کسی نتیجہ پر پہنچنا چاہتے ہیں اُن کے لئے یوسف اور اُن کے بھائیوں کی سرگذشت میں ہدایت و عبرت کی بہت سی نشانیاں موجود ہیں۔ اس قصہ کو سن کر قلوب میں حق تعالیٰ کی عظیم قدرت و حکمت کا نقش جم جاتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کا بین ثبوت ملتا ہے کہ آپ باوجود اُمی ہونے اور کسی کتاب یا معلم سے استفادہ نہ کرنے کے ایسے منقح و منضبط تاریخی حقائق کا انکشاف فرماتے ہیں جن کے بیان کی بجز اعلام ربانی کے کوئی توجیہ نہیں ہو سکتی۔ خصوصاً قریش مکہ کے لئے (جو یہود کے اکسانے سے اس قصہ کے متعلق حضورؐ سے سوال کر رہے تھے) اس واقعہ میں بڑا عبرت آموز سبق ہے کہ جس طرح حضرت یوسف کو بھائیوں نے گھر سے نکالا، از راہ حسد قتل یا جلا وطن کرنے کے مشورے کئے۔ طرح طرح کی ایذائیں پہنچائیں۔ اہانت و استخفاف میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھا آخر ایک دن آیا کہ یوسف کی طرف نادم و محتاج ہو کر آئے۔ یوسف علیہ السلام کو خدا نے دین و دنیا کے اعلیٰ مناصب پر فائز کیا اور انہوں نے اپنی عروج و اقتدار کے وقت بھائیوں کے جرائم سے چشم پوشی کی اور نہایت دریادلی سے سب کے قصور معاف کر دیئے۔ ٹھیک اسی طرح حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی برادری نے آپ کے متعلق ناپاک منصوبے باندھے، دکھ پہنچائے، عزت و آبرو پر حملے کئے، حتیٰ کہ وطن سے چھوڑنے پر مجبور کیا۔ لیکن جلد وہ دن آنے والا تھا جب وطن سے علیحدہ ہو کر آپ کی کامیابی اور رفعت شان کا آفتاب چمکا، اور چند سال کے بعد فتح مکہ کا وہ تاریخی دن آپہنچا جبکہ آپ نے اپنے قومی اور وطنی بھائیوں کی گذشتہ تقصیرات پر بعینہٖ حضرت یوسف والے کلمات "لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ" فرما کر قلم عفو کھینچ دیا۔

(۱۲) **برادران یوسفؑ کا حسد** حضرت یعقوب علیہ السلام یوسف اور اُن کے عینی بھائی بنیامین سے بہت زیادہ محبت کرتے تھے کیونکہ یہ دونوں اپنے علاتی بھائیوں سے چھوٹے تھے، والدہ کا انتقال ہو چکا تھا اور خاص حضرت یوسف کی نسبت اپنے نور فراست یا الہام ربانی سے سمجھ چکے تھے کہ ان کا مستقبل نہایت درخشاں ہے اور نبوت کا خاندانی سلسلہ ان کی ذات سے وابستہ ہونیوالا ہے۔ خود یوسف علیہ السلام کا حسنِ صورت و سیرت اور کمال ظاہری و باطنی پدر بزرگوار کی محبت خصوصی کو اپنی طرف جذب کرتا تھا۔ دوسرے بھائیوں کو یہ چیز ناگوار تھی۔ وہ کہتے تھے کہ وقت پر کام آنیوالے تو ہم ہیں۔ ہمارا ایک طاقتور جتھا ہے جو باپ کی ضعیفی میں کام آسکتا ہے ان چھوٹے لڑکوں سے کیا امید ہو سکتی ہے؟ ان ہی خیالات کے ماتحت اپنے والد بزرگوار کی نسبت کہتے تھے کہ وہ اس معاملہ میں سخت غلطی اور صریح خطاء پر ہیں۔ اپنے نفع و نقصان کا صحیح موازنہ نہیں کرتے۔

(۱۳) **حضرت یوسفؑ کے قتل کا منصوبہ** یعنی رشک و حسد کی آگ اندر ہی اندر سلگتی رہی۔ آخر آپس میں مشورہ کیا کہ یوسف کی موجودگی میں ممکن نہیں کہ والد بزرگوار کی خصوصی محبت و توجہ کو ہم اپنی طرف کھینچ سکیں، اس لئے یوسف کا قصہ ہی یہاں سے ختم کر دینا چاہیئے خواہ قتل کر دو یا کسی دور دراز ملک کی طرف پھینک دو جہاں سے واپس نہ آسکے۔ جب وہ نہ رہیں گے تو باپ کی ساری توجہات اور مہربانیوں کے ہم ہی تنہا حقدار رہ جائیں گے۔ بنیامین کے معاملہ کو غالباً اُن کے یہاں کوئی اہمیت نہیں تھی، گویا اُس کی محبت کو یوسفؑ کی محبت کا ضمیمہ سمجھتے تھے۔

(۱۴) یعنی ایک مرتبہ قتل وغیرہ کا گناہ کرنا پڑے گا۔ اُس سے فارغ ہو کر توبہ کر لیں گے اور خوب نیک بن جائیں گے گویا اندر کے رند رہے ہاتھ سے جنت نہ گئی۔ بعض مفسرین نے "وَتَكُوْنُوْا مِنْۢ بَعْدِهٖ قَوْمًا صٰلِحِيْنَ" کے معنی یہ لئے ہیں کہ یوسف کے بعد ہمارے سب کام ٹھیک اور درست ہو جائیں گے کیونکہ پدر بزرگوار کا دست شفقت یوسف سے مایوس ہو کر صرف ہمارے ہی سروں پر رہا کرے گا۔

(۱۵) **یہودا کی تجویز** یہ کہنے والا "یہودا" تھا۔ یعنی قتل کرنا بہت سخت بات ہے اور ہمارا مقصد بدون اُس کے بھی حاصل ہو سکتا ہے اگر تم یوسف کو یہاں سے علیحدہ کرنا چاہتے ہو تو آسان صورت یہ ہے کہ اُس کو بستی سے دور کسی گمنام کنویں میں ڈال دو۔ ابو حیان نے بعض اہل لغت سے نقل کیا ہے کہ "غَيٰبَتِ الْجُبِّ" اُس طاقچہ وغیرہ کو کہتے ہیں جو کنویں (باولی) میں پانی سے ذرا اُوپر بنا ہوا ہو۔ غرض یہ تھی کہ ہم خواہی نخواہی

عمداً ہلاک کرنے کا گناہ اپنے سر نہ لیں۔ ایسے کنوئیں میں ڈال دینے کے بعد بہت ممکن ہے کوئی مسافر اُدھر سے گذرے اور خبر پا کر کنوئیں سے نکال لیجائے۔ اِس صورت میں ہمارا مقصد حاصل ہو جائیگا اور خونِ ناحق میں ہاتھ رنگین نہ کرنے پڑیں گے گویا سانپ مرجائیگا اور لاٹھی نہ ٹوٹے گی۔

قَالُوْا يٰۤاَبَانَا مَا لَكَ لَا تَاْمَنَّا عَلٰى يُوْسُفَ وَاِنَّا لَهٗ لَنٰصِحُوْنَ ۝۱۱ اَرْسِلْهُ مَعَنَا غَدًا يَّرْتَعْ وَيَلْعَبْ

بولے اے باپ کیا بات ہے کہ تو اعتبار نہیں کرتا ہمارا یوسف پر اور ہم تو اُسکے خیر خواہ ہیں ف۱۶ بھیج اُس کو ہمارے ساتھ کل کو خوب کھاوے اور کھیلے

وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۝۱۲ قَالَ اِنِّيْ لَيَحْزُنُنِيْۤ اَنْ تَذْهَبُوْا بِهٖ وَاَخَافُ اَنْ يَّاْكُلَهُ الذِّئْبُ وَاَنْتُمْ

اور ہم تو اُسکے نگہبان ہیں ف۱۷ بولا مجھ کو غم ہوتا ہے اس سے کہ تم اُس کو لیجاؤ اور ڈرتا ہوں اس سے کہ کھا جاوے اُسکو بھیڑیا اور تم

عَنْهُ غٰفِلُوْنَ ۝۱۳ قَالُوْا لَئِنْ اَكَلَهُ الذِّئْبُ وَنَحْنُ عُصْبَةٌ اِنَّاۤ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ۝۱۴ فَلَمَّا ذَهَبُوْا بِهٖ

اُس سے بیخبر رہو ف۱۸ بولے اگر کھا گیا اُس کو بھیڑیا اور ہم ایک جماعت ہیں قوت ور تو تو ہمنے سب کچھ گنوا دیا ف۱۹ پھر جب لیکر چلے اُس کو

وَاَجْمَعُوْۤا اَنْ يَّجْعَلُوْهُ فِيْ غَيٰبَتِ الْجُبِّ ۚ وَاَوْحَيْنَاۤ اِلَيْهِ لَتُنَبِّئَنَّهُمْ بِاَمْرِهِمْ هٰذَا وَهُمْ لَا

اور متفق ہوئے کہ ڈالیں اُس کو گمنام کنوئیں میں اور ہمنے اشارہ کر دیا اُسکو کہ تو جتائیگا اُن کو اُن کا یہ کام اور وہ تجھ کو

يَشْعُرُوْنَ ۝۱۵ وَجَآءُوْۤ اَبَاهُمْ عِشَآءً يَّبْكُوْنَ ۝۱۶ قَالُوْا يٰۤاَبَانَاۤ اِنَّا ذَهَبْنَا نَسْتَبِقُ وَتَرَكْنَا يُوْسُفَ

نہ جانینگے ف۲۰ اور آئے اپنے باپ کے پاس اندھیرا پڑے روتے ہوئے ف۲۱ کہنے لگے اے باپ ہم لگے دوڑنے آگے نکلنے کو اور چھوڑا یوسف کو

عِنْدَ مَتَاعِنَا فَاَكَلَهُ الذِّئْبُ ۚ وَمَاۤ اَنْتَ بِمُؤْمِنٍ لَّنَا وَلَوْ كُنَّا صٰدِقِيْنَ ۝۱۷

اپنے اسباب کے پاس پھر اُس کو کھا گیا بھیڑیا ف۲۲ اور تو باور نہ کریگا ہمارا کہنا اور اگرچہ ہم سچے ہوں ف۲۳

الثلث

(۱۶) اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے بھی باپ سے اس قسم کی درخواست کر چکے تھے مگر اُن کا دل اُنکے ساتھ بھیجنے پر مطمئن نہیں ہوا۔

(۱۷) حضرت یوسفؑ کو ساتھ لے جانے کی درخواست یعنی ایسے خوبصورت بچے کے قویٰ گھر میں خالی پڑے رہنے سے بیکار ہوئے جاتے ہیں۔ مناسب ہے کہ ہمارے ساتھ اس کو بکریاں چرانے کے لئے جنگل بھیجدیجئے۔ وہاں جنگل کے پھل میوے خوب کھائیگا اور کھیل کود سے جسمانی ورزش بھی ہو جائیگی۔ کہتے ہیں اُن کا کھیل بھاگ دوڑ اور تیر اندازی تھی۔ اور ویسے بھی بچوں کے لئے مناسب حد تک کھیلنا جیسا کہ ابو حیان نے کہا ہے نشاط و شگفتگی کا موجب ہے۔ غرض یعقوب علیہ السّلام سے یوسفؑ کو ساتھ لے جانے کی پُر زور درخواست کی اور نہایت موکد طریقہ سے اطمینان دلایا کہ ہم برابر اُس کی حفاظت کرینگے۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ خود یوسف کو بھی جداگانہ طور پر ساتھ چلنے اور باپ سے اجازت لینے کی ترغیب دی۔

(۱۸) یعنی یوسفؑ کی جدائی اور تمہارے ساتھ جانے کا تصور ہی مجھے غمگین بنائے دیتا ہے اُس پر یہ خوف مزید ہا کہ بچہ ہے۔ تمہاری بے خبری اور غفلت میں بھیڑیا وغیرہ کوئی درندہ نہ پھاڑ کھائے۔ لکھا ہے کہ اس جنگل میں بھیڑیئے کثرت سے تھے۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ "اُن کو آگے چل کر بھیڑیئے کا بہانہ کرنا تھا وہ ہی اُن کے دل میں خوف آیا"۔ بعض محققین کا خیال یہ ہے کہ "اَخَافُ اَنْ يَّاْكُلَهُ الذِّئْبُ" فرمانا حضرت یعقوب جیسے پیغمبر کے درجہ توکل و تفویض سے ذرا نازل بات تھی۔ اُس کا جواب یہ ملا کہ لڑکوں نے گویا اُن کے مُنہ میں سے بات پکڑ لی۔ جو اندیشہ ظاہر کیا تھا وہ ہی واقعہ بنا کر لے آئے۔

(۱۹) یعنی اگر ہماری جیسی طاقتور جماعت کی موجودگی میں چھوٹے بھائی کو بھیڑیا کھا جائے تو سمجھو کہ ہم بالکل ہی گئے گذرے ہوئے اس

سے بڑھ کر کیا خسارہ ہوگا کہ دس گیارہ تنومند بھائیوں کی آنکھوں کے سامنے سے ایک کمزور بچہ بھیڑیے کے منہ میں پہنچ جائے۔ ایسا ہو تو کہنا چاہئے کہ ہم نے اپنا سب کچھ گنوا دیا۔

(۲۰) مفسرین نے بہت سے درمیانی قصے نہایت درد انگیز اور رقت خیز پیرایہ میں نقل کئے ہیں جنہیں سن کر پتھر کا کلیجہ موم ہو جائے۔ خدا جانے وہ کہاں تک صحیح ہیں۔ قرآن کریم اپنے خاص نصب العین کے اعتبار سے اس قسم کی تفاصیل کو زیادہ درخور اعتناء اور لائق ذکر نہیں سمجھتا کیونکہ ان اجزاء سے کوئی مہم مقصد متعلق نہیں ہے۔ قرآن کریم اپنے سامعین کے دلوں میں وہ رقت پیدا کرنا چاہتا ہے جس کا منشاء خالص ایمان وعرفان ہو۔ عام رقت جو ہر کافر ومومن بلکہ حیوانات تک میں طبعًا مشترک ہے اس پر عام خطباء کی طرح زور دینا قرآن کی عادت نہیں۔ یہاں بھی اس نے درمیانی واقعات حذف کر کے آخری بات بتلا دی کہ برادران یوسفؑ کو بلطائف الحیل باپ کے پاس سے لے گئے اور ٹھہری ہوئی قرارداد کے موافق کنوئیں میں ڈالنے کا تہیہ کر لیا۔ اس وقت ہم نے یوسفؑ کو اشارہ کیا جس کی دوسروں کو مطلق خبر نہیں ہوئی کہ گھبراؤ نہیں، ایک وقت آیا چاہتا ہے کہ یہ سب کارروائیاں تم ان کو یاد دلاؤ گے اور اس وقت تم ایسے بلند مقام اور اعلیٰ مرتبہ پر ہوگے کہ یہ تم کو پہچان نہ سکیں گے یا طول عہد کی وجہ سے تم کو شناخت نہ کر سکیں گے۔ یہ خدائی اشارہ خواب میں ہوا یا بیداری میں، بطریق الہام ہوا یا فرشتہ کے ذریعہ سے، اس کی تفصیل قرآن میں نہیں۔ البتہ ظاہر الفاظ کو دیکھ کر کہا گیا ہے کہ وحی کا آنا چالیس برس کی عمر پر موقوف نہیں ہے۔ کیونکہ حضرت یوسف اس وقت بہت کم عمر تھے۔ واللہ اعلم۔

(۲۱) **حضرت یعقوب کے سامنے بھائیوں کا گریہ** یا تو گھر پہنچتے پہنچتے اندھیرا ہو گیا یا جان بوجھ کر اندھیرے سے آئے کہ دن کے اجالے میں باپ کو منہ دکھانا زیادہ مشکل تھا اور رات کی سیاہ چادر بے حیائی، سنگدلی، اور جھوٹی آہ وبکا کی کسی حد تک پردہ داری کر سکتی تھی۔ اعمش نے خوب فرمایا کہ برادران یوسفؑ کا گریہ وبکا سننے کے بعد ہم کسی شخص کو محض چشم اشکبار سے سچا نہیں سمجھ سکتے۔

(۲۲) **بھائیوں کی جھوٹی کہانی** یعنی ہم نے حفاظت میں کچھ کوتاہی نہیں کی ہمارے کپڑے لتے وغیرہ قابل حفاظت چیزیں جہاں رکھی تھیں وہیں یوسف کو بٹھلایا اور ایک دوسرے سے آگے نکلنے کو بھاگ دوڑ شروع کی۔ بس ذرا آنکھ سے اوجھل ہونا تھا کہ بھیڑیے نے یوسف کو آدبوچا۔ اس موقع پر اتنی ذرا سی دیر میں احتمال بھی نہ تھا کہ بھیڑیا پہنچ کر فورًا یوسف کو شکار کر لے گا۔

(۲۳) یعنی یوسف کے معاملہ میں پہلے ہی سے آپ کو ہماری طرف بدگمانی ہے۔ اگر آپ کے نزدیک ہم بالکل سچے بھی ہوں تب بھی اس معاملہ خاص میں کسی طرح ہماری بات کا یقین نہیں کر سکتے۔

وَجَآءُوْ عَلٰى قَمِيْصِهٖ بِدَمٍ كَذِبٍ ؕ قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا ؕ فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ ؕ وَاللّٰهُ

اور لائے اُس کے کُرتے پر لہو لگا کر جھوٹ ف۲۴ بولا یہ ہرگز نہیں بلکہ بنا دی ہے تم کو تمہارے جیوں نے ایک بات اب صبر ہی بہتر ہے اور اللہ ہی

الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ ﴿۱۸﴾ وَجَآءَتْ سَيَّارَةٌ فَاَرْسَلُوْا وَارِدَهُمْ فَاَدْلٰى دَلْوَهٗ ؕ قَالَ يٰبُشْرٰى هٰذَا

سے مدد مانگتا ہوں اُس بات پر جو تم ظاہر کرتے ہو ف۲۵ اور آیا ایک قافلہ پھر بھیجا اپنا پانی بھرنے والا اُس نے لٹکایا اپنا ڈول کہنے لگا کیا خوشی کی بات ہے یہ ہے ایک

غُلٰمٌ ؕ وَاَسَرُّوْهُ بِضَاعَةً ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَشَرَوْهُ بِثَمَنٍۢ بَخْسٍ دَرَاهِمَ مَعْدُوْدَةٍ ۚ

لڑکا ف۲۶ اور چھپا لیا اُس کو تجارت کا مال سمجھ کر ف۲۷ اور اللہ خوب جانتا ہے جو کچھ وہ کرتے ہیں ف۲۸ اور بیچ آئے اُس کو بھائی ناقص قیمت کو گنتی کی چونیاں ف۲۹

وَكَانُوْا فِيْهِ مِنَ الزّٰهِدِيْنَ ﴿۲۰﴾ ع ف۳۰

اور ہو رہے تھے اس سے بیزار

ع ۲ / ۱۲

(۲۴) ایک بکری یا ہرن وغیرہ ذبح کر کے اس کا خون یوسف کی قمیص پر چھڑک لائے تھے وہ جھوٹا خون پیش کر کے باپ کو یقین دلانے لگے کہ بھیڑیے کے زخمی کرنے سے یہ کرتہ خون آلود ہو گیا۔

(۲۵) **حضرت یوسفؑ کا خون آلود کرتہ** بھلا جس کو شام میں بیٹھ کر مصر سے یوسف کے کرتہ کی خوشبو آتی تھی وہ بکری کے خون پر یوسفؑ کے خون کا گمان کب کر سکتا تھا۔ انہوں نے سنتے ہی جھٹلا دیا۔ اور جیسا کہ بعض تفاسیر میں ہے کہنے لگے کہ وہ بھیڑیا واقعی بڑا حلیم و متین ہوگا جو یوسف کو لے گیا اور خون آلود کرتہ کو نہایت احتیاط سے صحیح و سالم اتار کر رکھ گیا سچ ہے "دروغگو را حافظہ نہ باشد"۔ خون کے چھینٹے تو دیے مگر یہ خیال نہ رہا کہ قمیص کو بے ترتیبی سے نوچ کر اور پھاڑ کر پیش کرتے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے صاف طور پر فرما دیا کہ یہ سب تمہاری سازش اور اپنے دلوں سے تراشی ہوئی باتیں ہیں۔ بہرحال میں صبر جمیل اختیار کرتا ہوں جس میں نہ کسی غیر کے سامنے شکوہ ہوگا نہ تم سے انتقام کی کوشش، صرف اپنے خدا سے دعا کرتا ہوں کہ اس صبر میں میری مدد فرمائے اور اپنی اعانت غیبی سے جو باتیں تم ظاہر کر رہے ہو، اُن کی حقیقت اس طرح آشکار کر دے کہ سلامتی کے ساتھ یوسفؑ سے دوبارہ ملنا نصیب ہو۔ معلوم ہوتا ہے کہ یعقوب علیہ السلام کو مطلع کر دیا گیا تھا کہ جس امتحان میں وہ مبتلا کئے گئے ہیں وہ پورا ہو کر رہیگا اور ایک مدت معین کے بعد اس مصیبت سے نجات ملیگی۔ فی الحال ڈھونڈھنے یا انتقامی تدابیر اختیار کرنے سے کوئی فائدہ نہیں۔ یوسف ابھی ملیں گے نہیں۔ ہاں دوسرے بیٹے ساری دنیا میں رسوا ہو جائیں گے اور ممکن ہے کہ طیش میں آ کر خود یعقوبؑ کو ایذا پہنچانے کی کوشش کریں۔ کذا قال الامام الرازی فی الکبیر۔ واللہ اعلم۔

(۲۶) **کنوئیں میں حضرت یوسفؑ کے تین دن** کہتے ہیں تین روز تک یوسف علیہ السلام کنوئیں میں رہے۔ قدرت الٰہی نے حفاظت کی۔ ایک بھائی یہودا کے دل میں ڈال دیا کہ وہ ہر روز کنوئیں میں کھانا پہنچا آتا تھا۔ ویسے بھی سب بھائی خبر رکھتے تھے کہ مریں نہیں۔ کسی دوسرے ملک کا مسافر نکال لیجائے تو ہمارے درمیان سے یہ کانٹا نکل جائے۔ سچ ہے گل است سعدی و در چشم دشمناں خار است۔ آخر مدین سے مصر کو جانیوالا ایک قافلہ اُدھر سے گذرا، انہوں نے کنواں دیکھ کر اپنا آدمی پانی بھرنے کو بھیجا، اُس نے ڈول پھانسا تو حضرت یوسف چھوٹے تو تھے ہی ڈول میں ہو بیٹھے اور رسی ہاتھ سے پکڑ لی کھینچنے والے نے اُن کا حسن و جمال دیکھ کر بے ساختہ خوشی سے پکارا کہ یہ تو عجیب لڑکا ہے بڑی قیمت کو بکیگا

(۲۷) یعنی کھینچنے والے نے اِس واقعہ کو دوسرے ہمراہیوں سے چھپانا چاہا کہ اوروں کو خبر ہوگی تو سب شریک ہو جائیں گے۔ شاید یہ ظاہر کیا کہ یہ غلام اُس کے مالکوں نے مجھ کو دیا ہے تا مصر کے بازار میں فروخت کروں۔

(۲۸) یعنی بھائی بے وطن کرنا چاہتے تھے اور قافلہ والے بیچ کر دام وصول کرنے کا ارادہ کر رہے تھے اور خدا تعالیٰ خزائن مصر کا مالک بنانا چاہتا تھا۔ وہ اگر چاہتا تو ان کارروائیوں کو ایک سیکنڈ میں روک دیتا، لیکن اُس کی مصلحت تاخیر میں تھی، اس لئے سب چیزوں کو جانتے اور دیکھتے ہوئے انہیں ڈھیل دی گئی۔

(۲۹) **بھائیوں کا حضرت یوسفؑ کو فروخت کرنا** بھائیوں کو خبر ہوئی کہ قافلہ والے نکال لے گئے۔ وہاں پہنچے اور ظاہر کیا کہ یہ ہمارا غلام بھاگ آیا ہے چونکہ اسے بھاگنے کی عادت ہے اِس لئے ہم رکھنا نہیں چاہتے، تم خریدو تو خرید سکتے ہو۔ مگر بہت سخت نگرانی رکھنا کہیں بھاگ نہ جائے۔ کہتے ہیں اٹھارہ درہم یا کم و بیش میں بیچ ڈالا، اور نو بھائیوں نے دو دو درہم (تقریباً آٹھ آٹھ آنے) بانٹ لئے۔ ایک بھائی یہودا نے حصہ نہیں لیا۔

(۳۰) یعنی اس قدر ارزاں بیچنے سے تعجب مت کرو۔ وہ اتنے بیزار تھے کہ مفت ہی دے ڈالتے تو مستبعد نہ تھا۔ جو پیسے مل گئے غنیمت سمجھا بعض مفسرین کہتے ہیں آیت میں اُس بیع کا ذکر ہے جو قافلہ والوں نے مصر پہنچ کر کی۔ اگر ایسا ہو تو کہا جائے گا کہ پڑی ہوئی چیز کی قدر نہ کی۔ اور یہ اندیشہ رہا کہ پھر کوئی آ کر دعویٰ نہ کر بیٹھے۔ نیز آبق (بھگوڑا) ہونے کا عیب سن چکے تھے، اس لئے سستے داموں بیچ ڈالا۔ والظاہر ہو الاول۔ واللہ اعلم

وَقَالَ الَّذِي اشْتَرَاهُ مِنْ مِصْرَ لِامْرَأَتِهِ أَكْرِمِي مَثْوَاهُ عَسَى أَنْ يَنْفَعَنَا أَوْ نَتَّخِذَهُ وَلَدًا

اور کہا جس شخص نے خرید کیا اس کو مصر سے اپنی عورت کو آبرو سے رکھ اس کو شاید ہمارے کام آئے یا ہم کرلیں اسکو بیٹا ف۳۱

وَكَذَلِكَ مَكَّنَّا لِيُوسُفَ فِي الْأَرْضِ وَلِنُعَلِّمَهُ مِنْ تَأْوِيلِ الْأَحَادِيثِ ۚ وَاللَّهُ غَالِبٌ عَلَى

اور اسی طرح جگہ دی ہم نے یوسف کو اس ملک میں اور اس واسطے کہ اسکو سکھائیں کچھ ٹھکانے پر بٹھانا باتوں کا ف۳۲ اور اللہ زور رہتا ہے اپنے کام

أَمْرِهِ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٢١﴾ وَلَمَّا بَلَغَ أَشُدَّهُ آتَيْنَاهُ حُكْمًا وَعِلْمًا ۚ وَكَذَلِكَ

میں ولیکن اکثر لوگ نہیں جانتے ف۳۳ اور جب پہنچ گیا اپنی قوت کو دیا ہم نے اسکو حکم اور علم ف۳۴ اور ایسا ہی

نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ﴿٢٢﴾ وَرَاوَدَتْهُ الَّتِي هُوَ فِي بَيْتِهَا عَنْ نَفْسِهِ وَغَلَّقَتِ الْأَبْوَابَ وَقَالَتْ

بدلہ دیتے ہیں ہم نیکی والوں کو ف۳۵ اور پھسلایا اس کو اس عورت نے جس کے گھر میں تھا اپنا جی تھامنے سے اور بند کر دیے دروازے اور بولی

هَيْتَ لَكَ ۚ قَالَ مَعَاذَ اللَّهِ ۖ إِنَّهُ رَبِّي أَحْسَنَ مَثْوَايَ ۖ إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الظَّالِمُونَ ﴿٢٣﴾ وَلَقَدْ هَمَّتْ

شتابی کر ف۳۶ کہا خدا کی پناہ وہ عزیز مالک ہے میرا اچھی طرح رکھا ہے مجھ کو بیشک بھلائی نہیں پاتے جو لوگ کہ بے انصاف ہوں ف۳۷ اور البتہ عورت نے فکر

بِهِ ۖ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَا أَنْ رَأَى بُرْهَانَ رَبِّهِ ۚ كَذَلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوءَ وَالْفَحْشَاءَ ۚ إِنَّهُ مِنْ عِبَادِنَا

کیا اسکا اور اس نے فکر کیا عورت کا ف۳۸ اگر نہ ہوتا یہ کہ دیکھے قدرت اپنے رب کی ف۳۹ یوں ہی ہوا تاکہ ہٹائیں ہم اس سے برائی اور بے حیائی البتہ وہ ہے ہمارے برگزیدہ

الْمُخْلَصِينَ ﴿٢٤﴾ وَاسْتَبَقَا الْبَابَ وَقَدَّتْ قَمِيصَهُ مِنْ دُبُرٍ وَأَلْفَيَا سَيِّدَهَا لَدَى الْبَابِ ۚ قَالَتْ مَا جَزَاءُ

بندوں میں ف۴۰ اور دونوں دوڑے دروازہ کو اور عورت نے چیر ڈالا اس کا کرتہ پیچھے سے اور دونوں مل گئے عورت کے خاوند سے دروازہ کے پاس ف۴۱ بولی اور کچھ سزا نہیں

مَنْ أَرَادَ بِأَهْلِكَ سُوءًا إِلَّا أَنْ يُسْجَنَ أَوْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٢٥﴾

ایسے شخص کی جو چاہے تیرے گھر میں برائی مگر یہی کہ قید میں ڈالا جائے یا عذاب دردناک ف۴۲

(۳۱) **حضرت یوسفؑ عزیز مصر کے یہاں** کہتے ہیں مصر پہنچ کر نیلام ہوا۔ عزیز مصر جو وہاں کا مدار المہام تھا، اس کی بولی پر معاملہ ختم ہوا۔ اس نے اپنی عورت (زلیخا یا راعیل) سے کہا کہ نہایت پیارا، قبول صورت، اور ہونہار لڑکا معلوم ہوتا ہے۔ اس کو پوری عزت و آبرو سے رکھو۔ غلاموں کا معاملہ مت کرو۔ شاید بڑا ہو کر ہمارے کام آئے۔ ہم اپنا کاروبار اس کے سپرد کر دیں یا جب اولاد نہیں ہے تو بیٹا بنالیں۔

(۳۲) **حضرت یوسف کو عطائے تمکین** یعنی ہم نے اپنی قدرت کاملہ اور تدبیر لطیف سے یوسف کو بھائیوں کی حاسدانہ سختیوں اور کنوئیں کی قید سے نکال کر عزیز مصر کے یہاں پہنچا دیا۔ پھر اس کے دل میں یوسف کی محبت و وقعت القا فرمائی اس طرح ہم نے ان کو مصر میں ایک معزز جگہ دی اور اہل مصر کی نظروں میں ان کو وجیہہ و محبوب بنا دیا۔ تا یہ چیز آئندہ ترقیات اور سربلندیوں کا پیش خیمہ ہو اور بنی اسرائیل کو مصر میں بسانے کا ذریعہ بنے۔ ساتھ ہی یہ بھی منظور تھا کہ عزیز مصر کے یہاں رہ کر بڑے سرداروں کی صحبت دیکھیں تا سلطنت کے رموز و اشارات سمجھنے اور تمام باتوں کو ان کے ٹھکانے پر بٹھانے کا کامل سلیقہ اور تجربہ حاصل ہو (تنبیہ) اسی سورت کے پہلے رکوع میں "تاویل الاحادیث" کا لفظ گذر چکا ہے۔ اس کی تفسیر وہاں ملاحظہ کر لیجئے۔

(۳۳) **حضرت یوسفؑ کا علم و حکمت** یعنی بھائیوں نے یوسف کو گرانا چاہا۔ خدا نے ان کو آسمان رفعت پر پہنچا دیا۔ اکثر لوگ کوتاہ نظری سے دیکھتے نہیں کہ انسانی تدبیروں کے مقابلہ میں کس طرح خدا کا بندوبست غالب آتا ہے۔

(۳۴) یعنی جب یوسفؑ کے تمام قویٰ حد کمال کو پہنچ گئے تو خدا کے یہاں سے عظیم الشان علم و حکمت کا فیض پہنچا۔ نہایت مشکل عقدے اپنی فہم رسا سے حل کرتے، بڑی خوبی اور دانائی سے لوگوں کے نزاعات چکاتے دین کی باریکیاں سمجھتے، جو زبان سے کہتے وہ کر کے دکھلاتے۔ سفیہانہ اخلاق سے قطعًا پاک و صاف اور علم شرائع کے پورے ماہر تھے۔ تعبیر رویاء کا علم تو اُن کا مخصوص حصّہ تھا۔

(۳۵) جو لوگ فطرت کی رہنمائی یا تقلید صالحین اور توفیق ازلی سے نوائب و حوادث پر صابر رہ کر عمدہ اخلاق اور نیک چال چلن اختیار کرتے ہیں حق تعالیٰ اُن پر ایسے ہی انعام فرماتا ہے۔

(۳۶) **حضرت یوسفؑ کا کڑا امتحان** | ادھر تو الطاف غیبیہ حضرت یوسف کی عجیب و غریب طریقہ سے تربیت فرما رہے تھے۔ اُدھر عزیز کی بیوی (زلیخا) نے اُن کے سامنے ایک نہایت ہی مزلۃ الاقدام موقع امتحان کا کھڑا کر دیا یعنی حضرت یوسف کے حسن و جمال پر زلیخا مفتون ہو گئی اور دلکشی و مہر بانی کے سارے سامان جمع کر کے چاہا کہ یوسف کے دل کو اُن کے قابو سے باہر کر دے۔ ایک عیش و نشاط کے سامان، نفسانی جذبات پورے کرنے کے لئے ہر قسم کی سہولتیں، یوسف علیہ السلام کا ہر وقت زلیخا کے گھر میں موجود رہنا، اُس کا نہایت محبت اور پیار سے رکھنا تنہائی کے وقت خود عورت کی طرف سے ایک خواہش کا بیتابانہ اظہار، کسی غیر کے آنے جانے کے سب دروازے بند، دوسری طرف جوانی کی عمر، قوت کا زمانہ، مزاج کا اعتدال، تجرد کی زندگی، یہ سب دواعی و اسباب ایسے تھے جن سے ٹکرا کر بڑے سے بڑے زاہد کا تقویٰ بھی پاش پاش ہو جاتا مگر خدا نے جس کو محسن قرار دے کر علم و حکمت کے رنگ میں رنگین کیا اور پیغمبرانہ عصمت کے بلند مقام پر پہنچایا، اس پر کیا مجال تھی کہ شیطان کا قابو چل جاتا۔ اُس نے ایک لفظ کہا "معاذ اللہ" (خدا کی پناہ) اور شیطانی جال کے سارے حلقے توڑ ڈالے کیونکہ جس نے خدا کی پناہ لی اُس پر کس کا وار چل سکتا ہے؟

(۳۷) **آپ کی ثابت قدمی اور پاکبازی** | یعنی خدا کی پناہ میں ایسی قبیح حرکت کیسے کر سکتا ہوں؟ علاوہ بریں "عزیز میرا مربی ہے جس نے مجھے ایسی عزت و راحت سے رکھا، کیا میں اپنے محسن کے ناموس پر حملہ کروں؟ ایسی محسن کشی اور بے انصافی کرنے والے کبھی بھلائی اور کامیابی کا منہ نہیں دیکھ سکتے۔ نیز جب ظاہری مربی کا ہم کو اس قدر پاس ہے تو سمجھ لو کہ اُس پروردگار حقیقی سے ہمیں کس قدر شرمانا اور حیا کرنا چاہئے جس نے محض اپنے فضل سے ہماری تربیت فرمائی اور اپنے بندوں کو ہماری خدمت و راحت رسانی کے لئے کھڑا کر دیا۔ (تنبیہ) بعض مفسرین نے "اِنَّہٗ رَبِّیۡ" کی ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف راجع کی ہے۔

(۳۸) **زلیخا اور حضرت یوسف کی رغبت "ھَمّ" کا فرق** | یعنی عورت نے پھانسنے کی فکر کی اور اُس نے فکر کی کہ عورت کا داؤ چلنے نہ پائے اگر اپنے رب کی حجت و قدرت کا معائنہ نہ کرتا تو ثابت قدم رہنا مشکل تھا۔ بعض مفسرین نے "وَہَمَّ بِہَا" کو "وَلَقَدۡ ہَمَّتۡ بِہٖ" سے علیحدہ کر کے "لَوۡلَاۤ اَنۡ رَّاٰ بُرۡہَانَ رَبِّہٖ" سے متعلق کیا ہے۔ جیسے "اِنۡ کَادَتۡ لَتُبۡدِیۡ بِہٖ لَوۡلَاۤ اَنۡ رَّبَطۡنَا عَلٰی قَلۡبِہَا" کی ترکیب ہے۔ اس وقت مقصود یوسف کے حق میں "ہم" کا ثابت کرنا نہیں بلکہ نفی کرنا ہے۔ ترجمہ یوں ہوگا۔ کہ عورت نے یوسف کا ارادہ کیا اور یوسف بھی عورت کا ارادہ کرتا اگر اپنے پروردگار کی قدرت و حجت نہ دیکھ لیتا۔ بعض نے "وَہَمَّ بِہَا" میں لفظ "ہَمّ" کو بمعنی میلان و رغبت کے لیا ہے۔ یعنی یوسف کے دل میں کچھ رغبت و میلان بے اختیار پیدا ہوا۔ جیسے روزہ دار کو گرمی میں ٹھنڈے پانی کی طرف طبعًا رغبت ہوتی ہے لیکن نہ وہ پینے کا ارادہ کرتا ہے نہ یہ بے اختیاری رغبت کچھ مضر ہے۔ بلکہ باوجود رغبت طبعی کے اُس سے قطعًا محترز رہنا مزید اجر و ثواب کا موجب ہے اسی طرح سمجھ لو کہ ایسے اسباب و دواعی قویہ کی موجودگی سے طبع بشری کے موافق بلا اختیار و ارادہ یوسف علیہ السلام کے دل میں کسی قسم کی رغبت و میلان کا پایا جانا نہ عصمت کے منافی ہے نہ اُن کے مرتبہ کو گھٹاتا ہے۔ بلکہ صحیح مسلم میں ابوہریرہ کی حدیث ہے کہ اگر بندہ کا میلان کسی برائی کی طرف ہوا لیکن اُس پر عمل نہ کیا تو اُس کے فرد حسنات میں ایک نیکی لکھی جاتی ہے۔ خدا فرماتا ہے کہ اُس

نے (باوجود رغبت و میلان) میرے خوف سے اُس بُرائی کو ہاتھ نہ لگایا۔ بہرحال باوجود اشتراکِ لفظی کے زلیخا کے "ہم" اور یوسف کے "ہم" میں زمین و آسمان کا تفاوت ہے اسی لئے قرآنِ کریم نے دونوں کے "ہم" کو ایک ہی لفظ میں جمع نہیں کیا اور نہ زلیخا کے "ہم" کی طرح یوسف کے ھم پر "لام" اور "قد" داخل کیا گیا۔ بلکہ سیاق و الحاق میں بہت سی دلائل یوسف علیہ السلام کی طہارت و نزاہت پر قائم فرمائیں۔ جو غور کرنے والوں پر پوشیدہ نہیں۔ تفصیل "روح المعانی" اور "تفسیر کبیر" وغیرہ میں موجود ہے۔

(۳۹) **اللہ کی بُرہان** "برہان" دلیل و حجت کو کہتے ہیں۔ یعنی اگر یوسف علیہ السلام اُس وقت اپنے رب کی دلیل نہ دیکھتے تو قلبی میلان پر چل پڑتے۔ دلیل کیا تھی؟ زنا کی حُرمت و شناعت کا وہ عین الیقین جو حق تعالیٰ نے اُن کو عطا فرمایا۔ یا وہ ہی دلیل جو خود انہوں نے زلیخا کی مقابلہ میں "اِنَّهٗ رَبِّیۡۤ اَحۡسَنَ مَثۡوَایَ اِنَّهٗ لَا یُفۡلِحُ الظّٰلِمُوۡنَ" کہہ کر پیش کی۔ بعض کہتے ہیں کہ خدا کی قدرت سے اُس وقت حضرت یعقوب علیہ السلام نظر آئے کہ انگلی دانتوں میں دبائے سامنے کھڑے ہیں۔ بعض نے کہا کہ کوئی غیبی تحریر نظر پڑی جس میں اس فعل سے روکا گیا تھا۔ واللہ اعلم۔

(۴۰) یعنی یہ برہان دکھانا اور ایسی طرح ثابت قدم رکھنا اس لئے تھا کہ یوسف ہمارے برگزیدہ بندوں میں ہیں۔ لہٰذا کوئی چھوٹی بڑی بُرائی خواہ ارادہ کے درجہ میں ہو یا عمل کے، اُن تک نہ پہنچ سکے۔

(۴۱) **حضرت یوسف علیہ السلام کا بھاگنا** آگے یوسف علیہ السلام تھے کہ جلدی دروازہ کھول کر نکل جائیں۔ اور پیچھے زلیخا انہیں روکنے کے لئے تعاقب کر رہی تھیں۔ اتفاقاً یوسف کے قمیص کا پچھلا حصہ زلیخا کے ہاتھ میں آگیا۔ اُس نے پکڑ کر کھینچنا چاہا۔ کھینچا تانی میں کرتہ پھٹ گیا۔ مگر یوسف جوں توں کر کے مکان سے نکلنے میں کامیاب ہو گئے۔ اِدھر یہ دونوں آگے پیچھے دروازہ پر پہنچے، اُدھر عورت کا خاوند عزیز مصر بھی آپہنچ گیا۔ عورت نے فوراً بات بنانی شروع کی۔

(۴۲) **زلیخا کا الزام** عورت نے الزام یوسف پر رکھا کہ اس نے مجھ سے بُرا ارادہ کیا۔ ایسے شخص کی سزا یہ ہونی چاہئے کہ جیلخانہ بھیجا جائے یا کوئی اور سخت مار پڑے۔

قَالَ هِیَ رَاوَدَتۡنِیۡ عَنۡ نَّفۡسِیۡ وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنۡ اَهۡلِهَا ۚ اِنۡ كَانَ قَمِیۡصُهٗ قُدَّ مِنۡ قُبُلٍ

یوسف بولا اسی نے خواہش کی مجھ سے کہ نہ تھاموں اپنے جی کو اور گواہی دی ایک گواہ نے عورت کے لوگوں میں سے [۴۳] اگر ہے کرتا اُس کا پھٹا آگے سے

فَصَدَقَتۡ وَهُوَ مِنَ الۡكٰذِبِیۡنَ ﴿۲۶﴾ وَاِنۡ كَانَ قَمِیۡصُهٗ قُدَّ مِنۡ دُبُرٍ فَكَذَبَتۡ وَهُوَ مِنَ

تو عورت سچی ہے اور وہ ہے جھوٹا اور اگر ہے کرتہ اُس کا پھٹا پیچھے سے تو یہ جھوٹی ہے اور وہ

الصّٰدِقِیۡنَ ﴿۲۷﴾ فَلَمَّا رَاٰ قَمِیۡصَهٗ قُدَّ مِنۡ دُبُرٍ قَالَ اِنَّهٗ مِنۡ كَیۡدِكُنَّ ؕ اِنَّ كَیۡدَكُنَّ عَظِیۡمٌ ﴿۲۸﴾

سچا ہے پھر جب دیکھا عزیز نے کرتہ اس کا پھٹا ہوا پیچھے سے کہا بیشک یہ ایک فریب ہے تم عورتوں کا البتہ تمہارا فریب بڑا ہے

یُوۡسُفُ اَعۡرِضۡ عَنۡ هٰذَا ٚ وَاسۡتَغۡفِرِیۡ لِذَنۡۢبِكِ ۚۖ اِنَّكِ كُنۡتِ مِنَ الۡخٰطِـِٕیۡنَ ﴿۲۹﴾ ع ۳ / ۱۲

یوسف جانے دے اس ذکر کو اور عورت تو بخشوا اپنا گناہ بیشک تو ہی گنہگار تھی [۴۴]

(۴۳) **حضرت یوسف کی صفائی** اب یوسف کو واقعہ ظاہر کرنا پڑا کہ عورت نے میرے نفس کو بے قابو کرنا چاہا۔ میں نے بھاگ کر جان بچائی۔ یہ جھگڑا ابھی چل رہا تھا کہ خود عورت کے خاندان کا ایک گواہ عجیب طریقہ سے یوسف کے حق میں گواہی دینے لگا۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ شیر خوار بچہ تھا، جو خدا کی قدرت سے ۔۔۔۔ حضرت یوسف کی براءت و وجاہت عند اللہ ظاہر کرنے کو بول پڑا۔ اور

بعض علماء کہتے ہیں کہ بچہ نہیں کوئی مرد دانا تھا جس نے ایسی پتہ کی بات کہی۔ واللہ اعلم۔

(۴۴) **ایک شخص کی دانائی اور گواہی** اگر گواہ شیر خوار بچہ تھا جیسا کہ بعض معتبر روایات میں ہے تب تو اس کا بولنا اور ایسی گواہی دینا جو انجام کار یوسف کے حق میں مفید ہوا، خود مستقل دلیل یوسف کی سچائی کی تھی۔ کرتہ کا آگے یا پیچھے سے پھٹا ہونا شہادت سے زائد بطور ایک علامت اور قرینہ کے سمجھنا چاہئے۔ اور اگر گواہ کوئی مرد دانا تھا تو بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ خارجی طریقہ سے حقیقت حال پر مطلع ہو چکا تھا مگر اس نے نہایت دانائی سے ایسے پیرایہ میں شہادت دی جو دفعۃً کسی کی جانبداری پر بھی محمول نہ ہو اور آخر کار یوسف کی براءت ثابت کر دے۔ جو پیرایہ اظہار واقعہ کا اس نے اختیار کیا وہ غیر جانبداروں کے نزدیک نہایت معقول تھا۔ کیونکہ اگر عورت کے دعوے کے موافق یوسف نے (معاذ اللہ) اس کی طرف اقدام کیا تو ان کا چہرہ عورت کی طرف ہوگا تو ظاہر یہ ہے کہ کشمکش میں کرتہ بھی سامنے سے پھٹے اور اگر یوسف کا کہنا صحیح ہے کہ عورت مجھ کو اپنی طرف بلاتی تھی، میں دروازہ کی طرف بھاگا، اس نے پکڑنے کے لئے میرا تعاقب کیا تو کھلی ہوئی بات ہے کہ کرتہ پیچھے سے پھٹا ہوگا۔ کیونکہ اس صورت میں یوسف اس کی طرف متوجہ نہیں تھے بلکہ ادھر سے پیٹھ پھیر کر بھاگ رہے تھے۔ بہرحال جب دیکھا گیا کہ کرتہ آگے سے نہیں پیچھے سے پھٹا ہے۔ تو عزیز نے سمجھ لیا کہ یہ سب عورت کا مکر و فریب ہے، یوسف قصوروار نہیں۔ چنانچہ اس نے صاف کہہ دیا کہ زلیخا کی پُر فریب کارروائی اسی قسم کی ہے جو عموماً عورتیں کیا کرتی ہیں اس نے یوسف سے استدعا کی کہ جو ہونا تھا ہو چکا۔ آئندہ اس کا ذکر مت کرو کہ سخت رسوائی اور بدنامی کا موجب ہے۔ اور عورت کو کہا کہ یوسف سے یا خدا سے اپنے قصور کی معافی مانگ، یقیناً قصور تیرا ہی تھا

وَقَالَ نِسْوَةٌ فِي الْمَدِينَةِ امْرَاَتُ الْعَزِيزِ تُرَاوِدُ فَتٰهَا عَنْ نَّفْسِهٖ ۚ قَدْ شَغَفَهَا حُبًّا ۖ اِنَّا لَنَرٰىهَا فِيْ

اور کہنے لگیں عورتیں اُس شہر میں عزیز کی عورت خواہش کرتی ہے اپنے غلام سے اُسکے جی کو فریفتہ ہو گیا اُس کا دل اُسکی محبت میں ہم تو دیکھتے ہیں اُسکو

ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۳۰﴾ فَلَمَّا سَمِعَتْ بِمَكْرِهِنَّ اَرْسَلَتْ اِلَيْهِنَّ وَاَعْتَدَتْ لَهُنَّ مُتَّكَاً وَّاٰتَتْ كُلَّ وَاحِدَةٍ

صریح خطا پر ف۴۵ پھر جب سُنا اس نے اُن کا فریب ف۴۶ بلوا بھیجا اُن کو اور تیار کی اُنکے واسطے ایک مجلس اور دی اُن کو ہر ایک کے

مِّنْهُنَّ سِكِّيْنًا وَّقَالَتِ اخْرُجْ عَلَيْهِنَّ ۚ فَلَمَّا رَاَيْنَهٗٓ اَكْبَرْنَهٗ وَقَطَّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ وَقُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ

ہاتھ میں ایک چھری اور بولی یوسف نکل آ اُنکے سامنے پھر جب دیکھا اُس کو ششدر رہ گئیں اور کاٹ ڈالے اپنے ہاتھ ف۴۷ اور کہنے لگیں حاشا للہ

مَا هٰذَا بَشَرًا ۭ اِنْ هٰذَآ اِلَّا مَلَكٌ كَرِيْمٌ ﴿۳۱﴾ قَالَتْ فَذٰلِكُنَّ الَّذِيْ لُمْتُنَّنِيْ فِيْهِ ۭ وَلَقَدْ رَاوَدْتُّهٗ

نہیں یہ شخص آدمی یہ تو کوئی فرشتہ ہے بزرگ ف۴۸ بولی یہ وہی ہے کہ طعنہ دیا تھا تم نے مجھ کو اسکے واسطے ف۴۹ اور میں نے لینا چاہا تھا اُس کے

عَنْ نَّفْسِهٖ فَاسْتَعْصَمَ ۭ وَلَئِنْ لَّمْ يَفْعَلْ مَآ اٰمُرُهٗ لَيُسْجَنَنَّ وَلَيَكُوْنًا مِّنَ الصّٰغِرِيْنَ ﴿۳۲﴾ قَالَ

اُس کا جی پھر اُس نے تھام رکھا ف۵۰ اور بیشک اگر نہ کریگا جو میں اُسکو کہتی ہوں تو قید میں پڑیگا اور ہوگا بے عزت ف۵۱ یوسف بولا

رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَيَّ مِمَّا يَدْعُوْنَنِيْٓ اِلَيْهِ ۚ وَاِلَّا تَصْرِفْ عَنِّيْ كَيْدَهُنَّ اَصْبُ اِلَيْهِنَّ وَاَكُنْ

اے رب مجھ کو قید پسند ہے اُس بات سے جسکی طرف مجھ کو بلاتی ہیں اور اگر تو نہ دفع کریگا مجھ سے اُن کا فریب تو مائل ہو جاؤنگا اُن کی طرف اور ہو جاؤنگا

مِّنَ الْجٰهِلِيْنَ ﴿۳۳﴾ فَاسْتَجَابَ لَهٗ رَبُّهٗ فَصَرَفَ عَنْهُ كَيْدَهُنَّ ۭ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۳۴﴾

بے عقل ف۵۲ سو قبول کر لی اسکی دعا اسکے رب نے پھر دفع کیا اُس سے اُن کا فریب ف۵۳ البتہ وہی ہے سننے والا خبردار ف۵۴

(۴۵) **شہر کی عورتوں میں چرچا** یعنی شدہ شدہ شہر کی عورتوں نے کہنا شروع کیا کہ عزیز کی عورت اپنے نوجوان غلام پر مفتون ہو گئی۔ چاہتی ہے کہ اس کے نفس کو بے قابو کر دے۔ غلام کی محبت اس کے دل کی تہ میں پیوست ہو چکی ہے۔ حالانکہ ایسے معزز عہدہ دار کی بیوی کے لئے یہ سخت شرمناک بات ہے کہ وہ ایک غلام پر گرنے لگے، ہمارے نزدیک اس معاملہ میں وہ علانیہ غلطی پر ہے۔

(۴۶) عورتوں کی گفتگو کو "مکر" (فریب) اس لئے کہا کہ مکاروں کی طرح چھپ چھپ کر یہ باتیں کرتی تھیں۔ اور زلیخا پر طعن کر کے گویا اپنی پارسائی کا اظہار مقصود تھا۔ حالانکہ یوسف کے بے مثال حسن و جمال کا شہرہ جس عورت کے کان میں پڑتا تھا، اس کی دید کا اشتیاق دل میں چٹکیاں لینے لگتا تھا۔ کچھ بعید نہیں کہ زلیخا پر طعن و تشنیع اور نکتہ چینی کرنے والیوں کے دلوں میں یہی غرض پوشیدہ ہو کہ زلیخا کو غصہ دلا کر کسی ایسی حرکت پر آمادہ کر دیں جو یوسف کے دیدار کا سبب بن جائے۔ یا زلیخا کے دل میں اس کی نفرت بٹھا کر اپنی طرف مائل کرنے کا موقع نکالیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ زلیخا نے بعض عورتوں کو اس معاملہ میں اپنا راز دار بنایا ہو۔ اس نے راز داری کی جگہ پردہ دری اور خوردہ گیری شروع کر دی بہرحال ان کی گفتگو کو لفظ "مکر" سے ادا کرنے میں یہ سب احتمالات ہیں۔

(۴۷) **حضرت یوسفؑ کا بے مثال حسن** یعنی دعوت کر کے ان عورتوں کو بلوا بھیجا اور کھانے پینے کی ایک مجلس ترتیب دی جس میں بعض چیزیں چاقو سے تراش کر کھانے کی تھیں۔ چنانچہ کھانے اور میوے وغیرہ ان کے سامنے چن کر ہر ایک عورت کے ہاتھ میں ایک چاقو دیدیا۔ تا تراشنے کے قابل چیزوں کے کھانے میں کسی کو کلفت انتظار اٹھانا نہ پڑے۔ یہ سب سامان درست کر کے اس نے حضرت یوسف علیہ السلام کو جو کہیں قریب ہی موجود تھے آواز دی کہ ادھر نکل آئیے۔ نکلنا تھا کہ بجلی سی کوند گئی۔ تمام عورتیں یوسف کے حسن و جمال کا دفعۃً مشاہدہ کرنے سے ہوش و حواس کھو بیٹھیں۔ اور مدہوشی کے عالم میں چھریوں سے پھلوں کی جگہ ہاتھ کاٹ لئے۔ گویا قدرت نے یہ ایک مستقل دلیل یوسف علیہ السلام کی نزاہت و صداقت پر قائم فرما دی کہ جس کے جمال بے مثال کی ذراسی جھلک نے دیکھنے والی عورتوں کے حواس گم کر دیے۔ بجائیکہ یوسفؑ نے آنکھ اٹھا کر بھی ان کے حسن و خوبی کی طرف نہ دیکھا۔ تو یقیناً واقعہ یوں ہی ہوا ہوگا۔ کہ زلیخا اس کے جمال ہوشربا کو دیکھ کر ہوش و خرد کھو بیٹھی۔ اور وہ معصوم فرشتہ کی طرح اپنا دامن عفت بچاتا ہوا صاف نکل گیا۔

(۴۸) یعنی حسن و جمال اور نورانی صورت کے اعتبار سے فرشتہ معلوم ہوتا ہے۔ کسی نے خوب کہا ہے۔ قَوْمٌ اِذَا قُوْبِلُوْا کَانُوْا مَلَائِکَۃً حُسْنًا وَّاِنْ قُوْتِلُوْا کَانُوْا عِفَارِیْتًا۔ یا حیاء و عفت اور پاکدامنی جو چہرہ اور چال ڈھال سے ٹپک رہی تھی اسے دیکھ کر کہا کہ یہ آدمی نہیں کوئی معصوم فرشتہ معلوم ہوتا ہے۔

(۴۹) اب زلیخا کو موقع ملا کہ عورتوں کے طعن و تشنیع کا تیر ان ہی کی طرف لوٹا دے۔ گویا اس وقت فَذٰلِکُنَّ الَّذِیْ لُمْتُنَّنِیْ فِیْہِ کہہ کر وہ اس شعر کا خلاصہ ادا کر رہی تھی ؎ این است کہ خوں خوردہ و دل بردہ بسے را ٭ بسم اللہ اگر تاب نظر ہست کسے را۔

(۵۰) **حضرت یوسفؑ کی پاکدامنی کی گواہی** مجمع کا رنگ دیکھ کر زلیخا بالکل ہی کھل پڑی اور واقعہ کا صاف صاف اظہار کر دیا کہ بیشک میں نے ان کا دل لینا چاہا تھا۔ مگر اس بندہ خدا نے ایسا مضبوط تھامے رکھا کہ کسی طرح نہ دیا۔ یہ خدا تعالیٰ نے شہر کی عورتوں کے مجمع میں حضرت یوسف علیہ السلام کی کمال عصمت و عفت اور غایت نزاہت و طہارت کا اقبالی ثبوت پیش کرا دیا۔ زلیخا کا حال اس وقت وہی تھا جو کسی نے کہا ہے ؎ لَا تُخْفِ مَا صَنَعَتْ بِکَ الْاَشْوَاقُ ٭ وَاشْرَحْ ھَوَاکَ فَکُلُّنَا عُشَّاقُ۔

(۵۱) زلیخا کی اس گفتگو میں کچھ تو عورتوں پر اپنی معذوری اور نامرادی کا اظہار تھا، تا ان کی ہمدردی حاصل کر سکے۔ اور کچھ یوسف علیہ السلام کو تحکمانہ دھمکیوں سے مرعوب کرنا تھا کہ وہ خوفزدہ ہو کر آئندہ اس کی مطلب براری پر آمادہ ہو جائیں۔ حالانکہ ؎ عنقا شکار کس نشود دام باز چیں ٭ کانجا ہمیشہ باد بدست است دام را۔

(۵۲) **حضرت یوسفؑ کی دعاء** معلوم ہوتا ہے کہ زلیخا کا مایوسانہ غصہ اور مظلومانہ انداز بیان اس کی ہمجنسوں پر اثر کر گیا۔ یا پہلے ہی سے کچھ ملی بھگت ہو گی۔ بہر حال لکھا ہے کہ اب عورتوں نے یوسف کو سمجھانا شروع کیا کہ تم کو اپنی محسنہ اور سیدہ کا کہنا ماننا چاہیئے۔ آخر اس غریب پر اتنا ظلم کیوں کرتے ہو، پھر یہ بھی سوچ لو کہ نافرمانی کا نتیجہ کیا ہو گا خواہ مخواہ مصیبت سر پر لینے سے کیا فائدہ۔ کہتے ہیں کہ بظاہر زبان سے وہ زلیخا کی سفارش کر رہی تھیں مگر دل ہر ایک کا یوسف کو اپنی طرف کھینچنا چاہتا تھا۔ یوسفؑ نے جب دیکھا کہ یہ عورت بے طرح پیچھے پڑی ہے اور شیطان ہر طرف اپنا جال بچھانے لگا ہے تو نہایت عزم و استقلال اور پیغمبرانہ استقامت سے بارگاہ احدیت میں درخواست کی کہ مجھ ان کی مکر و فریب سے بچایئے۔ اگر اس سلسلہ میں قید ہونا پڑے تو میں قید کو ارتکاب معصیت پر ترجیح دیتا ہوں۔ اگر آپ میری دستگیری نہ فرمائیں گی تو ڈر ہے کہ بے عقل ہو کر ان کی ابلہ فریبیوں کی طرف نہ جھک پڑوں۔ یہاں یوسف علیہ السلام کی زبانی یہ جتلا دیا کہ انبیاء کی عصمت بھی حق تعالیٰ کی دستگیری سے ہے اور یہ کہ وہ اپنی عصمت پر مغرور نہیں ہوتے۔ بلکہ عصمت کا جو منشاء ہے (حفاظت و صیانت الٰہی) اُسی پر نظر رکھتے ہیں۔

(۵۳) یعنی اُن کو عصمت و عفت پر پوری طرح ثابت قدم رکھا کسی کا فریب چلنے نہ دیا۔

(۵۴) **اللہ سے ہمیشہ اچھی چیز مانگنی چاہیئے** یعنی سب کی دعائیں سنتا ہے اور خبر رکھتا ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "ظاہر معلوم ہوتا ہے کہ اپنے مانگے سے قید میں پڑے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اتنا ہی قبول فرمایا کہ اُن کا فریب دفع کر دیا، باقی قید ہونا تھا قسمت میں۔ آدمی کو چاہیئے کہ گھبرا کر اپنے حق میں بُرائی نہ مانگے، پوری بھلائی مانگے گو ہو گا وہی جو قسمت میں ہے" ترمذی میں ہے کہ ایک شخص کو حضورؐ نے یہ دعا مانگتے سُنا "اللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُكَ الصَّبْرَ" (اے اللہ میں تجھ سے صبر مانگتا ہوں) آپ نے فرمایا "سَأَلْتَ اللّٰهَ الْبَلَاءَ فَاسْأَلْهُ الْعَافِيَةَ" (تو نے اللہ سے بلا طلب کی کیونکہ صبر تو بلاء پر ہو گا، اب تو اُس سے عافیت مانگ)۔

ثُمَّ بَدَا لَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا رَاَوُا الْاٰيٰتِ لَيَسْجُنُنَّهٗ حَتّٰى حِيْنٍ ﴿۳۵﴾ وَدَخَلَ مَعَهُ السِّجْنَ فَتَيٰنِ ۭ ع ۴ / ۱۴

پھر یوں سمجھ میں آیا لوگوں کی اُن نشانیوں کے دیکھنے پر کہ قید رکھیں اُس کو ایک مدت ف ۵۵ اور داخل ہوئے قید خانہ میں اُسکے ساتھ دو جوان

قَالَ اَحَدُهُمَآ اِنِّىْٓ اَرٰىنِىْٓ اَعْصِرُ خَمْرًا ۚ وَقَالَ الْاٰخَرُ اِنِّىْٓ اَرٰىنِىْٓ اَحْمِلُ فَوْقَ رَاْسِىْ خُبْزًا تَاْكُلُ

کہنے لگا اُن میں سے ایک میں دیکھتا ہوں کہ میں نچوڑ تا ہوں شراب اور دوسرے نے کہا میں دیکھتا ہوں کہ اُٹھا رہا ہوں اپنے سر پر روٹی کہ جانور کھاتے

الطَّيْرُ مِنْهُ ۭ نَبِّئْنَا بِتَاْوِيْلِهٖ ۚ اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۳۶﴾ قَالَ لَا يَاْتِيْكُمَا طَعَامٌ تُرْزَقٰنِهٖٓ

ہیں اُس میں سے بتلا ہم کو اس کی تعبیر ہم دیکھتے ہیں تجھ کو نیکی والا ف ۵۶ بولا نہ آنے پائیگا تم کو کھانا جو ہر روز تم کو ملتا ہے

اِلَّا نَبَّاْتُكُمَا بِتَاْوِيْلِهٖ قَبْلَ اَنْ يَّاْتِيَكُمَا ۭ ذٰلِكُمَا مِمَّا عَلَّمَنِيْ رَبِّيْ ۭ اِنِّىْ تَرَكْتُ مِلَّةَ قَوْمٍ

مگر بتا چکونگا تم کو اس کی تعبیر اُس کے آنے سے پہلے یہ علم ہے کہ مجھ کو سکھایا میرے رب نے میں نے چھوڑا دین اُس قوم کا

لَّا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۳۷﴾

کہ ایمان نہیں لاتے اللہ پر اور آخرت سے وہ لوگ منکر ہیں ف ۵۷

(۵۵) **حضرت یوسفؑ کی قید** یعنی باوجودیکہ حضرت یوسفؑ کی براءت و نزاہت کے بہت سے نشان دیکھ چکے تھے۔ پھر بھی اُن کی مصلحت یہ ہوئی کہ یوسفؑ کو ایک مدت تک قید میں رکھا جائے۔ تاکہ عام لوگ سمجھیں کہ قصور یوسفؑ ہی کا تھا۔ عورت بیچاری مفت میں بدنام ہو گئی۔ گویا عورت نے قید کی جو دھمکی دی تھی اُسے پورا کر کے چھوڑا۔ اُن لوگوں کی غرض تو یہ ہو گی کہ عورت سے یہ بدنامی زائل ہو، نیز ایک مدت تک

یوسفؑ اس کی نظر سے دور رہیں، اور عورت کا مطلب یہ ہوگا کہ شاید قید کی سختیاں اُٹھا کر یوسفؑ کچھ نرم پڑ جائیں۔ اس طرح اپنا مطلب نکال سکوں۔

(۵۶) **دو قیدیوں کے خواب** یعنی اُسی زمانہ میں دو نوجوان قیدی جیلخانہ میں لائے گئے۔ جن میں ایک بادشاہ مصر (ریان بن الولید) کا نان بائی اور دوسرے ساقی (شراب پلانے والا) تھا۔ دونوں بادشاہ کو زہر دینے کے الزام میں ماخوذ تھے۔ قید خانہ میں یوسف علیہ السلام کی مُروۃ و امانت، راست گوئی، حُسنِ اخلاق، کثرتِ عبادت، معرفتِ تعبیر اور ہمدردی خلائق کا چرچا تھا۔ یہ دونوں قیدی حضرت یوسفؑ سے بہت مانوس ہو گئے اور بڑی محبت کا اظہار کرنے لگے۔ ایک روز دونوں نے اپنا اپنا خواب بیان کیا۔ ساقی نے کہا میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ بادشاہ کو شراب پلا رہا ہوں۔ نان بائی نے کہا کہ میرے سر پر کئی ٹوکرے ہیں جس میں سے پرندے نوچ کر کھا رہے ہیں۔ یوسف علیہ السلام کو بزرگ دیکھ کر تعبیر مانگی۔

(۵۷) **قیدیوں کو حضرت یوسفؑ کی تبلیغ** یوسف علیہ السلام نے اوّل اُن کو تسلی دی کہ بیشک خوابوں کی تعبیر تمہیں بہت جلد معلوم ہوا چاہتی ہے روزمرہ جو کھانا تم کو ملتا ہے اُس کے آنے سے پیشتر میں تعبیر بتلا کر فارغ ہو جاؤنگا۔ لیکن تعبیر خواب سے زیادہ ضروری اور مفید ایک چیز پہلے تم کو سُناتا ہوں۔ وہ یہ کہ تعبیر وغیرہ کا یہ علم مجھ کو کہاں سے حاصل ہوا۔ سو یاد رکھو کہ میں کوئی پیشہ ور کاہن منجم نہیں بلکہ میرے علم کا سرچشمہ وحی اور الہام ربانی ہے۔ جو مجھ کو حق تعالیٰ نے اس کی بدولت عطا فرمایا کہ میں نے ہمیشہ سے کافروں اور باطل پرستوں کے دین و ملت کو چھوڑے رکھا اور اپنے مقدس آباؤ اجداد (حضرت ابراہیمؑ حضرت اسحاقؑ حضرت یعقوبؑ) جیسے انبیاء و مرسلین کے دین توحید پر چلا اور اُن کا اُسوۂ حسنہ اختیار کیا۔ ہمارا سب سے بڑا اور مقدم مطمح نظر یہی رہا کہ دنیا کی کسی چیز کو کسی درجہ میں بھی خدا کا شریک نہ بنائیں نہ ذات میں، نہ صفات میں، نہ افعال میں، نہ ربوبیت و معبودیت میں۔ صرف اُسی کے آگے جُھکیں، اُسی سے محبت کریں، اُسی پر بھروسہ رکھیں۔ اور اپنا جینا مرنا سب اُسی ایک پروردگار کے حوالہ کر دیں بہرحال یوسف علیہ السلام نے موقع مناسب دیکھ کر نہایت موثر طرز میں اُن قیدیوں کو ایمان و توحید کی طرف آنے کی ترغیب دی پیغمبروں کا کام یہی ہوتا ہے کہ دعوت و تبلیغ حق کا کوئی مناسب موقع ہاتھ سے نہ جانے دیں۔ یوسف علیہ السلام نے دیکھا کہ ان قیدیوں کے دل میری طرف متوجہ اور مجھ سے مانوس ہیں۔ قید کی مصیبت میں گرفتار ہو کر شاید کچھ نرم بھی ہوئے ہوں گے۔ لاؤ ان حالات سے فرض تبلیغ کے ادا کرنے میں فائدہ اٹھائیں اوّل ان کو دین کی باتیں سکھلائیں پھر تعبیر بھی بتلا دیں گے یہ تسلی پہلے کر دی کہ کھانے کے وقت تک تعبیر معلوم ہو جائے گی تا وہ نصیحت سے اُکتائیں نہیں۔ (تنبیہ) بہت سے مفسرین نے "لَا یَاْتِیْکُمَا طَعَامٌ تُرْزَقٰنِہٖ" الخ کے معنی یہ لئے ہیں کہ کبھی کھانا تمہارے پاس نہیں آتا ہے مگر میں آنے سے پہلے اُس کی حقیقت پر تم کو مطلع کر دیا کرتا ہوں۔ یعنی آج کیا کھانا آئے گا، کس قسم کا ہوگا۔ پھر تعبیر بتلانا کیا مشکل ہے۔ گویا اوّل حضرت یوسفؑ نے معجزہ کی طرف توجہ دلا کر اُنہیں اپنی نبوت کا یقین دلانا چاہا، تاکہ آئندہ جو نصیحت کریں زیادہ موثر و اوقع فی النفس ہو۔ اس تقدیر پر یوسفؑ کا یہ معجزہ ایسا ہی ہوگا جیسے حضرت مسیحؑ نے فرمایا تھا "وَاُنَبِّئُکُمْ بِمَا تَاْکُلُوْنَ وَمَا تَدَّخِرُوْنَ فِیْ بُیُوْتِکُمْ"۔ مگر مترجم محقق ؒ نے پہلی تفسیر اختیار کی ہے واللہ اعلم۔ حضرت شاہ عبدالقادر صاحبؒ لکھتے ہیں "حق تعالیٰ نے قید میں یہ حکمت رکھی کہ اُن کا دل کافروں کی محبت سے (یعنی کافر جوان کی محبت و مدارات کرتے تھے اُس سے) ٹوٹا تو دل پر اللہ کا علم روشن ہوا۔ چاہا کہ اوّل اُن کو دین کی بات سُنا دیں پیچھے تعبیر خواب کہیں۔ اس واسطے تسلی کر دی تا نہ گھبرائیں کہا کہ کھانے کے وقت تک وہ بھی بتا دونگا۔

وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ اٰبَآءِیْٓ اِبْرٰهِیْمَ وَاِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ ؕ مَا كَانَ لَنَآ اَنْ نُّشْرِكَ بِاللّٰهِ مِنْ شَیْءٍ ؕ

اور پکڑا میں نے دین اپنے باپ دادوں کا ابراہیم اور اسحاق اور یعقوب کا ہمارا کام نہیں کہ شریک کریں اللہ کا کسی چیز کو

ذٰلِكَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ عَلَیْنَا وَعَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَشْكُرُوْنَ ﴿۳۸﴾ یٰصَاحِبَیِ

یہ فضل ہے اللہ کا ہم پر اور سب لوگوں پر لیکن بہت لوگ احسان نہیں مانتے ۵۹ اے رفیقو قیدخانہ

السِّجْنِ ءَاَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَيْرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴿۳۹﴾ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖۤ اِلَّاۤ اَسْمَآءً

کے بھلا کئی معبود جُدا جُدا بہتر یا اللہ اکیلا زبردست ف۵۹ کچھ نہیں پوجتے ہو سوائے اُس کے مگر نام ہیں جو

سَمَّيْتُمُوْهَاۤ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ؕ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ اَمَرَ اَلَّا

رکھ لئے ہیں تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے نہیں اُتاری اللہ نے اُن کی کوئی سند ف۶۰ حکومت نہیں ہے کسی کی سوائے اللہ کے اُسی نے فرما دیا

تَعْبُدُوْۤا اِلَّاۤ اِيَّاهُ ؕ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۰﴾ يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ

کہ نہ پوجو مگر اُسی کو ف۶۱ یہی ہے راستہ سیدھا پر بہت لوگ نہیں جانتے ف۶۲ اے رفیقو قیدخانہ کے

اَمَّاۤ اَحَدُكُمَا فَيَسْقِيْ رَبَّهٗ خَمْرًا ۚ وَاَمَّا الْاٰخَرُ فَيُصْلَبُ فَتَاْكُلُ الطَّيْرُ مِنْ رَّاْسِهٖ ؕ

ایک جو ہے تم دونوں میں سو پلائیگا اپنے خاوند۱؎ کو شراب اور دوسرا جو ہے سو سولی دیا۲؎ جائیگا پھر کھائیں گے جانور اُس کے سر میں سے

قُضِيَ الْاَمْرُ الَّذِيْ فِيْهِ تَسْتَفْتِيٰنِ ﴿۴۱﴾ وَقَالَ لِلَّذِيْ ظَنَّ اَنَّهٗ نَاجٍ مِّنْهُمَا اذْكُرْنِيْ عِنْدَ

فیصل ہوا وہ کام جس کی تحقیق تم چاہتے تھے ف۶۳ اور کہہ دیا یوسف نے اُسکو جسکو گمان کیا تھا کہ بچے گا اُن دونوں میں میرا ذکر کرنا اپنے خاوند۳؎

ع ۵/۱۵ رَبِّكَ ۫ فَاَنْسٰىهُ الشَّيْطٰنُ ذِكْرَ رَبِّهٖ فَلَبِثَ فِي السِّجْنِ بِضْعَ سِنِيْنَ ﴿۴۲﴾ وَقَالَ الْمَلِكُ اِنِّيْۤ اَرٰى

کے پاس ف۶۴ سو بھلا دیا اُسکو شیطان نے ذکر کرنا اپنے خاوند۴؎ سے پھر رہا قید میں کئی برس ف۶۵ اور کہا بادشاہ نے میں خواب میں دیکھتا

سَبْعَ بَقَرٰتٍ سِمَانٍ يَّاْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ وَّسَبْعَ سُنْۢبُلٰتٍ خُضْرٍ وَّاُخَرَ يٰبِسٰتٍ ؕ يٰۤاَيُّهَا

ہوں سات گائیں موٹی اُن کو کھاتی ہیں سات گائیں دُبلی اور سات بالیں ہری اور دوسری سوکھی ف۶۶ اے

الْمَلَاُ اَفْتُوْنِيْ فِيْ رُءْيَايَ اِنْ كُنْتُمْ لِلرُّءْيَا تَعْبُرُوْنَ ﴿۴۳﴾

دربار والو تعبیر کہو مجھ سے میرے خواب کی اگر ہو تم خواب کی تعبیر دینے والے ف۶۷

(۵۸) یعنی ہمارا خالص توحید اور ملتِ ابراہیمی پر قائم رہنا نہ صرف ہمارے حق میں بلکہ سارے جہان کے حق میں رحمت و فضل ہے، کیونکہ خاندان ابراہیمی ہی کی شمع سے سب لوگ اپنے دلوں کے چراغ روشن کر سکتے ہیں لیکن افسوس ہے کہ بہت سے لوگ خدا کی اس نعمت عظیمہ کی قدر نہیں کرتے۔ چاہیئے یہ تھا کہ اُس کا احسان مان کر راہ توحید پر چلتے وہ اُلٹی ناشکری کر کے شرک و عصیان کی راہ اختیار کر رہے ہیں۔

(۵۹) یعنی مختلف انواع و اشکال کے چھوٹے بڑے دیوتا جن پر تم نے خدائی اختیارات تقسیم کر رکھے ہیں اُن سے لو لگانا بہتر ہے یا اس اکیلے زبردست خدا سے جس کو ساری مخلوق پر کلی اختیار اور کامل تصرف و قبضہ حاصل ہے اور جس کے آگے نہ کسی کا حکم چل سکتا ہے نہ اختیار، نہ اُسے کوئی بھاگ کر ہرا سکتا ہے نہ مقابلہ کر کے مغلوب کر سکتا ہے۔ خود سوچ کر سر عبودیت ان میں سے کس کے سامنے جھکایا جائے۔

(۶۰) یعنی یوں ہی بے سند اور بے ٹھکانے کچھ نام رکھ چھوڑے ہیں جن کے نیچے حقیقت ذرہ برابر نہیں۔ اُن ہی نام کے خداؤں کی پوجا کر رہے ہو۔ ایسے جہل پر انسان کو شرمانا چاہیئے۔

(۶۱) یعنی قدیم سے انبیاء علیہم السلام کی زبانی یہ ہی حکم بھیجتا رہا کہ خدا کی عبادت میں کسی کو شریک مت کرو۔ "وَسْـَٔلْ مَنْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُّسُلِنَاۤ اَجَعَلْنَا مِنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ اٰلِهَةً يُّعْبَدُوْنَ" (زخرف رکوع ۴)

۱؎ مالک ۲؎ پر چڑھیگا۔ ۳؎ مالک۔ ۴؎ مالک۔

(۶۲) یعنی توحید خالص کے راستہ میں اینچ پینچ کچھ نہیں۔ سیدھی اور صاف سڑک ہے جس پر چل کر آدمی بے کھٹکے خدا تک پہنچتا ہے لیکن بہت لوگ حماقت یا تعصب سے ایسی سیدھی بات کو بھی نہیں سمجھتے۔

(۶۳) **قیدیوں کے خواب کی تعبیر** فرض تبلیغ ادا کرنے کے بعد یوسف علیہ السلام نے اُن کے خوابوں کی تعبیر بیان فرمائی۔ کہ جس نے خواب میں شراب پلاتے دیکھا اُس کی تعبیر یہی ہے کہ وہ بیداری میں بادشاہ کو شراب پلائے گا۔ اور جس نے سر پر سے جانوروں کو روٹیاں کھاتے دیکھا اُس کا مطلب یہ ہے کہ وہ سُولی دیا جائے گا۔ پھر جانور اُس کے سر سے نوچ نوچ کر کھائیں گے۔ قضاء و قدر کا فیصلہ یہی ہے جو کسی کے ٹالے ٹل نہیں سکتا۔ جو بات تم پوچھتے تھے وہ میں نے بتلا دی۔ یہ بالکل طے شدہ امر ہے۔ جس میں تخلف نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ ساقی زہر خورانی کی تہمت سے بری ہو گیا اور خباز (نان بائی) کو جرم ثابت ہونے کی وجہ سے سزائے موت دی گئی۔

(۶۴) یہاں ظن یقین کے معنی میں ہے جیسے "اَلَّذِیۡنَ یَظُنُّوۡنَ اَنَّہُمۡ مُّلٰقُوۡا رَبِّہِمۡ" میں۔ یعنی یوسف علیہ السلام کو دونوں میں سے جس شخص کی بابت یقین تھا کہ بری ہو جائے گا جب وہ قید خانہ سے نکلا تو فرمایا اپنے بادشاہ کی خدمت میں میرا بھی ذکر کرنا کہ ایک ایسا شخص بےقصور قید خانہ میں برسوں سے پڑا ہے۔ مبالغہ کی ضرورت نہیں۔ میری جو حالت تو نے مشاہدہ کی ہے بلا کم و کاست کہہ دینا۔

(۶۵) **حضرت یوسفؑ کو عتاب آمیز تنبیہ** یعنی شیطان نے چھوٹنے والے قیدی کے دل میں مختلف خیالات و وساوس ڈال کر ایسا غافل کیا کہ اُسے بادشاہ کے سامنے اپنے محسن بزرگ (یوسف علیہ السلام) کا تذکرہ کرنا یاد ہی نہ رہا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ یوسفؑ کو کئی سال اور قید میں رہنا پڑا۔ مدت دراز کے بعد جب بادشاہ نے ایک خواب دیکھا اور اس کی تعبیر کسی کی سمجھ میں نہ آئی تب اس شخص کو یوسف علیہ السلام یاد آئے جیسا کہ آگے آتا ہے۔ "وَقَالَ الَّذِیۡ نَجَا مِنۡہُمَا وَادَّکَرَ بَعۡدَ اُمَّۃٍ" الخ بھلانے کی نسبت شیطان کی طرف اس لئے کی گئی کہ وہ القائے وساوس وغیرہ کا ذریعہ ہے جو سبب بنتا ہے نسیان کا۔ حضرت موسٰی کے رفیق سفر نے کہا تھا۔ وَمَاۤ اَنۡسٰنِیۡہُ اِلَّا الشَّیۡطٰنُ اَنۡ اَذۡکُرَہٗ "(کہف رکوع ۹) لیکن ہر ایک شر میں حق تعالیٰ کوئی خیر کا پہلو رکھ دیتا ہے۔ یہاں بھی گو اس نسیان کا نتیجہ تطویل قید کی صورت میں ظاہر ہوا۔ تاہم حضرت شاہ صاحبؒ کی نکتہ آفرینی کے موافق اس میں یہ تنبیہ ہو گئی کہ ایک پیغمبر کا دل ظاہری اسباب پر نہیں ٹھہرنا چاہیئے۔ بلکہ ابن جریر اور بغوی وغیرہ نے بعض سلف سے نقل کیا ہے کہ وہ فَاَنۡسٰہُ الشَّیۡطٰنُ ذِکۡرَ رَبِّہٖ کی ضمیر یوسف علیہ السلام کی طرف راجع کرتے ہیں۔ گویا "اُذۡکُرۡنِیۡ عِنۡدَ رَبِّکَ" کہنا ایک طرح کی غفلت تھی جو یوسف علیہ السلام کو عارض ہوئی۔ انہوں نے قیدی کو کہا کہ اپنے رب سے میرا ذکر کرنا۔ حالانکہ چاہیئے تھا کہ سب ظاہری سہارے چھوڑ کر وہ خود اپنے رب سے فریاد کرتے۔ بے شک کشف شدائد کے وقت مخلوق سے ظاہری استعانت اور اسباب کی مباشرت مطلقاً حرام نہیں ہے۔ لیکن ابرار کی حسنات مقربین کی سیئات بن جاتی ہیں۔ جو بات عامۃ الناس بے کھٹکے کر سکتے ہیں انبیاء علیہم السلام کے منصب عالی کے اعتبار سے وہ ہی بات ایک قسم کی تقصیر بن جاتی ہے۔ امتحان و ابتلاء کے موقع پر انبیاء کی شان رفیع اسی کو مقتضی ہے کہ رخصت پر نظر نہ کریں، انتہائی عزیمت کی راہ چلیں۔ چونکہ حضرت یوسفؑ کا "اُذۡکُرۡنِیۡ عِنۡدَ رَبِّکَ" کہنا عزیمت کے خلاف تھا، اس لئے عتاب آمیز تنبیہ ہوئی کہ کئی سال تک مزید قید اٹھانی پڑی اور اسی لئے "انساء" کی نسبت شیطان کی طرف کی گئی۔ واللہ اعلم بالصواب۔ زیادہ تفصیل روح المعانی میں ہے۔

(۶۶) **بادشاہ کا خواب** وہ سوکھی بالیں ہری بالوں پر لپٹتی ہیں اور اُنہیں خشک کر دیتی ہیں۔ یہ خواب بادشاہ مصر "ریان ابن الولید" نے دیکھا جو آخر کار حضرت یوسف علیہ السلام کی رہائی اور ظاہری عروج کا سبب بنا۔ یوسف علیہ السلام کے قصہ میں جا بجا اس پر متنبہ فرمایا ہے کہ خدا جب کوئی بات چاہتا ہے غیر متوقع طریقہ سے اس کے ایسے اسباب فراہم کر دیتا ہے جن کی طرف آدمی کا خیال نہیں جاتا۔

(۶۷) یعنی اگر اس فن میں کچھ مہارت رکھتے ہو تو میرے خواب کی تعبیر بتلاؤ۔

قَالُوْٓا اَضْغَاثُ اَحْلَامٍ ۚ وَمَا نَحْنُ بِتَاْوِيْلِ الْاَحْلَامِ بِعٰلِمِيْنَ ﴿٤٤﴾ وَقَالَ الَّذِيْ نَجَا مِنْهُمَا

بولے یہ خیالی خواب ہیں اور ہم کو ایسے خوابوں کی تعبیر معلوم نہیں ف ٦٨ اور بولا وہ جو بچا تھا اُن دونوں میں سے

وَادَّكَرَ بَعْدَ اُمَّةٍ اَنَا اُنَبِّئُكُمْ بِتَاْوِيْلِهٖ فَاَرْسِلُوْنِ ﴿٤٥﴾ يُوْسُفُ اَيُّهَا الصِّدِّيْقُ اَفْتِنَا فِيْ سَبْعِ

اور یاد آگیا اُس کو مدت کے بعد میں بتاؤں تم کو اس کی تعبیر سو تم مجھ کو بھیجو ف ٦٩ جا کر کہا اے یوسف اے سچے ف ٧٠ حکم دے ہم کو اس خواب میں

بَقَرٰتٍ سِمَانٍ يَّاْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ وَّسَبْعِ سُنْۢبُلٰتٍ خُضْرٍ وَّاُخَرَ يٰبِسٰتٍ ۙ لَّعَلِّيْٓ اَرْجِعُ

سات گائیں موٹی اُن کو کھائیں سات دُبلی اور سات بالیں ہری اور دوسری سوکھی تاکہ لیجاؤں میں

اِلَى النَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿٤٦﴾ قَالَ تَزْرَعُوْنَ سَبْعَ سِنِيْنَ دَاَبًا ۚ فَمَا حَصَدْتُّمْ فَذَرُوْهُ فِيْ

لوگوں کے پاس شاید اُن کو معلوم ہو ف ٧١ کہا تم کھیتی کروگے سات برس جم کر سو جو کاٹو اُس کو چھوڑ دو اُس

سُنْۢبُلِهٖٓ اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّا تَاْكُلُوْنَ ﴿٤٧﴾ ثُمَّ يَاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ سَبْعٌ شِدَادٌ يَّاْكُلْنَ مَا

کی بال میں مگر تھوڑا سا جو تم کھاؤ پھر آئیں گے اُس کے بعد سات برس سختی کے کھا جائیں گے جو

قَدَّمْتُمْ لَهُنَّ اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّا تُحْصِنُوْنَ ﴿٤٨﴾ ثُمَّ يَاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ عَامٌ فِيْهِ يُغَاثُ

رکھا تم نے اُن کے واسطے مگر تھوڑا سا جو روک رکھو گے بیج کیواسطے پھر آئے گا اِس کے پیچھے ایک برس اُس میں مینہ برسیگا

ع ٦ / ١٢　النَّاسُ وَفِيْهِ يَعْصِرُوْنَ ﴿٤٩﴾

لوگوں پر اور اُس میں رس نچوڑیں گے ف ٧٢

(٦٨) **معبرین کا جھوٹا عذر** معلوم ہوتا ہے کہ وہ لوگ اس فن سے جاہل تھے۔ اپنے جہل کا صاف لفظوں میں اقرار کرنے سے شرمائے تو یوں بات بنا دی کہ یہ کوئی خواب نہیں، محض پریشان خیالات ہیں، بسا اوقات انسان کو نیند میں ایسی صورتیں متخیل ہو جاتی ہیں جو لائق اعتناء نہیں، نہ ہم ایسے خوابوں کی تعبیر کا علم رکھتے ہیں۔ کیونکہ وہ علم تعبیر رؤیا کے اصول کے ماتحت نہیں ہوتے۔

(٦٩) **بادشاہ کے سامنے حضرت یوسفؑ کا تذکرہ** اب خواب کے سلسلہ میں ساقی کو جو قید سے چھوٹ کر آیا تھا مدت کے بعد حضرت یوسفؑ یاد آئے اُس نے بادشاہ اور اہل دربار سے کہا کہ اگر مجھے ذرا جانے کی اجازت دو تو میں اس خواب کی تعبیر لا سکتا ہوں۔ قید خانہ میں ایک مقدس بزرگ فرشتہ صورت موجود ہے جو فن تعبیر کا ماہر ہے (ممکن ہے اُس نے اپنے خواب کا قصہ بھی ذکر کیا ہو) میں تعبیر لینے کے لئے اُس کی خدمت میں حاضر ہوتا ہوں۔ چنانچہ اجازت دی گئی۔ اُس نے یوسف علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر وہ عرض کیا جو آگے آتا ہے۔

(٧٠) **قید خانے میں ساقی کی حضرت یوسفؑ سے ملاقات** "اَيُّهَا الصِّدِّيْقُ" کہنے سے یہ غرض تھی کہ آپ مجسم سچ ہیں۔ جو بات کبھی آپ کی زبان سے نکلی سچ ہو کر رہی امید ہے جو تعبیر اس خواب کی دیں گے ہو بہو پوری ہو کر رہے گی۔ یہ لفظ بتلا رہا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے صدق و دیانت کا نقش کس طرح عام و خاص کے قلوب پر بیٹھ جاتا ہے۔

(٧١) یعنی خواب کی تعبیر اور اُس کے ذریعہ سے آپ کی قدر و منزلت معلوم ہو۔

(٧٢) **بادشاہ کے خواب کی تعبیر اور بشارت** یوسف علیہ السلام نے تعبیر بتلانے میں دیر نہ کی نہ کوئی شرط لگائی، نہ اُس شخص کو شرمندہ کیا کہ تجھ کو اتنی مدت کے بعد اب میرا خیال آیا۔ اس سے انبیاء علیہم السلام کے اخلاق و مروت کا اندازہ ہوتا ہے۔ پھر وہ صرف خواب کی تعبیر مانگتا

تھا۔ آپ نے تین چیزیں عطا فرمائیں۔ تعبیر، تدبیر، تبشیر آپ کے کلام کا حاصل یہ تھا کہ سات موٹی گائیں اور سات ہری بالیں سات برس ہیں۔ جن میں متواتر خوشحالی رہیگی، کھیتوں میں خوب پیداوار ہوگی، حیوانات و نباتات خوب بڑھیں گے۔ اس کے بعد سات سال قحط ہوگا جس میں سارا پچھلا اندوختہ کھا کر ختم کر ڈالو گے۔ صرف آئندہ تخم ریزی کے لئے کچھ تھوڑا سا باقی رہ جائیگا۔ یہ سات سال دُبلی گائیں اور سوکھی بالیں ہیں جو موٹی گایوں اور ہری بالوں کو ختم کر دیں گی۔ تعبیر بتلانے کے دوران میں حضرت یوسفؑ نے از راہ شفقت و ہمدردی خلائق ایک تدبیر بھی تلقین فرما دی کہ اوّل سات سال میں جو پیداوار ہو اُسے بڑی حفاظت سے رکھو اور کفایت شعاری سے اُٹھاؤ کھانے کے لئے جس قدر غلہ کی ضرورت ہو الگ کر لو اور تھوڑا تھوڑا احتیاط سے کھاؤ۔ باقی غلہ بالوں میں رہنے دو۔ تا اس طرح کیڑے وغیرہ سے محفوظ رہ سکے۔ اور سات سال کی پیداوار چودہ سال تک کام آئے۔ ایسا نہ کرو گے تو قحط کا مقابلہ کرنا دشوار ہوگا۔ یہ تعبیر و تدبیر بتلانے کے بعد اُنہیں بشارت سنائی جو غالباً آپ کو وحی سے معلوم ہوئی ہوگی یعنی سات سال قحط رہنے کے بعد جو سال آئیگا اُس میں حق تعالیٰ کی طرف سے فریاد رسی ہوگی اور خوب مینہ برسے گا، کھیتی باڑی، پھل میوے نہایت افراط سے پیدا ہوں گے، جانوروں کے تھن دودھ سے بھر جائیں گے انگور وغیرہ نچوڑنے کے قابل چیزوں سے لوگ شراب کشید کریں گے۔ یہ آخری بات سائل کے حسب حال فرمائی۔ کیونکہ وہ یہی کام کرتا تھا۔

وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُوْنِیْ بِهٖ ۚ فَلَمَّا جَآءَهُ الرَّسُوْلُ قَالَ ارْجِعْ اِلٰی رَبِّكَ فَسْـَٔلْهُ مَا بَالُ

اور کہا بادشاہ نے لے آؤ اُسکو میرے پاس پھر جب پہنچا اُس کے پاس بھیجا ہوا آدمی کہا لوٹ جا اپنے خاوندؑ کے پاس اور پوچھ اُس سے کیا حقیقت ہے

النِّسْوَةِ الّٰتِیْ قَطَّعْنَ اَیْدِیَهُنَّ ؕ اِنَّ رَبِّیْ بِكَیْدِهِنَّ عَلِیْمٌ ﴿۵۰﴾ قَالَ مَا خَطْبُكُنَّ اِذْ رَاوَدْتُّنَّ

اُن عورتوں کی جنہوں نے کاٹے تھے ہاتھ اپنے ف۳۳ میرا رب تو اُن کا فریب سب جانتا ہے ف۴۴ کہا بادشاہ نے عورتوں کو کیا حقیقت ہے تمہاری جب تم نے

یُوْسُفَ عَنْ نَّفْسِهٖ ؕ قُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا عَلِمْنَا عَلَیْهِ مِنْ سُوْٓءٍ ؕ قَالَتِ امْرَاَتُ الْعَزِیْزِ

پھسلایا یوسف کو اُسکے نفس کی حفاظت سے ف۴۵ بولیں حاشا للہ ہم کو معلوم نہیں اُس پر کچھ بُرائی بولی عورت عزیز کی

الْـٰٔنَ حَصْحَصَ الْحَقُّ ۫ اَنَا رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ وَاِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِیْنَ ﴿۵۱﴾ ذٰلِكَ

اب کھل گئی سچی بات میں نے پھسلایا تھا اُس کو اُس کے جی سے اور وہ سچا ہے ف۴۶ یوسف نے کہا یہ

لِیَعْلَمَ اَنِّیْ لَمْ اَخُنْهُ بِالْغَیْبِ وَاَنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِیْ كَیْدَ الْخَآئِنِیْنَ ﴿۵۲﴾

اس واسطے کہ عزیز معلوم کر لیوے کہ میں نے اُسکی چوری نہیں کی چھپکر اور یہ کہ اللہ نہیں چلاتا فریب دغا بازوں کا ف۴۷

(۴۳) **رہائی کا حکم اور حضرت یوسفؑ کا صبر و تحمل** بادشاہ کچھ تو پہلے ہی ساقی کے تذکرے سے حضرت یوسفؑ کا معتقد ہوگیا تھا۔ اب جو ایسی موزوں و دلنشین تعبیر اور رعایا کی ہمدردی کی تدبیر سُنی تو اُن کے علم و فضل، عقل و دانش اور حُسنِ اخلاق کا سکہ اُس کے دل پر بیٹھ گیا۔ فوراً حکم دیا کہ ایسے شخص کو میرے پاس لاؤ، تا اُس کی زیارت سے بہرہ اندوز ہوں اور اُس کے مرتبہ اور قابلیت کے موافق عزت کروں قاصد پیام شاہی لے کر حضرت یوسف علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا۔ مگر یوسفؑ کی نظر میں اپنی دینی و اخلاقی پوزیشن کی برتری اور صفائی اعلیٰ سے اعلیٰ دنیوی عزت و وجاہت سے زیادہ مہم تھی۔ آپ جانتے تھے کہ پیغمبر خدا کی نسبت لوگوں کی ادنیٰ بدگمانی بھی ہدایت و ارشاد کے کام میں، بڑی بھاری رکاوٹ ہے۔ اگر آج میں بادشاہی فرمان کے موافق چپ چپاتے قید خانہ سے نکل گیا اور جس جھوٹی تہمت کے سلسلہ میں سالہا سال قید و بند کی

ف۱ مالک ف۲ چلنے نہ دیتا۔

مصائب اُٹھائیں اُس کا قطعی طور پر استیصال نہ ہوا تو بہت ممکن ہے کہ بہت سے ناواقف لوگ میری عصمت کے متعلق تردد اور شبہ میں پڑے رہ جائیں اور حاسدین کچھ زمانہ کے بعد ان ہی بے اصل اثرات سے فائدہ اُٹھا کر کوئی اور منصوبہ میرے خلاف کھڑا کر دیں۔

عورتوں کے واقعہ کی تحقیق پر اصرار اِن مصالح پر نظر کرتے ہوئے آپ نے حکم شاہی کے امتثال میں جلدی نہ کی بلکہ نہایت صبر و استقلال کا مظاہرہ کرتے ہوئے قاصد کو کہا کہ تو اپنے مالک (بادشاہ) سے واپس جا کر دریافت کر کہ تجھ کو ان عورتوں کے قصہ کی کچھ حقیقت معلوم ہے جنہوں نے دعوت کے موقع پر اپنے ہاتھ کاٹ لئے تھے۔ حضرت یوسفؑ کو اُن عورتوں کے ناموں کی تفصیل کہاں معلوم ہوگی۔ یہ خیال کیا ہوگا کہ ایسا واقعہ ضرور عام شہرت حاصل کر چکا ہے۔ اس لئے واقعہ کے ایک ممتاز جزء (ہاتھ کاٹنے) کو ظاہر کر کے بادشاہ کو توجہ دلائی کہ اس مشہور و معروف قصہ کی تفتیش و تحقیق کرے۔ غالباً اب وہ عورتیں بتلا دیں گی کہ تقصیر کس کی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحیحین کی حدیث میں حضرت یوسفؑ کے کمال صبر و تحمل کی اس طرح داد دی ہے "لَوْ لَبِثْتُ فِی السِّجْنِ مَا لَبِثَ یُوْسُفُ لَاَجَبْتُ الدَّاعِیَ" (اگر میں اتنی مدت قید میں رہتا جتنا یوسفؑ رہے تو بلانے والے کی اجابت کرتا یعنی فوراً ساتھ ہو لیتا) محققین کہتے ہیں کہ اس میں حضرت یوسفؑ کے صبر و تحمل کی تعریف اور لطیف رنگ میں اپنی عبودیت کاملہ کا اظہار ہے۔ ہم نے اس مضمون کی تفصیل شرح صحیح مسلم میں کی ہے یہاں اختصار کی وجہ سے زیادہ نہیں لکھ سکتے۔

(۷۴) حضرت یوسفؑ نے "سب کا فریب" فرمایا، اس واسطے کہ ایک کا فریب تھا اور سب اُس کی مددگار تھیں اور اصل فریب والی کا نام شاید حق پرورش کی وجہ سے نہیں لیا۔ حیا کی وجہ سے گول مول فرمایا۔ کیونکہ جانتے تھے کہ اصل حقیقت آخر کھل کر رہے گی۔ کذا فی الموضح۔

(۷۵) بادشاہ نے دریافت کرنے کا ایسا عنوان اختیار کیا گویا وہ پہلے سے خبر رکھتا ہے تا یہ دیکھ کر انہیں جھوٹ بولنے کی ہمت نہ ہو۔ نیز یوسف علیہ السلام کی استقامت و صبر کا اثر پڑا ہوگا۔ کہ بدون اظہار براءت کے جیل سے نکلنا گوارا نہیں کرتے۔ اور "اِنَّ رَبِّیْ بِکَیْدِهِنَّ عَلِیْمٌ" کہہ کر اُن کے "کید" کا اظہار فرما رہے ہیں۔ اُدھر ساقی وغیرہ نے واقعات سنائے ہونگے اُن سے بھی یوسف کی نزاہت اور عورتوں کے مکائد کی تائید ملی ہوگی۔

(۷۶) **زلیخا کا اقرار جرم** سب عورتوں کی متفقہ شہادت کے بعد خود زلیخا نے بھی صاف اقرار کر لیا کہ قصور میرا ہے۔ یوسفؑ بالکل سچے ہیں بیشک میں نے اُن کو اپنی جانب مائل کرنا چاہا تھا۔ لیکن وہ ایسے کاہے کو تھے کہ میرے داؤ میں آ جاتے۔

(۷۷) یعنی اتنی تحقیق و تفتیش اس لئے کرائی کہ پیغمبرانہ عصمت و دیانت بالکل آشکارا ہو جائے اور لوگ معلوم کر لیں کہ خائنوں اور دغابازوں کا فریب اللہ چلنے نہیں دیتا۔ چنانچہ عورتوں کا فریب نہ چلا۔ آخر حق، حق ہو کر رہا۔

وَمَآ اُبَرِّئُ نَفۡسِیۡ ۚ اِنَّ النَّفۡسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوۡٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیۡ ؕ اِنَّ رَبِّیۡ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ﴿۵۳﴾

اور میں پاک نہیں کہتا اپنے جی کو بیشک جی تو سکھلاتا ہے بُرائی مگر جو رحم کر دیا میرے رب نے بیشک میرا رب بخشنے والا ہے مہربان ف ۷۸

وَقَالَ الۡمَلِکُ ائۡتُوۡنِیۡ بِہٖۤ اَسۡتَخۡلِصۡہُ لِنَفۡسِیۡ ۚ فَلَمَّا کَلَّمَہٗ قَالَ اِنَّکَ الۡیَوۡمَ لَدَیۡنَا مَکِیۡنٌ اَمِیۡنٌ ﴿۵۴﴾

اور کہا بادشاہ نے لے آؤ اسکو میرے پاس میں خالص کر رکھوں اسکو اپنے کام میں ف ۷۹ پھر جب بات چیت کی اُس سے کہا واقعی تو نے آج سے ہمارے پاس جگہ پائی معتبر ہو کر ف ۸۰

قَالَ اجۡعَلۡنِیۡ عَلٰی خَزَآئِنِ الۡاَرۡضِ ۚ اِنِّیۡ حَفِیۡظٌ عَلِیۡمٌ ﴿۵۵﴾ وَکَذٰلِکَ مَکَّنَّا لِیُوۡسُفَ فِی الۡاَرۡضِ

یوسف نے کہا مجھ کو مقرر کر ملک کے خزانوں پر میں نگہبان ہوں خوب جاننے والا ف ۸۱ اور یوں قدرت دی ہم نے یوسف کو اُس زمین میں

یَتَبَوَّاُ مِنۡہَا حَیۡثُ یَشَآءُ ؕ نُصِیۡبُ بِرَحۡمَتِنَا مَنۡ نَّشَآءُ وَلَا نُضِیۡعُ اَجۡرَ الۡمُحۡسِنِیۡنَ ﴿۵۶﴾ وَلَاَجۡرُ

جگہ پکڑتا تھا اُس میں جہاں چاہتا ف ۸۲ پہنچا دیتے ہیں ہم رحمت اپنی جس کو چاہیں اور ضائع نہیں کرتے ہم بدلا بھلائی والوں کا اور ثواب

الۡاٰخِرَةِ خَیۡرٌ لِّلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَکَانُوۡا یَتَّقُوۡنَ ﴿۵۷﴾ وَجَآءَ اِخۡوَةُ یُوۡسُفَ فَدَخَلُوۡا عَلَیۡہِ فَعَرَفَہُمۡ

آخرت کا بہتر ہے اُن کو جو ایمان لائے اور رہے پرہیزگاری میں ف ۸۳ اور آئے بھائی یوسف کے پھر داخل ہوئے اسکے پاس تو اُس نے پہچان لیا انکو

وَہُمۡ لَہٗ مُنۡکِرُوۡنَ ﴿۵۸﴾ وَلَمَّا جَہَّزَہُمۡ بِجَہَازِہِمۡ قَالَ ائۡتُوۡنِیۡ بِاَخٍ لَّکُمۡ مِّنۡ اَبِیۡکُمۡ ۚ اَلَا

اور وہ نہیں پہچانتے ف ۸۴ اور جب تیار کر دیا اُن کو اُن کا اسباب کہا لے آئیو میرے پاس ایک بھائی جو تمہارا ہے باپ کی طرف سے تم

تَرَوۡنَ اَنِّیۡۤ اُوۡفِی الۡکَیۡلَ وَاَنَا خَیۡرُ الۡمُنۡزِلِیۡنَ ﴿۵۹﴾

نہیں دیکھتے ہو کہ میں پورا دیتا ہوں ماپ اور خوب طرح اُتارتا ہوں مہمانوں کو ف ۸۵

(۷۸) **حضرت یوسفؑ کا اعلان برأت** چونکہ حضرت یوسفؑ نے اپنی برأت پر بہت زیادہ زور دیا، ممکن تھا کوئی سطحی آدمی اس سے فخر و ناز اور غرور و اعجاب کا شبہ کرنے لگتا اس لئے اپنی نزاہت کی حقیقت کھول دی کہ میں کوئی شیخی نہیں مارتا نہ پاک صاف رہنے میں اپنے نفس پر بھروسہ کر سکتا ہوں۔ محض خدا کی رحمت و اعانت ہے جو کسی نفس کو بُرائی سے روکتی ہے۔ یہی رحمت خصوصی عصمت انبیاء علیہم السلام کی کفیل و ضامن ہے۔ ورنہ نفس انسانی کا کام عموماً بُرائی کی ترغیب دینا تھا۔ خدا تعالیٰ کی خصوصی توفیق و دستگیری نہ ہوتی تو میرا نفس بھی دوسرے نفوس بشریہ کی طرح ہوتا "اِنَّ رَبِّیۡ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ" سے اشارہ کر دیا کہ نفس امّارہ جب توبہ کر کے "لوّامہ" بن جائے تو خدا اُس کی پچھلی تقصیرات معاف فرما دیتا ہے۔ بلکہ رفتہ رفتہ اپنی مہربانی سے "نفس مطمئنہ" کے درجہ تک پہنچا دیتا ہے۔ (تنبیہ) حافظ ابن تیمیہ اور ابن کثیر وغیرہ نے "ذٰلِکَ لِیَعۡلَمَ اَنِّیۡ لَمۡ اَخُنۡہُ" سے "غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ" تک زلیخا کا مقولہ قرار دیا ہے یعنی زلیخا نے "اَنَا رَاوَدۡتُّہٗ عَنۡ نَّفۡسِہٖ" کا اقرار کر کے کہا کہ اس اقرار و اعتراف سے عزیز کو یہ معلوم کرانا ہے کہ میں نے اُس کی پیٹھ پیچھے کوئی بڑی خیانت نہیں کی۔ بیشک یوسفؑ کو پھسلانا چاہا تھا۔ مگر میری مُراودت اُن پر کارگر نہیں ہوئی۔ اگر میں نے مزید خیانت کی ہوتی تو ضرور اُس کا پردہ فاش ہو کر رہتا۔ کیونکہ خدا خائنوں کے مکر و فریب کو چلنے نہیں دیتا۔ ہاں میں اپنے نفس کو بری نہیں کرتی، جتنی غلطی مجھ سے ہوئی اُس کا اقرار کر رہی ہوں دوسرے آدمیوں کی طرح نفس کی شرارتوں سے میں بھی پاک نہیں۔ اُن سے تو یوسفؑ جیسا پاکباز انسان ہی محفوظ رہ سکتا ہے۔ جس پر خدا کی خاص مہربانی اور رحمت ہے۔ ابو حیان نے بھی اس کو زلیخا کا مقولہ قرار دیا ہے۔ لیکن "لیعلم" اور "لم اخنہ" کی ضمیریں بجائے عزیز کے یوسفؑ کی طرف راجع کی ہیں۔ یعنی اپنی خطا کا صاف اقرار اس لئے کرتی ہوں کہ یوسفؑ کو معلوم ہو جائے کہ میں نے اُس کی عدم موجودگی میں کوئی غلط بات نہیں کہی نہ اپنے جرم

کو اُن کی طرف منسوب کیا۔ واللہ اعلم۔

(۷۹) یعنی میرا مشیر خاص رہیگا۔

(۸۰) **عزیز مصر سے حضرت یوسفؑ کی گفتگو** کچھ پہلے سے معتقد ہو چکا تھا۔ بالمشافہ باتیں سُن کر بالکل ہی گرویدہ ہوگیا اور حکم دیدیا کہ آج سے آپ ہمارے پاس نہایت معزز و معتبر ہو کر رہیں گے۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ "اب عزیز کا علاقہ موقوف کیا اپنی صحبت میں رکھا"

(۸۱) **حضرت یوسفؑ مالیات کے سربراہ** یعنی دولت کی حفاظت بھی پوری کرونگا اور اُس کی آمد و خرچ کے ذرائع اور حساب و کتاب سے خوب واقف ہوں یوسفؑ نے خود درخواست کر کے مالیات کا کام اپنے سر لیا۔ تا اس ذریعہ سے عامۂ خلائق کو پورا نفع پہنچا سکیں۔ خصوصاً آنے والے خوفناک قحط میں نہایت خوش انتظامی سے مخلوق کی خبر گیری اور حکومت کی مالی حالت کو مضبوط رکھ سکیں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السّلام دنیا کی عقل بھی کامل رکھتے ہیں اور یہ کہ ہمدردی خلائق کے لئے مالیات کے قصوں میں پڑنا شان نبوت یا بزرگی کے خلاف نہیں سمجھتے۔ نیز ایک آدمی اگر نیک نیتی سے یہ سمجھے کہ فلاں منصب کا میں اہل ہوں اور دوسروں سے یہ کام اچھی طرح بن نہ پڑے گا تو مسلمانوں کی خیر طلبی اور نفع رسانی کی غرض سے اُس کی خواہش یا درخواست کر سکتا ہے اور اگر حسب ضرورت اپنے بعض خصال حسنہ اور اوصاف حمیدہ کا تذکرہ کرنا پڑے تو یہ ناجائز مدح سرائی میں داخل نہیں۔ عبدالرحمٰن بن سَمُرۃ کی ایک حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص از خود امارت طلب کرے تو اُس کا بار اسی کے کندھوں پر ڈال دیا جاتا ہے۔ (غیبی اعانت مددگار نہیں ہوتی) یہ اُس وقت ہے جب طلب کرنا محض نفس پروری اور جاہ پسندی وغیرہ اغراض کی بناء پر ہو۔ واللہ اعلم۔

(۸۲) **حضرت یوسفؑ کی حکومت** جہاں چاہتے اترتے اور جو چاہتے تصرف کرتے۔ گو ریان بن الولید برائے نام بادشاہ تھا حقیقت میں یوسفؑ بادشاہی کر رہے تھے اور "عزیز" کہہ کر پکارے جاتے تھے۔ جیسا کہ آگے آئیگا۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ بادشاہ آپ کے ہاتھ پر مسلمان ہوگیا۔ نیز اُسی زمانہ میں عزیز مصر کا انتقال ہوا تو اُسکی عورت زلیخا نے آپ سے شادی کر لی۔ واللہ اعلم۔ محدثین اس پر اعتماد نہیں کرتے

(۸۳) **آخرت کا اجر بہتر ہے** جو بھلائی اور نیکی کا راستہ اختیار کرے خدا اس کو دنیا میں بھی میٹھا پھل دیتا ہے۔ خواہ ثروت و حکومت یا لذات عیش، حیات طیبہ، اور غنائے قلبی۔ حضرت یوسفؑ کو یہ سب چیزیں عنایت فرمائیں۔ رہا آخرت کا اجر، سو وہ ایک ایماندار و پرہیزگار کے لئے دنیا کے اجر سے کہیں بہتر ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "یہ جواب ہوا اُن کے سوال کا کہ اولاد ابراہیم اس طرح "شام" سے آئی مصر میں اور بیان ہوا کہ بھائیوں نے حضرت یوسفؑ کو گھر سے دور پھینکا تا ذلیل ہو۔ اللہ نے عزت دی۔ اور ملک پر اختیار دیا۔ ایسا ہی ہوا ہمارے حضرت کو۔"

(۸۴) **حضرت یوسفؑ کی بھائیوں سے ملاقات اور مدارات** موضح القرآن میں ہے "جب حضرت یوسفؑ ملک "مصر" پر مختار ہوئے خواب کے موافق سات برس خوب آبادی کی اور ملک کا اناج بھرتے گئے۔ پھر سات برس کے قحط میں ایک بھاؤ میانہ باندھ کر بکوایا اپنے ملک والوں کو اور پردیسیوں کو سب کو برابر مگر پردیسی کو ایک اُونٹ سے زیادہ نہ دیتے تھے۔ اس میں خلق بچی قحط سے اور خزانہ بادشاہ کا بھر گیا۔ ہر طرف خبر تھی کہ مصر میں اناج سستا ہے اُن کے بھائی خریدنے کی غرض سے آئے۔" اُن کے تن و توش، ہیات، وضع قطع میں چنداں تغیر نہ ہوا تھا۔ ادھر حضرت یوسفؑ برابر اپنے باپ بھائیوں کا تفقد کرتے رہے ہونگے اور وہاں پہنچنے پر ان کا نام و نشان بھی دریافت کر لیا ہوگا جیسا کہ سلاطین و اعیان سے ملاقات کرنے میں عموماً ہوا کرتا ہے۔ چنانچہ بعض تفاسیر میں ہے کہ اُنہوں نے یوسف علیہ السلام سے اپنا نام و نسب وغیرہ بیان کیا۔ ہاں یوسف علیہ السلام جدائی کے وقت چونکہ بہت چھوٹے تھے اور بھائیوں کو پہلے سے ادھر خیال بھی نہ تھا۔ نہ بادشاہوں کے یہاں عام آدمیوں کی یہ جرأت ہو سکتی ہے کہ اُن کا نام و نسب وغیرہ دریافت کریں۔ اس لئے وہ یوسفؑ کو نہ پہچان سکے۔

(۸۵) **بنیامین کو لانے کا حکم** | حضرت یوسف ؑ نے اپنے بھائیوں کی خوب مدارات اور مہمانداری کی۔ ایک ایک اونٹ فی کس غلہ دیا۔ یہ خاص مہربانی
اور اخلاق دیکھ کر کہتے ہیں انہوں نے درخواست کی کہ ہمارے ایک علاتی بھائی (بنیامین) کو بوڑھے غمزدہ باپ نے تسکین خاطر کے لئے اپنے پاس
روک لیا ہے۔ کیونکہ اس کا دوسرا عینی بھائی (یوسف ؑ) جو باپ کو بے حد محبوب تھا۔ مدت ہوئی کہیں جنگل میں ہلاک ہو چکا ہے۔ اگر بنیامین کے حصہ کا غلہ
بھی ہم کو مرحمت فرمائیں تو بڑی نوازش ہوگی۔ یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ اس طرح غائب کا حصہ دینا خلاف قاعدہ ہے۔ تم پھر آؤ تو بنیامین
کو ساتھ لاؤ تب اس کا حصہ پا سکو گے۔ میرے اخلاق اور مہمان نوازی کو تم خود مشاہدہ کر چکے ہو۔ کیا اس کے بعد تمہیں اپنے چھوٹے بھائی کو
لانے میں کچھ تردد ہو سکتا ہے؟

فَإِن لَّمْ تَأْتُونِي بِهِ فَلَا كَيْلَ لَكُمْ عِندِي وَلَا تَقْرَبُونِ ﴿٦٠﴾ قَالُوا سَنُرَاوِدُ عَنْهُ أَبَاهُ وَإِنَّا

پھر اگر اسکو نہ لائے میرے پاس تو تمہارے لئے بھرتی نہیں میرے نزدیک اور میرے پاس نہ آئیو ف۸۶ بولے ہم خواہش کریں گے اس کے باپ سے اور ہم کو

لَفَاعِلُونَ ﴿٦١﴾ وَقَالَ لِفِتْيَانِهِ اجْعَلُوا بِضَاعَتَهُمْ فِي رِحَالِهِمْ لَعَلَّهُمْ يَعْرِفُونَهَا إِذَا

یہ کام کرنا ہے ف۸۷ اور کہدیا اپنے خدمتگاروں کو رکھ دو ان کی پونجی ان کے اسباب میں شاید اس کو پہچانیں جب پھر

انقَلَبُوا إِلَىٰ أَهْلِهِمْ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿٦٢﴾ فَلَمَّا رَجَعُوا إِلَىٰ أَبِيهِمْ قَالُوا يَا أَبَانَا مُنِعَ مِنَّا الْكَيْلُ

کر پہنچیں اپنے گھر شاید وہ پھر آجائیں ف۸۸ پھر جب پہنچے اپنے باپ کے پاس بولے اے باپ روک دی گئی ہم سے بھرتی

فَأَرْسِلْ مَعَنَا أَخَانَا نَكْتَلْ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ ﴿٦٣﴾ قَالَ هَلْ آمَنُكُمْ عَلَيْهِ إِلَّا كَمَا أَمِنتُكُمْ

سو بھیج ہمارے ساتھ ہمارے بھائی کو کہ بھرتی لے آئیں اور ہم اس کے نگہبان ہیں ف۸۹ کہا میں کیا اعتبار کروں تمہارا اس پر مگر وہی جیسا اعتبار کیا تھا

عَلَىٰ أَخِيهِ مِن قَبْلُ ۖ فَاللَّهُ خَيْرٌ حَافِظًا ۖ وَهُوَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ ﴿٦٤﴾ وَلَمَّا فَتَحُوا مَتَاعَهُمْ وَجَدُوا

اس کے بھائی پر اس سے پہلے سو اللہ بہتر ہے نگہبان اور وہی ہے سب مہربانوں سے مہربان ف۹۰ اور جب کھولی اپنی چیز بست پائی

بِضَاعَتَهُمْ رُدَّتْ إِلَيْهِمْ ۖ قَالُوا يَا أَبَانَا مَا نَبْغِي ۖ هَٰذِهِ بِضَاعَتُنَا رُدَّتْ إِلَيْنَا ۖ وَنَمِيرُ أَهْلَنَا وَنَحْفَظُ

اپنی پونجی کہ پھیر دی گئی ان کی طرف بولے اے باپ ہم کو اور کیا چاہئے[1] یہ پونجی ہماری پھیر دی ہے ہم کو اب جائیں تو رسد لائیں ہم اپنے گھر کو اور خبرداری

أَخَانَا وَنَزْدَادُ كَيْلَ بَعِيرٍ ۖ ذَٰلِكَ كَيْلٌ يَسِيرٌ ﴿٦٥﴾

کرینگے اپنے بھائی کی اور زیادہ لیویں بھرتی ایک اونٹ کی ف۹۱ وہ بھرتی آسان ہے ف۹۲

(۸۶) یعنی نہ لائے تو سمجھا جائے گا کہ تم جھوٹ بول کر اور دھوکہ دے کر خلاف قاعدہ ایک اونٹ زیادہ لینا چاہتے تھے۔ اس کی سزا یہ ہوگی کہ
آئندہ خود تمہارا حصہ بھی سوخت ہو جائیگا۔ بلکہ میرے پاس یا میرے قلمرو میں آنے کی بھی اجازت نہ ہوگی۔

(۸۷) یعنی گو باپ سے اس کا جدا کرنا سخت مشکل ہے۔ تاہم ہماری یہ کوشش ہوگی کہ باپ کو کسی تدبیر سے راضی کر لیں امید ہے کہ کسی نہ کسی طرح
ہم اپنے مقصد میں کامیاب ہو کر رہیں گے۔

(۸۸) **حضرت یوسف ؑ کا بھائیوں پر احسان** | یعنی جو پونجی دیکر غلہ خریدا تھا، حکم دیا کہ وہ بھی خفیہ طور پر ان کے اسباب میں رکھ دو تا گھر پہنچ

[1] دے جو ہم چاہتے ہیں۔

کر جب اسباب کھولیں اور دیکھیں کہ غلّہ کے ساتھ قیمت بھی واپس دیدی گئی تو دوبارہ اِدھر آنے کی ترغیب مزید ہو کہ ایسے کریم بادشاہ کہاں ملتے ہیں۔ اور ممکن ہے قیمت نہ موجود ہونے کی بناء پر دوبارہ آنے سے مجبور رہیں اس لئے قیمت واپس کر دی۔ بعض نے کہا یوسف علیہ السلام نے بھائیوں سے قیمت لینا مروت و کرم کے خلاف سمجھا۔

(۸۹) حضرت یعقوبؑ سے بیٹوں کی درخواست | یعنی یوسفؑ کی طرح اس کے متعلق کچھ تردد نہ کیجئے۔ اب ہم چوکنے ہو گئے ہیں پوری طرح حفاظت کریں گے۔

(۹۰) یعنی یہ ہی الفاظ "وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ" تم نے یوسف کو ساتھ لیجاتے وقت کہے تھے۔ پھر تمہارے وعدہ پر کیا اعتبار ہو۔ ہاں اِس وقت ضرورت شدید ہے۔ جس سے اغماض نہیں کیا جاسکتا۔ اس لئے تمہارے ساتھ بھیجنا ناگزیر معلوم ہوتا ہے۔ سو میں اُس کو خدا کی حفاظت میں دیتا ہوں۔ وہ ہی اپنی مہربانی سے اس کی حفاظت کریگا۔ اور مجھ کو یوسفؑ کی جُدائی کے بعد دوسری مصیبت سے بچائیگا۔

(۹۱) یعنی بنیامین کا حصّہ۔

(۹۲) یعنی ایسی آسان بھرتی کو چھوڑنا نہیں چاہئے۔ جس طرح ہو۔ بنیامین کو ہمارے ساتھ بھیج دیجئے۔ بعض نے " ذٰلِكَ كَيْلٌ يَّسِيْرٌ" کا اشارہ پہلے جو غلّہ لائے تھے اس کی طرف کیا ہے اور "یسیر" کو بمعنی قلیل لیا ہے۔ یعنی جو پہلے لائے ہیں وہ حاجت کے اعتبار سے تھوڑا ہے قحط کے زمانہ میں کہاں تک کام دے گا۔ لہٰذا ضروری ہے کہ جس طرح بن پڑے ہم دوبارہ جائیں اور سب کا حصّہ لے کر آئیں۔

قَالَ لَنْ اُرْسِلَهٗ مَعَكُمْ حَتّٰى تُؤْتُوْنِ مَوْثِقًا مِّنَ اللّٰهِ لَتَاْتُنَّنِيْ بِهٖۤ اِلَّاۤ اَنْ يُّحَاطَ بِكُمْ ۚ فَلَمَّاۤ

کہا ہرگز نہ بھیجونگا اُس کو تمہارے ساتھ یہاں تک کہ دو مجھ کو عہد خدا کا کہ البتہ پہنچا دوگے اسکو میرے پاس مگر یہ کہ گھیرے جاؤ تم سب پھر جب

اٰتَوْهُ مَوْثِقَهُمْ قَالَ اللّٰهُ عَلٰى مَا نَقُوْلُ وَكِيْلٌ ﴿٦٦﴾ وَقَالَ يٰبَنِيَّ لَا تَدْخُلُوْا مِنْۢ بَابٍ وَّاحِدٍ وَّادْخُلُوْا

دیا اُس کو سب نے عہد بولا اللہ ہماری باتوں پر نگہبان ہے ف ۹۳ اور کہا اے بیٹو نہ داخل ہونا ایک دروازہ سے اور داخل ہونا

مِنْ اَبْوَابٍ مُّتَفَرِّقَةٍ ۭ وَمَاۤ اُغْنِيْ عَنْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ۭ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ۭ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ ۚ وَعَلَيْهِ

کئی دروازوں سے جُدا جُدا اور میں نہیں بچا سکتا تم کو اللہ کی کسی بات سے حکم کسی کا نہیں سوائے اللہ کے اُسی پر مجھ کو بھروسہ ہے اور اُسی پر

فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ﴿٦٧﴾ وَلَمَّا دَخَلُوْا مِنْ حَيْثُ اَمَرَهُمْ اَبُوْهُمْ ۭ مَا كَانَ يُغْنِيْ عَنْهُمْ مِّنَ اللّٰهِ

بھروسہ چاہئے بھروسہ کرنیوالوں کو ف ۹۴ اور جب داخل ہوئے جہاں سے کہا تھا انکو باپ نے ف ۹۵ کچھ نہ بچا سکتا تھا اُن کو اللہ کی کسی بات سے

مِنْ شَيْءٍ اِلَّا حَاجَةً فِيْ نَفْسِ يَعْقُوْبَ قَضٰىهَا ۭ وَاِنَّهٗ لَذُوْ عِلْمٍ لِّمَا عَلَّمْنٰهُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ

مگر ایک خواہش تھی یعقوب کے جی میں سو پوری کر چکا اور وہ تو خبردار تھا جو کچھ ہم نے اُس کو سکھایا لیکن بہت لوگوں کو

٨ ع ٢ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿٦٨﴾ وَلَمَّا دَخَلُوْا عَلٰى يُوْسُفَ اٰوٰۤى اِلَيْهِ اَخَاهُ قَالَ اِنِّيْۤ اَنَا اَخُوْكَ فَلَا تَبْتَئِسْ

خبر نہیں ف ۹۶ اور جب داخل ہوئے یوسف کے پاس اپنے پاس رکھا اپنے بھائی کو کہا تحقیق میں ہوں بھائی تیرا سو غمگین مت ہو ان

بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿٦٩﴾

کاموں پر جو انہوں نے کئے ہیں ف ۹۷

ف گھر جاؤ۔

(۹۳) **حضرت یعقوبؑ کا بیٹوں سے عہد** یعنی اگر تقدیر الٰہی سے کوئی ایسا حادثہ پیش آجائے جس میں تم سب گھر جاؤ اور نکلنے کی کوئی سبیل نہ رہے تب تو میں کیا کہہ سکتا ہوں۔ ہاں اپنے مقدور اور زندگی بھر بنیامین کی حفاظت میں کوتاہی نہ کرو گے۔ یہ پختہ عہد و پیمان اور قسمیں لے کر زیادہ تاکید و اہتمام کے طور پر فرمایا "وَاللّٰہُ عَلٰی مَا نَقُوْلُ وَکِیْلٌ" یعنی جو کچھ عہد و پیمان ہم اس وقت کر رہے ہیں وہ سب خدا کے سپرد ہیں۔ اگر کسی نے خیانت اور بدعہدی کی وہ ہی سزا دے گا۔ یا یہ کہ قول و قرار تو اپنے مقدور کے موافق پختہ کر رہے ہیں۔ لیکن ان باتوں سے جو مقصد اصلی ہے وہ خدا کی حفاظت و نگہبانی سے ہی پورا ہو سکتا ہے۔ خدا نہ چاہے تو سارے اسباب و تدابیر رکھی جائیں کچھ نہ ہو۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "ظاہری اسباب بھی پختہ کر لئے اور بھروسہ اللہ پر رکھا۔ یہی حکم ہے ہر کسی کو"

(۹۴) **بیٹوں کو نصیحت** برادران یوسفؑ پہلی مرتبہ جو مصر گئے تھے عام مسافروں کی طرح بلا امتیاز شہر میں داخل ہو گئے تھے۔ لیکن یوسف علیہ السلام کی خاص توجہات و الطاف کو دیکھ کر یقیناً وہاں کے لوگوں کی نظریں اُن کی طرف اُٹھنے لگی ہوں گی۔ اب دوبارہ جانا خاص شان و اہتمام سے بلکہ کہنا چاہئے کہ ایک طرح یوسفؑ کی دعوت پر تھا۔ بنیامین جس کی حفاظت و محبت حضرت یعقوب علیہ السلام یوسف کے بعد بہت کرتے تھے، بھائیوں کے ہمراہ تھے۔ یعقوب علیہ السلام کو خیال گذرا کہ ایک باپ کے گیارہ وجیہ و خوش رو بیٹوں کا خاص شان سے بہیأت اجتماعی شہر میں داخل ہونا خصوصاً اُس برتاؤ کے بعد جو عزیز مصر (یوسف) کی طرف سے لوگ پہلے مشاہدہ کر چکے تھے، ایسی چیز ہے جس کی طرف عام نگاہیں ضرور اٹھیں گی۔ "العین حق" نظر لگ جانا ایک حقیقت ہے (اور آج کل مسمریزم کے عجائبات تو عموماً اسی قوت نگاہ کے کرشمے ہیں) یعقوب علیہ السلام نے بیٹوں کو نظر بد اور حسد وغیرہ مکروہات سے بچانے کے لئے یہ ظاہری تدبیر تلقین فرمائی کہ متفرق ہو کر معمولی حیثیت سے شہر کے مختلف دروازوں سے داخل ہوں تا کہ خواہی نخواہی پبلک کی نظریں اُن کی طرف نہ اُٹھیں ساتھ ہی یہ بھی ظاہر کر دیا کہ میں کوئی تدبیر کر کے قضاء و قدر کے فیصلوں کو نہیں روک سکتا۔ تمام کائنات میں حکم صرف خدا کا چلتا ہے۔ ہمارے سب انتظامات حکم الٰہی کے مقابلہ میں بیکار ہیں۔ ہاں تدبیر کرنا بھی اُسی نے سمجھایا ہے اور جائز رکھا ہے۔ آدمی کو چاہئے کہ بچاؤ کی تدبیر کر لے مگر بھروسہ خدا پر رکھے گویا لڑکوں کو سنایا کہ میری طرح تم بھی تہ دل سے خدا کی حفاظت پر بھروسہ رکھو۔ تدابیر پر مغرور نہ بنو۔

(۹۵) یعنی مختلف دروازوں سے علیحدہ علیحدہ۔

(۹۶) **تقدیر اور تدبیر کو جمع کرنا** یعنی جس طرح کہا تھا داخل ہوئے۔ تو اگرچہ نظر یا ٹوک نہ لگی۔ لیکن تقدیر اور طرف سے آگئی۔ (بنیامین کو الزام سرقہ کے سلسلہ میں روک لیا گیا) تقدیر دفع نہیں ہوتی۔ سو جن کو علم ہے اُن کو تقدیر کا یقین اور اسباب کا بچاؤ دونوں حاصل ہو سکتے ہیں لیکن بے علم سے ایک ہو تو دوسرا نہ ہو، یا ہمہ تن اسباب پر اڑ کر کے تقدیر کا انکار کر بیٹھتا ہے یا تقدیر پر یقین رکھنے کے یہ معنی سمجھ لیتا ہے کہ اسباب کو معطل کر دیا جائے۔ البتہ عارف اور باخبر لوگ تقدیر و تدبیر کو جمع کرتے اور ہر ایک کو اس کے درجہ میں رکھتے ہیں۔

(۹۷) **بنیامین سے حضرت یوسفؑ کا خصوصی معاملہ** حضرت یوسفؑ نے بنیامین کے ساتھ ممتاز معاملہ کیا۔ اور خلوت میں آہستہ سے آگاہ کر دیا کہ میں تیرا حقیقی بھائی (یوسف) ہوں۔ جو مظالم ان علاتی بھائیوں نے ہم پر کئے کہ مجھے باپ سے جدا کر کے کنوئیں میں ڈالا، غلام بنا کر بیچا۔ اور ہمارے باپ بھائی وغیرہ کو فراق کے صدمہ میں مبتلا کیا یا اب یہاں آتے ہوئے تمہارے ساتھ کوئی سختی کی، ان باتوں سے غمگین مت ہو۔ وقت آگیا ہے کہ ہمارے سب غم غلط ہو جائیں اور سختیوں کے بعد حق تعالیٰ راحت و عزت نصیب فرمائے۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں۔ اس بھائی کو جو یوسفؑ نے آرزو سے بلایا اوروں کو حسد ہوا۔ اس سفر میں اس کو بات بات پر جھڑکتے اور طعنے دیتے۔ اب حضرت یوسفؑ نے تسلی کر دی۔

فَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ جَعَلَ السِّقَايَةَ فِي رَحْلِ أَخِيهِ ثُمَّ أَذَّنَ مُؤَذِّنٌ أَيَّتُهَا الْعِيرُ إِنَّكُمْ

پھر جب تیار کر دیا اُن کے واسطے اسباب اُنکا رکھ دیا پینے کا پیالہ اسباب میں اپنے بھائی کے پھر پکارا پکارنیوالے نے اے قافلہ والو تم تو البتہ

لَسَارِقُونَ ﴿٧٠﴾ قَالُوا وَأَقْبَلُوا عَلَيْهِمْ مَاذَا تَفْقِدُونَ ﴿٧١﴾ قَالُوا نَفْقِدُ صُوَاعَ الْمَلِكِ وَلِمَنْ جَاءَ بِهِ

چور ہو ف۹۸ کہنے لگے منہ کر کے اُن کی طرف تمہاری کیا چیز گم ہو گئی ف۹۹ بولے ہم نہیں پاتے بادشاہ کا پیمانہ اور جو کوئی اُس کو لائے اُسکو

حِمْلُ بَعِيرٍ وَأَنَا بِهِ زَعِيمٌ ﴿٧٢﴾ قَالُوا تَاللَّهِ لَقَدْ عَلِمْتُمْ مَا جِئْنَا لِنُفْسِدَ فِي الْأَرْضِ وَمَا كُنَّا

ملے ایک بوجھ اونٹ کا اور میں ہوں اُسکا ضامن ف۱۰۰ بولے قسم اللہ کی تم کو معلوم ہے ہم شرارت کرنے کو نہیں آئے ملک میں اور نہ ہم

سَارِقِينَ ﴿٧٣﴾ قَالُوا فَمَا جَزَاؤُهُ إِنْ كُنْتُمْ كَاذِبِينَ ﴿٧٤﴾ قَالُوا جَزَاؤُهُ مَنْ وُجِدَ فِي رَحْلِهِ فَهُوَ

کبھی چور تھے ف۱۰۱ بولے پھر کیا سزا ہے اُسکی اگر تم نکلے جھوٹے ف۱۰۲ کہنے لگے اُس کی سزا یہ کہ جس کے اسباب میں سے ہاتھ آئے وہی اُسکی

جَزَاؤُهُ كَذَٰلِكَ نَجْزِي الظَّالِمِينَ ﴿٧٥﴾ فَبَدَأَ بِأَوْعِيَتِهِمْ قَبْلَ وِعَاءِ أَخِيهِ ثُمَّ اسْتَخْرَجَهَا مِنْ

بدلے میں جائے ہم یہی سزا دیتے ہیں ظالموں کو ف۱۰۳ پھر شروع کیں یوسف نے اُنکی خرجیاں دیکھنی اپنے بھائی کی خرجی سے پہلے آخر کو وہ برتن نکالا اپنے بھائی

وِعَاءِ أَخِيهِ كَذَٰلِكَ كِدْنَا لِيُوسُفَ مَا كَانَ لِيَأْخُذَ أَخَاهُ فِي دِينِ الْمَلِكِ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ

کی خرجی سے ف۱۰۴ یوں داؤ بتا دیا ہمنے یوسف کو ف۱۰۵ وہ ہرگز نہ لے سکتا تھا اپنے بھائی کو دین میں اُس بادشاہ کے مگر جو چاہے اللہ ف۱۰۶

نَرْفَعُ دَرَجَاتٍ مَنْ نَشَاءُ وَفَوْقَ كُلِّ ذِي عِلْمٍ عَلِيمٌ ﴿٧٦﴾

ہم درجے بلند کرتے ہیں جس کے چاہیں ف۱۰۷ اور ہر جاننے والے سے اوپر ہے ایک جاننے والا ف۱۰۸

(۹۸) **بھائیوں پر چوری کا الزام** یعنی جب یوسف علیہ السلام کے حکم سے اُن کا غلہ لدوایا اور سامان سفر تیار کیا گیا تو ایک چاندی کا پیالہ اپنے بھائی بنیامین کے اسباب میں بلا اطلاع رکھدیا۔ جس وقت قافلہ روانہ ہونے لگا۔ محافظین کو پیالہ کی تلاش ہوئی۔ آخر اُن کا شبہ اسی قافلہ پر گیا۔ قافلہ تھوڑی دور نکلا تھا کہ محافظین میں سے کسی نے آواز دی کر ٹھہرو۔ تم لوگ یقیناً چور معلوم ہوتے ہو۔ (تنبیہ) اگر یہ لفظ یوسف ؑ کے حکم سے کہے گئے تو مطلب ہوگا کہ کوئی مال چرایا ہے۔ تم وہ ہو جنہوں نے باپ کی چوری سے بھائی کو بیچ ڈالا۔

(۹۹) یعنی ہم کو خواہ مخواہ چور کیوں بناتے ہو اگر تمہاری کوئی چیز گم ہوئی ہے وہ بتلاؤ، ہم ابھی کہیں گئے نہیں ہمارے اسباب میں تلاش کر لو۔

(۱۰۰) محافظین نے کہا، بادشاہ کے پانی پینے کا پیالہ یا غلہ ناپنے کا پیمانہ گم ہو گیا ہے۔ اگر بدون حیل و حجت کے کوئی شخص حاضر کر دے گا تو غلہ کا ایک اونٹ انعام پائیگا۔ میں اس کا ذمہ دار ہوں۔

(۱۰۱) یعنی مصر میں ہمارا چال چلن عام طور پر معلوم ہے کیا کوئی بتلا سکتا ہے کہ ہم نے یہاں کبھی کچھ شرارت کی؟ نہ ہم شرارتوں کے لئے یہاں آئے۔ اور نہ چوروں کے خاندان سے ہیں۔

(۱۰۲) محافظین نے کہا کہ تم فضول حجتیں کر رہے ہو۔ اگر مال مسروقہ تمہارے پاس سے برآمد ہو گیا تو کیا کرو گے۔

(۱۰۳) **شریعتِ ابراہیمی میں چور کی سزا** یہ شریعت ابراہیمی میں چور کی سزا تھی یعنی جس کے پاس سے چوری نکلے وہ ایک سال تک غلام ہو کر رہے۔ برادران یوسف نے اپنے قانون شرعی کے موافق بے تامل سزا کا ذکر کر دیا کیونکہ انہیں پورا یقین تھا کہ ہم چور نہیں۔ نہ چوری کا مال

ل ۔ قانون

ہمارے پاس سے برآمد ہو سکتا ہے۔ اس طرح اپنے اقرار سے خود پکڑے گئے۔

(۱۰۴) **بھائیوں کی تلاشی** یعنی اس گفتگو کے بعد محافظین اُن کو "عزیز مصر" (یوسف علیہ السلام) کے پاس لے گئے اور سب ماجرا کہہ سنایا۔ انہوں نے تفتیش کا حکم دیا۔ پہلے دوسرے بھائیوں کی خرجیاں (زنبیلیں اور بیگ وغیرہ) دیکھے گئے، پیالہ برآمد نہ ہوا۔ اخیر میں بنیامین کے اسباب کی تلاشی ہوئی، چنانچہ پیالہ اُس میں سے نکل آیا۔

(۱۰۵) یا یوں تدبیر کی ہم نے یوسف کے لئے۔

(۱۰۶) **بنیامین کو روکنے کی تدبیر** یعنی بھائیوں کی زبان سے آپ ہی نکلا کہ جس کے پاس مال نکلے غلام بنالو۔ اُس پر پکڑے گئے ورنہ حکومت مصر کا قانون یہ نہ تھا۔ اگر ایسی تدبیر نہ کی جاتی کہ وہ خود اپنے اقرار میں بندھ جائیں تو ملکی قانون کے موافق کوئی صورت بنیامین کو روک لینے کی نہ تھی۔

(۱۰۷) یعنی جسے چاہیں حکمت و تدبیر سکھلائیں۔ یا اپنی تدبیر لطیف سے سربلند کریں۔ دیکھو وہ ہی لوگ جنہوں نے باپ کی چوری سے یوسفؑ کو چند درہم میں بیچ ڈالا تھا آج یوسف کے سامنے چوروں کی حیثیت میں کھڑے ہیں۔ شاید اس طرح اُن کی پچھلی غلطیوں کا کفارہ کرنا ہوگا۔

(۱۰۸) **حضرت یوسفؑ کے توریہ کی حقیقت** یعنی دنیا میں ایک آدمی سے زیادہ دوسرا دوسرے سے زیادہ تیسرا جاننے والا ہے مگر سب جاننے والوں کے اوپر ایک جاننے والا اور ہے جسے "عالم الغیب والشہادہ" کہتے ہیں۔ (تنبیہ) واضح ہو کہ اس تمام واقعہ میں حضرت یوسف علیہ السلام کی زبان سے کوئی لفظ خلاف واقع نہیں نکلا۔ نہ کوئی حرکت خلاف شرع ہوئی زیادہ سے زیادہ انہوں نے توریہ کیا۔ "توریہ" کا مطلب ہے ایسی بات کہنا یا کرنا جس سے دیکھنے سننے والے کے ذہن میں ایک ظاہری اور قریبی مطلب آئے، لیکن متکلم فی سرادو دوسری ہو جو ظاہری مطلب سے بعید ہے۔ اگر یہ "توریہ" کسی نیک اور محمود مقصد کے لئے کیا جائے تو اس کے جائز بلکہ محمود ہونے میں شبہ نہیں۔ اور کسی مذموم و قبیح غرض کے لئے ہو تو وہ "توریہ" نہیں، دھوکہ اور فریب ہے۔ یہاں حق تعالیٰ کو منظور تھا کہ یعقوب علیہ السلام کے ابتلاء و امتحان کی تکمیل کر دی جائے۔ یوسف علیہ السلام کے بعد بنیامین بھی اُن سے جدا ہوں۔ اُدھر مدت کے بچھڑے ہوئے دو عینی بھائی آپس میں مل کر رہیں۔ یوسفؑ کو امتحان کی گھاٹیوں سے نکالنے کے بعد اول علاتی بھائیوں پھر عینی بھائی پھر والد بزرگوار اور سب کنبہ سے بتدریج ملائیں۔ دوسری طرف برادران یوسفؑ سے جو غلطیاں ہوئی تھیں کچھ ٹھوکریں کھا کر وہ بھی عفو و رحم کے دروازہ پر پہنچ جائیں۔ اور نہ معلوم کیا کیا حکمتیں ہونگی۔ جن کی وجہ سے یوسفؑ کو تھوڑا سا "توریہ" کرنے کی ہدایت ہوئی۔ انہوں نے پیالہ اپنے بھائی کے اسباب میں رکھا۔ پھر نہ کسی پر اُس کی چوری کا الزام لگایا نہ یہ کہا کہ ہم فلاں کو چوری کی سزا میں پکڑتے ہیں۔ صورتیں ایسی پیدا ہوتی چلی گئیں جن سے آخر میں بنیامین کے لئے اپنے بھائی کے پاس عزت و راحت کے ساتھ رہنے کی سبیل نکل آئی۔ مصلحۃً بعض ایسے الفاظ بیشک استعمال کئے جن کے معنی متبادر مراد نہ تھے یا بعض چیزوں پر سکوت کیا جن کی نسبت اگر کچھ بولتے تو راز فاش ہو کر اصل مقصد فوت ہو جاتا۔ واللہ اعلم۔

قَالُوٓا اِنْ يَّسْرِقْ فَقَدْ سَرَقَ اَخٌ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ ۚ فَاَسَرَّهَا يُوْسُفُ فِىْ نَفْسِهٖ وَلَمْ يُبْدِهَا لَهُمْ ۚ

کہنے لگے اگر اُس نے چرایا تو چوری کی تھی اُسکے ایک بھائی نے بھی اس سے پہلے ف۱۰۹ تب آہستہ سے کہا یوسف نے اپنے جی میں اور اُن کو نہ جتایا

قَالَ اَنْتُمْ شَرٌّ مَّكَانًا ۚ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا تَصِفُوْنَ ﴿۷۷﴾ قَالُوْا يٰٓاَيُّهَا الْعَزِيْزُ اِنَّ لَهٗٓ اَبًا شَيْخًا

کہا جی میں کہ تم بدتر ہو درجہ میں اور اللہ خوب جانتا ہے جو تم بیان کرتے ہو ف۱۱۰ کہنے لگے اے عزیز اُس کا ایک باپ ہے بوڑھا

كَبِيْرًا فَخُذْ اَحَدَنَا مَكَانَهٗ ۚ اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۷۸﴾ قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اَنْ نَّاْخُذَ اِلَّا مَنْ

بڑی عمر کا سو رکھ لے ایک کو ہم میں سے اُس کی جگہ ہم دیکھتے ہیں تو ہے احسان کرنے والا ف۱۱۱ بولا اللہ پناہ دے کہ ہم کسی کو پکڑیں مگر جس کے پاس

ع ۹ / ۳ وَّجَدْنَا مَتَاعَنَا عِنْدَهٗۤ ۙ اِنَّاۤ اِذًا لَّظٰلِمُوْنَ ﴿۷۹﴾ فَلَمَّا اسْتَيْـَٔسُوْا مِنْهُ خَلَصُوْا نَجِيًّا ؕ قَالَ كَبِيْرُهُمْ اَلَمْ
پائی ہم نے اپنی چیز ف ۱۱۲ تو تو ہم ضرور بے انصاف ہوئے ف ۱۱۳ پھر جب ناامید ہوئے اُس سے اکیلے ہو بیٹھے مشورہ کرنے کو۔ بولا اُن میں کا بڑا کیا تم
تَعْلَمُوْۤا اَنَّ اَبَاكُمْ قَدْ اَخَذَ عَلَيْكُمْ مَّوْثِقًا مِّنَ اللّٰهِ وَمِنْ قَبْلُ مَا فَرَّطْتُّمْ فِيْ يُوْسُفَ ۚ فَلَنْ
کو معلوم نہیں کہ تمہارے باپ نے لیا ہے تم سے عہد اللہ کا اور پہلے جو قصور کر چکے ہو یوسف کے حق میں سو میں تو ہرگز
اَبْرَحَ الْاَرْضَ حَتّٰى يَاْذَنَ لِيْۤ اَبِيْۤ اَوْ يَحْكُمَ اللّٰهُ لِيْ ۚ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ﴿۸۰﴾ اِرْجِعُوْۤا اِلٰۤى اَبِيْكُمْ
نہ سرکوں گا اس ملک سے جب تک کہ حکم دے مجھ کو باپ میرا یا قضیہ چکا دے اللہ میری طرف اور وہ ہے سب سے بہتر چکانے والا ف ۱۱۴ پھر جاؤ اپنے باپ کے پاس
فَقُوْلُوْا يٰۤاَبَانَاۤ اِنَّ ابْنَكَ سَرَقَ ۚ وَمَا شَهِدْنَاۤ اِلَّا بِمَا عَلِمْنَا وَمَا كُنَّا لِلْغَيْبِ حٰفِظِيْنَ ﴿۸۱﴾ وَسْـَٔلِ
اور کہو اے باپ تیرے بیٹے نے تو چوری کی اور ہم نے تو وہی کہا تھا جو ہم کو خبر تھی اور ہم کو غیب کی بات کا دھیان نہ تھا ف ۱۱۵ اور پوچھ لے
الْقَرْيَةَ الَّتِيْ كُنَّا فِيْهَا وَالْعِيْرَ الَّتِيْۤ اَقْبَلْنَا فِيْهَا ؕ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴿۸۲﴾
اُس بستی سے جس میں ہم تھے اور اُس قافلہ سے جس میں ہم آئے ہیں اور ہم بیشک سچ کہتے ہیں ف ۱۱۶

(۱۰۹) یہ اشارہ یوسف علیہ السلام کی طرف تھا۔ اپنی پاکبازی جتانے کے لئے محض ناحق کوشی اور عناد سے بنیامین کے جرم کو پختہ کر دیا اور اتنی مدت کے بعد بھی یوسف علیہ السلام معصوم پر جھوٹی تہمت لگانے سے نہ شرمائے مفسرین نے اس موقع پر کئی قصے بیان کئے ہیں جن کی طرف برادرانِ یوسفؑ نے چوری کے لفظ میں اشارہ کیا تھا۔ اُن کے نقل کی یہاں حاجت نہیں۔

(۱۱۰) **بھائیوں کا حضرت یوسفؑ پر چوری کا الزام** یعنی ایسا سخت لفظ سُن کر بھی یوسفؑ بے قابو نہیں ہوئے۔ کیونکہ مصلحت خداوندی افشائے راز کو مقتضی نہ تھی۔ یوسفؑ نے بات کو دل میں رکھا۔ جواب دے کر اُن کے اتہام کی حقیقت نہ کھولی۔ اپنے جی میں کہا "اَنْتُمْ شَرٌّ مَّكَانًا ۚ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا تَصِفُوْنَ"، یعنی اُلٹا چور کوتوال کو ڈانٹے مجھے چور بناتے ہو؟ حالانکہ تم نے ایسی چوری کی کہ بھائی کو باپ سے چرا کر بیچ ڈالا۔ باقی میری چوری کا حال اللہ کو معلوم ہے۔ بعض مفسرین نے قَالَ اَنْتُمْ شَرٌّ مَّكَانًا" الخ کا مطلب یہ لیا ہے کہ یوسفؑ نے اُن کو خطاب کر کے کہا کہ تم بڑے ہی بدترین لوگ ہو۔ ابھی تو کہہ رہے تھے "وَمَا كُنَّا سٰرِقِيْنَ" ہم چوروں میں کے نہیں۔ جب ایک بھائیؑ کے اسباب میں سے مال برآمد ہوا تو اس کے ساتھ دوسرے غیر حاضر بھائیؑ کو بھی ملوث کرنے لگے گویا چوری کرنا تمہارا خاندانی پیشہ ہے (العیاذ باللہ) خدا خوب جانتا ہے کہ تم اپنے بیان میں کہاں تک سچے ہو۔ وہ ہی تم کو غلط بیانیوں کی سزا دیگا۔

(۱۱۱) **بھائیوں کی درخواست اور اُس کا جواب** یعنی بوڑھے باپ کو بڑا صدمہ پہنچیگا۔ وہ ہم سب سے زیادہ اس کو اور اُس کے بھائیؑ یوسف کو چاہتے تھے۔ یوسفؑ کے بعد اب اسی سے اپنے دل کو تسلی دیتے ہیں۔ آپ اگر اس کی جگہ ہم میں سے کسی ایک کو رکھ لیں تو بڑی مہربانی ہوگی۔ آپ ہمیشہ مخلوق پر احسانات کرتے ہیں اور ہم پر خصوصی احسان فرماتے رہے ہیں۔ اُمید ہے ہم کو اپنے کرم سے مایوس نہ فرمائیں گے۔

(۱۱۲) یعنی خدا پناہ میں رکھے، کہ ہم کسی کو بے سبب دوسرے کے بدلے میں پکڑنے لگیں۔ ہم تو صرف اُسی شخص کو روکیں گے جس کے پاس سے اپنی چیز ملی ہے۔ (وہ بنیامین ہے جو عینی بھائی ہونے کی حیثیت سے ہمارے پاس رہیگا) یہاں بھی "اِلَّا مَنْ وَّجَدْنَا مَتَاعَنَا عِنْدَهٗ" کی جگہ "اِلَّا مَنْ سَرَقَ" نہیں فرمایا جو مختصر تھا۔ کیونکہ واقع کے خلاف ہوتا۔

لہ قصہ

(۱۱۳) یعنی مجرم کے بدلہ میں بے قصور کو پکڑیں۔ تو تمہارے خیال اور قانون کے موافق ہم بے انصاف ٹھہرینگے۔

(۱۱۴) **بھائیوں کا آپس میں مشورہ** | جب حضرت یوسفؑ کا جواب سُن کر مایوس ہو گئے تو مجمع سے ہٹ کر آپس میں مشورہ کرنے لگے۔ اکثر وں کی رائے ہوئی کہ وطن واپس جانا چاہئے۔ اُن میں جو عمر یا عقل وغیرہ کے اعتبار سے بڑا تھا، اُس نے کہا کہ باپ کے سامنے ہم کیا منہ لیکر جائیں گے، جو عہد ہم سے لیا تھا اُس کا کیا جواب دیں گے۔ ایک تقصیر تو پہلے یوسفؑ کے معاملہ میں کر چکے ہیں جس کا اثر آج تک موجود ہے۔ اب بنیامین کو چھوڑ کر سب کا چلا جانا سخت بے حمیتی ہوگی۔ سو واضح رہے کہ بندہ تو کسی حال یہاں سے ٹلنے والا نہیں۔ اِلّا یہ کہ خود والد بزرگوار مجھ کو یہاں سے چلے جانے کا حکم دیں یا اس درمیان میں قدرت کی طرف سے کوئی فیصلہ ہو جائے۔ مثلاً تقدیر سے میں یہیں مرجاؤں یا کسی تدبیر سے بنیامین کو چھڑا لوں۔

(تنبیہ) یہ کہنے والا غالباً وہ ہی بھائی تھا۔ جس نے یوسف علیہ السلام کے معاملہ میں بھی نرم مشورہ دیا تھا "لَا تَقْتُلُوْا یُوْسُفَ"۔

(۱۱۵) یعنی مجھے چھوڑ دو اور تم سب جا کر باپ سے عرض کرو کہ ایسا واقعہ پیش آیا جس کی کوئی توقع نہ تھی۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "یعنی تم کو قول دیا تھا اپنی دانست پر۔ یہ کیا خبر تھی کہ بنیامین چوری کر کے پکڑا جائے گا۔ یا ہم نے چور کو پکڑ رکھنا بتایا اپنے دین کے موافق۔ یہ نہ معلوم تھا کہ بھائی چور رہے"۔

(۱۱۶) یعنی آپ معتبر آدمی بھیج کر اُس بستی والوں سے تحقیق کر لیں جہاں یہ واقعہ پیش آیا۔ نیز دوسرے قافلہ والوں سے دریافت فرمالیں جو ہمارے ساتھ رہے اور واپس آئے ہیں آپ کو ثابت ہو جائیگا کہ ہم اپنے بیان میں بالکل سچے ہیں۔

قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا ؕ فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ ؕ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِيَنِيْ بِهِمْ جَمِيْعًا ؕ اِنَّهٗ

بولا کوئی نہیں بنالی ہے تمہارے جی نے ایک بات اب صبر ہی بہتر ہے شاید اللہ لے آئے میرے پاس اُن سب کو وہی ہے

هُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ۝٨٣ وَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ يٰۤاَسَفٰى عَلٰى يُوْسُفَ وَابْيَضَّتْ عَيْنٰهُ مِنَ

خبردار حکمتوں والا ف۱۱۷ اور اُلٹا پھرا اُنکے پاس سے اور بولا اے افسوس یوسف پر ف۱۱۸ اور سفید ہو گئیں آنکھیں اُسکی غم سے ف۱۱۹

الْحُزْنِ فَهُوَ كَظِيْمٌ ۝٨٤ قَالُوْا تَاللّٰهِ تَفْتَؤُا تَذْكُرُ يُوْسُفَ حَتّٰى تَكُوْنَ حَرَضًا اَوْ تَكُوْنَ مِنَ

سو وہ آپ کو گھونٹ رہا تھا ف۱۲۰ کہنے لگے قسم اللہ کی تو نہ چھوڑیگا یوسف کی یاد کو جب تک کہ گھل جائے یا ہو جائے

الْهٰلِكِيْنَ ۝٨٥ قَالَ اِنَّمَاۤ اَشْكُوْا بَثِّيْ وَحُزْنِيْۤ اِلَى اللّٰهِ وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝٨٦ يٰبَنِيَّ

مُردہ بولا میں تو کھولتا ہوں اپنا اضطراب اور غم اللہ کے سامنے اور جانتا ہوں اللہ کی طرف سے جو تم نہیں جانتے ف۱۲۱ اے بیٹو

اذْهَبُوْا فَتَحَسَّسُوْا مِنْ يُّوْسُفَ وَاَخِيْهِ وَلَا تَايْـَٔسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ لَا يَايْـَٔسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ

جاؤ اور تلاش کرو یوسف کی اور اُسکے بھائی کی اور نا اُمید مت ہو اللہ کے فیض سے بیشک نا اُمید نہیں ہوتے اللہ کے فیض سے

اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ ۝٨٧ فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلَيْهِ قَالُوْا يٰۤاَيُّهَا الْعَزِيْزُ مَسَّنَا وَاَهْلَنَا الضُّرُّ وَ

مگر وہی لوگ جو کافر ہیں ف۱۲۲ پھر جب داخل ہوئے اُسکے پاس بولے اے عزیز پڑی ہم پر اور ہمارے گھر پر سختی اور

جِئْنَا بِبِضَاعَةٍ مُّزْجٰىةٍ فَاَوْفِ لَنَا الْكَيْلَ وَتَصَدَّقْ عَلَيْنَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَجْزِي الْمُتَصَدِّقِيْنَ ۝٨٨

لائے ہیں ہم پونجی ناقص سو پوری دے ہم کو بھرتی اور خیرات کر ہم پر اللہ بدلہ دیتا ہے خیرات کرنیوالوں کو ف۱۲۳

سلے کام آئے (بن پڑے)

(۱۱۷) **حضرت یعقوبؑ کا صبر و استقامت** پہلی بار کی بے اعتباری سے اس مرتبہ بھی حضرت یعقوبؑ نے بیٹوں کا اعتبار نہ کیا۔ لیکن نبی کا کلام جھوٹ نہیں۔ بیٹوں کی بنائی بات تھی۔ حضرت یوسف علیہ السلام بھی بیٹے تھے "کذا فی الموضح۔ گویا" لکم" کا خطاب جنس ابناء کی طرف ہوا۔ واللہ اعلم۔ بعض مفسرین نے یہ مطلب لیا ہے کہ تم یہاں سے حفاظت کے کیسے وعدے کر کے اصرار کے ساتھ لے گئے۔ وہاں پہنچ کر اتنا بھی نہ کہا کہ اُسکے اسباب میں سے پیالہ برآمد ہونے سے چوری کیسے ثابت ہو گئی، شاید کسی اور نے چھپا دیا ہو۔ مدافعت تو کیا کرتے یہ کہہ کر کہ پہلے اُس کے بھائی نے بھی چوری کی تھی اُس کے جرم کو پختہ کر دیا۔ تمہارے دل میں کھوٹ نہ ہوتا تو یہ طرز عمل اختیار نہ کرتے۔ اب باتیں بنانے کے لئے آئے ہو۔ بہرحال میں تو اس پر بھی صبر ہی کرونگا۔ کوئی حرف شکایت زبان پر نہ لاؤنگا۔ خدا کی قدرت و رحمت سے کیا بعید ہے کہ یوسف، بنیامین اور وہ بھائی جو بنیامین کی وجہ سے رہ گیا ہے سب کو میرے پاس جمع کر دے وہ سب کے احوال سے خبردار ہے اور ہر ایک کے ساتھ اپنی حکمت کے موافق معاملہ کرتا ہے۔ اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ ہر قسم کے یاس انگیز احوال اور مرور دہور کے بعد بھی انبیاء کے قلوب مایوس نہیں ہو سکتے۔ وہ ہمیشہ خُدا کی رحمت واسعہ پر اعتماد کرتے اور الطاف و منن کے اُمیدوار رہتے ہیں۔

(۱۱۸) نیا زخم کھا کر پُرانا زخم ہرا ہو گیا۔ بے اختیار پکار اُٹھے "یَا اَسَفٰی عَلٰی یُوْسُفَ" (ہائے افسوس یوسف)۔

(۱۱۹) یعنی بے رونق یا بے نور ہو گئیں۔ علی اختلاف القولین۔

(۱۲۰) **حضرت یعقوبؑ کی آزمائش** حدیث میں ہے "نَحْنُ مَعَاشِرُ الْاَنْبِیَاءِ اَشَدُّ بَلَاءً ثُمَّ الْاَمْثَلُ فَالْاَمْثَلُ"، یعنی انبیاء کی جماعت حق تعالیٰ کی طرف سے سخت ترین امتحانوں میں مبتلا کی جاتی ہے۔ پھر امتحان کی اقسام ہیں۔ ہر نبی کو حق تعالیٰ اپنی حکمت اور اس کی استعداد کے موافق جس قسم کے امتحان میں چاہے مبتلا کرتا ہے۔ یعقوب علیہ السلام کے قلب میں یوسف کی فوق العادت محبت ڈال دی۔ پھر ایسے محبوب اور ہونہار بیٹے کو جو خاندان ابراہیمی کا چشم و چراغ تھا، ایسے دردناک طریقے سے جدا کیا گیا۔ غمزدہ اور زخم خوردہ یعقوبؑ کے جگر کو اس روح فرسا صدمہ نے کھا لیا تھا۔ وہ کسی مخلوق کے سامنے نہ حرف شکایت زبان پر لاتے تھے نہ کسی سے انتقام لیتے، نہ غصہ نکالتے غم کی بات منہ سے نہ نکلتی۔ ہاں جب اپنے کو بہت گھونٹتے تو دل کا بخار آنکھوں کی راہ سے ٹپک پڑتا۔ بیسیوں برس تک چشم گریاں اور سینہ بریاں کے باوجود ادائے فرائض و حقوق میں کوئی خلل نہ پڑنے دیا۔ اُن کا دل جتنا یوسفؑ کے فراق میں روتا تھا۔ اُتنا ہی خدا کے حضور میں زیادہ گڑگڑاتا تھا۔ درد و غم کی شدت اور اشکباری کی کثرت جس قدر اُن کی بصارت کو ضعیف کرتی اُسی قدر نور بصیرت کو بڑھا رہی تھی۔ بیتابی و اضطراب کا کیسا ہی طوفان اُٹھتا، دل پکڑ کر اور کلیجہ مسوس کر رہ جاتے زبان سے اُف نہ نکالتے بنیامین کی جُدائی سے جب پُرانے زخم میں نیا چرکہ لگا تو اُس وقت بے اختیار "یَا اَسَفٰی عَلٰی یُوْسُفَ"، صرف اتنا لفظ زبان سے نکلا۔ بقول حضرت شاہ صاحبؒ "ایسا درد اتنی مدت دبا رکھنا پیغمبر کے سوا کس کا کام ہو سکتا ہے"۔

(۱۲۱) موضح القرآن میں ہے "یعنی کیا تم مجھ کو صبر سکھاؤ گے؟ بے صبر وہ ہے جو مخلوق کے آگے خالق کے بھیجے ہوئے درد کی شکایت کرے۔ میں تو اُسی سے کہتا ہوں جس نے درد دیا اور یہ بھی جانتا ہوں کہ (یوسف زندہ ہے، ضرور ملیگا اور اُس کا خواب پورا ہو کر رہیگا) یہ مجھ پر آزمائش ہے دیکھوں کس حد پر پہنچ کر بس ہو۔

(۱۲۲) **بیٹوں کو حضرت یوسفؑ کی تلاش کا حکم اور نصیحت** یعنی حق تعالیٰ کی مہربانی اور فیض سے نا اُمید ہونا کافروں کا شیوہ ہے جنہیں اس کی رحمت واسعہ اور قدرت کاملہ کی صحیح معرفت نہیں ہوتی۔ ایک مسلمان کا کام یہ ہے کہ اگر پہاڑ کی چٹانوں اور سمندر کی موجوں کی برابر مایوس کن حالات پیش آئیں۔ تب بھی خدا کی رحمت کا اُمیدوار رہے اور امکانی کوشش میں پست ہمتی نہ دکھلائے۔ جاؤ۔ کوشش کر کے یوسف کا کھوج لگاؤ اور اُس کے بھائی بنیامین کے چھڑانے کا کوئی ذریعہ تلاش کرو۔ کچھ بعید نہیں کہ حق تعالیٰ ہم سب کو پھر جمع کر دے۔ تیسرے بھائی کا ذکر شاید اس لئے نہیں کیا کہ وہ

باختیار خود محض بنیامین کی وجہ سے رکا ہے۔ بنیامین چھوٹ جائے تو وہ کیوں پڑا رہیگا۔

(۱۲۳) **حضرت یوسفؑ سے بھائیوں کا سوال** باپ کے فرمانے پر مصر کو پھر روانہ ہوئے۔ کیونکہ یوسفؑ کا پتہ معلوم نہ تھا یہ خیال کیا ہوگا کہ جس کا پتہ معلوم ہے (بنیامین) پہلے اُس کی فکر کریں اور قحط کی وجہ سے غلہ کی ضرورت ہے، عزیز کو ادھر بھی توجہ دلائیں۔ اگر دینے لینے کے معاملہ میں کچھ نرم پایا تو بنیامین کے متعلق گفت و شنید کریں گے۔ چنانچہ پہلی بات انہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام سے یہ ہی کہی کہ اے عزیز مصر! آج کل قحط و ناداری کی وجہ سے ہم پر اور ہمارے گھر پر بڑی سختی گذر رہی ہے، سب اسباب گھر کا بک گیا۔ کچھ نکمی اور حقیر سی پونجی رہ گئی ہے وہ غلہ خریدنے کے لئے ساتھ لائے ہیں آپ کے مکارم اخلاق اور گذشتہ مہربانیوں سے اُمید ہے کہ ہماری ناقص چیزوں کا خیال نہ فرمائیں گے اور تھوڑی قیمت میں غلہ کی مقدار گذشتہ کی طرح پوری دلوا دینگے۔ یہ رعایت حقیقت میں ایک طرح کی خیرات ہوگی جو آپ ہم پر کرینگے یا اس کے علاوہ ہم کو بطور خیرات ہی کچھ دیدیجئے۔ خدا آپ کا بھلا کرے گا۔ حضرت یوسف علیہ السلام یہ حال سُن کر رو پڑے، شفقت و رحم دلی کا چشمہ دل میں جوش مار کر آنکھوں سے اُبل پڑا۔ اس وقت حق تعالیٰ کے حکم سے اپنے تئیں ظاہر کیا کہ میں کون ہوں اور تم نے میرے ساتھ جو معاملہ کیا تھا اُس کے بعد میں کس مرتبہ پر پہنچا ہوں۔ اگلی آیت میں اسی اظہار کی تمہید ہے (تنبیہ) بعض نے تصدق کے معنی مطلق احسان کرنے کے لئے ہیں۔ جیسے "قصر صلوٰۃ" کی حدیث میں "صَدَقَةٌ تَصَدَّقَ اللّٰهُ بِهَا عَلَيْكُمْ"۔

قَالَ هَلْ عَلِمْتُمْ مَّا فَعَلْتُمْ بِيُوْسُفَ وَاَخِيْهِ اِذْ اَنْتُمْ جٰهِلُوْنَ ﴿۸۹﴾ قَالُوْٓا ءَاِنَّكَ لَاَنْتَ يُوْسُفُ ؕ

کہا کچھ تم کو خبر ہے کہ کیا کیا تم نے یوسف سے اور اُسکے بھائی سے ف۱۲۴ جب تم کو سمجھ نہ تھی ف۱۲۵ بولے کیا سچ تو ہی ہے یوسف ف۱۲۶

قَالَ اَنَا يُوْسُفُ وَهٰذَآ اَخِيْ ؗ قَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا ؕ اِنَّهٗ مَنْ يَّتَّقِ وَيَصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ

کہا میں یوسف ہوں اور یہ ہے میرا بھائی ف۱۲۷ اللہ نے احسان کیا ہم پر ف۱۲۸ البتہ جو کوئی ڈرتا ہے اور صبر کرتا ہے تو اللہ ضائع نہیں کرتا

اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۹۰﴾ قَالُوْا تَاللّٰهِ لَقَدْ اٰثَرَكَ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَاِنْ كُنَّا لَخٰطِـِٕيْنَ ﴿۹۱﴾ قَالَ لَا تَثْرِيْبَ

حق نیکی والوں کا ف۱۲۹ بولے قسم اللہ کی البتہ پسند کر لیا تجھ کو اللہ نے ہم سے اور ہم تھے چوکنے والے ف۱۳۰ کہا کچھ الزام نہیں

عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ ؕ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ ۫ وَهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۹۲﴾ اِذْهَبُوْا بِقَمِيْصِيْ هٰذَا فَاَلْقُوْهُ

تم پر آج بخشے اللہ تم کو ف۱۳۱ اور وہ ہے سب مہربانوں سے مہربان ف۱۳۲ لیجاؤ یہ کرتا میرا اور ڈالو اُس کو

عَلٰى وَجْهِ اَبِيْ يَاْتِ بَصِيْرًا ۚ وَاْتُوْنِيْ بِاَهْلِكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۹۳﴾ ع وَلَمَّا فَصَلَتِ الْعِيْرُ قَالَ اَبُوْهُمْ

مُنہ پر میرے باپ کے کہ چلا آئے آنکھوں سے دیکھتا ہوا اور لے آؤ میرے پاس گھر اپنا سارا ف۱۳۳ اور جب جُدا ہوا قافلہ کہا اُنکے باپ نے

اِنِّيْ لَاَجِدُ رِيْحَ يُوْسُفَ لَوْلَآ اَنْ تُفَنِّدُوْنِ ﴿۹۴﴾

میں پاتا ہوں بو یوسف کی ف۱۳۴ اگر نہ کہو مجھ کو کہ بوڑھا بہک گیا ف۱۳۵

(۱۲۴) یعنی دونوں میں جُدائی ڈالی اور دونوں سے بیر رکھا۔

(۱۲۵) **حضرت یوسفؑ کا صبر و مروت** اللہ اکبر، صبر اور مروت و اخلاق کی حد ہو گئی کہ تمام عمر بھائیوں کی شکایت کا ایک حرف زبان پر نہ لائے۔ اتنا سوال بھی اس لئے کیا کہ وہ لوگ اپنے ذہنوں میں بیسیوں برس پہلے کے حالات کو ایک مرتبہ مستحضر کر لیں تا ماضی و حال کے موازنہ سے خدا تعالیٰ کے

اُن احسانات کی حقیقت روشن ہو، جو یوسفؑ پر اُن مصائب وحوادث کے بعد ہوئے۔ جن کی طرف آگے " قَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا " میں اشارہ ہے پھر سوال کا پیرایہ ایسا نرم اختیار کیا جس میں اُن کے جرم سے زیادہ معذرت کا پہلو نمایاں ہے یعنی جو حرکت اس وقت تم سے صادر ہوئے۔ ناسمجھی اور بے وقوفی سے ہوگئی۔ تمہیں کیا معلوم تھا کہ یوسفؑ کا خواب پورا ہوکر اور ہلال ایک روز بدر بن کر رہیگا۔

(۱۲۶) **حضرت یوسفؑ کو پہچاننا** ممکن ہے اس سوال سے گھبرائے ہوں کہ اتنی مدت کے بعد یہ کون گھر کا بھیدی نکل آیا۔ پھر عزیز مصر کو یوسفؑ کے قصہ سے کیا مطلب۔ غیر معمولی مہربانیاں اور بنیامین کے ساتھ خصوصی برتاؤ پہلے سے دیکھ ہی رہے تھے۔ اس سوال نے دفعۃً اُن کا ذہن اِدھر منتقل کر دیا ہو کہ کہیں یوسف جسے ہم نے مصری قافلہ کے ہاتھ بیچ ڈالا تھا، یہ ہی تو نہیں ہے۔ جب ادھر توجہ ہوئی تو بغور دیکھا ہوگا اور ممکن ہے یوسفؑ نے خود بھی اپنے کو اس دفعہ زیادہ واضح طور پر پیش کیا ہو۔ یا تصریحًا کہہ دیا ہو کہ میں یوسف ہوں۔ غرض وہ سخت متعجب وحیرت حیرت زدہ ہو کر بول اُٹھے "أَإِنَّكَ لَأَنتَ يُوسُفُ" (سچ بتاؤ کیا تم ہی یوسف ہو؟)

(۱۲۷) یعنی جس سے مجھ کو جدا کیا تھا آج میرے پاس بیٹھا ہے۔

(۱۲۸) جدائی کو ملاپ سے، ذلت کو عزت سے، تکلیف کو راحت سے، تنگی کو عیش سے بدل دیا۔ جو غلام بنا کر چند دراہم میں فروخت کیا گیا تھا، آج خدا نے اُسے ملک مصر کی حکومت بخشی۔

(۱۲۹) حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "جس پر تکلیف پڑے اور وہ شرع سے باہر نہ ہو اور گھبرائے نہیں تو آخر بلا سے زیادہ عطاء ہو۔

(۱۳۰) **بھائیوں کی ندامت** یعنی تجھ کو ہر حیثیت سے ہم پر فضیلت دی اور تو اسی لائق تھا ہماری غلطی اور بھول تھی کہ تیری قدر نہ پہچانی آخر تیرا خواب سچا اور ہمارا حسد بیکار ثابت ہوا۔

(۱۳۱) **حضرت یوسفؑ کا عفو ودرگذر** یوسف علیہ السلام بھائیوں سے اتنا بھی سُننا نہیں چاہتے تھے۔ فرمایا، یہ تذکرہ مت کرو آج میں تمہیں کوئی اُلزام نہیں دیتا۔ تمہاری سب غلطیاں معاف کر چکا ہوں۔ جو لفظ میں نے کہے محض حق تعالیٰ کا احسان اور صبر وتقویٰ کا نتیجہ ظاہر کرنے کی نیت سے کہے آج کے بعد تمہاری تقصیر کا ذکر بھی نہ ہوگا۔ میں دعاء کرتا ہوں کہ تم نے جو خطائیں خدا تعالیٰ کی کی ہیں، وہ بھی معاف کر دے۔

(۱۳۲) میری مہربانی بھی اُسی کی مہربانی کا ایک پر تو ہے۔

(۱۳۳) **حضرت یوسفؑ کی کرامت** یعنی میں بحالت موجودہ شام کا سفر نہیں کر سکتا۔ تم جاؤ والدین اور اپنے سب متعلقین کو یہاں لے آؤ۔ چونکہ والد بزرگوار کی نسبت وحی سے یا بھائیوں کی زبانی معلوم ہوا ہوگا کہ بینائی نہیں یا نگاہ میں فرق آگیا ہے، اِس لئے اپنا قمیص دے کر فرمایا کہ یہ اُن کی آنکھوں کو لگا دینا بینائی بحال ہو جائیگی۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "ہر مرض کی اللہ کے ہاں دوا ہے۔ آنکھیں گئی تھیں ایک شخص کے فراق میں، اُسی کے بدن کی چیز ملنے سے چنگی ہوئیں۔ یہ کرامت تھی حضرت یوسف علیہ السلام کی" اور کرامت نہ کہیں تب بھی آج کل واقعات ومشاہدات کی بناء پر یہ بات مان لی گئی ہے کہ کسی سخت صدمہ یا غیر معمولی خوشی کے اثر سے بعض نابینا دفعۃً بینا ہو گئے ہیں۔

(۱۳۴) **حضرت یعقوبؑ کو یوسفؑ کی خوشبو** خدا کی قدرت یوسف مصر میں موجود ہیں۔ کبھی نہ کہا کہ یوسفؑ کی خوشبو آتی ہے۔ کیونکہ خدا کو امتحان پورا کرنا تھا۔ اب بلانے کی ٹھہری تو اُدھر قافلہ یوسف علیہ السلام کا قمیص لے کر مصر سے نکلا اِدھر پیراہن یوسفی کی خوشبو یعقوبؑ کے مشام جان کو معطر کرنے لگی۔ ایک یہ کیا، پورا واقعہ ہی عجائب قدرت کا ایک مرقع ہے۔ یعقوبؑ جیسے مشہور ومعروف پیغمبر شام میں رہیں اور یوسفؑ جیسی جلیل القدر شخصیت مصر میں بادشاہت کرے، یوسفؑ کے بھائی کئی مرتبہ مصر آئیں، خود یوسفؑ کے مہمان بنیں، اُس کے باوجود خداوند قدوس کی حکمت غامضہ اور مشیت قاہرہ کا ہاتھ باپ کو بیٹے سے بیسیوں برس تک علیحدہ رکھے اور خون کے آنسو رُلا کر امتحان کی تکمیل کرائے جَلَّتْ قُدْرَتُهٗ وَعَزَّ سُلْطَانُهٗ۔

(۱۳۵) یعنی یہ بات کہتے ہوئے جھجکتا ہوں۔ کیونکہ تمہاری سمجھ میں نہیں آئیگی۔ کہدو گے، بڈھا سٹھیا گیا ہے۔

قَالُوْا تَاللّٰهِ اِنَّكَ لَفِيْ ضَلٰلِكَ الْقَدِيْمِ ﴿۹۵﴾ فَلَمَّآ اَنْ جَآءَ الْبَشِيْرُ اَلْقٰىهُ عَلٰى وَجْهِهٖ

لوگ بولے قسم اللہ کی تو تو اپنی اُسی قدیم غلطی میں ہے ف۱۳۶ پھر جب پہنچا خوشخبری والا ڈالا اُس نے وہ کرتا اُس کے مُنہ پر

فَارْتَدَّ بَصِيْرًا ۚ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ ۚ اِنِّيْٓ اَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۹۶﴾ قَالُوْا يٰٓاَبَانَا

پھر لوٹ کر ہو گیا دیکھنے والا ف۱۳۷ بولا میں نے نہ کہا تھا تم کو کہ میں جانتا ہوں اللہ کی طرف سے جو تم نہیں جانتے ف۱۳۸ بولے اے باپ

اسْتَغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَآ اِنَّا كُنَّا خٰطِـِٕيْنَ ﴿۹۷﴾ قَالَ سَوْفَ اَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّيْ ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿۹۸﴾

بخشوا ہمارے گناہوں کو بیشک ہم تھے چوکنے والے ف۱۳۹ کہا دم لو بخشواؤں گا تم کو اپنے رب سے وہی ہے بخشنے والا مہربان ف۱۴۰

فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلٰي يُوْسُفَ اٰوٰٓى اِلَيْهِ اَبَوَيْهِ وَقَالَ ادْخُلُوْا مِصْرَ اِنْ شَاۗءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ ﴿۹۹﴾ وَرَفَعَ

پھر جب داخل ہوئے یوسف کے پاس جگہ دی اپنے پاس ماں باپ کو اور کہا داخل ہو مصر میں اللہ نے چاہا تو دل جمعی سے ف۱۴۱ اور اونچا بٹھلایا

اَبَوَيْهِ عَلَي الْعَرْشِ وَخَرُّوْا لَهٗ سُجَّدًا ۚ وَقَالَ يٰٓاَبَتِ هٰذَا تَاْوِيْلُ رُءْيَايَ مِنْ قَبْلُ ۡ قَدْ

اپنے ماں باپ کو تخت پر اور سب گرے اُس کے آگے سجدہ میں ف۱۴۲ اور کہا اے باپ یہ بیان ہے میرے اُس پہلے خواب کا اُس کو

جَعَلَهَا رَبِّيْ حَقًّا ۭ وَقَدْ اَحْسَنَ بِيْٓ اِذْ اَخْرَجَنِيْ مِنَ السِّجْنِ وَجَاۗءَ بِكُمْ مِّنَ الْبَدْوِ مِنْۢ

میرے رب نے سچ کر دیا ف۱۴۳ اور اُس نے انعام کیا مجھ پر جب مجھ کو نکالا قید خانہ سے اور تم کو لے آیا گاؤں سے بعد

بَعْدِ اَنْ نَّزَغَ الشَّيْطٰنُ بَيْنِيْ وَبَيْنَ اِخْوَتِيْ ۭ اِنَّ رَبِّيْ لَطِيْفٌ لِّمَا يَشَاۗءُ ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِيْمُ

اُس کے کہ جھگڑا ڈال چکا تھا شیطان مجھ میں اور میرے بھائیوں میں میرا رب تدبیر سے کرتا ہے جو چاہتا ہے بیشک وہی ہے خبردار

الْحَكِيْمُ ﴿۱۰۰﴾ رَبِّ قَدْ اٰتَيْتَنِيْ مِنَ الْمُلْكِ وَعَلَّمْتَنِيْ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ ۚ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَ

حکمت والا ف۱۴۴ اے رب تو نے دی مجھ کو کچھ حکومت اور سکھایا مجھ کو کچھ پھیرنا باتوں کا ف۱۴۵ اے پیدا کرنیوالے آسمان اور

الْاَرْضِ ۣ اَنْتَ وَلِيّٖ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۰۱﴾

زمین کے تو ہی میرا کارساز ہے دنیا میں اور آخرت میں موت دے مجھ کو اسلام پر ف۱۴۶ اور ملا مجھ کو نیک بختوں میں ف۱۴۷

(۱۳۶) یعنی یوسفؑ کی محبت، اُس کے زندہ ہونے اور دوبارہ ملنے کا یقین تیرے دل میں جاگزین ہے۔ وہ ہی پُرانے خیالات ہیں جو یوسفؑ کی خوشبو بن کر دماغ میں آتے ہیں۔

(۱۳۷) **بینائی کی بحالی** یعنی بینائی واپس آگئی، دوبارہ حسب سابق نظر آنے لگا۔

(۱۳۸) یعنی میں نے کہا نہ تھا یوسفؑ کی خوشبو آرہی ہے آخر سچ ہوا یا بیٹوں کو کہا تھا کہ یوسفؑ کو تلاش کرو۔ اللہ کی رحمت سے کیا بعید ہے کہ ہم سب کو پھر اکٹھا کر دے۔ دیکھ لو وہ ہی صورت ہوئی۔

(۱۳۹) **بیٹوں کی ندامت اور معافی** یعنی توجہ اور دعاء کر کے خدا سے ہمارے گناہ معاف کرائیے۔ ہم سے بڑی بھاری خطائیں ہوئی ہیں مطلب یہ تھا کہ پہلے آپ معاف کر دیں، پھر صاف دل ہو کر بارگاہ رب العزت سے معافی دلوائیں۔ کیونکہ جو خود نہ بخشے وہ خدا سے کہاں بخشوائے گا۔

(۱۴۰) **حضرت یُوسفؑ کا استقبال** یعنی قبول کی گھڑی آنے دو، اس وقت اپنے مہربان خدا کے آگے تمہارے لئے ہاتھ اُٹھاؤنگا۔ کہتے ہیں جمعہ کی شب یا تہجد کے وقت کا انتظار تھا۔

(۱۴۱) شہر سے باہر استقبال کو نکلے۔ ماں باپ کو اپنے قریب جگہ دی۔ (اس میں مفسرین کا اختلاف ہے بعض کا قول ہے کہ حضرت یُوسفؑ کی والدہ پیشتر وفات پاچکی تھیں جیسا کہ سابق فوائد میں گذر چکا، یہاں خالہ کا ذکر ہے اور بعض کہتے ہیں کہ والدہ حیات تھیں۔ اور حضرت یعقوبؑ کے ساتھ مصر تشریف لائی تھیں)، سب کو فرمایا شہر میں چلو۔ قحط وغیرہ کا اب کچھ اندیشہ مت کرو۔ انشاء اللہ بالکل دلجمعی اور راحت واطمینان سے رہوگے۔ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ یہ الفاظ شہر میں پہنچ کر کہے۔ گویا "اُدۡخُلُوۡا مِصۡرَ" الخ کے معنی ہوئے مصر میں قیام کر دبے کھٹکے۔

(۱۴۲) **باپ بیٹوں کا سجدہ تعظیمی** یوسفؑ نے اپنی طرف سے والدین کی تعظیم کی، تخت پر بٹھلایا لیکن خدا کو یوسف علیہ السلام کی جو تعظیم کرانی تھی اُسے یوسفؑ کب روک سکتے تھے۔ اُس وقت کے دستور کے موافق ماں باپ اور سب بھائی یوسفؑ کے آگے سجدہ میں گر پڑے۔ یہ سجدہ تعظیمی تھا جو بقول حافظ عماد الدین ابن کثیر آدم کے زمانہ سے مسیح علیہ السلام کے عہد تک جائز رہا۔ البتہ شریعت محمدیہ نے ممنوع وحرام قرار دیا۔ جیسا کہ احادیث کثیرہ اس پر شاہد ہیں۔ بلکہ حضرت شاہ عبدالقادر رحمہ اللہ نے وَاَنَّ الۡمَسٰجِدَ لِلّٰهِ الخ سے حرمت کا اشارہ نکالا ہے بعض مفسرین نے اس جگہ سجدہ کے معنی متبادر مراد نہیں لئے۔ محض جُھک جانے کے معنی لئے ہیں بعض کہتے ہیں کہ یہ سجدہ یوسفؑ کو نہ تھا بلکہ یوسفؑ کی عزت وعظمت دیکھ کر سب نے خدا کے سامنے سجدہ شکر ادا کیا۔ اس تقدیر پر "وَخَرُّوۡا لَهٗ" میں لام سببیّہ ہوگا۔ یعنی یُوسفؑ کے عروج واقتدار کے سبب سے خدا کے آگے سجدہ میں گر پڑے (تنبیہ) تعظیم اور عبادت دو الگ الگ چیزیں ہیں۔ غیر اللہ کی تعظیم کلیۃً ممنوع نہیں، البتہ غیر اللہ کی عبادت شرک جلی ہے۔ جس کی اجازت ایک لمحہ کے لئے کبھی نہیں ہوئی، نہ ہوسکتی ہے، "سجود وعبادت" یعنی غیر اللہ کو کسی درجہ میں نفع وضرر کا مستقل مالک سمجھ کر سجدہ کرنا شرک جلی ہے۔ جس کی اجازت کبھی کسی ملت سماوی میں نہیں ہوئی۔ ہاں "سجود تعظیم" یعنی عقیدہ مذکورہ بالا سے خالی ہو کر محض تعظیم وتکریم کے طور پر مسجود ہونا شرائع سابقہ میں جائز تھا۔ شریعت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیم نے اس کی بھی جڑ کاٹ دی حضرت شاہ ولی اللہ نے "حجۃ اللہ البالغہ" میں اقسام شرک پر جو دقیق بحث کی ہے اُسے دیکھنا چاہیئے۔

(۱۴۳) یعنی میرا اس میں کچھ دخل نہیں۔ خواب کی تعبیر پوری ہونی تھی وہ خدا نے پوری کر دکھائی۔

(۱۴۴) **حضرت یُوسفؑ کا تذکیر نعمت** خدا تعالیٰ کے احسانات ذکر فرمائے اور اُس کی تدبیر لطیف کی طرف توجہ دلائی کہ کس طرح مجھ کو قید سے نکال کر ملک کا حاکم ومختار بنا دیا۔ اور اس جھگڑے کے بعد جو شیطان نے ہم بھائیوں میں ڈال دیا تھا جبکہ کوئی اُمید دوبارہ ملنے کی نہ رہی تھی، کیسے اسباب ہمارے ملاپ کے فراہم کر دیئے۔ اس موقع پر اپنی مصائب وتکالیف کا کچھ ذکر نہ کیا نہ کوئی حرفِ شکایت زبان پر لائے، بلکہ بھائیوں کے واقعہ کی طرف بھی ایسے عنوان سے اشارہ کیا کہ کسی فریق کی زیادتی یا تقصیر ظاہر نہ ہونے پائے۔ مبادا بھائی سُن کر محجوب ہوں۔ اللہ اکبر، یہ اخلاق پیغمبروں کے سوا کس میں ہوتے ہیں۔

(۱۴۵) اسی سورت کے پہلے رکوع میں "تَاۡوِيۡلِ الۡاَحَادِيۡثِ" کی تفسیر گذر چکی۔

(۱۴۶) **حضرت یوسفؑ کی دعاء** یا تو لقاء اللہ کے شوق میں فی الحال موت کی تمنا کی یا یہ مطلب ہے کہ جب کبھی موت آئے اسلام (یعنی کامل تسلیم ورضا) پر آئے (تنبیہ) حدیث میں آیا ہے کہ کوئی شخص کسی مصیبت اور تکلیف سے گھبرا کر موت کی تمنا نہ کرے۔ اس سے مفہوم ہوتا ہے کہ حب لقاء اللہ یا اور کسی غرض صالح کی وجہ سے موت کی تمنا کر سکتا ہے۔ جیسے ساحرین فرعون نے دعاء کی تھی "رَبَّنَاۤ اَفۡرِغۡ عَلَيۡنَا صَبۡرًا وَّتَوَفَّنَا مُسۡلِمِيۡنَ" یا حضرت مریم نے کہا تھا۔ يٰلَيۡتَنِىۡ مِتُّ قَبۡلَ هٰذَا وَكُنۡتُ نَسۡيًا مَّنۡسِيًّا" اور معاذ کی حدیث میں ہے۔ "وَاِذَآ اَرَدْتَّ بِقَوْمٍ فِتْنَةً فَاقْبِضْنِىْ اِلَيْكَ غَيْرَ مَفْتُوْنٍ" اور مسند احمد میں حدیث ہے يَكْرَهُ الْمَوْتَ وَالْمَوْتُ خَيْرٌ لِّلْمُؤْمِنِ مِنَ الْفِتَنِ"

حضرت علی نے ہجوم فتن کے وقت دعاء کی۔ "اَللّٰھُمَّ خُذْنِیْ اِلَیْكَ فَقَدْ سَئِمْتُھُمْ وَسَئِمُوْنِیْ" امام بخاری کو جب امیر خراسان کے ساتھ جھگڑا پیش آیا تو یہ دعا کرنی پڑی "اَللّٰھُمَّ تَوَفَّنِیْ اِلَیْكَ" حدیث میں ہے کہ خروجِ دجال کے وقت ایک شخص کسی قبر پر گذر یگا اور فتن وزلازل کو دیکھ کر کہیگا۔ "یَا لَیْتَنِیْ مَکَانَكَ" کاش کہ میں تیری جگہ ہوتا۔

(۱۴۷) یہ لفظ ایسے ہیں جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مرض الموت میں فرماتے تھے۔ "اَللّٰھُمَّ فِی الرَّفِیْقِ الْاَعْلٰی" حضرت شاہ لکھتے ہیں "علم کامل پایا، دولت کامل پائی، اب شوق ہوا اپنے باپ دادا کے مراتب کا" گویا "اَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ" سے یہ غرض ہوئی کہ میرا مرتبہ اسحاق وابراہیمؑ کے مراتب سے ملادے۔ حضرت یعقوبؑ کی زندگی تک ملکی انتظامات میں رہے۔ اُن کی وفات کے بعد اپنے اختیار سے چھوڑ دیا۔ مفسرین لکھتے ہیں کہ حضرت یعقوبؑ نے وصیت فرمائی تھی کہ میری لاش "شام" لیجاکر دفن کرنا چنانچہ جنازہ وہیں لے گئے۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ ایک زمانہ آئیگا جب "بنی اسرائیل" مصر سے نکلیں گے۔ اُس وقت میری لاش بھی اپنے ہمراہ لیجائیں۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب بنی اسرائیل کو لیکر مصر سے نکلے، حضرت یوسفؑ کا تابوت بھی ساتھ لے گئے واللہ اعلم۔

ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَیْبِ نُوْحِیْهِ اِلَیْكَ ۚ وَمَا كُنْتَ لَدَیْهِمْ اِذْ اَجْمَعُوْۤا اَمْرَهُمْ وَهُمْ
یہ خبریں ہیں غیب کی ہم بھیجتے ہیں تیرے پاس اور تو نہیں تھا اُن کے پاس جب وہ ٹھہرانے لگے اپنا کام اور فریب

یَمْكُرُوْنَ ﴿۱۰۲﴾ وَمَاۤ اَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِیْنَ ﴿۱۰۳﴾ وَمَا تَسْـَٔلُهُمْ عَلَیْهِ مِنْ اَجْرٍ ؕ
کرنے لگے ف۱۴۸ اور اکثر لوگ نہیں ہیں یقین کرنیوالے اگرچہ تو کتنا ہی چاہے ف۱۴۹ اور تو مانگتا نہیں اُن سے اس پر کچھ بدلا

اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۰۴﴾ وَكَاَیِّنْ مِّنْ اٰیَةٍ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یَمُرُّوْنَ عَلَیْهَا وَهُمْ ع ۱۱ ۵
یہ تو اور کچھ نہیں مگر نصیحت سارے عالم کو ف۱۵۰ اور بہتیری نشانیاں ہیں آسمان اور زمین میں جن پر گذر ہوتا رہتا ہے اُن کا اور وہ

عَنْهَا مُعْرِضُوْنَ ﴿۱۰۵﴾ وَمَا یُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُوْنَ ﴿۱۰۶﴾ اَفَاَمِنُوْۤا اَنْ تَاْتِیَهُمْ
اُن پر دھیان نہیں کرتے ف۱۵۱ اور نہیں ایمان لاتے بہت لوگ اللہ پر مگر ساتھ ہی شریک بھی کرتے ہیں ف۱۵۲ کیا نڈر ہوگئے اس سے کہ آڈھانکے اُن کو

غَاشِیَةٌ مِّنْ عَذَابِ اللّٰهِ اَوْ تَاْتِیَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ ﴿۱۰۷﴾ قُلْ هٰذِهٖ سَبِیْلِیْۤ
ایک آفت اللہ کے عذاب کی یا آ پہنچے قیامت اچانک اور اُن کو خبر نہ ہو ف۱۵۳ کہدے یہ میری راہ ہے

اَدْعُوْۤا اِلَى اللّٰهِ ؔ عَلٰى بَصِیْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِیْ ؕ وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ وَمَاۤ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ﴿۱۰۸﴾ وقف النبی صلی اللہ علیہ وسلم ۱۲
بلاتا ہوں اللہ کی طرف سمجھ بوجھ کر میں اور جو میرے ساتھ ہے اور اللہ پاک ہے اور میں نہیں شریک بتانیوالوں میں ف۱۵۴

(۱۴۸) **ان واقعات کا علم آنحضرتؐ کی نبوت کی دلیل ہے** یعنی برادران یوسف جب اُن کو باپ سے جُدا کرنے اور کنوئیں میں ڈالنے کے مشورے اور تدبیریں کر رہے تھے آپ اُن کے پاس نہیں کھڑے تھے کہ اُن کی باتیں سُنتے اور حالات کا معائنہ کرتے۔ پھر ایسے صحیح واقعات بجز وحی الٰہی کے آپ کو کس نے بتائے۔ آپ رسمی طور پر پڑھے لکھے نہیں، کسی ظاہری معلم سے استفادہ کی نوبت نہیں، پھر یہ حقائق جن کی اس قدر تفصیل بائیبل میں بھی نہیں، آپ کو خدا کے سوا کس نے معلوم کرائیں۔

(۱۴۹) یعنی باوجودیکہ آپکی صداقت پر ایسی واضح دلائل موجود ہیں، پھر بھی اکثر لوگ وہ ہیں جو کسی طرح ایمان لانے والے نہیں۔

(۱۵۰) یعنی نہیں مانتے نہ مانیں آپ کا کیا نقصان ہے۔ کچھ تبلیغ کی تنخواہ تو آپ اُن سے مانگتے نہ تھے کہ وہ بند کر لیں گے نصیحت اور فہمائش تھی سو ہو گئی اور ہو رہی ہے۔

(۱۵۱) **اللہ کی نشانیوں سے کفّار کی غفلت** یعنی جس طرح آیات تنزیلیہ سُن کر آپ پر ایمان نہیں لاتے۔ ایسے ہی آیات تکوینیہ دیکھ کر خدا کے توحید کا سبق حاصل نہیں کرتے اصل یہ ہے کہ اُن کا سُننا اور دیکھنا محض سرسری ہے۔ آیات اللہ میں غور و فکر کرتے تو کچھ فائدہ پہنچتا۔ جب دھیان نہیں تو ایمان کہاں سے ہو۔

(۱۵۲) یعنی زبان سے سب کہتے ہیں کہ خالق و مالک اللہ تعالیٰ ہے۔ مگر اس کے باوجود کوئی بتوں کو خدائی کا حصّہ دار بنا رہا ہے۔ چنانچہ مشرکین عرب "تلبیہ" میں یہ لفظ کہتے تھے۔ "لَبَّيْكَ اللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ اِلَّا شَرِيْكًا هُوَ لَكَ تَمْلِكُهٗ وَمَا مَلَكَ" کوئی اس کے لئے بیٹے بیٹیاں تجویز کرتا ہے۔ کوئی اُسے رُوح و مادہ کا محتاج بتاتا ہے۔ کسی نے احبار و رُہبان کو خدائی کے اختیارات دیدیے ہیں۔ بہت سے تعزیہ پرستی، قبر پرستی کے خس و خاشاک سے توحید کے صاف چشمہ کو مکدر کر رہے ہیں۔ ریا اور ہوا پرستی سے تو کتنے موحدین ہیں جو پاک ہوں گے۔ غرض ایمان کا زبانی دعویٰ کر کے بہت کم ہیں جو عقیدہ یا عمل کے درجہ میں شرک جلی یا خفی کا ارتکاب نہیں کرتے (اعاذنا اللہ من سائر انواع الشرک)

(۱۵۳) یعنی ایسے بے فکر و بے خوف کیوں ہو رہے ہیں۔ کیا اُنہوں نے عذاب الٰہی یا قیامت کے ہولناک حوادث سے محفوظ رہنے کا کچھ انتظام کر لیا ہے

(۱۵۴) **توحید خالص کا راستہ میرا راستہ ہے** یعنی میرا راستہ یہی خالص توحید کا راستہ ہے۔ میں تمام دنیا کو دعوت دیتا ہوں سب خیالات و اوہام کو چھوڑ کر ایک خدا کی طرف آئیں، اُس کی توحید، اُس کی صفات و کمالات اور اُس کے احکام وغیرہ کی صحیح معرفت صحیح راستہ سے حاصل کریں۔ میں اور میرے ساتھی اس سیدھے راستہ پر، حجت و بُرہان اور بصیرت و وجدان کی روشنی میں چل رہے ہیں۔ خدا نے مجھ کو ایک نور دیا جس سے سب ہمراہیوں کے دماغ روشن ہو گئے۔ یہاں کسی کی اندھی تقلید نہیں۔ خالص توحید کا راہرو ہر قدم پر اپنے باطن میں معرفت و بصیرت کی خاص روشنی اور عبودیت محضہ کی خاص لذت محسوس کر کے بے ساختہ پکار اُٹھتا ہے۔ "سُبْحٰنَ اللّٰهِ وَمَاۤ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ"

وَمَاۤ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْۤ اِلَيْهِمْ مِّنْ اَهْلِ الْقُرٰى ؕ اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِى

اور جتنے بھیجے ہم نے تجھ سے پہلے وہ سب مرد ہی تھے کہ وحی بھیجتے تھے ہم اُن کو بستیوں کے رہنے والے سو کیا اُن لوگوں نے نہیں سیر کی

الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ اتَّقَوْا ؕ

ملک کی کہ دیکھ لیتے کیسا ہوا انجام اُن لوگوں کا جو اُن سے پہلے تھے اور آخرت کا گھر تو بہتر ہے پرہیز کرنے والوں کو کیا

اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۰۹﴾ حَتّٰۤى اِذَا اسْتَيْــَٔسَ الرُّسُلُ وَظَنُّوْۤا اَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوْا جَآءَهُمْ نَصْرُنَا ۙ

اب بھی نہیں سمجھتے ف۱۵۵ یہاں تک کہ جب نا اُمید ہونے لگے رسول اور خیال کرنے لگے کہ اُن سے جھوٹ کہا گیا تھا پہنچی اُن کو ہماری مدد

فَنُجِّىَ مَنْ نَّشَآءُ ؕ وَلَا يُرَدُّ بَاْسُنَا عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۱۱۰﴾ لَقَدْ كَانَ فِىْ قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ

پھر بچا دیا جن کو ہم نے چاہا اور پھرتا نہیں عذاب ہمارا قوم گنہگار سے ف۱۵۶ البتہ اُن کے احوال سے اپنا حال قیاس کرنا ہے

لِّاُولِى الْاَلْبَابِ ؕ مَا كَانَ حَدِيْثًا يُّفْتَرٰى وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِىْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ

عقل والوں کو ف۱۵۷ کچھ بنائی ہوئی بات نہیں لیکن موافق ہے اُس کلام کے جو اِس سے پہلے ہے اور بیان

كُلِّ شَىْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۱۱۱﴾ ع

ہر چیز کا اور ہدایت اور رحمت اُن لوگوں کو جو ایمان لاتے ہیں ف۱۵۸

(۱۵۵) **تمام انبیاء مرد تھے** یعنی پہلے بھی ہم نے آسمان کے فرشتوں کو نبی بنا کر نہیں بھیجا۔ انبیائے سابقین ان ہی انسانی بستیوں کے رہنے والے مرد تھے۔ پھر دیکھ لو اُن کے جھٹلانے والوں کا دنیا میں کیا حشر ہوا۔ حالانکہ دنیا میں کافروں کو بھی بسا اوقات عیش نصیب ہو جاتا ہے۔ اور آخرت کی بہتری تو خالص اُن ہی کے لئے ہے جو شرک و کفر سے پرہیز کرتے ہیں۔ یہ تنبیہ ہے کفارِ مکہ کو کہ اگلوں کے احوال سے عبرت حاصل کریں۔ (تنبیہ) اس آیت سے نکلتا ہے کہ کوئی عورت نبی نہیں بنائی گئی۔ حضرت مریم کو بھی قرآن نے "صدیقہ" کا مرتبہ دیا ہے۔ نیز آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ اہل بوادی (جنگلی گنواروں) میں سے کوئی نبی مبعوث نہیں ہوا۔

(۱۵۶) **کفّار کو تنبیہ** یعنی تاخیر عذاب سے دھوکہ مت کھاؤ۔ پہلی قوموں کو بھی لمبی مہلتیں دی گئیں۔ اور عذاب آنے میں اتنی دیر ہوئی کہ منکرین بالکل بے فکر ہو کر بیش از بیش شرارتیں کرنے لگے۔ یہ حالات دیکھ کر پیغمبروں کو اُن کے ایمان لانے کی اُمید نہ رہی، اُدھر خدا کی طرف سے اُن کو ڈھیل اس قدر دی گئی کہ مدت دراز تک عذاب کے کچھ آثار نظر نہ آتے تھے۔ غرض دونوں طرف کے حالات و آثار پیغمبروں کے لئے یاس انگیز تھے یہ منظر دیکھ کر کفار نے یقینی طور پر خیال کر لیا کہ انبیاء سے جو وعدے اُن کی نصرت اور ہماری ہلاکت کے کئے گئے تھے سب جھوٹی باتیں ہیں۔ عذاب وغیرہ کا ڈھکوسلہ صرف ڈرانے کے واسطے تھا۔

انبیاء کی نااُمیدی کا مفہوم کچھ بعید نہیں کہ ایسی مایوس کن اور اضطراب انگیز حالت میں انبیاء کے قلوب میں بھی یہ خیالات آنے لگے ہوں کہ وعدہ عذاب کو جس رنگ میں ہم نے سمجھا تھا وہ صحیح نہ تھا۔ یا وساوِس و خطرات کے درجہ میں بے اختیار یہ وہم گذرنے لگے ہوں کہ ہماری نصرت اور منکرین کی ہلاکت کے جو وعدے کئے گئے تھے کیا وہ پورے نہ کئے جائیں گے؟ جیسے دوسری جگہ فرمایا "وَزُلۡزِلُوۡا حَتّٰی یَقُوۡلَ الرَّسُوۡلُ وَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا مَعَہٗ مَتٰی نَصۡرُ اللّٰہِ (بقرہ رکوع ۲۶) جب مجرمین کی بے خوفی اور انبیاء کی تشویش اس حد تک پہنچ گئی اُس وقت ناگہاں آسمانی مدد آئی۔ پھر جس کو خدا نے چاہا (یعنی فرمانبردار مؤمنین کو) محفوظ و مصئون رکھا۔ اور مجرموں کی جڑ کاٹ دی۔ (تنبیہ) اللہ تعالیٰ کی غیر محدود رحمت و مہربانی سے مایوس ہونا کفر ہے۔ لیکن ظاہری حالات و اسباب کے اعتبار سے نااُمیدی کفر نہیں۔ یعنی یوں کہہ سکتے ہیں کہ فلاں چیز کی طرف سے جہاں تک اسباب ظاہری کا تعلق ہے مایوسی ہے لیکن حق تعالیٰ کی رحمت کاملہ سے مایوسی نہیں۔ آیت حَتّٰۤی اِذَا اسۡتَیۡـَٔسَ الرُّسُلُ" میں یہی مایوسی مُراد ہے جو ظاہری حالات و آثار کے اعتبار سے ہو، ورنہ پیغمبر خدا کی رحمت سے کب مایوس ہو سکتے ہیں۔ (تنبیہ) کفر کا وسوسہ کفر نہیں نہ کسی درجہ میں ایمان یا عصمت کے مُنافی ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہم اپنے دلوں میں ایسی چیزیں (بے اختیار) پاتے ہیں جن کے زبان پر لانے سے ہم بہتر سمجھتے ہیں کہ جل کر کوئلہ ہو جائیں۔ آپ نے فرمایا کیا ایسا پاتے ہو؟ عرض کیا "ہاں" فرمایا ذَاكَ صَرِیۡحُ الۡاِیۡمَانِ یہ تو کُھلا ہوا ایمان ہے۔

(۱۵۷) **قرآن کریم کے اوصاف** یعنی یہ کوئی افسانہ یا ناول نہیں، تاریخی حقائق ہیں۔ جن سے عقلمندوں کو سبق لینا چاہئے۔

(۱۵۸) یعنی قرآن کریم جس میں یہ قصص بیان ہوئے کوئی جھوٹی بنائی ہوئی بات نہیں بلکہ تمام پہلی سچائیوں کی تصدیق کرنے والا اور ہر ضروری چیز کو کھول کر بیان کرنے والا ہے۔ چونکہ ایماندار اُس سے نفع اٹھاتے ہیں، اس لحاظ سے اُن کے حق میں خاص طور پر ذریعہ ہدایت و رحمت ہے۔ نفعنا اللہ بعلومہ ورزقنا تلاوتہ، آناء اللیل وآناء النہار واجعلہ حجۃ لنا لا علینا آمین۔ تم سورۃ یوسف علیہ السلام بعون اللہ تعالیٰ۔

سُوْرَةُ الرَّعْدِ

سُوْرَةُ الرَّعْدِ ۱۳ مَدَنِيَّةٌ	بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○	اٰيَاتُهَا ۴۳	رُكُوْعَاتُهَا ۶
سورۂ رعد مکہ میں نازل ہوئی اور جس میں	شروع اللہ کے نام سے جو بیحد مہربان نہایت رحم والا ہے	تینتالیس آیات اور چھ رکوع ہیں	

الٓمّٓرٰ ۚ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ ؕ وَالَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ الْحَقُّ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا

یہ آیتیں ہیں کتاب کی اور جو کچھ اُترا تجھ پر تیرے رب سے سو حق ہے لیکن بہت لوگ

يُؤْمِنُوْنَ ① اَللّٰهُ الَّذِيْ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ وَسَخَّرَ

نہیں مانتے ف۱ اللہ وہ ہے جس نے اونچے بنائے آسمان بغیر ستون دیکھتے ہو ف۲ پھر قائم ہوا عرش پر ف۳ اور کام میں

الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ؕ كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ يُدَبِّرُ الْاَمْرَ يُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ بِلِقَآءِ رَبِّكُمْ

لگا دیا سورج اور چاند کو ہر ایک چلتا ہے وقت مقرر پر[1] ف۴ تدبیر کرتا ہے کام کی ظاہر کرتا ہے نشانیاں کہ[2] شاید تم اپنے رب سے ملنے کا

تُوْقِنُوْنَ ② وَهُوَ الَّذِيْ مَدَّ الْاَرْضَ وَجَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِيَ وَاَنْهٰرًا ؕ وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ جَعَلَ

یقین کرو ف۵ اور وہی ہے جس نے پھیلائی زمین اور رکھے اس میں بوجھ[3] اور ندیاں ف۶ اور ہر میوے کے رکھے

فِيْهَا زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ يُغْشِي الَّيْلَ النَّهَارَ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ③

اُس میں جوڑے دو دو قسم ف۷ ڈھانکتا ہے دن پر رات کو ف۸ اس میں نشانیاں ہیں اُنکو واسطے جو کہ دھیان کرتے ہیں

(۱) **قرآن ایک واضح حقیقت** یعنی جو کچھ اس سورت میں پڑھا جانے والا ہے وہ عظیم الشان کتاب کی آیتیں ہیں۔ یہ کتاب جو آپ پر پروردگار کی طرف سے اُتاری گئی۔ یقیناً حق و صواب ہے لیکن جائے تعجب ہے کہ ایسی صاف اور واضح حقیقت کے ماننے سے بھی بہت لوگ انکار کرتے ہیں۔

(۲) **بے ستون آسمان** یعنی اس دنیا کی ایسی عظیم الشان، بلند اور مضبوط چھت خدا ہی نے بنائی جسے تم دیکھتے ہو۔ اور لطف یہ ہے کہ کوئی ستون یا کھمبا یا گرڈر دکھائی نہیں دیتا جس پر اتنی بڑی ڈاٹ کھڑی کی گئی بجز اس کے کیا کہا جائے کہ محض قدرت کے غیر مرئی ستون کے سہارے اس کا قیام ہے۔ "وَيُمْسِكُ السَّمَآءَ اَنْ تَقَعَ عَلَى الْاَرْضِ اِلَّا بِاِذْنِهٖ" (حج رکوع ۹) کشش اجسام کا نظریہ اگر صحیح ہو تو وہ اس آیت کے منافی نہیں۔ کیونکہ کشش کو عرفاً عمد نہیں کہتے اور اگر عمد کہا جائے تو مرئی نہیں ہے۔ "رُوِيَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَمُجَاهِدٍ وَالْحَسَنِ وَقَتَادَةَ وَغَيْرِ وَاحِدٍ اَنَّهُمْ قَالُوْا لَهَا عَمَدٌ وَلٰكِنْ لَا نَرٰى" (ابن کثیر) یعنی ان بزرگوں نے فرمایا کہ آسمانوں کے ستون ہیں جو ہم کو نظر نہیں آتے واللہ اعلم۔

(۳) "استواء علی العرش" کے متعلق سورۂ "اعراف" آٹھویں پارہ کے آخر میں کلام کیا گیا ہے وہاں ملاحظہ کر لیا جائے۔

(۴) **تسخیر شمس و قمر** یعنی سورج اپنا دورہ ایک سال میں اور چاند ایک ماہ میں پورا کرتا ہے۔ "يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى" کے معنی وقت مقرر تک لئے

[1] تک۔ [2] تاکہ۔ [3] پہاڑ۔

جائیں تو یہ مطلب ہوگا کہ چاند سورج اسی طرح چلتے رہیں گے۔ قیامت تک۔

(۵) **لقائے رب کا یقین** یعنی جس نے ایسی عظیم الشان مخلوقات کو پیدا کیا اُسے تمہارا دوبارہ پیدا کرنا کیا مشکل ہے۔ نیز ایک باخبر، مدبر، بیدار مغز اور طاقتور گورنمنٹ باغیوں اور مجرموں کو ہمیشہ کے لئے یوں ہی آزاد نہیں چھوڑے رکھتی۔ نہ وفادار امن پسند رعایا کی راحت رسانی سے اغماض کر سکتی ہے۔ پھر کیسے ممکن ہے کہ خداوند قدوس جو زمین و آسمان کے تخت کا تنہا مالک اور اپنی تدبیر و حکمت سے تمام مخلوقات علوی و سفلی کا انتظام باحسن اسلوب قائم رکھنے والا ہے۔ مطیع و عاصی کو یوں ہی مہمل چھوڑے رکھے۔ ضرور ہے کہ ایک دن وفاداروں کو وفاداری کا صلہ ملے اور مجرم اپنی سزا کو پہنچیں۔ پھر جب اس زندگی میں مطیع و عاصی کے درمیان ہم ایسی صاف تفریق نہیں دیکھتے تو یقیناً ماننا پڑے گا کہ اس زندگی کے بعد کوئی دوسری زندگی ہے جس میں سب کو آسمانی عدالت کے سامنے حاضر ہو کر عمر بھر کے اعمال کا پھل چکھنا ہوگا۔

(۶) یعنی پہاڑ جو ایک جگہ کھڑے ہیں اور دریا جو ہر وقت چلتے رہتے ہیں۔

(۷) **پھلوں کے جوڑے** یعنی چھوٹا بڑا، کھٹا میٹھا، سیاہ سفید، گرم سرد، اور جدید تحقیق کے موافق ہر ایک میں نر و مادہ بھی پائے جاتے ہیں۔

(۸) اس کے معنی سورۂ اعراف میں آٹھویں پارے کے خاتمہ پر بیان ہو چکے وہاں دیکھ لیا جائے۔

وَفِي الْأَرْضِ قِطَعٌ مُّتَجٰوِرٰتٌ وَّجَنّٰتٌ مِّنْ أَعْنَابٍ وَّزَرْعٌ وَّنَخِيلٌ صِنْوَانٌ وَّغَيْرُ صِنْوَانٍ

اور زمین میں کھیت ہیں مختلف ایک دوسرے سے متصل اور باغ ہیں انگور کے اور کھیتیاں ہیں اور کھجوریں ہیں ایک کی جڑ دوسری سے ملی ہوئی اور بعضی بن ملی اُن کو

يُّسْقٰى بِمَاءٍ وَّاحِدٍ وَنُفَضِّلُ بَعْضَهَا عَلٰى بَعْضٍ فِي الْأُكُلِ ۚ إِنَّ فِي ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ

پانی بھی ایک ہی دیا جاتا ہے اور ہم ہیں کہ بڑھا دیتے ہیں اُن میں ایک کو ایک سے میووں میں ان چیزوں میں نشانیاں ہیں اُن کو

يَّعْقِلُونَ ﴿۴﴾ وَإِنْ تَعْجَبْ فَعَجَبٌ قَوْلُهُمْ أَإِذَا كُنَّا تُرٰبًا أَإِنَّا لَفِي خَلْقٍ جَدِيدٍ ۗ أُولٰئِكَ الَّذِينَ

جو غور کرتے ہیں ف ۹ اور اگر تو عجیب بات چاہے تو عجیب ہے اُن کا کہنا کہ کیا جب ہو گئے ہم مٹی کیا نئے سرے سے بنائے جائینگے ف ۱۰ وہی ہیں جو

كَفَرُوا بِرَبِّهِمْ ۖ وَأُولٰئِكَ الْأَغْلٰلُ فِي أَعْنَاقِهِمْ ۖ وَأُولٰئِكَ أَصْحٰبُ النَّارِ ۖ هُمْ فِيهَا خٰلِدُونَ ﴿۵﴾

منکر ہوگئے اپنے رب سے اور وہی ہیں کہ طوق ہیں اُنکی گردنوں میں اور وہ ہیں دوزخ والے وہ اُسی میں رہیں گے برابر ف ۱۱

وَيَسْتَعْجِلُونَكَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ وَقَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمُ الْمَثُلٰتُ ۗ وَإِنَّ رَبَّكَ لَذُو مَغْفِرَةٍ

اور جلد مانگتے ہیں تجھ سے بُرائی کو پہلے بھلائی سے ف ۱۲ اور گذر چکے ہیں اُن سے پہلے بہت سے عذاب[2] اور تیرا رب معاف بھی کرتا ہے

لِّلنَّاسِ عَلٰى ظُلْمِهِمْ ۖ وَإِنَّ رَبَّكَ لَشَدِيدُ الْعِقَابِ ﴿۶﴾ وَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْلَا أُنْزِلَ عَلَيْهِ

لوگوں کو باوجود اُنکے ظلم کے اور تیرے رب کا عذاب بھی سخت ہے ف ۱۳ اور کہتے ہیں کافر کیوں نہ اُتری اُس پر

اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ۗ إِنَّمَا أَنْتَ مُنْذِرٌ ۖ وَّلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ ﴿۷﴾ ع

کوئی نشانی اسکے رب سے ف ۱۴ تیرا کام تو ڈر سنا دینا ہے اور ہر قوم کیلئے ہوا ہے راہ بتانے والا ف ۱۵

(۹) **زمین کی نعمتوں میں اللہ تعالیٰ کی نشانیاں** بلند آسمانوں کے مقابل پست زمین کا ذکر کیا۔ آسمان کے ساتھ چاند سورج کا بیان ہوا تھا کہ ہر ایک کے

[1] پاس پاس۔ [2] مثالیں۔

رفتار الگ ہے اور ہر ایک کا کام جداگانہ ہے۔ ایک کی گرم و تیز شعاعیں جو کام کرتی ہیں، دوسرے کی ٹھنڈی اور دھیمی چاندنی سے وہ بن نہیں پڑتا۔ اسی طرح یہاں زمین کے مختلف احوال اور اُس سے تعلق رکھنے والی مختلف چیزوں کا ذکر فرمایا۔ کہیں پہاڑ کھڑے ہیں کہیں دریا رواں ہیں، جو میوے اور پھل پیدا ہوتے اُن میں بھی شکل، صورت، رنگ، مزہ، چھوٹے بڑے بلکہ نر و مادہ کا اختلاف ہے۔ کبھی زمین دن کے اُجالے سے روشن ہو جاتی ہے کبھی رات کی سیاہ نقاب منہ پر ڈال لیتی ہے۔ پھر طرفہ تماشا یہ ہے کہ چند قطعات زمین جو ایک دوسرے سے متصل ہیں۔ ایک پانی سے سیراب ہوتے ہیں، ایک سورج کی شعاعیں سب کو پہنچتی ہیں، ایک ہی ہوا سب پر چلتی ہے۔ اس کے باوجود اس قدر مختلف پھول پھل لاتے ہیں اور باہم پیداوار کی کمی زیادتی کا اتنا فرق ہوتا ہے۔ جو دیکھنے والوں کو حیرت زدہ کر دیتا ہے۔ غور و فکر کرنے والے اِن نشانیوں کو دیکھ کر سمجھ لیتے ہیں کہ ایک ہی ابر رحمت کی آبیاری یا ایک ہی آفتاب ہدایت کی موجودگی میں انسانوں کے مادی و روحانی احوال کا اختلاف بھی کچھ مستبعد و مستنکر نہیں ہے اور یہ کہ لامحدود قدرت کا کوئی زبردست ہاتھ آسمان سے زمین تک تمام مخلوق کے نظام ترکیبی کو اپنے قبضہ میں لئے ہوئے ہے۔ جس نے ہر چیز کی استعداد کے موافق اس کے دائرہ عمل و اثر کی بہت مضبوط حد بندی کر رکھی ہے پھر ایسے لامتناہی قدرت و اختیار رکھنے والے خدا کو کیا مشکل ہے کہ ہم کو مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کر دے اور اس عالم کے مخلوط عناصر کی کیمیاوی تحلیل کر کے ہر خیر و شر کو اس کے مستقر میں پہنچا دے۔

(١٠) یعنی اس سے زیادہ عجیب بات کیا ہوگی کہ جس نے اوّل ایک چیز بنائی وہ دوبارہ بنانے پر قادر نہ ہو؟ العیاذ باللہ۔

(١١) **بعث بعد الموت کا انکار اور اس کی سزا** گویا یہ لوگ "بعث بعد الموت" کا انکار کر کے خداوند قدوس کی شہنشاہی سے منکر ہیں۔ تو ایسے باغیوں کا انجام یہی ہوتا ہے کہ گلے میں طوق اور ہاتھ پاؤں میں ہتھکڑیاں اور بیڑیاں پہنا کر ابدی جیلخانہ میں ڈال دیے جائیں جو حقیقت میں ایسے ہی مجرموں کے لئے بنایا گیا ہے۔

(١٢) یعنی حق کو قبول نہیں کرتے جس سے دنیا و آخرت کی بھلائی ملے۔ کفر اختیار کرتے ہیں اور کہتے ہیں عذاب لے آؤ۔

(١٣) **حق تعالیٰ کا حلم و تدبّر** یعنی پہلے بہتیری قوموں پر عذاب آچکے ہیں تم پر لے آنا کیا مشکل تھا، بات صرف اتنی ہے کہ تیرا پروردگار اپنی شان حلم و عفو سے ہر چھوٹے بڑے جرم پر فوراً گرفت نہیں کرتا۔ وہ لوگوں کے ظلم و ستم دیکھتا اور درگذر کرتا رہتا ہے حتّٰی کہ جب مظالم اور شرارتوں کا سلسلہ حد سے گذر جاتا ہے اُس وقت اُس کے تباہ کن عذاب سے بچنے کی کوئی صورت نہیں رہتی۔

(١٤) یعنی جو نشانی ہم مانگتے ہیں وہ کیوں نہیں اُتری، جسے دیکھ کر ہم ایمان لانے پر مجبور ہو جاتے۔

(١٥) **کفار کا مطالبہ اور اُس کا جواب** یعنی آیات کا اُتارنا آپ کے قبضہ میں نہیں، یہ تو خدا کا کام ہے جو آیت پیغمبر کی تصدیق کے لئے مناسب ہو دکھلائے آپ کا فرض اسی قدر ہے کہ خیر خواہی کی بات سنا دیں اور برائی کے مہلک انجام سے لوگوں کو آگاہ کر دیں۔ پہلے بھی ہر قوم کی طرف ہادی (راہ بتانے والے اور نذیر ڈرانے والے) آتے رہے ہیں۔ اُن میں سے کسی کا یہ دعویٰ نہیں ہوا کہ جو نشان معاندین طلب کریں گے ضرور دکھلا کر رہیں گے۔ ہاں خدا کی راہ دکھانا اُن کا کام تھا وہ ہی آپ کا ہے۔ البتہ وہ خاص خاص قوم کے لئے ہادی تھے آپ دنیا کی ہر قوم کے لئے ہیں۔

اَللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ كُلُّ اُنْثٰى وَمَا تَغِيْضُ الْاَرْحَامُ وَمَا تَزْدَادُ ۭ وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهٗ بِمِقْدَارٍ ⑧

اللہ جانتا ہے جو پیٹ میں رکھتی ہے ہر مادہ ف١٦ اور جو سکڑتے ہیں پیٹ اور بڑھتے ہیں اور ہر چیز کا اُس کے یہاں اندازہ ہے ف١٧

عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْكَبِيْرُ الْمُتَعَالِ ⑨ سَوَاۗءٌ مِّنْكُمْ مَّنْ اَسَرَّ الْقَوْلَ وَمَنْ جَهَرَ بِهٖ وَمَنْ

جاننے والا پوشیدہ اور ظاہر کا سب سے بڑا برتر ف١٨ برابر ہے تم میں جو آہستہ بات کہے اور جو کہے پکار کر اور جو

هُوَ مُسْتَخْفٍۢ بِالَّيْلِ وَسَارِبٌۢ بِالنَّهَارِ ⑩ لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ يَحْفَظُوْنَهٗ

چھپ رہا ہے رات میں اور جو گلیوں میں پھرتا ہو دن کو ف١٩ اس کے پہرے والے ہیں بندہ کے آگے سے اور پیچھے سے اس کی نگہبانی کرتے ہیں

مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ؕ وَاِذَاۤ اَرَادَ اللّٰهُ بِقَوْمٍ سُوْٓءًا

اللہ کے حکم سے ف۲۰ اللہ نہیں بدلتا کسی قوم کی حالت کو جب تک وہ نہ بدلیں جو اُن کے جیوں میں ہے اور جب چاہتا ہے اللہ کسی قوم پر آفت

فَلَا مَرَدَّ لَهٗ ۚ وَمَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّالٍ ﴿۱۱﴾ هُوَ الَّذِيْ يُرِيْكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّ

پھر وہ نہیں پھرتی اور کوئی نہیں اُنکا اُس کے سوا مدد گار ف۲۱ وہی ہے کہ تم کو دکھلاتا ہے بجلی ڈر کو اور اُمید کو اور

يُنْشِئُ السَّحَابَ الثِّقَالَ ﴿۱۲﴾ وَيُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهٖ وَالْمَلٰٓئِكَةُ مِنْ خِيْفَتِهٖ ۚ وَيُرْسِلُ الصَّوَاعِقَ

اُٹھاتا ہے بادل بھاری ف۲۲ اور پڑھتا ہے گرجنے والا خوبیاں اُسکی اور سب فرشتے اُس کے ڈر سے ف۲۳ اور بھیجتا ہے کڑک بجلیاں

فَيُصِيْبُ بِهَا مَنْ يَّشَآءُ وَهُمْ يُجَادِلُوْنَ فِي اللّٰهِ ۚ وَهُوَ شَدِيْدُ الْمِحَالِ ﴿۱۳﴾ لَهٗ دَعْوَةُ الْحَقِّ ؕ وَالَّذِيْنَ

پھر ڈالتا ہے جس پر چاہے اور یہ لوگ جھگڑتے ہیں اللہ کی بات میں اور اُس کی آن سخت ہے ف۲۴ اُسی کا پکارنا سچ ہے اور جن لوگوں کو

يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَسْتَجِيْبُوْنَ لَهُمْ بِشَيْءٍ اِلَّا كَبَاسِطِ كَفَّيْهِ اِلَى الْمَآءِ لِيَبْلُغَ فَاهُ وَمَا هُوَ

کر پکارتے ہیں اُس کے سوا وہ نہیں کام آتے اُن کے کچھ بھی مگر جیسے کسی نے پھیلائے دونوں ہاتھ پانی کی طرف کہ آ پہنچے اسکے منہ تک اور وہ کبھی نہ

بِبَالِغِهٖ ؕ وَمَا دُعَآءُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ ﴿۱۴﴾ وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا

پہنچیگا اُس تک اور جتنی پکار ہے کافروں کی سب گمراہی ہے ف۲۵ اور اللہ کو سجدہ کرتا ہے جو کوئی ہے آسمان اور زمین میں خوشی سے اور زور سے

وَّظِلٰلُهُمْ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ ﴿۱۵﴾ السجدۃ

اور اُنکی پرچھائیاں صبح اور شام ف۲۶

السجدۃ

(۱۶) کہ مذکر ہے یا مونث، پورا ہے یا ادھورا، اچھا ہے یا برا، وغیر ذلک من الاحوال۔

(۱۷) **حمل کے مراحل اور اللہ کا علم** یعنی حاملہ کے پیٹ میں ایک بچہ ہے یا زیادہ، پورا بن چکا ہے یا ناتمام ہے، تھوڑی مدت میں پیدا ہوگا یا زیادہ میں۔ غرض پیٹ کے گھٹنے بڑھنے کے تمام اسرار و اسباب اور اوقات و احوال کو پوری طرح جانتا ہے۔ اور اپنے علم محیط کے موافق ہر چیز کو ہر حالت میں اُس کے اندازہ اور استعداد کے موافق رکھتا ہے۔ اسی طرح اُس نے جو آیات انبیاء علیہم السلام کی تصدیق کے لئے اُتاری ہیں اُن میں خاص اندازہ اور مصالح و حکم ملحوظ رہی ہیں۔ جس وقت جس قدر بنی آدم کی استعداد و صلاحیت کے مطابق نشانات کا ظاہر کرنا مصلحت تھا اُس میں کمی نہیں ہوئی۔ باقی قبول کرنے اور منتفع ہونے کے لحاظ سے لوگوں کا اختلاف ایسا ہی ہے جیسے حوامل کے پیٹ سے پیدا ہونیوالوں کے احوال تفاوت استعداد و تربیت کی بناء پر مختلف ہوتے ہیں۔

(۱۸) یہ علم الٰہی کی لامحدود وسعت و احاطہ کا بیان ہوا یعنی دنیا کی کوئی کھلی چھپی چیز اُس سے پوشیدہ نہیں اور تمام عالم اُس کے زیر تصرف ہے۔

(۱۹) **اللہ کا علم محیط** علم الٰہی کا عموم بیان کر کے بلحاظ مناسبت مقام خاص احوال مکلفین کی نسبت بتلاتے ہیں کہ تمہارے ہر قول و فعل کو ہمارا علم محیط ہے۔ جو بات تم دل میں چھپاؤ یا آہستہ کہو اور جو علانیہ پکار کر کہو، نیز جو کام رات کی اندھیری میں پوشیدہ ہو کر کرو۔ اور جو دن دہاڑے برسر بازار کرو، دونوں کی حیثیت علم الٰہی کے اعتبار سے یکساں ہے۔ بعض مفسرین نے آیت کو تین قسم کے آدمیوں پر مشتمل بتلایا ہے "مَنْ اَسَرَّ الْقَوْلَ" (جو بات کو چھپائے) "مَنْ جَهَرَ بِهٖ" (جو ظاہر کرے) "مَنْ هُوَ مُسْتَخْفٍ بِالَّيْلِ وَسَارِبٌۢ بِالنَّهَارِ" (جو اپنا کام رات کو چھپائے مثلاً شب کو چوری

؎ ٹلوانے کو۔ ؎ پکڑ۔

کرنا اور دن کو ظاہر کرے مثلاً دن میں نمازیں پڑھنا) اللہ تعالیٰ کو سب یکساں طور پر معلوم ہیں۔

(۲۰) **اللہ کے پہرے دار** یعنی ہر بندہ کے ساتھ خدا کے فرشتے مامور ہیں۔ جن میں بعض اُس کے سب اگلے پچھلے اعمال لکھتے ہیں اور بعضے خدا کے حکم کے موافق اُن بلاؤں کو دفع کرنے کا ذریعہ بنتے ہیں، جن سے حق تعالیٰ بندہ کو بچانا چاہتا ہے۔ جس طرح اس عالم میں خدا کی عام عادت ہے کہ جو چیز پیدا کرنا چاہے اُس کے ظاہری اسباب مہیا کر دیتا ہے، ایسے ہی اُس نے کچھ باطنی اسباب و ذرائع پیدا کئے ہیں جن کو ہماری آنکھیں نہیں دیکھتیں۔ لیکن مشیت الٰہی کی تنفیذ اُن کے واسطہ سے ہوتی ہے۔

(۲۱) **قوموں کے عروج و زوال کا قانون** یعنی اللہ تعالیٰ اپنی نگہبانی اور مہربانی سے، جو ہمیشہ اُس کی طرف سے ہوتی رہتی ہے، کسی قوم کو محروم نہیں کرتا۔ جب تک وہ اپنی روش اللہ کے ساتھ نہ بدلے۔ جب بدلتی ہے تو آفت آتی ہے۔ پھر کسی کے ٹلائے نہیں ٹلتی۔ نہ کسی کی مدد اُس وقت کام دیتی ہے۔ (تنبیہ) یہاں قوموں کے عروج و زوال کا قانون بتایا ہے، اشخاص و افراد کا نہیں۔ قوم کی اچھی بُری حالت متعین کرنے میں اکثریت اور غلبہ کا لحاظ ہوتا ہے۔

(۲۲)۔ **بجلی و بارش میں نشانیاں** پہلے بندوں کی حفاظت کا ذکر تھا، پھر بداعمالیوں سے جو آفت و مصیبت آتی ہے اُس کا ذکر ہوا معلوم ہوا کہ خدا کی ذات شانِ انعام و انتقام دونوں کی جامع ہے اسی مناسبت سے یہاں بعض ایسے نشانہائے قدرت کی طرف توجہ دلائی جن میں بیک وقت اُمید و خوف کی دو متضاد کیفیتیں پیدا کرنے کی صلاحیت ہے۔ یعنی جب بجلی چمکتی ہے تو اُمید بندھتی ہے کہ بارش آئیگی۔ اور ڈر بھی لگتا ہے کہ کہیں گر کر ہلاکت کا سبب نہ بن جائے۔ بھاری بادل پانی کے بھرے ہوئے آتے ہیں تو خوشی ہوتی ہے کہ بارانِ رحمت کا نزول ہوگا، ساتھ ہی فکر رہتی ہے کہ پانی کا طوفان نہ آجائے، ٹھیک اسی طرح انسان کو چاہیئے کہ رحمتِ الٰہی کا اُمیدوار رہے مگر مکر اللہ سے مامون اور بے فکر نہ ہو۔

(۲۳) **تسبیح رعد کی توجیہہ** یعنی گرجنے والا بادل یا فرشتہ زبانِ "حال" یا "قال" سے حق تعالیٰ کی تسبیح و تحمید کرتا ہے وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ (بنی اسرائیل۔ رکوع ۵) اور تمام فرشتے ہیبت و خوف کے ساتھ اُس کی حمد و ثنا اور تسبیح و تمجید میں مشغول رہتے ہیں (تنبیہ) "رعد" و "برق" وغیرہ کے متعلق آج کل کی تحقیق یہ ہے کہ بادلوں میں "قوت کہربائیہ موجبہ" پائی جاتی ہے اور زمین میں "کہربائیہ سالبہ"۔ جو بادل زمین سے زیادہ نزدیک ہو اُس میں گاہ بگاہ زمین کی "سالب کہربائیہ" سرایت کر جاتی ہے۔ پھر اس بادل کے اُوپر بسا اوقات وہ بادل گذرتے ہیں جن میں "کہربائیہ موجبہ" موجود ہے۔ اور یہ قاعدہ تجربہ سے معلوم ہو چکا ہے کہ مختلف قسم کے "کہربائیہ" رکھنے والے دو جسم جب محاذی ہوں تو ہر ایک اپنے اندر دوسرے کی "کہربائیہ" کو جذب کرتا ہے تاکہ دونوں کی کہربائیہ متحد ہو جائے۔ اسی قاعدہ سے اُوپر نیچے والے بادل جب ایک دوسرے کی قوت کہربائیہ کو اپنی طرف کھینچتے ہیں تو دونوں کے ملجانے سے شدید حرارت پیدا ہو جاتی ہے اور اُس حرارت شدیدہ سے دونوں بادلوں کے حجم کو مناسب ایک آتشیں شعلہ اُٹھتا ہے جو "صاعقہ" کہلاتا ہے اسی صاعقہ کی چمک اور روشنی "برق" کہلاتی ہے اور ہوا میں اُس کے سرایت کرنے سے جو آواز نکلتی ہے وہ "رعد" ہے "کہرباء" کا یہی آتشیں شرارہ کبھی بادلوں اور ہواؤں کو پھاڑ کر نیچے گرتا ہے۔ جس کے نہایت عجیب و غریب افعال و آثار مشاہدہ کئے گئے ہیں، علاوہ اس کے کہ وہ مکانوں کو گرانا، پہاڑوں کو شق کرتا اور جانداروں کی ہلاکت کا سبب بنتا ہے۔ بعض اوقات دیکھا گیا ہے کہ اُس نے نہایت احتیاط سے ایک آدمی کے بدن سے کپڑے اُتار کر کسی درخت کی شاخ پر رکھ دیے ہیں مگر پہننے والے کے جسم کو کچھ صدمہ نہیں پہنچا۔ (دائرۃ المعارف فرید وجدی) جسے دیکھ کر خیال گذرتا ہے کہ بجلی کے اس آتشیں شعلہ میں کوئی ذی شعور اور ذی اختیار قوت غیر مرئی طریقہ سے کام کر رہی ہے ہم کو ضرورت نہیں کہ اُوپر بیان کئے ہوئے "نظریہ" کا انکار کریں۔ لیکن یہ بیان کرنیوالے خود اقرار کرتے ہیں کہ "روح" کی طرح "قوت کہربائیہ" کی اصل حقیقت پر بھی اس وقت تک پردہ پڑا ہوا ہے۔ انبیاء علیہم السلام اور دوسرے اربابِ کشف و شہود کا بیان یہ ہے کہ تمام نظامِ عالم میں ظاہری اسباب کے علاوہ باطنی عظیم الشان سلسلہ کارفرما ہے۔ جو کچھ ہم یہاں دیکھتے ہیں وہ صرف صورت ہے۔ لیکن اس صورت میں جو غیر مرئی حقیقت پوشیدہ ہے اُس کے ادراک

تک عام لوگوں کی رسائی نہیں۔ صرف باطنی آنکھ رکھنے والے اُسے دیکھتے ہیں۔ آخر تم جو نظریات بیان کرتے ہو (مثلاً یہ ہی قوت کہربائیہ کا موجب سالبہ ہونا وغیرہ) اُس کا علم بھی چند حکمائے طبیعیین کے سواء بلا واسطہ کس کو ہوتا ہے۔ کم از کم اتنا ہی وثوق انبیاء کے مشاہدات و تجربات پر کر لیا جائے تو بہت سے اختلافات مٹ سکتے ہیں۔ احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ دوسرے نوامیس طبیعیہ کی طرح بادلوں اور بارشوں کے انتظامات پر بھی فرشتوں کی جماعتیں تعینات ہیں جو بادلوں کو مناسب مواقع پر پہنچاتے اور اُن سے حسب ضرورت و مصلحت کام لینے کی تدبیر کرتی ہیں۔ اگر تمہارے بیان کے موافق بادل اور زمین وغیرہ کی "کہربائیہ" کا مدبر کوئی غیر مرئی فرشتہ ہو تو انکار کی کونسی وجہ ہے؟ جس کو تم "شرارہ کہربائیہ" کہتے ہو چونکہ وہ فرشتہ کے خاص تصرف سے پیدا ہوتا ہے لہٰذا اُسے "وحی" کی زبان میں "مخاریق من نار" (فرشتہ کا آتشیں کوڑا) کہہ دیا گیا تو کیا قیامت ہو گئی۔ اُس کی شدت اور سخت اشتعال سے جو گرج اور کڑک پیدا ہوئی اگر حقیقت کو لحاظ کرتے ہوئے اُسے فرشتہ کی ڈانٹ سے تعبیر فرمایا تو یہ نہایت ہی موزوں تعبیر ہے۔ بہرحال "سائنس" نے جس چیز کی محض صورت کو سمجھا "وحی" نے اُس کی روح اور حقیقت پر مطلع کر دیا۔ کیا ضرورت ہے کہ خواہ مخواہ دونوں کو ایک دوسرے کا حریف مقابل قرار دے لیا جائے۔ علامہ محمود آلوسیؒ نے "بقرہ" کے شروع میں اس پر معقول بحث کی ہے۔ فلیراجع۔

(۲۴) **بجلی کی کڑک میں نشانیاں** ان جھگڑنے والوں پر عذاب کی بجلی نہ گرا دے۔ حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے عرب کے ایک متکبر رئیس کے پاس آدمی بھیجا کہ اُسے میرے پاس بلا لاؤ۔ قاصد نے اُس کو کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تجھے بلاتے ہیں کہنے لگا رسول اللہ کون ہے؟ اور اللہ کیا چیز ہے؟ سونے کا ہے یا چاندی کا یا تانبے کا؟ (العیاذ باللہ) تین مرتبہ یہی گفتگو کی۔ تیسری مرتبہ جب وہ یہ گستاخانہ کلمات بک رہا تھا، ایک بادل اُٹھا فوراً بجلی گری اور اُس کی کھوپڑی سر سے جدا کر دی۔ بعض روایات میں ہے کہ عامر بن طفیل اور اربد بن ربیعہ نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا کہ ہم اسلام لاتے ہیں بشرطیکہ آپ کے بعد خلافت ہم کو ملے آپ نے انکار فرما دیا۔ دونوں یہ کہہ کر اُٹھے کہ ہم "مدینہ" کی وادی کو آپ کے مقابلہ میں پیدل اور سواروں سے بھر دیں گے۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ اُس کو روک دے گا اور "انصار مدینہ" روکیں گے۔ وہ دونوں چلے، راستہ میں "اربد" پر بجلی گری اور عامر طاعون کی گلٹی سے ہلاک ہوا۔ (فائدہ) رعد کی آواز سُن کر کہنا چاہئے، "سُبْحَانَ مَنْ يُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهٖ وَالْمَلٰٓئِكَةُ مِنْ خِيْفَتِهٖ اَللّٰهُمَّ لَا تَقْتُلْنَا بِغَضَبِكَ وَلَا تُهْلِكْنَا بِعَذَابِكَ وَعَافِنَا قَبْلَ ذٰلِكَ"۔

(۲۵) **معبودانِ باطل سے دُعاء کی مثال** یعنی پکارنا اُسی کو چاہئے جو ہر قسم کے نفع و ضرر کا مالک ہے۔ عاجز کو پکارنے سے کیا حاصل؟ اللہ کے سوا کون ہے جس کے قبضہ میں اپنا یا دوسروں کا نفع و ضرر ہے؟ غیر اللہ کو اپنی مدد کے لئے بُلانا ایسا ہے جیسے کوئی پیاسا کنوئیں کی من پر کھڑا ہو کر پانی کی طرف ہاتھ پھیلائے اور خوشامد کرے کہ میرے منہ میں پہنچ جا۔ ظاہر ہے قیامت تک پانی اُس کی فریاد کو پہنچنے والا نہیں۔ بلکہ اگر پانی اس کی مٹھی میں ہو۔ تب بھی خود چل کر منہ تک نہیں جا سکتا۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ "کافر جن کو پکارتے ہیں بعضے محض خیالات و اوہام ہیں، بعضے جن اور شیاطین ہیں، اور بعضی چیزیں ہیں کہ ان میں کچھ خواص ہیں۔ لیکن اپنے خواص کی مالک نہیں۔ پھر اُن کے پکارنے سے کیا حاصل"؟ جیسے آگ یا پانی اور شاید ستارے بھی اسی قسم میں ہوں"۔

(۲۶) **مخلوقات کا اللہ کو سجدہ** حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "جو اللہ پر یقین لایا خوشی سے سر رکھتا ہے اُس کے حکم پر اور جو نہ یقین لایا آخر اُس پر بھی بے اختیار اُسی کا حکم جاری ہے اور پرچھائیاں صبح اور شام زمین پر لیٹ جاتی ہیں یہی ہے اُن کا سجدہ"۔ مطلب یہ ہے کہ جواہر ہوں یا اعراض کوئی چیز اللہ کے حکم تکوینی سے باہر نہیں ہو سکتی۔ اُس کے نفوذ و اقتدار کے سامنے سب منقاد اور سربسجود ہیں۔ سایہ کا گھٹنا بڑھنا، داہنے بائیں مائل ہونا سب اُسی کے ارادہ اور مشیت سے ہے۔ صبح شام کا ذکر شاید اس لئے کیا کہ ان وقتوں میں زمین پر سایہ کا پھیلاؤ زیادہ نمایاں ہوتا ہے۔

قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ قُلِ اللّٰهُ ۭ قُلْ اَفَاتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَاۗءَ لَا يَمْلِكُوْنَ

پوچھ کون ہے رب آسمان اور زمین کا کہہ دے اللہ ہے کہہ پھر کیا تم نے پکڑے ہیں اُس کے سوا ایسے حمایتی جو مالک نہیں

لَا يَمْلِكُونَ لِأَنْفُسِهِمْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا ۚ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْأَعْمٰى وَالْبَصِيرُ ۙ أَمْ هَلْ تَسْتَوِي الظُّلُمٰتُ وَالنُّورُ ۚ

اپنے بھلے اور بُرے کے ف۲۷ کہہ کیا برابر ہوتا ہے اندھا اور دیکھنے والا یا کہیں برابر ہے اندھیرا اور اُجالا ف۲۸

أَمْ جَعَلُوا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ خَلَقُوا كَخَلْقِهٖ فَتَشَابَهَ الْخَلْقُ عَلَيْهِمْ ۚ قُلِ اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ

کیا ٹھہرائے ہیں انہوں نے اللہ کیلئے شریک کہ انہوں نے کچھ پیدا کیا ہے جیسے پیدا کیا اللہ نے پھر مشتبہ ہوگئی پیدائش اُن کی نظر میں کہہ اللہ ہے پیدا کرنیوالا ہر چیز کا اور وہی ہے

الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴿۱۶﴾ أَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَالَتْ أَوْدِيَةٌۢ بِقَدَرِهَا فَاحْتَمَلَ السَّيْلُ زَبَدًا رَّابِيًا ۚ

اکیلا زبردست ف۲۹ اُتارا اُس نے آسمان سے پانی پھر بہنے لگے نالے اپنی اپنی موافق پھر اُوپر لے آیا وہ نالا جھاگ پھولا ہوا

وَمِمَّا يُوقِدُونَ عَلَيْهِ فِي النَّارِ ابْتِغَآءَ حِلْيَةٍ أَوْ مَتَاعٍ زَبَدٌ مِّثْلُهٗ ۚ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْحَقَّ

اور جس چیز کو دھونکتے ہیں آگ میں واسطے زیور کے یا اسباب کے اُس میں بھی جھاگ ہے ویسا ہی یوں بیان کرتا ہے اللہ حق

وَالْبَاطِلَ ۚ فَأَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَآءً ۚ وَأَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْأَرْضِ ۚ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ

اور باطل کو سو وہ جھاگ تو جاتا رہتا ہے سوکھ کر اور وہ جو کام آتا ہے لوگوں کے سو باقی رہتا ہے زمین میں اس طرح بیان کرتا ہے

اللّٰهُ الْأَمْثَالَ ﴿۱۷﴾ لِلَّذِينَ اسْتَجَابُوا لِرَبِّهِمُ الْحُسْنٰى ۚ وَالَّذِينَ لَمْ يَسْتَجِيبُوا لَهٗ لَوْ أَنَّ لَهُمْ مَّا

اللہ مثالیں ف۳۰ جنہوں نے مانا اپنے رب کا حکم اُن کے واسطے بھلائی ہے ف۳۱ اور جنہوں نے اُس کا حکم نہ مانا اگر اُنکے پاس ہو جو کچھ

فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لَافْتَدَوْا بِهٖ ۚ أُولٰٓئِكَ لَهُمْ سُوٓءُ الْحِسَابِ ۙ وَمَأْوٰىهُمْ

کہ زمین میں ہے سارا اور اتنا ہی اس کے ساتھ اور تو سب دے ڈالیں اپنے بدلہ میں ف۳۲ ان لوگوں کے لئے ہے بُرا حساب ف۳۳ اور ٹھکانا اُن کا

جَهَنَّمُ ۖ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۱۸﴾

دوزخ ہے اور وہ بُری آرام کی جگہ ہے

(۲۷) یعنی جب ربوبیت کا اقرار صرف خدا کے لئے کرتے ہو، پھر مدد کے لئے دوسرے حمایتی کہاں سے تجویز کر لئے۔ حالانکہ وہ ذرہ برابر نفع نقصان کا مستقل اختیار نہیں رکھتے۔

(۲۸) یعنی موحد و مشرک میں ایسا فرق ہے جیسے بینا اور نابینا میں اور توحید و شرک کا مقابلہ ایسا سمجھو جیسے نور کا ظلمت سے۔ تو کیا ایک اندھا مشرک جو شرک کی اندھیریوں میں پڑا ٹامک ٹوئیاں مار رہا ہو اُس مقام پر پہنچ سکتا ہے جہاں ایک موحد کو پہنچنا ہے جو فہم و بصیرت اور ایمان و عرفان کی روشنی میں فطرت انسانی کے صاف راستہ پر چل رہا ہے؟ ہرگز دونوں ایک نتیجہ پر نہیں پہنچ سکتے۔

(۲۹) یعنی جیسی مخلوقات خدا تعالیٰ نے پیدا کی، کیا تمہارے دیوتاؤں نے ایسی کوئی چیز پیدا کی ہے جسے دیکھ کر اُن پر خدائی کا شبہ ہونے لگا۔ وہ تو ایک مکھی کا پر اور ایک مچھر کی ٹانگ بھی نہیں بنا سکتے۔ بلکہ تمام چیزوں کی طرح خود بھی اُسی اکیلے زبردست خدا کی مخلوق ہیں۔ پھر ایسی عاجز و مجبور چیزوں کو خدائی کے تخت پر بٹھا دینا کس قدر گستاخی اور شوخ چشمی ہے۔

(۳۰) **حق اور باطل کی مثال** آسمان کی طرف سے بارش اُتری جس سے ندی نالے بہہ پڑے۔ ہر نالے میں اُس کے ظرف اور گنجائش کے موافق جتنا خدا نے چاہا پانی جاری کر دیا چھوٹے میں کم بڑے میں زیادہ۔ پانی جب زمین پر رواں ہوا تو مٹی اور کوڑا کرکٹ ملنے سے گدلا ہو گیا۔ پھر میل کچیل

۱ ٹھہرا آتا ہے۔ ۲ چھڑوائی۔ ۳ دے ڈالیں ۴ بُرا بچھونا ہے۔

اور جھاگ پھولکر اُوپر آیا۔ جیسے تیز آگ میں، چاندی، تانبا، لوہا اور دوسری معدنیات پگھلاتے ہیں تا زیور، برتن اور ہتھیار وغیرہ تیار کریں اُس میں بھی اسی طرح جھاگ اُٹھتا ہے مگر تھوڑی دیر بعد خشک یا منتشر ہو کر جھاگ جاتا رہتا ہے اور جو اصلی کارآمد چیز تھی (یعنی پانی یا پگھلی ہوئی معدنیات) وہ ہی زمین میں یا زمین والوں کے ہاتھ میں باقی رہ جاتی ہے۔ جس سے مختلف طور پر لوگ منتفع ہوتے ہیں۔ یہ ہی مثال حق و باطل کی سمجھ لو۔ جب وحی آسمانی دین حق کو لے کر اُترتی ہے تو قلوب بنی آدم اپنے اپنے ظرف اور استعداد کے موافق فیض حاصل کرتے ہیں، پھر حق اور باطل باہم بھڑ جاتے ہیں تو میل اُبھر آتا ہے۔ بظاہر باطل جھاگ کی طرح حق کو دبا لیتا ہے۔ لیکن اُس کا یہ اُبال عارضی اور بے بنیاد ہے تھوڑی دیر بعد اُس کے جوش و خروش کا پتہ نہیں رہتا۔ خدا جانے کدھر گیا۔ جو اصلی اور کارآمد چیز جھاگ کے نیچے دبی ہوئی تھی (یعنی حق و صداقت) بس وہ ہی رہ گئی۔ دیکھو! خدا کی بیان کردہ مثالیں کیسی عجیب ہوتی ہیں کیسے موثر طرز میں سمجھایا کہ دنیا میں جب حق و باطل بھڑتے ہیں یعنی دونوں کا جنگی مقابلہ ہوتا ہے تو گو برائے چندے باطل اونچا اور پھولا ہوا نظر آئے، لیکن آخرکار باطل کو منتشر کر کے حق ہی ظاہر و غالب ہو کر رہیگا۔ کسی مومن کو باطل کی عارضی نمائش سے دھوکا نہ کھانا چاہئے اسی طرح کسی انسان کے دل میں جب حق اتر جائے کچھ دیر کے لئے اوہام و وساوس زور شور دکھلائیں تو گھبرانے کی بات نہیں، تھوڑی دیر میں یہ اوہام بیٹھ جائے گا اور خالص حق ثابت و مستقر رہیگا۔ گذشتہ آیات میں چونکہ توحید و شرک کا مقابلہ کیا گیا تھا، اس مثال میں حق و باطل کے مقابلہ کی کیفیت بتلا دی، آگے دونوں کا انجام بالکل کھول کر بیان کرتے ہیں۔

(۳۱) یعنی ایمان و عمل صالح اختیار کیا اُن کے لئے دنیا و آخرت کی بھلائی ہے، حقیقی خوشی اور قلبی طمانیت و سکون اُن کے سوا کسی کو حاصل نہیں ہوتا۔

(۳۲) **آخرت کی پریشانی** یعنی یہاں تو خیر جس طرح گذرے، لیکن آخرت میں اُن کی حالت ایسی پریشانی اور گھبراہٹ کی ہوگی کہ اگر تمام دنیا کے خزانے اُن کے ہاتھ میں ہوں بلکہ اسی قدر اور بھی تو تمنا کریں گے کہ ہم یہ سب فدیہ میں دیکر اس پریشانی سے چھوٹ جائیں۔ وَاَنّٰى لَهُمْ ذٰلِكَ۔

(۳۳) یعنی حساب میں کسی قسم کی رعایت اور درگذر نہ ہوگی ایک ایک بات پر پوری طرح پکڑے جائیں گے۔

اَفَمَنْ يَّعْلَمُ اَنَّمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ الْحَقُّ كَمَنْ هُوَ اَعْمٰى ؕ اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا

بھلا جو شخص جانتا ہے کہ جو کچھ اُترا تجھ پر تیرے رب سے حق ہے برابر ہو سکتا ہے اُسکے جو کہ اندھا ہے سمجھتے وہی ہیں جن کو

الْاَلْبَابِ ۙ ﴿۱۹﴾ الَّذِيْنَ يُوْفُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَلَا يَنْقُضُوْنَ الْمِيْثَاقَ ۙ ﴿۲۰﴾ وَالَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ

عقل ہے ف۳۴ وہ لوگ جو پورا کرتے ہیں اللہ کے عہد کو اور نہیں توڑتے اُس عہد کو ف۳۵ اور وہ لوگ جو ملاتے ہیں

مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ وَيَخَافُوْنَ سُوْٓءَ الْحِسَابِ ؕ ﴿۲۱﴾ وَالَّذِيْنَ صَبَرُوا ابْتِغَآءَ

جس کو اللہ نے فرمایا ملانا ف۳۶ اور ڈرتے ہیں اپنے رب سے اور اندیشہ رکھتے ہیں بُرے حساب کا ف۳۷ اور وہ لوگ جنہوں نے صبر کیا خوشی کو

وَجْهِ رَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً وَّيَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ

اپنے رب کی ف۳۸ اور قائم رکھی نماز اور خرچ کیا ہمارے دیئے میں سے پوشیدہ[1] اور ظاہر[2] ف۳۹ اور کرتے ہیں بُرائی کے مقابلہ میں

السَّيِّئَةَ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عُقْبَى الدَّارِ ۙ ﴿۲۲﴾

بھلائی ف۴۰ اُن لوگوں کے لئے ہے آخرت کا گھر

[1] چھپے۔ [2] کھلے۔

(۳۴) مومن و کافر دونوں کا الگ الگ انجام ذکر فرمانے کے بعد متنبہ کرتے ہیں کہ ایسا ہونا عین عقل و حکمت کے موافق ہے۔ کوئی عقلمند یہ نہیں کہہ سکتا کہ ایک نپٹ اندھا جسے کچھ نظر نہ آئے یوں ہی اناپ شناپ اندھیرے میں پڑا ٹھوکریں کھا رہا ہو، اُس شخص کی برابری کر سکتا ہے جس کے دل کی آنکھیں کھلی ہیں اور پوری بصیرت کے ساتھ حق کی روشنی سے مستفید ہو رہا ہے۔

(۳۵) **اہل عقل کی صفات** یعنی اللہ سے جو عہد ازل میں ہو چکا ہے (عہد الست) جس پر انسان کی فطرت خود گواہ ہے اور جو انبیاء کی زبانی عہد لئے گئے اُن سب کو پورا کرتے ہیں۔ کسی کو توڑتے نہیں۔ نیز بذات خود کسی معاملہ میں خدا سے یا بندوں سے جو عہد و پیمان باندھتے ہیں (بشرطیکہ معصیت نہ ہو) اُس کی خلاف ورزی نہیں کرتے۔

(۳۶) یعنی صلہ رحم کرتے ہیں۔ یا ایمان کو عمل کے ساتھ یا حقوق العباد کو حقوق اللہ کے ساتھ ملاتے ہیں، یا اسلامی اخوت کو قائم رکھتے ہیں۔ یا انبیاء علیہم السلام میں تفریق نہیں کرتے کہ کسی کو مانیں کسی کو نہ مانیں۔

(۳۷) یعنی حق تعالیٰ کی عظمت و جلال کا تصور کر کے لرزاں و ترساں رہتے ہیں اور یہ اندیشہ لگا رہتا ہے کہ دیکھئے وہاں جب ذرّہ ذرّہ کا حساب ہوگا۔ کیا صورت پیش آئیگی۔

(۳۸) یعنی مصائب و شدائد اور دنیا کی مکروہات پر صبر کیا۔ کسی سختی سے گھبرا کر طاعت کے راستہ سے قدم نہیں ہٹایا نہ معصیت کی طرف جھکے اور یہ صبر و استقلال محض حق تعالیٰ کی رضا و خوشنودی حاصل کرنے کے لئے دکھلایا۔ اس لئے نہیں کہ دنیا انہیں بہت صابر اور مستقل مزاج کہے۔ نہ اس لئے کہ بجز صبر کے چارہ نہ رہا تھا مجبور ہو گئے تو صبر کر کے بیٹھ رہے۔

(۳۹) پوشیدہ کو شاید اس لئے مقدم رکھا کہ پوشیدہ خیرات کرنا افضل ہے۔ اِلّا یہ کہ کہیں مصلحت شرعی علانیہ دینے میں ہو۔

(۴۰) یعنی بُرائی کا جواب بھلائی سے دیتے ہیں، سختی کے مقابلہ میں نرمی برتتے ہیں کوئی ظلم کرتا ہے یہ معاف کرتے ہیں۔ (بشرطیکہ معافی سے بُرائی کے ترقی کرنے کا اندیشہ نہ ہو) بدی سے بچ کر نیکی اختیار کرتے ہیں۔ اگر کبھی کوئی برا کام ہو جاتا ہے تو اُس کے مقابلہ میں بھلا کام (یعنی توبہ اور اُس گناہ کی تلافی) کرتے ہیں۔

جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَاَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَدْخُلُوْنَ

باغ ہیں رہنے کے [۴۲] داخل ہونگے اُن میں اور جو نیک ہوئے اُنکے باپ دادوں میں اور جوروؤں میں اور اولادوں میں [۴۲] اور فرشتے آئیں

عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ ۝۲۳ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ ۝۲۴ وَالَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ

اُن کے پاس ہر دروازے سے کہیں گے سلامتی تم پر بدلے اسکے کہ تم نے صبر کیا سو خوب ملا عاقبت کا گھر [۴۳] اور جو لوگ توڑتے ہیں

عَهْدَ اللّٰهِ مِنْ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ

عہد اللہ کا مضبوط کرنے کے بعد اور قطع کرتے ہیں اُس چیز کو جس کو فرمایا اللہ نے جوڑنا اور فساد اُٹھاتے ہیں ملک میں

اُولٰٓئِكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ ۝۲۵ اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ وَفَرِحُوْا

ایسے لوگ انکے واسطے ہے لعنت اور انکے لئے ہے برا گھر [۴۴] اللہ کشادہ کرتا ہے روزی جس کو چاہے اور تنگ کرتا ہے [۴۵] اور فریفتہ ہیں

بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا مَتَاعٌ ۝۲۶ ع

دنیا کی زندگی پر اور دنیا کی زندگی کچھ نہیں آخرت کے آگے مگر متاع حقیر [۴۶]

ع ۹/۳

لہ مال۔

(۴۱) یعنی جن میں ہمیشہ رہیں گے۔

(۴۲) **جنت میں اقرباء کی معیت** "آباء" کا لفظ تغلیباً کہا ہے جس میں اُمّہات (مائیں) بھی شامل ہیں۔ یہ جنت کی بشارت کے ساتھ مزید خوشخبری سنائی کہ ایسے کاملین کو جن کی خصال اوپر بیان ہوئیں، جنت میں ایک نعمت و مسرت یہ حاصل ہوگی کہ وہ اور اُن کے ماں باپ، اولاد، بیویاں جو اپنی نیکی کی بدولت دخول جنت کے لائق ہوں سب اکھٹے رہیں گے حتّٰی کہ ان متعلقین میں سے اگر کوئی کم رتبہ ہوگا تو حق تعالیٰ اپنی نوازش و مہربانی سے درجہ بڑھا کر اُس مرد کامل سے نزدیک کر دے گا "وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِاِيْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ" (طور، رکوع) اس سے معلوم ہوا کہ بدون ایمان و عمل صالح کے محض کاملین کی قرابت کافی نہیں۔ ہاں ایمان و عمل صالح موجود ہو تو تعلق قرابت سے کچھ ترقی درجات ممکن ہے۔ واللہ اعلم۔

(۴۳) **مومنین کاملین کو فرشتوں کا سلام** صحیح حدیث میں جنّت کے آٹھ دروازے بیان ہوئے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اُن کاملین کی تعظیم و تکریم کے لئے خدا کے پاک فرشتے ہر طرف سے تحائف و ہدایا لیکر حاضر ہونگے۔ احادیث میں ہے کہ خلق اللہ میں سے اوّل وہ فقراء مہاجرین جنت میں داخل ہونگے جو سختیوں اور لڑائیوں میں سینہ سپر ہوتے اور رخنہ بندی کے وقت کام آتے تھے۔ جو حکم اُن کو ملتا اُس کی تعمیل کے لئے ہمیشہ مستعد رہتے دُنیا کی حاجتیں اور دل کے ارمان دل ہی میں لیکر یہاں سے رخصت ہو گئے۔ قیامت کے دن حق تعالیٰ فرمائیگا میرے وہ بندے کہاں ہیں (حاضر ہوں) جو میرے راستہ میں لڑے، میرے لئے تکلیفیں اُٹھائیں اور جہاد کیا۔ جاؤ جنّت میں بے کھٹکے داخل ہو جاؤ۔ پھر ملائکہ کو حکم ہوگا کہ میرے اِن بندوں کے پاس سے حاضر ہو کر سلام کرو۔ وہ عرض کریں گے خداوندا! ہم تیری بہترین مخلوق ہیں کیا ہم بارگارہ قرب کے رہنے والوں کو حکم دیتے ہیں کہ ان زمینی باشندوں کے پاس حاضر ہو کر سلام کریں۔ ارشاد ہوگا، ہاں یہ میرے وہ بندے ہیں جنہوں نے توحید پر جان دی، دُنیا کے سب ارمان اپنے سینے میں لے کر چلے آئے میرے راستہ میں جہاد کیا اور ہر تکلیف کو خوشی سے برداشت کرتے رہے۔ یہ سُن کر فرشتے ہر طرف سے اُن کی خدمت میں حاضر ہوں گے اور کہیں گے "سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ" حدیث میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہر سال کے آغاز میں قبور شہداء پر تشریف لیجاتے اور فرماتے سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ "یہ ہی طرز عمل ابو بکر، عمر، اور عثمان رضی اللہ عنہم کا رہا۔

(۴۴) **اشقیاء کی علامات** سُعداء کے مقابل یہاں اشقیاء کی عادات و خصال اور آخری انجام بتایا ہے۔ ان کا کام یہ ہے کہ حق تعالیٰ سے بدعہدی کریں، جن چیزوں کے جوڑنے کا حکم تھا، اُنہیں توڑیں، ملک میں فتنہ و فساد کی آگ بھڑکائیں دوسروں پر اور اپنی جانوں پر ظلم کرنے سے نہ رُکیں۔ یہ ہی لوگ ہیں جو خدا کی رحمت سے دور پھینک دیئے گئے اور سب سے زیادہ بُرے مقام پر پہنچنے والے ہیں۔

(۴۵) **دنیا کی خوشحالی سعادت کا معیار نہیں ہے** یعنی دنیا کے عیش و فراخی کو دیکھ کر سعادت و شقاوت کا فیصلہ نہیں ہوتا۔ نہ یہ ضروری ہے کہ جس کو دنیا میں خدا نے رزق اور پیسہ زیادہ دیا ہے وہ اُس کی بارگاہ میں مقبول ہو۔ بہت سے مقبول بندے بطور آزمائش و امتحان یہاں عسرت کی زندگی بسر کرتے ہیں اور مردود مجرموں کو ڈھیل دی جاتی ہے وہ مزے اڑاتے ہیں۔ یہ ہی دلیل اُس کی ہے کہ اس زندگی کے بعد کوئی دوسری زندگی ہے جہاں ہر شخص کو اُس کے نیک و بد اعمال کا پورا پھل مل کر رہیگا۔ بہر حال دنیا کی تنگی و فراخی مقبول و مردود ہونے کا معیار نہیں بن سکتا۔

(۴۶) **دنیوی زندگی کی حقیقت** یعنی اُسی کو مقصود سمجھ کر اتراتے اور اکڑتے ہیں۔ حالانکہ آخرت کے مقابلہ میں دنیا کی زندگی محض ہیچ ہے جیسے ایک شخص اپنی انگلی سے سمندر کو چھوئے تو وہ تری جو انگلی کو پہنچی ہے سمندر کے سامنے کیا حقیقت رکھتی ہے۔ دنیا کی آخرت کے مقابل اتنی بھی حقیقت نہیں۔ لہٰذا عقلمند کو چاہیئے کہ فانی پر باقی کو مقدم رکھے۔ حقیقت یہ ہے کہ دنیا آخرت کی کھیتی ہے بذات خود مقصود نہیں۔ یہاں کے سامانوں سے اس طرح تمتع کرو جو آخرت کی کامیابی کا ذریعہ بنے جیسے صحابہ رضی اللہ عنہم نے کیا۔

٭٭٭

وَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْلَا أُنزِلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِّن رَّبِّهِ ۚ قُلْ إِنَّ اللَّهَ يُضِلُّ مَن يَشَاءُ وَ

اور کہتے ہیں کافر کیوں نہ اتری اس پر کوئی نشانی اس کے رب سے کہہ دے اللہ گمراہ کرتا ہے جس کو چاہے اور

يَهْدِي إِلَيْهِ مَنْ أَنَابَ ﴿٢٧﴾ الَّذِينَ آمَنُوا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوبُهُم بِذِكْرِ اللَّهِ ۗ أَلَا بِذِكْرِ اللَّهِ

راہ دکھلاتا ہے اپنی طرف اسکو جو رجوع ہوا ف۴۷ وہ لوگ جو ایمان لائے اور چین پاتے ہیں ان کے دل اللہ کی یاد سے ف۴۸ سنتا ہے اللہ کی یاد ہی سے

تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ ﴿٢٨﴾ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ طُوبَىٰ لَهُمْ وَحُسْنُ مَآبٍ ﴿٢٩﴾ كَذَٰلِكَ

چین پاتے ہیں دل ف۴۹ جو لوگ ایمان لائے اور کام کئے اچھے خوشحالی ہے انکو واسطے اور اچھا ٹھکانا ف۵۰ اسی طرح

أَرْسَلْنَاكَ فِي أُمَّةٍ قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِهَا أُمَمٌ لِّتَتْلُوَ عَلَيْهِمُ الَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ وَهُمْ يَكْفُرُونَ

تجھ کو بھیجا ہم نے ایک امت میں کہ گذر چکی ہیں اس سے پہلے بہت امتیں تاکہ سنادے تو ان کو جو حکم بھیجا ہم نے تیری طرف ف۵۱ اور وہ منکر ہوتے ہیں

بِالرَّحْمَٰنِ ۚ قُلْ هُوَ رَبِّي لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ مَتَابِ ﴿٣٠﴾ وَلَوْ أَنَّ قُرْآنًا سُيِّرَتْ بِهِ

رحمن سے ف۵۲ تو کہہ وہی رب میرا ہے کسی کی بندگی نہیں اسکے سوا اسی پر میں نے بھروسہ کیا ہے اور اسی کی طرف آتا ہوں رجوع کر کر ف۵۳ اور اگر کوئی قرآن ہوا ہوتا کہ چلیں اس سے

الْجِبَالُ أَوْ قُطِّعَتْ بِهِ الْأَرْضُ أَوْ كُلِّمَ بِهِ الْمَوْتَىٰ ۗ بَل لِّلَّهِ الْأَمْرُ جَمِيعًا ۗ أَفَلَمْ يَيْأَسِ

پہاڑ یا ٹکڑے ہووے اس سے زمین یا بولیں اس سے مردے تو کیا ہوتا بلکہ سب کام تو اللہ کے ہاتھ میں ہیں ف۵۴ سو کیا خاطر جمع نہیں

الَّذِينَ آمَنُوا أَن لَّوْ يَشَاءُ اللَّهُ لَهَدَى النَّاسَ جَمِيعًا ۗ وَلَا يَزَالُ الَّذِينَ كَفَرُوا

ایمان والوں کو اس پر کہ اگر چاہے اللہ تو راہ پر لائے سب لوگوں کو ف۵۵ اور برابر پہنچتا رہے گا منکروں

تُصِيبُهُم بِمَا صَنَعُوا قَارِعَةٌ أَوْ تَحُلُّ قَرِيبًا مِّن دَارِهِمْ حَتَّىٰ يَأْتِيَ وَعْدُ اللَّهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ

کو ان کے کرتوت پر صدمہ یا اتریگا ان کے گھر سے نزدیک جب تک کہ پہنچے وعدہ اللہ کا بیشک اللہ

لَا يُخْلِفُ الْمِيعَادَ ﴿٣١﴾ ع ۴

خلاف نہیں کرتا اپنا وعدہ ف۵۶

(۴۷) **فرمائشی نشانیوں کا مطالبہ** سیکڑوں نشان دیکھتے تھے مگر وہ ہی مرغے کی ایک ٹانگ پکڑی ہوئی تھی کہ جو ہم کہتے جائیں وہ نشان دکھاؤ۔ مثلاً مکہ کے پہاڑوں کو ذرا اپنی جگہ سے سرکا کر کھیتی باڑی کے لئے زمین وسیع کر دو۔ یا زمین کو پھاڑ کر چشمے اور نہریں نکال دو یا ہمارے پرانے بزرگوں کو دوبارہ زندہ کر کے ہم سے بات چیت کرادو۔ غرض کوئی نشان ایسا دکھلاؤ جو ہم کو ایمان لانے پر مجبور کر دے۔ اس کا جواب دیا کہ بیشک خدا ایسے نشانات دکھلانے پر قدرت رکھتا ہے۔ لیکن اس کی حکمت و عادت مقتضی نہیں کہ تمہاری فرمائشیں پوری کیا کرے۔ پیغمبروں کی تصدیق کے لئے جس قدر ضرورت ہے اس سے زائد نشانات دکھلا چکا اور دکھلا رہا ہے دوسرے سیکڑوں معجزات سے قطع نظر کر کے اکیلا قرآن ہی کیسا عظیم الشان پیغمبر کی صداقت کا ہے۔ جب تم ان نشانوں کو دیکھ کر راہ راست پر نہ آئے اور حق کی طرف رجوع نہ ہوئے تو معلوم ہوا کہ قدیم قانون کے موافق خدا کی مشیت یہ ہی ہے

۱ بچلاتا ہے۔ ۲ خوبی۔

۳ بولنے لگیں۔ ۴ دھڑکا۔

کر تم کو تمہاری پسند کردہ گمراہی میں چھوڑے رکھے۔ بلاشبہ اگر تم بڑے سے بڑے نشان دیکھ کر اس کی طرف رجوع ہوتے تو وہ اپنی عادت کے موافق تم کو آگے بڑھاتا اور حقیقی کامیابی تک پہنچنے کی راہیں دکھاتا۔ جب تم نے خود یہ نہ چاہا تو اس کی حکمت بھی اسی کو مقتضی ہے کہ تمہیں مجبور نہ کرے۔ پھر فرمائشی نشان دکھلانے کی کیا ضرورت رہی، بلکہ نہ دکھلانے میں تمہارا فائدہ ہے کیونکہ سنۃ اللہ یہ ہے کہ فرمائشی نشان اسی وقت دکھلائے جاتے ہیں جب کسی قوم کا تباہ کرنا مقصود ہو۔ حدیث میں ہے کہ حق تعالیٰ نے فرمایا اے محمدؐ! اگر تم چاہو تو ہم ان کو فرمائشی نشان دکھلا دیں، اُس پر بھی نہ مانیں تو ایسا عذاب بھیجا جائیگا جو دنیا میں کسی پر نہ آیا ہو۔ اور اگر تم چاہو تو رحمت و توبہ کا دروازہ کھلا رکھیں۔ آپ نے دوسری شق کو اختیار فرمایا چنانچہ یہی معاندانہ فرمائشیں کرنے والے بہت سے بعد کو مسلمان ہو گئے۔

(۴۸) **اللہ کے ذکر میں ہی دلوں کا چین ہے** یہ خدا کی طرف رجوع ہونے والوں کا بیان ہوا۔ یعنی اُن کو دولت ایمان نصیب ہوتی ہے اور ذکر اللہ (خدا کی یاد) سے چین اور اطمینان حاصل کرتے ہیں۔ کیونکہ سب سے بڑا ذکر تو قرآن ہے (اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّکۡرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوۡنَ) جسے پڑھ کر اُن کے دلوں میں یقین کی کیفیت پیدا ہوتی ہے۔ شبہات اور وساوس شیطانیہ دور ہو کر سکون و اطمینان میسر آتا ہے۔ ایک طرف اگر حق تعالیٰ کی عظمت و مہابت دلوں میں خوف و خشیت پیدا کرتی ہے تو دوسری طرف لامحدود رحمت و مغفرت کا ذکر قلبی سکون و راحت کے سامان بہم پہنچاتا ہے غرض ان کا دل ہر طرف سے ٹوٹ کر ایک خدا کی طرف جم جاتا ہے اور ذکر اللہ کا نور اُن کے قلوب سے ہر طرح کی دنیوی وحشت اور گھبراہٹ کو دُور کر دیتا ہے۔

(۴۹) یعنی دولت، حکومت، منصب، جاگیر یا فرمائشی نشانات کا دیکھ لینا، کوئی چیز انسان کو حقیقی سکون و اطمینان سے ہم آغوش نہیں کر سکتی۔ صرف یاد الٰہی سے جو تعلق مع اللہ حاصل ہوتا ہے وہ ہی ہے جو دلوں کے اضطراب و وحشت کو دور کر سکتا ہے۔

(۵۰) مترجم محقق نے "طوبیٰ" کے لغوی معنے لئے ہیں اسی کے اندر جنت کا وہ درخت بھی آ گیا جسے حدیث صحیح میں "طوبیٰ" کے نام سے موسوم فرمایا ہے۔

(۵۱) **آنحضرتؐ کی بعثت نیا واقعہ نہیں ہے** یعنی جس طرح ہم اپنی طرف رجوع ہونے والوں کو کامیابی کی راہ دکھاتے ہیں۔ اسی طرح اس اُمت کی رہنمائی کے لئے ہم نے تجھے مبعوث کیا تا جو کتاب اپنی رحمت کاملہ سے تجھ پر اُتاری ہے آپ ان کو پڑھ کر سُنا دیں آپ کا پیغمبر بنا کر بھیجا جانا کوئی انوکھی بات نہیں، پہلی اُمتوں کی طرف بھی پیغمبر بھیجے جا چکے ہیں جو اُس وقت تکذیب کرنے والوں کا حشر ہوا ان لوگوں کو بھی پیش نظر رہنا چاہئے۔

(۵۲) **رحمان سے انکار** یعنی رحمان نے اپنی رحمت کاملہ سے قرآن اُتارا۔ "اَلرَّحۡمٰنُ عَلَّمَ الۡقُرۡاٰنَ" اور آپ کو رحمۃً للعالمین بنا کر بھیجا۔ مگر انہوں نے سخت ناشکری اور کفرانِ نعمت پر کمر باندھ لی۔ رحمان کا حق ماننے سے منکر ہو گئے بلکہ اس نام سے ہی وحشت کھانے لگے۔ اسی لئے "حدیبیہ" کے صلحنامہ میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھنے پر جھگڑا کیا۔ "وَاِذَا قِیۡلَ لَہُمُ اسۡجُدُوۡا لِلرَّحۡمٰنِ قَالُوۡا وَمَا الرَّحۡمٰنُ" (فرقان۔ رکوع ۵)۔

(۵۳) یعنی جس رحمان سے تم انکار کرتے ہو وہ ہی میرا رب ہے اور وہ ہی اللہ ہے جس کا کوئی شریک نہیں "قُلِ ادۡعُوا اللّٰہَ اَوِ ادۡعُوا الرَّحۡمٰنَ اَیًّا مَّا تَدۡعُوۡا فَلَہُ الۡاَسۡمَآءُ الۡحُسۡنٰی" (بنی اسرائیل۔ رکوع ۱۲) میرا آغاز و انجام سب اُسی کے ہاتھ میں ہے اُسی پر توکل کرتا ہوں۔ نہ تمہارے انکار و تکذیب سے مجھے ضرر کا اندیشہ ہے نہ اس کی امداد و اعانت سے مایوس ہوں۔

(۵۴) **کفار فرمائشی کتاب پر بھی ایمان نہ لاتے** یہاں قرآن سے مُراد عام کتاب ہے جیسا کہ ایک حدیث صحیح میں "زبور" پر لفظ قرآن کا اطلاق ہوا ہے یعنی اگر کوئی کتاب ایسی اُتاری جاتی جس سے تمہارے یہ فرمائشی نشان پورے ہو جاتے تو وہ بجز اس قرآن کے اور کونسی ہو سکتی تھی یہ ہی قرآن ہے جس نے روحانی طور پر پہاڑوں کی طرح جمے ہوئے لوگوں کو ان کی جگہ سے ہٹا دیا۔ قلوب بنی آدم کی زمینوں کو پھاڑ کر معرفتِ الٰہی کے چشمے جاری کر دیئے۔ وصول الی اللہ کے راستے برسوں کی جگہ منٹوں میں طے کرائے۔ مردہ قوموں اور دلوں میں ابدی زندگی کی روح پھونک دی۔ جب ایسے قرآن سے تم کو شفاء و ہدایت نصیب نہ ہوئی تو فرض کرو تمہاری طلب کے موافق اگر یہ قرآن مادی اور حسی طور پر بھی وہ سب چیزیں دکھلا دیتا جن کی فرمائش کرتے ہو۔

تب ہی کیا اُمید تھی کہ تم ایمان لے آتے اور نئی حجتیں اور کج بحثیاں شروع نہ کرتے، تم ایسے ضدی اور سرکش واقع ہوئے ہو کہ کسی نشان کو دیکھ کر ایمان لانے والے نہیں۔ اصل یہ ہے کہ سب کام (ہدایت و اضلال) اللہ کے ہاتھ میں ہیں۔ جسے وہ نہ چاہے قیامت تک ہدایت نہیں ہو سکتی۔ لیکن وہ اُسی کو چاہتا ہے جو اپنی طرف سے قبول حق کی خواہش اور تڑپ رکھتا ہو۔

(۵۵) شاید بعض مسلمانوں کو خیال گذرا ہوگا کہ ایک مرتبہ اُن کی فرمائش ہی پوری کر دی جائے شاید ایمان لے آئیں اُن کو سمجھایا کہ خاطر جمع رکھو اگر خدا چاہے تو بدون ایک نشان دکھلائے ہی سب کو راہ راست پر لے آئے۔ لیکن یہ اس کی عادت و حکمت کے خلاف ہے۔ اُس نے انسان کو ایک حد تک کسب و اختیار کی آزادی دے کر ہدایت کے کافی اسباب فراہم کر دیئے، جو چاہے اُن سے منتفع ہو۔ کیا ضرورت ہے کہ اُن کی فرمائشیں پوری کی جائیں باوجود کافی سامان ہدایت موجود ہونے کے اگر معاندین نہیں مانتے اور اپنے ایمان کو بیہودہ فرمائشوں پر معلق کرتے ہیں۔ تو ہم نے یہ ارادہ بھی نہیں کیا کہ ساری دنیا کو ضرور منوا ہی دیا جائے آخر "لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ" والی بات بھی تو پوری ہو کر رہے گی۔

(۵۶) **کفّار کیلئے قارعہ** یعنی یہ کفار مکہ فرمائشی نشانوں سے ماننے والے نہیں۔ یہ تو اس طرح مانیں گے کہ برابر کوئی آفت و مصیبت خود ان پر یا ان کے آس پاس والوں پر پڑتی رہے گی۔ جسے دیکھ کر یہ عبرت حاصل کریں مثلاً جہاد میں مسلمانوں کے ہاتھوں سے کچھ قتل ہونگے کچھ قید کیے جائیں گے کچھ دوسری طرح کی مصائب کا شکار ہونگے، یہ ہی سلسلہ رہے گا۔ جب تک خدا کا وعدہ پورا ہو یعنی مکہ فتح ہو اور "جزیرۃ العرب" شرک کی گندگی سے پاک و صاف ہو جائے بیشک خدا کا وعدہ اٹل ہے، پورا ہو کر رہیگا۔ بعض مفسرین نے اَوْ تَحُلُّ قَرِيْبًا مِّنْ دَارِهِمْ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف خطاب مانا ہے یعنی آپ اُن کی بستی کے قریب اُتریں گے جیسا کہ حدیبیہ میں ہوا۔ اس وقت "قارعہ" سے وہ سرایا مراد ہوں گے جن میں آپ بنفس نفیس شریک نہ ہوتے تھے۔ بعض سلف سے منقول ہے کہ آیت تمام کفار کے حق میں عام ہے۔ مکہ والوں کی تخصیص نہیں۔ واللہ اعلم۔

وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَاَمْلَيْتُ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثُمَّ اَخَذْتُهُمْ فَكَيْفَ كَانَ

اور ٹھٹھا کر چکے ہیں کتنے رسولوں سے تجھ سے پہلے سو ڈھیل دی میں نے منکروں کو پھر اُن کو پکڑ لیا سو کیسا تھا

عِقَابِ ﴿٣٢﴾ اَفَمَنْ هُوَ قَآئِمٌ عَلٰى كُلِّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ ۚ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ ۗ قُلْ سَمُّوْهُمْ ۗ اَمْ

میرا بدلہ ف۵۷ بھلا جو لئے کھڑا ہے ہر کسی کے سر پر جو کچھ اُس نے کیا ہے[1] اور مقرر کرتے ہیں اللہ کیلئے شریک ف۵۸ کہہ اُن کا نام لو ف۵۹ یا

تُنَبِّئُوْنَهٗ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِى الْاَرْضِ اَمْ بِظَاهِرٍ مِّنَ الْقَوْلِ ۗ بَلْ زُيِّنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مَكْرُهُمْ وَ

اللہ کو بتلاتے ہو جو وہ نہیں جانتا زمین میں ف۶۰ یا کرتے ہو اوپر ہی اوپر باتیں ف۶۱ یہ نہیں بلکہ بھلے سجھا دیے ہیں منکروں کو اُن کے فریب اور

صُدُّوْا عَنِ السَّبِيْلِ ۗ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ﴿٣٣﴾ لَهُمْ عَذَابٌ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ

وہ روک دیئے گئے ہیں راہ سے ف۶۲ اور جس کو گمراہ کرے اللہ سو کوئی نہیں اسکو راہ بتانیوالا ف۶۳ اُن کو مار پڑتی ہے دنیا کی زندگی میں ف۶۴ اور

لَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَقُّ ۚ وَمَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ وَّاقٍ ﴿٣٤﴾

آخرت کی مار تو بہت ہی سخت ہے اور کوئی نہیں اُنکو اللہ سے بچانے والا ف۶۵

(۵۷) یعنی سزا ملنے میں دیر ہو تو مت سمجھو کہ چھوٹ گئے، گذشتہ مجرموں کو بھی پہلے ڈھیل دی گئی۔ پھر جب پکڑا تو دیکھ لو کیا حشر ہوا۔ آج تک اُن کی تباہی کی داستانیں زبانوں پر ہیں۔

[1] اوروں کی برابر ہو سکتا ہے۔

(۵۸) **اللہ ہر شخص کے عمل کی نگرانی کرتا ہے** یعنی جو خدا ہر شخص کے ہر عمل کی ہر وقت نگرانی رکھتا ہے، ایک لمحہ کسی سے غافل نہیں۔ ذرا کوئی شرارت کرے اُسی وقت تنبیہ کر سکتا اور سزا دے سکتا ہے۔ کیا مجرم اس سے چھوٹ کر کہیں بھاگ سکتے ہیں، یا اُس کی مثل پتھر کی وہ مورتیاں ہو سکتی ہیں جو نہ دیکھتی ہیں نہ سُنتی ہیں۔ نہ اپنے یا دوسرے کے نفع و ضرر کا کچھ اختیار رکھتی ہیں۔ تعجب ہے کہ ایسے خدا کی موجودگی میں انسان ایسی عاجز و حقیر مخلوق کی آگے سر جھکائے اور اس کو خدائی کے اختیارات تفویض کر دے۔ اس ظلم کی بھی کوئی انتہا ہے کہ علیم الکل اور بہمہ صفت موصوف خدا کے شریک وہ ہوں جنہیں خود اپنے وجود کی خبر نہیں خوب سمجھ لو کہ جو کچھ ہم خفیہ یا علانیہ کرتے ہیں سب خدا کی آنکھ کے سامنے ہے۔ لوگوں کی ان مشرکانہ گستاخیوں سے وہ بے خبر نہیں۔ جلد یا بدیر سزا مل کر رہے گی۔

(۵۹) **اللہ کے حصہ دار کہیں موجود نہیں** یعنی ذرا آگے بڑھ کر اُن شرکاء کے نام تو لو اور پتے تو بتاؤ، کیا خداوند قدوس کی یہ صفات سُن کر جو اُوپر بیان ہوئیں کوئی حیادار اُن پتھروں کا نام بھی لے سکتا ہے؟ اور بے حیائی سے "لات" و "عزیٰ" کے نام لینے لگو تو کیا کوئی عاقل ادھر التفات کر سکتا ہے؟۔

(۶۰) یعنی خدا کو تمام روئے زمین پر اپنی خدائی کا کوئی شریک (حصہ دار) معلوم نہیں۔ (کیونکہ ہے ہی نہیں جو معلوم ہو) کیا تم اُسے وہ چیز بتلاؤ گے جسے وہ نہیں جانتا؟ (العیاذ باللہ) (تنبیہ) زمین کی قید اس لئے لگائی کہ بت پرستوں کے نزدیک شرکاء (اصنام) کی قیام گاہ یہی زمین تھی۔ ابوحیان نے "لَا یَعْلَمُ" کی ضمیر "ما" کی طرف لوٹائی ہے۔ یعنی کیا خدا کو بتلاتے ہو کہ آپ کی خدائی کے حصہ دار وہ بت ہیں جو ادنیٰ سا علم نہیں رکھتے؟

(۶۱) **شرکاء کا عقیدہ صرف قول ہی قول ہے** پہلے فرمایا تھا ان شرکاء کا ذرا نام لو، پھر متنبہ فرمایا کہ جس چیز کا واقع میں ثبوت ہی نہیں اُس کا نام کیا لیا جا سکتا ہے؟ اب بتلاتے ہیں کہ کسی چیز کو خدا کا شریک ٹھہرانا خالی الفاظ اور صوت محض ہے جس کے نیچے کوئی حقیقت نہیں۔ مجرد ظن و تخمین اور باطل اوہام سے چند بے معنی الفاظ با معنی نہیں بن جاتے۔ شاید "بِظَاهِرٍ مِّنَ الْقَوْلِ" میں ادھر بھی اشارہ ہو کہ جو مشرکانہ باتیں وہ کر رہے ہیں اگر کورانہ تقلید و متعصب سے خالی ہو کر اپنے ضمیر کی طرف رجوع کریں تو خود اُن کا ضمیر بھی ان لغویات سے انکار کرے گا۔ اس لئے کہنا چاہئے کہ یہ سب اوپر اوپر کی باتیں ہیں۔ جن کو انسانی ضمیر اور انسانی فطرت دونوں مردود ٹھہرا چکے ہیں۔

(۶۲) یعنی کچھ بھی نہیں۔ شرک کی حمایت میں اُن کی یہ مستعدی اور توحید کے مقابلہ میں اس قدر جدوجہد خالی نفس کا دھوکہ اور شیطان کا فریب ہے اسی نے اُن کو راہ حق سے روک دیا ہے۔

(۶۳) یعنی جسے خدا ہدایت کی توفیق نہ دے اُسے کون راہ پر لا سکتا ہے اور وہ اُسی کو توفیق دیتا ہے جو باختیار خود ہدایت کے دروازے اپنے اُوپر بند نہ کر لے۔

(۶۴) مجاہدین کے ہاتھوں سے یا بلاواسطہ قدرت کی طرف سے۔

(۶۵) یعنی بے سزا دیے چھوڑے گا نہیں۔ پھر وہاں کی سزا کا کیا پوچھنا۔

مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِي وُعِدَ الْمُتَّقُونَ ۖ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ۖ أُكُلُهَا دَائِمٌ وَظِلُّهَا ۚ تِلْكَ عُقْبَى

حال جنت کا　جس کا وعدہ ہے پرہیزگاروں سے　بہتی ہیں　اُس کے نیچے　نہریں　میوہ اُس کا ہمیشہ ہے اور سایہ بھی ف ۶۶　یہ　بدلہ ہے

الَّذِينَ اتَّقَوا ۖ وَّعُقْبَى الْكَافِرِينَ النَّارُ ﴿٣٥﴾ وَالَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ يَفْرَحُونَ بِمَا أُنزِلَ إِلَيْكَ

اُن کا جو ڈرتے رہے ف ۶۸　اور بدلہ　منکروں کا　آگ ہے ف ۶۹　اور وہ لوگ جن کو ہم نے دی ہے　کتاب　خوش ہوتے ہیں اُس سے جو نازل ہوا تجھ پر ف ۷۰

وَمِنَ الْأَحْزَابِ مَن يُنكِرُ بَعْضَهُ ۚ قُلْ إِنَّمَا أُمِرْتُ أَنْ أَعْبُدَ اللَّهَ وَلَا أُشْرِكَ بِهِ ۚ

اور　بعضے فرقے　نہیں مانتے اُسکی بعضی بات ف ۷۱　کہہ مجھ کو یہی حکم ہوا ہے کہ بندگی کروں اللہ کی　اور شریک نہ کروں اس کا

اِلَيۡهِ اَدۡعُوۡا وَاِلَيۡهِ مَاٰبِ ۝۳۶ وَكَذٰلِكَ اَنۡزَلۡنٰهُ حُكۡمًا عَرَبِيًّا ؕ وَلَئِنِ اتَّبَعۡتَ اَهۡوَآءَهُمۡ بَعۡدَ مَا

اسی کی طرف بلاتا ہوں اور اسی کی طرف ہے میرا ٹھکانا ف۷۲ اور اسی طرح اُتارا ہم نے یہ کلام حکم عربی زبان میں ف۷۳ اور اگر تو چلے اُنکی خواہش کے موافق بعد اس

جَآءَكَ مِنَ الۡعِلۡمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنۡ وَّلِىٍّ وَّلَا وَاقٍ ۝۳۷ وَلَقَدۡ اَرۡسَلۡنَا رُسُلًا مِّنۡ قَبۡلِكَ

علم کے جو تجھ کو پہنچ چکا کوئی نہیں تیرا اللہ سے حمایتی اور نہ بچانے والا ف۷۴ اور بھیج چکے ہیں ہم کتنے رسول تجھ سے پہلے

وَجَعَلۡنَا لَهُمۡ اَزۡوَاجًا وَّذُرِّيَّةً ؕ وَمَا كَانَ لِرَسُوۡلٍ اَنۡ يَّاۡتِىَ بِاٰيَةٍ اِلَّا بِاِذۡنِ اللّٰهِ ؕ لِكُلِّ

اور ہم نے دی تھیں اُن کو جو روئیں اور اولاد اور نہیں ہوا کسی رسول سے کہ وہ لے آئے کوئی نشانی مگر اللہ کے اذن سے ہر ایک

اَجَلٍ كِتَابٌ ۝۳۸ يَمۡحُوا اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَيُثۡبِتُ ۖۚ وَعِنۡدَهٗۤ اُمُّ الۡكِتٰبِ ۝۳۹ وَاِنۡ مَّا نُرِيَنَّكَ بَعۡضَ

وعدہ ہے لکھا ہوا ف۷۵ مٹاتا ہے اللہ جو چاہے اور باقی رکھتا ہے اور اُسی کے پاس ہے اصل کتاب ف۷۶ اور اگر دکھلادیں ہم تجھ کو کوئی وعدہ

الَّذِىۡ نَعِدُهُمۡ اَوۡ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِنَّمَا عَلَيۡكَ الۡبَلٰغُ وَعَلَيۡنَا الۡحِسَابُ ۝۴۰ اَوَلَمۡ يَرَوۡا اَنَّا نَاۡتِى

جو ہمنے کیا ہے ان سے یا تجھ کو اُٹھالیویں سو تیرا ذمہ تو پہنچا دینا ہے اور ہمارا ذمہ ہے حساب لینا ف۷۷ کیا وہ نہیں دیکھتے کہ ہم چلے آتے ہیں

الۡاَرۡضَ نَنۡقُصُهَا مِنۡ اَطۡرَافِهَا ؕ وَاللّٰهُ يَحۡكُمُ لَا مُعَقِّبَ لِحُكۡمِهٖ ؕ وَهُوَ سَرِيۡعُ الۡحِسَابِ ۝۴۱

زمین کو گھٹاتے اُس کے کناروں سے ف۷۸ اور اللہ حکم کرتا ہے کوئی نہیں کہ پیچھے ڈالے اُس کا حکم ف۷۹ اور وہ جلد لیتا ہے حساب ف۸۰

(۶۶) جس کی کوئی نوع کبھی ختم نہ ہوگی اور ہمیشہ وہ ہی ملیگا جس کی خواہش کریں گے۔ "لَا مَقۡطُوۡعَةٍ وَّلَا مَمۡنُوۡعَةٍ" (واقعہ۔ رکوع ۱)

(۶۷) یعنی سایہ ہمیشہ آرام دہ رہیگا نہ کبھی دھوپ کی تپش ہوگی نہ سردی کی تکلیف۔ لَا يَرَوۡنَ فِيۡهَا شَمۡسًا وَّلَا زَمۡهَرِيۡرًا (دہر رکوع ۱)

(۶۸) یعنی خدا سے ڈر کر شرک و کفر کو چھوڑے رکھا۔

(۶۹) اہل حق اور اہل باطل کا انجام ایک دوسرے کے بالمقابل بیان فرمایا۔ وبضدّها تتبين الاشياء۔

(۷۰) **نزول قرآن سے اہل کتاب اور مسلمانوں کی خوشی** جن کو اب قرآن دیا ہے (یعنی مسلمان) اور جن کو پہلے "تورات" و "انجیل" وغیرہ دی گئی (یعنی "یہود" و "نصاریٰ") اس چیز کو سُن کر خوش ہوتے ہیں جو آپ پر نازل کی گئی۔ مسلمانوں کا خوش ہونا تو ظاہر ہے کہ وہ اسی کتاب کو فلاح دارین کی کلید جانتے تھے، باقی یہود و نصاریٰ میں جو لوگ اہل علم و انصاف اور فی الجملہ حق پرست تھے اُن کے لئے بھی ایک طرح مسرت کا موقع تھا۔ کیونکہ وہ دیکھتے تھے کہ قرآن کریم کیسی فراخدلی سے اُن کی اصل کتابوں کی تصدیق اور اُن کے انبیاء کی تعریف و تعظیم میں رطب اللسان ہے بلکہ سچے احبار و رُہبان کے وجود کو بھی معرض مدح میں پیش کرتا ہے۔ "ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنۡهُمۡ قِسِّيۡسِيۡنَ وَرُهۡبَانًا"۔ چنانچہ اسی قسم کے منصف و حق پرست یہود و نصاریٰ آخرکار مشرف باسلام ہوئے۔

(۷۱) یعنی یہود و نصاریٰ یا عرب کے جاہلوں میں وہ جماعتیں بھی ہیں جو قرآن سے اس لئے ناخوش ہیں کہ انہیں اُس کی بعض چیزوں سے انکار ہے اور یہ وہی چیزیں ہیں جو اُن کی تحریف و تبدیل یا آراء و اہواء کے خلاف قرآن نے بیان کی ہیں۔

(۷۲) **آنحضرت کی دعوت توحید خالص کی طرف** یعنی کوئی خوش ہو یا ناخوش میں تو اُسی خدائے وحدہٗ لاشریک لہٗ کی بندگی کرتا ہوں جس کو سب انبیاء اور مِلَل بالاتفاق مانتے چلے آئے۔ اُسی کے احکام و مرضیات کی طرف ساری دنیا کو دعوت دیتا ہوں اور خوب جانتا ہوں کہ میرا انجام اُسی کی طرف رجوع کرتا ہوں، وہیں میرا ٹھکانا ہے۔ وہ ہی مجھ کو آخرکار غالب و منصور اور مخالفین کو مغلوب و رسوا کریگا۔ لہٰذا کسی کی خلاف و انکار کی مجھے قطعاً پرواہ نہیں

(۷۳) **قرآن کا نزول عربی زبان میں** یعنی جیسے پیشتر دوسری کتابیں اُتاری گئیں اس وقت یہ قرآن اُتارا جو عظیم الشان معارف و حِکم پر مشتمل اور حق و باطل کا آخری فیصلہ کرنے والا ہے۔ پھر جس طرح ہر پیغمبر کو اُسی زبان میں کتاب دی گئی جو اُس کی قومی زبان تھی۔ ایسے ہی محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کو عربی قرآن دیا گیا۔ بلاشبہ قرآن جیسی معجز و جامع کتاب ایسی ہی زبان میں نازل ہونی چاہیئے تھی، جو نہایت بلیغ، وسیع، جامع، منضبط، واضح، پر مغز اور پر شوکت ہونے کی وجہ سے "اُمّ الالسنہ" اور "ملکۃ اللغات" کہلانے کی مستحق ہے۔

(۷۴) **علم عظیم کی پیروی کرو** یعنی کسی کے انکار و ناخوشی کی ذرہ بھر پرواہ نہ کرو۔ حق تعالیٰ نے جو علم عظیم تم کو دیا ہے اس کی پیروی کرتے رہو۔ اگر بالفرض تم ان لوگوں کی خواہشات کی طرف جھک گئے تو اس کے وبال سے کون بچا سکتا ہے۔ یہ خطاب ہر طالب حق کو ہے۔ اور اگر حضورؐ مخاطب ہیں تو آپ کے سامنے رکھ کر دوسروں کو سنانا مقصود ہے جیسا کہ پہلے متعدد مواضع میں اس کی نظائر گذر چکیں۔

(۷۵) **تمام انبیاء بشر تھے** یعنی پیغمبر عربی صلی اللہ علیہ وسلم کو نئی احکام و نئی کتاب دے کر بھیجنا کیا اچنبھے کی بات ہو گئی جو اتنی حجتیں نکالی جاتی ہیں آخر ان سے پہلے بھی ہم نے جو پیغمبر بھیجے وہ آسمان کے فرشتے نہ تھے اِسی دنیا کے رہنے والے آدمی تھے۔ جو کھانا کھاتے اپنی ضروریات اپنے ہاتھوں سے انجام دیتے اور بیوی بچے رکھتے تھے۔ اُن میں کسی کو یہ قدرت نہ تھی کہ لوگ جو نشانی مانگتے ضرور دکھلا دیتا، بلکہ موجودہ پیغمبر کی طرح ہر چیز میں سے خدائی اذن کے منتظر رہتے تھے۔ وہ ہی نشان دکھاتے اور وہ ہی احکام سناتے تھے جس کا اذن خدا کے یہاں سے ہوتا۔ خدائی اذن کا حال یہ ہے کہ اُس کے یہاں ہر زمانہ اور ہر قرن کے مناسب جداگانہ حکم لکھا ہوا ہے اور ایک وعدہ ٹھہرا ہوا ہے جس کو نہ کوئی نبی بدل سکتا ہے نہ فرشتہ۔ پھر جب ہر ایک پیغمبر اپنے زمانہ کے مناسب احکام لائے اور اپنی صداقت کے نشان دکھانے میں پبلک کی خواہشات کے پابند نہیں رہے نہ اپنے کو حوائج بشریہ اور تعلقات معاشرت سے پاک اور برتر ظاہر کیا تو ان ہی چیزوں کا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں پایا جانا انکار نبوت کی دلیل کیسے بن سکتی ہے۔

(۷۶) **اللہ قضاء و قدر کا مالک ہے** یعنی اپنی حکمت کے موافق جس حکم کو چاہے منسوخ کرے جسے چاہے باقی رکھے۔ جس قوم کو چاہے مٹائے جسے چاہے اُس کی جگہ جمادے۔ جن اسباب کی تاثیر چاہے بدل ڈالے جن کی چاہے نہ بدلے۔ جو وعدہ چاہے شرائط کی موجودگی میں ظاہر کرے جو چاہے شرائط کے نہ پائے جانے کی بناء پر موقوف کر دے۔ غرض ہر قسم کی تبدیلی و تغییر، محو و اثبات نسخ و احکام اُسی کے ہاتھ میں ہے۔ قضاء و قدر کے تمام دفاتر اُسی کے قبضہ میں ہیں اور سب تفصیلات و دفاتر کی جڑ جسے "اُمّ الکتاب" کہنا چاہیئے اُسی کے پاس ہے یعنی "علم ازلی محیط" جو ہر قسم کے تبدل و تغیر سے قطعاً منزّہ و مُبرّیٰ اور لوح محفوظ کا ماخذ ہے۔

تقدیرِ مُعلّق اور تقدیرِ مبرم حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ "دنیا میں ہر چیز اسباب سے ہے، بعضے اسباب ظاہر ہیں بعضے چھپے ہیں۔ اسباب کی تاثیر کا ایک طبعی اندازہ ہے، جب اللہ چاہے اُس کی تاثیر اندازہ سے کم یا زیادہ کر دے۔ جب چاہے ویسی ہی رکھے۔ آدمی کبھی کنکر سے مرتا ہے اور کبھی گولی سے بچتا ہے اور ایک اندازہ ہر چیز کا اللہ کے علم میں ہے۔ جو ہرگز نہیں بدلتا۔ اندازے کو تقدیر کہتے ہیں۔ یہ دو تقدیریں ہوئیں ایک بدلتی ہے اور ایک نہیں بدلتی۔ جو تقدیر بدلتی ہے اُس کو مُعلّق اور جو نہیں بدلتی اُس کو مُبرَم کہتے ہیں" جن احادیث و آثار سے بعض افاضل کو قضاء مبرم کے بدلنے کا شبہ ہوا ہے اُن کے متعلق یہاں تفصیل کا موقع نہیں۔ انشاء اللہ مستقل تفسیر میں لکھا جائیگا۔ اگر خدا نے توفیق دی۔ وہو الموفق والمستعان۔

(۷۷) یعنی جو وعدے اُن سے کیے گئے ہیں، ہم کو اختیار ہے کہ ان میں سے بعض آپ کے سامنے پورے کر دیں یا آپ کی وفات کے بعد ظاہر کریں نہ آپ کو اُن کے ظہور کی فکر میں پڑنا چاہیئے اور نہ تاخیر و امہال دیکھ کر ان لوگوں کو بے فکر ہونا چاہیئے۔ خدا کے علم میں ہر چیز کا ایک وقت مناسب ہے جس کے پہنچنے پر وہ ضرور ظاہر ہو کر رہے گی۔ آپ اپنا فرض (تبلیغ) ادا کیے جائیے تکذیب کرنے والوں کا حساب ہم خود بیباق کر دیں گے۔

(۷۸) **اللہ کا حکم ضرور پورا ہوتا ہے** یعنی سرزمین مکہ کے آس پاس اسلام کا اثر پھیلتا جاتا اور کفر کی عملداری گھٹتی جاتی ہے۔ بڑے بڑے قبائل

اور اشخاص کے قلوب پر اسلام کا سکہ بیٹھ رہا ہے۔ اوس و خزرج کے دل حق و صداقت کے سامنے مفتوح ہو رہے ہیں۔ اس طرح ہم آہستہ آہستہ کفر کی حکومت کو دباتے چلے آ رہے ہیں۔ کیا یہ روشن آثار ان مکذبین کو نہیں بتلاتے کہ خدا کا فیصلہ اُن کے مستقبل کے متعلق کیا ہو چکا ہے۔ ایک عقلمند سمجھ سکتا ہے کہ اسلام آج جس رفتار سے بڑھ رہا ہے وہ کسی طاقت سے رُکنے والا نہیں۔ لہٰذا انجام بینی اسی میں ہے کہ آنے والی چیز کو آئی ہوئی سمجھیں

(۷۹) یعنی اُس کا تکوینی حکم اور فیصلہ اٹل ہے۔ جب وقت آ جائے تو کس کی طاقت ہے کہ ایک منٹ کے لئے ملتوی کر کے پیچھے ڈال دے۔

(۸۰) یعنی جہاں حساب کا وقت آن پہنچا پھر دیر نہ لگے گی۔ یا جو چیز یقیناً آنیوالی ہے اُسے جلد ہی سمجھو۔

وَقَدْ مَكَرَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلِلّٰهِ الْمَكْرُ جَمِيْعًا ۭ يَعْلَمُ مَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ ۭ وَسَيَعْلَمُ

اور فریب کر چکے ہیں جو اُن سے پہلے تھے سو اللہ کے ہاتھ میں ہے سب فریب ف۸۱ جانتا ہے جو کچھ کماتا ہے ہر ایک جی ف۸۲ اور اب معلوم کئے لیتے

الْكُفّٰرُ لِمَنْ عُقْبَى الدَّارِ ۝ وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَسْتَ مُرْسَلًا ۭ قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ۢ

ہیں کافر کہ کس کا ہوتا ہے پچھلا گھر ف۸۳ اور کہتے ہیں کافر تو بھیجا ہوا نہیں آیا کہدے اللہ کافی ہے گواہ

بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ۙ وَمَنْ عِنْدَهٗ عِلْمُ الْكِتٰبِ ۝

میرے اور تمہارے بیچ میں ف۸۴ اور جس کو خبر ہے کتاب کی ف۸۵

ع ۶ ۱۲

(۸۱) **اللہ کی تدبیر غالب ہے** وہ نہ چاہے تو سب فریب رکھے رہ جائیں، یا یہ کہ خدا اُن کے فریب کا توڑ کرتا ہے۔ "مکر" اصل میں خفیہ تدبیر کو کہتے ہیں، اگر بُرائی کے لئے کی جائے بُری ہے اور بُرائی کو دور کرنے کے لئے ہو تو اچھی ہے یعنی انہوں نے چھپ چھپ کر ناپاک تدبیریں کیں لیکن خدا کی تدبیر سب پر غالب رہی، اُس نے وہ تدبیریں اُن ہی پر اُلٹ دیں۔ "وَلَا يَحِيْقُ الْمَكْرُ السَّيِّئُ اِلَّا بِاَهْلِهٖ" (فاطر۔ رکوع ۵)۔

(۸۲) یعنی جس سے کوئی حرکت و سکون اور کھلا چھپا کام پوشیدہ نہیں اُس کے آگے کسی کا مکر کیا چل سکتا ہے وہ ان مکاروں کو خوب مزہ چکھائیگا۔

(۸۳) یعنی جیسے اگلوں نے اپنے مکر کا انجام دیکھ لیا، موجودہ کفار کو بھی قدر عافیت معلوم ہوا چاہتی ہے۔

(۸۴) **آنحضرت ﷺ کی صداقت پر اللہ کی گواہی** یعنی تمہارے جھٹلانے سے کچھ نہیں ہوتا، جبکہ خداوند قدوس میری صداقت کے بڑے بڑے نشان دکھلا رہا ہے قرآن جو اُس کا کلام ہے، جیسے اپنے کلام الٰہی ہونے کی شہادت دیتا ہے اسی طرح میرے پیغمبر برحق ہونے کا گواہ ہے۔ اگر آنکھیں کھول کر دیکھو تو سخت ناموافق حالات میں سچ کا اس شان سے پھیلتے جانا اور دشمنوں تک کے دلوں میں گھر کرنا اور جھوٹ کا مغلوب و مقہور ہو کر سمٹتے رہنا خدا کی طرف سے کھلی ہوئی گواہی میری حقانیت کی ہے۔

(۸۵) **اہلِ علم کی گواہی** یعنی جن کو قرآن کا علم اور اُس کے حقائق کی خبر ہو گئی ہے وہ بھی دل سے گواہ ہیں کہ میں نے کچھ جھوٹ نہیں بنایا۔ نیز جنہیں پہلی کتب سماویہ اور اُن کی پیشین گوئیوں کی اطلاع ہے اُن کے دل گواہی دیتے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ٹھیک اُن پیشین گوئیوں کے مطابق تشریف لائے ہیں جو سیکڑوں برس پیشتر موسیٰ اور مسیح کر چکے تھے۔ علیہما وعلیٰ نبینا الصلوٰۃ والسلام۔ اے خدا! تو گواہ رہ کہ جس چیز کی گواہی تو نے اور تیری کتاب والوں نے دی، یہ عاجز خاطی بھی صدق دل سے اُس کی گواہی دیتا ہے۔ تم سورۃ الرعد بعون اللہ وحسن توفیقہ۔

سُوْرَةُ اِبْرٰهِیْمَ

سُوْرَةُ اِبْرٰهِیْمَ ۱۴ مَكِّيَّةٌ	بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ	اٰیَاتُهَا ۵۲ رُكُوْعَاتُهَا ۷
سورہ ابراہیم مکہ میں اتری اور اس کی	شروع اللہ کے نام سے جو بیحد مہربان نہایت رحم والا ہے	باون آیتیں ہیں اور سات رکوع ہیں۔

الٓرٰ قف كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَیْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۙ بِاِذْنِ رَبِّهِمْ اِلٰى

الرٰ یہ ایک کتاب ہے کہ ہم نے اتاری تیری طرف کہ تو نکالے لوگوں کو اندھیروں سے اجالے کی طرف ان کے رب کے حکم سے ف۱ رستہ

صِرَاطِ الْعَزِیْزِ الْحَمِیْدِ ۝۱ اللّٰهِ الَّذِیْ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ؕ وَوَیْلٌ

پر اس زبردست خوبیوں والے اللہ کے جس کا ہے جو کچھ کہ موجود ہے آسمانوں میں اور جو کچھ ہے زمین میں ف۲ اور مصیبت ہے

لِّلْكٰفِرِیْنَ مِنْ عَذَابٍ شَدِیْدِۨ ۝۲ الَّذِیْنَ یَسْتَحِبُّوْنَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا عَلَى الْاٰخِرَةِ

کافروں کو ایک سخت عذاب سے ف۳ جو کہ پسند رکھتے ہیں زندگی دنیا کی آخرت سے

وَیَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَیَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ؕ اُولٰٓىِٕكَ فِیْ ضَلٰلٍۭ بَعِیْدٍ ۝۳ وَ

اور روکتے ہیں اللہ کی راہ سے اور تلاش کرتے ہیں اس میں کجی وہ راستہ بھول کر جا پڑے ہیں دور ف۴ اور

مَاۤ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِیُبَیِّنَ لَهُمْ ؕ فَیُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ یَّشَآءُ

کوئی رسول نہیں بھیجا ہم نے مگر بولی بولنے والا اپنی قوم کی تا کہ ان کو سمجھائے ف۵ پھر راستہ بھلاتا ہے اللہ جس کو چاہے

وَیَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ۝۴

اور راستہ دکھلا دیتا ہے جس کو چاہے اور وہ ہی زبردست حکمتوں والا ف۶

(۱) **قرآن کی عظمت شان** یعنی اس کتاب کی عظمت شان کا اندازہ اس بات سے کرنا چاہئے کہ ہم اس کے اتارنے والے، اور آپ جیسی رفیع الشان شخصیت اس کی اٹھانے والی ہے اور مقصد بھی اس قدر اعلیٰ وارفع ہے جس سے بلند تر کوئی مقصد نہیں ہو سکتا۔ وہ یہ کہ خدا کے حکم و توفیق سے تمام دنیا کے لوگوں کو خواہ عرب ہوں یا عجم، کالے ہوں یا گورے، مزدور ہوں یا سرمایہ دار بادشاہ ہوں یا رعایا سب کو جہالت و اوہام کی گھٹا ٹوپ اندھیریوں سے نکال کر معرفت و بصیرت اور ایمان و ایقان کی روشنی میں کھڑا کرنے کی کوشش کیجائے۔

(۲) یعنی صحیح معرفت کی روشنی میں اس راستہ پر چل پڑیں جو زبردست و غالب، ستودہ صفات، شہنشاہِ مطلق اور مالک الکل خدا کا بتایا ہوا اور اس کے مقام رضا تک پہنچانے والا ہے۔

۱؎ راہ۔ ۲؎ کی طرف

۳؎ نکالنا چاہتے ہیں ۴؎ بھٹکاتا ہے۔ ۵؎ دیتا ہے۔

(۳) یعنی جو لوگ ایسی کتاب نازل ہونے کے بعد کفر و شرک اور جہالت و ضلالت کی اندھیری سے نہ نکلے اُن کو سخت عذاب اور ہلاکت خیز مصیبت کا سامنا ہے، آخرت میں یا دنیا میں بھی۔

(۴) **کفار کی دنیا کی محبت اور گمراہی** یہ کافروں کا حال بیان فرمایا کہ اُن کا اوڑھنا بچھونا یہی دنیا ہے آخرت کے مقابلہ میں اسی کو پسند کرتے اور ترجیح دیتے ہیں۔ شب و روز اسی کی محبت میں غرق رہتے ہیں اور دوسروں کو بھی چاہتے ہیں کہ دنیا کی محبت میں پھنسا کر خدا تعالیٰ کی خوشنودی کے راستہ سے روک دیں۔ اسی لئے یہ فکر رہتی ہے کہ خدا کے دین میں کوئی عیب نکالیں اور سیدھے راستہ کو ٹیڑھا ثابت کریں۔ فی الحقیقت یہ لوگ راستہ سے بھٹک کر بہت ہی دور جا پڑے ہیں جن کے واپس آنے کی توقع نہیں۔ خدا کی سخت مار پڑے گی۔ تب آنکھیں کھلیں گی۔

(۵) **تمام انبیاء اپنی قوم کی زبان بولتے تھے** یعنی جس طرح آپ کو ہم نے لوگوں کی ہدایت کے لئے یہ عظیم الشان کتاب عطا فرمائی۔ پہلے بھی ہر زمانہ میں سامان ہدایت بہم پہنچاتے رہے ہیں۔ چونکہ طبعی ترتیب کے موافق ہر پیغمبر کے اولین مخاطب اُسی قوم کے لوگ ہوتے ہیں جس میں سے وہ پیغمبر اُٹھایا جاتا ہے اس لئے اسی کی قومی زبان میں وحی بھیجی جاتی رہی۔ تا احکام الٰہیہ کے سمجھنے سمجھانے میں پوری سہولت رہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمّتِ دعوت میں گو تمام جن و انس شامل ہیں۔ تاہم جس قوم میں سے آپ اٹھائے گئے اس کی زبان عربی تھی اور ترتیب طبعی کے موافق شیوعِ ہدایت کی یہی صورت مقدر تھی کہ آپ کے اولین مخاطب اور مقدم ترین شاگرد ایسی سہولت اور خوبی سے قرآنی تعلیمات و حقائق کو سمجھ لیں اور محفوظ کر لیں کہ اُن کے ذریعہ سے تمام اقوام عالم اور آنے والی نسلیں درجہ بدرجہ قرآنی رنگ میں رنگی جا سکیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا عربوں نے اپنے نبی کی صحبت میں رہ کر اپنی قومی زبان میں جس سے اُنہیں بیحد شغف تھا، قرآنی علوم پر کافی دسترس پائی، پھر وہ مشرق و مغرب میں پھیل پڑے اور روم و فارس پر چھا گئے۔ اُس وقت قدرت نے عجمی قوموں میں ایسا زبردست جوش اور داعیہ کلام الٰہی کی معرفت اور زبان عربی میں مہارت حاصل کرنے کا پیدا فرما دیا کہ تھوڑی مدت کے بعد وہ قرآنی علوم کی شرح و تبیین میں اپنے معاصر عربوں سے گوئے سبقت لے گئے بلکہ عموماً علوم دینیہ و ادبیہ کا مدار ثریا تک پرواز کرنے والے عجمیوں پر رہ گیا۔ اس طرح خدا کی حجت بندوں پر تمام ہوتی رہی اور وقتاً فوقتاً قرآنی ہدایات سے مستفید ہونے کے اسباب فراہم ہوتے رہے۔ فالحمد للہ علیٰ ذٰلک۔ بہرحال خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے خاص قوم عرب میں سے اُٹھائے جانے کی اگر کچھ وجوہ موجود ہیں (اور یقیناً ہیں)، تو اُن ہی وجوہ کے نتیجہ میں اس سوال کا جواب بھی آ جاتا ہے کہ قرآن عربی زبان میں اُتار کر خداوند عالم نے عربوں کی رعایت کیوں کی؟۔

(۶) یعنی تبیین و ہدایت کے سامان مکمل کر دیئے پھر جس نے ان سامانوں سے منتفع ہونا چاہا اُس کی دستگیری فرما کر راہ پر لگا دیا جس نے روگردانی کی اُسے گمراہی میں چھوڑے رکھا۔ وہ زبردست اور غالب ہے۔ چاہے تو سب کو زبردستی راہ ہدایت پر لگا دے۔ لیکن اُسکی حکمت مقتضی ہوئی کہ انسان کو کسب و اختیار کی ایک حد تک آزادی دے کر رحمت و غضب دونوں کے مظاہر کو دنیا میں باقی رہنے دے۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَاۤ اَنْ اَخْرِجْ قَوْمَكَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۙ وَذَكِّرْهُمْ

اور بھیجا تھا ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانیاں دے کر کہ نکال اپنی قوم کو اندھیروں سے اُجالے کی طرف اور یاد دلا اُن کو

بِاَيّٰىمِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ۝ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اذْكُرُوْا

دن اللہ کے البتہ اس میں نشانیاں ہیں اُس کو جو صبر کرنیوالا ہے شکر گذار ف ۱ اور جب کہا موسیٰ نے اپنی قوم کو یاد کرو

نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ اَنْجٰىكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ وَيُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ

اللہ کا احسان اپنے اوپر جب چھڑا دیا تم کو فرعون کی قوم سے وہ پہنچاتے تھے تم کو برا عذاب ف ۸ اور ذبح کرتے تمہارے بیٹوں کو

ف۱ حق ماننے والا۔

وَ يَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ ؕ وَ فِيْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ۟۶ وَ اِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكُمْ لَئِنْ

اور زندہ رکھتے تمہاری عورتوں کو اور اُس میں مدد ہوئی تمہارے رب کی طرف سے بڑی ف۹ اور جب سُنا دیا تمہارے رب نے اگر احسان

شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ وَ لَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ ۟۷ وَ قَالَ مُوْسٰۤى اِنْ تَكْفُرُوْۤا اَنْتُمْ

مانوگے تو اور بھی دونگا تم کو ف۱۰ اور اگر ناشکری کروگے تو میرا عذاب البتہ سخت ہے ف۱۱ اور کہا موسیٰ نے اگر کفر کروگے تم

وَ مَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ حَمِيْدٌ ۟۸ اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَبَؤُا الَّذِيْنَ مِنْ

اور جو لوگ زمین میں ہیں سارے تو اللہ بے پروا ہے سب خوبیوں والا ف۱۲ کیا نہیں پہنچی تم کو خبر اُن لوگوں کی جو پہلے تھے

قَبْلِكُمْ قَوْمِ نُوْحٍ وَّ عَادٍ وَّ ثَمُوْدَ ۬ؕ وَ الَّذِيْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ؕۛ لَا يَعْلَمُهُمْ اِلَّا اللّٰهُ ؕ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ

تم سے قوم نوح کی اور عاد اور ثمود اور جو اُن سے پیچھے ہوئے کسی کو اُنکی خبر نہیں مگر اللہ کو ف۱۳ آئے اُنکے پاس اُن کے رسول

بِالْبَيِّنٰتِ فَرَدُّوْۤا اَيْدِيَهُمْ فِيْۤ اَفْوَاهِهِمْ وَ قَالُوْۤا اِنَّا كَفَرْنَا بِمَاۤ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ وَ اِنَّا لَفِيْ شَكٍّ

نشانیاں لے کر پھر[1] لوٹائے انہوں نے اپنے ہاتھ اپنے مُنہ میں ف۱۴ اور بولے ہم نہیں مانتے جو تم کو دے کر بھیجا اور ہم کو تو شبہ ہے اُس راہ

مِّمَّا تَدْعُوْنَنَاۤ اِلَيْهِ مُرِيْبٍ ۟۹

میں جسکی طرف تم ہمکو بلاتے ہو خلجان میں ڈالنے والا

(۷) **حضرت موسیٰؑ کی آیات** "نشانیاں دیکر" یعنی معجزات دے کر جو "آیات تسعہ" کے نام سے مشہور ہیں، یا آیات تورات مُراد ہوں۔ اور "یاد دلا ان کو دن اللہ کے" یعنی اُن دنوں کے واقعات یاد دلاؤ، جب اُن پر شدائد و مصائب کے پہاڑ ٹوٹے پھر اللہ تعالیٰ نے ان سے نجات دی اور اپنی مہربانی مبذول فرمائی۔ کیونکہ دونوں قسم کے حالات سننے سے صابر و شاکر بندوں کو عبرت حاصل ہوتی ہے، کہ مصیبت کے وقت گھبرانا اور راحت کے وقت اِترانا نہیں چاہیئے جو لوگ پہلے کامیاب ہوئے ہیں وہ سختیوں پر صبر اور نعمائے الٰہیہ پر شکر کرنے سے ہوئے ہیں وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنٰى عَلٰى بَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ ۙ بِمَا صَبَرُوْا ؕ وَ دَمَّرْنَا مَا كَانَ يَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَ قَوْمُهٗ وَ مَا كَانُوْا يَعْرِشُوْنَ (اعراف رکوع ۱۶)

(۸) مثلاً تم کو غلام بنا رکھا تھا اور سخت بیگاریں لیتے تھے۔

(۹) **بنی اسرائیل کی آزمائش** کہ تم کو غلامی کی ذلت سے نکالا اور دولت آزادی سے مالا مال کیا۔ "بلاء" کے اصل معنی آزمائش کے ہیں۔ تکلیف اور راحت دونوں حالتوں میں بندے کے صبر و شکر کی آزمائش ہے۔ وَنَبْلُوْكُمْ بِالشَّرِّ وَ الْخَيْرِ فِتْنَةً "(الانبیاء رکوع ۳) وَبَلَوْنٰهُمْ بِالْحَسَنٰتِ وَ السَّيِّاٰتِ (اعراف رکوع ۲۱) چونکہ فرعونیوں سے نجات دینا بڑی نعمت تھی تو یہاں آزمائش انعام سے ہوئی جسے مترجم محقق نے بطور حاصل معنی لفظ "مدد" سے تعبیر کیا۔ اس قسم کی آیت سورہ بقرہ اور اعراف میں گذر چکی ہے، وہاں کے فوائد ملاحظہ کر لئے جائیں۔

(۱۰) **شکر سے نعمت بڑھتی ہے** موسیٰ علیہ السلام کا مقولہ ہے یعنی وہ وقت بھی یاد کرو جب تمہارے پروردگار نے اعلان فرما دیا کہ اگر احسان مان کر زبان و دل سے میری نعمتوں کا شکر ادا کروگے تو اور زیادہ نعمتیں ملیں گی جسمانی و روحانی اور دنیوی و اُخروی ہر قسم کی۔

(۱۱) موجودہ نعمتیں سلب کر لی جائیں گی اور ناشکری کی مزید سزا الگ رہی۔ حدیث میں ہے کہ حضورؐ کی خدمت میں ایک سائل آیا آپ نے ایک کھجور عنایت فرمائی اُس نے نہ لی یا پھینک دی۔ پھر دوسرا سائل آیا اس کو بھی ایک کھجور دی، وہ بولا "سبحان اللہ تمرۃ من رسول اللہ صلی اللہ علیہ

[1] منکر ہو گئے۔ [2] اُلٹے دے لئے۔

وسلم" یعنی رسول اللہ کا تبرک ہے۔ آپ نے جاریہ کو حکم دیا کہ اُم سلمہ کے پاس جو چالیس درہم رکھے ہیں وہ اس (شکر گذار) سائل کو دلوا دے۔

(۱۲) **ناشکری سے اللہ کا کچھ نہیں بگڑتا** یعنی کفران نعمت کا ضرر تم ہی کو پہنچے گا۔ خدا کا کچھ نہیں بگڑتا۔ اُسے تمہارے شکریوں کی کیا حاجت ہے۔ کوئی شکر ادا کرے یا نہ کرے، بہرحال اُس کے حمید و محمود ہونے میں کچھ کمی نہیں آتی۔ صحیح مسلم میں حدیث قدسی ہے جس میں حق تعالیٰ نے فرمایا "اے میرے بندو! اگر تمہارے اگلے پچھلے، جن و انس سب کے سب ایک اعلیٰ درجہ کے متقی شخص کے نمونہ پر ہو جائیں تو اس سے میرے ملک میں کچھ بڑھ نہیں جاتا۔ اور اگر سب اگلے پچھلے جن و انس مل کر بفرض محال ایک بدترین انسان جیسے ہو جائیں۔ (العیاذ باللہ) تو اس سے میرے ملک میں ذرہ برابر کمی نہیں ہوتی"۔

(۱۳) **پچھلی قوموں کا علم صرف اللہ کو ہے** یہ موسیٰ علیہ السلام کے کلام کا تتمہ ہے۔ یا اُسے چھوڑ کر حق تعالیٰ نے اِس اُمت کو خطاب فرمایا ہو بہرحال اُس میں بتلایا کہ جو بے شمار قومیں پہلے گذر چکیں اُن کے تفصیلی پتے اور احوال بجز خدا کے کسی کو معلوم نہیں البتہ چند قومیں جو عرب والوں کے یہاں زیادہ مشہور تھیں اُن کے نام لے کر اور بقیہ کو "وَالَّذِيْنَ مِنْ بَعْدِهِمْ" میں درج کر کے متنبہ فرماتے ہیں کہ ان اقوام کا جو کچھ حشر ہوا کیا وہ تم کو نہیں پہنچا۔ تعجب ہے اتنی قومیں پہلے تباہ ہو چکیں اور اُن کے حال سے ابھی تک تمہیں عبرت حاصل نہ ہوئی۔ (تنبیہ) ابن عباس نے "لَا يَعْلَمُهُمْ اِلَّا اللّٰهُ" کو پڑھ کر فرمایا "كَذَبَ النَّسَّابُوْنَ" یعنی انساب کی پوری معرفت کا دعویٰ رکھنے والے جھوٹے ہیں) عروۃ بن الزبیر فرماتے ہیں کہ ہم نے کسی کو نہیں پایا جو معد بن عدنان سے اوپر (تحقیقی طور پر) نسب کا حال بتاتا ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۱۴) **کفار کی انبیاء کے ساتھ بدسلوکی** یعنی کفار فرط غیظ سے اپنے ہاتھ کاٹنے لگے جیسے دوسری جگہ ہے "عَضُّوْا عَلَيْكُمُ الْاَنَامِلَ مِنَ الْغَيْظِ" یا انبیاء کی باتیں سُن کر فرط تعجب سے ہاتھ مُنہ پر رکھ لئے، یا ہاتھ منہ کی طرف لیجا کر اشارہ کیا کہ بس چُپ رہیے۔ یا ہماری اس زبان سے اس جواب کے سوا کوئی توقع نہ رکھو، جو آگے آرہا ہے۔ یا پیغمبر کی باتیں سُن کر ہنستے تھے اور کبھی ہنسی کے دبانے کو منہ پر ہاتھ رکھ لیتے تھے اور یہ بھی ممکن ہے کہ "اَيْدِيَهُمْ" کی ضمیر کفار کی طرف اور "اَفْوَاهِهِمْ" کی "رُسُل" کی طرف راجع ہو، یعنی ملعونوں نے اپنے ہاتھ پیغمبروں کے منہ میں اڑا دئے کہ وہ بالکل بول نہ سکیں یا دونوں ضمیریں رُسُل کی طرف ہوں، یعنی سخت گستاخانہ طور پر انبیاء کے ہاتھ پکڑ کر انہیں کے منہ میں ٹھونس دئے ⁂ محاورات میں کہتے ہیں کہ میں نے فلاں شخص کی چیز اُس کے منہ پر ماری۔ بہرحال کوئی معنی لئے جائیں سب کا حاصل یہ ہے کہ اُنہوں نے نعمت خداوندی کی ناقدری کی اور انبیاء علیہم السلام کی دعوت قبول نہ کی اُن کے ساتھ بڑی بے رخی بلکہ گستاخی سے پیش آئے۔ ۴

⁂ بعض کے نزدیک یہاں "ایدی" سے مراد نعمتیں ہیں یعنی جو عظیم الشان نعمتیں انبیاء نے پیش کی تھیں مثلاً شرائع الٰہیہ وغیرہ وہ ناقدری سے انہیں کی طرف لوٹا دیں کسی کو قبول نہ کیا جیسے ہمارے ۴

قَالَتْ رُسُلُهُمْ اَفِي اللّٰهِ شَكٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ يَدْعُوْكُمْ لِيَغْفِرَ لَكُمْ مِّنْ

بولے اُن کے رسول کیا اللہ میں شبہ ہے جس نے بنائے آسمان اور زمین ف۱۵ وہ تم کو بلاتا ہے تاکہ بخشے تم کو کچھ گناہ

ذُنُوْبِكُمْ وَيُؤَخِّرَكُمْ اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ قَالُوْۤا اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ؕ تُرِيْدُوْنَ اَنْ

تمہارے ف۱۶ اور ڈھیل دے تم کو ایک وعدہ تک جو ٹھہر چکا ہے ف۱۷ کہنے لگے تم تو یہی آدمی ہو ہم جیسے تم چاہتے ہو کہ

تَصُدُّوْنَا عَمَّا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا فَاْتُوْنَا بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ۝۱۰ قَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ اِنْ نَّحْنُ

روک دو ہم کو اُن چیزوں سے جن کو پوجتے رہے ہمارے باپ دادے سو لاؤ کوئی سند کھلی ہوئی ف۱۸ اُن کو کہا اُن کے رسولوں نے ہم تو

اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَمُنُّ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَمَا كَانَ لَنَاۤ اَنْ نَّاْتِيَكُمْ

یہی آدمی ہیں جیسے تم لیکن اللہ احسان کرتا ہے اپنے بندوں میں جس پر چاہے ف۱۹ اور ہمارا کام نہیں کہ لے آئیں تمہارے

بِسُلْطٰنٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۱﴾ وَمَا لَنَآ اَلَّا نَتَوَكَّلَ عَلَى

پاس سند مگر اللہ کے حکم سے اور اللہ پر بھروسہ چاہئے ایمان والوں کو ف۲۰ اور ہم کو کیا ہوا کہ بھروسہ نہ کریں اللہ

اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰىنَا سُبُلَنَا ؕ وَلَنَصْبِرَنَّ عَلٰى مَآ اٰذَيْتُمُوْنَا ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ﴿۱۲﴾ ع ۲ / ۱۴

پر اور وہ سمجھا چکا ہم کو ہماری راہیں ف۲۱ اور ہم صبر کریں گے ایذا پر جو تم ہم کو دیتے ہو اور اللہ پر بھروسہ چاہئے بھروسے والوں کو ف۲۲

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِرُسُلِهِمْ لَنُخْرِجَنَّكُمْ مِّنْ اَرْضِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا ؕ فَاَوْحٰٓى اِلَيْهِمْ

اور کہا کافروں نے اپنے رسولوں کو ہم نکال دیں گے تم کو اپنی زمین سے یا لوٹ آؤ ہمارے دین میں ف۲۳ تب حکم بھیجا اُن کو

رَبُّهُمْ لَنُهْلِكَنَّ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۳﴾ وَلَنُسْكِنَنَّكُمُ الْاَرْضَ مِنْ بَعْدِهِمْ ؕ ذٰلِكَ لِمَنْ خَافَ

اُن کے رب نے ہم غارت کریں گے اِن ظالموں کو اور آباد کریں گے تم کو اس زمین میں اِن کے پیچھے ف۲۴ یہ ملتا ہے اُس کو جو ڈرتا ہے کھڑے ہونے سے

مَقَامِيْ وَخَافَ وَعِيْدِ ﴿۱۴﴾ وَاسْتَفْتَحُوْا وَخَابَ كُلُّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ ﴿۱۵﴾ مِّنْ وَّرَآئِهٖ جَهَنَّمُ

میرے سامنے اور ڈرتا ہے میرے عذاب کے وعدہ سے ف۲۵ اور فیصلہ لگے مانگنے پیغمبر ف۲۶ اور نامراد ہوا ہر ایک سرکش ضدی ف۲۷ پیچھے اُس کے دوزخ ہے

وَيُسْقٰى مِنْ مَّآءٍ صَدِيْدٍ ﴿۱۶﴾ يَّتَجَرَّعُهٗ وَلَا يَكَادُ يُسِيْغُهٗ وَيَاْتِيْهِ الْمَوْتُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّ

اور پلائیں گے اُس کو پانی پیپ کا ف۲۸ گھونٹ گھونٹ پیتا ہے اسکو اور گلے سے نہیں اُتار سکتا ف۲۹ اور چلی آتی ہے اُس پر موت ہر طرف سے اور

مَا هُوَ بِمَيِّتٍ ؕ وَمِنْ وَّرَآئِهٖ عَذَابٌ غَلِيْظٌ ﴿۱۷﴾

وہ نہیں مرتا اور اُس کے پیچھے عذاب ہے سخت ف۳۰

(۱۵) **توحید میں شبہ غیر عقلی ہے** یعنی خدا کی ہستی اور وحدانیت تو ایسی چیز نہیں جس میں شک وشبہ کی ذرا بھی گنجائش ہو۔ انسانی فطرۃ خدا کے وجود پر گواہ ہے۔ علویات وسفلیات کا عجیب وغریب نظام شہادت دیتا ہے کہ اس مشین کے پرزوں کو وجود کے سانچہ میں ڈھالنے والا اُنہیں جوڑ کر نہایت محکم ومنظم طریقہ سے چلانے والا ایک زبردست ہاتھ ہونا چاہئے جو کامل حکمت واختیار سے عالم کی مشین کو قابو میں کئے ہوئے ہے اسی لئے کٹر سے کٹر مشرک کو بھی کسی نہ کسی رنگ میں اس بات کے اعتراف سے چارہ نہیں رہا کہ بڑا خدا جس نے آسمان وزمین وغیرہ کرات پیدا کئے وہ ایک ہی ہو سکتا ہے جو تمام چھوٹے چھوٹے دیوتاؤں سے اونچے مقام پر براجمان ہو۔ انبیاء کی تعلیم یہ ہے کہ جب انسانی فطرت نے ایک علیم وحکیم قادر وتوانا منبع الکمالات خدا کا سراغ پالیا پھر اوہام وظنون کی دلدل میں پھنس کر اس سادہ فطری عقیدہ کو کھلونا یا چیستاں کیوں بنایا جاتا ہے۔ وجدان شہادت دیتا ہے کہ ایک قادر مطلق اور عالم الکل خدا کی موجودگی میں کسی پتھر یا درخت یا انسانی تصویر یا سیارہ فلکی یا اور کسی مخلوق کو الوہیت میں شریک کرنا فطرت صحیحہ کی آواز کو دبانے یا بگاڑنے کا مرادف ہے۔ کیا خداوند قدوس کی ذات وصفات میں (معاذ اللہ) کچھ کمی محسوس ہوئی جس کی مخلوق خداؤں کی جمعیت سے تلافی کرنا چاہتے ہو۔

(۱۶) **اہل عالم کو اللہ کی دعوت** یعنی ہم نہیں بلاتے۔ فی الحقیقت ہمارے ذریعہ سے وہ تم کو اپنی طرف بلا رہا ہے کہ توحید وایمان کے راستہ پر چل کر اس کے مقام قرب تک پہنچو۔ اگر تم اپنی حرکتوں سے باز آ کر ایمان وایقان کا طریق اختیار کر لو تو ایمان لانے سے پیشتر کے سب گناہ (بجز حقوق و زواجر کے) معاف کر دے گا۔ پھر ایمان لانے کے بعد جیسا عمل کرو گے اُس کے موافق معاملہ ہوگا۔

ل فتح ۔ ۲ ضد کرنیوالا ۔ ۳ جگہ ۔

(۱۷) یعنی کفر و شرارت پر قائم رہنے کی صورت میں جو جلد تباہ کئے جاتے اُس سے محفوظ ہو جاؤ گے اور جتنی مدت دنیا میں رہو گے سکون و اطمینان کی زندگی گذارو گے۔ "یُمَتِّعْکُمْ مَّتَاعًا حَسَنًا" اور "فَلَنُحْیِیَنَّهٗ حَیٰوةً طَیِّبَةً" وغیرہ نصوص کے موافق۔

(۱۸) **رسالت پر کفار کے اعتراضات** یعنی اچھا خدا کی بحث کو چھوڑیے۔ آپ اپنی نسبت کہیں کیا آپ آسمان کے فرشتے ہیں؟ یا نوع بشر کے علاوہ کوئی دوسری نوع ہیں؟ جب کچھ نہیں ہم ہی جیسے آدمی ہو تو آخر کس طرح آپ کی باتوں پر یقین کر لیں آپ کی خواہش یہ ہو گی کہ ہم کو قدیم مذہب سے ہٹا کر اپنا تابع بنا لیں تو خاطر جمع رکھئے یہ کبھی نہ ہو گا۔ اگر آپ اپنا امتیاز ثابت کرنا اور اس مقصد میں کامیاب ہونا چاہتے ہیں تو کوئی ایسا کھلا ہوا نشان یا خدائی سرٹیفکٹ دکھلایئے جس کے سامنے خواہی نہ خواہی سب کی گردنیں جھک جائیں۔ اور یہ اُسی وقت ممکن ہے جب ہماری فرمائش کے موافق معجزات دکھلائیں۔

(۱۹) **انبیاء تمام بشر تھے مگر کامل بشر** یعنی تمہارا یہ کہنا درست ہے کہ ہم نہ فرشتے ہیں نہ کوئی اور مخلوق بلکہ نفس بشریت میں تم ہی جیسے ہیں لیکن نوع بشر کے افراد میں احوال و مدارج کے اعتبار سے کیا زمین و آسمان کا تفاوت نہیں آخر اتنا تو تم بھی مشاہدہ کرتے ہو کہ حق تعالیٰ نے جسمانی، دماغی، اخلاقی اور معاشی حالات کے اعتبار سے بعض انسانوں کو بعض پر کس قدر فضیلت دی ہے۔ پھر اگر یہ کہا جائے کہ خدا نے اپنے بعض بندوں کو اُن کی فطری قابلیت اور اعلیٰ ملکات کی بدولت روحانی کمال اور باطنی قرب کے اُس بلند مقام پر پہنچا دیا جسے "مقام نبوت" یا "منصب رسالت" کہتے ہیں تو اس میں کیا اشکال و استبعاد ہے؟ بہرحال دعوئے نبوت سے یہ لازم نہیں آتا کہ ہم اپنی نسبت بشر کے سوا کوئی دوسری نوع ہونے کا دعوے رکھتے ہیں۔ ہاں اس قدر ثابت ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ اپنے بندوں میں سے بعض پر ایک خصوصی احسان فرماتا ہے جو دوسروں پر نہیں ہوتا۔

(۲۰) **اللہ کے حکم کے بغیر کوئی معجزہ نہیں دکھایا جا سکتا** یعنی اب رہا سند اور سرٹیفکٹ لانے کا قصہ، سو خدا کے حکم سے ہم پہلے ہی اپنی نبوت کی سند اور روشن نشانیاں دکھلا چکے ہیں کما قال جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ" جو آدمی ماننا چاہے اُس کے اطمینان کے لئے وہ کافی سے زیادہ ہیں۔ باقی تمہاری فرمائشیں پوری کرنا، تو یہ چیز ہمارے قبضہ میں نہیں۔ نہ ہماری تصدیق عقلاً اس پر موقوف ہے۔ خدا تعالیٰ اپنی حکمت کے موافق جو سند اور نشان چاہے، تم کو دکھلائیگا۔ فرمائشی نشانات دیکھنے سے ایمان نہیں آتا، اللہ کے دینے سے آتا ہے۔ لہٰذا ایک ایماندار کو اسی پر بھروسہ کرنا چاہئے۔ اگر تم نہ مانو گے اور ہماری عداوت و ایذاء رسانی پر تیار ہو گے، تو ہمارا بھروسہ اُسی خدا کی مہربانی اور امداد پر رہیگا

(۲۱) یعنی حق تعالیٰ ہم کو جام توحید و عرفان پلا کر حقیقی کامیابی کے راستے بتا چکا۔ پھر کیسے ممکن ہے کہ ہم اس پر توکل نہ کریں۔

(۲۲) **انبیاء کا توکل اور استقامت** یعنی تم خواہ کتنی ہی ایذاء پہنچاؤ، خدا کے فضل سے ہمارے توکل میں فرق نہیں پڑ سکتا۔ متوکلین کا یہ کام نہیں کہ سختیاں دیکھ کر توکل اور استقامت کی راہ سے ہٹ جائیں۔

(۲۳) **رسولوں کو کفار کی دھمکیاں** یعنی اپنے توکل وغیرہ کو رہنے دو، زیادہ بزرگی مت جتاؤ۔ بس اب دو باتوں میں سے ایک بات ہو کر رہیگی یا تم (بعثت سے پہلے کی طرح) چپ چاپ ہم میں رل مل کر رہو گے اور جن کو تم نے بہکایا ہے وہ سب ہمارے پُرانے دین میں واپس آئیں گے، ورنہ تم سب کو ملک بدر اور جلا وطن کیا جائے گا۔

(۲۴) **انبیاء سے اللہ تعالیٰ کا وعدہ** یعنی یہ تم کو کیا نکالیں گے ہم ہی ان ظالموں کو تباہ کر کے ہمیشہ کے لئے یہاں سے نکال دیں گے کہ پھر کبھی واپس نہ آ سکیں۔ اور اُن کی جگہ تم کو اور تمہارے مخلص وفاداروں کو زمین میں آباد کریں گے۔ دیکھ لو کفار مکہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو ہمیشہ کے لئے مکہ سے نکالنا چاہا، وہ ہی نکلنا آخر اس کا سبب بن گیا کہ وہاں اسلام اور مسلمانوں کا دائمی تسلط ہو اور کافر کا نشان باقی نہ رہے۔

(۲۵) یعنی مذکورہ بالا کامیابی اُن لوگوں کے لئے ہے جو خدا سے ڈرتے ہیں یہ خیال کر کے کہ وہ ہماری تمام حرکتوں کو برابر دیکھ رہا ہے اور ایک

دن حساب دینے کے لئے اُس کے سامنے کھڑا ہونا ہے جہاں اُس کے بے پناہ عذاب سے کوئی بچانیوالا نہ ہوگا۔

(۲۶) **اللہ سے انبیاء کی استعانت** یعنی پیغمبروں نے خدا سے مدد مانگی اور فیصلہ چاہا۔ چنانچہ نوح علیہ السلام نے کہا تھا "فَافْتَحْ بَيْنِي وَبَيْنَهُمْ فَتْحًا وَّنَجِّنِي" الخ لوط علیہ السلام نے کہا "رَبِّ نَجِّنِي وَأَهْلِي مِمَّا يَعْمَلُونَ" شعیب علیہ السلام نے عرض کیا "رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ" موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی "رَبَّنَا إِنَّكَ آتَيْتَ فِرْعَوْنَ وَمَلَأَهُ" الخ اور کفار نے بھی جب دیکھا کہ اتنی طویل مدت سے عذاب کی دھمکیاں دی جارہی ہیں لیکن اس کے آثار کچھ نظر نہیں آتے تو استہزاء و تمسخر سے کہنے لگے "رَبَّنَا عَجِّلْ لَّنَا قِطَّنَا قَبْلَ يَوْمِ الْحِسَابِ" (صٓ رکوع ۲) اور "اللَّهُمَّ إِن كَانَ هَٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِندِكَ فَأَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَاءِ أَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ أَلِيمٍ" (انفال۔ رکوع ۴) یہ تو قریش کے مقولے ہیں، قوم نوح نے کہا تھا "فَأْتِنَا بِمَا تَعِدُنَا" قوم شعیب نے کہا "فَأَسْقِطْ عَلَيْنَا كِسَفًا" وغیر ذٰلک۔ غرض دونوں طرف سے فیصلہ کی جلدی ہونے لگی۔

(۲۷) یعنی پیغمبروں کا خدا کو پکارنا تھا کہ مدد آئی اور ہر ایک سرکش اور ضدی نامُراد ہو کر رہ گیا۔ جو کچھ خیالات پکار رکھے تھے، ایک ہی پکڑ میں کافور ہوگئے نہ وہ رہے نہ اُن کی توقعات رہیں۔ ایک لمحہ میں سب کا خاتمہ ہوا۔

(۲۸) **دوزخیوں کا پانی** یعنی یہ تو یہاں کا عذاب تھا، اس کے بعد آگے دوزخ کا بھیانک منظر ہے جہاں شدت تشنگی کے وقت اُن کو پیپ یا پیپ جیسا پانی پلایا جائیگا۔

(۲۹) یعنی خوشی سے کہاں پی سکیں گے۔ حدیث میں ہے کہ فرشتے لوہے کے گرز سر پر مار کر زبردستی مُنہ میں ڈالیں گے جس وقت مُنہ کے قریب کرینگے شدت حرارت سے دماغ تک کی کھال اُتر کر نیچے لٹک پڑے گی، مُنہ میں پہنچ کر گلے میں پھنسے گا، بڑی مصیبت اور تکلیف کے ساتھ ایک ایک گھونٹ کر کے حلق سے نیچے اُتاریں گے پیٹ میں پہنچا ہوگا کہ آنتیں کٹ کر باہر آجائیں گی۔ "وَسُقُوا مَاءً حَمِيمًا فَقَطَّعَ أَمْعَاءَهُمْ" (محمد رکوع ۲) "وَإِن يَسْتَغِيثُوا يُغَاثُوا بِمَاءٍ كَالْمُهْلِ يَشْوِي الْوُجُوهَ" (کہف رکوع ۴) (اعاذنا اللہ منہا وسائر المومنین)۔

(۳۰) **دوزخ کے سخت احوال** یعنی اُس کا پینا کیا ہوگا ہر طرف سے موت کا سامنا کرنا ہوگا، سر سے پاؤں تک ہر عضو بدن پر سکرات موت طاری ہونگے، شش جہت سے مہلک عذاب کی چڑھائی ہوگی۔ اس زندگی پر موت کو ترجیح دیں گے۔ لیکن موت بھی نہیں آئے گی جو سب تکلیفوں کا خاتمہ کر دے۔ ایک عذاب کے پیچھے دوسرا تازہ عذاب آتا رہیگا۔ "كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُودُهُم بَدَّلْنَاهُمْ جُلُودًا غَيْرَهَا لِيَذُوقُوا الْعَذَابَ" (نساء رکوع ۸) "ثُمَّ لَا يَمُوتُ فِيهَا وَلَا يَحْيَىٰ" (اعلیٰ رکوع ۱) سچ ہے ؎ اب تو گھبرا کے یہ کہتے ہیں کہ مرجائینگے مر کے بھی چین نہ پایا تو کدھر جائیں گے۔ اللَّهُمَّ احْفَظْنَا۔

•

مَثَلُ الَّذِينَ كَفَرُوا بِرَبِّهِمْ أَعْمَالُهُمْ كَرَمَادٍ اشْتَدَّتْ بِهِ الرِّيحُ فِي يَوْمٍ عَاصِفٍ لَّا

حال اُن لوگوں کا جو منکر ہوئے اپنے رب سے اُنکے عمل ہیں جیسے وہ راکھ کہ زور کی چلی اُس پر ہوا آندھی کے دن کچھ

يَقْدِرُونَ مِمَّا كَسَبُوا عَلَىٰ شَيْءٍ ذَٰلِكَ هُوَ الضَّلَالُ الْبَعِيدُ ﴿١٨﴾ أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ

اُن کے ہاتھ میں نہ ہوگا اپنی کمائی میں سے یہی ہے بہک کر دور جا پڑنا ۳۱ تو نے کیا نہیں دیکھا کہ اللہ نے بنائے آسمان

وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ إِن يَشَأْ يُذْهِبْكُمْ وَيَأْتِ بِخَلْقٍ جَدِيدٍ ﴿١٩﴾ وَمَا ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ بِعَزِيزٍ ﴿٢٠﴾ وَ

اور زمین جیسی چاہئے اگر چاہے تم کو لیجائے اور لائے کوئی پیدائش[1] نئی اور یہ اللہ کو کچھ مشکل نہیں ۳۲ اور

[1] مخلوق۔

وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ جَمِیْعًا فَقَالَ الضُّعَفٰٓؤُا لِلَّذِیْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا فَهَلْ اَنْتُمْ

سامنے کھڑے ہونگے اللہ کے سارے ف ۳۳ پھر کہیں گے کمزور بڑائی والوں کو ہم تو تمہارے تابع تھے سو کیا بچاؤ

مُّغْنُوْنَ عَنَّا مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ مِنْ شَیْءٍ ؕ قَالُوْا لَوْ هَدٰىنَا اللّٰهُ لَهَدَیْنٰكُمْ ؕ سَوَآءٌ عَلَیْنَاۤ اَجَزِعْنَاۤ

گے ہم کو اللہ کے کسی عذاب سے کچھ ف ۳۴ وہ کہیں گے اگر ہدایت کرتا ہم کو اللہ تو البتہ ہم تم کو ہدایت کرتے اب برابر ہے ہمارے حق میں ہم بیقراری کریں

ع ۹ / ۱۵ اَمْ صَبَرْنَا مَا لَنَا مِنْ مَّحِیْصٍ ﴿۲۱﴾ وَقَالَ الشَّیْطٰنُ لَمَّا قُضِیَ الْاَمْرُ اِنَّ اللّٰهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ

یا صبر کریں ہم کو نہیں خلاصی ف ۳۵ اور بولا شیطان جب فیصل ہو چکا سب کام بیشک اللہ نے تم کو دیا تھا سچا

الْحَقِّ وَوَعَدْتُّكُمْ فَاَخْلَفْتُكُمْ ؕ وَمَا كَانَ لِیَ عَلَیْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّاۤ اَنْ دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ

وعدہ اور میں نے تم سے وعدہ کیا پھر جھوٹا کیا اور میری تم پر کچھ حکومت نہ تھی مگر یہ کہ میں نے بلایا تم کو پھر تم نے مان لیا میری

لِیْ ۚ فَلَا تَلُوْمُوْنِیْ وَلُوْمُوْۤا اَنْفُسَكُمْ ؕ مَاۤ اَنَا بِمُصْرِخِكُمْ وَمَاۤ اَنْتُمْ بِمُصْرِخِیَّ ؕ اِنِّیْ كَفَرْتُ بِمَاۤ

بات کو سو الزام نہ دو مجھ کو اور الزام دو اپنے آپ کو نہ میں تمہاری فریاد کو پہنچوں نہ تم میری فریاد کو پہنچو میں ف ۱ منکر ہوں جو تم

اَشْرَكْتُمُوْنِ مِنْ قَبْلُ ؕ اِنَّ الظّٰلِمِیْنَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴿۲۲﴾ وَاُدْخِلَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

نے مجھ کو شریک بنایا تھا اس سے پہلے البتہ جو ظالم ہیں اُنکے لئے ہے عذاب درد ناک ف ۳۶ اور داخل کئے گئے جو لوگ ایمان لائے تھے اور کام کئے تھے نیک

جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ ؕ تَحِیَّتُهُمْ فِیْهَا سَلٰمٌ ﴿۲۳﴾

باغوں میں جن کے نیچے بہتی ہیں نہریں ہمیشہ رہیں اُن میں اپنے رب کے حکم سے ف ۳۷ اُنکی ملاقات ہے وہاں سلام ف ۳۸

(۳۱) **کفار کے اعمال کی مثال** بعض کفار کو یہ خیال ہو سکتا تھا کہ آخر ہم نے دنیا میں بہت سے اچھے کام صدقہ خیرات کی مدمیں کئے ہمارے خوش اخلاق لوگوں میں مشہور ہوئی، بہتیرے آدمیوں کی مصیبت میں کام آئے اور کسی نہ کسی عنوان سے خدا کی پوجا بھی کی، کیا یہ سب کیا کرایا اور دیا لیا اُس وقت کام نہ آئیگا؟ اس کا جواب اس تمثیل میں دیا۔ یعنی جسے خدا کی صحیح معرفت نہیں۔ محض فرضی اور وہمی خدا کو پوجتا ہے اُس کے تمام اعمال محض بے روح اور بے وزن ہیں۔ وہ محشر میں اسی طرح اُڑ جائیں گے جس طرح آندھی کے وقت جب زور کی ہوا چلے تو راکھ کے ذرات اُڑ جاتے ہیں۔ اُس وقت کفار نیک عمل سے بالکل خالی ہاتھ ہونگے۔ حالانکہ وہ ہی موقع ہوگا جہاں نیک عمل کی سب سے زیادہ ضرورت ہوگی۔ اللہ اکبر! یہ کیسی حسرت کا وقت ہوگا کہ جن اعمال کو ذریعہ قرب و نجات سمجھے تھے وہ راکھ کے ڈھیر کی طرح عین اُس موقع پر بے حقیقت ثابت ہوئے جب دوسرے لوگ اپنی نیکیوں کے ثمر شیریں سے لذت اندوز ہو رہے ہیں ؎ کہ بازار چنداں کہ آگندہ تر۔ تہی دست را دل پراگندہ تر۔

(۳۲) **دوسری زندگی کے دلائل** یعنی شاید کفار کو یہ خیال گذرے کہ جب مٹی میں مل کر مٹی ہو گئے۔ پھر دوبارہ زندگی کہاں۔ قیامت اور عذاب و ثواب وغیرہ سب کہانیاں ہیں، اُن کو بتلایا کہ جس خدا نے آسمان و زمین کامل قدرت و حکمت سے پیدا کئے اُسے تمہارا از سر نو دوبارہ پیدا کرنا، یا کسی دوسری مخلوق کو تمہاری جگہ لے آنا کیا مشکل ہے؟ اگر آسمان و زمین کے محکم نظام کو دیکھ کر یہ یقین ہوتا ہے کہ اس کا پیدا کرنے اور قائم رکھنے والا کوئی صانع حکیم ہے جیسا کہ لفظ "بالحق" میں تنبیہ فرمائی، تو کیسے کہا جا سکتا ہے کہ اُس نے اشرف المخلوقات (انسان) کو محض بے نتیجہ پیدا کیا ہوگا

ف ۱ سو کچھ دفع کرو گے ہم سے اللہ کے عذاب میں سے کچھ۔ ف ۲ راہ پر لانا۔ ف ۳ راہ پر لاتے۔
ف ۴ سو۔ ف ۵ مجھ کو قبول نہیں۔ ف ۶ رہا کریں انہی میں۔

اور اس کی تخلیق و ایجاد سے کوئی عظیم الشان مقصد متعلق نہ ہوگا۔ یقیناً اس زندگی کے بعد کوئی دوسری زندگی ہونی چاہئے جس میں آدم کی پیدائش کا مقصد عظیم اکمل و اتم طریقہ سے آشکارا ہو۔

(۳۳) یعنی سب سے بڑی عدالت میں پیشی ہوگی۔

(۳۴) **آخرت میں کفار کی اپنے بڑوں سے مدد کا سوال** یہ اتباع اپنے متبوعین سے کہیں گے یعنی دنیا میں تم بڑے بن کر بیٹھے تھے اور ہم نے تمہاری بہت تابعداری کی تھی، آج اس مصیبت کی گھڑی میں کچھ تو کام آؤ، کیا ایسا ہوسکتا ہے کہ عذاب الٰہی کے کسی حصّہ کو ہم سے ذرا ہلکا کر دو۔ یہ دوزخ میں جانے کے بعد کہیں گے یا میدان حشر میں، ابن کثیرؒ نے پہلے احتمال کو ترجیح دی ہے لقولہ تعالیٰ وَاِذْ یَتَحَآجُّوْنَ فِی النَّارِ فَیَقُوْلُ الضُّعَفٰٓؤُا لِلَّذِیْنَ اسْتَکْبَرُوْٓا اِنَّا کُنَّا لَکُمْ تَبَعًا الآیۃ وغیر ذلک من الآیات۔ واللہ اعلم۔

(۳۵) **اُن کا جواب** یعنی اگر خدا دنیا میں ہم کو ہدایت کی توفیق دیتا تو ہم تم کو بھی اپنے ساتھ سیدھے راستہ پر لے چلتے۔ لیکن ہم نے ٹھوکر کھائی تو تمہیں بھی لے ڈوبے۔ یا یہ مطلب ہے کہ اس وقت اگر خدا تعالیٰ ہم کو اس عذاب سے نکلنے کی کوئی راہ بتلاتا تو ہم تمہیں وہ ہی راہ بتا دیتے۔ اب تو تمہاری طرح ہم خود مصیبت میں مبتلا ہیں، اور مصیبت بھی ایسی جس سے چھٹکارے کی صورت نہیں۔ نہ صبر کرنے اور خاموش رہنے سے فائدہ، نہ گھبرانے اور چلاّنے سے کچھ حاصل۔

(۳۶) **دوزخ میں شیطان کی تقریر** یعنی حساب کتاب کے بعد جب جنتیوں کے جنت میں اور دوزخیوں کے دوزخ میں جانے کا فیصلہ ہو چکے گا اُس وقت کفار دوزخ میں جا کر یا داخل ہونے سے پہلے ابلیس لعین کو الزام دیں گے کہ مردود تو نے دنیا میں ہماری راہ ماری اور اس مصیبت میں گرفتار کرایا۔ اب کوئی تدبیر مثلاً سفارش وغیرہ کا انتظام کر تا عذاب الٰہی سے رہائی ملے۔ تب ابلیس اُن کے سامنے لکچر دیگا جس کا حاصل یہ ہے کہ بیشک حق تعالیٰ نے صادق القول پیغمبروں کے توسط سے ثواب و عقاب اور دوزخ و جنت کے متعلق سچے وعدے کئے تھے جن کی سچائی دنیا میں دلائل و براہین سے ثابت تھی اور آج مشاہدے سے ظاہر ہے۔ میں نے اُس کے بالمقابل جھوٹی باتیں کہیں اور جھوٹے وعدے کئے۔ جن کا جھوٹ ہونا بھی ادنیٰ فکر و تامل سے واضح ہوسکتا تھا اور یہاں تو آنکھ کے سامنے ہے۔ میرے پاس نہ حجت و برہان کی قوت تھی نہ ایسی طاقت رکھتا تھا کہ زبردستی تم کو ایک جھوٹی بات کے ماننے پر مجبور کر دیتا، بلاشبہ میں نے بدی کی تحریک کی اور تم کو اپنے مشن کی طرف بُلایا تم جھپٹ کر خوشی سے آئے اور میں نے جدھر شہ دی اُدھر ہی اپنی رضاء و رغبت سے چل پڑے اگر میں نے اغواء کیا تھا تو تم ایسے اندھے کیوں بن گئے کہ نہ دلیل سُنی نہ دعوے کو پرکھا آنکھیں بند کر کے پیچھے ہو لئے۔ انصاف یہ ہے کہ مجھ سے زیادہ تم اپنے نفسوں پر ملامت کرو۔ میرا جرم اغواء بجائے خود رہا۔ لیکن مجھے مجرم گردان کر تم کیسے بری ہوسکتے ہو۔ آج تم کو مدد دینا تو در کنار، خود تم سے مدد لینا بھی ممکن نہیں۔ ہم اور تم دونوں اپنے اپنے جرم کے موافق سزائیں پکڑے ہوئے ہیں۔ کوئی ایک دوسرے کی فریاد کو نہیں پہنچ سکتا تم نے اپنی حماقت سے دنیا میں مجھ کو خدائی کا شریک ٹھہرایا (یعنی بعض تو براہِ راست شیطان کی عبادت کرنے لگے اور بہتوں نے اُس کی باتوں کو ایسی طرح مانا اور اُس کے احکام کے سامنے اس طرح سر تسلیم و انقیاد خم کیا جو خدائی احکام کے آگے کرنا چاہئے تھا) بہرحال اپنے جہل و غباوت سے جو شرک تم نے کیا تھا اس وقت میں اُس سے منکر اور بیزار ہوں۔ یا "بِمَآ اَشْرَکْتُمُوْنِ" میں بائے سببیت لیکر یہ مطلب ہو کہ تم نے مجھ کو خدائی کا رتبہ دیا اس سبب سے میں بھی کافر بنا۔ اگر میری بات کوئی نہ پوچھتا تو میں کفر و طغیان کے اس درجہ میں کہاں پہنچتا۔ اب ہر ایک ظالم اور مشرک کو اپنے کئے کی سزا دردناک عذاب کی صورت میں بھگتنا چاہئے۔ شور مچانے اور الزام دینے سے کچھ حاصل نہیں۔ گذشتہ آیت میں ضعفاء و مستکبرین (عوام اور لیڈروں) کی گفتگو نقل کی گئی تھی، اسی کی مناسبت سے یہاں دوزخیوں کے مہالیڈر (ابلیس لعین) کی تقریر نقل فرمائی۔ چونکہ عوام کا الزام اور اُن کی استدعاء دونوں جگہ یکساں تھی شاید اسی لئے شیطان کی گفتگو کے وقت اُس کا ذکر ضروری نہیں معلوم ہوا۔ واللہ اعلم۔ مقصود ان مکالمات کے نقل کرنے سے یہ ہے کہ لوگ اس افراتفری کا تصور کر کے شیاطین الانس والجن کے اتباع سے باز رہیں۔

(۳۷) یعنی بطور مقابلہ کفار کی سزا کے بعد مومنین کا انجام بیان فرمایا۔

(۳۸) **اہلِ جنت کا حال** | حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ دنیا میں "سلام" دعا ہے سلامتی مانگنے کی، وہاں "سلام" کہنا مبارکباد ہے سلامتی ملنے پر

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ ﴿۲۴﴾

تونے نہ دیکھا کیسی بیان کی اللہ نے ایک مثال ف۳۹ بات ستھری ف۴۰ جیسے ایک درخت ستھرا ف۴۱ اُسکی جڑ مضبوط ہے اور ٹہنے[1] ہیں آسمان میں ف۴۲

تُؤْتِيْٓ اُكُلَهَا كُلَّ حِيْنٍۢ بِاِذْنِ رَبِّهَا ۭ وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۵﴾

لاتا ہے پھل اپنا ہر وقت پر اپنے رب کے حکم سے ف۴۳ اور بیان کرتا ہے اللہ مثالیں لوگوں کے واسطے تاکہ وہ فکر کریں[2]

وَمَثَلُ كَلِمَةٍ خَبِيْثَةٍ كَشَجَرَةٍ خَبِيْثَةِۨ اجْتُثَّتْ مِنْ فَوْقِ الْاَرْضِ مَا لَهَا مِنْ قَرَارٍ ﴿۲۶﴾ يُثَبِّتُ

اور مثال گندی بات کی ف۴۴ جیسے درخت گندا ف۴۵ اکھاڑ پھینکا[3] اُس کو زمین کے اُوپر سے کچھ نہیں اس کو ٹھہراؤ[4] ف۴۶ مضبوط کرتا ہے

اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَيُضِلُّ اللّٰهُ

اللہ ایمان والوں کو مضبوط بات سے دنیا کی زندگی میں اور آخرت میں ف۴۷ اور بچلا[5] دیتا ہے اللہ

الظّٰلِمِيْنَ ڐ وَيَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ ﴿۲۷﴾ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ كُفْرًا وَّاَحَلُّوْا قَوْمَهُمْ دَارَ

بے انصافوں کو ف۴۸ اور کرتا ہے اللہ جو چاہے ف۴۹ تونے نہ دیکھا اُنکو جنہوں نے بدل کیا اللہ کے احسان کا ناشکری اور اُتارا اپنی قوم کو تباہی کے

الْبَوَارِ ﴿۲۸﴾ جَهَنَّمَ ۚ يَصْلَوْنَهَا ۭ وَبِئْسَ الْقَرَارُ ﴿۲۹﴾ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا لِّيُضِلُّوْا عَنْ سَبِيْلِهٖ ۭ قُلْ

گھر میں ف۵۰ جو دوزخ ہے داخل ہونگے اس میں اور وہ بُرا ٹھکانا ہے اور ٹھہرائے اللہ کے لئے مقابل کہ بہکائیں لوگوں کو اُس کی راہ سے ف۵۱ تو کہہ

تَمَتَّعُوْا فَاِنَّ مَصِيْرَكُمْ اِلَى النَّارِ ﴿۳۰﴾

مزا اڑا لو پھر تم کو لوٹنا ہے طرف آگ کی ف۵۲

(۳۹) یعنی دیکھئے اور غور کیجئے کیسی باموقع اور معنی خیز مثال ہے۔ عقلمند جس قدر اُس میں غور کرے سیکڑوں باریکیاں نکلتی چلی آئیں۔

(۴۰) "ستھری بات" میں کلمہ توحید، معرفت الٰہی کی باتیں، ایمان و ایمانیات، قرآن، حمد و ثنا، تسبیح و تہلیل، سچ بولنا سب داخل ہے۔

(۴۱) اکثر روایات و آثار میں یہاں "ستھرے درخت" کا مصداق کھجور کو قرار دیا ہے، گو دوسرے ستھرے درخت بھی اس کے تحت میں مندرج ہو سکتے ہیں۔

(۴۲) **کلمہ طیبہ کی مثال** | یعنی اُس کی جڑیں زمین کی گہرائیوں میں پھیلی ہوں کہ زور کا جھکڑ بھی جڑ سے نہ اُکھیڑ سکے اور چوٹی آسمان سے لگی ہو۔ یعنی شاخیں بہت اُونچی اور زمینی کثافتوں سے دُور ہوں۔

(۴۳) یعنی کوئی فصل پھل سے خالی نہ جائے۔ یا فرض کیجئے بارہ مہینے صبح و شام اُس پر تازہ پھل لگا کرے۔

(۴۴) **کلمہ کفر کی مثال** | کلمۂ کفر، جھوٹی بات اور ہر ایک کلام جو خدا تعالیٰ کی مرضی کے خلاف ہو "کلمہ خبیثہ" میں داخل ہے۔

(۴۵) اکثر نے اس سے حنظل (اندراین) مراد لیا ہے۔ گو عموم لفظ میں ہر خراب درخت شامل ہو سکتا ہے۔

[1] شاخیں۔ [2] سوچیں۔ [3] پھینکا۔
[4] جماؤ [5] راہ بھلا دیتا ہے۔

(۴۶) یعنی جڑ کچھ نہ ہو، ذرا اشارہ سے اُکھڑ جائے۔ گویا اُس کے بودے پن اور ناپائداری کو ظاہر فرمایا، دونوں مثالوں کا حاصل یہ ہوا کہ مسلمانوں کا دعوئے توحید و ایمان پکا اور سچا ہے۔ جس کے دلائل نہایت صاف و صحیح اور مضبوط ہیں، موافق فطرت ہونے کی وجہ سے اُس کی جڑیں قلوب کی پہنائیوں میں اُتر جاتی ہیں اور اعمال صالحہ کی شاخیں آسمان قبول سے جا لگتی ہیں۔ اِلَیۡہِ یَصۡعَدُ ..... الۡکَلِمُ الطَّیِّبُ وَ الۡعَمَلُ الصَّالِحُ یَرۡفَعُہٗ (فاطر رکوع ۲) اس کے لطیف و شیریں ثمرات سے موحدین کے کام و دہن ہمیشہ لذت اندوز ہوتے ہیں۔ الغرض حق و صداقت اور توحید و معرفت کا سدا بہار درخت روز بروز پھولتا پھلتا اور بڑی پائداری کے ساتھ اونچا ہوتا رہتا ہے اس کے برخلاف جھوٹی بات اور شرک و کفر کے دعوئے باطل کی جڑ بنیاد کچھ نہیں ہوتی۔ ہوا کے ایک جھٹکے میں اُکھڑ کر جا پڑتا ہے۔ ناحق بات ثابت کرنے میں خواہ کتنے ہی زور لگائے جائیں۔ لیکن انسانی ضمیر اور فطرت کے مخالف ہونے کی وجہ سے اُس کی جڑیں دل کی گہرائی میں نہیں پہنچتیں۔ تھوڑا دھیان کرنے سے غلط معلوم ہونے لگتی ہے۔ اسی لئے مشہور ہے کہ جھوٹ کے پاؤں نہیں ہوتے یعنی سچ کی طرح اپنے پاؤں نہیں چلتا۔ نہ اُس سے دل میں نور پیدا ہوتا ہے۔ امام فخر الدین رازی نے صوفیہ کے طرز پر ان مثالوں کے بیان میں بہت اطناب سے کام لیا ہے یہاں اس کے نقل کی گنجائش نہیں۔

(۴۷) **مومنین کی قوت کلمۂ توحید میں ہے** یعنی حق تعالیٰ توحید و ایمان کی باتوں سے (جن کی مضبوطی و پائداری پچھلی مثال میں ظاہر کی گئی) مومنین کو دنیا و آخرت میں مضبوط و ثابت قدم رکھتا ہے رہی قبر کی منزل جو دنیا و آخرت کے درمیان برزخ ہے اُس کو ادھر یا اُدھر جس طرف چاہیں شمار کر سکتے ہیں۔ چنانچہ سلف سے دونوں قسم کے اقوال منقول ہیں۔ غرض یہ ہے کہ مومنین دنیا کی زندگی سے لے کر محشر تک اسی کلمہ طیبہ کی بدولت مضبوط اور ثابت قدم رہیں گے دنیا میں کیسی ہی آفات و حوادث پیش آئیں، کتنا ہی سخت امتحان ہو قبر میں نکیرین سے سوال و جواب ہو، محشر کا ہولناک منظر ہوش اڑا دینے والا ہو، ہر موقع پر یہی کلمۂ توحید اُن کی پامردی اور استقامت کا ذریعہ بنے گا۔

(۴۸) بے انصافوں سے مراد یہاں کفار و مشرکین ہیں، وہ دنیا میں بھی بچلے اور اخیر تک بچلتے رہیں گے۔ کبھی حقیقی کامیابی کا رستہ ہاتھ نہ لگے گا۔

(۴۹) یعنی اپنی حکمت کے موافق جیسا معاملہ جس کے ساتھ مناسب ہوتا ہے کرتا ہے۔

(۵۰) **کفّار کی ناشکری انکی تباہی ہے** اس سے کفار و مشرکین کے سردار مراد ہیں، خصوصاً رؤسائے قریش جن کے ہاتھ میں اُس وقت عرب کی باگ تھی، یعنی حق تعالیٰ نے اُن پر کیسے احسان کئے، ان کی ہدایت کے لئے پیغمبر علیہ السلام کو بھیجا، قرآن اُتارا، اپنے حرم اور بیت کا مجاور بنایا۔ عرب کی سرداری دی انہوں نے ان نعمتوں اور احسانات کا بدلہ یہ کیا کہ خدا کی ناشکری پر کمربستہ ہو گئے، اس کی باتوں کو جھٹلایا، اُس کے پیغمبر سے لڑائی کی، آخر اپنی قوم کو لے کر تباہی کے گڑھے میں جا گرے۔

(۵۱) یعنی خدا کے احسانات سے متاثر ہو کر منعم حقیقی کی شکر گذاری اور اطاعت شعاری میں لگتے۔ یہ تو نہ ہوا، اُلٹے بغاوت پر کمربستہ ہو گئے خدا کے مقابل دوسری چیزیں کھڑی کر دیں جن پر خدائی اختیارات تقسیم کئے اور عبادت جو خدائے واحد کا حق تھا، وہ مختلف عنوانوں سے اُن کے لئے ثابت کرنے لگے، تا اس سلسلہ میں اپنے ساتھ دوسروں کی راہ ماریں اور انہیں بہکا کر اپنے دام سیادت میں پھنسائے رکھیں۔

(۵۲) یعنی بہتر ہے۔ بیوقوفوں کو جال میں پھنسا کر چند روز جی خوش کر لو اور دنیا کے مزے اڑا لو، مگر تابکے آخر دوزخ کی آگ میں ہمیشہ رہنا ہے۔ کیونکہ اس مزے اُڑانے کا یہی نتیجہ ہوگا۔ گویا یہ جملہ ایسا ہوا جیسے طبیب کسی بد پرہیز مریض کو خفا ہو کر کہے ہو "کُلۡ مَا تَرِیۡدُ فَاِنَّ مَصِیۡرَکَ اِلَی الۡمَوۡتِ" جو تیرا جی چاہے کھا کیونکہ ایک دن یہ مرض تیری جان لے کر رہیگا۔

قُلۡ لِّعِبَادِیَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا یُقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ وَ یُنۡفِقُوۡا مِمَّا رَزَقۡنٰہُمۡ سِرًّا وَّ عَلَانِیَۃً مِّنۡ قَبۡلِ

کہہ دے میرے بندوں کو جو ایمان لائے ہیں قائم رکھیں نماز اور خرچ کریں ہماری دی ہوئی روزی میں سے پوشیدہ اور ظاہر [۵۳] پہلے اس سے

ف چھپے اور کھلے۔

أَنْ يَأْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيهِ وَلَا خِلَالٌ ﴿٣١﴾ اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ وَأَنزَلَ مِنَ

کہ آئے وہ دن جس میں نہ سودا ہے نہ دوستی ف۵۴ اللہ وہ ہے جس نے بنائے آسمان اور زمین اور اُتارا آسمان

السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجَ بِهِ مِنَ الثَّمَرَاتِ رِزْقًا لَّكُمْ ۖ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْفُلْكَ لِتَجْرِيَ فِي الْبَحْرِ بِأَمْرِهِ ۖ وَ

سے پانی ف۵۵ پھر اس سے نکالی روزی تمہاری میوے ف۵۶ اور کام میں لگا دیا تمہارے کشتی کو کہ چلے دریا میں اُسکے حکم سے ف۵۷ اور

سَخَّرَ لَكُمُ الْأَنْهَارَ ﴿٣٢﴾ وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَائِبَيْنِ ۖ وَسَخَّرَ لَكُمُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ ﴿٣٣﴾ وَآتَاكُم

کام میں لگا دیا تمہارے ندیوں کو اور کام میں لگا دیا تمہارے سورج اور چاند کو ایک دستور پر برابر اور کام میں لگا دیا تمہارے رات اور دن کو ف۵۸ اور دیا تم کو

مِّن كُلِّ مَا سَأَلْتُمُوهُ ۚ وَإِن تَعُدُّوا نِعْمَتَ اللَّهِ لَا تُحْصُوهَا ۗ إِنَّ الْإِنسَانَ لَظَلُومٌ كَفَّارٌ ﴿٣٤﴾ ع ۵ / ۱۷

ہر چیز میں سے جو تم نے مانگی ف۵۹ اور اگر گنو احسان اللہ کے نہ پورے کر سکو ف۶۰ بیشک آدمی بڑا بے انصاف ہے ناشکر ف۶۱

وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ اجْعَلْ هَٰذَا الْبَلَدَ آمِنًا وَاجْنُبْنِي وَبَنِيَّ أَن نَّعْبُدَ الْأَصْنَامَ ﴿٣٥﴾ رَبِّ

اور جس وقت کہا ابراہیم نے ف۶۲ اے رب کر دے اس شہر کو امن والا اور دور رکھ مجھ کو اور میری اولاد کو اس بات سے کہ ہم پوجیں مورتوں کو ف۶۳ اے رب

إِنَّهُنَّ أَضْلَلْنَ كَثِيرًا مِّنَ النَّاسِ ۖ فَمَن تَبِعَنِي فَإِنَّهُ مِنِّي ۖ وَمَنْ عَصَانِي فَإِنَّكَ غَفُورٌ

انھوں نے گمراہ کیا بہت لوگوں کو ف۶۴ سو جس نے پیروی کی میری سو وہ تو میرا ہے اور جس نے میرا کہنا نہ مانا سو تو بخشنے والا

رَّحِيمٌ ﴿٣٦﴾ رَّبَّنَا إِنِّي أَسْكَنتُ مِن ذُرِّيَّتِي بِوَادٍ غَيْرِ ذِي زَرْعٍ عِندَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِيُقِيمُوا

مہربان ہے ف۶۵ اے رب میں نے بسایا ہے اپنی ایک اولاد کو میدان میں کہ جہاں کھیتی نہیں تیرے محترم گھر کے پاس اے رب ہمارے تاکہ قائم

الصَّلَاةَ فَاجْعَلْ أَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِي إِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُم مِّنَ الثَّمَرَاتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُونَ ﴿٣٧﴾

رکھیں نماز کو سو رکھ بعضے لوگوں کے دل کہ مائل ہوں اُن کی طرف اور روزی دے انکو میووں سے شاید وہ شکر کریں ف۶۶

(۵۳) **مومنین کو نصیحت و تنبیہ** کفار کے احوال ذکر کرنے کے بعد مومنین مخلصین کو متنبہ فرماتے ہیں کہ وہ پوری طرح بیدار رہیں، وظائف عبودیت میں ذرا فرق نہ آنے دیں، دل و جان سے خالق کی عبادت اور مخلوق کی خدمت کریں کہ وہ بھی بہترین عبادت ہے۔ نمازوں کو اُن کے حقوق وحدود کی رعایت کے ساتھ خشوع و خضوع سے ادا کرتے رہیں۔ خدا نے جو کچھ دیا ہے اس کا ایک حصہ خفیہ یا علانیہ مستحقین پر خرچ کریں۔ غرض کفار جو شرک اور کفران نعمت پر تلے ہوئے ہیں، اُن کے بالمقابل مومنین کو جان و مال سے حق تعالیٰ کی اطاعت و شکرگذاری میں مستعدی دکھلانا چاہئے۔

(۵۴) **یوم حساب کوئی کسی کے کام نہیں آئیگا** یعنی نماز اور انفاق فی سبیل اللہ وغیرہ نیکیاں اُس دن کام آئیں گی، بیع وشراء یا محض دوستانہ تعلقات سے کام نہ نکلے گا۔ یعنی نہ وہاں نیک عمل کہیں سے خرید کر لا سکو گے نہ کوئی ایسا دوست بیٹھا ہے جو بدون ایمان و عمل صالح کے محض دوستانہ تعلقات کی بناء پر نجات کی ذمہ داری کرلے (ربط) پہلے کفار کی ناشکری کا ذکر تھا، پھر مومنین کو مراسم طاعت کی اقامت کا حکم دیکر شکرگذاری کی طرف اُبھارا۔ آگے چند عظیم الشان نعمائے الٰہیہ کا ذکر فرماتے ہیں جو ہر مومن و کافر کے حق میں عام ہیں، تا انہیں سن کر مومنین کو شکرگذاری کی

لے خرید و فروخت۔ ۲ے کام میں دیں تمہارے کشتیاں کہ چلیں۔ ۳ے دیں۔ ۴ے ندیاں۔
۵ے گمراہی میں ڈالا۔ ۶ے جو کوئی میرے رستہ پر چلا۔ ۷ے حرمت والے ۸ے جھکتے رہیں۔

مزید ترغیب ہو اور کفار بھی غور کریں تو اپنے دل میں شرمائیں کہ وہ کیسے بڑے منعم و محسن شہنشاہ سے بغاوت کر رہے ہیں۔ اسی ضمن میں خدا تعالیٰ کی عظمت و وحدانیت کے دلائل بھی بیان ہو گئے، ممکن ہے انہیں سن کر کوئی عاقل منصف شرکیات سے باز آجائے، یا عظمت و جبروت کے نشانات میں غور کر کے اُس کی گرفت اور سزا سے ڈر جائے۔

(۵۵) **اللہ تعالیٰ کے انعامات** یعنی آسمان کی طرف سے پانی اُتارا، یا یہ مطلب ہو کہ بارش کے آنے میں بخارات وغیرہ ظاہری اسباب کے علاوہ غیر مرئی سماوی اسباب کو بھی دخل ہے۔ دیکھو آفتاب کی شعاعیں تمام اشیا کی طرح آتشیں شیشہ پر بھی پڑتی ہیں لیکن وہ اپنی مخصوص ساخت اور استعداد کی بدولت اُنہی شعاعوں سے غیر مرئی طور پر اس درجہ حرارت کا استفادہ کرتا ہے جو دوسری چیزیں نہیں کرتیں۔ چاند سمندر سے کتنی دور ہے، مگر اُس کے گھٹنے بڑھنے سے سمندر کے پانی میں جزر و مد پیدا ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اگر بادل بھی کسی سماوی خزانہ سے غیر محسوس طریقہ پر مستفید ہوتا ہو تو انکار کی کونسی وجہ ہے۔

(۵۶) یعنی حق تعالیٰ نے اپنے کمال قدرت و حکمت سے پانی میں ایک قوت رکھی جو درختوں اور کھیتوں کے نشو و نما اور بارآور ہونے کا سبب بنتی ہے۔ اُسی کے ذریعہ سے پھل اور میوے ہمیں کھانے کو ملتے ہیں۔

(۵۷) **تسخیر بحر و انہار** یعنی سمندر کی خوفناک لہروں میں ذرا سی کشتی پر سوار ہو کر کہاں سے کہاں پہنچتے ہو اور کس قدر تجارتی یا غیر تجارتی فوائد حاصل کرتے ہو، یہ خدا ہی کی قدرت اور حکم سے ہے کہ سمندر کے تھپیڑوں میں ذرا سی ڈونگی کو ہم جدھر چاہیں لئے پھرتے ہیں۔

(۵۸) **تسخیر شمس و قمر** یعنی ندیوں میں پانی کا آنا اور کہیں سے کہیں پہنچنا گو کشتی کی طرح تمہارے کہنے میں نہیں، تاہم تمہارے کام میں وہ بھی لگے ہوئی ہیں۔ اسی طرح چاند سورج جو ایک معین نظام اور ضابطہ کے موافق برابر چل رہے ہیں، کبھی تھکتے نہیں، نہ رفتار میں فرق پڑتا ہے۔ یا رات اور دن ایک دوسرے کے پیچھے ٹھہری ہوئی عادت کے موافق ہمیشہ چلے آتے ہیں۔ یہ سب چیزیں گو اس معنی سے تمہارے قبضہ میں نہیں کہ تم جب چاہو اور جدھر چاہو اُن کی قدرتی حرکت و تاثیر کو پھیر دو تاہم تم بہت سے تصرفات و تدابیر کر کے ان کے اثرات سے بیشمار فوائد حاصل کرتے ہو اور انسانی تصرف و تدبیر سے قطع نظر کر کے بھی وہ قدرتی طور پر ہر وقت تمہاری کسی نہ کسی خدمت میں لگے ہوئے ہیں، تم سوتے ہو، وہ تمہارا کام کرتے ہیں، تم چین سے بیٹھے ہو، وہ تمہارے لئے سرگرداں ہیں۔

(۵۹) یعنی جو چیزیں تم نے زبان قال یا حال سے طلب کیں، اُن میں سے ہر چیز کا جس قدر حصہ حکمت و مصلحت کے موافق تھا مجموعی طور پر تم سب کو دیا۔

(۶۰) **اللہ کی نعمتیں شمار سے باہر ہیں** یعنی خدا کی نعمتیں اتنی بے شمار بلکہ غیر متناہی ہیں کہ اگر تم سب مل کر اجمالاً ہی گنتی شروع کرو تو تھک کر اور عاجز ہو کر بیٹھ جاؤ۔ اس موقع پر امام رازی نے نعمائے الٰہیہ کا بے شمار ہونا، اور علامہ ابو السعود نے اُن کا غیر متناہی ہونا قدرے بسط سے بیان فرمایا ہے اور صاحب روح المعانی نے اُن کے بیانات پر مفید اضافہ کیا۔ یہاں اس قدر تطویل کی گنجائش نہیں۔

(۶۱) یعنی جنس انسان میں بہتیرے بے انصاف اور ناسپاس ہیں، جو اتنے بیشمار احسانات دیکھ کر بھی منعم حقیقی کا حق نہیں پہچانتے۔

(۶۲) **حضرت ابراہیمؑ کی اس دعاء کو یاد کرو** رؤسائے قریش جن کی ناشکر گذاری اور شرک و کفر کا بیان اُوپر اَلَمۡ تَرَ اِلَی الَّذِیۡنَ بَدَّلُوۡا نِعۡمَتَ اللّٰہِ میں ہوا تھا، انہیں ابراہیم علیہ السلام کا قصہ یاد دلا کر متنبہ کرتے ہیں کہ تم جن کی اولاد میں ہونے کی وجہ سے کعبۃ اللہ اور حرم شریف کے مجاور بنے بیٹھے ہو، انہوں نے اس کعبہ کی بنیاد خالص توحید پر رکھی تھی، اُن ہی کی دعاؤں سے خدا تعالیٰ نے یہ شہر (مکہ) آباد کیا اور پتھریلے ریگستان میں ظاہری و باطنی نعمتوں کے ڈھیر لگا دیے۔ وہ دنیا سے یہی دعائیں اور وصیتیں کرتے ہوئے رخصت ہوئے کہ اُن کی اولاد شرک کا طریقہ اختیار نہ کرے، اب تم کو سوچنا اور شرمانا چاہیئے کہ کہاں تک اُن کی وصایا کا پاس کیا یا اُن کی دعاء سے حصہ پایا اور کس حد تک خدا تعالیٰ کے احسانات پر شکر گذار ہوئے

(۶۳) یعنی مکہ کو "حرم آمن" بنا دے (چنانچہ خدا نے بنا دیا) نیز مجھ کو اور میری اولاد کو ہمیشہ بت پرستی سے دور رکھ۔ غالباً یہاں "اولاد" سے خاص صلبی اولاد مراد ہے۔ سو آپ کی صلبی اولاد میں یہ مرض نہیں آیا اور اگر عام ذریت مراد ہو تو کہا جائیگا کہ دعاء بعض کے حق میں قبول نہیں ہوئی۔ باوجودیکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام معصوم پیغمبر تھے۔

دُعاء کا ایک خاص ادب مگر یہ دعاء کا ادب ہے کہ دوسروں سے پہلے آدمی اپنے لئے دعاء کرے۔ اس قسم کی دعائیں جو انبیاء سے منقول ہوں، اُن میں یہ اشارہ ہوتا ہے کہ پیغمبروں کی عصمت بھی خود اُن کی پیدا کی ہوئی نہیں۔ بلکہ حق تعالیٰ کی حفاظت وصیانت سے ہے۔ اس لئے وہ ہمیشہ اُسی کی طرف التجاء کرتے ہیں جو اُن کی عصمت کا ضامن وکفیل ہوا ہے۔ (تنبیہ) حافظ عماد الدین ابن کثیر رحمہ اللہ کے نزدیک ابراہیم علیہ السلام نے یہ دعائیں مکہ کی آبادی اور تعمیر کعبہ کے بعد کی ہیں سورۂ بقرؓ میں اوّل پارہ کے ختم پر جس دعاء کا ذکر ہے وہ البتہ بنائے کعبہ کے وقت حضرت اسمٰعیل کی معیت میں ہوئی۔ یہ دعائیں اس کے بہت زمانہ بعد پیرانہ سالی میں کی گئیں۔

(۶۴) یعنی یہ پتھر کی مورتیاں بہت آدمیوں کی گمراہی کا سبب ہوئیں۔

(۶۵) یعنی جس نے توحید خالص کا راستہ اختیار کیا اور میری بات مانی وہ میری جماعت میں شامل ہے۔ جس نے کہنا نہ مانا اور ہمارے راستہ سے علیحدہ ہو گیا تو آپ اپنی بخشش اور مہربانی سے اُس کو توبہ کی توفیق دے سکتے ہیں۔ آپ کی مہربانی ہو تو وہ ایمان لا کر اپنے کو رحمت خصوصی اور نجات ابدی کا مستحق بنا سکتا ہے۔ یا یہ مطلب ہو کہ آپ کو قدرت ہے اُسے بھی بحالت موجودہ بخش دیں گے گو آپ کی حکمت سے اس کا وقوع نہ ہو۔ (تنبیہ) سورہ مائدہ کے آخر میں ہم نے حضرت خلیلؑ کے اس قول اور مسیح علیہ السلام کے مقولے میں فرق بیان کیا ہے وہاں ملاحظہ کر لیا جائے۔

(۶۶) **چٹیل وادی میں حضرت اسمٰعیلؑ کو چھوڑنا** یعنی اسمٰعیل علیہ السلام کو۔ کیونکہ دوسری اولاد حضرت اسحٰق وغیرہ "شام" میں تھے خدا تعالیٰ کے حکم سے آپ حضرت اسمٰعیلؑ کو بحالت شیر خوارگی اور اُن کی والدہ ہاجرہ کو یہاں چٹیل میدان میں چھوڑ کر چلے گئے تھے۔ بعدہٗ قبیلہ جرہم کے کچھ لوگ وہاں پہنچے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت اسمٰعیلؑ کی تشنگی اور ہاجرہ کی بیتابی کو دیکھ کر فرشتے کے ذریعہ سے وہاں "زمزم" کا چشمہ جاری کر دیا۔ جرہم کے خانہ بدوش لوگ پانی دیکھ کر اُتر پڑے اور ہاجرہ کی اجازت سے وہیں بسنے لگے اسمٰعیل علیہ السلام جب بڑے ہوئے تو اسی قبیلہ میں اُن کی شادی ہوئی۔ اس طرح جہاں آج مکہ ہے ایک بستی آباد ہو گئی۔ حضرت ابراہیم گاہ بگاہ ملک شام سے تشریف لایا کرتے تھے۔ اُدھر اس شہر اور شہر کے باشندوں کے لئے دعاء فرماتے، کہ خداوندا! میں نے اپنی ایک اولاد کو اس بنجر اور چٹیل آبادی میں تیرے حکم سے تیرے معظم ومحترم گھر کے پاس لا کر بسایا ہے تا یہ اور اس کی نسل تیرا اور تیرے گھر کا حق ادا کریں تو اپنے فضل سے کچھ لوگوں کے دل اِدھر متوجہ کر دے کہ وہ یہاں آئیں جس سے تیری عبادت ہو اور شہر کی رونق بڑھے، نیز اُن کی روزی اور دلجمعی کے لئے غیب سے ایسا سامان فرما دے کہ غلہ اور پانی جو ضروریاتِ زندگی ہیں اُن سے گذر کر، عمدہ میوے اور پھلوں کی یہاں افراط ہو جائے تاکہ یہ لوگ اطمینان قلب کے ساتھ تیری عبادت اور شکر گذاری میں لگے رہیں۔

حضرت ابراہیمؑ کی دُعاؤں کی قبولیت حق تعالیٰ نے یہ سب دعائیں قبول فرمائیں۔ آج تک ہر سال ہزاروں لاکھوں آدمی مشرق ومغرب سے کھنچ کھنچ کر وہاں جاتے ہیں اعلیٰ قسم کے میوے اور پھلوں کی مکہ میں وہ افراط ہے جو شاید دنیا کے کسی حصہ میں نہ ہو۔ حالانکہ خود مکہ میں ایک بھی ثمردار درخت موجود نہ ہوگا۔ بعض سلف سے منقول ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے دعاء میں "اَفْئِدَۃً مِّنَ النَّاسِ" (کچھ آدمیوں کے دل) کہا تھا ورنہ سارا جہان ٹوٹ پڑتا۔

رَبَّنَآ اِنَّكَ تَعْلَمُ مَا نُخْفِيْ وَمَا نُعْلِنُ ۭ وَمَا يَخْفٰى عَلَي اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي

اے رب ہمارے تو تو جانتا ہے جو کچھ ہم کرتے ہیں چھپا کر اور جو کچھ کرتے ہیں دکھا کر[1] اور مخفی نہیں اللہ پر کوئی چیز زمین میں نہ آسمان

[1] کھول کر۔

السَّمَآءِ ﴿۳۸﴾ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ وَهَبَ لِیْ عَلَی الْكِبَرِ اِسْمٰعِیْلَ وَ اِسْحٰقَ ؕ اِنَّ رَبِّیْ لَسَمِیْعُ الدُّعَآءِ ﴿۳۹﴾

میں ف۶۷ شکر ہے اللہ کا جس نے بخشا مجھ کو اتنی بڑی عمر میں اسمٰعیل اور اسحٰق بیشک میرا رب سنتا ہے دعا کو ف۶۸

رَبِّ اجْعَلْنِیْ مُقِیْمَ الصَّلٰوةِ وَ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ ۖۗ رَبَّنَا وَ تَقَبَّلْ دُعَآءِ ﴿۴۰﴾ رَبَّنَا اغْفِرْ لِیْ وَ لِوَالِدَیَّ وَ

اے رب میرے کر مجھ کو کہ قائم رکھوں نماز اور میری اولاد میں سے بھی اے رب میرے ف۶۹ اور قبول کر میری دعا ف۷۰ اے ہمارے رب بخش مجھ کو اور میرے ماں باپ کو اور

لِلْمُؤْمِنِیْنَ یَوْمَ یَقُوْمُ الْحِسَابُ ﴿۴۱﴾ وَ لَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا عَمَّا یَعْمَلُ الظّٰلِمُوْنَ ؕ۵ اِنَّمَا یُؤَخِّرُهُمْ لِیَوْمٍ ع ۱۸ / ۶

سب ایمان والوں کو جس دن قائم ہو حساب ف۷۱ اور ہرگز مت خیال کر کہ اللہ بیخبر ہے اُن کاموں سے جو کرتے ہیں بے انصاف ف۷۲ اُن کو تو ڈھیل دے رکھی ہے اُس دن

تَشْخَصُ فِیْهِ الْاَبْصَارُ ﴿۴۲﴾ مُهْطِعِیْنَ مُقْنِعِیْ رُءُوْسِهِمْ لَا یَرْتَدُّ اِلَیْهِمْ طَرْفُهُمْ ۚ وَ اَفْـِٕدَتُهُمْ هَوَآءٌ ؕ ﴿۴۳﴾

کے لئے کہ پتھرا جائیں گی آنکھیں ف۷۳ دوڑتے ہونگے اُوپر اٹھائے اپنے سر پھر کر نہیں آئینگی اُن کی طرف اُن کی آنکھیں اور دل اُن کے اُڑ گئے ہونگے ف۷۴

وَ اَنْذِرِ النَّاسَ یَوْمَ یَاْتِیْهِمُ الْعَذَابُ فَیَقُوْلُ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا رَبَّنَاۤ اَخِّرْنَاۤ اِلٰۤی اَجَلٍ قَرِیْبٍ ۙ

اور ڈرا دے لوگوں کو اُس دن سے کہ آئیگا اُن پر عذاب ف۷۵ تب کہیں گے ظالم اے رب ہمارے مہلت دے ہم کو تھوڑی مدت تک کہ

نُّجِبْ دَعْوَتَكَ وَ نَتَّبِعِ الرُّسُلَ ؕ اَوَ لَمْ تَكُوْنُوْۤا اَقْسَمْتُمْ مِّنْ قَبْلُ مَا لَكُمْ مِّنْ زَوَالٍ ﴿۴۴﴾ وَّ سَكَنْتُمْ

ہم قبول کرلیں تیرے بلانے کو اور پیروی کریں رسولوں کی ف۷۶ کیا تم پہلے قسم نہ کھاتے تھے کہ تم کو نہیں دنیا سے ٹلنا[1] ف۷۷ اور آباد تھے تم

فِیْ مَسٰكِنِ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْۤا اَنْفُسَهُمْ وَ تَبَیَّنَ لَكُمْ كَیْفَ فَعَلْنَا بِهِمْ وَ ضَرَبْنَا لَكُمُ الْاَمْثَالَ ﴿۴۵﴾

بستیوں میں اُنہی لوگوں کی جنہوں نے ظلم کیا اپنی جان پر اور کھل چکا تھا تم کو کہ کیسا کیا ہم نے اُن سے اور بتلائے ہم نے تم کو سب قصے ف۷۸

(۶۷) یعنی زمین و آسمان کی کوئی چیز آپ سے پوشیدہ نہیں۔ پھر ہمارا ظاہر و باطن کیسے مخفی رہ سکتا ہے یہ جو فرمایا "جو ہم کرتے ہیں چھپا کر اور جو کرتے ہیں دکھا کر" اس میں مفسرین کے کئی اقوال ہیں، لیکن تخصیص کی کوئی وجہ نہیں۔ الفاظ عام ہیں جو سب کھلی چھپی چیزوں کو شامل ہیں۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ ظاہر میں دعاء کی سب اولاد کے واسطے اور دل میں دعاء منظور تھی پیغمبر آخر الزماں کی۔

(۶۸) یعنی بڑھاپے میں اسحٰق سارہ کے اور اسمٰعیلؑ ہاجرہ کے بطن سے غیر متوقع طور پر عنایت کئے۔ جیسے آپ نے اولاد کے متعلق میری دعا "رَبِّ هَبْ لِیْ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ" سنی، یہ دعائیں بھی قبول فرمائیے۔

(۶۹) یعنی میری ذریت میں ایسے لوگ ہوتے رہیں جو نمازوں کو ٹھیک طور پر قائم رکھیں۔

(۷۰) یعنی میری سب دعائیں قبول فرمائیے۔

(۷۱) **حضرت ابراہیم کی اپنے والدین کیلئے دعاء کی توجیہہ** یہ دعاء غالباً اپنے والد کے حالتِ کفر پر مرنے کی خبر موصول ہونے سے پہلے کی۔ تو مطلب یہ ہوگا کہ اُسے اسلام کی ہدایت کر کے قیامت کے دن مغفرت کا مستحق بنا دے۔ اور اگر مرنے کی خبر ملنے کے بعد دعاء کی ہے تو شاید اس وقت تک خدا تعالیٰ نے آپ کو مطلع نہیں کیا ہوگا کہ کافر کی مغفرت نہیں ہوگی۔ عقلاً کافر کی مغفرت محال نہیں، سمعاً ممتنع ہے۔ سو اُس کا علم سمع پر موقوف ہوگا اور قبل از سمع امکان عقلی معتبر رہیگا۔ بعض شیعہ نے یہ لکھا ہے کہ قرآن کریم میں ابراہیم علیہ السلام کے باپ کو جو کافر

[1] چھوڑ رکھا ہے۔ [2] کھلی رہجائینگی۔
[3] کچھ زوال۔

کہ اگر باپ وہ اُن کے حقیقی باپ نہ تھے بلکہ چچا وغیرہ کوئی دوسرے خاندان کے بڑے تھے۔ واللہ اعلم۔

(۷۲) ایک رکوع پہلے بہت سے نعمائے عظیمہ کا ذکر کر کے فرمایا تھا "اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ کَفَّارٌ" (انسان بڑا ظالم اور ناشکر گذار ہے) بعدہٗ حضرت ابراہیمؑ کا قصہ سنا کر کفار مکہ کو بعض خصوصی نعمتیں یاد دلائیں۔ اور اُن کے ظلم و شرک کی طرف اشارہ کیا۔

کفار کے اعمال سے اللہ غافل نہیں ہے اس رکوع میں متنبہ فرماتے ہیں کہ اگر ظالموں کو سزا ملنے میں کچھ دیر ہو تو یہ مت سمجھو کہ خدا اُن کی حرکات سے بے خبر ہے، یاد رکھو اُن کا کوئی چھوٹا بڑا کام خدا سے پوشیدہ نہیں۔ البتہ اس کی عادت نہیں ہے کہ مجرم کو فوراً پکڑ کر تباہ کر دے وہ بڑے سے بڑے ظالم کو مہلت دیتا ہے کہ یا اپنے جرائم سے باز آجائے یا ارتکاب جرائم میں اُس حد پر پہنچ جائے کہ قانونی حیثیت سے اُس کے مستحق سزا ہونے میں کسی طرح کا خفا باقی نہ رہے۔ (تنبیہ) "لَا تَحْسَبَنَّ" کا خطاب ہر اُس شخص کو ہے جسے ایسا خیال گذر سکتا ہو، اور اگر حضورؐ کو خطاب ہے تو آپ کو مخاطب بنا کر دوسروں کو سنانا مقصود ہوگا۔ کہ جب حضورؐ کو فرمایا کہ ایسا خیال مت کرو۔ حالانکہ ایسا خیال آپ کے قریب بھی نہ آسکتا تھا۔ تو دوسروں کے حق میں اس طرح کا خیال کس قدر واجب الاحتراز ہونا چاہئے۔

(۷۳) یعنی قیامت کے دن ہول اور دہشت سے آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی۔

(۷۴) **محشر میں ظالموں کی حالت** یعنی محشر میں سخت پریشانی اور خوف و حیرت سے اُوپر کو سر اٹھائے ٹکٹکی باندھے گھبرائے ہوئے چلے آئیں گے۔ جدھر نظر اُٹھ گئی اُدھر سے ہٹے گی نہیں، ہکا بکا ہو کر ایک طرف دیکھتے ہونگے ذرا پلک بھی نہ جھپکے گی۔ دلوں کا حال یہ ہوگا کہ عقل و فہم اور بہتری کی توقع سے یکسر خالی اور فرط دہشت و خوف سے اُڑے جارہے ہونگے۔ غرض ظالموں کے لئے وہ سخت حسرتناک وقت ہوگا۔ رہے مومنین قانتین، سو اُنکے حق میں دوسری جگہ آچکا ہے "لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْاَكْبَرُ وَتَتَلَقّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ" (الانبیاء رکوع ۷)

(۷۵) یا تو قیامت کا دن اور عذاب اُخروی مراد ہے یا موت کا وقت اور اُس کے سکرات و قبض رُوح کی شدت یا دنیوی عذاب سے ہلاک ہونے کا دن ارادہ کیا جائے۔

(۷۶) **کفار کا مہلت مانگنا** اگر یہ کہنا دُنیا میں عذاب یا موت کی شدت دیکھ کر ہو تب تو مطلب ظاہر ہے کہ ابھی چند روز کی ہم کو اور مہلت دیجئے، ہم وعدہ کرتے ہیں کہ آئندہ اپنا رویہ درست کر لیں گے۔ یعنی حق کی دعوت کو قبول کر کے انبیاء کی پیروی اختیار کریں گے۔ کما قال تعالیٰ "حَتّٰٓى اِذَا جَآءَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُوْنِ لَعَلِّيْٓ اَعْمَلُ صَالِحًا" (المؤمنون رکوع ۶) اور اگر اُن کا یہ مقولہ قیامت کے دن ہوگا تب مہلت طلب کرنے کے معنی یہ ہونگے کہ ہم کو دوبارہ تھوڑی مدت کے لئے دنیا میں بھیج دیجئے، پھر دیکھئے ہم کیسی وفاداری دکھلاتے ہیں، کما قال تعالیٰ "وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ الْمُجْرِمُوْنَ نَاكِسُوْا رُءُوْسِهِمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ رَبَّنَآ اَبْصَرْنَا وَسَمِعْنَا فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا" (السجدہ رکوع ۲)

(۷۷) یعنی تم وہی تو ہو جن میں کے بعض مغرور و بے باک زبان قال سے اکثر زبانِ حال سے قسمیں کھاتے تھے کہ ہماری شان و شکوہ کو کبھی زوال نہیں۔ نہ کبھی مر کر خدا کے پاس جانا ہے "وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَا يَبْعَثُ اللّٰهُ مَنْ يَّمُوْتُ" (نحل رکوع ۵) یہ اُن کے جواب میں خدا کی طرف سے کہا جائیگا۔

(۷۸) **کفار کو تنبیہ** یعنی تمہارے پچھلے اُن ہی بستیوں میں یا اُن کے آس پاس آباد ہوئے، جہاں اگلے ظالم سکونت رکھتے تھے اور اُن ہی کی عادات و اطوار اختیار کیں، حالانکہ تاریخی روایات اور متواتر خبروں سے اُن پر روشن ہو چکا تھا کہ ہم اگلے ظالموں کو کیسی کچھ سزا دے چکے ہیں اور ہم نے اُمم ماضیہ کے یہ قصے کتب سماویہ میں درج کر کے انبیاء علیہم السلام کی زبانی اُن کو آگاہ بھی کر دیا تھا۔ مگر اُنہیں ذرہ بھر عبرت نہ ہوئی اُسی سرکشی، عناد اور عداوت حق پر اڑے رہے۔ "حِكْمَةٌ بَالِغَةٌ فَمَا تُغْنِ النُّذُرُ" (القمر۔ رکوع ۱)

وَقَدْ مَكَرُوا مَكْرَهُمْ وَعِنْدَ اللَّهِ مَكْرُهُمْ ۖ وَإِنْ كَانَ مَكْرُهُمْ لِتَزُولَ مِنْهُ الْجِبَالُ ﴿٤٦﴾ فَلَا

اور یہ بنا چکے ہیں اپنا داؤ اور اللہ کے آگے ہی ان کا داؤ ف۷۹ اور نہ ہوگا ان کا داؤ کہ ٹل جائیں اس سے پہاڑ ف۸۰ سو

تَحْسَبَنَّ اللَّهَ مُخْلِفَ وَعْدِهِ رُسُلَهُ ۗ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ ذُو انْتِقَامٍ ﴿٤٧﴾ يَوْمَ تُبَدَّلُ الْأَرْضُ غَيْرَ

خیال مت کر کہ اللہ خلاف کرے گا اپنا وعدہ اپنے رسولوں سے ف۸۱ بیشک اللہ زبردست ہے بدلہ لینے والا ف۸۲ جس دن بدلی جائے اس زمین سے اور

الْأَرْضِ وَالسَّمَاوَاتُ ۖ وَبَرَزُوا لِلَّهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ﴿٤٨﴾ وَتَرَى الْمُجْرِمِينَ يَوْمَئِذٍ مُقَرَّنِينَ

زمین اور بدلے جائیں آسمان اور لوگ نکل کھڑے ہوں سامنے اللہ اکیلے زبردست کے ف۸۳ اور دیکھے تو گنہگاروں کو اس دن باہم جکڑے ہوئے

فِي الْأَصْفَادِ ﴿٤٩﴾ سَرَابِيلُهُمْ مِنْ قَطِرَانٍ وَتَغْشَىٰ وُجُوهَهُمُ النَّارُ ﴿٥٠﴾ لِيَجْزِيَ اللَّهُ كُلَّ نَفْسٍ مَا كَسَبَتْ ۚ

زنجیروں میں ف۸۴ کرتے ان کے ہیں گندھک کے ف۸۵ اور ڈھانکے لیتی ہو ان کے منہ کو آگ ف۸۶ تاکہ بدلا دے اللہ ہر ایک جی کو اس کی کمائی کا

إِنَّ اللَّهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ ﴿٥١﴾ هَٰذَا بَلَاغٌ لِلنَّاسِ وَلِيُنْذَرُوا بِهِ وَلِيَعْلَمُوا أَنَّمَا هُوَ إِلَٰهٌ

بیشک اللہ جلد کرنے والا ہے حساب ف۸۷ یہ خبر پہنچا دینی ہے لوگوں کو اور تاکہ چونک جائیں اس سے اور تاکہ جان لیں کہ معبود وہی ہے

وَاحِدٌ وَلِيَذَّكَّرَ أُولُو الْأَلْبَابِ ﴿٥٢﴾

ایک ہے اور تاکہ سوچ لیں عقل والے ف۸۸

(۷۹) **کفار کے داؤ پیچ** یعنی سب اگلے پچھلے ظالم اپنے اپنے داؤ کھیل چکے ہیں۔ انبیاء کے مقابلہ میں حق کو دبانے اور مٹانے کی کوئی تدبیر اور سازش انہوں نے اٹھا نہیں رکھی۔ ان کی سب تدبیریں اور داؤ گھات خدا کے سامنے ہیں اور ایک ایک کر کے محفوظ ہیں۔ وہ ہی ان کا بدلہ دینے والا ہے۔

(۸۰) یعنی انہوں نے بہتیرے داؤ کر کے دیکھ لئے۔ مگر خدا کی حفاظت کے آگے سب ناکام رہے۔ کیا یہ ہو سکتا ہے کہ ان کی مکاریاں سے پہاڑوں کو ان کی جگہ سے ٹلا دیں۔ یعنی انبیاء علیہم السلام اور شرائع حقہ جو پہاڑوں سے زیادہ مضبوط و مستقیم ہوتے ہیں، ان کی مکاریوں سے ڈگمگا جائیں؟ حاشا و کلا۔ اس تفسیر کے موافق "وَإِنْ كَانَ مَكْرُهُمْ الخ" میں "إِنْ" نافیہ ہوگا۔ اور آیت کا مضمون "وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا إِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْأَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُولًا" (بنی اسرائیل رکوع ۴) کے مشابہ ہوگا۔ بعض مفسرین نے إِن شرطیہ اور "واؤ" وصلیہ لے کر آیت کا مطلب یہ لیا ہے کہ انہوں نے بڑے بڑے داؤ چلے جو حفاظت الٰہی کے سامنے ہیچ ثابت ہوئے اگرچہ ان کے داؤ فی حد ذاتہ ایسے زبردست تھے جو ایک مرتبہ پہاڑوں کو بھی اپنی جگہ سے ہلا ڈالیں۔

(۸۱) یعنی وہ وعدہ جو "إِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا" اور "كَتَبَ اللَّهُ لَأَغْلِبَنَّ أَنَا وَرُسُلِي" وغیرہ آیات میں کیا گیا ہے۔

(۸۲) نہ مجرم اس سے چھوٹ کر بھاگ سکتا ہے نہ وہ خود ایسے مجرموں کو سزا دیے بدون چھوڑ سکتا ہے۔

(۸۳) **قیامت میں زمین و آسمان کی تبدیلی** قیامت کو یہ زمین و آسمان بہیات موجودہ باقی نہ رہیں گے، یا تو ان کی ذوات ہی بدل دی جائیں گی یا صرف صفات میں تغیر ہوگا اور بعض روایات سے پتہ چلتا ہے کہ شاید متعدد مرتبہ تبدیل و تغیر کی نوبت آئیگی واللہ اعلم۔ سامنے کھڑے ہونے کا مطلب "وَبَرَزُوا لِلَّهِ جَمِيعًا فَقَالَ الضُّعَفَاءُ الخ" کے تحت میں گذر چکا ہے۔

(۸۴) یعنی ایک ایک نوعیت کے کئی کئی مجرم اکھٹے زنجیروں میں باندھے جائیں گے کما قال تعالیٰ "احْشُرُوا الَّذِينَ ظَلَمُوا وَأَزْوَاجَهُمْ"

(صافات رکوع ۲) وقال تعالیٰ "وَاِذَا النُّفُوۡسُ زُوِّجَتۡ" (تکویر رکوع ۱)

(۸۵) دوزخیوں کے کرتے | جس میں آگ بہت جلد اور تیزی سے اثر کرتی ہے اور سخت بدبو ہوتی ہے۔ پھر جیسی جہنم کی آگ ویسی ہی وہاں کی گندھک سمجھ لیجئے۔

(۸۶) چہرہ چونکہ حواس و مشاعر کا محل اور انسان کے ظاہری اعضاء میں سب سے اشرف عضو ہے اس لئے اُس کو خصوصیت سے ذکر فرمایا۔ جیسے دوسری جگہ تَطَّلِعُ عَلَى الۡاَفۡـِٕدَةِ میں قلب کا ذکر کیا ہے۔

(۸۷) سریع الحساب کے معنیٰ | یعنی جس بات کا پیش آنا بالکل یقینی ہے، اُسے دور مت سمجھو کما قال تعالیٰ "اِقۡتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمۡ وَهُمۡ فِىۡ غَفۡلَةٍ مُّعۡرِضُوۡنَ" (الانبیاء رکوع ۱) یا یہ مطلب ہے جس وقت حساب ہوگا پھر دیر نہ لگے گی، تمام اوّلین وآخرین، جن وانس کے ذرہ ذرہ عمل کا حساب بہت جلد ہو جائے گا۔ کیونکہ نہ خدا پر کوئی چیز مخفی ہے نہ اس کو ایک شان دوسری شان سے مشغول کرتی ہے۔ مَا خَلۡقُكُمۡ وَلَا بَعۡثُكُمۡ اِلَّا كَنَفۡسٍ وَّاحِدَةٍ۔ (لقمٰن رکوع ۳)

(۸۸) یعنی خواب غفلت سے بیدار ہو جائیں اور خدا سے ڈر کر اُس کی آیات میں غور کریں جس سے اُس کی وحدانیت کا یقین حاصل ہو۔ اور عقل و فکر سے کام لے کر نصیحت پر کاربند ہوں۔

تم سورۃ ابراھیم علیہ السلام وللہ الحمد والمنۃ

سُوۡرَةُ الۡحِجۡرِ

سُوۡرَةُ الۡحِجۡرِ مَكِّيَّةٌ ۱۵	بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ	اٰيَاتُهَا ۹۹ رُكُوۡعَاتُهَا ۶
سورۂ حجر مکہ میں نازل ہوئی اس میں	شروع اللہ کے نام سے جو بیحد مہربان نہایت رحم والا ہے	ننانوے آیتیں ہیں اور چھ رکوع ہیں

الٓرٰ ۚ تِلۡكَ اٰيٰتُ الۡكِتٰبِ وَقُرۡاٰنٍ مُّبِيۡنٍ ①

یہ آیتیں ہیں کتاب کی ف ۱ اور واضح قرآن کی ف ۲

(۱) یعنی یہ اس جامع اور عظیم الشان کتاب کی آیتیں ہیں جس کے مقابلہ میں کوئی دوسری کتاب "الکتاب" کہلانے کی مستحق نہیں۔

(۲) اور اُس قرآن کی آیتیں ہیں جس کے اصول نہایت صاف دلائل روشن، احکام معقول، وجوہ اعجاز واضح اور بیانات شگفتہ اور فیصلہ کن ہیں لہٰذا آگے جو کچھ بیان کیا جانے والا ہے مخاطبین کو پوری توجہ سے سننا چاہیئے۔

(صافات رکوع ۲) وقال تعالیٰ "وَاِذَا النُّفُوۡسُ زُوِّجَتۡ" (تکویر رکوع ۱)

(۸۵) **دوزخیوں کے کرتے** جس میں آگ بہت جلد اور تیزی سے اثر کرتی ہے اور سخت بدبو ہوتی ہے۔ پھر جیسی جہنم کی آگ ویسی ہی وہاں کی گندھک سمجھ لیجئے۔

(۸۶) چہرہ چونکہ حواس و مشاعر کا محل اور انسان کے ظاہری اعضاء میں سب سے اشرف عضو ہے اس لئے اُس کو خصوصیت سے ذکر فرمایا۔ جیسے دوسری جگہ تَطَّلِعُ عَلَى الۡاَفۡـِٕدَةِ میں قلب کا ذکر کیا ہے۔

(۸۷) **سریع الحساب کے معنیٰ** یعنی جس بات کا پیش آنا بالکل یقینی ہے، اُسے دور مت سمجھو کما قال تعالیٰ "اِقۡتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمۡ وَهُمۡ فِىۡ غَفۡلَةٍ مُّعۡرِضُوۡنَ" (الانبیاء رکوع ۱) یا یہ مطلب ہے جس وقت حساب ہوگا پھر دیر نہ لگے گی، تمام اوّلین وآخرین، جن وانس کے ذرہ ذرہ عمل کا حساب بہت جلد ہو جائے گا۔ کیونکہ نہ خدا پر کوئی چیز مخفی ہے نہ اس کو ایک شان دوسری شان سے مشغول کرتی ہے۔ مَا خَلۡقُكُمۡ وَلَا بَعۡثُكُمۡ اِلَّا كَنَفۡسٍ وَّاحِدَةٍ۔ (لقمٰن رکوع ۳)

(۸۸) یعنی خوابِ غفلت سے بیدار ہو جائیں اور خدا سے ڈر کر اُس کی آیات میں غور کریں جس سے اُس کی وحدانیت کا یقین حاصل ہو۔ اور عقل و فکر سے کام لے کر نصیحت پر کاربند ہوں۔

تم سورۃ ابراھیم علیہ السلام وللہ الحمد والمنۃ

سُوۡرَةُ الۡحِجۡرِ

سُوۡرَةُ الۡحِجۡرِ مَكِّيَّةٌ ۱۵	بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ	اٰيَاتُهَا ۹۹ رُكُوۡعَاتُهَا ۶
سورہ حجر مکہ میں نازل ہوئی اس میں	شروع اللہ کے نام سے جو بیحد مہربان نہایت رحم والا ہے	ننانوے آیتیں ہیں اور چھ رکوع ہیں

الٓرٰ ۚ تِلۡكَ اٰيٰتُ الۡكِتٰبِ وَقُرۡاٰنٍ مُّبِيۡنٍ ①

یہ آیتیں ہیں کتاب کی ف ۱ اور واضح قرآن کی ف ۲

(۱) یعنی یہ اس جامع اور عظیم الشان کتاب کی آیتیں ہیں جس کے مقابلہ میں کوئی دوسری کتاب "کتاب" کہلانے کی مستحق نہیں۔

(۲) اور اُس قرآن کی آیتیں ہیں جس کے اصول نہایت صاف دلائل روشن، احکام معقول، وجوہ اعجاز واضح اور بیانات شگفتہ اور فیصلہ کن ہیں لہٰذا آگے جو کچھ بیان کیا جانے والا ہے مخاطبین کو پوری توجہ سے سننا چاہئے۔

رُبَمَا يَوَدُّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْ كَانُوا مُسْلِمِينَ ﴿٢﴾ ذَرْهُمْ يَأْكُلُوا وَيَتَمَتَّعُوا وَيُلْهِهِمُ

کسی وقت آرزو کریں گے یہ لوگ جو منکر ہیں کیا اچھا ہوتا جو ہوتے مسلمان ف۳ چھوڑ دے انکو کھالیں[۱] اور برت لیں اور امید میں لگے

الْأَمَلُ فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ ﴿٣﴾ وَمَا أَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ إِلَّا وَلَهَا كِتَابٌ مَعْلُومٌ ﴿٤﴾ مَا

رہیں سو آئندہ معلوم کرلیں گے ف۴ اور کوئی بستی ہم نے غارت نہیں کی مگر اس کا وقت لکھا ہوا تھا مقرر ف۵ نہ

تَسْبِقُ مِنْ أُمَّةٍ أَجَلَهَا وَمَا يَسْتَأْخِرُونَ ﴿٥﴾ وَقَالُوا يَا أَيُّهَا الَّذِي نُزِّلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ

سبقت کرتا ہی کوئی فرقہ اپنے وقت مقرر سے اور نہ پیچھے رہتا ہے ف۶ اور لوگ کہتے ہیں اے وہ شخص کہ تجھ پر اترا ہے قرآن

إِنَّكَ لَمَجْنُونٌ ﴿٦﴾ لَوْ مَا تَأْتِينَا بِالْمَلَائِكَةِ إِنْ كُنْتَ مِنَ الصَّادِقِينَ ﴿٧﴾ مَا نُنَزِّلُ الْمَلَائِكَةَ

تو بیشک دیوانہ ہے ف۷ کیوں نہیں لے آتا ہمارے پاس فرشتوں کو اگر تو سچا ہے ف۸ ہم نہیں اتارتے فرشتوں کو

إِلَّا بِالْحَقِّ وَمَا كَانُوا إِذًا مُنْظَرِينَ ﴿٨﴾ إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ ﴿٩﴾ وَلَقَدْ

مگر کام پورا کر کے اور اس وقت نہ ملے گی ان کو مہلت[۵] ف۹ ہم نے آپ اتاری ہے یہ نصیحت اور ہم آپ اس کے نگہبان ہیں ف۱۰ اور ہم

أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِي شِيَعِ الْأَوَّلِينَ ﴿١٠﴾ وَمَا يَأْتِيهِمْ مِنْ رَسُولٍ إِلَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ ﴿١١﴾

بھیج چکے ہیں رسول تجھ سے پہلے اگلے فرقوں میں اور نہیں آتا ان کے پاس کوئی رسول مگر کرتے رہے ہیں اس سے ہنسی ف۱۱

كَذَٰلِكَ نَسْلُكُهُ فِي قُلُوبِ الْمُجْرِمِينَ ﴿١٢﴾ لَا يُؤْمِنُونَ بِهِ وَقَدْ خَلَتْ سُنَّةُ الْأَوَّلِينَ ﴿١٣﴾

اسی طرح بٹھا دیتے ہیں ہم اسکو دل میں گنہگاروں کے ف۱۲ یقین نہ لائیں گے اس پر اور ہوتی آئی ہے رسم پہلوں کی ف۱۳

وَلَوْ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا مِنَ السَّمَاءِ فَظَلُّوا فِيهِ يَعْرُجُونَ ﴿١٤﴾

اور اگر ہم کھول دیں ان پر دروازہ آسمان سے اور سارے دن اس میں چڑھتے رہیں

(۳) **کفّار کو مسلمان نہ ہونے کی حسرت** یعنی آج منکرین نے قرآن و اسلام جیسی عظیم الشان نعمت الٰہیہ کی قدر نہیں کی لیکن ایسا وقت آنے والا ہے جب یہ لوگ اپنی محرومی پر ماتم کریں گے اور دستِ حسرت مل کر کہیں گے کاش ہم مسلمان ہوتے وہ وقت کب آئیگا؟ اس میں اختلاف ہوا ہے۔ ہم ابن الانباری کے قول کے موافق اس کو عام رکھتے ہیں۔ یعنی دنیا و آخرت میں جو مواقع کافروں کی نامرادی اور مسلمانوں کی کامیابی کے پیش آتے رہیں گے، ہر موقع پر کفار کو رہ رہ کر اپنے مسلمان ہونے کی تمنا اور نعمت اسلام سے محروم رہ جانے کی حسرت ہوگی۔ اس سلسلہ میں پہلا موقع تو "جنگ بدر" کا تھا، جہاں کفار مکہ نے مسلمانوں کی طرف کھلا ہوا غلبہ اور تائید غیبی دیکھ کر اپنے دلوں میں محسوس کیا کہ جس اسلام نے فقرائے مہاجرین اور اوس و خزرج کے کاشتکاروں کو اونچی ناک والے قریشی سرداروں پر غالب کیا، افسوس ہم اس دولت سے محروم ہیں۔ اسی طرح اسلامی فتوحات و ترقیات کی ہر ایک منزل پر کفار کو اپنی تہیدستی و حرمان پر پچتانے اور دل سے اشک حسرت بہانے کا موقع ملتا رہا۔ انتہائی حسرت و افسوس کا مقام وہ ہوگا جب فرشتہ جان نکالنے کے لئے سامنے کھڑا ہے اور عالم غیب کے حقائق آنکھوں سے نظر آ رہے ہیں اس وقت ہاتھ کاٹیں گے اور آرزو کریں گے کہ کاش ہم نے اسلام قبول کر لیا ہوتا کہ آج عذاب بعد الموت سے محفوظ رہ سکتے۔ اس سے بھی بڑھ کر یاس انگیز نظارہ وہ ہوگا۔ جو طبرانی کی حدیث میں ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت کے بہت سے آدمی اپنے گناہوں کی بدولت جہنم میں جائیں گ

[۱] فائدہ اٹھالیں [۲] پر بھولے [۳] نصیحت۔ [۴] ٹھیک [۵] ڈھیل۔

اور جب تک خدا چاہے گا وہاں رہیں گے۔ بعدہٗ مشرکین ان پر طعن کریں گے کہ تمہارے ایمان و توحید نے تم کو کیا فائدہ دیا؟ تم بھی آج تک ہماری طرح دوزخ میں ہو، اس پر حق تعالیٰ کسی موحد کو جہنم میں نہ چھوڑے گا۔ یہ فرما کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی۔ "رُبَمَا یَوَدُّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لَوْ کَانُوْا مُسْلِمِیْنَ" گویا یہ آخری موقع ہوگا جب کفار اپنے مسلمان ہونے کی تمنا کریں گے۔

(۴) یعنی جب کوئی نصیحت کارگر نہیں تو آپ ان کے غم میں نہ پڑیے بلکہ چند روز انہیں بہائم کی طرح کھانے پینے دیجئے۔ یہ خوب دل کھول کر دنیا کے مزے اڑالیں اور مستقبل کے متعلق لمبی چوڑی امیدیں باندھتے رہیں۔ عنقریب وقت آیا چاہتا ہے جب حقیقت حال کھل جائیگی اور اگلا پچھلا کھایا پیا سب نکل جائیگا۔ چنانچہ کچھ تو دنیا ہی میں مجاہدین کے ہاتھوں حقیقت کھل گئی۔ اور پوری تکمیل آخرت میں ہو جائے گی۔

(۵) **ہر قوم کی ہلاکت کا وقت معیّن ہے** یعنی جس قدر بستیاں اور قومیں پہلے ہلاک کی گئیں، خدا کے علم میں ہر ایک کی ہلاکت کا ایک وقت معیّن تھا۔ جس میں نہ بھول چوک ہو سکتی تھی نہ غفلت اور نہ خدا کا وعدہ ٹل سکتا تھا۔ جب کسی قوم کی میعاد پوری ہوئی اور تعذیب کا وقت آپہنچا، ایک دم میں غارت کر دی گئی۔ موجودہ کفار بھی امہال و تاخیر عذاب پر مغرور نہ ہوں۔ جب ان کا وقت آئیگا خدائی سزا سے بچ نہ سکیں گے۔ جو تاخیر کی جارہی ہے اُس میں خدا کی بہت حکمتیں ہیں۔ مثلاً ان میں سے بعض کا یا بعض کی اولاد کا ایمان لانا مقدر ہے۔ فوری عذاب کی صورت میں اُس کے وقوع کی کوئی صورت نہیں۔

(۶) یعنی امم مہلکہ کی تخصیص نہیں بلکہ ہر قوم کے عروج و زوال یا موت و حیات کی جو میعاد مقرر ہے وہ اُس سے ایک سیکنڈ آگے پیچھے نہیں ہو سکتی

(۷) **آنحضرت ﷺ سے استہزاء** مشرکین مکہ یہ الفاظ محض بطریق استہزاء و استخفاف کہتے تھے یعنی آپ سب سے آگے بڑھ کر خدا کے یہاں سے قرآن لے آئے، دوسروں کو احمق و جاہل بتلانے لگے بلکہ ساری دنیا کو الٹی میٹم دیا، اس پر یہ دعویٰ ہے کہ آخر میں ہی غالب ہونگا اور ایک وقت آئیگا کہ منکرین حسرت سے کہیں گے کہ کاش ہم مسلمان ہو جاتے۔ یہ کونسی عقل و ہوش کی باتیں ہیں؟ کھلی ہوئی دیوانگی ہے اور جو پڑھ کر سناتے ہو مجنون کی بڑ سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا (العیاذ باللہ)۔

(۸) اگر بارگاہ احدیت میں آپ کو ایسا ہی قرب حاصل ہے اور ساری قوم میں سے خدا نے منصب رسالت کے لئے آپ کا انتخاب کیا ہے تو فرشتوں کی خدائی فوج آپ کے ساتھ کیوں نہ آئی۔ جو کھُلم کھُلا آپ کی تصدیق کرتی اور ہم سے آپکی بات منواتی، نہ مانتے تو فوراً سزا دیتی۔

(۹) **فرشتوں کا نزول حکمت کے مطابق ہوتا ہے** یعنی ماننے والوں کے لئے اب بھی کافی سے زائد نشان موجود ہیں باقی جن کا ارادہ ہی ماننے کا نہیں وہ فرشتوں کے آنے پر بھی نہ مانیں گے، پھر ان کے اُتارنے میں کیا فائدہ ہے۔ حق تعالیٰ فرشتوں کو زمین پر اپنی حکمت کے موافق کسی غرض صحیح کے لئے بھیجتے ہیں، یوں ہی بے فائدہ تماشا دکھلانا مقصود نہیں ہوتا۔ عموماً عادت اللہ یہ رہی ہے کہ جب کسی قوم کی سرکشی انتہا کو پہنچ جاتی ہے اور سارے مراحل تفہیم و ہدایت کے طے ہو جاتے ہیں تو فرشتوں کی فوج اُس کے ہلاک کرنے کے لئے بھیجی جاتی ہے۔ پھر اُسکو قطعاً مہلت نہیں دی جاتی۔ اگر تمہاری خواہش کے موافق فرشتے اُتارے جائیں تو اُس سے صرف یہ ہی ایک مقصد ہو سکتا ہے کہ تم کو بلا تاخیر ہلاک کر دیا جائے جو فی الحال حکمت الٰہی کے موافق نہیں کیونکہ ابھی اُس کا وقت نہیں آیا، یہ تو آخری صورت ہے جو سب منزلیں طے ہو چکنے اور سب کام ختم کئے جانے کے بعد ظہور پذیر ہوتی ہے۔

(۱۰) **حفاظت قرآن کا وعدہ الٰہی** یعنی تمہارا استہزاء و تعنت اور قرآن لانے والے کی طرف جنون کی نسبت کرنا، قرآن و حامل قرآن پر قطعاً اثر انداز نہیں ہو سکتا، یاد رکھو اس قرآن کے اُتارنے والے ہم ہیں اور ہم ہی نے اس کی ہر قسم کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے، جس شان اور ہیئت سے وہ اترا ہے بدون ایک شوشہ یا زبر زیر کی تبدیلی کے چار دانگ عالم میں پہنچ کر رہے گا اور قیامت تک ہر طرح کی تحریف لفظی و معنوی سے محفوظ و مصئون رکھا جائیگا۔ زمانہ کتنا ہی بدل جائے مگر اس کے اصول و احکام کبھی نہ بدلیں گے، زبان کی فصاحت و بلاغت اور علم و حکمت کی موشگافیاں

کتنی ہی ترقی کر جائیں، پر قرآن کی صوری و معنوی اعجاز میں اصلاً ضعف و انحطاط محسوس نہ ہوگا۔ قومیں اور سلطنتیں قرآن کی آواز کو دبانے یا گم کر دینے میں ساعی ہونگی۔ لیکن اس کے ایک نقطہ کو گم نہ کر سکیں گی حفاظت قرآن کے متعلق یہ عظیم الشان وعدہ الٰہی ایسی صفائی اور حیرت انگیز طریقہ سے پورا ہو کر رہا جسے دیکھ کر بڑے بڑے متعصب و مغرور مخالفوں کے سر نیچے ہو گئے۔ "میور" کہتا ہے "جہاں تک ہماری معلومات ہیں دنیا بھر میں ایک بھی ایسی کتاب نہیں جو قرآن کی طرح بارہ صدیوں تک ہر قسم کی تحریف سے پاک رہی ہو" ایک اور یورپین محقق لکھتا ہے کہ ہم ایسے ہی یقین سے قرآن کو بعینہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے منہ سے نکلے ہوئے الفاظ سمجھتے ہیں جیسے مسلمان اُسے خدا کا کلام سمجھتے ہیں" واقعات بتلاتے ہیں کہ ہر زمانہ میں ایک جم غفیر علماء کا جن کی تعداد اللہ ہی کو معلوم ہے، ایسا رہا کیا جس نے قرآن کے علوم و مطالب اور غیر منقضی عجائب کی حفاظت کی، کاتبوں نے رسم الخط کی، قاریوں نے طرز ادا کی، حافظوں نے اُس کے الفاظ و عبارت کی وہ حفاظت کی کہ نزول کے وقت سے آج تک ایک زیر زبر تبدیل نہ ہو سکا۔ کسی نے قرآن کے رکوع گن لئے کسی نے آیتیں شمار کیں، کسی نے حروف کی تعداد بتلائی حتیٰ کہ بعض نے ایک ایک اعراب اور ایک ایک نقطہ کو شمار کر ڈالا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک سے آج تک کوئی لمحہ اور کوئی ساعت نہیں بتلائی جا سکتی جس میں ہزاروں لاکھوں کی تعداد حفاظ قرآن کی موجود نہ رہی ہو۔ خیال کرو آٹھ دس سال کا ہندوستانی بچہ جسے اپنی مادری زبان میں دو تین جزء کا رسالہ یاد کرنا دشوار ہے وہ ایک اجنبی زبان کی اتنی ضخیم کتاب جو متشابہات سے پُر ہے، کس طرح فر فر سنا دیتا ہے۔ پھر کسی مجلس میں ایک بڑے باوجاہت عالم و حافظ سے کوئی حرف چھوٹ جائے یا اعراب کی فروگذاشت ہو جائے تو ایک بچہ اُس کو ٹوک دیتا ہے۔ چاروں طرف سے تصحیح کرنیوالے للکارتے ہیں، ممکن نہیں کہ پڑھنے والے کو غلطی پر قائم رہنے دیں۔ حفظ قرآن کے متعلق یہ ہی اہتمام و اعتناء عہد نبوت میں سب لوگ مشاہدہ کرتے تھے۔ اُسی کی طرف "وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ" فرما کر اُس وقت کے منکرین کو توجہ دلائی۔

(۱۱) **آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی** آپ کو تسلی دی گئی کہ ان کی تکذیب و استہزاء سے دلگیر نہ ہوں، یہ کوئی نئی بات نہیں۔ ہمیشہ منکرین کی عادت رہی ہے کہ جب کوئی پیغمبر آیا اس کی ہنسی اڑائی، کبھی مجنوں کہا۔ کبھی محض دق کرنے کے لئے لغو اور دور از کار مطالبے کرنے لگے۔ فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کی نسبت کہا تھا "اِنَّ رَسُوْلَكُمُ الَّذِیْٓ اُرْسِلَ اِلَیْكُمْ لَمَجْنُوْنٌ" (شعراء رکوع ۲) اور وہ ہی فرشتوں کی فوج لانے کا مطالبہ کیا جو قریش آپ سے کر رہے تھے "لَوْلَآ اُلْقِیَ عَلَیْهِ اَسْوِرَةٌ مِّنْ ذَهَبٍ اَوْ جَآءَ مَعَهُ الْمَلٰٓئِكَةُ مُقْتَرِنِیْنَ" (زخرف رکوع ۵)

(۱۲) یعنی جو لوگ ارتکاب جرائم سے باز نہیں آتے ہم ان کے دلوں میں اسی طرح استہزاء و تکذیب کی عادت جاگزیں کر دیتے ہیں۔ جب اُن کے دل میں کانوں کے راستہ سے وحی الٰہی جاتی ہے تو ساتھ ساتھ تکذیب بھی چلی جاتی ہے۔

(۱۳) یعنی ہمیشہ یوں ہی جھٹلاتے اور ہنسی کرتے آئے ہیں اور سنت اللہ یہ رہی ہے کہ متمردین ہلاک و رسوا کئے جاتے رہے اور انجام کار حق کا بول بالا رہا۔

لَقَالُوْٓا اِنَّمَا سُكِّرَتْ اَبْصَارُنَا بَلْ نَحْنُ قَوْمٌ مَّسْحُوْرُوْنَ ﴿۱۵﴾ ع وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِی السَّمَآءِ

تو بھی یہی کہیں گے کہ باندھ دیا ہے ہماری نگاہ کو نہیں بلکہ ہم لوگوں پر جادو ہوا ہے ف۱۴ اور ہم نے بنائے ہیں آسمان میں

بُرُوْجًا وَّزَیَّنّٰهَا لِلنّٰظِرِیْنَ ﴿۱۶﴾ وَحَفِظْنٰهَا مِنْ كُلِّ شَیْطٰنٍ رَّجِیْمٍ ﴿۱۷﴾ اِلَّا مَنِ اسْتَرَقَ

بُرج ف۱۵ اور رونق دی اُسکو دیکھنے والوں کی نظر میں ف۱۶ اور محفوظ رکھا ہم نے اُسکو ہر شیطان مردود سے مگر جو چوری سے

السَّمْعَ فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ مُّبِیْنٌ ﴿۱۸﴾ وَالْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا وَاَلْقَیْنَا فِیْهَا رَوَاسِیَ وَاَنْۢبَتْنَا

سُن بھاگا سو اُسکے پیچھے پڑا انگارہ چمکتا ہوا ف۱۷ اور زمین کو ہمنے پھیلایا اور رکھ دیئے اس پر بوجھ[1] اور اُگائی

[1] پہاڑ

فِيهَا مِن كُلِّ شَيْءٍ مَّوْزُونٍ ﴿١٩﴾ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيهَا مَعَايِشَ وَمَن لَّسْتُمْ لَهُ بِرَازِقِينَ ﴿٢٠﴾ وَ

اس میں ہر چیز اندازے سے اور بنا دیے تمہارے واسطے اسمیں معیشت کے اسباب اور وہ چیزیں جنکو تم روزی نہیں دیتے ف۱۸ اور

إِن مِّن شَيْءٍ إِلَّا عِندَنَا خَزَائِنُهُ وَمَا نُنَزِّلُهُ إِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُومٍ ﴿٢١﴾ وَأَرْسَلْنَا الرِّيَاحَ لَوَاقِحَ

ہر چیز کے ہمارے پاس خزانے ہیں اور اُتارتے ہیں ہم اندازہ معین پر ف۱۹ اور چلائیں ہم نے ہوائیں رس بھری

فَأَنزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَسْقَيْنَاكُمُوهُ وَمَا أَنتُمْ لَهُ بِخَازِنِينَ ﴿٢٢﴾ وَإِنَّا لَنَحْنُ نُحْيِي وَنُمِيتُ وَ

پھر اُتارا ہم نے آسمان سے پانی پھر تم کو وہ پلایا ف۲۰ اور تمہارے پاس نہیں اُس کا خزانہ ف۲۱ اور ہم ہی ہیں جلانیوالے اور مارنیوالے اور

نَحْنُ الْوَارِثُونَ ﴿٢٣﴾ وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَقْدِمِينَ مِنكُمْ وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَأْخِرِينَ ﴿٢٤﴾ وَإِنَّ رَبَّكَ

ہم ہی ہیں پیچھے رہنے والے ف۲۲ اور ہم نے جان رکھا ہے آگے بڑھنے والوں کو تم میں سے اور جان رکھا ہے پیچھے رہنے والوں کو ف۲۳ اور تیرا رب

هُوَ يَحْشُرُهُمْ إِنَّهُ حَكِيمٌ عَلِيمٌ ﴿٢٥﴾ وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ مِن صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَإٍ مَّسْنُونٍ ﴿٢٦﴾ ع ۲

وہی اکٹھا کر لائیگا اُن کو بیشک وہی ہے حکمتوں والا خبردار ف۲۴ اور بنایا ہم نے آدمی کو کھنکھناتے سنے ہوئے گارے سے ف۲۵

وَالْجَانَّ خَلَقْنَاهُ مِن قَبْلُ مِن نَّارِ السَّمُومِ ﴿٢٧﴾ وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَائِكَةِ إِنِّي خَالِقٌ بَشَرًا مِّن

اور جان کو بنایا ہم نے اس سے پہلے لُو کی آگ سے ف۲۶ اور جب کہا تیرے رب نے فرشتوں کو میں بناؤنگا ایک بشر

صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَإٍ مَّسْنُونٍ ﴿٢٨﴾

کھنکھناتے سنے ہوئے گارے سے

(۱۴) **کفّار کی ضد اور ہٹ دھرمی** یعنی فرشتوں کا اُتارنا تو اس قدر عجیب نہیں، اگر ہم آسمان کے دروازے کھول کر خود انہیں اُوپر چڑھا دیں اور یہ دن بھر اسی شغل میں رہیں، تب بھی ضدی اور معاند لوگ حق کو تسلیم نہیں کر سکتے۔ اُس وقت کہہ دیں گے کہ ہم پر نظر بندی یا جادو کیا گیا ہے شاید ابتداء میں نظر بندی سمجھیں اور آخر میں بڑا جادو قرار دیں۔

(۱۵) **آسمان میں بُرج** "بروجوں" سے یہاں بڑے بڑے سیارات مراد ہیں بعض نے منازل شمس و قمر کا ارادہ کیا ہے بعض کہتے ہیں کہ بُرج وہ آسمانی قلعے ہیں جن میں فرشتوں کی جماعتیں پہرہ دیتی ہیں۔

(۱۶) **اہل نظر کے لئے دلائل توحید** یعنی آسمان کو ستاروں سے زینت دی، رات کے وقت جب بادل اور گرد و غبار نہ ہو، بیشمار ستاروں کے قمقموں سے آسمان دیکھنے والوں کی نظر میں کس قدر خوبصورت اور پُر عظمت معلوم ہوتا ہے اور غور و فکر کرنے والوں کے لئے اس میں کتنے نشان حق تعالیٰ کی صنعت کاملہ، حکمت عظیمہ اور وحدانیت مطلقہ کے پائے جاتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ آسمان سے فرشتے اُتارنے یا انکو آسمان پر چڑھانے کی ضرورت نہیں۔ اگر ماننا چاہیں تو آسمان و زمین میں قدرت کے نشان کیا تھوڑے ہیں جنہیں دیکھ کر سمجھ دار آدمی توحید کا سبق بہت آسانی سے حاصل کر سکتا ہے ایسے روشن نشان دیکھ کر انہوں نے کیا معرفت حاصل کی؟ جو آئندہ توقع رکھی جائے۔

(۱۷) **شیاطین اور شہاب ثاقب** یعنی آسمانوں پر شیاطین کا کچھ عمل دخل نہیں چلتا۔ بلکہ بعثت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت سے تو اُن کا گذر بھی وہاں نہیں ہو سکتا۔ اب انتہائی کوشش اُن کی یہ ہوتی ہے کہ ایک شیطانی سلسلہ قائم کر کے آسمان کے قریب پہنچیں اور عالم ملکوت سے

۱ ٹھہرے ہوئے اندازہ پر۔ ۲ بوجھل کرنیوالی ابر کی۔ ۳ بجنے والی مٹی سے۔ ۴ جو بنی ہو سڑے ہوئے گارے سے۔ ۵ جنوں کو۔ ۶ بجنے والی مٹی سے بنی ہو سڑے ہوئے گارے سے

نزدیک ہو کر اخبار غیبیہ کی اطلاعات حاصل کریں، اس پر بھی فرشتوں کے پہرے بٹھا دیے گئے ہیں کہ جب شیاطین ایسی کوشش کریں اُوپر سے آتش بازی کی جائے نصوص قرآن و حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ تکوینی امور کے متعلق آسمانوں پر جب کسی فیصلہ کا اعلان ہوتا ہے اور خداوند قدس اس سلسلہ میں فرشتوں کی طرف وحی بھیجتا ہے تو وہ اعلان ایک خاص کیفیت کے ساتھ اُوپر سے نیچے کو درجہ بدرجہ پہنچتا ہے آخر سماء دنیا پر اور بخاری کی ایک روایت کے موافق "عنان" (بادل) میں فرشتے اس کا مذاکرہ کرتے ہیں۔ شیاطین کی کوشش ہوتی ہے کہ ان معاملات کے متعلق غیبی معلومات حاصل کریں، اُسی طرح جیسے آج کوئی پیغام بذریعہ وائرلیس ٹیلیفون جارہا ہو اُسے بعض لوگ راستہ میں جذب کرنے کی تدبیر کرتے ہیں، ناگہاں اُوپر سے بم کا گولہ (شہاب ثاقب) پھٹتا ہے۔ اور ان غیبی پیغامات کی چوری کرنے والوں کو مجروح یا ہلاک کر کے چھوڑتا ہے۔ اسی دوا دوش اور ہنگامہ دار وگیر میں جو ایک آدھ بات شیطان کو ہاتھ لگ جاتی ہے وہ ہلاک ہونے سے پیشتر بڑی عجلت کے ساتھ دوسرے شیاطین کو اور وہ شیاطین اپنے دوست انسانوں کو پہنچانے کی کوشش کرتے ہیں۔ کاہن لوگ اسی ادھوری سی بات میں سیکڑوں جھوٹ اپنی طرف سے ملا کر عوام کو غیبی خبریں بتلاتے ہیں۔ جب وہ ایک آدھ سماوی بات سچی نکلتی ہے تو اُن کے معتقدین اُسے اُن کی سچائی کے ثبوت میں پیش کرتے ہیں اور جو سیکڑوں بتائی ہوئی خبریں جھوٹی ثابت ہوتی ہیں ان سے اغماض و تغافل برتا جاتا ہے۔ قرآن و حدیث نے یہ واقعات بیان کر کے متنبہ کر دیا کہ کسی ادنیٰ سے ادنیٰ اور چھوٹی سے چھوٹی سچائی کا سرچشمہ بھی وہ ہی عالم ملکوت ہے۔ شیاطین الجن والانس کے خزانہ میں بجز کذب و افتراء کوئی چیز نہیں۔ نیز یہ کہ آسمانی انتظامات اس قدر مکمل ہیں کہ کسی شیطان کی مجال نہیں کہ وہاں قدم رکھ سکے یا باوجود انتہائی جدوجہد کے وہاں کے انتظامات اور فیصلوں پر معتد بہ دسترس حاصل کرلے۔ باقی جو ایک آدھ جملہ ادھر اُدھر کا فرشتوں سے سُن بھاگتا ہے، حق تعالیٰ نے ارادہ نہیں کیا کہ اُس کی قطعاً بندش کر دی جائے۔ وہ چاہتا تو اس سے بھی روک دیتا، مگر یہ بات اُس کی حکمت کے موافق نہ تھی۔ آخر شیاطین الجن والانس کو جن کی بابت اُسے معلوم ہے کہ کبھی اغواء و اضلال سے باز نہ آئیں گے اتنی طویل مہلت اور معنویانہ اسباب و وسائل پر دسترس دینے میں کچھ نہ کچھ حکمت تو سب کو ماننی پڑے گی، اسی طرح کی حکمت یہاں بھی سمجھ لو۔ (تنبیہ) شیاطین ہمیشہ شہابوں کے ذریعہ سے ہلاک ہوتے رہتے ہیں مگر جس طرح قطب جنوبی اور ہمالیہ کی بلند ترین چوٹی کی تحقیق کرنے والے مرتے رہتے ہیں اور دوسرے اُن کا یہ انجام دیکھ کر اُس مہم کو ترک نہیں کرتے اسی پر شیاطین کی مسلسل جدوجہد کو قیاس کرلو۔ یہ واضح رہے کہ قرآن و حدیث نے یہ نہیں بتلایا کہ شہب کا وجود صرف رجم شیاطین ہی کے لئے ہوتا ہے۔ ممکن ہے اُن کے وجود سے اور بہت سے مصالح وابستہ ہوں۔ اور حسب ضرورت یہ کام بھی لیا جاتا ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(١٨) یعنی نوکر چاکر، حیوانات وغیرہ، جن سے کام اور خدمت ہم لیتے ہیں اور روزی اُن کی خدا کے ذمہ ہے۔

(١٩) **اللہ کے خزانے** یعنی جو چیز جتنی مقدار میں چاہے پیدا کر دے۔ نہ کچھ تعب ہوتا ہے نہ تکان، ادھر ارادہ کیا اُدھر وہ چیز موجود ہوئی۔ گویا تمام چیزوں کا خزانہ اُس کی لامحدود قدرت ہوئی جس سے ہر چیز حکمت کے موافق ایک معین نظام کے ماتحت ٹھہرے ہوئے اندازہ پر بلا کم و کاست نکلی چلی آتی ہے۔

(٢٠) **پانی کا حیرت انگیز نظام** یعنی برساتی ہوائیں بھاری بھاری بادلوں کو پانی سے بھر کر لاتی ہیں، اُن سے پانی برستا ہے جو نہروں چشموں اور کنوؤں میں جمع ہو کر تمہارے کام آتا ہے خدا چاہتا تو اُسے پینے کے قابل نہ چھوڑتا، لیکن اُس نے اپنی مہربانی سے کس قدر شیریں اور لطیف پانی تمہارے بارہ مہینہ پینے کے لئے زمین کے مسام میں جمع کر دیا۔

(٢١) یعنی نہ اوپر بارش کے خزانہ پر تمہارا قبضہ ہے، نہ نیچے چشمے اور کنویں تمہارے اختیار میں ہیں۔ خدا جب چاہے بارش برسائے، نہ تم روک سکتے ہو نہ اپنے حسب خواہش لا سکتے ہو، اور اگر کنوؤں اور چشموں کا پانی خشک کر دے یا زیادہ نیچے اُتار دے کہ تمہاری دسترس سے باہر ہو جائے تو کیسے قابو حاصل کر سکتے ہو۔

(۲۲) **وارثِ حقیقی** یعنی دنیا فنا ہو جائے گی، ایک خدا اپنی کامل صفات کے ساتھ باقی رہے گا۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "ہر کوئی مرجاتا ہے اور اُس کی کمائی اللہ کے ہاتھ میں رہتی ہے۔"

(۲۳) یعنی اگلا پچھلا کوئی شخص یا اُس کے اعمال ہمارے احاطہ علمی سے باہر نہیں، حق تعالیٰ کو ازل سے ہر چیز کا تفصیلی علم ہے، اُسی کے مطابق دنیا میں پیش آتا ہے اور اُسی کے موافق آخرت میں تمام مخلوق کا انصاف کیا جائے گا۔ (تنبیہ) آگے بڑھنا اور پیچھے رہنا عام ہے۔ ولادت میں ہو یا موت میں، یا اسلام میں، یا نیک کاموں میں، صفوف صلوٰۃ میں آگے پیچھے رہنا بھی نیک کام کے ذیل میں آگیا۔

(۲۴) **اللہ کا علم و قدرت** یعنی ایک ایک ذرہ اس کے علم میں ہے۔ جب اُس کی حکمت مقتضی ہوگی کہ سب کو بیک وقت انصاف کے لئے اکھٹا کیا جائے تو کچھ دشواری نہ ہوگی۔ قبر کی مٹی، جانوروں کے پیٹ، سمندر کی تہ، ہوائی فضا میں یا جہاں کہیں کسی چیز کا کوئی جزء ہوگا، وہ اپنے علم محیط اور قدرت کاملہ سے جمع کر دیگا۔

(۲۵) **قصۂ آدم و ابلیس** آیات آفاقیہ کے بعد بعض آیات انفسیہ کو بیان فرماتے ہیں جس کے ضمن میں شاید یہ تنبیہ بھی مقصود ہے کہ جس ذات منبع الکمالات نے تم کو ایسے انوکھے طریقہ سے اول پیدا کیا، دوبارہ پیدا کر کے ایک میدان میں جمع کر دینا کیا مشکل ہے۔ (تنبیہ)

آدمی کس قسم کی مٹی سے بنایا گیا؟ آدمی کی پیدائش کے متعلق یہاں دو لفظ فرمائے "صلصال" (بجنے والی کھنکھناتی مٹی جو آگ میں پکنے سے اس حالت کو پہنچتی ہے اسی کو دوسری جگہ "کالفخار" فرمایا) اور "حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ" (سڑا ہوا گارا جس سے بو آتی ہو) خیال یہ ہوتا ہے کہ اوّلاً سنے ہوئے گارے سے آدم کا پتلا تیار کیا، پھر جب خشک ہو کر اور پک کر کھن کھن بجنے لگا، تب مختلف تطوّرات کے بعد اس درجہ پر پہنچا کہ انسانی روح پھونکی جائے۔ روح المعانی میں بعض علماء کا قول نقل کیا ہے جس کے الفاظ یہ ہیں "کَاَنَّہٗ سُبْحَانَہٗ اَفْرَغَ الْحَمَاءَ فَصَوَّرَ مِنْ ذٰلِکَ تِمْثَالَ اِنْسَانٍ اَجْوَفَ فَیَبِسَ حَتّٰی اِذَا نُقِرَ صَوَّتَ ثُمَّ غَیَّرَہٗ طَوْرًا بَعْدَ طَوْرٍ حَتّٰی نَفَخَ فِیْہِ مِنْ رُّوْحِہٖ فَتَبَارَکَ اللّٰہُ اَحْسَنُ الْخَالِقِیْنَ"۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں مٹی پانی میں تر کی اور خمیر اٹھایا کہ کھن کھن بولنے لگی، وہ ہی بدن ہوا انسان کا۔ اُس کی خاصیتیں سختی اور بوجھ اس میں رہ گئیں اسی طرح گرم ہوا کی خاصیت (حدت و خفت) جن کی پیدائش میں رہی۔ راغب اصفہانی نے ایک طویل مضمون کے ضمن میں متنبہ کیا ہے کہ "حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ" اور "طین لازب" وغیرہ الفاظ ظاہر کرتے ہیں کہ مٹی اور پانی کو ملا کر ہوا سے خشک کیا اور "فخار" کا لفظ دلالت کرتا ہے کہ کسی درجہ میں آگ سے پکایا گیا یہ ہی ناری جزء آدمی کی شیطنت کا منشاء ہے اسی مناسبت سے ایک جگہ فرمایا "خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ کَالْفَخَّارِ وَخَلَقَ الْجَآنَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ" راغب کا یہ مضمون بہت طویل اور دلچسپ ہے، افسوس ہے ہم اُس کا خلاصہ بھی یہاں درج نہیں کر سکتے۔

(۲۶) **لُو کی آگ سے جنات کی تخلیق** یعنی لطیف آگ ہوا ملی ہوئی۔ کما قال وَخَلَقَ الْجَآنَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ" (الرحمٰن رکوع ۱) یا یوں کہو تیز ہوا جو آگ کی طرح جلانے والی ہو جسے ہمارے یہاں "لُو" کہتے ہیں۔ بہرحال آدمیوں کا باپ ایسے مادہ سے پیدا کیا گیا جس میں عنصر ترابی غالب تھا اور جنوں کا باپ اُس مادہ سے پیدا ہوا جس میں ناری عنصر کا غلبہ تھا، ابلیس بھی اسی قسم تھا۔

فَاِذَا سَوَّیْتُہٗ وَنَفَخْتُ فِیْہِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَہٗ سٰجِدِیْنَ ﴿۲۹﴾ فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِکَۃُ کُلُّھُمْ اَجْمَعُوْنَ ﴿۳۰﴾

پھر جب ٹھیک کروں اُسکو اور پھونک دوں اُسمیں اپنی جان سے تو گر پڑو اُسکے آگے سجدہ کرتے ہوئے ۲۷ تب سجدہ کیا اُن فرشتوں نے سب نے مل کر

اِلَّآ اِبْلِیْسَ ؕ اَبٰٓی اَنْ یَّکُوْنَ مَعَ السّٰجِدِیْنَ ﴿۳۱﴾ قَالَ یٰٓاِبْلِیْسُ مَا لَکَ اَلَّا تَکُوْنَ مَعَ

مگر ابلیس نے نہ مانا کہ ساتھ ہو سجدہ کرنیوالوں کے فرمایا اے ابلیس کیا ہوا تجھ کو کہ ساتھ نہ ہوا

السّٰجِدِیْنَ ﴿٣٢﴾ قَالَ لَمْ اَكُنْ لِّاَسْجُدَ لِبَشَرٍ خَلَقْتَهٗ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ﴿٣٣﴾ قَالَ فَاخْرُجْ

سجدہ کرنیوالوں کے بولا میں وہ نہیں کہ سجدہ کروں ایک بشر کو جسکو تو نے بنایا کھنکھناتے سنے ہوئے گارے سے فرمایا تو تو نکل

مِنْهَا فَاِنَّكَ رَجِیْمٌ ﴿٣٤﴾ وَّاِنَّ عَلَیْكَ اللَّعْنَةَ اِلٰى یَوْمِ الدِّیْنِ ﴿٣٥﴾ قَالَ رَبِّ فَاَنْظِرْنِیْٓ اِلٰى یَوْمِ

یہاں سے ف ٢٨ تجھ پر مار ہے ف ٢٩ اور تجھ پر پھٹکار ہے اُس دن تک کہ انصاف ہو ف ٣٠ بولا اے رب تو مجھ کو ڈھیل دے اُس دن تک کہ

یُبْعَثُوْنَ ﴿٣٦﴾ قَالَ فَاِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِیْنَ ﴿٣٧﴾ اِلٰى یَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ ﴿٣٨﴾ قَالَ رَبِّ بِمَآ اَغْوَیْتَنِیْ

مردے زندہ ہوں فرمایا تو تجھ کو ڈھیل دی اُسی مقرر وقت کے دن تک ف ٣١ بولا اے رب جیسا تو نے مجھ کو راہ سے کھو

لَاُزَیِّنَنَّ لَهُمْ فِی الْاَرْضِ وَلَاُغْوِیَنَّهُمْ اَجْمَعِیْنَ ﴿٣٩﴾ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِیْنَ ﴿٤٠﴾

دیا میں بھی ان سب کو بہاریں دکھلاؤں گا زمین میں اور راہ سے کھو دونگا اُن سب کو مگر جو تیرے چُنے ہوئے بندے ہیں ف ٣٢

قَالَ هٰذَا صِرَاطٌ عَلَیَّ مُسْتَقِیْمٌ ﴿٤١﴾ اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَكَ عَلَیْهِمْ سُلْطٰنٌ اِلَّا مَنِ اتَّبَعَكَ

فرمایا یہ راہ ہے مجھ تک سیدھی ف ٣٣ جو میرے بندے ہیں تیرا اُن پر کچھ زور نہیں مگر جو تیری راہ چلا

مِنَ الْغٰوِیْنَ ﴿٤٢﴾ وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمَوْعِدُهُمْ اَجْمَعِیْنَ ﴿٤٣﴾

بہکے ہوؤں میں ف ٣٤ اور دوزخ پر وعدہ ہے اُن سب کا ف ٣٥

(٢٧) **آدم میں اللہ کی رُوح پھونکنے کا مطلب** یعنی آدم کا پُتلا ٹھیک کر کے اس قابل کر دوں کہ رُوح انسانی فائض کی جا سکے پھر اُس میں جان ڈال دوں جس سے ایک جماد انسان بن جاتا ہے، اس وقت تم کو حکم دیا جاتا ہے کہ سب سجدہ میں گر پڑو (تنبیہ) "روح" (جان) کی اضافت، جو اپنی طرف کی، یہ محض تشریف و تکریم اور رُوح انسانی کا امتیاز ظاہر کرنے کے لئے ہے۔ یعنی وہ خاص "جان" جس میں نمونہ ہے میری صفات (علم و تدبیر وغیرہ) کا، اور جو اصل فطرت سے مجھے یاد کرنے والی اور بسبب خصوصی لطافت کے مجھ سے نسبتہً علاقہ رکھنے والی ہے۔ امام غزالی رحمہ اللہ نے دوسرے عنوان سے اس اضافت پر روشنی ڈالی ہے فرماتے ہیں اگر آفتاب کو قوت گویائی مل جائے اور وہ کہے کہ میں نے اپنے نور کا فیض زمین کو پہنچایا، تو کیا یہ لفظ (اپنا نور) غلط ہوگا؟ جب یہ کہنا صحیح ہے حالانکہ نہ آفتاب زمین میں حلول کرتا ہے نہ اُس کا نُور اُس سے جُدا ہوتا ہے، بلکہ زمین سے لاکھوں میل دور رہ کر بھی روشنی کی باگ اسی کے قبضہ میں ہے، زمین کا کچھ اختیار نہیں چلتا بجز اُس کے کہ اس سے بقدر اپنی استعداد کے نفع حاصل کرتی رہے، تو وراء الوراء خدا کا یہ فرمانا کہ میں نے آدم میں اپنی روح پھونکی، حلول و اتحاد وغیرہ کی دلیل کیسے بن سکتی ہے۔ "روح" کے متعلق مناسب کلام انشاء اللہ آئندہ "وَیَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ ۭ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ" میں کیا جائیگا۔

(٢٨) یعنی جنت سے یا آسمان سے یا اُس مقام عالی سے نکل جہاں اب تک پہنچا ہوا تھا۔

(٢٩) **ابلیس کا استکبار** یعنی مردود و مطرود ہے یا "رجیم" سے اشارہ اُسی طرف ہو جو پہلے گذرا کہ شہب سے شیاطین کا رجم کیا جاتا ہے گویا اس لفظ میں اس کے شبہ کا جواب دیا گیا کہ تیرا سجود سے انکار کرنا شرف عنصری کی بناء پر نہیں۔ فضل و شرف تو اُسی کے لئے ہے جس کو خدا تعالٰے سرفراز فرمائے۔ ہاں تیرے اباء و استکبار کا منشاء وہ شقاوت، بدبختی ہے جو تیری سوء استعداد کی وجہ سے مقدر ہو چکی ہے۔

ل بجنے والی مٹی سے جو بنی تھی سڑے ہوئے گارے سے۔

(۳۰) یعنی قیامت کے دن تک خدا کی پھٹکار اور بندوں کی طرف سے لعنت پڑتی رہے گی۔ اس طرح آناً فاناً خیر سے بعید تر ہوتا رہیگا۔ جب قیامت تک توفیق خیر کی نہ ہوگی۔ تو اُس کے بعد تو کوئی موقع ہی نہیں کیونکہ آخرت میں ہر شخص وہ ہی کاٹے گا جو یہاں بویا ہے۔ یا یوں کہو کہ قیامت کے دن تک لعنت رہے گی اس کے بعد جو بے شمار قسم کے عذاب ہونگے وہ لعنت سے کہیں زیادہ ہیں، یا "اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ" کا لفظ دوام سے کنایہ ہو۔

(۳۱) **ابلیس کو مہلت حیات** یعنی اُس وقت تک تجھے ڈھیل دی جاتی ہے جی کھول کر ارمان نکال لے۔ اس واقعہ کی تفصیل "بقرہ" اور "اعراف" میں گذر چکی ہے۔ ہم نے "اعراف" کے دوسرے رکوع میں اس کے اجزاء پر جو کچھ کلام کیا ہے اُسے ملاحظہ کر لیا جائے اعادہ کی ضرورت نہیں۔

(۳۲) **ابلیس کا اعلانِ انتقام** یعنی دنیا کی بہاریں دکھلا کر خواہشاتِ نفسانی کے جال میں پھنساؤنگا۔ اور تیرے مخصوص و منتخب بندوں کے سوا سب کو راہ حق سے ہٹا کر رہونگا۔ یہ کلمات لعین نے جوش انتقام میں کہے۔ مطلب یہ تھا کہ آپ کا تو کچھ بگاڑ نہیں سکتا، لیکن جس کی وجہ سے میں دور پھینکا گیا ہوں۔ اپنی قدرت اور بساط کے موافق اُس کی نسلوں تک سے بدلہ لے کر چھوڑ نگا۔ سورۂ "اعراف" میں اس موضوع پر ہم نے جو کچھ لکھا ہے ملاحظہ کیا جائے۔

(۳۳) یعنی بیشک بندگی اور اخلاص کی راہ سیدھی میرے تک پہنچتی ہے اور یہ ہی میرا صاف اور سیدھا راستہ ہے جس میں کوئی ہیر پھیر نہیں کہ جو بندے عبودیت و اخلاص کی راہ اختیار کریں گے وہ ہی شیطان لعین کے تسلّط سے مامون رہیں گے اور جو ملعون کی پیروی کریں گے اُس کے ہمراہ دوزخ میں جائیں گے۔ بعض مفسرین نے "هٰذَا صِرَاطٌ عَلَيَّ مُسْتَقِيْمٌ" کو تہدید پر حمل کیا ہے۔ یعنی او ملعون! لوگوں کو صراط مستقیم سے گمراہ کر کے کہاں بھاگیگا وہ کونسا راستہ ہے جو ہماری طرف نہ جاتا ہو۔ پھر ہماری سزا سے بچ کر کدھر جاسکتا ہے اس وقت کلام ایسا ہوگا جیسے کہتے ہیں "اِفْعَلْ مَا شِئْتَ فَطَرِيْقُكَ عَلَيَّ" اور قرآن میں دوسری جگہ فرمایا "اِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ" واللہ اعلم۔

(۳۴) **مخلصین پر ابلیس کا قابو نہیں ہوگا** یعنی بے شک چُنے ہوئے بندوں پر جن کا ذکر اوپر ہوا تیرا کچھ زور نہ چلیگا یا یہ مطلب ہو کہ کسی بندے پر بھی تیری زبردستی نہیں چل سکتی ہاں جو خود ہی بہک کر اپنی جہالت و حماقت سے تیرے پیچھے ہو لیا وہ اپنے اختیار سے خراب و برباد ہوا۔ جیسے پہلے خود شیطان کا مقولہ گذر چکا "وَمَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّآ اَنْ دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِيْ" (ابراہیم رکوع ۴)۔

(۳۵) یعنی تیرے اور تیرے ساتھیوں کے لئے دوزخ کا جیلخانہ تیار ہے۔ تم سب اُسی گھاٹ اُتارے جاؤ گے۔

۳
ع۹
۳

لَهَا سَبْعَةُ اَبْوَابٍ ۭ لِكُلِّ بَابٍ مِّنْهُمْ جُزْءٌ مَّقْسُوْمٌ ﴿۴۴﴾ ع اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿۴۵﴾

اُسکے سات دروازے ہیں ہر دروازہ کے واسطے اُن میں سے ایک فرقہ ہے بانٹا ہوا ف۳۶ پرہیزگار ہیں باغوں میں اور چشموں میں ف۳۷

اُدْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ اٰمِنِيْنَ ﴿۴۶﴾ وَنَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ اِخْوَانًا عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ ﴿۴۷﴾

کہینگے انکو جاؤ انمیں سلامتی سے خاطر جمع سے ف۳۸ اور نکال ڈالی ہم نے جو انکے جیوں میں تھی خفگی بھائی ہوگئے ف۳۹ تختوں پر بیٹھے آمنے سامنے ف۴۰

لَا يَمَسُّهُمْ فِيْهَا نَصَبٌ وَّمَا هُمْ مِّنْهَا بِمُخْرَجِيْنَ ﴿۴۸﴾ نَبِّئْ عِبَادِيْٓ اَنِّيْٓ اَنَا الْغَفُوْرُ

نہ پہنچیگی اُن کو وہاں کچھ تکلیف اور نہ اُن کو وہاں سے کوئی نکالے ف۴۱ خبر سنادے میرے بندوں کو کہ میں ہوں اصل بخشنے والا

وقف لازم

الرَّحِيْمُ ﴿۴۹﴾ وَاَنَّ عَذَابِيْ هُوَ الْعَذَابُ الْاَلِيْمُ ﴿۵۰﴾ وَنَبِّئْهُمْ عَنْ ضَيْفِ اِبْرٰهِيْمَ ﴿۵۱﴾

مہربان اور یہ بھی کہ میرا عذاب وہی عذاب دردناک ہے ف۴۲ اور حال سنادے اُن کو ابراہیم کے مہمانوں کا ف۴۳

ف۳۸ بے کھٹکے۔

(۳۶) **جہنّم کے سات دروازے** بعض سلف نے "سَبْعَۃُ اَبْوَاب" سے دوزخ کے سات طبقے اُوپر نیچے مراد لئے ہیں، چنانچہ اُن کے نام ابن عباس نے یہ بتلائے ہیں۔ جہنّم، سَعِیْر، لَظیٰ، حُطَمَہ، سَقَر، جَحِیْم، ہَاوِیَہ اور لفظ "جہنّم" ایک خاص طبقہ اور مجموعہ طبقات دونوں پر اطلاق کیا جاتا ہے بعض کے نزدیک سات دروازے مراد ہیں جن سے الگ الگ دوزخی داخل ہوں گے۔ واللّٰہ اعلم! حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں "جیسے بہشت کے آٹھ دروازے ہیں نیک عمل والوں پر بانٹے ہوئے ویسے دوزخ کے سات دروازے ہیں بدعمل والوں پر بانٹے ہوئے

شاید بہشت کا ایک دروازہ زیادہ اس لئے ہے کہ بعض مومن محض فضل سے جنت میں جائیں گے بغیر عمل کے، باقی عمل میں دروازے برابر ہیں"

(۴۷) **متقین اور جنت کی نعمتیں** جو لوگ کفر و شرک اور معاصی و ذنوب سے پرہیز کرتے ہیں، وہ حسب مراتب جنت کے باغوں میں رہیں گے جہاں بڑے قرینہ سے چشمے اور نہریں بہتی ہوں گی۔ شیطان کے متبعین کے بعد یہ عباد مخلصین کا انجام بیان فرمایا۔

(۴۸) یعنی فی الحال تمام آفات و عیوب سے صحیح و سالم اور آئندہ ہمیشہ کے لئے ہر قسم کی فکر، پریشانی، گھبراہٹ اور خوف و ہراس سے بے کھٹکے

(۴۹) یعنی جنت میں پہنچ کر اہل جنت میں باہم کوئی گذشتہ کدورت باقی نہ رہے گی۔ بالکل پاک و صاف کر کے داخل کئے جائیں گے، نہ وہاں ایک کو دوسرے پر حسد ہوگا، بلکہ بھائی بھائی ہو کر انتہائی محبّت و الفت سے رہیں گے، ہر ایک دوسرے کو دیکھ کر مسرور و محظوظ ہوگا، اُس کا کچھ بیان سورۂ اعراف آٹھویں پارہ کے اخیر ربع میں گذر چکا۔

(۵۰) یعنی عزت و کرامت کے تختوں پر آمنے سامنے بیٹھ کر باتیں کریں گے، ملاقات وغیرہ کے وقت ایسی نشست نہ ہوگی جسمیں کوئی آگے کوئی پیچھے ہو

(۵۱) حدیث میں ہے کہ جنتیوں سے کہا جائیگا، اے اہل جنت! اب تمہارے لئے یہ ہے کہ ہمیشہ تندرست رہو، کبھی بیماری نہ ستائے، ہمیشہ زندہ رہو، کبھی موت نہ آئے۔ ہمیشہ آرام سے مقیم رہو، کبھی سفر کی تکلیف اُٹھانی نہ پڑے۔

(۵۲) **اللہ کی صفاتِ رحمت و غضب** "مجرمین" اور "متقین" کا الگ الگ انجام بیان فرما کر یہاں تنبیہ کی ہے کہ ہر ایک صورت میں حق تعالیٰ کی کسی نہ کسی صفت و شان کا ظہور ہے۔ کوئی شبہ نہیں کہ خدا تعالیٰ اصل سے اپنی تمام مخلوق پر بخشش اور مہربانی کرنا چاہتا ہے اور حقیقت میں اصل مہربانی اُسی کی ہے، تمام دنیا کی مہربانیاں اُس کی مہربانی کا پرتوہ ہیں، لیکن جو شخص خود شرارت و بدکاری سے مہربانی کے دروازے اپنے اُوپر بند کر لے تو پھر اس کی سزا بھی ایسی سخت ہے جس کے روکنے کی کوئی تدبیر نہیں۔ سعدی نے خوب فرمایا ؎ بتہدید گر برکشد تیغ حکم ٭ بمانند کرو بیاں صُمّ و بُکم، و گر در دہد یک صلائے کرم ٭ عزازیل گوید نصیبے برم ٭ آگے ایک واقعہ بیان فرماتے ہیں جس میں فرشتوں کے اُترنے کا ذکر ہے۔ وہ ہی فرشتے ایک جگہ خوشخبری سناتے اور دوسری جگہ پتھر برساتے تھے، تا معلوم ہو کہ خدا کی دونوں صفتیں (رحمت و غضب) پوری ہیں بندوں کو چاہئے نہ دلیر ہوں، نہ آس توڑیں۔

(۵۳) **حضرت ابراہیمؑ کے مہمان فرشتے** "مہمان" اس لئے کہا کہ ابراہیمؑ ابتداءً اُنہیں مہمان ہی سمجھے، بعد میں کُھلا کہ فرشتے ہیں۔

اِذْ دَخَلُوْا عَلَیْہِ فَقَالُوْا سَلٰمًا ؕ قَالَ اِنَّا مِنْکُمْ وَجِلُوْنَ ﴿۵۲﴾ قَالُوْا لَا تَوْجَلْ اِنَّا نُبَشِّرُکَ بِغُلٰمٍ

جب چلے آئے اُسکے گھر میں اور بولے سلام وہ بولا ہم کو تم سے ڈر معلوم ہوتا ہے ف۴۴ بولے ڈر مت ہم تجھ کو خوشخبری سناتے ہیں ایک

عَلِیْمٍ ﴿۵۳﴾ قَالَ اَبَشَّرْتُمُوْنِیْ عَلٰۤی اَنْ مَّسَّنِیَ الْکِبَرُ فَبِمَ تُبَشِّرُوْنَ ﴿۵۴﴾ قَالُوْا بَشَّرْنٰکَ بِالْحَقِّ

ہوشیار لڑکے کی ف۴۵ بولا کیا خوشخبری سناتے ہو مجھ کو جب پہنچ چکا مجھ کو بڑھاپا اب کاہے پر خوشخبری سناتے ہو ف۴۶ بولے ہمنے تجھ کو خوشخبری سنائی سچی[1]

فَلَا تَکُنْ مِّنَ الْقٰنِطِیْنَ ﴿۵۵﴾ قَالَ وَمَنْ یَّقْنَطُ مِنْ رَّحْمَۃِ رَبِّہٖۤ اِلَّا الضَّآلُّوْنَ ﴿۵۶﴾ قَالَ فَمَا

سو مت ہو تو ناامیدوں میں بولا اور کون آس توڑے اپنے رب کی رحمت سے مگر جو گمراہ ہیں ف۴۷ بولا پھر کیا

[1] کیا انہوں نے [2] پکی۔ [3] وہی۔

خَطْبُكُمْ اَيُّهَا الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۵۷﴾ قَالُوْٓا اِنَّآ اُرْسِلْنَآ اِلٰى قَوْمٍ مُّجْرِمِيْنَ ﴿۵۸﴾ اِلَّآ اٰلَ لُوْطٍ ۭ اِنَّا

مہم ہے تمہاری اے اللہ کے بھیجے ہوؤ ف۴۸ بولے ہم بھیجے ہوئے آئے ہیں ایک قوم گنہگار پر مگر لوط کے گھر والے ہم ان

لَمُنَجُّوْهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۵۹﴾ اِلَّا امْرَاَتَهٗ قَدَّرْنَآ ۙ اِنَّهَا لَمِنَ الْغٰبِرِيْنَ ﴿۶۰﴾ فَلَمَّا جَاۗءَ اٰلَ لُوْطِ

کو بچالیں گے سب کو مگر ایک اس کی عورت ہم نے ٹھہرالیا وہ ہے رہ جانیوالوں میں ف۴۹ پھر جب پہنچے لوط کے گھر

الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۶۱﴾ قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ مُّنْكَرُوْنَ ﴿۶۲﴾ قَالُوْا بَلْ جِئْنٰكَ بِمَا كَانُوْا فِيْهِ يَمْتَرُوْنَ ﴿۶۳﴾ وَاَتَيْنٰكَ

وہ بھیجے ہوئے بولا تم لوگ ہو اوپرے سے ف۵۰ بولے نہیں پر ہم لیکر آئے ہیں تیرے پاس وہ چیز جسمیں وہ جھگڑتے تھے ف۵۱ اور ہم لائے ہیں

بِالْحَقِّ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴿۶۴﴾ فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ الَّيْلِ وَاتَّبِعْ اَدْبَارَهُمْ وَلَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ

تیرے پاس پکی بات اور ہم سچ کہتے ہیں ف۵۲ سو لے نکل اپنے گھر کو کچھ رات رہے سے اور تو چل ان کے پیچھے اور مڑ کر نہ دیکھے تم میں سے

اَحَدٌ وَّامْضُوْا حَيْثُ تُؤْمَرُوْنَ ﴿۶۵﴾ وَقَضَيْنَآ اِلَيْهِ ذٰلِكَ الْاَمْرَ اَنَّ دَابِرَ هٰٓؤُلَاۗءِ مَقْطُوْعٌ مُّصْبِحِيْنَ ﴿۶۶﴾

کوئی ف۵۳ اور چلے جاؤ جہاں تم کو حکم ہے ف۵۴ اور مقرر کردی ہم نے اس کو یہ بات کہ ان کی جڑ کٹے گی صبح ہوتے ف۵۵

وَجَاۗءَ اَهْلُ الْمَدِيْنَةِ يَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿۶۷﴾ قَالَ اِنَّ هٰٓؤُلَاۗءِ ضَيْفِيْ فَلَا تَفْضَحُوْنِ ﴿۶۸﴾ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ

اور آئے شہر کے لوگ خوشیاں کرتے ف۵۶ لوط نے کہا یہ لوگ میرے مہمان ہیں سو مجھ کو رسوا مت کرو ف۵۷ اور ڈرو اللہ سے اور

لَا تُخْزُوْنِ ﴿۶۹﴾ قَالُوْٓا اَوَلَمْ نَنْهَكَ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۷۰﴾ قَالَ هٰٓؤُلَاۗءِ بَنٰتِيْٓ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ﴿۷۱﴾ ۭ

میری آبرو مت کھوؤ ف۵۸ بولے کیا ہم نے تجھ کو منع نہیں کیا جہان کی حمایت سے ف۵۹ بولا یہ حاضر ہیں میری بیٹیاں اگر تم کو کرنا ہے ف۶۰

لَعَمْرُكَ اِنَّهُمْ لَفِيْ سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿۷۲﴾ فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ مُشْرِقِيْنَ ﴿۷۳﴾

قسم ہے تیری جان کی وہ اپنی مستی میں مدہوش ہیں ف۶۱ پھر آپکڑا ان کو چنگھاڑ نے سورج نکلتے وقت ف۶۲

(۴۴) دوسری جگہ آیا ہے "وَاَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيْفَةً" یعنی خوف کو دل میں چھپایا تو کہا جائیگا کہ ابتداء میں چھپانے کی کوشش کی۔ آخر ضبط نہ کر سکو زبان سے ظاہر کر دیا یا یہ مطلب ہو کہ باوجود چھپانے کے خوف کے آثار چہرہ وغیرہ پر اس قدر عیاں تھے گویا کہہ رہے تھے کہ ہم کو تم سے ڈر معلوم ہوتا ہے۔ یہ ڈر کس بات کا تھا؟ اس کی تفصیل سورۂ ہود میں گذر چکی۔ وہاں ملاحظہ کی جائے۔ اور اس واقعہ کے دوسرے اجزاء پر بھی جو کلام کیا گیا ہے ضرورت ہے کہ ایک مرتبہ مراجعت کر لیجائے۔

(۴۵) یعنی ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ بلکہ خوش ہونے کا موقع ہے اس بڑھاپے میں ہم تم کو اولاد کی خوشخبری سناتے ہیں۔ اولاد بھی کیسی؟ لڑکا، نہایت ہوشیار، بڑا عالم، جسے پیغمبرانہ علوم دے کر منصب نبوت پر فائز کیا جائیگا "وَبَشَّرْنٰهُ بِاِسْحٰقَ نَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ" (صافات رکوع ۳)

(۴۶) **حضرت ابراہیمؑ کا تعجب** چونکہ غیر متوقع اور غیر معمولی طور پر خوشخبری سنی، تو اپنی پیرانہ سالی کو دیکھتے ہوئے کچھ عجیب سی معلوم ہوئی۔ انسانی طبیعت کا خاصہ ہے کہ جب آدمی کوئی مسرت انگیز خبر خلاف توقع غیر معمولی طریقہ سے اچانک سنتے تو باوجود یقین آجانے کے اسی خوب کھود کرید کر دریافت کرتا اور لہجہ تعجب کا اختیار کر لیتا ہے، تا خبر دینے والا پوری تاکید و تصریح سے خوشخبری کو دہرائے، جس میں نہ کسی قسم کی غلط فہمی کا احتمال رہے نہ تاویل والتباس کا۔ گویا اظہار تعجب سے بشارت کو خوب واضح اور پختہ کرانا اور تکرار سماع سے لذت تازہ حاصل کرنا مقصود ہوتا

لے ۱۔ جن سے کھٹکا ہوتا ہے۔ ۲۔ اور طرح کے۔ ۳۔ نشے۔ ۴۔ ہی۔

ہے۔ اسی طرز میں حضرت ابراہیمؑ نے اظہار تعجب فرمایا۔ ابن کثیر کے الفاظ یہ ہیں۔ " قال متعجبًا من کبرہ وکبر زوجتہ ومتحققًا للوعد فاجابوہ مؤکدین لما بشروا بہ تحقیقًا وبشارۃ بعد بشارۃ " چونکہ سطح کلام سے نا اُمیدی کا توہم ہو سکتا تھا۔ جو اکابر خصوصًا اولوالعزم پیغمبروں کی شان کے بالکل خلاف ہے۔ اس لئے ملائکہ نے " فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْقَانِطِينَ " کہہ کر تنبیہ کی۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں۔ " معلوم ہوا کہ کاملین بھی (کسی درجہ میں) ظاہری اسباب پر خیال رکھتے ہیں "۔

(۴۷) **اللہ سے نا اُمیدی گمراہی ہے** یعنی رحمت الٰہیہ سے نا اُمید تو عام مسلمان بھی نہیں ہو سکتے۔ چہ جائیکہ انبیاء علیہم السلام کو معاذ اللہ یہ نوبت آئے۔ محض اسباب عادیہ اور اپنی حالت موجودہ کے اعتبار سے ایک چیز عجیب معلوم ہوئی، اُس پر میں نے اظہار تعجب کیا ہے کہ خدا کی قدرت اب بڑھاپے میں مجھے اولاد ملیگی۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں " عذاب سے نڈر ہونا اور فضل سے نا اُمید ہونا دونوں کفر کی باتیں ہیں یعنی آگے کی خبر اللہ کو ہے ایک بات پر دعویٰ کرنا یقین کر کے کہ یوں نہیں ہو سکتا یہی کفر کی بات ہے باقی محض دل کے خیال و تصور پر پکڑ نہیں جب منہ سے دعوے کرے تب گناہ ہوتا ہے "۔

(۴۸) **فرشتوں سے حضرت ابراہیمؑ کا سوال** یعنی کیا محض یہ بشارت سُنانے کے لئے ہی بھیجے گئے ہو۔ یا کوئی اور مہم ہے جس پر مامور ہو کر آئے ہو۔ غالبًا قرائن سے ابراہیم علیہ السلام سمجھے کہ اصل مقصد تشریف آوری کا کچھ اور ہے۔ ممکن ہے جو خوف انہیں دیکھ کر پیدا ہوا تھا اسی سے خیال گزرا ہو کہ خالص بشارت لانیوالوں کو دیکھ کر خوف کیساتھ ضرور کوئی دوسری خوفناک چیز بھی اُن کے ساتھ ہو گی۔ واللہ اعلم۔

(۴۹) یعنی وہ باقی کفار کے ساتھ عذاب میں مبتلا رہے گی۔ (تنبیہ) ظاہر یہ ہے کہ قَدَّرْنَا إِنَّهَا لَمِنَ الْغَابِرِينَ " مقولہ ملائکہ کا ہے جو عذاب لیکر آئے تھے۔ چونکہ اس وقت وہ قضاء و قدر کا فیصلہ نافذ کرنے کے لئے سرکاری ڈیوٹی پر آئے تھے اس لئے تقدیر (ٹھہرانے) کی نسبت نیابۃً اپنی طرف کر دی۔ اور ممکن ہے " قَدَّرْنَا الخ " حق تعالیٰ کا کلام ہو۔ تب کوئی اشکال نہیں۔

(۵۰) **حضرت لوطؑ اور فرشتے** یا تو یہ مطلب تھا کہ تم مجھے غیر معمولی سے آدمی معلوم ہوتے ہو، جنہیں دیکھ کر خواہ مخواہ دل کھٹکتا ہے۔ یہ شاید ویسا ہی کھٹکا ہو گا۔ جو ابراہیم علیہ السلام کے دل میں پیدا ہوا تھا۔ یا یہ غرض ہو کہ تم اس شہر میں اجنبی ہو، تم کو یہاں کے لوگوں کی خوئے بد معلوم نہیں دیکھئے وہ تمہارے ساتھ کیا سلوک کریں، یا یہ اُس وقت فرمایا جب لوگوں نے فرشتوں کو حسین لڑکے سمجھ کر لوطؑ کے مکان پر چڑھائی کی۔ لوط علیہ السلام انہیں مہمان سمجھتے ہوئے امکانی مدافعت کرتے رہے حتّٰی کہ آخر میں نہایت حسرت سے فرمایا " لَوْ أَنَّ لِي بِكُمْ قُوَّةً أَوْ آوِي إِلَىٰ رُكْنٍ شَدِيدٍ " اس وقت تنگ ہو کر اور گھبرا کر ان مہمانوں سے کہنے لگے کہ تم عجیب طرح کے آدمی معلوم ہوتے ہو۔ میں تمہاری آبرو بچانے کے لئے خون پسینہ ایک کر رہا ہوں لیکن تم میری امداد کے لئے ذرا ہاتھ بھی نہیں ہلاتے۔

(۵۱) یعنی گھبراؤ مت۔ ہم آدمی نہیں ہیں، ہم تو آسمان سے وہ چیز لے کر آئے ہیں جس میں یہ لوگ تم سے جھگڑا کرتے تھے۔ یعنی مہلک عذاب جس کی تم دھمکی دیتے اور یہ انکار کرتے تھے۔

(۵۲) یعنی اب آپ بالکل مطمئن ہو جائیے۔ یہ بالکل پکی اور اٹل بات ہے جس میں قطعًا جھوٹ کا احتمال نہیں۔

(۵۳) یعنی جب تھوڑی رات رہے اپنے گھر والوں کو بستی سے لے کر نکل جائیے اور آپ سب کے پیچھے رہئے تاکہ پورا اطمینان رہے کہ کوئی رہ تو نہیں گیا یا راستہ سے واپس تو نہیں ہوا۔ اس صورت میں آپ کا قلب مطمئن رہے گا اور دلجمعی سے خدا کے ذکر و شکر میں مشغول رہتے ہوئے رفقاء کی دیکھ بھال رکھیں گے۔ دوسری طرف آپ کے پیچھے ہونے کی وجہ سے آگے چلنے والوں کو آپ کا رُعب مانع ہو گا کہ پیچھے مڑ کر دیکھیں۔ اسطرح " وَلَا يَلْتَفِتْ مِنكُمْ أَحَدٌ " کا پورا امتثال ہو سکیگا اور وہ لوگ خطرہ کے مقام سے بعید رہیں گے اور آپ کو اپنا ظاہری پشتیبان سمجھیں گے۔

(۵۴) یعنی ملک شام میں یا اور کہیں امن کی جگہ جو خدا نے اُن کے لئے مقرر کی ہوگی۔

(۵۵) **قوم لوطؑ پر عذاب کی خبر** یعنی لوط علیہ السلام کو ملائکہ کے توسط سے ہم نے اپنا قطعی فیصلہ سُنا دیا کہ عذاب کچھ دور نہیں۔ ابھی صبح کے وقت اس قوم کا بالکلیہ استیصال کر دیا جائیگا۔ شاید یہ مطلب ہو کہ صبح ہوتے ہی عذاب شروع ہو جائیگا اور اشراق تک سب معاملہ ختم کر دیا جائیگا کیونکہ دوسری جگہ "مُصۡبِحِیۡنَ" کے بجائے "مُشۡرِقِیۡنَ" کا لفظ آیا ہے۔

(۵۶) یعنی جب سُنا کہ لوط کے یہاں بڑے حسین و جمیل لڑکے مہمان ہیں تو اپنی عادت بد کی وجہ سے بڑے خوش ہوئے اور دوڑتے ہوئے اُن کے مکان پر آئے اور لوطؑ سے مطالبہ کیا کہ انہیں ہمارے حوالہ کر دو۔ (تنبیہ) وَجَآءَ اَھۡلُ الۡمَدِیۡنَۃِ الخ میں "واو" مطلق جمع کے لئے ہے، یہاں ترتیب واقعات بیان میں ملحوظ نہیں۔ سورۂ ہود اور اعراف میں یہ قصہ گذر چکا ہے اُسے دیکھ لیا جائے اور وہاں کے فوائد ملاحظہ کئے جائیں۔

(۵۷) کیونکہ مہمان کی فضیحت میزبان کی رسوائی ہے۔

(۵۸) یعنی خدا سے ڈر کر یہ بے حیائی کے کام چھوڑ دو اور اجنبی مہمانوں کو دق مت کرو۔ آخر میں تم میں رہتا ہوں، میری آبرو کا تمہیں کچھ پاس کرنا چاہئے میں مہمانوں کی نظر میں کس قدر حقیر ہونگا جب یہ سمجھیں گے کہ بستی میں ایک آدمی بھی اِن کی عزت نہیں کرتا نہ ان کا کہا مانتا ہے۔

(۵۹) **قوم لوطؑ کی گستاخی** یعنی ہم بے آبرو نہیں کرتے آپ خود بے آبرو ہوتے ہیں۔ جب ہم منع کر چکے کہ تم کسی اجنبی کو پناہ مت دو نہ اپنا مہمان بناؤ۔ ہم کو اختیار ہے باہر سے آنے والوں کے ساتھ جس طرح چاہیں پیش آئیں۔ پھر آپ کو کیا ضرورت پیش آئی کہ خواہ مخواہ ان نوجوانوں کو اپنے یہاں ٹھہرا کر فضیحت ہوئے اس سے مترشح ہوتا ہے کہ وہ لوگ ہمیشہ مسافروں کو اپنے افعال شنیعہ کا تختۂ مشق بناتے ہونگے اور حضرت لوط علیہ السلام اپنے مقدور کے موافق غریب مسافروں کی حمایت اور اُن اشقیاء کو نالائق حرکتوں سے باز رکھتے ہوں گے۔

(۶۰) **حضرت لوطؑ کی نصیحت** یعنی بیشک تم نے مجھ کو اجنبی لوگوں کی حمایت سے روکا۔ لیکن میں پوچھتا ہوں آخر اس روکنے کا منشاء کیا ہے؟ یہی نہ کہ میں تمہاری خلاف فطرت شہوت رانی کے راستہ میں حائل ہوتا ہوں۔ تو خود غور کرو کیا قضائے شہوت کے حلال مواقع تمہارے سامنے موجود نہیں جو ایسی بیہودہ حرامکاری کے مرتکب ہوتے ہو؟ یہ تمہاری بیویاں (جو میری بیٹیوں کے برابر ہیں) تمہارے گھروں میں موجود ہیں، اگر تم میرے کہنے کے موافق عمل کرو اور قضائے شہوت کے مشروع و معقول طریقہ پر چلو، تو حاجت برآری کے لئے وہ کافی ہیں۔ یہ کیا آفت ہے کہ حلال اور ستھری چیز کو چھوڑ کر حرام کی گندگی میں ملوث ہوتے ہو۔

(۶۱) **آنحضرت ﷺ کی جان کی قسم** ظاہر یہ ہے کہ یہ خطاب حق تعالیٰ شانہٗ کی طرف سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو ہے۔ یعنی تیری جان کی قسم، لوط کی قوم غفلت اور مستی کے نشہ میں بالکل اندھی ہو رہی تھی، وہ بڑی لاپروائی سے حضرت لوط کی نصیحت بلکہ لجاجت کو ٹھکرا رہے تھے اُن کو اپنی قوت کا نشہ تھا، شہوت پرستی نے اُن کے دل و دماغ مسخ کر دیئے تھے۔ وہ بڑے امن و اطمینان کے ساتھ پیغمبر خدا سے جھگڑ رہے تھے۔ نہیں جانتے تھے کہ صبح تک کیا حشر ہونے والا ہے تباہی اور ہلاکت کی گھڑی اُن کے سر پر منڈلا رہی تھی، وہ لوط کی باتوں پر ہنستے تھے اور موت اُنہیں دیکھ کر ہنس رہی تھی (تنبیہ) ابن عباس نے فرمایا خدا تعالیٰ نے دنیا میں کوئی جان محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جان سے زیادہ اکرم و اشرف پیدا نہیں کی۔ میں نے خدا کو نہیں سُنا کہ اس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جان عزیز کے سوا کسی دوسری جان کی قسم کھائی ہو۔ قرآن کریم میں جو قسمیں آئی ہیں اُن کے متعلق ہم انشاء اللہ کسی دوسری جگہ ذرا مفصل کلام کریں گے۔

(۶۲) اس کے متعلق ہم قریب ہی "دَابِرَ ھٰۤؤُلَآءِ مَقۡطُوۡعٌ مُّصۡبِحِیۡنَ" کے فائدہ میں کلام کر چکے ہیں۔ ابن جریج کا قول ہے کہ ہر عذاب جس سے کوئی قوم ہلاک کی جائے "صیحہ" اور "صاعقہ" کہلاتا ہے۔

فَجَعَلۡنَا عَالِیَھَا سَافِلَھَا وَاَمۡطَرۡنَا عَلَیۡھِمۡ حِجَارَۃً مِّنۡ سِجِّیۡلٍ ﴿۷۴﴾ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ

پھر کر ڈالی ہم نے وہ بستی اوپر تلے | اور برسائے | اُن پر | پتھر | کھنگر[1] کے | ۶۳ | بیشک | اس میں | نشانیاں ہیں

[1] کنکر۔

لِّلْمُتَوَسِّمِيْنَ ﴿۷۵﴾ وَاِنَّهَا لَبِسَبِيْلٍ مُّقِيْمٍ ﴿۷۶﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۷۷﴾ وَاِنْ كَانَ

دھیان کرنیوالوں کو ف۶۴ اور وہ بستی واقع ہے سیدھی راہ پر ف۶۵ البتہ اس میں نشانی ہے ایمان والوں کو ف۶۶ اور تحقیق تھے

اَصْحٰبُ الْاَيْكَةِ لَظٰلِمِيْنَ ﴿۷۸﴾ فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ ۘ وَاِنَّهُمَا لَبِاِمَامٍ مُّبِيْنٍ ﴿۷۹﴾ وَلَقَدْ كَذَّبَ اَصْحٰبُ

بن کے رہنے والے گنہگار ف۶۷ سو ہمنے بدلہ لیا اُن سے اور یہ دونوں بستیاں واقع ہیں کھلے راستہ پر ف۶۸ اور بیشک جھٹلایا حجر والوں

الْحِجْرِ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۸۰﴾ وَاٰتَيْنٰهُمْ اٰيٰتِنَا فَكَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ ﴿۸۱﴾ وَكَانُوْا يَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ

نے رسولوں کو ف۶۹ اور دیں ہمنے اُن کو اپنی نشانیاں سو رہے اُن سے منہ پھیرتے ف۷۰ اور تھے کہ تراشتے تھے پہاڑوں کے

بُيُوْتًا اٰمِنِيْنَ ﴿۸۲﴾ فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ مُصْبِحِيْنَ ﴿۸۳﴾ فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۸۴﴾

گھر اطمینان کے ساتھ ف۷۱ پھر پکڑا اُن کو چنگھاڑ نے صبح ہوتے کے وقت پھر کام نہ آیا اُن کے جو کچھ کمایا تھا ف۷۲

وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ ۭ وَاِنَّ السَّاعَةَ لَاٰتِيَةٌ فَاصْفَحِ الصَّفْحَ

اور ہمنے بنائے نہیں آسمان اور زمین اور جو اُن کے بیچ میں ہیں بغیر حکمت کے اور قیامت بیشک آنے والی ہے سو کنارہ کر اچھی طرح

الْجَمِيْلَ ﴿۸۵﴾ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ ﴿۸۶﴾

کنارہ ف۷۳ تیرا رب جو ہے وہی ہے پیدا کرنیوالا خبردار ف۷۴

وقف لازم ۵ ع ۵/۱۹

(۶۳) اس کی تفصیل سورۂ ہود وغیرہ میں گذر چکی۔

(۶۴) **اہل فراست کے لئے نشانیاں** "متوسم" اصل میں اس شخص کو کہتے ہیں جو بعض ظاہری علامات و قرائن دیکھ کر محض فراست سے کسی پوشیدہ بات کا پتہ لگالے۔ حدیث میں ہے "اِتَّقُوْا فِرَاسَةَ الْمُؤْمِنِ فَاِنَّهٗ يَنْظُرُ بِنُوْرِ اللّٰهِ" بعض روایات میں "وَبِتَوْفِيْقِ اللّٰهِ" کی زیادت ہے۔ یعنی مومن کی فراست سے ڈرتے رہو، وہ خدا تعالیٰ کے عطا کئے ہوئے نور توفیق سے دیکھتا ہے۔ شاید "کشف" اور "فراست" میں بقول امیر عبدالرحمٰن خاں مرحوم اتنا ہی فرق ہو جتنا ٹیلیفون اور ٹیلیگراف میں ہوتا ہے۔ بہرحال آیت کا مطلب یہ ہے کہ دھیان کا مطلب یہ ہے کہ دھیان کرنے اور پتہ لگانے والوں کے لئے "قوم لوط" کے قصہ میں عبرت کے بہت نشان موجود ہیں۔ انسان سمجھ سکتا ہے کہ بدی اور سرکشی کا انجام کیسا ہوتا ہے۔ خدا کی قدرت عظیمہ کے سامنے ساری طاقتیں ہیچ ہیں۔ "اُس کی لاٹھی میں آواز نہیں" اُس کی مہلت پر آدمی مغرور نہ ہو، نہ پیغمبروں کے ساتھ ضد اور عداوت باندھے، ورنہ ایسا ہی حشر ہوگا۔ وغیرہ ذٰلک۔

(۶۵) مکہ سے شام کو جاتے ہوئے اُس اُلٹی ہوئی بستی کے کھنڈر نظر آتے تھے۔ "وَاِنَّكُمْ لَتَمُرُّوْنَ عَلَيْهِمْ مُّصْبِحِيْنَ وَبِالَّيْلِ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ" (صافات رکوع ۴)۔

(۶۶) **قوم لوط کے کھنڈر** یعنی اُن کھنڈرات کو دیکھ کر بالخصوص مومنین کو عبرت ہوتی ہے، کیونکہ وہ ہی سمجھتے ہیں کہ اُس قوم کی بدکاری اور سرکشی کی سزا میں یہ بستیاں الٹی گئیں، مومنین کے سوا دوسرے لوگ تو ممکن ہے اُنہیں دیکھ کر محض بخت و اتفاق یا اسباب طبیعہ کا نتیجہ قرار دیں

(۶۷) **اصحاب ایکہ** بن کے رہنے والے یعنی قوم شعیب شہر "مدین" میں رہتے تھے جس کے نزدیک درختوں کا بن تھا کچھ وہاں رہتے ہونگے "اصحاب ایکہ" اور "اصحاب مدین" دو جداگانہ قومیں ہیں۔ حضرت شعیبؑ دونوں کی طرف مبعوث ہوئے ان لوگوں کا گناہ شرک و بت پرستی، ڈاکہ

ف یقین کرنیوالوں کو۔ ۲ حجر کے رہنے والوں نے۔ ۳ اُن کو ٹالنا ۴ ہوتے۔ ۵ تدبیر۔

اور ناپ تول میں فریب اور دھوکہ کرنا تھا۔ پہلے سورۂ ہود و اعراف میں ان کا مفصل بیان ہو چکا ہے ملاحظہ کر لیا جائے۔

(۶۸) **قوم شعیبؑ کی بستیاں** یعنی حجاز و شام کے جس راستہ پر قوم لوط کی بستیاں تھیں، وہیں ذرا نیچے اُتر کر قوم شعیب کا مسکن تھا دونوں کے آثار رستہ چلنے والوں کو نظر آتے ہیں۔

(۶۹) **اصحاب حجر** "حجر والے" فرمایا "ثمود" کو۔ اُن کے ملک کا نام "حجر" تھا جو مدینہ سے شمال کی طرف واقع ہے اُن کی طرف حضرت صالح علیہ السلام مبعوث ہوئے۔ ایک نبی کا جھٹلانا سب انبیاء کا جھٹلانا ہے۔

(۷۰) یعنی اُونٹنی جو پتھر سے نکالی گئی۔ اور اس کے علاوہ دوسرے معجزات۔

(۷۱) یعنی دنیوی زندگی پر مغرور ہو کر تکبّر و تجبّر کی نمائش کے لئے پہاڑوں کو تراش کر بڑے عالیشان مکان بناتے تھے، گویا کبھی یہاں سے جانا نہیں یہ بھی سمجھتے ہونگے کہ ایسے مضبوط و مستحکم عمارتوں میں کوئی آفت کہاں پہنچ سکتی ہے۔

(۷۲) یعنی مال و دولت مستحکم عمارات، جسمانی قوت اور دوسرے اسباب و وسائل میں سے کوئی چیز بھی خدا کے عذاب کو دفع نہ کر سکی۔ ان کا قصہ بھی پہلے گذر چکا۔ حدیث میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تبوک جاتے ہوئے "وادی حجر" پر سے گذرے آپ نے سر ڈھانپ لیا۔ سواری کی رفتار تیز کر دی اور صحابہ کو فرمایا کہ معذب قوم کی بستیوں پر مت داخل ہو مگر (خدا کے خوف سے) روتے ہوئے، اگر رونا نہ آئے تو رونے والوں کی صورت بناؤ۔ خدا نہ کرے وہ چیز تم کو پہنچے جو اُن کو پہنچی تھی۔ یہ آپ نے مسلمانوں کو ادب سکھلایا کہ آدمی اس قسم کے مقامات میں پہنچ کر عبرت حاصل کرے اور خدا کے خوف سے لرزاں و ترساں ہو، محض سیر و تماشہ نہ سمجھے۔

(۷۳) **تخلیق میں اللہ کی حکمت** حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "پہلی اُمتوں کا حال سُنا کر فرمایا کہ یہ جہان یوں ہی خالی نہیں پڑا۔ سر پر ایک مدبر ہے۔ ہر چیز کا تدارک کرنے والا، مکمل اور آخری تدارک کا نام قیامت ہے اور کفار سے کنارہ کرنے کو فرمایا جب خدا کا حکم پہنچا چکے، تبلیغ کا فرض ادا کر دیا اور کافر ضد پر اڑے رہے، تب حکم ہوا کہ زیادہ جھگڑنے سے فائدہ نہیں اب وعدہ کی راہ دیکھو اور اُن کی تکلیف و ایذا پر صبر کرو، حرف شکایت زبان پر نہ لاؤ، یہاں تک کہ خدا کا فیصلہ پہنچ جائے۔

(۷۴) جس کو تیرے صبر اور اُن کی ایذاء کی سب خبر ہے، ہر ایک کو اُس کے عمل کا بدلہ دیگا۔ اس آیت میں گویا معاد کی تقریر فرما دی۔ یعنی جس نے ایک مرتبہ پیدا کیا دوبارہ پیدا کرنا کیا مشکل ہے اور جس چیز کے اجزاء منتشر ہو گئے ہوں اُس کو ہر جزء کی خبر ہے، جہاں کہیں ہوگا سب کو جمع کر دیگا دوسری جگہ فرمایا "اَوَلَیْسَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓی اَنْ یَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ بَلٰی وَهُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِیْمُ" الی آخر الآیۃ (یٰس رکوع ۵)

وَلَقَدْ اٰتَیْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِیْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِیْمَ ﴿۸۷﴾ لَا تَمُدَّنَّ عَیْنَیْكَ اِلٰی مَا مَتَّعْنَا بِهٖۤ

اور ہم نے دی ہیں تجھ کو سات آیتیں وظیفہ اور قرآن بڑے درجہ کا ف۷۵ مت ڈال اپنی آنکھیں اُن چیزوں پر جو برتنے کو دیں ہم نے اُن

اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ وَلَا تَحْزَنْ عَلَیْهِمْ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۸۸﴾ وَقُلْ اِنِّیْۤ اَنَا

میں سے کئی طرح کے لوگوں کو ف۷۶ اور نہ غم کھا اُن پر اور جھکا اپنے بازو ایمان والوں کے واسطے ف۷۷ اور کہہ کہ میں وہی ہوں

النَّذِیْرُ الْمُبِیْنُ ﴿۸۹﴾ كَمَاۤ اَنْزَلْنَا عَلَی الْمُقْتَسِمِیْنَ ﴿۹۰﴾ الَّذِیْنَ جَعَلُوا الْقُرْاٰنَ عِضِیْنَ ﴿۹۱﴾

ڈرانیوالا کھول کر ف۷۸ جیسا ہم نے بھیجا ہے اُن بانٹنے والوں پر جنہوں نے کیا ہے قرآن کو بوٹیاں ف۷۹

فَوَرَبِّكَ لَنَسْـَٔلَنَّهُمْ اَجْمَعِیْنَ ﴿۹۲﴾ عَمَّا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۹۳﴾

سو قسم ہے تیرے رب کی ہم کو پوچھنا ہے ان سب سے جو کچھ وہ کرتے تھے ف۸۰

(۷۵) **سبع مثانی کی فضیلت و عظمت** حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "یعنی یہ اتنی بڑی نعمت دیکھ جو تجھ کو عطا ہوئی اور کافروں کی ضد سے خفا نہ ہو (تنبیہ) "سبع مثانی" کے مصداق میں اختلاف ہے۔ صحیح اور راجح یہ ہی ہے کہ اس سے مراد سورۂ فاتحہ کی سات آیتیں ہیں جو ہر نماز کی ہر رکعت میں دُہرائی جاتی ہیں اور جن کو بطور وظیفہ کے بار بار پڑھا جاتا ہے۔ حدیث میں ہے کہ حق تعالیٰ نے تورات، انجیل، زبور، قرآن کسی کتاب میں اس کا مثل نازل نہیں فرمایا۔ احادیث صحیحہ میں تصریح ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۂ "فاتحہ" کو فرمایا کہ یہ ہی "سبع مثانی" اور قرآنِ عظیم ہے جو مجھ کو دیا گیا۔ اِس چھوٹی سی سورت کو "قرآن عظیم" (بڑا قرآن) فرمانا درجہ کے اعتبار سے ہے۔ اِس سورت کو اُمّ القرآن بھی اِسی لحاظ سے کہتے ہیں کہ گویا یہ ایک خلاصہ اور متن ہے جس کی تفصیل و شرح پورے قرآن کو سمجھنا چاہئے۔ قرآن کے تمام علوم و مطالب کا اجمالی نقشہ تنہا اس سورت میں موجود ہے۔ یوں "مثانی" کا لفظ بعض حیثیات سے پورے قرآن پر بھی اطلاق کیا گیا ہے۔ اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ الخ" (زمر رکوع ۳) اور ممکن ہے دوسری سورتوں کو مختلف وجوہ سے "مثانی" کہہ دیا جائے، مگر اس جگہ "سبع مثانی" اور "قرآن عظیم" کا مصداق یہ ہی سورت (فاتحہ) ہے۔

(۷۶) **کفار کی دولت پر نظر نہ کرو** یعنی مشرکین، یہود و نصاریٰ اور دوسرے دشمنان خدا و رسول کو دنیا کی چند روزہ زندگی کا جو سامان دیا ہے اس کی طرف نظر نہ کیجئے کہ ان ملعونوں کو یہ سامان کیوں دیدیا گیا جس سے ان کی شقاوت و شرارت زیادہ بڑھتی ہے یہ دولت مسلمانوں کو ملتی تو اچھی راستہ میں خرچ ہوتی۔ ان کو تھوڑی دیر مزہ اڑا لینے دو۔ تم کو خدا تعالیٰ نے وہ دولت قرآن دی ہے جس کے آگے سب دولتیں گرد ہیں۔ روایات میں ہے کہ جس کو خدا تعالیٰ نے قرآن دیا پھر کسی کی اور نعمت دیکھ کر ہوس کرے تو اُس نے قرآن کی قدر نہ جانی۔

(۷۷) غم نہ کھا کہ مسلمان کیوں نہیں ہوتے۔ آپ فرض تبلیغ ادا کرتے رہیں، معاندین کے پیچھے اپنے کو زیادہ فکر و غم میں مبتلا نہ کیجئے۔ آپ کی شفقت و ہمدردی کے مستحق مومنین ہیں اُن کے ساتھ ملاطفت، نرم خوئی اور شفقت و تواضع کا برتاؤ رکھئے۔

(۷۸) یعنی کوئی مانے یا نہ مانے۔ میں خدا کا پیام صاف صاف پہنچائے دیتا ہوں اور تکذیب و شرارت کے عواقب خوب کھول کر آگاہ کر رہا ہوں۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "تیرا کام دل پھیر دینا نہیں، یہ خدا سے ہو سکتا ہے۔ جو کوئی ایمان نہ لائے تو غم نہ کھا۔

(۷۹) **مقتسمین کون ہیں؟** اس آیت کے معنی کئی طرح کئے گئے ہیں۔ بعض نے کہا کہ "مقتسمین" (بانٹنے والوں) سے مراد آپ کے زمانہ کے یہود و نصاریٰ وغیرہ ہیں، جنہوں نے قرآن کی تقسیم و تحلیل کر رکھی تھی۔ یعنی جو مضمون قرآنی اُن کی تحریفات یا آراء و اہواء کے موافق پڑ جائے مان لو، جو خلاف ہو نہ مانو۔ مطلب یہ ہوگا کہ ہم نے تجھے "سبع مثانی" اور "قرآن عظیم" دیکر بھیجا جیسے ان لوگوں پر بھی پہلے کتابیں نازل کی تھیں۔ آپ پر کتاب اُتارنا یا وحی بھیجنا کوئی انوکھی بات نہیں۔ جس کا انکار کیا جائے۔ بعض نے "مقتسمین" سے یہود و نصاریٰ مراد لے کر لفظ قرآن سے کتب سابقہ مراد لی ہیں۔ یعنی انہوں نے تحریف کر کے اپنی کتابوں کو پارہ پارہ کر ڈالا۔ بعض نے کہا مشرکین مراد ہیں جو بطور استہزاء و تمسخر قرآن کی تقسیم کرتے تھے۔ جب سورتوں کے نام سُنتے تو ہنس کر آپس میں کہتے۔ بقرہ یا مائدہ میں لونگا۔ عنکبوت تجھ کو دونگا۔ ان لوگوں نے ایک اور طرح بھی قرآن کے متعلق خیالات تقسیم کر رکھے تھے کوئی اُسے شاعری بتاتا کوئی کہانت، کوئی جادو، کوئی مجنون کی بڑ، کوئی اساطیر الاوّلین، اُن کو آگاہ کیا کہ میں سب کو عذاب سے ڈرانے والا ہوں، جیسا عذاب یقیناً نازل ہونے والا ہے اِن ٹھٹھا کرنے والوں پر۔ اس وقت "اَنْزَلْنَا" کی تعبیر اس لحاظ سے ہوگی کہ متیقن الوقوع اور قریب الوقوع مستقبل کو گویا ماضی فرض کر لیا گیا۔ ابن کثیرؒ نے "مُقْتَسِمِيْنَ" کے معنی قسم کھانے والوں کے لئے ہیں۔ یعنی وہ گذشتہ قومیں جو انبیاء کی تکذیب و مخالفت کے حلف اُٹھا چکی تھیں اور جھوٹی باتوں پر قسمیں کھاتی تھیں۔ اور انہوں نے کتب سماویہ کے ٹکڑے کر دیے تھے۔ جیسا عذاب ہم نے اُن پر اُتارا، اُسی طرح کے عذاب سے یہ "نذیر مبین" تم کو ڈراتا ہے۔ "مقتسمین" کے اس معنی کی تائید میں ابن کثیرؒ نے ذیل کی آیات پیش کی ہیں۔ "تَقَاسَمُوْا بِاللّٰهِ لَنُبَيِّتَنَّهٗ وَاَهْلَهٗ" (نمل رکوع ۴) وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَا يَبْعَثُ اللّٰهُ مَنْ

يَمُوْتُ (نحل رکوع ۵) اَوَلَمْ تَكُوْنُوْٓا اَقْسَمْتُمْ مِّنْ قَبْلُ مَا لَكُمْ مِّنْ زَوَالٍ (ابراہیم رکوع ۷) اَهٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ اَقْسَمْتُمْ لَا يَنَالُهُمُ اللّٰهُ بِرَحْمَةٍ (اعراف رکوع ۶)۔

(۸۰) یعنی کس کی عبادت کی تھی؟ پیغمبروں کے ساتھ کس طرح پیش آئے تھے؟ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کو کیوں نہ مانا تھا؟ اس کلمہ کا حق کیوں ادا نہیں کیا تھا؟ یہ اور اسی قسم کے نہ معلوم کتنے سوالات ہونگے۔

فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۹۴﴾ اِنَّا كَفَيْنٰكَ الْمُسْتَهْزِءِيْنَ ﴿۹۵﴾ الَّذِيْنَ يَجْعَلُوْنَ

سو سنا دے کھولکر جو تجھکو حکم ہوا اور پروا نہ کر مشرکوں کی ف۸۱ ہم بس ہیں تیری طرف سے ٹھٹھے کرنیوالوں کو ف۸۲ جو کہ ٹھہراتے ہیں

مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴿۹۶﴾ وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّكَ يَضِيْقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُوْلُوْنَ ﴿۹۷﴾ فَسَبِّحْ

اللہ کے ساتھ دوسرے کی بندگی سو عنقریب معلوم کرلیں گے ف۸۳ اور ہم جانتے ہیں کہ تیرا جی رکتا ہے اُنکی باتوں سے سو تو یاد کر

بِحَمْدِ رَبِّكَ وَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ﴿۹۸﴾ وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ ﴿۹۹﴾

خوبیاں اپنے رب کی اور رہو سجدہ کرنیوالوں سے ف۸۴ اور بندگی کئے جا اپنے رب کی جبتک آئے تیرے پاس یقینی بات ف۸۵

(۸۱) یعنی کہنے میں کوتاہی نہ کیجئے خوب کھول کر خدائی پیغامات پہنچا دیجئے۔ یہ مشرکین آپ کا کچھ نہ بگاڑ سکیں گے۔

(۸۲) یعنی دنیا و آخرت میں ہم سب ٹھٹھا کرنے والوں سے نبٹ لیں گے۔ آپ بے خوف و خطر تبلیغ کرتے رہیے آپ کا بال بیکا نہ ہوگا۔

(۸۳) **کفار کے استہزاء کا انجام** یعنی رسول کے ساتھ استہزاء کرنا اور خدا کے لئے شریک ٹھہرانا، دونوں باتوں کا انجام یہ لوگ دیکھ لیں گے۔

(۸۴) یعنی اگر ان کی ہٹ دھرمی سے دل تنگ ہو تو آپ اُن کی طرف سے توجہ ہٹا کر ہمہ تن خدا کی تسبیح و تحمید میں مشغول رہئے۔ خدا کا ذکر، نماز، سجدہ، عبادت الٰہی وہ چیزیں ہیں جن کی تاثیر سے قلب مطمئن و منشرح رہتا ہے اور فکر و غم دور ہوتے ہیں۔ اسی لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت تھی کہ جب کوئی مہم بات فکر کی پیش آتی آپ نماز کی طرف جھپٹتے۔

(۸۵) **یقین بمعنیٰ موت** یعنی موت۔ یقین کا لفظ دوسری جگہ قرآن نے اسی معنی میں استعمال کیا ہے "وَكُنَّا نُكَذِّبُ بِيَوْمِ الدِّيْنِ حَتّٰٓى اَتٰىنَا الْيَقِيْنُ" (مدثر رکوع ۲) حدیث میں ایک میت کی نسبت آپ نے فرمایا۔ اَمَّا هُوَ فَقَدْ جَآءَهُ الْيَقِيْنُ وَاِنِّيْ لَاَرْجُوْ لَهُ الْخَيْرَ" جمہور سلف نے اس آیت میں "یقین" کو بمعنیٰ موت لیا ہے۔ یعنی مرتے دم تک خدا کی عبادت میں لگے رہیئے۔ ؎ اندریں رہ می تراش و می خراش تا دمِ آخر دمے فارغ مباش۔ جن بعض عارفین نے اس جگہ "یقین" کو "کیفیت قلبیہ" کے معنی میں لیا ہے، اُس کی توجیہ روح المعانی میں مذکور ہے دیکھ لیجائے۔ تم سورۃ الحجر وللہ الحمد والمنۃ وہو المسئول ان یتوفانا علیٰ اکمل الاحوال و احسنہا فانہ جواد کریم۔

ف کافی۔

سُوْرَةُ النَّحْلِ

ایاتہا ۱۲۸ رکوعاتہا ۱۶	بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○	سُوْرَةُ النَّحْلِ ۱۶ مَكِّيَّةٌ
ایک سو اٹھائیس آیتیں اور سولہ رکوع ہیں	شروع اللہ کے نام سے جو بیحد مہربان نہایت رحم والا ہے	سورہ نحل مکہ میں نازل ہوئی۔ اس میں

اَتٰۤى اَمْرُ اللّٰهِ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْهُ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَ تَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۱﴾ يُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ بِالرُّوْحِ مِنْ

آپہنچا حکم اللہ کا سو اُس کی جلدی مت کرو ف۱ وہ پاک ہے اور برتر ہے انکے شریک بتلانے سے ف۲ اُتارتا ہے فرشتوں کو ف۳ بھید دے کر ف۴ اپنے حکم

اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖۤ اَنْ اَنْذِرُوْۤا اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنَا فَاتَّقُوْنِ ﴿۲﴾ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ

سے جس پر چاہے اپنے بندوں میں ف۵ کہ خبردار کردو کہ کسی کی بندگی نہیں سوا میرے سو مجھ سے ڈرو ف۶ بنائے آسمان

وَ الْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ تَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۳﴾ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِيْمٌ مُّبِيْنٌ ﴿۴﴾

اور زمین ٹھیک ٹھیک وہ برتر ہے انکے شریک بتلانے سے ف۷ بنایا آدمی کو ایک بوند سے پھر جبھی ہو گیا جھگڑا کرنے والا بولنے والا ف۸

وَ الْاَنْعَامَ خَلَقَهَا ۚ لَكُمْ فِيْهَا دِفْءٌ وَّ مَنَافِعُ وَ مِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ﴿۵﴾ وَ لَكُمْ فِيْهَا جَمَالٌ حِيْنَ

اور چوپائے بنا دیے تمہارے واسطے اُن میں جڑاول ہے اور کتنے فائدے اور بعضوں کو کھاتے ہو ف۹ اور تم کو اُن سے عزت ہے جب

تُرِيْحُوْنَ وَ حِيْنَ تَسْرَحُوْنَ ﴿۶﴾ وَ تَحْمِلُ اَثْقَالَكُمْ اِلٰى بَلَدٍ لَّمْ تَكُوْنُوْا بٰلِغِيْهِ اِلَّا بِشِقِّ

شام کو چرا کر لاتے ہو اور جب چرانے لیجاتے ہو ف۱۰ اور اٹھا لے چلتے ہیں بوجھ تمہارے اُن شہروں تک کہ تم نہ پہنچتے وہاں مگر جان مار

الْاَنْفُسِ ؕ اِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۷﴾

کر بیشک تمہارا رب بڑا شفقت کرنیوالا مہربان ہے ف۱۱

(۱) **اللہ کا حکم آچکا ہے** یعنی خدا کا یہ حکم کہ "پیغمبر علیہ السلام کی جماعت غالب و منصور اور حق کے مخالف مغلوب و ذلیل ہونگے۔ جنہیں دنیا میں مسلمان مجاہدین کے ہاتھوں اور آخرت میں براہ راست احکم الحاکمین کے دربار سے شرک و کفر کی سزا ملے گی" اس حکم کے وقوع کا وقت قریب آپہنچا۔ اور قیامت کی گھڑی بھی دور نہیں ہے۔ جس چیز کا آنا یقینی ہو اُسے آئی ہوئی سمجھنا چاہئے۔ پھر جلدی مچانے کی کیا ضرورت ہے کفّار ازراہ تکذیب و استہزاء کہا کرتے تھے کہ جس عذاب یا قیامت کے آنے کا تم وعدہ کرتے ہو۔ وہ جلد کیوں نہیں آجاتا۔ اُنہیں متنبہ فرمایا کہ تمہارے ایسا کہنے سے وہ ٹلنے والا نہیں۔ بلکہ حتمی اور یقینی طور پر جلد آیا چاہتا ہے جس قدر دیر لگ رہی ہے وہ بھی ایک طرح سے تمہارے حق میں مفید ہے ممکن ہے بعض کو اصلاح و توبہ کی توفیق مل جائے۔ وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ وَلَوْلَاۤ اَجَلٌ مُّسَمًّى لَّجَآءَهُمُ الْعَذَابُ (عنکبوت رکوع ۵) يَسْتَعْجِلُ بِهَا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مُشْفِقُوْنَ مِنْهَا وَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهَا الْحَقُّ۔ (شوریٰ رکوع ۲)

(۲) یعنی جب حق کا غالب ہونا اور کفر و شرک پر سزا ملنا یقینی ہے تو توحید کی راہ اختیار کرو اور مشرکانہ طور و طریق سے علیحدہ ہو جاؤ جنہیں تم

خدائی کا شریک ٹھہراتے ہو اُن میں سے کوئی خدا کے حکم کو ٹال نہیں سکتا نہ عذاب الٰہی کو روک سکتا ہے۔

(۳) یعنی فرشتوں کی جنس میں سے بعض کو جیسے حضرت جبریل علیہ السلام یا حفظۃ الوحی، جن کی طرف "فَاِنَّهٗ یَسْلُكُ مِنْۢ بَیْنِ یَدَیْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ رَصَدًا" (جن رکوع ۲) میں اشارہ کیا ہے۔

(۴) یہاں "روح" سے مراد وحی الٰہی ہے جو خدا کی طرف سے پیغمبروں کی طرف غیر مرئی طریق بطور ایک بھید کے آتی ہے۔ چنانچہ دوسری جگہ فرمایا "یُلْقِی الرُّوْحَ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰی مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ" (المومن رکوع ۲) ایک جگہ قرآن کی نسبت فرمایا "وَكَذٰلِكَ اَوْحَیْنَآ اِلَیْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا۔" (شوریٰ رکوع ۵) قرآن یا وحی الٰہی کو "روح" سے تعبیر فرمانے میں یہ اشارہ ہے کہ جس طرح مادی اجسام کو نفخ روح سے ظاہری حیات حاصل ہوتی ہے، اسی طرح جو قلوب جہل و ضلال کی بیماریوں سے مردہ ہو چکے تھے وہ وحی الٰہی کی روح پا کر زندہ ہو جاتے ہیں۔

(۵) **انبیاء کی بعثت** وہ بندے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام ہیں۔ جن کو خدا تعالیٰ ساری مخلوق میں سے اپنی حکمت کے موافق اپنے کامل اختیار سے چن لیتا ہے۔ "اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَیْثُ یَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ" (انعام رکوع ۱۵) "اَللّٰهُ یَصْطَفِیْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ" (الحج رکوع ۱۰)

(۶) یعنی توحید کی تعلیم، شرک کارد اور تقویٰ کی طرف دعوت، یہ ہمیشہ سے تمام انبیاء علیہم السلام کا مشترکہ و متفقہ نصب العین (مشن) رہا ہے گویا اثبات توحید کی یہ نقلی دلیل ہوئی۔ آگے عقلی دلائل بیان کی جاتی ہیں۔

(۷) **زمین و آسمان میں توحید کے دلائل** یعنی زمین و آسمان کا نظام ایسا درست و استوار بنایا ہے جسے دیکھ کر لامحالہ یقین کرنا پڑتا ہے کہ تمام کائنات کا سلسلہ صرف ایک ہی مالک مختار کے ہاتھ میں ہونا چاہیئے۔ اگر کئی با اختیار خداؤں کے ہاتھوں میں باگ ہوتی تو یہ محکم انتظام و انضباط اتنی مدت تک ہرگز قائم نہ رہتا ضرور آپس میں ٹکر ہو جاتی۔ بلکہ کئی آزاد خداؤں کی کشمکش باہمی سرے سے اس نظام عالم کو موجود ہی نہ ہونے دیتی۔ "لَوْ كَانَ فِیْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا" (انبیاء رکوع ۲) "اِذًا لَّذَهَبَ كُلُّ اِلٰهٍۭ بِمَا خَلَقَ وَلَعَلَا بَعْضُهُمْ عَلٰی بَعْضٍ" (المومنون رکوع ۵)

(۸) **تخلیق انسان میں اللہ کی نشانیاں** یعنی علویات و سفلیات کا انتظام درست کر کے تم کو پیدا کیا۔ تم خود اپنی خلقت میں غور کرو تو حق تعالیٰ کی عجیب و غریب صنعت و قدرت کا سبق ملیگا۔ تمہاری اصل کیا تھی؟ ایک قطرہ بے جان، جس میں نہ حس و حرکت تھی نہ شعور و ارادہ، نہ وہ بات کرنے کے قابل تھا کہ کسی معاملہ میں جھگڑ کر اپنا حق منوا دے یا دوسروں پر غالب آ جائے۔ اب دیکھو حق تعالیٰ نے اسی قطرہ ناچیز کو کیا سے کیا بنا دیا۔ کیسی عجیب صورت عطا کی۔ اور کیسی اعلیٰ قوتیں اور کمالات اُس پر فائض کیئے جو ایک حرف بولنے پر قادر نہ تھا وہ کیسے لیکچر دینے لگا جس میں ادنیٰ حس و حرکت نہ تھی، اب کس طرح بات بات میں جھگڑے کرنے اور حجتیں نکالنے لگا۔ حتیٰ کہ بعض اوقات مخلوق سے گذر کر خالق کے مقابلہ میں خم ٹھونک کر کھڑا ہو گیا، یہ بھی یاد نہ رکھا کہ میری اصل کیا تھی اور کیسے یہ طاقت حاصل ہوئی۔ "اَوَلَمْ یَرَ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِیْمٌ مُّبِیْنٌ وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَّنَسِیَ خَلْقَهٗ قَالَ مَنْ یُّحْیِ الْعِظَامَ وَهِیَ رَمِیْمٌ، قُلْ یُحْیِیْهَا الَّذِیْٓ اَنْشَاَهَآ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِیْمٌ" (یٰس رکوع ۵)۔

(۹) **چوپایوں کی تخلیق میں دلائل** یعنی اُونٹ، گائے، بھیڑ، بکری، تمہارے لئے پیدا کئے۔ ان میں سے بعض کے بال یا اُون وغیرہ سے کمبل، دُھسّے، ڈیرے خیمے اور سردی سے بچنے کے لئے مختلف قسم کے لباس تیار کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ کسی کا دودھ پیا جاتا ہے۔ کسی کو ہل میں چلایا جاتا ہے۔ گھی، مکھن وغیرہ کی ساری افراط ان ہی جانوروں کی بدولت ہے۔ اُن کے چمڑے سے کیسے کیسے عمدہ اور بیش قیمت سامان تیار کیئے جاتے ہیں۔ جن جانوروں کا گوشت کھانے میں کوئی معتدبہ بدنی یا اخلاقی مضرت نہیں ہے اُن کا گوشت کھایا جاتا ہے، کتنے غریبوں کی شکم پروری اُس سے ہوتی ہے اور جو دوسری غذائیں ہم کھاتے ہیں اُن کی تیاری میں بھی اِن حیوانات کو کس قدر دخل ہے۔

(۱۰) جب ڈھور ڈنگر گھر میں بندھے کھڑے ہوں یا جنگل میں غائب ہوں، اُس وقت انعام الٰہی کا ایسا صاف مظاہرہ نہیں ہوتا۔ ہاں جب چرنے

ہوگی وہ مذکورہ بالا دلائل و بصائر میں غور کر کے حق تعالیٰ کی قدرت اور عظمت و جبروت پر ایمان لائیگا۔ اور توحید و تقوٰی کی سیدھی راہ چل کر بے کھٹکے خدا تک پہنچ جائیگا۔ لیکن جس کی عقل سیدھی نہیں، اُسے سیدھی سڑک پر چلنے کی توفیق کہاں ہو سکتی ہے۔ وہ ہمیشہ اہواء و اوہام کی پیچدار پگڈنڈیوں میں پڑا بھٹکتا رہے گا۔" وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا فَاتَّبِعُوْهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِیْلِهٖ (انعام رکوع ۱۹)

(۱۵) یعنی خدا کچھ اس بات سے عاجز نہیں تھا کہ ساری دنیا کو ایک ہی راہ پر لگا دیتا۔ لیکن اس کی حکمت مقتضی نہیں ہوئی کہ سب کو ایک ہی ڈھنگ اختیار کرنے پر مجبور کر دے۔ جیسا کہ ہم پہلے متعدد مواقع میں اس کی تشریح کر چکے ہیں۔

(۱۶) یعنی پانی پینے کے قابل بنایا اور اُسی سے درخت، گھاس وغیرہ نباتات اُگائے جس سے تمہارے جانور چرتے ہیں۔

(۱۷) **پھلوں اور میووں کی تخلیق** یعنی ایک ہی پانی سے مختلف قسم کے پھل اور میوے اُگاتا رہتا ہے جن کی شکل و صورت، رنگ و بو، مزہ اور تاثیر ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہیں۔ اس میں غور کرنیوالوں کے لئے خدا کی قدرت کاملہ اور صنعت عجیبہ کا بڑا نشان ہے کہ ایک زمین اور ایک پانی سے کیسے رنگ برنگ کے پھول پھل پیدا ہوتے رہتے ہیں۔

(۱۸) رات اور دن برابر ایک دوسرے کے پیچھے لگے چلے آتے ہیں تا دنیا کا کاروبار چلے اور لوگ سکون و آرام حاصل کر سکیں۔ اسی طرح چاند سورج ایک معین نظام کے ماتحت نکلتے اور چھپتے رہتے ہیں۔ رات، دن کی آمد و شد اور شمس و قمر کے طلوع و غروب کے ساتھ انسانوں کے بیشمار فوائد وابستہ ہیں۔ بلکہ غور سے دیکھا جائے تو ان کے بدون انسان کی زندگی محال ہے۔ خدا تعالیٰ نے اپنے اقتدار کامل سے چاند سورج اور کل ستاروں کو ادنیٰ مزدوروں کی طرح ہمارے کاموں پر لگا رکھا ہے۔ مجال نہیں کہ ذرا سُستی یا سرتابی کر سکیں۔ لیکن چونکہ رات دن اور چاند سورج سے بالکل صریح طور پر ہمارے کام متعلق ہیں اور دوسرے ستاروں سے ہمارے فوائد و مصالح کی وابستگی اس قدر واضح نہیں ہے، شاید اس لئے اُن کو جُدا کر کے دوسرے عنوان سے بیان فرمایا۔ واللہ اعلم۔

(۱۹) یعنی جس بلند و برتر ہستی نے آسمانی چیزوں کو تمہارے کام میں لگایا اُسی نے تمہارے فائدہ کے لئے زمین میں مختلف قسم کی مخلوقات پیدا کیں جو ماہیت، شکل و صورت، رنگ و بو اور منافع و خواص میں ایک دوسرے سے بالکل علیحدہ ہیں اس میں سب حیوانات، نباتات، جمادات بسائط و مرکبات شامل ہو گئے۔

وَهُوَ الَّذِیْ سَخَّرَ الْبَحْرَ لِتَاْكُلُوْا مِنْهُ لَحْمًا طَرِیًّا وَّتَسْتَخْرِجُوْا مِنْهُ حِلْیَةً تَلْبَسُوْنَهَا ۚ وَتَرَی

اور وہی ہے جس نے کام میں لگا دیا دریا کو کہ کھاؤ اس میں سے گوشت تازہ اور نکالو اُس میں سے گہنا جو پہنتے ہو اور دیکھتا ہے تو

الْفُلْكَ مَوَاخِرَ فِیْهِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۴﴾ وَاَلْقٰی فِی الْاَرْضِ رَوَاسِیَ اَنْ

کشتیوں کو چلتی ہیں پانی پھاڑ کر اُس میں ف ۲۰ اور اس واسطے کہ تلاش کرو اسکے فضل سے اور تاکہ احسان مانو ف ۲۱ اور رکھ دیئے زمین پر بوجھ کہ کبھی

تَمِیْدَ بِكُمْ وَاَنْهٰرًا وَّسُبُلًا لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۵﴾ وَعَلٰمٰتٍ ۚ وَبِالنَّجْمِ هُمْ یَهْتَدُوْنَ ﴿۱۶﴾ اَفَمَنْ یَّخْلُقُ

جھک پڑے تمکو لیکر ف ۲۲ اور بنائیں ندیاں ف ۲۳ اور راستے تاکہ تم راہ پاؤ ف ۲۴ اور بنائیں علامتیں ف ۲۵ اور ستاروں سے لوگ راہ پاتے ہیں ف ۲۶ بھلا جو پیدا کرے

كَمَنْ لَّا یَخْلُقُ ۗ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۱۷﴾ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ۗ اِنَّ اللّٰهَ لَغَفُوْرٌ

برابر ہے اُس کے جو کچھ نہ پیدا کرے کیا تم سوچتے نہیں ف ۲۷ اور اگر شمار کرو اللہ کی نعمتوں کو نہ پورا کر سکو گے اُن کو ف ۲۸ بیشک اللہ بخشنے والا

رَّحِیْمٌ ﴿۱۸﴾ وَاللّٰهُ یَعْلَمُ مَا تُسِرُّوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَالَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا یَخْلُقُوْنَ

مہربان ہے ف ۲۹ اور اللہ جانتا ہے جو تم چھپاتے ہو اور جو ظاہر کرتے ہو ف ۳۰ اور جن کو پکارتے ہیں اللہ کے سوائے کچھ پیدا نہیں

۱ دریا میں۔ ۲ پہاڑ۔ ۳ رکھیں۔

ع ۱۴ ۸

شَيْـًٔا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ ﴿٢٠﴾ اَمْوَاتٌ غَيْرُ اَحْيَاۤءٍ ۚ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۙ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ ﴿٢١﴾

کرتے اور وہ خود پیدا کئے ہوئے ہیں ف ۳۱ مردے ہیں جن میں جان نہیں ف ۳۲ اور نہیں جانتے کب اٹھائے جائیں گے ف ۳۳

(۲۰) **سمندر کی تسخیر اور اس کے منافع** یعنی ایسے ٹھاٹھیں مارنے والے خوفناک سمندر کو بھی جس کے سامنے انسان ضعیف البنیان کی کچھ بساط نہیں تمہارے کام میں لگا دیا کہ اس میں بے تکلف مچھلی کا شکار کر کے نہایت لذیذ اور تروتازہ گوشت حاصل کرتے ہو۔ اور اس کے بعض حصوں میں سے موتی اور مونگا نکالتے ہو جس کے قیمتی زیور تیار کئے جاتے ہیں بھلا سمندر کی موجوں کو دیکھو جن کے سامنے بڑے بڑے جہازوں کی ایک تنکے کی برابر حقیقت نہیں۔ لیکن ایک چھوٹی سی کشتی کس طرح ان موجوں کو چیرتی پھاڑتی چلی جاتی ہے، یہ خدا تعالیٰ کی قدرت کا نمونہ ہے کہ اس نے انسان کو عقل دی اور ایسی چیزیں تیار کر لینے کی ترکیب سجھائی جن کے ذریعہ سے گویا سمندروں کو پایاب کر لیا گیا۔

(۲۱) یعنی جہازوں اور کشتیوں پر تجارتی مال لاد کر ایک ملک سے دوسرے ملک اور ایک برِّ اعظم سے دوسرے برِّ اعظم میں پہنچاؤ اور خدا کے فضل سے بڑی فراخ روزی حاصل کرو، پھر خدا کا احسان مان کر اس کی نعمتوں کے شکر گذار رہو۔

(۲۲) **پہاڑوں کی تخلیق کے فوائد** یعنی خدا تعالیٰ نے زمین پر بھاری پہاڑ رکھ دیے۔ تا زمین اپنی اضطرابی حرکت سے تم کو لیکر بیٹھ نہ جائے۔ روایات و آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ زمین ابتدائے آفرینش میں مضطربانہ طور پر ہلتی اور کانپتی تھی۔ خدا تعالیٰ نے اس میں پہاڑ پیدا کئے جن سے اس کی کپکپی بند ہوئی۔ آج کل جدید سائنس نے بھی اقرار کیا ہے کہ پہاڑوں کا وجود بڑی حد تک زلزلوں کی کثرت سے مانع ہے۔ بہرحال زمین کی حرکت و سکون کا مسئلہ جو حکماء میں مختلف فیہ رہا ہے اس سے آیت کا نفیاً یا اثباتاً کچھ تعلق نہیں، کیونکہ پہاڑوں کے ذریعہ سے جس حرکت کو بند کیا ہے وہ یہ دائمی حرکت نہیں جس میں اختلاف ہو رہا ہے۔

(۲۳) یعنی ندیوں اور نہروں کا سرچشمہ کہیں پہاڑوں میں ہوتا ہے لیکن وہ میدانوں اور پہاڑوں کو قطع کرتی ہوئی سیکڑوں ہزاروں میل کی مسافت پر خدا کے حکم سے ان بستیوں تک پہنچتی ہیں جن کا رزق ان کے پانی سے متعلق کیا گیا ہے۔

(۲۴) یعنی ایک ملک سے دوسرے ملک میں جا سکو۔

(۲۵) یعنی پہاڑ، چشمے، درخت، ریت کے ٹیلے غرض مختلف قسم کی علامتیں قائم کر دی ہیں جن سے مسافروں کے قافلے ٹھیک راستہ کا سراغ نکال سکیں۔ میں نے خود بعض اعراب (بدوؤں) کو دیکھا کہ مٹی سونگھ کر راستہ کا پتہ لگا لیتے ہیں۔

(۲۶) **ستاروں کے فوائد** یعنی رات کے وقت دریا اور خشکی کے سفر میں بعض ستاروں کے ذریعہ سے راستہ کا پتہ لگا لیا جاتا ہے۔ "قطب نما" سے جو رہنمائی ہوتی ہے وہ بھی بالواسطہ ستارہ سے تعلق رکھتی ہے۔

(۲۷) **پھر باطل معبودوں کی پرستش کس لئے؟** یعنی سوچنا چاہئے یہ کس قدر حماقت ہے کہ جو چیزیں ایک مکھی کا پر اور مچھر کی ٹانگ بلکہ ایک جو کا دانہ یا ریت کا ذرہ پیدا کرنے پر قادر نہ ہوں، انہیں معبود و مستعان ٹھہرا کر خداوند قدوس کی برابر کر دیا جائے۔ جو مذکورہ بالا عجیب و غریب مخلوقات کا پیدا کرنے والا اور ان کے محکم نظام کو قائم رکھنے والا ہے۔ اس گستاخی کو دیکھو اور خدا کے انعامات کو خیال کرو۔ حقیقت میں انسان بڑا ہی ناشکر ہے۔

(۲۸) یعنی جو نعمتیں اوپر بیان ہوئیں "مشتے نمونہ از خروارے" تھیں۔ باقی خدا کی نعمتیں تو اس قدر ہیں جن کا تم کسی طرح شمار نہیں کر سکتے۔

(۲۹) **اللہ کی نعمتیں بے شمار ہیں** یعنی ان بیشمار نعمتوں کا شکر پوری طرح کس سے ادا ہو سکتا تھا۔ لہٰذا ادائے شکر میں جو کوتاہی رہ جاتی ہے خدا اس سے درگذر کرتا اور تھوڑے سے شکر پر بہت سا اجر عطا فرما دیتا ہے۔ یا یہ کہ کفران نعمت کے بعد جو شخص توبہ کر کے شکر گذار بن جائے حق تعالیٰ اس کی پچھلی کوتاہیوں کو بخشتا اور آئندہ کے لئے رحمت مبذول فرماتا ہے۔ بلکہ ناشکری کی حالت میں بھی اپنی رحمت واسعہ سے اس کو

بالکلیہ محروم نہیں کرتا۔ ہزاروں طرح کی نعمتیں دنیا میں فائض کرتا رہتا ہے۔

(۳۰) یعنی حق تعالیٰ تمام ظاہری و باطنی احوال سے خبردار ہے، وہ خوب جانتا ہے کہ کون شخص اُس کی نعمتوں پر کس حد تک دل سے اور کس حد تک جوارح سے شکرگذار بنتا ہے اور کون ایسا ہے جس کا ظاہر و باطن ادائے حق نعمت سے خالی رہتا ہے، یا مذکورہ بالا دلائل و نعم کو سُن کر کون ہے جو سچے دل سے اُس پر ایمان لاتا ہے اور کون ہے جو ظاہر میں دلائل سے لاجواب ہو کر بھی حق کو قبول نہیں کرتا۔ خدا کے علم میں جس کا جو حال ہو گا اسی کے موافق معاملہ کرے گا۔

(۳۱) اُنکے معبود خود مخلوق ہیں | خدا تو وہ ہے جس کے عظیم الشان اور غیر محصور انعامات کا اُوپر تذکرہ ہوا۔ اب مشرکین کی حماقت ملاحظہ ہو کہ ایسے عالم الکل اور خدا کا شریک اُن چیزوں کو ٹھہرا دیا جو ایک گھاس کا تنکا پیدا نہیں کر سکتیں، بلکہ خود اُن کا وجود بھی خدا کا پیدا کیا ہوا ہے۔

(۳۲) یعنی جن چیزوں کو خدا کے سوا پوجتے ہیں سب مُردے (بیجان) ہیں۔ خواہ دواماً مثلاً بت۔ یا فی الحال مثلاً جو بزرگ مر چکے اور ان کی پوجا کی جاتی ہے یا انجام و مآل کے اعتبار سے مردہ ہیں مثلاً حضرت مسیح، روح القدس اور ملائکۃ اللہ جنکی بعض فرقے پرستش کرتے تھے بلکہ جن و شیطان بھی جن کو بعض مسوخ الفطرت پوجتے ہیں سب پر ایک وقت موت طاری ہونیوالی ہے۔ پس جس چیز کا وجود دوسرے کا عطا کیا ہوا ہو اور وہ جب چاہے چھین لے، اُسے خدا کس طرح کہہ سکتے ہیں؟ یا عبادت کے لائق کیسے ہو سکتا ہے؟

(۳۳) یعنی یہ عجیب خدا ہیں جنہیں کچھ خبر نہیں کہ قیامت کب آئے گی اور وہ خود یا اُن کے پرستار کب حساب و کتاب کے لئے اُٹھائے جائیں گے۔ ایسی بے جان اور بے خبر ہستیوں کو خدا بتلانا انتہا درجہ کی حماقت اور جہل ہے۔

إِلَٰهُكُمْ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ ۚ فَالَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ قُلُوبُهُم مُّنكِرَةٌ وَهُم مُّسْتَكْبِرُونَ ﴿٢٢﴾ لَا

معبود تمہارا معبود ہے اکیلا سو جن کو یقین نہیں آخرت کی زندگی کا اُن کے دل نہیں مانتے اور وہ مغرور ہیں ۳۴ ٹھیک

جَرَمَ أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّونَ وَمَا يُعْلِنُونَ ۚ إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْتَكْبِرِينَ ﴿٢٣﴾ وَإِذَا قِيلَ

بات ہے کہ اللہ جانتا ہے جو کچھ چھپاتے ہیں اور جو کچھ ظاہر کرتے ہیں۔ بیشک وہ نہیں پسند کرتا غرور کرنے والوں کو ۳۵ اور جب کہے

لَهُم مَّاذَا أَنزَلَ رَبُّكُمْ ۙ قَالُوا أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ﴿٢٤﴾ لِيَحْمِلُوا أَوْزَارَهُمْ كَامِلَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۙ وَ

اُن سے کہ کیا اُتارا ہے تمہارے رب نے تو کہیں کہانیاں ہیں پہلوں کی ۳۶ تاکہ اُٹھائیں بوجھ اپنے پورے دن قیامت کے اور

مِنْ أَوْزَارِ الَّذِينَ يُضِلُّونَهُم بِغَيْرِ عِلْمٍ ۗ أَلَا سَاءَ مَا يَزِرُونَ ﴿٢٥﴾ قَدْ مَكَرَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ

ع ۶ ۹

کچھ بوجھ اُن کے جن کو بہکاتے ہیں بلا تحقیق سُنتا ہے بُرا بوجھ ہے جو اُٹھاتے ہیں ۳۷ البتہ دغا بازی کر چکے ہیں جو تھے اُن سے پہلے

فَأَتَى اللَّهُ بُنْيَانَهُم مِّنَ الْقَوَاعِدِ فَخَرَّ عَلَيْهِمُ السَّقْفُ مِن فَوْقِهِمْ وَأَتَاهُمُ الْعَذَابُ مِنْ

پھر پہنچا حکم اللہ کا اُن کی عمارت پر بنیادوں سے پھر گر پڑی اُن پر چھت اُوپر سے۔ اور آیا اُن پر عذاب جہاں

حَيْثُ لَا يَشْعُرُونَ ﴿٢٦﴾ ثُمَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يُخْزِيهِمْ وَيَقُولُ أَيْنَ شُرَكَائِيَ الَّذِينَ كُنتُمْ

سے اُن کو خبر نہ تھی ۳۸ پھر قیامت کے دن رسوا کرے گا اُن کو اور کہے گا کہاں ہیں میرے شریک جن پر تم کو

تُشَاقُّونَ فِيهِمْ ۚ قَالَ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ إِنَّ الْخِزْيَ الْيَوْمَ وَالسُّوءَ عَلَى الْكَافِرِينَ ﴿٢٧﴾

بڑی ضد تھی ۳۹ بولیں گے جن کو دی گئی تھی خبر بیشک رسوائی آج کے دن اور بُرائی منکروں پر ہے ۴۰

؎ جھٹلاتے ہیں۔ ؎ ان سے لڑتے۔

(۳۴) **اللہ تو ایک ہی ہے** یعنی جو دلائل و شواہد اوپر بیان ہوئے ایسے صاف اور واضح ہیں جس میں ادنیٰ غور کرنے سے انسان توحید کا یقین کر سکتا ہے لیکن غور و طلب تو وہ کرے جسے اپنی عاقبت کی فکر اور انجام کا ڈر ہو۔ جن کو بعد الموت کا یقین ہی نہیں نہ انجام کی طرف دھیان ہے وہ دلائل پر کب کان دھرتے اور ایمان و کفر کے نیک و بد انجام کی طرف کب التفات کرتے ہیں۔ پھر دلوں میں توحید کا اقرار اور پیغمبروں کے سامنے تواضع سے گردن جھکانے کا خیال آئے تو کہاں سے آئے۔

(۳۵) **تکبر کا برا انجام** یعنی خوب سمجھ لو کبر و غرور کوئی اچھی اور پسندیدہ چیز نہیں، اس کا نتیجہ بھگتنا پڑے گا۔ توحید کا انکار جو تم دلوں میں رکھتے ہو اور غرور و تکبر جس کا اظہار تمہاری چال ڈھال اور طور و طریق سے ہو رہا ہے، سب خدا کے علم میں ہے۔ وہ ہی ہر کھلے چھپے جرم کی سزا تم کو دیگا۔

(۳۶) **قرآن کریم پر کفار کا تمسخر** یعنی ناواقف اشخاص بغرض تحقیق یا واقف لوگ از راہ امتحان جب ان مکذبین سے کہتے ہیں یا وہ مکذبین خود آپس میں ایک دوسرے سے از راہ تمسخر و استہزاء سوال کرتے ہیں کہ "کہو! تمہارے رب نے کیا چیز اتاری ہے؟" مطلب یہ کہ قرآن جسے پیغمبر علیہ السلام خدا کا اتارا ہوا بتلاتے ہیں تمہارے نزدیک کیا چیز ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس دعوے میں کہاں تک سچے ہیں؟ تو کہتے ہیں کہ (معاذ اللہ) قرآن میں رکھا ہی کیا ہے بجز اس کے کہ کتب سابقہ اور ملل سابقہ کی کچھ پرانی بے سند باتیں (توحید، نبوت، جنت، دوزخ وغیرہ) اور چند قصے کہانیاں نقل کر دی گئی ہیں۔

(۳۷) یعنی اس کہنے سے غرض یہ ہے کہ (معاذ اللہ) قرآن عزیز کو بے وقعت ٹھہرا کر اپنے ساتھ دوسروں کو گمراہ کریں اور اس طرح اپنے کفر و ضلال کی پوری پوٹ کے ساتھ کچھ بوجھ اُن لوگوں کے اضلال و اغواء کا بھی سر پر رکھیں۔ جنہیں اپنی نادانی اور جہالت سے گمراہ کر رہے ہیں۔ خیال کرو کیسی بدی کی پوٹ سر پر دھر رہے ہیں۔ حدیث میں ہے۔ "وَمَنْ دَعَا اِلٰی ضَلَالَۃٍ کَانَ عَلَیْہِ مِنَ الْاِثْمِ مِثْلُ اٰثَامِ مَنِ اتَّبَعَہٗ لَا یَنْقُصُ ذٰلِکَ مِنْ اٰثَامِہِمْ شَیْئًا۔" قَالَ اللہُ تَعَالٰی "وَلَیَحْمِلُنَّ اَثْقَالَہُمْ وَاَثْقَالًا مَّعَ اَثْقَالِہِمْ" (عنکبوت رکوع ۱)۔

(۳۸) **پچھلی قوموں کے کفر کا انجام** یعنی لوگوں کو گمراہ کرنے اور پیغام حق کو پست کرنے کی جو تدبیریں آج کی جا رہی ہیں ان سے پہلے دوسری قومیں بھی انبیاء علیہم السلام کے مقابلہ میں ایسی تدبیریں کر چکی ہیں انہوں نے مکر و تلبیس کے بڑے اُونچے محل کھڑے کر دیے، پھر جب خدا کا حکم پہنچا تو اُس نے پکڑ کر بنیادیں ہلا دیں آخر عذاب الٰہی کے ایک جھٹکہ میں اُن کے تیار کئے ہوئے محل اُن ہی پر آ پڑے جن کی چھتوں کے نیچے سب دب کر رہ گئے۔ مطلب یہ ہے کہ اُن کی تدبیریں خود اُن ہی پر اُلٹ دی گئیں۔ اور جو سامان غلبہ و حفاظت کا کیا تھا وہ فنا و ہلاکت کا سبب بن گیا بلکہ بعض اقوام کی بستیاں حسّی طور پر بھی تہ و بالا کر دی گئیں۔

(۳۹) **آخرت میں کفار سے خطاب** یعنی جن شرکاء کی حمایت میں ہمارے پیغمبروں سے ہمیشہ لڑتے جھگڑتے تھے آج وہ کہاں ہیں۔ تمہاری مدد کو کیوں نہیں آتے۔ "ہَلْ یَنْصُرُوْنَکُمْ اَوْ یَنْتَصِرُوْنَ" (شعراء رکوع ۵)، "فَمَا لَہٗ مِنْ قُوَّۃٍ وَّلَا نَاصِرٍ" (طارق رکوع ۱)، یہ کہنا ہی اُن کو رسوا کرنا ہے۔ یا رسوائی سے مراد جہنم میں داخل کرنا اور اُن کی خفیہ مکاریوں کا پردہ فاش کرنا ہے۔ "اِنَّکَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ اَخْزَیْتَہٗ" (آل عمران رکوع ۲۰)

(۴۰) یعنی وہ تو کیا جواب دے سکتے۔ البتہ انبیاء علیہم السلام اور دوسرے باخبر لوگ اُس وقت ان مکار دغا بازوں کو سنا کر کہیں گے کہ دیکھ لیا جو ہم کہا کرتے تھے آج کے دن ساری برائی اور رسوائی صرف منکرین حق کے لئے ہے۔

اَلَّذِیْنَ تَتَوَفّٰىہُمُ الْمَلٰٓئِکَۃُ ظَالِمِیْٓ اَنْفُسِہِمْ ۪ فَاَلْقَوُا السَّلَمَ مَا کُنَّا نَعْمَلُ مِنْ سُوْٓءٍ ؕ بَلٰٓی اِنَّ اللّٰہَ

جن کی جان نکالتے ہیں فرشتے اور وہ بُرا کر رہے ہیں اپنے حق میں ؎ تب ظاہر کرینگے اطاعت کہ ہم تو کرتے نہ تھے کچھ بُرائی ؎ کیوں نہیں اللہ خوب

عَلِیْمٌۢ بِمَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۸﴾ فَادْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَہَنَّمَ خٰلِدِیْنَ فِیْہَا ؕ فَلَبِئْسَ مَثْوَی الْمُتَکَبِّرِیْنَ ﴿۲۹﴾

جانتا ہے جو تم کرتے تھے ؎ سو داخل ہو دروازوں میں دوزخ کے رہا کرو سدا اُسی میں سو کیا بُرا ٹھکانا ہے غرور کرنے والوں کا

وَقِيلَ لِلَّذِينَ اتَّقَوْا مَاذَا أَنزَلَ رَبُّكُمْ ۚ قَالُوا خَيْرًا ۗ لِّلَّذِينَ أَحْسَنُوا فِي هَٰذِهِ الدُّنْيَا

اور کہا پرہیزگاروں کو کیا اُتارا تمہارے رب نے بولے نیک بات جنہوں نے بھلائی کی اس دنیا میں اُن کو

حَسَنَةٌ ۚ وَلَدَارُ الْآخِرَةِ خَيْرٌ ۚ وَلَنِعْمَ دَارُ الْمُتَّقِينَ ﴿٣٠﴾ جَنَّاتُ عَدْنٍ يَدْخُلُونَهَا تَجْرِي مِن

بھلائی ہے ف۴۴ اور آخرت کا گھر بہتر ہے اور کیا خوب گھر ہے پرہیزگاروں کا ف۴۵ باغ ہیں ہمیشہ رہنے کے جن میں وہ جائیں گے بہتی ہیں اُن کے

تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ۖ لَهُمْ فِيهَا مَا يَشَاءُونَ ۚ كَذَٰلِكَ يَجْزِي اللَّهُ الْمُتَّقِينَ ﴿٣١﴾ الَّذِينَ تَتَوَفَّاهُمُ الْمَلَائِكَةُ

نیچے نہریں اُن کے واسطے وہاں ہے جو چاہیں ف۴۶ ایسا بدلہ دیگا اللہ پرہیزگاروں کو ف۴۷ جن کی جان قبض کرتے ہیں فرشتے اور

طَيِّبِينَ ۙ يَقُولُونَ سَلَامٌ عَلَيْكُمُ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٣٢﴾ هَلْ يَنظُرُونَ إِلَّا أَن

وہ ستھرے ہیں ف۴۸ کہتے ہیں فرشتے سلامتی تم پر جاؤ بہشت میں ف۴۹ بدلہ ہے اُس کا جو تم کرتے تھے ف۵۰ کیا کافر اب اسکے منتظر ہیں کہ آئیں

تَأْتِيَهُمُ الْمَلَائِكَةُ أَوْ يَأْتِيَ أَمْرُ رَبِّكَ ۚ كَذَٰلِكَ فَعَلَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ ۚ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللَّهُ وَ

اُن پر فرشتے یا پہنچے حکم تیرے رب کا ف۵۱ اسی طرح کیا تھا اُن سے اگلوں نے اور اللہ نے ظلم نہ کیا اُن پر

لَٰكِن كَانُوا أَنفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ﴿٣٣﴾

لیکن وہ خود اپنا بُرا کرتے رہے

(۴۱) یعنی شرک وکفر اختیار کرکے اپنے حق میں بُرا کرتے رہے۔ آخر اسی حالت میں موت کے فرشتے جان نکالنے کو آ گئے۔ خلاصہ یہ کہ خاتمہ حالت کفر وشرک پر ہوا۔ العیاذ باللہ۔

(۴۲) یعنی اُس وقت ساری فوں فاں نکل جائیگی۔ جو شرارت وبغاوت دنیا میں کرتے تھے سب کا انکار کرکے اطاعت و وفاداری کا اظہار کریں گے کہ ہم نے کبھی کوئی بُری حرکت نہیں کی ہمیشہ نیک چلن رہے۔ يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللَّهُ جَمِيعًا فَيَحْلِفُونَ لَهُ كَمَا يَحْلِفُونَ لَكُمْ وَيَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ عَلَىٰ شَيْءٍ ۚ أَلَا إِنَّهُمْ هُمُ الْكَاذِبُونَ (مجادلہ رکوع ۳)۔

(۴۳) یعنی کیا جھوٹ بول کر خدا کو فریب دینا چاہتے ہو؟ جس کے علم میں تمہاری ساری حرکات ہیں آج تمہارا کوئی مکر اور جھوٹ خدائی سزا سے نہیں بچا سکتا۔ وقت آ گیا ہے کہ اپنی کرتوت کا مزہ چکھو۔

(۴۴) **متقین سے سوال اور انکا جواب** یہ مستکبرین کے مقابلہ میں متقین (پرہیزگاروں) کا حال بیان فرمایا کہ جب اُن سے قرآن کے متعلق دریافت کیا جاتا ہے کہ تمہارے رب نے کیا چیز اُتاری تو نہایت عقیدت وادب سے کہتے ہیں کہ "نیک بات جو سراپا خیر وبرکت ہے" ایسے لوگوں کو معلوم ہونا چاہیئے کہ جس نے بھلائی کی دنیا میں اُسے بھلائی کا خوشگوار پھل مل کر رہیگا۔ خدا کے یہاں کسی کی محنت اور ذرہ برابر نیکی ضائع نہیں جاتی۔

(۴۵) یعنی آخرت کی بھلائیوں اور نعمتوں کا تو پوچھنا ہی کیا ہے۔ دنیا ومافیہا کی نعمتیں وہاں کی چھوٹی چھوٹی چیزوں کے مقابلہ میں ہیچ ہیں

(۴۶) **اہل جنت کی ہر خواہش پوری ہوگی** یعنی جنتی جس قسم کی جسمانی راحت اور روحانی مسرت چاہیں گے وہاں حاصل ہوگی۔ وَفِيهَا مَا تَشْتَهِيهِ الْأَنفُسُ وَتَلَذُّ الْأَعْيُنُ ۖ وَأَنتُمْ فِيهَا خَالِدُونَ۔

(۴۷) یعنی اُن تمام لوگوں کو جو کفر وشرک اور فسوق وعصیان سے پرہیز کرتے ہیں۔ ایسا اچھا بدلہ ملیگا۔

(۴۸) یعنی اُن کی جانیں موت کے وقت تک کفر و شرک کی نجاست سے پاک اور فسق و فجور کے میل کچیل سے صاف رہیں۔ اور حق تعالیٰ کی صحیح معرفت و محبت کی وجہ سے نہایت خوشدلی اور انشراح بلکہ اشتیاق کے ساتھ اپنی جان جان آفریں کے حوالہ کی۔

(۴۹) ایک حیثیت سے روحانی طور پر تو انسان مرنے کے بعد ہی جنت یا دوزخ میں داخل ہو جاتا ہے۔ ہاں جسمانی حیثیت سے پوری طرح دخول، حشر کے بعد ہوگا۔ ممکن ہے اس بشارت میں دونوں قسم کے دخول کی طرف اشارہ ہو۔

(۵۰) یعنی تمہارا عمل سبب عادی ہے دخول جنت کا۔ باقی سبب حقیقی رحمت الٰہیہ ہے کہ حدیث میں آیا اِلّا اَنْ یَّتَغَمَّدَنِیَ اللّٰہُ بِرَحْمَتِہٖ

(۵۱) **کفار کو تنبیہ** جنت کی خوبیاں اور اس کا تفوق و امتیاز بیان فرمانے کے بعد اُن غافلوں کو تنبیہ کی جاتی ہے جو محض دنیوی سامانوں پر مست ہو کر آخرت کو بھلائے بیٹھے ہیں اور اپنا انجام سُدھارنے کی کوئی فکر نہیں کرتے۔ یعنی کیا یہ لوگ اس کے منتظر ہیں کہ جس وقت فرشتے جان نکالنے کو آجائیں گے یا خدا کے حکم کے موافق قیامت قائم ہو جائیگی، یا مجرموں کی سزا دہی کا حکم پہنچ جائیگا اور حوتہ سر پر پڑنے لگیگا، تب ایمان لا کر اپنی حالت درست کریں گے، حالانکہ اس وقت کا ایمان یا توبہ و رجوع کچھ نافع نہ ہوگا۔ ضرورت تو اس کی ہے کہ موت سے پہلے بعد الموت کی تیاری کی جائے اور عذاب آنے سے پیشتر بچاؤ کی تدبیر کریں۔

ع ۹ / ۱۰ فَاَصَابَهُمْ سَیِّاٰتُ مَا عَمِلُوْا وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ یَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿٣٤﴾ وَقَالَ الَّذِیْنَ اَشْرَكُوْا

پھر پڑے اُن کے سر اُن کے بُرے کام اور اُلٹ پڑا اُن پر جو ٹھٹھا کرتے تھے ف۵۲ اور بولے شرک کرنے والے

لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا عَبَدْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَیْءٍ نَّحْنُ وَلَاۤ اٰبَآؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ

اگر چاہتا اللہ نہ پوجتے ہم اُس کے سوا کسی چیز کو اور نہ ہمارے باپ اور نہ حرام ٹھہرا لیتے ہم بدون اُسکے حکم کے کسی

شَیْءٍ ؕ كَذٰلِكَ فَعَلَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ فَهَلْ عَلَى الرُّسُلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِیْنُ ﴿٣٥﴾ وَلَقَدْ

چیز کو ف۵۳ اسی طرح کیا اُن سے اگلوں نے سو رسولوں کے ذمہ نہیں مگر پہنچا دینا صاف صاف ف۵۴ اور ہم نے

بَعَثْنَا فِیْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ هَدَى اللّٰهُ وَ

اُٹھائے ہیں ہر اُمت میں رسول ف۵۵ کہ بندگی کرو اللہ کی اور بچو ہڑدنگے سے ف۵۶ پھر کسی کو اُن میں سے ہدایت کی اللہ نے اور

مِنْهُمْ مَّنْ حَقَّتْ عَلَیْهِ الضَّلٰلَةُ ؕ فَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِیْنَ ﴿٣٦﴾

کسی پر ثابت ہوئی گمراہی سو سفر کرو ملکوں میں پھر دیکھو کیسا ہوا انجام جھٹلانے والوں کا

اِنْ تَحْرِصْ عَلٰى هُدٰىهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِیْ مَنْ یُّضِلُّ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِیْنَ ﴿٣٧﴾

اگر تو طمع کرے اُن کو راہ پر لانے کی تو اللہ راہ نہیں دیتا جس کو بھٹکاتا ہے اور کوئی نہیں اُن کا مددگار ف۵۷

(۵۲) یعنی اگلے معاندین بھی اسی طرح غرور غفلت کے نشے میں پڑے رہے تھے، باطل پرستی میں تمادی ہوتی رہی، توبہ کے وقت توبہ نہ کی، اخیر تک انبیاء کی تکذیب و مخالفت پر تلے رہے اور ان کی باتوں کی ہنسی اڑاتے رہے۔ آخر جو کیا تھا سامنے آیا اور عذاب الٰہی وغیرہ کی جن خبروں سے ٹھٹھا کیا کرتے تھے وہ آنکھوں سے دیکھ لیں۔ اُن کا استہزاء و تمسخر اُنہی پر اُلٹ پڑا، بھاگ کر جان بچانے کی کوئی سبیل نہ رہی اپنی شرارتوں کا خمیازہ بھگتنا پڑا۔ جو بویا تھا سو کاٹا۔ خدا کو ان سے کوئی بیر نہ تھا نہ اس کے یہاں ظلم و تعدی کا امکان ہے ان لوگوں نے

ف۱ بھیجے ہیں۔ ف۲ جھوٹے معبودوں سے۔ ف۳ راہ سمجھائی۔ ف۴ چلو پھرو زمین میں۔

اپنے پاؤں پر خود کلہاڑی ماری۔ کسی کا کیا بگڑا، اُنہی کا نقصان ہوا۔

(۵۳) **مشرکین کے دلائل کا رد** یہاں سے ان باطل اعذار اور لچر پوچ دلائل کا رد شروع کرتے ہیں جو مشرکین اپنے شرک اور اعمال شرکیہ کا جواز و استحسان ثابت کرنے کے لئے پیش کرتے تھے خلاصہ یہ ہے کہ اگر غیر اللہ کی پرستش یا بعض جانوروں (مثلاً بحیرہ سائبہ وغیرہ) کو حرام ٹھہرا لینا بُرے اور بے سند کام ہوتے جنہیں خدا پسند نہ کرتا، تو ہم کو کرنے کیوں دیتا۔ ضرور تھا کہ جب ہم اس کی مرضی کے خلاف کام کریں تو اس سے روک دے نہ رکیں تو فوراً سزا دے اگر ایسا نہیں ہوا تو یہ دلیل ہے کہ خدا کو وہ کام ناپسند نہیں۔ آٹھویں پارہ کے دوسرے رُبع آیۃ سَیَقُوْلُ الَّذِیْنَ اَشْرَكُوْا لَوْ شَآءَ اللّٰهُ الخ کی جو تقریر ہم نے کی ہے اس میں مشرکین کا یہ شبہ اور اُس کا مفصل جواب بیان کیا گیا ہے۔ وہاں ملاحظہ کر لیا جائے۔

(۵۴) **انبیاء کی بعثت کا مقصد** یعنی مشرکین کا یہ کہنا غلط ہے کہ خدا کی طرف سے روکا نہیں گیا۔ ابتدائے آفرینش سے آج تک حسب ضرورت و مصلحت حق تعالیٰ انبیاء کو بھیجتا رہا ہے جن کا کام ہی یہ تھا کہ لوگوں کو شرک و اعمال شرکیہ سے روکیں اور صاف صاف اعلان کریں کہ خدا تعالیٰ کو کیا کام پسند ہیں کیا ناپسند، اور اُن میں سے ہر ایک کا انجام کیا ہے۔ باقی یہ کہ لوگوں کو تکوینی طور پر مجبور کیوں نہ کر دیا گیا کہ وہ بدی کا راستہ اختیار ہی نہ کر سکتے۔ تو یہ بات اس کی حکمت کے منافی تھی جیسا کہ ہم پہلے متعدد مواضع میں لکھ چکے ہیں۔ رہی یہ چیز کہ جو انبیاء کا کہنا نہ مانیں اُنہیں فوراً سزا دی جاتی۔ تو بہت سی قوموں کو دنیا میں عبرتناک سزائیں بھی دی گئیں۔ جیسا کہ اگلی آیت میں مذکور ہے۔ ہاں عقلاً و نقلاً یہ ضروری نہیں کہ ارتکاب جرم کے ساتھ فوراً سزا دی جائے۔ مجرم کو ایک منٹ کی مہلت نہ ملے نہ اس کے لئے توبہ و اصلاح کا کوئی موقع باقی چھوڑا جائے۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ "یہ نادانوں کی باتیں ہیں کہ اللہ کو یہ کام بُرا لگتا تو کیوں کرنے دیتا۔ آخر ہر فرقے کے نزدیک بعضے کام بُرے ہیں۔ پھر وہ کیوں ہونے دیتا ہے (کیا اُن کے روکنے سے خدا عاجز تھا؟) یہاں جواب مجمل فرمایا کہ ہمیشہ رسول منع کرتے آئے ہیں، جس کی قسمت میں ہدایت تھی اُس نے پائی، جو خراب ہونا تھا خراب ہوا۔ اللہ کو یہ ہی منظور ہے کہ انسان کو فی الجملہ کسب و اختیار کی قوت دے کر آزاد رکھے۔ اینٹ پتھر کی طرح مجبور یا حیوانات کی طرح اس کا دائرہ عمل محدود نہ کرے بلکہ ہر طرف بڑھنے اور ترقی کرنے کا موقع دے

(۵۵) **ہر قوم کے لئے ہدایت بھیجی گئی** یعنی اپنے اپنے وقت پر۔ پھر آخر میں پیغمبر عربی صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول الثقلین بنا کر بھیجا۔ تنبیہ اس آیت سے لازم نہیں آتا کہ ہر قوم اور بستی میں رسول بلا واسطہ بھیجا گیا ہو۔ ہو سکتا ہے کہ ایک نبی کسی قوم میں اُٹھایا جائے اور اُس کے نائب جنہیں "ہادی" و "نذیر" کہا جا سکتا ہے دوسری اقوام میں بھیجے جائیں۔ ان کا بھیجنا گویا بالواسطہ اُسی پیغمبر کا بھیجنا ہے۔ واللہ اعلم۔

(۵۶) حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں "ہڑدنگا وہ جو ناحق سرداری کا دعویٰ کرے کچھ سند نہ رکھے۔ ایسے کو "طاغوت" کہتے ہیں بُت، شیطان اور زبردست ظالم سب اس میں داخل ہیں۔

(۵۷) یعنی جس کو تصور استعداد اور سوئے اختیار کی بناء پر خدا گمراہ کرے اُسے کوئی ہدایت نہیں کر سکتا نہ اُسے خدائی سزا سے کوئی بچا سکتا ہے۔ آپ کا اُن کی ہدایت پر حریص ہونا بھی کچھ فائدہ نہیں پہنچا سکتا۔ پھر آپ ان کے غم میں اپنے کو اس قدر کیوں گھلاتے ہیں۔

وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ ۙ لَا يَبْعَثُ اللّٰهُ مَنْ يَّمُوْتُ ۭ بَلٰى وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ

اور قسمیں کھاتے ہیں اللہ کی سخت قسمیں کہ نہ اٹھائیگا اللہ جو کوئی مر جائے ف۵۸ کیوں نہیں وعدہ ہو چکا ہے اس پر پکا لیکن اکثر

النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝۳۸ لِيُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِيْ يَخْتَلِفُوْنَ فِيْهِ وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّهُمْ كَانُوْا

لوگ نہیں جانتے ف۵۹ اُٹھائیگا تاکہ ظاہر کر دے اُن پر جس بات میں کہ جھگڑتے ہیں اور تاکہ معلوم کر لیں کافر کہ وہ جھوٹے

لے بیشک اُٹھائیگا۔

ع ۱۱/۵

كٰذِبِيْنَ ﴿۳۹﴾ اِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَیْءٍ اِذَآ اَرَدْنٰهُ اَنْ نَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۴۰﴾ وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا

تھے ف۵۸ ہمارا کہنا کسی چیز کو جب ہم اس کو کرنا چاہیں یہی ہے کہ کہیں اس کو ہو جا تو وہ ہو جائے ف۶۱ اور جنہوں نے گھر چھوڑا

وقف لازم

فِى اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا لَـنُبَوِّئَنَّهُمْ فِى الدُّنْيَا حَسَنَةً ؕ وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا

اللہ کے واسطے بعد اس کے کہ ظلم اٹھایا البتہ اُنکو ہم ٹھکانا دینگے دنیا میں اچھا اور ثواب آخرت کا تو بہت بڑا ہے اگر ان کو

يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۱﴾ الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ﴿۴۲﴾ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا

معلوم ہوتا ف۶۲ جو ثابت قدم رہے اور اپنے رب پر بھروسہ کیا ف۶۳ اور تجھ سے پہلے بھی ہم نے یہی مرد بھیجے تھے کہ

نُّوْحِىْۤ اِلَيْهِمْ فَسْـَٔلُوْۤا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۴۳﴾ بِالْبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ ؕ وَاَنْزَلْنَاۤ اِلَيْكَ

حکم بھیجتے تھے ہم انکی طرف سو پوچھو یاد رکھنے والوں سے اگر تم کو معلوم نہیں ف۶۴ بھیجا تھا اُنکو نشانیاں دیکر اور ورقے ف۶۵ اور اتاری ہم نے تجھ پر

النصف

الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۴۴﴾ اَفَاَمِنَ الَّذِيْنَ مَكَرُوا السَّيِّاٰتِ اَنْ

یہ یادداشت کہ تو کھولدے لوگوں کے سامنے وہ چیز جو اتری اُنکے واسطے ف۶۶ تاکہ وہ غور کریں ف۶۷ سو کیا نڈر ہو گئے وہ لوگ جو برے فریب کرتے ہیں اس سے کہ

يَّخْسِفَ اللّٰهُ بِهِمُ الْاَرْضَ اَوْ يَاْتِيَهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۴۵﴾ اَوْ يَاْخُذَهُمْ فِىْ

دھنسا دیوے اللہ اُن کو زمین میں یا آپہنچے اُن پر عذاب جہاں سے خبر نہ رکھتے ہوں ف۶۸ یا پکڑ لے اُن کو چلتے

تَقَلُّبِهِمْ فَمَا هُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴿۴۶﴾

پھرتے سو وہ نہیں ہیں عاجز کرنیوالے ف۶۹

(۵۸) یعنی موت کے بعد دوسری زندگی ہی نہیں پھر عذاب کا کیا ڈر۔ سب ڈھکوسلے ہیں۔

(۵۹) **کفار کی قسمیں** یعنی تمہارے انکار اور اٹکل پچو قسمیں کھانے سے خدا کا پکا وعدہ ٹل نہیں سکتا، وہ تو ہو کر رہے گا۔ البتہ تم ایسی حقائق ثابتہ کا انکار کر کے اپنے جہل کا ثبوت دے رہے ہو۔ جو شخص خدا کے علم محیط اور شئون قدرت و حکمت، تکوین کے راز اور اس کی غرض و غایت سے آگاہ ہوگا وہ کبھی بعث بعد الموت کا انکار نہیں کر سکتا پسچ ہے۔ "اَلنَّاسُ اَعْدَاءٌ لِّمَا جَهِلُوْا"۔

(۶۰) **دوبارہ زندگی کی حکمت** یعنی معاد (قیامت وغیرہ کا آنا) عین حکمت ہے۔ اگر موت کے بعد دوسری زندگی نہ ہو تو دنیا میں جو مختلف اعمال و احوال پائے جاتے ہیں اُن کے صاف اور مکمل نتائج کیسے ظاہر ہونگے۔ یہاں کے جھگڑوں کا دوٹوک فیصلہ تو وہیں ہوگا اور اس وقت منکرین معلوم کر لیں گے کہ قسمیں کھا کر جن باتوں کا انکار کرتے تھے وہ سچی تھیں اور قسم کھانے والے جھوٹے تھے۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "یعنی اس جہان میں بہت باتوں کا شبہ رہا اور کسی نے اللہ کو مانا کوئی منکر رہا تو دوسرا جہان ہونا لازم ہے کہ جھگڑے تحقیق ہوں سچ اور جھوٹ جدا ہو، اور مطیع و منکر اپنا کیا پائیں"۔

(۶۱) پھر مردوں کو دوبارہ زندہ کر دینا کیا مشکل ہے۔ (تنبیہ) "کُنْ فَیَکُوْن" کی بحث پارہ الم رکوع وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ الخ میں ملاحظہ کر لی جائے۔ غرض صرف اس قدر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ارادے سے ایک سیکنڈ کے لئے بھی مراد کا تخلف نہیں ہو سکتا۔ ارادہ کے بعد مراد کا نہایت سہولت و سرعت سے فوراً واقع ہونا اور کسی مانع و عائق کا مزاحمت نہ کر سکنا، یہ ہی خلاصہ اس جملہ کا ہے۔

ل اوراق ۲ دھیان۔ ۳ داؤ۔

(۶۲) **ہجرت کے دنیاوی اور اخروی منافع** یعنی سلسلہ مجازات (طاعت و معصیت کا پورا نتیجہ ظاہر کرنے) کے لئے بعث بعد الموت ضروری ہے۔ بہت سے خدا کے وفادار بندے مصائب و شدائد جھیلتے ہوئے دنیا سے رخصت ہو جاتے ہیں، کیا اُن کی قربانیاں ضائع کی جا سکتی ہیں؟ ہرگز نہیں جن لوگوں نے حق کی حمایت اور خدا کی رضا جوئی کے لئے ظالموں کی سختیاں برداشت کیں اور انواع و اقسام کے ظلم و ستم اٹھائے حتیٰ کہ مجبور ہو کر گھربار، خویش و اقارب اور عزت و راحت سب چیزوں کو خدا کے راستہ میں تج دیا، اُن کی محنت و وفاداری کا صلہ یقیناً مل کر رہے گا۔ اوّل تو ان میں سے جو جیتے بچیں گے دنیا ہی میں اپنی قربانیوں کا تھوڑا سا پھل چکھ لیں گے۔ یعنی گھر چھوڑنے والوں کو بہترین ٹھکانا دیا جائیگا۔ گھر سے اچھا گھر، وطنی بھائیوں سے بڑھ کر دردمند بھائی روزی سے بہتر روزی، عزت سے زیادہ عزت ملے گی۔ بلکہ وطن سے نکالنے والوں پر غالب دنیا کے حاکم اور پرہیزگاروں کے امام بن جائیں گے۔ پھر اس سب کے بعد جو بلند مقامات اور عظیم الشان مدارج آخرت میں ملیں گے اُن کا تو اندازہ بھی نہیں کیا جا سکتا۔ اگر وہاں کے اجر و ثواب کا پورا یقین ہو جائے تو دوسرے لوگ بھی جو ہجرت کی سعادت سے محروم ہیں تمام گھربار چھوڑ کر خدا کے راستہ میں نکل کھڑے ہوں۔ (تنبیہ) آیت کے عموم الفاظ پر نظر کرتے ہوئے ہم نے یہ تقریر کی ہے (جو منقول فی روح المعانی عن بعضہم) عامہ مفسرین نے اس کو اُن اُنسیّ صحابہ رضی اللہ عنہم کے حق میں رکھا ہے جو کفارِ مکہ کی زیادتیوں سے تنگ آ کر ابتداءً حبشہ کو ہجرت کر گئے تھے۔ کیونکہ اکثر کے نزدیک آیت مکی ہے جو ہجرت الی المدینہ سے پہلے نازل ہوئی ہے۔ ان ہجرت کرنیوالوں کو آخرکار خدا تعالیٰ نے اچھا ٹھکانا مدینہ میں دیا۔ رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ

(۶۳) یعنی کسی ظلم اور سختی سے نہیں گھبرائے۔ وطن محبوب اور خویش و اقارب کے چھوٹنے کی پروانہ کی رضائے الٰہی کے راستہ سے ذرا قدم نہیں ڈگمگایا۔ ہر طرف سے ٹوٹ کر ایک خدا کے ہو رہے۔ خالص اُسی کی امداد اور اٹل وعدوں پر بھروسہ کیا۔ یہاں تک کہ دیکھ لیا کہ جو خدا کا ہو رہتا ہے کس طرح خدا اُس کا ہو جاتا ہے۔

(۶۴) **اہل ذکر سے استفادہ کا حکم** یعنی پیغمبر کے مظلوم ساتھیوں کو جب وہ صبر و توکل کی راہ میں ثابت قدم ہوں، دارین میں غالب و منصور کرنا ہماری کوئی نئی عادت نہیں۔ پہلے بھی ہم نے انسانوں میں سے رسول بھیجے جن کا کام یہ تھا کہ خدا کے احکام اور نیکی بدی کے انجام سے لوگوں کو خبردار کر دیں۔ اب اگر تمہیں معلوم نہیں تو جاننے والوں سے جو امم سابقہ اور اُن کے پیغمبروں کے تاریخی واقعات کا علم رکھتے ہیں تحقیق کر لو کہ فی الواقع پہلے کچھ آدمی پیغمبری کے منصب پر بیّنات و زُبُر (معجزے اور کتابیں) دے کر بھیجے گئے یا نہیں۔ اور یہ کہ اُن کے ماننے والوں اور نہ ماننے والوں کا کیا حشر ہوا۔ اہل حق صبر و توکل کی بدولت کس طرح منصور و کامیاب ہوئے۔ اور ظالم معاندین اتمام حجت کے بعد کیسے تباہ کئے گئے۔ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنٰى عَلٰى بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ بِمَا صَبَرُوْا وَدَمَّرْنَا مَا كَانَ یَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَقَوْمُهٗ وَمَا كَانُوْا یَعْرِشُوْنَ (اعراف رکوع ۱۶) ہم نے اہل الذکر سے خاص اہل کتاب مراد نہیں لئے بلکہ عموم لفظ کی رعایت کی ہے جس میں اہل کتاب بھی شامل ہیں۔ روح المعانی میں ہے "قال الرمانی والزجاج وَالْاَزْهَرِیُّ الْمُرَادُ بِاَهْلِ الذِّكْرِ عُلَمَاءُ اَخْبَارِ الْاُمَمِ السَّالِفَةِ كَائِنًا مَنْ كَانَ فَالذِّكْرُ بِمَعْنَى الْحِفْظِ" الخ کا ترجمہ "یاد رکھنے والوں سے کر کے" شاید اسی طرف اشارہ کیا ہے۔ بہرحال عموم آیت سے یہ مسئلہ نکلتا ہے کہ غیر اہل علم کو اہل الذکر سے دریافت کر کے عمل کرنا چاہیئے۔ بہت سے علماء اس کو تقلید ائمہ کے ثبوت میں پیش کرتے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۶۵) یعنی معجزات اور وہ علوم جو اوراق میں لکھے جاتے ہیں۔

(۶۶) **قرآن کریم کی جامعیت** "یاد داشت" سے مراد ہے قرآن کریم جو اگلی اُمتوں کے ضروری احوال و شرائع کا محافظ انبیائے سابقین کے علوم کا جامع، اور ہمیشہ کے لئے خدائی احکام اور فلاح دارین کے طریقوں کو یاد دلانے والا اور خواب غفلت سے بیدار کرنے والا ہے

مطلب یہ ہوا کہ جس طرح پہلے رسول بھیجے گئے، کتابیں اُتاری گئیں، آج تم کو (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) ہم نے ایسی کتاب دے کر بھیجا جو تمام کتب سابقہ کا خلاصہ اور انبیائے سابقین کے علوم کی مکمل یادداشت ہے۔ آپ کا کام یہ ہے کہ تمام دنیا کے لوگوں کے لئے اس کتاب کے مضامین خوب کھول کر بیان فرمائیں اور اس کی مشکلات کی شرح اور مجملات کی تفصیل کر دیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ قرآن کا مطلب وہی معتبر ہے جو احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے موافق ہو۔

(٦٧) یعنی حضورؐ کا کام مضامین قرآن کو کھول کر بیان کرنا، اور لوگوں کا کام اس میں غور و فکر کرنا ہے۔

(٦٨) **کیا کفار اللہ کے عذاب سے نڈر ہو گئے؟** یعنی اگلے انبیاء اور اُن کی قوموں کا حال سُننے اور قرآن ایسی مکمل یادداشت پہنچ جانے کے بعد بھی کیا کفار مکہ حق کے مقابلہ میں اپنی مکاریوں اور داؤ فریب سے باز نہیں آتے۔ کیا یہ امکان نہیں کہ خدا اُنہیں قارون کی طرح زمین میں دھنسا دے۔ یا ایسی طرف سے کوئی آفت بھیجدے جدھر سے اُنہیں وہم و گمان بھی نہ ہو۔ چنانچہ "بدر" میں مسلمان غازیوں کے ہاتھوں سے ایسی سزا دلوائی جو اپنی قوت و جمعیت اور مسلمانوں کے ضعف و قلت کو دیکھتے ہوئے اُن کے تصور میں بھی نہ آ سکتی تھی۔

(٦٩) یعنی یہ بھی ضرورت نہیں کہ پہلے سے کچھ اہتمام کیا جائے یا فوجیں مقابلہ کے لئے روانہ کی جائیں۔ خدا تو اس پر بھی قادر ہے کہ تمہیں چلتے پھرتے کام کاج کرتے یا بستروں پر کروٹیں بدلتے ہوئے ایک دم پکڑ لے اور بالکل عاجز و بے بس کر دے۔ اُس کو سب قدرت ہے۔ وہ تم کو عاجز کر سکتا ہے۔ تم اُسے نہیں تھکا سکتے۔

اَوْ یَاْخُذَهُمْ عَلٰی تَخَوُّفٍؕ فَاِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ﴿٤٧﴾ اَوَلَمْ یَرَوْا اِلٰی مَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ

یا پکڑ لے اُن کو ڈرانے کے بعد ف سو تمہارا رب بڑا نرم ہے مہربان ف کیا نہیں دیکھتے وہ جو کہ اللہ نے پیدا کی ہے کوئی

شَیْءٍ یَّتَفَیَّؤُا ظِلٰلُهٗ عَنِ الْیَمِیْنِ وَالشَّمَآئِلِ سُجَّدًا لِّلّٰهِ وَهُمْ دٰخِرُوْنَ ﴿٤٨﴾ وَلِلّٰهِ یَسْجُدُ مَا فِی

چیز کہ ڈھلتے ہیں سایے اُن کے داہنی طرف سے اور بائیں طرف سے سجدہ کرتے ہوئے اللہ کو اور وہ عاجزی میں ہیں ف اور اللہ کو سجدہ کرتا ہے جو

السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ مِنْ دَآبَّةٍ وَّالْمَلٰٓئِكَةُ وَهُمْ لَا یَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿٤٩﴾ یَخَافُوْنَ رَبَّهُمْ

آسمان میں ہے اور جو زمین میں ہے جانداروں سے اور فرشتے اور وہ تکبر نہیں کرتے ف ڈر رکھتے ہیں اپنے رب کا

مِّنْ فَوْقِهِمْ وَیَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ ﴿٥٠﴾ ۩ وَقَالَ اللّٰهُ لَا تَتَّخِذُوْٓا اِلٰهَیْنِ اثْنَیْنِۚ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ

اپنے اوپر سے اور کرتے ہیں جو حکم پاتے ہیں ف اور کہا ہے اللہ نے مت پکڑو معبود دو وہ معبود ایک

وَّاحِدٌۚ فَاِیَّایَ فَارْهَبُوْنِ ﴿٥١﴾ وَلَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَهُ الدِّیْنُ وَاصِبًاؕ اَفَغَیْرَ اللّٰهِ

ہی ہے سو مجھ سے ڈرو ف اور اُسی کا ہے جو کچھ ہے آسمانوں میں اور زمین میں اور اُسی کی عبادت ہے ہمیشہ ف سو کیا سوائے اللہ کے کسی سے

تَتَّقُوْنَ ﴿٥٢﴾ وَمَا بِكُمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ثُمَّ اِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فَاِلَیْهِ تَجْـَٔرُوْنَ ﴿٥٣﴾ ثُمَّ اِذَا كَشَفَ

ڈرتے ہو اور جو کچھ تمہارے پاس ہے نعمت سو اللہ کی طرف سے پھر جب پہنچتی ہے تم کو سختی تو اُسی کی طرف چلاتے ہو ف پھر جب کھول دیتا ہے

الضُّرَّ عَنْكُمْ اِذَا فَرِیْقٌ مِّنْكُمْ بِرَبِّهِمْ یُشْرِكُوْنَ ﴿٥٤﴾

سختی تم سے اسی وقت ایک فرقہ تم میں سے اپنے رب کے ساتھ لگتا ہے شریک بنانے

ف کرتے ہیں۔ ف اُسی کا انصاف۔ ف کا خطر رکھتے ہو۔ ف اُسی سے فریاد کرتے ہو۔

(۷۰) یعنی اچانک نہ پکڑے۔ بلکہ آگاہ کرنے اور مبادی عذاب بھیجنے کے بعد ایسی حالت میں پکڑے جبکہ لوگ اطلاع پاکر اور آثار عذاب دیکھ کر خوف کھا رہے ہوں یا آس پاس کے لوگوں کو آفات سماویہ میں مبتلا دیکھ کر ڈر رہے ہوں لیکن یہ خوف محض طبعی ہو۔ ندامت اور توبہ کے ساتھ نہ ہو جو دافع عذاب ہو سکتا ہے۔ بعض نے "تخوف" کے معنی "تنقص" (آہستہ آہستہ کم کرنے) کے لئے ہیں۔ یعنی یہ بھی ممکن ہے کہ دفعۃً ہلاک نہ کرے۔ آہستہ آہستہ تم کو گھٹائے اور پست کرتا رہے۔

(۷۱) **عذاب میں تاخیر کی حکمت** یعنی خدا سب کچھ کر سکتا ہے مگر کیوں نہیں کرتا۔ اُس کی نرمی اور مہربانی مانع ہے کہ مجرمین پر فوراً عذاب نازل کر دے، اس کی رأفت و رحمت مقتضی ہے کہ مجرمین کو مہلت اور اصلاح کا موقع دیا جائے یا یہ جملہ صرف "یَاْخُذَهُمْ عَلٰی تَخَوُّفٍ" سے متعلق ہے بحالیکہ "تخوف" کو بمعنی "تنقص" لیا جائے۔ تو مطلب یہ ہو گا کہ آہستہ آہستہ کم کرنا اور دفعۃً ہلاک نہ کرنا اس کی رحمت و شفقت کی وجہ سے ہے ورنہ ایک آن میں نیست و نابود کر دیتا۔

(۷۲) **اشیاء کا سجدہ** یعنی جب تکوینی طور پر ہر چیز خدا کے سامنے عاجز اور مطیع و منقاد ہے۔ حتّٰی کہ سایہ دار چیزوں کا سایہ بھی اُسی کے حکم اور قانون قدرت کے موافق گھٹتا بڑھتا اور اِدھر یا اُدھر ڈھلتا رہتا ہے پھر ایسے قدرت والے خدا کو عذاب بھیجنے سے کونسی طاقت روک سکتی ہے۔ آدمی کو چاہیئے کہ باختیار خود اُس کے احکام تشریعیہ کے سامنے گردن جھکا دے۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "ہر چیز ٹھیک دوپہر میں کھڑی ہے اُس کا سایہ بھی کھڑا ہے۔ جب دن ڈھلا سایہ جھکا، پھر جھکتے جھکتے شام تک زمین پر پڑ گیا۔ جیسے نماز میں کھڑے سے رکوع، رکوع سے سجدہ، اسی طرح ہر چیز آپ کھڑی ہے۔ اپنے سایہ سے نماز کرتی ہے۔ کسی ملک میں کسی موسم میں داہنی طرف جھکتا ہے کہیں بائیں طرف"۔

(۷۳) **جانداروں اور فرشتوں کا سجدہ** پہلے کھڑی چیزوں کا جو سایہ دار ہوں سجدہ بیان ہوا تھا، یہاں عام جانداروں بالخصوص فرشتوں کا سجدہ بیان کر کے متنبہ فرمایا کہ ایسی مقرب و معظم ہستیاں بھی اُس کے آگے سربسجود ہیں کوئی شیخی یا غرور اُن میں نہیں، جو اپنے مالک کے سامنے سر جھکانے سے رکے۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں "مغرور لوگوں کو سر رکھنا زمین پر مشکل ہوتا ہے۔ نہیں جانتے کہ بندہ کی بڑائی اسی میں ہے" مَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰهِ رَفَعَهُ اللّٰهُ"۔

(۷۴) یعنی فرشتے باوجود اس قدر قرب و وجاہت کے اپنے رب کے جلال سے ڈرتے رہتے ہیں اور جو حکم پاتے ہیں فوراً بجا لاتے ہیں موضح القرآن میں ہے کہ "ہر بندہ کے دل میں ہے کہ میرے اوپر اللہ ہے آپ کو نیچے سمجھتا ہے، یہ سجدہ فرشتوں کا بھی ہے اور سب کا۔

(۷۵) یعنی جب تمام آسمانی و زمینی مخلوق ایک خدا کے سامنے بے اختیار سربسجود اور عاجز و مقہور ہے، پھر عبادت میں کوئی دوسرا شریک کہاں سے آ گیا جو سارے جہان کا مالک و مطاع ہے تنہا اُسی کی عبادت ہونی چاہیئے اور اُسی سے ڈرنا چاہیئے۔

(۷۶) یعنی تکوینی طور پر ہر چیز خالص اُسی کی عبادت و اطاعت پر مجبور ہے اَفَغَيْرَ دِيْنِ اللّٰهِ يَبْغُوْنَ وَلَهٗٓ اَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّاِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ۔ (آل عمران رکوع ۹) یا یہ مطلب ہے کہ ہمیشہ اُسی کی عبادت کرنا لازم ہے اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ (زمر رکوع ۱) اور بعض نے "دین" کو "جزاء" کے معنی میں لیا۔ یعنی نیک و بد کا دائمی بدلہ اُسی ایک خدا کی طرف سے ملیگا۔ واللہ اعلم۔

(۷۷) **ہر نعمت اللہ کی طرف سے ہے** یعنی سب بھلائیاں اور نعمتیں اُسی کی طرف سے ہیں اور ہر ایک بُرائی یا سختی کا دفع کرنا بھی اُسی کے قبضہ میں ہے۔ چنانچہ جب کوئی سخت مصیبت انسان کو چھو جاتی ہے تو کٹّر سے کٹّر مشرک بھی اس وقت سب سہارے چھوڑ کر خدا کو پکارنے لگتا ہے گویا فطرت انسانی شہادت دیتی ہے کہ مصائب اور سختیوں سے بچانا خدائے واحد کے سوا کسی کا کام نہیں ہو سکتا۔ پھر جس کے قبضہ میں ہر ایک نعمت و نقمت اور ہر قسم کا نفع و ضرر ہے۔ دوسرا کون ہے جو اُس کی الوہیت میں حصہ دار بن سکے یا جس سے انسان خوف کھائے اور اُمیدیں باندھے۔

لِيَكْفُرُوْا بِمَآ اٰتَيْنٰهُمْ ۭ فَتَمَتَّعُوْا ۣ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۵۵﴾ وَيَجْعَلُوْنَ لِمَا لَا يَعْلَمُوْنَ نَصِيْبًا

تاکہ منکر ہو جائیں اُس چیز سے جو کہ ہم نے اُنکو دی ہے سو مزے اُڑا لو آخر معلوم کر لو گے ف۷۸ اور ٹھہراتے ہیں اُن کے لئے جن کی خبر نہیں رکھتے ایک حصہ

مِّمَّا رَزَقْنٰهُمْ ۭ تَاللّٰهِ لَتُسْـَٔــلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَفْتَرُوْنَ ﴿۵۶﴾ وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ الْبَنٰتِ سُبْحٰنَهٗ ۙ وَلَهُمْ

ہماری دی ہوئی روزی میں سے ف۷۹ قسم اللہ کی تم سے پوچھنا ہے جو تم بہتان باندھتے ہو ف۸۰ اور ٹھہراتے ہیں اللہ کے لئے بیٹیاں وہ اس سے پاک ہے ف۸۱ اور اپنے لئے

مَّا يَشْتَهُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ ﴿۵۸﴾ يَتَوَارٰى

جو دل چاہتا ہے ف۸۲ اور جب خوشخبری ملے اُن میں کسی کو بیٹی کی سارے دن رہے منہ اُس کا سیاہ اور جی میں گھٹتا رہے ف۸۳ چھپتا پھرے

مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوْۗءِ مَا بُشِّرَ بِهٖ ۭ اَيُمْسِكُهٗ عَلٰي هُوْنٍ اَمْ يَدُسُّهٗ فِي التُّرَابِ ۭ اَلَا سَاۗءَ

لوگوں سے مارے بُرائی اُس خوشخبری کے جو سُنی ف۸۴ اُس کو رہنے دے ذلت قبول کر کے یا اس کو داب دے مٹی میں ف۸۵ سُنتا ہے بُرا

مَا يَحْكُمُوْنَ ﴿۵۹﴾ لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ مَثَلُ السَّوْءِ ۚ وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى ۭ وَهُوَ

فیصلہ کرتے ہیں ف۸۶ جو نہیں مانتے آخرت کو اُن کی بُری مثال ہے اور اللہ کی مثال سب سے اوپر ف۸۷ اور وہی ہے

الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۶۰﴾ ۧ وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِظُلْمِهِمْ مَّا تَرَكَ عَلَيْهَا مِنْ دَاۗبَّةٍ وَّلٰكِنْ

زبردست حکمت والا ف۸۸ اور اگر پکڑے اللہ لوگوں کو اُن کی بے انصافی پر نہ چھوڑے زمین پر ایک چلنے والا لیکن

يُّؤَخِّرُهُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ فَاِذَا جَاۗءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿۶۱﴾

ڈھیل دیتا ہے اُن کو ایک وقت موعود تک پھر جب آ پہنچیگا اُن کا وعدہ نہ پیچھے سرک سکیں گے ایک گھڑی اور نہ آگے سرک سکیں گے ف۸۹

(۷۸) یعنی جہاں سختی دور ہوئی مُنعم حقیقی کو بھلا بیٹھے۔ اور نہایت بے حیائی سے خدائی کے حصے بخرے کرنے لگے۔ شرم نہ آئی کہ ابھی تھوڑی دیر پہلے عاجز ہو کر کسے پکار رہے تھے۔ نہ محسن حقیقی کا احسان مانا نہ یہ اندیشہ کیا کہ ناشکری کی سزا میں پکڑے جائیں گے، یا کم از کم کفران نعمت سلب نعمت کا موجب ہو جائیگا۔ گویا خدائے وحدہٗ لاشریک لہٗ نے جو انعام فرمایا تھا بالکل اُس کے انکار پر تل گئے۔ بہتر ہے، چند روز کی انہیں مہلت دی جاتی ہے۔ خوب دنیا کے مزے اڑالیں آخر معلوم ہو جائیگا کہ اس مشرکانہ کفران نعمت کی کیسی سزا ملتی ہے۔

(۷۹) یہ اُن کو فرمایا جو اپنے کھیت میں، مواشی میں، تجارت میں اللہ کے سوا کسی دوسرے کی نیاز ٹھہراتے ہیں (موضح القرآن) جیسا کہ مشرکین عرب کا دستور تھا جس کا ذکر آٹھویں پارہ کے تیسرے رکوع میں گذر چکا۔ "مَا لَا يَعْلَمُوْنَ" سے مراد وہی اصنام وغیرہ ہیں جنہیں مشرکین جہالت اور بے خبری سے معبود یا مالک نفع و ضرر سمجھتے تھے، حالانکہ اس کی کوئی دلیل یا سند اُن کے پاس نہ تھی، پھر شرکاء بھی تجویز کئے گئے پتھر کے بُت جو ہر قسم کے علم و شعور سے کورے ہیں۔ اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ عُجَابٌ۔

(۸۰) یعنی قیامت میں ان افتراء پردازیوں کی تم سے ضرور باز پرس ہوگی۔ خدا کے دیئے ہوئے مال میں کیا حق تھا کہ دوسروں کو شریک و سہیم بناؤ (باقی کسی کو ثواب پہنچانے کا مسئلہ جداگانہ ہے وہ اس آیت کے تحت میں داخل نہیں)۔

(۸۱) یعنی وہ اس سے پاک ہے کہ اُس کے لئے اولاد ثابت کی جائے۔ خاص کر بیٹیاں۔ تعجب ہے کہ لوگ حق تعالیٰ کی نسبت ایسی جرأت کس طرح کرتے ہیں۔ اس آیت میں "بنو خزاعہ" کا رد ہوا جو فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں کہتے تھے۔ (العیاذ باللہ)۔

ل جن کو خبر نہیں۔ ل لائق نہیں۔ ل شان۔

(۸۲) **اللہ کے لئے بیٹیوں کی نسبت** یعنی خود اپنے لئے بیٹیاں دیئے جانے پر رضامند نہیں، جب مانگیں گے بیٹا مانگیں گے۔

(۸۳) یعنی ان میں سے کسی کو اگر خبر دی جائے کہ تیرے گھر میں لڑکی پیدا ہوئی ہے تو نفرت و غم سے تیوری چڑھ جائے اور دن بھر ناخوشی سے چہرہ بے رونق اور دل گھٹتا رہے کہ یہ ناشدنی مصیبت کہاں سے سر پر آئی۔

(۸۴) یعنی رسمی ننگ و عار کے تصور سے کہ لڑکی زندہ رہی تو کسی کو داماد بنانا پڑے گا۔ لوگوں کو منہ دکھانا نہیں چاہتا ادھر ادھر چھپتا پھرتا ہے۔

(۸۵) **لڑکیوں کو زندہ گاڑنا** یعنی شب و روز ادھیڑبن میں لگا ہوا ہے اور تجویزیں سوچتا ہے کہ دنیا کی عار قبول کر کے لڑکی کو زندہ رہنے دے یا زمین میں اتار دے، یعنی ہلاک کر ڈالے۔ جیسا کہ جاہلیت میں بہت سے سنگدل لڑکیوں کو مار ڈالتے تھے یا زندہ زمین میں گاڑ دیتے تھے۔ اسلام نے آکر اس رسم قبیح کو مٹایا اور ایسا قلع قمع کیا کہ اسلام کے بعد سارے ملک میں اس بے رحمی کی ایک مثال بھی پیش نہیں کی جا سکتی بعض نے "اَیُمۡسِکُہٗ عَلٰی هُوۡنٍ" کے معنی یوں کئے ہیں۔ "روکے رکھے لڑکی کو ذلیل و خوار کر کے" یعنی زندہ رہنے کی صورت میں ایسا ذلیل معاملہ کرے گویا وہ اس کی اولاد ہی نہیں۔ بلکہ آدمی بھی نہیں۔

(۸۶) لڑکیوں کے متعلق جو ظالمانہ فیصلہ اُن کا تھا اُس سے زیادہ بُرا فیصلہ یہ ہے کہ خدا کے لئے اولاد تجویز کریں، پھر اولاد بھی "اناث"، جس سے خود اتنا گھبراتے ہیں۔ گویا اچھی چیز اُن کے لئے اور ناقص خدا کے لئے ہے (العیاذ باللہ)

(۸۷) **کفار کی مثال بُری ہے** یعنی مشرکین جنہیں اپنے ظلم اور گستاخیوں کے انجام پر یقین نہیں۔ بُری مثال یا بُری صفت و حالت اُن ہی کی ہے۔ وہ ہی اولاد کے محتاج ہیں۔ دُکھ اور ضعیفی وغیرہ میں کام آنے کے لئے اُن کو لڑکوں کا سہارا چاہئے۔ دفع عار یا افلاس وغیرہ کے ڈر سے لڑکیوں کو ہلاک کرنا ان کا شیوہ ہے۔ آخر میں ظلم و شرک وغیرہ کا جو بُرا انجام ہونا چاہئے اس سے بھی وہ بچ نہیں سکتے۔ غرض ہر نہج سے بُری مثال اور نقص و عیب کی نسبت اُن ہی کی طرف ہونی چاہئے۔ حق تعالیٰ کی طرف اُن صفات کی نسبت کرنا جو مخلوق کا خلاصہ ہیں اور (معاذ اللہ) بیٹے بیٹیاں تجویز کر کے حقیر اور پست مثالیں دینا اُس کی شان عظیم و رفیع کے منافی ہے اس کے لئے تو وہ ہی مثالیں اور صفات ثابت کی جا سکتی ہیں جو اعلیٰ سے اعلیٰ اور ہر بلند چیز سے بلند تر ہوں۔

(۸۸) یعنی زبردست تو ایسا ہے کہ تمہاری گستاخیوں کی سزا ہاتھوں ہاتھ دے سکتا ہے۔ لیکن فوراً سزا دینا اُس کی حکمت کے مناسب نہیں۔ لہٰذا ڈھیل دی جاتی ہے کہ اب بھی باز آجائیں اور اپنا رویہ درست کر لیں۔

(۸۹) **اللہ کی ڈھیل وقتِ معین تک ہے** یعنی اگر خدا تعالیٰ لوگوں کی گستاخی اور ناانصافی پر دنیا میں فوراً پکڑنا اور سزا دینا شروع کر دے تو چند گھنٹے بھی زمین کی یہ آبادی نہیں رہ سکتی کیونکہ دنیا میں بڑا حصہ ظالموں اور بدکاروں کا ہے۔ اور چھوٹی موٹی خطاء و قصور سے تو کوئی خالی ہو گا؟ (کُلُّکُمۡ خَطَّاءُوۡنَ) جب خاطی و بدکار فوراً ہلاک کر دیئے گئے تو صرف معصوم انبیاء کے زمین پر بھیجنے کی بھی ضرورت نہیں رہتی، بلکہ ان کا ملائکہ معصومین کے ساتھ رہنا زیادہ موزوں ہے۔ جب نیک و بد انسان دونوں زمین پر نہ رہے تو دوسرے حیوانات کا رکھنا بے فائدہ ہوگا، کیونکہ وہ سب بنی آدم کے لئے پیدا کئے گئے ہیں۔ نیز فرض کیجئے خدا نے انسانوں کے ظلم و عدوان پر بارش بند کر دی تو کیا آدمیوں کے ساتھ جانور نہیں مریں گے۔ بہرحال خدا اگر بات بات پر دنیا میں پکڑے اور فوراً سزا دے تو اس دنیا کا سارا قصہ منٹوں میں تمام ہو جائے۔ مگر وہ اپنے حلم و حکمت سے ایسا نہیں کرتا۔ بلکہ مجرموں کو توبہ و اصلاح کا موقع دیتا ہے اور وقت موعود تک انہیں ڈھیلا چھوڑتا ہے۔ جب وقت آپہنچا، پھر ایک سکنڈ اِدھر اُدھر نہیں ہو سکتا۔ (تنبیہ) بعض مفسرین نے "مَا تَرَكَ عَلَيْهَا مِنْ دَآبَّةٍ" سے خاص دابہ ظالمہ مراد ہے۔ اگر یہ صحیح ہو تو مطلب واضح ہے کوئی اشکال نہیں۔ واللہ اعلم۔

وَيَجْعَلُونَ لِلَّهِ مَا يَكْرَهُونَ وَتَصِفُ أَلْسِنَتُهُمُ الْكَذِبَ أَنَّ لَهُمُ الْحُسْنَىٰ ۖ لَا جَرَمَ أَنَّ لَهُمُ

اور کرتے ہیں اللہ کے واسطے جس کو اپنا جی نہ چاہے ف۹۰ اور بیان کرتی ہیں زبانیں اُن کی جھوٹ کہ اُنکے واسطے خوبی ہے ف۹۱ آپ ثابت ہے کہ اُنکے واسطے

النَّارَ وَأَنَّهُمْ مُفْرَطُونَ ﴿٦٢﴾ تَاللَّهِ لَقَدْ أَرْسَلْنَا إِلَىٰ أُمَمٍ مِنْ قَبْلِكَ فَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ

آگ ہے اور وہ بڑھائے جا رہے ہیں ف۹۲ قسم اللہ کی ہم نے رسول بھیجے مختلف فرقوں میں تجھ سے پہلے پھر اچھے کر کے دکھلائے انکو شیطان نے

أَعْمَالَهُمْ فَهُوَ وَلِيُّهُمُ الْيَوْمَ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٦٣﴾ وَمَا أَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ إِلَّا لِتُبَيِّنَ

اُن کے کام سو وہی رفیق اُن کا ہے آج اور انکو واسطے عذاب دردناک ہے ف۹۳ اور ہم نے اتاری تجھ پر کتاب اسی واسطے کہ کھول کر سنا دے

لَهُمُ الَّذِي اخْتَلَفُوا فِيهِ ۙ وَهُدًى وَرَحْمَةً لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ﴿٦٤﴾ وَاللَّهُ أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً

تو اُن کو وہ چیز کہ جس میں جھگڑ رہے ہیں ف۹۴ اور سیدھی راہ سمجھانے کو اور واسطے بخشش ایمان لانیوالوں کے ف۹۵ اور اللہ نے اتارا آسمان سے پانی

فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لِقَوْمٍ يَسْمَعُونَ ﴿٦٥﴾ وَإِنَّ لَكُمْ فِي ع ٨

پھر اُس سے زندہ کیا زمین کو اُس کے مرنے کے پیچھے ف۹۶ اس میں نشانی ہے اُن لوگوں کو جو سنتے ہیں ف۹۷ اور تمہارے واسطے چوپاؤں

الْأَنْعَامِ لَعِبْرَةً ۖ نُسْقِيكُمْ مِمَّا فِي بُطُونِهِ مِنْ بَيْنِ فَرْثٍ وَدَمٍ لَبَنًا خَالِصًا سَائِغًا لِلشَّارِبِينَ ﴿٦٦﴾

میں سوچنے کی جگہ ہے۔ پلاتے ہیں تم کو اُس کے پیٹ کی چیزوں میں سے گوبر اور لہو کے بیچ میں سے دودھ ستھرا ف۹۸ خوش گوار پینے والوں کے لئے ف۹۹

وَمِنْ ثَمَرَاتِ النَّخِيلِ وَالْأَعْنَابِ تَتَّخِذُونَ مِنْهُ سَكَرًا وَرِزْقًا حَسَنًا ۗ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ

اور میووں سے کھجور کے اور انگور کے بناتے ہو اس سے نشہ اور روزی خاصی ف۱۰۰ اس میں نشانی ہے اُن

لَآيَةً لِقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ﴿٦٧﴾

لوگوں کے واسطے جو سمجھتے ہیں۔ ف۱۰۱

(۹۰) یعنی جو چیزیں بُری سمجھ کر اپنے لئے پسند نہیں کرتے مثلاً بیٹیاں یا اپنی ملک میں کسی اجنبی کی شرکت یا استہزاء واستخفاف کا معاملہ وہ خداوند قدوس کے لئے ثابت کرتے ہیں۔

(۹۱) **کفار کے جھوٹے دعوے** یعنی باوجود ایسی گستاخیوں کے زبان پر یہ جھوٹا دعویٰ ہے کہ ہم تو دنیا میں بھی بھلی چیزوں کے لائق ہیں۔ اور اگر آخرت وغیرہ کے قصے سچے ہوئے تو وہاں بھی خوب چین اڑائیں گے۔ ﴿وَلَئِنْ أَذَقْنَاهُ رَحْمَةً مِنَّا مِنْ بَعْدِ ضَرَّاءَ مَسَّتْهُ لَيَقُولَنَّ هَٰذَا لِي وَمَا أَظُنُّ السَّاعَةَ قَائِمَةً وَلَئِنْ رُجِعْتُ إِلَىٰ رَبِّي إِنَّ لِي عِنْدَهُ لَلْحُسْنَىٰ﴾ (حٰم السجدہ ۷ رکوع ٦)

(۹۲) یعنی ان گستاخیوں کے ساتھ ایسی باطل آرزوئیں رکھنا ہی اس کی دلیل ہے کہ ان کے لئے کوئی خوبی اور بھلائی تو کیا ہوتی، البتہ دوزخ تیار ہے جس کی طرف وہ بڑھائے جا رہے ہیں اور جہاں پہنچ کر گویا بالکل بھلا دیئے جائیں گے۔ یعنی ابدالآباد تک کبھی مہربانی کی نظر ان پر نہ ہوگی۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ یہ اُن کو فرمایا جو ناکارہ چیزیں اللہ کے نام دیں اور اُس پر یقین کریں کہ ہم کو بہشت ملیگی۔ حالانکہ وہ روز بروز دوزخ کی طرف بڑھتے ہیں۔

(۹۳) **آنحضرتؐ کو تسلی** کفار مکہ کی گستاخیوں اور لغو وبیہودہ دعاوی کا ذکر کر کے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تسلی دیتے ہیں کہ آپ اُن

ل ٹھہراتے۔ ٢ محقق ہو گیا۔ ٣ حمت ان لوگوں کے لئے جو ایمان لائے۔ ٤ درمیان سے۔ ٥ سوچتے ہیں۔

کی حرکتوں سے دلگیر اور رنجیدہ نہ ہوں۔ ہم نے آپ سے پہلے بھی مختلف اُمتوں کی طرف پیغمبر بھیجے ہیں لیکن ہمیشہ یہی ہوا کیا کہ شیطان لعین مکذبین کو اُن کے عمل اچھے کر کے دکھلاتا رہا۔ اور وہ برابر شرارت میں بڑھتے رہے۔ آج وہ سب خدائی عذاب کے نیچے ہیں اور شیطان جو ان کا رفیق ہے کچھ کام نہیں آتا۔ نہ اُن کی فریاد کو پہنچ سکتا ہے۔ یہ ہی انجام آپ کے مکذبین کا ہوگا۔ بعض نے "فَهُوَ وَلِيُّهُمُ الْيَوْمَ" کا یہ مطلب لیا ہے کہ شیطان جس نے اگلوں کو بہکایا تھا وہ ہی آج اِن (کفار مکہ) کا رفیق بنا ہوا ہے۔ لہٰذا جو حشر اُن کا ہوا ان کا بھی ہوگا۔

(۹۴) یعنی قرآن صرف اس لئے اُتارا گیا ہے کہ جن سچے اصولوں میں لوگ اختلاف کر رہے ہیں اور جھگڑے ڈال رہے ہیں (مثلاً توحید و معاد اور احکام حلال و حرام وغیرہ) اُن سب کو وضاحت و تحقیق کے ساتھ بیان کر دے۔ کوئی اشکال و خفا باقی نہ رہے۔ گویا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بذریعہ قرآن تمام نزاعات کا دو ٹوک فیصلہ سُنا دیں اور بندوں پر خدا کی حجت تمام کر دیں۔ آگے ماننا نہ ماننا خود مخاطبین کا کام ہے جسے توفیق ہوگی قبول کریگا۔ آپ کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔

(۹۵) یعنی فیصلہ اور بیان تو سب کے لئے ہے لیکن اُس کی ہدایت سے منتفع ہونا اور رحمت الٰہیہ کی آغوش میں آنا انہی کا حصّہ ہے جو اُس فیصلہ کو صدق دل سے تسلیم کرتے ہیں اور بطوع و رغبت ایمان لاتے ہیں۔

(۹۶) یعنی خشک زمین کو آسمانی بارش سے سرسبز کر دیا گویا خشک ہونا زمین کی موت اور سرسبز و شاداب ہونا حیات ہے۔

(۹۷) یعنی اسی طرح قرآن سے جاہلوں کو عالم اور مردہ دلوں کو زندہ کر دے گا۔ اگر توجہ قلبی اور انصاف سے سُنیں گے۔

(۹۸) **چوپایوں میں عبرت کے نشان** یعنی اُونٹ، گائے، بھینس وغیرہ جانور جو گھاس چارہ کھاتے ہیں۔ وہ پیٹ میں پہنچ کر تین چیزوں کی طرف مستحیل ہو جاتا ہے۔ قدرت نے ان حیوانات کے جسم کے اندرونی حصّہ میں ایسی مشین لگا دی ہے جو غذا کے کچھ اجزاء کو تحلیل کر کے فضلہ (گوبر) کی شکل میں باہر پھینک دیتی ہے اور کچھ اجزاء کو خون بنا کر عروق میں پھیلا دیتی ہے جو اُن کی حیات و بقا کا سبب بنتا ہے۔ اور اُسی مادہ میں سے جس کے بعض اجزاء گوبر اور بعض خون بن گئے، ان دو گندی چیزوں کے درمیان ایک تیسری چیز (دودھ) تیار کرتی ہے جو نہایت پاک، طیّب اور خوشگوار چیز ہے۔

(۹۹) **مشروبات کا بیان** پہلے کتاب اُتارنے کی مناسبت سے پانی اُتارنے کا ذکر فرمایا تھا۔ اِن آیات میں پانی کی مناسبت سے باقی انواع مشروبات کا تذکرہ ہوا ہے۔ یعنی دودھ، شراب و نبیذ، اور شہد۔ ایک دوسرے موقع پر جہاں جنت کی نہروں کا ذکر آیا ہے مشروبات کی یہ ہی چار قسمیں مذکور ہوئی ہیں۔ فِيهَا أَنْهَارٌ مِّن مَّاءٍ غَيْرِ آسِنٍ وَأَنْهَارٌ مِّن لَّبَنٍ لَّمْ يَتَغَيَّرْ طَعْمُهُ وَأَنْهَارٌ مِّنْ خَمْرٍ لَّذَّةٍ لِّلشَّارِبِينَ وَأَنْهَارٌ مِّنْ عَسَلٍ مُّصَفًّى (محمد رکوع ۲) یہاں اس قسم کی چیزوں کے ذکر سے مقصود یہ ہے کہ لوگوں کے خیال میں جو بڑی بڑی نعمتیں ہیں وہ سب خدا کی پیدا کی ہوئی ہیں۔ پھر تعجب ہے کہ آدمی کس طرح منعم حقیقی کے احسانات بھلا کر دوسروں کا غلام بن جاتا ہے گویا شرک کے رد کی طرف اشارہ ہوا اور یہ بھی کہ جس طرح تمہاری جسمانی زندگی کے لئے خدا نے طرح طرح کے انتظامات اور مناسب سامان کئے ہیں ضرور ہے کہ روحانی زندگی اور باطنی ترقی کے وسائل و ذرائع بھی کافی مقدار میں مہیا کئے ہونگے۔

(۱۰۰) **پھلوں کے منافع** یعنی اِن میووں سے نشہ لانے والی شراب کشید کرتے ہو۔ اور کھانے پینے کی دوسری عمدہ چیزیں مثلاً شربت، نبیذ، سرکہ، اور خشک خرما یا کشمش وغیرہ اُن سے حاصل کرتے ہو۔ (تنبیہ) یہ آیت مکّی ہے شراب مکہ میں حرام نہ ہوئی تھی پینے والے اس وقت تک بے تکلف پیتے تھے۔ ہجرت کے بعد حرام ہوئی، پھر کسی مسلمان نے ہاتھ نہیں لگایا۔ تاہم اس مکّی آیت میں بھی "سَكَرًا" کے بعد "وَرِزْقًا حَسَنًا" فرما کر متنبہ فرما دیا کہ جو چیز آئندہ حرام ہونے والی ہے اُس پر "رزق حسن" کا اطلاق کرنا موزوں نہیں۔

(۱۰۱) یہاں "يَعْقِلُونَ" کا لفظ جو عقل سے مشتق ہے "سَكَرًا" کے تذکرہ سے خاص مناسبت رکھتا ہے چونکہ نشہ عقل کو زائل کر دیتا ہے

اس لیئے اشارہ فرما دیا کہ آیات کا سمجھنا عقل والوں کا کام ہے نشہ پینے والوں کا نہیں۔

وَاَوْحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِيْ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا وَّمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا يَعْرِشُوْنَ ﴿٦٨﴾ ثُمَّ كُلِيْ

اور حکم دیا تیرے رب نے شہد کی مکھی کو کہ بنالے پہاڑوں میں گھر اور درختوں میں اور جہاں ٹٹیاں باندھتے ہیں ف ۱۰۲ پھر کھا

مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ فَاسْلُكِيْ سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلًا ۭ يَخْرُجُ مِنْۢ بُطُوْنِهَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ فِيْهِ

ہر طرح کے میووں سے ف ۱۰۳ پھر چل راہوں میں اپنے رب کی صاف پڑی ہیں ف ۱۰۴ نکلتی ہے ان کے پیٹ میں سے پینے کی چیز جسکے مختلف رنگ ہیں ف ۱۰۵ اس میں

شِفَاۗءٌ لِّلنَّاسِ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿٦٩﴾ وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ ثُمَّ يَتَوَفّٰىكُمْ وَمِنْكُمْ

مرض اچھے ہوتے ہیں لوگوں کے ف ۱۰۶ اس میں نشانی ہے ان لوگوں کیلئے جو دھیان کرتے ہیں ف ۱۰۷ اور اللہ نے تم کو پیدا کیا پھر تم کو موت دیتا ہے اور کوئی تم میں سے

مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰٓى اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْ لَا يَعْلَمَ بَعْدَ عِلْمٍ شَـيْـــًٔا ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ ﴿٧٠﴾ وَاللّٰهُ ۹ ع ۱۵

پہنچ جاتا ہے نکمی عمر کو کہ سمجھنے کے پیچھے اب کچھ نہ سمجھے اللہ خبردار ہے قدرت والا ف ۱۰۸ اور اللہ

فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلٰي بَعْضٍ فِي الرِّزْقِ ۚ فَمَا الَّذِيْنَ فُضِّلُوْا بِرَاۗدِّيْ رِزْقِهِمْ عَلٰي مَا مَلَكَتْ

نے بڑائی دی تم میں ایک کو ایک پر روزی میں سو جن کو بڑائی دی وہ نہیں پہنچا دیتے اپنی روزی ان کو جن کے مالک

اَيْمَانُهُمْ فَهُمْ فِيْهِ سَوَاۗءٌ ۭ اَفَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ﴿٧١﴾

ان کے ہاتھ ہیں کہ وہ سب اس میں برابر ہو جائیں کیا اللہ کی نعمت کے منکر ہیں ف ۱۰۹

(۱۰۲) **شہد کی مکھی میں اللہ کی نشانیاں** یعنی انگور کی بیل چڑھانے کو جو ٹٹیاں باندھتے ہیں یا جو عمارتیں لوگ تیار کرتے ہیں۔ شہد کی مکھی کو حکم دینے کا یہ مطلب ہے کہ اس کی فطرت ایسی بنائی جو باوجود ادنیٰ حیوان ہونے کے نہایت کاریگری اور باریک صنعت سے اپنا چھتہ پہاڑوں، درختوں اور مکانوں میں تیار کرتی ہے۔ ساری مکھیاں ایک بڑی مکھی کے ماتحت رہ کر پوری فرمانبرداری کے ساتھ کام کرتی ہیں۔ ان کے سردار کو "یعسوب" کہا جاتا ہے۔ جس کے ساتھ مکھیوں کا جلوس چلتا ہے۔ جب کسی جگہ مکان بناتی ہیں تو سب خانے "مسدس متساوی الاضلاع" کی شکل پر ہوتے ہیں۔ بدون مسطر و پرکار وغیرہ کے اس قدر صحت و انضباط کے ساتھ ٹھیک ایک ہی شکل پر تمام خانوں پر رکھنا، آدمی کو حیرت زدہ کر دیتا ہے۔ حکماء کہتے ہیں کہ مسدس کے علاوہ کوئی دوسری شکل اگر اختیار کی جاتی تو لا محالہ درمیان میں کچھ جگہ فضول خالی رہتی۔ فطرت نے ایسی شکل کی طرف رہنمائی کی جس میں ذرا سا فرجہ بھی بے کار نہ رہے۔

(۱۰۳) "کُلِیْ" اور "فَاسْلُکِیْ" سب اوامر تکوینیہ ہیں۔ یعنی فطرۃً اس کو ہدایت کی کہ اپنی خواہش اور استعداد و مزاج کے مناسب ہر قسم کے پھلوں اور میووں میں سے اپنی غذا حاصل کرے۔ چنانچہ مکھیاں اپنے چھتہ سے نکل کر رنگ برنگ کے پھول پھل چوستی ہیں جن سے شہد اور موم وغیرہ حاصل ہوتا ہے۔

(۱۰۴) **شہد کی مکھی کے راستے** یعنی غذا حاصل کرنے اور کھا پی کر چھتہ کی طرف واپس آنے کے راستے صاف کھلے پڑے ہیں کوئی روک ٹوک نہیں۔ چنانچہ دیکھا گیا ہے کہ مکھیاں غذا کی تلاش میں بعض اوقات بہت دور نکل جاتی ہیں پھر بے تکلف اپنے چھتہ میں واپس آ جاتی ہیں۔ ذرا راستہ نہیں بھولتیں۔ بعض نے "فَاسْلُکِیْ سُبُلَ رَبِّکِ ذُلُلًا" کا مطلب یہ لیا ہے کہ قدرت نے تیرے عمل و تصرف کے جو فطری راستے مقرر کر دیئے ہیں ان پر مطیع و منقاد بن کر چلتی رہ۔ مثلاً پھول پھل چوس کر فطری قویٰ و تصرفات سے شہد وغیرہ تیار کر۔

ل رستوں میں۔

(۱۰۵) یعنی مختلف رنگ کا شہد نکلتا ہے سفید، سُرخ، زرد، کہتے ہیں کہ رنگتوں کا اختلاف موسم غذا اور مکھی کی عمر وغیرہ کے اختلاف سے پیدا ہوتا ہے۔ واللہ اعلم۔

(۱۰۶) **شہد میں شفاء ہے** یعنی بہت سی بیماریوں میں صرف شہد خالص یا کسی دوسری دوا میں شامل کر کے دیا جاتا ہے جو باذن اللہ مریضوں کی شفایابی کا ذریعہ بنتا ہے۔ حدیث صحیح میں ہے کہ ایک شخص کو دست آرہے تھے اُس کا بھائی حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوا آپ نے شہد پلانے کی رائے دی۔ شہد پینے کے بعد اسہال میں ترقی ہوگئی۔ اُس نے پھر حاضر ہو کر عرض کیا کہ حضرت دست زیادہ آنے لگے فرمایا "صَدَقَ اللّٰہُ وَکَذَبَ بَطْنُ اَخِیْکَ" (اللہ سچا ہے اور تیرے بھائی کا پیٹ جھوٹا ہے)۔ پھر پلاؤ۔ دوبارہ پلانے سے بھی وہ ہی کیفیت ہوئی۔ آپؐ نے پھر وہی فرمایا۔ آخر تیسری مرتبہ پلانے سے دست بند ہوگئے اور طبیعت صاف ہوگئی۔ اطباء نے اپنے اصول کے موافق کہا ہے کہ بعض اوقات پیٹ میں "کیموس" فاسد ہوتا ہے جو پیٹ میں پہنچنے والی ہر ایک غذا اور دوا کو فاسد کر دیتا ہے اس لئے دست آتے ہیں اُس کا علاج یہ ہی ہے کہ مسہلات دی جائیں۔ تا وہ "کیموس فاسد" خارج ہو۔ شہد کے مسہل ہونے میں کسی کو کلام نہیں۔ گویا حضورؐ کا مشورہ اسی طبی اصول کے موافق تھا۔ مامون رشید کے زمانہ میں ثمامہ عبسی کو جب اسی قسم کا مرض لاحق ہوا تو اُس زمانہ کے شاہی طبیب یزید بن یوحنا نے مسہل سے اس کا علاج کیا اور یہ ہی وجہ بتلائی۔ آج کل کے اطباء شہد کے استعمال کو استطلاق بطن کے علاج میں بیحد مفید بتلاتے ہیں۔

(۱۰۷) **بُروں سے بھلوں کی تخلیق** حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے اُوپر کی آیتوں میں بُرے میں سے بھلا نکلنے کے تین پتے بتلائے۔ جانور کے پیٹ اور خون گوبر کے مادہ سے دودھ، نشے کے مادہ (انگور کھجور وغیرہ) سے پاک روزی اور مکھی کے پیٹ سے شہد۔ تینوں میں اشارہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ اس قرآن کی بدولت جاہلوں کی اولاد میں عالم پیدا کریگا۔ حضرت کے وقت میں یہ ہی ہوا کہ کافروں کی اولاد عارف کامل ہوئی۔

(۱۰۸) **انسانی وجود میں نشانیاں** قدرت کے بہت سے خارجی نشان بیان فرما کر انسان کو متنبہ کرتے ہیں کہ خود اپنے اندرونی حالات میں غور کرے۔ وہ کچھ نہ تھا، خدا نے وجود بخشا، پھر موت بھیجی اور دی ہوئی زندگی واپس لے لی۔ یہ کچھ نہ کر سکا اور بعضوں کو موت سے پہلے ہی پیرانہ سالی کے ایسے درجہ میں پہنچا دیا کہ ہوش و حواس ٹھکانے نہ رہے۔ نہ ہاتھ پاؤں میں طاقت رہی، بالکل نکما ہوگیا۔ نہ کوئی بات سمجھتا ہے۔ نہ سمجھی ہوئی یاد رکھ سکتا ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ علم و قدرت اسی خالق و مالک کے خزانہ میں ہے۔ جب اور جس قدر چاہے دے اور جب چاہے واپس کر لے۔ حضرت شاہ صاحبؒ کے نزدیک آیت میں اس طرف اشارہ ہے کہ اس اُمت میں کامل پیدا ہو کر پھر ناقص پیدا ہونے لگیں گے۔ واللہ اعلم۔

(۱۰۹) **رزق میں ایک دوسرے پر فضیلت** یعنی خدا کی دی ہوئی روزی اور بخشش سب کے لئے برابر نہیں۔ بلحاظ تفاوت استعداد و احوال کے اُس نے اپنی حکمت بالغہ سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے۔ کسی کو مالدار اور با اقتدار بنایا جس کے ہاتھ تلے بہت سے غلام اور نوکر چاکر ہیں۔ جن کو اسی کے ذریعہ سے روزی پہنچتی ہے۔ ایک وہ غلام ہیں جو بذات خود ایک پیسہ یا ادنیٰ اختیار کے مالک نہیں، ہر وقت آقا کے اشاروں کے منتظر رہتے ہیں۔ پس کیا دنیا میں کوئی آقا گوارا کریگا کہ غلام یا نوکر چاکر جو بہر حال اسی جیسے انسان ہیں بدستور غلامی کی حالت میں رہتے ہوئے اس کی دولت، عزت، بیوی وغیرہ میں برابر کے شریک ہو جائیں غلام کا حکم تو شرعًا یہ ہے کہ بحالت غلامی کسی چیز کا مالک بنایا جائے تب بھی نہیں بنتا۔ آقا ہی مالک رہتا ہے اور فرض کرو آقا غلامی سے آزاد کر کے اپنی دولت وغیرہ میں برابر کا حصہ دار بنا لے تو مساوات بیشک ہو جائیگی لیکن اس وقت غلام غلام نہ رہا۔ بہر کیف غلامی اور مساوات جمع نہیں ہو سکتی۔ جب دو ہم جنس اور متحد النوع انسانوں کے اندر مالک و مملوک میں شرکت و مساوات نہیں ہو سکتی، پھر غضب ہے کہ خالق و مخلوق کو معبودیت وغیرہ میں برابر کر دیا جائے۔ اور اُن چیزوں کو جنہیں خدا کی مملوک سمجھنے کا اقرار خود مشرکین بھی کرتے تھے (اِلَّا شَرِیْکًا ھُوَ لَکَ تَمْلِکُہٗ وَمَا مَلَکَ)، مالک حقیقی کا شریک و سہیم ٹھہرا دیا جائے کیا منعم حقیقی کی نعمتوں

کا یہی شکر یہ ہے کہ جس بات کے قبول کرنے سے خود ناک بھوؤں چڑھاتے ہو اُس سے زیادہ قبیح و شنیع صورت اُس کے لئے تجویز کی جائے۔ نیز جس طرح روزی وغیرہ میں حق تعالیٰ نے بعض کو بعض پر فضیلت دی، سب کو ایک درجہ میں نہیں رکھا، اگر علم و عرفان اور کمالات نبوت میں کسی ہستی کو دوسروں سے فائق کر دیا تو خدا کی اس نعمت سے انکار کرنے کی بجز ہٹ دھرمی کے کیا وجہ ہو سکتی ہے۔

وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ بَنِيْنَ وَحَفَدَةً وَّرَزَقَكُمْ

اور اللہ نے پیدا کیں تمہارے واسطے تمہاری ہی قسم سے عورتیں ف۱۱۰ اور دیے تم کو تمہاری عورتوں سے بیٹے اور پوتے ف۱۱۱ اور کھانے کو دیں تم کو

مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ۭ اَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُوْنَ وَبِنِعْمَتِ اللّٰهِ هُمْ يَكْفُرُوْنَ ۝۷۲ۙ وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ

ستھری چیزیں ف۱۱۲ سو کیا جھوٹی باتیں مانتے ہیں۔ اور اللہ کے فضل کو نہیں مانتے ف۱۱۳ اور پوجتے ہیں اللہ کے

اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَهُمْ رِزْقًا مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ شَيْـًٔا وَّلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ۝۷۳ۚ فَلَا

سوائے ایسوں کو جو مختار نہیں اُن کی روزی کے آسمان اور زمین میں سے کچھ بھی ف۱۱۴ اور نہ قدرت رکھتے ہیں ف۱۱۵ سو مت

تَضْرِبُوْا لِلّٰهِ الْاَمْثَالَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝۷۴ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا عَبْدًا

چسپاں کرو اللہ پر مثالیں ف۱۱۶ بیشک اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے ف۱۱۷ اللہ نے بتلائی ایک مثال ایک بندہ[1]

مَّمْلُوْكًا لَّا يَقْدِرُ عَلٰي شَيْءٍ وَّمَنْ رَّزَقْنٰهُ مِنَّا رِزْقًا حَسَنًا فَهُوَ يُنْفِقُ مِنْهُ سِرًّا وَّجَهْرًا ۭ

پرایا مال نہیں قدرت رکھتا کسی چیز پر اور ایک جس کو ہم نے روزی دی اپنی طرف سے خاصی روزی سو وہ خرچ کرتا ہے اس میں سے چھپا کر اور سب کے روبرو

هَلْ يَسْتَوٗنَ ۭ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ۭ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝۷۵

کہیں برابر ہوتے ہیں سب تعریف اللہ کو ہے پر بہت لوگ نہیں جانتے ف۱۱۸

(۱۱۰) یعنی نوع انسان ہی سے تمہارا جوڑا پیدا کیا۔ تا الفت و موانست قائم رہے۔ اور تخلیق کی غرض پوری ہو۔ "وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً" (الروم رکوع ۳)

(۱۱۱) جو تمہاری بقاء نوعی کا ذریعہ ہیں۔

(۱۱۲) جو بقائے شخصی کا سبب ہے۔

(۱۱۳) یعنی بتوں کا احسان مانتے ہیں کہ بیماری سے چنگا کیا یا بیٹا دیا، یا روزی دی، اور یہ سب جھوٹ اور وہ جو سچ دینے والا ہے اُس کے شکر گذار نہیں۔ کذا فی الموضح۔ اور شاید یہ بھی اشارہ ہو کہ فانی و زائل زندگانی کی بقاء نوعی و شخصی کے اسباب کو تو مانتے ہو اور خدا کی سب سے بڑی نعمت (پیغمبر علیہ السلام کی ہدایات) کو جو بقائے ابدی اور حیات جاودانی کا واحد ذریعہ ہے، تسلیم نہیں کرتے اَلَا كُلُّ شَيْءٍ مَا خَلَا اللّٰهَ بَاطِلٌ۔

(۱۱۴) یعنی نہ آسمان سے مینہ برسانے کا ذرا اختیار رکھتے ہیں نہ زمین سے غلہ اُگانے کا۔ پھر قادر مطلق کے شریک معبودیت میں کس طرح بن گئے؟

(۱۱۵) یعنی نہ فی الحال اختیار حاصل ہے نہ آئندہ حاصل کرنے کی قدرت رکھتے ہیں۔

[1] بٹھلاؤ [2] غلام [3] اختیار۔

(۱۱۶) **اللہ کیلئے کوئی مثال نہیں** مشرک کہتے تھے کہ مالک اللہ ہی ہے۔ یہ لوگ اس کی سرکار میں مختار ہیں۔ ہمارے کام ان ہی سے پڑتے ہیں۔ بڑی سرکار تک براہ راست رسائی نہیں ہو سکتی۔ سو یہ مثال غلط ہے جو بارگاہِ احدیت پر چسپاں نہیں۔ اللہ ہر چیز آپ کرتا ہے۔ خواہ بالواسطہ ہو یا بلا واسطہ کوئی کام کسی کو اس طرح سپرد نہیں کر رکھا جیسے سلاطین دنیا اپنے ماتحت حکام اختیارات تفویض کر دیتے ہیں کہ تفویض تو ارادہ و اختیار سے کیا لیکن بعد تفویض ان اختیارات کے استعمال میں ماتحت آزاد ہیں۔ کسی مجسٹریٹ کے فیصلہ کے وقت بادشاہ یا پارلیمنٹ کو اُس واقعہ اور فیصلہ کی مطلق خبر نہیں ہوتی۔ نہ اُس وقت جزئی طور پر بادشاہ کی مشیت و ارادہ کو فیصلہ صادر کرنے میں قطعاً دخل ہے۔ یہ صورت حق تعالیٰ کے یہاں نہیں۔ بلکہ ہر ایک چھوٹا بڑا کام اور ادنیٰ سے ادنیٰ جزئی خواہ بواسطہ اسباب یا بلا واسطہ اُس کے علم محیط اور مشیت و ارادہ سے وقوع پذیر ہوتی ہے اِسی لئے لازم ہے کہ آدمی ہر کلّی جزئی کا فاعل اور موثر حقیقی اعتقاد کر کے تنہا اُسی کو معبود و مستعان سمجھے۔ (تنبیہ) ابن عباس وغیرہ سلف سے "فَلَا تَضْرِبُوْا لِلّٰہِ الْاَمْثَالَ" کا یہ مطلب منقول ہے کہ خدا کا مماثل کسی کو مت ٹھہراؤ۔

(۱۱۷) **دو مثالیں** یعنی تم نہیں جانتے کہ خدا کے لئے کس طرح مثال پیش کرنی چاہئے۔ جو اصل حقیقت اور صحیح مطلب کی تفہیم میں معین ہو۔ اور اُس کی عظمت و نزاہت کے خلاف شبہ پیدا نہ کرے۔ اگر صحیح مثال چاہو تو آگے دو مثالیں بیان فرمائیں۔ انہیں غور سے سنو اور تمثیل کی غرض کو سمجھو۔

(۱۱۸) ایک شخص وہ ہے جو آزاد نہیں۔ دوسرے کا مملوک غلام ہے، کسی طرح کی قدرت و اختیار نہیں رکھتا ہر ایک تصرف میں مالک کی اجازت کا محتاج ہے بدون اجازت اُس کے سب تصرفات غیر معتبر ہیں۔ دوسرا آزاد اور با اختیار شخص ہے جسے خدا نے اپنے فضل سے بہت کچھ مقدرت اور روزی عنایت فرمائی جس میں سے دن رات سرًّا و علانیۃً بیدریغ خرچ کرتا ہے۔ کوئی اس کا ہاتھ نہیں روک سکتا کیا یہ دونوں شخص برابر ہو سکتے ہیں؟ اسی طرح سمجھ لو کہ حق تعالیٰ ہر چیز کا مالک حقیقی ہے، سب تعریفیں اور خوبیاں اس کے خزانہ میں ہیں۔ جس کو جو چاہے دے۔ کوئی مزاحمت کرنے والا نہیں۔ ذرہ ذرہ پر کُلّی اختیار اور کامل قبضہ رکھتا ہے۔ یہ کس قدر ظلم ہو گا کہ ایک پتھر کے بت کو اُس کی برابر کر دیا جائے جو کسی چیز کا مالک نہیں۔ بلکہ خود پرایا مال ہے۔ اگر مالک مجازی اور مملوک مجازی برابر نہیں ہو سکتے تو کوئی مملوک محض مالک حقیقی کا شریک کیسے بن سکتا ہے۔ یہاں سے یہ بھی سمجھ لو کہ خدائے واحد کا پرستار جسے مالک نے علم و ایمان کی دولت بخشی اور لوگوں میں شب و روز روحانی نعمتیں تقسیم کرنے کا ذریعہ بنایا۔ کیا ایک پلید مشرک کو جو بت کا مملوک، اہواء و اوہام کا غلام اور عمل مقبول سے محض تہیدست ہے، اس مومن موحد کے ساتھ برابر کھڑا کیا جا سکتا ہے؟ کلّا واللہ۔

وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلَيْنِ اَحَدُهُمَآ اَبْكَمُ لَا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ وَّهُوَ كَلٌّ عَلٰى مَوْلٰىهُ

اور بتائی اللہ نے ایک دوسری مثال دو مرد ہیں ایک گونگا ف۱۱۹ کچھ کام نہیں کر سکتا ف۱۲۰ اور وہ بھاری ہے اپنے صاحب[1] پر جس

اَيْنَمَا يُوَجِّهْهُّ لَا يَاْتِ بِخَيْرٍ ۭ هَلْ يَسْتَوِيْ هُوَ ۙ وَمَنْ يَّاْمُرُ بِالْعَدْلِ ۙ وَهُوَ عَلٰى

طرف اُس کو بھیجے نہ کر کے لائے کچھ بھلائی ف۱۲۱ کہیں برابر ہے وہ اور ایک وہ شخص جو حکم کرتا ہے انصاف سے اور ہے سیدھی

صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿٧٦﴾ وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَمَآ اَمْرُ السَّاعَةِ اِلَّا كَلَمْحِ الْبَصَرِ

راہ پر ف۱۲۲ اور اللہ ہی کے پاس ہیں بھید آسمانوں اور زمین کے ف۱۲۳ اور قیامت کا کام تو ایسا ہے جیسے لپک نگاہ کی

[1] مالک۔

أَوْ هُوَ أَقْرَبُ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿٧٧﴾ وَاللَّهُ أَخْرَجَكُم مِّن بُطُونِ أُمَّهَاتِكُمْ

یا اُس سے بھی قریب ف۱۲۴ اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے ف۱۲۵ اور اللہ نے تم کو نکالا تمہاری ماں کے پیٹ سے

لَا تَعْلَمُونَ شَيْئًا وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَالْأَفْئِدَةَ ۙ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿٧٨﴾ أَلَمْ

نہ جانتے تھے تم کسی چیز کو اور دیئے تم کو کان اور آنکھیں اور دل تاکہ تم احسان مانو ف۱۲۶ کیا نہیں

يَرَوْا إِلَى الطَّيْرِ مُسَخَّرَاتٍ فِي جَوِّ السَّمَاءِ مَا يُمْسِكُهُنَّ إِلَّا اللَّهُ ۗ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ

دیکھتے اُڑتے جانور حکم کے باندھے ہوئے آسمان کی ہوا میں کوئی نہیں تھام رہا اُن کو سوائے اللہ کے ف۱۲۷ اس میں نشانیاں ہیں

لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ﴿٧٩﴾ وَاللَّهُ جَعَلَ لَكُم مِّن بُيُوتِكُمْ سَكَنًا وَجَعَلَ لَكُم مِّن جُلُودِ

اُن لوگوں کو جو یقین لاتے ہیں ف۱۲۸ اور اللہ نے بنا دیئے تم کو تمہارے گھر بسنے کی جگہ ف۱۲۹ اور بنا دیئے تم کو چوپاؤں کی

الْأَنْعَامِ بُيُوتًا تَسْتَخِفُّونَهَا يَوْمَ ظَعْنِكُمْ وَيَوْمَ إِقَامَتِكُمْ ۙ وَمِنْ أَصْوَافِهَا وَأَوْبَارِهَا

کھال سے ڈیرے جو ہلکے رہتے ہیں تم پر جس دن سفر میں ہو اور جس دن گھر میں ہیں ف۱۳۰ اور بھیڑوں کی اُون سے اور اونٹوں کی ببریوں سے ف۱۳۱

وَأَشْعَارِهَا أَثَاثًا وَمَتَاعًا إِلَىٰ حِينٍ ﴿٨٠﴾ وَاللَّهُ جَعَلَ لَكُم مِّمَّا خَلَقَ ظِلَالًا وَجَعَلَ لَكُم

اور بکریوں کے بالوں سے کتنے اسباب اور استعمال کی چیزیں ایک وقت مقررہ تک ف۱۳۲ اور اللہ نے بنا دیئے تمہارے واسطے اپنی بنائی ہوئی چیزوں کے سائے ف۱۳۳ اور بنا دیں تمہارے واسطے

مِّنَ الْجِبَالِ أَكْنَانًا وَجَعَلَ لَكُمْ سَرَابِيلَ تَقِيكُمُ الْحَرَّ وَسَرَابِيلَ تَقِيكُم بَأْسَكُمْ ۚ

پہاڑوں میں چھپنے کی جگہیں ف۱۳۴ اور بنا دیے تم کو کرتے جو بچاؤ ہیں گرمی میں ف۱۳۵ اور کرتے جو بچاؤ ہیں لڑائی میں ف۱۳۶

كَذَٰلِكَ يُتِمُّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْلِمُونَ ﴿٨١﴾

اسی طرح پورا کرتا ہے اپنا احسان تم پر تاکہ تم حکم مانو ف۱۳۷

(۱۱۹) گونگا ہے تو لازمی طور پر بہرا بھی ہوگا۔ گویا نہ اپنی کہہ سکے نہ دوسرے کی سن سکے۔

(۱۲۰) کیونکہ نہ حواس رکھتا ہے نہ عقل، اور اپاہج ہے جو چل پھر بھی نہیں سکتا۔

(۱۲۱) یعنی مالک کے کسی کام کا نہیں۔ جدھر اُسے بھیجنا چاہے یا متوجہ کرے کچھ بھلائی اور فلاح نہ پہنچا سکے۔

(۱۲۲) یعنی خود سیدھی راہ پر قائم رہ کر دوسروں کو بھی اعتدال و انصاف کے راستہ پر لیجا رہا ہے۔ جب یہ دونوں شخص برابر نہیں ہو سکتے تو ایک خود تراشیدہ پتھر کی مورتی کو (العیاذ باللہ) خدائی کا درجہ کیونکر دیا جا سکتا ہے۔ یا ایک اندھا بہرا مشرک جو خدا کی پیدا کی ہوئی روزی کھاتا ہے اور چھدام کا کام کر کے نہیں دیتا، اُس مومن قانت کی ہمسری کیسے کر سکتا ہے جو خود سیدھی راہ پر ہو اور دوسروں کو اپنے ساتھ ترا لیجائے۔ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں یعنی "خدا کی دو مخلوق ایک بُت نکما نہ ہل سکے نہ چل سکے جیسے گونگا غلام، دوسرا رسول جو اللہ کی راہ بتا دے ہزاروں کو اور آپ بندگی پر قائم ہے، اس کے تابع ہونا بہتر یا اُس کے اھ"۔

(۱۲۳) اللہ تمام بھیدوں کو جانتا ہے | یعنی ساری مخلوق یکساں نہ ہوئی۔ ایک آدمی کا حال دوسرے سے بے انتہا مختلف ہوا۔ سب چیزیں ایک سطح مستوی پر کھڑی نہیں کی گئیں۔ اس کا بھید اور ہر ایک کی پوشیدہ استعداد اور مخفی حالت کا علم خدا ہی کے پاس ہے۔ چنانچہ وہ اپنے علم محیط کے موافق قیامت میں ہر ایک کے ساتھ جداگانہ معاملہ کرے گا۔ اور مختلف احوال پر مختلف نتائج مرتب فرمائے گا۔

(۱۲۴) **قیامت دُور نہیں** یعنی قیامت کے آنے کو مستبعد مت سمجھو، خدا کے آگے کوئی چیز مشکل نہیں تمام لوگوں کو جب دوبارہ پیدا کرنا چاہے گا تو پلک جھپکنے کی دیر بھی نہ لگے گی، اُدھر سے ارادہ ہوتے ہی چشم زدن میں ساری دنیا دوبارہ موجود ہو جائیگی۔ (تنبیہ) "کَلَمۡحِ الۡبَصَرِ اَوۡ ھُوَ اَقۡرَبُ" کا مطلب یہ ہے کہ عام لوگوں کے محسوسات کے موافق تو اس کی سُرعت کو آنکھ جھپکنے سے تعبیر کر سکتے ہیں لیکن واقع میں اس سے بھی کم میں قیامت قائم ہو جائیگی۔ کیونکہ "لمح بصر" بہرحال زمانی چیز ہے اور ارادہ خداوندی پر مُراد کا ترتب آنی ہوگا۔

(۱۲۵) یعنی جس کے علم محیط کا وہ حال ہو کہ آسمان و زمین کے سارے بھید اُس کے سامنے حاضر ہیں اور جس کی قدرت کاملہ ذرّہ ذرّہ پر محیط ہو۔ بھلا اُس کا ہمسر کون ہو سکتا ہے؟ اور اس کی پوری مثال کہاں سے لا سکتے ہیں۔

(۱۲۶) **اپنے وجود میں غور کرو** یعنی پیدائش کے وقت تم کچھ جانتے اور سمجھتے نہ تھے، خدا تعالیٰ نے علم کے ذرائع اور سمجھنے والے دل تم کو دیئے۔ جو بذات خود بھی بڑی نعمتیں ہیں اور لاکھوں نعمتوں سے متمتع ہونے کے وسائل ہیں۔ اگر آنکھ، کان عقل وغیرہ نہ ہو تو ساری ترقیات کا دروازہ ہی بند ہو جائے۔ جوں جوں آدمی کا بچہ بڑا ہوتا ہے اُس کی علمی و عملی قوتیں بتدریج بڑھتی جاتی ہیں۔ اس کی شکر گذاری یہ تھی کہ ان قوتوں کو مولیٰ کی طاعت میں خرچ کرتے، اور حق شناسی میں سمجھ بوجھ سے کام لیتے، نہ یہ کہ بجائے احسان ماننے کے الٹے بغاوت پر کمربستہ ہو جائیں۔ اور منعم حقیقی کو چھوڑ کر اینٹ پتھروں کی پرستش کرنے لگیں۔

(۱۲۷) **پرندوں میں نشانیاں** یعنی جیسے آدمی کو اس کے مناسب قویٰ عنایت فرمائے، پرندوں میں اُن کے حالات کے مناسب فطری قوتیں ودیعت کیں، ہر ایک پرندہ اپنی اڑان میں قانون قدرت کا تابع اور خدا تعالیٰ کے تکوینی احکام سے وابستہ ہے۔ اُسے کسی درسگاہ میں اُڑنے کی تعلیم نہیں دی گئی، قدرت نے اس کے پر اور بازو اور دُم وغیرہ کی ساخت ایسی بنائی ہے کہ نہایت آسانی سے آسمانی فضا میں اُڑتے رہتے ہیں۔ یہ نہیں ہوتا کہ اُن کا جسم ثقیل ہوائے لطیف کو چیر پھاڑ کر بے اختیار نیچے آپڑے۔ یا زمین کی عظیم الشان کشش اُنہیں اپنی طرف کھینچ لے اور طیران سے منع کر دے کیا خدا کے سوا کسی اور کا ہاتھ ہے جس نے اُن کو بے تکلف فضائے آسمانی میں روک رکھا ہے۔

(۱۲۸) حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "یعنی ایمان لانے میں بعضے اٹکتے ہیں، معاش کی فکر سے، سو فرمایا کہ ماں کے پیٹ سے کوئی کچھ نہیں لاتا۔ کمائی کے اسباب کہ آنکھ، کان، دل وغیرہ ہیں، اللہ ہی دیتا ہے اور اُڑتے جانور ادھر میں آخر کس کے بھروسہ رہتے ہیں" اھ

(۱۲۹) یعنی اینٹ، پتھر، لکڑی وغیرہ کے مکان۔

(۱۳۰) **اللہ نے تمہارے مسکن بنائے** یعنی اینٹ، پتھر کے مکانوں کو کہیں منتقل نہیں کر سکتے تھے، اس لئے چمڑے اور اُون وغیرہ کے ڈیرے خیمے بنانے سکھا دیئے جو بسہولت منتقل کئے جا سکتے ہیں۔ سفر و حضر میں جہاں چاہو نصب کر لو اور جب چاہو لپیٹ کر رکھ دو۔ بعض نے "یَوۡمَ ظَعۡنِكُمۡ وَیَوۡمَ اِقَامَتِكُمۡ" کا یہ مطلب لیا ہے کہ چلنے کے وقت اُٹھانے میں اور کسی جگہ اُترتے وقت نصب کرنے میں ہلکے رہتے ہیں۔

(۱۳۱) یعنی اونٹ کی پشم سے۔

(۱۳۲) **مختلف انعامات** یعنی ان چیزوں سے کتنے سامان رہائش اور آسائش کے تیار کئے جاتے ہیں جو ایک وقت معین یا مدّت دراز تک کام دیتے ہیں۔ اگر خدا تعالیٰ آنکھ، کان اور ترقی کرنے والا دل و دماغ نہ دیتا، کیا یہ سامان میسّر آ سکتے تھے۔

(۱۳۳) مثلاً بادل، درخت، مکان اور پہاڑ وغیرہ کا سایہ قانون قدرت کے موافق زمین پر پڑتا ہے جس میں مخلوق آرام پاتی ہے۔

(۱۳۴) جہاں سر چھپا کر بارش، دھوپ یا دشمن وغیرہ سے اپنی حفاظت کر سکتے ہو۔

(۱۳۵) حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں "جن کرتوں میں گرمی کا بچاؤ ہے، سردی کا بھی بچاؤ ہے۔ پر اُس ملک میں گرمی زیادہ تھی اُس

کا ذکر خصوصیت سے فرمایا۔

(۱۳۶) یعنی زرہیں جو لڑائی میں زخمی ہونے سے بچاتی ہیں۔

(۱۳۷) جسمانی اور روحانی تربیت کا سامان یعنی دیکھو! کس طرح تمہاری ہر قسم کی ضروریات کا اپنے فضل سے انتظام فرمایا اور کیسی علمی و عملی قوتیں مرحمت فرمائیں۔ جن سے کام لے کر انسان عجیب و غریب تصرفات کرتا رہتا ہے۔ پھر کیا ممکن ہے کہ جس نے مادی اور جسمانی دنیا میں اس قدر احسانات فرمائے، روحانی تربیت و تکمیل کے سلسلہ میں ہم پر اپنا احسان پورا نہ کریگا۔ بیشک پورا کر چکا "اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَ رَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا" (مائدہ رکوع ۱) ضروری ہے کہ سب لوگ اس کے احسان کے آگے گردنیں جھکا دیں اور اس منعم حقیقی اور محسن اعظم کے مطیع و منقاد ہو کر رہیں۔

فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَیْكَ الْبَلٰغُ الْمُبِیْنُ ﴿۸۲﴾ یَعْرِفُوْنَ نِعْمَتَ اللّٰهِ ثُمَّ یُنْكِرُوْنَهَا وَ اَكْثَرُهُمُ

پھر اگر پھر جائیں تو تیرا کام تو یہی ہے کھول کر سنا دینا ف ۱۳۸ پہچانتے ہیں اللہ کا احسان پھر منکر ہو جاتے ہیں اور بہت ان میں

ع ۱۱ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۸۳﴾ وَ یَوْمَ نَبْعَثُ مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِیْدًا ثُمَّ لَا یُؤْذَنُ لِلَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَ لَا هُمْ

ناشکر ہیں ف ۱۳۹ اور جس دن کھڑا کریں ہم ہر فرقہ میں ایک بتلانے والا پھر حکم[1] نہ ملے منکروں کو اور نہ ان سے

یُسْتَعْتَبُوْنَ ﴿۸۴﴾ وَ اِذَا رَاَ الَّذِیْنَ ظَلَمُوا الْعَذَابَ فَلَا یُخَفَّفُ عَنْهُمْ وَ لَا هُمْ یُنْظَرُوْنَ ﴿۸۵﴾

توبہ لیجائے ف ۱۴۰ اور جب دیکھیں گے ظالم عذاب کو پھر ہلکا نہ ہوگا ان سے اور نہ ان کو ڈھیل ملے ف ۱۴۱

وَ اِذَا رَاَ الَّذِیْنَ اَشْرَكُوْا شُرَكَآءَهُمْ قَالُوْا رَبَّنَا هٰۤؤُلَآءِ شُرَكَآؤُنَا الَّذِیْنَ كُنَّا نَدْعُوْا مِنْ

اور جب دیکھیں مشرک اپنے شریکوں کو بولیں اے رب یہ ہمارے شریک ہیں جن کو ہم پکارتے تھے تیرے

الثلثة دُوْنِكَ فَاَلْقَوْا اِلَیْهِمُ الْقَوْلَ اِنَّكُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۸۶﴾ وَ اَلْقَوْا اِلَى اللّٰهِ یَوْمَىِٕذِ السَّلَمَ وَ ضَلَّ

سوائے ف ۱۴۲ تب وہ ان پر ڈالیں گے بات کہ تم جھوٹے ہو ف ۱۴۳ اور آپڑیں اللہ کے آگے اس دن عاجز ہو کر اور بھول

عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا یَفْتَرُوْنَ ﴿۸۷﴾ اَلَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَ صَدُّوْا عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ زِدْنٰهُمْ

جائیں[2] جو جھوٹ باندھتے تھے ف ۱۴۴ جو لوگ منکر ہوئے ہیں اور روکتے رہے ہیں اللہ کی راہ سے ان کو ہم بڑھا دیں گے

عَذَابًا فَوْقَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا یُفْسِدُوْنَ ﴿۸۸﴾

عذاب پر عذاب بدلہ اس کا جو شرارت کرتے تھے ف ۱۴۵

(۱۳۸) یعنی اگر اس قدر احسانات سن کر بھی خدا کے سامنے نہ جھکیں تو آپ کچھ غم نہ کھائیے۔ آپ اپنا فرض ادا کر چکے، کھول کھول کر تمام ضروری باتیں سنا دی گئیں۔ آگے ان کا معاملہ خدا کے سپرد کیجئے۔

(۱۳۹) یعنی بے شک بعضے بندے شکر گذار بھی ہیں "وَ قَلِیْلٌ مِّنْ عِبَادِیَ الشَّكُوْرُ" (سبا رکوع ۲) لیکن اکثروں کا حال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے انعامات کو دیکھتے اور اس کے احسانات کو سمجھتے ہیں، مگر جب شکر گذاری اور اظہار اطاعت کا وقت آتا ہے تو سب بھول جاتے ہیں۔

[1] اجازت۔ [2] جائیگی ان سے۔

گویا دل سے سمجھتے ہیں اور عمل سے انکار کرتے ہیں۔

(۱۴۰) **کفر و ناشکری کا انجام** یہاں سے کفر و ناشکری کا انجام بتلاتے ہیں۔ یعنی یاد رکھو، وہ دن بھی آنے والا ہے جب تمام اگلی پچھلی اُمتیں احکم الحاکمین کی آخری عدالت میں کھڑی ہونگی اور ہر اُمت کا نبی بطور گواہ کھڑا کیا جائیگا۔ تا اپنی اُمت کے نیک و بد اور مطیع و عاصی کی نسبت شہادت دے کہ کس نے کیسا معاملہ حق کے پیغام اور پیغامبر کے ساتھ کیا ہے۔ اس وقت منکروں کو اجازت نہ ہوگی کہ کچھ لب کشائی کر سکیں۔ یا اب بعد از وقت توبہ کر کے سزا سے چھوٹ جائیں اور لب کشائی کاہے میں کریں گے، درآنحالیکہ انہیں اپنے مجرم ہونے اور کسی قسم کی معذرت نہ چل سکنے کا پورا انکشاف ہو جائیگا۔ وہ یہ بھی سمجھ لیں گے کہ یہ "دار جزاء" ہے "دار عمل" نہیں جواب توبہ کر کے خطائیں معاف کرا لیں۔

(۱۴۱) یعنی نہ عذاب کی سختی میں کمی ہوگی اور نہ درمیان میں وقفہ ہوگا کہ تھوڑی دیر مہلت مل جائے، پھر از سر نو عذاب شروع ہو۔ بعض نے "وَلَا هُمْ يُنظَرُونَ" سے یہ مراد لیا ہے کہ جہنم کو دیکھنے کے بعد ایک منٹ کی ڈھیل نہ ملے گی۔ جہنم فوراً مجرمین کو اس طرح اُچک لیگا جیسے پرندہ ایک دم دانہ اٹھا کر نگل جاتا ہے۔ گویا سُرعت دخول کی طرف اشارہ ہوا۔

(۱۴۲) **کفار اور ان کے جھوٹے معبود** یعنی ہم تو ان کی بدولت مارے گئے۔ شاید یہ مطلب ہو کہ ہم بذاتِ خود بے قصور ہیں، یا یہ کہ انہیں دوہری سزا دیجئے۔

(۱۴۳) **باطل معبودوں کا جواب** یعنی جھوٹے ہو جو ہم کو خدا کا شریک ٹھہرا لیا۔ ہم نے کب کہا تھا کہ ہماری عبادت کرو۔ فی الحقیقت تم محض اپنے اوہام و خیالات کو پوجتے تھے جس کے نیچے کوئی حقیقت نہ تھی، یا جن و شیاطین کی پرستش کرتے تھے۔ مگر وہاں شیطان بھی یہ کہہ کر الگ ہو جائیگا "وَمَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُم مِّن سُلْطَانٍ إِلَّا أَن دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِي فَلَا تَلُومُونِي وَلُومُوا أَنفُسَكُم" (ابراہیم رکوع ۴) غرض جن چیزوں کو مشرکین نے معبود بنا رکھا تھا، سب اپنی علیحدگی اور بیزاری کا اظہار کرینگے، کوئی سچ کوئی جھوٹ، پتھر کے بتوں کو تو سرے سے کچھ خبر ہی نہ تھی۔ ملائکہ اور بعض انبیاء و صالحین ہمیشہ شرک سے سخت نفرت و بیزاری اور اپنی خالص بندگی کا اظہار کرتے رہے۔ رہ گئے شیاطین سو ان کا اظہار نفرت گو جھوٹ ہوگا، تاہم اس سے مشرکین کو کلی طور پر مایوسی ہو جائیگی کہ آج بڑے سے بڑا رفیق بھی کام آنیوالا نہیں۔

(۱۴۴) یعنی ساری طمطراق اور افتراء پردازیاں اس وقت غائب ہو جائیں گی سب عاجز و مقہور ہو کر خدا کے سامنے اپنی اطاعت و انقیاد کا اظہار کریں گے "أَسْمِعْ بِهِمْ وَأَبْصِرْ يَوْمَ يَأْتُونَنَا" (مریم رکوع ۲)

(۱۴۵) یعنی ایک عذاب تو انکار حق پر، دوسرا اس پر کہ اوروں کو خدا کی راہ سے روکا۔ یا ایک عذاب صدور جرم پر دوسرا اس کی عادت ڈالنے پر۔ بہرحال آیت سے معلوم ہوا کہ جس طرح جنت میں اہل جنت کے منازل و مدارج متفاوت ہونگے جہنمیوں کا عذاب بھی کمّاً و کیفاً و نوعاً متفاوت ہوگا

وَيَوْمَ نَبْعَثُ فِي كُلِّ أُمَّةٍ شَهِيدًا عَلَيْهِم مِّنْ أَنفُسِهِمْ ۖ وَجِئْنَا بِكَ شَهِيدًا عَلَىٰ هَٰؤُلَاءِ ۚ

اور جس دن کھڑا کرینگے ہم ہر فرقہ میں ایک بتلانیوالا اُن پر اُنہی میں کا اور تجھ کو لائیں بتلانے کو اُن لوگوں پر ف ۱۴۶

۱۲ ع ۱۸ وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى وَرَحْمَةً وَبُشْرَىٰ لِلْمُسْلِمِينَ ﴿٨٩﴾ إِنَّ

اور اُتاری ہم نے تجھ پر کتاب کھلا بیان ہر چیز کا ف ۱۴۷ اور ہدایت اور رحمت اور خوشخبری حکم ماننے والوں کیلئے ف ۱۴۸ اللہ

اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبَىٰ وَيَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنكَرِ

حکم کرتا ہے انصاف کرنے کا اور بھلائی کرنے کا اور قرابت والوں کے دینے کا ف ۱۴۹ اور منع کرتا ہے بے حیائی سے اور نامعقول کام سے

نہ کو۔

وَالْبَغْیِ یَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿۹۰﴾ وَاَوْفُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ اِذَا عٰهَدْتُّمْ وَلَا تَنْقُضُوا

اور سرکشی سے ف۱۵۰ تم کو سمجھاتا ہے تاکہ تم یاد رکھو ف۱۵۱ اور پورا کرو عہد اللہ کا جب آپس میں عہد کرو اور نہ توڑو

الْاَیْمَانَ بَعْدَ تَوْكِیْدِهَا وَقَدْ جَعَلْتُمُ اللّٰهَ عَلَیْكُمْ كَفِیْلًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ یَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ ﴿۹۱﴾ وَ

قسموں کو پکا کرنے کے بعد اور تم نے کیا ہے اللہ کو اپنا ضامن اللہ جانتا ہے جو تم کرتے ہو ف۱۵۲ اور

لَا تَكُوْنُوْا كَالَّتِیْ نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ اَنْكَاثًا ؕ تَتَّخِذُوْنَ اَیْمَانَكُمْ دَخَلًۢا بَیْنَكُمْ

مت رہو جیسے وہ عورت کہ توڑا اُس نے اپنا سوت کاتا ہوا محنت کے بعد ٹکڑے ٹکڑے ف۱۵۳ کہ ٹھہراؤ اپنی قسموں کو دخل دینے کا بہانہ ایک دوسرے میں

اَنْ تَكُوْنَ اُمَّةٌ هِیَ اَرْبٰى مِنْ اُمَّةٍ ؕ اِنَّمَا یَبْلُوْكُمُ اللّٰهُ بِهٖ ؕ وَلَیُبَیِّنَنَّ لَكُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ مَا

اس واسطے کہ ایک فرقہ ہو چڑھا ہوا دوسرے سے ف۱۵۴ یہ تو اللہ پرکھتا ہے تمکو اس سے ف۱۵۵ اور آئندہ کھول دیگا اللہ تم کو قیامت کے دن جس

كُنْتُمْ فِیْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۹۲﴾ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ یُّضِلُّ مَنْ

بات میں تم جھگڑ رہے تھے ف۱۵۶ اور اللہ چاہتا تو تم سب کو ایک ہی فرقہ کر دیتا لیکن راہ بھلاتا ہے جس کو

یَّشَآءُ وَیَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَلَتُسْــَٔلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۳﴾ وَلَا تَتَّخِذُوْۤا اَیْمَانَكُمْ

چاہے اور سمجھاتا ہے جس کو چاہے ف۱۵۷ اور تم سے پوچھ ہوگی جو کام تم کرتے تھے ف۱۵۸ اور نہ ٹھہراؤ اپنی قسموں کو

دَخَلًۢا بَیْنَكُمْ فَتَزِلَّ قَدَمٌۢ بَعْدَ ثُبُوْتِهَا وَتَذُوْقُوا السُّوْٓءَ بِمَا صَدَدْتُّمْ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ۚ

دھوکا آپس میں کہ ڈگ نہ جائے کسی کا پاؤں جمنے کے پیچھے اور تم چکھو سزا اس بات پر کہ تم نے روکا اللہ کی راہ سے

وَلَكُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ﴿۹۴﴾

اور تم کو بڑا عذاب ہو ف۱۵۹

(۱۴۶) **آخرت میں آنحضرتؐ کی شہادت** | یعنی وہ ہولناک دن یاد رکھنے کے قابل ہے جب ہر ایک پیغمبر اپنی اُمت کے معاملات کے متعلق بارگاہ احدیت میں بیان دے گا اور آپ (نبی صلی اللہ علیہ وسلم) اس اُمت کی حالت بتلائیں گے۔ بلکہ بعض مفسرین کے قول کے موافق آپ اُن تمام شہداء کے لئے شہادت دیں گے۔ کہ بیشک انہوں نے اپنا فرض منصبی بخوبی ادا کیا۔ حدیث میں آیا ہے کہ اُمت کے اعمال ہر روز حضورؐ کے روبرو پیش کئے جاتے ہیں آپ اعمال خیر کو دیکھ کر خُدا کا شکر ادا کرتے ہیں اور بداعمالیوں پر مطلع ہو کر نالائقوں کے لئے استغفار فرماتے ہیں۔

(۱۴۷) **قرآن کریم رحمت وبشارت ہے** | یعنی قرآن کریم میں تمام علوم ہدایت اور اصول دین اور فلاح دارین سے متعلق ضروری اُمور کا نہایت مکمل اور واضح بیان ہے۔ اُس میں قیامت کے یہ واقعات بھی آگئے جن کا ذکر اُوپر ہوا۔ اندریں صورت جس پیغمبر پر ایسی جامع کتاب اُتاری گئی اس کی مسئولیت اور ذمہ داری بھی بہت بھاری ہوگی۔ گویا "شَهِیْدًا عَلٰى هٰۤؤُلَآءِ" کے بعد "وَنَزَّلْنَا عَلَیْكَ الْكِتٰبَ تِبْیَانًا لِّكُلِّ شَیْءٍ" فرما کر حضورؐ کے عظیم مرتبہ اور اسی مرتبہ کے مناسب مسئولیت کی طرف لطیف اشارہ فرما دیا۔ "فَلَنَسْــَٔلَنَّ الَّذِیْنَ اُرْسِلَ اِلَیْهِمْ وَلَنَسْــَٔلَنَّ الْمُرْسَلِیْنَ" (اعراف رکوع ۱) ابن کثیر نے اس کو ذرا تفصیل سے بیان کیا ہے۔

۱ کرکے اللہ کو۔ ۲ مضبوط کرنیکے۔ ۳ آپس میں ۴ فریب ۵ بچل۔

(۱۴۸) یعنی یہ کتاب سارے جہان کے لئے سرتاپا ہدایت اور مجسم رحمت ہے۔ فرمانبردار بندوں کو شاندار مستقبل کی خوشخبری سناتی ہے

(۱۴۹) **قرآن کریم کی جامع ترین آیت** "قرآن" کو تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ" فرمایا تھا۔ یہ آیت اس کا ایک نمونہ ہے، ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے ہر ایک خیر و شر کے بیان کو اس آیت میں اکٹھا کر دیا ہے۔ گویا کوئی عقیدہ، خلق، نیت، عمل، معاملہ اچھا یا بُرا ایسا نہیں جو امراً و نہیاً اس کے تحت میں داخل نہ ہو گیا ہو۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ اگر قرآن میں کوئی دوسری آیت نہ ہوتی تو تنہا یہی آیت "تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ" کا ثبوت دینے کے لئے کافی تھی۔ شاید اسی لئے خلیفہ راشد حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے خطبۂ جمعہ کے آخر میں اس کو درج کر کے اُمت کے لئے اُسوۂ حسنہ قائم کر دیا۔ اس آیت کی جامعیت سمجھانے کے لئے تو ایک مستقل تصنیف کی ضرورت ہے۔ تاہم تھوڑا سا اندازہ یوں کیا جا سکتا ہے کہ آیت میں تین چیزوں کا امر فرمایا ہے۔

عدل و احسان عَدْل، اِحْسَان، اِيْتَآءِ ذِي الْقُرْبٰى "عدل" کا مطلب یہ ہے کہ آدمی کے تمام عقائد، اعمال، اخلاق، معاملات، جذبات، اعتدال و انصاف کی ترازو میں تلے ہوں، افراط و تفریط سے کوئی پلّہ جھکنے یا اُٹھنے نہ پائے۔ سخت سے سخت دشمن کے ساتھ بھی معاملہ کرے تو انصاف کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹے۔ اُس کا ظاہر و باطن یکساں ہو، جو بات اپنے لئے پسند نہ کرتا ہو اپنے بھائی کے لئے بھی پسند نہ کرے۔ "احسان" کے معنی یہ ہیں کہ انسان بذات خود نیکی اور بھلائی کا پیکر بن کر دوسروں کا بھلا چاہے۔ مقامِ عدل و انصاف سے ذرا اور بلند ہو کر فضل و عفو اور تلطف و ترحم کی خو اختیار کرے۔ فرض ادا کرنے کے بعد تطوع و تبرّع کی طرف قدم بڑھائے۔ انصاف کے ساتھ مروت کو جمع کرے۔ اور یقین رکھے کہ جو کچھ بھلائی کرے گا خدا اسے دیکھ رہا ہے۔ اُدھر سے بھلائی کا جواب ضرور بھلائی کی صورت میں ملے گا۔ "اَلْاِحْسَانُ اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ فَاِنْ لَّمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَاِنَّهٗ يَرَاكَ" (صحیح بخاری) "هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ" (رحمٰن رکوع ۳) یہ دونوں خصلتیں (یعنی عدل و احسان یا بالفاظ دیگر انصاف و مروّت) تو اپنے نفس اور ہر ایک خویش و بیگانہ اور دوست دشمن سے متعلق تھیں۔ لیکن اقارب کا حق اجانب سے کچھ زائد ہے۔ جو تعلقاتِ قرابت قدرت نے باہم رکھ دیے ہیں انہیں نظر انداز نہ کیا جائے بلکہ اقارب کی ہمدردی اور اُن کے ساتھ مروت و احسان اجانب سے کچھ بڑھ کر ہونا چاہئے۔ صلہ رحم ایک مستقل نیکی ہے جو اقارب و ذوی الارحام کے لئے درجہ بدرجہ استعمال ہونی چاہئے۔ گویا "احسان" کے بعد ذوی القربیٰ کا بالتخصیص ذکر کر کے متنبہ فرما دیا کہ عدل و انصاف تو سب کے لئے یکساں ہے۔ لیکن مروّت و احسان کے وقت بعض مواقع بعض سے زیادہ رعایت و اہتمام کے قابل ہیں۔ فرق مراتب کو فراموش کرنا ایک طرح قدرت کے قائم کئے ہوئے قوانین کو بُھلا دینا ہے۔ اب ان تینوں لفظوں کی ہمہ گیری کو پیش نظر رکھتے ہوئے سمجھدار آدمی فیصلہ کر سکتا ہے کہ وہ کونسی فطری خوبی، بھلائی اور نیکی دنیا میں ایسی رہ گئی ہے جو ان تین فطری اصولوں کے احاطہ سے باہر ہو۔ فللہ الحمد والمنہ۔

(۱۵۰) **فحشاء و منکر** منع بھی تین چیزوں سے کیا۔ فحشاء، منکر، بغی۔ کیونکہ انسان میں تین قوتیں ہیں۔ جن کے بے موقع اور غلط استعمال سے ساری خرابیاں اور بُرائیاں پیدا ہوتی ہیں۔ قوت[۱] بہیمیہ شہوانیہ، قوت[۲] وہمیہ شیطانیہ، قوت[۳] غضبیہ سبُعیہ۔ غالباً "فحشاء" سے وہ بیحیائی کی باتیں مراد ہیں جن کا منشاء شہوت و بہیمیت کی افراط ہو۔ "منکر" معروف کی ضد ہے۔ یعنی نامعقول کام جن پر فطرت سلیمہ اور عقل صحیح انکار کرے۔ گویا قوت وہمیہ شیطانیہ کے غلبہ سے قوت عقلیہ ملکیہ دب جائے۔ تیسری چیز "بغی" ہے۔ یعنی سرکشی کر کے حد سے نکل جانا۔ ظلم و تعدی پر کمر بستہ ہو کر درندوں کی طرح کھانے پھاڑنے کو دوڑنا، اور دوسروں کے جان و مال یا آبرو وغیرہ لینے کے واسطے ناحق دست درازی کرنا۔ اس قسم کی تمام حرکات قوت سبعیہ غضبیہ کے بیجا استعمال سے پیدا ہوتی ہیں۔ الحاصل آیت میں تنبیہ فرما دی کہ انسان جب تک اِن تینوں قوتوں کو قابو میں نہ رکھے اور قوت عقلیہ ملکیہ کو ان سب پر حاکم نہ بنائے، مہذب اور پاک نہیں ہو سکتا۔

(۱۵۱) اکثم بن صیفی نے اس آیت کریمہ کو سُن کر اپنی قوم سے کہا "میں دیکھتا ہوں کہ یہ پیغمبر تمام عمدہ اور اعلیٰ اخلاق کا حکم دیتے ہیں اور کمینہ

اخلاق اور اعمال سے روکتے ہیں۔ تو تم اس کے ماننے میں جلدی کرو۔ فَكُوْنُوْا فِیْ هٰذَا الْاَمْرِ رُؤُسًا وَلَا تَكُوْنُوْا فِیْهِ اَذْنَابًا (یعنی تم اس سلسلہ میں سر بنو، دُم نہ بنو) حضرت عثمان بن مظعون فرماتے ہیں کہ اسی آیت کو سن کر میرے دل میں ایمان راسخ ہوا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت جاگزیں ہوئی۔

(۱۵۲) **ایفائے عہد اور قسموں کا پورا کرنا** اُوپر کی آیت میں جن چیزوں کے کرنے یا چھوڑنے کا حکم تھا اُن کے بعض افراد کو بالتخصیص بیان فرماتے ہیں۔ یعنی ایفائے عہد کی تاکید، اور غدر و بد عہدی سے ممانعت کہ یہ چیز علاوہ فی نفسہ مہتم بالشان ہونے کے اس وقت مخاطبین کے بہت زیادہ مناسب حال تھی۔ جس کا مسلم قوم کے عروج و ترقی اور مستقبل کی کامیابی پر بے انتہا اثر پڑنے والا تھا۔ اسی لئے حکم دیا کہ جب خدا کا نام لے کر اور قسمیں کھا کر معاہدے کرتے ہو تو خدا کے نام پاک کی حرمت قائم رکھو۔ کسی قوم سے یا کسی شخص سے معاہدہ ہو (بشرطیکہ خلاف شرع نہ ہو) مسلمان کا فرض ہے کہ اُسے پورا کرے، خواہ اس میں کتنی ہی مشکلات اور صعوبتوں کا سامنا کرنا پڑے۔ "قول مرداں جاں دارد" خصوصاً جب خدا کا نام لے کر اور حلف کر کے ایک معاہدہ کیا ہے تو سمجھنا چاہیئے کہ قسم کھانا گویا خدا کو اُس معاملہ کا گواہ یا ضامن بنانا ہے وہ جانتا ہے جب تم اُسے گواہ بنا رہے ہو، اور یہ بھی جانتا ہے کہ کہاں تک اس گواہی کا لحاظ رکھتے ہو۔ اگر تم نے خیانت اور بد عہدی کی۔ وہ اپنے علم محیط کے موافق پوری سزا دیگا۔ کیونکہ تمہاری کسی کی کھلی چھپی دغا بازی اس سے مخفی نہیں رہ سکتی۔

(۱۵۳) **عہد توڑنے کی مثال** یعنی عہد باندھ کر توڑ ڈالنا ایسی حماقت ہے جیسے کوئی عورت دن بھر سوت کاتے، پھر کتا کتایا سوت شام کے وقت توڑ کر پارہ پارہ کر دے۔ چنانچہ مکہ میں ایک دیوانی عورت ایسا ہی کیا کرتی تھی۔ مطلب یہ ہے کہ معاہدات کو محض کچے دھاگے کی طرح سمجھ لینا کہ جب چاہا کاتا اور جب چاہا انگلیوں کی ادنیٰ حرکت سے بے تکلف توڑ ڈالا۔ سخت ناعاقبت اندیشی اور دیوانگی ہے بات کا اعتبار نہ رہے تو دنیا کا نظام مختل ہو جائے۔ قول و قرار کی پابندی ہی سے عدل کی ترازو سیدھی رہ سکتی ہے۔ جو قومیں قانون عدل و انصاف سے ہٹ کر محض اغراض و خواہشات کی پوجا کرنے لگتی ہیں۔ اُن کے یہاں معاہدات صرف توڑنے کے لئے رہ جاتے ہیں جہاں معاہد قوم کو اپنے سے کمزور دیکھا، سارے معاہدات ردّی کی ٹوکری میں پھینک دئے گئے۔

(۱۵۴) یعنی معاہدوں اور قسموں کو فریب و دغا، مکاری اور حیلہ سازی کا آلہ مت بناؤ۔ جس طرح اہل جاہلیت کی عادت تھی کہ ایک جماعت کو اپنے سے طاقتور دیکھ کر معاہدہ کر لیا۔ پھر جس وقت کوئی جماعت اُس سے بڑھ کر معزز اور طاقتور سامنے آئی، پہلا معاہدہ توڑ کر نئی جماعت سے عہد و پیمان گانٹھ لئے۔ پھر چند روز بعد ان حلفاء کو کمزور بنانے اور اپنے کو بڑھانے کا موقع پایا تو فوراً معاہدات توڑ ڈالے اور سب قسمیں اور حلف بالائے طاق رکھ دیئے۔ بعینہ جس طرح آج کل یورپین اقوام کا معمول ہے۔

(۱۵۵) **قوموں کی قوت اور ضعف میں آزمائش ہے** یعنی قوت و ضعف میں اقوام کا اختلاف، اُن میں سے کسی کو اوپر چڑھانا کسی کو نیچے گرانا، خدا تعالیٰ نے تمہاری آزمائش کے لئے رکھا ہے اور ایفائے عہد کا حکم دینے میں بھی تمہارا امتحان ہے۔ دیکھنے ہیں کون ثابت قدم رہتا ہے کہ اپنا عہد پورا کرتے ہیں حلفاء کی قوت و ضعف کی کچھ پروا نہیں کرتا۔ باقی اقبال و ادبار کسی کے بدلے سے بدلا نہیں جاتا۔ ادبار کی جگہ اقبال اور ضعف کی جگہ قوت خدا ہی لائے تو آئے۔ ہاں بد عہدی کا خیال آنا اس کی علامت ہے کہ ادبار آنے والا ہے۔

(۱۵۶) یعنی یہاں امتحان ہے۔ نتیجۂ امتحان قیامت کے دن کھل جائیگا۔ جس وقت ضعف و طاقت کے سب جھگڑے چکا دیے جائیں گے۔

(۱۵۷) یعنی اُسے قدرت تھی کہ اختلاف نہ رہنے دیتا، مگر حکمت اس کو مقتضی نہ تھی۔ جیسا کہ کئی مواقع میں ہم اس کی تقریر کر چکے ہیں۔

(۱۵۸) حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "اس سے معلوم ہوا کہ کافر سے بھی غدر اور بد عہدی نہ کرے۔ کفران باتوں سے ہٹتا نہیں۔ اور اپنے

اُوپر وبال آتا ہے۔

(۱۵۹) **بدعہدی سے بچو** یعنی عہد شکنی کر کے اور قسمیں توڑ کر بدعہدی کی راہ مت نکالو۔ اور مسلمان قوم کو بدنام نہ کرو۔ کہ تمہارے خراب اور پست کیرکٹر کو دیکھ کر یقین لانے والے شک میں پڑ جائیں۔ اور غیر مسلم قومیں اسلام میں داخل ہونے سے رُکنے لگیں۔ اور تم پر خدا کی راہ سے رُکنے کا گناہ چڑھے جس کی سزا بڑی سخت ہوگی۔

وَلَا تَشْتَرُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۭ اِنَّمَا عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝۹۵ مَا

اور نہ لو اللہ کے عہد پر مول تھوڑا سا بیشک جو اللہ کے یہاں ہے وہی بہتر ہے تمہارے حق میں اگر تم جانتے ہو ف۱۶۰ جو

عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ ۭ وَلَنَجْزِيَنَّ الَّذِيْنَ صَبَرُوْٓا اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا

تمہارے پاس ہے ختم ہو جائیگا اور جو اللہ کے پاس ہے کبھی ختم نہ ہوگا ف۱۶۱ اور ہم بدلے میں دینگے صبر کرنیوالوں کو اُن کا حق اچھے کاموں پر جو کرتے

يَعْمَلُوْنَ ۝۹۶ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ۚ وَ

تھے ف۱۶۲ جس نے کیا نیک کام مرد ہو یا عورت ہو اور وہ ایمان پر ہے تو اُس کو ہم زندگی دینگے ایک اچھی زندگی ف۱۶۳ اور

لَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝۹۷ فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ

بدلے میں دینگے اُن کو حق اُن کا بہتر کاموں پر جو کرتے تھے سو جب تو پڑھنے لگے قرآن تو پناہ لے اللہ کی

الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ۝۹۸ اِنَّهٗ لَيْسَ لَهٗ سُلْطٰنٌ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰي رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ۝۹۹

شیطان مردود سے ف۱۶۴ اُس کا زور نہیں چلتا اُن پر جو ایمان رکھتے ہیں اور اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں۔ ف۱۶۵

۱۳ ع ۱۱ ۱۹ اِنَّمَا سُلْطٰنُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يَتَوَلَّوْنَهٗ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِهٖ مُشْرِكُوْنَ ۝۱۰۰ وَاِذَا بَدَّلْنَآ اٰيَةً مَّكَانَ

اس کا زور تو اُنہی پر ہے جو اُس کو رفیق سمجھتے ہیں اور جو اُس کو شریک مانتے ہیں ف۱۶۶ اور جب ہم بدلتے ہیں ایک آیت کی جگہ

اٰيَةٍ ۙ وَّاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يُنَزِّلُ قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مُفْتَرٍ ۭ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝۱۰۱

دوسری آیت اور اللہ خوب جانتا ہے جو اُتارتا ہے تو کہتے ہیں تو تو بنا لاتا ہے یہ بات نہیں پر اکثروں کو اُن میں خبر نہیں ف۱۶۷

(۱۶۰) **اللہ کا عہد پورا کرو** پہلے مذکور تھا آپس میں قول توڑنے کا۔ اب اللہ سے قول توڑنے کا ذکر ہے۔ یعنی مال کی طمع سے خلاف شرع حکم مت کرو۔ انجام کار ایسا مال وبال لائیگا جو موافق شرع ہاتھ لگے، تمہارے حق میں وہ ہی بہتر ہے (موضح القرآن) یا ایفائے عہد کا جو اجر خدا کے یہاں ملیگا وہ اس ثمن قلیل سے کہیں بہتر ہے ثمن کو قلیل اس لئے کہا کہ اگر ساری دنیا بھی ملجائے تب بھی آخرت کے مقابلہ میں قلیل وحقیر ہے۔

(۱۶۱) پھر باقی ودائم کو چھوڑ کر فانی وزائل کا پسند کرنا کہاں کی عقلمندی ہے۔

(۱۶۲) یعنی جو لوگ خدا کے عہد پر ثابت قدم رہیں گے۔ اور تمام مشکلات اور صعوبتوں کو صبر کے ساتھ برداشت کرینگے، اُن کا اجر ضائع ہونیوالا نہیں۔ ایسے بہترین عمل کا بدلہ ضرور ہمارے یہاں سے مل کر رہیگا۔

(۱۶۳) **عمل صالح اور حیات طیبہ** اوپر کی آیت میں صابرین اور ایفائے عہد کرنے والوں کے اجر کا ذکر تھا۔ یہاں تمام اعمال صالحہ کے متعلق

سلہ مال۔ سلہ سورہ منہ والا ہے۔ سلہ بہتر۔

عام ضابطہ بیان فرماتے ہیں۔ حاصل یہ ہے کہ جو کوئی مرد یا عورت نیک کاموں کی عادت رکھے۔ بشرطیکہ وہ کام صرف صورۃً نہیں بلکہ حقیقۃً نیک ہوں۔ یعنی ایمان اور معرفت صحیحہ کی روح اپنے اندر رکھتے ہوں تو ہم اُس کو ضرور پاک، ستھری اور مزیدار زندگی عنایت کریںگے۔ مثلاً دنیا میں حلال روزی قناعت و غنائے قلبی، سکون و طمانیت، ذکر اللہ کی لذت، حُبِّ الٰہی کا مزہ، ادائے فرض عبودیت کی خوشی، کامیاب مستقبل کا تصور تعلق مع اللہ کی حلاوت جس کا ذائقہ چکھ کر ایک عارف نے کہا تھا ؎ چوں چتر سنجری رُخ بختم سیاہ باد ۔ در دل اگر بود ہوس ملک سنجرم، زانگہ کہ یافتم خبر از ملک نیم شب ۔ من ملک نیم روز بیک جو نمی خرم ۔ سچ ہے "اَھْلُ اللَّیْلِ فِیْ لَیْلِھِمْ اَلَذُّ مِنْ اَھْلِ اللَّھْوِ فِیْ لَھْوِھِمْ" اسی لئے ایک بزرگ نے فرمایا کہ اگر سلاطین کو خبر ہو جائے کہ شب بیداروں کو رات کے اُٹھنے میں کیا لذت و دولت حاصل ہوتی ہے تو اس کے چھیننے کے لئے اُسی طرح لشکر کشی کریں۔ جیسے ملک گیری کے لئے کرتے ہیں۔ بہرحال مومن قانت کی پاک اور مزہ دار زندگی یہیں سے شروع ہو جاتی ہے قبر میں پہنچ کر اُس کا رنگ اور زیادہ نکھر جاتا ہے۔ آخر انتہا، اُس حیات طیبہ پر ہوتی ہے جس کے متعلق کہا ہے "حَیَاۃٌ بِلَا مَوْتٍ، وَغِنًی بِلَا فَقْرٍ، وَصِحَّۃٌ بِلَا سُقْمٍ، وَمُلْکٌ بِلَا ھُلْکٍ، وَسَعَادَۃٌ بِلَا شَقَاوَۃٍ" رزقنا اللہ تعالیٰ بفضلہ ومنہ ایاہا۔ (تنبیہ) اس آیت نے بتلا دیا کہ قرآن کی نظر میں عورت اور مرد کی نیکی اور کامیابی کا ایک ہی ضابطہ ہے۔ یعنی عورت اور مرد بلا امتیاز اپنے اپنے حسب حال نیکی کر کے پاک زندگی حاصل کر سکتے ہیں۔

(۱۶۴) **قرآن کی تلاوت کا ایک خاص ادب** حدیث میں ہے "خَیْرُکُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْاٰنَ وَعَلَّمَہٗ" (تم میں بہتر وہ ہے جو قرآن سیکھے اور سکھلائے) معلوم ہوا کہ مومن کے لئے قرأت قرآن بہترین کام ہے۔ اور پچھلی آیات میں دو مرتبہ بہتر کاموں پر اجر ملنے کا ذکر تھا اس لئے یہاں قرأت قرآن کے بعض آداب کی تعلیم فرماتے ہیں تاکہ آدمی بے احتیاطی سے اس بہتر کام کا اجر ضائع نہ کر بیٹھے۔ شیطان کی کوشش ہمیشہ یہ رہتی ہے کہ لوگوں کو نیک کاموں سے روکے خصوصاً قرأت قرآن جیسے کام کو جو تمام نیکیوں کا سرچشمہ ہے۔ کب ٹھنڈے دل سے گوارا کر سکتا ہے۔ ضرور اُس کی کوشش ہوگی کہ مومن کو اس سے باز رکھے، اور اس میں کامیاب نہ ہو تو ایسی آفات میں بتلا کر دے جو قرأت قرآن کا حقیقی فائدہ حاصل ہونے سے مانع ہوں۔ ان سب مغویانہ تدبیروں اور پیش آنیوالی خرابیوں سے حفاظت کا یہی طریقہ ہو سکتا ہے کہ جب مومن قرأت قرآن کا ارادہ کرے، پہلے صدق دل سے حق تعالیٰ پر بھروسہ کرے اور شیطان مردود کی زد سے بھاگ کر خداوند قدوس کی پناہ میں آجائے۔ اصلی استعاذہ (پناہ میں آنا) تو دل سے ہے۔ مگر زبان و دل کو موافق کرنے کے لئے مشروع ہے کہ ابتدائے قراءت میں زبان سے بھی "اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ" پڑھے۔

(۱۶۵) **متوکلین پر شیطان کا زور نہیں چلتا** یعنی جس نے خدا پر بھروسہ کیا اور اُس کی پناہ ڈھونڈی اُس پر شیطان زور سے حاوی نہیں ہو سکتا اگر ایسا شخص کسی وقت محض تھوڑی دیر کے لئے بمقتضائے بشریت شیطان کے چکمہ میں آیا بھی۔ تب بھی شیطان اپنا قبضہ اور تسلط اُس پر نہیں جما سکتا۔ بہت جلد اُس کی آنکھ کھل جائیگی۔ اور غفلت میں تمادی نہ ہوگی۔ اِنَّ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّھُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّیْطٰنِ تَذَکَّرُوْا فَاِذَا ھُمْ مُّبْصِرُوْنَ وَاِخْوَانُھُمْ یَمُدُّوْنَھُمْ فِی الْغَیِّ ثُمَّ لَا یُقْصِرُوْنَ (الاعراف رکوع ۲۴)۔

(۱۶۶) یعنی جو لوگ از خود شیطان کو اپنا رفیق بنا لیں اور بجائے ایک خدا پر بھروسہ کرنے کے اُس پر بھروسہ رکھیں۔ گویا اُس کو خدائی کا شریک ٹھہرا لیں یا اس کے اغواء سے دوسری چیزوں کو خدا کا شریک مانیں، انہی پر شیطان کا پورا قبضہ اور تسلط ہے کہ جس طرح چاہتا ہے اُنگلیوں پر نچاتا ہے۔

(۱۶۷) **نسخ کی حقیقت** پہلے حکم دیا تھا کہ قرآن پڑھتے وقت شیطان رجیم کے کید سے پناہ ڈھونڈو۔ کہیں وہ اس بہترین کام میں رکاوٹ اور خرابی نہ ڈالے۔ یہاں اُس کی بعض رکاوٹوں کا ذکر کرتے ہیں جو قرآن کے متعلق پیدا کرتا تھا۔ واقعہ یہ ہے کہ پورا قرآن ایک مرتبہ تو نازل ہوا

نہیں، موقع بموقع آیات نازل ہوتی تھیں۔ ان میں بعض وقتی احکام بھی آتے تھے۔ پھر دوسرے وقت حالات کے تبدیل ہونے پر دوسرا حکم آجاتا تھا مثلاً ابتداء میں قتال سے ممانعت اور ہاتھ روک کے رکھنے کا حکم تھا۔ ایک زمانہ کے بعد اجازت دی گئی۔ یا ابتداء میں حکم تھا قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا نِّصْفَهٗ الخ تھوڑی مدت کے بعد مکہ ہی میں یہ آیات نازل ہوئیں۔ عَلِمَ اَنْ لَّنْ تُحْصُوْهُ فَتَابَ عَلَيْكُمْ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ" الخ کفار ایسی چیزوں کو سن کر اعتراض کرتے کہ یہ خدا کا کلام کیسے ہو سکتا ہے؟ کیا خدا تعالیٰ نے (معاذ اللہ) پہلے بیخبری سے ایک بات کا حکم دیدیا تھا؟ پھر خبر ہوئی تو دوسرا حکم اتارا؟ معلوم ہوتا ہے کہ یہ کلام آپ خود بنا لاتے ہیں۔ ورنہ خدا کے احکام ایسے نہیں ہو سکتے کہ ایک دن کچھ دوسرے دن کچھ۔ اس طرح کے شبہات دوساوس ممکن تھا شیطان بعض مسلمانوں کے دلوں میں القا کرے۔ اس کا جواب دیتے ہیں کہ تمہارا یہ اعتراض محض جہالت سے ہے۔ تم کو اگر "نسخ" کی حقیقت معلوم ہوتی تو کبھی ایسا لفظ زبان سے نہ نکالتے "نسخ" کا مطلب صرف اس قدر ہے کہ ایک میعادی حکم کی میعاد پوری ہونے پر دوسرا حکم بھیجا جائے۔ کیا طبیب منضج کا نسخہ دس بیس دن پلا کر اگر مسہل تجویز کرے تو اسے طبیب کی کم علمی یا بیخبری پر محمول کیا جا سکتا ہے؟ یا جو ایسا کہے وہ خود جاہل اور بے خبر کہلائیگا۔ حق تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ جس وقت جو حکم اتارا گیا یعنی جو روحانی غذا یا دوا تجویز کی گئی وہ کہاں تک مریضوں کے مزاج اور حالات کے مناسب ہے۔

قُلْ نَزَّلَهٗ رُوْحُ الْقُدُسِ مِنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ لِيُثَبِّتَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهُدًى وَّبُشْرٰى

تو کہہ اس کو اتارا ہے پاک فرشتے نے تیرے رب کی طرف سے بلاشبہ ف۱۶۸ تاکہ ثابت کرے ایمان والوں کو اور ہدایت اور خوشخبری

لِلْمُسْلِمِيْنَ ﴿۱۰۲﴾ وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ اِنَّمَا يُعَلِّمُهٗ بَشَرٌ ؕ لِسَانُ الَّذِيْ يُلْحِدُوْنَ

مسلمانوں کے واسطے ف۱۶۹ اور ہم کو خوب معلوم ہے کہ وہ کہتے ہیں اس کو تو سکھلاتا ہے ایک آدمی ف۱۷۰ جس کی طرف تعریض کرتے ہیں اس کی زبان

اِلَيْهِ اَعْجَمِيٌّ وَّهٰذَا لِسَانٌ عَرَبِيٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۱۰۳﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۙ لَا

ہے عجمی اور یہ قرآن زبان عربی ہے صاف ف۱۷۱ وہ لوگ جن کو اللہ کی باتوں پر یقین نہیں ان

يَهْدِيْهِمُ اللّٰهُ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۰۴﴾ اِنَّمَا يَفْتَرِي الْكَذِبَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ

کو اللہ راہ نہیں دیتا اور ان کے لئے عذاب دردناک ہے ف۱۷۲ جھوٹ تو وہ لوگ بناتے ہیں جن کو یقین نہیں

بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ﴿۱۰۵﴾ مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِهٖٓ اِلَّا مَنْ

اللہ کی باتوں پر اور وہی لوگ جھوٹے ہیں ف۱۷۳ جو کوئی منکر ہوا اللہ سے یقین لانے کے پیچھے مگر وہ نہیں جس پر

اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ وَلٰكِنْ مَّنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ

زبردستی کی گئی اور اس کا دل برقرار ہے ایمان پر ف۱۷۴ ولیکن جو کوئی دل کھول کر منکر ہوا سو ان پر غضب ہے

مِّنَ اللّٰهِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۰۶﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ اسْتَحَبُّوا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا عَلَى الْاٰخِرَةِ

اللہ کا اور ان کو بڑا عذاب ہے یہ اس واسطے کہ انہوں نے عزیز رکھا دنیا کی زندگی کو آخرت سے

وَاَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۰۷﴾

اور اللہ راستہ نہیں دیتا منکر لوگوں کو ف۱۷۵

(۱۶۸) **قرآن رُوح القدس کا لایا ہُوا ہے** یعنی میرا یا کسی بشر کا بنایا ہوا کلام نہیں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ یہ تو وہ کلام ہے جو بلاشبہ میرے رب نے رُوح القدس (پاک فرشتہ جبریل امین) کے ذریعہ سے عین حکمت و مصلحت کے موافق مجھ پر نازل فرمایا گویا "مِنۡ رَّبِّكَ" کہہ کر متنبہ فرما دیا کہ اس کی نازل کرنے والی وہ ہستی ہے جس نے خود محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اس قدر حیرت انگیز طریقہ سے ایسے اعلیٰ و اکمل اخلاق پر تربیت فرمائی جو تمہارے سامنے ہے۔ اور "روح القدس" کا واسطہ بیان فرما کر شاید اس طرف اشارہ کرنا ہو کہ جس کلام کا حامل "روح القدس" بنایا گیا، وہ روحانیت، پاکیزگی اور ملکوتی خصال کا پیکر ہونا چاہیئے۔ چنانچہ دیکھ لو ان اوصاف میں اس شان کا کیا کوئی دوسرا کلام آسمان کے نیچے نظر آتا ہے۔

(۱۶۹) یعنی موقع بہ موقع اور بتدریج احکام و آیات کا نزول دیکھ کر ایمان والوں کے دل قوی اور اعتقاد پختہ ہوتے ہیں کہ ہمارا رب ہمارے ہر حال اور زندگی کے ہر ایک دور سے پورا خبردار ہے اور نہایت حکمت سے ہماری تربیت کرتا ہے۔ جیسے حالات پیش آئیں، اُن کے موافق ہدایت و رہنمائی کرتا اور ہر کام پر اُس کے مناسب خوشخبری سناتا ہے۔

(۱۷۰) **آنحضرتؐ پر ایک احمقانہ اعتراض** یعنی قرآن شریف نہ خدا کا کلام ہے، ورنہ نسخ اس میں نہ ہوتا۔ اور نہ یہ آپ کا کلام ہو سکتا ہے۔ کیونکہ آپ کا اُمّی ہونا سب کو معلوم و مسلّم تھا۔ ایک اُمّی جس نے نہ کبھی کوئی کتاب چھوئی ہو نہ قلم ہاتھ میں پکڑا ہو بلکہ باوجود اعلیٰ درجہ کے قریشی ہونے کے چالیس برس تک ایک شعر بھی زبان سے نہ کہا ہو، جس میں عرب کی چھوکریاں تک فطری سلیقہ اور ملکہ رکھتی تھیں، کیسے گمان کیا جا سکتا ہے کہ وہ بدون تعلیم و تعلّم کے دفعۃً ایسی کتاب بنا لائے جو اس قدر عجیب و غریب علوم و حکم، مؤثر ہدایات اور کایا پلٹ کر دینے والے قوانین و احکام پر مشتمل ہو۔ ناگزیر کہنا پڑے گا کہ کوئی دوسرا شخص انہیں یہ باتیں سکھلاتا اور ایسا کلام بنا کر دیدیتا ہے۔ وہ شخص کون تھا جس کی بے اندازہ قابلیت سے قرآن جیسی کتاب تیار ہوئی اُس کے نام میں اختلاف تھا جبر، یسار، عائش، یعیش۔ کئی عجمی غلاموں کے نام لیئے گئے ہیں جن میں کوئی یہودی تھا کوئی نصرانی۔ بلکہ بعض کی نسبت کہا گیا ہے کہ وہ نصرانیت چھوڑ کر مذہب اسلام قبول کر چکے تھے۔ کہتے ہیں حضور گاہ بگاہ آتے جاتے ان میں سے کسی ایک کے پاس بیٹھتے تھے یا وہ حضور کی خدمت میں کبھی حاضر ہوا کرتا تھا۔ مگر تعجب ہے، اتنے بڑے قابل انسانوں کا تو نام بھی تاریخ نے پورے تیقن و تعین کے ساتھ یاد نہ رکھا۔ اور جو اُن سے سیکھ کر محض نقل کر دیا کرتے تھے، دنیا اُن کے قدموں پر گر پڑی۔ حتیٰ کہ جنہوں نے اُن کو نبی نہ مانا، دنیا کا سب سے بڑا مصلح اور کامل انسان اُن کو بھی تسلیم کرنا پڑا۔ بہرحال مشرکین کے اس سفیہانہ اعتراض سے یہ ضرور ثابت ہو گیا کہ دعوٰی بعثت سے پہلے آپ کا اُمّی ہونا اُن کے نزدیک ایسا مسلّم تھا کہ قرآنی علوم و معارف کو آپ کی اُمیّت مسلمہ سے تطبیق نہ دے سکتے تھے۔ اِسی لیئے کہنا پڑتا تھا کہ کوئی دوسرا شخص آپ کو یہ باتیں سکھلا جاتا ہے۔ بلاشبہ آپ سکھلائے ہوئے تھے، لیکن سکھلانیوالا کوئی بشر نہ تھا، وہ رب قدیر تھا جس نے فرمایا "اَلرَّحۡمٰنُ عَلَّمَ الۡقُرۡاٰنَ"۔

(۱۷۱) **قرآن کی فصاحت و بلاغت** یعنی اگر قرآن کے علوم خارقہ اور دوسری وجوہ اعجاز کو اپنی غباوت کی وجہ سے تم نہیں سمجھ سکتے تو اس کی زبان کی معجزانہ فصاحت و بلاغت کا ادراک تو کر سکتے ہو۔ جس کے متعلق بار بار چیلنج دیا جا چکا اور اعلان کیا جا چکا ہے کہ تمام جن و انس مل کر بھی اس کلام کا مثل پیش نہ کر سکیں گے پھر جس کا مثل لانے سے عرب کے تمام فصحاء و بلغاء بلا استثناء احدٍ عاجز و درماندہ ہوں ایک گمنام عجمی بازاری غلام سے کیونکر اُمید کی جا سکتی ہے کہ ایسا کلام معجز تیار کر کے پیش کر دے۔ اگر تمام عرب کو چھوڑ کر کوئی شخص بالفرض ایسا کلام بنا سکتا تو وہ خود حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہوتے۔ مگر قرآن کے سوا آپ کے دوسرے کلام کا ذخیرہ قرآن کے بیان کردہ موضوعات پر موجود ہے، جو باوجود انتہائی فصاحت کے کسی ایک چھوٹی سے چھوٹی سورت قرآنی کی ہمسری نہیں کر سکتا۔

(۱۷۲) یعنی کھلے دلائل کے باوجود جو شخص یہ ہی دل میں ٹھان لے کہ یقین نہیں کرونگا، خدا تعالیٰ بھی اُس کو مقصد پر پہنچنے کی راہ نہیں دیتا۔ جتنا سمجھایئے کبھی نہ سمجھے گا۔ بلا اعتقاد آدمی ہدایت سے محروم رہ کر آخر سخت سزا کا مستحق ہوتا ہے۔

(۱۷۳) کاذبین | یعنی آپ کو کہتے ہیں "اِنَّمَآ اَنْتَ مُفْتَرٍ" حالانکہ آپ کی امانت و راستبازی پہلے سے مسلم اور ہر ایک چال ڈھال سے ظاہر تھی۔ کیا جھوٹ بنانے والوں کا چہرہ اور طور و طریق ایسا ہوتا ہے؟ جھوٹ بنانا تو اُن اشقیاء کا شیوہ ہے جو خدا کی باتیں سُن کر اور اُس کے نشانات دیکھ کر بھی یقین نہ کریں۔ اس سے بڑا جھوٹ کیا ہوگا کہ آدمی خدا کی باتوں کو جھوٹا کہے۔

(۱۷۴) مُرتد کون ہے؟ | ایک تو وہ مجرم ہیں جو سیکڑوں دلائل و آیات سُن کر بھی یقین نہ لائیں۔ مگر ان سے بڑھ کر مجرم وہ ہیں جو یقین لانے اور تسلیم کرنے کے بعد شیطانی شبہات و وساوس سے متاثر ہو کر صداقت سے منکر ہو جائیں۔ جیسا کہ عبداللہ بن ابی سرح نے کیا تھا کہ ایمان لانے کے بعد مرتد ہو گیا۔ العیاذ باللہ۔ ایسے لوگوں کی سزا آگے بیان فرمائی ہے۔ درمیان میں "اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ الخ" سے ایک ضروری استثناء کر دیا گیا۔ یعنی اگر کوئی مسلمان صدق دل سے برابر ایمان پر قائم ہے ایک لمحہ کے لئے بھی ایمانی روشنی اور قلبی طمانیت اس کے قلب سے جدا نہیں ہوئی صرف کسی خاص حالت میں بہت ہی سخت دباؤ اور زبردستی سے مجبور ہو کر شدید ترین خوف کے وقت گلوخلاصی کے لئے محض زبان سے منکر ہو جائے یعنی کوئی کلمۂ اسلام کے خلاف نکال دے بشرطیکہ اس وقت بھی قلب میں کوئی تردد نہ ہو۔ بلکہ زبانی لفظ سے سخت کراہیت و نفرت ہو، ایسا شخص مرتد نہیں بلکہ مسلمان ہی سمجھا جائیگا۔ ہاں اس سے بلند مقام وہ ہے کہ آدمی مرنا قبول کرے مگر منہ سے بھی ایسا لفظ نہ نکالے۔ جیسا کہ حضرت بلالؓ حضرت یاسرؓ حضرت سمیہؓ حضرت خبیب بن زید انصاری اور حضرت عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہم وغیرہ کے واقعات تاریخوں میں موجود ہیں۔ بنظر اختصار ہم یہاں درج نہیں کر سکتے ابن کثیر میں دیکھ لئے جائیں۔

(۱۷۵) یعنی ایسے منکروں کو جو حیات دنیا ہی کو کعبۂ مقصود ٹھہرا لیں، کامیابی کا رستہ کہاں ملتا ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "جو کوئی ایمان سے پھرا ہے تو دنیا کی غرض کو، جان کے ڈر سے یا برادری کی خاطر سے یا زر کے لالچ سے جس نے دنیا عزیز رکھی اُس کو آخرت کہاں؟ اگر جان کے ڈر سے لفظ کہے تو چاہئے جب ڈر کا وقت جا چکے پھر توبہ و استغفار کر کے ثابت ہو جائے۔

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ طَبَعَ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ وَسَمْعِهِمْ وَأَبْصَارِهِمْ ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْغَافِلُونَ ﴿١٠٨﴾

یہ وہی ہیں کہ مہر کر دی اللہ نے اُن کے دل پر اور کانوں پر اور آنکھوں پر اور یہی وہیں بیہوش سے ف ۱۷۶

لَا جَرَمَ أَنَّهُمْ فِي الْآخِرَةِ هُمُ الْخَاسِرُونَ ﴿١٠٩﴾ ثُمَّ إِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِينَ هَاجَرُوا مِنْ بَعْدِ

خود ظاہر ہے کہ آخرت میں یہی لوگ خراب ہیں ف ۱۷۷ پھر بات یہ ہے کہ تیرا رب اُن لوگوں پر کہ اُنہوں نے وطن چھوڑا ہے بعد

مَا فُتِنُوا ثُمَّ جَاهَدُوا وَصَبَرُوا إِنَّ رَبَّكَ مِنْ بَعْدِهَا لَغَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿١١٠﴾ يَوْمَ تَأْتِي كُلُّ

اس کے کہ مصیبت اٹھائی پھر جہاد کرتے رہے اور قائم رہے بیشک تیرا رب ان باتوں کے بعد بخشنے والا مہربان ہے ف ۱۷۸ جس دن آئیگا ہر

نَفْسٍ تُجَادِلُ عَنْ نَفْسِهَا وَتُوَفَّىٰ كُلُّ نَفْسٍ مَا عَمِلَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿١١١﴾

جی جواب سوال کرتا اپنی طرف سے ف ۱۷۹ اور پورا ملیگا ہر کسی کو جو اُس نے کمایا اور اُن پر ظلم نہ ہوگا ف ۱۸۰

(۱۷۶) یعنی دنیا طلبی اور ہوا پرستی کے نشہ میں ایسے مست و بیہوش ہیں جن کے ہوش میں آنے کی کوئی اُمید نہیں خدا کی دی ہوئی لے بچلائے گئے۔

قوتیں انہوں نے سب بیکار کر دیں۔ آخر کانوں سے حق کی آواز سننے، آنکھوں سے حق کے نشان دیکھنے، اور دلوں سے حق بات سمجھنے اور سوچنے کی توفیق سلب ہو گئی۔ مہر کرنے کا مطلب پہلے سورہ بقرہ وغیرہ میں گذر چکا ہے۔

(۱۷۷) یعنی جو لوگ اپنی بے اعتدالیوں اور غلط کاریوں سے خدا کی بخشی ہوئی قوتیں تباہ کر ڈالیں اور دنیا ہی کو قبلہ مقصود بنا لیں، ان سے بڑھ کر خراب انجام کس کا ہوگا۔

(۱۷۸) **حضرت عمار کا کلمہ کفر اور توبہ** مکہ میں بعضے لوگ کافروں کے ظلم سے بچل گئے تھے یا صرف زبانی لفظ کفر کہہ لیا تھا۔ اس کے بعد جب ہجرت کی، جہاد کیا، اور بڑے استقلال و پامردی سے اسلام پر قائم رہے، اتنے کام ایمان کے کیئے، وہ تقصیر بخشی گئی اور خدا کی مہربانی مبذول ہوئی۔ ایک بزرگ تھے "عمار" ان کے باپ تھے "یاسر" اور ماں "سمیہ" دونوں ظلم اٹھاتے مر گئے، پر لفظ کفر نہ کہا، یہ مسلمانوں کا پہلا خون تھا جو خدا کی راہ میں گرا بیٹے (عمار) نے خوف جان سے لفظ کہہ دیا پھر روتے ہوئے حضرت کے پاس آئے۔ تب یہ آیتیں اتریں رضی اللہ عنہم اجمعین۔

(۱۷۹) یعنی ایک کی طرف سے دوسرا نہ بول سکیگا۔ ماں، باپ، بہن، بھائی، بیوی، اولاد، احباب واقارب کوئی کام نہ دیگا۔ ہر شخص اپنی فکر میں پڑا ہوگا کہ کس طرح خدا کے عذاب سے مخلصی حاصل کرے۔ طرح طرح کے جھوٹے سچے عذر برأت کے لئے تراشے گا۔ اور جواب و سوال کر کے چاہے گا کہ رستگاری حاصل کر لے۔

(۱۸۰) یعنی نیکی کے ثواب میں کمی نہ ہوگی اور بدی کی سزا استحقاق سے زائد نہ دیجائیگی۔

وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ اٰمِنَةً مُّطْمَىِٕنَّةً يَّاْتِيْهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِّنْ كُلِّ

اور بتلائی اللہ نے ایک مثال[1] ایک بستی تھی چین امن سے ف ۱۸۱ چلی آتی تھی اس کو روزی فراغت کی ہر جگہ

مَكَانٍ فَكَفَرَتْ بِاَنْعُمِ اللّٰهِ فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ بِمَا كَانُوْا

سے ف ۱۸۲ پھر ناشکری کی اللہ کے احسانوں کی پھر چکھایا اس کو اللہ نے مزہ کہ ان کی تن کے کپڑے ہو گئے بھوک اور ڈر بدلہ اس کا جو وہ

يَصْنَعُوْنَ ۝۱۱۲ وَلَقَدْ جَاۗءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْهُمْ فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَهُمُ الْعَذَابُ وَهُمْ ظٰلِمُوْنَ ۝۱۱۳

کرتے تھے ف ۱۸۳ اور ان کے پاس پہنچ چکا رسول انہی میں کا پھر اس کو جھٹلایا پھر آپکڑا ان کو عذاب نے اور وہ گنہگار تھے ف ۱۸۴

فَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا ۠ وَّاشْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ۝۱۱۴

سو کھاؤ جو روزی دی تم کو اللہ نے حلال اور پاک اور شکر کرو اللہ کے احسان کا اگر تم اسی کو پوجتے ہو ف ۱۸۵

اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ

اللہ نے تو یہی حرام کیا ہے تم پر مردار اور لہو اور سور کا گوشت اور جس پر نام پکارا اللہ کے سوا کسی اور کا پھر جو کوئی ناچار ہو جائے

غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۱۱۵

نہ زور کرتا ہو نہ زیادتی تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے ف ۱۸۶

(۱۸۱) **ایک بستی کی مثال** یعنی نہ باہر سے دشمن کا کھٹکا نہ اندر سے کسی طرح کی فکر و تشویش۔ خوب امن چین سے زندگی گذرتی تھی۔

(۱۸۲) یعنی کھانے کے لئے غلے اور پھل وغیرہ کھنچے چلے آتے تھے، ہر چیز کی افراط تھی، گھر بیٹھے دنیا کی نعمتیں ملتی تھیں۔

[1] مثل۔

(۱۸۳) اس بستی کے رہنے والوں نے خدا کے انعامات کی قدر نہ پہچانی، دنیا کے مزوں میں پڑ کر ایسے غافل اور بدمست ہوئے کہ منعم حقیقی کا دھیان بھی نہ آیا۔ بلکہ اُس کے مقابلہ میں بغاوت کی ٹھان لی، آخر خدا تعالیٰ نے اُن کی ناشکری اور کفران نعمت کا مزہ چکھایا۔ یعنی چین (امن) کی جگہ خوف و ہراس نے اور فراخ روزی کی جگہ بھوک اور قحط کی مصیبت نے اُن کو اس طرح گھیر لیا، جیسے کپڑا، پہننے والے کے بدن کو گھیر لیتا ہے ایک دم کو بھوک اور ڈر اُن سے جُدا نہ ہوتا تھا۔

(۱۸۴) ظاہری نعمتوں کے علاوہ جو اوپر مذکور ہوئی ایک بڑی بھاری باطنی نعمت بھی اُن کو دی گئی تھی، یعنی انہی کی قوم و نسب میں سے ایک رسول بھیجا گیا، جس کا اتباع کر کے وہ خدا کی خوشنودی کے بڑے اُونچے مقامات حاصل کر سکتے تھے۔ انہوں نے اتباع و تصدیق کی جگہ اُس کی تکذیب و مخالفت پر کمر باندھ لی اور اس طرح پستی میں گرتے چلے گئے، آخر قدیم سنت اللہ کے موافق ظالموں اور گنہگاروں کو عذاب نے آپکڑا پھر کسی کی کوئی تدبیر پیش نہ گئی۔ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ ان آیات میں کسی معین بستی کا تذکرہ نہیں۔ محض بطور تمثیل کسی تباہ شدہ بستی کا لاعلی التعیین حوالہ دیکر یا ایک ایسی بستی کا وجود فرض کر کے کفار مکہ کو آگاہ کیا گیا ہے کہ تم نے ایسا کیا تو تمہارے ساتھ بھی ایسا ہی معاملہ ہو سکتا ہے۔ کفران نعمت اور تکذیب و عداوتِ رسول کی سزا سے بے فکر نہ ہوں۔ بعض علماء کے نزدیک اس مثال میں بستی سے مراد مکہ معظمہ ہے جہاں ہر قسم کا امن چین تھا اور باوجود وادی غیر ذی زرع ہونے کے طرح طرح کے پھل اور میوے کھنچے چلے آتے تھے۔ "اَوَلَمْ نُمَكِّنْ لَّهُمْ حَرَمًا اٰمِنًا يُّجْبٰٓى اِلَيْهِ ثَمَرٰتُ كُلِّ شَيْءٍ" (القصص رکوع ۶) اہل مکہ نے ان نعمتوں کی کچھ قدر نہ جانی، شرک و عصیان، بے حیائی، اور اوہام پرستی میں منہمک ہو گئے، پھر خدا تعالیٰ نے سب سے بڑی نعمت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت میں بھیجی، اُس کے انکار و تکذیب میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھا۔ "اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ كُفْرًا وَّاَحَلُّوْا قَوْمَهُمْ دَارَ الْبَوَارِ" (ابراہیم رکوع ۵) آخر خدا تعالیٰ نے امن و اطمینان کے بجائے مسلمان مجاہدین کا خوف اور فراخ روزی کی جگہ سات سال کا قحط اُن پر مسلط کر دیا۔ جس میں کُتے اور مُردار تک کھانے کی نوبت آگئی۔ پھر "بدر" کے معرکہ میں غازیان اسلام کے ہاتھوں خدا کا عذاب اُن پر ٹوٹ پڑا۔ اِدھر تو یہ ہوا دوسری طرف جو لوگ ان ظالموں کے جور و ستم سے تنگ آکر گھر بار چھوڑ بھاگے تھے اُن کو خدا نے بہتر ٹھکانا دیا۔ دشمنوں کے خوف سے مامون و مصئون بنایا، روزی کے دروازے کھول دیئے، زبردست دشمنوں پر فتح عنایت کی، بلکہ اقلیموں کا بادشاہ اور متقیوں کا امام بنا دیا۔ شاید اسی لئے ان آیات میں مکہ والوں کا حال سنا کر اگلی آیت "فَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ" الخ میں مسلمانوں کو خطاب فرمایا ہے کہ تم اس قسم کی حرکات سے بچتے رہنا جن کی بدولت مکہ والوں پر مصیبت ٹوٹی۔

(۱۸۵) **اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کرو** یعنی جس کو خدا کی پرستش کا دعویٰ ہو، اُسے لائق ہے کہ خدا کی دی ہوئی حلال و طیب روزی سے تمتع کرے اور اُس کا احسان مان کر شکر گذار بندہ بنے۔ حلال کو حرام نہ سمجھے اور نعمتوں سے منتفع ہوتے وقت منعم حقیقی کو نہ بھولے۔ بلکہ اُس پر اور اُس کے بھیجے ہوئے پیغمبروں پر ایمان لائے۔ اور اسی کے احکام و ہدایات کی پابندی کرے۔

(۱۸۶) **حرام چیزوں کا بیان** اس آیت کی تفسیر سورۃ "بقرہ" اور "انعام" وغیرہ میں گذر چکی وہاں دیکھ لیجائے، یہاں غرض یہ ہے کہ جس طرح پہلی آیت میں اشارہ تھا کہ حلال کو اپنے اوپر حرام نہ کرے، اس آیت میں تنبیہ کی گئی کہ حرام چیزوں کو حلال نہ ٹھہرائے۔ خلاصہ یہ کہ کسی چیز کو حلال یا حرام ٹھہرانا اسی کا حق ہے۔ جس نے یہ چیزیں پیدا کی ہیں۔ چنانچہ آئندہ آیات میں نہایت وضاحت سے یہ مضمون بیان ہوا ہے

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هٰذَا حَلٰلٌ وَّهٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوْا عَلَى

اور مت کہو اپنی زبانوں کے جھوٹ بنا لینے سے کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے کہ اللہ پر

اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ ؕ ﴿۱۱۶﴾ مَتَاعٌ قَلِيْلٌ ۪

بہتان باندھو ۱۸۷ بیشک جو بہتان باندھتے ہیں اللہ پر ان کا بھلا نہ ہوگا تھوڑا سا فائدہ اٹھا لیں

وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿١١٧﴾ وَعَلَى الَّذِينَ هَادُوا حَرَّمْنَا مَا قَصَصْنَا عَلَيْكَ مِن

اور اُن کے واسطے عذاب دردناک ہے ف۱۸۸ اور جو لوگ یہودی ہیں اُن پر ہم نے حرام کیا تھا جو تجھ کو پہلے سُنا چکے

قَبْلُ ۖ وَمَا ظَلَمْنَاهُمْ وَلَٰكِن كَانُوا أَنفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ﴿١١٨﴾ ثُمَّ إِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِينَ عَمِلُوا

اور ہم نے اُن پر ظلم نہیں کیا پر وہ اپنے اوپر آپ ظلم کرتے تھے ف۱۸۹ پھر بات یہ ہے کہ تیرا رب اُن لوگوں پر جنہوں نے

السُّوءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابُوا مِن بَعْدِ ذَٰلِكَ وَأَصْلَحُوا إِنَّ رَبَّكَ مِن بَعْدِهَا لَغَفُورٌ

بُرائی کی نادانی سے ف۱۹۰ پھر توبہ کی اُس کے پیچھے اور سنوارا اپنے کام کو سو تیرا رب ان باتوں کے پیچھے بخشنے والا مہربان ہے

رَّحِيمٌ ﴿١١٩﴾ إِنَّ إِبْرَاهِيمَ كَانَ أُمَّةً قَانِتًا لِّلَّهِ حَنِيفًا وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿١٢٠﴾ شَاكِرًا

ف۱۹۱ اصل میں تو ابراہیم تھا راہ ڈالنے والا فرمانبردار اللہ کا سب سے ایک طرف ہو کر اور نہ تھا شرک والوں میں ف۱۹۲ حق ماننے والا اُس کے

لِّأَنْعُمِهِ ۚ اجْتَبَاهُ وَهَدَاهُ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ﴿١٢١﴾ وَآتَيْنَاهُ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ۖ وَإِنَّهُ فِي

احسانوں کا ف۱۹۳ اُس کو اللہ نے چن لیا اور چلایا سیدھی راہ پر ف۱۹۴ اور دی ہم نے دنیا میں اُس کو خوبی ف۱۹۵ اور وہ

الْآخِرَةِ لَمِنَ الصَّالِحِينَ ﴿١٢٢﴾ ثُمَّ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ أَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا ۖ وَمَا

آخرت میں اچھے لوگوں میں ہے ف۱۹۶ پھر حکم بھیجا ہم نے تجھ کو کہ چل دین ابراہیم پر جو ایک طرف کا تھا اور نہ تھا

كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿١٢٣﴾ إِنَّمَا جُعِلَ السَّبْتُ عَلَى الَّذِينَ اخْتَلَفُوا فِيهِ ۚ وَإِنَّ رَبَّكَ لَيَحْكُمُ

وہ شرک والوں میں ف۱۹۷ ہفتہ کا دن جو مقرر کیا سو انہی پر جو اس میں اختلاف کرتے تھے اور تیرا رب حکم کرے گا

بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِيمَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ﴿١٢٤﴾

اُن میں قیامت کے دن جس بات میں اختلاف کرتے تھے ف۱۹۸

(۱۸۷) **اپنی رائے سے حلال اور حرام نہ ٹھہراؤ** یعنی بدون کسی مستند شرعی کے کسی چیز کے متعلق منہ اُٹھا کر کہہ دینا کہ حلال ہے یا حرام بڑی سخت جسارت اور کذب و افتراء ہے۔ حلال و حرام تو وہی ہو سکتا ہے جسے خدا تعالیٰ نے حلال یا حرام کہا ہو۔ اگر کوئی شخص محض اپنی رائے سے کسی چیز کو حلال یا حرام ٹھہراتا ہے اور خدا کی طرف اس کی نسبت کرتا ہے، جیسے مشرکین مکہ کرتے تھے، جس کا ذکر سورہ "انعام" میں گذر چکا وہ فی الحقیقت خدا پر بہتان باندھتا ہے۔ مسلمانوں کو ہدایت کی گئی کہ کبھی ایسا رویہ اختیار نہ کریں جس چیز کو خدا نے حلال کیا حلال اور جس کو حرام کیا حرام سمجھیں۔ بدون ماخذ شرعی کے حلّت و حرمت کا حکم نہ لگائیں۔

(۱۸۸) یعنی مشرکین مکہ جو حضورؐ کو معاذ اللہ مفتری کہتے تھے یاد رکھیں کہ وہ خود مفتری ہیں۔ از راہ کذب و افتراء جس چیز کو چاہیں حلال یا حرام کہہ کر خدا کی طرف منسوب کر دیتے ہیں اُن کو عنقریب معلوم ہو جائیگا کہ یہ روش اختیار کر کے کسی بھلائی کو نہیں پہنچ سکتے۔ تھوڑے دن اور دنیا کا مزہ اڑا لیں، پھر دائمی جیلخانہ تیار ہے۔

(۱۸۹) **اشیاء کی تحریم میں حکمت ہے** سورہ "انعام" آیت "وَعَلَى الَّذِينَ هَادُوا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِي ظُفُرٍ ۖ وَمِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ شُحُومَهُمَا الخ" کے فوائد میں اس کا بیان گذر چکا، ملاحظہ کر لیا جائے۔ یہاں مقصد یہ ہے کہ جو چیز خدا تعالیٰ نے سب

۱ کچھ ۲ لازم۔

کے لئے یا کسی خاص قوم کے لئے معین وقت تک حرام کی ہے، عین حکمت ہے۔ کسی بشر کو حق نہیں کہ اُس میں تصرف کر کے حرام کو حلال یا حلال کو حرام بنائے۔

(۱۹۰) **نافرمانی بے عقلی ہے** مثلاً حرام کو حلال یا حلال کو حرام بنایا۔ "نادانی سے" اس لئے فرمایا کہ خدا کی جو نافرمانی اور گناہ آدمی کرتا ہے خواہ جان بوجھ کر کرے، وہ فی الحقیقت نادان اور بے عقل بن کر کرتا ہے۔ اگر ذرا عقل سے کام لے اور گناہ کے بدنتائج کا تصور کرے تو ہرگز معصیت پر اقدام نہیں کرسکتا۔ سورہ "نساء" آیہ "اِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ لِلَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ" الخ کے تحت میں جو اس کے متعلق لکھا گیا ہے اُسے بھی ایک مرتبہ ملاحظہ کر لیا جائے۔

(۱۹۱) یعنی کفریات سے توبہ کر کے مسلمان ہو جانے اور آئندہ کے لئے اپنی حالت درست کر لینے پر حق تعالیٰ تمام گذشتہ گناہ معاف فرما دیتا ہے خواہ کتنے ہی سخت کیوں نہ ہوں۔

باز آ باز آ ہر آنچہ کردی باز آ گر کافر و گبر و بت پرستی باز آ
ایں درگہ ما درگہ نومیدی نیست صد بار اگر توبہ شکستی باز آ

(۱۹۲) **حضرت ابراہیمؑ کا طریقہ** مشرکین عرب کی مشرکیات کا رد کر کے امام الموحدین ابو الانبیاء حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کا طریقہ یاد دلاتے ہیں کیونکہ عرب کے لوگ اُن کی نسل سے تھے اور دین ابراہیمی پر ہونے کا دعویٰ رکھتے تھے۔ حالانکہ ملت ابراہیمی سے انہیں دور کی نسبت بھی نہ رہی تھی۔ انہیں بتلایا گیا کہ ابراہیم علیہ السلام موحدین کے امام نیکی کے معلم، تمام دنیا کے مشرکین کے مقابلہ میں تن تنہا ایک اُمت عظیمہ کے برابر تھے جن کی ذاتِ واحد میں حق تعالیٰ نے وہ سب خوبیاں اور کمالات جمع کر دیئے تھے جو کسی بڑے مجمع میں متفرق طور پر پائے جاتے ہیں ؎ لَیْسَ عَلَى اللّٰهِ بِمُسْتَنْكَرٍ ۔ اَنْ یَّجْمَعَ الْعَالَمَ فِیْ وَاحِدٍ۔ ابراہیم خدا کا کامل مطیع و فرمانبردار بندہ تھا جو ہر طرف سے ٹوٹ کر ایک خدا کا ہو رہا تھا۔ ممکن نہ تھا کہ بدون حکم الٰہی کسی چیز کو محض اپنی طرف سے حلال یا حرام ٹھہرا دے وہ خود تو معاذ اللہ شرک کا ارتکاب کہاں کرسکتا۔ مشرکین کی جماعت اور بستی میں رہنا بھی گوارا نہیں کرتا تھا۔ پھر جو لوگ آپ کو "حنیف" کہتے اور دین ابراہیمی پر بتاتے ہیں۔ اُنہیں شرم کرنی چاہیئے کہ خدا پر افتراء باندھ کر حلال کو حرام یا حرام کو حلال کہنا اور شرک کی حمایت میں پیغمبروں سے لڑنا۔ کیا ایک "حنیف" اور ابراہیمی کی شان ہوسکتی ہے؟ یاد رکھو! حلال و حرام کے بیان اور اصول دین میں اصل ملت ابراہیمی ہے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُسی ملت کی اقامت و اشاعت اور بسط و تفصیل کے لئے تشریف لائے ہیں اگر اصلی دین ابراہیمؑ پر چلنا چاہو تو آپ کا طریقہ اختیار کرو۔

(۱۹۳) **حضرت ابراہیمؑ شاکر تھے** یعنی ابراہیمؑ خدا کا شکر گذار بندہ تھا۔ تم سخت ناسپاس اور کفران نعمت کرنے والے ہو جیسا کہ "ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْیَةً كَانَتْ اٰمِنَةً" الخ کے فوائد میں لکھا جا چکا ہے۔ پھر اُس کی راہ پر کیونکر ہوئے۔

(۱۹۴) یعنی توحید کامل اور تسلیم و رضا کی سیدھی راہ پر چلایا۔

(۱۹۵) **حضرت ابراہیمؑ پر دنیا اور آخرت کے انعامات** یعنی نبوت، فراخ روزی، اولاد، اور وجاہت و مقبولیت عامہ، کہ تمام اہلِ ادیان بالاتفاق اُن کی تعظیم کرتے ہیں۔ اور ہر فرقہ چاہتا ہے کہ اپنا سلسلہ ابراہیم علیہ السلام سے ملائے۔

(۱۹۶) یعنی اُس نے اپنے حق میں جو دعا کی تھی وَاَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ قبول ہوئی، بیشک وہ آخرت میں صالحین کے اعلیٰ طبقہ میں شامل ہونگے جو انبیاء علیہم السلام کا طبقہ ہے۔

(۱۹۷) اس کا بیان سورہ "انعام" آیت "دِیْنًا قِیَمًا مِّلَّةَ اِبْرٰهِیْمَ حَنِیْفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ" کے تحت میں گذر چکا۔ وہاں ملاحظہ کیا جائے۔

مقصد یہ ہے کہ حلال وحرام اور دین کی باتوں میں اصل ملّتِ ابراہیم ہے۔ درمیان میں یہود ونصاریٰ کو اُن کے حالات کے مناسب بعض مخصوص احکام دیے گئے۔ آخر آپ کو خاتم الانبیاء بنا کر بھیجا، تا اصل ملّت ابراہیمی کو جو غفلت اور تحریف وتصرف بیجا کی دستبرد سے ضائع ہو چکی تھی، از سر نو زندہ اور روشن کیا جائے، اور شرک کی تمام رگیں کاٹ دی جائیں۔ حدیث میں ہے۔ "بُعِثْتُ بِالْحَنِيْفِيَّةِ السَّمْحَةِ الْبَيْضَاءِ" اس کی پوری شرح وتفصیل حضرت شاہ ولی اللہ رحؒ نے "حجۃ اللہ البالغہ" میں کی ہے جو قابل دید ہے۔

(۱۹۸) **یوم سبت کا حکم** یعنی اصل ملتِ ابراہیمی میں ہفتہ کا حکم نہ تھا، اس اُمّت پر بھی نہیں ہے۔ البتہ درمیان میں "یہود" نے اپنے پیغمبر موسیٰ علیہ السلام کے ارشاد سے اختلاف کر کے جب اپنے لیئے یہ دن انتخاب کیا تو حکم ہوا کہ اچھا اسی کی تعظیم کرو اور مچھلی کا شکار اس روز مت کرو۔ یہ حکم کسی نے مانا کسی نے نہ مانا۔ نہ ماننے والے دنیا میں بندر اور سور بنائے گئے۔ اور آخرت میں جو فیصلہ ہو گا وہ الگ رہا۔ ایک اسی پر کیا منحصر ہے وہاں تو سارے اختلافات اور جھگڑے چکا دیے جائیں گے۔ مثلاً حضرت ابراہیم کی نسبت کوئی "یہودی" بتلاتا تھا کوئی "نصرانی" حالانکہ حق تعالیٰ نے آگاہ کر دیا کہ وہ "حنیف مسلم" تھے۔ بہرحال آخرت میں سب اختلافات کا فیصلہ ہو جائیگا۔ اور ہر شخص آنکھوں سے دیکھ لیگا کہ کون غلطی پر تھا کون راستی پر۔

اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ط

بلا اپنے رب کی راہ پر پکی باتیں سمجھا کر اور نصیحت سنا کر بھلی طرح اور الزام دے اُن کو جس طرح بہتر ہو ف ۱۹۹

اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ۝۱۲۵ وَاِنْ عَاقَبْتُمْ

تیرا رب ہی بہتر جانتا ہے اُن کو جو بھول گیا اُس کی راہ اور وہی بہتر جانتا ہے اُن کو جو راہ پر ہیں ف ۲۰۰ اور اگر بدلہ لو

فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ ط وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ ۝ وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا

تو بدلہ لو اسی قدر جس قدر کہ تمکو تکلیف پہنچائی جائے اور اگر صبر کرو تو یہ بہتر ہے صبر والوں کو ف اور تو صبر کر اور تجھ سے صبر ہو سکے اللہ

بِاللّٰهِ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُ فِيْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ ۝ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا

ہی کی مدد سے اور اُن پر غم نہ کھا اور تنگ مت ہو اُن کے فریب سے ف ۲۰۲ اللہ ساتھ ہے اُن کے جو پرہیزگار ہیں

وَّالَّذِيْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ ۝

اور جو نیکی کرتے ہیں ف ۲۰۳

(۱۹۹) **دعوت کے بنیادی اصول** اوپر کی آیتوں میں مخاطبین کو آگاہ کرنا تھا کہ یہ پیغمبر اصل ملت ابراہیمی لے کر آئے ہیں۔ اگر کامیابی چاہتے ہو اور "حنیف" ہونے کے دعوے میں سچے ہو تو اس راستہ پر چل پڑو۔ اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ الخ سے خود پیغمبر علیہ السلام کو تعلیم دی جا رہی ہے کہ لوگوں کو راستہ پر کس طرح لانا چاہیئے، اس کے تین طریقے بتلائے۔ حکمت، موعظت حسنہ، جدال بالتی ہی احسن۔ "حکمت" سے مراد یہ ہے کہ نہایت پختہ اور اٹل مضامین مضبوط دلائل وبراہین کی روشنی میں حکیمانہ انداز سے پیش کیے جائیں جن کو سُن کر فہم وادراک اور علمی ذوق رکھنے والا طبقہ گردن جھکا سکے۔ دنیا کے خیالی فلسفے اُن کے سامنے ماند پڑ جائیں اور کسی قسم کی علمی ودماغی ترقیات وحی الٰہی کی بیان کردہ حقائق کا ایک شوشہ تبدیل نہ کر سکیں۔ "موعظت حسنہ" مؤثر اور رقت انگیز نصیحتوں سے عبارت ہے جن

ٰ بھلا ۲ پہنچے ۳ خفا۔

میں نرم خوئی اور دلسوزی کی روح بھری ہو۔ اخلاص۔ ہمدردی اور شفقت و حسن اخلاق سے خوبصورت اور معتدل پیرایہ میں جو نصیحت کی جاتی ہے، بسا اوقات پتھر کے دل بھی موم ہو جاتے ہیں، مردوں میں جانیں پڑ جاتی ہیں، ایک مایوس و پژمردہ قوم جھرجھری لے کر کھڑی ہو جاتی ہے، لوگ ترغیب و ترہیب کے مضامین سن کر منزل مقصود کی طرف بیتابانہ دوڑنے لگتے ہیں اور بالخصوص جو زیادہ عالی دماغ اور ذکی و فہیم نہیں ہوتے، مگر طلب حق کی چنگاری سینے میں رکھتے ہیں، اُن میں مؤثر وعظ و پند سے عمل کی ایسی اسٹیم بھری جا سکتی ہے جو بڑی اونچی عالمانہ تحقیقات کے ذریعہ سے ممکن نہیں۔ ہاں دنیا میں ہمیشہ سے ایک ایسی جماعت بھی موجود رہا کی ہے جن کا کام ہر چیز میں الجھنا اور بات بات میں حجتیں نکالنا اور کج بحثی کرنا ہے یہ لوگ نہ حکمت کی باتیں قبول کرتے ہیں، نہ وعظ و نصیحت سنتے ہیں۔ بلکہ چاہتے ہیں کہ ہر مسئلہ میں بحث و مناظرہ کا بازار گرم ہو بعض اوقات اہل فہم و انصاف اور طالبین حق کو بھی شبہات گھیر لیتے ہیں اور بدون بحث کے تسلی نہیں ہوتی اس لئے وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ فرما دیا کہ اگر ایسا موقع پیش آئے تو بہترین طریقہ سے تہذیب، شائستگی، حق شناسی اور انصاف کے ساتھ بحث کرو اپنے حریف مقابل کو الزام دو تو بہترین اسلوب سے دو۔ خواہی نخواہی دل آزار اور جگر خراش باتیں مت کرو۔ جن سے قضیہ بڑھے اور معاملہ طول کھینچے، مقصود تفہیم اور احقاق حق ہونا چاہیئے۔ خشونت، بداخلاقی، سخن پروری اور ہٹ دھرمی سے کچھ نتیجہ نہیں۔

(۲۰۰) یعنی طریق دعوت و تبلیغ میں تم کو خدا کے بتائے ہوئے راستہ پر چلنا چاہیئے۔ اس فکر میں پڑنے کی ضرورت نہیں کہ کس نے مانا کس نے نہیں مانا۔ نتیجہ کو خدا کے سپرد کرو۔ وہ ہی راہ پر آنے والوں اور نہ آنے والوں کے حالات کو بہتر جانتا ہے جیسا مناسب ہوگا اُن سے معاملہ کریگا۔

(۲۰۱) **انتقام اور صبر** یعنی دعوت و تبلیغ کی راہ میں اگر تم کو سختیاں اور تکلیفیں پہنچائی جائیں تو قدرت حاصل ہونے کے وقت برابر کا بدلہ لے سکتے ہو، اجازت ہے، لیکن صبر کا مقام اس سے بلند تر ہے۔ اگر صبر کرو گے تو اس کا نتیجہ تمہارے حق میں اور دیکھنے والوں کے بلکہ خود زیادتی کرنے والوں کے حق میں بہتر ہوگا۔

(۲۰۲) یعنی مظالم و شدائد پر صبر کرنا، سہل کام نہیں۔ خدا ہی مدد فرمائے تو ہو سکتا ہے کہ آدمی ظلم سہتا رہے اور اُف نہ کرے۔

(۲۰۳) **اللہ متقین کے ساتھ ہے** یعنی انسان جس قدر خدا سے ڈر کر تقویٰ، پرہیزگاری اور نیکی اختیار کرے گا، اسی قدر خدا کی امداد و اعانت اس کے ساتھ ہوگی۔ سو ایسے لوگوں کو کفار کے مکر و فریب سے تنگ دل اور غمگین ہونے کی کوئی وجہ نہیں حق تعالیٰ اس عاجز ضعیف کو بھی متقین و محسنین کے ساتھ اپنے فضل و رحمت سے محشور فرمائے۔ تم سورۃ النحل بعونہ و توفیقہ وللہ الحمد۔

سُوْرَۃُ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ

آیاتها ۱۱۱ رکوعاتها ۱۲	بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ	سُوْرَۃُ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ ۱۷ مَکِّیَّۃٌ
ایک سو گیارہ آیتیں اور بارہ رکوع ہیں	شروع اللہ کے نام سے جو بیحد مہربان نہایت رحم والا ہے	سورہ بنی اسرائیل مکہ میں اتری اور اس

سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا
پاک ذات ہے ف۱ جو لے گیا اپنے بندہ کو راتوں رات مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک ف۲

الَّذِیْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ لِنُرِيَهٗ مِنْ اٰيٰتِنَا ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ① وَاٰتَيْنَا مُوْسَى
جس کو گھیر رکھا ہے ہماری برکت نے تاکہ دکھلائیں اُسکو کچھ اپنی قدرت کے نمونے ف۳ وہی ہے سننے والا دیکھنے والا ف۴ اور دی ہمنے موسیٰ

الْكِتٰبَ وَجَعَلْنٰهُ هُدًى لِّبَنِیْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَلَّا تَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِیْ وَكِيْلًا ② ذُرِّيَّةَ
کو کتاب اور کیا اُس کو ہدایت بنی اسرائیل کے واسطے ف۵ کہ نہ ٹھہراؤ میرے سوا کسی کو کارساز ف۶ تم جو اولاد ہو اُن

مَنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ ؕ اِنَّهٗ كَانَ عَبْدًا شَكُوْرًا ③ وَقَضَيْنَآ اِلٰى بَنِیْٓ اِسْرَآءِيْلَ فِى الْكِتٰبِ
لوگوں کی جنکو چڑھا لیا ہمنے نوح کے ساتھ بیشک وہ تھا بندہ حق ماننے والا ف۷ اور صاف کہہ سنایا ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب میں کہ

لَتُفْسِدُنَّ فِى الْاَرْضِ مَرَّتَيْنِ وَلَتَعْلُنَّ عُلُوًّا كَبِيْرًا ④ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ اُوْلٰىهُمَا بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ
تم خرابی کروگے ملک میں دو بار اور سرکشی کروگے بڑی سرکشی ف۸ پھر جب آیا پہلا وعدہ بھیجے ہم نے تم پر

عِبَادًا لَّنَآ اُولِیْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ فَجَاسُوْا خِلٰلَ الدِّيَارِ ؕ وَكَانَ وَعْدًا مَّفْعُوْلًا ⑤
اپنے بندے ف۹ سخت لڑائی والے پھر پھیل پڑے شہروں کے بیچ اور وہ وعدہ ہونا ہی تھا ف۱۰

(۱) یعنی اُس کی ذات نقص و قصور اور ہر قسم کے ضعف و عجز سے پاک ہے جو بات ہمارے خیال میں بے انتہا عجیب معلوم ہو اور ہماری ناقص عقلیں اُسے بعید مستبعد سمجھیں، خدا کی قدرت و مشیت کے سامنے وہ کچھ بھی مشکل نہیں۔

(۲) **واقعہ اسریٰ** یعنی صرف ایک رات کے محدود حصہ میں اپنے مخصوص ترین اور مقرب ترین بندہ (محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کو حرم مکہ سے بیت المقدس تک لے گیا۔ اس سفر کی غرض کیا تھی؟ آگے لِنُرِيَهٗ مِنْ اٰيٰتِنَا میں اُس کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ حاصل یہ ہے کہ خود اس سفر میں یا "بیت المقدس" سے آگے کہیں اور لیجا کر اپنی قدرت کے عظیم الشان نشان اور حکیمانہ انتظامات کے عجیب و غریب نمونے دکھلانے منظور تھے۔ سورۂ نجم میں ان آیات کا کچھ ذکر کیا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ "سدرۃ المنتہی" تک تشریف لے گئے اور نہایت عظیم الشان آیات کا مشاہدہ فرمایا" وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَاْوٰى اِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشٰى مَا زَاغَ

ل حرمت والی مسجد سے اس پرلی مسجد تک۔ ۲ لا دلیا۔

لَقَدْ رَاٰی مِنْ اٰیٰتِ رَبِّہِ الْکُبْرٰی (النجم رکوع ۱)۔

واقعہ معراج کی کیفیت علماء کی اصطلاح میں مکہ سے بیت المقدس تک کے سفر کو "اسراء" اور وہاں سے اوپر "سدرۃ المنتہیٰ" تک کی سیاحت کو "معراج" کہتے ہیں۔ اور بسا اوقات دونوں سفروں کے مجموعہ کو ایک ہی لفظ "اسراء" یا "معراج" سے تعبیر کر دیا جاتا ہے۔ معراج کی احادیث تقریباً تیس صحابہ سے منقول ہیں جن میں معراج و اسراء کے واقعات بسط و تفصیل سے بیان ہوئے ہیں جمہور سلف و خلف کا عقیدہ یہ ہے کہ حضور پُرنور کو حالت بیداری میں بجسدہ الشریف معراج ہوئی۔ صرف دو تین صحابہ و تابعین سے منقول ہے کہ واقعہ اسراء و معراج کو منام (نیند) کی حالت میں بطور ایک عجیب و غریب خواب کے مانتے تھے۔ چنانچہ اسی سورۃ میں آگے چل کر جو لفظ "وَمَا جَعَلْنَا الرُّؤْيَا الَّتِیْ اَرَیْنٰکَ" آتا ہے اُس سے یہ حضرات استدلال کرتے ہیں سلف میں سے یہ کسی کا قول نہیں کہ معراج حالت بیداری میں محض روحانی طور پر ہوئی ہو۔ جیسا کہ بعض حکماء و صوفیہ کے مذاق پر تجویز کیا جا سکتا ہے۔ روح المعانی میں ہے۔ وَلَيْسَ مَعْنَى الْاِسْرَاءِ بِالرُّوْحِ الذِّهَابُ يَقْظَةً كَالْاِنْسِلَاخِ الَّذِیْ ذَهَبَ اِلَيْهِ الصُّوْفِيَّةُ وَالْحُكَمَاءُ فَاِنَّهٗ وَاِنْ كَانَ خَارِقًا لِلْعَادَةِ وَمَحَلًّا لِلْعَجَبِ اَيْضًا اِلَّا اَنَّهٗ اَمْرٌ لَا تَعْرِفُهُ الْعَرَبُ وَلَمْ يَذْهَبْ اِلَيْهِ اَحَدٌ مِّنَ السَّلَفِ" اھ بیشک ابن قیمؒ نے زاد المعاد میں عائشہ صدیقہ، معاویہ اور حسن بصری رضی اللہ عنہم کے مسلک کی اس طرح توجیہ کی ہے۔ لیکن اس پر کوئی نقل پیش نہیں کی، محض ظن و تخمین سے کام لیا ہے ابن اسحٰق وغیرہ نے جو الفاظ اُن بزرگوں کے نقل کئے ہیں اُن میں کہیں حالت بیداری کی تصریح نہیں۔

معراج کا واقعہ خواب نہیں تھا بہر حال قرآن نے جس قدر اہتمام اور ممتاز و درخشاں عنوان سے واقعہ "اسراء" کو ذکر فرمایا اور جس قدر جدّ و کد سے مخالفین اس کے انکار و تکذیب پر تیار ہو کر میدان میں نکلے، حتیٰ کہ بعض موافقین کے قدم بھی لغزش کھانے لگے یہ اسکی دلیل ہے کہ واقعہ کی نوعیت محض ایک عجیب و غریب خواب یا سیرِ روحانی کی نہ تھی۔ روحانی سیر و انکشافات کے رنگ میں آپ کے جو دعاوی ابتدائے بعثت سے رہے ہیں۔ دعوئے اسراء کفار کے لئے کچھ سے بڑھ کر تعجب خیز و حیرت انگیز نہ تھا جو خصوصی طور پر اس کو تکذیب و تردید اور استہزاء و تمسخر کا نشانہ بناتے اور لوگوں کو دعوت دیتے کہ آؤ، آج مدعیٔ نبوت کی ایک بالکل انوکھی بات سنو، نہ آپ کو خاص اس واقعہ کے اظہار پر اس قدر متفکر و مشوش ہونے کی ضرورت تھی جو بعض روایات صحیحہ میں مذکور ہے۔ بعض احادیث میں صاف لفظ ہیں "ثُمَّ اَصْبَحْتُ بِمَكَّةَ" یا "ثُمَّ اَتَيْتُ مَكَّةَ" (پھر صبح کے وقت میں مکہ پہنچ گیا) اگر معراج محض کوئی روحانی کیفیت تھی تو آپ مکہ سے غائب ہی کہاں ہوئے۔

معراج جسمانی طور پر ہوئی اور شداد بن اوس وغیرہ کی روایت کے موافق بعض صحابہ کا یہ دریافت کرنا کیا معنی رکھتا ہے کہ "رات میں قیام گاہ پر تلاش کیا، حضور کہاں تشریف لے گئے تھے"؟ ہمارے نزدیک "اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ" کے یہ معنی لینا کہ "خدا اپنے بندہ کو خواب میں یا محض روحانی طور پر مکہ سے بیت المقدس لے گیا" اس کے مشابہ ہے کہ کوئی شخص "فَاَسْرِ بِعِبَادِیْ" کے یہ معنی لینے لگے کہ "اے موسیٰ! میرے بندوں (بنی اسرائیل) کو خواب میں یا محض روحانی طور پر لیکر مصر سے نکل جاؤ۔ یا سورہ "کہف" میں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا حضرت خضر علیہ السلام کی ملاقات کے لئے جانا اور اُن کے ہمراہ سفر کرنا جس کے لئے کئی جگہ "فَانْطَلَقَا" کا لفظ آیا ہے، اُس کا مطلب یہ لے لیا جائے کہ یہ سب کچھ محض خواب میں یا بطور روحانی سیر کے واقع ہوا تھا۔ باقی لفظ "رُؤیا" جو قرآن میں آیا، اُس کے متعلق ابن عباس رضی اللہ عنہ فرما چکے ہیں "رُؤْيَا عَيْنٍ اُرِيَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ"۔ مفسرین نے کلام عرب سے اس کے شواہد پیش کئے ہیں کہ "رویا" کا لفظ گاہ بگاہ مطلق رؤیت (دیکھنے) کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ لہٰذا اگر اُس سے مراد یہی اسراء کا واقعہ ہے تو مطلق نظارہ کے معنی لئے جائیں جو ظاہری آنکھوں سے ہوا۔ تاکہ ظواہر نصوص اور جمہور اُمت کے عقیدہ کی مخالفت نہ ہو۔

شریک کی روایت ہاں شریک کی روایت میں بعض الفاظ ضرور ایسے آئے ہیں جن سے "اسراء" کا بحالت نوم واقع ہونا معلوم ہوتا ہے مگر محدثین کا اتفاق ہے کہ شریک کا حافظہ خراب تھا، اس لیئے بڑے بڑے حفاظ حدیث کے مقابلہ میں اُن کی روایت قابل استناد نہیں ہو سکتی۔ حافظ ابن حجر نے فتح الباری کے اواخر میں حدیث شریک کے اغلاط شمار کرائے ہیں اور یہ بھی بتلایا ہے کہ ان کی روایت کا مطلب ایسا لیا جا سکتا ہے جو عام احادیث کے مخالف نہ ہو۔ اس قسم کی تفاصیل ہم یہاں درج نہیں کر سکتے شرح صحیح مسلم میں یہ مباحث پوری شرح و بسط سے درج کیئے ہیں۔ یہاں صرف یہ بتلانا ہے کہ مذہب راجح یہی ہے کہ معراج و اسراء کا واقعہ حالت بیداری میں بجسدہ الشریف واقع ہوا۔ ہاں اگر اس سے پہلے یا بعد خواب میں بھی اس طرح کے واقعات دکھلائے گئے ہوں تو انکار کرنے کی ضرورت نہیں۔

واقعہ معراج کے عقلی دلائل کہا جاتا ہے کہ ایک شب میں اتنی لمبی مسافت زمین و آسمان کی کیسے طے کی ہوگی یا کرۂ ناروزمہریر میں سے کیسے گذرے ہونگے یا اہل یورپ کے خیال کے موافق جب آسمانوں کا وجود ہی نہیں تو ایک آسمان سے دوسرے اور دوسرے سے تیسرے پر اُس شان سے تشریف لے جانا جو روایات میں مذکور ہے کیسے قابل تسلیم ہوگا۔ لیکن آج تک کوئی دلیل اُس کی پیش نہیں کی گئی کہ آسمان واقعہ میں کوئی شے موجود نہیں۔ اگر ان لوگوں کا یہ دعوی بھی تسلیم کر لیا جائے کہ یہ نیلگوں چیز جو ہم کو نظر آتی ہے فی الحقیقت آسمان نہیں ہے تب بھی اس کا کیا ثبوت ہے کہ اُس نیلگوں رنگ کے اوپر آسمانوں کا وجود نہیں ہو سکتا۔ رہا ایک رات میں اتنا طویل سفر طے کرنا تو تمام حکماء تسلیم کرتے ہیں کہ سُرعت حرکت کے لیئے کوئی حد نہیں ہے۔ اب سے سو برس پیشتر تو کسی کو یہ بھی یقین نہیں آسکتا تھا کہ تین سو میل فی گھنٹہ چلنے والی موٹر تیار ہو جائیگی یا دس ہزار فٹ کی بلندی تک ہم ہوائی جہاز کے ذریعہ پرواز کر سکیں گے۔ "اسٹیم" اور "قوت کہربائیہ" کے یہ کرشمے کس نے دیکھے تھے۔ کرہ نار تو آج کل ایک لفظ بے معنی ہے۔ ہاں اوپر جا کر ہوا کی سخت برودت وغیرہ کا مقابلہ کرنے والے آلات طیاروں میں لگا دیے گئے ہیں جو اُڑنے والوں کی زمہریر سے حفاظت کرتے ہیں۔ یہ تو مخلوق کی بنائی ہوئی مشینوں کا حال تھا۔ خالق کی بلا واسطہ پیدا کی ہوئی مشینوں کو دیکھتے ہیں تو عقل دنگ ہو جاتی ہے۔ زمین یا سورج چوبیس گھنٹہ میں کتنی مسافت طے کرتے ہیں۔ روشنی کی شعاع ایک منٹ میں کہاں سے کہاں پہنچتی ہے۔ بادل کی بجلی مشرق میں چمکتی اور مغرب میں گرتی ہے۔ اور اُس سُرعت سیر و سفر میں پہاڑ بھی سامنے آجائے تو پرکاہ کی برابر حقیقت نہیں سمجھتی۔ جس خدا نے یہ چیزیں پیدا کیں کیا وہ قادر مطلق اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے بُراق میں ایسی برق رفتاری کی کلیں اور حفاظت و آسائش کے سامان نہ رکھ سکتا تھا جن سے حضور بڑی راحت و تکریم کے ساتھ چشم زدن میں ایک مقام سے دوسرے مقام کو منتقل ہو سکیں۔ شاید اسی لیئے واقعۂ "اسراء" کا بیان لفظ "سُبْحَانَ الَّذِیْٓ" سے شروع فرمایا تا جو لوگ کوتاہ نظری اور تنگ خیالی سے حق تعالیٰ کی لامحدود قدرت کو اپنے وہم و تخمین کی چہار دیواری میں محصور کرنا چاہتے ہیں، کچھ اپنی گستاخیوں اور عقلی ترکتازیوں پر شرمائیں۔ ؎

نہ ہر جائے مرکب تواں تاختن		کہ جاہا سپر باید انداختن!

(۳) **مسجد اقصیٰ اور برکات** یعنی جس ملک میں "مسجد اقصیٰ" (بیت المقدس) واقع ہے وہاں حق تعالیٰ نے بہت سی ظاہری و باطنی برکات رکھی ہیں۔ مادی حیثیت سے چشمے، نہریں، غلّے، پھل اور میووں کی افراط، اور روحانی اعتبار سے دیکھا جائے تو کتنے انبیاء و رسل کا مسکن و مدفن اور ان کے فیوض و انوار کا سرچشمہ رہا ہے۔ شاید نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو وہاں لیجانے میں یہ بھی اشارہ ہوگا کہ جو کمالات انبیائے بنی اسرائیل وغیرہ پر تقسیم ہوئے تھے آپ کی ذات مقدس میں وہ سب جمع کر دیے گئے، جو نعمتیں بنی اسرائیل پر مبذول ہوئی تھیں، اُن پر اب بنی اسمٰعیل کو قبضہ دلایا جانیوالا ہے۔ "کعبہ" اور "بیت المقدس" دونوں کے انوار و برکات کی حامل ایک ہی اُمت ہونیوالی ہے۔ احادیث معراج میں تصریح ہے کہ "بیت المقدس" میں تمام انبیاء علیہم السلام نے آپ کی اقتداء میں نماز پڑھی۔ گویا حضور کو جو سیادت و امامت انبیاء کا منصب دیا گیا تھا اُس کا حسی نمونہ آپ کو اور مقربین بارگاہ کو دکھلایا گیا۔

(۴) یعنی اصلی سننے والا اور دیکھنے والا خدا ہے۔ وہ جسے اپنی قدرت کے نشان دکھلانا چاہے دکھلا دیتا ہے۔ اُس نے اپنے حبیب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مناجات کو سُنا اور احوال رفیعہ دیکھا۔ آخر "معراج شریف" میں "بِی یُبْصِرُ" والی آنکھ سے وہ آیاتِ عظام دکھلائیں جو آپ کی استعداد کامل اور شان رفیع کے مناسب تھیں۔

(۵) **حضرت موسٰی اور تورات** نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فضل و شرف بیان فرما کر سلسلہ کلام حضرت موسٰی علیہ السلام کے ذکر کی طرف منتقل کر دیا گیا، چونکہ "اسراء" کے ذیل میں "مسجد اقصٰی" (بیت المقدس) تک جانا مذکور ہوا تھا، آگے "مسجد اقصٰی" اور اُس کے قدیم متولیوں (بنی اسرائیل) پر جو مختلف دور گذرے، مسلمانوں کی عبرت اور خود بنی اسرائیل کی نصیحت کے لئے اُن کا بیان کیا جاتا ہے۔ یہ آیت اُسی کی تمہید ہے۔ واقعۂ "اِسراء" میں اشارہ تھا کہ حجازی پیغمبر کی اُمت ہی آئندہ اُس امانت الٰہی کی مالک بننے والی ہے جو شام کی مبارک سرزمین میں ودیعت کی گئی تھی اِن آیات میں بنی اسرائیل کو متنبہ کرنا ہے کہ اگر خیریت چاہتے ہیں تو اب پیغمبر عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کریں، حق تعالٰی اُن کے حال پر مہربانی فرمائیگا۔ ورنہ پہلے کی طرح پھر شرارتوں پر سزا ملیگی اور مسجد اقصٰی کی تولیت سے محروم کر دئے جائیں گے۔

(۶) یعنی تورات میں یہ ہدایت کی گئی تھی کہ خالص توحید پر قائم رہیں اور خدا کے سوا کسی کو کارساز نہ سمجھیں ہمیشہ اسی پر بھروسہ اور توکل کریں

(۷) یعنی تم اُن کی اولاد ہو جو نوح کے ساتھ کشتی پر سوار ہو کر عذاب الٰہی سے بچے تھے۔ جو احسان تمہارے بڑوں پر کیا گیا اُسے فراموش مت کرو۔ دیکھو نوح علیہ السلام جن کی اولاد میں تم ہو کیسے احسان شناس اور شکر گذار بندے تھے تمکو بھی اُن ہی کی راہ پر چلنا چاہیئے۔

(۸) **تورات کی پیشگوئی** تورات میں یا کسی دوسری آسمانی کتاب میں یہ پیشین گوئی کی گئی تھی کہ یہ قوم (بنی اسرائیل) دو مرتبہ ملک میں سخت خرابی پھیلائے گی اور ظلم و تکبر کا شیوہ اختیار کر کے سخت تمرد و سرکشی کا مظاہرہ کریگی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور ہر مرتبہ خدا تعالٰی کی طرف سے دردناک سزا کا مزہ چکھنا پڑا۔ جس کا ذکر آگے آتا ہے۔

(۹) یعنی جن کو ہم نے سزا دینے کے لئے تم پر مسلط کیا تھا۔

(۱۰) یعنی بستی میں مکانوں کے اندر گھس کر خوب کشت و خون اور لوٹ کھسوٹ کی۔ اس طرح خدا نے سزا دی کا جو وعدہ کیا تھا پورا ہو کر رہا

ثُمَّ رَدَدْنَا لَكُمُ الْكَرَّةَ عَلَيْهِمْ وَاَمْدَدْنٰكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ وَجَعَلْنٰكُمْ اَكْثَرَ نَفِيْرًا ۝٦

پھر ہم نے پھیر دی تمہاری باری ف ۱۱ اُن پر اور قوت دی تم کو مال سے اور بیٹوں سے اور اس سے زیادہ کر دیا تمہارا لشکر

اِنْ اَحْسَنْتُمْ اَحْسَنْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ ۣ وَاِنْ اَسَاْتُمْ فَلَهَا ۭ فَاِذَا جَاۗءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ لِيَسُوْۗءٗا

اگر بھلائی کی تم نے تو بھلا کیا اپنا اور اگر برائی کی تو اپنے لئے ف ۱۲ پھر جب پہنچا وعدہ دوسرا بھیجے اور بندے کہ اداس

وُجُوْهَكُمْ وَلِيَدْخُلُوا الْمَسْجِدَ كَمَا دَخَلُوْهُ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّلِيُتَبِّرُوْا مَا عَلَوْا تَتْبِيْرًا ۝٧

وقف لازم

کر دیں تمہارے منہ اور گھس جائیں مسجد میں جیسے گھس گئے تھے پہلی بار اور خراب کر دیں جس جگہ غالب ہوں پوری خرابی ف ۱۳

عَسٰي رَبُّكُمْ اَنْ يَّرْحَمَكُمْ ۚ وَاِنْ عُدْتُّمْ عُدْنَا ۘ وَجَعَلْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِيْنَ حَصِيْرًا ۝٨

بعید نہیں تمہارے رب سے کہ رحم کرے تم پر اور اگر پھر وہی کرو گے تو ہم پھر وہی کرینگے اور کیا ہے ہم نے دوزخ کو کافروں کا قید خانہ ف ۱۴

(۱۱) یعنی جب تم ہماری طرف رجوع ہوئے اور توبہ و انابت کا طریقہ اختیار کیا، ہم نے پھر ایک مرتبہ تم کو دشمنوں پر غالب کیا۔

(۱۲) یعنی بھلائی بُرائی کا جو کچھ نفع نقصان پہنچنا تھا تم ہی کو پہنچنا تھا، سو پہنچا۔

(۱۳) بنی اسرائیل کی قوت کا خاتمہ | یعنی مار مار کر تمہارے مُنہ بگاڑ دیئے۔ اور "مسجد اقصیٰ" (بیت المقدس) میں گھس کر پہلے کی طرح اودھم مچائی "ہیکل" وغیرہ کو تباہ کر دیا۔ اس طرح "بنی اسرائیل" کی قوت کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ ہو گیا۔

(۱۴) بنی اسرائیل پر دو حملے | حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "تورات میں کہہ دیا تھا کہ بنی اسرائیل دو بار شرارت کریں گے، اس کی جزاء میں دشمن اُن کے ملک پر غالب ہونگے۔ اُسی طرح ہوا ہے۔ ایک بار جالوت غالب ہوا، پھر حق تعالیٰ نے اُس کو حضرت داؤدؑ کے ہاتھ سے ہلاک کیا۔ پیچھے بنی اسرائیل کو اور قوت زیادہ دی۔ حضرت سلیمان کی سلطنت میں دوسری بار فارسی لوگوں میں بخت نصر غالب ہوا۔ تب سو اُنکی سلطنت نے قوت نہ پکڑی۔ اب فرمایا کہ اللہ مہربانی پر آیا ہے اگر اس نبی کے تابع ہو تو وہی سلطنت اور غلبہ پھر کر دے اور اگر پھر وہی شرارت کرو گے تو ہم وہی کریں گے۔ یعنی مسلمانوں کو اُن پر غالب کیا اور آخرت میں دوزخ طیار ہے۔" بعض علماء نے پہلے وعدہ سے بُخت نصر کا حملہ جو ولادت مسیح سے ۵۸۶ سال پہلے اور دوسرے وعدہ سے "طیطوس رومی" کا حملہ جو رفع مسیح سے ستّر سال بعد ہوا مراد لیا ہے۔ کیونکہ ان دونوں حملوں میں یہود پر پوری تباہی آئی اور "مقدس ہیکل" کو برباد کیا گیا۔ واللہ اعلم۔

إِنَّ هَٰذَا الْقُرْآنَ يَهْدِي لِلَّتِي هِيَ أَقْوَمُ وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِينَ الَّذِينَ يَعْمَلُونَ

یہ قرآن بتلاتا ہے وہ راہ جو سب سے سیدھی ہے اور خوشخبری سناتا ہے ایمان والوں کو جو عمل کرتے ہیں

الصَّالِحَاتِ أَنَّ لَهُمْ أَجْرًا كَبِيرًا ﴿٩﴾ وَأَنَّ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ أَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا

اچھے کہ اُن کے لئے ہے ثواب بڑا ف۱۵ اور یہ کہ جو نہیں مانتے آخرت کو اُن کے لئے تیار کیا ہے ہم نے عذاب

أَلِيمًا ﴿١٠﴾ وَيَدْعُ الْإِنْسَانُ بِالشَّرِّ دُعَاءَهُ بِالْخَيْرِ ۖ وَكَانَ الْإِنْسَانُ عَجُولًا ﴿١١﴾ وَجَعَلْنَا

دردناک اور مانگتا ہے آدمی برائی جیسے مانگتا ہے بھلائی اور ہے انسان جلد باز ف۱۶ اور ہم نے بنائے

اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ آيَتَيْنِ ۖ فَمَحَوْنَا آيَةَ اللَّيْلِ وَجَعَلْنَا آيَةَ النَّهَارِ مُبْصِرَةً لِتَبْتَغُوا

رات اور دن دو نمونے ف۱۷ پھر مٹا دیا رات کا نمونہ ف۱۸ اور بنا دیا دن کا نمونہ دیکھنے کو تاکہ تلاش کرو

فَضْلًا مِنْ رَبِّكُمْ وَلِتَعْلَمُوا عَدَدَ السِّنِينَ وَالْحِسَابَ ۚ وَكُلَّ شَيْءٍ فَصَّلْنَاهُ تَفْصِيلًا ﴿١٢﴾

فضل اپنے رب کا ف۱۹ اور تاکہ معلوم کرو گنتی برسوں کی اور حساب ف۲۰ اور سب چیز سنائی ہم نے کھول کر ف۲۱

وَكُلَّ إِنْسَانٍ أَلْزَمْنَاهُ طَائِرَهُ فِي عُنُقِهِ ۖ وَنُخْرِجُ لَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ كِتَابًا يَلْقَاهُ مَنْشُورًا ﴿١٣﴾

اور جو آدمی ہے لگا دی ہم نے اُس کی بُری قسمت اُس کی گردن سے اور نکال دکھائینگے اُس کو قیامت کے دن ایک کتاب کہ دیکھیگا اسکو کھلی ہوئی ف۲۲

اقْرَأْ كِتَابَكَ كَفَىٰ بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيبًا ﴿١٤﴾

پڑھ لے کتاب اپنی تو ہی بس ہے آج کے دن اپنا حساب لینے والا ف۲۳

(۱۵) قرآن ہی سب سے سیدھا راستہ ہے | یعنی یوں تو تورات "بھی بنی اسرائیل کو راہ بتانے والی تھی جیسا کہ پہلے فرمایا هُدًى لِّبَنِي إِسْرَائِيلَ لیکن یہ قرآن ساری دنیا کو سب سے زیادہ اچھی، سیدھی اور مضبوط راہ بتلاتا ہے۔ تمام قویم

۱؎ بشارت دیتا ہے۔ ۲؎ لکھا اپنا ۳؎ کافی ۴؎ تجربہ۔

راہیں "اس" "اقوام" کے تحت میں مندرج ہو گئی ہیں۔ لہٰذا اگر کامیابی اور نجات چاہتے ہو تو خاتم الانبیاء کی پیروی میں اسی سیدھی سڑک پر چلو۔ جو لوگ قلب و جوارح یعنی ایمان و عمل صالح سے اس صاف و کشادہ راہ پر چلیں گے قرآن اُن کو دنیا میں حیات طیبہ کی اور آخرت میں جنت کی عظیم الشان بشارت سناتا ہے۔ باقی جنہیں انجام کا کچھ خیال نہیں، اندھا دھند دنیا کی لذات و شہوات میں غرق ہیں آخرت کی اصلا فکر نہیں رکھتے، اُنکا انجام اگلے جملہ میں بیان کیا گیا ہے۔

(۱۶) **انسان کی ناعاقبت اندیشی** یعنی قرآن تو لوگوں کو سب سے بڑی بھلائی کی طرف بلاتا اجر کبیر کی بشارتیں سُناتا، اور بدی کے مہلک نتائج سے آگاہ کرتا ہے۔ لیکن حضرت انسان کا حال یہ ہے کہ وہ سب کچھ سُننے کے بعد بھی اپنے لئے بُرائی کو اُسی اشتیاق و الحاح سے طلب کرتا ہے۔ جس طرح کوئی بھلائی مانگتا ہو، یا جیسے بھلائی طلب کرنا چاہیئے وہ انجام کی طرف سے آنکھیں بند کر کے بڑی تیزی کے ساتھ گناہوں اور بُرائیوں کی طرف لپکتا ہے بلکہ بعض بدبخت تو صاف لفظوں میں زبان سے کہہ اُٹھتے ہیں "اَللّٰھُمَّ اِنْ كَانَ ھٰذَا ھُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ" (خداوندا! اگر پیغمبر اپنے دعوے میں سچے ہیں تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا دیجئے یا اور کوئی سخت عذاب نازل کیجئے) بعض بے وقوف غصّہ سے جھنجھلا کر اپنے حق میں یا اپنی اولاد وغیرہ کے حق میں بے سوچے دنیا کے نفع عاجل کو معبود بنا کر ہر ایک حلال و حرام طریقہ سے اس کی طرف دوڑتے ہیں اور نہیں سمجھتے کہ اس لہلہاتے پودے کے نیچے سانپ بچھو بھی چھپے ہوئے ہیں۔ جو انجام کار ہلاکت کے گڑھے میں پہنچا کر رہیں گے۔ حقیقت یہ ہے کہ آدمی اپنی جلد بازی سے کسی چیز کی ظاہری ٹیپ ٹاپ کو دیکھ لیتا ہے، بدی کے دور رس نتائج پر غور نہیں کرتا۔ بس جو بات کسی وقت سانح ہوئی فوراً کہہ ڈالی یا ایک دم کر گذرا۔ جدھر قدم اٹھ گیا بے سوچے سمجھے اُدھر ہی بڑھتا چلا گیا۔ اگر جلد بازی چھوڑ کر متانت، تدبر اور انجام بینی سے کام لے تو کبھی ایسی غلطیاں نہ کرے۔

(۱۷) **دن اور رات میں دو نشانیاں** رات کا اندھیرا، دن کا اُجالا، دونوں میں سے کبھی اس کا کبھی اُس کا چھوٹا بڑا ہونا۔ پھر رات میں چاند کی آہستہ آہستہ گھٹنے بڑھنے والی، ٹھنڈی اور دھیمی چاندنی، دن میں آفتاب عالمتاب کی تیز اور گرم روشنی، یہ سب خداوند قدوس کی قدرت کاملہ کے نمونے ہیں جن میں سے ہر ایک کا مستقل نظام علیحدہ ہے جس کے ساتھ سیکڑوں فوائد اور مصالح وابستہ ہیں۔ اور سب کا مجموعی نظام الگ ہے جو شروع سے اب تک نہایت مضبوط و محکم قوانین کے ماتحت چل رہا ہے۔

(۱۸) یعنی رات کا نمونہ تاریک اور مٹا ہوا ہے، چاند کی روشنی سورج کے اعتبار سے دھیمی اور دُھندلی ہوتی ہے۔ بلکہ خود جرم قمر بھی دیکھنے والے کو داغدار نظر آتا ہے۔

(۱۹) یعنی دن کے وقت سورج کی روشنی میں ہر چیز صاف دکھائی دیتی ہے لوگ تازہ دم ہو کر روزی کی تلاش میں نکلتے اور مختلف قسم کے کاروبار میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ الغرض شب میں جن چیزوں پر تاریکی کی چادر پڑی ہوئی تھی، سورج کی شعاعیں سب کو بےحجاب کر دیتی ہیں اور جو لوگ خواب گراں سے مدہوش تھے آنکھیں کھول کر ادھر اُدھر گشت لگانے لگتے ہیں۔

(۲۰) یعنی لیل و نہار کی آمد و شد اور شمس و قمر کے طلوع و غروب سے مہینوں اور سالوں کی گنتی اور بہت طرح کے چھوٹے بڑے حساب متعلق ہیں

(۲۱) تم سمجھ لو کہ گھبرانے اور جلدی مچانے سے فائدہ نہیں۔ خدا کے یہاں ہر چیز کا خیر ہو یا شر ایک وقت اور انداز مقرر ہے۔ جیسے رات اور دن کسی کی جلد بازی اور شتاب کاری سے رات کم نہیں ہو جاتی یا دن بڑھ نہیں جاتا۔ اپنے وقت پر آپ صبح و شام ہوتی ہے، شر کے بعد خیر اور خیر کے بعد شر کا آنا بھی ایسا ہی سمجھو جیسے رات کے پیچھے دن اور دن کے پیچھے رات برابر لگی چلی آتی ہے۔ دنیا کے تمام خیر و شر کا سلسلہ ایک معین ضابطہ اور نظام کے ماتحت ہے جس کا توڑ ڈالنا کسی کے امکان میں نہیں۔ اس دنیا کی مکدر و منغص زندگی کو شب تاریک کے مشابہ سمجھو جس کے اندھیرے میں آدمی کو خیر و شر کے نتائج بالکل صاف دکھائی نہیں دیتے۔ بیشک حق تعالیٰ نے انبیاء و مرسلین کو بھیجا کہ رات کی اندھیری میں مخلوق

کو صحیح راستہ بتلائیں اور اُن کی آنکھوں کے سامنے اپنے اپنے درجہ کے موافق اُجالا کریں جس سے لوگوں کو خیر و شر کی حقیقت اور اُس کے نتائج کا انکشاف ہو جائے۔ لیکن ایسا صریح اور بدیہی انکشاف جس میں کسی فرد بشر کو انکار یا شبہ کی مجال ہی باقی نہ رہے، اس وقت ہو گا جب ہماری دنیوی زندگی کی رات ختم ہو کر فردائے محشر کا دن نکل آئیگا۔ انسان کے وہی اعمال جو دنیا کی دُھندلی زندگی میں ہر وقت اُس کے گلے کا ہار بنے ہوئے تھے، پر غفلت و جہالت وغیرہ کی تاریکی میں صاف نظر نہ آتے تھے قیامت کی صبح ہوتے ہی ایک کھلی کتاب کی شکل میں سامنے آجائیں گے جسے روز روشن کے اُجالے میں ہر شخص بے تکلف پڑھ سکیگا۔ فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَآءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيْدٌ (ق، رکوع ۲) اس وقت اپنے تمام چھوٹے بڑے اعمال کو اصلی رنگ میں دیکھ کر بول اُٹھے گا "مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً اِلَّاۤ اَحْصٰىهَا" (کہف، رکوع ۶)

(۲۲) **انسان کا نامۂ اعمال** یعنی شومیٔ قسمت اور زشتی اعمال اس کے گلے کا ہار ہے بُری قسمت کے ساتھ بُرے عمل ہیں کہ چھوٹ نہیں سکتے وہ ہی نظر آئیں گے قیامت میں۔

(۲۳) **نامۂ اعمال کی سچائی** یعنی نامۂ اعمال اس کے ہاتھ میں دیدیا جائیگا کہ خود پڑھ کر فیصلہ کر لے۔ جو کام عمر بھر میں کئے تھے کوئی رہا تو نہیں یا زیادہ تو نہیں لکھا گیا ہر آدمی اُس وقت یقین کریگا کہ ذرّہ ذرّہ عمل بلا کم و کاست اُس میں موجود ہے۔ دنیا میں جو کتاب بھیجی (قرآن کریم) اور چاند سورج وغیرہ سے جو حساب متعلق ہے پہلے اس کا ذکر تھا۔ ان آیتوں میں قیامت کے حساب و کتاب کا ذکر فرمایا جو اُسی پہلے حساب و کتاب پر بطور نتیجہ مرتب ہوتا ہے۔

مَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۭ وَلَا تَزِرُ

جو کوئی راہ پر آیا تو آیا اپنے ہی بھلے کو اور جو کوئی بہکا رہا تو بہکا رہا اپنے ہی بُرے کو اور کسی پر

وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ۭ وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا ﴿۱۵﴾ وَاِذَآ اَرَدْنَآ اَنْ نُّهْلِكَ

نہیں پڑتا بوجھ دوسرے کا ف۲۴ اور ہم نہیں ڈالتے بلا جب تک نہ بھیجیں کوئی رسول ف۲۵ اور جب ہم نے چاہا کہ غارت کریں

قَرْيَةً اَمَرْنَا مُتْرَفِيْهَا فَفَسَقُوْا فِيْهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنٰهَا تَدْمِيْرًا ﴿۱۶﴾ وَكَمْ

کسی بستی کو حکم بھیجدیا اُس کے عیش کرنیوالوں کو پھر انہوں نے نافرمانی کی اُس میں تب ثابت ہو گئی اُن پر بات پھر اکھاڑ مارا ہم نے انکو اُٹھا کر ف۲۶ اور بہت

اَهْلَكْنَا مِنَ الْقُرُوْنِ مِنْۢ بَعْدِ نُوْحٍ ۭ وَكَفٰى بِرَبِّكَ بِذُنُوْبِ عِبَادِهٖ خَبِيْرًۢا بَصِيْرًا ﴿۱۷﴾

غارت کر دیئے ہم نے قرن نوحؑ کے پیچھے ف۲۷ اور کافی ہے تیرا رب اپنے بندوں کے گناہ جاننے والا دیکھنے والا ف۲۸

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهٗ فِيْهَا مَا نَشَاۗءُ لِمَنْ نُّرِيْدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهٗ

جو کوئی چاہتا ہو پہلا گھر جلد دیدیں ہم اُس کو اُسی میں جتنا چاہیں جس کو چاہیں پھر ٹھہرایا ہم نے اُس کے واسطے

جَهَنَّمَ ۚ يَصْلٰىهَا مَذْمُوْمًا مَّدْحُوْرًا ﴿۱۸﴾ وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَسَعٰى لَهَا سَعْيَهَا

دوزخ داخل ہوگا اُس میں اپنی بُرائی سُنکر دھکیلا جا کر ف۲۹ اور جس نے چاہا پچھلا گھر اور دوڑ کی اُس کے واسطے جو اُس کی دوڑ

وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰۗىِٕكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَّشْكُوْرًا ﴿۱۹﴾

ہے اور وہ یقین پر ہے سو ایسوں کی دوڑ ٹھکانے لگی ہے۔ ف۳۰

ل۱ اُن کے ذمہ ل۲ کر دیں ہم نے جماعتیں ل۳ سے ل۴ کام آگی ہے۔

(۲۴) **ہر شخص صرف اپنے عمل کا ذمہ دار ہے** یعنی سیدھی راہ خدا نے سب کو بتلا دی اب جو کوئی اس پر چلے یا نہ چلے، اپنا بھلا بُرا خود سوچ لے۔ کیونکہ اپنے طریق عمل کا نفع یا نقصان اُسی کو پہنچیگا۔ ایک کے گناہوں کی گٹھری دوسرے کے سر پر نہیں رکھی جائے گی۔

(۲۵) **بعثت رسول کے بغیر عذاب نہیں دیا جاتا** یعنی بلاشبہ بُرے عمل آفت لاتے ہیں، پر حق تعالیٰ بغیر سمجھائے نہیں پکڑتا اسی واسطے رسول بھیجتا ہے کہ لوگوں کو بے خبر اور غافل نہ رہنے دیں، نیک و بد سے پوری طرح آگاہ کر دیں جن باتوں کو آدمی محض عقل و فطرت کی رہنمائی سے سمجھ سکتا ہے (مثلاً وجود باری یا توحید) اُن کی مزید تشریح و توثیق پیغمبروں کی زبانی کر دی جائے اور جن چیزوں کے ادراک میں محض عقل کافی نہ ہو اُنہیں وحی و الہام کی روشنی میں پیش کیا جائے اسی لئے ابتدائے آفرینش سے حق تعالیٰ نے وحی و رسالت کا سلسلہ جاری رکھا۔ تا آنکہ انبیاء علیہم السلام کے انوار و فیوض نے دنیا میں ایسی فضاء پیدا کر دی کہ کوئی معذب قوم دنیا یا آخرت میں جہل و بے خبری کا عذر پیش کر کے عذابِ الٰہی سے رستگاری حاصل نہیں کر سکتی۔ (تنبیہ) مفسرین نے یہاں "اصحاب فترت" اور اطفال صغار کی تعذیب پر بحث شروع کر دی ہے ہم تطویل کے خوف سے درج نہیں کر سکتے۔

(۲۶) یعنی جب بد اعمالیوں کی بدولت کسی بستی کو تباہ کرنا ہوتا ہے تو یوں ہی دفعۃً پکڑ کر ہلاک نہیں کر دیتے، بلکہ اتمام حجت کے بعد سزا دی جاتی ہے اوّل پیغمبر یا اس کے نائبین کی زبانی خدائی احکام اُن کو پہنچائے جاتے ہیں۔ خصوصاً وہاں کے امراء اور بارسوخ لوگوں کو جن کے ماننے نہ ماننے کا اثر جمہور پر پڑتا ہے۔ آگاہ کیا جاتا ہے۔ جب یہ بڑی ناک والے سمجھ بوجھ کر خدائی پیغام کو رد کر دیتے اور کھلے بند نافرمانیاں کر کے تمام بستی کی فضا کو مسموم و مکدر بنا دیتے ہیں، اُس وقت وہ بستی اپنے کو علانیہ مجرم ثابت کر کے عذاب الٰہی کی مستحق ہو جاتی ہے (نعوذ باللہ من شرور انفسنا) (تنبیہ) وَقَالَ بَعْضُ السَّلَفِ اَنَّ الْاَمْرَ فِیْ قَوْلِہٖ تَعَالٰی "اَمَرْنَا مُتْرَفِیْہَا" اَمْرٌ تَکْوِیْنِیٌّ قَدَرِیٌّ بِالْفِسْقِ وَقَوْلُہٗ تَعَالٰی "اِنَّ اللّٰہَ لَا یَأْمُرُ بِالْفَحْشَاءِ" مَعْنَاہُ نَفْیُ الْاَمْرِ التَّشْرِیْعِیِّ فَلَا مُنَافَاۃَ۔ فافہم۔

(۲۷) **معذّب قوموں کی ہلاکت** آدم و نوح کے درمیانی زمانہ میں سب آدمی اسلام پر رہے۔ پھر شرک و بت پرستی شروع ہوئی۔ نوح علیہ السلام اُن کی اصلاح کے لئے بھیجے گئے۔ سیکڑوں برس سمجھایا، نہ مانے، آخر سب ہلاک کئے گئے۔ اس کے بعد بہت سی قومیں (عاد و ثمود وغیرہ) تباہ ہوئیں۔ حاصل یہ کہ قوموں کے ہلاک کئے جانے کا سلسلہ بعثت نوح کے بعد سے شروع ہوا۔

(۲۸) یعنی کسی کو بے قصور نہیں پکڑتا نہ غیر مناسب سزا دیتا ہے۔ بلکہ ہر ایک کے گناہوں کو دیکھ کر اور اُس کے اوضاع و اطوار کو پوری طرح جان کر موزوں و مناسب برتاؤ کرتا ہے۔

(۲۹) یعنی ضروری نہیں کہ ہر عاشقِ دنیا کو فوراً ہلاک کر دیا جائے، نہیں ہم ان لوگوں میں سے جو صرف متاعِ دنیا کے لئے سرگرداں ہیں، جس کو چاہیں اور جس قدر چاہیں اپنی حکمت و مصلحت کے موافق دنیا کا سامان دیدیتے ہیں تا اُن کی جدوجہد اور فانی نیکیوں کا فانی پھل ملجائے۔ اور اگر اُخروی سعادت مقدر نہیں تو شقاوت کا پیمانہ پوری طرح لبریز ہو کر نہایت ذلت و رسوائی کے ساتھ دوزخ کے ابدی جیلخانہ میں دھکیل دیئے جائیں۔

(۳۰) **سچے مومنین کا انجام** یعنی جس کے دل میں ایمان و یقین موجود ہو اور نیک نیتی سے خدا کی خوشنودی اور ثواب اُخروی کی خاطر پیغمبر کے بتلائے ہوئے راستہ پر عملی دوڑ دھوپ کرے، اُس کی کوشش ہرگز ضائع ہونے والی نہیں۔ یقیناً بارگاہ احدیت میں حسن قبول سے سرفراز ہو کر رہے گی۔

كُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَآءِ وَهٰٓؤُلَآءِ مِنْ عَطَآءِ رَبِّكَ ؕ وَمَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا ۝۲۰ اُنْظُرْ

ہر ایک کو ہم پہنچائے جاتے ہیں۔ اِن کو اور اُن کو تیرے رب کی بخشش میں سے اور تیرے رب کی بخشش کسی نے نہیں روک لی ۳۱ دیکھ

ف کام آئی ہے

كَيْفَ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۭ وَلَلْاٰخِرَةُ اَكْبَرُ دَرَجٰتٍ وَّاَكْبَرُ تَفْضِيْلًا ۝۲۱ لَا تَجْعَلْ

کیسا بڑھا دیا ہم نے ایک کو ایک سے اور پچھلے گھر میں تو اور بڑے درجے ہیں اور بڑی فضیلت ۳۲ مت ٹھہرا اللہ

ع
مَعَ اللّٰهِ اِلٰـهًا اٰخَرَ فَتَقْعُدَ مَذْمُوْمًا مَّخْذُوْلًا ۝۲۲ ع وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَ

کے ساتھ دوسرا حاکم پھر بیٹھ رہیگا تو الزام کھا کر بیکس ہو کر ۳۳ اور حکم کر چکا تیرا رب کہ نہ پوجو اُس کے سوائے اور

بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۭ اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰـهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْ

ماں باپ کے ساتھ بھلائی کرو ۳۴ اگر پہنچ جائے تیرے سامنے بڑھاپے کو ایک اُن میں سے یا دونوں تو نہ کہہ اُن کو ہوں اور نہ جھڑک اُن کو

هُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ۝۲۳ وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ

اور کہہ اُن سے بات ادب کی ۳۵ اور جھکا دے اُن کے آگے کندھے عاجزی کر کر نیاز مندی سے اور کہہ اے رب

ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا ۝۲۴ ۭ رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا فِيْ نُفُوْسِكُمْ ۭ اِنْ تَكُوْنُوْا صٰلِحِيْنَ فَاِنَّهٗ

اُن پر رحم کر جیسا پالا انہوں نے مجھ کو چھوٹا سا ۳۶ تمہارا رب خوب جانتا ہے جو تمہارے جی میں ہے اگر تم نیک ہو گے تو وہ

كَانَ لِلْاَوَّابِيْنَ غَفُوْرًا ۝۲۵ وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَلَا تُبَذِّرْ

رجوع کرنے والوں کو بخشتا ہے ۳۷ اور دے قرابت والے کو اُس کا حق اور محتاج کو اور مسافر کو اور مت اڑا

تَبْذِيْرًا ۝۲۶ اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ ۭ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا ۝۲۷

بیجا ۳۸ بے شک اڑانے والے بھائی ہیں شیطانوں کے اور شیطان ہے اپنے رب کا ناشکر ۳۹

وَاِمَّا تُعْرِضَنَّ عَنْهُمُ ابْتِغَاۗءَ رَحْمَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ تَرْجُوْهَا فَقُلْ لَّهُمْ قَوْلًا مَّيْسُوْرًا ۝۲۸

اور اگر کبھی تغافل کرے تو اُن کی طرف سے انتظار میں اپنے رب کی مہربانی کے جسکی تجھ کو توقع ہے تو کہہ دے اُن کو بات نرمی کی ۴۰

(۳۱) یعنی حق تعالیٰ اپنی حکمت و مصلحت کے موافق بعض طالبین دنیا کو دنیا اور تمام طالبین آخرت کو آخرت عطا فرماتا ہے اُس کی عطا میں کوئی مانع و مزاحم نہیں ہو سکتا۔ یا یہ مطلب ہے کہ طالب دنیا ہو یا طالب آخرت دنیوی امداد سے دونوں کو حسب مصلحت حصہ پہنچتا ہے۔ محض کفر و عصیان کی وجہ سے دنیوی بخشش کے دروازے بند نہیں کر دیے جاتے۔

(۳۲) **جنت کے درجات** یعنی دنیوی زندگی میں مال، دولت، عزت، حکومت، اولاد وغیرہ کے اعتبار سے ایک کو دوسرے پر کسی قدر فضیلت ہے۔ اسی پر قیاس کر لو کہ آخرت میں تفاوت اعمال و احوال کے لحاظ سے کس قدر فرق مراتب ہوگا۔ چنانچہ نصوص سے ثابت ہے کہ درجات جنت اور درکات جہنم بیحد متفاوت ہیں۔ حدیث میں آیا ہے کہ جنت کے دو درجوں کے درمیان زمین آسمان کا تفاوت ہوگا نیچے والے اوپر والوں کو اس طرح دیکھیں گے جیسے ہم زمین پر کھڑے ہو کر افق میں کوئی ستارہ دیکھتے ہیں۔ پہلے بتایا جا چکا کہ جنت کے یہ درجات اُن ہی کو مل سکتے ہیں جو آخرت کے لئے اُس کے لائق دوڑ دھوپ کریں۔ اگلی آیتوں میں دور تک آخرت کی سعی کا طریقہ بتلایا گیا ہے جس پر چلنے سے انسان کو یہ بلند مقامات حاصل ہوتے ہیں۔ ابن عباس کا قول ہے کہ حق تعالیٰ نے "تورات" کی ساری اخلاقی تعلیم سورۂ "بنی اسرائیل" کی پندرہ آیتوں میں درج کر دی ہے۔ وہ پندرہ آیتیں اگلے رکوع سے شروع ہوتی ہیں۔

[1] فضول۔

(۳۳) **شرک رسوائی اور بے کسی کا سبب ہے** یعنی شرک ایسی ظاہر البطلان چیز ہے جس کے اختیار کرنے پر اللہ تعالیٰ اور اُس کے فرشتے، بلکہ دنیا کے ہر عقلمند کے نزدیک تم مذموم و ملزم ٹھہرو گے۔ چنانچہ آج ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ جن مذاہب میں شرک صریح کی تعلیم تھی وہ بھی دانشمندوں کی سوسائٹی میں جگہ حاصل کرنے کے لئے اپنی ترمیم و اصلاح کر کے آہستہ آہستہ توحید کی طرف قدم اٹھا رہے ہیں۔ ہر ایک عاقل یہ محسوس کرنے لگا ہے کہ اشرف المخلوقات انسان کے لئے یہ چیز سخت ذلت و رسوائی کا موجب ہے کہ اپنے سے کمتر یا کسی عاجز مخلوق کے سامنے سر بسجود ہو جائے۔ خصوصاً اُن چیزوں کے سامنے دست سوال دراز کرے جو خود اسی کی تراشی ہوئی ہیں جو آدمی خدا کو چھوڑ کر غیر اللہ کے سامنے جھکتا ہے، خدائے بے نیاز حقیقی نصرت و برکت کا دروازہ اُس پر بند کر کے کمزوری اور بے کسی کی حالت میں چھوڑ دیتا ہے۔ چنانچہ سخت کٹھن وقت میں جب کہ اُسے اعانت و امداد کی بڑی ضرورت ہوگی، کوئی یار و مددگار نہ ملے گا۔ "ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوبُ"۔

(۳۴) **والدین سے حُسنِ سُلوک** خدا تو حقیقۃً بچہ کو وجود عطا فرماتا ہے، والدین اُس کی ایجاد کا ظاہری ذریعہ ہیں اس لئے کئی آیتوں میں خدا تعالیٰ کے حقوق کے ساتھ والدین کے حقوق ذکر کئے گئے۔ حدیث میں ہے کہ وہ شخص خاک میں مل گیا جس نے اپنے والدین کو پایا اور اُن کی خدمت کر کے جنت حاصل نہ کی۔" ایک حدیث میں فرمایا کہ جنت ماں کے قدموں کے نیچے ہے۔ والدین کے ساتھ بھلائی کرنا یہ ہے کہ زندگی میں اُن کی جان و مال سے خدمت اور دل سے تعظیم و محبت کرے۔ مرنے کے بعد اُن کا جنازہ پڑھے، اُن کے لئے دعاء و استغفار کرے، اُن کے عہد تا مقدور پورے کرے، اُن کے دوستوں کے ساتھ تعظیم و حُسنِ سلوک سے اور اُن کے اقارب کے ساتھ صلہ رحم سے پیش آئے۔ وغیرہ ذالک۔

(۳۵) بڑھاپے میں خدمت کی احتیاج زیادہ ہوتی ہے، جس سے بعض اوقات اہل و عیال بھی اُکتانے لگتے ہیں زیادہ پیرانہ سالی میں ہوش و حواس بھی ٹھکانے نہیں رہتے۔ بڑی سعادت مند اولاد کا کام ہے کہ اس وقت بڈھے والدین کی خدمت گذاری و فرمانبرداری سے جی نہ ہارے قرآن نے تنبیہ کی کہ جھڑکنا اور ڈانٹنا تو کجا اُن کے مقابلہ میں زبان سے "ہوں" بھی مت کرو۔ بلکہ بات کرتے وقت پورے ادب و تعظیم کو ملحوظ رکھو۔ ابن مسیب نے فرمایا ایسی طرح بات کرو جیسے ایک خطاوار غلام سخت مزاج آقا سے کرتا ہے۔

(۳۶) **والدین کے لئے دُعاء** یعنی جب میں بالکل کمزور و ناتواں تھا انہوں نے میری تربیت میں خون پسینہ ایک کر دیا۔ اپنے خیال کے موافق میرے لئے ہر ایک راحت و خوبی کی فکر کی۔ ہزارہا آفات و حوادث سے بچانے کی کوشش کرتے رہے۔ بارہا میری خاطر اپنی جان جوکھوں میں ڈالی، آج اِن کی ضعیفی کا وقت آیا ہے، جو کچھ میری قدرت میں ہے اُن کی خدمت و تعظیم کرتا ہوں، لیکن پورا حق ادا نہیں کر سکتا۔ اس لئے تجھ سے درخواست کرتا ہوں کہ اس بڑھاپے میں اور موت کے بعد ان پر نظر رحمت فرما۔

(۳۷) یعنی والدین کی تعظیم اور اُن کے سامنے تواضع و فروتنی صمیم قلب سے ہونی چاہئے۔ خدا تعالیٰ جانتا ہے کہ کون کیسے دل سے ماں باپ کی خدمت کرتا ہے۔ اگر فی الواقع تم دل سے نیک اور سعادتمند ہو گے اور خدا کی طرف رجوع ہو کر اخلاص و حق شناسی کے ساتھ اُن کی خدمت کرو گے تو وہ تمہاری کوتاہیوں اور خطاؤں سے درگذر فرمائیگا۔ فرض کرو اگر کسی وقت باوجود نیک نیتی کے تنگ دلی یا تنگ مزاجی سے کوئی فروگذاشت ہو گئی۔ پھر توبہ و رجوع کیا تو اللہ بخشنے والا ہے۔ (تنبیہ) والدین کی فرمانبرداری کن چیزوں میں ہے اور کن میں نہیں؟ اسکی تفصیل کتب فقہ وغیرہ میں دیکھنا چاہئے۔ روح المعانی میں بھی اس پر مُفید و مبسوط کلام کیا ہے۔ فلیراجع۔

(۳۸) **قرابت داروں اور دوسرے لوگوں کے حقوق** یعنی قرابت والوں کے مالی و اخلاقی ہر قسم کے حقوق ادا کرو۔ محتاج مسافر کی خبر گیری رکھو اور خدا کا دیا ہوا مال فضول بے موقع مت اڑاؤ۔ فضول خرچی یہ ہے کہ معاصی اور لغویات میں خرچ کیا جائے یا مباحات میں بے سوچے سمجھے اتنا خرچ کر دے جو آگے چل کر تفویت حقوق اور ارتکاب حرام کا سبب بنے۔

(۳۹) **فضول خرچی کی ممانعت** یعنی مال خدا کی بڑی نعمت ہے جس سے عبادت میں دلجمعی ہو، بہت سی اسلامی خدمات اور نیکیاں سے

کمانے کا موقع ملے، اُس کو بیجا اُڑانا ناشکری ہے جو شیطان کی تحریک و اغواء سے وقوع میں آتی ہے اور آدمی ناشکری کر کے شیطان کے مشابہ ہو جاتا ہے۔ جس طرح شیطان نے خدا کی بخشی ہوئی قوتوں کو عصیان و اضلال میں خرچ کیا۔ اس نے بھی حق تعالیٰ کی دی ہوئی نعمت کو نافرمانی میں اُڑایا۔

(۴۰) **صدقہ و خیرات کے آداب** یعنی جو کوئی ہمیشہ سخاوت کرتا ہے اور ایک وقت اُس کے پاس نہیں ہے، تو اللہ کے ہاں اُمیدوالے کا محروم جانا خوش نہیں آتا اس محتاج کی قسمت سے اللہ سخیوں کو بھیج دیتا ہے۔ سو اس واسطے اگر ایک وقت تو نہ دے سکے تو نرم اور میٹھے طریقہ سے معذرت کر دے، مثلاً یہ کہہ دیا جائے کہ جب خدا ہم کو دیگا انشاء اللہ ہم تمہاری خدمت کریں گے، سختی اور بداخلاقی سے جواب دینے میں اندیشہ ہے کہ کہیں اگلی خیراتیں بھی برباد نہ ہو جائیں۔

وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُولَةً إِلَىٰ عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُومًا مَّحْسُورًا ﴿۲۹﴾

اور نہ رکھ اپنا ہاتھ بندھا ہوا اپنی گردن کے ساتھ اور نہ کھول دے اُس کو بالکل کھول دینا پھر تو بیٹھ رہے الزام کھایا ہارا ہوا ف ۴۱

إِنَّ رَبَّكَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَن يَشَاءُ وَيَقْدِرُ ۚ إِنَّهُ كَانَ بِعِبَادِهِ خَبِيرًا بَصِيرًا ﴿۳۰﴾ وَلَا

تیرا رب کھول دیتا ہے روزی جسکے واسطے چاہے اور تنگ بھی وہی کرتا ہے ف ۴۲ وہی ہے اپنے بندوں کو جاننے والا دیکھنے والا ف ۴۳ اور نہ

تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ إِمْلَاقٍ ۖ نَّحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَإِيَّاكُمْ ۚ إِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْئًا كَبِيرًا ﴿۳۱﴾

مار ڈالو اپنی اولاد کو مفلسی کے خوف سے ہم روزی دیتے ہیں انکو اور تم کو ف ۴۴ بیشک اُن کا مارنا بڑی خطاء ہے ف ۴۵

وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنَىٰ ۖ إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً وَسَاءَ سَبِيلًا ﴿۳۲﴾ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ

اور پاس نہ جاؤ زنا کے ف ۴۶ وہ ہے بے حیائی اور بری راہ ہے ف ۴۷ اور نہ مارو اُس جان کو جس کو منع کر دیا اللہ نے

إِلَّا بِالْحَقِّ ۗ وَمَن قُتِلَ مَظْلُومًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهِ سُلْطَانًا فَلَا يُسْرِف فِّي الْقَتْلِ ۖ إِنَّهُ

مگر حق پر ف ۴۸ اور جو مارا گیا ظلم سے تو دیا ہم نے اُسکے وارث کو زور سو حد سے نہ نکل جائے قتل کرنے میں ف ۴۹ اُس کو

كَانَ مَنصُورًا ﴿۳۳﴾ وَلَا تَقْرَبُوا مَالَ الْيَتِيمِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ حَتَّىٰ يَبْلُغَ أَشُدَّهُ ۚ وَأَوْفُوا

مدد ملتی ہے ف ۵۰ اور پاس نہ جاؤ یتیم کے مال کے مگر جس طرح کہ بہتر ہو جب تک کہ وہ پہنچے اپنی جوانی کو ف ۵۱ اور پورا کرو

بِالْعَهْدِ ۖ إِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُولًا ﴿۳۴﴾ وَأَوْفُوا الْكَيْلَ إِذَا كِلْتُمْ وَزِنُوا بِالْقِسْطَاسِ

عہد کو بیشک عہد کی پوچھ ہوگی ف ۵۲ اور پورا بھر دو ماپ جب ماپ کر دینے لگو اور تولو سیدھی ترازو

الْمُسْتَقِيمِ ۚ ذَٰلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا ﴿۳۵﴾

سے ف ۵۳ یہ بہتر ہے اور اچھا ہے اُس کا انجام ف ۵۴

(۴۱) **خرچ میں میانہ روی** یعنی سب الزام دیں کہ کنجوس مکھی چوس ہے، یا یہ کہ اتنا کیوں دیا کہ آپ محتاج رہ گیا۔ غرض ہر معاملہ میں توسط و اعتدال مرعی رکھنا چاہئے، نہ ہاتھ اس قدر کھینچے کہ گردن سے لگ جائے اور نہ طاقت سے بڑھ کر خرچ کرنے میں ایسی کشادہ دستی دکھائے کہ پھر بھیک مانگنی پڑے اور ہاتھ کھلے کا کھلا رہ جائے۔ ابن کثیر لکھتے ہیں "فتعطی فوق طاقتك وتخرج اكثر من دخلك" یعنی

طاقت سے بڑھ کر یا آمدنی سے زائد خرچ کرنا بھی " وَلَا تَبۡسُطۡهَا كُلَّ الۡبَسۡطِ " کے تحت میں داخل ہے۔ حدیث میں ہے مَا عَالَ مَنِ اقۡتَصَدَ " (جس نے میانہ روی اختیار کی محتاج نہیں ہوا)۔

(۴۲) **رزق میں کمی بیشی اللہ کے ہاتھ میں ہے** یعنی تمہارے ہاتھ روکنے سے تم غنی اور دوسرا فقیر نہیں ہو جاتا۔ نہ تمہاری سخاوت سے وہ غنی اور تم فقیر بن سکتے ہو۔ فقیر و غنی بنانا اور روزی کا کم و بیش کرنا محض خدا کے قبضہ میں ہے اور پریشان ہونے کی ضرورت نہیں کہ افسوس آج ہمارے پاس نہیں ہے، یہ فقیر جو امید لیکر آیا تھا کیا کہیگا۔ فقر و غنی کے مختلف احوال بھیجنا اُسی مالک علی الاطلاق کے قبضہ میں ہے۔ تمہارا کام میانہ روی سے امتثال حکم کرنا ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں " یعنی محتاج کو دیکھ کر بالکل بیتاب نہ ہو جا۔ اُس کی حاجت روائی تیرے ذمہ نہیں۔ اللہ کے ذمہ پر ہے لیکن یہ باتیں پیغمبر علیہ السّلام کو فرمائی ہیں جو لیے حد سخی واقع ہوئے تھے۔ باقی جس کے جی سے مال نہ نکل سکے اس کو پابند کیا ہے دینے کا جکیم بھی گرمی والے کو سرد دوا دیتا ہے اور سردی والے کو گرم "۔

(۴۳) **غنا اور فقر میں اللہ کی حکمت** یعنی ہر ایک بندے کے ظاہری و باطنی احوال و مصالح سے خبردار ہے۔ اُسی کے موافق معاملہ کرتا ہے حدیث قدسی میں فرمایا کہ میرے بعض بندے وہ ہیں جن کی درستی حال فقیر رہنے میں ہے۔ اگر میں اس کو غنی کر دیتا تو اس کا دین تباہ ہو جاتا۔ اِن کے برعکس بعض وہ بندے ہیں جن کو غنی بنایا، اگر فقیر بنا دیا جاتا تو دین پر قائم نہ رہ سکتے۔ اس کے علاوہ بعض اشقیاء کے حق میں غناء ظاہری محض امہال و استدراج کے طور پر یا فقر و تنگدستی عقوبت اور سزا کے طریقہ سے ہے۔ (عیاذاً باللہ من ہٰذا وہٰذا) ہم پہلی کئی جگہ اسکی تقریر کر چکے ہیں۔

(۴۴) بعض کافر اولاد کو مار ڈالتے تھے کہ ان کا خرچ کہاں سے لائیں گے۔ سورہ " انعام " میں اسی مضمون کی آیت گذر چکی، تفصیل وہاں ملاحظہ کر لیجائے۔

(۴۵) کیونکہ یہ بے رحمی کی حرکت نسل انسانی کے قطع کرنے کا موجب ہے اور ظاہر ہوتا ہے کہ ایسا کرنے والے کو حق تعالیٰ کی رزاقی پر اعتماد نہیں۔

(۴۶) **زنا اور فواحش کی ممانعت** یعنی زنا کرنا تو بڑی سخت چیز ہے۔ اس کے پاس بھی مت جاؤ۔ گویا " لَا تَقۡرَبُوۡا " میں مبادی زنا سے بچنے کی ہدایت کر دی گئی۔ مثلاً اجنبی عورت کی طرف بدون عذر شرعی نظر کرنا یا بوس و کنار وغیرہ۔

(۴۷) کیونکہ زنا سے انساب میں گڑبڑ ہوتی ہے اور بہت طرح کی لڑائیاں اور جھگڑے کھڑے ہوتے ہیں۔ اور سب کے لئے بُری راہ نکلتی ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں " یعنی اگر یہ راہ نکلی تو ایک شخص دوسرے کی عورت پر نظر کرے، کوئی دوسرا اس کی عورت پر کرے گا۔

مسند احمد کی ایک روایت مسند امام احمد میں ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ مجھے زناء کی اجازت دے دیجئے۔ حاضرین نے اُسے ڈانٹ بتلائی کہ (پیغمبر خدا کے سامنے ایسی گستاخی؟) خبردار چُپ رہو۔ حضورؐ نے اُس کو فرمایا کہ میرے قریب آؤ۔ وہ قریب آکر بیٹھا تو آپ نے فرمایا کہ کیا تو یہ حرکت اپنی ماں، بیٹی، بہن، پھوپی، خالہ میں سے کسی کی نسبت پسند کرتا ہے؟ اس نے عرض کیا یا رسول اللہ! خدا مجھ کو آپؐ قربان کرے، ہرگز نہیں۔ فرمایا دوسرے لوگ بھی اپنی ماؤں، بیٹیوں، بہنوں، پھوپیوں اور خالاؤں کے لئے یہ فعل گوارا نہیں کرتے۔ پھر آپ نے دعا فرمائی کہ الٰہی اس کے گناہ کو معاف فرما اور اس کے دل کو پاک اور شرمگاہ کو محفوظ کر دے۔" ابو اُمامہ فرماتے ہیں کہ اس دعا کے بعد اُس شخص کی یہ حالت ہو گئی کہ کسی عورت وغیرہ کی طرف نگاہ اُٹھا کر نہ دیکھتا تھا۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكۡ وَسَلِّمۡ۔

(۴۸) **قتل ناحق کی ممانعت** صحیحین میں ہے کہ کسی مسلمان کا خون حلال نہیں۔ مگر تین صورتوں میں، جان کے بدلے جان، یا زانی محصن یا جو شخص دین کو چھوڑ کر جماعت سے علیحدہ ہو جائے۔

(۴۹) **قتل کا بدلہ** یعنی اولیائے مقتول کو اختیار ہے کہ حکومت سے کہہ کر خون کا بدلہ لیں، لیکن بدلہ لیتے وقت حد سے نہ گذریں. مثلاً قاتل کی جگہ غیر قاتل کو سزا دلوانے لگیں یا قاتل کے ساتھ دوسرے بے گناہوں کو بھی شامل کرلیں. یا قاتل کے ناک، کان وغیرہ کاٹنے اور مثلہ کرنے لگیں

(۵۰) یعنی خدا نے اُس کی مدد کی کہ بدلہ لینے کا حق دیا اور حکام کو امر فرمایا کہ حق دلوانے میں کمی نہ کریں بلکہ ہر کسی کو لازم ہے کہ خون کا بدلہ دلانے میں مدد کرے. نہ یہ کہ اُلٹا قاتل کی حمایت کرنے لگے. اور وارث کو بھی چاہئے کہ ایک کے بدلے دو نہ مارے یا قاتل ہاتھ نہ لگا تو اُس کے بیٹے بھائی کو نہ مار ڈالے جیسے جاہلیت میں رواج تھا.

(۵۱) **مالِ یتیم کے احکام** یعنی یتیم کے مال کو ہاتھ نہ لگاؤ. ہاں اگر اُس کی حفاظت و نگہداشت اور خیر خواہی مقصود ہو تو مضائقہ نہیں. جس وقت جوان ہو جائے اور اپنے نفع نقصان کو سمجھنے لگے، مال اُس کے حوالہ کردو.

(۵۲) **ایفائے عہد کی تاکید** اس میں سب عہد داخل ہیں خواہ اللہ سے کئے جائیں یا بندوں سے بشرطیکہ غیر مشروع نہ ہوں. حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ کسی کو قول و قرار صلح کا دے کر بد عہدی کرنا، اس کا وبال ضرور پڑتا ہے.

(۵۳) **ماپ تول میں کمی** یعنی جھونک نہ مارو. ماپ تول میں کمی کرنے سے معاملات کا نظام مختل ہو جاتا ہے. قوم شعیب کی ہلاکت کا قصہ پہلے کئی جگہ آچکا ہے. اُن کا بڑا عملی گناہ یہ ہی بیان کیا گیا ہے. روایات میں ہے کہ جو شخص کسی حرام پر قدرت پاکر محض خدا کے خوف سے رُک جائے تو خدا تعالیٰ اسی دنیا میں آخرت سے پہلے اُس کو نعم البدل عطا فرمائیگا.

(۵۴) یعنی دغا بازی اوّل چلتی ہے پھر لوگ خبردار ہوکر اُس سے معاملہ نہیں کرتے. اور پورا حق دینے والا سب کو بھلا لگتا ہے. اللہ اُس کی تجارت خوب چلاتا ہے.

وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ؕ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ

اور نہ پیچھے پڑ جس بات کی خبر نہیں تجھ کو بیشک کان اور آنکھ اور دل ان سب کی اُس سے پوچھ

مَسْئُوْلًا ﴿۳۶﴾ وَلَا تَمْشِ فِى الْاَرْضِ مَرَحًا ۚ اِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلًا ﴿۳۷﴾

ہوگی ف۵۵ اور مت چل زمین پر اِتراتا ہوا تو پھاڑ نہ ڈالیگا زمین کو اور نہ پہنچے گا پہاڑوں تک لمبا ہوکر ف۵۶

كُلُّ ذٰلِكَ كَانَ سَيِّئُهٗ عِنْدَ رَبِّكَ مَكْرُوْهًا ﴿۳۸﴾ ذٰلِكَ مِمَّآ اَوْحٰٓى اِلَيْكَ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ ؕ

یہ جتنی باتیں ہیں ان سب میں بُری چیز ہے تیرے رب کی بیزاری ف۵۷ یہ ہے اُن باتوں میں سے جو وحی بھیجی تیرے رب نے تیری طرف عقل کے کاموں سے ف۵۸

وَلَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتُلْقٰى فِىْ جَهَنَّمَ مَلُوْمًا مَّدْحُوْرًا ﴿۳۹﴾ اَفَاَصْفٰىكُمْ رَبُّكُمْ بِالْبَنِيْنَ

اور نہ ٹھہرا اللہ کے سوائے کسی اور کی بندگی پھر پڑے تو دوزخ میں الزام کھاکر دھکیلا جاکر ف۵۹ کیا تم کو چن کر دیدیے تمہارے رب نے بیٹے

وَاتَّخَذَ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ اِنَاثًا ؕ اِنَّكُمْ لَتَقُوْلُوْنَ قَوْلًا عَظِيْمًا ﴿۴۰﴾ ؏ وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِىْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ

اور اپنے لئے کرلیا فرشتوں کو بیٹیاں تم کہتے ہو بھاری بات ف۶۰ اور پھیر پھیر کر سمجھایا ہم نے اس قرآن میں

لِيَذَّكَّرُوْا ؕ وَمَا يَزِيْدُهُمْ اِلَّا نُفُوْرًا ﴿۴۱﴾

تاکہ وہ سوچیں[۱] اور اُن کو زیادہ ہوتا ہے وہی بدکنا[۲] ف۶۱

[۱] انکار بڑھتا جاتا ہے [۲] نفرت کرنا.

(۵۵) **بے تحقیق زبان سے کوئی بات نہ نکالو** یعنی بے تحقیق بات زبان سے مت نکال، نہ اس کی اندھا دھند پیروی کر، آدمی کو چاہئے کہ کان، آنکھ اور دل و دماغ سے کام لے کر اور بقدر کفایت تحقیق کر کے کوئی بات منہ سے نکالے یا عمل میں لائے، سنی سنائی باتوں پر بے سوچے سمجھے یوں ہی اٹکل پچو کوئی قطعی حکم نہ لگائے یا عملدرآمد شروع نہ کر دے۔ اس میں جھوٹی شہادت دینا، غلط تہمتیں لگانا، ... بے تحقیق چیزیں سن کر کسی کے درپے آزار ہونا، یا بغض و عداوت قائم کر لینا، باپ دادا کی تقلید یا رسم و رواج کی پابندی میں خلاف شرع اور ناحق باتوں کی حمایت کرنا، ان دیکھی یا ان سنی چیزوں کو دیکھی یا سنی ہوئی بتلانا، غیر معلوم اشیاء کی نسبت دعویٰ کرنا کہ ہیں جانتا ہوں یہ سب صورتیں اس آیت کے تحت میں داخل ہیں، یاد رکھنا چاہئے کہ قیامت کے دن تمام قویٰ کی نسبت سوال ہوگا کہ ان کو کہاں کہاں

(۵۶) **اکڑ کر مت چلو** یعنی متکبروں کی چال چلنا انسان کو زیبا نہیں۔ نہ تو زور سے پاؤں مار کر وہ زمین کو پھاڑ سکتا ہے نہ گردن ابھارنے اور سینہ تاننے سے اونچا ہو کر پہاڑوں کے برابر ہو سکتا ہے۔ پھر ایسی ضعف و عجز اور اس بساط پر اپنے کو اس قدر لمبا کھینچنے سے کیا فائدہ؟

(۵۷) یعنی جن باتوں کو اوپر منع کیا اُن کے کرنے میں رب کی بیزاری ہے اور جن کا حکم کیا اُن کے نہ کرنے میں بیزاری ہے۔

(۵۸) یعنی اوپر جو پُر مغز اور بیش بہا نصیحتیں کی گئیں، یہ وہ علم و حکمت اور تہذیب اخلاق کی باتیں ہیں جنہیں عقل سلیم قبول کرتی ہے اور جو وحی کے ضمن میں نبی امّی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بلاواسطہ اور امت امیّہ کی طرف بواسطہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھیجی گئیں۔

(۵۹) مذکورہ بالا نصائح کا بیان توحید سے شروع کیا گیا تھا۔ لَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَقْعُدَ مَذْمُوْمًا مَّخْذُوْلًا خاتمہ پر بھی توحید یاد دلائی گئی۔ تا قاری سمجھ سکے کہ تمام حسنات کا آغاز و انجام خالص توحید کو ہونا چاہیئے۔

(۶۰) **اللہ کے لئے بیٹیوں کی نسبت** یعنی ایک تو خدا کے لئے اولاد تجویز کرنا اور اولاد بھی بیٹیاں جنہیں تم نہایت حقارت کی نظر سے دیکھتے ہو۔ یہ بڑی بھاری گستاخی ہے۔

(۶۱) یعنی قرآن کریم مختلف عنوانوں اور رنگ برنگ کے دلائل و شواہد سے ان مشرکین کو فہمائش کرتا ہے۔ لیکن بجائے نصیحت حاصل کرنے کے یہ بدبخت اور زیادہ بدکتے اور وحشت کھا کر بھاگتے ہیں۔

قُلْ لَّوْ كَانَ مَعَهٗۤ اٰلِهَةٌ كَمَا يَقُوْلُوْنَ اِذًا لَّابْتَغَوْا اِلٰى ذِى الْعَرْشِ سَبِيْلًا ﴿۴۲﴾ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى

کہہ اگر ہوتے اُس کے ساتھ اور حاکم جیسا یہ بتلاتے ہیں تو نکالتے ف۶۲ صاحب عرش کی طرف راہ ف۶۳ وہ پاک ہے اور برتر ہے

عَمَّا يَقُوْلُوْنَ عُلُوًّا كَبِيْرًا ﴿۴۳﴾ تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ ۭ وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ

اُن کی باتوں سے بے نہایت[1] اُس کی پاکی بیان کرتے ہیں ساتوں آسمان اور زمین اور جو کوئی اُن میں ہے اور کوئی چیز نہیں

اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا ﴿۴۴﴾ وَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ

جو نہیں پڑھتی خوبیاں اس کی لیکن تم نہیں سمجھتے اُن کا پڑھنا ف۶۴ بیشک وہ ہے تحمل والا بخشنے والا ف۶۵ اور جب تو پڑھتا ہے قرآن

جَعَلْنَا بَيْنَكَ وَبَيْنَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ حِجَابًا مَّسْتُوْرًا ﴿۴۵﴾

کر دیتے ہیں ہم بیچ میں تیرے اور اُن لوگوں کے جو نہیں مانتے آخرت کو ایک پردہ چھپا ہوا ف۶۶

[1] بالاتر سے بہت دور۔

(۶۲) **توحید کے عقلی دلائل** یعنی اصنام وغیرہ جنہیں خدائی کا شریک اور الوہیت کا حصہ دار بتلایا جاتا ہے۔

(۶۳) یعنی پڑا پڑا محکوم رہنا کیوں پسند کرتے، سب مل کر خدا تعالیٰ کے تخت سلطنت کو اُلٹ ڈالتے۔ اگر کہا جائے کہ صاحبِ عرش کے مقابلہ میں اُن کی کچھ چلتی نہیں تو ایک عاجز مخلوق کی عبادت کرنا پرلے درجہ کی حماقت ہے، یا اگر وہ معبود خود رب العرش کو خوش رکھنا اور اُس کا قرب حاصل کرنا اپنے لئے ضروری سمجھتے ہیں تو اُن کے پوجنے والوں کے لئے اور بھی زیادہ ضروری ہوا کہ خدائے اکبر کو خوش رکھنے کی فکر کریں۔ لیکن خدائے بزرگ تمام انبیاء کی زبانی اور فطرت انسانی کی معرفت شرک سے اپنی کامل بیزاری کا اظہار فرما چکا۔ پھر تعجب ہے کہ یہ احمق کس راستہ پر اندھا دُھند چلے جا رہے ہیں۔

(۶۴) **ہر شئے پاکی بیان کرتی ہے** یعنی ہر ایک مخلوق زبان سے یا حال سے اُسکی پاکی اور خوبیاں بیان کرتی ہے لیکن تم اُسے سمجھتے نہیں خواہ فکر و تامل نہ کرنے کی وجہ سے یا اس قوت کے فقدان کی وجہ سے جس کے ذریعہ بعض مخلوقات کی تسبیح قالی سُنی اور سمجھی جا سکتی ہو۔ اور اگر کوئی شخص باوجود سمجھنے کے قبول نہ کرے یا اُس کے مقتضیٰ پر عمل نہ کرے، تو یہ سمجھنا نہ سمجھنے ہی کے حکم میں ہے۔

(۶۵) یعنی تمام مخلوقات جس کی پاکی بیان کریں تم اس کے لئے شرکاء، اولاد، اور بیٹیاں تجویز کرو۔ یہ ایسی گستاخی تھی کہ تم کو فوراً ہلاک کر دیا جاتا۔ لیکن وہ اپنے حلم سے شتاب نہیں پکڑتا اور توبہ کر لو تو بخش دیتا ہے۔

(۶۶) **کفار اور نبی کے درمیان پردہ** جو شخص آخرت کو نہ مانے اور اپنے بھلے بُرے انجام کی کچھ فکر نہ رکھے وہ نصیحت کی طرف کیوں دھیان کرنے لگا۔ جب اُسے نجات ہی کی فکر نہیں تو نجات دلانے والے پیغمبر کے احوال و اقوال میں غور کرنے اور بارگاہ رسالت تک پہنچنے کی کیا ضرورت ہو گی بس یہی عدم ایمان بالآخرت اور انجام کی طرف سے بے فکری وہ معنوی پردہ ہے جو اس شخص کے اور نبی (من حیث ہو نبی) کے درمیان لٹکا دیا جاتا ہے۔

وَّجَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْۤ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ؕ وَاِذَا ذَكَرْتَ رَبَّكَ فِى الْقُرْاٰنِ وَحْدَهٗ

اور ہم رکھتے ہیں اُن کے دلوں پر پردہ کہ اس کو نہ سمجھیں ف ۶۷ اور اُن کے کانوں میں بوجھ ف ۶۸ اور جب ذکر کرتا ہے تو قرآن میں اپنے رب کا اکیلا کر

وَلَّوْا عَلٰۤى اَدْبَارِهِمْ نُفُوْرًا ﴿۴۶﴾ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَسْتَمِعُوْنَ بِهٖۤ اِذْ يَسْتَمِعُوْنَ اِلَيْكَ وَاِذْ هُمْ

تو بھاگتے ہیں اپنی پیٹھ پر بدک کر ف ۶۹ ہم خوب جانتے ہیں جس واسطے وہ سنتے ہیں ف جس وقت کان رکھتے ہیں تیری طرف اور جب وہ

نَجْوٰۤى اِذْ يَقُوْلُ الظّٰلِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا ﴿۴۷﴾ اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ

مشورت کرتے ہیں جب کہ کہتے ہیں بے انصاف جس کے کہنے پر تم چلتے ہو وہ نہیں مگر ایک مرد جادو کا مارا[1] ف ۷۱ دیکھ لے کیسے بٹھاتے ہیں تجھ پر مثلیں[2]

الْاَمْثَالَ فَضَلُّوْا فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَبِيْلًا ﴿۴۸﴾ وَقَالُوْۤا ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ

اور بہکتے پھرتے ہیں سو راہ نہیں پا سکتے ف ۷۲ اور کہتے ہیں کیا جب ہم ہو جائیں ہڈیاں اور چورا چورا پھر اُٹھیں گے

خَلْقًا جَدِيْدًا ﴿۴۹﴾ قُلْ كُوْنُوْا حِجَارَةً اَوْ حَدِيْدًا ﴿۵۰﴾

نئے بن کر ف ۷۳ تو کہہ تم ہو جاؤ پتھر یا لوہا

(۶۷) پہلے پیغمبر کی صداقت تک نہ پہنچ سکنے کا ذکر کیا تھا، یہاں فہم قرآن تک رسائی حاصل نہ کر سکنے کا بیان ہے یعنی اس قرآن میں ایسی قوی تاثیر

[1] سحر زدہ ۔ [2] مثالیں۔

ہے، اور کافروں پر اثر نہیں ہوتا، یہ سبب ہے کہ اوٹ میں ہیں۔ آفتاب سے سارا جہان روشن ہے لیکن اگر کوئی شخص تہ خانہ میں تمام دروازے اور تابدان بند کر کے بیٹھ جائے بلکہ آنکھیں بھی بند کر لے تو اس کے اعتبار سے آفتاب کی روشنی کہیں بھی نہیں۔

(۶۸) **کفار کے حجاب** یعنی جب بہ نیت انتفاع و استفادہ سننا نہیں چاہتے تو گویا سنتے ہی نہیں۔ (تنبیہ) خدا تعالیٰ نے جو حجاب اور پردے وغیرہ ڈالے یہ وہ ہی ہیں جن کا وجود انہوں نے خود اپنے لئے بڑی خوشی اور فخر سے ثابت کیا تھا "وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا فِيْٓ اَكِنَّةٍ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَيْهِ وَفِيْٓ اٰذَانِنَا وَقْرٌ وَّمِنْۢ بَيْنِنَا وَبَيْنِكَ حِجَابٌ فَاعْمَلْ اِنَّنَا عٰمِلُوْنَ" (حم السجدہ رکوع ۱) آخرت پر ایمان نہ رکھنا، اور انجام سے بے فکر رہنا خدائے واحد کے ذکر سے چڑنا، پیغمبروں کے ساتھ تمسخر کرنا، وہ چیزیں ہیں جو حجاب، کنان اور وقر کی صورت اختیار کر لیتی ہیں۔ اور چونکہ خالق ہر چیز کا خدا تعالیٰ ہے اس لئے ان کے خلق کی نسبت بھی اسکی طرف کیجاتی ہے۔

(۶۹) یعنی خدائے واحد کے ذکر سے چڑتے، بدکتے اور پیٹھ پھیر کر بھاگتے ہیں، ہاں اُن کے معبودوں کا تذکرہ آئے تو بہت خوش ہوتے ہیں "وَاِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَحْدَهُ اشْمَاَزَّتْ قُلُوْبُ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ وَاِذَا ذُكِرَ الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ" (زمر رکوع ۵)۔

(۷۰) یعنی سننے سے استفادہ مقصود نہیں ہوتا محض استخفاف و استہزاء مقصود ہوتا ہے جس کا ذکر آگے آرہا ہے۔

(۷۱) **آنحضرت ﷺ پر مسحور ہونے کا الزام** یعنی قرآن اور آپ کی باتیں سن کر گئے۔ پھر آپس میں مشورہ کیا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی نسبت کیا کہنا چاہیئے۔ آخر کہنے لگے کہ یہ شخص جادو کا مارا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ یعنی جادو کے اثر سے مجنون ہو گیا، دماغ ٹھکانے نہیں رہا (العیاذ باللہ العظیم) بعض نے "مسحور" کو یہاں "ساحر" کے معنی میں لیا ہے گویا اس کی باتوں میں جادو کا اثر ہے۔ (تنبیہ) لفظ "مسحور" سے جو مطلب وہ لیتے تھے اُس کی نفی سے یہ لازم نہیں آتا کہ نبی پر کسی قسم کے سحر کا کسی درجہ میں عارضی طور پر بھی اثر نہ ہو سکے۔ یہ آیت مکی ہے۔ مدینہ میں آپ پر یہود کے جادو کرانے کا واقعہ صحاح میں مذکور ہے۔ جس کا اثر چند روز تک صرف اتنا رہا کہ بعض دنیوی کاموں میں کبھی کبھی ذہول ہو جاتا تھا۔

(۷۲) یعنی کبھی شاعر کہتے ہیں، کبھی جادوگر، کبھی کاہن، کبھی مسحور یا مجنون۔ غرض بہکی بہکی باتیں کرتے رہتے ہیں کسی ایک بات پر جمائو نہیں جس وقت جو منہ میں آیا بک دیا۔ حقیقت یہ ہے کہ باوجود جدوجہد کے طعن و تشنیع کا کوئی ایسا راستہ انہیں نہیں مل سکتا جس پر چل کر وہ اپنے مقصد اغواء و اضلال میں کامیاب ہو سکیں۔

(۷۳) **دوسری زندگی پر تعجب** یعنی آپ پر مسحور و مجنون یا شاعر و کاہن وغیرہ کی مثالیں چسپاں کرنا تو تعجب انگیز تھا ہی اُس سے زیادہ قابل تعجب وہ دلیل ہے جو (معاذ اللہ) مسحور و مجنون ثابت کرنے کے لئے پیش کرتے تھے جس کا خلاصہ یہ تھا کہ موت کے بعد ہم مشاہدہ کرتے ہیں کہ آدمی کا بدن گل سڑ کر سفید ہڈیاں رہ جاتی ہیں تھوڑے دنوں بعد وہ بھی ریزہ ریزہ ہو کر مٹی میں مل جاتی ہیں۔ کیا کوئی ذی ہوش یہ تجویز کر سکتا ہے کہ یہ ہڈیوں کا چورہ اور خاک کے ریزے دوبارہ جی اُٹھیں گے؟ اور انسانی حیات ان منتشر ذرات میں عود کر آئیگی؟ اگر پیغمبر ایسی ناممکن بات کی خبر دیتے ہیں تو ثابت ہوتا ہے کہ (العیاذ باللہ) اُن کی دماغی صحت بحال نہیں ہے۔

اَوْ خَلْقًا مِّمَّا يَكْبُرُ فِيْ صُدُوْرِكُمْ ۚ فَسَيَقُوْلُوْنَ مَنْ يُّعِيْدُنَا ۭ قُلِ الَّذِيْ فَطَرَكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ

یا کوئی خلقت جس کو مشکل سمجھو اپنے جی میں **۷۴** پھر اب کہیں گے کون لوٹا کر لائیگا ہم کو کہہ جس نے پیدا کیا تم کو پہلی بار **۷۵**

فَسَيُنْغِضُوْنَ اِلَيْكَ رُءُوْسَهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هُوَ ۭ قُلْ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ قَرِيْبًا ﴿۵۱﴾ يَوْمَ يَدْعُوْكُمْ

پھر اب مٹکائیں گے تیری طرف اپنے سر اور کہیں گے کب ہوگا یہ **۷۶** تو کہہ شاید نزدیک ہی ہوگا **۷۷** جس دن تم کو پکارے گا

فَتَسْتَجِيبُونَ بِحَمْدِهٖ وَتَظُنُّونَ إِن لَّبِثْتُمْ إِلَّا قَلِيلًا ﴿٥٢﴾ ع وَقُل لِّعِبَادِي يَقُولُوا الَّتِي هِيَ أَحْسَنُ ۚ

پھر چلے آؤ گے اسکی تعریف کرتے ہوئے ف۷۸ اور اٹکل کرو گے کہ دیر نہیں لگی تم کو مگر تھوڑی ف۷۹ اور کہہ دے میرے بندوں کو کہ بات وہی کہیں جو بہتر ہو

إِنَّ الشَّيْطٰنَ يَنزَغُ بَيْنَهُمْ ۚ إِنَّ الشَّيْطٰنَ كَانَ لِلْإِنسَانِ عَدُوًّا مُّبِينًا ﴿٥٣﴾ رَّبُّكُمْ أَعْلَمُ بِكُمْ ۖ إِن

شیطان جھڑپ کرواتا ہے اُن میں شیطان ہے انسان کا دشمن صریح ف۸۰ تمہارا رب خوب جانتا ہے تم کو اگر

يَشَأْ يَرْحَمْكُمْ أَوْ إِن يَشَأْ يُعَذِّبْكُمْ ۚ وَمَا أَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ وَكِيلًا ﴿٥٤﴾ وَرَبُّكَ أَعْلَمُ بِمَن فِي

چاہے تم پر رحم کرے اور اگر چاہے تم کو عذاب دے ف۸۱ اور تجھ کو نہیں بھیجا ہم نے اُن پر ذمہ لینے والا ف۸۲ اور تیرا رب خوب جانتا ہے اُن کو جو آسمانوں

السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ۗ وَلَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِيِّينَ عَلٰى بَعْضٍ ۖ وَآتَيْنَا دَاوُودَ زَبُورًا ﴿٥٥﴾ قُلِ ادْعُوا الَّذِينَ

میں ہیں اور زمین میں اور ہم نے افضل کیا ہے بعضے پیغمبروں کو بعضوں سے اور دی ہم نے داؤد کو زبور ف۸۳ کہہ پکارو جن کو

زَعَمْتُم مِّن دُونِهٖ فَلَا يَمْلِكُونَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنكُمْ وَلَا تَحْوِيلًا ﴿٥٦﴾ أُولٰئِكَ الَّذِينَ يَدْعُونَ يَبْتَغُونَ

تم سمجھتے ہو سوائے اُس کے سو وہ اختیار نہیں رکھتے کہ کھول دیں تکلیف کو تم سے اور نہ بدل دیں ف۸۴ وہ لوگ جن کو یہ پکارتے ہیں وہ خود ڈھونڈتے ہیں

إِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِيلَةَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ وَيَرْجُونَ رَحْمَتَهٗ وَيَخَافُونَ عَذَابَهٗ ۚ إِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُورًا ﴿٥٧﴾

اپنے رب تک وسیلہ کہ کونسا بندہ بہت نزدیک ہو ف۸۵ اور امید رکھتے ہیں اُس کی مہربانی کی اور ڈرتے ہیں اُس کے عذاب سے بیشک تیرے رب کا عذاب ڈرنے کی چیز ہے ف۸۶

وَإِن مِّن قَرْيَةٍ إِلَّا نَحْنُ مُهْلِكُوهَا قَبْلَ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ أَوْ مُعَذِّبُوهَا عَذَابًا شَدِيدًا ۚ كَانَ ذٰلِكَ

اور کوئی بستی نہیں جس کو ہم خراب نہ کریں گے قیامت سے پہلے یا آفت ڈالیں گے اُس پر سخت آفت ف۸۷ یہ ہے

فِي الْكِتٰبِ مَسْطُورًا ﴿٥٨﴾ وَمَا مَنَعَنَا أَن نُّرْسِلَ بِالْآيٰتِ إِلَّا أَن كَذَّبَ بِهَا الْأَوَّلُونَ ۚ وَآتَيْنَا ثَمُودَ

کتاب میں لکھا گیا ف۸۸ اور ہم نے اس لئے موقوف کیں نشانیاں بھیجنی کہ اگلوں[1] نے اُن کو جھٹلایا ف۸۹ اور ہم نے دی ثمود کو

النَّاقَةَ مُبْصِرَةً فَظَلَمُوا بِهَا ۚ وَمَا نُرْسِلُ بِالْآيٰتِ إِلَّا تَخْوِيفًا ﴿٥٩﴾

اونٹنی اُن کے سمجھانے کو پھر ظلم کیا اُس پر ف۹۰ اور نشانیاں جو ہم بھیجتے ہیں سو ڈرانے کو ف۹۱

(۷۴) **آنحضرت ﷺ کا جواب** یعنی یہ ریزے اور چورا تو بہرحال انسانی لاش کا ہے جس میں پیشتر زندگی رہ چکی ہے۔ اور خود مٹی کے ذرات میں بھی آثار حیات کا پیدا ہو جانا چنداں مستبعد نہیں۔ میں اس سے بڑھ کر تم کو اجازت دیتا ہوں کہ ہڈیوں کا چورا نہیں، اگر ممکن ہو تو پتھر یا لوہا بن جاؤ۔ جو آثار حیات کے قبول کرنے سے بالکل محروم نظر آتے ہیں، بلکہ کوئی ایسی سخت چیز بن کر تجربہ کر لو جس کا زندہ ہونا لوہے اور پتھر سے بھی زیادہ مشکل معلوم ہو حتٰی کہ مجسم موت بن کر دیکھ لو کہ پھر بھی اُس قادر مطلق کو تمہارا زندہ کر دینا کس قدر آسان ہے۔

(۷۵) **دوسری زندگی پر عقلی دلیل** جس نے پہلی بار تم کو مٹی یا نطفہ سے پیدا کیا اور جماد لایعقل پر روح انسانی فائض کر دی، کیا اب اُس میں قدرت نہیں رہی کہ خاک کے ذرات اور مُردہ لاش کے اجزاء کو جمع کر کے دوبارہ زندگی عنایت کر دے۔

(۷۶) **کفار کا استہزاء** یعنی استہزاء و تمسخر سے سر ہلا ہلا کر کہتے ہیں کہ ہاں صاحب! بوسیدہ ہڈیوں کے ریزوں میں کب جان پڑیگی۔ اور

[1] پہلوں۔

کب مُردے قبروں سے حساب کے لئے اٹھائے جائیں گے۔

(۷۷) **قیامت اور یوم حشر** یعنی قیامت کا ٹھیک وقت حق تعالیٰ نے کسی کو نہیں بتلایا ہاں اُس کے مستقبل قریب میں آنے کی تم اُمید ظاہر کر سکتے ہو۔ گویا دنیا کی بقیہ عمر اُس سے کم ہے جتنی گذر چکی ہے۔

(۷۸) یعنی جس وقت خدا کی طرف سے آواز دی جائیگی ایک ڈانٹ میں سب مُردے زمین سے نکل کر میدان حشر میں جمع ہو جائیں گے کسی کو سرتابی کی مجال نہ ہوگی۔ ہر ایک انسان اس وقت مطیع و منقاد ہو کر خدا کی حمد و ثنا کرتا ہوا حاضر ہوگا۔ گو کافر کو اُس وقت کی اضطراری حمد و ثنا سے کچھ فائدہ نہیں۔ بعض روایات میں ہے کہ مومنین کی زبان پر یہ الفاظ ہونگے۔ "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ"۔

(۷۹) یعنی اب شتابی کرتے ہو، اُس وقت اندازہ کرو گے کہ دنیا میں کچھ زیادہ دیر نہیں رہے تھے۔ پچاس سو برس اُن ہزاروں برسوں کے سامنے کیا معلوم ہوں (موضح القرآن) بعض نے کہا کہ شدت ہول و خوف سے دنیا کی زندگی تھوڑی معلوم ہوگی۔ یا نفخہ اول اور نفخہ ثانی کے درمیان چونکہ عذاب نہ رہے گا۔ اس درمیانی مدت کو قلیل خیال کر کے کہیں گے "مَنْۢ بَعَثَنَا مِنْ مَّرْقَدِنَا"۔ (یٰس رکوع ۴)

(۸۰) **مسلمانوں کو ایک نصیحت** مشرکین کی جہالت اور طعن و تمسخر کو سُن کر ممکن تھا کوئی مسلمان نصیحت و فہمائش کرتے وقت تنگدلی برتنے لگے اور سختی پر اُتر آئے اس لئے مسلمانوں کو نصیحت فرمائی کہ مذاکرہ میں کوئی سخت دل آزار اور اشتعال انگیز پہلو اختیار نہ کریں۔ کیونکہ اس سے بجائے فائدہ کے نقصان ہوتا ہے۔ شیطان دو طرف کو اُبھار کر لڑائی کرا دیتا ہے۔ پھر مخاطب کے دل میں ایسی ضد و عداوت قائم ہو جاتی ہے کہ سمجھتا ہو تب بھی نہ سمجھے۔

(۸۱) یعنی رحم کرے ایمان کی توفیق دے کر، یا عذاب دے حالت کفر پر مار کر۔

(۸۲) حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ "مذاکرہ میں حق والا جھنجھلانے لگتا ہے کہ دوسرا صریح حق کو نہیں مانتا، سو فرمادیا کہ تم ان کی ہدایت کے ذمہ دار نہیں۔ اللہ بہتر جانتا ہے، جس کو چاہے راہ سجھائے۔

(۸۳) **بعض انبیاء کی بعض پر فضیلت** یعنی ہم اپنے علم محیط کے موافق ہر ایک کے ساتھ معاملہ کرتے ہیں۔ جس کو مناسب جانا آدمیوں میں سے پیغمبر بنایا، پھر جس پیغمبر کو چاہا دوسرے پیغمبروں پر کلی یا جزئی فضیلت عنایت کی۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "یعنی بعضے نبی تھے کہ (اُمت کی حد سے زیادہ شرارتوں پر آخرکار) جھنجھلا گئے۔ آپ کا حوصلہ اُن سے زیادہ رکھا ہے (اور سب پر فضیلت دی ہے، لہٰذا آپ کی خوش اخلاقی اپنے مرتبہ عالی کے موافق ہونی چاہئے) اور خصوصیت سے داؤد علیہ السلام کا ذکر کیا کیونکہ دونوں چیزیں رکھتے تھے، جہاد بھی اور زبور بھی، سمجھانے کو (وفی الحدیث کان لا یفر اذا لاقی) وہ ہی دونوں باتیں یہاں بھی ہیں"۔ قرآن اور جہاد۔ بعض نے کہا کہ یہاں "زبور" کا ذکر کر کے حضورؐ کی فضیلت کلیہ اور اُمتِ محمدیہ کے فضل و شرف کی طرف اشارہ فرمادیا، کیونکہ حضورؐ کے خاتم الانبیاء اور اُس اُمت کے اشرف الامم ہونے پر زبور شریف کے مضامین مشتمل تھے۔ "وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِی الزَّبُوْرِ مِنْۢ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ یَرِثُهَا عِبَادِیَ الصّٰلِحُوْنَ" (انبیاء رکوع ۷) یعنی محمداً صلی اللہ علیہ وسلم وامتہ المرحومۃ۔

(۸۴) **معبودانِ باطل کی حقیقت** یعنی خدا تو وہ ہے کہ جس کو چاہے عذاب دے جس پر چاہے مہربانی فرمائے، جس کو جس قدر چاہے دوسروں پر فضیلت عطا کرے، اُس کی قدرت کامل اور علم محیط ہو۔ اب ذرا مشرکین اُن ہستیوں کو پکاریں جن کو انہوں نے خدا سمجھ رکھا یا بنا رکھا ہے۔ کیا اُن میں ایک بھی ایسا مستقل اختیار رکھتا ہے کہ ذرا سی تکلیف کو تم سے دور کر سکے یا ہلکی کر دے یا تم سے اُٹھا کر کسی دوسرے پر ڈال دے۔ پھر ایسی ضعیف و عاجز مخلوق کو معبود ٹھہرا لینا کیسے روا ہوگا۔

(۸۵) بخاری میں روایت ہے کہ کچھ لوگ جاہلیت میں جنات کی عبادت کرتے تھے۔ وہ جن مسلمان ہو گئے اور یہ پوجنے والے اپنی جہالت پر

قائم رہے ان کے حق میں یہ آیت نازل ہوئی۔ بعض کہتے ہیں کہ جن، ملائکہ، مسیح و عزیر وغیرہ کے پوجنے والے سب اس میں شامل ہیں مطلب یہ ہے کہ جن ہستیوں کو تم معبود و مستعان سمجھ کر پکارتے ہو، وہ خود اپنے رب کا بیش از بیش قرب تلاش کرتے ہیں۔ ان کی دوڑ دھوپ صرف اس لئے ہے کہ خدا کی نزدیکی حاصل کرنے میں کون آگے نکلتا ہے، ان میں جو زیادہ مقرب ہیں وہ ہی زیادہ قرب الٰہی کے طالب رہتے ہیں اور سوچتے ہیں کہ کسی سب سے زیادہ مقرب بندہ کی دعا وغیرہ کو حصول قرب کا وسیلہ بنائیں۔ پس جب تمہارے تجویز کئے ہوئے معبودوں کا خدا کے سامنے یہ حال ہے تو اپنے تئیں خود فیصلہ کر لو کہ خدا تعالیٰ کو خوش رکھنا کہاں تک ضروری ہے۔ غیر اللہ کی پرستش سے نہ خدا خوش ہوتا ہے نہ وہ جنہیں تم خوش رکھنا چاہتے ہو (تنبیہ) "توسّل" اور "تعبّد" میں فرق ظاہر ہے۔ پھر توسّل بھی اسی حد تک مشروع ہے جہاں تک شریعت نے اجازت دی

(۸۶) یعنی باوجود غایت قرب کے اُن کی اُمیدیں محض حق تعالیٰ کی مہربانی سے وابستہ ہیں اور اُسی کے عذاب سے ہمیشہ لرزاں و ترساں رہتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ ہر قسم کا نفع پہنچانا، یا ضرر کو روکنا ایک خدا کے قبضہ میں ہے۔

(۸۷) **قیامت سے پہلے تمام بستیوں کی ہلاکت** اس آیت کا مطلب کئی طرح لیا جاسکتا ہے۔ (الف) دنیا کی ہر ایک بستی کو عظیم الشان گناہوں کی پاداش میں قیامت سے پہلے پہلے عذاب مستاصل بھیج کر بالکلیہ تباہ و خراب کر دیا جائیگا، یا اگر گناہ انتہائی درجہ کے نہ ہونگے تو درجہ دوئم کے جرائم کی سزا میں عام ہلاکت سے کم کوئی سخت آفت اُس بستی پر نازل کی جائے گی۔ باقی ایسی بستی کہاں ہے جو ازل سے ابد تک نہ گناہ کرے نہ کسی آفت میں پھنسے۔ (ب) قیامت سے پیشتر ضروری ہے کہ ہر ایک بستی طبعی موت بھیج کر ویران کی جائے یا کسی سخت آفت و بلا میں مبتلا ہو۔ طبعی موت پر جو تعذیب کے رنگ سے خالی ہو، لفظ "ہلاک" کا اطلاق قرآن و حدیث سے ثابت ہے۔ حَتّٰۤى اِذَا هَلَكَ قُلْتُمْ لَنْ يَّبْعَثَ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِهٖ رَسُوْلًا (المومن رکوع ۴) وفی الحدیث كُلَّمَا هَلَكَ نَبِيٌّ جَاءَ نَبِيٌّ اٰخَرُ۔ (ج) کفار کی ہر ایک بستی یا قیامت سے پہلے اپنے سنگین جرائم کی پاداش میں نابود و تباہ کر دیجائیگی یا کسی نہ کسی وقت (یعنی قیامت سے پہلے یا بعد) سخت عذاب کا مزہ چکھیگی بہر حال کوئی معنی لئے جائیں، مقصود اس آیت سے تحذیر ہے۔ گویا پہلے جو فرمایا تھا "اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُوْرًا" یہاں اس کے وقوع کی خبر دی گئی۔

(۸۸) یعنی یہ فیصلہ بالکل حتمی اور اٹل ہے جو علم الٰہی میں طے ہو چکا اور لوح محفوظ میں لکھا گیا۔ کوئی طاقت اسے روک نہیں سکتی۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں، ہر شہر کے لوگ ایک بزرگ کو پوجتے ہیں کہ ہم اُس کی رعیت ہیں اور اُس کی پناہ میں ہیں، سو وقت آنے پر کوئی پناہ نہیں دے سکتا لَا عَاصِمَ الْيَوْمَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ۔

(۸۹) **فرمائشی نشانات نہ بھیجنے کی وجہ** حدیث میں ہے کہ اہل مکہ نے حضورؐ سے چند نشانیاں طلب کیں مثلاً یہ کہ کوہ "صفا" کو سونا بنا دیجئے یا پہاڑوں کو ہمارے گرد و پیش سے ہٹا کر زراعت کے قابل زمین ہموار کر دیجئے۔ وغیر ذالک۔ ایسا کرو تو ہم آپ کو مان لیں گے۔ اس کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی۔ یعنی ایسے فرمائشی نشان دکھلانا خدا تعالیٰ کو کچھ دشوار نہ تھا۔ لیکن پہلے لوگوں کو اُن کی فرمائش کے مطابق نشان دکھلائے گئے تب بھی نہ مانے بلکہ سرکشی میں اور ترقی کر گئے۔ آخر سنۃ اللہ کے موافق اُس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بالکل نیست و نابود کر دئے گئے اب اگر تمہاری سب فرمائشیں پوری کر دی جائیں، اور خدا کے علم میں ہے بلکہ تمہارے احوال سے بھی ظاہر ہے کہ تم پھر بھی ماننے والے نہیں، تو سنۃ اللہ کے موافق اُس کا نتیجہ وہ ہی استیصال و اہلاک کلی ہونا چاہئے۔ جو اُس اُمت کے حق میں خلاف مصلحت و حکمت ہے خدا تعالیٰ کا ارادہ اس آخری اُمت کی نسبت یہ نہیں کہ گذشتہ اقوام و اُمم کی طرح عذاب مستاصل بھیج کر بالکلیہ تباہ کی جائے۔ پہلی اُمتوں کو فرمائشی نشان دکھلانا اس بناء پر جائز رکھا گیا کہ اُن کی بالکلیہ تباہی خدا کے نزدیک اس قدر لائق التفات نہ تھی اور آخر میں آنے والی اُمت کو کچھ نمونے دکھلانے تھے کہ فرمائشی نشانات مانگنے والوں کا حشر ایسا ہوتا ہے چنانچہ اس آیت میں ان ہی تاریخی نظائر کی طرف اجمالی اشارہ فرما دیا

کہ اگر فرمائشی نشان دیکھنے کے بعد تکذیب کی (اور یقیناً کرو گے) تو جو حشر پہلوں کا ہوا وہ ہی تمہارا ہوگا۔ لیکن حکمت الٰہیہ مقتضی نہیں کہ تم کو اُس طرح تباہ کیا جائے۔ لہٰذا فرمائشی نشانات کا بھیجنا موقوف کیا گیا۔

(۹۰) **حضرت صالح سے اُونٹنی کی فرمائش اور اُسکا انجام** | قوم "ثمود" نے حضرت صالح سے درخواست کی تھی کہ پہاڑ کی فلاں چٹانیں سے اُونٹنی نکال دیجئے۔ خدا نے نکال دی۔ مگر بجائے اس کے کہ ایسا فرمائشی معجزہ دیکھ کر آنکھیں کھلتیں اور قلبی بصیرت حاصل ہوتی اُلٹے ظلم و عداوت پر کمربستہ ہو گئے۔ چنانچہ اونٹنی کو مار ڈالا اور حضرت صالح کے قتل کے منصوبے باندھنے لگے۔ آخر جو انجام ہوا وہ سب کو معلوم ہے کہنے کی ضرورت نہیں یہ "اَنْ كَذَّبَ بِهَا الْاَوَّلُوْنَ" کا ایک نمونہ پیش کر دیا۔

(۹۱) یعنی ہدایت نشانیاں دیکھنے پر موقوف نہیں۔ غیر معمولی نشانات بھیجنے سے تو مقصود یہ ہے کہ قدرت قاہرہ کو دیکھ کر لوگ خدا سے ڈریں اور ڈر کر اُس کی طرف جھکیں۔ اگر یہ مقصود حاصل نہ ہوا اور فی الحال اُس قوم کو تباہ کرنا بھی مصلحت نہیں تو محض فرمائشیں پورا کرنے سے کیا حاصل ہے۔ باقی عام تخویف انذار کے لئے جن آیات و نشانات کا بھیجنا مصلحت ہے وہ برابر بھیجے جاتے ہیں۔

وَاِذْ قُلْنَا لَكَ اِنَّ رَبَّكَ اَحَاطَ بِالنَّاسِ ۭ وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا الَّتِيْٓ اَرَيْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ وَ

اور جب کہہ دیا ہم نے تجھ سے کہ تیرے رب نے گھیر لیا ہے لوگوں کو ف ۹۲ اور وہ دکھلاوا جو تجھ کو دکھلایا ہم نے سو جانچنے کو لوگوں کے ف ۹۳ اور

ع الشَّجَرَةَ الْمَلْعُوْنَةَ فِي الْقُرْاٰنِ ۭ وَنُخَوِّفُهُمْ ۙ فَمَا يَزِيْدُهُمْ اِلَّا طُغْيَانًا كَبِيْرًا ۝۶۰ وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰۗىِٕكَةِ

ایسے ہی وہ درخت جس پر پھٹکار ہے قرآن میں ف ۹۴ اور ہم ان کو ڈراتے ہیں تو ان کو زیادہ ہوتی ہے بڑی شرارت ف ۹۵ اور جب ہم نے کہا فرشتوں کو

اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ۭ قَالَ ءَاَسْجُدُ لِمَنْ خَلَقْتَ طِيْنًا ۝۶۱ۚ قَالَ اَرَءَيْتَكَ هٰذَا الَّذِيْ

سجدہ کرو آدم کو تو سجدہ میں گر پڑے مگر ابلیس بولا کیا میں سجدہ کروں ایک شخص کو جس کو تو نے بنایا مٹی کا ف ۹۶ کہنے لگا بھلا دیکھ تو یہ شخص جس کو

كَرَّمْتَ عَلَيَّ ۡ لَىِٕنْ اَخَّرْتَنِ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَاَحْتَنِكَنَّ ذُرِّيَّتَهٗٓ اِلَّا قَلِيْلًا ۝۶۲ قَالَ اذْهَبْ فَمَنْ

تو نے مجھ سے بڑھا دیا اگر تو مجھ کو ڈھیل دیوے قیامت کے دن تک تو میں اُس کی اولاد کو ڈاڑھی دے لوں مگر تھوڑے سے ف ۹۷ فرمایا جا پھر جو کوئی

تَبِعَكَ مِنْهُمْ فَاِنَّ جَهَنَّمَ جَزَاۗؤُكُمْ جَزَاۗءً مَّوْفُوْرًا ۝۶۳ وَاسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ بِصَوْتِكَ

تیرے ساتھ ہوا ان میں سو دوزخ ہے تم سب کی سزا بدلہ پورا ف ۹۸ اور گھبرا لے ان میں جس کو تو گھبرا سکے اپنی آواز سے ف ۹۹

وَاَجْلِبْ عَلَيْهِمْ بِخَيْلِكَ وَرَجِلِكَ وَشَارِكْهُمْ فِي الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ وَعِدْهُمْ ۭ وَمَا يَعِدُهُمُ

اور لے آ اُن پر اپنے سوار اور پیادے ف ۱۰۰ اور ساجھا کر اُن سے مال اور اولاد میں ف ۱۰۱ اور وعدے دے اُنکو اور کچھ نہیں وعدہ دیتا اُنکو

الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا ۝۶۴ اِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ ۭ وَكَفٰى بِرَبِّكَ وَكِيْلًا ۝۶۵ رَبُّكُمُ

شیطان مگر دغا بازی ف ۱۰۲ وہ جو میرے بندے ہیں اُن پر نہیں تیری حکومت اور تیرا رب کافی ہے کام بنانے والا ف ۱۰۳ تمہارا رب

الَّذِيْ يُزْجِيْ لَكُمُ الْفُلْكَ فِي الْبَحْرِ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ ۭ اِنَّهٗ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا ۝۶۶

وہ ہے جو چلاتا ہے تمہارے واسطے کشتی دریا میں ف ۱۰۴ تاکہ تلاش کرو اُس کا فضل ف ۱۰۵ وہی ہے تم پر مہربان

لہ چڑھا لا۔

(۹۲) **آنحضرت ﷺ کو تسلی** شاید آپ کو خیال ہوا ہو گا کہ فرمائشی نشان نہ دکھلانے پر کفار کو ہنسنے اور طعن کرنے کا موقع ملیگا کہ اگر سچے پیغمبر ہوتے تو ہماری طلب کے موافق نشان دکھلاتے، اس لئے آپ کو مطمئن کیا کہ سب لوگوں کو تیرے رب کے علم و قدرت نے گھیر رکھا ہے نہ کوئی اُس کے علم سے باہر ہے نہ قدرت کے نیچے سے نکل کر جا سکتا ہے سب اُس کے قبضہ میں ہیں آپ ان کے طعن و تشنیع کی طرف قطعاً التفات نہ کریں۔ وہ آپ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ اپنا کام کئے جایئے اور اُن کے فیصلوں کو بالکلیہ ہم پر چھوڑ دیجئے۔ ہم جانتے ہیں کہ فرمائشی نشان دیکھ کر بھی یہ لوگ آپ کی بات ماننے والے نہیں تھے اور اُس کے بعد ہماری سزا سے چھوٹ کر نکل بھاگنا بھی ممکن نہ تھا اور یہ بھی ہم جانتے ہیں کہ لوگوں میں سے کون فی الحال تباہ کر ڈالنے کے لائق ہیں اور کن لوگوں کا باقی رکھنا مصلحت ہے۔ لہٰذا آپ اس جھنجھٹ میں نہ پڑیں۔ یہ سب ہمارے محاصرہ میں ہیں آخر مسلمان ہو کر رہیں گے۔

(۹۳) "دکھاوے" سے مُراد شب معراج کا نظارہ ہے جس کے بیان سے لوگ جانچے گئے۔ سچوں نے سُن کر مانا اور کچوں نے جھوٹ جانا۔

(۹۴) **دوزخ کا درخت** یعنی "زقوم" کا درخت جسے قرآن نے فرمایا کہ دوزخ والے کھائیں گے۔ ایمان والے یقین لائے اور منکروں نے کہا کہ دوزخ کی آگ میں سبز درخت کیونکر ہو گا؟ یہ بھی جانچنا تھا۔ اِن دو مثالوں سے اندازہ کر لو کہ تصدیق خوارق کے باب میں ان کی طبائع کا کیا حال ہے۔

(۹۵) یعنی جن کے دل خدا کے خوف سے خالی ہوں، ڈرانے سے ڈریں نہیں، بلکہ اور زیادہ شرارت میں ترقی کریں اُن سے فرمائشی نشان دیکھنے پر قبول حق کی اُمید رکھنا بے موقع ہے۔

(۹۶) **قصہ آدم و ابلیس سے کفار کی مناسبت** یہ قصہ کئی جگہ گذر چکا۔ یہاں اُس پر متنبہ کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کا بے چون و چرا ماننا فرشتوں کا اور اس میں شبہات نکالنا شیطان کا کام ہے۔ یہ کافر بھی اسی کی چال چل رہے ہیں۔ جو بات بات میں کج بحثیاں کرتے ہیں۔ مگر یاد رہے کہ ان کا انجام بھی وہ ہی ہونے والا ہے جو ان کے امام ابلیس لعین کا ہو گا۔

(۹۷) یعنی تھوڑے سے چھوڑ کر باقی سب کو اپنا مسخر کر لوں جیسے گھوڑے کو لگام دے کر قابو کر لیا جاتا ہے، پھر جو میرے سامنے اتنا کمزور ہے اُسے مجھ پر فضیلت دینا کس طرح جائز ہو گا؟۔

(۹۸) یعنی جا! جتنا زور لگا سکتا ہے لگا لے۔ یہاں بھی تیرے اور تیرے ساتھیوں کے واسطے جیلخانہ تیار ہے۔

(۹۹) یعنی وہ آواز جو خدا کے عصیان کی طرف بلاتی ہو، مُراد اس سے وسوسہ ڈالنا ہے اور مزامیر (باجا گاجا) بھی اس میں داخل ہو سکتا ہے

(۱۰۰) **شیطان کے سوار اور پیادے** یعنی ساری طاقت صرف کر ڈال! اور پوری قوت سے لشکر کشی کر! خدا کی معصیت میں لڑنے والے سب شیطان کے سوار اور پیادے ہیں۔ جن ہوں یا انس۔

(۱۰۱) یعنی دل میں ارمان نہ رکھ، اُن کو ہر طرح اُبھار، کہ مال و اولاد میں تیرا حصہ لگائیں، یعنی یہ چیزیں ناجائز طریقہ سے حاصل کریں اور ناجائز کاموں میں صرف کریں۔

(۱۰۲) یعنی شیطان جو سبز باغ دکھاتا ہے اس سے فریب کھانا احمق کا کام ہے اس کے سب وعدے دغابازی اور فریب سے ہیں۔ چنانچہ وہ خود اقرار کرے گا۔ "وَوَعَدْتُّكُمْ فَاَخْلَفْتُكُمْ" (ابراہیم رکوع ۴)

(۱۰۳) **مخلصین پر شیطان کا قابو نہیں چلتا** یعنی جو خدا پر اعتماد و توکل کریں وہ اُن کا کام بناتا ہے اور شیطان کے جال سے نکالتا ہے۔

(۱۰۴) یہ خدا کی کارسازی کا ایک نمونہ پیش کیا ہے، جس میں ایک مشرک کو بھی اقرار کرنا پڑتا ہے کہ اس کے سوا کوئی کارساز نہیں۔ کہ ہیں عارضی زور کمزور سارے۔

(۱۰۵) یعنی روزی کو اکثر قرآن میں "فضل" فرمایا ہے۔ "فضل" کے معنی زیادہ کے ہیں۔ سو مسلمان کی بندگی ہے آخرت کے واسطے اور دنیا لبھاؤ میں ملتی ہے۔

وَإِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فِي الْبَحْرِ ضَلَّ مَنْ تَدْعُونَ إِلَّا إِيَّاهُ ۖ فَلَمَّا نَجَّاكُمْ إِلَى الْبَرِّ أَعْرَضْتُمْ ۚ وَ

اور جب آتی ہے تم پر آفت دریا میں بھول جاتے ہو جن کو پکارا کرتے تھے اللہ کے سوائے پھر جب بچا لایا تم کو خشکی میں پھر جاتے ہو اور

كَانَ الْإِنْسَانُ كَفُورًا ﴿٦٧﴾ أَفَأَمِنْتُمْ أَنْ يَخْسِفَ بِكُمْ جَانِبَ الْبَرِّ أَوْ يُرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا ثُمَّ لَا

ہے انسان بڑا ناشکر ف۱۰۶ سو کیا تم بے ڈر ہو گئے اس سے کہ دھنسا دے تم کو جنگل کے کنارے ف۱۰۷ یا بھیجدے تم پر آندھی پتھر برسانیوالی پھر نہ

تَجِدُوا لَكُمْ وَكِيلًا ﴿٦٨﴾ أَمْ أَمِنْتُمْ أَنْ يُعِيدَكُمْ فِيهِ تَارَةً أُخْرَىٰ فَيُرْسِلَ عَلَيْكُمْ قَاصِفًا مِنَ الرِّيحِ

پاؤ اپنا کوئی نگہبان یا بے ڈر ہو گئے ہو اس سے کہ پھر لیجاوے تمکو دریا میں ف۱۰۸ دوسری بار پھر بھیجے تم پر ایک سخت جھوکا ہوا کا

فَيُغْرِقَكُمْ بِمَا كَفَرْتُمْ ۙ ثُمَّ لَا تَجِدُوا لَكُمْ عَلَيْنَا بِهِ تَبِيعًا ﴿٦٩﴾ وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ وَحَمَلْنَاهُمْ فِي

پھر ڈبا دے تم کو بدلے میں اس ناشکری کے پھر نہ پاؤ اپنی طرف سے ہم پر اس کا کوئی باز پرس کرنیوالا ف۱۰۹ اور ہم نے عزت دی ہے آدم کی اولاد کو اور سواری دی ان کو جنگل

الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنَاهُمْ مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَفَضَّلْنَاهُمْ عَلَىٰ كَثِيرٍ مِمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيلًا ﴿٧٠﴾ يَوْمَ نَدْعُو

ع ۷ اور دریا میں اور روزی دی ہم نے ان کو ستھری چیزوں سے اور بڑھا دیا ان کو بہتوں سے جن کو پیدا کیا ہم نے بڑائی دے کر ف۱۱۰ جس دن ہم بلائیں گے ہر

كُلَّ أُنَاسٍ بِإِمَامِهِمْ ۖ فَمَنْ أُوتِيَ كِتَابَهُ بِيَمِينِهِ فَأُولَٰئِكَ يَقْرَءُونَ كِتَابَهُمْ وَلَا يُظْلَمُونَ

فرقہ کو ان کے سرداروں کے ساتھ سو جس کو ملا اس کا اعمالنامہ اس کے داہنے ہاتھ میں سو وہ لوگ پڑھیں گے اپنا لکھا ف۱۱۱ اور ظلم نہ ہوگا ان پر ایک

فَتِيلًا ﴿٧١﴾ وَمَنْ كَانَ فِي هَٰذِهِ أَعْمَىٰ فَهُوَ فِي الْآخِرَةِ أَعْمَىٰ وَأَضَلُّ سَبِيلًا ﴿٧٢﴾ وَإِنْ كَادُوا لَيَفْتِنُونَكَ

تاگے کا ف۱۱۲ اور جو کوئی رہا اس جہان میں اندھا سو وہ پچھلے جہان میں بھی اندھا ہے اور بہت دور پڑا ہوا راہ سے ف۱۱۳ اور وہ لوگ تو چاہتے تھے کہ تجھ کو بچلا دیں

عَنِ الَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ لِتَفْتَرِيَ عَلَيْنَا غَيْرَهُ ۖ وَإِذًا لَاتَّخَذُوكَ خَلِيلًا ﴿٧٣﴾

اس چیز سے کہ جو وحی بھیجی ہم نے تیری طرف تاکہ جھوٹ بنا لائے تو ہم پر وحی کے سوا اور تب تو بنا لیتے تجھ کو دوست ف۱۱۴

(۱۰۶) **انسان کی ناشکری** یعنی مصیبت سے نکلتے ہی محسن حقیقی کو بھول جاتا ہے۔ چند منٹ پہلے دریا کی موجوں میں خدا یاد آرہا تھا۔ کنارہ پر قدم رکھا اور بے فکر ہو کر سب فراموش کر بیٹھا۔ اس سے بڑھ کر ناشکر گذاری کیا ہوگی۔

(۱۰۷) یعنی سمندر کے کنارے خشکی میں دھنسا دے۔ مثلاً زلزلہ آجائے اور زمین شق ہو کر قارون کی طرح اس میں دھنس جاؤ۔ خلاصہ یہ کہ ہلاک کرنا کچھ دریا کی موجوں پر موقوف نہیں۔

(۱۰۸) یعنی کوئی ضرورت کھڑی کر دے جس کے لئے ناچار دریائی سفر کرنا پڑے۔

(۱۰۹) یعنی خدا سے کون باز پرس کر سکتا ہے یا کس کی مجال ہے کہ پیچھا کر کے اس سے مجرمین کا خونبہا وصول کرے؟

(۱۱۰) **بنی آدم کی فضیلت** یعنی آدم کو حسن صورت، نطق، تدبیر اور عقل وحواس عنایت فرمائے جن سے دنیوی واخروی مضار ومنافع کو سمجھ

ك ٹال جاتے ہو۔ ك نڈر۔ ك مطمئن۔ ك خشکی ك بچانیوالا۔ ك پیچھا۔

اور اچھے بُرے میں تفریق کرتا ہے۔ ہر طرف ترقی کی راہیں اُس کے لئے کُھلی ہیں۔ دوسری مخلوقات کو قابو میں لاکر اپنے کام میں لگاتا ہے خشکی میں جانوروں کی پیٹھ پر یا دوسری طرح طرح کی گاڑیوں میں سفر کرتا اور سمندروں کو کشتیوں اور جہازوں کے ذریعہ بے تکلف طے کرتا چلا جاتا ہے۔ قسم قسم کے عمدہ کھانے، کپڑے مکانات اور دنیوی آسائش و رہائش کے سامانوں سے متمتع ہوتا ہے۔ ان ہی آدمیوں کے سب سے پہلے باپ آدم علیہ السلام کو خدا تعالیٰ نے مسجود ملائکہ اور اُن کے آخری پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کل مخلوقات کا سردار بنایا۔ غرض نوع انسانی کو حق تعالیٰ نے کئی حیثیت سے عزت اور بڑائی دے کر اپنی بہت بڑی مخلوق پر فضیلت دی۔ اُوپر کے رکوع میں آدم کی نسبت شیطان کا هٰذَا الَّذِیْ کَرَّمْتَ عَلَیَّ کہنا اور ملائکہ کا آدم کو سجدہ کرنا، پھر بنی آدم کو کشتی کے ذریعہ دریائی سفر طے کرنا مذکور تھا۔ اس آیت کا مضمون مضامین مذکورہ بالا سے صاف طور پر مربوط ہے (تنبیہ) مفسرین نے اس آیت کے تحت میں یہ بحث چھیڑ دی ہے کہ ملائکہ اور بشر میں کون افضل ہے کون مفضول۔ لیکن انصاف یہ ہے کہ آیت سے اس مسئلہ کا فیصلہ نہیں ہوتا۔ حنفیہ کی رائے یہ نقل کی ہے کہ "رُسُل بشر" رسل ملائکہ" سے افضل ہیں۔ اور رُسُل ملائکہ (باستثنائے رُسُل بشر کے) باقی تمام فرشتوں اور آدمیوں سے افضل ہیں۔ اور عام فرشتوں کو عام آدمیوں پر فضیلت حاصل ہے واللہ اعلم۔

(۱۱۱) **حشر میں اعمال ناموں کی تقسیم** یہاں یہ بتلانا ہے کہ دنیا میں فطری حیثیت سے انسان کو جو عزت و فضیلت بخشی تھی اُس نے کہاں تک قائم رکھی اور کتنے ہیں جنہوں نے انسانی عزو شرف کو خاک میں ملا دیا۔ خلاصہ یہ ہے کہ قیامت کے دن ہر فرقہ اس چیز کی معیت میں حاضر ہوگا۔ جس کی پیروی اور اتباع کرتا تھا۔ مثلاً مومنین کے نبی، کتاب، دینی پیشوا یا کفار کے مذہبی سردار، بڑے شیطان اور جھوٹے معبود جنہیں فرمایا ہے۔ "وَجَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً یَّدْعُوْنَ اِلَی النَّارِ" (القصص رکوع ۴) اور حدیث میں ہے "لِتَتْبَعْ کُلُّ اُمَّةٍ مَا کَانَتْ تَعْبُدُ" اس وقت تمام آدمیوں کے اعمالنامے اُن کے پاس پہنچا دیئے جائیں گے۔ کسی کا اعمالنامہ سامنے سے داہنے ہاتھ میں اور کسی کا پیچھے سے بائیں ہاتھ میں پہنچ جائیگا۔ گویا یہ ایک حسی علامت اُن کے مقبول یا مردود ہونے کی سمجھی جائیگی۔ "اصحاب یمین" (داہنے ہاتھ میں اعمالنامہ پکڑنے والے) وہ ہونگے جنہوں نے دنیا میں حق کو قبول کر کے اپنی فطری شرافت اور انسانی کرامت کو باقی رکھا۔ جس طرح دنیا میں انہوں نے دیکھ بھال کر اور سوچ سمجھ کر کام کئے، آخرت میں اُن کی وہ احتیاط کام آئی۔ اُس دن وہ خوشی سے پھولے نہ سمائیں گے، بڑے سرور انبساط سے اپنا اعمالنامہ پڑھیں گے اور دوسروں کو کہیں گے "هَآؤُمُ اقْرَءُوْا کِتٰبِیَهْ" (الحاقہ رکوع ۱) کہ آؤ میری کتاب پڑھ لو۔ باقی دوسرے لوگ یعنی "اصحاب شمال" اُن کا کچھ حال اگلی آیت میں بیان فرمایا ہے (بعض نے لفظ "امام" سے خود اعمالنامہ مراد لیا ہے کیونکہ وہاں لوگ اُس کے پیچھے چلیں گے)۔

(۱۱۲) یعنی کھجور کی گٹھلی کے درمیان جو ایک باریک دھاگا سا ہوتا ہے، اتنا ظلم بھی وہاں نہ ہوگا ہر ایک کی محنت کا پورا بلکہ پورے سے زیادہ پھل ملے گا۔

(۱۱۳) **دنیا اور آخرت کے اندھے** یعنی یہاں ہدایت کی راہ سے اندھا رہا، ویسا ہی آخرت میں بہشت کی راہ سے اندھا ہے اور بہت دور پڑا ہے۔ (موضح القرآن) "یہ اصحاب یمین" کے بالمقابل "اصحاب شمال" کا ذکر ہوا۔ بعض نے "وَاَضَلُّ سَبِیْلًا" کا مطلب یہ لیا ہے کہ دنیا میں تو تلافی مافات کا امکان تھا، آخرت میں اس سے بھی دور جا پڑا۔ کیونکہ اب تدارک و تلافی کا امکان ہی نہیں رہا۔

(۱۱۴) **کفار مکہ کی احمقانہ تجویز** یعنی بعض اندھے ایسے شریر ہیں کہ خود تو راہ پر کیا آتے، بڑے بڑے سوانکھوں کو بچلانا چاہتے ہیں۔ چنانچہ کفار مکہ کی اس بیحیائی اور جسارت کو دیکھئے کہ آپ پر ڈورے ڈالتے ہیں کہ خدا نے جو احکام دیئے اور وحی بھیجی اُس کا ایک حصہ اُن کی خاطر سے آپ (معاذ اللہ) چھوڑ دیں یا بدل ڈالیں۔ کبھی حکومت، دولت اور حسین عورتوں کا لالچ دیتے ہیں، کبھی کہتے ہیں کہ ہم آپ کے

تابع ہو جائیں گے، قرآن میں سے صرف وہ حصہ نکال دیجئے جو شرک و بت پرستی کے رد میں ہے۔ اگر آپ (العیاذ باللہ) بفرض محال ایسا کر گذرتے تو بیشک وہ آپ کو گاڑھا دوست بنا لیتے۔ لیکن آپ کا جواب یہ تھا کہ خدا کی قسم اگر تم چاند اتار کر میری ایک مٹھی میں اور سورج اتار کر دوسری مٹھی میں رکھ دو تب بھی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اُس چیز کو چھوڑنے والا نہیں جس کے لئے خدا نے اُسے کھڑا کیا ہے یہاں تک کہ وہ اپنا کام پورا کرے یا اس راستہ سے گذر جائے ؎ دست از طلب نہ دارم تا کام من برآید ✦ یا تن رسد بجاناں یا جاں ز تن برآید۔

وَلَوْلَآ اَنْ ثَبَّتْنٰكَ لَقَدْ كِدْتَّ تَرْكَنُ اِلَيْهِمْ شَيْئًا قَلِيْلًا ﴿۷۴﴾ اِذًا لَّاَذَقْنٰكَ ضِعْفَ الْحَيٰوةِ وَضِعْفَ

اور اگر یہ نہ ہوتا کہ ہم نے تجھ کو سنبھالے رکھا تو تُو لگ جاتا جھکنے اُن کی طرف تھوڑا سا ف۱۱۵ تب تو ضرور چکھاتے ہم تجھ کو دونا مزہ زندگی میں اور دونا مرنے میں

الْمَمَاتِ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ عَلَيْنَا نَصِيْرًا ﴿۷۵﴾ وَاِنْ كَادُوْا لَيَسْتَفِزُّوْنَكَ مِنَ الْاَرْضِ لِيُخْرِجُوْكَ مِنْهَا

پھر نہ پاتا تو اپنے واسطے ہم پر مدد کرنے والا ف۱۱۶ اور وہ تو چاہتے تھے کہ گھبرا دیں تجھ کو اس زمین سے تاکہ نکال دیں تجھ کو یہاں سے اور اُس وقت

وَاِذًا لَّا يَلْبَثُوْنَ خِلٰفَكَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۷۶﴾ سُنَّةَ مَنْ قَدْ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنْ رُّسُلِنَا وَلَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا

نہ ٹھہریں گے وہ بھی تیرے پیچھے مگر تھوڑا ف۱۱۷ دستور چلا آتا ہے اُن رسولوں کا جو تجھ سے پہلے بھیجے ہم نے اپنے پیغمبر اور نہ پائیگا تو ہمارے دستور میں

ع ۸ تَحْوِيْلًا ﴿۷۷﴾ اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ اِلٰى غَسَقِ الَّيْلِ وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ ۭ اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ

تفاوت ف۱۱۸ قائم رکھ نماز کو ف۱۱۹ سورج ڈھلنے سے رات کے اندھیرے تک ف۱۲۰ اور قرآن پڑھنا فجر کا ف۱۲۱ بیشک قرآن پڑھنا فجر کا ہوتا

مَشْهُوْدًا ﴿۷۸﴾ وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ ڰ عَسٰٓى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ﴿۷۹﴾ وَقُلْ

ہے روبرو ف۱۲۲ اور کچھ رات جاگتا رہ قرآن کے ساتھ یہ زیادتی ہے تیرے لئے ف۱۲۳ قریب ہے کہ کھڑا کر دے تجھ کو تیرا رب مقام محمود میں ف۱۲۴ اور کہہ

رَّبِّ اَدْخِلْنِيْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِيْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِّيْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِيْرًا ﴿۸۰﴾

اے رب داخل کر مجھ کو سچا داخل کرنا اور نکال مجھ کو سچا نکالنا ف۱۲۵ اور عطا کر دے مجھ کو اپنے پاس سے حکومت کی مدد ف۱۲۶

(۱۱۵) **آنحضرتؐ کی بے مثال ثابت قدمی** "ترکن" رکون سے ہے۔ جو ادنیٰ جھکاؤ اور خفیف میلان قلب کو کہتے ہیں اس کے ساتھ "شَيْئًا قَلِيْلًا" بڑھایا گیا تو ادنیٰ سے ادنیٰ ترین مراد ہوگا۔ پھر "لَقَدْ كِدْتَّ" فرما کر اس کے وقوع کو اور بھی گھٹا دیا۔ یعنی اگر یہ بات نہ ہوتی کہ آپ پیغمبر معصوم ہیں جن کی عصمت کی سنبھال حق تعالیٰ اپنے فضل خصوصی سے کرتا ہے تو ان چالاک شریروں کے فریب بازیوں سے بہت ہی تھوڑا سا اُدھر جھکنے کے قریب ہو جاتے مگر انبیاء کی عصمت کا تکفل اُن کا پروردگار کر چکا ہے۔ اس لئے اتنا خفیف جھکاؤ بھی نہ پایا گیا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میں تقوے کی فطری قوت کس قدر مضبوط اور ناقابل تزلزل تھی۔

(۱۱۶) **کلمۂ عتاب سے آنحضرتؐ کے شرف کا بیان** اس سے بھی حضورؐ کے فضل و شرف کا نہایت لطیف پیرایہ میں اظہار مقصود ہے۔ مقربین کے لئے جیسے انعامات بہت بڑے ہیں "نزدیکاں را بیش بود حیرانی" کے قاعدہ سے اُن کی چھوٹی سے چھوٹی غلطی یا کوتاہی پر عتاب بھی کہیں زیادہ ہوتا ہے جیسے ازواج مطہرات کو فرمایا "يٰنِسَاۗءَ النَّبِيِّ مَنْ يَّاْتِ مِنْكُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ يُّضٰعَفْ لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَيْنِ" (الاحزاب رکوع ۴) تو بتلا دیا کہ آپ کا مرتبہ معمولی نہیں۔ اگر بفرض محال ادنیٰ سے ادنیٰ غلطی ہو تو دنیا میں

ل گھبرانے لگے تھے تجھ کو۔ ٢ فجر کے قرآن پڑھنے میں فرشتے حاضر ہوتے ہیں۔ ٣ اُس میں۔ ٤ بڑھوتری۔ ٥ تعریف کے مقام میں۔

اور برزخ و آخرت میں دوگنا مزہ چکھنا پڑے مومن کو چاہئے کہ ان آیات کو تلاوت کرتے وقت دوزانو بیٹھ کر انتہائی خوف و خشیت کے ساتھ حق تعالیٰ کی شان جلال و جبروت میں غور کرے اور وہ ہی کہے جو حضورؐ نے فرمایا "اَللّٰھُمَّ لَا تَکِلْنِیْٓ اِلٰی نَفْسِیْ طَرْفَۃَ عَیْنٍ" (خداوندا! چشم زدن کے لئے بھی مجھ کو میرے نفس کے حوالہ نہ کیجئے) یعنی ہمیشہ اپنی ہی حفاظت و کفالت میں رکھئے۔

(۱۱۷) یعنی چاہتے ہیں کہ تجھے تنگ کرکے اور گھبرا کر مکہ سے نکال دیں۔ لیکن یاد رکھیں کہ ایسا کیا تو وہ خود زیادہ دنوں تک یہاں نہ رہ سکیں گے۔ چنانچہ اسی طرح واقع ہوا۔ اُن کے ظلم و ستم حضورؐ کی ہجرت کا سبب بنے آپ کا مکہ سے تشریف لیجانا تھا کہ تقریباً ڈیڑھ سال بعد مکہ کے بڑے بڑے نامور سردار گھروں سے نکل کر میدان "بدر" میں نہایت ذلت کے ساتھ ہلاک ہوئے۔ اور اُس کے پانچ چھ سال بعد مکہ پر اسلام کا قبضہ ہو گیا۔ کفار کی حکومت و شوکت تباہ ہو گئی اور بالآخر بہت قلیل مدت گذرنے پر مکہ بلکہ پورے جزیرۃ العرب میں پیغمبر علیہ السلام کا ایک مخالف بھی باقی نہ رہا۔

(۱۱۸) یعنی ہمارا یہی دستور رہا ہے کہ جب کسی بستی میں پیغمبر خدا کو نہ رہنے دیا تو بستی والے خود نہ رہے۔

(۱۱۹) یعنی ان کی منصوبہ بازیوں کی کچھ فکر نہ کیجئے۔ آپ اپنے مالک کی طرف متوجہ رہیں اور نمازوں کو ٹھیک ٹھیک قائم رکھیں تعلق مع اللہ وہ چیز ہے جو انسان کو تمام مشکلات و نوائب پر غالب کر دیتی ہے۔ "وَاسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوۃِ" (بقرہ رکوع ۵)۔

(۱۲۰) **نمازوں کا بیان** اس میں چار نمازیں آ گئیں ظہر، عصر، مغرب، عشاء۔ جمع بین الصلوٰتین کے مسئلہ سے اس کا کچھ تعلق نہیں۔ اور اگر جمع کا اشارہ نکالا جائے تو دو نہیں چار نمازوں کے جمع کرنے کی مشروعیت اس سے نکلے گی۔ ہاں بشرط ذوق صحیح یہ استنباط کیا جا سکتا ہے کہ ظہر میں تعجیل اور عشاء میں تاخیر مستحب ہونی چاہیئے۔ الّا بعارض۔

(۱۲۱) یعنی نماز فجر میں۔ شاید "قرآن الفجر" سے تعبیر کرنے میں یہ اشارہ ہو کہ تطویل قرأت فجر میں مطلوب ہے۔

(۱۲۲) **ملائکہ لیل و نہار** حدیث میں ہے کہ فجر و عصر کے وقت دن اور رات کے فرشتوں کی بدلی ہوتی ہے۔ لہٰذا ان دو وقتوں میں لیل و نہار کے فرشتوں کا اجتماع ہوتا ہے تو ہماری قرأت اور نماز اُن کے روبرو ہوئی جو مزید برکت و سکینہ کا موجب ہے۔ اور اُس وقت اوپر جانے والے فرشتے خدا کے یہاں شہادت دیں گے کہ جب گئے تب بھی ہم نے تیرے بندوں کو نماز پڑھتے دیکھا اور جب آئے تب بھی اس کے علاوہ صبح کے وقت یوں بھی آدمی کا دل حاضر اور مجتمع ہوتا ہے۔

(۱۲۳) حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "یعنی" نیند سے جاگ کر (تہجد میں) قرآن پڑھا کر۔ یہ حکم سب سے زیادہ تجھ پر کیا ہے کہ تجھ کو مرتبہ (سب سے) بڑا دینا ہے۔

(۱۲۴) **آنحضرتؐ کیلئے مقام محمود** "مقام محمود" شفاعت عظمیٰ کا مقام ہے۔ جب کوئی پیغمبر نہ بول سکیگا۔ تب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کرکے خلقت کو تکلیف سے چھڑائیں گے۔ اُس وقت ہر شخص کی زبان پر آپ کی حمد (تعریف) ہوگی۔ اور حق تعالیٰ بھی آپ کی تعریف کریگا۔ گویا شان محمدیت کا پورا پورا ظہور اُس وقت ہوگا۔ (تنبیہ "مقام محمود" کی یہ تفسیر صحیح حدیثوں میں آئی ہے۔ اور بخاری و مسلم اور دیگر کتب حدیث میں شفاعت کبریٰ کا نہایت مفصل بیان موجود ہے۔ شارحین نے حضورؐ کے لئے دس قسم کی شفاعتیں ثابت کی ہیں۔ فتح الباری میں ملاحظہ کر لیا جائے۔

(۱۲۵) **آنحضرتؐ کو ایک دعاء کی تعلیم** یعنی جہاں مجھے پہنچانا ہے (مثلاً مدینہ میں) نہایت آبرو اور خوبی و خوش اسلوبی سے پہنچا کر حق کا بول بالا رہے۔ اور جہاں سے نکالنا یعنی علیحدہ کرنا ہو (مثلاً مکہ سے) تو وہ بھی آبرو اور خوبی و خوش اسلوبی سے ہو۔ کہ دشمن ذلیل و خوار اور دوست شاداں و فرحاں ہوں۔ اور بہر صورت سچائی کی فتح اور جھوٹ کا سر نیچا ہو۔

(۱۲۶) یعنی غلبہ اور تسلط عنایت فرما جس کے ساتھ تیری مدد و نصرت ہو۔ تاکہ حق کا بول بالا رہے اور معاندین ذلیل و پست ہوں۔ دنیا میں کوئی قانون ہو، سماوی یا ارضی اس کے نفاذ کے لئے ایک درجہ میں ضروری ہے کہ حکومت کی مدد ہو۔ جو لوگ دلائل و براہین سننے اور آفتاب کی طرح حق واضح ہو چکنے کے بعد بھی ضد و عناد پر قائم رہیں اُن کے ضرر و فساد کو حکومت کی مدد ہی روک سکتی ہے۔ اسی لئے سورہ حدید میں فرمایا۔ لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَیِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْکِتٰبَ وَالْمِیْزَانَ لِیَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ وَاَنْزَلْنَا الْحَدِیْدَ فِیْهِ بَاْسٌ شَدِیْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ الیٰ آخرہا (حدید رکوع ۳)۔

وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ۚ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ﴿٨١﴾ وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ

اور کہہ آیا سچ اور نکل بھاگا جھوٹ بیشک جھوٹ ہے نکل بھاگنے والا ف۱۲۷ اور ہم اتارتے ہیں قرآن میں سے جس سے روگ دفع ہوں

وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ ۙ وَلَا یَزِیْدُ الظّٰلِمِیْنَ اِلَّا خَسَارًا ﴿٨٢﴾ وَاِذَآ اَنْعَمْنَا عَلَى الْاِنْسَانِ اَعْرَضَ وَ

اور رحمت ایمان والوں کے واسطے اور گنہگاروں کو تو اس سے نقصان ہی بڑھتا ہے ف۱۲۸ اور جب ہم آرام بھیجیں انسان پر تو ٹال جائے اور

نَاٰ بِجَانِبِهٖ ۚ وَاِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ كَانَ یَئُوْسًا ﴿٨٣﴾ قُلْ كُلٌّ یَّعْمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ ۗ فَرَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَنْ هُوَ

بچائے اپنا پہلو اور جب پہنچے اُس کو بُرائی تو رہ جائے مایوس ہو کر ف۱۲۹ تو کہہ ہر ایک کام کرتا ہے اپنے ڈھنگ پر سو تیرا رب خوب جانتا ہے کس نے

ع ۹ ۷ اَهْدٰى سَبِیْلًا ﴿٨٤﴾ وَیَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ ۖ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ وَمَآ اُوْتِیْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ

خوب پالیا راستہ ف۱۳۰ اور تجھ سے پوچھتے ہیں روح کو ف۱۳۱ کہہ دے روح ہے میرے رب کے حکم سے اور تم کو علم دیا ہے

اِلَّا قَلِیْلًا ﴿٨٥﴾ وَلَئِنْ شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِیْٓ اَوْحَیْنَآ اِلَیْكَ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ بِهٖ عَلَیْنَا وَكِیْلًا ﴿٨٦﴾ اِلَّا

تھوڑا سا ف۱۳۲ اور اگر ہم چاہیں تو لیجائیں اُس چیز کو جو ہم نے تجھ کو وحی بھیجی پھر تو نہ پائے اپنے واسطے اُس کے لادینے کو ہم پر کوئی ذمہ دار مگر

رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ۗ اِنَّ فَضْلَهٗ كَانَ عَلَیْكَ كَبِیْرًا ﴿٨٧﴾

مہربانی سے تیرے رب کی اُس کی بخشش تجھ پر بڑی ہے ف۱۳۳

(۱۲۷) **غلبۂ حق کی پیشگوئی** یہ عظیم الشان پیشگوئی مکہ میں کی گئی جہاں بظاہر کوئی سامان غلبہ حق کا نہ تھا۔ یعنی کہہ دو قرآن کریم مومنین کو بشارتیں سناتا ہوا اور باطل کو کچلتا ہوا آپہنچا بس سمجھ لو کہ اب دین حق غالب ہوا اور کفر بھاگا۔ نہ صرف مکہ سے بلکہ سارے عرب سے۔ حدیث میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ میں فاتحانہ داخل ہوئے اس وقت کعبہ کے گرد تین سو ساٹھ بت رکھے ہوئے تھے۔ آپ ایک چھڑی سے سب پر ضرب لگاتے اور فرماتے تھے "جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا۔ جَآءَ الْحَقُّ وَمَا یُبْدِئُ الْبَاطِلُ وَمَا یُعِیْدُ" ہر ایک اوندھے منہ گر جاتا تھا۔ اس طرح قرآن کی ایک پیشگوئی پوری ہوئی اور دوسری کا اعلان کیا گیا کہ جو کفر کعبہ سے نکل بھاگا ہے۔ آئندہ کبھی واپس نہ آئیگا۔ والحمد للہ علیٰ ذٰلک۔

(۱۲۸) **قرآن کریم شفاء و رحمت ہے** یعنی جس طرح حق کے آنے سے باطل بھاگ جاتا ہے۔ قرآن کی آیات سے جو بتدریج اترتی رہتی ہیں روحانی بیماریاں دور ہوتی ہیں دلوں سے عقائد باطلہ، اخلاق ذمیمہ اور شکوک و شبہات کے روگ مٹ کر صحت باطنی حاصل ہوتی ہے

۱؎ آس توڑ کر۔ ۲؎ کوئی۔ ۳؎ خبر دی ہے تھوڑی سی۔

بلکہ بسا اوقات اس کی مبارک تاثیر سے بدنی صحت بھی حاصل کی جاتی ہے جیسا کہ "روح المعانی" اور "زاد المعاد" وغیرہ میں اس کا فلسفہ اور تجربہ بیان کیا گیا ہے۔ بہرحال جو لوگ ایمان لائیں یعنی اس نسخہ شفا کو استعمال کریں گے، تمام قلبی و روحانی امراض سے نجات پا کر خدا تعالیٰ کی رحمت خصوصی اور ظاہری و باطنی نعمتوں سے سرفراز ہونگے۔ ہاں جو مریض اپنی جان کا دشمن طبیب اور علاج سے دشمنی ہی کی ٹھان لے تو ظاہر ہے کہ جس قدر علاج و دوا سے نفرت کر کے دور بھاگے گا اسی قدر نقصان اٹھائیگا۔ کیونکہ مرض امتداد زمانہ سے مہلک ہوتا جائے گا جو آخر جان لے کر چھوڑے گا۔ تو یہ آفت قرآن کی طرف سے نہیں، خود مریض ظالم کی طرف سے آئی کما قال تعالیٰ۔ وَاَمَّا الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا اِلٰی رِجْسِهِمْ وَمَاتُوْا وَهُمْ كٰفِرُوْنَ۔ (توبہ رکوع ۱۶)

(۱۲۹) **انسان کی عجیب خصلت** یعنی انسان کا عجیب حال ہے خدا تعالیٰ اپنے فضل سے نعمتیں دیتا ہے تو احسان نہیں مانتا۔ جتنا عیش آرام ملے اسی قدر منعم حقیقی کی طرف سے اس کی غفلت و اعراض بڑھتا ہے اور فرائض بندگی سے پہلو بچا کر کھسکنا چاہتا ہے۔ پھر جب سخت اور برا وقت آیا تو ایک دم آس توڑ کر اور ناامید ہو کر بیٹھ رہتا ہے۔ گویا دونوں حالتوں میں خدا سے بے تعلق رہا۔ کبھی غفلت کی بنا پر کبھی مایوسی کی (نعوذ باللہ من کلا الحالین) یہ مضمون غالباً اس لئے بیان فرمایا کہ قرآن جو سب سے بڑی نعمت الٰہی ہے، بہت لوگ اس کی قدر نہیں پہچانتے بلکہ اس کے ماننے سے اعراض و پہلوتہی کرتے ہیں۔ پھر جب اس کفران نعمت اور اعراض و انکار کا برا نتیجہ سامنے آئیگا اس وقت قطعاً مایوسی ہوگی کسی طرف امید کی جھلک نظر نہ پڑیگی۔

(۱۳۰) یعنی ہر ایک کافر و مومن اور معرض و مقبل اپنے اپنے طریقے، نیت، طبیعت اور مذہب پر چلتا اور اسی پر مگن رہتا ہے۔ لیکن یاد رہے خدا کے علم محیط سے کسی شخص کا کوئی عمل باہر نہیں ہو سکتا وہ ہر ایک کے طریق عمل اور حرکات و سکنات کو برابر دیکھ رہا ہے اور بخوبی جانتا ہے کہ کون کتنا سیدھا چلتا ہے اور کس میں کس قدر کجروی و کجراہی ہے ہر ایک کے ساتھ اسی کے موافق برتاؤ کرے گا۔

(۱۳۱) **روح کے بارے میں آنحضرتؐ سے سوال** یعنی روح انسانی کیا چیز ہے؟ اس کی ماہیت و حقیقت کیا ہے؟ یہ سوال صحیحین کی روایت کے موافق یہود مدینہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آزمانے کو کیا تھا۔ اور "سیر" کی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ مکہ میں قریش نے یہود کے مشورہ سے یہ سوال کیا۔ اسی لئے آیت کے مکی اور مدنی ہونے میں اختلاف ہے، ممکن ہے نزول مکرر ہوا ہو، واللہ اعلم۔ یہاں اس سوال کے درج کرنے سے غالباً یہ مقصود ہوگا کہ جن چیزوں کے سمجھنے کی ان لوگوں کو ضرورت ہے ادھر سے تو اعراض کرتے ہیں اور غیر ضروری مسائل میں ازراہ تعنت و عناد جھگڑتے رہتے ہیں۔ ضرورت اس کی تھی کہ وحی قرآنی کی روح سے باطنی زندگی حاصل کرتے اور اس نسخہ شفا سے فائدہ اٹھاتے وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا (شوریٰ رکوع ۵) يُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ بِالرُّوْحِ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖٓ (نحل رکوع ۱) مگر انہیں دوراز کار اور معاندانہ بحثوں سے فرصت کہاں۔ "روح" کیا ہے؟ جوہر ہے یا عرض؟ مادی ہے یا مجرد؟ بسیط ہے یا مرکب؟ اس قسم کے غامض اور بے ضرورت مسائل کے سمجھنے پر نجات موقوف ہے نہ یہ بحثیں انبیاء کے فرائض تبلیغ سے تعلق رکھتی ہیں۔ بڑے بڑے حکماء اور فلاسفر آج تک خود "مادہ" کی حقیقت پر مطلع نہ ہو سکے "روح" جو بہرحال "مادہ" سے کہیں زیادہ لطیف و خفی ہے اس کی اصل ماہیت و کنہ تک پہنچنے کی پھر کیا امید کی جا سکتی ہے۔ مشرکین مکہ کی جہالات اور یہود مدینہ کی اسرائیلیات کا مطالعہ کرنے والوں کو معلوم ہے کہ جو قوم موٹی موٹی باتوں اور نہایت واضح حقائق کو نہیں سمجھ سکتی، وہ روح کی حقائق پر دسترس پانے کی کیا خاک استعداد و اہلیت رکھتی ہوگی؟ تو کار زمیں را نکو ساختی، کہ با آسماں نیز پرداختی۔

(۱۳۲) **عالم امر اور عالم خلق کی علمی تحقیق** موضح القرآن میں ہے کہ "حضرت کے زمانے کو یہود نے پوچھا، سو اللہ نے (کھول کر) نہ بتایا کیونکہ ان کو سمجھنے کا حوصلہ نہ تھا۔ اگلے پیغمبروں نے بھی مخلوق سے ایسی باریک باتیں نہیں کیں۔ اتنا جاننا کافی ہے کہ اللہ کے حکم سے ایک چیز بدن میں

آ پڑی، وہ جی اُٹھا، جب نکل گئی مر گیا" اھ (تنبیہ) حق تعالیٰ کا کلام اپنے اندر عجیب و غریب اعجاز رکھتا ہے۔ روح کے متعلق یہاں جو کچھ فرمایا اس کا سطحی مضمون عوام اور قاصر الفہم یا کجرو معاندین کے لئے کافی ہے۔ لیکن اسی سطح کے نیچے اِن ہی مختصر الفاظ کی تہ میں روح کے متعلق وہ بصیرت افروز حقائق مستور ہیں، جو بڑے سے بڑے عالی دماغ نکتہ رس فلسفی اور ایک عارف کامل کی راہ طلب و تحقیق میں چراغ ہدایت کا کام دیتی ہیں۔ روح کے متعلق عہد قدیم سے جو سلسلہ تحقیقات کا جاری ہے وہ آج تک ختم نہیں ہوا، اور نہ شاید ہو سکے۔ روح کی اصلی کنہ و حقیقت تک پہنچنے کا دعویٰ تو بہت ہی مشکل ہے۔ کیونکہ ابھی تک کتنی ہی محسوسات ہیں جن کی کُنہ و حقیقت معلوم کرنے سے ہم عاجز رہے ہیں۔ تاہم میرے نزدیک آیات قرآنیہ سے روح کے متعلق اِن چند نظریات پر صاف روشنی پڑتی ہے۔ (۱) انسان میں اس مادی جسم کے علاوہ کوئی اور چیز موجود ہے جسے "روح" کہتے ہیں، وہ "عالم اَمر" کی چیز ہے اور خدا کے حکم و ارادہ سے فائض ہوتی ہے۔ "قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ" خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ (آل عمران رکوع ۶) ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ (المومنون رکوع ۱) اِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَیْءٍ اِذَآ اَرَدْنٰهُ اَنْ نَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ (نحل رکوع ۵) (۲) روح کی صفاتِ علم و شعور وغیرہ بتدریج کمال کو پہنچتی ہیں اور ارواح میں حصول کمال کے اعتبار سے بیحد تفاوت و فرق مراتب ہے۔ حتیٰ کہ خدا تعالیٰ کی تربیت سے ایک روح ایسے بلند اور اعلیٰ مقام پر پہنچ جاتی ہے جہاں دوسری ارواح کی قطعاً رسائی نہ ہو سکے۔ جیسے روح محمدی صلی اللہ علیہ وسلم پہنچی۔ یشیر الیہ اضافۃ الامر الی الرب والرب الی یاء المتکلم المراد بہ ہہنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم وقولہ تعالیٰ فیما بعد "قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰۤى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ" (۳) مگر اُس کے یہ کمالات ذاتی نہیں۔ وہّاب حقیقی کے عطا کئے ہوئے ہیں اور محدود ہیں۔ یدل علیہ قولہ تعالیٰ "وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا" فان العلم قد اتاہ من مفیض آخر وہو قلیل فی جنب علم اللہ تعالیٰ۔ کما قال تعالیٰ "قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّیْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّیْ" (کہف رکوع ۱۲) وَلَوْ اَنَّ مَا فِی الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ وَّالْبَحْرُ يَمُدُّهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ سَبْعَةُ اَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ كَلِمٰتُ اللّٰهِ (لقمان رکوع ۳) ویدل علی تحدید القدرۃ قولہ تعالیٰ فیما بعد رداً لقولہم "لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ يَنْۢبُوْعًا" الخ "قُلْ سُبْحَانَ رَبِّیْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا" روح اِنسانی خواہ علم و قدرت وغیرہ صفات میں کتنی ہی ترقی کر جائے حتیٰ کہ اپنے تمام ہمجنسوں سے گوئے سبقت لیجائے، پھر بھی اس کی صفات محدود رہتی ہیں صفات باری کی طرح لامحدود نہیں ہو جاتیں۔ اور یہی بڑی دلیل اس کی ہے کہ آریوں کے عقیدہ کے موافق روح خدا سے علیحدہ کوئی قدیم و غیر مخلوق ہستی نہیں ہو سکتی۔ ورنہ تحدید کہاں سے آئی۔ (۴) کتنی ہی بڑی کامل روح ہو، حق تعالیٰ کو یہ قدرت حاصل ہے کہ جس وقت چاہے اس سے کمالات سلب کر لے۔ گو اُس کے فضل و رحمت سے کبھی ایسا کرنے کی نوبت نہ آئے۔ یدل علیہ قولہ تعالیٰ "وَلَئِنْ شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِیْۤ اَوْحَيْنَاۤ اِلَيْكَ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ بِهٖ عَلَيْنَا وَكِيْلًا اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ اِنَّ فَضْلَهٗ كَانَ عَلَيْكَ كَبِيْرًا" یہ چند اصول جو ہم نے بیان کئے اہلِ فہم کو نسق آیات میں ادنیٰ تامل کرنے سے معلوم ہو سکتے ہیں صرف ایک "عالم امر" کا لفظ ہے جس کی مناسب تشریح ضروری ہے اور جس کے سمجھنے سے اُمید ہے روح کی معرفت حاصل کرنے میں بہت مدد ملیگی۔ لفظ "امر" قرآن کریم میں بیسیوں جگہ آیا اور اُس کے معنی کی تعیین میں علماء نے کافی کلام کیا ہے لیکن میری غرض اس وقت سورۂ "اعراف" کی آیت "اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ" کی طرف توجہ دلانا ہے۔ جہاں "اَمر" کو "خلق" کے مقابل رکھا ہے۔ جس سے ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ خدا کے یہاں دو چیزیں بالکل علیحدہ علیحدہ ہیں ایک "خلق" دوسرا "امر" دونوں میں کیا فرق ہے؟ اس کو ہم سیاق آیات سے بسہولت سمجھ سکتے ہیں پہلے فرمایا "اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَيَّامٍ" (اعراف رکوع ۷) یہ تو خلق ہوا۔ درمیان میں "اِسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ" کا ذکر کر کے جو شان حکمرانی کو ظاہر کرتا ہے فرمایا "يُغْشِی الَّيْلَ النَّهَارَ يَطْلُبُهٗ حَثِيْثًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمَ مُسَخَّرٰتٍۢ بِاَمْرِهٖ" (اعراف رکوع ۷) یعنی ان مخلوقات کو ایک معین و محکم نظام پر چلاتے رہنا جسے تدبیر و تصریف کہہ سکتے ہیں۔

سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ يَتَنَزَّلُ الْاَمْرُ بَيْنَهُنَّ (طلاق رکوع ۲) گویا دنیا کی مثال ایک بڑے کارخانہ کی سمجھو جس میں مختلف قسم کی مشینیں لگی ہوں۔ کوئی کپڑا بُن رہی ہے کوئی آٹا پیس رہی ہے کوئی کتاب چھاپتی ہے کوئی شہر میں روشنی پہنچا رہی ہے۔ کسی سے پنکھے چل رہے ہیں۔ وغیرذٰلک۔ ہر ایک مشین میں بہت سے کل پرزے ہیں جو مشین کی غرض و غایت کا لحاظ کر کے ایک معین اندازے سے ڈھالے جاتے اور لگائے جاتے ہیں۔ پھر سب پرزے جوڑ کر مشین کو فٹ کیا جاتا ہے۔ جب تمام مشینیں فٹ ہو کر کھڑی ہو جاتی ہیں، تب الیکٹرک (بجلی) کے خزانہ سے ہر مشین کی طرف جُدا جُدا راستہ سے کرنٹ چھوڑ دیا جاتا ہے اُن واحد میں ساکن و خاموش مشینیں اپنی اپنی ساخت کے موافق گھومنے اور کام کرنے لگ جاتی ہیں۔ بجلی ہر مشین اور ہر پرزہ کو اُس کی مخصوص ساخت اور غرض کے مطابق گھماتی ہے۔ حتیٰ کہ جو قلیل و کثیر کہربائیہ روشنی کے لیمپوں اور قمقموں میں پہنچتی ہے، وہاں پہنچ کر اُن ہی قمقموں کی ہیأت اور رنگ اختیار کر لیتی ہے۔ اس مثال میں یہ بات واضح ہو گئی کہ مشین کا ڈھانچہ تیار کرنا، اس کے کل پرزوں کا ٹھیک اندازہ پر رکھنا، پھر فٹ کرنا، ایک سلسلہ کے کام ہیں جن کی تکمیل کے بعد مشین کو چالو کرنے کے لئے ایک دوسری چیز (بجلی یا اسٹیم) اُس کے خزانہ سے لانے کی ضرورت ہے۔ اسی طرح سمجھ لو حق تعالیٰ نے اوّل آسمان و زمین کی تمام مشینیں بنائیں جس کو "خلق" کہتے ہیں، ہر چھوٹا بڑا پرزہ ٹھیک اندازہ کے موافق تیار کیا جسے "تقدیر" کہا گیا ہے فَقَدَّرَهٗ تَقْدِيْرًا" سب کل پرزوں کو جوڑ کر مشین کو فٹ کیا جسے "تصویر" کہتے ہیں۔ خَلَقْنٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ (اعراف رکوع ۲) یہ سب افعال خلق کی مَد میں تھے۔ اب ضرورت تھی کہ جس مشین کو جس کام میں لگانا ہے لگا دیا جائے۔ آخر مشین کو چالو کرنے کے لئے "امرالٰہی" کی بجلی چھوڑ دی گئی۔ شاید اس کا تعلق اسم "باری" سے ہے۔ "اَلْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ" (الحشر رکوع ۳) وفی الحدیث "فَلَقَ الْحَبَّةَ وَبَرَأَ النَّسَمَةَ" وفی سورۃ الحدید "مِنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا" ای النفوس کما ھو مروی عن ابن عباس وقتادۃ والحسن۔

کُن فیکُون کی علمی توجیہ غرض اُدھر سے حکم ہوا "چل" فوراً چلنے لگی۔ اسی "امرالٰہی" کو فرمایا "اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَيْـًٔا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ" (یٰس رکوع ۵) دوسری جگہ نہایت وضاحت کے ساتھ امر "کُن" کو خلق جسد پر مرتب کرتے ہوئے ارشاد ہوا۔ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ (آل عمران رکوع ۶) بلکہ تتبع سے ظاہر ہوتا ہے کہ قرآن کریم میں "کُنْ فَیَکُوْنُ" کا مضمون جتنے مواضع میں آیا عموماً خلق و ابداع کے ذکر کے بعد آیا ہے۔ جس سے خیال گذرتا ہے کہ کلمہ "کُن" کا خطاب "خلق" کے بعد تدبیر و تصریف وغیرہ کے لئے ہوتا ہوگا۔ واللّٰہ اعلم۔ بہرحال میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ یہاں "امر" کے معنی "حکم" کے ہیں اور وہ حکم یہی ہے جسے لفظ "کُنْ" سے تعبیر کیا گیا۔ اور "کُنْ" جنس کلام سے ہے حق تعالیٰ کی صفت قدیمہ ہے۔ جس طرح ہم اُسکی تمامی صفات (مثلاً حیات سمع، بصر وغیرہ) کو بلا کیف تسلیم کرتے ہیں، کلام اللّٰہ و کلمۃ اللّٰہ کے متعلق بھی یہی مسلک رکھنا چاہئے۔ خلاصہ مطلب یہ ہوا کہ "روح" کے ساتھ اکثر جگہ قرآن میں امر کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ مثلاً قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ۔ وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا يُلْقِي الرُّوْحَ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ۔ يُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ بِالرُّوْحِ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖٓ اور پہلے گذر چکا کہ "اَمر" عبارت ہے کلمہ "کُنْ" سے۔ یعنی وہ کلام انشائی جس سے مخلوقات کی تدبیر و تصریف اس طریقہ پر کی جائے جس پر غرض ایجاد و تکوین مرتب ہو۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ "روح" کا مبداء حق تعالیٰ کی صفت کلام ہے جو صفت علم کے ماتحت ہے۔ شاید اسی لئے "نَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ" میں اُسے اپنی طرف منسوب کیا "کلام" اور "امر" کی نسبت متکلم اور آمر سے "صادر" و "مصدور" کی ہوتی ہے "مخلوق" و "خالق" کی نہیں ہوتی۔ اسی لئے اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ" میں "امر" کو "خلق" کے مقابل رکھا۔

رُوح کی حقیقت ہاں یہ امر "کُن" باری تعالیٰ شانہ سے صادر ہو کر ممکن ہے جوہر مجرد کے لباس میں یا ایک "ملک اکبر" اور "روح اعظم" کی صورت میں ظہور پکڑے۔ جس کا ذکر بعض آثار میں ہوا ہے اور جسے ہم "کہربائیہ روحیہ" کا خزانہ کہہ سکتے ہیں۔ گویا یہیں سے روح حیات

کی لہریں دنیا کی ذوی الارواح پر تقسیم کی جاتی ہیں۔ اور اَلْاَرْوَاحُ جُنُوْدٌ مُّجَنَّدَۃٌ الخ کے بیشمار تاروں کا یہیں کنکشن ہوتا ہے اب جو کرنٹ چھوٹی بڑی بیشمار مشینوں کی طرف چھوڑا جاتا ہے وہ مشین سے اُس کی بناوٹ اور استعداد کے موافق کام لیتا اور اس کی ساخت کے مناسب حرکت دیتا ہے۔ بلکہ جن لیمپوں اور قمقموں میں یہ بجلی پہنچتی ہے اُن ہی کے مناسب رنگ و ہیئت اختیار کر لیتی ہے۔ رہی یہ بات کہ "کُنْ" کا حکم جو قسم کلام سے ہے، جوہر مجرد یا جسم نورانی لطیف کی شکل کیونکر اختیار کر سکتا ہے اسے یوں سمجھ لو کہ تمام عقلاء اس پر متفق ہیں کہ ہم خواب میں جو اشکال و صور دیکھتے ہیں، بعض اوقات وہ محض ہمارے خیالات ہوتے ہیں، جو دریا، پہاڑ، شیر، بھیڑیے وغیرہ کی شکلوں میں نظر آتے ہیں۔ اب غور کرنے کا مقام ہے کہ خیالات جو اعراض ہیں اور دماغ کے ساتھ قائم ہیں وہ جواہر و اجسام کیونکر بن گئے اور کس طرح اُن میں اجسام کے لوازم و خواص پیدا ہو گئے۔ یہاں تک کہ بعض دفعہ خواب دیکھنے والے سے بیدار ہونے کے بعد بھی اُن کے آثار جُدا نہیں ہوتے فی الحقیقت خدا تعالیٰ نے ہر انسان کو خواب کے ذریعہ سے بڑی بھاری ہدایت کی ہے کہ جب ایک آدمی کی قوۃ مُصوِّرہ میں اُس نے اس قدر طاقت رکھی ہے کہ وہ اپنی بساط کے موافق غیر مجسّم خیالات کو جسمی سانچہ میں ڈھال لے اور اُن میں وہ ہی خواص و آثار باذن اللہ پیدا کرے جو عالم بیداری میں اجسام سے وابستہ تھے۔ پھر تماشہ یہ ہے کہ وہ خیالات خواب دیکھنے والے کے دماغ سے ایک منٹ کو علیحدہ بھی نہیں ہوئے۔ اُن کا ذہنی وجود بدستور قائم ہے تو کیا اس حقیر سے نمونہ کو دیکھ کر ہم اتنا نہیں سمجھ سکتے کہ ممکن ہے قادر مطلق اور مُصوِّر برحق جلّ و علا کا امر بے کیف (کُن) باوجود صفت قائمہ بذاتہ تعالیٰ ہونے کے کسی ایک یا متعدد صورتوں میں جلوہ گر ہو جائے۔ اُن صورتوں کو ہم ارواح یا فرشتے یا کسی اور نام سے پکاریں۔ وہ ارواح و ملائکہ وغیرہ سب حادث ہوں۔ اور "امر الٰہی" بحالہ قدیم رہے۔ امکان و حدوث کے آثار و احکام ارواح وغیرہ تک محدود رہیں اور "امر الٰہی" اُن سے پاک و برتر ہو۔ جیسے جو صورت خیالیہ بحالت خواب آگ کی صورت میں نظر آتی ہے اُس صورت ناریہ میں احراق، سوزش، گرمی وغیرہ سب آثار ہم محسوس کرتے ہیں حالانکہ اسی آگ کا تصور سالہا سال بھی دماغوں میں رہے تو ہمیں ایک سکنڈ کے لئے یہ آثار محسوس نہیں ہوتے۔ پس کوئی شبہ نہیں کہ روح انسانی (خواہ جوہر مجرّد ہو یا جسم لطیف نورانی) "امر ربّی" کا مظہر ہے۔ لیکن یہ ضرور نہیں کہ مظہر کے سب احکام و آثار ظاہر پر جاری ہوں کما ہو الظاہر۔ واضح رہے کہ جو کچھ ہم نے لکھا اور جو مثالیں پیش کیں اُن سے مقصود محض تسہیل و تقریب الی الفہم ہے ورنہ ایسی کوئی مثال دستیاب نہیں ہو سکتی جو ان حقائق غیبیہ پر پوری طرح منطبق ہو سکے اے بروں از وہم و قال و قیل من ۔ خاک بر فرق من و تمثیل من۔ رہا یہ مسئلہ کہ روح جوہر مجرد ہے جیسا کہ اکثر حکمائے قدیم اور صوفیہ کا مذہب ہے یا جسم نورانی لطیف جیسا کہ جمہور اہل حدیث وغیرہ کی رائے ہے۔ اس میں میرے نزدیک قول فیصل وہی ہے جو بقیۃ السلف بحر العلوم علامہ سید انور شاہ صاحب اطال اللہ بقاءہٗ نے فرمایا کہ بالفاظ عارف جامی یہاں تین چیزیں ہیں۔ (۱) وہ جواہر جن میں مادہ اور کمیت دونوں ہوں جیسے ہمارے ابدان مادیہ (۲) جواہر جن میں مادہ نہیں صرف کمیت ہے جنہیں صوفیہ "اجسام مثالیہ" کہتے ہیں (۳) وہ جواہر جو مادہ اور کمیت دونوں سے خالی ہوں جن کو صوفیہ "ارواح" یا حکماء جواہر مجردہ کے نام سے پکارتے ہیں۔ جمہور اہل شرع جس کو "روح" کہتے ہیں وہ صوفیہ کے نزدیک "بدن مثالی" سے موسوم ہے جو بدن مادی میں حلول کرتا ہے۔ اور بدن مادی کی طرح آنکھ، ناک، کان، ہاتھ، پاؤں وغیرہ اعضاء رکھتا ہے۔ یہ روح بدن مادی سے کبھی جُدا ہو جاتی ہے اور اس جُدائی کی حالت میں بھی ایک طرح کا مجہول الکیفیت علاقہ بدن کے ساتھ قائم رکھ سکتی ہے جس سے بدن پر حالت موت طاری ہونے نہیں پاتی۔ گویا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے قول کے موافق جو بغوی نے "اَللّٰہُ یَتَوَفَّی الْاَنْفُسَ حِیْنَ مَوْتِھَا" کی تفسیر میں نقل کیا، اُس وقت روح خود علیحدہ رہتی ہے مگر اُس کی شعاع جسد میں پہنچ کر بقائے حیات کا سبب بنتی ہے۔ جیسے آفتاب لاکھوں میل سے بذریعہ شعاعوں کے زمین کو گرم رکھتا ہے۔ یا جیسے آج ہی میں نے اخبار میں ایک تار پڑھا کہ "حال ہی میں فرانس کے محکمہ پرواز نے ہوا بازوں کے بغیر طیارے چلا کر خفیہ تجربے کئے ہیں

اور تعجب انگیز نتائج رونما ہوئے ہیں۔ اطلاع موصول ہوئی ہے کہ حال میں ایک خاص بم پھینکنے والا طیارہ بھیجا گیا تھا جس میں کوئی شخص سوار نہ تھا۔ لیکن لاسلکی کے ذریعہ سے وہ منزل مقصود پر پہنچایا گیا۔ اس طیارہ میں بم بھر کر وہاں گرائے گئے اور پھر وہ مرکز میں واپس لایا گیا۔ دعوٰی کیا جاتا ہے کہ لاسلکی کے ذریعہ سے ہوائی جہاز نے خود بخود جو کام کیا وہ ایسا مکمل ہے جیسا کسی ہوا باز کی مدد سے عمل میں آتا۔" آج کل یورپ میں جو سوسائٹیاں روح کی تحقیقات کر رہی ہیں اُنہوں نے بعض ایسے مشاہدات بیان کئے ہیں کہ ایک روح جسم سے علیحدہ تھی اور روح کی ٹانگ پر حملہ کرنے کا اثر جسم مادی کی ٹانگ پر ظاہر ہوا۔ بہر حال اہل شرع جو روح ثابت کرتے ہیں صوفیہ کو اُس کا انکار نہیں بلکہ وہ اس کے اُوپر ایک اور روح مجرد مانتے ہیں جس میں کوئی استحالہ نہیں بلکہ اگر اُس روح مجرد کی بھی کوئی اور روح ہو اور آخر میں کثرت کا سارا سلسلہ سمٹ کر "امر ربی" کی وحدت پر منتھی ہو جائے تو انکار کی ضرورت نہیں۔ شیخ فریدالدین عطار رحمۃ اللہ نے "منطق الطیر" میں کیا خوب فرمایا ہے ہم زجملہ بیش وہم بیش از ہمہ ٭ جملہ از خود دیدہ وخویش از ہمہ ٭ جاں نہاں در جسم واو در جاں نہاں ٭ اے نہاں اندر نہاں اے جان جاں ٭ مذکورۂ بالا تقریر سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ہر چیز میں جو "کن" کی مخاطب ہوئی، روح حیات پائی جائے۔ بیشک میں یہی سمجھتا ہوں کہ ہر مخلوق کی ہر ایک نوع کو اُس کی استعداد کے موافق قوی یا ضعیف زندگی ملی ہے یعنی جس کام کیلئے وہ چیز پیدا کی گئی، ڈھانچہ تیار کر کے اس کو حکم دینا "کن" (اس کام میں لگ جا) بس یہی اُس کی روح حیات ہے جب تک اور جس حد تک یہ اپنی غرض ایجاد کو پورا کرے گی اُسی حد تک زندہ سمجھی جائے گی۔ اور جس قدر اُس سے بعید ہو کر معطل ہوتی جائے گی اُسی قدر موت سے نزدیک یا مردہ کہلائے گی۔ ہذا ما عندی وعندالناس ماعندہم واللہ سبحانہ وتعالیٰ ہوالملہم للصواب۔

(۱۳۳) یعنی قرآن کا جو علم تم کو دیا ہے خدا چاہے تو ذرا سی دیر میں چھین لے پھر کوئی واپس نہ لا سکے۔ لیکن اُس کی مہربانی آپ پر بہت بڑی ہے اسی لئے یہ نعمت عظمٰی عنایت فرمائی، اور چھیننے کی کوئی وجہ نہیں۔ صرف قدرت عظیمہ کا اظہار مقصود ہے اور یہ کہ کیسی ہی کامل روح ہو اُس کے سب کمالات موہوب ومستعار ہیں، ذاتی نہیں۔

قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ

کہہ اگر جمع ہوں آدمی اور جن اس پر کہ لائیں ایسا قرآن ہرگز نہ لائیں گے ایسا قرآن اور پڑے مدد

بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا ﴿۸۸﴾ وَلَقَدْ صَرَّفْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ فَاَبٰٓى اَكْثَرُ

کیا کریں ایک دوسرے کی ف ۱۳۴ اور ہمنے پھیر پھیر کر سمجھائی لوگوں کو اس قرآن میں ہر مثل[1] سو نہیں رہتی بہت

النَّاسِ اِلَّا كُفُوْرًا ﴿۸۹﴾ وَقَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ يَنْۢبُوْعًا ﴿۹۰﴾ اَوْ تَكُوْنَ لَكَ

لوگ بن[2] ناشکری کئے ف ۱۳۵ اور بولے ہم نہ مانیں گے تیرا کہا جب تک تو نہ جاری[3] کر دی ہمارے واسطے زمین سے ایک چشمہ ف ۱۳۶ یا ہو جائے تیرے واسطے

جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّعِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْاَنْهٰرَ خِلٰلَهَا تَفْجِيْرًا ﴿۹۱﴾ اَوْ تُسْقِطَ السَّمَآءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا

ایک باغ کھجور اور انگور کا پھر بہائے تو اُس کے بیچ نہریں چلا کر یا گرا دے آسمان ہم پر جیسا کہ تو کہا کرتا ہے۔

كِسَفًا اَوْ تَاْتِيَ بِاللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ قَبِيْلًا ﴿۹۲﴾

ٹکڑے ٹکڑے ف ۱۳۷ یا لے آ اللہ کو اور فرشتوں کو سامنے[4] ف ۱۳۸

[1] مثال۔ [2] بدوں۔ [3] بہا نکالے۔ [4] ضامن

(۱۳۴) **اعجاز قرآن** اعجاز قرآن کے متعلق پہلے متعدد مواضع میں کلام کیا جا چکا ہے اور اس موضوع پر ہمارا مستقل رسالہ "اعجاز القرآن" چھپا ہوا ہے اُسے ملاحظہ کر لیا جائے۔

(۱۳۵) **قرآن میں مضامین کی تکرار** یعنی اُن کی خیر خواہی کے لئے عجیب و غریب مضامین بار بار مختلف پیرایوں میں قسم قسم کے عنوانوں سے بیان کئے جاتے ہیں۔ لیکن اکثر احمقوں کو اس کی قدر نہیں۔ بجائے احسان ماننے کے ناشکری پر تلے ہوئے ہیں۔

(۱۳۶) **کفّار کی فرمائشیں** یعنی مکہ کی سرزمین سے۔ قرآن کے اعجاز سے عاجز ہو کر ایسی دور از کار فرمائشیں کرنے لگتے تھے۔ غرض استفادہ و انتفاع مقصود نہ تھا محض تعنّت و عناد سے کام تھا۔

(۱۳۷) یہ اُس کی طرف اشارہ ہے جو دوسری جگہ ارشاد ہوا۔ "اِنْ نَّشَاْ نَخْسِفْ بِهِمُ الْاَرْضَ اَوْ نُسْقِطْ عَلَيْهِمْ كِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ" (السباء رکوع ۱)

(۱۳۸) یعنی معاذ اللہ خدا خود ہمارے سامنے آ کر کہدے اور فرشتے کھلم کھلا شہادت دیں کہ تم سچے ہو۔

اَوْ يَكُوْنَ لَكَ بَيْتٌ مِّنْ زُخْرُفٍ اَوْ تَرْقٰى فِي السَّمَآءِ ۭ وَلَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتّٰى تُنَزِّلَ عَلَيْنَا

یا ہو جائے تیرے لئے ایک گھر سنہرا ف ۱۳۹ یا چڑھ جائے تو آسمان میں اور ہم نہ مانیں گے [۱] تیرے چڑھ جانے کو جب تک نہ اُتار لائے ہم پر ایک

كِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗ ۭ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا ﴿۹۳﴾ وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَآءَهُمُ

کتاب جسکو ہم پڑھ لیں ف ۱۴۰ تو کہہ سبحان اللہ میں کون ہوں مگر ایک آدمی ہوں بھیجا ہوا ف ۱۴۱ اور لوگوں کو روکا نہیں ایمان لانے سے جب پہنچی اُن کو

الْهُدٰٓى اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا ﴿۹۴﴾ قُلْ لَّوْ كَانَ فِي الْاَرْضِ مَلٰۗىِٕكَةٌ يَّمْشُوْنَ

ہدایت مگر اسی بات نے کہ کہنے لگے کیا اللہ نے بھیجا آدمی کو پیغام دے کر ف ۱۴۲ کہہ اگر ہوتے زمین میں فرشتے پھرتے

مُطْمَىِٕنِّيْنَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَكًا رَّسُوْلًا ﴿۹۵﴾ قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًۢا بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ۭ

بستے تو ہم اُتارتے اُن پر آسمان سے کوئی فرشتہ پیغام دے کر ف ۱۴۳ کہہ اللہ کافی ہے حق ثابت کرنیوالا میرے اور تمہارے بیچ میں

اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرًۢا بَصِيْرًا ﴿۹۶﴾ وَمَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ

وہ ہے اپنے بندوں سے خبردار دیکھنے والا ف ۱۴۴ اور جس کو راہ دکھلائے اللہ وہی ہے راہ پانے والا اور جس کو بھٹکائے پھر تو نہ پائے اُنکے واسطے

اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِهٖ ۭ وَنَحْشُرُهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَلٰي وُجُوْهِهِمْ عُمْيًا وَّبُكْمًا وَّصُمًّا ۭ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۭ كُلَّمَا

کوئی رفیق اللہ کے سوائے ف ۱۴۵ اور اُٹھائینگے ہم اُنکو دن قیامت کے چلیں گے منہ کے بل اندھے اور گونگے اور بہرے ف ۱۴۶ ٹھکانا اُن کو دوزخ ہے جب بجھنے لگیگی

خَبَتْ زِدْنٰهُمْ سَعِيْرًا ﴿۹۷﴾ ذٰلِكَ جَزَاۗؤُهُمْ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا وَقَالُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا ءَاِنَّا

اور بھڑکا دینگے اُن پر ف ۱۴۷ یہ اُن کی سزا ہے اُس واسطے کہ منکر ہوئے ہماری آیتوں سے اور بولے کیا جب ہم ہو گئے ہڈیاں چورا چورا کیا ہم کو

لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا جَدِيْدًا ﴿۹۸﴾

اُٹھائیں گے نئے بنا کر ف ۱۴۸

(۱۳۹) یعنی سونے کا نہ ہو تو کم از کم سونے کا ملمع ہو۔

[۱] یقین نہ کرینگے۔ [۲] نوشتہ۔ [۳] راہ سجھائے۔ [۴] اُس کے۔

ع ۱۰ النصف

(۱۴۰) یعنی جیسے آپ معراج کا ذکر کرتے ہیں ہمارے سامنے آسمان پر چڑھتے پھر وہاں سے ایک کتاب لکھی ہوئی لے کر آتے جسے ہم خود پڑھ سکیں اور سمجھ سکیں۔

(۱۴۱) **میں ایک بشر اور رسول ہوں** جیسے پہلے پیغمبر آئے اور وہ آدمی تھے۔ کسی پیغمبر کو خدائی کے اختیارات حاصل نہیں نہ اُس کی یہ شان ہے کہ اپنے رب سے ایسی بے ضرورت فرمائشیں کرے۔ اُن کا کام یہ ہے کہ جو اُدھر سے ملے پہنچا دیں اور اپنے ہر ایک کام کو خدائے واحد کے سپرد کر دیں۔ سو میں اپنا فرض رسالت ادا کر رہا ہوں۔ فرمائشی نشان دکھلانے یا نہ دکھلانے اس کی حکمت بالغہ پر محول ہیں اور پہلے اسی سورت میں فرمائشی نشانات نہ دکھلانے کی بعض حکمتیں گذر چکی ہیں۔

(۱۴۲) یعنی نور ہدایت پہنچنے کے بعد آنکھیں نہ کھلیں یہی کہتے رہے کہ آدمی ہو کر رسول کیسے ہو سکتا ہے۔ اگر خدا کو پیغمبر بھیجنا تھا تو آسمان سے کوئی فرشتہ اُتارتا۔

(۱۴۳) **رسولوں کے بشر ہونے کی وجہ** یعنی اگر یہ زمین آدمیوں کے بجائے فرشتوں کی بستی ہوتی تو بیشک موزوں ہوتا کہ ہم فرشتہ کو پیغمبر بنا کر بھیجتے۔ آدمیوں کی طرف اگر فرشتہ اس کی اصلی صورت میں بھیجا جائے تو آنکھیں اور دل تحمل بھی نہ کر سکیں، فائدہ اُٹھانا تو الگ رہا۔ اور آدمی کی صورت میں آئے تو اشتباہ میں پڑے رہیں۔ اس کی تقریر سورہ انعام کے پہلے رکوع میں گذر چکی۔

(۱۴۴) **آنحضرتؐ کی نبوت پر اللہ کی فعلی شہادت** وہ جو کہتے تھے "اَوْ تَاْتِیَ بِاللّٰہِ وَالْمَلٰٓئِکَۃِ قَبِیْلًا" یعنی خدا سامنے آ کر تصدیق کر دے تب مانیں۔ تو فرمایا کہ خدا اب بھی اپنے فعل سے میری تصدیق کر رہا ہے۔ آخر وہ مجھ کو دیکھتا ہے کہ میں نبوت کا دعویٰ کر رہا ہوں اور میرے ظاہری و باطنی احوال سے پورا خبردار ہے۔ اس پر بھی میرے ہاتھ اور زبان پر برابر وہ علمی و عملی نشانات ظاہر فرماتا رہتا ہے۔ جو خارق عادت اور اُس کے عام قانون قدرت سے کہیں بلند و برتر ہیں۔ میرے مقاصد کو یوماً فیوماً کامیاب اور وسیع الاثر بناتا ہے۔ اور تکذیب کرنے والوں کو قدم قدم پر متنبہ کرتا ہے کہ اس رفتار سے تم فلاح نہیں پا سکتے کیا یہ خدا کی طرف سے کھلی ہوئی فعلی شہادت نہیں کہ میں اپنے دعوے میں سچا ہوں؟ کیا ایک مفتری کے ساتھ ایسا معاملہ خدا کا ہو سکتا تھا؟

(۱۴۵) یعنی خدا کی توفیق و دستگیری ہی سے آدمی راہ حق پر چل کر منزل مقصود تک پہنچ سکتا ہے جس کی بدبختی اور لعنت کی وجہ سے خدا دستگیری نہ فرمائے اُسے کون ہے جو ٹھیک راستہ پر لگا سکے۔

(۱۴۶) **آخرت میں کفار کا حشر** یہ قیامت کے بعض مواطن میں ہوگا کہ کافر منہ کے بل اندھے گونگے کر کے چلائے جائیں گے۔ حدیث میں ہے صحابہ نے عرض کیا یارسول اللہ! منہ کے بل کس طرح چلیں گے فرمایا جس نے آدمی کو پاؤں سے چلایا وہ قادر ہے کہ سر سے چلا دے۔ باقی فرشتوں کا جہنمیوں کو منہ کے بل گھسیٹنا، وہ دوزخ میں داخل ہونے کے بعد ہوگا "یَوْمَ یُسْحَبُوْنَ فِی النَّارِ عَلٰی وُجُوْھِھِمْ" (القمر رکوع ۳)۔

(۱۴۷) یعنی عذاب معین اندازہ سے کم نہیں ہونے دیں گے۔ اگر بدن جل کر تکلیف میں کمی ہونے لگے گی تو پھر نئے چمڑے چڑھا دیے جائیں گے "کُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُھُمْ بَدَّلْنٰھُمْ جُلُوْدًا غَیْرَھَا" (نساء رکوع ۸)

(۱۴۸) یعنی دنیا میں دلیل سے تو نہ مانا تھا، اب آنکھ سے بار بار دیکھ لو کہ کس طرح جل جل کر از سرِ نو تیار کئے جا رہے ہو۔

اَوَلَمْ یَرَوْا اَنَّ اللّٰہَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ قَادِرٌ عَلٰٓی اَنْ یَّخْلُقَ مِثْلَھُمْ وَجَعَلَ لَھُمْ

کیا نہیں دیکھ چکے کہ جس اللہ نے بنائے آسمان اور زمین وہ بنا سکتا ہے ایسوں کو ف۱۴۹ اور مقرر کیا ہے اُنکے واسطے

اَجَلًا لَّا رَیْبَ فِیْهِ ؕ فَاَبَى الظّٰلِمُوْنَ اِلَّا كُفُوْرًا ﴿۹۹﴾ قُلْ لَّوْ اَنْتُمْ تَمْلِكُوْنَ خَزَآئِنَ رَحْمَةِ رَبِّیْۤ اِذًا

ایک وقت بے شبہ ف۱۵۰ سو نہیں رہا جاتا بے انصافوں کو بدون ناشکری کیے ف۱۵۱ کہہ اگر تمہارے ہاتھ میں ہوتے میرے رب کی رحمت کے خزانے تو

لَّاَمْسَكْتُمْ خَشْیَةَ الْاِنْفَاقِ ؕ وَ كَانَ الْاِنْسَانُ قَتُوْرًا ﴿۱۰۰﴾ وَ لَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسٰى تِسْعَ اٰیٰتٍۭ بَیِّنٰتٍ فَسْـَٔلْ ع

ضرور بند کر رکھتے اس ڈر سے کہ خرچ نہ ہو جاویں اور ہے انسان دل کا تنگ ف۱۵۲ اور ہم نے دیں موسیٰ کو نو نشانیاں صاف پھر پوچھ

بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ اِذْ جَآءَهُمْ فَقَالَ لَهٗ فِرْعَوْنُ اِنِّیْ لَاَظُنُّكَ یٰمُوْسٰى مَسْحُوْرًا ﴿۱۰۱﴾ قَالَ لَقَدْ عَلِمْتَ

بنی اسرائیل سے جب آیا وہ ان کے پاس ف۱۵۳ تو کہا اس کو فرعون نے میری اٹکل میں تو موسیٰ تجھ پر جادو ہوا ف۱۵۴ بولا تو جان چکا ہے کہ یہ

مَاۤ اَنْزَلَ هٰۤؤُلَآءِ اِلَّا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ بَصَآئِرَ ۚ وَ اِنِّیْ لَاَظُنُّكَ یٰفِرْعَوْنُ مَثْبُوْرًا ﴿۱۰۲﴾ فَاَرَادَ اَنْ

چیزیں کسی نے نہیں اتاریں مگر آسمان اور زمین کے مالک نے سمجھانے کو اور میری اٹکل میں فرعون تو غارت ہوا چاہتا ہے ف۱۵۵ پھر چاہا کہ

یَّسْتَفِزَّهُمْ مِّنَ الْاَرْضِ فَاَغْرَقْنٰهُ وَ مَنْ مَّعَهٗ جَمِیْعًا ﴿۱۰۳﴾ وَّ قُلْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ لِبَنِیْۤ

بنی اسرائیل کو چین نہ دے اس زمین میں پھر ڈبا دیا ہم نے اس کو اور اس کے ساتھ والوں کو سب کو ف۱۵۶ اور کہا ہم نے اس کے پیچھے بنی اسرائیل کو

اِسْرَآءِیْلَ اسْكُنُوا الْاَرْضَ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ جِئْنَا بِكُمْ لَفِیْفًا ﴿۱۰۴﴾ؕ وَ بِالْحَقِّ اَنْزَلْنٰهُ وَ بِالْحَقِّ

آباد رہو تم زمین میں پھر جب آئیگا وعدہ آخرت کا لے آئیں گے ہم تم کو سمیٹ کر ف۱۵۷ اور سچ کے ساتھ اتارا ہم نے یہ قرآن اور سچ

وقف لازم

نَزَلَ ؕ وَ مَاۤ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَّ نَذِیْرًا ﴿۱۰۵﴾

کے ساتھ اترا ف۱۵۸ اور تجھ کو جو بھیجا ہم نے سو خوشی اور ڈر سنانے کو ف۱۵۹

(۱۴۹) **حیات بعد الممات کے دلائل** یعنی جس نے اتنے بڑے بڑے اجسام پیدا کیے، اسے تم جیسی چھوٹی سی چیز کا پیدا کر دینا کیا مشکل ہے "لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ" (مومن رکوع ۶) بیشک وہ تم کو اور تمہارے جیسے سب آدمیوں کو بے تکلف پیدا کر سکتا ہے۔

(۱۵۰) یعنی شاید یہ کہو کہ آخر اتنے آدمی مر چکے ہیں، وہ اب تک کیوں نہیں اٹھائے گئے۔ تو فرما دیا کہ سب کے واسطے قبروں سے اٹھنے اور دوبارہ زندہ ہونے کا ایک وقت مقرر ہے وہ ضرور آکر رہے گا۔ تاخیر دیکھ کر انکار کرنا حماقت ہے۔ "وَمَا نُؤَخِّرُهٗۤ اِلَّا لِاَجَلٍ مَّعْدُوْدٍ" (ہود رکوع ۹)

(۱۵۱) یعنی ایسے واضح مضامین و دلائل سن کر بھی ناانصافوں کے کفر و ضلال اور ناشکری میں ترقی ہی ہوتی ہے، ذرا نہیں پسیجتے۔

(۱۵۲) **انسان کی تنگدلی اور بخل** گذشتہ رکوع میں فرمایا تھا۔ "اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ؕ اِنَّ فَضْلَهٗ كَانَ عَلَیْكَ كَبِیْرًا ۔ قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰۤى اَنْ یَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ الخ" (خدا تعالیٰ نے اپنی رحمت سے آپ پر بہت بڑا فضل کیا ہے کہ قرآن جیسی بے مثال دولت عطا فرمائی) درمیان میں مخالفین کے تعنت و عناد، دور از کار مطالبات، اعراض و تکذیب اور ان کے نتائج کا ذکر کر کے یہاں پھر اسی پہلے مضمون کی طرف عود کیا گیا ہے۔ یعنی ایک بندہ کو ایسی عظیم الشان رحمت اور عدیم النظیر دولت سے سرفراز فرمانا اسی جواد حقیقی اور وہاب مطلق کی شان ہو سکتی ہے جس کے پاس رحمت کے غیر متناہی خزانے ہوں، اور کسی مستحق کو زیادہ سے زیادہ دینے میں نہ اس کو

لہ بدون ۲ سمجھانے کے واسطے۔

اپنے تہیدست رہ جانے کا خوف ہو، نہ اس کا اندیشہ کہ دوسرا ہم سے لے کر کہیں مدمقابل نہ بن جائے یا آگے چل کر ہمیں دبا نہ لے۔ خداوند قدوس تھڑ دلے انسان کی طرح (العیاذ باللہ) تنگ دل واقع نہیں ہوا، جیسے اگر فرض کرو خزائن رحمت کا مالک و مختار بنا دیا جائے تب بھی اپنی طبیعت سے بخل و تنگ دلی نہ چھوڑے اور کسی مستحق کو دینے سے اس لئے گھبرائے کہ کہیں سارا خرچ نہ ہو جائے اور میں خالی ہاتھ رہ جاؤں یا جس پر آج خرچ کرتا ہوں کل میری ہمسری نہ کرنے لگے۔ بہرحال اگر رحمت الٰہیہ کے خزانے تمہارے قبضہ میں ہوتے تو تم کیسے دینے والے تھے اور کہاں گوارا کر سکتے تھے کہ مکہ و طائف کے بڑے متکبر دولتمندوں کو چھوڑ کر وحی و نبوت کی یہ بیش بہا دولت "بنی ہاشم" کے ایک دریتیم کو مل جائے۔ یہ حق تعالیٰ کا فیض ہے کہ جس میں جیسی استعداد و قابلیت دیکھی اُس کے مناسب کمالات و انعامات کے خزانے انڈیل دیئے۔ تمہارے تعنّت و تعصب سے خدا کا فضل رُکنے والا نہیں۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل میں جو خزائن آپ کے اتباع کو ملنے والے ہیں رُک کر رہیں گے اور پیغمبر علیہ السلام اور اُن کے پیرو دریا دلی سے اس دولت کو بنی نوع انسان پر خرچ کریں گے تمہاری طرح تنگدلی نہیں دکھائیں گے۔

(۱۵۳) **حضرت موسیٰ کے نو معجزے** یعنی جیسے آپ کو فضل و رحمت سے قرآن عظیم دیا اور بہت کچھ مہربانیاں آپ پر فرمائیں، ہم پہلے موسیٰ علیہ السلام کو صداقت کے نو کھلے ہوئے نشانات (معجزات) اُن کے مناسب حال عنایت فرما چکے ہیں۔ جبکہ وہ "بنی اسرائیل" کے پاس فرعون کے مظالم سے نجات دلانے کے لئے تشریف لائے تھے۔ اگر چاہو تو "بنی اسرائیل" کے باخبر اور منصف مزاج علماء سے پوچھ دیکھو کہ یہ واقعہ کہاں تک صحیح ہے۔ (تنبیہ) وہ نو معجزات یہ تھے۔ ید، عصا، سنین، نقص ثمرات، طوفان، جراد، قمّل، ضفادع، دم۔ سورۂ "اعراف" آیت فَاَرْسَلْنَا عَلَیْهِمُ الطُّوْفَانَ وَالْجَرَادَ الخ کے فوائد میں ہم اس کی تفصیل کر چکے ہیں ملاحظہ کر لیجائے۔ مسند احمد اور ترمذی وغیرہ کی ایک حدیث میں ہے کہ یہود نے آپ سے "تسع آیات" کے متعلق سوال کیا آپ نے فرمایا وہ احکام ہیں، شرک نہ کرو، چوری نہ کرو، زنا نہ کرو، ناحق خون مت کرو، جادو نہ کرو، سود مت کھاؤ، بے گناہ کو مت پکڑواؤ کہ حاکم اُسے قتل کر دے، عفیف عورتوں پر تہمت نہ لگاؤ، جہاد میں سے مت بھاگو۔ نو حکم تو یہ ہوئے جن کے سب لوگ مخاطب ہو سکتے ہیں۔ دسواں حکم (اے یہود) تمہارے لئے مخصوص تھا کہ سبت (شنبہ) کے دن حد سے نہ گزرو۔ یہود نے سُن کر آپ کی تصدیق کی۔ حافظ عماد الدین ابن کثیرؒ لکھتے ہیں کہ اس حدیث میں نکارت ہے جو غالباً اس کے راوی عبداللہ بن سلمہ کی طرف سے آئی ہے۔ قرآن کا نظم و سیاق ہرگز اس کو نہیں چاہتا کہ "وَلَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسٰی تِسْعَ اٰیٰتٍ الخ" سے مراد یہ نو احکام لئے جائیں۔ آگے فرعون اور موسیٰ کا مکالمہ جو "فَقَالَ لَهٗ" سے نقل فرمایا، مقتضی ہے کہ "آیات" سے وہ نشانات مراد ہوں جو بطور دلائل و حجج کے فرعونیوں کو دکھلائے گئے تھے، چنانچہ لفظ بَصَآئِرَ بھی اُنہی پر زیادہ چسپاں ہوتا ہے اور پہلے سے اہل مکہ کے تعنّت اور آیات طلب کرنے کا جو ذکر آ رہا ہے اُس کے مناسب بھی یہی ہے کہ یہاں فرعونیوں کا تعنّت آیات کونیہ کے متعلق دکھلایا جائے۔ بہرحال ابن کثیرؒ کا خیال یہ ہے کہ یہود نے شاید "تسع آیات" کی نسبت نہیں بلکہ اُن دس کلمات کی نسبت کیا ہوگا جو تورات کے شروع میں بطور وصایا لکھے جاتے تھے۔ چنانچہ حدیث میں دس ہی چیزیں مذکور ہیں۔ راوی حدیث کو التباس و اشتباہ ہو گیا، اُس نے کلمات عشر کی جگہ "تسع آیات" کو ذکر کر دیا۔ اور ممکن ہے سوال "آیات تسعہ" سے کیا گیا ہو۔ لیکن آپ نے جواب علیٰ اسلوب الحکیم دیا۔ گویا تنبیہ کر دی کہ نو معجزات کا معلوم کرنا تمہارے حق میں چنداں مفید اور اہم نہیں بلکہ ان دس احکام کا یاد رکھنا زیادہ اہم ہے۔ واللہ اعلم۔

(۱۵۴) **حضرت موسیٰ اور فرعون کا مکالمہ** یعنی کسی نے تجھ پر جادو کر دیا ہے جس سے معاذ اللہ عقل خراب ہو گئی۔ اسی لئے بہکی بہکی باتیں کرتا ہے۔ دوسری جگہ ہے "اِنَّ رَسُوْلَكُمُ الَّذِیْٓ اُرْسِلَ اِلَیْكُمْ لَمَجْنُوْنٌ" (شعراء رکوع ۲) گویا "مسحور" سے مراد مجنون ہے اور بعض نے مسحور کو بمعنی ساحر لیا ہے۔ واللہ اعلم۔

(۱۵۵) یعنی گو زبان سے انکار کرتا ہے مگر تیرا دل خوب جانتا ہے کہ یہ عظیم الشان نشان تیری آنکھیں کھولنے کے لئے اُسی خدا ئے قادر و توانا نے دکھلائے ہیں جو آسمان و زمین کا سچا مالک ہے اب جو شخص جان بوجھ کر محض ظلم و تکبر کی راہ سے حق کا انکار کرے اُس کی نسبت بجز اس کے کیا خیال کیا جاسکتا ہے کہ تباہی کی گھڑی اس کے سر پر آپہنچی۔ یہاں سے معلوم ہوا کہ "ایمان" جاننے کا نام نہیں، ماننے کا نام ہے۔ وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَآ اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّعُلُوًّا (النمل رکوع ۱)

(۱۵۶) **فرعون کا انجام** جب فرعون نے دیکھا کہ موسٰیؑ کا اثر بڑھتا جاتا ہے۔ سمجھا کہ بنی اسرائیل کہیں زور نہ پکڑ جائیں اس لئے اُن کو اور زیادہ ستانا شروع کیا کہ یہ مصر میں امن چین سے رہنے نہ پائیں۔ آخر ہم نے اُسی کو نہ رہنے دیا اور بحر قلزم میں سب ظالموں کا بیڑہ غرق کر دیا۔

(۱۵۷) یعنی خدا نے ظالم کی جڑ کاٹ دی اور تم کو غلامی سے نجات دی۔ اب مصر و شام میں جہاں چاہو آزادی سے رہو۔ جب قیامت آئیگی پھر ایک مرتبہ تم سب کو اور تمہارے تباہ شدہ دشمنوں کو اکٹھا کر کے شقی و سعید اور ہالک و ناجی کا دائمی فیصلہ کر دیا جائیگا۔

(۱۵۸) **نزول قرآن کا حق ہونا** موسٰی علیہ السلام کے معجزات وغیرہ کا ذکر فرما کر روئے سخن پھر قرآن کریم کی طرف پھیر دیا گیا۔ یعنی معجزات موسوی بجائے خود تھے، لیکن محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو جو معجزات باہرہ عطاء ہوئے اُن میں سب سے بڑا علمی معجزہ یہ قرآن کریم ہے جو ہم نے عین حکمت کے موافق، اپنے علم عظیم اور اعلٰی درجہ کی سچائی پر مشتمل کر کے اُتارا ہے اور ٹھیک اُسی سچائی کے ساتھ وہ آپ تک پہنچ گیا۔ درمیان میں ادنیٰ ترین تغیر و تبدل بھی نہیں ہوا "فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اُنْزِلَ بِعِلْمِ اللّٰهِ وَاَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ" (ہود رکوع ۲)۔

(۱۵۹) یعنی ماننے والوں کو خوشخبری اور نہ ماننے والوں کو عذاب الٰہی کی دھمکی سُنا دیجئے۔

وَقُرْاٰنًا فَرَقْنٰهُ لِتَقْرَاَهٗ عَلَى النَّاسِ عَلٰى مُكْثٍ وَّنَزَّلْنٰهُ تَنْزِيْلًا ﴿۱۰۶﴾ قُلْ اٰمِنُوْا بِهٖٓ اَوْ لَا تُؤْمِنُوْا ۭ اِنَّ

اور پڑھنے کا وظیفہ کیا ہم نے قرآن کو جدا جدا کر کے کہ پڑھے تو اسکو لوگوں پر ٹھہر ٹھہر کر اور اُس کو ہم نے اتارتے اتارتے اتارا ف ۱۶۰ کہہ کہ تم اُس کو مانو یا نہ مانو جن کو

الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهٖٓ اِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ يَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ سُجَّدًا ﴿۱۰۷﴾ وَّيَقُوْلُوْنَ سُبْحٰنَ

علم ملا ہے اُس کے پہلے سے جب اُن کے پاس اُس کو پڑھیے گرتے ہیں ٹھوڑیوں پر سجدہ میں اور کہتے ہیں پاک ہے

السجدۃ ۸ رَبِّنَآ اِنْ كَانَ وَعْدُ رَبِّنَا لَمَفْعُوْلًا ﴿۱۰۸﴾ وَيَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ يَبْكُوْنَ وَيَزِيْدُهُمْ خُشُوْعًا ﴿۱۰۹﴾ ۩

ہمارا رب بیشک ہمارے رب کا وعدہ ہو کر رہے گا ف ۱۶۱ اور گرتے ہیں ٹھوڑیوں پر روتے ہوئے اور زیادہ ہوتی ہے اُن کو عاجزی ف ۱۶۲

قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ ۭ اَيًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَاۗءُ الْحُسْنٰى ۚ وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا

کہہ اللہ کہہ کر پکارو یا رحمٰن کہہ کر جو کہہ کر پکارو گے سو اُسی کے ہیں سب نام خاصے ف ۱۶۳ اور پکار کر مت پڑھ اپنی نماز اور

تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا ﴿۱۱۰﴾ وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ يَكُنْ لَّهٗ

نہ چپکے پڑھ اور ڈھونڈھ لے اس کے بیچ میں راہ ف ۱۶۴ اور کہہ سب تعریف اللہ کو جو نہیں رکھتا اولاد اور نہ کوئی اس کا ساجھی

ع ۱۲/۱۲ شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلِيٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَكَبِّرْهُ تَكْبِيْرًا ﴿۱۱۱﴾ ع

سلطنت میں اور نہ کوئی اس کا مددگار ذلت کے وقت پر اور اُس کی بڑائی کر بڑا جان کر ف ۱۶۵

(۱۶۰) **الفاظِ قرآن کی اہمیت** انزال قرآن سے مقصود اصلی مطلب سمجھ کر اُس پر عمل کرنا ہے جسے تدبر و تذکر کہتے ہیں۔ لیکن اُس

ل ہو نیوالا ہے ۲ خوبیں۔

کے نفس الفاظ و حروف بھی نور و برکت سے خالی نہیں۔ کِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْٓا اٰيٰتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ (ص رکوع ۳)۔ اسی لئے سورتیں اور آیتیں جُدا جُدا رکھیں تا وظیفہ کے طور پر تلاوت کرنا بھی سہل ہو اور سننے والوں کے لئے حفظ و فہم میں بھی آسانی رہے اور آہستہ آہستہ اس لئے اُتارا کہ جیسے حالات پیش آئیں اُن کے مناسب ہدایات حاصل کرتے رہیں تا وہ جماعت جسے آگے چل کر تمام دنیا کا معلّم بننا تھا، ہر آیت و حکم کے موقع محل کو بخوبی ذہن نشین کر کے یاد رکھ سکے اور آنے والی نسلوں کے لئے کسی آیت کے بے موقع استعمال کرنے کی گنجائش نہ چھوڑے۔

(۱۶۱) **اہل علم پر قرآن کا اثر** یعنی مانو یا نہ مانو، قرآن کی حقانیت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق وہ منصف مزاج اہل علم کر رہے ہیں جنہیں کتب سابقہ کی بشارات سے آگاہی ہے، وہ اس کلام کو سُن کر ٹھوڑیوں کے بل سجدہ میں گر پڑتے ہیں کہ سبحان اللہ کیا عجیب و غریب کلام ہے بیشک خدا کا وعدہ پورا ہونا تھا۔ جو موسیٰ علیہ السلام کی زبانی تورات کتاب استثناء میں کیا گیا تھا کہ "اے بنی اسرائیل! میں تمہارے بھائیوں (بنی اسمٰعیل) میں سے ایک نبی اُٹھاؤنگا جس کے منہ میں اپنا کلام ڈالونگا" بلاشبہ وہ یہی کلام ہے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دہن مُبارک میں ڈالا گیا۔ جب اہل علم کو قرآن کی تصدیق سے چارہ نہیں رہا، اب انکار کرنا جاہل کا کام ہے۔

(۱۶۲) یعنی قرآن کو سُن کر رقت طاری ہو جاتی ہے سجدہ کرتے ہیں تو اور عاجزی بڑھتی ہے۔ اذقان (ٹھوڑیوں) کے لفظ میں شاید اس طرف اشارہ ہو کہ سجود میں بہت زیادہ مبالغہ کرتے ہیں گویا ٹھوڑیاں بھی زمین سے ملا دیتے ہیں، یا محض سجود علی الوجہ سے کنایہ ہو واللہ اعلم۔

(۱۶۳) **اسم اللہ اور اسم رحمٰن** سجود و خشوع وغیرہ کی مناسبت سے یہاں دعاء (خدا کو پکارنے) کا، اور دعاء کی مناسبت سے اگلی آیت میں صلوٰۃ کا ذکر کیا گیا۔ واقعہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ کے ناموں میں سے مشرکین عرب کے یہاں اسم "اللہ" کا استعمال زیادہ تھا۔ اسم "رحمٰن" سے چنداں مانوس نہ تھے۔ البتہ یہود کے یہاں اسم "رحمٰن" بکثرت مستعمل ہوتا تھا۔ عبرانی میں بھی یہ نام اسی طرح تھا جیسے عربی میں دوسری طرف مُسیلمہ کذاب نے اپنا لقب "رحمان الیمامہ" رکھ چھوڑا تھا۔ غرض مشرکین حق تعالیٰ پر اسم "رحمان" اطلاق کرنے سے بدکتے اور وحشت کھاتے تھے۔ چنانچہ جب حضور کی زبان سے "رحمان" سنتے تو کہتے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلّم ہم کو تو دو خداؤں کے پکارنے سے منع کرتے ہیں اور خود اللہ کے سوا دوسرے خدا (رحمان) کو پکارتے ہیں۔ یہود کو یہ شکایت تھی کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلّم کے یہاں "رحمان" کا ذکر ایسی کثرت سے کیوں نہیں ہوتا جس طرح ہمارے یہاں ہوتا ہے۔ دونوں کا جواب اس آیت میں دیا گیا۔ کہ "اللہ" اور "رحمٰن" ایک ہی ذات منبع الکمالات کے دو نام ہیں۔ صفات و اسماء کے تعدد سے ذات کا تعدد لازم نہیں ہوتا۔ جو یہ چیز توحید کے منافی سمجھی جائے۔ رہی یہ بات کہ کسی ایک نام کا ذکر کثرت سے کیوں نہیں ہوتا تو سمجھ لو کہ اللہ کے جس قدر اسمائے حُسنیٰ ہیں اُن میں سے کوئی نام لے کے پکارو مقصود ایک ہی ہے۔ عُنوانات و تعبیرات کے تنوع سے معنون نہیں بدلتا۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ ہر سخن وقتے و ہر نکتہ مکانے وارد ۔

عِبَارَاتُنَا شَتّٰی وَّحُسْنُکَ وَاحِدٌ ٭ وَکُلٌّ اِلٰی ذَاکَ الْجَمَالِ یُشِیْرُ

(۱۶۴) **نمازوں کی قراءت میں اعتدال** یعنی جہری نمازوں (اور اسی طرح دعاء وغیرہ میں) بہت زیادہ چلانا بھی نہیں اور بالکل دبی آواز بھی نہیں۔ بیچ کی چال پسند ہے (موضح القرآن) احادیث میں ہے کہ مکہ میں جب قراءت زور سے کی جاتی تو مشرکین سُن کر قرآن اور اُس کے بھیجنے والے اور لانے والے کی شان میں بدزبانی کرتے تھے۔ اس لئے آپ نے بہت آہستہ پڑھنا شروع کر دیا۔ اُس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ یعنی نہ اس قدر زور سے پڑھو کہ مشرکین اپنی مجالس میں سُنیں (تبلیغ کا وقت مستثنیٰ ہے کیونکہ وہاں تو سُنانا ہی مقصود ہے) اور نہ اتنا آہستہ کہ خود تمہارے ساتھی بھی سُن کر مستفید نہ ہو سکیں۔ افراط و تفریط چھوڑ کر میانہ روی اختیار کرو۔ اس سے قلب متاثر ہوتا ہے اور تشویش نہیں ہوتی۔

(۱۶۵) **توحید خالص کا بیان** نماز کے بعد توحید خالص کا ذکر فرما کر سورت کو ختم کیا۔ یعنی ساری خوبیاں اور تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جو اپنی ہر صفت و کمال میں یگانہ ہے اور ہر قسم کے عیب و قصور اور نقص و فتور سے بکلی منزہ ہے اس کی ذات میں کسی طرح کی کمزوری سے نہیں جس کی تلافی کے لئے دوسرے کی حاجت پڑے۔ دوسرے سے مدد لینے میں تین احتمال ہو سکتے تھے۔ چھوٹے سے مدد لیجائے جیسے باپ اولاد سے لیتا ہے۔ یا مساوی سے جیسے ایک شریک کو دوسرے شریک سے مدد پہنچتی ہے، یا بڑے سے۔ جس طرح کمزور آدمی ذلت و مصیبت کے وقت بڑے آدمیوں سے مدد لیتے ہیں۔ آیت میں تینوں کی نفی کر دی۔ گویا "لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا" میں پہلے احتمال کی "لَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ" میں دوسرے کی، اور لَمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلِيٌّ مِّنَ الذُّلِّ" میں تیسرے کی نفی کرنے کے بعد "كَبِّرْهُ تَكْبِيْرًا" میں اُس کی عظمت و کبریائی کی طرف متوجہ فرما دیا، یعنی انسان کو چاہئے کہ حق تعالیٰ کی بڑائی کا زبان و دل سے اقرار کرے اور ہر طرح کی کمزوریوں سے رفیع و برتر سمجھے۔ اور لطف یہ ہے کہ "لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا" میں نصاریٰ کا "لَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ" میں مشرکین کا اور لَمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلِيٌّ مِّنَ الذُّلِّ" میں اُن یہود کا رد ہو گیا جن کے یہاں خدا تعالیٰ کشتی میں یعقوب علیہ السلام کے مقابلہ کی تاب نہیں لا سکا۔ (العیاذ باللہ) حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "کوئی مددگار نہیں ذلت کے وقت۔ یعنی اس پر کبھی ذلت ہی نہیں کہ مددگار چاہے۔ بادشاہوں کے ہاں امیر زبر پڑ جاتے ہیں اس لئے کہ بُرے وقت اُن کی رفاقت کئے ہوتے ہیں۔ وہاں یہ قصہ ہی نہیں"

تم سورۃ الاسراء بعون اللہ و حسن توفیقہ فللہ الحمد والمنہ۔ والصلوٰۃ والسلام علیٰ صاحب الاسراء و علیٰ آلہ و صحبہ۔

سُوْرَۃُ الْکَھْفِ

سُوْرَۃُ الْکَھْفِ ۱۸ مَکِّیَّۃٌ	بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ	اٰیَاتُہَا ۱۱۰ رُکُوْعَاتُہَا ۱۲
سورہ کہف مکہ میں اتری اور اس کی	شروع اللہ کے نام سے جو بیحد مہربان نہایت رحم والا ہے	ایک سو دس آیتیں اور بارہ رکوع ہیں

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلٰی عَبْدِہِ الْکِتٰبَ وَلَمْ یَجْعَلْ لَّہٗ عِوَجًا ۞ ① قَیِّمًا لِّیُنْذِرَ بَاْسًا شَدِیْدًا

سب تعریف اللہ کو جس نے اتاری اپنے بندہ پر کتاب اور نہ رکھی اس میں کچھ کجی ف۱ ٹھیک اتاری تاکہ ڈر سنا دے ایک سخت آفت

مِّنْ لَّدُنْہُ وَیُبَشِّرَ الْمُؤْمِنِیْنَ الَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَہُمْ اَجْرًا حَسَنًا ② مَّاکِثِیْنَ

کا اللہ کی طرف سے ف۲ اور خوشخبری دے ایمان لانیوالوں کو جو کرتے ہیں نیکیاں کہ ان کے لئے اچھا بدلہ ہے جس میں رہا

فِیْہِ اَبَدًا ③ وَّیُنْذِرَ الَّذِیْنَ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰہُ وَلَدًا ④ مَا لَہُمْ بِہٖ مِنْ عِلْمٍ وَّلَا لِاٰبَآئِہِمْ

کریں ہمیشہ ف۳ اور ڈر سنا دے ان کو جو کہتے ہیں اللہ رکھتا ہے اولاد ف۴ کچھ خبر نہیں ان کو اس بات کی اور نہ ان کے باپ دادوں کو کیا بڑی

کَبُرَتْ کَلِمَۃً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاہِہِمْ اِنْ یَّقُوْلُوْنَ اِلَّا کَذِبًا ⑤ فَلَعَلَّکَ بَاخِعٌ نَّفْسَکَ عَلٰٓی اٰثَارِہِمْ اِنْ

بات نکلتی ہے ان کے منہ سے سب جھوٹ ہے جو کہتے ہیں ف۵ سو کہیں تو گھونٹ ڈالیگا اپنی جان کو ان کے پیچھے اگر

لَّمْ یُؤْمِنُوْا بِہٰذَا الْحَدِیْثِ اَسَفًا ⑥ اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَی الْاَرْضِ زِیْنَۃً لَّہَا لِنَبْلُوَہُمْ اَیُّہُمْ اَحْسَنُ

وہ نہ مانیں گے اس بات کو پچھتا پچھتا کر ف۶ ہم نے بنایا ہے جو کچھ زمین پر ہے اس کی رونق تاکہ جانچیں لوگوں کو کون ان میں اچھا کرتا

عَمَلًا ⑦ وَاِنَّا لَجٰعِلُوْنَ مَا عَلَیْہَا صَعِیْدًا جُرُزًا ⑧

ہے کام ف۷ اور ہم کو کرنا ہے جو کچھ اس پر ہے میدان چھانٹ کر ف۸

(۱) **قرآن ہر کجی سے پاک ہے** یعنی اعلیٰ سے اعلیٰ تعریف اور شکر کا مستحق وہ ہی خدا ہو سکتا ہے جس نے اپنے مخصوص و مقرب ترین بندے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سب سے اعلیٰ و اکمل کتاب اتاری اور اس طرح زمین والوں کو سب سے بڑی نعمت سے مشرف و ممتاز فرمایا۔ بے شک اس کتاب میں کوئی ٹیڑھی ترچھی بات نہیں۔ عبارت انتہائی سلیس و فصیح، اسلوب بیان نہایت مؤثر و شگفتہ تعلیم نہایت متوسط و معتدل جو ہر زمانہ اور ہر طبیعت کے مناسب اور عقل سلیم کے بالکل مطابق ہے۔ کسی قسم کی افراط و تفریط کا اسمیں شائبہ نہیں۔

(۲) **قرآن کفار کو ڈر سنانے کے لئے ہے** یعنی تکذیب کرنے والوں پر جو سخت آفت دنیا یا آخرت میں خداوند قہار کی طرف سے آنے والی ہے اس سے یہ کتاب آگاہ کرتی ہے۔ (تنبیہ) قیّماً کو بعض نے بمعنی "مستقیم" لیکر محض مضمون سابق کی تاکید قرار دی ہے۔ یعنی کتنا ہی غور کرو ایک بال برابر کجی نہیں پاؤ گے۔ مگر فراء نے اس لفظ کے معنی کئے ہیں قَیِّمًا عَلٰی سَائِرِ الْکُتُبِ السَّمَاوِیَّۃِ "یعنی تمام کتب سماویہ

لہ کاٹ چھانٹ۔

کی صحت و تصدیق پر مہر کرنیوالی اور اُن کی اصولی تعلیمات کو دنیا میں قائم رکھنے والی" ابو مسلم نے کہا "قَیِّمًا بِمَصَالِحِ الْعِبَادِ" بندوں کی تمام مصالح کی متکفل اور اُن کی معاش و معاد کو درست کرنے والی" بہرحال جو معنے بھی لئے جائیں اس کی صداقت میں شبہ نہیں۔

(۳) بظاہر اس سے مراد آخرت کا بدلہ یعنی جنت ہے جہاں مومنین قانتین کو دائمی خوشی اور ابدی راحت ملیگی۔

(۴) خدا کے لئے اولاد تجویز کرنے میں سب سے زیادہ مشہور اور پیش پیش تو نصاریٰ ہیں اور جیسا کہ احادیث سے ظاہر ہوتا ہے ان ہی سے حاملین قرآن کو قیامت تک زیادہ سابقہ پڑنا ہے تاہم عموم الفاظ میں بعض فرق یہود جو عزیر علیہ السلام کو خدا کا بیٹا۔ یا بعض مشرکین جو ملائکۃ اللہ کو خدا کی بیٹیاں کہتے تھے وہ بھی داخل ہو گئے۔ گویا اس جگہ اولاد تجویز کرنے والے کافروں کو بالخصوص اور نصاریٰ کو اخص خصوص کے طور پر متنبہ کیا گیا ہے۔

(۵) **کفار کا کذب** یعنی کوئی تحقیق اور علمی اصول اُن کے ہاتھ میں نہیں نہ ان کے باپ دادوں کے ہاتھ میں تھا۔ جن کی اندھی تقلید میں ایسی بھاری بات زبان سے نکال رہے ہیں۔ گویا خداوند تعالیٰ کی شان قدوسیت و سبوحیت کی ان لوگوں کو کچھ خبر نہیں جو اس کی جناب میں ایسی گستاخیاں کرتے ہوئے ذرا نہیں شرماتے۔ دلائل و براہین کی جگہ ان کے ذخیرہ میں یہ ہی باقی رہ گیا ہے کہ زبان سے ایک جھوٹی اور بدیہی البطلان بات کہتے جائیں اور جب ثبوت مانگو تو کہدیں کہ یہ مذہب کا ایک راز ہے جس کے ادراک تک عقل انسانی کی رسائی نہیں۔

(۶) **آنحضرت کو حق تعالیٰ کی تسلّی** یعنی اگر یہ کافر قرآن کی باتوں کو نہ مانیں تو آپ ان کے غم میں اپنے کو بالکل گھلائیے نہیں۔ آپ تبلیغ و دعوت کا فرض ادا کر چکے اور کر رہے ہیں، کوئی نہ مانے تو آپ کو اس قدر دل میں گھٹنے اور غمگین ہونے کی ضرورت نہیں۔ نہ پچتانا مناسب ہے کہ ہم نے ایسی کوشش کیوں کی جو کامیاب نہ ہو سکی۔ آپ تو بہرحال کامیاب ہیں۔ دعوت و تبلیغ اور شفقت و ہمدردی خلائق کے جو کام کرتے ہیں وہ آپ کے رفع مراتب اور ترقی مدارج کا ذریعہ ہیں۔ اشقیاء اگر قبول نہ کریں تو اُن ہی کا نقصان ہے۔

(۷) **احسن عملاً کون لوگ ہیں** یعنی اس کی رونق پر دوڑتا ہے یا اُسے چھوڑ کر آخرت کو پکڑتا ہے۔ بعض روایات میں ہے کہ ابن عمر نے سوال کیا یا رسول اللہ! "اَحْسَنُ عَمَلًا" کون لوگ ہیں؟ فرمایا "اَحْسَنُكُمْ عَقْلًا وَاَوْرَعُكُمْ عَنْ مَحَارِمِ اللّٰهِ وَاَسْرَعُكُمْ فِیْ طَاعَتِہٖ سُبْحَانَہٗ" (جس کی سمجھ اچھی ہو، حرام سے زیادہ پرہیز کرے اور خدا تعالیٰ کی فرمانبرداری کی طرف زیادہ جھپٹے)

(۸) **قیامت میں زمین چٹیل ہو جائیگی** یعنی ایک روز سب گھاس پھونس درخت وغیرہ چھانٹ کر زمین کو چٹیل میدان بنا دیا جائیگا۔ جو لوگ اس کے بناؤ سنگار پر ریجھ رہے ہیں وہ خوب سمجھ لیں کہ یہ زرق برق کوئی باقی رہنے والی چیز نہیں۔ دنیا کے زمینی سامان خواہ کتنے ہی جمع کر لو اور مادّی ترقیات سے ساری زمین کو لالہ و گلزار بنا دو، جب تک آسمانی ہدایت اور روحانی دولت سے تہیدست رہو گے، حقیقی سرور و طمانیت اور ابدی نجات و فلاح سے ہم آغوش نہیں ہو سکتے۔ آخری اور دائمی کامیابی صرف اُن ہی کے لئے ہے جو مولائے حقیقی کی خوشنودی پر دنیا کی ہر ایک زائل و فانی خوشی کو قربان کر سکتے ہیں اور راہ حق کی جادہ پیمائی میں کسی صعوبت سے نہیں گھبراتے نہ دنیا کے بڑے بڑے طاقتور جبّاروں کی تخویف و ترہیب سے اُن کا قدم ڈگمگاتا ہے۔ اسی سلسلہ میں آگے اصحاب کہف کا قصہ بیان فرمایا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی بھی کر دی کہ آپ ان بدبختوں کے غم میں اپنے کو نہ گھلائیے۔ جس دنیا کی زندگی اور عیش و بہار پر مغرور ہو کر یہ حق کو ٹھکراتے ہیں وہ سب کاٹ چھانٹ کر برابر کر دی جائیگی اور آخرکار سب کو خدا ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہوگا۔ اس وقت سارے جھگڑے چکا دیے جائیں گے۔

اَمْ حَسِبْتَ اَنَّ اَصْحٰبَ الْكَهْفِ وَالرَّقِيْمِ كَانُوْا مِنْ اٰيٰتِنَا عَجَبًا ۝٩ اِذْ اَوَى الْفِتْيَةُ اِلَى الْكَهْفِ فَقَالُوْا

کیا تو خیال کرتا ہے کہ غار اور کھوہ کے رہنے والے ہماری قدرتوں میں عجب اچنبھا تھے ف۱ جب جا بیٹھے وہ جوان پہاڑ کی کھوہ میں پھر بولے

رَبَّنَآ اٰتِنَا مِنۡ لَّدُنۡكَ رَحۡمَةً وَّهَيِّئۡ لَنَا مِنۡ اَمۡرِنَا رَشَدًا ﴿۱۰﴾ فَضَرَبۡنَا عَلٰٓى اٰذَانِهِمۡ فِى الۡكَهۡفِ

اے رب دے ہم کو اپنے پاس سے بخشش اور پوری کر دے ہمارے کام کی درستی پھر تھپک دیئے ہم نے اُن کے کان اُس کھوہ میں چند برس

سِنِيۡنَ عَدَدًا ﴿۱۱﴾ ثُمَّ بَعَثۡنٰهُمۡ لِنَعۡلَمَ اَىُّ الۡحِزۡبَيۡنِ اَحۡصٰى لِمَا لَبِثُوۡۤا اَمَدًا ﴿۱۲﴾ نَحۡنُ نَقُصُّ ع ۲

گنتی کے ف۱۱ پھر ہم نے اُن کو اُٹھایا کہ معلوم کریں دو فرقوں میں کس نے یاد رکھی ہے جتنی مدت وہ رہے ف۱۲ ہم سنا دیں تجھ کو اُن

عَلَيۡكَ نَبَاَهُمۡ بِالۡحَـقِّ ؕ اِنَّهُمۡ فِتۡيَةٌ اٰمَنُوۡا بِرَبِّهِمۡ وَزِدۡنٰهُمۡ هُدًى ﴿۱۳﴾ وَّرَبَطۡنَا عَلٰى قُلُوۡبِهِمۡ

کا حال تحقیقی وہ کئی جوان ہیں کہ یقین لائے اپنے رب پر اور زیادہ دی ہم نے اُن کو سوجھ ف۱۲ اور گرہ دی اُن کے دل پر ف۱۳

اِذۡ قَامُوۡا فَقَالُوۡا رَبُّنَا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ لَنۡ نَّدۡعُوَا۟ مِنۡ دُوۡنِهٖۤ اِلٰهًا لَّقَدۡ قُلۡنَاۤ اِذًا شَطَطًا ﴿۱۴﴾

جب کھڑے ہوئے پھر بولے ہمارا رب ہے رب آسمان اور زمین کا نہ پکاریں گے ہم اُس کے سوائے کسی کو معبود نہیں تو کہی ہم نے بات عقل سے دور ف۱۴

هٰٓؤُلَاۤءِ قَوۡمُنَا اتَّخَذُوۡا مِنۡ دُوۡنِهٖۤ اٰلِهَةً ؕ لَوۡلَا يَاۡتُوۡنَ عَلَيۡهِمۡ بِسُلۡطٰنٍۢ بَيِّنٍ ؕ فَمَنۡ اَظۡلَمُ مِمَّنِ

یہ ہماری قوم ہے ٹھہرا لئے انہوں نے اللہ کے سوائے اور معبود کیوں نہیں لاتے اُن پر کوئی سند کھلی پھر اُس سے بڑا گنہگار کون جس نے باندھا

افۡتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ؕ ﴿۱۵﴾ وَاِذِ اعۡتَزَلۡتُمُوۡهُمۡ وَمَا يَعۡبُدُوۡنَ اِلَّا اللّٰهَ فَاۡوٗۤا اِلَى الۡـكَهۡفِ يَنۡشُرۡ لَـكُمۡ

اللہ پر جھوٹ ف۱۵ اور جب تم نے کنارہ کر لیا اُن سے اور جن کو وہ پوجتے ہیں اللہ کے سوائے تو اب جا بیٹھو اُس کھوہ میں پھیلا دے

رَبُّكُمۡ مِّنۡ رَّحۡمَتِهٖ وَيُهَيِّئۡ لَـكُمۡ مِّنۡ اَمۡرِكُمۡ مِّرۡفَقًا ﴿۱۶﴾

تم پر رب تمہارا کچھ اپنی رحمت سے اور بنا دیوے تمہارے واسطے تمہارے کام میں آرام ف۱۶

(۹) **اصحاب کہف کا واقعہ اللہ کی قدرت کا معمولی نمونہ ہے** یعنی حق تعالیٰ کی قدرت عظیمہ کے لحاظ سے اصحاب کہف کا قصہ جو آگے مذکور ہے کوئی اچنبھا نہیں جسے حد سے زیادہ عجیب سمجھا جائے۔ زمین آسمان، چاند سورج وغیرہ کا پیدا کرنا، اُن کا محکم نظام قائم رکھنا انسان سے ضعیف البنیان کو سب پر فضیلت دینا، انسانوں میں انبیاء کا بھیجنا، اُن کی قلیل و بے سروسامان جماعتوں کو بڑے بڑے متکبرین کے مقابلہ میں کامیاب بنانا، خاتم الانبیاء اور رفیق غار حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو دشمنوں کے نرغہ سے نکال کر "غار ثور" میں تین روز ٹھہرانا، کفار کا غار کے منہ تک تعاقب کرنا پھر اُن کو بے نیل و مرام واپس لوٹانا، آخر گھر بار چھوڑنے والے مٹھی بھر بے سروسامانوں کو تمام جزیرۃ العرب بلکہ مشرق و مغرب میں اس قدر قلیل مدت کے اندر غالب و منصور کرنا، کیا یہ اور اس قسم کی بیشمار چیزیں "اصحاب کہف" کے قصہ سے کم عجیب ہیں؟ اصل یہ ہے کہ یہود نے قریش کو مشورہ دیا تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے آزمائش کے لئے تین سوال کریں۔ روح کیا ہے؟ اصحاب کہف کے قصہ کو عجیب ہونے کی حیثیت سے انہوں نے خاص اہمیت دی تھی۔ اسی لئے اس آیت میں بتلایا گیا کہ وہ اتنا عجیب نہیں۔ جیسے تم سمجھتے ہو، اُس سے کہیں بڑھ کر عجیب و غریب نشانات قدرت موجود ہیں۔

اصحاب کہف کی جرأت و استقلال آگے "اصحاب کہف" کا قصہ اوّل مجملاً پھر مفصلاً بیان فرمایا ہے کہتے ہیں کہ یہ چند نوجوان روم کے کسی ظالم و جبار بادشاہ کے عہد میں تھے، جس کا نام بعض نے "دقیانوس" بتلایا ہے۔ بادشاہ سخت غالی بت پرست تھا اور جبر و اکراہ سے بت پرستی کی اشاعت کرتا تھا۔ عام لوگ سختی اور تکلیف کے خوف اور چند روزہ دنیوی منافع کی طمع سے اپنے مذاہب

۱؎ بنا دے۔ ۲؎ ورنہ۔

کو چھوڑ کر بت پرستی اختیار کرنے لگے اُس وقت چند نوجوانوں کے دلوں میں جن کا تعلق عمائد سلطنت سے تھا، خیال آیا کہ ایک مخلوق کی خاطر خالق کو ناراض کرنا ٹھیک نہیں۔ اُن کے دل خشیت الٰہی اور نور تقویٰ سے بھرپور تھے۔ حق تعالیٰ نے صبر و استقلال اور توکل و تبتل کی دولت سے مالامال کیا تھا۔ بادشاہ کے روبرو جاکر بھی انہوں نے "لَنْ نَّدْعُوَا۟ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلٰـهًا لَّقَدْ قُلْنَآ اِذًا شَطَطًا" کا نعرہ مستانہ لگایا اور ایمانی جرأت و استقلال کا مظاہرہ کر کے دیکھنے والوں کو مبہوت و حیرت زدہ کر دیا۔ بادشاہ کو کچھ اُن کی نوجوانی پر رحم آیا اور کچھ دوسرے مشاغل و مصالح مانع ہوئے کہ انہیں فوراً قتل کر دے۔ چند روز کی مہلت دی کہ وہ اپنے معاملہ میں غور و نظر ثانی کر لیں۔ انہوں نے مشورہ کر کے طے کیا کہ ایسے فتنہ کے وقت جبکہ جبر و تشدد سے عاجز ہو کر قدم ڈگمگا جانے کا بہرحال خطرہ ہے مناسب ہو گا کہ شہر کے قریب کسی پہاڑ میں روپوش ہو جائیں (اور واپسی کے لئے مناسب موقع کا انتظار کریں) دعا کی کہ خداوندا! تو اپنی خصوصی رحمت سے ہمارا کام بنا دے اور رُشد و ہدایت کی جادہ پیمائی میں ہمارا سب انتظام درست کر دے۔ آخر شہر سے نکل کر کسی قریبی پہاڑ میں پناہ لی اور اپنے میں سے ایک کو مامور کیا کہ بھیس بدل کر کسی وقت شہر میں جایا کرے تا ضروریات خرید کر لا سکے اور شہر کے احوال و اخبار سے سب کو مطلع کرتا رہے جو شخص اس کام پر مامور تھا اُس نے ایک روز اطلاع دی کہ آج شہر میں سرکاری طور پر ہماری تلاش ہے اور ہمارے اقارب و اعزہ کو مجبور کیا جا رہا ہے کہ ہمارا پتہ بتلائیں۔ یہ مذاکرہ ہو رہا تھا کہ حق تعالیٰ نے ان سب پر دفعتہً نیند طاری کر دی۔ کہا جاتا ہے کہ سرکاری آدمیوں نے بہت تلاش کیا پتہ نہ لگا۔ تھک کر بیٹھ رہے اور بادشاہ کی رائے سے ایک سیسہ کی تختی پر ان نوجوانوں کے نام اور مناسب حالات لکھ کر خزانہ میں ڈال دیئے گئے تاکہ آنیوالی نسلیں یاد رکھیں کہ ایک جماعت حیرت انگیز طریقہ سے لاپتہ ہو گئی ہے۔ ممکن ہے آگے چل کر اُس کا کچھ سُراغ نکلے۔ اور بعض عجیب واقعات کا انکشاف ہو۔

اصحاب کہف کون تھے؟ یہ نوجوان کس مذہب پر تھے؟ اس میں اختلاف ہوا ہے بعض نے کہا کہ نصرانی یعنی اصل دین مسیحی کے پیرو تھے۔ لیکن ابن کثیرؒ نے قرائن سے اس کو ترجیح دی ہے کہ اصحاب کہف کا قصہ حضرت مسیح علیہ السلام سے پہلے کا ہے واللہ اعلم۔ (تنبیہ) "رقیم" پہاڑ کی کھوہ کو کہتے ہیں اور بمعنی "مرقوم" بھی آتا ہے یعنی لکھی ہوئی چیز۔ مسند عبد بن حمید کی ایک روایت میں جسے حافظؒ نے علیٰ شرط البخاری کہا ہے، ابن عباس سے "رقیم" کے دوسرے معنی منقول ہیں یعنی "اصحاب کہف" اور "اصحاب رقیم" ایک ہی جماعت کے دو لقب ہیں۔ غار میں رہنے کی وجہ سے "اصحاب کہف" کہلاتے ہیں اور چونکہ اُن کے نام وصفت وغیرہ کی تختی لکھ کر رکھ دی گئی تھی۔ اس لئے "اصحاب رقیم" کہلائے۔

اصحاب رقیم اور اصحاب کہف مگر مترجم محقق رحمہ اللہ نے پہلے معنی لئے ہیں اور بہرصورت "اصحاب کہف" و "اصحاب رقیم" کو ایک ہی قرار دیا ہے۔ بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ "اصحاب رقیم" کا قصہ قرآن میں مذکور نہیں ہوا، محض عجیب ہونے کے لحاظ سے اصحاب کہف کے تذکرہ میں اُس کا حوالہ دیدیا گیا۔ اور فی الحقیقۃ اصحاب رقیم (کھوہ والے) وہ تین شخص ہیں جو بارش سے بھاگ کر ایک غار میں پناہ گزیں ہوئے تھے، اُوپر سے ایک بڑا پتھر آ پڑا، جس نے غار کا منہ بند کر دیا۔ اُس وقت اُن میں سے ہر ایک شخص نے اپنی عمر کے مقبول ترین عمل کا حوالہ دے کر حق تعالیٰ سے فریاد کی اور بتدریج غار کا منہ کُھل گیا۔ امام بخاریؒ نے اصحاب کہف کا ترجمہ منعقد کرنے کے بعد حدیث انغار کا مستقل عنوان قائم کیا ہے اور اُس میں ان تین شخصوں کا قصہ مفصل درج کر کے شاید اسی طرف اشارہ کر دیا ہے کہ "اصحاب رقیم" یہ لوگ ہیں طبرانی اور بزار نے باسناد حسن نعمان بن بشیر سے مرفوعاً روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم "رقیم" کا ذکر فرماتے تھے اور یہ قصہ تین شخصوں کا بیان کیا واللہ اعلم۔

(۱۰) یعنی ایسی تھپکی دی کہ برسوں غار میں پڑے سوتے رہے اِدھر اُدھر کی کوئی خبر اُن کے کانوں میں نہیں پڑتی تھی۔

(۱۱) **اصحاب کہف کی نیند کی مدت** سالہا سال کے بعد حق تعالیٰ نے اُن کو جگا دیا۔ تاظاہر ہو جائے کہ اختلاف کرنے والوں میں سے کس نے اُن کی مدت نوم کا زیادہ صحیح اندازہ رکھا۔ ظاہر ہے کہ ایسی نوم طویل کے بعد جب بیدار ہوئے تو قدرتی طور پر خود سونے والوں میں اور دوسرے دیکھنے والوں میں بھی اختلافات اور چہ میگوئیاں ہونگی کوئی کم مدت بتلائیگا کوئی زیادہ۔ کوئی اقرار کرے گا۔ کوئی مستبعد سمجھ کر انکار کردیگا۔ تو انہیں جگا کر یہ دیکھنا تھا کہ کونسی جماعت ٹھیک حقیقت پر پہنچتی ہے اور اس حقیقت پر پہنچ کر "بعث بعد الموت" کا عقدہ حل کرتی ہے جس میں اُس وقت کے لوگ جھگڑ رہے تھے۔

(۱۲) یعنی ایمان سے زیادہ درجہ دیا اولیاء کا۔

(۱۳) یعنی مضبوط و ثابت قدم رکھا کہ اپنی بات صاف کہدی۔

(۱۴) یعنی جب "رب" وہی ہے تو معبود کسی اور کو ٹھہرانا حماقت ہے۔ "ربوبیت" و "الوہیت" دونوں اسی کے لئے مخصوص ہیں۔

(۱۵) جیسے موحدین توحید پر صاف صاف دلیلیں پیش کرتے ہیں، اگر مشرکین اپنے دعوے میں سچے ہیں تو کوئی واضح دلیل کیوں نہیں لاتے۔ لائیں کہاں سے؟ جھوٹ کے پاؤں نہیں ہوتے۔ اس سے بڑا جھوٹ کیا ہوگا کہ خدا کے شریک ٹھہرائے جائیں۔

(۱۶) **اصحاب کہف کا توکل اور اس کا انعام** یعنی جب مشرکین کے دین سے ہم علیحدہ ہیں تو ظاہری طور پر بھی اُن سے علیحدہ رہنا چاہیئے اور جب ان کے باطل معبودوں سے کنارہ کیا تو ہر طرف سے ٹوٹ کر تنہا اپنے معبود کی طرف جھکنا اور اُسی سے رحمت و تلطّف کا اُمیدوار رہنا چاہیئے۔ آپس میں یہ مشورہ کر کے پہاڑ کی کھوہ میں جا بیٹھے۔

وَتَرَى الشَّمْسَ إِذَا طَلَعَتْ تَّزٰوَرُ عَنْ كَهْفِهِمْ ذَاتَ الْيَمِيْنِ وَإِذَا غَرَبَتْ تَّقْرِضُهُمْ ذَاتَ الشِّمَالِ

اور تو دیکھے دھوپ جب نکلتی ہے بچ کر جاتی ہے اُن کی کھوہ سے داہنے کو اور جب ڈوبتی ہے کترا جاتی ہے اُن سے بائیں کو

وَهُمْ فِيْ فَجْوَةٍ مِّنْهُ ۚ ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ ۗ مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ

اور وہ میدان میں ہیں اُس کے یہ ہے اللہ کی قدرتوں سے **ف۱۷** جسکو راہ دیوے اللہ وہی آئے راہ پر اور جس کو وہ بچلائے پھر تو نہ پائے اس کا

وَلِيًّا مُّرْشِدًا ﴿۱۷﴾ وَتَحْسَبُهُمْ اَيْقَاظًا وَّهُمْ رُقُوْدٌ ۖ وَّنُقَلِّبُهُمْ ذَاتَ الْيَمِيْنِ وَذَاتَ الشِّمَالِ ۖ وَ ع ۵ / ۱۴

کوئی رفیق راہ پر لانیوالا **ف۱۸** اور تو سمجھے وہ جاگتے ہیں اور وہ سو رہے ہیں اور کروٹیں دلاتے ہیں ہم انکو داہنے اور بائیں اور

كَلْبُهُمْ بَاسِطٌ ذِرَاعَيْهِ بِالْوَصِيْدِ ۚ لَوِ اطَّلَعْتَ عَلَيْهِمْ لَوَلَّيْتَ مِنْهُمْ فِرَارًا وَّلَمُلِئْتَ مِنْهُمْ

کتا اُن کا پسار رہا ہے اپنی باہیں چوکھٹ پر اگر تو جھانک کر دیکھے اُن کو تو پیٹھ دے کر بھاگے اُن سے اور بھر جائے تجھ میں اُن کی

رُعْبًا ﴿۱۸﴾ وَكَذٰلِكَ بَعَثْنٰهُمْ لِيَتَسَآءَلُوْا بَيْنَهُمْ ۚ قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ كَمْ لَبِثْتُمْ ۖ قَالُوْا لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ

دہشت **ف۱۹** اور اسی طرح اُن کو جگا دیا ہم نے کہ[1] آپس میں پوچھنے لگے ایک بولا اُن میں کتنی دیر ٹھہرے تم۔ بولے ہم ٹھہرے ایک دن یا

بَعْضَ يَوْمٍ ۚ قَالُوْا رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثْتُمْ ۖ فَابْعَثُوْا اَحَدَكُمْ بِوَرِقِكُمْ هٰذِهٖۤ اِلَى الْمَدِيْنَةِ فَلْيَنْظُرْ

دن سے کم بولے تمہارا رب ہی خوب جانے جتنی دیر تم رہے ہو اب بھیجو اپنے میں سے ایک کو یہ روپیہ دیکر اپنا اس شہر میں پھر دیکھے

اَيُّهَآ اَزْكٰى طَعَامًا فَلْيَأْتِكُمْ بِرِزْقٍ مِّنْهُ وَلْيَتَلَطَّفْ وَلَا يُشْعِرَنَّ بِكُمْ اَحَدًا ﴿۱۹﴾

کونسا کھانا ستھرا ہے سو لائے تمہارے پاس اس میں سے کھانا اور نرمی سے جائے اور جتا نہ دے تمہاری خبر کسی کو

[1] تاکہ پوچھیں ایک دوسرے سے

(۱۷) **غار کی کیفیت** یعنی خدا تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے اُنہیں ایسے ٹھکانے کی طرف رہنمائی کی جہاں مامون و مطمئن ہو کر آرام کرتے رہیں نہ جگہ کی تنگی سے جی گھٹے، نہ کسی وقت دھوپ ستائے۔ غار اندر سے کشادہ اور ہوادار تھا اور جیسا کہ ابن کثیرؒ نے لکھا شمال رویہ ہونے کی وجہ سے ایسی وضع و ہیأت پر واقع تھا جس میں دھوپ بقدر ضرورت پہنچتی اور بدون ایذاء دیئے نکل جاتی تھی۔

(۱۸) یعنی ظاہری باطنی رہنمائی سب اسی کے قبضہ میں ہے۔ دیکھو جب دنیا بچل رہی تھی کس طرح اصحاب کہف کو راہ ہدایت پر ثابت قدم رکھا اور ظاہری طور پر بھی کیسے عجیب غار کی راہ بتلائی۔

(۱۹) **اصحاب کہف کی نیند اور انکی ظاہری حالت** کہتے ہیں سوتے میں ان کی آنکھیں کھلی رہتی تھیں اور اس قدر طویل نیند کا اثر اُن کے ابدان پر ظاہر نہیں ہوا اس سے کوئی دیکھے تو سمجھے جاگتے ہیں اور حق تعالیٰ نے اُن لوگوں میں شان ہیبت و جلال اور اُس مکان میں دہشت رکھی تا لوگ تماشہ نہ بنائیں کہ وہ بے آرام ہوں۔ اُن کے ساتھ ایک کتا بھی لگ گیا تھا۔ اس پر بھی صحبت کا کچھ اثر پہنچا اور صدیوں تک زندہ رہ گیا۔ اگرچہ کتا رکھنا بُرا ہے لیکن لاکھ بُروں میں ایک بھلا بھی ہے۔ وللہ السعدی الشیرازی ۔ پسر نوح بابداں بنشست ۔ خاندانِ نبوتش گم شد ۔ سگ اصحاب کہف روزے چند ۔ پئے نیکاں گرفت مردم شد۔

إِنَّهُمْ إِن يَظْهَرُوا عَلَيْكُمْ يَرْجُمُوكُمْ أَوْ يُعِيدُوكُمْ فِي مِلَّتِهِمْ وَلَن تُفْلِحُوا إِذًا أَبَدًا ﴿٢٠﴾ وَكَذَٰلِكَ أَعْثَرْنَا

وہ لوگ اگر خبر پالیں تمہاری پتھروں سے مار ڈالیں تم کو یا لوٹالیں تم کو اپنے دین میں اور تب تو بھلا نہ ہوگا تمہارا کبھی ف۲۰ اور اسی طرح خبر ظاہر کر دی

عَلَيْهِمْ لِيَعْلَمُوا أَنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ وَأَنَّ السَّاعَةَ لَا رَيْبَ فِيهَا إِذْ يَتَنَازَعُونَ بَيْنَهُمْ أَمْرَهُمْ فَقَالُوا

ہم نے اُن کی تاکہ لوگ جان لیں کہ اللہ کا وعدہ ٹھیک ہے اور قیامت کے آنے میں دھوکہ نہیں جب جھگڑ رہے تھے آپس میں اپنی بات پر ف۲۱ پھر کہنے

ابْنُوا عَلَيْهِم بُنْيَانًا ۖ رَّبُّهُمْ أَعْلَمُ بِهِمْ ۚ قَالَ الَّذِينَ غَلَبُوا عَلَىٰ أَمْرِهِمْ لَنَتَّخِذَنَّ عَلَيْهِم

لگے بناؤ اُن پر ایک عمارت اُنکا رب خوب جانتا ہے اُن کا حال بولے وہ لوگ جن کا کام غالب تھا ہم بنائیں گے اُن کی جگہ پر

مَّسْجِدًا ﴿٢١﴾ سَيَقُولُونَ ثَلَاثَةٌ رَّابِعُهُمْ كَلْبُهُمْ وَيَقُولُونَ خَمْسَةٌ سَادِسُهُمْ كَلْبُهُمْ رَجْمًا بِالْغَيْبِ ۖ

عبادتخانہ ف۲۲ اب یہی کہیں گے وہ تین ہیں چوتھا اُن کا کتا اور یہ بھی کہیں گے وہ پانچ ہیں چھٹا اُن کا کتا بدون نشانہ دیکھے پتھر چلانا

وَيَقُولُونَ سَبْعَةٌ وَثَامِنُهُمْ كَلْبُهُمْ ۚ قُل رَّبِّي أَعْلَمُ بِعِدَّتِهِم مَّا يَعْلَمُهُمْ إِلَّا قَلِيلٌ ۗ فَلَا تُمَارِ فِيهِمْ

اور یہ بھی کہیں گے وہ سات ہیں اور آٹھواں اُنکا کتا تو کہہ میرا رب خوب جانتا ہے اُن کی گنتی اُن کی خبر نہیں رکھتے مگر تھوڑے لوگ سو مت جھگڑ اُن کی بات

ع ۳ ۱۵ إِلَّا مِرَاءً ظَاهِرًا وَلَا تَسْتَفْتِ فِيهِم مِّنْهُمْ أَحَدًا ﴿٢٢﴾

میں مگر سرسری جھگڑا اور مت تحقیق کر اُن کا حال اُن میں کسی سے ف۲۴

(۲۰) **اصحاب کہف کا جاگنا اور گفتگو** جس طرح اپنی قدرت سے اتنی لمبی نیند سُلایا تھا، اسی طرح بر وقت جگا دیا۔ اُٹھے تو آپس میں مذاکرہ کرنے لگے کہ ہم کتنی دیر سوئے ہونگے؟ بعض نے کہا "ایک آدھ دن"۔ یعنی بہت کم۔ دوسرے بولے کہ (اس بے فائدہ بحث میں پڑنے سے کیا فائدہ؟) یہ تو خدا ہی کے علم میں ہے کہ ہم کتنی مدت سوئے۔ اب تم اپنا کام کرو۔ ایک آدمی کو یہ روپیہ دے کر شہر بھیجو کہ وہ کسی دکان

ـلہ ان سب میں۔

سے حلال اور ستھرا کھانا دیکھ کر خرید لائے ۔ یہ ضروری ہے کہ اُسے نہایت ہشیاری سے جانا آنا اور نرمی و تدبیر سے معاملہ کرنا چاہئے کہ کسی شہر والے کو ہمارا پتہ نہ لگے، ورنہ بڑی سخت خرابی ہو گی ۔ اگر ظالم بادشاہ کو پتہ چل گیا تو ہم کو یا سنگسار کیا جائے گا یا بجبر و اکراہ دین حق سے ہٹایا جائیگا ۔ العیاذ باللہ ایسا ہوا تو جو اعلیٰ کامیابی و فلاح ہم چاہتے ہیں، وہ کبھی حاصل نہ ہو سکیگی ۔ کیونکہ دین حق سے پھر جانا گو بجبر و اکراہ ہو اولوالعزم مؤمنین کا کام نہیں ہو سکتا (تنبیہ) میرے نزدیک "یَوْمًا اَوْ بَعْضَ یَوْمٍ" محض تقلیل مدت سے کنایہ ہے ۔ نیند سے اُٹھ کر اتنی طویل مدت بھی اُن کو قلیل محسوس ہوئی ۔ سچ ہے "مردہ اور سوتا برابر ہے" "یَوْمًا اَوْ بَعْضَ یَوْمٍ کا حرف "اَوْ" کے ساتھ استعمال ایسا سمجھو جیسے سورہ مومنون میں ہے کَمْ لَبِثْتُمْ فِی الْاَرْضِ عَدَدَ سِنِیْنَ قَالُوْا لَبِثْنَا یَوْمًا اَوْ بَعْضَ یَوْمٍ فَاسْئَلِ الْعَآدِّیْنَ (مومنون رکوع ۶)

(۲۱) اہل شہر کو اصحاب کہف کا علم ہونا | ایک اُن میں سے روپیہ لے کر شہر میں داخل ہوا ۔ وہاں سب چیز اوپری دیکھی ۔ اس مدت میں کئی قرن بدل چکے تھے ۔ شہر کے لوگ اس روپیہ کا سکہ دیکھ کر حیران ہوئے کہ کس بادشاہ کا نام ہے اور کس عہد کا ہے ۔ سمجھے کہ اس شخص نے کہیں سے پُرانا گڑا ہوا مال پالیا ہے ۔ شدہ شدہ معاملہ بادشاہ تک پہنچا ۔ اُس نے وہ پُرانی تختی طلب کی جس پر چند نام اور پتے لکھے تھے کہ یہ لوگ دفعۃً نامعلوم طریقہ سے فلاں سنہ میں غائب ہو گئے ہیں ۔ تحقیق سے ثابت ہو گیا کہ یہ وہی مفقود الخبر جماعت ہے ۔ اس وقت شہر میں "بعث بعد الموت" کے متعلق بڑا جھگڑا ہو رہا تھا کوئی کہتا تھا کہ مرنے کے بعد جینا نہیں کوئی کہتا تھا کہ محض روحانی سے بعث ہے جسمانی نہیں ۔ کوئی معاد روحانی و جسمانی دونوں کا قائل تھا ۔ بادشاہ وقت حق پرست اور منصف تھا، چاہتا تھا کہ ایک طرف کی کوئی ایسی نظیر ہاتھ لگے جس سے سمجھانے میں آسانی رہے اور استبعاد عقلی کم ہو ۔ اللہ تعالیٰ نے یہ نظیر بھیجدی ۔

اس واقع سے آخرت پر استدلال | آخر منکرین آخرت بھی یہ حیرت انگیز ماجرا دیکھنے سننے کے بعد آخرت پر یقین لائے ۔ یہ نظارہ خاص طور پر اُن کی طبائع پر اثر انداز ہوا سمجھے کہ حق تعالیٰ نے ہم کو تنبیہ کی ہے ۔ کہ یہ قصہ بھی دوسری بار جینے سے کم نہیں (تنبیہ) بعض نے اِذْ یَتَنَازَعُوْنَ بَیْنَهُمْ اَمْرَهُمْ" کا مطلب یہ لیا ہے کہ حق تعالیٰ نے اصحاب کہف کے حال سے لوگوں کو اس وقت آگاہ کیا جبکہ اصحاب کہف کے متعلق چرچے اور جھگڑے ہو رہے تھے کہ وہ چند نوجوان جنہیں مدت دراز سے سنتے آتے ہیں کہ یک بیک غائب ہو گئے تھے پھر کچھ پتہ نہ چلا کہاں گئے ہونگے؟ کہاں اُن کی نسل پھیلی ہو گی؟ اب تک زندہ تو کیا ہوتے ۔ سب مر گل کر برابر ہو گئے ہونگے؟ اس مسئلہ میں کوئی کچھ کہتا تھا ۔ دوسرا کچھ خیال ظاہر کرتا تھا کہ دفعۃً حق تعالیٰ نے حقیقت سے پردہ اٹھا دیا ۔ اور سب اختلافات ختم کر دیے

(۲۲) غار کی جگہ یادگار کی تعمیر | یہ پتہ نہیں کہ اس کے بعد اصحاب کہف زندہ رہے یا انتقال کر گئے؟ انتقال ہوا تو کب ہوا، زندہ رہے تو کب تک رہے یا کب تک رہیں گے ۔ بہرحال اہل شہر نے ان کے عجیب و غریب احوال پر مطلع ہو کر فرط عقیدت سے چاہا کہ اس غار کے پاس کوئی مکان بطور یادگار تعمیر کر دیں جس سے زائرین کو سہولت ہو ۔ اس میں اختلاف رائے ہوا ہو گا کہ کس قسم کا مکان بنایا جائے ۔ اُس اختلاف کی تفاصیل تو خدا ہی کو معلوم ہیں اور یہ بھی اسی کے علم میں ہے کہ یہ تجویز اُن کی موت کے بعد ہوئی یا اس سے قبل دوبارہ نیند طاری ہونے کی حالت میں ۔ اور لوگوں کو غار تک پہنچ کر اُن کی ملاقات میسر ہو سکی یا نہیں ۔ تاہم جو بارسوخ اور ذی اقتدار لوگ تھے اُنکی رائے یہ قرار پائی کہ غار کے پاس عبادت گاہ تعمیر کر دی جائے اصحاب کہف کی نسبت بجز اس کے کہ پکے موحد اور متقی تھے، یقینی طور پر نہیں کہا جا سکتا کہ کس نبی کی شریعت کے پیرو تھے ۔ لیکن جن لوگوں نے معتقد ہو کر وہاں مکان بنایا وہ نصاریٰ تھے ۔ ابو حیان نے "بحر محیط" میں اصحاب کہف کا مقام متعین کرنے کے لئے متعدد اقوال نقل کئے ہیں ۔ من شاء فلیراجعہ ۔

(۲۳) اصحاب کہف کی تعداد | یعنی سامعین "اصحاب کہف" کا قصہ سُن کر جیسا کہ لوگوں کی عادت ہے، اٹکل کے تیر چلائیں گے، کوئی کہیگا کہ وہ تین تھے چوتھا کتا تھا، کوئی پانچ بتلا کر چھٹا کتے کو شمار کرے گا ۔ لیکن یہ سب اقوال ایسے ہیں جیسے کوئی بے نشانہ دیکھے

پھر چلاتا رہے۔ ممکن ہے مختلف باتیں کہنے سے جہل کے علاوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا امتحان کرنا بھی مقصود ہو کر دیکھیں یہ اس معاملہ میں کیا کہتے ہیں۔ کیونکہ احتمال ہے کہ یہود نے ان کو صحیح تعداد سات کی بتلائی ہو جسکی طرف آگے قرآن نے اشارہ کیا ہے۔

(۲۴) **اصحاب کی تعداد کے بارے میں ابن عباس رضؓ کی روایت** | یعنی اس قسم کی غیر معتد بہ باتوں میں زیادہ جھگڑنا لاحاصل ہے۔ عدد کے معلوم ہونے سے کوئی اہم مقصد متعلق نہیں جتنی بات خدا نے بتلادی اُس سے زیادہ تحقیق کے درپئے ہونا یا جس قدر تردید خدا تعالیٰ کرچکا اس سے زیادہ جھگڑنا اور تردید کرنا فضول ہے۔ ابن عباس نے فرمایا میں اُن قلیل لوگوں میں سے ہوں (جنہوں نے سیاق قرآنی سے معلوم کرلیا کہ) اصحاب کہف سات ہی تھے۔ کیونکہ حق تعالیٰ نے پہلے دو قول کو "رجما بالغیب" فرمایا، تیسرے قول کے ساتھ نہیں فرمایا اس کے علاوہ اسلوب بیان بھی بدلا ہوا ہے **پہلے دونوں جملوں** میں "واؤ عطف" نہ تھا، تیسرے میں وَثَامِنُهُمْ كَلْبُهُمْ عطف کے ساتھ لانے سے گویا اس پر زور دینا ہے کہ اس قول کا قائل پوری بصیرت و وثوق کے ساتھ واقعہ کی تفصیل سے واقف ہے۔ بعض نے اس کی تائید میں یہ بھی کہا ہے کہ پہلے قَالَ قَائِلٌ مِّنْهُمْ كَمْ لَبِثْتُمْ سے ایک قائل کا ہونا، اور قَالُوا لَبِثْنَا يَوْمًا الخ سے اُس کے سوا کم ازکم تین قائلین کا پھر دوسرے قَالُوا رَبُّكُمْ أَعْلَمُ الخ سے اُن کے علاوہ تین اور قائلین کا ثبوت ملتا ہے۔ اس طرح کم ازکم سات آدمی ہونے چاہئیں۔ کتا اُن کے علاوہ رہا۔

وَلَا تَقُولَنَّ لِشَايْءٍ إِنِّي فَاعِلٌ ذَٰلِكَ غَدًا ﴿۲۳﴾ إِلَّا أَن يَشَاءَ اللَّهُ ۚ وَاذْكُر رَّبَّكَ إِذَا نَسِيتَ وَ

اور نہ کہنا کسی کام کو کہ میں یہ کرونگا کل کو مگر یہ کہ اللہ چاہے اور یاد کرلے اپنے رب کو جب بھول جائے اور

قُلْ عَسَىٰ أَن يَهْدِيَنِ رَبِّي لِأَقْرَبَ مِنْ هَٰذَا رَشَدًا ﴿۲۴﴾ وَلَبِثُوا فِي كَهْفِهِمْ ثَلَاثَ مِائَةٍ سِنِينَ

کہہ اُمید ہے کہ میرا رب مجھ کو دکھلائے اس سے زیادہ نزدیک راہ نیکی کی ف ۲۵ اور مدت گذری اُن پر اپنی کھوہ میں تین سو برس

وَازْدَادُوا تِسْعًا ﴿۲۵﴾ قُلِ اللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا لَبِثُوا ۖ لَهُ غَيْبُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۖ أَبْصِرْ بِهِ وَأَسْمِعْ ۚ مَا لَهُم

اور اُن کے اُوپر نو ف ۲۶ تو کہہ اللہ خوب جانتا ہے جتنی مدت اُن پر گذری اسی کے پاس ہیں چھپے بھید آسمان اور زمین کے کیا عجیب دیکھتا اور سُنتا ہے ف ۲۷ کوئی نہیں

مِّن دُونِهِ مِن وَلِيٍّ وَلَا يُشْرِكُ فِي حُكْمِهِ أَحَدًا ﴿۲۶﴾ وَاتْلُ مَا أُوحِيَ إِلَيْكَ مِن كِتَابِ رَبِّكَ ۖ

بندوں پر اُس کے سوائے مختار اور نہیں شریک کرتا اپنے حکم میں کسی کو ف ۲۸ اور پڑھ جو وحی ہوئی تجھ کو تیرے رب کی کتاب سے

لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمَاتِهِ قف وَلَن تَجِدَ مِن دُونِهِ مُلْتَحَدًا ﴿۲۷﴾ وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُم

کوئی بدلنے والا نہیں اسکی باتیں اور کہیں نہ پائیگا تو اُس کے سوائے چھپنے کو جگہ ف ۲۹ اور روکے رکھ اپنے آپکو اُن کے ساتھ جو پکارتے ہیں اپنے رب کو

بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيدُونَ وَجْهَهُ ۖ وَلَا تَعْدُ عَيْنَاكَ عَنْهُمْ تُرِيدُ زِينَةَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۖ وَلَا تُطِعْ مَنْ

صبح اور شام طالب ہیں اسکی مُنہ کے ف ۳۰ اور نہ دوڑیں تیری آنکھیں اُنکو چھوڑ کر تلاش میں رونق زندگانی دنیا کی ف ۳۱ اور نہ کہا مان اُسکا جسکا

الثلثة

أَغْفَلْنَا قَلْبَهُ عَن ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوَاهُ وَكَانَ أَمْرُهُ فُرُطًا ﴿۲۸﴾

دل غافل کیا ہم نے اپنی یاد سے اور پیچھے پڑا ہوا ہے اپنی خوشی کے اور اسکا کام ہے حد پر نہ رہنا ف ۳۲

۱ سمجھادے۔ ۲ پناہ کی جگہ۔ ۳ رضا ۴ مت سُن اُسکی ۵ خواہش۔ ۶ سے نکل جانا۔

(۲۵) **اس واقعہ کا نزول۔ اور کلمۂ انشاء اللہ کی اہمیت** اصحاب کہف کا قصہ تاریخی کتابوں میں نادرات میں لکھا تھا۔ ہر کسی کو کہاں خبر ہو سکتی، مشرکین نے یہود کے سکھانے سے حضرت سے پوچھا مقصود آپ کی آزمائش تھی، حضرت نے وعدہ کیا کہ کل بتا دونگا اس بھروسہ پر کہ جبریل آئیں گے تو دریافت کر دونگا۔ جبریل پندرہ دن تک نہ آئے۔ حضرت نہایت غمگین ہوئے، مشرکین نے ہنسنا شروع کیا۔ آخر یہ قصہ لے کر آئے اور پیچھے نصیحت کی کہ آئندہ کی بات کے متعلق بغیر "انشاء اللہ" کے وعدہ نہ کرنا چاہیئے۔ اگر ایک وقت بھول جائے تو پھر یاد کر کے کہہ لے۔ اور فرمایا کہ اُمید رکھ کہ تیرا درجہ اللہ اس سے زیادہ کرے یعنی کبھی نہ بھولے (موضح القرآن) یا اصحاب کہف کے واقعہ سے زیادہ عجیب طور پر آپ کی حفاظت فرمائے اور کامیاب کرے جیسا کہ غار ثور کے قصہ میں ہوا۔ یا واقعہ کہف سے زیادہ عجیب واقعات و شواہد آپ کی زبان سے بیان کرائے۔

(۲۶) **نیند کی مدت** یعنی شمسی حساب سے پورے تین سو سال کھوہ میں سوتے رہے اور قمری حساب سے نو سال زیادہ ہوئے (مہینوں اور دنوں کی کسور محسوب نہیں کی گئیں)، یا تین سو سال کے بعد ممکن ہے قدرے نیند سے چونکے ہوں پھر سو گئے اور نو سال تک سوتے رہے۔ بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ یہ تین سو نو سال جاگنے کے بعد سے عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم تک کی مدت بیان فرمائی۔ یعنی لوگوں سے مل ملا کر پھر سو رہے جس کو آپکے زمانہ تک اتنا عرصہ گذرا واللہ اعلم۔ (لطیفہ) ہمارے زمانہ میں صوبہ زیشوان میں ایک شخص دو سو باون ۲۵۲ سال کی عمر رکھتا ہے۔ چوبیسویں شادی ابھی حال میں کی ہے۔

(۲۷) **اللہ کا علم و قدرت** جتنی مدت سو کر وہ جاگے تھے، تاریخ والے کئی طرح بتاتے تھے۔ سب سے ٹھیک وہ ہی ہے جو اللہ بتائے آسمان و زمین کے تمام پوشیدہ راز اُسی کے علم میں ہیں۔ کوئی چیز اس کی آنکھ سے اوجھل نہیں۔

(۲۸) یعنی جس طرح اُسکا علم محیط ہے، اس کی قدرت و اختیار بھی سب پر حاوی ہے۔ جیسے غیوب سمٰوات و ارض کے علم میں اُس کا کوئی شریک نہیں۔ اختیارات قدرت میں بھی کوئی سہیم و شریک نہیں ہو سکتا۔

(۲۹) **آنحضرت کو تلاوت وحی کا حکم** پہلے "اصحاب کہف کے قصہ پر فرمایا تھا" فَلَا تُمَارِ فِیۡہِمۡ اِلَّا مِرَآءً ظَاہِرًا ۪ وَّ لَا تَسۡتَفۡتِ فِیۡہِمۡ مِّنۡہُمۡ اَحَدًا"، مطلب یہ ہے کہ بیکار چیزوں میں زیادہ اُلجھنے اور کاوش کرنے کی ضرورت نہیں۔ آپ اپنے فرض منصبی کی انجام دہی میں مشغول رہیئے۔ یعنی جو جامع و مانع اور کافی و شافی کتاب تیرے رب نے مرحمت فرمائی، اُسے پڑھ کر سناتے رہیئے۔ خدا نے جو باتیں اس میں سنائیں اور جو وعدے کیئے کوئی طاقت نہیں جو انہیں بدل یا ٹال سکے یا غلط ثابت کر سکے۔ اگر کوئی ان باتوں کو بدلنے کے درپے ہوگا یا اس کتاب کے حقوق ادا کرنے میں کوتاہی کریگا وہ خوب سمجھ لے کہ خدا کے مجرم کے لئے کہیں پناہ نہیں۔ ہاں وفاداروں کو پناہ دینے کے لئے اس کی رحمت وسیع ہے۔ دیکھ لو "اصحاب کہف" کو جو خدا کی باتوں پر جمے رہے، کیسی اچھی جگہ اپنے فضل سے عنایت فرمائی۔

(۳۰) **بعض صحابہ کی مدح اور فضیلت** یعنی اس کے دیدار اور خوشنودی حاصل کرنے کے شوق میں نہایت اخلاص کے ساتھ دائماً عبادت میں مشغول رہتے ہیں۔ مثلاً ذکر کرتے ہیں، قرآن پڑھتے ہیں، نمازوں پر مداومت رکھتے ہیں۔ حلال و حرام میں تمیز کرتے ہیں خالق و مخلوق دونوں کے حقوق پہچانتے ہیں، گو دنیوی حیثیت سے معزز اور مالدار نہیں۔ جیسے صحابہ میں اُس وقت عمار، صہیب، بلال، ابن مسعود وغیرہ رضی اللہ عنہم تھے۔ ایسے مومنین مخلصین کو اپنی صحبت و مجالست سے مستفید کرتے رہیئے۔ اور کسی کے کہنے سُننے پر ان کو اپنی مجلس سے علیحدہ نہ کیجیئے۔

(۳۱) **سرداران کفار کی مذمت** یعنی اُن غریب شکستہ حال مخلصین کو چھوڑ کر موٹے موٹے متکبر دنیاداروں کی طرف اس غرض سے نظر نہ اُٹھایئے کہ اُن کے مسلمان ہو جانے سے دین اسلام کو بڑی رونق ہو گی۔ اسلام کی اصلی عزت و رونق مادی خوشحالی اور چاندی سونے کے سکوں

سے نہیں۔ مضبوط ایمان وتقویٰ اور اعلیٰ درجہ کی خوش اخلاقی سے ہے۔ دنیا کی ٹیپ ٹاپ محض فانی اور سایہ کی طرح ڈھلنے والی ہے، حقیقی دولت تقویٰ اور تعلق مع اللہ کی ہے جسے نہ شکست ہے نہ زوال، چنانچہ اصحاب کہف کے واقعہ میں خدا کو یاد کرنیوالوں اور دنیا کے طالبوں کا انجام معلوم ہو چکا۔

(٣٢) یعنی جن کے دل دنیا کے نشہ میں مست ہو کر خدا کی یاد سے غافل اور ہر وقت نفس کی خوشی اور خواہش کی پیروی میں مشغول رہتے ہیں، خدا کی اطاعت میں ہیٹے اور ہوا پرستی میں آگے رہنا اُن کا شیوہ ہے، ایسے بدمست غافلوں کی بات پر آپ کان نہ دھریں خواہ وہ بظاہر کیسے ہی دولتمند اور جاہ وثروت والے ہوں۔ روایات میں ہے کہ بعض صنادید قریش نے آپ سے کہا کہ ان رذیلوں کو اپنے پاس سے اٹھا دیجئے تاکہ سردار آپ کے پاس بیٹھ سکیں رذیل کہا غریب مسلمانوں کو اور سردار دولتمند کافروں کو۔ ممکن ہے آپ کے قلب مُبارک میں یہ خیال گزرا ہو کہ ان غرباء کو تھوڑی دیر علیحدہ کر دینے میں کیا مضائقہ ہے۔ وہ تو پکّے مسلمان ہیں مصلحت پر نظر کر کے رنجیدہ نہ ہونگے اور یہ دولت مند اس صورت میں اسلام قبول کر لیں گے۔ اس پر یہ آیت اتری کہ آپ ہرگز ان متکبرین کا کہنا نہ مانئے کیونکہ یہ بیہودہ فرمائش ہی ظاہر کرتی ہے کہ ان میں حقیقی ایمان کا رنگ قبول کرنے کی استعداد نہیں۔ پھر محض موہوم فائدہ کی خاطر مخلصین کا احترام کیوں نظر انداز کیا جائے نیز امیروں اور غریبوں کے ساتھ اس طرح کا معاملہ کرنے سے احتمال ہے کہ عام لوگوں کے قلوب میں پیغمبر کی طرف سے معاذ اللہ نفرت اور بدگمانی پیدا ہو جائے جس کا ضرر اس ضرر سے کہیں زائد ہوگا جو ان چند متکبرین کے اسلام قبول نہ کرنے کی صورت میں تصوّر کیا جا سکتا ہے۔

وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ ۚ اِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِيْنَ نَارًا

اور کہہ سچی بات ہے تمہارے رب کی طرف سے پھر جو کوئی چاہے مانے اور جو کوئی چاہے نہ مانے ف٣٣ ہمنے تیار کر رکھی ہے گنہگاروں کے واسطے آگ

اَحَاطَ بِهِمْ سُرَادِقُهَا ۗ وَاِنْ يَّسْتَغِيْثُوْا يُغَاثُوْا بِمَآءٍ كَالْمُهْلِ يَشْوِى الْوُجُوْهَ ۗ بِئْسَ الشَّرَابُ ۗ وَ

کہ گھیر رہی ہیں انکو اسکی قناتیں ف٣٤ اور اگر فریاد کریں گے تو ملیگا پانی جیسے پیپ بھون ڈالے منہ کو کیا بُرا پینا ہے اور

سَآءَتْ مُرْتَفَقًا ﴿٢٩﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اِنَّا لَا نُضِيْعُ اَجْرَ مَنْ اَحْسَنَ عَمَلًا ﴿٣٠﴾ۚ

کیا بُرا آرام ف٣٥ بیشک جو لوگ یقین لائے اور کیں نیکیاں ہم نہیں کھوتے بدلہ اُس کا جس نے بھلا کیا کام ف٣٦

اُولٰٓئِكَ لَهُمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ يُحَلَّوْنَ فِيْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّيَلْبَسُوْنَ

ایسوں کے واسطے باغ ہیں بسنے کے بہتی ہیں اُن کے نیچے نہریں پہنائے جائینگے اُن کو وہاں کنگن سونے کے ف٣٧ اور پہنیں گے

ثِيَابًا خُضْرًا مِّنْ سُنْدُسٍ وَّاِسْتَبْرَقٍ مُّتَّكِـِٕيْنَ فِيْهَا عَلَى الْاَرَآئِكِ ۗ نِعْمَ الثَّوَابُ ۗ وَحَسُنَتْ

کپڑے سبز باریک اور گاڑھے ریشم کے ف٣٨ تکیہ لگائے ہوئے اُن میں تختوں پر کیا خوب بدلہ ہے اور کیا خوب

ع ٩ / ١٦ مُرْتَفَقًا ﴿٣١﴾ۧ وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا رَّجُلَيْنِ جَعَلْنَا لِاَحَدِهِمَا جَنَّتَيْنِ مِنْ اَعْنَابٍ وَّحَفَفْنٰهُمَا

آرام ف٣٩ اور بتلا اُن کو مثال[1] دو مردوں کی[2] ف٤٠ کر دیئے ہمنے اُن میں سے ایک کیلئے دو باغ انگور کے اور گرد اُن کے

بِنَخْلٍ وَّجَعَلْنَا بَيْنَهُمَا زَرْعًا ﴿٣٢﴾ؕ

کھجوریں اور رکھی دونوں کے بیچ میں کھیتی[3] ف٤١

[1] لاہی اور زنافتہ کے۔ [2] قصّہ ٣ کا۔ [3] بنا دیے۔

(۳۳) **حق ظاہر ہوچکا** یعنی خدا کی طرف سے سچی باتیں سُنا دی گئیں، کسی کے ماننے کی اُسے کچھ پروا نہیں جو کچھ نفع نقصان ہوگا صرف تمہارا ہوگا۔ ماننے اور نہ ماننے والے دونوں اپنا اپنا انجام سوچ لیں جو آگے بیان کیا جاتا ہے دنیا کی چہل پہل محض ہیچ اور فانی ہے۔ اس کا لطف جب ہی ہے کہ فلاح آخرت کا ذریعہ بنے۔ وہاں محض دنیا کا تموّل کام نہ دیگا۔ بلکہ جو یہاں شکستہ حال تھے بہت سے وہاں عیش و آرام میں ہوں گے۔

(۳۴) وہ قناتیں بھی آگ کی ہونگی۔

(۳۵) **دوزخ کا پانی** یعنی گرمی کی شدت سے پیاس لگے گی تو العطش پکاریں گے۔ تب تیل کی تلچھٹ یا پیپ کی طرح کا پانی دیا جائیگا۔ جو سخت حرارت اور تیزی کی وجہ سے مُنہ کو بھون ڈالیگا۔

(۳۶) یعنی ادنیٰ سے ادنیٰ نیکی بھی گم نہ ہوگی۔ پورا بدلہ دیا جائے گا۔

(۳۷) **اہل جنّت کی نعمتیں** تاکہ دکھلا دیا جائے کہ اصلی اور دائمی دولتمند کون لوگ ہیں۔ کنگن یا ریشمی کپڑوں اور اسی طرح جنّت کی تمام نعمتوں کی خاص کیفیت کو ہم دنیا میں نہیں سمجھ سکتے کیونکہ ہماری محسوسات میں اُس موطن کی کوئی پوری مثال موجود نہیں۔

(۳۸) شاید ابرا باریک ریشم کا اور استر دبیز ریشم کا ہو۔ کما یفہم من قولہ تعالیٰ "بَطَآئِنُهَا مِنْ اِسْتَبْرَقٍ" (رحمٰن رکوع ۳) یا دونوں قسمیں الگ الگ استعمال کیجائیں۔ واللہ اعلم۔ موضح القرآن میں ہے۔ حضرت نے فرمایا سونا اور ریشمی کپڑا مردوں کو ملنا ہے بہشت میں۔ جو کوئی یہاں یہ چیزیں پہنے وہاں نہ پہنیگا۔

(۳۹) یعنی مسہریوں پر تکیہ مسند لگائے نہایت عزت و آرام سے بیٹھے ہونگے۔

(۴۰) **دو شخصوں کی مثال** یہ کافر غنی اور مومن فقیر کی مثال بیان فرمائی، جس کے ضمن میں دنیا کی بے ثباتی، کفر و تکبّر کی بدانجامی اور ایمان و تقویٰ کی مقبولیت پر متنبہ کرنا ہے۔ یہ دو شخص جن کی مثال بیان ہوئی واقعی موجود تھے؟ یا محض تفہیم کے لئے مثال فرض کرلی گئی؟ علماء کے اس میں دونوں قول ہیں اور تمثیل کا فائدہ بہرحال حاصل ہے۔

(۴۱) یعنی باغوں کے گرد باڑھ کھجور کی لگائی اور دونوں باغوں کے درمیان میں زمین چھوڑی جس میں زراعت ہوتی تھی تا غلّے اور پھل (قوت اور فواکہ) سب تیار ملیں۔

كِلْتَا الْجَنَّتَيْنِ اٰتَتْ اُكُلَهَا وَلَمْ تَظْلِمْ مِّنْهُ شَيْـًٔا وَّفَجَّرْنَا خِلٰلَهُمَا نَهَرًا ﴿۳۳﴾ وَّكَانَ لَهٗ ثَمَرٌ فَقَالَ

دونوں باغ لاتے ہیں اپنا میوہ اور نہیں گھٹاتے اُس میں سے کچھ ف۴۲ اور بہا دی ہم نے اُن دونوں کے بیچ نہر ف۴۳ اور ملا اُسکو پھل ف۴۴ پھر بولا

لِصَاحِبِهٖ وَهُوَ يُحَاوِرُهٗٓ اَنَا اَكْثَرُ مِنْكَ مَالًا وَّاَعَزُّ نَفَرًا ﴿۳۴﴾ وَدَخَلَ جَنَّتَهٗ وَهُوَ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ قَالَ مَآ

اپنے ساتھی سے جب باتیں کرنے لگا اُس سے میرے پاس زیادہ ہے تجھ سے مال اور آبرو کے لوگ ف۴۵ اور گیا اپنے باغ میں اور وہ بُرا کر رہا تھا اپنی جان پر ف۴۶ بولا نہیں آتا

اَظُنُّ اَنْ تَبِيْدَ هٰذِهٖٓ اَبَدًا ﴿۳۵﴾ وَّمَآ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً وَّلَئِنْ رُّدِدْتُّ اِلٰى رَبِّيْ لَاَجِدَنَّ خَيْرًا مِّنْهَا

مجھکو خیال کہ خراب ہووے یہ باغ کبھی اور نہیں خیال کرتا ہوں میں کہ قیامت ہونیوالی ہے اور اگر کبھی پہنچا دیا گیا میں اپنے رب کے پاس پاؤنگا بہتر اس سے

مُنْقَلَبًا ﴿۳۶﴾ قَالَ لَهٗ صَاحِبُهٗ وَهُوَ يُحَاوِرُهٗٓ اَكَفَرْتَ بِالَّذِيْ خَلَقَكَ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ

وہاں پہنچ کر ف۴۷ کہا اُس کو دوسرے نے جب بات کرنے لگا کیا تو منکر ہوگیا اُس سے جس نے بنایا تجھ کو مٹی سے پھر قطرہ سے پھر

سلہ دوسرے۔ ؎۲ کہیں پہنچ گیا۔

سَوّٰىكَ رَجُلًا ﴿۳۷﴾ لٰكِنَّا۠ هُوَ اللّٰهُ رَبِّيْ وَلَآ اُشْرِكُ بِرَبِّيْٓ اَحَدًا ﴿۳۸﴾ وَلَوْلَآ اِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَكَ قُلْتَ

پورا کر دیا تجھ کو مرد پھر میں تو یہی کہتا ہوں وہی اللہ ہے میرا رب اور نہیں مانتا شریک اپنے رب کا کسی کو ف۴۸ اور جب تو آیا تھا اپنے باغ میں کیوں نہ کہا تو نے

مَا شَآءَ اللّٰهُ ۙ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ ۚ اِنْ تَرَنِ اَنَا اَقَلَّ مِنْكَ مَالًا وَّوَلَدًا ﴿۳۹﴾ فَعَسٰى رَبِّيْٓ اَنْ يُّؤْتِيَنِ

جو چاہے اللہ سو ہو طاقت نہیں مگر جو دے اللہ ف۴۹ اگر تو دیکھتا ہے مجھ کو کہ میں کم ہوں تجھ سے مال اور اولاد میں تو امید ہے کہ میرا رب دیوے مجھ کو تیرے باغ سے

خَيْرًا مِّنْ جَنَّتِكَ وَيُرْسِلَ عَلَيْهَا حُسْبَانًا مِّنَ السَّمَآءِ فَتُصْبِحَ صَعِيْدًا زَلَقًا ﴿۴۰﴾ اَوْ يُصْبِحَ مَآؤُهَا

بہتر ف۵۰ اور بھیج دے اس پر لوکا ایک جھونکا آسمان سے پھر صبح کو رہ جائے میدان صاف یا صبح کو ہو رہے اس کا پانی

غَوْرًا فَلَنْ تَسْتَطِيْعَ لَهٗ طَلَبًا ﴿۴۱﴾ وَاُحِيْطَ بِثَمَرِهٖ فَاَصْبَحَ يُقَلِّبُ كَفَّيْهِ عَلٰى مَآ اَنْفَقَ فِيْهَا وَهِيَ خَاوِيَةٌ

خشک پھر نہ لا سکے تو اس کو ڈھونڈھ کر ف۵۱ اور سمیٹ لیا گیا اس کا سارا پھل پھر صبح کو رہ گیا ہاتھ نچاتا ف۵۲ اس مال پر جو اس میں لگایا تھا اور وہ گرا پڑا تھا

عَلٰى عُرُوْشِهَا وَيَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ لَمْ اُشْرِكْ بِرَبِّيْٓ اَحَدًا ﴿۴۲﴾ وَلَمْ تَكُنْ لَّهٗ فِئَةٌ يَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ

اپنی چھتریوں پر ف۵۳ اور کہنے لگا کیا خوب ہوتا اگر میں شریک نہ بناتا اپنے رب کا کسی کو ف۵۴ اور نہ ہوئی اس کی جماعت کہ مدد کریں اس کی اللہ کے سوائے اور نہ ہوا

وَمَا كَانَ مُنْتَصِرًا ﴿۴۳﴾ هُنَالِكَ الْوَلَايَةُ لِلّٰهِ الْحَقِّ ۭ هُوَ خَيْرٌ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ عُقْبًا ﴿۴۴﴾ ع وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلَ ع ۱۳/۱۷

وہ کہ خود بدلہ لے سکے ف۵۵ یہاں سب اختیار ہے اللہ سچے کا اسی کا انعام بہتر ہے اور اچھا ہے اسی کا دیا ہوا بدلہ ف۵۶ اور بتلا دے ان کو مثل دنیا کی زندگی

الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ فَاَصْبَحَ هَشِيْمًا تَذْرُوْهُ الرِّيٰحُ

کی جیسے پانی اتارا ہم نے آسمان سے پھر رلا ملا نکلا اس کی وجہ سے زمین کا سبزہ پھر کل کو ہو گیا چورا چورا ہوا میں اڑتا ہوا ف۵۷

وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّقْتَدِرًا ﴿۴۵﴾

اور اللہ کو ہے ہر چیز پر قدرت ف۵۸

(۴۲) یعنی یہ نہیں کہ ایک باغ پھلا دوسرا نہ پھلا۔ یا ایک درخت زیادہ آیا دوسرا کم۔

(۴۳) یعنی باغوں کے درمیان نہر کا پانی قرینہ سے پھر رہا تھا کہ منظر فرحت بخش رہے اور بارش نہ ہو تب بھی باغ وغیرہ خشکی سے خراب نہ ہونے پائے

(۴۴) یعنی جو خرچ کیا یا کمائی کی اس کا پھل خوب ملا۔ اور ہر قسم کے سامان عیش و رفاہیت جمع ہو گئے نکاح کیا تو اس کا پھل بھی اچھا پایا اولاد کثرت سے ہوئی۔

(۴۵) **مال و دولت کا نشہ** یعنی مال و دولت اور جتھا میرے پاس تجھ سے کہیں زائد ہے۔ اگر میں مشرکانہ اطوار اختیار کرنے میں باطل پر ہوتا تو اس قدر آسائش اور فراخی کیوں ملتی اس کے مشرک ہونے کا ثبوت اس سے ملتا ہے کہ آفت آنے کے بعد پچھتا کر کہتا تھا "يٰلَيْتَنِيْ لَمْ اُشْرِكْ بِرَبِّيْٓ اَحَدًا" معلوم ہوتا ہے کہ اس کا غریب ساتھی جو پکا موحد تھا شرک کے باطل ہونے کا اظہار اور شرک سے تائب ہونے کی نصیحت کر رہا ہوگا جس کے جواب میں یہ کہا کہ میں تجھ سے مال میں، جتھے میں، ہر چیز میں زیادہ ہوں کس طرح یقین کر لوں کہ میں باطل پر ہوں اور تجھ جیسا مفلس قلاش حق پر ہو۔

(۴۶) یعنی شرک میں مبتلا تھا۔ کبر و غرور کا نشہ دماغ میں بھرا ہوا تھا، دوسروں کو حقیر جانتا تھا۔ اور خدا کی قدرت و جبروت پر نظر نہ تھی۔ نہ یہ سمجھتا

۱؎ کہا ہوتا ۲؎ ہوتا ہے۔ ۳؎ تیرے باغ پر گرم لو۔ ۴؎ پیڑ، چٹیل۔ ۵؎ ٹٹیوں پر۔ ۶؎ وہاں ۷؎ رل مل کر۔

تھا کہ آگے کیا انجام ہونے والا ہے بس یہ ہی باغ اُس کی جنت تھی جس کو آپ خیر سے ابدی سمجھتے تھے۔

(۴۷) **مال کی وجہ سے آخرت سے انکار** یعنی اب تو آرام سے گذرتی ہے۔ اور میں نے سب انتظامات ایسے مکمل کر لئے ہیں کہ میری زندگی تک ان باغوں کے تباہ ہونے کا بظاہر کوئی کھٹکا نہیں۔ رہا بعد الموت کا قصّہ، سو اوّل تو مجھے یقین نہیں کہ مرنے کے بعد ہڈیوں کے ریزوں کو دوبارہ زندگی ملے گی؟ اور ہم خدا کے سامنے پیش کئے جائیں گے لیکن اگر ایسا ہوا تو یقیناً مجھے یہاں سے بہتر سامان وہاں ملنا چاہئے اگر ہماری حرکات خدا کو ناپسند ہوتیں تو دنیا میں اتنی کشائش کیوں دیتا۔ گویا یہاں کی فراخی علامت ہے کہ وہاں بھی ہم عیش اڑائیں گے۔

(۴۸) **اس کے مومن دوست کا جواب** یعنی جس خدا نے تیری اصل (آدم علیہ السلام) کو بے جان مٹی سے، پھر تجھ کو زمینی پیداوار کے خلاصہ اور ایک قطرہ ناچیز سے پیدا کر کے زندگی بخشی اور جسمانی و روحانی قوتیں دے کر ہٹا کٹا مرد بنایا، کیا تجھے انکار ہے کہ وہ تیرے مرے پیچھے دوبارہ زندہ نہیں کر سکتا؟ یا دی ہوئی نعمت چھین نہیں سکتا؟ میرا تو یہ عقیدہ نہیں۔ بلکہ یقین رکھتا ہوں کہ وہ تنہا ہمارا رب ہے۔ اُس کی خدائی میں کوئی حصہ دار نہیں، پھر بھلا اُس کے حکم و اختیار کے سامنے کون دم مار سکتا ہے۔

(۴۹) **مَاشَاءَ اللّٰهُ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ کے کلمہ کی تلقین** یعنی مال تو اللہ کی نعمت ہے۔ پر اترانے اور کفر بکنے سے آفت آتی ہے چاہئے تھا کہ باغ میں داخل ہوتے وقت "مَآ اَظُنُّ اَنْ تَبِيْدَ هٰذِهٖٓ اَبَدًا" کی جگہ "مَاشَاءَ اللّٰهُ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ" کہتا۔ یعنی خدا جو چاہے عطا فرمائے، ہم میں جو کچھ زور و قوت ہے اسی کی امداد و اعانت سے ہے۔ وہ چاہے تو ایک دم میں سلب کر لے روایات میں ہے کہ جب آدمی کو اپنے گھر بار میں آسودگی نظر آئے تو یہ ہی لفظ کہے۔ "مَاشَاءَ اللّٰهُ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ"

(۵۰) دنیا میں یا آخرت میں۔

(۵۱) یعنی ایک گرم بگولا اُٹھے یا اور کوئی آفت سماوی نازل ہو جو تیرے تکبر و تجبر کی سزا میں باغ کو تہس نہس کر کے صاف چٹیل میدان بنا دے یا نہر کا پانی خشک ہو کر رہ جائے۔ پھر باوجود کوشش کے جاری نہ ہو۔

(۵۲) یعنی کف افسوس ملتا رہ گیا۔

(۵۳) **باغ و اسباب کی تباہی** حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "آخر اُس کے باغ پر وہ ہی ہوا جو اُس مرد نیک کی زبان سے نکلا تھا رات کو آفت سماوی آگ کی صورت میں آئی۔ سب جل کر ڈھیر ہو گیا۔ مال خرچ کیا تھا پونجی بڑھانے کو وہ اصل بھی کھو بیٹھا۔"

(۵۴) **اپنے شرک پر ندامت** مگر اب پچھتائے کیا ہوت ہے جب چڑیاں چگ گئیں کھیت۔ اور یہ افسوس و ندامت بھی خدا سے ڈر کر نہیں، محض دنیوی ضرر پہنچنے کی بنا پر تھی۔

(۵۵) یعنی نہ جتھا کام آیا، نہ اولاد، نہ فرضی معبود جنہیں خدائی کا شریک ٹھہرا رکھا تھا۔ اور نہ خود اپنی ذات میں اتنی طاقت تھی کہ خدا کے عذاب کو روک دیتا یا بدلہ لے سکتا۔

(۵۶) یعنی جس عمل کا جو بدلہ کسی کو دے وہ ہی ٹھیک ہے۔ یہاں اور وہاں ہر جگہ اختیار اسی کا چلتا ہے۔ کسی کی مجال نہیں کہ اس کے فیصلہ میں دخل دے سکے۔

(۵۷) **دُنیا کی زندگی کی مثال** یعنی دُنیا کی عارضی بہار اور فانی و سریع الزوال ترو تازگی کی مثال ایسی سمجھو کہ خشک اور مردہ زمین پر بارش کا پانی پڑا، وہ یک بیک جی اُٹھی، گنجان درخت اور مختلف اجزاء سے رلا ملا سبزہ نکل آیا۔ لہلہاتی کھیتی آنکھوں کو بھلی معلوم ہونے لگی۔ مگر چند روز ہی گذرے کہ زرد ہو کر سوکھنا شروع ہو گئی۔ آخر ایک وقت آیا کہ کاٹ چھانٹ کر برابر کر دی گئی۔ پھر ریزہ ریزہ ہو کر ہوا میں اُڑائی گئی۔ یہ ہی حال دنیا کے دیدہ زیب و ابلہ فریب بناؤ سنگار کا سمجھو۔ چند روز کے لئے خوب ہری بھری نظر آتی ہے۔ آخر میں چورہ ہو کر ہوا میں اڑ جائیگی۔ اور کٹ

چھٹ کر سب میدان صاف ہو جائیگا جیسا کہ آگے "وَيَوْمَ نُسَيِّرُ الْجِبَالَ وَتَرَى الْأَرْضَ بَارِزَةً" میں اشارہ کیا ہے۔

(۵۸) یعنی جب چاہے پھر جلا دے۔ (موضح القرآن) یا یہ کہ اُگانا اور چورا کر کے اڑا دینا سب اُسی کے دست قدرت میں ہے۔

اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِيْنَةُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ

مال اور بیٹے رونق ہیں دنیا کی زندگی میں اور باقی رہنے والی نیکیوں کا بہتر ہے تیرے رب کے یہاں بدلا اور بہتر ہے

اَمَلًا ﴿۴۶﴾ وَيَوْمَ نُسَيِّرُ الْجِبَالَ وَتَرَى الْاَرْضَ بَارِزَةً ۙ وَّحَشَرْنٰهُمْ فَلَمْ نُغَادِرْ مِنْهُمْ اَحَدًا ﴿۴۷﴾

توقع ف ۵۹ اور جس دن ہم چلائیں پہاڑ اور تو دیکھے زمین کو کھلی ہوئی ف ۶۰ اور گھیر بلائیں ہم انکو پھر نہ چھوڑیں اُن میں سے ایک کو ف ۶۱

وَعُرِضُوْا عَلٰى رَبِّكَ صَفًّا ۭ لَقَدْ جِئْتُمُوْنَا كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۡ بَلْ زَعَمْتُمْ اَلَّنْ نَّجْعَلَ لَكُمْ

اور سامنے آئیں تیرے رب کے صف باندھکر[1] آ پہنچے تم ہمارے پاس جیسے ہمنے بنایا تھا تم کو پہلی بار نہیں تم تو کہتے تھے کہ نہ مقرر کرینگے ہم تمہارے لئے

مَّوْعِدًا ﴿۴۸﴾ وَوُضِعَ الْكِتٰبُ فَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ مُشْفِقِيْنَ مِمَّا فِيْهِ وَيَقُوْلُوْنَ يٰوَيْلَتَنَا مَالِ هٰذَا

کوئی وعدہ ف ۶۲ اور رکھا جائیگا حساب کا کاغذ پھر تو دیکھے گنہگاروں کو ڈرتے ہیں اُس سے جو اسمیں لکھا ہے ف ۶۳ اور کہتے ہیں ہائے خرابی کیسا ہے یہ

ع ۵ / ۱۸ الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً اِلَّآ اَحْصٰىهَا ۚ وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا ۭ وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا ﴿۴۹﴾ وَاِذْ

کاغذ نہیں چھوٹی اس سے چھوٹی بات اور نہ بڑی بات جو اسمیں نہیں آگئی[2] اور پائیں گے جو کچھ کیا ہے سامنے ف ۶۴ اور تیرا رب ظلم نہ کرے گا کسی پر ف ۶۵ اور جب

قُلْنَا لِلْمَلٰۗىِٕكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ۭ كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ ۭ

کہا ہمنے فرشتوں کو سجدہ کرو آدم کو تو سجدہ میں گر پڑے مگر ابلیس تھا جن کی قسم سے سو نکل بھاگا اپنے رب کے حکم سے

اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ وَذُرِّيَّتَهٗٓ اَوْلِيَاۗءَ مِنْ دُوْنِيْ وَهُمْ لَكُمْ عَدُوٌّ ۭ بِئْسَ لِلظّٰلِمِيْنَ بَدَلًا ﴿۵۰﴾

سو کیا اب تم ٹھہراتے ہو اُس کو اور اُسکی اولاد کو رفیق میرے سوائے اور وہ تمہارے دشمن ہیں بُرا ہاتھ لگا بے انصافوں کے بدلہ ف ۶۶

(۵۹) **مال و اولاد اور باقی رہنے والی نیکیاں** یعنی مرنے کے بعد مال و اولاد وغیرہ کام نہیں آتے صرف وہ نیکیاں کام آتی ہیں جن کا اثر یا ثواب آئندہ باقی رہنے والا ہو۔ حدیث میں "سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ" ان کلمات کو باقیات صالحات فرمایا۔ یہ محض مثال کے طور پر ہے۔ ورنہ تمامی اعمال حسنہ اس میں داخل ہیں۔ موضح القرآن میں ہے "رہنے والی نیکیاں یہ کہ علم سکھا جائے جو جاری رہے یا کوئی نیک رسم چلا جائے یا مسجد، کنواں، سرائے، باغ، کھیت وقف کر جائے یا اولاد کو تربیت کر کے صالح چھوڑ جائے، اسی قسم کے کام ہیں جن پر خدا کے ہاں بہترین بدلہ مل سکتا ہے اور انسان عمدہ توقعات قائم کر سکتا ہے۔ دُنیا کی فانی و زائل خوشحالی پر لمبی چوڑی اُمیدیں باندھنا عقلمندی نہیں۔

(۶۰) **قیامت کے دن پہاڑ اور زمین کا حال** یعنی جب قیامت آئے گی پہاڑ جیسی سخت مخلوق بھی اپنی جگہ سے چلائی جائیگی بلکہ اُس کی بھاری بھاری چٹانیں دُھنی ہوئی اُون کی طرح فضا میں اُڑتی پھریں گی۔ غرض زمین کے سارے اُبھار مٹ مٹا کر سطح ہموار اور کھلی ہوئی رہ جائے گی۔

[1] قطار [2] گھیر لی۔

(۶۱) یعنی کوئی شخص خدائی عدالت سے غیر حاضر نہ ہو سکیگا۔

(۶۲) **محشر میں اُمتوں کی صفیں** منکرین بعث کو تقریع و توبیخ کے طور پر یہ کہا جائیگا کہ تم تو قیامت وغیرہ کو محض ڈھکوسلہ سمجھتے تھے آج سب جتھا اور اثاثہ چھوڑ کر ننگ دھڑنگ کہاں آپہنچے۔ اور "جیسا بنایا تھا پہلی بار" میں یہ بھی داخل ہے کہ بدن میں کچھ زخم و نقصانات وغیرہ نہ رہیگا۔ حدیث میں ہے کہ محشر میں کل ایک سو بیس صفیں ہونگی جن میں اسّی اُمت محمدیہ کی ہیں۔

(۶۳) **اعمال نامے** یعنی اعمالنامہ ہر ایک کے ہاتھ میں دیا جائیگا۔ اُس میں اپنے گناہوں کی فہرست پڑھ کر مجرم خوف کھائیں گے کہ دیکھئے آج کیسی سزا ملتی ہے۔

(۶۴) یعنی ذرّہ ذرّہ عمل آنکھوں کے سامنے ہوگا اور ہر ایک چھوٹی بڑی بدی یا نیکی اعمالنامہ میں مندرج پائیں گے۔

(۶۵) **حشر میں کسی پر ظلم نہیں ہوگا** حق تعالیٰ کی بارگاہ میں ظلم کا بایں معنی تو امکان ہی نہیں کہ وہ غیر کی ملک میں تصرف کرے، کیونکہ تمام مخلوق اسی کی ملک ہے۔ لیکن ظاہر میں جو ظلم نظر آئے اور بے موقع کام سمجھا جائے۔ وہ بھی نہیں کرتا، نہ کسی کو بے قصور پکڑتا ہے نہ کسی کی ادنیٰ نیکی کو ضائع ہونے دیتا ہے۔ بلکہ اپنی حکمت بالغہ سے نیکی و بدی کے ہر ایک درخت پر وہ ہی پھل لگاتا ہے جو اس کی طبیعت نوعیہ کا اقتضاء ہو۔ گندم از گندم بروید جو ز جو۔ از مکافاتِ عمل غافل مشو کفر و ایمان اور طاعت و معصیت میں خالق الکل نے اسی طرح کے علیحدہ علیحدہ خواص و تاثیرات رکھ دی ہیں۔ جیسے زہر اور تریاق میں۔ آخرت میں خیر و شر کے یہ تمام خواص و آثار علانیہ ظاہر ہو جائیں گے۔

(۶۶) **ابلیس جنّ تھا** راجح یہی ہے کہ ابلیس نوع جن سے تھا، عبادت میں ترقی کر کے گروہ ملائکہ میں شامل ہو گیا۔ اسی لئے فرشتوں کو جو حکم سجود ہوا اس کو بھی ہوا اُس وقت اس کی اصلی طبیعت رنگ لائی۔ تکبر کر کے خدا تعالیٰ کی فرمانبرداری سے بھاگ نکلا، آدم کے سامنے سر جھکانے میں کسرِ شان سمجھی۔ تعجب ہے آج آدم کی اولاد اپنے رب کی جگہ اُسی دشمن ازلی اور اُس کی اولاد و اتباع کو اپنا رفیق و خیر خواہ اور مددگار بنانا چاہتی ہے۔ اس سے بڑھ کر بے انصافی اور ظلم کیا ہوگا۔ یہ قصہ پہلے کئی جگہ مفصل گذر چکا ہے۔ یہاں اس پر متنبہ کرنے کے لئے لائے ہیں کہ دنیائے فانی کی ٹیپ ٹاپ پر مغرور ہو کر آخرت سے غافل ہو جانا شیطان کی تحریک و تسویل سے ہے چاہتا ہے کہ ہم اپنے اصلی و آبائی وطن (جنّت) میں واپس نہ جائیں۔ اس کا مطمح نظر یہ ہے کہ دوست بن کر ہم سے پرانی دشمنی نکالے آدمی کو لازم ہے کہ ایسے چالاک دشمن سے ہشیار رہے۔ جو لوگ دنیوی متاع پر مغرور ہو کر ضعفاء کو حقیر سمجھتے اور اپنے کو بہت لمبا کھینچتے ہیں، وہ تکبر و تفاخر میں شیطان لعین کی راہ پر چل رہے ہیں۔ (تنبیہ) ابن کثیر نے بعض روایات نقل کر کے جن میں ابلیس کی اصل نوع ملائکہ میں سے بتلائی گئی ہے، لکھا ہے کہ ان روایات کا غالب حصہ اسرائیلیات میں سے ہے جنہیں بہت نظر و فکر کے بعد احتیاط کے ساتھ قبول کرنا چاہئے اور ان میں کی بعض چیزیں تو یقیناً جھوٹ ہیں۔ کیونکہ قرآن اُن کی صاف تکذیب کرتا ہے۔ آگے ابن کثیر نے بہت وزندار الفاظ میں اسرائیلیات کے متعلق جو کچھ کلام کیا ہے، دیکھنے اور یاد رکھنے کے قابل ہے۔ یہاں بخوف تطویل ہم درج نہیں کر سکتے۔

مَآ اَشْهَدْتُّهُمْ خَلْقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَا خَلْقَ اَنْفُسِهِمْ ۪ وَمَا كُنْتُ مُتَّخِذَ الْمُضِلِّيْنَ

دکھلا نہیں لیا تھا میں نے اُنکو بنانا آسمان اور زمین کا اور نہ بنانا خود اُن کا اور میں وہ نہیں کہ بناؤں بہکانے والوں کو

عَضُدًا ﴿۵۱﴾ وَيَوْمَ يَقُوْلُ نَادُوْا شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهُمْ وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ

اپنا مددگار [1] اور جس دن فرمائیگا پکارو میرے شریکوں کو جنکو تم مانتے تھے پھر پکاریں گے سو وہ جواب نہ دیں گے اُن کو اور کر دینگے ہم اُنکے بیچ

[1] قوت بازو۔

مَّوْبِقًا ﴿۵۲﴾ وَرَاَ الْمُجْرِمُوْنَ النَّارَ فَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ مُّوَاقِعُوْهَا وَلَمْ يَجِدُوْا عَنْهَا مَصْرِفًا ﴿۵۳﴾ ع وَلَقَدْ صَرَّفْنَا ع ۷ ۱۹

مرنے کی جگہ[1] ف۶۹ اور دیکھیں گے گنہگار آگ کو پھر سمجھ لیں گے کہ اُن کو پڑنا ہے اُس میں اور نہ بدل[2] سکیں گے اس سے رستہ ف۷۰ اور بیشک پھیر پھیر کر سمجھائی

فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِلنَّاسِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ۭ وَكَانَ الْاِنْسَانُ اَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا ﴿۵۴﴾ وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ

ہمنے اس قرآن میں لوگوں کو ہر ایک مثل اور ہے انسان سب چیز سے زیادہ جھگڑالو ف۷۱ اور لوگوں کو جو روکا اس بات سے

يُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَاۗءَهُمُ الْهُدٰى وَيَسْتَغْفِرُوْا رَبَّهُمْ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمْ سُنَّةُ الْاَوَّلِيْنَ اَوْ يَاْتِيَهُمُ الْعَذَابُ

کہ یقین لے آئیں جب پہنچی اُن کو ہدایت اور گناہ بخشوائیں اپنے رب سے سوا اسی انتظار کے کہ پہنچے اُن پر رسم پہلوں کی یا آکھڑا ہو اُن پر عذاب

قُبُلًا ﴿۵۵﴾ وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ۚ وَيُجَادِلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِالْبَاطِلِ

سامنے کا ف۷۲ اور ہم جو رسول بھیجتے ہیں سو خوشخبری اور ڈر سنانے کو ف۷۳ اور جھگڑا کرتے ہیں کافر جھوٹا جھگڑا

لِيُدْحِضُوْا بِهِ الْحَقَّ وَاتَّخَذُوْٓا اٰيٰتِيْ وَمَآ اُنْذِرُوْا هُزُوًا ﴿۵۶﴾ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ

کہ ٹلا دیں اُس سے سچی بات کو ف۷۴ اور ٹھہرا لیا انہوں نے میرے کلام کو اور جو ڈر سنائے گئے ٹھٹھا ف۷۵ اور اُس سے زیادہ ظالم کون جس کو سمجھایا اُسکے رب کے

فَاَعْرَضَ عَنْهَا وَنَسِيَ مَا قَدَّمَتْ يَدٰهُ ۭ اِنَّا جَعَلْنَا عَلٰي قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ

کلام سے پھر منہ پھیر لیا اُسکی طرف سے اور بھول گیا جو کچھ آگے بھیج چکے ہیں اُسکے ہاتھ ف۷۶ ہمنے ڈال دیے ہیں اُنکے دلوں پر پردے کہ اس کو نہ سمجھیں اور اُنکے کانوں میں ہو

وَقْرًا ۭ وَاِنْ تَدْعُهُمْ اِلَى الْهُدٰى فَلَنْ يَّهْتَدُوْٓا اِذًا اَبَدًا ﴿۵۷﴾

بوجھ اور اگر تو اُن کو بُلائے راہ پر تو ہرگز نہ آئیں راہ پر اس وقت کبھی ف۷۷

(۶۷) **شیاطین کی مذمت** یعنی زمین و آسمان پیدا کرتے وقت ہم نے ان شیاطین کو بلایا نہ تھا کہ ذرا آکر دیکھ جائیں۔ ٹھیک بنا ہے یا کچھ اونچ نیچ رہ گئی۔ غرض نہ ان سے تکوین و ایجاد عالم میں کچھ مشورہ لیا گیا نہ مدد طلب کی گئی، بلکہ زمین و آسمان کی پیدائش کے وقت تو سرے سے یہ موجود ہی نہ تھے۔ خود ان کو پیدا کرتے وقت بھی نہیں پوچھا گیا کہ تمہیں کیسا بنایا جائے یا تمہارے دوسرے ہم جنسوں کو کس طرح پیدا کروں ذرا آکر میری مدد کرو۔ اور بالفرض محال مدد بھی لیتا اور قوت بازو بھی بناتا تو کیا ان بدبخت اشقیاء کو؟ جنہیں جانتا ہوں کہ لوگوں کو میری راہ سے بہکانے والے ہیں۔ پھر خدا جانے آدمیوں نے ان کو خدائی کا درجہ کیسے دیدیا اور اپنے رب کو چھوڑ کر انہیں کیوں رفیق و مددگار بنانے لگے۔ "سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰى عَمَّا يَقُوْلُ الظّٰلِمُوْنَ عُلُوًّا كَبِيْرًا"۔

(۶۸) یعنی جن کو میرا شریک بنا رکھا تھا۔ بلاؤ! تا اس مصیبت کے وقت تمہاری مدد کریں۔

(۶۹) **مشرکین اور شرکاء کی حالت** اس وقت رفاقت اور دوستی کی ساری قلعی کھل جائیگی ایک دوسرے کے نزدیک بھی نہ جا سکیں گے۔ کام آنا تو درکنار دونوں کے بیچ میں عظیم و وسیع خندق آگ کی حائل ہوگی (اعاذنا اللہ منہا)

(۷۰) یعنی شروع شروع میں شاید کچھ معافی کی امید ہوگی لیکن جہنم کو دیکھتے ہی یقین ہو جائیگا کہ اب اس میں گرنا ہے اور فرار کا کوئی راستہ نہیں۔

(۷۱) **انسان جھگڑالو ہے** یعنی قرآن کریم کس طرح مختلف عنوانات اور قسم قسم کی دلائل و امثلہ سے سچّی باتیں سمجھاتا ہے۔ مگر انسان کچھ ایسا جھگڑالو واقع ہوا ہے کہ صاف اور سیدھی باتوں میں بھی کٹ حجتی کئے بغیر نہیں رہتا۔ جب دلائل کا جواب بن نہیں پڑتا تو مہمل اور

[1] موت کا سامان۔ [2] نہ پاوینگے اُس سے پھر جانے کی راہ

دوراز کار فرمائشیں شروع کر دیتا ہے کہ فلاں چیز دکھاؤ تو مانونگا۔

(۷۲) **قبول ہدایت سے اب کیا چیز مانع ہے؟** یعنی ان کے ضد و عناد کو دیکھتے ہوئے کہا جاسکتا ہے کہ قرآن ایسی عظیم الشان ہدایت پہنچ جانے کے بعد ایمان نہ لانے اور توبہ نہ کرنے کا کوئی معقول عُذر ان کے پاس باقی نہیں۔ آخر قبول حق میں اب کیا دیر ہے اور کاہے کا انتظار ہے۔ بجز اس کے کہ پہلی قوموں کی طرح خدا تعالیٰ ان کو بالکل تباہ کر ڈالے۔ یا اگر تباہ نہ کئے جائیں تو کم از کم مختلف صورتوں میں عذاب الٰہی سے آنکھوں کے سامنے آکھڑا ہو۔ ہکذا فہم من تفسیر ابن کثیر وغیرہ۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "یعنی کچھ اور انتظار نہیں رہا مگر یہی کہ پہلوں کی طرح ہلاک ہوویں یا قیامت کا عذاب آنکھوں سے دیکھیں۔

(۷۳) ان کو یہ اختیار نہیں کہ جب تم مانگو یا جب وہ چاہیں عذاب لاکھڑا کریں۔

(۷۴) یعنی جھوٹے جھگڑے اٹھا کر کٹ حجتی کر کے چاہتے ہیں کہ حق کی آواز پست کر دیں اور جھوٹ کے زور سے سچائی کا قدم ڈگمگادیں ایسا کبھی نہ ہوگا۔

(۷۵) یعنی کلام اللہ سے ٹھٹھا کرتے ہیں اور جس عذاب سے ڈرایا جاتا ہے اُس کی ہنسی اُڑاتے ہیں۔

(۷۶) یعنی کبھی بھول کر بھی خیال نہ آیا کہ تکذیب حق اور استہزاء و تمسخر کا جو ذخیرہ آگے بھیج رہا ہے اُس کی سزا کیا ہے۔

(۷۷) **کفّار کے دلوں پر پردے** یعنی اُن کے جدال بالباطل اور استہزاء بالحق کی وجہ سے ہم نے ان کے دلوں پر پردے ڈال دیئے اور کانوں میں ڈاٹ ٹھونک دی۔ اب نہ حق کو سنتے ہیں نہ سمجھتے ہیں بالکل مسخ ہو گئے۔ پھر حق کی طرف متوجہ ہوں تو کیسے ہوں اور انجام کا خیال کریں تو کیسے کریں۔ ایسے بدبختوں کے راہ پر آنے کی کبھی توقع نہیں۔

وَرَبُّكَ الْغَفُورُ ذُو الرَّحْمَةِ ۖ لَوْ يُؤَاخِذُهُم بِمَا كَسَبُوا لَعَجَّلَ لَهُمُ الْعَذَابَ ۚ بَل لَّهُم مَّوْعِدٌ لَّن يَجِدُوا

اور تیرا رب بڑا بخشنے والا ہے رحمت والا اگر ان کو پکڑے اُن کے کئے پر تو جلد ڈالے اُن پر عذاب ف۷۸ پر اُن کیلئے ایک وعدہ ہے کہیں نہ پائیں گے

مِن دُونِهِ مَوْئِلًا ﴿٥٨﴾ وَتِلْكَ الْقُرَىٰ أَهْلَكْنَاهُمْ لَمَّا ظَلَمُوا وَجَعَلْنَا لِمَهْلِكِهِم مَّوْعِدًا ﴿٥٩﴾ وَإِذْ قَالَ ع ۲۰

اس سے ورے سرک جانے کو جگہ ف۷۹ اور یہ سب بستیاں ہیں جن کو ہم نے غارت کیا جب وہ ظالم ہو گئے اور مقرر کیا تھا ہم نے اُنکی ہلاکت کا ایک وعدہ ف۸۰ اور جب کہا

مُوسَىٰ لِفَتَاهُ لَا أَبْرَحُ حَتَّىٰ أَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ أَوْ أَمْضِيَ حُقُبًا ﴿٦٠﴾ فَلَمَّا بَلَغَا مَجْمَعَ بَيْنِهِمَا

موسیٰ نے اپنے جوان کو میں نہ ہٹونگا جب تک نہ پہنچ جاؤں جہاں ملتے ہیں دو دریا یا چلا جاؤں قرنوں ف۸۱ پھر جب پہنچے دونوں دریا کے ملاپ تک

نَسِيَا حُوتَهُمَا فَاتَّخَذَ سَبِيلَهُ فِي الْبَحْرِ سَرَبًا ﴿٦١﴾ فَلَمَّا جَاوَزَا قَالَ لِفَتَاهُ آتِنَا غَدَاءَنَا لَقَدْ لَقِينَا

بھول گئے اپنی مچھلی پھر اس نے اپنی راہ کر لی دریا میں سرنگ بنا کر ف۸۲ پھر جب آگے چلے کہا موسیٰ نے اپنے جوان کو لا ہمارے پاس ہمارا کھانا ہم نے پائی

مِن سَفَرِنَا هَٰذَا نَصَبًا ﴿٦٢﴾ قَالَ أَرَأَيْتَ إِذْ أَوَيْنَا إِلَى الصَّخْرَةِ فَإِنِّي نَسِيتُ الْحُوتَ وَمَا أَنسَانِيهُ

اپنے اس سفر میں تکلیف ف۸۳ بولا وہ دیکھا تو نے جب ہم نے جگہ پکڑی اُس پتھر کے پاس سو میں بھول گیا مچھلی اور یہ مجھ کو بھلا دیا

إِلَّا الشَّيْطَانُ أَنْ أَذْكُرَهُ ۚ وَاتَّخَذَ سَبِيلَهُ فِي الْبَحْرِ عَجَبًا ﴿٦٣﴾

شیطان ہی نے کہ اُس کا ذکر کروں ف۸۴ اور اُس نے کر لیا اپنا رستہ دریا میں عجیب طرح

لہ وہ کر گئی اپنا رستہ۔

(۷۸) یعنی کرتوت تو ان کے ایسے کہ عذاب پہنچنے میں ایک گھنٹہ کی تاخیر نہ ہو۔ مگر حق تعالیٰ کا حلم و کرم فوراً تباہ کر ڈالنے سے مانع ہے، اپنی رحمت عامہ سے خاص حد تک درگذر فرماتا ہے اور سخت سے سخت مجرم کو موقع دیتا ہے کہ چاہے تو اب بھی توبہ کر کے پچھلی خطائیں بخشوالے اور ایمان لا کر رحمت عظیمہ کا مستحق بن جائے۔

(۷۹) یعنی یہ تاخیر عذاب ایک وقت معین تک ہے۔ یہ ممکن نہیں کہ کوئی مجرم سزا کا وعدہ آنے سے پیشتر کہیں ادھر ادھر کھسک جائے جب وقت آئیگا سب بندھے چلے آئیں گے، مجال نہیں کوئی روپوش ہو سکے۔

(۸۰) **بستیوں کی ہلاکت** یعنی عاد و ثمود کی بستیاں جن کے واقعات مشہور و معروف ہیں، دیکھ لو جب ظلم کیے کس طرح اپنے وقت معین پر تباہ و برباد کر دی گئیں اسی طرح تم کو ڈرتے رہنا چاہیئے کہ وقت آنے پر عذاب الٰہی سے کہیں پناہ نہ ملے گی۔

(۸۱) **حضرت موسیٰ اور حضرت خضر کے واقعے کی اصل وجہ** اوپر ذکر ہوا تھا کہ مغرور کافر مفلس مسلمانوں کو حقیر سمجھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہتے تھے کہ ان کو پاس نہ بٹھائیں تو ہم بیٹھیں۔ اسی پر دو شخصوں کی کہاوت سنائی۔ پھر دنیا کی مثال اور ابلیس کا کبر و غرور سے خراب ہونا بیان کیا۔ اب موسیٰؑ اور خضرؑ کا قصہ ذکر کرتے ہیں کہ اللہ والے اگر سب سے افضل اور بہتر بھی ہوں تو آپ کو بہتر نہیں کہتے۔ اور کبھی بھول چوک سے کہہ گذریں تو حق تعالیٰ کی طرف سے تادیب و تنبیہ کی جاتی ہے۔ حدیث میں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کو نہایت موثر اور بیش بہا نصیحتیں فرما رہے تھے۔ ایک شخص نے پوچھا، اے موسیٰ! کیا روئے زمین پر آپ اپنے سے بڑا عالم کسی کو پاتے ہیں؟ آپ نے فرمایا نہیں۔ یہ جواب واقع میں صحیح تھا۔ کیونکہ موسیٰ علیہ السلام اولوا العزم پیغمبروں میں سے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ان کے زمانہ میں اسرار شرعیہ کا علم ان سے زیادہ کس کو ہو سکتا تھا۔ لیکن حق تعالیٰ کو ان کے الفاظ پسند نہ آئے، گو مراد صحیح تھی۔ تاہم عنوان جواب کے عموم سے ظاہر ہوتا تھا کہ روئے زمین پر من کل الوجوہ اپنے کو اعلم الناس خیال کرتے ہیں۔ خدا کی مرضی یہ تھی کہ جواب کو اس کے علم محیط پر محول کرتے۔ مثلاً یہ کہتے کہ اللہ کے مقرب و مقبول بندے بہت سے ہیں، سب کی خبر اسی کو ہے۔ تب وحی آئی کہ جس جگہ دو دریا ملے ہیں اس کے پاس ہمارا ایک بندہ ہے جو تم سے زیادہ علم رکھتا ہے۔

مجمع البحرین کی تحقیق دو دریا سے کون سے دریا مراد ہیں؟ بعض نے کہا کہ بحر فارس اور بحر روم لیکن یہ دونوں ملتے نہیں۔ شاید ملاپ سے مراد قرب ہوگا یعنی جہاں دونوں کا فاصلہ کم سے کم رہ جائے۔ بعض افریقہ کے دو دریا مراد لیتے ہیں بعض علماء کے نزدیک "مجمع البحرین" وہ مقام ہے جہاں پہنچ کر دجلہ اور فرات خلیج فارس میں گرتے ہیں۔ واللہ اعلم۔ بہرحال موسیٰ علیہ السلام نے درخواست کی کہ مجھے اس کا پورا پتہ نشان بتایا جائے تا میں وہاں جا کر کچھ علمی استفادہ کروں۔ حکم ہوا کہ اس کی تلاش میں نکلو تو ایک مچھلی تل کر ساتھ رکھ لو، جہاں مچھلی گم ہو، وہیں سمجھنا کہ وہ بندہ موجود ہے۔ گویا "مجمع البحرین" سے جو ایک وسیع قطعہ مراد ہو سکتا تھا اس کی پوری تعیین کے لئے یہ علامت مقرر فرما دی۔

حضرت یوشع سے حضرت موسیٰ کا خطاب موسیٰ علیہ السلام نے اسی ہدایت کے موافق اپنے خادم خاص حضرت یوشعؑ کو ہمراہ لیکر سفر شروع کر دیا، اور یوشع کو کہہ دیا کہ مچھلی کا خیال رکھنا۔ میں برابر سفر کرتا رہونگا یہاں تک کہ منزل مقصود پر پہنچ جاؤں، اگر فرض کرو برس اور قرن بھی گزر جائیں گے بدون مقصد حاصل کیے سفر سے نہ ہٹونگا۔ (تنبیہ) جوان سے مراد حضرت یوشع ہیں جو ابتداءً موسیٰ علیہ السلام کے خادم خاص تھے، پھر ان کے روبرو پیغمبر اور ان کے بعد خلیفہ ہوئے۔

(۸۲) **مچھلی کا گم ہونا** وہاں پہنچ کر ایک بڑے پتھر کے قریب جس کے نیچے آب حیات کا چشمہ جاری تھا، حضرت موسیٰ علیہ السلام سو رہے۔ یوشع علیہ السلام نے دیکھا کہ مچھلی باذن اللہ زندہ ہو کر زنبیل سے نکل پڑی اور عجیب طریقہ سے دریا میں سرنگ سی بناتی چلی گئی۔

وہاں پانی میں خدا کی قدرت سے ایک طاق سا کھلا رہ گیا۔ یوشع کو دیکھ کر تعجب آیا۔ چاہا کہ موسٰی بیدار ہوں تو اُن سے کہوں۔ وہ بیدار ہوئے تو دونوں آگے چل کھڑے ہوئے۔ یوشع نہ معلوم کن خیالات میں پڑ کر کہنا بھول گئے۔ روایات میں ہے کہ موسٰی علیہ السّلام نے جب اُن کو مچھلی کی خبرگیری کے لئے کہا تھا تو اُن کی زبان سے نکلا کہ یہ کوئی بڑا کام نہیں۔ لہٰذا متنبہ کیا گیا کہ چھوٹے سے چھوٹے کام میں بھی آدمی کو محض اپنے نفس پر بھروسہ نہیں چاہیئے۔

(۸۳) حضرت موسٰی علیہ السّلام پہلے نہیں تھکے۔ جب مطلب چھوٹ رہا تھا اُس وقت چلنے سے تکان محسوس کیا۔

(۸۴) یعنی مطلب کی بات بھول جانا اور عین موقع یادداشت پر ذہول ہونا۔ شیطان کی وسوسہ اندازی سے ہوا۔

قَالَ ذٰلِكَ مَا كُنَّا نَبْغِ ۖ فَارْتَدَّا عَلٰٓى اٰثَارِهِمَا قَصَصًا ﴿۶۴﴾ فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَآ اٰتَيْنٰهُ رَحْمَةً

کہا یہی ہے جو ہم چاہتے تھے پھر اُلٹے پھرے اپنے پیر پہچانتے ف۸۵ پھر پایا ایک بندہ ہمارے بندوں میں کا جس کو دی تھی

مِّنْ عِنْدِنَا وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا ﴿۶۵﴾ قَالَ لَهٗ مُوْسٰى هَلْ اَتَّبِعُكَ عَلٰٓى اَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا

ہم نے رحمت اپنے پاس سے اور سکھلایا تھا اپنے پاس سے ایک علم ف۸۶ کہا اُس کو موسٰی نے کہے تو تیرے ساتھ رہوں اس بات پر کہ تو مجھ کو سکھلا دے کچھ جو

عُلِّمْتَ رُشْدًا ﴿۶۶﴾ قَالَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا ﴿۶۷﴾ وَكَيْفَ تَصْبِرُ عَلٰى مَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ خُبْرًا ﴿۶۸﴾

تجھ کو سکھلائی ہے بھلی راہ ف۸۷ بولا تو نہ ٹھہر سکیگا میرے ساتھ اور کیونکر ٹھہریگا دیکھ کر ایسی چیز کو کہ تیرے قابو میں نہیں اس کا سمجھنا ف۸۸

قَالَ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ صَابِرًا وَّلَآ اَعْصِيْ لَكَ اَمْرًا ﴿۶۹﴾ قَالَ فَاِنِ اتَّبَعْتَنِيْ فَلَا تَسْـَٔلْنِيْ عَنْ

کہا تو پائے گا اگر اللہ نے چاہا مجھ کو ٹھہرنے والا اور نہ ٹالونگا تیرا کوئی حکم ف۸۹ بولا پھر اگر میرے ساتھ رہتا ہے تو مت پوچھیو مجھ سے کوئی

شَيْءٍ حَتّٰٓى اُحْدِثَ لَكَ مِنْهُ ذِكْرًا ﴿۷۰﴾ فَانْطَلَقَا ۫ حَتّٰٓى اِذَا رَكِبَا فِي السَّفِيْنَةِ خَرَقَهَا ۭ قَالَ ع ۹ / ۲۱

چیز جب تک میں شروع نہ کروں تیرے آگے اُس کا ذکر ف۹۰ پھر دونوں چلے یہاں تک کہ جب چڑھے کشتی میں اُس کو پھاڑ ڈالا موسٰی بولا

اَخَرَقْتَهَا لِتُغْرِقَ اَهْلَهَا ۚ لَقَدْ جِئْتَ شَيْـًٔا اِمْرًا ﴿۷۱﴾ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا ﴿۷۲﴾

کیا تو نے اُس کو پھاڑ ڈالا کہ ڈبا دے اُسکے لوگوں کو البتہ تو نے کی ایک چیز بھاری ف۹۱ بولا میں نے نہ کہا تھا تو نہ ٹھہر سکے گا میرے ساتھ

قَالَ لَا تُؤَاخِذْنِيْ بِمَا نَسِيْتُ وَلَا تُرْهِقْنِيْ مِنْ اَمْرِيْ عُسْرًا ﴿۷۳﴾ فَانْطَلَقَا ۫ حَتّٰٓى اِذَا لَقِيَا غُلٰمًا

کہا مجھ کو نہ پکڑ میری بھول پر اور مت ڈال مجھ پر میرا کام مشکل ف۹۲ پھر دونوں چلے یہاں تک کہ جب ملے ایک لڑکے سے

فَقَتَلَهٗ ۙ قَالَ اَقَتَلْتَ نَفْسًا زَكِيَّةًۢ بِغَيْرِ نَفْسٍ ۭ لَقَدْ جِئْتَ شَيْـًٔا نُّكْرًا ﴿۷۴﴾

تو اُسکو مار ڈالا ف۹۳ موسٰی بولا کیا تو نے مار ڈالی ایک جان ستھری ف۹۴ بغیر عوض کسی جان کے بیشک تو نے کی ایک چیز نامعقول ف۹۵

(۸۵) غالباً وہاں راستہ بنا ہوا نہ ہوگا۔ اس لئے اپنے نقش قدم دیکھتے ہوئے اُلٹے پاؤں پھرے۔

(۸۶) **حضرت خضرؑ سے مُلاقات** وہ بندہ حضرت خضر علیہ السلام تھے۔ جن کو حق تعالیٰ نے رحمت خصوصی سے نوازا اور اسرار کونیہ کے علم سے حصہ وافر عطا فرمایا تھا اس میں اختلاف ہے کہ حضرت خضر کو رسول مانا جائے یا نبی یا محض ولی کے درجہ میں رکھا جائے۔ ایسے مباحث

ۭ[1] عجیب۔ [2] انوکھی۔

کا فیصلہ یہاں نہیں ہو سکتا۔ تاہم احقر کا رجحان اسی طرف ہے کہ اُن کو نبی تسلیم کیا جائے اور جیسا کہ بعض محققین کا خیال ہے جو انبیاء جدید شریعت لے کر نہیں آتے اُن کو بھی اتنا تصرف و اختیار عطا ہوتا ہے کہ مصالح خصوصیہ کی بناء پر شریعت مستقلہ کے کسی عام کی تخصیص یا مطلق کی تقیید یا عام ضابطہ سے بعض جزئیات کا استثناء کر سکیں۔ اسی طرح کے جزئی تصرفات حضرت خضر کو بھی حاصل تھے۔ واللہ اعلم۔ بہر حال موسیٰ علیہ السلام خضرؑ سے ملے علیک سلیک کے بعد خضرؑ نے سبب پوچھا۔ موسیٰ علیہ السلام نے آنے کا سبب بتلایا۔ خضرؑ نے کہا اے موسیٰ! بلاشبہ اللہ نے تمہاری تربیت فرمائی پر بات یہ ہے کہ اللہ کی طرف سے ایک علم (جزئیات کونیہ کا) مجھ کو ملا ہے جو (اتنی مقدار میں) تم کو نہیں ملا۔ اور ایک علم (اسرار تشریع کا)، تم کو دیا گیا ہے جو (اتنی بہتات سے) مجھ کو نہیں دیا گیا۔ اس کے بعد ایک چڑیا دکھا کر جو دریا میں سے پانی پی رہی تھی، کہا کہ میرا، تمہارا بلکہ کل مخلوقات کا سارا علم اللہ کے علم میں سے اتنا ہے۔ جتنا دریا کے پانی میں سے وہ قطرہ جو چڑیا کے منہ میں لگ گیا ہے (یہ بھی محض تفہیم کے لئے تھا ورنہ متناہی کو غیر متناہی سے قطرہ اور دریا کی نسبت بھی نہیں)۔

(۸۷) **حضرت موسیٰؑ کی درخواست** یعنی اجازت ہو تو چند روز آپ کے ہمراہ رہ کر اُس مخصوص علم کا کچھ حصّہ حاصل کروں۔

(۸۸) **حضرت خضرؑ کی پیشگوئی** حضرت خضرؑ نے موسیٰ علیہ السلام کے مزاج وغیرہ کا اندازہ کر کے سمجھ لیا کہ میرے ساتھ اُن کا نباہ نہ ہو سکیگا کیونکہ وہ مامور تھے کہ واقعات کونیہ کا جزئی علم پا کر اُسی کے موافق عمل کریں اور موسیٰ علیہ السلام جن علوم کے حامل تھے اُن کا تعلق تشریعی قوانین و کلیات سے تھا۔ بنابریں جن جزئیات میں عوارض و خصوصیات خاصہ کی وجہ سے بظاہر عام ضابطہ پر عمل نہ ہوگا۔ حضرت موسیٰ اپنی معلومات کی بنا پر ضرور روک ٹوک کریں گے۔ اور خاموشی کا مسلک دیر تک قائم نہ رکھ سکیں گے۔ آخری نتیجہ یہ ہوگا کہ جُدا ہونا پڑیگا۔

(۸۹) **حضرت موسیٰ کا وعدہ** یہ وعدہ کرتے وقت غالباً موسیٰ علیہ السلام کو اس کا تصور بھی نہ ہو سکتا تھا کہ ایسے مقرب و مقبول بندہ سے کوئی ایسی حرکت دیکھنے میں آئیگی جو علانیہ اُن کی شریعت بلکہ عام شرائع و اخلاق کے خلاف ہو۔ غنیمت ہوا کہ انہوں نے "ان شاء اللہ" کہہ لیا تھا ورنہ ایک قطعی وعدہ کی خلاف ورزی کرنا اولوالعزم پیغمبر کی شان کے لائق نہ ہوتا۔

(۹۰) **حضرت خضرؑ کی شرائط** یعنی کوئی بات اگر بظاہر ناحق نظر آئے تو مجھ سے فوراً باز پرس نہ کرنا، جب تک میں خود اپنی طرف سے کہنا شروع نہ کروں

(۹۱) **کشتی کا واقعہ** جب اُس کشتی پر چڑھنے لگے ناؤ والوں نے خضر کو پہچان کر مفت سوار کر لیا۔ اس احسان کا بدلہ یہ نقصان دیکھ موسیٰ کو اور زیادہ تعجب ہوا۔ لیکن کشتی پوری طرح کنارہ کے قریب پہنچ کر توڑی۔ لوگ ڈوبنے سے بچ گئے اور توڑنا یہ تھا کہ ایک تختہ نکال ڈالا۔ گویا عیب دار کر دی۔

(۹۲) **حضرت موسیٰؑ کا اعتراض** یعنی اگر بھول چوک پر بھی گرفت کرو گے تو میرا تمہارے ساتھ رہنا مشکل ہو جائیگا۔ یہ پہلا پوچھنا حضرت موسیٰ سے بھول کر ہوا۔ اور دوسرا اقرار کرنے کو اور تیسرا رخصت ہونے کو۔

(۹۳) **لڑکے کا قتل** ایک گاؤں کے قریب چند لڑکے کھیل رہے تھے۔ اُن میں سے ایک کو جو زیادہ خوبصورت اور سیانا تھا پکڑ کر مار ڈالا۔ اُدھر چل کھڑے ہوئے بعض روایات میں اُس کا نام جیسور آیا ہے۔ وہ لڑکا بالغ تھا یا نہیں ؟ بعض کا قول ہے کہ بالغ تھا اور لفظ غلام عدم بلوغ پر دلالت نہیں کرتا۔ لیکن جمہور مفسرین اُس کو نابالغ ہی بیان کرتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

(۹۴) **حضرت موسیٰ کا دوسرا اعتراض** یعنی بے گناہ۔ جب تک لڑکا بالغ نہ ہو اُس پر کچھ گناہ نہیں۔ یہ لفظ بظاہر اس کے نابالغ ہونے تائید کرتا ہے۔ اگرچہ دوسروں کے لئے تاویل کی گنجائش ہے۔

(۹۵) یعنی اوّل تو نابالغ قصاص میں بھی قتل نہیں کیا جا سکتا۔ اس پر مزید یہ کہ یہاں قصاص کا بھی کوئی قصّہ نہ تھا۔ پھر اس سے بڑھ کر نامعقول بات کونسی ہوگی۔

قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِىَ صَبْرًا ﴿۷۵﴾ قَالَ اِنْ سَاَلْتُكَ عَنْ شَىْءٍۢ بَعْدَهَا

بولا میں نے تجھ کو نہ کہا تھا کہ تو نہ ٹھہر سکے گا میرے ساتھ ف۹۶ کہا اگر تجھ سے پوچھوں کوئی چیز اس کے بعد

فَلَا تُصٰحِبْنِىْ ۚ قَدْ بَلَغْتَ مِنْ لَّدُنِّىْ عُذْرًا ﴿۷۶﴾ فَانْطَلَقَا ٚ حَتّٰٓى اِذَآ اَتَيَآ اَهْلَ قَرْيَةِ ِۨ اسْتَطْعَمَآ

تو مجھ کو ساتھ نہ رکھیو تو اتار چکا میری طرف سے الزام ف۹۷ پھر دونوں چلے یہاں تک کہ جب پہنچے ایک گاؤں کے لوگوں تک کھانا چاہا

اَهْلَهَا فَاَبَوْا اَنْ يُّضَيِّفُوْهُمَا فَوَجَدَا فِيْهَا جِدَارًا يُّرِيْدُ اَنْ يَّنْقَضَّ فَاَقَامَهٗ ؕ قَالَ لَوْ شِئْتَ

وہاں کے لوگوں سے انہوں نے نہ مانا کہ انکو مہمان رکھیں پھر پائی وہاں ایک دیوار جو گرا چاہتی تھی اسکو سیدھا کردیا ف۹۸ بولا موسیٰ اگر تو چاہتا

لَتَّخَذْتَ عَلَيْهِ اَجْرًا ﴿۷۷﴾ قَالَ هٰذَا فِرَاقُ بَيْنِىْ وَبَيْنِكَ ۚ سَاُنَبِّئُكَ بِتَاْوِيْلِ مَا لَمْ تَسْتَطِعْ عَّلَيْهِ

تو لے لیتا اس پر مزدوری ف۹۹ کہا اب جدائی ہے میرے اور تیرے بیچ اب جتلائے دیتا ہوں تجھ کو پھیر ان باتوں کا جس پر تو صبر نہ

صَبْرًا ﴿۷۸﴾ اَمَّا السَّفِيْنَةُ فَكَانَتْ لِمَسٰكِيْنَ يَعْمَلُوْنَ فِى الْبَحْرِ فَاَرَدْتُّ اَنْ اَعِيْبَهَا وَكَانَ وَرَآءَهُمْ

کرسکا ف۱۰۰ وہ جو کشتی تھی سو چند محتاجوں کی جو محنت کرتے تھے دریا میں ف۱۰۱ سو میں نے چاہا کہ اس میں عیب ڈالدوں اور ان کے پرے تھا

مَّلِكٌ يَّاْخُذُ كُلَّ سَفِيْنَةٍ غَصْبًا ﴿۷۹﴾ وَاَمَّا الْغُلٰمُ فَكَانَ اَبَوٰهُ مُؤْمِنَيْنِ فَخَشِيْنَآ اَنْ يُّرْهِقَهُمَا طُغْيَانًا

ایک بادشاہ جو لے لیتا تھا ہر کشتی کو چھین کر ف۱۰۲ اور وہ جو لڑکا تھا سو اس کے ماں باپ تھے ایمان والے پھر ہم کو اندیشہ ہوا کہ ان کو عاجز کردے زبردستی

وَّكُفْرًا ﴿۸۰﴾ فَاَرَدْنَآ اَنْ يُّبْدِلَهُمَا رَبُّهُمَا خَيْرًا مِّنْهُ زَكٰوةً وَّاَقْرَبَ رُحْمًا ﴿۸۱﴾

اور کفر کرکر ف۱۰۳ پھر ہم نے چاہا کہ بدلہ دے ان کو انکا رب بہتر اس سے پاکیزگی میں اور نزدیک تر شفقت میں ف۱۰۴

(۹۶) کیونکہ ایسے حالات وواقعات دیکھنے میں آئیں گے جن پر تم خاموشی کے ساتھ صبر نہیں کرسکو گے۔ آخر وہی ہوا۔

(۹۷) **حضرت موسیٰؑ کی آخری درخواست** | حضرت موسیٰؑ کو اندازہ ہوگیا کہ خضر کے تحیر خیز حالات وواقعات کا چپ چاپ مشاہدہ کرتے رہنا بہت ٹیڑھی کھیر ہے۔ اس لیئے آخری بات کہہ دی کہ اس مرتبہ اگر سوال کروں تو آپ مجھے اپنے ساتھ نہ رکھیں ایسا کرنے میں آپ معذور ہوں گے اور میری طرف سے کوئی الزام آپ پر عائد نہیں ہوسکتا کیونکہ تین مرتبہ موقع دے کر آپ حجت تمام کرچکے۔

(۹۸) **دیوار سیدھا کرنے کا واقعہ** | یعنی ایک بستی میں پہنچ کر وہاں کے لوگوں سے ملے اور چاہا کہ بستی والے مہمان سمجھ کر کھانا کھلائیں۔ مگر یہ سعادت اُن کی قسمت میں نہ تھی، انہوں نے موسیٰؑ وخضر جیسے مقربین کی مہمانی سے انکار کردیا۔ یہ معاملہ دیکھ کر چاہئے تھا کہ ایسے تنگ دل اور بے مروت لوگوں پر غصہ آتا، مگر حضرت خضر علیہ السلام نے غصہ کی بجائے اُن پر احسان کیا۔ بستی میں ایک بڑی بھاری دیوار جھکی ہوئی تھی قریب تھا کہ زمین پر آرہے۔ لوگ اس کے نیچے گزرتے ہوئے خوف کھاتے تھے۔ حضرت خضر علیہ السلام نے ہاتھ لگا کر سیدھی کردی اور منہدم ہونے سے بچالیا۔ (تنبیہ) حَتّٰٓى اِذَآ اَتَيَآ اَهْلَ قَرْيَةٍ میں "اہل" کا لفظ شاید اس لیئے لائے کہ بستی میں اُن کا آنا محض مرور وعبور کے طور پر نہ تھا، نہ یہ صورت تھی کہ باشندگان شہر سے علیحدہ کسی سرائے وغیرہ میں جا اترے ہوں، بلکہ قصد کرکے شہر والوں سے ملے۔ اور "اِسْتَطْعَمَآ اَهْلَهَا" میں

۱؎ اُس میں۔

دوبارہ لفظ "اہل" کی تصریح اُن کی مزید تقبیح کے لئے ہے۔ یعنی جن سے مہمانی چاہی تھی وہ اہل قریہ تھے کوئی پردیسی مسافر نہ تھے جو یہ عذر کر سکیں کہ ہمارا گھر یہاں نہیں، مہمانداری کیسے کریں۔

(۹۹) **حضرت موسیٰؑ کا تیسرا اعتراض** یعنی بستی والوں نے مسافر کا حق نہ سمجھا کہ مہمانی کریں، اُن کی دیوار مُفت بنا دینے کی کیا ضرورت تھی اگر کچھ معاوضہ لے کر دیوار سیدھی کرتے تو ہمارا کھانے پینے کا کام چلتا اور ان تنگ دل بخیلوں کو ایک طرح کی تنبیہ ہو جاتی، شاید اپنی بداخلاقی اور بے مروتی پر شرماتے۔

(۱۰۰) یعنی حسب وعدہ اب مجھ سے علیحدہ ہو جایئے، آپ کا نباہ میرے ساتھ نہیں ہو سکتا۔ لیکن جُدا ہونے سے پہلے چاہتا ہوں کہ ان واقعات کے پوشیدہ اسرار کھول دوں۔ جن کے چکّر میں پڑ کر آپ صبر و ضبط کی شان قائم نہ رکھ سکے۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ "اس مرتبہ موسیٰ نے جان کر پوچھا رخصت ہونے کو۔ سمجھ لیا کہ یہ علم میرے ڈھب کا نہیں۔ حضرت موسیٰ کا علم وہ تھا جس کی خلقت پیروی کرے تو اُن کا بھلا ہو۔ حضرت خضر کا علم وہ تھا کہ دوسروں سے اُس کی پیروی بن نہ آوے۔

(۱۰۱) یعنی دریا میں محنت مزدوری کر کے پیٹ پالتے تھے۔

(۱۰۲) یعنی جدھر کشتی جانے والی تھی اُس طرف ایک ظالم بادشاہ جو اچھّی کشتی دیکھتا چھین لیتا، یا بیگار میں پکڑ لیتا تھا۔ میں نے چاہا کہ عیب دار کر دوں، تا اُس ظالم کی دستبرد سے محفوظ رہے اور ٹوٹی ہوئی خراب کشتی سمجھ کر کوئی تعرض نہ کرے۔ بعض آثار میں ہے کہ خطرہ کی مقام سے آگے نکل کر پھر حضرت خضر نے کشتی اپنے ہاتھ سے درست کر دی۔

(۱۰۳) **لڑکے کے قتل کی حکمت** گو اصل فطرۃ سے ہر بچہ مسلمان پیدا ہوتا ہے مگر آگے چل کر خارجی اثرات سے بچپن ہی میں بعض کی بنیاد بُری پڑ جاتی ہے جس کا پورا یقینی علم تو خدا تعالیٰ کو ہوتا ہے تاہم کچھ آثار اہل بصیرت کو بھی نظر آنے لگتے ہیں۔ اس لڑکے کی نسبت اللہ تعالیٰ نے حضرت خضر کو آگاہ فرما دیا کہ اس کی بنیاد بُری پڑی تھی۔ بڑا ہوتا تو موذی اور بدراہ ہوتا اور ماں باپ کو بھی اپنے ساتھ لے ڈوبتا۔ وہ اس کی محبت میں کافر بن جاتے، اس طرح لڑکے کا مارا جانا والدین کے حق میں رحمت اور ان کی حفاظت کا ذریعہ بن گیا۔ خدا کو منظور تھا کہ اس کے ماں باپ ایمان پر قائم رہیں، حکمت الٰہیہ مقتضی ہوئی کہ آنے والی رکاوٹ اُن کی راہ سے دور کر دی جائے، خضر کو حکم دیا کہ لڑکے کو قتل کر دو۔ اُنہوں نے خدا کی وحی پا کر امتثال امر کیا اب یہ سوال کرنا کہ لڑکے کو پیدا ہی نہ کرتے یا کرتے تو اس کو اس قدر شریر نہ ہونے دیتے، یا جہاں لاکھوں کافر دنیا میں موجود ہیں اس کے والدین کو بھی کافر بن جانے دیتے۔ یا جن بچوں کی بنیاد ایسی پڑے کم از کم پیغمبروں کو اُن سب کی فہرست دے کر قتل کرا دیا کرتے۔ ان باتوں کا اجمالی جواب تو یہ ہے۔ "لَا یُسْـَٔلُ عَمَّا یَفْعَلُ وَھُمْ یُسْـَٔلُوْنَ" (انبیاء رکوع ۲) اور تفصیلی جواب کے لئے مسئلہ "خلق خیر و شر" پر مبسوط کلام کرنے کی ضرورت ہے جو ان مختصر فوائد میں سما نہیں سکتا ہاں اتنا یاد رہے کہ دنیا میں ہر شخص سے جو اللہ کو "خالق الکل" اور "علیم" و "حکیم" مانتا ہو، تکوینیات کے متعلق اسی قسم کے ہزاروں سوالات کئے جا سکتے ہیں جن کا جواب کسی کے پاس بجز اعتراف عجز و قصور کے کچھ نہیں۔ یہاں خضر کے ذریعہ سے اسی کا ایک نمونہ دکھلانا تھا کہ خدا تعالیٰ کی حکمتوں اور مصالح تکوینیہ کا کوئی احاطہ نہیں کر سکتا۔ کبھی صورت واقعہ بظاہر دیکھنے میں خراب اور قبیح یا بے موقع معلوم ہوتی ہے لیکن جسے واقعہ کی اندرونی گہرائیوں کا علم ہو وہ سمجھتا ہے کہ اس میں بہت سی حکمتیں پوشیدہ ہیں۔ خضر نے مسکینوں کی کشتی کا تختہ توڑ دیا، حالانکہ انہوں نے احسان کیا تھا کہ بلا اُجرت دونوں کو سوار کر لیا۔ ایک کھیلتے ہوئے بچہ کو مار ڈالا جو بظاہر نہایت قبیح حرکت نظر آتی تھی۔ دیوار سیدھی کر کے اس بستی والوں پر احسان کیا جو نہایت بے مروتی سے پیش آئے تھے۔ اگر خود خضر علیہ السلام آخر میں اپنے ان افعال کی توجیہات بیان نہ کرتے تو ساری دنیا آج تک ورطہ حیرت میں پڑی رہتی، یا خضر کو ہدف طعن و

تشنیع بنائے رکھتی۔ العیاذ باللہ۔ ان ہی مثالوں سے حق تعالیٰ کے افعال اور انکی حکمتوں کا اندازہ کرلو۔

(۱۰۴) یعنی لڑکے کے مارے جانے سے اُس کے والدین کا ایمان محفوظ ہوگیا اور جو صدمہ اُنکو پہنچا۔ حق تعالیٰ چاہتا ہے کہ اس کی تلافی ایسی اولاد سے کردے جو اخلاقی پاکیزگی میں مقتول لڑکے سے بہتر ہو۔ ماں باپ اس پر شفقت کریں، وہ ماں باپ کے ساتھ محبت و تعظیم اور حُسن سلوک سے پیش آئے کہتے ہیں اُس کے بعد خدا تعالیٰ نے نیک لڑکی دی جو ایک نبی سے منسوب ہوئی اور ایک نبی اس سے پیدا ہوئے جس سے ایک اُمت چلی۔

وَاَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلٰمَيْنِ يَتِيْمَيْنِ فِي الْمَدِيْنَةِ وَكَانَ تَحْتَهٗ كَنْزٌ لَّهُمَا وَكَانَ اَبُوْهُمَا

اور وہ جو دیوار تھی سو دو یتیم لڑکوں کی تھی اس شہر میں اور اُسکے نیچے مال گڑا تھا اُن کا اور اُن کا باپ تھا

صَالِحًا ۚ فَاَرَادَ رَبُّكَ اَنْ يَّبْلُغَآ اَشُدَّهُمَا وَيَسْتَخْرِجَا كَنْزَهُمَا ۖ رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ۚ وَمَا فَعَلْتُهٗ

نیک پھر چاہا تیرے رب نے کہ وہ پہنچ جائیں اپنی جوانی کو اور نکالیں اپنا مال گڑا ہوا ف۱۰۵ مہربانی سے تیرے رب کی اور میں نے یہ نہیں کیا

عَنْ اَمْرِيْ ۭ ذٰلِكَ تَاْوِيْلُ مَا لَمْ تَسْطِعْ عَّلَيْهِ صَبْرًا ۝۸۲ۭ وَيَسْــَٔـلُوْنَكَ عَنْ ذِي الْقَرْنَيْنِ ۭ ع ۱۰

اپنے حکم سے ف۱۰۶ یہ ہے پھیر اُن چیزوں کا جن پر تو صبر نہ کر سکا اور تجھ سے پوچھتے ہیں ذوالقرنین کو

قُلْ سَاَتْلُوْا عَلَيْكُمْ مِّنْهُ ذِكْرًا ۝۸۳ۭ اِنَّا مَكَّنَّا لَهٗ فِي الْاَرْضِ وَاٰتَيْنٰهُ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ سَبَبًا ۝۸۴ۙ

کہہ اب پڑھتا ہوں تمہارے آگے اُس کا کچھ احوال ہمنے اس کو جمایا تھا ملک میں اور دیا تھا ہمنے اُسکو ہر چیز کا سامان ف۱۰۷

فَاَتْبَعَ سَبَبًا ۝۸۵ حَتّٰٓي اِذَا بَلَغَ مَغْرِبَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَغْرُبُ فِيْ عَيْنٍ حَمِئَةٍ وَّوَجَدَ

پھر پیچھے پڑا ایک سامان کے ف۱۰۸ یہاں تک کہ جب پہنچا سورج ڈوبنے کی جگہ پایا کہ وہ ڈوبتا ہے ایک دلدل کی ندی میں ف۱۰۹ اور پایا اس

عِنْدَهَا قَوْمًا ڛ قُلْنَا يٰذَا الْقَرْنَيْنِ اِمَّآ اَنْ تُعَذِّبَ وَاِمَّآ اَنْ تَتَّخِذَ فِيْهِمْ حُسْنًا ۝۸۶ قَالَ اَمَّا

کے پاس لوگوں کو[1] ہمنے کہا اے ذوالقرنین یا تو تو لوگوں کو تکلیف دے اور یا رکھ اُن میں خوبی ف۱۱۰ بولا جو کوئی

مَنْ ظَلَمَ فَسَوْفَ نُعَذِّبُهٗ ثُمَّ يُرَدُّ اِلٰى رَبِّهٖ فَيُعَذِّبُهٗ عَذَابًا نُّكْرًا ۝۸۷

ہوگا بے انصاف سو ہم اُس کو سزا دینگے پھر لوٹ جائیگا اپنے رب کے پاس وہ عذاب دیگا اُس کو بُرا عذاب

(۱۰۵) **دیوار سیدھا کرنے کی حکمت** یعنی اگر دیوار گر پڑتی تو یتیم بچوں کا جو مال وہاں گڑا ہوا تھا ظاہر ہو جاتا اور بدنیت لوگ اُٹھا لیتے۔ بچوں کا باپ مرد صالح تھا۔ اس کی نیکی کی رعایت سے حق تعالیٰ کا ارادہ ہوا کہ بچوں کے مال کی حفاظت کی جائے میں نے اُس کے حکم سے دیوار سیدھی کردی کہ بچے جوان ہوکر باپ کا خزانہ پا سکیں کہتے ہیں اُس خزانہ میں دوسرے اموال کے علاوہ ایک سونے کی تختی تھی جس پر "محمد رسول اللہ" (صلی اللہ علیہ وسلم) لکھا ہوا تھا۔

(۱۰۶) یعنی جو کام خدا کے حکم سے کرنا ضروری ہوا اس پر مزدوری لینا مقربین کا کام نہیں (تنبیہ) اس قصہ کے شروع میں حضرت خضر کی نبوت وولایت کے متعلق جو کچھ ہم لکھ چکے ہیں اُس کو بیک نظر پھر مطالعہ کرلیا جائے۔ آگے ذوالقرنین کا قصہ آتا ہے۔ یہ بھی اُن تین چیزوں میں سے

[1] ایک قوم کو۔

تھا جن کی نسبت یہود کے مشورہ سے قریش نے سوالات کیئے تھے۔ "روح" کے متعلق جواب سورہ "بنی اسرائیل" میں گذر چکا۔ اصحاب کہف کا قصہ اسی سورت "کہف" میں آچکا۔ تیسری چیز آگے مذکور ہے۔

(۱۰۷) **ذوالقرنین کا واقعہ** اس بادشاہ کو "ذوالقرنین" اس لیئے کہتے ہیں کہ دنیا کے دونوں کناروں (مشرق و مغرب) پر پھر گیا تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ لقب اسکندر رومی کا ہے اور بعض کے نزدیک کوئی مقبول خدا پرست اور دیندار بادشاہ اس سے پہلے گذرا ہے۔ حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں متعدد وجوہ دلائل سے اسی دوسرے قول کو ترجیح دی ہے مجموعہ روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ ذوالقرنین ابراہیم علیہ السلام کا معاصر تھا اور اُن کی دعاء کی برکت سے حق تعالیٰ نے خارق عادت سامان و وسائل عطا فرمائے تھے۔ جن کے ذریعہ سے اُس کو مشرق و مغرب کے سفر اور محیر العقول فتوحات پر قدرت حاصل ہوئی۔ حضرت خضر اُس کے وزیر تھے، شاید اسی لیئے قرآن نے خضر کے قصّہ کے ساتھ اُس کا قصہ بیان فرمایا۔ قدیم شعرائے عرب نے اپنے اشعار میں "ذوالقرنین" کا نام بڑی عظمت سے لیا ہے اور اس کے عرب ہونے پر فخر کرتے رہے ہیں اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ذوالقرنین عہد تاریخی سے پہلے کا کوئی جلیل القدر عرب بادشاہ ہے۔ شاید اسکندر کو بھی اُسی کی ایک گونہ مشابہت سے ذوالقرنین کہنے لگے ہوں۔ حال میں یورپ کے ماہرین آثارِ قدیمہ نے قدیم سامی عربوں کی متعدد عظیم الشان سلطنتوں کا سُراغ لگایا ہے جن کا تاریخی اوراق میں کوئی مفصل تذکرہ موجود نہیں۔ بلکہ بعض ممتاز و مشہور سلاطین کا نام تک کتب تاریخ میں نہیں ملتا۔ مثلاً بادشا "حمورابی" جو اغلباً حضرت ابراہیم کے عہد میں ہوا ہے اور جس کو کہا گیا ہے کہ دنیا کا سب سے پہلا مقنن تھا، اُسکے قوانین منارہ بابل پر کندہ ملے ہیں۔ جن کا ترجمہ انگریزی میں شائع ہو گیا ہے۔ پُرانے کتبات سے اس کی عجیب و غریب عظمت ثابت ہوتی ہے۔ بہر حال "ذوالقرنین" ان ہی میں کا کوئی بادشاہ ہوگا۔

(۱۰۸) یعنی سرانجام کرنے لگا ایک سفر کا۔

(۱۰۹) **مشرق و مغرب کا سفر** یعنی یوں نظر آیا جیسے سمندر میں سفر کرنے والوں کو معلوم ہوتا ہے کہ سورج پانی میں سے نکل رہا ہے اور پانی ہی میں ڈوبتا ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "ذوالقرنین" کو شوق ہوا کہ دیکھے دنیا کی آبادی کہاں تک بسی ہے۔ سو مغرب کی طرف اُس جگہ پہنچا کہ دلدل تھی نہ گذر آدمی کا نہ کشتی کا۔ اللہ کے ملک کی حد نہ پا سکا۔"

(۱۱۰) **ذوالقرنین کو ایک قوم پر اختیار** یعنی "ذوالقرنین" کو اُن لوگوں پر ہم نے دونوں بات کی قدرت دی جیسا کہ ہر بادشاہ ہر حاکم کو نیک و بد کی قدرت ملتی ہے چاہے خلق کو ستا کر بدنام ہو چاہے عدل و انصاف اور نیکی اختیار کر کے اپنا ذکر خیر جاری رکھے یا یہ مطلب ہے کہ وہ لوگ کافر تھے، ہم نے ذوالقرنین کو اختیار دیا کہ چاہے اُن کو قتل کر دے یا پہلے اسلام کی طرف دعوت دے۔ ذوالقرنین نے دوسری شق اختیار کی۔

وَاَمَّا مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهٗ جَزَآءَ ۨالْحُسْنٰى ۚ وَسَنَقُوْلُ لَهٗ مِنْ اَمْرِنَا يُسْرًا ﴿۸۸﴾ ثُمَّ اَتْبَعَ

اور جو کوئی یقین لایا اور کیا اُس نے بھلا کام سو اُس کا بدلہ بھلائی ہے اور ہم حکم دینگے اُس کو اپنے کام میں آسانی ف۱۱۱ پھر لگا ایک سامان

سَبَبًا ﴿۸۹﴾ حَتّٰٓى اِذَا بَلَغَ مَطْلِعَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَطْلُعُ عَلٰى قَوْمٍ لَّمْ نَجْعَلْ لَّهُمْ مِّنْ دُوْنِهَا

کے پیچھے ف۱۱۲ یہانتک کہ جب پہنچا سورج نکلنے کی جگہ پایا اُس کو کہ نکلتا ہے ایک قوم پر کہ نہیں بنا دیا ہمنے اُنکے لئے آفتاب سے ورے

سِتْرًا ﴿۹۰﴾ كَذٰلِكَ ۭ وَقَدْ اَحَطْنَا بِمَا لَدَيْهِ خُبْرًا ﴿۹۱﴾ ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا ﴿۹۲﴾ حَتّٰٓى اِذَا بَلَغَ بَيْنَ السَّدَّيْنِ

کوئی حجاب ف۱۱۳ یونہی ہے اور ہمارے قابو میں آچکی ہے جو اس کے پاس کی خبر ف۱۱۴ پھر لگا ایک سامان کے پیچھے ف۱۱۵ یہاں تک کہ جب پہنچا دو پہاڑوں کے بیچ

لہ کہیں گے۔ لہ اوٹ۔

وَجَدَ مِن دُونِهِمَا قَوْمًا لَّا يَكَادُونَ يَفْقَهُونَ قَوْلًا ﴿٩٣﴾ قَالُوا يَا ذَا الْقَرْنَيْنِ إِنَّ يَأْجُوجَ

پائے اُن سے ورے ایسے لوگ جو لگتے نہیں کہ سمجھیں ایک بات ف۱۱۶ بولے اے ذوالقرنین یہ یاجوج

وَمَأْجُوجَ مُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ فَهَلْ نَجْعَلُ لَكَ خَرْجًا عَلَىٰ أَن تَجْعَلَ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمْ سَدًّا ﴿٩٤﴾

و ماجوج دھوم اُٹھاتے ہیں ملک میں سو تو کہے تو ہم مقرر کردیں تیرے واسطے کچھ محصول اس شرط پر کہ بنادے تو ہم میں اُن میں ایک آڑ ف۱۱۷

قَالَ مَا مَكَّنِّي فِيهِ رَبِّي خَيْرٌ فَأَعِينُونِي بِقُوَّةٍ أَجْعَلْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ رَدْمًا ﴿٩٥﴾ آتُونِي زُبَرَ الْحَدِيدِ ۖ حَتَّىٰ

بولا جو مقدور دیا مجھ کو میرے رب نے وہ بہتر ہے سو مدد کرو میری محنت میں بنادوں تمہارے اُنکے بیچ ایک دیوار موٹی ف۱۱۸ لادو مجھ کو تختے لوہے کے یہانتک کہ

إِذَا سَاوَىٰ بَيْنَ الصَّدَفَيْنِ قَالَ انفُخُوا ۖ حَتَّىٰ إِذَا جَعَلَهُ نَارًا قَالَ آتُونِي أُفْرِغْ عَلَيْهِ قِطْرًا ﴿٩٦﴾ فَمَا

جب برابر کر دیا دونوں پھانکوں تک پہاڑ کی کہا دھونکو یہانتک کہ جب کر دیا اُس کو آگ کہا لاؤ میرے پاس کہ ڈالوں اُس پر پگھلا ہوا تانبا ف۱۱۹ پھر نہ

اسْطَاعُوا أَن يَظْهَرُوهُ وَمَا اسْتَطَاعُوا لَهُ نَقْبًا ﴿٩٧﴾ قَالَ هَٰذَا رَحْمَةٌ مِّن رَّبِّي ۖ فَإِذَا جَاءَ وَعْدُ رَبِّي

چڑھ سکیں اُس پر اور نہ کر سکیں اُس میں سوراخ ف۱۲۰ بولا یہ ایک مہربانی ہے میرے رب کی پھر جب آئے وعدہ میرے رب کا

جَعَلَهُ دَكَّاءَ ۖ وَكَانَ وَعْدُ رَبِّي حَقًّا ﴿٩٨﴾ وَتَرَكْنَا بَعْضَهُمْ يَوْمَئِذٍ يَمُوجُ فِي بَعْضٍ ۖ وَنُفِخَ فِي الصُّورِ

گرادے اُس کو ڈھاکر اور ہے وعدہ میرے رب کا سچا ف۱۲۱ اور چھوڑ دینگے ہم خلق کو اُس دن ایک دوسرے میں گھستے اور پھونک ماریں گے صور میں

فَجَمَعْنَاهُمْ جَمْعًا ﴿٩٩﴾ وَعَرَضْنَا جَهَنَّمَ يَوْمَئِذٍ لِّلْكَافِرِينَ عَرْضًا ﴿١٠٠﴾

پھر جمع کر لائیں گے ہم اُن سب کو اور دکھلادیں ہم دوزخ اس دن کافروں کو سامنے ف۱۲۲

(۱۱۱) یعنی آخرت میں بھلائی ملیگی اور دنیا میں ہم اُس پر سختی نہ کریں گے بلکہ اپنے کام کے لئے جب کوئی بات اُس سے کہیں گے، سہولت اور نرمی کی کہیں گے۔ فی الحقیقت جو بادشاہ عادل ہو اُس کی یہی راہ ہوتی ہے۔ بُروں کو سزا دے اور بھلوں سے نرمی کرے۔ ذوالقرنین نے یہی چال اختیار کی۔

(۱۱۲) **مشرق کا سفر** یعنی مغربی سفر سے فارغ ہو کر مشرقی سفر کا سامان درست کرنے لگا۔ قرآن و حدیث میں یہ تصریح نہیں کہ ذوالقرنین کے یہ سب سفر فتوحات اور ملک گیری کے لئے تھے ممکن ہے محض سیر و سیاحت کے طور پر ہوں، اثنائے سفر میں اُن اقوام پر بھی گزر ہوا ہو جو اُس کے زیر حکومت آچکی تھیں اور بعض اقوام نے ایک طاقتور بادشاہ سمجھ کر ظالموں کے مقابلہ میں فریاد کی ہو۔ جس کا ذوالقرنین نے اپنی غیر معمولی قوت سے سدباب کر دیا۔ جیسا کہ آگے "یاجوج ماجوج" کے قصہ میں آتا ہے۔ واللہ اعلم۔

(۱۱۳) **مشرق کی ایک وحشی قوم** یعنی انتہائے مشرق میں ایک ایسی قوم دیکھی جن کو آفتاب کی شعاعیں بے روک ٹوک پہنچتی تھیں یہ لوگ وحشی جانگلو ہونگے۔ گھر بنانے اور چھت ڈالنے کا اُن میں دستور نہ ہوگا۔ جیسے اب بھی بہت سی خانہ بدوش وحشی اقوام میں رواج نہیں ہے

(۱۱۴) یعنی ذوالقرنین کے سفر مشرق و مغرب کی جو کیفیت بیان کی گئی واقع میں اسی طرح ہے۔ جو وسائل اُس کے پاس تھے اور جو حالات وہاں پیش آئے اُن سب پر ہمارا علم محیط ہے تاریخ والے شاید اس جگہ کچھ اور کہتے ہوں گے اور فی الحقیقت اتنا ہے جو فرما دیا۔ بعض مفسرین نے "کذالک" کا مطلب یہ لیا ہے کہ ذوالقرنین نے مغربی قوم کے متعلق جو روش اختیار کی تھی ویسی ہی اس مشرقی قوم کے ساتھ اختیار کی۔ واللہ اعلم

لـہ خرابی کرتے ہیں۔

(۱۱۵) **تیسرا سفر** یہ تیسرا سفر مشرق و مغرب کے سوا کسی تیسری جہت میں تھا۔ مفسرین عموماً اس کو شمالی سفر کہتے ہیں قرآن و حدیث میں یہ تصریح نہیں۔

(۱۱۶) **ایک قوم کی درخواست** یعنی ذوالقرنین اور اُس کے ساتھیوں کی بولی وہ لوگ نہیں سمجھتے تھے۔ آگے جو گفتگو نقل کی گئی ہے غالباً کسی ترجمان کے ذریعہ سے ہوئی ہوگی۔ اور ترجمان کسی درمیانی قوم میں کا ہوگا۔ جو دونوں کی زبان قدرے سمجھتا ہو۔ (تنبیہ) اس قوم اور "یاجوج ماجوج" کے ملک میں یہ دو پہاڑ حائل تھے جن پر چڑھائی ممکن نہ تھی۔ البتہ دونوں پہاڑوں کے بیچ میں ایک درّہ کھلا ہوا تھا اُسی سے "یاجوج ماجوج" آتے اور ان لوگوں کو لوٹ مار کر چلے جاتے تھے۔

(۱۱۷) **یاجُوج ماجُوج کی قوم** ذوالقرنین کے غیر معمولی اسباب و وسائل اور قوت و حشمت کو دیکھ کر انہیں خیال ہوا کہ ہماری تکالیف و مصائب کا سدّباب اس سے ہو سکے گا۔ اس لئے گذارش کی کہ "یاجوج ماجوج" نے ہمارے ملک میں اودھم مچا رکھی ہے۔ یہاں آکر قتل و غارت اور لوٹ مار کرتے رہتے ہیں۔ آپ اگر ہمارے اور اُن کے درمیان کوئی مضبوط روک قائم کر دیں جس سے ہماری حفاظت ہو جائے تو جو کچھ اُس پر خرچ آئے ہم ادا کرنے کو تیار ہیں۔ چاہے آپ ٹیکس لگا کر ہم سے وصول کر لیں۔ (تنبیہ) "یاجوج ماجوج" کون ہیں؟ کس ملک میں رہتے ہیں؟ ذوالقرنین کی بنائی ہوئی سدّ (آہنی دیوار) کہاں ہے؟ یہ وہ سوالات ہیں جن کے متعلق مفسرین و مورخین کے اقوال مختلف رہے ہیں۔

ایک برزخی مخلوق میرا خیال یہ ہے (واللّٰہ اعلم) کہ یاجوج ماجوج کی قوم عام انسانوں اور جنات کے درمیان ایک برزخی مخلوق ہے اور جیسا کہ کعب احبار نے فرمایا اور نووی نے فتاویٰ میں جمہور علماء سے نقل کیا ہے اُنکا سلسلۂ نسب باپ کی طرف سے آدم علیہ السلام پر منتہی ہوتا ہے مگر ماں کی طرف سے حوّا تک نہیں پہنچتا گویا وہ عام آدمیوں کے محض باپ شریک بھائی ہوئے۔ کیا عجب ہے کہ دجال اکبر جسے تمیم داری نے کسی جزیرہ میں مقید دیکھا تھا، اسی قوم میں کا ہو۔ جب حضرت مسیح علیہ السلام جو محض ایک آدم زاد خاتون (مریم صدیقہ) کے بطن سے بتوسط نفخۂ ملکیہ پیدا ہوئے۔ نزول من السماء کے بعد دجال کو ہلاک کر دینگے، اُس وقت یہ قوم یاجوج ماجوج دنیا پر خروج کریگی اور آخر کار حضرت مسیح کی دعاء سے غیر معمولی موت مریگی۔

ذوالقرنین کی آہنی دیوار کہاں ہے؟ اس وقت یہ قوم کہاں ہے اور ذوالقرنین کی دیوار آہنی کس جگہ واقع ہے؟ سو جو شخص اُن سب اوصاف کو پیش نظر رکھیگا جن کا ثبوت اس قوم اور دیوار آہنی کے متعلق قرآن کریم اور احادیث صحیحہ میں ملتا ہے، اُس کو کہنا پڑیگا کہ جن قوموں، ملکوں اور دیواروں کا لوگوں نے رائے سے پتہ دیا ہے، یہ مجموعہ اوصاف ایک میں بھی پایا نہیں جاتا۔ لہٰذا وہ خیالات صحیح معلوم نہیں ہوتے۔ اور احادیث صحیحہ کا انکار یا نصوص کی تاویلات بعیدہ دین کے خلاف ہے۔ رہا مخالفین کا یہ شبہ کہ ہم نے تمام زمین کو چھان ڈالا مگر کہیں اس کا پتہ نہیں ملا۔ اور اسی شبہ کے جواب کے لئے ہمارے مؤلفین نے پتہ بتلانے کی کوشش کی ہے۔ اس کا صحیح جواب وہی ہے جو علامہ آلوسی بغدادی نے دیا ہے کہ ہم کو اس کا موقع معلوم نہیں اور ممکن ہے کہ ہمارے اور اس کے درمیان بڑے بڑے سمندر حائل ہوں اور یہ دعویٰ کرنا کہ ہم تمام خشکی و تری پر محیط ہو چکے ہیں، واجب التسلیم نہیں۔ عقلاً جائز ہے کہ جس طرح اب سے پانسو برس پہلے تک ہم کو چوتھے برّاعظم (امریکہ) کے وجود کا پتہ نہ چلا، اب بھی کوئی پانچواں برّاعظم ایسا موجود ہو تک ہم رسائی حاصل نہ کر سکے ہوں اور تھوڑے دنوں بعد ہم وہاں تک یا وہ لوگ ہم تک پہنچ سکیں سمندر کی دیوار اعظم جو "آسٹریلیا" کے شمال مشرقی ساحل پر واقع ہے۔ آج کل سے برطانوی سائنس داں ڈاکٹر سی، ایم ینگ کے زیر ہدایات اُس کی تحقیقات جاری ہے۔ یہ دیوار ہزار میل سے زیادہ لمبی اور بعض بعض مقامات پر بارہ بارہ میل تک چوڑی اور ہزار فٹ اونچی ہے۔ جس پر بے شمار مخلوق بستی ہے جو مہم اس کام کے لئے روانہ ہوئی تھی حال میں اُس نے اپنی یکسالہ تحقیقات ختم کی ہے جس سے سمندر کے عجیب و غریب اسرار منکشف ہوتے ہیں اور انسان کو حیرت و استعجاب کی ایک نئی دنیا معلوم

ہو رہی ہے۔ پھر کیسے دعویٰ کیا جا سکتا ہے کہ ہم کو خشکی و تری کی تمام مخلوق کے مکمل انکشافات حاصل ہو چکے ہیں۔ بہر حال مخبر صادق نے جس کا صدق دلائل قطعیہ سے ثابت ہے، جب اُس دیوار کی مع اُس کے اوصاف کے خبر دی تو ہم پر واجب ہے کہ تصدیق کریں اور اُن واقعات کے منتظر رہیں جو مشککین و منکرین کے علی الرغم پیش آ کر رہیں گے ؎ سَتُبْدِیْ لَکَ الْاَیَّامُ مَا کُنْتَ جَاهِلًا ﴿ وَیَاْتِیْكَ بِالْاَخْبَارِ مَالَمْ تُزَوِّدٖ۔

(۱۱۸) یعنی مال میرے پاس بہت ہے مگر ہاتھ پاؤں سے ہمارے ساتھ تم بھی محنت کرو۔

(۱۱۹) **دیوار کی تعمیر** اول لوہے کے بڑے بڑے تختوں کی اوپر نیچے تہیں جمائیں۔ جب اُن کی بلندی دونوں پہاڑوں کی چوٹی تک پہنچ گئی، لوگوں کو حکم دیا کہ خوب آگ دھونکو، جب لوہا آگ کی طرح سُرخ ہو کر تپنے لگا۔ اُس وقت پگھلا ہوا تانبا اُوپر سے ڈالا جو لوہے کی درزوں میں بالکل پیوست ہو کر جم گیا اور سب مل کر پہاڑ سا بن گیا۔ یہ سب کام اُس زمانہ میں بظاہر خارق عادت طریقہ سے انجام پائے ہوں گے۔ جسے ذوالقرنین کی کرامت سمجھنا چاہیئے۔ یا ممکن ہے اُس وقت اس قسم کے آلات و اسباب پائے جاتے ہوں جن کا ہمیں اب علم نہیں۔

(۱۲۰) **یاجوج ماجوج دیوار نہیں توڑ سکتے** یعنی حق تعالیٰ نے یاجوج ماجوج کو فی الحال یہ قدرت نہیں دی کہ دیوار پھاند کر یا توڑ کر ادھر نکل آئیں۔

(۱۲۱) **دیوار ٹوٹنے کا وقت** یعنی محض خدا کی مہربانی سے یہ روک قائم ہو گئی اور میعادِ معین تک قائم رہے گی۔ احادیث صحیحہ سے معلوم ہوا کہ حضرت مسیح علیہ السلام کے نزول اور قتل دجّال کے بعد قیامت کے قریب یاجوج ماجوج کے نکلنے کا وعدہ ہے اُس وقت یہ روک ہٹا دی جائیگی۔ دیوار توڑ کر اتنی کثیر تعداد میں نکل پڑیں گے جس کا شمار اللہ کے سوا کسی کو معلوم نہیں۔ دنیا اُن کے مقابلہ سے عاجز ہو گی۔ حضرت مسیح کو حکم ہو گا کہ میرے خاص بندوں کو لے کر "طور" پر چلے جائیں۔ آخر حضرت مسیح علیہ السلام بارگاہ احدیت کی طرف دست دعا دراز کرینگے۔ اس کے بعد یاجوج ماجوج پر ایک غیبی وبا مسلط ہو گی۔ سب ایک دم مر جائیں گے۔ مزید تفصیل کتب حدیث باب "امارات الساعۃ" میں دیکھنی چاہیئے۔

(۱۲۲) **یاجُوج ماجُوج کا خروج** یعنی یاجُوج ماجُوج سمندر کی موجوں کی طرح بیشمار تعداد میں ٹھاٹھیں مارتے ہوئے نکلیں گے۔ یا یہ مطلب ہے کہ شدّت ہول و اضطراب سے ساری مخلوق رَل گڈھ ہو جائیگی۔ جن و انس ایک دوسرے میں گھسنے لگیں گے پھر قیامت کا بگل ہو گا یعنی صور پھونکا جائیگا گے بعد سب خدا کے سامنے میدانِ حشر میں اکٹھے کیے جائیں گے اور دوزخ کافروں کی آنکھوں کے سامنے ہو گا۔ شاید کافروں کی تخصیص اس لیئے کی کہ اصل میں دوزخ اُن ہی کے لیئے تیار کیا گیا ہے اور اُن کی آنکھوں پر دنیا میں پردہ پڑا ہوا تھا۔ اب وہ پردہ اُٹھ گیا۔

الَّذِیْنَ كَانَتْ اَعْیُنُهُمْ فِیْ غِطَآءٍ عَنْ ذِكْرِیْ وَ كَانُوْا لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ سَمْعًا ﴿۱۰۱﴾ اَفَحَسِبَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا ع ۱۱ / ۲

جن کی آنکھوں پر پردہ پڑا تھا میری یاد سے اور نہ سُن سکتے تھے ف۱۲۳ اب کیا سمجھتے ہیں منکر

اَنْ یَّتَّخِذُوْا عِبَادِیْ مِنْ دُوْنِیْۤ اَوْلِیَآءَ ؕ اِنَّاۤ اَعْتَدْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِیْنَ نُزُلًا ﴿۱۰۲﴾ قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ

کہ ٹھہرائیں میرے بندوں کو میرے سوا حمایتی ف۱۲۴ ہم نے تیار کیا ہے دوزخ کو کافروں کی مہمانی ف۱۲۵ تو کہہ ہم بتائیں تم کو

بِالْاَخْسَرِیْنَ اَعْمَالًا ﴿۱۰۳﴾ ؕ اَلَّذِیْنَ ضَلَّ سَعْیُهُمْ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَ هُمْ یَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ یُحْسِنُوْنَ

کن کا کیا ہوا گیا بہت اکارت وہ لوگ جن کی کوشش بھٹکتی رہی دنیا کی زندگی میں اور وہ سمجھتے رہے کہ خوب بناتے ہیں

ف۱ اکارت گئی۔

صُنْعًا ﴿۱۰۴﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ وَلِقَآئِهٖ فَحَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ

کام ف۱۲۶ وہی ہیں جو منکر ہوئے اپنے رب کی نشانیوں سے اور اس کے ملنے سے ف۱۲۷ سو برباد گیا اُن کا کیا ہوا پھر نہ کھڑی کرینگے ہم اُنکے واسطے قیامت کے دن

وَزْنًا ﴿۱۰۵﴾ ذٰلِكَ جَزَآؤُهُمْ جَهَنَّمُ بِمَا كَفَرُوْا وَاتَّخَذُوْٓا اٰيٰتِيْ وَرُسُلِيْ هُزُوًا ﴿۱۰۶﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا

تول ف۱۲۸ یہ بدلہ اُن کا ہے دوزخ اس پر کہ منکر ہوئے اور ٹھہرایا میری باتوں اور میرے رسولوں کو ٹھٹھا ف۱۲۹ جو لوگ ایمان لائے ہیں اور کئے ہیں

الصّٰلِحٰتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنّٰتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا ﴿۱۰۷﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا لَا يَبْغُوْنَ عَنْهَا حِوَلًا ﴿۱۰۸﴾ قُلْ لَّوْ كَانَ

بھلے کام اُن کے واسطے ہے ٹھنڈی چھاؤں کے باغ مہمانی رہا کریں اُن میں نہ چاہیں وہاں سے جگہ بدلنی ف۱۳۰ تو کہہ اگر دریا

الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّيْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّيْ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا ﴿۱۰۹﴾ قُلْ اِنَّمَآ

سیاہی ہو کر لکھے میرے رب کی باتیں بیشک دریا خرچ ہو چکے ابھی نہ پوری ہوں میرے رب کی باتیں اور اگر چہ دوسرا بھی لائیں ہم ویسا ہی اس کی مدد کو ف۱۳۱ تو کہہ میں

اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا

بھی ایک آدمی ہوں جیسے تم حکم آتا ہے مجھ کو کہ معبود تمہارا ایک معبود ہے سو پھر جس کو اُمید ہو ملنے کی اپنے رب سے سو وہ کرے کچھ کام نیک

وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا ﴿۱۱۰﴾

اور شریک نہ کرے اپنے رب کی بندگی میں کسی کو ف۱۳۲

(۱۲۳) **کفار کی حالت** یعنی خود اپنی عقل کی آنکھ برابر بند رکھی کہ قدرت کے نشان دیکھ کر یقین لاتے اور خدا کو یاد کرتے اور ضد سے کسی کی بات نہ سُنی جو دوسرے کے سمجھانے سے سمجھ لیتے۔

(۱۲۴) یعنی کیا منکرین یہ گمان کرتے ہیں کہ میرے خاص بندوں (مسیح، عزیر، رُوح القدس، فرشتوں) کی پرستش کر کے اپنی حمایت میں کھڑا کر لیں گے۔ "كَلَّا سَيَكْفُرُوْنَ بِعِبَادَتِهِمْ وَيَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِمْ ضِدًّا" (ہرگز نہیں! وہ خود تمہاری حرکات سے بیزاری کا اظہار فرمائیں گے اور تمہارے مقابل مدعی بن کر کھڑے ہونگے)۔

(۱۲۵) یعنی اس دھوکہ میں مت رہنا! وہاں تم کو کوئی نہیں پوچھیگا۔ ہاں ہم تمہاری مہمانی کریں گے۔ دوزخ کی آگ اور قسم قسم کے عذاب سے (اعاذنا اللہ منہا)۔

(۱۲۶) **سب سے زیادہ گھاٹے والے طالبین دنیا** یعنی قیامت کے دن سب سے زیادہ خسارہ میں وہ لوگ ہونگے جن کی ساری دوڑ دھوپ دنیا کے لئے تھی۔ آخرت کا کبھی خیال نہ آیا، محض دنیا کی ترقیات اور مادی کامیابیوں کو بڑی معراج سمجھتے رہے (کذا فہم من الموضح) یا یہ مطلب ہے کہ دنیوی زندگی میں جو کام انہوں نے اپنے نزدیک اچھے سمجھ کر کئے تھے خواہ واقع میں اچھے تھے یا نہیں وہ سب کفر کی نحوست سے وہاں بیکار ثابت ہوئے اور تمام محنت برباد گئی۔

(۱۲۷) یعنی نہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کو مانا، نہ خیال کیا کہ کبھی اُس کے سامنے حاضر ہونا ہے۔

(۱۲۸) **کفار کے اعمال کا وزن نہیں کیا جائیگا** کافر کی حسنات مردہ ہیں، اُس ابدی زندگی میں کسی کام کی نہیں۔ اب محض کفریات و سیئات رہ گئیں۔ سو ایک پلہ کیا تلے تولنا تو موازنہ کے لئے تھا۔ موازنہ متقابل چیزوں میں ہوتا ہے یہاں سیئات کے بالمقابل حسنہ کا وجود ہی نہیں، پھر تولنے کا کیا مطلب۔

(۱۲۹) جو ٹھٹھا کرتے تھے اب اس کا مزہ چکھو۔

(۱۳۰) **مومن صالحین پر انعامات** یعنی ہمیشہ رہنے سے اکتائیں گے نہیں۔ ہر دم تازہ بتازہ نعمتیں ملیں گی۔ کبھی خواہش نہ کریں گے کہ ہم کو یہاں سے منتقل کر دیا جائے۔

(۱۳۱) **اللہ کے کلمات بیشمار ہیں** قریش نے یہود کے اشارہ سے رُوح، اصحاب کہف اور ذوالقرنین کے متعلق سوال کیا تھا۔ سورہ ہٰذا کی ابتداء میں "اصحاب کہف" کا اور آخر میں ذوالقرنین کا قصہ جہاں تک موضوع قرآن سے متعلق تھا، بیان فرمایا۔ اور روح کے متعلق سورہ بنی اسرائیل میں فرما دیا۔ "وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا" اب خاتمہ سورۃ پر بتلاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے علم و حکمت کی باتیں بے انتہا ہیں۔ جو باتیں تمہارے ظرف و استعداد اور ضرورت کے لائق بتلائی گئیں، حق تعالیٰ کی معلومات میں سے اتنی بھی نہیں جتنا سمندر میں سے ایک قطرہ۔ فرض کرو اگر بھرے سمندر کا پانی سیاہی بن جائے جس سے خدا کی باتیں لکھنی شروع کیجائیں اُس کے بعد دوسرا اور تیسرا ویسا ہی سمندر اُس میں شامل کرتے رہو تو سمندر ختم ہو جائیں گے، پر خدا کی باتیں ختم نہ ہوں گی یہیں سے سمجھ لو کر قرآن اور دوسری کتب سماویہ کے ذریعہ سے خواہ کتنا ہی وسیع علم بڑی سے بڑی مقدار میں کسی کو دیدیا جائے، علم الٰہی کے سامنے وہ بھی قلیل ہے۔ گوفی حد ذاتہ اُسے کثیر کہہ سکیں۔

(۱۳۲) **پیغمبر کا علم بھی متناہی ہوتا ہے** یعنی میں بھی تمہاری طرح بشر ہوں، خدا نہیں، جو خود بخود ذاتی طور پر تمام علوم و کمالات حاصل ہوں، ہاں اللہ تعالیٰ علوم حقہ اور معارف قدسیہ میری طرف وحی کرتا ہے جن میں اصل اصول علم توحید ہے، اسی کی طرف میں سب کو دعوت دیتا ہوں۔ جس کسی کو اللہ تعالیٰ سے ملنے کا شوق یا اُس کے سامنے حاضر کئے جانے کا خوف ہو اُسے چاہئے کہ کچھ بھلے کام شریعت کے موافق کر جائے اور اللہ تعالیٰ کی بندگی میں ظاہراً و باطناً کسی کو کسی درجہ میں بھی شریک نہ کرے۔ یعنی شرک جلی کی طرح ریا وغیرہ شرک خفی سے بھی بچتا رہے کیونکہ جس عبادت میں غیر اللہ کی شرکت ہو وہ عابد کے مُنہ پر ماری جائیگی۔ "اَللّٰهُمَّ اَعِذْنَا مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا" اس آیت میں اشارہ کر دیا کہ نبی کا علم بھی متناہی اور عطائی ہے، علم خداوندی کی طرح ذاتی اور غیر متناہی نہیں۔ تم سورۃ الکہف بفضل اللہ تعالیٰ ومنہ وللہ الحمد اولاً و آخراً۔

کتابت: منور حسین